مرکزِ انسانیت
شجرۂ طیّبہ
واقعاتِ کربلا
الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی (مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس
Presented by Ziaraat.Com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِO

نام کتاب: مرکزِ انسانیت (حصہ اول و دوم)

مصنف: الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی(مجتہد)
ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

ناشر: عابد حسین

تعداد: 500

طبع: سوم

قیمت: روپے

www.insaaniat.org

التماس!

معزز قارئین! ''مرکزِ انسانیت'' ایک ٹھوس حقیقت کی حامل کتاب ہے۔جس طرح حسینؑ اور حسینیت تمام بنی نوع انسان کو دعوتِ فکر وارتقا دیتے ہیں اُسی طرح یہ کتاب نہ صرف اہلِ تشیّع کوملحوظ رکھتی ہے بلکہ تمام بنی نوع انسان کوملحوظ رکھ کر ایک بین الاقوامی ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔اس تحقیقی کاوش ''مرکزِ انسانیت''میں خانوادہِ رسوؐل اور خانوادہِ ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے متعلق غلط بیانیوں،غلط فہمیوں اور فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔کیونکہ بعد والوں نے ان اظہارات و بیانات و واقعات پرتاویلات کی مقدس چادریں ڈال کرعوام کوفریب دیا اور آج دن تک فریب دے رہے ہیں۔مگر جناب امام حسین علیہ السلام نے ان ازلی وابدی دشمنانِ خدا اور رسوؐل کے چہروں سے اس طرح اسلامی نقاب نوچ کر پیروں سے مسل دی کہ تاویلات وعذرات و اختراعات کا دَم نکل گیا۔''مرکزِ انسانیت''میں وہ تمام اُلجھنیں سلجھائی گئی ہیں جو سرکاری تاریخ وروایات نے صدیوں کی محنت سے پیدا کی تھیں اور جن کی وجہ سے تصویر کا رخ خانوادہ نبوؐت سے ہٹا کر کفارِ قریش کی طرف پھرا رہتا ہے۔کربلا کا سانحہ اور اس کا عنوان اسی محاذ کی خونی داستان ہے۔لہٰذا قاری کے سامنے کربلا کے واقعات آئیں گے تو محض واقعاتِ کربلا سمجھ کر نہ پڑھے بلکہ اسے تاریخ کربلا سمجھتے ہوئے ملاحظہ فرمائے کیونکہ ''مرکزِ انسانیت'' نے تاریخ کربلا پر ڈالے ہوئے تمام سرکاری وقومی مصلحتی پردے اُٹھا کر صحیح حالات مومنین کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔

کتاب ہٰذا میں قرآن کریم کی آیات واحادیثِ معصومینؑ حوالہ کے طور پر درج کی گئی ہیں۔کوئی مسلمان ان میں کمی بیشی کے ارتکاب کا سوچ بھی نہیں سکتا۔اسلئے ہر ممکن کوشش کی گئی ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک رہے۔پھر بھی انسانی و مشینی غلطی کا امکان باقی رہتا ہے۔غلطی کی صورت میں قارئین سے پیشگی معذرت چاہتے ہیں۔اسلئے قارئین ان حوالہ جات کو اپنے اصل مقام پر ملاحظہ فرمائیں اور کوتاہی کے بارے میں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو دور کیا جاسکے ہم قارئین کے تہہ دل سے شکر گزار رہیں گے۔قرآن مجید کی آیات کے حوالہ میں سورۃ کا نمبر اوپر اور آیت کا نمبر نیچے رکھا گیا ہے مثلاً 5/45 میں 5 سورۃ کا نمبر یعنی سورۃ المائدہ اور 45 آیت کا نمبر ہے۔متعلقہ آیت کا حوالہ نہ ملنے پر ایک دو آیت آگے یا پیچھے دیکھ لیں اسلئے کہ بعض مترجمین نے قرآن مجید کے نسخوں میں آیات کے نمبر آگے پیچھے درج کر دیئے ہیں۔حوالہ جات کی کُتب مثلاً اکسیر العبادات فی اسرارالشھادات،تاریخ ارض القرآن،تاریخِ طبری،شہیدِ انسانیت وغیرہ کے حوالہ جات ملاحظہ کرنے کیلئے ایک بات خاص طور پر ملحوظِ خاطر رہے کہ تمام حوالہ جات کیلئے اوائل کے ایڈیشن ملاحظہ فرمائے جائیں۔کیونکہ بعد میں آنے والے ایڈیشنوں میں صفحات کی تبدیلی کی وجہ سے حوالہ جات تلاش کرنے میں دقت ہوسکتی ہے۔ والسلام

فهرست "مرکزِ انسانیت حصہ اوّل و دوم"

شجرۂ طیبہ

حضرت آدم علیہ السلام

تا

امام حسین علیہ السلام

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ٥

مرکزِ انسانیت سے تعارف

1۔ علامہ اقبال کی نظر میں

اللّٰہ اللّٰہ بائے بسم اللّٰہ پدرؑ معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسرؑ

آں امامِ عاشقاں پُورِ بتولؑ سروِ آزادے زبستانِ رسولؐ

موسیٰؑ و فرعون وشبیرؑ و یزید ایں دوقوت از حیات آمد پدید

بہرحق درخاک وخون غلطیدہ است پس بنائے لا اِلٰہ گردیدہ است

2۔ حضرت معینؒ الدین کی زبانی

شاہ ہست حسینؑ بادشاہ ہست حسینؑ دین ہست حسینؑ دیں پناہ ہست حسینؑ

سرداد نہ داد دست در دستِ یزید حقّا کہ بنائے لا اِلٰہ ہست حسینؑ

یعنی:۔

حسینؑ ابن علیؑ

نوعِ انسان کا سرمایۂ حیات ہیں

کتاب کا تعارف اور تمہید

(1) وہ عظیم المرتبہ انسانؑ جس کی مدح وثنا قرآن کریم کرے، نوع انسان کا وہ نمائندہ جس کے بچپن کی یہ قدر ومنزلت کہ اللہ کا محبوب ترین رسولؐ اور تمام صحابۂ رسولؐ نماز جماعت کو روک کر سجدہ میں رضا مندی وخوشنودی کا انتظار کرنے پر مامور ہوں۔ جسکے ہاتھوں میں زمامِ کائنات گیسوئے رسولؐ بنا کر پکڑا دی جائے۔ وہ مقبول بارگاہِ خداوندی جس کیلئے جنت سے لباس آئے۔ جس کی زبان حرکت میں آئے تو تقدیر بدل جائے۔ لوحِ محفوظ پر دوبارہ قلم کاری کی جائے۔ جسکے مداحوں میں رسولؐ ہوں، علیؑ وبتولؑ ہوں۔ جن کی خاکِ قدم کی برکات پر روایات ہوں۔ جن کے حالات پر لاکھوں صفحات ہوں اُن کے لئے ہم کیا لکھیں؟ یہ سوال ہے جس کا جواب دینے کے بجائے ہم قارئین کرام کو بہلانے کیلئے وہ باتیں سنا رہے ہیں جو انہیں تیرہ سوسال سے معلوم ہیں۔

(2) امام حسین علیہ السلام اوران کی بے مثل قربانی پر جہاں لاکھوں جانیں قربان ہوئیں وہیں کروڑوں انسان ان کے غم میں خون کے آنسو روتے رہے۔ سینکڑوں تحریکیں قدم ملا کر چلتی رہیں، ہزاروں ہاتھ، ہاتھ ملا کر ماتم کرتے رہے، تعزیے بنتے رہے، جلوس نکلتے رہے، زنجیریں اور ہتھکڑیاں کھنکتی رہیں، بیڑیاں ٹوٹتی رہیں۔ سرتن سے، روح بدن سے، شوہر دلہن سے جدا ہوتے رہے، فدا ہوتے رہے، فداکاروں کے خون کا گارا بنتا رہا۔ دیواروں میں چنوائے جاتے رہے مگر حریّت آگے بڑھتی رہی۔ مخالف حکومتیں فنا ہوتی رہیں، اقتدار واستبداد دم توڑتا رہا۔ ہروہ مذہب اور مکتبِ فکر مٹتا چلا گیا جو حسینیؑ تحریک کے مقابلہ میں آیا۔ ہراس تصورِ حیات پر حملہ ہوا جس میں استحصال اور حریّتِ انسانی پر پابندی لگانے کا شبہ تک ہوا۔ آج فلاح و بہبود پر جتنی انجمنیں، ادارے اور تحریکیں کام کر رہی ہیں، جتنی حکومتیں انسانیت کے فروغ کی دعویدار ہیں، خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں، بامذہب ہوں یا لامذہب ہوں، خواہ ان میں مسٹر ہوں یا مُلا جی ہوں، وہ سب حسینیؑ تحریک کے قدم بقدم چل رہی ہیں اور روزانہ ان لوگوں سے خود کو پاک کر رہی ہیں جن میں حسینیؑ مقاصد کے خلاف جذبات وتصورات کا پتہ چل جاتا ہے۔ انسانوں کی یہ تطہیر کبھی چادر اوڑھا کر کی جاتی ہے تو کبھی چراغ بجھا کر کی جاتی ہے اور کبھی غداری اور مخالف حکومتوں سے سازش کا پتہ لگا کر کی جاتی ہے۔ نام میں خواہ محمد ہو یا لفظ نورانی ہو، علی کی آڑ لی گئی ہو یا ولی کا روپ دھار لیا ہو، حسینیؑ تطہیر جاری ہے۔ حقائق ابھر کر انسانیت کو بلند کر رہے ہیں۔ ہم بھی جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہی تطہیر ہے۔

(3) واقعاتِ کربلا پر جس قدر لکھا گیا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہی ہے۔ اس مقدار کے برابر کسی واقعہ پر نہیں لکھا جا سکا۔ ہم ان تمام حضرات کو خراجِ تحسین وآفرین پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے حسینی تحریک کا ریکارڈ مرتب کیا اور اپنی فرصت کے قیمتی لمحات امامؑ کی تائید و نصرت میں صرف کئے اور انہیں بلاتفریقِ مذہب وملت مبارکباد اور خوشخبری سناتے ہیں کہ نصرتِ امام حسین علیہ السلام ان کی نجات کی ضامن ہے۔ انہیں دوہری مبارکباد ملنا چاہئے کہ انہوں نے جس بگڑے ہوئے اور فریب خوردہ ماحول میں یہ خدمات انجام دیں وہ نہ چاہتا تھا کہ یہ تحریک جاری رہے۔

(4) ہمیں جو زمانہ ملا ہے وہ روشن خیالی کے دعویٰ کے باوجود ایک تقلیدی دور ہے۔ عوام تو عوام ہیں اِس دور میں علما سے بھی جبراً تقلید

کرائی جارہی ہے، یعنی جو کچھ لکھا جاچکا ہے بس اس کو حرفِ آخر سمجھئے۔ اسکے خلاف نہ زبان کھولئے نہ قلم اُٹھایئے۔ قرآن کے ساتھ جو چاہے کیجئے لیکن نام نہاد سلف صالحین کی ہر حال میں تائید کیجئے، تصدیق کیجئے اور سر جھکا کرآواز دبا کر بات کیجئے ورنہ کفر کے فتوے کا انتظار کیجئے۔ آج نہیں تو کل یعنی سو سال تک کبھی نہ کبھی ہمارے سامنے سر جھکانا پڑیگا اور کفر کا کولھو چلانا پڑے گا اور ہمارے قابو میں آنا پڑے گا۔

(5) ہم حسینیؑ تحریک کے ممبر ہیں سر جھکانے سے سر کٹا دینا بہتر سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم نہ صرف تقلید کے خلاف بولیں گے بلکہ حسین اور خانوادۂ حسین علیھم السلام اور ان کی تحریک کے سلسلے میں جو لکھا گیا ہے اس کی باقاعدہ تطہیر کریں گے۔ وہ تمام پردے اُٹھادیں گے جن کے پیچھے چھپے ہوئے حقائق اگر سامنے ہوتے تو اہل قلم اسباب ونتائج کو دوسرے انداز میں ترتیب دیتے۔ وہ تمام چہرے بے نقاب کردیں گے جن کو پہچان لیا ہوتا تو انہیں اس خانوادے کے حامیوں، طرفداروں اور اقربا کی فہرست میں شمار نہ کیا گیا ہوتا۔ ہم گور گن کو بُلا کر وہ گڑے مُردے اُکھاڑیں گے اور اُن سے ایسے بیان قلمبند کریں گے جن سے یہ معلوم ہوگا کہ خاندان بنی اُمیہ تنہا مجرم نہیں ہے۔ خاندان بنی اُمیہ بھی ایک پردہ ہے۔ بہت موٹا، بہت چچتا ہوا، ایک تاریخی یا قومی پردہ جس کے پیچھے کچھ اور روحیں بھی برسرکار ہیں۔ حسین اور خانوادہ حسین علیھم السلام نے ابلیسی تاریخ کے منہ پر کئی طمانچے ایسے رسید کئے ہیں کہ جن کے نشان قیامت تک مٹ نہیں سکتے۔ مگر تاریخ کا منہ گھما کر دیکھئے، آپ کو پتہ نہیں وہ آپ کے سامنے وہ رخ ہی نہیں کرتی۔ تاریخ کو دھوکہ دیکر، بہلا کر، کسی طرح اُس کا دوسرا گال، دوسرا رُخ دیکھئے تو آپ کو پانچوں اُنگلیوں کے اُبھرے ہوئے نشان ملیں گے۔ مگر افسوس کہ آپ تو خود دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ماہرین کی سیاسی دقیقہ رسی اور حالات کی مشرکانہ یا مشترکہ ترتیب واقعات کا فریب کارانہ تطابق (Circumstantial Evidence) بڑے بڑے محققین کو غلط فہمی میں مبتلا کرتا رہا ہے۔ بعض باطل مفروضے مُسلّمات کی صورت اختیار کرکے زبان زدِ خلائق ہوگئے ہیں۔ جن کی بنا پر بڑے بڑے مُفتّش غلط نتائج اور باطل اسباب ترتیب دینے پر مجبور ہوئے ہیں۔

ہم قرآن کریم اور نہج البلاغہ اور اُسکے اہلؑ خاندان کے طالب علم ہیں۔ اسلئے مشرکینِ عرب کے مزاج شناس اور اُن کے منصوبوں پر مطلع ہیں۔ لہٰذا ہم اُن کی ترتیب کو تاریخ سے الگ کرکے اُس کا پورا چہرہ دکھائیں گے۔ اس کے تمام بَل نکال دیں گے اور ضرورت پڑے گی تو تاریخ کو سر کے بل اُلٹا کھڑا کردیں گے۔ اُس کی جامہ تلاشی اُسی طرح لیں گے جیسے آج سونا اسمگل کرنے والوں کی تلاشی لی جاتی ہے۔ ہمیں مجتہدین ہی کو نہیں بلکہ تاریخ کو بھی جلاب دینے کا نسخہ معلوم ہے۔ ہم اُن کے پیٹ میں پوشیدہ سامان اگلوا کر دیکھیں گے۔ لہٰذا ہم یہی کچھ کرسکتے ہیں کہ جو حقائق ہمارے بزرگ علما سے پوشیدہ رہ گئے یا جو بعض قومی وجوہ کی بنا پر نظر انداز کردئے گئے یا ادھورے اور غلط لکھ دئے گئے۔ اُن کی تفصیل میں جائیں اور علامہ شبلی وعلامہ ابن خلدون سے بہتر طرز استدلال اختیار کریں۔ یہاں ایک غیر متعلق بات سنئے، حالات وواقعات سے جب یہ یقین ہوگیا کہ خارجی فرقے کے لوگ جھوٹ نہیں بولتے تو محدثین نے ان کی بیان کردہ روایات کو دھڑا دھڑ اپنی کتب حدیث میں جگہ دینا شروع کی اور ہزاروں روایات حدیث کے نام پر اپنی کتابوں صحاح ستہ وغیرہ میں جمع کردیں۔ اس سے یہ اصول بن گیا کہ مستقل عادت وکردار جب ثابت ہوجائے تو اس کے خلاف کچھ نہ سنا جائیگا۔ لہٰذا ہم اس نفسیاتی اصول کو بھی اقوام ونسل وخاندان وافراد کے لئے استعمال کریں گے اور وہ تمام سازش ٹھکرا دیں گے جو اس سلسلے میں کی گئی

ہے۔لیکن ہرصورت میں حق وانصاف سے وابستہ رہیں گے۔

(6) یہاں ایک اور غیر متعلق بات کہنا ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے میں ان احباب کو زیادہ لطف ویقین فراہم ہوگا جو ہماری دیگر تصنیفات پڑھ چکے ہیں۔خصوصاً۔ 1۔**مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت 2۔اسلام اور علمائے اسلام 3۔اسلام اور جنسی تعلقات**۔وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں عرب کے مشرکانہ منصوبوں اور انتظامات کی پول کھولی گئی ہے۔جس کو ہر کتاب میں دُہرانا طوالت اور بوریّت کا سبب ہوسکتا ہے۔یہاں (ہماری کتاب) مذہب شیعہ کا ایک پیراگراف سن لیں جس سے ہماری فکر اور مندرجہ بالا تاریخی آپریشن پر روشنی پڑے گی۔

(7)۔ اہلِ انصاف سے اپیل اور دشمنانِ حق کو چیلنج

"قارئین سے درخواست ہے کہ وہ سوچیں اور اپنے ماحول میں سوچنے کی اپیل کریں اور ہمیں بتائیں کہ کیا آپ مندرجہ بالا اصولوں اور طرزِ عمل کو پسند نہیں کرتے؟ اور کیا ان میں سے کوئی ایک اصول یا ایک بات بھی اسلام کے خلاف ہے؟ لیکن دشمنانِ اسلام نے جس مذہب کو اسلام کہہ کر دنیا میں جبر وطاقت سے پھیلانے کی کوشش کی ہے، اس میں ہر قدم پر ترجیحات ہیں، جانبداری ہے، جبر وتشدد ہے، اپنے مخالفوں کیلئے رحم وکرم ورعایت کا فقدان ہے، مخالفوں سے ہر فریب وبدعہدی جائز ہے۔ جو اعمال یہ لوگ دن رات صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں، اسی قسم کے اعمال اگر مخالف کرلیں تو کہیں مجددی شور اور واویلا ہوتا ہے اور کہیں کوئی محی الدین چیخنے چلانے لگتا ہے۔ روزِ اوّل سے اُن میں یہ احساس موجود تھا کہ ہمارے اعمال تاریخ کے آئینہ میں نہ دیکھے جاسکیں گے۔اُن کے راہنما اپنی دُم کے پیچھے جھاڑ اور ٹریکٹر (Tractor) باندھ کر ظلم وجبر کی راہ پر چلے تا کہ اُنکے پاؤں کے غلط نشان مٹتے چلے جائیں۔اپنے مؤرخین کو قصیدہ خوانی اور حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کیلئے، پشت کی طرف منہ گھما کر بٹھا دیا تا کہ وہ ماضی پر نظر جمائے اور زمانہ حال کو اُن کی منشا کے مطابق ڈھالتے، پچھلے پاؤں ہٹتے چلے آئیں۔آگے آگے قتل عام ہوتا رہا، پیچھے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور انصاف پروری کے نقشے بنتے رہے۔ آلِ رسولؐ کو تہہ تیغ کر دیا جائے لیکن مؤرخین باغیوں اور بے دینی کے جدوَل بناتے رہیں۔اگر تحریکِ تشیّع نے اُن کا محاصرہ نہ رکھا ہوتا تو آج تاریخ میں صرف مقدس افسانے ہوتے۔مگر اس تحریک نے اس منافق محاذ میں پھوٹ ڈال دی، اُن پر تحریک کا چھومنتر پڑھ دیا، اُنکے حواس گم کر دیئے، جو چیز ایک نے چھپائی دوسرے نے ظاہر کردی۔ علما کو علما سے لڑا دیا، مؤرخین، مؤرخین سے دست وگریبان کر دیئے گئے۔حکومتوں کو حکومتوں کے سامنے تیغ بکف لا کر کھڑا کر دیا اور یوں اُنکے دل میں پوشیدہ کفر اُبل اُبل کر سامنے آنے لگا۔غور فرمائیں کہ رسولؐ اللہ نے وہ نسخہ بتانا چاہا جس میں یہ ذمہ داری لے رہے تھے کہ اگر تم نے قرآن واہلبیتؑ سے تمسّک رکھا تو پوری اُمت ہرگز گمراہ نہ ہوگی تو دانشورانِ قوم نے کہہ دیا کہ رسولؐ قرآن کو چھوڑے دے رہا ہے۔ہم قرآن کے مطابق خود عمل کرلیں گے۔یعنی قولِ رسولؐ کی ہمیں ضرورت نہیں۔اسی اصول کی خلاف ورزی کرنے والے صحابہ کو دُرّوں سے پیٹا گیا۔صحابہؓ کے منہ بند رکھنے کیلئے انہیں مدینہ میں نظر بند رکھا گیا اور اطمینان کرلیا گیا کہ حدیثِ رسولؐ گم ہو کر رہ جائے گی۔جن صحابہ نے حدیثِ رسولؐ کا ذخیرہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں لکھ کر جمع کیا تھا اُن میں سے بعض نے اعلانیہ اور بطور نمونہ اپنی اپنی کتابوں کو پھاڑ دیا اور مدت دراز تک کہا جاتا رہا کہ قرآن کی

موجودگی میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر حالات نے اُن کے منہ سے اقرار کرالیا اور برسرمنبر اعلان کرنے پر مجبور کیا کہ وہ قرآن کو مدینہ کی بوڑھی عورتوں سے بھی کم جانتے ہیں (اور یہ بھی کہ قرآن تو جمع شدہ صورت میں موجود ہے ہی نہیں، اس کو جمع کرنے کیلئے کمیشن مقرر کیا جائے)۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ اب اعلانیہ حکومت کی سطح پر اور حکومت کے آرڈیننس کے ماتحت تازہ بتازہ احادیث تیار کرنے کا حکم جاری ہوا اور آنے والے ادوار میں تین چار سو سال تک جاری رہا۔ یہ بھی سوچئے کہ مخالف محاذ کی ہم مذہب حکومتیں جب ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئیں تو دونوں فریق نے ایک ہی مذہب کے ممبر اور پیرو ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو کافر و ملحد قرار دیا۔ جناب خلیفہ ششم حضرت یزید اور انکی فوج ورعایا نے باغی خلیفہ عبداللہ ابن زبیر کو ملحد کافر اور بدعتی قرار دیا اور جناب خلیفہ ششم ثانی عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کی فوج کے نزدیک یزید، اُس کی فوج اور رعایا کافر و ملحد و بدعتی تھے۔ خلیفہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم حضرت علیؑ اور اُن کے پورے خاندان پر لعنت کرنا دینی فریضہ خیال کرتے ہیں اور ایک صدی تک آنے والے تمام مسلمانوں نے منبروں سے علیؑ و اولاد علیؑ پر لعنت جاری رکھی۔ مگر ذرا تلاش کیجئے کہ کہیں جناب علیؑ مرتضٰی اور اُن کے جانشین آئمہ علیھم السلام نے بھی کبھی کہیں صرف اپنی مخالفت کی بنا پر اُن میں سے کسی خلیفہ کو، کسی خلیفہ کی فوج اور رعایا کو کافر کہا؟ اُن پر لعنت بھیجی؟ لعنت کی رسم جاری کی؟ آپ تلاش کے بعد بھی مایوس ہوں گے۔ بصرہ میں عورتیں اُن کو اُن کے سامنے گالیاں دے رہی ہیں۔ آپؑ خاموشی سے سنتے گزرتے چلے جا رہے ہیں۔ کسی صحابی نے عورتوں کو جواب دینا چاہا تو ڈانٹ کر کہا کہ خبردار یہ مسلمان خواتین ہیں۔ اُن کا اکرام ضروری ہے۔ ہم تو رسولؐ اللہ کے زمانہ میں کافر عورتوں کی بھی عزت کرتے تھے۔ خلیفہ معاویہ نے علیؑ کے لشکر پر پانی بند کیا۔ جب لڑ کر دریا چھین لیا تو معاویہ کی فوج پر علیؑ نے پانی بند نہیں کیا۔ مخالف خلفا نے کبھی بھی فتح یاب ہونے کے بعد؛ مخالف فوج کو خواہ وہ مسلم تھی یا غیر مسلم لوٹے بغیر نہ چھوڑا۔ اور اس لوٹ کو ہر حال میں مالِ غنیمت قرار دیا اور جو کچھ کیا وہ سب سامنے آ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ علیؑ و آل علیؑ نے بھی کبھی کسی کے ساتھ زیادتی کی؟ کسی کا حق چھینا؟ نام بتایئے! دس سال کی تلاش کے بعد بتایئے؟ ایسے مظلوم لوگ جو اپنے قاتلوں کو دُعائیں دیں شربت پلائیں (اُن پر لعنت کرنے والے یقیناً ملعون ہیں)۔ تیرہ سو سال گزر چکے شیعوں کے لئے کلمہ خیر نکالتے ہوئے آج تک مُلا حضرات کی کثرت کو بخار چڑھتا ہے۔ اس صبر و تحمل کا مظاہرہ، قوت و حکومت کی موجودگی میں بھی پیروانِ علیؑ و آلِ علیؑ ہی کرتے رہے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ اگر ہندوؤں کی حکومت ہو اور آپ بھی وہاں آباد ہوں۔ آپ کو اذان دینے کی اجازت نہ ملے، نماز پڑھتا دیکھ کر آپ کو قتل کر دیا جائے، جاسوس کی اطلاع پر آپ کی گردن اُڑا دی جائے، مسلمان ہونے کی بنا پر آپ کا گھر لوٹ لیا جائے، آپ کے بچوں کو فروخت کر دیا جائے، عورتوں پر جبراً تصرف کر لیا جائے تو بتایئے کہ کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ اگر یہ سب کچھ آپ کو ناپسند ہے؟ اگر یہ ظلم ہے؟ تو پھر آپ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے اور خدا کیلئے آج تو اقرار جرم کر لیجئے، کبھی تو حق بات کہہ لیجئے۔'' (مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت۔ صفحہ 343)

(8) کتاب ''مذہب شیعہ'' کا یہ اقتباس مشرکانہ تاریخی انتظام پر سرسری اور مختصر سا جائزہ ہے۔ اس میں اُس تحریف کا تذکرہ نہیں ہے جو نزول قرآن کے ساتھ ساتھ جاری رہی اور قرآن کریم کے بیان کے مطابق حیاتِ رسولؐ ہی میں مشرکین عرب نے قرآن کو قرآن ہی کے ذریعہ سے بے دخل کر دیا تھا۔ یہ بڑے دلچسپ حیرت انگیز اور حقیقت ساز عنوانات ہیں۔ جو شخص ہماری اس گفتگو سے واقف نہیں ہے

وہ ہمیشہ مذکورہ بالا مغالطوں میں مبتلا رہتا چلا جائیگا اور حقیقت سے کبھی دوچار نہ ہوگا۔ یہ ایسے کامیاب فریب ساز مجتہد گروہ کے تیار کئے ہوئے مغالطے ہیں جنکو ابلیس کی پوری بصیرت، توانائی اور نصرت حاصل تھی۔ یہ وہ دانشور تھے جنکے مقابلہ میں اللہ ہی خیر الماکرین ہے۔ یعنی اُنکی چالوں سے انسان اس وقت تک محفوظ نہیں ہوسکتا جب تک اللہ مددگار نہ ہو۔ اب سوچئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُنکا خانوادہ (سلام اللہ علیھم) کس قدر قوتِ قدسیہ کا حامل تھا کہ ایسے ہمہ گیر انتظام کے باوجود ساری دُنیا سے اپنا کلمہ پڑھوانے میں کامیاب ہوا۔ دُنیا میں اپنی ہمدردی، محبت، حق پرستی اور پیروی گھر گھر پہنچا دی۔ اپنے مخالفوں کو بلا کسی ظلم و استبداد کے دُنیا سے مٹا دیا۔ اپنے اثر سے ایسے انسان پیدا کئے جو موت سے پیار کرنے لگے۔ اُنکا دردناک قصہ سن کر اپنے محبوب جسم کا خون اور گوشت کا قیمہ چھڑکنے لگے۔ جنکے خیال سے حکومتوں کے محلات میں زلزلہ آجاتا تھا۔ محفوظ خوابگاہوں میں شاہانِ وقت خوف سے بیدار رہتے تھے۔ خوابوں میں ڈر کر مسہری سے نیچے گر پڑتے تھے۔

(9) آج دُنیا میں تمام خودساختہ مذاہب نے، اُن کی عبادات و رسومات نے دم توڑ دیا ہے۔ مذہبی ٹھیکیداران دن رات اپنے اپنے حلقوں میں مذہب کی طرف سے سردمہری اور لاپرواہی کا شکوہ کر رہے ہیں۔ اُن کے اخبارات و مذہبی جرائد اور کتابیں اس حقیقت کا اعلان کرنے میں مصروف ہیں کہ تمام نوجوان طبقہ مذہب سے باغی ہوگیا ہے۔ عبادت سے متنفر ہے، مولوی، پنڈت اور پادری کے نام سے چڑتا ہے، لہو و لعب کی محفلوں کو پسند کرتا ہے، مسجدوں، مندروں اور گرجا سے دور دور رہتا ہے۔ بعض بڑے علما اپنی اپنی حکومتوں کے خلاف مذہب کے نام پر ملی جلی سیاسی و مذہبی مہم چلانے میں مصروف ہیں۔ تاکہ اپنی اپنی حکومت کو عیسائی، ہندو یا مسلمان بنالیں۔ حالانکہ وہ حکومتیں پہلے ہی اپنے منشور و دستور اور نام کی رُو سے مسلمان، عیسائی یا ہندو ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت مولویانہ طرز حکومت اختیار کرے، اُن کے دباؤ سے کفر سازی کرے، مخالفین کو بے دست و پا کرے، اُن کی زبان بندی کرے، انہیں ارتداد کے جرم میں قتل کرے، پھانسیاں دے، جیلوں کو بھر دے۔ اور اِس طرح مذہب کی مُردہ لاش میں پھونک بھر کر اُسے ایوانِ مذہب کی بلندی پر کھڑا کر دے کہ لوگ احترام مذہب کرنے لگیں۔ بہرحال ہر دیکھنے والی آنکھ اور ہر غور کرنے والا دماغ علماؤں اور مجتہدین کے مذہب کو بے نتیجہ اور نوعِ انسان کے لئے ایک زہر قاتل اور موت کی نیند سلا دینے والی افیون سمجھ رہا ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ وہ دیکھ رہے ہیں کہ نوجوانوں اور طلبا کا وہ طبقہ جسے مولانا مردود قرار دے چکے جو مساجد سے بھاگتا ہے وہی طبقہ روزمرہ امام باڑوں کی رونق بنتا جا رہا ہے۔ محرم میں آج تین ماہ باقی ہیں۔ لیکن نوجوانوں میں محرم کی تیاریاں شروع ہوگئی ہیں۔ ماتم کرنے کے لئے زنجیروں اور چھریوں کے آرڈر لوہاروں کو ملنے لگے ہیں۔ کشیدہ کاری کے اداروں اور دکانوں پر مرصع کاری کے لئے علموں کے پٹکے اور ڈیزائن مشینوں میں چڑھے ہوئے ہیں۔ ہر گھر میں عزاداری کے لئے روپیہ پس انداز کرنے پر بحثیں ہو رہی ہیں۔ مختصراً یہ کہ وہ لوگ جنہیں بدمذہب اور باغی جوان قرار دیا جاتا ہے، عزاداری اور ماتمِ امام حسین علیہ السلام کی تیاری میں مصروف ہیں۔ وہ نوجوان جو بال بڑھانے پر مُصر تھے جو والد کا حکم نہ مانتے تھے، بالوں پر اعتراض سن کر دست و گریبان ہو جاتے تھے، جنہیں اپنے بال دُنیا کی ہر چیز سے پیارے تھے، وہ پنچائتیں کر رہے ہیں کہ محرم میں سر کے بال منڈے ہوئے ہونا چاہئیں یا نہیں؟ معلوم ہے کیوں؟ اس لئے کہ سر پر چھری کا ماتم بالوں کے اُلجھاؤ وغیرہ سے آزاد رہے۔ ہے کوئی

مولوی صاحب یا حجۃ اللہ ؟ جو اللہ و رسولؐ یا کسی اور عزیز ترین چیز کے لئے سر تو سر ہے اپنی ران میں چھری مار کر اُن کے نام پر خون دینے کو تیار ہو؟ لاحول پڑھیئے اور اُن سے کہیئے کہ تم اور تمہارا مذہبی ڈھونگ اب ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ نوجوانوں یا کسی اور نے مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔ انہوں نے جس چیز کو چھوڑا ہے وہ مولوی، مجتہد، پنڈت اور پادری کا خود ساختہ مذہب ہے۔ لیکن اسلام جسے تمام انبیا علیہم السلام نے پیش کیا اُس پر آج بھی جانیں قربان کی جارہی ہیں۔ یہ حسینؑ کی عظمت ہے جس نے اسلام کو درد بنا کر دلوں میں بسا دیا۔ حُسن بنا کر نظروں میں سمو دیا، بصیرت کی شکل دے کر دماغوں کو آباد کر دیا، محبت بنا کر ہر دلعزیز کر دیا۔ وہ تمام عبادتیں، ریاضتیں، رسومات نظروں سے گرتی چلی گئیں جن کو حسینیتؑ اور حسینیؑ مقاصد کو ختم کرنے کے لئے بطور حربہ استعمال کیا گیا تھا۔ نماز یعنی حقیقی نماز وہی تو ہے جسے درمیان میں، سجدے میں اس لئے روک دیا گیا تھا کہ حسینؑ، پیش نماز یعنی رحمۃ للعالمینؐ، سرور کائناتؐ، ختم الرسلؐ، اپنے نانا کی پشت پر سوار ہو گئے تھے اور اُنہیں اُتار کر نماز جاری رکھے جانے کو اللہ نے پسند نہ کیا۔ وحی اُتری یعنی جبرئیلؑ امین فضاؤں کو تہہ و بالا کرتے ہوئے زمین پر اُترے اور غالباً خود سجدہ کر کے رسولؐ اللہ کے کان میں کہہ دیا کہ حضرتؐ حرکت نہ کریں یہاں تک کہ حسینؑ اپنی مرضی سے اُتر جائیں۔ بتایئے اور سمجھ کر بتایئے کہ حقیقی نماز کو جس کے لئے روک دیا گیا، اس کے مشن کو روکنے کے لئے ملاؤں اور مجتہدوں کی اپنی تبدیل کردہ نماز کہاں ٹھہرتی؟ جس نے آگے چل کر بنیادِ اسلام کا لقب لینا تھا۔ جس نے سجدہ میں طول دے کر سر کو کٹانا تھا۔ جس نے سجدہ میں گنہگار انسانوں کے لئے اپنی دعاؤں کو اپنے خون سے رنگین کرنا تھا۔ اُس کے خلاف دین کی، حقیقی دین کی کس بات میں اثر رہ سکتا تھا۔ لہٰذا نماز سے نفرت قدرتی تھی اس کا سبب مولوی صاحب خود ہیں۔ حسینؑ سے معافی مانگیں، باہر نکلیں ماتم کریں، جلوس اور عزاداری کی تائید کر کے نماز پڑھیں۔ پھر دیکھیں نماز میں جان ہے یا نہیں۔ رسوؐل کا دیا ہوا کوئی سامان رسولؐ ہی کے خلاف استعمال کرنا تو اختیار کے اندر ہے مگر اس میں اثر برقرار رکھنا اختیار میں نہیں ہے۔ اسی لئے نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ مسلمانوں کی دشمن ہوگئیں۔ جو جتنا زیادہ پابند ہے اتنی ہی اس کے خلاف مصیبت آتی ہے اور جو جتنا دُور رہتا ہے وہ اُسی تناسب سے قہر و غضبِ خداوندی سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ تاریخی اور روزمرہ مشاہدہ سے ثابت حقیقت ہے کہ مجتہدین نے چونکہ اپنے خود ساختہ تصورِ حیات کا نام اسلام رکھ لیا تھا۔ اور طاقت و قوت سے اُسے اسلام کہہ کر نافذ کرنے میں کوشاں رہے تھے تو اس کی سزا یہ ملی کہ اُس مصنوعی اور خانہ ساز اسلام کے خلاف چاروں طرف محاذ قائم ہو گئے اور ہر محاذ پر مولوی کے اسلام کو شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا اور رفتہ رفتہ دنیا میں اس نام سے بھی نفرت پیدا ہوگئی۔ چاروں طرف سے اللہ اور انسانوں نے اُس باطل مذہب کے پیرؤوں کو گھیر لیا۔ آج دنیا میں ساری اقوام کے مقابلہ میں اُن کو پس ماندہ لوگ یا حد سے حد غیر مسلموں کی امداد سے ترقی کر سکنے کے قابل لوگ قرار دیا گیا ہے۔ گیہوں کے ساتھ گھن کا پس جانا مشہور ہے۔ عذاب، انصاف و عدل کی ترازو ہمراہ لے کر نہیں آتا جو سامنے آئے رگڑ دیا جاتا ہے۔ یہ جو کچھ ذرا ورا سی عزت باقی ہے محض حسینؑ اور عزاداری حسینؑ کے صدقہ میں باقی ہے۔ اور سُن لو مانو یا نہ مانو کہ عزاداری حسینؑ ہی وہ وسیلہ ہے جسکے واسطے دنیا کی اقوام متحد ہو سکتی ہیں اور ہو کر رہیں گی۔ جس کی وجہ سے حقیقی اسلام دوبارہ دلوں میں داخل ہوسکتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر تمام دنیا میں ہر قوم، دُور دراز بعید ترین مقامات پر متفق و متحد ہے۔ جنگلوں، بیابانوں اور وحشیوں میں بھی عزاداری اسلامی شعور پیدا کرنے میں مصروف ہے۔ یہی

وہ روح ہے جس کے باہر نکل آنے سے مذہب ایک لاش بن کر رہ گیا۔اور اس کے تمام اعضا و جوارح گل سڑ کر ناقص ہو گئے۔اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلام دوبارہ تمہیں اس دنیا میں سرفراز کرے تو بلا پس و پیش اپنے شرک و کفر کے فتاویٰ کو شیطان کے حوالے کر کے بارگاہِ حسینیؑ میں وہ سجدہ کیجئے جو ابلیس کو بہت ناپسند ہے۔اور سنیئے آپ کی نمازوں کی پوزیشن یہ ہے کہ اگر روزمرہ بلا ناغہ مولوی صاحب تمام قسم کی نمازیں پڑھیں جن کی کل رکعات اُنکے حساب سے چونتیس اور پینتیس ہوتی ہے۔اُن کو بڑھا کر چالیس رکعات کرلیں اور ہر رکعت کو ڈیڑھ منٹ دے دیں تو روزانہ ایک گھنٹہ میں یہ کام ہو جاتا ہے۔سال بھر میں تین سو ساٹھ گھنٹے اور کل پندرہ (15) روز بنتے ہیں۔آدھا گھنٹہ روزانہ نماز تہجد کو شامل کرلیں تو سال بھر میں کل بائیس تیئس روز گویا مولوی صاحب اللہ کے لئے صَرف کر کے، گیارہ ماہ اور آٹھ دن دُنیا میں صَرف کرتے ہیں۔اُن سے کہہ دو کہ عزادارانِ حسین علیہ السلام یہ کام بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ سیروں خون اور ہر آدمی سینکڑوں روپے اور چھٹانکوں آنسو اور دو ماہ آٹھ روز دن رات بھوکے پیاسے گرد و غبار میں اَٹے ہوئے صَرف کرتے ہیں۔ہر تیسرے چوتھے دن شب بیداریاں رات بھر سینہ زنی کرتے ہیں۔قومی حیثیت سے ہر سال کئی کروڑ روپیہ، کئی من خون اور کئی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر بیماروں کے علاج کو ملتوی کر کے فروغِ حُسینیت پر لگا دیتے ہیں۔اور اگر دیگر آئمہؑ اور اُن کے بزرگوں کو شامل کرلیں تو اُن کے غم و مسرت کے اظہار و اعلان پر اُن کے انتقال اور ولادت پر ہر سال اتنا سرمایہ خرچ کر دیتے ہیں کہ مخالفین کی طرف سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر یا اسلام کے دوسرے تہواروں اور شعائر پر ایک سو سال میں بھی خرچ نہیں کیا جاتا ہے۔کوئی ہے؟ جو حساب فہمی کو تیار ہو اور حق قبول کرنے کی جرأت کرے؟ اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ جس طرح ایک گھڑی (Watch) کی مضبوطی اور پائیداری کے لئے ضروری ہے کہ وہ واٹر پروف ہو، شاک پروف ہو، میگنٹ پروف ہو اور خود بخود چابی والی یعنی آٹو میٹک ہو۔اُسی طرح ایک مجتہد کی بلندی و بزرگی کی شناخت اور صفت یہ ہے کہ وہ حق پروف ہو، عقل پروف ہو، وفا پروف ہو اور خود بخود آٹو میٹک طریقے پر دین تیار کرتا چلا جائے نہ خدا سے حاصل کرے نہ قرآن و رسولؐ سے واسطہ رکھے۔

(10) وہ مسلّمات جن پر ہم تنقید کرینگے مدت دراز سے فریقین نے تسلیم کئے ہوئے ہیں اور ہم اُن سب کو اُنکے ہاتھوں غلط ثابت کرینگے۔

(i) سب سے پہلے اُس شجرہ پر بات ہوگی جو آنحضرتؐ کے مقدس بزرگوں کا ہے۔اس میں وہ لوگ الگ کر دئے جائیں گے جن کو عرب کے بھانڈوں یا عربی زبان میں نسابوں کی آڑ میں داخل کر دیا گیا تھا۔پھر لفظ قریش پر بات ہوگی اور بتایا جائے گا کہ قریش کون ہے اور کون نہیں ہے۔پھر مختصر طور پر رسولؐ اور قرآن کا مشن سامنے لایا جائیگا۔تاکہ اُس روشنی میں حسینؑ اور مخالف گروہ کے خدّ وخال اُبھر کر سامنے آئیں۔اس سے فراغت کے بعد امام حسین علیہ السلام کے قبل کا زمانہ، حکومتیں اور اُن کے مختصر حالات و مقاصد پر سے گزرنا ہو گا۔تب جا کر کہیں امامؑ کی مدینے سے روانگی، سفر، منزلیں اور کربلا کی خونی داستان سامنے آئیگی اور اس قربانی کے بعد خاندانِ رسوؐل کی گرفتاری، سفر اور دربارِ ابن زیاد اور دربارِ خلیفہ میں حاضری، قید اور رہائی۔پھر سفر اور مدینہ میں واپسی پر شاید کتاب ختم ہو جائے ورنہ دو قدم اور آگے کو بڑھنا ہوگا اور قاتلان حسین سے انتقام اور یزید کی حکومت کے خاتمہ تک چلنا پڑیگا اور یہاں تک یہ ثابت ہو جائیگا کہ قرآن کی جگہ ایک اور گھریلو کتاب تیار کرلی گئی مگر سامنے اسی قرآن کو رکھا۔

(ii) رسولؐ کی عظمت وحقیقت کو گرد آلود کر کے ایک دوسرا نبی تیار کیا گیا جو جماعت شوریٰ کا ایک فرد تھا اور جس پر عربی بصیرت کے ماتحت رہنا لازم تھا۔ مگر نام وہی محمدؐ مصطفیٰ، سرورِ کائنات وغیرہ القاب کے ساتھ رہنے دیا اور اُسی طرح لفظ اسلام کو برقرار رکھ کر ایک نیا جمہور پسند اسلام تیار کر لیا گیا۔ خانوادۂ رسولؐ کو پہلے اُن کے بلند مقام سے نیچے اتار کر رعایا کے عام آدمیوں کے برابر لایا گیا۔ پھر اُن کے خلاف بغاوت وفتنہ وفساد پھیلانے کے ثبوت تیار کئے گئے اور آخر انہیں باغی قرار دے کر اُس خاندان کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

(11) قارئین کو یہیں یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ مندرجہ بالا گفتگو میں گرمی محفل اور زبان کے چٹخارے بمشکل جگہ پا سکتے ہیں۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت کی حامل کتاب ہوگی، نہ ناول ہوگا نہ افسانوی لذت۔ ایک ریکارڈ ہوگا جو نہ صرف شیعوں کو ملحوظ رکھے گا بلکہ تمام انسان ملحوظ رکھے جائیں گے۔ جس طرح حسینؑ اور حسینیت تمام نوعِ انسانی کو دعوتِ فکر وارتقا دیتے ہیں اسی طرح یہ کتاب بین الاقوامی حیثیت رکھے گی۔ لہٰذا جو صاحبان محض واقعہ کربلا دیکھنا چاہیں وہ ابواب پلٹ کر مطلوبہ جگہ پڑھ لیں۔ جو تحقیق کرنا چاہیں وہ ہر بحث اور گفتگو میں سے گزریں، غور کریں، تنقید کر کے تائید یا تردید کریں۔

(12) اور سب سے آخری بات یہ ہے کہ ہم موجودہ تاریخ کے اُن مسلّمات کو بلا بحث وتنقید اختیار کر لیں گے جن سے اسلام کے اصول اور محمدؐ وآلِ محمدؐ کی تنقیص نہ ہوتی ہو اور جو مخالف محاذ کی مخالفت کرتے ہوں۔ مثلاً تاریخ وحدیث کی تیاری سب سے پہلے حضرت معاویہ نے اپنے حکم سے شروع کرائی۔ ہم اُسے بلا دلیل تسلیم کر لیں گے۔ اس لئے کہ اُس تاریخ میں ہر وہ بات ناقابل قبول ہوگی جو حکومت کے حق میں ہو اور ہر وہ حقیقت بصد شوق قابل قبول ہوگی جو حکومت کے خلاف ہو اور حکومت کے خلاف محاذ کے حق میں ہو۔ یعنی ہم عدالت کی طرح چور یا قاتل کی بات اس کے خلاف تو بلا گواہی قبول کرتے جائیں گے۔ لیکن چور اور چوری اور قتل وقاتل کے حق میں ہر بات پر ایسی شہادت اور دلیل طلب کریں گے جو چور یا قاتل یا اُن کے طرف دار پیشہ وروں کے مخالفین دیں، چور وقاتل کے بھائی، باپ اولاد وازواج واعزہ کو عدالت سے باہر نکال دیں گے۔

والسلام

احسنؔ

مرکزِ انسانیت

1۔ عربوں سے تعارف کا دوسرا رُخ

کل تک عربوں کے تعارف میں جو کچھ لکھا یا کہا گیا ہے وہ سب یہاں لکھنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ چھپایا گیا ہے اُس میں سے چند بنیادی باتیں سامنے لا کر، اُس مجموعی تصور کو جھٹکا دینا ہے جو لفظ عرب یا عربی سُنتے ہی سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ تاکہ وہ آئندہ سامنے آتے ہوئے جھجکے اور شرمائے۔

(1) عرب سب کے سب نہ جاہل تھے نہ اَن پڑھ تھے۔ نہ تہذیب وتمدن سے نا آشنا تھے، نہ مشرک نہ بت پرست و لامذہب تھے۔ نہ بہادر تھے نہ متواضع، نہ کینہ پرور تھے۔ نہ حافظہ میں ممتاز تھے، نہ وفادار تھے، نہ غدار تھے۔ نہ متعصب تھے، نہ روادار تھے، نہ ظالم تھے۔ نہ لٹیرے تھے، نہ سب خیموں اور جنگلوں میں رہتے تھے، نہ سب مکانات میں بستے تھے، البتہ؛

(2) اُنکی کثرت جاہل تھی، اَن پڑھ تھی، غیر مہذب تھی، غیر متمدن اور دشمن تمدن تھی۔ مشرک تھی مگر مشرک کے معنی اشتراکیت کرتی تھی۔ انکی کثرت لیڈر پرست تھی، ڈرپوک اور بزدل تھی۔ کینہ پرور تھی، کل کے نتیجہ سے ڈر کر آج ہی ظلم کرنا ضروری سمجھتی تھی۔ انتقام کے معاملہ میں متعصب تھی۔ اپنے تحفظ کیلئے ہر فریب ودغا اور غدر ورہزنی اور ڈاکہ ومکر کو جائز سمجھتی تھی۔ نہ باقی نوعِ انسان کے خلاف اُن کو کوئی خاص دماغ ملنا ثابت نہ اُن کا حافظہ اور قوتِ یاداشت کسی خاص قسم کی ہونا چاہئے اور نہ تھی۔ ہوا یہ کہ احادیث کا انبار لگانے اور اُسے قولِ رسولؐ یا قولِ صحابہ منوانے کیلئے یہ ضرورت پیش آئی کہ عربوں کا حافظہ آہنی یا سنگی لوح بنا دیا جائے تاکہ یہ اعتراض بھی ختم ہو جائے کہ برسہا برس تک بلکہ صدیوں تک لوگوں کو کیسے یاد رہ سکتا تھا۔ اسی قسم کی دوسری قومی، ملکی یا مذہبی ضرورتوں نے بعد والوں کو مجبور کیا اور انہوں نے مختلف خصوصیات گھڑنا اور منسوب کرنا اور متعلقہ پروپیگنڈا شروع کر دیا ورنہ قرآن کریم نے اُس عربی کثرت کو کَالْاَنْعَام (سورہ اعراف 7/179) جانوروں کی مانند ہی نہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ حقیر اَضَلّ (فرقان 25/44) قرار دیا ہے۔ لہٰذا ہم عربی کثرت کو، اصول مسلّمہ کی رُو سے بھی ہر اُس صفت وخصوصیت سے محروم کرتے ہیں جو عام نوع انسان کے خلاف خواہ مخواہ فرض کر لی گئی ہے۔ بلکہ یہاں یہ بھی قرآنی اصول ہے کہ اسلام لانے کے بعد بھی یہ کثرت مندرجہ بالا آیات کے دائرہ سے باہر نہیں نکلی۔ بلکہ قرآن نے جگہ جگہ اسکی مذمت کی ہے۔ لہٰذا اس کثرت کیلئے قرآن نے دو دفعہ جو کچھ فرما دیا ہے وہ ہر وقت سامنے رکھ کر اس سلسلے میں بات کیا کریں اور انہیں بتائیں کہ قرآن کریم نے تو یہ کہا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًاo (فرقان 25/44)

اوّل۔ کیا تم (اے رسولؐ) یہ حساب لگاتے ہو کہ تیرے مخاطبوں کی کثرت سنتی ہے اور پھر عقل سے کام لیتی ہے؟ جناب یہ تو جانوروں کی مانند بلکہ اُن سے بھی پرلے درجہ کے بے راہ ورسم ہیں۔ اس سے پہلے آیت (اعراف 7/179) میں تمام جنوں اور انسانوں کی کثرت کو

جہنمی اور جانوروں سے اُسی طرح بدتر قرار دیا ہے جس طرح مفصل لکھی ہوئی آیت میں عربوں کی کثرت کو عقل وسماعت سے محروم فرمایا ہے۔ بتایئے وہ کس قدر صاحبان کمال لوگ ہوں گے؟ جنھوں نے ساری دنیا سے فرضی اور عقل وتجربہ کے خلاف باتیں منوائیں اور دنیا میں پھیلا دیں اور اس قدر ڈھنڈورا پیٹا کہ اس شوروغوغا میں کسی نے دلیل نہ مانگی۔ چونکہ یہ تمام مکاتیب فکر کی ضرورت تھی۔ سب کو روایات کی ضرورت تھی۔ سب نے قصوں اور کہانیوں پر اپنے منہ بولے اسلام کی بنیاد رکھنا تھی۔ لہٰذا سب نے غنیمت سمجھا اور اختلاف کے بجائے تائید میں اپنی کامیابی دیکھی۔ لیکن؛

(3) یہ صحیح ہے کہ عربوں میں بھی دوسری اقوام وممالک کی طرح بعض لوگ نہایت عاقل وبابصیرت تھے، مہذب تھے۔ بلکہ یہ یقین کیجئے کہ اُس وقت کی ساری دنیا نے اُن سے تہذیب سیکھی اور تمدن حاصل کیا۔ جہاں بانی وحکمرانی کے اصول سیکھے۔ قوم عاد وثمود، بادشاھان بابل ومصر تمام کے تمام عرب تھے۔ یہ قلت تعلیم یافتہ ہی نہ تھی بلکہ صاحب تصنیف تھی۔ عرب میں کتابیں موجود تھیں، مصنف موجود تھے۔ ظہور اسلام کے وقت عربوں میں جس بصیرت کے لوگ تھے اس کا ثبوت وتفصیل قرآن میں ریکارڈ کی گئی ہے۔ اُس قلت میں شریف بھی تھے، موحد بھی تھے، لا مذہب بھی، منجم وستارہ شناس بھی تھے، بہادر بھی تھے، وفادار ومتواضع بھی تھے، چالاک ومکار بھی تھے۔ دانشور مقنّن یعنی قانون دان، سیاسی ماہرین، مذہبی راہنما اور مجتہدین بھی تھے۔ اُن میں سوشلزم یا کمیونزم کے بہت ابتدائی تصورات رکھنے والے افراد وراہنما بھی تھے جو یونانی اشتراکیت اور افلاطونی جنسی شرکت کے ہمنوا بھی تھے۔ رؤسا بھی تھے غربا بھی تھے۔ اِس اقلیت میں تمام دُنیا کے تمدّن وتہاذیب اور مذاہب کے ماہرین بھی تھے، سرمایہ دار واجارہ دار بھی تھے اور اُن ہی میں ورثہ دارانِ انبیا علیھم السلام بھی تھے۔ عظمت دین ودُنیا کے علمبردار بھی تھے۔

(4) عربوں کی مجموعی حالت اور اُن کا دوسری اقوام اور ممالک کے مقابلہ میں صحیح مقام متعین کرنے کیلئے ایک نہایت قابل فہم معیار موجود ہے کہ (معاذ اللہ) اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عام نبیؐ تھے تو عربوں کی حالت اور مقام بھی عام تھا۔ لیکن اگر رسولؐ اللہ کا وہ مقام تسلیم کرلیا جائے جو قرآن کریم نے اُنؐ کو دیا ہے تو عربوں کی حالت اور مقام بھی وہی تھا جو ایسے رسوؐل کی بعثت کا تقاضہ اور مقصد ہو لہٰذا وہ سب سے بڑے ہادیؐ تھے تو عرب ساری دنیا سے زیادہ گمراہ تھے۔ اگر آپؐ تمام انبیا علیھم السلام کی کتابوں اور شریعتوں اور علوم کے حامل بھی تھے تو لازم ہے کہ عربوں میں وہ تمام مذاہب اپنی بگڑی ہوئی صورت میں موجود ہوں جو سابقہ انبیاؑ نے قائم کئے تھے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ تمام کتابیں بھی موجود ہوں اور اُنکے علما ومجتہدین بھی عربوں میں موجود ہوں تاکہ انہیں مخاطب کر کے اصل ونقل اور صحیح وغلط مذہبی احکام پر مطعون ومطمئن کیا جاسکے۔ اور اگر آنحضرتؐ تمام علومِ خداوندی کا مخزن اور قرآن کی رُو سے کائنات اور اُس کی ہر ہر چیز کی تفصیل (نحل 16/89) اور بیان ووضاحت (یونس 10/37) کے حامل تھے تو عربوں کو ساری دُنیا سے زیادہ پیچیدہ مسائل اور ابلیس کے انتہائی منصوبوں کا حامل سمجھنا ہوگا۔ اسلئے کہ جاہلوں کے لئے معمولی علم کا نبی کافی تھا۔ پہلی جماعت یا پرائمری جماعتوں کیلئے کسی خاص اور بلند وہمہ گیر اسناد والے ماسٹروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا عرب نہ جاہل تھے، نہ وحشی اور نہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بلکہ ساری دنیا کے ممالک اور اقوام میں جس قدر علوم ومکروفریب وسیاسی جوڑتوڑ اور قوانین اور اُن کو بے اثر کرنے کے طریقے، مذاہب میں اجتہادی

موشگافیاں اورتحریف، سازشیں وغیرہ موجود تھیں وہ سب عرب دانشوروں میں ثابت ہوتی ہیں۔ یایوں کہئے کہ جس طرح ہدایت واصلاح کیلئے آنحضرتؐ منتہائے کمال پر تھے اُسی طرح ابلیسی گمراہی اور فریب سازی کیلئے عرب دانشوراپنے منتہائے کمال پر تھے۔عربوں کی کثرت اُس ابلیسی گروہ کے ہاتھ میں اس قدر مضبوطی سے گرفتار تھی کہ اُن کو رہا کرانے کیلئے خدا کا بزرگ ترین نبیؐ مبعوث ہوا۔

اب ذرا اس فطری قرآنی اور تاریخی صورتِ حال میں کسی شخص کو اُس زمانہ میں ''**عربی**'' کہنا کیا کسی عزت ووقار کو ظاہر کرسکتا ہے؟ اہل عقل تو اس وقت کے ''عربی'' ہونے سے خودکشی کو زیادہ بہتر سمجھیں گے۔ یہاں یہ کمال دیکھئے کہ اُس زمانہ کے مذکورہ گروہ نے لفظ عربی یا عرب سے نسبت کو عزت وعظمت کا ایک نشان بنا کر خود آنحضرتؐ کے ساتھ چسپاں کردیا۔جنہیں قرآن میں مذکورہ عظمت کے بعد کسی طفیلی لقب وعظمت کی احتیاج نہیں ہے۔لوگ بڑے فخر سے؛ رسولؐ عربی، مکی ومدنی کہتے چلے گئے۔حالانکہ مکہ ہو یا مدینہ اور کعبہ ہو یا بیت المقدس، عجم ہو یا عرب، اُن سب کو آنحضرتؐ کے صدقے میں عزت وعظمت ملی۔لہٰذا صورتحال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سمجھ کر ہمیں عزت دینے کے خیال سے **عربی** کہہ دے تو ہم نہایت بُرا محسوس کریں گے اور پھر اگر ضرورت ہوئی تو اپنی کوئی کتاب پڑھنے کیلئے اسکے حوالے کردیں گے۔ہم اس لقب کو عظمت کی علامت نہیں سمجھتے ہیں۔لہٰذا اُس زمانہ کے عربوں کیلئے مجموعی تصور کی ترجمانی کرنے کیلئے طاغوت سے زیادہ کوئی ایک لفظ موزوں نہیں ہے۔اس کے برعکس مذکورہ بالا ورثہ داران نے لفظ عرب اور عربی کو دُنیا میں علامتِ عظمت بنا کر جاری کرنے میں اپنے کمال دانش وفریب کا ثبوت فراہم کردیا ہے اور ہم نے انہیں ہمیشہ داد دی ہے۔

2۔ لفظ ''عرب'' اُس کے معنی، اُس کی ابتدا اور مشرکین کی چالاکی

آپ کو بڑا تعجب ہوگا اگر ہم عرض کریں کہ آنحضرتؐ اور اُن کا خاندان علیھم السلام ہرگز عرب نہ تھے؟ الحمدللّٰہ کہ محبوبؐ خدا ہرگز اُس قوم اور اس کی خباثتوں میں ملوث نہیں ہوئے ورنہ اُن کے شجرہ کے ساتھ الفاظ طیبہ وطاہرہ کا استعمال اِن الفاظ کی توہین ہوجاتا۔آیئے اپنے زمانہ کے ایک نامور مؤرخ کی بات سنئے جو نہ صرف علوم مشرقیہ پر عبور رکھتے تھے بلکہ علوم مغرب اور مستشرقین پر پوری اطلاع رکھتے تھے۔وہ اپنی کتاب ارض القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

(1) لفظ ''عرب'' کے معنی '' لفظ ''عرب'' : عرب کو ''عرب'' کیوں کہتے ہیں؟ اسکے مختلف جواب دیئے گئے ''عرب'' اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی زبان آوری اور اظہار مافی الضمیر کے ہیں، چونکہ عرب کی قوم نہایت زبان آور اور فصیح اللسان تھی، اس لئے اس نے اپنا نام عرب رکھا۔اور اپنے سوا اُس نے تمام دنیا کو عجم یعنی ''بے زبان'' (گونگے) کے نام سے پکارا۔لیکن حقیقت میں یہ صرف نکتہ آفرینی اور دِقّت رسی ہے۔دُنیا میں ہر قوم اپنی زبان کی اسی طرح جوہری ہے جس طرح عرب۔''

(تاریخ ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 57 علامہ سید سلیمان ندوی طبع چہارم مطبع معارف اعظم گڑھ۔سیرۃ النبی، مصنف: علامہ شبلی نعمانی)

یہ بات طے ہوگئی کہ بعد کے مشرکین نے نہایت چالاکی سے لفظ عرب کے خود کاشتہ معنی تیار کئے پھر خود ساختہ زبان آور اور فصیح اللسان قوم بنے۔یعنی اپنے منہ میاں مِٹھو بن کر تمام دُنیا میں خود کو مشہور کیا۔چنانچہ آج تک لغات یعنی عربی ڈکشنریوں میں وہی غلط معنی

لکھے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ بتایئے اس تاریخی جعلسازی کے بعد ہم اُس قوم کی کس بات کا اعتبار کریں؟ ظہور اسلام کے بعد بھی یہ کام برابر جاری رہا۔ اور جس زبان کو خانوادۂ اسماعیل علیہ السلام نے نزول قرآن کے لئے تیار کیا تھا اُس کے ہر لفظ کے دس دس بیس بیس غلط معنی میں استعمال سے پوری زبان کو مشکوک و بے معنی بنا دیا۔ تا کہ قرآن کے احکام میں اختلاف واجتہاد کی گنجائش پیدا ہو جائے۔

(2) ''عرب'' کے صحیح معنی اور عرب کے علمائے انساب کی فریب سازی

مصنف مذکور نے مندرجہ بالا تحقیق میں مسلسل لکھا ہے کہ:۔

''علمائے انساب کہتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یَعْرَب بن قحطان تھا۔ جو یمنی عربوں کا پدرِ اعلیٰ ہے۔ اسلئے اس ملک کے باشندوں کو اور نیز اس ملک کو عرب کہنے لگے۔ لیکن یہ بالکل خلافِ قیاس اور معلوماتِ تاریخی کے مخالف ہے۔ نہ یعرب اس ملک کا پہلا باشندہ تھا اور نہ لفظ عرب کسی قاعدۂ لسانی کے مطابق یعرب کی طرف منسوب ہوسکتا ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ یعرب کا مسکن یمن تھا۔ اسلئے سب سے پہلے خود یمن یعنی جنوبی عرب کو عرب کہنا چاہئے۔ لیکن اسکے بالکل برخلاف ''عرب'' کا لفظ پہلے شمالی عرب کیلئے مستعمل ہوا تفصیل آگے آتی ہے۔ اہل جغرافیہ کہتے ہیں اور بالکل صحیح کہتے ہیں کہ عرب کا پہلا نام عَرَبَۃ اور عربۃ تھا۔ جو تخفیفاً بعد کو عموماً عرب بولا جانے لگا۔ اور اسکے بعد ملک کے نام سے خود قوم کا نام بھی قرار پا گیا۔''

(تاریخ ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 57 علامہ سید سلیمان ندوی)

یہاں قارئین یہ نوٹ فرمالیں کہ عرب خاندانوں اور باشندوں اور اقوام کے سلسلے میں عرب کے نسّابوں کا سو فیصد اعتبار ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ اور جن لوگوں نے عرب کے غلط معنی مشہور کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہو وہ بھی غلط واقعات کو پھیلانے اور مشہور کرنے کیلئے علمائے انساب کی آڑ لے سکتے ہیں۔ لہٰذا نہ وہ قابل اعتبار ہیں نہ نساب پر اندھا دھند بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔

(3) عرب اور عربۃ پر مزید تفصیل

علامہ موصوف نے آگے چل کر زمانہ قدیم اور آنحضرؐت کے زمانے کے شعرا اور جناب ابوطالب علیہ السلام کے قصیدہ کے اشعار سے ثابت کیا ہے کہ پہلے عرب کو عربۃ کہا جاتا تھا۔ اور آنحضرؐت کے زمانہ تک کہا جاتا رہا پھر وہ بتاتے ہیں کہ:۔

''دوسرا سوال یہ ہے کہ اس ملک کا نام عربۃ کیوں قرار پایا؟ اصل یہ ہے کہ تمام سامی زبانوں میں ''عربہ'' صحرا اور بادیہ کا مفہوم رکھتا ہے۔ عبرانی میں ''عربا'' (ערבה) بیابان اور میدان کو کہتے ہیں۔ اور خود عربی زبان میں اس مفہوم قدیم کے بقایا موجود ہیں۔ عـرابۃ کے معنی بدویت کے ہیں اور اَعرُاب اہل بادیہ (جنگلیوں) اور صحرا نشینوں کیلئے اب تک مستعمل ہے۔'' (ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 58)

پھر یہ اعلان کیا ہے کہ:۔ ''چونکہ عرب کا ملک زیادہ تر ایک بیابان بے آب و گیاہ ہے۔ اور خصوصاً وہ حصہ جو حجاز سے بادیہ عرب و شام اور سینا تک پھیلا ہوا ہے۔ اسلئے اسکا نام ''عربا'' قرار پایا اور پھر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندوں کو ''عرب'' کہنے لگے۔'' (ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 58)

یہ بیانات صرف علامہ سید سلیمان ندوی ہی کے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو عرب اور دیگر ممالک کے اُن محققین کے بیانات ہیں جنہوں نے بقول شخصے عرب کی کھال اُتار کر تحقیق کی ہے۔جنہوں نے قدم قدم پیدل چل کر، کھدائیاں کر کے، کتبات اور آثار قدیمہ کو سامنے رکھ کر تحقیق کی ہے۔علامہ کی کتاب کو اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ ننانوے فیصد قاریوں کی رسائی اُن مختلف زبانوں کی کتابوں تک نہیں ہو سکتی جہاں سے ہم اور علامہ خوشہ چینی کرنے پر مجبور ہیں۔ ملک عرب اور عربوں کے پوشیدہ اور چھپائے ہوئے حالات ابھی بہت باقی ہیں۔جن پر وہ سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔اور نہیں چاہتے کہ دنیا کے محققین اُن کا پردہ کھولیں۔مگر کہاں تک، وہ دن آئیں گے جب قرآن کریم سے ہمارا لکھا ہوا ہر ایک لفظ پورا ہو کر رہے گا۔ہم اُن کے پیرو ہیں جو زمین سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہو گیا ہے تو زمین اپنا حال سناتی جائے گی اور ثقلین علیہما السلام سے متعلق تمام اثقال پیش کر کے دامن خالی کر لے گی۔اور یہ کام جس کے ہاتھوں انجام دیا جائے گا اسی کو یداللہ اور ابوتراب فرمایا گیا ہے۔ بہرحال ہم عربوں سے بھی اور بعد والوں سے بھی قرآن سے دلیل طلب کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے غلط بات نہ کہی ہے نہ اس سے باطل کو کسی مقدار میں تائید مل سکتی ہے۔اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ‎o‏ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا‎o‏ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا ‎o‏ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا‎o‏ (سورۃ الزّلزال 99/1-4)

(4) قرآن کریم لفظ عرب کو قطعاً نظرانداز کرتا ہے

علامہ اس بحث و تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

''قرآن مجید میں لفظ ''عرب'' ملک عرب کیلئے کہیں نہیں بولا گیا ہے۔حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سکونت کے ذکر میں '' وَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ '' یعنی ''وادی ناقابل کاشت'' اس کو کہا گیا ہے۔اکثر لوگ اس نام کو عرب کی حالت طبعی کا بیان سمجھتے ہیں۔ لیکن اوپر جو تحقیقی بیان ہے (ہمارا پیرا سابق) اُس سے واضح ہے کہ یہ لفظ عرب کا بعینہ ترجمہ ہے۔چونکہ اس عہد میں اس غیر آباد ملک کا کوئی نام نہ تھا۔اسلئے خود لفظ ''غیر آباد ملک'' اس کا نام پڑ گیا۔(صفحہ 59 جلد اوّل ارض القرآن)

پھر علامہ نے توریت کی سند سے ثابت کیا ہے کہ اصل نام عربہ اور عرابا تھا۔اور صرف اس لئے کہ یہ غیر آباد ملک تھا۔یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آمد یعنی 2200 قبل مسیح تک اس ملک کا نام عرب نہ تھا۔اور یہ حقیقت ساری دنیا جانتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک بابل کی پیدائش اور سکونت رکھتے تھے۔لہٰذا نسل ابراہیمی کو عرب کہنا یا عربی قرار دینا نہ صرف غلط اور بہت بڑا اتہام ہے۔ بلکہ ایک ایسی سازش ہے جو مشرکین یا عرب کے اشتراکین نے تیار کر کے پھیلائی ہے۔

(5) لفظ ''عرب'' کی ابتدا کا تاریخی زمانہ: ''لفظ عرب سب سے پہلے 1000 ق م میں حضرت سلیمانؑ کے عہد میں سننے میں آتا ہے۔اور پھر اسکے بعد عام طور پر اس کا استعمال عبرانی، یونانی اور رومانی تاریخوں میں نظر آتا ہے۔''(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 59)

(6) یہ سب نام والفاظ وجود ہی نہ رکھتے تھے: یعنی قرآن کریم کی جس دلیل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی۔اسی دلیل سے نسل اسماعیلی نہ عربی ہے نہ حجازی، نہ مکی تھے نہ مدنی تھے۔یعنی جس طرح لفظ اسرائیل اور یہود و نصاریٰ یا عیسائی

ابراہیمؑ کے بعد کے ہیں۔اُسی طرح لفظ عرب وحجاز ومکہ وغیرہ بعد کے ہیں۔

''اوّل یہ سمجھنا چاہیئے کہ عرب، حجاز، مکہ، کعبہ یہ جتنے الفاظ واسماء ہیں اس وقت تک پیدا ہی نہ ہوئے تھے، لفظ عرب دسویں صدی قبل مسیح میں پیدا ہوا ہے۔حجاز کا لفظ اس سے بھی زیادہ مستحدث (یعنی بہت بعد کا، نیا) ہے۔مکہ کا نام دوسری صدی مسیحی میں بیطلیموس کے ہاں مکاربا کی شکل میں نظر آتا ہے۔اسی لئے تورات نے اس مقام (مکہ) کا نام اولاً صرف ''مِدْ بار'' یعنی بادیہ بتایا ہے۔اور قرآن نے اُسی کو وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی زمین) کہا کہ اسکے سوا اس کا اُس وقت کوئی دوسرا نام نہ تھا۔ مُدت کے بعد یہی لفظ بادیہ وصحرا اور وادی غیر ذی زرعِ اس ملک کا نام قرار پا گیا۔لفظ عرب کے لغوی معنی بادیہ اور صحرا کے ہیں۔مدبار (بادیہ) وادی غیر ذی زرع اور عرب ہم معنی لفظ ہیں۔اس لئے توراۃ کا یہ کہنا کہ اسماعیل نے بادیہ میں سکونت کی اس کے بالکل یہ معنی ہیں کہ اُس نے عرب میں سکونت کی۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 47)

یہاں اس گفتگو کو ختم اور مکمل ہو جانا چاہیئے کہ نسل ابراھیمی عربی یا عرب تھی یا یہ کہ عرب وعربی ہونا کسی قسم کی عزت وافتخار کی بات ہے۔اس کے برعکس کم از کم عرب یا عربی کہنے سے کسی کا جنگلی، غول بیابانی، غیر مہذب، اجڈ اور گنوار ہونا تو لغوی حیثیت سے ہمیشہ سامنے رہنا چاہیئے۔اور ایسا کہنے والے کی گوشمالی کرنا ہر سننے والے مخاطب پر لازم ہے۔

3۔ اصلی عرب اور مخلوط النسل عرب

(1) چونکہ مذکورہ بالا پیچیدہ ترین قوم کا تذکرہ کرنا ہے۔اس لئے غلط بیان سے بسم اللہ کرتا ہوں اور اصل قصہ سُنانے سے پہلے یہ دکھاتا ہوں کہ مسلمانوں کے محققین کس بے دردی اور بے تکلفی سے ایک خاندان یا ایک شریف نسل کو دوسری نسل یا خاندان میں ملا دینے یا الگ کر دینے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔سُنئے علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ:۔

''قبائل قضاعہ:۔عام علمائے انساب قضاعہ کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں۔اور ہم بھی یہاں اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ورنہ از روئے تحقیق وہ بنو اسماعیلؑ ہیں۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل صفحہ 108-107)

قارئین کرام ہماری طرف دیکھئے!! اور ایمانداری سے بتایئے کہ یہ کیا تماشہ ہے؟ کہ علامہ شبلی تحقیق شدہ ایک حقیقت کو قبول کرنے کے بعد اپنے سلف صالحین کی غلط بات کی اعلانیہ پیروی کر رہے ہیں اور نسل اسماعیلی کو ایک غیر نسل بنانے میں اُن کی تائید فرما رہے ہیں۔اسی قسم کے لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ بنی امیہ اور بنی ہاشمؑ ایک ہی خاندان کی دوشاخیں تھیں۔اگر خدانخواستہ معاذ اللہ ایسا ہوتا اور بنی امیہ نسلِ اسماعیل علیہ السلام سے ہوتے تو یقیناً نسل اسماعیلی پر اس طرح کھلّم کُھلاّ ھاتھ صاف نہ کیا جاتا۔اس لئے کہ یہ علمائے انساب بنی امیہ کے وظیفہ خوار وملازم تھے۔خاندان بنی امیہ اُن کی کھال اُتار لیتا۔لیکن اُن سب کا نسل اسماعیل کو خلط ملط کرنے میں حضرت شبلی تک متفق ہونا، اس بات کا بولتا ہوا بلکہ چیختا ہوا ثبوت ہے کہ یہ سب ماشاء اللہ اسماعیلی نسل کے بنیادی اور روزِ ازل سے دشمن تھے۔اور اُن کا نسل اسماعیل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔وہ اس لئے مختلف اور متضاد روایات کی ہمت افزائی کر رہے تھے کہ اس اُلٹ پلٹ، ادل بدل اور

الحاق واخراج کے ہنگاموں میں جس خاندان اور نسل کو چاہیں بنی اسماعیل کہہ کر پیش کر دیں اور جس خاندان کو چاہیں اسماعیلی نسل سے خارج کر دیں اور کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو سکے۔

(2) بنی اسماعیل برابر نشانہ بنائے جاتے رہے

سید سلیمان صاحب نے ایک نسلی مخمصہ اور الٹ پلٹ کا جھگڑا لکھنے کے بعد اپنا فیصلہ یوں سنایا ہے کہ:۔

''لیکن ہمارے نزدیک قبیلہ ہمدان، قبیلہ اشعر اور بعض دیگر قبائل کا قحطانی الاصل ہونا مشکوک ہے۔قبیلہ قضاعہ،خزاعہ اور لخم کو تو عموماً محققینِ انساب نے اسماعیلی وعدنانی کہا ہے خزاعہ کو، حدیث صحیح میں ہے کہ، آنحضرتؐ نے بنی اسماعیل کہا، اَوس وخزرج کا اسماعیلی النسب ہونا بھی بخاری کی حدیث سے ثابت ہے۔اور خود اَوس وخزرج کو بھی اس کا دعویٰ تھا۔بنی کندہ کے شاعر خود اپنے کو معد (یعنی بنی اسماعیل) کہتے ہیں۔غسان کا بھی اسماعیلی ہونا شعرائے عرب کے کلام سے ثابت ہے۔اصل یہ ہے کہ عام علمائے انساب کو صرف تین سلسلے معلوم تھے۔(1) عرب بائدہ (2) قحطانی سبا اور (3) اسماعیلی قیدار (عدنان) اس بنا پر جب کسی قبیلہ کی نسبت یہ ثابت ہو جاتا تھا کہ وہ بائدہ اور عدنانی نہیں ہے، تو لامحالہ اُس کو قحطانی فرض کر لیتے تھے۔حالانکہ توراۃ اور تاریخ کی رُو سے عرب میں (عرب بائدہ، قحطانی اور اسماعیلی کے علاوہ) اور بہت سے سلسلے ثابت ہیں۔'' (ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 272-271)

اس بیان سے عرب کے علمائے انساب کی معلومات کا نہایت حقیر و ناقابل اعتبار ہونا دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہے۔چند سطور کے بعد سید صاحب علمائے حدیث کو بھی بے اعتبار قرار دیتے ہیں۔اس لئے کہ وہ غریب بھی علمائے انساب کی پھیلائی ہوئی روایات کو لکھنے پر مجبور تھے ملاحظہ ہو:۔

(3) علمائے انساب اور علمائے حدیث کا نسلِ اسماعیلؑ میں گڑبڑ کرنا

''اس نکتہ کے سمجھنے کے بعد یہ عُقدہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ بعض علمائے انساب وعلمائے حدیث خود قحطان کو بنی اسماعیل کیوں کہتے ہیں؟ امام محمد اسمٰعیل بخاری کا میلانِ طبع بھی اُدھر ہی نظر آتا ہے (یعنی وہ کسی وجہ سے قحطانیوں کو اسماعیلی بنا دینا چاہتے ہیں)۔چنانچہ انہوں نے صحیح بخاری میں ایک باب'' نِسبَة الیمن اِلٰی بنی اسماعیلؑ '' مستقل باندھا ہے۔علمائے انساب میں زبیر بن بکار کی اور ابن اسحاق کی بھی یہی روایت ہے، علامہ ابن حجر بھی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اسی پہلو کو راجح قرار دیتے ہیں۔اس مبالغہ میں اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ بعض قحطانی شاخیں اسماعیلی ہیں۔اور یمن میں سکونت کے باعث یا کسی اور سبب سے اُن کو قحطانی فرض کر لیا گیا ہے۔'' (ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 272)

(4) یہاں تک کی گفتگو اور قبائل کا نتیجہ

یہاں سلسلہ کلام کو روک کر قارئین چند باتیں نوٹ کر لیں۔سب سے پہلی اور اہم ترین بات تو وہی ہے کہ عرب کے علمائے انساب اور علمائے حدیث چند نامعلوم اسباب کی بنا پر نسلوں اور خاندانوں میں گڑبڑ کرتے رہے ہیں اور یہ گڑبڑ زیادہ تر نسل اسماعیل کو

مشکوک کرنے کیلئے کی جاتی رہی ہے۔یعنی وہ کچھ لوگوں کو اسماعیلی ہوتے ہوئے قحطانی بنا دینا چاہتے ہیں اور کچھ قحطانیوں کو اسماعیلی بناتے اور بتاتے رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ جناب محمد اسماعیل بخاری اور اہلسنت والجماعت کی سب سے معتبر حدیث کی کتاب بخاری اور اس کی شرحیں اور علمائے انساب مل کر کچھ قحطانی قبیلوں کو اسماعیلی بنانے پر پورا زور لگاتے ہیں۔تیسری بات یہ ہے کہ بعض قحطانی شاخیں جو پہلے قحطانی مشہور کردی گئی تھیں یا حقیقتاً قحطانی تھیں، ان کو اسماعیلی بنانے کی کوشش سید صاحب کے خیال میں اس لئے کی گئی ہے کہ وہ یمن میں رہتے تھے۔یعنی ملک یمن میں سکونت رکھنا بھی قحطانی یا پھر اسماعیلیوں کی شناخت ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو انصار کہا جاتا ہے جو رسولؐ اللہ کو مکہ سے مدینہ لائے اور دن رات اسلام کی نصرت کی۔وہ دونوں قبیلے یعنی اَوس اور خزرج بھی یقیناً رسولؐ اللہ کے ہم نسب اسماعیلی تھے۔یہ بات خاص طور سے برابر یاد رکھیں۔اس لئے کہ اس سے تاریخ پر ڈالے ہوئے کئی پردے اُٹھ جائیں گے۔پانچویں بات یہ کہ قبیلہ قضاعہ کو اسماعیلی مانتے ہوئے قحطانیوں میں شمار کیا گیا ہے۔

اب ہم عرض کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا صورتِ حال یہ یقین پیدا کرنے کیلئے کافی ہے کہ علمائے انساب اور علمائے حدیث و تاریخ جس گروہ کے طرفدار و وظیفہ خوار اور تنخواہ دار تھے وہ گروہ ہرگز اسماعیلی نہ تھا۔ بلکہ وہ سب کے سب قحطانی تھے۔مگر نبوت و رسالت چونکہ بنی اسماعیل میں تھی اور اُس میں حصہ نہ مل سکتا تھا اسلئے اسماعیلی بن جانا بہت ضروری تھا۔لہٰذا اس حاکم گروہ نے تمام اہل قلم اور دانشورانِ قوم کو اس فہم میں اپنے ساتھ شامل کرلیا کہ جس طرح ہو سکے نسل ابراہیم و اسماعیل میں شمار کیا جائے۔لہٰذا قلم اور زبان و ذہن مصروف ہوگئے۔قدیم کہانیاں اور اشعار گھڑے گئے، روایات چسپاں کی گئیں، یا دکرنیوالوں اور اشاعت کرنیوالوں کیلئے وظائف اور بجٹ مقرر ہوئے۔ درسگاہوں نے کام شروع کیا اور تین سو سال کی محنت سے وہ ڈھانچہ بنا کر کھڑا کردیا جسے آج اسلامی لٹریچر کہا جاتا ہے۔اور ہم جس کی اوورھال (OVER HAUL) کرتے چلے آتے ہیں۔یہ بھی کام آنے والی بات ہے کہ یمن سے اسماعیلیوں کا خاص رشتہ ہے۔یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے تحریک تشیّع کی بھرپور امداد جاری رہی۔(دیکھئے کتاب ''**مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت**'')

یہ بات بھی ناقابل فراموش ہے کہ علمائے عرب، عرب کی سینکڑوں نسلوں اور ہزاروں قبیلوں کو یہ کہہ کر غائب کردینا چاہتے ہیں کہ وہ ظہورِ اسلام سے پہلے ہی صفحہ ہستی سے یکسر مٹ گئی تھیں اور صرف اسماعیلی اور قحطانی اور عرب بائدہ باقی رہ گئے تھے۔یا کُل یہی تین اقوام عرب کی اقوام تھیں۔اس انکار اور اقرار سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ منکرین اُن کے وجود کو اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہیں۔کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ قوم اُن ہی اقوام کے باقیات کی مخلوط نسل ہو؟ اور اسماعیلی بن جانے کے لئے اپنا راستہ صاف کررہی ہو۔

(5) علمائے انساب جن اقوام کو غائب کرنا ضروری سمجھے

قبل اس کے کہ ہم اُن عرب اقوام و قبائل کے نام اور دیگر تفصیلات لکھیں۔ یہ عرض کردیں کہ خدا نے کبھی کسی قوم کے تمام افراد کو تباہ و برباد نہیں کیا۔ بلکہ ہر قوم کے اچھے لوگوں کو محفوظ رکھا اور قوم نوحؑ اس کی مثال ہے۔لہٰذا یہ ایک فریب ہے کہ فلاں قوم یا قبیلہ قطعاً ختم ہو گیا تھا یا ہوجائے گا۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ قوم اور وہ قبیلہ کسی دوسری قوم یا قبیلہ میں مدغم ہوجائے اور بھول جائے کہ وہ کس قوم و قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔یا یہ کہ اُسے معلوم تو ہو مگر قومی بدنامی کی بنا پر اپنا قبیلہ یا اپنی قوم نہ بتائے۔جیسے آج کل کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ وہ اولادِ

یزید وشمر یا معاویہ یا عمر بن سعد یا مروان سے ہے۔حالانکہ یہ سب اولادیں موجود ہیں۔مگراب وہ ایک وسیع لفظ قریشی کی پناہ میں پوشیدہ ہیں۔اور چونکہ اچھی اقوام بھی اب تو شجرہ نسب نہیں لکھتیں لہٰذا سیّدوں کے علاوہ اس دستور کو بھی دقیانوسی سمجھ لیا گیا ہے۔اور مشکل سے ایسے چندلوگ ملیں گے جن کو اپنے دادا یا پردادا سے آگے کے نام معلوم ہوں۔لہٰذا اس بھری دنیا میں اب شجرہ نسب کو حماقت سمجھا جانے لگا ہے۔حالانکہ ایک آدمی کو اپنے شجرہ نسب میں صرف اپنی اولاد کے چند نام کا اضافہ کرنا پڑتا ہے۔اور یوں صحیح نسب اور نسبی حالات مرتب و مدوّن ہوتے چلے جاتے ہیں۔چونکہ رسولؐ اللہ کا خاندان برابر شجرہ برقرار رکھتا چلا آرہا تھا۔اور عرب کے کسی خاندان میں شجرہ مرتب کرتے رہنے کا دستور نہ تھا۔ہندوستان کی طرح رئیسوں کے گھروں پر میراثی یا بھانڈ آتے اور فلاں بن فلاں کی ایک راگنی الاپتے اور صرف چند موٹے موٹے نام لے کر سخاوت وشجاعت کی من گھڑت یا صحیح داستان کے صدقہ میں چند پیسے لیتے اور دوسرا دروازہ کھٹکھٹاتے۔ جس قوم کا شجرہ یوں چلا ہو اور جن کا دارومدار پیسوں اور بھانڈوں پر ہو وہ جب چاہے جس سے چاہے الحاق کرسکتی ہے۔ہر نیا بھانڈ نئے ناموں کا اضافہ کرسکتا تھا۔بیوی کے ساتھ آئے ہوئے بچے، گھر کے پلے ہوئے غلام، جہاں بیٹے بنا کر خاندانوں میں شامل کر لینے کا رواج ہو وہاں شجرۂ طیبہ کی دال کیا گلتی۔وہ تو وہ زمانہ تھا۔ہمارے دیکھتے دیکھتے لوگ پہلے علوی بنے پھر سیّد بن گئے۔اب ذرا وہ سلسلہ سامنے لائیے جس سے ملک عرب کی اقوام اور شجروں کا پتہ چلے اور عرب کے مؤرخین کی کارگزاری معلوم ہو جائے۔

(الف)۔ عرب کی اقوام،مؤرخین عرب کے نزدیک چار ہزار سال کی تاریخ

جناب علامہ سید سلیمان ندوی سامی اُمتوں کی تفصیل کے بعد عرب مؤرخین کے مسلّمات لکھتے ہیں:۔

''اُممِ سامیہ کی جو تفصیل اوپر بیان ہوئی اسکی بنا پر اُمم سامیہ اُولیٰ سے مقصود وہ قدیم سَامی قبائل ہوں گے، جو عرب کے سب سے پہلے اور ابتدائی باشندے تھے اور مختلف اغراض سے یہاں سے نکل کر بابل، مصر اور شام وغیرہ کے ملکوں میں پھیلے۔عرب مؤرخین اُن کو اُمم بائدہ یعنی برباد ہو جانے والے قبائل کہتے ہیں۔کہ وہ اپنے ملک عرب سے نکل کر برباد ہو گئے۔یا انقلابات وحوادث سے مٹ گئے۔بعض لوگ ان کو عرب عاربہ (خالص اور غیر مخلوط عرب) کہتے ہیں کہ وہ عرب کے خالص اور غیر مختلط النسل باشندے تھے۔اور نیز یہودیوں کی غلط پیروی میں اُنکو **عمالق** بھی کہا گیا ہے۔اہل عرب اپنے ان قدیم ہموطنوں کا ایک ایک کر کے ہر قبیلے کا نام بتاتے ہیں۔اُن میں سے عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طسم اور جدیس وغیرہ مشہور قبائل ہیں۔'' (ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ نمبر 124)

اس بیان سے ظہور اسلام کے وقت عاد وثمود، جرہم، لحیان اور طسم وجدیس اقوام کا مٹ جانا مان لیا گیا ہے جو بہت بڑا جھوٹ ہے اور ہم یہ جھوٹ کھول کر دکھانے والے ہیں۔

(ب)۔ اُممِ سامیہ یا عرب بائدہ کی مزید تفصیلات

علامہ ندوی صاحب نے (ارض القرآن میں) بڑی تفصیل سے مندرجہ بالا اقوام وقبائل کے حالات لکھے ہیں جن میں سے ہم ضروری حالات نوٹ کر کے آپ کو دکھاتے ہیں:۔

(1)۔عاد سب سے بڑا اور سب سے وسیع قبیلہ تھا۔اور تمام عرب بائدہ میں قوت حاکمہ تقریباً اسی کو حاصل تھی۔'' (جلد اوّل صفحہ 124)

(2)۔عربوں کی روایت کے مطابق عرب پر اور عرب سے باہر بابل اور مصر میں یہ عظیم الشان حکومت کا بانی تھا۔ (صفحہ 124)

(3)۔تحقیقاتِ جدیدہ نے فیصلہ کیا ہے کہ عرب کے تمام قدیم باشندے یعنی (اُمم سامیہ) ایک کثیر الافراد باعظمت جمیعت تھی۔جس نے بابل ومصروشام میں بڑی حکومتیں قائم کیں۔ (ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 126)

(4)۔قوم نوح کی بربادی کے بعد عرب میں جوسب سے پہلی مقتدر اور حکمران جماعت ظہور پذیر ہوئی،قرآن کی زبان میں اسی کا نام عاد ہے۔ (ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 127)

(5)۔عاد مسیح سے دو ہزار سال قبل مصر و بابل پر قابض تھے۔اوران کا نام اس زمانہ میں چوپان یا ہیک سوس (چرواہے بادشاہ یعنی بدوی بادشاہ) تھا۔(ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 127)

(6)۔عاد کی مرکزی آبادی،عرب کے بہترین حصے یمن وحضرموت میں سواحل خلیج فارس سے حدود عراق تک تھی۔دراصل حکومت کا مرکز ملک یمن تھا۔لیکن خلیج فارس کے کنارے کنارے وہ عراق تک وسیع تھی۔جس سے نہایت آسانی سے وہ راہ معلوم ہوسکتی ہے جدھر سے قوم عاد عرب سے عراق میں اور عراق سے دیگر ممالک میں پھیلی۔ (ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 130)

(7)۔بیرون عرب عاد کا زمانہ 4000 ق م سے 1900 قبل مسیح تک بابل مصر اور دیگر ممالک میں۔ (ایضاً صفحہ 132)

(8)۔عاد ہی میں سے عمالیق ہیں۔یہ متعدد قومیں ہیں جوملکوں میں منتشر ہوگئی تھیں اورانہی میں سے مصروبابل کے بادشاہ ہیں۔(ایضاً صفحہ 132)

(9)۔عاد اور عمالیق عراق کے بادشاہ ہوگئے تھے(ابن خلدون)۔کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بابل سے جزیرہ عرب میں اس وقت چلے آئے جب بنوحام نے اُنکی مزاحمت کی،یہ لوگ عراق سے نکلنے کے زمانہ میں بنوحام کے بادشاہ سے بھاگ کر حجاز چلے آئے۔(صفحہ 133)

(10)۔ مصر کے فرعون عمالیق میں سے تھے۔اُن ہی میں سے حضرت ابراہیمؑ کا فرعون تھا۔ان ہی میں سے حضرت یوسفؑ کا فرعون تھا اوراُن ہی میں سے موسیٰؑ کا فرعون تھا۔ (ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 146 اورمعجم یاقوت حموی)

(11)۔مورخ طبری اور ابن خلدون اور مصری مؤرخین کی سندات سے دو ہزار سال قبل عرب چرواہوں یا ھیک سوس بادشاہوں کی حکومت مصر پر ثابت کی ہے۔ (ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 147-148)

(12)۔مصر کے بادشاہ کا نام اسیس ہے جوقرآن میں عزیز ہے۔ (ایضاً صفحہ 149)

(13)۔حضرت ابراہیمؑ کو بادشاہ مصر نے اپنی بیٹی دی تھی۔ان واقعات سے نسبی تعلق کا پتہ چلتا ہے۔(ایضاً صفحہ 150-149)

(14)۔یوسفؑ کی تاکید کہ اُن کے بھائی بادشاہ سے خود کو چرواہے بتا کر تعارف کرائیں۔ (ایضاً صفحہ 150)

(15)۔تاریخ یعقوبی سے لکھا کہ اس کے بعد عمالقہ میں سے ایک اور بادشاہ ہوا جس کا نام ریان بن ولید تھا۔وہ حضرت یوسفؑ کا فرعون ہے۔پھر حضرت موسیٰؑ کا فرعون بادشاہ ہوا جس کا نام ولید بن مصعب ہے۔(ایضاً صفحہ 152)

(16)۔اسماعیلیوں کی ماں ہاجرہؑ مصری تھیں۔حضرت اسماعیلؑ کی بیویؑ بھی مصریہ تھیں۔حضرت یوسفؑ کو دربارِ مصر تک پہنچانے والے اسماعیلی تھے۔(ایضاً صفحہ 153)

(17)۔حضرت یوسفؑ کے عہد میں جو قحط پڑا تھا۔اس وقت یمن کی شہزادی جو عاد و عمالیق سے تھی، غلّہ منگوایا تھا۔(صفحہ 153)

(18)۔ان کی سلطنت کا نام ہیک سوس کی سلطنت ہے۔یہ بادشاہ چرواہے بادشاہوں کے نام سے مشہور ہیں۔اسلامی تاریخوں میں ان کا نام عمالقہ ہے۔ (ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 156)

(19)۔علامہ نے یہاں تک پوری تحقیق کا خلاصہ نمبر دے کر گیارہ حقائق میں پیش کیا ہے جو ہمارے نزدیک مندرجہ بالا جملوں کی تصدیق مزید ہے۔ (ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 159-158)

(20)عرب سامیہ کا اسیریا۔ایران فینقیہ، قرطاجنہ، کریٹ اور یونان تک جانا۔بسنا اور قوت حاصل کرنا۔(صفحہ 162-160)

(21)۔اسیرین نسلاً عرب تھے۔ (ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 161-160)

(22)۔سامی عربوں نے یعنی عرب بائدہ نے ہزار برس ایران پر حکومت کی۔ (ایضاً صفحہ 161)

(23)۔اسلامی مؤرخین کی رو سے ضحاک یمن کے بادشاہ کا نام تھا(صفحہ 161)۔اور یہی ضحاک وہ تھا جس نے ایران فتح کیا اور حکومت قائم کی اور وہ یہی یمن ہے جس کا باشندہ ہونا قحطانی یا اسماعیلیوں کی شناخت ہے۔

(24)۔ایران پر عرب بائدہ نے 600ق م تک حکومت کی۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 161)

(25)۔اسیریا پر امم سامیہ جن کا ذکر ہوتا چلا آرہا ہے اور جن کو برباد کرنے کی اسکیم تھی۔وہ 600 قبل مسیح تک ایران کے حاکم اور 600 ق م تک اسیریا کا حاکم رہنا ثابت ہے۔(ایضاً صفحہ 161)

(26)۔فنیشی اہل عرب ہیں۔یورپ تک تجارت کرتے تھے۔(ایضاً صفحہ 161)

(27)۔قرطاجنہ : جہاں اب تونس ہے وہاں پر بھی فنیش یا ارامی عربوں کی آبادی ہے جس کو اب کارتھج کہتے ہیں۔ان آرامی عربوں نے عظیم الشان حکومت کی بنیاد ڈالی۔جس سے رومۃالکبریٰ کی حکومت بھی لرز گئی۔(ایضاً صفحہ 162-161)

(28)۔یونان میں وہی سامی عرب آباد ہوئے۔یونان کے علوم اُنہی کا ورثہ ہیں قوم معین نے یہاں حکومت کی۔(صفحہ 162)

(29)۔قوم عاد اور قرآن کی ذیل میں عاد زبردست عظیم الشان کثیر التعداد قوم ساری دنیا کی تہذیب کی بانی اور عبرت انگیز تھی۔

(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 163)

(30)۔عاد ارم بن سام سے تھے۔بےنظیر قوم۔(ایضاً صفحہ 163)

(31)۔ھود پیغمبرؑ عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔(ایضاً صفحہ 166)

(32)۔عام طور پر مشہور ہے کہ عذاب کے بعد قوم عاد میں پھر کوئی زندہ نہ بچا۔یہ غلط خیال قرآن کی اُن آیات سے سمجھا گیا ہے (پھر آیات لکھیں)۔(ایضاً صفحہ 176)

(33)۔عذاب سے بچ جانے والوں (سورہ نجم میں عاد اولٰی کی ہلاکت ہے) کو عاد ثانی قرار دیا گیا ہے۔(ایضاً صفحہ 176)

اس کے بعد علامہ کی سرخی اندرون عرب ہے یعنی عرب کے اندر قوم عاد کا حال۔

(34)۔مندرجہ بالا تمام جملوں کیلئے فرمایا کہ یہ اُن قبائل کی سرگزشت تھی جو ملک سے باہر جا کر آباد ہوئے، خود اندرونِ ملک میں بھی بہت سی قومیں رہ گئی تھیں۔جن میں ثمود سب سے زیادہ مشہور اور جن کی ترقی کا زمانہ عاد اولیٰ کے بعد ہے، امم سامیہ کا جو حصہ باہر سے شکست کھا کر پھر عرب واپس آیا۔اس نے ڈیڑھ سو برس یہاں بھی اپنے عروج کو قائم رکھا۔اُس کی صحیح مثال مسلمانوں کی ہے۔فتنہ تاتار کے بعد بھی کئی سو برس تک وہ جیتے رہے۔لیکن اُن کی رُوح اُسی دن مر چکی تھی۔بہر حال خواہ باہر سے منہزمانہ واپس آ کر یا خود عرب میں رہ کر جن قبائل نے اندرون ملک میں حکومتیں قائم کیں وہ یہ ہیں۔''(ایضاً صفحہ 177)

(35)۔حضر موت سے عراق تک عاد ثانیہ۔عرب میں حجاز سے حدود سینا تک ثمود۔یمامہ میں طسم وجدیس۔یمن میں اہل معین۔

(ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 177)

(36)۔عاد اولیٰ کے باقیات میں سے حضرت ھودؑ اور اُن کے صحابہ اور جناب لقمان اور اُن کی حکومت ہے۔(ایضاً صفحہ 177)

کئی کئی سو برس کی عمر کا مطلب نسلوں میں اُن کی حکومت ہے۔(ایضاً صفحہ 178-177)

(37)۔حضرت لقمان عاد کے بیٹے اور شداد کے بھائی تھے۔(عرب کا سب سے پہلا مورخ اپنی کتاب التیجان میں لکھتا ہے)

(ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 178)

(38)۔لقمان یمن کے باشندے اور ایک قبیلے کے مالک تھے۔اُن کا صحیفہ حکمت عرب میں موجود تھا اور لوگ اس کو پڑھتے تھے۔

(ایضاً صفحہ 179)

(39)۔عاد کا ایک کتبہ جو 1834 عیسوی میں ملا تھا۔اس پر لکھا ہے کہ؛

<u>شریعت ھودؑ</u>:۔ہم پر وہ بادشاہ حکومت کرتے ہیں جو کمینہ خیالات سے بہت دُور اور شریروں کو سزا دینے والے تھے۔اور ھودؑ کی شریعت کے مطابق ہمارے واسطے پیدا ہوتے تھے۔اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔ (ایضاً صفحہ 180-179)

(40)۔ اُن فیصلوں کو لقمان کی کتاب قرار دیا ہے۔(ایضاً صفحہ 180)

(41)۔ کتبہ مندرجہ (39) پورا لکھا ہے(صفحہ 182 پر)۔آخری حصہ شامل کر لیں۔یعنی اچھے فیصلے ایک کتاب میں لکھے جاتے تھے۔

اور ہم معجزات کا یقین رکھتے تھے۔قیامت کے راز اور نتھنون کے راز پر ایمان تھا۔(ایضاً صفحہ 182)

(42)۔ یہ کتبہ معاویہ کے زمانہ میں پڑھا گیا تھا۔(ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 183)

(43)۔ یونانی وعربی تاریخ اور بطلیموس کی رو سے قوم عاد کا وجود دوسری صدی عیسوی تک ثابت ہے۔(ایضاً صفحہ 184)

(44)۔ عاد کے بعد شہرت اور سیاسی جانشینی ثمود کو حاصل ہے۔(ایضاً صفحہ 185)

(45)۔ قوم ثمود کے پیغمبر صالحؑ تھے۔(ایضاً صفحہ 188)

(46)۔ قوم ثمود اور عاد کے صالحین کو اللہ نے اپنی سنت کے مطابق محفوظ رکھا۔(ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 194)

بقایائے ثمود کو ثمود ثانیہ کہتے ہیں۔ (ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 195)

(47)۔ بطلیموس نے 140 عیسوی میں ثمود کے وجود و حالات لکھے ہیں۔ (ایضاً صفحہ 196)

(48)۔ قوم ثمود انباط (نبطیوں) کے پہلو میں آباد تھی۔ (ایضاً صفحہ 197)

(49)۔ قوم ثمود کے تین ہزار جنگجو بہادر تھے بادشاہ قیصر روم جسٹینین کی فوج میں داخل تھے 483 ء سے 565ء تک۔
(ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 197)

(50)۔ اولاد مدین یعنی اہل مدین نے ثمود کے علاقے فتح کر لئے۔ کچھ نبطیوں نے چھین لئے اسلئے وہ روم کے طرف دار تھے۔
(ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 197)

(51)۔ قبیلہ جرھم 2200 (دو ہزار دو سو) قبل مسیح میں جب حضرت اسماعیلؑ حجاز مکہ میں آئے تو یہ یہاں رہتے تھے (ایضاً صفحہ 198)

(52)۔ بعض نے امم سامیہ اولی میں سے کہا بعض نے قحطانی کہا۔ بعض جرھم اولی و جرھم ثانیہ کی صورت نکال کر اوّل کو امم سامیہ اور دوم کو قحطانی قرار دیا۔ (ایضاً صفحہ 198)

(53)۔ حقیقتاً جرھم قحطانی نہیں امم سامیہ اولیٰ کی قوم ہے جو مکہ میں حضرت اسماعیلؑ سے ملی تھی۔ (ایضاً صفحہ 199)

(54)۔ یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی امم سامیہ کے خاندان جرھم میں ہوئی اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی بیوی مصر سے تعلق رکھتی ہے۔'' (ایضاً صفحہ 200) یعنی مصر میں بھی امم سامیہ کا راج تھا۔

(55)۔ ظہور عہد اسلام میں جرھمیوں کی جمعیت باقی نہ تھی۔ تاہم اس کے منتشر افراد باقی تھے۔ عبید ابن شریہ جرھمی ایک شخص اس زمانہ میں یمن میں موجود تھا۔ وہ آنحضرتؐ کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ حضرت معاویہ کے زمانہ میں زندہ تھا اور اُن کے حکم سے عہد قدیم کی تاریخ اور داستانیں اس کی زبانی قلمبند کی گئیں۔ (ایضاً صفحہ 200)

(56)۔ طسم و جدیس یمامہ میں آباد تھے۔ بحرین۔ عمان میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ قوم عاد کے چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے۔ پہلے حکومت طسم کے ہاتھ میں تھی۔ عملوق بادشاہ کے مظالم سے جدیس کی ایک عورت عردس نے مہم چلائی۔ شاہ یمن کی مدد سے اس عورت اور جدیس کی مہم کو طسم نے دبا دیا اور یوں دونوں قبیلوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ملک غیروں کے ہاتھ میں چلا گیا (صفحہ 201)

(57)۔ اہل معین دراصل قوم عاد ثانیہ سے ہیں۔ 800 قبل مسیح ان کا ذکر اسفار یہود میں 200 قبل مسیح یونانی مؤرخ ذکر کرتا ہے۔
79 عیسوی پھر 80 عیسوی اور پھر 140 عیسوی میں بھی ان کا وجود ہے۔ (ایضاً صفحہ 205-204)

(58)۔ معینی یا قوم عاد کی حکومت یا بادشاہان کا زمانہ 1400 ق م سے 700 ق م تک تھا۔ فرنچ اور انگریز محققین کے نزدیک 800 ق م سے شروع کرتے ہیں۔ (ایضاً صفحہ 208)

(59)۔ معین قوم یا قوم عاد کا آخری زمانہ یونانی شہادتوں کی بنا پر سو برس قبل مسیح تک قائم تھا۔ پہلی صدی میں بھی ایک دو لفظ ملتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر قوم سبا کی عظمت سے یہ روایات پُر ہیں (صفحہ 211) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ معین قبیلہ قوم سبا میں مدغم ہو گیا تھا۔

(60)۔ 196 ق م کا یونانی مؤرخ معین قوم کا وجود بیان کرتا ہے۔(ایضاً صفحہ 211)

(61)۔ یونانی مؤرخ قوم سبا کا وجود 196 ق م میں لکھتا ہے۔حضر موت کا وجود بھی ساتھ ہی ساتھ مانتا ہے۔(صفحہ 212)

(62)۔ مورخ پلینی کی رو سے قوم معین 79 ق م تک موجود مگر سبا کے مقابلہ میں گم نام ہو چکی تھی۔(ایضاً صفحہ 213)

(63)۔ سبا کے مقابلہ میں پہلی صدی عیسوی تک موجود مگر شہرت نہ تھی۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 213)

(64)۔ 200 ق م سے 200ء تک قوم معین تاجر کی صورت میں موجود تھی۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 216)

(65)۔ قوم معین وثمود کے بادشاہوں کا ذکر عرب کے نسابوں مؤرخوں کو معلوم نہیں لیکن علمائے آثار نے تئیس (23) بادشاہوں کے نام ثابت کر دئے ہیں۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 217-216)

(66)۔ قوم معین عرب سامیہ اولی یا عاد اولیٰ کی بقایا نسل تھی۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 218)

(67)۔ بنی لحیان کو عربوں نے جرہم کی ایک شاخ بتایا ہے ابن خلدون بھی یہی کہتا ہے۔(ایضاً صفحہ 218)

(68)۔ امم سامیہ کا طبقہ ثانیہ بنوقحطان یا یقطان یا جقطان۔حجاز سے یمن تک بنوقحطان آباد تھے۔(قحطان کے تیرہ بیٹے۔صفحہ 222)

(69)۔ عرب نساب قحطان کے تیرہ بیٹوں میں سے صرف یارح حصارموت اور سبا سے واقفیت ظاہر کرتے ہیں (صفحہ 222)

(70)۔ بنوشلف بن قحطان حجاز میں آباد تھے۔الموداد کی نسل سواحل بحر فارس پر۔ہدورام کی نسل نے حجاز کی سمت اختیار کی اور بنوشلف کی طرح حجاز مدینہ اور کوہ ذامس کے اطرف میں آباد ہوئے۔حضرمہ کی نسل یمن میں۔اوزال کی نسل وسط یمن میں۔وقلاہ کی نسل یمن میں۔عوبال کی نسل کا پتہ نہیں ملتا۔ابی مائل حجاز کے آس پاس آباد ہوئے۔اوفر کی نسل یمن کے سواحل پر۔حویلہ کی نسل یمن میں شمالی جانب آباد ہوئی۔یوباب کی نسل یمن کے جنوب میں آباد ہوئی۔یارح اور حضرموت اور سبا کا ذکر مستقل ہے۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 224-222)

(71)۔ <u>یارح یا یعرب</u>۔عربوں کے نزدیک تمام اہل یمن کو یارح کا قبیلہ بتاتے ہیں۔اور شبا یا سبا کو بھی یعرب کا بیٹا سمجھتے ہیں۔اور یہی رائے ہمارے یہاں متفقاً تمام علمائے ادب وانساب کی ہے۔(ایضاً صفحہ 225)

(72)۔ یمن کا سب سے پہلا بادشاہ یعرب تھا۔سب سے فصیح عربی اُس سے منسوب ہے۔عربوں نے یعرب کیلئے غلط اولادیں لکھی ہیں۔(ایضاً صفحہ 226-225)

(73)۔ فرزندان حضرموت اکثر برباد ہو گئے جو بچے وہ قبیلہ کندہ میں مل گئے۔(ایضاً صفحہ 229)

(74)۔ اسلام کے بعد حضرموت قبیلے کے لوگ تجارت جہاز رانی کرتے رہے۔(ایضاً صفحہ 229)

(75)۔ جاوا سماٹرا حیدر آباد دکن وغیرہ میں یہ نسل موجود ہے۔(ایضاً صفحہ 229)

(76)۔ حضرموتی قبیلہ کی رشتہ داری قوم معین سے تھی۔لہٰذا معینی حضرموتیوں میں مدغم ہو سکتے تھے۔(ایضاً صفحہ 231)

(77)۔ قوم سبا امم قحطانیہ کی سب سے مشہور شاخ ہے۔(ایضاً صفحہ 233)

(78)۔ عرب روایت کے مطابق اس جدّ قبیلے کا نام عمر عبدشمس ہے اور لقب سبا تھا۔(ایضاً صفحہ 233)

(79)۔ تمام مؤرخین اور اہل نسب نے عبدشمس سبا کو قحطان کا پوتا لکھا ہے۔(ایضاً صفحہ 234)

(80)۔ قوم سبا ظہور اسلام کے وقت موجود تھی۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 237)

(81)۔ بنو کہلان کیا قحطانی ہیں۔قحطان کے دو بیٹے حمیر اور کہلان۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 271)

(82)۔ کہلان کا قبیلہ ایک خواب کی بنا پر سد مارب کے بہاؤ سے بچنے کے لئے حجاز، یمن، نجد، بحرین، عمان، یمامہ، مدینہ، عراق اور شام میں جا کر آباد ہو گئے۔(ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 271)

(83)۔ کہلان کے مختلف قبائل کہاں کہاں آباد ہوئے۔یمن میں ہمدان اور اشعر۔نجد میں کندہ اور قضاعہ۔حجاز میں خزاعہ (مکہ)، اوس وخزرج (مدینہ)۔عمان میں ازد۔شام میں عاملہ، غسان۔عراق میں لخم، جزام۔(ایضاً صفحہ 271)

(84)۔ یہی جگہ ہے جہاں عربوں نے کئی اسماعیلی قبائل کو قحطانی بنایا ہے۔(ایضاً صفحہ 272-271)

(85)۔ قوم سبا کے تیسرے اور چوتھے طبقوں میں اقوام تُبع اور اصحاب اخدود، ان سب کو قوم حمیر کہا جاتا ہے۔(ایضاً صفحہ 273)

(86)۔ جب حمیری قبیلوں نے قوت وحکومت پر قبضہ کر لیا تو سبا کے برسر اقتدار قبائل سمٹ کر مغربی عرب یعنی یمامہ، حجاز، عراق اور شام کے علاقوں میں آ بسے اور رزق ومعاش کے حصول میں کوشاں ہو گئے۔(ایضاً صفحہ 273)

(87)۔ خاص طور پر یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ حمیری قبائل کی تمام شاخیں قوم سبا ہی کی شاخیں اور قبائل ہیں۔جو انہیں الگ الگ اقوام قرار دیتے ہیں وہ غلط کار رہیں۔(ایضاً صفحہ 273)

(88)۔ قوم سبا کی حمیری شاخ کی عربوں پر حکومت پچاس سال قبل مسیح سے شروع ہو کر 525 عیسوی پر ختم ہوتی ہے (ایضاً صفحہ 277)

(89)۔ قحطانی اقوام کے لئے عربوں نے تسلیم کیا کہ فرزندان قحطان میں سے سب سے پہلے جو بادشاہ ہوا وہ حمیر بن سبا ہے۔یہ آخر وقت تک بادشاہ رہا تا آنکہ بڈھا ہو کر مر گیا۔پھر حکومت اس کی نسل میں وراثتاً جاری رہی۔اور اُن کے ہاتھ سے نہیں نکلی۔تا آنکہ چند صدیاں گزر گئیں پھر حارث الرائش بادشاہ ہوا جو پہلا تبع بادشاہ ہے۔اُس سے پہلے دو بادشاہ ہوتے تھے۔ایک سبا میں اور ایک حضر موت میں۔تمام یمنی ایک کی اطاعت پر متفق نہ ہوتے تھے۔لیکن جب یہ بادشاہ ہوا تو اُس کی بادشاہی پر متفق ہو گئے پھر اُس کی اطاعت کر لی اس لئے اُس کا لقب تُبّع ہوا۔ (صفحہ 278)

(90)۔ **اہل حبش**۔عربی میں حبش کے معنی اختلاط وامتزاج کے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک مخروج النسل اور مختلط النسب قوم تھی اسی قسم کا ایک قبیلہ مکہ کی پہاڑیوں میں آباد تھا۔عرب اس کو بھی احابیش کہا کرتے تھے۔(صفحہ 299)

(91)۔ بہر حال سبائی قومِ عرب نے اولاد حام بن نوحؑ کی افریقی شاخ سے اختلاط وامتزاج سے جو نئی قوم پیدا کی اس کا نام عربی زبان میں قوم حبش ہے۔'' (ایضاً صفحہ 302)۔ان ہی کو اصحاب الفیل کہا گیا ہے۔(ایضاً صفحہ 298)

(92)۔ اسلام کی عمر ابھی چھ سال کی ہوئی تھی کہ ستر آدمیوں نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔(ایضاً صفحہ 301)

(93)۔ ابرھہ نے پورے ملک عرب اور قوم سبا کو زیر کیا۔ سد مارب کی دوبارہ تعمیر کی، ایک کلیسا بنا کر اس کا نام کعبہ رکھا، چاروں طرف عیسائیت پھیلادی، مکہ پر حملہ کیا۔(صفحہ 313-309)

(94)۔ چار ہزار قبل مسیح کے بعد جب قوم عاد کی بابلی حکومت ختم ہوگئی اور بڑے حاکم خاندان حجاز واپس چلے آئے تو اسی زمانہ میں باقی قوم عاد کے عوام یا خواص نے بنو حام میں شادی بیاہ اور اختلاط شروع کر دیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں حبش قوم وجود میں آئی اور جہاں جگہ ملی آباد ہوتی پھیلتی چلی گئی۔

(95)۔ مدینہ 2200 قبل مسیح سے لے کر 1600 قبل مسیح تک کسی زمانہ میں قوم عمالقہ نے آباد کیا۔ جو کہ مصر کی حکومت چھن جانے کے بعد مدینہ میں آباد ہونے والے سب سے پہلے لوگ تھے۔(ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 99-98)

(96)۔ اولادِ حضرت اسماعیلؑ نے مکہ میں اقتدار حاصل کیا۔ ان کی پیشوائی برابر جاری رہی۔ یہاں تک کہ قبیلہ قحطان کے مختلف خاندان مکہ اور گردونواح پر قابض ہوگئے اور بنی اسماعیل سے بالا دستی چھین لی۔ حتّٰی کہ جناب قصیؑ نے از سرِ نو اقتدار حاصل کیا۔ (ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 99)

(97)۔ قصیؑ قریش کا پدرِ اعلیٰ تھا۔ آخر زمانہ میں یہاں کے مالک قریش تھے۔(ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 98)

جو لوگ آخر زمانہ میں مکہ اور کعبہ کے مالک تھے ان کا پتہ لگانے کے لئے ہی تو یہ عنوان لکھا جارہا ہے۔(اس کی تفصیل کے لئے عنوان نمبر 11 ملاحظہ فرمائیں جو آگے آنے والا ہے۔)

(98)۔ ظہورِ اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں ملک عرب کے اصلی باشندے تھے۔'' (سیرۃ النبیؐ صفحہ 107)

(99)۔ علامہ شبلی کی تحقیق کے مطابق ظہورِ اسلام کے وقت مکہ ومدینہ اور دیگر عرب کے شہروں میں حسب ذیل خاندانوں کی کھچڑی موجود تھی:۔(سیرۃ النبیؐ صفحہ 109-107)

اوّل : بنو قحطان کی شاخیں

نمبر1: قبیلہ قضاعہ	نمبر2: قبیلۂ کہلان	نمبر3: قبیلۂ اُزدحمیر (لقب)
بنو کلب	بنو بجیّلہ	بنو اُزد
بنو تنوخ	بنو خثعم	بنو اوس
بنو جرم	بنو ہمدان	بنو خزرج
بنو جہینہ	بنو کندہ	بنو خزاعہ
بنو نہد	بنو مذحج	بنو غسان
بنو عذرہ	بنو طے	بنو دُوس

بنواسلم	بنولخم	
بنوبلی	بنوجذام	-
بنوسلیح	بنوعاملہ	-
بنوضجعم	-	-
بنوتغلب	-	-
بنونمر	-	-
بنوتیم اللات	-	-

دوم: بنوخندف کی شاخیں

1۔بنوتیم	2۔بنوہون	3۔بنوکنانہ	4۔رباب ، 5۔بنوہذیل، 6۔بنواسد، 7۔بنوضبہ، 8۔بنومزنیہ
بنومقاعس	بنوقارہ	بنودول	-
بنوقریع	-	بنوقریش	-
بنوبہدلہ	-	-	-
بنویربوع	-	-	-
بنوریاح	-	-	-
بنوثعلبہ	-	-	-
بنوکلیب	-	-	-

سوم: بنوقیس کی شاخیں

1۔بنوہوازن	2۔بنوغطفان	3۔بنواعصر	4۔بنوعدوان، 5۔بنوسلیم
بنوسعد	بنوعبس	بنوغنی	-
بنونصر	بنوذبیان	بنوباہلہ	-
بنوجشم	بنوفزارہ	-	-
بنوثقیف	بنومرہ	-	-
بنوسلول	-	-	-
بنوعامر	-	-	-
بنوہلال	-	-	-
بنونمیر	-	-	-
بنوکعب	-	-	-

(100) ۔ علامہ شبلی نے عربوں کے اس سرمایہ کا تذکرہ کیا جس سے عربوں نے آئندہ چل کر وہ تاریخ لکھی جس پر ہم قطعاً اعتبار نہیں کرتے اس پر نظر ڈال لیں:۔

اوّل۔ زمانہ جاھلیۃ کی بعض تصنیفات جو سلاطین حیرہ کے کتب خانے میں محفوظ تھیں اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئی تھیں۔اور جن کا ذکر علامہ نے کتاب التیجان میں کیا ہے۔(سیرۃ النبیؐ۔جلداوّل صفحہ 106)

دوم۔ زبانی روایتیں جو قدیم سے چلی آرہی تھیں۔(سیرۃ النبیؐ۔جلداوّل صفحہ 106)

سوم۔ اشعار جاہلیت۔جن میں سے اکثر سلاطین واقوام اور عمارات عرب کا ذکر ہے۔(سیرۃ النبیؐ۔جلداوّل صفحہ 106)

(6)۔ پانچ ہزار سالہ تاریخ کو تین سو سالہ حکومت نے اُلٹا کر کھڑا کر دیا تھا

گزشتہ صفحات نہایت پھیکے اور خشک تاریخی حقائق کا ضروری خلاصہ تھے اور اُن کے بغیر بات تو کی جاسکتی تھی۔لیکن بعض اذہان میں اطمینان پیدا نہ ہوتا۔اس لئے قارئین کو بڑی زحمت کا سامنا کرنا پڑا۔پھر بھی آپ شکر کریں کہ آپ کو چند ہزار صفحات کے بجائے چند صفحات پڑھنا پڑے۔یہ ایک صد(100) جملے تو وہ ہیں جو مسلمانوں کے مؤرخین کے مسلّمات میں سے انتخاب کئے گئے ہیں۔ورنہ اگر دنیا کے حقیقی محققین ومؤرخین کے مسلّمات سامنے رکھ لئے جائیں تو باطل کے تمام قلعے مسمار ہوجاتے ہیں۔بہر حال اس انتخاب سے بھی حق کی کافی تائید حاصل ہوتی ہے۔اور جب اُن ایک سو مسلّمات کو بیک نظر دیکھا جاتا ہے تو حسب ذیل حقائق مشرکانہ پردوں سے باہر نکل آتے ہیں اور رنگ محفل قطعی طور پر بدل جاتا ہے۔اور وہ سازش برہنہ ہوجاتی ہے جسے دنیا کے مدبرترین دانشوروں نے اسلام کے خلاف برپا کی تھی۔اور جس قدر سابقہ ریکارڈ موجود تھے سب غائب اور تباہ کردئے گئے۔جس پر قرآن کریم بھی گواہ اور ہماری مندرجہ بالا ایک سو شہادتوں نے بھی ثابت کیا ہے۔اس سلسلے کی آخری شہادت علامہ شبلی کے قلم سے لکھی گئی ہے(شہادت نمبر 100)۔ذرا سوچئے کہ ابن ہشام دوسری صدی کا ایک مصنف ہے جو تیسری صدی کے اوائل میں وفات پاتا ہے۔اسے تو شاہان حیرہ کی تصنیفات مل جاتی ہیں لیکن اس سے پہلے نہ کوئی دوسوسال تک اُن کتابوں کا ذکر کرتا ہے نہ وہ کتب خانہ کسی اور کو ملتا ہے۔یہ بات خود ثابت ہوجاتی ہے کہ اگر شاہانِ حیرہ جو سابقہ حکومتوں کے مقابلہ میں نہایت کمزور، بےعلم اور گھٹیا لوگ تھے،ایک کتب خانہ ورثہ میں چھوڑتے ہیں تو اُن سے زیادہ دیندار و سمجھدار بادشاہوں کے یہاں اُن سے بہتر کتب خانے کیوں نہ ہوں گے۔اور وہ سب خودبخود کیوں غائب ہوجائیں گے؟ کہاں چلے جائیں گے؟ اور پھر اُن کتب خانوں میں شاہان حیرہ کا کتب خانہ دوسوسال بعد صرف ابن ھشام کو کیوں مل جائے گا؟ کسی اور کو دوسوسال تک اس کا پتہ کیوں نہ چلے گا؟ اور پھر وہی علامہ شبلی اینڈ کمپنی جو زمانہ تصنیف وتالیف کی اُن ہزاروں روایات کا انکار کرتے ہیں جنہیں مسلمان علمانے کتابوں سے کتابوں میں لکھا۔یا اسلام کے زمانہ میں زبانی روایات سے کتب حدیث میں جمع کیا تو بتایئے کہ ہم کیوں اُن زبانی روایات کو قبول کریں گے جو بقول شبلی اینڈ کمپنی عہد جاہلیت میں زبانی گھڑا جاتا رہا۔اور ایک سازشی اور حاکم گروہ نے اپنے حق میں تاریخ کہہ کر لکھوا ڈالا؟ بات دراصل یہ ہے کہ جس طرح ہم نے سازش کے اس قلمی انبار کو سامنے رکھا،ٹٹولا، پرکھا اور اُس کی تمام کڑیاں الگ الگ کرکے دکھائیں۔اور نہ قارئین سے ہماری طرح رابطہ قائم کیا۔نہ اُن کو اس سازش پر متوجہ کیا نہ اُن سے غور وفکر کی اپیل کی۔

بہرحال ہمارا کام اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تمام متعلقہ حقائق قارئین کے روبرو پیش کر کے اُن پر تمام دنیا کے مسلّمہ قواعد کے مطابق نتائج کو ترتیب دیتے اور حق و باطل کو الگ الگ کرتے چلے جائیں۔ یہ قارئین کا کام ہے کہ وہ حق کو حق سمجھ کر اختیار کریں اور باطل کو باطل سمجھ کر ترک کریں یا نہ کریں۔

چنانچہ ہم عربوں اور اُنکے منصوبے کے خلاف اس حقیقت کو ہرگز فراموش نہ کریں گے کہ جو شاہی خاندان عوام میں مل کر عمداً زیر پردہ چلے گئے تھے۔ اُنکے پاس عرب کی قدیم تاریخ اور سابقہ کتبہائے خداوندی کا ذخیرہ بالکل محفوظ تھا اور عرب کے متعلق صرف اُن ہی کی باتیں صحیح ہوسکتی ہیں اور وہ خاندان وہی ہیں جن پر قرآن نازل ہوا اور سابقہ عالمی تاریخ کا حوالہ دے دے کر زمانہ قدیم و جدید کے انکشافات کئے۔ اور تمام عرب کو چیلنج کیا کہ تمہارے پاس اگر ہمارے ریکارڈ کے خلاف کوئی کتاب ہو تو پیش کرو (فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ) اگر تم سچے ہو تو اپنی وہ کتاب پیش کرو جس میں تمہارے مسلّمات لکھے ہوئے ہیں (صافات 37/157)۔ وقت آنے پر ہم قرآن کریم سے اس خاندان کے پاس اللہ کی نگرانی میں مرتب کردہ مسلسل ریکارڈ ثابت کرینگے۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ وہ ریکارڈ جو جناب امیر معاویہ نے عبید ابن شریہ وغیرہ کی زبانی ترتیب دلوایا تھا (شہادت نمبر 55) سراسر غلط اور سازشی ہے اور اس جعلی تاریخ سے جو کچھ مشہور کیا اور تمام دنیا کے مؤرخوں کو مغالطات میں مبتلا کیا وہ حسب ذیل عنوان میں از سرتاپا تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ اور اسکے غلط ہونے پر ایک سو شہادتیں لکھی جا چکی ہیں۔ آیئے اور نئی حقیقتیں دیکھ کر تاریخ کو از سرنو مرتب کیجئے اور مشرکین کے مسلّمات کو ٹھکرا دیجئے۔

(7)۔ خانوادۂ حسینؑ نے مشرک تاریخ کا پردہ چاک کر دیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کو مخاطب کیا تھا۔ اُن کو جاہل وغیر متمدن وغیرہ قرار دینا ایک سوچا سمجھا فریب ہے۔ آنے والے اہل قلم اور مؤرخین کو اس طرح ابتدا کرنی ہوگی کہ رسولؐ اللہ کے مخاطب اُن لوگوں کے ورثہ دار ہیں جنھوں نے دنیا کو لکھنا پڑھنا سکھایا، دنیا میں علوم وفنون کی ابتدا کی اور تحقیقات علمیہ کو معراج کمال پر پہنچایا تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے بابل و یونان اور روم و ایران کو علوم وفنون وتہذیب وتمدن، صنعت وحرفت، سائنس اور سیاست کی روشنی عطا کی۔ اُن پر ہزاروں سال کی حکومت کی، انہیں قوانین وشریعتیں عطا کیں، اصول جہاں بانی اور ضابطہ حکمرانی کے ڈھیر لگا دئے۔ کتابیں لکھیں، کتبات لکھے، قلعے بنائے، پہاڑوں کو تراش کر ایسے محلات تیار کئے جن میں کوئی جوڑ اور تیڑ نہیں تھی۔ ایک سینکڑوں فٹ بلند و وسیع پتھر کو کاٹ تراش کر، کھود کر، عالی شان مکان تیار کرنا سکھا گئے۔ زمین دوز اور فلک بوس اور خود بولنے والی ایک ایسی تاریخ لکھ کر چھوڑ گئے جسے آج کی زبان میں آثارِ قدیمہ کہتے ہیں۔ اور تمام سابقہ تاریخی فریب کا تار پود بکھیر رہی ہے۔ جن کو دنیا میں خدا سمجھ کر پوجا گیا۔ جن میں خدا کے پسندیدہ انبیاءؑ ورسلؑ بھی تھے۔ جن میں مجسم شیاطین بھی تھے۔ فراعنہ مصر بھی اور نمارید بابل بھی تھے۔ مگر نہ ہر فرعون بُرا تھا، نہ ہر نمرود اچھا تھا۔ اُن ہی میں بے نظیر و بے مثال فلاسفر تھے۔ لاجواب ماہرین قوانین وسیاسیات ومذہبیات تھے۔ ان ہی کے اندر ابلیس سے رابطہ رکھنے والے مجتہدین بھی تھے۔ اُن ہی میں وحی و علوم خداوندی کے حاملین تھے۔ اُن ہی میں وہ صاحبان علوم تھے جن پر براہِ راست شیطانی وحی اور نوازشات نازل ہوتی تھیں۔ ان ہی میں وہ لوگ تھے جنھوں نے بنی نوع انسان کو بولنا سکھایا، مختلف زبانیں جاری کیں، تصنیف وتالیف سکھائی، کاغذ ایجاد کیا، کتب خانے قائم

کیے، نسلوں اور قبائل کے نسب نامے شجرے مرتب کئے اور دنیا میں اعلیٰ درجے کی نسلیں تیار کرنے کا انتظام کیا اور ساری دنیا پر چھا جانے والے افراد تیار کئے۔ اُن ہی میں وہ لوگ تھے جنھوں نے نسلوں کو مخلوط کیا، دوغلی نسلیں تیار کیں۔ بنی آدمؑ میں تفریق کو مٹانے کے لئے تمام نسلوں کو خلط ملط اور گڈ مڈ کر کے طبقہ واریت کو مٹانے کا کام کرتے رہے۔ اُن لوگوں کو قرآن کریم نے ہر جگہ مخاطب کیا ہے۔ اُن کی جنسی بے راہ روی کی مذمت کی ہے۔ اُن کے نظام شرکت واجتہاد کا منصوبہ واضح کیا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرنے والے تھے یا کر رہے تھے، اس کی تفصیلات پہلے سے مسلمانوں کو بتا دی تھیں۔

(8)۔ مشرکین عرب نے عرب کی اقوام وقبائل اور خاندانوں میں چار سو بیس کی ہے

ایک سو شہادتوں سے یہ حقیقت ثابت ہوگئی ہے کہ رسولؐ اللہ کے مخاطبوں میں جناب حام اور سام کی ہر نسل اور ہر قبیلے اور ہر خاندان کے لوگ موجود تھے۔ یعنی اُن میں امم سامیہ یا عاد اولیٰ؛ عاد ثانیہ؛ ثمود اولیٰ؛ ثمود ثانیہ؛ قبیلہ جدیس اور طسم وقحطان وسبا اور اُن کی تمام شاخوں کے افراد، سنت اللہ کے مطابق، مسلسل بلا انقطاع نسل، موجود رہتے ہوئے آنحضرتؐ کے مخاطب قرار پائے۔ مشرک تاریخ کا یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ ظہور آنحضرتؐ کے وقت صرف نسل اسماعیل علیہ السلام باقی اور چند اکا دُکا لوگ قحطان اور عدنان کے بھی باقی تھے۔ انہوں نے یہ چاہا ہے کہ مکہ معظّمہ کے تمام باشندوں کو نہیں تو کم از کم اُن کی کثرت کو نسلِ اسماعیل سے ثابت کر دیا جائے۔ حالانکہ مکہ میں جن لوگوں کی کثرت تھی وہ سب کے سب قحطانی یا جرہمی قبائل کی شاخوں کے لوگ تھے۔ اور جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں گنتی کے مشہور لوگ موجود تھے۔ اُن کی تعداد متعین کرنے کے لئے سب سے واضح طریقہ یہ ہے کہ جس قدر لوگ تین سال تک شعب ابوطالبؑ میں محصور ومجبور رکھے گئے۔ اُن کے علاوہ کوئی بھی جناب قصی علیہ السلام کی اولاد میں سے نہ تھا۔ جس طرح مشرک تاریخ نے تمام عرب بائدہ کا مٹ جانا، تمام جرہمی قبائل کا ختم ہو جانا دکھایا ہے اُسی طرح ہم نے مندرجہ بالا ایک سو شہادتوں سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مشرک تاریخ سر سے پیر تک نہ صرف جھوٹی ہے بلکہ مکر وفریب کا ایک ایسا پلندہ ہے جس میں سے صرف وہی باتیں قابلِ قبول ہیں جو مشرک منصوبے کے خلاف ہوں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ کبھی بھی کوئی قوم یکسر فنا نہیں ہوئی۔ بلکہ اُس کے صالح افراد ہمیشہ باقی رہے۔ اور وہ تمام لوگ مٹتے چلے گئے جو نا قابل اصلاح تھے۔ قرآن اس پر گواہ ہے۔ حضرت ھودؑ اور جناب صالحؑ ایسے پیغمبر علیھما السلام اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ قانون ارتقا یعنی بقا للاصلح روزانہ مشاہدہ کے لئے موجود ہے۔ لیکن مشرک منصوبہ بلا تکلف یہ راگ الاپتا چلا گیا کہ فلاں فلاں اقوام یکسر فنا ہوگئیں اور صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔ تاکہ وہ اپنے مشرک راہنماؤں کو اولاد اسماعیلؑ بنا سکے۔ ہوتا یہ رہا ہے کہ قوم عاد نے اقتدار حاصل کیا اور اس کے دانشوروں نے تمام معلومہ ممالک میں پھیل کر اپنی حکومتیں قائم کیں۔ مقدر آزما قسم کے خاندان بھی عرب سے باہر نکلے۔ اپنی حکومتوں کے زیر سایہ دوسرے ممالک میں آباد ہوئے۔ مملکتی فوائد ورعایات سے مالا مال ہوئے، بڑھے، پھلے اور پھولے۔ جب اقتدار نے ظلم وجبر کی راہ اختیار کی تو مظلوم اقوام وقبائل، خواہ حاکم قوم سے تھے یا دیگر اقوام سے، سب مل کر انقلاب کیلئے اُٹھے۔ اُدھر ظلم وجبر نے پوری شدت اختیار کی۔ عسکری طاقت نے مخالف کا سر کچلنے میں جب سارا زور لگا دیا تو تھک کر انقلاب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ حاکم طبقہ چن چن کر، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ قوم کے سر برآوردہ لوگوں پر بھی مصائب آئے۔ حاکم قوم

کی کثرت جہاں جہاں آباد تھی اُس نے سر جھکا کر نئے انقلاب کی اطاعت کی۔عوام جہاں جہاں اور جس جس ملک میں تھے پہلے ہی وہاں کے باشندہ اقوام وقبائل میں گھل مل گئے تھے۔محکوم اقوام نے حاکم قوم سے فائدہ اُٹھانے کیلئے اُن سے رشتہ داریاں قائم کر لی تھیں۔اُن کے قریب پہنچ کر اُنکے راز معلوم کر لئے۔خفیہ اسکیمیں بنانا اور کامیاب ہونا شروع کر دیا تھا۔رفتہ رفتہ اُنکے خلاف مظلوموں کو بیدار کر دیا تھا۔یہی لوگ تھے جنہوں نے اب نیا انقلاب پیدا کیا۔

اب اسی فطری راہ سے حاکم قوم کے دانشوروں نے چلنا شروع کیا اور اب یہ لوگ جب دوبارہ اقتدار حاصل کر لیں گے تو اُن کا نام عاد اولیٰ کی جگہ عاد ثانیہ ہو جائے گا۔یعنی قوم عاد کی پہلی حکومت فنا ہو کر اب عاد ثانیہ کے نام سے حکمران ہوئی۔اس کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ قوم عاد یا عرب بائدہ یا امم سامیہ اولیٰ دنیا سے مٹ گئی؟ مگر مشرکوں نے ہر حکومت کے خاتمے پر ہر حاکم قوم کے فنا ہو جانے کا اعلان کر دیا۔حالانکہ قوم کی کثرت موجود رہتی اور بڑھتی اور مختلف سر برآوردہ افراد کے ناموں سے مختلف قبائل میں پھیلتی چلی آئی۔اسی ایک نسل کا نام کبھی ثمود ہوا، اُسی کو کبھی طسم کہا گیا، وہ جدیس کی شکل میں سامنے آئی۔اسی نے اپنا نام قحطانی رکھا، کسی درجہ میں وہی جرھمی تھے۔اسی قوم نے مختلف قومی یا شخصی ناموں سے دنیا بھر پر حکومت کی۔وہی قوم مختلف لوگوں کی بداعمالیوں سے مختلف ناموں کے ساتھ بدنام ہوئی، کبھی ذلیل وخوار ہوئی، کبھی نشانہ عذاب خداوندی بنی۔دنیا کی تماشہ گاہ میں تاریخ کے پردہ پر وہی قوم ہیرو بن کر آئی۔غلام کی صورت میں نمودار ہوئی۔ظالم وجابر کے روپ میں جلوہ افروز ہوئی۔مسند نبوت وخلافت کی آن بان اور شان سے چمکی۔دعوائے خدائی کرتی ہوئی دکھائی دی۔بُرے لوگ یا ذلیل کر دئے جانے والے لوگ نام آور اقوام وقبائل وافراد کے پاس مظلوموں، بے کسوں اور بے سہارا لوگوں کی صورت میں حاضر ہوئے۔اور دن رات خدمت کی۔خلوص ووفاداری کے حقیقی یا مصنوعی ثبوت فراہم کئے۔اُسی قوم یا قبیلے یا اُن ہی افراد کی اقوام وقبائل کے افراد کہلانے لگے۔اُن ہی ایسے نام رکھے۔بعض ہمیشہ وفادار واحسان مند رہے۔بعض نے اُن ہی اقوام وقبائل و خاندانوں کے نام رکھتے ہوئے اپنے سرپرستوں سے حسب موقعہ غدّاری کی اور زمام اقتدار سنبھال لی۔یہ غدر ووفا، یہ مکر ودغا مسلسل جاری رہا، رہتا چلا گیا۔ظالم وجابر لوگ ذلیل وخوار ہو کر دور دراز علاقوں میں نکل جاتے۔نام بدلتے، میک اپ کرتے، بہروپ بدلتے۔اپنی خباثتوں کو صبر وشکر کا نام دیکر تہہ در تہہ پردوں میں چھپاتے اور کسی عالی نسب، رحم پرور، بامذہب، ہمدرد خلائق خاندان یا قوم کا سہارا لیتے رہے اور موقعہ ملنے پر نام کے سوا سارے پردے ہٹا کر سامنے آتے۔اور تمام احسانات کو اپنی عقلمندی اور بصیرت کا نام دے کر تمام ممکنہ مظالم کرتے۔احسانات ومظلومی کے سب سے بڑے ہیرو بنی اسماعیلؑ ہیں۔اور ظلم وخباثت کی سب سے بڑی مثال کربلا ہے۔جو اچھائیاں ساری دنیا کی اقوام نے اجتماعی صورت میں کیں وہ تمام اور اُن پر اضافہ خانوادۂ حسینؑ نے تنہا کیا اور جو مظالم دنیا کی ساری اقوام وقبائل وخاندان وافراد پر ہوئے وہ تمام اور کچھ اضافہ کے ساتھ حسینؑ اور خانوادۂ حسینؑ پر ہوئے۔

اور سب سے بڑا ظلم اور ہمیشہ کے لئے جاری رہ سکنے والا ستم یہ کہ تاریخ کا رُخ موڑنے کے لئے ایک مسلسل اسکیم چلائی گئی۔مخالف اقوام وقبائل اور خاندانوں نے اپنا انفرادی اور اجتماعی سارا زور، پوری قوت، ہمہ قسمی بصیرت، ہر مکر وفریب، ہر جعلسازی اور ہر دغابازی اس اسکیم پر صرف کر دی۔اُنہوں نے اپنے محسنوں کے ساتھ کیا کیا؟ یہ قرآن سے لکھا جانا چاہئے۔محسنوں نے اُن کے ساتھ کیا

کیا؟ اور کیا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟ قرآن کریم گواہی دے گا۔مخالفین اور بے وفا لوگ ہمیشہ بیٹا بن کر دغا کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قرآن نے جھٹک کر اس راستہ کو آئندہ کے لئے بند کر دیا۔محمدؐ تمہارے لوگوں میں سے کسی ایک کا بھی والد نہیں ہے (احزاب۔33/40) تم لوگ اُس کے بیٹے نہیں ہو۔اس سورہ کا نام ہی اقوام وقبائل و خانوادوں کی جمعیت کو ظاہر کرنے کے لئے احزاب رکھا گیا ہے۔ ہماری کتاب ''**اسلام اور جنسی تعلقات**'' کی بنیاد اسی سورہ کی تفاصیل پر رکھی گئی ہے۔ یہ سورہ خانوادہ حسین علیہ السلام کوعرب کے دیگر قبائل کے اختلاط سے پاک کرتی ہے۔اُسی میں آیت تطہیر ہے۔قرآن میں جونمبر اس سورہ کو ملا ہے(33) وہی نمبر آیت تطہیر کو دیا گیا ہے تا کہ یاد رکھنے میں سہولت ہو یعنی ''**33/33**'' کوئی نہیں بھول سکتا۔یہی سورہ ہے جس میں اس خانوادہ کی مستورات کو قیامت تک کے لئے غیر جنس پر یعنی اس خانوادے کے علاوہ باقی تمام اقوام و قبائل و خانوادوں اور افراد پر حرام کر دیا گیا (احزاب۔33/53)۔یہی سورہ ہے جس نے حسین اور خانوادہ حسین علیھم السلام کی معزز مستورات کوتمام باقی خانوادوں کی ماں کا درجہ دے کر آئندہ اُن سے جنسی تعلقات کی تمام راہیں بند کر دیں۔اور اس طرح اولا دحضرت اسماعیل علیہ السلام کی کریم وعظیم ترین شاخ کو اُس اختلاط والحاق وتلبیس کی تمام صورتوں سے محفوظ کر دیا۔اس سورہ کو اوّل سے آخر تک پڑھیں تو حزب الشیطان کے تمام گروہوں کی کمر ٹوٹی ہوئی ملے گی۔مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اس سورہ کے نزول یا اعلان کے بعد ہی سے مشرکین نے اپنی مہم کو تیز تر کر دیا۔اور کوشش کی کہ خانوادۂ رسوؐل کی عظمت و بزرگی ہی کو نہیں بلکہ اُس کے وجود کو دنیا سے مٹا دیا جائے۔یہی سورہ تھی جس کے نزول یا اعلان کے بعد ماہرین سیاسیات و مذہبیات نے وہ منصوبہ تیار کیا جس کا ایک نتیجہ کربلا میں نمودار ہوا۔اختلاط نسل تو اوپر سے چلی آرہی تھی۔اب نسلی رقابت کا پردہ ڈال کر اور قرآن و رسولؐ کے تصورات کے خلاف تصورات رکھنے اور اقتدار وحکومت حاصل کرنے کا الزام لگا کر اس خانوادے کے خلاف محاذ آرائی شروع ہوگئی۔یہیں سے گزشتہ وآئندہ تاریخی جعلسازیوں کی ابتدا ہوئی۔

(9)۔ تاریخی دباؤ سے جولوگ خانوادۂ رسولؐ کی آڑ میں پوشیدہ تھے برسرِ پیکار ہوگئے

اُنہوں نے کہا کہ عرب کی تمام ظالم و جابر و حاکم نسلیں تباہ ہوگئی تھیں۔عرب میں جہلا و جہالت کے ڈیرے لگے ہوئے تھے۔ یہاں نہ کوئی شریعت تھی نہ خدا کا نام لیا جاتا تھا نہ عرب میں کوئی نبیؑ گزرا تھا نہ یہاں کوئی خدائی کتاب موجود تھی۔عرب کے اس دور کو ایام جاہلیت قرار دیا گیا۔لیکن ہم نے ایک سو شہادتوں سے یہ ثابت کر دیا کہ عرب گہوارہ علوم وفنون تھا۔یہاں شریعت کے احکام بادشاہان عرب کی سطح سے نافذ ہوا کرتے تھے۔یہاں الہامی کتابیں موجود تھیں۔یہاں سے قوانین ساری دنیا میں پھیلائے گئے۔یہاں مسلسل بلا انقطاع حکومتیں قائم رہتی چلی آئی تھیں۔حتّٰی کہ آنحضرتؐ نے بادشاہانِ عرب کو خطوط لکھے اُن کے پاس وفود بھیجے۔اُن کے ممالک میں پہلی ہجرت کے لئے مسلمانوں کو اُن کی پناہ میں بھیجا۔مشرک گروہ نے کہا کہ نہ عرب کبھی حکومت سے واقف ہوئے تھے نہ محکوم رہے تھے۔ایک سادہ زندگی بسر کرنے والی وحشی اور بدوی قوم تھے۔یہ سب سورہ احزاب کے بعد تیار کی جانے والی کہانیوں کی تمہید ہے۔انہیں کتنا بھروسہ تھا کہ کوئی اُن کی خود ساختہ داستان پر حرف گیری نہ کرے گا۔اس لئے جہاں یہ لکھا کہ اُمم سامیہ اولیٰ اور قحطانی وسبائی اقوام مٹ چکی تھیں وہاں یہ بھی مان لیا کہ وہاں قبیلہ جرہم مکہ میں اُس وقت آباد تھا جب حضرت ابراہیم، جناب اسماعیل اور جناب ہاجرہ (سلام اللہ علیھم) کو مکہ

میں چھوڑ گئے تھے۔اور محققین کی ایک سوشہادتوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ بنو جرہم ہوں یا بنو قحطان ہوں،اہل سبا ہوں یا عاد وثمود کی اقوام ہوں، یہ سب کے سب عموماً حجاز ومکہ ومدینہ میں مستقلاً آباد رہتے چلے آئے اور اقوام کے برسر اقتدار خاندان، خاندانی حکومتوں کے زوال پر مکہ ومدینہ ہی کی طرف بھاگ آتے اور سابقہ باشندگان میں مدغم ہوتے چلے جاتے رہے۔یہاں تک کہ آخری زمانہ کی سبائی وحمیری حکومتیں یا حیرہ وغیرہ کے صاحبان اقتدار کا رُخ بھی حجاز ہی کی طرف رہتا تھا۔اور آنے والے قبائل گوہزیمت کھا کر اس علاقہ میں آتے تھے مگر حاکم قوم ہونے کی بنا پر اُن کے پاس وسائل وقوت بہرحال مکہ کے باشندوں سے زیادہ ہوتی تھی۔اس لئے اکثر آنے والے کعبہ کے متولی خاندان کو برطرف کر کے خود کنجیاں سنبھال لیتے تھے۔یہ کام مکہ میں بار بار اور ہر انقلاب پر ہوتا رہا۔لہٰذا مشرک تاریخ کی یہ بات بھی غلط ہے کہ مکہ اور کعبہ پر ابتدائی زمانہ سے ظہور اسلام تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا خاندان حاکم یا مسلسل برسر اقتدار رہتا چلا آیا تھا، ہرگز نہیں۔بلکہ بار بار اور کئی بار بنو اسماعیل سے یہ اقتدار چھینا جاتا رہا۔بلکہ کئی دفعہ خاندان حضرت اسماعیلؑ کو مکہ چھوڑ کر ادھر اُدھر پناہ لینا پڑی۔اور جب حالات سازگار ہو گئے تو انہوں نے واپس آ کر اپنا اقتدار بحال کیا۔چنانچہ جناب قصی علیہ السلام قدیم دور کی آخری مثال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دور جدید یا ظہور اسلام کی اوّلین مثال ہیں۔جنہوں نے خانوادۂ اسماعیل کے دشمنوں سے بزور بازو اقتدار حاصل کیا۔مگر ان دونوں (سلام اللہ علیہما) نے اپنے قحطانی اور جرہمی مخالفوں پر ظلم واستبداد نہیں کیا۔انہیں معاف کیا، پناہ دی اور ان کی خطاؤں اور پرفریب اسکیموں کو بطور اصلاح حال اپنے رحم وکرم کے پردوں سے ڈھانک دیا۔لیکن وہ حضرات تو نہ اللہ کے احکام کے بغیر قدم اُٹھاتے تھے، نہ بات کرتے تھے اور نہ اپنی ذاتی وقومی وخاندانی مصالح کی رُو سے فیصلہ کر سکتے تھے۔وہ ظالم وجابر کو معاف کرتے رہے۔لیکن اُن کے احسانات کو ظالم وجابر اپنی حکمت عملی کے نتیجہ پر محمول کرتے رہے۔سازشیں اور جوڑ توڑ کرتے رہے اور موقعہ پا کر ہر جائز وناجائز مظالم وجبر وستم کرتے رہے۔مگر ہم نہ نبی ہیں نہ معصوم، نہ الہام ہوتا ہے نہ ہم پر وحی ہوتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر کوئی منصبی جبر عائد ہے۔لہٰذا ہم اُن ظالموں، غاصبوں اور فریب سازوں کے جرائم پر کیوں پردہ ڈالیں۔ہم کیوں نہ اُن کی قبل از ضرر رسانی جڑیں نکال لیں۔ہم اُن کے ساتھ اور اُن کی راہ چلنے والوں کے ساتھ وہ تمام سلوک کریں گے جو انبیاؑ ومعصومین علیھم السلام کے شایان شان نہ تھا۔اُن کے فریب کو ایسے فریب سے باطل کریں گے جو بے پناہ ہو۔اُن کے مکر کا توڑ اس مکر سے کریں گے جو صرف ہمیں **خَیرُ الْمٰکِرِیْن** (آل عمران 3/54) اور **امکر الناس** (نہج البلاغہ) سے ملا ہے۔ہم انہیں قبل وقوعِ جرم سزا دیں گے۔مہلت کا دور کربلا کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔اُس کے بعد تحریک تشیّع برسرکار رہے۔اُن کے ساتھ رعایت حرام ہے، اُن پر رحم وکرم گناہ کبیرہ ہے۔البتہ عوام الناس اور دیگر اقوام ومذاہب کے لئے تحریک حسینیؑ کی جان ومال سب قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں۔

(10)۔ تاریخِ عرب ہی سے نہیں ہمارا موقف تاریخِ عالم وآثار قدیمہ سے بھی ثابت ہے

جس شجرۂ ملعونہ نے تمام انبیا واوصیا واولیا اور معصومین علیھم السلام کے خلاف محاذ قائم رکھا، اُس شجرہ کو وجود میں لانے والا بڑا ہی قدیم شخص ہے۔حضرتِ آدم علیہ السلام سے زیادہ قدیم اور زیادہ مشہور یعنی ابلیس جس کا قدیم نام عزازیل تھا۔یہ وہ شخص ہے جو حضرت آدمؑ کی تخلیق کے وقت تک ہزارہا سال سے عبادتوں میں مصروف تھا۔مقرب بارگاہِ خداوندی تھا۔ملائکہ کی ہم نشینی اُس کا طُغرائے امتیاز

تھا۔ وہ زبردست توحید پرست تھا۔ غیر خدا کو حتّٰی کہ انبیاؑ کو بھی سجدہ کرنا شرک سمجھتا تھا۔ توحید پرستی کی انتہا یہ تھی کہ اُس نے آدمؑ کو سجدہ کرنے سے بھی انکار کر دیا اور خدا کے حکم کے بعد سجدہ کو شرک سمجھا۔ اللہ نے اس نافرمانی پر اُسے لعنتی اور جہنمی قرار دے دیا۔ اُس نے اللہ کو چیلنج کیا کہ میں آدم کی ذریت یعنی اولاد میں سے اپنے حصہ کے آدمی نکال لوں گا (نسآء۔ 119-4/118) اور ساری نوع انسان کو اغوا کروں گا (صٓ۔ 38/82)۔ اللہ نے اُسے وقت معلوم تک عمر عطا کی۔ تمام ضروری سامان و اختیار دیا (بنی اسرائیل۔ 63-17/62)۔ یہی ابلیس وہ شخص تھا جس نے فراعنہ اور نماریدا ایسے طاغوت پیدا کیئے۔ جس نے جمہور ساز خوشنما نعرے دے کر نوع انسان کو بغاوت پر اُبھارا۔ حسین مقاصد مگر بدترین اقدامات سکھائے۔ نعرہ یہ کہ نوع انسانی کا معیار زندگی بلند کیا جائے گا، غربت مٹادی جائے گی، خوراک و پوشاک و رہائشی سہولتوں کے انبار لگا دئے جائیں گے۔ مگر نتیجہ اور کام ایسے کہ ایک ایک صوبے سے ہر ہفتہ ایک ایک ہزار انسانوں کے بھوک سے ایڑیاں رگڑ کر مر جانے کی اطلاعات ملتی رہیں۔ دعوائے خدائی کرتے کرتے بغاوت وطغیانی کے سمندر میں ڈوبنا پڑا۔ ابلیس نے جس شجرہ ملعونہ کو معراج کمال پر پہنچایا وہ انبیاؑ کے مقابلہ پر آیا۔ یہاں تک کہ ظہورِ اسلام کے وقت یا یہ کہئے کہ جب اسلام اپنے معراج کمال پر آیا تو ابلیسی خاندان بھی اپنے منتہائے ترقی پر تھا۔ ابلیس کو مہلت ملنے کے یہ معنی تھے کہ نبیؐ کے مخالفین کو مہلت و اختیارات ملتے جائیں تاکہ شیطانی کشتی بھر کر ڈوبے۔ یہ کشتی بار بار ڈوبی۔ کبھی قوم عاد کو عروج پر لیجا کر ڈوبی، کبھی عاد ثانیہ کے سرکشوں کو لے کر ڈوبی، کبھی ثمود و قحطانی کے باغیوں کو لے کر ڈوبی، مگر ابلیس باقی رہا۔ اُس سے مخلوط نسل بڑھتی گئی۔ ایک حزب شیطان ڈوبا تو دو شیطانی گروہ ابلیسی کمین گاہوں سے باہر نکل آئے۔ یہ کمین گاہ انبیا علیھم السلام کے گھروں میں، پیرووٴں کے لباس میں، عبادتوں کی آڑ میں، دوست داران دین کی صورت میں بنائی جاتی تھیں۔ یہ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے مگر کفر کی خدمات انجام دیتے۔ یہ لوگ اگر نماز نہ پڑھیں تو دو نقصان۔ ایک نقصان یہ کہ پہچان لئے جائیں گے۔ دوسرا نقصان یہ کہ پیش نماز یا امامتِ نماز، بے نمازی کو کیسے مل سکتی ہے۔ حج نہ کریں تو امیر حج بننے کی امید حماقت ہو کر رہ جائے۔ جس ملک میں اقتدار کے لئے عمدہ نسلی خصوصیات کو سامنے رکھا جا تا رہا ہو۔ وہاں اعلیٰ درجہ کی نسل میں الحاق وانتساب کے بغیر حقِ وراثت وحکومت وامارت کس طرح ممکن ہے؟ لہٰذا ابلیسی گروہ ہر نبیؐ کے اوّلین و سابقین میں شامل ہوتا۔ روزہ اور نماز میں موقعہ شناسی اور دانشوری ملحوظ رکھتا۔ دوسرا ابلیسی گروہ للکار کر سامنے آتا۔ للکارنے والا تباہ ہو جاتا تو اسلامی لباس والا گروہ باقی رہتا اور موقعہ پر اپنے سر پر اقتدار کا تاج رکھ لیتا۔ اور اعلان کر دیتا کہ تاج وتخت و اقتدار اُن تمام لوگوں میں مشترک ہے جو انقلاب لانے میں مشترک تھے۔ اس پر کسی خاص خاندان کی اجارہ داری نہیں ہے۔ خاندان نبوتؐ ہو یا خاندانِ اسماعیلؑ ہو وہ سب عام آدمیوں کے برابر ہیں ورنہ وہ مخالفین نوع انسان ہیں۔ یقیناً ایسا اعلان جو خانوادہ ابراہیم علیہ السلام کے خلاف ہو کوئی اسماعیلی نہیں کر سکتا۔ ایسا یا اس قسم کا اعلان کرنے والا بلاشبہ کوئی بھی ہو وہ دشمنانِ خاندانِ ابراہیمؑ واسماعیلؑ میں سے ہوگا۔

اس دشمنی اور نسلی مخالفت پر کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔ ملک عرب میں تاریخ عالم آثار قدیمہ کی رُو سے ایسی حکومتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے جو شریعت خداوندی کو نافذ کرتی تھیں جو شرعی قوانین کی کتابیں تصنیف کر کے رعایا میں پھیلاتی تھیں (شہادت نمبر 39-41)۔ یہ سب اعلیٰ درجہ کی نسلوں میں نسلی حکومتیں ہوتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جو حکومت میں نسلی امتیاز کو ختم کر دے وہ حکمران نسل کا حقیقی

فرد نہیں ہوسکتا۔ وہ اُن لوگوں میں سے یا اُن نسلوں کا ایک فرد ہوسکتا ہے جو اعلیٰ درجے کی نسل کا نہ صرف مخالف بلکہ کسی گھٹیا درجہ کی نسل سے ہو جو حکومت واقتدار کے لئے ترستی چلی آئی ہو۔ اور جس کے پاس کبھی کسی اعلیٰ درجے کی نسل سے الحاق یا دغا وفریب کر کے حکومت رہی ہو۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ عرب کی اعلیٰ درجے کی نسلیں ہرگز گھٹیا نسل والوں کو داماد نہ بنایا کرتی تھیں۔ مبالغہ کے طور پر یہ تو کہا گیا ہے کہ مجبوری میں شرفا اپنی لڑکیوں کو دفن کر دیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس گھٹیا نسل کے لوگ اقتدار کے لالچ میں اپنی بیٹیاں اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو دے دیا کرتے تھے۔ اور خود اپنے پاس سے روپیہ بھی دے دیتے تھے۔ ایسا الحاق کبھی کبھی اقتدار کے لئے ضروری رہا ہے اور کبھی کبھی کامیاب بھی ہوا ہے۔ یہ بھی ہوا ہے کہ اقتدار کے چھن جانے کے بعد جب الحاق اور نفاق کے دروازے بند دیکھ کر عرب کی اقوام دوسرے ممالک کی مخالف اقوام سے ساز باز کر کے اپنی قوم کی برسر اقتدار جماعت کے خلاف فوج کشی کرایا کرتے تھے۔ یا دشمن کی فوج میں ہزاروں کی تعداد میں بھرتی ہو جاتے تھے۔ چنانچہ اقوام عاد وثمود کے وہ قدیم ترین قبائل جو حکومت واقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے برابر اپنی حاکم جماعت کے خلاف غیر مسلم حکومت کی فوج میں شمال عرب پر حملہ آور پائے جاتے ہیں (شہادت نمبر 49)۔ اس سے قوم عاد وثمود کی موجودگی اور بقا 565 عیسوی تک ثابت ہے۔ یعنی مشرک محاذ کے منہ پر یہ ایک تاریخی گھونسا ہے۔ اور اپنی قوم کے خلاف 483 عیسوی سے 565 عیسوی تک (بیاسی سال، تقریباً ایک صدی تک) سازش اور قطع رحمی ثابت ہے۔ یہاں سے بنی اسماعیل اور خانوادۂ رسولؐ کے خلاف سازشیں اور مکر وغدر ودغا وفریب ناقابل تعجب ہو جاتا ہے۔ یعنی غیر اسماعیلی قبائل کی سنت وعادت ہے کہ محسنین سے مکر وفریب وغدر وظلم کو جائز سمجھیں۔ اور یہ خبیث سنت وعادت اُن ہی قبائل میں بار پا سکتے ہیں۔ جن میں ابلیس کی جنسی شرکت ومخالطت پوری طرح جاری ہو۔ اور قرآن کی رو سے ابلیس کا حصہ (نسآء۔ 4/118) اور حزب الشیطان بن چکے ہوں۔ یہی اقوام دن رات اپنی نسلیں اور قبیلے بدلتے رہتے تھے۔ کبھی جرھمی بن جاتے، کہیں قحطانی بن کر نظر آتے تھے۔ مکہ میں کثرت اُن ہی کی آباد رہتی چلی آئی تھی (شہادت نمبر 52-53) اور یہی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخاطب تھے۔ اُس تمام جھمگٹے کو سازش نے اسماعیلی بنا دیا۔ چونکہ اب اقتدار کا رُخ مڑ چکا تھا اور اقتدار خانوادۂ اسماعیلؑ کے قدم چوم رہا تھا اور انہیں اس نسل وقبیلہ میں داخلے کے بغیر اقتدار کا ورثہ نہ مل سکتا تھا۔ لہٰذا بہت پہلے سے قحطانی وجرھمی اور سبائی قبیلوں نے یہ الحاق اختیار کر لیا۔ جس زمانہ میں یہ الحاق ہوا ہے قوم سبا یہاں غالب اور حاکم تھی۔ لہٰذا اس الحاق پر کوئی معترض نہ ہوسکتا تھا (شہادت نمبر 86 تا 88)۔ اور چونکہ الحاق اور قبیلے میں مدغم ہوتے رہنا مشرکین کا قدیم اور مذہبی دستور تھا (شہادت نمبر 73) اس لئے دوسروں کا بیٹا بن جانا عرب مشرکین میں قابل فخر تھا۔ ایک بات اور یاد رکھیں کہ عبد شمس نام کا ایک عرب معزز شخص تھا جو قحطان کا پوتا تھا۔ اسکی قحطانی نسل وقوم حجاز ومکہ میں بستی تھی۔ لہٰذا بنو عبد شمس کو ہرگز فراموش نہ کریں۔ اس سلسلے کی نہایت اہم بات یہ ہے کہ جس عربی فوج نے مخالف اور غیر مسلم حکومت کے ساتھ مل کر حملہ کیا تھا وہ یہی مخالف قوم تھی جو ظہور اسلام کے زمانہ میں مکہ پر اقتدار رکھتی تھی۔ اور اُس نے جس قبیلے پر حملہ کرایا تھا وہ **نبطی تھا۔** نبطی ہی وہ قبیلہ ہے جس سے خانوادہ حسینؑ ورسولؐ ہیں۔ اور اب اُن ہی کا ذکر خیر ہوگا۔ چنانچہ خاندان رسولؐ کو جس نے ٹھیک سے سمجھنا ہو وہ آنے والے عنوان کو لفظ بلفظ کلمہ کی طرح پڑھے اور سمجھ کر ایک بہت بڑی اور شرمناک سازش کا پتہ لگائے اور دیکھے کہ نساب ومؤرخ ومحدث اور محقق حضرات رسول اللہؐ کے ساتھ کیا کیا کرتے رہے ہیں۔

(11)۔ اقتدار کے لئے اسماعیلی وقریشی بننے کے لئے خاندانِ رسولؐ کو بھی بدل دیا

آپ کو شاید حیرانی ہوگی کہ عرب کے موٴرخین اور نسابوں نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں تو رہنے دیا مگر اُن کے شجرہ کو اُسی قدر مشکوک کر دیا جس قدر اُن کے سرپرستوں یعنی حاکموں اور تاریخ لکھوانے والوں کے حسب ونسب اور شجروں میں شکوک وشبہات تھے۔یعنی ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔اور یہی وجہ ہے اور یہی لوگ ہیں جنہوں نے بعد میں یہ بحثیں نکالیں اور کھل کر کہہ دیا کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کے باپ دادا سب اُن کے اپنے باپ دادوں کی طرح کافر وبت پرست تھے۔یعنی وہ اسماعیلی بن کر بھی خانوادہ رسولؐ اور بنو اسماعیلؑ کے دشمن رہے۔یعنی برائے نام اور بظاہر اسماعیلی رہے لیکن قلباً اور اقداماً قحطانی اور کہلانی اور سبائی وجرہمی رہے۔اور جب تک اُن کا اقتدار کسی صورت میں بھی باقی رہا نسل اسماعیل وابراہیم ومحمد علیہم السلام کے فنا کر دینے میں پورا زور اور ساری ابلیسی بصیرت استعمال کرتے رہے۔یہاں تک کہ تحریک تشیّع نے اُن کی ابلیسی عمارت و امارت وحکومت کو جڑ سے اُکھیڑ کر پھینک دیا۔

(الف)۔ رسولؐ اللہ کا مورث اعلیٰ کون ہے؟ یعنی اسماعیلؑ کا کونسا بیٹا ہے؟

عربوں نے اور عربی موٴرخین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب قیدار یا قیذر بن اسماعیلؑ کی نسل میں شمار کیا جو غلط اور محض ایک سازش کا اُلجھاوٴ ہے۔پھر شیعہ مجتہدین ہی نہیں بلکہ کل تک تمام علمائے شیعہ آنحضرتؐ کو قیداری کہتے اور لکھتے رہے۔یعنی جو لوگ مخالف گروہوں کی طرف سے تحریک تشیّع کا دھارا موڑنے کی غرض سے شیعہ لبادہ پہن کر لعنت وتبرا کے طوق اپنی گردنوں میں ڈال کر ملت شیعہ میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ مجتہدین کے ابلیسی لقب سے روشناس ہوئے۔انہوں نے آنحضرتؐ کے شجرے کو اپنے سرپرستوں کے اشارہ پر ملت شیعہ میں بھی غلط شہرت دے دی۔چنانچہ قارئین مسلمانوں کے کسی بھی عالم یا کسی بھی مکتب فکر کا لکھا ہوا شجرہ دیکھیں تو پہلی اور عام بات تو یہ ملے گی کہ وہ شجرہ جناب عدنان علیہ السلام پر ختم کر کے یہ لکھ دیا جائے گا کہ اس سے آگے کا شجرہ مشکوک ہے۔اس میں عرب کے بھانڈ اور موٴرخ ومحدث مشکوک ہیں متفق نہیں ہیں۔اور اگر کہیں پورا شجرہ لکھا ہوا ملے گا تو اس میں چلتے چلتے آخری پشت میں قیدار بن اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام ملے گا جو قول معصومؑ اور صحابہ علیہم السلام کے بیانات کے خلاف ہے۔اور ذرا دیر بعد وہ شجرہ اور اُس کے اختلافات اور شکوک وشبہات اور ہمارے بیانات کی تصدیقات آپ کے سامنے آجائیں گی۔یہاں تو یہ دیکھئے کہ خود آنحضرتؐ نے اپنے مورث اعلیٰ کے متعلق کیا فرمایا ہے؟

(ب)۔ رسولؐ وحسینؑ کا مورثِ اعلیٰ رسول اور علی علیہم السلام کی زبانی

تفصیل ذرا دیر بعد ملے گی یہاں بطور نمونہ اور بطورِ سلسلہ عرب کے منصوبہ سازوں کے خلاف یہ سن لیں کہ:۔

اوّل۔ ''ام المومنین اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلعم کی بیوی فرماتی ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کی زبانی سنا کہ معد بن عدنان بن اُدَد بن زَند بن یری بن اعراق الثرَی۔ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔کہ زند ھمیسع ہے۔یری نبت ہے۔اور اعراق الثری خود اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ

ہیں۔''(تاریخ طبری جلداول صفحہ 54)

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے نبتؑ کی اولاد میں ہیں نہ کہ قیدار بن اسماعیلؑ کی اولاد میں۔

دوم۔'' مقداد بن اسود البہرانی کی بیٹی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ معد بن عدنان بن اُدد بن یری بن اعراق الثری''(طبری جلداوّل صفحہ 54) یہاں جناب ام سلمہؓ کی تصدیق اور ہماری تائید مزید ہوگئی۔

سوم۔'' بعض نسّاب کہتے ہیں کہ عدنان بن اُدَد بن مقوّم بن ناحُور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن اسماعیلؑ۔''
(طبری جلداوّل صفحہ 54)

اب فی الحال ایک آخری شہادت جولسان اللہ علیہ السلام کی زبانی ہے۔اورثبوت میں سلیمان صاحب کی ارض القرآن بھی ہے۔

چہارم۔''حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اُن کا نسب پوچھا تو اُنہوں نے کہا کہ ''ہم کوثی واقع عراق کے نبط ہیں۔''
اور یہ بالاتفاق معلوم ہے کہ علیؑ اسماعیلی قریشی عرب تھے۔اس سے یہ ثابت ہوگا کہ نبط اسماعیلی عرب ہیں جو عراق تک پھیلے تھے۔''(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57و59 مصنفہ سید سلیمان ندوی طبع چہارم معارف پریس اعظم گڈھ)

(ج)۔ عرب کی وہ نسلیں جن کو رسولؐ اللہ نے مخاطب کیا نبطیوں کو عرب نہیں سمجھتیں

جیسا کہ ہم نے ابتدا میں عرض کیا کہ نہ عرب اور اس کے وہ قبیلے جن کو رسولؐ اللہ نے مخاطب کیا ایسے تھے کہ آنحضرتؐ اور اُن کے خاندان کو عرب کہنا یا اُن قبیلوں سے منسوب کرنا قابل فخر ہو۔اور نہ وہ قبائل رسولؐ اللہ کے خاندان کو عربوں میں شمار کرتے تھے۔یعنی رسولؐ اللہ اور اُن کے قبیلے کا اُن نام نہاد خاندانوں سے کوئی رشتہ نہ تھا، نہ تعلق تھا اور نہ وہ عرب تھے۔اسی لئے رعایت کے ساتھ اُس خاندان کو جو جناب اسماعیل علیہ السلام سے عرب میں پھیلا تھا، مؤرخین عرب مستعربہ یعنی وہ لوگ جنہیں غیر ملکی ہونے کے باوجود عرب سمجھ لیا گیا تھا(تمام تواریخ)اور سنئے:۔

اوّل۔اس عبارت کے ساتھ حمزۂ اصفہانی کی عبارت ضم کرو:۔

'' **اَلْاَرْمَانِیُّوْنَ نبط الشام وَالْاُ رْدَوَانیون نبط العراق** ۔ارمانی شام کے نبطیوں کا نام ہے۔اورار دوانی عراق کے نبط کا۔انباط نے چونکہ ایک متمدن وغیر بدوی زندگی اختیار کرلی تھی۔اسلئے عربوں کے محاورے میں''**اَمَّا النَّبُطُ فَکُلُّ مَنْ لَمْ یَکُنْ رَّاعِیًا اَوْ جُنْدِیًّا عِنْدَالْعَرَبِ من ساکنی الارضیین**۔نبط عرب کے نزدیک ہر وہ شخص ہے جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔

اہل عرب عموماً نبط کو قوماً و اصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں۔اُن کے نزدیک عرب وعجم جس طرح دو متقابل(ومتضاد)نام(واقوام)ہیں اسی طرح نبطی اور عربی کو بھی باہم متقابل(ومتزاحم اقوام)سمجھتے ہیں۔اس کا سبب صرف معاشرت،طرز زندگی اور زبان کا اختلاف ہے۔ورنہ درحقیقت نبط بھی اسماعیلی عرب ہیں۔(ارض القرآن جلد۔دوم صفحہ 57)

یہاں قارئین کو رک کر عربوں اور نبطیوں کا فرق نوٹ کر لینا چاہئے۔

دوم۔ **خانوادۂ رسولؐ کے خلاف عربوں کے قدیم تصورات**

(i) رسولؐ اللہ کا نبطی خاندان بدّو نہ تھا بلکہ متمدن اور مہذب تھا۔

(ii) تہذیب و تمدن و علم و اعلیٰ درجہ کی معاشرت کی بنا پر انہیں عجمیوں کی طرح ایک مخالف قوم سمجھا جاتا تھا۔ یہاں یہ سمجھ لیں کہ عجمیوں اور متمدن اور مہذب دنیا نے کیوں عربوں کے خلاف اور آل رسوؐل کی تائید میں محاذ قائم کئے تھے۔

(iii) یہ مسلّمات میں سے ہے کہ خاندان رسوؐل کی زبان عربی مبین تھی۔ لہٰذا عربوں کی زبان جو کچھ بھی ہو وہ عربی مبین نہ تھی بلکہ آرامی، کلدانی، سبائی، حمیری زبانوں کا مرکب وغیرہ تھی۔

(iv) یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عرب، چرواہے اور سپاہی کا لقب پسند کرتے تھے اور نبطیوں سے اس کی نفی کرتے تھے۔ یعنی آگے چل کر معلوم ہوگا کہ عربوں نے یہ القاب غصب کر لئے تھے۔

(v) یہ بات سو فیصد صحیح ہے کہ رسولؐ اللہ اور اُن کا خاندان نہ بدّو تھا، نہ وحشی و غول بیابانی عرب تھا۔ وہ بابل سے آیا ہوا ایک ایسا خاندان تھا جو روز ازل سے گہوارہ نبوت و رسالت و امامت و خلافت اور حامل و امین وحی و علوم خداوندی تھا۔

(vi) مشرکین عرب خاندان رسولؐ یعنی نبطیوں کے نسب میں بھی عیب نکالتے تھے۔ تاکہ اُن کے اپنے نسب میں عیب و شرک کا الزام پھیکا پڑ جائے سنئے ایک تہمت پر غور کیجئے:۔

''لیکن چونکہ انہوں نے عموماً حدودِ عرب اور حدودِ عرب سے باہر غیر قوموں میں اپنا مسکن بنایا اس لئے وہ (نبط) اپنا نسب محفوظ نہ رکھ سکے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں۔ **تعلّموا النّسب ولا تکونوا کنبط السَّواد اِذَا سُئِلَ احد ھم عن اصله قَالَ من قریة کذا۔** عقد الفرید جلد 3 صفحہ 37۔ نسب نامہ سیکھو عراق کے نبط کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جب اُن میں سے کسی سے پوچھا جائے کہ تم کس خاندان سے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم فلاں شہر کے ہیں۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

گو علامہ صاحب نے اس ترجمہ میں خیانت کی ہے۔ مگر ہم اس خیانت کو کیوں ظاہر کریں۔ بلکہ ہم نبطیوں پر اس فیصلے کی سنگینی کو زیادہ روشن اور حافظہ میں محفوظ رکھنے کے لئے علامہ کا ایک ایسا قول جو ابھی ہم نے لکھا تھا آپ کے سامنے لاتے ہیں۔ تاکہ دو تاریخی ہیرو آمنے سامنے کھڑے ہوئے نظر آئیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہم عراق کے نبطی ہیں، حضرت عمر نے فرمایا کہ عراق کے نبطی مجہول النسب ہوتے ہیں۔'' **سبحان اللّٰہ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** پڑھ کر ایک ایسی رباعی سُنئے جس کو سمجھ لینے والے کے لئے ہم ایک سو روپیہ انعام مقرر کرتے ہیں۔ دل چاہے تو اس مذکورہ مرد اور عورت کے نام اور اُن کے آپس کا رشتہ ہمیں لکھئے اور منی آرڈر وصول کر لیجئے۔

بھائی یہ بھتیجا یہ — سگی سوت کا جایا یہ

جن یہ جایا اُن میں جائی — اِس کا باپ میرا بھائی

اس ہندی کی اردو یہ ہے کہ یہ شخص جو میرے ساتھ ہے۔ یہ میرا بھائی بھی ہے۔ میرا بھتیجا بھی ہے۔ اور میرے شوہر کی دوسری بیوی کا یعنی میری سوکن کا بیٹا بھی ہے۔ اور کیا کہوں کہ جس کے نطفہ سے یہ پیدا ہوا اُسی کے نطفے سے میں بھی پیدا ہوئی ہوں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو اس کا باپ تھا وہ میرا بھائی بھی تھا۔ یہ ہیں وہ مجہول ومخلوط النسل لوگ جو اس رباعی کے جنسی اشتراک کے نظام کے سپوت ہیں۔ جو طبقہ واریت کا خاتمہ چاہتے تھے۔ جن کا تفصیلی حال قرآن کریم سے اسلام میں جنسی تعلقات والی کتاب میں لکھا گیا ہے۔ یہاں پہیلیوں کی بات ہوگئی تو ایک شریف زادی کی پہیلی بھی نوٹ کرلیں۔ مگر انعام عصمت فروشی والی پہیلی پر مقرر ہے۔ سُنئے۔ ایک مرد آگے آگے پیدل جا رہا تھا۔ اُس کے پیچھے ایک عورت سمٹی سمٹائی گھونگھٹ نکالے چلی جا رہی تھی۔ ایک شخص نے دیکھا اور نہ معلوم کیوں اُن دونوں کا آپس کا رشتہ جاننا چاہا۔ لہٰذا عورت نے اُسے جواب دیا کہ:۔

نام تو میں اِس کا لیتی نہیں کہتی ہوں میں اس کو جی
اس کی ماں اور میری ماں دونوں ماں اور دِھی

''میں احتراماً اُن کا نام نہیں لیا کرتی بلکہ اُن کو ''جی'' کہا کرتی ہوں۔ رشتہ کی دوسری بات یہ ہے کہ اُن کی والدہ اور میری والدہ دونوں آپس میں ماں بیٹی ہیں۔'' اس جگہ یہ دکھا کر عنوان بدل دینا چاہتا ہوں کہ عرب کی مؤرخ ومحدث اور نسّاب کی پوزیشن خود زمانہ حال کے محققین کی نظر میں کیا ہے۔

(12)۔ عرب کی تاریخ اور مؤرخ ناقابل اعتماد ہیں۔ زمانہ حال کے علما

عرب اقوام ہی میں اُن حضرات نے غلط بیانی نہیں کی بلکہ ملکِ عرب کو بھی چھوٹا کر کے اور اپنی مرضی کے مطابق بنا کے دنیا کو دکھایا سُنئے:۔

(i)۔ آپ نے دیکھا کہ عرب جغرافیہ نویسوں کا عرب، عبرانی یونانی اور رومانی جغرافیہ نویسوں سے چھوٹا ہے،... بات یہ ہے کہ یونانیوں نے جن حصوں پر قبضہ کر لیا تھا، اور اسلام کے آنے تک عرب اُن پر قابض نہ ہو سکے تھے۔ اس بنا پر عربوں نے اُن کو عرب سے خارج سمجھ لیا۔ (ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 84)

یعنی اُن عربوں اور اُس زمین کو عرب سے خارج کر دیا۔ بات یہ ہے کہ جو بات، جو چیز، جو قوم، جو خاندان عربوں کو پسند نہ ہو وہ دُنیا سے نیست ونابود کر دینا مشرکین عرب کی سنت اور مذہب تھا۔

(ii)۔ قرآن کو جھٹلانے کی کوشش: ''مؤرخین عرب نے ایک بڑی غلطی یہ کی ہے کہ حمیری بانی حکومت سے حمیر بن سبا تک جتنے آبائے نسب تھے۔ اُن سب کو بادشاہ قرار دے کر وہیں سے حمیری حکومت قائم کر دی'' (انکی تحقیق قرآن کیلئے لکھا کہ)

(iii)۔ '' عرب مورخین کے اصول کے مطابق خاص سبا کے نام پر کوئی مستقل حکومت نہ تھی۔ لیکن یہ قرآن کی تصریح کے مخالف ہے۔ اور تمام عبرانی ویونانی اور اثری شہادات قرآن کے مطابق ہیں۔'' (ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 236)

(iv)۔ '' عرب مؤرخین نے چونکہ سبا اور حمیر میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ اسلئے سلسلۂ حمیر سے الگ انہوں نے کسی بادشاہ کا ذکر نہیں کیا۔'' (تاریخ ارض القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 238)

(v)۔ ”عرب کے مسلمان مورخین ہر قدیم عمارت کو سلیمان کی تعمیر کردہ کہنے کے عادی ہیں ۔اس لئے وہ سد مارب کو بھی بنائے سلیمانی قرار دیتے ہیں۔“ (ایضاً جلد اوّل صفحہ 251)

(vi)۔ عرب مؤرخین و مفسرین مصلحتاً اقوام کو چھپاتے رہے ہیں ۔”لیکن کتب حدیث اور تفسیر کی عام روایات میں مذکور ہے کہ تمام آبادی جل کر راکھ ہوگئی تھی ۔لیکن یہ صحیح نہیں ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نجران میں عیسائی آبادی موجود تھی ۔ وہاں اسلام کے مبلغ بھیجے گئے اور وہاں سے عیسائی راہب مناظرہ کیلئے آئے تھے۔“(ایضا صفحہ 297)

(vii)۔ سید سلیمان صاحب نے مسلمان مفسرین کو تفصیل سے اور قرآنی آیات کے ساتھ سامی قبائل سے ناواقف و جاہل ثابت کیا ہے۔اور قرآن کی آیات کی غلط تعبیریں کرنا ثابت کردیا ہے۔(ارض القرآن ۔جلد دوم صفحہ 13 تا 17)

ان تمام حوالہ جات میں یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ جس زمانے میں مشرک یا اشترا کی تاریخ گھڑی جارہی تھی ،اس وقت اُنکو یقین تھا کہ اس پر کوئی شک نہ کیا جائیگا اور جس طرح ہم لکھوا دینگے اُسے بے چوں و چرا قبول کرلیا جائیگا۔اسی اعتماد و طرز تحریر کی بنا پر اُسکی نقلیں چاروں طرف پھیلا دی گئیں اور علمائے مشرق و مغرب نے اُسے اسی صورت میں اختیار کرلیا۔لیکن علمائے یوروپ نے اسلئے عرب اور عربوں کی تحقیق جاری رکھی کہ توریت میں اقوام عرب کا اور عرب کے شہروں کا تفصیلی تذکرہ ہوا ہے۔اور جناب اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ دونوں حقیقی بھائی تھے اور عرصہ دراز تک دونوں کے خاندانی تعلقات استوار رہے۔مگر بہت جلد علمائے یوروپ کو اس تاریخ پر شبہ ہوگیا۔اُدھر ہمارے حقیقی علما نے یوروپ کو صحیح حالات پر مطلع کرنا شروع کیا۔یہاں تک کہ اس تاریخ کی حجامت کرنا طے کرلیا گیا۔اور رفتہ رفتہ یہ معلوم ہوگیا کہ یہ تاریخ نہیں بلکہ ایک حاکم گروہ کے اعمال پر پردہ ڈالنے کا جاہلانہ مگر عیارانہ انتظام ہے۔یوروپ کے محققین لباس بدل کر عرب میں آئے اور تحقیق کرنے لگے اور رہا سہا باقی راز بھی کھل گیا۔

4۔ آنحضرؐت کا شجرہ اور عربوں کے شکوک وشبہات

قارئین کرام عربوں کے بیانات کو دل لگا کر اس طرح پڑھیں کہ ہماری تنقید و تقابل پر فیصلہ کرنا آپ کے لئے آسان ہوجائے۔ہم جناب علامہ طبری کی تاریخ سے آنحضرؐت کے وہ تمام اختلافی شجرے آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔جن کے بعد آپ کو کسی اور کتاب کی ضرورت ہی نہ رہے گی چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:۔

”معد بن عدنان تک ہمارے نبی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نسب نامہ میں کسی نسّاب کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور وہ اُسی طرح ہے جس طرح کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

(الف) ابوالاسود وغیرہ نے رسولؐ اللہ کا یہ نسب بیان کیا ہے۔محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اُدد۔اس کے اوپر نسب میں اختلاف ہے۔“(طبری۔جلد اوّل صفحہ 54)

شجرۂ نسب

(1) اُم المومنین اُم سلمہ (رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلعم کی بیوی فرماتی ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کی زبانی سنا ہے کہ:

" معد بن عدنان بن اُدَد بن زند بن یری بن اعراق الثری ۔ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ زند ھمیسع ہے۔یری نبت ہے۔اور اعراق الثری خود اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ ہیں۔" (صفحہ 54۔ مسلسل لکھتے ہیں)

(2) مقداد بن اسود البہرانی کی بیٹی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ معد بن عدنان بن ادد بن یری بن اعراق الثری۔" (طبری جلد اوّل صفحہ 54، مسلسل)

(3) بعض نسّاب کہتے ہیں کہ:۔عدنان ابن اُدد بن مقوّم بن ناحور بن تیرح بن یعرب بن یشجب بن ثابت (نابت) بن اسماعیلؑ بن ابراہیم ہے۔" (ایضاً صفحہ 54۔ مسلسل جاری)

(4) ایک نسّاب نے کہا کہ عدنان بن اُدد بن ایتحب بن ایّوب بن قیذر بن اسماعیل بن ابراہیم ہے۔اور یہی نسّاب کہتا ہے کہ خود قصی بن کلاب نے اپنے شعر میں قیذر کی طرف نسبت کی ہے۔" (طبری۔جلد اوّل صفحہ 54۔ مسلسل)

(5) کسی اور نے کہا کہ عدنان بن مسیدع بن نبیع بن اُدد بن کعب بن یشجب بن یعرب بن الھمیسع بن قیذر بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ ہے۔راوی کہتا ہے کہ یہ چونکہ زمانہ قدیم کی بات ہے۔اس لئے عہد عتیق سے ماخوذ کی گئی ہے۔" (طبری جلد اوّل صفحہ 54۔ مسلسل)

(6) ھشام کہتا ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے میرے باپ سے حسبِ ذیل نسب کی روایت کی حالانکہ میں نے خود اُن کی زبانی یہ نسب نہیں سُنا تھا۔وہ یہ ہے:۔معد بن عدنان بن ادد بن الھمیسع بن سلامان بن عوص بن یوز بن قموال بن اُبی بن العوام بن ناشد بن حزا بن بلداس بن یدلاف بن طابخ بن جاحم بن تاحش بن ماخی بن عیفی بن عبقر بن عبید بن الدعا............بن حمدان بن سنبر بن یثربی بن یحزن بن یلحن بن ارعوٰی بن عیفی بن دیشان بن عیصر بن اقناد بن ایہام بن مقصر بن تاحث بن زارح بن شمّی بن مزّی بن عوص بن عرام قیذر بن اسماعیلؑ بن ابراہیم صلوات اللہ علیہما۔" (طبری جلد اوّل صفحہ 55۔ مسلسل)

(7) ہشام بن محمد کہتا ہے کہ اہل تدمر کے ایک شخص نے جس کی کنیت ابو یعقوب تھی۔اور جو بنی اسرائیل سے تھا۔اور مسلمان ہو گیا تھا۔اور اُس نے یہودیوں کی کتابیں اور علوم پڑھے تھے۔بیان کیا کہ ارمیّا کے کاتب بروخ بن تاریّا نے معد بن عدنان کا نسب اچھی طرح مکمل معلوم کر کے اپنے پاس لکھ لیا تھا۔اُس سے یہودی اخبار بخوبی واقف ہیں۔وہ اُن کی کتابوں میں مرقوم ہے۔وہ نام مذکورہ بالا ناموں سے ملتے جلتے ہیں۔بظاہر جو اختلاف معلوم ہوتا ہے۔وہ اختلاف زبان کی وجہ سے ہے۔کیونکہ یہ نام عبرانی سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔"
(طبری جلد اوّل صفحہ 55)

(8) ہشام نے اپنے باپ سے قصی کا یہ شعر نقل کیا ہے:۔ فلست لحاضنٍ ان لم تاثّل بها اولاد قیذر و النبیت۔

ترجمہ: میں کسی ماں کو نہیں مانتا اگر اس سے قیذر اور نبیت کی اولاد ثابت نہ ہوتی ہو۔
اس سے مراد نبت بن اسماعیل ہے۔" (طبری جلد اوّل ترجمہ صفحہ 55۔ مسلسل)

(9) ابن شہاب کہتا ہے۔معد بن عدنان بن اُدّ بن الھمیسع بن اسحب بن نبت بن قیذار بن اسماعیلؑ۔

(10) ایک نساب نے یہ نسب بیان کیا ہے۔''معد بن عدنان بن اُدد بن امین بن شاجب بن ثعلبہ بن عتد بن مرح بن المحلّم بن العوام بن المحتمل بن رائمہ بن العیقان بن علہ بن الشحد ود بن الظر یب بن العیقر بن ابراھیم بن اسماعیل بن یزن بن اعوج بن المطعم بن الطمح بن القسور بن عبود بن دعدع بن محمود بن الزائد بن ندوان بن امامہ بن دوس بن حصن بن النزال بن التعمیر بن المحشر بن معدمر بن صیفی بن نبت بن قیذار بن اسماعیلؑ بن ابراھیم خلیل الرحمٰن۔''(طبری۔جلداوّل صفحہ 55۔مسلسل)

(11) ایک دوسرے نساب نے کہا:۔

معد بن عدنان بن ادد بن زید بن یقدر بن یقدم بن ھمیسع بن نبت بن قیذر بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ۔

(12) دوسرا کہتا ہے:۔

معد بن عدنان بن اُدّ بن الھمیسع بن نبت بن سلمان (یہی سلامان ہے) بن حمل بن نبت بن قیذر بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ۔

(13) دوسرے کہتے ہیں۔

معد بن عدنان بن المقوم بن ناحور بن مشرح بن یشجب بن ملک بن ایمن بن النبیت بن قیذر بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ۔

(14) اور دوسرے کہتے ہیں۔معد بن عدنان بن اُدّ بن اُدد بن الھمیسع بن اسحب بن سعد بن مرح بن نفیر بن حمیل بن منخم بن لافث بن الصابوح بن کنانہ بن العوّام بن نبت بن اسماعیل ہے۔''(طبری۔جلداوّل صفحہ 56۔مسلسل)

(15) ہم سے ایک نسّاب نے بیان کیا ہے کہ علمائے عرب کی ایک جماعت نے عربی میں حضرت اسماعیل تک معد کے چالیس آبا کے نام محفوظ رکھے ہیں اور اُن سب پر اُنہوں نے عرب کے اشعار سے سند لی ہے۔میں نے اُن کے بیان کا دوسرے اہل کتاب کے اقوال سے مقابلہ کیا تو تعداد میں اتفاق معلوم ہوا مگر لفظ مختلف معلوم ہوئے۔اس نے وہ نام مجھے پڑھ کر سُنائے میں نے ان کو لکھ لیا اور وہ یہ ہیں۔

1۔ معد بن 2۔عدنان بن 3۔ادد بن 4۔ھمیسع بن (یہی سلمان ہے جس کے معنی امین ہیں۔)

5۔ ھمیتع بن (یہی ہمیدع ہے۔جس کے معنی غمگین ہیں)

6۔ سلامان بن (یہی منجر نبیت ہے،اسے منجر اسلئے کہتے ہیں کہ یہ عربوں کو نجیرہ کھلاتا تھا اور اسکے عہد میں لوگ قحط کے زمانے میں موت سے بچ گئے،اس پر تعنب بن عتّاب ریاحی کا یہ شعر شہادت میں پیش ہے۔ تُنا شِدُنِی طیٌّ وطیٌّ بَعِیْدَ ۃ وتذکرنی بالوذازمان نبیت
ترجمہ: تو مجھے طے کا واسطہ دیتا ہے۔حالانکہ وہ بہت دُور ہے۔اور تو مجھے نبیت کے زمانے میں بالوذ کو یاد دلاتا ہے)

7۔ نبیت بن،8۔عوص بن (یہی ثعلبہ ہے۔ثعلبیّہ اسی کی طرف منسوب ہیں۔)

9۔ بورا بن (یہی بور ہے۔یہ خاندانوں کی اصل ہے۔سب سے پہلے اسی نے عرب میں خاندان کی بنیاد ڈالی۔)

10۔ شوحا بن (یہی سعد رجب ہے۔اسی نے سب سے پہلے عرب میں رجبیّہ کی بنیاد ڈالی)

11۔ لحما ما بن (یہی قموال ہے۔اور اسی کا نام مرح الناصب ہے۔یہ حضرت سلیمان کے عہد میں تھا۔)

12۔ کسدانابن (یہی محلّم ذوالعین ہے)،13۔حرامابن (یہی عوام ہے)،14۔بلدان بن (یہی محتمل ہے)

15۔ یدلانابن (یہی یدلاف ہےاوراسی کا نام رائمہ ہے۔)

16۔ طہبابن (یہی طاہب ہے۔اوراسی کا نام عیقان ہے۔)

17۔ جہمی بن (یہی جاحم ہے۔اوراسی کا نام علہ ہے۔)

18۔ محشیٰ بن (یہی تاحش ہے۔اوراسی کا نام سحدود ہے۔)

19۔ معجالی بن (یہی ماحی ہےاوراسی کا نام ظریب ہے۔جس کے معنی ہیں آگ بجھانے والا۔)

20۔ عقارابن (یہی عافی عبقرابوالجن ہیں،جنّیة عبقراسی سے منسوب ہے۔)

21۔ عاقاری بن (یہی عاقرابراہیم جامع الشمل ہے۔یہ نام اسلئے ہواکہ اس نے اپنے ملک میں ہرخوفزدہ کو پناہ دی۔مسافرکواُس کے گھر پہنچا دیااورلوگوں کی حالت درست کردی)

22۔ سداعی بن (یہی دعا اسماعیل ذوالمطانج ہے۔یہ نام اس لئے ہوا کہ بادشاہ ہونے کے بعد اُس نے عرب کے ہرشہر میں سرکاری مہمان خانہ قائم کیا)

23۔ ابداعی بن (یہی عبید یزن الطّعان ہے۔چونکہ سب سے پہلے نیزے سے یہی لڑا تھا۔اس لئے نیزوں کواس سے منسوب کیا گیا۔)

24۔ ہمادی بن (یہی ہمدان اسمٰعیل ذوالاعوج ہے۔اعوج اُس کے گھوڑے کا نام تھا۔اُسی سے عوجی گھوڑے منسوب ہیں۔)

25۔ بشمانی بن (یہی بشمین ہیں۔جس کے معنی ہیں قحط میں کھلانے والا)

26۔ یثرابی بن (یہی یثرم ہے۔جس کے معنی ہیں مدارج اعلیٰ پرنظررکھنے والا۔اوراُن کے لئے کوشش کرنے والا۔)

27۔ یحزانی بن (یہی یحزن ہے۔جس کے معنی جابر ہیں۔)

28۔ ملیجانی بن (یہی ملیحن اورعبود ہے۔)

29۔ رعوانی بن (یہی رعوٰی ہے۔جس کے معنی ہیں کمزوری سے آہستہ آہستہ چلنے والا۔)

30۔ عاقاری بن (یہ عاقرہے۔)،31۔داسان بن (یہ زائد ہے)

32۔ عاصار بن (یہی عاصر ہےاوراسی کا نام نیدوان صاحب مجالس ہے۔اُسکے عہدمملکت میں بنوالقاذور،یہی قاذور ہے۔پراگندہ ہو گئے۔اورحکومت نبیت بن القاذور کی اولاد سے نکل کر بنو جاوان بن القاذور میں چلی گئی۔مگر دوبارہ ان میں (یعنی نبیت بن قاذورمیں)عودکرآئی۔

33۔ قنادی بن (یہی قناد ہےاوریہی امامہ ہے۔)

34۔ ثامار بن (یہی بہامی دوس العتق ہے۔یہ اپنے زمانہ میں حسین ترین شخص مانا گیاہے۔اُسی سے عرب یہ مثل بولتے ہیں۔اعتق من دوس۔ اب اسکی وجہ یا اسکاحسن اورشرافت ہے یا اُسکاقدم۔اُسکے عہدمملکت میں جرہم بن فالج اورقطوراہلاک ہوئے۔اسکی وجہ یہ ہوئی کہ

انہوں نے حرم میں فسق وفجور وفتنہ وفساد برپا کردیا۔ دوس نے اُن کو قتل کر دیا۔ جو اُن میں بچے تھے اُنکے آثار کو دیمک نے کھا کر فنا کر دیا۔)

35۔ مقصر بن (یہی مقاصری ہے۔ جس کے معنی ہیں قلعہ۔ اُسے ناحث بھی کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں اُترنا)

36۔ زارح بن (یہی قمیر ہے۔)

37۔ سمی بن (یہی سما اور مجثر ہے۔ یہ ایک نہایت ہی عادل منتظم اور مدبر بادشاہ تھا۔ امیہ بن ابی صلت ہرقل بادشاہ روم کو خطاب کرتے ہوئے اِسی کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:۔

کن کا لمجثر اذ قالت رعیتہ کان المحبثر او فانا بما حملاً

ترجمہ: تم بھی مجثر ایسے بنو۔ اُس کی رعیت نے کہا تھا کہ مجثر ہم میں سب سے زیادہ اپنے عہد کا ایفا کرنے والا ہے۔)

38۔ مزرا بن (اُسے مرھر بھی کہا جاتا ہے۔)

39۔ صیقا بن (یہی سمر ہے جو صیفی ہے۔ یہ سب سے بہتر بادشاہ تھا جو روئے زمین پر پیدا ہوا۔
اُسی کے متعلق امیہ بن ابی صلت نے یہ شعر کہا:۔

اِن الصفّی بن النبیت مملوکاً۔ اَعلٰی واجود من ھرقل وقیصراً

ترجمہ: بیشک صفّی بن النبیت ایسا بادشاہ ہوا ہے جو ہرقل اور قیصر سے زیادہ سخی اور بہتر تھا۔)

40۔ جعثم بن (یہی عرام ہے نبیت اور قیذر ہے۔ قیذر کے معنی صاحب ملک کے ہیں۔ اسماعیلؑ کی اولاد میں سب سے پہلا فرمانروا یہی ہوا ہے۔)

41۔ اسماعیلؑ بن (سچے وعدے والے)، 42۔ ابراہیمؑ بن (خلیل الرحمٰن)

43۔ تارح بن (یہی آذر ہے)

44۔ ناحور بن، 45۔ ساروع بن، 46۔ ارغوا بن

47۔ بالغ بن (سریانی میں بالغ کے معنی تقسیم کرنے والے کے ہیں۔ اس کا یہ نام اس لئے ہوا کہ اس نے زمینوں کو اولادِ آدمؑ میں تقسیم کردیا تھا۔ اُسی کا دوسرا نام فالج ہے)

48۔ عابر بن، 49۔ شالخ بن، 50۔ ارفخشد بن،

51۔ سام بن، 52۔ نوحؑ بن، 53۔ لمک بن، 54۔ متوشلخ بن،

55۔ اخنوخ بن (یہی حضرت ادریس ہیں۔)

56۔ یرد بن (یہی یارد ہے۔ جسکے زمانے میں پہلے پہل بت بنائے گئے)

57۔ مہلائیل بن، 58۔ قینان بن، 59۔ انوش بن، 60۔ شیث بن (یہی ھبۃ اللہ ہیں)

61۔ آدمؑ (صفی اللہ علیہ السلام)

(16) **ہمارا منتخب شجرۂ طیبہ:** 1۔محمدؐ بن علیؑ بن

2۔عبداللہؑ بن ابوطالبؑ بن

3۔عبدالمطلبؑ بن (زوجہ سلمہ بنت عمرو بن زید بن لبید الخزرجی)

4۔ہاشمؑ عمرو بن — 5۔مغیرہؑ (عبد مناف) بن — 6۔قصیؑ زید بن — 7۔کلاب بن

8۔مرّہ بن — 9۔کعب بن — 10۔لوی بن — 11۔غالب بن

12۔فہر بن — 13۔مالک بن — 14۔نضر بن — 15۔کنانہ بن

16۔خزیمہ بن — 17۔مدرکہ بن — 18۔الیاس بن — 19۔مضر بن

20۔نزار بن — 21۔معد بن — 22۔عدنان بن — 23۔اُدَد بن

24۔ھمیسع بن — 25۔ھمیتع بن — 26۔سلامان بن — 27۔نبیت بن

28۔عوص بن — 29۔بورا بن — 30۔شوحا بن — 31۔لحماما بن

32۔کسدانا بن — 33۔عوّام حراما بن — 34۔بلدان بن — 35۔یدلا نار ائمہ بن

36۔طھباعیقان بن — 37۔جاھم بن — 38۔محشیٰ بن — 39۔معجالی ماحی بن

40۔عقاراعبقر بن — 41۔عاقر ابراہیم بن — 42۔سداعی طابخ بن — 43۔ابداعی بن

44۔ہمادی ہمدان بن — 45۔بشمانی بن — 46۔یثرابی یثرم بن — 47۔یحزانی بن

48۔ملیحانی بن — 49۔رعوانی بن — 50۔عاقاری عاقر ثانی بن — 51۔داھان زائِد بن

52۔عاصار بن — 53۔قنادقنادی بن — 54۔ثامار بہامی بن — 55۔مقصر بن

56۔زارح قمیر بن — 57۔سمی سماء بن — 58۔مزرامرھر بن — 59۔صیقاصفی بن

60۔جعثم نبیت بن (عرام وقیذر) — 61۔حضرت اسماعیلؑ بن — 62۔حضرت ابراہیمؑ بن — 63۔تارح آدار بن

64۔ناحور بن — 65۔ساروع بن (سروج) — 66۔ارغوا بن (رِعُو) — 67۔بالغ فالج بن

68۔عابر بن — 69۔شالخ بن (شالح) — 70۔ارفخشد بن (اَرفکشد) — 71۔سام بن

72۔نوحؑ بن — 73۔لمک بن (لامَک) — 74۔متوشلخ بن (مَتُوشالح) — 75۔اخنوخ ادریس بن (خنُوک)

76۔یردیارد بن — 77۔مہلائیل بن (مَحْلَلِی ایل) — 78۔قینان بن — 79۔انوش بن

80۔شیثؑ بن — 81۔آدم علیہ السلام

اس شجرۂ طیبہ میں نبوت ورسالت وخلافت وولایت ووصایت ونیابت وبادشاہت برابر جاری رہتی چلی آئیں۔ یہاں تک کہ جناب ابراہیم علیہ السلام سے عہدہ امامت بھی جاری ہوگیا۔ پوری نوع انسان کی مرکزی راہنمائی وسربراہیٔ اسلام اسی سلسلہ کے ہاتھوں

میں رہی۔اُن کی دوسری شاخوں میں بھی انبیاؑ ورسلؑ گزرتے رہے جو ہمیشہ مرکز کے ماتحت رہتے تھے۔بقول جناب علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ ہر زمانہ میں اسلام کا مرکز رہتا چلا آیا ہے۔

5۔ آنحضرتؐ کے شجرۂ نسب کے اختلافات پر ایک نظر

آپ نے پھر خشک صفحات کا دورہ کیا ہے۔اور طبع نازک پر ایک بارِ گراں برداشت کیا۔مگر ہم یہ بتائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر آپ اس کتاب کو تحقیق حق یا اپنا محسن خانوادہ سمجھ کر پڑھ رہے ہیں اور حق کو قبول کرتے جا رہے ہیں تو آپ کا یہ محنت کرنا اور صبر وضبط ایسے وقت پر کام آئیگا جب اور کوئی چیز آپکی مدد وحمایت کیلئے نہ ہوگی۔آپ کوئی بھی ہوں،آپ کا لیبل مسلم ہو یا غیر مسلم،آپ ھندو ہوں یا عیسائی،آپ یہودی ہوں یا بے مذہب،وہ وقت سب پر آنا ہے۔اور یہ حضرات جن کا خاندان زیرِ نظر ہے،پوری نوع انسان کا راہبر و ہمدرد ہے۔اسکے بعد نمبروار شجرہ پر نظر ڈالیں اور کہیں سوال کرتے اور کہیں جواب سنتے ہوئے چلیں۔کہا گیا ہے کہ جناب عدنان علیہ السلام کے اوپر والے شجرہ میں اختلاف ہے۔یہ کہتے ہی عرب کے نسّابوں یا بھانڈوں یا شعرا اور عرب کے لوگوں کے مخصوص حافظہ کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔یعنی اگر حافظہ واقعی ویسا ہی تھا جس کا ہر باطل پرست نے دعویٰ کیا ہے۔اگر نسابوں کا نظام ویسا ہی بھول چوک پروف اور باقاعدہ تھا تو کسی قسم کے نہ اختلاف کی گنجائش تھی نہ شک وشبہ کو دخل ہوسکتا تھا اور جو حضرات ان مشرکانہ غپوں پر یقین کر لیتے ہیں کہ اُس آہنی حافظہ کے لوگوں کو یہ کیوں بلا اختلاف یاد نہ رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال کس دن ہوا تھا؟ کیا تاریخ تھی؟ یہ کیوں یاد نہ رہا کہ سرکار نماز میں ہاتھ کہاں رکھا کرتے تھے؟

قارئین نوٹ کریں کہ عربوں نے ہر اس تاریخ،واقعہ یا حقیقت کو مشکوک کرنے میں اپنی خیر سمجھی جو اگر بلا اختلاف باقی رہ جاتی تو ابلیس کا سارا کاروبار خطرے میں پڑ جاتا۔سُنئے ہم عرض کر چکے ہیں اور تفصیل میں سے گزریں گے کہ خاندان نبوت ورسالت میں ہمیشہ سے علم ووحی موجود رہتی چلی آئی اور دین ودنیا کا تمام ریکارڈ قلم سے مرتب ہوتے اور نسل درنسل آگے بڑھتے چلے جاتے تھے۔یہی خاندان تھا جن کے پاس از اوّل تا آخر وحی خداوندی اور تعلیمات اسلام کا سارا ذخیرہ قسط وار موجود تھا۔چونکہ یہ خاندان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے اور پھر حضرت اسماعیلؑ کے بڑے بیٹے کا خاندان تھا۔اس لئے مرکز نبوت ورسالت تھا۔دوسرے بھائی خواہ نبیؑ ہوں یا وصی،بادشاہ ہوں یا خلیفہ بہر حال اپنے باپ کے اوّلین جانشینوں کے ماتحت تھے۔لہٰذا یہ گھرانا دونوں طرف کی نبوت ورسالت وامامت کا امامؑ تھا۔لہٰذا یہاں سابقہ کتابوں کے علاوہ صحف ابراہیمؑ اور توریت وزبور وانجیل وغیرہ ہر کتاب موجود تھی۔یہی گھرانا حضرتِ یعقوبؑ کے خاندان کا ملجا وماوٰی تھا۔ضرورت پڑنے پر وہ حضرات اس خاندان میں چلے آتے تھے۔لیکن اسماعیلی یا نبطی خاندان اپنے اختلافات حل کرانے کے لئے اُدھر نہ جا سکتا تھا۔اُدھر سے اِدھر آنا پناہ اور اصلاح کہلاتا تھا۔مگر اِدھر سے اُدھر جانا بغاوت وفساد کہلاتا تھا۔لہٰذا دونوں خانوادوں بنواسماعیلؑ وبنواسرائیلؑ کے تمام اچھے اور بُرے افراد نے اس مرکزی اصول کی خلاف ورزی نہیں کی۔

یہی نہیں بلکہ اولادِ آدم علیہ السلام میں جتنی نبوتیں،رسالتیں اور خلافتیں قائم ہوتی رہیں سب اسی مرکز اور خانہ کعبہ سے متعلق

رہیں۔ یہی خانوادہ تھا جہاں سے دنیا کے تمام علاقوں میں علوم خداوندی اور رموزِ کائنات پہنچے۔ عرب کے نساب ہوں یا عجم کے علما ہوں، سب کے لئے اس خاندان سے راہنمائی کی سند لینا ضروری تھا۔ دنیا کی تمام علمی کتابوں اور الہامی صحیفوں کا ماخذ یہی افراد تھے۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص یا اشخاص ہمارے ان بیانات کا انکار کردے۔ لیکن دنیا کے کسی بھی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے، ممکن نہیں تھا اور ممکن نہیں ہوسکتا کہ وہ ایک ایسا شجرۂ طیبہ اور سلسلہ افرادِ خاندان پیش کرسکے اور وہ دعاوی کرسکے جو اس خانوادے نے کئے اور کتبہائے خداوندی نے تصدیق کی۔ اس عظمت کا منکر وہی ہوسکتا ہے جو چلچلاتی دھوپ میں کھڑا ہو کر سورج کے وجود کا انکار کرسکنے کی حد تک بے بصیرتی کا مظاہرہ کرنے کی جرأت کرسکے۔ لہٰذا جس قدر اختلافات کئے گئے ہیں وہ سب اُن لوگوں کی سازش ہے جن کی مائیں مُخْتَلِفُ الشیاطین تھیں۔ جن کے نطفوں میں قرآن کی رُو سے ابلیس کی شرکت تھی اور آسان و مشہور زبان میں جو مشرک تھے۔

(2)۔ شجرہ طیبہ میں اختلاف بھی بے نتیجہ ہو کر اتفاق ثابت ہے

اگر آپ شجرہ طیبہ کے بیان کو نمبروار دیکھتے چلیں تو حضرت ام سلمہؓ اور مقدادؓ کے بیانات کے مطابق یہ شجرہ، نبت بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ تک پہنچتا ہے۔ (شجرہ نسب حوالہ (1)، (2) پھر (3) میں بھی اوّل و دوم کی تائید ہے۔ اور نمبر (14) میں نبت بن اسماعیلؑ ہی ہے۔ اِن چار شہادتوں میں یہ کھل کر ثابت ہے کہ یہ شجرۂ طیبہ حضرت اسماعیلؑ کے بڑے بیٹے نبتؑ کی اولاد میں ہے۔ پھر آخری بیان (15) میں جہاں نام بنام مکمل شجرہ لکھا گیا ہے اس میں حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے کا نام جعثمؑ لکھا (نمبر 40) اور بتایا کہ جعثمؑ ہی کا نام عرامؑ و نبیتؑ اور قیذرؑ ہے۔ اس کے بعد باقی نمبروں میں جناب نبیتؑ کے دوسرے القاب کو الگ الگ افراد بنا لینے کی غلطی صاف نظر آتی ہے۔ کہیں نبیت بن قیذر بن اسماعیلؑ بنا دیا جیسا کہ نمبر (9)، (10)، (11)، (12) اور (13) میں۔ اور نمبر (6) میں عرام و قیذر کو ایک نام کہہ کر اسماعیلؑ کا بیٹا کہہ دیا۔ اسی طرح نمبر (8) میں نبیتؑ اور قیذرؑ کو ایک فرد سمجھا، یا بنایا گیا۔ اور نمبر (4) و (5) میں جناب نبیتؑ کے لقب قیذر کو لے کر اُسے نبیتؑ سے الگ ایک فرد سمجھ کر اسماعیلؑ کا بیٹا کہا گیا ہے۔ یعنی مجہول و غیر معروف لوگوں نے ایک ہی شخص کو کہیں تین اور کہیں دو اشخاص سمجھنے یا بنانے کی غلطی کی ہے۔ لیکن اُن سب بیانات سے جو حقیقت مُتفقاً ثابت ہے، وہ یہ ہے کہ یہ شجرہ بہر حال جناب اسماعیلؑ کے بڑے فرزند جعثمؑ سے چلتا ہے اور جعثمؑ کے القابات میں سے ایک نبتؑ یا نبطؑ یا نبایوطؑ ہے۔ دوسرا عرامؑ یا عیرامؑ ہے۔ تیسرا لقب قیذرؑ ہے۔ اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام قیدار ہے۔ اسلئے لوگوں نے قیذر کو قیدار بنا کر فریب دینے کی کوشش بعد میں کی ہے۔ لیکن مذکورہ بالا شجروں میں متفقاً قیدار کہیں موجود نہیں ہے۔ لہٰذا شجروں کا یہ اختلاف محض القابات اور زبان کے تلفظ کا اختلاف ہے۔ جس سے فریب ساز دشمنانِ خانوادۂ رسولؐ نے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی جو آج کے بعد بے حد ذلیل و کمینہ کوشش کہلائے گی۔ لہٰذا خانوادۂ رسولؐ قیداری نہیں بلکہ نبطی ہے۔ اور اس پر سب سے بڑے شاہد رسولؐ اور خلیفہ رسولؐ جناب محمد و علی صلوٰۃ اللہ علیہما ہیں۔ اُن کے خلاف بولنے والے کذّاب ہیں۔ دشمنانِ خدا اور ملعون ہیں۔ جس کا دل چاہے مخالفت کرے۔

(3)۔ شجرہ طیبہ خاندان نبوتؐ و رسالت کی دوسری شاخ میں بھی محفوظ تھا

یہ شجرہ طیبہ اگر صرف عرب مؤرخین اور نسّاب اور دانشوروں کے سہاروں پر ہوتا تو آج اس کا نام و نشان ڈھونڈے نہ ملتا۔

چنانچہ مشرکین عرب مجبور ہوئے کہ یہ شجرہ مٹایا نہ جاسکتا تھا۔انہیں معلوم تھا کہ یہ مرکزی خانوادۂ نبوت یہود و نصاریٰ میں بھی مقبول ہے اور وہاں مکمل شجرہ جگہ جگہ لکھا ہوا محفوظ ہے۔لہٰذا اُن کے سامنے صرف ایک راستہ تھا اور وہ تھا شجرہ مشکوک کرنے کے لئے اختلاف کی بھٹی میں جھونک دینا۔آپ نے شجروں کے بیان نمبر (7) میں دیکھا ہے کہ ابویعقوب اسلام لانے سے پہلے ہی اپنے اہل کتاب علما کے یہاں سے اس شجرہ طیبہ سے واقف اور اُن بزرگوں کے ناموں کا محافظ تھا۔ایک خاص بات یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ قرآن میں جن یہود و نصاریٰ کی مذمت، تحریف یا دشمنی مذکور ہے، اس لئے نہیں تھی کہ یہود و نصاریٰ مذہباً آنحضرتؐ کے مشن کے مخالف تھے، ہرگز ہرگز اور ہرگز نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ مشرکین عرب کے خاندانوں اور اقوام میں سے تھے۔اور جو دشمنی آنحضرتؐ کے بعد بیرونی ممالک کی طرف سے ظہور میں آئی وہ اسلام دشمنی نہ تھی بلکہ وہ عربوں اور اُن کے اعمال سے دشمنی تھی۔ورنہ یہود و نصاریٰ تو ہمیشہ نصرت محمدؐ و آل محمدؐ کرتے چلے آرہے ہیں۔اس کتاب میں مناسب مقام پر یہ تذکرہ دوبارہ آنے والا ہے۔یہاں تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ شجرۂ طیبہ مکمل طور پر توریت کی پہلی ہی کتاب میں لکھا ہوا چلا آرہا ہے۔اور جب تک توریت کو دنیا سے نہ مٹادیا جائے یہ شجرہ مخلوط النسل لوگوں کے لئے سوحانِ روح بنا رہے گا۔اُن پر ذلت و رسوائی کا خاموش اور منہ بولتا طنز بنا رہے گا۔اور دنیا اور اُس کا سب کاروبار و سامان لٹ جائے مگر توریت و زبور و انجیل و قرآن مجید اور محمد و آل محمد علیھم السلام ہمیشہ باقی رہیں گے۔اور جو اُن کے دامن سے وابستہ ہوں گے وہ بھی محفوظ و مامون رہیں گے۔

(4)۔ حضرت اسماعیلؑ کے بیٹوں سے حضرتِ آدمؑ تک مکمل شجرہ توریت میں موجود ہے

توریت میں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر مسلسل بائیس (22) طویل ترین عمریں رکھنے والی نسلوں کا شجرہ نام بنام موجود ہے۔اور وہ یہی نام ہیں جو ہم نے نمبر 60 جشمؑ سے لے کر حضرت آدمؑ تک لکھے ہیں۔جن ناموں کے تلفظ میں فرق ہے وہ توریتی نام ہم نے ہر نام کے نیچے بریکٹ میں لکھ دئے ہیں۔یہاں ہم توریت سے جناب اسماعیل علیہ السلام کے بیٹوں کے نام لکھتے ہیں۔تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ اُن کے بڑے بیٹے کی نسل میں شجرہ طیبّہ ہے اور یہ کہ جناب قیدار چھوٹے بیٹے تھے۔اور نبایوطؑ یا نبیتؑ بڑے تھے۔

(5)۔ حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے اور قیداری نسل کی تباہی

جن حضرات نے توریت کو یہود و نصاریٰ کی کتاب سمجھ کر نہیں پڑھا تھا، آج اُس میں سے چند جملے خدا کی کتاب سمجھ کر پڑھ لیں۔خاص بات یہ ہے کہ توریت بھی اُس مرکزی فہرست کا حوالہ دے کر بات کرتی ہے جس میں نسلوں اور قبائل کے نام لکھے ہوئے ہیں۔اور توریت میں کسی اور جگہ وہ فہرست کہیں نہیں ہے۔یعنی وہ فہرست مرکز نبوت و رسالت کے ریکارڈ میں رہتی ہے غور کیجئے ارشاد ہے کہ:۔

(الف)۔''یہ نسب نامہ ہے۔اور مطابق اُن ناموں اور نسلوں کی فہرست کے ہے، اسماعیلؑ کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔اسماعیل کا پہلوٹا نِبایُوتؑ اور قیدار اور ادبئیل اور مبسام اور مشماع اور دُومہ اور مسّا اور حدَد اور تیما اور یطُور اور نافیش اور قدمہ۔یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں۔اور اُن کی بستیوں اور پڑاؤں میں اُنکے یہی نام ہیں اور وہ اپنے قبیلوں میں بارہ رئیس تھے۔''

(توریت کتاب تکوین باب 25۔آیت 12 تا 17)

(ب) حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کے تمام نسلوں سے زیادہ پھلنے پھولنے اور بڑھنے کا وعدہ کیا گیا تھا جو بعینہٖ پورا ہوا۔لیکن اُن

میں کے اکثر نا ہنجار لوگ تباہ کر دئے گئے اور جس قبیلے نے زیادہ سرکشی کی مٹتا اور دوسروں میں مدغم ہوتا چلا گیا۔اس سلسلے میں جناب اشعیا نبیؑ کی پیشگوئی سنئے۔اسکے ابتدائی حصے کو بعض علما نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے وقت کی پیشگوئی کے طور پر کتابوں میں لکھا ہے۔یہ پیشگوئی 769 سے 693 قبل مسیح میں ملک عرب کے حق میں کی گئی تھی۔

وَافُوْ ابِـلْـمَـا ءِ لِلقَاءِ العَطْشَانِ يَا سكان ارض تَيْمَا ء استقبلوا المنهزم بخبزه فانهم قد الهزموا من اَمَامِ السيوفِ مِن اَمَام السَّيف المسلول والقوس الموطوء ة وشدة القتال (الخ)

''عرب:عرب کی بابت بار نبوت:۔اَے ددانیو کے قافلو!تم جو بیابان کے بن میں خیمہ زن ہو۔پانی لے کر پیاسوں کے ملنے کو آؤ۔اَے تیما کی سرزمین کے باشندو!روٹی لے کر ہزیمت خوردہ بـــقیۃُ السیف کے استقبال کو نکلو۔یقیناً یہ مظلوم بھوکے پیاسے بے دریغ چلتی ہوئی تلواروں اور کڑکتی ہوئی تیر کمانوں اور شدید قتل عام سے ہَرا دئے گئے ہیں۔خدا نے یہ فرمایا ہے کہ ایک برس یعنی مزدور کے ایک برس کے اندر قیدار کی تمام شوکت فنا ہوگی۔اور تیر اندازوں کا بقیہ قلیل ہوگا۔قیدار کے جنگجو تھوڑے سے رہ جائیں گے۔یقیناً خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے۔'' (کتاب المقدس۔اشعیا نبیؑ باب نمبر 21۔آیات 13 تا 17)

(ج) اگر قارئین نے غور فرمایا ہے؟ تو انہیں اس بیان میں کربلا کے باقی ماندہ مظلوم بچے اور خاندان کی معزز خواتین نظر آئی ہوں گی۔رسولؐ اللہ کسی میدان جنگ میں ہزیمت پاکر یوں بھوکے پیاسے کہاں رہے تھے؟ کہ اُن کے لئے خانہ بدوشوں اور شہریوں کو روٹی اور پانی لیکر آنے کی تاکید کی جاتی؟ یہ تو جناب امام حسین علیہ السلام کا وہ استغاثہ ہے جو قدیم زمانہ سے مندرجہ بالا انداز میں چلا آرہا تھا۔بہرحال یہاں آپ نے یہ دیکھ لیا کہ بنو قیدار کی حکومت وشوکت آنحضرتؐ کی بعثت سے ہزار بارہ سو سال پہلے ختم ہوگئی تھی۔لیکن حضرت نبایوطؑ یا نبیت کی اولادعرب میں سات سو سال قبل مسیح سے پہلے سے ہی چھائی ہوئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی غیبت کے بعد پانچ سو سال تک عظیم الشان قوم کی حیثیت سے حکمران تھی۔رومۃ الکبریٰ،یونان وایران کی حکومتیں اس کے سامنے لرزہ براندام اور مدد کی طالب رہتی تھیں۔یعنی خانوادۂ رسولؐ کو قیداری بنا کر ان مداریوں نے اس عظیم المرتبت قوم وقبیلے کی توہین کرنا چاہی تھی۔جس کی عزت وحرمت کا اللہ نگہبان اور ذمہ دار ہے۔لہٰذا آنحضرتؐ کا خاندان قیداری نہیں تھا بلکہ نبطی تھا اور سادات کا نبطی ہونا قابل فخر ہے۔یہاں تک کی گفتگو میں نسل قیدار سے خانوادہ رسولؐ کا علیحدہ اور ایک مستقل نبطی النسل ہونا ثابت ہے۔اور اس کے بعد کوئی نہ بتا سکے گا کہ جناب قیدار کی نسل کہاں گئی؟ ان کے شجرہ میں سے کون کون حضرات ظہور اسلام کے زمانہ میں کہاں کہاں تھے؟ یعنی مشرک نظام نے آخر ایک خاندان کو لاپتہ کر دیا۔یا ایک شاندار نسل کا سہارا لے کر پرائے سہاروں اور ناموں سے اسے زندہ کرنا چاہا تھا۔اقوام وقبائل اور خانوادوں کے ساتھ مشرکین عرب کا فریب ایک دفعہ پھر سُن کر اس عنوان کو آگے بڑھائیں۔علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ:۔

(د) ''قبائل بائدہ کا سلسلہ نسب عموماً مورخین عرب نے ارم بن سام اور اُس کی مختلف شاخوں سے ملا دیا ہے۔لیکن کس قبیلے کو ارم بن سام کی کس شاخ سے تعلق تھا؟ علمائے انساب کی رائیں اس بارے میں ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔یہاں تک کہ صحیح فیصلہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔'' (ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 124،125)۔اسی صفحہ پر دو عدد قدیم وجدید عربی اور مؤرخین کے قلم سے دکھایا ہے کہ

لوگوں کوغلط باپ کے بیٹے بتاتے رہے ہیں اور پھر تنگ آ کر یہ لکھا کہ:۔

''ان انساب کی تحقیق بظاہر بہت مشکل ہے۔مورخ ابن خلدون نے ان مشکلات کوکسی قدر حل کرنا چاہا ہے۔لیکن انسان کے لئے بیکار ہوگا کہ وہ ظلمت کدہ میں روشنی کی تلاش کرے۔''(ارض القرآن جلداوّل صفحہ 125)

یعنی قبائل کے معاملہ میں عربوں نے بالکل ہی اندھیر مچا دیا تھا۔مگر خدا نے انہیں خانوادہ رسولؐ کے معاملہ میں کس قدر نا کام کیا۔اسکا اندازہ مذکورہ شجروں اوراب آنیوالے حالات سے واضح ہوگا اور باطل پرست وفریب کارلوگ آئندہ دست تاسف ملیں گے۔

(6)۔ محمدؐ مصطفیٰ اور علیؑ مرتضیٰ کا کوثی نبطی ہونا کس قدر اہمیت رکھتا ہے؟

علمائے انساب اور مورخین کے پیدا کردہ گھٹاٹوپ اندھیروں کونورِ خداوندی نے منور کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔چنانچہ سب کچھ لکھنے اور جاننے کے باوجود جناب علامہ سلیمان ندوی نے قیدار کو بلاثبوت قریش کا پدراعلیٰ قرار دیا ہے۔اور جناب نابط علیہ السلام کوانصار (مدینہ والے) کا پدراعلیٰ لکھا ہے۔(ارض القرآن۔جلداوّل صفحہ 123)

اب ہم اُنکی مجبوریاں اور حقیقت بیانیاں دکھا کر یہ ثابت کریں گے کہ خانوادہ رسولؐ مدینہ کے اوس وخزرج یعنی قبائل انصار خاندان نابط سے ہیں۔اور مدینہ کی ہجرت اور خاندانِ رسولؐ کے بزرگوں کی بیویاں مدینہ کی کیوں تھیں۔اور حضرت اسماعیلؑ کی والدہ اور بیوی علیہم السلام مصر کی کیوں تھیں۔مختصر جواب یہ ہے کہ وہ سب ایک ہی خاندان کے افراد تھے۔تصدیق کیلئے حسب ذیل حقائق ملاحظہ ہوں۔

(الف)۔ حضرت اسماعیلؑ کے بعد سربراہیٔ اسلام اور تولیت کعبہ کا مالک نابط علیہ السلام ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدار کی نسل سے کہنے والے آنکھیں کھول کر تاریخ عالم وتاریخ عرب پڑھیں۔کچھ اور نہ ملے تو تاریخ ارض القرآن کی دونوں جلدیں ہی دیکھ لیں۔سہولت کے لئے ان ہی سے حوالے دئے جارہے ہیں۔

(i) حضرت اسماعیلؑ کی اولاد

حضرت اسماعیلؑ کی تیرہ اولادیں تھیں۔بارہ بیٹے اور ایک بیٹی۔''بارہ بیٹوں کے نام یہ تھے۔ 1۔ نبایوطؑ 2۔قیدار 3۔ادبائیل 4۔مبشام 5۔مشماع 6۔دوما 7۔مشا 8۔حدد 9۔تیما 10۔ یطور 11۔نفیس 12۔قیدماہ ان میں سب سے بڑے نبایوتؑ تھے۔اور اُن سے چھوٹے قیدار تھے۔یہ تمام بھائی باپ کے زمانہ میں اور ایک عرصہ بعد تک حجاز ہی میں آباد رہے۔یمن وحجاز سے شام ومصر تک تجارت کے قافلوں کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔اور دیگر عرب تاجروں کی طرح خوشبودار چیزوں کی تجارت کرتے تھے۔'' (ارض القرآن۔جلددوم صفحہ 49)

(ii) سربراہی خاندان۔تولیت کعبہ

''نبایوطؑ کواہل عرب عموماً نابتؑ کہتے ہیں۔عربوں کی روایتوں کے مطابق خانہ کعبہ کی تولیت حضرت اسماعیلؑ کے بعد سب سے بڑے بیٹے نابتؑ کے حصے میں آئی۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوطؑ (نابت) نے حجاز ہی میں قیام کیا۔لیکن بعض حوالوں

سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرزندان نبایوطؑ عراق میں موجود تھے۔اصل یہ ہے کہ بدویانہ زندگی کے ساتھ وہ حجاز سے عراق تک خانہ بدوشانہ پھیلے ہوئے ہوں گے۔'' (ارض القرآن۔جلد دوم صفحہ 56)

(iii) قارئین تمام تواریخ کا اور خصوصاً تاریخ ارض القرآن کا چپّہ چپّہ چھان ماریں۔مگر قیدار کے قبیلے کا حال کہیں اگر ملے گا تو نہایت مجہول اور غیر معروف حالت میں نظر پڑے گا۔لیکن اسی جلد دوم میں نبایوّط کی اولادوں ،حکومتوں اور شاندار تاریخی و سیاسی حالات لبریز ملیں گے۔اس کے بعد یہ سوچیے کہ جب حضرت اسماعیلؑ کی جگہ جناب نبایوتؑ یا نابت جانشین ہو گئے اور تولیت کعبہ سنبھال لی تو اب خاندانی یا اسماعیلیؑ قیادت تو کسی طرح بھی قیدار کے خاندان میں نہیں جا سکتی۔چونکہ نابتؑ کے بعد ان کا بڑا بیٹا جناب نابطؑ اور جناب اسماعیلؑ کا جانشین ہوگا۔اُس کے بعد اُس کا بڑا بیٹا جانشین ہوگا۔لہٰذا قیدار و خاندان قیدار بالکل آؤٹ (out) رہتا چلا جائے گا۔لیکن یہ مسلّمات عرب اور تمام دنیا کا متفقہ فیصلہ ہے کہ رسولؐ اللہ کا خاندان ہمیشہ کعبہ کا متولی اور مکہ کی ریاست کا حامل رہا ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیدار سے نہیں بلکہ جناب نابت علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔اور یہی جناب مقداد وام سلمہ رضی اللہ عنھما اور جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ: ''ہم کوثی یعنی عراق کے نبطی ہیں۔''

پھر یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بعد آنحضرتؐ تک کوئی بھی اس اسماعیلی نسل میں نبیؑ ہونے والا نہیں تھا۔یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد صرف خلافت و وصایت و امامت کے دینی عہدے باقی رہنے والے تھے۔لہٰذا جب حضرت نابت علیہ السلام حضرت اسماعیلؑ کے جانشین ہو گئے تو وہ تینوں عہدے اُن میں مرکوز ہو کر رہ گئے۔اور اُن کے خاندان میں جاری رہے۔تو قیدار کے خاندان میں رسولؐ اللہ کو گھسانے کا مطلب سوائے غصب خلافت و وصایت و امامت کے اور کیا ہوا؟ یعنی اوّلین مقصد یہ تھا کہ آنے والی نبوت و رسالت کو ایک مجہول خاندان میں دکھا کر چند مجہول خاندان اس کے وارث بن جانے کا موقعہ پا سکیں؟ قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ جہاں کہیں اُنہیں قیدار کے قبیلے کا ذکر ملے گا۔وہ توریت ہے اور توریت عربوں کے لئے منسوخ یعنی کنڈم کتاب ہے۔

(ب)۔ معنیٔ ذبح عظیم آمد پسرؑ کا تذکرہ توریت میں بھی ہے

علامہ سید سلیمان صاحب کے نزدیک نبطیوں کا تاریخی ریکارڈ بعثتِ حضرت عیسیٰؑ سے سات سو سال قبل سے شروع ہوتا ہے۔اور وہ صرف اس لئے کہ سید صاحب نے کسی کتاب میں ایک پیشین گوئی پڑھ لی۔چونکہ اس کتاب میں حوالہ غلط تھا لہٰذا آپ نے تصدیق کئے بغیر نقل ماردی اور لکھ دیا کہ حزقیال نبیؑ نے اپنی کتاب ساٹھویں باب کی ساتویں آیت میں یہ فرمایا ہے کہ:۔''نبایوطؑ کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی (7:60)۔'' (ارض القرآن۔جلد دوم صفحہ 56) بہر حال ہم صحیح عبارت اور صحیح حوالہ لکھے دیتے ہیں۔علما سے غلطیاں مقدر ہیں۔

کُلّ غنم قیدار تجتمع اِلَیکِ وَ کِبَاشُ نَبَایُوت تخد مکِ تَصَعَدُ

عَلٰی مذ بحی المرضی لَدَیّ۔ (اشعیا فصل ساٹھ آیت نمبر 7)

''تیرے پاس قیدار کی تمام غنیمت یا بھیڑیں جمع ہوں گی۔اور نبایوت کے تمام مینڈھے

تیری خدمت میں میری پسندیدہ قربانی کیلئے میری قربان گاہ پر چڑھانے کیلئے منظور ہیں۔''

یہ ہے وہ قربانی جو نابت کے خاندان کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے منظور و مذکور چلی آ رہی ہے۔ اور جسے اب غلط حوالوں میں پوشیدہ رہ جانے کے لئے بھول چوک کے پردوں میں چھپایا جا رہا ہے۔ یہاں بھی قیدار کی بھیڑوں کا ذکر ہوا۔ مگر قربانی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(7)۔ حضرت اسماعیلؑ کا جانشین خاندان، تحریری ریکارڈ میں کب آیا

علامہ قبول کرتے ہیں کہ:۔

(i) ''یوسیفوس یہودی جو پہلی صدی عیسوی میں تھا لکھتا ہے کہ ملک بحر احمر (حجاز) سے نہر فرات (عراق) تک اسماعیل کے بارہ (12) بیٹوں کے قبضے میں ہے۔ جن کے سبب سے اس کا نام نباطینہ پڑ گیا ہے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 56)

ذرا سوچئے کہ کیا اس کے واضح طور پر یہ معنی نہیں کہ بارہ بیٹوں کی نسلیں وہاں ہونا مشہور تھا۔ لیکن اقتدار نبطی خاندان کے ہاتھ میں تھا۔ اس لئے ملک کا نام نبایوط یا نبطیوں کی وجہ سے نباطینہ ہو گیا تھا۔ یعنی جہاں نبطی رہتے اور قابض ہیں۔ اُن کی عظیم الشان حکومت وہاں قائم تھی۔

(ii) پھر لکھتے ہیں کہ:۔ ''اُسی زمانہ میں جب رومی شام پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ تو نبطی عربوں سے اُن کی مڈبھیڑ ہوتی تھی۔ اور شام و عرب کے حدود پر نبطیوں کی ایک عظیم الشان حکومت نظر آتی ہے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 56) اور سنئے:۔

(iii) ''انباط ایک مدت تک دیگر عرب قبائل کی طرح بحر احمر سے بحر فرات تک مستقل وادیوں میں بدویانہ زندگی کے ساتھ آوارہ پھرتے رہے۔ اس بدویت کا زمانہ 2000 قبل مسیح (عہد اسماعیل) سے 700 ق م تک قرار دیا جا سکتا ہے۔ توراۃ نے نبایوط کا فرزندانِ اسماعیل کے ضمن میں 2000 دو ہزار سال قبل مسیح میں پہلی بار نام لیا ہے۔ اور آخرہً حزقیال نبیؑ نے جو کم و بیش 700 ق م تھے، نبایوط کا ذکر کیا ہے کہ نبطؔ (نبایوت) کی بھیڑیں نذر لی جائیں گی (7:60)۔'' (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 59)

یہاں پھر اشعیا نبیؑ کے غلط حوالے کو دہرایا ہے جو 740 قبل مسیح میں تھے۔ ہم نے عربی عبارت میں ذرا دیر پہلے دکھایا تھا کہ مینڈھے (کباش) نذر دئے جانے والے ہیں۔ یعنی قربان ہونے والوں میں سب مرد یا نر ہیں مادہ نہیں۔ پھر بار بار نہر فرات اور بحر فرات پہ غور کرنے کا تقاضہ کرتی ہے کہ نہر فرات کو حضرت فاطمہ علیہا السلام کے مہر میں کیوں کہا گیا تھا۔ یعنی یہ نہر اور اس کے پورے ملک پر اُن کے بزرگوں کی عظیم الشان حکومت رہی تھی۔ اور عربوں کو یہ اُن ہی کے ورثہ میں ملی تھی جو محمدؐ و آل محمدؐ کی موروثی جائیداد تھی۔ اب نبطیوں کے زریں عہد پر ایک کتبہ کی شہادت لکھتے ہیں۔

(iv) کتبات میں نبطؔ کا نام اشور بانیپال، شاہ اسیریا کے کتبے میں تقریباً اُسی عہد یعنی 700 قبل مسیح میں نظر آتا ہے۔ وہ اپنے کتبہ میں ناتاں نام کے نبطی بادشاہ کا ذکر کرتا ہے۔ یہ کتبہ 700 قبل مسیح میں ایک نبطی حکومت کا وجود بتاتا ہے۔ بہر حال نبطی حکومت کی تاریخ از روئے تاریخ یونان و کتبات نبطی 400 قبل مسیح سے پہلے نظر نہیں آتی اور نبطی حکومت کی آخری تاریخ 106 عیسوی ہے۔ جب کہ رومی حکومت نے ان کی حکومت کو اپنے اندر ضم کر لیا تھا۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 59)

قارئین نوٹ کریں کہ یونانی حکومت کی لکھی ہوئی تاریخ نبطی حکومت کو اُس روز سے شمار کریگی جب اسکو نبطی حکومت سے

واسطہ پڑے گا۔ یہ بھی غلط ہے کہ نبطی حکومت 106 عیسوی میں ختم ہوگئی تھی۔ اسلئے کہ نبطیوں کے ایک حکمران طبقہ کی کمزوری سے نہ نبطی حکومت ختم ہوتی ہے نہ نبطی خاندان ختم ہوتا ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ نبطیوں کا ایک حکمران خاندان کمزور ہوکر رومیوں سے مغلوب ہوگیا۔ لیکن دوسرے نبطی خاندان نے غسانی نام سے دوبارہ شاندار حکومت اسی زمانہ میں قائم کر لی۔ اور 7 ہجری تک قائم رہی۔ اور جہاں دوسرے بادشاہوں کو رسولؐ اللہ نے اسلام کی دعوت دی وہاں اس نبطی غسانی بادشاہ کو بھی مدعو کیا تھا۔

یعنی کم از کم نبطی حکومت کا زمانہ 700 قبل مسیح سے لے کر 630 عیسوی تک کم و بیش ڈیڑھ ہزار سال تک حکومت کی۔ یہاں عربوں کا وہ خوف قطعاً واضح ہوجاتا ہے جو اُنکو اُسی نبطی خاندان میں نبوت و رسالت و امامت کے قائم ہونے سے فطری طور پر ہونا چاہئے تھا۔ یعنی عرب کے چاروں طرف جس خاندان کی حکومت ڈیڑھ ہزار سال سے چلی آ رہی ہے۔ اگر اب وہ حکومت قلب عرب اور مکہ میں نبوت کے نام سے قائم ہوگئی تو رہتی دنیا تک اُس سے نجات نہ ملے گی۔ یہی خوف تھا جس نے کبھی شرک و کفر کے نام سے مخالفت کی، کبھی دب کر منافق محاذ کے نام پر قسمت آزمائی کی۔ لیکن ہر محاذ شکست پر شکست کھاتا رہا۔ مگر داخلی محاذ اسلام و اسماعیلی ہونے کی آڑ لے کر شخصی حکومت کے خلاف جمہوری حکومت کے بہانے کامیاب ہوا۔ اور آمریت و استبداد کے وہ نمونے دکھائے کہ فرعون و نمرود و شداد و ابلیس بھی شرما کر رہ گئے۔ کربلا کا سانحہ اور اس کا عنوان اسی محاذ کی خونی داستان ہے۔

(v) یہاں قارئین یہ بھی سمجھ لیں کہ رومۃالکبریٰ کی عیسائی حکومت برابر نبطیوں کی حامی و مددگار رہی ہے۔ جس بنا پر قرآن کریم نے رومیوں کو دوبارہ غلبہ پا کر مجوسی حکومت کو شکست دینے اور اور اپنے مقبوضات یا عربی علاقے دوبارہ حاصل کر لینے کی خوشخبری سنائی تھی۔ وہ دراصل قرآن نے یا رسولؐ نے اپنے نبطی خاندان کی حمایت کا اعلان کیا تھا۔ اور سورہ روم اُسی کی یادگار میں نازل ہوئی تھی۔ اس سورہ میں جگہ جگہ ایسے اشارے موجود ہیں جن پر بعد میں تحریک تشیّع نے اپنے منصوبے کے اصول مرتب کئے۔ ہم ان سولہ آیات کا مفہوم اس وقت کی تاریخ کے لحاظ سے لکھیں گے سنئے فرمایا گیا کہ:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o الٓمّٓ o غُلِبَتِ الرُّوْمُ o فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ o فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِن بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ o بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ o وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ o یَعْلَمُوْنَ ظَاھِرًا مِّنَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ عَنِ الْاٰخِرَۃِ ھُمْ غٰفِلُوْنَ o .... (سورہ روم آیات 1 تا 16 تک پڑھیں۔ 30/1-16)

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے الف لام میم یعنی آلِ محمدؐ و خانوادہ محمدؐ کی طرفدار روم کی عیسائی حکومت مغلوب ہوگئی اور اُسکے عربی مقبوضات میں سے تھوڑے سے علاقے مجوسی حکومت نے چھین لئے ہیں۔ مگر وہ رومی مذہبی حکومت اس غلبے کے بعد بہت جلد مجوسی حکومت پر گنتی کے چند سالوں میں غالب آ جائیگی۔ آج سے پہلے بھی اور آج کے بعد بھی حقیقتاً یہ اللہ ہی کی حکومت و حکم ہے۔ لہٰذا جب اللہ کی حکومت غالب آئے گی اس روز حقیقی علم رکھنے والے مومنین خوشیاں منائیں گے۔ اسلئے کہ فتح مندی خدا کی طرف سے جس کو ملتی ہے۔ اُس پر خوشی ہونا ہی چاہئے۔ وہ فتح دینے والا ہمیشہ ہر حال میں سب پر غالب و رحیم ہے۔ اللہ کا ہر وعدہ یقینی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں

کرتا۔ چنانچہ لوگوں کی کثرت یہ نہیں جانتی کہ یہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ اور مذہبی حکومت سے کیا جا رہا ہے۔ یہ تو ظاہری طور پر اُسی کو حقدار وعدہ و حکومت سمجھتے ہیں جو ظاہری لیبل کے ماتحت آتا ہو۔ چنانچہ وہ یہ نہیں جانتے کہ خواہ حکومت نبطی شاخ میں ہو یا اسرائیلی شاخ میں، وہ ہر حال میں اللہ کی حکومت ہوتی ہے۔ اور وہ اُس آخری نتیجہ سے غافل ہیں جو اسلام کا اندرونی دشمن محاذ بر آمد کریگا۔ کیا یہ لوگ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اور لوگوں کے قلب و اذہان میں پوشیدہ منصوبے پر غور و فکر نہیں کرتے کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ اللہ نے یہ زمین و آسمان اور جو کچھ معہ تمہارے اور حکومتیں اور منصوبہ ساز و نبوت و خلافت کے راز و رموز اثباتِ حق اور ابطال باطل کے سوا کسی اور غرض سے پیدا نہیں کئے ہیں۔ اور ہر اقدام و فکر و عمل و اشیا کی ایک خاص مدت مقرر کر رکھی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسانوں کی کثرت اپنے پالنے والے اور کائناتی انتظام کرنیوالے کے حاکم اور حاکمانہ نظارے پس پردہ چھپانے کی فکر میں ہیں۔ چنانچہ اگر تم اور وہ اس اندرون خانہ سازشی پردہ کو سمجھنا چاہتے ہو تو اُن لوگوں کے منصوبوں پر نظر ڈالو جو تم سے پہلے بڑی بڑی قوتوں کے مالک گزرے ہیں۔ جنہوں نے تم سے بہتر دنیا بنانے کی کوششیں کی تھیں اور بڑی بڑی تہذیب و آثار قائم کئے تھے۔ لیکن جب اُنکے پاس تعلیمات خداوندی لے کر اُن کے پیغامبر پہنچے تو انہوں نے خلاف ورزیاں کر کے اپنے اوپر مظالم کو جائز کر لیا۔ ہم نے اُنکے کردار پر مواخذہ میں ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے جیسا کیا تھا اسکی سزا پائی۔ بہت بُری صورتحال سے دوچار ہونا پڑا عاقبت تباہ ہوئی۔ وہ حکومت کو حق کی شناخت سمجھ کر دین کا مذاق اڑانے اور کھلی ہوئی آیات کی تکذیب کرنے لگے تھے۔ یہ سمجھ لو کہ اللہ حکومتوں کی تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور تمام مخلوق کو اُسی کے مقررہ نتائج کی طرف پلٹنا پڑتا ہے۔ لہٰذا تم بھی ہوشیار ہو جاؤ اور اُن سے عبرت حاصل کرو۔ اسلئے کہ جب مقررہ گھڑی سامنے آ کھڑی ہوگی تو آج کے حکومت سازی کرنیوالے مجرم مایوس اور بے بس ہو جائیں گے۔ اور جو لوگ آج حکومت بنانے کے منصوبے میں شریک و رفقائے کار ہیں وہ سب اپنی اسکیم کو چھپائیں گے اور ذرہ برابر سفارش نہ کر سکیں گے اور یہ ظاہر ہو جائے گا کہ وہ خدا کے احکام نہیں بلکہ اپنے مصالح کو ملحوظ رکھتے تھے۔ دینی نہیں بلکہ کافرانہ اور خدا و رسولؐ کے خلاف حکومت قائم کرنا طے کر چکے تھے۔ لیکن وقت سامنے آنیوالا ہے کہ وہ سب متفرق اور حکومت پراگندہ ہو کر رہ جائیں گے۔ رہ گئے وہ لوگ جو خلافت و حکومت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اصلاح حال میں مصروف ہیں وہ باغات میں خوشی منائیں گے۔ اور جن لوگوں نے اپنی دانشوری کو حکومت الٰہیہ کے چھپانے اور جھٹلانے میں صرف کیا تھا۔ اور آخری نتیجے کے سامنے آنے کی جھوٹی تاویلیں اور تحریف کی تھی اُن کو شدید عذاب کے شکنجے میں آنا پڑے گا۔

یہاں قارئین یہ نوٹ کر لیں کہ یہ مفہوم تاریخ کو ہی نہیں بلکہ قرآن کی کئی متعلقہ آیات کو سامنے رکھ کر پیش کیا گیا ہے۔ یعنی وہ پورا منصوبہ سامنے رہا ہے جو قرآن نے مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ اور جو لوگ اُس سے واقف نہیں ہیں وہ اس مفہوم کو غلط قرار دینے میں معذور ہیں۔ اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے ہم نے نہایت اختصار سے پیش کیا ہے۔ اگر آپ نے یہ سُنا ہے کہ قرآن خود اپنی آیات کی تفسیر و توضیح کرتا ہے تو یاد رکھیں کہ یہاں وہی تفسیر و توضیح ہے۔ اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر تم نے اسلام کے نام پر بے دین حکومت قائم کی تو خدا کی دوسری حکومتیں تمہاری جڑیں اکھاڑ دیں گی۔ اور واضح کیا کہ رومی عیسائی حکومت کو اللہ فتح دے گا۔ وہ اللہ کے مقاصد کی طرفدار حکومت ہے۔ اسکی فتح سے جو مومنِ حقیقی ہونگے ہمیشہ خوشی منائیں گے۔ بلکہ ایسی عیسائی حکومت کی طرفداری و نصرت کرنا اسلامی فریضہ اور حمایت

خداوندی سمجھیں گے۔ یہاں پھر یاد کریں کہ اہل کتاب اسلام کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ مشرکین عرب قرآن گلے میں لٹکا کر اور اسلام کے نعرے مار مار کر اسلام سے دشمنی کرتے رہے اور اُسی گروہ نے کربلا تک پورے دین کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسی لئے تو اسلام کے اولیا نے حسین علیہ السلام کو بنائے لا الہ قرار دیا ہے۔ ورنہ قاتلان حسینؑ تو تمام قسم کے کلمے اور نمازیں پڑھتے تھے، تہجد گزار تھے، محرم کی دسویں کو روزہ رکھتے تھے، عید مناتے تھے، حافظانِ قرآن تھے، حاجی تھے، جہاد فی سبیل اللہ کرتے تھے اور خلیفہ وقت کے مطیع تھے۔ اُنہوں نے تو اُس نبطی خاندان کو تہ تیغ کیا تھا جو خلیفہ رسولؐ یعنی یزید کا مخالف اور باغی تھا۔ انہوں نے اُس شخصی حکومت کے طرفدار خانوادے کو تباہ کیا تھا۔ جسکی شخصی حکومت پندرہ سو سال سے عربوں کو رعایا بنائے ہوئے تھی۔ اُنہوں نے اُس تصورِ حیات کو فنا کرنا چاہا تھا جو انبیائے سابقہ کی طرح خدائی احکام نافذ کرنا اور آزادی جمہور چھین لینا چاہتا تھا۔ اُنہوں نے اُن لوگوں کا قلع قمع کیا تھا جو قرآن کی تفسیر میں اپنا فیصلہ آخری قرار دیتا تھا اور دانشورانِ قوم کو اندھی تقلید پر مجبور کرنے کے بعد برسرِ اقتدار رہنا چاہتا تھا۔ اُنہوں نے اُس خاندان کی جڑیں کاٹی تھیں جو قیامت تک اپنی خاندانی امامت وحکومت کا قائل تھا۔ جو اپنی مخالف ہر حکومت وخلافت کو باطل کہتا چلا آرہا تھا۔ الغرض وہ مطمئن تھے۔ وہ اپنے بزرگوں کو آوازیں دے رہے تھے کہ آؤ، دیکھو ہم نے اُس غیر ملکی نبطی خاندان کو کس طرح قتل کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیا جس نے رسالت ونبوت کی آڑ میں تمہارے سامنے سر اُٹھایا تھا۔ جس نے ایک دفعہ تمہیں کعبہ میں ذلیل کیا تھا۔ جس نے تمہاری بیٹیوں کو ٹھکرایا تھا۔ جس نے تمہاری حکومت کو حقیر سمجھا تھا جو بات بات پر بھیڑ کی ناک سے نکلی ہوئی غلاظت کو تم پر حکومت سے بہتر کہا کرتا تھا۔ جسکے روبرو تم نے بیٹیاں پیش کیں، اپنی دولت وسرمایہ دینا چاہا اور اپنا بادشاہ بنانا چاہا مگر اس نے یکسر ٹھکرا دیا۔ ہم نے اسکی نسل کو تباہ کرنے میں جو محنت وقربانی کی ہے اس پر تمہاری دعاؤں اور شاباش کے متمنی ہیں۔ کہو کہ اَے خلیفہ رسولؐ۔ تیرے ہاتھ کبھی کمزور نہ ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو لا الٰہ کی بنیاد کس دلیل سے قرار دیا گیا ہے؟ جب کہ سارا دین، پورا قرآن اور حافظان دین وقرآن موجود تھے۔ خلافت اور خلیفہ موجود تھا۔ نمازیں، عبادتیں اور تمام رسومات ادا کی جارہی تھیں۔ تاریخ وحدیث وتفسیر لکھی جارہی تھی۔ علمائے مجتہدین ومفسرین ومحدثین ومؤرخین دن رات اسوۃ الرسولؐ مرتب کررہے تھے۔ دینی احکام وعدالت وقانون نافذ تھا۔ غیر مسلم اقوام کے ساتھ جہاد ہورہا تھا۔ اسلام پھیلایا جارہا تھا۔ رہ گیا کچھ لوگوں کے انفرادی اعمال تو زمانۂ نزولِ قرآن ورسولؐ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ خلفائے سابقہ اپنے مخالفوں کے ساتھ جنگ کر چکے تھے۔

ایسے اسلامی ماحول سے اسلام کی نفی کر کے حسینؑ کو اسلام یا لا الٰہ کی بنیاد قرار دے دینا معمولی سی بات نہیں ہے۔ اس سے تو حسینؑ اور طرفداران حسینؑ کے علاوہ باقی سب سے اسلام کی نفی اور کفر کا اثبات ہوتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا از سرِ نو بعثت رسولؐ ہوئی ہے۔ یعنی بعد رسولؐ رفتہ رفتہ دین اسلام مٹا دیا گیا تھا۔ حالانکہ قرآن وحدیث دونوں موجود تھے۔ دونوں مل کر اسلام کو محفوظ نہ رکھ سکے۔ دونوں اُمت کو کفر کی طرف جانے سے نہ روک سکے بلکہ لوگوں نے قرآن وحدیث کے سہارے ہی سے کفر اختیار کر لیا تھا۔ اسی صورت حال سے گھبرا کر بعض حقیقی مسلمانوں نے یہ رُخ اختیار کیا ہے کہ یہ رباعی جناب معین الدین چشتی کی ہے ہی نہیں۔ اور یہ جعلساز حقیقی مسلمان چار پانچ سو سال بعد اقبال کے لئے بھی یہی کہیں گے اور لکھیں گے کہ درج ذیل شعر علامہ اقبال کا نہیں ہے۔

بہرِ حق درخاک وخون غلطیدہ است　　　پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

باطل پرست گروہ کا پیشہ اور انکا مذہبی فریضہ ہے کہ حدیث و تاریخ و اشعار و تفسیر میں جہاں جہاں اہلبیتؑ کی مدح وثنا ملے، جہاں جہاں ایسا حق اور حقیقی واقعہ ملے جس میں دشمنان خدا و رسولؐ کی مذمت ہوتی ہو، اُنکی سازشوں اور منصوبوں کی نقاب کشائی ہوتی ہو، اُسے بدل دو۔ اُن سب کتابوں کو اگر فنا نہ کر سکو تو کمزور کرنیوالے صفحات نکال دو۔ اسطرح دوبارہ شائع کرو کہ تمام مضر عنوانات غائب ہو جائیں اور ایک نئی کتاب بن جائے۔ ضرورت ہو تو کتاب ہی کا انکار کر دو، نام بدل دو۔ چنانچہ یہ کام تیرہ سو سال سے برابر ہوتا چلا آ رہا ہے اور گزشتہ دو صدیوں میں تقریباً ساری تاریخ کو بدل دیا گیا ہے اور آج پاکستان میں تو دن دھاڑے آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔ جو لوگ پچھلی صدی میں یعنی چودھویں صدی (ہجری) کے اوائل میں کافر بنائے گئے تھے، جنہوں نے معجزات و جنات و ملائکہ کا انکار کیا تھا، آج مردود مُردوں کو اپنا راہنما اور امام بنایا جا رہا ہے۔ ایک ایسی تاریخ یاد کرائی جا رہی ہے جس میں ناموں کے سوا کوئی کردار صحیح اور واقعی نہیں ہے۔ کتابوں کے سرورق پر کذب، بہتان اور جھوٹے دعوے سرخ رنگ روشنائی اور جلی قلم سے لکھے ہوئے پڑھے جا سکتے ہیں۔

(8)۔ رسولؐ اللہ کے نبطی خاندان کو مٹانے، چھپانے اور مشکوک کرنے کی کوشش

مندرجہ بالا کوششیں بہت قدیم مؤرخین نے شروع کی تھیں۔ اُس وقت یہ مقصد سامنے تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کی حکومت جو کسی نہ کسی طرح نبایوت ہی کے گھرانے میں چلی آ رہی تھی، باہر نکال کر قحطانی نسل میں لایا جائے۔ اس مقصد میں ناکامی نے یہ سکھایا کہ نبطیوں کے ساتھ سازش کی جائے اور نبطی بن کر یا کسی دوسرے قبیلے کو نبطی مشہور کر کے اقتدار و حکومت کو کروٹ دی جائے۔ یہ بھی نہ ہوا تو پھر نبطی خاندان کا نام ہی بدل دیا جائے۔ یا نبطیوں کے عرب ہونے کا انکار کر دیا جائے یا کم از کم نبطی قبیلے کی اصلیت کو مشکوک کر دیا جائے۔ چنانچہ خاندان کے پدر اعلیٰ یعنی نابت کو اسماعیلؑ کا بیٹا کہنے کے بجائے بعض شجروں میں انہیں قیذر کا بیٹا یعنی نابتؑ بن قیذر بن اسماعیل لکھ کر دال اور ذال کے فرق سے دھوکہ دینا چاہا۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ قیدار کا اپنا شجرہ نسب غائب ہو کر رہ گیا۔ اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق سامنے لایئے اور سازشی تاریخ کا پردہ چاک کر کے اُسے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیجئے۔ مؤرخین چاہتے تو یہ تھے کہ لفظ نابتؑ، نبایوطؑ اور نبطؑ دنیا میں کہیں نہ بولا جائے۔ مگر نبطی خاندان کی حکومت اور ہمہ گیر شہرت عرب کے اندھیرے ہی میں نہیں چمکی بلکہ اس کا شہرہ یونان و روم و ایران تک جا پہنچا اور سیاسی حالات نے وہاں کے مؤرخین کو اُن کی تاریخ لکھنے پر اُبھارا تا کہ اُن کی اقوام بھی نبطیوں کے ذکرِ خیر کے ساتھ دنیا میں شہرت پائیں۔ اس حقیقت نے عربی مؤرخین کو مجبور کیا کہ نبطیوں کے کچھ نہ کچھ حالات لکھے جائیں۔ مگر اُن حالات کا کہیں انکار کیا جائے، کہیں تجاہل عارفانہ برتا جائے، جہاں موقعہ ملے انکار کر دیا جائے۔ علامہ کے بیانات دیکھیں:۔

(i)　　''اہل عرب بھی اُن نبطیوں سے واقف تھے۔ اس لفظ نبط کی جمع عربی میں انباط ہے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 56)

اس اقرار کے بعد دوسرے صفحہ پر مسلسل فرمایا کہ:۔

(ii)　　''مؤرخین عرب فرزندان نبایوط یا انباط سے زیادہ واقف نہیں ہیں۔ وہ صرف انباط کے نام اور اُن کے تخمینی مسکن سے البتہ

واقف ہیں۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57۔)

یہاں تجاہل عارفانہ اور اقرار وانکار جمع ہو گیا اب شکوک پھیلانا ملاحظہ ہو۔

(iii) ''اُنکا نام کبھی انباط اور کبھی آرامی بتاتے ہیں اور اُنکا مسکن شام وعراق ظاہر کرتے ہیں'' (ایضاً جلد 2 صفحہ 57) یعنی اُنہیں ارم بن عاد کے پرانے قبیلے سے جاکر ملادیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اسماعیلی قبیلہ سے دور تر کر دیا جائے۔ دوسرا مؤرخ کہتا ہے؛

(iv) ''ارمانی شام کے نبطیوں کا نام ہے۔ اور اردونی عراق کے نبط کا۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

ایک اور ترکیب یہ کی گئی کہ اس نام کو اتنی وسعت دو کہ ہر وہ شخص نبطی کہلانے لگے جو مہذب زندگی بسر کرتا ہو۔ یا یہ کہ گڈریا یا چپڑاسی نہ ہو وہ نبطی ہے چنانچہ؛

(v) ''عربوں کے نزدیک ہر وہ شخص نبطی ہے۔ جو چرواہا یا سپاہی نہ ہو۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

یہ بھی لکھا گیا کہ نبطی نہ عرب کے باشندے تھے۔ نہ عربی قبائل میں سے تھے۔

(vi) ''اہل عرب عموماً نبط کو قوماً واصلاً غیر عرب سمجھتے ہیں۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 57)

اس سلسلے میں خلیفہ دوم نے واضح الفاظ میں نبطیوں کے نسب پر شکوک وشبہات کی مہر لگادی۔ چنانچہ عربوں میں عجمی اور نبطی ایک ہی بنادیئے گئے تھے۔ اُنہوں نے اس نام کو گالی بنانے کی کوشش کی۔ اور یہ سب کچھ خانوادہ اسماعیلؑ اور خاتم النبین علیھما السلام کے ساتھ کیا جارہا تھا۔

پانچویں ترکیب کو پھر ایک نئی بات کہہ کر لکھتے ہیں کہ:۔

(vii) یاقوت حموی (مؤرخ) نے ایک نئی بات لکھی ہے (حالانکہ علامہ صفحہ 57 پر پہلے لکھ چکے ہیں) کہ عرب ہر اس قوم کو نبط کہتے ہیں۔ جو گلہ بان اور سپاہی نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو قوم غیر بدوی زندگی بسر کرتی ہو (یعنی جو بدّو نہ ہو)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نبط نے عراق کے تاثر سے متمدن زندگی اختیار کرلی تھی۔ اس لئے بادیہ نشینانِ عرب نے ہر غیر بدوی قوم کو نبط کا مترادف سمجھ لیا۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 58)

(9)۔ رسولؐ اللہ کے نبطی خاندان کی وہ شاخیں جنہیں عرب منصوبے نے انباط سے خارج کیا

یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ کے خاندانِ انباط کا جب ایک حکمران گروہ کمزور ہو گیا تو اس خاندان کے ایک اور گروہ نے حکومت قائم کی اور آنحضرتؐ کی دعوت کے وقت تک حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کی بابت علامہ سلیمان لکھتے ہیں کہ:۔

(i) ''آل غسان۔ نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ۔ انباط (کے پہلے حاکم خاندان) کے مٹنے کے بعد ایک اور عرب خاندان نے ظہور کیا۔ جس کو عموماً آل غسان یا غساسنہ کہا جاتا ہے۔ اور کبھی بانی خاندان کے نام سے آل جفنہ کہتے ہیں۔''

''آل غسان کا نسب'' ''عام علمائے انساب کی تشریح کی بنا پر آل غسان، قحطانی سبا کے خاندان کہلان سے تھے۔ کہلان کے سالار خاندان عمر فریقیاء کو پہلے سے معلوم ہو چکا تھا کہ سدِّ عرم ٹوٹے گا اور سبا (قبیلے کے افراد) برباد ہو جائیں گے۔ اس لئے وہ یمن سے نکل کر حجاز کی راہ سے شام آیا۔ بعض حجاز اور تہامہ میں رہ گئے۔ اور وہ قبیلہ اوس وخزرج وغیرہ ہیں۔ اور بقیہ حصہ شام وعراق چلا گیا۔ لیکن اصول

تحقیق کی رُو سے یہ تمام تر افسانہ ہے۔گزشتہ ابواب میں قحطانی واسماعیلی خاندانوں کی تشخیص وتمیز کی اتنی علامتیں بیان کی جاچکی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے بآسانی دونوں (قحطانی اور اسماعیلی) سلسلوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔جس سے کلبی اور ابن ہشام علمائے انساب کے اکاذیب کا انبار **دفعةً** جل کر خاکستر ہوجاتا ہے۔''(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 78)

قارئین یہاں صرف اس قدر نوٹ کرلیں کہ مؤرخین اور عرب کے علمائے انساب نہایت اطمینان اور بے خوفی سے جھوٹے نسبوں،غلط خاندانوں اور قبیلوں کو دوسرے قبیلوں میں بدلنے کے لئے باقاعدہ جھوٹے قصوں اور افسانوں کے انبار لگاتے چلے جاتے تھے۔پھر سوچئے کہ ہونا تو یہ چاہیے کہ جیسے ہی یہ معلوم ہو کہ یہ مشرکین عرب کا مؤرخ ہے،اُس کی کسی بات کا اعتبار نہ کیا جائے۔جس طرح انہوں نے نبطی وعجمی اور........کو مترادف بنادیا تھا اور دلیل کوئی نہ تھی۔اُسی طرح اگر ہم مشرک مؤرخ اور کذب وافترا اور..........کو ہم معنی قرار دینے پر دلائل قائم کردیں تو کیا حرج ہے؟ لہٰذا ہمارے نزدیک یہ لوگ کاذب وغاصب اور مفتری اور........ ہیں۔ان لوگوں نے نابتی خاندان کو خصوصاً اور بنی اسماعیل کی دوسری شاخوں کو عموماً قحطانی بنا کر خود قحطانی اور سبائی سے اسماعیلی بن جانے کی کوشش کی۔لہٰذا اُن لوگوں کا حقیقی معنی میں اسماعیلی یا قریشی ہونا ایک خانہ ساز سیاہ جھوٹ ہے۔یہ سب قحطانی تھے،سبائی تھے۔اِن لوگوں نے اپنا ایک ہیرو عبداللہ ابن سبا کے نام سے گھڑا تھا۔علامہ نے طرح طرح سے ثابت کیا ہے کہ آل غسان نبطی تھے جیسا کہ فرمایا کہ:۔

(ii) ''آل غسان کے ناموں کو قحطانی اور نبطی اسماء کے درمیان رکھ کر دیکھ لو تم فوراً کہہ دوگے کہ یہ یقیناً اسماعیلی تھے۔اور اسماعیلیوں میں بھی نابتی تھے۔''(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 78)

(iii) ''آل غسان کی زبان اور خط تحریر دونوں اسماعیلی ہیں۔زبان،شمالی عربی زبان ہے اور خطِ تحریر نبطی ہے۔اگر یہ قحطانی خاندان ہوتا تو زبان اور خط دونوں حمیری ہوتے۔''(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 79)

یہ نوٹ کریں کہ حمیری قحطانی قبیلے سے ہیں۔بہت سے دلائل کے بعد علامہ کہتے ہیں کہ:۔

(iv) ''یہ وہ دلائل ہیں جو مستشرقین یورپ اس موضوع کے متعلق پیش کرتے ہیں،لیکن ہم اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کرتے ہیں۔ابوطاہر مقدسی،مصنف کتاب البدر والاخبار جو ایک قدیم مصنف ہے۔ایک موقعہ پر لکھتا ہے''(ایضاً)

اسکے بعد علامہ نے عربی کی عبارت اور ترجمہ لکھا ہے۔اس کو دیکھنے سے پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ عربوں کا کام حقائق کو چھپانا تھا اور علمائے یورپ کا کام سازشی پردوں کو ہٹا کر حقائق کو باہر لانا تھا۔مقدسی کی عبارت کا ترجمہ یوں کیا ہے:۔

(v) ''حسان بن ثابت کا دادا منذر بن حزام جو خالص زمانہ جاھــلیة میں تھا اُنکا (اوس وخزرج) نسب غسان تک اور غسان سے نابت بن مالک تک اور نابت بن مالک سے نابت بن اسماعیل بن ابراہیم (علیھما السلام) تک پہنچتا ہے۔''(ایضاً صفحہ 79)

اس کے بعد علامہ نے حسان بن ثابت کے دو شعروں سے ثبوت لکھا اور کہا کہ:۔

(vi) ''شاعر خود غسانیوں کا ہم نسب ہونا ظاہر کرتا ہے۔اور خود غسانیوں کے عہدِ وجود میں یہ قصیدہ لکھا گیا ہے۔اس بنا پر آل غسان کے لئے اس سے زیادہ قابل اعتبار شہادت نہیں مل سکتی۔''(ارض قرآن جلد دوم صفحہ 79)

پھر علامہ نے قحطانی، حمیری اور اسماعیلی بادشاہوں کے ناموں کو بطور ثبوت لکھنے سے پہلے اعلان کیا کہ:۔

(vii) ''آخری فیصلے کے لئے ہم قحطانی، حمیری اور اسماعیلی نبطی بادشاہوں کے نام پہلو بہ پہلو لکھتے ہیں۔اس مقابلہ سے قومیت کا راز خود بخود فاش ہو جاتا ہے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 80)

یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ آل غسان نبطی تھے اور اسی لئے سازشی تاریخ نے انہیں قحطانی بنانے پر زور لگایا۔مگر بعد کے علما بھی برابر خانوادۂ رسولؐ کے نسب کو برابر چھپاتے رہے۔اور قحطانی نسل کے لوگوں کو اسماعیلی اور قریشی کہنے، لکھنے اور مشہور کرنے کا دن رات ڈھنڈورا پیٹتے رہے۔اور آنحضرؐت کے زمانہ میں ہی ایسے حالات پیدا کر دئے تھے کہ لوگوں نے اسلامی مقاصد کی خاطر اس پہلو کو سامنے رکھنے سے احتراز کیا۔ورنہ اسی کو بہانہ بنا لیا جاتا اور کربلا اپنے وقوع سے اکسٹھ سال پہلے ہی سامنے آجاتی۔لیکن ہم اور بہت سے رازوں کے ساتھ یہ راز بھی کھول دیں گے۔یہاں تو یہ دیکھیں کہ مدینہ کے انصار رضی اللہ عنھم بھی خانوادۂ رسولؐ میں داخل ہیں، وہ بھی نبطی ہیں۔ جنہوں نے دل و جان سے، مال و اولاد سے قحطانیوں کے مقابلہ میں اپنے خاندانی رسوؐل کی مدد و نصرت کی۔اور یہ کہ قحطانی سازشوں نے ان کو بھی قحطانی بنانے کی کوشش کی تھی۔علامہ نیا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:۔

(viii) ''اَوس وخزرج'' ''نابت بن اسماعیل کی ایک اور شاخ انصاؔر'' ''وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا'' اوس وخزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں، جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔اسلام آیا تو وہ اس کے پرزور دست و بازو تھے۔اور انصار اُن کا خطاب تھا۔''

''اَوس وخزرج کا نسب۔عام طور سے اُن کو بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے۔لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے۔زبان، مذہب اور اخلاق قومی کے علاوہ روایات سے بھی اُن کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔'' (ارض قرآن جلد دوم صفحہ 85)

اخلاق کی گفتگو میں ہم بھی قحطانی اور مکی باشندوں اور مدنی اسماعیلی نبطی حضرات کا ذکر کریں گے۔یہاں صرف دو جملے سن لیں یعنی انصار کی عورتیں مکے سے آنے والے مسلمانوں سے شرع کے مطابق نکاح تو کر لیتی تھیں۔مگر بے ڈھنگے اور کوکشا شتری جنسی تعلق سے تنگ آکر آنحضرؐت کے حضور میں شکایت کرتی تھیں کہ ہمارے ساتھ حیوانی سلوک کیا جاتا ہے۔تفصیل کتاب ''اسلام اور جنسی تعلقات'' میں موجود ہے۔اسلام کی کتابیں ان کی بداخلاقیوں سے بھری پڑی ہیں۔حیا سوز وگھناؤنے کردار خود قرآن کریم نے ریکارڈ میں محفوظ رکھے ہیں۔ہم نے اُن کو کبھی بھول کر بھی اسماعیلی تو اسماعیلی تھے، صحیح النسب وشریف الاصل نہیں سمجھا۔وہ ویسے ہی تھے جیسے قرآن کریم نے بتایا ہے۔بہر حال انصار کا خاندانِ رسولؐ سے نابطی ہونا احادیث سے بھی ثابت ہے ملاحظہ ہو:۔

(ix) بخاری میں روایت ہے کہ ابو ہریرہ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہ علیھا السلام کا قصہ سنایا تو آخر میں کہا تِلْکَ اُمُّکُمْ یابنی ماء السَّماء۔ ''اے پاک نسبو! یہ تھیں تمہاری ماں'' محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقتیں تھیں۔لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل واشتباہ کا پردہ چاک کر دیا۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 85)

محدثین کو اس لئے دقت پیش آئی کہ گزشتہ تین سو سال سے کانوں میں یہ شور گونج رہا تھا کہ مدینہ کے انصار قحطانی ہیں۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ نے باوجود مخالفت کے یہ اعلان کر دیا کہ آنحضرتؐ اور انصار کی والدہ حضرت ہاجرہؑ ہیں۔ سوچیئے کہ تاریخ میں کیسی بے رحمانہ تلبیس وتحریف کی گئی ہے؟ اور سُنیں:۔

(x) ''تمام علمائے انساب اس پر متفق ہیں کہ اَوس وخزرج، غسان کے ہم نسب ہیں۔ اور خود اوس وخزرج کا بھی یہی دعویٰ ہے۔ اس بنا پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نابتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں۔ تو وہی بعینہٖ اوس وخزرج کے نابتی ہونے پر بھی حجت ہیں۔''

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 86-85)

ہمیں یہ بتانا ہے کہ علامہ کے دلائل صحیح ہوں یا غلط اس سے انصار کا شجرۂ نسب نہیں بدلتا۔ علاوہ ازیں مؤرخین وعلمائے انساب کی اکاذیب اور سازش واضح ہو جانے کے بعد اُن کا کسی ایسے امر میں متفق ہونا جو خود انہوں نے بطور سازش گھڑا اور تیار کیا ہو ہمارے لئے دلیل حق نہیں ہے۔ وہ تو اس لئے انصار کے غسانی ہونے پر متفق ہیں کہ وہ پہلے غسانی قبیلے کو قحطانی بنا چکے تھے۔ لہٰذا وہ ایک باطل اور بہتان پر متفق ہوئے ہیں نہ کہ حق پر؟ علامہ کی ایک اور دلیل:۔

(xi) ''اوس وخزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے اُن کے رشتے ناتے تھے۔ وہ ہر سال پابندی سے حج کو آتے تھے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 86)

اگر علامہ یہ کہتے کہ آنحضرتؐ کے خاندان سے رشتے ناتے تھے تو بات بلا کسی گنجلک کے صحیح ہوتی۔ قریش تو ھما شما سب بن گئے تھے اسلئے بات صاف نہیں ہے۔ رہ گیا حج پابندی سے کرنا، یہ نابتی ہونے کی بے شبہ شناخت نہیں ہے۔ بہت سے غیر اسماعیلی قبائل کے افراد آتے تھے، میلہ ہوتا تھا، تاجر بھی آتے تھے، موسیقار وشعرا بھی آتے تھے۔ اور ہم اسلئے لکھے چلے جا رہے ہیں کہ علامہ ایک زبردست مؤرخ ہیں مسلمانوں میں مستند ہیں اور بدقسمتی سے حقیقی مسلمان ہیں۔ یعنی آنحضرتؐ کو، حضرت علیؑ کو، غسانیوں اور انصار کو نبطی یعنی نابت بن اسماعیل کی اولاد مان کر بھی بلا دلیل اور بلا ثبوت آنحضرتؐ کو قیدار بن اسماعیلؑ کی اولاد میں لکھ دیا ہے۔ لہٰذا ہم اُنکو اسلئے سند مانتے ہیں کہ قیداری کہتے ہوئے وہ اپنے اور اپنے بزرگوں کے خلاف علیؑ ومحمدؐ وانصارؓ وغسانیوں کو زور وقوت ودلیل وبرہان سے نابطی ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔ مندرجہ بالا ساتویں (vii) دلیل کو پھر دھراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

(xii) ''منذر بن حزام حضرت حسان بن ثابت کا دادا جو زمانہ جاہلیت میں اور خزرج کے قبیلہ سے تھا۔ اپنا نسب نابت بن اسماعیل تک پہنچاتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔ **ورثنا من البهلول عمر و بن عامر　　و حارثة الغطريف مجدا موثلا**

موارث من ابناء نبت بن مالک　　ونبت بن اسماعیلؑ ما ان تحولا

عمرو بن عامر اور حارثہ، دونوں غسانی اور اوس وخزرج کے پدر اعلیٰ تھے۔ غسان نے شام کا رخ کیا اور اوس وخزرج نے حجاز کے شہر یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کی......... آنحضرتؐ کی آمد پر نبیؐ کا شہر یعنی مدینۃ الرسولؐ نام ہوا۔ طیبہ کا اضافہ ہوا۔ پہلے یہاں عرب سامیہ اولیٰ آباد تھے پھر یہود آئے، پھر اوس وخزرج آئے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 86)

یہاں تک رسولؐ اللہ، علیؑ مرتضیٰ اور انصار کا ہر حیثیت سے نابطی یا نابت بن اسماعیلؑ کی اولاد ہونا ثابت ہوگیا۔ یہاں اس قدر اور نوٹ کرلیں کہ یثرب جسے رسولؐ اللہ کی ہجرت کے بعد مدینہ کہا گیا ہے حضرت اسماعیلؑ کے زمانہ 2200 قبل مسیح میں عرب کی قوم سامیہ اولیٰ (یعنی جس زمانہ میں اس کا نام عاد اولیٰ تھا) نے آباد کیا تھا۔ وہی یہاں آباد و حاکم تھے۔ ان ہی میں سے حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے بھائی تھے۔ اُن کی ہی اولاد میں سے اسماعیل و اسحاق علیہما السلام تھے۔ اور نبوت و رسالت کی یہی دو شاخیں تھیں۔ اور یہ دونوں شاخیں مل کر کام کرتی تھیں۔ ابتدا ہی سے حضرت عیسوؑ جو حضرت یعقوبؑ کے بھائی تھے۔ ناراض ہوکر حضرت اسماعیلؑ کے پاس چلے آئے تھے۔ ان دونوں کی اولادیں یہاں یثرب یا مدینہ میں آباد چلی آتی تھیں۔ مدینہ کے یہود حضرت عیسو ہی کی اولاد میں سے تھے۔ اور اوس و خزرج نابت بن اسماعیلؑ کی اولاد تھے۔ گویا مدینہ میں چچا (عیسوؑ) تایا (اسماعیلؑ) کی اولادیں یعنی بھائی بھائی آباد تھے۔

(10)۔ رسولؐ اللہ کا نبطی خاندان کہاں کہاں پھیل کر آباد ہوا اور پندرہ سو سال حکومت کی

یہاں یہ بتا کر چلیں گے کہ نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد نے ملک عرب و شام و مصر و یمن و عراق و حجاز و نجد میں چپہ چپہ پر حکومت کی۔ تمدن و تہذیب کو منتہائے کمال کی طرف رواں دواں رکھا۔ یہ حکومت نامعلوم زمانہ سے شروع ہوئی لیکن اس کی دھوم دھام اور شہرہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے سات سو سال قبل سے ریکارڈ میں آیا۔ اور 630 عیسوی میں اپنے خاندان کے سرتاج محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم چوم کر آپ کے مشن کی ایک لازوال مُمِد و مددگار بن گئی۔ اور آئندہ سر جھکا کر اسلام اور سربراہانِ اسلام کے اشاروں پر قربانیاں پیش کرتی رہی۔ اور کربلا کے بعد وہی نبطی قیادت تحریک تشیّع کے نام سے مخالف محاذ کے مدمقابل ہوگئی۔ مخالف محاذ کو گھیر کر قرآن وصاحبِ قرآن علیہم السلام کی طرف لانا، باطل نظام کی پول کھولنا اور بنی نوع انسان کا صحیح ریکارڈ مرتب کرتے چلے جانا اس کے منصبی فرائض تھے۔ تحریک تشیّع نے مخالف محاذ کو ہر میدان میں شکست دی۔ اس کی قوت و سطوت و حکومت و اقتدار کی چولیں ہلائیں۔ اُن کے جنازے نکالے، زیرزمین اور اعلانیہ محاذوں نے اسلام کا پورا پورا تحفظ کیا۔ یہ مشن قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک لمحہ کیلئے ابلیس اور ابلیسی نظام کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ مخالف محاذ کے ہر دانشور اور ہر منصوبے کو ہر رنگ میں پہچانتا ہے۔ ہر مخالف اسکیم، ہر مخالف نظام، ہر مخالف حکومت، ہر مخالف گروہ اور ہر مخالف منصوبے پر نظر رکھنا، اور اس کے باطل و مضر نتائج کو وقوع میں آنے سے پہلے ہی ضائع کردینا تحریک تشیّع کا اوّلین فرض ہے۔ اُس کے یہاں نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ، خمس و جہاد و عبادات وہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں جن سے احقاق حق و ابطال باطل کیا جاتا ہے۔ اُن کی ہر اسکیم نماز کے ماتحت رہتی ہے۔ وہ ایسی نمازوں کے قائل نہیں جو دن رات چاروں طرف بلا سمجھنے کے یعنی نشے کی حالت میں بطور رسم وریا پڑھی جارہی ہیں۔ جانتے ہو کہ کربلا کے میدان میں نماز کو آغاز کار میں رکھا، نماز ہی پر اُس کا شباب آیا اور نماز کے سجدہ ہی میں انجام کار آیا۔ اس روز سے ہمارے لئے نماز ایک پناہ گاہ بن گئی، ہماری محافظ ہوگئی۔ اُس نے ہمارے ہر مجاہد کے ساتھ، آگے پیچھے اور چاروں طرف حصار بنالیا۔ معلوم ہے کیوں؟ وہ دیکھو! نماز جماعت کھڑی ہونے سے پہلے دو مجاہد امامؑ سے بھی آگے کھڑے ہیں۔ خبر نہیں کیوں مسکرا رہے ہیں۔ امامؑ اُٹھے، صفیں قائم ہوئیں، دشمن کے تیر اندازوں نے کمانیں سنبھالیں، امامؑ کو نشانہ بنایا، تیروں کی بارش ہونے لگی۔ وہ دونوں مجاہد داہنے بائیں جھک جھک کر، تن تن کر تیر روکنے لگے۔ نماز جاری رہی، تیر برستے

رہے، نماز اور امامؑ کے محافظ تیر کھاتے رہے۔اُن دونوں کی نماز، امامؑ ونماز کی حفاظت تھی۔ پہلو چھلنی ہوگئے، سینہ کہاں بچتا۔امامؑ ونماز ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئے۔امامؑ کے سامنے دونوں مجاہد پڑے تھے۔دماغ و دل بکھیر کر رخصت ہو چکے تھے، یہ ہے ہماری نماز، ہمارا زنجیر زن، ہمارا قمع کا ماتم کرنے والا۔اُن دونوں بے نمازوں، نماز کے محافظوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔کَس کَس کر سر و سینہ کو چھریوں سے غربال (چھلنی) بنا دینا چاہتا ہے۔اور امامؑ کے پیچھے نہیں، آگے والی نماز اور آگے والے مجاہدوں کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتا ہے۔وہ امامؑ کے بعد، امامؑ کی اجازت اور امامؑ کے نام سے تحریک تشیّع کی قیادت و امامت سنبھالنا چاہتا ہے۔وہ نماز کو اپنے خون سے ہر لمحہ، ہر روز و ہر ماہ و ہر سال دلھن کی طرح سرخپوش دیکھنا چاہتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ کربلا ہو یا نجف، کوفہ ہو یا بصرہ، خیبر ہو یا فدک، مکہ ہو یا مدینہ، تبوک ہو یا ربذہ؛ ام القریٰ ہو یا صحرا، تیما ہو یا حجر یہ سب رسولؐ اللہ کے بزرگوں کی موروثی جائیدادتھی۔اس پر اُن کے خاندان انباط کا قبضہ تھا۔اُن کا راج تھا۔اُن کو رسولؐ نے پھر سے اپنے دشمنوں سے حاصل کیا تھا۔دشمنانِ خدا و رسولؐ نے سازشوں سے اُن تمام ممالک اور علاقوں کو اسلام کے نام پر پھر چھین لیا۔ہر عہد کو توڑا، ہر دستاویز کو پھاڑا، ہر ریکارڈ کو مٹایا اور تبدیل کیا۔اب اُن کے حصول میں خون پانی کی طرح بہانا پڑے گا۔اپنی اور مخالف محاذ کی نمازوں اور عبادتوں کا فرق دکھانا پڑے گا۔اور انہیں اس میدان سے کافر بنا کر بھگانا پڑے گا۔اور گلی گلی، کوچہ کوچہ، شہر در شہر، ساری دنیا کو، ساری اقوام کو خانوادۂ حسین علیہ السلام کا قصہ درد والم سنانا پڑے گا۔

(i) ہم علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام ممالک اور شہر و علاقے حضرت اسماعیلؑ کے زمانے سے نبت بن اسماعیل علیہما السلام کی رعایا تھے۔اور اُن تمام علاقوں میں نبطی ہر جگہ برسر اقتدار رہتے چلے آئے تھے۔مگر علامہ ہوں یا کوئی اور مؤرخ ہو، تاریخ میں جن چیزوں کو درج کرتا ہے وہ ہنگامے ہوتے ہیں، انقلابات ہوتے ہیں، شور و غوغا ہوتا ہے، حکومتوں کے تذکرے ہوتے ہیں۔جیسے ہی کسی قبیلے یا خاندان کی حکومت پر زوال آتا ہے، تاریخ پلٹ کر اُس کی طرف دیکھنا گناہ سمجھتی ہے۔مؤرخ کے نزدیک گویا حکومت کیساتھ ہی کروڑوں افراد پر مشتمل وہ قوم و قبیلہ بھی مٹ جاتا ہے۔اب تاریخ کا دوسرا صفحہ پلٹتا ہے تو سینکڑوں سال پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔اگلے صفحے پر اب اس حکومت کا تذکرہ شروع ہوجاتا ہے جو پہلی حکومت کے بعد برسر اقتدار آتی ہے۔یعنی بیچ کی ساری اقوام غائب، تمام واقعات و حالات وایّام تاریکی کے پردوں میں لپیٹ دئے جاتے ہیں۔کڑیاں ملانے میں سینکڑوں حلقے اور سلسلے چھوڑ دئے جاتے ہیں۔دو تین پشتیں گزر جاتی ہیں تو برسر اقتدار لوگوں کی نسل و قوم کا پتہ لگنا مشکل ہوجاتا ہے۔ایسے مواقع پیدا کر کے سازشی مؤرخ نام کے ساتھ قوم بدل دیتے ہیں۔غلط قبیلوں کو بیچ میں لے آتے ہیں۔ننانوے اعشاریہ نو فیصد (99.9%) تاریخیں اور مؤرخ کسی نہ کسی حکومت اور اقتدار کے وظیفہ خوار ہوتے ہیں۔اس لئے اپنے حاکم کی رضا جوئی، خوشنودی اور بالا دستی کو مدّ نظر رکھ کر واقعات کو لکھتے ہیں۔پھر صدیاں گزر جانے کے بعد والے محققین کو نقل مارنا پڑتی ہے۔جو چیزیں امتدادِ زمانہ، لمبی مدتیں گزر جانے کی وجہ سے مشہور اور مقدس قرار پا جاتی ہیں اُن کے خلاف لکھتے ہوئے قلم ڈرتا ہے، محقق کی زبان رکتی ہے۔یقین ہوجانے کے باوجود، زبردست ولاجواب ثبوت و دلائل فراہم کردینے کے باوجود مشہور و مقدس چیزوں کو بادلِ ناخواستہ بحال رکھنا پڑتا ہے۔چنانچہ علامہ کی مثال اور ثبوت موجود ہے۔دونوں جلدیں دیکھ جایئے کہ علامہ نے جس شدّ ومدّ ولاجواب دلائل سے نبت بن اسماعیلؑ کی اولاد کا ذکر کیا ہے کسی اور شجرہ کا

اس سے آدھا بھی تذکرہ نہیں ہے۔مگر پھر بھی آنحضرتؐ اور قریش کو قیدار بن اسماعیل کی اولاد میں لکھ دیا ہے۔صرف اس لئے کہ ماحول میں صدیوں سے غلط انتساب چلا آرہا ہے۔حالانکہ قبیلہ قیدار کا سلسلہ نسب معد بن عدنان سے ملانے کے باوجود دس نام بھی اوپر کو نہیں لکھے کہ پتہ چلتا کہ یہ قیدار کی اولاد ہے۔لہٰذا اس پہلو کو کمزور چھوڑ جانے سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ مجبور تھے۔اسی اصول پر علامہ کی بے جوڑ باتوں کو ہمیں مکمل کرنا ہوگا۔جہاں خلا رہ گیا یا چھوڑ دیا گیا اُسے پُر کرنا ہوگا۔لہٰذا ہم اُن کے مسلّمات کو اپنے الفاظ میں،مگر اُن کے صفحات کے حوالے سے جلد جلد پیش کرتے چلیں گے وہ مانتے ہیں کہ:۔

(ii) نبایوتؑ، نابطؑ، نابتؑ، اور نبیتؑ حضرت اسماعیلؑ کے بڑے فرزند اور اُنکے جانشین تھے۔اور اُنکی اولاد کو نبط، نابتی اور انباط کہا جاتا ہے۔اور قبیلہ اوس وخزرج یعنی انصار اور حضرت علیؑ اور آنحضرتؐ نبتؑ بن اسماعیلؑ کی اولاد یعنی نبتی تھے۔وہ مانتے ہیں کہ:۔

(iii) اُمم سامیہ اولیٰ یعنی ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے دادا پردادا کی نسل نے مدینہ کو 2200 قبل مسیح اور 700 قبل مسیح کے دوران کبھی آباد کیا۔(ارض القرآن۔جلد اوّل)

انہوں نے مدینہ میں تین قبائل کے نمبردار ہونے کو مانا جو غلط ہے۔بلکہ امم سامیہ کی نبطی شاخ مسلسل آباد رہی نہ عمالق باہر سے آئے نہ نبطیوں سے الگ تھے۔نہ یہود باہر سے تھے نہ کوئی اور قوم تھے بلکہ وہ ایک ہی قبیلہ تھا جسے صدیوں پہلے امم سامیہ پھر عمالیق پھر یہود پھر اَوس وخزرج اور پھر انصار کہا گیا ہے۔البتہ اُن میں گاہے ماہے دوسرے قبائل کے افراد بھی آکر آباد ہوتے اور جاتے رہے۔لیکن نبطیوں کی کثرت ہمیشہ قائم رہی اور یہ دو ہزار سال قبل مسیح سے آباد تھے اور آباد رہے۔

(iv) نابت بن اسماعیل کی اولاد حجاز میں (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 3 اور 49) آباد چلے آئے۔پھر یمن وشام تک پھیلے (جلد دوم صفحہ 50)۔مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مکہ اور حجاز میں جب اسماعیل کی اولاد بہت زیادہ ہوگئی تو نجد اور حدود عراق وغیرہ ممالک میں پھیل گئی'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 51)۔بادیہ عراق وشام اُن سے لبریز ہوگیا (جلد دوم صفحہ 51)۔بادیہ عراق کی اسماعیلی آبادی کو بنواسرائیل نے نہر فرات سے بے دخل کر دیا (جلد دوم صفحہ 51) جو حجاز سے عراق تک پھیلے ہوئے تھے (جلد دوم صفحہ 56)۔ملک حجاز سے لے کر نہر فرات تک سارا علاقہ اُن کے قبضے میں تھا (جلد دوم صفحہ 56)۔قبیلہ کندہ عدنانی یعنی اسماعیلی قبیلہ ہے اور نجد میں حاکم اور آباد تھا۔امرالقیس زبردست شاعر اور بادشاہ اُن ہی میں سے ایک بادشاہ ہے (جلد دوم صفحہ 96-95)۔مکہ و مدینہ میں نبطی آباد اور حاکم رہے۔مدینہ کے اطراف میں بھی بنوکلاب یعنی نبطی آباد تھے (ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 99-98)۔ربذہ۔تبوک اور عوالی میں یہی خاندان آباد تھا (ارض القران جلد اوّل صفحہ 99)۔شام میں اُن کی ریاست تھی (ارض القران جلد اوّل صفحہ 99)۔جوف ثمود، تبوک، خیبر اور وادیٔ القریٰ تمام نبطیوں سے آباد اور زیرنگین تھا۔حجر اُن کا دارالخلافہ تھا اور مدین شہر بھی ماتحت تھا۔(ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 100 اور جلد دوم صفحہ 61)

ہم نے جو کچھ اوپر (عنوان 10) میں رواں دواں لکھ دیا ہے۔اس کی صفحہ وار تصدیق کی جاسکتی ہے۔اور یہ یقین ہوجاتا ہے کہ نبطیوں کی حکومت کی شہرت پھیلنے سے پہلے وہ ملک عرب وشام ویمن وحجاز وعراق وغیرہ کے تمام علاقوں میں آباد چلے آرہے تھے۔اور تمام اقوام میں اُن کی عزت و وقعت قائم تھی۔اب ہم علامہ کے قلم سے انباط کے خاص عنوانات دکھائیں گے۔تاکہ رسولؐ اللہ کے بزرگوں کی

عظمت پر چند تاریخی ثبوت آپ کے پاس جمع ہو جائیں۔

(الف)۔ خانوادہ رسولؐ کا رقبۂ حکومت۔یعنی انباط کا رقبۂ حکومت

ہم علامہ کے بیانات میں سے چند کو پیش کریں گے تا کہ نبطی خاندان کی حکومت سے تعارف ہو سکے۔تفصیلات دینے سے طول ہو جائیگا۔

(i) انباط کی حکومت کے حدود داوّلاً وہ قطعہ ملک تھا۔جس کو یونانی مؤرخ عرب سنگستان (عربیا پٹرا) کہتے ہیں۔اور عبرانی ادوم اور سعیر (سراۃ) یعنی خلیج عقبی سے بحرمیت تک۔مؤرخ ڈائیڈورس 80 قبل مسیح میں بیان کرتا ہے کہ انباط خلیج ایلہ (عقبہ) پر رہتے ہیں۔ مؤرخ اسٹرابو 4 2 عیسوی میں لکھتا ہے کہ ادوم کے رہنے والے انباط ہیں۔لیکن اب وہ ادوم سے آگے بڑھ کر عرب آبادان پر بھی قابض ہوگئے ہیں۔'' (ارض القرآن صفحہ 60-59 جلد دوم) پھر لکھتے ہیں کہ:۔

(ii) ''ان شہادتوں سے ظاہر ہوگا کہ انباط کا ملک مغرب میں بحراحمر اور مشرق میں خلیج فارس تک وسیع تھا۔اور اسکے درمیان کے تمام ممالک یعنی عربِ سنگستان، عرب ریگستان، بعض قطعہ عرب آبادان پر قابض تھے۔لیکن اس طویل وعریض ملک میں انباط (کے حاکم گروہ) کی اصل آبادی خلیج عقبہ کے اطراف میں تھی۔'' (ارض القرآن۔جلد دوم صفحہ 60)

ڈائیڈورس کا بیان لکھا ہے کہ:۔

(iii) ''اوپر گزرتے ہوئے تم خلیج عقبہ (ایلہ) میں داخل ہوگے۔جس کے حدود پر اُن عربوں کی بہت سی آبادیاں ہیں جن کو لوگ نبط کہتے ہیں۔یہ لوگ نہ صرف سواحل کے بڑے حصّے پر قابض ہیں۔بلکہ وہ اندرون ملک میں بھی دُور تک پھیل گئے ہیں۔کیونکہ زمین آباد اور نہایت سرسبز ہے۔'' (ارض القرآن۔جلد دوم صفحہ 60)

یہاں مؤرخ نے یہ سمجھا ہے کہ یہ کوئی بیرونی قوم ہے۔جیسا کہ عربوں نے مشہور کرنے کی ناہنجار کوشش کی تھی۔اور اس بنا پر کہا کہ حکومت قائم کرنے کے بعد اندرون ملک میں پھیل گئے ہوں گے۔حالانکہ وہ تو صدیوں سے عرب کے تمام نمایاں مقامات پر آباد چلے آرہے تھے۔اب یونانی مؤرخین کی زبان میں ان شہروں کے نام سُنیئے جن پر عربی رنگ نہیں ہے اور جو یونانیوں (مؤرخین) نے اپنی تواریخ میں لکھے۔مگر عرب مؤرخ نہ ان ناموں کو سمجھے نہ اُن کو اہمیت دی۔چنانچہ یوسیفوس کی سند سے یہ نام لکھے ہیں۔

(iv) 1۔میدابا 2۔بنالو 3۔لیبیس 4۔ثرابسہ 5۔غالہ 6۔اثون 7۔صور 8۔اوروں 9۔مریسہ 10۔رڈہ 11۔لوسہ 12۔عروبہ۔ان کے رقیم پٹرا و حجر مشہور شہر تھے۔(ارض القرآن۔جلد دوم صفحہ 61)

(ب)۔ رسولؐ اللہ کے خاندان کے نبطی بادشاہ اور حکومت

''اشوری کتبہ کی رو سے شاہان نبط کا سلسلہ سات سو سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 61)

چونکہ عرب مؤرخین تو خاندان رسوؐل کو تبدیل کرنے کی مہم کے ماتحت نبطی خاندان کا نام لینا پسند نہ کرتے تھے۔لیکن انکشاف جدیدہ اور مؤرخین روم و یونان کی مدد سے ایک فرانسیسی مؤرخ نے ایک فہرست تیار کی ہے۔لہٰذا اس مقدس خاندان کے ماتحت رہنے

والے نبطی بادشاہوں کے نام سُنیں ۔

نمبر شمار	نام بادشاہ	مدتِ حکومت
1	حارث اوّل	169 قبل مسیح
2	زید بابل	146 قبل مسیح
3	مالک اوّل	قبل مسیح
4	حارث ثانی	110 قبل مسیح- 96 قبل مسیح
5	عبادہ اوّل	90 قبل مسیح
6	ریبال اوّل بن عبادۂ اوّل	87 قبل مسیح
7	حارث ثالث بن ریبال	87 قبل مسیح 62 قبل مسیح
8	عبادہ ثانی بن حارث ثالث	61 قبل مسیح 47 قبل مسیح
9	مالک دوم بن عبادہ ثانی	47 قبل مسیح 30 قبل مسیح
10	عبادہ ثالث بن مالک دوم	30 قبل مسیح 9 قبل مسیح
11	حارث رابع بن مالک دوم	
12	خلدو (خالدہ) زوجہ حارث شقیلہ زوجہ حارث	9ق م 40 عیسوی
13	مالک سوم بن حارث شقیلہ زوجہ مالک	40 عیسوی 75 عیسوی
14	ریبال ثانی بن مالک ثانی	75 عیسوی 101 عیسوی
15	مالک چہارم	101 عیسوی 109 عیسوی

(ارض القرآن ۔جلد دوم، صفحہ 63-62)

قارئین نے یہ نوٹ کر لیا ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے سات سو سال قبل شروع ہونے والی حکومت اور 109 عیسوی تک قبیلے کے ایک نام سے چلنے والی آٹھ سو سالہ حکومت میں یقیناً اس تعداد سے زیادہ بادشاہ گزرنا چاہئیں ۔ بہرحال ریکارڈ سے یہی کچھ ملتا ہے اور یہ بھی اُن لوگوں کا احسان ہے جن کو یہ مسلمان کا فرقرار دیتے ہیں۔

(ج)۔ خاندان رسوؐل کا نبطی تمدن اور ترقی و تہذیب

مؤرخ ڈائیڈورس کی زبانی لکھا ہے کہ:۔

’’ملک میں نہ کوئی دریا ہے نہ چشمہ۔ جس سے حملہ آور دشمن فائدہ اٹھا سکیں ۔ انباط کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ناقابل سکونت علاقوں میں رہتے ہیں۔ ان کا قومی آئین یہ ہے کہ وہ نہ غلے کی زراعت کریں، نہ درخت لگائیں نہ شراب پئیں اور نہ گھر بنائیں۔ جو شخص اس کے خلاف کرتا ہے۔ اس کو سزائے موت دی جاتی ہے۔ بعض لوگ اونٹ کے گوشت پر گزر کرتے ہیں اور بعض بکری اور بھیڑ کے گوشت پر۔ صحرا میں بہت سے قبائل رہتے ہیں۔ لیکن دولت میں انباط سب سے زیادہ ہیں۔ اور اپنے ہمسایوں میں ان کو امتیاز حاصل ہے۔ گو کہ ان کی تعداد دس ہزار آدمی سے زیادہ نہیں ہے۔ اُن کا ملک پانی سے خالی ہے۔ اپنے لئے پہاڑوں میں بڑے بڑے حوض کھود کر بناتے ہیں۔ جن کا منہ باہر سے تنگ اور اندر سے چوڑا رہتا ہے۔ چوڑائی دو سو پچاس فیٹ ہوتی ہے۔ ان حوضوں میں بارش کا پانی جمع کر کے ان کو چھپا دیتے ہیں۔ اور ان پر کوئی نشانی بنا دیتے ہیں۔ جب سفر کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جانوروں کو تین روز کا فی پانی پلاتے ہیں۔ انباط گوشت، دودھ اور بعض جنگلی سبزی کھاتے ہیں۔ جنگلی شہد بھی ان کو ملتا ہے۔ جس کو پانی میں گھول کر پیتے ہیں۔ اُن میں عرب کے غیر

نبطی قبائل بھی شامل ہیں۔جن میں سے بعض شامیوں کے ساتھ گھروں میں رہنے کے علاوہ اور تمام عادات میں مماثل ہیں۔
(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 64-63)

یہاں قارئین نوٹ کریں کہ جناب نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد اور اُن کے زیرسایہ رہنے والے قبائل میں شراب اور اسکے تمام متعلقات حرام رہتے چلے آئے اور صدیوں تک اس خاندان نے مذکورہ بالا زندگی کے ساتھ ممالک پر حکومت کی۔یہی وجہ ہے کہ اُن کا نام ھیک سوس یعنی چرواہے بادشاہ پڑ گیا۔اور تاریخ و توریت میں یہ لقب نشان عظمت بن گیا۔لیکن رفتہ رفتہ مملکتی ضرورتوں کے دباؤ سے انہیں متمدن زندگی اور شہروں اور قلعوں میں آباد ہونے کی ضرورت پیش آئی۔لیکن اس کے بعد بھی وہ بادشاہ مرکزی احکام کی پابندی کرتے تھے اور خود کو دائرہ شریعت سے باہر نہ نکلنے دیتے تھے۔چنانچہ اسٹرابو سے نقل کرتے ہیں جو 24 عیسوی میں انباط کا ہم زمانہ تھا۔

(ii) ''شہر پٹرا اور رقیم جو عمدہ قوانین رکھتا ہے۔اُن پر شاہی خاندان میں سے ایک بادشاہ ہوتا ہے۔اور اُن پر حکومت کرتا ہے۔وزیر ہمیشہ اس بادشاہ کے ساتھیوں میں سے ایک ہوتا ہے۔اسلئے اس کو ''بھائی'' کہہ کر پکارتے ہیں۔انباط کفایت شعارانہ ذخیرۂ ملکیت کے شائق ہیں۔جماعت ان پر جرمانہ کرتی ہے جو اپنی دولت ضائع کرتے ہیں۔اور جو اپنی دولت بڑھاتا ہے اس کو انعام دیتی ہے۔انباط کے پاس غلام کم ہیں۔اکثر اُن کی خدمت اُنکے متعلقین کرتے ہیں۔یا ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں۔یا ہر شخص اپنا نوکر آپ ہوتا ہے۔یہ طریقہ بادشاہوں تک میں جاری ہے۔جو جمہور کی رضامندی کے اس قدر آرزومند ہیں کہ وہ اپنی رعایا کی خدمت کرتے ہیں۔بادشاہ کو انتظام ملکی کے متعلق بیانات لوگوں کو دینے ہوتے ہیں اور وہ اکثر اپنے بادشاہ کے ذاتی حالات و عادات بھی دریافت کرتے رہتے ہیں۔لوگ غیر سرکاری صحبتوں میں تیرہ تیرہ (13،13) آدمی مل کر کھاتے ہیں۔بادشاہ بھی لوگوں کو بڑی بڑی عمارتوں میں عام دعوتِ جشن دیتا ہے۔مکانات عالیشان اور سنگین ہیں۔آبادیوں میں شہر پناہیں نہیں ہوتیں۔'' (بقدرِ ضرورت) (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 65)

اس بیان میں دو خاص باتیں نوٹ کرنے کی ہیں کہ آنحضرتؐ نے نبوت کے پہلے اعلان پر یہ فرمایا تھا کہ تم میں سے کون ہے جو اس کارِ نبوت ورسالت میں میرا ہاتھ بٹانے کے لئے میرا وزیر اور میرا بھائی بنے اور میرا خلیفہ قرار پائے۔یہ وہی طریقہ ہے جو نبطیوں کے یہاں جاری تھا؟ دوسری بات یہ کہ مکہ کے قحطانیوں کی طرح نبطی غلام باز وغلام ساز نہ تھے۔قطعی یہی طریقہ خانوادۂ رسولؐ وآل رسولؐ کا تھا کہ وہ غلام کو آزاد کر کے گھر کا فرد سمجھتے اور برابر کام کرتے،کسی سے خدمت نہ لیتے تھے۔اس سلسلے کی وہ تمام کہانیاں غلط ہیں جو قحطانیوں نے بزور حکومت رائج کیں۔

(د)۔ کربلائی عزم واستقلال ایک موروثی اور خاندانی ورثہ ہے۔خطابت اُن کا حصہ ہے

آنے والے واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ خاندان نبوت نہ بے دینی کو پسند کرسکتا ہے۔اور نہ ایران وعرب والی جنسی بے راہ روی اُنکے خدائی مزاج سے لگّا کھاتی ہے۔ایران و یونان میں یہ بے دینی اور جنسی شرکت ترقی کرتے چلے آرہے تھے۔اس لئے خاندان نبوت اُن کی حمایت نہ کرتا تھا۔بنولحیان یعنی قحطانی برابر مجوس یعنی ایرانیوں کے حمایتی اور طرفدار رہتے۔نبطیوں کی حمایت اور مدد رومیوں کو حاصل ہوتی رہتی تھی۔یہ تینوں حکومتیں دست وگریبان رہتی تھیں اور نبطی حکومت سے تینوں ہی ایک دوسرے کے خلاف مدد کی طالب رہتی

تھیں ۔ایک دفعہ سکندر کے بعد اس کے جانشینوں انٹی گونس اور بیطلیموس میں جنگ ٹھن گئی ۔ دونوں نے مدد مانگی ۔نبطی حکومت بیطلیموس سے وعدہ کر چکی تھی ۔انٹی گونس نے اچانک نبطی دارالخلافہ (رقیم) پر شدت سے حملہ کر دیا ۔ یہاں کوئی تیاری نہیں تھی ۔اللہ نے ایک سبق بھی دینا تھا۔مقاومت اور کامیابی کی صورت نہ ہونے کی بنا پر نبطی حاکم قلعہ بند ہو گئے ۔اور یونانی فوج نے چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔اور نبطی قید ہو کر رہ گئے ۔محاصرہ نے بہت طول کھینچا۔رعایا کی تکلیف سے متاثر ہو کر ایک نبطی مجاہد نے کیا کیا تھا؟ وہ سُنئے :۔

''اس قید سے تنگ آ کر ایک نبطی عرب نے سردار فوج ڈیمیٹر یوس کو یوں مخاطب کیا۔'' اے بادشاہ ڈیمٹر یوس تو کس غرض سے اور کس کے حکم سے مجھ سے لڑتے ہو؟ ہم صحرا میں رہتے ہیں ۔ جہاں پانی ہے نہ غلہ ہے، نہ شراب ہے۔ نہ اور ضرورت کی کوئی چیز ہے ۔ہم نے صرف اپنی آزادی کی خاطر اس صحرا کی سکونت اختیار کی ہے ۔اور تمام آسائش کی چیزیں دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہیں ۔اور ہم نے اس حیوانی زندگی پر قناعت کی ہے ۔تمہیں ہم نے ستایا نہیں ۔تم ہمیں کیوں ستاتے ہو؟ تم ہمیں اپنا دوست سمجھو ورنہ یاد رکھو کہ تم اس طرح یہاں زیادہ دن تک نہیں ٹھہر سکتے ۔تم کو پانی اور دوسری چیزوں کی ضرورت ہوگی اور تم ہم کو اپنے طرز زندگی کے بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتے ۔اگر تم نے قلعہ پر قبضہ بھی پا لیا۔تو تم تڑپتی ہوئی لاشوں اور چند غمزدہ قیدیوں کے سوا جو کبھی دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکا سکتے ، کچھ نہیں پاؤ گے۔''

ڈیمیٹر یوس اس گفتگو سے بے حد متاثر ہوا۔اور صلح قبول کر لی ۔اس اچانک حملے نے نبطی عربوں کو ایک منظّم سیاسی جمیعت کے قالب میں بدلنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس انقلاب نے اس بدوی قوم کو وہ اہمیت بخشی کہ یونان عظمیٰ، رومۃ الکبریٰ اور خاندان اسرائیل کی گردنیں بھی اُس کے آگے کبھی کبھی جھک جاتی تھیں ۔'' (ارض القرآن ۔جلد دوم صفحہ 68-67)

یہاں یہ معلوم ہو گیا کہ اس مقدس قبیلہ کے افراد کسی حال میں کسی انسانی قوت کے سامنے سر نہیں جھکایا کرتے تھے۔اور اپنے مقدس مقاصد پر قربان ہو جانے کے لئے اپنی تڑپتی لاشیں پیش کرنے کو تیار رہتے تھے۔ یہ بادشاہ ہو جانے کے بعد بھی دنیا کی تمام لذتوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کردار جو کربلا میں پیش کیا گیا، اس خاندان کا سرمایہ تھا۔اس کی مستقل سنت تھی۔ اور اسی خاندان کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جہاں قرآن کریم نے آنحضرتؐ اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو (آل عمران 3/95)۔اگر آنحضرتؐ کے زمانہ تک ملت ابراہیمؑ یعنی قوم ابراہیمؑ موجود نہ تھی اور وہ دین ابراہیمؑ و اسماعیلؑ پر عمل پیرا نہ تھی اور مخاطبین قوم ابراہیم و دین ابراہیمؑ پر مطلع نہ تھے تو یہ حکم ہی غلط اور عبث ہے۔اس صورت میں تو یہ کہنا چاہئے تھا کہ قرآن کے احکامات کی اتباع کرو۔ بہرحال یہاں بھی ثابت ہے اور ہم قرآن سے دکھائیں گے کہ حضرت آدمؑ سے خاتمؐ تک ایک اُمت مسلمہ یعنی ملت ابراہیمؑ بلا انقطاع موجود چلی آ رہی تھی جس کی بنیاد پر انتہائی تعمیر کا نام کربلا ہے۔جس میں تمام انبیا اور مکمل تعلیمات اسلام کا خلاصہ اور منتہائے نظر پیش کر دیا گیا ہے۔ جس میں اپنے خاندان کی پوری شان وشوکت، بلند ترین عزم و استقلال اور صبر وضبط وتحمل کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ جس میں شہداؑ کی شان وعظمت، مظلومی و بے چارگی کے عالم میں شرافت انسانی کا معراج کمال پیش کیا گیا ہے۔اور جس طرح وہاں نبطی حکومت نے آئندہ نیا پروگرام بنا کر عظیم الشان حکومتوں کے سر جھکائے تھے۔ یہاں بھی کربلا کے بعد تحریک تشیّع نے تمام حکومتوں سے

اپنے سامنے سجدے کروائے۔ ہر باطل قوت کو پاش پاش کر دیا۔بس ایک فرق رہ گیا کہ وہاں قوم نبط کے ایک عام فرد کے خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ دشمن نے صلح کر لی، جارحانہ اقدام روک کر واپس چلا گیا۔ یہاں نور دیدۂ رسولؐ کے خطبات کا اثر نہ لیا گیا۔وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ باضمیر تھے گو غیر مسلم تھے۔مگر یہاں جن سے واسطہ پڑا تھا وہ بڑے پکے مسلمان تھے۔انہوں نے ضمیر و شرافت و حمیت کو بھی اپنے جیسا مسلمان بنا لیا تھا۔انہوں نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ شرافت انسانی کو بھی ملک بدر کر دیا تھا۔وہ لوگ طاغوت و ابلیس کے اُسی طرح ورثہ دار تھے جس طرح سالارِ کربلا، مجسمہ شہادت، نبطی خاندان اور سرور کائناتؐ کے وارث تھے۔اُن میں اسی طرح قحطانی خون ابلیسی شرکت کے ساتھ موجزن تھا جس طرح حسینؑ اور اُن کے خانوادےؑ کی رگوں میں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا نبطی خون حضرات علیؑ و فاطمہؑ اور محمد مصطفیؐ کا خون نورِ خداوندی کی شرکت اور پریشر (Pressure) کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔یعنی ایک طرف ابلیس کی پوری کمائی، ساری بصیرت و محنت محاذ آرا تھی اور اس کے مقابلہ میں دوسری طرف تمام انبیا علیھم السلام اور تعلیمات خداوندی کا ثمرہ تھا۔

قارئین نوٹ کر لیں کہ مندرجہ بالا نبطی حکومت کا واقعہ 312 قبل مسیح میں پیش آیا تھا (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 67)۔لیکن بادشاہان نبط کے پہلے بادشاہ حارث اوّل کا زمانہ 169 قبل مسیح دکھایا گیا ہے۔یعنی تاریخ اور مؤرخین دو تین سو سال کا زمانہ چھوڑ جانا ایک معمولی بات سمجھتے ہیں۔لہٰذا اس سلسلے میں ہر وہ بیان نا قابل اعتماد سمجھنا چاہئے جس پر مؤرخین زور دیں۔لہٰذا خاندان رسولؐ کی نبطی حکومت درحقیقت دو ہزار (2000) سال قبل مسیح سے برابر قائم تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابتدا میں اس کا دائرہ حکومت مکہ، مدینہ اور حجاز و نجد و عراق سے باہر نہ نکلا تھا۔یعنی تاریخ یونان و روم و ایران نے جب تک اُس حکومت کا دباؤ محسوس نہ کیا اس وقت تک یہ حکومت بیرونی ریکارڈ میں نہ آئی۔رہ گیا عرب کا اپنا ریکارڈ وہ مشرکین کے منصوبے کی نظر ہو گیا۔اور وہ نبطیوں کو قیدار بنانے اور خود قحطانی سے اسماعیلی بن جانے کے جنون میں مصروف ہو کر رہ گئے۔

(ہ)۔ رسولؐ اللہ کے شاہی خاندان کی قدامت؛ قیداری خاندان کو پناہ؛ قیداری فرار

اولادِ حضرت اسماعیلؑ و ابراہیمؑ ابتدائی زمانہ میں ایک ہی علاقہ میں آباد رہی۔فرزندان ابراہیمؑ اور اُنکی تمام اولادیں قاعدہ کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کے ماتحت رہتے رہے۔اور ترقی کے ساتھ ساتھ دوسرے ممالک میں آباد ہوتے اور پھیلتے گئے۔اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹوں کا مل کر ایک جگہ رہنا ثابت ہو چکا ہے۔ یہ بھی سب جناب نابت علیہ السلام کے ماتحت رہتے چلے گئے۔ اُنکا تذکرہ یونانی مؤرخ نے شہر نباطینہ کے ماتحت کیا تھا۔ چونکہ جناب نابت کے خاندان میں حکومت رہتی تھی اور باقی بھائیوں کی اولادیں سے قابل افراد کو امور حکومت میں حصہ دیا جاتا تھا۔اسلئے حضرت قیدار کی اولاد میں بھی بعض افراد رعایا کے حاکم و سردار مقرر کئے جاتے تھے۔اُن میں سے بعض کے دماغوں میں خود مختاری کی بدہضمی بھی پیدا ہو جاتی تھی۔بعض کو مرکزی حکومت کی طرف سے خود مختاری دے بھی دی جاتی تھی۔ چھوٹے بھائی کا خاندان تھا۔خانوادہ رسولؐ اپنے چھوٹوں کا ہمیشہ سے اکرام کرتا آیا ہے۔ چنانچہ قیدار کی اولاد کو برابر کے حقوق اور مواقع دئے جاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ اُن کو بھی نابطی سمجھنے لگے تھے۔اسی لئے توریت میں انہیں شاہزادے بھی کہا گیا ہے۔توریت کی بنا پر بعض اہل کتاب مؤرخین نے بھی انہیں شہزادے لکھا ہے۔مگر شاہزادگی اور شخصیت سے آگے وہ نہیں

بڑھے ہیں۔اور جب تک خاندان قیدار میں سیاسی سوجھ بوجھ رہی، انہیں نبط کے شاہی خاندان نے برابر حکومت میں حصہ دیا۔لیکن رفتہ رفتہ اُن لوگوں میں بدعنوانیاں بڑھتی گئیں جن کی وجہ سے اُن پر زوال آتا گیا۔زوال پذیر ہوجانے اور بدحالی کے زمانہ میں بھی خانوادہ رسولؐ حسب موقعہ ودرخواست اُن کی مدد کرتا رہا۔لیکن جس روز قیداریوں نے شاہی خاندان کے ایک بادشاہ کوتنہا چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی اور بادشاہ گرفتار ہوگیا۔اسکے بعد خاندان قیدار کوتباہ وبرباد ہوجانے کیلئے آزاد چھوڑ دیا اور چندسوسال کے اندرہی اندر یہ خاندان تاریکی کی چادریں اوڑھ کرسوگیا۔اُن کو بنی اسرائیل کے انبیاؑ نے بھی تنبیہہ کی اور آفات سے بچانے میں کوشاں ہوئے لیکن زوال کے مسلسل جھٹکوں نے اس قبیلے کوبکھیر کرسبائی قحطانیوں میں ضم کردیا۔جنہوں نے حضرت نابطؑ کے خاندان کوقیدار کا خاندان بنادینے کی مہم چلارکھی تھی اور خود کو بنی اسماعیل کہہ کرنبطی حکومت سے فائدہ اٹھارہے تھے۔قیداریوں کے ساتھ مل جانے سے اس سازش کو بعد میں کافی تقویت پہنچی۔لیکن حق باطل کے پردوں میں کبھی بھی مستقل طور پر پوشیدہ نہیں رہتا۔باطل کے مزاج میں استقلال واستحکام نہیں ہوتا۔اسلئے اسکے پردوں میں شگاف پیدا ہوجاتے ہیں اور حق چمکنے لگتا ہے۔یہاں پہلے یہ دیکھئے کہ مؤرخین نے تاریخ کے کئی غلط صفحات پلٹ کرنبطی حکومت کے پہلے بادشاہ حارث اوّل کوحضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی پیدائش سے صرف ایک سوانہتر (169) سال پہلے دکھایا تھا۔پھر ہم نے گزشتہ عنوان میں نبطی حکومت کا وجود اس سے دوسوسال قبل دکھایا۔اوراب پھر ایک نظر اُس کی قدامت پر ڈالنا ہے۔پھر یہ دکھانا ہے کہ حضرت قیدار کی اولاد مصائب کے وقت ہمیشہ نبطی بادشاہوں کی پناہ لیتی تھی اور بعض حالات میں اپنے محسنوں کو دغا دے کرمیدان جنگ سے فرار کرجاتی تھی۔پھر یہ دکھائیں گے کہ قیدار کا قبیلہ بنی اسرائیل اور نبطی حکومت کی مدد کے باوجود آخر صفحۂ ہستی پرحرف غلط کی طرح بن کررہ گیا۔

اوّل۔ <u>**نبطی حکومت کی قدامت**</u> پر نبطی خاندان کے آغاز میں اُس کتبے کا ذکر ہوا ہے جو اسیریا کے بادشاہ بانیپال نے لکھا تھا۔اُس میں بادشاہ مذکور نے ایک نبطی بادشاہ ناتان شاہ کے قید ہونے کا ذکر کیا ہے۔اورسید سلیمان صاحب نے حزقیال نبیؑ کے غلط حوالے سے فریب کھا کرتعجب کا اظہار کیا ہے(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 59)۔حالانکہ اگر وہ توریت پڑھنے اور تلاش کی زحمت فرماتے تو اس واقعہ کو حزقیال نبیؑ کے ذمہ نہ لگاتے اور نبطی حکومت کا وجود 740 قبل مسیح سے مانتے۔یہ واقعہ قیداری غداری کے تذکرہ میں پھر آتا ہے جس سے دوبارہ قدامت ثابت ہوگی۔

دوم۔ خاندان قیدار کا تذکرہ جہاں جہاں ملے گا وہاں اُن کی حیثیت طفیلیوں کی پائی جائے گی۔چونکہ سلیمان ندوی صاحب بھی دبی زبان سے آنحضرؐت کوقیدار کی اولاد میں لکھ چکے ہیں اور سلف صالحین کا تقدس انہیں ملحوظ ہے۔لیکن پھر بھی اُن کے بیانات میں نہ جان ہے نہ کوئی شان ہے۔بلکہ تحریری ریکارڈ میں بجائے کسی مرد کے دوعورتوں کا تذکرہ ملتا ہے جو غالباً کسی نبطی بادشاہ کی بیوہ عورتیں ہوں گی اور غالباً خاندان قیدار سے ہوں گی۔ہم علامہ کے واسطے سے تمام اہم تعارف کراتے ہیں۔آپ یہ دیکھتے چلیں کہ قیدار کا نام کہاں کہاں آتا ہے؟ کس حیثیت سے آتا ہے؟ یا خود ہی تک بندی کرلی جاتی ہے ملاحظہ ہو:۔

> ''تحریری ریکارڈ سے دوسو برس کے بعد پھر قیدار کا نام اسیریا کے کتبات میں ملتا ہے۔ملک عرب کا نام ان کتبات میں ''عریبی'' ہے۔اوّل ''<u>زبیبی</u>'' اور ''<u>سمسی</u>'' دوشاہزادیوں کا ذکر ہے۔زبیبی کی اصل غالباً زباء اور سمسی کی ''شمسیہ'' ہو۔ذیل

میں ہم ان کتبات کا اقتباس لکھتے ہیں۔" (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 91)

یہاں سے آپ یہ دیکھیں کہ آیا کتبہ کے اقتباس میں لفظ شہزادیاں اور قیدار کی اولاد سے اُنکا ہونا مذکور ہے یا نہیں؟ اقتباس یہ ہے:۔

(ii) "ملکہ زبیبی (یا زباء) تفلات پلاسر سوم، شاہ اسیریا 745 قبل مسیح سے 737 ق م کی معاصر (ہم زمانہ) تھی۔ تفلات پلاسر پہلی بار" زبیبی ملکہ عربی" کو صرف مفتوحین اور باجگذاروں کی فہرست میں ذکر کرتا ہے۔ زبیبی نے 738 ق م میں خراج ادا کیا تھا۔ اُسکے بعد سے پھر عرب سے خراج وصول نہیں ہوا۔ اب بجائے زبیبی کے ملکہ سمسی یعنی شمسیہ تخت نشین تھی۔ سمسی نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اسیریا کی فوج کو ناکام واپس کر دیا۔ ناچار وہ لڑنے پر مجبور کی گئی۔ اسیریا والے غالب آئے اور سمسی کی ملکیت کے اونٹ اور بیل لوٹ لئے گئے۔ ایک اسیری سردار خراج وصول کرنے کیلئے تعینات کیا گیا۔ اس فتح کا اثر یہ ہوا کہ (قحطانی) سبا نے بھی شاہ اسیریا کو نذریں پیش کیں۔ 713 ق م میں سرجون ثانی اسیریا کے بادشاہ نے شمالی عرب پر فوج کشی کی۔ خیفہ ایک قبیلہ تھا جس نے سرکشی کی تھی۔ قوم ثمود اور عبادیدی اور مرسینی قبائل قبیلہ خیفہ کے طرفدار تھے۔ قبیلہ خیفہ انتہائی شمال میں موجود شہر مدینہ کے متصل اور بقیہ قبائل کی طرف مکہ سے نیچے آباد تھے۔ شیعمر سبا اور سمسی ملکہ عرب نے، جس کا ملک انتہائے شمال میں واقع معلوم ہوتا ہے، نذریں پیش کیں۔" (ایضاً۔ جلد دوم صفحہ 92-91)

یہاں رک کر سوچئے کہ جن کو شہزادیاں کہا گیا وہ اب ملکہ بتائی جا رہی ہیں۔ یہ کہیں پتہ نہیں کہ اُنکا خاندان قیدار سے کیا تعلق ہے؟ اور ملکہ زبیبی کو لوٹ میں بھیڑ بکریاں اور بیل ملے یعنی وہ ملکہ وَلکا کچھ نہیں ہے بلکہ کسی بڑے بدّو خاندان کی بیوہ ہے جس نے چراگاہ کا سالانہ ٹیکس نہ دیا ہوگا۔ یہی حال ملکہ سمسی کا معلوم ہو رہا ہے اور پھر جن قبائل کا ذکر ہو رہا ہے یہ تمام قحطانیوں کی سبائی شاخیں ہیں۔ اور یہ معلوم ہے مکہ اور مدینہ کے آس پاس اور علاقوں میں قحطانی بدّو بھی کافی تھے اور گھر بنا کر بھی رہتے تھے۔ ابھی اقتباس مسلسل جاری ہے آگے پڑھئے:۔

(iii) "اشور بیناپال اسیریا کے بادشاہ کے عہدِ حکومت 675 تا 626 قبل مسیح میں یوتع ابن ہزایل عربی کا بادشاہ تھا اور عادیہ بادشاہ کی بیگم تھی۔ یوتع نے اپنے حدود حکومت میں عرب، اُدوم، بیت عمون، حوران، موآب، سعیر.....داخل کر لئے تھے۔ اور ان مقامات کے حدود میں عربوں کی چوکیاں مقرر کیں۔ یوتع نے بنی قیدار کی ایک فوج دو عرب شیخوں ابی تبع، اور اباموکے ماتحت روانہ کی بنی قیدار کی یہ فوج پامال سے پیچھے ہٹا دی گئی۔ اور کم از کم ان میں سے ایک شیخ گرفتار کر لیا گیا۔ عرب جو اسیریا میں آباد تھے۔ جراً اس فوج کی شرکت سے باز رکھے گئے تھے۔ اسلئے متوقع کمک عربوں کو نہیں پہنچ سکی۔ یُوتع (بادشاہ عربی) نبطیوں (نابتیوں) کی چھوٹی سی ریاست میں پناہ گزیں ہوا۔ یویط (uaita) یوتع کا بھتیجا تخت پر قابض ہو گیا۔ اور بہادری کے ساتھ اسیریوں کی فوج سے مدافعت کرتا رہا۔ آخر اسیریا کی فوج کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا اور پابہ زنجیر اسیریا لایا گیا۔ اور دروازہ پر نگہبان کتے کی طرح پاسبانی کی خدمت اس کیلئے مقرر کی گئی۔ اسی سلسلے میں قیدار کا ایک اور سردار عم العدی بھی قابل مواخذہ سمجھا گیا۔ وہ فلسطین جا کر پناہ گزیں ہوا۔ لیکن وہاں بھی اس کو امان نہ ملی۔ فلسطین بھی فتح کر لیا گیا۔ اور وہ قید ہو گیا۔ ملکہ عادیہ (یوتع کی زوجہ) بھی گرفتار ہو گئی اور اب ابی شیع عربی کا بادشاہ ہوا۔ ابوشیع کی مدت حکومت بہت کم معلوم ہوتی ہے۔ اور یکایک تخت عویط بن بیردوا کو دے کر تاریخ

سے غائب ہوجاتا ہے۔اور پھرایک زمانہ کے بعد ''شیخ بنی قیدار'' کی صورت میں نظرآتا ہے۔اب نتنو (ناتان) رئیس انباط،اور یوئتی (وہی یوتع جو پناہ انباط میں مذکور ہوا ہے۔احسن) رئیس عربی اورابی شیع رئیس قیدار اسیریا کے مقابلے میں اُٹھتے ہیں۔لیکن سُوءِ قسمت سے ناتان گرفتار ہوجاتا ہے۔اور سب بچ کر نکل جاتے ہیں۔کتبات مذکورہ کے بیانات سے یہ صاف صاف نہیں واضح ہوتا کہ زیبی اور سمسی بنی قیدار سے تھیں یا نہیں؟ بلکہ آخری فقروں سے قیاس غالب یہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان قیدار ہی تھا۔ان کتبات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے۔کہ نابت اور قیدار کی اولادیں اس وقت الگ الگ ہوگئی تھیں۔اور شمالی عرب کے مختلف گوشوں میں اُنکی متفرق ریاستیں قائم ہوچکی تھیں۔'' (ایضاً جلد دوم صفحہ 93-91)

(iv) __خاندانِ قیدار مشکوک رہا ہے__۔اسلئے کہ اُن کتبات کے نام پر جو کچھ کہا گیا ہے وہ خاندان قیدار کے متعلق محققین کی نظر میں بھی محض ایک قیاس ہے۔لیکن جو چیزیں ان سے ثابت ہیں اور جن میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے وہ یہ ہیں کہ 693 قبل مسیح میں آنحضرتؐ کے خاندان انباط کی ایک ریاست یا حکومت اس قابل موجود تھی کہ قبیلہ قیدار کا ایک سردار نبطی حکومت کی پناہ لیتا اور محفوظ رہتا ہے اور اسیریا کا بادشاہ اور اسکی افواج تمام مجرموں کو گرفتا کرلیتی ہیں۔حتّٰی کہ عورتیں یعنی ملکہ وغیرہ بھی قید کرلی جاتی ہیں۔مگر شاہ اسیریا اور اسکی افواج نبطی حکومت سے تعارض کرنے کی جرأت نہیں کرتیں۔پھر نبطی بادشاہ ناتان اپنی افواج کی مدد سے اُن قیدیوں کو چھڑانے کیلئے بادشاہ اسیریا پر حملہ آور ہوتا ہے اور جن کی طرفداری اور حمایت میں یہ دردسر مول لیتا ہے۔وہ اُسے گرفتار کرا کے بھاگ نکلتے ہیں۔بہرحال نبتی حکومت کی قدامت اور احسان وحمایت ثابت ہے۔شاہ انباط سے بے وفائی غداری روز روشن کی طرح عیاں ہے۔اوراگر یہ لوگ واقعی خاندان قیدار سے تھے تو قیداری خاندان کے طرفداروں کے لئے بڑی ہی ذلت و بے شرمی کی بات ہے۔اگر یہ خاندان واقعی بادشاہ اور ملکہ وغیرہ سب صحیح ہے تو اُنکی بے کسی،بے بضاعتی،بزدلی اور ذلت ورسوائی کی حد ہوگئی ہے۔برسرحکومت آنے کے قابل پورے قیداری خاندان میں کسی مرد کا نہ ہونا،مرد اگر کسی طرح بادشاہ بن بھی گئے تو دشمن کے آگے بھاگتے پھرنا،دوسروں کی پناہ میں زندگی گزارنا اور اپنے محسن کو گرفتار کرا کے بھاگ نکلنا،یہ باتیں اگر خاندان قیدار کی مدح وثنا ہیں تو قارئیں بتائیں کہ اُنکی مذمت کے لئے الفاظ کون سی ڈکشنری اور کس زبان سے لائے جائیں گے؟

ہم عرض کرچکے ہیں کہ نہ خاندان قیدار کی کوئی حکومت تھی،نہ اُن میں کوئی اس قابل تھا کہ بادشاہت کرسکے۔البتہ بڑے بھائی یعنی حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد اپنی بادشاہت میں چھوٹے بھائی یعنی جناب قیدار کی اولاد کیساتھ سلوک کرتی چلی آتی تھی۔اگر کوئی قابل مرد اُس قیداری قبیلے میں ملتا تھا تو اسے سرداری،گورنری دے دی جاتی تھی۔اور بڑے بھائی کے خاندان کی حکومت کی بنا پر لوگ اُن کو شہزادے اور اُن کی اولاد کو شہزادیاں سمجھتے تھے۔یعنی نبطی بادشاہ کا سلوک اس قدر واضح تھا کہ رعایا کو یہ تک معلوم نہ ہوتا تھا کہ فلاں مرد یا عورت نبطی ہے یا قیداری ہے۔اس سے زیادہ قیداری خاندان کے متعلق لنگڑے اور بے جوڑ بے تکے افسانے ہیں اور کچھ نہیں ہے۔قیدار کے لوگوں کا یہاں پناہ کیلئے بھاگ کرآنا بھی اسی حقیقت کا ثبوت ہے کہ میں تمہارا مقرر کیا ہوا حاکم ہوں،تمہارا بھائی ہوں،جس طرح ہو سکے مجھے پناہ دو۔کیا قارئین اسے پسند کرتے ہیں؟اور کیا یہ ممکن ہے کہ خُلق عظیم پر فائز ہونے والا رسولؐ ایسے خاندان سے ہوجسکے تمام

اخلاق مشرکین مکہ کے قحطانی قبائل سے ملتے ہوں؟ اُن کتبات سے قبیلہ حیفہ، عبادبین اور سبا کی کئی قحطانی شاخوں کا علم ہوا جو قیداری بن جانے یا قیداریوں کو اپنے اندر ضم کر لینے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔

سوم۔ **خاندان قیدار کو چمکانے کے لئے فریب کھایا اور دھوکا دیا گیا ہے**

مندرجہ بالا نام نہاد کتبے کے ذریعے خاندان قیدار کو نمایاں کرنے کیلئے چند باتیں توریت کے حوالے سے لکھی گئی ہیں۔ یہ جرأت اس لئے کی گئی ہے کہ توریت کس کو ملے گی، ملے گی تو اسے کون پڑھے گا اور پڑھے گا تو قیداری خاندان کے خلاف کون منہ کھولے گا۔ لیکن ہم آنحضرتؐ اور خانوادہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے متعلق کسی غلط گو اور ہر غلط فہمی اور فریب کا پردہ چاک کر دیا جانا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ سید صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

(i) ''اشعیا نبی جو تقریباً اُسی زمانہ میں تھے۔ یعنی آٹھویں صدی قبل مسیح میں وہ بیان کرتے ہیں کہ قیدار ایک شاندار اور بہادر قوم ہے۔
(16:21 (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 93)

ہمیں بڑے افسوس سے پھر لکھنا پڑتا ہے کہ محقق ہو کر کسی کتاب کو بذات خود پڑھے بغیر حوالہ لکھنا اور پھر غلط بیان دینا سید صاحب کے لئے موزوں نہ تھا۔ ہم قیدار کے خاندان کی تباہی کے سلسلے میں یہ حوالہ توریت سے لکھ چکے ہیں۔ اب دوبارہ اردو اور عربی تورات سے دکھاتے ہیں کہ نہ وہاں قیدار کی ساری قوم کا ذکر ہے، نہ اسے شاندار قوم کہا، نہ بہادری کا کہیں تذکرہ موجود ہے۔ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ:۔

(ii) ''خداوند نے مجھے یوں فرمایا ہے کہ ایک برس یعنی مزدور کے ایک برس کے اندر قیدار کی تمام شوکت فنا ہو گی۔ اور تیر اندازوں کا بقیہ قلیل ہو گا۔ قیدار کے جنگ جُو تھوڑے سے ہوں گے۔ یقیناً خداوند اسرائیل کے خدا نے فرمایا ہے۔''
(توریت کتاب اشعیا نبی باب 21۔ آیت نمبر 17-16)

(iii) عربی کی توریت کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔ قال لی السیدُ بَعْدَ سَنَةٍ کَسَنَةِ الْاَجِیْرِ یفنی کُلُّ مَجْدِ قِیْدَ ار۔ وَبَاقِی عَدَدَ اَصْحَاب القَسِیّ مِنْ جَبَا بِرَةِ بَنِی قِیْدَار یضحِیُ قَلِیْلًا لَاَنَّ الرَّبَّ بَنِیُ اِسْرَائیل قَدْ تکلم۔ (حوالہ مندرجہ بالا)
مجھ سے میرے سید نے کہا ہے کہ ایک ایسے سال کے اندر جس میں چھٹیاں شمار نہ کی جائیں۔ (مزدور کو چھٹی کی مزدوری نہیں ملتی اس لئے مزدور کا سال تقریباً دس ماہ کا ہوتا ہے۔ احسن) قیدار کی عزت فنا ہو جائے گی۔ اور اُن میں سے چند تیر انداز اور تھوڑے سے مسلح افراد باقی رہ جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے خدا نے یہ حکم جاری کر دیا ہے۔

اگر مولانا یا کوئی اور ہماری طرح اللہ اور توریت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے ماننا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے آٹھ سو سال پہلے ہی خاندان قیدار کی عزت خاک میں مل چکی تھی۔ اور جو چند لوگ اس قبیلے کے باقی رہ گئے تھے وہ مجہول اور ناقابل ذکر حالات میں رہتے ہوئے مٹ مٹا گئے ہوں گے۔ عزت فنا ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ پھر عزت پیدا ہو گئی تھی، توریت ہی سے دکھانا پڑے گا۔ ورنہ یہ ایک فریب ہو گا اور خدا و رسولؐ کی اور توریت کی تکذیب ہو گی۔ غالباً اسی لئے ہمارے مخالفین نے توریت و انجیل کو منسوخ قرار دیا تھا کہ خاندان

قیدار کی عزت کے افسانے گھڑے جاسکیں۔اس کے بعد توریت سے دو ایک حوالے اور لکھے ہیں حالانکہ اُن میں خاندان قیدار کی نہ کوئی مدح وثنا ہے، نہ اُن میں اس قبیلے کی کوئی عظمت ہے۔مگر پھر بھی یہ دکھاتے ہیں کہ وہ حوالے بھی جھوٹے ہیں دیکھئے:۔

(iv) ''گاؤں میں خاندان قیدار کی بہت سی آبادیاں ہیں''(11:42)ارض القرآن صفحہ 93 جلد دوم۔توریت کی عبارت پڑھیئے:۔

''اے تم جو قیدار کے خیموں میں سکونت پذیر ہو۔''(اشعیا11:42)

بتایئے کہاں ہیں وہ گاؤں اور آبادیاں یہاں تو خانہ بدوش بدؤوں کا ذکر ہے۔جو پھٹے پرانے کپڑوں کو تان کر جنگلوں میں پڑے رہا کرتے ہیں۔سچ ہے تعصب سے آدمی کا دل بھی اندھا ہو جاتا ہے۔علامہ کا تیسرا حوالہ بھی دیکھ لیں:۔

(v) ''بھیڑ بکری اُن کی دولت ہے اُسی کی وہ تجارت کرتے ہیں''(70:60)۔(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 93)

یہ حوالہ غلط ہے دراصل باب 60 کی ساتویں آیت ہے عبارت یہ ہے:۔

''قیدار کے سب گلے (ریوڑ) تیرے پاس جمع ہوئے۔''(اشعیا نبی۔باب 60 کی 7 آیت)

یہاں ایک سرسری اور تابعدارانہ ذکر ہے۔نہ تجارت کی بات ہے نہ قیدار کی حکومت کا تذکرہ ہے اور زیادہ سے زیادہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ جنگلی بدؤوں کا بیان ہے جو کسی وجہ سے اپنی بھیڑ بکریاں ہانکتے ہوئے یہاں آئے ہیں۔اگلے صفحہ پر قیدار کی تباہی تسلیم کر لی وہی حوالہ جس میں قیدار کی بہادری اور شاندار قوم ہونے کا ذکر کیا تھا۔اب صفحہ 94 پر اپنے پہلے بیان کے خلاف لکھ دیا۔

الغرض یہ ایک ڈھونگ ہے۔مقدس مگر خود ساختہ افسانہ ہے اور کچھ نہیں ہے۔بلا کسی بحث وثبوت وتحقیق کے یہ کہہ کر آنحضرتؐ کے خاندان کو قیداری نسل سے لکھ دینا کہ عدنان قیدار کی اولاد میں سے ہیں، ایک بہتان ہے اتہام ہے۔

(و)۔ آنحضرتؐ کے نبطی خاندان کی حکومت وعظمت کی چند جھلکیاں

خاندان رسولؐ کی عظمت یہ ہے کہ ہمیشہ بیرونی اور غیر ملکی حکومتیں اُن کی مدد واعانت کی محتاج نظر آتی ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو کہ:۔

(i) یہ تاریخ تمام تر نبطی عربوں سے گوناگوں تعلق رکھتی ہے۔ملکِ یہود یہ ملکِ نباطیہ سے ہم سرحد تھا۔دونوں صوبوں میں تقریباً ایک ہی قسم کے سیاسی حالات رونما ہوتے تھے۔سلوقی خاندان ابھی صرف سو سال شام پر حکومت کرنے پایا تھا کہ 166 ق م میں یہودا مکابی، بانی خاندان یہود، نے بغاوت کی۔یہود خود عرب گئے اور نبطی عربوں (کی حکومت) سے اعانت اور شرکت کی درخواست کی کہ ہم لوگ متحدہ طاقت سے ان بیرونی قوموں کو نکال دیں۔سلوقیوں نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اُن نبطی عربوں (کی حکومت) کی طرف ہاتھ پھیلایا۔اس وقت غالباً حارث اوّل انباط کا بادشاہ تھا۔جسکا زمانہ 169 ق م ہے۔''
(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 69)

بتایئے کہ خاندان قیدار کہاں اور خاندانِ رسولؐ کہاں؟ ہمارے سب سے پہلے زید کا حال سُنیے:۔

(ii) زید بابل نبطی بادشاہ کے عہد میں سکندر سلوقی اور ڈیمٹریوس میں منازعت (جھگڑا) شروع ہوئی۔ڈیمٹریوس کے طرفدار شاہان نبط تھے اور یہودی سکندر کے حامی تھے۔سکندر سلوقی نے شکست فاش کھائی۔اس وقت نبطی حکومت کی آزاد سرزمین کے

علاوہ اُسے کوئی دوسرا ضامن نظر نہ آیا (اور اس حکومت کو حمایت پر مجبور کرنے کیلئے نبطی حکومت پر حملہ کر دیا۔) سکندر سلوقی کا بیٹا نطیاخوس اس معرکہ میں قید ہوا۔جس کی دیکھ بھال اور تربیت نبطی حکومت نے شروع کی اور زید بابل نے سکندر کا سر کٹوا کر بطلیموس کو بھجوا دیا۔یونانیوں نے جو سکندر کے طرفدار تھے۔زید بابل کے جانشین مالک اوّل سے درخواست کی کہ سکندر کے بیٹے نطیاخوس کو رہا کر کے سکندر کی جانشینی کا موقعہ دیا جائے۔سخت منت سماجت اور اصرار کے بعد مالک اوّل شاہ انباط نے یہ درخواست منظور کر لی اور دشمن کے بیٹے کو رہا کر دیا۔'' (ارض القرآن۔جلد دوم صفحہ 70-69)

قارئین کرام یہ ہے خانوادہ رسوؐل کی ازلی و ابدی سُنت کہ اپنے دشمن کے بیٹے کو اسلئے رہا کر دے کہ وہ کل مخالف حکومت کی قیادت کرے۔قیدار کا خاندان تو کسی شمار میں نہیں ہے۔پوری تاریخ میں کوئی اور خاندان ایسا نہ ملے گا جو یہ جرأت و اخلاق پیش کر سکے۔اور ملاحظہ ہو کہ وہی یونانی شہزادہ جسے کل شاہ انباط نے رہا کیا تھا لشکر جرار کے ساتھ نبطی حکومت پر فوج کشی کرتا ہے۔اور قحطانیوں کی طرح نبطی خاندان کا نہ صرف احسان بھول جاتا ہے بلکہ مکے کے مشرکوں کی اولاد کی طرح غداری بھی کرتا ہے سُنئے :۔

(iii) ''حارث سوم 87 ق م تا 62 ق م حکومت انباط کا سلطان اعظم ہے۔انطیاخوس اور ڈیانیسوس سلوقی اس وقت ملک عرب پر حملہ آور تھے۔حارث کی طرف والی افواج، خالص نبطی شجاعت سے یونانیوں کا مقابلہ کر رہی تھیں۔لیکن پہلے حملہ میں پسپا ہونے لگیں تو حارث خود دس ہزار سواروں کے ساتھ اچانک میدان جنگ میں نمودار ہوا۔نطیاخوس بہادری کے ساتھ لڑتا رہا۔اور عین اس وقت جب کہ جلوہ فتح کی جھلک نظر آ رہی تھی میدان کارزار میں کام آیا۔اس کے مرنے کے ساتھ فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔حارث کے لئے اب یہاں سے دمشق تک جو سلوقین کا پایۂ تخت تھا۔کوئی روک نہ تھی۔چنانچہ خود اہل دمشق کی دعوت پر حارث دمشق پہنچا۔اور سکندر اعظم کے جانشینوں کا تخت اس کے پاؤں کے نیچے تھا۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 71-70)

آپ نے دیکھا کہ آخر کار غداری اور بے وفائی کرنیوالوں کا تخت حکومت، خانوادۂ رسولؐ کے پاؤں چومنے کی عزت حاصل کرتا ہے۔قارئین دمشق کا نام آتے ہی کیسے کیسے لرزہ خیز نظارے سامنے پھر جاتے ہیں۔یہاں رسولؐ زادیاں قید ہونے والی تھیں۔حارث کو کیا خبر کہ یہاں اُسکے خاندان کی مقدس شہزادیاں قید و بند میں رکھی جائیں گی۔بہر حال دمشق ہو یا شام، کوفہ ہو یا کربلا یہ سب ہماری اپنی حکومت کے زیر نگیں رہے ہیں۔اُن پر بڑے بڑے احسان کئے گئے ہیں۔مگر افسوس قحطانی مشرکین نے اسلام کی آڑ میں مظالم کئے۔یہ ہیں وہ ثبوت جن سے خانوادہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبوت و حکومت کا وہ وعدہ پورا ہوتا چلا آیا ہے۔جو اُدھر توریت میں اور اِدھر قرآن مجید میں بڑی واضح آیات میں مذکور ہے اور جو انشاء اللہ قرآن مجید سے خانوادہ رسولؐ سے تعارف کی ذیل میں آنے والا ہے۔فی الحال تو اس مقدس خانوادے کی قدامت اور قدیم بزرگوں سے تعارف مقصود ہے۔اِن اعزازات میں سے ہزارواں حصہ (1/1000) بھی خاندان قیدار کیلئے ثابت نہیں ہے اور جب یہی تاریخ سے معلوم نہیں ہوتا کہ قیدار کے بیٹے پوتے کون تھے؟ وہ کہاں کہاں گئے، ان کے ناموں کا اباً وجداً بطور شجرہ کہیں نشان نہیں ملتا تو باقی اور کیا مل سکتا تھا؟ یہ تو جو ذرا وراسا ذکر کہیں اِدھر اُدھر ملتا ہے، خاندان نابت بن اسماعیل علیہما السلام کے طفیل سے ملتا ہے اور اسی بے نام و نشان رہ جانے کی بنا پر تو اہل قحطان نے یہ مشہور کر دیا کہ عدنان بن معد کے بعد

رسولؐ اللہ کا شجرہ یقینی نہیں ہے۔ تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپؐ قیدار کی نسل سے نہیں ہیں۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ جس شجرۂ طیبہ کو محفوظ رکھنے کا تذکرہ قرآن میں ہو، جس کو بات بات پر ہر میدان میں رجز خوانی میں فخریہ پیش کیا گیا ہو، وہ ہرگز مجہول و مشکوک ومختلف فیہ و متنازع نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ یہ وہ شجرۂ نبوت ورسالت ہے جو توریت میں مفصل موجود ہے۔ جو تواریخ روم و یونان میں ریکارڈ کیا گیا، جو اس خانوادے کے بزرگوں نے سنگی اور آہنی ریکارڈ کی صورت میں زمین کو سپرد کر دیا تھا، جو آج نکل نکل کر مشرکین عرب اور دشمنانِ خانوادۂ رسولؐ کو منہ چڑا رہا ہے۔ اللہ نے اس شجرہ طیبہ کیلئے اسی بنا پر یہ فرمایا تھا کہ اُسکی بنیادیں یا جڑیں زمین میں ہیں اور شاخیں آسمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ہم پہلے جڑ و بنیاد ہی کی بات کر رہے ہیں۔ زمین کے بعد اُن کا مقدس تعارف وحی اور آسمانوں سے کرایا جائے گا۔ اور اُس کے بعد ہم جناب امام حسین علیہ السلام کے دروازہ کی چوکھٹ پر سجدہ کے لئے حاضر ہوں گے۔ چند باتیں اس مقدس سلسلہ کی اور سنیں:۔

(iv) پہلی صدی قبل مسیح کے اواسط میں سکندر مکابی کے دو بیٹوں میں تخت یہودیہ کیلئے جھگڑا ہوا۔ ایک نے بھاگ کر شاہ نبط حارث کے دامن میں پناہ لی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تخت نشین کرادیا گیا تو جن بارہ نبطی شہروں کو اسکے باپ نے دبا لیا تھا نبطی حکومت کو دے دیگا۔ حارث پچاس ہزار کی سپاہ کیساتھ رقیم (دارالخلافہ) سے نکلا اور یہودی حکومت کو میدان میں شکست دی۔ یہودی افواج یروشلم میں قلعہ بند ہوگئیں، حارث نے یروشلم کا محاصرہ کرلیا۔ رومیوں کی نو شباب تازہ دم فوج بادشاہ حارث پر حملے کیلئے آ گئی اور 300 ٹالنٹ (پچیس لاکھ روپے) یہودیوں سے لیکر حارث سے جنگ کا ٹھیکہ لے لیا۔ اس پر حارث اپنی افواج لیکر واپس چلا آیا۔ (ایضاً جلد دوم صفحہ 71)

یہاں دو باتیں نوٹ کرلیں کہ نبطی حکومت بیرونی بادشاہوں کی پناہ گاہ تھی اور یہ کہ ساری حکومتوں کی نظر میں نبطی حکومت کا اقتدار کھٹکتا رہتا تھا۔ اور تمام ہی حکومتیں اُن سے خوفزدہ رہتی تھیں۔ اب یہ دیکھئے کہ نبطی حکومت سے دوسری حکومتیں فوجی وسیاسی مدد کے علاوہ قرض روپیہ بھی لیا کرتی تھیں۔

(v) ''۔ یہودیہ کا حاکم ہیروڈ شاہ رومی حکومت کو روپیوں کی تھیلی دے کر اس سے بادشاہ کا لقب خریدنا چاہتا تھا اور اسی ضرورت سے نبطی بادشاہ مالک ثانی (47 تا 30 ق م) کے پاس جانا چاہا کہ اُس سے کچھ رقم بطور قرض یا دوستانہ طور سے حاصل کرلے۔ لیکن مالک نے ملاقات سے انکار کردیا اور کہلا دیا کہ ایرانی حکومت ان تعلقات کو ناپسند کرتی ہے۔ ہیروڈ رنجیدہ ہوکر روم چلا گیا۔ لیکن نبطی حکومت، جن کی مدد کی ضرورت ہر قدم پر ہمسایہ حکومتوں کو ہوتی تھی؛ اُس سے کب تک اعراض ہوسکتا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز کے بعد ایک فوج کشی میں پانی کیلئے نبطی حکومت کی اعانت کی ضرورت محسوس ہوئی۔''

(ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 72)

ہمسایہ حکومتوں کی پوزیشن کے بعد اس خاندان کے ایک وزیر کا حال بھی ملاحظہ کرتے چلیں:۔

(vi) ''عبادہ ثالث کا وزیر نہایت ہوشمند اور چالاک تھا۔ یونانی تلفظ میں اس کا نام سالیوس مذکور ہے۔ اصلی نام شاید سائل یا سئیل ہو۔ سالیوس ہمیشہ اپنی دانشمندانہ پالیسیوں سے یہودی اور رُومی حکومتوں کو زک دیتا تھا۔ 18 ق م میں رومیوں کو جو فتح

عرب کے خواب دیکھ رہے تھے۔ عرب کے بے آب صحرا میں جس طرح اُن کی ہمتیں توڑ کر اور نیم مردہ کرا کے واپس کیا۔ وہ اب تک ہر اُدومی اور یورپین مورخ کے قلم کیلئے سرمایہ غم وندامت ہے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 73)

آپ نے دیکھا تھا کہ وزیر اسی مقدس خاندان کا فرد ہوتا تھا لہٰذا یہ بھی اس خاندان کی بصیرت کا ایک جیتا جاگتا اور بولتا ہوا ثبوت ہے۔

(11)۔ آنحضرتؐ کے نبطی خاندان کا دوسرا سلسلہ حکومت یعنی تمہید نبوت

اب ہم خاندانِ رسالت کی اُس نبطی حکومت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جس کو آلِ غسان کے نام سے اس لئے شہرت دی گئی کہ نبطیوں کا تسلسل ختم کر کے اس حکومت کو بھی قحطانی مشہور کیا جا سکے۔ مگر ہائے رے مشرکین قحطانی کی بدقسمتی کہ وہ یونانی اور رومی تاریخوں سے اور کتابات کے ذخیروں سے جاہل رہ گئے۔ انہیں یہ معلوم ہی نہ ہوسکا کہ جس نے ذکر اور صاحبان ذکر علیھم السلام کو نور بنا کر نازل کیا تھا اور جس نے اُن کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا؛ وہ عرب سے باہر بھی اس شجرہ طیبہ کی حفاظت کی نگرانی کرتا چلا آرہا ہے۔ اُس نے توریت و زبور میں بھی اُسے محفوظ کر دیا ہے۔ اُسے یہود و نصاریٰ بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ چند پرانے شعر گھڑو، چند بھانڈوں کو ساتھ ملاؤ، چند حجاموں اور موچیوں کی مدد حاصل کرو، چند روایات تراشو، چند پرانے ناموں سے عرب کی کہانیاں تیار کراؤ، چند روز صحابہ رضی اللہ عنھم کو ملک میں گھیر کر رکھو، چند روز احادیث رسولؐ پر پابندی رکھو، رسولؐ کے زمانے کے تیار کردہ ریکارڈ کو جلاؤ بس میدان مار لیا۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اُن کو خدائی انتظام کا علم نہ تھا۔ وہ ابلیسی اسکیموں میں ماہر تھے۔ انہوں نے اپنے حساب سے بڑا پکا، مستحکم اور ہمہ گیر انتظام کیا تھا۔ مگر منصوبۂ نبوتؐ و رسالتؐ و امامتؑ نے اُن کے انتظام کو مکڑی کے جالے کی طرح لپیٹ کر فنا کر دیا۔ آج وہ لوگ خود بلا شجرہ، بلا تحقیق نسب اور بلا باپ کے رہ گئے۔ اور خدا نے انہیں ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا - بھان متی نے کنبہ جوڑا'' بنا کے رکھ دیا۔ قرآن کریم سے مشرکین کا نسب اور شجرہ دیکھنے کے لئے ہماری کتاب ''اسلام اور جنسی تعلقات'' کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ اور اُس نسب کا قرآنی نام شجرہ ملعونہ ہے (17/60) یعنی وہ ایسا شجرۂ نسب ہے جس میں ایک بھی تو ایسا آدمی نہیں ہے جو ملعون و مردود و خبیث نہ ہو۔ یعنی شجرۂ طیبہ کی بالکل اور سو فیصد ضد ہے۔ وہاں کوئی فرد ایسا نہیں جو طیب و طاہر نہ ہو اور یہاں کوئی فرد ایسا نہیں جو نجس و ناپاک و ناہنجار نہ ہو۔ یعنی وہ قحطانیوں میں سے بھی ایک ایسی شاخ ہے جس کو ابلیس نے اپنا حصہ بنانے کے لئے خاص طور پر تیار کیا تھا۔ جس میں ابلیس کی پوری پوری ممکنہ شرکت تھی۔ اور اُس شاخ کی قابل مشاہدہ محسوس پہچان یہ تھی کہ اس کا ہر فرد شجرہ طیبہ کے ہر فرد سے برسرِ پیکار رہے۔ ظہور آنحضرتؐ کے بعد انصار کا دشمن یقیناً اسی شجرہ ملعونہ کا فرد ہے۔ آل رسولؐ کا دشمن یقیناً اولاد ابلیس ہے۔ اور ہر وہ شخص جس کے دل میں یہ الفاظ چبھتے ہوں یقیناً اُسی شجرہ کے ساتھ محسوب ہوگا۔

(الف)۔ حضرت نابتؑ بن اسماعیلؑ کی اولاد نے مسلسل حکومت کی ہے

توریت و انجیل و زبور و قرآن کی رُو سے حضرت اسماعیلؑ کے خاندان میں مسلسل بلا انقطاع مرکزی حکومت رہنا چاہئے۔ اور تاریخی و مصری شہادتوں سے بھی یہ تسلسل ثابت ہوتا چلا آرہا ہے۔ گزشتہ عنوانات و حالات سے ظاہر ہوا ہے کہ نبطی حکومت نے قیدار کے

قابل افراد کو بھی برابر اقتدار میں ہاتھ بٹانے کا موقعہ دیا۔ لیکن وہ اپنی گھریلو ذہنیت کے پیروں میں آکر کچلے گئے۔ اُسی طرح لازم تھا کہ نبطی قبیلے کے تمام صاحبان بصیرت کو مسلسل عہدے، حکومتیں اور ذمہ داریاں سونپی جاتیں۔ لہٰذا نبطی خاندان کے جن افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور نام پیدا کیا، ان میں دوسرا نبطی خاندان آل جفنتہ یا آل غسان کے نام سے تاریخ کے پردہ پر آتا ہے۔ اس خاندان کے افراد برابر شاہان نبط کے دست و باز و تھے۔ جب یہودی، رومی، یونانی اور ایرانی حکومتوں کے انقلابات سے نبطی حکومت کا مرکزی نقطہ کمزور ہوا تو جہاں جہاں آل جفنتہ کے لوگ برسرکار تھے انہوں نے دوبارہ نبطی حکومت کو سنبھالا اور اب بھی بادشاہت کو اُن ہی ناموں کے ساتھ چلایا جو خاندان کے اوّلین بادشاہوں کے نام تھے تاکہ اُنکے نقش قدم پر چلنے کا خیال تازہ رہے۔ چنانچہ انہوں نے قدم جماتے ہی تمام سابقہ پروگرام وہیں سے شروع کئے جہاں پر کام رکا تھا۔

(ب)۔ خاندانِ رسولؐ کی دوسری شاخ کی حکومت، اُس کا زمانہ

نبطی خاندان کی پہلی حکومت میں اُنکے تمام خاندانوں کے افراد برسر اقتدار تھے۔ چنانچہ انباط کا قبیلہ قضاعہ کی شاخوں تنوخ اور سَلیح ضجم اور آل جفنتہ نے ہر جگہ مخالف حملہ آوروں کو روکا۔ اُنکے پسپا کرنے کے دوران حکومت قضاعہ اور غسانیوں نے مل کر برقرار رکھی اور دوسری عیسوی کے اواخر میں آل غسان کی نبطی شاخ کی حکومت کا اعلان ہوا۔ اور پھر انباط کی یہ حکومت اپنے رسول محمد مصطفیٰؐ کے زمانہ تک برقرار رکھی۔ یعنی اس کا زمانہ حکومت چار سو سال سے زیادہ تھا۔ اور یوں نبطی حکومت کی مدتِ حکومت ایک ہزار پانچ سو سال سے کچھ زیادہ ہے۔ اس نئی حکومت نے وہ تمام مقبوضات رفتہ رفتہ واپس لے لئے جو پچھلی حکومت سے دشمنوں نے چھین یا دبا لئے تھے۔ اسی خاندانی حکومت کا زمانہ تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ بصرہ آئے تھے اور دونوں چچا بھتیجے بحیرا راہب سے ملے تھے۔ یہی شہر بصرہ نبطی حکومت کا دارالخلافہ تھا۔ یہیں سب سے پہلے نبوت کی اسرائیلی شاخ کے بزرگ ترین راہب مذکور نے حضورؐ کی نبوت تسلیم کی اور چند احتیاطی تدابیر حضرت ابی طالبؑ کو بتائیں۔ تاریخ یہ کیوں اور کیسے بتاتی کہ آنحضرتؐ اور اُنکے سرپرست ابی طالب علیہ السلام اپنے ماتحت رہنے والی اپنی خاندانی حکومت کے بادشاہ سے ملے تھے یا نہیں۔ لیکن تقاضائے وقت اور دینی ضرورت اور خاندانی تعلقات کو کوئی صاحب عقل نظر انداز نہیں کرتا۔ لہٰذا لازم تھا کہ آئندہ کے پروگرام زیرغور لائے جاتے۔ قومی و ملکی لیڈروں کی مخالفت کا تخمینہ کیا جاتا، اُن سے دفاع پر بات ہوتی، اپنی حکومت کو اسکے اقدامات بتائے جاتے، اُنکو سفارتی ذرائع کے طور پر کام کرنے کی ہدایات دی جاتیں۔ بحیرا راہب کو اسقف اعظم کی سطح سے اور شاہ انباط کو حکومت کی سطح پر غیر ملکی دینی اداروں میں، اس ظہور خداوندی اور تکمیل دین و نبوت، رابطہ اور حسب ضرورت سابقہ کتب کے احکام کی تعمیل پر توجہ دلانے کا کام سونپا جانا چاہئے تھا۔ یہ سب کچھ عقلاً وشرعاً لازم تھا اور ہمارا ایمان ہے کہ خاندان نبوت ہر لازم و واجب چیز کو بہترین طریقوں سے انجام دینے کا عادی تھا۔ یہ ضروری اور لازم و واجب نہیں کہ ہر بات اور ہر اقدام کو شہرت دیکر عام کیا جائے۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جس ظہور اور جس نبوّت کا اعلان اور منادی تمام انبیاؑ و اوصیاءؑ اور تمام کتب ہائے خداوندی روزِ اوّل سے برابر کرتے چلے آئے ہوں، جسے لوگ اپنی ذات اور اپنی اولاد سے زیادہ یقین سے پہچانتے ہوں، اُسے عین ظہور کے وقت بھول جائیں۔ جسکا پورا پروگرام الہامی کتابوں میں موجود اور زبان زدِ خلق ہو، کاہن و راہب اور ہر

مکتب فکر کے نجومی جس کیلئے پیشگوئیاں کرتے رہے ہوں، جسکے بعد کی سیاسی حکومت نام بنام بتادی گئی ہو، جس کیلئے مدبرین ودانشوران سیاست اپنا پروگرام بنا چکے ہوں، وہ نظام اسلام کوئی اقدام ہی نہ کرے، کسی کو نہ بتائے اور ایکدم مشرکین کے نرغہ میں پہنچ کر آنکھ کھولے۔ ہمارے یہاں ہر وہ بات نا قابل قبول ہے جو تقاضائے دین و دانش کے خلاف اور ابلیسی نظام کے حق میں ہو۔ جن لوگوں نے اس بادشاہت پر قبضہ کا پروگرام بنا رکھا ہو اور جو صاحب اقتدار و اختیار بھی ہوں، بتایئے وہ کیسے اور کیوں موجودہ تاریخ سے زیادہ لکھواتے؟

(ج)۔ نبطیوں کی حکومتِ جدیدہ کے کارنامے، جاہ وجلال اور دیگر حالات

(i) **حکومت کا پیش منظر** اور ہمسایہ حکومتوں سے تعلق پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ مختلف مؤرخین نے حسب ضرورت نبطی بادشاہوں کی تعداد میں اختلاف کیا ہے۔ حمزہ نے بتیس (32) بادشاہوں کو مانا تو بعض نے کہا کہ مستقل بادشاہ اُنیس (19) تھے۔ یہ جناب مسعودی صاحب ہیں۔ ابن قتیبہ صرف دس بادشاہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی جتنے منہ اتنی باتیں یا بکواس۔ اسکندر کے بعد ایران میں 324ق م میں جو بحران پیدا ہوا تھا اور سرداران حکومت آپس میں دست وگریبان تھے۔ اُس کا خاتمہ اردشیر بن بابکان نے 226ق م میں کیا۔ نظم و نسق درست کرنے کے بعد سابقہ ادوار کی طرح پھر ایران اور روم کی حکومتوں میں زور آزمائیاں ہونے لگیں جو برابر تین سو سال تک جاری رہیں۔ علامہ سید سلیمان صاحب نے بتایا ہے کہ:۔

(ii) **ہمسایہ حکومتوں کا مدد لینا:** ''یہی مواقع تھے جن میں ایرانی و رومی دونوں حکومتیں نبطی حکومت کی اعانت کے لئے محتاج تھیں۔ شاہان حیرہ یعنی حکومت عراق اُن معرکوں میں ایران کی طرف تھے۔ اور غسانی نبطی حکومت رومیوں کا ساتھ دیتی تھی۔ ایرانی حکومت کے مقابلہ میں جب بھی رومی حکومت کو کامیابی ہوئی وہ صرف نبطی حکومت کی مدد سے ہوتی تھی۔ اور اسی بنا پر اس غسانی نبطی حکومت کی تاریخ دراصل ایران وروم کی تاریخ کا خلاصہ ہے۔'' (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 82-81)

چونکہ نابت بن اسماعیلؑ کا خاندان اور خود حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ کی اولاد کی بھی قدر و منزلت کرتے تھے۔ چنانچہ نبطی حکومت بھی نبوت کی دوسری شاخ اور دیندار لوگوں کا برابر اکرام کرتی تھی۔ اسی حکومت کی وجہ سے عرب میں اسرائیلی نبوت کا مذہب پھیلا تھا۔ یہ حکومت ہر دینی ادارہ کے ساتھ تعاون کرتی تھی۔ اسی بنا پر رومی حکومت کی مدد بھی کرتی تھی۔ اور باقی قحطانی وسبائی قبائل اس رویہ کو ناپسند کرتے تھے۔ حیرہ کی حکومت ہمیشہ نبطیوں کے خلاف برسر مخاصمت اور ایرانی مجوسی حکومت سے ارادت ومودت رکھتی تھی۔ اور نبطیوں پر عیسائی ہوجانے کا الزام لگاتی تھی۔ چنانچہ بعض قحطانی مؤرخین نے یہ مشہور کیا ہے کہ نبطی حکومت نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ حالانکہ خاندان انباط کے متعلق یہ وہم بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت ابراہیمؑ واسماعیل علیہما السلام کا مذہب چھوڑا ہو گا۔ مگر قحطانیوں کا ابلیسی بغض روز اوّل سے آخرت تک باقی ہے۔ انہوں نے یہ بھی مشہور کیا تھا کہ جب نبطی حکومت کے آخری بادشاہ جبلہ غسانی کو آنحضرتؐ نے دعوت اسلام دی تو وہ بہت ناراض ہوا اور مدینہ پر حملہ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ سید صاحب نے بھی یہ دونوں مغالطے کھائے ہیں۔ اس اتہام میں بادشاہ کا نام جبلہ لکھنا ہی اُن کی جہالت اور عداوت کا ثبوت ہے۔ جبلہ بن ایہم تو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد 636 عیسوی مطابق 14 ہجری بادشاہ ہوا تھا۔ وہ باقاعدہ اسلام لایا تھا۔ حج کے لئے آیا تھا۔ اور مسلمانوں کے حالات پر کما

حقہ مطلع ہو کر واپس چلا گیا۔اس کے متعلق کئی غلط کہانیاں مشہور کر رکھی ہیں جو محض اس خاندان سے عداوت کی بنا پر گھڑوائی گئی تھیں۔اِن لوگوں نے اُن رئیسوں کا تذکرہ قطعاً چھپا لیا جو اُن کے اپنے قحطانی وسبائی قبیلوں سے تھے۔

(iii) چندشاہان انباط کے کارنامے علامہ صاحب سے سُنئے:۔

''رومیوں کی تاریخ میں سب سے پہلے جبلہ بادشاہ کا نام آتا ہے۔497 عیسوی کی ملکی بغاوت میں اس بادشاہ نے رومیوں کی بڑی مدد کی تھی۔جبلہ کے بعد حارث بن جبلہ رومیوں کی نظر میں عرب کا سب سے بڑا ہیرو ہے۔یہ نہایت مہیب، شجاع اور پُر دل بادشاہ 528 عیسوی میں حیرہ کی اور 531 عیسوی میں رومیوں کی ایرانیوں کے ساتھ لڑائی میں اس نے نہایت ناموری حاصل کی۔563 عیسوی میں قیصر روم سے ملاقات کے لئے قسطنطنیہ گیا۔اور اسی بادشاہ حارث بن جبلہ کی وساطت سے قبیلہ کندہ کا نبطی شہزادہ اور عرب کا مشہور شاعر امراء القیس قیصر روم تک پہنچا تھا۔حارث بادشاہ نے 569 عیسوی میں وفات پائی۔حارث کے بعد منذر تخت نشین ہوا۔بہادری اور رومیوں کی اعانت میں یہ بھی اپنے پیشرو بادشاہوں سے کم ثابت نہیں ہوا۔580 عیسوی میں قسطنطنیہ گیا۔رومی حکومت نے اُسے تاج پہنایا۔'' (ارض القرآن۔جلد دوم صفحہ 82)

یہ ہے وہ خاندان جس میں دین و دنیا کے بادشاہ اور تمام بنی نوع انسان کے نجات دہندہ حضرت محمد مصطفیٰ اور جناب علی مرتضیٰ اور جناب امام حسین صلی اللہ علیہم پیدا ہوں گے۔یہ ہے وہ نابتؑ بن اسماعیلؑ کا خانوادہ جس کیلئے قیصر روم تاج پوشی کی رسم ادا کر کے اپنی قوم اور اپنے ملک اور رعایا کو بتاتا ہے کہ اس خاندان کے ہاتھ میں دین و دنیا کی کنجیاں ہیں۔یہ جہاں ہوں اُنکا احترام حضرت اسماعیل واسحاق وابراہیم علیہم السلام کا احترام ہے۔یہ مرکزی خاندان نبوت و رسالت وحکومت وخلافت وامامت ہے۔یہی سبب تھا کہ اللہ نے قرآن کریم میں سورہ روم نازل کر کے حکومت روم کو دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی خوشخبری دی تھی۔اور 616 عیسوی تک رومی اور نبطی حکومت نے وہ تمام علاقے ایرانیوں سے دوبارہ چھین لئے جو قحطانی مدد سے ایرانیوں نے دبا لئے تھے۔(ارض القرآن۔جلد دوم صفحہ 83)

یہاں یہ سمجھ لیں کہ عیسائی، یہودی دیندار لوگ ہمیشہ نبطی خاندان کے ہمدرد رہے۔نبوت کی یہ دونوں شاخیں مذہباً ہمیشہ متفق رہیں۔جس شخص نے یہود و نصاریٰ اور دین ابراہیمی کے خلاف نفرت پھیلائی اور ایک نیا قحطانی ٹائپ کا فرقہ بنایا وہ پولوس تھا۔جو نبطیوں کے قید خانے سے کمند لگا کر فرار ہو گیا تھا (44 عیسوی میں) اُسے سینٹ پال کہا جاتا ہے۔(ایضاً صفحہ 74)

سینٹ پال ہی وہ شخص ہے جس نے عیسوی مذہب میں تین خدا ہونے کا عقیدہ پیدا کیا۔ختنہ کو بند کیا۔بت پرستی کی طرح ڈالی۔شراب اور فسق و فجور کو جائز کیا تھا۔یہی تھا جس نے ہمارے قحطانی مسلمانی لیڈروں کی طرح تمام مذہبی تعلیم کو اجتہاد کی بھینٹ چڑھایا۔

(د)۔ آنحضرتؐ کے نبطی خاندان پر علامہ شبلی کا بیان

ہندوستان کے علما کا وہ گروپ جس نے ماڈرن انداز میں مسلمان حکمرانوں کی لکھوائی ہوئی تاریخ کی تطہیر کا بیڑا اٹھایا تھا اور طے کیا تھا کہ جو چیزیں حکومت کے مخالف علما نے پکڑ لی ہیں اور جن سے اُن کے مذہب کو خطرہ لاحق ہے۔وہ سب تاریخ سے نکال کر سابقہ حکمرانوں کی برائیوں کی عمدہ تاویلات کی جائیں۔علامہ شبلی اسی گروہ کے سالار کاروان تھے۔ماشاءاللہ شبلی صاحب نے کھلے میدان میں

سورج کے وجود کو مشکوک کرنے کی کوشش مرتے دم تک جاری رکھی تھی۔ یہاں تک کہ مرزا عابد علیؔ بیگ قزلباش کی کتاب الفرق نے ان کا ہارٹ فیل کر کے ان کو مزید اکاذیب سے محفوظ کر دیا۔ آنجہانی خاندان رسولؐ کے انتہائی مخالف اہل قلم تھے۔ انہوں نے نابت بن اسماعیل علیہما السلام کا تذکرہ نہایت خفیف انداز میں لکھا ہے۔ مگر اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ معاندین کے قلم سے کچھ نہ کچھ حق باتیں لکھوا کر چھوڑتی ہے۔ چنانچہ شبلی نعمانی بھی مجبور ہوئے کہ چند جملے مؤرخ فارسٹر کے قلم سے لکھ دیں۔ چنانچہ علامہ نے لکھا کہ:۔

(i) ''نابتی حکومت جو شام کے حدود سے متصل تھی اور جو قوم ثمود کی مرادف یا اُن کی قائم مقام تھی۔ اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں'':۔ ''ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانۂ قدیم میں نابتؑ کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر غالب اور چھایا ہوا تھا بلکہ حجاز ونجد کے صوبہ ہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت میں بہرہ اندوز ہونے میں درجہ کمال رکھتے تھے وہاں دوسری طرف بطور سچے بنواسماعیل کے خطراتِ جنگ کے لئے بالکل مستعد رہتے تھے۔ فلسطین اور ملک شام کے دشمنوں پر اُن کی غارت گریوں اور خلیج عرب میں دشمن کے مصری جہازوں پر اُن کی تاخت و تاراج نے بارہا تاجدارانِ مقدونیہ کو اُن کی شکست اور دشمنی پر آمادہ کیا۔ مگر سلطنت روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی طاقت انہیں روک نہ سکی۔'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 113)

(ii)۔ علامہ شبلی نے دیدۂ نیم باز اور کج ادائی سے مجبوراً مدح کی ہے

یہ لوگ یہ نہیں چاہتے کہ نبتی خاندان کا مفصل تذکرہ کر کے اپنے قحطانی راہنماؤں کی سازش فاش کر دیں۔ اس لئے یہ لکھنے کے بجائے کہ نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ملت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام اور اُن کے صحیفوں پر عامل تھی۔ اور مکہ ومدینہ وحجاز و عراق ونجد وشام سب پر حکمران تھی۔ یہ لکھا کہ ''نابتی حکومت شام کے حدود سے متصل تھی۔'' یعنی کہیں ایک خیمہ تان کر بیٹھی ہوگی۔ بہرحال غیر مسلم حق پوشی نہیں کرتے اور وہ قحطانیوں کی ہر سازش کا اتا پتا بتانے میں تحریک تشیّع کے مددگار رہے ہیں۔ فارسٹر صاحب نے نبطیوں کو سچے اور حقیقی اسماعیلی کہہ کر نہ صرف علامہ کی گول بات کو سیدھا کر دیا اور یہ بتا دیا کہ نابتی حکومت خانوادۂ اسماعیلؑ کی حکومت تھی بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ عرب میں ایک گروہ جھوٹے اور خود ساختہ اسماعیلیوں کا بھی تھا۔ جو نہ ملت ابراہیمؑ سے تعلق رکھتے تھے نہ بہادر وشجاع تھے۔ علامہ شبلی نے نبتی حکومت کو ثمود کی قائم مقام حکومت جس غرض سے بھی لکھا ہو۔ مگر یہ ثابت ہو گیا کہ جناب ابراہیمؑ واسماعیلؑ قوم عاد وثمود کے صالحین کی اولاد میں سے تھے۔ اور جناب ھود وصالح علیہما السلام کی نبوت اور کتابوں کے وارث تھے۔ اور اللہ نے اُن کو قوم عاد وثمود کی عظیم الشان مملکت وحکومت کا قائم مقام بنایا تھا۔ اور پھر جناب نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد اپنے باپؑ دادا اور قوم عاد وثمود کی قائم مقام ہو کر دنیائے عرب وعجم پر حاکم وبادشاہ مقرر ہوئی اور اُس وقت (2000ق م) سے مسلسل دو ہزار چھ سو (2600) سال تک حکومت کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ظہور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور سجدہ ریز ہوئی اور قیامت تک کے لئے حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام کے بڑے بھائی کی اولاد کی امامت کے قیام میں مصروف ہوگئی۔ یہ ہے وہ شجرہ طیبہ جو طوفانِ نوحؑ کے بعد بھی خدا کی طرف

سے پوری نوع انسان کا حاکم وراہنما اور وارث تعلیماتِ خداوندی رہتا چلا آیا اور تا قیامت نوع انسانی کی عزت وحریّت وترقی ونجات کا ضامن ہے۔ اُسی خانوادے کی سمیٹی ہوئی صورت کا نام حسین علیہ السلام ہے۔ اسی کے لئے قرآن کہتا چلا آرہا ہے کہ:۔

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ فَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا o (4/54)

کیا خانوادہ رسولؐ کے ساتھ غیر خاندان والے لوگ ہماری اُس مسلسل دادو دہش پر حسد سے اب تک جلے جارہے ہیں جو ہم نے اُس خاندان پر اپنے فضل سے مسلسل جاری رکھی ہے۔ سنو کہ بلاشک وشبہ ہم نے حاسدوں کے حسد سے بے پرواہ رہ کر آل ابراہیمؑ واسماعیلؑ و محمد مصطفیٰ صلوٰۃ اللہ وعلیٰ آلھم کو قرآن کریم اور حکمت اور مملکت عظیمہ دے دی ہے۔

یہاں قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ عرب میں خانوادہ رسوؐل کی حکومت دو ہزار پانچ سو (2500) سال سے چلی آرہی ہے۔ اب اُسی خانوادے میں اللہ نے نبوت وخلافت ورسالت وامامت کو ایک نقطہ کمال پر جمع کر کے قرآن بھی عطا کر دیا۔ اس شان وعظمت اور اِس خاندان سے حسد کرنیوالے لوگ موجود ہیں۔ جن کو سنا کر مندرجہ بالا آیت نے اعلان کیا تھا۔ یہ اعلان 3 ہجری سے 5 ہجری کے دوران ہوا۔ اُس وقت اللہ کی یہ حکومت اور اُسکا حاکم مدینہ میں ہیں۔ مدینہ میں انصار تو خود اُسی شاہی نبطی خانوادے کے افراد ہیں۔ اُنکا جلنا اور حسد کرنا تو ناممکن ہے۔ ظاہر ہے کہ انکے علاوہ جو بھی غیر نبطی ہے اس پر حسد کرنے اور جلنے کا یقین ہوگا۔ پھر قرآن کریم نے اُن کم بخت حاسدوں کے ناموں کو مصلحتاً پردے میں رکھا ہے۔ لہٰذا اب اُن کو پہچاننا دانشوروں کا کام ہوگا۔ جو بھی اپنی داڑھی میں تنکا تلاش کرتا ہوا ملے، جو بھی اس خاندان کے خلاف کسی اور کو حاکم بنانے کی فکر میں مصروف ملے، جو بھی اس خاندان کے حاکم بننے کی راہ میں رکاوٹ ڈالے وہ سب قرآن کی مذکورہ آیت کے مخاطب ہیں۔ اس حسد وبغض وعناد وعداوت کا طرح طرح اظہار ہوتا چلا گیا۔ مگر بعد والوں نے ان اظہارات وبیانات وواقعات پر تاویلات کی مقدس چادریں ڈال کر عوام کو فریب دیا اور آج تک فریب دیتے ہیں۔ مگر جناب امام حسین علیہ السلام نے اُن ازلی وابدی دشمنانِ خدا ورسولؐ کے چہروں سے اس طرح اسلامی نقاب نوچ کر پیروں سے مسل دی کہ تاویلات و عذرات واختراعات کا دم نکل گیا۔ تمام دنیا نے اس ابلیسی محاذ کے ہر فرد کو از اوّل تا آخر پہچان لیا۔ اور تحریک تشیّع نے رسومات عزاداری سے اس ملعون محاذ کے مظالم ساری دنیا کو بتائے حفظ یاد کرادیئے۔ آج ہر قلب اُن حاسدوں پر نفرین کر رہا ہے۔ اور مؤرخین ومجتہدین نے جو خامیاں پیدا کی تھیں وہ ہماری تصنیفات نے دور کر دی ہیں۔ ہم نے مشرکین کے منصوبے کی ہر کڑی کو اس طرح ڈھیلا کر دیا ہے کہ اب طاغوت کی پوری جماعت وطاقت اُسکی مرمت نہیں کرسکتی ہے۔ اُسی طرح یہ عزت بھی خدا نے ہمارے لئے ہی محفوظ رکھی تھی کہ ہم واقعاتِ کربلا کا منظر وپس منظر اسکے صحیح اور حقیقی خدّ وخال اور بے پناہ عظمت وجلال سے پیش کریں اور تاریخ کے چہرے سے وہ تمام میک اَپ دھو ڈالیں جسکے پیچھے ابلیس کی مخلوط النسل قوم کا اَلَدُّ الۡخِصَامِ (2/204) راہنما پوشیدہ چلا آرہا ہے۔ جو ابلیس کے کاروبار اور اسکی طولانی عمر میں شریک ہوگیا ہے اور جس کا تذکرہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبے ''عرب کا منصوبہ ساز'' میں فرمایا ہے۔ (شائع کردہ علوم الاسلام)

(12)۔ خاندانِ اسماعیلؑ کے متعلق توریت کی پیشگوئیاں یعنی خدائی احکام

اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیمؑ کیلئے نبوت ورسالت کیساتھ جس ملک عظیم وبلا انقطاع بادشاہت کا ذکر کیا ہے وہ بادشاہت سابقہ کتابوں میں بھی

موجود ہے۔اللہ نے جناب اسماعیلؑ کی پیدائش سے پہلے ہی سے اُس حکومت الٰہیّہ کا اعلان کرنا اور خوشخبریاں دینا شروع کردی تھیں۔

(الف)۔ حضرت ھاجرہ علیہا السلام کو اللہ نے بتایا تھا کہ:۔وقال لها ملاک الرّب لَاَ کثرنَّ نَسلَکِ تکثیرًا حتّٰی الا یحصی لکثرته وقال لها ملاک الرَّب ها انت حاملٌ وستلدین ابنًا و تُسمّینه اسماعیل ویکون رجلًا وحشیًا یده علی الکُلّ ویدا لکل علیه۔وامام جمیع اخوته یسکن۔(کتاب تکوین فصل 16 آیات 10 تا 11)

ھاجرہ سے پروردگار کے فرشتے نے کہا کہ اللہ تیری نسل میں اس قدر کثرت عطا کرے گا کہ اس کا شمار میں لانا مشکل ہوجائے گا۔ پھر فرشتے نے کہا کہ سنو تم حاملہ ہو۔تمہارے بہت جلد ایک بیٹا پیدا ہوگا۔تم اُس کا نام اسماعیل رکھنا۔وہ ایک خوفناک انسان ہوگا۔اور تمام لوگوں پر حاوی ہوجائے گا اور سب اس کے خلاف دست درازی کریں گے۔اور وہ تمکن اور آبادکاری میں اپنے تمام بھائیوں کا امام ہوگا۔

قارئین غور فرمائیں کہ توریت کی اِن ہی آیات کی تائیدِ مزید کے لئے سورہ کوثر نازل ہوکر اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَر کی بشارت دے کر کہا گیا کہ یقیناً تجھے ہمہ قسمی کثرت دے چکے ہیں۔توریت کی آیات حضرت ھاجرہؑ کی اولاد کی کثرت پر حکم قطعی ہے تو قرآن نے جناب فاطمہؑ زہراء کی اولاد کی کثرت کو بھی مخصوص کردیا ہے۔

(ب)۔ اب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی کثرت اور بادشاہت کا مکرّر سہ کرّر معاہدۂ عام ہوچکا تھا

آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے اللہ نے اپنی قدرت یاد دلاتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا تھا کہ:۔

''اے ابراہیمؑ میں تیرا قادر و توانا اللہ ہوں۔میں چاہتا ہوں کہ تو میری تعلیمات کو آگے بڑھانے میں میری طرف سے امامت کرے اور تکمیل تک پہنچائے۔تیرے اور میرے درمیان ایک معاہدہ کیا جاتا ہے۔چنانچہ میں تیری اولاد میں سے اُمتیں اور بادشاہ پیدا کرونگا۔ اور یہ معاہدہ میرے تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان برقرار رہتا چلا جائیگا اور اُن امتوں اور بادشاہوں کی حکومتوں کی عمریں بڑھتی چلی جائیں گی اور میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا مستقلاً اور خصوصاً معبود رہتا چلا جاؤں گا۔(تفصیل خود ملاحظہ فرمالیں)

اَنَا اللّٰهُ الۡقَدِیۡرُ اَسۡئَلُکَ اَمامِی وَکُنۡ کامِلًا ۔فاجعل عهدی بینی وبینک ......واجعلک اُمَمًا وّ ملوکًا مِنۡکَ تخرجون ۔ وَ اقیم عهدی بینی و بینک و بین نَسۡلِکَ مِنۡ بَعدکَ وَمَدَی اجالهم عهد الدهر لا کون لک الهًا وَلِنَسۡلِک مِنۡ بعدک.....الخ (تکوین فصل 17۔آیات 1 تا 8)

یہاں اس خاندان میں بادشاہت و امامت بظاہر نظر عام معلوم ہوتی ہے۔آخری آیت یہ اشارہ کردیتی ہے کہ جن سے حکومت و بادشاہت کا معاہدہ ہے وہ وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو نسل ابراہیم علیہ السلام میں صرف اللہ کو اپنا معبود سمجھ کر اس کی عبادت کریں گے۔یعنی مشرک و کافر و ملحد و بت پرست نہ ہوں گے۔

(ج)۔ قرآن کریم نے اِن آیات کی وضاحت اور ایک معصوم قیادت کا اعلان کردیا تھا

اِس گنجلک کو دور کرنے کے لئے کہ خاندان ابراہیمی میں امامت کیسے لوگوں کو ملے گی، اللہ نے قرآن میں پوری تفصیل دے کر توریت والے معاہدہ کی تجدید و توضیح یوں کی ہے کہ:۔

اور جب ابراہیمؑ کواس کے پروردگار نے چند معجزنما انسانوں کے سلسلے میں آزمایا اور وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوگیا تو ہم نے کہا کہ اَے ابراہیمؑ میں تجھے نوع انسان کی امامت وحکومت دیتا ہوں۔ اِس پر ابراہیمؑ نے سوال کیا کہ کیا میری ذریت میں بھی امامت اور حکومت جاری رہے گی یا مجھ ہی پر ختم ہو جائے گی۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ میراامامت وحکومت کا معاہدہ اُن لوگوں سے ذرہ برابر تعلق نہیں رکھتا جو کسی حال اور کسی مقدار میں کوئی بے محل کام کر سکتے ہوں یا کرتے رہے ہوں۔

وَاِذِ ابۡتَلٰٓی اِبۡرٰھٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا

قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ قَالَ لَایَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَo (سورہ بقرآیت۔2/124)

توریت نے کہا تھا کہ وہ عہد ذریتِ ابراہیمی کے اُن افراد سے متعلق ہے جو ہر حال میں اللہ کو اپنا معبود سمجھتے رہیں اور یہاں ظالمین کہہ کر یہ واضح کر دیا کہ وہ افراد خدا کیطرف سے نہ امام بن سکتے ہیں نہ حکومت الٰہیہ کے حاکم کہلا سکتے ہیں جو قطعاً غلط کاری سے محفوظ و مامون ومعصوم نہ ہوں۔ یعنی اس عہد سے ہر وہ شخص خارج ہے جس کیلئے ظالم وظلم کسی طرح اور کسی حال میں بھی صادق آتا ہو۔

قارئین یہاں وہ خطبہ یاد کریں جوایک نبطی مجاہد نے ڈیمٹر یوس کومخاطب کر کے دیا تھا۔ اور کہا تھا کہ ہم نے تمام عیش وعشرت اور سامان تعیش ومسرت اور آرام وراحت چھوڑ رکھا ہے۔ ہمارے یہاں تمہیں کوئی ایسی چیز نہ ملے گی جس کی ضرورت بادشاہوں یا دنیا داروں کو ہوتی ہے۔ وہ اثری ریکارڈ بھی یادرہنا چاہیئے جس میں اِن حکومتوں کے شرعی قوانین کی اطاعت کی تفصیل درج ہے۔ الغرض تمام حقائق اور واقعات شہادت دیتے ہیں کہ ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی نبطی شاخ کی حکومتیں دو ہزار چھ سوسال تک احکام خداوندی کی اطاعت کرنے اور اسلامی تعلیمات کو نافذ کرنے میں برابر کوشاں رہتی چلی آئی تھیں۔ یہ ایک ازلی حقیقت ہے کہ ابلیس اور اس کے تیار کردہ مجتہدین اور سیاسئین ہمیشہ سے موجود رہتے آئے ہیں۔ اورانہوں نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی بے دینی پھیلانے اور بے دینی کو دین بنا کر پیش کرنے سے تغافل نہیں برتا۔

چنانچہ ابلیس کے مجتہدانہ نظام کو جب بھی موقعہ ملا حکومت الٰہیہ کے مقابلہ میں سیاسی اور جمہوری حکومت قائم کرتے رہے ہیں۔ یہ کوشش بھی آپ کے سامنے آنے والی ہے تا کہ علامہ اقبال کے تعارفی اشعار میں مذکور دوسری متصادم قوت بھی سامنے کھڑی ہو جائے اور اس کی تصدیق ہو جائے کہ:۔ موسیٰؑ و فرعون ، شبیرؑ و یزید — این دو قوت از حیات آمد پدید

(ii)۔ توریت میں بھی اللہ نے ابراہیمؑ واولادِ ابراہیمؑ اور اُن کی نسل میں عصمت کا وجود بتایا ہے

توریت بھی ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اللہ نے اولادونسل ابراہیمؑ کے ساتھ جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ سب حضرت ابراہیمؑ کو بتا دیا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ’’پروردگار عالم نے یہ فیصلہ کرلیا کہ جو کچھ میں ابراہیمؑ اوراس کی اولادونسل کے ساتھ کرنے والا ہوں وہ ابراہیمؑ سے چھپانے کے بجائے ظاہر کر دے۔ اسلئے کہ اللہ کے سامنے ابراہیمؑ کا دنیا کی ایک بڑی بھاری اور عظیم قدرتوں والی امت بن جانا آ گیا۔ اور مستقبل کا یہ علم اُبھر آیا کہ وہ بہت ہی جلد اپنے بیٹوں اور تمام خاندان کو اپنے بعد کے لئے یہ تاکیدی وصیت کرے گا کہ وہ سب کے سب دین خداوندی کے محافظ رہیں گے۔ اور جو اقدام کرینگے وہ محض نیکی اور فلاح پر مبنی ہوگا۔ اور خالص عدل کو برقرار رکھیں گے تا کہ ابراہیمؑ کے

ساتھ جو وعدے اللہ نے کئے ہیں وہ سب اُنکے حق میں پورے کر دئے جائیں۔''

فقال الرّب أ اُکتُم عن ابراھیم ما انا صانعه؟ و ابراھیم سیکون اُمَّةً کبیرة مقتدرة و یتبارک به جمیع اُمم الارض۔وقد علمت اَنَّهُ سیوصی بَنِیْهِ وَ اَھْلَهُ مِنْ بعده بِاَنَّ یَحْفَظُوْا طَرِیْقَ الرّبِّ لِیعملوا بِالْبِرِّ و العدل حتّٰی ینجز الرب لِا برٰھیم ما وعده به (کتاب تکوین فصل 18۔ آیت 19-17)

توریت کا یہ بیان قطعاً واضح ثبوت ہے کہ نسل ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے مسلسل دنیا پر حکومت الٰہیہ قائم رکھی اور تعلیمات خداوندی کو نافذ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچے۔ تحفظ اسلام کی انتہائی اور آخری جدوجہد ہی کا نام حسینؑ ہے۔ یہی حسینؑ ہے جس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا عظیم الشان فدیہ بن کر اُن کی جان اس لئے بچائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ گیر نبوت و رسالت کے لئے اڑھائی ہزار سالہ تمہیدی نبوتیں اور رسالتیں، خلافتیں، حکومتیں، بادشاہتیں اور امامتیں قائم ہو کر ارتقائی ترقیاں کر کے دین اسلام کو اس منزل میں لاسکیں جہاں سے نبوت محمدیؐ کا الف شروع ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ حسینؑ کے صدقہ میں ہوا۔ اُن کے بھروسے پر ہوسکا۔ ورنہ نہ اسماعیلؑ ہوتے نہ اسحٰاق کی ضرورت رہتی۔ نہ نبوت رہتی نہ رسالت کا نام ونشان بچتا۔ نہ امامت کی باری آتی۔ الغرض نہ اسلام ہوتا، نہ توریت وزبور وانجیل ہوتی، نہ قرآن ہوتا نہ احادیث ہوتیں۔ وہ لوگ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے اور بلا تکلف کہا تھا اور آج آپ کی بھی سمجھ میں آ کر جم جائے گا کہ حسینؑ مجھ سے پیدا ہوا ہے۔ یعنی یہ کوئی انوکھی اور قابل تعجب بات نہیں۔ مگر میں حسینؑ سے پیدا ہوا ہوں۔ یہ بات وہی ہے کہ نہ حسینؑ ذبح عظیم بنتے، نہ اسماعیلؑ بچتے، نہ رسولؐ اللہ ہوتے، نہ عبدؑ اللہ ہوتے، نہ علیؑ ہوتے، نہ ابی طالبؑ۔ یہ ہے وہ ذات والاصفات کہ جس پر انبیاؑ اور آئمہؑ اور تمام نوع انسان جتنا فخر کرے اتنا ہی کم ہے۔

1۔ حُسَیْنٌ مِنّی وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنؑ 2۔ بنائے لا اللہ ہست حسینؑ 3۔ پس بنائے لا اللہ گردیدہ است

(iii)۔ قرآن کریم، اولادِ ابراہیمؑ اور اُن کے اسلامی عمل درآمد کو ابراہیمؑ ہی کا مجسمہ کہتا ہے

اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیْفًا وَلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَo شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ اِجْتَبٰهُ وَھَدٰهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَo ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَo (سورۃ النحل ۔ 123-16/120) چنانچہ فرمایا گیا کہ:۔

درحقیقت ابراہیمؑ ایک ایسی اُمت کا بانی ہے جو اپنے آپ کو اللہ کی سپردگی میں رکھتی چلی گئی۔ اور ہر قسم کی لگاوٹوں اور ملاوٹوں سے پاک رہی۔ اور کبھی نظام اشتراک سے ملوث نہیں ہوئی۔ اور اُن تمام نعمتوں کا شکر بجالاتی رہی جو اُسے دی جاتی رہیں۔ چنانچہ ہم نے اُسے مجتبیٰ بنایا اور مقام علوی کی طرف جانے اور برقرار رہنے والے راستے پر چلایا اور صدیوں کی اس مسافت میں اسے دنیا میں تمام حسنات عطا کیں اور وہ آخرۃ میں بھی صالحین کے گروہ میں رہے گی۔ جب تمہارا نمبر آیا تو ہم نے تمہیں یہ وحی کی کہ تم ابراہیمؑ کی اِسی ملت واُمت کی پیروی میں اُسی بےلوث دین کی تنفیذ کو اپنے مقام سے آگے بڑھاؤ۔ یہ سمجھ لو کہ جو ابراہیمیؑ ملت صراط مستقیمؑ پر چلتے چلتے تم تک پہنچی ہے اس میں نہ کسی قسم کی ملاوٹ ہے اور نہ ابلیسی شرکت ہے۔

قارئین سوچیں کہ کیا توریت اور قرآن بالکل ایک ہی نظام پیش نہیں کرتے۔ کتنے واضح الفاظ ہیں وہاں امۃً کبیر ۃ مقتد ر ۃ فرمایا گیا، یہاں اُمّۃً.... قَانِتًا حَنِیْفًا کہا گیا۔ وہاں بار بار لفظ عہد آیا تو قرآن نے بھی اسی عہد کو دہرایا اور تصدیق کی۔ وہاں محض اللہ کو اپنا الله اور معبود سمجھنا اس امت کی شناخت بتائی، یہاں حنیفاً کہہ کر شرک کی نفی کر کے واضح کیا گیا۔ اور اگر ہم طوالت سے لاپرواہ ہو کر کہیں احادیث اہل بیتؑ بھی توریت وقرآن کے ساتھ شامل کر دیں تو حضرات ابراہیمؑ و محمدؐ اور اسماعیلؑ و حسینؑ (صلوٰۃ اللہ علیھم) میں فرق ہی کوئی نہ رہے۔ اور یہ ڈھائی تین ہزار سال کا مادی فاصلہ یکسر ختم ہو جائے۔ لہٰذا سنو اور نوٹ کر لو! جہاں ابراہیمؑ کا ذکر ہو وہ محمدؐ ہی کا تذکرہ ہے اور جہاں اسماعیلؑ کی بات ہو وہ امام حسین علیہ السلام ہی کی بات ہے۔ اسی لئے اور اسی بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہر نماز میں ابراہیمؑ و آل ابراہیمؑ اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجنا لازم کیا گیا ہے۔ اور درود کے بغیر کوئی نماز ہو یا عبادت قابل قبول نہیں ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ جن خبیث لوگوں نے خاندان رسولؐ میں داخل ہو جانے کے لئے نسب کو بدلا اور اپنے ماں باپ کے منہ کو کالا کیا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ نماز میں درود پڑھنا ایک سازش کے ماتحت شروع ہوا تھا۔ وہ مردود لوگ نماز میں درود کو شرک قرار دیتے ہیں۔ اُن کی ایک پرانی کوشش یہ بھی تھی کہ خود ساختہ ڈکشنری کو سر پر رکھ کر اور اُس کی دُہائی دے کر یہ کہیں کہ ساری اُمت آل محمدؐ ہے (**لعنة اللّٰـه علـى الكـاذبين والـمـحـر فين الغاصبين**)۔ حالانکہ قرآن نے اُن تمام لوگوں کو جو محمدؐ و آل محمدؐ سے الگ ہیں یہ حکم دیا ہے کہ اَے وہ لوگو جو پہلے سے مومن نہ تھے اور اب ایمان لائے ہو، محمدؐ پر صلوات بھیجو اور اُسے اس طرح سلام کرتے رہو جو دل سے سپردگی و محبت کے ساتھ ہو۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo (سورۃ الاحزاب۔ 33/56)

بتایئے! اگر جن کو حکم دیا گیا ہے وہ سب آل محمدؐ ہیں تو کس پر صلوٰت وسلام بھیجا جائے گا۔ پھر اللہ نے تو اپنا اور اپنے فرشتوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ وہ دونوں اس نبیؐ پر برابر درود وسلام بھیجتے چلے آرہے ہیں (احزاب۔ 33/56) اور اگر اس حکم کی وجہ معلوم کرنا ہو تو 33/55 سے پہلے والی اور 33/56 کے بعد والی آیات پڑھ لیں۔ جہاں اُسی نا ہنجار گروہ کا ذکر اور اُن کے ناپاک ارادوں اور کوششوں کی تفصیل دی ہے جو محمدؐ و آل محمدؐ میں مخلوط ہو جانا چاہتے تھے۔ اور حضرت اسماعیلؑ سے لے کر نزول قرآن تک کوشاں رہے تھے۔ جنہوں نے نابتؑ بن اسماعیلؑ کے نبطی خاندان کو مجہول النسب اور غیر ملکی خاندان بنانے میں ساری تاریخ کو بدلا تھا۔ اور پھر اسی کوشش میں سارا اسلام اور قرآن بدل دیا تھا۔ ہم اُن کا ذکر بھی کرنے والے ہیں۔ یہاں ایک بات اور سُن لیں کہ شیعہ وسنی دونوں ماشاءاللہ نماز میں رسولؐ اللہ اور اُن کی آل پر درود تو پڑھتے ہیں۔ یعنی وہ ''صلّو'' کی تعمیل تو کرتے ہیں۔ مگر دونوں فرقے ''سَلِّمُوْا تَسْلِیْما'' پر آدھا عمل کرتے ہیں۔ یعنی نماز کے سلام سے آل محمد صلوٰۃ اللہ علیھم کو باہر نکال کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ روایت سینہ تان کر بیان کرتے ہیں کہ حسین علیہ السلام کی وجہ سے نماز کو روک کر سجدہ کو طول دیا گیا تھا۔ تا کہ حسینؑ کی خوشنودی حاصل ہو۔ مگر ماشاءاللہ ہمارے زمانہ میں ہماری وضاحتوں سے شیعہ اور سنیوں میں اُن لوگوں کی تعداد روزانہ بڑھ رہی ہے جو سلام میں قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وابـائه و امھاته کو شامل کرتے اور نماز سے حقیقی استعانت حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ اور شیعوں میں اُن لوگوں کی تعداد روز افزوں اور بڑے جوش سے بڑھ رہی ہے جو تشھد میں شہادت ثالثہ کا بھی اعلان کرتے ہیں۔ یعنی سازش تو وہ تھی جس نے نماز کو بدلا تھا اور محمدؐ و آل محمدؐ کو نماز ہی سے نہیں بلکہ اسلام سے نکال

دیا تھا۔اُن کوشامل کرنا تو منشائے قرآن وتعلیماتِ خداوندی ہے۔

(iv)۔ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد نبطیوں کے سوا کوئی اور خاندان مستقلاً بادشاہ نہ رہا

جیسا کہ قارئین کرام دیکھ چکے ہیں کہ جناب نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد مسلسل آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک بادشاہت کرتی رہی ہے۔اور اس بادشاہت نے ملکی وغیر ملکی تمام حکومتوں کو زیرنگر اور لرزہ براندام رکھا اور غیر ملکی وغیر مسلم مؤرخین اور حکومتیں اپنی تواریخ میں اُن کی شجاعت واستقلال و بلند ہمتی کے واقعات لکھتی رہی ہیں۔اس کی مثال کسی اورنسل میں نہیں ملتی۔کسی کی سو سال حکومت رہی،کسی کے دوتین بادشاہ گزرے،کسی کو چند سال کے لئے اقتدار ملا اور پھر غلام بنا لئے گئے۔خصوصاً اولادِ اسحاقؑ یا بنی اسرائیل میں چند بادشاہ قابل ذکر ہیں۔ورنہ اُن کی ذلت ورسوائی،غلامی اور بے دینی سے توریت وقرآن دونوں بھرے پڑے ہیں۔ہم لکھ چکے ہیں اور توریت گواہ ہے کہ حضرت عیسوؑ جناب یعقوبؑ کے بڑے بھائی اور دیگر خاندان حضرت اسماعیل اور نابت علیہما السلام کی پناہ میں آکر آباد ہوئے اور کبھی واپس نہ گئے۔نبطی خاندان چونکہ مسلسل حکومت کرتا رہا اس لئے اِدھر سے اُدھر جانا تو دین ودنیا دونوں میں گھاٹے کا سودا ہوتا۔اس صورتِ حال کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ نے جناب ابراہیم علیہ السلام سے جتنے معاہدے کئے اور جس قدر وعدے کئے وہ سب نابتؑ بن اسماعیلؑ کے لئے تھے۔اور دوسری شاخ یعنی حضرت اسحاقؑ کی اُس اولاد پر بھی صادق آئے جو مرکزی خاندان یعنی نبطیوں کے ماتحت اور اسلام پر برقرار رہے۔یعنی بنی اسرائیل میں جو بھی قابل پسندیدگی حکومت قائم ہوئی،اس میں بھی اسماعیلی خاندان کا ہاتھ تھا۔اُن کی توجہ اور وسیلہ ومہربانی تھی۔اسماعیلؑ کا نبطی خاندان صاحب تاج ومعراج تھا۔اس لئے کہ خدا نے فرما دیا تھا کہ:۔

''وہ ساری دنیا میں ستاروں کی طرح چمکیں گے۔ساری دُنیا پر چھا جائیں گے۔''

(v)۔ حضرت اسماعیلؑ کا خاندان توریت میں بھی اللہ کا پسندیدہ خاندان ہے

جس طرح ہمارے یہاں نظام اجتہاد کے مشرک منصوبے نے قرآن کے تبدیل کرنے کی درخواست کی اور رسولؐ نے اللہ کے حکم سے انہیں مایوس کر دیا۔اور سارا قرآن ایک دم دینے سے بھی انکار کر دیا۔اور تلاوت بھی اس انداز سے شروع کی کہ جو پڑھ دیں وہ ساتھ ساتھ حفظ کرلیا اور لکھ لیا جائے۔اور قرآن کے الفاظ اور متن میں داخلی تحریف نہ ہو سکے۔جیسا کہ سابقہ کتابوں میں زمانہ کے مجتہدین ومشرکین کرتے رہے تو اُن لوگوں نے معنوی تحریف کر کے قرآن کریم کا حال توریت سے بھی بدتر کر دیا۔مگر اللہ ورسولؐ کے انتظام نے قرآن کے الفاظ اور متن بجنسہٖ پہنچا دیا۔جس سے توریت کی داخلی تحریف بے کار ہو کر رہ گئی۔یہ سب کچھ ہم نے اس لئے لکھا ہے کہ توریت کے محرفین نے حضرت ھاجرہؑ کو کنیز بنانے اور حضرت اسماعیلؑ کو ورثہ ابراہیمؑ سے محروم قرار دینے کی کوشش کی تھی۔لیکن قرآن نے انہیں ناکام کر دیا۔اگر قرآن نہ آیا ہوتا تو توریت پڑھنے والے کیسے سمجھتے کہ اللہ نے اسحاقؑ کو نہیں بلکہ اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا حکم دیا تھا۔محرفین کی کوشش کے بعد بھی اس عبارت میں ایک لفظ رہ گیا جس نے سارا بھانڈہ پھوڑ دیا۔یعنی اللہ نے ابراہیمؑ سے پہلوٹے بیٹے کی قربانی مانگی تھی۔یعنی جب قربانی کا حکم ملا تو اُس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کے یہاں دوسرا بیٹا تھا ہی نہیں یعنی حضرت اسحاق کی

پیدائش سے کہیں پہلے کا واقعہ ہے۔ چنانچہ توریت سے سُنئے اور ایمان تازہ کیجئے ساتھ ہی نابتی حکومت کی عظمت نوٹ کیجئے:۔

''اور خداوند کے فرشتے نے دوسری دفعہ آسمان پر سے ابراہیمؑ کو پکارا اور کہا کہ خداوند یوں فرماتا ہے۔ اس لئے کہ تو نے یہ امر کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو دریغ نہ رکھا۔ میں اپنی ذات کی قسم کھاتا ہوں کہ میں تجھے برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے ستاروں اور سمندر کے ساحل کی ریت کی مانند بناؤں گا۔ تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازوں پر قابض ہوگی۔ روئے زمین کی کل اقوام تیری نسل میں برکت پائیں گی۔ کیونکہ تو نے میرا کہا مانا۔'' (کتاب تکوین فصل 22۔ آیت 19-15)

(vi)۔ توریت نے قیامت تک نابت بن اسماعیلؑ کی اولاد کا ذکر کیا ہے

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ آسمان کے ستارے اور ریت کے ذرّات یقیناً ناقابل شمار ہیں۔ اور اُنکی جو بھی تعداد اللہ کے علم میں ہے اُس تعداد تک جناب نابت علیہ السلام کی اولاد کا پہنچنا یا جناب اسماعیل علیہ السلام کی ساری اولاد کی اولاد کا اُس تعداد پر پورا اترنا ابھی تک ہرگز وقوع میں نہیں آیا۔ مگر یہ خدائی اعلان اپنے الفاظ کی ظاہری معنی میں پورا ہوکر رہنا لازم ہے۔ اُدھر سورہ کوثر نے پیشگوئی کو اولادِ رسول میں تبدیل کردیا یہ اور بھی مشکل صورت حال ہے۔ لہٰذا یہ بات تو بلا شک وشبہ یقینی ہے کہ مجتہدین کے وہ افسانے غلط ہیں کہ چودھویں صدی ختم ہوتے ہی قیامت آجائے گی۔ لہٰذا دنیا کا خاتمہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک توریت کی یہ پیشگوئی اور معصومین کی وہ تمام پیشگوئیاں پوری نہ ہوجائیں جو قائم آل محمدؐ بن حسن عسکری علیہما السلام کے متعلق ہیں۔ اور ساری دنیا کی اقوام کا آل اسماعیلؑ سے برکت لینا بھی ظہور حضرت حجۃ علیہ السلام کے دور حکومت کی بات ہے۔ البتہ پیشگوئی کے باقی اجزاء پورے ہوچکے اور وہ صرف انباط کے ہاتھوں اور نبطی حکومت کے ذریعہ سے پورے ہوئے ہیں۔

6۔ خانوادۂ حسین علیہ السلام کے نبطی سلسلہ کا قرآن سے تعارف، اُمتِ مُسلمہ

اس عنوان میں ہم وہ ریکارڈ پیش کرینگے جو قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ تک مرتب کیا ہے۔ اور یہ کہ حضرت ابراہیمؑ سے آنحضرتؐ تک برابر بلا انقطاع ایک خدا کی پسندیدہ ایک مسلم اُمت برابر جاری رہی ہے جس میں آنحضرتؐ پیدا ہوئے تھے۔ یعنی دشمنان قرآن نے یہ اتہام قرآن کے واضح بیان کے سراسر خلاف لگایا ہے کہ آنحضرتؐ کے والدین اور بزرگ (معاذ اللہ) کافر تھے۔ یہی وہ گروہ تھا جس نے نبطیوں کو قیداری بنانے اور خود اسماعیلی بن جانے کی کوشش جاری رکھی۔ جس نے نزول قرآن کے دوران قرآن کے خلاف قرآن کے نام پر مفاہیم پھیلائے یعنی معنوی تحریف کی تھی۔ یہی وہ سیاسی مدبرین تھے جنہوں نے واقعات کربلا کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کو اس قابل بنایا کہ وہ حسینؑ کو باغی کہہ کر اُنکے مقابلہ میں آئیں اور وہ کچھ کر گزریں جسے دنیا جانتی ہے۔ اور ہم اُسی حادثہ کے عوامل ومعانی بیان کررہے ہیں اور اُسی قربانی سے گرد وغبار صاف کررہے ہیں۔

(i)۔ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ وھاجرہؑ کی مکہ میں آمد۔ دُعا اور رُخصت

آپ نے توریت کی آیت کا وہ جملہ پڑھا تھا جہاں اللہ نے کہا کہ کیا وہ سب کچھ جو ابراہیمؑ پر گزرنا ہے اسے بتادوں یا اُس سے

پوشیدہ رکھوں؟ (فقال الرّبُّ ءَ اَکتم عن ابراهیم مَا اَنَاصانعه) یہاں جو کچھ اللہ نے ظاہر کرنا ابراہیمؑ کے لئے نا قابل برداشت سمجھا تھا وہ توریت میں کہیں نہیں ہے۔ مگر قرآن نے اُس کو ذبح عظیم کے الفاظ سے ظاہر کیا ہے۔ ہم وہیں سے بات شروع کریں گے۔ اس لئے کہ یہ تو سب مانتے ہیں اور توریت وقرآن میں تفصیل موجود ہے کہ اللہ نے ضعیفی کی عمر میں انہیں شاہزادی مصر کے ذریعہ سے ایک بیٹا عطا کیا اور اللہ کے حکم سے اُن کا نام اسماعیلؑ رکھا گیا۔ یہ بھی مسلّمات میں سے ہے کہ بحکم خداوندی حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی والدہ سلام اللہ علیھما کو جناب ابراہیمؑ مکہ کے قرب وجوار میں پہنچا گئے تھے۔ جانے سے پہلے وہ تصورات قابل فہم ہیں جو اِدھر جناب ہاجرہ کے قلب و ذہن کو بر مار ہے تھے۔ اُدھر ابراہیمؑ کے سامنے یکے بعد دیگرے گزر رہے تھے۔ اُس غریب نازوں کی پالی شہزادی کو کیا معلوم کہ اللہ نے ایک عظیم الشان بادشاہ سے اپنی بیٹی کا نام ھاجرہؑ کیوں رکھوایا تھا؟ اُسے کیا خبر تھی کہ وہ ایک عظیم المرتبہ مہاجر کی مقدس زوجہ بنے گی۔ جس نے اپنے وطن بابل سے رخصت ہوتے ہوئے فرمایا تھا کہ اَے میری پیدائش وبچپن و جوانی دیکھنے والے وطن اور اَے وہ سرزمین جہاں مجھے آگ میں پھینک دیا گیا تھا اور اَے وہ لوگو جنہوں نے آگ کو گلزار دیکھا تھا۔ مجھے رخصت کرو کہ میں اپنے پالنے والے کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ (اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ العنکبوت 29/26)۔ یعنی روز ازل سے جناب ھاجرہؑ کا سنجوگ ایک مہاجرؑ کے ساتھ مقرر تھا۔

بہر حال آخر اُسے بھی ہجرت کرنا پڑی۔ مگر اب بھی وہ یہ تو نہیں جانتیں کہ اُن کی یہ ہجرت یہاں ختم ہونے والی نہیں تھی۔ اُنہیں نہیں معلوم تھا کہ وہ ایسی نسل کی ماں ہیں جس میں قدم قدم پر ہجرتیں ہوں گی۔ کوئی مہاجرؐ جا کر دین و دنیا کی حکومت قائم کرے گا اور بڑے تزک واحتشام سے واپس آئے گا۔ اور اُن ظالم دشمنوں کو یہ کہہ کر معاف کر دے گا کہ جاؤ تم آزاد ہو، آج تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔ حضرت ھاجرہؑ کو کیا پتہ کہ آپؑ ہی لوگوں کی وجہ سے آپؑ کی نسل کا ایک خاندان (مدینہ سے) ہجرت کرے گا۔ کئی بھرے گھر خالی ہو جائیں گے۔ کئی گھروں کے چراغ اس طرح بجھیں گے کہ پھر کبھی نہ جلیں گے۔ انہیں روشن کرنے والے واقعی ہمیشہ کے لئے اور حقیقتاً اللہ کی طرف ہجرت کر جائیں گے۔ یہی وہ حضرات ہوں گے جو ھاجرہؑ کو دی ہوئی خوشخبری کو اپنے خون سے مکمل کر کے پوری کریں گے۔ انہیں اپنے شوہر کی جدائی اور جنگل بیابان میں چھوڑ دئے جانے کا ذرہ برابر رنج نہ ہوتا، انہیں وہ شام اور وہ رات جو حضرت ابراہیمؑ کے واپس چلے جانے کے بعد آئی، بالکل گراں نہ گزرتی، ایک آنسو بھی نہ ٹپکتا اگر انہیں وہ شام غریباں معلوم ہوتی جو اُن کے مہاجر بچوں نے ایسے ریگستان میں گزاری تھی جہاں سامنے اُن کے بزرگوں اور جوانوں کی لاشیں پڑی تھیں جو انہیں اپنے سینے پر سلایا کرتے تھے، اُن کی ضد پوری کیا کرتے تھے۔ اُنہیں کیا خبر تھی کہ تین چار روز سے نہ اُن کے خیموں میں پانی تھا، نہ کھانے کا نام ونشان تھا۔ جن کی شام اُس وقت آئی جب خاندان کے سب بزرگ، سب نوجوان اور تمام انصار و مددگار و شیر خوار تک اللہ کی راہ میں قربان کر کے ذبح عظیم مکمل کر دی گئی۔ ھاجرہؑ کو کون بتائے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ تمہارے اسی بچہ اسماعیلؑ کے عیوض میں تو اُن میں کا ہر فرد کافی تھا۔ یہ لاشوں سے میدان کو کیوں پاٹ دیا؟ یہ ہر سن وسال کے معصوم وغیر معصوم کیوں قربان کر دئے گئے۔ کیوں اس قربانی میں اپنے اور پرائے، آزاد و غلام مسافر و مقیم، قاصد و مقصود، ملکی وغیر ملکی سب کو حصہ دیا گیا؟ شہزادی!! آپ کے ساتھ تو ایک بچہ ہے۔ ذرا اُدھر دیکھئے کتنی شہزادیاں رات کے اندھیرے میں کتنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بہلانے میں مصروف ہیں۔ کوئی خاتون جنگل میں کسی بچی کو تلاش کرتی اور سکینہؑ ہائے سکینہ

پکارتی ہوئی دوڑتی پھرتی ہے۔اُن میں ایران کی شہزادیاں بھی ہیں،حبش کی شہزادی بھی ہے۔تم اتنی سی بات سے گھبرائی ہو کہ تم اور تمہارا بچہ جنگل میں تنہا رہ جاؤ گے۔لیکن تمہیں تو اللہ نے یہ بتا دیا ہے کہ اسمٰعیلؑ کی شادی ہوگی، تم سہرا باندھو گی، اُن کے بارہ بیٹے اور ایک بیٹی زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کے لئے پیدا ہوں گے، آپ سب کی خوشیاں دیکھو گی۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ اپنے وعدوں کے پورا کرنے کا خود ذمہ دار ہے۔وہ اس جنگل میں چہل پہل کردے گا، وہ اور اس کا انتظام تمہارے ساتھ ہیں۔تمہارا شوہر نہ صرف خود نبیؑ و رسولؑ و امامؑ ہے، خدا کا پسندیدہ ہے، بشیر و نذیر و مستجاب الدعوات ہے۔بلکہ اُن کے اور تمہارے ساتھ رحمۃً للعالمین ہے، یداللہ ہے، اللہ کی بولتی ہوئی زبان ہے۔تم سنبھلو، اللہ کے احکام پورے ہونے کا موقعہ دو۔ایسا نہ ہو کہ تمہارا شوہر تمہاری نسوانی بےبسی کو غور سے دیکھ کر اپنے ارادوں میں کمزوری محسوس کرے اور معیاری پوزیشن سے نیچے اتر آئے۔اُن کا دل خود بھر بھر کر آ رہا ہے۔وہ نبوت و امامت اور خود تمہاری ہمت و بصیرت اور اطاعت کے سہاروں سے یہ دردناک مہم انجام دے رہے ہیں۔تم دل تھوڑا کرو گی تو نہ صرف حضرت ابراہیمؑ کمزوری و ناتوانی محسوس کریں گے بلکہ خود اللہ کی رحمت تمہاری رضامندی کے لئے التوا کے احکام نافذ کردے گی۔وہ دیکھو! ملائکہ اور ابلیس اور اس کا نظام اس امتحان پر انگشت بدندان ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن میں سے کوئی حضرت ابراہیمؑ پر جمی ہوئی نظر ہٹا کر تمہیں دیکھ لے۔سنو ذرا غور سے سنو! تمہارے شوہر کی آواز ڈگمگا رہی ہے۔غالباً شدتِ فطرتِ انسانی اپنی انتہا تک جا پہنچی ہے۔وہ شدتِ غم میں اس بات سے بے نیاز ہو چکے ہیں کہ اُن کی آواز کوئی دردبھرا دل نہ سن لے یا یہ کہ تمہیں سنانا چاہتے ہیں کہ خدا سے کیا کہہ رہے ہیں اور یہ کہ وہ تمہارا اور بچہ کا کیا انتظام چاہتے ہیں۔انہیں سارہ کا نہیں آپ کا خیال ہے۔اُن کی جسمانی روح اور روح نبوت و رسالت و امامت تمہارے چاروں طرف منڈلاتی رہے گی۔وہ تو تمہارا مرتبہ بڑھانے، تمہارے امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے برائے نام واپس جائیں گے۔سنو! آواز سنبھل چکی ہے سننے کے قابل ہوگئی ہے۔وہ فرما رہے ہیں کہ ''اے میرے اللہ اس صورت حال کی نظارہ کشی مجھے بےچین و کمزور کردے گی تو سب کچھ دیکھ رہا ہے۔مجھے معلوم ہے کہ تو نے میرے ہی سلسلے کو مخاطب کر کے یہ فرمایا ہے کہ:۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ o وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ o وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ o وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ o رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ o رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ o رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ o اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ o رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ o رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ o (سورہ ابراہیمؑ 14/32-41)

اللہ تو وہ ہستی ہے۔جس نے یہ زمین و آسمان پیدا کئے اور پھر دنیا میں بارشیں برسائیں جن سے نباتات وحیوانات و پھل پھول اور کھیتیاں پیدا ہوئیں۔اور تمام مخلوق کیلئے رزق وسامان بقا فراہم کردیا۔لہٰذا تیرے اس انتظام اور ربوبیت کا واسطہ

دے کر تیرا بندہ ابراہیمؑ تجھ سے یہ التجا کرتا ہے کہ اَے پروردگار میرے اس دیہات کو میرے بچے اور بے کس شریک حیات کیلئے اور جو اُنکو اپنا سمجھیں اُن کیلئے بھی ایک محفوظ و مامون اور ایمان لانے کی جگہ بنا دے اور مجھے اور اس بیٹے اور اُسکے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے مخالف جانب رکھتا چلا جا۔اَے پالنے والے تو جانتا ہی ہے کہ صنم پرستی ہی نے انسانوں کی کثرت کو گمراہ رکھا ہے۔ چنانچہ جو بھی بتوں کی مخالفت میں میری پیروی کرے وہی میرے ساتھ شمار ہو۔اور جو میری نافرمانی کرے تو تیری مغفرت و رحمت جانے۔اَے ہم تینوں کے پالنے والے میں نے اپنی ذریت میں سے ایک حصہ کو اُس ناقابل کاشت وادی میں سکونت کیلئے یکّہ وتنہا اور بے سہارا چھوڑ نا ہے جو تیرے محترم گھر کے پاس ہے تاکہ وہ تیرے اس گھر سے قیام صلاۃ جاری کریں۔اَے ہم تینوں کے پروردگار تو ایسا انتظام کر کہ لوگوں کے دل اور میلانات اِن دونوں کی تائید کیلئے اُن کی طرف جھکتے چلے جائیں۔اور اِن دونوں کو شکرادا کرنے کا موقعہ دینے کیلئے اُنہیں رزق عطا کر اور پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا بندوبست کر دے۔اَے ہم تینوں کے پرورش کرنے والے تو بلاشبہ اُس حالت سے واقف ہے جو میں اپنی دُعا کے پیچھے چھپائے ہوئے ہوں اور جو کچھ بلند آواز سے عرض کر رہا ہوں۔لہٰذا ہماری اس پوشیدہ حالت کو اس دُعا کے مطابق مسرت انگیز کر کے دکھا دے۔میں جانتا ہوں کہ میرے اللہ سے دل تو دل ہیں، زمین اور آسمانوں کی وسعتوں میں بھی کوئی صورت حال پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔میری تمام ستائش اور حمد وثنا اس اللہ پر قربان ہو جائے جس نے مجھے ضعیفی اور ناتوانی کی حالت میں اپنی قدرت سے اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ دو بیٹے ھبہ کر دئے۔وہی میرا پالنے والا یقیناً میری اس دعا کو بھی سنے گا اور کما حقہ پورا کرے گا۔آخر میں پھر درخواست ہے کہ مجھے اور میری ذریت کو قیام صلوٰۃ کا نمونہ بنا دے۔اَے ہمارے پروردگار اس دعا کو ہمارے لئے قبول فرمالے۔اور اَے پیدا کر کے پالنے والے اور تربیت دے کر منتہائے کمال تک پہنچانے والے، مجھے مع میری آئندہ نسل کے اور میرے ماں باپ اور میرے ابا واجداد کے اور ہم پر ایمان لانے والوں کے اُس روز کے لئے مغفرت عطا فرما دے جس دن تمام مخلوقات کو حساب کیلئے کھڑا کیا جائے گا۔'' (آمین)

یہ دُعا سنتے ہی آمین آمین کہتے ہوئے ھاجرہ علیھا السلام جتنا روئیں، وہ نہ بے صبری کا اظہار ہوگا، نہ دعا کی آڑ میں فطری کمزوری ظاہر ہوگی۔ چنانچہ اُس سرزمین پر یہ پہلا رونا تھا جو خانوادۂ حسینؑ بلند آواز سے رویا۔آنسوؤں کے ساتھ تمام خوف وہراس ورنج والم بہہ گیا۔ تینوں نے مسکراتے ہوئے چہروں اور بھیگی ہوئی پلکوں سے ایک دوسرے کو رخصت کیا۔ مجھے رخصت کی رسومات اُسی قدر معلوم ہیں جس قدر اپنے ماحول سے سیکھی ہیں۔ ہمارے یہاں تو یوں ہوتا ہے کہ دانشمند بیٹا کسی بہانے سے والدین کو تنہائی کا موقعہ دینے کے لئے اجازت مانگتا ''میں ذرا فطری ضرورت رفع کرنے جا رہا ہوں۔'' ہم اپنی اولاد کے تیوروں سے اصل حقیقت بھانپ کر دل میں خوش ہو کر دُعا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''بیٹے جلدی آ جانا مجھے رخصت ہونا ہے۔'' ہمارے یہاں تعلیماتِ خداوندی سے مالا مال حیادار عصمت مآب خواتین ایسے دل خراش حال میں چپ سادھ لیا کرتی ہیں۔آنکھ ملاتے ہوئے ڈرتی ہیں کہ بے صبری اُن کے سرتاج کی ہمت پر اثر انداز نہ ہو۔شرم وحیا کی یہ تصویریں بولتی نہیں ہیں۔ سرتاج نے دونوں طرف سے بات کرنا ہوتی ہے۔گھبرانا نہیں، میں جلد آؤں گا،قسم

کھاؤ، ہمارے سر پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ میں تنہائیوں میں رویا نہ کروں گی، دیکھو بچہ کا دل دکھے گا، اُسے ہمت دلانا، دُنیا کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا اب تم ہی نے سکھانا ہے۔ خود ہی بے قرار ہوگی تو وہ بھی ہمت ہار دے گا۔ اس قسم کی باتیں اور بھی بے تاب کر دیا کرتی ہیں۔ آرزو صاحب کا ایک شعر سن کر اس عنوان سے رخصت ہو جایئے فرمایا تھا کہ:۔

جاتے ہو تم اگر تو جاؤ دل بہل ہی جائے گا　　　دو گے اگر تسلیاں پھر نہ قرار آئے گا

(ii)۔ کعبہ کو مرکز بنانا؛ تطہیر کعبہ؛ تعمیرات کے دوران اُمتِ مسلمہ کا اعلان ورسالت

اختصار کی غرض سے تاریخ وحدیث کی تفصیلات کو ترک کر کے ہم صرف قرآن کریم سے بات کر رہے ہیں تا کہ کسی مکتبِ فکر کو مجالِ انکار نہ رہے اور حضرت اسماعیلؑ اور اُن کے جانشین فرزندِ بزرگ جنابِ نابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کے مُسلم شجرے کے ساتھ ساتھ یہ واضح ہو جائے کہ توریت میں مذکور معاہدے اُسی خانوادے سے متعلق تھے جس میں حسنین وفاطمہ، علی اور محمد سلام اللہ علیہم نے پیدا ہونا تھا۔ چنانچہ خانوادہ حسینؑ کا تاریخی مرکز قائم کرنے کا اعلان اِن الفاظ میں کیا گیا کہ:۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِo وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُo (سورۃ البقرۃ۔126-2/125)

اور جب ہم نے اس بیت نبوت ورسالت کو جائے امن اور مرکز ثواب بنا دیا تو اب تم بھی مقام ابراہیمؑ کو مقام دُعا بنا لو۔ اور ہم نے ایسا کرتے ہوئے ابراہیمؑ واسماعیلؑ سے ایک معاہدہ کیا تھا۔ جس کی ہم پر عائد ہونے والی ذمہ داری کے ساتھ اُن دونوں پر یہ ذمہ داری تھی کہ وہ بیت نبوت ورسالت کی پاکیزگی اس حد پر لے جائیں کہ طواف کرنے اور رکوع وسجود بجالانے اور عبادت کے لئے چلہ کشی کرنے والوں کے معیار پر پوری اُترتی چلی جائے۔ ہماری ذمہ داری کے سلسلہ میں ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ اس پورے دیہات کو جائے امن وایمان بنا دے۔ اور جو لوگ اس دیہات کے باشندے اور متعلقین ہوں اور اللہ اور قیامت پر ایمان بھی رکھتے ہوں تو اُن کو رزق اور دیگر ثمرات عطا فرماتا رہے۔ ہم نے کہا کہ ہم کافر باشندوں کو بھی تھوڑے سے فوائد سے محروم نہ رکھیں گے۔ لیکن پھر انہیں بے بس کر کے بہت بُرے ٹھکانے اور عذاب جہنم سے وابستہ کر دیں گے۔

قارئین نوٹ کریں کہ یہ تذکرہ خانہ نبوتؐ ورسالتؐ کا ہے لوگوں نے یہاں بیت سے یہ سمجھا ہے کہ یہ بیت اللہ کی بات ہو رہی ہے۔ یعنی انہوں نے اس بیت الرسول کی صفات واغراض کو خانہ کعبہ سے ملتا جلتا دیکھ کر مغالطہ کھایا ہے۔ حالانکہ کعبہ کی تعمیر کا تذکرہ اگلی آیات میں کیا جائیگا۔ سوال یہ ہے کہ جو گھر ابھی تعمیر بھی نہیں ہوا اُسکی تطہیر قبل از تعمیر، گھر کی تطہیر نہیں البتہ اُس جگہ یا پلاٹ کی تطہیر ہو سکتی تھی جہاں کعبہ کی تعمیر ہونا تھی۔ مغالطہ کو تقویت اُس آیت سے پہنچتی ہے جو سورہ ابراہیم کی مذکورہ آیات میں گزری ہے۔ جس میں حضرت ابراہیمؑ یہ فرمار ہے ہیں کہ میں تیرے محترم گھر کے پاس اپنی ذریت کو آباد کر رہا ہوں۔ لیکن یہ آیات تو خود یہ بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی زوجہؑ اور بیٹے کو چوڑے میدان میں چھوڑے جا رہے ہیں اور دراصل یہ فرما رہے ہیں کہ اس پتھریلی زمین پر میں اُن کو اُس مقام کے نزدیک چھوڑ رہا ہوں

جہاں سے تیرا گھر بے نام ونشان مگر نزدیک ہے۔ یہ آباد ہو جائینگے تو تیرا گھر اسکے بعد ہم دونوں مل کر تلاش کرینگے اور پھر اس کی تعمیر جدید کریں گے۔ لہٰذا فی الحال اس قطعہ زمین پر نہ تیرا گھر ہے نہ تیرے رسولوں کا مکان ہے۔ رہ گیا خانہ نبوت کا مرکز ثواب ہونا، قابل طواف و رکوع سجود ہونا، یہ کوئی قابل تعجب وتشکک بات نہیں۔ جب ساری زمین پر ہر جگہ رکوع وسجدہ کیا جا سکتا ہے تو بیت نبوت سے اُن ہی لوگوں کو چڑ ہوسکتی ہے جو نبیؐ کو سجدہ کرنا شرک سمجھتے ہوں اور وہ یقیناً ابلیسی گروہ کا عقیدہ ہے۔ پھر نہ کعبہ میں کعبہ کو سجدہ کیا جاتا ہے نہ بیت الرسوؐل میں ایسا ہوگا۔ سجدہ تو خدا کو ہوتا ہے۔ جہاں وہ حکم دے دے ہم ایک لاکھ سجدے کرینگے۔ خواہ یہ حکم نبی کو سجدہ کا ہو یا اس کی درگاہ کو سجدہ کا حکم دیا جائے۔ ہم شیطان والی توحید کے منکر و کافر ہیں۔ ہم سجدہ کے دوران بھی رسوؐل کو مخلوق اور عبدہٗ و رسولہٗ سمجھتے ہیں۔ اور بس نہیں کرتے۔ بلکہ خود کو بندہ اور غلام رسوؐل سمجھتے ہیں۔ اللہ قبول فرمالے تو زہے نصیب کہ ہمہ قسمی گناہ، محمدؐ کا بندہ بن جانے سے معاف کرنے کا وعدہ اللہ نے کیا ہے (39/53)۔ مشرک لوگ سن لیں کہ بندہ ہونے اور بندہ بننے میں بڑا فرق ہے۔ لہٰذا بیت الرسوؐل کی تطہیر کے معنی یہ ہیں کہ اُس میں جو جو افراد اہل بیتِ رسولؐ ہوں، اُن سب کو ہر ظاہری و باطنی نجاست سے محفوظ رکھنے کا انتظام کریں۔ یہ ہر رسوؐل کی ذمہ داری ہے کہ خانوادہ نبوت کو عصمت وطہارت کے اس مقام کی طرف بڑھاتے چلیں کہ اُنکے سینوں میں قرآن کریم پیوست ہو جائے اور آیت تطہیر نازل ہو کر اُن کا تعارف کرائے۔ قارئین اِن آیات میں یہ بات نوٹ کریں کہ اُن لوگوں کی نشاندھی پہلے ہی کر دی گئی تھی جو مکہ میں مخالف گروہ ہوگا۔ اور اُن کو فوائدِ قلیلہ دیئے جانے اور انجام کار جہنم میں پہنچانے اور بے بس کر دینے کا اعلان ہو چکا تھا۔

(iii)۔ تجدید وتعمیر کعبہ اور خانوادۂ محمدؐ وآل محمدؐ کا تسلسل اور اُمت مُسلمہ کا محمدؐ کو جنم دینا

حضرت علی علیہ السلام نے کعبہ کو تمام انبیا علیھم السلام کا مرکز فرمایا ہے اور قرآن کریم نے یہ بتایا ہے کہ:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ o

فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا..... الخ (آل عمران 97-3/96)

''یقیناً ہم نے انسانوں کے لئے سب سے پہلا گھر بکّہ میں قرار دیا تھا۔ اور اُسے تمام عالمین کے لئے برکت وہدایت کا مرکز بنا دیا تھا۔ اور ابراہیم کا مقام واضح آیات اور معجزات کا مقام ہے۔ اور جو اس مرکز میں داخل ہو جائے اُسے امان دی جاتی ہے۔''

لہٰذا تصدیق ہوگئی کہ مکہ میں اُس زمانہ سے یہ گھر موجود تھا۔ جب کہ مکہ کا نام بھی بکّہ تھا۔ اُسی زمانہ سے یہ بیت چلا آرہا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اُس کے نشانات تک مٹ گئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جب دوبارہ تشریف لائے تو اُن بنیادوں کا پتہ لگایا اور اُن ہی پر کعبہ کی تعمیر کی تجدید کی۔ سنئے کہ دورانِ تعمیر دونوں باپ بیٹے اللہ سے کیا کیا دعائیں اور تمنائیں پوری کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ اور کس طرح قیامت تک پھیلنے اور بڑھنے والی اپنی مقدس ذریت کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ سے خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کی دُعا کی ہے قرآن سے سُنئے:۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ o رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ o رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِکَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُo وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ o اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَo وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ۔الخ (سورۃ البقرۃ۔ 132-127)

''اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں بیت اللہ کی بعض بنیادوں کو بلند کر رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے کہ اَے ہمارے پالنے والے ہماری محنتوں، ارادوں اور تمناؤں کو قبول فرمالے۔ تُو ہماری دُعائیں سننے اور دعاؤں کی حقیقت جاننے والا ہے اَے ہمارے پروردگار تُو ہم دونوں کو اپنا پسندیدہ مسلم بنالے۔ اور ہماری ذریت میں سے ایک جماعت کو مستقلاً مسلم اُمت کی حیثیت سے قائم رکھ اور اسی مسلم اُمت میں سے اُس مسلم اُمت کے اندر ایک ایسا رسولؐ مبعوث کرنا جو تیری آیات اس مسلم اُمت پر پڑھا کرے اور اُس مسلم اُمت کا تزکیہ کردے۔ انہیں مکمل تعلیمات کتبہائے الہامی اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور اَے ہمارے پروردگار ہمیں اور اس امت مسلمہ کو ہماری ذمہ داریاں اور داخلی قوانین آنکھوں سے دکھاتے رہنا اور ہماری ہر قدم پر اصلاح کے لئے پلٹ پلٹ کر توجہ دیتے رہنا۔ اس لئے کہ تو رحیم اور سب سے زیادہ پلٹ پلٹ کر اصلاح کے لئے متوجہ رہنے والا ہے اور ہر حال میں زبردست حکیم ہے۔ اور جو کوئی ملت ابراہیمؑ کے خلاف کسی اور طرف رغبت کرے وہ بے وقوف ہی ہوسکتا ہے۔ اور یقیناً ہم نے ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی مصطفیٰ بنایا اور آخرت میں بھی صالحینؑ کے ساتھ رہنے والا ہے۔ جب ہم نے اُس سے صرف اسلام کے اعلان کے لئے کہا تو اُس نے جواب دیا تھا کہ میں تو تمام کائنات کے پالنے والے پر اسلام لایا ہوں اور جب اس تمام اسکیم کے لئے ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ دیکھو تمہیں موت اس حال میں آئے کہ تم ہماری دُعا کے معیار پر مسلم پائے جاؤ یہی وصیت یعقوبؑ نے بھی کی تھی۔''

(iv)۔ دُعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحؑا قرآن کی مندرجہ بالا آیات کا منشا و مُدعا

اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ مندرجہ بالا دعائے ابراہیمؑ پوری ہوئی اور آنحضرتؐ اُن ہی کی دُعا کا نتیجہ ہیں مثلاً کہا گیا کہ:۔

دعائے خلیلؑ و نویدِ مسیحؑا ہوئی پہلوئے آمنہؑ سے ہویدا

مسلمانوں کو اتفاق ہو یا اختلاف ہمارے لئے یہ دونوں باتیں نہ دلیل ہیں نہ سند ہیں۔ سب سے بڑی سند قرآن کریم کو مانا جاتا ہے۔ اور اُس میں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل علیہما السلام کی دُعا سامنے آچکی ہے اُس میں دعا کا پہلا حصہ یہ ہے کہ ہماری ذریت میں ایک مسلم اُمت قائم کر اور اس اُمت مُسلمہ میں سے ایک رسوؐل کو مبعوث کر۔ لہٰذا اگر یہ ماننا لازم ہے کہ محمد مصطفیٰؐ رسولؐ تھے تو اُس سے بھی پہلے یہ ماننا لازم و واجب ہے کہ وہ اُمت مسلمہ میں سے تھے۔ یعنی انہیں جنم دینے اور نبوت تک پہنچانے والے مسلم تھے۔ لہٰذا وہ تمام لوگ جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدینؑ اور ابأؑ واجدادؑ واعزہ کو کافر کہتے ہیں۔ خود کافروں کی اولاد ہیں اور آنحضرتؐ کو (معاذ اللہ) کافروں کی اولاد کہہ کر اپنے کافر بزرگوں کو رسولؐ اللہ کے آباواجداد کے برابر کرنا چاہا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے طرح طرح آنحضرتؐ کے بزرگوں اور عزیز واقربا سب کو واضح الفاظ میں مومنین قرار دیا ہے۔

چنانچہ دوسری جگہ فرمایا کہ:۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

وَ یُزَکِّیۡھِمۡ وَ یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ... .. الخ (آلِ عمران 3/164)

''یقیناً اللہ نے مومنین پر اُس وقت بطورِ منّت احسان کیا تھا۔ جب مومنین میں، مومنین ہی میں سے وہ رسولؐ مبعوث کیا جو اُن مومنین پر اللہ کی آیات پڑھتا ہے۔ اُن مومنین کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں تمام کتبہائے خداوندی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

یہ دونوں مقام ایسے واضح ہیں کہ ان کے بعد کسی شخص کو یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ کافروں میں سے مبعوث ہوئے یا کافروں میں پیدا ہوئے تھے۔ رہ گئے مشرکین و مجتھدینِ عرب وہ جو بھی اتہام لگائیں وہ اس لئے ناقابل شکایت ہے کہ وہ تو دشمنانِ اسلام وقرآن اور خاندانِ رسولؐ ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ خود رسولؐ کے خاندان کے افراد سمجھے جائیں۔ اور پھر خاندانی ہونے کی وجہ سے اُن کی ہر بکواس رسولؐ وخاندان رسولؐ کے لئے قابل اعتبار سمجھی جائے۔ چنانچہ ثابت ہوگیا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس اُمت مُسلمہ کے تسلسل اور بقا کے لئے دعا کی تھی وہ مسلم ملت برابر قائم رہتی چلی آئی اور ملت کے سربراہِ خاندان جناب عبدالمطلبؑ سے نبوت و رسالت و امامت نے جنم لیا اور ساری دنیا کو اپنے نور سے منور کردیا۔

قارئین کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جسکے ماں باپ مسلمان ہوں کیا اُس بچہ کو پیدائشی مسلم نہیں کہتے ہیں؟ کیا آپ نے پیدا ہونے کے بعد کبھی کسی عمر میں کوئی ایسی رسم ادا کی تھی جیسے کسی کافر کو مسلمان کرنے میں کی جاتی ہے؟ اب یہ سوچئے کہ یہ کتنی بڑی سازش اور کتنی ستم ظریفی ہے کہ یہ بحث جاری کی گئی کہ خیر عبداللہ بن عبدالمطلب علیہما السلام تو اسلام سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے۔ مگر ابوطالبؑ تو اعلانِ نبوت کے بعد زندہ تھے۔ وہ ایمان لائے تھے یا نہیں؟ اور اُن علمائے شیعہ کی بے بصیرتی پر رونا چاہیئے جنہوں نے ان بحثوں کو قبول کر کے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان لانے یا ایماندار ہونے پر کاغذ کالے کئے اور مذکورہ آیات میں سے کسی کو نہ لکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بحث میں اعتراض کرنیوالے اور بحث کو قبول کر کے جواب دینے والے دونوں ایک ہی گروہ کے علما تھے۔ محض لیبل مختلف لگا رکھے تھے۔

7۔ مخزنِؑ و معدنِؑ نبوتؑ ورسالتؑ اور امامتؑ یعنی خانوادۂ حسین علیہ السلام

احادیث وتواریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بیان موجود ہے کہ میرا نور، اصلاب طاہرہ و پاکیزہ سے ارحام طیّبہ و مطہرہ میں منتقل ہوتے ہوتے عبداللہ و آمنہ علیہما السلام تک پہنچا۔ اور یہ کہ میں ایسی پاک نسل سے پیدا ہوا ہوں جس میں کفر وشرک والحاد و فسق وزنا کبھی نہیں داخل ہوا۔ قارئین سوچیں کہ کیا مندرجہ بالا آیت نے یہی کچھ نہیں کہا ہے۔ یہاں ہم اپنی کتاب ''اسلام اور جنسی تعلقات'' کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں اُس ملت مسلمہ کا ازلی وابدی اور آنحضرتؐ تک وجود ومقام سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ سُنئے کتاب مذکور کی ضرورت کے مطابق یہ عنوان تھا:۔

(1)۔ خاطی وخطا کار قیادت وعقیدے کو عصمت کا آئینہ دکھادو

''قرآن کریم اور عقل سلیم سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ خلاق عالم اپنے علم وقدرت کی بنا پر تمام نقائص وعیوب اور احتیاج سے پاک ومنزّہ ہے۔ اور غلطی، خامیاں، قصور وخطائیں اور لغزش وکوتاہیاں اور بھول چُوک علم وقدرت کے فقدان سے ظہور میں آتے ہیں اور

نقائص، عیوب اور احتیاج میں شامل ہیں۔ لہٰذا اللہ ان سے بھی پاک ومنزّہ ہے۔ چنانچہ خالقِ حق علم وقدرت کا ہر فعل اور ہر قول حقِ محض اور عصمتِ مطلق ہونا لازم ہے۔ اسی بنا پر قرآنی قول کی حیثیت سے کائنات اور خصوصاً سرورؐ کائنات مجسمہٗ حقِ محض اور عصمتِ مطلق ہیں۔ جو اللہ کے اوّلین افعال واعمال ہیں اور ترتیب کی حیثیت سے اللہ نے تخلیقِ کون ومکان وعرش وکرسی سے کہیں بہت پہلے نورِ محمدیؐ کو پیدا کیا۔ اور اپنے انوارِ قدس میں لپیٹ کر اُسےؐ اپنے علم وقدرت وعصمت، عظمت وصفات کا محسوس ومشہود مجسمہ بنا دیا۔ اور اُسے اپنے تعارف کیلئے تیار کیا۔ اس تعارف کے سلسلے کی تمام چیزیں مثلاً عقل وایمان وہدایت کاری وادراک وعلم وقدرت ولوح وقلم وغیرہ کو بیدار کرنا شروع کیا۔ تاکہ وہ مجسمہ انسانیت مخصوص انسانؐ کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا علم حاصل کرلے (عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۔ سورۃ العلق ۔ 96/5) اور ہر چیز کی تخلیق پر بصیر ونذیر وشہید بنتا چلا جائے (سورۃ نجم 53/56، سورۃ الفرقان 25/1) اور تمام مخلوقات کو عبادت سکھائے اور متعلقہ ھدایت کا باعث بنے اور اُن سب کے لئے صفاتِ خداوندی کو جذب کرنے میں ممد ومعاون رہے۔ تخلیق کائنات معصوم رفتار سے بڑھتی گئی۔ عصمت کے سایہ میں یہ ارتقا جاری رہا۔ کہیں معصوم ملائکہ وجود میں آنے کے لیے مجبور ہوئے۔ کہیں جنات کو وجود وآزادی ملی۔ مسلسل اور بلا فصل وہ تمام سامان عالمِ وجود میں آ گیا جس کے بعد اللہ نے خلافت الٰہیّہ کے قیام کی بنیاد رکھنا طے فرمایا تھا۔ اب ایک ناقابل شمار مدت میں اور عقل ووہم وبیان سے بلند وبالا قوانینِ تخلیق سے اللہ نے اس مجسمہٗ انوار وعلم وقدرت کو، اس ھادی ونذیر، رحمت للعالمین کو ایک گوشت پوست واعضا وجوارح رکھنے والے جسم میں محفوظ کرنے کا سروسامان کیا تاکہ وہؐ ساری کائنات سے پہلا مسلمؐ وعابد، ایک مسلم وعبادت گزار مخلوق کی تخلیق واصلاح وھدایت میں ممد ومعاون رہے۔ اعلان ہوا، خلیفۃ الارض نے اس خلاصہٗ انوارِ ربانی سے منور ہوتے ہی آنکھیں کھولدیں تو دیکھا کہ ملائکہ اور تمام وسائط خداوندی سجدہ سے اُن کی تعظیم بجالا رہے ہیں۔ یہی وقت تھا جب ایک عابد وزاہد ومطیع وفرمانبردار اور کروڑھا سجدے کر چکنے والی مخلوق نے آدمؑ کے اندر نہ معلوم کیا کیا دیکھ لیا کہ اُسکی حالت میں انقلاب شروع ہوا۔ اُس پر ایک رنگ آرہا تھا تو دوسرا جارہا تھا۔ کبھی وہ اغوا اور مغالطے کے تصورات سے دوچار ہوتا تو کبھی خطا وفریب میں اُلجھ جاتا۔ کہیں اس سے گناہ وکوتاہیاں جنم لے رہی تھیں۔ کہیں غلطیاں اور لغزشیں برآمد ہورہی تھیں۔ کہیں خباثت وغلاظت گلے میں بانہیں ڈال رہی تھیں۔ کہیں مکر وکید بغل گیر ہورہے تھے۔ کہیں فرمانبرداری کی کوتاہیاں اور قصور سامنے آرہے تھے۔ کہیں خیانت وحماقت وجہالت اجتہاد کر رہے تھے۔ القصہ جتنی دیر میں آدمؑ کی تعظیمی رسومات پوری ہوئیں۔ یہ مخلوق تمام خامیوں اور خرابیوں کا نمائندہ بن کر ابلیس کے نام سے پکارا گیا پھر کیا ہوا۔ قارئین اسکے بعد کا ٹوٹا پھوٹا اور بگاڑا ہوا قصہ اکثر سنتے رہے ہیں۔ مختصراً یہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی کیلئے تیار کیا گیا۔ ملائکہ کو علوم اور خلافت کے متعلق تعلیم وہدایت دلائی گئیں۔ آدمؑ وابلیس کو آس پاس رہنے کا موقعہ دیا گیا۔ حضرت آدمؑ کو وصول وحی، حق وباطل کا فرق، اچھا بُرا، گناہ وثواب، فرمانبرداری ونافرمانی سے متعارف کرا کے عصمت کا امتحان لیا گیا۔ مصطفیٰ بنا کر دنیا میں بھیجا اور تخلیقِ انسانی وتربیتِ انسانی کے عظیم کام میں اپنا شریک کار بنایا گیا۔ نسلِ انسانی کو عصمت وعلم وقدرت عطا کرنے اور ابلیس اور اسکے مذکورہ بالا سامان سے پاک ومنزہ رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اور زمین پر ایک بابصیرت، آزاد ومختار اور جہاں گیر وجہاں ساز بنی نوع آدم کو جنم دیا، پھیلایا، علم وقدرت کے خزانوں کے منہ کھولدئے۔ جنہیں اللہ نے اپنی وحی والہام ومشاہدات و

مکالمات سے لبریز کیئے رکھا۔ اُدھر جناب ابلیس نے اپنی اجتہادی غلطی اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی راہ سے نوع انسانی کے ساتھ راہ ورسم واختلاط کی غرض حاصل کر لی۔ اور انسانوں کی خودارادیت اور عقلی و عملی آزادی سے فائدہ اُٹھانا شروع کیا۔ اور اپنے لیے ذریت آدم میں سے وہ لوگ چننا شروع کیئے جو اپنے اوپر کسی قسم کی پابندی نہ چاہتے تھے۔ جو عقل و تجربہ و تقاضائے وقت کے علاوہ کسی تصوراتی راہنمائی کو غیر مفید یا آہستہ خرام سمجھتے تھے۔ بہر حال انبیا علیھم السلام نے انسانوں میں وہ جماعت یا ذریت تیار کرنا شروع کی جس پر ابلیس اور ابلیس سے متعلقہ مذکورہ بالا سامان کا ذرہ برابر اثر وتسلط نہ ہونے پائے۔ اللہ نے اُس جماعت کے موجود رہنے کا وعدہ کیا تھا (الحجر۔ 15/42) اور شیطان نے اسی جماعت کے موجود ہونے کا اقرار کیا تھا۔ جس پر اُسے کوئی قابو حاصل نہ ہوگا (الحجر۔ 15/40)۔ یہ وہ معصومؑ اور ابلیس سے محفوظ جماعت تھی جس میں سے انبیا علیھم السلام پیدا ہوتے تھے۔ جو انبیاؑ کے بچپن میں اُنکی اس تجربہ و علم سے تربیت کرتی تھی جو حضرت آدمؑ سے اس وقت تک اللہ و انبیاؑ نے عطا کیا تھا۔ وہ تمام کتبہائے خداوندی کی حامل و حافظ و وارث ہوتی تھی۔ اُدھر ہر نبیؐ کے پروگرام و ہدایات کا عملی نمونہ بن کر انسانوں کو انبیاؑ کی راہ چلنے میں مدد دیتی تھی۔ ان کی تمام کمزوریاں، خامیاں، کوتاہیاں، غلطیاں اور لغزشیں واضح کرتی اور ان کی اصلاح میں مدد دے کر انہیں اپنی اور اپنے نبیؑ کی عصمت کی طرف لاتی۔ اور ان کی گمراہی کو ہدایت سے، غلطی کو صواب سے، خامی کو تکمیل سے، لغزش کو استحکام سے، گناہ کو ثواب سے بدلنے کا انتظام سکھاتی چلی آتی تھی۔ تمام انبیاءؑ اس ذریت کے ثمر تھے۔ سب نے اس کے بقا اور ترقی کیلئے دعائیں مانگیں، عملاً انتظامات کیئے۔ ان کی تعظیم و تکریم و اطاعت کیلئے اپنی اپنی امتوں کو حکم دیا۔ ان کی اتباع کی تاکید کی۔ انہیں بتایا کہ یہ شجرہ نبوت و رسالت کی جڑیں ہیں، شاخیں و پتے ہیں، ثمر ہیں، یہ وہ صاحبان ارحام و اصلاب ہیں جو طاہر و مطہر ہیں۔ جن سے نبوت و رسالت جنم لیتی ہے، جن کے گوشت پوست اور خون سے نبوت و رسالت کا وجود ذی جود بنتا ہے۔ جن کے دودھ سے اور جن کی گود میں نبوت و رسالت و امامت پلتی ہے، پروان چڑھتی ہے۔ جو نبوت و رسالت و وحی خداوندی کے امین ہوتے ہیں۔ جو انہیں انگلی پکڑ کر نبوت و رسالت کی راہ چلاتے ہیں۔ آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک تمام انبیا علھیم السلام اور اللہ کی تیار کردہ ذریت ایک معصوم اُمت مسلمہ موجود تھی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنم لیا (آل عمران۔ 3/164) اور اُسی طرح تیار ہوئے جس طرح انبیاءؑ تیار ہوئے تھے۔ روح القدس ہوں یا جبرئیل امین ہوں ہمیشہ کی طرح ساتھ ساتھ، صفات نبوت کی طرح جُز و لاینفک، اب لوح و قلم سب یکجا۔ تمام تعلیمات ایک مرکز پر مجتمع۔ تمام عصمتیں مجسمہ علم و قدرت و عصمت کے اندر۔ انسان کی صورت میں وہ محیر العقول ہستی جو نہ صرف آگے دیکھتی ہے بلکہ پیچھے بھی برابر دیکھتی ہے۔ جو دیکھنا چاہے کائنات میں حجاب نہیں۔ دودھ یا پانی کے پیالہ میں انگلیاں ڈال دیں تو وہ برکت ملے کہ کبھی ختم نہ ہو۔ کھاری کنویں میں تھوک دیں تو قیامت تک میٹھا پانی کم نہ ہو۔ جو برق و براق پر قدرت عطا کرے، جو زمین پر رینگنے والے انسانوں کو فلک الافلاک و قاب قوسین و سدرۃ المنتہٰی تک بلندی کا عملی نمونہ اور تصور دیں۔ تسخیر کائنات کی راہیں اور ابواب السماوات چوپٹ کھول دیں۔ انگلی کے اشارے سے شموس و اقمار کو راہیں بدلنے والا بنا کر دکھایا۔ ایسے انسان تیار کیئے کہ اللہ نے انہیں اپنے قرآنی ریکارڈ میں علم ما کان و ما یکون و ما ھو کائن کا عالم ہونے کی سند عطا کی (کافی۔ کتاب الحجۃ باب، ان الائمۃ یعلمون علم ما کان وما یکون، سورۃ البقرۃ 2/151) اور اُسی سند میں یہ پیش گوئی بھی

کردی کہ وہ اس بے حد وحساب تعلیم کو برابر جاری رکھے گا۔ یہاں تک کہ پچھلے اگلوں سے ملحق ہو جائیں گے۔'' (اقتباس ختم ہوا)

(2)۔ انبیاؑ اگر پھل ہیں؟ تو وہ اُن درختوں کے رہینِ مِنّت ہیں جنہوں نے پیدا کیا

قارئین کرام ذرا سا اپنے پیارے گھر اور گھر والوں پر نظر ڈالئے کیا یہ صحیح نہیں ہے؟ کہ آپ خواہ ایم اے ہوں، چوکیدار یا تھانیدار ہوں، کوئی منسٹر ہوں یا صدر مملکت ہوں۔ آپ رانی ہوں یا راجہ ہوں، ملکہ ہوں یا بادشاہ ہوں۔ آپ اپنے پالنے والوں، اپنے لئے تکلیفیں اُٹھانے والوں، راتوں کو دس دس دفعہ اُٹھ کر دودھ پلانے اور معصوم ضروریات پوری کرنے والے، آپ کو منتوں، مرادوں اور دعاؤں کے سایہ میں پال کر جوانی کے منتظر رہنے والے، قرض ادھار لے کر، دقتیں اُٹھا کر، محنت و مزدوری کرکے پڑھانے والے ماں باپ کے ساتھ آپ کا کیا رویّہ ہوگا؟؟

ہمیں آپ کا حال معلوم نہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ شریف و مہذب غریب و امیر، مسلم و غیر مسلم تمام خاندانوں میں ماں باپ کے قدم چھوئے جاتے ہیں۔ انہیں صبح و شام جھک کر بڑے پیار اور ادب سے مناسب مواقع پر سلام کرتے ہیں۔ اُنکے سامنے چھوٹا سا بچہ بن جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن سے دھیمی اور پسندیدہ آواز اور لب ولہجہ میں بات کرتے ہیں۔ اُنکا اس قدر ادب کرتے ہیں کہ اُنکے روبرو اپنے پیارے بچوں اور اپنی عزیز ترین شریکِ حیات کو پیار نہیں کرتے۔ وہ اپنے بچوں کو کہتے ہیں کہ تمہارے ابا وہ ہیں جنہیں ہم ابّا کہتے ہیں۔ اپنے لئے بھائی جان یا کوئی لفظ سکھاتے ہیں تاکہ بچوں کو عادت پڑ جائے اور غلطی سے بھی اپنے دادا اور دادی کے سامنے اپنے ماں باپ کو ابّا اور امّی نہ کہہ سکیں۔ یہ عمل درآمد ہر ملک وملت و مذہب میں جاری رہتا چلا آیا اور آج بھی جاری ہے۔ گو آج کل مشرکین عرب کے نظام اشتراک نے اس ادب و تعظیم کو کافی مجروح اور کم کر دیا ہے۔ اور اُنکا نظام کنبہ کو مٹا کر، ماں باپ اور بہن بھائی کی تفریق ختم کرکے، ہر عورت کو ہر مرد کی بیوی اور ہر بچے کو پورے ملک کا بچہ بنا کر اسے وسیع خاندان میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے۔ یہ تفصیلات کتاب ''اسلام اور جنسی تعلقات'' میں ملاحظہ ہوں۔ بہرحال مندرجہ بالا رویہ ہر قوم و مذہب کے بنیادی احکامات میں سے ہے۔ قرآن کریم نے بھی اس پر بڑا زور دیا ہے اور خود رسولؐ اللہ کو والدین کی تعظیم و تکریم اور ادب و خدمت کا حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ تمام اُمت پر یہ حکم واجب ہو جائے۔ اور قرآن میں بار بار والدین کیلئے یہی احکام اُمت کو الگ سے مخاطب کرکے دئے گئے ہیں۔ رسولؐ پر والدین کے کیا واجبات تھے بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

اللہ نے حکم دیا ہے کہ:۔ لَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا o وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا o وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا o (بنی اسرائیل 17/22-24)

''جس طرح تجھ پر یہ واجب ہے کہ تو اللہ کے سوا کسی اور کو معبود کا درجہ نہ دے کیونکہ تیرے پروردگار نے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت جاری نہ کرو گے اُسی طرح تجھ پر یہ بھی واجب ہے کہ اپنے والدین کیساتھ ہر حال میں احسان سے پیش آئے اور اُن دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی تمہارے سامنے بوڑھے ہو جائیں تو تُو اُن کی کسی بھی بات پر انکار تو انکار ہے بلکہ اُف تک نہ کرے

گا۔اور اُن سے ہمیشہ ایسی بات کیا کرے گا کہ جس میں رحیمی اور کریمی کی شان کھلی ہوئی ہو۔اور ہرگز اُن سے جھڑک کر بات نہ کرے گا۔اور اُن کے روبرو ایک حقیر و ذلیل آدمی کی طرح رہ کر رحمت و محبت سے اُنہیں اُسی طرح اپنے بازوؤں میں محفوظ رکھے گا جس طرح مرُغانِ ہوا، اپنے بچوں کو خطرے کے وقت اپنے بازوؤں اور پروں میں سمیٹ کر چھپا لیا کرتے ہیں۔اور تُو اُن کے لئے ہم سے یوں دعا کرتا رہے گا کہ اَے میرے پالنے اور ربوبیت کرنے والے تو بھی اُن پر اپنا رحم و کرم اُسی طرح جاری رکھ جس طرح انہوں نے میرے بچپن اور بے کسی کے زمانہ میں مجھے پالا اور میری ربوبیت کی تھی۔''

یہ احکام آپ ذرا پچھلے عنوان سے مسلسل کرکے بات سُنیں کہ ہر رسولؐ، ہر نبیؑ، ہر خلیفہ اور ہر امامؑ کا سر جن کے حضور جھکنا عین حکم خداوندی ہو۔جن کو روزانہ ادب سے سلام کرنا نبوتؐ و رسالتؐ کے فرائض میں سے ہو۔جن کے روبرو سرورِ کائنات کو اطاعت و فرمانبرداری کرنا واجب ہو۔جہاں ساری کائنات سے افضل اور تمام عالمین کا سردار ایک ذلیل و حقیر غلام کی طرح رہنے پر مامور ہو۔ جنہوں نے نبوتؐ و رسالت کو جنم دیا ہو۔جو تمام سابقہ تعلیمات خداوندی ہر نبیؑ کو سکھانے اور سونپنے کا مادّی و محسوس ذریعہ ہوں۔جو انبیاؑ و رُسلؑ کے معلم و ہدایت کار ہوں۔جو ورثہ دارانِ کتبہائے خداوندی ہوں۔جن کے گھروں کا طواف کرنا ملائکہ پر واجب ہو۔وہ لوگ افضل ہیں یا انبیاؑ و رسلؑ و آئمہؑ و خلفا افضل ہیں؟سُنو! مانو یا نہ مانو، یہ ہے خانوادہ حسین علیھم السلام، یہ ہے بیت نبوتؐ و رسالتؐ۔ نبیؐ و رسولؐ و امامؑ تو گنتی کے تھے۔اور اسی خانوادہ میں سے تھے۔خانوادہ کے ہر فرد کو نبیؑ یا رسولؐ یا امامؑ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔انتظامِ خداوندی یہ تھا کہ کچھ حضرات نبی یا امام یا رسول بنائے جائیں اور کچھ حضرات وہ ہوں جو نبوت و رسالت و امامت کا مادّی و محسوس سامان اور خمیر بنائیں اور پھر اپنے گوشت و پوست اور خون سے کسی کو نبی بنائیں، کسی کو رسالت کے لئے تیار کریں، کسی کی ربوبیت اس طرح کریں کہ وہ عہدہ امامت سنبھالے۔عقلی حیثیت یہ ہے کہ بنانے والا، بنائے جانے والے سے افضل و برتر ہوتا ہے۔جھک کر سلام کرنے والا مفضول ہوتا ہے۔ حسینؑ کی ماںؑ کو جب رسولؐ اللہ تعظیم و سلام پیش کرتے تھے تو تمام انبیاؑ اور ملائکہ سلام کرتے تھے۔اگلے عنوان میں ہم قرآن سے اس ذریت کی افضلیت ثابت کرکے مشرکین کے منہ میں تالا ڈال دیں گے۔انشاء اللہ والامام علیہ السلام۔

(3)۔ آیئے ذریت طاہرہ کی افضلیت پر نظر ڈالیں

حقیقت اس قدر ہے کہ ایک نور سے پیدا ہونے والے حضراتؑ سب مرتبہ میں برابر ہیں۔ چونکہ ابلیسی نظام کے سب سے بڑے حربوں میں ایک حربہ طبقہ واریت کو مٹانے کا حربہ ہے اور یہ حربہ روزانہ جہلا اور تہی مایہ لوگوں میں مقبول ہوتا اور ترقی کرتا چلا آرہا ہے۔اور آج اس زمانہ میں سوشلزم کے اونچے نعروں میں شمار ہے۔اور یہی حربہ انبیاؑ کے خلاف سب سے زیادہ کارگر ہوتا اور لوگوں کو گمراہ کرتا رہا ہے۔لہٰذا تعلیماتِ انبیاؑ میں اُس حربے کو بے اثر بنانے کیلئے بہت سی ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں جو انتظامی حیثیت رکھتی ہیں اور جن کی حقیقت ایمان کے کئی مدارج سے گزر جانے اور بہت سے دینی فوائد و نتائج کے برآمد ہونے کے بعد سمجھ میں آتی ہیں۔اور جب سمجھ میں آجاتی ہیں تو پھر مومن کو اپنی ابتدائی پوزیشن پر ہنسی آتی ہے۔لہٰذا اسلامی احکام میں ایسی ہزاروں باتیں بھری پڑی ہیں جن کا ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور ہے اور یہ خدائی تعلیم ہونے کی بنا پر اپنے ظاہر میں بھی حق و صحیح ہیں اور باطن میں بھی حق و صحیح ہیں۔لیکن جو شخص محض

ظاہر کو اختیار کر کے باطن کا انکار کرے یا باطن کا اقرار کر کے ظاہر کا انکار کر دے وہ اسلامی حقائق کا منکر اور اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا یہ بات سمجھ کر آگے بڑھیں کہ بعض باتیں صرف ابلیس کا راستہ روکنے کیلئے کہی گئی ہیں۔ مثلاً تمام کتب حدیث میں یہ حقیقت ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ تیری قوم دوبارہ گمراہ ہو جائیگی تو میں کعبہ کو مسمار کر کے دوبارہ اُن بنیادوں پر تعمیر کرتا جن پر حضرت ابراہیمؑ نے تعمیر کیا تھا۔ یعنی ابلیس کا نظام فوراً رسولؐ اللہ پر فتویٰ لگا دیتا کہ یہ نبیؐ نہیں ہوسکتا۔ یہ تو خدا کے گھر کو ڈھائے دے رہا ہے۔ اِن چیزوں کو سامنے رکھئے اور ایک لطیفہ سُنئے! کسی بڑھیا کے بیٹوں کو قتل کے مقدمہ میں ماخوذ کر لیا گیا۔ تحقیقات کے بعد جج کو معلوم ہوا کہ محض شک کی بنا پر انہیں گرفتار کیا گیا تھا۔ لہٰذا جج نے فیصلہ کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔ بُڑھیا ماں گرتی پڑتی فیصلہ سُننے کیلئے عدالت میں کھڑی آنسو بہا رہی تھی۔ پولیس اور تمام ملزمان حاضر تھے۔ ذرا دیر بعد جج صاحب نے اجلاس فرمایا۔ اصل مجرموں کو سزائے موت سُنائی گئی اور بڑھیا کے بیٹوں کو بری کر کے رِہا کر دیا۔ بڑھیا کی سمجھ میں جب اصل معاملہ آ گیا تو اُس نے چلّا کر کہا کہ ''میری دُعا ہے کہ ''جج صاحب اللہ تجھے جلدی سے پٹواری بنا دے'' جج صاحب بُڑھیا کی سادگی اور خُلوص پر مسکرائے، سارا مجمع قہقہے لگا رہا تھا اور آپ بھی مسکرا رہے ہیں۔ آپکے نزدیک ہنسی کی بات یہی ہے نا؟ کہ بُڑھیا بے چاری کو پٹواری ہی سب سے بڑے عہدے کا آدمی معلوم تھا اور جج کو پٹواری بنانے کی دُعا دراصل بظاہر اُسے ذلیل وخوار کر کے ایک بدترین تنزل سے دوچار کرنے کی بددعا ہے لیکن بباطن بڑھیا یہ چاہتی ہے کہ جج کا عہدہ اور بڑھے کہ وہ زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچا سکے۔ بڑھیا کی نادانی، سادگی اور خلوص نے ظاہر کو ناگوار نہیں رہنے دیا۔ اب ذرا سنجیدہ ہو جایئے اسلئے کہ اب اللہ، قرآن اور انبیا ورُسل علیھم السلام کی ایسی ہی باتیں سامنے آئیں گی جو بظاہر نظر بڑھیا کی بات یا دعا کی طرح مضحکہ خیز مگر بباطن حقیقت ساز اور فضیلت انگیز ہونگی۔

(4)۔ نبوت، رسالت اور خُلّت کے بعد امامت کا دیا جانا کیا معنی؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی بھی تھے رسول بھی تھے اور خلیل بھی تھے اور ساتھ ہی کم از کم دو نبیوںؑ دو رسولوںؑ کے والد بھی تھے۔ اِس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ چونکہ تم آزمائش میں کامیاب ہو گئے ہو اس لئے ''اب میں تمہیں تمام انسانوں کا امام بناتا ہوں'' (بقرۃ 2/124)۔ قارئین اب آپ کیوں نہیں مسکراتے؟ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ نبوت و رسالت وخُلّت ملنے کے وقت ابراہیمؑ نے اپنی ذریت کو اُن میں سے عہدے کے دئے جانے کی درخواست نہیں کی۔ مگر امامت ملتے ہی آپ نے جھٹ سے سوال کر لیا اور آپ دیکھ چکے ہیں کہ اللہ نے پہلے امامت اور امام کو ایک عہد قرار دیا۔ پھر اس عہد سے ہر ظالم کی نفی کر کے عصمت کی شرط کے ساتھ ذریتِ ابراہیمؑ میں عہدہ امامت جاری کر دیا۔ یہاں خود بخود یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ تعلیمات خداوندی کو نوع انسان میں نافذ کرنے کے لئے نبوت وخلافت و رسالت کے بعد امامت کا درجہ آتا ہے۔ اب ناظرین چاہیں تو درجہ امامت کو سب سے اعلیٰ و افضل عہد سمجھ لیں یا بڑھیا والا لطیفہ سمجھ کر مسکرائیں اور نظر انداز کر دیں۔ مگر ہم نہایت اطمینان کے ساتھ امامت کو خلاف ونبوت و رسالت سے افضل سمجھتے ہیں۔ ذرا دیر بعد اس کی دوسری مثالیں سامنے آئیں گی۔

(5)۔ یہ نظام اجتہاد کے تصورات ہیں جو دل میں بیٹھ کر قرآن کو مضحکہ خیز بنا دیتے ہیں

ذرا دیر بعد ہم امامت کی طرف پھر آئیں گے۔ ذرا پہلے فاجرانہ اور مجتہدانہ تصورات کے ماتحت امامت سے بھی گھٹیا بلکہ ایک ادنیٰ ترین ٹھہرائی چیز کا مقام پہلے دیکھ لیں۔ اور خود ایک ایسے زندہ اور زبردست مجتہد کے قلم سے دیکھ لیں جو اس زمانہ کا معنوی تحریف کرنے میں سب سے کامل شخص ہے۔ اور جو مفاہیم قرآن کو اُلٹ پلٹ کرنے میں تاویل وتوجیہہ اور بریکٹ بے دریغ استعمال کرتا ہے۔ اُس کا بریکٹ سے شروع ہونے والا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

''(اس کے بعد ابراہیمؑ نے دُعا کی) اَے میرے رب مجھے حکم عطا کر اور مجھ کو صالحوں کے ساتھ ملا۔ اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر۔ اور مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرما۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 505-503)

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَo وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَo
وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِo الخ (سورۃ الشعرآء۔85-26/83)

اس تحریف شدہ ترجمہ میں بھی یہ حقیقت موجود ہے کہ جناب ابراہیمؑ ایک نبیؐ ہو کر تین چیزیں مانگ رہے ہیں۔ اوّل حکم، دوم صالحین کے ساتھ الحاق، سوم جنت کے وارثوں میں شمولیت۔ اس ترجمہ میں ایک چیز اور بھی ہے جس کے تصور سے علامہ مودودی اعلیٰ اللہ مقامہ بہت گھبراتے ہیں۔ اس لئے علامہ حضور نے قرآن کے الفاظ ہی کو نہیں بلکہ عربی زبان کے تمام قواعد اور ڈکشنری کو نظر انداز کر کے ابلیسی الہام کے ذریعہ سے خود ساختہ معنی کر دئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ:۔

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ o(سورۃ الشعرآء۔26/84)

ترجمہ رفیع الدینؒ : ''اور کر واسطے میرے زبان راستی کی بیچ پچھلوں کے۔'' (مترجم قرآن)

ترجمہ علامہ مودودی صاحب: ''اور بعد کے آنے والوں میں مجھ کو سچی ناموری عطا کر۔''

بتایئے علامہ کے ترجمہ کا قرآن کے الفاظ سے کیا تعلق ہے؟ اس لئے ہم نے لکھا کہ اس زمانہ میں مودودی سے بڑھ کر قرآن کی غلط ترجمانی کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ لہٰذا قرآن کے الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ:۔

اَے اللہ آخری زمانہ میں میرے لئے ایک ایسی زبان بنا دے جو حق گوئی اور صداقت کے لئے مُسلّم حیثیت رکھے۔ یعنی جو کہے وہ سچ ہو حق ہو۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ رسولؐ اللہ کے مبعوث ہونے کی دعا تو کر چکے تھے۔ اس دعا میں کوئی اور فرد ہے جس کے پیدا کرنے کی دعا ہو رہی ہے۔ اور قرآن مجید کی رو سے جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ سورہ مریم میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا قبول کر لینا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ بھی عطا کئے اور ہم نے اُن دونوں کو بھی نبی بنایا اور اُن سب کو ہم نے اپنی رحمتؐ میں سے حصہ دیا اور ہم نے اُن سب کے لئے علیؑ کو سچائی کی زبان بنا دیا۔''

..... وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّاo وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّاo

(سورہ مریم۔50-19/49)

یہ تھا وہ نام جس سے ابلیس اوراس کا شاگرد لاحول کی طرح دور دور رہتا ہے۔ بہرحال جو چیزیں سابقہ آیات میں طلب کی گئی تھیں لازم ہے کہ وہ دُعا کے وقت حضرت ابراہیمؑ کو حاصل نہ ہوں۔ اسلئے کہ دُعا اُسی حالت میں کی جاتی ہے جب ہمیں کوئی چیز درکار ہو اور اس کے بغیر ہمارا کوئی کام یا مقصد نامکمل رہتا ہو۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ اگر یہ دعا بڑھیا والا لطیفہ نہیں ہے تو جناب ابراہیم علیہ السلام نہ تو اُس وقت تک صاحب حکومت یا بادشاہ ہیں اور نہ صالحین میں داخل ہیں نہ وہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو خدا کی طرف سے ورثہ دارانِ جنت ہیں۔ چوتھی درخواست تو ظاہر ہے کہ آخری نبوت ورسالت وامامت والے لوگوں سے متعلق ہے جو دُعا کے دن کے تین ہزار سال بعد قائم ہونے والی ہے۔ لہٰذا تین ہی باتیں قابل غور وفہم ہیں۔ پہلی چیز'' حکومت '' ہے اور حکومت بھی اپنی ظاہری صورت میں درکار ہے۔ ورنہ ہر نبیؑ اور رسولؑ وامامؑ دینی حیثیت سے دینداروں پر حاکم ہوتا ہی ہے۔ لہٰذا یہ ظاہری حکومت وہی ہے جو نابت بن اسماعیل علیہم السلام سے شروع ہو کر قیامت تک جاری رہنے کی صورت میں ظاہر ہونے والی تھی۔ اس کے بعد دو چیزیں رہ جاتی ہیں۔ یقیناً ہر نبیؑ، رسولؑ اور امامؑ خود صالح ہوتا ہے اور دوسروں کو صالح بن جانے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اُس طرح پوری پوری اتباع کرنے والے انسان صالحین ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابراہیمؑ اس دُعا میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے مشن کو پھیلا دے، لوگوں کو صالحین بنا دے اور پھر مجھے اُن صالحین سے ملحق کر دے یا ملا دے؟ یہ وہم اس لئے غلط ہے کہ اُن کے ساتھ اُن کی اتباع کرنے والے دو نبیؑ موجود تھے۔ یعنی حضرات اسماعیل اور لوط علیہما السلام اور دو عدد بیویاں اُن کی متبع اور صالح تھیں۔ لہٰذا لفظ صالحین کا پیٹ بھرنے کے لئے تین صالح آدمیوں کی موجودگی درکار تھی۔ اور یہاں چار صالح افراد کم از کم موجود ہیں اور حضرت ابراہیمؑ سے ملحق بھی ہیں۔ لیکن اسکے بعد بھی آپ کا دعا مانگنا بتاتا ہے کہ جن صالحین میں شامل ہوجانے کی دعا کی جارہی ہے وہ صالحین کوئی مخصوص اور انتہائی محترم وافضل ترین گروہ ہے اور اس گروہ کا صالح بننا اُس طریقے سے مختلف اور مکمل ہے۔ جس طریقے سے عموماً اسلام لانے والے افراد یا دیگر انبیاؑ ورسلؑ اور امامؑ صالح بنتے ہیں اور یہ بھی معلوم اور قرآن سے ثابت ہے کہ تمام ایمان لانے والے عالم صالح افراد جنت میں جانے کی وجہ سے جنت کے اسی طرح وارث کہلائے گئے ہیں جس طرح تمام صالح اعمال کرنیوالے لوگوں کو صالحین کہا جاتا رہا ہے۔ مگر جن معنوں میں مذکورہ صالحین کا گروہ صالح اور ورثہ دارِ جنت ہے کوئی اور شخص، خواہ نبیؑ ہو، رسولؑ ہو یا امامؑ ہو، نہ صالح ہے اور نہ وارث جنت ہے۔ اس صورتِ حال میں یہ ماننا پڑیگا کہ اُس گروہؑ کی صالحیت ازلی ہے، حقیقی وابدی ہے، وہ صالحیتِ مطلقہ ہے۔ یعنی ایک لمحہ بھی اس گروہ پر ایسا نہیں گزرنے دیا گیا کہ وہ صالح نہ رہا ہو۔ اور یہ بات اس بات کو سمجھنے والوں کیلئے نہ مشکل ہے نہ پیچیدہ ہے کہ جن ذواتِ مقدسہ کو اللہ نے اپنے مخصوص نور سے پیدا کیا ہو اُن میں کسی قسم کی ظلمت کا امکان کیسے ہوسکتا ہے؟ یہی وہ لوگؑ ہیں جو خلافت ونبوت ورسالت وامامت و بادشاہت وحکومت وصلاحیت وصالحیت ورحمت ونعمت وبرکت کے مالک ہیں۔ اور خدا کا وہ ذریعہ ہیں جن سے اللہ اپنی مخلوقات کو نوازتا ہے اور یہ بیان قرآن واحادیث معصومین علیہم السلام سے بوضاحت ثابت ہے۔ تمام مخلوقات اس گروہ کیلئے پیدا کی گئیں۔ تمام انبیاؑ کی نبوتیں رسالتیں اور امامتیں اسی گروہ کے تعارف کیلئے ظہور پذیر ہوئیں۔ اور ہم اس کتاب میں اب تک مختلف انداز میں اُن ہی حضراتؑ کا تعارف کرانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اور یہی حضراتؑ ہیں جو تمام انبیا علیہم السلام کے مُربی ہیں۔ لفظ افضل کہنے سے بات ادھوری رہتی

ہے یہ کہئے کہ:۔ ۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(6)۔ مجتہدین نے مسلمانوں کا زاویہ نظر بدل کر رکھ دیا ہے

قارئین کو جہاں بھی قرآن کی کوئی بات عجیب معلوم ہوتی ہے یا گراں گزرتی ہے اس کی وجہ وہ تصورات ہیں جو شیعہ اور سنی لیبل کے مجتہدین نے صدیوں سے پھیلائے، گھر گھر پہنچائے اور دلوں میں بسائے۔ جتنی حکومتیں نظام اجتہاد کے ماتحت قائم ہوئیں، اُن سب نے اپنے تمام وسائل اور طاقت قرآن کے خلاف مگر اسلام و قرآن کے نام پر صرف کیں۔ بچے پیدا ہوئے مجتہدانہ تصورات کے دامن میں پلے، اُن ہی کی درسگاہوں میں پڑھے اور جوان ہوئے۔ نسلوں کے بعد ہر نسل ورثہ میں یہی سامان پاتی چلی آئی۔ خرد کا نام جنوں ہو گیا، بے دینی دین بن گئی۔ ایک یا دو الفاظ کے اضافہ سے حرام کو حلال کر لیا گیا۔ مثلاً ثقافت کہہ کر کیا کیا حلال ہے؟ سوچیں! حقیقی و مجازی کے پیچھے کتنے حقائق چھپا دیے گئے؟ ظلّی و بروزی کی بکواس نے باطل کے کتنے انبار لگائے۔ اصطلاحی کافر یہاں کچھ اور ہوتا ہے اور کافر کچھ اور چیز کہلاتی ہے۔ بہرحال ہم نے اس تمام انبار کو چھان ڈالا ہے۔ ہر روز ایک کثیر تعداد حقیقت پسندوں میں شمار ہونے کو تیار ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے وہ معنی اختیار کرو جو اسکے مصدر کیلئے پہلے سے مقرر ہیں اور جن سے کسی عربی دان کو اختلاف نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ عربی کے ہر لفظ کے ایک ہی معنی ہیں۔ ہر دوسرے مفہوم و معنی کیلئے ایک ایک مستقل لفظ مقرر ہے۔ ہمارا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن کے ایک ہی لفظ کو زبردستی کئی معنی میں اور قرآن کے کئی کئی الفاظ کو زبردستی ایک ہی معنی میں استعمال کرنا حرام ہے۔ ہر ہر لفظ کے صرف وہ ایک معنی کرو جو مصدری معنی ہیں۔ لیکن اُنکے نظام اجتہاد کو دو قدم بھی چلنا نصیب نہ ہوا ہوتا اگر انہوں نے قرآن کے الفاظ کو اُنکے مستقل معنی میں قائم رکھا ہوتا۔ یہ سبب ہے کہ آج ایک ہی قرآن سے سینکڑوں فرقے سہارا لیکر جاری ہو گئے۔ جس کا جو دل چاہتا ہے قرآن کے الفاظ کے معنی بدل کر جائز و ناجائز، حلال و حرام کر لیتا ہے۔ اسی قرآن سے آنحضرتؐ کے بعد نبوت کا ختم ہو جانا ثابت کیا جاتا ہے اور اسی قرآن سے بابی و بہائی اور احمدی حضرات نبوت و رسالت کے جاری رہنے پر دن رات کتابیں لکھتے اور ایک دوسرے کو چیلنج کرتے رہے ہیں۔ لیکن ہمیں کوئی چیلنج نہیں کرتا۔ چیلنج تو چیلنج ہے، کوئی کسی بات پر اعتراض و جواب کیلئے قلم نہیں اُٹھاتا۔ بلکہ ہم خط لکھتے ہیں، رجسٹری بھیجتے ہیں جواب کیلئے ٹکٹ بھیجتے ہیں تب بھی جواب نہیں دیا جاتا اور ہمارے بھیجے ہوئے ٹکٹ بھی شیر مادر کی طرح ہضم کر لئے جاتے ہیں۔ پرویز صاحب ہماری کتاب ''**مواخذہ**'' حصہ اوّل ''قرآن اور پرویز'' پر تبصرہ کرنے کا وعدہ کر کے بھی تبصرہ نہ کر سکے۔ مودودی صاحب کا یہی حال ہوا۔ احمدی جماعت بھی ہمارے مضامین اور خطوط پر خاموشی میں اپنی نجات سمجھتی رہی ہے۔ یہ صرف اسلئے کہ ہم قرآن کے الفاظ کے معنی بحال رکھ کر بات کرنا چاہتے ہیں اور وہاں سارا کاروبار قرآن کو بدل بدل کر پیش کرنے سے چلتا ہے۔ ویسے اُن کی گاڑی اسٹارٹ (START) ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ عرصہ دو تین ماہ سے طلوع اسلام پرویز اور معارف الاسلام کے درمیان بحث جاری ہے اور دونوں طرف سے نظام اجتہاد کے بتائے ہوئے فرضی دلائل جاری ہیں۔ مگر دونوں ہم سے بات نہیں کرتے کہ کہیں سارا گھروندہ زمین پر نہ آ رہے۔ معارف الاسلام، مذہب شیعہ کے بنیادی عقائد کے خلاف لکھتا جاتا ہے اور پرویز نہایت ہی چابکدستی سے اسے دانہ ڈال ڈال کر جال کی طرف بڑھاتے جا رہے ہیں۔ مگر دونوں طرف جو کچھ ہو رہا ہے وہ قرآن و حدیث کا انکار ہے، معنوی تحریف ہے اور برسوں

کے عیاشی پسند دماغ بہت خوش ہیں کہ دین کی خدمت ہو رہی ہے۔لیکن مسلمانوں کا لکھا پڑھا اور روشن خیال طبقہ اور دانشورانِ قوم اُن کی اس دینی خدمت کو بکواس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔یہی وہ صدیوں پرانی بکواس ہے جس نے غیر مسلموں کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً مذہب سے متنفر کر کے اس میدان سے بھاگ کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔اب ناول اور ریڈرڈ ائجسٹ کو اسلامی کتابوں سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔لیکن اس رجحان کے برعکس ہماری مذہبی تصنیفات اور مضامین ہر طبقہ کے نوجوان اور بوڑھے نہایت شوق سے پڑھتے ہیں۔اور اُنکا یہی شوق اور تقاضہ ہے جس کی وجہ سے ہم نے اپنے نظامِ تبلیغ سے باہر بھی اپنے چند مضامین اور کتابیں شائع ہونے کیلئے دے دی ہیں۔ورنہ ہم تو تمام علما سے الگ رہ کر اپنے نظام تحریک تشیّع سے باہر کوئی چیز نہ جانے دیتے تھے۔ہم نے جس چیز پر پورا زور دیا ہے وہ نظام اجتہاد کی پول کھولنا ہے اور اُنکے بگاڑے ہوئے زوایائے نظر کو درست کر کے پوری آزادیٔ فکر کے ساتھ مذہبی تعلیم کے ہر پہلو کو بیباک تنقید کیلئے پیش کر دینا ہے۔تا کہ قومی و مذہبی تقدس کو بالائے طاق رکھ کر جو سو فیصد صحیح ہو اُسے اختیار کیا جائے اور ہر اُس غلط بات کو ٹھکرا دیا جائے جو صرف مصنوعی تقدس کے دباؤ سے تسلیم کی جا رہی ہو۔

(7)۔ نبوت ورسالت کے بعد صالحینؑ میں شرکت کا اعزاز کن کو دیا گیا ہے

سارا قرآن دیکھ جائیں آپ کو ہر نبیؑ یہ تمنا کرتا ملے گا کہ اُسے اُمتؑ مسلمہ اور ذریتؑ طاہرہ کے صالحین اور مومنین میں شامل کیا جائے۔اور جگہ جگہ آپ یہ دیکھیں گے کہ اللہ اپنے انبیاؑ اور رُسلؑ کو اس ذریتؑ میں شامل کئے جانے کی خوشخبریاں دیتا جا رہا ہے جو ہر نیکی کا معیار ہے جو ہر رسولؑ اور ہر نبیؑ کیلئے ایک ازلی و ابدی نمونہ ہے۔اور یہ وہی فطری صورتِ حال ہے کہ ہر بچہ اپنے ماں باپ اور ماحول کے معیار پر پورا اُترنا چاہتا ہے۔بلکہ اُن سب سے آگے بڑھ جانے اور بلند تر ہو جانے کی تمنا کرتا ہے۔اور روزمرہ تجربہ ہوتا ہے کہ آنے والے لوگ اپنے پہلے والوں سے درجات میں بڑھتے جاتے ہیں۔مگر انبیاؑ اور رُسلؑ کا معاملہ اس سے اتنا مختلف ہے کہ یہ حضراتؑ مذکورہ صالح گروہؑ اور اُس ذریتؑ طاہرہ سے بڑھ جانے کی دعا اور تمنا نہیں کرتے بلکہ صرف اُنکے معیار پر پورا اُترنے اور اُن میں شریک کر لئے جانے کی دعا کرتے ہیں۔اسلئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ نے اُس مخصوص گروہ کو اپنی قدرت کے انتہائی ظہور کا ذریعہ بنایا ہے،انہیں پوری کائنات کی ارتقائی ترقی کا منتہا مقرر کیا ہے۔اُنکے مقامِ بلند سے بلند تر اور کوئی مقام ہی نہیں ہے،اُنکی پسند اور معیار تک جا پہنچنا وہ امکانی ترقی ہے جو کوئی انسان کر سکتا ہے۔

(i)۔ انبیاؑ و رُسلؑ کا وہ گروہ جسے صالحینؑ میں شامل ہونے کی اطلاع دی گئی

جن آیات کا ہم نمبر لکھیں گے اُن کی تفصیل قرآن کریم سے آپ خود ملاحظہ فرمائیں تا کہ ہمارے مختصر بیان کی تصدیق ہوتی چلی جائے اور آپ کو قرآن پڑھنے کا ثواب بھی ہو۔ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ..... وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ..... وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ٥ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ..... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا

بِکٰفِرِیْنَo اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰ ھُمُ اقْتَدِہْ ۔(6/84-90)

ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے اور سب کو ھدایت کی اور نوحؑ کو اُن سے پہلے ہدایت کر چکے تھے اور اُسی کی ذریت میں سے داؤدؑ اور سلیمانؑ و ایوبؑ و یوسفؑ و موسٰیؑ اور ہارونؑ اور زکریاؑ و یحیٰؑ والیاسؑ یہ سب کے سب صالحین میں شمار ہیں۔اور ہم احسان کرنے والوں کو اُن ہی کی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ پھر اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ ولوطؑ بھی صالحین میں سے تھے اور اِن تمام انبیاؑ کو ہم نے ساری کائنات پر فضیلت دی ہے اور اُن انبیاؑ کے باپ دادوں اور اُن کے بھائیوں اور اُن کی ذریت میں سے ہم نے مجتبٰی بنائے اور انہیں صراط مستقیم کی ہدایت کی۔ یہ وہ ذخیرہ ہدایت ہیں کہ جس طرف ہم جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نواز دیتے ہیں۔ یہ انبیاؑ اور اُن کے آباؤاجداد اور بھائی بند اور ذریت ہی تو وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے اپنی تعلیمات کی کتابیں اور حکومتیں اور نبوتیں دی ہیں۔اب اگر یہ مکہ کے لوگ اُن کی کتابوں، نبوتوں اور حکومتوں سے کفر کرتے ہیں تو کیا پرواہ ہے۔ یقیناً ہم اِن کافروں پر ایک ایسی قوم کو وکیل بنانے والے ہیں جو اُن کتابوں، نبوتوں اور حکومتوں کا ہرگز کفر کرنے والی نہیں ہے۔ چنانچہ اَے (محمدؐ) نبیؐ مذکورہ گروہ انبیاؑ اور اُن کے بھائی بند اور آباؤاجداد اور اُن کی ذریت ہی وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ہدایت یافتہ تھے۔ چنانچہ تم بھی اُن ہی لوگوں کی ہدایت کی اقتدا اور پیروی کرو۔''

یہ ہے وہ گروہ انبیا علیھم السلام جن کو مذکورہ صالحینؑ میں شرکت کا اعزاز ملا۔اور یہی ہے وہ ذریتؑ طاہرہ جس کی راہنمائی مستقل اور پسندیدہ خداوندی ہے۔اور جس کی اقتدا اور پیروی کا ہر رسولؑ کو حکم ہوا اور خود آنحضرتؐ بھی نبوت و رسالت دینے والوں کی اقتدا اور پیروی پر مامور ہوئے ہیں۔اور آپؐ نے ازاوّل تا آخر مقاصد خداوندی کو پورا کیا ہے۔

(ii)۔ **نبوت کے بعد صالحین میں شمار ہونے کی عزت ملنے کا ایک اور ثبوت** یہ ہے کہ جناب یحیٰؑ کو تمام بزرگی و سرداری و نبوت کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ اَے زکریاؑ اللہ تجھے ایک ایسے فرزند یحیٰؑ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ کی تصدیق کرے گا۔

وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْن ۔سردار اور ضابط النفس اور صالحینؑ میں سے ایک نبیؑ ہوگا۔(آل عمران 3/39)

(iii)۔ **حضرت مریمؑ کو یہ بشارت دی گئی** کہ اَے مریمؑ اللہ تمہیں اپنے ایک خاص کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیحؑ ہوگا۔ جو دنیا اور آخرۃ میں نہایت وجیہ اور اللہ کا بہت مقرب ہوگا۔ وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِیْنَo اور لوگوں سے گہوارہ میں اور جوانی میں باتیں کرے گا اور صالحینؑ میں شریک ہوگا۔ (آل عمران 3/46)

(iv)۔ **انبیاؑ کو امام بنایا اور صالحینؑ میں شریک کیا** ۔حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کے تذکرہ میں پھر حضرت اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کی بات ہوئی اور فرمایا کہ : وَوَھَبْنَا لَہٗٓ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَۃً وَکُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ o وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ..... وَاَدْخَلْنٰہُ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّہٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَo (انبیاء۔21/72-75)

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ ہبہ کئے اور ان کو امام بنایا۔اور صالحینؑ میں داخل کیا۔ پھر حضرت لوطؑ کو محفوظ رکھنے کا تذکرہ کرکے کہا کہ ہم نے اسے اپنی رحمت میں داخل اور صالحینؑ کے ساتھ شمار کیا۔

(v)۔ **حضرت ادریسؑ اور ذاالکفلؑ کو بھی صالحینؑ میں شامل کیا تھا**۔ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِدْرِیْسَ وَ ذَا الْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَo

وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَo(انبیاء 86-21/85)

اوراسماعیلؑ وادریسؑ اورذاالکفلؑ سب صابر تھے۔اورہم نے اُن کواپنی رحمت میں اورصالحینؑ میں داخل کرلیا تھا۔

(vi)۔ حضرت ابراہیمؑ نے صالحینؑ کا تیارکردہ بیٹا مانگا تھا۔ رَبِّ هَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَo فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیۡمٍo

''اے میرے پالنے والے مجھے صالحینؑ میں ایک بیٹا عطا کر چنانچہ ہم نے ابراہیمؑ کو ایک بڑے نرم رو بچہ کی خوش خبری سنا دی تھی''(صافات 101-37/100)۔یہاں بھی صالحین کا وجود موجود و ثابت ہوتا ہے۔اورنبیوںؑ کا اُن ہی میں سے تقرر ہونا اوراُن ہی میں شرکت کرنے کی عزت پانا ثابت ہوتا چلا آ رہا ہے۔

(vii)۔حضرت ابراہیمؑ کو بھی مومنین کے گروہ میں سے ایک نبیؑ بتایا گیا۔اوراُن کو حضرت اسحٰق بھی صالحینؑ ہی کے گروہ میں سے دئے گئے تھے۔سَلٰمٌ عَلٰۤی اِبۡرٰهِیۡمَ o كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ o اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ o وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ o ابراہیمؑ پر ہمارا سلام ہو۔وہ بھی ہمارے مومن گروہ میں سے تھا۔یوں ہی ہم احسان پیشہ لوگوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔کہ ہم نے ابراہیمؑ کو بشارت دی کہ تمہیں صالحینؑ میں سے ایک اسحٰقؑ بطور نبیؑ دیں گے۔(112-37/109)

(viii)۔ حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ بھی اُسی ازلی مومن گروہ سے تھے ۔وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلٰی مُوۡسٰی وَهٰرُوۡنَo ....اِنَّهُمَا مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ o یقیناً ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر مِنّت پوری کرنے کا احسان کیا...........بلاشبہ وہ دونوں بھی ہمارے مومن گروہ ہی میں سے تھے۔(سورہ صافات آیت 114 سے 122 تک پڑھیں۔)

(ix)۔ الیاسینؑ بھی مومن بندوں میں سے تھے۔ (سورۃ صافات 132-37/130)

قارئین یہاں رک جائیں اورسوچیں کہ خالق کائنات کیلئے لازم تھا یانہیں؟ کہ ایک ایسا معیاری گروہ تیار رکھے جسے تمام جن و ملک اورتمام انبیاعلیھم السلام کیلئے بطور معیار سامنے رکھا جائے۔مادہ پرستوں یا نظام اجتہاد کے نمائندوں کا یہ تصور کہ کائنات میں انسان کو بھی گھاس پھونس اور جمادات ونباتات کی طرح اوراُن ہی میں سے پیدا کر دیا تھا۔اورانسانوں کی کئی ابتدائی نسلیں حیوانوں کی طرح، جنگلی جانوروں کی مانند، نہ بولنا جانتی تھیں نہ حواس خمسہ اورعقل و وجدان رکھتی تھیں۔رفتہ رفتہ انہیں اتفاقاتِ زمانہ اورتجربات سے یہ چیزیں حاصل ہوئیں۔قرآن کریم کی رو سے نہایت غلط،عقل وتجربہ کے خلاف اور بدیہات کا کھلا انکار ہے۔مذہب اورقرآن کا تصور یہ ہے کہ سب سے پہلا انسان اتنا بڑا عالم بنا کر وجود میں لایا گیا کہ اُسے کائنات کی ہر شے کا پورا تعارف حاصل تھا۔پھر اُسے کچھ عالی مرتبت بزرگوں سے متعارف کرایا گیا۔جنت کو بطور نمونہ پیش کیا گیا تاکہ وہ خود اعلیٰ مرتبہ تک جائے اور دنیا کو رشکِ جنت بنانے میں کوشاں ہو۔اس کے لئے داخلی وخارجی ایسا انتظام کیا گیا کہ وہ ترقی کی ہر منزل کے لئے اپنے روبرو بلند ترین نمونہ وہدایت موجود پائے۔اورآنے والوں کے لئے خود بھی ضروری سامان کا اضافہ کرے تاکہ اُس کا ہر جانشین بلند تر اورافضل تر ہوتا چلا جائے۔چنانچہ جوحضرات تمام انبیاؑ کی محنتوں کا مادّی نتیجہ تھے،جن کواللہ نے روز ازل سے اپنی قدرتوں کا نمونہ بنایا تھا،وہی پچھلے عنوانات میں آپ کے سامنے لائے گئے ہیں۔

8۔ نورانی تخلیق وتعلیم کے بعد انبیاؑ کے ساتھ ساتھ خانوادہ حسین علیہ السلام کا سفرِ حیات

کروڑوں، اربوں یعنی لامحدود زمانہ تک وہ نورانی اجسام اللہ کے زیرِ تربیت رہنے اور نورانی تکمیل کے بعد حضرت آدمؑ کے اندر و باہر اس طرح آراستہ کئے گئے کہ حضرت آدمؑ کی نورانی راہنمائی کرتے ہوئے ہر نبیؑ کے ساتھ چلیں اور از آدمؑ تا عبدالمطلبؑ تمام مادی و محسوس علوم وتجارب حاصل کریں۔ تاکہ جب اُن کا اپنا مادی ومحسوس ظہور ہوتو وہ تمام محسوس وغیر محسوس اور نوری و مادی علوم وتجربات کا مجسمہ بن چکیں۔ تمام کتبہائے خداوندی کے عالم وحامل وحافظ وقاری ہوں۔ اور سینوں اور قلوب واذھان میں لبریز قرآن کریم حسب موقعہ زبان پر جاری ہو۔ چنانچہ حضرت آدمؑ سے خاتمؐ تک یہ بلا انقطاع قرآن کے معجزنما بیان میں یوں ریکارڈ کیا گیا ہے کہ یہ ایک ہی خانوادہ نبوتؐ ورسالتؐ وامامتؑ ہے۔

(i)۔ شجرہ طیّبہ کا قرآنی تسلسل اور تحفظ اور ایک خاندان ہونا

اللہ نے فرمایا کہ:۔اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَo ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ o حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ کو اور آلؑ ابراہیمؑ وآل عمرانؑ کو پوری کائنات کیلئے منتخب وممتاز حیثیت دی۔ یہ سب ایک سلسلے کے حضراتؑ تھے جو ایک دوسرے کی ذریت تھے اور اللہ نے اس سلسلے میں اپنی سماعت اور علم کا پورا پورا مظاہرہ کیا تھا۔ (آل عمران 34-3/33)

(ii)۔ یہ ذریت آدمؑ سے لے کر برابر انعامات پاتی اور آیات اللہ پر جھکتی چلی آئی ہے

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫ وَّمِنۡ ذُرِّیَّۃِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡرَآءِیۡلَ وَمِمَّنۡ ہَدَیۡنَا وَاجۡتَبَیۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُکِیًّاo (مریم 19/58)

مندرجہ بالا وہی حضراتؑ ہیں جن پر اللہ نے پے در پے انعامات کئے۔ جو ذریتِ آدمؑ کے انبیاؑ ہیں اور وہ ذریت مستقلہ ہے جس کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ اور جو آگے چل کر ابراہیمؑ واسرائیلؑ کی ذریت کہلائی۔ اور جن کی ہم نے مسلسل ہدایت کاری کی اور جنہیں ہم نے انتخاب در انتخاب ایسا بنا دیا کہ وہ رحمٰن کی تمام آیات ومعجزات کو جانتے ہیں اور اسی طرح جب ان کے روبرو آیات کی تلاوت ہوتی ہے تو وہ فوراً روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

قارئین یہ دیکھیں کہ نہ کسی عمر کی قید وشرط ہے نہ کسی عہدے اور منصب کا بیان ہے۔ اور چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ اُس خانوادہ کی مدح وثنا فرما رہا ہے۔ اسلئے لازم ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ اُس خاندان کا ہر فرد ہر سن وسال میں تمام آیاتِ خداوندی کو سمجھتا اور متاثر ہوتا تھا اور سجدے بجالاتا تھا۔ اور یہی ہمارا احادیث کا ریکارڈ کہتا ہے کہ آلؑ محمدؐ کا ہر بچہ پیدا ہوتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گہوارہ ہی میں تلاوتِ قرآن وتوریت وانجیل کیا کرتا تھا۔ ورنہ اللہ نے قرآن میں اُن لوگوں کی مذمت کی ہے جو بلا سمجھے آیات سن کر سجدہ میں گر جائیں۔ اور اُن لوگوں کی مدح کی ہے جو بلا سمجھے سجدہ نہ کریں۔ (فرقان۔ 25/73)

(iii)۔ خانوادہ رسولؐ قرآن کریم اور دیگر کتبہائے خداوندی کا عالم تھا

یہاں یہ ملاحظہ کرنے کی چیز ہے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ اہل بیتؑ کو بھی صاحبان کتاب فرمایا گیا ہے اور اس کی تشریح دوسری آیت میں وہی کی ہے کہ قرآن اور تمام آیاتِ خداوندی اُن کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ:۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ o

''جس طرح ہم نے اہل کتاب کو کتاب دی تھی اُسی طرح ہم نے تم پر بھی کتاب نازل کی ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی وہ اس پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان اہل کتاب یہود ونصاریٰ میں سے بھی کچھ لوگ مانتے ہیں۔ اور ہماری آیات کا کھلا انکار کافروں کے سوا کوئی اور نہیں کرتا۔'' (عنکبوت 29/47)

یہاں نظامِ اجتہاد نے یہود ونصاریٰ مراد لیا ہے۔ حالانکہ اُن کی مخالفت بیان ہوتی ہوئی چلی آرہی تھی۔ اور اُن میں سے بعض کے ماننے کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اہل کتاب کے علاوہ جن کو کتاب ملنے میں رسولؐ اللہ کا شریک قرار دیا گیا ہے، وہ خانوادۂ رسولؐ ہے۔ اگلی آیات اس آیت کو واضح کر دیتی ہیں جن میں فرمایا کہ:۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ o بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ o وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ o اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o

(عنکبوت 29/48-52)

ہماری آیات پر اس جھگڑے اور انکار سے پہلے نہ تو تم اُن کے روبرو قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے اور نہ ہی تم اُن کے سامنے اپنے داھنے ہاتھ سے قرآن لکھا کرتے تھے۔ اگر ایسا کیا ہوتا تو تعلیماتِ خداوندی کو باطل قرار دینے والا گروہ لوگوں کو شش و پنج اور تخمسوں میں اُلجھا دیتا۔ لیکن قرآن صرف لکھنے اور تلاوت کرنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ وہ تو اُن لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ جن کو علومِ خداوندی مرحمت ہوئے ہیں۔ بات وہی ہے کہ مخالف محاذ نے حقیقت کو چھپانے (کفر) اور بے محل (ظلم) ثابت کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔ اُس محاذ کے سوا کوئی بھی ہماری اِن تلاوت شدہ آیات میں جھگڑا نہیں کرتے۔ قرآن کی مذکورہ تلاوت سُن لینے کے بعد بھی مخالف محاذ یہ کہتا ہے کہ اپنے گھریلو اور رٹے ہوئے تصورات پیش کرنے کے بجائے ہم چاہتے ہیں کہ کیوں نہ اُس کے رب نے آیات کو ہمارے معیار کے مطابق اُتارا۔ اُن سے جواباً کہہ دو کہ آیات زیرِ بحث بلاشک وشبہ اللہ ہی کے پاس سے آئی ہوئی آیات ہیں اور میں تو ایک کھل کر تنبیہہ کرنے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں۔ یا تو وہ یہ اعتراض کریں کہ جو قرآن ہم نے تم پر نازل کیا ہے اور جس کو اُن کے سامنے پڑھا جا رہا ہے۔ وہ ناقص ہے اور اُن کی ہدایت کے لئے کافی نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن میں ایمان لانے والی ہر قوم کے لئے رحمتیں اور ہر قسم کی تذکیر و عمل درآمد موجود ہے۔ اُن کو بتا دو کہ سنو تمہارے اور میرے درمیان وہ اللہ بطور حاضر و ناظر گواہ موجود ہے۔ جو تمہاری اس چالبازی ہی سے نہیں بلکہ

ہر اُس چیز سے واقف اور عالم ہے جو زمین اور آسمانوں میں کہیں بھی ہو۔ یہ بھی بتا دو کہ جو گروہ پہلے ہی سے ایک باطل اسکیم پر متفق ہو جانے کی بنا پر نظامِ خداوندی کو چھپا دینا چاہتے ہیں۔ وہ گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔ (سورۃ عنکبوت۔ 52-29/48)

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا o وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا o قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا o وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا o وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا o (بنی اسرائیل 109-17/105)

اور ہم نے تو قرآن کو حقیقی طریقہ پر نازل کر دیا ہے۔ اور وہ بالکل حقیقی صورت میں نازل ہو چکا ہے۔ تمہارے رسولؐ مقرر کرنے کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے کہ آپ بشارتیں دینے اور برے نتائج سے ڈراتے رہنے والے کا کام انجام دو۔ رہ گیا قرآن تو ہم اُسے لوگوں کے سامنے اُسی قدر پڑھوانا چاہتے ہیں۔ جس قدر ساتھ کے ساتھ محفوظ و موثر ہوتا چلا جائے۔ اور اُس کا نزول تو جس انداز میں ہوا ہے۔ اُس سے بہتر اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اور اُس مخالف، جھگڑا کرنے والے اور حق پوشی (کفر) اور ظلم کرنے والے محاذ کو بتا دو کہ خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تمہاری ذرہ برابر پرواہ اس لئے نہیں کہ قرآن کی تلاوت اور تمہارے جھگڑا شروع کرنے سے کہیں پہلے ہی جن لوگوں کو اللہ نے قرآن کا پورا علم (العلم) دے رکھا تھا۔ جب یہی تلاوت جس سے تم انکار کرتے ہو۔ اُن کے سامنے ہوتی ہے۔ تو ٹھوڑیوں کے بل زمین پر سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ سبحان اللہ۔ ہمارا پالنے والا بڑا ہی شان والا ہے۔ یقیناً جو وعدہ اُس نے ہم سے کر رکھا تھا۔ اور جس کے ہم منتظر چلے آتے تھے۔ وہ تو ضرور بالضرور ہمارے پالنے اور قرآن کی ترسیل کرنے والے نے پورا کرنا ہی تھا۔ پھر اُس وعدہ کا دردناک پہلو انہیں بے چین کر دیتا ہے۔ وہ روتے ہوئے پھر سجدہ کرتے ہیں۔ اور اس سے اُن کا جذبہ نیازمندی بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ (بنی اسرائیل 109-17/105)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o (2/121)

یہ لوگ وہی تو ہیں جنہیں ہم نے پوری کتاب (الکتاب) دے رکھی ہے۔ جو قرآن کا حقِ تلاوت ادا کرتے ہیں۔ اور یہی تو وہ حضرات ہیں جو قرآن پر پورا ایمان و یقین رکھتے ہیں۔ اور جو لوگ اس قرآنی حقیقت کو چھپا دینا (یکفر) چاہتے ہیں۔ وہی تو خسارہ میں رہنے والے لوگ ہیں۔ (سورۃ البقرۃ 2/121)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا o (مریم 19/58)

اور یہی تو وہ لوگ ہیں جو ذریت آدمؑ و ابرہیمؑ کے نبیوںؑ میں سے ہیں جن پر اللہ نے مسلسل انعامات کئے ہیں۔ جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ طوفان سے بچانے کے لئے سوار کیا تھا۔ اور ہم نے ذریت ابراہیمؑ و اسرائیل میں سے جن کو ہدایت پر قائم رکھا اور مجتبیٰ بنایا تھا۔ جب اُن کے روبرو رحمٰن کی آیتوں کی تلاوت ہوتی ہے تو وہ روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں۔ (مریم 19/58)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ o ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ o

یقیناً اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ کو جیسا مصطفیٰ بنایا تھا ویسا ہی آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کو تمام کائنات پر منتخب وممتاز رکھا۔ یہ سب حضرات ایک ہی مجتبیٰ اور مصطفیٰ سلسلے کے لوگ ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی ذریت طاہرہ ہیں۔ اور اس سلسلے پر اللہ کا علم وسماعت شاہد ہے۔ (آلِ عمران 34-3/33)

اَلَمْ تَـرَ اِلَى الَّذِينَ اُوْتُوْا نَصِيبًا مِّنْ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا سَبِيلًاo اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًاo اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا o اَمْ يَـحْسُـدُوْنَ الـنَّـاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا o فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًاo (نسآء 55-4/51)

اور کیا آپؐ نے اُن لوگوں پر نظر نہیں رکھی ہے۔ جنہیں پوری کتاب میں سے دو قسطیں توریت و زبور و انجیل کا حصہ ملا ہوا ہے۔ جو آج کل جمہوریت اور مرکز اجتہاد پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو مسلمانوں سے زیادہ کافروں کو ہدایت یافتہ یا اپنے نظام سے قریب تر سمجھتے ہیں۔ وہی صاحبانِ توریت و زبور و انجیل وہ لوگ ہیں۔ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ اور جس کسی پر خدا لعنت کرتا ہے۔ اُسے اللہ کے مقابلہ میں کوئی مددگار نہیں ملا کرتا ہے۔ کیا اب ان ملعون اہل کتاب کو کسی مملکت کی خداداد حکومت حاصل ہے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا بھی تو یہ کسی کو ذرہ برابر مدد نہ دیتے۔ کیا یہ سب مخالف گروہ کے لوگ خدا کے اُس عطیہ سے حسد کر رہے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے آلِ ابراہیمؑ کو دیا ہوا ہے۔ اور ہم نے آلِ ابراہیمؑ میں برابر نبوت ورسالت و کتاب وحکمت اور بادشاہت ومملکت آج تک جاری رکھی ہے۔ چنانچہ اُن ہی مخالفوں میں سے وہ بھی ہیں جو تمہاری نبوت ورسالت وامامت اور کتاب وحکمت اور خاندانی بادشاہت پر ایمان لے آئے ہیں اور اُن ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو روڑے اٹکا رہے ہیں۔ یعنی ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی اولاد کی حکومت واقتدار نہیں چاہتے۔ (نساء 55-4/51)

(iv)۔ **مندرجہ بالا اکیس (21) آیات اگر اسی ترتیب سے ایک ہی جگہ مسلسل ہوتیں؟** تو نظام اجتہاد ہرگز بھولے بھالے لوگوں کو دھوکا دے کر اپنا نظام اور طرز حکومت جاری نہ کر سکتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ پھر خدا نے ایسا کیوں نہ کیا؟ کیوں نظام ابلیسی کو قائم ہونے کا موقع دیا؟؟ یہ بڑا سنجیدہ اور نہایت گمراہ کن سوال ہے۔ اور اپنی شکلیں بدل بدل کر طرح طرح کے سوالات کی صورت میں آج تک برابر شیعوں اور سنیوں کی زبان پر آتا رہتا ہے۔ اور جو جواب دیئے جاتے ہیں وہ سب مجتہدانہ ہوتے ہیں۔ یعنی جن سے ڈاکٹری علاج کی طرح اُس بیماری یا سوال سے سائل یا بیمار کو وقتی چھٹکارہ مل جائے۔ لیکن چند ہی روز میں وہ دوا یا جواب کئی دوسری بیماریوں یا سوالات کی صورت بدل کر پھر سائلوں اور بیماروں کو حاضر خدمت کر دے۔ اگر مجتہد یا ڈاکٹر لوگوں کو سوالات اور بیماریوں سے قطعی نجات دلا دیں تو پھر وہ غریب کھائیں کہاں سے؟ اور نتیجتاً میڈیکل کالج اور اجتہاد کے درسی ادارے ہی نہ بند ہو جائیں گے بلکہ نظام حکومت میں ایک دراڑ پڑ جائے گی۔ ٹیکس متاثر ہوگا، امپورٹ ایکسپورٹ پر ضرب پڑے گی، جھوٹی چھٹیاں لینے کیلئے میڈیکل سرٹیفیکیٹ نہ ملیں گے، پھر صحت مند لوگوں کی فکر بھی صحت مند ہوگی، وہ مجمعوں میں، تنہائیوں میں سرمایہ داران نظام کے خلاف صحیح علاج سوچیں گے۔ الغرض نظام باطل کا تختہ اُلٹ جائے گا۔ لہٰذا یہ جتنے ادارے آپ کو نظر آتے ہیں اُن میں سے کسی بھی مقدس نام کا ادارہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی طرح نظام ابلیسی

کا ممد و معاون نہ ہو۔ ہم اس قسم کے سوالات کا مختتم اور دندان شکن اور مُسکّت جواب ہر مکتب فکر اور ہر طبقہ کی عقل وفہم کے مطابق مختلف دیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کے قارئین کو مختصراً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر اللہ نوع انسانی کے گمراہ ہو جانے سے ذرہ برابر بھی ڈرا ہوتا تو اس نے گمراہی کا سب سے بڑا ادارہ ہی قائم نہ کیا ہوتا۔ یعنی ابلیس کو پیدا ہی نہ کیا ہوتا۔ اور اگر معاذ اللہ ابلیس کو پیدا کرنے کی کوئی مجبوری آ پڑی تھی تو اُسے عقل وقوتِ ارادی نہ دی ہوتی۔ اور پھر معاذ اللہ۔ اگر یہ بھی کوئی مجبوری تھی؟ تو آدمؑ اور اولادِ آدم کو ہی نہ پیدا کیا ہوتا۔ اور اگر یہ بھی کسی نے زبردستی کی تھی تو نوع انسان کو عقل وارادہ دینے کے بجائے اُنہیں گدھوں اور دوسرے جانوروں کی طرح بنا دیا ہوتا۔ پھر اگر یہ بھی ممکن نہ تھا تو ابلیس کو سجدہ نہ کرنے کے جُرم میں فی النار و السقر کر کے نیست ونابود کر دیا ہوتا۔ اور طویل ترین عمر اُس کے نصیب میں نہ کی ہوتی۔ اچھا یہ سب کچھ بدرجہ مجبوری اگر کر ہی لیا تھا تو اُس کو وہ قدرت واختیار کیوں دے دیا جو انسانوں کو حاصل نہیں ہے۔ وہ طویل عمر ہی کا مالک تو نہیں، وہ تو اس زمین کے طول وعرض میں ہر جگہ، ہر انسان کے ساتھ ساتھ رہنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ وہ کسی کو نظر نہیں آتا اور سب کو بیک وقت دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں رک کر کسی مشرک یا مجتہد سے دریافت کرو کہ تجھے اس غیر خدا کی ہر جگہ حاضری وناضری تسلیم کرنے میں تو کسی شرک باللہ کا خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی مسلمان یہ کہہ دے کہ اللہ کے انتظام کی قوت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام سربراہان اسلام سلام اللہ علیھم بھی شیطان اور ہر انسان کو دیکھتے ہیں اور اُن کی باتیں سنتے ہیں تو تجھ پر چاروں طرف سے شرک باللہ کی بجلیاں گرنے لگتی ہیں۔ اور سُنو! ابلیس کو طویل عمر کے ساتھ ساتھ ہی یہ قدرت بھی دی گئی کہ وہ انسانوں کے مال واولاد اور خون ونطفہ میں شریک ہو جائے۔ اسی قدر نہیں بلکہ انسانوں کو جنوں میں سے تعلیم دیکر اور الیکشن کے ذریعہ ایک گروہ (نصیبًا مفروضًا) تیار کرلے۔ اور انہیں پختہ مجتہد یا شیطان بنا دے، اُن کو اپنی آنکھیں، اپنی بصیرت اور اپنا دل ودماغ دے دے، اُن کو اپنی سواری اور آلہ کار بنالے، فطری تخلیق کو بدل کر اپنی ضرورت کے مطابق خلق اللہ کو استعمال کرلے۔ اللہ نے یہی سب کچھ نہیں کیا بلکہ جب ابلیس نے اللہ کو یہ کہہ کر ڈرانا چاہا کہ میں نوع انسان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا تو نہایت اطمینان سے فرمادیا کہ میں تجھے بھی اور تیرے گمراہ کئے ہوئے تمام انسانوں کو بھی جہنم میں جھونک دوں گا۔ یہ جو کچھ ہم نے طویل العمر ابلیس کے لئے لکھا ہے غپ شپ نہیں ہے۔ یہ تو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے مفصل بیانات کا مختصر سا خاکہ ہے۔ لہٰذا ناظرین پہلے نمبر پر یہ سُنیں کہ اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ صرف اور صرف خالص حق ہے، حق مطلق وحق محض ہے۔ ادارہ ابلیس اتنا ہی ضروری تھا جتنا ادارہ نبوت و رسالت و امامت ضروری ہے۔ تفصیلات ہماری تصنیفات میں دیکھیں۔ یہاں اس قدر سُن لیں کہ اللہ کو تمہاری ہدایت اور گمراہی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ تم سب گمراہ ہو جاؤ تو جہنم بہت بڑا ہے۔ تم سب ہدایت پا جاؤ تو جنت چھوٹی جگہ نہیں ہے۔ اللہ نے صرف اس قدر چاہا ہے کہ جو گمراہ ہو وہ سمجھ بوجھ کر پورے اطمینان سے گمراہ ہو اور جو ہدایت حاصل کرے وہ بھی پورے عقلی معیار پر ہدایت پائے۔ یعنی نہ کوئی اتفاقاً گمراہ ہونے پائے اور نہ کوئی اتفاقاً ہدایت حاصل کر سکے۔ بس جناب ابلیس کا ادارہ یہی کام کرتا ہے کہ ہدایت کی طرف بڑھنے والوں کو روک کر انہیں ایک متبادل راہ، ہدایت پانے کا ایک دوسرا عقلی طریقہ سُجھا دیتا ہے۔ ادارہ نبوت کی بتائی ہوئی راہ کے مقابلہ میں ایک سہل، عام فہم اور جلد پہنچنے والی خوبصورت وآرام دہ راہ پر ڈالنا چاہتا ہے۔ جو شخص نفع ونقصان اور غلط وصحیح، آسان ومشکل، مصلحتِ ذاتی یا قومی، تقاضائے وقت و

ضرورتِ زمانہ کی وجہ سے قرآن یا احکام نبویؐ میں اپنی عقل وبصیرت سے کوئی راہ نکالتا ہے، وہ ابلیسی اجتہاد کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ جو فلسفۂ خوف وطمع سے واقفیت کے بعد عقلی حیثیت سے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ خالق کائنات اللہ اور ماہر کائنات رسولؐ غلط اور مضر حکم دے ہی نہیں سکتے۔ اور خواہ نقصان ہو یا فائدہ ہو مجھے اپنی ذاتی متعلقات کی پرواہ کرنا ہی نہیں ہے۔ میں اور میری ساری دُنیا سب اللہ و رسوؐل کیلئے ہیں۔ میں ہر حال میں تعمیل کرونگا۔ جیسا کہ:۔ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشہ لب بام ہنوز

وہ ایسا شخص ہے کہ جو تمام جال توڑ دیتا ہے۔ نظام اجتہاد کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں۔ اس قسم اور ذہنیت کے افراد کا تیار کرنا ادارۂ نبوتؐ ورسالتؐ اور امامتؑ کا کام ہے۔ اور نبوت ورسالت کے لئے نبیؐ ورسولؐ اور امامؑ تیار کرنا اُس ذریتؑ طاہرہ کا کام ہے جس کا تعارف مندرجہ بالا آیات میں ہوا ہے۔ جسے قدیم ادوار میں ذریتِ آدمؑ ونوحؑ کہا گیا، پھر اُسی کو آل ابراہیمؑ واسماعیلؑ فرمایا گیا اور آخری دور نبوتؐ میں اُسی کو آلِ محمدؐ اور آلِ یاسینؑ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ادارہ نبوتؐ ورسالتؐ وامامتؑ کی مکمل ترین اور انتہائی صورت ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ نزول قرآن اور اُس کی تلاوت اور کتابی صورت میں تحفظ اس انداز سے کیا جائے کہ اُس میں تحریف کامیاب نہ ہو سکے اور اُس کے الفاظ ومتن اور عنوان بجنسہٖ برقرار رہتے چلے جائیں۔ لہٰذا ہر عنوان کو بہترین عملی صورت میں اس طرح تلاوت کیا گیا کہ جب تک عنوان کے متعلق تمام آیات تلاوت نہ ہو جائیں مجتہدین بات ہی نہ سمجھیں۔ اور جب بہت سے مختلف عنوانات کے اجزاء بیان ہوتے ہوتے مکمل کرنے والا جز بیان ہو تو اُدھر سابقہ اجزاء دُور اور الگ ہونے کی وجہ سے سامنے نہ رہیں۔ اِدھر اس وقت تک متعلقہ حصہ لوگوں کو یاد ہو جائے اور تحریری طور پر بھی مرتب ہو جائے۔ اس طرح مجتہدین کو یہ پتہ لگانا ناممکن ہو گیا کہ اس کے بعد کون سی آیات آئیں گی؟ اور اُن میں نئے وپرانے عنوانات کے متعلق کیا ہوگا؟ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ نظام اجتہاد کو اپنی کامیابی کی اُمید بندھی رہی۔ وہ اسلامی لباس میں مسلمانوں میں چلے آئے۔ خود کو پوشیدہ رکھنے کے لئے دینی اعمال نماز، روزہ وغیرہ بجالانے پڑے۔ بعض بعد میں دل سے اسلام لے آئے۔ بعض آج نہیں تو کل کی اُمید پر اپنا کام کرتے رہے۔ لیکن اُن سب کی اولادیں دل سے یا رسماً اسلام لے آئیں۔ اگر مندرجہ بالا آیات کی طرح تلاوت کر دی ہوتیں تو یہ مخالف محاذ قطعاً مایوس ہو جاتا۔ اور یہ لوگ چونکہ اپنی قوم و قبیلے اور خاندان میں وفاداری، اعتماد اور دانشوری میں مقبول ومشہور تھے۔ اُن کی مایوسی کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اُن کے ساتھ اُن کی قوم بھی اسلام سے الگ رہتی۔ جیسا کہ آج دُنیا کی تمام اقوام بڑے اطمینان سے غیر مسلم رہتی چلی جا رہی ہیں، یہ بھی مایوس ہیں۔ اِنکی مایوسی کا سبب یہ ہے کہ نظام اجتہاد سے بہتر اُنکے اپنے نظام ہیں اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمانوں کا نظام خود غیر مسلموں کی پیروی میں مصروف ہے۔ لہٰذا اللہ نے یہ انتظام کیا کہ اس وقت کا مخالف محاذ اپنی کامیابی کی گنجائش دیکھ کر آگے بڑھے۔ اور اپنی تمام جدّ وجہد اور سارا تجربہ استعمال کرے تاکہ اسلام تیزی سے پھیلے۔ اور اُدھر نبوتؐ ورسالتؐ وامامتؑ اور اسکی محافظ ذریتؑ کو بھی اپنی پوری بصیرت ومحنت وقربانیاں پیش کرنا پڑیں اور لوگ صحیح معنی میں ہدایت وگمراہی اختیار کر سکیں۔ یہ ان ہی مکرم ومعظم ہستیوںؑ کی خداداد قدرت وصبر واستقامت اور جذبہ قربانی تھا کہ اللہ نے اپنے ہاتھ سے ابلیسی شراروں کو پیدا کیا اور ہمیشہ اُسے ترقی کا سامان دیتا چلا آیا تاکہ اس کے شعلوں میں کمی نہ ہونے پائے اور وہ بھڑک بھڑک کر بلند تر ہوتے جائیں۔ اور مذکورہ وموصوفہ حضراتؑ دین کی شمعیں بڑھاتے اور تاریکیوں میں چراغاں کرتے

چلے جائیں تا کہ ابلیسی مزاحمت بھی اُن کی خدمت کرے۔اور اُسے ڈنڈے سے خاموش نہ کر دیا جائے۔ یہ مشیت خداوندی کا احسان ہے کہ:۔ ؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

دراصل ابلیس بے وقوف اور احمق بن کر رہ گیا۔اُسے اور اُس کے تمام اداروں کو مسلسل شکست کا سامنا کرنا پڑا۔اور نبوتؐ و امامتؑ نے بنی نوع انسان کو زمین سے اُٹھا کر فلک الافلاک تک بلند کر دیا۔اور آج ساری دنیا حقیقت حال پر مطلع ہو چکی ہے۔

9۔ خانوادہ حسینؑ کے بزرگوں پر تاریخی نظر

یہاں تک خانوادہ حسین علیہ السلام کا شجرہ نسب حضرت آدم علیہ السلام تک محفوظ کر دیا گیا۔اُس کی تاریخی اور قرآنی عظمت اور اُس کے وجود میں لانے کے مقاصد بیان ہو چکے۔اس خاندان کے بادشاہوں اور اُن کے دستورِ حیات اور کارنامے گزر چکے۔ یہ معلوم ہو چکا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیدار کی نسل سے نہیں ہیں۔اور یہ کہ یہ ایک مغالطہ تھا جو قحطانیوں نے خود اسماعیلی بن جانے کے لئے دیا تھا۔اور یہ بھی دیکھ لیا کہ قیدار کی نسل کا کوئی شجرہ نسب کہیں ریکارڈ نہیں کیا گیا۔اور یہ بھی کہ قیداری نسل میں نہ کوئی حکومت قائم ہوئی نہ کوئی بادشاہ ہوا۔نہ تمدن وترقی میں اُن کا کوئی حصہ معلوم ہوا۔اس کے برعکس آنحضرتؐ ،حضرت اسماعیلؑ کے فرزندِ بزرگ جناب نابت علیہ السلام کی براہ راست یعنی اُن کی اور اُن کے بیٹوں کی بڑی اولاد میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت عبدالمطلبؑ کے چھوٹے بیٹے سے پیدا ہوئے اور حضرت علیؑ بدستورِ خداوندی براہ راست اوپر تک بڑے بیٹوں کی اولاد میں سے پیدا ہوئے۔

اس عنوان میں پہلے یہ سُن لیں کہ حضرت نابت علیہ السلام اولادِ اسماعیلؑ میں پہلے فرمانروا ہیں۔اُن کے بعد یہ طریقہ جاری رہا کہ ہر جانشین کا جانشین بڑا بیٹا ہوتا اور عہدہ امامت کے فرائض انجام دیتا تھا۔اور اکثر ایسا ہوتا رہا کہ امامؑ زمانہ اپنے ماتحت انتظام مملکت کے لیے ایک یا چند حاکم و بادشاہ مقرر کرتا رہتا تھا۔البتہ مخصوص حالات میں خود ہی عنانِ حکومت سنبھال لیتا تھا۔جیسا کہ جناب نابت اور پھر اُن کے بیٹے جناب صفی علیہما السلام دونوں نے امامت کے ساتھ بادشاہت بھی اپنے ہاتھ میں رکھی تھی۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں قائم ہونے والی نبوتیں اور تمام نبیؑ بھی حضرت اسماعیلؑ کی نابتی امامت کے ماتحت رہتے تھے۔اور وہ سب امامت و ملّت ابراہیمؑ کی تائید وتوضیح کرتے تھے۔اُن پر کوئی کتاب ملت ابراہیمؑ کے خلاف نازل نہیں ہو سکتی تھی۔نبوتؐ ورسالتؐ کا امامتؑ کے ماتحت رہنا قرآن کریم سے ثابت کیا جا چکا ہے۔اللہ نے رسولؐ اللہ کو خواہ مخواہ بطور تفریح یہ حکم نہیں دیا کہ:۔

''فَاِنۡ یَّکۡفُرۡبِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدۡ وَکَّلۡنَا بِهَا قَوۡمًا لَّیۡسُوۡا بِهَا بِکٰفِرِیۡنَ o اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقۡتَدِهۡ۔

اگر یہ مشرکین عرب تم پر ایمان نہیں لاتے تو پرواہ نہ کرنا۔ہم اُن کو ایک ایسی قوم کے حوالے کریں گے جو کسی حال میں تمہارے اقتدار وحکومت کا کفر کرنے والی نہیں ہے۔اُسی قوم کے لوگ تو وہ حضراتؑ ہیں جن کو اللہ نے آدمؑ سے لے کر آپؐ تک اپنی ہدایت کا نچوڑ بنایا ہے۔چنانچہ آپؐ اُن کی ہدایت یافتگی کی اقتدا کریں۔''(انعام 6/89-90)

اُسی گروہ کو ملت ابراہیم قرار دے کر یہ حکم دیا گیا کہ:۔

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰھِیۡمَ حَنِیۡفًا۔(16/123)''پھر ہم نے تم پر یہ وحی کی کہ تم ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرو۔''

لہٰذا یہ احکام خداوندی واضح الفاظ میں نبوتؐ ورسالت کو انتظامی طور پر امامتؑ کے ماتحت رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ تمام انبیاؑ ورسلؑ جو جناب اسماعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائیوں کی نسل میں گزرے۔ وہ سب حضرت نابت علیہ السلام کی نسلی امامت کے ماتحت تھے۔ اسی بنا پر جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت قائم آل محمدؐ کے ماتحت اور اُن کی اقتدا اور پیروی کریں گے۔ یہ آخری یعنی قُربِ قیامت والا ثبوت ہے جس پر تمام کلمہ گو متفق ہیں۔ اور یہاں تک بار بار یہ ثابت ہو چکا کہ نبوتؐ وخلافت ورسالت ہمیشہ عہدہ امامتؑ کے ماتحت رہی ہیں۔ اور یہ کہ یہ بڑھیا کے پٹواری والا لطیفہ نہیں، سنجیدہ احکام اور فطری تدریج ہے۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ نبیؑ یا امامؑ خود ہی بادشاہت بھی سنبھالے۔ چنانچہ جس طرح تمام انبیا ورُسل علیھم السلام خود بادشاہ نہیں تھے۔ اُسی طرح ہر امامؑ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ضرور بادشاہت بھی سنبھالے۔ مگر وہ اُسی بادشاہ یا خلیفہ یا مَلک یا حاکم یا سلطان کے ذمہ دار ہوں گے۔ جو اُن کے حکم سے اور اُن کے ماتحت دین کے احکام وتعزیرات نافذ کریں۔ جو اُن کی مرضی کے خلاف خود بادشاہ بن بیٹھیں وہ غاصب کہلائیں گے۔ اُن کی اطاعت گناہ ہوگی۔ چنانچہ نبوت کی دوسری شاخ میں بہت سے انبیاؑ گزرے مگر وہ گنتی کے نبیؑ یا رسولؑ تھے جو خود بادشاہ بھی ہوئے۔ ورنہ بادشاہ اُنکے ماتحت بنانے کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ جہاں بنی اسرائیل کی درخواست موجود ہے کہ:۔

ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (2/246)۔ وَقَالَ لَھُمۡ نَبِیُّھُمۡ اِنَّ اللّٰہَ قَدۡ بَعَثَ لَکُمۡ طَالُوۡتَ مَلِکًا(2/247)ہمارے لئے ایک بادشاہ قائم کردو۔ پھر جناب سموئیلؑ نبی نے طالوت علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنی اور اللہ کی طرف سے مَلک یعنی بادشاہ بنایا۔

یہاں نظام اجتہاد کی مخالفت اور اُن کا معیارِ بادشاہت بھی مذکور ہے۔ جس پر مشرکین عرب نے اپنا منصوبہ بنایا تھا۔ یہی جگہ ہے جہاں تحریک تشیّع کے شعبہ تصوف کا اور آئمہ اہل بیت علیھم السلام کے اُس تعاون کی وجہ کو سمجھا جا سکتا ہے جو اُن حضرات نے اپنے اپنے زمانہ کے بادشاہوں سے کیا تھا۔ اور چاہا تھا کہ وہ اُن کے مشورہ پر عمل کر کے احکام خدا اور رسولؐ نافذ کریں اور عذاب جہنم سے بچ جائیں۔ یعنی اگر وہ اُن کی مرضی اور اجازت سے بادشاہ بنتے اور اُن کے ماتحت رہ کر اُن کے احکام نافذ کرتے تو ہمیں اُن کے خلاف تحریک تشیّع نہ چلانا پڑتی اور وہ خدا کے روبرو ذلیل وخوار اور معذّب ہونے سے بچ جاتے۔ اور یہ بھی نوٹ کرلیں کہ ہمارے مخالف علما نے عوام کو ہمیشہ یہ تاثر دیا ہے کہ وہ بادشاہ اہل بیتؑ رسوؐل کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اُن سے محبت کرتے تھے۔ اُن کے غلام کہلانے پر فخر کرتے تھے۔ اُن کیلئے تختِ خلافت چھوڑ دینے کو تیار رہتے تھے۔ اور یہ کہ آئمہؑ اہل بیتؑ کی رضامندی سے اُن لوگوں نے حکومت قائم کی تھی۔ اُن ہی کے مشوروں سے وہ حکومت وخلافت کرتے تھے۔ اگر کہیں عوام اہل سنت کو اصلیّت معلوم ہو جائے تو وہ ایک لمحہ کے لئے اُن علما کے مذہب میں نہ ٹھہریں۔ ہمارا کام اسی قدر ہے کہ جس طرح ہو سکے نظام اجتہاد کے فریب کا پردہ چاک کریں اور سیدھے سادے عوام مسلمانوں کو صحیح صورت حال پر متوجہ کریں۔ اُنہیں بتائیں کہ اُن بادشاہوں نے جس طرح سیاسی نعرے لگائے۔ جو کچھ پبلک میں مشہور کیا اور جس طرح خاندان رسوؐل کو تباہ وبرباد کرنے کا انتظام کیا وہی تو امام حسین علیہ السلام نے منظر عام پر رکھا ہے۔ اور سابقہ ہر فریب ومکر وعیاری نے چیخ چیخ کر اعلان کیا ہے کہ وہ تمام بہانے بازیاں تھیں اور انہوں نے محض اسلام کی نقاب پہن رکھی تھی۔ وہ خالص مشرک وکافر محاذ تھا، انہوں

نے کلمہ کو اپنی آڑ بنایا تھا، انہوں نے کبھی قرآن کے خلاف عمل سے پرہیز نہیں کیا تھا۔

(i) حضرت نابتؑ اور جناب صفی علیہما السلام کے بعد تمام آل ابراہیمؑ حضرت نابتؑ کی نسلی امامت کے ماتحت چلتی رہی۔ نبوتیں، رسالتیں اور بادشاہتیں اُن کے ماتحت جاری رہیں۔ جناب طبری نے اپنی تاریخ میں نبطی شاخ کے ہر امام کا نام بنام ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔ جناب صفی ہی کو صیقا اور سمر کہا گیا ہے۔ دنیا کے تمام بادشاہوں میں یہ سب سے بہتر بادشاہ تھا۔ اس کے متعلق امیہ بن صلت شاعر نے یہ شعر کہا تھا:۔ اِنَّ الصَّفِی بن انبیت مملّکاً اَعْلٰی وَاَجْوَد من هر قل و قیصرا

بیشک صفی بن النبیت ایسا بادشاہ گزرا ہے جو ھرقل اور قیصر سے بھی زیادہ سخی اور بہتر بادشاہ تھا۔ (طبری جلد اول صفحہ 58)

اِس کے بعد طبری نے حضرت صفی علیہ السلام کے پوتے کی بادشاہت کا تذکرہ یوں لکھا ہے کہ:۔

(ii) ''سمیؑ بن صفیؑ ہی کو سما کہا گیا ہے اُن کا لقب مجثر کہا گیا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی عادل اور منتظم اور مدبّر بادشاہ تھے۔ اُمیہ بن صلت نے ہرقل بادشاہ روم کو مخاطب کرتے ہوئے اُسی کی طرف اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:۔

کُن کالمجثر اذقَالت رعیته + کان المجثراوفانا بما حملا

''تم بھی مجثر ایسے بنو اُس کی رعیت نے کہا تھا کہ مجثر ہم میں سب سے زیادہ اپنے عہد کا ایفا (پورا) کرنے والا ہے۔''

(طبری جلد اوّل صفحہ 57,58)

پھر جناب مجثر کے پوتے کا حال یوں لکھا ہے کہ:۔

(iii) ''ثامار (بن مقدمہؑ بن زارحؑ بن سمیؑ) ہی کو بہامی دُوس العتق کہا گیا ہے۔ اپنے زمانے کے حسین ترین شخص مانے گئے ہیں۔ اُنہی پر عربوں میں یہ ضرب المثل بن گئی کہ ''اَعتــق مــن دُوس'' (دُوس کی طرف سے آزاد چھوڑا ہوا)۔ اب اس کی وجہ یا تو اُن کا ذاتی حسن وشرافت ہے یا پھر اُن کا قدم ہے۔ اُن کے عہد مملکت میں جرہم بن فالج اور قطورا ھلاک ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُنہوں نے حرم کعبہ میں فسق وفجور اور فتنہ وفساد برپا کر دیا اور جناب دُوسؑ نے اُنہیں قتل کر دیا۔ جو اُن میں کم سن تھے۔ اُن کے آثار کو دیمک نے کھا کر ختم کر دیا۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 57)

قارئین یہاں نوٹ کرلیں کہ جرھم قحطانی ہیں اور یہی جگہ ہے جہاں سے قحطانیوں کے مختلف گروہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نبطی شاخ سے دشمنی اور انتقام کا رویہ اختیار کیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ خود کو اسماعیلی مشہور کرنا شروع کیا۔ نبطیوں کے خاندانوں کی پناہیں لیں، خادموں کی حیثیت سے داخل ہوئے، اپنی عورتوں اور بچوں کو خانوادہ رسولؐ کے بزرگوں کی خدمت میں بطور غلام وکنیز بھیجا۔ تاکہ جن کو موقع ملے انتقام لے اور اس نسل سے الحاق کرلے تاکہ اسماعیلی بن سکے۔ یہی لوگ ہیں جن کی اولاد بعد میں لفظ قریش کو مشکوک کر کے قریشی وغیرہ بن بیٹھی تھی اور پھر خاندان رسوؐل کو مٹانے اور اسلام کو کفر میں تبدیل کرنے میں کوشاں رہی۔

جناب دوس علیہ السلام کے پوتے کا حال ملاحظہ ہو:۔

(iv) عاصار (بن قنادی بن ثامار دوس) ہی کو عاصر کہا گیا ہے۔ اُن کا ایک نام نیدوان بھی مشہور ہے۔ اُن ہی کا لقب قاذور ہے۔ اُن

کے بھی ایک بیٹے کا نام نبیت تھا۔اور دوسرے کا نام جادان تھا۔عاصار کو صاحب مجالس بھی کہا گیا ہے۔اُنکی عہد مملکت میں حکومت کچھ دن کے لئے جادان کیلئے قبضے میں چلی گئی تھی لیکن پھر نبیت کی اولاد میں آ گئی تھی'' (طبری جلد اوّل صفحہ 57)

اِن ہی کے ایک پوتے کا تذکرہ یہ ہے:۔

(v) ''سداعؑ ہی کو دعائے اسماعیل کہا گیا ہے۔اُن ہی کا لقب ذوالمطانج ہے۔ذوالمطانج لقب اسلئے ہوا کہ بادشاہ ہوجانے کے بعد انہوں نے عرب کے ہر شہر میں ایک ایک مہمان خانہ قائم کیا تھا۔'' (جلد اوّل صفحہ 57)

اب اُن کے بیٹے کا ذکر سنیں:۔

(vi) ''عاقاریؑ کو ہی عاقر ابراھیمؑ کہا جاتا ہے۔اُن ہی کو جامع الشمل بھی کہا گیا ہے۔یہ لقب اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنی مملکت میں ہر خوفزدہ اور مظلوم کو پناہ دی۔مسافروں کو زادِ راہ دینے اور منزل تک پہنچانے کا انتظام جاری کیا۔اور تمام رعایا کی حالت درست کردی۔'' (طبری جلد اول صفحہ 57)

حضرت اسماعیل علیہ السلام خلیفۂ خداوندی بھی تھے۔نبیؑ اور رسوؐل بھی تھے،امامؑ بھی۔آپ کا سارا دور عبادت اور خانہ بدوش عرب کے مجہول قبائل کو آدمی بنانے اور دنیا میں جم کر رہنے،ترقی کرنے کے طریقے سکھانے میں گُزرا۔اُنہوں نے اِن وحشیوں اور درندوں کو مل جل کر رہنے اور منظّم ہوکر رہنے کے فوائد بتائے اور اُنکے مختلف گروہوں میں تعلیمات خداوندی سے دلچسپی پیدا کی۔خانہ کعبہ کو مرکزی حیثیت دی۔حضرت اسماعیلؑ سے حضرت عدنان علیہ السلام تک چالیس آئمہ علیھم السلام گزرے ہیں۔عرب کے نسابوں اور مورخوں کا حال سامنے لایا جاچکا ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو بغاوتیں ظہور پذیر ہوئیں انہوں نے وہ تمام ریکارڈ ضبط و ضائع اور تبدیل کیا جو سابقہ ادوار کی حکومتوں کی لائبریریوں سے لوٹا اور قابو میں کیا گیا تھا اور وہ تمام نشانات مٹادئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسماعیلی ونبطی خاندانوں نے چھوڑے تھے۔جن لوگوں کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے چالیس سالہ حالات ہی نہ ملتے ہوں اُن سے یہ امید کرنا کہ اس تین ہزار سال کے شاندار دور میں گزرنے والے حالات صحیح معلوم ہوجائیں ایک احمقانہ امید ہے۔بہرحال غیر عرب مؤرخین اور توریت اور انجیل کی مدد سے جو کچھ ملتا ہے وہ آپکے سامنے رکھ دیا گیا ہے۔قحطانیوں اور سبائیوں کے پھیلائے ہوئے اس گھٹاٹوپ اندھیرے ہی کو ایام جاہلیت یا ڈارک ایجز (Dark Ages) کہا جاتا ہے۔لیکن اس عربی ظلمات میں بھی اسماعیلؑ امامت کے چاند اور سورج برابر چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اُن کے روشن کئے ہوئے چراغ برابر روشن چلے آئے ہیں۔اس دھاندلی اور اس بے رحمانہ بے ایمانی کے باوجود چھ آئمہ علیھم السلام کا بادشاہت کرنا اور اپنی مملکت کی رعایا کو عدل وانصاف اور خوشحالی سے مالا مال رکھنا بہرحال ثابت ہوگیا۔اور تمام ذیلی نبوتیںؑ اور رسالتیںؑ اور بادشاہتیں اپنی شان اور عظمت کے ساتھ تاریخ و توریت وانجیل میں موجود وُ مسلّم ہیں اور جس قدر باتیں مخالفین نے کہی ہیں وہ سب بعد کی گھڑنت ہے اور خود مخالفوں کو اپنی اُن مزخرفات پر اتفاق نہیں ہے۔

10۔ خانوادہ حسینؑ کے جناب عدنان علیہ السلام کے بعد والے بزرگ

آپ جس متعلقہ کتاب کو اُٹھا کر دیکھیں گے اُس میں یہ لکھا ہوا ملے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرہ نسب میں جناب عدنانؑ تک کسی قسم کا شک وشبہ اور اختلاف نہیں ہے چنانچہ تمام مؤرخین اور نسّاب کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ: ''عدنان تک سلسلہ نسب حرف بحرف صحیح اور نا قابل شک ہے۔ احادیث میں مروی ہے۔ اشعار عرب میں مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب بھی ان ہی واسطوں سے عدنان تک پہنچتا ہے۔'' (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 97)

لیکن ہم قارئین کو یہ بتاتے آرہے ہیں کہ عرب کے حکومت زدہ مؤرخوں، نسّابوں اور راویوں اور مفسروں ومحدثین کسی چیز میں اختلاف نہ کریں، کسی چیز کو مشکوک نہ کریں اور کسی حقیقت کو بگاڑ کر پیش نہ کریں ناممکن ہے۔ ہماری ساری زندگی گزر گئی کہ ہمیں کوئی ایسی اہم حقیقت مل جائے جس پر واقعی یہ مشرک محاذ متفق ہوا ہے۔ لا واللہ یہ لوگ اپنے اقرار میں بھی انکار اور اتفاق واتحاد واجماع میں بھی اختلاف کے خلیّات چھپا دیا کرتے ہیں جو صرف اُن لوگوں کو نظر آتے ہیں جو بالغ النظر ہوں، جن کی بصیرت اور بصارت پر عصمتؑ کا سایہ رہتا ہو۔ ورنہ ٹائم بم کی طرح وہ پوشیدہ انکار واختلاف اُنکی مقرر کردہ مدت کے بعد ظاہر ہوا کرتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مشرکین عرب نے شجرہ طیبہ کو مشکوک کرنے کی جان توڑ کوشش کی اور خود اسماعیلی بن جانے کے لئے اسماعیلیوں کو کبھی جرہمی بتایا کبھی قحطانی قرار دیا۔ قبیلے کے قبیلے غلط باپ دادا کی اولاد مشہور کر دیئے گئے۔ اور بعد کے مؤرخین، خصوصاً شبلی صاحب نے غلطی معلوم ہو جانے اور خود غلطی کا اعلان کر دینے کے بعد بھی محض قدیم مؤرخین کی مقدس سنت کا نام لے کر واشگاف الفاظ میں غلط شجرہ لکھ دیا۔ یہاں ہم جناب عدنان علیہ السلام سے بعد والے بزرگوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ذکر اس وقت تک شروع کرنا درست نہیں جب تک یہ بات ثابت نہ ہو جائے کہ خود عدنان کے آباواجداد کون تھے؟ آیا وہ عربوں کے یہاں متفقہ طور پر حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے؟ اور اگر تھے تو حضرت اسماعیلؑ کے کون سے بیٹے کی اولاد تھے؟ ہم ہر حیثیت سے ثابت کر چکے اور آپ نے پورے شجرہ کو نام بنام پوری شہرت کے ساتھ دیکھ لیا کہ امام حسینؑ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ نسب جناب عدنانؑ سے گزرتا ہوا جناب نابت بن اسماعیلؑ تک واقعی بلا شک وشبہ پہنچتا ہے۔ اور عربوں کے تمام بیانات جو اُس کے خلاف ہیں وہ خود مشکوک اور سازش کے ماتحت ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ مقلّد قسم کے علمائے شیعہ نے بھی دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ کی تقلید میں وہ بیانات تسلیم کر لئے جو مشرکین کی سازش نے تیار کئے تھے۔ چنانچہ جناب علی نقی صاحب نے اپنی کتاب شہید انسانیت میں لکھ مارا کہ:

''حضرت کا نسب نامہ آپ کی ذات سے لے کر عدنان تک معتبر کتب تواریخ وسیئر میں موجود ہے۔'' (شہید انسانیت صفحہ 31)

اسکے بعد علامہ نے جناب عدنانؑ سے نیچے عبداللہؑ بن عبدالمطلبؑ تک شجرہ لکھا ہے۔ جناب عدنانؑ کے لئے لکھا کہ:۔

''اسمعیل کے بارہ فرزند تھے۔ ان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی۔ قیدار کی اولاد میں عدنان بہت مشہور ہیں۔ اور پیغمبر اسلام اُن ہی کی اولاد میں سے تھے۔'' (صفحہ 31 طبع اوّل)

لیجئے چُھٹی ہوگئی۔ یعنی یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے، ہی نہیں کہ آیا جناب عدنان قیدار کی اولاد میں سے ہیں یا نہیں؟ یعنی علامہ علی نقی نہ یہ جانتے ہیں کہ ام سلمہ اور حضرت علی علیہما السلام نے آنحضرتؐ اور حضرت علیؑ کا قیدار کی اولاد سے نہ ہونا اور حضرت نابتؑ بن اسماعیلؑ کی اولاد سے ہونا فرمایا ہے۔ نہ اُنہیں یہ معلوم کہ خاندان قیدار کے تباہ ہوجانے کی پیشگوئی توریت میں موجود ہے۔ نہ انہیں یہ خبر کہ امامت وجانشینی ابراہیمؑ واسماعیلؑ سے اُن کے بڑے بیٹے نابتؑ بن اسماعیل میں آئی ہے۔ اور اس طرح آنحضرتؐ وحضرت علیؑ ورثہ داران ابراہیمؑ ہیں۔ نہ یہ خبر کہ قیدار کے کتنے بیٹے تھے اور پھر سلسلہ وار اُن کا شجرہ عدنان تک کن کن ناموں سے پہنچا۔ اور حد ہوگئی کہ علامہ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جہاں جہاں پیغمبر اسلام، ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ لکھا جاتا ہے وہاں درود وسلام نہ سہی کم از کم صواد (ؐ) یا عین (ؑ) ہی لکھا جاتا ہے۔ علامہ جس قسم کا ایمان لائے ہیں، اس میں یہ گنجائش تو کہاں ہوتی کہ وہ حضرت عدنانؑ پر سلام لکھتے۔ انہوں نے تو انبیا علیہم السلام کے نام بھی اس طرح لکھے جیسے وہ اپنے بھائی بندوں کے نام لکھا کرتے ہیں۔

(10/2)۔ مشرکوں کے یہاں عدنانؑ قحطانی جرھمی ہیں

علامہ طبری نے آنحضرتؐ کے تمام اجداد کے عدنانؑ تک مختصر حالات لکھتے ہوئے معدؑ بن عدنانؑ کے لئے لکھا ہے کہ:۔

''معد بن عدنان کی ماں مہدو بنت اُللھم تھی ..... معد کے حقیقی بھائیوں میں سے ایک عدن بن عدنان تھا ..... اور ایک بھائی اَبَین بن عدنان تھا۔ اور دو اور بھائی اُدّ بن عدنان اور الٰہی بن عدنان تھے۔ اور دو بھائی ضحاک اور العی بن عدنان تھے۔ اُن سب بھائیوں کی ماں وہی ماں تھی جو معد بن عدنان کی ماں تھی۔ اُسی ماں مہدو سے معد بن عدنان کا ایک بھائی دیت بن عدنان بھی تھا۔ اُسی کو عَک بھی کہا جاتا ہے۔ بعض نسابوں نے کہا ہے کہ عک یمن کے علاقہ سمران کو چلا گیا تھا۔ اور اُس نے اپنے بھائی معد کو چھوڑ دیا تھا۔ اِس کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے کہ جب اہل حضور نے شعیب بن ذی مہدم الحضوری کو قتل کردیا۔ اللہ نے اُن کو سزا دینے کے لئے اُن پر بخت نصر کو متعین کردیا۔ ارمیا (نبیؑ) اور برخیا (نبیؑ) برآمد ہوئے۔ انہوں نے معد کو اپنے ساتھ سوار کرلیا۔ اور جب لڑائی فرو ہوئی انہوں نے معد کو مکے واپس کردیا۔ اُس نے یہاں آکر دیکھا کہ اس کے بھائی جو عدنان کے بیٹے تھے اور چچا وطن چھوڑ کر یمن کے قبائل میں جا ملے ہیں۔ اور اُن ہی میں انہوں نے بیاہ کرلئے ہیں۔ چونکہ بنو عدنان (یعنی عدنان کی اولاد) جرھم کی اولاد میں سے تھے۔ اس وجہ سے اُن کے ساتھ یمنیوں نے شفقت کا سلوک کیا۔ اس واقعہ پر کسی شاعر کے یہ شعر شہادت میں پیش کئے گئے ہیں:۔

ترکنا الدیت اخوتنا وعَکًّا اِلٰی سِمران فانطلقوا سراعًا

وکانوا من بنی عد نان حتیّٰ اضاعوا الامر بینهم فضاعًا

ترجمہ۔ ''ہم نے اپنے بھائی دیت اور عک کو سمران جانے کی اجازت دے دی اور وہ تیزی سے ادھر چل دئے۔ وہ بنو عدنان تھے مگر جب انہوں نے اپنی بات آپس میں خراب کرلی تو اُن کی بات بگڑ گئی۔'' (تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ 54-53)

قارئین حضرات غور فرمائیں۔ اس حوالہ میں بنو عدنان کو جرھم کی اولاد قرار دیا ہے۔ یعنی معد بن عدنان بنی اسماعیلؑ نہیں ہیں۔ اب دیکھئے جرھم کس خاندان کو کہتے ہیں۔

(10/3)۔ جرھم خاندان ابراہیمؑ واسماعیلؑ سے پہلے موجود تھا

’’قبیلہ جرھم حجاز میں آباد تھا۔تقریباً دو ہزار دوسو قبل مسیح میں جب حضرت اسماعیلؑ اس ملک میں آئے تو یہ قبیلہ ان ہی اطرف میں موجود تھا۔‘‘(ارض القرآن جلداوّل صفحہ 198)

معلوم ہوا کہ جرھم قبیلہ حضرت اسماعیل کی اولادنہیں بلکہ انکی اوراُنکے والدابراہیم علیہما السلام کی پیدائش سے بھی پہلے چلا ہوا آرہا تھا۔ہم اب اس بحث میں آگے بڑھنانہیں چاہتے ورنہ ارض القرآن نے مؤرخین کی ایک بڑی اہم چالا کی یہاں بیان کی ہے جس پر ہمیں بہت کچھ لکھنا اورعنوان سے ہٹنا پڑیگا۔آپ تو اتنا سمجھ لیں کہ آنحضرؐت کے نسب کومشکوک کرنے اورخوداسماعیلی بن جانے کیلئے مشرکین عرب نے ہر بےایمانی کی ہے، ہرجھوٹ بولا ہے، ہرفریب دیاہےاورآج تک علی نقی ہوں یا علی متقی سب فریب خوردہ علماومؤرخین ہیں اور اُن کی سوائے اُس بات کے جواُن کے خلاف ہوکسی بات کا اعتبار کرنا گناہ کبیرہ ہے۔طبری صاحب کی ہمت ملاحظہ ہوکہ عدنانی خاندان کو جرھمی خاندان بنانے کے جملے کا آخری لفظ لکھتے ہی مسلسل یہ بھی اعلان کردیا کہ:۔

’’عدنان بن اُدَد کے دو بھائی نبت اور عمر تھے۔معد بن عدنان تک ہمارے نبی محمد صلعم کے نسب میں کسی نساب کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔اور وہ اُسی طرح ہے جس طرح کہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔‘‘(تاریخ طبری جلداوّل صفحہ 54)

قارئین کرام ہم سب کوسر پکڑ کررونا چاہئے کہ جناب طبری کی پہلی جلد کے پہلے صفحہ سے صفحہ 54 تک ایک ایک جملہ اورایک ایک لفظ پڑھ جائیے۔آپ دیکھیں گے کہ علامہ نے آنحضرؐت سے لے کرعدنان تک نام بنام شجرہ لکھا ہے۔اوراس کے بعد اس خاندان کو جرہمی کہہ کر یہ لکھ دیا کہ اس خاندان کے جرہمی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون۔

(10/4)۔ عربوں نے آنحضرؐت کواسماعیلی خانوادہ سے خارج کرنے کا بھی سامان کیا

قارئین سے امید ہے کہ مشرکین عرب کی مشہور کردہ اور پروپیگنڈا کے ماتحت روایات و بیانات کا فریب ہونا سمجھ گئے ہوں گے۔ان لوگوں نے خوداسماعیلی اورقریشی بننے کیلئے ایسی ایسی چالیں چلیں اورایسے ایسے خطرناک انتظامات کئے کہ یتیم قسم کے علماومحققین نے ڈرکرآنحضرؐت کوقیدار کی نسل میں اوراُن مجھول النسب لوگوں کواسماعیلی یا قیداری اورقریشی مان لینے ہی میں اپنی اورخانوادہ رسوؐل کی خیریت سمجھی۔یہی وہ جاہل علما تھے جنھوں نے یہ اصول بنایا اوراس قسم کی روایات گھڑیں کہ جب دوخطرے سامنے ہوں یا دو کمزور روایات یا احادیث سامنے ہوں تو اُن میں سے کم خطرہ والی چیز یا ذرا بہتر روایت کو اختیار کرلو۔اس اصول کو اپنا کر ہمارے شیعہ سنی مؤرخین نے آنحضرؐت کے خاندان کواس خطرہ سے بچانا چاہا جومشرکین عرب کے وظیفہ خوار نسابوں اورمؤرخین نے تیار کیا تھا۔سنئے علامہ شبلی یہ سمجھ کر اقرار کررہے ہیں کہ دنیا میں کوئی محمداحسن پیدا ہونے والانہیں ہے۔جومیرے اس اقرار سے مشرک بزرگوں کا ستیاناس کرسکے۔چنانچہ علامہ شبلی آنحضرؐت کو بلادلیل وثبوت قیدار کی نسل میں سے بتانے کے بعد مسلسل اُسی جملے میں رقم طراز ہیں کہ:۔

’’عرب کے نسب دان تمام پشتوں کو محفوظ نہیں رکھتے تھے۔چنانچہ اکثرنسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک صرف آٹھ نو(9-8) پشتیں بیان کی ہیں۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔عدنان سے لے کرحضرت اسماعیلؑ تک اگرصرف نو دس پشتیں ہوں تو

یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا۔اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلداوّل صفحہ 160)

سوال ہے کہ عرب نسابوں کا حال اوراُن کے بیانات بھی تو آپ ہی کی تاریخ میں ہیں۔اور جن تاریخی شہادتوں سے یہ بیانات غلط ثابت ہوتے ہیں۔وہ بھی الہامی نہیں۔ بلکہ آپ ہی کی تاریخ میں ہیں۔تو آپ کو کیا حق ہے کہ تاریخ کی کسی بات کو غلط اور کسی بات کو صحیح قرار دیں؟ کیوں نہ ساری تاریخ کو بکواس کہہ کر الگ پھینک دیں؟ یا پھر ایسا معیار پیش کریں جس پر تاریخی اور مشرکی بیانات کو جانچا جا سکے؟ بہر حال یہ معلوم اور ثابت ہے کہ عربوں کے پاس جو تواریخ ہیں وہ معاویہ کے زمانہ سے پہلے کی نہیں ہیں اور وہ سب نا قابل اعتبار ہیں۔اُن میں ہی وہ خطرات پیش کئے گئے جن سے بچنے کے لئے بعد کے لوگ چپ چاپ آنحضرتؐ کو قیداری اور دشمنان خدا ورسولؐ کو اسماعیلی یا قریشی یا دونوں مان لیں۔لیکن جب معلوم ہوگیا کہ عرب مؤرخین،نسابوں کے محتاج تھے اور نساب اپنے بیان کردہ نسب ناموں میں سلسلہ وار لوگوں کے نام محفوظ نہ رکھتے تھے تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اُن خبیثوں نے بیچ میں کس کس کے نام چھوڑ دئے تھے؟ اور کون شخص حقیقتاً کس خاندان یا نسل سے تھا؟ بہر حال علامہ شبلی آگے چل کر فرماتے ہیں کہ:

''علامہ سہیلی (روض الانف) نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔کہ عدنان سے حضرت اسماعیل تک چالیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلداوّل صفحہ 161)

کوئی سہیلی ہو یا یارِ غار ہو،چونکہ اُن پر الہام نہ ہوتا تھا۔اسلئے انکے تاریخ کے بعض بیانات کو قبول کرنے اور بعض کو غلط قرار دینے سے جو بھی نتیجہ نکلتا ہو۔اس کو نظر انداز کر کے یہ تو بہر حال تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد باغی حکومتوں نے تاریخ وتفسیر و کتب حدیث کو اس ترکیب سے تیار کیا کہ قیامت تک لوگ محقق بننے کیلئے اُن کتابوں کی الٹ پلٹ میں لگے رہیں۔کوئی محقق اُن ہی کتابوں میں رسولؐ اللہ کو قیداری کہے اور کوئی نبطی بنانے کا انتظام کرے،کوئی رسولؐ اللہ کے والدین اور بزرگوں کو اسی انبار سے (معاذ اللہ) کافر ثابت کرے تو کوئی مومن بنانے میں لگا رہے،کوئی رسولؐ اللہ کو اَن پڑھ کہے،کوئی اُن کی تین بیٹیوں کا ہونا اور کافروں کی بیویاں ہونا لکھے،کوئی خبیث کافروں کو رسولؐ اللہ کا داماد قرار دے کر اپنے بزرگوں پر فخر کرے۔ یہ ملعون تاریخ ملعون نظام نے جاری کی تھی جس میں ساری دنیا الجھی چلی آرہی ہے اور نجات کی راہیں بند ہیں۔یقین واطمینان کے دروازوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ سنئے علامہ صاحب اُسی تاریخ سے یوروپ کے علما پر الزام لگاتے ہیں کہ:۔

''اس غلطی نے بعض عیسائی مؤرخوں کو اس بات کا موقع دیا کہ سرے سے اس بات کے منکر ہوگئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندان ابراہیمؑ سے ہیں۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلداوّل صفحہ 161)

قارئین علامہ شبلی اور عیسائی مؤرخین کو مشرکانہ تاریخوں میں اُلجھانے والوں پر لعنت بھیج کر یہ سوچیں کہ انہوں نے وہ تمام مواقع پیدا کئے تھے جن سے اسلام کفر بن جائے۔کفر کو اسلام کہنے لگیں۔اور حرام سے پیدا شدہ لوگ حلال زادے بن جائیں۔اور مجہول النسب قحطانیوں اور سبائیوں کو اسماعیلی وقریشی بنا دیا جائے۔ابولہب ملعون رسولؐ کا چچا کہلائے۔ یزید ملعون اسماعیلی شہزادہ لکھا جائے اور پھر اُسی خبیث انبار میں چند مقطوع النسل لوگ آگے بڑھیں۔اور یزید پر سلام و درود بھی بھیجنے لگیں۔ایک مذہب میں لاتعداد مذہب اور فرقے

اُسی تفسیر و تاریخ میں سے بنے اور سب جہنم کی طرف رواں دواں ہنستے کھیلتے چلے جا رہے ہیں۔لیکن سنو کہ میں جس مذہب اثنا عشری میں ہوں اُس کا تعلق اور ثبوت نظام اجتہاد اور اُس کے شیعہ سُنی مجتہدین کے بیانات پر نہیں ہے۔ یہ تو سب طاغوتی ٹولہ ہے۔ ہمارا مذہب سو فیصد قرآن کریم ،توریت وانجیل اور رسولؐ اللہ اور اُنکے بارہ معصومؑ جانشینوں کی معصومؑ احادیث پر ہے۔یہی علامہ شبلی رسولؐ کے نسب نامہ کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں کہ: ''صحیح بخاری (باب مبعث النبیؐ) میں یہیں (عدنان) تک ہے۔لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہیں یعنی عدناں بن عدد (اُدد) بن المقوم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن نابت بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 160)

قارئین یہ آخری بار نوٹ کر لیں کہ اہل سنت والجماعت کے سب سے بڑے اور سب سے معتبر امامِ حدیث،صحیح بخاری کے مولف کے نزدیک رسولؐ اللہ،علی مرتضیٰؑ اور امام حسینؑ اور اُن کا خانوادہ علیھم السلام قیدار کی اولاد میں نہیں بلکہ وہ جناب نابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیھم السلام کی اولاد میں سے ہیں۔اب جھوٹوں پر لعنت بھیج کر قرآن کے حکم کی تعمیل کریں اور پھر حضرت عدنان علیہ السلام سے نیچے والے بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوں اور بخاری یعنی محمد بن اسماعیل اور اُسی قسم کے علما کے لئے کہیں کہیں حق گوئی پر دُعا کریں۔

(10/5)۔ قحطانی یا جرھمی بادشاہوں اور خاندانوں میں حرامی اولاد بھی رہتی رہی

حضرت معد بن عدنانؑ کا ذکر ہو چکا ہے۔جہاں بنوعدنان کو قحطانی یا جرھمی بنانے کی کوشش دکھائی تھی۔(پیرا نمبر 10/2)

اب یہاں جرھم خاندان کا حال سُنیں۔علامہ طبری نے جناب عدنانؑ کے پوتے جناب نزارؑ کے بیٹوں کے متعلق ایک بڑی دلچسپ صورتِ حال لکھی ہے۔جس میں اس خاندان کی بصیرت اور دُور بینی کا ثبوت ملتا ہے،وہ لکھتے ہیں کہ:۔

''اثنائے راہ میں مضر(بن نزار بن معد بن عدنان) نے کہیں خشک گھانس چری ہوئی دیکھی۔اُسے دیکھ کر اُس نے کہا جس اونٹ نے اسے چرا ہے وہ کانا ہے۔ربیعہ (نزار کا بھائی) نے کہا وہ بھینگا ہے۔ایاد (تیسرے بھائی) نے کہا کہ اسکے دُم نہیں ہے۔ انمار نے کہا کہ وہ بھگوڑا ہے۔یہ اُس مقام سے تھوڑا ہی آگے بڑھے تھے کہ اُن کو ایک شخص ملا جسے اُس کا اونٹ چھوڑ بھاگا تھا۔اُس نے اِن سے پوچھا کہ تم نے میرا اونٹ دیکھا ہے؟مضر نے کہا وہ کانا ہے؟اس نے کہا ہاں۔ربیعہ نے کہا وہ بھینگا ہے؟اس نے کہا ہاں۔ایاد نے کہا اسکی دُم نہیں ہے؟اس نے کہا ہاں۔انمار نے کہا وہ بھگوڑا ہے؟اس نے کہا ہاں بیشک میرے اونٹ میں یہ تمام باتیں موجود ہیں۔تم مجھے بتاؤ کہ وہ اونٹ کہاں ہے؟انہوں نے قسم کھائی کہ ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں ہے۔وہ شخص نہ مانا اور اُن کے پیچھے پڑ گیا۔کہنے لگا تم نے میرے اونٹ کا پورا پتہ دیا ہے۔میں کیسے مانوں کہ تم نے اُسے دیکھا بھی نہیں ہے؟ یہ سب چل کر نجران آئے اور افعی الجرھمی (قاضی القضات) کے یہاں مقیم ہوئے۔اونٹ والے نے چلا کر کہا کہ ان لوگوں نے میرا اونٹ لیا ہے۔ان لوگوں نے اس کا پورا پتہ اور نشان بتایا ہے۔اور پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم نے اُسے دیکھا بھی نہیں ہے۔جرہمی (قاضی) نے اُن سے پوچھا کہ جب تم نے اُسے دیکھا بھی نہیں تو پھر کیوں کر اس کی واقعی صفات بیان کر دیں؟مضر نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اس نے گھانس کو صرف ایک طرف سے چرا تھا اور دوسری سمت یوں ہی چھوڑتا چلا گیا۔اس لئے میں نے قیاس کیا کہ وہ ضرور کانا ہے۔ربیعہ نے کہا میں نے دیکھا کہ اس کے اگلے پیروں میں سے ایک کا

نشانِ قدم پورا پڑتا ہے اور دوسرے کا نشان ناقص پڑتا ہے۔ اس لئے میں نے قیاس کیا کہ وہ بھینگا ہونے کی وجہ سے وہ ایک پاؤں پر دباؤ دے کر چلتا ہے۔ ایاد نے کہا چونکہ اُس کی مینگنیاں ایک ہی جگہ پر ڈھیر تھیں۔ میں نے قیاس کیا کہ اس کی دُم نہیں ہے۔ ورنہ دُم اُن کو بکھیر کر گراتی۔ انمار نے کہا کہ میں نے جب دیکھا کہ وہ صرف گھنی جھاڑی میں چرتا تھا اور جلدی سے وہاں سے گزر کر دوسرے ایسے مقام کو چلا جاتا تھا جہاں کا چارہ زیادہ نرم اور کمزور ہوتا۔ میں نے قیاس کیا کہ وہ اپنے مالک کو چھوڑ کر بھاگتے بھاگتے چرتا جارہا ہے۔ اس گفتگو کو سن کر (قاضی) جرہمی نے اونٹ والے سے کہا کہ انہوں نے تمہارا اونٹ نہیں لیا۔ تو جا کر تلاش کر۔ اور اب جرہمی (قاضی) نے اُن (نزار کے بیٹوں) سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے اپنا پتہ بتایا۔ اُس نے اُن کو خوش آمدید کہا اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے پاس کسی ضرورت سے آئے ہیں۔ پھر اُس نے اُن کے لئے کھانا منگایا اور سب نے مل کر کھانا کھایا اور شراب پی (معاذ اللہ)۔ مضر نے کہا اس سے بہتر شراب میں نے کبھی نہیں پی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انگور قبر پر پھلے تھے۔ ربیعہ نے کہا میں نے آج سے بہتر گوشت کبھی نہیں کھایا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کا یہ گوشت ہے۔ اس نے کُتیا کا دودھ پیا ہے۔ ایاد نے کہا کہ ہمارے میزبان سے زیادہ فیاض آدمی میری نظر سے نہیں گزرا۔ مگر یہ اُس باپ کا بیٹا نہیں ہے جس کا یہ مدعی ہے۔ انمار نے کہا کہ میں نے آج سے پہلے اس سے زیادہ مفید گفتگو نہیں سنی تھی۔ جرہمی (قاضی) نے بھی یہ گفتگو سن پائی اور اُسے بڑی حیرت ہوئی۔ اُس نے جا کر اپنی ماں سے اپنا نسب پوچھا۔ اُس نے کہا بے شک میں ایک بادشاہ کی بیوی تھی۔ اس کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اپنے ایک مہمان کو موقعہ دیا اور اُس سے میں حاملہ ہوئی۔ اس کے بعد اُس نے اپنے داروغہ سے دریافت کیا کہ شراب کہاں کی ہے؟ اس نے کہا یہ اُس انگور کی بیل کی ہے جو میں نے تمہارے باپ کی قبر پر بوئی ہے۔ اب اس نے چرواہے سے گوشت کی حقیقت پوچھی۔ اس نے کہا بے شک ایسی بکری کا ہے جس نے کتیا کے دودھ پر پرورش پائی تھی۔ اور اس وقت تک گلے میں کوئی اور بکری جنی نہ تھی (یعنی بچہ والی نہ تھی) کہ اس کا دودھ پلایا جاتا۔ جرہمی نے مضر سے پوچھا کہئے آپ نے کیوں کر شراب اور اس کے پھل کو شناخت کیا کہ یہ قبر پر پھلا ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اُس کے پینے سے سخت پیاس معلوم ہوئی۔ ربیعہ سے پوچھا تم نے گوشت کو کیونکر شناخت کیا۔ اس کی بھی اس نے کوئی توجیہہ کر دی۔ اب اس نے پوچھا کہ اچھا آپ یہ بتایئے کہ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنا سارا واقعہ بیان کیا کہ ہمارے باپ نے ہمیں یہ وصیت کی تھی کہ وراثت کی تقسیم میں آپ لوگوں کو اختلاف ہو تو جرہمی سے فیصلہ کرانا۔'' (تاریخ طبری۔ جلد اوّل صفحہ 52-51)

(10/6)۔ مشرکین عرب کی تاریخ کی ہر وہ بات صحیح ہے جو سچ مچ اُن کے خلاف ہو

مشرکین عرب نے بڑی دانش مندی کے ساتھ مندرجہ بالا احمقانہ واقعہ گھڑا ہے۔ احمقانہ اس لئے کہ کسی بھی مذہب و ملت کے انسان کو، خواہ وہ بھنگی اور مردار خور ہی کیوں نہ ہو۔ جب یہ پتہ چل جائے کہ جو گوشت وہ کھا رہا ہے۔ وہ کتیا کے دودھ سے بنا ہے۔ تو وہ قے کرتا، اُبکائیاں لیتا، دسترخوان سے اُٹھ جائے گا۔ اور ہرگز نہ کہے گا کہ وہ گوشت تمام گوشتوں سے لذیذ تر ہے۔ پھر عملاً و اتفاقاً یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت اس قسم کی تمام چیزیں اس دسترخوان پر جمع ہو جائیں جو فوراً بچھایا گیا ہو اور پہلے سے اس کی کوئی تیاری نہ کی گئی ہو۔ پھر داروغہ کو یا چرواہے کو اُن انگوروں کی شراب بنانے، اس بکری کے ذبح کا ذمہ دار بھی ماننا پڑے گا جو ناممکن اور غلط ہے۔ پھر

پیاس لگنے کے لئے دوسری بہت سی علامات واسباب موجود ہیں۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ میزبان کوحرامی کہنے والی بات اتنی بلند آواز سے پکار کر کرنا، دانشمندوں کا کام نہیں ہے۔اور یہاں دانشوروں کی دانش ہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر بادشاہ کے اس بیٹے کو بھی بادشاہ ہونا چاہئے تھا۔ پھر وہ توجیہہ غائب ہے جو ایادنے کی تھی۔اس واقعہ میں دانش مندی یہ ہے کہ دانش مندی کی آڑ میں خانوادہ رسولؐ کے بزرگوں کو شراب وحرام خوراور باپ کے نافرمان ثابت کر دیا۔اورلوگوں نے فضیلت کی آڑ میں اس نانہجار کہانی کوقبول کرلیا۔ بہر حال اس کہانی میں جو چیز بلا شک وشبہ صحیح ہے وہ وہی ہے جو عربوں کے خلاف ہو۔اور دوسرے واقعات سے ثابت ہو۔مثلاً یہ کہ سبائی ،قحطانی اور جرھمی خاندانوں میں بے تکلف حرام کی اولاد پیدا کرا کے اپنے خاندان میں شمار کر لی جاتی تھی۔اس پر عربوں کی تاریخ اور قرآن وحدیث و مشاہدات گواہ ہیں۔اُن میں حرام خوری برابر جاری تھی ،حرام برابر جاری تھا، یہاں تک کہ قرآن نے مسلمانوں کوحرام وخبائث کھانے سے اور زنااوروہ بھی اپنی ماں اور بہنوں سے زنا کوروکا(دیکھو کتاب، اسلام اور جنسی تعلقات)۔رہ گیا خانوادہ رسولؐ تو قرآن وحدیث کی رُو سے اس شاخ میں کوئی زانی ،حرام کار وحرام خور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔اور ہم اسی بنا پر کسی نبیؑ کے والدووالدہ کو غیر معصوم نہیں مانتے اوررہ گئیں مشرکین عرب کے زیر انتظام تیار ہونے والی کتابیں، اُنکا نا قابل اعتبار ہونا بار بار ثابت ہو چکا ہے۔اُن کا ہر وہ قصہ غلط ہے، ہر وہ روایت باطل ہے، ہر وہ تفسیر شیطانی ہے، جس سے آنحضرتؐ کے بزرگوں اوراُن کی اولاد کی حکومت، عصمت واختیارات ومنزلت وغیرہ پر ظاہر و باطن حرف آئے یا جن سے ابلیسی اور طاغوتی خانوادے یا شجرہ ملعونہ کے افراد کواسماعیلی قریشی یاہاشمی وغیرہ بنانے کی بدبُو تک محسوس ہو۔

(10/7)۔ جاہلیت کے اندھیرےاورمشرکانہ گردوغبار میں قحطانی خاندانوں کا خانوادۂ رسولؐ سے الحاق

یہاں تک ہم جس پہلو پر زیادہ زور دیتے چلے آئے ہیں وہ یہی ہے کہ قحطانیوں کی مختلف شاخوں نے مکہ اور خانہ کعبہ پر اقتدار حاصل کرنے کیلئے ہر خفیہ اور اعلانیہ کوشش کی۔خواہ سبائی حکومتیں ہوں یا شاہان حیرہ (عراق) ہوں،شاہانِ حمیر ہوں۔ چونکہ قحطانی یا جرھمی حضرت اسماعیلؑ کی آمد سے پہلے ایک دفعہ حجاز اور مکہ پر قابض تھے۔لہٰذا انہوں نے اپنے مقبوضہ کوحاصل کرنے اوراس پر قابض رہنے کیلئے خاندانِ اسماعیلؑ کے سربراہانِ ملت کو بار باراور کئی بار مکہ سے نکل جانے پر مجبور کیا اوراُن سے عظیم الشان نبطی حکومت نے مندرجہ بالا تمام قحطانی حکومتوں سے اسی تنازعہ کی بنا پر محاذ جنگ قائم رکھا اور بار بار حیرہ، حمیر اور سبائی حکومتوں سے مکہ کو واپس لے کر اپنے سربراہوںؑ کے سپرد کیا۔اسلئے قحطانی قبائل کی ساری حکومتیں اوراُنکے قبائل کا بچہ بچہ حضرت اسماعیلؑ کی سربراہ اور شاہی ذریت کا دشمن رہا۔قحطانی قبیلے کی ہر شاخ کے بادشاہ سے لے کر عام فرد تک اسماعیلیوں کو مٹانے کی پالیسی پر قائم رہے۔ چنانچہ یہ لوگ اسماعیلی خاندان کی نبطی اور غسانی حکومتوں سے نبرد آزما رہے۔حکومتیں ختم ہو جانے کے بعد یہ لوگ آنحضرتؐ کے مقابلے پر آئے اور برابر خاندانِ رسولؐ سے برسرِ پرخاش رہتے چلے گئے۔دشمنان خاندانِ اسماعیلؑ یا قحطانیوں کا گھریلو یا خفیہ محاذ برابر کوشاں رہا کہ اگر ہمارے تیغ بکف محاذ کو کامیابی نہ ہو تو ہم اپنی خدمات اورقرب کے ذریعہ اسماعیلیوں میں شامل ہو جائیں ۔لہٰذا دشمن کے دونوں محاذوں نے پہلے یہ کوشش کی کہ حضرت نابت بن اسماعیلؑ کی نسل کو غیر عرب، غیر ملکی اوراجنبی قوم ثابت کیا جائے اوراُن کی دوسری حکومت یعنی غسانی شاخ کوقحطانی مشہور کیا جائے۔

چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے قبیلہ قضاعہ اور قبیلہ اوس وخزرج یعنی انصار تک کوقحطانی مشہور کر دیا۔ یہ گفتگو اور ثبوت گزر چکا

ہے۔اور قحطانی خفیہ محاذ نے رفتہ رفتہ بطور پناہ، بطور حلف، بطور خدمت وغلامی اسماعیلی بننا اور کہلانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اپنے بعض ماہرین کونسابوں اور اہلِ قلم کی صورت میں چاروں طرف پھیلا دیا۔اور زبانی چلنے والے شجروں میں الحاق کرنے، نئے نام، القابات کی آڑ میں شامل کرنے، بعض صحیح اور مشہور نام چھوڑ کر چند پشتوں کے اوپر الحاق شدہ نام دہرانے کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ یہ لوگ گھر گھر جاتے، بازاروں اور دکانوں اور جلسہ گاہوں میں پہنچتے اور نسب ناموں میں کتر و بیونت کے ہنر دکھاتے۔انعام واکرام کیلئے ایک خاندان کے افراد کے ساتھ دوسرے خاندان کے افراد کا جوڑ لگاتے۔کبھی ابن فلاں بن فلاں کی گردان کرتے۔کبھی کہتے زید وبکر وعمر وصخر وسعد و نوفل سب ہی اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔کوئی سوال یا اعتراض کرتا تو کہتے کہ جناب ہم نے ابن فلاں بن فلاں نہیں کہا ہے یہ تو وہ لوگ تھے جو فلاں خاندان کے وفادار دوست تھے۔بے بدل حلیف تھے۔بیٹوں سے زیادہ پیار سے پالے ہوئے لے پالک فرزند تھے۔کوئی اپنا پڑھایا ہوا وظیفہ خوار بڈھا کھوسٹ اُٹھتا اور کہتا کہ تم کہاں سے نسّابی سیکھے ہو۔تم کل کے بچے ہو۔ہمیں عمر گزر گئی اُن بزرگوں کو فلاں خاندان کے بزرگوں میں ابن فلاں بن فلاں کے ساتھ سنتے ہوئے۔نسّاب اکڑ جاتا۔چیلنج کرتا اور اِدھر اُدھر سے پارٹی کے نسّاب اور بڈھے جمع ہوتے۔مناظرہ ہوتا آخر وہ سب متفق ہو جاتے کہ جی یہی صحیح ہے۔آئندہ ہم یوں کہا کریں گے۔کعب بن سعد بن عمرو بن تیم و عدی بن مرہ بن کعب۔ہمیں افسوس ہے کہ ہم انہیں حلیف اور دوست سمجھتے رہے۔بس اب اجماع ہو گیا۔قحطانی اسماعیلی اور اسماعیلی قحطانی بنائے جاتے رہے۔کسی نے کہا کہ عبدالدار بیٹا تھا۔دوسرے نے خم ٹھونک کر کہا تم بکتے ہو وہ غلام تھا۔تیسرے نے کہا کہ نہ وہ بیٹا تھا، نہ غلام تھا۔وہ تو لے پالک تھا۔چوتھا محقق اُٹھا۔اس نے کہا کہ بھائیو تم سب صحیح کہتے ہو الفاظ کا فرق ہے۔ارے بھائی وہ بیٹا ہو کر تمام بیٹوں سے زیادہ خدمت کرتا تھا۔ایک دن باپ نے دوسرے بیٹوں کو سبق دینے کیلئے اُسے غلام کہہ کر مخاطب کیا تھا اور ایسا کوئی بیٹا ہوتا ہی نہیں جو لے پالک نہ ہو۔ارے خدا سے لے کر پالنا ہی تو لے پالک کے معنی بھی ہیں۔ویسے بھی شریف لوگ چھوٹے بچوں کو بیٹا اور بچیوں کو بیٹی کہتے ہی ہیں اور اگر ہم گھر میں رکھیں تو بیٹا بیٹی کہنے کے ساتھ اُن کی پرورش بھی اپنے بیٹوں کی طرح کرتے ہیں۔اور دل دکھ جانے سے ڈر کر لوگوں کے روبرو بھی، سوال کرنے پر بھی اپنا ہی بیٹا یا بیٹی کہتے ہیں۔اور جوان ہو جانے پر اُن کی شادیاں کرتے ہیں اور اگر شرافت کے اُس ماحول میں کوئی قحطانی مشرک داخل ہو جائے تو وہ نہایت آسانی سے شجرہ میں ردّ و بدل بھی کر سکتا ہے۔چنانچہ قرآن میں اُس بیٹے کا ذکر ہے۔جسے قحطانی اصول توڑنے اور اُس مشرکانہ الحاق کو ہمیشہ کیلئے خاندانِ رسولؐ سے جدا رکھنے کیلئے فرمایا گیا کہ:۔

''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کا بھی باپ نہیں ہے۔'' (احزاب 33/40)

اور یہ کہ ''ان کی ازواج تم سب کی مائیں ہیں۔'' (احزاب 33/6)

اور تم لوگوں کو اُن سے نکاح کرنا قیامت تک حرام ہے۔یعنی اُن کی لڑکیوں سے بھی تم لوگ نکاح نہیں کر سکتے ورنہ اَبَدًا کی لفظ بلاضرورت ہو کر رہ جائے گی (33/53)۔یہاں سے خاندان رسولؐ کی عورتوں کی معرفت بھی الحاق کا دروازہ بند کر دیا۔ورنہ کہا جاتا کہ میں ماں کی طرف سے سید ہوں۔لہٰذا اب کوئی سید نہیں ہے۔سوائے اُس کے جس کا باپ سید ہو۔(اس سلسلہ میں ہماری کتاب ''اسلام اور جنسی تعلقات'' نہایت ضروری ہے)۔بہرحال خاندان اسماعیل میں ایرے غیرے لوگ داخل ہونے کی مہم چلاتے رہے۔اور اس مہم کو

کامیاب بنانے کے لئے جناب عدنان علیہ السلام کے بعد والی سولہ نسلوں کے مفصل حالات کوتاریخ سے چاٹ گئے۔سید بزرگوں کے لئے دو دو چار جملے مشہور کیئے اور قحطانیوں کے افراد کواُن کے بیٹوں میں شمار کرنا شروع کیا۔اور ظہورِ قرآن کے وقت دس بارہ قحطانی خاندان پکے اسماعیلی مشہور ہو چکے تھے۔اور اوس وخزرج وقضاعہ اور نبطی وغسانی خاندان قحطانی بتا کر اطمینان کر لیا گیا تھا۔مگر تمام الحاقی قحطانیوں کو اُس شجرۂ طیبہ سے نکال کر دور کرنا ہمارا کام ہے۔جس طرح یہ لوگ نبطیوں،غسانیوں، بنوقضاعہ اور اوس وخزرج کو قحطانی بنانے میں فریب ساز ہیں اُسی طرح اولادِ اسماعیلؑ میں قحطانیوں کو داخل کر کے اسماعیلی یا قیداری یا قریشی کہلانے میں جھوٹے ہیں۔اُن کے حالات و واقعات وصفات وعادات وتصورات کہیں بھی حضرت اسماعیلؑ کے خاندان کے افراد سے نہیں ملتے۔اُن کا اچھے سے اچھا اور کریم سے کریم فرد بھی متفنی اور کمینہ اعمال سے پاک نہیں ملتا۔پھر اُن کی اعلانیہ اور پوشیدہ تین ہزار سالہ دشمنی بتاتی ہے کہ یہ ضرور ابلیسی اشتراک سے پیدا ہونے والے لوگ تھے۔اور جب اُن کو قرآن کی مدد سے پہچان لیا گیا تو پھر اُنہوں نے اسی خاندان کو دنیا سے مٹا کر چھوڑنے کا پروگرام بنا لیا،جس کے ممبران بننے کے لئے صدیوں تک تاریخ کے چاروں طرف دُھول اور گرد وغبار اُڑایا تھا۔یہاں سے آگے اُن کی چند کُھلی کُھلی کوششیں آپ کے سامنے آنے والی ہیں۔

11۔ حضرت قُصیٰؑ ؛قریش اور لفظ قریش کی آڑ میں پوشیدہ قحطانی

اس عنوان میں آپ کو وہ تمام کوشش نظر آئے گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ حیات اور اُنکے انتقال کے بعد کیلئے قحطانی ذریت نے کی تھی۔حضرت عدنان علیہ السلام کے بعد رسول اللہ اور علی مرتضیٰ علیہما السلام تک اکیسویں (21) پشت ہے۔جناب قصی علیہ السلام اُن دونوںؑ حضرات کے اوپر پانچویں پشت میں ہیں۔اور جناب قصیٰؑ ہی وہ بزرگ ہیں جو تمام قحطانیوں کی اڑائی ہوئی دھول اور مکر وفریب کے گرد وغبار میں پوری آب وتاب سے چمکتے چلے آئے اور یہی وہ پاکیزہ خصلت اور دھڑلّے کے انسان ہیں جن سے چمٹ جانے اور ملحق ہو جانے کیلئے مشرکین ومومنینِ عرب نے پورا زور لگایا۔اور جو کسی طرح اُن کے پہلے بزرگوں سے اپنا الحاق اور مصنوعی نسب نامہ مشہور کرا چکے تھے۔اُنہوں نے یہ ترکیب کی کہ جس جس سے اپنا نسب چپکایا اُن کو قریش کے القاب سے پکار کر خود قریشی اور پھر اسماعیلی بن جانے کی مہم جاری کر دی۔لیکن ہم ان تمام ترکیبوں کا پردہ فاش کر کے تمام غلط خاندانوں سے قریشیت کا لیبل اُتار کر اُن کو قحطانی الاصل دکھائیں گے۔اور پھر یہ لفظ قریش بھی ایک دھوکے کی ٹٹی کی طرح اُن ہی کے حوالے کر دیں گے۔اس لئے کہ خانوادۂ رسولؐ کے لئے یہ لفظ دراصل توہین کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

(11/2)۔ قریش کے معنی میں اختلافات اور بے تکی باتیں

لوگوں نے اپنا نسب خانوادۂ رسولؐ سے ملانے کیلئے لفظ قریش کو مروڑ مروڑ کر اُسکی جان نکال دی۔علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:۔

(i) ''لفظ قریش کے عربی میں متعدد معنی ہیں۔اُسکا ایک ماخذ تقریش وتقرش ہے۔جس کے معنی اکتساب وتحصیل ہیں۔خیال ہے کہ چونکہ اس خاندان کا اصل پیشہ تجارت تھا۔اس لئے قریش کے نام سے موسوم ہے۔''(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 97)

اگر علامہ کی یہ توجیہہ جو بقول اُن کے خیالی ہے، صحیح مان لی جائے تو عرب میں قحطانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے سب سے بڑے تاجر تھے اور اصل پیشہ تجارت تھا۔ لہٰذا لفظ قریش ایک قحطانی لقب ہے جو برابر قحطانیوں کا ٹائٹل تھا۔ اور انہوں نے نہایت چابکدستی سے خاندان اسماعیلؑ میں اس لفظ کو مختلف بزرگوں سے چپکا کر خود اسماعیلؑ کی اولاد میں شریک ہوجانے کے لئے راہ نکالی اور ملاحظہ ہو:۔

(ii) ''قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے۔ جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔'' (ارض القرآن جلد اول صفحہ 97)

یہاں قارئین لاحول پڑھ کر کہہ دیں کہ لفظ قریش کو رسولؐ اور خاندان رسولؐ کے ساتھ لقب کے طور پر استعمال کرنا ایسی توہین و جسارت ہے جو قحطانی مشرکین ہی کو زیب دیتی ہے۔ ہمیں اور ہمارے رسولؐ کو اس لقب سے معاف رکھیں۔ یہ واقعی اُن لوگوں کا لقب تھا۔ جنہوں نے خود کو رسولؐ اللہ کی قوم مشہور کر رکھا تھا۔ اور پھر قرآن کے خلاف محاذ بنا کر اُس سے ہجرت کر گئی تھی اور رسولؐ نے اللہ سے شکایت کی تھی کہ: یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا○ (فرقان 25/30)

اَے میرے پالنے والے میری اس قوم قریش نے اس پورے قرآن کو چھوڑ کر ایک الگ قانون کو راہنما بنالیا ہے۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ:۔

(iii) ''قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتے میں منسلک کیا۔ اِس لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے۔ جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے۔ اس لئے اُن کو اُس مچھلی سے تشبیہ دی۔ عام خیال یہ ہے کہ قریش، قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے۔ لیکن سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلے کا نام ہے۔ جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے۔ جیسے اسد (شیر) نمر (چیتا) وغیرہ۔ مورخین یورپ کا خیال یہ ہے کہ یہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے۔ اور اُن ہی جانوروں کے نام سے وہ قبائل مشہور ہوجاتے تھے۔ لیکن عربی تاریخوں میں اس کا پتہ نہیں ملتا۔'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 164 حاشیہ)

یہاں قارئین یہ سمجھ لیں کہ اختلاف تو اس لئے ہے کہ بعض لوگوں پر جب اس مشرکانہ شہرت کے متعلق اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی تو جس سے جو بن پڑا بکتا اور توجیہات کرتا چلا گیا۔ پھر یہ بھی ایک جھوٹ ہے کہ عربی میں قریش کے متعدد یا بہت سے معنی ہیں۔ عربی میں ہر ایک لفظ کے ایک معنی ہوتے ہیں۔ البتہ جن جہلا کو ہر تصور کے لئے الگ الگ لفظ معلوم نہیں ہوتا وہ ایک ہی معلوم لفظ کو جگہ جگہ بولے گا۔ یا پھر مشرکین عرب قرآن کو بے وزن اور موم کی ناک بنانے کے لئے ایک ایک لفظ کو مختلف معنی میں رگڑیں گے۔ تاکہ آیات و احکام کے معنی جدھر چاہیں موڑتے چلے جائیں اور تمام کافرانہ تصورات اسلامی بن جائیں۔

قارئین خود بتائیں کہ آپکو درندہ ہونے کا لقب دیا جائے، مچھلی بنا دیا جائے تو کیا آپ خوش ہونگے؟ ہم اگر واقعی بڑے سردار ہوتے تو ہرگز یہ برداشت نہ کرتے کہ درندہ یا درندہ مچھلی کہا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ قحطانی مشرکین نے خانوادہ رسولؐ کی توہین کرنے اور لوگوں کو یہ بتانے کیلئے درندہ قرار دیا ہے کہ عرب کی دوسری اقوام کو جب اُنکا دل چاہے آنحضرتؐ کی نسل کُشی کیلئے متحد کرسکے۔ ذرا سوچئے

جس بزرگ نے اُن پر احسانات کیئے، انہیں نئی زندگی بخشی، اُن کے بچوں اور ناموس کو عربی بدّوؤں اور ڈاکوؤں سے محفوظ کیا۔ یہ احسان فراموش گروہ اسی بزرگ کو درندہ مشہور کرتا ہے۔ اور اس بدباطنی پر فخر بھی کرتا ہے۔ اور آخری بات یہ کہ قریش کسی اور قبیلے کا نام تھا جو درندہ مچھلی کی پوجا کرتا تھا۔ اس سے پھر یہ ثابت ہوا کہ مشرکین کے زیرِ اہتمام لکھی ہوئی تاریخ از سرتاپا جھوٹ اور افترا کا ایک بڑا بدبودار بنڈل ہے۔ جسے اُن کے محققین و مؤرخین روزانہ جھوٹی تاویلات و توجیہات لکھ لکھ کر کاغذوں میں لپیٹ لپیٹ کر تعفّن کو کم کرنے میں مصروف رہتے چلے آئے ہیں۔ اور نہیں سمجھ پاتے کہ بدبو اور نفرت ساری دنیا کا دماغ پھاڑے دے رہی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ علامہ شبلی یا کسی اور مشرکین عرب کے تاریخی انبار میں بعض چیزیں نہیں ملتیں یہ قابلِ تعجب نہیں ہے۔ اسلیئے کہ ہر وہ حقیقت اور ہر وہ نشان مٹا دیا گیا تھا جو مسلمانوں کی باغی حکومتوں کو پسند نہ تھا۔

جناب علامہ طبری نے قریش کی وجہ تسمیہ کی تحقیق کی۔ بسم اللہ ہی میں قریش کی نقاب نوچ لی ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

(iv) ''ابن الکلبی کہتا ہے کہ قریش کے معنی نسب کا دیوان (یعنی شجرہ نسب کی کتاب) ہیں۔ قریش نہ کسی کا باپ ہے نہ ماں ہے نہ کسی کا تربیت کرنے والا ہے نہ کسی کو پالنے والی ہے۔'' (تاریخ طبری۔ جلد اوّل صفحہ 47)

لیجیئے جھگڑا ختم ہو گیا کہ وہ ساری توجیہات و تاویلات محض مشرکانہ بکواس تھیں۔ قریش سرے سے کسی مرد یا عورت کا نہ نام تھا نہ لقب تھا۔ بلکہ قریش تو کسی ایسی کتاب کا نام تھا جس میں کوئی خاص نسب نامہ لکھا ہوا تھا۔ ہم اس بکواس میں ایک قرین قیاس اضافہ کرتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی کتاب تھی جو مارکس، لینن یا افلاطون کی طرح حسب و نسب کو مٹانے اور عورت کو ماں، بہن اور بیٹی کے رشتوں کی پابندیوں سے آزاد کر کے نسبی تفریق اور ترجیحات کو دنیا سے ختم کرنے والی تھی۔ یہ اس دلیل سے صحیح قیاس ہے کہ آگے چل کر عربوں نے اس پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ قرآن کریم اور رسول کریمؐ نے ماں اور بیٹی اور بہن سے نکاح کو حرام ٹھہرا دیا۔

(11/3)۔ قریش اگر لقب تھا؟ تو کس کا لقب تھا؟ مشرکین کوئی مستقل بات نہیں کہا کرتے

اس عنوان میں ہم یہ دکھائیں گے کہ جب بعض خاندانوں نے یہ دیکھا کہ اُن کی محنت اور پروپیگنڈا خوب پھیل گیا اور قریش لوگوں کی زبانوں اور خود ساختہ کہانیوں میں دہرایا جانے لگا تو انہوں نے اپنے اپنے مورث اعلیٰ کو قریشی بنانے کے لئے یہ بحث شروع کی کہ قریش کس کا لقب تھا؟ تاکہ اس فرضی تعین کے ساتھ اُن کا خاندان بھی قریش بن جانے سے محروم نہ رہے۔ بات بھی صحیح تھی۔ اس لئے کہ قحطانیوں کی ہر شاخ کے ہر فرد نے اسماعیلی بن جانے میں تعاون اور محنت کی کمی نہ چھوڑی تھی۔ اس لئے ضروری تھا کہ خاندان رسوؐل کی اس دشمن قوم کے تمام افراد کو اس محنت کا پھل ملے۔ چنانچہ قارئین کو عرب کی تاریخ میں یہ بھی ملے گا کہ اولاد ابراہیمؑ اتنی بڑھی تھی کہ عرب کے تمام قبائل ابراہیمؑ ہی کی اولاد میں سے تھے۔ اور عرب کے تمام قدیم باشندے یعنی عاد اولیٰ، عاد ثانیہ، ثمود اولیٰ اور ثمود ثانیہ، قبیلہ سبا، قحطانی لحیانی اور جرھم وغیرہ سب مٹ گئے تھے۔ گویا رسولؐ اللہ کی بعثت کے وقت سارے ملک میں اسماعیلؑ نسل ہی باقی تھی۔ اور خصوصاً مکہ میں تو کوئی ایسا خاندان تھا ہی نہیں جو قریشی نہ ہو۔ یعنی بعثت سرورؐ دو عالم تک تمام قحطانی قریش کے پردوں میں پوشیدہ ہو چکے تھے۔ اب ہم قحطانیوں کا جال واپس اُن ہی پر ڈالیں گے تاکہ اُن کے علاوہ کوئی اور شریف خاندان لفظ قریش سے داغدار نہ رہے۔ اور

صرف قحطانی ہی لفظ قریش سے مُلقّب رہ جائیں۔ اور خاندان رسولؐ کا شجرہ طیّبہ قریشی فریب سے باہر نکل آئے۔ آیئے ایک قریشی سید سلیمان ندوی کے قلم سے ابتدائی نفی سُنیئے:۔

(i) ’’قریش دنیا کی تاریخ میں کب ظاہر ہوئے؟ اور اس خاص خاندان کی کب بِنا پڑی؟ تاریخوں میں اسکا ذکر نہیں، اس قدر معلوم ہے کہ (حضرت) عبدالمطلبؑ چھٹی صدی عیسوی کے اواسط (درمیان) میں موجود تھے۔ (حضرت) عبدالمطلبؑ سے فہر (علیہ السلام) تک دس پشتیں ہوئیں۔ ایک پشت کیلئے پچیس (25) برس کا زمانہ اگر فرض کیا جائے تو ڈھائی سو برس کی مدت قرار پاتی ہے۔ اس بنیاد پر قریش کے اعاظم رجال (بڑے لوگوں) کے حسب ذیل تقریبی سنین ہم متعین کر سکتے ہیں۔‘‘ (ارض القرآن جلد دوم صفحہ 101)

یہ طے ہو گیا کہ دنیا کی تاریخ میں یہ کہیں نہیں ہے کہ قریش اور قریشی کب وجود میں آئے۔ لہٰذا علامہ نے یہ تُک لگائی ہے کہ جب سے حضرت فہر علیہ السلام دنیا میں ہیں اسی وقت سے قریش بھی دنیا میں ظاہر ہوئے اور فہر کو اسلئے اختیار کیا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ قحطانی قریش بنائے جاسکیں۔ اس سے پہلے وہ اُن تمام مؤرخین کو جھوٹا ثابت کر چکے ہیں جنہوں نے حضرت نضر بن کنانہ کو قریش لکھا ہے اور اُن کو غلط گو قرار دے چکے ہیں جنہوں نے حضرت قصیؑ کو لفظ قریش سے منسوب کیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ:۔

(ii) ’’قریش ایک دریائی درندہ جانور کا بھی نام ہے جو دریائی جانوروں کا شکار کرتا ہے۔ (حضرت) فہرؑ نے اپنے استیلا یعنی غلبہ و قوت کے اظہار کے لئے یہ لقب اختیار کیا۔‘‘ (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 98-97)

مطلب یہ ہے کہ حضرت فہرؑ کو درندہ سے بہتر کوئی لفظ معلوم ہی نہ تھا۔ اور معاذ اللہ انہیں درندگی پسند تھی۔ پھر علامہ نے صفحہ 99 پر قریش کے شجرہ کو بھی حضرت فہرؑ ہی کے نام سے نیچے تک لکھا ہے۔ جس میں اُن تمام موٹے موٹے خاندانوں کو جناب فہرؑ کی نسل میں لکھا ہے جو اسماعیلی بنائے جارہے تھے۔ اور کھل کر لکھا ہے کہ ’’فہر کا لقب قریش تھا۔‘‘ (صفحہ 97)

اب علامہ شبلی کا بیان سنیئے اور دیکھیئے کہ سید سلیمان ندوی اپنے استاد کے خلاف فہرؑ کو قریش بنا گئے اور بات پکی کرنے کے لئے کسی اختلاف کا ذکر تک نہ کیا۔ یہی طریقہ ہے کہ ہر بعد میں آنے والا قحطانی مؤرخ پچھلے اختلاف پر پردہ ڈالنے کو اپنا مذہبی فریضہ اور خدمت اسلام سمجھتا رہا ہے سنیئے ارشاد ہے کہ:۔

(iii) ’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ اباً عن جدٍ معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ لیکن جس شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا وہ نضر بن کنانہ (علیہما السلام) تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہرؑ کو ملا۔ اور اُن ہی کی اولاد قریش ہے۔‘‘ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 163-162)

اس بیان سے وہ ہزاروں افراد اس خودساختہ لقب سے محروم ہو گئے جو جناب نضر اور مالک علیہما السلام سے متعلق تھے۔ لیکن یہ اختلاف ہی ان تمام بیانات کو باطل کرتا ہے اور بات وہی صحیح ہے کہ قریش نہ کسی باپ کا نام ہے، نہ کسی بیٹے کا، نہ کسی ماں کا نام ہے، نہ کسی خاندان کا، یہ تو ایک جھوٹے نسب کی داستان ہے جو کسی زمانہ میں کسی دیوان یا رجسٹر میں لکھی گئی تھی۔ آگے چل کر علامہ شبلی نے حضرت قصی علیہ السلام کے نظم و ضبط و اقتدار و حکومت کی مدح و ثنا کی ہے اور لکھا ہے کہ:۔

(iv) ''اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اوّل (حضرت) قصی ہی کو ملا۔'' (سیرۃ النبیؐ۔صفحہ 164)

اس سے پہلے قارئین نے سیرۃ النبیؐ ہی سے یہ دیکھا تھا کہ قریش کا لقب قصی ہی کو ملا تھا۔ (پیرا نمبر 11/2 کا iii)

جناب طبری فرماتے ہیں کہ یہ لقب نضر کا نہیں اُن کی اولاد کا تھا۔

(v) ''دوسرے اربابِ سیَر کہتے ہیں کہ بنوالنضر بن کنانہ کا (یعنی نضر بن کنانہ کی اولاد کا) نام قریش یوں ہوا کہ ایک دن نضر بن کنانہ اپنی قوم کی چوپال میں آیا جو لوگ وہاں تھے اُن میں سے کسی نے دوسرے سے کہا نضر کو دیکھو وہ ایک بڑا زبردست اونٹ معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قریش کا یہ نام ایک بحری جانور کے نام پر رکھا گیا ہے۔ جسے قرش کہتے ہیں۔ اور وہ تمام دوسرے بحری جانداروں کو کھا لیتا ہے۔ اور چونکہ وہ تمام بحری جانوروں میں سب سے زیادہ قوی اور زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے بنونضر بن کنانہ (نضر کی اولاد) کو اس سے مشابہت دی گئی ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ نضر بن کنانہ لوگوں کے حالات کی تفتیش کر کے اپنے مال سے اُن کی حاجت براری کرتا تھا۔ اور قریش کے معنی اُن کے بیان کے مطابق تفتیش کے ہیں۔ اور اُس (نضر) کے بیٹے بھی حاجیوں کے حالات کی تفتیش کر کے اپنی استطاعت کے مطابق اُن کی حاجت براری کرتے تھے۔ اُن کا یہ لقب ہوا۔ انہوں نے قریش کے معنی جو تفتیش کے لئے ہیں۔ اس پر وہ کسی شاعر کا یہ شعر شہادت میں پیش کرتے ہیں۔

ایُّها الناطق المقرش عنا   عند عمرو فهل لهنّ انتهاء

ترجمہ: اَے شخص جو ہمیں عمرو کے یہاں دریافت کر رہا ہے۔ کچھ ہماری محبوباؤں کی بھی خبر ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نضر بن کنانہ کا نام ہی قریش تھا۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب تک قصی بن کلاب نے تمام بنونضر بن کنانہ کو ایک جا جمع نہیں کر دیا۔ یہ بدستور بنی نضر ہی کہلاتے رہے۔ جب یہ سب جمع ہو گئے تو اب اُن کو اس لئے قریش کہا جانے لگا کہ تجمع ہی تقرّش ہے۔ اس بنا پر عرب کہنے لگے۔'' تَقَرَّش بَنُو ا لنَّضَر ''یعنی بنونضر جمع ہو گئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بنونضر کو قریش اس لئے کہا گیا ہے کہ اب انہوں نے غارت گری چھوڑ دی۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 48-47)

(vi) اس بیان میں لفظ قریش پر جو اختلاف کا ہنگامہ سامنے آیا ہے اُس پر زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس سے پہلے اس تمام جعل سازی کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔ یہاں تو یہ دیکھئے کہ بار بار جو جملہ استعمال ہوا ہے یعنی ''یہ بھی کہا گیا ہے'' یا ''یہ بھی بیان کیا گیا ہے'' اور یہ کہ ''بعض محققین نے یہ کہا ہے'' اور یہ کہ ''بعض مؤرخین کی یہ تحقیق ہے۔'' یہ سب کچھ کسی ایک ہی زمانہ کی بات نہیں ہے، نہ ہی یہ سب کچھ کسی ایک شخص نے کہا تھا۔ بلکہ اس بکواس کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے کسی واقعہ کو گھڑنے والے نے جو موزوں سمجھا کہہ دیا یا لکھ دیا۔ آگے چل کر جب اُس پہلی گھڑنت پر اعتراض ہوا تو دوسرے فریب ساز نے ایک دوسری صورت سے اُس پہلے جھوٹ کو لکھا اور کہہ دیا کہ یوں بھی کہا گیا ہے۔ اس طرح آج 1394 ہجری تک یہ جعلسازی آ پہنچی ہے۔ فرق اس قدر ہو گیا ہے کہ اب یہ فریب ایک فن اور ابلیسی سائنس بن چکا ہے۔ چنانچہ آج کے مؤرخین و محققین جو کچھ کر رہے ہیں اُس کی مکمل تصویر جناب شبلی، جناب سرسید احمد خان، مسٹر پرویز، مولانا مودودی کے یہاں موجود ہے۔ اور چند دوسرے اہل قلم تو اس حد پر جا پہنچے ہیں کہ انہوں نے لکھ

دیا کہ محمد اسماعیل بخاری ہی نہیں بلکہ تمام عجمی محدثین، جیسے ترمذ کے ترمذی سب کے سب شیعہ تھے۔ تمام مؤرخین شیعہ تھے۔ اس قسم کے حدود فراموش اہل قلم کھل کے اعلان کر چکے ہیں کہ یزید اور معاویہ حقیقی اسلام کے راہبر تھے۔ اور اُن کے تمام مخالف باغی تھے۔ اور اُن کی سزا اس سے زیادہ تھی جو کربلا وغیرہ میں دی گئی۔ ہم دراصل اسی گروہ کو مخاطب کرتے ہیں اور اُن کے تمام مددگاروں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔ اس بیان میں قریش کے معنی ایک قوی ھیکل اونٹ بھی بتائے گئے ہیں۔ یعنی چند خبیث لوگوں نے جناب نضر علیہ السلام کو اونٹ قرار دیا اور پھر نضر کی اولاد نے خود اونٹ ایسا جانور ثابت کرنے کے لئے یہ لقب اختیار کر لیا۔ حالانکہ زیادہ سے زیادہ جو ماننا ممکن تھا وہ بات یہ ہوسکتی تھی کہ خانوادہ رسولؐ کو اُن کے دشمن طرح طرح کے بُرے اور بدنام کن القاب اور ناموں سے مشہور کیا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سب کچھ بعد میں گھڑا گیا ہے۔ یہ سب القاب اور حیلے محض اسلئے تیار کئے جاتے رہے کہ جس طرح ہو سکے قحطانی وسبائی گروہ خانوادۂ رسولؐ میں شمار ہوسکیں۔ چنانچہ جب یہ دیکھا گیا کہ ہمارا قریشی جال کمزور ہے، اس کی بعض کڑیاں بہت ڈھیلی ہیں تو پھر ایک اور طریقہ اختیار کیا گیا تا کہ لفظ قریش کو جس طرح بھی ہو قبول کر لیا جائے۔ لہٰذا ایک عام چھوٹ دی گئی جس سے لوگوں کو یہ موقعہ ملے کہ فلاں فلاں قبائل قریش نہ تھے صرف ہم قریش ہیں۔ اس سلسلے میں علامہ سید سلیمان صاحب کا بیان پڑھیں:۔

(vii) **''قریش کی ایک اور تقسیم''** ''قریش کی جن شاخوں کا اوپر ذکر ہوا۔ وہ طرز زندگی کے لحاظ سے دو جماعتوں میں منقسم تھے۔ (1) قریش الظواہر''۔ (2) قریش البطائح''۔ قریش ظواہر دیگر بادیہ نشین قبائل کی طرح مکہ کے آس پاس صحرا میں خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ قریش البطائح شہری زندگی کے عادی تھے۔''

اسکے بعد علامہ نے بنوتیم وغیرہ بہت سے قبائل کو نام بنام ظاہری قریش لکھا ہے اور آخر میں ابن خلدون کے حوالہ سے بتایا کہ:۔

''ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بنوقصی اور بنوکعب بن لوی کے سوا قریش کی اور تمام شاخیں قریش ظواہر تھیں۔ اصل یہ ہے کہ تمام تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ قریش کی سیاسی عظمت وجلال کا بانی قصی (علیہ السلام) تھا۔ قصی سے پہلے قریش میں کسی قسم کا نظام قومی نہ تھا۔ مکہ ایک مرکز تھا اور اسکے دائرہ میں قریش کے تمام خاندان چکر لگاتے تھے۔ قصیؑ سب سے پہلا شخص ہے جس نے قریش میں قومی ہیرو کی حیثیت پیدا کی۔'' (ارض القرآن۔ جلد دوم صفحہ 101-100)

یہاں تک بار بار حضرت قصی علیہ السلام کا قریش ہونا اور اُن سے قبل لفظ قریش کا وجود نہ ہونا ثابت ہوا ہے۔ اس کو مان لینے سے صرف وہ لوگ قریش رہ جائیں گے جو جناب قصی کی اولاد میں ہوں۔ اور جناب ابوبکر وعمر دونوں خاندان قریش سے خارج ہو جائیں گے۔ اس فریب میں آ کر علمائے شیعہ نے اس لفظ کو اختیار کر لیا اور اس بحث میں اُلجھ گئے کہ جناب قصی اور آنحضرتؐ اصلی قریش تھے۔ لیکن ہم لفظ قریش کی خانوادہ رسولؐ وحضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے نفی کرتے ہیں۔ اور عقلی ونقلی یعنی تاریخ وحدیث سے اُن کا قریش نہ ہونا بلکہ قحطانیوں کا قریش ہونا ثابت کرتے ہیں۔ اور قحطانیوں کے کسی فریب میں نہیں اُلجھتے ہیں۔ علامہ خلدون یا دیگر علما کا قریش ظواہر اور قریش بطائح کہنا بھی ایک چال ہے۔ تا کہ سارے خانہ بدوش اور تمام شہری باشندے قریش کی چادر اوڑھ لیں اور قحطانی بھی اُن میں گم ہو جائیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ تو اصلی قریش تھے اور کچھ بظاہر قریش یعنی بناوٹی قریش تھے۔ یعنی قحطانی بباطن بھی

قریش تھے اور بظاہر بھی۔ باقی اُن کے حوالی موالی بناوٹی قریش تھے۔ تا کہ بغاوتوں میں اصلی قریش کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہیں۔

(11/4)۔ قریش کی تحقیقِ مزید، یہ کون لوگ تھے؟

قارئین اور ساری دنیا جانتی ہے کہ آنحضرتؐ بنی ہاشمؑ اور بنی عبدالمطلبؑ سے ہیں۔ اور اُن کو خدا نے نبوت و رسالت و امامت و حکومت عطا کی تھی۔ اور اُن کے بعد وہی حکومت غیر بنی ہاشمؑ و غیر بنی عبدالمطلبؑ میں چلی گئی۔ اس لئے ضروری ہوا کہ بعد کی حکومت خود کو خانوادۂ رسولؐ میں سے بتائے۔ تا کہ وراثتِ کتاب و نبوت و رسالت و امامت اور حکومت چسپاں ہو جائے۔ اُن کے لئے یہ تو ناممکن تھا کہ وہ بنی ہاشم یا بنو عبدالمطلب بن جاتے۔ لہٰذا جناب معاویہ کے زمانہ میں لفظ قریش کی ایجاد کی گئی اور تمام خلفا کے خاندانوں کو خانوادہ رسولؐ میں شامل کرنے کے لئے جناب نضر و فہر و قصی علیھم السلام کو قریش کہہ کر اُن سے خلفا کے قبائل کا الحاق کیا گیا۔ اور خود ہی اختلاف و حزب اختلاف پیدا کر کے لوگوں کو اس بحث میں الجھا دیا گیا کہ قریش کی لفظ یا لقب تو ہر اختلاف کنندہ تسلیم کر لے۔ مگر بحث اس پر ہو کہ قریش تھا کون۔ اور ہر شخص قریش بن جانے کی کوشش میں مصروف ہو کر یہ بھول جائے کہ درحقیقت لفظ قریش ہی ایک فریب ہے۔ یہ وہی ترکیب تھی جو ہم بتایا کرتے ہیں کہ دو جاہل آدمی کیسے بڑے مفسر و محدث و صاحب تصنیف بن جایا کرتے تھے۔ یعنی ایک فاروق نامی شخص کسی جریدے میں لکھے کہ:۔

''جناب عثمان نے اپنی کتاب ''مصباح المسالک'' کی بارہویں جلد کے صفحہ 875 پر لکھا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام افلاطون سے مناظرہ کے لئے یونان آئے اور اس سے سوال کیا کہ...............'' ذرا سوچئے کہ جناب عثمان صاحب کو یہ بھی پتہ نہیں کہ افلاطون اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان ہزاروں سال کا فرق ہے۔''

اس کے بعد ثانی الذکر یعنی عثمان صاحب مذکورہ بالا اعتراض کا جواب ایک ماہنامہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''جناب فاروق صاحب نے یہ غور نہیں کیا کہ میں نے یہ عبارت خود نہیں لکھی بلکہ جناب علامہ عبدالقادر کے احمقانہ اقوال کی ذیل میں نقل کی تھی۔ یہ غلطی اس لئے ہوئی کہ فاروق صاحب نے اس تحریر کا اوّل و آخر نہ پڑھا۔ بہرحال ہم بتاتے ہیں جناب علامہ فاروق نے اپنی کتاب زوال امت جلد چوبیس صفحہ 561 پر متعہ کی بحث میں نہ صرف غلط حوالے دئے بلکہ قرآن کریم کی آیات بھی غلط لکھی ہیں۔''

اب ان دونوں بیانات کو پڑھنے والے یہ نہیں سوچتے کہ آیا دونوں نام نہاد علما نے مصباح المسالک اور زوال امت لکھی بھی ہے یا نہیں۔ اور آیا اُن کی 36 جلدیں ہیں بھی یا نہیں؟ وہ تو فوراً اس بحث پر طبع آزمائی شروع کر دیتے ہیں کہ جو اُن چابکدست مکاروں نے پیش کی ہے۔ لہٰذا اُدھر دو جعلساز آدمی علامہ بن گئے اِدھر دو ضخیم کتابیں مان لی گئیں۔ مدبرین عرب نے اس قسم کے بہت سے کام کئے۔ جن میں بعد کے علما الجھے چلے آئے اور مصباح المسالک اور زوال امت کی طرح لفظ قریش کا وجود خم ٹھونک کر سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر فریقین نے قریش کی فضیلت میں روایات گھڑ گھڑ کر کتابوں میں لکھوائیں۔ لکھنے والوں اور یاد کر کے بیان کرنے والوں کی تنخواہ اور وظائف مقرر ہوئے اور ایک جُھوٹی عمارت سامنے کھڑی ہو گئی۔ مگر ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ بہت بعد میں ہوا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ کے

لوگوں کوخبر تک نہ تھی کہ بعد میں قریش اوراس پر کتنی بڑی عمارت بنے گی؟ چنانچہ تواریخ وتفاسیر واحادیث کی کتابوں میں عبدالملک بن مروان کا قصہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ:۔

اِنَّ عَبۡدَ الملک بن مروان سال محمد بن جبیر متٰی سَمّیت قریش قریشًا؟قال حین اجتمعت اِلَی الحرم من تفرقها فذلک التجمّع التقرش فقال عبدالملک ما سَمِعۡتُ هذا ولکن سَمِعۡتُ ان قصیًا کان یقال له القرشی ولم تسمی قریش قبله ۔لَمّا انزل قصی الحرم وغلب علیه فعل افعال جمیلة فقیل له القرشی ۔(تاریخ طبری جلد دوم مطبوعہ مصر صفحہ 188)

''یقیناً عبدالملک بن مروان نے محمد بن جبیر سے یہ سوال کیا تھا کہ اہل قریش کا نام قریش کب اور کیسے پڑ گیا؟ اس نے کہا کہ جب وہ لوگ حرم مکہ میں مجتمع ہو گئے ۔اسلئے کہ یہ اجتماع ہی قریش بننے کی دلیل ہے ۔عبدالملک نے کہا کہ یہ بات میرے علم میں نہیں آئی ہے۔البتہ میں نے جو کچھ سُنا وہ یہ ہے کہ قصی کو قرشی کہا جاتا تھا۔اور قصی سے پہلے قریش کا یہ نام نہیں ہوا کرتا تھا'' اور مسلسل لکھا کہ ''جب قصی حرم میں آ کر اترے اور وہاں سب پر غالب آ گئے اور نہایت عمدہ کردار بجالائے تو انہیں قرشی کہا جانے لگا''

چونکہ عبدالملک بن مروان خود تخت بنی امیہ 65ھ سے 86ھ تک اکیس سال حاکم و بادشاہ رہا اور جناب معاویہ ویزید کا جانشین ہوا۔لہٰذا اسکے اس پروپیگنڈے میں یہ کوشش شامل ہے کہ کم ازکم قصیؑ سے قریش کا وجود اور اُنکے اپنے خاندان کا قریشی ہونا ثابت ہو جائے۔خواہ خلیفہ اوّل ودوم اس فیض سے محروم ہو جائیں۔لیکن ہم صرف اس قدر مانیں گے کہ حکومت بنی امیہ نے یہ تاریخ لکھواتے ہوئے قریش کی ایجاد کی تھی۔نہ اس وقت تک یہ لفظ متعین ہوا تھا نہ اس سلسلے کی احادیث گھڑی گئی تھیں اور نہ سابقہ ادوار میں اس لفظ سے کوئی قوم مراد تھی۔ ہر تاجر، ہر مکی وہر خانہ بدوش خود کو قریش کہہ لیا کرتا تھا اور اُنہی کے قول کو مان کر ہم نے اُن لوگوں کی مذمت اور بے دینی کے ثبوت کیلئے استعمال کیا ہے اورق، ر، ش سے بننے والے گروپ کے الفاظ کو قرآن سے دور رکھا ہے۔لہٰذا یہ لفظ صرف قحطانیوں کی ایجاد ہے اور اگر لقب ہے تو اُن ہی لوگوں کا جو کعبہ کے رب کی عبادت نہ کرتے تھے۔اور سردی گرمی بادیہ پیمائی کرتے تھے (سورۃ قریش)۔خانوادہ رسولؐ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔رہ گیا اس قسم کے اتہامات اور بیانات کا ہر فن کی کتابوں میں ہونا، وہ حکومتوں کے انتظام کا ثبوت ہے۔اس سلسلے میں علامہ شبلی نعمانی کا بیان کافی ہے۔

(11/5)۔ مشرکانہ تاریخ وکتب کلیتًا نا قابل اعتبار واعتماد رہتی آئی ہیں

علامہ نے لکھا ہے کہ:۔ ''قسطنطنیہ میں کتابوں کے چھپنے سے پہلے یہاں کے جانچ کے محکمہ میں، جس کا نام معارف ہے۔اصل کتاب پیش کی جاتی ہے اور جو عبارت اس محکمہ کے افراد قلمزد کر دیتے ہیں وہ نہیں چھاپی جاسکتی ہے۔میرے سامنے ایک مطبع میں شرح عقائد نسفی چھپ رہی تھی۔معارف نے اس کتاب کی وہ تمام عبارت قلمزد کر دی تھی جس میں خلافت کی بحث ہے اور **اَلۡاَ ئِمّة مِنۡ قریش** کی حدیث مذکور ہے۔میں نے اصل نسخہ جس میں معارف نے یہ تصرف کیا تھا۔دیکھا اور مجھے یاد ہے کہ میں اس وقت رنج وغصہ کی وجہ سے بے اختیار ہو گیا تھا۔''(علامہ کا سفرنامہ صفحہ 97)

قارئین یہ کام مسلسل جاری رہتا چلا آیا ہے اور آج حکومتوں کی سرپرستی میں کتابوں کی حجامت کی جارہی ہے۔لیکن اب خدا کا

شکر ہے کہ ان کی دستبرد محدود و مذموم ہے۔اس لئے کہ تمام اہم کتابیں علم کے قدردانوں کے یہاں محفوظ ہوتی جارہی ہیں۔نہ معلوم اُس خبیث گروہ نے اس ملعون تاریخ کو کتنے ہزار دفعہ بدلا ہے۔اور خود ہمارے مجتہد اس سازش میں شریک کار رہتے چلے آئے ہیں۔مگر قرآن کریم اُن کے لئے سب سے بڑی مصیبت اور تحریک تشیّع ان کے لئے ایک بولتا چالتا نگراں اور محاسب رہے ہیں۔اور اب اُن کا ہر راز کھل چکا ہے، ہر نقاب اتر چکی ہے۔

(11/6)۔ حضرت قصی علیہ السلام کے حالات اور اقتدار

عنوان نمبر 11 میں حضرت عدنان علیہ السلام کی اولاد کے بزرگوں کا جس قدر ذکر مل سکا ہم نے پیش کیا ہے۔اور آخر قریش کی تفصیلات کی ذیل میں حضرت قصیؑ کا بار بار تذکرہ ہوتا رہا ہے۔اب ہم باقاعدگی کے ساتھ اُن حضرت کا حال پیش کریں گے۔مؤرخ طبری نے لکھا ہے کہ:۔

(i)۔ ''قصیؑ بن کلابؑ۔ آپ کا اصلی نام زیدؑ ہے۔''(طبری جلد اوّل صفحہ 39)

یہاں یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ قحطانی حکومتوں نے اپنے آباؤ اجداد کے ناموں کی طرح خانوادہ رسولؐ کے بزرگوں کے اصل ناموں کو پوشیدہ کر کے چند مکروہ قسم کے نام مشہور کئے جو نا قابل فہم وقبول ہیں۔آپ نے نبطی حکومتوں کے بادشاہوں کے نام ملاحظہ کئے تھے۔اُن میں ہر نام پسندیدہ ہے لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عربوں کے مشہور کئے ہوئے مکروہ نام خود رسولؐ اللہ کے بزرگوں نے رکھے ہوں۔چونکہ عنان حکومت وقلمی اقتدار دشمنوں کے ہاتھوں میں رہا اس لئے جو چاہا مشہور کیا۔حضرت قصی علیہ السلام کا ابھی دودھ بھی نہ چھوٹنے پایا تھا کہ آپؑ یتیم ہوگئے۔جنابؑ کی والدہ معظّمہ فاطمہ بنت سعد بن سیل آپ کو کم سنی میں لے کر شام کے علاقہ میں آگئیں جہاں اسماعیلی شاخ بنو قضاعہ کا قبیلہ بنی عذرہ آباد تھا۔اپنے اُن ہی ہم نسبوں میں آپ نے دوسری شادی ربیعہ بن حرام سے کر لی۔اور جناب زیدؑ قبیلہ قضاعہ کے اس معزز اسماعیلی خاندان میں پرورش پانے لگے۔یہاں تک کہ آپ سنّ بلوغ کو پہنچے۔(طبری جلد اوّل صفحہ 39)

یہاں یہ بات واضح ہے کہ حضرت زیدؑ (قصیؑ) کی یتیمی کے وقت جناب کے لئے اور آپ کی والدہ کے لئے سرپرست موجود ہوتا تو آپؑ کو بنی قضاعہ کی سرپرستی میں نہ جانا پڑتا۔لہٰذا یہ قصہ بعد کا گھڑا ہوا ہے کہ حضرت کلاب کے دو بیٹے تیم اور یقظہ بھی تھے۔اگر سچ مچ جناب زید علیہ السلام کے دو چچا ہوتے تو یقیناً وہ خاندانی روایت کے مطابق جناب قصیؑ کو اپنی تحویل میں رکھتے اور اُن کی والدہ کو اس دوسرے نکاح کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔لہٰذا بعد کے ادوار میں جناب سے تیم اور یقظہ کا الحاق کیا گیا جو خلیفہ اوّل کے مورث اعلیٰ ہیں۔بہر حال یہاں یہ بھی ثابت ہے کہ جناب تیم اس زمانہ میں موجود تھے۔اور انہیں بنی اسماعیل کی قصی والی شاخ سے ذرہ برابر دلچسپی اور تعلق نہ تھا۔اور یہ کافی ہے ان کے اسماعیلی خاندان سے لاتعلقی کے لئے۔ورنہ مکہ ایک چھوٹی سی جگہ تھی جس میں چند گھروں سے زیادہ اسماعیلی ہو ہی نہ سکتے تھے۔اس لئے کہ یہاں اس زمانہ میں بنی خزاعہ کا دور دورہ تھا۔کعبہ کی تولیّت دو صدی سے خزاعہ یعنی قحطان مکہ پر راج کر رہے تھے۔ایسے عالم میں جناب قصیؑ کی والدہ محترمہ یہاں رہ کر کیا کرتیں۔لہٰذا تیم اور یقظہ نام کے اگر دو آدمی یہاں تھے بھی تو یقیناً وہ قحطانی تھے نہ کہ اسماعیلی؟ ورنہ وہ ضرور اس اسماعیلی بیوہ اور یتیم بچے کی حمایت کرتے جو شریف خاندانوں کا شعار تھا۔

بہر حال جناب زیدؑ عرف قصی شام کے علاقہ میں جوان ہوئے۔ وہ اسماعیلی قبیلہ تھا۔ دن رات خاندانی جاہ وجلال اور تولیت کعبہ کی واپسی پر گفتگو رہتی تھی۔ چونکہ جناب قصی علیہ السلام خاندان انباط کے سربراہ تھے۔ اُن کی جوانی کا انتظار پورا نبطی خاندان اور حکومت انباط کر رہے تھے۔ چنانچہ حالات کے سازگار ہوتے ہی آپ مکہ واپس تشریف لائے اور یہاں آ کر آپ نے وہ بنیادیں استوار کیں جن پر امارت کعبہ کو دوبارہ حاصل کیا جا سکے۔ چونکہ قحطانی تاریخ نبطیوں کا تذکرہ اس سلسلہ میں کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لئے وہ یہ کیوں بتائے کہ تولیت مکہ حاصل کرنے اور ایک قدیم دشمن اور حاکم خاندان کو بے دخل کرنے میں نبطی حکومت نے کیا پارٹ ادا کیا۔ لیکن وہ دبی زبان سے یہ بتاتی ہے کہ جب جناب قصیؑ سن بلوغ کو پہنچے تو ایک قضاعی شخص نے یہ راز کھول دیا کہ قصیؑ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جانشین ہیں اور تولیت کعبہ اُن کا حق ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی والدہ سے مشورہ کیا۔ اور حج کی موسم میں حاجیوں کے قافلے کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ یہاں طبری کے بقول والدہ گرامی کا ایک جملہ نوٹ کرنے کے قابل ہے۔

''اُسکی ماں نے اُس سے کہا کہ عجلت نہ کرو۔ ماہ حرام آنے دو۔ جب عرب حاجی مکہ جائیں۔ تم بھی اُن کے ہمراہ ہو جانا اِس وقت جانے میں تمہاری جان کا خطرہ ہے۔ قصی نے اپنی ماں کا مشورہ مان لیا اور وہ وہیں ٹھہرا رہا۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 40)

یہاں سوال یہ ہے کہ اگر واقعی حضرت قصی علیہ السلام کے نام نہاد دو عدد چچا یعنی تیم اور یقظہ مکہ میں موجود تھے؟ اور بقول قحطانی تاریخ، حضرت قصیؑ کا ایک حقیقی بھائی زہرہ نامی بھی معہ اپنے بال بچوں کے مکہ میں موجود تھا؟ تو قصیؑ کو جان کا خطرہ کیوں تھا؟ اور وہ کون سا ایسا دشمن تھا؟ جس کے متعلق جنابؑ زید کی والدہ کو پختہ یقین ہے؟ اور جس کی اطلاع پر خود حضرت زیدؑ بھی اپنا سفر ملتوی کرتے ہیں۔ مکہ تو دارالامان تھا۔ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس جانشین کا جان لیوا دشمن کون تھا؟ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے تمام آباؤ اجداد کے قتل کے درپے رہنے والے مکہ کی حرمت کا خیال بھی نہ کرتے تھے۔ اب قارئین کی سمجھ میں آ جانا چاہئے کہ حضرت زیدؑ کی والدہ انہیں مکہ سے دور دراز محفوظ مقام پر کیوں لے گئی تھیں۔ یہ بات اسماعیلی امامت کے ہر امامؑ کیلئے ضروری تھی کہ لوگ اس سلسلہ کو منقطع کرنے کی فکر میں رہیں اور امامت کا سرپرست اپنے ہونے والے امامؑ کی حفاظت کرتا رہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ مکہ میں حضرت قصی علیہ السلام کا کوئی ہم نسب وطرفدار موجود نہ تھا۔ تیم، یقظہ اور زہرہ سب بعد کے تیار کردہ ہیرو ہیں۔

(ii)۔ قصیؑ کا مکہ میں قیام علامہ طبری کی زبانی

''جب ماہِ حرام میں بنو قضاعہ (اسماعیلی) کے حاجی حج کیلئے روانہ ہوئے تو یہ اُنکے ہمراہ مکہ میں آیا۔ اور حج سے فارغ ہو کر اب یہیں مستقل طور پر قیام پذیر ہو گیا۔ چونکہ وہ بڑا بہادر اور شریف تھا۔ اُس نے حلیل بن حبشية الخزاعی کے یہاں اُس کی بیٹی حُبّی سے منگنی کرنا چاہی۔ حلیل نے اُسکے نسب سے اطمینان کر کے اپنی بیٹی سے اُسکی شادی کر دی۔ اُس زمانہ میں حلیل کعبہ کا متولی اور مکہ کا امیر (حاکم) تھا۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق شادی کے بعد قصی اپنے خسر حلیل کے ساتھ رہنے لگا اور اُسکی بیٹی حُبّی کے بطن سے قصی کے بیٹے عبدالدار۔ عبدمناف۔ عبدالعزیٰ اور عبدقصی پیدا ہوئے۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 40)

یہاں قارئین پھر ایک دفعہ تیم، یقظہ اور زہرہ کو سلام رخصت پیش کر دیں۔ اس لئے کہ جناب زید علیہ السلام حلیل کے یہاں

رشتہ اور نکاح کی رسومات میں اپنے اُن جعلی بزرگوں کو نہ تو بلاتے ہیں نہ اُن کے یہاں قیام کرتے ہیں اور نہ اُن کا دشمن یہ پہچانتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کس کو دے رہا ہے؟ نہ اُسے یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کعبہ کے حقیقی وارث کو اپنے پورے قبیلے اور حکومت حمیر وحیرہ کے خلاف متولی بنانے کی بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھ رہا ہوں جو چند ہی ماہ میں پورے قحطانی قبیلے کو مکہ سے جلاوطن کرنے کا یا بے دست و پا ہوکر محکوم رہنے کا اعلان کرنے والا ہے۔ یہاں بھی طبری نے دھوکہ کھایا ہے کہ حبّی کے بطن سے عبدالدار اور عبدالعزیٰ کا ہونا قبول کرلیا ہے۔ حالانکہ اس خاندان حضرت اسماعیلؑ میں نہ کوئی بت پرست داخل ہوسکتا تھا نہ اس شاخ کے بزرگ اپنے کسی بچہ کا نام کسی بُت کے نام پر رکھ سکتے تھے۔ لہٰذا جناب قصی کے صرف دو بیٹے تھے۔ ایک جناب ابراہیمؑ جن کو بعد والوں نے عبد مناف مشہور کیا۔ اور دوسرے اسماعیلؑ جن کو عبد قصی کہا گیا ہے اور جن کا انتقال چھ سات سال کی عمر میں ہوگیا تھا۔

(iii)۔ مکہ پر اقتدار کے لئے جناب زیدؑ کی کوشش

چونکہ اُس زمانہ میں خانوادۂ رسولؐ یا آلِ اسماعیلؑ مکہ میں موجود نہ تھے۔ اسلئے جناب زید علیہ السلام کو مکہ پر اقتدار حاصل کرنے کیلئے اُن تمام عربوں سے مدد حاصل کرنا ضروری تھا جو قحطانی قبیلے بنی خزاعہ کے خلاف تلوار اٹھا کر اسماعیلی امامت وقیادت کی نصرت کرنے پر آمادہ ہوسکیں۔ یہ وہ موقعہ تھا جہاں ایک دفعہ پھر تیم اور یقظہ اور زہرہ کا جناب قصی کے مددگاروں میں پایا جانا ضروری تھا۔ مگر یہ تینوں نام جو بعد میں قریشیوں کو جنم دینے والے بتائے جاتے ہیں، کہیں نظر نہیں آتے۔ اور جو لوگ اس نازک موقعہ پر آگے بڑھتے اور تاریخ میں چمکتے نظر آتے ہیں، اُن میں لیڈنگ پارٹ لینے والے جناب زیدؑ کے ایک ماں جائے بھائی جناب رِزاحؑ جو دوسرے سرپرست والد ربیعہؑ سے تھے۔ اور اُنکے تین سوتیلے بھائی حسنؑ بن ربیعہ، محمود بن ربیعہ اور جلھمہ بن ربیعہ جو ربیعہ کی پہلی زوجہ سے تھے۔ یہ نبطی خاندان کے چشم و چراغ دور دراز، شامی علاقے سے مدعو کئے گئے تا کہ وہ اپنے دادا جناب اسماعیل علیہ السلام کی امامت واقتدار بحال کرنے کیلئے مکہ آئیں اور دوز بردست حکومتوں حمیر وحیرہ، کے لواحقین سے مکہ کو پاک کریں۔ یہ قصہ قحطانی انداز میں مؤرخ طبری یوں سناتے ہیں:

''**قصی اور رزاح بن ربیعہ**۔ جب اُس (قصی) کے بیٹے دور دراز ملکوں میں چلے گئے اور اُس (قصی) کی دولت اور عزت بڑھ گئی۔ حلیل بن حبشیہ مرگیا۔ قصی نے سوچا کہ قبیلہ خزاعہ اور بنی بکر کے مقابلہ میں خود وہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی امارت کا مستحق ہے۔ نیز یہ کہ قریش اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد اور اُن کی خالص نسل سے ہیں۔ اس غرض کے لئے اُس نے قریش اور بنی کنانہ کے بعض لوگوں سے گفتگو کی اور کہا کہ ہم سب مل کر بنوخزاعہ اور بنوبکر کو مکہ سے نکال باہر کریں۔ جب انہوں نے اُس کی یہ بات مان لی۔ اُس نے اپنے اخیافی بھائی رزاح بن ربیعہ بن حرام کو جو اپنی قوم میں تھا اپنی نصرت اور شرکت کی دعوت دی۔ رزاح نے اپنی قوم بنوقضاعہ میں کھڑے ہوکر ان سے اپنے بھائی کی امداد کی درخواست کی اور کہا کہ آپ لوگ میرے ساتھ ہوں۔ انہوں نے اس کی دعوت قبول کی اور چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 40)

(iv)۔ تاریخ کے اس قحطانی بیان کی بے سروپائی، بے حیائی اور ساری دنیا کو بے وقوف سمجھنے کی پالیسی پر ہمارے ساتھ ساتھ نظر ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ یہ فریب ساز ٹولہ کسی کہانی کو گھڑنے کے زمانہ میں کس قدر مطمئن تھا۔ اسے ذرہ برابر یہ خیال نہیں کہ حضرت قصیؑ کے متعلق یہ

سوال کیا جائیگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد مسلسل یکے بعد دیگرے پچپن (55) امامؑ جس کے خاندان میں گزرے ہوں۔ اور وہ خوداب اُن آئمہ علیہم السلام کا جانشین ہو۔ اُسے تو بچپن ہی سے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا چھپنواں (56) متولی و جانشین ہے۔ اور یہ کہ کعبہ پر دشمنانِ خدا و رسوؐل کا ناجائز قبضہ ہے اور یہ کہ مکہ میں اُنکے خاندان کا کوئی شخص نہیں ہے۔ سب جلاوطنی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ خود شیرخوارگی کے زمانہ سے اپنے ہم نسب قبیلے بنی قضاعہ کے دامن عاطفت میں پلے اور جوان ہوئے ہیں۔ اُن کو مکہ میں آکر حُبّی سے نکاح کر کے بقول طبری چوتھائی درجن بچے پیدا کر کے اُنکے جوان ہو جانے کے بعد اور پھر ستم ظریفی یہ کہ جب وہ نام نہاد مصنوعی بیٹے اس فرضی باپ کو چھوڑ کر دور دراز ممالک میں جا کر آباد ہو چکے تو یہ خیال آیا کہ وہ (قصیؑ) بنوخزاعہ اور بنوبکر کے مقابلہ میں کعبہ کی تولیت کے زیادہ حقدار ہیں؟ سوچیئے کہ دن دھاڑے قارئینِ تاریخ کی آنکھوں میں دُھول جھونکی جارہی ہے۔ تاکہ کوئی یہ سوال نہ کر بیٹھے کہ اُس وقت عبدالدار اور عبدالعزیٰ کہاں تھے۔ وہ اس اہم مہم میں کیوں باپ کے ساتھ کعبہ اور مکہ کو دشمنوں سے خالی کرانے میں شامل نہیں ہیں۔ اسلئے عبدالدار اور عبدالعزیٰ کو نہایت دبے پاؤں دور دراز ممالک میں چلے جانے کا اشارہ کر دیا اور وہ چلے گئے تب جناب قصی اپنی مہم کا آغاز کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب باپ مکہ میں پھول پھل رہا ہے۔ کعبہ کے متولی کا داماد بنا ہوا ہے۔ کعبہ کے غاصب متولی کی بیٹی اُنکے باپ کے پاؤں دبانا اپنی عزت کا نشان سمجھتی ہے۔ جبکہ عبدالدار و عبدالعزیٰ کو کوئی دقت درپیش نہیں ہے۔ اُنکے فرضی باپ یا ماں کے خصم کی دولت و عزت دن رات بڑھ رہی ہے تو وہ مکہ کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے۔ تاریخ کی اس کہانی میں کوئی جھوٹا سچا عذر کیوں نہ لکھا گیا؟ ہم یوں کہیں کہ اگر واقعی عبدالدار اور عبدالعزیٰ نام کے دو شخص اس زمانہ میں مکہ میں موجود تھے؟ تو وہ یقیناً دشمنانِ اولادِ اسماعیلؑ تھے۔ اور خصوصاً نبطی خاندان کے چشم و چراغ حضرت زید علیہ السلام کی تولیت کعبہ کے اور اسماعیلی امامت کے سخت مخالف تھے۔ اسلئے کہ جب تک وہ اپنی سرپرست اور قومی حکومت حمیر کے دور دراز ممالک میں نہ گئے، جناب قصی خاموشی سے اُنکے جانے کا انتظار کرتے رہے۔ اور اُنکے خطرہ کے ٹل جانے کے بعد آپ نے کعبہ و مکہ کو واگزار کرانے کی مہم کا آغاز کیا۔ اور اگر واقعی وہ حضرت زیدؑ کی جائز اولاد ہوتے تو سوتیلے بھائیوں کی مدد کیلئے بلانے کے ساتھ ہی انہیں بھی واپس آنے اور اس کارِخیر میں باپ کی اور تمام انبیاؑ کی نصرت کرنے کی دعوت دیتے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عبدالدار ہو یا کوئی عزیٰ کا بندہ ہو۔ وہ کم از کم حضرت قصیؑ کی اولاد نہ تھا اور نہ وہ اسماعیلی خاندان کے کسی اور قبیلے سے تھا، نہ انہیں کعبہ اور مکہ سے ہمدردی تھی، نہ وہ دیندار لوگ تھے۔

پھر یہ جو کہا گیا کہ جناب قصیؑ نے مکہ میں قریش اور بنی کنانہ سے گفتگو کی اور انہیں اپنا ساتھ دینے پر اُبھارا۔ یہ بات اگر اسی صورت میں صحیح مان لی جائے تو یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اُن نام نہاد قریش کی طاقت اس قابل نہ تھی کہ حضرت قصیؑ کے بھائی اور بنوقضاعہ مدد نہ کریں تو یہ لوگ کعبہ کو واگزار کرا لیتے۔ یعنی اگر کوئی قریش نام کا جاندار وہاں موجود تھا بھی تو نہایت حقیر و ذلیل صورت رکھتا تھا۔ یہ مردہ بحث دوبارہ زندہ کرنا اب فضول ہے کہ نام کی ابتدا تو جب ہوگی جب جناب قصیؑ کعبہ اور مکہ سے قحطانی قبیلہ کے بنوخزاعہ کو نکال کر مکہ کے گرد و نواح کے خانہ بدوش عربوں کو بنوخزاعہ سے چھینے ہوئے مکانات میں آباد کر دینگے اور تمام اُن لوگوں کو اپنے چاروں طرف جمع کر لیں گے جو قحطانی حکومتوں یعنی حمیر و حیرہ کے بادشاہوں کے مظالم کے خلاف اب امامت اسماعیلی کی حمایت کرینگے۔ اس تجمّع کے بعد

تَقَرُّش کی ہنڈیا چڑھے گی اور پھر وہ حمایت کرنیوالے مختلف قبائل قریش کہلائیں گے۔ بہرحال اگر مکہ میں قریش نام کے کچھ جاندار موجود تھے بھی تو یہ تو اور بھی بُری صورتحال ہے اور اُس برائی کو سمجھنے کیلئے آپ بھی ایک بُری بات کریں یعنی کہیں بہت پہلے لکھے ہوئے ایک اقتباس کو پڑھنے اور اُس بُری بات کو سمجھنے میں اپنے دو منٹ ضائع کریں۔ سنئے علامہ شبلی قحطانی طرزِ تحقیق کو ماتم کیلئے یوں پیش فرماتے ہیں کہ:۔

''**قبائل قضاعہ**۔ عام علمائے انساب قضاعہ کو بنی قحطان میں داخل کرتے ہیں۔ اور ہم بھی یہاں اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ ورنہ از روئے تحقیق وہ (قضاعہ) بنو اسماعیل ہیں بہرحال اُن کی حسب ذیل شاخیں ہیں: (1) بنو کلب (2) بنو تنوخ (3) بنو جرم (4) بنو جہنیہ (5) بنو نہد (6) بنو عذرہ (7) بنو اسلم (8) بنو بَلِی (9) بنو سلیح (10) بنو ضجعم (11) بنو تغلب (12) بنو نمر (13) بنو اسد (14) تیم اللّات۔'' (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 108)

وعدہ والی بُری بات سے پہلے یہ بُری بات سامنے آ گئی کہ قحطانی حکومت کے مؤرخین اور علمائے انساب بلا تحقیق محض دشمنی خدا و رسولؐ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ان چودہ قبیلوں کو اسلئے خانوادہ رسولؐ سے خارج کر دیتے ہیں کہ اُن لوگوں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دو سو سال پہلے مکہ اور کعبہ کو قحطانیوں سے چھین کر آنحضرتؐ کے دادا جناب قصی علیہ السلام کی امامت و امارت و حکومت کے قیام میں نصرت کی تھی۔ یعنی خانوادۂ رسولؐ کی حکومت قائم کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ جسے کسی طرح قحطانی الاصل لوگ معاف نہیں کرتے۔ نام بدل لیتے ہیں، غیروں کو اپنا باپ بنا لیتے ہیں، انتقام کیلئے داماد بنا لیتے ہیں، بیٹیاں سپرد کرنے کو تیار رہتے ہیں، ہر مکر و فریب و غداری و احسان فراموشی کر لیتے ہیں۔ کعبہ میں آگ لگا دیتے ہیں، مسجد میں گھوڑے باندھ کر اُسے اصطبل بنا لیتے ہیں، مذہب بدل کر کلمہ اور نمازیں پڑھنے لگتے ہیں۔ مگر انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتے ہیں۔ افسوس ہے علامہ شبلی ایسے دعویدار تحقیق پر کہ وہ اقبال جرم کرنے کے بعد بھی پیروی قحطانیوں ہی کی کرتے ہیں۔ بس جناب وہ بری بات بالکل صاف ہے کہ طبری کے بیان کا یہ جملہ کہ:۔

''رزاح نے اپنی قوم بنو قضاعہ میں کھڑے ہو کر ان سے اپنے بھائی کی امداد کی درخواست کی اور کہا کہ آپ لوگ میرے ساتھ ہوں۔ انہوں نے اس کی درخواست قبول کی اور مکہ چلنے پر آمادگی ظاہر کی۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 40)

مطلب یہ ہے کہ حضرت زیدؑ (قصیؑ) کے بھائی کی قوم قضاعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے اسماعیلی تھی۔ مگر قریش نہ تھی اور جن قریش کا اُس زمانہ میں مکہ میں موجود ہونا لکھا وہ قریش ہوں یا قحطانی ہوں مگر وہ بنو اسماعیلؑ نہ تھے۔ یعنی قریش بنو اسماعیل نہیں ہوتے۔ اور بنو اسماعیل قریش نہیں ہوتے۔ اور اُس وقت مکہ والے قریش حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہوتے تو حضرت قصیؑ کو اور اُن کی والدہ کو ہرگز مکہ سے نہ جانے دیتے۔ اپنے خاندانی امامؑ، جانشینِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے لئے اپنی جان تک نثار کر دیتے۔ لہٰذا وہ ویسے ہی قریش تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ جن کو نہ یتیموں پر رحم آتا تھا، نہ بیواؤں پر ترس کھاتے تھے، نہ پڑوسی کی رعایت کرتے تھے، نہ مہمان سے دغا کرنے سے چُوکتے تھے، نہ انہیں پردیسی کی بے کسی متاثر کرتی تھی، نہ بھوکے پیاسے بچوں کی بھوک پیاس پر اُن کا دل پسیجتا تھا۔ وہ نمازیوں کو بے جرم و خطا قتل کرتے، اُن کے سروں کو کاٹ کر اُن کے بیوی بچوں کے سامنے اُن کے سروں کو اینٹوں کی جگہ رکھ کر اپنی ہنڈیا پکاتے تھے۔ وہ مظلوم اور ستم رسیدہ عورتوں کو اُن کے معصوم بچوں کے سامنے تصرف میں لاتے

تھے۔ بتائیے ایسے درندہ صفات، انسان نما حیوان کس بے رحمی کے ساتھ خانوادہ رسولؐ کے ساتھ شمار کر لئے گئے۔ اس ہی کا جواب علامہ شبلی نعمانی نے دیا ہے کہ ہم وہ لوگ ہیں جو حقیقت وتحقیق کے باوجود نسل اسماعیل کو قحطانی بنانے کی پیروی کرتے رہیں گے۔ اس قسم کے محققین ومؤرخین ومفسرین ومحدثین ومجتہدین کو بتادو کہ ہم بھی تمہاری تمام اسکیموں کی کھال اتارے بغیر اور تمہاری اسلامی نقاب نوچ کر تم سے کفر کا اقرار کرائے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ تمہیں اپنا اصلی مذہب بتانا پڑے گا۔ تمہیں اپنی صحیح ولایت کا اعلان کرنا ہوگا۔ لہٰذا زیر بحث بیان میں یہ جملہ سراسر بکواس اور خدا اور رسولؐ پر اتہام ہے کہ:

''نیز یہ کہ قریش اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد اور اُن کی خالص نسل سے ہیں۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 40)

اولاد اور خالص تو بڑی چیزیں ہیں وہ تو بنی نوع انسان میں سے ایسے لوگ بھی نہ تھے جو ایک شیر خوار یتیمؑ اور بے سہارا بیوہ کی سر پرستی اور مدد کر دیا کرتے ہیں، جو ظالم سے مظلوم کا حق دلوایا کرتے ہیں۔ اور سنو کہ اس تمام بیان میں بھی جناب قصیؑ کے الحاقی اور نام نہاد چچاؤں تیم اور یقظہ کا پھر کہیں ذکر نہیں ہے۔ یعنی وہ دونوں اس وقت کے قریش میں بھی موجود نہ تھے۔ پھر یہ سوچئے کہ اُن قریش میں سے کسی ایک کا نام تک نہ لکھنا جو مکہ میں موجود تھے اور جن سے کعبہ کو واگزار کرانے کی گفتگو ہوئی تھی، صاف بتاتا ہے کہ یہاں بھی لفظ قریش ایک بے نام ونشان فراڈ وفریب ہے۔ لہٰذا سنئے اور ہمیشہ یاد رکھئے کہ وہ قحطانی گروہ تھا جو مناسب مواقعہ کی تلاش میں رہا کرتا تھا۔ اور دبے پاؤں بنی اسماعیلؑ کی اسکیموں میں داخل ہو کر انڈر گراؤنڈ محاذ کا کام کرتا تھا۔ دشمنوں کے مرکز کو تازہ بتازہ خفیہ راز بتانے اور مومنین میں اختلاف وافتراق پھیلا کر انہیں خانوادہ اسماعیلؑ کا مخالف بنانے اور اپنے ساتھ ملا کر نبوت ورسالت وامامت وحکومت الٰہیّہ پر قبضہ جمانے کی تاک میں لگا رہتا تھا۔ وہ نمازیں پڑھتا، تہجد بجالاتا، روزے رکھنے کی زحمت برداشت کرتا، ہر عقیدہ اور مسئلے کی بے چوں و چرا تصدیق کرتا، سمجھنے اور سمجھانے کی آڑ میں نہایت دانش مندی سے بحث بھی کرتا، موقعہ ملنے پر ڈانٹ بھی دیتا، سابقہ کتب پر بھی جانچتا، زکوٰۃ وخیرات خوب خوب اعلان کر کے نکالتا، اوّلین وسابقین میں شامل رہتا، اور رفتہ رفتہ پورے دین کی اساس بدل ڈالتا تھا۔ اس گروہ کا نام قاف سے ہو یا میم سے ہو، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اللہ کی کتاب قرآن کریم میں یہ ابلیس کا گروہ ہے۔ یہ **حزب الشیطٰن** ہے جو روزِ ازل سے تمام انبیا وآئمہ علیہم السلام کا مدمقابل رہا ہے۔

(v)۔ حضرت زیدؑ (قصیؑ) کے حالات قحطانی تاریخ کے پُر فریب پردہ پر

اگر قحطانیوں کو یہ لالچ نہ ہوتا کہ وہ قریشی نقاب میں ملبوس ہو کر آنحضرتؐ کے خانوادے سے اپنا پیوند لگا سکیں گے تو وہ ہرگز جناب قصیؑ اور اُن کے اگلے پچھلے بزرگوں کا تذکرہ تاریخ میں نہ کرتے۔ لہٰذا جو کچھ انہوں نے اس سلسلے میں بیان کیا ہے۔ اس سے یہ مقصود نہیں کہ وہ اُن بزرگوںؑ کے فضائل اور کارنامے بیان کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اصلی مقصد یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے ایسے واقعات سامنے لے آؤ جن میں اسماعیلی بن سکنے کی گنجائش نکالی جاسکے۔ چنانچہ علامہ طبری کا بیان صفحہ مذکورہ بالا سے مسلسل پڑھیں۔ آپ یہ عنوان قائم کرتے ہیں: ''بنوخزاعہ کا مکہ سے اخراج۔'' (طبری۔ صفحہ 40 جلد اوّل)

یعنی اب یہ بھول جانا چاہئے کہ بنو بکر بھی مکہ میں تھے۔ اور اُن کو بھی مکہ سے بنوخزاعہ کے ساتھ ساتھ مکہ سے نکالنے کے لئے بنو

کنانہ اور نام نہاد قریش سے گفتگو ہوئی تھی۔ یہی نہیں بلکہ اب جو بھی بیان دیا جائے گا۔ اس میں قریش کو زیرِ پردہ رکھ کر اب بنونضر کو سامنے لایا جائے گا اور بنو کنانہ کو غائب کر دیا جائے گا، دیکھئے پردہ اٹھتا ہے۔

''ہشام اپنے پہلے بیان کے سلسلے میں کہتا ہے کہ قصی اپنے بھائی زہرہ اور خاندان کے پاس چلا آیا۔ چند ہی روز بعد اُسے سرداری مل گئی۔ چونکہ مکہ میں بنوخزاعہ کی تعداد بنونضر سے زیادہ تھی۔ اس لئے قصی نے اپنے بھائی رزاح (بن ربیعہ) سے مدد مانگی۔ اُس کے تین اور بھائی دوسری ماں سے تھے۔ وہ اُن کو اور دوسرے بنوقضاعہ کو جنہوں نے اُس کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا لے کر قصی کے پاس مکہ آیا۔ یہاں قصی کی حمایت کے لئے بنونضر تھے۔ اُن سب نے مل کر بنوخزاعہ کو مکہ سے نکال دیا۔ اس کے بعد قصی نے حُبّی بنت حلیل بن حبشیۃ الخزاعی سے شادی کی جس کے بطن سے اُس کے چاروں بیٹے پیدا ہوئے۔ حلیل بیت اللہ کا آخری متولی تھا۔ جب اُس کا وقت آخر ہوا تو اُس نے کعبہ کی ولایت اپنی بیٹی حُبّی کے سپرد کی۔ اُس نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکتا کہ خود کعبہ کا دروازہ کھولوں اور بند کروں۔ حلیل نے کہا کہ اچھا میں اس کام کے لئے ایک دوسرا شخص مقرر کئے دیتا ہوں جو اس منصب کو تمہارے نائب کی حیثیت سے انجام دے۔ چنانچہ اس نے ابوغبشان سلیم بن عمرو بن بوَی بن ملکان بن قصی کو یہ خدمت سپرد کر دی۔ قصی نے ایک مشک شراب اور ایک عود کے عوض میں اُس سے کعبہ کی تولیت خرید لی۔ اس پر خزاعہ بگڑے اور وہ قصی پر چڑھ آئے۔ تب اُس نے اپنے بھائی سے مدد مانگی۔ اور اس کے ساتھ وہ (قصی) خزاعہ سے لڑا۔ اصل حقیقت اللہ جانتا ہے۔ مگر بیان کیا جاتا ہے کہ اُن (بنی خزاعہ) کو خسرہ (ٹائیفائیڈ) نکل آئی اور قریب تھا کہ اس مرض سے وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔ اُنہوں نے خود ہی مکہ کو خیرباد کہہ دیا اور سب ترک وطن کر کے چل دیئے۔ بعض نے اپنے مکان بلا معاوضہ لوگوں کو دے دیئے۔ بعض نے اُن کو بیچ دیا اور بعض پھر بھی رہ پڑے۔ مگر اب قصیؑ بلا شرکت غیر کعبہ کا متولی اور مکہ کا حاکم ہو گیا۔ اُس نے قریش کے تمام قبیلوں کو پھر اکٹھا کیا اور اُن کو مکہ کے پہاڑ پر آباد کیا۔ جن میں سے بعض اب تک گھاٹیوں میں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر سکونت رکھتے تھے۔ اُس نے خزاعہ کے مکان قریش میں تقسیم کر دیئے۔ اس لئے اب اس کا نام مجمّع ہوا۔ اُسی کے متعلق مطرود یا حذافہ بن غانم نے یہ شعر کہا ہے ؎

اَبُوکم قصی کان یدعٰی مجمّعًا   بِهٖ جمع اللّٰه القبائل من فهر

ترجمہ: ''تمہارا باپ قصی ہے۔ جسے مجمّع کہتے تھے۔ اس کے ذریعہ اللہ نے بنوفہر کے قبائل کو پھر ایک جا جمع کر دیا۔ قریش نے اسی کو اپنا حاکم بنالیا۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 41-40)

(vi)۔ قحطانی فریب کو ہٹا کر حضرت زیدؑ کے صحیح حالات

آپ نے شجروں کے بیانات میں اور قریش کی نقاب کشائی میں یہ دیکھا تھا کہ جب تک قصی علیہ السلام نے بنونضر اور بنوفہر کو مکہ میں جمع نہ کر دیا، اس وقت تک لفظ قریش وجود ہی میں نہ آیا تھا۔ اور اُن سب قبیلوں کو اُن کے اصل نام یعنی بنونضر وغیرہ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اور قصیؑ کے جمع کر دینے کے بعد تمام جمع ہونے والے قبائل کو قریش کہا جانے لگا تھا۔ لہٰذا چونکہ نزول قرآن کے وقت تک بعض قبائل قریش

مشہور ہو چکے تھے۔ بعد کے مؤرخین نے خود اپنی طرف سے بنونضر اور بنوفہر وغیرہ کو قریش لکھنا شروع کر دیا۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر سابقہ بیان نمبر (iii) میں مکہ کے اندر قریش کا وجود لکھ دیا گیا تھا۔ یعنی انہیں خیال یہ رہا کہ ہو نہ ہو وہاں بنونضر و بنوفہر موجود ہوں گے۔ لہٰذا لکھ مارا کہ جناب قصی نے قریش سے بنوخزاعہ اور بنوبکر کو مکہ سے نکال باہر کرنے کی بات کی ہوگی۔ لیکن ہم یہ ثابت کر چکے کہ مکہ میں نہ بنونضر تھے نہ بنوفہر تھے۔ جہاں یہ لوگ تھے وہیں جناب قصیؑ کی والدہ گئی تھیں۔ وہیں جناب زیدؑ نے پرورش پائی تھی اور وہی بنونضر و بنوفہر و بنوقضاعہ کی صورت میں مکہ میں مدد کے لئے آئے تھے۔ اور مکہ کو قحطانیوں سے پاک کیا تھا۔ لہٰذا تاریخ میں یہ الفاظ کی اَدَل بَدَل اور قریش و بنونضر کی ہیرا پھیری بعد کی ایجادات ہیں۔ اصل واقعات سے قریش یا قحطانی نصرت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا جہاں اور جب تاریخ میں لفظ قریش آئے یا لایا جائے اُسے قحطانی سازش کا ایک داؤ یا دام بلکہ ہم رنگِ زمینِ تاریخ جال سمجھنا چاہئے۔ اور دیکھنا چاہئے کہ اُس جال کے نیچے، آگے یا پیچھے جو چارہ یا دانہ ڈالا گیا ہے اُس سے بچ کر گزر جائے۔ یہ وہ دانہ ہے جس کے لالچ میں بڑے بڑے محقق و مدقق قحطانی جال میں پھنسے اور نہایت اطمینان سے خود کو آزاد و بے لاگ محقق سمجھتے ہوئے مر گئے۔

اس بیان نمبر (v) میں جہاں ایک پورا قبیلہ بنوبکر غائب کر دیا گیا ہے وہیں بنونضر کو کھینچ کر مکہ میں آباد کر دیا گیا ہے۔ مگر نام پھر بھی کسی کا نہیں لکھا۔ اُدھر اب مکہ میں وہی زہرہ نام کا قصیؑ کا ایک فرضی بھائی بھی آباد دکھایا گیا ہے۔ لیکن اوّل تو ہم ایسے بھائی کو صحیح اولاد نہیں سمجھتے جو اپنے حقیقی شیر خوار یتیم بھائی اور اپنی حقیقی ماں کی سرپرستی نہ کرے اور وہ دور دراز کا سفر کر کے اپنے ہم نسب خاندان میں پناہ لیں۔ دوسرے وہ اس لئے بھی بھائی نہیں ہوسکتا کہ قصی کی والدہ محترمہ یہ نہیں جانتیں کہ اُن کا ایک بیٹا مکہ میں موجود ہے۔ لہٰذا قصی کی جان کو خطرہ نہیں ہوسکتا۔ مدد کے لئے وہ حقیقی بھائی اور اولاد اسماعیل بنونضر موجود ہیں جو مدد کریں گے۔ لہٰذا یہ ایک بکواس ہے کہ جناب قصی اپنے بھائی زہرہ اور اپنے خاندان کے پاس مکہ میں چلے آئے تھے۔ یہ بات اس لئے بھی غلط ہے کہ زہرہ کو اُس وقت جوان بتایا گیا ہے جب جناب قصیؑ ابھی شیر خوار تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ زہرہ کلاب علیہ السلام کا بڑا بیٹا تھا یا کم از کم قصی سے تو بڑا بیٹا تھا ہی۔ اب سوال یہ ہے کہ زہرہ مکہ میں جوان ہوئے تھے۔ پھر جب تک قصی علیہ السلام مکہ میں دوبارہ واپس آئیں زہرہ کو مکہ میں رہتے ہوئے تقریباً آدھی صدی گزر چکی تھی اور اس دوران نام نہاد قریش اور بنونضر بھی مکہ میں موجود تھے تو سوال یہاں مکمل ہوتا ہے کہ زہرہ صاحب کو مکہ میں سرداری کیوں نہ ملی؟ جب کہ وہ قحطانی تاریخ کی رو سے جناب کلاب کے بڑے بیٹے بھی ہیں اور اسماعیلی خاندان میں حضرت اسماعیل کا جانشین بڑا بیٹا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ پھر جناب زید مکہ آتے ہی چند روز میں کیسے سرداری حاصل کر سکے۔؟ زہرہ کیوں سرداری سے محروم رہے؟ سردار کس نے بنایا؟ قصی کس گروہ پر سردار بنائے گئے؟ بنوخزاعہ نے مزاحمت کیوں نہ کی؟ اِن سوالات کے جوابات قحطانی گروہ کے اگلے پچھلے سب مل کر بھی نہیں دے سکتے۔ اُن سب کا جواب وہی ہے کہ جناب زید علیہ السلام کا نہ کوئی بھائی تھا، نہ وہ مکہ میں تھا، نہ مکہ میں بنو اسماعیل کا کوئی فرد تھا، وہاں سب قحطانی تھے۔ خواہ قبیلہ خزاعہ کے نام سے ہوں یا بنی بکر و عمر کے نام سے مشہور ہوں۔ اور یہ سب دشمنانِ خاندانِ اسماعیل عموماً اور دشمنانِ زیدؑ و زیدیان خصوصاً تھے۔ یہ ہے وہ زیدی درایت جو قحطانی تاریخ کے پرخچے اڑا دیتی ہے۔ یہ ہے وہ زیدی قلم جو حقائق کو قحطانی فریب کے انبار سے چھان کر الگ کر لیتا ہے۔ زید وہ نام ہے جو عمر و بکر وا یکس وائی زیڈ (XYZ) کے ماتحت

نہیں رہتا۔ ماتحتی اور غیروں کی اطاعت پر وہ موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

پھر یہ تازہ بیان (v) کہتا ہے کہ جناب زید علیہ السلام نے بنو قضاعہ اور اپنے ایک ماں جائے بھائی اور تین سوتیلے بھائیوں کو اپنی نصرت کیلئے مکہ بلایا اور بنوخزاعہ کو مکہ سے نکال دیا۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ جب قصی کعبہ کے متولی ہو گئے تو بنوخزاعہ چڑھ دوڑے۔ سوال یہ ہے کہ جب اُنکو مکہ سے بے دخل اور بے دست و پا کر کے نکال دیا گیا تو اب وہ کیسے اور کیوں ناراض ہو گئے۔ پہلے کیوں بلا جنگ وجدل نکل کر چل دئے تھے؟ یہاں اُن کا جھوٹ اس بات سے کھل جاتا ہے کہ جب بنوخزاعہ کو مکہ سے نکال دیا تو کعبہ کی تولیت حلیل کے قبضے میں کیسے رہتی رہی؟ اور بنی خزاعہ کو نکالنے والے شخص سے حُبّی یعنی اپنی بیٹی کا نکاح کیوں کر دیا؟ جس طاقت کے سہارے وہ کعبہ کا متولی اور مکہ کا حاکم تھا اُس طاقت کے ہوتے ہوئے دشمن کو بیٹی کیوں دینا پڑی؟ اور جب بیٹی دے دی تھی تو مرتے وقت داماد ہی کو کیوں متولی نہ بنا دیا؟ اور بیٹی کو متولی بنایا تھا تو حُبّی نے تولیت جناب زید کو کیوں نہ سپرد کر دی؟ اور کرایہ کا نائب بنانے یا بنوانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا جناب زید علیہ السلام نے تولیت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا؟ اور اگر جناب قصیؑ کو بنوخزاعہ کو نکال دینے کے بعد بھی کعبہ کی تولیت نہ ملی تھی؟ تو اُنکی اس سرداری کے کیا معنی ہیں جس کا ملنا قحطانیوں نے لکھا ہے؟ پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ حُبّی کا نائب اس تولیت کو فروخت کر دیتا ہے۔ اور حُبّی نہ خفا ہوتی ہے نہ اپنے ماتحت نوکر ابوغبشان سے باز پرس کرتی ہے۔ نہ اپنے شوہر کو خاندانی عہدہ اور میراث ملنے پر مبارکباد دیتی ہے۔ بلکہ خفا ہوتے ہیں تو وہ لوگ جو مکہ میں موجود ہی نہیں بلکہ بنو قضاعہ کی مدد سے جلاوطن ہو کر نہ معلوم کہاں دفع ہوئے ہیں۔ قارئین مسلمان علما سے اگر ڈرتے ہیں تو خود اپنی ذات اور اپنی ضمیر سے تو خوفزدہ نہیں ہیں۔ اُن سے یا خود سے دریافت کرو کہ یہی وہ تاریخ ہے؟ یہی وہ لٹریچر ہے؟ جس سے تم باضمیر انسانوں کو اپنے ہم نوا بنانا چاہتے ہو؟ اور پھر سوچو کہ اگر حضرت زیدؑ یا زیدی قسم کے لوگ نہ ہوتے تو کیا آج یہ پتہ چلتا کہ اسلام کیا ہے؟ اسلام کے راہنما کون ہیں؟ کیا یہاں خانوادہ یزید کا مذہب نہ ہوتا؟ وہ بے حیا لوگ کیسے سنگدل اور شیطان کے نمائندے انسان ہیں جو یزید کو لعنت کی بجائے درود وسلام سے یاد کرنا چاہتے؟ سنو تمام دنیا یزیدی ہوتی، چاروں طرف یزید و شمر و عمر سعد وابن زیاد ہی چھائے ہوئے ہوتے اگر ذوالفقار حیدری اور خانوادۂ ابوطالب اور حضرت امام حسین علیہم السلام نہ ہوتے۔

اس بیان میں شراب کا ذکر بھی کیا گیا۔ خدا شرابیوں پر لعنت کرے۔ قحطانیوں کی گھٹی میں شراب دی جاتی تھی۔ سنو اور غور سے سنو وہ تمام اجسام جہنم میں تپائے جانے والے ہیں جو شراب وحرام خوراک سے بنے تھے۔ جن کی ہڈیوں کا گُودا شراب وخنزیر وحرام و خبائث کھا کھا کر مردار اور خون پی پی کر بنا ہو، وہ سب جہنمی ہیں۔ انہیں اگر قسمت نے کلمہ پڑھ لینے کا موقعہ دیا تھا تو اُنہیں چاہئے تھا کہ اس نجات دہندہ خانوادہ کے پسینے پر اپنا خون بہاتے، اُن کی خدمت میں سروقد کھڑے رہ کر ہڈیوں کے اُس جہنمی گودے کو پگھلاتے، اُن کے نام پر اُن کے غم میں اپنا جسم گھلاتے اور اپنا گوشت قیمہ کی صورت میں نثار کرتے تو اُمید تھی کہ وہ خدا کی طرف سے پاک کر دئے جاتے اور جہنم میں جھونکے جانے سے بچ جاتے۔ لیکن جن خبیثوں نے خود ہی اپنے اور اپنے بزرگوں کے ساتھ طیب و طاہر وطاہرہ لکھنا شروع کر دیا۔ حالانکہ قرآن نے انہیں منع کیا تھا کہ اسلام وایمان لے آنے کے بعد بھی خود کو تزکیہ شدہ نفوس نہ کہیں اور نہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ پانی سے نجاست دور ہو جاتی ہے اور وہ ہاتھ پیر عارضی طور پر پاک ہو جاتا ہے۔ ہڈیوں میں پیک (Pack) شدہ ناپاکی پانی سے اور زبانی

بکواس سے نہیں دھلتی۔کھال کے اندر کا سامان پاک نہیں ہو جاتا۔اس کو پاک کرانے کے لئے اہل بیت علیھم السلام کی توجہ اور اُن پر جان فدا کرنے کے عملی مظاہرہ کی احتیاج ہے۔اُن کی راہ میں جان دینے والے، اُن کے نام پر خون بہانے والے ہی پاک اور جنت کے مستحق ہوسکتے ہیں۔خدا ہمیں اور ہمارے قارئین کو یہ توفیق عطا کرے آمین۔

زیرِنظر بیان میں اللہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔یعنی پورے بیان کی سچائی یا جھوٹ کو اللہ کے حوالے کر کے قارئین کو آزاد کر دیا۔ چاہیں تو تسلیم کرلیں ورنہ رد کر دیں۔اِسی جگہ معجزہ کی چاشنی بھی دی گئی ہے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ بھی جناب قصی علیہ السلام کی مدد پر آمادہ تھا۔مگر سوال یہ ہے کہ جب خسرہ یا چیچک کے خطرے سے ڈر کر؛

''انہوں نے خود ہی مکہ کو خیر باد کہہ دیا۔اور سب ترک وطن کر کے چل دئے۔'' (طبری۔جلد اوّل صفحہ 41)

جب تمام بنوخزاعہ مکہ سے چلے گئے۔تو اِس کا کیا مطلب ہے کہ بعض نے مکہ ہی میں رہنا طے کر لیا؟ کیا جناب قصیؑ نے اُن دشمنوں کو اجازت دی تھی؟ یا یہی وہ گروہ ہے جو اُس زمانہ کے قریشی پردہ میں چھپ گیا تھا۔اور داخلی ریشہ دوانی اور تخریب کا پلان بنایا تھا۔پھر جب کچھ لوگوں کو یہ موقعہ مل گیا کہ وہ اپنے مکانوں کو فروخت کرسکیں اور بعض اپنے مکانات مفت دوسروں کو دے سکیں تو یہ کہنا غلط ہے کہ جناب زیدؑ نے بنوخزاعہ کے مکانات میں اپنے پسندیدہ لوگوں کو آباد کیا۔ہم یہ عرض کریں گے کہ جن لوگوں نے بنوخزاعہ سے مکانات خریدے اور جن لوگوں کو خوشی سے بنوخزاعہ نے اپنے مکان دے دیئے۔یہ دونوں قسم کے لوگ یقیناً جناب قصیؑ اور تمام بنی اسماعیلؑ اور اُن کی حکومت کے مخالف تھے۔اور مستقبل میں بنی خزاعہ کی حکومت اور اقتدار قائم کرنے کی پالیسی پر عمل کریں گے۔ قارئین اس مقام کو اس وقت تک نہ بھولیں جب تک ہم حضرت قصیؑ کے بعد اُن کے چوتھے پوتے حضرت ابو طالب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہ ہو جائیں۔اس لئے کہ قصی کے زمانہ میں جو قحطانی قریشی پردہ کے پیچھے چھپ گئے تھے وہ ہی وہ گروہ ہوگا جو رفتہ رفتہ خانوادہ رسولؐ میں گھل مل جائے گا۔اعتماد حاصل کرے گا، امارت کعبہ میں شریک ہو کر بنو اسماعیلؑ کے اقتدار کو ڈھیلا کرے گا۔یہی وہ لوگ ہوں گے جو حضرت قصی، عبد مناف، ہاشم، عبدالمطلب، ابو طالب اور پھر جناب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وابائِہ کے ساتھ حسب موقعہ وقوت مزاحمت کرتے رہیں گے۔یہی وہ لوگ ہوں گے جن کو خانوادۂ اسماعیلؑ کی مختلف شاخوں کے بیٹے، بھائی اور بھتیجے بتایا جائے گا۔یہ ہے وہ شرارِ بولہبی جو حضرت کعب ومرہ اور عبد مناف کی اولاد بن کر بیتِ رسولؐ کو جلانے کی کوشش میں آگے بڑھتا چلا جائے گا۔یہاں تک کہ کربلا کے میدان میں اُس کی دشمنی کچھ ٹھنڈی پڑے گی۔جہاں سورج کے بندے کا شعلہ بجھ جائے۔اور پھر یہ عرب کا سورج سبئی خاندان ہمیشہ کے لئے ننگِ انسانیت بن کر لعنت کے پردوں میں چھپ جائے گا۔اس بیان کی تنقید کو اس جملے کے ساتھ ختم کر کے آگے بڑھیں کہ حضرت زید علیہ السلام نے جن عربوں کو مکہ میں اور اس کے گرد ونواح میں آباد کیا تھا وہ کوئی ایک قبیلہ نہ تھا۔بلکہ مخلوط قبائل جو سلطنت حمیر اور حیرہ کے ستائے اور برباد کئے ہوئے تھے یہاں جمع کر دئے گئے تھے۔اُن میں چند خاندان بنی اسماعیل میں سے بھی تھے۔لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے وہ شاخ جس میں کتاب ونبوت ورسالت وحکومت اور امامت بطور ورثہ چلی آرہی تھی اس میں سے صرف حضرت قصی علیہ السلام ہی تھے اور اُن کے فرزند جناب ابراہیم علیہ السلام تھے۔جن کو ایک قحطانی عبد مناف نامی شخص سے صوری مشابہت کی بنا پر سازشاً عبد مناف

کہنا شروع کیا گیا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت ہاشم،مطلب علیھم السلام ہوئے تھے۔وہ جم غفیر جس میں رسولؐ کے اعمام وغیرہ مشہور کیا گیا،سب قحطانی الاصل خزاعہ،عدی،تیم وبنوبکر وجرھم وغیرہ تھے۔

(vii)۔ حضرت قصیؑ قحطانی تاریخ میں ذرا اور اُبھارے گئے

قحطانی دروغ بافی کے اُس انبار میں سے حق وحقائق کو باطل سے الگ کرنا بڑی دقت نظر چاہتا ہے۔اور ادھر قارئین کے بور ہو جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔بہرحال جس قدر ممکن ہے ہم حضرت زیدؑ (قصیؑ) کے حالات قسط وار کھود کھود کر نکال رہے ہیں۔چنانچہ جناب طبری گو وظیفہ خوار تھے لیکن انہوں نے اُلٹ پلٹ کر کافی اطلاعات فراہم کردی ہیں۔اُلٹ پلٹ کو سمجھنے والا محقق صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا ہے۔اُن کا ایک اور بیان سنئے فرماتے ہیں کہ:۔

''ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رزاحؑ نے قصیؑ کی طلب نصرت کی استدعا کو قبول کیا اور وہ اپنے تینوں بھائیوں اور قبیلہ والوں کو لے کر عرب حاجیوں کے ساتھ قصی کی مدد اور اُس کا ساتھ دینے کے لئے مکہ روانہ ہوا۔یہی راوی کہتا ہے کہ بنوخزاعہ اس بات کے مدعی ہیں کہ جب قصی کی اولاد منتشر ہوگئی تو خود حلیل نے کعبہ کی تولیت قصی کے سپرد کردی تھی۔اور کہا تھا کہ تم خزاعہ کے مقابلہ میں کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت کے زیادہ اہل ہو۔اس کی وصیت کی بنا پر قصی نے اُن تمام حقوق کا مطالبہ کیا تھا۔جب سب لوگ مکہ میں جمع ہوئے اور موقف کو چلے اور حج سے فارغ ہو کر منٰی میں آئے۔اس وقت قصی نے اپنے تمام مددگار،اپنے ہم قوم قریشی متبعین،اور بنوکنانہ اور بنوخزاعہ کے حامیوں کو اپنے پاس جمع کر رکھا تھا۔تمام مناسک حج ادا ہو چکے تھے صرف واپسی باقی تھی۔۔۔(یہاں رَمی یعنی کنکریاں مارنے کا ذکر کر کے کعبہ کے پجاریوں کی ہٹ دھرمی اور بالا دستی لکھ کر فرمایا کہ) کنکریاں مارنے کے بعد جب حاجی لوگ منٰی سے واپس ہوتے تو کعبہ کے پجاری سب سے پہلے گھاٹی کے سروں پر آجاتے۔اور لوگوں کو گزرنے سے روک دیتے اور کہتے کہ پہلے ہم پجاری حضرات گزرلیں تب باقی لوگ گزریں گے۔چنانچہ پہلے وہ گزرجاتے تب دوسروں کو گزرنے کی راہ ملتی تھی۔اِس سال بھی حسبِ دستور جاریہ پجاریوں نے حاجیوں کے ساتھ یہی برتاؤ کیا۔یہ طریقہ اُن میں بنوجرہم اور بنوخزاعہ کی تولیت کے عہد سے چلا آتا تھا۔اور اس طریقہ سے تمام عرب واقف تھے اور اسے تسلیم کرتے تھے۔جب اس سال بھی انہوں نے ایسا کیا تو قصیؑ بن کلاب اور اپنی قوم قریش اور بنوکنانہ اور قضاعہ کے ساتھ گھاٹی پر آیا۔اور انہوں نے ان پجاریوں سے کہا کہ اس تمام بندوبست کے ہم تم سے زیادہ اہل ہیں۔پجاریوں نے اس دعویٰ کو نہ مانا۔قصی نے اُن کی بات نہ مانی۔نتیجہ یہ ہوا کہ تلوار چلی اور نہایت شدید اور خونریز لڑائی کے بعد پجاریوں کو شکست ہوئی۔قصی نے اُن کے تمام حقوق پر قبضہ کرلیا اور گھاٹی سے اُن کو بے دخل کردیا۔اس لڑائی کے بعد بنوخزاعہ اور بنوبکر،قصی بن کلاب سے دستکش ہوگئے۔اور ان کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس طرح قصی نے پجاریوں کو گھاٹی سے بے دخل کردیا ہے۔اُسی طرح وہ انہیں کعبہ کے انتظام اور مکہ کی حکومت سے بے دخل کردے گا۔اُن کی علیحدگی کے بعد خود قصی نے اُن پر جارحانہ کاروائی کی۔اور اب وہ اُن سے لڑنے کے لئے پوری طرح تُل گیا۔اُس کا بھائی رزاح بن ربیعہ اپنی قوم قضاعہ کے ہمراہیوں کے ساتھ اُس کی مدد کے لئے جما رہا۔اُس کے مقابلہ میں بنوخزاعہ اور بنوبکر

لڑنے کے لئے برآمد ہوئے۔لڑائی چھڑی اورنہایت شدید ہوئی۔فریقین کے بے شمار آدمی کام آئے۔اور تقریباً سب ہی زخمی ہو گئے۔یہ رنگ دیکھ کر فریقین نے عارضی صلح پر یہ قرارداد کر لی کہ وہ اپنے اس قضیہ کو کسی عرب کے سامنے قطعی طور پر فیصلے کے لئے پیش کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے یعمر بن عوف کو حکم بنایا۔اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت کے لئے خزاعہ اور بنوبکر کے مقابلہ میں قصی زیادہ اہل ہے۔اور یہ کہ بنوخزاعہ اور بنوبکر کے جن جن لوگوں کو قصی نے قتل کیا ہے وہ اُن کے سروں کو اپنے پیروں سے کچل دے۔اس کے برعکس قریش، کنانہ اور قضاعہ کے جن لوگوں کو خزاعہ اور بنوبکر نے قتل کیا ہے۔وہ اُن کی دیت (خون بہا) ادا کریں۔نیز یہ کہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت قصی بن کلاب کو دے دیں۔چونکہ اس فیصلے میں یعمر بن عوف نے خزاعہ وغیرہ کے سروں کو قصی کے پیروں سے کچلوایا تھا۔ اس وجہ سے اس کا نام شدّاخ ہو گیا۔اب قصی بلاشرکت غیرے کعبہ اور مکہ کا متولی اور رئیس ہوا۔ جہاں جہاں اُس کی قوم آباد تھی۔اُس نے اُن سب کو وہاں سے پھر مکہ بلایا۔اور اس نے اپنی قوم اور اہل مکہ کی سیادت طلب کی۔جسے اس کی خواہش کے مطابق سب نے منظور کر لیا۔اس طرح کعب بن لوی کی اولاد میں قصی پہلا شخص ہے جسے حکومت ملی۔اور اُس پر اس کی قوم نے دل سے اطاعت کی۔اب کعبہ کی حجابت، سقایہ، رفاوہ، ندوہ اور لواء سب اُسی سے متعلق ہو گیا۔اس طرح مکہ کی تمام شرافت اُسے مل گئی۔اُس نے مکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے اُن کو اپنی قوم قریش کو دے دیا۔اور پھر قریش کے ہر خاندان کو علیحدہ علیحدہ مکہ کے اُن مکانات میں جن پر اُن کا قبضہ ہوا تھا۔فروکش کر دیا۔'' (طبری۔جلد اوّل صفحہ 41 تا 43)

(viii)۔ طبری کے اس بیان کی تطہیر و تنقید

سب سے پہلے قارئین اس بیان میں وہ سازشی لفظ نکال دیں تا کہ قحطانی قریش کی چادر نہ اوڑھ سکیں۔پھر اس طویل بیان پر اس طرح نظر ڈالیں کہ اس میں پہلے نمبر پر ایک سادہ اور فطری صورتِ حال بیان ہوئی ہے۔جس میں بلا کسی جنگ و تنازع کے حلیل نے از خود کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت جناب قصی علیہ السلام کو سونپ دی تھی اور یہ زیادہ مناسب حال ہے۔قصیؑ حلیل کے داماد تھے۔دامادی کے لئے جو صفات درکار تھیں وہ حلیل کے معیار پر پوری موجود تھیں۔حلیل کے یہاں کوئی اور اولاد نہ تھی۔ظاہر ہے کہ اس صورت میں تولیت کعبہ اور امارت مکہ قصیؑ ہی کو ملنا تھی۔اگر یہ صحیح ہے تو پھر باقی تمام جنگ و جدل وغیرہ ایک خانہ ساز اور قریشی قسم کی سازش ہے۔اور اگر بعد والی پچاریوں سے جنگ کے بعد یا بنوخزاعہ سے لڑائی کے بعد فیصلہ والی کہانیوں میں سے کوئی ایک سچی ہے؟ تو دونوں کہانیوں کو بہر حال غلط ماننا پڑے گا۔لہٰذا ہم اوّل الذکر صورت حال کو قبول کر کے یہ کہتے ہیں کہ تولیت و حکومت تو حُبّی اور اُنکے والد نے سونپ دی تھی۔مگر بنوخزاعہ اور بنوبکر اور دیگر تمام قحطانی قبائل کو جب یہ معلوم ہوا کہ کعبہ و مکہ کی حکومت دشمن خاندان کے حقیقی وارث کے ہاتھوں میں جا پڑی ہے تو اس پر مخالفت اور تدارک کی دونوں طرف سے کوشش ہونے لگی۔چونکہ مکہ میں جناب زید علیہ السلام کے خاندان یا قوم کا کوئی فرد نہ تھا۔اسلئے آپ نے اپنی قوم سے مدد و نصرت کا جو انتظام کر رکھا تھا وہ برسر کار آ گیا۔اور میدان حج میں مناسک حج ادا کرنے کی رسومات بزور بازو جناب قصی نے انجام دیں اور وہ تمام لوگ جو بنوخزاعہ کی طرف سے ان خدمات کیلئے متعین چلے آ رہے تھے، جنہیں

پجاری کہہ کرایک مسلح فوج ہونے کا شاخسانہ گھڑا گیا ہے۔اُنکو ڈانٹ کرراہ سے ہٹا دیا گیا۔اس واقعہ کے بعد ضروری تھا کہ بنوخزاعہ اور بنو بکر جنگ کیلئے باقاعدہ میدان میں نکلیں۔چنانچہ صرف بنوقضاعہ اور جناب قصی علیہ السلام کے بھائی مقابلہ کیلئے میدان میں آئے اور انہیں فتح حاصل ہوئی۔بنوخزاعہ وغیرہ تمام قحطانی جومقابلہ پرآئے تھے مکہ اور گردونواح سے رخصت ہوگئے۔جوقحطانی یا دوسرے لوگ پہلے سے مخالف نہ تھے اور جنگ میں قحطانی افواج کا جنہوں نے ساتھ نہ دیا تھا۔اُن سے تعارض کی کوئی وجہ نہ تھی۔دشمنوں سے فراغت کے بعد جناب زیدؑ نے ہراس فرد یا قبیلے کو مکہ ونواح مکہ میں آباد ہونے کی دعوت دی جواُن سے ہمدردی اوراُنکی حکومت سے دل چسپی رکھتا ہو۔یہ ہے سارا واقعہ۔رہ گیا جگہ جگہ لفظ قریش اور جناب قصیؑ کی قوم کی بھرمار یہ بعد کی گھڑی ہوئی الحاقی باتیں ہیں۔ہم تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر قریش بنی اسماعیل ہی کا لقب یا نام ہے تو انہوں نے قصیؑ کے حقیقی اور بڑے بھائی کواپنا سربراہ کیوں نہ بنایا۔بلکہ زہرہ کے نام نہاد بزرگ تیم اور یقظہ کو تولیت وامارت کیوں نہ دی؟اور زیرِنظر طویل بیان کے آخر میں جہاں فیصلہ کن جنگ اور ثالث کا فیصلہ لکھا ہے وہاں قریش کا ذکر کیوں نہیں ہے۔اور پھراُن میں سے کسی سربرآوردہ یا گھٹیا درجے کے آدمی کا نام تک نہ لکھنا بتاتا ہے کہ یہ لفظ قریش ضرورتِ وقت کے طور پر بعد میں بڑھایا گیا ہے۔حقیقتاً اُس زمانہ میں نہ کوئی قریش تھا نہ ایسی کوئی ضرورت تھی ورنہ یہ قصہ اتنا بے ڈھنگا اور بے سروپا نہ ہوتا۔

اس بے سروپا بیان میں یہ بھی ہے کہ پجاریوں کی شکست کے بعد بنوخزاعہ اور بنوبکر رعب وخوف سے تولیت اور مکہ کی حکومت سے کنارہ کش ہوگئے۔اس لئے کہ انہیں یقین ہوگیا کہ ہمارا بھی قصیؑ کے سامنے وہی حال ہوگا جو پجاریوں کی فوج کا ہوا۔اور یہاں جناب قصی کو جارحانہ جنگ کرنے کا خاموش الزام دیا ہے جو غلط ہے۔پھر ثالث والا فیصلہ اوراس میں مقتولین کے سروں کو کچلنا لکھ کر قصیؑ پر اتہام لگایا گیا ہے۔اوراس اتہام کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعد والے قحطانیوں کو خانوادہ قصی کے خلاف جب چاہیں نفرت کی آگ بھڑکا کر تیغ بکف کرسکیں۔اور جب ضرورت پڑے آنے والی قحطانی نسل اپنے اِن کافر بزرگوں کو یاد کرکے خانوادہ رسالت کے افراد کوقتل کرنے،مُردوں کے کلیجے چبا جانے اور لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر کچلنے کے لئے آمادہ ہوسکے۔اُن کی جلاوطنی کو یاد کرکے خانوادہ رسوؐل کو وطن سے نکال سکیں۔۔لہٰذا یہ سب کہانیاں اسی زمانہ میں گھڑی گئیں جب آل رسوؐل کومٹانے کی ضرورت پیش آئی تھی۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ جناب اسماعیل علیہ السلام کی اُس شاخ نے کبھی بے رحمی،بے انصافی اور ظلم وستم کی راہ اختیار نہیں کی۔جس میں کتاب ونبوت ورسالت وامامت اور حکومت ودیعت کی گئی تھی۔قرآن کریم اُس طیب وطاہر نسل سے ظلم اور ظالمین کی نفی کرنے کے لئے آج بھی موجود گواہ ہے۔لیکن عرب کے مشرک محاذ نے خانوادہ رسوؐل کی مخالفت اور تباہی کے لئے اشتراک کرلیا تھا۔اور مشرک کے اوّلین اور سادہ معنی ظلم میں شریک رہنے ہی کے ہیں۔

اس بیان میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ جناب قصیؑ جب مکہ وکعبہ کو واگزار کرا چکے۔جب سب کو آباد کر چکے تب انہوں نے اپنی قوم اور دیگر لوگوں سے اپنی حکومت طلب کی۔اس سے اُن کا صرف یہ مطلب ہے کہ قصی اپنی اور بنوقضاعہ کی طاقت کے باوجود اور تمام دشمنوں کو مفتوح کر چکنے کے بعد بھی اپنی نام نہاد قوم یعنی قریشی گمنام قوم سے حکومت مانگ کر لے رہے ہیں۔یہ کہتے ہوئے شرم آتی رہی ہے کہ وہ اپنی قوت وبصیرت اور وراثت سے حاکم ومتولی بنے تھے۔اگراس سلسلے میں کسی کی نصرت کا احسان تھا تو وہ بنوقضاعہ یعنی اُن کی اپنی حقیقی

قوم تھی۔اُس کی موجودگی میں کسی فرضی قریشی نامی قوم سے اپنی موروثی حکومت مانگنا ایک احمقانہ اور بے سُرا راگ ہے جو قحطانی تاریخ کا خصوصی معیار ہے۔

اس بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن لوی کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قصیؑ کو حکومت ملی۔یعنی باقی بزرگ یوں ہی گزرتے رہے۔یہ اس لئے غلط ہے کہ حکومتِ خداوندی ہر جانشین کو حاکم مانتی ہے۔خواہ بظاہر وہ تخت وتاج نہ رکھتا ہو۔اور صاحبانِ ایمان اُسے ہمیشہ اپنا ایسا حاکم مانتے ہیں کہ جس کا ہر حکم واجب الاطاعت ہوتا ہے۔جس سے سرکشی کفر ہوتی ہے۔لہٰذا مومنین کے نزدیک حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر جناب قصیؑ تک چھپن (56) حاکم واجب الاطاعت گزرے تھے۔رہ گئے کفار وہ تو رسولؐ اللہ کو بھی حاکم علی الاطلاق نہیں مانتے۔

(ix)۔ حضرت زید علیہ السلام طبری کی مومنانہ نظر میں

اب ہم اُن تصورات والفاظ کو الگ کر کے جناب قصیؑ کے مزید حالات سناتے ہیں جو طبری صاحب کو حقِ نمک کی بنا پر شامل کرنا پڑے ہیں۔وہ مسلسل لکھتے جارہے ہیں کہ جناب قصی علیہ السلام کے زیر فرمان لوگ اس حد تک اُنکے مطیع تھے۔کہ ہر کام اُنکی اجازت سے کرتے تھے۔اُنکے نام سے اپنے کاموں میں خدا سے برکت چاہتے۔امن کی بات ہو یا جنگ کی بات جناب قصیؑ سے حکم حاصل کرتے۔اعلان جنگ انکے نام سے کرتے تھے۔جنگ کا پرچم جناب عبد مناف سے بندھواتے تھے۔مکہ میں ہر شادی ونکاح اُنکی سرپرستی اور اُنکے دارالامارہ یا ندوہ میں ہوا کرتا تھا۔اُنکے حضور کوئی سر بلند نہ ہوتا تھا کوئی آواز اونچی نہ ہوتی تھی۔انہوں نے اپنی حکومت میں قوانین اور مکمل نظامِ حکومت نافذ کر دیا تھا۔تمام احکام کی تنفیذ اور مقدمات کے فیصلوں کیلئے ایک وسیع وعریض عمارت دارالنّدوہ کے نام سے بنادی تھی جو ظہور محمدیؐ تک موجود تھی۔انہوں نے مناسک ورواسم حج میں کوئی دخل اندازی نہ کی تھی۔جس طرح مکہ کا انتظام چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔اُسی طرح کعبہ کے مختلف محکمے تقسیم کر دئے تھے۔طبری نے بڑی فراخدلی سے یہ لکھ دیا ہے کہ جناب عبد مناف (ابراہیمؑ) قصیؑ کی زندگی ہی میں اور اُن کے سامنے ہی بڑا معزز انسان بن چکا تھا۔اور اُسے دنیا کا ہر طرح کا تجربہ تھا۔اور دبی زبان سے یہ بھی اقبال کیا ہے کہ عبدالدار قوم میں ایک حقیر پوزیشن رکھتا تھا۔لیکن طبری نے اسکے باوجود اس کہانی کو تسلیم کر لیا ہے کہ عبدالدار اور عبدالعزیٰ جناب قصی کے بیٹے تھے۔اور یہ کہ نالائق وحقیر ہونے کے باوجود عبدالدار کو کعبہ کی تولیت سونپ دی تھی۔اور اُسے اہل مکہ پر جان بوجھ کر مسلط کر دیا تھا۔اور یہ بھی لکھ دیا کہ خود قصیؑ بھی عبدالدار کے انتظام میں دخل نہ دیتے تھے۔(طبری جلد اوّل صفحہ 45-43)

لیکن کوئی احمق سے احمق شخص بھی اس بات کو تسلیم نہ کریگا کہ جناب قصی علیہ السلام ایسا امام زمانہ اور حاکم مطلق کسی بیوقوف وحقیر شخص کو ایسی حالت میں لوگوں پر مسلط کریگا جب کہ اس کا ایک معزز اور پوری رعایا میں قابل قدر بیٹا بھی موجود ہو۔بہر حال ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ عبدالدار وغیرہ سے خاندان اسماعیلؑ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔سوائے اسکے کہ قحطانیوں نے چند ناموں کا بعد میں اس خاندان سے الحاق ضروری سمجھا،تاکہ اُن کو نبوت ورسالت وامامت وحکومت میں شرکت کا بہانہ اور موقعہ مل سکے۔لہٰذا اگر اس قسم کے ناموں والے لوگ موجود تھے تو وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے تولیت کعبہ اور حکومت مکہ کو خانوادۂ رسولؐ سے نکالنے کی کوششیں جاری رکھیں۔

چنانچہ جب یہ نام تاریخ میں آتے ہیں تو اُن ہی دونوں عہدوں کے غاصبین کی تصریحات کیساتھ آتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ غاصبینِ ولایت یا حکومت کو جائز قرار دینے کیلئے جہاں موقعہ ملے انہیں بیٹا بنا دیا جائے یا رشتہ داری و دوستی کے پردے ڈال دئے جائیں۔ لیکن قرآن پر ایمان لانیوالے کسی ایسے شخص کو منجانب خدا حاکم نہیں مان سکتے جو خاطی وظالم کی ذیل میں آجائے۔ اسی مار سے بچنے کیلئے قحطانی مشرکین تمام انبیاؑ سے خطا اور غلطی و گناہ اور سہو ونسیان کا جواز مانتے ہیں تاکہ اپنے بزرگوں کے شرک فی الدین اور شرکت فی الرسالت و امامت پر جواز کا پردہ ڈال کر مسلمانوں کو فریب میں مبتلا کرتے رہیں۔ لیکن جو لوگ اللہ کے فرمان لَايَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (2/124) میرا عہدِ امامت ظالمین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، سے واقف ہیں وہ کسی خاطی کی حکومت کو ہرگز حکومت الٰہیہ نہ سمجھیں گے۔ بلکہ ایسے مدعی کو کاذب وغاصب قرار دیں گے۔

(11/7)۔ حضرت ابراہیمؑ عرف مغیرہ قحطانی آئینہ میں

قحطانیوں نے آپ کو عبد مناف مشہور کر دیا تھا۔ آپ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔ ''مغیرہ آپ کا اصلی نام تھا۔ آپ کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں چاند کہا جاتا تھا۔ قصی کہا کرتا تھا کہ میرے چار بیٹے ہوئے۔ ان میں سے دو کے نام میں نے اپنے بتوں کے نام پر رکھے اور ایک کا نام اپنے گھر کے نام پر رکھا اور ایک کا نام خود اپنے نام پر رکھا۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 38)

اس بیان سے قحطانی کفر اور دشمنی ٹپک رہی ہے۔ لہٰذا اس کی تصدیق کوئی کافر یا بت پرست ہی کر سکتا ہے۔ ہم اس چار سو بیس کو دلائل اور درایت سے مردود و باطل ثابت کر چکے ہیں۔ اس روایت کی تکذیب میں لکھا ہے:۔

''ھشام بن محمد اپنے باپ کی روایت بیان کرتا ہے کہ عبد مناف کا لقب قمر ہے اور نام مغیرہ تھا۔ اُسکی ماں حبّی تھی۔ اُس نے اُسے مکہ کے سب سے بڑے بت مناف کو اپنے اظہارِ عبودیت میں حوالے کر دیا تھا۔ اِسی وجہ سے یہی نام مشہور ہو گیا۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 39)

(i) پہلے کہا گیا کہ جناب قصیؑ نے یہ نام خود رکھا تھا۔

(ii) پھر یہ لکھا گیا کہ یہ نام نہ قصیؑ نے رکھا نہ حبّی نے رکھا۔ بلکہ بت کی خدمت میں پیش کرنے کی وجہ سے یہ نام عبد مناف خود بخود مشہور ہو گیا۔

(iii) ہم کہتے ہیں کہ یہ قحطانی تاریخ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ یہ سب ایک دوسرے کو جھٹلانے میں ماسٹر لوگ ہیں۔ اس لئے کہ منافقوں میں اتحاد ناممکن ہے۔

(iv) اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ کفار عرب بتوں کو اپنا خالق اور خود کو بتوں کا بندہ یا عبد سمجھتے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ وہ اللہ ہی کو اپنا خالق جانتے تھے۔

(v) چونکہ قحطانیوں نے آگے چل کر خود رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) بتوں کی حمد وثنا کرنے میں ابلیسی اغوا کے ساتھ مصروف دکھانا اور معتبر ترین کتابوں میں لکھنا تھا۔ لہٰذا وہ رسولؐ بھی اُسی خاندان سے مانیں گے (معاذ اللہ) جو اُنکے عقیدے میں بت پرست خاندان

سے ہو۔ لہٰذا عبدالدار، عبدالعزیٰ اور عبدالشمس قحطانی بت پرستوں کے نام ہیں۔ اُنکا خانوادہ رسولؐ سے کوئی نسبی رشتہ ممکن ہی نہیں ہوسکتا۔ بت پرست مشرک وکافر ونجس وناپاک اور ظالم ہوتے ہیں اور رسولؐ اللہ کے والدین وآباؤ اجداد تمام مومنین و پاکیزہ لوگ تھے۔

(11/8)۔ جناب ہاشم علیہ السلام کے حالات زندگی

مؤرخین کے مسلّمات میں سے چند عمدہ خصائل وحالات لکھنا ضروری ہیں۔ اُن کا اسم گرامی عمرو بتایا گیا ہے۔ ہاشم مشہور ہونے کی متفقہ وجہ یہ ہے کہ اُن کے زمانہ میں عرب وحجاز میں سخت قحط پڑا اور مخلوق خدا فاقوں سے دوچار ہوگئی۔ آپ نے فلسطین کا سفر کیا اور وہاں سے کثیر مقدار میں کھانے کی اجناس لے کر آئے اور لوگوں کو گوشت اور شوربے میں روٹیاں چُور چُور کر دونوں وقت کھلانے کے لئے ضروری تعداد میں لنگر کھول دئے۔ طبری کے بقول مطرود بن کعب الخزاعی یا ابن الکلبی کے قول کے مطابق ابن الزبعری نے یہ شعر کہا:۔

عمرو الذی ہشم الثرید لقومہ   و رجال مکۃ مسنتون عجاف

وہ عمرو تھا جس نے اپنی قوم کو روٹی چُور کر کھلائی اس حال میں کہ مکہ کے لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ہاشمؑ ہی وہ شخص تھا جنہوں نے مکہ سے ہر سال موسم سرما اور گرما میں تجارت کے محفوظ قافلے روانہ کرنے کی ذمہ داری لی۔ آپ نے خاندان نبط کی شاخ کے غسانی بادشاہ سے مکہ والوں کو تجارت کی سہولتیں دلائیں۔ شاہانِ روم وحبشہ اور ایران وغیرہ سے عربوں کیلئے ویزا اور رعایات سفر وتجارت وسکونت کے پروانے حاصل کئے۔ اور یثرب (مدینہ) اور حجاز کے باشندوں کو بیرون ملک جانے اور دوسری مملکتوں میں آباد ہو کر وہاں کی رعایا کی تمام سہولتیں حاصل کرنے کے اختیار ملے تو عرب میں تمدن وترقی پھر ایک بار شروع ہوگئی۔ لوگ ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آ کر آباد ہونے لگے۔ تجارت کی تمام راہیں کھل گئیں۔ تبادلہ خیالات و مذہبی تصورات جاری ہوئے۔ اور ایک دفعہ پھر نبطی حکومتوں کے ادوار کا روشن چہرہ سامنے آیا۔ قحطانیوں نے بھی اپنا حسد وبغض اور ریشہ دوانیاں جاری رکھیں۔ بنی ہاشمؑ کے اقتدار پر ہاتھ ڈالنے کی کوششیں پھیلنے لگیں۔ جناب ہاشم علیہ السلام نے اپنی نبطی شاخ سے از سر نو رشتہ داری کو استوار کیا۔ اور ملک شام کے سفر کو جب بھی جاتے تو ضرور اپنے ہم نسب قبیلہ اوس وخزرج میں قیام فرماتے۔ چنانچہ آپ نے اپنے آخری سفر میں عمرو بن زید بن لبید الخزرجی کے یہاں مدینہ میں قیام کیا۔ اور اُن کی بیٹی سلمیٰ (بنت عمرو بن زید بن لبید الخزرجی) سے نکاح کیا۔ مگر کسی مصلحت سے خلوت کئے بغیر ملک شام تشریف لے گئے۔ اور واپسی پر باقاعدہ اپنے سسرال میں قیام کیا۔ جناب سلمیٰ علیہا السلام میں وہ نور منتقل ہوا۔ جس سے سرور کائنات اور مولائے کائنات علیہما السلام نے ظہور فرمانا تھا۔ اور جس طرح اوس وخزرج کے نبطی ہونے کو راز میں رکھا جاتا رہا تھا اور آنحضرتؐ کے زمانہ تک خانوادہ رسولؐ کا یہ راز، راز رہتا چلا گیا کہ اوس وخزرج قریب ترین عزیز اور حضرت نابت بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ اُسی طرح جناب ہاشمؑ نے مکہ کے قحطانیوں سے اس بات کو محفوظ رکھا کہ نورِ مصطفیٰؐ ومرتضیٰؑ مدینہ کے اندر جناب سلمیٰؑ میں منتقل ہو چکا ہے۔ تاکہ جناب قصی علیہ السلام کی طرح جناب عبدالمطلبؑ قحطانیوں سے دور اور محفوظ رہ کر آغوشِ مادر اور اپنے حقیقی نبطی خاندان میں پرورش پائیں اور جوان ہو کر مکہ میں آئیں۔ لہٰذا حضرت ہاشمؑ نے جناب سلمیٰؑ کو وضع حمل کے لئے مکہ سے مدینہ پہنچا دیا اور خود

ملک شام چلے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔اس انتقال کے بعد سید البطحا جناب شیبہ عرف عبدالمطلبؑ پیدا ہوئے اور عنفوان شباب تک اپنے حقیقی بزرگوں میں پرورش پائی۔اور اس دوران مکہ کے کسی فرد کو پتہ نہ چلنے پایا کہ نورِ مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ کا حامل مدینہ میں ہے۔ غالباً خانوادہ رسولؐ کے عوام کو بھی یہ حقیقت نہ بتائی گئی تھی۔

(11/9)۔ حضرت شیبہ عرف عبدالمطلب علیہ السلام

آپ کا نام شیبہ اسلئے رکھا گیا تھا کہ آپکے سر میں سفید بالوں کا ایک بھنور بنا ہوا تھا۔عبدالمطلبؑ کہلانے اور اس لقب کے عام طور پر پھیل جانے کا سبب یہ ہے کہ بنوالحارث بن عبدمناۃ کا ایک شخص مدینہ میں کسی کام سے آیا۔راہ سے گزرتے ہوئے اُس نے چند نوجوانوں کو ایک نشانہ میں تیراندازی کرتے دیکھا۔ایک نوجوان کا تیر نشانے پر ٹھیک لگا تو اُس نے بطور فخر یہ نعرہ کے پکارا میں ہاشم کا نور نظر ہوں۔میں سید البطحا کا فرزند ہوں۔وہ شخص اُن کے حسین چہرے اور جاہ وجلال کو دل بھر کر دیکھنے کیلئے رک گیا۔چنانچہ اس نے دیکھا کہ شیبہؑ کا ہر تیر صحیح نشانہ پر بیٹھتا ہے۔اور وہ ہر دفعہ اپنے والد پر فخر کرتے ہیں۔وہ شخص پاس آیا۔استفسار حال کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں شیبہؑ بن ہاشمؑ بن مغیرہؑ بن قصیؑ ہوں۔وہ حارثی عرب جب واپس مکہ میں آیا تو اس نے جناب ہاشم علیہ السلام کے حقیقی ماں جائے بھائی جناب مطلبؑ سے بتایا کہ آپ کا بھتیجا مدینہ میں مجھے ملا ہے۔جو بڑا حسین وجمیل وقادر انداز ہے اور جناب ہاشم علیہ السلام کا نام لے کر فخر یہ نعرہ مارتا ہے۔حضرت مطلبؑ اشتیاق سے بے چین ہو گئے اور فرمایا کہ بخدا اپنے بھتیجے کو لائے بغیر اب میں اپنے گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔حارثی نے کہا کہ اگر اس قدر عجلت ہے تو یہ میرا ناقہ حاضر ہے، روانہ ہو جاؤ۔چنانچہ آپ عقاب ایسی تیزی کے ساتھ مدینہ آئے اور حارثی کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچے۔یہاں نبطی قبیلہ کی شاخ بنی عدی بن النجار کی چوپال تھی۔چند لڑکے گیند کھیل رہے تھے۔ٹھہرے اور پہلی نظر میں اپنے بھائی کی نشانی کو پہچان لیا۔گلے ملے خوشی سے اور بھائی کی یاد میں دل بھر آیا۔اپنے باپ کے تنہا بیٹے تھے۔بھائی کی یادگار سے اپنے گھر کو رونق دیں گے۔خوب روئے اپنا تعارف کرایا۔بھاوجہ محترمہ سے ملے۔حالات اور وصیتیں معلوم کیں، خاندانی امانتیں لیں، اجازت لے کر، شیبہؑ کو لے کر مکہ آئے اور اترنے سے پہلے سارے شہر کا گشت کرایا۔پکارتے جاتے تھے۔میرے بھائی ہاشم کا بیٹا، خاندان امامت کا چشم و چراغ میرے ساتھ ہے۔جناب شیبہؑ کہتے تھے کہ میں اپنے چچا کا غلام ہوں۔چچا کا پیار وخلوص مشہور کرنے کے لئے عبدالمطلبؑ کا لقب اختیار کر لیا۔یہاں سے قحطانیوں کی نظروں نے محمد وعلی علیہما السلام کے نور کی جھلک دوبارہ دیکھی تو ہاشمؑ کے ساتھ جو حسد ودشمنی تھی اُس کا رخ جناب عبدالمطلب کی طرف موڑ دیا۔جس کا تذکرہ دشمنانِ خانوادہ رسولؐ کی ذیل میں ہونے والا ہے۔

الغرض جناب عبدالمطلب علیہ السلام نے دشمنوں سے تھوڑی سی فراغت پائی تو زمزم کے کنویں کو تلاش کیا۔جسے جرہمیوں نے اپنے زوال کو محسوس کر کے پاٹ دیا تھا۔اور کعبہ کے خزانہ کی بعض چیزیں بھی اُس کنویں میں دفن کر کے اُسے قطعاً گم کر دیا تھا۔اور تقریباً ایک ہزار سال سے کسی کو معلوم نہ تھا کہ زمزم کا کنواں کہاں گیا۔طرح طرح کی کہانیاں گشت کرتی رہتی تھیں۔مثلاً اللہ نے جرہمیوں کے فسق وفجور کی سزا میں چاہ زمزم کو خشک کر دیا تھا۔بہرحال خاندان نبوت وامامت کے افراد وہ مقام جانتے تھے۔آخر جناب شیبہؑ نے دوبارہ چاہ زمزم کو کھدوایا۔صاف کرایا اُس میں از سر نو پانی نکلا جو آج تک موجود ہے۔کنویں میں سے جو چیزیں نکلیں اُن میں قابل ذکر دو عدد

سونے کے بنے ہوئے ہرن تھے۔ کچھ یادگار تلواریں تھیں۔ چند زرہیں تھیں۔ جناب عبدالمطلبؑ نے اُن تلواروں سے کعبہ کا ایک دروازہ بنایا اور ہرنوں کے سونے کو پتروں کی صورت میں تبدیل کرا کے اُس کو دروازوں پر چڑھوا دیا۔اس سے فارغ ہوکر آپ نے پھر قحطانیوں کی مخالفانہ سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش شروع کی۔ قحطانی گروہ نے چاہ زمزم کو دوبارہ برآمد کر لینے کے سلسلے میں بھی ٹانگ اڑائی تھی۔ خیال یہ تھا کہ اگر زمزم کا نشان مل گیا تو اس میں وہ خزانہ برآمد ہو جائے گا جو اُن کے بزرگوں یعنی جرہمیوں نے پوشیدہ کیا تھا۔ اور اس طرح خانوادہ اسماعیلؑ کو نہ صرف قومی اعزاز حاصل ہوگا بلکہ دولت بھی بے شمار مل جائے گی۔ لیکن جناب عبدالمطلبؑ کو قحطانی ٹولہ کی سخت مخالفت نہ روک سکی اور لوگ اُن کے طرف دار ہو گئے۔ جب خزانہ کی افواہوں کا غلط ہونا ثابت ہو گیا تو قحطانیوں نے زمزم پر اپنا قبضہ کرنا چاہا تھا۔ حضرت عبدالمطلبؑ نے قحطانیوں کے دوسرے قبائل سے مدد مانگی تو لوگوں نے قحطانی سرگروہ نوفل کے مقابلہ پر اُٹھنے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر حضرتؑ کو اپنی نانہال سے مدد لینا پڑی تھی ورنہ نوفل اینڈ پارٹی آپ کی تمام جائیداد پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھی۔ اُسی تنہائی کے زمانہ میں جنابؑ نے خدا سے یہ منت مانی تھی کہ خدایا مجھے بہت سے بیٹے عطا کر جو میری زندگی ہی میں جوان ہو جائیں۔ تو میں اُن میں سے ایک بیٹے کو اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کی طرح تیری راہ میں قربان کروں گا۔ اور جب دعا قبول ہو گئی تو جناب عبداللہ علیہ السلام کی قربانی کا حکم ہوا۔ لیکن آپؑ کو معلوم تھا کہ عبداللہ علیہ السلام میں نور محمدؐی منتقل ہوا ہے۔ اس لئے آپ نے خدا سے چاہا کہ جناب عبدؑ اللہ کے بدلے میں بھی فوری قربانی، دنبہ یا اونٹ کی صورت میں منظور کر لی جائے۔ تاکہ خدا کا وہ وعدہ پورا کرنے میں حضرت عبدالمطلبؑ بھی شامل ہو جائیں۔ جس میں حضرت اسماعیلؑ کے لئے ذبح عظیم واقع ہونا تھی۔ یعنی اگر جناب اسماعیلؑ خود ذبح ہو جاتے تو بھی اور اگر جناب عبداللہ ذبح ہو جاتے تب بھی ذبح عظیم کیسے واقع ہوتی۔ نہ حضرت محمدؐ ہوتے نہ فاطمہؑ ہوتیں نہ حسینؑ ہوتے۔ لہٰذا نجات نوع انسانی کے لئے جناب اسماعیل و عبداللہ علیہما السلام کا زندہ رکھا جانا ضروری تھا تا کہ **مرکزِ انسانیت** مادی وجود میں آئے اور تمام انسانوں کی نجات کی راہ نکلے۔ لہٰذا حضرت عبداللہ علیہ السلام کے بدلے میں ایک سو اونٹوں کی قربانی منظور ہوئی۔ نہایت شکر و عقیدتمندی کے ساتھ یہ قربانی پیش کی گئی۔ مکہ اور گردونواح مکہ کے باشندوں کی ضیافتیں ہوئیں۔ جشن منائے گئے۔ غربا و فقرا کو مالا مال کیا گیا۔ عبادتیں کی گئیں، منت بڑھائی گئی۔ جناب عبداللہ علیہ السلام سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ لہٰذا اُن سے بڑے تمام بھائی جوان ہو چکے تھے۔ قحطانیوں کا زور ٹوٹتا جا رہا تھا۔ اب جناب عبدالمطلبؑ کو جناب عبداللہ علیہ السلام کی شادی کی فکر تھی باقی تمام بیٹوں کی شادیاں بہت پہلے ہو چکی تھیں۔

(ii)۔ قحطانی کیریکٹر اور رسالت کو منتقل کرنے کی شرمناک اور آخری کوشش

علامہ طبری نے وہ نظارہ پیش کیا ہے۔ جب جناب عبدالمطلب علیہ السلام ایک سو اونٹوں کی قربانی کر کے فارغ ہوئے اور جناب عبداللہ علیہ السلام کو ہمراہ لے کر کعبہ سے چلے تھے لکھا ہے کہ:۔

''اُم قتال اور عبداللہ'' ''قربانی کے بعد وہ اپنے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے کعبہ سے واپس جانے لگے۔ ایک عورت ام قتال بنت نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ یعنی ورقہ بن نوفل بن اسد کی بہن کے پاس سے، جو کعبہ میں موجود تھی اُن کا گزر ہوا۔ اُس نے عبداللہ کے چہرے کو دیکھ کر کہا۔ تم کہاں جاتے ہو۔ عبداللہ نے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ ہوں۔ اُس عورت نے کہا کہ جس قدر اونٹ تمہارے فدیہ

میں ذبح کئے گئے ہیں۔ وہ میں تم کو دیتی ہوں۔ تم اسی وقت مجھ سے ہم بستر ہو جاؤ۔ عبداللہ نے کہا میرے ساتھ میرے باپ ہیں۔ اُن کی خلاف مرضی کوئی بات نہ کروں گا۔ اور نہ اُن سے جدا ہونا چاہتا ہوں۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 39)

قارئین کرام! نہ ہم نے کچھ لکھا نہ تم آئے کہیں سے؟ پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

یہ ایک قحطانی اور بقول طبری ایک قریشی خاندان کی معزز خاتون تھیں۔ آپ صرف پڑھ کر شرما گئے۔ کیا حال ہوا ہوگا جناب عبداللہ علیہ السلام کا؟ کل سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر ہے۔ والد ساتھ ہی نہیں بلکہ ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ یعنی دامن عصمت تھامے ہوئے ہیں۔ عصمت وعفت وشرافت کا ذخیرہ یعنی نورِ محمدؐی پیشانی سے جھلک رہا ہے، آنکھوں سے ٹپکنے کو ہے۔ اُس بے حیا نظامِ شرک و اشتراکیت کی پروردہ عورت کا یہ بے محابا، بلا تکلف اور سرِ راہ جنسی تعلق کی دعوت دینا، سو اونٹوں کا لالچ دے کر ابلیس کے دوھرے حربے استعمال کرنا، بجلیاں گر جانے سے کم محسوس نہ ہوا ہوگا۔ یہ تمام انبیا وآئمہ علیہم السلام کا وارث صرف اس قدر کہہ کر آگے بڑھ گیا کہ ہمارے یہاں امامؑ وقت کی مرضی کے خلاف نہ زبان کھولی جاتی ہے نہ عمل کیا جاتا ہے۔ اور امامؑ زمانہ میرا باپ میرے ساتھ ساتھ مجھے سنبھالنے کو موجود ہے۔ کل وہ وقت آنے والا ہے کہ اسی قحطانی خاندان کا سب سے بڑا فرعون اپنی پوری قوم کے عمائدین کے روبرو اسی عبداللہؑ کے نور نظر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سر جھکا کر اپنی اور اپنی پوری قوم کی کنواری بیٹیاں پیش کرے گا۔ سارا زر وجواہر واثاثہ اور قومی حکومت قدموں میں رکھ دے گا۔ مگر عبدؑ اللہ اور عبدالمطلبؑ کی لاج رکھنے والا، پوری نوع انسان کو شرافت وعفت وعزت وشرم وحیا کا تاج پہنانے والا کہہ دے گا کہ اگر تم چاند اور سورج بھی لا کر دے دو تب بھی مرضی خداوند کے خلاف کوئی کام نہ کروں گا۔ یہ ہے خانوادہ رسوؐل اور خاندان نابت بن اسماعیل اور آل ابراہیم سلام اللہ علیہم اجمعین۔ جن کا نورِ نظر اور شجرِ نبوت ورسالت کا ثمر حسین ابن علی علیہما السلام ہے۔ جس کے حضور ساری کائنات سربسجود ہے۔ آگے چل کر جناب طبری اُس مشرکہ عورت کا عذر یوں لکھتے ہیں کہ:۔

(iii)۔ قحطانی مشرک، محمدؐ کی رسالت وحکومت کو ہڑپ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے

''واقعہ یہ تھا کہ یہ عورت اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جو عیسائی ہو گیا تھا اور جس نے نصرانیوں کی مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے اُس مذہب میں بڑا مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اور آئندہ کی خبروں سے واقف تھا، سے سُنا کرتی تھی کہ قریش میں اولادِ اسماعیل میں سے ایک نبیؐ پیدا ہونے والا ہے (اس سے پہلے یہ لکھا تھا کہ) اُس عورت نے کہا کہ آج تمہاری پیشانی پر وہ نور نہیں ہے جو کل تھا۔ وہ جاتا رہا۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 30)

علامہ طبری اس سلسلہ میں ایک اور قحطانی عورت کا ذکر کرتے ہیں جو یہودی المذہب اور غیب دان تھی۔

(iv)۔ ''ابن عباس کی روایت ہے کہ جب عبدالمطلبؑ، عبدؑاللہ کو لے کر اس کی شادی کرنے چلے تو وہ بنی خثعم کی ایک کاہنہ فاطمہ بنت مر کے پاس سے گزرے۔ جس نے یہود کی بہت کتابیں پڑھی تھیں۔ اُس نے عبداللہ کے چہرے میں ایک خاص نور دیکھا اور عبداللہ سے کہا کہ اے نوجوان اگر تو اسی وقت مجھ سے مباشرت کرتا ہے تو میں تجھے سو اونٹ دیتی ہوں۔ عبداللہ نے کہا:۔

اَمَّا الحرام فالممات دونه	''حرام ہم سے ہونہیں سکتا اُس سے مرجانا بہتر ہے
وَ الُحِلّ لاحَلّ فاستبلینه	اور حلال کی یہ صورت نہیں ہوسکتی۔
فکیف بالا مر الذی تبغینه	چنانچہ جو بات تم چاہتی ہو وہ کیسے ممکن ہوسکتی ہے۔''

(طبری نے عورت کا جواب یہ لکھا کہ) ''اے شریف زادے میں بدکار عورت نہیں ہوں۔میں نے تمہارے چہرے میں ایک نور دیکھا تھا۔میری خواہش تھی کہ وہ نور میرے اندر آجائے۔مگر اللہ کو یہ بات منظور نہ تھی کہ یہ سعادت مجھے نصیب ہو۔ اُس نے جہاں مناسب سمجھا اُسے ودیعت کر دیا۔'' (طبری جلداوّل صفحہ 31-30)

(v)۔ نورانی نظام کی کھلی مخالفت کے ساتھ ساتھ داخلی اور پوشیدہ مخالفت کا محاذ

نورِ محمدؐ وعلیؑ کے منکر ساری عمر سایہ کی طرح ساتھ ساتھ لگے رہے اور فوراً ظاہری ایمان لائے۔قارئین یہاں مشرکین عرب کی جنسی بے حیائی سے بلند ہوکر چند اہم چیزوں پر غور کریں:۔

اوّل یہ کہ جو نور عورتوں تک کو جناب عبدؑاللہ کی پیشانی میں نظر آرہا تھا وہ تو اس سلسلے کے ہر باپ کی پیشانی میں رہتا چلا آیا تھا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اِس وقت تک یعنی حضرت عبدؑاللہ تک اَسّی (80) ایسے باپؑ گزرے جن میں رہتا، چمکتا، چمکاتا اور دھکتا ہوا یہ نورؐ حضرت عبدؑاللہ تک پہنچا۔اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر زمانے کے لوگوں نے اِس حقیقتِ روشن کو نہ دیکھا ہوگا؟ اور کیا اُس نوؐر نے خود بخود لوگوں کو اپنی طرف مذکورہ عورتوں کی طرح متوجہ نہ رکھا ہوگا؟ پھر اُس نورؐ اور اس کے صفات وظہور کی خبریں ہر نبیؑ اور ہر کتاب نے دیں۔اور آج تک توریت وانجیل وزبور اور دیگر الہامی کتابوں میں بشارتیں موجود ہیں۔اب یہ سوچئے کہ دشمنان نبوت ورسالت کیلئے اپنا پروگرام بناتے رہنا کتنا آسان تھا۔وہ خاندان جس میں اُس چہرے مہرے اور نور کا حامل انسان ہو۔ابلیس اور خاندان ابلیس کیلئے کتنا نمایاں رکھا گیا۔انہیں پوری چھوٹ اور سارے وسائل دیئے گئے کہ اس نوؐر سے برسرِ پیکار رہ سکیں۔اُسے بجھانے کی کوشش کریں۔کیا یہ ماننے کی بات نہیں کہ ابلیس اور اس کی تمام افواج ایسے حاملانِ نوؐرِ محمد کے خلاف اپنی پوری قوت صرف کر دیں؟ اور کیا یہ کمال تائیدالٰہی نہیں کہ یہ اسی (80) نبیؑ، رسوؐل، امامؑ برابر قائم رہے۔اور تعلیماتِ خداوندی کو روز افزوں اور ہمہ گیر کرتے چلے گئے؟ پھر یہ سوچئے کہ ابلیسی گروہوں کو بار بار اور لگاتار شکستوں کے بعد یہ نہ سوچنا چاہیئے کہ اس نورانی نظام کی کھلی مخالفت کے ساتھ داخلی اور پوشیدہ مخالفت کا محاذ بھی ساتھ ساتھ چلنا چاہیئے۔کیا ابلیس کے دانشوروں اور ماہرین کے لئے ضروری نہیں کہ اُن میں سے چند کامیاب علمائے مذاہب وسیاسیات اُس نوؐر کے ساتھ ساتھ چلیں اور اگلی نسل میں ظہور کے فوراً بعد کلمہ پڑھ کر اسلام کا اعلان کریں۔سایہ کی طرح ساتھ لگے رہیں۔رسوؐل کی تنہائیوں اور خلوتوں میں، رات کے اندھیروں اور گھر کی چاردیواریوں میں ہمراہ رہنے والے اپنے موزوں شکل وصورت کے جاسوس پہنچائیں۔جو بدن کا لمس، سانس کی آواز، دل کی دھڑکنیں اور نبض کی جنبشیں تک شمار کرسکیں۔چہرے کا اُتار چڑھاؤ اور خواب میں سرزد ہونے والے کلام کو سننے کا حق حاصل کرسکیں۔یہی تو چاہتی تھیں وہ دونوں قحطانی عورتیں؟ کہ وہ مقام حاصل کرسکیں کہ

تمام مادی وشرعی پردے اور حجاب اٹھ جائیں۔ ساتھ سوئیں، ساتھ کھائیں، گھر کا بھیدی بن کر لنکا ڈھائیں اور آئندہ نسلوں میں اہل بیتؑ کہلائیں۔ چنانچہ نظام ابلیس کے لئے یہ دینی و دنیاوی ضرورت تھی۔ یہ تقاضائے وقت تھا۔ اُس نے نہایت دانشمندی سے اپنے خاص شاگردوں کو ہر رسولؐ کے اوّلین مومنین ومصدقین میں داخل کیا۔ قرآن کی رو سے ابلیس کا یہ حربہ بہت کامیاب تھا۔ عوام الناس کو دل کا حال کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔ ظاہری اعمال، نماز، روزہ، تہجد گزاریاں، زبانی قربان ہوجانے کے دعوے۔ فدا ابی وَ اُمّی کی صدائیں، ظاہری زھد وتقویٰ بڑی موٹی چادریں تھیں جو یہ دشمنانِ خدا ورسول کہتے عوام فوراً قبول کرتے۔ یہ مزاج شناس نبوت ہیں۔ یہ کتاب کی عملی تنفیذ کے دیکھنے والے ہیں۔ جوں جوں دنیا ختمِ نبوت کی طرف بڑھتی گئی۔ شریعت وطریقت وبصیرت وحکمت مکمل ہوتی گئی۔ اُدھر ابلیسی نظام بھی برابر ترقی کرتا رہا۔ اور تکمیل دین کے مقابلہ میں ابلیس کا مکمل محاذ سامنے آیا اور جو کچھ ہوا وہ جلیبی یا امرتی کی طرح گول گول چلتا رہا۔

قرآن کی تعبیرات اعتماد کی آڑ میں بدل کر مشرکانہ نظام پر فٹ (FIT) کر لی گئیں۔ کہانیاں گھڑ کر حدیث وروایت کے نام پر پھیلا دی گئیں۔ یہاں تک کہ اسلام کا صرف نام اور قرآن کے صرف الفاظ رہ گئے۔ آخر مرکزِ کائناتؐ نے اٹھ کر لوگوں کو از سرِ نو اسلام کی تعلیم دی۔ کتنا زبردست تھا یہ خانوادہؐ کہ ابلیس کے نظام کے سامنے کوئی روک نہ کھڑی کی۔ جو گھر میں آیا آنے دیا، جو احباب میں داخل ہوا ہونے دیا، وسیع دامن پھیلا دیا۔ جس کا دل چاہا زیرِ داماں چلا آیا اور ایسا حسین وبے نظیر انتظام کیا جو آیا پھر نہ جاسکا۔ دل چاہے نہ چاہے نمازیں پڑھنا پڑیں، روزے رکھنا پڑے، اولاد کو دل سے مسلمان ہوتے دیکھنا پڑا۔ بیٹیاں مومنین کو دینا پڑیں، بڑی بڑی داڑھیاں رکھنی پڑیں، پانچ وقت میناروں پر چڑھ کر اِس خانوادےؑ کا کلمہ پڑھنا پڑا۔ اب یہ سوچیے کہ نظامِ ابلیس کو یہ غیر مشروط آزادی دے کر کیا یہ ضروری نہیں کہ ابلیس کے پورے نظام پر، اس کے ہر منصوبے اور اقدام پر نظر رکھی جائے؟ اور اُن کے ہر تخریب کار کو نوٹ کیا جائے۔ ایمان ایمان، اسلام اسلام پکارنے والوں کو جانچا جائے۔ جو جتنا بڑا دعویٰ کرے اُس پر اُسی معیار کی نظر اور تنقید کی جائے۔ اور اُنکے تمام اقدامات کو بے نتیجہ بنا کر انہیں اُنکے مقاصد سے محروم کر دیا جائے۔ یہی لعنت کے معنی ہیں۔ اُنکی ہر فکر، ہر عمل، ہر طریقہ کار سے مشکوک اور الگ رہا جائے۔ یہی تبرّا کے معنی ہیں۔ اور اِن تمام فرائض کو انجام دینے والی جماعت ہی تو تحریکِ تشیّع ہے جو دشمن کو امت سے روشناس کرائے۔ یعنی قوم میں تخریب کاروں کی اشاعت وتعارف پیش کرے کہ لوگ اُنکی چالوں سے قبل از وقت مطلع ہو کر اسلام پر عامل اور کفر وطغیان سے دور رہیں۔ پھر یہ سوچیۓ کہ آج جو لوگ محمدؐ کے نور کا انکار کر رہے ہیں وہ کہیں قحطانی قسم کے مسلمان تو نہیں ہیں؟ یہ کہیں اُن ہی لوگوں کے پیرو تو نہیں جو پہلے تو اُس نور کو ہڑپ کرنے اور بُجھا دینے کی چھ سات ہزار سالہ کوشش میں لگے رہے۔ کہیں اسماعیلی بن جانے کی جدّ وجہد کی، کہیں قریشی لباس پہننے میں کوشاں ہوئے اور جب دیکھا کہ وہ نور روکا نہ جاسکا۔ اس کا ظہور ہو کر رہا تو اب یہ طے کیا کہ اُس نور کا کھلا انکار کر دیا جائے، معجزات کی تکذیب کی جائے، اُسے ایک عام آدمی بنا کر قریش کے مجمع میں غائب کر دیا جائے۔ خطا کار وگناہگار بنانے پر بحثیں کی جائیں۔ اور دین کو مشرکانہ سُنّت کے ماتحت کر کے وہ چیز قبول کی جائے جو بصیرتِ ملکی اور تقاضائے قومی کے مطابق ہو۔ ورنہ آیت ہو تو منسوخ، حدیث ہو تو ضعیف قرار دے کر خیر باد کہہ دیا جائے۔ اُن لوگوں کو پہچانیئے ورنہ ایمان کا خطرہ ہے۔

(vi)۔ حضرت عبدالمطلبؑ کا معجزہ اور قرآن کریم کی تصدیق

جس زمانہ کی بات ہورہی ہے وہ آج سے ٹھیک چودہ سو سال پہلے سرزمین عرب پر گزر رہا تھا۔حضرت عبدالمطلبؑ اُس زمانہ میں ایک دفعہ تمام قحطانیوں کو مایوس کر چکے تھے۔کڑیل جوان بیٹے ایمان وعمل وصورت وسیرت میں سامنے موجود تھے۔حضرت عبداللہ کا سہرااور سرورِ کائنات ایسے پوتے کے دیدار کا انتظار تھا۔معلوم تھا کہ رسالتؐ اُن کی گود میں پلے گی۔معلوم ہونا ہی تو انتظار کو اور شدید کر دیتا ہے۔ایسے عالَم میں اللہ کی طرف سے ایک نہایت خوفناک آزمائش،ایک لرزہ براندام کر دینے والا امتحان،دُور یمن کی فضاؤں میں تیار ہو رہا تھا۔بھرتی جاری تھی،فوجیں مُسلح کی جا رہی تھیں،ریگستان میں سفر اور جنگ کی مشقیں ہو رہی تھیں،فوج کو بھوک اور پیاس کی تکلیف اور شدید جھلسا دینے والی گرمی کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ایران سے بُل ڈوزر (Bull Dozer) کی جگہ بڑے سے بڑے خونخوار ہاتھی منگائے جا رہے تھے۔ایک ایسا بے خوف اور جنگ آزمودہ اور فاتح بادشاہ مکہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔جس نے تمام قحطانی حکومتوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔جس کے دربار جشنِ سدِّ مارب کے وقت شاہانِ روم وایران وغسان ویونان کے سُفرا شریک ہوئے تھے۔پِٹی ہوئی حکومتوں کے سیاسئین اور مذہب نصاریٰ کے مجتہدین چاہتے تھے کہ مکہ کے پُر امن حاکم حضرت عبدالمطلبؑ پر حملہ ہو،کعبہ کی بے حرمتی ہو۔یہ لوگ ہر ممکن اشتعال انگیزیاں کرتے تھے۔یہاں تک کہ بادشاہ کے کلیسا یعنی گرجا کے اندر پاخانہ کر دیا گیا۔اور ایک موقع پاکر کسی متفنی شخص نے گرجا میں آگ لگا دی۔تاریخ کہتی ہے کہ یہ کام قریش نے کیا تھا۔اگر سچ مچ ایسا ہوا تو گویا قریش ہی کعبہ پر حملہ کے لئے اشتعال پیدا کر رہے ہیں۔بہرحال ہم تو صرف اس قدر کہیں گے کہ قحطانیوں نے خود اپنے ہاتھ سے منجنیقیں اور گولے برسائے۔کعبہ کو جلایا اور جب بھی موقعہ ملا اور اقتدار نے ساتھ دیا،مساجد اور عبادت خانے جلانے میں ذرّہ برابر تکلف نہ کیا۔الغرض ابرھہ بادشاہ کو مشتعل کر دیا گیا۔اس نے قحطانی راہنما ساتھ لئے اور مکہ کی طرف ساٹھ ہزار کی مسلح ومستعد وتجربہ کار فوج کے ساتھ بڑھا۔یہ 569 عیسوی یا 570 عیسوی کا زمانہ ہے۔یہ طوفانِ بلا جس علاقے اور جس زمین سے گزر جائے بتایئے کیا اس علاقے کا حُلیہ نہ بدل جائے گا؟فصلیں،باغات وحیوانات ختم ہوتے نہ چلے جائیں گے۔لوگوں کے گھروں میں رکھا ہوا اناج،رقوم وکپڑے ہی ختم نہ ہو جائیں گے۔بلکہ مرد،عورتیں اور بچے بھی بیگار اور مختلف خدمات کے لئے پکڑے جائیں گے۔چیلوں،کوّوں اور کرگسوں (گِدھ) کا غول اس امید پر کہ جنگ ہوگی تو لاشیں اور قیام ہوگا تو پھینکا ہوا کھانا،گوشت وہڈیاں کھانے کو ملیں گی۔کالے بادلوں کی طرح ساتھ ساتھ مصروفِ پرواز۔یہی تو حملہ تھا جس سے اُس دانشور نے سبق سیکھا تھا جو رسولؐ اللہ کو قسمیں کھا کر مشورہ دیا کرتا تھا۔جس کی پالیسی یہ تھی کہ فصلیں اور نسلیں تباہ کر دی جائیں۔زمین کو فوجوں کی جولان گاہ بنا دیا جائے (بقرہ 2/204-205)۔اِسی حملہ نے قحطانیوں کو جگایا تھا۔بہرحال یہ سیلابِ بلا بڑھا جو سامنے آیا بہا لے گیا۔اِدھر اُدھر چند قبائل نے مزاحمت کی اور گرفتار ہو کر خدمت گار بن گئے۔مکہ میں خبریں پہنچنے لگیں تو بڑے بڑے پھنّے خانوں کے پِتّے پگھل گئے۔لوگ پہاڑوں پر چڑھ چڑھ کر صبح سے شام تک اپنی اس لوٹ کو دیکھنے کی کوشش کرتے۔چند کوّے سروں پر سے گزر جاتے تو کلیجے منہ کو آجاتے۔حضرت عبدالمطلبؑ نے اعلان کر دیا کہ تمام مرد اور عورتیں اور بچے مکہ سے نکل کر دُور دُور جا کر محفوظ مقامات پر پناہ لیں اور شہر خالی کر دیا جائے۔صِرف وہ لوگ مکہ میں رہ جائیں جو حقیقی طور پر کعبہ کے محافظ اور آل اللہ اور آلِ

پیغمبرانؑ سلف ہیں۔ جب یہ فوج طائف کے قریب پہنچی تو وہاں کے سرداروں نے حاضر ہو کر بتایا کہ حضور مکہ شہر آ گے ہے وہیں کعبہ ہے۔ ہمارے راہبر حاضر ہیں جو ٹھیک راہ سے جلد پہنچا دیں گے۔ آلِ حام کا یہ بادشاہ آلِ سام کی بے بسی پر مسکراتا چلا جارہا تھا۔ وہ بامذہب تھا۔ اسرائیلی شاخ کے انبیاؑ پر ایمان رکھتا تھا۔ اور پانچ سو سال کے بگاڑے ہوئے عیسائی مجتہدین کے احکام پر عامل تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ کعبہ کو گرا کر اُسی ملبے سے کعبہ یمن میں بنانا خدا کو پسند آئے گا۔ مکہ والوں نے تو نہ معلوم اس میں کن لوگوں کے مجسمے یا بُت رکھے ہیں۔ وہ حضراتِ موسیٰ وعیسیٰ ومریم علیھم السلام کے مجسمے رکھے گا۔ مگر اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ جس دین میں جان ہے وہ دینِ ابراہیمیؑ ہے۔ اور جو اس زمین پر خدا کا جانشین وخلیفہ وامام وورثہ دار نبوت ورسالت وکتبہائے خداوندی ہے وہ مکہ میں موجود ہے۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ مکہ بیت النبوۃ ہے۔ اُسے کیسے معلوم ہوتا کہ اہلبیتؑ کا ایک چھوٹا سا بچہ دنیا کو قیامت کا میدان بنا سکتا ہے۔ اُن کے ایک اشارے پر ساری کائنات تہہ و بالا ہوسکتی ہے۔ وہ کیا جانے کہ اس بیت النبوۃ ورسالت میں نورِ محمدیؐ کے محافظ رہتے ہیں۔ بہرحال وہ چلا اور چند میل دُور فوجوں نے اُترنا شروع کیا۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ، ہاتھیوں کی چنگھاڑیں دوھری ہو کر پہاڑوں میں گونج رہی تھیں، منزل سامنے آ چکی تھی۔ لشکروں میں چہل پہل اور خوشیوں کے نعرے لگائے جارہے تھے۔ عرب کے بہادر سہمے ہوئے جھاڑیوں، پہاڑیوں اور پتھروں کی پناہ میں بیٹھے تھے۔ یہ وہی بہادر تھے جن کی بہادر اولاد نے رسولؐ اللہ پر مظالم کئے تھے۔ جو چھوٹے چھوٹے بچوں کو روتا دیکھ کر قہقہے لگاتے تھے۔ یہ وہی شیر دل جوان تھے جنھوں نے بنی ہاشمؑ کو اس لئے تین سال مقید رکھا کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو کیوں پال رہے ہیں؟ یہ اُس محسنؑ کے پوتے اور خاندان پر بہادری کی تان توڑ رہے تھے جس نے اس موجودہ فوج سے بچایا تھا۔ اور ابھی چند ہی سال پہلے بچایا تھا۔ بہرحال جناب عبدالمطلبؑ اور اُن کے اہل خاندان مصروفِ دعا تھے۔ مکہ کے گردونواح میں جس قدر اونٹ، بھیڑ، بکریاں، گدھے اور گھوڑے ملے وہ سب فوج لے گئی۔ حضرت عبدالمطلبؑ کے دوسو اونٹ بھی فوج کے قبضے میں چلے گئے۔ اچانک مکہ میں ابرھہ کا قاصد پکارتا ہوا نظر آیا کہ اَے اہلِ مکہ بادشاہ کو ہر اُس آدمی سے کوئی سروکار نہیں ہے جو کعبہ کو مسمار کرنے میں مزاحمت سے باز رہے۔ تمہیں سب کو امان ہے۔ تم جہاں بھی ہو بے فکر ہو جاؤ۔ کتنی لمبی اور اطمینان کی سانس لی ہوگی اُن لوگوں نے جن کے نزدیک کعبہ کو توڑنا اور پھر چند پتھروں سے بنانا۔ اُسے جلانا اور پھر صاف کر کے نیا غلاف پہنا دینا جائز تھا۔ اور کبھی تکلیف وہراس ہوتا بیت النبوۃؑ اور خاندانِ رسالتؐ میں اگر اُنہیں تازہ بہ تازہ الہام نہ ہورہا ہوتا۔ جس طرح دنیا جانتی ہے کہ حسین علیہ السلام پر اُس فوج کا ذرہ برابر ہراس نہ تھا جو ابرھہ کی فوج سے کئی گنا بڑی فوج تھی اور ہر لحہ اُنؑ کا چہرہ چمکتا جارہا تھا۔ اُسی طرح جناب عبدالمطلبؑ اور اُن کا خانوادہ اطمینان سے حضرت عبداللہ علیہ السلام کے اندر پوشیدہ قرآن مجید پر نظریں جمائے ہوئے تھا وہ پڑھ رہے تھے کہ:۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِo اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍo وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَo تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍo فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍo (سورۃ الفیل۔ 105/1-5)

ترجمہ:۔ ''اَے محمدؐ کیا تم نے نہیں دیکھا تھا کہ تیرے پالنے والے اور پرورش کرنے والے نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم نے اُن کی پوری اسکیم کو بے نتیجہ کر کے رکھ دیا تھا اور اُن پر ابابیل جیسے پرندوں کو مسلّط کر دیا تھا جو اُن پر پُختہ مٹی سے تیار

شدہ پتھر برسا رہے تھے اور آخر کار تمام لشکر کو ایسا کر کے رکھ دیا جیسے بھُو سے کو جُگالی کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔'' (الفیل 105/1-5)

رسول اللہؐ کا نور سامنے ہو تو ہراس کیسا؟ لہٰذا عبداللہ علیہ السلام مرکز نگاہ تھے۔ جہاں نورِ مرتضویؑ سامنے ہو وہاں فوجوں سے خطرہ محسوس کرنا ناممکن۔ لہٰذا جناب عمرانؑ یعنی ابوطالبؑ بولتی چالتی فتح پر کان لگائے ہوئے تھے۔ قاصد نے صرف ایک گھر سے تلاوت اور زندگی کے آثار دیکھے۔ نور کے دونوں میناروں کی سمت روانہ ہوا۔ سلام کیا عبدالمطلبؑ باہر نکلے۔ کہا۔ بادشاہ نے سردار مکہ کو آنے کی دعوت دی ہے۔ آپ تشریف لے گئے۔ یہاں دو جملے ایسے شخص کے سُنیں جو (معاذ اللہ) عبدالمطلبؑ تو عبدالمطلبؑ تھے خود عبدؑاللہ اور جناب ابوطالبؑ کو بھی کافر سمجھتا ہے اور پھر اِن ہی کافروں کی اولاد کہلاتا ہے۔

''ایلچی نے کہا کہ آپؑ میرے ساتھ ابرھہ کے پاس چلیں۔ وہؑ اس پر راضی ہو گئے اور اسکے ساتھ چلے گئے۔ وہؑ اس قدر وجیہ اور شاندار شخص تھے کہ اُنؑ کو دیکھ کر ابرھہ بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اُتر کر اُنؑ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد 6 صفحہ 465)

دیکھا آپ نے یہ ہے وہ جبّار وقہّار بادشاہ جو صرف چہرہ دیکھ کر تخت سے اُترا اور جناب کے قدموں میں آ کر بیٹھ گیا۔

سوچئے یہ کیوں؟ ابھی تو نہ بات ہوئی ہے نہ صفات معلوم ہوئے ہیں، نہ اس خالی ہاتھ انسان کے ساتھ توپ خانہ ہے، نہ سوار ہیں اور نہ فوج ہے۔ آخر اُن کے چہرہ میں کیا چیز تھی؟ ابرھہ نے کیا دیکھ لیا تھا؟ بہر حال ابرھہ چاہتا تھا کہ آنجنابؑ کی رضامندی حاصل کرے۔ اُنؑ کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرے۔ اس نے عرض کیا کہ میں بڑا دشوار گزار سفر کر کے آیا ہوں۔ میرا مقصد رضائے خدا حاصل کرنا ہے۔ بہت اصرار کے بعد حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے کہا کہ: ''آپ ہمارے اونٹ واپس کر دیں۔''

ابرھہ کچھ دیر منتظر رہا۔ لیکن حضورؑ نے کچھ اور نہ کہا۔ ابرھہ کو یقین تھا کہ آپ کعبہ کو بحال رکھنے کی درخواست کرنے کیلئے بے چین ہونگے اور اسی کو پہلا نمبر دینگے۔ آخر ابرھہ نے تعجب اور طنز کے ملے جلے لہجے میں کہا کہ میرے قلب میں آپ کی اس بات سے ٹھیس لگی ہے کہ آپ نے محض اپنے ذاتی مال کی پرواہ کی ہے۔ لیکن کعبہ کی حفاظت کیلئے آپ نے کچھ کہا ہی نہیں؟

حضرت عبدالمطلبؑ نے ابرہہ کے مذہبی اور دانشورانہ سوال کا مختصر اور پُر از معرفت جواب دیا کہ؛

میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ کعبہ کا مالک نہیں بلکہ متولی ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے مال کی حفاظت کا ثبوت دے دیا ہے۔

کعبہ کا مالک اللہ ہے تو وہ خود اپنے کعبہ کی حفاظت کرے گا۔

مطلب واضح ہے کہ اگر اللہ کو کعبہ کی اتنی فکر بھی نہیں ہے جتنی مجھے اپنے اونٹوں کی فکر و ضرورت تھی تو ایسی چیز کی تولیّت بھی خدا کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوگی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ ایسے مواقع پر ہمارے خاندان کا کوئی اقدام اللہ کے اہم معاملات کو مشکوک کر دے۔ یعنی لوگ بجائے یہ کہنے کے کہ کعبہ کو اللہ نے بچایا، یہ کہنے کی گنجائش نکال لیں کہ عبدالمطلبؑ کی منت سماجت سے ابرھہ نے رحم کھا کر کعبہ کو چھوڑ دیا تھا۔ خدا کا مٹی کے گھر سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ فلسفیانہ بدھضمی رکھنے والے کلمہ گو علما بھی اسی قسم کا تصور رکھتے ہیں۔ لیکن وارثِؑ کتاب ونبوت اور جانشینِؑ خداوندی چاہتا تھا کہ ساری کائنات اور تمام انسان اور تمام انبیاؑ کا خالق و مالک مکہ کے اس چند پتھروں کے ساتھ اور انسانوں کے ہاتھ سے بنائے ہوئے گھر کی کچھ زیادہ پرواہ کرے گا۔ چنانچہ اُس نے ظاہری و جمہوری صورتِ حال کو اختیار کیا۔ یعنی

عبدالمطلبؑ ایسا بزرگ اپنے اونٹ لے کر خوش ہوگیا۔اور کسی گھر سے کسی شخص کی طرف سے بھی مزاحمت کا علم نہیں ہوا ہے۔یعنی جمہوری رضامندی اُس سے ہم نوا ہے۔لہٰذا اُدھر جناب عبدالمطلبؑ واپس چلے اور اِدھر کعبہ کو ہاتھیوں سے گرانے اور تمام متعلقہ ملبہ وسامان جمع کر کے لے جانے کا حکم صادر ہوگیا۔اس کے بعد کیا ہوا؟ پھر علامہ مودودی سے سنئے اور اُن کے قحطانیت کی نفی اور اسلامیت کے اضافہ کے ساتھ نتیجہ نکالتے چلیں فرماتے ہیں کہ:۔

''دوسرے روز ابرھہ مکہ میں داخل ہونے کیلئے آگے بڑھا۔مگر اُس کا خاص ہاتھی محمود نامی جو آگے آگے تھا یکا یک بیٹھ گیا۔اُس کو بہت تبر مارے گئے۔آنکسوں سے کچوکے دئے گئے۔یہاں تک کہ اُسے زخمی کر دیا گیا مگر وہ نہ ہلا۔اُسے جنوب، شمال اور مشرق کی طرف چلانے کی کوشش کی جاتی تو وہ دوڑنے لگتا۔مگر مکہ کی طرف موڑا جاتا تو وہ فوراً بیٹھ جاتا اور کسی طرح آگے بڑھنے کیلئے تیار نہ ہوتا۔ اتنے میں پرندوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لئے ہوئے آئے اور اُنہوں نے اس لشکر پر سنگریزوں کی بارش کر دی......کنکری گرتی اور اُس فوجی کو سخت کھجلی لاحق ہوجاتی اور کھجاتے ہی جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا.....گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں۔خود ابرھہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔اُس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گر رہا تھا اور جہاں سے کوئی ٹکڑا گرتا وہاں سے پیپ اور لہو بہنے لگتا۔افراتفری میں ان لوگوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کیا نفیل بن حبیب خثعمی کو جسے یہ لوگ بدرقہ (راہبر) بنا کر بلادِ خثعم سے پکڑ لائے تھے، تلاش کر کے انہوں نے کہا کہ واپسی کا راستہ بتاؤ مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔

این المفرّ والا له الطّالب　　　والا شرم المغلوب لَیس الغَالبُ

''اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جب کہ خدا تعاقب کر رہا ہے اور نکٹا (ابرھہ) مغلوب ہے، غالب نہیں ہے۔''

اس بھگدڑ میں جگہ جگہ یہ لوگ گر گر کر مرتے رہے......کچھ لوگ تو اُسی جگہ ہلاک ہو گئے اور کچھ لوگ بھاگتے ہوئے راستہ بھر گرتے چلے گئے۔ابرھہ بھی بلادِ خثعم پہنچ کر مرا۔'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 467)

یہ جو عرض کیا گیا تھا کہ علامہ کے بیان سے قحطانیت کو نفی کر دینا۔اسکی مثال یہ ہے کہ قحطانی تصور چونکہ معجزہ کا منکر ہوتا ہے اسلئے وہ معجزات پر عقلی پردہ ڈال کر اُسے ایک عام فطری واقعہ بنانے پر زور دیا کرتے ہیں۔چنانچہ یہاں بھی ایک قحطانی راوی کی زبانی علامہ نے اس عذاب کو چیچک بنانے کی کوشش کی ہے۔لیکن ان دشمنانِ عقل سے پوچھئے کہ چیچک کی مرض کے لئے پرندوں اور کنکریوں کی بارش کا کیا عقلی جوڑ ہے؟ بہر حال دشمنانِ خدا اور رسولؐ کے تصورات کی نفی کر دینے کے بعد حق باقی رہ جاتا ہے۔اور ہم اس نفی کو واجب سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں۔یہ قحطانی اسلامی حقائق کو مسخ کرنے کو فرض جان کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ہم اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا معجزہ کہتے ہیں جو عقل وفہم اور انسانی انتظام سے ارفع واعلیٰ اور فیصلہ کن ہے۔لیکن کافر اُسے عام ناگہانی حادثہ قرار دیتے ہیں۔اور یہ نتیجہ ہے اس دعا کا جو جناب عبدالمطلبؑ کعبہ کے دروازے کے باہر کھڑے ہوکر مانگ رہے تھے۔اور جس میں علامہ اینڈ کمپنی نے حضرت عبدالمطلبؑ کے ساتھ چند قحطانی لوگوں کو بھی دعاؤں میں شریک لکھ دیا ہے۔مگر قحطانیوں کا مکہ میں اس وقت ہونا اسلئے قابل قبول نہیں کہ اُن سے یہ ہمت نہ ہوتی کہ وہ حضرت عبدالمطلبؑ کے ساتھ ابرھہ کے پاس جاتے۔پھر اُن میں سے نہ کسی کا نام بتایا کہ کون کون دعا کرنے میں شریک تھا۔نہ

یہ بتایا کہ اُن میں سے کس نے کیا دُعا کی تھی ؟ اسکے برعکس جناب عبدالمطلبؑ کے یقین واطمینان کا یہ عالم ہے کہ خدا کے تمام احسانات سامنے ہیں۔ آدمؑ سے اپنے زمانہ تک خدا نے جتنے وعدے کئے پورے کئے۔ جو جو معجزات دکھا کر ناموسِ نبوت ورسالت وامامت کا تحفظ کیا سب آنکھوں کے روبرو ایک ایک کر کے گزر رہے ہیں۔ خطرناک اور نازک ترین آزمائشوں کے نظّارے دکھائی دے رہے ہیں۔ دل میں احساس تشکر سے رِقّت وشعریت اُمنڈ آتی ہے۔ حواس وشعور ایک نقطہ پر مجتمع ہو جاتے ہیں اور زبان پر یہ دعا آتی ہے کہ:۔

(1) لا هُمَّ اِنَّ العَبْدَ یمنع رجله فامنع حلا لک — خدایا جس طرح تیرا ہر بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کی حفاظت کر

(2) لا یغلبن صلیبهم و محالهم غد وا محالک — کل ان کی صلیب وتدبیر، تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے

(3) اِنْ کنت تارکهم و قبلتنا فامرها بذالک — اگر تو اُن کو اور ہمارے قبلہ کو اُن کے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تُو چاہے حکم کر

(4) وانصرنا عَلٰی آل الصلیب۔ وعا بد یه الیوم ا لک — صلیب کی آل اور صلیب کے پرستاروں کے مقابلہ میں آج اپنی آل کی مدد کر

<u>دوسری طرز میں یہ دعا کی</u>:۔

(1) یا ربّ لا ارجو لَهُم سواکا۔ یا رب فامنع منهم حما کا — اے رب تیرے سوا میں اُنکے مقابلہ میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب اُن سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔

(2) اِنَّ عدّ والبیت من عاداکا۔ امنعهم ان یخرابوا قرا کا — یقیناً اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے۔ اپنی بستی کو تباہ کرنے سے روک دے۔

قارئین یہ تھی وہ دُعا جس کا درگاہِ خداوندی میں انتظار کیا جا رہا تھا۔ اور جسے سورۂ فیل کی صورت میں نازل کر کے اُنکی اُس تدبیر اور کوشش کو بے نتیجہ بنا کر دکھانا تھا (اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ)۔ جس کا ذکر جناب عبدالمطلبؑ اپنے دوسرے شعر میں کرتے ہیں۔ چنانچہ اشعار کو گن کر اور تمناؤں کا شمار کر کے آیات میں جواب دیا ہے۔ یہاں یہ بات ذہن نشین ہو جانا چاہئے کہ جو چہرہ کافروں اور دشمنوں پر اثر انداز ہوتا تھا کیا وہ قریشی مشرکین پر اثر انداز نہ ہوتا ہوگا ؟ یقیناً اثر انداز ہوتا تھا ورنہ کوئی بھی دل سے اسلام نہ لایا ہوتا۔ لیکن اصل بات جو بعد کے پٹھوؤں نے گول مال کر لی وہ یہ ہے کہ اُن قحطانی سرداروں نے نبوتؐ ورسالتؐ اور امامتؑ کی حکومت کو محض خاندانی اور قومی اقتدار کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اقتدار وحکومت کو مادی طریقوں سے قحطانی گروہ میں منتقل کرنے میں کوشاں رہے۔ اور نبطی خاندان کے جانشین کو نسلِ ابراہیمؑ واسماعیلؑ سمجھتے اور امام مان کر ہر امام کی اطاعت کرنے کے بجائے اُنہیں عام لوگ سمجھ کر، اجارہ دار خیال کر کے اُنکے خلاف محاذ بنائے رکھا اور بار بار کی ناکامیوں کے بعد مایوس ہو کر پھر اُس خاندان سے پیوند جوڑنے اور الحاق کرنے میں لگ گئے۔ تاکہ مغالطہ دہی کے ماتحت اقتدار یا اقتدار میں حصہ مل جائے۔ یہ عمل درآمد رسولؐ اللہ کے زمانہ میں بھی جاری رہا اور قرآن کریم نے فرما دیا کہ: یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّهٗ لِلّٰهِ یُخْفُوْنَ فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا یُبْدُوْنَ لَکَ یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ (آل عمران 3/154)

وہ لوگ اب بھی حسب سابق نبوت ورسالت کے احکام کی تنفیذ میں اپنا حصہ مانگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر ہم احکام میں شامل کئے جاتے تو یہاں اس بری طرح شکست نہ ہوتی نہ قتلِ عام ہوا ہوتا۔

اور دوسری چیز جس نے قحطانیوں کو بے خوف کر دیا تھا اور وہ رسولؐ اور آلِ رسولؐ پر بے دریغ مظالم کرتے رہے۔ وہ یہ تھی کہ انہیں پانچ چھ

ہزار سالہ تجربہ تھا کہ بیت النبوتؐ اور آل رسالتؐ کا ہر فرد رحیم وکریم و ہمدردِ انسانیت ہوتا ہے۔اور کسی حال میں اپنی خوشی سے، آزادانہ رائے سے، نوع انسان کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔اپنے قاتل پر بھی رحم کرنا چاہتا ہے۔لیکن اللہ کے حکم کے روبرو سر جھکا لیتا ہے۔مگر نوعِ انسان پر عذابِ خداوندی کے باوجود خوش نہیں ہوتا۔بلکہ آنسو پیتے رہتے ہیں اور نوعِ انسان کو بچانے کے لئے لب پر دُعائیں ہوتی ہیں۔اور یہ طے شدہ سُنتِ خداوندی ہے جب تک وہ موجود رہے اور الگ نہ ہو جائے عذاب نازل نہیں ہوتا (انفال 8/33)۔یہی وجہ ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ کے جدا ہوتے ہی عذابِ خداوندی نے اُمنڈنا شروع کر دیا تھا۔اور یہی وجہ تھی کہ قحطانی لشکر کربلا میں عذاب سے محفوظ رہا۔ورنہ خدا کے پاس نہ ابابیل کی کمی ہوگئی تھی نہ کنکر و پتھر ختم ہو گئے تھے۔یہ کمینہ اور ذلیل ترین لوگ تھے کہ ہر احسان کرنے والے پر ظلم کرنا اس ابلیسی قوم کا پیشہ تھا۔

(11/10)۔ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب علیھما السلام

جناب عبداللہ علیہ السلام کے لئے مشیت ایزدی کچھ اس طرح جاری ہوئی کہ اُن کی اولاد میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی عالم وجود میں آئیں اور ایک ہی اکلوتا بیٹا اُن کے نام کو تا قیامت زندہ رکھے۔پھر اس کے برعکس جناب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے مشیت ایزدی نے یہ چاہا کہ اولاد نرینہ پیدا ہو لیکن وہ سب آپ کی زندگی ہی میں خدا کو پیارے ہو جائیں اور اللہ یہ کہہ سکے کہ اُمت میں سے کوئی مرد آنحضرتؐ کا بیٹا نہیں ہے۔تاکہ نسبی الحاق ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔اور جہاں حضرت عبداللہ کو محمدؐ ایسا بیٹا دیا، وہیں جناب محمدؐ کو اکلوتی بیٹی دے کر حضورؐ کی نسل کو حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام کے بیٹوںؑ سے جاری کیا۔یعنی نورِ نبوت و رسالت عبداللہ اور محمدؐ کی راہ سے حضرت فاطمہؑ میں منتقل ہوا۔اور نورِ خلافت و امامت اُن کے بیٹوںؑ سے جاری کیا۔یعنی نورِ خلافت و امامت حضرت ابوطالبؑ کے واسطے سے جناب علیؑ مرتضٰی میں مرکوز ہو گیا۔اور علیؑ و فاطمہؑ سے دونوں نور دوبارہ جمع ہو کر سلسلہ امامت آگے بڑھا۔

جناب عبداللہ علیہ السلام کو حضرت عبدالمطلبؑ نے مدینہ اپنے ننھیال بھیج دیا تاکہ وہ خود ملک شام کی تجارت بھی سنبھالیں۔چنانچہ آپؑ نے ایک تجارتی قافلہ تیار کیا اور خود ساتھ رہے تاکہ خود وہاں رہ کر کھجوریں اور دیگر اجناس مکہ روانہ کرتے رہیں۔آپؑ نے اپنا ہیڈ کوارٹرز زیادہ تر اپنی نبطی شاخ میں رکھا اور اپنی خاندانی ذمہ داریوں کو نہایت خوش اسلوبی سے سنبھال لیا۔اسی قیام میں آپؑ علیل ہوئے اور انتقال فرمایا۔جب یہ خبر عبدالمطلبؑ علیہ السلام کے خاندان میں جو مدینہ میں رہتے تھے پہنچی تو انکو نہایت صدمہ ہوا۔

(11/11)۔ حضرت عمرانؑ عرف ابوطالب علیھم السلام

جناب ابوطالب علیہ السلام کے نام عمرانؑ سے قحطانی گروہ کو اسلئے بخار چڑھتا تھا کہ قرآن کریم میں حضرت عمرانؑ اور اُنکی آلؑ پاک کو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے مسلسل مصطفٰی ذرّیت قرار دیا گیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَo ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌo (آل عمران۔ 3/33-34)

قرآن کریم میں اس سلسلے کے اوّلین بزرگ حضرت آدم علیہ السلام، پھر جناب نوحؑ جن سے دوبارہ نسل انسانی شروع ہوئی۔ اُنکے بعد حضرت ابراہیمؑ جن سے نبوت و رسالت کی اسماعیلی اور اسرائیلی شاخیں چلیں اور آخر میں جناب عمران علیہ السلام جن پر خلافت و

رسالت ونبوت وامامت وحکومت الٰہیہ درکتبہائے خداوندی کا سنگم واجتماع ہوا۔اُن سب کو مصطفیٰ قرار دیا گیا۔سارے عالمین پر فضیلت دی گئی۔اور حضرت عبدالمطلب علیہ السلام نے جناب عبداللہؑ کے انتقال کے بعد اور اپنے انتقال سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش وتربیت کی ذمہ داریاں حضرت ابوطالبؑ کو سونپ دیں۔یعنی حضرت نابت بن اسماعیل علیہما السلام سے جاری ہونے والا سلسلہ امامت سیدھا جناب ابوطالبؑ تک پہنچا۔اور اُن کے چھوٹے بھائی جناب عبداللہ علیہ السلام کے ذریعہ سے نبوت ورسالت کا خاتم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث کر کے مذکورہ امامت کے لئے ایک قانون ساز ہستی بھی مرکزِ انسانیت کو سونپ دی گئی۔قحطانی یہ سب کچھ سمجھتے تھے اس لئے اُن کے مغالطے کے لئے آل عمران کی اگلی آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ھارون علیہما السلام کے والد کا ذکر اس انداز سے کیا گیا کہ مودودی کے زمانہ تک علما مغالطہ میں مبتلا رہے۔یہاں تک کہ حضرتؑ کی پیدائش کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے کہ یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ حضرت عمرانؑ کی زوجہ منت مان رہی ہے اور منت حضرت مریمؑ کی پیدائش سے پوری ہو جاتی ہے (آل عمران 3/35-36)۔پھر سورہ مریمؑ میں حضرت مریمؑ کے باپ کا نام عمرانؑ بتا کر حضرت مریمؑ کا ذکر کیا گیا ہے (تحریم 66/12)۔قحطانی اس جھمیلے میں اُلجھا دئے گئے اور وہ یہ پتہ نہ لگا سکے کہ عمران سے قرآن میں ابوطالبؑ اور اُن کی آلؑ کا اظہار مراد ہے۔اور چونکہ آیت میں آل عمرانؑ کا ذکر آلِ ابراہیمؑ کے فوراً بعد ہوا۔لہٰذا انہوں نے بھی اس عمران کو حضرت ابراہیمؑ کے بعد والا کوئی عمران سمجھا اور بے فکر ہو گئے۔اور اُلجھاؤ میں توریت بھی شامل تھی۔یعنی وہاں حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کے باپ کا نام عمرام ہے (خروج باب 6 آیت 22-18) اور عمرام کی ایک بیٹی جو حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کی حقیقی بہن ہیں کا نام مریم ہے۔لہٰذا اگر عمرام کو عمران بنا دیا جائے اور قرآن سے ملا کر پڑھا جائے تو بات یہ بن جاتی ہے کہ عمران کی زوجہ نے اللہ سے اولاد کی منت مانی اور اللہ نے منت کے بدلے میں مریمؑ کو پیدا کر دیا۔یہاں تک بات ٹھیک بن گئی۔یعنی قرآن کے دونوں مقامات (3/35-36 اور 66/12) اور توریت کہتے ہیں کہ عمران کی بیٹی مریم تھیں اور عمران کی زوجہ نے اولاد کے لئے منت مانی تھی۔مگر توریت اور قرآن اس بات کو بننے نہیں دیتے اس لئے کہ:۔

اوّل:۔توریت میں عمران نہیں بلکہ عمرام ہے۔

دوم:۔توریت میں عمرام کی بیٹی مریم حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کی بہن ہے۔اور یہ زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم علیہا السلام سے سولہ سو (1600) سال قبل کا ہے۔

سوم:۔حضرت عیسیٰؑ سے سولہ سو سال پہلے کوئی اور عیسیٰؑ پیدا نہیں ہوئے۔لہٰذا قرآن کریم جس عمرانؑ کو مریمؑ کا باپ کہتا ہے (تحریم 66/12) وہ عمران نہیں جسے توریت نے عمرام فرمایا ہے (خروج باب 6 آیت 22-18)۔

توریت وقرآن کے ان بیانات کو بھی بلا صاحبانِ کتاب کے جس قدر سلجھانے کی کوشش کی لوگ اور اُلجھتے گئے۔چنانچہ حضرت عمرانؑ کے تعین میں اختلافات وتضادات کا وہ ہنگامہ مچایا کہ خود علما گم ہو کر رہ گئے۔بات سیدھی سی تھی اور حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی دعاؤں سے ثابت کی جا چکی ہے۔یہ وہی ذریت طاہرہ ہے جو آنحضرتؐ کو جنم دیتی ہے۔یہ وہی اُمتِ مُسلمہ ہے جس پر اللہ نے آنحضرتؐ کو مبعوث کر کے مِنّتی احسان کیا ہے۔یہ وہی آلؑ عمران ہے۔جسے نبوّت ورسالت وامامت اور کتبہائے خداوندی کا وارث اور حکومت

الٰہیہ کا حاکم بتایا گیا ہے۔حضرت عمرانؑ اس آلؑ کے وہ بزرگ ہیں جو رسالتؐ و امامتؑ کو اپنے آغوش میں پالنے والے ہیں۔جو رسولؐ اللہ کے ملجاو ماویٰ ہیں، ھادی و سرپرست ہیں اور اُن ہی کی آل، اولادآلِ رسولؐ ہے۔اسی بزرگ کے پروردہ آلِ کساء ہیں۔انہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔وہ ہی اہل بیتؑ وعترتِ رسولِؐ کائنات جناب امام حسین علیہ السلام ہیں جو نہ صرف تمام سابقہ انبیاؑ اور ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور خود سرورِؐ کائنات کے درجات کو بلند تر اور کامل تر کرنے والے، بلکہ تمام نوع انسان کی فلاح ونجات کی راہیں کھولنے کیلئے ذمہ دار ہیں جو دینِ خداوندی کی بنیاد اور خلاصہ ہیں جو تمام کتبہائے خداوندی کی منہ بولتی تفسیر ہیں۔جس طرح عبدالمطلب علیہ السلام کی شان میں سورہ فیل نازل ہوئی تھی۔اسی طرح جناب عمران علیہ السلام کی منزلت بیان کرنے کیلئے سورہ آل عمرانؑ عمومی حیثیت سے اور سورۂ الضحیٰ خصوصاً نازل ہوئی (الضحیٰ 11-93/1)۔جس میں رسولؐ کو جناب عمران علیہ السلام کا مقامِ بلند اور اُنکے وہ حقوق بتائے جو محمدؐ و علیؑ پر واجب تھے۔انہیں مستقبل کی ضمانت دی گئی اور آخر کار کامیابی کا ذمہ لیکر اعلان کیا گیا۔مستقبل قریب میں آنحضرتؐ کو وہ کچھ دینے کا حتمی وعدہ کیا گیا اور ایسی بشارت دی گئی جس سے رسولؐ اللہ کی مکمل رضا اور خوشنودی حاصل ہوجائیگی۔ابوطالب علیہ السلام کی ہدایت کاری کو بھی اپنی ذات سے منسوب کیا۔اُنکی پرورش، حسن تربیت اور آغوشِ محبت پر فخر کرنا سکھایا۔یتامیٰ اور ضرورت مندوں کو فارغ البال اور خوش کرنے کا معیار بتایا۔قہر وغضب اور کمزوروں کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنیکی تاکید کی۔وہ حضرت ابوطالبؑ ہی ہیں جو سرکارِدو عالم کے رُوبرو کبر سنی کو پہنچے۔وہ فاطمہؑ بنت اسد ہی ہیں جو والدہ کی جگہ ناز برداریاں کرتی تھیں۔اور یہ دونوں رسولؐ کی کمسنی سے اُن کی ربوبیت کر رہے تھے۔یہی دونوں ہیں جنکے سامنے تاجدارِ دو عالم، شہنشاہِ کونین، نذیر للعالمین اور رحمۃ للعالمین کو غلاموں اور بیکسوں کی طرح جھک کر رہنے کا حکم دیا گیا۔جن کو آنحضرتؐ کا سرپرست و والی قرار دیا گیا۔(بنی اسرائیل 24-17/23)

حضرت عمران علیہ السلام کی اس منزلت کا اتا پتا قحطانی بیانات سے بھی چلتا ہے۔چنانچہ علامہ شبلی نے حضرت عبدالمطلبؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> ''عبداللہ اور ابوطالبؑ ماں جائے بھائی تھے۔عبدالمطلبؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابوطالبؑ ہی کے آغوش تربیت میں دیا۔'' (صفحہ 177 سیرۃ النبیؐ) جناب طبری لکھتے ہیں کہ:۔

''واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد عبدالمطلبؑ انتقال کر گئے۔چونکہ ابوطالبؑ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ عبداللہ حقیقی بھائی تھے۔اسلئے عبدالمطلبؑ نے اپنے بعد رسولؐ اللہ کی پرورش اور ولایت ابوطالبؑ کے سپرد کی تھی اور حسن سلوک کی وصیت کی تھی۔چنانچہ اس کے بعد ابوطالبؑ رسولؐ اللہ کے ولی تھے۔آپؐ اُنہی کے پاس اور ساتھ رہتے تھے۔''(طبری جلد 1 صفحہ 59)

قارئین حضرات نوٹ کریں کہ قحطانی تاریخ سے یہ ثابت ہوجانا بہت بڑی بات ہے کہ حضرت عمران علیہ السلام رسولؐ اللہ کے ولی تھے۔اور یہ ولایت حضرت نابت بن اسماعیل علیہما السلام سے نسلاً بعد نسلاً چلی آرہی ہے۔کیونکہ اس اقرار کے بعد ہمیں اُن لوگوں کے کسی بیان کی احتیاج نہیں رہ جاتی۔اس لئے کہ باقی تمام مراتب کے لئے قرآن کریم کافی ہے۔وہاں اللہ اور رسولؐ اللہ اور رکوع میں

زکوٰۃ دینے والے مومن تمام بنی نوع انسان کے ولی ہیں (مائدہ۔5/55) اور ظاہر ہے کہ جو ذات خود رسولؐ کی ولی ہو اس کا مرتبہ کیا ہوگا؟ یعنی حضرت عمرانؑ نہ صرف تمام نوعِ انسانی کے ولی ہیں بلکہ خود شہنشاہ کونینؐ کے بھی ولی ہیں اور ولی کے معنی والی وخیر خواہ حاکم کے ہوتے ہیں۔لہٰذا جناب ابوطالب علیہ السلام تمام انسانوں، تمام انبیاؑ، تمام رسلؑ اور تمام آئمہ علیہم السلام پر ولی ووالی وحاکم ہیں۔اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کو اُنؑ کے سامنے جھکنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(ii)۔ حضرت ابوطالبؑ تمام راہنمایانِ مذاہب سے رسولؐ کا تعارف کراتے ہیں

حضرت عبدالمطلبؑ کی وصیّت میں جو چیز عام طور پر معلوم ہوئی وہ محبت اور حسن سلوک ہے۔اس سلسلے میں ساری دنیا جانتی ہے اور مانتی ہے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام کو جس قدر محبت حضرت محمدؐ مصطفیٰ سے تھی دنیا میں اس کی دوسری مثال ناممکن ہے۔تمام تاریخیں متفقہ طور پر بتاتی ہیں کہ جناب عمرانؑ راتوں کو کئی دفعہ آنحضرتؐ کے سونے کی جگہ بدلتے رہتے تھے۔یعنی انؐ کی جگہ اپنے بچوں میں سے کسی کو لٹا دیتے تھے اور حضورؐ کو اُٹھا کر دوسری جگہ سُلا دیتے۔تاکہ اگر کوئی قحطانی دشمن کسی خطرناک ارادہ سے آئے تو اُن کا اپنا بیٹا قتل ہو جائے مگر رسولؐ اللہ کو گزند نہ پہنچے۔شبلی نعمانی سے دو جملے سُنیئے:۔

''ابوطالبؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپؐ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ جب سوتے تو آنحضرتؐ کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر باہر جاتے۔'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 177)

جو چیز وصیت میں منظر عام پر نہیں لائی گئی وہ یہ ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نبوت اور رسالت کی دوسری شاخ کے مومنین اور علما سے تعارف تھا۔تاکہ وہ یہ دیکھ لیں کہ وہ تمام پیشگوئیاں نبوت ورسالت کی بڑی شاخ میں ظہور پذیر ہو چکی ہیں۔اور اب تمام اختلافات وتنازعات کے خدائی فیصلے کا وقت سامنے ہے۔یہ مقصد بھی سامنے تھا کہ قحطانی مشرکین کے سامنے بیرونی ممالک کے علمائے مذاہب و ورثہ دارانِ توریت وزبور وانجیل کی تصدیق کے ساتھ نبوت ورسالت محمدیؐ کو پیش کرایا جائے۔تاکہ اُن کے پاس انکار کے لئے کوئی دلیل نہ رہے۔اُدھر ہم بتا چکے ہیں کہ خانوادۂ اسمٰعیل کی نابتی امامت بنی اسرائیل والی شاخ کی بھی سرپرست تھی۔اور اُن کے یہاں یہود ونصاریٰ سے وہ بُعد نہ تھا جو بعد میں قحطانی مسلمانوں نے قحطانی یہودیوں کی ضد میں قائم کیا تھا۔تاریخی ثبوت ہے کہ حضرت عیسو کی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے بنی اسماعیلؑ کی نبطی حکومت کے یہاں گھل مل کر رہتی چلی آتی تھی۔مرکزی احکام دونوں شاخوں میں اسماعیلی امامت کی طرف سے نافذ ہوتے تھے۔عقائد میں کوئی اختلاف نہ تھا نہ دونوں شاخوں کے اصول جدا تھے۔البتہ جغرافیائی بنیادوں پر اور موسمی حالات وملکی تقاضوں کی بنا پر مالیانہ ٹیکس اور پیشوں کے اختلافاتِ عقلی لازم تھے۔بہر حال آنیوالے تاریخی بیان کو آپ اسماعیلی واسرائیلی دوستی اور خاندانی رشتوں اور محبت کے پس منظر میں مطالعہ کریں گے تو آپ اس اُلجھاؤ سے ہنستے کھیلتے اور ایمان بڑھاتے ہوئے گزر جائیں گے جس میں قحطانی ذھنیّت جگہ جگہ خود اُلجھتی اور دوسروں کو مغالطے میں مبتلا کرتی ہے۔

(iii)۔ حضرت عمرانؑ رسولؐ اللہ کو بحیرا راہب سے ملک شام میں ملاتے ہیں

جناب طبری نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

''چنانچہ وہ رسولؐ اللہ کو ساتھ لے کر قافلے میں روانہ ہو گئے۔ یہ قافلہ شام کے علاقہ میں بصریٰ کے مقام پر فروکش ہوا۔ یہاں بحیرا نامی ایک راہب اپنی خانقاہ میں رہا کرتا تھا۔ یہ نصرانیوں کا بڑا عالم تھا۔ ہمیشہ اس خانقاہ میں جو راہب ہوتا تھا اُسے وراثتاً علمِ کتابی ملتا رہتا تھا۔ جب یہ قریش کا قافلہ اُس سال اس کے ہاں فروکش ہوا تو بحیرا راہب نے اُن کیلئے بہت سا کھانا پکوایا۔ اور یہ اسلئے کہ اُس نے اپنے صومعہ میں سے رسولؐ اللہ کو دیکھا تھا کہ اور تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف آپؐ پر ایک بدلی سایہ فگن چلی آتی ہے۔ جب یہ قافلہ اُس کے قریب آ کر ایک درخت کے سایہ میں اُترا۔ اُس نے اُس بدلی کو دیکھا کہ اُس نے درخت کی شاخوں کو رسولؐ اللہ پر سایہ ڈالنے کیلئے جھکا دیا ہے۔ اور اب وہ پورے سایہ کے نیچے فروکش ہیں۔ یہ دیکھ کر بحیرا اپنی خانقاہ سے اُترا اور اُن سب کو اُس نے اپنے پاس بلا بھیجا۔ رسولؐ اللہ پر نظر پڑتے ہی اُس نے آپؐ کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ اور اُن نشانیوں کی مطابقت کرنے کیلئے جو اُسے پہلے سے معلوم تھیں وہ آپکے جسم کی بعض چیزوں کو بغور دیکھنے لگا۔ جب تمام قافلہ کھانے سے فارغ ہو کر چلا گیا اُس نے رسولؐ اللہ سے اُن کی حالت بیداری اور خواب کی کیفیت دریافت کی۔ آپؐ نے اُسے بتانا شروع کیا۔ یہ باتیں اُن صفات کے عین مطابق تھیں جو اُسے پہلے سے معلوم تھیں۔ اُس کے بعد اُس نے آپؐ کی پیٹھ دیکھی تو دونوں شانوں کے بیچ میں اُسے مُہر نبوت نظر آئی۔ اُس نے ابو طالبؑ سے کہا کہ یہ لڑکا تمہارا معلوم نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا یہ میرا بیٹا ہے۔ بحیرا نے کہا یہ ہرگز تمہارا بیٹا نہیں ہے اور اس بچے کا باپ تو اب زندہ بھی نہ ہونا چاہئے۔ ابو طالبؑ نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے۔ بحیرا نے پوچھا اس کا باپ کیا ہوا؟ ابو طالبؑ نے کہا کہ یہ لڑکا ابھی بطن مادر ہی میں تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا۔ بحیرا نے کہا بالکل ٹھیک ہے اچھا اسے تم اپنے گھر لے جاؤ۔ اور یہودیوں سے اسکی حفاظت کرنا۔ اگر وہ اسے دیکھ پائیں گے اور وہ علامات جن کو میں نے شناخت کر لیا ہے انہوں نے بھی شناخت کر لیا تو وہ ضرور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ یہ ایک عظیم الشان انسان ہونے والا ہے تم فوراً اس کو گھر لے جاؤ۔ یہ سن کر ابو طالبؑ آپؐ کے چچا آپؐ کو لے کر فوراً روانہ ہو گئے۔ اور اُن کو مکہ لے آئے۔ جب ابو طالبؑ رسولؐ اللہ کو لے کر بصریٰ علاقہ شام آئے تھے۔ اس وقت آپ کا سِن شریف نو سال کا تھا۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 59-60)

(iv)۔ چالیس سالہ عمرانی دورِ رسالتؐ چھپا دینے کی کوشش نا کام ہو گئی

جس نور کو دیکھ کر دس سال پہلے دو قحطانی عورتوں کو ناکامی ہوئی تھی، اُن دونوں نے حضرت زلیخا کی طرح کیا کچھ نہ کیا ہو گا؟ اُن کے منہ سے نکلی ہوئی باتیں آگ کی طرح چاروں طرف پھیلتی جانی چاہئیں۔ اور جو کچھ دو عورتیں دیکھ سکتی تھیں وہی کچھ دوسری عورتیں کیوں نہ دیکھ سکیں گی؟ اور جو حقیقت مادی آنکھ دیکھ سکتی ہے اُسے صرف عورتوں ہی کی آنکھ تک کیسے محدود رکھا جا سکتا ہے؟ یہ کون سا قحطانی فارمولا ہے؟ یہ کون سی تھیوری (Theory) ہے؟ پھر یہ سوال کہ کیا قحطانیوں کے انتظام میں یہ قوت ہے کہ وہ تمام دانشمندوں کو سوچنے سے روک دیں؟ اور پندرہ سو سال بعد کی نسلیں بھی نہ سوچ سکیں؟ اور سب اندھی تقلید کرتے چلے جائیں؟ چنانچہ سنئے کہ رسولؐ اللہ ہوں یا اُن کے خانوادے کا کوئی اور مورث و جانشین ہو خواہ وہ نبیؑ ہوا ہو یا رسولؐ رہا ہو یا وہ خلیفہ خداوندی کہلایا ہو یا امامؑ زمانہ ہوا ہو۔ وہ ابلیس کے زمانے کے آدمؑ ہوں یا قحطانی دور کے خاتمؑ ہوں۔ اُن میں کا ہر فرد ہر زمانہ میں مشہور و معروف و نمایاں رہتا چلا آیا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس زمین پر ہمیشہ اور ہر لمحہ حجت خدا چمکتی و دمکتی اور ہر دیکھنے والے کو روشن کرتی رہے اور قحطانی کہہ دے کہ چالیس سال تک آنحضرت صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کوئی نہ جانتا تھا کہ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ اور قرآن کہتا ہے کہ آنحضرتؐ کا اس قدر تعارف ہو چکا تھا کہ قحطانی مشرک ہوں یا عرب کی یہود و نصاریٰ کی شاخوں کے قحطانی، سب کے سب آنحضرتؐ کو اس طرح جانتے پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے صلب سے پیدا ہونے والے اور پھر انہیں پال کر دن رات دیکھتے رہنے کی وجہ سے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں؛ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَo (سورہ بقرہ 2/146)

یعنی جس طرح وہ اپنے بچوں کی رگ رگ اور اُن کے جسم کے تمام اعضاء سے کما حقہٗ واقف ہو جاتے ہیں۔ اُسی طرح محمدؐ کے شجرہ نسب سے، اُس کے ماں باپ سے، اُن کی تمام صفات و عادات سے، اُن کے متعلق تمام پیشگوئیوں اور تمام علامات سے، تمام کتابوں اور الہامات سے، اپنے بزرگوں کی روایات سے، سابقہ کتب اور تورات سے، اپنے بیٹوں کے بھسلے ہوئے اقدامات واعلانات سے، پھر خانوادۂ رسولؐ کے بیانات سے، ابرھہ جیسے سینکڑوں معجزات سے اور محمدؐ وآل محمدؐ کی نبوت ورسالت وحکومت سے قطعاً واقف و عالم ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ وہ قحطانی جان بوجھ کر ایک مسلسل چلے آنے والے ابلیسی پلان (PLAN) کے دباؤ سے اس تمام حقیقت باھرہ کو چھپا دینے کا پروگرام چلا رہے ہیں۔ بتایئے کہ بحیرا راہب کو جو کچھ نظر آیا اور جو کچھ اس نے بیان کیا، وہ کوئی نئی بات ہو سکتی ہے جو اچانک کسی چھومنتر سے وجود میں آ گئی ہو؟ بھائی جان! یہ نہ کچھ منتر جنتر کا معاملہ ہے نہ یہ کوئی معجزانہ کارروائی ہے۔ یہ تو ایک ذریت طاہرہ کی چھ سات ہزار سالہ کمائی ہے جو اس کے ہر فرد نے دن رات محنت اور قربانیاں کر کے خدا سے بتدریج حاصل کی ہے۔ یہ تو ایک خدائی اسکیم یا دین ہے جس پر عمل کرنے والوں نے ہزار سال میں یہ معصوم، بے خطا اور تجربات کی ٹھوکریں کھانے سے محفوظ رہ کر ارتقائی ترقی کی ہے۔ اس کا ہر پہلو عقل وفہم کے دائرے کے اندر ہے، چھومنتر کہیں نہیں ہے۔ خلاف عقل وفہم تو یہ ہے کہ جو بحیرا کی آنکھیں یا قحطانی عورتوں کی آنکھیں دیکھ سکتی ہوں وہ کسی اور قحطانی، ایرانی یا تورانی کو نظر نہ آئے۔ اور جب یہ مان لیا کہ بحیرا اور اس کے گرجا میں تمام راہب کتبہائے خداوندی سے غیب اور مستقبل کی خبریں صحیح دے سکتے تھے تو محمدؐ وآل محمدؐ کے صحیح اخبار اور علم غیب کا کیوں انکار کیا جائے؟ بدلی کا سایہ صرف گرجا کے آس پاس ہی توسرِ اقدسؐ پر نہ ہوا تھا؟ دُھوپ تو تمام راستہ بھر ساتھ ساتھ تھی۔ یہ کیسے مانا جائے کہ راستہ بھر کسی اہل قافلہ کو نہ بدلی نظر آئے نہ سایہ دکھائی دے؟ پھر اگر اللہ کو رسولؐ اللہ کا آرام مدِّ نظر تھا تو صرف آج ہی سایہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ روزانہ دھوپ سے بچانے کا انتظام کیوں نہ کیا ہوگا؟ اور اگر آج یہ ضرورت تھی کہ واقف و عالم ماننے والے شخص سے تعارف کرا دیا جائے۔ اسلئے اس بوڑھے راہب کو متوجہ کرنے کے لئے بدلی اور سایہ اور درخت کی شاخ کا جھکنا ضروری ہو گیا تھا تو یہ تعارف تو ہر منکر و جاہل کیلئے بھی لازم تھا۔ لہٰذا اللہ کے اس لطف و کرم و نظر آنے والے انتظام کو مستقل مان لینے میں ابلیس کے سوا کس کے ایمان میں کمزوری یا خرابی پیدا ہو سکتی ہے؟ مُہرِ نبوت بھی مادی چیز تھی۔ یعنی ہر دیکھنے والے کو نظر آ سکتی تھی۔ ہم کیوں نہ کہیں جن حضرات نے بچپن سے لے کر آخر عمر تک آنحضرتؐ کی کمر دیکھی تھی وہ سب جانتے تھے کہ یہ نشان مُہر نبوت ہے۔ کیا وہ خود ساختہ کہانی بھی بُھلا دی گئی جس میں انتقاماً کوڑا مارنے کیلئے حضورؐ کا کرتہ اُتروا تا ہے اور بڑھ کر مہر نبوت چوم کر پیروں میں گر جاتا ہے۔ ساری دنیا جانتی تھی کہ اس چمکنے والے چہرہ پر اللہ کی نوازشات کا مستقل سایہ ہے۔ رضائے خداوند نے اپنی مہر ثبت کر دی ہے۔ قحطانی اسکیم، ابلیسی محاذ اور مشرکانہ منصوبے کا تقاضہ تھا کہ آنے والی تاریخ میں ہر بات

بدل کراور اپنی پالیسی کے مطابق بنا کر لکھی جائے۔ تاکہ آنے والی نسلیں اس خانہ ساز دین کو اختیار کریں جو مشرکانہ قحطانی اشتراک سے تیار کیا جاتا رہے۔ رسولؐ اللہ کے وہ تمام حالات جو چالیس سال کی عمر تک گزرے عمر عیّار کی زنبیل میں چھپ گئے۔ تاریخ یعنی قحطانی تاریخ زمانہ طفولیت کی چند باتیں کہہ کر ایک زقند لگاتی ہے۔ اور یہ ذکر اور قصہ شروع کر دیتی ہے کہ سب سے پہلے کون مشرک ایمان لائے اور پھر مکہ کے تیرہ سالہ دور کو دواڑھائی صفحات میں ختم کر کے مدینہ کے دس سالہ دور پر سارا زور خرچ کر دیا جاتا ہے۔ وہ اس لئے کہ یہی وہ دور ہے جب نظامِ اشتراکیت وقحطانیت کی رگ حیات کٹنے سے بچانا ہے۔ جب اسلام کے لئے ایک مشرکانہ سوٹ سلوانے کیلئے ایک قحطانی ٹیلرز (درزی) کا کمیشن بٹھانا ہے۔ اجتہادی فیکٹری کا تیار کردہ عمامہ بنوانا ہے۔ نظامِ مشاورت کی عطا کردہ عبا و قبا پہنانا ہے۔ جبر وتشدد اور استیلا کا دُرّہ اور عصا ہاتھ میں تھمانا ہے۔ قحطانی شُو فیکٹری سے تیار کر کے مُڑی ہوئی نعلین پہنانا ہیں۔ اور اس رحمۃؐ للعالمین اور نذیرؐ للعالمین کو سمیٹ کر رسولؐ عربی، قرشی، مکی ومدنی بنا دینا ہے۔ سینکڑوں من کاغذ کالے کئے گئے۔ قرآن وحدیث کی رگ وریشہ کو زیر تبر رکھ دیا گیا۔ اور آج بھی قحطانی یہ نہیں چاہتا کہ قرآن سے رسولؐ اللہ کا صحیح تعارف ہو سکے۔ جہاں رسولؐ کا ذکر ہو فوراً رسوؐل کو آڑ میں کر کے کعبہ کا پردہ ڈال دیتا ہے۔ اور رسوؐل کو دکھانے کے بجائے کعبہ کا کوٹھڑا دکھا دیتا ہے۔ آؤ آپ کی ملاقات ایک مسلمان عالم اور قحطانی عالم نما جعل ساز سے کرائیں۔ ذرا دیر پہلے ہم نے جو آیت (بقرہ 2/146) مع عربی متن کے لکھی تھی اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

1۔ **ترجمہ جناب حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خان صاحب بریلویؒ**:۔ ''جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ اور بے شک اُن میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔''
(مترجم قرآن صفحہ 34 آیت 2/146)

2۔ **ترجمہ جناب السید ابوالاعلیٰ مودودی قبلہ وکعبہ**:۔ ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس مقام کو (جسے قبلہ بنایا گیا ہے) ایسا پہچانتے ہیں، جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں، مگر اُن میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔''
(تفہیم القرآن جلد نمبر 1 صفحہ 123 آیت 2/146)

علامہ سرکار نے یہاں اہل کتاب ہوتے ہوئے حق پوشی کی ہے۔ یعنی قرآن کے بیان کی تصدیق کی ہے کہ جن لوگوں کو قرآن دیا گیا ہے وہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ علامہ نے یہ دیکھ کر کہ یہیں چونکہ قبلہ کا تذکرہ ہوا تھا۔ لاؤ '' یَعْرِفُوْنَهٗ '' سے نبیؐ کی جگہ قبلہ مراد لے لو۔ کون پوچھے گا؟ اور جب کہ قبلہ کا ذکر بھی ہو رہا ہے تو پوچھنے والے کو ڈانٹ کر سیاق وسباق کے چکر میں ڈال دوں گا۔ اور پھر میری جماعت میں ماشاءاللہ ایسا کون ہے جو قواعد اور صرف ونحو کی بکواس کرے گا؟ اور کہے گا کہ جناب عالی لفظ'' قبلة '' مونث ہے اور خود قبلہ والی آیت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (سورہ بقرہ 2/144)

''پس البتہ پھیریں گے ہم تجھ کو اس قبلہ کی طرف کہ پسند کرے تو اس کو۔'' (علامہ رفیع الدین مرحوم کا ترجمہ)

یہاں لفظ قبلہ کی ضمیر اللہ نے مونث یعنی ''ھا'' خود بتائی ہے۔ لہٰذا آیت زیر بحث میں اگر محمدؐ مراد نہ ہوتے اور قبلہ کو پہچاننے اور اپنے بیٹوں کی طرح جاننے کا ذکر ہوتا تو یعرفونہ کی جگہ یَعْرِفُوْنَهَا ہونا لازم تھا۔ پھر کعبہ یا قبلہ کو بیٹوں کی طرح پہچاننے کی مثال دینا اس لئے غلط

ہے کہ اُس مکان کی مرکزی حیثیت سے کافر ومشرک وقحطانی اور یہود ونصاریٰ سب واقف تھے۔ انکار تو محمدؐ مصطفیٰ کا ہو رہا تھا۔ اور وہ انکار بھی خانوادۂ رسولؐ میں داخل ہو کر قریش بن کر کیا جارہا تھا۔ یہاں اہلِ کتاب سے جناب مودودی اور اُن کے مکتبِ فکر کے منکرین مقصود ہیں۔ بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ یہ رسالتِ خلق، یہ نبوت آخری اور یہ امامت مصطفیٰؑ اور مرتضیٰؑ روزِ اوّل سے تمام اقوام میں مشہور ومعروف چلی آرہی تھی۔ اس کے آخری ظہور کی تمنائیں اور دعائیں ہورہی تھیں (بقرہ 2/89)۔ لیکن یہ قحطانی قریش تھے جنہوں نے اس نبوّت و رسالتؐ وامامتؑ کو خاندانی کہہ کر جمہوریت کا لالچ دے کر تاریخ کا منہ کالا کیا۔ تاریکی کے پردے لٹکائے اور نورِ محمدیؐ کی آب وتاب کو دھندلا کرنے کی کوشش علامہ مودودی تک برابر جاری ہے۔

(v)۔ بحیرا راہب سے ملاقات پر مزید اطلاعات اور حضرت عمرانؑ

طبری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔ ''ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ابو طالبؑ شام روانہ ہوئے۔ رسوؐل اللہ قریش کے اور شیوخ کے ساتھ اُسکے ساتھ ہوئے۔ جب اُن کو وہ راہب نظر آیا یہ اُتر پڑے۔ اور انہوں نے اپنے کجاوے کھول دئے۔ اس مرتبہ وہ راہب ان کے پاس آیا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کے پاس سے گزرتے تھے وہ راہب نہ اُن کے پاس کبھی آتا تھا اور نہ التفات کرتا تھا۔ یہ اپنے کجاوے کھول رہے تھے کہ وہ راہب اُن میں آکر مل گیا۔ اور لوگوں کو دیکھنے لگا۔ یہاں تک کہ اُس نے رسوؐل اللہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا یہ تمام عالم کا سردار ہے۔ یہ رب العالمین کا رسولؐ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین کر کے مبعوث فرمانے والا ہے۔ قریش کے شیوخ نے اس سے پوچھا کہ یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ اس نے کہا کہ جب تم اس گھاٹی سے برآمد ہوئے تو کوئی درخت یا پتھر ایسا نہ تھا جو سجدے میں نہ گر پڑا ہو۔ اور جمادات ونباتات صِرف نبیؐ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ دوسرے میں اُس مہر نبوت سے بھی جو سیب کے برابر اُن کے شانے کے جوڑ کے نیچے واقع ہے۔ اس بات کو جانتا ہوں۔'' (طبری جلد اول صفحہ 61-60)

(vi)۔ حضرت عمرانؑ نے مکی اور قحطانی عیب جُو بڈھوں کا منہ بند کردیا

اس بیان میں جو بات نہایت اہم ہے وہ یہ ہے کہ جس بحیرا راہب کی طرف سے پہلے بیان میں رسالت محمدؐیہ کو صیغہ راز میں رکھنا گھڑا گیا تھا وہ یہاں غلط ثابت ہوگیا اور یہ حقیقت سامنے آگئی کہ جناب عمران علیہ السلام رسولؐ اللہ کا عمومی تعارف کرانے کیلئے آپؐ کو اس مذہبی مرکز میں لائے تھے۔ اور نبطی وغِسانی ورُومی ویونانی حکومتوں کے سفارتی ذرائع سے تمام دنیا کو اس حقیقت سے روشناس کرنے کا درپردہ انتظام فرمارہے تھے۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا آپ چاہتے تھے کہ جن جن ممالک میں بعثت کا انتظار کیا جارہا ہے، اُن سب کی توجہ مکہ کی طرف مرکوز ہوجائے تاکہ قحطانی ٹولے کا انکار بے اثر بن کر رہ جائے اور طرفدارانِ مذہب وملت بیرونی نصرت اور تصدیق و تائید بہم پہنچاسکیں۔ اس طرح مکہ کا مخالف محاذ اُٹھنے سے پہلے ہی باطل وخودغرض ثابت ہوکر بیٹھ جائے۔ یہ ہے وہ عمرانؑی اسکیم جسکے ماتحت آپؐ اپنے بزرگوںؑ کی طرح بیرونی ممالک کا سفر کررہے ہیں اور یہ ہے وہ چوٹ جو سیدھی ٹکر کی طرح قحطانی ناک پر مسلسل لگتی چلی گئی۔ ان سفروں کا ایک سوچی سمجھی پالیسی ہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ راہب کو مقررہ جگہ پر دیکھتے ہی آپ نے قافلہ کو پڑاؤ کا حکم دے دیا اور راہب سیدھا قافلے میں تحقیق کیلئے چلا آیا۔ اور پھر راہب کا مقررہ دن اور متوقع وقت پر نظر براہ ملنا اور اس سے پہلے قحطانیوں یا قریشیوں

اور مکیوں کی طرف کبھی ملتفت نہ ہونا بتاتا ہے کہ مندرجہ بالا پروگرام دوطرفہ طے شدہ حیثیت رکھتا تھا۔ پھر یہ بھی واضح ہے کہ جناب ابوطالبؑ نے یہ چاہا تھا کہ راہب اپنی معلومہ علامات سے آنحضرؐت کو اپنی کتابی بصیرت سے شناخت کرے۔ لہٰذا سرکارؐ دو عالم کو الگ سے نہیں ملایا۔ اسلیئے راہب کو خود آنحضرؐت کو تلاش کرنا پڑا۔ اور راہب نے ہاتھ پکڑ کر سب سے پہلے وہ بیعت کی جو برسہا برس بعد عربوں نے شروع کی تھی اور بیعت کے دوران آپؐ کیلیئے اللہ کا رسولؐ ہونا، سردارِؐ دو جہان ہونا اور رحمتؐ للعالمین ہونا تمام شیوخ عرب اور تمام قافلہ کو بتایا۔ عرب کے مکی شیوخ نے طرح طرح کے سوالات کر کے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ انہیں رسالتؐ اور امامتؑ کی نہ تو کوئی علامت معلوم ہے نہ انہوں نے وہ نور کبھی دیکھا جو اُنکی عورتیں تک دیکھتی اور گرتی رہی تھیں۔ نہ انہیں بدلیوں کے سایہ کا علم، نہ انہیں کوئی ایسا وہم وگمان، یعنی بفضل خدا کورے، اندھے، بہرے، دوسرے الفاظ میں انکار کرنے والی اسکیم سے باخبر اور اس پر کافی قوت کے ساتھ عمل پیرا تھے۔ گویا جناب عمران علیہ السلام نے رسولؐ اللہ کو مادی طور پر مشرکین عرب کی اسکیم اور قلبی جذبات اور رجحانات سے مطلع کر دیا۔ یہ بہت ضروری تھا کہ ان شیوخ کے نام معلوم ہو جاتے جن کو اس سفر میں ہمراہ لایا گیا تھا یا جو خود ساتھ ہو گئے تھے۔ بہر حال قحطانی تاریخ نے اُن کو صیغہ راز میں رکھا ہے۔ مگر آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُس وقت مکہ میں کون کون ایسے تھے جن کو سردارانِ مکہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا تاریخ کے دوسرے مقامات بتادینگے کہ 10 عام الفیل میں کون لوگ مکہ میں شیوخ یا سرداروں میں شامل تھے اور اُن میں سے کون کون ایمان لائے؟ اور کس کس نے انکار اور دشمنی کی راہ اختیار کی تھی؟ راہب نے اُن شیوخ کو جہاں دوسرے دلائل سے لاجواب کیا وہاں ایسی بات بھی بتائی جو ہر آنکھوں والے کو جب چاہے چوبیس گھنٹے نظر آسکتی تھی۔ یعنی مُہرِ نبوؐت کا مستقل اور روز پیدائش سے موجود رہنا۔ راہب نے جو چیز کفر وشرک کی رگِ حیات کاٹنے کیلیئے بتائی، وہ وہی ہے جسے مسلمانوں میں دو فیصد علما بھی نہیں مانتے اور وہ یہ حقیقت ہے کہ ہر درخت اور تمام نباتات اور جمادات ہر نبیؐ کو سجدہ کرتے ہیں۔ قرآن کی رو سے ملائکہ اور تمام کائنات اور جنّ وانس اللہ کے حکم سے سجدہ بجالائے تھے۔ مگر مشرک علما کے نزدیک یہ بات آج بھی شرک ہے اور اُن مشرک علما کی بدقسمتی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن ہی سے اپنی گمراہی کا سامان اپنے اجتہاد کی روشنی یا تاریکی میں جمع کیا ہے۔ لیکن اُنکا یہ شرک محض اُنکے دماغوں اور اُنکی کتابوں میں دفن ہے۔ عوام میں آج بھی محمدؐ مصطفیٰ کا وہی مقام ہے جو ہمارا عقیدہ ہے۔

(vii) نبوؐت کی خوشخبری حاصل کرنے کیلیئے بحیرا راہب کے پاس رومی وفد کا آنا، بحیرا کا حضرت ابوطالبؑ کو قریشی یہود سے خبردار کرنا

علامہ طبری کا ایک اور معنی خیز بیان سن کر قریش کی دشمنی کی گہرائی اور شہرت دیکھیں ساتھ ہی بحیرا کی محتاط تنبیہہ پر غور فرمائیں لکھا ہے:۔

''**رومی وفد اور بحیرا۔** راہب اپنی خانقاہ سے آیا۔ یہاں آکر اُس نے اِن کیلیئے کھانا پکوایا اور اُسے اُنکے پاس لے کر آیا۔ اس وقت رسولؐ اللہ اونٹ چرا رہے تھے۔ راہب نے قریش سے کہا اُسے بلواؤ۔ جب آپؐ آرہے تھے، اس وقت بھی ایک بدلی آپؐ پر سایہ فگن تھی۔ راہب نے کہا دیکھو بدلی آپؐ پر سایہ کر رہی ہے۔ جب آپؐ اپنی جماعت کے پاس آئے، آپؐ نے دیکھا کہ درخت کا تمام سایہ قریش نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے۔ مگر جب آپؐ بیٹھے تو درخت کا سایہ بڑھ کر آپؐ پر بھی آگیا۔ راہب نے کہا دیکھو درخت کا سایہ بھی آپؐ پر جُھک پڑا ہے۔ راہب اب تک کھڑے کھڑے اُن کو اللہ کا واسطہ دے کر سمجھا رہا تھا کہ تم اس بچے کو رُوم نہ لے جاؤ۔ کیونکہ اگر وہ

اِسے دیکھ پائیں گے تو شناخت کرلیں گے اور قتل کر دیں گے۔ یہ کہہ کر اُس نے مڑ کر دیکھا تو وہاں سات آدمی رُوم کے فرستادے موجود تھے۔ راہب نے خود ہی سبقت کر کے اُن سے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ اُنہوں نے کہا ہم اسلئے آئے ہیں کہ ایک نبیؐ اس ماہ خروج کرنے والا ہے۔ ہر راستے کے ناکہ پر پہرے متعین کر دئے گئے ہیں۔ اور ہم کو اچھا سمجھ کر آپکی اس سمت بھیجا گیا ہے۔ راہب نے کہا کہ کیا جن لوگوں کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو اُن میں کوئی تم سے بہتر رہ گیا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ نہیں ہمیں سب سے بہتر سمجھ کر ہی آپ کے اس راستے پر بھیجا گیا ہے۔ راہب نے کہا کہ اچھا تم اس بات سے واقف ہو کہ اگر اللہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لے تو کسی میں یہ مجال ہے کہ اُسے نہ ہونے دے؟ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ اور اب وہ اس راہب کے تابع ہو گئے اور اسی کے پاس ٹھہر گئے۔'' (مسلسل لکھا)

''**حضرت محمدؐ کی واپسی**۔ راہب قریش کے پاس آیا اور اس نے خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ اِس لڑکے کا ''**ولی کون ہے**۔؟'' اُنہوں نے کہا کہ ابوطالبؑ۔ اب وہ ابوطالبؑ کو خدا کا واسطہ دے کر اصرار کرتا رہا کہ تم اس بچہ کو واپس لے جاؤ اور جب تک اُسے واپس نہ بھجوا دیا اُس نے ابوطالبؑ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ واپسی کے لئے ابوبکر نے بلال کو آپؐ کے ساتھ خدمت کے لئے کر دیا اور اُس راہب نے زادِراہ کے لئے بسکٹ اور زیتون آپؐ کو دیا۔'' (ترجمہ طبری۔ صفحہ 60)

قریش رسولؐ اللہ کا قتل چاہتے تھے: قارئین غور فرمائیں کہ راہب نے مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا اعلان کیا۔ بدلی کے سایہ کرنے اور درخت کے اپنے سائے کو آگے بڑھانے کے معجزات پر متوجہ کیا۔ وہ بار بار یہود کی دشمنی اور حضورؐ کی جان کے خطرے میں ہونے کا تذکرہ کرتا رہا۔ اُس نے ہر طرح واضح کیا کہ حضورؐ کو رُوم نہ لے جائیں۔ رومیوں سے آپؐ کو اور آپؐ کی نبوت کی اطلاع کو پوشیدہ رکھیں۔ ورنہ اُن کے قتل کا یقین ہے۔ مگر قریش دیکھ رہے ہیں کہ سات رومی سپاہی مسلح حالت میں اُن کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ وہ بحیرا کو اُن کی آمد کی نہ اطلاع دیتے ہیں نہ یہ کہتے ہیں کہ تم خاموش ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو یہ سپاہی سُن لیں اور سارا کام ہی خراب ہو جائے۔ قارئین یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ ایسے خطرناک مواقع پر غیر اور بے تعلق لوگ بھی ہمدردی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ مگر قریش ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ بحیرا مصروف گفتگو۔ ابوطالبؑ اور محمدؐ محوِ حیرت اور پریشان۔ مگر قریش دشمن کو سر پر پہنچ جانے دیتے ہیں۔ ذرہ برابر متاثر نہیں ہوتے اور چاہتے ہیں کہ رومی ابھی ابھی محمد و ابوطالب علیہما السلام کو قتل کر دیں۔ لہٰذا اس قافلہ میں نہ کوئی محمدؐ و ابوطالبؑ کا عزیز و رشتہ دار ثابت ہے، نہ کوئی اسماعیلی خاندان کا فرد ہے، نہ کوئی خانوادہ رسولؐ کا ہمدرد ہے۔ ورنہ یہ لوگ گوش برآواز رہتے اور کسی بھی غیر شخص کو حدِ نگاہ کے فاصلے پر دیکھتے ہی راہب کو مطلع کرتے کہ وہ پلٹ کر دیکھے اور غلط آدمی کے سامنے ایسا راز فاش نہ کرے جو رسولؐ اللہ کی جان کو خطرے میں ڈال دے۔ اس کے برعکس وہ رومی باوردی جوانوں کو دور سے آتا دیکھ رہے ہیں اور خوش ہیں کہ جھگڑا آج ہی ختم ہو جائے تو اچھا۔ قریش کی عداوت اور بے رحمی اس سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کو چھاؤں میں بیٹھنے کی جگہ بھی نہیں دیتے ہیں۔ رومی حکومت چونکہ عیسائی اور اہل کتاب حکومت ہے۔ لہٰذا اس راہب کی طرح بلکہ اس سے بڑے علما خود دارالسلطنت میں موجود تھے۔ لہٰذا وہاں یہ بات طے شدہ حقیقت تھی کہ اصحاب فیل کے واقعہ کے بعد دسویں سال جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ خروج فرمائیں اور ماہِ مذکور میں بحیرہ راہب کے یہاں اعلان نبوت و رسالت ہو جائے۔ اسی لئے رومی حکومت نے تمام اُن راہوں پر پہرے بٹھا دئے جن سے

مسافر یا قافلے ملک روم وشام کی حدود میں داخل ہوتے تھے۔تا کہ اُس رسولؐ کی بعثت کی اطلاع بروقت مل سکے۔اگر یہ پہرے دشمنی کی بنا پر بٹھائے گئے ہوتے تو وہ سات سپاہی ہرگز بحیرہ راہب اور ابو طالبؑ اور آنحضرتؐ علیھم السلام کو گرفتار کر کے حکومت تک لے جائے بغیر نہ چھوڑتے۔اس لئے کہ یہ جرم سزائے موت کا مستحق بنا تا ہے۔اور جرم ہرگز چھپنے والا نہ تھا۔اور بحیرا راہب ہرگز اُن کو نہ بچا سکتا تھا۔پھر خود بحیرا راہب بھی رومی عیسائی حکومت کا ماتحت ہے اور اسقف اعظم یعنی پاپائے روم کا وفادار ہے۔پھر یہ بہانہ نکالنا کہ صرف اچھے سے اچھے آدمی بحیرا راہب والے راستے پر بھیجے گئے تھے۔اس حیثیت سے تو بالکل صحیح ہے کہ مشرکین عرب کو مغالطہ دے دیا جائے۔ورنہ حقیقتاً ایسے آدمیوں کو اچھے سمجھ کر بھیجنا جو حکم عدولی ہی نہیں بلکہ حکومت کو دھوکہ دے سکیں، بہت ہی غلط اور بُرے آدمیوں کا بُرا انتخاب ہے۔بات وہی ہے کہ یہ وہ اچھے، معتبر اور قابل وثوق لوگ ہیں جو بحیرا راہب کے کلیسا کو بھیجے گئے تا کہ وہ خود رسولؐ کی زیارت کریں، اعلان بعثت سنیں اور جب واپس آ کر حکومت اور رعایا کو وہاں کی رُوداد سنائیں تو اُن کی بات پر پورا یقین حاصل ہو کر ہر شخص مطمئن ہو جائے۔پھر بحیرا راہب سپاہیوں سے یہ نہیں کہتا کہ یہ نبوت کوئی راز ہے۔حکومت روم رسولؐ اللہ کی دشمن ہے، قتل کرنا چاہتی ہے۔اس لئے تم میرے ہی پاس رہ جاؤ حکومت کی پرواہ نہ کرو۔اس راز کو پوشیدہ رکھنا، کسی سے نہ کہنا۔اگر بحیرا یہ باتیں کہتا تو سپاہی حیران ہو کر کہتے کہ جناب حکومت نے قتل وگرفتاری کا نہ حکم دیا ہے نہ وہاں کوئی اس نبوت کا دشمن ہے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔اس سوال وجواب سے قحطانیوں کو مغالطہ دینے اور اُن کے قلبی اثرات کو جانچنے والی اسکیم کھل جاتی۔لہٰذا بحیرا نے سپاہیوں کے متفق ہونے کی آڑ لی، سپاہیوں کو باتوں میں لگایا، صورت حال سمجھائی اور اُن کے قیام کا بندوبست کر کے واپس آیا۔اور پھر باقی پارٹ ادا کیا۔مگر قریش نے جب کوئی اثر نہ لیا تو انہیں سنا کر جناب عمرانؑ کو بتایا کہ بس اب حضورؐ کو واپس لے جایا جا سکتا ہے۔یعنی پروگرام مکمل ہو گیا ہے۔اور یہ خیال رکھنا کہ قحطانی الاصل یہود ونصارا سے حضور کو گزند نہ پہنچے۔اور یہ دشمنانِ خدا اور رسولؐ خود مکہ ہی میں رہتے ہیں۔

اس بیان میں یہ بھی کہنا ضروری سمجھا کہ ابوبکر کو آپؐ کی اس قدر خاطر منظور تھی کہ اپنے غلام بلال کو خدمت کے لئے ساتھ کر دیا۔ معلوم نہیں کہ زادراہ کی فراہمی راہب کی طرف سے کیوں لکھ دی گئی۔کیوں نہ یہ لکھا کہ بلال کے ساتھ تین اونٹ خشک میوے اور دیگر اجناس کے بھی ارسال کئے تھے تا کہ راہ بھر کوئی دقت نہ ہو۔یہ بھی نہیں بتایا کہ ابو طالبؑ نے بلال کی قوت وفراست پر اس قدر اعتماد کیا کہ خود ساتھ نہ گئے۔حالانکہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کا ایک لمحہ کے لئے آنحضرتؐ کو تنہا نہ چھوڑنا ثابت اور متواتر معلوم ومشہور ہے۔لہٰذا گرمی محفل وزیب داستان کے لئے یہ سب کچھ نظر انداز کر دیا۔

قارئین ذرا قحطانی جرأت کو داد دینے کی تیاری کرلیں تو ایک بات کہوں:۔

(viii)۔ یہ تاریخ بازیچۂ اطفال بنادی گئی تھی

طبری کے بیان میں غلط بات ہضم ہو جاتی اگر منافقوں میں اتحاد ممکن ہو جاتا۔ سنئے علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ:۔

''ولد بعد مولد النبی بسنتین واشھروانہ مات ولہ ثلث وستون سنۃ۔''

جناب ابوبکر رسولؐ اللہ کی پیدائش کے دوسال اور چند ماہ بعد پیدا ہوئے۔

یقیناً جب حضرت ابوبکر نے وفات پائی تو ان کی عمر تریسٹھ سال کی تھی۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ 21)

علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ:۔ ''وَلَدَ بعد الفیل بسنتین و ستة اشھر۔''

حضرت ابوبکر واقعہ فیل کے دو سال اور چھ ماہ بعد پیدا ہوئے تھے۔'' (اصابہ جلد 4 صفحہ 101)

اور علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ: ''کان مولدہ بعد الفیل بثلاث سنین۔''

حضرت ابوبکر واقعہ فیل کے تین سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 161)

قارئین جمع تفریق ضرور جانتے ہونگے۔ واقعہ فیل 570 عیسوی کے اواخر سے شروع ہوکر 571 عیسوی کی ابتدا میں ختم ہو گیا اور حضور محمدؐ مصطفٰی واقعہ فیل کے بعد اُسی سال کے اندر پیدا ہوئے، اس پر سب کا اتفاق ہے۔ بحیرہ راہب سے ملاقات کا واقعہ فیل کے نو یا دس سال بعد پیش آیا۔ یعنی حضرتؐ کی عمر اس وقت نو یا دس سال کی تھی تو ابوبکر صرف سات سال یا آٹھ سال کے تھے اور ابن اثیر کے حساب سے کل چھ یا سات سال کی عمر رکھتے تھے۔ لیکن اس کم سنی میں کمال یہ ہے کہ تجارت کیلئے ملک شام آئے ہوئے ہیں۔ باپ بھی ساتھ نہیں ہے۔ اور پھر بلال کا کمال یہ ہے کہ وہ تین سال کی عمر کا بچہ ہوکر تن تنہا محمدؐ مصطفٰی کی خدمت اور حفاظت کرتا ہوا مکہ میں لیکر پہنچا۔ یہ وہ کمالات ہیں جو قحطانی تاریخ کی قدر و قیمت بڑھاتے ہیں۔ اور اگر تاریخ کو باریک چھان لیا جائے تو کمال یہ ہوگا کہ جناب بلال کو حضرت ابوبکر نے اُن کی پیدائش سے بھی کئی سال پہلے رسولؐ اللہ کے ساتھ محافظ و خدمت گار کی حیثیت سے بھیجا تھا۔ وہ شعر پڑھیئے:۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے　　　ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

واقعی یہ بات صحیح ہے کہ عقیدت مندی انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ بہرحال یہ بات ہرگز ماننے کے قابل نہیں ہے کہ جناب ابوطالب علیہ السلام آنحضرتؐ کو یوں اپنے سے جدا کر دیں جب کہ خطرہ خود قحطانیوں ہی سے ہو۔ اور پھر یہ خطرہ نیا نہیں ہے، اچانک سامنے نہیں آیا ہے۔ یہ تو صدیوں سے ہر نبیؑ اور ہر رسولؐ اور ہر امامؑ کے ساتھ ساتھ چلا آرہا ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو اپنی ہی نہیں دوسروں کی عمریں معلوم ہیں، بشارتیں معلوم ہیں۔ یہ کیسے مان سکتے ہیں کہ کوئی ملعون قحطانی، رسولؐ اللہ کو قتل کر سکتا ہے البتہ انتظامی معاملات اور ہیں۔ اپنی محبت و محنت کا مادی ثبوت اور تاریخی مواد چھوڑنا اور بات ہے۔ راتوں کو چارپائی پر جگہ بدلنا اور علیؑ کو خطرے میں سو جانے کی عادت ڈالنا اور بات ہے۔ حقیقت تو وہی ہے جو علم خداوندی نے صدیوں پہلے سے بتا رکھی ہے۔ بلال بے چارے تو پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر ابھی چھ سات سال کے بچے تھے اور سفر میں ہمراہ تھے ہی نہیں۔ مگر بنتی نہیں ہے بات گل و بلبل کہے بغیر۔ اب ذرا موجودہ زمانہ کے ایک محقق اور مؤرخ کے یہاں چلئے اور اُنکی تحقیق سے فائدہ اُٹھایئے۔

(ix)۔ رسولؐ اللہ؛ بحیرا راہب اور ابوطالبؑ؛ شبلی کے قلم سے

جناب علامہ اس واقعہ کو مجبوراً اور بادل نخواستہ لکھ رہے ہیں۔ اس لئے اُن کے الفاظ اور جملوں کی بندش اور ترکیب پر ضرور نظر رہنا چاہئے۔ فرمایا کہ: ''عام مؤرخین کے بیان کے مطابق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالبؑ بصریٰ میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اُترے۔ جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و

وسلم کو دیکھ کر کہا کہ یہ ''سید المرسلین'' ہیں۔لوگوں نے پوچھا تم نے کیوں کر جانا؟اس نے کہا کہ جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے۔''(سیرۃ النبیؐ جلد اوّل۔صفحہ 178)

شبلی صاحب نے اس واقعہ کو پر تکلف الفاظ میں لکھ کر وہ تمام کرتب اور داؤ پیچ دکھائے ہیں جو حقائق کی زد سے بچ نکلنے کیلئے قحطانی نظام اجتہاد نے تیار کئے ہیں۔مگر اس اُستادانہ فرار کے دوران اُنکے قلم سے کچھ اور حقائق ٹپک پڑے۔انہوں نے بیان کی ابتدا میں لکھا تھا کہ ''عام مؤرخین کے بیان کے مطابق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔'' یہاں علامہ کے نزدیک عام مؤرخین نے یہ واقعہ غلط لکھا ہے۔مطلب یہ کہ کچھ خاص مؤرخین، ایسے نہیں ہیں جو اس واقعے کو مانتے ہوں۔ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ مؤرخین نے عمومی حیثیت سے اس واقعہ کو مان لیا ہے۔رہ گئے وہ خاص خاص مؤرخ جو یہ جانتے ہوئے کہ بنو قضاعہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں۔اسکے باوجود اس حقیقت کا اعلان کر کے یہ لکھ دیں کہ ہم کو پیروی اُن ہی مؤرخین کی کرنی چاہیئے جو اسماعیلی خاندان کو قحطانی بناتے اور لکھتے چلے آئے ہیں۔

ہم ایسے مؤرخین ومحدثین ومفسرین کو ملعون سمجھتے ہیں جو حق کو جان بوجھ کر چھپائیں۔لہٰذا اُن کا اس قدر قبول کر لینا کہ (1) عام مؤرخین متفق ہیں۔(2) اور یہ کہ چند مخصوص خبیث علما کے علاوہ تمام مسلمان اس واقعہ کو مانتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔(3) اور یہ کہ اس واقعہ کو بیان کرنے والی روایات ابن حجر کے مطابق بخاری کے معیار پر پوری اترتی ہے۔(4) اور یہ کہ عام مؤرخین ہی نہیں بلکہ عام محدثین نے بھی کتب احادیث میں اس بحیرا والے واقعہ کو صحیح لکھا ہے۔(5) اور یہ کہ خود شبلی اور تمام علمائے محدثین ومحققین نے اس سفر میں ابوبکر اور بلال کا موجود نہ ہونا اور اس جملے کو بعد میں اضافہ کر دیا جانا مان لیا ہے۔رہ گئے باقی بہانے اور اُن کے عذرات، وہ اُسی قسم کے ہیں جو کوئی مجرم جرم سے بچنے کے لئے کیا کرتے ہیں۔(سیرۃ النبیؐ۔صفحہ 178 تا 181)

اہل کتاب کا بنی اسماعیل سے ہم خیال ہونا ملاحظہ ہو:۔

(x)۔ عربوں کی مشرکانہ مخالفت سے پہلے تمام عیسائی علما و بادشاہ اسماعیلیوں کے ہمنوا تھے

شبلی صاحب کا سب سے بڑا اور قابل غور عذر یہ ہے کہ بعض یورپین عیسائی علما نے بحیرا راہب کو حضرت محمد مصطفیٰؐ کا استاد اور اسلام کو بحیرا کی دی ہوئی ہدایات کی تفصیلات قرار دیا ہے۔یعنی نبوت محمدیؐ کا انکار کیا گیا ہے۔قارئین اس عذر اور بہانے کیلئے پہلے یہ سنیں کہ مسلمانوں کو عموماً دوسروں سے متنفر رکھنا قحطانی علما کا سب سے بڑا حربہ رہا ہے۔یعنی قحطانی نظام حقائق پر نہیں بلکہ تنفر وتعصب کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔کبھی اہل کتاب کے خلاف نفرت پھیلا کر خلاف واقعہ باتیں اور بے دلیل تصورات منوا لئے جاتے ہیں۔کبھی بنو اسماعیل اور قحطانی الحاق کر کے یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں بچے جڑواں پیدا ہوئے اور دونوں کا جسم آپس میں جُڑا ہوا تھا۔آپریشن سے دونوں کو جدا کیا اسلئے دونوں کی نسل میں نفرت جاری رہی۔حالانکہ بات وہی تھی۔یعنی ایک دشمن خاندان کو اسماعیلی بنا کر یہ کہہ دیا گیا کہ خود اسماعیلیوں کے اندر سے نفرت اُبھری تھی۔یہ شیعوں سے سنیوں کو متنفر رکھنا، یہ احمدیوں سے نفرت، یہ وہابی اور بریلوی قصے، یہ ابوبکر وعلیؑ کے جھگڑے، صرف روٹی کمانے، روزی حاصل کرنے اور موقعہ ملے تو حکومت پر قبضہ جمانے کیلئے ہیں۔اُنکا کام لڑاؤ اور حکومت کرو۔غلط سے غلط بات کہو مگر پہلے سننے والے کے دماغ کو نفرت کے جذبہ سے بھر دو۔

اس عام قاعدے کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوچیے کہ غلط قسم کے لوگ تو ہر قوم اور ہر مذہب اور ہر ملک میں ہوتے ہیں۔ اگر اہلِ سنت میں کوئی شبلی ہوسکتا ہے تو شیعوں میں شبلی کیوں نہ ہو؟ آنکھوں میں ڈھول ڈالنے والے اگر مسلمانوں میں ہو سکتے ہیں؟ تو عیسائیوں اور یہودیوں میں کیوں نہ ہوں؟ لہٰذا جس طرح علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ اور الفاروق میں حقائق کو منہ چڑایا ہے اور تمام مسلمانوں کے مسلمات کا انکار کیا ہے۔ اور بخاری ایسی معتبر کتاب کے خلاف لکھا ہے (تفصیلات ملاحظہ ہوں کتاب الفرق اور کتاب اسوۃ الرسولؐ میں)۔ اسی طرح علمائے یورپ میں بھی کئی ایک شبلی گزرے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہندوستانی شبلی نے جو کچھ لکھا وہ حقائق و مسلمات کے خلاف اور خود یورپی شبلیوں سے سیکھ کر لکھا اور اقرار کیا۔ لیکن یورپین شبلیوں اور ندویوں نے جو کچھ لکھا وہ سب ایسا اجتہادی مواد تھا جو اسلامی تاریخ و حدیث و تفسیر میں مسلمان شبلیوں، ندویوں، ڈھکوؤں، اور یار محمدیوں نے جمع کیا تھا۔ ہماری کسی تحریر سے یورپ کے علما تو الگ خود مجتہدین کوئی سہارا لے کر دکھائیں۔ جب لکھنا ہی حق ہے، جب باطل سے سروکار ہی نہیں رکھنا ہے تو کوئی ایسی غلطی کیسے ہوگی جو اسلام یا رسولؐ اسلام یا بزرگانؑ اسلام پر حرف آئے۔ البتہ ایسی غلطی ہم سب سے ہوگی اور ہوتی ہے جس سے ہماری کم علمی کا اظہار ہو اور صرف ہم پر اور ہماری ذات پر اعتراض ہو۔ ہم معافی مانگ کر تلافی کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ مگر اسلام پر حرف نہیں آنے دیتے۔ اور جن لوگوں نے اسلام کو بدنام کیا ہے اُن کو معاف نہیں کرتے۔ خواہ وہ شیعہ لیبل لگائے ہوئے ہو یا اہل سنت کو گمراہ کر رہا ہو۔

ہم عرض کر چکے اور دلائل سے ثابت کر چکے اور قرآن سے آج تک ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے حقیقی پیرو ہمیشہ آل ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے ہمدرد و ہمنوا رہے۔ اور اُن دونوں میں تعاون و دوستی ظہور محمدؐ مصطفیٰ تک برابر موجود و باقی تھی۔ چنانچہ نابتؑ بن اسماعیلؑ کی حکومت خواہ نبطی نام سے رہی ہو یا آخر میں اُسے غسانی کہا گیا ہو، مسلسل اڑھائی ہزار سال سے عیسائیوں اور یہودیوں کی فلاح و بہبود میں حصہ دار رہی۔

یہ بھی بتایا جا چکا اور تمام مسلمان علما نے تسلیم کیا ہے کہ اسلام کی مختلف شاخوں یا قسطوں میں بھی ایک ہی دین آیا اور ہر قسط ترقی یافتہ نوع انسانی کو مخاطب کرتی اور احتیاج و ضروریات انسانی کے تدارک کیلئے بڑھتی چلی گئی۔ لہٰذا اگر کوئی عیسائی یا یہودی عالم یہ کہے کہ قرآن کی تعلیمات تو وہی تعلیمات ہیں جو سابقہ کتب میں بیان ہوئی ہیں تو اس پر ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ دین اسلام کے تسلسل اور ایک ہونے کی گواہی مل رہی ہے۔ لیکن اگر کوئی عیسائی یا یہودی مجتہد یہ کہے کہ قرآن صرف اُسی قدر ہے جس قدر توریت وغیرہ میں تھا تو اب اُسے یہ دکھانا چاہئے کہ فلاں فلاں احکام اور پالیسیاں قرآن میں ایسی ہیں جن کا کسی سابقہ کتاب میں اشارہ تک بھی نہیں ہے اور وہ آج کی دنیا میں تمام انسانی ضروریات میں سے ہیں۔ یعنی یہ دکھانا ہمارے ذمہ ہوگا کہ قرآن ایک کامل کتاب ہے اور توریت وغیرہ کی تکمیل و تصدیق کیلئے نازل ہوئی ہے۔ قحطانی چونکہ قرآن کو مکمل اور ہر انسانی ضرورت کیلئے کافی نہیں سمجھتے اور دن رات نئے نئے اجتہادات کرنا اُن کا مذہب ہے اور جو اُنہوں نے ابتدا ہی میں عرب کے قحطانی عیسائی و یہودی مجتہدین سے سیکھا تھا۔ اسلئے وہ یہ شور شروع کر دیتے ہیں کہ علمائے یہود و نصاریٰ قرآن کا انکار کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عرب میں آیا ہوا اسلام یعنی اُن کا اپنا بنایا ہوا مذہب ساری دنیا سے الگ اور انوکھا ہے اور اب وہ اُن تمام باتوں کا انکار کر دیتے ہیں جو اُنکے خانہ ساز مذہب کے خلاف ہو۔ لہٰذا جناب شبلی نے

عیسائی مؤرخین کے اعتراض کا مسکت جواب تو نہ دیا، بحیرا راہب کے واقعہ کا انکار کر دیا۔ تا کہ نہ سہی چودہ سو سال تک، چودھویں صدی میں تو قحطانیوں کے اعمال پر پردہ پڑ جائے۔ آج کے روشن خیال لوگوں کو تو بہکایا اور مطمئن کیا جا سکے۔ لیکن ہم بتاتے آ رہے ہیں اور اسی لئے بتا رہے ہیں کہ خاندان نبوتؐ و رسالتؐ ایک تھا، تمام پالیسیاں ایک تھیں، یہ ایک اُمۃ واحدہ تھی، اسکے اصول وفروع ایک تھے۔ اُنکی تعلیم ایک تھی، اُن کی شروع سے آخر تک کتاب ایک تھی۔ جو کچھ ایک نے پانچ ہزار سال پہلے کہا وہی کچھ بعد والوں نے پانچ چھ ہزار سال بعد کہا۔ ہمیں یہ طعنہ، طعنہ نہیں معلوم ہوتا کہ بحیرا راہب نے جو کچھ کہا وہ اسلام کی تعلیمات بن کر سامنے آ گیا۔ اسلئے کہ بحیرہ راہب نے جو کچھ کہا وہ تھا ہی اسلام۔ وہ اسلام بنا نہیں بلکہ وہ تو تھیں ہی اسلامی تعلیمات۔ پھر جو لوگ نائیوں، دھوبیوں اور حجاموں کی باتوں کیلئے کہہ دیں کہ وہی باتیں آیت بن کر نازل ہوگئی تھیں اور پھر سینہ ٹھونک کر، ڈھیٹ بن کر کہانیاں گھڑ کر دکھائیں اور کہیں، یہ بات فلاں بن فلاں نے کہی تھی، اللہ نے پسند کی اور قرآن میں آیت بنا کر نازل کر دی۔ یہیں تک نہیں، اُن مشرکین نے یہ بھی کہا کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ نے ایک غلط ارادہ کیا تھا۔ ایک مشیر نے غلطی واضح کی اور وہ وضاحت قرآن میں آ کر رسوؐل کیلئے ہدایت بن گئی سوچیئے ایسے لوگوں کو کیا حق ہے کہ وہ یورپی علما پر اعتراض کریں۔ بحیرا بہرحال تمام قحطانیوں سے زیادہ عالم، زیادہ ذی عزت اور زیادہ مقبولِ خدا اور رسولؐ تھا۔ لہٰذا یہ علمائے سُو، یہ خبیث وملعون لوگ، اُمت کو فریب اندر فریب میں مبتلا رکھتے آئے ہیں۔

ہم کہتے ہیں اور اِس پر فخر کرتے ہیں کہ اسلام ایک ایسی تحریک ہے جو ابلیس کو مایوس کر کے نوعِ انسانی کو منتہائے کمال پر پہنچانے کیلئے خدا نے جاری کی ہے۔ تا کہ اطاعت شعار انسان لامحدود قوت وحیات حاصل کرے اور اسکے ''کُن'' کہتے ہی ''فیکون'' ہو جائے۔ قرآن میں اور صاحبانِ قرآن صلوٰۃ اللہ علیھم کے علم میں وہ سب کچھ بھی ہے جو بحیرا نے کہا یا نوحؑ نے فرمایا یا کسی سابقہ انسان کے ذہن میں گزرا، زبان سے نکلا۔ اور وہ سب کچھ بھی ہے جو قیامت تک پیدا ہونے والوں کی زبانوں پر آئے یا ذہن میں گزرے۔ اگر قرآن کا بیان کردہ یہ مقام کوئی نہیں مانتا تو یقیناً وہ قحطانی ہے، مجتہد ہے، مشرک ہے۔ خواہ اس نے شیعیت کا لیبل لگا رکھا ہو یا وہ سنّیت کا جامہ پہنے ہوئے ہو۔ لہٰذا شبلی ذہنیت کو بتا دو کہ بحیرا ایک خدائی مصیبت تھا جو قحطانی تصورات کو اعلان نبوت سے تیس سال پہلے سے بھانپ کر باطل کر گیا تھا۔ اور ہاشمؑ وعبدالمطلبؑ وابوطالبؑ وہ راہنمایانِ رسالت عظمٰی تھے۔ جنھوں نے ابلیس کی تمام راہیں بند کر کے صرف ایک راہ، یعنی انکار وہٹ دھرمی اور ظلم وستم کی راہ کھلی چھوڑ دی تھی اور مشرکین عرب کو مجبوراً اسی راہ پر چلنا پڑا۔ مگر اُس راہ کے دونوں جانب انہوں نے جگہ جگہ اور ہر موڑ پر ستون نصب کئے اور اُن پر عدل وانصاف؛ رواداری؛ فلاح انسانی؛ بھوک اور غربت کے خلاف محاذ وغیرہ کے بڑے بڑے بورڈ اور نعرے لٹکا دئے۔ تا کہ اُنکا ظلم وستم، جبر واستبداد، بے رحمی وقساوت قلبی اور مکر وفریب دین کا نقاب پہنتا چلا جائے لیکن تحریک تشیّع اور اُسکے راہنمایانِ دین نے ہر نقاب نوچ دی۔ ابلیس مع طولِ عمر دستِ تاسف مل رہا ہے۔ قحطانی مفکرین ومدبرین قلم اٹھاتے ہیں۔ سوچنے کیلئے دانتوں میں دباتے ہیں اور ہم پر غصہ میں قلم چبا کر پھینک دیتے ہیں۔ کئی ایک ابلیس کے شریعت کدوں میں یہ پریکٹس روزانہ جاری ہے۔ اب اُنکی سمجھ میں کوئی نیا داؤ پیچ کوئی نیا کرتب نہیں آ رہا ہے، دم بخود تبَّتْ یَدَا اَبِی لَھَب کا ورد کر رہے ہیں۔

(xi)۔ عیسائی بادشاہ اور حضرت ابوطالبؑ کے دادا ہاشم علیہ السلام

قارئین حضرات ہمیشہ کے لئے نوٹ کریں کہ قحطانی نسل حضرت ابراہیمؑ سے قبل شروع ہوئی۔ اُس میں بڑے بڑے جابر و ظالم بادشاہ گزرے۔ ملک سبا کی حکومت قحطانی تھی۔ جرہم قحطانی تھے۔ حمیر و حیرا کی حکومتیں قحطانی تھیں۔ یہ نسل عموماً دشمنِ دین اور مخالفان انبیاؑ رہتی چلی گئی۔ اُس کے مظالم سے دنیا کی ہر قوم و ہر مذہب و ملت متنفر رہتی چلی آئیں۔ زوال کے بعد انہوں نے نسل اسماعیلؑ بن جانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ جہاں رہے اور جس حال میں بھی رہے شرفا کی نظروں میں مستقلاً حقیر و ذلیل رہے۔ اس لئے انہیں شرافت سے دشمنی ہوگئی۔ چونکہ قحطانیوں نے دنیا کو یہ فریب دیا کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ کا خاندان بھی قحطانی تھا۔ اس لئے اس مغالطہ میں اُلجھ جانے والے رسولؐ کے مذہب سے بھی تنفر کرنے لگے۔ اور چونکہ قحطانی حکومتوں نے اسلام کے نام پر مسلسل مظالم کئے، اس لئے ساری دنیا اُن سے متنفر ہوگئی۔ اس سب کے باوجود جب بھی خانوادہ رسولؐ کے کسی فرد کا ذاتی سوال سامنے آیا تو قحطانیوں کے سوا دنیا کی تمام اقوام نے تمام مذاہب کے علما نے اور تمام مذہبی و شریف بادشاہوں نے خانوادہ رسولؐ کی شہنشاہیت کے روبرو سر جھکا دیا۔ یہی خاندان تو ہے جہاں مصر و ایران کی شہزادیاں، حبش و روم کی شہزادیاں کنیزیں بن کر رہیں۔ یہ خبیث لوگ عیسائیوں اور یہودیوں کو اسلام کا دشمن قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ قحطانی مذہب کے دشمن ہیں۔ اسلام اور راہنمایانِ اسلام پر تو انہیں فخر رہا ہے۔ سنئے اور ہرگز آئندہ ایسی بات پر توجہ نہ دیجئے جس میں یہ کہا جا رہا ہو کہ ظہور اسلام کے وقت عیسائی اور یہودی حکومتیں یا عوام اسلام کے دشمن تھے۔ اُن سے کہہ دو کہ جو عیسائی اور یہودی قرآن کی رو سے اسلام اور رسولِ اسلام کے دشمن تھے، وہ تو عرب ہی کے باشندے اور قحطانی الاصل لوگ تھے۔ جن میں سے کچھ روز اوّل سے اسلام کا نقاب پہن کر مومنین و مصدقین میں داخل ہوئے تاکہ داخلی تخریب کریں اور کچھ تیغ بکف نکلے اور میدان کارزار میں مقابلہ کیا۔ بعد میں سنگم بن گیا تو داخلی گروہ نے خارجی گروہ کی مذمتیں کی اور ادھر قرآن نے اُن دونوں گروہوں کے حالات قلم بند کئے۔ لہٰذا وہ عیسائی اور یہودی دشمن بھی درحقیقت قحطانی الاصل ہی ہیں۔ اور اس ابلیسی گروہ کے علاوہ کوئی اور قوم ہرگز اسلام اور رسولِ اسلام اور خانوادہ رسولؐ کی دشمن نہیں رہی ہے۔ البتہ قحطانی حکومت جس نام سے بھی دنیا میں رہی اس سے ہمیشہ دشمنی کی گئی اور ہم خود مذہباً اس حکومت کے دشمن رہتے چلے آئے ہیں۔ سنو اور دیکھو جوں جوں ظہور ختم المرسلؐ نزدیک ہوتا گیا بیرونی حکومتوں کا تعاون بڑھتا گیا۔ رشتے استوار ہوتے گئے۔ حضرت ہاشم علیہ السلام 525 (سن پانچ سو پچیس) عیسوی میں برسر امامت تھے۔ یعنی آنحضرتؐ کی پیدائش سے صرف چھیالیس سال پہلے کے انسان ہیں۔ اس وقت کی دو ایک باتیں سنیں اور خانوادہ رسولؐ کا مقام اور عیسائی بادشاہوں خصوصاً بادشاہِ روم کا سلوک دیکھیں۔ اور قحطانی ڈھونگ کی دھجیاں بکھیر دیں۔

کان هاشم افخر قومه و اعلاهم ۔ وفد اليه قبائل العرب و وفود الاحبار يحمولن بنا تهم يعرضون عليه لِيتزوج بِهِنَّ حتّٰى بعثت اليه هرقل ملک الروم وقال اِنَّ لِي بِنتًالم تلد النساء اجمل منها ولا اَبهٰى وجهًا ۔ فاقدم اِلَيَّ حتّٰى ازوجکها فقد بلغني جودک و کرمک و کان هاشم يابى۔ (تاریخ الخمیس۔ جلد اوّل صفحہ 178)

”جناب ہاشم علیہ السلام اپنی قوم میں سب سے زیادہ قابل فخر و عزت تھے۔ اور تمام لوگوں سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔ عرب کے

قبائل اور اہل کتاب کے راہنمایانِ دین کے وفد حضرتؑ ہاشم کے پاس سرداران قوم وعلما کی بیٹیوں کو لے کر آتے اور جناب ہاشمؑ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے کہ وہ حضرت اُن سے شادی کر لیں۔ یہاں تک کہ شہنشاہ روم نے اُن کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میری ایک بے مثل ونظیر بیٹی ہے کہ جس سے حسین وجمیل اور سیرت کی بلندی سے بڑھ کر آج تک عورتوں نے کسی اورلڑکی کو جنم نہیں دیا ہے۔ اگر آپ یہاں قدم رنجہ فرمائیں تو میں اس کی شادی آپ سے کر دینا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ میرے علم میں آپ مجسمہ جودوسخا اور کرم وحیا ہیں۔ مگر حضورؑ ایسی درخواستوں پر متوجہ نہیں ہوا کرتے تھے۔"

قارئین بتائیں کہ جو خانوادہؑ 525 عیسوی سے 550 عیسوی (عہد عبدالمطلبؑ) تک ہر دل عزیز ہو، جو بادشاہان عالم کے لئے باعثِ حصول عزت وافتخار ہو، جن کے ناموں سے برکتیں حاصل کی جاتی ہوں، جن کو داماد بنانے کے لئے یوں رسہ کشی ہوتی چلی آ رہی ہو، جنہیں منت سماجت کر کے بیٹیاں قبول کرنے پر رضا مند کیا جاتا رہا ہو، جن کو چاندی سونا دے کر داماد بنالینے پر ریس (Race) لگتی ہو۔ اُن سے دشمنی اور اُن کے مذہبی تصورات سے مخالفت محض قحطانی ہی کر سکتے ہیں۔ بیٹیوں کو اپنی عزت سمجھنے والے، ناز ونعمت سے پالنے والے باضمیر لوگ تو جسے داماد بنا لیتے ہیں، اُس داماد کے شہر والوں کی بھی عزت واحترام کرتے ہیں۔ البتہ جو لوگ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے والے مشہور قصاب ہوں۔ وہ تو یہ سوچ سکتے ہیں کہ چلو زمین میں دفن نہ کیا کسی داماد کے گھر میں دفن کر دیا۔ اور اس طرح قتل کی ہوئی لڑکی سے دنیاوی فائدہ بھی اُٹھالیا۔ آپ نے حضرت عبداللہ علیہ السلام کے حالات میں بھی یہی کچھ دیکھا تھا۔ قحطانی اگر ناپسند کرتے تھے تو خود اُن کی بیٹیاں دلہن بن جانے کی فکر میں رہتی تھیں۔ عربی تاریخ کے بعد جناب ہاشم علیہ السلام اور اُن کے خانوادے کی منزلت وہمہ گیر مقبولیت کے لئے جناب ڈپٹی اور مولوی نذیر احمد صاحب شمس العلما دہلوی کا تائیدی بیان بھی ملاحظہ ہو:۔

"ہاشمؑ کو فیاضی اور سیر چشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت ووقار وتمکنت بھی حاصل تھی۔ اور قدرت نے اُن کی جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص قسم کا اعتدال ودیعت کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائدین اور وفودِ احبار اپنی لڑکیاں اُن کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ روم ہرقل نے ایک مرتبہ ہاشمؑ کے پاس اس مضمون کا پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے۔ نہایت حسین وجمیل ہونے کے علاوہ لطیفہ گو اور بذلہ سنج بھی ہے۔ اگر تم یہاں آجاؤ تو میں اس کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں۔ کیونکہ تمہارے مکارم اخلاق اور جود وسخا کا شہرہ سنا ہے۔ ہاشمؑ نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ اور بادشاہ روم کے پیغام کی مطلق پرواہ نہیں کی۔" (اُمہات الامہ مطبوعہ دھلی صفحہ 37)

ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ اس نوری خاندان سے دنیا کی کسی قوم وملک وملت ومذہب کی دشمنی نہ تھی سوائے قحطانیوں کے۔ جنہوں نے ہر حال میں مخالفت کی۔ قحطانی رہ کر قحطانی نام سے مخالفت، جرھمی عنوان کے ساتھ مخالفت، بنوخزاعہ کی صورت میں مخالفت، اسماعیلی اور قریشی بن کر مخالفت، بھائی بن کر، جنوائی بنا کر مخالفت اور ایمان لا کر کلمہ پڑھ کر مخالفت، احسان ورحم وکرم اور وفا کے صلے میں مخالفت۔ اُن لوگوں پر ایسا ایک لمحہ، ایک ثانیہ بھی نہ گزرا جس میں مخالفت سے دستکش ہونے کا تصور تک آیا ہو۔

(xii)۔ چند نئے پرانے دشمنانِ خانوادۂ رسولؐ

ساری دنیا جانتی ہے کہ جب حضرت اسماعیل اور جناب ہاجرہ علیھما السلام مکہ میں لائے گئے تو یہاں قحطانیوں کی جرھمی شاخ خیموں میں رہا کرتی تھی۔ یہیں سے قحطانی دشمنی کا آغاز ہوتا ہے۔ یعنی جب کعبہ بنایا جاچکا اور آب زمزم (جو حضرت اسماعیلؑ کے لئے خدا نے جاری کیا تھا) کی وجہ سے کعبہ کے اردگرد چہل پہل شروع ہوگئی۔ پھل پھول کی افراط ہوئی اور مختلف خانہ بدوش مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ اور جناب اسماعیل علیہ السلام کی اولاد مرجع خلائق بن گئی۔ حضرت نابت علیہ السلام کو جناب اسماعیلؑ نے اپنا جانشین امام بنا دیا۔ اور حضرت نابتؑ کی اولاد نے مکہ سے باہر کے ممالک میں اپنی حکومتیں قائم کرلیں اور حکومت کی بنا پر نبطی خاندان زیادہ تر عراق و یمن و شام میں جا بسے تو مکہ کی نگرانی اور تولیت کا انتظام صرف رسومات حج اور مناسک تک رہ گیا۔ اور سیاسی قوت اور فوج کا یہاں رکھنا ضروری نہ رہا تو ایک دفعہ اور پہلی دفعہ قحطان کی جرھمی شاخ نے مکہ پر قبضہ جمالیا۔ اعتراض کرنے والوں سے کہہ دیا کہ ہم حضرت اسماعیل کی سسرال کے لوگ ہیں وہ ہمارا داماد تھا، ہمارا بیٹا تھا۔ لہٰذا ہم مکہ وحجاز کی حکومت کے حق دار ہیں اور یہ تو ایک دینی خدمت ہے جسے کوئی بھی مسلمان انجام دے سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ موروثی طریقے پر مکہ کی حکومت وامامت ایک ہی خاندان میں رہے۔ یہ پہلا واقعہ ہے جہاں خانوادۂ رسولؐ کی مذہبی قیادت اور دینی حکومت پر سسرالی رشتے والی قوم نے غاصبانہ قبضہ کیا۔ قحطانی تاریخ بھی اس خشتِ اوّل کو پوشیدہ نہ رکھ سکی۔ لہٰذا جناب طبری سے چند اشارے نوٹ فرمالیں۔ لکھتے ہیں کہ:۔

''حضرت نوحؑ کے عہد سے کعبہ کا کوئی ولی نہ تھا۔ اُسے اٹھا لیا گیا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے رسولؐ اللہ کو اسماعیلؑ کی اولاد میں مبعوث فرما کر اُن کو یہ سعادت دینا چاہا تھا۔ اُس نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ تم اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو یہاں آباد کرو۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کے بعد اب حضرت ابراہیم و اسماعیل علیھما السلام کعبہ کی تولیت انجام دیتے تھے۔ اس وقت مکہ بالکل غیر آباد چٹیل میدان تھا۔ البتہ اس کے اطراف واکناف میں جرھم اور عمالقہ بود و باش رکھتے تھے۔ جرھم کی ایک عورت سے حضرت اسماعیلؑ نے نکاح کیا۔ اس کی طرف عمرو بن الحارث بن مضاض نے اس شعر میں اشارہ کیا۔ (اور شعر قحطانیوں میں آیت کے برابر ہوتا ہے)

وصَاھرنا من اکرم الناس ولدًا فَاَبْنَاہُ منا و نحن الاصاھرُ

ہمارے یہاں اُس شخص نے شادی کی جو اپنے باپ کی وجہ سے معزز ترین شخص تھا۔ اُس کی اولاد ہم سے ہے اور ہم اُس کی سسرال والے لوگ ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسماعیلؑ کعبہ کے متولی ہوئے۔ اُن کے بعد نبتؑ متولی ہوا، اس کی ماں جرھمیہ تھی۔ پھر نبتؑ مر گیا۔ اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد زیادہ نہ تھی۔ اس لئے پھر جرھم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کرلیا۔ اور اسی طرف عمرو بن الحارث بن مضاض نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے:۔ (پھر شعر ہی جانشینی رسولؐ کی دلیل وسند بن جاتا ہے)

وَکُنَّا ولَاۃُ البیت من بعد نَابتٍ تَطُوفُ بذاک البیت و الخیر ظَاھِرِ

نابتؑ کے بعد ہم کعبہ کے ولی ہوئے۔ اب ہم اس گھر کے چاروں طرف طواف کرتے ہیں۔

اور ہماری اس خوبی کو سب جانتے ہیں۔ (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 65)

قارئین پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ مکہ اور کعبہ کی ولایت وحکومت حضرت اسماعیلؑ کے بعد جناب نابت علیہ السلام کو ملی تھی۔اور قیدار چونکہ حضرت نابتؑ کے چھوٹے بھائیوں میں سے ہیں۔لہٰذا حسب دستور جانشینی اور امامتِ جناب اسماعیل علیہ السلام سے باہر رہ جاتے ہیں۔ یہ بھی قحطانی دشمنی ہے کہ اُنہوں نے خانوادہ رسولؐ اور خود رسولؐ کو تو محروم کرنے کے لئے یہ دوسرا انتظام بھی کر رکھا تھا کہ اُن کو بجائے نابتؑ بن اسماعیلؑ کے،قیدار کی اولاد میں شامل کرنے کے لئے شجرہ ہی بدل دیا تھا۔تا کہ اگر مناسب صورت حال پیدا ہو جائے تو کہہ دیا جائے کہ وہ تو جناب اسماعیلؑ کی جانشین شاخ میں تھے ہی نہیں۔یہ ماہرین سیاسیات کی نہایت دور اندیش پالیسی کا ثبوت ہے جو قحطانیوں کے لئے قدم قدم پر ثابت ہے۔پھر یہ دیکھیں کہ ایک دو شعر گھڑ کر اور سسرالی رشتہ کا اعلان کر کے رسالت وامامت کی جانشینی پر قبضہ کرلیا گیا۔اور یہ بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ خاندان رسولؐ اور جانشین خاندان کی رضامندی بھی حاصل کر کے ایک آدھ شعر اُن کی طرف سے بھی گھڑ دیا جائے۔ یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے کہ خانوادہ رسولؐ کی حکومت اور ولایت پر قبضہ کرلیا گیا۔کوئی دلیل شرعی یا عقلی قائم نہیں کی گئی۔مظلوم خاندان کی اجازت یا رضامندی حاصل نہیں کی گئی۔اس کے باوجود ملک عرب کا جمہور یا عوام ذرہ برابر ردّعمل ظاہر نہیں کرتے۔کوئی احتجاج نہیں ہوتا،کوئی بغاوت اور تصادم پیش نہیں آتا اور نہایت ہنسی خوشی خاندان رسولؐ سے اقتدار منتقل کر کے قحطانی حضرات جانشینِ رسولؐ بن جاتے ہیں۔ساری عرب پبلک مطمئن ہے،مشاعرے ہو رہے ہیں،جشن منائے جا رہے ہیں۔جو لوگ اُس زمانہ کی عوامی عربی،سرد مہری اور حق وانصاف کے خلاف قومی کثرت کی اس اندھی اطاعت سے واقف ہوں۔وہ سوچیں کہ پچیس سو سال (1900 ق م تا 600 عیسوی) بعد آنحضرتؐ کے زمانہ کی وہی قوم اپنی عادات اور سنت قومی میں کس قدر ترقی کر گئی ہوگی؟ حد یہ تھی کہ اپنا حق مانگنا،لوگوں سے اپنے غصب شدہ حق اور اپنی مظلومی کا ذکر کرنا،اُن کی زبان میں فتنہ وفساد پھیلانے کا جرم تھا۔اور اس طرح مظلوموں کو باغی کہہ کر قتل کر دینا اسلام کی اور نوع انسانی کی خدمت بن گئی تھی۔اور اِسی جرم میں واقعہ کربلا میں خانوادہ رسولؐ کو تہہ تیغ کیا گیا تھا۔یعنی قحطانی مذہب ورسوم ودستور وسنت نے دو ہزار پانچ سو سال میں جو ترقی اور قوت حاصل کی تھی اُس کا سارا زور امام حسینؑ اور اُن کے رفقائے کار علیہم السلام کے خلاف خرچ کر دیا گیا تھا۔لہٰذا اُس سسرالی رشتے داروں کی سنت اس طویل زمانہ میں بھلائی نہیں گئی۔ بلکہ اُسے مضبوط تر کر کے،دوہرا چوہرا کر کے اس پر سو فیصد عمل کیا گیا۔اور اس طویل سفر میں شجروں اور خاندانوں کا بدلنا،قحطانیوں کا اسماعیلی بن جانا اُس سنت پر مزید اضافہ تھا۔اور راز کھل جانے کی صورت میں یہ انتظام بھی قدیم سے ساتھ ساتھ چلا آرہا تھا کہ محمدؐ اور اُن کے آباؤ اجداد اور خود عدنان (علیہم السلام) معاذ اللہ جرھمی تھے۔چنانچہ علامہ طبری نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:۔

''معاد بن عدنان نے مکہ میں آکر دیکھا تو اُس کے بھائی اور چچا جو عدنان کے بیٹے تھے۔وطن چھوڑ کر یمن کے قبائل میں جا ملے ہیں۔اور یمن والوں ہی میں انہوں نے بیاہ کر لئے ہیں۔چونکہ بنو عدنان جرہم کی اولاد میں سے تھے۔اس وجہ سے یمنیوں نے اُن کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا سلوک کیا۔'' (طبری۔جلد اوّل صفحہ 53)

یہ تھا قحطانی جرہمیوں کا دوہرا دوہرا انتظام جس سے بچ کر نکل جانا ممکن ہی نہ تھا۔لہٰذا یہ ماننا ہی پڑا کہ ظہور محمدیؐ کے وقت مکہ میں بڑے بڑے تمام قحطانی گھرانے اسماعیلی ہی ہونگے۔چونکہ بہت جلد اقتدار وقوت حاکمہ نے قحطانی قدموں پر سر رکھ دیا۔اسلئے خزانوں کے منہ کھل گئے

جاننے والے دماغ لالچ سے بھر گئے۔ بولنے والی زبانیں بولنے کے بجائے عمدہ ذائقہ دار نعمتوں سے لطف اندوز ہونے لگیں یہ کہنا موت کے منہ میں کودنا تھا کہ یہ کریہہ المنظر، یہ بدشکل اور منحوس صورتیں، یہ شیطان خصلت لوگ ہرگز اُس حسین وجمیل وخلیق خاندان کے افراد نہیں ہو سکتے۔جن کو بادشاہان روم وشام وعرب وایران اپنی بیٹیاں دینا فخر سمجھتے تھے۔جن سے راتوں کی تاریکی میں روشنی ہو جاتی تھی۔

(xiii)۔ خانوادہ رسولؐ سے حکومت کا دوبارہ چھینا جانا

حضرت نابت علیہ السلام کی اولاد کو جرہمیوں نے خاندانی و خداوندی حکومت سے محروم کر دیا تو جرہمیوں نے قبضہ کر لینے کے بعد تقریباً تمام اسماعیلیوں کو مکہ وگرد ونواح مکہ سے جلاوطن کر دیا اور وہ بلا شرکت غیرے حکمراں ہوئے تو اپنی قومی کردار یعنی ظلم وستم، مار دھاڑ اور لوٹ کھسوٹ مچادی۔مکہ اور آس پاس کے لوگوں میں خانوادہ رسوؐل کی یاد تازہ ہونے لگی۔اللہ اور کعبہ کے نام پر جرمانے، ٹیکس اور کرائے بڑھے تو لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔جرہمیوں کے خلاف نفرت وانتقام کا جذبہ اُبھرا۔آخر خانوادہ اسماعیلؑ کے ساتویں جانشین حضرت ثاماد بہامی دوس العتق کو اُن کی مملکت سے بلایا گیا۔انہوں نے بنو جرہم اور بنو قطورہ کو مکہ سے نکالا اور تمام سرکشوں کو قتل کر دیا (طبری۔جلد اوّل صفحہ 57 پر شجرہ کا چونتیسواں فرد) دوس العتق نے امن وامان اور اپنے نائب مقرر کر دیئے۔

(xiv)۔ مکہ پر دوبارہ جرھمیوں کا قبضہ اور فسق وفجور کا زور

علامہ طبری کے مطابق جس شخص نے سب سے پہلے بنو اسماعیلؑ کی جگہ حکومت قائم کی تھی وہ مضاض نام کا شخص تھا۔اُسکے بعد اُس کے خاندان میں کعبہ اور مکہ کی حکومت وتولیت موروثی حیثیت سے جاری رہی۔مندرجہ بالا شکست کے بعد غالباً بنو جرہم نے رفتہ رفتہ دوبارہ اسماعیلی خاندان کو مکہ اور کعبہ سے بے دخل کر دیا۔اسلئے کہ جب جناب معاد بن عدنان مکہ واپس آئے تو انہیں یہاں کوئی شخص بھی اپنے خاندان کا نہ ملا تھا اور یہاں جرہمیوں کا راج اور تسلط تھا۔جرہمیوں کا یہ قبضہ جناب دوسؑ کے بعد چونتیسویں پشت میں ثابت ہوتا ہے۔دوبارہ قبضہ کے بعد جرہمیوں نے اس طویل مدت میں جو کچھ کیا وہ طبری سے سنئے:۔

''پھر جرھم نے مکہ میں بدمعاشی اور فسق وفجور شروع کیا۔بیت اللہ کی حرمت کو باطل کر دیا۔اس مال کو جو کعبہ کو بطور نذر کے بھیجا جاتا تھا کھانے لگے۔جو مکہ میں آتا اُس پر ظلم کرتے۔پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کی۔بلکہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اگر اُن کے کسی شخص کو کوئی دوسری جگہ زنا کے لئے نہ ملتی تو وہ خود کعبہ میں آکر بدکاری کرتا۔اس سلسلے میں بیان کیا گیا ہے کہ اساف نے نائلہ سے کعبہ میں زنا کیا۔اس کی پاداش میں اللہ نے دونوں کو مسخ کر کے پتھر بنایا۔'' (طبری۔جلد اوّل صفحہ 66-65)

قحطانیوں کے اس قبیلے نے جو کچھ کیا وہی کچھ اڑھائی ہزار سال بعد کے قحطانی شاہزادے کے زمانہ میں ہوا تھا۔یعنی یہ بھی قحطانیوں کی قدیم سنت اور تمنا تھی۔اور یہی وہ فحاشی کا نظام تھا جو ظہور قرآن تک ان میں جاری تھا۔

(xv)۔ حضرت اسماعیلؑ نے مصری شہزادی سے شادی کی تھی

قحطانی عربوں نے جناب اسماعیلؑ کو اپنا داماد کہنے اور اُن کی مقدس نسل کو اپنی بیٹی کی اولاد بنانے کے لئے یہ مشہور کر دیا تھا۔

ورنہ از روئے توریت، حضرت اسماعیلؑ کی شادی اُن کی والدہ نے اپنے خاندان یعنی بادشاہ مصر کے خانوادے میں کی تھی۔اس سلسلے میں ارض القرآن کے چند جملے سن لیں اور سمجھ لیں کہ قحطانی عربوں کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنی مختلف اغراض کے لئے غلط رشتے، غلط شجرے مشہور کرتے رہتے ہیں۔ رشتہ داری کے بیانات اور نسبی جوڑ توڑ میں ہرگز مشرکین عرب کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔اسماعیلؑ تو بہت دور کی بات ہیں، وہ تو یہاں تک مشہور کر گئے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔اور صرف اسی جھوٹ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ اتہام بھی لگایا کہ (معاذ اللہ) آنحضرتؐ نے اپنی تین صلبی بیٹیوں کا نکاح تین مشرکوں سے کیا۔حالانکہ آنحضرتؐ اپنے بزرگوں، شجرے اور نسب پر یہ کہہ کر فخر کرتے رہے کہ میرے آباؤ اجداد میں کوئی مشرک اور زانی نہ تھا۔علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:۔

''اُسی جرہم کے گھرانے میں عربوں کی روایت کے مطابق حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی تھی (بخاری کتاب الانبیاؑ)۔لیکن تورات میں ہے کہ اُن کی ماں نے جو مصریہ تھیں، ایک مصری عورت سے اُن کا بیاہ کر دیا تھا (تکوین 21/21)۔اس اختلاف پر علمائے نصاریٰ کی اکثر انگلیاں اُٹھی ہیں۔لیکن اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ اُس وقت عرب سامیہ اولیٰ خود مصر پر قابض تھے۔اور اُنکا سلسلہ تعلق مصر سے جاری تھا تو کبھی اس اختلاف سے اُن کو حیرت نہ ہوتی۔'' (ارض القرآن جلد اول صفحہ 200)

اِس سے پہلے صفحہ 153 پر لکھا تھا کہ: ''تورات کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُمَم سامیہ میں سے عربوں کے تعلقات مصر سے سب سے زیادہ تھے۔اسماعیلی عربوں کی ماں ہاجرہؑ مصر کی تھیں۔عربوں کے قافلے برابر مصر کو آتے جاتے تھے۔حضرت اسماعیل کی ماں کے سوا اُن کی بیوی بھی مصریہ تھیں۔'' (ارض القرآن جلد اوّل صفحہ 153)

یہاں تک یہ بات ثابت ہے کہ قحطانیوں نے صرف حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے جناب اسماعیلؑ کو اپنا داماد بنالیا تھا۔

(xvi)۔ خانوادہ رسولؐ کی حکومت قحطانی قبیلے بنی خزاعہ نے چھین لی

جب جرھمیوں کا فسق و فجور حد کو پہنچا تو اللہ نے اُن کو تباہ کرنے کا یہ انتظام کیا کہ بنوخزاعہ جو قحطانیوں کی ایک اور شاخ تھی۔ خانوادۂ اسماعیلؑ کے مدد کے وعدہ پر جرھمیوں سے جنگ کی۔لیکن جرھمی قحطانیوں کو نکال کر بنوخزاعہ کا پہلا حاکم عمرو بن الحارث الغبشانی القحطانی بن بیٹھا۔طبری سے اس کا شعر بھی سن لیں:۔ ونحن ولينا البيت بعد جرهم لنعمره من كل باغٍ و ملحد

''جرہم کے بعد ہم بیت اللہ کے ولی ہوئے تاکہ اُسے ہر باغی اور بے دین سے بچا کر آباد رکھیں؛

اس طرح اب بنوخزاعہ بیت اللہ کے متولی ہوئے البتہ دوسرے قبائل مضر میں تین خدمتیں باقی رہیں۔'' (جلد اول صفحہ 67-66)

یعنی قحطان کے اس قبیلے نے جن لوگوں کو چند خدمات پر باقی رکھا اُن سے کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا تھا۔اگر وہ واقعی بنومضر یعنی حضرت اسماعیلؑ کی حاکم شاخ ہوتے تو خدمت تو خدمت ہے، انہیں مکہ میں ٹھہرنا بھی نصیب نہ ہوتا۔چنانچہ یہ وہ مصنوعی بنومضر ہیں جو رفتہ رفتہ قحطانی سے اسماعیلی بن چکے تھے اور بنوجرھم یعنی اپنے اصلی خاندان کے طرفدار تھے۔چنانچہ ارض القرآن کا ایک شعر یہ راز فاش کرتا ہے۔

واحلف بالبيت الذى طاف حوله اُنَاس بنوه من قريش و جرهمٍ

''میں اس گھر کی قسم کھاتا ہوں جس کے چاروں طرف قریش اور جرھم طواف کرتے ہیں۔''

ایام جاہلیت کا نصرانی شاعر زھیر بن ابی سلمیٰ (ارض القرآن۔جلد اوّل صفحہ 200)

یہی وہ لوگ ہیں جن کو برابر جرھمیوں، خزاعیوں الغرض قحطانیوں کی ہر شاخ جانتی تھی کہ وہ درحقیقت قحطانی ہیں۔لیکن مستقبل کے لئے بنو اسماعیل سے پیوند جوڑ لیا ہے۔تاکہ تولیت کعبہ اور حکومت مکہ پر نظر رکھیں اور جب اور جتنا موقعہ ملے متعلقہ اقدامات کرتے چلیں۔پوری حکومت نہ ملے تو جس قدر مناصِب ملیں لے لئے جائیں۔یہی خاندان اور بنو خزاعہ تھے جس زمانہ میں جناب قصیؑ مکہ میں آئے اور اس قحطانیت سے مکہ کی حکومت واپس لی جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔اُس بحث میں جہاں جہاں ہم نے یہ بحث کی ہے کہ مکہ میں جناب قصیؑ کی آمد پر کوئی اسماعیلی خاندان کا فرد نہ تھا اور تاریخ نے بار بار لفظ قریش استعمال کیا ہے وہ یہی قحطانی تھے۔جنہیں بعد والوں نے قریش کی چادر اور بحث میں لپیٹ کر اسماعیلی بنانے کی کوشش کی ہے۔اب آپ بھی اُن لوگوں کو بلا تکلف قریش کے لقب سے یاد کریں۔اسلئے کہ وہ یہاں تک خانوادہ رسولؐ سے قطعی الگ ثابت ہو چکے ہیں اور جو کچھ شبہات باقی ہوں وہ آئندہ جلد دُور ہو جائیں گے۔

(xvii)۔ حضرت قصیؑ اور اُن کے بعد خانوادہ رسولؐ سے اقتدار کا جھگڑا

علامہ طبری نہایت دبی زبان سے دو چار جملوں میں ان قریشیوں کا ذکر کرتے ہیں جو جناب قصیؑ کے حسن سلوک کے باوجود اس خانوادہ سے کشیدہ خاطر تھے سنئے:۔

''قصیؑ اپنی پوری عزت وشرافت کے ساتھ بغیر کسی مخالف ومعارض کے مکہ میں رہنے لگا۔البتہ مناسک حج میں اس نے کوئی تبدیلی نہیں کی اس لئے کہ وہ اُسے مذہبی رسم سمجھتا تھا۔کعبہ کے پجاری بھی حسبِ دستور قدیم باقی رہے۔البتہ جب وہ ختم ہو گئے تو پھر اُن کی خدمت وراثتاً صفوان بن الحارث بن شجنہ کی اولاد کو دے دی گئی۔اس جھگڑے کی وجہ سے جو عداوت پیدا ہو گئی تھی۔وہ بدستور چلی آتی تھی۔بنو مالک بن کنانہ اور مرہ بن عوف سے بے تعلقی تھی۔یہ کشیدگیاں اسلام کے شائع ہونے تک برقرار تھیں۔'' (طبری۔جلد اوّل صفحہ 44)

یہاں صرف اس قدر نوٹ کرنا ہے کہ جناب قصیؑ اور خانوادہ رسوؐل کے باقی بزرگوں کی طرح باقی عرب حج کو مذہبی حیثیت نہ دیتے تھے۔بلکہ اُس میں اجتہادی کتر بیونت کرتے رہنا قومی اختیار سمجھتے تھے۔پھر یہ کہ جن اشخاص کا نام لیا گیا وہ دراصل قریش تھے۔اور قصیؑ کے قبضے کو روزِ اوّل سے ناپسند کرتے تھے اور اسلام کے شائع ہونے تک وہ برابر کشیدہ خاطر اور دشمنی کے موڈ میں تھے۔حالانکہ سابقہ پجاریوں کی جگہ خالی ہونے پر برابر اُن ہی نام نہاد خاندانوں کے افراد کو مختلف مناصب اور خدمات سونپتے جاتے تھے۔مگر خاندانی بغض و حسد کی آگ برابر سلگتی رہی۔اُن ہی لوگوں کی مدد اور اشارے سے قصی علیہ السلام کی ضعیفی میں عبدالدار نامی ایک قریشی نے بھی اُن خدمات میں شمولیت حاصل کی اور قصیؑ کے بیٹے جناب عبدمناف نے کوئی نوٹس نہ لیا۔خدمت ہے جس کا دل چاہے کرے۔بہرحال حاکم اور ولی اپنے مقام پر ہے۔اس کا کام تنازعات اور مہمات، امور کا فیصلہ کرنا ہے۔مگر اس وسیع القلبی سے دشمن ذہنیت کمزوری کی فال نکالا کرتی ہے اور یہی ہو رہا تھا۔اکثر مرکزی امور میں یہ لوگ مداخلت کرنے کی یکجائی کوشش کرتے رہتے تھے۔اور خانوادۂ رسولؐ کے مخالفوں کو اپنی پشت پر مجتمع کر رہے تھے۔بعض لوگ لوگوں کو دکھانے کے لئے وقت بے وقت ضیافتیں بھی کرتے رہتے تھے۔اور جناب قصی علیہ

السلام کے بعد طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے تھے۔اس طرح ایک محاذ تیاری کر رہا تھا۔جس میں قریش کے بڑے بڑے یہود صفت تاجر شامل ہوگئے تھے۔بہرحال جناب مغیرہؑ (ابراہیمؑ) نے نہایت صبر وضبط سے قریش کے سرکشانہ عمل در آمد کو برداشت کرلیا۔اور اپنے دونوں بیٹوں جناب عمرو عرف ہاشم اور جناب مطلب علیہما السلام کو بھی رواداری اور نرمی و تالیف قلوب کی وصیت و نصیحت جاری رکھی اور بغاوت پر آمادہ لوگوں سے خبردار کیا۔جناب قصیؑ کے بعد جناب ہاشم علیہ السلام جانشین ہوئے۔اُن کی عزت ووقار کا شہرہ چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔اور یہ مقبولیت ہی قریش کے لئے تکلیف دہ اور مایوس کن تھی۔وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کے تمام قحطانی منصوبے خاک میں ملتے جا رہے ہیں۔نور خداوندی کی شہرت چاروں طرف پھیلتی جارہی ہے۔قریشیت کی چادر بھی قحطانی دیو کو چھپانے سے قاصر رہتی جا رہی ہے۔عبدالدار اور عبدالشمس ایسے قحطانی سرداروں کی پالیسیاں بے نتیجہ ہوتی جارہی ہیں۔بیرونی اقوام اور حکومتیں، مذہبی راہنما، یہود و نصاریٰ کے سردار و علما جناب ہاشمؑ کی مالا جَپ رہے ہیں، سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔اپنی بیٹیاں پیش کر رہے ہیں، مراسلت ہو رہی ہے، وفود آرہے ہیں۔ان حالات سے قحطانی قریش کا دانشور طبقہ بوکھلا اُٹھا۔کعبہ کی مختلف خدمات اور انتظامات پر قبضے کے باوجود قوم وملت میں اُن کا کوئی مقام نہ تھا، کوئی پسند نہ کرتا تھا۔کوئی اس مشرک اور بت پرست غول کو گھاس نہ ڈالتا تھا۔لوگ اُن کی دی ہوئی ضیافتیں دعوتیں کھا کر چل دیتے، زبانی تعریف کر دیتے۔مگر سَر ھاشمؑ اور خانوادہ رسولؐ کے سامنے جھکاتے۔آخر ایک چال چلی گئی اور سوچا گیا کہ دولت کے سہارے ہاشمؑ کو نیچا دکھایا جائے۔چونکہ وہاں دولت جمع نہ ہوتی تھی۔بلکہ پبلک کی احتیاج، خانہ کعبہ کی رسومات، حج ومناسک حج، مسافروں اور غیر ملکی وفود و زائرین پر صرف ہوتی چلی جاتی تھی۔اِدھر یہودی ذہنیت تھی، سود خوری تھی۔ہر شرابی، ہر رنگین مزاج آدمی قحطانی قریش کا مقروض تھا۔لہٰذا خیال یہ آیا کہ ہاشمؑ کے مقابلہ پر ایک دعوت کی جائے۔اور پھر پنچایت بٹھا کر اپنی دعوت کے زیادہ شاندار ہونے پر ووٹ لیا جائے۔ظاہر ہے کہ ہمارے مقروض لوگ تو ضرور ہمیں ووٹ دیں گے۔اور یوں پالا ہمارے ہاتھ رہے گا۔ہاشمؑ کو شکست ہوگی اور اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ قریش شرافت واخلاق وعزت میں ہاشمؑ سے بڑھ کر ہیں۔لہٰذا پنچایتی فیصلے سے قریش اور خانوادہ رسولؐ میں فضیلت کا مقابلہ طے کرلیا گیا۔مگر افسوس کہ نور کے مقابلہ میں شرک کو شکست ہوئی۔

(xviii)۔ خانوادہ رسولؐ سے قریش کی نفرت وعداوت کا پنچایتی فیصلہ

عبدالشمس کے صاحب زادے اُمیہ نے تمام جوڑ توڑ اور اپنے خاندان اور اپنے حلقہ اثر کو آنے والی پنچایت کیلئے تیار کرنے کے بعد جو کچھ کیا وہ طبری سے سن لیں۔اور یہ دیکھ لیں کہ یہی اُمیہ ہے جس کا پوتا ابوسفیان تھا۔اُسی کا پوتا معاویہ تھا جس نے یزید کو جنم دیا تھا۔طبری نے لکھا:۔

(xix)۔ ''ھاشمؑ اور اُمیّہ میں منافرت'' ''جب ہاشمؑ نے اپنی قوم کی دعوت کی تو اس پر امیہ بن عبدالشمس کے دل میں اُن کی طرف سے حسد پیدا ہوا۔یہ بھی دولت مند تھا۔اُس نے اگرچہ بڑے اہتمام سے اپنی قوم کی ویسی ہی دعوت کی مگر وہ بات نہ ہوسکتی جو ہاشمؑ سے بَن آئی۔قریش کے بعض لوگوں نے اُس کا مضحکہ کیا۔وہ سخت برہم ہوا اور ہاشمؑ کا دشمن ہوگیا۔اور (ہاشمؑ سے) مطالبہ کیا کہ اِس کے متعلق

پنچایت سے فیصلہ لیا جائے۔ ہاشمؑ نے اپنی بزرگی اور عزت کی وجہ سے اُس بات کو بُرا سمجھا۔ مگر قریش (قحطانیوں) نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اُنہیں جوش دلا کر اس بات پر آمادہ کر دیا۔ ہاشمؑ نے کہا میں اس شرط پر اس مقابلہ کو پنچایت کے سپرد کرتا ہوں کہ تم کو سیاہ گردن کی پچاس اونٹنیاں مکہ کی تلہٹی میں ذبح کرنا پڑیں گی۔ اور دس سال کے لئے مکہ سے ترک سکونت کرنا پڑے گی۔ اُمیہ نے یہ شرط مان لی۔ اور اب دونوں نے کاہن الخزاعی کو اپنے درمیان حکم بنایا۔ اُس نے ہاشمؑ کے حق میں فیصلہ کیا۔ ہاشمؑ نے اُمیہ سے اُونٹ لے کر اُن کو ذبح کیا۔ اور حاضرین کی اس سے دعوت کی۔ اُمیہ شام چلا گیا۔ دس سال وہ وہاں رہا۔ ھاشمؑ اور امیہ میں عداوت کا یہ پہلا واقعہ ہے۔''

(طبری جلد اوّل صفحہ 38-37)

(xx)۔ طبری کے بیان کی تطہیر؛ ملک شام اور دشمنانِ خانوادہ رسولؐ کا تعلق

اس بیان میں ہاشمؑ کی قوم اور اُمیہ کی قوم کا الگ الگ ذکر ہے۔ پھر قریش اُن کو بھی کہا جنھوں نے اُمیہ کا مذاق اُڑایا تھا۔ اور وہ لوگ بھی قریش ہی بتائے گئے جنھوں نے حضرت ہاشم علیہ السلام کا پیچھا نہ چھوڑا۔ قارئین یقیناً اب اس قابل ہیں کہ وہ اُس لفظ قوم اور قریش کا صحیح تعین کر سکیں۔ دراصل ہر جگہ قحطانی اور دشمن گروپ از خود پہچان لیا جاتا ہے۔ حضرت ھاشمؑ ہی نہیں بلکہ پنچایت کے فیصلوں کو اسلام نے کوئی مقام اگر دیا ہے تو وہ طاغوتی فیصلہ کا مقام ہے۔ جسکی اطاعت منع اور جس کا انکار اور کفر واجب ہے۔ علاوہ ازیں جناب ھاشمؑ یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ اُس دشمن خاندان اور مخالف قوم کے سربراہ کو منہ لگائیں۔ اور پبلک کو یہ تاثر دیں کہ یہ دونوں خانوادے ایک دوسرے کی ضد میں نیک اعمال کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت ہاشمؑ اور اُنکے بزرگ ہر ایسے موقعہ پر پیچھے ہٹ جاتے تھے جہاں خلوص اور دینی جذبہ پر ریاکاری اور ضد کا شبہ تک ہو سکتا ہو۔ یہی جذبہ تھا جس کی بنا پر کعبہ کی اکثر خدمات اور عہدے اُن قریشیوں نے قبضا لئے تھے۔ لیکن قریش کے دانشور سیاسیین نے یہ چاہا کہ جس طرح ہو سکے ایک دفعہ جناب ہاشمؑ کو امیہ کے مقابلہ کیلئے تیار و ہموار کر لیا جائے۔ تاکہ منطقی اور سیاسی حیثیت سے یہ کہا جا سکے کہ اگر امیہ و ھاشمؑ دونوں برابر کے فریق نہ ہوتے تو مقابلہ کیسے ہوتا؟ دونوں فریق جانتے تھے کہ امیہ اینڈ کمپنی کو شکست فاش ہوگی۔ مگر قریش آئندہ چل کر برابری کے دعویٰ کے لالچ میں سب کچھ ہار جانے کو تیار تھے۔ یہی دن ہے کہ تاریخ میں ایک ذلیل ترین قوم و خاندان، خانوادۂ رسولؐ کا مدمقابل اور برابر کا کہلانے میں کامیاب ہوا۔ اُدھر جناب ھاشمؑ اگر صاف انکار کر دیں تو پبلک میں یہ تاثر لیا جاتا کہ خانوادہ رسولؐ کا اثر ورسوخ اور قدر کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور جناب ہاشمؑ کو معاذ اللہ یہ یقین ہے کہ ملکی و قومی معیار پر اُنکو ضرور شکست ہوگی۔ یعنی مشرک مدبرین نے یہ دودھاری تلوار جناب ہاشمؑ کے سامنے پیش کی تھی۔ جس سے اقرار و انکار دونوں ہی صورتوں میں مشرکین قریش کی گوٹ آگے بڑھے اور خانوادہ رسولؐ مجروح ہو۔ اور مالی نقصان اور پھر سربراہ خاندان کا دس سال تک جدا رہنے پر مجبور رہنا بعد والی نسل یعنی ابوسفیان و یزید تک کے دلوں میں خانوادہ رسولؐ سے نفرت میں شدت اور استقلال پیدا کرے۔ اور ملک شام سے وہ محبت اور مستحکم ہو جائے جو حمیر و حیرہ کی اپنی قحطانی حکومتوں کے زمانہ سے چلی آ رہی تھی۔ جو برابر بنی اسماعیلؑ کی نبطی وغسانی حکومتوں سے برسرِ پیکار رہتی چلی آئی تھیں۔ تاکہ ملک شام میں قائم ہونے والا اسماعیلیؑ اثر زائل کیا جائے اور اُنکے خلاف وہاں کی پبلک کو قبل از وقت تیار کر لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک شام کی گورنری اور حکومت حاصل کرنے پر قحطانی حکومت کو آمادہ کیا گیا۔

وہ ملک شام ہی تو تھا جہاں خانوادۂ رسولؐ کی مخدراتِ عصمتؑ وتیبموں پر مظالم کی انتہا کردی...،لفظ شام ہی تو تھا کہ اَلشَّام اَلشَّام کہہ کر دل تڑپ اٹھتا تھا۔ وہ شام ہی تو تھا جہاں بیٹھ کر قحطانی حاکم نے مکہ کو تاراج کرنے اور کعبہ کو گولہ باری سے خاک سیاہ کردینے کا حکم دیا تھا۔

یہ قطعاً غلط ہے کہ پنچایت کا فیصلہ سب سے پہلی دشمنی تھی۔ یہ دشمنی تو ابلیس کی عمر کے برابر طویل وقدیم ہے۔اور ہمارے اس عنوان سے اڑھائی ہزار سال پرانی ہے۔ یہ بھی غلط ہے کہ پنچایت کے حاضرین کی دعوت میں پچاس اونٹنیوں کا گوشت کھلا دیا گیا۔اس مقدار کے لئے مکہ کی اور گردونواح کی پوری آبادی کی دعوت کی گئی اور سب نے مل کر مشرکین قریش کی دشمنی پر نفرین کی۔حضرت ہاشمؑ نے اُس مشرک سے اونٹنیوں کو اس لئے ذبح نہ کرایا کہ اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہوتا تھا۔

(xxi)۔ خانوادہ رسولؐ کے بزرگ جناب عبدالمطلبؑ سے قریشِ مکہ کی دشمنی

حضرت ھاشمؑ کے جانشین امام جناب شیبہ عرف عبدالمطلب علیہ السلام ہوئے تو مکہ میں اُن کے خاندان کے خلاف مشرکین قریش کی سازشوں اور گٹھ جوڑ کا زور تھا۔اُدھر ظہور حضرتؐ ختمی مرتبت کی تیاریاں تھیں۔پوری خاندانی توجہ مبذول کرنے کی غرض سے کعبہ کے انتظام کو آہستہ آہستہ مخالفین کی طرف کھسکایا جارہا تھا۔چونکہ اب پھر خزاعی قسم کے قحطانی قریشی لبادہ میں کعبہ کے نظم ونسق میں دخیل تھے۔لہٰذا کعبہ میں وہ تمام بت واپس آگئے جو جناب قصی علیہ السلام نے بنوخزاعہ کے ساتھ مکہ سے نکال دئے تھے۔اب جرھمی وخزاعی زور قریشی ہاتھوں میں تھا۔اب وہ سابقہ فسق وفجور بنی اسماعیل کے نام پر کیا جارہا تھا۔خانوادہ اسماعیلؑ سب طرف سے فارغ ہوکر اُس امانتِ خداوندی اور اُس ثمرۂ نبوت ورسالت وامامت کی طرف متوجہ تھا جو آکر نہ صرف کعبہ کو بتوں اور مشرک قریش سے پاک کردیگا بلکہ اُن قحطانیوں کو اُنکا صحیح مقام دیگا، جو اولادحام یعنی حبشیوں کو قریش پر فضیلت دیکر اُن پر سردار وحاکم مقرر کریگا۔جسے بادشاہِ حبش سجدہ تعظیم بجا لائے گا۔اور اسلام لانے والوں کو پناہ دیگا۔لہٰذا ہاشمؑ ہوں یا عبدالمطلبؑ ہوں، اُنہوں نے مکہ کی حکومت وولایت ونظم ونسق سے درپردہ اور عملی لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔اور قریش اس مغالطہ میں اُلجھے ہوئے تھے کہ بس اب میدان مارا اور کل ساری دنیا میں ہماری ملکی حکومت چمکی۔مگر یہ ایک خواب تھا جس کی تعبیر ذلت وخواری تھی، جہنم ورسوائی تھی۔لیکن وہ اس خواب میں حد سے بڑھتے جارہے تھے۔کعبہ پر قبضہ اُن کیلئے کافی نہ تھا۔وہ تو خانوادۂ رسولؐ کو بے دست وپا اور مجبور کرکے مکہ سے اُسی طرح جلاوطن کرنے کی ٹھانے ہوئے تھے جس طرح اُنکے بزرگ جناب قصیؑ نے قریش کے قحطانی بزرگوں جرھم وخزاعہ کو مکہ سے نکالا تھا۔اور اپنی غصب شدہ املاک ومکانات پر اپنا قبضہ کرلیا تھا۔چنانچہ جناب عبدالمطلبؑ کی ذاتی املاک پر یکے بعد دیگرے قبضہ کیا جارہا تھا۔اور دوسرے لالچی اور صاحبانِ قوت کو قبضہ کرلینے پر اُکسایا جارہا تھا۔اور تمام قریش مل کر ایسے لوگوں کی مدد کرتے تھے جو خانوادۂ رسولؐ کی املاک وجائیداد پر قبضہ کرلیں یا لگان اور مالیانہ ادا کرنے سے انکار کردیں۔چنانچہ علامہ طبری کے قلم سے وہ کمزور بیان سُن لیں جو قحطانی دباؤ کے باوجود جتنا مناسب ہوا لکھا گیا ہے۔

(xxii)۔ خانوادۂ رسولؐ مکہ میں نہیں مدینہ میں تھا۔یہاں تو حاکم خاندان کے چند افراد تھے

علامہ طبری اُس زمانہ کی بات کررہے ہیں جب جناب عبدالمطلبؑ کو جناب مطلبؑ اُن کے نانا کے یہاں سے مکہ لائے۔

مدینہ سے آنے کے وقت وہ طبری کے مطابق آٹھ سال کے بچے تھے۔لہٰذا اس یتیم بچہ پر قریش کا ظلم سنئے:۔

''مکہ آ کر مطلبؑ نے اسے اس کے باپ کی املاک کی نشان دہی کی اور ان املاک کو اُن کے سپرد کر دیا۔نوفل بن عبد مناف نے ایک کنویں کے بارے میں عبدالمطلب سے تنازعہ کیا۔اور زبردستی اُسے غصب کر لیا۔عبدالمطلبؑ نے اپنی (نام نہاد) قوم کے کئی آدمیوں کے پاس جا کر اُس (غاصب) کی شکایت کی اور اپنے (نام نہاد) چچا کے مقابلہ میں مدد مانگی۔مگر اُن لوگوں نے اُس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔اور اُس سے کہا کہ ہم تمہارے اور تمہارے (اس فرضی) چچا کے درمیان نہیں پڑتے۔اس جواب پر عبدالمطلبؑ نے اپنی حالت اپنی ننہیال کو لکھی اور خط میں چند ایسے شعر بھی لکھے جس میں نوفل کی شکایت کی تھی۔چنانچہ اس خط کے موصول ہونے کے بعد ابو اسعدؑ ابن عدس النجّاری اَسّی (80) ناقہ سواروں کے ساتھ یثرب سے روانہ ہو کر ابطح آیا۔عبدالمطلبؑ کو اُس کے آنے کی اطلاع ہوئی۔وہ اُس کے استقبال کو آئے اور انہوں نے کہا کہ ماموں صاحب قیام فرمائیے۔ابو اسعدؑ نے کہا جب تک نوفل سے میری مڈبھیڑ نہ ہو جائے گی میں فروکش نہ ہوں گا۔عبدالمطلبؑ نے کہا میں نوفل کو قریش کی بیٹھک میں قریش کے مشائخ کے ساتھ بیٹھا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں۔ابو اسعد حجر آیا۔نوفل کے سرہانے آ کر کھڑا ہوا۔اور اُس نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی۔اور پھر نوفل سے کہا کہ ربّ کعبہ کی قسم ہے۔یا تو میرے بھانجے کو اُس کا کنواں واپس دیدے۔ورنہ میں ابھی اس تلوار سے تیرا کام ختم کر دیتا ہوں۔نوفل نے کہا ربّ کعبہ کی قسم ہے میں نے وہ کنواں اُسے واپس دے دیا۔اس پر تمام حاضرین قریش کی شہادت (گواہی) ہو گئی۔اس کے بعد ابو اسعدؑ نے کہا اے میرے بھانجے اب میں تمہارا مہمان بنتا ہوں۔تین دن اُس نے عبدالمطلبؑ کے یہاں قیام کیا۔اور اسی اثناء میں اُس نے عمرہ (چھوٹا حج) بھی کیا۔اس واقعہ کے بیان میں عبدالمطلبؑ نے چند شعر کہے۔اور سمرہ بن عمیر ابو عمرو الکنانی نے بھی کچھ شعر کہے۔اس واقعہ کا خود نوفل پر یہ اثر ہوا کہ اُس نے تمام بنی عبدالشمّس سے بنی ہاشمؑ کے خلاف ایک سمجھوتہ کر لیا۔'' (طبری۔جلد اوّل صفحہ 35-34)

(xxiii)۔ مکہ میں دشمنانِ خدا و رسولؐ رہتے تھے۔خانوادہ رسالت کی پوری قوت مدینہ میں تھی

قارئین کرام سُنیں کہ یہ ایسا واقعہ ہے کہ جو قحطانیوں، جرہمیوں اور قریشیوں کے تمام راز کھول دیتا ہے۔دُنیا کو جس قدر فریب دیا گیا تھا وہ ہماری اس کتاب سے کھل کر سامنے آ جائے گا۔طبری صاحب جس حکومت کے زمانہ میں تاریخ لکھ رہے ہیں اس حکومت کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں لکھ سکتے۔وہ قومی پالیسی کے خلاف بھی نہیں لکھ سکتے۔وہ ملکی مسلمات کے خلاف لکھنے سے بھی ڈریں گے۔وہ بھی ان مغالطوں کو حقائق سمجھتے ہیں جو مشرک نظام نے ورثہ میں دئے تھے اور جس میں شیعہ سنی تمام اہل قلم الجھے بغیر نہ رہ سکے۔لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود انہوں نے سب کچھ لکھ دیا۔یہ دوسری بات ہے کہ قسطوں پر لکھا، یا واقعہ کو توڑ توڑ کر اور بکھیر کر لکھا۔لہٰذا آپ خود غور کریں کہ جو مؤرخ بلا تکلف ہر گھٹیا سے گھٹیا شعر لکھتا چلا آیا ہو، جس نے مضاض کے لگوں سگوں کے وہ شعر بھی لکھ دئے ہوں، جن میں مکہ کی تولیت اور حکومت غصب کرنے کا ذکر تھا۔وہی مؤرخ یہاں عبدالمطلبؑ کے اشعار کیوں نہیں لکھتا؟ ظاہر ہے کہ اُن سے مکہ کے فرضی اور کافر بزرگوں کی پول کھلتی ہے۔اُن میں اُن الحاقی خاندانوں کی مذمت ہوتی ہے جو بڑی ہنرمندی سے اسماعیلی اور چچا، تایا اور رشتے دار بن بیٹھے تھے۔اس قسم کے خبیث لوگوں کو اسلئے چچا مشہور کیا گیا تھا کہ بعد میں کہہ سکیں کہ فلاں چچا ایمان نہ لایا تھا۔فلاں چچا نے یہ ظلم کیا

تھا۔لہٰذا سنئے اوراس کتاب کے آغاز سے یہاں تک کے عملی دلائل سے سمجھئے کہ ابولہب جیسے چچا کافروں کو مبارک ہوں۔اُنکا خانوادہ رسولؐ سے کوئی نسبی ،حسبی اور سسرالی رشتہ نہیں تھا۔ یہ سب مشرکین عرب کی جعلسازی ،سیاست و پروپیگنڈا ہے ، یہ کافروں یا کافرزادوں کی سازش تھی۔اگر کسی کو کافرزادہ کہلانا پسند نہیں ہے تو اُسے چاہئے کہ وہ ہمارے آقا ، ہمارے جدامجد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافر زادہ کہنے والوں پر لعنت کرے ورنہ اپنی اس سعادت پر جہنم کیلئے تیار رہے۔شریف لوگ تو اندھے کو بھی اندھا نہیں کہتے۔مگر شرافت اور شرک کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اس بیان میں جس گروہ کے ساتھ نوفل نے خانوادہ رسولؐ کے خلاف معاہدہ کیا ہے وہی گروہ حقیقی قریش ہے۔وہی قریش رسولؐ اللہ کے خاندان کے وہ ازلی دشمن ہیں جنہیں قحطانی لکھتے اور ثابت کرتے چلے آئے ہیں۔آخر اس معاہدہ سے یہ لوگ بنی اسماعیل سے الگ ایک دشمن قوم اور بنو اسماعیل کا مخالف خاندان ثابت ہو گیا جو خانوادہ رسولؐ کے یتیموں اور بے یارومددگار بچوں پر بھی رحم نہ کرے گا۔قحطانی تاریخ اس معاہدہ کی تفصیلات اور شرائط کیوں لکھے؟ جب کہ ماہرین سیاسیات و مذہبیات خود سمجھ سکتے ہیں کہ(1)اگر آئندہ خانوادہ رسولؐ کی املاک یا اموال پر صاحبان معاہدہ میں سے کوئی قبضہ کرے؛ (2)یا خانوادہ رسولؐ کے کسی فرد کو قتل کرے تو جائز و ناجائز کا سوال اٹھائے بغیر قریش کے تمام خاندان اُس غاصب و قاتل کی منظّم و مستحکم مدد کریں گے۔خواہ مقابلہ مکہ کے اندر رہنے والوں سے ہو یا مدینہ کے نبطی اسماعیلیوں سے ہو۔(3)قریش حلف اٹھاتے ہیں کہ وہ اپنی جان و مال، دین وایمان، اولاد وازواج سب کو خانوادۂ رسولؐ کے خلاف استعمال کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔یہ تھا وہ معاہدہ جو ظہور محمدیؐ سے پہلے کیا گیا۔اور جسے قریش نے ہر حال میں اور ہر زمانے میں اعلانیہ یا خفیہ برابر پورا کیا۔ایک خلیفہ وقت جب اپنے بزرگوں کو پکار کر یاد کر رہا تھا تو اس معاہدہ والے بزرگ بھی اس کے سامنے تھے۔وہ چاہتا تھا کہ اس کے تمام بزرگ جمع ہو کر وہ کچھ دیکھتے جو اُس نے اس معاہدہ کی تعمیل میں خانوادہ رسولؐ کے ساتھ کیا تھا۔وہ اُن مشرک بزرگوں کی خوشنودی اور دعائیں اور برکتیں چاہتا تھا۔(دیکھئے اسی کتاب کا حصہ۔واقعاتِ کربلا)

بتایئے کل جو لوگ نوفل کے ساتھ ایسا معاہدہ کرنے والے تھے۔وہ حضرت عبدالمطلبؑ کی مدد کیسے کرتے۔بڑا خوبصورت بہانہ تھا کہ بھائی اُس سن رسیدہ شخص کو اور کچھ نہیں تو چچا سمجھ کر بات ٹال جاؤ ایک کنویں کو یا ایک باغ کو واپس لے کر کیا تیر مارو گے؟ یہاں یہ نوٹ رکھنے کی بات ہے کہ قریش خانوادہ رسولؐ کے املاک واموال کو غصب کریں تو یہ اسی مندرجہ بالا معاہدہ کی تعمیل ہو گی اور قریش اور اُن کے ہمنوا، اگر رسولؐ اللہ کی حکومت و وراثت کے غاصبوں کے خلاف نہ اُٹھیں اور ایسے مظالم پر خاموش رہیں بلکہ قریش کی مدد کریں اور خانوادہ رسولؐ کو دبانے میں کوشاں ہوں تب بھی اسی معاہدہ اور سنت پر عمل سمجھا جائے گا۔

یہاں وہ بات پھر یاد کریں کہ آنحضرتؐ اور مدینہ کے اوس وخزرج جناب نابت بن اسماعیلؑ کی اولاد سے نبطی یا نابتی ہیں۔اور اسی بنا پر جناب ہاشم علیہ السلام نے قیصر روم کی دُختر سے نکاح نہ کیا تھا کہ نور محمدیؐ کو اپنے خاندان کے ارحام طاہرہ میں منتقل کرنا تھا۔اُسی طرح جناب عبدالمطلبؑ نے اپنے اُسی نبطی خاندان میں شادی کی تھی۔جن سے جناب عبداللہ اور ابو طالب علیھما السلام پیدا ہوئے تھے۔چنانچہ سید سلیمان صاحب ندوی اوس وخزرج کے نمایاں افراد کی فہرست دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عمرو بن خزرج بنونجار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ننہیالی لوگ ہیں۔'' (ارض القرآن جلد 2 صفحہ 87)

یہی وہ خاندان ہیں جنہوں نے آخر کار اپنے قبیلے کے رسولؐ کی نصرت میں سردھڑ کی بازی لگادی اور مکہ کے قحطانی قریشیوں سے اُسی طرح ہتھیار رکھوالئے جس طرح جناب ابو اسعدؑ نے مکہ میں مسلح آکر نوفل کو اپنی تلوار دکھائی تو تمام قریشیت اور ظلم واستبداد بھول گیا۔اور سارے مشائخ قریش دم دبا کر چپ سادھ گئے اور صرف اَسّی نبطیوں کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ کبھی نہ بھولئے کہ مکہ مکرمہ میں بنو عبدالمطلبؑ کے سوا کوئی بھی شخص بنی اسماعیلؑ میں سے موجود نہ تھا۔ یہ سب بزدل اور کمینہ خصلت دشمن تھے۔محض مکہ کی تولیت کی بنا پر خانوادہ رسولؐ مکہ میں رہنا چاہتا تھا۔

طبری کے اس بیان میں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ جب جناب ابو اسعدؑ نواح مکہ میں پہنچے تو جناب عبدالمطلبؑ کو اس مسلح جماعت کے پہنچنے کی اور استقبال کرنے کی اطلاع کیسے ہوئی؟ اور باقی مکہ کے کسی باشندہ کو اس مسلح جماعت کے پہنچنے اور بیرون مکہ انتظار کرنے کی اطلاع کیوں نہ ہوئی؟ اس سے خانوادہ رسولؐ کی عسکری بصیرت کا ثبوت ملتا ہے۔ یہاں وہ بات بھی یاد کیجئے کہ جناب قصیؑ نے بھی اپنے ہم نسب قبیلے بنی قضاعہ کو اپنی نصرت کیلئے بلایا تھا اور اُس زمانہ میں بھی قحطانی قریش مکہ میں جمے ہوئے تھے اور کچھ فرضی بھائی اور چچا بھی وہاں موجود بتائے جاتے تھے۔یعنی خانوادہ رسولؐ کے چچا اور بھائی وہ لوگ بننے کی کوشش کیا کرتے ہیں جو اس خاندان سے زیادہ موثر طریقہ پر انتقام کی اسکیم بناتے ہیں۔ پھر طبری یہ تذکرہ بھی مناسب نہیں سمجھتے کہ جب نوفل نے ہاتھ جوڑ کر قریش کی گواہی لکھوا کر کنواں واپس کر دیا تو کیا ابو اسعدؑ اکیلا جناب عبدالمطلبؑ کا مہمان ہوا تھا۔اور باقی اَسّی سواروں کو بھوکا پیاسا واپس چلتا کر دیا تھا۔ یہاں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ کے پاس پوری فوج کو ٹھہرانے اور اُن کیلئے طعام اور گھوڑوں اور ناقوں کیلئے چارہ کا باقاعدہ انتظام تھا۔اس موقعہ پر عبدالمطلبؑ کی جگہ کوئی قریشی ہوتا تو حجرہ (بیٹھک) میں موجود تمام لوگوں کو معہ نوفل اینڈ کمپنی کے قتل کروا دیتا۔اور اُن کے گھر بار لوٹ لیتا۔مگر یہ تو وہ لوگ ہیں جو رسولؐ اللہ کے بزرگ ہیں۔جن سے خود بادشاہ دو عالم کو مکارم اخلاق ورحم وکرم ورثہ میں ملنے والا تھا۔یہ کیسے دشمن کو قتل کر دیتے۔ یہ تو قاتل کو شربت پلایا کرتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ مکہ آکر یہ چھوٹی سی فوج محض تفریح نہیں کرتی بلکہ عمرہ بجالاتی ہے۔اور اُسی کے رعب سے نوفل بجائے بتوں کے، رب کعبہ کی جوابی قسم کھاتا ہے۔تاکہ حضرت ابو اسعدؑ کے غصے کو ٹھنڈا کر سکے اور اپنی جان کھنچی ہوئی تلوار سے بچا سکے۔ پھر یہ کتنی شاندار بات ہے کہ جب تک اپنے سفر کی غرض پوری نہ کر دی، مظلوم کو ظالم سے اس کا حق نہ دلایا، مہمانی قبول نہ کی۔ یہ ہیں وہ پہلو جو طبری اور دیگر مؤرخین نے آنیوالے اہل قلم کیلئے چھوڑ دیئے تھے۔

(xxiv)۔ خانوادہ رسولؐ کی املاک غصب کرنے کی دوسری صورت

قریشی شیخ نوفل کے متعلق صرف ایک کنواں غصب کرنے کا ذکر کیا گیا تھا لیکن حقیقت صرف اِسی قدر نہ تھی۔خانوادہ رسولؐ کی املاک کے ساتھ وہی کچھ کیا جاتا رہا جو ہم نے عنوان (xxi) میں لکھا ہے۔مگر چونکہ دشمنانِ خدا اور رسولؐ صورت وشکل اور نام والقاب بدل کر برابر باقی رہے۔تاریخ اور مؤرخین پر اُن کا قبضہ رہا۔اس لئے اُن کے مظالم اور جرائم کا ہم تک پہنچ جانا خداوندِ قدیر کا معجزہ اور خانوادۂ رسولؐ کا زبردست انتظام ہے۔ بہرحال ایک کنویں کے بجائے چند تالابوں اور چند بڑے کنوؤں کا دبا بیٹھنا ایک دوسری روایت سے

ملاحظہ فرمائیں۔طبری لکھتے ہیں:۔

''واقعہ یہ ہوا تھا کہ نوفل بن عبد مناف نے عبدالمطلبؑ کے کچھ جوہڑ (تالاب) زبردستی لے لئے۔عبدالمطلب کی ماں سلمٰی بنت عمر والنجار قبیلہ خزرج کی تھیں۔عبدالمطلبؑ نے نوفل سے انصاف کی درخواست کی مگر نوفل نہ مانا۔عبدالمطلبؑ نے اپنے ماموؤں سے شکایت کی اور اُن سے مدد مانگی۔اَسّی (80) شتر سوار یثرب سے مکہ آئے اور انہوں نے اپنے اونٹ کعبہ کے صحن میں لا کر بٹھائے۔نوفل نے جب اُنکو دیکھا تو اُسکے دل میں اُنکی جانب سے شبہ پیدا ہوا۔اُس نے سلام کیا۔انہوں نے کہا کہ تم جب تک ہمارے بھانجے کا حق واپس نہ دو گے ہم تمہارے سلام کا جواب نہیں دیتے۔اُس نے کہا کہ میں آپ لوگوں کی تعظیم وتکریم کے خیال سے ایسا کیئے دیتا ہوں۔اور اُس نے وہ باؤلیاں عبدالمطلبؑ کو واپس کر دیں۔اس تصفیہ کے بعد وہ لوگ اپنے گھر چلے گئے۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 36-35)

(xxv)۔ خاندان رسولؐ کے ساتھ قریش نے کبھی عدل وانصاف روا نہیں رکھا

یہاں یہ معلوم ہوگیا کہ جناب عبدالمطلبؑ نے نہ صرف قریش کے باقی لوگوں سے حق وانصاف کی اپیل کی تھی۔ بلکہ یہ اپیل اُس وقت کی تھی جب نوفل نے انصاف کرنے اور مقبوضات واپس کرنے سے انکار کر دیا تھا۔اور جب کوئی اصلاحی راستہ اور طریقہ نہ رہا تب اپنے خاندان سے مدد طلب کی تھی کہ مدینہ میں ظلم وتعدی سے نپٹنے والے لوگ رہتے تھے۔یہی تو رسولؐ اللہ نے اپنے زمانہ میں کیا تھا۔جب قریش کسی طرح حق اور انصاف پر آمادہ نہ ہوئے تو حضورؐ نے مدینہ سے اپنے خاندان کی مدد طلب کی تھی۔اور قریش جانتے تھے کہ اگر محمدؐ اپنے اہل خاندان تک جا پہنچا تو پھر مکہ کے مشرک قریش کی خیریت ختم ہو جائے گی۔اس لئے انہوں نے آپؐ کو قتل کر ڈالنے کی اسکیم بنائی تھی لیکن وہ ناکام رہے۔ناکام صرف قتل میں رہے۔اور اس ناکامی کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ حضرتؐ ختمی مرتبت نے ایک نگران دوست کو اپنے ساتھ چپکا لیا۔

اس تازہ بیان میں جو بات زیادہ غور طلب ہے وہ نوفل کا ڈر کر سلام کرنا۔یعنی اس کے دل میں چور تھا۔مگر وہ کافر سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتا ہے۔یعنی اگر یہ مسلح لوگ خود اُس کے خلاف ہتھیار بند ہو کر آئے ہیں تو یقیناً یہ سلام کا جواب نہ دیں گے۔لہٰذا اُس نے صرف ایک عدد منافقانہ سلام کر کے مخالف گروہ کے دل کا حال معلوم کر لیا۔اسکے بعد وہی ہوا جو آپ نے پڑھ لیا ہے۔دوسری چیز یہاں یہ حقیقت ہے کہ کفار ومنافقین اور دشمنانِ رسولؐ وہ تمام عادات وخصلتیں جانتے تھے جو اسلام کے پابند لوگوں میں پیدا ہونا ضروری تھیں۔اور اُن کی دشمنانہ کاروائیوں کی کامیابی کا راز یہی عادات اور خصلتیں تھیں۔یعنی یہ لوگ اپنے ہر اقدام کا ردعمل پہلے سے جان لیتے تھے۔اُنہیں برابر صدیوں سے اُس مستقل اُسوۂ حسنہ کا تجربہ تھا۔وہ جانتے تھے کہ اہل اسلام اُس اسوہ کے خلاف نہیں کر سکتے۔لہٰذا یہ کفار اپنے منصوبوں میں اس اسلامی ردعمل کو مدنظر رکھتے۔اور اُدھر سے وہی قدیم سلوک ہوتا۔یہ دوسرا اقدام کرتے پھر پہلے سے معلوم شدہ ردعمل ہوتا۔یوں یہ اپنے مظالم اور قتل ونہب میں کامیاب ہوتے چلے جاتے تھے۔یہاں بھی نوفل کو یقین تھا کہ اگر اُس کے منافقانہ سلام کے جواب میں اُس مشکوک، خطرناک اور مسلح گروہ نے وعلیکم السلام (اور تم پر بھی سلامتی ہو) کہہ دیا ہوتا تو پھر اُن کی تلواریں اُس کے خلاف نہ اُٹھیں گی۔وہی ہوا کہ مخاطب گروہ نے سلام کا جواب نہ دیا اور چونکہ فریقین ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اس لئے اپنا مقصد بلا تمہید بیان کر دیا۔اور نوفل

کے پاس سوائے سر جھکانے کے اور کوئی سہارا نہ تھا۔ اُس ملعون کا فر کا یہ قول نوٹ کرنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ یہ شخص ہرگز خانوادہ رسوؐل کا فرد نہیں ہے۔ ورنہ یہ نہ کہتا کہ اس پر خانوادہ رسولؐ کے اُن افراد کی تعظیم وتکریم واجب ہے۔ جن کو کبھی کسی بزرگی سے منسوب نہ کیا گیا تھا۔ بلکہ اہل مکہ انہیں قحطانی بناتے اور بتاتے چلے آئے تھے۔

اس روایت میں ایسے قرائن موجود ہیں جن سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سابقہ کنویں پر قبضہ کا قصہ اس واقعہ کے بعد کا ہے۔ اسلئے کہ اُس میں پہلے نمبر پر بات چیت اور مصالحت کی جگہ پہلے تلوار کھینچ لی گئی تھی۔ تا کہ یہ ظالمانہ قبضہ کرتے رہنے والا گروہ مسلح مدافعت کا یقین کرلے اور آئندہ ایسا نہ کرے۔ بہرحال یہ تو ثابت ہو گیا کہ محمدؐ وآل محمدؐ کی املاک، جائیداد اور مقبوضات کو غصب کرنا نئی بات نہ تھی۔ بلکہ عرب کے قحطانی قریش کی یہ پرانی سنت تھی۔

اس بیان میں ایک لفظ ''باؤلیاں'' بھی آیا ہے۔ نئی نسل کے جوان اس کے معنی نہیں جانتے۔ لہٰذا ایسا کنواں جس میں دیوار کے ساتھ ساتھ سیڑھیاں بنادی جاتی ہیں۔ تا کہ پانی بھرنے والے لوگ اندر جا کر اپنا برتن پانی میں ڈبو کر بھرلیں اور اوپر چلے آئیں باؤلی کہلاتا ہے۔ ایسے بہت سے کنویں تھے جن پر نوفل اور اُس کے ٹولے والے لوگوں نے قبضہ کرلیا تھا۔ اُن کو باؤلیاں کہا گیا ہے۔ باؤلا یا باولی پاگل کو کہتے ہیں۔ ایک نیا آدمی جب اُن سیڑھیوں پر گھومتا ہوا اور گہرائی پر نظر جمائے اترتا ہے تو واقعی اُس کی دماغی کیفیت چکروں میں الجھ جاتی ہے۔ اور نیچے پہنچتے پہنچتے وہ پاگل سا ہو جاتا ہے۔ ہم نے ایسی باؤلیاں سب سے پہلے حیدرآباد دکن میں دیکھی تھیں۔

(xxvi)۔ قریش کے جارحانہ معاہدہ کے جواب میں عبدالمطلبؑ نے بھی دفاع کیا

نوفل اور بنوعبدالشمّس یعنی یزیدی خاندان نے جب خاندانِ رسولؐ کے خلاف معاہدہ کرلیا تو جناب عبدالمطلب علیہ السلام نے ایسے لوگ تلاش کئے جو ضرورت پڑنے پر فوری مدد کا دباؤ ڈال سکیں۔ یعنی قریش یہ نہ سمجھ لیں کہ جب تک رسولؐ اللہ کا مدنی خانوادہ مدد کے لئے پہنچے گا ہم جو چاہیں گے کرلیں گے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ قریش کے خلاف جو لوگ جھوٹ موٹ کو بھی مدد کا وعدہ کرلیں وہ قریش کے مخالف ہی ہوسکتے ہیں۔ جناب طبری اپنی مجبوریوں کے سایہ میں یوں رقم طراز ہیں کہ:۔

''اِس واقعہ سے عبدالمطلبؑ کے دل میں اپنی مدد کے لئے دوسروں کو حلیف بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ اُسؑ نے بسر بن عمرو، ورقہ بن فلاں اور بنوخزاعہ کے بعض دوسرے اشخاص کو معاہدہ کے لئے دعوت دی۔ یہ سب کعبہ میں آئے اور یہاں انہوں نے ایک معاہدہ لکھ لیا۔''

(طبری۔ صفحہ 36 جلد اوّل)۔ اس سے پہلے صفحہ پر لکھا تھا کہ:۔

''زیاد بن علاقۃ التغلبی نے جس نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا۔ یہ بات کہی ہے کہ اُس معاہدے کی وجہ سے جو اُس واقعہ کے بعد جو بنی ہاشم اور خزاعہ میں چلا آتا تھا۔ رسول اللہ صلعم نے مکہ فتح کیا تو اُسی وجہ سے رسوؐل اللہ نے بنوکعب کی مدد فرمائی تھی۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 35)

ان دونوں بیانات سے جس قدر ہمارا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ نے قریش کے مستبدانہ گٹھ جوڑ سے بچنے اور فوری مدد لینے کیلئے جن لوگوں سے معاہدہ کیا ہو اُن کو قریش کا مخالف اور انصاف دوست سمجھنا پڑے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن لوگوں میں سے کوئی شخص یا اشخاص بطور سیاسی حفظ ما تقدم کے لئے قریش نے بھی شامل کردیئے ہوں۔ دوسری چیز یہ کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اُن تمام اقدامات اور معاہدات کے ذمہ دار تھے جو اُن کے بزرگوں، عبدالمطلبؑ وغیرھم، نے کبھی بھی کئے ہوں۔

یہی مقام ہے جہاں طبری کی اس تحریر کو یاد کرنا چاہئے جہاں جناب عبدالمطلب علیہ السلام زمزم کی کھدائی کے سلسلہ میں اور پھر بعد کے ظلم وغصب سے تنگ آ کر اور مکہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پا کر خدا سے دعا کرتے ہیں اور نذر مانتے ہیں۔ طبری کا بیان ملاحظہ ہو:۔

''جب عبدالمطلبؑ کا زمزم کے کھودنے کے وقت قریش سے جھگڑا ہوا۔ اور عبدالمطلبؑ کو دبنا پڑا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اُن کے دس بیٹے پیدا ہوئے اور وہ اُن کی زندگی میں سِنّ بلوغ کو پہنچ کر اُن کی حمایت کے قابل ہو گئے تو وہ اُن میں سے ایک کو کعبہ میں اللہ کے لئے قربان کر دیں گے۔ چنانچہ جب اُن کے دس بیٹے ہو گئے اور اُن کو اطمینان ہو گیا کہ وہ اب اُن کی حمایت اور مدافعت کریں گے تو انہوں نے اُن بیٹوں کو جمع کیا اور اپنی منت سے اُن کو اطلاع دی۔ اور کہا کہ تم میری اس نذر کو پورا کرو۔ انہوں نے باپ کی خواہش کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 26)

یہاں دو باتیں خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس منت یا نذر کو خدا نے منظور کیا تھا۔ لہٰذا عبدالمطلبؑ کے بیٹوں میں سے کسی بیٹے کو ہرگز خدا کا دیا ہوا بیٹا نہ سمجھا جائے گا اگر اسکے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ عبدالمطلبؑ کی حمایت اور مدد کے بجائے قریش کی مدد اور طرفداری کرتا تھا۔ اس لئے کہ یہ نذر ایسے بیٹوں کے لئے مانی گئی ہے جو ہمیشہ ہر حال میں قریش کے خلاف عبدالمطلبؑ اور اُن کے مقاصد پر جان لڑا دیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب نابتؑ بن اسماعیلؑ کی حکومت کو غصب کرنے کیلئے دکھانا ضروری تھا کہ جناب اسماعیلؑ کی اولاد بہت نہ تھی تو یہ لکھا تھا کہ:۔

''اور چونکہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد زیادہ نہ تھی اس لئے جرھم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا تھا۔'' (صفحہ 65 جلد اوّل طبری)

یعنی جس کی اولاد میں بارہ بیٹے تھے (توریت تکوین باب 25 آیت 12 تا 16) اُس اولاد سے حکومت غصب کرنے کیلئے بہت کم اولاد بتا دی گئی۔ اور جب حکومت کو غصب کرنے کی ضرورت پڑی تو عبدالمطلبؑ کے دس بیٹے گھڑ کر تیار کر دیئے گئے۔ اسی قسم کی ضرورتیں سامنے تھیں کہ خانوادۂ رسولؐ میں الحاق جاری کیا اور بعد کے چھ سات بزرگوں کی اولاد میں دو دو چار چار مطلب کے ناموں کا اضافہ کیا۔ جو بعد والوں نے قبول کیا، شہرت دی، قصے گھڑے اور یوں بنی اسماعیلؑ بن گئے۔ دیہاتی کہتے ہیں کہ:۔

پہلے تھے ہم دُھنے جُلاھے پھر ہو گئے تھے درزی　　　اُلٹ پلٹ کے ہو گئے سیّد دیکھو رب کی مرضی

بہر حال حق کو دبایا اور چھپایا تو جا سکتا ہے۔ مگر اُس کا مٹا دینا ناممکن ہے۔ چنانچہ صدیوں تک اس قحطانی فریب نے صورتحال کو بدلے رکھا۔ اور اس میں اپنے پرائے سب شعوری یا لاشعوری حیثیت سے اس پروپیگنڈے میں شریک رہتے اور مددگار بنتے چلے آئے ہیں۔ مگر ہماری تحریر و تصنیف میں چالیس سال سے مشرکین عرب کے منصوبے بیان ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ہمیں یہ خیال رہا ہے کہ قحطانی تصورات کی کثرت اجتماعی قوت سے ہماری تصانیف کو ضبط کرنے یا بلیک آؤٹ کرنے کی کوشش کرے تو ناکام ہو جائے۔ اسلئے ہم ہر تحریر کی نقلیں جگہ جگہ محفوظ ہاتھوں میں پہنچانے کا نظام چلاتے آئے ہیں۔ چنانچہ یہ تصنیف بھی ایسی جگہ محفوظ ہوتی جا رہی ہے۔ جہاں طاغوتی ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ایک کاپی ضبط ہو جائے تو تمام ممالک سے کئی کاپیاں سر اُٹھا کر سامنے آ کھڑی ہونگی اور پھر بات عالمی (International)

سطح پر جا پہنچے گی۔اور ظالم وظلم واستبداد پر چاروں طرف سے نفرین وملامت ہوگی اور شہرہ بلند ہوگا۔لہٰذا عقل مندی اور اسلامی طریقہ یہی ہے کہ حق کو دبانے کی کوشش نہ کی جائے۔ بلکہ حق کو قبول کیا جائے اور اُس کی مدد کر کے مستحق نجات قرار دیا جائے۔اہل ایمان، ایمان کا ساتھ دیتے ہیں اور کافر کفر ونفاق کے مددگار رہوتے ہیں۔رسولؐ اللہ پر ایمان لانے والے ہرگزنہیں چاہتے کہ اُنکے رسوؐل کو کوئی کافر (معاذ اللہ) کافرزادہ کہے، کوئی انہیں خطا کار و گناہ گار ٹھہرائے۔ہم خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وعلیھم کی عظمت بیان کرتے ہیں۔اور اُن کے خلاف محاذ کی پول کھولتے ہیں۔یہ اگر جرم ہے؟ تو ہم اس جرم کو جاری رکھیں گے اور کسی قیمت پر اس جرم سے باز نہ آئیں گے۔اگر ہمیں مار دیا جائے تو کم ازکم بہتر (72) ایسے افراد تیار ہیں جو ہمارے نظام سے کما حقہ واقف اور ہمارے رفقائے کار ہیں۔جنہیں اس نظام کی سربراہی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔جن میں تین ایسے افراد ہیں جو قابلیت میں ہم سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔وہ ہمارے بعد فوراً اسی جگہ سے کام شروع کردیں گے جہاں ہم ختم کریں گے۔لہٰذا قحطانی محاذ ابلیس کی طرح مایوس ہوجائے کہ یہاں اس کا تسلط نہیں پہنچتا۔

(xxvii)۔ عبدالمطلبؑ اور قریش کی دشمنی نجاشی بادشاہ تک پہنچی

آپ نے پڑھا ہوگا کہ جب قریش نے اسلام لانے والوں کو ایذا دینا شروع کی اور پانی سر سے اونچا ہوگیا تو آنحضرؐت نے مسلمانوں کو ملک حبشہ بھیجنا شروع کیا تھا۔اور آپ نے جناب جعفرؑ بن ابی طالبؑ کو اُن کا نمائندہ بنا کر بادشاہ حبش کو پیغام بھیجا تھا۔یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا انتظار کرنے والوں میں سے نجاشی بادشاہ بھی تھا۔جس سے مسلسل خانوادہ رسولؐ کے تعلقات چلے آرہے تھے۔قریش نے اُس تجارت کے کاروبار میں بھی دخل دینا چاہا جو بیرونی ممالک سے حضرت ہاشم علیہ السلام کے ویزا کے مطابق ہوتی تھی۔اُس نزاعی مسئلہ سے نجاشی بادشاہ کو بھی اطلاع ہوئی۔لیکن وہ اُس غیر ملکی نزاع میں دخیل نہ ہوسکتا تھا۔صرف اپنے ملک کے اندر روک تھام کرسکتا تھا۔جناب طبری کو جو کچھ معلوم ہوا وہ سنئے:۔

> ''یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عبدالمطلبؑ اور حرب بن اُمیہ نے اپنے تعلقات کے تصفیہ کیلئے نجاشی الحبشی (بادشاہ) سے کہا مگر اُس نے دخل دینے سے انکار کردیا۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 38)

اِس کے بعد طبری نے جس نزاع کا ذکر کیا ہے وہ ہم ابھی لکھتے ہیں۔لیکن اس سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ حضرت ہاشمؑ کے ساتھ اُمیہ نے محاذ بنائے رکھا۔اور پنچائتی فیصلہ سے دس سال کے لئے ملک شام میں جلاوطن ہوا۔اُس کے سعادت مند بیٹے حرب نے جناب ہاشمؑ کے بیٹے عبدالمطلبؑ سے محاذ آرائی جاری رکھی۔حضرت عبدؑ اللہ، جناب عبدؑ المطلب کی حیات میں انتقال فرما گئے۔اُن کے بعد حرب کا بیٹا ابوسفیان رسوؐل اللہ کے ساتھ زندگی بھر برسر پیکار رہا۔رسولؐ اللہ کے بعد جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ ابوسفیان کا بیٹا معاویہ تلوار بکف ستیزہ کار رہا۔اور پھر آتے ہیں معاویہ کے جانشین خلیفۃ المسلمین یزید جنہوں نے مرکز انسانیتؑ سے مقابلہ کیا۔ہم نے خانوادہ رسولؐ سے دشمنی کا یہ عنوان اس لئے الگ سے قائم کیا تھا کہ رسولؐ اور ان کے خاندان سے دشمنی اور عداوت وانتقام کی ایک سوچی سمجھی مسلسل داستان سامنے آجائے۔تا کہ یہ مغالطہ رفع ہوجائے کہ آنحضرؐت اور اُن کے خاندان کے ساتھ یہ تمام مظالم اتفاقی اور ناگہانی اور بلا کسی مخصوص پروگرام کے پیش آگئے تھے۔لہٰذا جو حضرات اس کتاب کو عموماً اور اس عنوان کو خصوصاً تلاش حق کے لئے پڑھیں وہ اقبال کے

اس شعر کی لفظ بلفظ اور مسلسل اور بلا انقطاع تصدیق کریں گے کہ: ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولھبی

یہ معاملہ فِــلْتَۃً (اتفاقی و ناگہانی) نہیں ہے۔ اُسکے پس پشت عرب کے بہترین سیاسی دماغ و دانش ہے۔ بڑے بڑے نابغہ اور دُھــاۃ الــعــرب اُس ابلیسی منصوبے میں شریک و ہم آہنگ رہتے چلے آئے ہیں۔ البتہ نام، لیبل اور القاب و مذاہب و مکا تیب فکر بدلتے آئے ہیں تاکہ ہر زمانہ میں زیادہ مؤثر مخالفت کی جا سکے۔ یہ کفر و نفاق و ایمان و اسلام ایسے الفاظ ایسے سیاسی نعرے ہیں جو مختلف ادوار میں اُمت کو مصروف رکھنے کیلئے ماہرین نظام اجتہاد بہ بانگ بلند مارتے چلے آئے ہیں۔ جب ضرورت ہوئی ایمان کا اعلان کیا، جب مفید ہوا منافق بن گئے۔ اب وہ جھگڑا سامنے لاتے ہیں جو طبری تک مشہور کر کے پہنچایا اور اُن سے لکھوایا گیا تھا۔

(xxviii)۔ جناب عبدالمطلبؑ اور حرب بن اُمیہ اور حضرت عمر کے دادا

یہاں آپ یہ دیکھیں گے کہ خلیفہ دوم کے بزرگوں کی نظر میں خانوادہ رسولؐ کے بزرگوں کا کیا مقام تھا۔ اور یہ کہ قریش اُن کے مقابلہ میں کیسے لوگوں کی اولاد تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ:۔

''اُن دونوں نے نفیل بن عبدالعزیٰ کو پنچ بنایا۔ اُس نے حرب بن اُمیہ سے کہا کہ اے ابوعمرو تم اُس شخص سے تنافر (نفرت) اور تنازع کرتے ہو۔ جو تم سے قد میں بڑا ہے۔ اُس کا سر تمہارے سر سے بڑا ہے۔ تم سے زیادہ وجیہ (خوبصورت) ہے۔ جسکی اولاد تم سے زیادہ ہے۔ جو تم سے زیادہ سخی ہے۔ اور زیادہ طاقتور ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے عبدالمطلبؑ کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ حرب نے کہا یہ بھی شومیٔ وقت ہے کہ ہم نے تجھے حَکم بنایا۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 38)

حرب کا مطلب یہ تھا کہ یہ ایسا وقت ہے کہ جنہیں دوست سمجھتا ہوں وہ بھی ساتھ نہیں دیتے۔ بتایئے اس قسم کے جھگڑے کا بادشاہ حبش سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ اور وہ اس خاندانی عزت و ذلت کا فیصلہ کر بھی دے تو قابل قبول کیسے ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ جھگڑا بین المملکتی تھا۔ مگر قحطانی تاریخ نے غائب کر دیا ہے۔

(xxix)۔ حضرت عبدالمطلبؑ اور خانوادہ رسولؐ کا یہود و نصاریٰ سے سلوک

یہ چیز بار بار سامنے آ چکی ہے کہ خانوادۂ رسولؐ اور نبوت کی اسرائیلی شاخ ہمیشہ ایک دوسرے کے مُمد و مددگار رہے۔ یہود و نصاریٰ سے ہمیشہ دوستی رہی۔ اس کا ایک ثبوت اُس ظلم و قتل و غارت کے ہنگامہ میں ملاحظہ ہو جو قریش کی طینت میں پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے قریش قریشی مشہور ہوئے تھے۔ یعنی وہ شکاری بحری جانور جو تمام سمندری جانوروں سے بڑا ہوتا ہے۔ جو پھنسے اُسے چٹ کر جاتا ہے سنیئے:۔ علامہ ابن اثیر جزری نے مندرجہ بالا واقعہ یعنی عزت و ذلت کے مقابلہ کی وجہ یہ بتائی ہے کہ:۔

وکان لعبد المطلبؑ جارٍ یهودی یقال له اذینة یتجر و له مال کثیر فغاظ ذلک حرب بن اُمیّه، وکان ندیم عبدالملطب فاغری به فتیانًا من قریش لیقتلوه ویاخذ وا ماله؛ فقتله عامر بن عبدمناف بن عبدالدار و صخر بن عمرو بن کعب التیمی جدّ ابی بکر رضی اللّٰه عنه ۔فلم یعرف عبدالمطلب قاتله فلم یزل یبحث حتٰی عرفهما ۔واذا هما قد استجارا بحرب بن اُمیّه ، فأتی حربًا ولا مة و طلبهما منه فاخفاهما فتغالظا فی القول حتٰی تنا فرا اِلَی النجاشی ملک الحبشة ۔فلم یدخل بینهما ؛

فجعل بینھما نفیل بن عبدالعزی العدوی جدّ عمر بن الخطاب۔فقال لحرب: یا ابا عمرو (یعنی اے حرب) أتنافر رَجُلًا ھو اطول منک قامة، و اوسم وسامة واعظم منک حامة واقل منک ملامة، واکثر منک ولدًا و اجزل منک صفدًا واطول منک مددًا؟ وانیّ لا قول ھذا و انک لبعیدا الغضب۔ رفیع الصوت فی العرب، جلد المریرة لحبل العشیرة۔ ولٰکنّک نافرت منفرًا۔ فغضب حرب وقال: مِن انتکاس الزمان ان جعلت حکمًا۔فَتَرک عبدالمطلب منادمة حرب، و نادم عبداللّٰہ بن جدعان التیمی واخذ من حرب مائة ناقة۔فدفعھا الی ابن عم الیھودی، وارتجع مالہ الاشیأً ھلک فغرمه من مالہ۔''(تاریخ کامل مطبوعہ مصر جلد دوم)

حضرت عبدالمطلبؑ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینہ لیا جاتا تھا۔وہ تجارت کرتا تھا۔جس سے بہت دولت مند ہو گیا تھا۔یہ بات حرب بن اُمیہ کو بہت گراں گزرتی تھی۔اُسے غیظ آ گیا۔یہ حرب بن امیہ حضرت عبدالمطلبؑ کا مصاحب بھی تھا۔ اُس نے قریش کے کچھ جوانوں کو بھڑکایا کہ اُس یہودی کو قتل کر دیں اور اس کا مال لوٹ لیں۔لہٰذا عامر بن عبد مناف بن عبدالدار اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جد بزرگوار صخر بن عمرو بن کعب تیمی نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔حضرت عبدالمطلبؑ کو جب رپورٹ ہوئی تو انہوں نے اس کی تفتیش شروع کی۔مگر ان کو قاتلوں کا پتہ نہ چلا۔لیکن وہ برابر تحقیق حال کرتے رہے۔یہاں تک کہ قاتل شناخت کر لئے گئے۔مگر وہ دونوں قاتل حرب بن اُمیہ کی پناہ میں تھے۔عبدالمطلبؑ حرب کے پاس آئے قاتلوں اور لٹیروں کو پناہ دینے پر اُسے ملامت کی اور قاتلوں کو طلب کیا۔لیکن اُس نے حوالہ کرنے کے بجائے ان دونوں کو چھپا دیا۔اس پر عبدالمطلبؑ اور حرب بن امیہ میں سخت کلامی ہوئی اور ایک دوسرے کی مذمت کی گئی۔جب بات طے نہ ہوئی تو منافرت کی حد کو بات پہنچ گئی۔اور حبش کے بادشاہ سے فیصلے کے لئے کہا گیا مگر اس نے دونوں کے درمیان دخل نہ دیا۔چنانچہ اس کے بعد جناب عمر رضی اللہ عنہ کے دادا نفیل بن عبدالعزی عدوی کو ثالث بنایا گیا۔اُس نے حرب سے کہا کہ تم ایسے شخص سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو جو تم سے قد و قامت میں بڑا ہے۔اور خوبصورتی میں تم پر فوقیت رکھتا ہے۔جس کا سر تم سے بڑا ہے اور تم سے برائی میں کم ہیں۔جن کی اولاد تم سے زیادہ ہے۔اور جن کی سخاوت تم سے زیادہ ہے۔میں یہ سب اقرار کر رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ تم غیظ و غضب سے دور ہو۔عرب میں اپنی قوم کی طرفداری میں مشہور اور اُن کی مدد کی باگ ڈور ہو۔ تمہاری آواز بہت دور تک پہنچتی ہے۔لیکن جس سے تم نے مقابلہ اور مفاخرت کا مقابلہ کرنا چاہا ہے وہ تم سے بہت رفیع المنزلت ہے۔یہ فیصلہ سن کر حرب بن امیہ غصے سے بے چین ہو گیا اور بولا کہ یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہی ہے کہ تم ایسا شخص بھی ایسے معاملہ میں پنچ بنا لینا پڑا ہے۔اس کے بعد عبدالمطلبؑ نے حرب بن امیہ کو نکال دیا۔اور اُس کی جگہ عبداللہ بن جدعان کو اپنا مصاحب بنا دیا۔نیز حرب بن امیہ سے تاوان میں ایک سو اونٹنیاں وصول کیں اور اُن سب کو اس مقتول یہودی کے چچازاد بھائی کے حوالہ کر دیا۔اور اُس یہودی کا لوٹا ہوا مال بھی واپس کرایا۔البتہ چند چیزیں نہ مل سکیں۔عبدالمطلبؑ نے ان کی قیمت بھی اپنے مال سے ادا کر دی۔''

اسی واقعہ کو مختصراً علامہ حلبی نے یوں لکھا ہے:۔فلما علم عبدالمطلب ذلک ترک منا دمة حرب ولم یفارقه حتی اخذ منه مائة ناقة دفعھا لا بن عم الیھودی حفظا لجوارہ (سیرۃ حلبیہ جلد اوّل صفحہ 4)

اور جب حضرت عبدالمطلب کو یہ علم ہوا تو انہوں نے حرب بن امیہ کو اپنی ندیمی سے الگ کر دیا۔اور اُسے نہ چھوڑا جب

تک اس سے تاوان میں ایک سواونٹنیاں لے کراس یہودی کے چچازاد بھائی کو نہ دلوادیں۔ یہ پڑوس کا لحاظ تھا۔

اِن واقعات پر کسی خاص تنقید کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلئے کہ ہر بات واضح ہے اور قریش کی سنت وخصلت کے عین مطابق ہے۔ دیکھنا صرف اس قدر رہے کہ یہودیوں کواُن لوگوں سے کیوں دشمنی تھی اور خانوادہ رسولؐ سے کیوں محبت تھی۔

(xxx)۔ خانوادۂ رسولؐ کے مرتبہ اور حالات کو چھپانے کی سازش پکڑی گئی

یہاں قارئین کو یہ دکھانا ہے کہ قریش یہ نہ چاہتے تھے کہ رسولؐ اللہ اور مدینہ کے اوس وخزرج قبائل کو ایک خاندان سمجھا جائے اور اس واقعہ کو غائب کر جانا چاہتے تھے کہ جناب عبدالمطلبؑ نے قریش کے خلاف مدینہ سے اپنے خاندان کی مدد بلا کر نوفل سے اپنی جائیداد واپس لی تھی۔ طبری لکھتے ہیں کہ:۔

''محمد بن ابی بکر کہتا ہے کہ میں نے یہ قصہ موسیٰ بن عیسیٰ سے بیان کیا تو وہ کہنے لگا کہ ہاں چونکہ اللہ نے ہمیں دولت وامارت عطا فرمائی ہے۔ اس لئے ہمارے ہاں تقرب جتانے کے لئے انصار یہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ عبدالمطلبؑ اپنی قوم میں اس قدر معزز تھے کہ انکو قطعی اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ بنونجار مدینہ سے اُن کی حمایت کے لئے آتے۔ میں نے کہا کہ جناب والا اہل مدینہ کی نصرت کی اُس شخص کو بھی ضرورت ہوئی۔ جو عبدالمطلبؑ سے بہتر تھا۔ موسیٰ بن عیسیٰ جواب تک تکیہ کے سہارے بیٹھا ہوا تھا میرے جواب سے برافروختہ ہو کر سیدھا ہو بیٹھا۔ اور اُس نے پوچھا۔ عبدالمطلبؑ سے بہتر کوئی ہے؟ میں نے کہا محمد صلعم اس نے کہا بے شک تم سچے ہو۔ اب وہ پھر تکیے کے سہارے ہو گیا اور اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ اس واقعہ کو ابن ابی بکر کی روایت سے قلم بند کرلو۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 35)

مطلب واضح ہے کہ جناب عبدالمطلبؑ کو معزز کہہ کر نوفل اینڈ کمپنی کے غاصبانہ اور جدی وقریشی دشمنی کو چھپا دینا مقصود تھا۔ مگر محمد بن ابی بکر نے اُس ڈانٹ ڈپٹ اور رعب وداب کا ذرہ برابر اثر نہ لیا اور واقعہ کو ریکارڈ میں شامل کرا کے چھوڑا۔ اور بتایا کہ مدینہ والے خانوادہ رسولؐ کے لوگ تھے۔ اور اُن سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو مدد لینا پڑی۔ یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ جب یہ مشہور کر دیا گیا کہ حضرت علیؑ جانشینی رسولؐ اور حکومت کے لئے دوڑ دھوپ کرنے پر آنحضرتؐ کے غسل وکفن اور تدفین کو مقدم کر رہے ہیں تو مدینہ کے خانوادۂ رسولؐ نے چاہا تھا کہ قریش کو بزور بازو حکومت پر قبضہ کرنے سے روک دیا جائے۔ جس کیلئے وہ سُقیفہ میں جمع ہوئے تھے۔ اور قریش ہرگز حکومت پر قبضہ نہ کر سکتے تھے اگر انصار کو حضرت علی علیہ السلام کی رضامندی حاصل ہو جاتی۔ اور اُن کا قبضہ ہو جانے کے بعد بھی اُن کا صفایا کیا جا سکتا تھا، اگر کہیں ابوسفیان کی پیش کش منظور کر لی جاتی۔ لہٰذا اڑھائی ہزار سالہ جدوجہد ایک دن پھر کامیاب ہوگئی اور اب تحریک تشیّع کی تیاری شروع ہوگئی۔

نوٹ: یہاں سے قارئین جناب ابوطالب علیہ السلام کے متعلق ہمارا ایک پرانا مضمون پڑھیں گے جو برسوں پہلے سید یاور حسین صاحب کی فرمائش پر لکھ دیا تھا۔ جس کا نام اُس وقت اُلٹی گنگا رکھا گیا تھا۔ چونکہ اُس میں مجتہدین کے تصورات کو اُلٹا کر دینا مقصود تھا۔ اور اب فاضل مشرقیات کی سفارش سے اُسے مرکز انسانیت میں ابوطالبؑ کے پہلو میں جگہ دی جارہی ہے ملاحظہ ہو:۔

12۔ اُلٹی گنگا

آپ سوچ رہے ہیں کہ (ادارہ علوم الاسلام لاہور کے رسالہ ماہ ستمبر 1964) ''ابوطالبؑ'' نمبر میں یہ الٹی گنگا کیوں بہائی جارہی ہے؟ اس عنوان سے جناب ابوطالب علیہ السلام کا کیا تعلق ہے؟

(12/1)۔ پہلا جواب یا وجہ تو یہی ہے آپ کو متوجہ کیا جائے اور دعوتِ فکر دی جائے۔ چنانچہ نتیجہ میں ہم کامیاب ہیں کہ آپ توجہ کے ساتھ غور وفکر بھی فرمارہے ہیں۔ موسمی یا رسمی عنوانات اور مضامین کی نقل در نقل بھر مار نے آپ کے ذوقِ نظر کو کُند کر دیا ہے۔ سانچے میں ڈھلے ہوئے کھوکھلے مگر رنگیلے الفاظ نے رفتہ رفتہ مذہبی جذبات واحساسات پر گراں باری کے پہرے بٹھا دیئے ہیں۔ چنانچہ آج اہلِ نظر قلم اُٹھاتے ہی پہلے یہ سوچتے ہیں کہ اپنا مضمون کس انداز میں پیش کریں کہ قارئین کی پوری توجہات حاصل ہوسکیں۔ اور اُن کے جذبات و احساسات سے قلب وذہن کا براہِ راست رابطہ قائم کیا جاسکے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ گنگا ہو یا جمنا، فرات ہو یا دجلہ، اُن کا بہاؤ اُلٹا ہو یا سیدھا، انہیں بہرحال سمندر کے وسیع آغوش کی تلاش ہے۔ جب تک وہ اپنی منزل پر نہ پہنچ جائیں انہیں چین وسکون نہیں مل سکتا۔ بالکل یہی حال ہے بنی نوع انسان اور اس پوری کائنات کی تگ ودو اور سفرِ حیات کا۔ وہ اُلٹا چلیں یا سیدھا، کفر کریں یا شکر، انہیں چلتے رہنا ہے۔ اُنکا ہر قدم اُنہیں کشاں کشاں حضرت ابیطالبؑ و خانوادہ ابیطالب سلام اللہ علیھم کے حضور لئے چلا جارہا ہے۔ ہم اور آپ مانیں یا نہ مانیں، سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر حقیقت یہی ہے۔ مقصدِ کائنات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وابستہ ہے۔ یہ کائنات اور اس کائنات کا ہر ذرہ اور یہاں کی ہر مخلوق روزِ ازل سے میثاقِ محمدیؐ کے قانون کی ذمہ دار ہے۔ اُن میں کا کوئی فرد اس قانون اور میثاق کی زد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ ان سب کو اُنکے حضور میں پلٹ کر جانا پڑے گا۔ بعثتِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے اور یہ احسان خاص طور پر مومنین سے متعلق ہے، مومنین پر جتلایا گیا ہے (3/164)۔ اقرباءِ محمدیؐ سے رشتۂ محبت واطاعت بھی مومنین پر واجب ہے (الشوریٰ۔42/23) وہ انسانؑ جس کو تمام سابقہ انبیاءؑ ورسلؑ اور آنحضرتؐ کے درمیان واسطہ بنایا گیا، جسے تمام نبوتوں، رسالتوں، اماموں اور ولایتوں کیلئے آخری امانت دار چنا گیا۔ جس نے پہاڑوں سے برداشت نہ ہونے والی امانت خداوندی کو سرکارِؐ دوعالم کو سپرد کیا۔ جس نے نبوت ورسالت کو اپنے آغوش میں پرورش کیا اور انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ جس نے نبوت ورسالت کے اقدام کو ڈانواں ڈول ہونے سے بچا کر خدا سے وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی o (93/7) کہلوایا۔ جسکی ہدایت کاری وراہنمائی کو خدا نے اپنی راہنمائی اور ہدایت قرار دیا۔ جسکی کارکردگی کو خدا نے فخریہ اپنی طرف منسوب کیا (مَاوَدَّعَکَ رُبکَ وَمَا قَلٰی o ۔ 93/3) جس کی ربوبیت وتربیت کو رب الارباب نے اپنے لئے دلیل بنایا۔ جس نے کائنات کے ملجاوماویٰ کو امن وپناہ دی تو خدا نے جتلایا اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی o (93/6) جس نے زمان و مکان کی حدود وقیود سے ناآشنا نبوت کی تائید وحمایت کے لئے ایک ایسا ناصر ومددگار عطا کیا، ایک ایسے خاندان کی بنیاد رکھی جو ہر مزاحمت کے لئے قیامت تک سینہ سپر رہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا کہ۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُکَ فَتَرْضٰی o (93/5) تیرا پالنے

والاعنقریب تجھے وہ..... دیگا۔ کہ پھر تو خوش رہیگا۔ اُس مبارک انسان پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں۔ اُس کا نام ہے **ابوطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام**۔ جب سرور کائنات پیدا ہوئے تو جناب فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا موجود تھیں۔ اس وقت حضرت آمنہ علیہا السلام کو ایران و شام کے محلات نظر آئے۔ حدیث سنئے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔ لَـمَّـا وُلِـدَ رَسُـوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه و آله فَتَـحَ لِآ مـنة بیـاض فـارس وقـصـور الشّـام، فَجَاءَ تُ فَاطمة بنت اَسد اُمُّ امیر المؤمنین اِلٰی ابی طالب ضاحكة مُسْتَبْشِرَةٌ فاعلمته مَاقَالَتُ آمنة فقال لَهَا ابو طالب و تَتَعَجَبِیْنَ مِن هٰذَا اِنَّکِ تَحْبلِیْنَ و تَلْدِیْنَ بِوَصِیِّهٖ وَوَ زِیْرِهٖ۔

(کافی کتاب الحجة باب مولد امیر المؤمنین صلوات اللہ علیہ۔ حدیث نمبر 3)

''جب رسولؐ اللہ پیدا ہوئے تو حضرت آمنہ (سلام اللہ علیہا) کو ایران کی سفیدی اور شام کے محلات کھلے ہوئے دکھائے گئے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ بنت اسد (رضی اللہ عنہا) امیر المومنینؑ کی والدہ ہنستی اور خوشخبری سناتی ہوئی آئیں اور جناب ابوطالب (علیہ السلام) کو جناب آمنہؑ کا مکاشفہ سنایا۔ اس پر جناب ابوطالبؑ نے اُن سے فرمایا کہ تمہیں اتنی سی بات پر تعجب ہو رہا ہے۔ بتحقیق تم خود بھی اس کے وصی اور وزیر کا حمل رکھنے اور اُسے جنم دینے والی ہو۔''

یہ حدیث واضح کر دیتی ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کو قبل از وقت سب کچھ معلوم تھا اور نہ صرف معلوم تھا بلکہ آپ اُن مقاصد کے لئے ذمہ دار تھے جو نبوت و رسالت ختمی مرتبتؐ اور اُن کی وصایت و ولایت سے متعلق تھے۔ اُنہوں نے ولادتِ علی مرتضٰی علیہ السلام کا زمانہ اور مقام مرتضوی بھی بیان کر دیا تھا چنانچہ ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

اِنَّ فـاطـمة بـنـت اسـد جـاءَ ت اِلـی أَبِیْ طالبؑ لِتَبَشَّرَهُ بِمولدالنبی صلی اللّٰه علیه و آله وسلم فقال ابو طالبؑ: اصبـری سَبَتًااُبَشِّرکَ بِمِثلِهٖ اِلَّا النبوّة، وقـال : السَبْـتُ ثَـلا ثُـونَ سَنَة و کان بین رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آلهٖ وسلم و امیر المؤمنین علیه السلام ثَلا ثون سنة ۔''(ایضاً۔ حدیث نمبر 1)

''بتحقیق فاطمہ بنت اسدؑ ابوطالب علیہ السلام کو ولادت نبیؐ کی بشارت دینے آئیں تو ابوطالبؑ نے فرمایا کہ ایک سبت صبر کرو۔ میں تمہیں نبوت کے علاوہ ہم مثل محمدؐ کی بشارت دیتا ہوں۔ فرمایا کہ ایک سبت تیس (30) سال کا ہوتا ہے اور رسولؐ اللہ و علیؑ کی پیدائش کے درمیان تیس سال تھے۔''

معلوم ہوا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے عہدۂ وصایت و امامت کی بنا پر مقامِ محمدیؐ و مقام علویؑ پر کماحقہٗ مطلع تھے اور دوسرے متعلقین کو بتانا اور متعلقہ اقدامات کرنا آپؑ کی ذمہ داری تھی۔ سرکار ابوطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوزیشن قرآن کریم، حدیث شریف اور علما صالحین کے نزدیک کس قدر عظیم ہے، اگر وقت ملا تو اپنے طریقہ پر آپکی خدمت میں بیان کرونگا۔ فی الحال؛

(12/2)۔ تیسری وجہ اُلٹی گنگا کی یہ ہے کہ مشرکانہ منصوبہ سازوں کو ہم کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کر سکتے اس لئے کہ انہوں نے نہایت حُسنِ تدبر کے ساتھ ہر ایک حقیقت اسلامی کو کافرانہ اور اپنا پسندیدہ لباس پہنایا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم، تاریخ اسلام اور احادیث ہرگز سمجھ میں نہیں آ سکتیں اور آپ کسی طرح صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے جب تک اس عربی منصوبہ کو نہ سمجھ لیں۔ چنانچہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے

فرمایاہے کہ:۔ وَ اعۡلَمُوۡا اَنَّکُمۡ لَنۡ تَعۡرِفُوا الرُّشۡدَ حتّٰی تَعۡرِفُوا الَّذِیۡ تَرَکَہٗ، وَلَنۡ تَاۡخُذُوۡا بِمِیۡثَاقِ الۡکِتَابِ حَتّٰی تَعۡرِفُوۡا الَّذِیۡ نَقَضَہٗ، وَلَنۡ تَمَسَّکُوۡا بِہٖ حَتّٰی تَعۡرِفُو االَّذِیۡ نَبَذَہٗ ۔(نہج البلاغہ خطبہ نمبر 145۔مفتی جعفرحسین)

''اورآگاہ ہوجاؤ کہ تم ہدایت سے ہرگز متعارف نہیں ہوسکتے جب تک کہ تم ہدایت کو ترک کردینے والوں سے متعارف نہ ہوجاؤ۔اورتم قرآن کریم کے عہدو میثاق پر ہرگز قائم نہیں رہ سکتے جب تک کہ قرآن کے عہد کی خلاف ورزی کرنے والوں کی معرفت حاصل نہ کرلو۔ اورقرآن سے تمسک ہرگز نہیں رکھ سکتے جب تک قرآن کو پس پُشت پھینکنے والوں کی شناخت نہ کرلو۔''

اوراپنے زمانہ کے منصوبہ سازوں کے لئے اسی خطبہ میں ذراپہلے فرمایاتھا کہ:۔

کَاَنَّھُمۡ آئِمَّۃُ الۡکِتَابِ وَلَیۡسَ الۡکِتَابُ اِمَامَھُمۡ فَلَمۡ یَبۡقَ عِنۡدَھُمۡ مِنۡہُ اِلَّا اسۡمُہٗ وَلَایَعۡرِفُوۡنَ اِلَّا خَطَّہٗ وَ زَبۡرَہ......الخ

''گویاوہ لوگ کتاب(قرآن)کےامام ہیں اورقرآن اُن کا پیشوا نہیں ہے۔اُن کے پاس اب قرآن کاصرف نام ہی نام رہ گیاہےاوروہ اُسے کوئی اہمیت نہیں دیتے سوائے اس کی خلاف ورزیوں کے۔''

(12/3)۔ فرمان مرتضویؑ کے مطابق ہم عربوں کے ہر بیان کو بڑی احتیاط اوردقّت نظر کے ساتھ جانچ کرقبول کرتے ہیں اورتمام دنیا کوبتادیناچاہتے ہیں کہ وہ اُن کی تیارکردہ تاریخ،تفسیروحدیث کو بلاتنقید وتبصرہ کبھی قبول نہ کریں۔اُنہوں نے اسلام کی ہر ہرتعلیم کو بدل دیا، ہرعنوان میں رنگ آمیزی کی ہے۔چنانچہ جن حقائق کو وہ بدل نہ سکے اُنہیں کم ازکم مشکوک ضرور کردیاہے۔اوریہ کام اُنہوں نے اس خوبصورتی اورتدریج کے ساتھ کیاہے کہ ہم قدم قدم پراُنہیں داد دیتے ہیں۔اورعلما کی کثرت نے اُن کے بیانات اورانتظامات میں اکثر مغالطہ کھایاہے۔

(12/4)۔ ذرااس ترکیب کوملاحظہ فرمائیں کہ محبان محمدؐوآل محمدؐسے یہ سوال کیاجاتاہے کہ کیاابی طالبؑ،آنحضرتؐ پرایمان لائے تھے؟اورہمارے جلدباز وسادہ لوح افرادفوراًاس سوال کاجواب شروع کردیتے ہیں اورقرآن وحدیث وتاریخ سے جناب ابوطالبؑ کا ایمان لاناثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زورخرچ کردیتے ہیں۔لیکن اُنہوں نے اس سوال کوقبول کرنے میں غلطی کی ہےاوراس سوال کاجواب اُس کے ذمہ ہے جوعقل کادشمن ہو۔یہ سوال اس شخص سے ہوناچاہیے جوابوطالبؑ کو(معاذاللہ)کسی وقت کافرمانتاہو۔ چنانچہ ہم اُن کفارسرشت انسانوں سے معلوم کرناچاہتے ہیں کہ وہ دلیل پیش کریں کہ ابوطالبؑ مومن نہ تھے۔اورساتھ ہی اُن کو بتادوکہ تمہارے صاحب ایمان نہ ہونے کی دلیل خودقرآن ہے:۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَالۡکِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَالۡکِتٰبِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡل .....الخ (نسآء4/136)

مولانارفیع الدین صاحب کاترجمہ ہے کہ:۔''اے لوگوجوایمان لائے ہو۔ایمان لاؤ ساتھ اللہ کےاوررسولؐ اس کے کےاورکتاب کے جواُتاری ہےاوپررسولؐ اپنے کےاورکتاب کے جواُتاری ہے پہلےاس کے۔''

یہاں ایسے مومنین کاتذکرہ ہے جو نہ اللہ پرایمان رکھتے ہوں،نہ رسولؐ اللہ پر،نہ وہ قرآن پرایمان رکھتے ہوں،نہ سابقہ کتابوں پر۔حضرت ابوطالب علیہ السلام یقیناً ایسے مومن نہ تھے جن کا ایمان صرف دولفظوں پریعنی''میں ایمان لایا'' کہنے پرمکمل ہو

جائے۔ ایسے مومنین دراصل کافر ہوتے ہیں۔ الغرض گزارش یہ تھی کہ ہم سے یہ سوال غلط کیا جاتا ہے۔ قارئین کرام خود اپنے متعلق سوچیں کہ وہ کس دن ایمان لائے تھے؟ ارے صاحب! جس کا باپ مسلمان، جس کی ماں مسلم، اس کے بچوں کو مسلمان ہونے یا ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے وہ تو پیدائشی مسلم ہیں۔ البتہ اگر وہ کافر بننا چاہیں تو انہیں اعلان کرنا پڑے گا۔ بہرحال جس طرح چالاکی سے وہ ہم سے سوال کرتے ہیں اُسی طرح ہم اُن سے بات کرتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ ابو طالبؑ ایمان لائے تھے یا نہیں؟ ٹھیک۔ یعنی اُن کے نزدیک ابو طالب علیہ السلام کا ایمان مشکوک ہے۔ وہ تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ایک فرد مشکوک ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک تمام قریش مشکوک ہیں۔ اور ہمیں اُنکی مرتب کردہ تاریخ نے مشکوک کیا ہے۔ لہٰذا ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا قریش ایمان لائے تھے؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا بنی ہاشم بھی قریش تھے؟ ہم نے ابو طالب علیہ السلام کے ایمان و عمل پر ہزارہا مضامین و کتب پیش کی ہیں۔ اب آپ ہمیں مندرجہ بالا دونوں سوالوں کا جواب دیں۔

یہاں سے ''اُلٹی گنگا'' شروع ہوتی ہے اور معترضین کو لینے کے دینے پڑتے ہیں۔ ہم اس اُمت کے ایک حجت **الملة والدّین** علامہ شبلی نعمانی رحمت اللہ علیہ اور ایک سید صاحب سلیمان ندوی اور مسٹر پرویز کے قلم سے دکھاتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں قریش و کفر ایک ہی چیز کا نام تھا۔ اور اس کے برعکس بنی ہاشم (ابو طالبؑ سمیت) اور ایمان بھی ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔ وہ سب کافر تھے اور کافر رہے۔ یہ سب مومن تھے اور مومن رہے کہیئے؟ یہ الٹی گنگا ہے کہ نہیں؟ یہ وہ الٹی گنگا ہے جو پورے کفر کو مع کافروں کے ڈبو دے گی اور فرعون کی طرح اُن کی چیخ و پکار تک نہ سُنی جائے گی۔ ابو طالبؑ اور خانوادہ ابو طالب علیہم السلام سے کفر اور کافروں، نفاق اور منافقوں اور عربی منصوبے والے مومنوں کو بڑا خطرہ رہتا چلا آیا ہے۔ کیوں نہ ہو؟ وہ دین پناہ تھے، خود دین تھے، خود ایمان تھے۔ ایمان سے کافر کا یہ سوال کہ تو کب ایمان لایا؟ اس کے کفر کی بیّن دلیل ہے۔ اس کے ایمان ناآشنا ہونے پر حجت ہے۔ آیئے مولانا شبلی کی بات سُنیئے اور یہ بھی سُنیئے کہ تحقیق و تفتیش میں بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ کد و کاوش کرنا پڑتی ہے۔ بیانات کو بار بار پڑھنے اور سننے اور غور و فکر کرنے سے جان چرانے والے تحقیق نہیں کر سکتے۔ لہٰذا یہاں پر آپ مضمون سے دماغی تفریح کی اُمید نہ کریں۔ بلکہ ایک سخت جان بن جائیں، تمام ہوش و حواس، عقل و تدبر کو جمع کر لیں۔ سنجیدہ ہو جائیں تاکہ اُلجھے ہوئے اور جان بوجھ کر اُلجھائے ہوئے حقائق کو سلجھا سکیں۔

(12/5)۔ سب سے پہلے آپ جناب شبلی نعمانی کی سیرۃ النبی طبع چہارم جلد اوّل صفحہ 212 پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اعلان نبوت کے وقت قریش کی پوزیشن کیا تھی؟ یہاں سے مولانا وہ اسباب و وجوہات لکھنا شروع کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے قریش نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی تھی۔ دیکھئے شبلی، پرویز اور سلیمان صاحبان کے بیانات **ابجد** میں ہوں گے:۔

(الف)۔ قریش کی مخالفت اور اُس کے اسباب

''مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا اور جسکی وجہ سے وہ ''ہمسائیگان خدا'' بلکہ ''آل اللہ''، یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے، اسکی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب (عہدے۔ احسن) قائم کئے گئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے:۔

نمبرشمار	منصب	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کونسا منصب حاصل تھا	آنحضرتؐ کے زمانہ میں کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے
1	حجابة	کعبہ کی کلید برداری اور تولیّت	x	عثمان بن طلحہ
2	رفادہ	غریب حجاج کی خبر گیری	خاندان نوفل	حرث بن عامر
3	سقاية	حجاج کو پانی پلانے کا انتظام	خاندان ہاشمؑ	حضرت عباسؓ
4	مشورہ	x	خاندان اسد	یزید بن ربیعۃ الاسود
5	دیات	خون بہا کا فیصلہ	خاندان تیم	حضرت ابوبکرؓ
6	عقاب	علم برداری	خاندان اُمیّہ	ابوسفیان
7	قبة	خیمہ و خرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	خاندان مخزوم	ولید بن مغیرہ
8	سفارت	سفیر ہو کر جانا اور جن قبائل میں یہ نزاع پیش آئے کہ شریف تر کون ہے فیصلہ کرنا	خاندان عدی	حضرت عمرؓ
9	ازلام و یسار	محکمہ مال کا انتظام	خاندان جمح	صفوان بن اُمیّہ
10	اموال	مہتمم خزانہ	خاندان سہم	حارث بن قیس

یہ جدُوَل آپ نے دیکھ لی۔اسی سلسلہ کی ایک اہم بات اور سنئے فرمایا ہے کہ:۔

(ب)۔ ''آغازِ اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤسائے اعظم تھے۔اور جنکی عظمت واقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا۔اُنکے نام یہ ہیں۔''

1۔ابوسفیان بن حرب (حضرت معاویہ کے باپ)

2۔ابولہب۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا (معاذ اللہ۔احسن)

3۔ابوجہل

4۔ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ)

5۔عائل بن وائل سہمی (حضرت عمرو بن العاص کا باپ)

6۔عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ کا نانا) (سیرۃ النبی طبع چہارم جلد اوّل صفحہ 213)

(12/6)۔ آپ نے دونوں فہرستیں دیکھ لیں۔اِن صاحبانِ مناصب و مالکانِ اقتدار میں جس قدر نام آئے ہیں انہیں خاص طور پر نوٹ کرلیں اور یہ دیکھ لیں کہ دو ایک نام، جن کی ہاشمیت مشکوک ہے، کے سوا کوئی شخص بنی ہاشمؑ سے نہیں ہے۔خصوصاً جناب ابوطالبؑ سربراہِ خاندان بنی ہاشم اس فہرست میں نہیں ہیں۔اور ہمیں فخر ہے اُنکے اس تدبر و تدریج پر جس سے انہوں نے اپنے دامن کو بُت پرستی اور اُنکی نگہداشت سے پاک رکھا اور کعبہ کے انتظامات سے الگ ہوگئے۔یہ مقام یاد رکھیں۔ہم اس کا حوالہ دیں گے۔یہاں ایک اصول

ملاحظہ ہو۔شبلی صاحب مخالفت کا ایک فطری سبب لکھتے ہیں۔(**مخالفت کا پہلا سبب ملاحظہ ہو:۔**)

(ج)۔ ''ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جواُن کے آبائی رسم وعقائد کے خلاف ہواُن کو سخت برہم کردیتی ہے۔ اس کے ساتھ اُنکی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی۔اوراُنکی تشنگیٔ انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی۔''(صفحہ 213)

مخالفت کا دوسرا سبب ملاحظہ ہو:۔

(د)۔ عرب ایک مدت سے بُت پرستی میں مبتلا تھے۔خلیل بت شکن کی یادگار کعبہ تین سو ساٹھ معبودوں سے مزیّن تھی۔جس میں ھُبل خدائے اعظم تھا۔یہی بُت ہر قسم کے خیروشر کے مالک تھے۔پانی برساتے تھے۔اولادیں دیتے تھے۔معرکہ ہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے۔خدا۔یا تو سرے سے نہ تھا۔یا تھا تو وجودِ معطل تھا۔اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعتاً برباد کردیتا تھا۔لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت واقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اوراُن میں سے جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔اُسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔''

(12/7)۔ یہاں ٹھہر جائیں اور یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ مندرجہ بالا (ج) و(د) سے یہ ثابت ہوگیا کہ:۔

1: اسلام کی تحریک یا محمد مصطفٰےصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوائے نبوت اور تبلیغ اسلام جناب ابوطالب علیہم السلام کے آبائی دین کے عین مطابق تھی۔2: اُدھر یہ ثابت ہوگیا کہ کعبہ میں رکھے ہوئے بتوں سے جناب ابوطالبؑ کو کسی قسم کی دلچسپی نہ تھی۔ 3: بلکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنے مذہب کے مطابق اور خصوصاً حضرت خلیلؑ بت شکن کے عین مطابق اُن بتوں کے ساتھ ساتھ قریش کی عظمت واقتدار کے برباد کرنے کی پوری اسکیم کے ملجاوماویٰ اور سرپرست وحامی وناصر ومددگار تھے۔بتایئے کافر اگر انہیں ایماندار نہ مانیں تو اور کیا کہیں؟ یاد رکھئے کہ ابوطالبؑ عرب کے مذکورہ صاحبانِ اقتدار کیلئے ایک مصیبت تھے۔ایسی مصیبت کہ جوآج بھی زندہ وتوانا ہے۔جس نے اُن کی حکومت واقتدار کے جنازے نکالے۔جس نے اُنکے دلوں میں ایسے زخم لگائے جو کبھی نہ بھرے،ناسور بنے اور رستے رہے۔پوری جبروت وسطوت کے باوجود،پہروں اور نگہبانوں کے ہجوم میں یہ لوگ خانوادۂ ابوطالبؑ کے نحیف سے نحیف فرد کے خوف سے لرز اُٹھتے تھے،خواب گاہوں میں چیخیں بلند ہوجاتی تھیں،خواب میں کوئی ابوطالبؑ کا جایا قیدی دیکھا تو شہنشاہ وقت چارپائی سے گر جاتا تھا۔گھنٹوں گھگی بندھی رہتی تھی۔بے چاروں کے پاس لے دے کر ایک ہی توالزام رہ گیا ہے۔آپ اس سے بھی چیں بچیں ہوجاتے ہیں۔قرآن اور حدیث کے ساتھ مقابلہ میں آجاتے ہیں۔ذرا انصاف کرو،تم تو عدل کو پسند کرتے ہو۔ابوطالب علیہ السلام کو(معاذاللہ) کافر کہنے کیلئے انہیں اپنی عادت وخصلت،اپنے دین وملت،اپنے آباؤاجداد کی سنت کے خلاف کیسی مہنگی اوررُسوا کن قیمتیں ادا کرنا پڑیں۔یعنی 1: اسلام کا لبادہ پہننا پڑا۔2: جسے سوچ سمجھ کر پاگل،مجنوں،دیوانہ،کاذب اور سحرزدہ قرار دیا تھا اُسی کا کلمہ دن میں پانچ دفعہ بلند میناروں سے سننا اور پڑھنا پڑا۔ہائے افسوس انہیں یہ بھی سننا پڑا،سننا ہی نہیں بلکہ کہنا پڑا کہ ابوطالبؑ کی اولاد کی محبت ومودّۃ واطاعت وحرمت و عزت ووقار واجب ہے۔اُنکا دشمن،براچاہنے والا،اُنکو خفا کرنیوالا جہنمی ہے...ہائے ہائے عرب کے غیور وعظیم وجلیل انسان یوں ذلیل و خوار ہونا اختیار کرلیں۔اور آپ انہیں ذراسی بات بھی نہ کہنے دیں۔یقین کیجئے کہ اگر ابوطالب علیہ السلام کی نصرت ناکامیاب ہوجاتی

اور کفار غالب آ جاتے تو یقیناً ابو طالبؑ کو ہرگز کافر شمار نہ کرتے بلکہ کفر کا مخالف ہونیکی وجہ سے اُنکے ساتھ وہی سلوک کرتے جو کربلا میں کیا گیا۔ وہ لوگ کافروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انعام دیتے اور کسی طرح ابو طالبؑ کا نام کافروں کی فہرست میں برداشت نہ کرتے۔ ہزاروں گواہیاں گزرتیں کہ ابو طالبؑ پکا مومن اور مسلم تھا۔ کفر کیخلاف تمام ذمہ داری اسی پر عائد کرتے۔ دوستو شکر کرو کہ ابو طالب علیہ السلام کو کافر کہنے کیلیئے انہیں مسلمان تو ہونا پڑا۔ ورنہ وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے جب موقعہ ملا تو صاف کہا کہ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ فرشتہ نازل ہوا تھا۔ ہماری نصیحت ہے کہ انہیں زیادہ تنگ نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس دفتر سے بالکل ہی نام کٹوالیں۔ اُس وقت تو خانوادہ ابو طالب علیہم السلام نے چاروں طرف سے گھیر کر مجبور کر دیا تھا۔ اُن کی قربانیاں، حق پرستی، اللہ کے نام پر فدا کاریاں اُن لوگوں کا سر جھکا گئیں۔ یہ مقام بہت ہی مناسب ہوگا جہاں آپ کو تمام عرب اور قریش کی طرف سے ابوجہل کی زبانی مگر پرویز کے قلم سے ایک نوحہ وفریاد سناتے ہیں۔

معارف القرآن جلد چہارم صفحہ 255 طبع اوّل میں پرویز صاحب نے لکھا کہ :۔

(12/8)۔ (ہ) ''وہ اس تعلیم کے فروغ میں اپنی موت مضمر دیکھتے تھے۔ اس لئے وہ اُسے آسانی سے کس طرح قبول کر لیتے۔ اس آنے والے انقلاب کے تصور سے اُن کی روح کانپتی تھی۔ اِسی لئے ابوجہل غلافِ کعبہ تھام تھام کر فریاد کرتا تھا۔

(نوٹ:۔ پرویز نے یہ اشعار اقبال کی کتاب جاوید نامہ ''طاسینِ محمدؐ... رُوح ابوجہل در حرمِ کعبہ'' سے منتخب کئے لیکن اِن کا ترجمہ نہیں لکھا۔ کیونکہ اُس دور میں اکثر قارئین فارسی زبان سے بخوبی واقف تھے۔ موجودہ دور میں فارسی سے کم آگاہی کی وجہ سے قارئین کے لئے ترجمہ شامل کر دیا گیا ہے جو اقبالیات پر کام کرنے والے ایک مستند ادارے کے پیش کردہ ترجمہ سے لیا گیا۔ ناصر)

سینۂ ما از محمدؐ داغ داغ !   از دمِ اُو کعبہ را گُل شد چراغ !

ساحر و اندر کلامش ساحریست   ایں دو حرف لا الہ خود کافریست

تا بساطِ دین آبا در نورد   با خداوندانِ ما کرد آنچہ کرد

☆ ہمارا سینہ محمدؐ کی وجہ سے داغ داغ ہے۔ آپؐ کی پھونک (سانس) سے کعبہ کا چراغ بُجھ گیا (حرمِ کعبہ کی رونق ختم کر دی)۔

☆ آپؐ جادوگر ہیں اور آپؐ کے کلام میں جادوگری ہے۔ یہ جو لا الہ کے دو الفاظ ہیں بجائے خود کافری ہے۔

☆ جب آپؐ نے ہمارے آبا کے دین (بت پرستی) کی بساط لپیٹ دی ہے تو آپؐ نے ہمارے خُداؤں کے ساتھ وہ کیا جو ناقابلِ بیان ہے۔

وہ چلاتا تھا کہ:۔

مذہب اُو قاطع ملک ونسب   ازقریش و منکر از فضلِ عرب

درنگاہِ او یکے بالا و پست   با غلامِ خویش بریک خواں نشست

☆ آپؐ کا مذہب (اسلام) مُلک اور خاندان کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔ آپکا تعلق قریش سے ہے اور آپؐ عرب کی فضیلت کے منکر ہیں۔

☆ آپؐ کی نگاہ میں اعلیٰ وادنیٰ سبھی ایک برابر ہیں۔ آپؐ اپنے غلام کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے ہیں۔

اس کے نزدیک یہ سانحہ قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھا:۔

قدرِ احرارِ عرب نشناختہ　　باکلفتانِ حبش در ساختہ

احمراں با اسوداں آمیختہ　　آبروئے دودمانے ریختہ

☆ آپؐ نے عرب کے آزادلوگوں کی قدرنہیں پہچانی۔آپؐ نے حبشہ کے سیاہ فام لوگوں (حبشیوں) سے موافقت اختیار کر لی۔

☆ آپؐ نے گوروں کو کالوں سے ملا دیا اور خاندان کی وقعت ختم کر دی۔

اس لئے وہ حجر اسود کو پکار کر کہتا تھا:۔

بازگو اے سنگِ اسود باز گو　　آنچہ دیدیم از محمدؐ باز گو

☆ تُو پھر کہہ اے سنگِ اسود پھر کہہ۔ہم نے محمدؐ سے جو کچھ دیکھا ہے پھر کہہ۔

اور کبھی کعبہ کے سب سے بڑے خدا سے فریاد کرتا تھا:۔

اے ھُبل اے بندہ را پوزش پذیر　　خانۂ خود را از بے کیشاں بگیر

گلّۂ شاں را بگُرگاں کُن سبیل　　تلخ کن خرمائے شاں را بر نخیل

☆ اے ہبل، تو جو بندوں کی معافی ومعذرت قبول کرنے والا ہے، بے دینوں سے اپنا گھر واپس لے۔

☆ ان کے بھیڑوں کے ریوڑ کو بھیڑیوں کے سپرد کر دے اور کھجور کے درخت پر جو کھجوریں ہیں اُن کو اُن کے لئے کڑوی بنا دے۔

اور اس نالہ وفریاد اور سب وشتم سے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرتا تھا۔'' (صفحہ 256)

(12/9) علامہ پرویز کا بیان ختم ہو گیا لیکن یہ نوحہ ابھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ الفاظ بدل لئے گئے ہیں، راگ مختلف ہو گیا ہے، الفاظ واصطلاحات سے رخ بدل لیا ہے۔لیکن کفر واہل کفر برابر نوحہ کناں ہیں۔ ذرا غور فرمایئے کہ جس انقلاب میں اُن کی اور اُن کے مذہب کی موت مضمر تھی اُس کو کس نے پالا؟ کس نے پرورش اور تربیت کی؟ کس نے اسے مستقیم بنا کر قریش وعرب کی طرف متوجہ کیا (وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی)۔ارے سرکار یہی تو ابوطالب علیہ السلام ہیں جو اس انقلاب کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھا رہے ہیں۔ جو اُسے اپنے سینے پر سُلاتے ہیں کہ سینہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد 2500 سال سے کافروں کی بھڑکائی ہوئی آگ جمع ہے۔ ابلیس کے خلاف انتقام کے شعلے بھڑکتے ہیں۔ وصایائے انبیا علیہم السلام کا ہجوم ہے۔اس سینہ کی گرمی پہنچاتے ہیں سرکار دوؐ عالم کو۔اس قلب سے اُبھری ہوئی لوریاں دیکر سلاتے ہیں۔محبوب خدا کو دشمنانِ خدا سے روشناس کراتے ہیں۔عربوں کی ذہنیت، خصلت اور سنت کے راز بتاتے ہیں۔تاکہ سرکارؐ رسالت تنفیذ قرآن کی تدریج قائم کریں اور اپنے لامحدود وہبی علم کے عملی پہلو متعین ومشخص کر لیں۔حضرت ابوطالب علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے وہ مادی بصیرت وبصارت تھے۔جسکے ذریعہ حضورؐ مادی حیثیت سے نبوت ورسالت کی اسماعیلی واسرائیلی دونوں شاخوں کے تمام احوال وواقعات ونشیب وفراز دیکھ سکیں۔ابوطالب علیہ السلام اَلَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ o عَلَّمَ الْاِ نْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ o(96/4-5) کے مادی محسوس ذرائع میں سے ایک ذریعہ تھے اور عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (4/113) کی تعلیم میں منجانب خداوند کریم فضل اللہ تھے۔جسکی وجہ سے قریش اور اہل کتاب باوجود کوشش کے آنحضرتؐ کو

ڈگمگا نہ سکے اور خدا نے فرمایا کہ:۔

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ وَ رَحْمَتُہٗ لَھَمَّتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ اَنْ یُّضِلُّوْکَ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَضُرُّوْنَکَ مِنْ شَیْءٍ ... الخ (نسآء 4/113 ،پوری آیت اپنے مقام پر دیکھیں)۔

بہر حال ابو جہل کا نوحہ قریش کی بے چارگی کا اعلان عام ہے۔ یاد رکھیئے کہ ابو طالبؑ اور خانوادۂ ابو طالبؑ کو قریش کے مذہب اور سُنت سے ذرہ برابر ہمدردی نہ تھی۔ وہ غلاموں، حبشیوں اور عجمیوں کو عربوں سے اور قریش کے زعما سے بدر جہا بہتر سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک غُربا، قریش کے امرا وروٗسا سے زیادہ قابلِ احترام تھے۔ حضرت علی علیہ السلام عربوں کی حکومت کو ایک ٹوٹی ہوئی جوتی کے ٹوٹے ہوئے تسمہ سے حقیر فرمایا کرتے تھے۔ بھیڑ کی ناک سے لگی ہوئی گندگی سے بدتر قرار دیا کرتے تھے۔ یہ وہ حقارت تھی جو عربوں نے کبھی فراموش نہ کی۔ ابو جہل اور قریش کو اس نوحہ میں اسی قسم کی شکایت تھی۔ قریش اور عربوں نے آنحضرتؐ کو اپنا سلطان و بادشاہ بنانے کی، لڑکیاں دیکر داماد بنانے کی، ساری دولت نچھاور کر دینے کی پیش کش کی۔ لیکن اِن تمام چیزوں کو ٹھکرا دیا گیا۔ اِن زخموں کی گہرائی میں اگر ہمالہ پہاڑ جھونک دیا جائے تو بھی نہ بھریں گے۔ گھر گھر ابو طالبؑ و خانوادۂ ابو طالبؑ کا پیدا کردہ سوگ تھا، نوحے تھے، آہ وبُکا تھی، نہانا دھونا، عمدہ لباس پہننا، آرام و استراحت ترک کر دئے گئے تھے۔ اور صرف ایک ہی فکر تھی کہ کسی طرح بنی ہاشمؑ کو صفحۂ ارض سے مٹا دیا جائے۔ کعبہ کے منصب داروں کو کعبہ کے چھن جانے کا یقین ہو گیا تھا۔ اس لئے ھُبل سے فریاد ہوتی تھی تو کبھی لات ومنات سے التجائیں تھیں۔ پورے بنی ہاشم کو بھیڑیں قرار دے کر بھیڑیئے کا نوالہ بنانے کی فکر تھی۔ حضرت ابو طالبؑ کو نخل قرار دے کر اس پر محفوظ کھجوروں یعنی آنحضرتؐ اور متعلقین کو تلخ کرا دینے کی دُعائیں تھیں۔ محمدؐ مصطفیٰ جس مذہب کو پیش کر رہے تھے وہ قریش کی طرح بنی ہاشمؑ کے نسب کو قطع نہ کرتا تھا۔ ورنہ ابو طالبؑ بھی اُسی طرح دشمن ہوتے جس طرح ابولہب دشمن تھا۔ مذہب وطریقہ محمدیؐ میں عربوں کا کوئی فضل واکرام وخصوصیت ہرگز نہ تھی۔ اگر ابو طالبؑ کا مذہب بھی وہی ہوتا جو قریش اور عربوں کا تھا تو یقیناً ابو طالبؑ ابوسفیان کا ساتھ دیتے۔ اگر قریش وعرب کے مزعومہ خداوندوں کو بنی ہاشمؑ یا ابو طالبؑ کے دِلوں میں رسائی حاصل ہوتی تو یقیناً حضرت ابو طالبؑ اور تمام بنو ہاشمؑ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ کی مخالفت کرتے۔ مگر بات تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ وہ مذہب پیش کر رہے ہیں جو محمدؐ اور ابو طالبؑ اور تمام بنی ہاشمؑ کا اپنا اور اُنکے باپ دادوں کا مذہب ہے۔ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَسَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (الحج 22/78) میں اَبِیْکُم صرف محمدؐ مصطفیٰ کیلئے نہیں ہے۔ یہ صیغہ جمع ہے۔ اس میں وہ تمام حضرات داخل ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صحیح اولاد تھے۔ یعنی جنھوں نے ہرگز شرک نہیں کیا، ہرگز حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نافرمانی نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ہر حالت میں انؑ کی اتباع ہی کرتے رہے۔ جن کا قول یہ تھا کہ:۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیْ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ مَاکَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا.... الخ (یوسف 12/38)

''میں تو اپنے آباؤاجداد حضرت ابراہیم واسحٰق ویعقوب علیہم السلام کی پیروی کرتا ہوں۔ ہمارے لئے تو یہ بات ہے ہی نہیں کہ ہم (اولاد ابراہیمؑ) اللہ کے ساتھ کسی قسم کا بھی شرک کر سکیں۔ اللہ کے افضال میں سے یہ بھی ہم پر ایک فضل ہے۔''

جن مبارک ہستیوںؑ کا تذکرہ ہورہا ہے۔اُن کے لئے یہ طے ہوچکا تھا جبکہ:۔

وَاِذْقَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَo رَبِّ اِنَّھُنَّ اَضْلَلْنَ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌo (ابراھیم۔36-14/35)

''اور جب ابراہیمؑ نے کہا اَے میرے پالنے والے اس شہر کوامن دینے والا بنادے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو صنم پرستی سے مجتنب رکھ۔ پالنے والے ان بتوں نے واقعی انسانوں میں سے کثرت کو گمراہ کردیا ہے۔ چنانچہ جو میری اتباع کرے وہی مجھ سے ہیں۔اور جو میری نافرمانی کرے تو تُو یقیناً غفور اور رحیم ہے۔''

چنانچہ بنی ابراہیمؑ یا ابراہیمؑ کی اولاد صرف وہی لوگ ہیں جو شرک سے جُدا رہے اور اُن کی اتباع کی۔رہ گئے نافرمان اور بتوں کے پجاری یا محافظ ومنتظم ومنصب دار اُن کو انبیاؑء کرام علیہم السلام ہمیشہ غفور اور رحیم کے حوالے کرتے چلے آئے۔اس آیت کی رو سے قریش اور تمام عرب نمرود وفراعنہ کی شاخیں ہیں۔وہ شجرہؑ ابراہیمیؑ میں اگر کبھی کسی طرح تھے بھی تو منقطع کر دیئے گئے تھے۔انہی کے نمائندوں کی فہرستیں مولانا شبلی نعمانی نے پیش کی ہیں۔اُن ہی کے متعلق ہم اُلٹی گنگا بہانے چلے ہیں۔اُن کے آباؤاجداد میں اگر ابراہیم علیہ السلام ہوتے تو اُن کا آبائی مذہب بھی وہی ہوتا۔عربوں نے اپنے اپنے آبائی مذہب کو جس مضبوطی سے پکڑے رکھا اس کی مثال خود عرب ہی ہیں۔چنانچہ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ سے قریش اور عرب یعنی بنی ہاشمؑ کے مخالفین کا کوئی رشتہ نہ تھا۔نہ ملت ومذہب سے، نہ خود نسب ابراہیمیؑ سے۔البتہ اقتدار وحکومت کے بل بوتہ پر بار بار ایسا ہوتا رہا ہے کہ لوگوں نے اپنے شجرہؑ نسب کو کسی بزرگ شجرہ سے ملا دینے کی کوشش کی۔لیکن قرآن کریم واحادیث اور خود طرفداران اقتدار کے بیانات سے یہ راز فاش ہوتے چلے آئے ہیں۔ہر مجرم سے جرم کے دوران ایک غلطی کا ہوجانا مقدّر رہے۔اور مُفتش ومحقق کے لئے وہ غلطی سرمایہ تحقیق وتفتیش بن جاتی ہے۔خصائل ابراہیم واسماعیل علیہم السلام جن لوگوں میں یکسر مفقود ہوں۔نہ صورت ملتی ہو نہ سیرت کا شائبہ ہو وہ کیسے اُن کے بیٹے ہوسکتے ہیں؟ تاریخ نے اُن لوگوں کے حلیے لکھے ہیں۔باوجود احتیاط کے اُن کی صورتیں مکروہ اور سیرتیں بھیانک رہتی چلی آئی ہیں چنانچہ؛

(12/10)۔ جناب شبلی سے قریش کی عداوت کا ایک اور سبب ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ:۔

(و) ''ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں ۔ بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔''اس کے بعد چند بدمعاشیوں اور بدمعاشوں کا نام بنام ذکر کر کے لکھا ہے کہ:۔

(ز) ''اسی طرح اکثر ارباب جاہ مختلف قسم کے اعمال شنیعہ میں گرفتار تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ (وآلہ) وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے تو دوسری طرف اِن بداخلاقیوں پر سخت داروگیر کرتے تھے۔جس سے اُن کی عظمت و اقتدار کی شاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل صفحہ 218)

(12/11)۔ اس بیان سے ایک دفعہ پھر واضح ہوا کہ جن کو قریش کہا جارہا ہے، بنی ہاشمؑ اُن کی طرح نہ بت پرست تھے۔نہ اعمال شنیعہ اور ذلیل بداخلاقیوں میں ملوث تھے۔ورنہ ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنی مذمت پر چراغ پا ہوتے اور قریش کی طرح آنحضرتؐ کے خلاف

محاذ قائم کرتے۔معلوم ہوا کہ بنی ہاشمؑ کا طرزِ زندگی اور عملدرآمد عین اسلام کے مطابق تھا۔چنانچہ بنی ہاشمؑ کے پورے خاندان کے لئے ماننا پڑے گا کہ اُن کا ہر فرد مسلم ومومن، صالح اور متقی تھا۔اوراس سب کا سہرا جناب ابوطالب علیہ السلام کے سر تھا۔وہ بنی ہاشمؑ کے سربراہ تھے اور پورا قبیلہ اُن کے اُسوۂ حسنہ پر عامل تھا۔یہ زمین وآسمان، کفر وایمان اور سیاہ وسفید کا فرق تھا جس کو قریش نے مشکوک کرنے کیلئے صدیوں تاریخ کو بگاڑا۔تاریخ کو بگاڑنے کی ایک مثال بھی سن لیں مولانا شبلی کہتے ہیں:۔

(ح)''**ایک ضروری نقطہ** گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا۔تاہم اس گرہ کا کھولنا ضروری ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام اربابِ سیَر نے متفقاً کیوں غلطی کی؟اور صحیح بخاری وغیرہ میں یہ تصریحات کیوں پائی جاتی ہیں؟کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔''

(12/12)۔ مولانا شبلی یہ بیان نہ بھی دیتے تب بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ عربی منصوبہ کی مصلحتوں کے تحت تمام مؤرخین و محدثین واقعات میں ہر ممکن رنگ آمیزی کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ بخاری کی ایسی معتبر کتاب بھی یہی کہتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے (معاذ اللہ) اہل مکہ کے ایک تجارتی پر امن قافلہ کو لوٹنے اور قتل وغارت کردینے کا حکم دیا تھا۔اسی کے نتیجہ میں جنگِ بدر پیش آئی۔(انا لِلّٰه و انا الیه راجعون) ۔ایک زمانہ تھا جب یہ امید کی جاتی تھی کہ رفتہ رفتہ رسولؐ اللہ کے نام پر اور انہی کا اُسوہ اور عمل بتا کر لوٹ مار اور قتل و غارت ہمیشہ جاری رکھی جاسکے گی۔چنانچہ اس پر باقاعدہ عمل ہوتا رہا۔غیر مسلموں کا حال تو معلوم ہے۔لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ عین حالتِ نماز میں نمازیوں کو گرفتار کیا جاتا تھا اور گاؤں کے گاؤں قتل وغارت لوٹ مار سے تباہ کردیئے جاتے تھے۔تاریخ سے مالکؓ بن نویرہ اور اُسکے گاؤں کا واقعہ مٹایا نہیں جاسکتا۔مسلمان نمازیوں کو قتل کیا گیا۔اُنکے ناموس کی حرمت کو ضائع کیا گیا۔اُنکی عورتوں اور بچوں کو کنیزیں اور غلام بنایا گیا۔اسی مسئلہ کی رو سے جس کو جناب شبلی نعمانی نے باوجود بخاری ومسلم جیسی کتابوں میں ہوتے ہوئے باطل ثابت کیا ہے۔چنانچہ مؤرخین کا اتفاق اور محدثین کی وثاقت سے باطل اور حرام فعل کو حق وجائز نہیں کہا جاسکتا۔اس قسم کے ہزارہا حقائق ہیں جن کو عربی منصوبہ سازوں کے اشارہ پر پوشیدہ کرلیا گیا یا اُن کی صورت کو بدل دیا گیا یا کم ازکم مشکوک کردیا گیا۔بالکل اُسی طرح، قطعی اُسی انداز سے اور عین اُسی قسم کے مقاصد کے ماتحت حضرت ابوطالبؑ ایسی عظیم ترین ہستی، محسن رسولؐ، ماوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوزیشن کو مشکوک کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی۔لیکن یہاں مؤرخین کے درمیان اتفاق نہ ہوسکا۔اسلئے کہ بعض مؤرخ اس معاملہ میں خریدے نہ جاسکے۔خود مولانا شبلی ہی کو لے لو۔وہ اس روایت کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں جس پر حضرت ابی طالبؑ کا ایمان نہ لانا منحصر کیا گیا ہے(صفحہ 248)۔مگر افسوس کہ سید سلیمان ندوی اپنی سیادت کے ثبوت میں اپنے اُستاد یعنی شبلی نعمانی کے خلاف اپنے جدامجد کو کافر ماننے پر مُصر ہیں (حاشیہ صفحہ 248)۔ہم انہیں مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ آخر وہ اپنے جدّ کو پہچان لینے میں کامیاب ہوگئے اور ساتھ ہی اُستاد (جو باپ کے برابر ہوتا ہے) کا حق ادا کردیا۔

(12/13)۔ آپ نے دیکھ لیا کہ آج چودھویں صدی میں بھی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ایمان کی بحث اتنی خطرناک حد تک محسوس کی جاتی ہے کہ شاگرد اُستاد کا منہ نوچ لینے میں تکلف نہیں کرتا۔بہرحال بتایا یہ جارہا تھا کہ تاریخی بیانات آج چودہ سو سال کے

بعد غلط ثابت کئے جا رہے ہیں۔ واقعی مولانا شبلی نے نہایت شاندار طریقہ پر جنگ بدر کی بخاری ومسلم وغیرہ میں مذکورہ وجہ کو باطل ثابت کیا ہے۔ لہٰذا سوچ سمجھ کر یہ کہنا چاہئے کہ تاریخ سے ابو طالب علیہ السلام کا ایمان لانا ثابت نہیں ہے۔ اسی لئے ہم نے الٹی گنگا شروع کی اور کفار عرب کے ہتھکنڈے آپ کے سامنے رکھتے چلے جانا ضروری خیال کیا ہے۔ اسکے بعد آپ یہ دیکھیں کہ شبلی صاحب وہ سبب بیان کرتے ہیں۔ جس کی بنا پر بعض تاریخی بیانات کا غلط ہو جانا ضروری تھا۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اس پہلو کو نہایت غور وفکر کے ساتھ مطالعہ فرمائیں، لکھتے ہیں کہ:۔

(ط) ''اصل یہ ہے کہ اصولِ جنگ کے موافق، اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک جو مشہور صحابی ہیں اُن کا قول نقل کیا گیا ہے:۔

وَلَمْ یَکُنْ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم یُرِیْدُ غَزْوَۃَ اِلَّا وَرَّی بِغَیْرِھَا۔

''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقعہ کا تورِیَّۃٗ فرماتے تھے۔'' (صفحہ 364)

(12/14)۔ اس کے بعد مولانا توریہ کے معنی بتاتے ہیں سنئے:۔

(ی)۔ ''توریہ کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ آپ ایسے موقعہ پر مبہم اور محتمل المعنین الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ گو میرے نزدیک یہ کلیّہ اس معنی میں صحیح نہیں، تاہم واقعات کے استقصاء سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے۔'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 364)

(12/15)۔ بعض نوجوان شبلی صاحب کے اس بیان کو ٹھیک سے سمجھ کر لطف اندوز نہ ہو سکیں گے۔ اُن کے لئے ہم چند وضاحتی سطریں لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تَوْرِیَّۃٌ مصدر ہے۔ اس کے معنی ہیں ''چھپانا'' کسی مفہوم کو پوشیدہ اور محفوظ کرنا۔

(To conceal), (To hide To), (To dissemble), (To allude ambiguously To)

ترکیب سے مفہوم پوشیدہ کر جانا، ساتھ ہی جھوٹ نہ بولنا۔ یہ ہیں اصطلاحی معنی۔ مثلاً آپ دریافت کرتے ہیں کہ آپ نے کتنا لکھا پڑھا ہے؟ جواب ملتا ہے۔ بھائی گزارہ کر لیتا ہوں۔ اس جواب سے آپ سمجھے کہ معمولی اردو وغیرہ پڑھا لکھا شخص ہے۔ لیکن اُس کے جواب میں لکھنے پڑھنے کیلئے ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ آپ نے خود ہی سمجھ لیا کہ گزارہ کر لیتا ہوں کا مطلب ہے کہ اتنا لکھا پڑھا ہوں کہ اپنے معمول کے کام چلا لیتا ہوں۔ لہٰذا توریہ کا مطلب یہ ہے کہ کلام ایسا کیا جائے جس سے کذب نہ ہو اور اصل بات بھی معلوم نہ ہونے پائے اور متعلقین کا اطمینان بھی ہو جائے۔ یاد رکھئے کہ توریہ تقیہ کے مبادیات میں سے ایک علمی طریقہ ہے جس سے مصلحت نافذ کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا مولانا شبلی نے مان لیا کہ دشمنوں یا نااہلوں سے کسی عمل کو پوشیدہ رکھنا تاکہ عمل سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جا سکے سنت نبویؐ ہے۔ اور ہر بات کو کھول کر بیان نہ کرنا مصلحتاً جائز ہے۔ لہٰذا ہمیں اُن جہلا سے یہ شکایت ہے کہ جناب ابو طالب علیہ السلام کے متعلق انہیں کسی مصلحت کا خیال کیوں نہیں آتا؟ وہ کیوں چاہتے ہیں کہ اس طریقہ کو انبیاء علیہم السلام اس کے موزوں ترین مواقع پر بھی استعمال نہ کریں؟ یہ پہلو ہم مناسب جگہ پر دوبارہ سامنے لائیں گے۔ یہاں یہ دیکھیں کہ تقیہ اور توریہ کیوں ضروری ہے؟ یہ بھی مولانا کے قلم سے ملاحظہ ہو:۔

(ک)۔ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریاں کیں۔ اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہوکر آئیں۔ احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے۔ اُنہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی۔ حضرت علیؑ (اور حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت ابومرثد غنوی) کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں۔ خط آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطب کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمر بیتاب ہوگئے اور عرض کی کہ حکم ہو تو اسکی گردن اڑادوں۔''

(سیرۃ النبیؐ۔صفحہ 512-511)

(12/16)۔ ہم جناب شبلی سے یہ دریافت نہ کریں گے کہ سرکار آپ نے جب حاطب کا نام پہلے لکھا تو اُن کے ساتھ حضرت بھی لکھا اور رضی اللہ عنہ کا ''رضؓ'' بھی لکھا اور انہیں ایک معزز صحابی بھی بتایا۔لیکن آخر میں جب نام آیا تو بے چارے حضرت صاحب نہ معزز رہے نہ خدا اُن سے راضی رہا۔صرف حاطب لکھ کر آپ نے اُن کو کیوں چھوڑ دیا 2۔قاصد کو پکڑنے اور خط چھین لانے کیلئے حضرت علی علیہ السلام کے بعد یہ بریکٹ کیوں چپکا دیا۔کیا تمہارے خیال میں وہ تنہا کافی نہ تھے؟ بہرحال ہم مولانا کو مذہبی رعایت دیتے ہیں۔جس قدر وہ حق بیان کریں اس پر اُن کے مشکور ہیں۔

(12/17)۔ ناظرین مندرجہ بالا حادثہ آپ نے دیکھ لیا۔یہ ایک معزز صحابی کا حال تھا۔وہ واقعی معززین میں داخل رہا ہوگا۔ورنہ اُس سے راز رکھا جاتا۔اس سے آپ چند باتیں سیکھیئے۔اوّل یہ کہ معزز صحابہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو موقعہ ملنے پر کفار کو آنحضرتؐ کے راز بتا دیا کرتے تھے۔یعنی قریش کی طرف سے جاسوسی کے لئے معزز مقام حاصل کرنا ضروری تھا، کہ راز معلوم ہوتے رہیں۔ دوم یہ کہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اگر تمہیں، تمہارے ماں باپ، عزیز واقارب، اولاد واموال وغیرہ اللہ اور رسولؐ سے زیادہ عزیز ہیں تو جہنم کیلئے تیار رہو۔ سوم یہ کہ اگر یہ خط کسی دشمن پارٹی کی طرف سے جاتا اور ترسیل خط میں ایسی غلطی کی جاتی جس سے خط بھی پکڑا جائے اور پارٹی بھی ظاہر ہوجائے تو یقیناً پارٹی کی طرف سے ایسے بداحتیاط شخص کی سزا، سزائے موت ہوتی۔جس نے اِدھر اپنے فرائض میں کوتاہی کی اور اُدھر پوری قوم کو تباہ کرانے کا باعث بنا۔ چہارم یہ کہ اگر جناب ابوطالب علیہ السلام کے متعلق ہمیں ایسی ایک بھی حرکت معلوم ہوجاتی جیسی کہ اُن رضی اللہ عنہ حضرت صاحب نے کی تھی تو قسم بخدا میں اُنہیں دشمنانِ اہل بیتؑ کی اُسی فہرست میں شمار کرتا جو ہمارے یہاں معروف ومشخص ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر اس تمام کے بعد بھی وہ حضرت رضی اللہ عنہ ہیں تو جناب ابی طالبؑ بلاشبہ صلواۃ اللہ علیہ ہیں۔ چھٹی یہ کہ یہاں دیکھئے کہ حضرت ابی طالب علیہ السلام کی فداکاریاں مانی جاتی ہیں اور ان کے لئے ہر ایسے عمل وقول کا انکار کیا جاتا ہے کہ جس سے آنحضرتؐ یا مسلمانوں کا نقصان مدنظر ہو۔اسکے باوجود اُنہیں (معاذ اللہ) مومن تسلیم کرنے میں ایک مخصوص ذہنیت کو تکلف ہوتا ہے۔لیکن حاطب کو مومن کہنے اور اللہ کو اس سے زبردستی راضی کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے۔ یہاں تلاش کرو، یہیں کہیں کفر پوشیدہ ہے۔

(12/18)۔ تبلیغِ اسلام کے لئے تقیہ و توریہ جیسے بے پناہ شرعی اصول

دیکھا آپ نے توریہ کیوں ضروری ہے؟ تقیہ کیوں لازم ہے؟ تاکہ کفار ومنافقین اور عربی قسم کے مسلمین کے خطرات سے محفوظ رہ کر دین کو تیزی وکامیابی سے نافذ کیا جاسکے۔ چونکہ توریہ اور مصلحت کی بات ہوہی گئی اس لئے آپ کے روبرو یہ بھی پیش کردیں کہ اوّلین مسلمانوں کو ممانعت تھی کہ وہ ایک خاص حالت کے سوا خود کو مسلمان ظاہر نہ کریں۔ خاموشی سے حکمت کے ساتھ دعوت اسلام دیں اور یہ کام اپنے اعتماد کی نسبت سے کریں۔ تاکہ قریش کو تدارک کا موقعہ نہ ملے اور مذہب اسلام بلامزاحمت پھیل جائے اور اسلام کا پھیلنا بھی انہیں بے ڈھنگے طریقہ پر منظور نہ تھا۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام اپنے انتقال سے پہلے ایسے داخلی انتظامات کرادینا چاہتے تھے کہ جواُن کی وفات کے بعد آنحضرتؐ کی فطری حمایت وصیانت کا سبب بن جائیں۔ لہٰذا نہایت محنت واحتیاط سے تبلیغ کی جاتی تھی۔ تاکہ قریش اس پروگرام اور اس کے نتائج پر مطلع ہوکر تدارک نہ کرنے پائیں۔ اسلام لانے والے ایسے لوگ ہوں جو قریش کے خلاف جم کر کھڑے ہوسکیں۔ ساتھ ہی تہذیب واخلاق اور مصلحت کے تحت قریش کو چڑایا نہ جائے۔ انہیں ایک دم خطرہ محسوس نہ ہونے پائے۔ یہ سب کچھ تقیہ وتوریہ جیسے بے پناہ شرعی اصولوں کی مدد سے کیا جارہا تھا۔ اس سلسلہ کی دو ایک چیزیں شبلی صاحب سے سنئے لکھا ہے کہ:۔

(ل)۔ ''یہ امر واقعی طور پر ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے ہی بت پرستی کی برائی شروع کردی تھی اور جن لوگوں پر آپؐ کو اعتماد تھا اُن کو اس سے منع فرماتے تھے۔'' (صفحہ۔192)

(12/19)۔ نبوت اور رسالتِ محمدؐیہ روزازل سے غیر منقطع صورت میں چلی آرہی ہے

یہاں آپ نوٹ کریں کہ اعلانِ نبوت سے نبوت شروع کرنا اور اُسی روز سے آنحضرتؐ کو نبیؐ ماننا بھی تاریخ میں جہاں کہیں ملے اُسے کفار قریش کے منصوبہ سازوں کی کارفرمائی سمجھنا چاہئے۔ ورنہ حقیقتاً نبوت محمدؐیہ کائنات کی ابتدا کے پہلے سے شروع ہوتی ہے۔ مگر اپنی آخری اور مکمل صورت میں پیدائشِ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ ماننا پڑیگی۔ اور ہم تو اَوّلُنا مُحمدٌ و اوسطنا مُحمدٌ و آخرنا مُحمدٌ کے اصول سے حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام اور اُن کے ادوار میں اُن کے تمام اوصیا وآئمہ علیہم السلام کو روز ازل سے قیامت تک محمدؐ ہی محمدؐ مانتے چلے آتے ہیں۔ دوسری چیز یہ نوٹ کرلیں کہ مولانا شبلی اعلانِ نبوت سے پہلے کی تبلیغ کو اعتماد اور بھروسہ سے مشروط قرار دیتے ہیں۔ یعنی اُس زمانہ میں تبلیغ صرف اُن لوگوں کو کی جاتی تھی جن پر آنحضرتؐ کو کامل اعتماد اور بھروسہ تھا کہ وہ نہ صرف غور وخوض کریں گے بلکہ اُس تبلیغِ اسلام کو راز میں بھی رکھیں گے اور قبل از وقت اُس راز کو فاش نہ کریں گے اور ہرگز ہرگز کسی طرح اُن لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیں گے جو نا قابلِ اعتبار ہیں یا بنو ہاشمؑ کے دشمن، حریف اور بدخواہ ہیں۔ اور چونکہ تاریخ کی رُو سے عوام کا یہی عقیدہ قائم ہوا کہ آپؐ اعلانِ نبوت کے روز سے نبی ہیں اور برابر جموری (جمہوری) عقیدہ یہی رہتا چلا آیا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے پہلے جن لوگوں کو اپنی نبوت اور تعلیمات اسلام کی تبلیغ کی گئی، وہ واقعی قابل اعتماد بلکہ جان نثارانِ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ یہ قابل بھروسہ اور قابل یقین لوگ وہی ہوسکتے ہیں جن کو سابقہ تعلیمات خداوندی مسلسل

معلوم ہوں ۔ جو مصلحت انبیاء سے آگاہ ہوں ۔ جن کو اصول تدریج کے فوائد وقواعد پر یقین ہو اور جو کسی طرح بھی ان مصالح کی خلاف ورزی نہ کریں ۔ پھر یہ وہ لوگ ہونا چاہیں جن کو نہ صرف تعلیمات انبیاء علیہم السلام کا ربط و تسلسل معلوم ہو بلکہ اس وقت کے عربوں اور دشمنان تعلیمات خداوندی پر بھی مطلع ہوں تا کہ اس راز کو اُن سے محفوظ رکھیں ۔اس کے بعد یہ نوٹ کریں کہ یہ راز چونکہ محفوظ رہا اور آج تک نبوت کی ابتدا پر بحثیں ہوتی ہیں اور اکثر کم علم لوگ یا منصوبہ ساز حضرات کا عقیدہ یہی ہے کہ اعلان نبوت کے بعد سے نبوت شروع ہوئی ۔اس سے پہلے وہ آنحضرتؐ کو نبی نہیں مانتے ۔اس سے ان لوگوں کی عظمت ثابت ہوگئی جنہوں نے باوجود تبلیغ ہوتے رہنے ، باوجود تعلیمات نبوت سے فیض یاب ہوتے رہنے کے نا قابل اعتبار لوگوں کو اس راز کی ہوا تک نہ لگنے دی ۔ ورنہ حریفانِ بنی ہاشم ، بدخواہانِ ابو طالبؑ اور دشمنانِ خدا اور رسولؐ ، اعلانِ نبوت کو صرف ڈھونگ نہ کہتے بلکہ اُسے بہت پرانا ڈھونگ قرار دیتے اور روز اوّل ہی سے مخالفت ، مزاحمت اور شرارت شروع کر دیتے ۔اور کسی قیمت پر وہ اعزاز نہ کرتے جو بنی ہاشمؑ اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کا فطری نتیجہ تھا ۔سیدؐ بطحا و یثرب نہ کہتے ، امین کا لقب نہ دیتے اور دشمنی کا ایک ہلّڑ مچ جاتا ۔(معاذ اللہ) اُن کو بُت پرست مشہور کرنے کی کوششیں ہوتیں ، شرابخوری کا ثبوت فراہم کیا جاتا ، ہر ممکن اتہام اور الزام لگایا جاتا ۔اس سے آپ حضرت ابو طالب علیہ السلام کی اور شرعی اصول تدریج وحکمت نیز توریہ کی اہمیت کا اندازہ لگائیں ۔عرب کے تمام گھرانے ، شیوخِ قریش کا ہر فرد سرآنکھوں پر بٹھاتا رہا ۔قریش نے اعلان نبوت سے پہلے پہلے آنحضرتؐ کی ہر ہر حیثیت سے تعظیم وتکریم کی اور انہیں پتہ نہ چلا کہ ابو طالبؑ کے گھر میں ایک انقلاب پرورش پا رہا ہے جو عرب وقریش کی مذہبی حکمرانی کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائے گا ۔ یہ نتیجہ محض جناب ابو طالب علیہ السلام کی اس بصیرت کا تھا جو تمام سابقہ انبیا واوصیا وآئمہ علیھم السلام سے انہیں وصیت اور ورثہ میں ملی تھی ۔اور اسی کو خدا نے فَھَدیٰ کہہ کر جتلایا ۔اسی انتظام کی پختگی کی بنا پر فَاَغْنیٰ فرمایا ۔فاویٰ ارشاد ہوا ۔قیام واستحکام نبوت ورسالت کے انتظامات کے دوش بدوش قیامت تک نبوت ورسالت کی حفاظت وصیانت کا مادی انتظام بھی ہوگیا تو خدا کا وعدہ (فَتَرْضٰی) پورا ہوگیا ۔اور خدا نے محمدؐ وابی طالب علیھما السلام کو راضی کر دیا ۔ یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ اعلان نبوت کے بعد یہ راز رفتہ رفتہ کُھل گیا کہ نبوت اور رسالت محمدؐ یہ روز ازل سے غیر منقطع صورت میں چلی آ رہی ہے ۔کبھی انبیاؑء ورسلؑ لگاتار ایک دوسرے کے وصی وولی وخلیفہ وامام بنتے رہے ۔اور کبھی ایک نبیؑ سے دوسرے نبیؑ تک آئمہ کا سلسلہ جاری رہتا اور تعلیمات خداوندی کو پہنچاتا رہا ہے ۔اور آخر میں یہ راز بھی کھل گیا کہ اب قیامت تک خاندان ابو طالب علیہ السلام کے چشم و چراغ بارہ آئمہؑ کی شکل میں اس مکمل دین کو حوض کوثر تک لے کر جانے کے ذمہ دار ہیں ۔اس پر بعض ناعاقبت اندیش منصوبہ سازوں نے ایسی روایات بھی تیار کی تھیں جن میں (معاذ اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبل نبوت بُت پرستی وغیرہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں ۔اُن کو ہم نے ناعاقبت اندیش اس لئے لکھا کہ انہوں نے خاندانِ بنو ہاشمؑ کی عداوت میں خود اپنے مزعومہ مذہب کی رعایت بھی ملحوظ نہ رکھی ۔اور دنیا پر جس کو اپنا نبیؐ ظاہر کیا اس کی تنقیص کو خود اپنے مزعومہ مذہب کی تنقیص نہ سمجھا ۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ جو لوگ خود آنحضرتؐ کو (معاذ اللہ) بُت پرستی ، شراب نوشی ، نماز میں بتوں کی مدح وثنا ، بتوں کا چڑھاوا کھانا ، اور قبل اعلان نبوت نبی نہ ہونا ، بعد اعلان نبوت سینکڑوں غلطیاں کرنا ، غلطی کو اُن سے ممکن ماننا وغیرہ بطور مذہب اختیار کرلیں تو وہ اگر حضرت ابو طالب علیہ السلام کو مومن و

مسلم نہ مانیں تو کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے۔اس سلسلہ کا ایک اور بیان مولانا شبلی کے قلم سے دیکھئے، فرماتے ہیں کہ:۔

(م)۔ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرضِ نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیشِ نظر تھیں۔اگر آپ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغِ دعوت پر اکتفا فرمائیں یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی۔لیکن خاتم انبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغِ اسلام سے منور کر دینا تھا۔اس لئے نہایت تدبر و تدریج سے کام لینا پڑا۔سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جاسکتے تھے جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے۔جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدقِ دعویٰ کا قطعی فیصلہ کرسکتے تھے۔یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھیں۔حضرت علیؑ تھے جو آپؐ کے آغوشِ تربیت میں پلے تھے۔'' وغیرہ وغیرہ (سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل صفحہ 205)

(12/20)۔ اعلان نبوت سے پہلے پہلے تمام بنی ہاشمؑ میں تبلیغ ہو چکنا لازم ہے

گو مولانا کا یہ منشا نہیں ہے۔یہاں تو وہ بعد اعلانِ نبوت کی بات کررہے ہیں۔مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر مولانا کا بیان (ل) صحیح ہے تو نمبر (م) کا تعلق اعلان نبوت سے بہت پہلے سے ہے۔یعنی آپ نے خدیجہ و علی علیہما السلام کو روزِ اوّل سے تبلیغ اسلام شروع کی تھی اور تمام اہل عقل مع مسلمانوں کے مانتے ہیں کہ جناب ابوطالبؑ سے زیادہ آپؐ کو نہ کسی دوسرے پر اعتماد تھا نہ ہوسکتا تھا۔اور نہ آنحضرؐت کی ایک ایک عادت بلکہ ایک ایک بال، خون و گوشت، ہڈیاں، خصلت و مزاج وغیرہ سے کوئی دوسرا شخص، جناب ابوطالبؑ کے بالمقابل زیادہ علم و تجربہ رکھتا تھا نہ کسی اور کے لئے ممکن تھا۔لہٰذا جناب ابوطالب علیہ السلام سے زیادہ آنحضرؐت کی پوزیشن کو کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔چنانچہ مولانا کے مسلمہ قاعدے کی رُو سے سب سے پہلے ابی طالب علیہ السلام کو وہ تازہ تعلیمات خداوندی بتانا لازم ہوجاتا ہے جو پہلے انبیاو رُسل سلام اللہ علیہم پر نازل ہونے کی بنا پر جناب ابوطالبؑ کو معلوم نہ تھیں۔اُن کے بعد جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کا نمبر ہوگا۔پھر جناب علی مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔یہ نہ صرف فطری پوزیشن تھی بلکہ مولانا بھی اس سے متفق ہیں۔اس کے بعد دوسرے معتبر حضرات کا نمبر آئے گا اور یہ نمبر بنی ہاشمؑ سے باہر نہ نکلے گا جب تک وہ سب روشناس نہ ہوجائیں۔اُنکے بعد دیگر افراد کا نمبر آئے گا۔اور بہرصورت بعد اعلانِ نبوت آئیگا۔اعلان نبوت سے پہلے پہلے تمام بنی ہاشمؑ میں تبلیغ ہو چکنا لازم ہے۔پھر اعلان کے بعد بھی تبلیغ میں تدریج برابر قائم رہے گی۔تاکہ بقول مولانا یہ ''پُرخطر'' راز دشمنانِ قدیم پر بلا ارادہ ظاہر نہ ہونے پائے۔یہاں مولانا نے جناب عیسیٰ علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کی دَرپردہ توہین کی ہے۔یہ سراسر واقعات کے خلاف ہے کہ اوّل الذکر نے صرف دعوت پر اکتفا کی اور ثانی الذکر اپنی قوم کو صرف لیکر نکل گئے۔اور یہ بات کہ آنحضرؐت اپنی قوم کو بلا کسی مشکل کے عرب سے لیکر نکل سکتے تھے، بہت مضحکہ خیز ہے۔غالباً مولانا یہ بھی نہیں جانتے کہ آنحضرؐت کی قوم کون تھی؟ کیا تھی؟ کہاں تھی؟ کتنی بڑی اور کیسی تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کیلئے نہایت آسان تھا۔لیکن وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشمؑ خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے۔اور سلسلہ بہ سلسلہ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائیگا۔بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس میں دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہوں۔اس لئے اسلام اگر

جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا۔ بلکہ سینکڑوں تھے۔ اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا۔ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 220 (12/21)۔ یہ اسی تدریج و مصلحت عمرانیؑ کا نتیجہ تھا جس میں اسلام کی تبلیغ اس اصول کو سامنے رکھ کر کی جارہی تھی کہ میرے بعد دشمنان دین کی مزاحمت صفر سے ضرب کھا کر رہ جائے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے حضرت ابوطالب علیہ السلام نے بہت محنت و کاوش سے کام کیا۔ گویا تمام قبائل کو ان خبیثوں کے بالمقابل لاکر کھڑا کر دیا گیا۔ جس طرح بنی ہاشمؑ کو اسلام کی تفصیلات سے قبل اعلان نبوت مطلع کر دیا گیا تھا، بالکل اُسی طرح قبائل عرب میں سے چن چن کر لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کی گئی۔ حضرت عمران علیہ السلام نے اس مقصد کے لئے بار بار سفر کیئے۔ وہ آنحضرتؐ کو ہمراہ رکھتے تھے۔ علمائے یہود و نصاریٰ سے ملاقات کراتے تھے۔ ان کی کتابوں میں مذکورہ پیش گوئیوں کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ وہ لوگ ان کا خاتم الرسل ہونا مان کر اعلان کر دیتے تھے۔ چنانچہ اسی تاریخ میں بہت سے احبار و رہبان و علمائے یہود و نصاریٰ کا آنحضرتؐ کو پیغمبر آخرالزمان بتانا موجود ہے۔

اُلٹی گنگا کے سلسلے کی آخری بات سنئے اور خوب غور سے سوچئے اور قرآن کے الفاظ میں وہ تصویر بنایئے اور اسے کبھی اوجھل نہ ہونے دیجئے۔ یہ بہت کام کی باتیں ثابت ہوں گی اور ایمان میں پختگی کا باعث بنیں گی۔ بہرحال نہایت مختصر طور پر عرض کروں کہ وہ نبیؐ جس کے علم کی یہ انتہا تھی کہ کوئی ایسی بات نہ گزری، نہ موجود اور نہ آئندہ ہوگی جس کا علم محمدؐ کو نہ ہو۔

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ۔ "اور سکھایا تجھ کو جو کچھ کہ نہ تھا تو جانتا۔" (نسآء 4/113) (ترجمہ رفیع الدین)

ایسے "العلمؐ" کو کائنات کے ہر شخص کے ساتھ ساتھ رکھا۔ حضرت آدمؑ سے لے کر (بلکہ اس سے بھی بہت پہلے سے شروع ہو کر) اپنے زمانہ تک کے لوگوں کے لئے راہِ ہدایت دکھاتے رہے۔ نہ صرف یہ کہ اپنے ہی زمانہ کی مخلوق کے لئے ہادی تھے بلکہ قیامت تک کی مخلوق کے پیشوا تھے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا 34/28) اور وَمَآ أَرْسَلْنٰکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ o (انبیاء 21/107) اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت واسطے عالموں کے۔ نیز سورۃ اعراف 7/156 بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ایسا نبیؐ جب مادی طور پر بلند ہوا تو قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی o سے آگے نکل گئے (نجم 53/9)۔ اور غیر معین اور لامحدود مقام پر پہنچے۔ جہاں کوئی ملک مقرب ہو یا کوئی نبیؐ ہو یا مرسلؑ نہ پہنچ سکا ہو۔ اس ہی نبیؐ کے لئے قرآن نے ایسی حکومت کا اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص اُنؐ کو حاکم تسلیم نہ کرے تو اس کا ایمان ہی قبول نہیں فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ (نساء 4/65) "پس قسم ہے پروردگار تیرے کی نہیں ایمان لاویں گے یہاں تک کہ حاکم بدیں تجھ کو" (ترجمہ رفیع الدین)

ایسے نبیؐ کے ساتھ ہم کلام ہونے کا طریقہ قرآن کی زبان میں یوں بیان ہوا ہے پوری آیت سنئے:۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ o (حجرات 49/2)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ مت بلند کرو آوازاپنی کو اوپر آواز نبیؐ کے اور مت آواز بلند کرو اوپر اس کے بیچ بولی کے جیسا بلند کرتے ہیں بعضے تمہارے واسطے بعضے کے ایسا نہ ہو کہ کھوئے جائیں عمل تمہارے اور تم نہ سمجھتے ہو۔" (ترجمہ رفیع الدین)

یہاں پر یہ نوٹ کر کے آگے بڑھیں کہ اگر کسی شخص نے مخالفت تو بجائے خود، صرف آواز اور لہجہ بھی نبیؐ سے بلند کیا تو تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ سوچیئے کہ جب پلیٹ فارم ہی صاف ہو گیا تو نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج وزواری اور خیر خیرات کہاں گئے؟ میں نے جلدی جلدی چند آیات پیش کر کے جان چھڑائی ہے ورنہ سینکڑوں آیات کا مطالبہ ہے کہ اُن کو دلیل بنایا جائے۔

بہر نوع یہاں پر کچھ کڑوی باتیں بھی سنیں اور برداشت کریں کہ وہ بھی قرآن ہے۔ ابھی ابھی آپ نے سنا تھا۔ ایسے نبیؐ کو جسے کَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا 34/28) رَحْمَةً لِّلعٰلَمِيْنo (انبیاء 21/107) لِلعٰلَمِيْنَ نَذِيْراo (فرقان 25/1) کہا ہو۔

اگر اُسے یہ کہا جائے کہ مَا عَلَيْکَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (انعام 6/52) ''نہیں اوپر تیرے حساب اُن کے سے کچھ۔''

یعنی تو اُن کے حساب کتاب کا ذمہ دار نہیں ہے۔ سوچ کر بتایئے کہ وہ کون اور کیسے لوگ ہوں گے؟ شوق سے آپ کسی X-Y-Z کا نام لے دیں مگر ذمہ دار رہیں۔ بہر حال اتنا تو واضح ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہونا چاہئیں۔ یقیناً اُن کی پوزیشن اللہ کی نگاہ میں بہت بلند ہے۔ سنئے اسی گروہ کو سلام کرنے کا محمدؐ کو حکم یوں دیا جا رہا ہے:۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ ''کہہ سب تعریف واسطے اللہ کے ہے اور سلام اوپر بندوں اُس کے کے جن کو برگزیدہ کیا'' (النمل 27/59)۔ بات کو مزید واضح کرنے کے لئے قرآن کا ایک اور مقام دیکھئے:۔

وَإِذَا جَآءَکَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْکُمْ (6/54) ''اور جب آویں تیرے پاس وہ لوگ کہ ایمان لاتے ہیں ساتھ نشانیوں کے ہماری کے پس کہہ سلامتی ہے اوپر انعام۔'' (ترجمہ رفیع الدین)

بات کھل گئی کہ وہ مومن جب بھی محمدؐ کے پاس آئیں تو اُن کو سلام علیکم کہنا ہے۔ اور یہ محمدؐ پر واجب ہے کیونکہ قُل صیغہ امر ہے۔ اور وہ اللہ کے مصطفیٰ بندے ہیں (نمل 27/59)۔ دیکھا آپ نے کہ اُن مومنین کی پوزیشن کس قدر مستحکم ہوگئی؟ سوچو اور بار بار سوچو اور بتاؤ کہ وہ کون ایسی ہستیاں ہیں جن کو محمدؐ جیسا رسول سلام کرے گا؟ ایک اور مقام دیکھیں:۔

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَکَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ... الخ۔ (بنی اسرائیل 17/23)

''اگر پہنچے نزدیک تیرے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں (ماں اور باپ) پس مت کہہ اُن کو اُف۔''

نوٹ: بریکٹ ہم نے خود دی ہے کہ یہ ذکر ہی ماں باپ کا ہو رہا ہے۔ بہر حال محمدؐ سے کہا جا رہا ہے کہ جب تیرے ماں باپ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو تم کسی بات پر اُن کو اف نہ کہنا۔ اور پھر ذرا آگے:۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل 17/24) ''اور بچھا واسطے اُن دونوں کے بازو ذلت کا مہربانی سے''

محمدؐ کی ذمہ داریوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ماں باپ کے سامنے ذلیل ہو کر کھڑے ہونا ہے۔ اور ہر لمحہ مہربان رہنا ہے۔ بتایئے محمدؐ کے ماں اور باپ تو دونوں فوت ہو چکے تھے۔ اب ان آیات کو نازل کرنے کا اللہ کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ کیا اللہ سے (معاذ اللہ) بھول ہوگئی؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر محمدؐ کے سامنے بڑھاپے کو پہنچنے والے دونوں یا دونوں کی جگہ ایک ایسا قائم مقام ہونا چاہئے۔ جن سے یا جس سے مطلوبہ سلوک کیا جا سکے؟ یہ یقیناً وہؑ ہی ہستی ہے جس کا نام لینے سے قریش کو بخار چڑھتا تھا۔ بہر حال جلدی جلدی ایک اور مقام دیکھ لیں

فرمایا: ثُمَّ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ أَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ إِبۡرٰهِيمَ حَنِيفًا (النحل16/123) ''پھر وحی بھیجی ہم نے طرف تیری یہ کہ پیروی کر دین ابراہیمؑ حنیف کی'' بات بالکل سیدھی اور واضح ہے کہ ''اے رسولؐ ملت ابراہیمؑ کی اتباع کرو'' یاد رکھیئے اتباع جان دار کی ہوتی ہے بے جان کے نقش قدم پر چلا ہی نہیں جا سکتا۔ (دیکھو ہماری تفسیر احسن التعبیر) لہٰذا وہ ملت ابراہیمیؑ موجود ہو جنکے نقش قدم کی پیروی ہو سکے۔ نسلِ ابراہیمؑ میں نہ عبدالمطلبؑ موجود ہیں نہ حضرت عبداللہؑ ہیں۔ اُس وقت اگر موجود ہیں تو صرف حضرت ابوطالبؑ ہیں۔ سابقہ بیانات کی رو سے بھی اور اس تازہ آیت سے بھی حضرت محمدؐ نے حضرت ابوطالب علیہ السلام کی اتباع کرنی ہے نہ کہ ابوطالبؑ نے محمدؐ پر ایمان لانا ہے؟ اور یہ حکم ہے۔ اس سے سرتابی ناممکن ہے۔ کہیئے جناب! ہے نہ ''اُلٹی گنگا''؟

(12/22)۔ حضرت عمران علیہ السلام کا نکاح اور خطبہ

جناب ابوطالب علیہ السلام کی شادی آپ کی چچازاد فاطمہؑ بنت اسدؑ سے ہوئی تھی۔ آپ نے جو خطبہ پڑھا تھا وہ یہ تھا کہ:۔

''دُنیا کی تمام خوبیاں اس خدا کے لئے مخصوص ہیں جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے۔ جو عرش عظیم و مقام کریم اور مشعر و حطیم کا رب ہے۔ وہ خدا جس نے ہمیں سرداری کی حیثیت سے منتخب کیا۔ ہم کو عارفین اور مخلصین میں شمار کیا اور راہبر بنایا۔ ساتھ ہی اُس نے ہم کو فحش اور شک و اذیت و نجاست اور عیب سے محفوظ رکھا۔ اُس نے ہمارے لئے مشاعر قائم کئے اور ہم کو قبائلِ عالم پر فضیلت دی۔ ہم خاصہؑ خاندان ابراہیمیؑ ہیں۔ جو ہر صفاتِ خلیلیؑ ہیں۔ ہم ہی حضرت اسماعیلؑ کی کھیتی ہیں۔ میں نے فاطمہؑ بنت اسدؑ سے اپنا نکاح کیا ہے۔ اُن کا مہر ادا کر دیا ہے۔ اور امر تزویج نافذ کر دیا ہے۔ حاضرین اس امر کو دریافت کر لیں اور اس عقد پر گواہ رہیں۔ اِس کے بعد آپؐ کے چچا جناب اسدؑ نے جواب دیا۔ ہاں ہم نے اپنی بیٹی فاطمہؑ سے تمہاری تزویج کر دی ہے۔ اور ہم اس تزویج پر تم سے راضی ہو چکے ہیں۔''

اِس تقریب نکاح کے بعد جناب ابوطالبؑ نے سات دن تک مسلسل دعوت ولیمہ جاری رکھی۔ جس میں اونٹ اور بکرے کثرت سے ذبح کئے گئے۔ تمام مکہ و گرد و نواح مکہ کے باشندوں نے دعوت میں شرکت کی۔ اُمیہ بن الصلت نے اپنے اشعار میں اس دعوت کا پورا نقشہ کھینچا تھا۔ چند اشعار دیکھئے:۔

اغمر نا عرس ابی طالبؑ — وکان العرسا لین الحانِب

اقراؤہ الضیف باقطارھا — من رجل خف ومن راکِب

فنازلوہ سبعة اَحۡصَيۡتُ — ایا مھا للرجل الحاسِب

''ابوطالبؑ نے اپنی شادی میں دعوت ولیمہ سے ہم سب کو ڈھانپ لیا۔ یہ ایک ایسا عرس تھا جسکا آغوش شفقت و نرمی سے پھیلا ہوا تھا، انہوں نے اس ضیافت میں سواروں اور پیادوں سب کو شامل رکھا۔ سات دن تک برابر اس دعوت کا قیام و طعام جاری رہا۔''

13۔ حضرتِ عمرانؑ اور آنحضرتؐ کی پرورش وتربیت

جیسا کہ اِس رسالت عظمیٰ کا تقاضہ تھا جناب ابوطالب علیہ السلام بھی قطعاً اُس کے مطابق تیار کئے گئے تھے۔ وہی نہیں بلکہ اُس خانوادہ کے تمام افراد رسوؐل اللہ کی پرورش اور تربیت کے لئے ایک مکمل نظام کی صورت رکھتے تھے۔ یہ ایک ایسا ادارۂ عصمت تھا جسے تیار کرنے کے لئے اِس ذریتؑ طاہرہ نے کئی ہزار سال سے پیہم تمنائیں، محنتیں، قربانیاں اور خدا سے دعائیں کی تھیں۔ یہ سب حضرات جناب ابوطالبؑ کی نگرانی اور راہنمائی میں سرکارِ دوعالم کی تیاری کے لئے اپنی اپنی متعلقہ خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس گھر میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک صحف مطہرہ کی تلاوت ہو رہی تھی۔ یہاں ہر لمحہ ملائکہ کا ہجوم رہتا تھا۔ برکات ونعمات خداوندی نازل ہو رہی تھیں۔ کعبہ کی تولیت میں قریش کو الجھا کر یہ لوگ اب تربیت محمدیؐ میں مصروف تھے۔ لوگ اپنے اپنے دنیاوی جھمیلوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ کعبہ میں بت پرستوں، مشرکوں، فلسفیوں کا راج تھا۔ نئے نئے بت اور مشہور ومعروف مجسمے کعبہ میں سجائے جا رہے تھے۔ جرھمی و خزاعی وقحطانی فسق وفجور اور جنسی بے راہ روی زور وشور سے پھیلتی جا رہی تھی۔ حضرت قصی علیہ السلام کی عائد کردہ مذہبی وقانونی پابندیاں ختم ہو کر اب قریشی دستور پر عمل ہو رہا تھا۔ ہر مرد وعورت اپنی رائے، تقریر وتحریر میں آزاد تھا۔ ایک نیا قریشی معاشرہ تیار کیا جا رہا تھا۔ خانوادہ رسوؐل کو شکست خوردہ، عزلت گزیں اور آؤٹ آف ڈیٹ (Out of Date) سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ سب تعارض اور جھگڑے طے کر کے اپنے نظام شرک میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے۔ بیت النبوۃ کے مدبرین یہی چاہتے تھے۔ اُنہیں کہاں فرصت کہ وہ مشرکانہ حماقتوں اور بدعتوں میں دخل دیں۔ اُنہیں تو ایک عالم گیر انقلاب کو پال کر جوان کرنا ہے۔ اُنہیں تمام کتبہائے خداوندی کو مدنظر رکھ کر محمدؐ کو اُس معیار پر لے جانا ہے کہ جہاں اللہ خُلقِ عظیم کی سند عطا کرے۔ اُنہیں اپنے بیت الرسالت میں اُن تمام چیزوں کا داخلہ بند کرنا ہے جن سے قساوت قلبی پیدا ہوتی ہے۔ جو بے حیائی اور بے حسی کو جنم دیتی ہیں۔ تاکہ اُن کے پروردہ کو قرآن روف ورحیم کہہ کر پکارے (9/128) اور انہیں ہر قسمی غلاظت قلبی سے منزہ اور پاک قرار دے (آل عمران 3/159)۔ وہ ایسی زبان بولیں گے جو دل میں اُتر کر ذہن میں بس جائے۔ وہ تصورات کو اس طرح راسخ کر کے چھوڑیں گے کہ خلاّقِ عالم خود اپنی ذمہ داری پر یہ گارنٹی دے کہ نہ وہ گمراہ ہو سکتا ہے نہ اسے اغوا (بہکایا) کیا جا سکتا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہتا ہے وہ تو ہماری ارسال کردہ وحی ہوتی ہے۔ (نجم 53/2-4) اُس میں کسی ذاتی میلانِ طبع سے تعلق نہیں ہوتا ہے۔ اِدھر تو ادارۂ عصمتؑ نہایت خاموشی سے نبوتؐ ورسالتؐ وامامتؑ وحکومت کی تکمیل میں مصروف تھا۔ اُدھر بیت الرسالتؐ سے باہر قریش اور اُن کے حلیف ادارے نہایت اطمینان سے اپنی پالیسیاں مرتب کر رہے تھے۔ حالات یہ سوچنے کا تقاضہ کر رہے تھے کہ غالباً بنو ہاشمؑ تھک چکے ہیں۔ مقابلہ کی طاقت ختم ہو چکی ہے اس لئے صدیوں پرانی کشمکش سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ یا یہ کہ اس مشہور ومعروف پیغمبرؐ کی برکت اور روایتی امن وسلامتی کے نتیجے میں اُس قدیم رسہ کشی کو اللہ نے اپنی قدرت سے روک دیا ہے۔ اگر یہ آخری صورت صحیح ہے؟ تو یقیناً اب عبدالمطلبؑ کا یہ رویہ مستقلاً دوستانہ رہے گا۔ لہٰذا اس کی جانچ کے لئے ایک ماہر کمیشن تعینات کیا جانا چاہئے۔ اور تصدیق ہوتے ہی ہمارا رویہ بھی قطعاً موافقت میں تبدیل ہو جانا چاہئے۔ لیکن اس احتمال کو نظر

انداز کر دینا نہایت مہلک اور تباہ کن ہوگا کہ تھکے ہارے ابو طالبؑ دوبارہ طاقت فراہم کرنے کی فکر میں نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس پُر امن سکوت کی تہہ میں کوئی طوفان وانقلاب سرگرمِ کار ہو؟ ہوسکتا ہے کہ اُن کی نبطی وغسانی حکومت سفارتی لیول (سطح) پر کسی بیرونی اور غیر ملکی فوج کشی کا تانا بانا تیار کر رہی ہو اور اچانک مدینہ والی کمک کی طرح ہمیں نوکِ نیزہ پر ڈانس (ناچ) کرایا جائے۔ اور یہ امکان بھی زیرِ نظر رہنا لازم ہے کہ خاندانی اقتدار کے لالچ سے اور قدیم روایتی جاہ وجلال کی تمنائیں خاندان میں اُبھر رہی ہوں۔ اور یہ لوگ اِس صُلحِ کل اور پیغامبرِ اَمن وسلامتی کو غلط راہ پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اُس کے بچپن کے معصوم ذہن میں خاندانی روایات اور تحطانی طرزِ حیات کا زہر گھول رہے ہوں؟ اور آخر نبوت ورسالت کی سطح سے اپنا کھویا ہوا اقتدار وحکومت وولایت حاصل کرنے میں کوشاں ہوں؟ اور پہلے احتمال کی طرح یہ پہلو بھی قطعی انسانی اور فطری ہے۔ ایک بچہ کو جیسا بناؤ بن جاتا ہے۔ انسان ذاتی تحفظ کو پہلا نمبر دیتا ہے۔ جذبات و میلانات ہر لحہ ساتھ ساتھ اور اُسی قلب وذہن میں رہتے ہیں جہاں وحی والہام کا نزول ہوتا ہے۔ قلب وذہن میں کوئی ایسی دیوار یا ادارہ نہیں ہوتا جو وحی اور الہام کو ذاتی، خاندانی اور قومی جذبات ومیلانات سے نہ ملنے دے۔ وحی اور الہام کے الفاظ اُسی کے قلب وذہن سے تیار ہو کر نکلیں گے۔ اُسی کی زبان پر جاری ہوں گے اور یوں اُسے خود کو بھی پتہ نہ چلے گا کہ وحی یا الہام کی عبارت میں کون سا لفظ، کون سا پہلو جذباتی میلانات سے تعلق رکھتا ہے؟ اور خالص تصورِ وحی کہاں اور کس لفظ میں ہے؟ لہٰذا قریش کے ماہرین شرکیات و مذہبیات و سیاسیات دن رات حضرت عمران علیہ السلام اور اُن کے خاندان کے بدلے ہوئے رویہ اور مستقبل میں پیش آنے والے حالات کا تجزیہ کرتے رہتے تھے اور ہر عقلی امکانی صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے متعلقہ ماہرین کی حلفیہ ڈیوٹی لگاتے جا رہے تھے۔ اس سلسلے میں وہ مکمل لائحہ عمل اور پروگرام مرتب کرلیا جو پیش آمدہ حالات میں برسرِ کار رکھا جائے گا۔ اُس پروگرام کے لئے اور مندرجہ بالا پالیسی کا پتہ لگانے کے لئے قرآن کریم اور نہج البلاغہ لبریز ہیں۔ یہ وہ اہم مشاورت اور مشرکانہ بصیرت تھی جس کا ذکر ہر اُس آیت یا بیان میں موجود ہے جہاں آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن نے یہاں ایک غیر متعلقہ سی بات کہی ہے۔ دعا کریں کہ ہمیں اتنا وقت اور مل جائے کہ ہم قرآن کریم کی اس تفسیر کو جو اپنے داخلی نظام کے لئے مختلف پروگراموں سے بکھری ہوئی ہے۔ ایک جگہ جمع کر کے پیش کرسکیں۔ اُس کے منظرِ عام تک آنے سے پہلے یہ چیز نہایت مشکل ہے کہ قرآن کی اسپرٹ اور طرزِ بیان قلب وذہن تک پہنچ سکے۔ بہرحال نظامِ اجتہاد کے ماہرین کے اقدامات حسبِ ذیل تھے:۔

13/1۔ اوّل: ہر کلیدی مقام پر کم از کم ایک ماہر تعینات کیا جائے جو حالات واقدامات اور اگر ہو سکے تو بیت النبوّۃ کے جذبات و تصورات پر نظر رکھے۔ وہاں سازگار حالات پیدا کرے اور مرکز یعنی طاغوت کو مطلع کرتے رہنے کی ذمہ داری لے۔

دوم: قوم میں یہ مشہور کیا جائے کہ قریش اور ابو طالبؑ میں کوئی جھگڑا اور اختلاف نہیں ہے۔ یہ سب ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ غلط فہمیاں ہی نہیں بلکہ اُن شرارت پسندوں کو بھی دور کر دیا گیا ہے جو قریش اور خانوادۂ امامت وحکومت میں مسلسل تنازعہ کو اپنے مفاد کیلئے استعمال کر رہے تھے۔ لہٰذا عوام کو ابو طالبؑ اور اُنکے خاندان سے نہایت پیار اور احترام کا سلوک کرنا چاہئے۔

سوم: ادارہ تحریر اور اُس کا پورا پروپیگنڈا اسٹاف (STAFF) ضروری روایات، کہانیاں اور متعلقہ اشعار و واقعات مرتب کرے

اور ملک وقوم میں زبان زدِعوام کرے۔

چہارم: محکمہ مال ادارہ تحریری کی روایات کی نشرواشاعت کے لئے مالی امداد دے کر سارے ملک میں وظائف کا انتظام کرے۔تا کہ ہر میلہ، ہر بازار اور ہر جلسہ اور ہر بیٹھک میں قومی شعرا، نسّاب، کاہن اور قصہ گو پہنچیں اور اختلاف وتو اترُ نقد ونظر کے ساتھ ساتھ مرکزی تصور ذہن نشین ہوتا چلا جائے۔یعنی ''وہ عالمی شہرت کا رسولؐ، وہ ساری اقوام کو شِیر وشکر کرنے والا نبیؐ ہماری قوم میں سے ہے۔قریش اُس کے سرپرست ہیں۔کعبہ کی حکومت وتولیت اور اقوام عالم کی امامت قریش کے لئے مقدر ہے۔وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک، ہمارے آسمان شہرت کا چانداور سورج ہے۔ساری دنیا کی طرح ہم خود اُس کے منتظر رہتے چلے آئے ہیں۔وہ ہرگز قریش کے مفاد اور فلاح و بہبود کے خلاف ایک لفظ نہ کہے گا۔اور جو شخص اُس میں اور قریش میں یا اُس کے قریبی عزیزوں میں اور قریش میں کسی جھگڑے، تنازعہ یا اختلاف کی افواہیں پھیلائے وہ یقیناً قریش کا ہی نہیں بلکہ سارے عرب وعجم کا دشمن ہوگا۔اسلئے کہ نبیؐ ہرگز کسی قوم کے خلاف مہم نہیں چلایا کرتا۔وہ کسی مذہب یا مکتب فکر کی مذمت نہیں کیا کرتا۔وہ تو سابقہ تنازعات اور اختلافات کو بھی مٹانے کے لئے آتا ہے۔دشنام طرازی اس کے شایانِ شان نہیں ہوتی۔وہ سلف صالحین اور مشہور بزرگوں کے خلاف تمام رجحانات کی مذمت کیا کرتا ہے۔وہ توڑ پھوڑ اور سابقہ نظام وتمدن کو درہم برہم نہیں کرتا۔نہایت حکیمانہ تدریج اس کی اوّلین ذمہ داری ہوتی ہے۔مفاد عامہ، مصالح ملکی اُس کی شریعت کے ستون اور اساسی اصول ہوتے ہیں۔وہ ماہرین اور علمائے قوم سے مشورہ کے بعد مفید ترین احکام دیا کرتا ہے۔وہ ہمارے ہی ایسا ایک منتخب انسان ہوا کرتا ہے۔اُس میں وہ تمام جذبات واحساسات ومیلانات ہوتے ہیں جو تمام بنی آدمؑ میں اللہ نے ودیعت کئے ہیں۔ہم کوشش کریں گے کہ اُسے مافوق الفطرت شخص کہیں، فرشتہ قرار دیں۔لیکن اگر وہ سچا نبیؐ ہوگا تو یہ قومی اور غلط اعزاز قبول نہ کرے گا، بلکہ اُلٹا ڈانٹ دے گا اور ہماری مثل ایک بشر ہونے پر اصرار کرے گا۔اُس سے بھول چوک اور خطا ہر وقت ممکن ہے۔مگر اُس پر آنے والی وحی اُس کی ہر غلطی کی اصلاح کرتی جاتی ہے۔وہ عقلِ اجتماعی سے استفادہ کرتا ہے۔قومی اجتہاد کے خلاف قدم نہیں اٹھاتا ہے۔اُس پر خاندانی دباؤ ڈالا جاسکتا ہے۔اُسے متاثر کیا جاسکتا ہے۔اُس کو اس قدر جذباتی بنایا جاسکتا ہے کہ وہ کسی گروہ یا خاندان کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کوئی اعلان کردے۔لیکن یہ نبوت ورسالت کے مزاج شناس قریش کی ذمہ داری ہے کہ رسول کے ہر ایسے بیان کی صحیح ترجمانی کرے جو مرکزی خیال وصورتِ حال کے خلاف جاتا ہو۔

پنجم: یہ نہایت اہم اور ہر لمحہ سامنے رکھنے اور حفظ ما تقدم کرتے رہنے کی بات ہے کہ مقام نبوت کو انسانی سطح سے بلند کرنے کی ہر کوشش اور ہر بیان کو بے دریغ مٹادیا جائے۔یہ وہ خطرناک صورتِ حال ہے جو ہمارے تمام بزرگوں کو پیش آتی اور مشکلات میں مبتلا کرتی آئی ہے۔اور جب بھی ہمارا نظام ناکام ہوا ہے اُس کا سبب یہی ہوا ہے کہ جمہور نبیؐ کو انسانی سطح سے بلند مان کر مفسدہ پردازوں کے ہمنوا بن گئے اور ہمارا محاذ پٹ گیا۔لہٰذا ہمیں اُلوہیّت کا تحفظ اپنے اوّلین اصول میں رکھنا ہوگا۔جہاں کہیں کوئی ایسی بات ہو جو اُلوہیّت کے مرکزی تصور کے خلاف شائبہ تک پیدا کرے۔اُسے فوراً شرک والحاد کی طاقت سے دبادینا ہوگا۔ہمارا سب سے پہلا مُوحّد اور سب سے بڑا توحید پرست بزرگ کسی غیر خدا کی بزرگی اور عظمت کو استقلال نہیں دیتا۔

ششم: اِن اصولوں کو مدنظر رکھ کر قریش اور اُن کے حلیف قبائل وشعوب اور موالی سب کو حکم دیا جاتا ہے کہ ابوطالبؑ اور اُن کے خاندان والوں سے ہر تعاون کریں۔ شیر وشکر ہو جائیں۔ اُن میں گھل مل جائیں مگر مرکزی ہدایات کے خلاف نہ جائیں۔

(13/2)۔ حضرت عمران علیہ السلام نے قریشی اصول پر اعلان رسالت میں دیر کی

ادارۂ نبوتؐ، ادارۂ اجتہاد سے روزِ ازل سے واقف تھا۔ اور یہ واقفیت وحیٔ خداوندی کی بنیاد پر غلطی اور تخمینوں سے پاک ہوتی تھی۔ ادارہ اجتہاد کا بزرگ حالانکہ اپنا ذاتی نظام وحی رکھتا ہے اور چوری چھپکے آسمانوں سے خبریں بھی لے سکتا ہے اور تمام نوع انسان کو نظروں کے سامنے رکھ سکتا ہے۔ مگر ادارۂ ابلیسی کی رسائی نہ وحی تک ہوتی ہے نہ اس کے مجتہدین ادارۂ عصمت ونبوتؐ پر تسلط رکھتے ہیں۔ اس لئے قریش کے لئے صرف عقلی اور اجتہادی میدان ہی کھلا تھا۔ تخمینے اور تک بندیاں اور سیاسی جوڑ توڑ اور جاسوسوں اور مخبروں کی صحیح و غلط اطلاعات ہی اُن کا سامان تھا۔ بہرحال ادارۂ عصمت نے وہ تمام اقدامات شروع کئے جو کامیاب اعلان نبوّت کیلئے ضروری تھے۔ انہوں نے قریشی تعاون کو خوش آمدید کہا اور ہر شرعی تعاون کیا۔ اور دونوں فریق اپنے اپنے پروگرام میں مصروف ہو گئے۔ حضرت عمران علیہ السلام اور اُن کے اقربا سب لکھے پڑھے اور اپنے زمانے کے انتہائی علوم وفنون کے ماہر لوگ تھے۔ اُس گھر میں ہر وقت علمی سرگرمیاں رہتی چلی آئی تھیں۔ بادشاہان عالم سے راہ ورسم تھی۔ یہ لوگ بلا ترجمان کی احتیاج کے یونانی، عبرانی وغیرہ زبانیں بولتے تھے۔ اس گھر میں تمام کتبہائے خداوندی کا حقیقی قلمی ریکارڈ موجود تھا۔ یہاں ہر بچہ خاندانی ماحول کی بنا پر مختلف زبانیں بولتا ہوا جوان ہوتا تھا۔ یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی تھا۔ مگر حالات کا تقاضہ تھا جس کی بنا پر کبھی کسی غیر آدمی نے حضورؐ کو نہ لکھتے ہوئے دیکھا نہ پڑھتے ہوئے پایا۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ میں یہ بات کھل گئی کہ آپؐ لکھنا پڑھنا باقاعدہ جانتے تھے۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے کہ یہ لوگ کہیں ادھر اُدھر سے کچھ لکھ لکھا کر قرآن پیش کر رہے ہیں، وہ طرز عمل اختیار کیا کہ قحطانی ٹولہ ناراضگی کے بعد یہ سمجھے کہ قرآن اسی وقت اُترتا ہے جس وقت تلاوت کیا جاتا ہے۔ حالانکہ بعد میں معلوم ہوا کہ اُن کا تو ہر بچہ پیدا ہوتے ہی قرآن پڑھتا تھا۔ لہٰذا ہر وہ بات مؤثر انداز میں پیش کی جس کے انکار یا مشکوک کرنے کی اُمید تھی۔ اور قحطانیوں نے اس انتظام کے باوجود بھی طرح طرح کے اعتراض کئے۔ لیکن جب انہوں نے مخالفت اور اعتراض شروع کئے اس وقت تک کامیابی بیت الرسالتؐ کے قدم چوم چکی تھی۔ اُن کے تمام اعتراضات پادر ہوا ہو کر باطل ہو گئے۔ بہرحال رسولؐ اللہ کا بچپن قریشی تعاون کے ساتھ گزرتا چلا گیا۔ وہ جس غرض سے تعاون کر رہے تھے اسی سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔

ماحول اور معاشرے پر حضورؐ کے اثرات

رسوؐل اللہ سب کی نظروں میں پیارے تھے۔ ہر پارٹی اُن سے اپنے مستقبل کی تمنائیں وابستہ کر کے اُن کے ساتھ شاد اور پیارا سلوک کر رہی تھی۔ لوگ آنکھوں پر بٹھاتے تھے، سینے سے لگاتے تھے۔ اُن کے منہ سے نکلی ہوئی بات پر عمل کرتے تھے، ہر طبقہ کے لوگ اُن سے اپنی اپنی فلاح وبہبود کی امیدیں لگائے ہوئے تھے۔ آپؐ جس راہ سے گزر جاتے وہ کافی دیر تک مہکتی رہتی تھی۔ لوگ پہچان لیتے تھے کہ حضوؐر ادھر سے گزرے ہیں۔ آپؐ قوم کے افراد کے حالات کو اُن ہدایات کی روشنی میں دیکھتے تھے جو جناب ابوطالب علیہ السلام اور

خانہ رسولؐ کے بزرگوں سے ملتی رہتی تھیں۔نبض شناسی اور امراض کی تشخیص فرماتے تھے۔غیر محسوس طور پر دلوں کی گہرائی میں اُتر کر قومی معالج کا معیار متعین فرمارہے تھے۔اجتماعی قوت برداشت کا پتہ لگاتے تھے۔دماغوں میں بسے ہوئے تعصب، بغض وحسد، کینہ وجذبات انتقام کا وزن تولتے تھے۔دلوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی تمہید قائم فرماتے تھے۔آپ جس محفل میں جا بیٹھتے لوگ آپؐ کو عزت کے بلند مقام پر بٹھاتے اور جام وسبو اور فحش گانے بند کر دیئے جاتے۔جنسی اشتعال کی تمام حرکتیں، غمزے اور ادائیں رُکتی چلی جاتی تھیں۔آپؐ کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی جس سے ناپاک دلوں میں ناپاک جذبات ندامت محسوس کرتے۔رحم وشفقت سے لبریز نگاہیں جدھر اُٹھ جاتیں لوگوں کے دلوں میں توبہ کے جذبات اُمنڈنے لگتے۔لوگ آپؐ کی زبان پر حرف شکایت آنے سے پہلے پہلے اپنی حالت سدھارنے میں لگ جاتے۔برہنگی جلدی جلدی چھپاتے۔ساقی جام وسبو زمین پر رکھ کر اُنہیں پوشیدہ کرنے کے لئے گھبرا کر اِدھر اُدھر چھپنے کی کوشش کرنے لگتے۔گانے والوں کے الفاظ دانتوں میں اُلجھ کر رہ جاتے۔ناچنے والے اجسام بے حس وحرکت ہو جاتے۔آپ دو چار ہمدردی اور اصلاح کے ابتدائی جملے کہہ کر رخصت ہو جاتے۔اُن کے جانے کے بعد ہر فحاشی وشراب نوشی کی محفل اُجڑ جاتی۔لوگوں کے سامنے اُن کا ماضی اور ٹھکرائی ہوئی ذمہ داریاں آ کر کھڑے ہو جاتے۔منتظمین ایسی محفلوں کے انعقاد کے مقامات بدلتے تاکہ سرکارؐ وہاں پہنچ کر محفل کی گرمی کو تبدیل نہ کر دیں۔ہر دل میں اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کو حضورؐ سے چھپانے کا جذبہ بیٹھتا جا رہا تھا۔ایسے جذبات کو آپؐ محسوس کرتے، عادات دیرینہ کے ترک کرنے کے لئے موقع دینا ضروری سمجھتے۔ڈنڈے، دھمکی اور مصنوعی طریقوں سے ہدایت کو احمقانہ فعل سمجھتے۔وہ ہر شخص کو احساس ذمہ داری، عاقبت اندیشی اور انسانیت کے مقام بلند پر متوجہ کرتے رہنے کو اصلاح کی بنیاد بناتے تھے۔اور اس سے آگے نہ بڑھتے تھے۔قوم اُن کے وجود میں رسالتؐ کے تمام جوہر وخصائل دیکھ رہی تھی۔دُور دُور سے مرد عورتیں آپؐ کی مدح وثنا سن کر آتے اور ایک نظر دیکھنے کے لئے زحمتیں اُٹھاتے اور خوش ہوتے تھے۔مکہ والوں کی ایسی عوامی فضا میں آنحضرتؐ کا بچپن جوانی کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔اُدھر حضورؐ کی شہرت حکومتوں اور مذہبی اداروں اور غیر ملکی دانشوروں میں پھیلتی جا رہی تھی۔باہر سے آنے والے وفود آپ سے مل کر جاتے اور اپنے ملک وقوم میں تشریف لانے کی دعوت کرتے اور واپس جا کر آپؐ کے نورانی اخلاق سے اپنی اقوام کو مطلع کرتے۔اور بتاتے کہ وہ رسولؐ جس کا انتظار ساری دنیا کر رہی تھی۔مکہ میں اپنے اخلاقِ حمیدہ اور نورانی خصائل سے مخلوق پر ضیاباری کر رہا ہے۔

(13/3)۔ محمدؐ کی تجارتی سفارت اور ابوطالب علیہ السلام

بحیرا راھب سے ملاقات کرانے کے بعد جناب ابوطالبؑ کے ساتھ حضورؐ نے یمن اور اندرون ملک کے کئی ایک سفر کئے۔آپؐ جہاں بھی جاتے تھے، علمائے یہود ونصاریٰ علاماتِ نبوت ورسالت سے آپؐ کو شناخت کر کے تصدیق کرتے تھے۔ایک مرتبہ جناب ابی طالب علیہ السلام کی رضامندی سے عباس بھی آپؐ کو اپنے ہمراہ لے کر یمن کی تجارت پر گئے تھے۔(روضۃ الاحباب جلد اوّل صفحہ 73)

سن بلوغ سے پہلے ہی پہلے تمام بڑے بڑے تاجروں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ جس تجارتی قافلہ میں آپؐ ہوتے ہیں وہ خلاف توقع منافع سے مالا مال ہو کر آتا ہے۔لہٰذا اللہ نے آپؐ کے مسلسل تعارف کے لئے یہ راہ نکال دی کہ بڑے بڑے تاجر آپؐ کو اپنا نائب

التجارت بنا کر ملک شام اور یمن وغیرہ بھیجتے۔اس طرح آپؐ تجارت کے انتظام کے ساتھ ساتھ نبوتؐ و رسالت کی اشاعت اور تعارف میں بھی پوری طرح کامیاب ہوئے۔اور قبل اس کے کہ لوگ عرب میں اُن پر ایمان کی ابتدا کریں ملک شام و یمن میں اسلام پھیلنا اور مومنین کا بڑھتے جانا شروع ہو گیا۔اور بحیرا راھب کے بعد تمام گرجاؤں اور خانقاھوں میں آپؐ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ تاجروں میں اور عوام میں آپؐ کی دیانت و امانت، حق گوئی اور عفت مآبی، حُسنِ عمل، بلا کسی عبوست اور ترش روئی کے خطاؤں کا معاف کر دینا، نہایت ہی باقاعدگی کے ساتھ تجارتی حساب کا ریکارڈ رکھنا۔اور کسی قسم کی فضول خرچی نہ ہونے دینا اتنا مشہور ہوا کہ آپؐ کا لقب امین و صادق قرار پا گیا۔آپؐ کی دیانت اور امانت اور منافع میں برکت کا یہی شہرہ تھا۔جس کی بنا پر جناب خدیجہ علیھا السلام نے بھی آپؐ سے درخواست کی اور اپنے تمام کاروبارِ تجارت و سفارت حضورؐ کو سونپ دیئے۔آپؐ نے اس ذمہ داری کو بھی سربراہِ خاندان جناب عمران علیہ السلام کی رضامندی اور اجازت کے بعد قبول فرمالیا۔اور جس خوش اسلوبی سے انجام دیا، اُس نے جناب خدیجہؑ کے سارے خاندان کو گرویدہ کر لیا اور چاہا کہ حضورؐ کو اپنا سرپرستِ خاندان بنالیں۔ چنانچہ خدیجہ علیھا السلام نے نکاح کی درخواست کی اور جناب ابوطالب علیہ السلام نے خود ولی کی حیثیت سے خطبہ نکاح اور دوسری شرعی رسومات ادا کیں۔اور آپؐ کو خدیجہؑ کے ولی (چچا زاد بھائی) ورقہ بن نوفل نے اپنے خطبہ میں اس تزویج پر مبارک باد دی۔اس وقت جناب خدیجہؑ کی عمر چالیس سال تھی اور آنحضرتؐ کی عمر کا پچیسواں سال تھا۔دونوں طرف دعوت ولیمہ وغیرہ بڑی دھوم دھام سے انجام دی گئیں۔اور تمام عمائدین شہر اور عوام نے شرکت کی خوشیاں منائیں۔شادی کے بعد بھی آپؐ حضرت ابوطالب علیہ السلام کی سپرد کردہ تمام ذمہ داریاں بدستور بجالاتے رہے۔اُدھر قریش اور تمام عمائدینِ مکہ اپنی تمام قومی و سیاسی مشکلات میں حضورؐ کو اپنا حاکم بناتے رہتے تھے۔اور جن جھگڑوں پر تلواریں میان سے نکل آتی تھیں اور سالھا سال آپس میں جنگ و جدل ہوتا رہتا تھا اُن کے فیصلے آپؐ سے کراتے تھے۔ہر بڑا نزاع رسولؐ اللہ کے سامنے لایا جاتا تھا۔یہ تھا وہ مقصد جس تک پہنچانے کے لئے جناب عمران علیہ السلام کعبہ کی تولیت اور تمام ذمہ داریوں سے دستکش ہو کر رسولؐ اللہ کی تعلیم و تربیت میں لگ گئے تھے۔تاکہ قریش اور تمام دشمنانِ خاندانِ رسولؐ اپنے ہاتھ سے یہ عہدہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کر دیں۔حضرت ابوطالب علیہ السلام کی دانشوری کا یہ کمال ہے کہ بلا کسی مسلح تصادم کے تولیت کعبہ ہی نہیں بلکہ پوری قوم کی حکومت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔آپؐ کے فیصلے کے بعد کوئی سرتابی نہ کرتا تھا۔

(13/4)۔ رسالت کے اصلاحی سائے میں قریشی دانشور ایمان کی راہ پر

(i) اُدھر آنحضرتؐ اور جناب عمران علیہ السلام کا پروگرام اپنی نورانی تاب کاری سے دلوں کو اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔لوگوں میں طرح طرح کی امنگیں اور تمنائیں پھیل رہی تھیں۔ ہر دل وہ دن دیکھنا چاہتا تھا جس دن خانوادۂ رسالت کے تمام سابقہ بزرگوں سے بھی بہتر نظام برسرکار آئے گا۔**1** : غربت و اِفلاس اپنا منہ چھپانے کے لئے سرمایہ داروں میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گا۔**2** : لیڈروں اور اُن کے مجسموں کے قدموں سے اُٹھا کر انسانیت کا سر بلند کر دیا جائے گا۔**3** : جب ظالم و جابر، غربا اور بے کسوں سے رحم اور معافی کی بھیک مانگیں گے۔**4** : جب نوع انسانی کی دعا بارگاہ خداوندی سے محروم نہ پلٹیں گی۔**5** : جب نعماتِ خداوندی کی بارشیں شروع ہوں

گی۔**6** : جب فخر وعزت وبزرگی اور فضیلت کا معیار خدمت نوع انسان قرار پا جائے گی۔**7** : جب شخصی، خاندانی، ملکی اور قومی دباؤ اور تفریق انسانی ترقی کی راہ سے ہٹا دی جائے گی۔**8** : ہر بڑے مرتبہ کا شخص، ہر بزرگ خاندان، ہر معزز قوم اور ہر ترقی یافتہ ملک پس ماندہ اشخاص اور کمزور خاندان وقوم اور ملک کو بلند کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے آمادہ ہو جائے گا۔**9** : جب انسانی فکر اور اظہار خیال پر کسی قسم کی پابندی نہ رہے گی۔**10**: جب پوری نوع انسانی کو ایک عظیم اور قابل توقیر جسم سمجھ کر اُس کے ساتھ ہر شخص وہی سلوک کرے گا جو وہ خود اپنے جسم کے ساتھ کرتا ہے۔**11** : جب انسانوں کو تجربہ کی ٹھوکروں میں وقت اور محنت ضائع کرنے سے محفوظ کر کے اُس کے سامنے ہر وقت قائم رہنے والا اور بے خطر پروگرام (صراط مستقیم) رکھ دیا جائے گا۔**12** : جب ہر انسان کا ہر خیال اور ہر عمل مقصد تخلیق انسان میں اپنے حصہ کا نتیجہ برآمد کرے گا۔**13**: جب پوری کائنات اور اس کے تمام متعلقات انسان کی ہمنوائی میں تعاون کریں گے۔**14** : جب انسان مادی پابندیوں سے آزاد ہو کر زوال وفنا پر قابو پا سکے گا۔

(ii) یہ وہ تمنائیں تھیں جو نظام رسالتؑ وامامتؑ کے ساتھ ساتھ نظام ابلیسی بھی انسانوں میں پیدا کرتا چلا آ رہا تھا۔اِن کے حصول کے بھی دو الگ الگ طریقے اور پروگرام تھے۔ایک کا نام اِسلام تھا۔دوسرے کا نام طاغوت (یا اسلام بٹا اجتہاد) تھا۔طاغوتی ادارہ بھی وحی پر ایمان رکھتا تھا۔مگر وحی کا مفہوم اور مقصد متعین کرنے کے لئے صاحب وحی یعنی نبیؐ کو مطلقاً مختار نہ سمجھتا تھا۔وحی کا کسی ایک ہی شخص پر اترنا نہ تو قدرتی اور عقلی ہے۔وحی اترنے سے پہلے، نزول وحی کے دوران اور وحی کی تلاوت کے بعد بھی نبیؐ کو انسان ہی سمجھنا عقلی ہے۔ لہٰذا وحی سنا کر وہ تمام انسانوں کی صف میں کھڑا ہو جائے گا۔اور اب تمام دانشوران قوم اور وہ نبی مل کر اپنے تجربے اور بصیرت سے وحی کا مفہوم، مقصد اور طریق عمل متفقہ طور پر تجویز کریں گے۔قلت کے اختلاف کو نظر انداز کر کے کثرت رائے پر جو فیصلہ کریں اُسی کو منشائے خداوندی سمجھیں۔اور جو اس کے خلاف سوچے یا عمل کرے اُسے خدا کا نافرمان سمجھیں یا مغالطہ کا شکار قرار دیں۔وہ اپنے فہم پر ضد کرے تو اس کے ساتھ تعزیری سلوک کریں۔حد سے بڑھے تو معاشرے کو فتنہ وفساد سے پاک کرنے کے لئے اُسے اور اس کے ساتھیوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ٹھکانہ جیل ہو گا یا جہنم؟ قبرستان ہو گا یا جلاوطنی؟ یہ بھی وہی دانشور طے کریں گے جو وحی کے مفاہیم کا تعین کرنے والے ہیں۔یہ قانون اُن چھ نکات میں دستوری شکل میں آ چکا ہے جو عنوان نمبر **13/1** میں بڑی تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔اُن دانشوروں کا متفقہ فیصلہ پوری اُمت کا اجماعی فیصلہ کہلائے گا۔اللہ کا یہ فیصلہ اُس وقت تک نافذ العمل اور واجب الاطاعت رہے گا جب تک کہ وہ ہی دانشوران قوم یا اُن کے جانشین، اُسی مقام کے رکھنے والے دانشوران قوم اُس فیصلے میں خطا اور غلطی محسوس نہ کر لیں۔اس قسم کی غلطی کو **خطائے اجتہادی** قرار دیا جائے گا۔اور اس کے بعد وہی مجتہدین اس کی جگہ دوسرا اجماعی حکم نافذ کریں گے۔اب سابقہ حکم کی جگہ یہ دوسرا حکم واجب الاطاعت اور خدائی حکم ہو گا۔

اس نظام کو برقرار رکھنے کیلئے ادارۂ اجتہاد ہر نبیؐ کے ساتھ ساتھ سائے کی طرح لگا رہے گا۔اور تمام ذمہ داریاں سنبھالے گا جو مذکورہ چھ نکات عائد کرتے ہیں۔اس نظام کو قائم کرنے اور مخالف محاذ کو مٹانے کے سلسلے میں لفظ نفاق، کفر والحاد وبدعت وفتنہ فساد وظلم و عدل وانصاف وخلوص وایمان کو سیاسی حیثیت دی جائے گی۔اِن الفاظ سے ڈرنے کے بجائے مقصد زیرِ نظر کے ضائع ہو جانے سے

خوف زدہ رہا جائے گا۔اُن الفاظ کے معنی مقصد زیرنظر کے لحاظ سے کئے جائیں گے۔اطاعت کی صورت میں یہ تمام الفاظ پسندیدہ ہوں گے اور مخالفت کی حالت میں یہ سب مذموم ہوں گے۔لہٰذا کوئی مومن کہے یا کافر، کوئی مخلص قرار دے یا منافق، تم اپنا کام ہر مفید ترین صورت میں کئے جاؤ۔ بلکہ ضرورت پڑے تو کہد و کہ قسم بخدا اے دوست میں منافق ہوں (بـاالـلّـه یا حذیفه انا من المنافقین)۔ اَے حُذیفہ اپنے مخالف محاذ کو تہہ و بالا کرنے والے منافقین میں سے بخدا میں بھی ایک منافق ہوں جس نے اسلام کی غلط تعبیرات کو روکنے کے لئے اپنی تمام بصیرت و بضاعت کو داؤ پر لگا دیا تھا۔یعنی میں مخالفوں کے یہاں منافق اور مومن محاذ میں پکا مومن و مخلص تھا، اور ہوں۔

(13/5)۔ حضرت ابوبکرؓ اور بہت سے لوگ اعلانِ نبوت سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے

یہ سمجھ کر بات سنیں کہ ہر ایمان لانے والا یقیناً ایمان لانے سے پہلے مومن نہیں ہوتا اور عموماً کافر ہوتا ہے۔کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ایمان لانے سے پہلے نہ مومن ہو نہ کافر ہو، بلکہ محقق ہو، مُذبذب ہو یا خود ایسی ذات ہو جس پر دوسروں کو ایمان لانا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مومن نہیں ہے ضروری نہیں کہ وہ کافر ہی ہو۔پھر دیکھنا یہ ہوگا کہ مومن اور ایمان ہوتا کیا ہے؟ اِیمان کسی بھی بات کو مان لینا ہوتا ہے اور مومن کسی بھی بات کے ماننے والے کو کہتے ہیں۔چنانچہ قرآن کی رُو سے کچھ لوگ طاغوت کو مان لینے کی بنا پر طاغوت کے مومن کہلاتے ہیں (نسآء 4/51)۔لہٰذا کسی کو صرف مومن کہنے سے کوئی بات نہیں بنتی۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ وہ کس چیز کو مانتا ہے یا کس حقیقت پر ایمان لایا ہے۔لہٰذا جس طرح ہر حال میں منافق گالی اور مذموم نہیں، اُسی طرح لفظ مومن ہر حال میں قابلِ مدح وثنا اور پسندیدہ نہیں۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ کوئی شخص کسی چیز یا حقیقت پر ایمان کیوں لایا ہے؟ اگر اُس ایمان میں اُس کی اپنی کوئی غرض یا مطلب شامل ہے تو وہ خود اپنی غرض اور مطلب پر ایمان لایا ہے نہ کہ متعلقہ حقیقت یا چیز پر۔یعنی اُس نے اُس بات کو اس لئے مانا ہے کہ اس کی غرض دوسری طرح سے پوری نہ ہو سکتی تھی۔پھر وہ غرض اچھی بھی ہو سکتی ہے، بُری بھی۔1: مثلاً غرض یہ ہے کہ خدا کے روبرو سُرخرو ہو کر نجات پائے اور اس نجات کے لئے ایمان لائے یہ اچھی غرض ہے۔2: یا یہ کہ مفادِ دُنیا حاصل کرے اور خدا سے کوئی تعلق نہ رکھے یہ بُری غرض ہے۔پہلی غرض سے دین و دنیا دونوں مل جاتے ہیں اور دوسری سے دین نہیں ملتا۔ یہ سب کچھ سمجھ کر اور دل کو تعصب اور بے انصافی سے پاک کر کے یہ دیکھیں کہ شیعہ علما نے آج تک کبھی بھی جناب ابوبکر کے لئے یہ نہیں لکھا کہ وہ سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔اور ہم نے صدق دل سے لکھ دیا کہ وہ اعلانِ نبوت سے بھی پہلے ایمان لائے تھے۔اور ہم اس بات پر قائم رہتے چلے آئے ہیں۔اور مستقبل میں بھی اُن کو مومن لکھتے اور مانتے چلے جائیں گے۔ہم شیعہ مجتہدین کی طرح مومن و کافر و منافق کی بحثوں میں بالکل نہیں اُلجھتے۔ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ کسی کا مقصد کیا تھا؟ اُس نے اُس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کیا اعمال اور اقدامات کئے؟ اور اُن اعمال و اقدامات کا نتیجہ کیا نکلا؟ لہٰذا مقاصد، اعمال اور نتائج پر گفتگو کرتے ہیں۔حق و انصاف سے اِدھر اُدھر نہ ہٹتے ہیں نہ ہٹنے دیتے ہیں۔قرآن اور قولِ معصومؑ کو بلا ہیر پھیر اور اجتہادی کرتبوں کے سامنے رکھتے ہیں۔اس کے بعد جو پٹ جائے پرواہ نہیں کرتے۔کسی شخص یا مسئلے یا عقیدے کو تنقید سے ارفع و اعلیٰ نہیں سمجھتے۔جو سامنے آئے قرآن اور قولِ معصومؑ کی کسوٹی پر دھر رگڑتے ہیں۔جو مرتبہ اور اہمیت میں جتنا بڑا ہو، اُسی تناسب سے سخت تر جانچ اور تنقید کرتے ہیں۔یہاں یہ دیکھئے کہ جناب ابوبکر، کب، کیسے اور کیوں ایمان لائے تھے۔

(ii) حضرت ابوطالبؑ کی رکھی ہوئی بنیادوں پر ابوبکر ایمان لائے اور دل میں پلان بنائے

جناب عمران علیہ السلام نے بحیرا راہب سے اعلان رسالتؐ ونبوتؐ وامامتؑ وحکومت کرا کے وہ تمام دروازے کھول دیئے تھے جو افراد واقوام عالم کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچانے والے تھے۔ بحیرا راہب اتنے بلند مقام پر فائز تھا کہ عرب وعجم کے لوگ اس سے تصدیق سن کر آنحضرتؐ پر ایمان لا رہے تھے۔ پھر صرف بحیرا راہب ہی نہ تھا بلکہ روم وشام وعرب وعراق کے تمام علمائے اہل کتاب اعلان ختم رسالت اور ظہور محمدیؐ کی اطلاعات وتصدیقات وعلامات کو چاروں طرف پھیلا رہے تھے۔ اُن ممالک اور علاقوں میں جانے والے تمام عرب قافلے، تمام تاجر یہ غلغلہ سُنتے تھے اور جس کا دل چاہتا تھا، جس کا کوئی تعلق یا مقصد اس رسالتؐ سے وابستہ ہوتا تھا وہ جگہ جگہ تصدیق بھی کرتا پھرتا تھا۔ چنانچہ سنئے:۔ قال ابوبکر انه خرج الی الیمن قبل ان یبعث النبیؐ۔ قال فنزلت علی شیخ من الازد عالم قد قرء الکتب وعلم من علم الناس کثیرًا۔ فلما رانی قالءَ حَسُبُک حرمیًا؟ قال ابوبکر قلت نعم انا من اهل الحرم۔ قال وَاَحُسَبُکَ قرشیًّا؟ قال قلت نعم انا من قریش۔ قال وَاَحُسَبُک تیمیًّا؟ قال قلت نعم وانا من تِیم بن مرّہ۔ انا عبداللّٰہ بن عثمان من ولد کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ۔ قال بقیت لی فِیُکَ واحدۃ۔ قُلُتُ وما هِیَ؟ قال تکشف لی عن بطنک۔ قُلُتُ لا افعل او تخبرنی لِمَا ذَاک؟ قال اَجِدُ فی علم الصحیح الصادق ان نبیًّا یبعث فی الحرم یعاونه عَلٰی امره فتیً وکهل۔ اَمّا الفتٰی فخواض غمرات ودفاع معضلات۔ واَمَّا الکهل ابیض نحیف علی بطنه شامة وعَلٰی فخذه الیسری علامة وما علیک ان ترینی ماسالتکَ فقد تکاملت لی فیک الصفة اِلَّا ما خفی علیَّ۔ قال ابوبکر فکشفت له بطنی فرای شامة سوداء فوق سرتی۔ فقال انت هو۔ ورب الکعبة وانی متقدم الیک فی امرفا حذرہ۔ قال ابوبکر قلت وما هو ؟قال اِیَّاکَ والمیل عن الهُدٰی۔ وتمسّک بالطریق الوسطٰی وخف اللّٰہ فی ماحولک وما اعطاک۔ (تاریخ الخمیس جلد اوّل صفحہ 324 اور اسد الغابہ)

''ابوبکر نے کہا میں نبیؐ کے مبعوث ہونے سے پہلے یمن گیا۔ اور وہاں قبیلہ اُزد کے ایک شیخ کا مہمان ہوا۔ یہ شیخ عالم تھا۔ کتب سماویہ پڑھے ہوئے تھا۔ علاوہ ازیں دوسرے انسانی علوم پر بھی مطلع تھا۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ کیا تم حرم کے رہنے والے ہو۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ جی ہاں میں حرم کے باشندوں میں سے ایک ہوں۔ شیخ نے سوال کیا کہ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ تم قریشی بھی ہو؟ میں نے کہا کہ جناب میں قریشی بھی ہوں۔ اُس نے کہا کہ میرے حساب سے تم خاندان تیم سے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ جی ہاں میں تیم بن مرہ کی اولاد سے ہوں۔ اور میرا نام عبداللہ بن عثمان ہے۔ میں کعب بن سعد بن تیم بن مرہ کے بیٹوں میں سے ہوں۔ شیخ نے کہا کہ اب صرف ایک بات میرے جاننے کی اور رہ گئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا بات ہے۔ کہنے لگا کہ تم مجھے اپنا پیٹ کھول کر دکھا دو۔ میں نے کہا کہ میں جب تک پیٹ نہ دکھاؤں گا کہ جب تک تم یہ نہ بتاؤ کہ کس لئے میرا پیٹ دیکھنا چاہتے ہو؟ اس نے بیان کیا کہ مجھے میرے علم صحیح اور صادق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ حرم میں ایک نبیؐ مبعوث ہونے والا ہے۔ اُس کے کام میں ایک نوجوان اور ایک ادھیڑ عمر کا شخص مدد کریں گے۔ نوجوان تو اس نبیؐ کی مشکلات میں ڈوبنے والا اور اُسکی مصیبتوں کو ہٹانے والا ہوگا۔ اور ادھیڑ عمر والا آدمی سفید رنگ کا دبلا پتلا ہوگا۔ اس کے پیٹ پر ایک کالا تِل (خال) اور بائیں ران پر ایک نشانی ہوگی۔ تمہارا کیا حرج ہے۔ اگر تم اپنا پیٹ مجھے دکھا دو۔ کیوں کہ اور سب باتیں تو تم میں موجود ہیں۔ صرف یہی ایک بات مجھ پر پوشیدہ رہ گئی ہے۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنا پیٹ کھول دیا۔ اُس نے

دیکھا کہ ناف کے اوپر ایک سیاہ تِل (خال) تھا۔ اُس نے کہا کہ رب کعبہ کی قسم وہ ادھیڑ عمر کے شخص تم ہی ہو۔ مگر میں تمہیں قبل از وقت ایک تاکید کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اُس سے بچ کر رہنا پڑے گا۔ ابوبکر نے پوچھا وہ کیا نصیحت ہے؟ اُس نے کہا کہ تجھ پر لازم ہے خبردار ہدایت کے خلاف گمراہی کی طرف میلان نہ کرنا۔ اور راہ راست کو اختیار کیئے رہنا۔ اور تمہیں جو کچھ اپنی فراست سے دولت وانتظام ملے اُس میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔'' (اسد الغابہ جلد 5 صفحہ 282 اور تاریخ الخمیس جلد اوّل صفحہ 324)

(iii) خانوادہ رسوؐل کا غیر معصوم عالم ابوبکر کی راہنمائی کرتا ہے

قارئین مندرجہ بالا بیان میں سب سے پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ قبیلہ اُزد، نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی وہی شاخ ہے جو انصار کہلاتی ہے اور وہی قبیلہ ہے جس میں رسولؐ اللہ اور اُن کے بزرگوں کی ننہیال تھی۔ لہٰذا اس قبیلہ میں جانشینانِ جناب اسماعیل کے علاوہ بھی ایسے علما کا ثبوت مل گیا جو صورت دیکھ کر غیب کی صحیح وصادق اطلاع دے سکتے تھے۔ اب سوچیے کہ اُس سلسلہ کے جانشین آئمہ علیہم السلام کا علم کس قدر رہتا ہوگا۔ اور سلسلہ اسماعیلؑ کے آخری امام جناب ابوطالب علیہ السلام کا علم کس درجہ کا ہوگا۔ اور کیا اُس بشارت میں کوئی شبہ ہوسکتا ہے جو انہوں نے جناب فاطمہؑ بنت اسدؑ کو حضرت علی علیہ السلام کی پیدائش کے لئے دی تھی؟ سنو اور یاد رکھو! اُسی قسم کے علما اس خاندان کی امامتؑ ونبوتؐ کا تعارف وعلامات فراہم کرتے چلے آرہے تھے۔ اور عربوں کے ایمان لانے یا نہ لانے کی محمدؐ مصطفیٰ کو احتیاج نہ تھی۔ یہی وہ قوم تھی جس سے کفر ناممکن تھا اور جو تمام ممالک میں پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ جناب ابوبکر، ازدی عالم کے سامنے ایمان لے آئے تھے یا نہیں۔ پھر یہ دیکھیں کہ اُزدی عالم مروَتاً یہ نہیں کہتا کہ تم ہدایت کو چھوڑ کر گمراہ ہوجاؤ گے بلکہ یہ کہتا ہے کہ خبردار تم ہدایت کے خلاف گمراہی کی طرف نہ جھک جانا۔ اور جو کچھ اپنی فراست سے تمہیں مل جائے اُس میں خدا سے ڈرتے رہنا، حد سے نہ بڑھ جانا۔ یہاں قرآن کی آیت یہ تصریح کرتی ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر یہ کہہ رہا ہے کہ ہائے افسوس! اے کاش! میں نے رسولؐ اللہ کا طریقہ اختیار کیا ہوتا اور فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا (فرقان 31-25/27)۔ ثابت ہوا کہ اُزدی عالم حضرت ابوبکرؓ کو ازراہِ ہمدردی مستقبل کی اطلاع دے رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ اپنے اختیار کو غلط استعمال نہ کرنا۔ ایک دوسری روایت میں شاہ ولیؒ اللہ اور مُحب طبری نے ابوبکرؓ کا ذکر کیا ہے۔ جس میں انہوں نے بحیرا سے اپنے خواب کی تعبیر دریافت فرمائی تھی۔ ملاحظہ فرمالیں:۔

(iv)۔ بحیرا راہب خلیفہ اوّل کو وزارت وخلافت کی اطلاع دے کر بڑھاتا ہے

علامہ حلبی سیرۃ الحلبیہ جلد اوّل میں (صفحہ 274) لکھتے ہیں:۔

(1) اِنَّهُ كان تاجرًا بالشام فرای رویا فقصَّهَا عَلٰی بحیراء الراهب۔ فقال له مِنْ اَيْنَ اَنت؟ قال من مكة۔ فقال من ايُّها؟ قال من قريش۔ قال فاىُّ شىءٍ انت؟ قال تاجر۔ قال ان صدق الله روياک؟ فانه يبعث نبیٌّ من قومک تكون وزيره فی حياته وخليفته من بعد وفاته۔ فاسرّ ذلک ابوبكر فی نفسه حتی بعث فجاءه۔

''ابوبکر شام میں تجارت کے دوران ایک خواب دیکھتے ہیں اور بحیرا راہب کو وہ خواب سناتے ہیں۔ بحیرا نے ابوبکر سے کہا تم کہاں کے

رہنے والے ہو۔انہوں نے جواب دیا کہ مکہ کا ہوں ۔اس نے پوچھا کس قوم سے ہو؟ کہا قریش سے ہوں ۔پوچھا گیا کہ تم کیا کاروبار کرتے ہو۔جواب دیا کہ تاجر ہوں ۔بحیرا نے کہا کہ اگر خدا نے تمہارا خواب سچا کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تیری قوم میں یقیناً ایک نبیؐ مبعوث ہوگا۔تم اس کی زندگی میں اس کے وزیر اور اس کے مرنے کے بعد اس کے خلیفہ ہو جاؤ گے۔ابوبکر نے اس بات کو اپنے دل میں چھپائے رکھا۔یہاں تک کہ جب نبیؐ مبعوث ہو گئے تو ان کے پاس چلے آئے۔''

اس روایت کے بعد علامہ نے ایمان لانے کا قصہ لکھا ہے۔پھر دوسری روایت لکھی کہ:۔

(2) ان ابا بکر رَای رویاء فقصّھا عَلٰی بحیراء ۔ فقال له ان صدقت رویاک فانه سیبعت نبیؐ من قومک فتکون انتَ وزیره فی حیاته وخلیفته بعد مماته۔

''ابوبکر نے ایک خواب دیکھا اور بحیرا راہب کو سنایا۔اُس نے کہا کہ اگر تمہارا خواب سچا ہے تو بات یہ ہے کہ عنقریب تیری قوم میں ایک نبیؐ مبعوث ہوگا۔تم اُس کی زندگی میں اُس کے وزیر اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کے خلیفہ ہو جاؤ گے۔''

اِن ہی روایتوں کی بنا پر تیسری روایت لکھی گئی ہے کہ:۔

(3) واخرج ابو نعیم عن بعض الصحابة انّ ابا بکرؓ آمن بالنبیؐ قبل النبوة ـای عَلِم انه النبیؐ المنتظر لما مرعن بحیراء الراھب ولما سمعهُ من شیخ عالم من الازد۔

''ابونعیم نے بعض صحابہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکرؓ نبیؐ پر قبل نبوت ہی ایمان لے آئے تھے۔یعنی یہ جانتے تھے کہ آپؐ ہی وہ نبیؐ ہیں جن کا انتظار ہے۔کیونکہ بحیرا راہب نے اُن سے کہہ دیا تھا اور یمن کے اُزدی شیخ اور عالم سے بھی آپؐ کی نبوت کے متعلق سن چکے تھے۔''

(علامہ حلبی سیرۃ الحلبیہ جلد اوّل صفحہ 274)

(v)۔ بحیرا راہب نے قریشی محاذ کی جدّ وجہد کا نتیجہ ابوبکر کو سُنا دیا تھا

چونکہ علم غیب اور مستقبل کی صحیح پیشگوییوں کا مرکز خود اللہ ہے۔اسلئے پیشگوییوں میں ہر وہ بات خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتی جس میں اختلاف یا تضاد ہو۔ایسی باتوں کو جن میں اختلاف یا تضاد ہو، بیان کرنیوالے یا سمجھنے والے یا لکھنے والے کی غلطی یا اضافہ قرار دیا جاتا ہے۔شیخ ازدی اور بحیرا کی طرف سے جو اطلاعات دی گئی ہیں وہ رسولؐ اللہ کی زندگی میں وزیر ہونے کے علاوہ لفظ بلفظ اُسی طرح وقوع میں آئی تھیں جس طرح بیان کی گئی تھیں ۔یعنی ہم سب مسلمان یہ مانتے ہیں کہ رسولؐ کے انتقال کے بعد رسوؐل کی حکومت خاندانِ رسوؐل کو نہیں ملی بلکہ ابوبکر پہلے خلیفہ ہو گئے یا بن گئے تھے۔دوسرے نمبر پر عمر آئے اور تیسرے پر عثمان خلیفہ ہو گئے ۔یعنی اگر اُن پیشین گوئیوں میں یہ دونوں نام بھی شامل ہوتے تب بھی وہ صحیح ہوتیں ۔لہٰذا گفتگو اِس میں نہیں ہوتی کہ رسولؐ اللہ کے بعد خلیفہ کون ہوا؟ بلکہ بحث اس پر ہوتی ہے کہ اللہ و رسولؐ نے اپنا خلیفہ یا جانشین کس کو بنایا؟ چنانچہ یہ خدا کی شان ہے کہ تین سو سال تک تمام وسائل ہاتھ میں ہوتے ہوئے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہ گھڑی جا سکی جس میں رسولؐ اللہ نے ابوبکر کو مخاطب کر کے یا لوگوں سے خطاب کے دوران یہ کہا ہوتا کہ میں اپنے بعد اپنا جانشین یا خلیفہ جناب ابوبکر کو بناتا ہوں اور تم سب اس حکم کی تعمیل میں آج اُسکے ہاتھ پر بیعت کرو اور اُسے اس تقرر پر مبارکباد دو۔

ایسی روایت کی ضرورت بہت لیٹ محسوس ہوئی اُس زمانہ میں موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بہرحال زیرِنظر پہلی اور دوسری روایت میں جو لفظ رکھی جاسکی وہ ہے ''تکُونُ''، جس کے معنی ہیں کہ ''تو ہو جائیگا'' یا '' تُو بن جائیگا''۔ تو واقعی ابوبکر خلیفہ اوّل بن بھی گئے تھے۔ اور ہو بھی گئے تھے۔ لیکن خلیفہ بننے کے حالات نے بات کو اس طرح بگاڑا کہ اُس کا سنوارنا آج تک ممکن نہ ہو سکا۔ پہلا وہ نظارہ ہے جہاں خلافت کا جھگڑا سامنے آتا ہے۔ سارا قصہ نظر انداز کر کے بھی جو کچھ بچتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر اور ابو عبیدہ جراح دونوں ابوبکر کو خلیفہ بناتے ہیں اور وہ خلیفہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں یہ تو صحیح ہے کہ انہیں آنحضرتؐ کے بعد خلیفہ بنا دیا گیا اور وہ خلیفہ ہو گئے۔ مگر وہی سوال سامنے کھڑا ہے کہ کیا اللہ و رسولؐ نے ایسا حکم دیا تھا؟ کیا اُن کی رضامندی سے یہ خلیفہ بنے تھے؟ اُدھر ازدی عالم کی طرف سے حق سے انحراف اور خوفِ خدا سے بے پرواہی کی اطلاع بھی ایک بُری اور مخالف بات ہے۔ پھر ازدی عالم کی اطلاع پر کسی خوشی کا اظہار نہ کیا، نہ رسالت پر ایمان لانے کی بات کی، نہ بحیرا راھب کی اطلاعات پر کوئی ایمانی ردِعمل ظاہر ہونے دیا۔ پھر بحیرا کی پہلی روایت میں پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اُسکی دی ہوئی اطلاعات کو قطعاً صیغہ راز میں دفن کر دیا۔ اور مکہ میں آکر کبھی بھی رسولؐ اللہ سے بحیرا کی باتوں کا ذکر نہ کیا۔

(vi)۔ بحیرا راھب کی بیعت پر خاموشی اور نبوت کو ایک ناگہانی حادثہ بنانے کی قحطانی اور قریشی سازش

جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جس کی نبوت کا انتظار ہو رہا ہے وہ محمدؐ ہی ہیں، تو اُن سے اُس خواب کی تعبیر کیوں نہ دریافت کی اور کیوں اپنی وزارت اور خلافت پر رسولؐ اللہ کی سند یا رائے نہ لی۔ اور تمام راویوں اور تاریخ نے اس خواب کو بیان کرنے میں کیا خطرہ محسوس کیا؟ اگر وہ خواب ایک بدترین قسم کا پلان اور سازش ظاہر نہ کرتا تھا تو اُسے چھپانے کے بجائے بڑے زوردار الفاظ میں جلی قلم سے لکھا جاتا۔ یقیناً انہوں نے خواب میں وہ تمام جوڑ توڑ اور قریشی سازش دیکھی تھی اور نتیجہ میں خود کو وزیر و جانشین دیکھا تھا۔ اس لئے خواب کا پہلا حصہ چھوڑ کر صرف نتیجہ کو تاریخ میں آگے بڑھا دیا گیا۔ مگر بدقسمتی سے یہ سارا خواب اور قریش کی پوری سازش قرآن میں موجود ہے اور ہم اُسے بھی لکھیں گے۔ پھر یہ سوچے بغیر بھی نہیں رہا جاسکتا کہ جو نور مکہ کی عورتوں اور مردوں کو مسلسل متوجہ کرتا چلا آیا تھا ابوبکر اس سے کیوں واقف نہ ہوں گے؟ اور جس بحیرا نے ابوبکر کے خواب سے بیس سال پہلے ابوطالبؑ اور مکی قافلے کی موجودگی میں رسالت محمدؐ یہ کی تصدیق کے ساتھ اعلان کیا تھا، جس نے تمام قافلے والوں اور رومیوں کو رسولؐ اللہ کے سر پر بادل کا سایہ اور درختوں اور پتھروں کا سجدے کرنا دکھایا تھا، وہ بحیرا یہ کیوں کہے گا کہ تیری قوم میں ایک نبیؐ مبعوث ہوگا۔ وہ تو یہ کہے گا کہ محمدؐ وہ رسولؐ ہے۔ میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ اُن سے مل چکا ہوں۔ جاؤ اور جا کر اُن کی بیعت کرو۔ اُن کی رسالت کی چاروں طرف منادی کرو۔ لوگوں کو تیار کرو کہ وہ اُن پر ایمان لائیں۔ کیا بحیرا اپنی تصدیق اور چشم دید معجزات کو بھلا سکتا تھا؟ کیا یہ بھلائے جانے کے قابل کوئی معمولی بات تھی؟ اور کیا اہل قافلہ نے مکہ میں آکر بحیرا کی تصدیق اور اپنے چشم دید معجزات کو گھر گھر مشہور نہ کر دیا ہوگا؟ اس کے باوجود حضرت ابوبکر کا سکوت معنی خیز ہے۔ اور یہی وہ پختہ یقین ہے جس کی بنیادوں پر قریش نے نہایت قلیل تعداد اور بہت حقیر قوت کے باوجود اپنی سازش اور پھر میدان جنگ اختیار کیا تھا۔ جس طرح ہمیں غیبی اطلاع سے یہ یقین ہے کہ ابلیس جہنم میں جائے گا۔ حقیقی مومنین جنت میں جائیں گے۔ اُسی طرح قریش کو یقین تھا کہ وہ اپنی سازش میں کامیاب ہوں گے۔ مگر اس کامیابی سے وہ سازش اور وہ اعمال جائز نہیں ہو جاتے۔ فراعنہ ونمارید

نے کامیابی حاصل کی، کامیاب حکومت بنائی مگر اُن کی کامیابی اُن کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اللہ نے تو خود کہا ہے کہ ہم کافروں، منکروں اور سرکشوں کو بھی حکومت دیتے رہتے ہیں۔ پھر ان دونوں روایتوں کو معتبر کتابوں بخاری، مسلم و ترمذی میں کیوں جگہ نہ ملی؟ کیوں محققین نے اُن کا انکار کیا۔ کیوں اُن کو قصہ گو لوگوں کے لئے چھوڑ دیا؟ کیوں ان کو خلافت کی بحثوں میں دلیل قطعی نہ بنایا گیا؟ اس لئے کہ موجودہ صورت میں بھی ان روایتوں سے قحطانی اور قریشی تصورات کی عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔ یعنی اُن روایات سے آنحضرتؐ کا اچانک رسولؐ بنا دیا جانا غلط ہو جاتا ہے۔ فرشتہ کو دیکھ کر ڈر جانا باطل ہو جاتا ہے۔ چالیس سال تک (معاذ اللہ) کافر و ناپاک رہنا اور فرشتوں کا سینہ چیر کر دل کو کفر و شرک سے پاک کرنا غلط ہو جاتا ہے۔

وہ تو یہ چار سو بیس کرنا چاہتے ہیں کہ اس نبوت کو ایک ناگہانی حادثہ بنا کر دکھائیں۔ جس کا نہ کسی کو پتہ تھا، نہ ایسی کوئی خبر پہلی کسی کتاب میں آئی تھی سب ناواقف تھے۔ خود رسولؐ اللہ کو خبر نہ تھی کہ میں رسولؐ ہوں یا رسولؐ بننے والا ہوں۔ ورنہ انہیں فرشتہ سے ڈر کر بھاگتا ہوا کیسے دکھاتے۔ ورقہ بن نوفل سے تصدیق حالات کی ضرورت کیسے پیدا کرتے؟ ہر وحی کے وقت حضور کا کانپنا، بے حس ہو جانا کہاں سے لاتے؟ پورے قرآن سے جاہل کیسے قرار دیتے؟ اِس فراڈی نظارہ میں یہ باتیں کیسے ہضم ہوں گی کہ رسولؐ اللہ دس سال کی عمر ہی میں رسوؐل تھے۔ بحیرا نے بیعت کی تھی۔ اعلان و تصدیق کے لئے سارے مکی قافلے کی دعوت کی تھی۔ سب کو معجزات پر متوجہ کیا تھا اور آنکھوں سے دکھایا تھا۔ اُس وقت تو زوروں میں آکر ابوبکر کو اُس قافلہ میں موجود لکھ دیا جس کو بحیرا نے سب کچھ بتایا تھا۔ اور بلال کو پیدا ہونے سے کئی سال پہلے حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ کا خدمت گار بنا کر واپس مکہ میں بھیجا۔ لیکن خواب دیکھ کر بحیرا کے پاس پہنچ گئے۔ چاہئے یہ تھا کہ بحیرا کو خود تعبیر سناتے۔ یا کہتے کہ جناب میں تو اس روز قافلہ میں موجود تھا۔ جب آپ نے اعلان رسالت کیا تھا۔ اُس کو ٹوکتے کہ اب تم اَنجان کیوں بن رہے ہو۔ تمہیں اس رسوؐل کا، اُن کے باپؑ کا بھی نام معلوم ہے، تم تو ابو طالبؑ کو بھی جانتے پہچانتے ہو، پھر قوم میں کیوں کہتے ہو۔ صاف بات کرو، نام اور ولدیت کے ساتھ مجھے بتانا چاہئے تھا۔ پھر بحیرا یہ نہیں کہتا کہ تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ یعنی بحیرا کے علم میں یہ تو ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسولؐ اللہ کے وزیر اور خلیفہ بن جائیں گے مگر اُن کے علم میں ابوبکر کا ایمان لانا نہیں ہے۔ بتایئے اور سوچ کر بتایئے کہ کیا ان روایات سے قریشی طرزِ حیات اور اُن کی چار سو بیس کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اسی لئے اُن کے محققین اور محدثین نے ایسی روایات کو جگہ نہیں دی۔ یہ خدا کی شان ہے کہ چند حقائق لکھنے پر اُن لوگوں کو اُس نے مجبور کر دیا اور آج وہی حقائق اُن لوگوں کے لئے ایک مصیبت عظمٰی بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ قدرت کی ستم ظریفی ہے کہ پہلے ایسے حالات پیدا کئے کہ مجتہدین کو چند حقائق لکھنے میں مفر نظر آیا۔ پھر ایسے حالات سامنے رکھ دیئے کہ اُن مجتہدین کو اُن حقائق کے خلاف لکھنا پڑا۔ اس میں اختلاف ہوا۔ بعض نے کہا نہیں، بعض نے کہا ہاں ہاں یہ صحیح ہے۔ الغرض اُن سے اُن کے خلاف لکھوا لیا۔ ہم یہاں نہ خلافت کی بحث کر رہے ہیں نہ حضرت ابوبکر کے ایمان پر گفتگو ہے۔ اصل گفتگو یہ ہے حضرت ابی طالب علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو اُن کی دس سال کی عمر میں ثابت کر دیا تھا۔ اور ملک روم، شام و عراق و عرب میں اُس کی شہرت پہنچا دی تھی۔ یعنی ظہور محمدؐی ایک ناگہاں حادثہ نہ تھا۔ روز ازل سے اس نبوت کا اعلان ہوتا چلا آیا۔ تمام کتب سماوی نے اس ریکارڈ کو محفوظ رکھا۔ ساری اُمتوں نے اس ظہور کا انتظام و انتظار کیا۔ تمام انبیاءؑ اس پر ایمان

لائے اور اُمتوں کو بشارتیں دیں۔تمام علما اس کو خوب تفصیل سے جانتے تھے۔خاندان اسماعیلؑ کی نابتی شاخ میں یہ ظہور امامتؑ کی صورت میں ہر جانشین کے چہرہ میں دمکتا اور لوگوں کو متوجہ کرتا رہا۔حتّٰی کہ:۔

ہوئی پہلوئے آمنہؑ سے ہویدا　　　دعائے خلیلؑ و نوید مسیحؑا

14۔ ظہورِ محمدؐی کے وقت عربوں کی تہذیب وتمدن وتحریکِ عقلی اور نظامِ حیات

عربوں کے متعلق جو تصورات قحطانی تاریخ نے عوام میں پھیلائے وہ یہ ہیں کہ مشرکین عرب ظہورِ محمدؐی سے پہلے قطعاً جاہل تھے۔لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔حکومت وتمدن وترقی سے قطعی طور پر لاعلم تھے۔نہ اُن پر کسی نے حکومت کی تھی نہ وہ کسی پر حاکم ہوئے تھے۔دین و مذہب سے بے بہرہ اور بالکل ناواقف تھے۔سیدھے سادے فطری زندگی بسر کرنے والے لوگ تھے۔چھل فریب اور مکر و دغا سے اُن کا واسطہ نہ تھا۔اُن کے ملک میں نہ تحریر وتقریر کا رواج تھا۔نہ کوئی کتاب تھی،نہ کوئی قانون تھا،نہ ضابطہ حیات تھا۔سب بُت پرست اور مشرک تھے۔توحید کا نام ونشان نہ تھا۔حیوانات ونباتات و جمادات کی پوجا کرتے تھے۔سب بدّو تھے۔لڑتے بھڑتے رہنا اور لوٹ مار کرنا اُن کا کام تھا۔وغیرہ وغیرہ

لیکن یہ تمام ایک فریب ہے،جھوٹ ہے،تہمت ہے اور خود قحطانی تاریخ سے یہ سب ایک سازش اور بڑی دُوررس سازش ثابت ہے۔ہم نے اپنی تصانیف میں تفصیل اور مستحکم دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عرب کی اقوام نے اس دنیا کو تہذیب سکھائی،تمدن سے روشناس کیا،اِس دنیا کو مہذب ومتمدن دنیا بنایا اور حکومت کرنا سکھایا۔سب سے پہلے عرب نے دنیا کو عمرانی،اقتصادی،سیاسی اور مذہبی قوانین دیئے۔اور آج کی متمدن اور ترقی یافتہ دنیا بھی عرب ہی کی رہین مِنّت ہے۔یہ دوسری بات ہے کہ جن لوگوں نے دنیا کو مذکورہ نعمتیں دیں وہ انبیاءؑ ورسلؑ اور اُن کے جانشینؑ آئمہؑ وحکام تھے۔لہٰذا عربوں کی وہ تصویر جو قحطانیوں نے پیش کی ہے وہ نہ صرف تاریخ بلکہ قحطانی تاریخ ہی کی رو سے غلط ہے۔بلکہ قرآن کریم کے مفصل بیانات اُن کے خلاف ہیں۔لہٰذا جس زمانے میں حضرت ابوطالب علیہ السلام رسولؐ اللہ کو پال رہے تھے۔اُس زمانہ کے عربوں میں بھی ساری دنیا سے بزرگ مدبرین و ماہرین موجود تھے۔خانوادہ رسولؐ کے علاوہ بہت سے خاندانوں میں تہذیب وتمدن اُس انتہا کو پہنچا ہوا تھا جو آج بھی رشک وتمنا کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔عربوں کی دین ودنیا کی سرکشی اور خدا سے سرتابی جہالت کی بنا پر ہوتی تو وہ معذور ہوتے۔اُن کی سرکشی علم وبصیرت ودانش وبینش کی بنا پر تھی۔وہ فراعنہ مصر سے بڑھ کر عالم تھے۔وہ نمارید بابل سے اعلیٰ تر باغی وطاغی تھے۔افلاطون و بقراط اُن کے ناخنوں میں پڑے تھے۔وہ،وہ لوگ تھے جن پر سیاست وتدبر اور منصوبہ سازی کو ناز تھا۔یہ وہ لوگ تھے جن کو ابلیس نے اپنے پورے نظام کا سربراہ بنا دیا تھا۔جو ابلیسی بصیرت کے پروردہ اور ابلیسی تجربہ کے حامل تھے۔جو انبیا علیہم السلام کی مخالفت اور اسلام کے متوازی مذہب تیار کرنے میں درجہ کمال پر تھے۔اور جن کے نظام حیات کی بلندی وعظمت کا یہ ثبوت ہے کہ اُن کے نظام کو باطل کرنے کے لئے اللہ کا سب سے بزرگ رسولؐ اور تمام رسولوں کے خاندانوں سے بزرگ خانوادہ متعین کیا گیا۔لہٰذا جس پیمانے سے آنحضرتؐ کی رفعت،مرتبہ اور عظمت علمی کو جانچا جائے گا۔اُسی پیمانے کو اُلٹا کرکے

مشرکین عرب کی عظمت ناپنا پڑے گی۔معمولی بیماری کی صورت میں ایک ادنیٰ درجے کے ڈاکٹر سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔یہ سراسر احمقانہ فعل ہے کہ زکام کے علاج کے لئے چار آنے کے جوشاندہ کی جگہ امریکہ کا سفر کرکے سب سے بڑے ڈاکٹر کو دکھایا جائے۔لہٰذا عقلاً اور قرآناً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قحطانی راہنمایانِ قوم، خدا کے مقابلے میں ایسی قوت سے اپنا نظام شرک چلا رہے تھے اور اس حُسن تدبر سے بے دینی کو دین بنا کر دکھا رہے تھے اور اس قدر نوع انسان پر اثر انداز ہو چکے تھے کہ اللہ نے انسانوں کو اُن سے بچانے کیلئے پوری کائنات کا عالم رسولؐ ارسال کیا تھا۔یہ چند سطور بطور حوالہ علامہ شبلی کے قلم سے سن لیں تا کہ مُلا کا دیا ہوا عربی تصور سامنے سے ہٹ جائے۔

(14/2)۔ عربوں کا تمدن اوج کمال پر پہنچ چکا تھا

علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ جلد اوّل میں عنوان ''**تہذیب وتمدن**'' میں لکھا کہ:۔

(i) ''مانسیو لیبان فرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوجِ کمال تک پہنچ چکا تھا۔کیونکہ اصول ارتقا کی رُو سے کوئی قوم وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجہ کی تہذیب وتمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل صفحہ 114)

(ii) ''یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔تاریخ سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجے کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔''(صفحہ 114)۔علامہ نے تجربہ اور مشاہدے اور بدیہی استدلال کو قیاسی فرما کر اپنی حماقت اور تعصب کا ثبوت دیا ہے۔اور اگلے جملے میں اپنی تردید خود کر دی ہے۔

(iii) ''یاقوتِ حموی نے معجم میں عربوں کے قدیم آثار عجیبہ کا ذکر کیا ہے۔''

(iv) ''مؤرخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس قدر ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے ایران کو فتح کر لیا تھا۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل صفحہ 114)

(v) ''عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار جواب تک موجود ہیں، اس بات کی قطعی شہادت دیتے ہیں کہ اس ملک (عرب) میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن تھا۔''(سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل صفحہ 115)

(vi) ''آج کل یوروپ کے محققین نے اُن مقامات پر جا کر جو تحقیق کی ہے اُس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تحقیق ہوتی ہے۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل صفحہ 116)

(14/3)۔ آج ثقافت کے نام پر جو کچھ ہوتا ہے وہ مشرکین عرب کی نقل ہے

شبلی صاحب نے جو کچھ لکھا اُسے ظہور محمدؐی سے پہلے کا بنا کر لکھا ہے۔حالانکہ عرب کی حکومتوں کی ذیل میں بہت ساری حکومتوں کا وجود آنحضرؐت کے عہد میں تسلیم کیا ہے۔کوئی پوچھے کہ جناب جن حکومتوں نے ماضی میں اَوجِ کمال تک ترقی کی تھی۔اُن کی جانشین حکومتیں مسلسل رسولؐ کے زمانے تک چلی آئی تھیں۔تو ترقی کا کمال بھی مسلسل آنحضرؐت کے زمانے تک کیوں نہیں مانتے؟ صرف

اس لئے ناں؟ کہ آپ کے قحطانی بزرگ عربوں کو جاہل اور سیدھا سادا دکھا کر چند فوائد اُٹھانا چاہتے ہیں؟ اب سنئے کہ مسٹر پرویز اپنی کتاب معارف اسلام جلد چہارم میں عربوں کے اخلاق کے عنوان میں وہ سب کچھ لکھ ڈالتے ہیں جو آج کی ترقی یافتہ دنیا میں پندرہ سو سال بعد بھی پوری طرح نافذ العمل کرنے میں جھجک محسوس کی جارہی ہے۔ اور جس کی طرف یہ آزاد زمانہ للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اور جنسی اشتراک کا وہ بلندترین معاشرہ جس کا خواب دیکھتے ہوئے مارکس اور لینن مرگئے اور جس کے قیام کے لئے آج مسلم و غیر مسلم ممالک کوشاں ہیں۔ عربوں نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے اپنے یہاں رائج کر رکھا تھا۔ ملاحظہ ہوں چند نظارے اور چند اشارے۔

(i) ''باپ کے مرنے کے بعد اس کی تمام بیویاں، بجز حقیقی ماں کے، بیٹے کی وراثت میں آجاتیں۔ اور اُس کی جائز بیویاں سمجھی جاتیں۔ بیویوں کی تعداد کی کوئی حد ہی نہ تھی۔'' (معارف القرآن۔ جلد چہارم صفحہ 136)

پرویز صاحب نے شرما کر حقیقی والدہ کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ مگر قرآن نے عربوں کے جنسی اشتراک میں ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سب کو شامل دکھایا ہے۔ یعنی جو کچھ یونان میں افلاطون نے ترقی یافتہ معاشرہ کی ذیل میں لکھا تھا۔ اور جس پر کمیونزم نظر رکھتا ہے وہ نظام عرب میں ثابت ہو گیا ہے۔

(ii) ''شجاعت اور بہادری میں کسی کی شہرت سنتے تو اپنی بیوی کو اس کے پاس بھیج دیتے تا کہ اس سے شجاع اور بہادر بچہ پیدا ہو۔ زنا کی اولاد کے متعلق عورت جس کی طرف انگلی اٹھا دیتی وہی اُس کا باپ قرار پاجاتا۔ اس پر طُرفہ یہ کہ فسق و فجور کی اُن فواحش پر فخر کرتے۔............شرم و حیا کا یہ عالم کہ حج کعبہ میں ہزاروں لوگ جمع ہوتے اور سب مرد و عورت مادرزاد ننگے ہو کر طواف کعبہ کرتے۔ جب حج کے وقت برہنگی کا یہ عالم تھا۔ تو غسل یا جائے ضرورت.........میں پردہ کی کیا ضرورت تھی۔ چنانچہ کھلے میدان میں کھلے بندوں نہاتے اور ضروریات............سے فارغ ہوتے۔'' (معارف القرآن۔ جلد چہارم صفحہ 137)

یہاں نوٹ کرنے کی پہلی بات یہ ہے کہ بقول عربوں کے یہ سب کچھ اللہ کا حکم اور سنت سلف صالحین تھی (اعراف 7/28) اور پرویز کی رو سے مذہبی حیثیت سے برہنگی وغیرہ جائز تھی۔ دوسری بات پھر جنسی تعلق میں نکاح کی قید و بند سے آزادی ثابت ہے۔ جو جناب مارکس اور انجل کی کتاب سیلیکٹڈ ورکس (SELECTED WORKS) میں ساری دنیا کو ایک خاندان بنا دینے اور ہر بچہ کو پوری دنیا کا بچہ قرار دینے کی اسکیم ہے۔ تا کہ لوگ اپنے اپنے بچوں کی فکر میں دوسروں کا استحصال نہ کریں۔ اس لئے عربوں نے ماں، بیٹی، بہن وغیرہ رشتوں کی تفریق مٹا دی تھی۔ پھر عورتوں کی آزادی کی مثال قائم کر دی تھی۔ وہ جس سے چاہے جنسی تعلق قائم کرے اور جس کو چاہے بچہ حوالے کر دے۔ اس لئے کہ بچہ بہرحال پوری قوم کا بچہ ہوتا ہے۔ ایسے بلا باپ کے چند بزرگ صحابہ میں بھی شامل تھے جن میں سے ایک کا نام زیاد ہے۔ جس کا بیٹا ابن زیاد خانوادہ رسولؐ کو مٹانے اور قتل کرانے کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔ اور کئی ایک ایسے بہادر لوگ بھی مسلمانوں میں موجود تھے جن کا پرویز نے ذکر کیا ہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ جس طرح ماڈرن ممالک میں لبِ سڑک، اسٹیشنوں پر، چوراہوں پر بہت سی ایسی چیزیں عام اور جائز ہیں۔ جن کو بیک ورڈ (Backward) یعنی پس ماندہ لوگ فحاشی کہتے ہیں عربوں میں پندرہ سو سال پہلے عام طور پر ہوتی تھیں۔ یہ اُن کی ثقافتی ترقی کا انتہائی مقام تھا۔ جہاں آج کی دنیا پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ نہ معلوم کتنی صدیاں لگیں جب

جنسی ضرورت مجمع عام میں پوری کرسکنے کی آزادی ہوگی۔ بتایئے ایسے معاشرہ کے لئے کیسا رسولؐ درکار ہے؟ ہے کوئی پہلے رسولوںؑ میں جسے ایسا معاشرہ اور ملک ملا ہوا اور اُس نے اُسے درست کردیا ہو؟

(iii) ''شراب پانی کی طرح بے تکلفی سے پی جاتی تھی۔ گھروں میں شراب کی مجلسیں قائم ہوتیں۔ اور عورتیں و بچے ساقی گری کرتے۔ اس کے بعد نشے کے عالم میں جو بدمستیاں ہوتیں وہ ظاہر ہیں۔ شراب سے تو ایام جاہلیت کے عربوں کو عشق سا نظر آتا ہے۔ اُن کے شعر کیا ہیں:۔

تاکستان کی لچکتی جھومتی شاخیں ہیں ۔۔۔۔ کہ ہوا بھی اُن کو چھو جائے تو لڑکھڑاتی پھرے

لٹریچر میں شراب کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ عربی زبان میں شراب (کی مختلف اقسام) کے اڑھائی سو نام ہیں'' فردوس بیک خوشۂِ انگور فروشم'' کی آپ کے نزدیک ایک مخمور کی ترنگ سے زیادہ حیثیت نہیں لیکن تاریخ نے یہ کیف انگیز واقعہ بھی اپنے دامن میں محفوظ کررکھا ہے کہ خانہ کعبہ کے (قحطانی) متولی ابن غبشان خزاعی نے خود کعبہ کی تولیت کو قریش کے جدامجد قصی ابن کلاب کے ہاتھوں ایک مشکیزہ شراب کے عیوض بیچ دیا تھا۔'' (معارف القرآن۔ جلد نمبر 4 صفحہ 137)

(iv)۔ <u>پرویز نے شراب کے ذکر سے مخمور ہوکر خلفائے اوّل و دوئم کو قریش سے خارج کردیا</u>

عربوں کے حالات سے پہلے جناب پرویز کا یہ حال ہوا کہ نشے میں یہ لکھ گئے کہ قصی علیہ السلام قریش کے جدامجد تھے۔ یعنی چلے تو تھے خانوادہ رسولؐ کے ایک عظیم الشان بزرگ کو شراب سے ملوث کرنے مگر پہنچے وہاں جہاں کا خمیر تھا۔ جناب ابوبکر کو قریشی بنانے کے لئے اُن کے خاندان کے ساتویں دادا کو جناب قصی علیہ السلام کے دادا جناب مرّہ علیہ السلام کا بیٹا بنانا پڑے گا۔ اور جناب عمر کو اگر قریشی بنانا ہو تو ان کے نویں دادا کو جناب قصی علیہ السلام کے (چوتھے دادا) پردادا جناب کعب علیہ السلام کے نطفے سے ماننا پڑے گا۔

اس قریشی مصیبت کے بعد اُن کی شعر و شراب کی محفلوں کو آج کے ترقی یافتہ دور کے کلبوں، ظہرانوں، عصرانوں اور عشائیوں پر فوقیت دینا پڑے گی۔ اس لئے کہ وہاں عورتوں اور بچوں کو برابر کے حقوق حاصل تھے۔ وہ ایک عالمی منصوبے کے ماتحت ملک میں ایسی نسل تیار کرتے چلے آرہے تھے جو آغوشِ شعر و شاعری اور شراب و کباب و شباب میں آنکھ کھولے۔ تربیت پائے، پلے بڑھے، جنسیات و نفسیات کا بے حجاب مطالعہ کرے، سمجھے اور اس پر روزِ اوّل سے عمل کرتے ہوئے جوان ہو۔ تاکہ اس کے قلب و ذہن سے وہ تمام مصنوعی الفاظ حرف غلط کی طرح مٹ جائیں جن کی آڑ میں نوع انسان میں ہزاروں اقسام کی تفریق برقرار رکھی جاتی ہے۔ بہن کو بھائی سے الگ رکھنے کی تفریق، باپ اور بیٹی میں تفریق، ماں بیٹے میں تفریق۔ پھر اپنے اپنے بچوں کی آڑ میں تفریق، خاندانوں میں تفریق، پھر قبیلوں اور نسلوں کی تفریق......اور اقوام و مِلل میں تفریق اور ممالک میں تفریق، زبان اور رنگ کی تفریق، غریب و امیر کی تفریق......پیشوں میں بڑھئی اور لوہار کی تفریق، حجام اور جراح کی تفریق، شاہ و گدا کی تفریق، اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق......نبیؐ اور رسولؐ کی تفریق اور مطیع اور مَطَاع کی تفریق، نبیؐ اور اُمتی کی تفریق، گناہ اور ثواب کی تفریق، نیک اور بد کی تفریق، فرض اور سنت کی تفریق.....جائز اور ناجائز کی تفریق، حقیقت و مجاز کی تفریق، دین و دنیا کی تفریق......پھر مذہب و سیاست کی تفریق۔ نتیجہ ایک ہی ہوتے ہوئے زنا اور نکاح میں

تفریق، حلال وحرام کی تفریق۔ وہ ایسی نسل تیار کررہے تھے جو انسانوں کی گردنوں میں بندھی ہوئی تفریق کی ان تمام زنجیروں کو توڑ ڈالیں جو فطری زندگی اختیار کریں۔ وہ سب ایک آدمی کی اولاد ہیں۔ ایک اللہ کی مخلوق ہیں۔ وہ سب ایک جسم کے اعضاء ہیں۔ اُن کے راستے میں جو رکاوٹ آئے گی، وہ اُسے اُٹھا کر پھینک دیں گے۔ خواہ وہ مذہب کا نام لے کر آئے یا دین کی نقاب میں منہ چھپائے۔ خواہ کسی چیز سے فحش کہہ کر تفرقہ پیدا کرے یا کوئی اور بُرا نام دَھرے۔

قارئین یہ تھا وہ فرق جو آج کے ترقی یافتہ دور میں اور عرب کی قریشی تہذیب وتمدن میں نمایاں ہے۔ آج اس تمام تفصیل کو یہ کہہ کر ایک جملہ میں سمو دیا جاتا ہے کہ ہم ایک ایسا معاشرہ تیار کرنا چاہتے ہیں جو طبقہ واریت، درجہ بندی اور تفریق سے پاک ہو۔ اس خوبصورت جملے پر تمام مسلم وغیر مسلم ممالک واقوام بلا سمجھے ریس لگا رہے ہیں۔ اُدھر بڑھنے اور بڑھانے کیلئے اُس قریشی نظام کے موجودہ ماہرین نے ایک خوبصورت لفظ میں اس جملے کو مختصر کر کے سوشلزم نام رکھ دیا ہے۔ جسے مارکس اور لینن کی زبان میں کمیونزم کی طرف لیجانے کا عبوری دور یا درمیانی نظام قرار دیا ہے۔ پھر اس سارے قصے کو کمیونزم کے ماہرین نے یوں سنایا ہے کہ بنی نوع انسان کی ترقی میں تین مستقل رکاوٹیں ہیں۔ جب تک اُن تینوں میں سے کوئی ایک رکاوٹ بھی باقی رہے گی مذکورہ معاشرہ قائم نہ ہو سکے گا۔ اور وہ تین رکاوٹیں ہیں:۔ **مذہب و مناکحت اور ملکیت**۔ یہ اصول مارکس، اینجلز، لینن وغیرھُم نے اپنی کتابوں میں کھول کر لکھ دیئے ہیں۔ لیکن عوام بھڑک نہ جائیں اسلیئے سوشلزم کی چادر اوڑھ کر کام کیا کرتے ہیں۔ بہر حال یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ ان اصولوں کے راہنما بھی قحطانی یا قریشی مشرکین یا اشتراکیئن ہی ہیں۔ اشتراکی معاشرہ مشرک معاشرہ ہی کا نام ہے۔ دونوں الفاظ کا مادہ ایک ہے، مصدر ایک ہے، معنی ایک ہیں۔

(v)۔ ماڈرن زمانے کے تفریحی اور ثقافتی پروگراموں کے موجد مشرکین قریش تھے

''شراب نوشی کے ساتھ ساتھ قمار بازی بھی کچھ لازم وملزوم سی نظر آتی ہے۔ عصرِ حاضر کی غازہ بہ رخسار شام ہو۔ یا ازمنہ قدیمہ کی کاکُل بدوش رات ہو۔ ہر محفل میں یہ توام (جڑواں) بہنیں یکجا رہزن ایمان وہوش نظر آتی ہیں.......... یہ رسومات اس قدر تقدس حاصل کر چکی تھیں کہ خانہ کعبہ میں جناب ابراہیمؑ واسماعیلؑ کے مجسموں کے ہاتھوں میں جوئے کے پانسوں والے تیر پکڑا رکھے تھے۔''
(معارف القرآن۔ جلد چہارم صفحہ 138-137)

دیکھنا یہ ہے کہ مشرک نظام ظہور محمدؐ کے زمانے میں جو کچھ کر رہا تھا وہ سب کا سب مذہب ابراہیمؑ واسماعیلؑ وسابقہ تعلیماتِ خداوندی کے مجتہدانہ فیصلوں کے مطابق تھا۔ وہ اسے بے دینی یا گمراہی نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ احکامات خداوندی کی تعمیل کہتے تھے۔ (وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا) ''اللہ نے ہمیں اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔'' (اعراف 7/28)

(vi)۔ قریش کا وہ نظام جس سے خوفزدہ کر کے سوشلزم کی طرف لایا جا رہا تھا

بڑے بھولے ہیں وہ لوگ جو سوشلزم کے پروپیگنڈے، مقاصد اور نعرے سن کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ بس چند روز، چند ماہ یا چند سال میں سرمایہ داری اور اجارہ داری اور غربت وافلاس ختم ہو جائے گا۔ انہیں کون سمجھائے کہ کمیونزم ہو یا سوشلزم ہو۔ مُلا ازم ہو یا ابلیس ازم ہو۔ یہ ازم اُن مقاصد کیلئے نہیں ہوتے جن کا یہ نعرہ مارتے ہیں۔ اُن کا حقیقی مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ انبیاء علیھم السلام کی بتائی ہوئی راہوں کے

متبادل ایک دوسری راہ پیش کرتے جائیں تاکہ وہ نظام باقی رہے جسے انبیاؑ حضرات مٹانے کا اعلان کرتے ہیں۔لہٰذا نظام شرک انبیاؑ کی ہمنوائی کوبطور حربہ اختیار کرکے وہی نعرے مارتا ہے جوانبیاؑ کا مقصد ہوتا ہے۔مگراس مقصد کوفنا کرنے کیلئے انبیاؑ کے احکام میں اجتہاد کرکے اُدھر لے جاتا ہے جوابلیسی سرپرستی میں چلنے والا نظام ہوتا ہے۔اور جسے برقرار رکھنے کیلئے نظام شرک یا اشترا کیت کام کرتا ہے۔اب یہ دیکھئے کہ وہ نظام بھی قحطانی ٹولے نے برقرار رکھا ہوا تھا۔اور بڑے بڑے لیڈر وسرداران قوم اسکی خصوصی سرپرستی کرتے تھے۔

''یہ توتھی اُن کی معاشرتی زندگی۔معاشی زندگی میں سودخوری جیسی لعنت عام تھی۔اوراُس کی وسعتیں اس حدتک ہمہ گیر ہوچکی تھیں کہ عورتوں اور بچوں تک کو رہن رکھوا لیا جاتا تھا۔اگر رہن رکھنے والا معینہ مدت کے اندراندر رہن شدہ عورتوں ،بچوں ،زمین یا زیورات کوواگزارنہ کراسکتا تھا تو سرمایہ داراُن سب کا مالک ہوجاتا تھا۔جیسا کہ ظاہر ہے،مزدوروں اور کاشتکاروں اورمحنت کشوں کا طبقہ سودخواروں کے پنجۂ آھنی میں سب سے محکم طور پر گرفتار تھا۔اورسرمایہ دارطبقہ جس میں اکثر (قحطانی) یہود تھے(اورقلت سرداران قریش ودیگر قبائل کی تھی)انسانیت سوز طریقوں سے اُن کا خون چوس لیتے تھے۔معاشی نظام کی اس بنیادی خرابی کا لازمی نتیجہ تھا کہ سرکش طبیعت کے لوگ لوٹ مار پراُتر آتے تھے۔چنانچہ رفتہ رفتہ ملک عرب میں یہ کیفیت پیدا ہوچکی تھی کہ بعض قبائل میں ایسے منظّم گروہ موجود تھے جن کا ذریعہ معاش ہی راہزنی اور غارتگری تھا۔ان پیشہ ور ڈاکوؤں کے علاوہ عام طور پر ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے مال اورمویشی پرڈاکہ زنی کرنے کیلئے ہروقت تیار رہتا تھا۔حتّٰی کہ اُن کی عورتوں اور بچوں تک کولوٹ کر دوسری جگہ فروخت کردیا جاتا تھا۔اس پرطُرفہ یہ کہ اِن حرکات مذمومہ کومعیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔بلکہ اُن کارناموں کا تذکرہ بڑے فخر وناز سے کیا جاتا تھا۔جوجرأت اور بے باکی میں دوسروں سے پیچھے ہوتے وہ اعلانیہ ڈاکہ اورقتل وغارت کی جگہ خفیہ چوری پراُتر آتے۔اورتو اورخودخانہ کعبہ کےخزانے میں چوری کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے۔مردوں سے گزرکر یہ زہرعورتوں تک میں سرایت کرچکا تھا۔''(معارف القرآن۔جلد4 صفحہ 138)

(vii)۔ خانوادہ رسولؐ اورخودرسولؐ کا مخالف محاذ؛ یہی سرمایہ دار وسودخورٹولہ تھا

قارئین اس جگہ سرمایہ دارانہ نظام اوراُس کے لیڈروں کے متعلق یہ سمجھ لیں کہ اُن کے سرمائے اورسود نے جو جماعتیں تیار کر رکھی تھیں اُن میں سے غربا اور ناتوان وبیکس لوگوں نے رسولؐ اللہ کا سہارا لینا شروع کیا تھا۔یعنی لوگ سود،قرض اور بھوک اورسختیوں سے بچنے کے لئے ایمان لارہے تھے۔گویا اس قسم کا ہرایمان لانے والا،سرمایہ دارمہاجن کی ایک سنہری تھیلی ہوتا تھا جو رسولؐ اللہ کی طرف ڈھلک جاتی تھی۔بتایئے کہ یہ سرداران قوم کواپنے سرمائے کی ان رُوپہلی اورسنہری بوریوں کا رسولؐ اللہ اورابوطالبؑ کی طرف آہستہ آہستہ کھسکتے اورلڑھکتے جانا کتنا ناگوار اورخطرناک معلوم ہورہا ہوگا۔دوسرا گروہ جولوٹ مار اورغارتگری کے لئے تیار کیا گیا تھا،وہ درحقیقت اُن قریشی سرداروں کی افرادی قوت تھا۔یہ سواروں اور پیادوں کی ایسی بے لگام فوج تھی کہ اُسے جدھر اشارہ کردیا جائے تو وہ بےخوف وخطر ہرنتیجہ سے لاپرواہ ہوکر ایک طوفان بلا کی طرح اس طرح بڑھے کہ تباہی وبربادی پناہ مانگ لے۔یہی وہ سوار وپیادے تھے جن سے مدینہ کی گلیوں کوبھر دینے کا وعدہ ابوسفیان کررہا تھا اورحضرت علیؑ نے انکار کردیا تھا۔اگرکوئی مہذب فوج ہوتی جوحق وانصاف کی پابندی کرتی، ظلم وزیادتی سے باز رہتی تو انکار نہ کیا جاتا۔یہی وہ سوار اور پیادے تھے جو استحکام خلافت کیلئے ابوسفیان نے استعمال کئے تھے اوراس

افرادی طاقت کا رخ موڑ دیا تھا جس نے پورا ایک سال ملک میں قتل عام اور غارتگری کا طوفان مچائے رکھا۔ مسلم وغیر مسلم، نمازی اور بے نمازی، الغرض ہر قسم کی تفریق مٹا کر حکومت کو استحکام بخشا اور اس کے بعد منظّم افواج کی صورت میں بیرون ملک نکل کر فتوحات کی طرح ڈالدی۔ علیؑ کو ایسی حکومت درکار نہ تھی جس کی بنیاد میں لاکھوں مردوں، عورتوں اور بچوں کی لاشیں چُنی جائیں۔ بہرحال یہی قریش کی وہ افرادی طاقت تھی جو بدر واحد وخندق وغیرہ میں روز بڑھتی گئی اور تکمیل دین کے ساتھ ساتھ اُس حد کو پہنچ گئی کہ اللہ نے بھی قرآن میں اُن افواج کے داخلہ کا ذکر کیا ہے۔ (وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًاo النصر 110/2)

یہاں اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ افواج ایمان لا کر دین میں داخل ہونگی یا ایمان لانے کی غرض سے دین میں داخلہ لیں گی۔ بلکہ یہ بتایا ہے کہ قریش کی افرادی قوت بھی اُدھر سے اِدھر آ جائیگی۔ اور وہ بے بس ہو کر خود بھی ادھر آنے پر مجبور ہو جائینگے۔ یعنی یہ ایک لانگ مارچ (Long March) ہوگا جو قریش کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ قریش کی یہ افرادی قوت ہمیشہ ہر حال میں محض لوٹ مار اور غارتگری ہی کو اپنا مقصد حیات سمجھتی تھی۔ ہر اُس شخص کے ساتھ ہو جاتی تھی جو اُسے قتل وغارت اور لوٹ مار کی آزادی دیتا تھا۔ اور ہر اُس شخص سے روگردان ہو جاتی تھی جو قتل وغارت اور لوٹ مار پر عدل وانصاف ورحم وکرم کی پابندیاں لگائے۔ یہی افرادی قوت وہ راز ہے جس کے پیچھے مخالف اسلام حکومتوں کی کامیابی پوشیدہ ہے۔ معاویہ کی کامیابی کیا ہے؟ یہی افرادی قوت۔ یزید نے کعبہ کو کیسے جلا دیا۔ مدینہ کی عورتوں اور مردوں کو تین روز تک کیسے حلال کرا دیا؟ اور کربلا میں جو کچھ ہوا وہ کس طرح ممکن ہوا۔ جواب ہے وہی افرادی قوت جسے ظہور اسلام کے وقت تک نظام شرک کا سرمایہ دار گروپ تیار کر چکا تھا۔ جو اللہ، رسولؐ، حق، انصاف وعدل، رحم وکرم وغیرہ الفاظ کو بے معنی اور سیاسی حربے سمجھتی تھی۔ جس کا دین وایمان اللہ ورسولؐ اور تلوار تھا۔ شراب تھی جُوا تھا، شعر وشاعری تھی۔ یہ تھا ملک عرب اور یہ تھے قحطانی نسل کے راہنمایانِ مُلک اور یہ تھی ابلیس کی ساری کمائی اور اس طویل ترین عمر کا پورا تجربہ اور بصیرت۔ یہ تھے وہ لوگ جن کی آنکھوں سے ابلیس دیکھتا تھا۔ یہ تھے وہ مشرک دانشور جن کے تدبر وتفکر ومنصوبہ بندی پر ابلیس کو اعتماد اور ناز تھا۔ اور یہ تھا خانوادہ رسولؐ جس کا اس بے پناہ گروہ سے مقابلہ تھا۔ جسے رحم وکرم وشفقت وفداکاری کا سبق دینے کے لئے خاتم النبینؐ وخیر المرسلینؐ اور رحمۃ للعالمینؐ کو تیار کیا جا رہا تھا۔ اور یہ تھے جناب ابوطالب علیہ السلام جو اسلامی انقلاب کو نہایت خاموشی سے اندرون وبیرون ملک پھیلا رہے تھے۔ اور سلسلہ امامت محمدؐ یہ کی ابتدا کرنے کیلئے وہ انتظامات کر رہے تھے کہ جن کے نتیجے میں امامؑ الاوّلین وآخرین، یداللہ فی تخلیق العالمین، لسانُ صدق النبین ومرسلین، آنحضرتؐ کی نبوت ورسالت پر مہر تصدیق وشہادت کے لئے وجود اختیار کر لے۔ اور اللہ یہ کہہ سکے کہ:۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِo (الرعد 13/43)

اے محمدؐ قریش کو بتا دو کہ تمہارے اور میرے درمیان اللہ اور قرآن کا مکمل عالم بطور شہید وشہادت کافی ہے۔

(viii)۔ باقاعدہ اعلان رسالتؐ سے پہلے یداللہ، لسان اللہ اور عین اللہ کا انتظار

یعنی دنیا میں وہ وجود جسے دیکھا جا سکتا ہے، تنفیذِ نبوتؐ ورسالتؐ وامامتؑ کے لئے ذمہ دار ہے۔اور جہاں جہاں وقت پیش آئے اللہ کی قوت اس کے ساتھ موجود رہے گی۔لہٰذا رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ ، یداللہ ولسان اللہ اور عین اللہ کا انتظار کر رہے تھے۔تاکہ اسلام کو اللہ کے ہاتھ مِلیں، خدا کی زبان مِلے اور خالق کائنات کی بصیرت اور بصارت مل جائے تو باقاعدہ اعلان رسالت کر دیا جائے۔یہ انتظار تھا جو ساری رسالتوں اور تمام نبوتوں وامامتوں کے خلاصہ کو روکے ہوئے تھا۔اور ظہور امامت اُخریٰ کی تمہیدات میں پوری کائنات اور سرورِ کائناتؐ اور ابی طالبؑ کی ذات بابرکات تن من دھن سے دن رات مصروف تھے۔

15۔ ظہورامام الاوّلین وآخرین، لِسَانُ الصِّدق فِی الآخرین

یہ حضرت عمرانؑ کی بصیرت وتربیت وانتظام کا کمال تھا کہ ایک دفعہ مشرکوں کا وہ ابلیسی گروہ بھی آنحضرتؐ کو اپنا نجات دھندہ سمجھ بیٹھا۔اور اپنی قحطانی بصیرت سے یہ سمجھنے پر مجبور ہوگیا کہ اِس رسالت کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ابلیس کو روزِ ازل سے معلوم تھا کہ یہ نبوت آخری ہوگی۔اِس کے بعد نبوت ورسالت ختم اور مکمل ہو جائے گی۔اُس کے بعد رسولؐ اور نبیؐ جیسے محترم وجذباتی اور مخصوص الفاظ کا استعمال بند ہو جائے گا۔ہمارا راستہ روکنے کے لئے اب کوئی نبیؐ یا رسولؐ بن کر سامنے نہ آئے گا۔رہ گئی لفظ امامت و خلافت! یہ تو عام الفاظ ہیں۔اُن کے ساتھ تقدس اور جذباتِ مذہبی وابستہ نہیں ہیں۔نہ ہی وحی کے نام سے ہم پر دباؤ ڈال سکتے ہیں۔رہ گئی اس آخری نبیؐ کی آخری کتاب، اُس کا اور اُس کی تشریحات وتوضیحات کا بندوبست کر دینا ہے اور بس باقی کام خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔نزول واظہار کتاب ونبوت تک ہمارا ماہر طبقہ نبیؐ کے حلقہ میں اپنا خاطر خواہ رسوخ واعتماد قائم کر لے گا۔اور نبوت پر ہمارے عقائد کی روشنی میں ایمان وتصدیق کی مہر ثبت کر دے گا۔پبلک میں گھل مل کر رہے گا، لوگوں کو بہکنے سے بچائے گا، تحفظ نبوت کرے گا، نبیؐ کے راستے سے جذبات وخاندانی ملحوظات کے کانٹے صاف کرے گا۔جس کے لئے اساسی منشور ودستور بیان ہو چکا ہے۔نظر اس بات پر رکھنا ہے کہ نبیؐ کا کوئی قول یا اقدام ہماری ہزاروں سال کی قائم کردہ تمدن وتہذیب کے خلاف برسرِکار آتا ہے یا نہیں۔فی الحال ابو طالبؑ اور اُن کے عزیز واقارب اور خود رسولؐ اللہ امن وعافیت ومحبت وخلوص کی راہ پر گامزن ہیں۔نبوت کی شہرت واشاعت اور اثر ورسوخ خود ہمارے لئے بھی مفید ہے۔اسی لئے ہم اُس میں بابصیرت تعاون بھی کر رہے ہیں۔اور مخالفت کی گنجائش بھی برقرار رکھ رہے ہیں۔ہمارے کچھ لوگ قطعاً خاموش اور تماشائی بھی ہیں۔نبیؐ کے حلقہ اثر تک بھی پہنچ رہے ہیں اور کام ٹھیک چل رہا ہے۔اِدھر دن گزر رہے تھے قدرت اپنا کام کر رہی تھی۔آنحضرتؐ کی عمر کا تیسواں سال یعنی ایک سبت مکمل ہونا تھا کہ جناب فاطمہ بنت اسد علیہا السلام کے بطن سے جناب ابراہیم وابی طالب علیہما السلام کی بشارت نے دنیا کو منور کر دیا۔آپ کا ازلی نام علیؑ رکھا گیا۔فاطمہؑ بنت اسد کا آغوش وہی تھا جس میں رسولؐ اللہ نے بھی پرورش پائی تھی۔اب نبوت کا سارا وقت علیؑ کی دیکھ بھال اور پرورش پر مرکوز ہوگیا۔حضرت ابوطالبؑ اور حضرت خدیجہؑ کی پوری توجہ اس طرف مبذول ہوگئی۔اگر ہم ولادت جناب علی علیہ السلام اور متعلقہ معجزات وخرق عادات کی طرف متوجہ

ہو جائیں تو اس کتاب کی گنجائش ختم ہو جائے گی۔ ہم تو ہر واقعہ کو ضروری اختصار کے ساتھ سامنے لا رہے ہیں۔ تمام اہل سنت والجماعت کا جناب کے نام نامی کے ساتھ کرم اللہ وجہ کہنا اور لکھنا وہ تنہا اور مخصوص فضیلت ہے جو اس دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس جملہ کے پیچھے آپ کا مولود کعبہ ہونا، دیوار کعبہ کا شق ہو کر جناب فاطمہؑ بنت اسد کو پہلو میں لینا، تین روز تک مہمان خانہ خدا رہ کر برآمد ہونا اور جناب علی علیہ السلام کا آنحضرتؐ کی گود میں آ کر پہلی دفعہ آنکھیں کھولنا اور آپؐ کے چہرے کو دنیا میں ہر چیز سے پہلے دیکھنا سب اِسی جملے میں شامل ہے۔ یہی وہ ہستی ہیں جن کی ولایت کی تنفیذ کے لئے تمام نبوتیں اور رسالتیں تمہید بنائی گئی تھیں۔ یہی وہ دروازہ فیوض خداوندی ہے جو آج تک پوری اُمت پر کھلا ہے۔ یہی وہ دروازہ ہے جس سے تمام نوع انسان کو علوم محمدؐیہ تک رسائی ہوتی ہے۔ اسی کی چوکھٹ پر مذہب وسیاست وحقیقت وطریقت اور تصوف سجدہ کرتے ہیں۔ یہی وہ ولایت ہے جس کے وسیلے سے اُمت میں اولیاءاللہ کو کرامات ومعجزات ملنے تھے۔ یہی وہ ذات پاک ہے جس سے مرکز انسانیت جناب امام حسین علیہ السلام پیدا ہونے والے ہیں۔ یہی وہ شخصؑ ہے جو غربا و مساکین کی خوراک کو اپنا معیار بناتا ہے، جو غربت وافلاس کو دنیا سے سرمایہ داری کو مٹانے کا حربہ بناتا ہے، جو غربا اور مساکین اور بے کس و ناتوان انسانوں کو پہاڑوں سے ٹکرا کر انہیں پاش پاش کرنے کی ہمت وطاقت عطا کرتا ہے۔ یہی ہے جس پر فقر وفاقہ ناز کرتے ہیں، یہی ہے جس کی ٹوٹی ہوئی جوتی کا ٹوٹا ہوا تسمہ دنیا بھر کی حکمرانی اور حکومت سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہی ہے جسے عربوں کے زعما اور شجاع اور صف شکن بہادروں کی ناک میں نکیل ڈالنے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ یہی تو ہے جس کی وفات پر حضرت عائشہ نے ھائے افسوس کا نعرہ مار کر کہا تھا کہ اب عرب آزاد ہیں۔ وہ مر گیا جس نے اُن کی ناک میں نکیل ڈال رکھی تھی۔

الغرض آپ کو پالنا پرورش کرنا اور امامت کی ذمہ داریوں کیلئے تیار کرنا اب رسولؐ اللہ کی ذاتی ذمہ داری بن گئی۔ وہ اُس تمام محبت وقوت سے انہیں پالیں جو انہیں ابوطالبؑ سے ملی تھی۔ جو ہر لحہ فیضان خداوندی سے نازل ہو رہی تھی۔ اب آغوشِ رسولؐ میں اسلام علیؑ کی صورت میں پرورش پا رہا تھا۔ جس کی پرورش اور تربیت، خدا اور رسولؐ خود کریں اس میں کسی خامی کا رہ جانا ناممکن ہے۔ جہاں ملائکہ اور ارواح مدد ومعاون ونگران ہوں وہاں کسی کمزوری ولغزش کا رہ جانا تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ جسے مکمل ایمان وعلم وحق کہنا ہو اُس میں خطا کا گزر کہاں ہو سکتا ہے۔ جہاں پر تمام سابقہ نبوتوں اور رسالتوں کا سنگم بنتا ہو وہاں کونسی ایسی صفت ہو سکتی ہے جو سمٹ کر اُس مولود مسعود میں مرتکز نہ ہو جائے۔ آپ کو وحی والہام ورحمت خداوندی کے سائے میں پالا گیا۔ جسم کا ہر ذرہ رسولؐ کے لعاب دہن اور اللہ کے فضل سے نورانی ہوتا گیا۔ ہر گود آپکو ذرا دیر کے لئے اُٹھانے کی تمنا کرتی تھی، ہر آغوش آپ کے لئے پھیلا ہوا تھا۔ ماحول اتنا پیارا تھا کہ تمام قریش اظہار محبت واقرار وفا میں مصروف، خاندانی حکومت بخوشی واپس دے دی گئی ہے۔ تمام خاندانی اعزاز کو سب نے ازسرِنو قبول کر لیا ہے۔ حضرت ابراہیم واسماعیل اور جناب نابت علیھم السلام کی تین ہزار سالہ عظمت اور پورے عرب پر حکومت تسلیم کی جا رہی ہے۔ مذہبی اقتدار اور باعثِ رحمتِ کردگار ہونا ثابت ہو چکا۔ اب جناب عبدالمطلبؑ کا وہ مقام ہر زبان پر جاری ہے جو ابرھہ اور اسکے ساٹھ ہزار فوجیوں اور ہاتھیوں کو تباہ کر کے اللہ نے دکھایا تھا۔ آج کھل کر جناب اسماعیل وحضرت عبداللہ علیھما السلام کو ذبیح راہ خدا کہا جا رہا ہے۔ اب قریش اور ہر قبیلے نے اُن تمام احسانات کو مان لیا ہے جو جناب قصی اور ہاشم علیھما السلام کی سفارتی کوششوں کے نتیجے میں عربوں پر ہوئے تھے۔ آج

وہ سب مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کی خانہ جنگیاں صلح اور امن سے بدل دی ہیں۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اب مسافروں کو کوئی نہیں لوٹتا۔ دُور ونزدیک کا ہر باشندہ خانوادہ رسولؐ کے ہر فرد کا رہینِ منت ہے۔ حضرت علیؑ اس ماحول میں دس سال کی عمر کو پہنچے تو اللہ نے مزید انتظار سے روک دیا۔ اور حکم ہوا کہ قُمْ فَاَنْذِرْ (مدثر 74/2) اے رسولؐ اٹھ اور تنذیر شروع کر۔

16۔ اعلان نبوتؐ واخوت ووزارت وخلافت اور امامتؑ کر دیا گیا

وہ تمام قصے باطل ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ اعلان نبوت پر قریش بگڑ گئے تھے اور نبیؐ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ نبیؐ تو وہ بحیرا راہب کے زمانے سے مان رہے تھے۔ اعلان نبوت قریش کو کیسے شاق گزر سکتا تھا؟ وہ دو ایسے گروہوں میں سے ایک تھے جو آج سے تیس سال پہلے یعنی بحیرا راہب کی تصدیق اور اطلاع سے آج تک آپ کو نبیؐ، امین، صادق اور رسولؐ مانتے چلے آ رہے تھے۔ یا تیس سال سے اُن کی نبوت کے اعلان کے منتظر تھے۔ چنانچہ یہ دو گروہ قریش اور دیگر قبائل میں موجود تھے۔ اعلان نبوت کسی طرح کسی نئی اور عجیب بات کا اعلان نہ تھا۔ مگر جو بات دلوں میں کھٹک پیدا کر رہی تھی وہ اعلان خلافت و امامت تھا۔ اس بات کو ماہرین اور راہنمایان قریش نے خاص طور پر نوٹ کیا۔ علیؑ کو اپنا وزیر، اپنا خلیفہ کہنا اور پھر زندگی ہی میں نہیں انتقال کے بعد خلیفہ قرار دینا، وہ بات تھی جو قریشی منشور کے تمام چھ نکات کو اُلٹ پلٹ کر دیتی تھی۔ اس اعلان سے خاندانی اقتدار قائم کرنے اور سابقہ تین ہزار سالہ نبطی وغسانی شخصی آمرانہ نظام بحال کرنے کی بُو آ رہی تھی۔ یعنی جن نبطیوں کو مجہول النسب غیر ملکی قرار دیا تھا اور جن کی غسانی حکومت ابھی اس اعلان کے بعد تک مسلسل چلی آ رہی تھی، قریش کی گردن پر اُن کو سوار کر دینے کی اسکیم معلوم ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نبیؐ، عبدالمطلبؑ اور ابو طالبؑ کا حق نمک ادا کرنے کے لئے ابو طالبؑ کے بعد حکومت کو اُن کی اولاد کو سونپنے کی فکر کر رہا ہے۔ اس قسم کی عملی، واقعی اور تاریخی صورتیں سامنے آ کر ڈرا رہی تھیں۔ متحمل مزاج اور زیادہ سنجیدہ لوگ تو مزید غور وفکر کرنے اور مزید موقعہ دینے کے خیال سے خاموش رہے۔ لیکن بعض عجلت پسند سرداروں نے ابو طالبؑ پر پھبتی کس دی کہ لیجئے آج تک تو آپ سربراہ خاندان تھے، قوم بھی آپ کا حکم مانتی تھی، اب کل سے تم اپنے بیٹے علیؑ کی بات غور سے سننا اور بے چوں وچرا اس کی اطاعت کرنا۔ بس اعلان نبوت پر اس سے زیادہ اختلاف کرنا خود قحطانی تاریخ کے مسلمات کے بھی خلاف ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ رسم بیعت کی نہ ابھی ضرورت تھی نہ جاری ہوئی تھی۔ لہٰذا بلا اختلاف سب کا چلا جانا اور انکار نہ کرنا معنوی حیثیت سے نبوت پر ایمان لانا یعنی نبی مان لینا ہی ہے اور چونکہ اعلان کے وقت آپ نے اپنے کسی قانون یا خاص قواعد وضوابط پیش نہ فرمائے تھے اس لئے بھی کسی اختلاف کی گنجائش نہ تھی۔ رہ گیا لفظ نبیؐ، رسولؐ یا نذیر یہ کوئی نئے الفاظ نہ تھے۔ بلکہ موعود ومتوقع تھے، کان تیس سال سے مانوس تھے۔ پس ایک ہی بات ذرا گڑبڑ کرتی تھی تو اُس کا تدارک جب ہی ممکن تھا جب باقاعدہ علیؑ کی پوزیشن واضح ہو جائے۔ یہ غلطی بھی اُن کی اپنی تھی کہ جب دعوت عام دی گئی تو اس وقت علیؑ کے سوا کوئی اور کیوں نہ کھڑا ہوا۔ یہاں قابل غور یہ ہے کہ جناب ابوبکر اس روز کہاں تھے؟ غیر حاضر تھے تو کوئی بات نہیں۔ حاضر تھے تو انہوں نے اس دعوت عام پر کھڑے ہو کر کیوں نہ کہا کہ جناب یہ غلام بحیرا راہب کی بشارت کے مطابق آپ کی زندگی میں آپ کا وزیر اور آپ کے انتقال پر آپ کا خلیفہ پہلے ہی بتا دیا گیا ہے۔

میں تمام ذمہ داریاں اپنے سر لیتا ہوں۔ غیر حاضری کی صورت میں یہ سوال ہے کہ اعلان کے بعد بھی آپ برابر خاموش کیوں رہے؟ کیا یہ خیال تھا کہ رسولؐ اللہ، اللہ کی منشا کے خلاف خاندانی دباؤ میں آ کر خدا کے حکم کو قبول نہ کریں گے؟ یا جس طرح وہ خواب قابل بیان اور پسندیدہ نہ تھا اُسی طرح یہ تعبیر بھی ایک مجرمانہ سازش کا قہری نتیجہ تھی؟ ورنہ کوئی دینی، اخلاقی اور قومی ضرورت ایسی نہ تھی جس کا یہ تقاضہ ہوتا کہ آنحضرتؐ سے اُس ذمہ دارانہ پوزیشن کو چھپا کر رکھا جائے۔ اور پھر یہ بات تو علیؑ کی پیدائش سے بیس سال پہلے کی ہے۔ اس مدت میں تو آپ کی وزارت اور خلافت سارے عرب میں مقبول ہو چکی ہوتی۔ اور ہرگز علیؑ کو وزیر و خلیفہ بنانے کی نوبت نہ آئی ہوتی۔ مگر مصلحت خویش خسروان دانند۔ بہرحال اور بہرطور یہ ماننا ہی پڑتا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسری صورت سمجھ میں نہیں آتی کہ جس وزارت و خلافت کی قبل از وقت اطلاع دی تھی، وہ یوں ملنے والی ہرگز نہ تھی۔ ورنہ ہر حیثیت سے رسولؐ اللہ پر ظاہر کرنا اور اُن کے کام میں کھل کر، جتلا کر ہاتھ بٹانا ضرورت و حالات کا عین تقاضہ تھا۔ البتہ آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ رہنے اور اکثر و بیشتر نمایاں ہونے کی کوشش یہ بتاتی ہے کہ اس عمل درآمد کا محرک وہی خواب اور وہی تعبیر تھی تاکہ بعد میں وزارت و خلافت کے سرے آپس میں ملائے جا سکیں اور احتمالات کے زور پر لوگ یہ باور کر سکیں کہ ممکن ہے ذہنی طور پر آپ وزیر ہی ہوں۔ اور خلیفہ بھی بنانا چاہتے ہوں مگر کچھ موانع اور مصالح حائل ہو گئے ہوں۔ اور ہاں دیکھو کہتے ہیں کہ نماز جماعت کا امام بنا دیا تھا۔ لہٰذا اغلب ہے کہ یہ وزارت اور خلافت ہی ہو۔ مگر سوال وہی ہے کہ ان خوش فہمیوں کی کیا ضرورت تھی؟ اعلان وزارت و خلافتِ خداداد کی رسولؐ اللہ سے پوشیدگی کیوں ضروری تھی۔ اُس میں کیا دینی یا دنیاوی فائدہ تھا۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب نہ تاریخ سے بن پڑتا ہے نہ گھریلو اور صحیح روایات طرفداری کرتی ہیں۔ یہ تو بہت ہی بڑا نقصان ہے جو جناب ابوبکر نے اُس خواب کو، پھر اُس تعبیر کو پوشیدہ رکھ کر دین کو پہنچایا۔ خود رسولؐ کو اپنے بیس سالہ وزارتی اور خلافتی تعاون سے محروم کیا۔ اور پھر اُمت میں ابوبکر و علیؑ کا جھگڑا پیدا کرنے کی ذمہ داری اور نقصان بھی تو اُن ہی کے سر ہے۔ صرف ایک صورت رہ جاتی ہے جو بہت بُری اور ناپسندیدہ صورت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ لیڈرانِ قوم اُس خواب سے واقف ہو گئے ہوں اور اُنہوں نے حضرت ابوبکر کو یہ پورا معاملہ صیغہ راز میں رکھنے کا دباؤ ڈالا ہو۔ اور وہ اُس دباؤ میں آ گئے ہوں۔ لیکن یہ پھر بھی ماننا پڑے گا کہ رسولؐ اللہ کے سامنے اعلان کر کے وزیر و خلیفہ بننے کے مقابلہ میں قومی لیڈروں کے طریقہ پر وزیر و خلیفہ بننے میں زیادہ افادیت تھی۔ ورنہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ ایک دن رسولؐ اللہ نے غالب آنا ہے، اُن کی حکومت قائم ہونا ہے تو کسی قومی دباؤ میں آنے کی احتیاج نہ تھی۔ رسولؐ اللہ کے سامنے اعلان وزارت و خلافت کرتے، قوم کی پرواہ نہ کرتے۔ رفتہ رفتہ قومی لیڈر ریٹ جاتے اور ٹھاٹ سے آنحضرتؐ کے بعد عنان حکومت سنبھالتے اور قومی لیڈروں کو پھر دبا کر رکھتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دباؤ تو ضرور دیا گیا تھا۔ مگر وہ دباؤ خود ابوبکر صدیق کے اپنے مقاصد کے مفاد میں تھا۔ ورنہ قومی لیڈروں کو ٹھینگا دکھا کر آنحضرتؐ کے ساتھ ہو جاتے۔ لہٰذا پھر وہی بات نکلی کہ انہیں معلوم تھا کہ میں اعلان کر کے تو وزیر و خلیفہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ اُدھر اس کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ میری وزارت اور خلافت کے لئے قومی سطح پر تعاون و بصیرت کی احتیاج ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ وزارت و خلافت مقدر ہے۔ یہ مشیائے الٰہی ہے رضائے الٰہی نہیں ہے۔ جس طرح یہ طے شدہ قضا و مشیائے الٰہی ہے کہ میدان کربلا میں خانوادہ حسینؑ قتل کر دیا جائے۔ یہ بھی طے شدہ ہے کہ فلاں فلاں لوگ حاکم بنیں۔ جیسے فرعون و نمرود کے لئے قضائے الٰہی تھی۔ مگر ان کو

رضائے خدا حاصل نہ تھی۔ یہ رضا اور قضا کا فرق تھا۔ ابلیس کے لئے جو کچھ طے کیا گیا اور جو جو کامیابیاں اس نے اپنے نظام میں حاصل کیں وہ قضائے الٰہی کے ماتحت تھیں۔ ابلیس سے اور اس کے کاروبار اور خود دادہ اختیار سے خدا راضی نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ ورنہ وہ جنتی ہوگا۔ لہٰذا مشیت خداوندی کے مطابق کسی چیز کا واقع ہونا، اُس کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔ مشیت خداوندی یہ ہے کہ دھار دار چیز جسم کو کاٹ دے گی۔ مگر تلوار سے کسی کو قتل کر ڈالنا اور اُس کا قتل ہو جانا رضائے خداوندی کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ مشیت خداوندی کی دلیل ہے۔ اور ایسے قتل کی اطلاع پہلے سے دے دینا اسی اطلاع کی طرح ہے جو جناب ابوبکر کو وزارت وخلافت کی اطلاع تھی۔

(16/2)۔ مشیت کے مطابق ایک اور مفصل پیشگوئی

جس طرح حضرت ابوبکر کو آنحضرتؐ کی رسالت اور خلافت کی اطلاع دی گئی تھی اُسی طرح جناب عمر خلیفہ دوم کے چچازاد بھائی کو بہت کچھ بتا دیا گیا تھا۔ یہ معاملہ ڈھکا چھپا نہ تھا۔ چنانچہ پہلے اس کی شہرت کے لئے طبری کی دو سطریں ملاحظہ ہوں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو لوگ عقل وسمجھ اور کان رکھتے تھے وہ سب رسالت اور رسولؐ سے مطلع تھے۔ اور یہ کہ حضرت عمر کا مذکورہ بھائی زید بن عمرو بن نوفل کہاں سے واقف ہوا ہوگا۔ طبری نے لکھا ہے کہ:۔

(i) ''ابو جعفر کہتے ہیں کہ دوسری قومیں آپؐ کی بعثت سے واقف تھیں۔ اور اُن کے علماء اُن سے اس بات کو برابر کہتے چلے آتے تھے۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 71)

سوچیئے کہ مکہ والے کیسے لاعلم رہ سکتے تھے۔ خصوصاً حضرت عمر کیسے ناواقف مانے جا سکتے ہیں۔ جب کہ اُن کے بھائی بھی واقف ہوں۔ وہ خود بھی توریت کے پڑھنے والے اور یہودی علما سے رابطہ رکھنے والے ہوں۔ اور خود جناب ابوبکر بھی اُن کے دوست و ہمراز ہوں۔ اور حضرت عمر کا سب سے پہلے جناب ابوبکر کی بیعت بلکہ یہ کہیئے کہ اُن کو خلیفہ اوّل بنانا اس علم ویقین کی غمازی کرتا ہے کہ آپ حکم مشیت سے واقف تھے۔ بلکہ یہ پوری پارٹی یہ جانتی تھی کہ خلافت پر خاندان رسولؐ تلوار نہ اُٹھائے گا۔

(ii) **زید بن عمرو کی پیشینگوئی:** طبری فرماتے ہیں کہ ''عامر بن ربیعہ سے مروی ہے کہ مجھ سے زید بن عمرو بن نفیل کہا کرتا تھا کہ میں اولاد اسماعیلؑ میں ایک نبیؐ کے مبعوث ہونے کا منتظر ہوں۔ اور اُن میں سے بھی اولاد عبدالمطلبؑ میں۔ اپنے لئے میں نہیں سمجھتا کہ اتنا زندہ رہوں گا کہ اُسے پاسکوں، ایمان لاؤں اور اُس کی نبوت کی شہادت دوں اور تصدیق کرسکوں۔ البتہ اگر تم اُس وقت تک زندہ رہو اور اُن کو دیکھو تو اُن کو میرا اسلام کہنا۔ تاکہ اُن کو شناخت کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ میں اُن کا حلیہ بتائے دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہیے۔ اُس نے کہا کہ وہ نہ کوتاہ قامت ہوں گے نہ دراز قامت ہوں گے۔ نہ اُن کے سر کے بال بہت گھنے ہوں گے اور نہ ہی کم اور دُور دُور اُن کی آنکھوں میں سُرخی ہوگی۔ مُہر نبوت اُن کے شانوں کے درمیان ہوگی۔ نام احمدؐ ہوگا۔ اِسی شہر میں وہ پیدا اور مبعوث ہوں گے۔ پھر اُن کی قوم اُن کو یہاں سے نکال دے گی اور اُن کی تعلیم کو پسند نہ کرے گی۔ پھر وہ یثرب کو ہجرت کر جائیں گے۔ وہاں اُن کی بات بن جائے گی۔ دیکھو تم اُن کے متعلق دھوکے میں نہ آ جانا۔ میں دین ابراہیمؑ کی تلاش میں دنیا بھر میں پھرا ہوں۔ جس یہودی یا عیسائی یا مجوسی سے میں نے دین ابراہیمؑ کو پوچھا۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ تو تمہارے وطن میں ہے۔ اور انہوں نے ہونے والے نبیؐ کی وہی صفت بیان کی

جو میں نے تم سے کہہ دی ہے۔لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اب وہی ایک نبیؐ ہیں جو مبعوث ہوں گے۔‘‘(طبری جلد اوّل صفحہ 72-71)

(iii) جو کچھ جناب زید نے فرمایا ہے اِس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں جو راز میں رکھنے کی ہو یا ڈھکی چھپی چلی آ رہی ہو۔اس صورت میں قارئین کو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ جناب زید نے یہ روایت صرف عامر بن ربیعہ ہی سے بیان کی ہوگی۔اور چونکہ روایت یہ نہیں ہے کہ زید نے عامر کو چھپانے کی تاکید کی تھی۔لہٰذا عامر نے بھی اور خود زید نے بھی نہ معلوم کتنے لوگوں سے زندگی بھر بیان کیا ہوگا۔لہٰذا بجیرا وغیرہ کو چھوڑ کر صرف زید ہی کی زبانی،حضرت عمر جو زید ہی کے گھر میں رہتے تھے اور حضرت ابو بکر جو عمر کے دوست تھے۔اور ابو عبیدہ جراح جو گھر گھر حجامت اور جراحی کے لئے جاتے رہتے تھے۔اور مکہ کا بچہ بچہ اُس نبیؐ کی بعثت اور مکہ کی باشندہ قوم کا اُن کو نکال دینا اور رسولؐ اللہ کی تعلیم پر عمل نہ کرنا سب کو معلوم تھا۔لہٰذا مکہ میں کوئی شخص ایسا نہیں مانا جا سکتا جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوؐل کی حیثیت سے نہ جانتا ہو۔اور چونکہ یہ اطلاعات اور تعارف اُنکی پیدائش سے پہلے ہی حاصل تھا۔اسلئے خانوادہ رسولؐ کے ہر شخص اور ہر بچہ پر نظریں گاڑے رہنا بھی ثابت ہوا۔اور پھر قرآن کا یہ کہنا کہ تم رسوؐل کو اسی طرح پہچانتے ہو جس طرح خود اپنی اولاد کو جانتے ہو(انعام 6/20)۔یعنی تم اُن کی پیدائش کے قبل سے لے کر پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے اور جوان ہونے تک نظر جمائے اُن کو دیکھتے اور اُن کے نبیؐ ہونے کے چرچے سنتے رہے ہو۔لہٰذا ہر وہ قصہ بکواس ہے جس میں اس نبوت پر کسی کے تعجب اور ناواقفیت کا بیان ہو۔اُدھر مشیت ایزدی میں یہ طے شدہ معلوم ہوا کہ مکے والی قوم من حیث القوم ہرگز رسولؐ اللہ پر ایمان نہ لائے گی۔چونکہ روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ مکہ سے نکال دینے کے بعد وہ قوم ایمان لے آئے۔اس لئے یہ ماننا بلا دلیل ہوگا کہ کبھی بھی مکہ والی قوم قومی حیثیت سے ایمان لائی تھی۔اسی لئے اُن کو مومن و مسلم کہنے کے بجائے طلاق دیئے ہوئے لوگ یا ایک مطلّقہ قوم فرمایا گیا۔اور قرآن نے اس قوم کو قرآن کی تعلیم کا تا قیامت منکر قرار دیا ہے (یٰرَبِّ إِنَّ قَوۡمِیَ اتَّخَذُوۡا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَھۡجُوۡرًا o الفرقان 25/30)۔ لہٰذا سوائے گنتی کے چند لوگوں کے جو بعد میں قریش کے دشمن ثابت ہوئے،کوئی عاقل شخص اس قوم کو مسلم اور مومن تسلیم نہ کرے گا۔اس لئے کہ قرآن نے اس کے بعد اُس قوم کو قومی حیثیت سے قرآن کو تسلیم کرنے والا قرار نہیں دیا ہے۔اور جب تک ہمیں پہلے ایسی آیت نہ ملے ہم کسی مخالف روایت کو قبول نہیں کرتے۔عامر بن ربیعہ کی مندرجہ بالا روایت کو ہم نے آیات کی تائید کرنے کی وجہ سے قبول کیا ہے۔ہم جان بوجھ کر قرآن کی مخالف روایات کو کیسے مان سکتے ہیں۔اور جب کہ قومی تسلط کی بنا پر روایات بنانا اور خود گھڑنا اور پھیلانا ممکن اور خود قبول شدہ موجود ہو۔یہ دوسری بات ہے کہ ہم انہیں کافر یا منافق نہیں کہتے البتہ قرآن کی رُو سے اُنہیں ایسے مومن ضرور ماننا پڑتا ہے جن کے ایمان میں سے اللہ، رسولؐ،قرآن اور تمام سابقہ کتبہائے خداوندی پر ایمان کی نفی بحکم خدا کر دی گئی ہو (نسآء 4/136)۔اُس نفی کے بعد جو کچھ باقی رہ جاتا ہے۔وہ رعایت کے ساتھ اجتہادی ایمان ہے۔یعنی وہ پہلے مجتہد اور پھر مومن تھے۔وہ حضرات خدا، رسولؐ، قرآن وغیرہ کی اُس پوزیشن پر ایمان لائے تھے جو اُن کے ذاتی اجتہاد کے بعد قائم ہوتی تھی۔اور یہ بات خود قرآن کریم نے بتا دی ہے کہ قوم قریش نے قرآن کو مہجور چھوڑ دیا تھا(فرقان 25/30)۔یعنی انہوں نے قرآن کو اپنے اجتہاد کے ماتحت رکھا تھا۔تاریخ وحدیث وفقہ وتفسیر کی کتابوں میں یہ حقیقت قبول کر لی گئی ہے اور بڑے شد ومد سے انہیں مجتہد کہا اور لکھا گیا ہے۔اور اُن کے وہ اجتہادات گنوائے گئے ہیں جن سے قرآن کریم کے احکامات کو معطل کر

دیا گیا تھا۔ مثلاً مولفۃالقلوب کا حصہ ساقط کردیا گیا،خمس بند کردیا گیا وغیرہ۔ اِسی طرح اُنہوں نے رسول کی جانشینی کواُسی اجتہاد سے قائم کیا تھا۔اور یہ بھی اُن ہی کا رائج کردہ مسئلہ ہے کہ اگر مجتہد سے اس کے اجتہاد میں غلطی ہوجائے تو اُس خطائے اجتہادی پر بھی خطا کار مجتہد کوخدا ثواب دیتا ہے۔اُن ہی کا عقیدہ ہے کہ بعض احکام اورضروریات انسانی ایسی رہ گئی ہیں جن کا حل نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے۔یعنی اُن دونوں کے اس نقص کومجتہد اپنی بصیرت اور محنت سے مکمل کر کے ضروریاتِ انسانی کو پورا کرتا ہے۔

(16/3)۔ اولادِرسولؐ اورمحافظانِ اسلام کی بنیاد جناب فاطمہ زہراء علیھا السلام

اُدھراعلان نبوت کو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کی وزارت وخلافت نے مستحکم کیا ہی تھا کہ اللہ نے جناب خدیجہ علیھا السلام کونبوت وامامت کے تحفظ میں قیامت تک حصہ دینے کیلیئے اُنہیں وہ بچی عطا کی جسکے انتظار میں رسول اللہؐ نے اپنی پہلی دواولادیں یعنی حضرت قاسمؑ اور جناب عبدؑ اللہ کوخدا کی نذر کردیا تھااور جنکے بعدآپؐ کواللہ نے قیامت تک زندہ رہنے والی تیسری اولاد عطا کی جونہ صرف گیارہ معصومؑ سربراہانِ اسلام کی بنیاد بنے گی بلکہ نوع انسانی کی نجات اوراسلام کے تحفظ کا ذمہ بھی لے گی اور رسالت کی نسوانی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنے گی۔تاکہ خواتینِ عالم انسانی دنیامیں بہترین نسل کی بقاوترقی کا نمونہ دیں اوراُنکے تربیت یافتہ بچے فلاح انسانی کیلیئے کسی قربانی سے دریغ نہ کریں۔اُنکی ولادت بھی اپنے بزرگوں کی طرح برابر شائع ہوتی چلی آئی تھی۔توریت وانجیل نے بشارتیں دی تھیں۔یہود ونصاریٰ ثانیٔ ھاجرہ وسارہ اورمریم علیھن السلام کا انتظار کررہے تھے۔یہی وہ فخر دوعالم بی بیؑ ہیں جن کی خدمت میں بادشاہ حبش اپنی عالی جناب دختر بھیجے گا۔اُن ہی کی چادر سے یہود ونصاریٰ اوراُنکی خواتین برکت حاصل کیا کرینگے۔اسی چادر کے سائے میں آیت تطہیر نازل ہوگی۔یہی وہ چادر ہے جو اہل بیت علیھم السلام کے نام کے ساتھ ایک جز ولاینفک بن گئی ہے اور جس نے ہمیں یہ بتایا کہ خانوادۂ رسولؐ کے حقیقی دوست اور ہمدرد کون لوگ تھے۔اس چادر نے تاریخ میں یہ ریکارڈ چھوڑا کہ نام نہاد مسلمان اغنیاء دشمنانِ اہل بیتؑ تھے۔اسلیئے ضرورت کے مواقع پر یہ چادر یہود ونصاریٰ کے یہاں رہن رکھی جاتی تھی اور وہاں جا کر اُسے تبرکات انبیا علیھم السلام کی شان سے رکھا جاتا تھا۔اورسوائے کربلا کے اس چادرکوکبھی دشمنانِ خدااوررسولؐ چھونہ سکے۔اسی چادر کا بیان حدیث کساء کرتی ہے اورآج بھی یہ چادر اور یہ حدیث مشکلات کوحکمیہ حل کراکر معجزات دکھارہی ہے۔ہمیں بڑی مسرت ہے کہ صرف بارہ سال میں حدیثِ کساء ہر جمعرات کوقوم میں پڑھی جانے کا حکم پھیلتا چلا گیا ہے۔اوراب تو بعض سمجھدارصاحبان عزااپنی مجالس کی ابتدااُسی سے کرتے ہیں۔

17۔ اعلانِ نبوّتؐ کے بعدرفتہ رفتہ قریش پھردشمن ہوگئے

قحطانی تاریخ میں بڑے زورشور سے یہ تاثر دیا گیا ہے کہ رسول اللہؐ کی طرف سے بتوں کی سخت الفاظ میں مذمت کی جاتی تھی۔اِس سے قریش مکہ نے منع کیا آپ نہیں مانے بلکہ اورشدت اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ قریش کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی تو انہوں نے سربراہ خاندانِ رسولؐ سے مصالحت اوراس مذمت کوروکنے کے لئے کہا۔اورمعاذ اللہ جناب ابی طالبؑ کے اقدامات بھی ناکام ہوگئے اور بتوں کی توہین وتضحیک میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ قریش نے اپنی حکومت اپنی جان ومال واولاد کورسول اللہؐ کی

خدمت میں پیش کر کے مذکورہ مذمت سے روکنا چاہا۔ مگر ہر اپیل اور ہر درخواست ٹھکرائی جاتی رہی۔ حتّٰی کہ قریش نے قتل کی اسکیم بنائی جس کے بعد ہجرت وقوع میں آئی۔

یہ سارا قصہ اسلامی اور قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ تاکہ رسولؐ اللہ کی آڑ میں رفتہ رفتہ جارحیت کو جائز کر کے اسلام پھیلانے کی وہ اسکیم جاری کر لی جائے جو واقعی بعد کی تاریخ میں کل پرسوں تک جاری رہی ہے۔ اور جس کا مشورہ ایک قومی نمائندہ رسوؐل اللہ کو دیا کرتا تھا۔ اور خدا کو شاہد کر کے خدا کی منشا کی جارحانہ تعبیر کرتا تھا۔ اور دنیا کو بازیچۂ افواج بنا دینا چاہتا تھا (بقرہ 2/204-205)۔ دوسرا فائدہ اُن غلط تصورات و روایات سے یہ اُٹھانا چاہا تھا کہ رسولؐ اللہ کی چالیس سالہ زندگی مختلف تھی اور اعلان نبوت کے بعد کی زندگی الگ تھی۔ یعنی اُن دونوں ادوار میں معاذ اللہ کوئی عقل مندانہ ربط بھی نہ تھا، ایک خود رَو آدمی کی طرح آپؐ بھی دن گزارتے رہے۔ معاذ اللہ نہ وہ چالیس سال تک رسولؐ تھے نہ انہیں اپنی رسالت کی خبر تھی۔ اور نہ چالیس سال تک آپ نے نبوت و رسالت کے ماتحت سمجھ بوجھ کر کوئی کار رسالت انجام دیا تھا۔ یعنی قریش نے یہ چاہا کہ اس عظیم الشان رسوؐل کی زندگی کے وہ چالیس سال ضائع کر دیئے جائیں جن میں آپ نے قوم اور ملک میں تخلیقی کام کیا تھا۔ جس میں یہ سبق دیا تھا کہ ایک انتہا درجے کے بگاڑے ہوئے معاشرہ کو کیسے متوجہ کرتے ہیں۔ جہاں کی ہر چیز اُلٹی اور خلاف دین ہو وہاں بگڑے ہوئے عمل درآمد کا رُخ کس طرح اسلامی احکام کی طرف موڑتے ہیں۔ جس طویل زمانہ میں یہ سکھایا تھا کہ دین سے بعید ترین اور خبیث ترین لوگوں کو اسلام کی رُو سے کس طرح رعایات دی جاسکتی ہیں۔ اور کس طرح قوم کی بدنہادگی کو روک کر قدم قدم اسلامی راہ پر لایا جانا چاہئے۔ جہاں کسی فعل حرام کی تمام خرابیاں اور تمام مذمت ایک دم اور پہلی بار سامنے نہیں لائی جاتیں۔ بلکہ بتدریج اور قسط و تمہیل قائم کی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شراب ہی کو دیکھئے۔ اِس سے اُس عادی اور شراب کی عاشق قوم کو باز رکھنا ان کا مقصد تھا۔ یہ روز ازل سے اور توریت و انجیل اور ہر شریعت میں حرام تھی۔ لیکن آپؐ نے اس کو نظروں سے گرانے، اس کی عادت چھڑانے، اس پر صرف شدہ روپیہ بچانے اور کاروباری ملکی معاہدوں اور تجارتی پابندیوں کو ڈھیلا کرنے اور اس کی ناپاکی اور خباثت سے قوم کو متنفر کرنے کے لئے چالیس جمع تیرہ (13) اور جمع پانچ سال یعنی اٹھاون سال کی تدریج و تمہیل اور پاکیزہ نمونوں کے ساتھ شراب کی بنیادوں کو اکھیڑ دیا تھا۔ یہاں جناب علامہ مودودی صاحب کی چند سطریں پڑھنا مفید ہوں گی لکھتے ہیں کہ:۔ "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی (نسآء 4/43)۔ یہ شراب کے متعلق دوسرا حکم ہے۔ پہلا حکم وہ تھا جو سورہ بقرہ (آیت نمبر 219) میں گزرا۔ اس میں صرف یہ ظاہر کر کے چھوڑ دیا گیا تھا کہ شراب بری چیز ہے، اللہ کو پسند نہیں ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں ایک گروہ (ماشاءاللہ) شراب سے پرہیز کرنے لگا تھا۔ مگر بہت سے لوگ اسے بدستور استعمال کرتے رہے تھے حتّٰی کہ بسا اوقات نشے کی حالت میں ہی نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور کچھ کا کچھ پڑھ جاتے تھے۔ غالباً 4ھ کی ابتدا میں یہ دوسرا حکم آیا اور نشے میں نماز پڑھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اپنے شراب پینے کے اوقات بدل دیئے۔ اور ایسے اوقات میں شراب پینی چھوڑ دی جن میں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں نشے ہی کی حالت میں نماز کا وقت نہ آ جائے۔ اس کے کچھ مدت بعد شراب کی قطعی حرمت کا وہ حکم آیا۔ جو سورہ مائدہ آیت نمبر 90-91 میں ہے۔" (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 354 حاشیہ نمبر 65)

یہ تھا اسلامی، قرآنی اور طریقہ رسولؐ جس سے قلوب واذہان میں دینی جذبات واحساسات کی تخلیق کی جاتی تھی۔ رعایت پر رعایت دی جاتی تھی۔ مُلّا کا مارشل ازم وہاں ملعون ومردود تھا۔ حالات وعادات وعذرات وضد وبغاوت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اور آخر کار لوگوں کو نیک نہاد و پکا عفت مآب بنا دیا جاتا تھا۔ لفظ حرام وحلال پڑھتے ہی ڈنڈا، دُرہ اور تلوار نہ نکال لی جاتی تھی۔ مگر قحطانی پالیسی کو اسلام کی چادروں میں لپیٹنا ضروری تھا۔ اس لئے اسلام اور اس کے احکام کو مدینہ کی زندگی سے شروع کیا گیا۔ اور اس میں سے بھی نرمی، لطف وکرم اور رعایات اور فطری حالات کو منہا کر کے ایک مارشل ازم تیار کیا گیا۔ تاکہ یہ کہنا اسلامی ہو جائے کہ یا تو اسلام کا اقرار کرو ورنہ جنگ قبول کرو۔ اور ساتھ ہی یہ کہ ہر وہ چیز جو رسولؐ اللہ نے چھڑا دی تھی۔ سچ مچ حرام کرا دی تھی۔ پھر جاری کر لی جائے چنانچہ آج بھی ہمارا اعلیٰ وادنیٰ طبقہ شراب پیتا ہے۔ شراب کی محفلیں قائم ہوتی ہیں۔ یعنی مُلا جی دراصل شراب کو جائز قرار دینے اور باقی رکھنے کے لئے شور اور فتویٰ بازی کرتے ہیں۔ بہرحال اس ملعون ومشرک قوم نے چھ سات ہزار سالہ انبیاؑ کی محنت کو ضائع کرنے کے لئے توریت وزبور وانجیل وغیرہ تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ قرار دیا۔ پھر رسولؐ اللہ کی زندگی کا دو تہائی حصہ غیر اسلامی کہہ کر ختم کیا۔ پھر مکہ کے تیرہ (13) سال یوں ضائع کئے کہ اس زمانہ کے احکام کا انہیں بقول اُن کے علم نہ ہو سکا۔ گویا اللہ کے تمام رسولوںؑ کی محنت کو ضائع کر کے صرف دس سال کا مدنی زمانہ دین اسلام بنا دیا۔

اس پالیسی کے ماتحت اگر مشرکین عرب یا اُن کے جانشین پیرو لوگ رسولؐ کو (معاذ اللہ) ایک جارح شخص قرار دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ چونکہ اس جارحیت کے بغیر نہ وہ حکومت کر سکتے تھے۔ نہ دنیا میں نظام شرک کو اسلام کا لباس پہنا کر از سرِ نو جاری کر سکتے تھے۔ اور نہ فریب در فریب اور جبر وقوت کے بغیر آج تک موجود رہ سکتے تھے۔ نوک نیزہ اور تلوار کی باڑھ پر رکھ کر لوگوں سے صرف کلمہ پڑھوانا، مال ودولت اور خراج لے کر آگے بڑھ جانا، تاریخ، اُن کی اپنی لکھی ہوئی تاریخ میں موجود ہے۔

(17/2)۔ رسولؐ اللہ اور خانوادۂ رسولؐ کا طریقہ تبلیغ اسلام اور قرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبلیغ کے لئے جو حکم ملا اور جو طریقہ بتایا گیا تھا اُس میں ذرہ برابر تحکّم اور سخت کلامی کا شائبہ تک نہ تھا۔ بلکہ اُن سے کہا گیا تھا کہ: (i) اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡھُمۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ۔

''آپؐ اپنے پالنے والے کی راہ کی طرف نہایت حکیمانہ انداز بہترین ومفید نصیحت کے موڈ میں دعوت دو۔ اور اُن کے ساتھ ہر بحث ومباحثہ حسین اور دل پسند انداز میں کیا کرو۔'' (سورہ النحل۔16/125)

(ii) رسولؐ اللہ کے خاندان والوں کو حکم دیا گیا کہ: وَلَا تُجَادِلُوۡۤا اَھۡلَ الۡکِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ۔(29/46)

''آپ لوگ اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ حسین اور دل پسند انداز کے بغیر کیا ہی نہ کرو۔'' (العنکبوت 29/46)

(iii) یہ بھی فرمایا کہ: وَ قُلۡ لَّھُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِھِمۡ قَوۡلًا بَلِیۡغًاo (نساء 4/63)

''اُن لوگوں سے تعارض نہ کرو اور نصیحت اس انداز سے کرو کہ آپ کی باتیں اُن کے قلوب میں اُترتی چلی جائیں۔''

اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ:۔ قُلۡ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ۔ (آل عمران 3/64)

''آپ اہل کتاب سے یہ کہہ دیں کہ کم از کم ہر اس بات پر تو متفق ہو کر تعاون کرو جو ہم میں اور تم میں برابر کے مسلمات میں سے ہیں۔''

ان آیات کے بعد یہ کہنا کہ رسولؐ اللہ جارحانہ انداز میں تبلیغ کرتے تھے یا سخت کلامی اور سخت گوئی کی کسی کو اجازت دیتے تھے محض مشرکین قریش ہی کو زیبا دے سکتا ہے۔ یہ قحطانی لوگ اُسی منہ سے یہ کہتے ہیں کہ سارا مکہ رسولؐ اللہ کو امین کہتا تھا، پیار کرتا تھا، سر آنکھوں پر بٹھاتا تھا۔ اُن کی نرم روی اور مہذبانہ زندگی کی مدح وثنا کرتے ہیں۔ اور پھر اعلان نبوت کے بعد اُن میں جارحیت کا اثبات کرتے ہیں۔ یعنی معاذ اللہ اُن کو قرآن کے نزول اور نبوت نے سخت گو اور ترش رُو بنا دیا تھا۔ اور وہ چالیس سال کی پکی ہوئی عادتوں کو ایک دم ترک کر کے پیغمبرؐ بن گئے تھے۔ یعنی پیغمبری (معاذ اللہ) ڈنڈے بازی کا دوسرا نام ہے۔ سنو اور غور سے سنو!! کہ اللہ نے رسولؐ اللہ کی قلبی وسعت اور نرم مزاجی کی حد یہ بتائی ہے کہ کفار ومنافقین اور تمام دشمنان اسلام صرف اُن کی بامروّت زندگی اور پیاری پیاری ہدایات کی وجہ سے ہمیشہ اُن کے ساتھ چپکے رہے اور مشرک منصوبے کو جاری کر سکنے کی آس کبھی نہ ٹوٹی۔ چنانچہ اللہ نے رسولؐ اللہ کی خاندانی فطرت وعادت کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ:۔

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ (آل عمران 3/159)

''یہ تو چونکہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم اُن لوگوں کے ساتھ نہایت ہی نرم سلوک کرتے چلے آتے ہو۔ اگر کہیں تم سخت دل اور تند خو ہوتے تو یہ لوگ کبھی کے تمہارے حلقۂ صحبت سے بھاگ کھڑے ہوئے ہوتے۔''

قارئین! اللہ کے اس بیان سے اگر یہ سمجھ لیں کہ سرکار دوعالم رحمۃ اللہ فی العالمین کی مستقل رحم وکرم کی عادت تھی تو یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ آپ کا روّیہ اہل مکہ کے ساتھ انتہائی سخت تھا؟ یاد رکھیں قحطانی منصوبے کی یہ بہت گہری چال ہے جس میں بڑے بڑے سلجھے ہوئے دماغ بھی اُلجھ کر مطمئن ہو گئے ہیں۔ لیکن ہم چونکہ قرآن کو مشرک عینک سے نہیں پڑھتے، اس لئے ہم اُن کی ہر چال، ہر مکر اور ہر فریب کو قرآن ہی سے ثابت کرتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ رسولؐ اللہ کو، اہل مکہ کو مومن دیکھنے کی اس قدر تمنا تھی کہ اللہ نے آپ کو حریص کہا، روؤف فرمایا اور رحیم قرار دیا ہے۔

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (9/128)

''یقیناً تم ہی میں سے تمہارے پاس جو رسولؐ اللہ آیا ہے تمہاری ہر برائی اور تکلیف اُسے بہت ناگوار گزرتی ہے۔ وہ تو تمہاری فلاح اور بہبود کا بڑا لالچی ہے۔ اور ایمان لانے والوں کے لئے رؤف اور رحیم ہے۔''(التوبۃ 9/128)

دوستو! یہ صورت حال اور یہ خوش خصال انسان ہی تو وہ انسان ہے کہ یتیم بچے انہیں چھوڑ کر اپنے والدین کے ساتھ نہ جاتے تھے۔ یہی دل میں اُتر جانے والا سلوک تو تھا جس نے لوگوں کو ایسا بنا دیا تھا کہ ایک طرف آزاد اور خوشحال زندگی کھڑی انتظار کر رہی ہے، دوسری طرف دو اونٹوں سے بندھا ہوا ایک انسان کھڑا ہے۔ اس سے کہا جا رہا ہے کہ تم رسولؐ اللہ کی مذمت کرو اور اسلام کو ترک کرنے کا اعلان یا مرنے کو تیار ہو جاؤ۔ جواب ملا کہ اگر ستر دفعہ قتل کر کے جلا دیا جاؤں تو ہر دفعہ انکار کروں گا۔ چنانچہ اونٹ دوڑا دیئے گئے۔ سوچیئے کیا ہوا ہوگا؟ جب کہ ایک ایک ٹانگ کو لے کر دونوں اونٹ دو مختلف سمتوں میں دوڑے ہوں گے؟ یہ تھی وہ لافانی محبت جو رسولؐ کا سلوک پیدا کرتا تھا۔ اور

یہ تھی وہ قحطانی سنگ دلی اور شدت انتقام جو سرداران قریش نے اختیار کر لی تھی۔ قریشی مشرکین کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے سخت رویہ کے بدلے میں یہ سلوک ہوا۔ یعنی نہ آپؐ بتوں اور مشرکین قریش کے بزرگوں کی سخت مذمت کرتے نہ قریش ظلم وستم اور جفا ودغا پر اُترتے۔ ہم قرآن کی زبان میں کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں، انہوں نے بتوں اور مشرک بزرگوں کے لئے جو کچھ کہا وہ تو وہی حقائق تھے جو خود مشرکین کے مسلمات تھے۔ یعنی قرآن کی رو سے مشرکین عرب بتوں کو نہیں بلکہ اللہ کو خالق ورازق ومدبر عالم سمجھتے تھے۔ وہ یہ مانتے تھے کہ یہ مٹی، پتھر، لکڑی، لوہے یا سونا چاندی کے مجسمے ہیں۔ یہ بھی کہ وہ نہ بول سکتے ہیں نہ اپنے منہ پر سے مکھیاں اُڑا سکتے ہیں۔ یہ بھی کہ انہیں آدمی توڑ سکتا ہے اور وہ گر کر بھی ٹُوٹ سکتے ہیں۔ اُن کا بہت سے بہت یہ عقیدہ تھا کہ وہ بت ایسے بزرگانِ قوم کے مجسمے ہیں جن کو خدا پسند کرتا تھا۔ جو مقرب بارگاہ خداوندی تھے۔ اور اُن کی وجہ سے دعائیں اور مرادیں پوری ہوتی ہیں اور خدا کے تقرب کے لئے وہ لوگ وسیلہ ہیں۔ اور اس کا کسی بھی آیت نے انکار نہیں کیا۔ بلکہ اصولاً ایسے انسانوں کا وجود تسلیم کیا جو مقرب خدا ہوتے ہیں اور جن کے واسطے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور یادگار کی حد تک مجسمہ سازی کا جواز بتایا۔ اور اُسی اصولی حیثیت کی بنا پر اُمت میں رسولؐ وآل رسولؐ اور اولیاء اللہ کے وسیلوں سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ جناح صاحب وغیرہ کے بڑے بڑے فوٹو دفاتر میں اسی اصول پر لگا لئے گئے ہیں۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ روزانہ ایک تازہ ہار فوٹو پر چڑھاتے ہیں۔ پھولوں کی چادریں اُن کے مزار پر اتنی چڑھ چکی ہیں کہ جن کی قیمت سے ایک ٹیکسٹائل مل کھل جاتا۔ مزار پر جو روپیہ اور محنت صرف ہوئے اُس سے پاکستانی مسلمانوں کی محبت اور اپنا پیٹ کاٹ کر قربانی کا ثبوت ملتا ہے۔ یہی حال مشرکین قریش اور اہل عرب کی تمام اقوام کا تھا۔ اور خدا نے خود اس قومی ومذہبی جذبہ کو قرآن میں جگہ جگہ دُھرایا ہے۔ اور اس کا احترام بھی کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ہر مذہب ومکتب فکر کے لوگوں کو اپنے اپنے آباواجداد سے اور مذہب سے پیار ہوتا ہے۔ اور خود اللہ ورسولؐ بھی چاہتے ہیں کہ اسلام لانے والے اسلام اور اسلامی بزرگوں سے محبت ومودت رکھیں مگر ناحق تعصب کو منع کرتے ہیں۔

حق کیا ہے اور ناحق کیا ہے؟ یہ علمی گفتگو ہے جو علمی حلقوں کا کام ہے۔ عوام اپنے اپنے علمی حلقوں اور علما کی پیروی کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اب یہ علما کا کام اور ذمہ داری ہے کہ وہ حق سے اِدھر اُدھر نہ ہٹیں۔ لہٰذا عرب میں بھی عوام رسولؐ اللہ سے پیار ومحبت کرتے تھے، قدر ومنزلت بجالاتے تھے، بات مانتے تھے۔ اپنی صدیوں کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنا شروع کر دیا تھا۔ دانشوران قریش بھی اچھی بات کو اچھا اور بُری کو بُرا سمجھتے تھے اور مجبور تھے کہ ہاں میں ہاں ملائیں، اصلاح کو اصلاح کہیں۔ لیکن وہ ان اچھائیوں اور اصلاح کے پس پشت ایک خطرہ دیکھ رہے تھے جو عوام کو نظر نہ آتا تھا۔ وہ یہ اندیشہ تھا کہ رسولؐ اللہ کے بعد یہ ایک خاندانی اجارہ داری بن جائیگی۔ جیسا کہ نبطی وغسانی حکومت تین ہزار سال سے چلی آرہی ہے اور جو اسی خاندان کی نبطی حکومت ہے۔ پھر وہ حکومت علیؑ وخاندان علیؑ میں موروثی ہو جائیگی۔ اور یہ بات کسی طرح مشرکانہ یعنی سب کا مل کر اشتراکی ومشترک نظام قائم کرنے کے تصور میں ہضم نہیں ہوسکتی۔ یہ بات عوام کو موٹے موٹے الفاظ اور دلائل سے سمجھانے کا سامان نہ تھا۔ اور جب تک یہ بات عوام کی سمجھ میں راسخ نہ ہو جائے اُس وقت تک اُس اسلامی انقلاب اور عمرانیؑ سیلاب کو روکا نہیں جاسکتا جو سمندر کی طرح مدّ وجذر سے ساری مشرکانہ محنتوں کو اُلٹ پلٹ کر رہا ہے۔ جو بیرون ممالک سے اندرون ملک تک اور اندرون ملک سے بیرونی ممالک تک بڑھتا، امنڈتا اور لہریں مارتا چلا جارہا ہے۔ اِسلئے

سردارانِ قریش کسی جائز اور سمجھ میں آنے والے بہانے کی تلاش میں ہیں کہ اس عمرانی انقلاب کو روکا جاسکے۔ اور اُن راہوں کو سوچ رہے ہیں کہ جن پر چل کر یہ اسلامی اصلاحات قریشی پالیسی کے ہم رنگ بنائی جاسکیں۔ اس فطری، قدرتی، عملی اور واقعی صورت حال کو شاہی تاریخ چھپاتی ہے۔ اور بلا کسی ربط اور فطری و عملی ضرورت کے ایک دم مشرکینِ قریش کو رسولؐ اللہ سے برسرِ پیکار کر دیتی ہے اور اُنکے ظلم و ستم کی صحیح اور غلط داستان اِس زور شور اور شد و مدّ سے سناتی ہے کہ قارئین کو مشرکین سے نفرت ہو جائے اور اس نفرت کے دھارے میں بہتا قاری اس طرف توجہ ہی نہ دے سکے کہ مشرکین سے یہ نفرت اسلئے پیدا کی جارہی ہے کہ مومنین سے ہمدردی پیدا ہو جائے اور پھر چپکے چپکے مکہ کے مشرکین کو مومنین کی ہمدردی کی آڑ میں اُدھر سے اِدھر پہنچا دیا جائے۔ یعنی مشرکین سے نفرت کو ایک کروٹ دے کر مشرکین سے محبت میں تبدیل کر دیا جائے اور یہ پتہ نہ لگنے پائے کہ وہ سارے مشرکین جن سے نفرت پیدا کی گئی تھی، اُدھر سے اِدھر آچکے ہیں۔ صرف نام بدل گئے ہیں۔ اور اب نظامِ شرک اسلام کی عبا قبا اور عمامہ میں ملبوس ہو چکا ہے۔ یہ ہے وہ راز اور منصوبہ جسے شاہی تاریخ چھپاتی ہے۔

(17/3)۔ اسلام اور رسولِؐ اسلام سے قریش اور مشرکین کی دشمنی کی قابلِ فہم وجہ لازم ہے

ہم سے کہا جاتا ہے کہ مکہ کے سرمایہ دار یہود اور قریش اپنے نظام سرمایہ داری اور سود کے ختم ہو جانے کی بنا پر آنحضرتؐ کے دشمن ہو گئے، مان لیا۔ لیکن عوام جو مقروض اور سرمایہ دارانہ نظام سے تنگ تھے، اُنہوں نے اپنے ہمدرد رسولؐ کے خلاف اپنے خون چوسنے والے دشمن کا دل و جان سے کیوں ساتھ دیا؟ کیوں ہزاروں کی تعداد میں میدان جنگ میں کام آئے؟ کہا جاتا ہے کہ عوام سرمایہ داروں کے پنجے میں پھنسے ہوئے مجبور تھے، مان لیا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مکی سرمایہ دارانِ قریش اور یہود کے پاس کوئی فوج نہیں ہے۔ ہوتی بھی تو وہ بھی اُن ہی غربا اور مظلوموں پر مشتمل ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ مکہ سے نکل بھاگنے کی ساری راہیں کھلی ہیں۔ کسی کو زنجیروں میں جکڑ کر گھوڑے پر باندھ کر میدان جنگ میں نہیں لایا گیا۔ ایسا ہوتا تو وہ کیسے لڑتا؟ لہٰذا سرمایہ داروں کا زور اور جبر و اثر دل میں جب تک جا کر نہ بیٹھ جائے، اُس وقت تک کوئی شخص میدان جنگ میں آزادانہ سفر اور پھر جنگ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہوا کہ تمام متنفر عوام، تمام مظلوم لوگ لڑنے کے لئے تلواریں اور گھوڑے، اونٹ، راشن لے کر حملہ آور ہوتے رہے؟ اگر کوئی جادو، چھومنتر اور معجزہ تھا بھی تو وہ مشرکین قریش کے پاس نہ تھا کہ وہ عوام کو دل کی رضامندیوں سے اُن مظالم پر آمادہ کر کے انہیں جنگ کا ایندھن بنا دیتے۔ کہا جاتا ہے کہ قبائلی تعصب اور عزیز و اقربا کی محبت کی بنا پر جدھر ایک شخص جاتا سارا قبیلہ اُدھر چل کھڑا ہوتا۔ درست ہے مان لیا۔ مگر جب یہ مخالفت تاریخ کے پردہ پر دکھائی گئی ہے اُس وقت تک کم از کم چالیس سال گزر چکے تھے۔ اس چالیس سال میں تقریباً ہر قبیلے میں رسولؐ کا مشن پہنچ چکا تھا۔ اعلان سے قبل ہی دنیائے عرب انہیں صادق و امین اور قابل تقلید سمجھ چکی تھی۔ لہٰذا عربی قبیلوں کا تعصب اور محبت تو رسولؐ اللہ کے ساتھ ہونا چاہیئے نہ کہ سرمایہ داروں اور خون چوسنے والوں کے ساتھ جم کر دل و جان سے ایسے رحیم و کریم و ہمدرد و غمگسار رسولؐ کی مخالفت کرنا جو اُن کی فلاح و بہبود کے سوا اور کچھ چاہتا ہی نہیں ہے۔ جس چالیس سالہ دَورِ تخلیق و اصلاح کو شاھانہ تاریخ حرف غلط کی طرح مٹا کر اُسے عہد رسالت سے خارج کرنا چاہتی ہے، قرآن اُس زمانہ کو بطور دلیل و حجت پیش کرتا ہے اور کار رسالت کو مسلسل قرار دیتا ہے۔ سُنیئے اللہ نے رسولؐ سے اعلان کرایا کہ:۔ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُم بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَo(10/16)

''ان سے کہہ دو کہ میں نے تمہارے درمیان ساری عمر گزار کر جو کچھ تمہارے لئے بہتر سمجھا ہے۔ اُس کے عین مطابق وہ عمل درآمد اور تعلیمات ہیں جو میں پیش کر رہا ہوں۔ اگر یہ سب کچھ من جانب اللہ اور اُس کا پسندیدہ نہ ہوتا تو میں نہ تو ساری عمر قرآن کی تمہارے روبرو تلاوت کرتا نہ تمہیں دلیل و برہان کے ساتھ اُس کی حقیقت سازی پر مطلع کرتا۔ کیا تم لوگ اپنی اپنی عقل و تجربہ سے اِس (چالیس سالہ طرز عمل) پر عقل سے غور نہیں کرتے ہو۔'' (یونس 10/16)

لہٰذا ضروری ہے کہ کوئی ایسی حقیقی وجہ بیان کی جائے جو آج بھی ہر آدمی کی سمجھ میں آئے۔ جو رسولؐ اللہ کی چالیس سالہ خدمات و تبلیغ کو دل سے نکال کر ہر شخص کو اُن سے پہلے متنفر کرے۔ پھر ہر شخص اپنے مستقبل کو خطرہ میں ہونے کا یقین کرے اور اپنے اپنے بچوں اور ناموس اور قبیلے اور اپنی قوم و ملک کو رسولؐ اللہ سے محفوظ کرنے کیلئے سردھڑ کی بازی لگا دے۔

(17/4)۔ رسولؐ اللہ نے سرداران قریش کے تمام سیاسی حربے بیکار کر رکھے تھے

آنحضرتؐ کی اسلامی تعلیم میں برابر چالیس سال سے انسانی نفسیات و جذبات کا لحاظ رکھا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ شراب، جوا، سود اور سینکڑوں بنیادی اور قدیم ترین مہذب کہلانے والی تمام خرابیوں کو کس خوبصورتی اور حُسنِ تدریج اور مہلت کے ساتھ بلا کسی اشتعال کے دلوں سے نکال دیا تھا۔ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ آنحضرتؐ اپنے خلاف اشتعال مزاجی کو بہانہ بننے کا موقعہ خود فراہم کر دیتے؟ وہ تو جہاں سے اصلاح کا الف شروع کرتے تھے، وہاں کسی مزاج اور مذہب کو مخالفت کا تصور تک بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ اور الف کے بعد اصلاح کیلئے ہر آنے والا حرف، مخالف تصورات کو دور تر کرتا اور لوگوں کو اصلاح کی (ے) آخری منزل تک لے آتا اور پتہ بھی نہ ہونے دیتا کہ یہ انقلاب ہوا ہے۔ رسولؐ اللہ تو حقیقی احکام کی ایسی قسطیں بناتے تھے کہ کافر و منکر و مخالف کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنجنابؐ تو وہی چیز پیش کر رہے ہیں جس کی خود اُنہیں فطری ضرورت ہے۔ اس تدریج کی انتہا یہ ہے کہ اللہ کو یہ کہنا پڑا کہ:۔

فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعۡضَ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَضَآئِقٌۢ بِہٖ صَدۡرُکَ۔ (ھود 11/12)

''کہیں ایسا عمل درآمد تو نہیں کر رہے ہو جس سے یہ محسوس کیا جاسکے کہ آپ نے فلاں وقت حکمِ خداوندی کے فلاں جز کو نظر انداز کر دیا تھا۔ اور اصلاح حال کے لئے اپنی قلبی کیفیت کے خلاف دب کر حکم دیا تھا؟''

جگہ جگہ رسولؐ اللہ کی نرمی اور اصلاحی تدریج کے دوران یہ حالت ہوتی تھی کہ عام عقل کا آدمی یہ سمجھنے لگے کہ رسولؐ اللہ تو گویا کافروں اور غیر مسلموں یا منافقوں کی اطاعت کرنے لگے ہیں۔ ایسی سینکڑوں آیات ہیں جن میں کھل کر کہا گیا کہ:۔

وَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ وَدَعۡ اَذٰىهُمۡ وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًاo (الاحزاب 33/48)

''تم کافروں اور منافقوں کی اذیت کو مدنظر رکھ کر اُن کی اطاعت کی حد تک نہ بڑھ جانا۔ جہاں ایسا ہو وہاں اُن کی مستقبل کی ایذا رسانی سے لاپرواہ ہو کر خدا پر توکل کرنا اور اللہ تمہارے لئے وکالت کرنے کے لئے کافی ہے۔''

یعنی وہ یہ ثابت کر کے چھوڑیگا کہ تم نے ہر ممکن رعایت اور تدریج سے کام لیا اور تبلیغ اسلام میں کوئی انسانی جذبہ یا قرآنی اصول نظر انداز نہیں کیا۔ رعایت کی یہ حد ہے کہ آپ اپنے اعمال میں کافروں کے مطیع و فرماں بردار نظر آنے لگیں۔ بتایئے ایسا شخص کس طرح اور کیوں

اشتعال انگیزی اور بہانہ سازی کا موقع دے سکتا ہے۔جس کا یہ حال ہو کہ وہ نوع انسانی کے غم میں اور اُنکی اصلاح حال کی فکر میں اپنی راحت وصحت کی پرواہ نہ کرتا ہو۔اور جس کو خدا یہ کہے کہ: لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَ لَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَo (شعراء 26/3)

''اے رسولؐ تم تو شاید اس غم میں اپنی جان گنوا دو گے کہ یہ لوگ مومن کیوں نہیں ہو جاتے۔''

کیا یہ غم خواریاں، راتوں کے اندھیروں میں نوع انسان کے لئے دعائیں اور شب بیداریاں عربوں کے دلوں میں اثر انداز نہ ہو رہی ہوں گی؟ فحطانی چاہتے ہیں کہ چالیس سال کی یہ ریاضت، یہ کدّ وکاوش اور محنت اُن کی گھڑی ہوئی کہانیوں کی آڑ میں چھپ جائے۔فحطانی معاشرہ میں چونکہ ہر برائی کو مجتہدانہ تدریج وتاویل سے نیکی اور اچھائی بنا کر دکھایا گیا تھا۔چنانچہ وہ برائی کو چھوڑتے ہوئے اس الجھن میں پڑ جاتے تھے کہ یہ بات تو فحطانی راہنماؤں نے صدیوں سے نیکی بنا رکھی ہے۔نیک اعمال کو کیسے ترک کریں لوگ کیا کہیں گے۔ایسے حالات میں اللہ کا فیصلہ اور رسولؐ اللہ کا حال قرآن سے سنئے فرمایا گیا کہ:۔

اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُکَ عَلَیۡهِمۡ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَo (فاطر 35/8) ''بھلا بتایئے اُس شخص کا برائی کو ترک کرنا کتنا مشکل ہو جاتا ہوگا جس کو راہنمایان قوم نے غلط اعمال کو نیکیوں کا لباس پہنا کر دکھایا ہو اور جو بری بات میں اچھائیاں ہی دیکھتا ہو؟ اے رسولؐ بات یہ ہے کہ گمراہی اور ہدایت یافتگی دونوں ہماری مشیت کے ماتحت وقوع میں آتی ہیں۔چنانچہ اُن کے جلدی ہدایت یافتہ ہو جانے کی حسرت میں آپ اپنی جان نہ دے بیٹھنا۔یقیناً اللہ اُن کے فحطانی راہنماؤں کی ہنرمندی کا پورا علم رکھتا ہے۔''

ایسے فدا کار و جاں نثار رسولؐ کے خلاف نہ تلوار اٹھنا چاہئے تھی، نہ زبان کھلنا ممکن تھا۔عوام وخواص کا یوں بے دریغ تیغ بکف نکل آنا اور پورے آٹھ سال تک اسلام اور رسولؐ اسلام ایسے غمخوار کے خلاف دن رات تن من دھن سے نبرد آزما رہنا کہانیوں اور بے تکی باتوں پر منحصر نہیں ہوسکتا۔اس کے لئے کوئی ایسی خطرناک وجہ بتانا پڑے گی جو سچ مچ غربا اور محنت کشوں کے مستقبل کو تباہ کرنے والی ہو، جو اسلام لانے کے بعد بھی مستقلاً قائم رہنے والی ہو۔جس کا دفیعہ اور تدارک صرف رسولؐ کی مخالفت اور اُن کی شکست ہی سے ہوسکتا ہو اور کوئی دوسری راہ باقی نہ رہتی ہو۔اور ایسی حتمی وجہ صرف ہم بیان کرتے ہیں۔دوسروں سے اس کا بیان اس لئے ناممکن ہے کہ اُن کی اپنی مصلحتیں وہی ہیں، پالیسی ومذہب وہی ہے جو دانشوران شرک نے اختیار کیا تھا۔اور جسے منہ پر لانے اور قبول کرنے سے سینکڑوں پگڑیاں سروں سے گر پڑتی ہیں۔سارے بُت ٹوٹ جاتے ہیں اور صدیوں کی محنت ضائع ہوتی نظر آتی ہے۔

(17/5)۔ آنحضرتؐ تبلیغ میں نرمی اور تدریج کے ساتھ ساتھ عملی تجربہ پر زور دیتے تھے

مُلّا ازم کی طرح رسولؐ اللہ ایک دم مسلمان ہو جانے کا تقاضہ نہ کرتے تھے۔جس حال میں کوئی ہوتا تھا اُسے اُسی حال میں رکھتے ہوئے ایسی بات بتاتے تھے جو خود بخود اس کی زندگی میں مفید انقلاب پیدا کر کے اُسے دوسری ہدایت طلب کرنے پر آمادہ کرے۔اور وہ یہ بھی تو نہ کہتے تھے کہ کوئی ضرور ہی اُن کی ہدایت پر عمل کرے۔خدا نے فرمایا کہ:۔

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًاo (نساء 4/80) ''جو کوئی رسولؐ کی اطاعت کرے

یہ سمجھ لے کہ وہ خدا کی اطاعت کر رہا ہے اور جو کوئی رسولؐ کے علاوہ کسی اور ولایت سے وابستہ ہو یا ہونا چاہے اور رسوؐل کی اطاعت نہ کرے تو ایسے لوگوں پر اَے رسولؐ ہم نے تمہیں ٹھیکیدار اور محافظ نہیں بنایا ہے۔لہٰذا اُن سے تعارض کی ضرورت نہیں۔''

کتنا سیدھا سیدھا معاملہ ہے۔نہ کوئی طنز ہے، نہ طعنہ ہے، نہ کسی کو چڑایا جا رہا ہے۔پُر امن فضا ہے کسی طرف ابھی تک کوئی ناگواری، کوئی گرانی ظاہر کرنے کا موقعہ نہیں ہے۔اللہ بتا رہا ہے کہ:۔

فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ لِلّٰہِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ..... (عمران 3/20) ''اگر اہل کتاب میں سے یا اہل مکہ میں سے کوئی تم سے حجت کرے تو اُن سے کہہ دو کہ میں نے اپنی توجہات کو اسلام کے حوالے کر دیا اور میری پیروی کرنے والوں نے بھی یہی کیا ہے۔کیا تم بھی اسلام قبول کر چکے ہو؟ چنانچہ اگر وہ بھی اسلام لے آئیں تو یقیناً ہدایت یافتہ ہوں جائیں گے۔لیکن اگر وہ اسلام کے بجائے کوئی اور ولایت اختیار کرنا چاہیں تو آپ کی ذمہ داری تو صرف اسی قدر ہے کہ اصل بات اُن تک پہنچادی گئی ہے یا نہیں۔''

یہ آیات ایسا زمانہ بتا رہی ہیں جس میں عوام کوئی پرخاش نہیں رکھتے۔بات سنتے ہیں، سمجھتے ہیں جو بات اُن حالات میں فِٹ اور قابل عمل ہوتی ہے اس پر عمل بھی کر رہے ہیں۔بعض لوگ مکمل طور پر اسلام لا چکے ہیں بعض اسلام کی طرف قدم قدم بڑھ رہے ہیں۔کثرت الناس متوجہ ہے۔قوم کے سردار، لیڈر اور سرمایہ دار و دانشوران قوم اِس صورت حال سے واقف ہیں، حالات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔اور اپنے ماہرین کو مذکورہ منشور کے مطابق ہدایات فراہم کر رہے ہیں۔

(17/6)۔ مخالفت کی تمام حقیقی، فطری اور قابل فہم وجوہات وتفصیلات

ہم نے تفصیل سے لکھا اور قارئین کرام کبھی نہ بھلاسکیں گے کہ اللہ نے روز ازل سے ایک ذریت طاہرہ کی بِنا ڈالی۔اُن کو نبوت وحکومت و رسالت و امامت سپرد کی۔اُن ہی میں انبیا و رُسل و آئمہ علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے۔جنہیں ہمیشہ ہر حال میں خدا کی جانشینی حاصل رہی۔انہوں نے بنی نوع انسان کو ترقی دے کر بلند سے بلند تر کرنا جاری رکھا۔اُدھر ابلیس نے روز ازل سے اُس ذریت سے مقابلہ اور اُن کے پروگرام میں رکاوٹ ڈالنے کا اعلان اور عمل جاری رکھا۔خداداد اختیارات سے اُس نے جنوں اور انسانوں میں سے اپنا مخصوص حصہ الگ کیا۔جس طرح اللہ کی پوری قوت مذکورہ ذریت کی قابلیت کو درجہ کمال تک پہنچانے پر صرف ہوتی چلی آئی، اُسی طرح ابلیس کا نظام اور اس کے تیار کردہ انسانوں کی نسلیں بھی انبیاؑ کے مقابلہ کے لئے اپنے درجہ کمال کی طرف بڑھتی رہیں۔حضرت ابراہیمؑ کے بعد جناب اسماعیلؑ پیغمبر ہوئے اور اُن سے امامت و نیابت وحکومت جناب نابت علیہ السلام کو ملی اور اُن کی اولاد میں مسلسل حکومت خداوندی چلی آئی۔یہاں تک کہ نور محمدؐی اُن میں منتقل ہوتے ہوتے ظہور محمدؐی ہو گیا۔اُس وقت بھی خاندان نابت علیہ السلام کا ایک غسانی بادشاہ عرب میں حکومت کر رہا تھا۔جس نے سورہ روم کی پیشگوئی کے مطابق رومیوں کی مدد کر کے اُن کے مفتوحہ علاقے واپس دلائے تھے۔اِدھر جناب ابوطالب علیہ السلام اُسی نبطی خاندان کے آخری اور دینی راہنما تھے۔جنہوں نے آنحضرتؐ کو پال پوس کر آخری نبوت و رسالت و امامت وحکومت خداوندی کے لئے تیار کیا تھا۔چونکہ نبوت محمدؐ یہ تمام دنیا کے علما و مذاہب میں مشہور و معروف و معلوم تھی،

اِس لئے اب قارئین کرام اُس کہانی کو مضحکہ خیز سمجھنے پر مجبور ہیں کہ عربوں نے یہ کہا تھا کہ (معاذ اللہ) بنی ہاشم نے اپنا اقتدار دوبارہ قائم کرنے کے لئے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ یہ گھڑنت اب نہیں چلتی اس لئے کہ بحیرا راہب اور دیگر ذرائع سے یہ نبوت اچانک وجود میں نہ آ گئی تھی۔ بلکہ اس کا مسلسل اعلان واشتہار وبشارت وانتظار جاری رہتا چلا آ رہا تھا۔

قحطانی قریش اپنے صدیوں کے تجربے سے جانتے تھے کہ ہر نبیؑ ایک اصول پر تبلیغ کرتا ہے۔ جو ایک کہتا ہے وہی دوسرا کہتا ہوا آتا ہے۔ وہ وحی خداوندی کے سامنے انسانی عقل اور رائے کو کوئی مقام نہیں دیتے۔ وہ جانشین وخلیفہ خداوندی ہونے کی بنا پر اپنے حکم کو حکم خدا اور اپنی اطاعت ومخالفت کو خدا کی اطاعت اور مخالفت سمجھتے ہیں۔ اور کسی شخص کو اپنے یا خدا کے احکام میں دخل انداز ہونے نہیں دیتے۔ یہاں تک تو وہی صورت حال تھی جس کا صدیوں پرانا تجربہ موجود تھا۔ اس کے بعد سوال یہ تھا کہ نظام اجتہاد اور مشرک تمدن کو اِس نبیؐ سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں؟ اس سوال کا جواب عنوان نمبر 13 کے چھ نکات میں از سرنو مطالعہ کے بعد سامنے لے آئیں۔ اور پھر یہ یاد فرمائیں کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت میں مسلّمہ طور پر، اپنی زندگی اور انتقال کے بعد جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کو اپنا وزیر وخلیفہ بنا دیا تھا۔ بس بات یہاں سے بگڑتی ہے۔ یعنی یہ واضح ہو گیا کہ ایک دفعہ حکومت پھر اُسی نبطی شاخ میں جا پہنچے گی جس کے آخری جانشین جناب عمران (ابو طالب) علیہ السلام تھے۔ اور جن کے ماتحت اب تک حجر میں جبلہ نام کا غسانی بادشاہ حکومت کر رہا تھا اور جس سے بادشاہان حمیر اور حیرہ کی ہمیشہ سے خاندانی عداوت اور جنگ جاری رہتی چلی آنا عرب وعراق و شام میں مشہور تھا۔ قارئین دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمر کی تصدیق کے ساتھ تمام علمائے انساب نبطیوں کو غیر ملکی لوگ مشہور کر چکے تھے۔ لہٰذا یہ پہلا حربہ تھا جو ضرورت کے وقت، خاندانِ ابو طالبؑ کی آنے والی حکومتِ علویہؑ کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا۔ یعنی یہ کہ علیؑ خود کو کوثی نبطی قرار دیتے ہیں۔ غسانی حکومت بھی نبطی اور غیر ملکیوں کی حکومت ہے۔ لہٰذا کہیں علیؑ جبلہ یا اسکے بعد والے بادشاہ سے مل کر ملک وقوم کو اُسکے پنجہ میں نہ پھنسا دے۔ چونکہ عرب کا ذہن غیر ملکیوں یعنی عجمیوں کی حکومت اور اقتدار کسی صورت میں برداشت نہیں کرتا۔ لہٰذا یہ ایک بمب (Bomb) تھا جو اسٹور میں رکھا گیا۔ یعنی علیؑ سے خوفزدہ کرنے یا متنفر کرنے کا جب وقت آئیگا تو دھماکہ کر دیا جائے گا۔

دوسرا حربہ یہ تھا کہ جب تک نبیؐ زندہ ہے اُس پر وحی اُترتی رہے گی۔ اور اگر اُسے ابو طالبؑ اور علیؑ و دیگر خاندان بنی ہاشمؑ کی جنبہ داری سے محفوظ رکھا جائے تو اُس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ ہر حکم، حکم خدا کے مطابق دے گا۔ لیکن اُس کے بعد نبوت اور وحی کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ لہٰذا پھر اگر علیؑ کی شخصی حکومت قائم ہو گئی تو وحی کے بغیر اُس کی تنہا بصیرت پر پوری قوم وملک کا انحصار تباہ کن ہوگا۔ وہ خاندانی عصبیت اور روایات پر پلٹ سکتا ہے، قرآنی احکام کی جو چاہے تعبیر کر سکتا ہے اور رسولؐ کا قائم کیا ہوا پورا نظام بدل سکتا ہے۔ جس سے یہ موجودہ امید افزا تمام حالات خواب خرگوش بن کر رہ جاتے ہیں۔

ان دونوں صورتوں کا وقوع میں آنا قطعاً ممکن ہے۔ لہٰذا یہ بات ہر عام وخاص اور عقل مند شخص کو تسلیم کرنا ہی پڑے گی کہ جب تک علیؑ وخاندان علیؑ کو رسولؐ اللہ سے الگ نہیں کیا جاتا، قوم وملک کا ہر شخص غیر محفوظ اور خطرہ میں ہے۔ موجودہ اصلاحات محض ایک فریب ہے۔ جس کے پیچھے پیچھے نہایت خاموشی سے عمرانی سیلاب امنڈتا آ رہا ہے۔ جو کہ استحکام نبوت کے بعد تمام قدیم تہذیب وتمدن، تمام

روایاتِ سلفِ صالحین اور قومی عزت و وقار کو نبطی سمندر میں بہالے جائے گا۔ اور تمام عوام و خواص سوچنے کا موقعہ بھی نہ پاسکیں گے۔ لہٰذا ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ علیؑ و خاندان علیؑ کو رسولؐ اللہ سے الگ کرنے اور اُن کی حکومت اور ممکنہ اقتدار سے بچنے کی ہر اسکیم اور جدو جہد میں ہمہ قسمی تعاون کرے۔ اور ساتھ ہی علیؑ و ابو طالبؑ اور اُن کے خاندان کے دوسرے افراد کو چوکنا ہو جانے کا موقعہ نہ دے۔

(17/7)۔ نبوت اور امامت میں تفریق کے لئے قریشی مؤقف

وحی اور عصمت کو الگ کر کے جو مشرکین عرب نے سوچا اور طے کیا اُس میں عقل و تجربہ کی روشنی میں کوئی خامی نہیں ہے۔ یہ سوچنے کی بات تھی اور قطعی طور پر ممکن تھی۔ ساری دنیا کو اس کا تجربہ تھا کہ جب حکومت کسی ایک خاندان میں موروثی ہو جاتی ہے تو پبلک پر ہر قسم کا جبر و تشدد ہوتا ہے۔ حاکم خاندان تمام رعایا کا ہر رنگ میں استحصال کرتا ہے۔ اپنی حکومت کو برقرار رکھنے اور مستحکم کرنے کے لئے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر چلتا ہے۔ طرح طرح کے مددگار طبقات کو جنم دیتا ہے۔ اپنے ناجائز احکام کو تقدس کا جامہ پہنانے کے لئے مولوی اور علامہ قسم کی مخلوق کو آگے بڑھاتا ہے۔ لہٰذا قارئین سے خود ہم بھی سفارش کرتے ہیں کہ اس مؤقف میں قحطانی دانشوروں کو حق بجانب سمجھ کر بلا تعصب اُن کی پالیسیوں پر نظر ڈالیں اور بلا دلیل اور بلا سوچے سمجھے اُنہیں قصوروار قرار نہ دیں۔ اس لئے کہ ابھی علیؑ کے متعلق کوئی عقلی و یقینی گارنٹی موجود نہیں ہے۔ یعنی ابھی علیؑ کی پوزیشن واضح نہیں ہے۔ ابھی یقین اور انسانی اطمینان کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علیؑ ہرگز کسی کا استحصال نہ کریں گے۔ ہرگز اللہ کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں گے۔ ہرگز کوئی غلط کام نہ کریں گے۔ لالچ اور دنیاوی طمع اُن پر ہرگز اثر انداز نہ ہوں گے۔ خاندانی جنبہ داری، قبیلہ پروری اور اولاد کی ناجائز طرف داری ہرگز اُن پر غالب نہ ہوگی۔ شیطانی قوتیں اور ابلیسی حربے اُن کے افکار و اعمال پر تسلط نہ پاسکیں گے۔ لہٰذا ابھی علیؑ کو یہ مقام ثابت کر کے دکھانا ہے اور ابھی تو وہ وقت ہے کہ بلا کسی مادی استحقاق کے صرف اُن کو وزیر و خلیفہ بنانے کا حکم آنا مانا جا سکتا ہے۔ اور اُس حکم پر یہ شک وارد کرنے کے مادی و عقلی قرآئن موجود ہیں کہ شاید نبیؐ نے خاندانی دباؤ سے یہ حکم دے دیا ہو۔ پھر ابھی تو اس حکم کی مادی اور قابلِ فہم حقانیت بھی ثابت ہونا باقی ہے۔ لہٰذا قریش کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ نبوت و امامت کے لازم و ملزوم ہونے کا یقین حاصل کریں۔ اس سلسلے میں ہر تحقیق و تنقید کریں، آزمائیں، تجربہ کریں۔ اثبات حق کے بعد نبوت کے ساتھ امامت پر بھی ایمان لائیں اور بلا چوں و چرا اطاعت کریں۔ اور بصورتِ دیگر ہر وہ انتظام کریں جو اُنہیں اُن کے ناموس و آزادی ضمیر کو محفوظ کر دے۔

(17/8)۔ قریش کے عقائد اور اقدامات اور نبوؐت میں اصلاحات

حالات کا بہاؤ بتاتا ہے کہ قریش نے عوام الناس کو اسلام کے عقائد و اعمال اختیار کرنے سے ابھی نہیں روکا۔ اس لئے کہ ابھی نبوؐت میں اصلاحات کی اُمید باقی ہے۔ علاوہ ازیں جب تک عوام کے سامنے علیؑ ایک خطرہ بن کر نہ آجائے، اُنہیں رسوؐل کی مخالفت پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ عرب کی کثرت اور خود مشرکین قریش اللہ پر ایمان رکھتے تھے، قیامت کو مانتے تھے۔ یہ بھی مانتے تھے کہ اللہ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے احکام اور ہدایات ملتی ہیں۔ اس لئے انہوں نے نبوت کو بھی مان ہی لیا تھا۔ یعنی اسلام کے اصول میں اتنا

اعتقاد ضرور رکھتے تھے جتنا آج کل کے مسلمان رکھتے ہیں۔ آج بھی اصول دین، شیعہ مجتہدین اور اہل سنت علما کے نزدیک وہی تین ہیں۔ اوّل توحید، دوسرے نبوّت، تیسرے قیامت۔ رہ گئے عدل اور امامت؟ یہ تو میری قسم کے شیعہ علما وعوام کی زبردستی ہے۔ ورنہ ایک قادر مطلق اللہ کا عدل کے ماتحت رکھنا اور نبوت کے ساتھ کسی شخص یا اشخاص کو اُمت پر سوار کر دینا، مسلمانوں کے یہاں اسی طرح غلط ہے، جس طرح مشرکین قریش کے یہاں باطل تھا۔ قریش نے طے کیا کہ ان تین اصولوں کو برقرار رکھنے کے لئے ہر کوشش جائز ہوگی۔ اور اگر نبیؐ خود بھی اس کے خلاف کچھ کہے وہ ناقابل قبول ہوگا۔ اور اپنے بعد حکومت کو علیؑ کو دینے پر اصرار کرے وہ بھی نہ مانا جائے گا۔ اور یہ نافرمانی اس لئے گناہ نہ ہوگی کہ ہم تحفظِ اصول دین کرنا لازم سمجھتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ اجتہادی غلطی ہوگی جو نیک نیتی کی بنا پر مستحق ثواب ہوتی ہے۔ (معاذ اللہ) اگر نبیؐ ان وسیع ترین دینی اصولوں کے خلاف ضد کرے تو وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوسکتا۔ نبیؐ کی ذاتی رائے اور اجتہاد ہوسکتا ہے۔ اور ہمارے دانشوروں کا فرض ہے کہ وہ نبیؐ کو غلط احکام اور غلط اجتہاد سے جس طرح بھی ممکن ہو روک دیں۔ تاکہ خدا کے احکام کے خلاف مفاد عامہ مجروح نہ کیا جاسکے۔ اسلام کی قدیم سنت پر زد نہ پڑے۔ اور رسولؐ کے ذاتی خیالات وتصورات سے دین اسلام ملوث نہ ہو۔ لہٰذا تحفظ اصول مذہب کے لئے نبیؐ کی مستقل جانچ اور نگہداشت فوراً شروع کر دینا چاہیئے۔ تاکہ ساتھ کے ساتھ وحی کے خالص احکام واضح طور پر الگ اور حدیث کے احکام جُدا ہوتے چلے جائیں۔

(17/9)۔ کیا نبیؐ مافوق البشر ہے؟ کیا اُس کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے؟

قریش نے سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ چاہی کہ رسولؐ اللہ کی دو حیثیتیں بنا دی جائیں۔ تاکہ اُن کے دیئے ہوئے احکام کی بھی خود بخود دو اقسام ہو جائیں۔ یعنی کچھ وہ احکام جو آپ نے نبیؐ کی حیثیت سے دیئے اور دوسرے وہ احکام جو محمدؐ بن عبدؑاللہ کی حیثیت سے دیئے تھے۔ تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ نبیؐ کا ہر حکم اور ہر بات واجب الاطاعت نہیں ہوتی۔ اور پھر ہر اُس حکم یا بات کو نظرانداز کر دیا جائے جو قریشی اسکیم کے خلاف ہو۔ قارئین یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ مشرکین کی یہ پالیسی اور نبوت سے متعلق مشرکانہ عقیدہ بعینہ آج تک مسلمانوں میں دینی حیثیت سے چلا آرہا ہے۔ اور نبیؐ کے متعلق جو عقائد اُس وقت کے مشرکین نے طے کر دیئے تھے وہ جوں کے توں علمائے اہل سنت نے ہمیشہ تسلیم کیے، اپنی کتابوں میں لکھے اور آج تک مسلمات کی حیثیت سے اُن کی کتابوں میں موجود ہیں (علامہ مودودی کی تفہیمات، پرویز کی مقام حدیث سے اطمینان کرلیں)۔

چنانچہ مشرکین کے اعتراضات اور قرآن کے جوابات سے یہ سمجھا گیا کہ رسولؐ اللہ مافوق البشر نہیں تھے۔ اور قرآن کے جوابات سے دانشورانِ قریش نے عوام الناس میں وہی عقائد پھیلانا اور منوانا شروع کر دئے جو آج تک صوفیائے کرام کو چھوڑ کر تمام علمائے اہل سنت میں رہتے چلے آئے ہیں یعنی۔

(الف) نبیؐ وحی کی تلاوت میں کوئی غلطی نہیں کرتا۔ مگر؛

(ب) وحی کی تشریح، توضیح اور تنفیذ میں نبیؐ سے اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے۔ اور ایسی غلطی کی اصلاح کے لئے اللہ وحی نازل کر کے غلطی واضح کر دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے قرآن میں سے اُن تمام آیات کو نوٹ کرانا شروع کیا جہاں جہاں انہیں یہ احتمال ہوا کہ

یہاں (معاذ اللہ) نبیؐ کی غلطی بیان ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ؛

(ج) انہوں نے یہ یقین پیدا کیا کہ (معاذ اللہ) نبیؐ کے احکام میں نہ صرف غلطی کا امکان ہی تھا بلکہ نبیؐ سے ساری زندگی برابر اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ جو غلطیاں وحی کے سمجھنے میں کیں وہ قرآن میں موجود ہیں۔ اور جو عام احکام میں غلطیاں کیں وہ احادیث میں موجود ہیں یا صحابہ کی روایات میں بیان ہوگئی ہیں۔

(د) اللہ نے قرآن میں نبیؐ کو حکم دیا ہے کہ ماہرین سے مشورہ کے بعد حکم دیا کرو۔ لہٰذا نبیؐ پر لازم ہے کہ وہ جو حکم بھی دے اُس میں دانشورانِ قوم کی اجتماعی رائے سے انحراف نہ کرے۔

(ہ) نبیؐ کے بعض احکام وقتی مصالح کے ماتحت ہوتے ہیں جو اُن حالات کے بدل جانے پر خود بخود ساقط ہو جاتے ہیں۔ یعنی وہ ابدی تعمیل لازم نہیں کرتے۔ بلکہ یہ بتاتے ہیں کہ نبیؐ کے بعد بھی دانشورانِ قوم مصالح اور ضروریات و تقاضائے زمانہ کی روشنی میں اُسی قسم کے عارضی احکام نافذ کر سکتے ہیں۔ اور نبیؐ کے مصلحتی احکام کو ساقط کر سکتے ہیں۔

(و) اُنہوں نے یہ بتایا کہ اطاعت صرف اللہ کی ہوتی ہے اور قرآن میں جہاں جہاں نبیؐ کی اطاعت کا حکم ہے وہاں بھی خدا ہی کی اطاعت کا حکم ہے۔ یعنی نبیؐ کے صرف اُس حکم کی اطاعت واجب ہے جو حکم خدا نے قرآن میں دیا ہو۔ لہٰذا نبیؐ کے کسی ایسے حکم کی اطاعت ہرگز واجب نہیں جو قرآن میں خدا کا حکم نہ ہو۔ لہٰذا نبیؐ کے ہر حکم پر یہ سوال کیا جانا چاہیئے کہ آیا یہ خدا کا حکم ہے یا آپؐ کا اپنا حکم ہے؟ پھر اگر وہ کہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے تو اُن سے کہا جائے کہ وہ آیت پڑھ کر سنائیں جس میں یہ حکم دیا گیا ہے۔ تاکہ خدا اور رسولؐ کے احکام الگ الگ رہیں اور رسولؐ کے ہر حکم میں ایمان لانے والے اطاعت پر مجبور نہ ہوں۔

(17/10)۔ مشرکین کی مندرجہ پالیسی کو حقیقی کفر و سازش کہہ کر فاش کر دیا

(i) اب قارئین کرام یہ دیکھیں کہ جن مندرجہ چھ عقائد پر بنیاد رکھ کر رسولؐ اللہ کے خلاف مہم کا آغاز ہونا تھا اور اس طرح نبوت سے امامت کو الگ کرنا تھا اور جو عقائد مسلمان علما میں برابر برسرِ کار رہے اُن کو اللہ نے حقیقی کفر قرار دیا ہے۔ قرآن نے فرمایا کہ:۔

''۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا o اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا o وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا o

(سورہ النسآء 4/150-152)

''یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوںؐ کے متعلق کفر اختیار کرینگے۔ اور جو اس غرض کیلئے یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ اللہ اور اسکے رسولوںؐ کے احکام میں تفریق پیدا کر دیں اور کہتے یہ ہیں کہ ہم خدا اور رسولؐ کے بعض احکام اور فیصلے تو مان لیں گے۔ لیکن بعض احکام اور فیصلے ناقابل قبول ہوں گے۔ اس پالیسی کو اختیار کرنے والوں کا ارادہ درحقیقت نہ کفر کا ہے نہ ہی پوری طرح ایمان لانے کا ہے۔ بلکہ وہ گروہ کفر و ایمان یا اللہ اور رسولؐ کے احکام کو اختیار کرنے میں ایک درمیانی راستہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ وہی لوگ وہ ہیں جو قطعی

طور پر حقیقی کافر ہیں۔اور کافروں کے لئے ہم نے بڑی ہی توہین کرڈالنے والا عذاب تیار کررکھا ہے۔اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوںؑ پر ایمان لائے ہیں اور اللہ و رسولؐ میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے۔اُن ہی کو عنقریب اُنکے ایمان اور اتحادِ احکامِ خدا و رسوؐل کیلیئے اجر دیا جانے والا ہے۔اور اللہ تو مغفرت اور رحم والا ہے ہی۔''

قرآن کریم کا یہ اعلان پہلے نمبر پر مشرک محاذ کو یہ بتاتا ہے کہ تمہارے ارادے ہماری اطلاع اور علم سے باہر نہیں ہیں۔تمہاری اسکیم ہماری نظر اور دائرۂ عمل کے سامنے ہے۔دوسرے یہ کہ تمہارے مندرجہ بالا چھ عقائد اسلام نہیں بلکہ خالص کفر ہیں۔اللہ کا حکم رسولؐ ہی کا حکم ہوتا ہے اور رسوؐل کا حکم اللہ ہی کا حکم ہوتا ہے۔یہ قریشی قحطانی اور مشرکانہ تفریق کا فرانہ سازش ہے۔

(ii)۔ پھر اللہ نے یہ بھی بتادیا کہ یہ منصوبہ ساز راتوں کو مشورے کرتے رہتے ہیں

يَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ مَا لَا يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًاo (النسآء 4/108)

''لیکن اُن کے یہ سازشی مشورے صرف انسانوں سے مخفی رہ سکتے ہیں۔مگر رات کے اندھیروں میں پوشیدہ رہ کر معاہدات کرنا اللہ سے مخفی نہیں رہتا۔وہ تو اُن کے ساتھ ہر حال میں ہوتا ہے۔اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اللہ کے خلاف بات طے کر رہے ہیں۔یہ سمجھ لو کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو وہ سب اللہ کے گھیرے اور احاطہ سے باہر نہیں نکل سکتا۔''

سورہ نساء کی اس آیت میں یہ بھی بتادیا گیا کہ تمہارا ہر منصوبہ اور ہر اسکیم غیر محفوظ ہے۔تم رات میں پلان بناؤ یا دن میں تم پر مکمل نگران انتظام موجود ہے۔اس کے علاوہ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ اگر واقعی اللہ نے صحیح فرمایا ہے کہ اللہ اور رسولوںؑ میں تفریق کرنا غلط، کفر اور حقیقت کے خلاف ہے تو قارئین بلاتکلف مان لیں کہ انسانوں کا کوئی عمل رسولؐ اللہ اور اُن کے انتظام سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور جہاں بھی کوئی آدمی ہو ہر حال میں رسولؐ اللہ اس کو دیکھ سکتے ہیں۔اور اُسی خدائی انتظام کی بِنا پر آنحضرتؐ کو ساری اُمتوں پر قیامت میں گواہ کی حیثیت سے لایا جائے گا۔اور جو حضراتؑ اس وقت آپؐ کے مُمِد و معاونؑ ہیں وہ بھی پوری نوع انسان کے چشم دید گواہ ہوں گے۔ (النحل 16/89)،(بقرہ 2/143)

(iii)۔ قریشی اسکیموں پر نظر ہی نہیں ہے، بلکہ اُن کا ریکارڈ بھی مرتب کیا جارہا ہے

اللہ نے کھول کر واضح کردیا کہ: مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًاo وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا o (نسآء 81-4/80)

''جو کوئی رسولؐ اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا کرے گا وہی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوگی یعنی اس کی مشرک ساز اقسام کفر ہیں۔اور جو لوگ رسوؐل کے خلاف کسی اور کو اپنا حاکم بنائیں تو اُن کے لئے ہم نے تمہیں محافظ بنا کر بھیجا ہی نہیں ہے کہ اُن کو خدا اور رسولؐ کے خلاف حکومت بنانے سے روک دو۔وہ زبانی طور پر تمہاری حکومت کی اطاعت مانتے ہیں۔لیکن جب وہ تمہارے حضور سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔تو

اُن کا راہنما طبقہ تمہاری حکومت کے خلاف راتوں کو حکومت بنانے کا منصوبہ بناتا رہتا ہے۔اور اللہ نے تو اُن کے تمام پلانوں (Plans) کا ریکارڈ مرتب کرانا شروع کر دیا ہے۔چنانچہ اُن سے تعارض ہی نہ کریں اللہ پر توکل رکھیں اور اپنی حکومت کے لئے اللہ کی وکالت کو کافی سمجھیں۔''

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ جہاں مشرکانہ منصوبہ سازی کے پردے چاک ہو رہے ہیں وہیں یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ اللہ اُن کی ہر اسکیم کی اسلامی حیثیت کو باطل کر رہا ہے۔اُس حکومت اور دینی تصور کو کافرانہ مذہب وحکومت قرار دے رہا ہے اور رسوؐل کا صرف یہ کام ہے کہ مشرکوں کی ہر سازش کو اعلانیہ اسلام سے خارج کرتے رہیں تاکہ جو مشرک راہ پر چلے وہ کافر قرار پائے۔

(iv)۔ مشرکانہ حکومت کی پیشگوئی قرآن کی زبانی بھی کردی گئی تھی

قارئین یہاں ایک بات ہماری بھی سُن لیں۔ہم اس کتاب میں مشرکین قریش کی ہر پالیسی بیان کرنے اور بحث کو اختیار کرنے کا وقت نہ پائیں گے۔اس لئے گزارش کر چکے ہیں کہ ہمارا طرزِ تصنیف نہ مجتہدانہ ہے نہ مقلدانہ ہے۔ہم اُن سب سے ہٹ کر حقائق کو پیش کرنا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے قلم سے نکلی ہوئی تصنیفات جس قدر زیادہ سامنے ہوں گی اسی قدر آسانی سے ہماری بات سمجھ میں آئے گی۔صدیوں کی جمائی ہوئی باتیں اور طرز تحریر آدمی کو چپکائے رہتا ہے۔اور ہم اس کو جھٹک کر الگ پھینک دینا چاہتے ہیں۔ہم قرآن کے معنی کرنے میں اُس مشرکانہ آزادی اور دستور کو استعمال نہیں کرتے جس کا صدیوں سے دستور ہے اور جس سے کان اور آنکھیں مانوس ہیں۔ہم ہر لفظ کے مادّہ اور مصدر کے معنی اختیار کرتے ہیں۔سابقہ تراجم میں تولّوا۔ تَولّٰی وغیرہ الفاظ کے معنی ہم نے سرسری طور پر حکومت کئے ہیں۔اسلئے کہ اُن الفاظ کے بنیادی معنی یہی ہیں۔اُنکا مادہ و.ل.ی. ہے۔مصدر ولایۃ ہے۔جس سے والی ومولا، ولی اور اولیاء ہوتے ہیں۔اسکے ثبوت کیلئے وہ آیت آپ کو دکھاتے ہیں جس میں اُزدی عالم کی بیان کردہ وہ پیش گوئی ہے جوانہوں نے جناب ابوبکر کو سنائی تھی۔اور ہم اس کا ترجمہ بھی جناب رفیع الدین اعلی اللہ مقامہ کے قلم سے دکھاتے ہیں تاکہ ہمارے ترجمہ کی تصدیق ہوجائے۔ہم وَلَّوْا اور تولُّوا۔ تولّٰی وغیرہ کے بھی معنی وہی کریں گے جو مصدری معنی ہیں۔لہٰذا پہلے علامہ مودودی کا ترجمہ سنئے:۔

''طَاعَةٌ وَّ قَوْ لٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِ ذَا عَزَمَ الْاَ مْرُ فَلَوْ صَدَ قُوا اللّٰهَ لَكَا نَ خَيْرًا لَّهُمْo فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَ لَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُ وْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَا مَكُمْoاُولٰٓئِكَ الَّذِ يْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ..... (محمدؐ 47/21-23)

''(اُن کی زبان پر ہے) اطاعت کا اقرار اور اچھی اچھی باتیں۔مگر جب قطعی حکم دے دیا گیا اُس وقت وہ اللہ سے اپنے عہد میں سچے نکلتے تو ان ہی کے لئے اچھا تھا۔ (47/21 تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26)

''پس کیا ہو تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قرابتیں اپنی۔یہ لوگ ہیں جن کو لعنت کی ہے ان کو اللہ نے.....''(47/22-23۔ ترجمہ رفیع الدین مرحوم اعلی اللہ مقامہ)

یہ ہے مشیت خداوندی کا وہ نتیجہ جو قریشی اسکیم سے مرتب ہونا علم الٰہی میں موجود تھا۔اور جس کی خبر خانوادہ رسولؐ کے ازدی عالم

نے اس قائم ہونے والی حکومت کے پہلے حاکم کو دے دی تھی۔ اور جس کے حصول میں تمام دانشوران قریش نے دن رات منصوبے بنائے۔ راتوں کو مشورے کیئے۔ دن کی روشنی میں اطاعت خدا و رسولؐ کے اعلانات جاری رکھے۔ اور جن کی اسکیم کے چھ نکات اور چھ عقائد آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ اور جو برابر چودہ سو سال سے مسلمانوں کے عقائد ثابت ہوتے رہے ہیں۔ بہرحال اندر ہی اندر مشرک منصوبہ تیار ہوتا رہا۔ قرآن اُس کا ہر پہلو بیان کرتا رہا۔ آنحضرتؐ کی پیدا کردہ مقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اسلامی تصورات مقبول اور دل نشین ہوتے رہے۔ اُدھر قریش کے ماہرین سیاسیات و مذہبیات اپنے منشور کے مطابق رسولؐ اللہ کے ساتھ لگے رہے۔ اور ایمان کی آڑ میں اسلام کا لباس پہن کر مسلمانوں کو مندرجہ بالا حکومت کی طرف لے جانے کے لئے مذکورہ چھ نکات اور عقائد پر ڈھالتے رہے۔ اور اُدھر طاغوتی مرکز اس فکر میں رہتا رہا کہ مناسب موقعہ پر حزب اختلاف کا کام شروع کرے اور رسولؐ اللہ کی زبان سے ایسے بیانات لوگوں کو سنوائے جن سے دستوری خطرہ اور علیؑ کی جانشینی سامنے آکر عوام الناس کو مشرک منصوبے کا ہمنوا بنا دے۔ اللہ و رسولؐ اس تمام صورت حال کو اصولی طور پر مسلمانوں میں اس طرح شائع کر رہے تھے کہ مشرک تصادم سے پہلے ہی ہر تصادم کو کفر و نفاق بنا کر رکھ دیا جائے۔ یوں مشرک محاذ دبتا اور اسلام اُبھرتا چلا جارہا تھا۔ سردارانِ قریش دیکھ رہے تھے کہ روزانہ وقت ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے۔ اپنے عزیز و اقارب کے دلوں میں ابوطالبؑ و محمدؐ و علیؑ آباد ہوتے جارہے ہیں۔ مشرک بزرگوں اور بتوں کی عظمت گھٹتی جارہی ہے۔ اگر محمدؐ اِسی کامیابی سے ولایت و عصمت علویہؑ کا تعارف کراتے رہے تو حکومت الٰہیہ کا قیام اور نظام اجتہاد کی تباہی ناگزیر ہو جائے گی۔ کوئی بہت واضح بہانہ کوئی عوام فہم سہارا ایسا مل جائے کہ جس سے عوام کا اسلام کی طرف بڑھنا سست پڑ جائے۔ جس سے انہیں متبادل صورت حال کا سمجھانا آسان ہو جائے۔ اور یہ امید کی جاسکے کہ عوام اسلامی محاذ کے خلاف بات سن لینا برداشت کر لیں گے۔ اور مزید محنت و کوشش کے بعد کثرت ہمارے ساتھ ہو جائے گی۔ اسی فکر و کوشش میں اعلان نبوت کے بعد پانچ سال اور گزر گئے اور مخالفت کا کوئی موقعہ نہ ملا۔

(17/11)۔ سورہ والنجم کا نزول ہمہ گیر سجدہ کے بعد قریشی مخالفت کا اصول

قبل اسکے آپ ہمارا بیان سنیں پہلے علامہ مودودی کو سن لیں۔ وہ مشہور کردہ تصورات کے ماتحت سورۃ و النجم کا شان نزول بتاتے ہیں کہ:

''زمانۂ نزول: بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ''اَوّلُ سُوْرَۃٍ اُنْزِلَتْ فیھا سجدۃٌ النَّجْمُ' (پہلی سورۃ جس میں آیتِ سجدہ نازل ہوئی النجم ہے) اس حدیث کے جواجزاء اَسود بن یزید، ابواسحاق اور زُہیر بن معاویہ کی روایات میں حضرت ابن مسعود سے منقول ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی وہ پہلی سورۃ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ایک مجمع عام میں (اور ابن مَردُوَیہ کی روایت کے مطابق حرم میں) سُنایا تھا۔ مجمع میں کافر و مومن سب موجود تھے۔ آخر میں جب آپؐ نے آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ فرمایا تو تمام حاضرین آپؐ کے ساتھ سجدہ میں گر گئے اور مشرکین کے وہ بڑے بڑے سردار تک، جو مخالفت میں پیش پیش تھے، سجدہ کیئے بغیر نہ رہ سکے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کفار میں سے صرف ایک شخص اُمیہ بن خلف کو دیکھا کہ اُس نے سجدہ کرنے کے بجائے کچھ مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگالی۔ اور کہا کہ بس میرے لئے یہی کافی ہے۔ بعد میں میری آنکھوں نے دیکھا کہ وہ کفر کی حالت میں قتل ہوا۔''

''اس واقعہ کے دوسرے عینی شاہد حضرت مُطّلب بن ابی رواعہ ہیں جو اُس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔نسائی اور مُسند احمد میں اُن کا اپنا بیان یہ نقل ہوا ہے کہ جب حضورؐ نے سورۂ والنجم پڑھ کر سجدہ فرمایا اور سب حاضرین آپ کے ساتھ سجدے میں گر گئے تو میں نے سجدہ نہ کیا اور اُسی کی تلافی اب میں اس طرح کرتا ہوں کہ اس سورے کی تلاوت کے وقت سجدہ کبھی نہیں چھوڑتا۔''

''ابن سعد کا بیان ہے کہ اس سے پہلے رجب 5 نبوی میں صحابۂ کرام کی ایک مختصر سی جماعت حبش کی طرف ھجرت کر چکی تھی۔ پھر جب اُسی سال رمضان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے مجمعِ عام میں سورۂ النجم کی تلاوت فرمائی اور کافر و مومن سب آپکے ساتھ سجدہ میں گر گئے تو حبش کے مہاجروں تک یہ قصہ اس شکل میں پہنچا کہ کفار مکہ مسلمان ہو گئے ہیں۔اس خبر کو سن کر اُن میں سے کچھ لوگ شوال 5 نبوی میں مکہ واپس آ گئے مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ظلم کی چکی اُسی طرح چل رہی ہے جس طرح پہلے چل رہی تھی۔ آخر کار دوسری ہجرتِ حبشہ واقع ہوئی جس میں پہلی ہجرت سے بھی زیادہ لوگ مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔اس طرح یہ بات قریب قریب یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ سورۃ رمضان 5 نبوی میں نازل ہوئی ہے'' (مسلسل لکھا کہ)

تاریخی پس منظر: ''زمانہ نزول کی اس تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کیا حالات تھے جن میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ابتدائے بعثت سے پانچ سال بعد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نجی صحبتوں اور مخصوص مجلسوں ہی میں اللہ کا کلام سنا سنا کر دین کی طرف دعوت دیتے رہے تھے۔اس پوری مدت میں آپؐ کو کبھی کسی مجمع عام میں قرآن سنانے کا موقع نہ مل سکا تھا۔ کیونکہ کفار کی سخت مزاحمت اس میں مانع تھی۔اُن کو اس امر کا خوب اندازہ تھا کہ آپؐ کی شخصیت اور آپؐ کی تبلیغ میں کس بلا کی کشش اور قرآن مجید کی آیات میں کس غضب کی تاثیر ہے۔اس لئے وہ کوشش کرتے تھے کہ اس کلام کو نہ خود سنیں، نہ کسی کو سننے دیں۔اور آپ کے خلاف طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلا کر محض اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے آپ کی دعوت کو دبا دیں۔اس غرض کے لئے ایک طرف تو وہ جگہ جگہ یہ مشہور کرتے پھر رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہک گئے ہیں۔اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے درپے ہیں۔ دوسری طرف اُن کا یہ مستقل طریق کار تھا کہ جہاں بھی آپؐ قرآن سنانے کی کوشش کریں وہاں شور مچا دیا جائے تا کہ لوگ یہ جان ہی نہ سکیں کہ وہ بات کیا ہے جس کی بنا پر آپ کو گمراہ اور بہکا ہوا آدمی قرار دیا جا رہا ہے۔ان حالات میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرم پاک میں، جہاں قریش کے لوگوں کا ایک بڑا مجمع موجود تھا، یکا یک تقریر کرنے کھڑے ہو گئے اور اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی زبانِ مبارک پر یہ خطبہ جاری ہوا۔ جو سورۂ نجم کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔اس کلام کی شدت تاثیر کا حال یہ تھا کہ جب آپ نے اسے سنانا شروع کیا تو مخالفین کو اس پر شور مچانے کا ہوش ہی نہ رہا اور خاتمے پر جب آپؐ نے سجدہ فرمایا تو وہ بھی سجدے میں گر گئے۔'' (تفہیم القرآن۔جلد 5 صفحہ 189-188)

(i)۔ علامہ اور شانِ نزول پر تعمیر شدہ تمام عمارتیں کھوکھلی اور غلط ہیں

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قارئین کو بتا دیا جائے کہ شان نزول کو یاروں نے جس انداز سے اپنایا ہے وہ مشرکانہ منصوبوں کی سو فیصد تائید کی ایک نہایت خطرناک صورت ہے۔اس آڑ میں اُن کا بنیادی تصور یہ ہے کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ کسی زمانہ میں بھی پورے

قرآن کا علم نہ رکھتے تھے۔اوراس کا نتیجہ خود بخود یہ نکلتا ہے کہ آپؑ کا کوئی حکم بھی پورے قرآن کو سامنے رکھ کر یا مکمل اسلام کی روشنی میں نہ ہوتا تھا۔یعنی ہر حکم (معاذ اللہ) ناقص ونامکمل تھا۔حتّٰی کہ آیت اکملت لکم دینکم نازل ہوئی۔مطلب یہ کہ معاذ اللہ آپؐ چالیس سال کی عمر تک تو نہ نبیؐ تھے، نہ اُن کو خبر تھی کہ وہ نبیؐ بن جانے والے ہیں۔لہٰذا چالیس سال تو یوں ضائع ہوئے۔اُس کے بعد اچانک چند آیات اور جبرائیل اُترے اور آپ کافی مدت کے بعد عیسایوں وغیرہ کی گواہیوں سے مطمئن ہوئے کہ وہ حضرت نبیؑ ہیں۔اس کے بعد جب اللہ کو کوئی ضرورت ہوئی اس نے چند آیات نازل کردیں جو سابقہ آیات کے ساتھ جمع ہوگئیں۔اور اُن ہی چند آیات میں جو کوئی حکم ملا آپ نے سنادیا۔اور جو کچھ سابقہ چند آیات سے سمجھ میں آیا اُتنی سمجھ سے تازہ آیات کی وضاحت کردی جسے انہوں نے اجتہاد قرار دیا۔اس اجتہاد میں بڑی غلطی ہوئی تو پھر کسی تازہ آیت نے آکر بات ٹھکانے لگادی۔چھوٹی موٹی غلطی کو نظر انداز کردیا۔اور یوں ہی نبوت کی گاڑی چلتی رہی، آیتوں کی تعداد بڑھتی رہی، اجتہاد کی وسعت میں اضافہ ہوتا رہا۔تیئیس (23) سال میں یوں قرآن نازل ہوتے ہوتے مکمل ہوگیا۔وہ مکمل ہوا تو آپؐ کا انتقال ہوگیا۔اور ساری عمر میں ایک حکم یا ایک فیصلہ بھی ایسا کرنے کا موقع نہ ملا جس میں پورا قرآن آپ کے روبرو مستحضر یا موجود ہوتا۔اس اسکیم سے فائدہ یہ ہوا کہ نبی کا ہر حکم قابل تحقیق وتنقید ہوگیا۔جو احکام محض اجتہادی تھے انہیں تو دلیل ماننے کی ضرورت ہی نہ رہی۔اسلئے کہ اب سارا قرآن سامنے ہے تُک بندی کی ضرورت نہیں ہے۔پھر جن احکام میں رسولؐ اللہ نے آیات کا خیال یا حکم ملحوظ رکھا تھا اُنکو اس طرح رد کیا جاسکا کہ فلاں فلاں آیات اور اُن کا سیاق وسباق یہ کہتا ہے۔لہٰذا یہ نبوی اجتہاد وقتی تھا جس کی ابدی تعمیل کا حکم نہیں ہے۔یہ ہے وہ مذہب جو رسولؐ اللہ کے اپنے زمانہ میں اندر ہی اندر تیار ہورہا تھا۔اور اُنؐ کے انتقال کے بعد آج تک مجتہدین کا مذہب ہے۔البتہ بعض مجتہدین نے کہیں کہیں اُس مذہب سے اختلاف کیا اور نئے فرقے پیدا ہوئے۔مگر بنیادی حیثیت اور اجتہاد سب نے باقی رکھا۔البتہ اس قدر اضافہ ضرور ہوا کہ ہر اختلاف کیلئے کسی صحابی کے نام سے ایک شان نزول بیان کرکے بات کو پختہ تر کردینے کا رواج ہوگیا۔یعنی حسبِ ضرورت ایک کہانی گھڑ کر وہ نظارہ کھینچ دیا اور آیت کا ایک موزوں مطلب فٹ کرکے مسئلہ تیار کردیا۔یہ ہے اُس اسلام کی کہانی جس کے ماتحت قارئین کرام نے جنم لیا اور آج جوان ہوکر ہمارے ان اکھیڑ پچھاڑ کے مضامین کو پڑھ رہے ہیں۔اور جگہ جگہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں۔اور سمجھ میں نہیں آتا کہ زیدی صاحب کہاں سے بات کر رہے ہیں۔

(ii)۔ قرآن اور رسولؐ اور شانِ نزول پر قرآنی اور اسلامی مؤقف اور عقیدہ

قرآن کریم کی عام فہم اور سادہ الفاظ والی دو آیتوں (الحدید۔ 57/25 اور البقرۃ۔2/213) سے یہ ثابت ہے کہ کوئی نبیؑ ہو یا رسولؐ ہو۔ہر ایک کے ساتھ کتاب نازل ہوتی ہے۔اور یہ نزول یوں نہیں ہوتا کہ نبیؐ چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو پہلی آیت اور انتقال کے قریب پہنچے تو آخری آیت اُترے۔بلکہ یہ اُسی طرح ہر نبیؑ ورسولؐ کے ساتھ ہوتی ہے جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ گہوارہ اور گود میں بھی تھی (مریم 30-19/29، مائدہ 5/110،آل عمران 3/46)۔لوگوں کو نظر نہیں آتی تو لوگ جائیں بھاڑ میں،لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تو وہ اور اُنکی سمجھ جائے جہنم میں۔واقعہ یہی ہے، حقیقت یہی ہے اور دین کی نیز قرآن کی ضرورت بھی یہی ہے کہ کتاب اور صاحبِ کتاب ایک لمحہ کیلئے بھی نہ تو الگ الگ ہوں نہ ایسا سمجھا جائے۔طاغوتی گروہ کے پاس کوئی آیت نہیں ہے۔چند الفاظ کو انہوں

نے سہارا بنایا ہے۔ انزلنا، نازل، تنزیلا، علیٰ مکثٍ وغیرہ کوانہوں نے آڑ بنایا ہے۔ آپ نے اگر وہ الفاظ سُنے ہیں یعنی قرآن صامت اور قرآن ناطق تو بات واضح ہے۔ خاموش قرآن وہی ہے جو جزدانوں میں لپٹا ہوا آپکے گھروں، مسجدوں، کتب خانوں، دکانوں میں موجود ہے۔ قرآن ناطق بولتا چالتا قرآن خود محمدؐ ہیں علیؑ ہیں فاطمہؑ ہیں اور حسنؑ و حسینؑ اور اُنکے بعد کے نو امام علیھم السلام ہیں۔ جس طرح ہر جگہ قرآن موجود ہے بالکل اُسی طرح ہر گھر اور ہر محفل اور ہر تنہائی میں اللہ کے انتظام سے آج بھی اور قیامت تک جناب قائم آل محمدؐ، بن حسن عسکری علیھم السلام موجود ہیں آپکی توجہ کے منتظر ہیں۔ پھر وہی سوال ہوگا کہ نظر نہیں آتے، کیسے زندہ ہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا؟ پہلا جواب تو وہی بھاڑ اور جہنم ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ کیا جو کچھ آپ کو نظر نہیں آتا اور جو کچھ آپکی سمجھ میں نہیں آتا، کیا وہ موجود بھی نہیں ہے۔ یہ تو آپکے اندھا اور جاہل ہونیکی دلیل ہے۔ آپکو ریڈیو اور ٹیلی وژن نظر آتے ہیں۔ کیا وہ انتظام بھی نظر آتا ہے جو ریگولیٹر کو گھمانے اور سوئی کو فلاں میٹر پر لانے کے بعد آواز اور تصویر آپکے سامنے لا رہا ہے؟ آپ واقعی سچ مچ کے اندھے ہیں۔ اندھے ہم بھی ہیں مگر ٹٹولنے کی سمجھ باقی ہے۔ جاہل ہم بھی ہیں مگر عالمؑ کا وجود مان کر اُس سے علم کی بھیک مانگنے میں کسر شان نہیں سمجھتے۔ اسلئے آنکھیں اور عقل دونوں ملی ہیں۔ اور ہم اُنؑ کے صدقہ میں دیکھتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں۔ بہرحال، رسولؐ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر اور بزرگ تر ماحول کی گود میں پیدا ہوئے۔ وہاں کئی ایک کتبہائے خداوندی کی بولتی چالتی ہستیاں موجود تھیں۔ تمام کتابیں اور صحیفے تلاوت ہوتے تھے ان میں قرآنِ ناطق کا اضافہ ہوگیا۔ ہم قرآن کی رو سے نبیؑ اور امامؑ اُسکو مانتے ہیں جو ماں کے پیٹ میں بھی عالم ہو، قرآن پڑھے، پیدا ہو تو قرآن پڑھتا ہوا پیدا ہو اور جو حکم دے وہ القرآن العظیم کی پوری روشنی میں دے۔ جس میں نہ تبدیلی کی گنجائش ہو نہ منسوخی کی بکواس ہو۔ ہر حکم آخری، ہر فیصلہ ناطق اور یہ سب کچھ منشا و رضائے خداوندی کے عین مطابق ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ رسولؐ کس آیت کو کب تلاوت کرے؟

(iii)۔ علامہ کے بیان پر پہلی نظر، نزول وحی پر جو حالت طاری ہوتی تھی وہ کہاں گئی

مشہور ہے کہ دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ یعنی جھوٹا آدمی یہ بھول جایا کرتا ہے کہ اُس نے پہلے کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہے۔ کوئی علامہ اینڈ کمپنی سے معلوم کرے کہ رسولؐ اللہ کیسے کوئی آیت یا سورت کسی مجمع میں سنا سکتے ہیں؟ ارے حضرات پہلے تو معاذ اللہ اُن پر ایک ایسا دورہ پڑنا چاہئے جسے مکہ کا ہر آدمی پہچان لے کہ ذرا دیر بعد وحی سنانے والے ہیں۔ چہرے کا سرخ ہوتے جانا، غشی کا طاری ہونا، ہاتھوں پیروں کا جواب دے دینا، جسم میں سردی سے لرزہ اور رعشہ پیدا ہونا، چادر اوڑھنا، ڈرنا وغیرہ۔ اتنی فرصت کا ملنا اور اُن تمام حالات کا نمبروار گزر جانا اور پھر وحی کا آنا۔ اسکے بعد ہوش وحواس کا دوبارہ ملنا۔ بتائیے یہ سب کچھ کہاں گیا؟ لوگوں کو شور مچانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ حال دیکھا، بات سمجھے اور چل دئے۔ مجمع کو یہ کہہ کر ڈرا دینا کافی ہوتا کہ یہ دورہ تم پر بھی پڑنے لگے گا۔ بھاگو تنہا چھوڑ کے چلدو۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری میں آنحضرتؐ پر جادو کا اثر ہونا لکھا گیا ہے۔ قارئین سنیں کہ یہ تمام اتہامات ہیں، بکواس ہے۔ آنحضرتؐ روز ازل سے حامل قرآن ہیں۔ جب چاہیں، جہاں سے چاہیں، جتنا چاہیں تلاوت کرسکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ اُن کا بچہ بچہ تلاوت قرآن کرتا تھا۔ اُنکے سینوں کے اندر قرآن اُس سے کہیں زیادہ محفوظ اور موثر تھا جو آج کا رٹنے والا حافظ دعویٰ کرسکتا ہے۔ ذرا سوچیئے کہ آج تو ہر دُھنا جُلاھا حتّٰی کہ ہندو اور عیسائی قرآن کو حفظ کر لیتا ہے۔ لیکن اُس وقت اللہ کے پاس یہ طاقت نہیں مانتے کہ وہ رسولؐ اللہ کے سینے میں پورا

قرآن محفوظ کردے۔ دراصل جیسا رسولؐ یہ لوگ چاہتے تھے اُنہوں نے وہی ڈھانچہ اپنے گھروں میں بیٹھ کر تیار کیا اور پبلک میں پبلیسٹی کرتے چلے آئے اور دین کی یہ دُرگت بنا کر رکھ دی۔ آپؐ کا بلا کسی توقف کے قرآن سنانا ثابت ہے۔ خود قرآن اس کا گواہ ہے۔ اور وہ بکواس جو نزول وحی کے آثار کے طور پر لکھی گئی ہے اس کا کہیں قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ قرآن میں غلط بات کا گزر کہاں ہوسکتا ہے؟

(iv)۔ قرآن پڑھنے سے روکنے، شور کرنے کا طریقہ تجربے کے بعد ہونا چاہئے

چونکہ قریش کا قرآن پڑھنے سے روکنا اور تلاوت کے وقت شور وغوغا مچانا قرآن میں مذکور ہے۔ اس لئے یہ تو صحیح ہے کہ مشرک محاذ قرآن سننے سے لوگوں کو روکتا تھا۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ آنحضرتؐ اور اُن کے تمام بزرگوں کی شخصیت بے پناہ طور پر قلوب کو کھینچتی تھی۔ اور قرآن کریم کی تاثیر بھی کافروں اور مومنوں میں تسلیم شدہ ہے۔ لیکن اِن حقائق کو جہاں دل چاہے اپنے الف لیلیٰ کے قصوں میں فٹ کر دینا تو حقیقت نہیں ہے۔ پہلے یہ بتانا پڑے گا کہ فلاں موقعہ پر یعنی سورہ والنجم کی تلاوت سے پہلے، رسول اللہؐ نے قرآن کو مجمع میں پڑھ دیا تھا جس کی تاثیر سے سارا مجمع یا مجمع کی کثرت کفر چھوڑ کر اسلام لے آئی تھی۔ یا فلاں حادثہ ہوا تھا جو مشرک محاذ کے خلاف تھا اُس کے بعد مشرکین نے حضورؐ پر نظر رکھنا شروع کی اور جہاں آپ جاتے یہ محاذ ساتھ ساتھ جاتا۔ اور جیسے ہی تلاوت کے لئے منہ کھولتے وہ تالیاں بجانا اور ھوھا اور شور وغوغا مچا دیتے اور لوگ کچھ نہ سن پاتے۔ اگر اس قسم کا کوئی تجربہ پہلے ہو چکا تھا جس کو قحطانی تاریخ نے نہیں لکھا تو آج حرم میں محمدؐ کو دیکھتے ہی فوراً باہر نکال دینا چاہئے تھا یا جب وہ تلاوت کر رہے تھے تو سب کو مل کر شور کرنا چاہئے تھا اس لئے کہ تجربہ تو پہلے ہو چکا تھا۔ قارئین ہر جھوٹے کو بتا دو کہ سورہ والنجم کی تلاوت ہی وہ پہلا موقع تھا جہاں یہ تجربہ ہوا کہ عوام ہی نہیں تمام دانش ور اور بڑے بڑے گھاگ اور گرگ باراں دیدہ سجدے میں گر گئے۔ اور تجربہ ہوا کہ محمدؐ اور قرآن ایک بے پناہ معجزہ ہے۔ لہٰذا اگر اُس سے بچنا اور بچانا ہے تو بس محمدؐ جدھر جائے ایک غول ساتھ ساتھ رہے، تالیاں بجاتا جائے، بھنگڑا ناچ ناچتا جائے، ھاھو، ھُوخا، غوغا، نعرۂ ہبل، قریش زندہ باد وغیرہ کے ہنگامے میں گھیر کر تماشا بنا دو۔ ضرورت پڑے دیوانہ کہو، پتھر مارو، مرگی کا مریض کہو، سحر زدہ قرار دو، لڑنے پر آمادہ کرو، غصہ دلاؤ۔ قحطانی علما کو بتاؤ کہ عقلمندوں کے نزدیک آپ کا تانا بانا اور سارا قصہ غلط ہے، بے بنیاد ہے۔ سورہ والنجم تک کوئی تصادم اور مزاحمت فرض کرنا بچگانہ کوشش ہے جو آئندہ نہیں چلے گی۔ اور ہم ذرا دیر بعد دکھائیں گے کہ علامہ ہجرت سے ایک سال پہلے تک مزاحمت نہیں مانتے۔ شاہی تاریخ کی یہ بے سروپا کہانیاں نہ ناول کی طرح دلچسپ ہیں، نہ علمی حیثیت سے سنجیدہ ہیں۔ اُن کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ پہلے عقل وسمجھ سے ہاتھ دھو لئے جائیں۔ منطقی ربط ونقد ونظر کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ یعنی افیون کھا کر جب ترنگ آجائے تب یہ قصے پڑھے جائیں تو خوب مزا آئے گا۔ ابن عباس، ابن مسعود اور ابن داؤد وغیرہ چند نام انہوں نے تختۂ مشق کے طور پر رٹ رکھے ہیں۔ اور جو جس کا دل چاہتا ہے اُن ناموں کے سہارے لکھتا چلا جاتا ہے۔

(v)۔ علامہ کے بیان پر دوسری نظر، سجدہ کے دوران ابن مسعودؓ کی نظروں کا کمال

ناظرین اپنے تصور میں اُس مجمع پر نظر ڈالیں جو سورہ والنجم کی تلاوت کے وقت حرم میں موجود تھا اور سوچیں کہ وہ مجمع اور مجمع کا ہر فرد کس حال میں ہوگا؟ ظاہر ہے کہ یہ مجمع مذکورہ بیان میں مدعو شدہ مجمع نہیں ہے نہ اُس مجمع کے جمع ہونے کا کوئی مقصد بیان کیا گیا ہے۔ یعنی

کچھ خوش خورے بے کار لوگ ایک ایک دو دو کرکے پھرتے پھراتے حرم میں چلے آئے ہوں گے۔کوئی بیٹھا ہوگا تو کوئی کھڑا ہوگا۔کسی کا منہ شمال کی طرف ہوگا تو کوئی جنوب کی طرف منہ کئے کھڑا ہوگا۔خوش غپیاں، شعروسخن، گھریلو باتیں اور قصے کہانیاں لبوں پہ ہوں گی۔رسوؐل اللہ وہاں آتے ہیں۔کب؟ مجمع جمع ہو جانے کے بعد؟ یا پہلے؟ یا کچھ لوگوں کے بعد اور کچھ سے پہلے؟ والنجم پڑھنے کے وقت آپ مجمع کے کسی کنارے پر ہیں؟ یا کہیں بیچ میں ہیں؟ بیٹھے ہیں یا کھڑے ہیں؟ منہ کدھر کو ہے؟ اُن کی پشت کے پیچھے بھی کچھ لوگ ہیں یا سب سامنے ہیں؟ آپ کسی بلندی پر کھڑے ہیں یا مجمع میں اُسی طرح غائب ہیں جیسے سمندر میں قطرہ؟ ذرا دیکھو کہ راوی صاحب کہاں؟ کب سے ہیں؟ کیا عمر ہے؟ بالغ ہیں کہ نابالغ؟ معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ پر کوئی نگران نہیں ہے، کوئی مزاحمت کا انتظام نہیں ہے۔شور مچانے والی پارٹی بھی ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے۔اچانک وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی oمَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی o کی قرات کانوں تک پہنچی سب نے پلٹ کر دیکھا، دلوں میں رعب طاری ہوا، سر جھومنے لگے، وجد آنے لگا۔یہاں تک کہ قلب و ذہن اور اعضاء و جوارح تمام رسولؐ کے حضور مسخر ہو گئے۔اور سورہ کی آخری آیت میں سجدہ کا حکم سنتے ہی سجدے میں گر گئے۔اب ذرا یہ دیکھیں کہ راوی کہاں ہے؟ سجدہ میں اُس کا منہ کدھر ہے؟ زمین کی طرف یا آسمان کی طرف؟ اور یہ بھی تلاش کریں کہ وہ سجدہ نہ کرنے والا آدمی امیہ بن خلف کہاں ہے؟ اور عبداللہ ابن مسعود سجدہ میں ہونے کے باجود اس کو کس ترکیب سے دیکھ رہے ہیں؟ اور مٹی کا اٹھانا اور اُس کا یہ کہنا کہ مجھے اسی قدر کافی ہے کیسے سُن رہے ہیں یا پھر ذرا دوسرے راوی کو بھی تلاش کرو وہ بھی تو عینی شاہد ہے؟ یہیں کہیں ہوگا۔کیا یہ عینی شاہد آنکھیں بند کئے ہوئے ہے؟ کہ اُسے امیہ بن خلف نظر نہیں آتا۔اور یہ کیا بات ہے کہ یہ غریب امیہ بن خلف کا جملہ بھی نہیں سنتا۔شاید کہیں بہت دور کھڑا یا لیٹا ہوا ہوگا۔پھر دریافت طلب یہ ہے کہ جس نے سجدہ کا احترام کیا تھا یعنی بہر حال اپنی پیشانی گرد آلود کر دی تھی وہ تو قتل ہو گیا۔مگر جس نے قطعاً سجدہ نہیں کیا اس کو بخار تک نہ ہوا۔یہ ہے قحطانی روایات اور خود ساختہ شان نزول کا حال۔اور یہ ہے ہمارا بال کی کھال کھینچ کر باطل کی جڑیں نکال ڈالنا۔علامہ اینڈ کمپنی کو بتائیں کہ موقعہ ملے تو اُن کتابوں کو دریا بُرد کرکے دوبارہ کچھ شاندار اور عقل مندوں کو فریب دینے کے قابل روایات تیار کریں۔ارے بھول گئے تھے۔یہاں یہ بھی تو سوال ہے کہ یہ مجمع حقیقتاً حرم میں تھا یا کہیں اور جمع ہوا تھا اور کیا وہ دونوں عینی شاہد کھلی آنکھوں یہ نہ دیکھ سکے تھے کہ وہ کہاں ہیں؟ حرم میں کہ کہیں باہر کسی......خانہ میں؟ اور ہم یہ کہنا بھی بھول گئے کہ دوسرے عینی شاہد یا راوی کا یہ کہنا کہ میں اس سجدہ کی تلافی کے لئے اب والنجم پڑھنے میں سجدہ کبھی نہیں چھوڑتا۔کیا باقی صحابہ سجدہ چھوڑ دیا کرتے تھے؟ یعنی کیا وہ آیت میں مذکورہ حکم کی پرواہ نہ کرتے تھے؟ اگر نہیں تو یہ راوی پر واجب تھا ہی۔تلافی تو جب ہوتی جب کوئی اور سجدہ واجب کر لیا ہوتا۔

(vi)۔ علامہ کے بیان پر تیسری نظر، سورہ نجم کی جگہ سورہ رحمٰن کیوں نہ پڑھی

علامہ اینڈ کمپنی یعنی تمام علما سے یہ بات دریافت کرنا چاہیئے کہ کیا رسوؐل کو اس سے پہلے حرم میں ایسا مجمع کبھی نہ ملا تھا؟ اگر ملا تھا تو کیوں کوئی اور سورہ اُسی طرح نہ سنائی؟ اور کیوں نہ آج سے پہلے ہی مشرکوں سے سجدہ کرا لیا۔پھر سوال یہ ہے کہ آج سورہ والنجم ہی کیوں سنائی؟ کیوں نہ اس سے زیادہ طرب و دَرد و رقت انگیز کوئی سورہ سنایا۔سورہ رحمٰن موجود تھی وہ کیوں نہ سنائی؟ اس میں سجدہ خداوندی کی تمہید اور وجہ وضرورت بھی بیان ہوئی ہے۔یعنی یہ کہا گیا ہے کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ o وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ o

چاند اور سورج ایک حساب کے پابند ہیں۔اور ستارے اور درخت سب سجدہ کرتے ہیں۔یعنی والنجم کا بھی یہاں ذکر تھا۔اور آیات و بدیہاتِ خداوندی کو جھٹلانے پر بار بار اور کئی بار تاکید اور سوالیہ تنبیہہ تھی۔کیوں والنجم ہی کو اختیار کیا گیا؟اس سوال کا جواب ہی وہ بات ہے جو مشرکانہ منصوبہ کی موت ہے۔علامہ کی کتاب تفہیم القرآن میں سورہ والنجم کا ترجمہ پڑھئے اور وہ تفسیری نوٹ اور بکواس دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ زمین پر بیٹھے ہیں اور آسمان میں جناب جبرئیل علیہ السلام اپنا کرتب دکھا رہے ہیں۔کبھی لمبے ہوجاتے ہیں،کبھی سکڑ جاتے ہیں،کبھی ساری فضاؤں میں پھیل جاتے ہیں،چھوٹے بڑے ہاتھ اور بازو دکھا رہے ہیں۔کبھی نیچے کو اترتے ہیں کبھی قلابازی کھا کر آسمان میں معلق ہوجاتے ہیں۔کبھی آسمان کے ایک کنارے پر کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔کبھی جُھلا رالے کر اتنا قریب آتے ہیں،دو چار ہاتھ لب بام رہ جاتا ہے۔کبھی پھر اُچھلتے ہیں سدرۃ المنتہیٰ پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔یعنی معراج مصطفویٰ کی وہ مذاق اُڑائی ہے کہ رسولؐ اللہ زمین پر ہی بیٹھے اسکرین پر ایک شو دیکھتے ہیں اور پھر کمال یہ ہے کہ یہ لوگ مشرکین کو بُرا بھی کہتے جاتے ہیں۔

(17/12)۔ سورہ والنجم ایک فیصلہ کن منزل ہے جہاں معیارِ حکومت الٰہیہ متعین ہوا

مشرکین قریش کے قلوب واذہان میں گزرنے والے خطرات اور خفیہ واعلانیہ منصوبے اور معاہدات،جناب عمران علیہ السلام کی آنے والی حکومت کو روکنے کے انتظامات کی پول کھولنے کے لئے برابر وحی والہامات وآیات اپنا کام کرتی رہیں۔اور آپ نہایت حسن و خوبی سے تبلیغ فرماتے رہے یہاں تک کہ نبوت ورسالت تسلیم کرلی گئی۔مگر ابلیسی مرکز میں خاموش مخالفت جاری رہی۔

اُدھر سے نظام اجتہاد کے تصورات کی انگیخت جاری تھی۔آپ کے بعد جانشینی کی فکر میں ایک مومن محاذ قائم کر دیا گیا تھا۔جو اندر ہی اندر عقائد کو کھوکھلا کر رہا تھا۔ہر ایمان لانے والے کو چھ نکات کی تبلیغ اور چھ عقائد کی تنفیذ پر حسب موقع متوجہ کیا جا رہا تھا۔اسلام لانے والے جہاں رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ سے خوش اور مطمئن تھے۔وہاں انہیں قریش کی طرف سے عدم مخالفت کی بنا پر کوئی پرخاش نہ تھی۔بزرگان قریش کی خاموش پالیسی اور ٹھنڈا سلوک بھی لوگوں کے دلوں میں گنجائش پیدا کر رہا تھا۔اللہ نے چاہا کہ قریشی اپنی اصلی صورت میں سامنے آجائیں تاکہ حقیقی مومنین اور جاسوس مومنین کا پتہ عوام کی نظروں میں آجائے اور دلوں میں پوشیدہ منصوبے اُبل کر لوگوں کو صحیح صورت حال پر مطلع کردیں۔چنانچہ بتدریج وزارت وخلافتِ مرتضویؑ کے خدائی فیصلے کا اعلان کر دیا گیا اور ایک مقررہ دن کا انتظار ہونے لگا۔کہہ دیا گیا کہ میرے بعد جو شخص میرا جانشین ہوگا اُس کے دروازے پر ایک ستارہ نازل ہوگا۔جن لوگوں نے دیکھنا ہو وہ سب حرم کعبہ میں جمع ہو جائیں۔میں سورہ والنجم پڑھوں گا۔اپنی معراج پر گواہی دینے والے ملائکہ اور شمس وقمر ونجوم کو دعوت دوں گا۔ساری کائنات سجدہ خداوندی بجالائے گی۔اور ہم سب اہل حرم بھی سجدہ کریں گے۔یہ تھا وہ مجمع جو سر شام سے حرم میں جمع ہونا شروع ہوا اور رفتہ رفتہ مکہ کے گلی کوچے بھر گئے۔تمام گردونواح کے لوگ سمٹ سمٹ کر گوش بر آواز وچشم براہ تھے۔قدرت کی طرف سے ایسے ہولناک آثار دکھائی دے رہے تھے جیسے زمین پھٹ جانے کو ہے۔دل سہمے ہوئے لرزہ براندام لوگ دم بخود منتظر تھے کہ خانوادہ رسولؐ کے بزرگ جناب عمران ابوطالبؑ آگے آگے اور جناب محمدؐ مصطفیٰ درمیان میں اور جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام پیچھے پیچھے بیت النبیؐ سے باہر نکلے۔نور محمدیؐ پھیلتا گیا،راہیں منور ہوتی گئیں،حرم میں تشریف لائے،عبادت شروع کی یہاں تک کہ صبح کا ستارا نمودار ہوا۔سرکار رسالت مآب اپنے موقف پر آئے۔سب کو

باادب کھڑے ہونے کا حکم دیا جو جہاں تھا کھڑا ہو گیا۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ٥ وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰى ٥ کی تلاوت فضاؤں میں پہنچی، سناٹا چھا گیا۔ اب کچھ ہُوا، اب کوئی حرکت ہوئی کا سہارا لئے ہوئے ہر قلب رکا ہوا اور ہر آنکھ جمی ہوئی تھی۔ آخر حضورؐ نے اشارہ فرمایا ستارا چلا۔ اُترتے اُترتے بارگاہ مرتضوّی کی دہلیز پر سجدہ ریز ہوا۔ آیت میں سجدہ کا حکم آیا۔ تمام لوگ سجدہ کریں اور عبادت بجالائیں۔ اب کوئی شخص کھڑا نہ رہ سکا۔ تمام پیشانیاں زمین پر تھیں، دل کانپ کر سینوں میں بیٹھے جا رہے تھے۔ بعض کو غش آچکا تھا، بے جان مردہ کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ بعض کے کانوں میں ہولناک صدائیں آرہی تھیں۔ بعض لات ومنات وعزّیٰ کی دُھائی دے رہے تھے۔ بعض سرکشی سے توبہ کر رہے تھے۔ بعض جناب رحمۃ للعالمین کے قدموں سے لپٹے ہوئے تھے۔ جو مشرک دانشور ہوش میں تھے، وہ اپنی شرمناک شکست پر غم وغصہ میں پیچ وتاب کھا رہے تھے۔ جو اب بھی سرکشی کی ہمت اور گنجائش رکھتے تھے حرم سے باہر جا رہے تھے اور فوراً تدارک مافات پر نظر ثانی کرنا چاہتے تھے۔

(17/13)۔ انکارِ نبوت؛ کھلی مزاحمت؛ مالی و معاشی مقاطع اور عوامی دباؤ

ابوجہل وابوسفیان وابولھب سنجیدگی اور لمبی امیدوں کو چھوڑ کر اور ابوالغضب اور ابوالانتقام بن کر اور تختِ بادشاہت یا تختۂ موت کے معاہدہ پر متفق ہو کر مکہ میں اعلان کرتے ہیں کہ ہم محمدؐ کی نبوت پر خدا سے براہ راست فیصلہ چاہتے ہیں۔ جو لوگ حق و باطل کا فیصلہ چاہتے ہیں وہ حرم میں جمع ہو جائیں۔ اور خدا جس کے حق میں فیصلہ کرے اس کا ساتھ دے کر اپنے قدیم بزرگوں کے مذہب کا تحفظ کرے۔ چنانچہ سجدہ والا واقعہ تازہ تھا، مقدس اور مذہبی جذبات ابھی بیدار تھے لوگ جمع ہو گئے۔ ابولھب جو آنحضرتؐ کا (معاذ اللہ) چچا مشہور تھا اُس نے لوگوں کو مخاطب کیا۔ آپ لوگ، دروغ برگردن راوی، جانتے ہیں کہ میں خانوادہ بنی ہاشم کا بزرگ ہوں اور قبیلہ وارانہ رقابتوں میں کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ میں ابوطالبؑ اور اُن کے خاندان کی داخلی اور خارجی تمام پالیسیوں سے واقف ہوں۔ جناب ہاشمؑ کے بعد اِس گھر میں زوال شروع ہوا۔ مالی کمزوریوں کو دُور کرنے کی کوششوں کے بجائے انہوں نے اپنے سابقہ خاندانی وقار وشہرت کو اپنا حربہ بنانے کے لئے قدیم روایات اور تحریروں کو اختیار کر لیا۔ چند پیشین گوئیوں اور مشہور اور سنی سنائی روایتوں کا تانا بانا بُن کر نبوت اور رسالت کو قائم کرنے کے لئے یہ آخری کوشش کی ہے جو آپکے سامنے ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ محمدؐ اور ابوطالبؑ کی یہ کامیابی ہمارے خاموش تعاون کا نتیجہ ہے۔ ہم نے اُن اصلاحات کو عوام کیلئے مفید سمجھ کر تمام سابقہ تنازعات بھی ختم کر دئے تاکہ محمدؐ اطمینان کے ساتھ عوامی فلاح و بہبود کی اسکیمیں روبہ کار لا سکے۔ نبوت و رسالت کے ناموں سے گھبرا کر اصلاحات میں رکاوٹ ڈالنا وسیع النظری کے خلاف تھا۔ اور بات بھی صحیح ہے کہ ہر نیکی اور ہر اصلاح اللہ اور اُسکے رسولوںؑ ہی کی طرف سے ملی ہے۔ لہٰذا محمدؐ کو کھلی آزادی اور تعاون ملتا چلا گیا۔ آخر اُسکے اعلان نبوت پر یہ معلوم ہو گیا کہ اُسکے ذہن کو خاندانی اقتدار کی طرف موڑا جا رہا ہے۔ ہم نے چاہا کہ خاندانی تاثیرات کا زہر فلاح عامہ کی اسکیم کو زہریلا نہ کرے اور خاندان کے افراد سے وہ متاثر نہ ہو۔ لیکن فی الحال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالبؑ کا رعب اور اثر اسکی اور ہماری راہ میں رکاوٹ ہے۔ ہم کو اپنی قوم و ملک کے عوام کی اصلاح کس حد تک منظور تھی وہ آپ دیکھ چکے۔ اور ابھی کس حد تک اس سلسلے میں کوشاں رہیں گے یہ تم مستقبل میں دیکھو گے۔ ہم محمدؐ کو اپنا بچہ، اپنا مصلح، اپنا ہمدرد و بہی خواہ سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے۔ لیکن جو چیز کسی

طرح منظور نہیں ہے، وہ بیرونی اقوام اور غیر ملکی حکومتوں سے ساز باز ہے۔ نبوت و رسالت کا تصور غیر ملکی نبطی اور یہود و نصاریٰ کی حکومتوں نے دیا ہے۔ بحیرا راہب غیر ملکی اور نصرانی راہب تھا یہ اقوام عربوں کی دشمن ہیں۔ دشمنوں کو زیر کرنے کیلئے انہوں نے ہمارے چراغ سے ہمارے گھر میں آگ لگا دینے کی سازش کی ہے۔ عوام محمدؐ کی اخلاق و غم خوارانہ رویہ ہی پر مطلع ہیں۔ اُن خطرات تک اُن کو رسائی نہیں ہے جو دانشوران قوم کے سامنے کھڑے ہیں۔ رومی اور غسانی نبطی بادشاہ ہم پر نظر جمائے ہوئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ محمدؐ نبوت و رسالت کا دعویٰ واپس لے کر قوم کی راہنمائی کرتا رہے۔ ہم برابر تعاون کرتے رہیں گے۔ رہ گیا جادو اور نظر بندی کے ذریعے کام نکالنا، تو اس راہ سے صرف عوام اور جہلا عارضی طور پر مرعوب ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ جہاندیدہ اور علوم حاضرہ کے ماہر دانشوران قوم جو دنیا کے تمام نشیب و فراز سے آگاہ ہیں، ستارہ وغیرہ کی نظر بندیوں میں الجھنے والے نہیں ہیں۔ ہم بامذہب لوگ ہیں ہمارے متعلق یہ طے شدہ حقیقت ہے۔

وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَہۡدٰی مِنۡ اِحۡدَی الۡاُمَمِ...... (فاطر 35/42)

اور ہم آج بھی اس حقیقت پر قسمیہ عہد کرتے ہیں کہ اگر واقعی خدا کی طرف سے کوئی نذیر آ جائے تو ہم دوسری تمام امتوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ثابت ہوتے، ہم خدا کے حرم میں کھڑے ہو کر اللہ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اور محمدؐ کے درمیان یہ فیصلہ کرے۔

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ ہٰذَاۤ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَo وَ اِذۡ قَالُوا اللّٰہُمَّ اِنۡ کَانَ ہٰذَا ہُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍo(انفال 32-8/31)

ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ وہ تیری آیات کے نام پر سنا رہا ہے وہ تو وہی تمام لکھی ہوئی سطریں ہیں جو اُن سے پہلے والوں نے لکھی تھیں۔ ہم بھی اگر چاہیں تو جو ہم نے سنا ہے اُن کو سنا دیں۔ لیکن اگر واقعی محمدؐ کے بعد ملکی و قومی حکومت کی منظوری بھی تیری ہی طرف سے دی گئی ہے اور ہم اُسے تسلیم نہیں کرتے۔ تو ایسا کر کہ ہمیں ایسی حکومت کے انکار پر کوئی معجزہ دکھا۔ مثلاً ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر بھیج دے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ثابت ہو جائے گا کہ علیؑ و اولادِ علیؑ کی حکومت کا اعلان تیری طرف سے نہ تھا۔ بلکہ خاندانی دباؤ کی بنا پر یہ اعلان کیا گیا تھا۔

اُدھر یہ دعا ہو رہی تھی اِدھر آسمان کی طرف نظریں لگی ہوئی تھیں۔ نہ کوئی پتھر برسا نہ کوئی فضاؤں میں تحریک ہوئی۔ اسکیم کے مطابق لات و منات زندہ باد کے نعرے مارتے ہوئے سرداران قریش باہر نکلے۔ اور اعلان کر دیا کہ ایک مناسب مدت تک خدا کے فیصلے کے انتظار کے بعد ہم ابو طالبؑ کو مدعو کریں گے تا کہ اِصلاحِ حال کی اگر کوئی صورت نکلتی ہے تو اُس پر عمل کریں اور کسی کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ ہم نے جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ اس دوران یہ فیصلہ بھی صاف ہو جائیگا کہ خدا کس کی طرف ہے۔

(ii)۔ آنحضرتؐ نے بھی قرآن سنا کر مشرکین کی اس چال کا قانونی پہلو واضح کر دیا

دانشوران قریش کا مندرجہ بالا چیلنج بڑا دُور رس تھا۔ اُس سے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رُکے۔ لوگوں نے غور کرنا شروع کیا۔ سرمایہ دار طبقہ کے نوکروں اور خادموں میں اپنے تحفظ کی فکر پیدا ہو گئی۔ جو مسلمان ہو چکے تھے وہ آج کل میں سختی شروع ہونے کی امید کرنے لگے۔ مقروض و ماتحت لوگوں نے آپس میں مشورے کئے۔ اب عورتیں، بچے اور گھر بار کا غیر محفوظ ہونا سامنے آ کھڑا ہوا۔ مخالفت

کی صورت میں کیا ہوگا؟ ابوطالبؑ کیا کیا کرسکیں گے؟ اُن کے پاس مادی طاقت کہاں ہے؟ مظالم کے خلاف پناہ کہاں ملے گی؟ رسولؐ اللہ نے بھی حرم میں ایک اجتماع کو دعوت دی اور انہیں بتایا کہ قریش نے دراصل فریب دیا تھا۔ خدا نے اُن کی پوری کاروائی کو وحی کی صورت میں بیان کر دیا ہے۔

وَ مَا کَا نَ اللّٰہُ لِیُعَذِّ بَھُمۡ وَ اَنۡتَ فِیۡھِمۡ وَ مَا کَا نَ اللّٰہُ مُعَذِّ بَھُمۡ وَ ھُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ o (الانفال 8/33)

اور کہا ہے کہ اللہ اُس وقت تک اُن پر عذاب نازل نہیں کرسکتا جب تک کہ تم خود بھی ان میں موجود رہو۔ اور جب تک کہ وہ اپنے تحفظ کے لئے خدا سے متوجہ رہیں اُن پر اللہ عذاب کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی یہ لوگ اللہ کی سنت پر مطلع ہیں کہ وہ کسی بستی یا قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں کرتا جب تک اس شہر یا قوم میں ایک آدمی بھی حق کا طالب اور حق پرست موجود ہو۔ اور جب تک نبیؐ مایوس ہو کر وہاں سے نکل یا نکالا نہ جائے۔ لٰہذا یہ ایک فریب ہے۔

لَا تَحۡزَ نۡ عَلَیۡھِمۡ وَاخۡفِضۡ جَنَا حَکَ لِلۡمُؤۡ مِنِیۡنَ o۔ (الحجر 15/88)

چنانچہ تم رنجیدہ نہ رہو اور مومنین کو اپنی پناہ میں لینے کا بندوبست کرو۔

فَوَ رَ بِّکَ لَنَسۡئَلَنَّھُمۡ اَ جۡمَعِیۡنَ o عَمَّا کَا نُوۡ ا یَعۡمَلُوۡنَ o فَا صۡدَ عۡ بِمَا تُؤۡ مَرُ وَ اَ عۡرِ ضۡ عَنِ الۡمُشۡرِ کِیۡنَ o اِنَّا کَفَیۡنٰکَ الۡمُسۡتَھۡزِءِ یۡنَ o (الحجر 95-15/92)

اور اے محمدؐ تیرے رب نے قسمیہ فیصلہ کیا ہے کہ اُن کی تمام کاروائیوں پر مواخذہ کر کے چھوڑے گا۔ لٰہذا مشرکین کی طرف سے توجہ ہٹالو۔ ہم اُن مسخروں کے مقابلہ میں تمہاری نصرت کے لئے کافی ہیں۔

وَ قُلۡ لِّلَّذِ یۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَا نَتِکُمۡ اِ نَّا عٰمِلُوۡنَ o وَ انۡتَظِرُوۡا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ o وَ لِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡ ضِ وَ اِ لَیۡہِ یُرۡجَعُ الۡاَ مۡرُ کُلُّہٗ فَاعۡبُدۡہُ وَ تَوَ کَّلۡ عَلَیۡہِ وَمَارَ بُّکَ بِغَا فِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ o(123-11/121)

اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کو بتا دو کہ تم اطمینان سے اپنے تصورات کے مطابق جو صحیح سمجھتے ہو عمل کرو۔ ہم بھی اپنے مقام پر عمل کر رہے ہیں۔ لٰہذا نتیجہ کس کے حق میں نکلتا ہے تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں۔ رہ گیا آسمانوں اور زمینوں کا غیبی فیصلہ وہ اللہ کے ہاتھ ہے اور ہر معاملہ اُسی کے اختیار میں ہے۔ لٰہذا اے محمدؐ تم اللہ کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو اور یہ سمجھ لو کہ تمہارا پروردگار تمہارے مصلحانہ اعمال سے غافل نہیں رہتا ہے۔ (ھود 123-11/121)

18۔ قریش کی ایک ایسی پیش کش جس نے علیؑ و اولادِ علیؑ کو غیر مسلح کر دیا

(18/1) آپ نے وہ تمام پہلو ملاحظہ کر لئے جن کے بعد مشرک محاذ نے نبوت و رسالت کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا جواز پیدا کیا اور عوام الناس کو اسلام کی طرف بے تحاشہ اور سہولت کے ساتھ بڑھنے سے روک دیا۔ چونکہ سرداران مکہ یہ جانتے تھے کہ جب تک محمدؐ کے خلاف عزت وغیرت وحمیت کے جذبات کو نہ بھڑکا دیا جائے، عوام کی قلبی مخالفت حاصل نہ ہو سکے گی۔ لٰہذا اُن ابلیسی دانشوروں نے مخالفت کا وہ پہلو اختیار کیا جس میں مشرک محاذ کی وسعت قلب اور فراخدلی ہر دل میں اُتر جائے، جو اُنکی محبت اور خلوص کا نشان بن کر ہر

ذہن میں بیٹھ جائے، جوقومی وملکی ہمدردی وغمخواری کا لازوال ثبوت فراہم کردے۔اور یہ سب کچھ پوری قوم وملک کے ہرفرد کی ہمدردیاں اورتعاون قریش سے وابستہ کردے۔اوراگر محمدؐ اس عظیم پیش کش کوٹھکرادے تو اُنکی ساری مقبولیت خاک میں مل جائے اور ساری قوم کا بچہ بچہ اُنکا دشمن بن جائے۔ چنانچہ دوسرے اجتماع کا اعلان اور منادی کردی گئی کہ ہروہ شخص جواپنے خاندان یا قبیلے کا ذمہ دار ہو، جوقوم وملک سے وفاداری کا ابدی ثبوت دینا چاہے، جو یہ چاہتا ہوکہ محمدؐ کومکمل اختیار دے کراصلاح قوم وملک کی باگ ڈور سونپ دی جائے، جوقوم و ملک سے ہر دشمنی اور ہر تنازعہ مٹا دینا چاہتا ہواور جوقوم وملک سے ہرمصیبت وافلاس وخرابی کودور کرنا چاہتا ہو، وہ تمام ذمہ داران قبائل و قوم حرم میں جمع ہوجائیں۔ہم محمدؐ اورابوطالبؑ کے سامنے ایک اہم ترین فیصلہ رکھنے والے ہیں اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ انہیں قوم وملک اوراصلاح سے کس قدر لگن ہے۔قوم وملک کی اُنکے دل میں کس قدر قیمت ہے۔اوروہ فلاح قوم وملک کے لئے کتنی قربانی کرسکتے ہیں؟

(18/2)۔ رسالت وامامت کے سامنے قریش نے دودھاری تلوار رکھ دی

سرداران قریش، دانشوران قبائل اور زعمائے قوم وملت سلیقے کے ساتھ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تو خاندان ابوطالبؑ کو بلایا گیا انہیں نمایاں جگہ پر بٹھایا گیا۔ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوصدر نشین بنایا گیا۔ابوسفیان نے جلسہ کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:۔

حاضرین جلسہ! آپ دنیا کے معزز ترین ملک کے باشندے ہو۔تمہیں یہ فخر حاصل ہے کہ جب سے دنیا آباد ہوئی تمہارے یہاں اللہ نے بزرگ ترین راہنمایان قوم کو پیدا کیا۔حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ ہم ہی میں گزرے۔وہ دیکھواُن کی روحیں اور مجسمے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ ملک کے نجات دہندہ بزرگ لات ومنات وھبل وعزیٰ تم سے فلاح قوم کے لئے بڑی بڑی قربانیوں کی امید لگائے تمہارے آج کے فیصلے کو سننے کے لئے گوش برآواز ہیں۔ مجھے اجازت اور اختیار دیجئے کہ میں محمدؐ کی پوری صلاحیتوں، بضاعتوں اوراُسکی محبت وتوجہات حاصل کرنے کیلئے وہ سب کچھ اُسکے قدموں پر رکھ دوں جو میرے اورآپکے قبضے میں ہے۔

اختیار ہے...اجازت ہے... کی صداؤں سے حرم گونج اٹھا۔مکہ کے پہاڑوں سے اختیار ہےاوراجازت ہے کی صدائے بازگشت ہر کان نے سُنی۔ابوسفیان نے کہا کہ:۔

جونہیں جانتا وہ جان لےاور جونہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ یہ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے۔اسے قوم نے بڑے لاڈ سے بڑے پیار سےاور بڑی امنگوں اورامیدوں کے ساتھ بچپن سے لے کرجوان ہونے تک دیکھا۔آج ہر دل ودماغ اس سے محبت کرتا ہے۔ لوگ اس کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھاتے ہیں۔اُس کے اخلاق وکردار نے سب کے دل جیت لئے ہیں۔اس کے ایک اشارے پرلوگ اپنا سرکاٹ کرپیش کرنے کوتیار ہیں۔ میں اُن سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جواصلاحات کرنا چاہتے ہیں سارا ملک آپ سے تعاون کے لئے حاضر ہے۔ جوآپ کہیں اُس پراپنی جان تک دینے کوتیار ہے۔کیالفظ نبوت کومنہ سے نکالے بغیر وہ اصلاح نہیں ہوسکتی جوہم اورآپ دونوں چاہتے ہیں؟ آپ توالفاظ کے حدود سے بہت بلند وبالا ہیں۔ظاہر پسندی اور ریا سے کوسوں دُور ہیں۔لفظی نعروں اورنمائشی لیبل کی احتیاج سے ماوریٰ ہیں۔ سنئے کہ میں آج آپ کوسارے ملک کا بادشاہ اورمطلق العنان حاکم تسلیم کرتا ہوں۔ یہ تمام ذمہ داران قوم مجھے اختیار دے چکے، میں وہ اختیار تمہیں دے چکا۔پھر میرے پاس اور پورے ملک کے ہرشخص کے پاس جس قدر دولت وسرمایہ ووسائل و

زمین و باغات ومحلات ومکانات ہیں وہ سب تمہارے سپرد کرتا ہوں۔تمہاری ملکیت میں دیتا ہوں اور آخری چیز جو عرب کا غیور باشندہ اور سر بلند مرد کبھی اپنے منہ سے نہیں کہتا وہ بھی کہے دیتا ہوں۔سُنو! اور دل پر ہاتھ رکھ کر اور ہم سب کی عزت وغیرت کو اپنی نسلی شرافت وعزت وناموس سمجھ کر سُنو کہ ہماری بیویاں، بیٹیاں، بہنیں اور مائیں فلاح قوم وملت اور تمہاری خوشنودی کے لئے تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ہمیں دامادی قبول ہے، تمہاری حکومت قبول ہے، ہم غلاموں کی طرح کمائیں گے اور جہاں آپ کہیں گے وہاں صرف کریں گے۔ ہماری اس حالت پر رحم کھا کر دعوائے نبوت کے دو الفاظ واپس لے لو۔ جواب کا انتظار کئے بغیر مجمع کی طرف ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا اور رُندھی ہوئی آواز سے کہا۔ میرے معزز حاضرین کیا اس کے سوا بھی اب ہمارے پاس کچھ اور باقی ہے جو ہم نے محمدؐ سے عزیز تر رکھا ہو؟....نہیں نہیں ہرگز نہیں۔ آخری سوال؛ کیا میرا یہ مطالبہ کسی بھی حیثیت سے ناجائز ہے؟ پھر....نہیں....نہیں ہرگز نہیں؛

تمام قائدین ملت سنیں کہ ہمیں فوری جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ جواب سوچ سمجھ کر دیا جانا چاہئے۔ کیوں کہ اِس جواب پر قوم وملک کی فلاح و بہبود، عزت وذلت کا انحصار ہے۔ محمدؐ اور خانوادہ ابوطالبؑ کو سوچ سمجھ کر جواب دینے کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اگر جواب اثبات میں ہوا تو ہم، ہماری قوم اور ہمارا ملک بڑا خوش نصیب ہے۔ اور اگر جواب نفی میں ملتا ہے تو ابوطالبؑ اور اُس کی اولاد بڑے بدنصیب ہیں۔ اس صورت میں کوئی غیور و بہادر انسان محمدؐ کا ساتھ نہ دے گا۔ جو شخص ہماری حکومت، ہماری دولت اور ہماری بیٹیوں کی عزت کو ٹھکرا دے اُس سے دوستی اور ہمدردی کرنے والا مجمع میں کوئی ہو تو کھڑا ہو جائے۔ اور سن رکھے کہ ہم محمدؐ وابوطالبؑ اور اُن کے ہر طرف دار کے خون کے پیاسے اور گوشت کے بھوکے دشمن رہنا طے کرلیں گے۔ والسلام

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کو زمین نے پکڑ لیا ہے، جو بیٹھے تھے اٹھنا مشکل تھا۔ جو کھڑے تھے چلنا محال تھا۔ ہر دل چاہتا تھا کہ ذراسی بات ہے ابھی قبول کر لینے کا اعلان کر دیا ہوتا۔

(18/3)۔ ہنگامے؛ ہجرتیں؛ ظلم وتشدد؛ قید وبند اور فاقے

آنحضرتؐ کا تاریخی جواب سب کو معلوم ہے۔ نہ قریش چاند اور سورج رسولؐ اللہ کے سامنے پیش کر سکتے تھے۔ نہ سرورؐ دو عالم دعوائے نبوت واپس لے سکتے تھے۔ سیاسی زبان میں رسولؐ اللہ کا انکار بہت بڑی اور سنگین غلطی تھی۔ اگر کوئی سیاسی لیڈر ہوتا تو لفظ نبوت و امامت ہی نہیں جو بھی کہا جاتا حکومت و دولت و زر و زمین اور زن کے مقابلہ میں واپس لے لیتا۔ بھیّا کچھ واپس لینا ہی تو تھا؟ دینا تو کچھ نہ تھا؟ بتاؤ اُسے کیا کہو گے جو نہ تو حکومت لے، نہ دولت لے، نہ قریش کی بیٹیاں لے، نہ نبوت وامامت واپس لے؟ سنو!! اسی کا نام ہے ہماری زبان میں نبیؐ اور امامؑ۔ یہی تو سورہ والنجم میں کہا کہ: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo (نجم 53/3-4)

وہ منہ سے کچھ کہتا ہی نہیں ہے۔ وہ اپنے میلان طبع سے بات ہی نہیں کرتا ہے۔ جو کچھ بھی کہتا ہے۔

وہ تو وہی وحی ہوتی ہے جو اللہ کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّ لَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَ قَا وِ يْلِo لَاَخَذْ نَا مِنْهُ بِا لْيَمِيْنِo ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَ تِيْنَo

فَمَامِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِ يْنَo (الحاقۃ 69/44-47)

اُسے تو اللہ نے پہلے ہی یہ بتا رکھا ہے کہ تیری ہر بات رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے اور اگر وہ اپنی طرف سے کسی قسم کی کوئی بات ہمارے نام پر کہہ دے تو ہم اُس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی شہ رگ کاٹ ڈالیں۔ اور اپنی طرف سے بات کہنے سے روک دینے والا انتظام اُن سے غائب نہ تھا۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا o (الجن 27-72/26)

اُنہیں معلوم تھا۔ اللہ غیب کا عالم ہے۔ اور وہ اپنا علم غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا ہے۔ سوائے اُس رسولؐ کے جسے وہ علم غیب عطا کرنے کیلئے مرتضٰی بنا دے اور پھر اُس مرتضٰی رسولؐ کے آگے اور پیچھے رصد گاہ متعین کر دیتے ہیں۔ تا کہ اخبار سماوی وغیبی پر نگرانی اور حفاظت قائم رہے۔ اور کوئی خبر اللہ کی رضا مندی کے بغیر اِدھر اُدھر نہ ہو جائے۔

ذرا سوچیئے کہ مصطفٰیؐ و مرتضٰیؑ کے لئے اپنی طرف سے بات کرنے پر کتنا بڑا خدائی پہرہ اور انتظام ہے؟ وہ کیسے اپنے کہے ہوئے الفاظ واپس لے سکتے ہیں۔ بہر حال عوام الناس ابھی اِن چیزوں سے واقف نہ تھے۔ اُدھر قریش اور تمام سرداران عرب نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کیا۔ اِس کے بعد تاریخ میں مذکورہ تمام مصائب و آلام اور مظالم شروع ہوتے ہیں حبشہ کی ہجرت ہوتی ہے۔ بادشاہ حبش ابوسفیان کی قیادت کو ناکام کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کو وہ تمام حقوق ملتے ہیں جو جناب ہاشم علیہ السلام نے عربوں کے لئے تمام حکومتوں سے منظور کرائے تھے۔ علاوہ ازیں بادشاہ حبش نے آنحضرتؐ کی ہر مدد کا پیغام بھیجا۔ جو مومنین مکہ میں بے یار و مددگار تھے، وہ سب ایک ایک دو دو کر کے مکہ سے حبش، یمن، شام و عراق چلے گئے۔ اور جناب جعفر علیہ السلام کی طرح ہر علاقہ میں ایک ایک مبلغ اسلام بھی بھیجا گیا۔ تا کہ مشرکین قریش کے سلوک، پلان اور اسلام سے باقاعدہ تعارف کرائے۔ اُدھر اسلامی لباس میں قریش کے جاسوس بھی ہر جگہ سے طاغوتی مرکز کو مسلمانوں کے حالات سے مطلع کر رہے ہیں۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ چھ سال کے بعد اِسی قسم کے مسلمان جاسوس تھے جو طاغوتی اقتدار کی بارگاہ میں مقرب تھے۔ اور اسی زمانہ کی دبی ہوئی نفرت تھی جس نے تمام قبائل کو مخالفت اور حکومت سے بغاوت کے لئے کھڑا کر دیا تھا۔ اور یہی زمانہ تھا جب قریشی سرمایہ دار اور تجارت کے اجارہ دار، تمام تاجروں اور سود خور یہودی و نصرانی عرب قبائل سے معاہدات کر رہے تھے تا کہ ضرورت پڑنے پر مسلح مزاحمت کی جاسکے۔

یہی وہ زمانہ ہے جب آپ کے قرآن پڑھنے اور نقل و حرکت پر پہرے ہیں۔ خاندان ابو طالبؑ کا ہر فرد آنحضرتؐ کی حفاظت و صیانت کے لئے اپنی اپنی مقررہ ڈیوٹی انجام دے رہا ہے۔ آپ کو ستانے کے لئے قریش نے کئی قسم کی ٹولیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ غلاظت پھینکنے والی ٹولی، شور مچانے والی ٹولی، لوگوں کے مجمع کو منتشر کر کے آپؐ سے دُور بھگانے والی ٹولی۔ کئی ایک نوخیز نوجوان جو اسلام کے شیدائی بن چکے تھے قریش کی قید میں تھے۔ اور خود والدین اُنکو مرتد کرنے کیلئے بھوک، پیاس اور تعزیری تکالیف پہنچاتے رہتے تھے۔

(18/4)۔ آنحضرتؐ پر قریشی اتہامات اور قرآن کے جوابات

(i) جیسا کہ عرض کیا گیا کہ قحطانی روایات میں رسوؐل اللہ کی تبلیغ میں سخت کلامی اور جارحانہ رویہ کا بڑا شور مچایا گیا ہے۔ تا کہ ہر زمانہ

کے مُلا کی سخت گوئی، طعن وطنز اور ڈنڈے بازی کو اسلام سے جواز ملتا چلا جائے۔ لیکن قرآن کریم اس شیطانی ذہنیت کی تردید وابطال کرتا چلا آیا ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ حضور فطری و پیدائشی حیثیت سے نرم خُو، دل کش انداز گفتگو اور خلق عظیم پر فائز تھے۔ لہٰذا پیدائش سے لے کر پینتالیس (45) سال تک بلا مزاحمت اور کسی کی دل شکنی کے بغیر تمام ملک کے دلوں پر حکومت کرتے رہے۔ اب جب کہ قریشی سیاست نے عربوں کے جذبات میں بڑی بے دردی اور کمینگی سے آگ لگا دی۔ اور چاروں طرف تشدد اور توہین آمیز مزاحمت شروع ہوگئی۔ تب بھی آنحضرتؐ نے اپنا نرم اور قابل فہم رویہ تبدیل نہ کیا تھا۔ تاکہ قریش کی ہر مخالفت، ہر مزاحمت اور ہر سلوک خالص ظلم وستم اور جبر واستبداد کے عنوانات کے ماتحت لکھا جائے۔ اور مقننین عالم آنے والی تاریخ میں قریش کو غلط فہمی، اشتعال طبع اور جذباتیت کے قانونی عذر سے معاف کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اِس سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ قریشی تاریخ میں کیوں رسوؐل کو (معاذ اللہ) ایک جارح مبلغ کی حیثیت دینے کی کوشش کی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ سب کے سب اُن کے اپنے بزرگ تھے۔ اور چند سال کے بعد اُن میں سے ایک کثرت کو رضی اللہ عنہ بنانا پڑے گا۔ اور اُن کے دامن سے سارے داغ دھونا پڑیں گے۔ پھر چند سال کے بعد اُن کی ایک اور قلت کو بتدریج بزرگ دکھانا ہوگا۔ اور چند صدیوں کے بعد بچے کھچے لوگوں کو بزرگ اور رضی اللہ عنہ بنانے کی بخشیں ہوں گی اور چودھویں صدی، جو قحطانیوں کے نزدیک اسلام کی آخری صدی ہے، تک یزید ایسے ملعونوں کو رسولؐ اللہ کے برابر لا کر اس پر سلام لکھنا پڑے گا۔ اِس تدریجی اسکیم کے ماتحت قرآن وحدیث کا رخ موڑا گیا۔ اور آخر وہ سب کچھ کرلیا گیا جس کیلئے اللہ نے ابلیس کو مہلت دی تھی۔

(ii)۔ قریش اینڈ کمپنی کو لفظ کافر سے کیوں مخاطب کیا گیا؟ کافر کے معنی؟

قحطانی اہل قلم نے کافر کو ایک گالی بنا دیا ہے اور اس کے معنی انکار کرنے والا بنا کر پھیلا دئے ہیں۔ حالانکہ عربی میں لفظ انکار، منکر خود موجود ہیں۔ اور کافر کے معنی ہرگز منکر نہیں ہیں۔ کفر کے معنی وہ جذبہ ہیں جس کے ماتحت کوئی شخص اپنے مفاد کے لئے کسی حقیقت یا چیز کو چھپا دینا مفید سمجھتا ہو۔ چنانچہ یہ بڑا دلکش ادبی لفظ ہے جس میں شعریت اور بانکپن پایا جاتا ہے۔ اللہ نے کاشتکاروں کو اسی اصول پر کُفّار فرمایا ہے:...... کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُهٗ۔ (الحدید 57/19-20)

یہ دونوں آیات دیکھیں اُنکا ترجمہ اپنے اپنے قرآن میں پڑھیں۔ اسی خاندان کا لفظ کَفّارہ ہے جسکے معنی کسی نقصان کو بے اثر کرنے یعنی جرائم کی فہرست سے چھپانے اور ہٹانے کیلئے تلافی مافات کر دینا۔ اِسی قاعدے پر اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم تمہاری برائیوں کو چھپا دیتے ہیں۔ وَیُکَفِّرُ عَنْکُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِکُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌo (بقرہ 2/271) اسی لئے نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کرنے والوں کو کافر فرمایا گیا (اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا)۔ اب سوچیئے کہ کیا اُن ابلیسی علما نے کفر و کافر کے معنی چھپا کر خود کو کافر نہیں بنالیا ہے؟

رسولؐ اللہ نے انہیں کافر پھر بھی نہیں فرمایا۔ حتّٰی کہ انہوں نے خود اپنا نام فخریہ طور پر کافر رکھ لیا اور کہہ دیا کہ ہم اُس سے کفر کرتے ہیں جو تمہارے ساتھ ارسال کیا گیا ہے (اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ o سبا 34/34) اور انہوں نے کہا کہ جو کچھ تمہارے ہمراہ ارسال کیا گیا ہے ہم اس کا کفر کرتے ہیں (اِنَّا کَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُم بِهٖ۔ ابراھیم 14/9) اُن کے ایسے سینکڑوں اعلانات کے بعد انہیں کافر کہنا ہرگز اشتعال انگیزی نہیں ہے۔ اُن کو قطعاً آزاد کیا گیا۔ اُن سے لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کہا گیا۔ اُن سے کہا گیا کہ تمہارے

لئے تمہارا دین ہے تم اس پر عمل کرو۔ ہمارے لئے ہمارا دین ہے ہمیں اس پر عمل کرنے دو۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ بھلائیوں اور خیر کے کاموں میں اُن سے تعاون کرو۔ کافر والدین سے محبت، ان کی خدمت اور عزت میں کوئی فرق نہ کیا گیا۔ بتوں کے لئے حکم دیا گیا کہ ہرگز اُن کو بُرا نہ کہو۔ (انعام 6/108)

ہے کوئی صاحب ضمیر شخص جو اس صورت حال کو جارحانہ قرار دے؟ لیکن قریشی مذہب نے چونکہ ہر اُس شخص کو قتل کر دینے کا حکم دینا تھا جو اسلام قبول نہ کرے یا قبول کر کے چھوڑ دے۔ ہر اس گروہ کو ذلیل و خوار کرنا تھا جو اُن کے دین کے خلاف ایک لفظ بھی نکالیں۔ انہوں نے تو ان مسلمانوں، نمازیوں، تہجد گزاروں کو بھی تہہ تیغ کرنا تھا جو اُن کے طریقے پر نماز نہ پڑھیں، اذان نہ دیں۔ انہوں نے تو خاندان رسولؐ کا بھی قتل عام کرنا تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے مشرک بزرگوں کی حکومت سے اختلاف کیا۔ انہوں نے ہر پُرامن قوم کو اس لئے تباہ کرنا تھا کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہے؟ اس لئے ضروری تھا کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ کو ایک مارشل بنایا جائے اور اسلام کو انقلابی تحریک قرار دیا جائے جو دنیا کی ہر اس چیز کو منقلب اور تباہ کر دے جو قحطانی پسند کے خلاف ہو۔ کوئی اور مسلح ہو کر حملہ آور ہوں تو ان کو لٹیرے اور ڈاکو کہا جائے۔ یہ لوگ وہی کام کریں، ہر شرمناک حرکت کریں، مال و زر ہی نہیں عصمتیں لوٹ لیں، عبادت خانوں کو مسمار کر دیں، عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنا کر منڈیوں میں بیچ ڈالیں اور قتل عام کریں تو یہ غازی و مجاہد کہلائیں۔

(18/5)۔ رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ موت کے حوالے کر دیا گیا

قریش نے چاروں طرف سے مایوس ہو کر یہ طے کیا کہ ایک ہمہ گیر معاہدہ کر کے حضرت ابو طالبؑ کو مجبور کیا جائے کہ محمدؐ کو اُن کے حوالے کر دیں ورنہ معہ خاندان و متعلقین کے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ہم اس معاہدہ کا قصہ علامہ شبلی اور پرویز کے قلم سے سناتے ہیں۔ اُس دردناک واقعہ کو سنتے ہوئے ذرا اُن موٹے موٹے ناموں کو تلاش کرتے رہیں۔ جو رسالت کی پوری کمائی پر قبضہ کے وقت قوم کے سب سے بڑے ہمدرد بھی خواہ نظر آتے ہیں۔ گو چند صحابہ ہمراہ موجود ہیں مگر اُن کا نام کہیں نہیں ہے۔ بہت بعد میں جن کے اسلام لانے کا ذکر ہے اُن میں سے چند لوگ خاندان رسولؐ کے ساتھ موت سے دوچار ہیں۔ لیکن اوّلین السابقین صرف قیام حکومت اور تاج پوشی کے دن نمایاں ہوتے ہیں، سنئے شبلی کو:۔

''**شعب ابو طالبؑ میں محصور ہونا:** قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔ عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ سفراء بے نیل و مرام واپس آئے۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس لئے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرتؐ اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے۔ چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشمؑ سے قرابت کرے گا نہ اُن کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا۔ نہ اُن سے ملے گا نہ انکے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور درِ کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ ابو طالبؑ مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالبؑ میں پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کر گزر کرتے تھے۔ حدیثوں میں جو صحابہؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر

کرتے تھے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے۔ چنانچہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے۔ حضرت سعد وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ میں نے اُس کو پانی سے دھویا پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سُن سن کر خوش ہوتے تھے۔ لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا۔ ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؑ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؑ کے پاس بھیجے۔ راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آ گیا۔ وہ اگر چہ کافر تھا (قریش نہ تھا) لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے۔ تو تُو کیوں روکتا ہے؟ مسلسل تین برس تک آنحضرتؐ اور آل ہاشمؑ نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔ بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود ان ہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی۔ ہشام عامری خاندان بنی ہاشمؑ کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلے میں ممتاز تھا۔ وہ چوری چھپے بنی ہاشمؑ کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلبؑ کے نواسے تھے گیا اور کہا کیوں زہیر؟ تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیئو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟ زہیر نے کہا کیا کروں تنہا ہوں۔ ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں اس ظالمانہ معاہدے کو پھاڑ کر پھینک دوں۔ ہشام نے کہا کہ میں موجود ہوں۔ دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے۔ زہیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے۔ ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔ ابوجہل برابر سے بولا ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔ غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی۔ مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری، زہیر سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے۔ اور اُن کو درہ سے نکال لائے۔ بقول ابن سعد یہ 10 نبوی کا واقعہ ہے۔ اُسی زمانہ میں معراج واقع ہوئی۔'' (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 247-245)

(ii)۔ پرویز صاحب اور آنحضرتؐ کے خاندان کی محصوری

''**بنو ہاشم کا مقاطعہ ومحاصرہ:** قریش کے غم وغصہ کی اب انتہا نہ تھی۔ حبش سے اُن کی سفارت بے نیل ومرام واپس آ گئی۔ ابو طالبؑ نے یہ جواب دیا (کہ میں اپنی آخری سانس تک تحفظ کروں گا) اُن کی مسلسل مخالفانہ مساعی کے باوجود یہ تحریک انقلاب بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ انہوں نے مجلس مشاورت میں بیٹھ کر ابو طالبؑ کے اس جواب پر غور کیا اور بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ آپؐ کو اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر کے برباد کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے بالاتفاق ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنو ہاشم سے نہ رشتہ ناتہ کرے، نہ خرید و فروخت، نہ اُن سے ملے جلے، نہ انہیں کوئی کھانے پینے کا کوئی سامان دے۔ اور اس طرح اُن کا مکمل مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا جائے۔ یہ معاہدہ لکھ کر در کعبہ پر لٹکا دیا گیا۔ اب ابو طالبؑ مجبور ہو گئے کہ اپنے افرادِ خاندان کو لیکر پہاڑ کے ایک درّہ (شعب ابو طالبؑ) میں محبوسانہ زندگی بسر کریں۔ یہ 7 نبوی کا واقعہ ہے۔ تین برس تک نبیؐ اکرم اور اُن کے ساتھ تمام خاندان بنو ہاشم قیدیوں کی سی حالت میں رہے۔ چونکہ قریش نے اشیائے خورد و نوش کا جانا بھی روک دیا تھا اسلئے یہ محصور خاندان درختوں کی پتیاں کھا کھا کر گزران کرتا تھا۔ انکے

بچے بھوک سے بلک بلک کر روتے تو رؤسائے قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔تین برس تک اس قید و بند کا سلسلہ جاری رہا۔حتّٰی کہ خود قریش میں بعض نیک فطرت لوگوں کو بنی ہاشم کی اس کرب وصعب کی زندگی پر رحم آیا اور انہوں نے رفتہ رفتہ اپنے ہم خیال پیدا کر کے در کعبہ پر لٹکی ہوئی اس دستاویز کو چاک کر دیا اور خود جا کر خاندان بنی ہاشم کو اس پہاڑ کے درے سے نکال کر ان کے گھروں میں واپس لائے۔'' (معارف القرآن۔جلد چہارم صفحہ 246)

(iii)۔ طبری کے مطابق دونوں علامہ خائن اور جھوٹے ہیں

اِن دونوں بیانات میں وہ چیز چھپالی گئی جس کا چھپانا قریش کو بہت پسند تھا۔یعنی یہ دونوں حضرات قریش کے مشرکانہ مظالم پر پردہ ڈالنے میں شریک ہیں سنئے:۔

''اسی اثنا میں ایک دن ابوجہل کی حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد سے مڈبھیڑ ہوگئی۔اُسکے ہمراہ ایک غلام تھا جس پر گیہوں لدے ہوئے تھے۔یہ اُسے اپنی پھوپھی خدیجہؑ بنت خویلد کے پاس جو رسولؐ اللہ کے ساتھ ابوطالبؑ کی گھاٹی (شعب) میں تھیں لے جا رہا تھا۔ابوجہل نے اسے پکڑلیا اور کہا کہ تم بنی ہاشم کے لئے کھانا لے جا رہے ہو۔بخدا تم اسے لے کر یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ورنہ میں تمام مکہ میں تم کو رسوا کر دوں گا۔اتنے میں ابوالبختر ی بن ہشام بن الحارث بن اسد وہاں آ گیا۔اُس نے کہا کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا یہ دیکھو یہ بنی ہاشم کے لئے خوراک لے جا رہا ہے۔ابوالبختر ی کہنے لگا یہ تو اپنی پھوپھی کیلئے جو محمدؐ کے ساتھ ہے یہ خوراک لے کر جا رہا ہے اور اُس نے آدمی بھیج کر اُس سے منگوائی ہے۔تم کیوں روکتے ہو جانے دو۔مگر ابوجہل نہ مانا۔اس پر اُن میں سخت کلامی ہوئی۔ابوالبختر ی نے اونٹ کا ڈھانٹا اُٹھایا اور اس سے ابوجہل کو ایسی ضرب لگائی کہ وہ لہولہان اور بے دم ہو گیا۔حمزہ بن عبدالمطلبؑ کہیں پاس ہی تھے اور یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔قریش اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اس واقعہ کی اطلاع رسولؐ اللہ اور اُن کے صحابہ کو ہو اور اُن کو خوش ہونے کا موقع ملے۔''(طبری۔جلد اوّل صفحہ 102)

(18/6)۔ مستقل قید اور جان لیوا مقاطع کے باوجود ابوطالبؑ نے زندہ رہنا سکھایا

قارئین کرام ان تینوں بیانات کے انتہائی ناقص ہونے کے باوجود چند حقائق آپ کے سامنے آ گئے ہیں۔ہمارے نزدیک اُن میں سب سے اہم چیز وہ قریشی بصیرت ہے جو ابلیس کی تعلیم کا پورا سرمایہ ہے۔جس نے قریشی ماحول اور تمام متعلقہ علاقوں میں یکسر انقلاب پیدا کر کے ہر فرد کو ابوطالبؑ اور رسولؐ اللہ کا دشمن بنا دیا۔دوسری حقیقت یہ کہ عربوں نے دیکھا کہ اُن کی وہ تمام بصیرت، قساوت قلبی اور ظالمانہ متفقہ ظلم وستم اسلام کی ترقی کو نہ روک سکے۔بلکہ اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔یہاں یہ سوال ہے کہ اسلام تیزی سے یا سستی سے پھیل کہاں رہا تھا؟ ظاہر ہے کہ مکہ اور گردونواحِ مکہ طائف وغیرہ علاقوں میں تو تمام خون کے پیاسے مشرک آباد تھے۔اور تین سال کسی قبیلے میں اتنی بھی ہمت نہ ہوئی کہ اس قاتلانہ مقاطع کے خلاف لب کشائی کر سکتا۔چہ جائیکہ اس قسم کے معاشرہ میں کسی کا اسلام اختیار کرنے کا اعلان کرنا۔لہٰذا قارئین سنیں کہ جناب ابوطالبؑ کا بیرونی انتظام تھا جس کی تبلیغ سے عرب کے دور دراز علاقوں اور بیرونی ممالک میں اسلام کی تیز رفتاری، نظام شرکت کے سامنے خوفناک مستقبل پیش کر رہی تھی۔بھیانک خیالات وتصورات آ رہے تھے۔دن رات

جاسوس بُری بُری خبریں پہنچا رہے تھے۔ اِس صورت حال کو سامنے رکھ کر شبلی و پرویز کی باقی باتوں پر ایک نظر ڈالیں۔ کہا گیا ہے کہ حمزہ وعمر ایمان لا چکے تھے۔ مان لیا کہ جس کا کفر ثابت تھا وہ ضرور ایمان لایا ہوگا۔ لیکن جس کا کفر ثابت ہی نہیں جو کفر سے اباًوجداً تعلق ہی نہیں رکھتا وہ اگر ایمان لایا بھی تھا اُس کے ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ کفر سے توبہ کر کے اسلام پر ایمان لایا تھا۔ بلکہ یہ ماننا ہوگا کہ وہ اسلام کی کسی نئی حقیقت پر ایمان لایا تھا۔ چونکہ اسلام میں روزانہ ایمان سے ترقی ایمان کی طرف بڑھتے جانے کا غیر منقطع سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لیکن اصل اور موقعہ کا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اُس وقت مکہ میں موجود ہے اور رسول اللہ کے ساتھ شعب ابی طالبؑ کی تکلیفوں میں اُن کے ساتھ نہیں ہے تو اُس کا ایمان ماشاء اللہ ابوجہل وابولہب سے کچھ بڑھ کر ہی ہے۔ ہمیں تو یہاں تک تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے کہ مومن تو مومن ہوتا ہے کوئی بھی ایسا شخص مکہ میں موجود تھا جو خانوادہ رسولؐ سے کسی قسم کا رشتہ یا عزیز داری رکھتا تھا، اُن کے عزیز واقربا اور ہمدرد و ہم نوا اور اسلام کے چاہنے والے سب اُس قید کے اندر تھے یا مکہ اور گرد و نواح مکہ سے باہر تھے۔ رہ گئی وہ کہانیاں جن کو گھڑنے کی بعد میں ضرورت پیش آئی تھی وہ ہمیں درکار نہیں ہیں۔ اُنہیں وہ لوگ قبول کریں گے جو مشرک محاذ کے بہی خواہ ہوں۔ ابو طالبؑ کے لئے مخالف محاذ کا یہ کہنا بڑی بے حیائی ہے کہ وہ شعب ابی طالبؑ میں پناہ گزیں ہوئے۔ یہاں یہ سوچیئے کہ پناہ گزیں ہونے اور مورچہ بند ہونے میں کوئی فرق ہے یا نہیں ہے۔ دشمن کی یلغار کو روکنے کے لئے جب قلع بندی کی جاتی ہے تو وہ پناہ گزینی نہیں ہوتی بلکہ ڈٹ کر آخری سانس تک مقابلہ کرنے کی مہم ہوتی ہے۔ یہ ابو طالب علیہ السلام کی اُس جوابی بصیرت کا کمال ہے جس نے مشرک محاذ کی اُس خوفناک اور بے پناہ اسکیم کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔ اگر وہ شعب میں نہ آتے تو تمام خانوادہ شہر کے مختلف حصوں میں آباد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے نہ مل سکتا تھا، نہ تعاون کرسکتا تھا، نہ ایک دوسرے کے لئے باعث ہمت بن سکتا تھا۔ گھر میں موجود خوراک اور دولت و وسائل کو اجتماعی پروگرام کے ماتحت استعمال کرنے سے قاصر رہتے۔ اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ مکانات ایک جگہ نہ ہونے کی بنا پر قریش جس خاندان کو چاہتے رات کی خاموشی میں تہہ تیغ کردیتے اور باقی خاندان کو خبر تک نہ ہوتی۔ حتّٰی کہ آخری خاندان بھی ختم کردیا جاتا اس لئے جناب عمران علیہ السلام نے اپنی عسکری بصیرت سے ایک ایسا درہ اختیار کیا جہاں تین طرف سے پہاڑوں نے قدرتی حفاظت کرنا تھی۔ صرف ایک سمت میں دیوار یا باڑھ بنانا تھی۔ پھر یہاں سارے افراد خاندان کو مہلک اور خطرناک حالات سے مقابلہ کرنے کی تعلیم آسان اور وقت کی ضرورت تھی۔ ایک زبردست شیطانی اور بے رحم قوت سے تحفظ کا جذبہ آپس کی ہمدردی کو معراج کمال پر لانا تھا۔ راتوں کو پہرہ دینا، رسولؐ کی جگہ اپنے جوان بچوں کو سلانا اور اُن پر اور اُن کے مشن پر قربان ہوجانا کھلی آنکھوں سے دکھانا تھا۔ عورتوں بچوں اور نوجوانوں کو بھوک پیاس اور گرمی وسردی برداشت کرنے کی عادت ڈالنا ضروری تھا، کربلا اُن کے سامنے تھی اُس کی تمہید قائم کرنا تھی۔ آنے والے محافظین اسلام فاطمہؑ اور علیؑ کو مخصوص صبر وضبط ونظم سے مطلع کرنا تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ دشمنانِ خدا و رسولؐ اور دوست دارانِ خدا و رسولؐ میں ایک امتیازی خط کھینچنا تھا۔ تا کہ کل خواہ مخواہ کچھ لوگ رسول اللہ کے دوست ہمدرد اور عزیز واقارب اور اہلبیتؑ بننے کی کوشش کریں تو پہچان لئے جائیں۔ اگر آپ مکہ ہی میں اپنے مکانات میں قید رہے ہوتے تو ہر خبیث کے لئے یہ موقعہ رہتا کہ جناب میں تو خود معہ خاندان مقاطعہ کا شکار رہا ہوں۔ میں رسول اللہ کا صحابی، دوست اور فدا کار تھا، راتوں کو کھانا لے کر جاتا تھا۔ نعمت

خانہ ڈھکنا ایک دن نہ ملا تو میں نے اپنی نئی ٹوپی کو ڈھکنے کی جگہ فٹ کر دیا تھا۔ ایک دن نعمت خانہ نہ ملا تو میری زوجہ نے اپنے دوپٹہ میں کھانا باندھ کر بھیج دیا تھا اسی رات سے اس کا نام ڈبل دوپٹہ پڑ گیا تھا۔ شعب ابی طالبؑ نے کفر و اسلام کے درمیان ایک ایسا امتیاز قائم کر دیا کہ شاہی تاریخ کی مسلسل خیانت کے باوجود دشمنانِ اسلام نقاب پوش نہ رہ سکے۔

یہاں یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ آیا جناب ابو طالبؑ نے قریش سے درخواست کی تھی یا نہیں کہ ہمیں مکہ سے باہر کہیں جلا وطن ہونے کی اجازت دے دو؟ بہر حال تاریخی حیثیت اور وقتی ضرورت کا تقاضہ تھا کہ وہ مدینہ کو نہ بھولیں۔ ابھی کل ہی کی بات تو ہے جب ایک قریش نوفل نامی شخص نے اُنکے والد کی جائیدا پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ کیسے بھول سکتے تھے کہ اُس وقت بھی قریش نے اُن کے پورے خانوادے کے خلاف ایک معاہدہ کیا تھا۔ یہ بھلا دینے کی بات نہ تھی کہ مدینہ سے انکے نانا جان مسلح دستہ کے ساتھ آئے تھے۔ انہیں اپنی ننہیال کا تجربہ تھا۔ مدینہ والوں نے نوک شمشیر سے جائیداد واپس کرائی تھی۔ خاندانی روایات میں جناب قصی علیہ السلام کا اپنے خاندان بنی قضاعہ سے مسلح مدد لینا بھی سب کو یاد تھا۔ اس وقت بھی یہ دونوں خانوادے مدینے اور ملک شام میں موجود تھے۔ قریش اُن کے سامنے ایک حقیر و کمزور قلت تھے۔ یہاں دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوئی ہوگی۔ یا تو قریش نے جلاوطنی کی اجازت نہیں دی یا پھر یہ کہ اب جناب عمرانؑ مختار نہیں ہیں بلکہ وحی کا حکم چاہتے ہیں۔ اور یہ سکھانا چاہتے ہیں کہ مادی نصرت کی جگہ خالصتاً اللہ کے انتظام پر سو فیصد توکل کیا جائے تاکہ لوگ یہ دیکھ سکیں کہ یہ خانوادہ کسی شخص کے آگے ہاتھ پھیلائے بغیر، تمام مادی سامان حتّٰی کہ خوراک کے فقدان کی حالت میں بھی زندہ، تندرست اور زیادہ قوی رہ سکتا ہے۔ یہی تو وہ صورت حال تھی جس میں اللہ کی طرف سے نزول مائدہ کی یقینی امید تھی۔ یہی تو اللہ کی راہ میں وہ قربانی تھی جو بنی اسرائیل سے کہیں زیادہ منّ وسلویٰ کا حق دار بناتی تھی۔ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر خانوادہ نبوت و رسالت کیسے اپنی اور اللہ کی شان پر حرف لاسکتا تھا۔ درختوں کی پتیاں کھانا ایک بکواس ہے۔ وہاں اُن چٹانوں پر درخت کہاں؟ ادھر ادھر چند جھاڑیاں تھیں جن کو جڑوں سمیت کھا جانے سے بھی تین روز نہ گزرتے۔ ارے بے رحم لوگو، بھلا دودھ پیتے بچے پتوں کو کس طرح کھا سکتے تھے۔ اور وہ چمڑا کھانے کا قصہ بھی بکواس ہے۔ سوکھے ہوئے چمڑے کو بھوننے کے معنی جلا کر راکھ کرنا ہوتے ہیں۔ اور راکھ کے بجائے اگر یہ خانوادہ مٹی بھی کھاتا تو تین سال میں وہاں غار بن گئے ہوتے۔ خدا تمہیں عقل و ایمان عطا کرے تو سمجھو کہ دنیا میں یہ ایک عمرانی معجزہ تھا۔ یہیں تو جنت سے کپڑے منگانا اور پھلوں کے طشت اتروانا سکھا گیا تھا۔ یہیں تو عبادت خداوندی کی وہ مشق کی گئی تھی۔ یہاں ہی تو اس قدر فرصت ملی تھی کہ خاندان کا ہر چھوٹا بڑا افرد اللہ کے نظام کو اپنے روبرو بے حجابانہ دیکھے۔ یہی تو سو فیصد وہ زمانہ تھا جب ساری دنیا سے انقطاع اور وصل باری تعالیٰ کا موقعہ ملا تھا۔ یہیں تو وہ چسکھی اور عبادت کی چاٹ لگی تھی جو ساری عمر ترقی ہی کرتی گئی۔ بچہ کنویں میں گر جائے پرواہ نہ ہو، سجدہ میں رات گزر جائے پتہ نہ چلے، سرتن سے جدا ہو جائے موت نہ آئے، قوت گویائی نہ جائے، تلواروں اور تیروں کی بارش میں مصلیٰ بچھا دیا جائے۔ باقی تمام باتیں بعد میں بنائی گئی ہیں اور قریش کی عزت برقرار رکھنے کے لئے یہ کہا گیا ہے کہ کچھ لوگوں کو تین سال بعد رحم آیا اور معاہدہ پھاڑا گیا۔ اُن کو بتا دو کہ اُس کاغذ کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ اس کی اطلاع بھی رسولؐ اللہ نے دی تھی۔ لیکن معاہدہ کے کاغذ کے پھٹ جانے، کیڑے یا دیمک کے کھا جانے اور معاہدہ کے ختم ہو جانے میں کوئی مادی، روحانی یا قانونی ربط

نہیں ہے۔ نہ کسی کو رحم آیا اور آیا تو اُس خبیث کو تین سال بعد رحم کیسے آیا۔ نہ قریش نے دو چار آدمیوں کی مدد کی مخالفت سے معاہدہ کو ختم کیا۔ وہ چیز جس نے قریش کے چھکے چھڑا دیئے، جس نے راتوں کی نیند حرام کر دی، وہ قدرتِ خدا کا وہ انتقام تھا جو معاہدہ ختم نہ کرنے کی صورت میں تاریخ کا رخ ہی موڑ دیتا، جو قریش کا قتل عام کرا دیتا۔ وہ تھا خانوادۂ رسولؐ کے خاندان کا نبطی بادشاہ جبلہ، جس نے بنی ہاشم کی قید کی خبر سن کر لام بندی اور فوج کشی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور اندرونِ عرب شریف قبائل مسلح مزاحمت کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اور عرب کے سب سے بڑے ایکسپورٹر اور امپورٹر نے چھ ماہ کیلئے گندم بزور بازو شعب ابی طالبؑ میں پہنچا دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ آئندہ مکہ کو گندم کا ایک دانہ دیکھنا نصیب نہ ہونے دونگا۔ اس لئے قریش مجبور ہوئے اور ہوا خیزی کو روکنے کے لئے معاہدہ کے کاغذ کی ڈاٹ لگا کر خود بنفس نفیس ابوطالبؑ کے پاؤں پر گرے اور انہیں اُن کے مکانوں میں واپس آنے پر رضا مند کیا اور اس میں بھی آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا سے قریش کی سفارش کی اور خانہ کعبہ میں آ کر نماز پڑھی۔ یوں قریش کی جان و مال واہل وعیال کو بچا لیا گیا۔ اور پھر ایک دفعہ قریش ذلت وخواری کی اس چوٹ سے دلوں میں پیچ وتاب کھاتے رہ گئے۔ لیکن اب مخالفت کیلئے کسی جدید بہانے کی ضرورت تھی۔ معاہدے کے حلیفوں یعنی دوسرے فریقوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ تین سال کی یہ ریاضت ایک دفعہ پھر عوام کی توجہ کا سبب بن گئی تھی۔ جسے توڑنے کیلئے قریش میں دن رات مشورے ہو رہے تھے اور فی الحال فوری طور پر کوئی چال سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

19۔ دُنیا میں محمدؐ وآلِ محمدؐ کے لئے غم والم کا ابتدائی سال ''عامُ الحزن''

شعب ابی طالبؑ سے رہائی کے بعد جناب عمران علیہ السلام نے پورے خاندان کو وہ دن یاد دلایا جب اُن کے والد بزرگوار جناب عبدالمطلب علیہ السلام نے وصیت کے لئے خاندان کو جمع کیا تھا۔ آپ مغموم نظر آ رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ آواز اُن کا ساتھ دینا نہیں چاہتی، سنبھل سنبھل کر الفاظ ادا فرما رہے تھے۔ دیکھو مجھے میرے والدؑ نے محمدؐ کا ہاتھ پکڑا کر کہا تھا کہ تم اُس کی پرورش، تعلیم وتربیت اور خوشنودیِ مزاج کے ذمہ دار ہو۔ دیکھو کبھی ایسا نہ ہونے پائے کہ اُسے میرے مرنے اور اپنی یتیمی کا خیال آ سکے۔ آج کے بعد میں نہیں چاہتا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو آئیں اور تم زندہ رہو۔ اِسے گود میں اُٹھاؤ پیار کرو اور ثابت کر کے دکھاؤ کہ اس دُنیا میں اُس سے بڑھ کر کوئی چیز نہ عزیز ہے نہ محبوب ہے، تمہاری زندگی کا مقصد ہی محمدؐ ہے۔ اسی کے لئے جیؤ گے اور اُسی کے لئے مرو گے۔ خدا کا شکر ہے اور میرے بزرگوںؑ کی دُعا کا نتیجہ ہے کہ میں کامیاب ہو چکا ہوں۔ خدا نے میری خدمت کو قبول فرما لیا ہے، میرا کام مکمل ہو چکا ہے۔ رسالتِ خداوندی اپنے پاؤں پر جم کر کھڑی ہو چکی ہے۔ وزارت وخلافتِ خداوندی عالم شباب کو پہنچ چکی ہے۔ آج میں محمدؐ کو یعنی اپنے بزرگوں کی امانت تمہارے حوالے کرتا ہوں اور تم سب سے عموماً اور علیؑ سے خصوصاً وصیت کرتا اور یہ چاہتا ہوں کہ تم اور وہ، محمدؐ کی اطاعت ومحبت ومودۃ کو اپنا دین وایمان سمجھو۔ میں تم سب کو آج سے محمدؐ کی غلامی میں دیتا ہوں۔ وہ تمہاری جانوں اور مال واولاد کا مالک ہے۔ اس کے بعد جناب علی مرتضٰی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ تم اپنی اولاد اس طرح پالو گے جس طرح میں نے تمہیں پرورش کیا اور انہیں اس قابل بنا دو گے کہ وہ محمدؐ اور اُس کے دین پر اپنی جانیں قربان کرتے رہنا اپنا شعار بنا لیں۔ سارا خاندان سمجھ گیا تھا کہ یہ اُن

کے اس عظیم الشان بزرگ اور سرپرست کے آخری ایام ہیں۔ ہر چہرہ اُترا ہوا ہر آنکھ بھیگی ہوئی اور ہر قلب جذبہ محبت واحسان شناسی اور اطاعت سے لبریز تھا۔ مجمع رخصت کر دیا گیا صرف نبوت وامامت کو موجود رہنے کا حکم ملا۔ اس کے بعد کیا ہوا کیا باتیں ہوئیں؟ وہ اَوْحیٰ مَا اَوْحیٰ کی طرح کا راز تھا۔ جب محمد وعلی علیہما السلام باہر نکلے تو عام اعلان کر دیا کہ جو لوگ جناب عمران علیہ السلام سے ملنا چاہتے ہیں یا کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ ملاقات کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں کی امانتیں موجود ہیں آ کر امانت لے جا سکتے ہیں۔ ورنہ اُن کی واپسی کا ذمہ دار محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہما وآل ھما ہوں گے۔

قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کے بعد کیا ہوا ہوگا؟ خانوادۂ رسولؐ اور خود علیؑ ورسولؐ یتیم ہو گئے۔ اللہ نے اپنے بنائے ہوئے ملجا وماویٰ کو اپنے حضور بلا لیا۔ اُنؑ کے انتقال پر اپنے تو اپنے تھے دشمن بھی روئے، سارے شہر میں سناٹا چھا گیا۔ ہر طرف سے رک رک کر رونے کی آواز سناٹے کو توڑ رہی تھی۔ لوگ پُرسے کو آ رہے تھے، محمدؐ وعلیؑ نے غسل وکفن دیا۔ نماز جنازہ پڑھ کر دفن کی رسومات ادا کیں۔ تیسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرکار ابو طالب علیہ السلام کی جانشینی حضرت علی علیہ السلام کو عطا کرنا تھی۔ جو پورے خاندان کی موجودگی میں اُن کو سونپی گئی۔ اس طرح جناب مولائے کائنات رسولؐ اللہ کے محافظ بھی قرار پائے اور وزیر بھی۔ حضرت ابی طالبؑ کی وفات کے صدمہ سے جناب خدیجہ علیہا السلام بیمار پڑ گئیں۔ اب سارا خاندان اُن کی تیمارداری میں مصروف ہو گیا۔

(19/2) جناب علامہ شبلی کے لئے دعائے خیر اور مغفرت کا سبب پیدا ہو گیا

ہم کسی کے ساتھ اُس وقت تک رعایت نہیں کرتے جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اُس نے ابو طالبؑ اور خانوادہ رسولؐ کے ساتھ رعایت کی ہے۔ علامہ شبلی نے اپنا حق جس طرح اور جس قدر پیدا کیا وہ اُن ہی کے قلم سے دیکھیں۔

(i) ''ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت تک کافر تھے، کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا۔ ابو طالب وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بنا پر ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے۔ لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر سمجھی جاتی ہے اس لئے محدثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قائل ہیں۔ لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ (کفر والی) روایت چنداں قابل حجت نہیں ہے کہ آخری راوی مسیّب جو فتح مکہ میں اسلام لائے۔ اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے۔ اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے۔

(سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 248) اگلے صفحہ پر لکھا ہے کہ:۔

(ii) ''ابو طالب نے آنحضرؐت کے لئے جو جان نثاریاں کیں اُس کا کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپؐ پر نثار کرتے تھے۔ آپؐ کی محبت میں سارے عرب کو اپنا دشمن بنا لیا۔ آپؐ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اُٹھائے، شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب ودانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟ ابو طالب آنحضرؐت سے پینتیس (35) برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے بہت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے آنحضرؐت اُن کی عیادت کے لئے گئے۔ تو اُنہوں نے کہا بھتیجے جس خدا نے تجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ اُس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کر دے۔ آپؐ نے دُعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔

آنحضرتؐ سے کہا کہ خدا تیرا کہنا مانتا ہے.......ابو طالب کی وفات کے چندہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پائی۔بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے ابو طالب سے پہلے انتقال کیا۔اب آپؐ کے مددگار و غم گسار دونوں اُٹھ گئے۔صحابہ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے۔اور خود آنحضرتؐ اس سال کو عام الحزن (سالِ غم) فرمایا کرتے تھے۔حضرت خدیجہؓ نے رمضان 10 نبوی میں وفات کی۔اُن کی عمر پینسٹھ (65) برس کی تھی۔مقام حجون میں دفن کی گئیں۔آنحضرتؐ خود اُن کی قبر میں اُترے۔ اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی۔ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا۔اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے۔'' (سیرۃ النبیؐ۔جلد اوّل صفحہ 250-249)

(19/3)۔ خانوادۂ رسولؐ کا دوسرا سرپرست بھی داغ جدائی دے گیا

حضرت ابو طالب علیہ السلام کو خدا نے اُٹھا لیا تو خاندان کی ہمت اور قوت کو زبردست صدمہ پہنچا۔یہ انتقال اُدھر قریش کے ابلیسی ارادوں میں نئی زندگی اور امنگوں کا باعث بنا۔اِدھر جناب خدیجہ علیہا السلام کی علالت کا باعث بن گیا۔اسلام کے تحفظ اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامیابی کیلئے اللہ نے یہی دو بازو دیئے تھے۔ایک نے مَردوں کے سامنے تائید رسالت کے وہ بے مثل کردار اور منصوبے پیش کئے جو تا قیام قیامت ایک بولتا چالتا نمونہ رہیں گے۔دوسرے نے طبقۂ نسواں کیلئے نسوانی راہِ عمل پیش کی اور بتایا کہ عورتیں اسلامی دنیا میں کس قدر اہم کردار ادا کرسکتی ہیں۔اور اپنے خاندان کے مردوں کو عائلی زندگی کی طرف سے بے فکری فراہم کر کے کس طرح اُن کی ہمت افزائی کرسکتی ہیں۔دُنیا کے مصائب و آلام سے برسر پیکار رکھنے اور کامیابی سے دشمنوں کا مقابلہ کرنے میں مددگار ہوسکتی ہیں۔حضرت ابو طالب علیہ السلام نے اپنی عدم موجودگی میں رسولؐ اللہ کی تمام ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے علیؑ ایسا جان نثار بیٹا چھوڑا۔اور جناب خدیجہ علیہا السلام نے اُمت کی نجات کے لئے اپنے پہلے دو بیٹوں کو اللہ کے حوالے کر کے صبر کیا۔پھر آنحضرتؐ اور اسلام کے استحکام اور بقا کے لئے فاطمہؑ ایسی بے مثل و بے نظیر بیٹی چھوڑی جس سے نسل رسولؐ ساری دنیا میں پھیلنا تھی۔جس کی اولاد سے اسلام پر قربان ہوجانے والے، ذبح عظیم بن جانے والے، نجات نوع انسان کی ذمہ داری لینے والے اور ساری دنیا کو ابدی ہدایت و راہنمائی و کامرانی فراہم کرنے والے گیارہ امام علیہم السلام پیدا ہونا تھے۔جس کے بچوں کو سرداران جنت بننا تھا۔جسے خاتون جنت سیدۃ النساء العالمینؑ کا لقب ملنا تھا۔حضرت خدیجہؓ ہی وہ ذات پاک ہیں جن کی وجہ سے اللہ نے فرمایا کہ اَے محمدؐ ہم نے تمہیں نادار پایا تو ہر قسم کی احتیاج سے مستغنی کردیا (وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی o الضحٰی 93/8)۔حضرت خدیجہؓ نے اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی حمایت اور پرورش پر اپنی بے انتہا دولت صرف کی۔دن رات آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کی۔کبھی اُن کے چہرے پر کبیدہ خاطری، غصہ اور ملال نہ پایا گیا۔انہوں نے آنحضرتؐ کی اُن تمام تمناؤں کو پورا اور مکمل کردیا جو ایک عظیم رسولؐ کو اپنی رفیقہ حیات سے ہوسکتی تھیں۔حضورؐ نے جناب خدیجہ علیہا السلام کے انتقال پر جن الفاظ میں اظہار غم و الم کیا ہے وہ بڑے درد انگیز ہیں۔اظہار غم و الم آپ نے تاحیات جاری رکھا۔گو دینی ضرورت اور دشمنان دین کا منہ بند کرنے کے لئے آپؐ نے مدینہ میں آکر اور نکاح بھی کئے۔مگر آپؐ کو جناب خدیجہؓ کے بعد اسلام کی نصرت کے لئے کوئی زوجہ نہ ملی۔اور آپؐ نے امت کو نمونہ دینے کے لئے نہایت ناگفتہ بہ حالات میں گھریلو

زندگی گزارنے اور عمومی حالات میں صبر وتحمل کرنے کا اعلیٰ معیار پیش کیا۔ اور سورہ تحریم کی رُو سے اپنے خلاف اپنے ہی گھر میں ایک نسوانی محاذ سے عہدہ برآ ہونے کا مظاہرہ کیا۔ بہر حال جناب خدیجہ اور جناب ابو طالب علیہما السلام یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے اور رسول اللہؐ اور خانوادۂ رسوؐل کو خدا کے سہارے چھوڑ گئے۔ حضرت فاطمہؑ کے لئے یہ موت سب سے زیادہ صدمہ کا باعث تھی۔ مگر انہوں نے اپنی والدہ معظّمہ سے جو سبق لیا تھا اُس پر عمل کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گئیں۔

20۔ قریش کی نئی پالیسیاں؛ قرآن پر عمل کرنے کی شرائط وغیرہ

تاریخ نے حضرت ابو طالبؑ اور جناب خدیجہؑ کے انتقال کے بعد قریش کے مظالم اور تشدد کے حالات تو لکھے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اسی حد تک کیا ہے جو بعد کی حکومت کو ممکنہ زد سے بچالے جائے۔ قریش نے ہمیشہ ایک مضبوط بہانہ اور مقصد اپنے سامنے رکھا ہے۔ تا کہ اُن کا ہر عمل درآمد عقلی جواز حاصل کر سکے۔ اب جو مظالم یا زیادتیاں شروع ہوتی ہیں اُن میں اُن کے عذرات میں سے ایک عذر یہ تھا کہ اُن کے بزرگوں اور بتوں کو برسرِ عام بُرا کہا جارہا ہے۔ چنانچہ ہم نے قرآن کی آیت کا نمبر (انعام 6/108) لکھا تھا جس میں مسلمانوں سے کہا گیا تھا کہ تم اُن لوگوں کو گالیاں نہ دیا کرو جن کو یہ لوگ اللہ کے علاوہ بھی مدد کے قابل سمجھتے ہیں وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ....الخ۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے منع کیا ہے وہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سچ مچ کے مسلمان تو جو کام بھی کریں گے وہ اللہ ورسوؐل کی اجازت کے بغیر نہ کریں گے۔ لہٰذا جو مسلمان یہ کام کر رہے تھے وہ دراصل مسلمان لباس میں قریش کے آدمی تھے۔ ورنہ ایسے خطرناک ماحول میں جہاں چاروں طرف مخالف ہی مخالف ہوں اور قوت واقتدار بھی اُن ہی کے ہاتھوں میں ہو کوئی مسلمان اشتعال انگیزی کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اور اسلام تو قوت واقتدار کا مالک ہو کر بھی بدامنی اور اشتعال اور نفرت انگیزی کی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا اللہ نے دو باتیں بتا دی ہیں۔ اوّل یہ کہ کفار کو اشتعال دلایا جارہا ہے لہٰذا کافروں کا عذر صحیح ہے۔ اور دوسری یہ کہ خود کافروں ہی نے اس اشتعال کو پیدا کرنے اور بہانہ بنانے کیلئے مسلمانوں میں اپنے آدمی ملا دیئے ہیں۔ لہٰذا یہ ہی وہ جماعت ہے جسے ہم نے مسلمان جاسوس قرار دیا ہے۔ ان کو تاریخ اور قرآن میں منافق کہا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہم اس گروہ کو قریش کے ماہر اور متعین کردہ افراد قرار دیتے ہیں جو طاغوتی مرکز کے مقاصد کیلئے اپنا اپنا متعلقہ فریضہ ادا کرتے تھے۔ اس جماعت کی تفصیلات ہماری دیگر تصنیفات میں پھیلی پڑی ہیں۔ یہاں اُن کے ابتدائی مقصد کا ذکر ضروری ہے۔ تاریخ میں اصل منصوبے کو بدل کر بڑے بھدّے اور ایک عامیانہ انداز میں لکھا گیا ہے۔ مثلاً قریش نے آنحضرتؐ سے اس شرط پر مصالحت کرنا چاہی کہ ایک سال تک ہم تمہارے ساتھ اللہ کی عبادت کریں پھر ایک سال تم ہمارے بتوں کی عبادت کرو۔ پھر جس سال کا نتیجہ اچھا رہے اس پر دونوں کاربند ہو جائیں۔ یعنی یا ہم کلیۃً اسلام اختیار کر لیں یا تم اپنے اسلام کو چھوڑ کر ہمارے مذہب پر عمل کرنے لگو۔ یعنی تاریخ اس قدر مانتی ہے کہ قریش نے تھک کر مصالحانہ رویہ اختیار کرنے کا پھر ارادہ کیا تھا۔ اور ہم یہ دکھاتے آئے ہیں کہ قریش کا کبھی بھی محمدؐ مصطفیٰ کے خلاف ظالمانہ رویہ اختیار کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ وہ یہ چاہتے رہے اور اب بھی چاہتے ہیں کہ یہ نبوت اُن سے ہم آہنگ ہو کر کام کرے اور ابو طالبؑ اور علیؑ کی حکومت کا خیال چھوڑ

دے۔شخصی حکومت واقتدار کو مذموم سمجھے اورمل بانٹ کر قومی بصیرت کے ماتحت اصلاح کرے۔جمہور اور دانشوران قوم، بزرگان سلف کی بصیرت اور تجربے سے مستفید ہو۔اپنی ذاتی رائے پر کوئی فیصلہ نہ کرے۔اِن مقاصد ہی کو نافذ کرنے کیلئے گزشتہ طویل تصادم ہوئے۔اور اب اُن ہی مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے ایک نئی راہ نکالی گئی جسے قرآن کی اعجاز آفرین زبان میں سنئے:۔

(20/2)۔ تعلیمات قرآن پر سمجھوتے کی قریشی پیش کش یا نظام اجتہاد

حضرت ابو طالبؑ کے انتقال پر تمام قریش نے اُن کے سوگ اور تعزیت کی آڑ میں رسولؐ اللہ سے ایک دفعہ پھر ہمدردی اور غم خواری کا اظہار اور پچھلی زیادتیوں اور غلط فہمیوں پر افسوس شروع کیا۔آپ نے نہایت خندہ پیشانی اور بھولے پن کے انداز میں قبول فرمایا اور اپنی مستقل محبت اور اصلاحی خدمت کا یقین دلایا۔چنانچہ موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے قریشی ماہرین نے مصالحت کی دوصورتیں پیش کردیں۔جس میں بنیادی دوباتوں کو بلاتکلف تسلیم کرلیا گیا۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَايَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَاائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّ لْهُ..... (یونس 10/15)

یعنی یہ کہ اللہ کے فرمان پر عمل کرنا اور اللہ کی طرف سے وحی کا نزول محمدؐ پر منظور ہے۔مگر اب تک کے تصادم اور اختلافات کو دور کر کے پوری قوم کو ایک مرکز پر لانے کے لئے یا تو جو قرآن آیا ہے اس کو نظر انداز کر دیا جائے اور اس کی جگہ ایسا قرآن خدا سے مانگا جائے جو ملک کی پوری بصیرت سے ہم آہنگ ہو اور صدیوں قدیم تہذیب وتمدن پر ضرب نہ لگائے۔اور اگر خدا کو ایسا منظور نہ ہو اور یہی نازل شدہ قرآن باقی رکھنا ضروری ہو تو اس میں عملی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اجتہادی تبدیلی کو اختیار کرلیا جائے۔یعنی اجتہاد کی زبان میں انہوں نے یہ کہا کہ منطوق کو برقرار رکھا جائے مگر مفاہیم کو ضرورت وقت اور تقاضائے زمانہ اور مفاد عامہ کی روشنی میں متعین کرلیا جایا کرے۔خدا نے اس تجویز کا کیا جواب دیا؟ اُسے فی الحال روک کر یہ یقین فرمالیں کہ قریش کی اسی تجویز کے مطابق آنحضرؐت کے انتقال کے بعد سے آج تک عمل کیا گیا ہے۔اور اس کی مثالیں ہماری تصنیفات میں بھری پڑی ہیں۔اور یہاں بھی مؤلفۃ القلوب وغیرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔شیعہ سنی دونوں کے مجتہدین میں کھل کر یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہاں ہاں قرآن میں منطوق تو یہی ہے یعنی اللہ نے کہا تو یہی ہے الفاظ بھی یہی ہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں بلکہ یہ لینا ہوگا۔یعنی قریش کی تجویز کے مطابق قرآن کو اور اس کے الفاظ کو برقرار رکھ کر معنی ومفاہیم کو کسی مصلحت کے لئے بدل لینا جائز ہے۔مگر اُس وقت اللہ نے اس تجویز کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا تھا کہ:۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّ لَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍo قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَo (یونس 10/15-16)

ان کو بتادو کہ میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میں اپنی ذاتی بصیرت اور تجربہ سے قرآن میں کوئی تبدیلی کروں۔میں تو اپنے اوپر اترنے والی وحی کی لفظ بلفظ اتباع کے علاوہ اور کسی تجربے یا ذاتی تحقیق کی پیروی کرتا ہی نہیں ہوں۔اور ایسا کرنے کو اللہ کا ایسا گناہ سمجھتا ہوں جس پر مواخذہ کے روز عذاب ہوگا۔اور اگر خدا نے یہ چاہا ہوتا کہ میں اپنی رائے، تجربہ اور تحقیق کے مطابق عمل کرلیا کروں تو میں نہ تو قرآن کو تمہارے سامنے تلاوت کرتا نہ ہی یہ درایتی جواب پیش کرتا۔میرا اپنی بصیرت اور تجربے نیز ذاتی رائے کی اتباع نہ کرنا اور خدا کے الہام اور

وحی پر منحصر رہنا پچاس سال سے پہلے ہی تمہارے روبرو رہتا چلا آیا ہے۔ کیا تمہارے عقلی اطمینان کے لئے یہ طویل زمانہ کافی نہیں ہے؟

یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے کہ جس وقت ماہرین نے یہ تجویز پیش کی تو انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ پورا قرآن رسولؐ اللہ کے پاس موجود ہے۔ ورنہ وہ دوسرا قرآن لانے یا اس موجودہ قرآن میں تبدیلی کرتے رہنے کی بات نہ کرتے۔ بلکہ یہ کہتے کہ جو آیات نازل ہو چکی ہیں اُن کو نظر انداز کر دو اور جو آیات اب نازل ہوتی رہیں اُن میں مفاہیم کے ردو بدل کے اصول کو مان لو۔ اس کے برعکس تمام مسلمانوں کا عقیدہ یہ رہا کہ قرآن سارا ایک دم سے نہیں اترا تھا۔ چونکہ قریش کے اِس سمجھوتے کا بنیادی مطلب صرف اس قدر ہے کہ قرآن اور رسولؐ کو مشرک محاذ کی اجتماعی بصیرت کے ماتحت لے آیا جائے۔ تاکہ رسولؐ اللہ قرآن کی آڑ میں من مانی نہ کرسکیں۔ اور اللہ نے قرآن میں اس سمجھوتے کی مجتہدانہ شرط کو کلّیۃً رد کر دیا تھا۔ اور کہہ دیا تھا کہ دانشورانِ قوم ہی نہیں بلکہ خود رسولؐ اللہ کو بھی اُسی وحی کی لفظ بلفظ اتباع کرنا پڑے گی جو قرآن میں موجود ہے۔ اِس جواب سے اجتہاد کی امید منقطع ہوگئی اور یہ یقین ہو گیا کہ رسول اللہ کسی طرح بھی وحی کے الفاظ میں معنوی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ اور قرآن کے منطوق یا الفاظ کے مصدری معنی پر عمل کرانا لازم سمجھیں گے۔ لہٰذا انہوں نے دوسری راہیں سوچنا شروع کیں۔

(20/3)۔ پُورا قرآن مکمل صورت میں قوم کے حوالے کر دو تاکہ مجموعی تعلیم پر اطمینان ہو سکے

ہمارے زمانہ کے قارئین چونکہ سیاسی جوڑ توڑ اور تدریجی سودا بازی روزانہ اخباروں اور ریڈیو سے بھی سنتے رہتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قریشی اسکیم اور مشرک دانشوروں کی پالیسی سمجھ رہے ہوں گے اور انہیں اُس تدریج پر داد دیں گے۔ اور اُن کی ہمت کی تعریف کریں گے کہ ہر طرح کے صاف اور قطعی جواب سن کر بھی مایوس نہیں ہوتے اور نئے انداز وجدید الفاظ میں اس طرح سامنے لاتے ہیں کہ اگر اُدھر وحی خداوندی اور نور مصطفوؐی کی بصیرت نہ ہوتی تو اب تک مشرک یا اشتراکی بصیرت کئی دفعہ اور ہر مرتبہ پچھاڑ چکی ہوتی۔ چند روز کے بعد اب یہ مطالبہ کیا گیا کہ یہ ایک ایک دو دو آیات کی تلاوت یا نزول ہمیں یہ موقعہ نہیں دیتا کہ ہم قرآن کی مجموعی تعلیم کو یکجا دیکھ کر اُس کے انتہائی نتیجے اور پروگرام کی افادیت پر فیصلہ صادر کرسکیں۔ لہٰذا آپ برائے مہربانی یہ خیال فرمائیں کہ ہمارا آپ سے متفق ہو جانا یہ چاہتا ہے کہ قوم کے کسی دانشور کو کوئی اعتراض نہ رہے اور سب مل کر آپ سے تعاون کریں۔ لہٰذا اگر آپ مکمل قرآن قوم کے سامنے ایک دم رکھ دیں تو ہمارے بعض مفکرین کا یہ اعتراض اور مطالبہ رفع ہو جائے گا کہ یہ کیا بات ہے کہ محمدؐ جب چاہتے ہیں ایک دو آیات سنا کر کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے ایسا اور ایسا فرمایا ہے۔ کیوں نہ اُس نے پورا قرآن پیش کر دیا؟ تاکہ ہم آخری نتیجے پر پہنچ جاتے؟

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً۔ (الفرقان۔ 25/32)

یہ تھا وہ معنی خیز مطالبہ جو قبل از وقت ہی اپنے متعلق ساری تفصیلات اور اسلامی منصوبہ کو سامنے رکھ کر اسکیم بنانے اور رسولؐ کی ہر گوٹ کو بروقت پیٹتے چلے جانے کی ترکیب تھی۔ لیکن اللہ نے اُسی مندرجہ بالا آیت میں یہ راز کھول دیا اور فرمایا کہ بات وہ ٹھیک کہتے ہیں۔

كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًاo وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًاo

(الفرقان 25/32-33)

واقعی ہم نے سارا قرآن اُن کے سامنے پیش نہ کرنا طے کر رکھا ہے۔اور ہماری غرض یہ ہے کہ اس ترکیب سے دوھرا مقصد حاصل کریں۔ اوّل یہ کہ آپ کی ہر بات عملی نتیجہ مرتبہ کرے تا کہ آپ کی طبیعت کو اطمینان ہوتا چلا جائے۔اس لئے ہم نے قرآن کو سابقہ تمام انتظامات سے زیادہ منظّم صورت اور نرالی ترتیب سے امت کے روبرو پیش کرنا طے کر لیا ہے۔دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات تمہارے سامنے کوئی ایسی مثالی چال پیش ہی نہ کر سکیں جس کے ہر خطرناک پہلو کی وضاحت اور تفسیر ہم نے پہلے ہی سے تمہیں نہ پہنچا رکھی ہو۔قرآن کا یہ جواب نہ صرف اُن کی چالوں کی پیش از وقت پردہ دری کرتا تھا بلکہ سارا قرآن ایک دم حوالے کر دینے کا صاف جواب بھی تھا۔اور ایک چیلنج بھی تھا کہ تم خوب غور و خوض اور قریشی دانشوروں کی اجتماعی بصیرت سے کوئی ایسی بات طے کرو، کوئی ایسی تہہ در تہہ چال چلو، کوئی بہت دُور رس اسکیم بنا کر لاؤ اور آزما دیکھو کہ یہاں اللہ کی طرف سے اُس کا کیسا پردہ چاک کیا جاتا ہے۔اور کتنا سنجیدہ اور مفید جواب دیا جاتا ہے۔

(20/4)۔ دانشورانِ قوم معجزہ طلبی کا دباؤ دے کر پورے قرآن کا نیا مطالبہ کرتے ہیں

قریش کو ایک قدیم ترکیب کرنا پڑی۔انہوں نے کہا کہ جناب ہمارے عوام کا مطالبہ یہ ہے کہ:

ہم اُس وقت ایمان لا سکتے ہیں جب کہ **1**: آپ اُن کیلئے زمین سے کوئی چشمہ جاری کرا دیں۔**2**: یا ایک ایسی جنت پیش کر دیں جو پھلوں سے لدی ہوئی اور نہروں سے سیراب ہو رہی ہو۔**3**: یا نبوت کے دعویٰ کے مطابق آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرتا ہوا دکھا دو۔**4**: یا اللہ اور ملائکہ کو ہمارے روبرو لا کر کھڑا کر دو۔**5**: یا اپنے قیام کیلئے ایک سنہری محل تعمیر کرا کے دکھا دو۔**6**: یا ہمیں ہماری آنکھوں سے اپنا آسمان میں بلند ہوتے چلے جانا دکھا دو۔(بنی اسرئیل 17/90-93)

اس تمام معاملہ کو ہم رفع دفع کر سکتے ہیں۔اگر آپ صرف یہ انتظام کر دیں کہ خدا کی طرف ترقی کر جانے کا ثبوت یہ ہو کہ آپ ہم پر ایک کتاب الگ سے نازل کرا دیں تا کہ جو آیت آپ ہمیں سناتے جائیں ہم اس کتاب سے اس کی تصدیق کرتے اور آپ کا بیان اس کتاب میں پڑھتے جائیں۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ۔ (بنی اسرئیل 17/93)

اور اگر پوری کتاب کا دینا مناسب نہیں ہے اور ہمیں اس سے لاعلم رکھنا بھی ضروری ہے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ خدا ہم سے کلام کر لے یا ہم پر بھی وہ آیت بھیج دی جایا کرے جو آپ سنا رہے ہوں۔وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۔ (بقرہ 2/118) تا کہ عوام شبہ ہی نہ کر سکیں کہ آپ اپنی طرف سے گھڑ کر سنا رہے ہوں گے۔اِن سوالات اور شرائط کا جواب مذکورہ بالا آیات ہی میں دے دیا گیا ہے اور بتایا گیا کہ اُن سے یہ کہہ دو کہ بھائیو میں ایک بشر ہی تو ہوں جسکی ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ جو حکم دے اُسے واضح کر دوں۔میں نے خدا ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ جو چاہوں وہ کر کے دکھا دوں اور جب چاہوں دکھا دوں۔اور یہ کہ یہ سب باتیں بڑی پرانی ہیں۔جنکے معقول اور تاریخی جوابات ریکارڈ میں موجود ہیں۔اب تو حسب چیلنج کوئی نئی بات کرو، نئی چال چلو جسکا جواب نہ ہو سکے۔

(20/5)۔ قرآن ابوطالبؑ یا کسی عجمی عالم کی تعلیم کا مجموعہ ہے؛ قرآن کی عنوان وار ترتیب

قریشی دانشوروں کا یہ خیال بھی تھا اور اب انہوں نے کھل کر ظاہر بھی کر دیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرآنی

اطلاعات عجمی زبان سے اخذ کی گئی ہیں۔یعنی یا تو خود ابو طالبؑ اُن کو تعلیم دے رہے ہیں یا کوئی اور عجمی عالم رکھا ہوا ہے جو یہ سب کچھ پڑھاتا رہتا ہے۔کوئی ان کو بتائے کہ جس کی طرف اپنے الحاد کو منسوب کر رہے ہیں۔اُس کی زبان تو عجمی ہے اور قرآن جس عربی میں پیش کیا جارہا ہے وہ اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِى يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌo (النحل 16/103)

اور اس کی جانچ وشناخت تو نہایت آسان ہے۔اُن میں بڑے بڑے پھنے خان فصیح و بلیغ عربی زبان کے ماہرین موجود ہیں۔ادھر توریت وانجیل وزبور وصحیفہ لقمان وغیرہ کتابیں بھی موجود ہیں۔لہٰذا اُنہیں چاہئے کہ وہ ایسا کریں کہ تمام عجمی تعلیمات اور علما کو ساتھ ملالیں اور پھر اُسی قرآنی انداز میں ایسی ہی صرف دس سورتیں تیار کرلیں۔یعنی قرآن گھڑنے کے لئے تو عربی زبان کا نمونہ بھی کوئی موجود نہیں ہے۔مگر تمہارے سامنے قرآن بطور نمونہ موجود ہے۔لہٰذا ہمت کرو اور جس جس کو چاہو تم اپنی مدد کے لئے دعوت دو دعائیں کرو۔اور؛

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَo فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَo (هود 14-11/13)

قرآن کی مانند صرف دس سورتیں بنالو۔اور اگر تم ناکام ونامراد ہوجاؤ تو پھر یہ جان اور مان لو کہ یقیناً قرآن کا نزول اللہ کے علم کی مدد سے ہوا ہے اور یہ کہ اُس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہوسکتا۔اور یہ کہ کیا تم اس حقیقت کو دیکھ کر اسلام لانے کو تیار ہو؟ اور اُن کو یہ بھی بتادو کہ قرآن کریم صرف بے مثل وبے نظیر زبان ہی میں نہیں ہے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ خدا کی طرف سے نازل ہونے کا ثبوت یہ بھی ہے کہ باوجود کوشش کے:۔ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍo مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍo وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَ اَعْجَمِىٌّ وَّعَرَبِىٌّ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ وَالَّذِيْنَ لَايُؤْمِنُوْنَ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَعَلَيْهِمْ عَمًى اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍo وَلَقَدْ اٰتَيْنَامُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍo

(حٰمٓ السّجدة 45-41/42)۔

اس قرآن میں نہ آگے سے باطل داخل ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے باطل کو دخل مل سکتا ہے۔تیرے بارے میں جو کچھ کہا جارہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے یہی پہلے رسولوںؑ کیلئے بھی کہا جاچکا ہے۔اگر ہم نے قرآن کو حسب سابق عجمی زبان میں بھیجا ہوتا تو پھر اعتراض یہ ہوتا کہ کتاب تو عجمی زبان میں بھیج دی اور مخاطب لوگوں کی زبان عربی تھی۔ایسا کیوں نہ ہوا کہ اللہ کی آیات کو عربی تفصیل کے ساتھ بھیجا جاتا۔تم ان سے کہو کہ یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت بھی ہے اور شفا بھی ہے۔مگر جو لوگ ایمان نہیں لاتے اُن کے کانوں کے لئے یہ ایک ڈاٹ ہے اور آنکھوں کے لئے اندھا کرنے والی پٹی ہے۔اُن کا حال تو ویسا ہی ہے جیسے کسی کو بہت دور سے پکارا جارہا ہو اور آواز کانوں تک نہ پہنچ رہی ہو۔یقیناً اس سے پہلے عجمی زبان میں موسیٰ کو کتاب دی گئی تھی۔اس پر بھی اختلاف کا شور مچا تھا۔بات یہ ہے کہ اگر تیرے پروردگار نے پہلے ہی سے ایک بات طے نہ کر رکھی ہوتی تو اختلاف کرنے والوں کا جھگڑا ہی ختم کردیا جاتا۔یہ لوگ دراصل شک اور

شش وپنچ میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہیرا پھیری ختم کر لینے دو۔

(ii)۔ قرآن اُن کو پورا کا پورا دینے کا انتظام بھی جاری ہے، مگر ایمان شرط ہے

قارئین کرام سنیں اور یاد رکھیں کہ خانوادہ نبوت میں وہ تمام الہامی ذخیرہ موجود اور نقل در نقل ہوتا چلا آ رہا تھا جو انبیائے ماسبق کو عطا ہوتا رہا تھا۔ یہ ذکر شجرہ کے بیان میں ہو چکا ہے اور ہم جگہ جگہ یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ خاندان رسولؐ کے مخصوص حضرات تمام کتبہائے خداوندی کی تلاوت کرنے میں ماہر و عالم تھے۔ اور یہ کہ رسولؐ اللہ اعلان نبوت سے ہی نہیں بلکہ روز ازل سے قرآن ناطق تھے۔ اور اس گھر میں علیؑ و فاطمہؑ بھی مجسمۂ قرآن تھے۔ اور اُن دونوں کے لئے رسولؐ اللہ قرآن کریم کو مختلف عنوانات کے ساتھ جمع کرا رہے تھے۔ یعنی اس گھر میں قرآن اپنی مختلف عملی صورتوں میں مرتب کیا جا رہا تھا۔ مثلاً صورت تنزیلی الگ، لوح محفوظ والی شکل میں الگ، پھر احکام القرآن الگ، علوم کائنات الگ وغیرہ وغیرہ۔ یہ جو قرآن کریم پر برابر تحقیق (Research) ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ اُسی بیت النبوۃ سے لوگوں کو ملی ہے جو حضرات یہ کام کرتے تھے وہ خود قرآن ناطق تھے اُن کو ہی اہل بیتؑ فرمایا گیا ہے۔ یہاں قریش کے معترضین سے ایک عنوان کی بات کہی جا رہی ہے وہ پڑھیں اور دیکھیں کہ اُن کو ایسی بات کہی گئی کہ وہ پھر کبھی سارا قرآن نہ مانگیں اور یہ حربہ ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو جائے، فرمایا گیا کہ:-

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ o وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ o اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ o لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ o يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ o وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سِجِّيْنٌ o كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ o وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ o الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ o وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ o اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ o (المطفّفین 83/1-13)

اُن لوگوں کے لئے تباہی ہے جنہوں نے پہاڑ کے درہ میں مجبور و مقید کیا تھا۔ یہ وہی لوگ تھے کہ جو دوسروں سے وصول کرتے وقت پیمائش اور وزن پورا کراتے ہیں۔ اور جب دوسروں کو دینا پڑتا ہے تو کم ناپتے ہیں اور کم وزن تولتے ہیں۔ کیا اُن لوگوں کو ابھی یہ گمان بھی نہیں ہوا کہ انہیں ایک عظیم الشان دن میں روک کر کھڑا کیا جانے والا ہے۔ جس دن تمام نوع انسان رب العالمین کے روبرو مواخذہ کے لئے کھڑی کی جائے گی۔ یقیناً انہیں ہرگز یہ یقین نہیں ہوا ہے کہ وہ تاجر لوگ جنہوں نے خانوادہ رسوؐل کو پہاڑوں کے درہ میں قید کر دیا تھا، بھی حساب کے لئے ماخوذ ہوں گے۔ یقیناً اُن بے لگام لوگوں کے مواخذہ والی کتاب اُن کی اُسی جیل یا قید خانہ میں مرتب ہونا شروع ہو گئی تھی اور اے محمدؐ آپ سمجھے بھی کہ درایتی صورت میں وہ قید خانہ کیا ہے؟ وہ تو وہی نتیجہ ہے جو رقم شدہ کتاب کی صورت میں موجود ہے جس میں قرآن و رسوؐل کی تکذیب کرنے والوں کی تباہی کے حالات مرقوم ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ یہ وہی لوگ ہیں جو آخری فیصلے کے دن کو جھوٹا کہتے ہیں۔ اور اُس دن کو حد سے گزر جانے والوں اور بدکاروں کے علاوہ کوئی نہیں جھٹلاتا۔ اور جب ایسے شخص کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو وہ ہی سطور ہیں جو پہلے لوگوں نے لکھی تھیں۔ یعنی سابقہ تعلیمات کی نقل کر کے قرآن نام رکھ دیا ہے۔

(iii)۔ قرآن کولکھنا جرم نہیں ہے؛عظیم الشان کام ہے

قرآن میں کئی مقامات پر اللہ نے بتایا ہے کہ مشرک محاذ قرآن کو اساطیر الاوّلین کہہ کرنا قابل قبول قرار دیتا رہا ہے۔اور اُن کے قدم بقدم وہ لوگ چلے ہیں جنہوں نے سابقہ کتابوں کو لفظ منسوخ کے غلط معنی کر کے ردّی کی ٹوکری میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ نسخہ آج تک بھی اس تحریر کو کہا جاتا ہے جو ایک حکیم کسی مرض کے علاج کے لئے لکھتا ہے۔ناسخ اور منسوخ کے مصدری معنی لکھنے والا اور لکھا ہوا ہیں۔قرآن کریم نے کہیں سابقہ کتابوں کو بے کار نہیں فرمایا بلکہ یہ کہا کہ قرآن ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو رسولؐ اللہ کے زمانہ میں موجود تھیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّ قًا لِّمَا بَیْنَ یَدَ یْهِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ ...الخ (المآئدة 5/48)

اس پر علامہ مودودی کا بیان سنیں:۔ ’’78؎ یہاں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔اگر چہ اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا تھا کہ ’’پچھلی کتابوں‘‘ میں سے جو کچھ اپنی صحیح اور اصلی صورت پر باقی ہے،قرآن اُس کی تصدیق کرتا ہے،لیکن اللہ تعالیٰ نے ’’پچھلی کتابوں‘‘ کے بجائے ’’الکتاب‘‘ کا لفظ استعمال فرمایا۔اس سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ قرآن اور تمام وہ کتابیں جو مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں،سب کی سب فی الاصل ایک ہی کتاب ہیں۔ایک ہی اُن کا مصنف ہے،ایک ہی اُن کا مدعا اور مقصد ہے،ایک ہی اُن کی تعلیم ہے،اور ایک ہی علم ہے جو اُن کے ذریعہ سے نوع انسانی کو عطا کیا گیا۔فرق اگر ہے تو عبارات کا ہے جو ایک ہی مقصد کے لئے مختلف مخاطبوں کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے اختیار کی گئیں۔پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں،موئیّد ہیں،تردید کرنے والی نہیں،تصدیق کرنے والی ہیں۔بلکہ اصل حقیقت اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی ’’الکتاب‘‘ کے مختلف ایڈیشن ہیں۔‘‘(تفہیم القرآن۔جلد اوّل صفحہ 477-476)

قرآن نے یہ بھی فرمایا کہ محمدؐ اللہ کی طرف سے رسولؐ ہیں جو پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں اور اُس تلاوت میں قائم رہنے والی تمام کتابیں شامل ہیں۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۝ (بیّنة 98/2-3)

یہاں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اساطیر الاوّلین اور سابقہ لوگوں کی مرتب کی ہوئی،سطروں میں لکھی ہوئی کتابیں ہرگز نا قابل قبول نہیں۔مگر مشرکوں کی اتباع میں کھل کر توریت،زبور وانجیل اور صحف ابراہیمؑ کو نا قابل عمل اور نا قابل قبول اور کنڈم قرار دیا گیا۔اور جب عیسائیوں نے یہ اعتراض کیا کہ قرآن میں توریت وغیرہ کی تعلیم موجود ہے تو اقرار کرنے میں ہزاروں بہانے اور مناظرے کئے گئے۔اور کوشش کی گئی کہ قرآن کو ایک بالکل جداگانہ نئی کتاب نیا دین بنا کر دکھایا جائے۔اور یہ صرف اسلئے کہ یہود ونصاریٰ دین کا ریکارڈ رکھتے تھے۔عربوں کے تمام کچے پکے حالات اور مکروھات ومعائب سے واقف تھے۔اور اس لئے کہ خانوادہ نبوّت ہمیشہ یہود ونصاریٰ کا ہمدرد وبہی خواہ رہتا چلا آیا اور آج بھی حبش کے عیسائی بادشاہ نے رسولؐ اللہ پر ایمان لانے والوں کو پناہ دے رکھی ہے۔اور اس لئے کہ نبطی حکومتیں عیسائی ویہودی حکومتوں کی طرفدار رہی تھیں۔اور خود سورہ روم نے نازل ہو کر عیسائیوں کے لئے پیشگوئی کی تھی۔اور اس وقت بھی عرب لوگ رومیوں یعنی عیسائیوں کی شکست پر خوش ہوئے تھے اور رسولؐ اللہ اور حقیقی مومنین کو رنج ہوا تھا۔اور جب حضرت ابی طالبؑ اور

رسولؐ اللہ کو معہ خاندان قید کر دیا تھا تب بھی قریش کو عیسائی حکومتوں کی مداخلت کا خوف تھا۔ اور اسلیئے کہ رسولؐ اللہ کی نبوت کا اعلان و تصدیق کرنے والے بحیرا راہب وغیرہ اہل کتاب ہی تھے اور اُن ہی میں اسلام تیزی اور قوت سے پھیل رہا تھا۔ اور وہ اہل کتاب ہی کی حکومتیں اور راہب اور علما تھے جنہوں نے عرب کی صحیح تاریخ عرب ہی کے گرجاؤں میں بیٹھ کر مرتب کی تھی جو ہمارے سامنے ہے۔ وہ اہل کتاب ہی تھے جنکی طرف سے خاندان رسولؐ کو ہر مشکل میں مدد دی گئی۔ وہ یہود و نصاریٰ ہی تھے جو چادر تطہیر کو رہن کے بہانے منگا لیا کرتے تھے۔ جسے مسلمانوں کو کبھی چھونے کا موقعہ بھی نہ ملا تھا۔ وہ اہل کتاب ہی تھے جن کی وجہ سے خاندان رسولؐ کے پاس ہمیشہ کاغذ اور نوشت وخواند کا ہر سامان پہنچتا رہا۔ اور ہر زمانہ میں مکمل ریکارڈ یہاں پر مرتب ہوتا رہا۔ سنیئے اور غور کیجئے کہ اللہ کیا فرما رہا ہے۔

(iv)۔ خانوادۂ رسولؐ کے اہل قلم کی قسم کھائی گئی ہے؛ دن رات چلنے والے قلم

قرآن فہمی چونکہ اُن لوگوں سے اختیار کی گئی ہے جو جاہل تھے۔ جنہیں خود اقبال ہے کہ مدینہ کی عورتیں زیادہ عالم ہیں۔ جنہوں نے گن کر بتایا کہ ہمیں قرآن کے فلاں فلاں الفاظ کے معنی نہیں آتے۔ جہاں علامہ مودودی جیسے لوگ قرآن کے مفسر ہوں، جو ترجمان کے بغیر عربوں کی زبان نہ سمجھتے ہوں، جنہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ رسولؐ اللہ نے قرآن کو مرتب صورت میں چھوڑا ہی نہ تھا۔ وہ کیسے مانیں گے کہ قرآن ساتھ کے ساتھ خانوادہ رسولؐ میں مرتب ومدون کیا جا رہا تھا۔ اور یہ تدوین برابر جاری رہی۔ مگر قرآن نے اعلان کیا کہ:۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَ o مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ o وَاِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ o وَاِنَّکَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ o فَسَتُبۡصِرُ وَيُبۡصِرُوۡنَ o بِاَ يِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ o اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ o فَلَا تُطِعِ الۡمُکَذِّبِيۡنَ o وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ o وَلَا تُطِعۡ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيۡنٍ o هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيۡمٍ o مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ o عُتُلٍّ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِيۡمٍ o اَنۡ کَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيۡنَ o اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ o سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ o (القلم 16-68/1)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o **قسم ہے پچاس اہل قلم کی اور اُن سطور کی جو وہ لکھتے رہے ہیں۔** اور یہ کہ آپ بفضل پروردگار دیوانہ نہیں ہیں اور یہ کہ تیرے اوپر تیرا اجر کبھی رکنے والا نہیں ہے۔ اور تم اخلاق عظیم کے انتہائی مقام پر فائز ہو۔ چنانچہ بہت جلد آپ خود دیکھ لیں گے اور اُن کو بھی دیکھنا پڑے گا کہ دونوں فریق میں سے وہ شخص متعین ہو جائے جو فتنہ میں مبتلا ہو۔ یقیناً آپ کا پروردگار اُسے بھی سب سے زیادہ جانتا ہے جو اُس کی راہ سے ہٹ گیا ہے اور اُسے بھی جو ہدایت یافتہ ہے۔ چنانچہ آپ جھٹلانے والوں کی ہمنوائی اختیار نہ کرنا۔ انہیں یہ بات بہت ہی پیاری معلوم ہوتی ہے کہ اگر تم اپنے موقف میں ڈھیلے پڑ جاؤ تو پھر وہ بھی ڈھیلے ہو جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ لہٰذا اب تم ان گھٹیا قسم کے حلف اُٹھانے والوں کی ہرگز اطاعت نہ کرو۔ جو دھوکہ دے کر، مسکہ لگا کر آگے بڑھانے والے، چغلیاں کھانے والے، غیبت کرنے والے، بھلائی کی راہیں روکنے والے، ظلم وزیادتی میں حد سے گزر جانے والے، سخت بداعمال اور جفا پیشہ اور ان سب عیوب کے ساتھ ساتھ حرامی وحرام کاری کی بنا پر بہت سی اولاد والے اور مال دار ہیں۔ اور ہماری آیات کو سنتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو پہلے والے لوگوں کی لکھی ہوئی سطریں ہیں۔ عنقریب

ہم اُنکی اونچی اور لمبی ناکوں پر داغ لگانے والے ہیں۔یعنی اُنکی مصنوعی عزت کو خاک میں ملانے والے ہیں۔

یہ آیات بڑی وضاحت سے بتاتی ہیں کہ بیت النبوۃ میں کتبہائے خداوندی اور قرآنی تفاصیل سطر درسطر برابر لکھی جارہی تھیں جنہیں اساطیر الاوّلین کہہ کر مشرکین قریش ماننے سے انکار اور بہانے کررہے تھے۔اِن مندرجہ بالا آیات نے اُن کے عیوب گنوادیئے جن کی قرآن اصلاح کرنا چاہتا ہے۔خصوصاً جنسی اشتراک اور غربا کے استحصال اور دولت و دھڑابندی توڑنے کے لئے کہتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ بہت جلد قریش کی ناک کاٹ دی جائے گی۔

(v)۔ اہل بیتؑ رسولؐ برابر قرآن لکھتے اور اُس کی ترتیب وتدوین میں مصروف رہے

مشرکین خانوادۂ رسولؐ کے تحریری کارناموں کو اساطیر الاوّلین کہتے رہے۔مگر وہ حضرات برابر کار تحریر سے امت کے لئے قرآنی ریکارڈ مرتب فرماتے رہے۔تاکہ جیسے ہی عملی تلاوت ممکن ہو فوراً مکمل مصدق قرآن پیش کردیا جائے۔قرآن نے اس حقیقت کو یوں بھی ظاہر فرمایا ہے کہ:۔

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرًا o (فرقان 25/1)

قابل صد تبریک اور مبارک ہے وہ ہستی جس نے اپنے بندہ پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ
تمام عالمین یا پوری کائنات کے لئے تنبیہہ کرنے والا واقع ہوجائے۔(فرقان 25/1)

اِن شاندار الفاظ سے قرآن اور رسوؐل کا مقام بلند بیان کیا گیا۔یہاں سوچیئے کہ جو فرقان تمام عالمین کے لئے ہو اُس میں کوئی عنوان ایسا رہ سکتا ہے جو ساری کائنات پر حاوی نہ ہو؟ جیسا کہ علامہ کے بیان سے بھی معلوم ہوا کہ جو کتاب روز ازل سے دست بدست مزید وسعتوں کے ساتھ ایک نبیؑ سے دوسرے نبیؑ کو ملتی چلی آرہی تھی اسکی جمع وتدوین وتبویب وتفصیل کے لئے کس قدر مسلسل ومربوط ادارہ کی ضرورت تھی۔خصوصاً جب کہ ابلیس کا نظام اجتہاد ہمیشہ انبیاؑ کے خلاف ساتھ ساتھ چلتا چلا آیا اور ہر کتاب کو تحریف وتبدیل کرتا رہا۔چنانچہ قرآن سے پہلے کی تمام کتابوں میں خود اُن امتوں کے مجتہدین نے اپنے اجتہاد کو جاری رکھنے کے لئے اضافے بھی کیئے، کمی بھی کی اور ردوبدل سے بھی کام لیا۔ایسی صورت میں اگر کسی لمحہ کے لئے بھی خدا کی صحیح تعلیم کا وجود ختم مان لیا جائے تو ابلیسی نظام کی فتح بھی ماننا ہوگی۔چنانچہ ہر زمانہ میں کم ازکم ایک ہادیؑ بطور حجت خداوندی ماننا لازم وثابت ہے۔اور اُس ھادیؑ کا اسٹاف ہی وہ ادارہ ہے جو بقائے تعلیماتِ خداوندی کا ضامن رہتا چلا آیا ہے۔اُسی ادارہ کو ہم نے ذریت طاہرؑہ، خانوادہ نبوتؐ ورسالت کہا ہے۔یہ تو ہوا ہے کہ ایک نبیؑ کے بعد دوسرا نبیؑ چھ سو سال بعد آئے (عیسیٰؑ ومحمدؐ) مگر یہ ایک لمحہ کے لئے نہیں ہوا کہ ابلیس اور اس کی تعلیم تو موجود ہو اور حجتؑ خدا اور تعلیمات خداوندی موجود نہ رہے ہوں۔یہی ادارہ اور اُس کا راہنماؑ حجت خداوندی وتعلیمات خداوندی کا حامل رہا ہے۔اسی ادارہ کی تحریروں کو اساطیر الاوّلین کہا جاتا رہا اور اس کے وجود سے مشرکین تک انکار نہ کرسکے۔اسی ادارہ کے پچاس سربراہوں کی نگارشات اور قلموں کی قسم کھائی جاتی رہی۔یہی وہ معصوم قلم اور اہل قلم ہیں جو اپنے اپنے زمانہ میں وحی خداوندی کا من وعن ریکارڈ رکھتے چلے آئے۔اُن ہی کی دیانت وامانت سورہ فرقان میں اللہ نے یوں بیان کی کہ؛

قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اِفْکُ افْتَرٰہُ وَاَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُ وْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا o وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَھَا فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًاo قُلْ اَنْزَلَہُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاo (فرقان 25/4-6)۔جن مشرکین قریش نے حقائق قرآنی کو چھپانے پر کمر باندھی ہے وہ کہتے ہیں کہ قرآن خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ خدا پر اتہام اور خانہ ساز سامان ہے جس کی تیاری میں دوسری قوم مدد کر رہی ہے۔اُنہوں نے خانہ ساز قرار دینے میں بڑا ظلم اور آنکھوں دیکھی حقیقت کو جھٹلانے کا کام کیا ہے۔وہ برابر کہتے رہے ہیں کہ یہ تو وہی پہلے لوگوں کی پرانی سطریں ہیں۔جنہیں رسولؐ اِملا (Dictation) کراتا رہتا ہے۔اور خانوادہ رسولؐ کے اہل قلم اُن کو لکھتے رہتے ہیں۔چنانچہ یہ کام صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک ہوتا چلا جارہا ہے۔ان کو بتاؤ کہ فرقان کو اُس ہستی نے نازل کیا ہے جو تمہارے ہی نہیں بلکہ آسمانوں اور زمینوں کے ہر بھید سے اور ہر راز سے واقف ہے۔تمہاری خیریت اسلئے ہے کہ وہ غفور ورحیم ہے۔

ان آیات میں بیت النبوۃؐ کے اندر وحی خداوندی کے نئے اور پرانے ریکارڈ کا مرتب اور قلمبند ہوتے رہنا،آنحضرؐت کا خود بھی لکھنا اور لکھوانا ثابت ہے۔فرق یہ ہے کہ کافر لوگ اس کو خانہ ساز ریکارڈ قرار دیتے ہیں اور اسی لئے الگ سے کتاب مانگتے ہیں۔تاکہ وہ مقابلہ کر کے تصدیق کر سکیں۔اللہ اُن کو ہی نہیں بلکہ مومنین کو بھی حسب ضرورت قرآن کے احکام دینا چاہتا ہے۔پوری کتاب دینا اس لئے خطرناک ہے کہ اُس میں اور مرکزی ریکارڈ میں مشرکین اختلاف پیدا کر سکتے ہیں۔اور کہہ سکتے ہیں کہ جو ہمارے پاس ہے اُس میں یوں نہیں بلکہ یوں ہے یہ تفصیل بعد میں آنے والی ہے۔چونکہ مسٹر پرویز اپنے مقلد علما کی طرح قرآن کو حضرت عثمان کے زمانہ تک غیر مرتب غیر مدوّن نہیں سمجھتے ،اس لئے انہوں نے اپنے تمام علما کے خلاف مندرجہ بالا آیات کی جو تشریح کی ہے وہ بھی سُن لیں۔وہ چونکہ مذہب اجتہاد سے متعلق بلکہ خود اوّلین صدی کے مجتہدوں کے پیرو ہیں۔اس لئے اُن کے بیان سے وہ الفاظ منہا کر دیں جو اجتہادی ہوں۔

(vi)۔ خانوادہ رسولؐ میں جمع وتدوین قرآن کا ثبوت دشمن تشیّع کے قلم سے

پرویز فرماتے ہیں:۔ ''قرآن اتنا ہی نہیں کہتا بلکہ وہ یہاں تک کہتا ہے کہ وحی نازل ہونے کے بعد اوّل آپ (ؐ) قلم بند فرمالیا کرتے تھے۔اور اس کے بعد دوسرے صحابہ کو لکھوادیا کرتے تھے۔اور ایسا عموماً بالالتزام ہوتا رہتا تھا۔ملاحظہ ہو۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَھَا فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًاo (فرقان 25/5)

''مشرکین کہتے ہیں کہ (قرآن اسکے سوا کیا ہے کہ) پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس (محمدؐ) نے خود لکھ لی ہیں اور وہی اس کے سامنے صبح شام لکھوائی جاتی رہتی ہیں۔'' اکتتب کے معنی ہیں انسان خود لکھے بلکہ یہ بھی کہ کوئی دوسرا بول رہا ہو اور یہ خود لکھ رہا ہو۔اور اکتتب الکتاب کے معنی یہ ہیں کہ اس نے کتاب کو خود لکھا۔اور دوسرے سے اِملا کرانے کی خواہش کی۔تملی کے معنی Dictate کرانے کے ہیں یعنی ایک بولتا جائے اور دوسرا لکھتا جائے۔تملی علیه سے پہلے اکتتب کے معنی بجز اس کے کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے کہ پہلے آپ (ؐ) خود لکھ لیتے تھے۔'' (مقام حدیث حصہ دوم صفحہ 253-252)

پرویز نے رسولؐ اللہ کا لکھنا بھی مان لیا اور بیت النبوّۃ میں وحی خداوندی کا املا کے ساتھ مرتب ہونے کا اقرار بھی کرلیا۔وہ محمد مصطفیؐ کو بلا

صاد آپ لکھتے رہے۔ہم نے بریکٹ میں (ؐ) بنا دیا ہے۔

(vii)۔ قرآن کریم اور دوسری کتابیں کس چیز پر لکھی جاتی تھیں۔پرویز سے سنئے

''قرآن کریم رقّ منشور میں لکھا ہوا ہے۔'' ''دوسری جگہ قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ محفوظ کتاب جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ کس چیز پر لکھی ہوئی ہے؟ آیا کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی ہے؟ ھڈی کے ٹکڑوں پر لکھی ہوئی ہے؟ یا کسی کاغذ پر لکھی ہوئی ہے؟ آخر کس چیز پر لکھی ہوئی ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ وہ ان میں سے کسی چیز پر لکھی ہوئی نہیں ہے۔بلکہ وہ رقّ منشور پر لکھی ہوئی ہے۔یعنی ھرن کی جھلّی کے بڑے بڑے کاغذوں Parchment پر لکھی ہوئی ہے۔ملاحظہ فرمائیے۔

والطور۔وکتاب مسطور فی رقٍ منشور۔والبیت المعمور والسقف المرفوعِ۔والبحر المسجور۔ان عذاب ربک لواقع۔(طور 52/1-7) (پرویز صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔)

''متعین ومعلوم پہاڑ (حرا) اور یہ کتاب (قرآن) جو لکھی ہوئی ہے۔بڑے بڑے کشادہ جھلّی کے کاغذوں۔اور بیت معمور (کعبہ) اور بلند چھت (آسمان) اور پرجوش سمندر اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے۔''(مقام حدیث جلد 2 صفحہ 264-263)

پرویز صاحب آخر خاطی گروہ کے پیرو ہیں۔اس لئے غار (حرا) کو پہاڑ اور وہ بھی کوہ طور بنالیں تو قابل معافی ہیں۔پرویز قسمیں کھانا بری بات سمجھتے ہیں۔اس لئے یہ نہ کہا کہ طور کی بزرگی یعنی موسیٰؑ کی بزرگی کی قسم اور سطروں میں لکھی ہوئی کتاب اور لکھنے والوں کی قسم اور ہمیشہ سے آباد چلے آنے والے بیت الرسالت کی قسم۔اور نہ یہ بتایا کہ یہاں عذاب کے واقع ہونے کا کیا تُک ہے؟ یہ عذاب مشرکین قریش کے لئے ہے جو تدوین وترتیب وتحریر وحی اور خانوادہ نبوت کی عظمت کے منکر ہیں۔بہرحال پرویز قابل داد ہیں کہ وہ اپنے تمام بزرگوں کے خلاف ایک حقیقت کو تسلیم کرتے جارہے ہیں۔گو انداز صحابیوں جیسا ہے تحریر اشترا کی اور مشرکانہ ڈھنگ کی ہے۔

(viii)۔ کتبہائے خداوندی کو مرتب کرنے اور لکھنے والے افراد کی بزرگی

وہ تمام مقامات جہاں محمدؐ وآل محمدؐ کی ذاتی فضیلت قرآن نے بیان کی ہے اکثر معنوی تحریف کے شکار رہے ہیں۔یہاں بھی ہم علامہ پرویز کو آگے بڑھاتے ہیں تاکہ آدھی بات کا مان لینا ثابت ہوجائے اور باقی آدھی بات قارئین خود طے کرسکیں۔فرماتے ہیں کہ:۔

''اب صرف ایک چیز باقی رہ گئی کہ لکھنے والے کون تھے؟ اور وہ کیسے لوگ تھے؟'' قرآن کریم کہتا ہے:۔

كَلَّا اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۔فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۔فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۔مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۔بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ ۔كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۔ (عبس 80/11-16)

''یوں نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے۔پھر جو کوئی چاہے اُس کو پڑھے۔لکھا ہوا ہے عزت کے ورقوں (صحیفوں) میں اونچے رکھے ہوئے۔نہایت ستھرے ہاتھوں میں لکھنے والوں کے جو بڑے درجے والے نیکوکار ہیں۔''

''یہ ترجمہ ہم نے حضرت شیخ الھند رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کر دیا ہے۔اگرچہ اس ترجمہ کے بعض الفاظ سے ہمیں اختلاف ہے مگر

ہمیں دکھانا یہ ہے کہ سفرۃ کے معنی لکھنے والوں کے ہیں۔اور یہ سافِرٌ کی جمع ہے۔جس کے معنی خوش نویس اور ماہر کتابت کے آتے ہیں۔نہ کہ سفیر کی جمع۔جیسا کہ بعض دوسرے مفسرین نے امام بخاری سمیت ظاہر کیا ہے۔اس کے حاشیہ پر مولانا بشیر احمد عثمانی رقمطراز ہیں۔

''یعنی وہاں فرشتے لکھتے ہیں اسی کے موافق وحی اترتی ہے۔اور یہاں بھی اوراق میں لکھنے والے اور جمع کرنے والے دنیا کے بزرگ ترین پاکباز نیکوکار اور فرشتہ خصلت بندے ہیں۔جنہوں نے ہر قسم کی کمی بیشی اور تحریف و تبدیل سے اس کو پاک رکھا ہے۔'' جیسا کہ قرآنی شہادت سے ہم اس سے پہلے آپ کو بتا چکے ہیں۔حضور اکرم صلعم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ وحی نازل ہونے کے بعد اوّل آپ اُسے خود قلمبند فرمالیا کرتے تھے۔اور اس کے بعد کاتبین وحی صحابہ کو لکھوا دیا کرتے تھے۔اور یہ سلسلہ التزاماً صبح وشام جاری رہتا تھا۔آیت مندرجہ بالا میں قرآن کریم نے ان تمام لکھنے والوں کی پاکبازی و دیانت و بزرگی کی شہادت دی ہے۔''(مقام حدیث جلد 2 صفحہ 265-264)

آپ نے اس بیان میں دیکھا کہ پرویز اپنے تمام مفسرین حتّٰی کہ امام بخاری کی بات بھی نہیں مانتے اور چونکہ وہ حدیث و روایات کو اُس بصیرت کے ماتحت رکھتے ہیں جو اُنکو حاصل ہے اسلئے قرآن قرآن پکارا کرتے ہیں۔اُنکی آزاد خیالی ہمارے حق میں مفید ہے۔ہر وہ عالم جو سلف صالحین کے چنگل سے نکل جائے اور ذرا آزادانہ فکر اختیار کرلے اُسے کسی نہ کسی مرحلہ پر ہمارے مذہبی عقائد اور اصول اختیار کرنا پڑتے ہیں۔لیکن پرویز بہرحال مشرک محاذ کے پیرو ہیں۔اسلئے وہ یہاں یہ نہیں کہتے کہ یہ تذکرہ اُن لوگوں کا ہے جو ازلی و ابدی طور پر طیب و طاہر و ملائکہ کے مسجود و معصوم و علمائے کتبہائے خداوندی ہیں۔وہ یہاں اُن لوگوں کو مراد لیتے ہیں جنکے اندر ابھی شرک کا گوشت پوست اور ہڈیاں موجود ہیں۔جنہیں کوئی غسل، کوئی جلاب مادی و روحانی طور پر طیب و طاہر و مطہر نہیں کرسکتا۔جنکا حال ذرا دیر بعد سامنے آنیوالا ہے۔قرآن نے اُن میں سے ہر ایک کی پوزیشن بیان کرکے خاندان رسولؐ و آل رسوؐل کو الگ کردیا ہے۔بہرحال یہ ثابت ہوا کہ بیت النبوۃ میں ہمیشہ کتبہائے خداوندی کی نوشت و خواند جاری رہتی تھی اور ان لوگوں میں نہ صحابہ شریک تھے نہ ازواج رسولؐ شامل تھیں اسلئے کہ اللہ نے اگر گھر میں رہنے والی رسوؐل کی بیبیوں کو اُس مطہر گروہ میں شمار کیا ہوتا تو یہ حکم نہ دیا جاتا (پرویز سے سنئے) کہ:۔

''حضور اکرم صلعم کی ازواج مطہرات کے متعلق قرآن کریم میں یہ صریح حکم موجود ہے۔وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔(احزاب 33/34)'' ''اور اے ازواج نبیؐ جو خدا کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی رہتی ہیں اُن کو پیش نظر رکھا کرو۔'' (مقام حدیث جلد 2 صفحہ 271)

پرویز صاحب نے شرما کر (33/32) کا آدھا ذکر غائب کردیا جہاں اللہ نے یہ کہا تھا کہ ''اے ازواج نبیؐ تم اپنے گھر کی چار دیواری میں رہا کرو اور گھر سے باہر زمانہ جاہلیت کی نمائش نہ کرتی پھرا کرو۔'' بہرحال یہی کافی ہے کہ اُن کے آجانے کے بعد یعنی مدینہ میں بھی خانوادہ رسولؐ کے وہ بزرگ افراد کارِ تحریر و تدوین کرتے رہتے تھے۔اور ازواج رسوؐل کو حکمیہ اُن کی طرف متوجہ ہونے اور اُن حضرات کا ذکر خیر کرنے کے لئے کہا گیا۔قرآن میں یہ تصدیق کہیں نہیں کہ جو عورتیں یہاں مخاطب ہیں انہوں نے اس حکم پر عمل کیا تھا یا نہیں۔

آپ نے دیکھا کہ گو پرویز صاحب کو شیخ الہند صاحب کے ترجمے سے اختلاف ہے۔لیکن لفظ سفرۃ کے معنی لکھنے والے ثابت کرنے کے لئے غریب کو شیخ الھند کا سہارا لینا پڑا۔اگر اُنہوں نے سورۃ جمعہ کبھی پڑھی ہوتی تو شیخی سہارے کی جگہ قرآن سے معنی بیان کئے

ہوتے۔ جہاں اللہ نے بتایا ہے کہ:۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا....الخ (جمعہ 62/5)

جن لوگوں کو توریت کا حامل کہا جاتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے توریت کا بار اٹھایا ہی نہیں ہے۔ سوائے اس طرح کے جس طرح گدھے پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔''

یعنی یہ مولانا حضرات کی طرح کے لوگ تھے۔ یہاں اسفار کتابیں اور وہاں سفرہ کتابیں لکھنے اور تیار کرنے والے ثابت ہیں۔ قرآن کی موجودگی میں لغات حجاز کے حافظ کی احتیاج نہیں رہتی۔ بشرطیکہ قرآن سے سابقہ رہتا ہو۔

(ix)۔ جس کتاب کا تذکرہ ہے، وہ قرآنِ صامت نہیں قرآنِ ناطقؑ ہے

تمام قارئین کی اطلاع کیلئے یہ عرض کرنا ہے کہ قرآن کریم کو مس کرنے یعنی چھونے کے لئے جسم کا بظاہر پاک ہونا کافی ہے۔ یعنی وہ شخص جو غسل کے واجب ہونے کی حالت میں ہے یا ماہواری کے دوران خواتین ہوں وہ قرآن کو چھو بھی سکتے ہیں اور آہستہ آواز سے پڑھ بھی سکتے ہیں۔ مثلاً جن ہاتھوں سے وہ کھانا کھاتے ہیں یا روٹی پکاتے ہیں اور آٹا گوندھتے ہیں وہ پاک ہیں اور قرآن اٹھانا جائز ہے۔ مگر جس قرآن کا اب ذکر آرہا ہے اُسے صرف وہی لوگ چھو سکتے ہیں جو قرآن ہی کی سند سے آیت تطہیر کی سند سے مطہر ہوں۔ یعنی خود مطلقاً پاک ہوں اور جس کو چاہیں ظاہراً و باطناً پاک کر سکتے ہوں۔ یہاں بھی ہم مصلحتاً علامہ پرویز کو آگے بڑھاتے ہیں۔ غور سے سنئے اور اُن کے تصورات و جذبات دیکھتے چلئے۔

''قرآن کریم ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا موجود تھا'' اس کے بعد قرآن کریم ہمیں نہایت زوردار الفاظ میں بتاتا ہے کہ وہ ایک بہت ہی محفوظ کتاب میں لکھا جارہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فَلَا اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۔ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (واقعہ 56/75-80)

ستاروں کے مواقع اس حقیقت پر شاہد ہیں اور اگر تم سمجھو تو یہ شہادت ایک بہت بڑی شہادت ہے کہ یقیناً یہ قرآن بڑی تعظیم و تکریم کا مستحق ہے۔ جو ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ جسے ان لوگوں کے سوا جو پاک وصاف ہوں۔ کوئی نہیں چھوتا۔ یہ کتاب تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے۔'' ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر تاکید اور شہادتوں کے ساتھ قرآن کریم اپنے متعلق یہ دعویٰ کررہا ہے کہ وہ ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ جسے وہی لوگ ہاتھ لگاتے ہیں جو ہر طرح پاک وصاف ہوتے ہیں۔ اس کتاب کے محفوظ ہونے کی سب سے بڑی ضمانت یہ ہے کہ خود رسول صلعم کی حفاظت میں رہتی ہے۔ جس پر خدا، اُس کے فرشتوں اور اُس کے بندوں تک کو پورا پورا اعتماد ہے۔'' (مقام حدیث جلد 2 صفحہ 261-260)

پرویز صاحب کی صحیح پوزیشن اور اُنکی قرآن فہمی ہم نے اپنی کتاب مواخذہ میں تفصیل سے پیش کی ہے۔ اُن کے خیال میں اللہ کے بندے رسوؐل اللہ پر پورا پورا اعتماد رکھتے تھے۔ حالانکہ مندرجہ بالا تمام آیات بندوں کی بداعتمادی کو واضح کرنے کیلئے آئی ہیں۔ اور یہ کہ کوئی اور اعتماد کرتا ہو یا نہ کرتا ہو مگر پرویز صاحب کو رسولؐ اللہ کی ذات پر کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی اعتماد نہیں ہوا۔ حد یہ ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کی ذاتی

اطاعت کرنا بھی گمراہی سمجھتے ہیں۔اور یہی عقیدہ اوّلین مشرک راہنماؤں کا تھا۔ پرویزی جدوجہد صرف اسلئے تھی کہ مسلمانوں میں ایک بار پھر پہلی صدی ہجری کے عقائد کو اسی مشرکانہ انداز میں پھیلا دیں۔مگر ہماری کتاب ''**مواخذہ**'' کے سامنے اُن کا سارا زور ٹوٹ کر رہ گیا۔

مندرجہ بالا آیات میں یہ واضح ہو گیا کہ قرآن کریم جس کتاب مکنون (لوح محفوظ) میں ہے۔اُس کو چھونا صرف مطہرؑ گروہ کا حق ہے۔بتایئے اُمت میں کون صحابی یہ دعویٰ کر سکے گا کہ وہ لوح محفوظ تک رسائی اور اس کا علم رکھتا ہے۔یہ ہے قرآن میں رسولؐ اور خانوادۂ رسولؐ کا مقام اور یہ ہیں وہ لوگ جن کو قرآن کا علم اُس وقت سے حاصل ہے جب سے لوح محفوظ کا وجود مانا جائے، جو نہ نزول کے محتاج رکھے گئے نہ تلاوت وولادت کی شرط کے۔ ہر لحہ ہر آن عالمانِ قرآن بلکہ قرآنِ ناطق علیھم السلام۔(العنکبوت 29/49)

یہ تھے وہ حضراتؑ جنہوں نے دنیا کو ایک قادر مطلق، حکیم وعلیم اللہ کے وجود کا عینی ثبوت دیا۔جنہوں نے اُس کی یگانگت اور تنہائی پر اس قدر بھروسہ کر دکھایا کہ جتنا یہاں کے تمام وسائل پر قدرت ہونے کے باوجود کوئی شخص نہیں دکھا سکتا۔موت کے آثار دیکھ کر، شکست اور ناکامی کا امکان سامنے آتے ہی بڑے بڑے شجاع اور فرعون صفت انسانوں کی ہمتیں ٹوٹ جانا ثابت ہے۔اور تاریخ نے اُن بے پناہ لوگوں کا ریکارڈ رکھا ہے جو موت کو سامنے دیکھ کر ہرنا گوار و ناپسند شرائط کے سامنے جھکنے کو تیار ہو جاتے رہے۔لیکن ساری دنیا کی قدیم اقوام میں خانوادہ نبوّت ورسالتؐ ہی ایک ایسا مشہور ومعروف خاندان تھا جسکا اعتماد کبھی متزلزل ہوتے یا ڈگمگاتے نہیں دیکھا گیا۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے، وہ رسوؐل اللہ ہی کا دادا تو تھا جو ابرھہ کی ساٹھ ہزار ہاتھی گھوڑوں اور پیادوں کی قہار فوج میں تنِ تنہا چلا گیا۔جسے دیکھ کر ابرھہ ایسا بادشاہ تخت سے اُتر کر قدموں میں آبیٹھنے پر مجبور ہوا تھا۔جس نے اللہ کی قدرت کو کھل کر دیکھنے کا غیر مشروط اور بے لاگ موقع دیا تھا۔اور ایک اشارہ پر ساٹھ ہزار فوج کا بھُوسہ بنا دیا تھا۔بتایئے قریش کے پاس کیا ہے۔یہ تو پھٹیچر لوگ ہیں جنکی غیرت اور حمیت کو جنسی اشتراک نے چاٹ لیا ہے، جن کی بہادری وشجاعت شراب کی بدمست نالیوں میں بہہ چکی ہے، جن کی دولت وسرمایہ جُوئے کی بھٹی میں جل چکا ہے۔سوچیئے کہ ایسی مکار ودغاباز وکمینہ خصلت قوم سے آنحضرتؐ اور اُن کا خاندان کیسے خوفزدہ ہو سکتے تھے۔یہ لوگ تو اس قابل بھی نہ تھے کہ انہیں اُس زمانہ کے مہذب بادشاہ اپنے مشیروں کے خادموں میں رکھ لیں۔ہاں بزدلی اور کمینگی نے انہیں روباہ صفت بنا دیا تھا۔دھوکہ دینے اور فریب ومکر کرنے میں انہیں کمال حاصل ہو چکا تھا۔اُنہیں اُن کے علم نے بزدل اور مکار بنا دیا تھا۔وہ رسولؐ اللہ کی خاندانی شرافت، کریمانہ عادات اور انتہائی رحمدلی سے واقف تھے۔بس اُن کے رحم وکرم اور شرافت کے یقین پر اُنکے ساتھ ہر ظلم کر گزرنے کی عادت تھی۔خطرہ دیکھا معافی مانگ لی، بھائی بن گئے، دوستی کا اعلان کر دیا۔ورنہ ہمیشہ دشمنی، مخالفت، مکر وفریب، دغابازی، دشنام طرازی، روایت سازی جاری رکھتے تھے۔ابلیس نے انہیں بتا رکھا تھا کہ یہ گھرانہ ہر ظلم اور جبر وتعدی کو بھُلا تا رہے گا۔خطرناک سے خطرناک جرائم کے باوجود نوع انسان کی مغفرت اور فلاح کی امید رکھے گا۔اور اُس کیلئے اللہ سے دعا کرتا رہے گا۔سجدہ میں سر کٹ رہا ہو گا دعائے مغفرت ہو رہی ہو گی۔اس یقین پر یہ خبیث لوگ اپنے محسنوں سے احسان کشی کرتے چلے آئے تھے۔ورنہ اُنکی مالی ومادی قوت کی قرآن کریم نے طرح طرح پول کھولی ہے۔اُن کو بتایا ہے کہ تم سابقہ سرکش اقوام کے مقابلہ میں کچھ بھی تو نہیں ہو۔

(20/6)۔ قریش اینڈ کمپنی کو بتدریج اپنی اوران کی پوزیشن بتا کر چیلنج کر دیا گیا

قریش کی تمام کوششوں کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ تعلیماتِ خداوندی کو تعلیماتِ خانوادۂ رسولؐ ثابت کر دیا جائے اور اس طرح پبلک کو وہی پُرانا ھوّا دکھایا جائے کہ بنی ہاشم اقتدار کا ڈھونگ رچا رہے ہیں۔ اور رسولؐ اللہ پہلے اپنی اور اپنے بعد علیؑ کی شخصی آمریت عربوں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا اُٹھو اور محمدؐ کو ہموار کرو، نہ مانے تو اُس کی راہیں روک دو۔ کچھ ماہرین اُس کے مشن میں اُس کے ہمنوا بن جائیں جو قریشی اقتدار و مقاصد کی داخلی حفاظت کریں۔ کچھ برابر برسرِ پیکار رہیں تاکہ داخلی محاذ مسلمانوں میں اپنا اعتماد اور کام کا معیار قائم کر سکے۔ لیکن اُن کی ہر پالیسی کو وحی پہلے ہی بتاتی رہی۔ عقلی اور انسانی معیار پر اُن کی ہر چال کا توڑ ہوتا رہا، انہیں مایوسی پر مایوسی ہوتی رہی، حق واضح ہوتا رہا، اُن کے عذرات کی بے مائیگی عوام کے سامنے آتی رہی۔ وہ ہر دفعہ ذرا سی شدت کا اضافہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے جوابات میں بھی نرمی و رعایات کم ہوتی گئیں۔ رسولؐ اللہ نے اپنی نرم روی کا امکان بھر ثبوت دیا۔ اُن سے یہ بھی کہہ دیا کہ:۔

(i)۔ تم یہی سمجھ لو کہ ہم نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے، اپنا پروگرام آگے بڑھا کر دیکھو

قارئین قرآن کی زبان میں سنیں۔ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَىَّ اِجۡرَامِىۡ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَo (ھود 11/35)

اللہ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ یہ ہی کہتے ہیں کہ قرآن کو تم نے گھڑ لیا ہے تو اُن کو بتا دو کہ اگر قرآن کو میں نے خود ہی تصنیف کر لیا ہے تو تمہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ میں نے ایک جرم کیا ہے اور اُس کی ذمہ داری بھی مجھ ہی پر عائد ہوتی ہے اور جو جرائم تم کرتے چلے آرہے ہو میں بہر حال اُن سے بری الذمہ ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ تم اپنی فکر کرو۔ اور چیلنج کے مطابق نہ بنا سکنے کا کوئی معقول بہانہ اپنی قوم کیلئے سوچو اور اپنی جان چھڑانے کی فکر کرو۔

وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌo اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَلَا تَمۡلِكُوۡنَ لِىۡ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا هُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ كَفٰى بِهٖ شَهِيۡدًا بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُo قُلۡ مَا كُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَاۤ اَدۡرِىۡ مَا يُفۡعَلُ بِىۡ وَلَا بِكُمۡ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌo قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَكَفَرۡتُمۡ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَلٰى مِثۡلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَo (الاحقاف 46/7-10)

مگر یہ تو پبلک کے سامنے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کی جو آیات تمہیں سنائی جا چکی ہیں۔ اُن میں جن حقائق کو تمہارے سامنے رکھا گیا ہے۔ اُن کا تم سے انکار نہ ہو سکا۔ کسی چیز کو سر پر چڑھ کر بولنے والا جادو کہہ دینا تو دراصل اپنی قدرت اور بصیرت کا انکار ہے۔ اور اپنی عاجزی کا اقرار ہوتا ہے۔ اگر وہی رٹ لگاؤ کہ قرآن تم نے خود گھڑ لیا ہے تو اس پر اللہ کہتا ہے کہ اگر میں نے تصنیف کر لیا ہے تو تم مجھے اللہ کی گرفت سے بچانے کے لئے نہ آنا۔ تمہارے ان آنوں بہانوں کو خدا خوب جانتا ہے۔ اور سنو! تم نے کبھی یہ بھی خیال کیا ہے کہ اگر یہ ہمارا خانہ ساز قصہ ہے تب تو تمہیں کوئی خطرہ ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر صورت حال الٹ گئی اور ثابت یہ ہوا کہ؛ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَكَفَرۡتُمۡ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَلٰى مِثۡلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسۡتَكۡبَرۡتُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَo (46/10)

قرآن اور میرے تمام احکامات خدا کی جانب سے تھے۔ اور اُن کے من جانب خدا ہونے پر بنی اسرائیل کی شہادت بھی ہو چکی ہے۔ پھر بتاؤ کہ تمہارا تکبر کرنا اور اُس شہادت کی بھی پرواہ نہ کرنا اور ایمان نہ لانا تمہارے لئے کتنی بڑی خرابیوں کا باعث ہو سکتا ہے؟ بات صحیح یہی ہے کہ قریش ایسی ظالم قوم کو اللہ ہرگز ہدایت نہیں دیا کرتا۔

(ii)۔ قوت وکثرت ساتھ ہے تو کھل کر اپنی اسکیم کا اعلان کرو

قارئین! رسولؐ اللہ اور خانوادۂ ابوطالبؑ کا انتظام اور اتمام حُجت اُس مقام پر جا پہنچا ہے کہ قرآن دانشوران قریش کو اُس لب و لہجہ میں مخاطب کرتا ہے جو جھوٹوں اور جرائم پیشہ لوگوں کیلئے مخصوص ہے۔ رسولؐ کو بتاتا ہے کہ خدا کے فضل وکرم سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم نہ تو پاگل ہو نہ کاہن ہو۔ اور اگر اب یہ تھک کر شاعر کہنے لگے ہیں تو بات بالکل آسان ہے کہ اُن سے ایسے ہی اشعار بنانے کے لئے کہہ دو۔ رہ گئی گردش ایام تو تم بھی اس کا انتظار کرو اور میں بھی دیکھتا ہوں کہ کون اس میں مبتلا ہوتا ہے۔ ذرا یہ تو پوچھو کہ تم یہ باتیں اپنے عقلی ذخیرہ سے کرتے ہو یا گھاس کھا گئے ہو؟ اس لئے جانوروں کی طرح خود اپنی عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہو؟ اور اگر یہ بدہضمی ہوئی ہے کہ قرآن وغیرہ ساری باتیں تم نے خود ہی کہہ ڈالی ہیں اور اس لئے وہ اُن باتوں پر ایمان لانا غلط سمجھتے ہیں۔ اور دل کی گہرائی سے یہ بات طے کر لی ہے تو ان سے کہو کہ ارے عقلمندو تم بھی ایسی چند باتیں کہہ کر پبلک کو مطمئن کر دو۔''

> فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ o اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ o قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ o اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ o اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ o فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ o (طور 34-52/29)

ذرا یہ تو بتاؤ کہ کیا ہم تم سے کوئی مزدوری مانگ رہے ہیں کہ جس سے بچنے کے لئے قدم قدم چلنے سے جواب دے رہے ہیں؟ اور یہ تو بتاؤ کہ جو بکواس تم کئے چلے جا رہے ہو اُس کا ماخذ کیا ہے؟ کیا تمہارے اوپر علم غیب کے دروازے کھل جانا مانا جا سکتا ہے۔ جہاں سے تم یہ باتیں لکھ لیتے ہو؟ کیا وہ پبلک ان باتوں کو مان لے گی جس کو تم قرآن ایسی مستحکم چیز کے ماننے سے روکنا چاہتے ہو؟ کیا وہ اس قدر بے وقوف پبلک ہے کہ تمہاری مکاری اور فریب کی یہ چالیں وہ نہ سمجھیں گے۔ سنو تمہاری ہر چال پلٹ کر تمہاری جڑیں نکال دے گی۔ کیا انہیں بچانے کے لئے اللہ کے علاوہ کوئی اور اللہ بھی ہے؟ یہ تو اس قدر دھاندلی پر اتر آئے ہیں کہ اگر اُن پر آسمان کے ٹکڑے برسنے لگیں تو کوشش کریں گے کہ انہیں بادل کے ٹکڑے کہہ کر لوگوں کو فریب دیں۔ اَے محمدؐ ان کو اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ اُن پر ذوالفقار کی بجلیاں برسنے کا دن آجائے۔ اُس دن نہ تو اُن کا کوئی حیلہ کام دے گا نہ کوئی جان بچانے والا ہوگا۔ (طور 45-52/40)

(iii)۔ غپ شپ بند کر دو ہمارے فیصلوں کو سنجیدگی سے سنو اور تیار ہو جاؤ

اُن کو خبردار کر دو کہ تمہاری تمام چالیں اور گٹھ جوڑ واضح کر دیئے گئے ہیں اور اب ہم نے بھی تمہارے ساتھ نہایت سنجیدہ چالیں چلنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ اُنکو بتا دو کہ ہمارا یہ فیصلہ تمہاری طرح کی بکواس نہیں

> اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ o وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ o اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا o وَّاَكِيْدُ كَيْدًا o فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا o (طارق 17-86/13)

ہے بلکہ ایک آخری اورانتہائی بات ہے۔ چنانچہ اے رسولؐ ان کافروں کومہلت دیدو اتنی مہلت کہ یہ لوگ ذرا سمجھ کر تیاری کا موقعہ پالیں۔

(iv)۔ آپؐ کسی طرح کی تشویش نہ کریں ہم سارا انتظام کردیں گے

اے رسولؐ مستقبل میں ان لوگوں کے مکر و دغا کے بدلے میں جو کچھ ہم اُن کے ساتھ کرنے والے

لَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَکُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ o اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ o (النحل 16/127-128)

ہیں اُس سے اِن خبیثوں کے لئے رنجیدہ نہ رہو۔ اور نہ ہی اپنے دل میں ازراہ ہمدردی کوئی تنگی محسوس کر۔ سنو اللہ کے لئے لازم ہے کہ وہ صاحبانِ تقویٰ اوراحسان پیشہ لوگوں کے ساتھ برابر تعاون کرتا رہے۔

(v)۔ قریش دل میں خوفزدہ ہیں آپؐ اُن پر ترس نہ کھائیں

آپؐ اُن لوگوں کو قابل رحم سمجھ کر ان پر غمگین نہ ہوں نہ اپنا دل بھاری کریں۔ یہ تو اوپرے دل سے یہ کہتے ہیں کہ وہ وعدہ کب آنے والا ہے۔ ذرا اُسے سچا کر کے تو دکھاؤ۔ اللہ خوب جانتا ہے جو دہشت اُنکے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے اور جو کچھ وہ دل سنبھال کر اعلان کرتے ہیں۔ اُنکو بتادو کہ جس وعدے کی تم مصنوعی جلدی کر رہے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہو۔ قرآن

وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُنۡ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ o وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَo قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ رَدِفَ لَـكُمۡ بَعۡضُ الَّذِىۡ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ o وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ o وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعۡلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوۡرُهُمۡ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ o وَمَا مِنۡ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ o (النمل 27/70-75)

میں ہراس چیز کا حال موجود ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہو یا غائب ہو یا اُنکے دلوں میں مکروفریب کی صورت میں پوشیدہ ہو۔

(vi)۔ قرآن کی تاثیر سے خوفزدہ ہوکر شور مچانے والی پارٹی تعینات کردی

قریش اب یہ چاہتے تھے کہ جس طرح ہو سکے قرآنی تعلیمات کو عوام کے دلوں تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ لہٰذا اعلان کردیا گیا کہ کوئی شخص اُس قرآن کو نہ سنے اور جب قرآن پڑھا جائے تو فوراً شور وغوغا مچادیا جائے تاکہ کوئی دوسرا بھی نہ سن سکے۔ اوراگر تھوڑا بہت قرآن سُن لیا جائے تو اُس کو مذاق بنا کر بے اثر کر

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَالۡغَوۡا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُوۡنَ o (حٰمٓ السَّجۡدَة 41/26) وَاِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡـًٔا اتَّخَذَ هَا هُزُوًا۔ (جاثیہ 45/9)

دیا جاتا رہے۔ مگر یہ انتظام صرف ایک قاری کو بے اثر کرسکتا تھا اور وہ بھی جب کفار کو پروگرام کا علم ہو جائے۔ مکہ میں تو ابتدا ہی سے اندرون خانہ تبلیغ کی جارہی تھی۔ اور لوگوں کو ایمان لاکر خاموش رہنے کی تاکید کردی جاتی تھی۔ اور ہجرت یا وقت آنے پر اعمال کو منحصر کردیا جاتا تھا۔ لہٰذا قریش کو یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ اُن کے پاس بیٹھا ہوا آدمی مسلمان ہے یا کافر ہے۔ جس طرح قریش اپنا داخلی نظام منافقوں کے ذریعہ سے چلارہے تھے اسی طرح اسلام تقویٰ اور تقیہ کے اسلحہ سے مسلح تھا۔ آخر وہ وقت قریب آگا جب قریش کی طرف سے مزید امید نہ رہی اور اللہ نے تمام صورت حال اپنے ذمہ لے لی۔

(20/7)۔ تمام ذمہ داری اللہ نے سنبھال لی، مومنین کا انتظام کرو، قریش کو ہمارے حوالے کردو

رسولؐ اللہ کو بتایا گیا کہ اب جو لوگ مکہ میں باقی ہیں اُن کو تبلیغ اور نصیحت کرنا بے کار ہے وہ ایمان لانے والے لوگ نہیں ہیں۔

اُن کو تنذیر کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ تم تو اُسی کو تنبیہ کر سکتے ہو جو نصیحت کو اختیار کرنے اور بلا دیکھے رحمٰن کی خلاف ورزی سے ڈرنے پر آمادہ ہو۔ چنانچہ آپؐ ایسے لوگوں کو مغفرت اور منافع بخش اجر کی بشارت دیتے رہو۔ اور قریش اینڈ کمپنی کو ہمارے حوالے کردو۔ میں اُن کے جھٹلاتے رہنے سے نمٹ لوں گا۔ اس قرآنی

> وَسَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ٥ اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكۡرَ وَخَشِىَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَيۡبِ فَبَشِّرۡهُ بِمَغۡفِرَةٍ وَّاَجۡرٍ كَرِيۡمٍ ٥ (یٰسٓ 36/10-11)

حدیث کو غلط قرار دینے پر ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف بڑھائیں گے۔ ہماری چال بڑی ہی سنجیدہ اور خفیہ ہوگی۔ کیا تم نے اُن سے کوئی مالی معاوضہ طلب کرلیا جو اُن کے سر پر بھاری وزن بن کر چلنا مشکل ہوگیا ہے؟ یا ان کے اوپر غیب کے دروازے کھلے ہوئے ہیں جسے دیکھ کر یہ لوگ تمہارے خلاف فیصلے لکھ لیتے ہیں؟ اُن کی حالت یہ ہے کہ؛

> فَذَرۡنِىۡ وَمَنۡ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ٥ وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ٥ اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ٥ اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ٥ فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ .... (القلم 68/44-48)

اگر تم اُن سے دریافت کرو کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو پکا جواب دیتے ہیں کہ ہمیں اللہ نے پیدا کیا ہے۔ خالق کو ماننے کے بعد بھی یہ لوگ اتہامات میں کس قدر بڑھتے جا رہے ہیں۔

> وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ٥ وَقِيۡلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ٥ فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَقُلۡ سَلٰمٌ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ٥ (الزخرف 43/87-89)

اور جیسا کہ نبیؐ کا قول ہے کہ اے میرے پروردگار یقیناً یہ قوم ایمان لانے والی نہیں ہے۔ اچھا آپؐ اُن سے سلام رخصت کہہ کر الگ ہو جائیں۔ اِس کا خمیازہ بہت جلد اُن کے علم میں آجائے گا۔

رسولؐ اللہ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ اے میرے پالنے والے یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ کر اپنے لئے ایک اور ہی ٹھکانہ بنالیا ہے۔

اللہ نے فرمایا کہ واقعی آپؐ کی قوم نے آپؐ کی اور قرآن کی کھل کر تکذیب کردی ہے۔ آپؐ اُن سے کہہ دو کہ میں تم پر وکیل نہیں ہوں۔ البتہ ہر اطلاع کے لئے ٹھکانہ مقرر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم پر آفات سماوی یا ارضی کی سزا نازل ہو یا تمہیں تحریک تشیّع کے حوالے کردیا جائے کہ آپس کی سختیاں جھیلو۔ اس میں شبہ نہ کرو کہ تکذیب حق کی سزا تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گی۔

> وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ٥ (الفرقان 25/30)
>
> قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَ عَلَيۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ ٥ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوۡمُكَ وَهُوَ الۡحَقُّ قُلۡ لَّسۡتُ عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ٥ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسۡتَقَرٌّ وَّسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ٥ (الانعام 6/65-67)

وہ دن آرہا ہے جب اُن کی تمام چالیں پٹ جائیں گی اور کوئی ایک مکر اُن کے کام نہ آئے گا۔اور کوئی مددگار بھی نہ ملے گا۔یقیناً ظلم کرنے والوں کے لئے اس کے علاوہ بھی عذاب ہے۔لیکن اکثریت جانتی نہیں ہے۔اپنے پروردگار کے فیصلے پر صبر سے رہو۔ ہم تمہاری حفاظت اور کامیابی پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔تم تو بے فکری سے اپنے رب کی حمد و ثنا کرتے رہو۔جب بھی اٹھو اور جب رات ہو جائے اور جب ستارے پلٹنے لگیں تم حمد و ثنا میں مصروف رہتے چلے جاؤ۔

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَاهُمْ يُنصَرُوْنَ ٥ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ ٥ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ٥ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ٥
(الطور 49-52/46)

اورسنو کہ اگر یہ گروہ باز نہ آیا تو ہم اُن کے سر کے بال پکڑ کر انہیں گھسیٹیں گے۔اس پیشانی کے بال جس میں جھوٹ اور غلط کاریاں بھری ہوئی ہیں۔اُس وقت اگر ان کے طرفداروں کو بلایا گیا تو ہم بھی سزا دینے والوں کو بلالیں گے۔ہرگز اُن کی بات نہ مان۔سجدہ کرتا رہ اور قربت حاصل کر۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ٥ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ٥ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ٥ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ٥ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ٥
(العلق 19-96/15)

یقیناً یہ بات ہمارے رسولوںؑ کے لئے پہلے سے طے شدہ ہے کہ فتح اُن ہی کی ہوگی۔اور بے شک ہماری افواج ہی غلبہ پایا کرتی ہیں۔ چنانچہ آپؐ اُن کی مرضی کے خلاف ولایت قائم کرو اور ذرا دیر انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دو۔اور نتیجہ پر تم بھی نظر رکھو اور وہ بھی جلد دیکھ لیں گے۔یہ لوگ ہماری سزا جلدی سے نافذ کرانا چاہتے ہیں؟ جب ہمارا عذاب اُن کے گھر میں آکر اترے گا تو وہ صبح اُن لوگوں کے لئے بڑی تباہ کن ہوگی جن کو ہم نے تمہارے ذریعہ سے بار بار تنبیہہ کرادی ہے۔پھر سنو کہ تم اُن کے خلاف ولایت قائم کرنے میں لگ جاؤ اور ذرا سی دیر نتیجے کو آتے دیکھو تاکہ وہ بھی دیکھیں۔اللہ ان کے تصورات سے بہت بلند اور پاک ہے۔ہمارے رسولوںؑ پر ہمارا سلام کہو۔اور بتا دو کہ اللہ ہی عزت کا رب ہے۔الغرض تمام ستائش تمام عالمین کے پروردگار کے لئے ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ٥ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ٥ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ٥ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ٥ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ٥ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ٥ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ٥ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ٥ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ٥ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ٥ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ٥ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ (الصّٰفّٰت 182-37/171)

21۔ قیام ولایت اور نبطی قبیلوں کی طرف ہجرت کی تیاریاں

اعلان نبوت کے بعد مکہ میں تیرہواں سال شروع ہو چکا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کا ترپن واں سال جارہا ہے۔اگر اس طویل زمانے کا حساب مولویانہ طریقہ پر لگایا جائے تو نتیجہ بڑا ہی مایوس کن ہے۔یعنی اگر ان لوگوں کو اس تبلیغ کا نتیجہ سمجھ لیا جائے جو مکہ کے قیام میں مسلمان ہوئے تو یہ تعداد کسی طرح بھی ایک سو سے اوپر نہیں جاتی۔اور اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کبھی

کافر تھے ہی نہیں۔ وہ حضرات بھی شامل ہیں جو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے یا جہاں جگہ ملی پناہ لے لی۔ اس تعداد میں وہ نام بھی شامل ہیں جن کو عرف عام میں منافق کہا جاتا ہے اور جن کو ہم نظام اجتہاد کے ماہرین کہتے ہیں۔ لیکن ہم چونکہ نبوت کو روز اوّل سے نافذ سمجھتے ہیں۔ یعنی ظاہری نبوت روز پیدائش سے عملاً شروع ہوگئی تھی۔ لہٰذا حضرت ابوطالب علیہ السلام کا وہ زمانہ جو پیدائش رسالتمآبؐ سے لے کر اعلان نبوت تک گزرا ہے وہ دور نبوت محمدؐی ہی ہے۔ چنانچہ حضور کی پرورش اور تربیت تعلیمات محمدؐیہ ہی کے مطابق کی گئی اور اس تربیت میں نہ صرف الہام خداوندی مدد و معاون رہے بلکہ ملائکہ والروح و جبرائیل و میکائیل و اسرافیل علیھم السلام بھی دوش بدوش شامل حال رہے۔ چنانچہ اس ترپن سالہ دور میں تمام سابقہ شرائع اور تمہیدات اسلام پر عمل کیا گیا۔ نوع انسان کے اس بدترین اور الجھے ہوئے معاشرہ میں اسلام کے جو اسباق دیئے گئے وہ ہر زمانہ میں پہلے نمبر پر رکھنا ضروری ہیں۔ یعنی شریعت و طریقت یا اسلام کی تعلیمات کا دو تہائی حصہ اُسی زمانہ میں پورا کیا گیا تھا۔ اور وہ باقی ایک تہائی ہرگز قابل عمل نہ ہوتی اگر آنے والے زمانے کی تعلیمات کی بنیاد ان ترپن سالہ مسائل پر نہ رکھی جاتی۔ یعنی مدینہ کی زندگی میں آنے والا ہر مسئلہ اپنی بنیاد میں ترپن (53) قسطیں یا تدریجی مراحل رکھتا ہے۔ تب جا کر وہ حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے علما نے مذکورہ ترپن سالہ اقساط و تدریج کو نظرانداز کر کے تبلیغ شروع کی ہے۔ اس لئے اُن میں عوام تو عوام ہیں خود علما اسلامی اخلاق سے کورے اور صرف معلومات کے بولتے چالتے بنڈل ہوتے ہیں۔ وعظ میں سچ بولنے کا تقاضہ اور خدا سے ڈرنے کی تلقین مگر وزرا کے دروازے پر لائسنس یا وفد میں جانے کے لئے درخواست لے کر حاضر۔ دنیا کے تمام عیوب اگر ایک جگہ ایک انسان میں دیکھنا ہوں تو ایک حقیقی معنی میں مجتہد کی اسٹڈی (Study) کریں۔ انشاء اللہ معائب کی فہرست مکمل ہو جائے گی۔ مکہ کا زمانہ ہی وہ زمانہ تھا جب رسولؐ اللہ نے ابلیس کو مسلمان کر دیا تھا۔ یعنی نظام اجتہاد نے اسلام اختیار کر کے اسلام میں اپنی طرز فکر جاری کر دی تھی۔ مطلب یہ کہ ابلیس کو اسلام کی مخالفت کے لئے مسلمان ہو جانے کے علاوہ تمام راہیں بند ملی تھیں۔ مکہ کی زندگی میں تمام وہ تاریخ مرتب ہوئی جس کو بعد والوں نے لاعلمی کا شکار کرنا تھا۔ یہیں پر قرآن کریم کی وہ ترتیب عمل میں آئی جو تحریف سے قرآن کو محفوظ رکھنے کے لئے ضروری تھی۔ مدینہ کے زمانہ میں تو بہت سے لوگوں کے نام حفاظ قرآن کی فہرست میں لکھ دیئے گئے۔ مگر مکہ کے زمانہ کے کسی حافظ کا نام نہیں لکھا گیا۔ بات وہی ہے کہ ''پیا بھئے کتوال اب ڈر کا ہے کا''۔ اپنا راج، اپنی قوم، اپنا ملک اور اپنی عزت جس کو چاہا شہسوار بنا دیا خواہ سواری کے لئے کبھی گدھا بھی نصیب نہ ہوا ہو۔ اور الف کے نام لٹھ بھی نہ آتا ہو۔ بہرحال بیت الرسالت میں قرآن کریم اور قریش و عرب و عجم کی عملی تاریخ و جغرافیہ مرتب ہو رہا تھا۔ تاکہ اس خاندان کے بچے عالمی و قومی و ملکی حالات کی باقاعدہ معلومات حاصل کر سکیں اور خاندانی روایات اور دشمنوں کی روزمرہ کی کیفیات پر مطلع ہو سکیں۔

سابقہ عنوان کے قرآنی بیانات میں یہ بتا دیا ہے کہ مکہ کا قیام اب فضول قرار دیا گیا تھا۔ آپؐ قریش سے مایوس کر دیئے گئے تھے۔ گرد و نواح کے قبائل اور دیہات و بستیاں قبول اسلام میں خطرہ دیکھ رہی تھیں۔ حج کے زمانوں کے دوران آپ مختلف قبائل سے بات کر چکے تھے۔ قریش کی طرح دوسرے قبائل بھی یہ چاہتے تھے کہ آپؐ کے بعد تمام کاروبار رسالت و حکومت اُن کو سونپ دیا جائے۔ اس سلسلے میں اختصار کی غرض سے ایک قبیلہ کا ذکر طبری سے سن کر باقی کا فیصلہ خود کر لیں۔

(21/2)۔ حکومت وخلافت حاصل کرنے کے لئے نبوتؐ سے تعاون کرنے پر سب تیار تھے

علامہ طبری بیان کرتے ہیں کہ:۔''محمد بن مسلم بن شہاب زہری سے مروی ہے۔آپ بنی عامر میں صعصعہ کے پاس گئے اور اُن کو اللہ کی طرف بلایا اور اپنے آپ کو پیش کیا۔اُن کے ایک شخص بیجرہ بن فراس نے کہا کہ اگر میں قریش کے اس جوان مرد کو ساتھ لے لوں تو سارے عرب کو ہضم کرلوں گا۔ پھر اس نے رسولؐ اللہ سے کہا کہ اچھا اگر ہم تمہاری دعوت میں تمہارے ساتھ ہو جائیں اور اللہ تمہارے مخالفین پر تم کو غالب کردے تو کیا تمہارے بعد اس دعوت کے ہم مالک بن سکیں گے؟ آپؐ نے فرمایا یہ معاملہ اللہ کے قبضے میں ہے وہ جسے چاہے دے۔اُس نے کہا کہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمہاری حمایت میں ہم اپنے سینوں کو عربوں کا نشانہ بنائیں اور جب تم کو غلبہ حاصل ہو تو یہ اقتدار ہمارے علاوہ دوسروں کو مل جائے۔اس شکل میں ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تمہارے شریک ہوں۔اور اب انہوں نے بھی آپ کی دعوت رد کردی۔''(طبری جلد اوّل صفحہ 113)

اس روایت میں جہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ عربوں کا ہر قبیلہ پورے عرب کو ہضم کر جانے کی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے عربوں کی عسکری اور اجتماعی طاقت اس قدر کمزور تھی کہ کوئی ایک قبیلہ بھی ذرا سی منظّم قوت سے اُنہیں پامال کرسکتا تھا۔ جو لوگ قحطانی تاریخ کی جھوٹی پھُوں پھاں سے مرعوب ہیں، یہ روایت اُن کیلئے زیادہ غور طلب ہے۔ایک حقیر و خانہ بدوش منتشر بدوؤں کا یہ ملک سوائے اسکے کہ یہاں ضروریات زندگی کیلئے بے دریغ قتل عام کرڈالنے والے اور جنسی اشتراک میں باکمال و بے لگام لوگ رہتے تھے، یہاں اور کیا تھا؟ اگر ہم یمن وشام وعراق وغیرہ ممالک کو الگ کردیں تو یہاں کیا رہ جاتا ہے۔ یہاں صرف قحطانی یا جرھمی قبائل تھے جنہیں دنیا کا حال معلوم تھا جو خانوادہ رسولؐ کے ساتھ لگے رہتے تھے اور اُنکو زیر کرنے کیلئے تہذیب و تمدن کے نمائشی سوانگ رچائے جاتے رہتے تھے۔اگر مکہ میں کعبہ نہ ہوتا اور اگر کعبہ اسلام کا مرکزی مقام نہ ہوتا تو یہ سمجھ لیں کہ نہ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام آباد ہوتے نہ جناب نابت علیہ السلام کی مرکزی شاخ یہاں قیام کرتی۔ چنانچہ یہ علاقہ گیدڑوں اور بھیڑیوں کے رہنے کی جگہ ہوتی۔ یہ سبب ہے کہ یہ قحطانی نسل اقتدار کی بھوکی ہے اور ہر شخص نبوت کو اسلیئے تسلیم کر رہا ہے کہ کسی تکڑم کے ساتھ اُسے نبیؐ اور خانوادہ رسوؐل کی ساری کمائی پر قبضہ کرلینے کا موقعہ ملے۔لہٰذا آئندہ جو چیز ہر قاری کیلئے زیر غور و فکر رہنا چاہیئے وہ یہ کہ مسلمان گروہ میں وہ کون لوگ ہیں جو اسلام کی خدمت ونصرت کیلئے سابقہ دین و ایمان، جان و مال، اولاد و املاک قربان کرنے میں ذرہ برابر بھی دریغ نہیں کرتے۔رسولؐ اللہ کے کسی حکم میں چوں و چرا اور اصلاح و ترمیم و تنسیخ نہیں کرتے۔اور وہ لوگ جو کسی حکم کو بلا چوں و چرا نہیں مانتے، ہر معاملہ میں اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں، کسی ایسی خدمت کو اختیار نہیں کرتے جس میں تلوار کا براہ راست سامنا کرنا اور زخم کھانا پڑے۔ جو مالی مدد بھی تاجرانہ اصول'' کچھ لو اور کچھ دو'' کے ماتحت دیا کرتے تھے۔جنہوں نے اپنے سابقہ دین اور قومی وملکی روایات کو باقی رکھا اور اسلام کے ہر مسئلے کو اپنی سابقہ زندگی کے تحفظ کی طرف جھکایا۔ یہ دو گروہ ہیں جو اسلام کی نبوی اسٹیج پر اپنا اپنا پارٹ ادا کرتے ہوئے ملیں گے۔ اُن دونوں کو الگ الگ کرتے چلنا ہر قاری کا فرض ہوگا۔ یہاں تک کہ میدان کربلا اُن دونوں گروہوں میں ایک خط فاصل بن جائے اور جناب امام حسین علیہ السلام اُن دونوں گروہوں کی پیشانی پر مہر لگا کر طیب وطاہر گروہ کو خبیث وناپاک گروہ سے متمیز کردیں۔(آل عمران 3/179)

(21/3)۔ خاندان عبدالمطلبؑ کی ابدی وازلی صداقت اور دعویٰ نبوت کی حقانیت

مندرجہ بالا روایت کے بعد طبری نے قبیلہ بنی عامر کے ایک طویل العمر بزرگ شیخ کا ذکر کیا ہے کہ جب بنی عامر حج سے واپس جاتے تو حج کے مخصوص واقعات اس پیر مرد کو سنایا کرتے تھے۔ اِس دفعہ بیجرہ نے رسولؐ اللہ کی نصرت طلبی کا واقعہ سنایا تو:۔

''شیخ نے بیجرہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ اے بنی عامر کیا کوئی صورت اب بھی ایسی ممکن ہے کہ تمہارے اس انکار اور تردید کی تلافی ہو سکے؟ اور تم لوگ پھر نصرت میں شریک ہو سکو؟ اُس ذات کی قسم جسکے قبضے میں میری جان ہے کسی اسماعیلی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا مگر وہ ہمیشہ حق ہوا ہے۔ تم کو کیا ہوا تھا کہ تم نے اس کی تردید کردی۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 113)

اس عنوان میں دراصل علامہ طبری یہ دکھا رہے ہیں کہ رسولؐ اللہ تمام قبائل پر اتمام حجت فرما رہے ہیں۔ کسی کے ایمان لانے نہ لانے کی پرواہ کئے بغیر سب کو بتا رہے ہیں کہ میری نصرت تم پر واجب ہے، میں بری الذمہ ہوں، تمہیں اطلاع ہو چکی ہے۔ یہاں دوبارہ معلوم ہوا کہ بنی عامر اُس بزرگ کی نصیحت کے باوجود اسلئے تلافی کو نہ آئے کہ رسولؐ نے حکومت دینے کا انکار کر دیا تھا۔ یعنی سوال یہ نہ تھا کہ محمدؐ کا دعویٰ برحق ہو تب نصرت کرینگے۔ یہ بات بھی بعد میں گھڑی گئی ہے کہ عرب بتوں کی پرستش نہ چھوڑنا چاہتے تھے اس لئے مخالفت کر رہے تھے یا یہ کہ نماز وروزہ یا حج زکاۃ اور شراب وجوئے کا حرام ہونا کوئی نئی باتیں تھیں یا توحید کا جھگڑا تھا۔ یہ سب بعد کے گھڑے ہوئے بہانے ہیں۔ عرب میں توحید پرستی، نماز، روزہ، حج وزکاۃ کے پابند لوگ موجود تھے، اُن کو پسند بھی کیا جاتا تھا۔ اصل بنائے مخاصمت صرف حکومت واقتدار تھا۔ وہ خانوادہ رسوؐل کی حکومت رسولؐ کے بعد نہ چاہتے تھے، اور بس۔ چنانچہ اسی قحطانی تاریخ میں اپنی حکومت مستحکم کر لینے کے بعد قریش نے اُن لوگوں کو گنوایا ہے، جو موحد تھے، نماز پڑھتے تھے، شراب نہ پیتے تھے۔ مگر خانوادہ رسولؐ سے باہر ایسے لوگوں کو مانا ہے تاکہ آل رسوؐل کی کوئی خصوصیت نہ رہے۔ اِن میں سب کو کافر قرار دیا ہے تاکہ اپنے کافروں کی عزت بحال رہے۔ اور اُسی حکومت کا پتہ دیتی ہے وہ بات کہ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا تھا۔ یہ تو بنی ہاشم نے حکومت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ یہ الزام قطعاً صحیح ہے۔ یعنی اُن کے تجربہ میں خانوادہ رسوؐل کی حکومت قائم کرنے والی وحی اتری نہ فرشتہ اترا۔ محمدؐ نے اپنے خاندان کی حکومت کے لئے اپنی رائے ظاہر کی۔ اس پر تاحیات قائم رہے۔ اسلئے جھگڑا ہوا اور اب دو شاہزادوں میں جنگ ہوئی۔ ایک شاہزادے نے اپنی حکومت برقرار رکھنے اور آل رسوؐل کو محروم کرنے کیلئے دوسرے شاہزادے اور اس کے اہل وعیال وانصار کا قتل عام کر دیا۔ گویا نبوت وقیامت اور توحید کے وہ دونوں قائل تھے۔ فرق یہ تھا کہ ایک توحید کے ساتھ عدل اور نبوت کے ساتھ امامت کو لازم سمجھتا تھا۔ اور امامت وحکومت کو اپنے خاندان کا حق کہتا تھا۔ یہی آج ہمارا عقیدہ ہے اور یہی اُن دونوں گروہوں کے عقائد کا فرق ہے۔ ہم علیؑ وآل علیؑ کی حکومت کے سوا اسلام میں ہر حکومت کو باطل اور باغی اور طاغی قرار دے کر اُن سے باغی ہیں۔ اُسی باطل حکومت کے تحفظ کیلئے انہوں نے قرآن کے احکام کو اجتہادی سانچوں میں ڈھالا، قرآن کو ایک عام کتاب بنایا، معجزات کا انکار کیا۔ نبیؐ کی تین چار حیثیتیں بنائیں۔ اجماع اور اجتماعی رائے کو دین کا درجہ دیا۔ یہ تو تحریک تشیّع کی کاوش وجدوجہد کا نتیجہ ہے کہ اُس نے صوفیائے کرام کو آگے بڑھایا اور مخالف گروہ سے سب کچھ منوا کر چھوڑا۔

(21/4)۔ رسولؐ اللہ کا مدنی نبطی خاندان انجان بن کر سامنے لایا گیا

ہم نے بڑے شدّ ومد اور اہتمام و دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ خاندان رسولؐ جناب نابت علیھم السلام کی اولاد سے ہے۔ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے خود کو عراق کے نبطی خاندان کا فرد فرمایا۔ اور یہ کہ اوس وخزرج بھی جناب نابت علیہ السلام کی اولاد سے نبطی تھے اور یہ کہ آنحضرتؐ کے بزرگوں کی برابر بنی خزرج سے رشتہ داریاں رہتی تھیں۔ اور جناب عبداللہ وعبدالمطلب علیھم السلام کا خزرج سے خاص اور کھلا تعلق تھا۔ وہ خزرج ہی تھے جنھوں نے مسلح حمایت کی تھی اور جناب عبدالمطلبؑ کو قریش سے اُن کی غصب شدہ جائیداد بنوک شمشیر دلوائی تھی۔ اور وہ خزرج کا ہی سردار سعد بن عبادہ تھا جو جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کو حکومت دلانے کے لئے تیغ بکف تھا۔ لیکن جناب علیؑ نے قریش کو تجربہ کا موقع دینے اور امن وامان کی غرض سے سعد بن عبادہ کو بیٹھ رہنے کا حکم دیا تھا۔ حکم کے ماتحت خزرج کا وہ سردار علیحدہ تو ہو گیا لیکن زندگی بھر اعلان حق کرنے کے لئے مدینہ سے نکل گیا اور سارے عرب کو مطلع کر دیا۔ اُسی کا قبیلہ ہے جسے اللہ نے قرآن میں انصار رسولؐ اور جنتی قرار دیا ہے۔ جنہوں نے قریشی طاغوت کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ اُن کا تذکرہ قحطانی تاریخ نے انجان بن کر اور واقعات سے نظر چرا کر کیا ہے تا کہ ہجرت ایک اچانک واقعہ بن جائے، اتفاقی حادثہ کہلائے۔ حالانکہ نبوت محمدؐیہ کی ہر بات مسلسل و مربوط اور خدائی احکام کے مطابق ہے۔ نہ یہاں وحی کا نزول اچانک اور محدود ہے، نہ نبوت اور اس کا اعلان نیا اور اچانک ہے۔ نہ پہلی ہجرتیں اچانک ہیں نہ ہجرت مدینہ اچانک ہے۔ یہ ایک خدائی خاندان ہے اس کا ذکر شجرہ طیبہ کی حیثیت سے مسلسل ہے۔ اس کی تیاری پر خدا نے اور انسانی بصیرت نے ہزار ہا سال صرف کئے۔ یہ ایک ہمہ گیر اسکیم ہے۔ اُس کی ہر بات و پروگرام خدائی منصوبے کے مطابق ہر سابقہ نبیؑ کی محنت وبصیرت پر مبنی رہتی آئی تھی۔ یہاں ہر خیال، ہر حکم، ہر عمل اور ہر اقدام مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى o (53/3-4) "اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَايُوْحٰى اِلَيَّ (6/50)" کے مطابق تھا۔ اس خاندان کی مناکحت حکم خداوندی کے ماتحت، اولاد کی پیدائش اللہ کی مرضی واطلاع کے مطابق، گھر میں آنے والی دلھن کا نام و پتہ پہلے سے معلوم، پیدا ہونے والی اولاد، اُن کے نام و کام وصفات معلوم ومشہور۔ ہر شخص نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے اپنی جان واولاد قربان کرنے کے لئے آمادہ۔ امن وعافیت کے لئے اپنا حق چھوڑ دینے کو تیار اور ان عادات سے ہر زمانہ کے لوگ مطلع وآگاہ۔ ہائے افسوس کہ ان عادات سے واقفیت اور تجربہ رکھنے والا ابلیسی گروہ پھر بھی ان سے عیاری ومکاری، دغا اور فریب کرتا رہا۔ ساری دنیا کو فریب میں مبتلا کیا۔ تاریخ وتفسیر واحادیث تک کو اپنے فریب پر پردہ ڈالنے کے لئے استعمال کیا اور آج تک حق قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اُن سے حق اگلوانے کے لئے بڑی محنت کی گئی ہے۔ لیکن ابھی بھی سینکڑوں حقائق اُن کے تاریخی پیَروں کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ جب تک اُن کے پیَر اُکھڑ نہ جائیں، جب تک انہیں دھکیل کر آگے نہ کھسکا دیا جائے، گوشۂ حق آزاد نہیں ہوتا۔ کائنات صرف اس لئے مصروف حرکت ہے کہ ابلیسی نظام کو یہاں تمکّن اور سکون نہ مل سکے اور اُس کے قدم ڈگمگاتے رہیں اور حق اُبھر کر انہیں مٹاتا رہے۔

(i)۔ قریش نے مدینہ کی ہجرت روکنے کا انتظام کیا، مگر ناکام رہے

جاہلیت کی تاریخ بات یوں شروع کرتی ہے کہ:۔ "ابو الحیسر انس بن رافع بنی عبدالاشھل کے چند اور جوانوں کے ہمراہ

جن میں ایاس بن معاذ بھی تھا۔اپنی قوم بنی خزرج کے خلاف قریش سے معاہدہ کرنے کے لئے مکہ آیا۔رسولؐ اللہ کواُن کی آمد کی اطلاع ہوئی۔آپ اُن کے پاس آئے اور وہاں تشریف فرما ہوکر اُن سے کہا کہ جس غرض سےتم آئے ہو اگر اس سے بہتر بات میں بتاؤں توتم قبول کروگے؟انہوں نے پوچھاوہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسوؐل ہوں، اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں اُن کواللہ کی طرف بلاؤں اور وہ صرف اُسی کی پرستش کریں۔اس کے ساتھ کسی کوبھی شریک نہ کریں۔اللہ نے مجھ پرایک کتاب نازل فرمائی ہے۔اس کے بعد آپؐ نے اسلام کے ارکان اُن کو بتائے اور قرآن پڑھ کرسنایا۔ایاس بن معاذ نے جس کا بالکل شباب تھا کہا کہ اے دوستو!بے شک یہ بات اُس سے بہتر ہے جس کے لئےتم یہاں آئے ہو۔**ابو الحیسر** انس بن رافع نے مٹھی بھرکنکریاں اُٹھا کرایاس بن معاذ کےمنہ پر ماریں اور کہاتم ہم سے علیحدہ ہوجاؤ ہم اس کے علاوہ دوسرے کام کے لئے آئے ہیں، ایاس چپ ہوگیا، رسول اللہ صلعم اُن کے پاس سے اُٹھ آئے، یہ جماعت مدینہ واپس چلی گئی۔اس کے بعد اَوس وخزرج کے درمیان جنگ بعاث ہوئی۔اس کے کچھ ہی عرصے کے بعدایاس ہلاک ہوگیا۔وہ لوگ جوموت کے وقت اس کے پاس موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ وہ برابراُسے تحلیل اور تکبیراوراللہ کی حمد وتسبیح کرتے ہوئے سنا کرتے۔اسی طرح وہ جان بحق والتسلیم ہوگیا۔اُن لوگوں کواس کے مسلمان ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔اُس نے مکہ میں رسول اللہ صلعم سے جو باتیں سنیں تھیں اُن کی وجہ سے وہ اسلام کا قائل ہو چکا تھا۔''(طبری جلداوّل صفحہ 114)

(ii)۔ قریش جانتے تھے کہ مدینہ میں خاندان رسالت آباد ہے جومجسم بصیرت ہیں

تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ قریش نے کب اَوسی قبیلے سے سازباز کی۔مگر یہ معلوم ہوگیا کہ ہجرت سے پہلے ہی قریش نے اَوس وخزرج میں پھوٹ ڈال کراَوس کواپنے ساتھ ملالیا تھا۔چونکہ جناب ہاشم اورعبدالمطلب علیہما السلام کی شادیاں خزرجی خاندان میں ہوئیں تھیں اور جناب محمدؐ مصطفٰی کی ننہیال خزرج میں تھی۔اسلئے اَوسیوں کو یہ فریب دینا آسان تھا کہ رسولؐ اللہ کی حکومت میں تمہیں کوئی حصہ نہ ملے گا۔اوراُنکے بعد بھی خزرج ہی کا اقتدار رہوگا۔اسلئےتم ہماری اسکیم میں ہماری مدد کرواور پیشگوئی کے مطابق ہماری ہی حکومت قائم ہونا ہے۔لہٰذا ہماری نصرت کرکے اُدھر کے بجائے اِدھر اپنی جگہ بناؤ۔یہی سبب ہے کہ جب خلافت کا جھگڑا شروع ہوا تو اَوس کے نمائندے **بشیر بن سعد** نے قریش کا ساتھ دیا تھا۔یہ اتفاق یا حادثاتی طور پر وقوع میں نہیں آیا بلکہ یہ بھی قریشی پلان کا گیارہ سال کے بعد متوقع نتیجہ تھا۔

یہ بھی اتفاقی بات نہ تھی کہ اُدھر قبیلہ اَوس کا وفد قریش سے معاہدہ کرنے کے لئے آتا ہےاور اِدھر آنحضرتؐ اُن سے ملاقات کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔اور یہ اعلان کردیتے ہیں کہ وہ معاہدہ جوابھی قریش اوراَوسی وفد کے دل میں پوشیدہ تھا، گھٹیا مقصد رکھتا تھا۔اور نصرت رسولؐ ہرطرح قریش کی نصرت کے مقابلے میں بہتر اور پسندیدہ خداوندی تھی۔جس سے اُدھر ایک ہی خاندان کے دو بھائی قبیلوں میں پرخاش رک جاتی دوسرے رسوؐل کی نصرت میں دوہرا اجر تھا۔ایک یہ کہ اپنے خاندان کی مدد ہوتی دوسرے یہ کہ خدا کی نبوت ورسالت کی فتح میں حصہ ملتا۔اور ایاسؓ بن معاذ نے اسکی تصدیق بھی کردی تھی۔ظاہر ہے کہ اُس خفیہ معاہدہ کی اطلاع وحی کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے نہیں ہوسکتی تھی۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ جب رسولؐ اللہ نے یہ فرمایا کہ جس غرض کے لئےتم آئے ہو میں اس سے بہتر مقصد بتادوں تو کیاتم

میری بات مان لوگے؟ ظاہر ہے کہ رسولؐ کو اَوسی وفد کے آنے کی غرض معلوم تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ وفد کے لیڈر نے یہ کیوں نہ پوچھا کہ بتاؤ ہمارے آنے کی غرض کیا ہے؟ آپؐ کو وہ غرض کیسے معلوم ہوئی؟ معلوم ہوا کہ قریش نے یا کسی اور نے یہ بتا رکھا تھا کہ محمدؐ کو غیب کی اطلاع خدا کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ممکن تھا کہ اگر وہ غرض معلوم کرنے کا سوال کر دیتا تو یقیناً رسولؐ اللہ بلا تکلف بلا کم و کاست بتاتے کہ تم قریش کے ساتھ ساز باز اور خزرجیوں کے خلاف معاہدہ کرنے کے لئے آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وفد کے نمائندہ کو یہ خطرہ پیدا ہوا ہو کہ رسولؐ کے بیان سے خفیہ بات قبل از وقت سب کو معلوم ہو جائے گی لہٰذا اُس نے غرض معلوم نہ کی۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ جب ہماری غرض سے بہتر بات بتانے کا وعدہ اور شرط کی جا رہی ہے تو فوراً یہ کیوں نہ کہا کہ اگر واقعی ہماری آمد کی غرض سے بڑھ کر زیادہ مفید بات ہوگی تو ہم ضرور عمل کریں گے؟ یہاں ظاہر ہے کہ وہ وعدہ نہیں کرتا اور ڈرتا ہے کہ کہیں وہ بڑھیا بات کو بھی اختیار نہ کر سکے لہٰذا اُس نے سوال پر سوال کر دیا۔ یعنی یہ کہ پہلے وہ بہتر بات بتا دو اور جب بتا دی گئی تو نہ اس نے یہ کہا کہ یہ بہتر نہیں ہے، نہ یہ کہا کہ یہ بہتر ہے۔ لہٰذا یقیناً لیڈر کو معلوم تھا کہ قریش سے معاہدہ کے بعد رسولؐ اللہ کی حمایت و نصرت نہ کرنا لازم ہوگا۔ یعنی معاہدہ اس بات پر تھا کہ اگر آنحضرتؐ کے ماموں رسولؐ اللہ کو لے جائیں تو قبیلہ اَوس، خزرج کا نہیں قریش کا ساتھ دیگا۔

قارئین یہ بھی نوٹ کرلیں کہ رسولؐ اللہ یہ نہیں فرماتے کہ مجھ پر قرآن نازل ہو رہا ہے اور کافی مقدار میں نازل ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ نے مجھ پر ایک کتاب نازل کی ہے۔'' اسکے بعد یہ عقیدہ رکھنا کہ پوری کتاب نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ تیئیس (23) سال میں رک رک کر اترتی رہی۔ کس قدر مضحکہ خیز اور خود قرآن کے خلاف بات ہے۔ اور آخری بات یہ مان لیجئے کہ مدینہ میں ہجرت سے بہت پہلے اسلام داخل ہو چکا تھا۔ تکبیر و تحلیل و تسبیح و حمد خداوندی وہاں نئی بات نہ تھی، نہ ارکان اسلام نئی چیز تھے، نہ تلاوت قرآن جدید تھی بلکہ قبیلہ خزرج ہر سال حج کو آتا تھا۔ یہ رسولؐ اللہ اور اُنکے باپ و دادا کی سسرال و ننہیال تھی۔ یہ قدیم ناصران اسلام تھے، خانوادہ رسولؐ کے افراد تھے، وہ اسماعیلی اور وہ بھی نبطی شاخ کے اسماعیلی تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے مطابق ''**امة مسلمة لک**'' اللہ کی مسلمان امت تھے۔ مگر قحطانی تاریخ ہر ربط کو توڑ کر، تمام سلسلے اور تعلق و رشتے منقطع کر کے ہر چیز کو ایک حادثہ اور ایک اتفاق بنا کر دکھانے کی عادی ہے۔ وہ بظاہر واقع تو اسی ترتیب سے ہوئی ہے لیکن اس کی پشت پر حادثہ و اتفاق نہیں بلکہ اسلامی یا خدائی اسکیم ہے۔

(21/5)۔ قبیلہ خزرج سے تعارف قحطانی تاریخ پر علامہ سید سلیمان ندوی کا محاکمہ

وہ قارئین جن کو ہمارے تیز رو علما نے تیز گام بنا دیا ہے سوچ رہے ہوں گے کہ امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ کب شروع ہوگا؟ یہ اِدھر اُدھر کی باتوں پر اس قدر وقت کیوں صرف کیا جا رہا ہے؟ اُن کی خدمت میں یہ گزارش کی جاتی ہے کہ وہ جن باتوں کو فضول سمجھتے ہوں، چھوڑتے چلے جائیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تمام تذکرہ اور اس کا ہر جملہ ذِکر حسینؑ ہے۔ یہی وہ حالات ہیں جنہیں وہ خاص طور سے نوٹ کریں گے۔ یہی وہ خاندانی و تاریخی آثار ہیں جو اُن میں مادی طور پر وہ جرأت پیدا کریں گے جو اُن سے ظہور میں آئی۔ یہی وہ تاریخی الجھاؤ ہیں جن سے وہ بچ کر نکلیں گے۔ یہی وہ تطہیر ہے جس پر وہ سفر سے لے کر کربلا تک عمل کریں گے۔ یہ تو نہایت مختصر انداز میں اُس داستان کا خلاصہ ہے جو خانوادہ رسولؐ میں دن رات مرتب ہو رہی تھی۔ انسانی حیثیت سے مرتب کی ہوئی یہی تو وہ کہانی ہے جو حسینؑ

کی والدہ گرامی بچپن میں انہیں سنا سنا کر اسلام اور نوع انسان کے تحفظ کی تمہید قائم کریں گی۔ یہی تو مادی وفطری راہ ہوگی جو اُن کے روبرو از آدم تا محمدؐ کھلی ہوئی نظر آئے گی اور اُن سے اُسی راہ پر گامزن ہونے کا تقاضہ کرے گی۔ یہی ازلی وابدی معیار تو سامنے ہوگا جس پر وہ اپنے نانا اور اپنے والدین اور بڑے بھائی علیہم السلام کا عمل درآمد جانچیں گے۔ اگر یہ سب کچھ مرتب نہ کیا گیا ہوتا، (معاذ اللہ) اگر اچانک وحی نے اتر کر رسولؐ اللہ کو ڈرا دیا ہوتا، اگر وہ فرشتے کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے ہوتے، اگر وہ اپنی تصدیق میں ورقہ بن نوفل کے محتاج ہوتے، اگر قریش کو وہ اپنا خاندان سمجھتے، اگر وہ حکومت کے حق و ناحق کو نہ جانتے ہوتے تو سنو! اُن سے وہی کچھ ظہور میں آتا جو عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر اور سارے اللہ کے بندوں سے ظہور میں آیا تھا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ وہ کیسے ایک بے مثل کردار ادا کرتے ہیں۔ کیوں اُن کے صحابہ کربلا سے بھاگ نہیں جاتے؟ کیوں ہر سن و سال کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا نہیں ہوتا؟ کیوں یہاں شوریٰ اور مشورہ اور جمہوریت سامنے نہیں آتی؟ کیوں اسلام کے دئے ہوئے حقوق استعمال نہیں کرتے؟ کیوں جان و مال و اولاد و انصار کا تحفظ نہیں کرتے؟ جن ناظرین کو رقص منبری اور ذاکری کا چسکا لگا ہوا ہے، وہ کوئی بھی کتاب اٹھالیں اور شہادت پڑھ کر دو آنسو بہالیں اور اپنے دھندوں میں لگ جائیں۔ ہم وہ ماحول دکھانا ضروری سمجھتے ہیں جو حسینؑ کو پیدا ہونے کی دعوت دے، جو اُن کے ظہور کے شایان شان ہو، جس کو تیار کرنے میں سلسلہ نبوتؐ و رسالتؐ و امامتؑ نے ہی نہیں بلکہ ابلیس اور اس کی جماعت نے بھی ہزاروں سال محنت کی تھی۔ تب جا کر حسین علیہ السلام کے پیدا کئے جانے کی ضرورت اور حق پیدا ہوا تھا۔ یہ پیدائش کوئی قحطانی حادثہ یا اتفاق نہ تھا۔ یہ کائنات اور خالق کائنات کا ازلی (Pre-planned) منصوبہ تھا۔ بہرحال ہم تو خود خوف طوالت سے گھبرائے ہوئے ہیں۔ اگر قارئین بھی گھبرا گئے تو پھر ہمارا خدا ہی حافظ ہے۔ ہم تو قارئین کیلئے محنت کر رہے ہیں اپنے لئے نہیں۔ (ارض القرآن سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں)

(21/6) ''اَوس وخزرج''

''نابت بن اسماعیلؑ کی ایک اور شاخ''

''انصار''

(الف) اَوس وخزرج عرب کے دو مشہور قبیلوں کے نام ہیں جو اسلام کے پہلے سے مدینہ میں سکونت پذیر تھے۔ اسلام آیا تو وہ اُس کے پُرزور دست و بازو تھے۔ اور انصار اُن کا خطاب تھا۔ عام طور سے انہیں بھی قحطانی الاصل اور کہلان کے خاندان سے قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ رائے بھی صحت سے تہی مایہ ہے۔ زبان، مذہب اور قومی اخلاق کے علاوہ احادیث سے بھی اُن کے اسماعیلی ہونے پر مستحکم دلائل قائم ہیں۔

(i) بخاری میں روایت ہے کہ ابوہریرہؓ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہؑ کا قصہ سنایا اور آخر میں کہا:۔

تِلکَ اُمکم یا بنی ماء السماء۔ اے پاک نسبو یہ تھیں تمہاری ماں ھاجرہؑ۔ محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں بہت دقتیں تھیں لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل واشتباہ کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

(ii) تمام علمائے انساب اس بات پر متفق ہیں کہ اَوس وخزرج، غسان کے ہم نسب ہیں اور خود اَوس وخزرج کا بھی یہی دعویٰ ہے۔ اس بنا پر اگر ہمارے دلائل غسان کے نابتی الاصل ہونے پر صحیح ہیں؟ تو وہی بعینہ اوس وخزرج کے ناتبی ہونے پر بھی ثبوت ہیں۔

(iii) اَوس وخزرج کے اسماعیلی ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ قریش سے اُن کے رشتے ناتے ہوتے تھے۔ وہ ہر سال حج کے لئے پابندی سے آتے تھے۔

(iv) منذر بن حزام (حضرت حسان بن ثابت کا دادا) جو زمانہ جاہلیت میں خزرج کے قبیلے سے تھا۔ اپنا نسب نابتؑ بن اسماعیلؑ تک پہنچاتا ہے۔ اور اس پر فخر کرتا ہے۔

ورثنا من البھلول عمرو بن عامر وحارثة الغطریف مجدا موئثلا

موارث من ابناء نبت بن مالک و نبتؑ بن اسماعیلؑ مَا اَن تحولا

عمرو بن عامر اور حارثہ دونوں غسانی اور اَوس وخزرج کے پدر اعلیٰ تھے۔ غسان نے شام کا رخ کیا اور اَوس وخزرج نے حجاز کے شہر یثرب (مدینہ) میں سکونت اختیار کی۔ یثرب نہایت قدیم شہر تھا۔ یونانیوں نے اس کا اثر پا کے نام سے ذکر کیا ہے۔ اسلام آیا تو طیبہ اور مدینۃ النبیؐ (پیغمبر کا شہر) نام قرار پایا۔ اور مختصر ہو کر صرف مدینہ رہ گیا۔ پہلے یہاں عرب سامیہ اولیٰ آباد تھے۔ اُن کے بعد یہاں یہود آئے۔ اور آخر میں اَوس وخزرج کے قبیلے آ کر بسے۔

(ب) **"اَوس وخزرج کی شاخیں"**:۔ توالد اور مرور زمانہ سے یہ دو قبیلے متعدد فروع اور شاخوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔

(i) **"اَوس"**:۔ اوس کی صرف ایک اولاد تھی مالک، جس کی اولادوں کی حسب ذیل شاخیں ہیں؛

عمرو بن مالک، نبیت، عبدالاشہل، بنو ظفر (کعب بن خزرج بن مالک بن اَوس) عوف بن مالک، بنوعمرو بن عوف (اھل قبا)، بنوجحجبی، مرہ بن مالک؛ (جعاردہ اور اَوس اللہ بھی اسی کا نام ہے) سالم بن مالک؛ (بنو واقف) سالم بن مالک قبیلہ سعد بن خثیمہ، عبداللہ بن مالک بنوخطمہ۔

(ii) **خزرج:**

جشم بن خزرج؛ بنوتزید؛ بنوسلمہ؛ بنو بیاضہ؛ **عوف بن خزرج:** بنوالحبلی (قبیلہ عبداللہ بن ابی سلول راس المنافقین) بنوقوافل، بنو سالم؛ **حارث بن خزرج** ۔ **عمرو بن خزرج:** بنونجار (آنحضرتؐ کے ننھیالی لوگ)۔ **کعب بن خزرج:** بنوساعدہ (جن کا سقیفہ مشہور ہے یہی سعد بن عبادہ کا قبیلہ ہے۔ جو سقیفہ میں قیام خلافت ثلاثہ کے بعد ہمیشہ اُن کا اعلانیہ دشمن اور باغی رہا)۔

(ج) **اَوس وخزرج کی تاریخ**

اَوس وخزرج کی تاریخ اُنکے ہم وطن یہودیوں کے ساتھ مخلوط ہے۔ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کے یہود اصلاً بنی اسرائیل تھے یا یہودی المذہب عرب تھے؟ تاہم شمالی عرب میں کثرت سے اصل یہود آباد تھے۔ مدینہ کے اطراف میں بنو قریظہ، بنونضیر اور بنوقینقاع پُر زور قبائل آباد تھے۔ تجارت، زرگری، مہاجنی، لین دین، قرض دینا، رہن رکھنا، سود پر روپیہ لگانا۔

یہ اُن یہودیوں کے پیشے تھے۔ بدوی عربوں سے حفاظت اور ملک میں رعب پیدا کرنے کے لئے ہر تجارتی گودام پورا جنگی قلعہ ہوتا تھا۔ جنوب میں مدینہ اُن کی آخری سرحد تھی۔ مدینہ سے لے کر حدودِ شام تک خیبر، فدک، تبوک، تیما، مدین، وادی القرای، حجر میں اُن کے قلعے اور برابر آبادیاں تھیں۔ (یہ تمام علاقے اسماعیلی نبطیوں کی حکومت میں تھے اور اسی لئے یہاں یہود و نصاریٰ کو کھلے دل سے آباد ہونے اور پھلنے پھولنے کی آزادی تھی۔ حضرت عیسو کی اولاد اور مذہب کے لوگ ان علاقوں میں رہتے تھے...احسن)۔ مدینہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے مضبوط و مستحکم قلعے تھے۔ اسلام آیا تو یہی ان کا مایہ غرور تھا۔ قرآن نے اُن ہی قلعوں کی نسبت کہا ہے۔ خدا نے ان یہودیوں کو جنہوں نے کفار قریش کی مدد کی تھی ان کے قلعوں سے اتارا۔ وَاَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ... (احزاب 33/26) اے مسلمانو! یہ لوگ تم سے صرف قلعہ دار شہروں یا فصیلوں کے پیچھے سے لڑیں گے۔ لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا اِلَّا فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ... (حشر 59/14) ان کے جنگی اور ان کے مالی کاروبار کا جو جال تمام ملک میں پھیلا ہوا تھا، زنجیریں تھیں جو تمام باشندوں کے پاؤں میں انہوں نے ڈال رکھی تھیں۔ غرض یہ اسباب تھے کہ اوس وخزرج یہاں آکر ابھی ٹکے بھی نہ تھے کہ وہ اُن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے، اَوس وخزرج گو بدویانہ زور وقوت میں اُن سے زیادہ تھے۔ لیکن سامان، دولت، ہنر اور دیگر قوائے معنوی میں اُن سے فروتر تھے۔ اس بنا پر وہ یہودیوں سے نہایت متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ اس کا مذہبی اثر بھی پیدا ہونے لگا..... بالآخر اَوس وخزرج نے تنگ آکر غسان سے جو اُن کے ہم نسب تھے، مدد کے طالب ہوئے، غسانیوں نے یہودیوں کا زور توڑا۔ تاہم مالی تعلقات ایسی چیزیں نہیں جنہیں تلوار سے کاٹ دیا جا سکے۔ یہودی حقیقت میں جن اسلحہ سے لڑتے تھے انکا جواب (غسانی) فوجوں سے نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے ظہورِ اسلام تک اُن کی زبردستی قائم رہی۔ پھر بھی انصار پہلے سے اچھی حالت میں تھے۔ ادھر یہودیوں سے کسی قدر فراغت ہوئی تو آپس میں لڑنا شروع کر دیا، جس کا سلسلہ ایک مدت تک قائم رہا، اُن کی مشہور لڑائیوں کے نام یہ ہیں۔ یوم الربیع، یوم البقیع، حرب قارع، یوم بعاث۔ اس متواتر جنگ میں اَوس وخزرج کے اکثر اہل ادعا کام آئے۔ آخر فریقین نے تھک کر مصالحت کر لی اور قبیلہ عوف بن خزرج کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کو متفقاً اپنا بادشاہ اور یثرب کا تاجدار تسلیم کر لینا چاہا کہ اس اثنا میں خورشید اسلام طلوع ہوا۔ اوس وخزرج کے بارہ آدمیوں نے موسم حج میں داعی اسلام کا وعظ سُنا اور ایمان و بیعت سے مالا مال ہو کر گھر واپس آئے۔ دوسرے سال اسی موسم میں ستر آدمی اور فروغ اسلام سے منور ہو گئے۔ اور آخر نبوت کے تیرہویں سال (622 عیسوی) میں رحمتؐ عالم کو یثرب کی شہنشاہی کے لئے لے آئے۔ سرورؐ عالم نے مدینہ آکر سب سے پہلے یہودیوں سے چند شروط پر مصالحت کی۔ اَوس وخزرج کے باہمی فتنوں کو سرد کیا۔ عبداللہ ابن ابی جو بادشاہی کا دعویدار تھا ڈر کر خاموش تھا، تاہم فتنہ پردازیوں سے باز نہ آتا تھا۔ اُس کے ساتھ چند کمزور دل کے (مسلمان) افراد بھی شامل تھے، یہی لوگ منافقین تھے۔ اور عبداللہ اُن کا سردار اور راس المنافقین تھا۔ اَوس وخزرج نے انصار کے نام سے اسلام میں زندگی جاوید پائی، دنیا کے ہر گوشے میں جہاں قرآن کا کوئی صفحہ اور مسلمانوں کا کوئی گھرانا ہے انصار کا نام زندہ ہے۔ اور جن لوگوں نے اسلام کو پناہ دی اور نصرت کی وہی سچے مومن ہیں۔ اُن کے لئے مغفرت اور

اچھا رزق ہے۔''

(ارض القرآن جلد دوم صفحہ 85 تا 89)

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ o (انفال 8/74)

(د) محاکمہ کا نتیجہ

قارئین نے دوبارہ دیکھا کہ اَوس وخزرج آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم نسب اور ہم خاندان اور ننھیال تھے۔ اور وہ مکہ سے ہجرت کر کے غیر قبائل سے اپنے خاندان کی نصرت میں آ رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جناب ابو طالبؑ اور خدیجہؑ کے انتقال کے بعد نصرت مدینہ ہی سے مل سکتی تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ یہودیوں کا سرمایہ سارے ملک میں لگا ہوا تھا۔ اور انہیں اپنے سرمایہ کے تحفظ کے لئے قریش کی مدد کی ضرورت تھی۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اَوس وخزرج میں قدیم دشمنی تھی۔ اور اَوس بہر حال کمزور تھے ورنہ خزرجی خاندان کے عبداللہ بن ابی کی بادشاہت پر رضامند نہ ہوتے۔ اسی کمزوری کی بنا پر وہ قریش سے معاہدہ کر آئے تھے۔ لہٰذا اسلام لانے کے بعد بھی اُن پر نظر رکھنا ضروری ہوگی۔ یہی لوگ ہوں گے جن میں سے بعض کمزور دل کے نہیں بلکہ صاحبان ادعا عبداللہ بن ابی اور قریش سے آنحضرت اور خزرجیوں کے خلاف ساز باز کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ غسانی حکومت کی افواج ہر وقت مدد کے لئے آسکتی ہیں جو خاندان رسولؐ کی اپنی حکومت ہے۔ اور جو ایک دفعہ اَوس وخزرج کی مدد کے لئے یہودیوں کا زور توڑ چکی ہیں۔ اور جن کا مرکز حجر اور وادی قریٰ میں موجود ہے۔ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر ہجرت کی تیاریاں ملاحظہ کرتے چلیں۔

(21/7) خانوادہ رسولؐ کی مدنی شاخ خزرج کی نصرت پر آمادگی کی تدریج

قارئین جہاں جہاں بنوخزرج کے اسلام لانے کا تذکرہ ملے وہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ قریش کے خلاف بنوخزرج کے عوام وخواص کو کس عمومی انداز میں آمادہ کیا جا رہا تھا۔ یعنی اُن کے اسلام میں تو اس لئے کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ خاندان رسولؐ کے افراد ہیں اور ابو طالبؑ کے زمانہ ہی سے اسلام میں داخل ہیں۔ مگر قریش کا منہ بند رکھنے اور اُن کی چالوں کو بے اثر کرنے کے لئے مصلحتاً اکثر لوگوں کو اعلان نہ کرنے کی مصلحت بتا دی جاتی تھی۔ یہ روز اوّل سے مکہ وگرد ونواحِ مکہ میں بھی جاری تھی اور قحطانی تاریخ نے اس کو تسلیم بھی کیا ہے۔ مگر طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ کون نو مسلم ہے اور کون قدیم مسلمان ہے۔ چنانچہ خزرجی مسلمانوں کا حال طبری سے سُنیں۔

(i) طبری کے مطابق قبیلہ خزرج کو اتفاقی دعوت اسلام

''جب اللہ نے ارادہ کر ہی لیا کہ وہ اپنے دین کو غالب کرے اپنے نبیؐ کو معزز بنائے اور جو وعدہ اس نے رسولؐ اللہ سے کیا تھا اُسے ایفا کر دے تو اب اس حج کا موقعہ آیا جس میں رسولؐ اللہ کی ملاقات انصار سے ہوئی۔ اِس سال بھی آپؐ نے حسب دستور قبائل عرب سے ملاقات کی اور اپنے آپ کو اُن کے سامنے پیش کیا۔ اسی حالت میں عقبہ کے قریب خزرج کی ایک جماعت سے، جس کے ساتھ اللہ کو بھلائی منظور تھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے اُن سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم خزرج کی ایک جماعت ہیں۔ رسولؐ اللہ نے پوچھا کہ کیا تم یہودیوں کے موالی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم یہودیوں کے موالی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ذرا دیر بیٹھتے نہیں کہ تم سے کچھ باتیں

کروں؟ انہوں نے کہا بہتر ہے ہم بیٹھے جاتے ہیں۔ چنانچہ آپؐ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپؐ نے اُن کو اللہ کی دعوت دی، اسلام پیش کیا اور قرآن سنایا۔ اللہ نے پہلے ہی اُن کو اسلام کے لئے اس طرح آمادہ کرر کھا تھا کہ یہودی جو اُن کے علاقوں میں آباد تھے چونکہ وہ اہل کتاب اور عالم تھے اور یہ لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ اور یہودیوں نے اُن کے علاقہ پر قبضہ کرر کھا تھا۔ جب کبھی اُن میں کوئی تنازعہ ہوتا تھا تو یہودی اُن سے کہتے تھے ذرا ٹھہر جاؤ بہت جلد ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کا زمانہ بالکل قریب آ گیا ہے۔ ہم اُس کے ساتھ ہو کر تمہارا اس طرح قلع قمع کریں گے جس طرح قوم عاد اور ارم ملیا میٹ کر دی گئی تھیں۔ اس لئے جب رسولؐ اللہ نے اُن سے باتیں کیں اور اُن کو اللہ کی طرف دعوت دی۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ جانتے ہو بخدا یہی وہ نبیؐ ہیں جن کے مبعوث ہونے سے یہود تم کو ڈراتے تھے۔ اب یہ نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے ان کے پاس پہنچ جائیں۔ اور اُن کی دعوت کو قبول کر کے ان کی تصدیق کریں اور اسلام لے آئیں۔ اس خیال سے اُنہوں نے رسولؐ اللہ سے کہا کہ ہم نے اپنی قوم کو چھوڑا اور واقعہ یہ ہے کہ باہمی عداوت ورقابت کی وجہ سے ہم میں کوئی قومیت ہی نہیں ہے۔ ممکن ہے آپ کی وجہ سے اللہ پھر اُن کی بات بنا دے، ہم اُن کے پاس جاتے ہیں اُن کو آپ کی دعوت پہنچاتے ہیں اور یہ دین جو ہم نے قبول کرلیا ہے پیش کرتے ہیں۔ اگر اللہ نے اُن سب کو اس بات پر متحد کر دیا تو آپ سے زیادہ ہماری نظر میں اور کوئی معزز نہ ہوگا۔ اس گفتگو کے بعد یہ لوگ ایمان لا کر اور آپ کی نبوت کی تصدیق کر کے اپنے اپنے وطن چلے گئے، یہ قبیلہ خزرج کے چھ اشخاص تھے۔ ان میں اس قبیلے کے خاندان بنوالنجار میں سے (یہ ہی تیم اللہ ہیں)۔ بنی مالک بن النجار بن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر کی اولاد میں سے اسعد بن زرارہ بن عُدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار تھا (یہ ہی ابوامامہ ہے)۔ اور عوف بن الحارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن النجار تھا (اور یہی ابن عقراء ہے)۔ اور بنی زریق بن عامر بن عبد حارثہ بن مالک بن عضب بن الجشم بن الخزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر میں سے رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن عامر بن زریق تھا۔ اور بنی سلمہ بن سعد بنی علی بن اسد بن ساردۃ بن تزید بن جشم بن الخزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر اور پھر بنی سواد میں سے قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ تھا۔ اور بنی حرام بن کعب بن سلمہ میں سے عقبہ بن عامر بن تابی بن زید بن حرام تھا۔ اور بنی عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ میں سے جابر بن عبداللہ بن رباب بن النعمان بن سنان بن عبید تھا۔ مدینہ واپس آ کر انہوں نے اپنی قوم سے رسولؐ اللہ کا ذکر کیا اور ان کو اسلام کی دعوت دی۔ جو ان میں بہت مقبول ہوئی۔ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا۔ جہاں رسولؐ اللہ کا ذکر نہ ہوتا ہو۔ دوسرے سال حج میں انصار کے بارہ آدمی مکہ آئے اور انہوں نے عقبہ میں رسولؐ اللہ سے ملاقات کی۔ یہی پہلا عقبہ ہے۔'' (طبری جلد اول صفحہ 116-115)

(ii) خانوادہ رسولؐ کی مدنی شاخ انصار نے ایک پیغام پر اعلان اسلام کر دیا

اس بیان میں قحطانی تاریخ یہ مانتی ہے کہ انصار کو خدا نے پہلے سے اسلام کے لئے آمادہ کر رکھا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ جو اتفاقی اور ناگہانی اور بے جوڑ قصہ جوڑتی ہے وہ حق کو پوشیدہ کرنے کے لئے ضروری ہو گیا تھا۔ ہمارا پہلا اعتراض یہ ہے کہ کیا اللہ کو اچانک اپنا وعدہ یاد آ گیا تھا؟ یہ وعدہ تو روز اوّل سے تھا۔ لہٰذا روز اوّل سے ہی انصار کو اسلام عطا کر رکھا تھا۔ اعلان اور قریش کے لئے دھاکہ روک

رکھا تھا۔ پھر یہ کہ اگر خزرج پہلے سے مسلمان نہ ہوتے تو وہ بھی اُن عربوں کی طرح اقتدار میں حصہ مانگتے ۔ اُن کا فوراً بلا شرط متفق ہو جانا بتا تا ہے کہ وہ ایک ہی خاندان کے افراد تھے ۔ اللہ، رسولؐ اور علیؑ کا اقتدار و حکومت اُن کی اپنی حکومت اور اقتدار تھا۔ پھر انہوں نے مدینہ جا کر چٹکی بجانے میں سارے مدینہ کو مسلمان کر دیا اور کسی نے اختلاف کیا نہ تصدیق کی ضرورت محسوس کی ۔ اگر اہل مدینہ ابو طالبؑ کے زمانہ سے ہی مسلمان نہ ہوتے تو صرف چھ آدمیوں کے کہنے سے یہ کایا پلٹ کیسے ہو سکتی تھی؟ مکہ میں تیرہ سال کے اندر خود رسولؐ اللہ اور خاندان رسولؐ کی ذاتی تبلیغ سے سو آدمی بھی مسلمان نہ ہو سکے ۔ رہ گیا یہودیوں کی پیشگوئی اور انصار کو ڈرانا، یہ اس لئے غلط ہے کہ یہودی غالب تھے ۔ مغلوب کو ڈرانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ۔ پھر یہودیوں کا یہ قول تازہ نہ تھا۔ چنانچہ انصار پابندی سے حج کو مکہ میں آتے تھے ۔ اگر انہیں سچ مچ ڈرایا گیا ہوتا تو بہت پہلے سے اُن کو نبیؐ کی تلاش رہنا چاہئے تھی ۔ انہوں نے کبھی تلاش نہیں کیا لہٰذا خوف نہ تھا۔ پھر نبوت محمدؐیہ کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی تھی ۔ یہ ناممکن تھا کہ خود محمدؐ کے نانا اور ماموؤں کو معلوم نہ ہوا ہو۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ قبیلہ اَوس و خزرج اپنے خاندانی نبیؐ پر روز اوّل سے ایمان رکھتے تھے اور نصرت و اعلان کا حکمیہ انتظار کر رہے تھے ۔

(21/8) مدینہ میں بارہ نقیبوں کا تقرر؛ معاہدہ تحفظ کی شرطیں

قارئین یہ دیکھ چکے کہ مدینہ میں گھر گھر اسلام جا پہنچا تھا ۔ رسولؐ اللہ مدینہ کی طرف ہجرت کیلئے مدینہ میں اپنے خانوادہ کو ہدایات پہنچا رہے تھے ۔ یہ سب کچھ زیر پردہ قریش سے پوشیدہ کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ آپؐ مدینہ کے وفود سے وادئ عقبہ میں پہاڑ کے درّوں کے اندر راتوں کو ملاقات کیا کرتے تھے ۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں آپؐ نے انصارؓ کو ان شرائط سے مطلع کیا جو اسلام اور رسولؐ اللہ کے تحفظ کیلئے ضروری تھیں ۔ رات کے اندھیرے میں خانوادہ رسولؐ کے ستر (70) مدنی مرد اور دو خواتین رسولؐ اللہ کے مخاطب ہیں ۔ وضاحت طلبی کیلئے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ اپنے متعلق انتہائی بات کہہ دیں، چنانچہ یہ قصہ تاریخ طبری سے سنئے :۔

''رسولؐ اللہ نے گفتگو شروع کی پھر قرآن پڑھ کر سنایا، اللہ کی دعوت دی اور اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی ۔ پھر فرمایا میں اس شرط پر تم سے بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اس طرح حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنی بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اس پر براء نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو بجا طور پر نبیؐ مبعوث فرمایا ہے ۔ ہم آپؐ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح کہ ہم اپنی ازاروں کی حفاظت کرتے ہیں ۔ اس شرط پر ہم نے رسول اللہ صلعم کی بیعت کی ۔ بخدا ہم اہل حرب اور اہل جماعت ہیں اور یہ فخر ہم کو وراثتاً اپنے بزرگوں سے ملتا رہا ہے ۔

بارہ نقیب: براء ابھی گفتگو کر ہی رہے تھے کہ اُن کی بات کاٹ کر ابو الہیثم بن تیہان بنی عبد الاشہل کے حلیف نے کہا اے رسولؐ اللہ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان جو رشتہ اور تعلق ہے ہم اُسے قطع کر دینے کے لئے آمادہ ہیں ۔ اگر ہم نے ایسا کر دیا اور اللہ نے آپؐ کو غلبہ عطا فرمایا تو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس چلے آئیں گے ۔ رسولؐ اللہ نے تبسم فرمایا۔ پھر کہا خون، خون، بربادی، بربادی، میں تم سے اور تم مجھ سے ہو۔ جس سے تم لڑو گے میں لڑوں گا، جس سے تم صلح کرو گے میں صلح کروں گا ۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم اپنے میں سے بارہ (12) نقیب مجھے دو کہ میں اُن کو اُن کی قوم کی نگرانی اور سیاست کے لئے مقرر کروں ۔ چنانچہ انہوں نے بارہ نقیب جن میں نو خزرج اور

تین اَوس کے تھے انتخاب کر دیئے۔رسول اللہ صلعم نے اُن نقیبوں سے فرمایا تم اپنی قوم کے وعدوں کے اُسی طرح کفیل ہو جس طرح حواری عیسیٰ کے کفیل تھے اور اپنی قوم کا میں کفیل ہوں۔انہوں نے کہا اچھی بات ہے۔ہم اسے قبول کرتے ہیں۔

بیعت عقبہ ثانیہ: عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ جب یہ سب جماعت رسولؐ اللہ کی بیعت کیلیئے آمادہ ہوئی عباس بن عبادہ بن نضلۃ الانصاری نے جو بنی سالم بن عوف کا رشتہ دار تھا سب کو مخاطب کر کے کہا تم ان ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ گئے ہو جو انکے ہاتھ پر بیعت کرنے کی وجہ سے تم پر عائد ہونگی، انہوں نے کہا ہاں سمجھ گئے۔اس نے کہا اس بیعت کے یہ معنی ہیں کہ تم کو تمام دنیا سے لڑنا پڑیگا۔سب تمہارے دشمن ہو جائینگے تو اگر انکی حمایت میں کسی مصیبت کی وجہ سے تمہاری تمام دولت برباد ہو جائے اور تمہارے تمام اشراف مارے جائیں اور پھر تم ان کا ساتھ چھوڑ دو تو اس وقت ایسا کرنے سے یہ بہتر ہے کہ اب ہی انکار کر دو۔کیونکہ اقرار کے بعد عدم ایفا کی صورت میں دین و دنیا کی رسوائی ہے اور اگر تم ان تمام مصائب کے پیش آنے کے بعد بھی ایفائے عہد کیلیئے آمادہ ہو تو بے شک ان کو اپنے ساتھ لو، اس میں دین و دنیا دونوں کی بھلائی ہے۔اس پر سب حاضرین نے کہا ہم مال و جان کی مصیبت کو برداشت کر کے آپ کو لیتے ہیں۔رسولؐ اللہ آپ فرمائیں اگر ہم نے آپ کے ساتھ وفا کی ہمیں اس کا کیا اجر ملے گا۔آپ نے فرمایا جنت۔سب نے کہا ہاتھ پھیلایئے۔آپ نے ہاتھ بڑھایا اور سب نے آپ کی بیعت کی۔

راوی کا خیال ہے کہ عباس بن عبادہ بن نضلۃ الانصاری نے یہ تقریر صرف اس لئے کی تھی کہ رسولؐ اللہ کی حمایت اور مدافعت کا عہد زیادہ پختگی سے ان کے ذمہ عائد ہو، مگر عبداللہ بن ابی بکر کا خیال ہے کہ عباس نے یہ تقریر اس لئے کی تھی کہ اس رات کو وہ لوگ آپ کی بیعت نہ کریں۔وہ چاہتے تھے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول بھی اس عہد میں شریک ہو تو اس جماعت کی بات زیادہ قوی ہو جائے گی۔مگر اللہ ہی ان کی نیت سے زیادہ واقف ہے کہ کیا تھی۔بنی النجار مدعی ہیں کہ سب سے پہلے ابوامامہ اسعد بن زرارہؓ نے رسولؐ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے ہاتھ رکھا۔اور بنی عبدالاشہل کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابوالہیثم بن تیہان نے بیعت کی۔کعب بن مالک سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اس موقعہ پر براء بن معرور نے رسولؐ اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھا اور بیعت کی، اس کے بعد تمام جماعت نے متواتر بیعت کی۔جب ہم بیعت کر چکے تو میں نے ایسی بلند اور صاف آواز میں جو میں نے کبھی نہ سنی تھی گھاٹی کی چوٹی پر سے شیطان کو یہ کہتے سنا۔اے اہل جبل تم کو اس شخص کے ساتھ معاہدہ کرنے اور تبدیل مذہب سے کیا فائدہ ہوگا۔ہوشیار ہو جاؤ قریش نے تم سے لڑنے کیلیئے تصفیہ کر لیا ہے۔رسولؐ اللہ نے فرمایا یہ دشمن خدا کیا بک رہا ہے، یہ اس گھاٹی کا بھوت ہے، یہ شیطان ہے۔اے خدا کے دشمن سُن لے میں بہت جلد اس کام سے فارغ ہو کر تیری خبر لیتا ہوں۔پھر آپ نے انصار سے کہا اب تم اپنی قیام گاہوں کو جاؤ، اس موقع پر عباس بن عبادہ بن نضلۃ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو واقعی نبی مبعوث فرمایا ہے حکم ہو تو ہم کل صبح ان لوگوں پر جو منیٰ میں ہیں تلواروں سے حملہ کئے دیتے ہیں۔آپ نے فرمایا ہمیں اس کا ابھی حکم نہیں دیا گیا ہے اس وقت تو تم اپنی قیام گاہوں کو چلے جاؤ۔ہم اپنی خوابگاہوں کو واپس آکر سو گئے۔صبح کو قریش کے بیشتر اصحاب ہمارے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے گروہ خزرج ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ہمارے اس شخص کے پاس گئے تھے اور تم اسے ہمارے خلافِ مرضی یہاں سے لے جانا چاہتے ہو اور تم نے ہم سے لڑنے کے لئے اس کی بیعت کی

ہے۔حالانکہ بخدا تمام قبائل عرب میں اس بات کے لئے کہ وہ ہم میں اور اُن میں جنگ کرادے تم سے زیادہ کوئی ہمارے نزدیک مبغوض نہیں۔اس پر ہماری قوم کے جو مشرک ہمارے ساتھ آئے تھے چونک پڑے اور انہوں نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوا ہے اور ہم اس سے بالکل بے خبر ہیں اور ان کی بات ٹھیک بھی تھی کیونکہ واقعی ان کو کچھ معلوم نہ تھا۔خود ہم میں سے ایک نے دوسرے کو دیکھنا شروع کیا، اتنے میں قریش اٹھ کھڑے ہوئے۔ان میں حارث بن ہشام بن المغیرۃ المخزومی بھی تھا وہ نئے جوتے پہنے ہوئے تھا۔میں نے اپنی قوم کی کہی ہوئی بات میں شرکت کے لئے یہ بات کہی کہ اے ابو جابر تم بھی ہمارے سردار ہو، کیا تم اس قریشی کے ایسے جوتے نہیں خرید سکتے۔حارث نے یہ بات سن پائی اس نے وہ جوتے پاؤں سے نکال کر میری طرف پھینکے اور کہا کہ بخدا اب تم کو یہ پہننا پڑیں گے۔ابو جابر نے مجھ سے کہا ذرا خاموش رہو تم نے اسے ناراض کر دیا۔اس کے جوتے واپس دے دو۔میں نے کہا ہرگز نہیں، یہ تو ہمارے لئے اچھی فال ہے اگر یہ پوری ہوئی تو دیکھنا کہ قتل کے بعد میں اس کے لباس اور اسلحہ کو اتاروں گا۔

عقبہ کے متعلق یہ مذکورہ بالا بیان کعب بن مالک کا ہے۔ابو جعفر کہتے ہیں اور ابن اسحٰق کے علاوہ دوسروں نے بھی یہ بیان کیا ہے کہ انصاری ذی الحجہ میں بیعت کے لئے رسولؐ اللہ کی خدمت میں آئے ان کے جانے کے بعد اس سال کے ذی الحجہ کا بقیہ زمانہ محرم اور صفر رسولؐ اللہ مکہ میں رہے۔ربیع الاوّل میں آپ ہجرت کرکے مدینہ روانہ ہوئے اور دوشنبہ کے دن 12 ربیع الاوّل کو آپ مدینہ پہنچے۔''

(طبری۔جلد اوّل صفحہ 124-122)

(21/9) ہجرت کا معاہدہ حق اور باطل کے درمیان خطِ فاصل

اس معاہدہ پر نظر ڈالنے سے پہلے ذرا یہ دیکھیں کہ اس رات کے اندھیرے میں وہ لوگ کہاں ہیں؟ جو بعد میں بڑے گہرے دوست اور ہمراز و دمساز بنا کر دکھائے گئے۔آج اُن پر رازداری و وفاداری کا اعتماد کیوں نہیں ہے؟ قطعاً بصیرت کی یہ کتنی بڑی خامی ہے کہ صدیوں کا موقعہ و اختیار ملنے کے باوجود اس وقت اُن میں سے کسی ایک کا نام بھی نہ لکھا۔خیال ہی نہ آنے پایا کہ کل کا مؤرخ یہ دریافت کرے گا کہ اس اہم ترین موقعہ پر وہ کہاں ہیں؟ اور آج تک کے واقعات میں اُن کا کوئی حصہ کیوں نہیں ہے؟ شعب ابو طالبؑ سے وہ غائب تھے، تین سال کے مصائب میں انھوں نے کوئی حصہ نہ لیا، حکومت کی پیشین گوئی کے باوجود دُور دُور کیوں رہتے چلے آرہے ہیں؟ کیا وہ قریش کی کسی خاص نگرانی یا ٹریننگ پر متعین ہیں؟ قارئین نوٹ کریں کہ یہی وہ معاہدہ ہے جس نے انہیں جھنجوڑ کر یہ سکھایا کہ آئندہ راتوں میں رسولؐ پر باقاعدہ نگرانی رہنا چاہئے۔تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے اندھیروں میں بھی کوئی ایسا اقدام آئندہ نہ کر سکیں جس سے قریشی آنکھ غافل رہ جائے۔آئندہ انہیں رسولؐ کے گھر میں بھی پہرہ لگانا ہوگا، ہر بات غور سے سننا ہوگی، لفظ دن اور رات پر کان دینا ہونگے کہ کہیں رات میں کسی اقدام کا اشارہ تو نہیں کیا گیا ہے۔یہی رات تھی، یہی ناکامی تھی، یہی وہ نیند اڑادینے والا حادثہ تھا جسکی وجہ سے بعض لوگوں نے رات کا سونا چھوڑ دیا، آپس میں جاگتے رہنے پر ڈیوٹیاں مقرر کرلیں۔یہ معاہدہ رات میں ہوا ہے اسلئے یہ سمجھنا نہایت آسان تھا کہ رسولؐ اللہ جب بھی مکہ سے مدینہ جائیں گے ضرور رات ہی میں جائیں گے۔لہٰذا درِ دولت پر ہی نہیں بلکہ آپؐ کی مکان کی چھتوں اور چار دیواری پر بھی نظر رہنا چاہئے۔ایسا نہ ہو کہ دیوار پھلانگ کر نکل جائیں۔جو کچھ ہم لکھتے ہیں یا لکھ رہے

ہیں وہ فطری واقعات ونفسیات کا تجزیہ ہوتا ہے۔اس میں سوفیصد صحیح عوامل وعواقب ونتائج کا سامنے آکھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے۔چنانچہ وہ دیکھئے ایک سایہ آڑ میں سے نکلا اور رسولؐ اللہ کے پیچھے پیچھے چلا جارہا ہے۔یہ بیعت عقبہ ثانیہ میں جو ہجرت ونصرت کا معاہدہ اور بیعت ہوئی،ابلیس کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہی۔وادی عقبہ میں بھی بھوتوں کے کچھ سائے اِدھر اُدھر منڈلا رہے تھے۔ابلیس نے اِدھر آنحضرتؐ اوراُنکے جان نثاروں کو بتا دیا کہ میں تمہیں نظر میں رکھے ہوئے ہوں۔اُدھر اپنے قریشی نمائندوں کو نظام وحی (6/121) سے خبر دار کردیا اور بتادیا کہ تم سے مادی انتظام میں بڑی مہلک غلطی ہوگئی ہے۔جاگو اور جاگتے رہو اور جس طرح ہوسکے رسوؐل کی تنہائیوں میں،رات کے اندھیروں میں دو چار نگران آنکھیں پہنچادو۔جواُنکی رات بھر کی نقل وحرکت،سونا جاگنا،وضواورعبادت،مراقبہ ومکاشفہ پر نگرانی کریں اور بروقت رپورٹ دیں تلافی وتدارک کریں۔اُنکی تنہائیوں میں مونس وغمخوار بن جاؤ۔ابوطالبؑ اور خدیجہؑ راتوں ہی میں تو جاں نثاری وحفاظت کرتے تھے۔راتوں ہی میں تو اُنکی یاد زیادہ آتی ہوگی۔آگے بڑھو،شرم کو بالائے طاق رکھو،موقعہ سے فائدہ اُٹھاؤ،اپنی بصیرت،تجربہ اوراجتہاد سے اسکیم بناؤ۔اس موقعہ پر چاندی،سونا اور رات کا سونا سب قربان کردو،یہ قربانی کل کام آئے گی۔

(ii) یہ معاہدہ قتل وغارت اور تباہی پر آمادگی تھا

قارئین کو قحطانی تاریخ میں یہ مغالطہ بھی ملے گا کہ اُس رات کے معاہدہ میں قریش کے ایک کافر عباس نامی کو موجود دکھایا جائے جوسابقہ واقعات کے ربط ونظم کے خلاف غیر فطری ہے۔دوسرے یہ مغالطہ جناب عباس بن عبادہ خزرجی کے نام پر دیا گیا ہے۔اوراُسی قسم کی تقریر قریشی عباس کے منہ سے اُگلوائی ہے۔جیسی عباس بن عبادہ نے انصار کو مستقبل کے خطرات پر آمادہ کرنے کیلئے کی تھی۔بہرحال اُس رات اُس معاہدہ میں کوئی قریش موجود نہ تھا۔عباس بن عبادہ نے انصار کو یہ کیوں نہ کہا کہ تمہیں قریش سے لڑنا پڑے گا؟ اور یہ کیوں کہا کہ ساری دنیا سے جنگ کرنا پڑے گی؟ مطلب واضح ہے کہ انصار خانوادہ رسولؐ کے افراد ہیں۔جب تک محمدؐ اوراُن کا مشن دنیا میں موجود ہے۔اُس خاندان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کوئی اور نصرت کرے یا نہ کرے مگر انصار کو سچ مچ ابوطالبؑ کی طرح ناصر بننے کے لئے تا قیامت اسلام کی نصرت میں دنیا کی ہر مخالف جماعت سے جنگ کرنا ہوگی۔وہ غالباً جانتے تھے کہ دنیا سے ان کا مطلب قحطانی تصورات،قحطانی مذہب،اور قحطانی نسلیں اور حکومتیں تھا جو مسلسل حقیقی اسلام کے خلاف محاذ آرا رہتی چلی جائیں گی۔ان کے سامنے رسوؐل اللہ کے چار لفظ اُبھر کر اور پھیل کر آگئے تھے؛

''خون،خون۔بربادی،بربادی''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب حضوؐر نے ''خون،خون'' فرمایا تو کہیں سامنے فضاؤں میں قتل وغارت کے وہ تمام سین (Scenes) دیکھے جا سکتے تھے۔جو 11 ھجری سے شروع ہوکر زوالِ حکومت دہلی تک پیش آنے والے تھے۔اور جب ''بربادی،بربادی'' فرمایا تو وہ تمام شکست وریخت،لوٹ مار،تباہیاں منجنیق اور گولہ باریاں۔عبادت خانوں،قلعوں،شہروں،مکانوں کا مسمار کیے جانا،کعبہ کو جلا ڈالنا،مدینہ میں تین روز تک اسلام کے نام پر جان ومال وعصمتیں مباح کردینا۔عورتوں،بچوں اور بیکس لوگوں کو لُوٹ لینا،سامنے پھر گیا ہوگا۔الغرض

عباس بن عبادہ نے حضورؐ کے مدنی خاندان کو اُس مہم سے مطلع کر دیا جس کے لئے ابو طالبؑ نے اپنی اولاد کو تیار کیا تھا اور انتقال کے وقت وصیت کی تھی۔ اُنہیں احساس دلایا کہ تم آج تک نصرت سے دُور رہے ہو۔ یہ زمانہ، یہ ترپن سال کا دور قحطانیوں یعنی قریشیوں پر اتمام حجت کا زمانہ تھا۔ وہ بہر حال غیر لوگ تھے انہوں نے جو کچھ کیا، اُس کی صورت ہی اور ہے۔ تم خانوادہ اسماعیلؑ کی مرکزی شاخ سے ہو، تم رسولؐ کے اپنے اقربا ہو، تم ابو طالبؑ کی جگہ نصرت کا ذمہ لے رہے ہو۔ تمہاری عورتوں پر حضرت خدیجہؑ کی ذمہ داریاں عائد ہو رہی ہیں۔ اس وقت سوچ لو، سمجھ لو کہ تمہاری اولاد اور بزرگ مقتل پر قتل ہوئے پڑے ہیں، مال و دولت لٹ چکا ہے، بچے اور خواتین کے قیدی بننے کا وقت آ گیا ہے کیا یہ سب تمہیں منظور ہے؟ شاباش سب کو محمدؐ پر قربان کر دو۔ اسلام کو دنیا میں روشناس اور سرخرو کرنے کے لئے آگے بڑھو اور محمدؐ کا ہاتھ پکڑ کر جنت اور خدا کی رحمت میں داخل ہو جاؤ۔ حوّارئین حضرت عیسیٰؑ کی طرح سب کچھ تیاگ دو، قربان کر دو اور محمدؐ کو لے لو۔

(iii) قریش اور اہل مکہ پر رحم کیا گیا ورنہ تہہ تیغ کر دیئے جاتے

عباس بن عبادہ کا دلایا ہوا جوش اور مستقبل میں قتل و غارت اور تباہی کی اطلاع نے نوجوانان اسماعیلؑ کو حفظ ماتقدم کا خیال دلایا۔ انہوں نے بگڑ کر کہا کہ کیوں نہ کل منیٰ میں قریش کا صفایا کر دیا جائے؟ افسوس کہ رسولؐ اللہ اور خانوادہ رسولؐ ہماری طرح آزاد نہ تھا اور شریعت کا جواز بھی اپنے تحفظ میں استعمال نہ کر سکتا تھا۔ ورنہ کیا پدّی کیا پدّی کا شوربا۔ ایک نہایت حقیر گروہ، نہایت بُزدل روباہ صفت جماعت، آناً فاناً اُنکا قلع قمع کیا جا سکتا تھا۔ ارے حضور وہ اُنہی سواروں کی مسلح جماعت ہی تو تھی، وہ اُسی مدینہ کے شمشیر زن تو تھے، وہ خانوادہ رسولؐ ہی کے بہادر تو تھے جنہوں نے مکہ میں آ کر قریش کے سردار نوفل کا سلام ٹھکرا دیا تھا اور صرف ایک ہی تلوار تو میان سے نکل کر چمکی تھی کہ قریش ہاتھ جوڑ کر جناب عبد المطلب علیہ السلام کی جائیداد واپس کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یہ تو رسولؐ اللہ اور اُنکے بزرگوں کی انسان دوستی اور مستقل امن پسندی کی پالیسی تھی کہ قریش اور اُنکی محسن کش پالیسیاں کامیاب ہوتی چلی گئیں۔ قسم بخدا اگر ہم موجود ہوتے تو قریش کو جنم ہی نہ لینے دیتے۔ اُنکا بیج ناس کر دیتے۔ اور جو کچھ انہوں نے خاندان رسولؐ کے ساتھ کیا وہ سب کچھ اُنکو برداشت کرنا پڑتا۔ راویوں میں وہ شخص جس نے جناب عباسؓ بن عبادہ پر شک ظاہر کیا ہے وہ یقیناً مخالف محاذ کا آدمی تھا جو دوسروں کو اپنی قسم کا سمجھتا تھا۔

(iv) بیعت عقبہ اپنے پرائے، دوست اور دشمن کا آخری فیصلہ ہے

طبری کے اس بیان میں یہ بات فیصلہ کن ہے کہ خانوادہ رسولؐ کا مدنی گروپ یہ نہیں چاہتا کہ غلبہ حاصل ہو جانے کے بعد رسولؐ اللہ مکہ میں آ کر قحطانی قوم میں سکونت اختیار کر لیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کعبہ انبیا علیہم السلام کا مرکز رہا ہے۔ اور کعبہ و مکہ میں رہنے کے لئے اُن کے بزرگوں نے بڑی بڑی دقتیں اور مصائب جھیلے ہیں۔ لہٰذا اُن کے نزدیک ضروری تھا کہ رسولؐ اللہ واپس آ جائیں۔ مگر اب دل نہ چاہتا تھا کہ اُن کا یہ مقدس خاندان مدینہ سے واپس جائے۔ رسولؐ اللہ نے اپنے دور نبوت میں مدنی خاندان کی وجہ سے مرکز کو مدینہ میں تبدیل کر لینا پسند فرما لیا اور یہ بتانے کے لئے کہ قریش میرا خاندان نہیں ہے اور نہ مجھے اُن سے کوئی لگاؤ ہے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ میری ہر اُس شخص سے صلح اور دوستی رہے گی جس سے تم صلح و دوستی رکھو گے۔ میں ہر اُس شخص یا قوم سے جنگ کروں گا جس سے تمہاری جنگ ہوگی۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ قریش رسولؐ اللہ کے خاندان سے ہیں، دراصل واقعات اور حقائق کو منہ چڑانا ہے جس کا ثبوت

خانہ ساز کہانیوں کے سوا اور کہیں نہیں ملتا۔

قرآن کریم نے دشمن اور مخالف قوموں کو نبیوںؑ کی قومیں یعنی امتیں فرمایا ہے۔اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ قوم نبیؐ کی رشتہ دار ہی تھی۔ یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ جس شخص نے بیعت کی ابتدا کی اور پہلے بیعت کی وہ خاندان کا نزدیک ترین فرد تھا۔ یہ ایسا فخر تھا کہ بعد میں اسکو بانٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ بات خاص طور پر نوٹ کریں کہ تبلیغ کیلئے بارہ نقیب مقرر کیا جانا اس خاندان کی بڑی قدیم مذہبی روایت ہے۔بارہ کی تعداد آئمہؑ حق اور خلفاؑئے خداوندی کی اہم شناخت ہے۔پھر اُن نقیبوں کو حواریان عیسیٰؑ والی ذمہ داریاں دیا جانا خاص اسلامی مقام ہے۔جس کو بہترین مسلمان کے انتخاب کا معیار بتایا جاتا ہے اور جو مسلمان حوار یین عیسیٰؑ کے معیار سے گرے ہوئے تھے وہ دراصل تیسرے درجے کے مسلمان تھے۔ جو اگر نیک نہاد اور کوشش کرنیوالے ہوں تو حقیقی مسلمانوں کے درجے تک پہنچ سکتے تھے۔

(21/10)۔ ہجرت کا ماحول، ہجرت کے متعلق تاریخی فریب وفراڈ

ہجرت اور اُس کے بعد کے حالات میں قریش نے وہ تمام بنیادیں استوار کی ہیں جس سے مدینہ میں مکیوں کی اسلامی پوزیشن مضبوط کی جائے اور آئندہ آنے والے مکروفریب کو اسلامی جامہ پہنایا جا سکے۔اس لئے ضروری ہے کہ قارئین کے روبرو وہ ماحول رہتا چلا جائے جو ہجرت کے وقت تک مکیوں اور مدنیوں کا فرق واضح کردے۔اور جہاں اُنہیں تاریخی بے ربطی سامنے آئے وہ اُسے نظر حقارت سے ٹھکرادیں۔مکہ کا اسلامی ماحول یہ تھا کہ اللہ نے کفار قریش کی مزید تبلیغ قطعاً منع کردی۔یعنی اُن میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جس پر کسی تبلیغ وتنذیر کا اثر ہو سکے۔اُن سے قطعاً قطع تعلق کر کے مستقبل میں قیام ولایت حکومت کے احکام نازل ہو چکے تھے۔اس پر رسولؐ اللہ نے اپنے مدنی خانوادہ کو مخاطب کر لیا تھا۔اور مدینہ کے لوگوں نے باقاعدہ اعلان اسلام اور نصرت اسلام کی دھوم مچادی تھی۔رسولؐ اللہ کی عدم موجودگی میں جس تیزی کے ساتھ چندروز میں سارا مدینہ مسلمان ہوگیا وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جناب ابوطالبؑ ہی کے زمانہ سے مدنی خاندانِ رسالت، تصدیقِ رسالت کرتا چلا آرہا تھا۔یعنی رسولؐ اللہ کا مدنی خانوادہ، مکی خانوادہ کی طرح روزِ اوّل سے مسلمان تھا۔اس حقیقت کو پوشیدہ کرنے کے لئے شاہی تاریخ نے چند مکی مبلغین گھڑ کر اُن کا مدینہ میں تبلیغ کرنا بھی لکھ مارا ہے۔مگر ہمیں ہجرت سے پہلے اُن ناموں کا اسلامی فہرست میں کہیں نام ونشان نہیں ملتا۔پھر مبلغ کے درجے پر فائز ماننے کیلئے تو باقاعدہ اس کی تعلیم و مذہبی مہارت پر رسوؐل کی سند درکار ہے۔یوں نہیں مانا جائیگا کہ؛

''الف نے جیم سے کہا کہ ب مدینہ میں تبلیغ کے فرائض انجام دے رہا تھا اور فلاں فلاں شخص کو مسلمان کردیا تھا۔''

ہمیں اُس جیم کا رسوؐل کی صحبت میں باقاعدہ رہنا، تبلیغ پر لیکچر لینا اور اس قدر فرصت کا ملنا دکھانا پڑیگا۔ورنہ یہ قال قال ایک فراڈی بکواس کا ڈھیر ہوگا۔ہم دیکھتے ہیں کہ ہجرت کے وقت جو دو ایک نام کے مسلمان مکہ میں دکھائے گئے ہیں۔اُن کی گزشتہ ترپن سال کی موجودگی اور کارکردگی صفر کے برابر نا قابل توجہ ہے۔لہٰذا ہم آئندہ دس سال کے زمانہ میں بھی ان کو ناقابل توجہ سمجھتے رہنے میں حق بجانب ہونگے۔ جن لوگوں نے شعبِ ابی طالبؑ کے مصائب میں کبھی حصہ نہ لیا، کہیں نصرت کے وقت نظر نہ آئے، کسی راز اور اہم معاملہ میں مذکور نہیں وہ سب مصنوعی ہیرو ہیں۔آپ یہ سمجھ کر آگے بڑھیں کہ ہجرت کے وقت خانوادہ رسولؐ کے چند افراد کے علاوہ کوئی مسلمان مکہ میں موجود نہیں

ہے اور اگر کوئی ہے؟ اور اُسے کافر ستاتے نہیں ہیں؟ تو وہ مسلمان لباس میں کفارِ قریش کے آدمی ہیں جو دونوں طرف سے اپنا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ اور نہ کسی مکی باشندہ کا آئندہ ایمان لانا تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ اسلیئے کہ خدا نے اُنکے ایمان لا سکنے کی نفی کر دی ہے۔ لہٰذا ہم تاریخ کے بیانات کو قرآن کے خلاف اور مشرکین قریش کے حق میں ماننے کو تیار نہیں۔ البتہ یہ ضرور مانیں گے کہ ہجرت کے بعد مشرکین قریش میں سے کچھ لوگوں نے جاسوسی اور قریشی مقاصد کیلیئے اسلام کا روپ دھار لیا تھا۔ یہ بات پرویز کی زبان سے سُن لیں پھر ہم آگے بڑھیں گے، فرماتے ہیں کہ:۔

''دعوت و تبلیغ اور نصیحت و تلقین کا وہ سلسلہ جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے، برابر جاری رہا اور وہ فولادی ذرات جو اس ریت کے ڈھیر میں پوشیدہ تھے، اس طرح اُڑ اُڑ کر اس مقناطیس حق و صداقت سے آکر ملتے رہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے تمثیلی واقعہ میں پرندے آپ کی آواز پر لبیک لبیک !! کہتے ہوئے دوڑے آئے تھے۔ حتیٰ کہ یہ تمام فولادی ذرات جن میں محض فطری کشش سے اس مرکز ہدایت و رشادت کے گرد جمع ہونے کی صلاحیت باقی تھی، جامد پتھر کے ذرّوں سے الگ ہو گئے۔ تحریک انقلاب آسمانی کا یہ پہلا دور اُسی عمل تلخیص و تنقیح اور اپنی جماعت کی تعمیر و تطہیر کے لئے تھا۔''

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ o (آلِ عمران 3/141)

تا کہ جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں انہیں پاک کر دے، اور جو منکرین حق ہیں انہیں یک قلم نیست و نابود کر دے۔'' اب وہی لوگ باقی رہ گئے جو قوت و دولت کے نشہ میں بدمست، محض بر بنائے بغض و عداوت، مخالفت کیئے جا رہے تھے۔ تمرد و سرکشی نے اُن سے عقل و بصیرت اور دانش و عبرت کی تمام صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔ تعصب و جہالت نے اُنکی آنکھوں پر پردے ڈال رکھے تھے اور انکار و جحود نے ان کے دلوں پر مہریں لگا رکھی تھیں۔ چنانچہ اُن کی حالت یہ ہو چکی تھی کہ

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o (بقرہ 2/6-7)

(اے پیغمبر) تم اُنہیں (انکارِ حق کے نتائج سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ (کبھی) ماننے والے نہیں۔ (اُنہوں نے روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں، اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو آنکھیں بند کر لیتا ہے اس کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔ پس اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ) اُن کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے، اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے (کوئی بات کتنی ہی سچی ہو، سمجھ نہیں سکتے، کوئی آواز کتنی ہی اونچی ہو سُن نہیں سکتے، کوئی چیز کتنی ہی روشن ہو، دیکھ نہیں سکتے) سو (جن لوگوں نے اپنا یہ حال بنا لیا ہے، وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے۔ کامیابی کی جگہ) اُن کے لئے عذاب جانکاہ ہے! یہ وہ لوگ تھے جن کے دل میں نہ حُسنِ عمل کے جزا کی تبشیر و ترغیب کچھ ذوق سعادت اور ولولہ انابت پیدا کر سکتی تھی۔ اور نہ ہی ان کی سرکشی و غوایت کے انجام و عواقب کی تنذیر و ترہیب اُن میں جذبۂ تضرع و خشیت کی نمود کر سکتی تھی۔ لہٰذا اُن کے متعلق نبیؐ اکرم سے کہہ دیا گیا کہ اُن کے پیچھے سر کھپانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر یہ نہیں سنتے تو اُن سے اعراض برتیئے۔

یہ اِسی سلوک کے قابل ہیں۔ ''تو (اے پیغمبر) تم بھی ان لوگوں سے اعراض برتو جو ہمارے ذکر سے گردن موڑ کر چل دیتے ہیں اور جو دنیوی زندگی کے سوا کسی اور بات کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔'' (معارف القرآن. جلد چہارم صفحہ 341-340)

فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰی عَنۡ ذِکۡرِنَا وَلَمۡ یُرِدۡ اِلَّا الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا o (نجم 53/29)

ہمارے لئے علامہ پرویز کا یہ بیان نہ کوئی سند ہے نہ کوئی دلیل ہے۔ اس لئے کہ ہم یہ سب کچھ قرآن کے خالص بیانات سے دکھا چکے ہیں۔ یہ بیان صرف اس لئے لایا گیا ہے کہ مسٹر پرویز مشرکین قریش، قحطانی ہیروز کے سب سے بڑے طرفدار اور قریش کے بولتے چالتے بتوں کے اندھے پرستار ہیں اور اُن کا بیان قریش کے خلاف ضرور قابل توجہ ہے۔ اُن کی دھاندلی اور فریب دہی کا کمال یہ ہے کہ قرآن کی زبان اور اپنے قلم سے یہ دکھا کر کہ ہجرت کے وقت قریش میں سے کوئی ایمان لانے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ پھر بھی یہ علامہ صاحب قریش میں سے کچھ لوگوں کا ایمان لے آنا اور اسلام کے ہیرو بن جانا مانتے ہیں۔ لیکن ہم قارئین کو یہ بتا کر اور یقین دلا کر آگے بڑھانا چاہتے ہیں کہ وہ ہجرت کے بعد اگر کسی قریشی کا ایمان لانا اور ہیرو بن جانا مانیں گے تو وہ قرآن، پرویز اور ہمارے بیانات اور خود اپنی عقل کے خلاف ایک غلط فیصلہ کریں گے۔ لہٰذا ہم قرآن کی روشنی میں آئندہ کسی قریشی کو قلبی حیثیت سے حقیقی مسلمان نہ سمجھیں گے۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ہجرت کی وہ صورت جو قحطانی تاریخ میں پیش کی گئی ہے ہمیں قبول نہیں۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کے بھروسے اور وعدہ پر ہجرت کی جا رہی ہے اُن کا تعلق و ربط برابر قائم رہے۔ یعنی اُن کو روانگی کا دن اور وقت معلوم ہو، وہ اس سلسلے میں انتظام کریں، رسولؐ اللہ کو محفوظ طریقے پر جائے مقررہ سے مدینہ لے کر جائیں۔ وقت کا تقاضہ یہ نہیں ہے کہ رسولؐ اللہ بغیر کسی دانشورانہ پروگرام کے خود کو مادی خطرات میں جان بوجھ کر ڈال دیں۔ اور ایک آدھ لنگڑے لُولے، ناکارہ، بے بصیرت آدمی کو ساتھ لے کر نکل پڑیں اور کسی طرح مدینہ جا پہنچیں۔ جہاں ہر بات وحی اور مدنی پروگرام کے ماتحت ہو رہی ہو، وہاں یہ اناڑی کی زقند کیسے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ عقبہ ثانیہ کے معاہدے میں پورا پروگرام طے ہو گیا تھا۔ قارئین طبری سے سن چکے ہیں کہ حج کے بعد ماہ محرم و صفر دو ماہ مکہ میں قیام طے ہو گیا تھا۔ تاکہ رسولؐ اللہ متعلقہ انتظام کر سکیں اور سفر کے لئے تیار ہو جائیں اور ماہ ربیع الاول میں روانگی ہو جائے۔ چونکہ عقبہ ثانیہ کا پروگرام ابلیس نے اپنے قریشی گروہ کو بتا دیا تھا۔ اس لئے کچھ ایسا زمانہ بھی درکار تھا جس میں دشمن اپنا انتظام کر لے۔ مثلاً مدینہ میں اپنا اثر و رسوخ اور دباؤ بر سر کار لا کر ہجرت کو روکنے اور انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کر دیکھے۔ اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ رسولؐ اللہ نے کوئی خفیہ سازش کر کے قریش کو مجبور کر دیا تھا ورنہ وہ اسلام کی کامیابیاں روک سکتے تھے۔ چنانچہ جب قریش کو ابلیس نے عقبہ ثانیہ کے پروگرام سے مطلع کر دیا تو پہلا قدم یہ اٹھایا کہ مدینہ والوں کے کیمپ میں آئے اُنہیں اپنی مخالفت سے مرعوب کیا۔ پھر مدینہ میں اپنا وفد بھیجا اور عبداللہ ابن اُبی کو ایک خط پہنچایا جس میں رسولؐ اللہ کے خلاف محاذ قائم کرنے کا پروگرام اور اپنی مدد کا وعدہ تھا۔ اپنے نمائندوں کو اسلامی اور غیر اسلامی لباس میں مدینہ میں تعینات کیا۔ ادھر یہودیوں کو مخالفت کے لئے تیار کیا، تاجرانہ روابط اور سرمایہ کے ضبط ہو جانے کی دھمکی دی۔ یعنی قریشی ٹولہ جو کر سکتا تھا، اُسے پورا موقعہ دیا گیا۔ اور اگر قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتماعی قتل کا منصوبہ نہ بنایا ہوتا اور نگرانی کا پورا انتظام نہ کر لیا ہوتا تو آپؐ ہرگز رات کو سفر نہ کرتے سب سے مل کر روانہ ہوتے۔ اللہ و رسولؐ کی اس پالیسی کو ہر وقت سامنے رکھنا چاہئے کہ

وہ ابلیس اور اُس کے گروہ کو بے بس نہیں کرتے، انہیں تمام مادی مواقع فراہم کرتے ہیں دھوکہ نہیں دیتے۔ تا کہ ابلیس اور اس کا گروہ اپنی پوری قوت وبصیرت استعمال کرنے کے بعد ناکام ہو۔

(21/11)۔ آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی اجتماعی اسکیم؛ نجدی شیخ یعنی ابلیس

یہ بڑی معنی خیز بات ہے کہ قریش کی ہدایت کاری کے لئے ابلیس نجد کا باشندہ اور بزرگ بن کر آیا کرتا تھا۔ اور مجلس مشاورت کی صدارت اور راہنمائی میں مصروف رہا کرتا تھا۔ علامہ طبری نے لکھا ہے:۔

''کفار کی مجلس مشاورت'': ''قریش نے جب دیکھا کہ اُنکے ملک کے علاوہ دوسرے ملک میں رسولؐ اللہ کے بہت سے پیرو اور ساتھی پیدا ہو گئے ہیں اور مہاجرین اُنکے پاس چلے جا رہے ہیں۔ اُنکو محسوس ہوا کہ مسلمانوں کو اچھی پناہ گاہ مل گئی ہے جہاں اُنکا قابو نہیں چل سکتا۔ اب اُنکو خود رسولؐ اللہ کے مکہ سے چلے جانے کا خوف دامن گیر ہوا اور یہ بات بھی اُنکو معلوم ہوگئی کہ آپؐ نے مدینہ جا کر قریش سے لڑائی کا تہیّہ کر لیا ہے۔ قریش اس صورت حال پر غور کرنے کیلئے اپنی مجلس میں جو قصیؑ بن کلاب کا گھر تھا اور جہاں مشورہ کئے بغیر وہ کوئی معاملہ طے نہیں کرتے تھے، جمع ہوئے تا کہ رسولؐ اللہ کے معاملے میں باہم مشورہ کریں۔ اِسکے متعلق ابن عباس سے مروی ہے کہ جب قریش نے رسولؐ کے معاملے میں اپنی قومی مجلس میں جمع ہو کر مشورہ اور تصفیہ کا فیصلہ کر لیا، وہ مقررہ دن میں جو زحمہ تھا صبح کو وہاں جمع ہوئے۔ ابلیس ایک بڑے بزرگ شیخ کی صورت میں سر پر ایک پرانا کپڑا ڈالے سامنے آیا اور مجلس کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ قریش نے اُسے دروازے پر کھڑا دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ اُس نے کہا میں نجد کا ایک شیخ ہوں، جس کام کیلئے تم جمع ہوئے ہو مجھے بھی اسکی اطلاع ہوئی تو آ گیا ہوں کہ تمہاری گفتگو سنوں اور شاید میں بھی کوئی عمدہ مشورہ اور نصیحت کی صلاح دے سکوں۔ قریش نے کہا بہتر ہے آیئے۔ وہ بھی اُنکے ساتھ مجلس میں آیا۔ وہاں قریش کے تمام اشراف بلا استثناء جمع تھے اُنکے ہر قبیلے کے عمائد موجود تھے۔'' (مسلسل دوسرا عنوان لکھا کہ)

''حضرت محمدؐ کے خلاف منصوبے'': ''بنی عبدالشمس میں سے ربیعہ کے بیٹے شیبہ اور عتبہ تھے اور ابوسفیان بن حرب تھا۔ بنی نوفل میں سے طعیمہ بن عدی، جبیر بن مطعم اور حارث بن عامر بن نوفل تھے۔ بنی عبدالدار میں سے النضر بن حارث بن کلدہ تھا۔ بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں سے ابو البُختری بن ہشام، زمعہ بن الاسود اور حکیم بن حرام تھے۔ بنی مخزوم میں ابوجہل بن ہشام۔ بنی سہم میں سے حجاج کے بیٹے نبیہہ اور منبہ۔ بنی جمح میں سے امیہ بن خلف تھا۔ ان کے علاوہ اور بہت سے بے شمار قریش اور دوسرے لوگ جمع تھے۔ اب گفتگو شروع ہوئی کسی نے کہا کہ اُس شخص کی حالت سے تم سب ہی واقف ہو ہمیں اس بات کا بھی خطرہ ہو گیا ہے کہ کہیں یہ اچانک ہمارے اغیار کو لے کر، جو اُس کے پیرو ہیں ہم پر حملہ نہ کر دے۔ لہٰذا اب کیا ہونا چاہئے؟ اس کا تصفیہ کیجئے۔ اس پر مشورہ ہونے لگا۔ کسی نے کہا کہ اُسے بیڑیاں پہنا کر قید کر دو اور اوپر سے دروازے کو مستحکم طور پر بند کر دو اور اسی حالت میں اس کے لئے موت کا انتظار کرو۔ آخر اُس جیسے دوسرے شعراء زہیر اور نابغہ وغیرہ کو موت آئی اُسے بھی آئے گی۔ شیخ نجدی نے کہا بخدا میری رائے یہ نہیں ہے، اگر اس طرح تم اُسے قید کر دو گے۔ اس کی اطلاع ضرور اس کے دوستوں اور پیرووٗں کو ہو جائے گی، وہ تم پر حملہ کر کے اُسے چھڑا لیں گے اور پھر اس طرح تم پر امنڈ آئیں گے کہ تمہارے یہ منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ یہ رائے مناسب نہیں کوئی اور بات سوچو۔ اب پھر مشاورت ہونے لگی۔ ایک نے کہا ہم

اسے یہاں سے نکال کر خارج البلد کئے دیتے ہیں۔ جب وہ ہمارے یہاں سے چلا جائے گا پھر ہمیں اس کی فکر نہیں کہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے ہمیں۔ اس کی اذیت سے فراغت اور اُس کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔ اور ہماری بات پھر حسب سابق بن آئے گی۔ شیخ نجدی نے کہا بخدا یہ ہرگز تمہارے لئے مفید مشورہ نہیں ہے۔ کیا تم اُس کی شیریں گفتاری، سحر بیانی اور قلوب کو موہ لینے کی قوتِ تسخیر سے واقف نہیں ہو۔ اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ وہ عرب کے کسی بڑے قبیلے کے پاس جائے گا اور اپنی سحر بیانی اور شیریں کلامی سے اُن کو مسخر کرے گا۔ وہ تمہارے مقابلہ پر اُس کے ساتھ ہو جائیں گے، پھر اُن کو ساتھ لے کر تم پر چڑھ آئے گا۔ تم کو پامال کردے گا۔ تمہاری حکومت چھین لے گا اور پھر جو چاہے گا تم سے سلوک کرے گا۔ اس معاملے پر پھر مشورہ کرو۔ اور کوئی دوسری تجویز سوچو۔'' (مسلسل عنوان لکھا کہ)

''ابوجہل کی تجویز'' : ''ابوجہل بن ہشام نے کہا کہ ایک تجویز ایسی میری سمجھ میں آئی ہے جس پر اب تک تم میں سے کسی کا خیال نہیں گیا۔ حاضرین مجلس نے کہا اے ابوالحکم بیان کرو کیا بات ہے؟ اُس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم ہر ایک قبیلے میں سے ایک ایک دلیر، نجیب اور شریف جوان مرد کا انتخاب کرلو۔ پھر ہم اُن جوان مردوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک شمشیر بُرّاں دیں۔ یہ جماعت اس کے پاس جائے اور سب مل کر ایک وار میں اس کا کام تمام کردیں۔ اس طرح ہم کو اُس کی طرف سے ہمیشہ کے لئے چین نصیب ہو جائے گا۔ چونکہ ایک جماعت بیک وقت اسے قتل کرے گی اسلئے اس کا قصاص تمام قبائل کے ذمے ہوگا کسی ایک کے ذمہ نہ رہے گا۔ اور بنوعبدمناف میں پھر یہ قدرت نہ ہوگی کہ اس کے لئے سب قبیلوں سے لڑیں، لامحالہ دیت قبول کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ہم خوشی سے اُس کا خون بہا سب کی طرف سے ادا کردیں گے۔ شیخ نجدی نے کہا بے شک یہ شخص صائب الرائے ہے۔ اس کی رائے قابل عمل ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے لئے کوئی بات مفید نہیں۔ اس تصفیہ پر مجلس برخاست اور منتشر ہوگئی۔'' (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 129-128)

(21/12)۔ نظامِ مشاورت واجتہاد ابلیس کا نظام ہے

ہم نے یہ طویل بیان اس لئے لکھا ہے کہ قارئین یہ نوٹ کرسکیں کہ اگر کل مدینہ میں یا پرسوں کہیں اور مسلمانوں میں نظام مشاورت، شوریٰ، اجتہاد جاری کیا جائے تو ذہن میں یہ بات موجود ہو کہ یہ طرز فکر اسلام کی نہیں ہے۔ بلکہ یہ جناب شیخ نجدی کی قیادت میں مشرکین قریش کا طرزِ فیصلہ ہے جسے ابلیس نے اپنے پیروؤں کی مدد سے مسلمانوں میں داخل کیا تھا۔ اور اس فکر کے پھیلانے والے قاتلان محمدؐ وآل محمدؐ ہیں۔ دوسری بات یہ سامنے رہنا چاہئے کہ اس جماعت شوریٰ کا وہ فیصلہ جس کی تائید شیخ نجدی یعنی شیطان نے کی تھی۔ اس میں یہ بات قطعی طور پر واضح ہے کہ اُس ملعون مجلس میں کوئی شخص اولاد عبدمناف میں سے موجود نہ تھا۔ یہ پورا مجمع قحطانی النسل قریش جس نے عبدمناف کے خاندان کو مجبور کرنے کے لئے اور خون بہا دینے کے لئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے یہ ترکیب نکالی تھی کہ جتنے قبائل مکہ میں موجود تھے اُن میں سے ایک ایک جوانمرد حضورؐ کو قتل کردے۔ لہٰذا عبدمناف کا سارا قبیلہ مل کر بھی تمام قبائل سے انتقام نہ لے سکے گا۔ سوچیئے اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیئے کیا اس مشاورت میں مذکور ملعونوں میں سے کوئی ایک شخص عبدمناف کی اولاد ہوسکتا ہے؟ یہ اور سینکڑوں دیگر اسباب اور وجوہات ہیں کہ ہم قریش تو قریش ہیں کئی ایک دیگر لوگوں کو خانوادہ رسولؐ میں شمار کرنے

سے قاصر اور مبرا رہے ہیں۔ جن لوگوں میں نہ غیرت ہو، نہ شرم وحیا ہو، نہ شرافت و دیانت ہو، نہ جذبہ ہمدردی ہو، نہ انصاف ہو، وہ ہرگز عبد مناف کی اولاد نہیں ہو سکتے۔ قریش میں ہم اُن تمام قبائل کی کھچڑی کو داخل سمجھتے ہیں جن کو جناب قصی علیہ السلام نے بنوخزاعہ کو مکہ سے نکالنے کے بعد مکہ میں آباد کر دیا تھا۔ اُن میں بہت سے قبائل تھے سب کو قریش کہا جائے گا۔ یہ بات بہت بعد کی ہے، یہ لوگ خود ساختہ شجرہ بنا کر خانوادہ فہر ونضر وقصی علیہم السلام میں شامل دکھائے اور مشہور کئے گئے۔ ورنہ حقیقت وہی ہے جو ہم نے اور فطری حالات نے ثابت کی ہے۔ لہٰذا ہجرت سے پہلے مکہ کے اندر جناب علیؑ بن ابی طالبؑ کے سوا اور کوئی خاندان رسولؐ کا مرد موجود نہ تھا۔ اس خاندان کے افراد حبشہ اور دیگر ممالک میں تبلیغ کر رہے تھے جو آنحضرتؐ کے مدینہ پہنچتے ہی مدینہ میں جمع ہو جائیں گے۔

یہاں آخری بار پھر نوٹ فرمالیں کہ قریش سے بڑے قبائل عرب میں موجود تھے اور ابلیس نے یہ بتا دیا تھا کہ صرف ایک بڑا قبیلہ، قریش کا سارا زور توڑ کر انہیں پامال کر سکتا تھا۔ لہٰذا وہ لوگ جو قریش یا اہل مکہ کو کوئی بڑی طاقت سمجھتے ہوں، کم از کم شیخ نجدی کی بات مان کر انہیں ایک حقیر سا گروہ تسلیم کرلیں۔ اور سمجھ لیں کہ ان کا اتنے طویل زمانے تک رسولؐ اللہ پر ظلم و زیادتیاں کرنا، بار بار مدینہ پر حملہ آور ہونا اُن کی طاقت کا ثبوت نہیں بلکہ آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہ کے رحم دلانہ اور عادلانہ سلوک کا ثبوت ہے۔ اُن کی امن پروری اور دعوت اصلاح کی دلیل ہے ورنہ اگر کہیں وہ بھی قریش کے ساتھ وہی سلوک روا کر لیتے جو قریش نے اختیار کیا تھا۔ یا جس کا اختیار اللہ نے دیا تھا تو قریش ایک حملہ کی تاب بھی نہ لا سکتے تھے۔ یہ تو حضورؐ کے خاص لطف و کرم نے اُن کی ہمتیں بڑھا دی تھیں۔ اور یہ بے رحمی وقساوت قلبی اور احسان ناشناسی قریش ہی کا ابلیسی حصہ تھا۔ کوئی اور قوم ہوتی تو اُس سے یہ کمینہ سلوک ہرگز سرزد نہ ہوا ہوتا۔ یہ تو دنیا کی ایک مثالی قوم تھی اُن کی یہ صفات اور اخلاق اُن کے مخلوط النسل ہونے کا ثبوت تھا۔ اُنکے اجسام میں شریف خون کا ایک بھی قطرہ نہ تھا۔ وہ خالص ابلیسی نظام کی پیداوار تھے جن کے نطفوں میں، خون میں ابلیسی شرکت تھی۔ جن کی عورتیں سرِ راہ طرح دار جوانوں سے جنسی تعلق کی بھیک مانگنے کے لئے آزاد تھیں۔ اس لئے اُن کا سلوک خانوادۂ رسولؐ سے کمینگی و دنایت کی انتہا تک پہنچا ہوا تھا۔ اِدھر خانوادہ رسولؐ سے رحم ہوتا تھا تو اُدھر ابلیسی نظام قریش سے ستم ہوتا تھا، یہ کرم کرتے وہ ظلم کرتے تھے، یہ درگزر اور معاف کرتے تھے وہ ہر معافی کو اپنی ذلت سمجھ کر سخت تر انتقامی کاروائی کرتے تھے۔ یہ ایک بدکار ونا ہنجار ومکار وستمگار قوم اور ایک رحیم وکریم خاندان کی آپ بیتی ہے جو ہم سنا رہے ہیں۔

22۔ ہجرت کا حکم اور کفار کا منصوبہ قبل از وقت تدارک

اُدھر کفار نے مجلس مشاورت شروع کی اِدھر آنحضرتؐ نے خانوادہ نبوت کو اللہ کا حکم نوٹ کرایا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ o(انفال 8/30)

کفار اور قریش تمہارے خلاف جب یہ چال چل رہے تھے کہ کوئی کہتا تھا کہ تمہیں موت تک کے لئے مضبوط قید میں رکھ دیں۔ کسی کا ارادہ اور تجویز یہ تھی کہ تمہیں جلاوطن کر دیں اور آخری فیصلہ یہ کیا کہ تمہیں ایک نہایت خطرناک منصوبے کے ماتحت قتل کرا دیں۔ اُدھر وہ یہ چالیں سوچ رہے تھے اِدھر ہم تمہیں محفوظ کرنے کی چال چل رہے تھے۔ اللہ تو تمام چال چلنے

والوں سے چال چلنے میں بڑھ کر ہے۔اور سنو تم رات کے سونے کے اوقات میں تلاوتِ قرآن کا ایک فاضل وقت مقرر کرلو۔عنقریب تمہارا پالنے والا تمہیں نہایت قابل حمد وثنا کے مقام پر مبعوث کرنے والا ہے اور آج سے دعا یوں شروع کردو کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں بھی داخل کر صداقت کے مقام میں داخلہ ہو۔اور جہاں سے مجھے نکالے وہاں سے نکلنا بھی صداقت کے لئے ہو۔اور اے اللہ تو میرے لئے اپنا پسندیدہ مددگار سلطان تجویز کردے۔اور یہ بھی کہتے جاؤ کہ حق غالب آگیا ہے اور باطل کے چھکے چھوٹ گئے ہیں۔یقیناً باطل کا پسپا ہونا تو ایک طے شدہ حقیقت ہے۔

وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ٥ وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِىۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِىۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّىۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا٥ وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا٥ (بنی اسرائیل 17/79-81)

(22/2)۔ قریش کی بدبختی؛ مقام محمودؐ میں حضورؐ کی بعثت ثانیہ

قارئین نے دیکھ لیا کہ رسولؐ کو قریش کی مشاورت کی تینوں تجاویز کا علم ہوگیا۔اور اللہ نے فرمادیا کہ اُن کی ہر چال پیٹ دی گئی ہے۔اور وہ اس طرح سے کہ آپ رات کو قرآن کی تلاوت اور تہجد شروع کردیں اور اپنی اُس بعثت ثانیہ کو اختیار کرلیں جو مقام محمود میں طے ہو چکی ہے۔یعنی رات کو بیدار رہیئے اور آج کی شب اپنے لئے اُس سلطان کو اپنی جگہ تعینات کردیجئے جو تمہاری موجودگی اور عدم موجودگی میں تمہاری اور اسلام کی نیز مسلمانوں کی نصرت کے لئے تیار کیا گیا ہے۔اُس مددگار سلطان کے تقرر کے بعد کا زمانہ اور مقام، مقامِ محمود ہوگا۔اور بعثت ثانیہ تمہارے مدنی قبیلے میں ہوگی اور سلطان اور وہ نبطی قبیلہ حق کو قائم کرنے اور باطل کو بھگا دینے کا کردار ادا کریں گے۔

یہاں ذرا ٹھہر کر علامہ مودودی کا وہ بیان سُن لیں جو انہوں نے سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا کی تفسیر میں لکھا ہے۔

(22/3)۔ مددگار سلطان علامہ مودودی کی نظر میں

چونکہ لوگوں کو علیؑ و اولادِ علیؑ کے نام سے بخار چڑھتا ہے اور نہیں چاہتے کہ قرآن کریم سے حکومت الٰہیّہ کا قائم ہو جانا ثابت ہو۔اس لئے اُن پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن کی واضح آیات میں بھی کتر بیونت اور ہیر پھیر کریں اور علیؑ کے راستے میں اپنے اجتہاد کی ٹانگ اڑا دیں۔چنانچہ اس صاف اور واضح سلطانؑ کے معنی یوں کئے گئے ہیں کہ اس میں علیؑ کی خوشبو تک نہ رہے ملاحظہ ہو:۔

''اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے (واجۡعَلۡ لِّىۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا) 100'' (17/80)

100 یعنی یا تو مجھے خود اقتدار عطا کر، یا کسی حکومت کو میرا مددگار بنادے تاکہ اُس کی طاقت سے میں دنیا کے اس بگاڑ کو درست کر سکوں، فواحش اور معاصی کے اس سیلاب کو روک سکوں، اور تیرے قانونِ عدل کو جاری کرسکوں۔یہی تفسیر ہے اس آیت کی جو حسن بصری اور قتادہ نے کی ہے، اور اسی کو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر مفسرین نے اختیار کیا ہے، اور اسی کی تائید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کرتی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَيَزَعُ بِالسُّلۡطَانِ مَا لَا يَزَعُ بِالۡقُرۡاٰنِ، یعنی ''اللہ تعالیٰ حکومت کی طاقت سے اُن چیزوں کا سد باب کر دیتا ہے جن کا سد باب قرآن سے نہیں کرتا۔'' اس سے ثابت ہوا کہ اسلام دنیا میں جو اصلاح چاہتا ہے وہ

صرف وعظ وتذکیر سے نہیں ہوسکتی بلکہ اُس کو عمل میں لانے کے لئے سیاسی طاقت بھی درکار ہے۔ پھر جب کہ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو خود سکھائی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامتِ دین اور نفاذ شریعت و اجرائے حدود اللہ کے لئے حکومت چاہنا اور اُس کے حصول کی کوشش کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ومندوب ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اُسے دنیا پرستی یا دنیا طلبی سے تعبیر کرتے ہیں۔ دنیا پرستی اگر ہے تو یہ کہ کوئی شخص اپنے لئے حکومت کا طالب ہو۔ رہا خدا کے دین کے لئے حکومت کا طالب ہونا؟ تو یہ دنیا پرستی نہیں بلکہ خدا پرستی ہی کا عین تقاضہ ہے۔ اگر جہاد کے لئے تلوار کا طالب ہونا گناہ نہیں ہے؟ تو اجرائے احکام شریعت کے لئے سیاستی اقتدار کا طالب ہونا آخر کیسے گناہ ہوجائے گا؟'' (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 638)

(22/4)۔ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا کو حکومت، سیاسی قوت اور اقتدار بنادیا گیا

علامہ نے قرآن کے دو الفاظ سے اپنا سارا گھروندا تیار کرلیا اور ہر آدمی کو اجازت دیدی کہ اجرائے احکام دین کے بہانے اقتدار، سیاسی قوت وحکومت کے لئے کوشاں ہو۔ اور اس سلسلے میں جس قدر جنگ وجدل اور لوٹ مار ہو وہ سب جہاد کہلائے اور دنیا، دین کے نام پر لٹیروں کی دنیا بن جائے۔ اِدھر جماعت اسلامی سیاسی اقتدار چاہے، اُدھر جماعت علمائے اسلام، اللہ ورسولؐ کے نام پر محاذ آرائی کرے یہ سب جائز ہوگیا۔ یہ نہیں سوچا گیا کہ رسولؐ کو دعا کے لئے کہنا اور خدا سے حکومت مانگنا اور خدا کا حکومت دینا کہاں؟ اور علامہ کا جواز نکالنا، بنی نوع انسان پر فوج کشی کرنا کہاں۔ اِن دونوں باتوں میں کیا تعلق ہے۔ اگر اپنے گھر سے باہر نہ نکلیں، کوئی پارٹی بازی نہ کریں، محض خدا سے دعا کر کے حکومت مانگیں تو یہ بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ رسولؐ اللہ نہیں ہیں۔ یہ دعا رسولؐ کو تعلیم دی گئی ہے نہ کہ مولانا اینڈ کمپنی کے اٹھائی گیروں کو۔ اللہ جانتا ہے کہ رسولؐ منشائے باری تعالیٰ سے ذرہ برابر انحراف نہیں کرسکتا۔ لہٰذا حکومت ملنے پر، اقتدار حاصل ہوجانے پر بھی خدا کے احکام کے ماتحت عدل وانصاف کرے گا۔ لیکن علامہ کے ایرے غیرے نتھو خیرے تو خاطی، غیر نبیؐ اور مجتہد ٹائپ کے لوگ ہوں گے۔ اُن کو کیسے رسولؐ کے زمرہ میں داخل کیا جائے گا؟ لہٰذا یہ بکواس ہے۔ حکومت صرف وہی شخص طلب کرنے کا مجاز ہوگا جسے خدا خود حکم دے کہ تم ہم سے حکومت مانگو اور پھر خدا سے حکومت مانگنا اور خدا کا حکومت دینا اور بات ہے۔ اور جوڑ توڑ، پارٹی بندی، کثرت رائے وغیرہ سے حکومت کا حاصل کرنا اور حکومت کا مل جانا شیطانی حکومت ہوگا۔ اس کو خداداد حکومت کہنا محض باطل پرستوں، کفار قریش، مجتہدین اور مودودی ہی کا کام ہوسکتا ہے اور یہ اللہ ورسولؐ اور دین اسلام کے خلاف ہے۔ یہ تو وہ صورت تھی جو علامہ نے قرآن سے خیانت اور بددیانتی کر کے اپنے اجتہاد سے قائم کی تھی۔ جس کا مندرجہ بالا آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب آپ یہ سوچئے کہ علامہ اپنے بیان میں یہ کہہ گئے ہیں کہ یا تو خود رسولؐ اللہ کو اقتدار وحکومت مل جائے یا کوئی دوسری حکومت اُن کی مدد کردے۔ گویا اللہ کو ابھی یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ حقیقتاً مستقبل میں کیا ہوگا؟ بہرحال علامہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ اس دعا میں رسولؐ کے علاوہ کسی اور کی حکومت واقتدار بھی شامل ہے۔ اور مندرجہ بالا تمام بکواس میں اتنی ہی سی بات اُنکے قلم سے صحیح نکل گئی ہے۔ مگر طول طویل بیان میں دب کر رہ گئی تھی ہم اُسے ابھار کر سامنے لائے ہیں۔ اب آیت کے الفاظ اور مفہوم پر غور کرنا ہوگا۔ اللہ نے وہاں ایک **سلطٰنًا نصیرًا** کا طلب کرنا بتایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ **سلطٰنًا نصیرًا** کا جملہ توجُملہ توصیفی ہے۔ اُس میں **سلطٰنًا** ایک سلطان موصوف ہے۔ اُس کی صفت

نصیرًا ہے۔یعنی اے اللہ میرے لئے ایک مدد کرنیوالا سلطان مقرر کردے۔آیت میں اس کا کہیں ذکر نہیں کہ اے اللہ مجھے خود کو سلطٰنًا نصیرًا مقرر کردے یا بناڈال۔وہاں تو واجعل لّی۔بنادے مقرر کردے میری خاطر، میرے لئے، ایک مددگار سلطان۔یعنی جو مقرر ہوگا یا بنایا جائے گا وہ رسولؐ اللہ سے الگ ہوگا۔علامہ نے سلطٰنًا کا ترجمہ اقتدار وحکومت وسیاسی قوت کرلیا۔حالانکہ اقتدار وحکومت وغیرہ تو خود عربی کے الفاظ تھے۔اور غالبًا خدا کو معلوم بھی تھے۔مولانا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے یہ کہنے کے بجائے کہ واجعل لی اقتدارًا، یا واجعل لی حکومتًا کے بجائے (معاذ اللہ) غلطی سے واجعل لی سلطٰنًا نصیرًا فرمادیا۔لہٰذا مودودی صاحب نے نصیرا کو ترک کرنے کے بعد بھی سلطانًا کے معنی غلط کئے۔اور اس کے معنی یا ترجمہ کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔اسلئے کہ اردو میں سلطان استعمال ہوتا ہے اور سلطان ہرگز بے جان چیز کے لئے اردو میں نہیں ہوتا بلکہ ایک بولتا چالتا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔اور مودودی اینڈ کمپنی ہرگز نہیں چاہتی کہ قرآن سے یہ ثابت ہوجائے کہ رسوؐل کو ایک بادشاہ مقرر کرانے کی دعا سکھائی گئی تھی۔اس لئے کہ پھر مودودی کی مذہبی حکومت قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کا غاصب ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔لہٰذا سلطانا نصیرا، ایک مددگار بادشاہ کا طلب کرنا ایک انسان کا طلب کرنا ہے۔جس میں اللہ کی طرف سے فطری جذبہ قربانی ونصرت موجود ہو۔جو کسی بھی حال میں اسلام کی نصرت اور اللہ کی راہ میں قربانی سے دریغ نہ کرسکتا ہو۔اور یہ دعا اپنی ذاتی حکومت کیلئے اس وجہ سے بھی نہیں ہے کہ ذاتی حکومت رسولؐ اللہ کی ذات تک ختم ہوجائیگی اور اسلام قیامت تک رہے گا۔اجرائے حدود بقول مودودی اور نفاذ اسلام کا انتظام قیامت تک مطلوب ہونا چاہئے جو سلطانًا نصیرا کہہ کر پورا ہوجاتا ہے۔ایسا مددگار سلطان جو اسلام کی نصرت کا قیامت تک ذمہ لے اور اُس پر آنچ نہ آنے دے۔اگر اُس دعا کا یہ مطلب نہیں ہے؟ کہ ایسا مددگار سلطان عطا کر جو قیامت تک نصرت دین کرے تو یہ بڑی گھٹیا دعا ہے۔اور نظام اجتہاد کو ہم صرف اسلئے ابلیسی نظام کہتے ہیں کہ وہ قرآن کی ترجمانی وتفسیر میں اللہ ورسولؐ اور قرآن کو گھٹیا درجہ کی چیزیں بنا کر پیش کرتا ہے۔تاریخیں، مؤرخین اور خود ابلیس اور اس کا نظام جناب ابوطالبؑ کی نصرت دین سے واقف ہیں اور یہ سب جانتے ہیں کہ اُن کی وصیت کیا تھی۔انہیں پتہ ہے کہ علیؑ آج رات سے اُس رات تک جو کوفہ کی مسجد میں آئی تھی، سر ہتھیلی پر رکھے پھرتے رہے۔پھر اُن کی اولاد کے دس امامؑ یکے بعد دیگرے نصرت اسلام میں سرگرم رہے۔کربلا کی قربانی اُسی نصرت کا معراج کمال ہے۔پھر آج بارھواں امام علیہ السلام اُسی نصرت میں سرگرم ہے۔لہٰذا کون خبیث ہے جو حضرت علی علیہ السلام کے سلطانًا نصیرا ہونے کا انکار کرکے کوئی دوسرا ناصر پیش کرے جو قرآن کے معیار کے مطابق اور قرآن کریم سے زیادہ اثر انگیز ہو۔اور جو کچھ قرآن نہ کرسکتا ہو تنہا کرکے دکھادے۔

لہٰذا یہ ماننا ہی پڑیگا کہ جسکو اعلان عام کے روز وزیر اور خلیفہ بنایا تھا، وہی ذات پاک ہے جسکو شب ہجرت رسولؐ اللہ کی جانشینی اور اسلام کی سلطانی کیلئے نامزد کیا گیا۔جب کہ وہاں یعنی مکہ میں صرف منافقین موجود تھے۔یا کفار کے گھروں میں کچھ مستضعفین قید وبند میں بیڑیاں پہنے ہوئے اور جو مدت دراز سے اپنے طور پر بھی دعا مانگ رہے تھے۔پہلے علامہ مودودی کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیں۔

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں؟ اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں، اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔''

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًاo (نسآء 4/75)

(تفہیم القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 372) اس پر علامہ کا حاشیہ:۔

''104۔ اشارہ ہے ان بچوں، مردوں اور عورتوں کی طرف جو مکہ میں اور عرب کے دوسرے قبائل میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر نہ ہجرت پر قادر تھے اور نہ اپنے آپ کو ظلم سے بچا سکتے تھے۔ یہ غریب طرح طرح سے تختۂ مشقِ ستم بنائے جا رہے تھے اور دعائیں مانگتے تھے کہ کوئی انہیں اس ظلم سے بچائے۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 373-372)

یہاں پہلی بات یہ نوٹ کر لیں کہ مکہ میں جو عورتیں اور کمسن و نوجوان بچے مسلمان موجود ہیں وہ گھر سے باہر نکل کر چلنے پھرنے کے لئے اگر آزاد ہوتے تو مکہ سے بھاگ کر کہیں چھپ جاتے، پناہ لیتے اور مظالم سے بچ نکلتے۔ مگر یہ وہ لوگ ہیں جن کے سرپرست سنگدل اور بے رحم کافر ہیں جنہوں نے اُن کو قید و بند میں رکھا ہوا ہے۔ لہٰذا؛ مکہ میں کوئی آزاد شخص مسلمان نہیں ہے۔ محض وہی لوگ ہیں جو کفار کے جاسوس تھے۔ اور اب چند روز میں مکہ سے ہجرت کر کے آئندہ وہ مہاجرین کہلانے لگیں گے۔ لیکن قرآن کی رُو سے مکہ میں مذکورہ مظلوموں کے علاوہ کوئی مسلمان موجود نہیں ہے۔ دوسری بات وہی ہے کہ جو دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھائی گئی ہے وہی دعا مکہ کے قیدی اور مظلوم مسلمان مانگ رہے ہیں۔ فرق اس قدر ہے کہ مظلوموں کو صرف سلطان یعنی بادشاہ درکار نہیں ہے بلکہ اُنکو ایک ہمدرد، سرپرست رحیم و کریم سلطان درکار ہے جسے ''ولی'' کہتے ہیں۔ لہٰذا اُنکو ولیًّا نصیرًا درکار ہے۔ اور پیغمبر کو سلطٰنًا نصیرًا کی ضرورت ہے۔ اور یہی جناب علی مرتضٰی علیہ السلام ہیں۔ مولانا اس معاملے میں جھوٹے ہیں کہ دیگر قبائل عرب میں مکہ سے باہر بھی کچھ لوگ مظلوم تھے۔

23۔ عالمی، ابدی اور دائمی نصرت یعنی علی ابن ابی طالب علیہما السلام

یہاں تک جناب علی ابن ابی طالب علیہما السلام کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہوا۔ اور ہم اُن الجھنوں کو سلجھانے میں لگے رہے جو سرکاری تاریخ و روایات نے صدیوں کی محنت سے پیدا کی تھیں۔ اور جن کی وجہ سے تصویر کا رُخ کفار قریش کی طرف پھرا رہتا ہے۔ یہاں سے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جناب ابو طالب علیہ السلام کے بعد جناب علی مرتضٰی علیہ السلام نے کس طرح اپنے والدؑ بزرگوار کی جانشینی کی اور نصرت محمدؐ مصطفٰی اور استحکام اسلام و مسلمین میں کیا کردار ادا کیا۔ نہایت مختصر عبارت میں یہ کہہ دینا سو فیصد کافی اور حق ہے کہ جو کچھ جناب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تریسٹھ (63) سال کی جدوجہد کے دوران ظہور میں آیا وہ جناب ابو طالب علیہ السلام کی تمنا اور تربیت کا نتیجہ تھا۔ اور جو کچھ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام سے اُن کی پوری زندگی میں ظہور پذیر ہوا وہ جناب محمدؐ مصطفٰی کی تمنا اور

تربیت کا نتیجہ تھا۔ ساری دنیا جانتی ہے اور آسمان اُس حقیقت پر گواہ ہے کہ جناب ابوطالبؑ حضرت محمدؐ کی جگہ روزانہ اپنے بچوںؑ کو لٹاتے رہتے تھے تاکہ اگر دشمن موقعہ پا کر سوتے ہوئے حملہ کرنے میں کامیاب ہو جائے تو بجائے حضرتؐ کے، ابوطالبؑ کے کسی بیٹے کو قتل کر کے اپنی کوشش میں ناکام ہو جائے۔ یعنی علیؑ اُن بیٹوںؑ میں سے ایک تھے جو رسولؐ اللہ کی جگہ بے فکری سے لیٹ کر سو جانے کے عادی تھے۔ ہجرت کی شب رسولؐ اللہ کی جگہ سو جانا نئی بات اس لئے ہوگئی کہ سرکارؐ دوعالم گھر سے چلے گئے اور پھر اس گھر کو کبھی اپنا گھر نہ بنایا۔ پھر ایک نئی بات یہ تھی کہ اُس شب میں قریشی کمینے بہادر پہلے سے قتل کی اسکیم بنائے ہوئے حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف تھے۔ ایک نئی بات یہ تھی کہ رسولؐ کی جگہ سونے کا یہ آخری موقع تھا۔ یعنی حضرت ابوطالبؑ کی شب بیداریوں کا ثمرہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ جبرائیلؑ و میکائیلؑ کو خدمتِ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام میں بھیجنے کا اہتمام کر رہا ہے۔ قرآن واقعہ نگاری میں سرگرم ہے اور علی علیہ السلام کی سلطانیٔ اسلام کا اعلان کر رہا ہے، اُن کی ازلی وابدی اور دائمی نصرت کی دستاویز لکھ رہا ہے، آج علیؑ اپنی زندگی دے کر مرضات اللہ خرید رہا ہے، آج انہیں ولایت اسلام کا تاج پہنایا جانے والا ہے۔ یہ قصہ غیروں کی غیر دلچسپ زبان سے پیش کرتا ہوں۔

(23/2)۔ شب ہجرت علی علیہ السلام پر نزول جبرائیلؑ و میکائیلؑ

آج خانوادہ رسولؐ میں رسولؐ کی روانگی ہر قلب کو متاثر کئے ہوئے ہے۔ ہر چہرہ اُترا ہوا، ہر دل اُمنڈا ہوا، ہر آنکھ ڈبڈباتی ہوئی ہے۔ ہر لب پر دعائیں ہیں۔ شیعہ جذبات جاننا چاہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے بازوؤں پر کوئی امام ضامن کی قسم کی کوئی چیز باندھی گئی تھی یا نہیں؟ رخصت، مسافرت اور پُر خطر مسافرت میں تو یہ بات اور بھی ضروری تھی۔ مسافر کے خیریت سے پلٹنے اور بخیر و خوبی رہنے کی دعائیں تو ہر ماں، ہر باپ اور ہر بھائی بہن اور ہر بیٹی نے مانگی ہیں۔ صدقہ دینا کوئی جدید رسم نہیں ہے۔ اسکی ابتدا تو اس روز سے ہونا چاہئے جس دن سے جذباتِ محبت نے جنم لیا تھا۔ رسولؐ اللہ جن لوگوں کو بیت النبوۃؐ میں چھوڑے جا رہے ہیں اُن میں جناب فاطمۃ الزہراء علیہا السلام بھی تو ہیں۔ اب وہ تیرہ سال کی عمر سے آگے بڑھ چکی ہیں۔ ماںؑ کا داغ ابھی مندمل نہیں ہوا ہے کہ والدؐ کے قتل کی اسکیم بن چکی ہے، تلواروں کی چھاؤں میں سے آج باپ نے گزرنا ہے طویل سفر درپیش ہے۔ کل اُنکے جانے کے بعد قریش کی پوری قوت، ساری تلواریں اور تمام غیظ وغضب اور غصہ علیؑ کی طرف منعطف ہونے والا ہے۔ قریش کی کمینہ خصلتیں تیرہ سال سے معلوم ہیں۔ بہر حال علامہ ابن اثیر سے ہجرت کا قصہ سنیئے:۔

''پیغمبرؐ نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو علیؑ ابن ابی طالبؑ کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے۔ تاکہ آپؐ کے قرضوں کو ادا کر دیں۔ اور لوگوں کی جو امانتیں آپ نے پاس رکھی ہوئی تھیں اُن امانتوں کو واپس کر دیں۔ جس شب میں آپ روانہ ہوئے مشرکین گھر کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ میرے بستر پر میری حضرمی چادر اوڑھ کر سو رہو۔ خدا چاہیگا تو تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔ علیؑ بستر پیغمبرؐ پر لیٹ رہے۔ خداوند عالم نے جبرائیل و میکائیل پر وحی فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے سے زیادہ مقرر کی ہے۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی فاضل مدت حیات دوسرے کو دیدے؟ دونوں نے اپنی زندگی کو عزیز سمجھا اور کوئی بھی اس ایثار پر آمادہ نہ ہوا۔ اس وقت خداوند عالم نے ددنوں پر وحی نازل فرمائی کہ تم دونوں علیؑ جیسے کیوں نہ

ہوئے؟ دیکھو میں نے علیؑ اور اپنے نبیؐ کے درمیان بھی بھائی چارہ قائم کیا ہے۔ دونوں کو بھائی بھائی بنایا۔ علیؑ آج محمدؐ کے بستر پر سو کر محمدؐ پر اپنی جان نثار کر رہے ہیں۔ اور اُنکی زندگی کو اپنی زندگی پر مقدم سمجھ رہے ہیں۔ تم دونوں فوراً زمین پر جاؤ اور اُنکو اُن کے دشمنوں سے بچاؤ۔ دونوں فرشتے زمین پر آئے۔ جبرائیل سرہانے کھڑے ہوئے میکائیل پائنتی۔ جبرائیل پکار کر کہہ رہے تھے مبارک ہو مبارک ہو آپؑ کو۔ کون تمہاری مثل ہو سکتا ہے؟ اے نورِ چشم ابو طالبؑ، خداوند عالم آپکے ذریعہ ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔ اِس موقع پر خداوند عالم نے، جبکہ آپؐ مدینہ کی طرف جا رہے تھے، پیغمبر پر یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل فرمائی۔ لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو خدا کی خوشنودی کیلئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔'' (اسد الغابہ۔ جلد 4 صفحہ 25)

(23/3)۔ شب ہجرت کے بعد اللہ کی رضا مندیاں علی علیہ السلام کی ملکیت ہیں

سنو اور غور سے سنو کہ مندرجہ بالا بیان میں کیا کہہ دیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ بِالۡعِبَادِo (بقرہ 2/207)

''انسانوں میں سے ایک انسان ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضا مندیاں خریدنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔''

آپ جانتے ہیں کہ جس نے اپنی جان کو فروخت کر کے اللہ کی رضا مندی خرید لی ہو، اُس کو آئندہ اُن رضا مندیوں کا مالک ماننا پڑیگا۔ یعنی اگر کسی کو رضی اللہ عنہ کہا جا سکتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ علیؑ اس سے راضی ہو۔ لہٰذا جو شخص علیؑ کے مخالف کو رضی اللہ عنہ کہتا ہے وہ جھوٹا ہے بلکہ وہ قرآن کریم کو جھٹلانے والا ہے۔ علیؑ و اولادِ علیؑ آئندہ خدا کی وہ ملکیت ہیں جن کو اُس نے خوش ہو کر حاصل کیا تھا اور اپنی رضا مندیوں کا انہیں مالک بنا دیا تھا۔ اسلئے کہ علیؑ نے اُن قربانیوں کی ابتدا کی تھی جو اولادِ علیؑ نے تحفظ اسلام اور نوع انسان کیلئے قیامت تک پیش کرنا تھیں۔ بہرحال یہ ماننا پڑیگا کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی رضا مندیاں ہی اللہ کی رضا مندی ہے۔

(23/4)۔ حضرت علیؑ شبِ ہجرت امام غزالی کی نظر میں

سوائے چند قحطانی ٹائپ کے علما کے باقی تمام علمائے صالحین حضرت علی علیہ السلام کے مقام بلند کے قائل ہیں۔ اور قحطانیوں اور ابلیسی گروہ کا جو حال ہم نے بنایا ہے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ہم اکیلے شخص ہیں جو قحطانی و ابلیسی فریب کو ہر مقام پر واضح کرتے آئے ہیں۔ شب ہجرت کے سلسلے میں جناب امام غزالی کا بیان بھی پڑھنے کے لائق ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

''علیؑ بستر رسولؐ پر رات کو سو رہے، اُس وقت خداوند عالم نے جبرائیلؑ و میکائیلؑ پر وحی نازل فرمائی کہ میں نے تم دونوں کو بھائی بھائی بنایا اور تم میں سے ایک کی عمر دوسرے کی عمر سے زیادہ کی ہے۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو اپنی فاضل زندگی اپنے بھائی کو دے دے؟ دونوں کو اپنی زندگی پیاری معلوم ہوئی۔ اُس وقت خداوند عالم نے دونوں پر وحی نازل فرمائی کہ تم دونوں کیوں نہ ہو گئے علیؑ ابن ابی طالبؑ جیسے؟ کہ میں نے اُسے محمدؐ کا بھائی بنایا اور وہ محمدؐ کے بستر پر سو کر اپنی جان فدا کر رہا ہے اور اُسکی زندگی کو اپنی زندگی پر ترجیح دے رہا ہے۔ تم دونوں ابھی زمین پر جاؤ اور علیؑ کو دشمنوں سے بچاؤ۔ چنانچہ دونوں علیؑ کے پاس آئے جبرائیلؑ سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیلؑ پائنتی اور جبرائیل کہتے جاتے تھے مبارک ہو مبارک ہو۔ کون تمہارے مثل ہو سکتا ہے۔ اے فرزند ابو طالبؑ

خداوند عالم تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر ومباہات کر رہا ہے۔ اُسی موقعہ پر خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی (ومن الناس من یشری۔ الخ)۔ لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی کیلئے اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں۔'' (احیاء العلوم باب الایثار)

(23/5)۔ آنحضرتؐ کی روانگی غارِ ثور میں قیام وانتظامِ سفر

جب اللہ کا مقرر کردہ وقت آ گیا، آنحضرتؐ تمام اہل بیتؑ سے رخصت ہو کر دردولت سے برآمد ہوئے۔ مٹی کی ایک مٹھی محاصرہ کرنے والوں پر پھینکی اور نہایت اطمینان سے غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ تین شب اور دو روز سفر کے انتظام میں قیام فرمایا۔ تیسرے دن اہل مدینہ کے ساتھ حسب قرارداد مدینہ کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اِن دو دنوں میں حضرت علی علیہ السلام کو امانتوں کے ادا کرنے کی تفصیل، روانگی کی ہدایات بہم پہنچا کر فارغ ہوئے۔ اُدھر جناب علی مرتضٰی علیہ السلام شب ہجرت جس قدر اطمینان سے سوئے اُس کا ساری عمر تذکرہ فرماتے رہے۔ اور اُس وقت آنکھ کھلی جب قریشی نامرد دیواروں پر سے کود کر مکان میں داخل ہو گئے اور چاہتے تھے کہ کمرہ کے اندر جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کو محمدؐ مصطفٰی سمجھ کر گھیر لیں۔ آپؑ نے بستر سے کود کر خالد بن ولید سے تلوار چھین کر اس گروہ کو للکارا۔ اُن لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرانی بھی ہوئی اور موت بھی سامنے نظر آنے لگی۔ گھبرا کر کہا کہ ہم محمدؐ کو قتل کرنے آئے ہیں۔ آپ سے ہمیں کوئی تعارض نہیں ہے یہ بتاؤ کہ وہ کہاں گئے۔ آپؑ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے حوالے کر کے نہیں گئے تھے اس لئے یہ سوال ہی غلط ہے۔ قریشی کھنچی ہوئی تلوار سے جان بچا کر دست تاسف ملتے ہوئے واپس چلے گئے اور حضرت علی علیہ السلام کے کسی پروگرام میں دخل انداز نہ ہوئے۔ حتّٰی کہ آپؑ خانوادہ رسولؐ کے حرم کو لے کر روانگی کے لئے تمام تیاریاں علی الاعلان کرتے رہے۔ امانتیں واپس کرنے کا اعلان اور منادی کرا دی، تمام ذمہ داریاں پوری کیں۔ اور بحکم رسولؐ یہ بھی اعلان کرا دیا کہ جو لوگ مسلمان ہوں اور اخراجات کی بنا پر روانہ نہ ہو سکتے ہوں وہ بھی ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائیں اور ہم سے پروگرام معلوم کر لیں۔ جو لوگ اپنی روانگی خفیہ رکھنا چاہتے ہوں وہ ہماری روانگی کے بعد راہ میں ملیں۔ اور وہ مقام بتا دیا جہاں رک کر سب کا انتظار کیا جائے گا۔

(23/6)۔ ہجرت کی راہ میں کانٹے اور خانہ ساز کہانیاں

ہم بار بار عرض کرتے رہے ہیں کہ سرکاری تاریخ نے اپنے ہیرو ہر اُس مقام پر آگے بڑھائے ہیں جہاں مشرکوں کا شرک چھپانے اور کافروں کو مومن دکھانے کا موقع نظر آیا۔ لیکن بڑی قدیم مثال ہے کہ: ''دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔''

اس سلسلے میں ہم اگر کسی سنجیدہ بحث میں الجھ جائیں تو یقیناً اس بحث کو نہایت حُسن وخوبی سے انجام تک پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن بنظر اختصار چند بنیادی باتوں اور مسلّمات کو سامنے رکھ کر یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ہماری بیان کردہ صورتحال کے خلاف جو کچھ بھی کہا یا لکھا گیا ہے وہ بہتان وافترا وا کاذیب کا مجموعہ ہے۔ ساری دنیا متفق ہے کہ رسولؐ اللہ نے رات کو کسی وقت اپنے گھر سے قدم نکالا یعنی ہجرت کی اور رات ہی کو غار ثور میں پہنچے۔ اب جو روایت، کہانی یا بیان یہ کہے کہ آنحضرتؐ نے دوپہر کو ہجرت کی تھی، وہ سراسر جھوٹ کا احمقانہ بنڈل ہے خواہ بنڈل کا باندھنے والا محمد اسماعیل بخاری کو بنایا جائے یا کسی اور مفسر ومحدث عالم کے کاندھے پر رکھ کر یہ بنڈل چلایا جائے۔ دوسری

بنیادی اور مسلمہ بات جو پہلی ہی بات سے تعلق رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی جگہ رات ہی کو حضرت علیؑ کو سلایا تھا اور مشرکین مکہ نے رات ہی کو حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ لہٰذا اب یہ بات غلط ہے جس میں یہ کہا جائے کہ فلاں شخص محاصرہ ہوجانے کے بعد حضرت علیؑ کے پاس آیا، دریافت حال کیا اور حضرت علیؑ نے اُس سے باقاعدہ گفتگو کی اور بتایا کہ آنحضرتؐ گھر سے کوہ ثور کی طرف تشریف لے جاچکے ہیں اگر چاہو تو وہاں چلے جاؤ۔ یہ سُن کر وہ شخص جس طرح محاصرہ شدہ مکان میں آیا تھا اُسی طرح محاصرین کے سامنے سے بلا کسی منتر جنتر کے چلا گیا۔ اور یہی دو ایسی صورتیں ہیں جو سرکاری تاریخ کی خانہ ساز کہانیوں کی نقاب کشائی کردیتی ہیں۔ چنانچہ ہم سب سے پہلے، سب سے پہلی اور سب سے معتبر کتاب اور سب سے بلند ترین راوی کو پیش کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ کس طرح سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی گئی ہے۔ اور ساری دنیا کو بڑے بڑے نام اور موٹے موٹے لیبل دکھا کر احمق بنایا گیا ہے۔ اور وہ بات منوانا چاہی ہے جو تمام مؤرخین و محدثین اور مفسرین کے مسلّمات اور امت کے مشہور تصور اور متواترات کے اتنا ہی خلاف ہے جتنا کہ دن رات کے خلاف ہوتا ہے۔ حضرت امام محمد اسماعیل بخاری اور جناب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آڑ میں ایک سرکاری کاذب کا بیان سنئے۔

(i)۔ بخاری کا بیان۔ ہجرت دن میں ہوئی

فرماتے ہیں کہ: قالت عائشه فبینما نحن یومًا جُلوسٌ فی بیت ابی بکر فی نحر الظهیرة قال قائل لا بی بکر هٰذا رسولُ اللّٰهُ صلی اللّٰه علیه وسلم مُتَقَنِّعًافی ساعةٍ لم یکن یا تینا فیها۔ فقال ابو بکر فداءً لهٗ ابی و امی، واللّٰهِ ماجآءَ بهٖ فی هٰذه الساعة الاامرٌ قالت: فجآءَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فاستاذن، فاُذن لهٗ، فدخل۔ فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لا بی بکر اخرج من عندک فقال ابو بکر انما هم اهلک بابی انت یا رسوؔل اللّٰه، قال فانی قد اُذِنَ لی فی الخروج۔ فقال ابوبکر: الصحابة بابی انت یا رسوؔل اللّٰه ۔ قال رسوؔل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نعم قال ابو بکر فخذ بابی انت یا رسوؔل اللّٰه اِحدٰی رَاحِلَتَیَّ هاتین ۔ قال رسوؔل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالثمن قالت عائشه فجهّزنا هما احث الجهاز وصَنَعنا لهما سفرةً فی جراب فقطعَتْ اَسمآء بنتُ ابی بکر قِطْعَةً من نِطاقِها فر بَطَتْ بهٖ علٰی فم الجِراب فبذٰلک سمیت ذات النطاق قالت ثم لحق رسوؔل اللّٰه و ابوبکر بغارٍ فی جَبَل ثورٍ۔ (صحیح بخاری پارہ 15 صفحہ 553 باب ہجرۃ النبیؐ)

''حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ ایک دن دوپہر کے وقت ہم لوگ ابوبکر کے گھر بیٹھے تھے کہ دفعتاً ایک شخص نے ابوبکر سے کہا کہ یہ رسولؐ اللہ اپنا منہ چھپائے ہوئے ایسے وقت آرہے ہیں جب کبھی نہیں آتے تھے۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر نے کہا میری ماں اور باپ اُن پر فدا ہوں خدا کی قسم وہ اس وقت کسی خاص ضرورت سے آئے ہیں۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ صلعم پہنچ گئے اور اجازت لے کر مکان میں داخل ہوئے تو ابوبکر سے فرمایا تمہارے پاس جو لوگ ہیں سب کو باہر کردو۔ حضرت ابوبکر نے کہا یا رسولؐ اللہ آپ کی بیوی کے سوا اور کون ہے۔ حضرتؐ نے کہا مجھے ہجرت کا حکم ہوگیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا تو اے رسولؐ اللہ ہم بھی ساتھ چلیں۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہاں چلو۔ حضرت ابوبکر نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے رسولؐ خدا میری ان دو سواریوں میں سے ایک آپ لے لیں۔ حضرتؐ نے فرمایا قیمت پر لوں گا۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ فوراً ہم لوگوں نے دونوں آدمیوں کا سامان سفر درست کردیا

اور ایک ناشتہ دان میں ان کیلئے کھانا تیار کر دیا اور اسماء بنت ابی بکر نے اپنا نطاق پھاڑ کر اُس سے اس ناشتہ دان کا منہ بند کر دیا اسی سے وہ ذات النطاق کہی جانے لگیں۔ پھر رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکر ثور پہاڑ کی ایک غار کی طرف چلے گئے۔'' (صحیح بخاری)

قارئین نوٹ کرلیں کہ بخاری کی اس تحریر کے مطابق ہجرت ظہر وعصر کے دوران وقوع میں آئی لہٰذا یہ روایت اور روایت سے متعلقہ پورا قصہ غلط ہے۔ اب دوسری بات تاریخ طبری سے سنئیے۔

(ii)۔ ناممکن الوقوع واقعہ

مندرجہ بالا بیان وقوع میں آنا ناممکن تھا کیونکہ جس رات میں ہجرت ہوئی اُس سے پہلے دن بیت النبوۃ پر نہ کوئی پہرہ تھا نہ محاصرہ۔ اس لئے رسولؐ اللہ بلا روک ٹوک جس کے گھر اور جہاں جانا چاہتے جا سکتے تھے۔ مگر یہ واقعہ غلط گھڑا گیا ہے۔ اس لئے کہ ہجرت رات میں ہوئی اور طبری سے آنے والی روایت بھی آپ کو رات ہی کا قصہ سناتی ہے سنئیے:۔

ان ابا بکر اتے علیاؑ فساله عن نبی اللّٰه فاخبره انه لحق بالغار من ثور وقال ان کان لکَ فیه حاجة فالحقه فخرج ابو بکر مسرعا فلحق نبیؐ اللّٰه فی الطریق فسمع رسولؐ اللّٰه جرس ابی بکر فی ظلمة اللیل فحسبه من المشرکین فاسرع رسوؐل اللّٰه المشی فانقطع ۔قبال نعله ففلق الهامة حجر فکثرو مهاوا سرع السعی فخلاف ابوبکر ان یشق علے رسوؐ ل اللّٰه فرفع صوته وتکلم فعرفه رسولؐ اللّٰه فقام حتی اتاه فانطلقا۔ (تاریخ طبری)

''حضرت ابوبکر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور پوچھا کہ حضرت رسولؐ خدا کہاں ہیں۔ حضرت علیؑ نے ان سے کہا کہ ثور کے ایک غار کی طرف تشریف لے گئے ہیں اگر تم کو کچھ ضرورت ہو تو اُدھر ہی جاؤ۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکر دوڑے اور جا کر راہ میں حضرت رسولؐ خدا سے مل گئے۔ رات اندھیری تھی۔ اس میں آنحضرؐت صلعم نے ابوبکر کی چال کی آواز سُنی تو گمان ہوا کہ مشرکین قریش میں سے کوئی آ رہا ہے۔ اس پر آنحضرؐت اور تیز آگے بڑھنے لگے جس کی وجہ سے آنحضرؐت کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا اس سے انگوٹھا زخمی ہوا۔ اور کثرت سے خون بہنے لگا۔ مگر آنحضرؐت اب اور بھی تیز چلنے لگے جس سے ابوبکر ڈرے کہ آنحضرت پر مشقت ہوگی اور آپ چلا کر آنحضرؐت سے بات کرنے لگے۔ اُس وقت آنحضرؐت نے آپکو پہچانا اور کھڑے ہوگئے اور یہاں سے دونوں منزل کی طرف چلے۔'' (طبری جلد دوم صفحہ 244)

(iii)۔ طبری کی روایت پر سرسری نظر

اس روایت میں جو چیز پہلے نمبر پر کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت سراسر جھوٹ کا پلندہ تھی۔ اور ہجرت دن میں نہیں بلکہ رات کو ہوئی تھی۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ابوبکر کا تعاقب کرنا خلافِ توقع تھا۔ یعنی پہلے سے کوئی ایسا پروگرام یا گفتگوحتّٰی کہ خیال تک آنحضرؐت کے ذہن میں موجود نہ تھا۔ ورنہ آنحضرؐت چاروں طرف متلاشی نظروں سے دیکھتے ہوئے اور گوش بر آہٹ وآواز سفر کرتے اور اپنے تعاقب کرنے والے کو مشرک نہ سمجھتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس کا نام ابوبکر تھا۔ ابوبکر کے اس تعاقب کو اس لئے بھی غیر متوقع اور خلاف امید سمجھنا پڑے گا کہ اس روایت کی رُو سے حضرت علی علیہ السلام نے کسی سابقہ پروگرام سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اگر تمہیں اُن سے کوئی کام ہے تو...... چلے جاؤ۔ ورنہ وہ کہتے کہ آنحضرؐت تو روانگی کے وقت حضور کو یاد فرما رہے تھے اور مجھ سے یہ پیغام

دینے کو کہہ گئے تھے۔ ہمارے اس اعتراض سے ایک اور روایت غلط ہوگئی۔یعنی یہ کہ طبری نے لکھا کہ:۔

''بعض راویوں نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے علیؑ ابن ابی طالبؑ سے یہ بھی کہا کہ اگر ابن ابی قحافہ تمہارے پاس آئے تو اس سے کہہ دینا کہ میں جبل ثور جا تا ہوں تم میرے پاس آ جاؤ تم مجھے کھانا بھی بھیجنا۔کرایہ کا ایک راہنما بھیجنا جو مدینہ کے راستہ لیجائے اور ایک اونٹنی بھی میرے لئے خرید لینا یہ ہدایت دے کر رسولؐ اللہ چلے گئے۔''(تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ 130)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ سرکاری تاریخ نے حضرت ابوبکر کی رسولؐ اللہ کی نظر میں کیسی شاندار پوزیشن بنانے کی جھوٹی کوششیں کی ہیں۔ لیکن افسوس انکی قسمت پر کہ ہمارا قلم گینتی پھاوڑا بن کر اس باطل تعمیر کو دھڑا دھڑ مسمار کرتا جا رہا ہے۔ یہاں یہ مان لیجئے کہ حضرت علیؑ نے معاذ اللہ جھوٹ بولا اور حضرت ابوبکر کو نہ صحیح بات بتائی اور نہ پورا پیغام دیا۔لیکن اسکو کیا کریں کہ رسولؐ اللہ کو جس شخص سے ایسی توقعات ہوں کہ وہ کھانے کا انتظام کرے گا، راہنما بھیجے گا، سواری پہنچائیگا، زادِ راہ فراہم کریگا، اُسکا تصور تک ذہن میں نہیں ہے اور اُسکی آہٹ کو کسی مشرک کا تعاقب سمجھ رہے ہیں۔ بے تحاشہ دوڑ رہے ہیں، ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھا رہے ہیں، بھاگے چلے جا رہے ہیں اور یہ وہم تک نہیں ہوتا کہ میرے خُسر میری محبت میں بے چین ہو کر میرے دیئے ہوئے پیغام کی بنا پر میرے پیچھے نہ آ رہے ہوں۔ایک اور بات جو ہمیں اس روایت میں ہضم کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ داماد اور خسر کی ریس (Race) مکہ کی گلیوں میں نہیں بلکہ بیرون مکہ بیابان میں لگ رہی ہے۔ ورنہ آنحضرتؐ ڈاج (Dodge) دیکر کسی بھی گلی میں مُڑ جاتے اور جناب ابوبکر رات کے اندھیرے میں سیدھے دوڑتے چلے جاتے۔ لہٰذا اب سوال یہ ہے کہ کیا رسولؐ اللہ اتنے کمزور اور معاذ اللہ بُزدل تھے کہ دوڑنے، ٹھوکریں کھانے اور جنگل کی جھاڑیوں میں الجھنے کے بجائے کھڑے ہو جاتے۔ آخر ایک ہی آدمی کے پاؤں کی آہٹ تو تھی کوئی گروہ تو تعاقب نہیں کر رہا تھا۔اور ڈانٹ کر کہتے او مشرک! دشمن خدا خبر دار اگر آگے قدم بڑھایا۔ یہ بھی سوال ہے کہ ابھی ابھی ذرا دیر پہلے سورۃ یٰسین کی وہ آیات جن سے مشرکین کو اندھا کر دیا تھا، وہ کیوں بھول گئے؟ اس مشرک پر پڑھ کر اِسے اندھا کیوں نہ کر دیا۔ یہ بات بھی خلاف مصلحت ہے کہ حضرت ابوبکر یہ دوڑ دھوپ کیوں کر رہے ہیں؟ ارے حضور منزل کا پتہ ہے غار ثور پہنچنا ہے، نہ خود دوڑو نہ رسولؐ اللہ کو دوڑنے پر مجبور کرو، آرام آرام سے چلتے رہو، دس پانچ منٹ کے وقفہ سے پہنچ کر یا رسولؐ اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں آپؐ کے حکم کے مطابق غلام حاضر ہے۔ قارئین جلد سمجھ کر جواب دیں؟ کہ اگر آپ خدا نہ کرے حضرت ابوبکر کی جگہ ہوتے تو کیا ہمارا یہ عقلی مشورہ ٹھکرا کر آپ بھی بے تحاشا دوڑتے چلے جاتے؟ ہمارا متفتش دماغ یہ بھی سمجھنا چاہتا ہے کہ جس اندھیری رات میں جناب ابوبکر یہ پہچان سکتے ہیں کہ وہ شخص رسولؐ اللہ ہیں، وہاں رسولؐ اللہ اسی اندھیری رات میں یہ کیوں نہیں پہچان سکتے کہ جسے وہ اپنی خداداد الہامی اور نبوتی بصیرت سے مشرک سمجھے ہیں وہ تو ابوبکر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے یہ طے کر لیا تھا کہ پیچھے پلٹ کر ہرگز نہیں دیکھوں گا یا خوف کی وجہ سے (معاذ اللہ) آپؐ کی بینائی پر بُرا اثر پڑ چکا تھا۔ یہ بات بھی خلاف مصلحت ہے کہ جناب ابوبکر ایسا دانش مند شخص ایسے خطرناک ماحول میں چلّا کر بات کرے جو گُونج کر میلوں نکل جائے اور راز نہ بھی کھلتا ہو تو ظاہر ہو جائے۔ ایک اور بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ کیا ترپین (53) سال کی عمر تک حضرت ابوبکر کو مکہ سے مدینہ تک کا راستہ معلوم نہ تھا؟ جنکی ساری عمر محتاط تاریخ کی روشنی میں تجارتی سفر کرتے ہوئے گزری تھی۔ یہ بھی نا قابل قبول اور حالات

وواقعات وعقلی تقاضوں کے خلاف ہے کہ کوئی ایسی بات تسلیم کی جائے جس میں روزانہ لواحقین کا مکہ سے غارِ ثور میں آنا جانا، کھانا پہنچانا، اونٹ لئے پھرنا، بکریوں کا دودھ دوھ کر پلانا بیان کیا گیا ہو۔ جب کہ سرکاری تاریخ کہتی ہے کہ قریش چاروں طرف تلاش اور سراغ رسانی کا جال بچھائے ہوئے ہیں طرح طرح کی باز پُرس ہو رہی ہے۔ اور ابوبکر کی فیملی پر خاص متجسسانہ نگاہیں جمی ہوئی ہیں اور اُنکی مستورات کے منہ پر طمانچے بھی لگا دیئے گئے ہیں۔ اسی بنا پر ہم، اور تو اور، جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کا غارِ ثور میں آنا یا بلائے جانا بھی نہیں مانتے۔ مکہ کا، خصوصاً رسولؐ اللہ سے تعلق رکھنے والوں کا کوئی فرد بھی کئی روز تک غارِ ثور تو غارِ ثور رہے، نواحِ مکہ میں کسی جانب بھی اگر جائیگا تو قریشی نگاہیں اُسکا پیچھا کریں گی۔ لہٰذا ہم کوئی ایسی بات تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں جو ہجرت کی خدائی، نبوی اور مدنی اسکیم اور اسکے مقاصد کے خلاف پڑتی ہو۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ جناب ابوبکر نے کسی جگہ رات کو چھپ کر یہ پتہ لگا لیا تھا کہ رسولؐ اللہ روانہ ہو چکے ہیں اور یہ بھی کہ انہوں نے تعاقب کیا تھا۔ اور یہ بھی عقلی تقاضہ کے عین مطابق ہے کہ رسولؐ اللہ نے خلاف توقع اُنکو موجود پا کر اپنی نگرانی میں لے لیا ہو۔ اسلئے کہ انکا اصلی مقصد کے خلاف ثانوی حیثیت سے غار میں موجود ہونا اور رسولؐ اللہ کے مددگاروں کی فہرست سے باہر ہونا ثابت ہے۔

(iv)۔ حضرت ابوبکر اور مکی مسلمانوں پر قرآنی نظر

ع مقطعہ میں آپڑی ہے سخن گستری کی بات۔

صورت حال نے ہم سے قبل از وقت یہ لکھوالیا اور پھر بھی لکھیں گے کہ مکہ سے جو مسلمان مدینہ میں پہنچ چکے تھے۔ اُنہوں نے مدینہ کی فضا کو اپنی دس (10) سالہ مجتہدانہ کوششوں سے اِس حال کو پہنچا دیا تھا جو سورہ توبہ کی پیش کردہ آیت (9/40) میں اللہ نے دکھائی ہے۔ یعنی اللہ یہ فرما رہا ہے کہ:۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (توبہ 9/40)

اے مسلمانو! اگر تم نے رسولؐ اللہ کی نصرت اور تائید نہ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے تو ہمیں کچھ پرواہ نہیں۔ اس لئے کہ ہم نے تو اپنے رسولؐ کی اس حال میں بھی مدد کی تھی جب کہ تم میں سے کوئی بھی اُس کی مدد کرنے کو تیار نہ تھا۔ حتّٰی کہ غار کے اندر وہ دو میں کا دوسرا تھا اور اپنے دوسرے ساتھی سے مدد کا امیدوار اور طالب ہونے کے بجائے الٹا اس سے کہہ رہا تھا کہ ارے بھائی گھبرائے کیوں جاتے ہو۔ اوّل تو نبیؐ کا ساتھ ہونا ہی تحفظ کی ضمانت ہے۔ اگر یہ بات تمہارے سمجھنے سے رہ گئی ہے تو کیا تمہیں اب تک یہ بھی یقین نہیں آیا کہ حق پر ہونے کی وجہ سے اللہ ضرور ہمارا ساتھ دے گا۔ چنانچہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا ثابت کرنے کے لئے آنحضرتؐ پر اپنا سکینہ نازل کیا۔ اور اُس کی ایسے لشکروں سے تائید و مدد کی جنہیں تم لوگ اپنی ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے اور کافروں کی بات کو نیچا کر دیا اور اللہ کی بات تو ہمیشہ اونچی رہتی ہی ہے۔ اور اللہ تو ہر حال میں اپنی حکمتوں سے غالب رہا ہے۔''

(v)۔ آیت کا یہ مفہوم کیسے اخذ کیا گیا ہے؟

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت 9 ہجری میں یا اُس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یعنی آنحضرتؐ اور اسلام کو مدینہ میں آئے

ہوئے نو سال گزر چکے ہیں۔ بڑی بڑی اور خطرناک جنگوں میں کامیابیاں سامنے آچکی ہیں، ہر قدم کامیابی کی طرف اٹھتا اور بڑھتا چلا آیا ہے۔ حقیقی مسلمانوں نے وفاداری اور جانثاری کا ریکارڈ قائم کر دیا ہے، ہر قسم کی مشکل میں سے گزر چکے ہیں، ہر طرح کی آزمائش میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیادہ سے زیادہ دو سال کی زندگی باقی ہے۔ قرآن کی تنفیذ تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ اب کوئی خاص پروگرام یا تاریخی اہمیت کا کام باقی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں اس آیت (توبہ 9/40) کا مندرجہ بالا الفاظ میں نازل ہونا یا تلاوت کئے جانا انتہائی توہین، مکمل بے دینی، کمال درجہ کی سرد مہری کا کھلا ثبوت ہے۔ یہ سورہ توبہ ہے، نہایت غیظ وغضب کے عالم میں نازل ہوئی ہے۔ اس کو بلا بسم اللہ اس لئے تلاوت کیا گیا ہے کہ خدا کے رحم وکرم کی ہر اُمید منقطع کر لی گئی ہے۔ تمام مسلمان علما متفق ہیں کہ یہ مشرکین مکہ کو تنبیہ اور تعذیب کے لئے نازل ہوئی ہے۔ لیکن اس سورۃ کی ایک سو انتیس آیتوں میں سے آدھی سے زیادہ مسلمانوں کو مخاطب کرتی ہیں اور اُن پر بڑے بڑے جرائم عائد کر کے انہیں عذاب کی بشارت دیتی ہیں۔ اُس مصیبت کو سر سے ٹالنے کے لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جہاں جہاں پر مسلمانوں سے خطاب ہے وہ دراصل منافقوں کو ڈانٹنے کا قصہ ہے۔ مگر صرف یہ کہہ دینا ہمارے نزدیک کافی نہیں ہے۔ اور جب کہ کہنے والا خود مسلمان ہو اور اپنی صفائی میں بلا قرآنی دلیل کے بلا ثبوت بچ نکلنے کی راہ نکال رہا ہو۔ مجرم یا ملزم کا عذر اس کے حق میں بلا ثبوت قبول کر لینا قوانین حق وعدل کے خلاف ہے۔ اس جواب سے اعتراض رفع ہونے کے بجائے دوہرا جرم قائم ہوتا ہے۔ یعنی مخاطب تو تھے چند منافقین لیکن کہا یہ گیا کہ:۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ...(توبہ 9/38)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ (تفہیم القرآن۔ علامہ مودودی)

سوچ کر بتایئے کہ اگر اُن مومنین کو منافق قرار دیا جائے تو ترجمہ کے قوانین، الفاظ کے معنی اور عربی زبان کے اصولوں پر کتنا ظلم ہو گا۔ خدا کے سامنے وہ کون سی دقت تھی کہ یہاں:۔ یا ایھا المنافقون کی جگہ یا ایھا الذین امنوا کہنا پڑا۔ پھر اگر منافق تھوڑے سے لوگ تھے اور اُس وقت حقیقی مسلمانوں کی کثرت تھی تو اصول تخاطب کی بنا پر بھی یہاں منافقوں کا تعین کرنا ضروری تھا۔ یہ کیا گڑبڑ ہے کہ مخاطب تو ہے قلت یا تھوڑی سی تعداد اور الزام عائد کر دیا کثرت پر۔ پھر آیت کے الفاظ میں اُن کے ایمان کی نفی نہیں بلکہ اثبات ہے، عقائد کی کسی خامی کا ذکر نہیں۔ اللہ، رسولؐ، قیامت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کسی چیز پر اعتراض نہیں یعنی وہ لوگ سب پر عمل کر رہے ہیں۔ اعتراض صرف یہ ہے کہ یہ عظیم الشان کثرت آخرت کو نظر انداز کر کے دنیا اور سامان دنیا اور یہاں کی زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہے۔ یعنی اب انہیں وہ تمام راحتیں میسر آچکی ہیں، جن کے بعد اب رسولؐ اللہ یا اسلام کی مزید نصرت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم مومنین کی کثرت پر آگے چل کر با قاعدہ قرآن سے محاکمہ قائم کریں گے۔ یہاں تو یہ بتانا ہے کہ مذکورہ آیت میں قلت نہیں بلکہ کثرت مخاطب ہے۔ منافق نہیں بلکہ مومنین کی کثرت سے کہا جا رہا ہے کہ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ یعنی پہلے یہ دورہ نہیں پڑا تھا۔ یہ کوئی نئی بیماری ہے جو مومنین کی کثرت کو لگ گئی ہے۔ اس کے بعد اُن ہی مومنین سے فرمایا گیا کہ:۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا... (توبہ 9/39) ''تم نہ اٹھو گے تو خدا تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو تمہارے بدلے میں نصرت پر لگا دے گا اور تم اس قوم کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔''

قارئین غور فرمائیں کہ پچھلی آیت میں قلت نہیں بلکہ ایک پوری قوم مخاطب ہے۔اس لئے کہ چند آدمیوں کے بدلے میں ایک پوری قوم کا بدل لینا بالکل بے معنی بات ہے۔علاوہ ازیں چند منافقوں کا نصرت کرنا یا نہ کرنا اتنا اہم نہیں کہ ساری قوم کو بدل ڈالا جائے۔نہیں مدد کرتے جائیں جہنم میں۔دو دو جوتے مار کر کسی کمرے یا اندھے کنویں میں بند کر دو۔جھگڑا ختم ہوا۔ناظرین یہ قلت نہیں ہے، نہ یہ لوگ منافق ہیں یہ ایک فریب ہے جو قحطانی علمانے دیا ہے یہ تمام لوگ قوم قریش کے مومنین ہیں۔اُن کا وہی مذہب ہے کہ اللہ وقرآن اور وحی کو الگ کر کے نبیؐ کو قومی بصیرت کے ماتحت رکھا جائے۔اللہ و رسولؐ میں تفریق کر کے ایک درمیانی مذہب تیار ہو چکا ہے۔9 ہجری اور بعد کی کثرت اُسی مذہب کی مومن ہے۔یہی حضرات مخاطب ہیں۔اُن ہی سے کہا گیا کہ تم نے کبھی بھی رسولؐ اللہ کی نصرت نہیں کی (توبہ 9/40)۔ ترپن اور نو یعنی باسٹھ (62=9+53) سال تک تم صرف مخالف رہے، ناصر نہ بنے۔اُسی نصرت کی نفی کو اُس وقت بھی بحال رکھا جب رسولؐ غار میں تھے۔یعنی وہاں بھی کوئی ناصر و مددگار نہ تھا اور خدا کو مدد کرنا پڑی تھی۔ہم یہ چاہتے تھے کہ اللہ نے یہ کہا ہوتا کہ دیکھو جب رسولؐ غار کے اندر تھے، اُس وقت بھی اُنکی نصرت کو ایک مددگار، ایک دوست، ایک رفیق، ایک ناصر موجود تھا۔یہ بے تعلقی اور بے رُخی اور وہ بھی باسٹھویں سال کیوں ضروری تھی کہ جب ہمارا رسولؐ ''دو میں کا دوسرا تھا'' ۔ ''ثَانِيَ اثْنَيْنِ''۔یعنی اور باتیں تو کہاں؟ یہ بھی نہ کہا کہ قریشی قسم کا ہی سہی، مومن تھا، نمازی تھا، مقصدِ ہجرت میں ہم خیال و ہم آہنگ تھا، کچھ نہیں۔صاف ہری جھنڈی۔ایکڑے پہ بِندی دو۔گِنے گِنائے پورے سو (100) دو میں کا دوسرا۔یعنی صرف گنتی میں دو عدد تھے اُس میں سے بھی دوسرے کو نکال لیا۔اور پہلے کی بات کی تو اس قدر کہ مددگار و ناصر و غمخوار تو کیا ہوتا، خود اُسے گھبراہٹ، پریشانی اور ناکامی کا ملال گھیرے ہوئے تھا۔اسے یہ بھی بتانا پڑا کہ اللہ ہر جگہ اور ہر کسی کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔لہٰذا نصرت کی وہ نفی برابر برقرار رہی۔یعنی نہ غار سے پہلے تم اُسؐ کے ناصر و مددگار رتھے نہ غار میں اُسکا کوئی مددگار تھا۔حتّٰی کہ ہم نے حسب سابق وہاں غار میں بھی ایسی فوجوں سے مدد کی جنکو تم نے نہیں دیکھا۔یہ وہ فوجیں تھیں جو آنحضرتؐ کی ہجرت اور سفر میں برابر ہمراہ رہیں۔باقی سب خود ساختہ قصے....اونٹ..راہنما.....مددگار، محض گرمیٔ محفل کی بکواس ہے۔یہ تھا وہ پس منظر جسکے مطابق ہم نے آیت (9/40) کا مفہوم نہایت مختصر الفاظ میں لکھا ہے۔قرآن کریم کے الفاظ کو بدل کر یا مصدری معنی کی جگہ اپنی ضرورت کے معنی لا کر، عقل و قرآنی ماحول کے خلاف تصور پیدا کر کے قرآن کا کوئی مفہوم ہمیں ہرگز قبول نہیں ہے۔ہم کسی کثرت و قلت کے رعب سے، کسی قومی یا ملکی لاج اور عزت کے قائل نہیں۔جو قرآن کہے مانتے ہیں، جس کی مذمت کرے اس کی زور و شور سے مذمت کرتے ہیں۔مصنوعی ناک کسی چہرے پر لگانا یا لگی رہنے دینا قرآنی مذہب کے خلاف ہے۔جن مومنین کا قرآن نے اوپر ذکر کیا ہے اور جنکی کثرت ہمیشہ موجود رہی ہے اُن کا حال سورۃ نساء کی تین چار آیتوں (نساء 137-4/135) میں بیان کیا گیا ہے۔اُنکو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور خود کو بھی اُن آیات پر جانچتے رہیں جن کا مرکزی نقطہ وہی لوگ ہیں جن کو اے مومنین کہہ کر پکارا جاتا رہا ہے۔اور جو نہ تو اللہ پر قرآن کا بتایا ہوا ایمان رکھتے تھے، نہ رسولؐ پر، نہ قرآن کو اُس طرح کی کتاب مانتے تھے جیسا کہ

قرآن نے بار بار دعویٰ کیا ہے۔ اور نہ ہی سابقہ کتابوں پر اُن کا عملی ایمان تھا؛

یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓ آ اٰمِنُوْا بِاللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ...الخ (نسآء 4/136)

اس کے علاوہ وہ پکے مومن تھے۔ یعنی وہ اُن سب چیزوں پر ایمان تو رکھتے تھے مگر اُن کا ایمان اجتہادی اور مجتہدین کا طے کیا ہوا ایمان تھا۔ مثلاً وہ اللہ کو عادل ماننا غلط سمجھتے تھے، وہ رسولؐ کی کئی ایک حیثیات قائم کر کے رسولؐ کی ذاتی اطاعت اور ذاتی حکم میں غلطی کا امکان مانتے تھے۔ وہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہونے کا انکار کرتے تھے۔ وہ تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ اور نا قابل قبول و نا قابل عمل کہتے تھے اور اس تمام عقیدے کا نام اجتہاد ہے۔ وہ قرآن اور رسولؐ کی اس بات کو مانتے تھے جسے قریش کے ماہرین کی اجتماعی بصیرت سے اختلاف نہ ہو۔ اور اختلاف کی صورت میں وہ قرآن کی آیت اور رسولؐ کے حکم کے معنی بدل کر ایسا مفہوم اخذ کرنا واجب سمجھتے تھے جو قریش کی اجتماعی بصیرت سے ہم آہنگ ہو۔ اسی مذہب کو اختیار کرنے کے لئے انہوں نے ابتدا میں دوسرا قرآن لانے یا اُسی قرآن کو اجتہاد کے ماتحت بدل لینے کی تجویز پیش کی تھی (یونس 10/15)۔ لہٰذا 9 ہجری تک قریش نے اسلام کی ہر تعلیم کو اجتہاد کے سانچوں میں ڈھال لیا تھا۔ اور وہ لوگ اسی اجتہادی اسلام کے مومنین تھے، اُن ہی کی کثرت تھی۔ اُن ہی کے بزرگ لیڈر جنہوں نے ازدی عالم اور بحیرا سے ہجرت کی رات آنے سے، تیس چالیس سال پہلے ہی اپنی مجتہدانہ حکومت قائم ہو سکنے کی پیشگوئی سُن رکھی تھی۔ اجتہادی اسلام کی اس کامیابی کے لئے دوڑتے اور چلاتے ہوئے ساتھ آئے تھے۔ اُنہیں اسی بات کا حزن و ملال تھا کہ اگر خوانخواستہ رسولؐ اللہ اُسی غار میں قتل ہو گئے تو اسلامی حکومت کیسے بنے گی؟ شریعت کے احکام کس طرح نافذ ہوں گے؟ اُن کو اپنی جان کی نہ کبھی پہلے فکر تھی نہ آج کوئی خطرہ تھا۔ وہ قریش میں جیسے بھی ہو عزت و احترام کا مقام رکھتے تھے۔ اُن کو کافروں کی طرف سے کبھی گزند نہیں پہنچا تھا سارے دن اپنا کاروبار کرتے تھے۔ حتّٰی کہ محاصرہ کے وقت بلا دھڑک خانہ رسولؐ میں جانا اور علیؑ سے پیغام لے کر واپس آنا اور کسی پہرہ دار کا چوں و چرا نہ کرنا ذرا دیر پہلے گزر چکا ہے۔ فکر اُن کو رسولؐ اللہ کی یوں اچانک موت کی تھی۔ مگر فطری طور پر نرم طبیعت، بے ضرر اور حلیم الطبع واقع ہوئے تھے لڑنا بھڑنا وغیرہ پسند نہ تھا۔ اس لئے سوائے اس کے کہ محزون و مغموم ہوں اور کیا کر سکتے تھے؟ آئندہ زندگی میں بھی حتّٰی کہ عہد خلافت میں بھی لوگ انہیں ڈانٹ دیا کرتے تھے اور جو چاہتے تھے اُن سے کرا لیتے تھے۔ لہٰذا جو کچھ غار میں یا غار سے پہلے اور بعد میں اُن سے ظہور میں آیا اُس سے زیادہ اُن سے امید کرنا حماقت ہے۔ سرکاری تاریخوں اور کتب احادیث میں کئی ایک ایسے مواقع لکھے ہیں جہاں کفار، رسولؐ اللہ کو مار پیٹ رہے ہیں اور جناب ابوبکر الگ کھڑے رو رہے ہیں۔ (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 19، طبری جلد 2 صفحہ 223، ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ دہلوی مقصد دوم صفحہ 110) بخاری میں جو کچھ لکھا ہے وہ سن لیں کافی ہوگا۔

وَقَامَ ابو بکر دُونہٖ وھُوَ یَبْکِی فقال أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا یقُوْلَ رَبِّیَ اللہ فانصرفوا (بخاری معہ شرح فتح الباری پارہ نمبر 15 صفحہ 437 مطبوعہ دھلی)۔ ''ابوبکر الگ کھڑے کھڑے رو رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کیا تم ایسے ایک آدمی کو قتل کر ڈالو گے جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ مارنے والے لوگ چلے گئے۔''

قارئین بتائیں کہ یہاں بھی ثانی اثنین والی بات صادق ہے۔ دو مرد ہیں۔ دو میں کا دوسرا قریب القتل ہے۔ اور ایک غریب کمزور آدمی رو

روکرفریاد کررہا ہے اور کفار سے بچنے کیلئے یہ بھی نہیں کہتا کہ کیا تم خدا کے رسوؐل کوقتل کرڈالو گے بلکہ صرف رجلاً کہہ کرفریاد کررہے ہیں۔ بتایئے کہ خدا نے غار والی آیت میں یہی نظارہ نہیں پیش کردیا۔روئے چلے جارہے ہیں، بین کررہے ہیں اور یہ بھی بھول گئے ہیں کہ رونے میں آواز بھی نکل جاتی ہے۔ بہرحال یہ ہیں جناب ابوبکرصدیق جو اتنے امن پسند ہیں کہ خطرناک مواقع پر محمدؐ کو رسولؐ بھی نہیں کہتے بلکہ ایک مرد (رجلاً) کہہ کر جھگڑے سے بچ جاتے ہیں۔اُن سے اسکے علاوہ کوئی اور توقع رکھنا یا اُنکے متعلق کوئی اور غپ شپ مارنا اہل عقل کو،تاریخ وحدیث کے علما کو کیسے قبول ہوسکتا ہے؟ایک دوسرا موقعہ بھی دیکھ لیں:۔

عن انس قال لقد ضربوا رسوؐل اللّٰه حتّٰی غشی علیه فقام ابو بکر فجعل ینادی ویقول ویلکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللّٰه قالوا من هذا ؟ قالوا هذا ابن ابی قحافه المجنون۔(ازا لۃ الخفا مقصد دوم صفحہ 110)

''انس نے روایت کیا ہے کہ رسولؐ اللہ کو اس قدر مارا پیٹا گیا کہ حضوؐر بے ہوش ہوکر گر پڑے تو اس کے بعد ابوبکر اٹھے اور منادی کرنا شروع کردی اور کہتے تھے کہ ہائے افسوس ہے تم لوگوں پر کیا تم ایسے ایک آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے پوچھا کہ یہ منادی کرنے والا کون ہے تو انہیں بتایا گیا کہ یہ ابوقحافہ کا پاگل بیٹا ابوبکر ہے۔''

آپ نے بردباری ملاحظہ کی کہ آپؐ کے بے ہوش ہونے تک برابر تشریف فرما رہے۔جب حضوؐر کو غش آ گیا تب آپ نے واویلا شروع کیا۔ یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اُنکو اُنکی قوم نے پاگل کیوں کہا۔شاید اسلئے کہ غش آجانے کے بعد انہیں خطرہ محسوس ہوا۔اس سے پہلے محض وہ تفریحی پروگرام سمجھ کر شو(Show) دیکھ رہے تھے۔اور اب بہت دیر بعد سمجھے کہ یہ ایکٹنگ (Acting) نہ تھی سچ مچ کی مار پٹائی ہورہی تھی۔انا للّٰہ و انا الیه رٰجعون۔ یہ ہیں ثانی اثنین کے یارِ غار و صدیق اکبر کہ اب بھی رسولؐ اللہ نہیں کہا بلکہ وہی رجلاً فرمایا گیا۔

(vi)۔ آنحضرؐت کے ساتھ رہنے کی مادی وجہ اور محبت کا ثبوت

یہی جگہ ہے جہاں پر حضرت ابوبکر کی وہ بے مثال محبت سامنے رکھ لینا چاہیے جس کی بنا پر آپ نے عائشہؓ کا رشتہ ازدواج قائم کیا تھا اور پورے عرب کے قبائل وخاندانوں کے خلاف تمام رسومات اور قواعد قومی، ملکی وعقلی کو بالائے طاق رکھ دیا تھا۔یعنی جس زمانے میں جناب خدیجہ علیہا السلام کا انتقال ہوا(10 نبوی) آپ نے رسوؐل اللہ کا غم ہلکا کرنے اور اُن کا دل بہلانے کے لئے اپنی چھ سالہ کم سن بیٹی آپؐ کے حضور میں پیش کردی تھی۔اب ہجرت کے روز تک اس کو تین سال گزر رہے تھے۔لیکن ابھی تک رسولؐ اللہ نے اُن سے زوجیت کا تعلق پیدا نہ کیا تھا۔لہٰذا ضروری تھا کہ جناب ابوبکر اس مادی رشتۂ محبت کو پروان چڑھانے اور بیت النبوۃ کا محرم بننے کے لئے حضوؐر کے ساتھ ساتھ رہیں،تا کہ بدلے ہوئے حالات میں یہ کچا رشتہ ہاتھ سے جاتا نہ رہے۔چنانچہ آپ کے دل میں آنحضرؐت کی محبت اور ہمدردی ثابت ہے۔اس سلسلے میں دو ایک بیانات کا سامنے رکھنا ضروری ہے تا کہ ہجرت اور مدینہ کا قیام روشنی میں آسکے۔

(vii)۔ حضرت عائشہؓ کی ذمہ داریاں اور ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا

جناب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اعلی اللہ مقامہ اپنی تحقیق یوں لکھتے ہیں کہ:۔

واز آں، جملہ آں است کہ چوں حضرت خدیجہؓ متوفے شد صدیق عائشہ را در عقد آنحضرؐت در آورد و در آں باب ادبے کہ بہتر از

آں صورت نہ بندو رعایت نمود۔ (قرۃ العینین صفحہ 111)

حضرت ابوبکر کے فضائل سے یہ بھی ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے انتقال کیا تو حضرت صدیق نے جناب عائشہ کو آنحضرتؐ کے عقد میں دے دیا اور اس باب میں اس ادب کو ملحوظ رکھا جس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔

عن حبیب مولی عروۃ قال لما ماتت خدیجۃ حزن علیھا النبیؐ فاتاہ ابوبکر بعائشہ فقال یارسولؐ ھذہ تذھب ببعض حزنک و ان فی ھذہ خلفامن خدیجۃؓ۔ ثم ردّھا فکان رسولؐ اللّٰہ یختلف اِلٰی ابی بکر۔الحدیث اخرجہ الحاکم من طریق محمد بن عمرو ۔(مقصد 2صفحہ 11)

حبیب مولے عروہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت خدیجہؓ نے انتقال کیا تو اُن کی جدائی پر حضرت رسول خداصلعم کو بڑا صدمہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر جناب عائشہ کو رسولؐ کی خدمت میں لائے اور کہا یارسولؐ اللہ یہ آپ کے صدمہ کو کچھ کم کرے گی۔اور اِس میں حضرت خدیجہؓ کی قائم مقامی کی صلاحیت ہے۔پھر حضرت ابوبکر ان کو واپس لے گئے۔اس کے بعد حضرت رسول خداصلعم برابر حضرت ابوبکر کے گھر آنے جانے لگے۔اس حدیث کو امام حاکم نے محمد بن عمرو کی طریق سے روایت کیا ہے۔

ان دونوں بیانات میں جہاں یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کو یہ فکر لاحق تھی کہ اپنی بیٹی کو حضرت خدیجہؓ کا قائم مقام بنادیں وہاں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آپ نے اس سلسلہ میں بڑی عجلت سے کام لیا۔اور حضرت عائشہ کو اس کم سنی میں آپؐ کی زوجہ بنانے کی بنیاد رکھ دی تھی۔اور جیسا کہ سمجھا گیا ہے کہ کوئی عقد نکاح بلا اعلان عام پڑھا گیا تھا،تو سوال یہ ہوتا ہے کہ نہ تو حضرت ابوبکر حضرت عائشہ کا کوئی انتظام کرتے ہیں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام کو حضرت عائشہ کو ساتھ لانے کا حکم دیتے ہیں۔جبکہ حضرت علی علیہ السلام کو وہ فہرست بتادی گئی ہے جن کو لے کر مکہ سے مدینہ کو روانگی ہونے والی ہے۔اس صورت حال میں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عائشہ کی پوزیشن کیا ہے۔اگر وہ زوجہ ہیں؟ تو بڑی بے تکلفی سے حضرت علیؑ کے ساتھ روانہ ہوسکتی ہیں۔بلکہ ان کے بھائی عبداللہ اور والدہ نیز بہن بھی ساتھ جا سکتی ہیں۔اور جبکہ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ آنحضرتؐ کو ابوبکر نے حضرت عائشہ کا محرم بنا دیا تھا اور حضرت عائشہ کو رسولؐ اللہ کی حرم بھی کہا کرتے تھے۔چنانچہ ان دونوں حضرات کی ہجرت کے وقت خاموشی سمجھ میں نہیں آتی۔کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اخراجات کی بنا پر دونوں اس معاملہ کو ایک دوسرے پر ٹال رہے ہوں۔اخراجات کی کمی رسولؐ اللہ کے لئے تو تسلیم کی جاسکتی ہے لیکن حضرت ابوبکر کو اخراجات کی کوئی کمی نہیں ہے۔چنانچہ وہ مدینہ پہنچنے کے بعد جب اپنے خاندان کو مدینہ میں بلاتے ہیں تو پہلی فرصت میں اپنی جیب سے وہ تمام اخراجات رسولؐ اللہ کو پیش کرتے ہیں جو حضرت عائشہ کو مادی طور پر رسولؐ اللہ کی زوجہ بنانے کے لئے درکار تھے۔چنانچہ یہ بیان بھی سُن لیجئے کہ حضرت ابوبکر نے اپنے پاس سے چاندی کی ایک بڑی مقدار رسولؐ اللہ کو دی تھی۔

(viii)۔ استحکام تعلق کے لئے حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی اور چاندی دونوں صرف کردیں

عن عائشہ قالت قد منا المدنتہ فنزلت مع عیال ابی بکر ۔ و نزل الی رسولؐ اللّٰہ وھو یو مئذ یبنی المسجد و ابیا تنا حول المجسد فانزل فیھا اھلہ و مکثنا ایا ما فی منزل ابی بکر ۔ قال ابوبکر یا رسول اللّٰہ ما یمنعک ان تبنی با ھلک

فقال رسولؐ اللّٰہ الصداق فاعطاہ ابوبکر اثنی عشر اوقیۃ و نشا ۔فبعث رسولؐ اللّٰہ الینا و بنے بی رسولؐ اللّٰہ فی بیتی ھذا الذی انا فیہ۔(قرۃ العینین صفحہ 111 وازالۃ الخفا مقصد 2 صفحہ 11 واستیعاب جلد نمبر 2 صفحہ 765 ومستدرک جلد 4 صفحہ 5 وغیرہ)

''اور خود عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آئے تو حضرت ابوبکر کے عیال کے ساتھ اترے۔اور ہمارے قریب ہی حضرت رسول خدا صلعم بھی ٹھہرے تھے۔حضرتؐ اس وقت مسجد بنواتے تھے۔اور مسجد کے گرد ہمارے گھر تھے۔اُنہی میں حضرتؐ نے اپنے عیال کو بھی اتارا اور ہم لوگ کچھ دنوں تک ابوبکر کے گھر میں رہے۔ایک روز حضرت ابوبکر نے کہا اے رسولؐ خدا آپ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کیوں نہیں کرتے۔حضرتؐ نے فرمایا ابھی مہر کا روپیہ نہیں ہے۔اس پر حضرت ابوبکر ہی نے حضرت رسول خدا صلعم کو ساڑھے بارہ اوقیہ دیا۔تب حضرت رسول خدا صلعم نے ہمارے ہاں بھیجا اور جس گھر میں اس وقت میں ہوں اسی میں حضرت نے میرے ساتھ جماع کیا۔''

(ix)۔ حضرت عائشہؓ سے نکاح کی ایک عجیب صورت نہ خوشی نہ ولیمہ نہ قربانی

جناب طبری حضرت عائشہؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ۔''عائشہ کہتی ہیں کہ نکاح کے بعد ہم مدینہ آئے۔ابوبکرؓ سُخ میں خزرج کے خاندان بنی الحارث کے یہاں فروکش ہوئے۔ایک دن رسولؐ اللہ ہمارے گھر آئے کچھ انصار اور اُن کی عورتیں آپ کے پاس آ گئیں۔میری ماں میرے پاس آئیں میں اُس وقت جھولا جھول رہی تھی۔انہوں نے مجھے جھولے سے اتارا بالوں میں کنگھی کی میرا منہ دُھلایا اور پھر مجھے اپنے ساتھ لے چلیں اور کمرے کے دروازے پر پہنچ کر وہ ٹھہر گئیں۔میں ڈری میری ماں نے مجھے اندر کر دیا۔رسول اللہ صلعم کمرے میں پلنگ پر تشریف فرما تھے،میری ماں نے مجھے آپؐ کی گود میں بٹھا دیا اور کہا یہ تمہارے شوہر ہیں،اللہ تم کو اِن کے لئے اور اُن کو تمہارے لئے موجب خیر و برکت کرے۔اس کے بعد تمام لوگ گھر سے چلے گئے۔رسول اللہ صلعم نے میرے گھر میں میرے ساتھ خلوت فرمائی،مگر اس خوشی میں نہ قربانیاں کی گئیں اور نہ بکری میرے لئے ذبح کی گئی۔اس وقت میری عمر (9) سال کی تھی۔پھر سعد بن عبادہ کے یہاں سے حسب معمول رسولؐ اللہ کے لئے کھانا آیا۔(طبری صفحہ 495-494 جلد اوّل)

(x)۔ حضرت عائشہ کی تزویج کے متعلق چند قابل غور باتیں

حضرت عائشہ کو رسولؐ اللہ کی زوجیت میں دیئے جانے پر کتب احادیث و تواریخ اور تفاسیر میں بہت سی عجیب عجیب بحثیں اور روایات پائی جاتی ہیں۔ہم نے ہجرت کے واقعہ کو اسکے اغراض و مقاصد کے ساتھ مکمل کرنے کیلئے یہ چند ضروری روایات لکھ دی ہیں جن سے کئی ایک اہم باتیں ثابت ہوتی ہیں اور چند سوالات بھی اُبھرتے ہیں۔جہاں یہ ثابت ہو چکا کہ حضرت ابوبکر ایک سرمایہ دار اور خوشحال فرد تھے،وہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ آپ نے بیت النبوت میں اپنا مستقل اثر و رسوخ قائم کرنے کیلئے نہایت دور اندیشی اور فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے آج سے تین سال پہلے،جب کہ حضرت عائشہ کی عمر کل چھ (6) سال تھی،یہ فرمایا تھا کہ عائشہ میں اُس وقت حضرت خدیجہؑ کی قائم مقامی کی صلاحیتیں موجود ہیں۔جس کے معنی یہ ہیں اور تھے کہ حضرت عائشہ حقوق زوجیت کو کما حقہ ادا کرنے پر قادر ہیں۔یعنی وہ خلاف فطرت چھ سال کی عمر میں عاقلہ بھی ہیں،بالغہ بھی ہیں اور امور خانہ داری کے ساتھ ساتھ کنبہ کی دیکھ بھال پر بھی قادر ہیں۔چونکہ یہ سب کچھ حضرت صدیق نے فرمایا تھا،اس لئے اس بیان پر جھوٹ کا

شبہ تو گناہ ہوگا۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ حضرت عائشہ کو رسولؐ اللہ کے پاس سے واپس لے آئے اور کیوں تین سال تک متواتر اپنے اس قول کے خلاف کرتے رہے کہ:۔

''یا رسولؐ اللہ یہ آپ کے صدمے کو کچھ کم کرے گی اور اس میں حضرت خدیجہؑ کی قائم مقامی کی صلاحیت ہے۔''

کیا آپ کا یہ منشا تھا کہ رسولؐ اللہ اس رشتہ کی بنا پر انکے گھر آنا جانا اور متاثر ہونا شروع کردیں۔ پھر حضرت عائشہ کی والدہ تین سال گزر جانے کے بعد بھی یہ ثابت کر دکھاتی ہیں کہ ابھی اس لڑکی کو نہ منہ دھونا آتا ہے نہ کنگھی کرنا جانتی ہے۔ گویا حضرت خدیجہؑ کی صلاحیت بھی اسی حد تک محدود تھی۔ ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہے کہ حضرت عائشہ کو اُنکی والدہ نے عورتوں اور مردوں کے بھرے مجمع میں لیجا کر گود میں بٹھا دیا۔ اسلئے کہ عربوں میں جو معاشرہ قائم تھا اُس میں اس قسم کی باتیں عام تھیں۔ یہاں تو دیکھنا یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی جانشینی کی اسکیم کو کس احتیاط، دور بینی اور حُسنِ تدریج کے ساتھ برسرکار لا رہے ہیں۔ مدینہ میں آکر آپ نے ایک روز بھی رسولؐ اللہ کے ساتھ قیام نہ فرمایا بلکہ خزرج خاندان میں پہلے سے بنائی ہوئی جگہ پر نزولِ اجلال فرمایا۔ یعنی مدینہ کے محلّہ سُخ میں ایک عدد شادی کی اور رسولؐ اللہ کے انتقال تک مستقل سکونت اُسی محلّہ میں رکھی۔ یہ محلّہ مسجد نبویؐ اور بیت الرسالتؐ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ آپ نے اپنے اہل وعیال کو مکہ سے بلانے کے بعد پہلی فرصت میں اپنے ہی مذکورہ گھر کے اندر رسولؐ اللہ اور حضرت عائشہ کو تخلیہ کے مواقع عنایت فرمائے۔ غالباً آپ یہ چاہتے تھے کہ رسولؐ اللہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر آپکے ساتھ حضرت عائشہ کی وجہ سے مستقل سکونت اختیار کرینگے۔ اور اگر ایسا نہ کریں تو آنے جانے کی دقت کی بنا پر حضرت عائشہ کو خانہ نبوتؐ میں رکھیں گے۔ یہ نتیجہ محلّہ سُخ میں ایک میل دور رہنے ہی سے مرتب ہوسکتا تھا۔ اگر کہیں آپ نے یہ غلطی کی ہوتی کہ شروع دن سے رسولؐ اللہ کے ساتھ سکونت اختیار کی ہوتی اور وہیں اپنے اہل وعیال کو آباد کیا ہوتا تو رسولؐ اللہ حضرت عائشہ کو ساری عمر اُنکے والد ہی کے پاس رکھتے اور ہفتے عشرے میں حضرت عائشہ کیلئے، چند گھنٹوں کے لئے پہنچ جایا کرتے۔ اُس میں بھی حضرت علی علیہ السلام، تہجد اور دیگر عبادت اور ملاقاتی حصہ دار بن جاتے۔ اس طرح حضرت ابوبکر اور اُنکی جانشینی کی اسکیم کو دوہرا نقصان پہنچتا۔ پہلا مالی نقصان کہ بیٹی، داماد اور ملاقاتیوں کے اخراجات تاحیات برداشت کرنا پڑتے۔ دوسرا اور سب سے اہم نقصان یہ ہوتا کہ خانہ رسولؐ میں بننے والی ہر اسکیم اور ہر فیصلے سے مکمل لاتعلقی ہو جاتی۔ اور جو ذمہ داریاں حضرت عائشہ خانۂ رسالت میں رہ کر انجام دے سکتی تھیں، اُن سے قطعاً محرومی ہو جاتی اور پیشگوئی کے باوجود رسولؐ اللہ کی جانشینی خواب وخیال بن کر رہ جاتی۔ یہ تھی وہ دور رَس اسکیم جس کے ماتحت حضرت عائشہ کو ایام طفولیت سے متعلقہ مقصد کیلئے تعلیم وتربیت اور صحبت رسولؐ سے استفادہ کا انتظام کیا گیا۔ اور ہجرت کے وقت رسولؐ اللہ کو تنہا نکل جانے سے روکا۔ مدینہ آکر دُور قیام کیا اور جلد سے جلد حضرت عائشہ کو متعلقہ ذمہ داریوں پر تعینات کر دیا۔ ساتھ ہی تین میل دُور سکونت رکھ کر خود کو مختلف قسم کے مکاتیب فکر سے ملنے اور اپنے عمل درآمد کو نتیجہ خیز بنانے اور مفتش قسم کے لوگوں کی نظروں سے محفوظ رہنے کا اچھا ٹھکانہ بنا لیا۔ یہی وہ گھر ہوگا جہاں راتوں کو مجلس مشاورت کے برپا ہونے کی خبریں قرآن کریم دے گا۔ اور اسی گھر سے آنے والی ایک عورت اور ایک بچہ یہاں کے راز فاش کرتے ہوئے پائے جائیں گے۔ (انتظار کیجئے)

(23/7)۔ علی مرتضٰی علیہ السلام اور قریش؛ خانوادۂ رسولؐ کی مدینہ کو روانگی

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ سے نکل جانا قریش کی قومی وسیاسی موت کا پیغام تھا۔ اُنہوں نے نزدیک و دُور کے تمام راستوں اور آبادیوں کو چھان مارا۔ ہر طرف مسلح سواروں نے گشت لگائے، تلاشیاں لیں۔ مکہ سے باہر جانے والوں اور اندر آنے والوں پر کڑی نظر رکھی جارہی تھی، پوچھ گچھ ہورہی تھی اور ہر آنے والی ساعت محرومی وناکامی کا پیام لارہی تھی۔ اُن کے لئے بڑا اچھا موقعہ تھا کہ وہ جناب علی علیہ السلام اور باقی افراد خاندان کو یرغمال بنالیتے اور یقین کرلیتے کہ اُن کو چھڑانے کے لئے محمدؐ ضرور واپس آئیں گے۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ایسا کرنے میں کیا چیز مانع ہوئی؟ قحطانی تاریخ کی کہانیوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو تھوڑی دیر تک زیرنگرانی رکھا اور سخت سلوک کیا گیا لیکن اس کے بعد آزاد کردیا۔ یہ اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ اِس آزادی کی وجہ نہیں بتائی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام روزِ اوّل سے قریش کو جس شکل میں نظر آتے تھے، وہ ملک الموت سے کچھ زیادہ دہشت ناک تھی۔ ہر وہ شخص جو اسلام کا دشمن ہوتا تھا اُن کے تصور سے بھی خوفزدہ رہتا تھا۔ **حضرت علیؑ اور قریش** کا معاملہ بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ ذرا سوچیئے کہ آپ ایک آدمی کو دیکھ رہے ہیں۔ ذراسی توجہ ہٹی تھی اب جو نظر پڑی تو اُس فرضی آدمی کا سائز (SIZE) دوگنا نظر آیا۔ حیرانی کے ساتھ جائزہ لیا، آدمی تو وہی ہے۔ اتنی دیر میں دوسرا آدمی اس کی جگہ نہیں لے سکتا تھا۔ نظر جما کر دیکھا تو پتہ چلتا ہے کہ وہ آدمی برابر بڑھتا اور پھیلتا چلا جارہا ہے ذرا دیر میں وہ دیوقامت ہوگیا۔ آپ یقیناً یہاں کھڑے نہیں رہ سکتے کہیں دُور جاکر دم لیا تو دیکھا کہ بہت بھاگے مگر وہ تو بالکل قریب ہی ہے۔ اگر ہاتھ بڑھادے تو آپ سے آگے نکل جائے اور چاہے تو تمہیں چٹکی سے اُٹھا کر کسی درخت کی چوٹی پر بٹھا دے، مسل کر زمین پر دُھول کی طرح جھاڑ دے جیسے کسی کھٹمل کو مسل دیا جاتا ہے، جس کے خون سے آپ کی انگلیاں بھی نہیں بھیگتیں۔ سوچیئے کہ کیا آپ ایسے آدمی پر تلوار سے حملہ کرکے کامیاب ہونے کی امید کی حماقت کرسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اُمید تو رہی الگ آپکی کھوپڑی سے خیالات وتصورات سب نکل کر بھاگ جائیں گے۔ صرف خوف ودہشت وحشت گاہ بن کررہ جائے گی۔ ہمیں یہ علم تو نہیں ہے کہ قریش کے سامنے علیؑ اِسی طرح آیا کرتے تھے لیکن علم ہے کہ علیؑ کا ایک مشہور نام مظہر العجائب ہے۔ ہمیں علم ہے کہ حضور علیہ السلام نے جنات کو شکست دی تھی جو ہر صورت کو اختیار کرسکنے والی مخلوق بیان کی گئی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ جناب مظہر العجائب نے چالیس اور دو بیالیس مقامات پر بیک وقت دعوت میں اپنی موجودگی کا مادی ثبوت دیا تھا۔ یہ بھی خبر ہے کہ آپ نے زمین پر رہ کر معراج کی سرگزشت سُنا دی تھی۔ یہ بھی سُنا ہے کہ آپؐ کے ساتھ جو گفتگو ہورہی تھی وہ علی علیہ السلام کی زبان اور لب ولہجہ میں تھی۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اقصائے عالم میں ہر فرشتہ علیؑ کو ہر لحظہ اپنے سامنے دیکھتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اِن باتوں پر بحثیں اور انکار بھی ہوئے ہیں۔ یہ غپ شپ سہی لیکن ہمیں یہ بھی تجربہ ہے کہ زاوایائے نظر کے بدل جانے سے تصویر بدل جاتی ہے۔ ایسی تصویریں دیکھی ہیں کہ اِدھر سے دیکھو تو مرد، اُدھر سے دیکھو تو عورت۔ یوں دیکھو تو ضعیف بڈھا اور یوں دیکھو تو قوی ہیکل جوان اور گھمالو تو مادرزاد ننگی تصویر۔ یہ سب کچھ آپ کی کھوپڑی میں آنکھوں کے راستے آنے والا سامان ہے۔ تصویر تو وہی کچھ ہے کہ جو کچھ کہ وہ ہے۔ مگر یہ منکر کھوپڑی کے اپنے کارنامے ہیں یا زاوایائے نظر کے کرشمے ہیں۔ ہمارے پاس ایک چند ورقوں کی کتاب ہے ایسی جو تصویروں سے لکھی گئی ہے، الفاظ سے نہیں۔ پہلا ورقہ کھولو ایک تصویر

مکمل خوبصورت تصویر سامنے ہے۔ دوسرا ورقہ پلٹو اُس تصویر نے لباس بدل لیا ہے۔ پھر ورقہ پلٹو تو وہی تصویر ہے۔ ورقے پلٹتے جاؤ نئے چہروں کے ساتھ نئے ملبوسات میں نئے نئے انداز میں ایک ہی تصویر اپنی بوقلمونیاں دکھاتی چلی جائے گی۔ غپ شب کہنے والے لوگ بے خطا اور احمق ہونے کا ثبوت ہوتے ہیں۔ وہی مجسمہ رات کو، دوپہر کو، دُور سے یکساں حالت میں نظر نہیں آتا۔ کیوں؟ بعض نگاہیں دلوں میں انقلاب پیدا کر دیتی ہیں۔ کیوں؟ بعض مسکراہٹیں دیکھتے دیکھتے غلام بنا لیتی ہیں۔ کیوں؟ بعض انتظار سوہان رُوح اور بعض رُوح پرور ہوتے ہیں۔ کیوں؟ آپ کی منکر کھوپڑی میں سے توڑنے کے بعد جو کچھ نکلتا ہے وہ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا بکرے کی سری کے اندر سے نکلتا ہے۔ لیکن جب تک یہ کھوپڑی ہتھوڑے سے محفوظ آپ کی گردن پر سوار ہے، اُس میں اُس سامان کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ اُس میں والدہ ہے، والد صاحب ہیں، بھائی بہنیں، دیگر اعزہ، محلے دار دفتر کے سب لوگ، گنو تو ہزاروں، تو لو تو ٹنوں۔ پھر اُس میں بڑے بڑے میدان، پہاڑ، نظارے، سینریاں، خواب، قصے، میتھی میٹکس کے فارمولے، بازار، گلیاں، موڑ، موٹریں، جہاز۔ ذرا اُس منکر سے انکار تو کروائیے کہ مندرجہ بالا کیوں کا جواب کیا ہے؟ کیا یہ سب غپ شب ہے۔ چھ سات انچ لمبی چوڑی منکرات سے لبریز کھوپڑی حقائق کا انکار تو کر سکتی ہے لیکن حقائق کے وجود کو سامنے سے ہٹا نہیں سکتی۔ جس نے زمین پر رہ کر ستاروں کو ساری عمر دیکھا ہو، ستاروں کی حقیقت کے متعلق اس کے علم واقرار وانکار کا کیا وزن ہے؟ جس نے کوئی چیز رات کو اندھیرے میں ایک سرسری طور پر دیکھی تھی، وہ اگر دن کی روشنی میں غور سے دیکھنے پر اُسے نہ پہچانے اور بتانے کے بعد نہ مانے، بتایئے کہ اُس کے انکار کا اُس چیز پر کوئی اثر پڑتا ہے؟ علامہ رومی نے لکھا ہے کہ:۔ تو علیؑ را بتاریکی دیدۂ ای زاں سبب غیراں بُرو بگزیدہ ای

اے منکر شخص درحقیقت تو نے علیؑ کو اُس کھوپڑی سے دیکھا ہے جس میں گھٹاٹوپ اندھیرا تھا۔ یہ سبب ہے کہ تو نے ایرے غیرے نتھو خیروں کو اُن سے برگزیدہ سمجھ لیا ہے۔ (مثنوی مولانا رومؒ)

اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ جس کے سینے میں ساری کائنات سما جائے، اُس شخص کا سائز کیا ہوگا؟ جو اپنے کفِ دست یعنی ہتھیلی کو پوری کائنات سے بڑا کہے، اُس کے باقی جسم کی لمبائی چوڑائی کہاں پہنچے گی؟ جو نفس اللہ ہو، اُسے کن حدود میں محدود کیا جائے گا؟ جو عین اللہ ہو، جو لسان اللہ ہو، جو ید اللہ ہو بلکہ خدا کے دونوں ہاتھ ہو۔ اُسے کہاں سمایا جائے گا؟ یہ تو خدا کی کاریگری کا کمال تھا کہ وہ حضرتؑ ہمارے ایسے لوگوں کی خوش قسمتی سے ایسے بنا دیئے گئے کہ ہم بھی زیارت کر سکیں، تصور میں لا سکیں اور ٹوٹے پھوٹے کھوکھلے الفاظ میں کچھ بیان کر سکیں۔ علیؑ قریش کو کیسے نظر آتے تھے؟ اس کا صحیح جواب عمرابن عبدودّ، مرحب اور اُن لوگوں کے پاس ہے جنہوں نے علی علیہ السلام کو سچ مچ دیکھا تھا۔ آپ تو علیؑ کا تصور اُن ہی پیمانوں سے کر سکتے ہیں جو کنویں کے مینڈک نے سمندر کا تصور کنویں کے مقابلہ سے کیا تھا۔ اُس نے کنویں کے تین چکر لگا کر کہا تھا کہ جناب سمندر اس سے بڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے کہا گیا تھا کہ اگر تو ساری عمر کنویں میں گھومتا رہے تب بھی سمندر بہت بڑا ثابت ہوگا۔ بہرحال یہ واقعہ ہے کہ جناب علیؑ دن دھاڑے بلا روک ٹوک علی الاعلان مکہ سے مدینہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ انہیں اب مکہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اُن کا قبلہ اُن کا کعبہ مدینہ کی طرف رواں دواں جا رہا تھا۔ اُن کی دین و دنیا سب محمدؐ میں مرکوز تھی وہیؐ سب کچھ تھے۔ وہؐ نہیں تو پھر ہر چیز بے معنی۔ بڑی مشکل سے فرائض کی ادائیگی اور حکم کی تعمیل کے سہارے تین دن

گزارے۔ چوتھے روز درِ دولت کے سامنے اونٹ بٹھا دیئے گئے ۔عماریوں اور پردے کا انتظام ہوا۔ سب سے پہلے اپنی والدہ گرامی جناب فاطمہؑ بنت اسدؑ کوسوار کیا۔اوراُن کے ساتھ جناب فاطمہؑ زہراء خاتون جنت کو بٹھایا۔ پھر جناب حمزہ علیہ السلام کی بیٹی فاطمہؑ علیہا السلام کوسوار کیا۔ پھر اپنی پھوپھی جناب فاطمہؑ بنتِ عبدالمطلبؑ علیہا السلام کو زحمت سفر پر آمادہ کیا۔ یہ چار فاطمائیںؑ خانوادہ رسولؐ کا وہ اثاثہ اور دولت تھیں جن کے لئے جِنّ و مَلَک کے سر جھکے ہوئے تھے۔اُن کے بعد اِذنِ عام ہوا۔ وہ تمام جذبات جو غریب الوطنی کے تصور سے پیدا ہوتے ہیں، جو اپنے مولد اور وطن کو چھوڑتے وقت لازم ہیں، پیشوائی اور رخصت کے لیے حاضر تھے۔ حضرت ام ایمن کے صاحب زادے ابوواقد لیثی نے قافلہ کی قیادت شروع کی جو رسولؐ اللہ کا خط لے کر آئے تھے جس میں حضورؐ نے اپنی غارِ ثور سے روانگی اور وہ حکم لکھا تھا جس کے ماتحت خانوادۂ رسول کو گھر چھوڑنا تھا۔ مکہ سے دونوں قسم کے مسلمان مرد مدینہ جا چکے تھے۔ بعض کے اہل وعیال مکہ میں منتظر تھے۔ مگر دعوتِ عام کے باوجود علویؑ قافلہ کے ساتھ مکہ سے کسی نے نہ سفر کیا، نہ رخصت کو آیا، نہ مشایعت کی۔ یہی وقت تھا کہ یہ معلوم ہوتا کہ جناب ابوبکر نے بھی رسولؐ اللہ سے ہم آہنگ اسکیم بنائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ کے روبرو انہوں نے اپنے خاندان کی روانگی کا ذکر تک نہیں کیا ورنہ حضورؐ از راہِ مروّت حضرت علیؑ کو لکھ بھیجتے کہ حضرت عائشہ اور ان کی والدہ وغیرھا کو بھی لیتے آنا۔ ھر پھر کر وہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت ابوبکر رسولؐ کے ساتھ آباد ہونے میں دو دو اور بڑے عظیم نقصانات دیکھ رہے تھے۔ جب خانوادہ رسوؐل مدینہ پہنچ جائے گا تو حضرت ابوبکر رسولؐ سے ایک میل دُور اپنا ٹھکانہ بنا چکیں گے۔ پھر خط آئے گا اور اُن کا خاندان اور رفتہ رفتہ وہ تمام خاندان مدینہ کو روانہ ہو جائیں گے جن کا جانا مشرکین قریش کے لئے مفید تھا اور وہ تمام مظلوم مرد عورتیں اور بچے نہ جانے دئے جائیں گے جن کا اسلام قریش کے لئے مُضر اور خطرناک تھا، مکہ سے روانگی کا یہی معیار تھا۔ یہ تو اللہ کے مرسلہ وہ فوج تھی جس کی بنا پر رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ مکہ سے نکل سکے ورنہ قریش کے ارادے، انتظام اور مقاصد کا تقاضہ اس کے خلاف تھا۔ حقیقی مسلمانوں کا مکہ سے نکل جانا انہیں ہرگز گوارا نہ تھا۔ رہ گئے اُن کے اپنے مہاجرین اُنہیں تو وہ قومی بیت المال کے خرچ پر خود بھیج رہے تھے۔ اور سمجھ چکے تھے کہ اب اسلام کے سیلاب کو روکنے کے لئے داخلی رکاوٹ سے زیادہ موثر دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

(23/8)۔ خانوادۂ رسولؐ مدینہ کی راہ میں

قافلہ مُرتضویؑ نواح مکہ سے نکلا تو ابوواقد نے اونٹوں کو تیز چلانا شروع کیا۔ ذرا دیر بعد حضرت علیؑ نے آہستہ چلنے کے لئے کہا لیکن وہ انسانی حیثیت کے ماتحت یہ چاہتے تھے کہ اُس علاقہ سے جلد نکل جائیں جو قریش کے گشتی شمشیر زنوں، بدوؤں اور نگران جماعتوں کی حدود میں ہے۔ اور جناب علی مرتضیٰؑ قوت یداللّٰہی کے اعتماد پر یہ پسند نہ کرتے تھے کہ خانوادۂ رسولؐ خصوصاً فاطماؤںؑ کو سفر کی تھکان تکلیف پہنچائے۔ اس لئے شتر رانی کا کام خود سنبھالا اور ابوواقد رضی اللہ عنہ کو مطمئن کر دیا کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا ہے۔ لہٰذا اطمینان سے فطری طور پر محتاط سفر جاری ہوا۔ روانگی کے بعد جب مقام ضجنان کے قریب سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک گشتی دستہ گھوڑوں پر سوار، ڈھاٹے باندھے، تلواریں ہوا میں لہراتا ہوا سرپٹ چلا آرہا ہے۔ آٹھ آدمی ہیں، سب اجنبی چہرے ہیں۔ ایک بنی امیہ کا غلام حرب نام ساتھ ہے۔ یعنی کم از کم ایک آدمی ہر جماعت میں ایسا رکھا گیا تھا جو حضرت علیؑ

کو شناخت کر سکے۔ابو واقدؓ یہ دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ نا معلوم ایسی کتنی جماعتوں سے سابقہ پڑے گا۔چند ثانیوں کے بعد قدرت خدا سامنے آنے والی ہے کہ جناب علی مرتضیٰؑ نے سواریوں کو بٹھانے اور اُن کے پیر باندھنے کا حکم دیا تا کہ وہ ڈر کر بھاگ نہ کھڑے ہوں۔ابو واقدؓ نے یہ خدمت جلد جلد انجام دی اور سرکار علیہ السلام تلوار نکال کر اُس گروہ کی جانب بڑھے اور مناسب فاصلے پر اُن کو روکا اور للکارا کہ خبردار ایک قدم آگے نہ بڑھنے پائے۔ذرا رک کر سوچیئے ایک نوجوان کے رُوبرو آٹھ شمشیر زن، آزمودہ کار اور خون کے پیاسے لٹیرے ہیں، مستورات ساتھ نہ ہوں تو دل زیادہ قوی ہوتے ہیں۔اُدھر وہ بزرگ خواتینؑ جنہیں احترام و اکرام کے سوا کبھی درشت کلامی اور خوف و ہراس سے سابقہ نہ پڑا تھا جنگل بیابان ہے۔دو آدمیوں کا علیؑ کے مقابلہ میں رہنا کافی ہے باقی آدمی اونٹوں اور قافلے کو لوٹ اور تلوار کا نشانہ بنانے کے لئے آجانے میں مختار ہیں۔یہی وہ وقت ہے جب اللہ کی وہ قدرت سامنے آئے گی جس کی دعاؤں میں، تسبیحوں میں، تلاوت قرآن میں محض نظری حیثیت سے تذکیر کرتے رہتے تھے۔ایک نہیں چار فاطمہؑ خدا کے روبرو دست بدعا تھیں۔سب کی نظریں حضرت علی علیہ السلام پر جمی ہوئی تھیں ذرہ برابر گھبراہٹ نہیں۔اُن کا اطمینان اِن کو اطمینان بہم پہنچا رہا تھا۔سواروں نے رفتار کو قابو میں کیا۔حیرانی کے عالم میں قریب پہنچے وہی صورت سامنے تھی۔مگر نہ معلوم کس سائز اور انداز میں تھی۔اس کا عکس تو مخالف گروہ کے حال سے منعکس ہوگا۔اگر وہ ایک دم بھاگ کھڑے ہوتے ہیں تو یقیناً اُن کی پُوری جسامت سے بڑا سائز ہوگا۔ٹھہرتے ہیں تو مساویانہ شکل ہو گی۔وہ رُکے اور کہا کہ تمہارا خیال یہ تھا کہ بلا مزاحمت یوں مکہ سے نکل کر چین سے مدینہ جا پہنچو گے۔چپ چاپ سیدھے واپس چلو ورنہ سمجھ لو کہ تمہارے اعضاء یہاں بکھرے ہوئے ہوں گے اور ہم قافلے کو واپس مکہ پہنچا دیں گے۔علی علیہ السلام نے نہایت ہی اطمینان سے جواب دیا کہ میں نے اور اس قافلے نے تم لوگوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔میں ان کو لے کر جا رہا ہوں بہتر ہے کہ تم مزاحمت نہ کرو۔لیکن اگر تمہیں اپنی زندگی دوبھر معلوم ہو رہی ہے تو تمہیں اختیار ہے۔جس کا دل پہلے موت سے ملاقات کے لئے بے چین ہو وہ آگے بڑھے تا کہ اُس کی منزل آسان کر دوں۔یہ سُن کر جناح نامی ایک شخص آگے بڑھا اور تلوار کا وار کیا۔اُس کا وار خالی گیا ہی تھا کہ وہ حمائل ہو کر گھوڑے سے اس طرح گرا کہ ایک ہاتھ اور کاندھا اور سر، زمین پر پڑا تھا اور باقی گھوڑے پر الجھا ہوا رکھا تھا۔گھوڑا ابھی زخمی ہو کر اپنے گروہ کی طرف بے تحاشہ بھاگا اور گروہ بڑی مشکل سے اُسے راستہ دے سکا۔اتنے میں جناب علی مرتضیٰؑ نے نزدیک ترین آدمی کو جو سواریوں کو بھڑکانے کے لئے گھوڑا پھیر رہا تھا، جالیا اور آنکھ جھپکنے میں دو ٹکڑے کر دیئے۔یہ حال دیکھا تو باقی لوگ گھبرا گئے۔علیؑ نے کہا تم اپنی راہ لو ورنہ میں تمہیں یہاں سے نکل کر نہ جانے دوں گا۔اس لئے کہ اب ایک گھوڑا ابھی میرے قابو میں ہے۔اُن لوگوں نے واپس جانے ہی میں خیریت سمجھی۔آپؑ نے ابو واقد سے کہا کہ اب اونٹوں کے پیر کھول دو اور ضجنان میں چل کر قیام کرو۔سجدہ شکر کے بعد روانگی ہوئی اور ذرا دیر بعد قیام ہوا۔یہ وہ جگہ تھی جہاں ٹھہر کر آپؑ نے مکہ سے خفیہ روانہ ہونے والوں کو پہنچنے کا نشان بتایا تھا۔اُنہی آنے والوں میں جناب اُم ایمن تھیں۔یہاں رات بسر کرنے کے بعد منزل درمنزل سفر جاری رکھا۔سفر میں جوتے ٹوٹ گئے پیر زخمی ہو گئے۔اٹھارہ ربیع الاوّل کو جب آپؑ محلّہ قبا میں پہنچے تو آبلوں پر آبلے پڑ پڑ کر، پھوٹ پھوٹ کر، پیر اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ زمین پر رکھنا محال تھا۔مگر زیارت رسولؐ کا شوق تھا جو کھینچے لئے چلا جا رہا تھا۔آخر یہ قافلہ جناب کلثوم بن ھدم کے مکان کے سامنے پہنچا۔بہت سے لوگ راہ میں

ساتھ ہو گئے تھے۔رسولؐ کو اطلاع ہوئی تو دوڑتے ہوئے تشریف لائے، گلے لگایا، سب زخم محض ہاتھ پھراتے ہی ختم ہو گئے۔تکان سفر کا کہیں نام ونشان تک نہ تھا۔حضورؐ نے عماری سے باری باری تمام خواتین کو اتارا، گھر میں پہنچایا، سب سے ملے، جذبات ومسرت کا اپنا مقام ہے۔رسالت وامامت سے جذبات واحساسات میں جلا پیدا ہوتی ہے۔حضورؐ نے اس دوران مسجد قبا تعمیر کر دی تھی۔بس اپنے خاندان کا یہاں انتظار فرما رہے تھے۔اسد الغابہ میں علامہ ابن اثیر، ابورافع سے روایت کرتے ہیں کہ؛

جب آپؑ مدینہ پہنچے اور آنحضرتؐ کو آپؑ کی آمد کی اطلاع ملی تو فرمایا علیؑ کو ہمارے پاس لاؤ، عرض کیا گیا رسولؐ اللہ وہ حاضر ہونے سے معذور ہیں۔آنحضرتؐ خود تشریف لائے اور بغلگیر ہوئے اور اُنکی حالت دیکھ کر آبدیدہ ہوئے۔متورم پاؤں کو دیکھا خون بہہ رہا تھا۔آنحضرتؐ نے اپنا لعابِ دہن پاؤں پر ملا اور عافیت کی دعا مانگی۔جناب امیرؑ اچھے ہو گئے پھر کبھی شہادت کے وقت تک پاؤں کے درد کی ان کو شکایت نہ ہوئی۔مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپؑ کا یہ سفر جون کے مہینے میں ہوا تھا جس میں گرمی شدت سے ہوتی ہے۔ایسے گرم موسم میں کئی سو میل تک پاپیادہ سفر کرنا اور دشمنوں کے ملک کو تنہا عبور کرنا ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر زمانہ میں کم تر ملے گی۔اس واقعہ میں آپکے ایمان، صبر، تسلیم وتوکل، جرأت، ہمت، شجاعت، شہامت کا پتہ چلتا ہے۔(جلد 1 صفحہ 62 سیرۃ علویہ حافظ امجد علی حیدر کاکوروی)

(23/9)۔ نبوتؐ وامامتؑ وخانوادۂ رسالت کا قلب مدینہ میں داخلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتظار میں محلّہ قبا میں تمہیدی فرائض انجام دیتے رہے۔یہ محلّہ مدینہ کی گنجان آبادی سے دو میل باہر تھا جس طرح محلّہ سُنح ایک میل مخالف سمت میں تھا۔آپ کے قیام کے دوران مدینہ کے اہل خاندان کو مخصوص حالات میں یہاں آکر ملاقات کے لئے اجازت لینا پڑتی تھی۔اور کہہ دیا گیا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام اور باقی ماندہ افراد خاندان کے پہنچ جانے پر باقاعدہ اطلاع دی جائے گی۔اس وقت اہل مدینہ یہ سمجھیں کہ رسولؐ وخاندان رسولؐ آپ کے پاس آرہے ہیں۔اُس وقت تک میں محلّہ قبا میں کچھ ضروری پروگرام مکمل کرنا چاہتا ہوں۔لہٰذا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کا انتظار فرما رہے تھے، اُسی طرح بلکہ زیادہ بے چینی کے ساتھ رسولؐ اللہ کا مدنی خاندان وقبیلہ، دوست ودشمن، دونوں قسم کے مسلمان اور یہود ونصاریٰ الغرض مدینہ کا ہر باشندہ چشم براہ منتظر تھا۔چنانچہ منادی کرا دی گئی کہ کل رسولؐ وخاندان رسولؐ مدینہ میں داخل ہو رہے ہیں۔یہاں سے علامہ شبلی کی زبانی سنئے فرماتے ہیں کہ:۔

''لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوش مسرت سے پیش قدمی کے لئے دوڑے۔آپ کے ننھیالی رشتہ دار بنونجار ہتھیار سج کر آئے۔قبا سے مدینہ تک دورویہ جانثاروں کی صفیں تھیں۔راہ میں انصارؓ کے خاندان آتے تھے۔ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا ''حضورؐ یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان'' آپ منّت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔شہر قریب آ گیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں:۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا ☆ چاند نکل آیا ہے۔ مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ ☆ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا ☆ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ مَادَعٰی لِلّٰہِ دَاعِ ☆ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

پھر معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں:۔

نَحنُ جَوارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ ☆ ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔ یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ ☆ محمدؐ کیا اچھا ہمسایہ ہے
آپؐ نے اُن لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''کیا تم مجھ کو چاہتی ہو''؟ بولیں ''ہاں'' فرمایا کہ میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔''
(سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 278-277)

(23/10)۔ مدینہ میں مکّی خانوادہ رسوؐل کی سکونت

مدینہ کا نبوی خاندان چونکہ دو بڑے قبیلوں پر وسیع تھا اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ رسولؐ اُسکے گھر کو قبول کریں اور نزدیک تر رہیں۔ اس مشکل کو حل کرنے اور اُس وسیع خاندان کو مطمئن کرنے کا حل یہی تھا کہ حسب سابق فیصلہ اللہ کے احکام پر چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ آنحضرؐت نے اپنے نزدیک تر رشتہ داروں یعنی ننہیال کے بزرگوں سے ایک وسیع اور غیر آباد زمین خریدنا چاہی جو صدیوں سے بیت الرسالتؐ بننے کے خواب دیکھتی چلی آرہی تھی۔ اُدھر خاندان کے لوگ قیمت لینے پر رضامند نہ تھے۔ بہرحال اُن دونوں یتیم بچوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت وکفالت کی ذمہ داری لے لی گئی جو اُس قطعہ زمین کے براہ راست مالک تھے اور قیمت لینے پر رضامند نہ تھے۔ آپؐ نے مدنی خاندان کو خوش کرنے کیلئے انہیں اجازت دیدی کہ جو افراد خاندان علیؑ مرتضٰی علیہ السلام کے ساتھ اب آئے ہیں اُنکے علاوہ پہلے سے بھیجے ہوئے افراد خاندان جہاں رہتے ہیں وہیں رہیں۔ اور جو حضرات بیرونی ممالک سے واپس آتے جائیں، اُنکو آباد کرنے میں بنونجار مختار ہیں۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ جن سے حضرت خدیجہؑ علیہا السلام کے بعد پہلی رفیقہ حیات کی حیثیت سے نکاح کیا تھا اور جو پہلے ہی مدینہ پہنچ چکی تھیں آنحضرؐت کے ساتھ رہیں گی اور بیت النبوۃؐ کی ایک قریبی ممبر کی حیثیت سے مرکز میں قیام فرمائیں گی۔ یوں سکونت کا تصور پورا کیا گیا۔ اور جب تک مسجد نبویؐ اور بیت الرسالتؐ اور بیت الامامۃؑ بن کر تیار ہوں اُس وقت تک جناب علیؑ اور اُنکے ساتھ آنے والے تمام افراد خاندان آپؐ کے ساتھ جناب ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں بدستور قیام کریں گے۔

اس پروگرام کے مطابق مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی۔ اور خاندان رسولؐ کے مکانات اس طرح بنائے گئے کہ اُن کا عقبی دروازہ مسجد کے صحن میں کھل سکے۔ بالکل وسط میں جناب علی علیہ السلام کا مکان بنایا گیا اور اُس کے ساتھ ملا کر داہنے بائیں بیت الرسالت کے حجرے تیار کئے گئے۔ اور جناب ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ کو ایک حجرہ دیا گیا۔ اور وہ تمام حضرات جو جناب ابوایوبؓ کے یہاں سات ماہ سے مقیم تھے اپنے اپنے حجروں میں منتقل ہوگئے۔ یوں خاندان رسولؐ مدینہ میں آباد ہوا۔

(23/11)۔ بیت الامامۃؑ کی مرکزی حیثیت کا تصور

اگر اس مکان پر غائر نظر ڈالی جائے جو تاریخ میں خانہ فاطمہ زہراؑ کہلائے گا، آپ دیکھیں گے کہ رسولؐ اللہ اس مکان کو اپنا مرکزی نقطہ رکھنا چاہتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہی وہ مکان ہے جس میں آیۂ تطہیر نازل ہونے کے بعد روزانہ ہی رسولؐ اللہ یہ کہہ کر داخل ہوتے تھے کہ سلام ہو تم پر اے اہل بیت رسولؐ۔ لہٰذا اُن بحثوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضوؐر کے اہل بیت میں ازواج داخل ہیں یا نہیں اسلئے کہ رسولؐ کا اپنا گھر ہی یہی تھا اور ازواج رسولؐ کے الگ الگ حجرے تھے جن میں سے کسی ایک کو رسولؐ کا مکان کہنے سے باقی

کی نفی ہو جاتی ۔ اسلیئے جب ازواج رسوؐل کو تنبیہ کی گئی تو اُن حجروں کو ازواج رسولؐ کے مکان قرار دیا گیا اور سب سے کہا گیا کہ تم اپنے اپنے مکان میں ٹِک کر بیٹھ، رہا کرو۔ (قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ ۔احزاب 33/33) پھر آنحضرتؐ کبھی بھی کسی زوجہ کے ساتھ مدینہ میں مستقل قیام نہ کر سکتے تھے ۔اس بنا پر ان کی باری مقرر تھی ۔ ورنہ مستقل قیام گاہ وہی مکان تھا جسے بیت الرسالتؐ کہا تھا۔اس کی جائے وقوعہ پر قدیم ریکارڈ میں سے ایک بیان سن لیں ۔محمد اسماعیل بخاری نے لکھا ہے کہ:۔

جاء رجل الٰی ابن عمر ثم سَاله عن علیؑ ۔فذکر محاسن عمله و قال هو ذاک بیته اوسط بیوت النبیؐ ۔(بخاری پارہ 14 صفحہ 387)''ایک شخص حضرت عمر کے بیٹے کے پاس آیا اور علیؑ کے متعلق سوال کیا تو عبداللہ ابن عمر نے حضرت علیؑ کی عملی زندگی کی خوبیاں بیان کرنے کے بعد کہا وہ دیکھو نبیؐ کے گھروں کے وسط میں علیؑ ہی کا گھر ہے۔''

جناب امام نسائی نے اپنی صحیح نسائی میں اس کی تصدیق کی ہے کہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کا مکان ازواج رسولؐ کے حجروں کے درمیان میں تھا۔لہٰذا معلوم ہوا کہ مسجد نبوی کی تعمیر سے فراغت کے بعد سب سے پہلے وسط میں حقیقی بیت الرسولؐ بنایا گیا اور اُس کے داہنے بائیں ضرورت کے ساتھ حجرے بنتے چلے گئے ۔اور چونکہ وہ زوجہ جن کی زوجیت کے حقوق کی ادائیگی کیلیئے عملاً ضرورت تھی اور جو ہجرت کے تین سال پہلے عملاً زوجہ تھیں، اُن کیلیئے سب سے پہلے حجرہ بنایا گیا جو حضرت علی علیہ السلام کے مکان سے متصل ہونا چاہئے ۔ بہر حال پہلا سال ہجری پورا ہوتے ہوتے آنحضرتؐ کا مدنی خاندان مسجد کے ساتھ آباد ہو گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت ابوبکر کو یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ رسولؐ سے جو رشتہ چار سال پہلے قائم کیا تھا، اس کا عملی نفاذ کرایا جائے ۔ چنانچہ حضرت عائشہ بھی ایک حجرے میں مقیم ہو گئیں۔

(23/12)۔ ازدی عالم اور بحیرا کی پیشگوئی والی جانشینی کے لئے دوسرا قدم

اب وہ وقت آ گیا کہ جناب ابوبکر وہ اقدام کریں جس کی تمہید چار سال پہلے جناب عائشہ کو ایام طفولیت ہی میں پیش کر کے قائم کی تھی یعنی اب تو مدینہ میں آ چکے ۔رسوؐل کی حکومت تقریباً قائم ہو چکی ہے ۔ازدی عالم اور بحیرا کی پیش گوئی میں صدق کا ثبوت سامنے آ رہا ہے ۔لہٰذا وہ کام کیوں نہ کیا جائے جو جناب قصی علیہ السلام نے حبیؑ سے شادی کے ذریعہ کیا تھا۔اُدھر خاندان رسولؐ کے معیار کے مطابق جناب فاطمہؑ بھی نکاح کے قابل ہو چکی ہیں ۔ میں اپنی بیٹی پہلے سے دے چکا ہوں یہاں تک کہ زفاف کی اُجرت بھی میں اپنے سرمایہ سے دے چکا ہوں ۔میری درخواست ہر ہر حیثیت سے قابل قبول ہو گی اور انکار انتہائی ناانصافی و بے مروتی اور تعصب پر مبنی ہو گا۔ہم سب اولاد آدمؑ ہیں، طبقہ واریت ہم میں نہیں ہے ۔لہٰذا یہ بڑا اچھا اور ہر صورت میں مفید موقعہ ہے ۔اگر اقرار ہو تو جانشینی پختہ، انکار ہو تو اُن کے خلاف خاندانی عظمت اور اشرف و اعلیٰ طبقہ کے برقرار رکھنے اور ہاشمی اقتدار قائم کرنے کا حربہ پیدا ہو جائے گا اور اس طرح عربوں کی کثرت کے کان پھر کھڑے ہو جائیں گے ۔لہٰذا بڑی عجلت سے رسولؐ کے پاس پہنچے اور بلا تکلف اور بڑے مستغنی انداز میں اپنا مقصد پیش کر دیا۔اور نبوّت و رسالتؐ و بزرگی کا لحاظ کئے بغیر برابر کے عام آدمی کی طرح مخاطب کیا۔اس قصہ کو تمام اہل قلم نے بڑی استعجاب سے بیان کیا ہے ۔اور بعض کو بہت تکلیف بھی ہوئی ہے اور بعض نے یہ کہہ دیا کہ یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا۔

(i)۔ جناب شبلی کی ناگواری اور انکار مگر واقعہ لکھنا پڑا ہے

علامہ شبلی نے تحریر فرمایا ہے کہ ''ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ سے درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمر نے جرأت کی، اُن کو بھی آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔ لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روائتیں حضرت فاطمہؑ کے حال میں روایت کی ہیں۔ لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 366)

(ii)۔ دشمنانِ اہل بیتؑ کا معیارِ حق و باطل وحق دشمنی

علامہ شبلی کے لئے عنوان کے الفاظ ہی کافی ہیں۔ بہرحال قارئین یہ سوچیں کہ تاریخ کی نہایت معتبر اور مفصل کتاب یعنی **''طبقات ابن سعد''** علامہ شبلی کے حافظ ابن حجر سے معتبر تر عالم نے جن روایتوں کو لکھا اور تمام مؤرخین ومحدثین نے جن کو اختیار کیا، اُن روایات کو اس لئے غلط کہنا غلط ہے کہ ابن حجر کوئی صاحبِ الہام ووحی نہیں ہیں۔ غلطی تو ابن حجر کی ہے کہ اُس نے نہ لکھا۔ صرف اُس کا نہ لکھنا کسی روایت کے غلط ہونے کی دلیل کیسے ہوا؟ اگر وہ لکھتا اور روایت میں غلطی ثابت کرتا تو پھر ہم غور کرتے۔ لیکن نہ اُس نے لکھا نہ اپنی کوئی رائے ظاہر کی۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ روایت صحیح ہے اور ابن حجر جاہل ہے۔ پھر علامہ کو چاہئے تھا کہ خود ہمت کر کے روایت میں کوئی عیب بتاتے جس بنیاد پر غلط لکھا۔ اس کی دوسری خامی قابل مضحکہ ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کے حالات فلاں کتاب سے لکھے۔ مگر اُس نے اُس عورت کے حالات میں فلاں مرد کے حالات نہیں لکھے۔ لہٰذا فلاں مرد کے حالات ہی غلط ہیں۔

یعنی شبلی کا اطمینان جب ہوتا جب حضرت فاطمہؑ کے حالات میں ابوبکر کے حالات لکھے جاتے تب وہ روایت صحیح ہو جاتی۔ یہ ہے قحطانی محققین کی دلیل اور معیارِ حق۔ اُنہیں بتا دو کہ یہ روایت ابوبکر وعمر کے حالات میں ہے۔ اُس کو جناب فاطمہؑ کے حالات میں لکھنا دیوانگی اور جہالت ہوتا۔ پھر یہ اُن دونوں کی انتہائی جسارت ہے جس کا چھپانا شبلی کو مطلوب ہے۔ پھر یہ اُن دونوں کی بڑی گہری اسکیم اور ناکامی کا ثبوت ہے۔ اسلئے بھی شبلی نہیں چاہتے کہ وہ روایت صحیح نکلے جو پردہ کھولتی ہو۔ اور چونکہ اُس وقت کے کئی ایک بہتر اور موزوں تر صحابہؓ نے ایسی درخواست کو گستاخی سمجھ کر اور یہ سمجھتے ہوئے ایسی غلط جرأت نہ کی کہ حضورؐ اللہ کے حکم کے بغیر حضرت فاطمہ علیہا السلام کا نکاح بھی کریں گے۔ اور جس سے اللہ حکم دے گا، خود اُسے بلا کر اللہ کا حکم سُنا دیں گے اور وہ شخص بڑی خوشی سے اس سعادت کو قبول کر لے گا۔ چنانچہ تمام مسلمان اس یقین پر قائم اور اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ مگر یہ دونوں حضرات دراصل بار بار مذکورہ پیشگوئی کے پورا ہونے یا کسی طرح پورا کرنے کی فکر میں ہر کلیدی مقام پر ساتھ ساتھ رہے ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں آپ دونوں موجود ہیں۔ چنانچہ قارئین نوٹ کر لیں کہ اس درخواست سے یہ دونوں حضرات اس گروہ کے راہنما ثابت ہو گئے جو رسولؐ اللہ کی ہر بات اور ہر عمل کو منجانب خدا اور بذریعہ وحی نہیں مانتے تھے۔ اور یقین رکھتے تھے کہ (معاذ اللہ) رسوؐل کی بعض باتیں منجانب اللہ نہیں ہوتیں۔ اور اس حقیقت کو چھپانے کے لئے علامہ شبلی نے روایت کو بلاوجہ بتائے، بلا کوئی مخالف دلیل قائم کئے غلط قرار دیا ہے۔ مگر ہم دکھائیں گے کہ آنحضرتؐ نے صرف انکار نہیں کیا بلکہ اپنی نفرت کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور یہیں سے یہ بات ثابت ہے کہ ارحام رسولؐ تمام اُمت کے افراد پر حرام ہیں۔ چنانچہ اسی گروہ کے

حد سے بڑھنے پر وہ آیات سنائی جائیں گی جن میں ازواج رسولؐ اوراُن سے پیدا ہونے والی بیٹیاں اُمت پر تا قیامت حرام قرار دی جانے والی ہیں (الاحزاب ۔ 33/53-55) اور جنکے خلاف رسوؐل کوئی فیصلہ کر ہی نہیں سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ابھی اُن آیات (النجم 53/3-4) کے تلاوت کرنے کا وقت نہیں آیا ہے۔ رسولؐ اللہ کو علم ہے کہ شراب قطعاً نجس اور حرام ہے، مشرک سے نکاح حرام ہے۔ اسی لئے نہ وہ شراب پیتے ہیں، نہ اُن کا خانوادہ پیتا ہے، نہ وہ مشرک ومشرکہ سے نکاح کرتے ہیں ۔ نہ کبھی کسی مشرک کے نکاح میں شریک ہوئے ۔لہٰذا یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے ابھی متعلقہ آیات کی تلاوت نہیں کی ہے ۔ یہ بھی یاد رہے کہ بعض لوگوں نے اپنے شرابی بزرگوں کو ہم پلّہ بنانے کیلئے رسولوںؑ پر شراب پینے کی تہمت والی روایتوں کو جاری کیا۔ بعض نے اپنے مشرک راہنماؤں کو رسولؐ کے برابر لانے کیلئے اپنی بیٹیوں کی شادی مشرکوں سے کرنا لکھا اور مانا۔ لیکن یاد رکھو کہ رسولؐ اور خانوادہ رسولؐ نے اعلان نبوت سے پہلے یا بعد ہرگز کوئی ایسا حرام فعل نہیں کیا جو قرآن میں حرام تھا۔ اسلئے کہ اُن کو قرآن کا علم روز ازل سے تھا۔ لہٰذا اب ہم شبلی صاحب کی تواضع کے لئے چند روایات دکھاتے ہیں تا کہ یہ بات چوڑے میدان ثابت ہوجائے۔

(iii)۔ آنحضرتؐ نے درخواست کو نفرت سے ٹھکرادیا

جناب علامہ علی متقی اعلی اللہ مقامہٗ لکھتے ہیں کہ:۔ جاء ابو بکر الی النبیؐ فقعد بین یدیه ۔فقال یا رسولؐ اللّٰه قد علمت مِنّا صحتی وقد می فی الاسلام وَاِنّی واِنّی ۔قال وَمَا ذا ؟قال تزوجنی فاطمةؑ فسکت عنه اوقال اَعْرَضَ عنه ۔ فرجع ابو بکر الی عمر فقال هلکت واهلکت ۔قال وما ذاک قال خطبت فاطمةؑ الی النبیؐ فَاَعْرَض عَنّی ۔قال مکانک حتّٰی اتی النبیؐ فاطلب مثل الذی طلبت ۔فاتی عمر النبیؐ فقعد بین یدیه فقال یا رسوؐل اللّٰه علمتَ منا صحتی وقد می فی الاسلام وانی وانی قال وما ذاک ؟قال تزوجنی فاطمه ۔فاعرض عنه فرجع عمر الی ابی بکر ۔(کنز العمال ۔جلد 7 صفحہ 113)

''جناب ابوبکر رسولؐ اللہ کے پاس آئے اور مدمقابل کی طرح منہ کے بالکل سامنے بیٹھ گئے اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ آپ میری خیرخواہی اور اسلام کی حالت سے واقف ہیں۔ اور میں ایسا اور ایسا اور ویسا ہوں۔ رسولؐ نے بات کاٹ کر کہا پھر کیا؟ ابوبکر نے کہا فاطمہؑ کو میری زوجیت میں دے دیں۔ اسکے جواب میں خاموشی اختیار کرلی یا اُنکی طرف سے منہ پھرالیا۔ رسولؐ کے اس سلوک پر ابوبکر اٹھ کر عمر کے پاس واپس چلے آئے اور کہا کہ میں ہلاک ہوگیا۔ مجھے ماردیا گیا۔ عمر نے دریافت کیا کہ کیا ہوا کچھ بتاؤ۔ کہنے لگے کہ میں نے رسولؐ سے فاطمہؑ کو زوجیت میں طلب کیا تھا انہوں نے جواب دینے کے بجائے منہ پھرالیا۔ یہ سن کر عمر اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ذرا تم یہاں ٹھہرو میں ابھی رسولؐ کے پاس جاتا ہوں اور وہی کچھ طلب کرتا ہوں جو تم نے طلب کیا تھا۔ چنانچہ فٹافٹ حضرت عمر نبیؐ کے پاس پہنچے خم ٹھونک کر بالکل سامنے بیٹھے اور کہا کہ اے رسولؐ اللہ آپ میری خیرخواہی اور اسلام کی حالت سے آگاہ ہیں۔ اور میں یوں ہوں اور یوں ۔ بات کاٹ کر رسولؐ اللہ نے دریافت کیا کہ پھر کیا ہوگیا؟ عمر نے کہا کہ فاطمہؑ کو میری زوجیت میں دے دیں۔ یہ سُنا اور رسولؐ اللہ نے عمر کی طرف سے بھی منہ پھرالیا۔ چنانچہ عمر بھی اٹھ کر ابوبکر کے پاس واپس آگئے۔'' (انا لِلّٰه و انا الیه رٰجعون)

(iv)۔ قارئین کے غورکرنے کی باتیں

علامہ شبلی کوتو گوارہ نہ تھامگراللہ کے معاملات میں شبلیوں کی کہاں چلتی ہے۔قارئین سوچیں کہ بڑے بڑے صحابہ موجود ہیں۔وہ حضرات موجود ہیں جنھوں نے مکہ کی زندگی میں اسلام اوررسولؐ کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ابوبکروعمرسے پہلے ہجرت کرنے والے موجود ہیں۔خوش رُو، نیک نہاد،عبادت گزار،موزوں عمر کےنوجوان وجوان بھی موجود ہیں۔کسی کے دل میں جنسی تعلق کا ہیجان نہیں ہے۔کسی طرف سے ایسی حرکت نہیں کی جارہی ہے۔یہ کیا وجہ ہے کہ یہی دو بڈھے آدمی ایک دوسرے کی پشت پناہی میں ایک ایسی بات کے پیچھے پڑے ہیں جونہ اس عمرمیں موزوں ہےاورنہ رسوؐل کی اطاعت وعظمت کے شایان شان ہے؟ پھر بیٹیاں دینے میں بھی خلاف فطرت۔چھ سال کی عمرمیں یہی دونوں آگے۔اور بیٹی لینے کی فکرمیں بھی اُنہی دونوں میں گٹھ جوڑ اور اتفاق؟اور ایک دوسرے کوخلافت کے لئے موزوں (Recommend) کرنے میں بھی وہی آگے۔یزید کے باپ معاویہ کو استقلال اورحکومت دلانے میں بھی وہی دونوں آگے آگے۔ابوسفیان کے بیٹے یزیدکوملک کا فیلڈ مارشل بنانے اورایک سال تک عرب میں بغاوت کو کچلنےاورقتل عام کرنے کا مختارقرار دینے میں وہی حضرات راہبر۔یہ ہی وہ پلان ہے جس کا بھیانک نتیجہ کربلا ہے۔اورجس کا مظلوم ترین نشانہ مرکز انسانیت یعنی حسین علیہ السلام ہیں۔اورجس کا مقصد طاغوتی حکومت کا قیام اورخلافت الہٰیّہ کا انہدام ہے۔اوراسی واقعہ کی تفصیلات ہم لکھنا چاہتے ہیں۔

(v)۔ خداکےانتظام کوکہاں تک جھٹلاتے رہوگے؟

علامہ شبلی کا سائزتواس قدرچھوٹا ہے کہ اللہ کے انتظام کے مقابلہ میں ایک مچھر بھی اُن سے کئی کروڑ گنا بڑا ہے۔اگرساری دنیا کے اہل قلم اوراہل خلاف جمع ہو جائیں تب بھی اللہ کے نظام کے روبرووہ سب ملکراُس مری ہوئی مکھی سے بھی کم ہیں جسے چیونٹیاں گھسیٹے لئے جارہی ہوں۔علامہ سے دس گنا بڑے عالم،حافظ ابن حجرسے کئی گنا بڑے محدث ومؤرخ،ابن اثیرسے سنئے اوردیکھئے شبلیت کہاں ہے؟

خطب ابوبكر يعنى فاطمة الى رسولؐ الله۔فابى رسولؐ الله۔فقال عمر اَنْتَ لَهَا يا عليؑ ۔(اسدالغابہ)

''جب حضرت ابوبکر نے رسولؐ اللہ سے حضرت فاطمہؑ کے نکاح کی درخواست کی تو رسولؐ اللہ نے نفرت وحقارت سے سر بلند کرلیا۔اس پرعمر نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ اے علیؑ فاطمہؑ تو تمہارے ہی لئے طے شدہ ہے۔''

اُنہیں یہاں حق کا بیان مقصود نہیں ہے۔بلکہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وحی اورحکم خدا تو ایک آڑ ہے جو جب ضروری ہوتی ہے اختیار کرلی جاتی ہے۔لیکن ہم بلاوحی والہام کے حالات کے مطابق اور وقوع سے یہ پہلے ہی جانتے ہیں کہ رسولؐ اللہ سب کچھ تمہارے ہی لئے کرتے چلے آرہے ہیں مگرہم بھی غافل نہیں ہیں۔ہماری اسکیم بھی بڑی تاریخ ساز ہے۔

(vi)۔ منکروں کواحادیث کاانبارواشتہاردکھاتے رہو

اس جدیدزمانے کے محققین وہ حقائق بھی چھپالینا چاہتے ہیں جو پہلے ہی قحطانی وقریشی چھلنی میں چھان کراوراپنی پالیسی کے مطابق بناکرذم کے پہلونکال کرلکھے گئے تھے۔ہمارے زمانہ کے علما چاہتے ہیں کہ کسی طرح وہ لنگڑے لولے بیانات بھی موجودنہ ہوتے تو

اُن کی گاڑی بلا رکاوٹ چلتی ۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم عوام کو اُن روایات پر اطلاع دیں اور اپیل کریں کہ نہ سہی پوری بات آدھی تو مانیں ۔ نہ سہی ہماری کتابوں سے اپنی کتابیں تو قبول کریں ۔ نہ سہی توہین آمیز بیان، وہ بیانات تو سنیں جن کو بگاڑ کر رسولؐ اللہ کے نام سے آپ کے عظیم علما نے لکھا ہے ۔ سنئے مانئے یا نہ مانئے ۔ علامہ ملا علی قاری نہایت سنوار کر قابل پسند طریقے پر بیان کرتے ہیں کہ :۔

عن انس بن مالک قال خطب ابوبکر الی النبیؐ ابنته فاطمة فقال یا ابی بکر لم ینزل القضاء ثم خطبها عمر مع عدّة من القریش کلّهم یقول له مثل قوله لابی بکر فقیل لعلیؑ لوخطبت الی النبیؐ فاطمةَ عسی ان یزوجکهَا ۔قال و کیف و خطبها اشراف قریش فلم یزوجها؟فخطبها فقال صلی اللّٰه علیه و آلہٖ و سلم قد أمرنی ربّی بذلک ۔فقال انس ثم دعا نی النبیؐ بعد ایام ۔فقال لی یا انس اخرج وادع لی ابا بکر و عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان و عبدالرحمن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و طلحه والزبیر وعدة من الانصار ۔قال فدعوتهم ۔ فلما اجتمعوا عنده واخذ وا مجلسهم وکان علی غائبا فی حاجة النبیؐ ۔فقال النبیؐ الحمدللّٰه المحمود بنعمته المعبود و بقدرته المطاع بسلطانه المرهوب من عذابه و سطوته النافذ امره فی السمائه وارضه الذی خلق الخلق بقدرته ومیزهم باحکامة واعزهم بدینه واکرمهم نبیهؐ محمدؐ اِنّ اللّٰه تبارک و تعالٰی اسمه و عظمته جعل المصاهرة سببًا لاحقًا و امرًا مفترضًا اوشج به الارحام والزمه للانام ۔فقال عزّ من قائل وهوالذی خلق من الماء بشرًا فجعله نسبًا وصهرًا وکان ربک قدیرا ۔فامراللّٰه تعالٰی یجری الٰی قضائه و قضائه یجری الٰی قدره ۔ولکل قضاءٍ قدر ۔ولکلّ قدر اجلٍ ۔ولکل اجل کتاب یمحوا اللّٰه ما یشاء و یثبت ما یشاء وعنده ام الکتاب ۔ثم ان اللّٰه تعالٰی امر نی ان ازوج فاطمه بنت خدیجه من علی ابن ابیطالب ۔فاشهد وا انی قد زوجتة علٰی اربعمائة مثقال فِضَّةٍ ان رضی بذلکَ علیؑ ابن ابی طالبؑ ۔ثم دعا بطبق من بسر فوضه بین ایدینا ۔ثم قال انهبوا فنهبنا فبینا نحن ننهب اذ دخل علیؑ عَلیَ النبیؐ ۔فتبسم النبیؐ فی وجه ثم قال ان اللّٰه امرنی ان ازوجک فاطمه علٰی اربعمائه مثقال فِضّةٍ اِنْ رضیت بذلک ۔ فقال قد رَضِیتُ بذلک یا رسوؐل اللّٰه ۔ قال انسؓ فقال النبیؐ جمع اللّٰه شملکما واسعد جد کما وبارک علیکما واخرج منکما کثیرًا طیبًا ۔ قال انسؓ فواللّٰه لقد اخرج منهما کثیرًا طیبًا ۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد 5 صفحہ 575)

''انس بن مالک بیان کرتے تھے کہ ابوبکر نے رسولؐ اللہ سے درخواست کی کہ جناب فاطمہؑ کا نکاح مجھ سے کر دیجئے ۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ اے ابوبکر خدا نے ایسا نازل نہیں کیا ہے ۔ پھر حضرت عمر نے بہت سے قریش اور اپنی طرف سے یہی درخواست کی ۔ حضوؐر نے وہی جواب دیا جو ابوبکر کو دیا تھا ۔ اس پر علیؑ سے کہا گیا کہ اگر تم درخواست کرو تو قریب ہے کہ تم سے فاطمہؑ کا نکاح منظور کر لیں ۔ علیؑ نے کہا یہ کیسے؟ جبکہ تمام اشراف قریش کی درخواست رد کر دی گئی ؟ حضرت علیؑ نے دریافت فرمایا تو رسولؐ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ خدا نے مجھے اُسی کا تو حکم دے رکھا ہے ۔ انس کہتے ہیں پھر چند روز کے بعد رسولؐ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور ابوبکر، عمر بن خطاب، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، زبیر اور انصار کو بلا لاؤ ۔ انس گئے اور سب کو بلا لائے ۔ جب یہ لوگ اکٹھے ہو گئے اور اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے، اسوقت حضرت علی علیہ السلام رسولؐ اللہ کے کسی کام سے گئے ہوئے تھے ۔ آپؑ کی غیبت ہی میں رسولؐ اللہ نے ایک خطبہ پڑھا ۔ جس میں نکاح کی ذیل میں ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کی حمد وثنا بجا لاتا ہوں جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود قابل تعریف ہے ۔ اور قدرتوں کی وجہ سے قابل عبادت ہے ۔ اپنی سلطانی کی بنا پر قابل اطاعت ہے ۔ اُس کا عذاب اور غلبہ ایسا ہے کہ محتاط زندگی بسر کرانے والا

ہے۔ اُس کی زمین اور آسمانوں میں ہر جگہ اُسی کا حکم چل رہا ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے جس نے مخلوق کو محض اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ اور اُن کو اپنے احکام کے لئے تمیز عطا کی ہے۔ اور اُن کو اپنے دین سے عزت دی ہے اور انہیں محمدؐ ایسا نبیؐ دے کر مفید و بزرگ بنایا ہے۔ یقیناً اللہ کا نام اور اس کی عظمت بلند و بابرکت ہے۔ جنسی تعلق کو، سسرالی رشتہ کو اس نے ایک لازمی فریضہ اور سبب و ذریعہ بنا کر نطفوں کو بچہ دانیوں میں پہنچانے کا نظام تمام جاندار مخلوق میں قائم کیا اور تخلیقی تسلسل کو لازم قرار دیا۔ اور اُس معزز ترین ہستی نے فرمادیا ہے کہ وہی تو اللہ ہے جس نے بشر کو پانی سے بنایا ہے۔ چنانچہ بشر کے لئے نسب اور سسرال کو متعین کر دیا ہے۔ اور تیرا رب اس تمام کاروبار تخلیق پر قادر رہا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا امر یا حکم اُس کے مقرر کردہ فیصلے یا نتیجے کی طرف بڑھتا ہے۔ اور اللہ کی قضا یا نتیجہ اُس کے مقرر کردہ قدرت کے اندر محدود رہتا ہے۔ اور ہر نتیجہ یا قضا کے لئے ایک مقررہ قدر یا قانون ہے۔ اور ہر مقرر قانون وقدر کے لئے ایک مدت مقرر ہے۔ اور ہر مدت مقررہ کے لئے ایک (نتیجہ یا قضا) کتاب ہے۔ اللہ کتاب میں جو چاہتا ہے لکھتا اور مٹاتا رہتا ہے۔ اور اللہ کے پاس کتاب کی ماں یا بنیاد ہے۔ اس خطبے کے بعد فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹی فاطمہؑ بنت خدیجہؑ کو علیؑ ابن ابی طالبؑ کی زوجیت میں دے دوں۔ پس تم سب لوگ گواہ رہو کہ میں نے چار سو (400) مثقال چاندی (ایک مثقال برابر ساڑھے چار ماشہ) کا مہر مقرر کر کے فاطمہؑ کا نکاح علیؑ سے کر دیا ہے۔ بشرطیکہ وہ بھی راضی ہو جائے۔ پھر حضورؐ نے کھجوروں کا طباق منگوایا اور ہمارے درمیان رکھ کر فرمایا کہ کھاؤ۔ ہم سب نے کھانا شروع کیا ہی تھا کہ حضرت علی علیہ السلام بھی آگئے۔ رسولؐ اللہ نے انہیں دیکھا تو مسکرائے۔ اور فرمایا کہ اے علیؑ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہاری رضامندی سے چار سو مثقال چاندی کے مہر پر تم سے فاطمہؑ بنت خدیجہؑ کا نکاح کر دوں۔ کیا تم اس پر راضی ہو؟ آپؑ نے فرمایا میں راضی ہوں۔ اس پر رسولؐ اللہ نے دعا کی کہ اللہ تم دونوں کے درمیان میل جول قائم رکھے۔ تم دونوںؑ پر اپنی برکتیں نازل کرتا رہے۔ اور تم دونوںؑ سے اللہ طیبؑ و طاہرؑ اور کثیر نسلؑ جاری کرے۔ انس کہتے ہیں کہ قسم بخدا یقیناً اُن دونوں سے بہت پاکیزہ اور کثیر نسل جاری ہوئی۔'' (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر جلد 5 صفحہ 575)

(vii)۔ منکروں کی آواز روزانہ دبتی اور بے اثر ہوتی جارہی ہے

مشکوٰۃ وہ کتاب ہے جس کے ساتھ محدثین لفظ شریف ضرور لگا کر بولتے ہیں جس طرح بخاری کو صحیح بخاری کہتے ہیں۔ اسی طرح مشکوٰۃ کو مشکوٰۃ شریف کہتے اور لکھتے ہیں۔ یہ شبلی کے سر سے اونچا پانی ہے یہاں اُن کے پیر نہ ٹکتے تھے۔ اس طویل روایت میں بنیادی باتیں تو وہی ہیں۔ جو خاص پہلو نوٹ کرنے کے ہیں وہ رسولؐ اللہ کا منہ پھرالینا غائب ہے۔ مگر اعراض کی جگہ لفظ ''اَبیٰ'' لایا گیا ہے۔ ابلیس نے آدمؑ کو سجدہ کی جگہ '' اَبیٰ وَ اسْتَكْبَرَ '' سے جواب دیا تھا۔ یعنی اَبیٰ بزرگی کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ مطلب ہم نے لکھ دیا ہے۔ اَبیٰ منہ پھرانا نہیں ہوتا، منہ چڑانا اور حقارت اور نفرت سے آنکھ ملانا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ رشتہ کے لئے وہ تمام لوگ بہت گھٹیا درجے کے لوگ تھے۔ جن سے اَبیٰ کیا گیا ہے۔ منہ پھرانا تو برابر والے درجے کے لوگوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ لیکن اَبیٰ کا حق جب ہی پیدا ہوتا ہے جب مدمقابل بہت گھٹیا اور کمینہ ہو۔ ورنہ شرعاً اَبیٰ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ مدِمقابل میں خُبث نفس اور قلبی بغض وحسد نہ ہو تو ہرگز اَبیٰ کی اجازت نہیں ہے۔ اس روایت میں حضرت عمر کا معہ دیگر قریش کے رشتہ مانگنے کا ذکر ہے۔ یعنی ان دونوں نے پورے قبیلہ قریش کو

غصہ دلانے اور اپنی سوشل اسکیم میں تعاون کرنے کے لئے رسولؐ کا یہ طرزِ عمل اور جواب نوٹ کرایا تھا کہ دیکھو ہم سے اُسے کس قدر نفرت ہے۔ اور وہؐ ذات پات (Cast & Creed) اور طبقہ واریت کا کتنا حامی ہے؟ یہ پھر ثابت ہوا کہ جناب علی علیہ السلام کے ساتھ رسولؐ اللہ کا سلوک کتنا مخصوص اور جانا بوجھا تھا، کہ تمام قریش کو پہلے سے یقین تھا کہ آنحضرؐت حضرت علیؑ ہی کو داماد اور جانشین بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور یہ کہ قریش رسولؐ کے تمام اقوال و اعمال کو وحی کے مطابق یا وحی نہ سمجھتے تھے۔

قارئین اُن تمام ناموں کو نوٹ کرلیں جنہیں اس روایت میں نام بنام بلایا گیا ہے۔ فی الحال مکّی مسلمانوں میں یہی لوگ ہیں جو مخصوص گروپ کی صورت میں باقی مکی مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔ اور مدینہ میں مکی وقریشی طرزِ فکر کی اشاعت میں سب سے آگے ہیں۔ آئندہ ہر موڑ پر اُن میں سے کسی نہ کسی کو علیؑ کی راہ میں رکاوٹ بنتے دیکھا جائے گا۔ اور اُن کے بھی راہنما اور لیڈر جناب ابوبکر و عمر رہتے چلے جائیں گے۔ جتنے بیانات قرآن میں مدّ مقابل لوگوں کے لئے آنے والے ہیں، اُن میں یہی گروہ یا اسی گروہ کے افراد کا ذکر ہوگا۔ چونکہ مدینہ میں مکی مسلمان صورت سے الگ پہچانے جاتے تھے اس لئے اُن کے نام کی اہل مدینہ کو ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ذکر کے انداز اور اعمال کی تفصیل سے سب الگ الگ پہچان لئے جاتے تھے۔ اس لئے کہ اس گروہ کا مرکزی اختلاف سب کو معلوم تھا۔ اور یہ حضرات عقائد کے مسائل کو چھپاتے بھی نہ تھے بلکہ اُن کی تبلیغ کرتے تھے۔ اور رسولؐ کے علاوہ ہر کسی کو اپنے عقائد کی صحت پر چیلنج کرتے اور مباحثہ جاری رکھتے۔ مگر رسولؐ سے محض اُن کے سب سے بڑے لیڈر افہام و تفہیم کے بہانے بحثیں کرتے ہوئے قرآن میں دکھائے جائیں گے۔ یہ تمام ماہرین مذہبیات و اسرائیلیات و سیاسیات ہیں یا بعض زیرِ تعلیم حضرات ہیں۔ اُن کا مرکز فی الحال مکہ ہے۔ مدینہ میں ثانوی مرکز یا ماتحت مرکز کے قیام کی گفتگو ابھی جاری ہے۔ یہاں پھر سوچیں کہ خطبہ میں فاطمہؑ بنت خدیجہؑ فرمایا گیا ہے۔ اگر خدیجہؑ سے پیدا ہونے والی اپنی کسی اور بیٹی کا رسولؐ اللہ نے (معاذ اللہ) کسی کافر، مشرک یا مسلمان سے نکاح کیا ہوتا تو آج قریش کا یہ سارا مجمع آڑے ہاتھوں لے لیتا کہ جناب فاطمہؑ میں کون سے لعل لگے ہوئے ہیں۔ وہ بھی تو خدیجہؑ اور آپ دونوں کی بیٹی ہے۔ آپ کس بنا پر قریشی شرفا سے انکار کر سکتے ہیں؟ لیکن کسی فرد بشر کا اس وقت یہ اعتراض نہ کرنا سوائے اس کے اور کس بات کی دلیل ہے کہ نہ آپؐ کی خدیجہؑ سے کوئی اور بیٹی تھی اور نہ ہی آپؐ نے کسی غیر خاندان کے فرد سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تھا۔ چنانچہ قحطانی تاریخ کا بعد میں اختیار کیا ہوا ڈرامہ محض ایک ناول ہے اور کچھ نہیں۔ اور آخری بات یہ نوٹ کرلیں کہ حضرات ابوبکر و عمر نے منگنی کی درخواست کرتے ہوئے اپنا استحقاق یہ کہہ کر جتایا تھا کہ ''آپ ہماری خیر خواہی اور اسلامی حالت سے واقف ہیں۔''

اس کے بعد ان حضرات کے ساتھ رسولؐ اللہ کی طرف سے جو سلوک کیا گیا، اس سے کس قسم کی فضیلت ثابت ہوتی ہے؟ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اُس سلوک سے اِن کی اسلامی خیر خواہی یا اسلامی پوزیشن کی کھلی نفی ہوتی ہے۔ ورنہ کم از کم یہ جواب دینا رسولؐ اللہ پر لازم تھا کہ فاطمہؑ کا نکاح اللہ کے حکم سے علیؑ کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اس سے تمہارے اسلام اور خیر خواہی پر کوئی ضرب نہیں پڑتی۔ تم بڑے اچھے لوگ ہو، اسلام کے ہمدرد ہو، میرے دوست ہو، مصیبت میں میرے کام آتے رہے ہو۔ لیکن آپؐ نے یہ جواب نہ دیکر اور مذکورہ بالا سلوک کر کے ہمارے لئے یہ دلیل فراہم کردی کہ یہ لوگ اسلام سے بھی کوئی حقیقی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ اور اِن کے متعلق بھی جو کچھ افسانے

شاہی تاریخ میں ملتے ہیں وہ بھی ناول سے کچھ کم نہیں ہیں۔

(viii)۔ انوارِ خداوندی کا سنگم اور نسلِ رسولؐ کی ابتدا کی اصل حقیقت

قارئین نوٹ کریں کہ کسی اور پر ہو یا نہ ہو لیکن حضرت علیؑ پر یہ بہت بڑا اتہام ہے کہ آپؑ نے از خود یا کسی زید و بکر و عمر کے کہنے سے آنحضرتؐ کی خدمت میں حضرت فاطمہؑ زہراء علیہا السلام سے نکاح کی درخواست کی تھی جو قبول کر لی گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ ذات پاک ہیں جو رسولؐ اللہ کے پورے مشن، انکی ہستی اور عظمت و بزرگی پر احاطہ رکھتے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اُن کو نورِ محمدیؐ کا ایک ہمسر جزو ہوتے ہوئے، مکمل قرآن کا علم رکھتے ہوئے اور تخلیق نور سے لے کر قیامت تک کے وحی والہام پر مطلع ہوتے ہوئے، اتنی سی بات معلوم نہ ہو کہ ان کی پہلی زوجہؑ کون ہوگی؟ فاطمہؑ کا نکاح کس سے ہوگا اور سنو! خواہ ناک چڑھا کر سنو یا خندہ پیشانی کے ساتھ ایمان کے کانوں سے سنو کہ علیؑ کو تو یہ بھی معلوم ہے کہ ابو بکر کی نسل کا آخری آدمی کون اور کب پیدا ہوگا اور آدمؑ سے لے کر قیامت تک جنت اور جہنم میں کون کون جائیں گے؟ جس شخص نے ساری عمر یہ دعویٰ کیا ہو کہ میں یہ بتا سکتا ہوں کہ تم اپنے گھروں میں کیا چیز کہاں رکھ کر آئے ہو؟ تمہارا دم کہاں ٹوٹے گا؟ تم کس حال میں اور کہاں مرو گے؟ اور سنو! یہ باقی کتابوں کے علاوہ خود قرآن کریم سے ثابت ہے کہ کچھ مرد معرفت کے اُس مقام پر فائز ہیں کہ وہ تمام جنتیوں اور جہنمیوں کو پہچانتے ہیں اور پہچانیں گے (اعراف 7/48)۔ لہٰذا آپ ہرگز یہ درخواست نہ کر سکتے تھے۔ آپؑ کو علم تھا کہ اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اس نتیجہ تک لانے کے لئے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت خاتم صلوٰۃ اللہ علیہم السلام تک ذریت طاہرہؑ کا سلسلہ اور انتظام چلتا آیا ہے۔ علیؑ اور فاطمہؑ تو وہ نتیجہ تھے جسے برآمد کرنے کے لئے پوری کائنات کروڑوں سال سرگرداں رکھی گئی تھی۔ یوں بھی شرفا میں پاسِ ادب، شرم وحیا بڑی مشہور چیزیں ہیں۔ شرفا جان دے دیتے ہیں شرم وحیا برقرار رکھتے ہیں۔ پھر جس نے خود پالا، پرورش کیا، تربیت کی، علوم خداوندی کو ابھارا چمکایا ہو، اُس کو خود ہی خیال ہوتا ہے درخواست کرنا اُس کے احساسات کی توہین ہے۔

(ix)۔ آنحضرتؐ نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں علیؑ و فاطمہؑ کی تزویج کی تھی

اب ایک ایسی روایت سنئے۔ وہی جناب انس بن مالک فرماتے ہیں کہ:۔

عن انس بن مالکؓ قال کنتُ عند النبیؐ فغشیه الوحی فلمّا افاق قال تدری ما جاء به جبرئیل قلت اللّٰه و رسوله اعلم۔ قال امرنی اَن اتزوج فاطمةً من علیؑ۔ فانطلق وادع لی ابا بکر و عمر و عثمان وعَلیّاً و طلحة و الزبیر وبعدّة من الانصار فلما اقبل علیؑ قال له یا علیؑ اِنَّ اللّٰه امرنی اَن ازوجک فاطمةً وقد زوجتکها علی اربعه مائة مثقال فضة أَرَضِیتَ؟ قال رضیتُ یا رسو لؐ اللّٰه قال ثم قام علیؑ فخر ساجدًا شکرًا۔ قال النبیؐ جعل اللّٰه منکما کثیر الطیب و بارک اللّٰه فیکما قال انس فواللّٰه...

(ریاض النضرۃ جلد 2 صفحہ 184)

''میں آنحضرتؐ کے حضور میں موجود تھا کہ آپؐ پر آثارِ وحی نمودار ہوئے۔ وحی سے فراغت کے بعد خوش ہو کر فرمایا کہ سمجھے بھی خدا نے کیا نازل فرمایا اور جبرئیل کیا خوشخبری لے کر آئے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ مجھے

حکم دیا گیا ہے کہ فاطمہؑ کو علیؑ کی زوجیت میں دے دوں۔ لہٰذا جا کر ابوبکر وعمر وعثمان وعلیؑ وطلحہ وزبیر اور انصار میں سے کچھ لوگوں کو بلالاؤ۔ جب علیؑ آئے تو فرمایا کہ اے علیؑ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فاطمہؑ کو تمہاری زوجیت میں دیدوں۔ چنانچہ میں نے چار سو مثقال چاندی (ایک مثقال = ساڑے چار ماشہ) (ایک سیر چودہ چھٹانک) پر فاطمہؑ کا نکاح تم سے کر دیا ہے۔ کیا تم خوش ہو؟ عرض کیا میں خوش ہوں یا رسولؐ اللہ۔ انس نے کہا پھر علیؑ اُٹھے اور سجدہ شکرادا کیا۔ آنحضرتؐ نے دعا دی کہ خدا تمہیں برکتیں دے اور تم سے بہت پاکیزہ نسل عطا کرے۔ انس نے کہا کہ خدا کی قسم واقعی اللہ نے کثیر پاکیزہ نسل عطا کی۔'' (ریاض النضرۃ جلد 2 صفحہ 184)

(x)۔ جناب علیؑ وفاطمہؑ کی تزویج روزِ ازل سے خدا نے مخصوص کر دی تھی

علمانے اس حقیقت کو برابر تسلیم کیا ہے کہ اللہ نے جناب علیؑ مرتضیٰ کو تمام عالمین کی سیدہؑ کی شوہریت کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور وحی سے وہ اطلاع دی جا چکی تھی۔ اور یہ بھی کہ خداوند عالم نے اپنے نبیؐ کی ذریت کو حضرت علیؑ کے صلب میں ودیعت کر رکھا تھا۔''

اختصه بتزويج سيدة النساء العالمين واخبر انّ ذلك يوحى من الله

تعالىٰ وان الله جعل ذرية نبيهٖ فى صلبه ۔(الرياض المستطابه)

جناب علامہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ: فرمود یا انس آمد مرا جبرئیلؑ از نزد پروردگار عرش وگفت بدرستی خدائے تعالیٰ امرے کند ترا کہ تزویج کنی فاطمہؑ را با علیؑ (مدارج النبوۃ جلد 2 صفحہ 95)۔ ''رسولؐ اللہ نے انس سے فرمایا کہ خداوند عرش کے پاس سے جبرئیل آئے اور مجھ سے کہا کہ خداوند عالم نے آپ کو حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کو علیؑ کی زوجیت میں دے دو۔''

قارئین تلاش کریں کہ جناب علامہ شبلی کا جذبہ انحراف کدھر گیا؟ اختصار ملحوظ ہے ورنہ علمانے تو حقائق کے انبار لگا رکھے ہیں۔

24۔ مکّی یا قریشی مسلمانوں کی پوزیشن اور کارنامے

جب رسولؐ اور خانوادۂ رسولؐ مدینہ میں باقاعدہ آباد ہو چکے، یہ خاندان مقام محمود پر فائز ہو چکا، یہود ونصاریٰ سے تعاون کا معاہدہ ہو گیا اور یہ خبریں مکہ کے قریشی مرکز میں روزانہ پہنچنے سے قریشی قسم کے مسلمان مدینہ میں تیزی سے پہنچنے لگے۔ اور قریش کو یہ یقین ہو گیا کہ اب اُن کی مسلمان جماعت رسولؐ اللہ کے فداکاروں میں داخلی تخریب کے لئے قدم جما چکی ہے تو انہوں نے اپنی جارحانہ کاروائیوں کا آغاز کر دیا۔ مدینہ کے گردونواح سے مومنین کے جانور بھیڑ بکریاں اونٹ وغیرہ پر ڈاکے ڈالنا شروع کئے۔ اس کی روک تھام کے لئے آنحضرتؐ نے کئی دفعہ بڑے چھوٹے مسلح گشتی دستے روانہ کئے۔ خود بھی کئی بار سفر اختیار کیا۔ چونکہ مدینہ کی ہر نقل وحرکت اور آنحضرتؐ کا ہر ہر فیصلہ قریشی جاسوس مکہ پہنچانے میں سرگرم رہتے تھے۔ اس لئے خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ چونکہ قریشی جاسوسوں کا جال مسلمان لباس میں رسولؐ کے گھر سے لے کر باہر تک ہر جگہ پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے کسی بات کا پوشیدہ رہنا بہت مشکل تھا۔ اس لئے بھی کہ پرانے مکی مسلمان ہر بات کی تفصیل پہلے معلوم کرتے تھے، سوالات کا انبار لگا دیتے تھے اور عمل سے پہلے ہی قاصد مکہ کو روانہ ہو چکتے تھے۔ اور مکہ والوں نے بھی باقاعدہ خبریں وصول کرنے کے لئے جگہ جگہ اپنی کمین گاہیں اور اسٹیشن بنا لئے تھے۔ جہاں سے لوٹ مار کے لئے مسلح

دستے روانہ کرنے کا انتظام تھا۔مناسب مقام پر یہ انتظام قرآن کریم سے پیش کیا جائے گا۔یہاں تو اس قدر سمجھ لیں کہ مدینہ میں آ کر بھی رسولؐ اللہ اور حقیقی مسلمان چین سے نہیں رہنے دیئے گئے اور اُن کی بے چینی اور تکلیف کا باعث خود قریشی مسلمان ہیں۔جن کی تعداد روزانہ بڑھ رہی ہے۔اور چند ہی روز میں قریشی مسلمانوں کی شہہ پر سلسلہ جدال وقتال شروع ہونے والا ہے۔تا کہ مسلمانوں میں عسکری قوت پیدا ہونے سے پہلے ہی انہیں ختم یا کمزور کر دیا جائے۔اس سلسلے میں رسوؐل کو بہت سی جنگیں پیش آنے والی ہیں۔طرح طرح کے خطرات سے مسلمانوں کو دوچار ہونا ہے۔حقیقی مومنین اور خانوادہ رسولؐ سر ہتھیلی پر رکھ کر دن رات قربانیاں دینے والے ہیں۔لیکن ہم اُن تمام واقعات وتفصیلات سے دامن بچا کر گزریں گے جن کا براہ راست حسینؑ اور کربلا سے تعلق نہ ہوگا۔البتہ اُن واقعات اور اُن افراد کا ذکر ضرور کرتے چلیں گے جو کسی نہ کسی طرح کربلا اور اہلؑ کربلا سے تعلق رکھتے ہیں۔یہاں تک بھی ہم نے بہت سے واقعات کو نظر انداز کیا ہے۔چونکہ ہماری منزل حسینؑ اور کربلا ہے۔چنانچہ مدینہ کی سکونت اور جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کی شادی کے بعد اب حسنین علیھما السلام مادی وجود کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔اُن کا نانا، والد اور والدہ اور دیگر اقربائے خاندان علیھم السلام اُن دونوں شاہزادوں کو اسلام کا جو ریکارڈ سنائیں گے۔جو اُن کے مادی تصور پر اثر انداز ہوگا۔جس سے وہ قریش اور قریش کے مشرک ومسلم گروہوں سے واقفیت حاصل کریں گے۔دراصل ہمیں وہی ریکارڈ تیار کرنا ہے۔جسے پڑھ کر آج کا آدمی یہ فیصلہ کرے کہ حسین علیہ السلام کو قریشی محاذ کے سامنے وہی کچھ کرنا چاہئے تھا جو انہوں نے کیا۔تا کہ آج کا نوجوان بھی قریشی اسلام سے امت کو بچانے کے لئے وہی کچھ کرے جو ہم اور ہمارے رفقائے کار کرتے چلے آرہے ہیں، تا کہ وہ ویسا اتحاد قائم کریں جو کربلا کے اہل ایمان میں تھا، تا کہ وہ اس ظلم وقوت کا مقابلہ کرنے کی تیاری کریں جو کربلا میں قریشی مسلمانوں سے ظہور میں آیا اور آتا رہتا ہے۔

(i)۔ مکی وقریشی مسلمانوں کی حالت پر علامہ مودودی کا تبصرہ

جیسے ہی آنحضرتؐ قریشی فوج کشی سے دفاع میں مصروف ہوں گے تحطانی تاریخ اپنا جوڑ توڑ اور موزوں قصے شروع کردے گی۔ اُن کی اُس غپ شپ کو یہیں سامنے رکھ لیں۔جنگ بدر کے وقوع میں آنے سے پہلے کئی ایک فوجی حیثیت کی نقل وحرکت اور طویل سفر ومہمات پیش آنا شاہی تاریخ میں لکھا ہے۔اس میں نہ حضرت ابوبکر کا کہیں نام ملے گا نہ جناب عمر کہیں نظر آئیں گے نہ کسی اور قریشی مسلمان کو ہیرو بنایا جانا ملے گا۔بس غزوۂ بدر سے شاہی تاریخ کی یہ مہم شروع ہوگی۔اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جناب علامہ مودودی کے سُدھرے اور سنوارے ہوئے بیانات سے قریش کے مسلم ومشرک دونوں گروہوں کی پوزیشن دیکھ لیں تا کہ کل کی آنے والی غپ شپ پر پانی پڑ جائے۔امید ہے کہ علامہ کے اُن الفاظ اور جملوں کو نوٹ کرتے چلیں گے جن میں آپ کو قریشی طرفداری کی بُو محسوس ہو۔علامہ تاریخی پس منظر دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

(ii)۔ ''مدینہ کی زندگی سے قبل کا تاریخی پس منظر'' مکہ کی تیرہ سالہ تبلیغ کا نتیجہ

''جنگ بدر اور اُس سے تعلق رکھنے والے حالات پر ایک تاریخی نگاہ ڈال لینی چاہئے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ابتدائی دس بارہ سال میں جبکہ آپ مکہ معظّمہ میں مقیم تھے، اِس حیثیت سے اپنی پختگی واستواری ثابت کر چکی تھی کہ ایک طرف اُس کی پشت پر ایک بلند

سیرت، عالی ظرف اور دانشمند علمبردار موجود تھا جو اپنی شخصیت کا پورا سرمایہ اس کام میں لگا چکا تھا اور اس کے طرزِ عمل سے یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہو چکی تھی کہ وہ اس دعوت کو انتہائی کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لئے اٹل ارادہ رکھتا ہے اور اس مقصد کی راہ میں ہر خطرے کو انگیز کرنے اور ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ دوسری طرف اس دعوت میں خود ایسی کشش تھی کہ وہ دلوں اور دماغوں میں سرایت کرتی چلی جارہی تھی اور جہالت و جاہلیت اور تعصّبات کے حصار اُس کی راہ روکنے میں ناکام ثابت ہورہے تھے۔ اسی وجہ سے عرب کے پرانے نظامِ جاہلی کی حمایت کرنے والے عناصر، جو ابتداءً اس کو استخفاف کی نظر سے دیکھتے تھے، مکی دَور کے آخری زمانے میں اُسے ایک سنجیدہ خطرہ سمجھنے لگے تھے اور اپنا پورا زورِ اُسے کچل دینے میں صرف کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن اُس وقت تک چند حیثیات سے اس دعوت میں بہت کچھ کسر باقی تھی۔'' (مسلسل لکھا کہ:۔)

(iii)۔ مکے کے حقیقی مسلمانوں کی پوزیشن تیرہ سال میں بھی ہیچ و پوچ تھی

''اولاً، یہ بات ابھی پوری طرح ثابت نہ ہوئی تھی کہ اُسکو ایسے پیرووں کی ایک کافی تعداد بہم پہنچ گئی ہے جو صرف اُسکے ماننے والے ہی نہیں ہیں، بلکہ اسکے اصولوں کا سچا عشق بھی رکھتے ہیں، اُسکو غالب و نافذ کرنے کی سعی میں اپنی ساری قوتیں اور اپنا تمام سرمایۂ زندگی کھپا دینے کیلئے تیار ہیں، اور اُسکی خاطر اپنی ہر چیز قربان کر دینے کیلئے، دنیا بھر سے لڑ جانے کیلئے، حتیٰ کہ اپنے عزیز ترین رشتوں کو بھی کاٹ پھینکنے کو تیار ہیں۔ اگرچہ مکہ میں پیروانِ اسلام نے قریش کے ظلم و ستم برداشت کر کے اپنی صداقتِ ایمانی اور اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کی مضبوطی کا اچھا خاصا ثبوت دے دیا تھا، مگر ابھی یہ ثابت ہونے کیلئے بہت سی آزمائشیں باقی تھیں کہ دعوت اسلامی کو جانفروشوں کا وہ گروہ میسر آ گیا ہے جو اپنے نصب العین کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی عزیز تر نہیں رکھتا۔'' (علامہ کا بیان مسلسل جاری)

(iv)۔ حقیقی مسلمان مکہ میں نہیں بلکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے تھے

''ثانیاً، اس دعوت کی آواز اگرچہ سارے ملک میں پھیل گئی تھی، لیکن اسکے اثرات منتشر تھے، اُسکی فراہم کردہ قوت سارے ملک میں پراگندہ تھی، اسکو وہ اجتماعی طاقت بہم نہ پہنچتی تھی جو پرانے جمے ہوئے نظامِ جاہلیت سے فیصلہ کن مقابلہ کرنے کیلئے ضروری تھی۔

ثالثاً، اس دعوت نے زمین میں کسی جگہ بھی جڑ نہ پکڑی تھی بلکہ ابھی تک یہ دعوت ہوا میں سرایت کر رہی تھی۔ ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جہاں وہ قدم جما کر اپنے موقف کو مضبوط کرتی اور پھر آگے بڑھنے کی سعی کرتی۔ اُس وقت تک جو مسلمان جہاں بھی تھا اس کی حیثیت نظامِ کفر و شرک میں بالکل ایسی تھی جیسے خالی معدہ میں کُنین، کہ معدہ ہر وقت اُسے اگل دینے کے لئے زور لگا رہا ہو اور قرار پکڑنے کے لئے اُس کو جگہ ہی نہ ملتی ہو۔'' (مسلسل لکھا کہ)

(v)۔ بقول مودودی رسولؐ اور قرآن تیرہ سال اخلاقی، تمدنی، سیاسی معاشی تعلیم سے خالی رہے

''رابعاً، اُس وقت تک اِس دعوت کو عملی زندگی کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر چلانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ نہ یہ اپنا تمدن قائم کر سکی تھی، نہ اس نے اپنا نظامِ معیشت و معاشرت اور نظامِ سیاست مرتب کیا تھا اور نہ دوسری طاقتوں سے اسکے معاملاتِ صلح و جنگ پیش

آئے تھے۔اسلئے نہ تو اُن اخلاقی اصولوں کا مظاہرہ ہوسکا تھا جن پر یہ دعوت زندگی کے پورے نظام کو قائم کرنا اور چلانا چاہتی تھی، اور نہ یہی بات آزمائش کی کسوٹی پر اچھی طرح نمایاں ہوئی تھی کہ اس دعوت کا پیغمبرؐ اور اسکے پیروؤں کا گروہ جس چیز کی طرف دنیا کو دعوت دے رہا ہے اس پر عمل کرنے میں وہ خود کس حد تک راستباز ہے۔بعد کے واقعات نے وہ مواقع پیدا کردیئے جن سے یہ چاروں کمیاں پوری ہوگئیں۔مکی دور کے آخری تین چار سالوں سے یثرب میں آفتاب اسلام کی شعاعیں مسلسل پہنچ رہی تھیں۔اور وہاں کے لوگ متعدد وجوہ سے عرب کے دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ اس روشنی کو قبول کرتے جارہے تھے۔آخر کار نبوت کے بارہویں سال حج کے موقعہ پر پچھتر (75) نفوس کا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی تاریکی میں ملا اور اُس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپؐ اور آپؐ کے پیروؤں کو اپنے شہر میں جگہ دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی۔یہ اسلام کی تاریخ میں ایک انقلابی موقع تھا جسے خدا نے اپنی عنایت سے فراہم کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔اہل یثرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام اور فرمانروا کی حیثیت سے بلا رہے تھے۔اور اسلام کے پیروؤں کو ان کا بلاوا اسلئے نہ تھا کہ وہ ایک اجنبی سرزمین میں محض مہاجر ہونے کی حیثیت سے جگہ پالیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور خطوں میں جو مسلمان منتشر ہیں وہ یثرب میں جمع ہوکر اور یثربی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک منظّم معاشرہ بنالیں۔اس طرح یثرب نے دراصل اپنے آپ کو مدینۃ الاسلام کی حیثیت سے پیش کیا اور نبیؐ نے اُسے قبول کرکے عرب میں پہلا دارالاسلام بنالیا۔اس پیشکش کے معنی جو کچھ تھے اُس سے اہل مدینہ ناواقف نہ تھے۔اس کے صاف معنی یہ تھے ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تلواروں اور معاشی وتمدنی بائیکاٹ کے مقابلہ میں پیش کررہا تھا۔چنانچہ بیعتِ عَقَبہ کے موقع پر رات کی اُس مجلس میں اسلام کے اُن اوّلین مددگاروں (انصار) نے اس نتیجہ کو خوب اچھی طرح جان بوجھ کر نبیؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔عین اس وقت جب کہ بیعت ہورہی تھی، یثربی وفد کے ایک نوجوان رکن اسعد بن زرارہؓ نے، جو پورے وفد میں سب سے کم سن شخص تھے، اُٹھ کر کہا کہ:۔

رویدًا یا اھل یثرب ! انا لم نضرب الیه اکباد الا بل الا و نحن نعلم انه رسول اللّٰه و ان اخراجه الیوم مناوأۃ **للعرب کافة، وقتل خیارکم ،وتعضکم السیوف ۔فاما انتم قوم تبصرون علیٰ ذٰلک فخذ وہ واجرہ علی اللّٰه واما انتم قوم تخافون من انفسکم خیفة فذروہ فبینوا ذٰلک فھو ا عذر لکم عنداللّٰه۔**

’’ٹھہرو اے اہل یثرب! ہم لوگ جو اِن کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور آج انہیں یہاں سے نکال کرلے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔اس کے نتیجے مین تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تلواریں تم پر برسیں گی۔لہٰذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے اندر پاتے ہو تو اِن کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کردو۔کیونکہ اس وقت عذر کردینا خدا کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہوسکتا ہے۔‘‘ اسی بات کو وفد کے ایک دوسرے شخص عباس بن عُبادہ بن نَضلَہ نے دہرایا۔

اتعلمون علام تبا یعون ھٰذا الرجل ؟ (قالوا نعم، قال) **انکم تبا یعونه علیٰ حرب الاحمر والاسود من الناس ۔فان کنتم ترون انکم**

اذا نهکت اموالکم مصیبة واشرافکم قتلا اسلمتموہ فمن الأن فدعوہ ،فھو واللّٰہ ان فعلتم خزی الدنیاوالأخرة ۔وان کنتم ترون انکم وافون لہ بما دعوتموہ الیہ علی نھکة الاموال و قتل الاشراف فخذوہ، فھو واللّٰہ خیر الدنیا ولأخرة۔

''جانتے ہواس شخص سے کس چیز پر بیعت کررہے ہو۔(آوازیں ،ہاں جانتے ہیں)تم اُس کے ہاتھ پر بیعت کرکے دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔پس اگرتمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کےاورتمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں توتم اسے دشمنوں کے حوالے کردو گےتو بہتر ہے کہ آج ہی اسے چھوڑ دو۔کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیااورآخرت کی رسوائی ہے۔اور اگرتمہاراارادہ یہ ہے کہ جو بلاواتم اس شخص کودے رہے ہواس کواپنے اموال کی تباہی اوراپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجودنبھاؤ گےتو بے شک اس کاہاتھ تھام لوکہ خدا کی قسم یہ دنیااورآخرت کی بھلائی ہے۔''

اس پرتمام وفدنے بالاتفاق کہا۔**فانا ناخذ ہ علیٰ مصیبة الاموال وقتل الاشراف۔**

''ہم اسے لےکراپنے اموال کوتباہی اوراپنے اشراف کوہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔''

تب وہ مشہور بیعت واقع ہوئی جسے تاریخ میں بیعت عَقَبۂ ثانیہ کہتے ہیں۔دوسری طرف اہل مکہ کے لئے یہ معاملہ جومعنی رکھتا تھاوہ بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔دراصل اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو،جن کی زبردست شخصیت اورغیرمعمولی قابلیتوں سے قریش کےلوگ واقف ہوچکے تھے،ایک ٹھکانہ میسر آرہاتھا۔اوران کی قیادت وراہنمائی میں پیروان اسلام،جن کی عزیمت واستقامت اورفدائیت کو بھی قریش ایک حدتک آزماچکے تھے،ایک منظّم جتھے کی صورت میں مجتمع ہوئے جاتے تھے۔یہ پرانے نظام کے لئے موت کاپیغام تھا۔نیز مدینہ جیسے مقام پرمسلمانوں کی اس طاقت کے مجتمع ہونے سے قریش کومزیدخطرہ یہ تھا کہ یمن سے شام کی طرف جوتجارتی شاہراہ ساحل بحراحمر کےکنارے کنارے جاتی تھی،جس کے محفوظ رہنے پرقریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کاانحصارتھا،وہ مسلمانوں کی زدمیں آجاتی تھی اوراُس شہ رگ پر ہاتھ ڈال کرمسلمان نظام جاہلی کی زندگی دشوارکرسکتے تھے۔ صرف اہل مکہ کی وہ تجارت جواُس شاہراہ کے بل پرچل رہی تھی ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔طائف اوردوسرے مقامات کی تجارت اس کے ماسواتھی۔(علامہ کابیان مسلسل جاری ہے)

قریش ان نتائج کوخوب سمجھتے تھے۔جس رات بیعتِ عقبہ واقع ہوئی اُسی رات اس معاملے کی بھنک اہل مکہ کے کانوں میں پڑی اور پڑتے ہی کھلبلی مچ گئی۔پہلے توانہوں نے اہل مدینہ کونبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کی کوشش کی۔پھرجب مسلمان ایک ایک دو دوکرکے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگےاورقریش کویقین ہوگیا کہ اب محمدؐ بھی وہاں منتقل ہوجائیں گےتو وہ اس خطرے کوروکنے کے لئے آخری چارۂ کاراختیارکرنے پرآمادہ ہوگئے۔ہجرت نبوی سے چندہی روز پہلے قریش کی مجلس شوریٰ منعقدہوئی جس میں بڑی ردّو کدکے بعدآخرکاریہ طے پاگیا کہ بنی ہاشم کے سواتمام خانوادہ ہائے قریش کاایک ایک آدمی چھانٹاجائے اور یہ سب لوگ مل کرمحمد صلی اللہ علیہ وسلم کوقتل کریں تاکہ بنی ہاشم کے لئے تمام خاندانوں سے تنہالڑنامشکل ہوجائے اوروہ انتقام کی بجائے خون بہاقبول کرنے پرمجبورہو جائیں۔لیکن خداکےفضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتمادعلی اللہ اورحسن تدبیر سےاُن کی یہ چال ناکام ہوگئی اورحضورؐ بخیریت مدینہ پہنچ

گئے۔اس طرح جب قریش کو ہجرت کے روکنے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے مدینہ کے سردار عبداللہ بن ابی کو (جسے ہجرت سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے کی تیار کر چکے تھے اور جس کی تمناؤں پر حضورؐ کے مدینہ پہنچ جانے اور اوس وخزرج کی اکثریت کے مسلمان ہو جانے سے پانی پھر چکا تھا)۔خط لکھا کہ ''تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اُس سے لڑو یا اُسے نکال دو، ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے۔'' عبداللہ بن ابی اس پر کچھ آمادۂ شر ہوا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت اسکے شر کی روک تھام کر دی۔ پھر سعد بن معاذ رئیس مدینہ عمرے کیلئے مکہ گئے۔ وہاں عین حرم کے دروازے پر ابوجہل نے اُن کو ٹوک کر کہا: اَلَا اُراک تطوف بمکۃ امنًا وقد اویتم الصُباۃ وزعمتم انکم تنصرو نھم وتعینو نھم؟ لو لا انک مع ابی صفوان ما رجعت الٰی اھلک سالمًا۔ ''تم تو ہمارے دین کے مرتدوں کو پناہ دو اور اُن کی امداد و اعانت کا دم بھرو اور ہم تمہیں اطمینان سے مکہ میں طواف کرنے دیں۔اگر تم امیہ بن خلف کے مہمان نہ ہوتے تو زندہ یہاں سے نہیں جا سکتے تھے۔'' سعد نے جواب میں کہا: واللّٰہ لئن منعتنی ھذا لا منعنک ما ھو اشد علیک منہ، طریقک علی المدینۃ۔ ''بخدا اگر تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تمہیں اُس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لئے اس سے شدید تر ہے، یعنی مدینہ پر سے تمہاری راہ گذر۔'' یہ گویا اہل مکہ کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ زیارت بیت اللہ کی راہ مسلمانوں پر بند ہے۔اور اس کا جواب اہل مدینہ کی طرف سے یہ تھا کہ شام کی تجارت کا راستہ مخالفین اسلام کے لئے پُرخطر ہے۔'' (علامہ کا بیان مسلسل جاری ہے)

(vi)۔ علامہ مودودی نے رسولؐ اللہ کو جارح اور جہاد کو تجارتی جنگیں بنا دیا

''اور فی الواقع اُس وقت مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی تدبیر بھی نہ تھی کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کریں تاکہ قریش اور وہ دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستے سے وابستہ تھا، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی معاندانہ اور مزاحمانہ پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔''

(vii)۔ مدینہ پہنچ کر جو انتظامات کئے گئے ان کو دنیادارانہ بنا دیا گیا

(بیان مسلسل جاری ہے) ''چنانچہ مدینہ پہنچتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوخیز اسلامی سوسائٹی کے ابتدائی نظم ونسق اور اطراف مدینہ کی یہودی آبادیوں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز پر توجہ منعطف فرمائی وہ اسی شاہراہ کا مسئلہ تھا۔اس مسئلہ میں حضورؐ نے دو اہم تدبیریں اختیار کیں۔ایک یہ کہ مدینہ اور ساحل بحر احمر کے درمیان اس شاہراہ سے متصل جو قبائل آباد تھے ان کے ساتھ گفت وشنید شروع کی تاکہ وہ حلیفانہ اتحاد یا کم از کم ناطرفداری کے معاہدے کرلیں۔ چنانچہ اس میں آپ کو پوری کامیابی ہوئی۔سب سے پہلے جہینہ سے، جو ساحل کے قریب پہاڑی علاقے میں اہم قبیلہ تھا، معاہدۂ ناطرفداری طے ہوا۔پھر 1 ہجری کے آخر میں بنی ضمرہ سے جن کا علاقہ ینبع اور ذوالعشیرہ سے متصل تھا دفاعی معاونت (Defensive Alliance) کی قرارداد ہوئی پھر 2 ہجری کے وسط میں بنی مدلج بھی اس قرارداد میں شریک ہو گئے۔ کیونکہ وہ بنی ضمرہ کے ہمسائے اور حلیف تھے۔مزید براں تبلیغ اسلام نے اُن قبائل میں اسلام کے حامیوں اور پیروؤں کا بھی ایک اچھا خاصا عنصر پیدا کر دیا۔دوسری تدبیر آپ نے یہ اختیار کی کہ

قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لئے اس شاہراہ پر پیہم چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کئے اور بعض دستوں کے ساتھ آپؐ خود بھی تشریف لے گئے۔ پہلے سال اس طرح کے چار دستے گئے جو مغازی کی کتابوں میں سَرِیَّہ حمزہ، سریۂ عبیدہ بن حارث، سریۂ سعد بن ابی وقاص اور غزوۃ الابواء کے نام سے موسوم ہیں۔اور دوسرے سال کے ابتدائی مہینوں میں دو مزید تاختیں اسی جانب کی گئیں جن کو اہل مغازی غزوۂ بواط اور غزوہ ذوالعشیر ہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ان تمام مہموں کی دو خصوصیات قابل لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ اُن میں سے کسی میں نہ تو کشت خون ہوا نہ کوئی قافلہ لوٹا گیا جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُن تاختوں کا اصل مقصود قریش کو ہوا کا رخ بتانا تھا۔دوسرے یہ کہ اُن میں سے کسی تاخت میں بھی حضور نے اہل مدینہ کا کوئی آدمی نہیں لیا۔ بلکہ تمام دستے خالص مکی مہاجرین سے ہی مرتب فرماتے رہے تاکہ حتی الامکان یہ کشمکش قریش کے اپنے ہی گھر والوں تک محدود رہے۔اور دوسرے قبیلوں کے اس میں الجھنے سے آگ پھیل نہ جائے۔اُدھر سے اہل مکہ بھی مدینہ کی طرف غارتگر دستے بھیجتے رہے۔ چنانچہ اُن ہی میں سے ایک دستے نے کُرز بن جابر الفہر ی کی قیادت میں عین مدینہ کے قریب ڈاکہ مارا اور اہل مدینہ کے مویشی لوٹ لئے۔قریش کی کوشش اس سلسلے میں یہ رہی کہ دوسرے قبیلوں کو بھی اس کشمکش میں الجھادیں، نیز یہ کہ انہوں نے بات کو محض دھمکی تک محدود نہ رکھا بلکہ لوٹ مار تک نوبت پہنچادی۔حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ شعبان 2 ہجری (فروری یا مارچ 623عیسوی) میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ، جس کے ساتھ تقریباً پچاس ہزار (50000) اشرفی کا مال تھا اور تیس چالیس سے زیادہ محافظ نہ تھے، شام سے مکہ کی طرف پلٹتے ہوئے اس علاقہ میں پہنچا جو مدینہ کی زد میں تھا۔چونکہ مال زیادہ تھا، محافظ کم تھے، اور سابق حالات کی بنا پر خطرہ قوی تھا کہ کہیں مسلمانوں کا کوئی طاقتور دستہ اس پر چھاپہ نہ ماردے، اس لئے سردار قافلہ ابوسفیان نے اُس پُر خطر علاقہ میں پہنچتے ہی ایک آدمی کو مکہ کی طرف دوڑادیا تاکہ وہاں سے مدد لے آئے۔اس شخص نے مکہ پہنچتے ہی عرب کے قدیم قاعدے کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اُس کی ناک چیر دی، کجاوے کو الٹ کر رکھ دیا اور اپنا قمیص آگے پیچھے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا کہ:

یا معشر قریش ! اللطیمه اللطیمه، اموالکم مع ابی سفیان قد عرض لھا محمد فی اصحابه، لا اُریٰ ان تُدر کوھا الغوث ،الغوث۔

''قریش والو! اپنے قافلہ تجارت کی خبر لو، تمہارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں، محمدؐ اپنے آدمی لے کر اُن کے درپے ہوگیا ہے، مجھے امید نہیں کہ تم انہیں پاسکو گے۔دوڑو دوڑو مدد کے لئے۔'' اس پر سارے مکہ میں ہیجان برپا ہوگیا۔قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لئے تیار ہوگئے۔تقریباً ایک ہزار مردان جنگی جن میں سے چھ سو زرہ پوش تھے اور جن میں سو سواروں کا رسالہ بھی شامل تھا، پوری شان وشوکت کے ساتھ لڑنے کیلئے چلے۔اُنکے پیش نظر صرف یہی کام نہ تھا کہ اپنے قافلے کو بچالائیں، بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے تھے کہ اس آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کیلئے ختم کردیں، اور مدینہ میں یہ مخالف طاقت جو ابھی نئی نئی مجتمع ہونی شروع ہوئی ہے اُسے کچل ڈالیں، اور اس نواح کے قبائل کو اس حد تک مرعوب کردیں کہ آئندہ کیلئے یہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہوجائے۔اب نبیؐ نے جو حالات سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے، محسوس فرمایا کہ فیصلہ کی گھڑی آپہنچی ہے اور یہ ٹھیک وہ وقت ہے جب کہ ایک جسورانہ اقدام اگر نہ کرڈالا گیا تو تحریک اسلامی ہمیشہ کیلئے بے جان ہوجائے گی، بلکہ بعید نہیں کہ اس تحریک کے لئے سر اُٹھانے کا پھر کوئی موقع ہی باقی نہ

رہے۔ نئے دارالہجرت میں آئے ابھی پورے دوسال بھی نہیں ہوئے ہیں۔ مہاجرین بے سروسامان، انصار ابھی ناآزمودہ، یہودی قبائل برسرمخالفت، خود مدینہ میں منافقین ومشرکین کا ایک اچھا خاصا طاقتور عنصر موجود، اور گردوپیش کے تمام قبائل قریش سے مرعوب بھی اور مذہباً اُن کے ہمدرد بھی۔ ایسے حالات میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں تو ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ حملہ نہ کریں اور صرف اپنے زور سے قافلے کو بچا کر ہی نکال لے جائیں اور مسلمان دبکے بیٹھے رہیں تب بھی یک لخت مسلمانوں کی ایسی ہوا اُکھڑے گی کہ عرب کا بچہ بچہ اُن پر دلیر ہو جائے گا اور اُن کے لئے ملک بھر میں پھر کوئی جائے پناہ باقی نہ رہے گی۔ آس پاس کے سارے قبائل قریش کے اشاروں پر کام کرنا شروع کردیں گے۔ مدینہ کے یہودی اور منافقین و مشرکین علی الاعلان سر اُٹھائیں گے اور دارالہجرت میں جینا مشکل کردیں گے۔ مسلمانوں کا کوئی رُعب واثر نہ ہوگا کہ اس کی وجہ سے کسی کو اُن کی جان، مال اور آبرو پر ہاتھ ڈالنے میں تامل ہو۔ اس بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم فرمالیا کہ جو طاقت بھی اُس وقت میسر ہے اسے لے کر نکلیں اور میدان میں فیصلہ کریں کہ جینے کا بل بوتا کس میں ہے اور کس میں نہیں ہے۔ اس فیصلہ کن اقدام کا ارادہ کر کے آپؐ نے انصار ومہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے ساری پوزیشن صاف صاف رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب میں قریش کا لشکر چلا آرہا ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تمہیں مل جائے گا، بتاؤ تم کس کے مقابلہ پر چلنا چاہتے ہو؟ جواب میں ایک بڑے گروہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہوا کہ قافلے پر حملہ کیا جائے۔ لیکن نبیؐ کے پیش نظر کچھ اور تھا۔ اس لئے آپ نے اپنا سوال دہرایا۔ اس پر مہاجرین میں سے مقداد بن عمرو نے اٹھ کر کہا۔

یا رسول اللّٰہ، امض لما امرک اللّٰہ، فانا معک حیثما ا حببت، لا نقول لک کما قا ل بنو اسرائیل لموسٰی ''اذھَبْ اَنتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلا اِنَّا ھٰھُنَا قٰعِدُونَ (5/24)''وَلکن اذھب انت و ربک فقاتلا انا معکما مقاتلون مادا مت عین منا تطرف۔

''یارسولؐ اللہ، جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اُسی طرف چلیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جائیں۔ ہم بنی اسرئیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ نہیں ہم کہتے ہیں کہ چلئے آپ اور آپ کا خدا، دونوں لڑیں اور ہم آپ کے ساتھ جانیں لڑائیں گے جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گردش کررہی ہے۔''

مگر لڑائی کا فیصلہ انصار کی رائے معلوم کئے بغیر نہیں کیا جاسکتا تھا، کیونکہ ابھی تک فوجی اقدامات میں اُن سے کوئی مدد نہیں لی گئی تھی اور اُن کیلئے یہ آزمائش کا پہلا موقعہ تھا کہ اسلام کی حمایت کا جو عہد انہوں نے اول روز کیا تھا اُسے وہ کہاں تک نبھانے کے لئے تیار ہیں۔ اسلئے حضورؐ نے براہ راست اُن کو مخاطب کئے بغیر پھر اپنا سوال دہرایا۔ اِس پر سعد بن معاذ اٹھے اور انہوں نے عرض کیا شاید حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ فرمایا ہاں۔ انہوں نے کہا کہ:۔

لقد اٰمنا بک و صدقنا ک وشھدنا ان ماجئت بہ ھو الحق واعطینا ک عھودنا و مواثیقنا علی السّمع والطاعۃ فامض یا رسول اللّٰہ لما اردت ۔فوالذی بعثک بالحق لواستعرضت بناھٰذا البحر فخضتَہٗ لخضناہ معک و ما تخلف منا رجل واحد۔وما نکرہ ان تلقی بنا عد ونا غدًا انا لنصبر عند الحرب صُدُقٌ عند اللقآء و لعل اللّٰہ یریک منا ما نقربہٖ عینک

فسربنا علیٰ برکۃ اللّٰہ۔

''ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں، آپؐ کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپؐ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپؐ سے سمع وطاعت کا عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسول، جو کچھ آپؐ نے ارادہ فرمالیا ہے اُسے کرگزریں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپؐ ہمیں لے جاکر سامنے سمندر پر جاپہنچیں اور اُس میں اتر جائیں تو ہم آپؐ کے ساتھ کودیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہم کو یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپؐ کل ہمیں لے کر دشمن سے جابھڑیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے، مقابلہ میں سچی جانثاری دکھائیں گے اور بعید نہیں کہ اللہ آپؐ کو ہم سے وہ کچھ دکھوادے جسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپؐ ہمیں لے چلیں۔'' (مسلسل)

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ قافلہ کے بجائے لشکرِ قریش ہی کے مقابلے پر چلنا چاہئے۔ لیکن یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔ جو لوگ اُس تنگ وقت میں لڑائی کے لئے اٹھے تھے اُن کی تعداد تین سو سے کچھ زائد تھی۔ چھیاسی (86) مہاجر، اِکسٹھ (61) قبیلۂ اَوس کے اور 170 قبیلۂ خزرج کے۔ جن میں صرف دو تین کے پاس گھوڑے تھے اور باقی آدمیوں کے لئے ستر (70) اونٹوں سے زیادہ نہ تھے جن پر تین تین چار چار اشخاص باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ سامان جنگ بھی بالکل ناکافی تھا۔ صرف ساٹھ (60) آدمیوں کے پاس زِرہیں تھیں۔ اسی لئے چند سرفروش فدائیوں کے سوا اکثر آدمی جو اس خطرناک مہم میں شریک تھے دلوں میں سہم رہے تھے اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جانتے بوجھتے موت کے منہ میں جارہے ہیں۔ مصلحت پرست لوگ، جو اگرچہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے جس میں جان و مال کا زیاں ہو، اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے اور اُن کا خیال تھا کہ دینی جذبے نے اُن لوگوں کو پاگل بنا دیا ہے۔ مگر نبیؐ اور مومنین صادقین یہ سمجھ چکے تھے کہ یہ وقت جان کی بازی ہی لگانے کا ہے۔ اس لئے اللہ کے بھروسے پر وہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے سیدھی جنوب مغرب کی راہ لی جدھر سے قریش کا لشکر آرہا تھا۔ حالانکہ اگر ابتدا میں قافلے کو لوٹنا مقصود ہوتا تو شمال مغرب کی راہ لی جاتی۔ سترہ رمضان کو بدر کے مقام پر فریقین کا مقابلہ ہوا۔ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور نبیؐ نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں ہے، تو خدا کے آگے دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دئے اور انتہائی خضوع اور تضرع کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا۔

اللھم ھذہٖ قریش قد اتت بخیلا ئھا تحاول ان تکذ ب رسولک، اللھم فنصرک الذی وعد تنی اللھم ان تھلک ھذ ہ العصابۃ الیوم لا تعبد ۔

''خدایا، یہ ہیں قریش، اپنے سامانِ غرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسولؐ کو جھوٹا ثابت کریں، خداوندا! بس اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اے خدا اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔''

اس معرکہ کارزار میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرین مکہ کا تھا جنکے اپنے بھائی بند سامنے صف آرا تھے۔ کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا چچا، کسی کا ماموں، کسی کا بھائی اسکی اپنی تلوار کی زد میں آرہا تھا اور اپنے ہاتھوں اپنے جگر کے ٹکڑے کاٹنے پڑ رہے تھے۔ اس کڑی

آزمائش سے صرف وہی لوگ گزر سکتے تھے جنھوں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ حق سے رشتہ جوڑا ہو اور جو باطل کے ساتھ سارے رشتے قطع کر ڈالنے پر تل گئے ہوں۔ اور انصار کا امتحان بھی کچھ کم سخت نہ تھا۔ اب تک تو انہوں نے عرب کے طاقتور ترین قبیلے، قریش اور اسکے حلیف قبائل کی دشمنی صرف اس حد تک مول لی تھی کہ انکے علی الرغم مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دے دی تھی۔ لیکن اب تو وہ اسلام کی حمایت میں اُنکے خلاف لڑنے بھی جا رہے تھے جسکے معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹی سی بستی جس کی آبادی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں ہے، سارے ملک عرب سے لڑائی مول لے رہی ہے۔ یہ جسارت صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو کسی صداقت پر ایسا ایمان لے آئے ہوں کہ اس کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کی انہیں ذرہ برابر پرواہ نہ رہی ہو۔ آخر کار اُن لوگوں کی صداقتِ ایمانی خدا کی طرف سے نصرت کا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور قریش اپنے سارے غرور طاقت کے باوجود اُن بے سروسامان فدائیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ اُن کے ستر آدمی مارے گئے، ستر قید ہوئے اور ان کا سروسامان غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو اُنکے گلہائے سرِ سَبَد اور اسلام کی مخالف تحریک کے روح رواں تھے اس معرکہ میں ختم ہو گئے اور اس فیصلہ کن فتح نے عرب میں اسلام کو ایک قابل لحاظ طاقت بنا دیا۔" (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 127-118)

(24/2)۔ علامہ کی قائم کردہ تمام بنیادیں قریشی اسکیم کی مظہر ہیں

قارئین کرام تفہیم القرآن کی تمام جلدیں اور ہر سورہ پر علامہ کا تبصرہ پڑھ جائیں کہیں بھی علامہ کو اس قدر زور نہیں لگانا پڑا جتنا قرآن کی آٹھویں سورۃ انفال پر صرف کیا ہے۔ چونکہ اس سورہ میں قریشی قسم کے مسلمانوں کی کچھ زیادہ مذمت ہوئی ہے اس لئے ضروری تھا کہ قرآن پڑھنے والوں کے دماغ کو خود ساختہ کہانیوں سے مذمت کی طرف سے ہٹا کر اُن پالیسیوں پر لگا دیا جائے جن پر بعد کی حکومتیں عمل پیرا ہوئیں اور جو قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہیں۔ چونکہ جنگ بدر رسول اللہ کے خلاف پہلی خطرناک جنگ ہے اور اس جنگ سے نمٹنے کے لئے رسول اللہ نے جو اقدامات کئے تھے، اُن پر آئندہ کی جنگی پالیسی اور جنگی اصول مرتب ہوں گے۔ اس لئے لازم تھا کہ قریشی قسم کے مسلمان اپنی اُن مارشل ازم والی پالیسیوں کا جواز نکالنے کی کوشش کریں جن سے انہوں نے دنیا میں قتل وغارت کو جہاد کی آڑ میں جاری رکھا۔ اس لئے علامہ نے رسول اللہ کے عملدرآمد کو اُلٹ پلٹ کر اپنی سیاسی راہیں نکالی ہیں۔ ہم یہاں مختصر طور پر مذکورہ طویل بیان کے مقاصد دکھائیں گے۔

(24/3)۔ رسول اللہ کے مدافعانہ جہاد اور امن پرستی کو مارشل ازم بنا دیا

اس پورے بیان میں رسول اللہ کو (معاذ اللہ) ایک جارح اور دوسروں کو جنگ پر مجبور کرنے والا شخص بنا کر دکھایا گیا ہے۔ اور اس کی بنیاد اُس فرضی مکالمہ پر رکھ دی ہے جو ابوجہل اور سعد بن معاذ میں دکھایا گیا ہے۔ یعنی اگر تم ہمیں زیارت بیت اللہ سے روک دو گے تو ہم تمہارے تجارت کے راستے پر قبضہ کر کے تمہارا دیوالہ نکال دیں گے۔ اس چیلنج کو بنیاد بنا کر علامہ اور دیگر تمام شاہی مؤرخین نے رسول اللہ کے تمام اقدامات کو اُسی تجارتی راہ پر قبضہ کرنے پر محمول کر دیا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ کی تمام جدوجہد اور مسلمانوں کی ساری قربانیاں ایک دنیاوی مقصد یعنی قریش کی تجارتی شہ رگ کاٹنے کی غرض سے تھیں اور اس صورت حال کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ پہلے

تمام جارحانہ کاروائیاں رسولؐ اللہ نے شروع کیں اور قریش کی راہیں روکنے کیلئے فوجی دستے دھڑا دھڑ ابھیجنا شروع کئے۔اور علامہ نے کھل کر لکھ دیا کہ یہ اسلئے کیا گیا کہ قریش کو ہوا کا رخ دکھایا جائے اور ایک مستقل دھمکی اور تنبیہہ کر دی جائے۔اور رسولؐ اللہ کے تمام فوجی قسم کے اقدامات میں لفظ تاخت بھی استعمال کیا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ لفظ تاخت اکیلا نہیں بولا جاتا۔اسکے ساتھ لفظ تاراج لگانا یا سمجھا جانا ضروری ہوتا ہے۔تاخت و تاراج کے معنی مشہور ہیں،لوٹ مار قتل وغارت کر کے تباہ و برباد کر دینے کیلئے۔اس بیان کے پڑھنے والے اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ رسولؐ اللہ نے از خود چھیڑ خوانی شروع کی، مسلح کاروائیاں کیں، مسلح دستوں کی خود بھی قیادت کی، یہاں تک کہ قریش خوفزدہ ہو گئے اور پھر قریش نے اپنے دفاع میں باقی تمام اقدامات اور جنگیں وغیرہ کیں۔لہٰذا علامہ نے رسولؐ اللہ کو اور قریش کو دو سیاسی پارٹیاں بنا کر اللہ اور اسلام کو بیچ سے نکال کر دنیاوی اغراض و اقتدار کیلئے اپنے مادی مقاصد اور مفاد کی حفاظت میں مصروف پیکار دکھا دیا تا کہ بعد کی حکومتیں رسولؐ اللہ کی پیروی کی آڑ میں دنیا کو میدان جنگ بنا کر اقوام عالم پر تاخت کرتی رہیں۔اور اُسے اسلام کہا جاتا رہے۔پھر علامہ نے یہ بھی بڑے واضح اور کھلے الفاظ میں دکھایا ہے کہ رسولؐ نے اُن جارحانہ فوجی تاختوں میں صرف مہاجرین کو استعمال کیا انصار کو اُس سے الگ رکھا۔مطلب یہ کہ آئندہ بھی جارحانہ فوجی تاخت کا اختیار صرف قریشی مہاجرین کو ہوگا۔لہٰذا آنے والے دور میں مدینہ کے باشندوں کو حکومت کے معاملے میں دخل نہ تھا۔انہیں غیر مسلح کر کے محکوم و بے بس رکھا گیا۔کلیدی مقام تو کہاں انصار کو حکومت کے عام عہدوں سے بھی محروم رکھا گیا اور اولاد عبدالمطلبؑ کی طرح نظر بندی اور محاصرے کے عالم میں زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا رہا۔قارئین خود اس مارشل ازم پر علامہ کا بیان دوبارہ پڑھ لیں اور اپنا اطمینان کر لیں۔

(24/4)۔ مکی یا قریشی قسم کے مسلمانوں کی جامہ تلاشی

علامہ نے اس طویل ترین بیان پر کوئی سند پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے اور یہ سمجھا ہے کہ اُن کے مرید اور معتقد قارئین بلا کسی تاریخی حوالے کے بھی اس بیان کو حق پر مبنی سمجھ کر یقین کر لیں گے کہ جو کچھ علامہ نے لکھا وہ اُسی طرح لفظ بلفظ وقوع میں آیا تھا۔دراصل علامہ نے شہنشاہی تاریخ کے اختلافی اور جھوٹے پلندوں پر نظر ڈال کر اپنی پسند کا خلاصہ جمع کیا اور قریشی پالیسی کے ساتھ موزوں کر کے یہ بیان داغ دیا۔لیکن اس میں بھی قریشی مسلمانوں کی چالاکیوں اور فریب کاریوں کو چھپا سکنے میں ناکام رہے۔اور لکھنا پڑا کہ قریشی مسلمانوں کی کثرت ایسا ایمان رکھتی تھی کہ کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔رسولؐ اللہ اور مومنین کے ارادے اور اعلان جنگ کو دیوانگی سمجھ رہے تھے۔موت کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے اور موت کے منہ میں جانا نہ چاہتے تھے۔انہیں مصلحت اندیش لکھا اور اپنی مصلحتوں کو اللہ و رسولؐ اور اسلام و مومنین کے مشن پر ترجیح دینے والا بتایا اور پھر کھل کر اقرار کیا کہ مسلمانوں کی ایک قسم وہ تھی جو ایمان تو لے آئی تھی مگر جان و مال کا زیاں نہ چاہتی تھی۔ابتدا میں چار وجوہات کا بیان کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ مکہ کی تیرہ سالہ تبلیغ کے نتیجے میں جو قریشی مسلمان ہوئے وہ قطعاً ناقابل اعتماد تھے۔ان پر کسی خوفناک آزمائش میں کامیاب ہونے کا بھروسہ نہ کیا جا سکتا تھا۔انہیں ابھی ثابت کرنا تھا کہ وہ اسلام کے لئے اپنی ہر چیز، جان و مال و اولاد قربان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کسی شخص کو بھی ایسا نہیں بتایا جو اسلام پر جاں نثار کرنے کا ثبوت دے چکا ہو۔لہٰذا قارئین جنگ بدر سے پہلے کسی قریشی مسلمان کو ہیرو نہ سمجھیں وہ سب معرض امتحان میں ہیں۔اُن میں جو شخص جنگ بدر

اور اُس کے بعد دس سال میں اپنا مال، اپنی جان، اپنی اولاد کو قربان کرتا ہوا نہ ملے گا ہم اُسے ہرگز حقیقی مسلمان نہ مانیں گے۔ جنگ بدر میں کل چھیاسی مہاجرین بتائے گئے ہیں۔ اُن میں خانوادہ رسولؐ کے وہ افراد بھی ہیں جو شعب ابی طالبؑ کی جان لیوا قید کے تین سال میں ہر آزمائش سے گزر چکے ہیں۔ اُن ہی چھیاسی افراد میں حضرات ابوبکر وعمرو عثمان بھی ہیں۔ چھیاسی آدمیوں پر نظر رکھنا اور اُن کے ایمان واخلاص کا پتہ چلانا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ لہٰذا اُن میں سے جو شخص کبھی کسی کافر کے مقابلے میں تلوار لے کر نہیں آیا، نہ ساری دس سالہ مدنی زندگی میں کسی دشمن اسلام کو جہاد میں قتل کیا نہ خود کبھی کوئی زخم کھایا، نہ کسی خطرے میں رسولؐ اللہ کے ساتھ ملا۔ بتاؤ اُسے ہم کس طرح سے حقیقی مسلمان یا مسلمانوں کا ہیرو مان سکتے ہیں؟ اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنے کی تاریخی کہانیاں پہلے تو اس لئے ناقابل قبول ہیں کہ وہ وظیفہ خور اہل قلم نے ناول نگاری کی ہے۔ دوسرے اسلئے کہ قرآن نے منافقوں کے مال خرچ کرنے کا حال قرآن میں بیان کیا ہے۔ یعنی اسلام کی راہ میں مال خرچ کرنا حقیقی اسلام کی دلیل نہیں ہے۔ کافروں، منافقوں اور ریاکاروں نے بھی یہ کام کیا ہے۔ علامہ کے بیان سے یہ بھی ثابت ہے کہ جنگ وجہاد سے دل چرانے اور آنے بہانے کرنے کی جس قدر مذمت قرآن میں ملے گی وہ تمام قریشی مسلمانوں کی مذمت ہوگی۔ اور چونکہ قریشی مہاجرین ہی وہ لوگ تھے جن کے اعزہ کا مکہ میں رہ جانا اور مقابلہ کیلئے میدان میں آنا علامہ نے تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کی ہر وہ مذمت جس میں اپنے رشتہ داروں کی طرف داری، اُن سے محبت ومودۃ کے تمام اذکار ملیں مہاجرین مخاطب سمجھے جائیں گے نہ کہ انصار۔ اور قرآن بھرا پڑا ہے یہ پول کھولنے میں کہ قریش کے مہاجرین برابر اپنے عزیزوں کی محبت اور ولایت قائم کرنے میں رسولؐ اللہ کے خلاف کوشاں رہے ہیں۔ اور قرآن کے مکمل تلاوت اور نزول تک برابر مہاجرین کی کثرت مکہ اور اہل مکہ کی طرفدار اور رسولؐ واسلام کی مخالف رہی ہے۔ یہ حقیقت وہاں سامنے لانا ہوگی جہاں ہم قریشی مہاجرین کو قرآن سے پیش کر کے انکا ایمان دکھائیں گے۔

(24/5)۔ اہل مدینہ کے عزائم وقربانی، خانوادۂ رسولؐ کا کام

قارئین کے سامنے وہ تمام کوششیں آ چکیں ہیں جس سے قریش کو آنحضرتؐ کے شجرہ اور خاندان سے وابستہ کیا گیا تھا۔ لیکن واقعات نے صاف انکار کر دیا کہ قریش ہرگز آنحضرتؐ کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے۔ اور واقعات نے یہ بتا دیا کہ جو لوگ حقیقتاً رسولؐ اللہ کے خاندان اور شجرے سے تھے اُنہوں نے یہ ثابت کر دکھایا کہ مکہ میں قریش اور اُن کے تمام حلیف قبائل کے مقابلہ میں خانوادہ رسولؐ نے اپنی جان و مال واولاد کی ذرہ برابر کوئی پرواہ نہ کی اور تین سال کا وہ مہلک مقاطعہ، بائیکاٹ اور تشدد نہایت ہمت ومحبت واطاعت سے برداشت کیا جو شعب ابی طالبؑ کے دوران پیش آیا تھا۔ اور یہ کہ یہ کردار نہ قوم کے افراد سے ظاہر ہوسکتا ہے نہ بناوٹی رشتہ داری سے، نہ صرف ایمان لانے اور مسلمان ہو جانے والے اتنی بڑی اور مستقل وفا شعاری دکھا سکتے ہیں۔ لہٰذا قریش نہ عزیز وقریب تھے، نہ رشتہ دار، نہ ہم نسب اور ہم قبیلہ تھے ورنہ اُن سے وہی کچھ ظہور میں آتا جو خاندان عبدالمطلبؑ نے کر دکھایا۔ اس کے بعد علامہ نے بیعت عقبہ کے سلسلے میں جن عزائم اور معاہدات کا ذکر کیا ہے اور جو قربانیاں انصار نے بعد میں یا فوراً پیش کی ہیں وہ مولانا کے بقلم خود انصار کو خاندان عبدالمطلبؑ اور خانوادہ رسولؐ کے افراد ثابت کرنے کو کافی ہیں۔ اور تاریخ میں کسی قوم کا محض ایمان لا کر اپنے نبیؐ کے ساتھ ایسا فداکارانہ

سلوک ہرگز نہیں ملتا۔ لہٰذا اَوس وخزرج کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبطی خاندان سے ہونا عملاً بھی ثابت ہو گیا۔ اور تاریخ میں .... ہاں اسی شاہی تاریخ میں انصار کی غداری یا بے وفائی کی ایک مثال بھی نہیں ملتی۔ لیکن قریشی اسلام کے مہاجرین کی غداریاں اور بے وفائیاں آنحضرتؐ اور اُن کے حقیقی مومنین اور اُن کی اولاد کے ساتھ برابر تاریخ اسی قحطانی تاریخ میں اور قرآن میں بھری پڑی ہیں۔

قارئین سنیں! یقین کریں یا نہ کریں کہ مہاجرین قریش کو اُن کی اپنی حکومتوں نے تین سو سال کی متحدہ سر توڑ کوشش اور منظم قتل و غارت اور استبداد سے ہیرو بنایا تھا وہ ہیرو تھے نہیں اور قرآن میں جن مہاجرین کی مدح وثنا کی گئی ہے اور جن کی آڑ میں مشرک قسم کے مسلمان مہاجرین کو چھپایا گیا ہے، وہ خانوادہ رسولؐ کے افراد تھے یا وہ گنتی کے چند حقیقی مسلمان تھے جن کا قریش سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہم چیلنج کرتے چلے آئے ہیں اور ہمارا چیلنج چالیس سال سے اہل علم کے سامنے کھڑا ہے کہ لفظ قریش کے ساتھ کسی شخص کے حقیقی مسلمان ہونے کا قرآن سے ثبوت دو۔ قریش اور لفظ ایمان قرآن میں ایک جگہ جمع ہونے والے الفاظ نہیں۔ البتہ قریش اور کفر دونوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔

(24/6)۔ علامہ نے مہاجرین کے ساتھ رسولؐ اللہ کو بھی نا قابل اعتماد لکھا

ذرا اس ملعون بیان میں سے علامہ مودودی کا یہ فقرہ سنئے لکھا ہے کہ: ''اور نہ یہی بات آزمائش کی کسوٹی پر اچھی طرح نمایاں ہوئی تھی کہ اس دعوت کا پیغمبرؐ اور اس کے پیروؤں کا گروہ جس چیز کی طرف دنیا کو دعوت دے رہا ہے اس پر عمل کرنے میں وہ خود کس حد تک راست باز ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ۔ 119، سطر۔17-16)

یعنی چالیس سال رسولؐ اللہ کی عملی زندگی اور تیرہ سال اعلان نبوت کے بعد کی زندگی گزر جانے کے بعد بھی رسولؐ اللہ کی راستبازی ابھی علامہ کے نزدیک ثابت شدہ نہیں ہے۔ رسولؐ پر شک وشبہ تو علامہ اور اُن کے مکتب فکر کو مبارک مگر ہم اس سے یہ دلیل ضرور اختیار کرتے ہیں کہ تیرہ سال میں مکہ کے اندر جو قریشی گروہ اسلام کا پیرو کہلاتا تھا وہ حقیقتاً اور واقعتاً نا قابل اعتبار واعتماد تھا۔ اور اُس کی جانچ پڑتال کر کے اُن میں سے ہر ہر فرد کی جامہ تلاشی لینا ہر کلمہ گو پر واجب ولازم ہے۔ صرف لفظ مہاجر سن کر انہیں یا اُن میں سے کسی فرد یا افراد کو مقدس بزرگ سمجھ لینا نہ صرف قرآن وتاریخ وواقعات کے خلاف حماقت ہوگی بلکہ ایسے افراد بے دین ہوں گے جو بلا مخصوص دلیل اور نام بنام ثبوت کے بغیر کسی بھی مہاجر کو دین دار یا حقیقی مومن سمجھیں گے۔ چنانچہ علامہ کی تحریر سے بھی تمام مہاجرین کا ایمان مشکوک، قابل تحقیق اور محتاج ثبوت ثابت ہو گیا ہے۔

(24/7)۔ علامہ نے قریش اور مہاجرین کی جانچ کے لئے اُن کی راہ میں ایک اور مشکل پیدا کر دی

علامہ نے اپنے بیان کی ابتدا میں جو کچھ کہا ہے اس میں رسولؐ کی عالی ظرفی اور بلند سیرتی کو بطور دلیل لکھا ہے۔ رسولؐ کے متعلق وہ کیا سمجھتے ہیں اور کیا لکھتے ہیں؟ یہ تو وہ جانیں۔ لیکن ہم قریشی مسلمانوں کی جانچ میں اعلیٰ ظرفی اور بلند سیرتی کو بھی معیار بنائیں گے، یعنی عالی ظرفی کے ماتحت یہ دیکھیں گے کہ ایمان لانے سے پہلے اُن کا ظرف کیسا تھا؟ ماں باپ کیسے تھے؟ تھے بھی یا نہیں؟ حلال زادے تھے یا

عربی اصول مناکحت کے ماتحت پیدا ہوئے تھے؟ پھر یہ کہ اُن کی عادات وخصلت کیا تھی، حرام خور تو نہ تھے، بدمعاش تو نہ تھے، سیرت عمومی کا کیا حال تھا؟ یہ وہ ترازو ہے جس سے تولنے کے لئے سارے عرب میں چند لوگوں کے علاوہ ایک بھی ایسا نہیں نکلتا جسے علامہ کے اصول پر اعلیٰ ظرف اور بلند سیرت قرار دیا جائے۔ لہٰذا اچانک اُن لوگوں کو ہیرو بنا دینا تو ممکن ہوسکا ہے لیکن اہل عقل وشرافت سے اُن کو ہیرو منوا لینا ممکن نہیں ہے۔ قرآن کریم نے جس مہاجر کا اعلیٰ ظرف ہونا نہ لکھا ہو، ہم اُسے اعلیٰ ظرف نہ مانیں گے۔ لہٰذا جو شخص چاہتا ہے کہ ہم سے یا ہمارے قارئین سے کسی بھی مہاجر کو اعلیٰ ظرفی اور بلند سیرتی کی سند دلائے وہ پہلے قرآن سے ثبوت لائے اور ہم سے کسی مہاجر کو بزرگ کہلوائے، ہم تیار ہیں۔ آپ کی گھڑی ہوئی کہانیاں اور روایات نہ دلیل ہیں نہ قابل توجہ ہیں۔ وہ تو من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو، کے اصول پر تیار ہوئی ہیں جو قریشی مسلمانوں کو مبارک ہوں۔ قرآن وقول معصومؑ سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(الف)۔ چند مختلف حقائق جن کو عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے

علامہ نے اپنے اس بیان میں بعض ایسی باتیں مان لی ہیں جن کا وہ اور اُن کے ہم مکتب انکار کرتے رہے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ وہ ہجرت سے پہلے سارے ملک میں اسلام کے اور مسلمانوں کے پھیل جانے کا اقرار کرتے ہیں۔ تا کہ یہ دکھایا جا سکے کہ مسلمانوں کی طاقت بکھری ہوئی تھی۔ ہم کہتے رہے ہیں کہ جناب ابوطالبؑ علیہ السلام کی اسکیم نے تمام بستیوں، تمام قبائل اور اندرون و بیرون ملک اسلام کی اشاعت کر دی تھی۔ البتہ مکہ کے قریشی خطے اور زمین میں اسلام کے بیج کو بنجر زمین کی طرح نتیجہ خیزی سے محروم رہنا پڑا تھا۔ قارئین سوچیں کہ جو مسلمان سارے ملک میں منتشر تھے کیا وہ جمع ہوجانے کے بعد صرف چھیاسی (86) کی تعداد میں ہو سکتے ہیں؟ مولانا سے حساب مانگو اور دریافت کرو کہ کیا سارے ملک میں یہی چھیاسی آدمی پھیلے ہوئے تھے؟ یقین کیجئے کہ جناب علامہ جھوٹوں کے پیرو اور فریب سازوں کے راہنما ہیں۔ پھر علامہ نے اقرار کیا ہے کہ اسلام کے درخت کو مکہ کی زمین میں اگنے اور اپنی جڑیں قائم کرنے کا موقعہ نہ ملا تھا۔ اُن سے پوچھیئے کہ پھر کس بنا پر وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اہل مکہ کو اسلام میں کوئی مقام دیں۔ اُن کو اسلام پر کوئی حق حاصل نہیں ہے چہ جائیکہ اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی قیادت کا حق۔ یہ حق محض انصار کو ملتا ہے جنہوں نے اسلام کو قائم کیا، پروانہ وار قربانیاں دیں اور خود قریشی مہاجرین کے ناقابل برداشت اور مذموم بوجھ کو اُٹھایا۔ اور ساری دنیا سے جنگ و جدل اور دشمنی عملاً مول لے کر وفا کا ثبوت دیا۔ علامہ نے اپنے باطل مقاصد کو اخذ کرنے کے ہنگامہ میں انصار کے متعلق یہ تسلیم کر لیا کہ وہ آنحضرتؐ کو خدا کا نائب اور اپنا امام سمجھ کر مدینہ میں لائے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ قحطانی تاریخ نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ قریش یا قریشی مہاجرین نے کبھی رسولؐ اللہ کو خدا کا نائب سمجھا ہو۔ لہٰذا مدنی و مکی اسلام کے ان دونوں مکاتیب فکر میں وہی فرق مان لیا گیا جو ہم میں اور علامہ کے مکتب فکر میں ہے۔ اگر یہ لوگ رسولؐ کو نائب خدا مان لیتے تو ہرگز وحی وغیر وحی اور ذاتی احکام کی شرطیں لگا کر نبیؐ کو (معاذ اللہ) مجتہد نہ کہتے اور اُن کی جگہ ہڑپ نہ کر لیتے۔ اس لئے کہ اُن کی جگہ تو نائبِ خداوندی کو ہی زیب دیتی تھی نہ کہ مجتہدین کو۔ پھر علامہ سے یہ غلطی بھی ہوئی ہے کہ انہوں نے یہ لکھ دیا کہ رسولؐ اللہ ہر بات سے باخبر رہتے تھے۔ لہٰذا قریشی فوج کی روانگی انہیں پہلے ہی سے معلوم تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس باخبری اور اطلاع کا ذریعہ کیا تھا؟ یہ کیوں گول کر گئے؟ اور اگر یہ صحیح ہے تو رسولؐ کو جہلا سے مشورہ کی احتیاج کیسے ہوسکتی تھی؟ پھر اگر یہ باخبری بذریعہ وحی ہوتی تھی تو

قرآن میں وہ اطلاعات کون سی آیات میں ہیں؟ ورنہ یہ بتایا جائے کہ وہ مادی ذریعہ کیا تھا جو آپؐ کو ہر بات سے مطلع رکھتا تھا؟ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کفار کے تجارتی راستہ پر تاختوں اور فوجی کاروائیوں میں انصار کو شامل کر لیتے تو عرب قبائل میں جنگ کی آگ پھیل جاتی۔ مطلب یہ کہ رسولؐ اللہ معاذ اللہ آگ تو لگا رہے تھے مگر سارے ملک میں آگ لگانا نہ چاہتے تھے۔ صرف قریش کو جنگ کی آگ میں جلانا چاہتے تھے۔ ایک اہم بات یہ نوٹ کرلیں کہ جنگ بدر اور اُس کے بعد قریشی پالیسی یہ دکھائی جائے گی کہ بات بات پر اور ہر بات پر قریشی ٹولہ یہ سوال کیا کرے گا کہ یہ حکم آپؐ نے وحی سے دیا ہے یا یہ آپؐ کی ذاتی رائے ہے۔ تاکہ جہاں وہؐ یہ فرمائیں کہ یہ میری ذاتی رائے ہے تو اس کی تعمیل سے گریز کی راہ کا جواز نکال کر مسئلہ بنالیا جائے۔ مگر جنگ بدر کی روانگی سے پہلے جو نقشہ علامہ نے کھینچا ہے اُس وقت یہ سوال نہیں اٹھایا گیا بلکہ ہر فیصلہ کو رسولؐ کے حوالے کر دیا گیا۔ لہٰذا مستقبل میں یہ سوال ایک جھوٹی داستان ہوگا جو بعد کی اجتہادی ضرورت کے ماتحت گھڑی گئی تھی۔

(24/8)۔ تیرہ سال نازل ہونے والا قرآن اور تعلیمات اسلام بقول علامہ مودودی اخلاقی تمدنی تعلیم سے خالی

علامہ نے بڑے واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی ایک بے کار زمانہ کی حیثیت سے گزری۔ تمدنی و معاشی تعلیم تو کیا ملتی اُس زمانے تک کی تعلیمات خداوندی میں اخلاقی تعلیم بھی نہ تھی سنئے علامہ نے فرمایا تھا کہ:۔

''رابعاً۔ اُس وقت تک اِس دعوت کو عملی زندگی کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر چلانے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ نہ یہ اپنا تمدن قائم کرسکی تھی۔ نہ اُس نے اپنا نظام معیشت و معاشرت اور نظام سیاست مرتب کیا تھا۔ اور نہ دوسری طاقتوں سے اس کے معاملاتِ صلح و جنگ پیش آئے تھے۔ اس لئے نہ تو اُن اخلاقی اصولوں کا مظاہرہ ہوسکا تھا جن پر یہ دعوت زندگی کے پورے نظام کو قائم کرنا اور چلانا چاہتی تھی۔'' (صفحہ 119 جلد دوم)

دیکھا جناب مولانا کے نزدیک ؛ قریش سے صلح و جنگ، شعب ابی طالبؑ میں منظّم مظاہرہ اخلاق اور پورے مقاطعہ اور بائیکاٹ کے باوجود نظام معیشت کو برقرار رکھنے اور پورے خانوادہ کو زندہ سلامت تازہ دم کامیاب واپس لانے اور سارے ملک میں گھر گھر اسلام پھیلانے کے باوجود علامہ نے کہہ دیا کہ یہ تیرہ سال کی محنت اور قرآن کے بیانات اور اسلامی تعلیمات سب ایک خیالی کاروبار تھا۔ اصل دین اور تمدن مدینہ میں جا کر شروع ہوا تھا۔ یہ اسلئے تاکہ اسلام کی تعلیمات میں اعلان کے بعد والے تیرہ سال کو یک قلم نظر انداز کر کے آنے والی حکومتوں کی پالیسیاں اور مارشل ازم کی بنیاد مدنی خود ساختہ زندگی پر استوار کی جاسکے۔

(24/9)۔ علامہ کے دو فریب رسولؐ اللہ کو حق پر ثابت کرتے ہیں

علامہ کے اس طویل بیان کو غائر نظر سے پڑھنے والے بھی (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ کو جارحانہ اقدامات کا ملزم قرار دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مگر یہ اللہ کا معجزہ اور آنحضرتؐ کی اخلاقی بلندی کا ثبوت ہے کہ علامہ کے فریب بھی اُن حضرتؐ کی حقانیت اور علامہ کے کذب و افترا کا ثبوت بن جاتے ہیں۔ ہوا یہ کہ علامہ نے جارحانہ اقدامات کے لئے خود ساختہ حالات کا ایک فریب تیار کیا۔ اور پھر قریشی مہاجرین

اور قریشی مسلمانوں کے کمینہ خصلتوں کو چھپانے کے لئے ایک دوسری جھوٹی صورت حال پیش کی۔ اگر ہم اُن دونوں کو ایک جگہ لا کر جمع کر دیں تو اُدھر آنحضرتؐ کا دامن جارحیت سے پاک ہو جاتا ہے اِدھر علامہ کا کذب وافترا کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ سنئے ہمارے نقل کردہ بیان یا تفہیم کے صفحات سامنے رکھ کر تصدیق کیجئے۔

(i)۔ علامہ کی بیان کردہ پہلی صورتحال جس میں رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) جارح بنایا گیا

(الف)۔ قریش کی تجارتی شاہراہ مسلمانوں کی زد میں تھی۔ (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 121، سطر 14-12)

(ب)۔ اس راہ پر قریش اور تمام بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاش منحصر تھی۔ (ایضاً صفحہ 121، سطر 13)

(ج)۔ یہ راہ قریش کی شہ رگ تھی۔ ڈھائی لاکھ اشرفی سالانہ کی تجارت اس راہ سے ہوتی تھی۔ طائف وغیرہ کا بھی اس پر انحصار رہا۔ (ایضاً صفحہ 121، سطر 16-14)

(د)۔ فی الواقع اس وقت مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی اور تدبیر بھی نہ تھی کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کریں تا کہ قریش اور وہ دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستے سے وابستہ تھا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی معاندانہ ومزاحمانہ پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے لئے مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ مدینہ پہنچتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے... سب سے پہلے جس چیز پر توجہ منعطف فرمائی وہ اسی شاہراہ کا مسئلہ تھا۔ (جلد دوم صفحہ 122)

(ہ)۔ دوسری تدبیر آپ نے یہ اختیار کی کہ قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لئے اس شاہراہ پر پیہم چار دستوں کو بھیجا اور خود بھی گئے دوسرے سال دو تاختیں کیں۔ (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 123-122)

(و)۔ ان تاختوں کا اصل مقصود قریش کو ہوا کا رخ بتانا تھا۔'' (صفحہ 123)

قارئین ان چھ باتوں سے جارحانہ کارروائیوں کے ذریعہ قریش کو دھمکانا، ہوا کا رخ بتانا اور اُن کو پالیسیوں کے بدلنے پر مجبور کرنا قبول کرلیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہم کے لئے رسولؐ اللہ کے پاس ایسی قوت کا ہونا لازم ہے جو قریش کے سامنے جم کر کھڑی ہو سکے۔ اب دوسرا پہلو:۔

(ii)۔ علامہ کی بیان کردہ دوسری صورت حال جہاں مسلمانوں کو خصوصاً مہاجرین کو مظلوم دکھانا تھا

(الف)۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ تقریباً ایک ہزار مردان جنگی جن میں سے چھ سو زرہ پوش تھے اور جن میں سو سواروں کا رسالہ بھی شامل تھا پوری شان وشوکت کے ساتھ لڑنے کے لئے چلے۔'' (ایضاً صفحہ 123)

(ب)۔ ''مہاجرین بے سروسامان، انصار ابھی نا آزمودہ، یہودی قبائل برسرِ مخالفت، خود مدینہ میں منافقین ومشرکین کا ایک اچھا خاصا طاقتور عنصر موجود، اور گردو پیش کے تمام قبائل قریش سے مرعوب بھی اور مذہباً اُن کے ہمدرد بھی۔ ایسے حالات میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔'' (ایضاً صفحہ 124 جلد دوم)

(ج)۔ چند سرفروش فدائیوں کے سوا اکثر آدمی جو اس خطرناک مہم میں شریک تھے دلوں میں سہم رہے تھے۔ اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا

کہ جانتے بوجھتے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ مصلحت پرست لوگ، جو اگرچہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے جس میں جان و مال کا زیاں ہو، اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے اور اُن کا خیال تھا کہ دینی جذبہ نے ان لوگوں کو پاگل بنا دیا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 126-125)

قارئین کرام یہ ہیں وہ دونوں صورتیں جن میں سے اگر پہلی صورت کو صحیح مان لیا جائے تو دوسری کو غلط قرار دینا ہوگا۔ اسلئے کہ واقعی دوسری صورتحال درپیش تھی اور مسلمان بہادر ایسے ہی بزدل اور منافق اور موقع و مصلحت پرست تھے اور اُنکی تعداد مٹھی بھر تھی تو ہرگز پہلی صورت میں مذکورہ جارحانہ عمل درآمد کی جرأت ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ اور یہی صحیح ہے کہ آنحضرتؐ نے کوئی شاہراہ یا شاہ رگ نہیں تا کی تھی۔ انہوں نے کسی قسم کی اور کسی مقدار میں اور کبھی بھی جارحانہ تدبیر یا عمل نہیں کیا۔ اور واقعی مہاجرین کی کثرت ایسے ہی لوگوں کی تھی جو مصلحت کے ماتحت قریشی اشاروں پر ساتھ ہو گئے تھے اور اب اُن کیلئے بڑی مشکل تھی۔ جنگ کیلئے میدان میں نکلیں تو قریش کا اعتماد اور سہارا کھوئیں، جان بلا ایمان لائے مفت میں ضائع کریں، لڑنے کو نہ نکلیں تو حقیقی مسلمان انہیں منافق قرار دیں۔ اعتماد الگ جائے، رسولؐ کی جانشینی کے خواب پریشان ہو جائیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ اکثر میدان سے خود بھی بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی بھاگ نکلنے کا موقع بتاتے ہوئے پائے جائیں گے۔ اور جان بچانے اور دونوں طرف اعتماد بحال رکھنے کیلئے اکثر مشورہ دینے کے بہانے رسولؐ اللہ کے آگے پیچھے چھپے رہا کرتے تھے مگر خطرہ میں اُن کے پاس بھی نہ ٹھہرتے تھے۔ چنانچہ جنگ احد میں اُن کا اُس وقت کہیں پتہ نہیں چلتا جب رسولؐ اللہ زخمی ہوئے اور آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے حتّٰی کہ جناب فاطمہؑ میدان جنگ میں پہنچ گئیں تھیں۔ مگر یہ حضرات کہیں اتنی دُور چلے گئے تھے کہ بعض بعض تین روز کے بعد پلٹ کر آئے تھے بعض پہاڑوں پر دوڑ کر چڑھ گئے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علامہ نے محض قحطانی مارشل ازم کو جائز قرار دینے کیلئے ایک نہایت معاندانہ اور فریب کارانہ طویل تبصرہ کیا تھا۔ اصل حقیقت اسکے سراسر خلاف تھی۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ قریشی قسم کے مسلمانوں پر پردہ ڈالا جائے۔ اس بیان کی خاص بات بھی نوٹ کر لیں۔

(24/10)۔ کیا رسولؐ اللہ بھی (معاذ اللہ) قریش تھے؟

قارئین اُس دعا کے اوّلین الفاظ پر بھی نظر ڈالیں جو رسولؐ اللہ نے مدنی اور قریشی افواج کو آمنے سامنے دیکھ کر خدا سے مانگی تھی۔ اُس میں علامہ اور تمام علمائے اسلام کے نزدیک یہ فرمایا تھا کہ:۔

''اللّٰھم ھٰذہٖ قریش قد اتت بخیلا ئھا تحاول ان تکذب رسولک...'' الخ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 126)

''خدایا؛ یہ ہیں قریش، اپنے سامانِ غرور کے ساتھ آئے ہیں تا کہ تیرے رسولؐ کو جھوٹا ثابت کریں''؟

ہم عرض کرتے ہیں کہ اگر رسولؐ اللہ بھی خاندان قریش یا قبیلہ قریش یا قوم قریش کے ایک فرد تھے تو یہ دعا یوں زیادہ اپیل کرتی کہ:۔

''خدایا یہ ہیں میرے خاندان، میرے قبیلے کے قریش جو اپنے خاندانی رشتے کا بھی خیال نہیں کرتے اور تیرے رسولؐ کو جھٹلانے کے لئے تیغ بکف مقابلے میں آئے ہیں اور اُن میں ہی کے چند لوگ مجھ پر ایمان لا کر تیرے دین میں داخل ہو چکے ہیں۔ جنہیں فنا کرنے کے لئے یہ لوگ آئے ہیں۔''

قارئین آخری بار سنیں کہ قریش کہتے ہی اس گروہ کو ہیں جو دین خداوندی کا ازلی مخالف ہو۔اور رسولؐ اللہ معاذ اللہ ہرگز قریش نہ تھے۔ یہ سارا بعد کا تیار کیا ہوا افسانہ ہے۔اس میں اتنا بھی صدق نہیں جتنا ایک ناول میں ممکن ہے۔

(24/11)۔ رسولؐ اللہ کا دُعا مانگنا اور قریش کی خدا سے شکایت کرنا بہت ناگوار گزرا

قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب رسولؐ اللہ خدا سے مسلمانوں کی کامیابی کی دُعا مانگ رہے تھے تو جناب ابوبکر نے رسولؐ اللہ کو دعا سے روک دیا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو علامہ محبّ طبری اور محمد اسماعیل بخاری نے لکھا ہے کہ:۔

فاخذ ا بوبکر بیدہ وقال حسبک یا رسولؐ اللّٰہ قد الححت علی ربّک ۔''حضرت ابوبکر نے رسولؐ اللہ کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ بس کریں آپ اللہ کے روبرو کافی گڑگڑا چکے ہیں۔'' (ریاض النضرۃ صفحہ 93 بخاری پارہ نمبر 6 صفحہ 6)۔اس روایت کی تشریح علامہ ابن حجر سے سن لیں فرماتے ہیں کہ:۔

لا یجوز ان یتوھم احدان ابابکر کان اوثق بربّہ من النبیؐ فی تلک الحال ۔''کسی ایک فرد کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس روایت کو دیکھ کر یہ وہم کر بیٹھے کہ رسولؐ سے ابوبکر خدا کے نزدیک زیادہ معتمد تھے۔'' (فتح الباری پارہ 6 صفحہ 6)

اس روایت پر علما میں طرح طرح کی بحثیں ہوئی ہیں اور سب کسی نہ کسی غلط نتیجے پر پہنچے ہیں۔بعض نے ابوبکر کے درجہ کو رسولؐ اللہ کے برابر کرنے کیلئے کہا کہ خود ابوبکر پر الہام ہوا کرتا تھا۔لیکن ہم تو سیدھی سادی پرانی بات جانتے ہیں اور وہ یہ کہ جناب ابوبکر ازدی عالم اور بحیرا راہب کی پیشگوئی کو روبہ عمل آتے ہوئے دیکھ دیکھ کر اتنے پُریقین ہیں کہ کسی دُعا وغیرہ کو فضول سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دعاؤں سے اللہ کے فیصلے نہیں بدلتے، دعا مانگو یا نہ مانگو وہی ہوتا ہے جو خدا نے لکھ رکھا ہے، وہ دعا کے قائل نہیں۔ پھر چونکہ اس دعا میں قریش کی کھلی مذمت ہورہی تھی جو ناقابل برداشت تھی اس لئے آپ نے اس دعا کو منقطع کر دیا۔اُدھر رسول اللہ دعا کے قائل ہیں، دعا کو واجب قرار دیتے ہیں اور خدا کو یہودی مذہب کی طرح مغلولۃ الید نہیں مانتے۔ پھر اُنہیں تمام مسلمانوں کے دلوں کو خدا کی طرف رجوع کرانا تھا اور بلند آواز سے یہ اعلان کرنا تھا کہ اس جنگ میں ہماری فتح ہمارے صدق کا ثبوت ہوگی اور یہ کہ خدا نے کامیابیوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔اور یہ بات قریش کے ایک ہزار افراد کے کان میں دعا کے بغیر نہ جاسکتی تھی۔اور فتح کے بعد باقی ماندہ قریش یہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ رسولؐ اللہ نے سرمیدان قریش کو جھوٹا ثابت کر دیا ہے۔ پھر رسولؐ اللہ کا فی الحال مشن یہ ہے کہ وہ علم غیب اور مستقبل کا حال بیان نہ کریں بلکہ ظاہری حالات پر احکام و دعا اور پروگرام کا دارومدار رکھیں۔ یہ آگے بڑھ کر یہ کیوں بتاتے کہ رسولؐ اللہ نے ابوبکر کو اس غلط عقیدے اور جسارت پر ڈانٹا اور دعا جاری رکھی یہاں تک کہ مژدہ فتح مادی طور پر دیا گیا۔ جناب ابوبکر کا دعا سے روکنا دراصل ایک فلسفیانہ تصور ہے اور قریش کی مذمت اور خدا سے شکایت نہ کرنے دینا بھی حکمت عملی سے خالی نہیں ہے۔مسلمانوں کے فلاسفروں میں اکثر یہ دونوں عقائد پائے جاتے رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ خدا نے جو کچھ کرنا تھا وہ طے کر کے فیصلہ کر چکا ہے اور اب ہر کام، ہر فعل اور ہر واقعہ اسی فیصلہ کے ماتحت وجود میں آتا چلا جائے گا۔ دعائیں، کوششیں اور فکر و تدبر بھی اس میں تبدیلی نہیں کرسکتیں۔ پیش آنی ہے وہی جو پیشانی میں ہے۔

بعد میں دوسو سال تک حکومتوں کا یہی مذہب تھا کہ یہاں دنیا میں جو کچھ ہوتا یا کیا جاتا ہے وہ خدا کے حکم و قدرت سے ہوتا ہے۔

انسان مجبور ہے کہ تقدیرات کے ماتحت کام کرے۔ لہٰذا آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے وہ خدا کی تعمیل میں کرتا ہے۔ اُسی عقیدہ کی روشنی میں عرب کے مشرک علما کہتے تھے کہ اگر خدا نے نہ چاہا ہوتا تو ہم نے شرک اور فلسفہ اشتراکیت کو اختیار ہی نہ کیا ہوتا۔ تم جسے فحش کہتے ہو۔ اس پر عمل کرنے کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے (آل عمران 3/26)۔ اسی اصول پر یزید نے کہا تھا کہ فتح وشکست، عزت وذلت خدا عطا کرتا ہے اور اسی نے اس کو فتح وعزت دی ہے اور خدا ہی نے حسین علیہ السلام کو شکست اور اُنکے خاندان کو ذلیل کیا ہے۔ اسکے خلاف نہ کوئی وحی اتری نہ کوئی فرشتہ آیا تھا۔ لہٰذا ہر قاتل خدا کا مطیع ہے، ہر مقتول خدا کے حکم سے قتل کیا جاتا ہے، انسان کے تمام افعال اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ نہ قاتل کو برا کہو نہ قریش کی مذمت کرو، سب خدا کے حکم کے مطابق اپنا اپنا کام کررہے ہیں۔ اس مذہب کے بانی اسلام میں جناب ابوبکر ہیں اور یہ مذہب آج بھی نصیب، تقدیر اور قسمت کے نام پر ہر گھر میں مذکور ہوتا رہتا ہے، شیعہ سنی کی اس میں قید نہیں ہے۔ مستورات سو فیصد اس عقیدے میں پختہ ہیں۔ مردوں میں اٹھانوے فیصد اُسکو مان لیتے ہیں۔ دو فیصد مردوں میں کچھ مخالف ہیں مگر عمل اُسی پر ہے۔ کچھ قولاً وعملاً دونوں طرح مخالف ہیں اور اصل حقیقت کو جانتے اور بیان کرتے ہیں۔ اور ہمیں ساری عمر ہوگئی ہے کہ ایم اے، ایم ایس سیز (M.A.,M.Sc) تک کو یہ عقیدہ سمجھانا پڑتا رہا ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں بھی مسئلہ جبر وقدر سے واقفیت نہیں ہے۔ اہل سنت والجماعت کا نہایت صلح کل اور مفاہمت سے بھرپور یہی مسئلہ ہے جسکی وجہ سے وہ ایک طرف جناب امام حسینؑ علیہ السلام اور خانوادہ رسولؐ کے قتل عام پر اشک ریز ہوتے ہیں، فاتحہ درود خیر خیرات کرتے ہیں۔ دوسری طرف یزید، معاویہ، ابن سعد کی بخشش کے امیدوار ہیں۔ وہ ظالم ومظلوم، لاعن وملعون، قاتل ومقتول اور فاعل ومفعول دونوں کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ایسا چاہا کہ یزید وشمر وعمر وسنان..... حسین علیہ السلام اور خاندان رسولؐ کے ساتھ ایسا کریں۔ اور امام حسینؑ اور متعلقین سے چاہا کہ وہ صبر دکھائیں اور قتل ہوجائیں۔ یہ عقیدہ عملی حیثیت سے جناب ابوبکر نے اور اُن کے شرکائے کار نے مسلمانوں میں پختہ کیا، اس پر عمل کرایا، اسکی تعلیم کو آگے بڑھایا لیکن اُن سے پہلے بھی یہ عقائد واعمال دنیا میں موجود تھے۔ خصوصاً عرب کے مشرکین یا اشتراکیئن کا یہی عقیدہ تھا۔

25۔ جنگ بدر پر قریش اور قریشی مسلمان قرآن کی نظر میں

علامہ کے طویل بیان پر اس قدر اور سُن لیں کہ جب قریش نے مدینہ میں یہود ونصاریٰ اور اَوس وخزرج و دیگر قبائل سے مراسلت کی اور بار بار وفود بھیجے تاکہ آنحضرتؐ اور مہاجرین کو واپس نکال دیا جائے یا نصرت وتعاون کے معاہدوں کو منسوخ کردیا جائے۔ اور دباؤ ڈالا کہ ہم سیاسی ومعاشی بائیکاٹ کریں گے اور ضرورت ہوگی تو فوج کشی کریں گے اور یہ ہماری تجارت کی شاہراہ ایک عالمی اور بین الملکی ومملکتی شاہراہ ہے جس کے تحفظ کے لئے نہ صرف سارا عرب اٹھ کھڑا ہوگا بلکہ جن جن ملکوں سے ہماری تجارت ہوتی ہے اُن کا مفاد بھی جب ہی محفوظ رہ سکتا ہے جب کہ وہ بھی اُس عالمی شاہراہ کی حفاظت میں ہم سے تعاون کریں۔ لہٰذا محمدؐ کے طرفدار سمجھ لیں کہ وہ ساری دنیا کو للکار رہے ہیں، لہٰذا اپنی خیر مناؤ۔ محمدؐ اور اُسکے مکی خاندان کے افراد کو واپس کردو ورنہ تباہی اور بربادی کے لئے تیار ہوجاؤ۔ اس کے ساتھ ہی مکہ کے تاجروں اور سرمایہ داروں اور تجارت میں روپیہ لگانے والوں کو معلوم تھا کہ ابوسفیان عنقریب لاکھوں روپے کا مال تجارت

لے کریمن وشام سے آنے والا ہے اور کل تیس آدمی اُس کے ہمراہ ہیں۔ ایک ہزار اونٹوں کا مال سے لدا ہوا قافلہ مدینہ کے قرب وجوار سے گزرے گا۔ ہوسکتا ہے کہ شر پسند لوگ محمدؐ کے نام پر کوئی پیش قدمی کر گزریں تو مکہ کے یتیموں، بیواؤں، غربا اور مہاجنوں کا لگا ہوا سارا سرمایہ لٹ جائے گا۔ مکہ کا ہر آدمی ایک قلاش فقیر ہو کر رہ جائے گا۔ اس فطری، قومی اور معاشی ضرورت کے ماتحت مکہ کے تمام سرداروں نے مل کر مذکورہ شاہراہ اور خود اہل مدینہ کی نگرانی شروع کی۔ مدینہ کے اندر اپنا خفیہ ہیڈ کوارٹر بنایا۔ خفیہ اس لئے کہ عبداللہ بن ابی جس کو منافقوں کا رئیس مشہور کر کے قریشی مسلمانوں اور حکومتوں نے تمام تخریبی کاروائیوں کا رخ اصلی مرکز سے اُس کی طرف موڑا ہے، جس نے قریش کی کھلم کھلا طرفداری سے انکار کر دیا تھا اور اپنے قبیلہ اَوس کے دباؤ سے ڈرتا تھا۔ البتہ مکہ کے یہود تاجروں میں سے بعض مشترکہ مفاد کی بنا پر قریش کے ساتھی بن گئے تھے۔ مگر وہ اس لئے مجبوراً خاموش اقدام کرتے تھے کہ رسولؐ اللہ نے آتے ہی سب سے پہلے اُن ہی سے معاہدہ کر لیا تھا۔ اُدھر آپؐ کی اخلاقی خوبیاں، پیاری نصیحتیں اور روادارانہ سلوک مدینہ کے تمام افراد کی زبانوں پر تھا۔ کسی کے عقائد سے بحث، چھیڑ چھاڑ، طعن وطنز یہاں ممنوع تھا۔ نیکی میں سب سے تعاون کا حکم، عام غلطیاں کوتاہیاں نظر انداز کرتے رہنے کا مستقل عمل درآمد اپنے پرائے کے دلوں میں اُتر چکا تھا۔ رسولؐ کی طرف کسی سوءظن رکھنے والے کا مدینہ میں منہ نوچ لیا جاتا تھا۔ لہٰذا یہود ہوں یا نصاریٰ، مسلم ہوں یا غیر مسلم، کہیں مشرکین مکہ کو بہکانے اور رسولؐ کے خلاف کوئی بری بات کہنے یا اُن سے کسی ناپسندیدہ فعل کے سرزد ہونے یا غلط حکم دینے کو کوئی ماننے کو تیار نہ تھا۔ اس لئے صرف ایک ہی راستہ تھا اور وہ قریشی قسم کے مسلمان گروہ کا سہارا تھا۔ اور یہ گروہ بھی خالصتاً مشرکین کے لئے کام نہیں کر رہا تھا بلکہ اُن کا دوہرا مقصد تھا۔ اوّل یہ کہ رسولؐ کی جانشینی کی پیشگوئی تک پہنچنا اور دوم یہ کہ اس سلسلے میں مکی مرکز سے بوقت ضرورت مالی اور افرادی مدد ومشورہ لینا۔ لہٰذا مشرکین کا یہ مسلمان بازو بھی کھل کر نہ رسولؐ اللہ کی مخالفت کر سکتا تھا نہ کھل کر مکی مرکز کی حمایت کر سکتا تھا۔ لہٰذا قریش مجبور تھے کہ اس خفیہ ہمدردی وطرفداری وسراغرسانی اور مراسلت ہی پر صبر وقناعت کریں۔ البتہ مکے سے آنے والے حضرات اُدھر مسلمانوں میں کھلم کھلا قیام کرتے اور مہمان رہتے تھے۔ اِدھر یہود ونصاریٰ بھی اُن کو منع نہ کرتے۔ قریشی مسلمانوں سے اُن کی رشتہ داریاں تھیں اور اسلامی تعلیم مہمان نوازی پر زور دیتی تھی۔ اعزہ کا اکرام وعزت منع نہ تھا، صاحبان عزت کے احترام کا حکم تھا۔ لہٰذا مکے کے قریش جب چاہیں جتنے چاہیں مدینہ میں خود مسلمانوں کے گھروں میں قیام کر سکتے تھے اور کرتے تھے۔ لہٰذا وہ سب رسولؐ اللہ کے اقدامات اور منصوبوں سے اتنا ہی واقف رہتے تھے جتنا کہ مسلمان۔ مکہ والوں کی اسکیمیں معلوم کرنے کا کوئی مادی ذریعہ نہ تھا۔ خانوادہ رسولؐ کے تمام افراد پہلے ہی مکہ سے باہر تھے اور اب مدینہ میں جمع ہو گئے تھے۔ صرف وحی خداوندی باخبر رہنے کا ذریعہ تھی اور یہی سب سے معتمد اور وسیع ترین ذریعہ تھا۔ ان حالات میں رسولؐ اللہ کے لئے لازم تھا کہ مسلمانوں کو ہر بات علی الاعلان نہ بتائی جائے ورنہ کوئی اسکیم محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ سبب تھا کہ رسولؐ اللہ نے چند ایسے انتظامات فرمائے جو عوام الناس کی علمی سطح سے بلند رکھنا ضروری تھے تاکہ مسلمانوں کے ذریعہ مشرکین ہر اقدام سے واقف نہ ہو سکیں۔ آپکو معلوم ہو چکا ہے کہ عقبہ اولیٰ ہی کے زمانہ سے مدینہ میں بارہ نقیب برسر کار تھے۔ مدینہ آکر نقابت کے اس نظام کو اور وسیع کر دیا گیا۔ یہاں پر لطف کی بات یہ ہے کہ وہ جماعتیں جن کو مُلا حضرات تاختی جماعت کہتے ہیں، اُن کے اغراض ومقاصد کا نام ''سِرِّیَّہ'' یعنی راز سربستہ کہا گیا ہے۔ یعنی مولوی لوگ یہ زبان بولتے اور لکھتے

چلے آئے ہیں کہ رسول اللہ نے اتنے سرّ یے اور اتنے غزوات کئے ہیں۔ علامہ شبلی وغیرہ نے غزوہ اور سِرّیَّہ وغیرہ کے فرق بیان کرنے میں (سیرۃ جلد اوّل صفحہ 587) مولویانہ زور لگایا ہے۔

ہمیں بلا بحث یہ بتانا ہے کہ جہاد کی ذیل میں ہر کوشش آتی ہے۔ قتال میں مسلح کوشش داخل ہے۔ غزوہ اجتماعی مقاصد کے لئے اجتماعی اور اعلانیہ کوشش کو کہتے ہیں جس میں جانی تحفظ کا انتظام ہو۔ ''سِرّیَّہ'' خفیہ مشن کہلاتا ہے جس کی اطلاع عوام کو نہیں دی جاتی۔ اُسی طرف لفظ نقیب اشارہ کرتا ہے۔ آپ نقاب کے معنی جانتے ہیں۔ نقابت وہ کام ہے جو نقیب کرے گا۔ اور جہاں ضروری ہوگا اپنے اقدام کو زیرِ نقاب کردے گا۔ نقب لگانے کے معنی بھی آپ جانتے ہیں۔ تقیہ ہمارے یہاں کا بڑا مشہور لفظ ہے اور قاعدہ کے مطابق اس کے معنی بھی مولویانہ دست برد کی نظر ہو گئے ہیں۔ ہر وہ کام جس میں تقویٰ کو ہر حیثیت سے ملحوظ رکھ کر نتیجہ برآمد کرنا لازم ہو۔ توریہ بھی ایک لفظ ہے؛ ایسا کلام کرنا کہ مخاطب مطمئن ہو جائے۔ اُس کو صحیح بات بھی معلوم نہ ہو سکے اور جھوٹ بھی نہ بولا جائے۔ یہ سب کچھ اس لئے لکھا گیا کہ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ مسلمانوں کے تحفظ کے لئے اور مشرکین مکہ کے سراغ رساں قریشی مسلمان گروہ سے بچنے کے لئے نقیب و نقابت۔ سِرّیات و توریہ و تقیہ کے اسلحہ استعمال کئے جائیں۔ حتّٰی کہ وحی بھی اس انداز سے تلاوت کی جائے کہ یہ اصول نہ ٹوٹنے پائے۔ جہاں نام ضروری ہوں فلاں یا فلاناً فرمادیا جائے کہ مخالف محاذ سمجھ تو جائے مگر اتفاق رائے حاصل نہ کر سکے اور مشرکین کے مدنی خفیہ محاذ کو ناکام کردیا جائے۔

(25/2)۔ خفیہ مشن (سِرّیَّہ) سے ایک غلطی جو جنگ بدر کا ثانوی سبب بن گئی

مندرجہ بالا اغراض و مقاصد کے لئے قریش نے نگران دستے چاروں طرف پھیلا دیئے تو مدینہ کے باشندوں کو نقصان بھی پہنچانا شروع کیا تو داخلی و خارجی تحفظ کے لئے رسولؐ اللہ نے بھی خفیہ مشن شروع کردیا۔ جس سے سراغ رسانی سے لے کر مسلح تحفظ تک کا انتظام کیا گیا اور اس کے بعد قریش کے پھیلے ہوئے نگران دستوں کی جارحانہ کاروائیاں مفلوج ہو گئیں اور اہل مدینہ مزید نقصان سے محفوظ ہو گئے۔ اس خفیہ انتظام کا ہر جگہ بھُوت کی طرح مل جانا قریشی انتظام کو مرعوب کررہا تھا۔ اُدھر ابوسفیان کا قافلہ ملک میں داخل ہو چکا تھا۔ چونکہ اُس شاہراہ کے داہنے بائیں کے قبائل سے آنحضرتؐ معاہدات کر چکے تھے اس لئے قریش کی دشمنی چاروں طرف مشہور ہو چکی تھی۔ اور بہت ممکن تھا کہ کوئی قبیلہ راہ میں قافلہ کو اس لئے لوٹ لے کہ نام تو مسلمانوں کا ہوگا اور قریش فوراً یقین کرلیں گے کہ یہ کام مسلمانوں ہی نے کیا ہوگا۔ اس لئے رسولؐ اللہ کے لئے تو یہ لازم ہو گیا تھا کہ ابوسفیان کے قافلے کو بلا خوف و خطر محفوظ گزرنے میں مدد دی جائے۔ لہٰذا آپ نے گرد و نواح کے قبائل پر نظر رکھنے اور اس تحفظ کے متعلق انتظام کرنے کی ذمہ داری بھی اُسی خفیہ مشن کے حوالے کردی۔ ظاہر ہے کہ اُس خفیہ مشن کے تفصیلی حالات نہ عام ہو سکتے تھے نہ تاریخ اُن کو صحیح طور پر جمع کرسکتی تھی۔ نہ اس میں ایسے افراد تعینات کئے جاسکتے تھے جو اس راز کو فاش کریں۔ اس لئے مؤرخین کا یہ کہنا غلط ہے کہ اُس میں انصار کو نہ بھیجا جاتا تھا۔ اُس مشن میں جو لوگ بھی کام کررہے ہوں اُن کو مخصوص قابلیت و اعتماد کے افراد ہونا لازم تھا۔ اُن میں سے ایک پارٹی پر قریش کے تجارتی قافلہ کو شبہ ہوا۔ یہ اندرون ملک تجارت کے مشن پر تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی اس پارٹی پر رعب ڈالنا شروع کیا اور انہیں تصادم پر مجبور کردیا۔ آپ جانتے ہیں کہ مسلم افراد کا تحفظ

اُن کا ایمان کرتا ہے۔ وہ قافلہ اِن تین چار مسلمانوں کے ہاتھ سے شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اُن کا ایک آدمی عمرو بن الخزرمی مارا گیا۔ دو آدمی عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کسان کو گرفتار ہونا پڑا۔ جو سامان وہ چھوڑ گئے تھے، اُسے مسلمان جماعت نے مدینہ پہنچانے کے لئے سفر کیا۔ جناب عبداللہ بن جحش نے وہ سامان رسولؐ اللہ کے حضورؐ پیش کیا اور واقعہ سنا دیا۔ اس حادثہ میں دو تین قانونی پہلو الجھتے تھے۔ اُس کو قرارواقعی طور پر حل فرمانے کے لئے اور بے دین لوگوں تک کو مطمئن کرنے اور انصاف وعدل کا انتہائی معیار واضح کرنے کے لئے پہلے اظہار ناراضگی فرمایا۔ مال لینے سے انکار کر دیا تاکہ آئندہ ذمہ دار لوگ زیادہ سے زیادہ احتیاط مدنظر رکھیں۔ چونکہ قتل اس مہینہ میں ہوا تھا کہ اس میں تلوار اٹھانا منع تھی۔ اور یہ کفار کے یہاں بھی مسلمات میں سے تھا۔ لہٰذا آپ نے خون بہا کی رقم مکہ میں وارثین کو بھجوا دی۔ دونوں قیدیوں کو فدیہ پر آزاد کر دیا اور قانون سنا دیا کہ:۔

يَسْـئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْـهُ اَكْبَـرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَـدِدْ مِنكُمْ عَن دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓـئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓـئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ o (البقرة 2/217)

تم سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ اسلام میں حرمت والے مہینوں میں قتل اور جنگ کی کیا پوزیشن ہے؟ ان کو بتا دو کہ اُن مہنیوں میں قتل اور جنگ کی وہی پوزیشن ہے اور حرمت بدستور بزرگ ہے۔ مگر خدا کے کھلے راستوں میں رکاوٹ ڈالنا، خدا سے کفر کرنا، بیت اللہ کی زیارت منع کر دینا اور بیت اللہ کے حقیقی اہل کو جلاوطن کر دینا زیادہ بزرگ قوانین کی خلاف ورزی ہے جو حرمت کے مہنیوں میں قتل اور جنگ سے زیادہ بڑے جرائم ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک فتنہ وفساد پھیلانا قتل سے بدتر گناہ ہے۔ لہٰذا اُن کے اعتراض کو کیسے خاطر میں لایا جا سکتا ہے۔ جبکہ انہوں نے یہ طے کر لیا ہو کہ جب تک مسلمانوں کو ان کے دین سے مرتد نہ کر دیں گے، ہر حال و ہر ماہ میں جنگ جاری رکھیں گے۔ اور سنو تم میں سے جو کوئی اسلام سے مرتد ہوگا، اس کی موت واقع ہو جائے گی، اسکے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ دنیا و آخرت میں فائدہ نہ ہوگا اور ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ یہ قانون نافذ کرنے تک عبداللہ بن جحش اور اُس کے ساتھی نظام عدل کو سمجھ چکے تھے۔ سارے شہر میں حتّٰی کہ مکہ تک رسالتؐ کے بے لاگ عملدرآمد کی دھوم پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ آیات نے اُس جماعت کا سر بلند کر کے زیادہ ذمہ دار بنا دیا۔

(25/3)۔ قریش کی فوج کشی اور جنگ بدر کا سامان

ابوسفیان رسولؐ اللہ کے انتظامات کی دھوم ہر منزل پر سنتا، بڑھتا اور ڈرتا چلا آ رہا تھا۔ آخر اس نے حفظ ماتقدم کے لئے مکہ سے مدد کی روانگی کے لئے قاصد بھیج دیا اور قاصد نے مکیوں کو گرم کرنے کے لئے پورا ڈرامہ دکھا دیا۔ یہاں پہلے سے تیاری کئے بیٹھے تھے، آناً فاناً روانگی ہوگئی۔ روانگی کی یہ دھوم مدینہ پہنچی تو رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے سفر شروع کر دیا۔ تاکہ یہ یقین فراہم ہو جائے کہ تمام مسلمان مدینہ میں موجود تھے اور قافلہ کو لوٹنے کے لئے اِدھر سے کوئی پیش قدمی نہیں کی گئی ہے اور مدینہ سے سفر بھی ایسے رخ میں کیا کہ ہر دیکھنے والا اس سفر کو مکہ کی طرف سفر سمجھے۔ مقام بدر پر آ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ موقع فراہم ہونے سے ابوسفیان بہ سہولت قافلہ کو نکال لے

گیا اور قریشی لشکر کو پیام بھیج دیا کہ واپس آ جاؤ ہم محفوظ پہنچ رہے ہیں۔ مگر ابوجہل جو سردار لشکر تھا اس نے سوچا کہ جب اتنا سفر کر ہی لیا تو ذرا اہل مدینہ کو کیوں نہ گرم کرتے چلیں۔ لوگوں نے اس سے اختلاف کیا مگر اُس نے خون بہا وصول ہو جانے کے بعد بھی عمرو بن الخزرمی کے قصاص کا ڈھونگ رچوا دیا اور آخر اُسے اس کی موت رسولؐ اللہ کے روبرو کھینچ لائی۔ اور دونوں فوجیں آمنے سامنے قیام پذیر ہو گئیں۔ ایک نے دوسرے کی تعداد کا جائزہ لیا تو مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت ابوجہل کی نگاہ میں ایک حقیر ترین شکار سے زیادہ نہ تھی۔ اس لئے اُسے یقین ہو گیا کہ اب محمدؐ کے دعاوی کو سر میدان جھوٹا ثابت کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اور یہ کہ اگر وہ واپس چلا گیا ہوتا تو کیسا سنہری موقع ہاتھ سے نکل گیا ہوتا۔ ہم کہتے ہیں کہ ابوجہل اور بھی خوش ہوا ہوتا اگر اُسے کم از کم اتنا علم اور ہو گیا ہوتا جتنا علامہ مودودی کو ہے۔ کاش اُسے وہ آیت بھی معلوم ہوتی جس میں اللہ نے قریشی قسم کے مسلمانوں کا حال بیان کرنا تھا جو مصلحتاً جنگ کے بعد تلاوت کی جائے گی۔

(25/4)۔ بدر کے روز کس قسم کے مسلمانوں کی کثرت میدان جنگ میں موجود تھی؟

ابوجہل یہ سمجھ رہا ہو گا کہ رسولؐ اللہ کے ساتھ آنے والے لوگ اُسی قسم کے سخت جان اور جان نثار ہوں گے جو تین سال تک شعب ابی طالبؑ میں اپنی وفاؤں کا ثبوت دے چکے تھے۔ لیکن ہم بتا چکے ہیں کہ مدینہ میں قریشی قسم کے مسلمانوں کی کثرت موجود ہے جن میں سے کوئی بھی مرنا تو مرنا ہے دردِ سر بھی پسند نہیں کرتا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم قرآن کریم سے قریشی مہاجرین اور ان کے تیار کردہ مسلمانوں کو پیش کریں۔ قرآن کہتا ہے کہ ایک وقت وہ تھا کہ یہ قریشی مومنین اپنا اعتماد قائم کرنے کے لئے اور مشرکین مکہ کے خلاف اپنی مصنوعی دشمنی ظاہر کرنے کے لئے اٹھتے بیٹھے تقاضہ کیا کرتے تھے کہ؛

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ o طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ o فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ o اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ o اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا o اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ o ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ o فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ o ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ o اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ o وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ o وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ o اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ o (محمدؐ 47/20-32)

ہمیں مکہ والوں سے جنگ کرنے کی اجازت کیوں نازل نہیں ہوتی۔ اور جب اللہ نے ایک ایسی محکم سورۃ نازل کر دی جس میں جنگ کی اجازت اور تفصیل ہے۔ تو تم ان کو دیکھ رہے ہو جن کے دلوں میں مرض شرک دورہ کر رہا ہے کہ وہ اب تمہیں اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہکا بکا ہو کر اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسا کہ اُن پر موت نے اپنا تسلط جما کر حالت نزاع طاری کر دی ہو۔ چنانچہ ان پر ایک ولی کو

متعین کر دیا ہے۔اُنہیں چاہئے تھا کہ اطاعت کرتے اور پسندیدہ طریقہ اختیار کرتے اور جب کسی حکم کو نافذ کر دیا جائے تو اللہ کی تصدیق کرتے تو انکے لئے بہتر تھا۔پس کیا ہو تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قرابتیں اپنی (علامہ رفیع الدین مرحوم)۔یعنی کیا اگر تم پیشگوئی کے مطابق نبیؐ کی ولایت اور جانشینی پر قابض ہو جاؤ تو دنیا بھر میں فساد مچادو گے اور اپنی تمام ارحام کو یعنی جنسی پابندیوں کو اٹھا لو گے۔یہ وہی جماعت ہے جن پر اللہ نے لعنت کی ہے جنہیں بہرا کر دیا ہے۔جن کی آنکھوں کو حق بینی سے اندھا کر دیا ہے۔کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ اِن کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہوں۔یقیناً ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد اپنے سابقہ مذہب پر واپس لوٹ جائیں گے۔شیطان نے ان کو جھانسا دے دیا ہے۔اور اُنہیں طویل اسکیم میں مبتلا کر دیا ہے۔اسی لئے اُنہوں نے دین کے ناپسند کرنے والوں سے یہ معاہدہ کر رکھا ہے کہ ہم بعض معاملات میں تمہاری سو فیصد اطاعت کریں گے۔اللہ اُن کے پوشیدہ منصوبوں سے واقف ہے۔اُن کا اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے اُن کی روحوں کو اُنکے اجسام سے جدا کرتے ہوئے ان کے چہروں پر اور پشت پر ضربیں لگائیں گے۔یہ اسلئے کیا جائے گا کہ انہوں نے اللہ کے ناپسندیدہ راستہ کو اختیار کیا اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کو بُرا سمجھا۔چنانچہ اللہ نے ان کے آج تک کے نیک اعمال ضائع کر دیئے۔کیا یہ دلوں میں شرک پوشیدہ رکھنے والے لوگ یہ سمجھتے رہے ہیں کہ اللہ ان کے دلی بغض وحسد کو چھپا تا ہی چلا جائے گا۔اگر ہم چاہیں تو ابھی ابھی ان کو تمہارے سامنے اٹھا کر دکھا دیں اور تم ان کا باقاعدہ سب سے تعارف کرا دو۔اور تم سے تو ہم ضرور ہی ان کے لب ولہجہ کا تعارف کرا چکے ہیں اور اللہ تو ان کے اعمال کو جانتا ہی ہے۔سنو کہ ہم تم سب کو ایسی آزمائش میں ڈال رہے ہیں جس سے تم میں کے صبر سے جہاد کرنیوالے سب کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے اور پھر تمہاری باقی خبروں کو بھی آزما لیا جائے گا۔یقیناً جن لوگوں نے حق کو چھپانے اور اللہ کی راہیں روکنے اور رسوؐل اللہ کو مشقتوں میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہے اور اُن پر ہدایت واضح ہو چکی ہے۔وہ اللہ کا ذرہ برابر نقصان نہ کر سکیں گے۔اور بہت جلد ہم ان کے اچھے اعمال کو ضائع کر دیں گے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَ عَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَo(بقرہ 2/216)

انہی لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ: تم پر مخالفین اسلام کے ساتھ جنگ کرنا واجب کیا گیا ہے۔اور وہ تمہیں بہت ناگوار گزر رہا ہے۔عنقریب ایسا ہوتا ہی رہے گا کہ تمہیں ایک حکم دیا جائے گا جسے تم ناپسند کرتے ہو گے۔لیکن اس کا نتیجہ تمہارے لئے حقیقتاً بہتر ہوگا۔اور ایسا بھی ہوگا کہ تمہیں ایک بات بہت محبوب ہو لیکن اس کا نتیجہ تمہارے لئے بہت بھیانک نکلے۔بات دراصل یہ ہے کہ اللہ ہر چیز کا حقیقی علم رکھتا ہے اور تم اُس کے علم سے بے علم ہو۔

(25/5)۔ مدینہ سے نکلنے اور بدر تک پہنچنے کا قریشی نظارہ

جس سورہ پر آپ نے علامہ مودودی کا تھکا دینے والا تبصرہ پڑھا تھا، اب آپ اس سورہ کی قرآنی عبارت پر نظر ڈالیں تو آپ کو وہ بحث ملے گی جس میں پہلے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ میدان جنگ میں لوٹ مار جائز ہے یا نہیں۔اور وہ مال جو دشمن سے میدان جنگ میں

حاصل ہو، اُس میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا ہے کہ نہیں۔ اس بحث کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ترکیب سے کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھا اور یہ کہہ کر بات ختم کردی کہ حقیقی مومن بننے کی کوشش کرو تو تمہیں سب کچھ ہی مل جائے گا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسولؐ سے خطاب میں فرمایا کہ:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ o يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ o وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ o لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ o اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ o وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ o (الانفال 8/5-10)

جب آپؐ کے پروردگار نے آپ کو اس لئے آپ کے گھر سے نکالا کہ آپ حق کی مستحکم بنیاد قائم کردیں تو مومنین میں سے ایک گروہ کو بہت ہی ناگوار گزرا اور اُنہوں نے تمہارے ساتھ اس لئے جھگڑا شروع کردیا کہ آپؐ کیوں قریش پر حق نافذ کرنے جا رہے ہیں؟ حالانکہ اُن کو اُس کی بڑی واضح ضرورت بتائی جا چکی تھی۔ اُن جھگڑا کرنے والے مومنین کا اُس وقت یہ حال تھا کہ گویا تم انہیں گھیر کر موت کے منہ میں ہانک رہے ہو۔ اور وہ سامنے کھڑی ہوئی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ یہ خوف و دہشت و بدحواسی اُس حالت میں بھی سوار تھی جب کہ اللہ یہ وعدہ کر چکا تھا کہ قریش کے دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ کو تمہارے قابو میں دے دیا جائے گا۔ مگر تم اپنی بزدلی اور لالچ کی بنا پر یہ چاہتے تھے کہ تم کو مال سے لدا ہوا غیر محفوظ اور کمزور قافلہ ہاتھ لگ جائے۔ اور تم اُسے آسانی سے لوٹ لو اور اُدھر قریش مدینہ کو لوٹ کر عورتوں اور بچوں کو تہہ تیغ کر کے تمہیں آ گھیرتے اور تم سفید جھنڈی دکھا کر محفوظ ہو جاتے اور رسولؐ معہ حقیقی مومنین کے میدان میں ڈھیر کر دئے جائیں اور یوں تم مشرکین مکہ کا حق نمک اور قومی حصہ ادا کرنے میں کامیاب ہو جاؤ اور حق مٹ جائے۔ لیکن اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری قریشی اسکیم کو ناکام کر کے حق کو مستحکم طور پر قائم کردے اور باطل کو قطعی طور پر واضح کر کے منکرین حق کی جڑیں کھود کر نکال دے تاکہ حق و باطل الگ الگ اپنی حقیقی صورت میں سامنے آجائیں۔ حالانکہ تم اور تمہارے مرکز کے جرائم پیشہ لوگوں پر ہماری یہ اسکیم کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔ اور اے حقیقی مومنین جب تم اللہ سے مدد کی دعا کر رہے تھے تو ہم نے رسوؐل کو جواباً بتا دیا تھا کہ پے در پے تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتہ بھیجنے کا پروگرام بنا ہوا ہے۔ یہ خبر ہم نے اس غرض سے دے دی تھی کہ تمہارے قلب مضبوط اور خوش و مطمئن ہو جائیں۔ اور وہ لرزاں و ترساں قریشی مسلمان ڈر ڈر کر اپنا خون خشک کرتے رہیں۔ یوں تو ہر مدد و نصرت اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ خواہ پہلے سے خوشخبری دی جائے یا نہ دی جائے۔ (الانفال 8/5-10)۔ اور پھر وہ بات بھی تو نوٹ کرنے کی ہے کہ:۔

''تمہیں اس قدر اطمینان اور بے فکری حاصل ہوگئی کہ میدان جنگ اور سامنے خوفناک دشمن کی کثرت اور تمہیں بستر راحت کی طرح غنودگی آنے لگی تھی۔ پھر اللہ نے آسمان سے دھڑا دھڑ پانی برسانا شروع کیا کہ تم غسل کرلو، پاک صاف ہو جاؤ اور پینے کے لئے پانی کا ذخیرہ جمع کرلو۔ اور شیطان کی طرف سے کوئی جنگی کمزوری تمہارے لئے بہانہ نہ بن سکے۔ اور ریت پانی سے جم جائے تاکہ تم بوقت جنگ قدم جما کر مقابلہ کرو اور دلجمعی سے فتح حاصل کرو۔ اُدھر قریش کی طرف پھسلن ہو جائے اور اُن پر یہ بارش مصیبت بن جائے۔

ساتھ ہی ہم نے فرشتوں کو وحی کردی کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ چلو مومنین کے قلوب میں اعتماد وقوت پیدا کرو اور کافروں کو خوب مرعوب اور خوفزدہ کردو۔ اُن کی گردنوں اور جوڑ بند پر خوب ضربیں لگاؤ۔ تاکہ اُن کو رسولؐ اللہ کو مشقت میں ڈالنے اور مومنین کی جماعت میں ابتری پھیلانے کی خاطر خواہ سزا ملے۔'' (انفال 13-8/11)

(25/6)۔ جنگ بدر میں قریشی مسلمانوں سے متعلق آیات پر ایک نظر

قارئین کرام یہاں رُک کر یہ غور فرمائیں کہ قرآن کریم نے کس تفصیل اور واضح طریقہ پر جنگ بدر کا ریکارڈ ہم تک پہنچایا ہے۔ اگر ہمیں اختصار کا خیال دامنگیر نہ ہوتا تو آپ دیکھتے کہ سینکڑوں صفحات خالص قرآن کے ریکارڈ سے لبریز ہو جاتے۔ لہٰذا دامن ہمارا تنگ ہے قرآن کے یہاں کمی نہیں ہے۔ دوسری چیز یہ سوچنے کی ہے کہ مذکورہ آیات منافقین کا ذکر نہیں کر رہی ہیں نہ کہیں اب تک لفظ منافق آیا ہے۔ قرآن کھول کر مومنین کی دو قسمیں اور ان دونوں اقسام کے تصورات وعقائد واقوال پیش کر رہا ہے۔ منافقین تو مومن ہوتے ہی نہیں ہیں۔ اُن کو مومن کہا ہی نہیں جا سکتا۔ خصوصاً اللہ تو اُن کو مومن کہہ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ البتہ مسلمان غلطی سے روزہ نماز کی بنا پر منافقین کو مومنین کہہ اور سمجھ سکتے ہیں۔ مگر یہاں تو اللہ اور قرآن کی بات ہو رہی ہے۔ یقیناً مسلمانوں میں ایک گروہ بلکہ کثرت ہمیشہ سے ہے جو یہ تو مانتا ہے کہ مسلمانوں میں منافق بھی شامل تھے مگر وہ اس بات کو ہمیشہ سے چھپاتا اور اس بات کا انکار کرتا آیا ہے کہ مسلمانوں کی دو قسمیں تھیں۔ یہ اس لئے کہ وہ گروہ اُس دوسری قسم کے مسلمانوں میں سے اور اُنہی کا جانشین ہوا ہے اور ہرگز نہیں چاہتا کہ عوام کو اُس کا پتہ چلنے پائے مگر اس کو کیا کریں کہ قرآن کریم کافروں کا تذکرہ کافر کہہ کر کرتا ہے، منافقوں کو بلا تکلف وہ منافق کہتا ہے، مومنین کی دو الگ الگ قسمیں بیان کرتا ہے۔ ایک وہ قسم جو جان نثار ہے، بلا چوں و چرا اطاعت شعار ہے۔ دوسری قسم کے مومنین رسولؐ سے دو بدو بحث ومجادلہ کرتے ہیں، مشورہ دے کر رسولؐ کی اصلاح کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ رسولؐ کی ذاتی رائے ہی میں نہیں بلکہ وحی کے سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کے حکم میں بھی غلطی کا امکان مانتے ہیں۔ انہیں بشری جذبات واحساسات کی ترازو میں تولتے ہیں۔ اُن کی غلطیاں گن کر بتاتے ہیں۔ اور آج تک علامہ مودودی اور اُن کے ہم مذہبوں کا تحریری عقیدہ یہی ہے۔ قارئین اپنے علما سے بات کر کے ہمیں اُن علما کا نام بتائیں جو رسولؐ اللہ سے اجتہادی غلطی کے قائل نہ ہوں، جو اُن کی ہر بات کو حق مانتے ہوں، جو اُن سے ہر غلطی اور لغزش کی نفی کرتے ہوں۔ ایسے عقیدہ کے لوگوں کو ہم پہلی قسم میں داخل کر کے حقیقی مومنین کہتے ہیں اور باقی کو قریشی مومنین یا مجتہدین یا قحطانی مومنین کہتے ہیں۔ یہی وہ جماعتِ مومنین ہے جن سے منافقین ومشرکین اور یہود ونصاریٰ اور کفار رابطہ رکھتے ہیں۔ یہی وہ جماعت ہے جس کے لئے اللہ نے بتایا ہے کہ اُن کے دلوں میں ایمان بیماری کے ساتھ رہتا ہے۔ انہی کا پتہ یہ کہہ کر بتایا کہ انہوں نے غیر مسلم محاذ سے اطاعت کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ یہ بھی کہ اُن کے خفیہ منصوبوں سے اللہ واقف ہے۔ اور یہ بھی واضح الفاظ میں بتا دیا کہ وہ رسولؐ اللہ کی جانشینی کی تاک میں ہیں۔ اور ولایت (.........فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ.....سورہ محمدؐ 47/22) حاصل کرتے ہی دُنیا کو فتنہ وفساد کی آماجگاہ بنا ڈالنے والے ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ بتایئے اس سے زیادہ وضاحت اور کیا درکار ہے۔ اُن مومنین اور ان کے مکتب فکر ومذہب کی اور کون سی شناخت اور کن الفاظ میں پیش کی جائے۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مومنین خود جاسوسی کر رہے ہیں۔ یہی

قریشی مسلمانوں کا وہ داخلی محاذ ہے جو مشرکین کا ممد و مددگار رہے۔ اُن ہی سے یہ اپیل کی گئی کہ تم تو خود جانتے ہو کہ جس مکہ کو تم چھوڑ کر آئے ہو، تمہیں معلوم ہے کہ مکہ میں نظر بند مسلمانوں پر کیسے کیسے مظالم ہو رہے ہیں۔ تم وہی مومنین تو ہو جو برابر تقاضہ کیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ ہمیں مشرکین سے جنگ کرنے کی اجازت دے دیتا۔ تو ہم دل کھول کر مظلوموں کی مدد کرتے؛

وَمَا لَكُمْ؟ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا o اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا o اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ...(النسآء 77-4/75)

مگر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب اللہ نے تمہیں مشرکین مکہ سے جنگ کی اجازت بھی دے دی اور تاکیدی حکم بھی دے دیا تو تم ٹال مٹول کر رہے ہو؟ تمہاری غپ شپ اور دکھاوے کا ایمانی جوش کہاں گیا؟ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مکہ میں بے بس و بے کس مومن مرد اور عورتیں اور بچے دن رات اللہ سے فریاد کر رہے ہیں کہ یا اللہ شہر مکہ کے باشندوں نے مظالم کی انتہا کر دی ہے۔ تو ہمیں مظالم سے بچانے اور یہاں سے محفوظ نکال لے جانے کے لئے اپنی جانب سے ایک حاکم (ولیؑ) تعینات کر دے اور اُس حاکم کو اپنی جانب سے ہمارا ناصر و مددگار بنا دے تاکہ وہ مومنین کی مستقل نصرت اور حفاظت کرتا رہے۔ یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ مومنین اللہ کی راہ میں جنگ کیا کرتے ہیں اور کافر طاغوت (جمہوری نظام حکومت) کے مقاصد کے لئے لڑا کرتے ہیں۔ چنانچہ تم لوگ شیطانی حکمرانوں سے جنگ کرو۔ اور اے نبیؐ تم نے دیکھ لیا اُن لوگوں کو جن سے جب یہ کہا گیا کہ جنگ سے ہاتھ روکے رہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو تو اُس وقت جنگ کرنا چاہتے تھے اور جب جنگ کرنا واجب کر دیا گیا تو مومنین کا ایک گروہ مشرکین کے ادب و لحاظ سے اس قدر خوفزدہ ہے جیسا خدا سے ہونا چاہئے۔ بلکہ یہ گروہ اللہ سے زیادہ کفار کا خوف اور ادب کرتا ہے۔ اور اُسی فریق نے یہ کہا ہے کہ اے پروردگار تو نے ہمارے اوپر مشرکوں سے جنگ کیوں واجب کر دی اور کیوں ہمارے لئے اِس جنگ و جدل کو مناسب وقت تک ملتوی نہ کر دیا؟

(25/7)۔ مکہ سے آنے والے مہاجر مسلمانوں کا مخصوص گروہ

سورہ نساء کی مندرجہ بالا آیات نہایت واضح الفاظ میں اُس گروہ کو باقی مہاجرین سے الگ کر کے مُشخّص کر دیتی ہیں جو پیش گوئی کے مطابق رسولؐ اللہ کے بعد حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے سایہ کی طرح تعاقب کر رہا تھا۔ جس نے اسلام کی ظاہری زندگی، روزہ، نماز، کلمہ اور سلام و دُعا اسلئے اختیار کی تھی کہ صحابۂ رسولؐ میں داخلہ مل جائے اور قریب رہ کر قرآنی حکومتِ الٰہیّہ کی جگہ جمہوری تصورِ حکومت اور دین میں آزادیٔ رائے کا خاموش پرچار کیا جائے۔ اِسی بنا پر وہ گروہ حکم جہاد پر اللہ کو مشورہ دے رہا ہے اور بتا رہا ہے کہ قرآن کے احکام کو قومی اور ملکی مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر نازل ہونا چاہئے۔ صرف اللہ و رسوؐل کی ذاتی بصیرت پر عمل کرنا اور ماہرین قوم اور دانشورانِ ملت کی صوابدید کو نظر انداز کر دینا ہرگز مفید نہیں ہوسکتا۔ قومی و ملکی حالات طبقاتِ انسانی کی مختلف ضروریات اور انسانی احساسات و جذبات، ماہرین نفسیات اور

سیاسیات ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ اُنکے تجربات کو پس پشت ڈال کر محض آمرانہ احکام پر اصرار کرنا عقل اور انسانوں کی اجتماعی بصیرت کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ گروہ لوگوں کو چپکے چپکے یہ بتاتا جاتا تھا کہ خدا تو ہرگز ہمارے اِن اصول کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ یہ ناتجربہ کارانہ احکام (معاذ اللہ) محمدؐ اپنی محدود عقل سے دیتے ہیں اور قوم کی اجتماعی عقل وبصیرت کو بالائے طاق رکھ کر قومی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ قرآن اگلی آیت میں انکا یہ تصور یوں پیش کرتا ہے کہ:۔

وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ.. (نساء 4/78)

''جب مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو مسلمانوں کا یہ گروہ کہتا ہے کہ یہ فائدہ اللہ کی طرف سے پہنچا ہے۔ اور جب کوئی نقصان ہوجاتا ہے تو یہ مومن گروہ کہتا ہے کہ یہ رسولؐ کی کوتاہ اندیشی سے ہوا ہے۔''

چونکہ اس گروہ کے مشوروں میں ہر آدمی کو رسولؐ پر نکتہ چینی کا حق ملتا تھا اور اپنی اپنی ذاتی مصلحتوں اور نفع ونقصان کو ملحوظ رکھنا ہر شخص کے مفاد میں تھا۔ ہر شخص اپنے عذرات کو قبول کرانا چاہتا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کے اس جمہوری گروہ کو کثرت کی تائید حاصل ہونا قابل تعجب نہیں ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ دنیا کا ہر کام اُس کی رائے اور منشا کے ماتحت کیا جائے۔ اور جو بات اُس کی مرضی اور مصلحت کے خلاف ہو ہرگز نہ کی جائے۔ یہ صورتِ حال تھی جو قریشی مُدبرین نے مسلمانوں کے سامنے رکھی اور بتایا کہ کسی ایک شخص کا آمرانہ فیصلہ اور ذاتی حکم ناقابل قبول اور مُضر ہے۔ خواہ وہ شخص رسولؐ ہی کیوں نہ ہو۔ حاکم صرف اللہ ہے۔ اُس کا حکم مفاد عامہ اور مصلحتِ نوع انسان کے خلاف ہرگز نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا رسولؐ کے ہر فیصلے اور تشریحی حکم کو اجتماعی عقل ومصلحت کے ماتحت رہنا چاہئے۔ لہٰذا جہاد کا مندرجہ بالا حکم اُن کی رائے میں فی الحال ملتوی رکھنا ہی مفید تھا۔ مگر رسولؐ اللہ اور حقیقی مومنین نے اُن کے عذرات اور مصلحتوں کو دین وایمان کے خلاف سمجھا۔ اور اُن خطرات کو نظر انداز کردیا جن سے مدبرین ومفکرین قریش لرزہ براندام تھے۔

(25/8)۔ مسلمانوں کا یہ قریشی گروہ خوفزدہ اور لرزہ براندام کیوں ہے

یہاں قارئین یہ سوال کرسکتے ہیں کہ جن مسلمانوں کا تذکرہ مندرجہ بالا آیات (نساء 4/75-77) میں ہوا ہے۔ اُن کو مکہ سے آنے والے مہاجرین کیوں اور کیسے سمجھا جائے؟ کیوں اُس گروہ سے مدینہ کے انصاری مسلمانوں کو الگ خیال کیا جائے؟ ممکن ہے کہ اُس گروہ میں کچھ مکی مہاجرین ہوں اور کچھ مدینہ کے مسلمان انصار ہوں؟ اس سوال کا جواب پہلے علامہ مودودی سے سُن لیں۔ پھر ہم قرآن کے الفاظ سے ثبوت دیں گے۔

(الف)۔ علامہ مودودی آیت (نساء 4/77) کا مفہوم بتاتے ہیں

''اس آیت (4/77) کے تین مفہوم ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔''

''ایک مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ لوگ خود جنگ کے لئے بے تاب تھے۔ بار بار کہتے تھے کہ صاحب ہم پر ظلم کیا جارہا ہے، ہمیں ستایا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، گالیاں دی جاتی ہیں، آخر ہم کب تک صبر کریں، ہمیں مقابلہ کی اجازت دی جائے۔ اُس وقت ان سے کہا جاتا تھا کہ صبر کرو اور نماز وزکوٰۃ سے ابھی اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہو، تو یہ صبر وبرداشت کا حکم اُن پر شاق گزرتا تھا۔ مگر اب جو

لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو اُن ہی تقاضہ کرنے والوں میں سے ایک گروہ دشمنوں کا ہجوم اور جنگ کے خطرات دیکھ دیکھ کر سہما جا رہا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 374-373 حاشیہ نمبر 107)

قارئین یہ تو جانتے ہیں کہ مدینہ کے باشندوں پر مشرک مظالم کبھی نہیں ہوئے۔ یہ تو مکہ میں ایمان لانے والے لوگوں کا حال تھا کہ مشرکین قریش اُن کو ستاتے تھے۔لہٰذا وہ جنگ کا تقاضہ کرنے والا گروہ یقیناً مہاجر مسلمانوں کا گروہ تھا۔اُن میں ہرگز کوئی بھی مدینہ کا مسلمان شامل نہ تھا۔مولانا کا دوسرا و تیسرا مفہوم بھی پڑھ لیں۔تاکہ اُس قریشی مسلمانوں کے گروہ پر ذرا زیادہ روشنی پڑ جائے لکھتے ہیں کہ:۔

''دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تک معاملہ نماز اور زکوۃ اور ایسے ہی بے خطر کاموں کا تھا اور جانیں لڑانے کا کوئی سوال درمیان میں نہ آیا تھا یہ لوگ پکے دیندار تھے۔مگر اب جو حق کی خاطر جان جوکھوں کا کام شروع ہوا۔تو اُن پر لرزہ طاری ہونے لگا۔'' (ایضاً)

یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ آئندہ چل کر جو لوگ حاکم ہوئے وہ مذکورہ گروہ کے بھی حاکم و سرگروہ تھے۔اور آنحضرتؐ کے دورِ حیات میں اُن لوگوں کو کسی جنگ یا جہاد میں لڑتے ہوئے نہیں پایا گیا۔نہ اُنہیں اُس دوران تلوار کا زخم لگا نہ اُنہوں نے کسی کو زخمی کیا۔اُنکے ہاتھ سے تمام قریش محفوظ رہے اور اسی بنا پر تمام قریش نے اُن سے اور اُنکی حکومتوں سے بھرپور تعاون کیا اور یہی وہ حضرات تھے جنھوں نے اسلام کی حکومت سے قریش کے سوا تمام اُن قبائل کو محروم کرنے کا قانون (الائمة من القریش ۔حاکم قریش ہی سے ہوں گے) بنایا۔جنھوں نے کفارِ قریش کے خلاف تلوار اُٹھائی تھی۔خصوصاً قبیلۂ انصار اور اہل بیتؑ کو حکومت سے محروم کیا۔اور اُن سے قیامت تک کفار مکہ کا انتقام لینا طے کیا اور انتقام لیا۔خاندان رسولؐ کے ساتھ کیا ہوا؟ اِس کا جواب اسی کتاب میں سامنے آنے والا ہے۔اور سنیں کہ علامہ قریش اور قریشی قسم کے مسلمانوں کی عادات اور ذہنیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ ذہنیت رسول اللہؐ کے انتقال کے بعد دوبارہ کھل کر سامنے آئی جس سے تاریخ کے صفحات رنگین ہیں ملاحظہ ہو:۔

''تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلے تو لُوٹ کھسوٹ اور نفسانی لڑائیوں کے لئے اُن کی تلوار ہر وقت نیام سے نکلی پڑتی تھی اور رات دن کا مشغلہ ہی جنگ و پیکار تھا۔اُس وقت انہیں خونریزی سے ہاتھ روکنے اور نماز و زکوۃ سے نفس کی اصلاح کرنے کیلئے کہا گیا تھا۔اب جو خدا کیلئے تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا تو وہ لوگ جو نفس کی خاطر لڑنے میں شیر دل تھے،خدا کی خاطر لڑنے میں بزدل بنے جاتے ہیں۔وہ دست شمشیر زن جو نفس اور شیطان کی راہ میں بڑی تیزی دکھاتا تھا اب خدا کی راہ میں شل ہوا جاتا ہے۔'' (ایضاً صفحہ 375-374)

(ب)۔ قرآن کریم کا ایک لفظ اُس گروہ کا تعین کر دیتا ہے

قارئین کرام نے شاید ہماری وہ تصنیفات نہ دیکھی ہوں جن میں ہم نے قحطانی مسلمانوں اور قریشی حکمرانوں کی قرآنی تحریف پر گفتگو کی ہے۔اس لئے یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ نزول قرآن کے دوران ہی جمہوری مسلمانوں نے قرآن کریم کے الفاظ کی معنوی اَدل بدل یعنی تحریف شروع کر دی تھی۔یعنی ہر لفظ کے مصدری معنی چھوڑ کر ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنی میں اور کئی کئی مختلف المصادر الفاظ کو ایک ہی معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔تاکہ قرآن کا ہر لفظ مشکوک اور بے معنی ہو کر رہ جائے اور جس کا جو دل چاہے وہ معنی کر کے آیات قرآن کو اپنے مصالح کے مطابق ڈھال سکے۔قرآن کریم نے قریشی مسلمانوں کے اس کاروبار کو خود قرآن میں قلم بند کر دیا ہے۔

(تفہیم القرآن جلداوّل صفحہ 478-477 اور آیات بقرہ 2/75، نسآء 4/46، مائدہ 5/41)۔اور اُس زمانے سے آج تک مسلمانوں کا ہر مترجم اور ہر مفسر برابر تحریف کے اس اصول پر کاربند رہتا چلا گیا ہے۔

چنانچہ آیت (نسآء 4/77) میں لفظ خشیة تو دو مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔اور تمام مترجمین بلا تکلف لفظ خشیة کے معنی ڈرنا، خوفزدہ ہونا یا خوف اور ڈر کر لیتے ہیں۔بالکل اِسی طرح لفظ رَھُبَةً کے معنی وہی کر لئے جو خشیة کے معنی تھے یعنی ڈر۔خوف (حشر 59/13)۔حذر الموت کے معنی بھی موت کے ڈر سے کر لئے گئے۔(بقرہ 2/243 تفہیم جلداوّل صفحہ 184) اور پھر وَاتَّقُوا اللّٰہَ کے معنی اللہ سے ڈرو کر لئے۔(بقرہ 2/231)

(1) اَشَدُّ رَھُبَةً فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنَ اللّٰہ۔اللہ سے بڑھ کر تمہارا خوف ہے۔(تفہیم صفحہ 406 جلد 5۔حشر 59/13)

(2) یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَةِ اللّٰہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً۔لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہئے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔(تفہیم القرآن۔جلداوّل صفحہ 373۔نسآء 4/77)۔اسی طرح خِیْفَة اور لا تخف کے معنی بھی علامہ نے خوف محسوس کرنا اور "ڈرو نہیں" کئے ہیں۔(سورہ ھود 11/70، تفہیم القرآن۔جلد 2، صفحہ 353)

ان پانچوں الفاظ (خشیةً۔رھبةً۔حذر۔واتقوا۔خیفة) کے معنی ایک ہی کر لئے گئے۔حالانکہ یہ معنی خیفة یا خوف کے ہیں۔اور خوف اردو میں استعمال بھی ہوتا ہے۔باقی چاروں الفاظ کے معنی اور مصادر الگ الگ ہیں۔خشیة کے معنی ایسا خوف ہیں جو اپنے بزرگ، سرپرست یا محسن سے ایسی حالت میں ہو جبکہ ہمیں اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کا احساس ہو۔یہ معنی سمجھ لینے کے بعد اب آیت (نسآء 4/77) پر غور فرمائیں۔اللہ نے ارشاد کیا ہے کہ مسلمانوں کا مذکورہ بالا گروہ انسانوں کی عائد کردہ ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر اس قدر خوفزدہ ہے جیسا کہ اللہ کے سامنے خشیة ہونا چاہئے۔بلکہ اُس سے بھی کہیں بڑھ کر وہ مسلمان گروہ احساس کوتاہی میں خوفزدہ ہے۔یہاں ظاہر ہے کہ انسانوں سے مراد مکہ کے کفار قریش ہیں۔جن سے یہ گروہ اللہ سے بھی زیادہ ڈرتا ہے۔یہاں بلا کسی الجھن کے آپ دو باتیں سمجھ لیں۔اوّل یہ کہ مسلمانوں کا وہ گروہ قریشی گروہ ہے۔دوم یہ کہ کفار قریش نے اُن مسلمانوں کو کوئی ذمہ داری سونپ رکھی ہے۔جس کو پورا کرنے میں اُن سے قصور اور کوتاہی ہوئی ہے۔اور ہم قرآن کریم سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ سب مسلمان جو اس گروہ میں شامل ہیں کفار مکہ کے جاسوس ہیں، یہ سب وظیفہ خوار لوگ ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جن پر مکہ میں رہتے ہوئے بھی کبھی کفار قریش نے دست درازی یا زبان درازی نہیں کی۔بلکہ کفار اُن سے سرپرستانہ سلوک کرتے تھے۔رسولؐ اللہ اور اُن کا خاندان شعب ابوطالبؑ میں تین سال مقید رہے مگر یہ حضرات چین سے اپنے گھروں میں رہتے رہے۔اُن سے کفار قریش نے ہر قسم کا تعاون کیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ گروہ مشرکین قریش کی رضامندی سے اور اُن کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مسلمان ہوا تھا۔اُنہیں اب خوف اِس بات کا تھا کہ کہیں قریش پر دلوں میں پوشیدہ یہ راز ظاہر نہ ہو جائے کہ جن قریشیوں کو اُنہوں نے رسولؐ اللہ کو ناکام کرنے کیلئے تعینات کیا تھا وہ لوگ تو رسولؐ اللہ کی جانشینی کی فکر میں غلطاں ہیں۔اور شرم وحیا اور لحاظ اس بات کا تھا کہ قریش کا وظیفہ اور تعاون اور ہمہ قسمی مدد برابر لیتے رہے اور اُس کے باوجود اُن کا کام انجام نہ دے سکے۔نہ رسوؐل کو قتل کیا نہ کوئی اور اہم خدمت انجام دی۔اِس کے برعکس خود حکومت حاصل

کرنے کی فکر میں نہایت دب کر ذلیل وخوار زندگی گزار رہے ہیں اور ہر گز نہیں چاہتے کہ اب مشرکین مکہ مسلمانوں کو ختم کر کے اُس حکومت سے محروم کر دیں جس کی آس لگائے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی نہیں چاہتے کہ کفار مکہ کو ناراض کر دیں۔ یا دلی خواہش سے اُن کے خلاف تلوار اُٹھائیں۔ یہ تھا وہ خوف جو قریشی مسلمانوں کے دلوں کو پگھلائے دے رہا تھا۔ بس اُن کے پاس ایک ہی صحیح عذر تھا اور وہ یہ کہ ہم آہستہ آہستہ اسلامی تعلیم کو اس طرح تبدیل کر رہے ہیں کہ رسولؐ کے بعد قریش کی تہذیب اور کفار مکہ کا مذہب از سر نو جاری ہو جائے۔ اور حکومت الٰہیّہ کی جگہ عربوں کی پسندیدہ حکومت قائم ہو جائے اور یہ مقصد رسولؐ کو قتل کرنے سے کہیں زیادہ مقدس ہے لیکن شاید کفار مکہ یہ عذر قبول نہ کریں، بہر حال عذر یہی تھا۔ یہ تھی وہ پوری اسکیم جس کو خطرہ میں دیکھ کر اور جسے محفوظ رکھنے کے لئے قریش کے مسلمانوں کے اُس گروہ کا قلبی نقشہ قرآن کریم نے ایک جملہ میں ایک لفظ خشیة سے کھینچ کر رکھ دیا۔ اور بتا دیا کہ مسلمانوں کا یہ گروہ اپنے خداوندانِ نعمت کفارِ مکہ کے سامنے ایسا مودّب، ایسا عاجز اور قاصر وخوفزدہ تھا کہ خشیة اللّٰہ سے بھی بڑھ گیا تھا۔ لہٰذا قارئین کرام یہاں ہمیشہ کے لئے نوٹ کر لیں کہ ہر وہ شخص قریش کے اُس مسلمان گروہ کا فرد ہوگا؛

(i) جو میدان جنگ سے بھاگ جائے؛

(ii) جو کسی دعوت پر تلوار لے کر کفار کے مقابلے کے لئے نہ نکلے؛

(iii) جو جنگوں میں رسولؐ کے ساتھ شامل تو رہے مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ نہ خود زخمی ہو نہ کسی دشمن کو زخمی کرے؛

(iv) جو ہر خطرناک مواقع پر خوف و بزدلی کا ایسا اظہار کرے کہ دیکھنے والے بھی ڈر جائیں؛

(v) جو رسولؐ اللہ کی رسالت یا اُن کے احکام کو صحیح نہ سمجھے یا اُس پر شک کرے؛

(vi) جو رسولؐ اللہ سے غلطی کا قائل ہو اور اُنہیں اس لئے مشورہ دے کہ وہؐ غلطی سے باز رہیں؛

(vii) جو صرف قرآن کو کافی سمجھے اور رسولؐ اللہ کی توضیحات اس لئے قبول نہ کرے کہ قرآن کافی ہے۔ مگر؛

(viii) کبھی فیصلہ کرتے ہوئے نہ قرآن کی آیت سے تعلق رکھے نہ قولِ رسولؐ اور عملِ رسوؐل کو سامنے لائے۔ بلکہ اپنی رائے یا جہلا کے مشوروں سے حکم جاری کرے؛

(ix) جو کبھی قرآن پڑھتا ہوا یا تفسیر قرآن بیان کرتا ہوا نہ دیکھا گیا ہو؛

(x) جس نے اسلام میں جبر وظلم وقتل وغارت اور لوٹ مار کو اپنی ذاتی یا جماعتی رائے سے اسلام کے نام پر جاری کیا ہو؛

(xi) جس نے کبھی توحید ورسالتؐ اور علمی عنوانات پر کوئی بیان نہ دیا ہو؛

(xii) جس نے سرمایہ داری اور طبقہ واریت پیدا کی ہو؛

(xiii) جو خود اقرار کرے کہ وہ منافق ہے؛

(xiv) جو خدا اور رسولؐ اور قرآن کے حلال کو حرام کرے یا اللہ ورسولؐ اور قرآن کے کسی حکم کو معطل کر دے؛ یہ تمام لوگ وہی مسلمان ہوں گے جو رسوؐل کو خاطی سمجھتے ہیں اور اسلامی حکومت پر کثرت رائے کے ذریعہ قبضہ کرنے کی مہم چلاتے آرہے ہیں۔

(25الف۔1)۔ جنگ بدر میں گزرنے والے حالات

غزوہ بدر کے متعلق آپ نے قرآن کریم اور علامہ مودودی کے بیانات سے قریشی مشرکین اور اُن کے طرفدار مسلمانوں کے حالات دیکھ لئے۔اب مختصراً دوران جنگ اور جنگ سے فراغت کے بعد کے حالات پرنظر ڈالیں۔تاریخ طبری کی رُو سے جنگ بدر میں جن مسلمانوں نے حصہ لیا، اُن میں سے کل چودہ (14) مسلمان شہید ہوئے تھے۔اور کفار کے مرنے والے کل ستر (70) تھے۔شہدا میں صرف چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔جنگ بدر ہی میں نہیں بلکہ ہر جنگ میں جن لوگوں نے بے دریغ قربانیاں دیں۔اور جنہوں نے کفر کو شکست دی وہ رسولؐ اللہ کا اپنا خانوادہ یعنی اَوس وخزرج کا نبطی قبیلہ تھا۔مکہ سے آنے والے مسلمانوں میں محض چند مخلصین تھے یا خود خاندان رسولؐ کے چند بزرگ حضرات تھے۔اُنکے علاوہ مہاجرین کی کثرت مشرکانہ وند کورہ اقتدار کی اسکیم ذہن میں رکھتی تھی۔اُن سے نہ کسی فدا کاری کی اُمید تھی، نہ ہی اُنہوں نے کوئی قابل قدر خدمت انجام دی۔وہ ہر جگہ قریش کی طرفداری اور اُنکے مقاصد کے حصول میں سرگرم ملیں گے۔اِس کا ثبوت خود اُن سر پرست کی زبانی ملاحظہ ہو جو مدینہ پر دوسرا حملہ کرنے کے وقت قریش مکہ اور اُنکے لشکر میں جوش پیدا کرنے کیلئے یہ بتاتا ہے کہ مدینہ پر حملوں کا سبب اور مقصد محض اَوس وخزرج کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا ہے۔طبری کی زبانی وہ اشعار سنئے جو ابوسفیان نے کہے اور لشکر قریش کو سنائے؛''جب ابوسفیان مکہ سے مدینہ پر چڑھائی کر رہا تھا اس نے یہ چند اشعار قریش کو جنگ پر برانگیختہ کرنے کیلئے کہے تھے۔''

کرّوا علٰی یثرب و جمعھم	یثرب اور وہاں کے تمام لوگوں پر پیش قدمی کرو، میں چاہتا ہوں کہ
فان ما جمعوا لکم نفل	جو کچھ انہوں نے جمع کر رکھا ہے وہ تمہیں بطور فاضل سرمایہ کے مل جائے۔
ان یک یوم القلیب کان لھم	اگر بدر میں اہل یثرب کو کامیابی ہوئی تو
فان ما بعدہ دُوَلُ	اب آئندہ تم کو کامیابی حاصل ہو جائے گی۔
آلیت ان لا اقرب النساء ولا	میں نے قسم کھائی ہے کہ نہ میں عورتوں کے پاس جاؤں گا
یمسُ راسی و خد دی الغسل	اور نہ اس وقت تک سر اور منہ دھوؤں گا نہ غسل کروں گا۔
حتّٰی بتیر و قبائل الاوس و الخزرج	جب تک کہ تم اوس وخزرج کے قبائل کو ملیا میٹ نہ کر دو گے۔
ان الفواد مشتعلُ	اس لئے کہ میرا دل آتش انتقام سے شعلوں کی لپیٹ میں جل رہا ہے۔

(تاریخ طبری جلد اول صفحہ 211)

یہ اشعار اور ان کے الفاظ کافی ہیں اس ثبوت کیلئے کہ کفار مکہ کو مہاجر قسم کے قریشی مسلمانوں سے کوئی دشمنی نہ تھی۔اس لئے کہ اُن کی کثرت اُن ہی کے اشارے سے مسلمان لباس میں ملبوس ہوئی تھی۔البتہ قریش کو رسولؐ اور اُن کو پناہ دینے والے نبطی خانوادہ کو فنا کر ڈالنے کی تمنا تھی اور یہ کہ بدر کی جنگ میں اَوس وخزرج ہی نے قریش مکہ کو شکست دی تھی۔اُن ہی سے بدلہ لینا تھا۔رہ گئی وہ کہانیاں جو سرکاری وظیفہ خوار حضرات نے بعض مہاجرین کے لئے گھڑی ہیں، وہ محض بے سروپا باتیں ہیں جن کو حالات سے واقف اہل عقل کسی طرح

نہیں مان سکتے۔ البتہ حقیقی مہاجرین کے کارناموں پر قرآن خود گواہ ہے۔ چنانچہ ابھی اُن حضرات کا تذکرہ ہونے والا ہے۔

(25 الف۔2)۔ وہ حضرات جنہوں نے کفر کی کمر توڑ دی تھی

جنگ بدر کے آغاز میں تین منچلے قریش تیغ بکف آہنی لباس میں ملبوس نکلے اور اپنے مدمقابل انصاری یا نبطی بہادروں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مدینہ کے لوگ ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں۔ ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر لوگوں کو بھیجو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب عبیدہ بن الحارث بن مطلبؑ، حمزہ بن عبدالمطلبؑ اور علی بن ابی طالبؑ کو نام بنام حکم دیا کہ جاؤ اور کفر وقریش کے اِن نمائندوں سے جنگ کرو۔ یہ حضرات تلواریں سونت کر سامنے آئے اور اپنے حریف کا انتخاب کیا۔ جناب عبیدہؓ نے شیبہ بن ربیعہ کو، جناب حمزہؓ نے عتبہ بن ربیعہ کو، اور جناب علیؑ نے ولید بن عتبہ کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ آناً فاناً ولید بن عتبہ اس طرح زمین پر گرا کہ ایک بازو اور سر و گردن حمائل ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد جناب علیؑ حضرت حمزہؓ کی مدد کو پہنچے اور عتبہ کو واصل جہنم کیا۔ اور ادھر جناب عبیدہؓ اور شیبہ میں پیکار جاری تھی، اتفاق ایسا ہوا کہ دونوں کی تلواریں ایک ساتھ چلیں جس سے شیبہ کی کھوپڑی کی ہڈی ٹوٹی اور جناب عبیدہؓ کی پنڈلی کی ہڈی کٹ گئی۔ اور دونوں زمین پر گر پڑے۔ حضرت علیؑ نے تیزی سے پہنچ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور جناب عبیدہؓ کو میدان سے اٹھا لائے۔ آپؓ کی پنڈلی کی ہڈی کا گودا بہہ چکا تھا۔ موت کے آثار نمایاں تھے۔ آپؓ نے دریافت کیا کہ یا رسولؐ اللہ کیا میں شہید ہوں گا؟ حضورؐ نے فرمایا بے شک تم راہِ خدا اور نصرتِ اسلام میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہو۔ یہ سن کر جناب عبیدہ علیہ السلام نے عرض کیا کہ کاش اِس وقت جناب ابو طالبؑ علیہ السلام ہوتے اور دیکھتے کہ اُن کے اس شعر کا پہلا مصداق میں ہوں۔

ونسلّمه حتّٰی نصرعُ حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

تاوقتیکہ ہم اُس (رسولؐ) کی حمایت میں قتل نہ ہو جائیں اور اپنے اہل وعیال اور بیٹوں کو نظر انداز نہ کر دیں ہم کبھی اُسے بے یار و مددگار نہ چھوڑیں گے۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 180)

آپ نے دیکھ لیا کہ اولادِ عبدالمطلبؑ چونکہ خدا کا عطیہ تھی اور خدا نے جناب عبدالمطلبؑ اور محمدؐ وآل محمدؐ کی نصرت کے لئے مرحمت فرمائی تھی۔ اس لئے محمدؐ کی ضرورت کے ہر لمحہ پر تیار رہنا اور بلا پس وپیش نصرت کرنا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتی تھی۔ اور اِسی یقین اور اطمینان پر آنحضرتؐ اُنہیں ہر خطرے میں کود پڑنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ خانوادہ رسولؐ نے اپنا شعار بنا لیا تھا کہ جب بھی اسلام خطرے میں ہو، اُمت کے افراد کو محفوظ رکھ کر پہلے خود اپنی جان نثار کرنے میں سبقت کریں۔

(25 الف۔ 3)۔ دست بدست جنگ اور قریش کو شکست

کفار کے اُن تینوں نمائندوں کے قتل پر پھر کسی سورما کو جرأت نہ ہوئی کہ جناب حمزہؓ وعلیؑ علیہما السلام کے مقابلے پر نکلے۔ چنانچہ کفار کے سوار و پیادہ سب طرف سے ٹوٹ پڑے۔ مسلمان بہادروں نے بھی دست بدست جنگ شروع کر دی۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے خوف وہراس کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے وہ محض تماشائی کی حیثیت سے کہیں رسولؐ اللہ کے اردگرد دعا کے بہانے دستِ تاسف مَل رہے ہوں

گے۔ بہر حال حقیقی مسلمانوں نے اس بے جگری سے دفاعی حملہ کیا کہ کفار کے پاؤں اُکھڑ گئے اور جو جم کر لڑے جہنم واصل کر دئے گئے۔ کفر کے مضبوط بازو جنگ بدر میں کٹ کر گر گئے۔ ابو جہل اور ستر (70) سردارانِ قریش قتل ہوئے۔ اور اُن میں سے چھتیس (36) بہادرانِ قریش صرف حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور اس کا ظاہری سبب یہ ہے کہ قریش کے من چلے بہادر علیؑ کو گھیرنے اور آنحضرتؐ کے جانشین کو ختم کر دینے کیلئے اُن پر نرغہ کرتے اور قتل ہوتے جا رہے ہوں گے ورنہ بھگدڑ کے عالم میں ایک تلوار سے اِس تعداد کا قتل کرنا ممکن نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ باقی تمام مسلمان مجاہدین کے ہاتھ سے صرف چونتیس (34) آدمی قتل ہو سکے۔ اگر میدان جنگ میں صرف اَوس و خزرج کے مجاہدین ہی موجود ہوں تب بھی اُنکی تعداد بقول طبری دوسو اکتیس (231) تھی۔ (طبری جلد اوّل صفحہ 204)

بہر حال یہ سرکاری تاریخوں میں مان لیا گیا ہے کہ جناب علی مرتضٰی علیہ السلام دوڈھائی سو انصار کے مقابلے میں بھی بڑے ناصر تھے۔ لہٰذا یہ اُنہی کو زیب دیتا ہے کہ اللہ قرآن میں اُن حضرت کو اپنی طرف سے مقرر کردہ اور منتخب حاکم اور مسلمانوں کا ناصر قرار دے۔ جس کا ایک ہاتھ اور ایک تلوار اڑھائی سو مومن فداکاروں سے زیادہ مضبوط اور کامیاب ہو۔ (ملاحظہ ہو سورہ نساء کی آیات 77-4/74)

لہٰذا قارئین آئندہ آنے والے غزوات یا جنگوں میں حضرت علیؑ کی بے پناہ طاقت اور حیران کن شجاعت اور کارناموں کو محلِ تعجب نہ سمجھیں۔ علاوہ ازیں وہ خلیفۂ خداوندی ہیں اور قرآن کی رو سے خلیفۂ خداوندی کی تخلیق تسویّہ اور تحفظ وتقویت کیلئے خدا کے دونوں ہاتھ مصروف رہتے ہیں۔ اور جس کے ساتھ خدا کی پوری طاقت اور قدرت ہو اُس کو کائنات کی ہر چیز پر قدرت تامہ حاصل ہونا ہی چاہئے۔ دوسو پچاس انسان ہی نہیں بلکہ تمام نوعِ انسان بھی اُس کے مقابلے میں ایک چیونٹی سے حقیر ہے۔

الغرض جناب عبیدہؓ بن الحارث بن مطلبؑ بارگاہ خداوندی میں سرفراز ہوئے۔ کفار کے ستر (70) سرغنہ گرفتار کر لئے گئے اور باقی ماندہ فوج بدحواسی کے عالم میں ریگستان اور بیابانوں میں منتشر ہو کر، جان بچا کر بھاگ گئی، کفر کا سر جھک گیا، طاغوت کی کمر ٹوٹ گئی، مکہ کے ہر گھر میں کہرام برپا ہو گیا، قدرت خداوندی سے ہر دماغ خوفزدہ تھا۔ اسلام کی کامیابی اور قریش کی ناکامی سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی۔

(25 الف۔4)۔ اسلامی حکومت پر قبضہ اور کربلا کے مظالم کا سبب اور پس منظر

جب آنحضرتؐ کی حکومت پر قبضہ ہو گیا تو اکثر یہ عُذر کیا جاتا تھا کہ علیؑ کے ہاتھ سے قریش کا ہر خاندان مجروح ہوا، ہر گھر کے ایک دو بہادروں کو انہوں نے قتل کیا۔ لہٰذا قریش علیؑ کی حکومت تسلیم نہ کریں گے۔ اور کمال یہ ہے کہ جناب ابوبکر خلیفہ اوّل نے بھی اپنے حاکم یا خلیفہ بن جانے اور حضرت علیؑ کی نامزدگی کو نظر انداز کرنے کا سبب بھی یہی بتایا کہ میں نے اسلام کی خیر خواہی کیلئے اور مسلمانوں میں افتراق اور جنگ وجدل کو روکنے کے واسطے جلدی کی اور خلافت کو قبول کر لیا۔ ورنہ تمام قریش علیؑ کے خلاف کھڑے ہو جاتے۔ اِسلئے کہ علیؑ کے ہاتھ سے کوئی خاندان ایسا نہ بچا تھا جس کے چند بہادر علیؑ نے قتل نہ کئے ہوں۔

قارئین کا مذہبی اور ایمانی فریضہ ہے کہ اگر یہ عذر ہر ہر حیثیت سے تاریخ وحدیث سے ثابت ہو جائے تو وہ یہ مان لیں کہ قریش مسلمان ہو جانے کے بعد بھی علیؑ واولادِ علیؑ کے معاملہ میں مسلمان نہ ہوئے تھے۔ نمازی اور تہجد گزار ہوتے ہوئے بھی قریش کو جنگ بدر و احد وخندق وغیرہ میں قتل ہو جانے والے کافروں کا صدمہ تھا۔ وہ اُن کا انتقام لینے کیلئے بے تاب تھے۔ اور اسی انتقام کے لئے انہوں نے

بدر وغیرہ کے صدمات کو تازہ رکھا۔ ہر قریشی اور ہر بدوی عرب کے دل میں علیؑ کے خلاف انتقام کی آگ سلگائے رکھی اور طے کرلیا کہ رسولؐ اللہ کا ہر وہ حکم نہ مانیں گے؛ قرآن کی ہر اُس آیت کے مفہوم کو تبدیل کردیں گے جو علیؑ و اولادِ علیؑ کے حق میں ہو۔ اور بار بار کی نامزدگیوں اور عملی نمونوں کے باوجود علیؑ کو خلافت سے محروم کردیں گے۔ حکومت پر قبضہ کرکے اولادِ علیؑ و طرفدارانِ علیؑ کو دنیا سے ختم کرکے اُن کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا منصوبہ برسرِ کار لائیں گے۔ یہ بات سمجھ لینے کے بعد قارئین کرام کے لئے نہ صرف کربلا اور اس کے بعد کے مظالم اور سفّاکی کا پس منظر سمجھنا آسان ہوجاتا ہے؛ بلکہ مسلمانوں کی کثرت کے مرکزی مکتبِ فکر کے عقائد و اعمال و مسئلہ خلافت کی بحثوں کو سمجھنا بھی مشکل نہ رہے گا۔ یہ پتہ لگ جائے گا کہ کیوں یہ لوگ رسولؐ کی دو حیثیتیں بتاتے ہیں؟ کیوں اُنؐ سے غلطی کا امکان اور غلطیوں کی فہرست بیان کرتے ہیں؟ کیوں قریشی صحابہ کے اجماع کو واجب الاطاعت مانتے ہیں؟ کیوں تمام صحابہ کو یعنی ہر اُس شخص کو جس نے رسولؐ اللہ کی صحبت میں کچھ وقت گزارا عادل قرار دیتے ہیں؟ کیوں صحابہ کے پورے گروہ کو تنقید و تفتیش سے بالاتر قرار دیتے ہیں؟ اور کیوں سرکاری تاریخ میں منافقوں کی تفصیل اور نام بیان نہیں کئے گئے؟ اور کیوں لاعن (لعنت کرنے والوں) اور ملعون، اور قاتل و مقتول دونوں کو رضی اللہ عنھم کہتے ہیں؟ اُن کے عقیدے پر اُن کے خلیفہ یزید نے یہ کہہ کر مہر کردی تھی کہ نہ کوئی وحی آئی تھی نہ کوئی فرشتہ آیا تھا۔ یہ تو بنی ہاشمؑ نے عربوں پر حکومت کرنے کے لئے ایک ڈھونگ رچایا تھا۔ کہاں ہیں بدر و احد میں قتل ہوجانے والے قریشی بزرگ اور قریش کے وہ جاں نثار و فداکار جنہوں نے محمدؐ کے مقابلے میں اور عربی نظام و تہذیب کو محفوظ رکھنے کے لئے جان دی تھی۔ وہ آئیں اور دیکھیں کہ اُن کے پوتے یزید نے دشمنانِ قریش سے کیسا انتقام لیا اور کس طرح اُس نبیؐ کے خاندان اور اُن کے طرفداروں کو تباہ و برباد اور ذلیل و خوار کیا کہ رہتی دنیا تک اُس کی مثال نہ ملے گی۔ یہ قریش کے اُس خدا کی فتح ہے جس نے اپنے مخالفوں سے حکومت چھین کر اپنے پیروؤں اور قریشی راہنماؤں کو عطا کردی۔ اور آج محمدؐ کا خاندان ختم ہوا۔ اُس کے پس ماندگان میں چند مستوراتؑ میرے سامنے قیدی بن کر کھڑی ہوئی ہیں۔

اِس کے بعد یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عربوں اور خصوصاً قریش کا یہ منصوبہ روزِ اوّل سے جاری تھا۔ اور وہ تمام اقدامات اور وجوہات جو ہم نے گزشتہ اوراق میں بیان کی ہیں حرف بحرف صحیح اور نہایت مختصر تجزیہ ہیں۔ لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ عربوں نے محمدؐ اور اُن کے ساتھ جو کچھ آیا تھا اُس میں سے صرف اُسی قدر تسلیم کیا جو اُن کے مسمار شدہ سابقہ مذہب اور تمدن کو بحال کرکے دنیا میں مضبوطی سے جاری رکھ سکے۔ اور تمام اقوام اور تمام ممالک کے استیصال اور استحصال میں مددگار ثابت ہو۔

(25 الف۔5)۔ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہونے والے کافر

وہ سردارانِ قریش اور اہلِ مکہ کے چشم و چراغ جنہیں حضرت علیؑ کی تلوار نے موت کی نیند سلا کر ایوان ہائے کفر میں اندھیرا کردیا اور جن کا بدلہ کربلا میں لیا گیا، تعارف اور ریکارڈ کے لئے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ اور اس کی ابتدا میں ہمارے سابقہ عنوان کی تصدیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ اُدھر تو دست بدست جنگ ہورہی ہے، سرتن سے گر رہے ہیں، مرنے والوں کی چیخ پکار سے میدانِ جنگ گونج رہا ہے۔ مگر وہ لوگ جو کفارِ قریش کے نمائندہ ہیں میدانِ جنگ میں ٹہلتے اور تماشہ دیکھتے پھر رہے ہیں۔ مسلمان اُنہیں

مسلمان سمجھ کر قتل نہیں کرتے۔قریشی کافر اُنہیں اپنا آدمی سمجھ کر تعارض نہیں کرتے۔بلکہ اُن کی خیریت معلوم کرتے ہیں اور یہ صورتحال خود جناب عمر کی زبان سے سنئے:۔

1۔عاص بن سعید بن عاص: یہ شخص فن حرب میں بڑا ماہر اور شجاعانِ عرب میں مشہور زمانہ شخص تھا۔حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ:''عاص کا بیٹا سعید بن عاص جو مسلمان تھا ایک دن مسجد نبوی میں آیا اور خاموشی سے ایک طرف کونے میں بیٹھ گیا۔جب میری نظر اُس پر پڑی تو میں نے اُسے مخاطب کیا اور اُس سے دریافت کیا کہ کیا تم اِس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے مجھ سے الگ الگ اور خاموش وکبیدہ خاطر رہتے ہو کہ میں نے تمہارے والد عاص کو قتل کیا ہے۔سنو میرے دل میں بڑی تمنا تھی کہ میں اُسے قتل کرتا۔اور اگر میں اُس کا قاتل ہوتا تو ایک کافر کو قتل کرنے کی بنا پر مجھے کسی معذرت کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔لیکن مجھے تو یہ سعادت نصیب ہی نہیں ہوئی۔اصل بات یہ ہے کہ جنگ بدر میں میں گزر رہا تھا کہ میری نظر عاص پر پڑی۔وہ لڑنے کے لئے اس طرح پیچ وتاب کھا رہا تھا جیسے مستی میں سانڈ بے چین ہو کر دوڑتا پھرتا ہے۔میں خوفزدہ ہو کر پہلو بچا کر چل دیا۔عاص نے دریافت کیا کہ اے فرزند خطاب کدھر جا رہے ہو؟ اتنے میں علیؑ اس پر حملہ آور ہوئے۔خدا کی قسم ابھی میرے پیر اُٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ علیؑ نے اُسے قتل کر دیا۔یہ سن کر مسجد نبویؐ میں حضرت علیؑ نے عمر سے کہا کہ شرک نیست ونابود ہو چکا ہے؟ اسلام نے پہلی باتوں کو مٹا کر ختم کر دیا ہے؟ اے عمر تم لوگوں کو میرے خلاف کیوں بھڑکاتے رہتے ہو؟ یہ سن کر حضرت عمر خاموش ہو گئے۔سعید نے کہا کہ خدا کی قسم اگر علیؑ کے علاوہ میرے باپ کا قاتل کوئی اور ہوتا تو مجھے ذرا بھی خوشی نہ ہوتی۔

علامہ ابن ابی الحدید نے سعید کا یہ فقرہ بھی اضافہ کیا ہے کہ: ''لَقَدْ قَتَلَهُ كُفُو كريم و هو اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ لقتله من ليس من بنى عبد مناف۔'' یعنی میرے باپ کو ایک ہمسر اور کریم وعزت دار شخص نے قتل کیا ہے۔خدا کی قسم علیؑ کا میرے باپ کو قتل کرنا زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے بنی ہاشم کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا۔'' (نہج البلاغہ کی شرح ابن ابی الحدید وغیرہ)

2۔ولید بن عتبہ، 3۔طیمہ بن عدی بن نوفل

4۔نوفل بن خویلد: یہ آنحضرتؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔قریش کے یہاں اُس کی بڑی عزت وتکریم تھی۔اس کی اطاعت کی جاتی تھی۔ اُس کو پیشوایانِ قوم میں سے ایک سمجھا جاتا تھا۔پیغمبر نے اُس سے محفوظ رہنے کی دعا کی تھی۔اور اُس کے قتل پر تکبیر فرمائی اور کہا کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی۔

5۔عامر بن عبداللہ؛ 6۔نضر بن حارث؛ 7۔عبداللہ بن منذر ابن ابی رفاعہ؛ 8۔حاجب بن صائب؛ 9۔عاص بن منبہ

10۔ابوالعاص بن قیس بن عدی سہمی؛ 11۔اوس بن مغیرہ؛ 12۔معاویہ بن عامر؛ 13۔حرملہ بن عمر؛ 14۔حرملہ بن اسد؛

15۔مسعود ابن المغیرہ؛ 16۔ابوالقیس بن الفاکھہ؛ 17۔عقبہ بن ابی المعیط؛ 18۔عمر ابن عثمان؛ 19۔عمر ابن قیس؛

20۔قیس ابن الولید؛ 21۔ابن المغیرہ؛ 22۔حنظلہ بن ابوسفیان برادر معاویہ؛

23۔عتبہ بن ابی ربیعہ بن عبدالشمس؛ 24۔زمعہ بن اسود؛ 25۔عقیل بن اسود؛ 26۔علقمہ بن کلدہ؛

27۔ابوالعاص بن قیس بن عدی؛ 28۔معاویہ بن المغیرہ بن ابی العاص؛ 29۔لوزان بن ربیعہ؛

30۔اوس بن المغیر ہ بن لوزان؛ 31۔زید بن ملیص؛ 32۔غانم ابن ابی عوف ؛ 33۔سعید بن وہب حلیف بنی العامر؛
34۔عبداللہ بن جمیل بن زہیر بن الحارث بن اسد؛ 35۔ابوالحکم بن الاخنس؛36۔ہشام بن امیہ بن المغیر ہ۔
(سیرۃ علویہ صفحہ 66 حافظ محمد علی حنفی کاکوروی اوراعیان شیعہ جلد 3 صفحہ 340)۔ یہ تھے وہ ملعون کفار قریش کے بزرگ و بہادر جنگی شجاعت شہرہ آفاق تھی۔ جوایک ہی جنگ میں ڈھیر ہوئے اور جن کے غم میں کفر کا دل پگھل کر رہ گیا۔

(25 الف۔ 6)۔ مکہ کے ہر گھر میں مقتولینِ بدر کی خاموش صف ماتم

قریش مکہ جنگِ بدر کی ہزیمت کے بعد اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے بلند آواز سے رونا بھی نہ چاہتے تھے۔لہٰذا قومی سطح سے حکم عام دے دیا گیا تھا کہ کسی گھر سے رونے کی آواز بلند نہ ہو۔ ورنہ مدینہ میں خوشیاں منائی جائیں گی اور عربوں کے دل سے اُن کا رعب اُٹھ جائے گا۔اس پہلو پر طبری کا بیان سن لیں:۔

''اس لڑائی میں اسود بن عبد یغوث کے تین بیٹے زمعہ بن الاسود، عقیل بن الاسود اور حارث بن الاسود مارے گئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ دل کھول کر اپنے بیٹوں پر روئے اسی حالت میں اُس کورات کے وقت کسی کے رونے کی آواز سنائی دی، اس کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اس لئے اُس نے اپنے غلام سے کہا کہ ذرا دیکھ کر آؤ کہ کیا رونے کی اجازت ہوگئی ہے؟ اور کیا قریش اپنے مقتولوں پر رونے لگے ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بیٹے ابوحکیمہ یعنی زمعہ پر خوب روؤں، کیونکہ اس کے غم سے میرا سینہ کھول رہا ہے۔ غلام نے واپس آکر بتایا کہ یہ تو ایک عورت کی آواز ہے جو اپنے گمشدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔اس پر اُس نے چند اشعار پڑھے۔اُن میں اپنے بیٹوں کا دردناک مرثیہ کہا اور یوں اپنے دل کی بڑھاس نکالی۔''(طبری۔جلد اوّل صفحہ 193)

(25 الف۔7)۔ مالِ غنیمت لوٹنے اور قیدیوں کے متعلق قرآن اور صحابہ

ہم نے بار بار عرض کیا ہے کہ سرکاری تاریخ میں وظیفہ خوارانِ حکومت نے حکومتوں اور دشمنان اسلام کی بڑی قصیدہ خوانی کی ہے۔ اور ہر واقعہ کو توڑ موڑ کر ہی نہیں لکھا بلکہ اپنے دماغ سے حکومتوں کے لئے موزوں واقعات بھی گھڑے ہیں۔لیکن یہ ایک معجزہ ہے کہ اُن ہی تواریخ و کتب احادیث میں اُن کے ہاتھ سے حق بھی ٹپکتا رہا ہے۔تفصیلات اور غپ شپ تو خود طبری میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں مختصراً یہ دیکھ لیں کہ جب جنگ بدر فتح کر لی گئی اور گرفتار شدہ قیدی اور وہ سامان جمع کیا گیا جسے مسلمان فوج نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اُن مشرک قیدیوں اور مشرکین کے سامان کا کیا کیا جائے۔ چونکہ یہ سوال اِس صورت میں پہلی دفعہ سامنے آیا تھا۔ اور اب تک یہ بات بار بار سامنے آچکی تھی کہ قریشی مہاجرین کی کثرت رسولؐ اللہ کی بعض تجاویز اور احکام میں دخل انداز ہوتی رہتی ہے اور آنحضرتؐ کے تمام احکامات کو بلا چون و چرا دلی رغبت سے تسلیم نہیں کرتی اور مفاد عامہ کی آڑ میں یہ چاہتی ہے کہ ہر فیصلہ اُن کی رائے سے کیا جائے۔لہٰذا رسولؐ اللہ نے اس مشرکانہ اور جمہوری ذہنیت کو واضح طور پر دلوں سے زبانوں پر لانے کے لئے اور اُن لوگوں کو حقیقی مسلمانوں کے روبرو بےنقاب کرنے کے واسطے جو کچھ کیا اُس کا پتہ طبری کے قریشی بیانات سے چلائیں۔اُنہوں نے لکھا ہے کہ:۔

(الف)۔ **اسیران بدر کے متعلق صحابہ کی رائے**

''عمر بن الخطاب سے مروی ہے بدر کے دن فریقین کا مقابلہ ہوا، اللہ نے مشرکین کو شکست دی۔ اُن کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر اسیر کر لئے گئے۔ پھر اُس روز رسولؐ اللہ نے ابوبکر، علیؑ اور مجھ سے مشورہ کیا۔ ابوبکر نے کہا اے اللہ کے نبیؐ یہ آپ کے یک جدّی، خاندان والے اور عزیز ہیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اُن سے فدیہ لے لیں تاکہ زرفدیہ سے ہماری قوت بڑھے۔ اور پھر شاید اللہ ایسا بھی کرے کہ اُن کو اسلام لے آنے کی توفیق دے دے۔ اور پھر اس طرح یہ ہمارے قوت بازو بن جائیں۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھ سے کہا کہ ابن الخطاب تمہاری کیا رائے ہے۔ میں نے کہا جناب والا بخدا میری ہرگز وہ رائے نہیں ہے جو ابوبکر کی رائے ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ فلاں شخص کو میرے سپرد کر دیں میں اُس کی گردن مارے دیتا ہوں۔ حمزہؓ کے بھائی اُن کے سپرد ہوں تاکہ وہ اُسے قتل کر دیں۔ عقیل کو علیؑ کے حوالے کیجئے۔ وہ اُس کا کام تمام کر دیں۔ تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے قلوب میں کفار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہی اُن کے بڑے سردار، سرخیل اور پیشوا ہیں۔ مگر رسولؐ اللہ نے ابوبکر کا مشورہ مانا اور میری بات نہ مانی اور فدیہ قبول کیا۔'' (مسلسل لکھا)

زرِفدیہ قبول کرنے پر پشیمانی: ''دوسرے دن میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ رسولؐ اللہ اور ابوبکر بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسولؐ مجھے تو بتایئے کہ آپ دونوں کیوں رو رہے ہیں؟ اگر کوئی رونے کی بات ہے تو میں بھی رونے لگوں گا اور اگر کوئی ایسی بات نہ ہوگی تو بھی آپ دونوں کے گریہ کی خاطر خود بھی رووٗں گا۔ آپ نے فرمایا فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے مجھے بتایا گیا ہے کہ تم سب پر بہت ہی قریب عذاب نازل ہوگا اور وہ عذاب اِس قدر قریب ہے جیسے کہ یہ درخت۔ آپؐ نے اشارے سے ایک درخت کو بتایا جو بالکل قریب ہی تھا اِسی موقعہ پر اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ o لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o (الانفال 68-8/67)۔ اس کے بعد اللہ نے مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا۔ چنانچہ دوسرے ہی سال احد میں اُن کو اپنے کئے کی سزا مل گئی۔ ستر صحابہؓ شہید ہوئے اور ستر اسیر ہوئے۔ دشمن نے آپ کی جھونپڑی کو توڑ پھوڑ ڈالا اور آپؐ کے سر کے خود کو ریزہ ریزہ کر دیا کہ آپؐ کے چہرے پر خون بہنے لگا۔ نبی صلعم کے صحابہ میدان سے فرار ہو کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اُس موقعہ پر اللہ عزوجلّ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ۔ (آل عمران 3/165)

نیز یہ دوسری آیت بھی نازل کی۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ۔

(آل عمران 3/153)۔ (تاریخ طبری۔ جلد اوّل صفحہ 203-202)

مسلسل دوسری روایت بھی پڑھیں لیں پھر ہم اِن دونوں روایتوں پر آپکی رائے معلوم کریں گے۔ جناب طبری مسلسل لکھتے ہیں کہ:۔

(ب)۔ ''حضرت ابوبکر؛ حضرت عمر کی رائے''

''عبداللہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن جب قیدی آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔آپؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ اِنکے ساتھ کیا کیا جائے؟ ابوبکر نے کہا یہ آپؐ کے ہم قوم اوراہل خاندان ہیں۔آپؐ اُنکی جان بخشی فرمائیں اورمہلت دیں شاید اُن پر اللہ مہربان ہو جائے۔اور یہ اسلام لے آئیں۔عمر نے کہا اے رسول اللہ صلعم انہوں نے آپ کو جھٹلایا ہے اور آپؐ کو آپکے گھر سے نکالا ہے۔آپ ان سب کو قتل کر دیں۔عبداللہ بن رواحہ نے کہا آپ اُن کیلئے ایک ایسی وادی تلاش کریں جہاں ایندھن وافر ہو۔پھر ان سب کو اُس میں ڈال کر آگ لگادیں۔اِس پر عباس نے کہا کہ تم نے تو بالکل ہی خاتمہ کر دیا۔'' (طبری۔جلد اوّل صفحہ 203)

(ج)۔ طبری اور دیگر سرکاری تواریخ کا اعتبار کیسے کیا جائے؟

قارئین دونوں روایات پر ہمارے ساتھ ساتھ دوبارہ نظر ڈال کر یہ نتائج مرتب کریں کہ:۔

اوّل۔ پہلی روایت میں صرف تین آدمیوں سے مشورہ لینے کا تذکرہ ہوا ہے۔اور یہ تینوں مہاجرین میں داخل ہیں۔یعنی حضرت عمر تاریخ میں یہ تاثر چھوڑنا چاہتے تھے کہ رسولؐ اللہ دینی امور میں قبیلہ اَوس وخزرج ہی کو نہیں ان تین افراد کے علاوہ تمام مہاجرین کو بھی نظرانداز کر دیا کرتے تھے۔پھر یہ دیکھیں کہ؛

دوم۔ حضرت عمر نام گنواتے وقت جناب علیؑ مرتضٰی کو شامل کرتے ہیں۔مگر مشورہ میں نہ رسولؐ اللہ کا علیؑ سے سوال کرنا دکھاتے ہیں نہ حضرت علیؑ کا دیا ہوا کوئی مشورہ بیان کرتے ہیں۔مطلب یہ ہوا کہ؛

سوم۔ رسولؐ کے نزدیک صاحبان عقل وفہم صرف ابوبکر وعمر ہی تھے اور مسلمان گروہ بے بصیرت تھا جسے کوئی عقل تسلیم نہ کریگی مگر؛

چہارم۔ حضرت عمر یا اُن کے عقیدت مند جانشین یہ چاہتے ہیں کہ صرف اُن کے اور جناب ابوبکر کے علاوہ آنحضرؐت کی نظر میں دوسرا کوئی شخص قابل قدر نہ دکھایا جائے۔

پنجم۔ یہ بات اس روایت اور ہر روایت سے ثابت ہے کہ جناب علیؑ مشورہ دینے والے اور مشاورت کے قائل گروہ میں ہرگز نہ تھے اور اسی لئے نظام مشاورت کے مخالف تھے۔

ششم۔ دوسری روایت پہلی کے خلاف عام مشورہ کی طرف اشارہ تو کرتی ہے مگر تمام مسلمانوں کو حسب بالا محروم کر کے پھر تین افراد کو بابصیرت اور صاحب الرّائے دکھاتی ہے اور پہلے دونوں حضرات اِس دفعہ بھی موجود ہیں۔یعنی بعد والے لوگوں کے اذہان پر اُن دونوں کو سوار کر دینے کی کوشش بہرحال جاری ہے۔

ہفتم۔ پھر یہ نوٹ کریں کہ پوری گھریلو اور خود ساختہ تاریخ میں یہ تو کہیں نہیں ملتا کہ مندرجہ بالا دونوں حضرات میں سے کسی کو بھی کسی جنگ میں کسی کافر کے ہاتھ سے زخم لگا ہو یا اُنہوں نے کسی کافر کو جہاد میں قتل یا زخمی کیا ہو۔البتہ اُن حضرات کی مستقل سنت اور عمل درآمد یہ رہا ہے کہ؛

ہشتم۔ جناب ابوبکر کفار قریش کے ہمیشہ طرفدار رہے اور یہاں بھی وہ قرآن کریم کے صریحی بیانات جو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کے خلاف قریش مکہ کے ایمان لے آنے کا تذکرہ اور اُمید کرتے ہیں۔ تاکہ جب یہ کفار اُن کی حکومت میں تعاون کریں تو مسلمان کہلاسکیں۔

نہم۔ اور حضرت عمر ہمیشہ اُس وقت جوش دکھاتے ہیں، تلوار نکالنے اور قتل کر ڈالنے کی بات کرتے ہیں جس وقت کوئی مجبور اور بے بس آدمی سامنے ہو یا جس وقت کسی کو قتل کرنا خلافِ حکم خداوندی ہو۔ ایسے تمام مواقع ہم الگ اور مستقل عنوان سے تاریخ سے جمع کر کے دکھائیں گے۔ نیز؛

دہم۔ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ قریشی مشرکین ہمیشہ اس کوشش میں مصروف رہے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے خاندان کو قریشی مشہور کیا جائے۔ تاکہ اگر اُن کی حکومت قائم ہو جائے، جس کی پیش گوئیاں زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہیں تو قریش خاندانِ رسولؐ کے رشتہ سے اُس حکومت کے حقدار بن سکیں۔ چنانچہ دونوں روایات میں بدر کے تمام قیدیوں کو رسوؐل کی قوم، رسولؐ کے خاندان کے افراد اور قریبی رشتہ دار کہہ کر قریشی منصوبے کی تائید کی گئی ہے۔ حالانکہ تمام قیدی نہ قریش ہیں نہ اُن سے رسوؐل کی رشتہ داری ہے۔ چنانچہ قیدیوں کے ناموں کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ یہ دعویٰ سراسر باطل ہے۔ جنگ بدر کے وقت رسولؐ کے خاندان کا کوئی فرد کافر نہیں ہے۔ بعض فرضی نام ہیں جیسے عقیل۔ یہ وہ عقیل نہیں جو حضرت علیؑ کے بھائی ہیں۔ بہرحال قریش کی کافرانہ اسکیم ہم شجرہ مقدسہ میں واضح کر چکے ہیں۔

گیارہویں بات۔ از خود ثابت ہے کہ جنگ بدر کے دن تک جناب ابوبکر اور جناب عمر میں اس قدر اختلاف تھا جس قدر موت اور زندگی میں؛ یا ثواب وعذاب میں یا حلال وحرام میں اختلاف ہوتا ہے۔ جسکو ابوبکر زندہ رکھنا چاہتے ہیں، عمر اسے قتل کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ ایک کی بات ماننے کے قابل ہے تو دوسرے کی ٹھکرانے کے لائق ہے۔ ایک کفار قریش کو اپنا قوتِ بازو بنانے کی فکر میں تھا۔ اور آخر کار اپنا قوت بازو بنا کر رکھا۔ دوسرا قتل کرنے کی فکر میں تھا اور جب موقع ملا تو قتل عام اور نظر بند کر کے رکھا۔

بارہ۔ حضرت عمر کا یہ کہنا کہ عقیل اور حمزہؓ کے بھائی اور فلاں شخص، جس کو خود قتل کرنا چاہتے تھے؛ کفار مکہ کے بڑے سردار، سرِ خیل اور پیشوا ہیں۔ ایک سفید اور تاریخی جھوٹ ہے۔ عقیل اور حمزہ کے بھائی قیدیوں میں تھے یا نہیں؟ یہ تو تحقیق طلب ہے لیکن یہ تو تحقیق شدہ بات ہے کہ جناب عمر خاندانِ بنی ہاشم کو قتل کر دینا ضروری خیال فرماتے ہیں۔

تیرہ۔ حضرت عمر کے بقول حضرت ابوبکر کا مشورہ خدا کو اس قدر ناپسند آیا کہ عذاب نازل کرنے کی دھمکی ملی اور مشورہ دینے والا اور معاذ اللہ خود رسولؐ اللہ مشورہ پر عمل سے پشیمان ہوئے اور روتے رہے۔

چودہ۔ بقول حضرت عمر آخر جنگ احد میں وہ عذاب تمام مسلمانوں پر نازل ہوا اور خود رسولؐ اللہ کو بھی سزا ملنا بیان کر دیا ہے۔ یعنی وہ نہ صرف رسولؐ اللہ کو خاطی سمجھتے تھے بلکہ یہ بھی کہ معاذ اللہ آنحضرتؐ کو خدا نے انکی غلطی پر سزا بھی دی تھی۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

پندرہ۔ سوال یہ ہے کہ غلطی اگر کی تھی تو رسولؐ اللہ اور ابوبکر نے کی تھی۔ یہ کتنی خلافِ عدل وخلافِ عقل بات ہے کہ اللہ، بقول عمر، تمام مسلمانوں پر عذاب اور سزا نافذ کرتا ہے؟ قرآن سے یہ بات جھوٹ ثابت کی جائے گی۔

سولہ۔ مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ پڑھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ حضرت عمر نے آیت کے نہ معنی سمجھے نہ کسی اور نے اُنکو معنی بتائے، ذرا دیر میں ہم ترجمہ میں دکھائینگے کہ بیانات نمبر 13 و 14 دونوں غلط تعبیرات ہیں اور یہ کہ بڑے بڑے لوگ قرآن میں تحریف کر رہے تھے۔

سترہ۔ حضرت عمر کے بیان سے یہ بات تصدیق ہوگئی کہ رسولؐ اور خاندان رسولؐ کے علاوہ باقی مہاجرین میں اور کوئی شخص ایسا نہ تھا جسے کفار قریش نے گھر سے نکالا ہو۔ اور ہم یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ مہاجرین کی کثرت قریش مکہ کی اپنی مسلمان جماعت تھی۔ جو داخلی تخریب کے لئے مسلمانوں میں شامل کی گئی تھی۔ جسے قریش نے کبھی نہیں ستایا نہ گھر سے نکالا بلکہ وظائف دیئے۔ اور رسولؐ اللہ کی حکومت پر قبضہ کرانے میں مدد کی اور اُس کے بعد حکومت میں حصہ دار بن گئے۔

(25 الف۔8)۔ قرآن کریم نے مال غنیمت اور اسیران جنگ کے لئے کیا فرمایا

علامہ طبری نے جن آیات کا حوالہ دیا ہے، ہم یہاں اُن کا ترجمہ علامہ مودودی کے قلم سے لکھتے ہیں تاکہ حضرت عمر کی قرآن فہمی اور دینی بصیرت کے خلاف وہ خود حضرت عمر کا ایک زندہ شاگرد اور عالم گواہی دے۔ پہلی آیت کا ترجمہ یوں ہے:۔

(الف)۔ ''کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ اُس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدہ چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اُسکی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اُسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ (و اتَّقُوا کے معنی۔ احسن) یقیناً اللہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''
(انفال 69-8/67۔ تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 159-158)

(ب)۔ علامہ کے ترجمہ اور آیت کے منشا پر ایک نظر

قارئین پہلے یہ دیکھیں کہ اللہ نے عذاب یا سزا دینے کی کوئی پیشین گوئی یا ارادہ ظاہر نہیں فرمایا ہے۔ یعنی ہرگز اِن آیات میں یہ نہیں کہا گیا کہ ''تم سب پر بہت ہی قریب عذاب نازل ہوگا'' لہٰذا عذاب نازل ہونے کے متعلق تمام باتیں بے بصیرتی اور قرآن کی غلط تعبیر پر مبنی اور ایک قریشی جسارت کا ثبوت ہیں۔ اس آیت میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ؛

(ج)۔ مسلمانوں کے قریشی گروہ کا اسلام دنیا طلبی کے لئے تھا

اللہ نے بڑے واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ اسلام لانے میں تمہارا ارادہ (تُرِیدُوْنَ) یہ ہے کہ تم دنیا حاصل کرو۔ اور اللہ کا ارادہ (وَاللّٰہُ یُرِیْدُ) یہ ہے کہ اسلام آخرت کو حاصل کرنے کے لئے لایا جائے۔ یہاں ثابت ہوا کہ رسولؐ اللہ کے ساتھ اس لئے شامل ہوئے تھے کہ اُن کی زندگی اور وفات کے بعد کے زمانے میں دنیا بٹوری جائے اور دنیا کو لُوٹنے کے لئے حکومتِ خداوندی پر قبضہ کر لیا جائے تاریخ بھی اِسی کا ثبوت دیتی ہے۔ یہ کون لوگ تھے؟ اگر اس کا نام بنام پتہ لگانا ہو تو حضرت عمر کے قتل کے بعد والے مسلمانوں کا مالی جائزہ لینا ہوگا۔ ہر وہ شخص جو لکھ پتی، کروڑ پتی یا سرمایہ دار ہوا اور ہر وہ شخص جو اُن سرمایہ دار مسلمانوں کا حاشیہ نشین، طرفدار یا ہم خیال یا ہم مکتب و

ہم فکر ہو۔ وہ اُسی قریشی گروہ کا فرد یا افراد تھے جن کا تذکرہ مندرجہ بالا آیت اور دیگر سینکڑوں آیات میں ہوا ہے اور جس گروہ کو ہم مشخص کرتے آئے ہیں۔ اور جس سے جناب امام حسینؑ اور اُن کے برادرؑ و والدؑ کا براہ راست سابقہ پڑنے والا تھا۔ چنانچہ تمام تواریخ نے اُن مسلمانوں کا تذکرہ کیا ہے، اُن کی دولت وملکیت وسرمایہ کے میزان لکھے ہیں۔ چنانچہ جناب خدا بخش صاحب اپنی کتاب پولیٹکس ان اسلام (Politics in Islam) میں لکھتے ہیں۔ (مصنف بانکے پور کے متوطن تھے)

1۔ جناب زبیر نے اپنی وفات پر پانچ کروڑ درہم کی جائیداد چھوڑی تھی۔

2۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے ایک ہزار اونٹ اور اتنا روپیہ چھوڑا کہ اُن کی چاروں بیوگان میں سے ہر ایک کو اولاد کا حصہ نکالنے کے بعد اَسّی سے سو ہزار درہم تک ملا۔ (یعنی کل سرمایہ تیس لاکھ تھا)

3۔ سعد ابن ابی وقاص نے مدینہ کے قریب ایک عالیشان محل بنایا تھا۔

4۔ طلحہ نے بائیس لاکھ درھم اور دو لاکھ دینار (اشرفیاں) چھوڑے۔ اُن کی دولت وجائیداد کی کل قیمت تین کروڑ درہم تھی۔'' (صفحہ 151)

یہ ہیں وہ حضرات جو جناب علیؑ کے ساتھ برسرِ پیکار رہے اور تمام عرب کے سردار و پیشوا تھے۔ عربی تاریخیں تمام مہاجر صحابہ کے سرمایہ کی تفصیل سے بھری پڑی ہیں۔ لہٰذا آیہ مبارکہ کی پیش گوئی صاف ثابت ہے اور ساری تاریخیں چھان مارنے کے بعد بھی آپ کو انصاری اور ابوطالبؑ کی اولاد والے صحابۂ رسولؐ میں ایک بھی سرمایہ دار نہ ملے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا نبطی خانوادہ تھا جو آخرت کے لئے ایمان لایا اور دنیادارانہ اسلام لانے والوں کے خلاف رہا۔ اُن کے بائیکاٹ اور قتلِ عام بھی اِسی کا ثبوت ہیں۔

(د)۔ مالِ غنیمت یا دشمنانِ خدا کو لوٹنا بہرحال ناپسندیدہ ہے

آیت زیرِ نظر میں ایک بات نہایت اہم ہے جس پر بحث وگفتگو کرنے کے بجائے اُس پر دامن بچا کر نکل جانے کی پابندی کی گئی ہے۔ وہ بات اللہ کا وہ نوشتہ ہے جس کا آیت (انفال 8/68) میں تذکرہ ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ مودودی نے چاروں طرف ہاتھ پیر مارے ہیں (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 159، حاشیہ 49 اور جلد پنجم صفحہ 11، حاشیہ 8 تا 10) اور زبردستی یہ منوانے کی کوشش کی ہے کہ وہ نوشتہ جس میں مال واسباب لوٹنے کی اجازت ملی تھی، سورہ محمدؐ آیت نمبر 4 میں موجود ہے حالانکہ اُس آیت میں مالِ غنیمت لینے کا ذکر ہرگز نہیں ہے۔ وہاں تو قید کرنے اور پھر قیدیوں کو احسان کر کے رہا کر دینے یا فدیہ وتاوانِ جنگ وصول کرنے کی اجازت ہے۔ اور اگر یہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی تو اس غیض وغضب اور عذاب کی دھمکی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اِس لئے کہ جب اللہ نے خود یہ اجازت دے دی تھی اور اِس اجازت کے بعد مسلمانوں نے یا رسولؐ اللہ نے اس اجازت کے مطابق عمل کیا تو اللہ کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ مسلمان تعمیل حکم کر رہے ہیں۔ چہ جائیکہ عذاب کی دھمکی اور عذاب کا سزاوار بتانا۔ لہٰذا ہرگز اُس آیت (محمدؐ 47/4) میں اُس دنیا بٹورنے کی اجازت نہ تھی جس پر دھمکی دی گئی ہے۔ اور آپ خود دیکھ لیں کہ جس چیز کی اجازت ہے وہ دشمنانِ خدا کو گرفتار کرنے، فدیہ لے کر یا احسان کر کے چھوڑ دینے کی اجازت ہے (محمدؐ 47/4)۔ لیکن آیت میں دھمکی ہے۔ وہاں نہ فدیہ کا ذکر ہے نہ احسان کا بلکہ دنیا طلبی کا جرم عائد کیا گیا

ہے۔اگر فدیہ لینا دنیا طلبی ہوتی تو اجازت نہ دی گئی ہوتی۔اور اجازت دی گئی تھی تو دھمکی دینا عقل مندی اور انصاف کے خلاف ہوتا۔لہٰذا دھمکی جس بات پر ہے وہ لوٹ مار ہے۔جس کا دبی زبان سے علامہ نے بھی اقرار کرلیا ہے۔

''جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا۔'' (جلد دوم صفحہ 159 حاشیہ 49 تفہیم القرآن)

ذرا سوچیئے کہ جب فوج ہی بھاگ نکلی تو گرفتاری تعاقب کے بغیر ناممکن تھی۔لہٰذا علامہ کا یہ فرمانا کہ مسلمانوں نے دشمن کے تعاقب میں کوتاہی کی، سراسر غلط ہے۔پیدل لوگ جس قدر تعاقب کر سکتے تھے کیا گیا۔اور دشمن کے پا پیادہ لوگوں میں سے جس قدر لوگوں کو گرفتار کر سکتے تھے، کرلیا گیا۔علاوہ ازیں قرآن میں کہیں بھی بھاگنے والے اور خوفزدہ لوگوں کا ایسا تعاقب جائز نہیں جو علامہ چاہتے ہیں۔پھر علامہ نے بار بار لکھا اور ترجمہ میں بھی'' یُثْخِنَ'' کا ترجمہ کچل دینا کیا ہے۔حالانکہ کچل دینا ایک ایسا مکروہ وقبیح اور سنگدلانہ لفظ اور فعل ہے جسے اسلامی اور شریفانہ ذہنیت ہرگز برداشت نہیں کرسکتی۔مگر علامہ چونکہ مارشل ازم کو اسلام سمجھتے ہیں، اسلئے جہاں موقع ملتا ہے جبر وظلم وستم کا جواز نکال لیتے ہیں۔چنانچہ لفظ'' یُثْخِنَ '' کے بنیادی معنی کی جگہ کچل ڈالنا کر کے اپنی خونخوار ذہنیت کی پیاس بجھالی گئی۔بنیادی معنی ہیں 1۔موٹا کرنا، 2۔گاڑھا کرنا، 3۔سخت کرنا، 4۔ہتھیار بند آدمی کا خوب خوب جنگ کرنا۔یہاں چوتھے اور اُس کے بعد تمام معنی اصل لفظ کے معنی نہیں ہیں بلکہ بھرتی کے معنی ہیں جو تحریف کی اسکیم کے ماتحت بھر دیئے گئے ہیں۔اور صرف اس لئے کہ یہ لفظ یثخن جنگ کے تذکرہ میں آگیا ہے۔اس لئے عموماً سخت کرنا سے سخت خونریزی اور کچل دینا کرلئے گئے۔اگر آیت کے یہی معنی ہوں تو یہ کہنا پڑے گا کہ جب پوری زمین پر دشمنوں کو کچل دیا گیا یا قتل کر کے سب کا خون بہا دیا گیا تو قیدی رکھنا کیوں جائز ہوگا۔کچھ لوگوں کو کچلنے اور اُن کا خون بہانے کے بجائے اُنہیں تندرست وتوانا حالت میں قید رکھنا تو حکم خدا کے خلاف ہوگا۔لہٰذا یہ معنی ہی غلط ہیں۔اللہ کا منشا نہ تمام دشمنان اسلام کو کچل کر رکھ دینا ہے، نہ انہیں قتل کر ڈالنا ہے۔بلکہ ایسے مضبوط ومستحکم حالات پیدا کرنا ہے جس سے رخنہ اندازی کی گنجائش ہی نہ رہے۔اور جب تک ایسے حالات تمام دنیا میں پیدا نہ ہو جائیں، اُس وقت تک کسی کو قید کرنا اور اُس کے اختیار وارادہ کو ختم کر دینا جائز نہیں ہے۔تاکہ اختلاف کنندہ کو موقع ملے کہ وہ ہجرت کر کے دوسری جگہ چلا جائے۔اور رفتہ رفتہ تجربہ اور تحقیق سے اسلامی نظام کی حقانیت کو سمجھنے کا موقعہ اُسے حاصل رہے۔لیکن جب ساری دنیا اسلامی نظام میں داخل ہو جائے اور صدق دل سے اس نظام پر ایمان لے آئے، تب یہ جائز ہوگا کہ اب اختلاف کرنے والوں کو خواہ اختلاف برائے تخریب ہو یا اختلاف برائے تحقیق ہو ایسی جگہ قید ونظر بند کر دیا جائے کہ تحقیق کا پورا موقعہ ملے اور تخریب کی گنجائش نہ ہو۔مگر اُس قید خانہ یا جیل میں بھی اُنہیں کچلنے یا قتل کرنے یا جبراً نماز روزہ ادا کرنے کی ممانعت ہے۔لیکن اسلام پھیلانے کا یہ طریقہ کہ اسلام کا اقرار کرو، ورنہ قتل کے لئے تیار ہو جاؤ، مارشل ازم ہے اسلام نہیں ہے۔یہی نہیں بلکہ مارشل ازم میں جو نوک شمشیر پر ایمان نہ لائے، اُسے قتل کر کے اُس کا تمام مال اسباب لوٹ لینا، جائیداد پر قبضہ جما لینا، اُس کے بچوں کو غلام بنالینا یا فروخت کر دینا اور اُس کی زوجہ سے اُسی دن ہم بستری کر لینا بھی اسلام ہی کے نام پر جائز ہے۔جو قارئین یہاں گھبرا جائیں اُن سے اس قدر التماس ہے کہ اگر اُنہیں مندرجہ بالا باتیں ناگوار اور غلط معلوم ہوتی ہیں، تو یہ کہہ دیں کہ خدایا اُن لوگوں پر لعنت کر

جنہوں نے مسلمان ہوکر مندرجہ بالا عمل کیا ہو۔ آپ کی شرافت اور ضمیر کی پاکیزگی کافر اور منکر اسلام کے ساتھ بھی یہ سلوک ناپسند اور خلاف اسلام سمجھتی ہے۔ کیا کہیں گے آپ اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے یہی سب کچھ مسلمانوں کیساتھ، نمازیوں، تہجد گزاروں کے ساتھ کیا۔ اور لاکھوں مسلمانوں کی عزت و عصمت لوٹی، گھر بار، مال ومتاع لُوٹے قتل عام کیا۔ عورتوں بچوں کو لونڈیاں غلام بنایا، فروخت کیا۔ اُن کے سروں کے چولہے بنا کر اُن پر ہانڈیاں پکائیں؟ یہ تھی وہ ذہنیت جس کی ممانعت کی گئی اور سارے قرآن میں طرح طرح بار بار منع کیا گیا ہے۔ لیکن مولانا مودودی آج بھی مارشل ازم کو اسلام کہہ کر اور اُسی قسم کی اسلامی جماعت بنا کر نافذ کرنے کی فکر میں ہیں۔ خدا اُنہیں ہرگز کامیاب نہ کرے، آمین۔ ورنہ یہ دنیا ایک دفعہ پھر نوع انسان کے لئے جہنم بن جائے گی۔ آج دنیا میں مولویانہ ذہنیت سے بڑا اور کوئی دشمن اسلام نہیں ہے۔

(ہ)۔ علامہ مودودی کے ہم پلہ مُفکّر پرویز صاحب

خالی از دلچسپی نہ ہوگا اگر آپ یہاں ایک انتہائی غالی اہل سنت کا بیان دیکھ لیں۔ جس سے اُن لوگوں کی ذہنیت اور مسلمان ہونے کی وجہ معلوم ہو جائے گی، جن کا ذکر خیر ہم کر رہے ہیں۔ سنیئے تمام عربوں کے لئے ملاحظہ ہو:۔

''عربوں میں جنگ کی سب سے بڑی کشش مال غنیمت تھی۔ اسلام نے چونکہ جنگ اور صلح کے لئے پیمانے ہی مختلف مقرر کیئے تھے۔ اس لئے مالِ غنیمت مقصود بالذات نہ تھا۔ اصل مقصد اعلائے کلمة الحق تھا۔ اس میں اگر دشمن شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اپنا مال میدان میں چھوڑ جائے تو یہ بے شک حلال اور طیب تھا۔ لیکن اگر جنگ کا محرّک جذبہ مال غنیمت ہو جائے؟ تو یہ جنگ باطل کی جنگ ہوگی حق کی نہ ہوگی۔

مالِ غنیمت: چونکہ مال غنیمت کے متعلق ابھی تک کوئی احکام نہیں آئے تھے۔ اِس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میدان ہاتھ آنے کے بعد مجاہدین کا مظفر و منصور لشکر مالِ غنیمت کی طرف لپک پڑا اور بجائے اِس کے کہ یہ مال مرکز میں جمع ہو کر تقسیم کیا جاتا۔ سپاہیوں نے اُسے حسبِ معمول اپنی انفرادی ملکیت سمجھ لیا۔ یہ منشائے خداوندی کے خلاف تھا۔ اس لئے اس پر تادیباً کہا گیا:۔

لَوۡلَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّکُمۡ فِیۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ٥ (انفال 8/68)۔ اگر اس بارے میں پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا تو جو کچھ تم نے جنگ بدر میں مال غنیمت لُوٹا اُس کے لئے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔

لیکن چونکہ یہ محض سہو تھا، خرابی نیت نہ تھی اس لئے اس فروگذاشت کو معاف کر دیا گیا۔ فَکُلُوۡا مِمَّا غَنِمۡتُمۡ حَلٰلًا طَیِّبًا ۫ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ٥ (انفال 8/69)۔ بہرحال جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں ہاتھ لگا ہے، اُسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔'' (معارف الاسلام جلد 4 صفحہ 527)

(و)۔ پرویز صاحب نے حق کے ساتھ باطل کو بہرحال ملا ہی دیا

حق تو یہ ہے کہ مودودی صاحب نے آیت میں لفظ غَنِمۡتُمۡ ہوتے ہوئے بھی لفظ مال غنیمت نہ لکھا اور اس سے مراد محض قیدی اور فدیہ لئے۔ لیکن پرویز صاحب نے کہیں بھی فدیہ کا ذکر نہ کیا اور مان لیا کہ عذاب کے نزول کی دھمکی مال غنیمت لوٹنے کیلئے تھی اور مال

غنیمت لوٹا گیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ عربوں کا کافرانہ قدیم معمول تھا اور وہ جنگ کی غرض لوٹ مار ہی سمجھتے تھے اور یہ چیز جہاد کو دنیاوی باطل جنگ بنا دیتی ہے۔ یہ بھی حق ہے کہ پرویز صاحب نے علامہ مودودی کی طرح مسلمانوں اور قارئین کو فریب دینے کیلئے ایک غیر متعلق آیت لکھنے اور تُک بندی کرنے کے بجائے صاف مان لیا کہ اُس روز تک یعنی جنگ بدر تک مال غنیمت کے سلسلے میں احکام نازل ہی نہ ہوئے تھے۔ یہ بھی حق ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے لوٹ مار میں مشغول ہو جانے کو مان لیا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی ساتھ باطل یہ ہے کہ آیت (8/67) میں لفظ تُـرِيْدُوْنَ ہوتے ہوئے یہ لکھ دیا کہ لوٹ مار کرنے والوں کی نیت بخیر تھی اور لوٹ مار کرنا ایک سہو تھا۔ اور یہ بھی باطل ہے کہ خدا نے اُس جُرم کو سہو سمجھ کر یا نیت بخیر دیکھ کر غنیمت کو حلال کر دیا۔ صحیح وہ بات ہے جسے نہ علامہ مودودی سمجھے اور نہ مسٹر پرویز کو پتہ لگا۔ معافی کا سبب تو وہی نوشتہ ہے جسے پرویز تو قطعاً نظرانداز کر گئے اور مودودی صاحب نے گھبرا کر اُسے قرآن ہی کی ایک آیت سمجھا اور ماشاءاللہ غلط سمجھا۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ بڑے صریح ہیں ''کتـاب'' کے معنی ہر اُردو دان جانتا ہے۔ اگر علما کتاب کے معنی ایک دو چار لفظی نوشتہ یا ایک آیت سمجھ لیں تو اسکو اُلٹی سمجھ کے سوا کیا کہوں۔ اور سَبَـقَ کے معنی معمولی اردو دان بھی سابق سے سمجھ سکتا ہے۔ یعنی خدا نے فرمایا تھا کہ اگر ایک سابق یا پہلے والی کتاب نہ ہوتی، لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o (8/68)

''اگر اللہ کی طرف سے وہ کتاب جو گزر چکی نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لے لیا ہے اُس پر تمہیں عذاب عظیم سے دوچار ہونا پڑتا۔''

مطلب یہ ہے کہ توریت کے بیانات پر تم نے اجتہاد کر کے بلا حکم رسولؐ یہ مال غنیمت لوٹا ہے۔ اور چونکہ وہ بھی خدا کی کتاب ہے اس لئے آئندہ خدا سے تقویٰ کرو۔ اب تو معاف کئے جاتے ہو۔ لہٰذا فی الحال اُسے حلال سمجھ لو۔ لیکن ذرا آگے آنے والی دو آیات بھی پڑھ لو اور اُن میں مذکورہ عمل درآمد کے لئے تیار رہو۔

(ز)۔ مالِ فدیہ ہو یا مال غنیمت دونوں عارضی ہیں

جس طرح دشمنانِ اسلام کے ساتھ جنگ محض معصومؑ کی موجودگی میں جہاد کہلائے گی اور دشمنوں کے ہاتھ سے اُس جہاد میں مرنے والا شہید کہلائے گا۔ اُسی طرح قیدیوں سے فدیہ لینا یا بطور احسان بلا کسی تاوان کے آزاد کر دینا اور غنیمت کا حلال ہونا بھی معصومؑ حکم سے ہوگا۔ ورنہ یہ دنیاوی جنگ ہوگی جو جائز بھی ہو سکتی ہے باطل بھی۔ حلال بھی ہو سکتی ہے حرام بھی اور جہاد کی صورت اور نبیؐ کی موجودگی میں بھی غنیمت اور فدیہ میں لیا ہوا مال واپس کرنے کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا آیات کے بعد مسلسل اللہ نے فرمایا ہے کہ:

'' يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّمَنْ فِىْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ...(8/70)

''اے نبیؐ، تم لوگوں کے قبضے میں جو قیدی ہیں اُن سے کہو کہ اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اُس سے بڑھ چڑھ کر دیگا جو تم سے لیا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد 2 صفحہ 160)

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ جس شخص نے کبھی اور کسی حال میں مقتول کی تلوار کے علاوہ مال غنیمت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کا نامِ نامی حضرت علی علیہ السلام ہے۔ اگر کہیں یہ شخص خلفائے ثلاثہ کی طرح مال غنیمت کو جائز رکھتا تو مخالف محاذ کی جڑیں نکال کر رکھ دیتا۔ طلحہ و زبیر و جناب

عائشہ اور معاویہ سب تہہ تیغ کر دیئے جاتے اور تاریخ کا رخ مُڑ جاتا۔ لیکن ہم اُس صورت میں حضرت علیؑ کو بھی خلفائے ثلاثہ کی قطار میں کھڑا کر دیتے۔ اُن کی بزرگی یہی ہے کہ اُنہوں نے حکمِ خداوندی کے خلاف عمل تو عمل سانس تک نہیں لیا۔ اگر اُنہوں نے کبھی مالِ غنیمت یا مسلمانوں کی لُوٹ میں سے کوئی شے قبول کی وہ اسی اصول پر کہ اُس سے بہتر چیز بڑھ چڑھ کر واپس حقدار کو دی جائے۔

یہاں ایک خاص بات نوٹ فرمالیں کہ خدا کی طرف سے کسی رعایت کا دیا جانا خود یہ بتاتا ہے کہ جس کو رعایت دی جارہی ہے اُس میں علمی و عملی کمزوریاں موجود ہیں۔ پھر یہ بھی سمجھ لیں کہ اگر کسی کی کمزوری کی بنا پر کوئی رعایت دے دی جائے تو یہ لازم نہیں ہوجاتا کہ اُن رعایتوں سے ہمیشہ فائدہ اٹھا کر اپنی کمزوری کو برقرار رکھا جائے اور کبھی بھی علمی یا عملی ترقی نہ کی جائے۔ یہ جائز ہے کہ ایک شخص کسی فقیر یا بھوکے انسان کو اس لئے روٹی نہ دے کہ وہ خود بھوکا ہے۔ اور اُس کے پاس مثلاً دو ہی روٹیاں ہیں۔ لیکن اگر وہ ایک یا دونوں روٹیاں فقیر کو دے دے تو یہ منع تو نہیں ہے؟ بلکہ ثواب اور خوشنودی تو اُسی حالت میں ممکن ہے جب کہ ہم فرائض سے بڑھ کر زیادہ خدمتِ اسلام کریں۔ ورنہ واجبات و فرائض کی جبری ادائیگی پر نہ کوئی ثواب ہے نہ خوشنودیٔ خدا حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر چند وجوہات کی بنا پر فدیہ لینا یا لُوٹ کا مال حلال کر دیا گیا تھا؟ تو اُس کو بطور پیشہ کیوں اختیار کر لیا جائے؟ چونکہ عربوں کے یہاں تمام خباثتیں دستور کی حیثیت سے جاری تھیں۔ اُن میں پھنسے ہوئے لوگوں کو باہر نکالنے کے لئے اگر تدریج اور رعایات ملحوظ رکھی گئیں تو یہ کوئی غلطی نہ تھی؟ کہ ہر چیز کو حلال اور طیب کہہ کر دو چار بہانے اور حیلے گھڑ کر برابر جاری رکھا جائے؟ لیکن کفار قریش تو اسلام لائے ہی اس لئے تھے کہ اسلام کو اجتہاد کی زَد پر رکھ کر اسلام ہی کے نام سے کفر کو از سرِ نو پھیلا دیا جائے۔ چنانچہ انتقالِ رسولؐ کے فوراً بعد یہ منصوبہ کھل کر سامنے آیا اور صرف پچیس تیس (25-30) سال کے اندر اندر اسلام کے تمام اصول اور تمام احکام کا رُخ بدل دیا گیا اور آج تک یہ عمل جاری ہے۔ حضرت عمر کے بیان میں باقی دونوں آیات کا تذکرہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ وہ یہ بتائیں کہ جنگ احد میں معاذ اللہ رسولؐ اللہ اور مسلمانوں کو وہ عذاب یا سزا ملی جس کا ذکر گزشتہ عنوان اور آیت (انفال 8/68) میں ہوا ہے۔

26۔ جنگِ اُحد؛ قریشی مسلمانوں کے حالات، تاریخ اور قرآن سے

''بدر کی شکست کے بعد قریش کے دلوں میں آپ ہی انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی کہ اس پر مزید تیل یہودیوں نے چھڑکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی سال بعد مکے سے تین ہزار کا لشکر جرار مدینہ پر حملہ آور ہو گیا اور اُحد کے دامن میں وہ لڑائی پیش آئی، جو جنگ اُحد کے نام سے مشہور ہے۔ اِس جنگ کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار آدمی مدینے سے نکلے تھے۔ مگر راستے میں سے تین سو منافق یکا یک الگ ہو کر مدینے کی طرف پلٹ گئے۔ اور جو سات سو آدمی آپکے ساتھ رہ گئے تھے، اُن میں بھی منافقین کی ایک چھوٹی سی پارٹی شامل رہی، جس نے دورانِ جنگ میں مسلمانوں کے درمیان فتنہ برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے اپنے گھر میں اتنے کثیر التعداد مارِ آستین موجود ہیں۔ اور وہ اس طرح باہر (یعنی مکہ) کے دشمنوں کے ساتھ مل کر خود اپنے بھائی بندوں کو نقصان پہنچانے پر تلے ہوئے ہیں۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد 1 صفحہ 230)

(26/2)۔ مدینہ میں منافقوں کا وجود اور مقصد

جنابِ علامہ مودودی نے مدینہ میں منافقوں کی کثرت تسلیم کرتے ہوئے یہ بھی مان لیا کہ قریش مکہ نے مدینہ میں اُن منافقوں کو داخلی تخریب کے لئے مقرر کر رکھا تھا اور یہ لوگ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے تلُے ہوئے تھے۔ہم اُن لوگوں کی کثرت کو قریشی مسلمان کہتے ہیں اور اُن کے عقائد بیان کرتے چلے آئے ہیں۔علامہ نے یہ دعویٰ غلط کیا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا جب اُن منافقوں کا وجود معلوم ہوا۔چونکہ سرکاری تاریخ اپنی مصلحتوں کے ماتحت منافقوں کے نام بتانا نہیں چاہتی اور نہیں چاہتی کہ اُس متوازی مذہب اور اُس کے بانیوں کا پتا چلے جو بعد میں جاری ہوا۔اس لئے اُس مذہب کا ہر نمائندہ منافقوں کا ذکر تو کرتا ہے مگر نہ تو تفصیل میں جاتا ہے نہ اُن کا پورا اَتا پَتا بتاتا ہے۔بلکہ اُس قریشی گروہ کے حالات اور وجود کو مشکوک کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔علامہ جنگ اُحد میں جو تین ہجری میں ہوئی،منافقوں کی کثرت تو مان گئے لیکن یہ تاثر دیا کہ جنگ اُحد سے قبل اُس مسلمان گروہ کا کسی کو علم نہ تھا گویا وجود ہی نہ تھا۔حالانکہ علامہ ہجرت سے قبل بھی مسلسل اُس گروہ کا موجود ہونا لکھ چکے ہیں۔چنانچہ سورۂ بقرہ کے نزول کا زمانہ ''ہجرت مدینہ کے بعد مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور'' کو لکھا ہے (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 48)۔پھر سورۂ بقرہ کے لئے ایک لمبا چوڑا تاریخی پس منظر لکھا ہے اور اُس کے پس منظر میں یہ بتایا ہے کہ:۔

(26/3)۔ منافقوں کی آڑ میں قریشی مسلمان کب سے تھے؟

''دعوتِ اسلامی کے اِس مرحلہ میں ایک نیا عنصر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا تھا اور یہ منافقین کا عنصر تھا۔اگرچہ نفاق کے ابتدائی آثارِ مکہ کے آخری زمانہ میں بھی نمایاں ہونے لگے تھے،مگر وہاں صرف اِس قسم کے منافق پائے جاتے تھے (1) جو اسلام کے برحق ہونے کے تو معترف تھے اور ایمان کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن اس کیلئے تیار نہ تھے کہ اُس حق کی خاطر اپنے مفاد کی قربانی اور دنیوی تعلقات کا انقطاع اور اُن مصائب وشدائد کو بھی برداشت کرلیں جو اِس مسلکِ حق کو قبول کرنے کے ساتھ ہی نازل ہونے شروع ہو جاتے تھے۔مدینہ پہنچ کر اِس قسم کے منافقین کے علاوہ چند اور قسموں کے منافق بھی اسلامی جماعت میں پائے جانے لگے۔(2) ایک قسم کے منافقین وہ تھے جو قطعاً اسلام کے منکر تھے۔اور محض فتنہ برپا کرنے کیلئے جماعتِ مسلمین میں داخل ہو جاتے تھے۔(3) دوسری قسم کے منافقین وہ تھے جو اسلامی جماعت کے دائرۂ اقتدار میں گھر جانے کی وجہ سے اپنا مفاد اِسی میں دیکھتے تھے کہ ایک طرف مسلمانوں میں بھی اپنا شمار کرائیں اور دوسری طرف مخالفینِ اسلام سے بھی ربط رکھیں تاکہ دونوں طرف کے فوائد سے مُتمتع ہوں اور دونوں طرف کے خطرات سے محفوظ رہیں۔(4) تیسری قسم اُن لوگوں کی تھی جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان متردد تھے۔اُنہیں اسلام کے برحق ہونے پر کامل اطمینان نہ تھا۔مگر چونکہ اُنکے قبیلے یا خاندان کے بیشتر لوگ مسلمان ہو چکے تھے اِسلئے یہ بھی مسلمان ہو گئے تھے۔(5) چوتھی قسم میں وہ لوگ شامل تھے جو امرِ حق ہونے کی حیثیت سے تو اسلام کے قائل ہو چکے تھے مگر جاہلیت کے طریقے اور اوہام اور رسمیں چھوڑنے اور اخلاقی پابندیاں قبول کرنے اور فرائض اور ذمہ داریوں کا بار اُٹھانے سے اُنکا نفس انکار کرتا تھا۔سورۂ بقرہ کے

نزول کے وقت اِن مختلف اقسام کے منافقین کے ظہور کی محض ابتدا تھی اِسلئے اللہ تعالیٰ نے اُنکی طرف صرف اجمالی اشارات فرمائے ہیں۔ بعد میں جتنی جتنی اُنکی صفات اور حرکات نمایاں ہوتی گئیں اُسی قدر تفصیل کے ساتھ بعد کی صورتوں میں ہر قسم کے منافقین کے متعلق اُنکی نوعیت کے لحاظ سے الگ الگ ہدایات بھیجی گئیں۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 48)

(26/4)۔ قریشی قسم کے مسلمان منافقوں سے الگ مُشخّص ہو گئے

قارئین کرام دیکھ لیں کہ ہمارے تمام بیانات کی یہاں تصدیق ہوگئی اور آئندہ کے لئے نوٹ کر لیں کہ جن لوگوں کو قرآن کریم میں منافق کہا جاتا رہا ہے، وہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے علامہ صاحب کے اِس بیان میں **نمبر 2** دیا ہے۔ اور جنہیں علامہ نے **پہلی قسم میں داخل کیا ہے**۔ یعنی وہ لوگ جو دل میں کافر تھے۔ لیکن زبان اور ظاہری اعمال سے مسلمان بنے ہوئے تھے۔ اِسی قسم میں اُن لوگوں کو بھی داخل کرنا ہوگا۔ **جن کو ہم نے نمبر چار (4) دیا ہے**۔ اور علامہ نے اُن کو تیسری قسم بنا دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی دل میں مسلمان نہ تھے۔ اپنے کنبہ اور قبیلے کی وجہ سے زبان اور ظاہری اعمال سے مسلمان بنے ہوئے تھے۔ اِن کے علاوہ باقی تمام لوگ دل سے مسلمان تھے۔ زبان اور ظاہری اعمال سے اسلام کا اقرار اور رسولؐ اللہ کی تصدیق کرنے والے صدّیق تھے۔ مگر اُن کے عقائد اور طرزِ فکر جُدا گانہ تھی۔ وہ اپنے مفاد، اپنی عربی تہذیب اور سَلف کی رسم و رواج اور سُنت کو رسولؐ اللہ کی ذاتی اور تنہا بصیرت کے فیصلوں پر قربان نہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ رسولؐ کے فیصلوں میں بشریت اور خاندانی جذبات اور اولادِ ابو طالبؑ کی طرفداری شامل نہ ہونے پائے۔ وہ وحی اور رسوؐل کے زبانی احکامات میں فرق کرتے تھے، رسوؐل کی دو حیثیتیں قرار دیتے تھے۔ بشریت کی بنا پر رسولؐ سے غلطی کا امکان مانتے تھے اور اُن کی غلطی سے اپنے آبا و اَجداد اور سَلفِ صالحین کی سُنت اور قومی و مُلکی مفاد کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو کفارِ قریش کے داخلی محاذ کی حیثیت سے مسلمانوں میں مل کر کام کر رہے تھے۔ جو اسلام کی فتح کی صورت میں کفارِ قریش کی عسکری شکست کو فتح و کامرانی بنا ڈالنے کیلئے خُفیہ اور زیر پردہ محاذ (Under Ground) چلانے کے ذمہ دار تھے۔ جو قرآن کی عقلی و عربی تعبیرات سے مسلمانوں کی کثرت کو ہم خیال بنانے اور پوری اسلامی تحریک و حکومت پر قبضہ جمانے کا پلان (Plan) چلا رہے تھے۔ جنہیں اعلان نبوت سے بھی کہیں پہلے اُز دی عالم اور بحیرا راہب سے حکومتِ باطل کی پیشگوئی معلوم ہو چکی تھی۔ اِن لوگوں کی مذمت جہاں جہاں قرآن نے کی ہے اور جہاں اُنکے منصوبوں کی پول کھولی ہے، حکومت کے وظیفہ خواروں اور طرفداروں نے کوشش کی ہے کہ اُس قسم کے سارے الزامات اُن منافقین کے ذمہ لگا دیں جو حقیقی منافق تھے یعنی دل سے ایمان نہ لائے تھے۔ اور جو سب کے سب بعد میں اِن مسلمانوں کے معاون و مددگار بنتے چلے گئے تھے۔ اسلئے کہ مقصد دونوں کا تخریب تھا۔ جنگ اُحد میں مسلمانوں کا یہ گروہ واضح انداز میں مُشخّص ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اِس قسم کے مسلمانوں کی طرز فکر، مذہبی عقائد اور اعمال پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اور اب ہم جنگ اُحد کے متعلق قرآن کریم سے وہ آیات پیش کرتے ہیں جو قریشی قسم کے مسلمانوں اور مومنین کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ اور جنکو سرکاری علما و اہل قلم چُھپاتے یا حقیقی منافقین کے سر چپکاتے چلے آئے ہیں۔ لیکن قرآن کے الفاظ کو توجہ سے دیکھنے والے صاف سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کس قسم کے لوگوں کی بات ہو رہی ہے۔ یہ نوٹ کر لیں کہ قرآن اُن لوگوں کو مومنین کہہ کر پکارتا ہے، اُنہیں بدعقیدگی کا طعنہ دیتا ہے۔ اُنہیں یہ کہتا ہے

کہ قرآن کی فلاں بات کو تم مانتے ہو مگر عمل اُس پر نہیں کرتے ہو۔ تم جان و مال کو اللہ و رسولؐ کی اطاعت اور جہاد سے عزیز تر رکھتے ہو۔ یہ اور اِسی قسم کی باتیں کافروں یا حقیقی منافقوں سے نہیں کی جاسکتیں۔ اسلیئے کہ وہ تو سرے سے نہ نبیؐ کو مانتے ہیں، نہ وحی کے قائل ہیں، نہ اسلام کے کسی اور حکم پر ایمان رکھتے ہیں۔ لہٰذا اُنہیں اللہ نے بلاتکلف منافق و کافر کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ جن مسلمانوں کی بات ہو رہی ہے وہ اللہ کو، رسولؐ کو، قرآن کو، قیامت کو مانتے ہیں دل سے مانتے ہیں۔ مگر اُن الفاظ اور معنی میں نہیں مانتے جو قرآن میں نازل ہوئے۔ نہ اُن معنی میں جو رسولؐ اللہ بیان کرتے ہیں۔ بلکہ اُنکا ایمان اپنے راہنماؤں کے اجتہاد سے سمجھے ہوئے خدا اور رسولؐ اور قرآن پر ہے، اُن ہی کو کہا گیا کہ:۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ........ خَبِيْرًا O يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ....(النسآء 136-4/135)

اے وہ لوگو جو آمنّا آمنّا کہہ کر مومنین کہلا رہے ہو تم اپنے اور اپنے اٰباواَجداد اور قریبی عزیزوں کے مفاد کی خاطر حق پوشی اور جھوٹی گواہی کے بجائے اعلانِ حق اور سچی شہادت دینے والے بنو۔ خواہ تمہارے سامنے کسی رئیس کا معاملہ ہو یا کسی فقیر اور غریب کی بات ہو۔ رُو رعایت چھوڑ کر حق بات کہا کرو عدل وانصاف کا فیصلہ اجتہاد (الھوٰی) سے نہیں ہوتا۔ ذاتی و جماعتی بصیرت یعنی اجتہاد (الھوٰی) کو عدل وانصاف اور اعلانِ حق کے مقابلہ میں ترک کردو۔ اور سنو اگر تم نے رُو رعایت اور لاگ لپیٹ کو اختیار کرنے کا حیلہ کیا تو سمجھ لو کہ اللہ تمہارے سارے عمل درآمد پر نظر رکھتا ہے۔ اور اَے اجتہاد پر کاربند مومنین تم اللہ اور اُس کے رسولؐ اور اُس کے رسولؐ پر نازل شدہ کتاب اور پہلی کتابوں پر اجتہاد کو چھوڑ کر ایمان لاؤ۔ اس لئے کہ اجتہادی ایمان دراصل کفر ہے اور جو کوئی اللہ، ملائکہ اور خدا کی کتابوں اور رسولوںؐ اور آخرت سے کفر کرتا ہے وہ گمراہی میں ایمان کی سرحد سے بہت دور نکل گیا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًاo (النسآء 4/137)

یقیناً وہ لوگ جو ایک دفعہ ایمان لانے کے بعد پھر کافرانہ راہ پر چلیں۔ پھر کبھی اور کسی معاملہ میں ایمان پر برقرار ہو جائیں اور پھر حسب موقعہ کفر کی راہ اختیار کرتے رہیں۔ اور پھر اس اعلان ایمان اور کافرانہ عمل کو طول دیتے بڑھتے چلے جائیں تو اُن کیلئے اللہ کو زیب ہی نہیں دیتا کہ اُن کو اس گمراہی سے نکال کر ہدایت کرے یا اُنکی بخشش کردے۔

یہاں آپ ان تینوں آیات (نسآء ۔ 137-4/135) کو پڑھیں۔ ان میں کھل کر اُن لوگوں کو مومنین فرمایا گیا۔ اور ثابت کیا کہ وہ عقیدتاً مومنین ہیں لیکن اعمال مجتہدانہ کفر کے ماتحت رکھتے چلے جارہے ہیں۔ اسکے بعد مسلسل منافقوں کا ذکر منافق کہہ کر فرمایا گیا ہے کہ:۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَاo الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًاo (نسآء 139-4/138)

"اُن منافقین کو دردناک عذاب کی بشارت دے دو جو اللہ کے مقرر کردہ حاکموں کے مقابلے میں کافرانہ حکومت اور کافر حاکم چاہتے ہیں۔ کیا یہ اُن کافروں کو عزت دار سمجھ کر اُن کے تقرب میں عزت و مرتبہ کے طلب گار ہیں۔ یقیناً عزت تو ہر حیثیت سے اللہ ہی کی ملکیت ہے۔

اس کے بعد مسلسل نمبروار منافقوں اور قریشی قسم کے مسلمانوں کا تذکرہ تیرہ آیتوں (نسآء 4/152) تک ہوتا چلا گیا ہے۔ اگر ہم صرف علامہ مودودی کا ترجمہ ہی لکھیں تب بھی کئی صفحات درکار ہیں۔ لہٰذا تفصیلات خود ملاحظہ فرمالیں۔ ہم نہایت مختصر لُب لباب لکھے دیتے ہیں۔قرآن سے تصدیق فرمالیں۔کافرانہ حکومت وعزت کے طلبگار منافقین کے ذکر کے بعد مذکورہ قسم کے مسلمانوں کو قرآن کے حوالے سے دوبارہ منع کیا کہ:۔

اُن محفلوں میں نہ بیٹھا کرو جہاں دین کی توہین اور مضحکہ ہوتا ہے۔ ورنہ تمہیں بھی اُن ہی کے ساتھ شامل رکھا جائے گا۔(نسآء 4/140)اور جہنم واصل کیا جائے گا۔پھر منافقوں کے لئے کہا کہ تمہیں میدان میں فتح ہوجائے گی تو کہیں گے کہ ہم بھی اور ہماری بصیرت بھی ساتھ تھی، اس لئے کامیابی ہوئی ہے۔شکست کی صورت میں کافروں سے کہیں گے کہ ہم نے تمہارے خلاف تلوار کو ہاتھ تک نہیں لگایا ورنہ تمہیں فتح نہیں ہوتی (نسآء 4/141)۔ پھر فرمایا کہ منافق اپنی اسکیم سے خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔لیکن خدائی اسکیم اُن کو فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔اور یہ کہ منافقوں کا روزہ ونماز وغیرہ محض مسلمانوں کو دکھانے کے لئے ریاکارانہ ہے (نسآء 4/142)۔ یہ لوگ اپنے اعمال میں نہ خالص کافر ہیں نہ مومن ہیں۔ بلکہ اِس فکر میں ڈانواں ڈول ہیں کہ کسی طرح اعمال میں ایک درمیانی راہ نکل آتی (نسآء 4/143)۔پھر مذکورہ قسم کے مومنین کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اُن پکے منافقوں کی طرح مقررہ ومتعینہ مومنین کی حکومت وحاکمیت کے مقابلے میں کافرانہ حکومت وحاکمیت کے چکر میں نہ پڑو۔کیا تم اس طرح اللہ کو اپنے خلاف ایک سلطان ٹھونسنے پر آمادہ کرنا چاہتے ہو؟۔یادرکھو منافق اِسی طرز فکر کی بنا پر جہنم کے بدترین درجہ میں ہوں گے۔البتہ جو لوگ اس طرز فکر کی اصلاح کرلیں اور کافرانہ تصورات سے پلٹ آئیں اور اللہ کے نظام سے اپنی حفاظت طلب کریں اور اپنے اجتہادی دین کو چھوڑ کر خلوص اختیار کرلیں۔اُن کو مومنینؑ کی حاکم جماعتؑ کے ساتھ شمار کیا جائے گا(نسآء 4/144-146)۔ چند فروعی تنبیہات کے بعد یہ فیصلہ کردیا کہ یہ سب کافرانہ طریقہ ہے اور اللہ ورسوؐل سے کھُلا کفر ہے کہ اللہ اور اُس کے رسولوںؑ کی اطاعت وپوزیشن میں تفریق کی جائے۔اور یہ طے کیا جائے کہ اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے گی اور رسوؐل کی اطاعت سے انکار کیا جائے گا۔اور یہ کہ اللہ کو باقی رکھ کر اور رسولوںؑ کو چھوڑ کر ایک درمیانی یعنی اجتہاد کی راہ نکالی جائے گی (نسآء 4/150)۔ یہ تصورات خواہ حقیقی منافقین کے ہوں یا مسلمانوں میں ہوں، ایسے لوگ حقیقی اور خالص کافر ہیں۔اِن کے خلاف حقیقی مومنین وہ ہیں جو ایمان واطاعت میں اللہ ورسوؐل کا فرق پیدا نہیں کرتے۔(نسآء 4/151-152)

قارئین اگر غیر جانبدارانہ انداز میں اِن سولہ آیات (4/137-152) کو توجہ سے اور ٹھہر ٹھہر کر اور آیات کو مسلسل ربط دے کر پڑھیں گے تو انہیں ہرگز شبہ تک نہ رہے گا کہ رسوؐل اللہ کے چاروں طرف اُن لوگوں کی کثرت جنگ احد ہی تک جمع ہوگئی تھی جو رسوؐل اللہ کی حکومت الٰہیّہ کی جگہ ایک قریشی حکومت قائم کرنے کا منصوبہ چلارہے تھے اور جن کے تمام عقائد اور طرز حکومت آج تک باقی وموجود ہیں۔ یہاں باقی تفصیلات کے ہنگامہ میں ایک بات دب کر رہ جاتی ہے۔اُسے دوبارہ اُبھرنے کا موقع دیں تو آپ دیکھیں گے کہ جو لوگ مذکورہ قسم کے مسلمانوں کے سردار اور راہنما تھے، اُن کا ذکر اُن کے تاریخی ریکارڈ اور مستقل سُنت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص

اُنہیں نہایت سہولت سے پہچان کراُن سے الگ رہے اور گمراہی سے بچے۔

(26/5)۔ قریشی قسم کے مسلمان گروہ کے پیشواؤں کو پہچان لیں

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا o (نسآء 4/141)

وہ لوگ تمہارے متعلق آخری نتیجہ کا انتظار کررہے ہیں۔صورت حال اوراسکیم یہ ہے کہ اگر خدا کی طرف سے کبھی تمہاری فتح ہو جائے تو تم سے یہ کہہ کراپنا حق قائم کریں کہ جناب ہم اور ہماری بصیرت بھی تو آپ کے ساتھ تھے۔اوراگر کبھی کافروں کا نصیب جاگ اُٹھے تو اُن سے یہ کہہ کراپنا حق برقرار رکھیں کہ جناب اگر ہم نے تمہارے خلاف تلوار اُٹھائی ہوتی تو مسلمان تم پر غالب آجاتے۔ لہٰذا تم ہماری ہی پالیسی کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔اگر ہماری پالیسی مانع نہ ہوتی تو تم غالب نہ آسکتے تھے۔ چنانچہ اس کا فرانہ جدّ وجہد کا فیصلہ اب قیامت کے دن تک ملتوی ہے۔اس ہار جیت میں مومنین پر کافروں کی طرف سے کوئی حجۃ قائم نہیں ہوتی۔

قبل اِس کے کہ ہم کچھ عرض کریں، جناب مودودی صاحب کا وہ نوٹ ملاحظہ فرمالیں جو مندرجہ بالا آیت کی وضاحت میں لکھا گیا ہے۔وہ اپنے اندازِ پردہ پوشی میں فرماتے ہیں کہ:۔

’’ہر زمانہ کے منافقین کی یہی خصوصیت ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو فائدے حاصل کیئے جاسکتے ہیں اُن کو یہ اپنے زبانی اقرار اور دائرۂ اسلام میں برائے نام شمولیت کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں۔اور جو فائدے کافر ہونے کی حیثیت سے حاصل ہونے ممکن ہیں۔اُن کی خاطر یہ کفار سے جاکر ملتے ہیں اور ہر طریقہ سے اُن کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم کوئی ’’متعصب‘‘ مسلمان نہیں ہیں، نام کا تعلق مسلمانوں سے ضرور ہے مگر ہماری دلچسپیاں اور وفاداریاں تمہارے ساتھ ہیں، فکر وتہذیب اور مذاق کے لحاظ سے ہر طرح کی موافقت تمہارے ساتھ ہے۔اور کفر واسلام کی کشمکش میں ہماراوزن جب پڑے گا تمہارے ہی پلڑے میں پڑے گا۔‘‘
(تفہیم القرآن۔جلداوّل حاشیہ 171،صفحہ 410-409)

علامہ کا یہ بیان اور قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت کو سامنے رکھ کراُن لوگوں کی لسٹ (List) بنالیں جو ایمان کا اقرار کرنے اور ظاہری اسلامی اعمال بجالانے میں تو بہت پُرانے بلکہ اوّلین اور سابقین میں شمار کیئے جاتے ہوں۔اور تمام اسلامی جنگوں میں بھی رسوؐل اللہ کے ساتھ بتائے جاتے ہیں۔لیکن کبھی تیغ بکف ہوکر نہ کسی دشمنِ خدا ورسولؐ کو قتل کیا، نہ کسی کو زخمی کیا، نہ خود کوئی زخم کھایا۔یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے کبھی کفر کے خلاف میدانِ جنگ میں اپنی تلوار میان سے نہیں نکالی۔مسلمانوں میں اس لئے بزرگ تھے کہ ہر جنگ میں ساتھ ساتھ رہنے کی تکلیف وزحمت گوارا فرمائی، بروقت خطرات سے مطلع کیا، دو(2) رُخا مفید مشورہ دیا۔کفار میں اس لئے قابل قدر و بزرگ کہ ہرگز اُن کے خلاف تلوار نہیں نکالی۔کبھی اُن کے استیصال اور تباہی کا مشورہ نہ دیا۔اُن ہی کا ذکر خیر ہے مندرجہ بالا آیت (نسآء 4/141) میں۔اب آپ جنگ اُحد کے تاریخی حالات اور مسلمانوں کے اِس خطرناک سیاسی گروہ کے کمالات دیکھ لیں تاکہ قرآن کریم کے بیانات آسانی سے سمجھ میں آسکیں۔

(26/6)۔ جنگ اُحد تاریخ کی نظر میں

تمام تواریخ متفقہ طور پر کہتی ہیں کہ رسولؐ اللہ کو اُن کی رائے کے خلاف مدینہ سے نکل کر میدان اُحد میں جا کر جنگ کرنے پر مجبور کیا گیا۔جس کا پہلا نتیجہ تو وہی ہوا جو مولانا مودودی نے بھی لکھا کہ تین سو منافق مسلمان رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر واپس مدینہ چلے آئے۔ اِس لئے کہ اُن کی رائے اور تجربہ یہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کرنا ہمیشہ حملہ آور کو نا کام کرتا رہا ہے اور باہر نکل کر لڑنا مدینہ والوں کو کبھی راس نہیں آتا۔ یہ بھی تمام تواریخ نے بتایا ہے کہ جب رسولؐ نے مدینہ سے نکل کر جنگ کا مشورہ مان لیا اور خود مسلح ہو گئے تو وہ تمام مسلمان شرمندہ اور پشیمان ہوئے جنہوں نے مدینہ سے نکلنے پر اصرار کیا تھا۔کفار قریش کی تعداد تین ہزار تھی۔سات سو(700) زرہ پوش تھے۔ دوسو سوار تھے اور پندرہ محملیں عورتوں کی تھیں۔مسلمان کُل سات سو تھے۔اُن میں ایک سو زرہ پوش تھے اور صرف دو گھوڑے تھے۔ایک رسولؐ اللہ کا، دوسرا ابو بزدہ بن نیار الحارثی کا گھوڑا تھا۔یہ نوٹ کریں کہ مسلمانوں کی کل تعداد کے برابر کفار قریش کے زرہ پوش ہی تھے۔یعنی کفار قریش کے ساتھ دو تین سو جنگ آزما فاضل تھے۔

میدان جنگ میں پہنچ کر آنحضرتؐ نے اپنی فوج کو ترتیب دی اور پچاس سواروں کو عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں اپنی فوج کی پشت پر تعینات کیا تاکہ دشمن کی فوج پہاڑ کے پیچھے سے آکر پشت پر حملہ نہ کر سکے۔اُن سے کہا گیا کہ وہ اپنے مقام سے کسی صورت میں بھی نہ ہٹیں خواہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست ہو جائے۔لیکن جس طرح مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے کے حکم کو نظر انداز کیا گیا تھا، اُسی طرح عبداللہ بن جبیر کے دستے نے اِس حکم کی پابندی نہ کی۔عبداللہ بن جبیر شہید ہو گئے۔اور اس کے دستے کی کثرت مال غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑی۔اِن دو خلاف ورزیوں کی وجہ سے ہُوا جو کچھ کہ ہُوا۔ایک سو کے قریب حقیقی جانثار اور رسولؐ اللہ کے فرمانبردار بہادر شہید ہوئے۔فتح شکست سے بدل گئی۔رسولؐ اللہ شدید زخمی ہوئے۔کفار پر تلوار نہ اٹھانے والا مسلمان گروہ جہاں تھا بھاگتا دوڑتا پہاڑ پر چڑھ گیا تاکہ باقی مسلمان بھی میدان سے فرار کر جائیں۔رسولؐ کے شہید ہو جانے کی خبر پکار کر سُنا دی گئی۔میدان میں صرف قریش ہی قریش تھے۔حتیٰ کہ اُن کی عورتیں میدان میں چہل قدمی کر رہی تھیں اور بڑے اطمینان سے مسلمان شہدا کی لاشوں میں بدر کے بہادروں کی لاشیں تلاش کرتی پھر رہی تھیں۔اور قریشی قسم کا گروہ پہاڑ پر مسلمانوں کو یہ مشورہ دے رہا تھا کہ ابوسفیان سے امان طلب کی جائے۔

(الف)۔ اُحد کے حالات پر طبری کے مختصر بیانات

(i) ابوسفیان کا پیغام کہ تم رسوؐل اور خاندان رسوؐل سے الگ ہو جاؤ ہمیں تم سے کوئی تعارض نہیں ہے۔اَوس وخزرج نے ٹھکرا دیا۔ اِس کے بعد جنگ اُحد شروع ہوگئی۔(طبری۔جلد اوّل صفحہ 233)

(ii) حضرت علیؑ نے قریش کے تمام علمبرداروں کو باری باری قتل کر دیا۔تو جدھر قریش کا کوئی دستہ نظر آتا رسولؐ اللہ کے حکم سے حضرت علیؑ وہاں پہنچ کر اسے تہہ تیغ کر دیتے تھے۔بار بار ایسا کرنے پر جبرئیلؑ نے حضرتؐ کی مدح کی تو رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔جبرئیلؑ نے فرمایا میں آپؐ دونوں سے ہوں۔تمام صحابہ نے یہ آواز سنی:

لَا فتیٰ اِلَّا علیؑ لا سیف الا ذوالفقار ۔تلوار صرف ذوالفقار ہے اور جوانمرد صرف علیؑ ہیں۔(طبری صفحہ 236۔235)

(iii) وحشی جس نے ہندز وجہ ابوسفیان سے انعام لینے کیلئے حضرت حمزہ علیہ السلام پر دُور سے نیزہ پھینک کر مارا۔ کہتا ہے کہ جناب حمزہؓ کی صورت ہر وقت میری نظروں میں پھرتی ہے کہ جو سامنے آتا اُسے پاش پاش کرتے بڑھتے جا رہے ہیں۔(صفحہ 237)

(iv) جب ابن النضر اس جگہ پہنچے جہاں چند مہاجرین اور انصار اور جناب عمر پناہ لئے بیٹھے تھے۔ تو اِس جماعت سے کہا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ میدان جنگ سے کیوں چلے آئے؟ اُنہوں نے کہا کہ رسولؐ اللہ قتل ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر کہا کہ اب زندہ رہ کر کیا کرو گے چلئے اُس دین پر قربان ہو جائیں جس پر رسولؐ اللہ قربان ہوئے مگر کوئی نہ اُٹھا۔ میدان میں آئے، ستر زخم کھا کر شہید ہو گئے۔ حضرت عمر کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ بھی یہاں تشریف فرما تھے۔(طبری۔ جلد اوّل صفحہ 238)

(v) ابن قمیئة الحارثی نے رسوؐل اللہ کے قریب آ کر آپؐ پر پتھر پھینکا جس سے آپؐ کی ناک زخمی ہوئی اور نیچے کے چار دانت شہید ہو گئے۔ آپؐ کا چہرہ خون آلودہ ہو گیا۔ اس صدمہ سے آپؐ حرکت نہ کر سکے۔ آپؐ کے صحابہ آپؐ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ بعض مدینہ پہنچے اور بعض پہاڑ پر چڑھ گئے اور ایک چٹان پر جا بیٹھے۔ رسولؐ اللہ آوازیں دیتے رہے۔(ایضاً صفحہ 240)

(vi) جب رسوؐل اللہ کے قتل کی خبر پھیلی تو چٹان پر بیٹھے ہوئے صحابہ نے کہا کہ کاش کوئی شخص ایسا ہوتا جو ہماری طرف سے عبداللہ بن ابی سے کہتا کہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے امان لے لے۔ یہی لوگ تھے جن کو ابن النضر نے حمایت رسولؐ پر اُبھارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔(طبری۔ جلد اوّل صفحہ 240)

(vii) رسولؐ اللہ زخمی حالت میں اپنے صحابہ کو آوازیں دیتے اور تلاش کرتے چلے۔ چلتے چلتے چٹان پر بیٹھے ہوئے صحابہ کے پاس پہنچے تو اُن میں سے کسی ایک نے کمان میں تیر لگا کر مارنے کی تیاری کی تو رسولؐ اللہ نے چلا کر کہا کہ میں تو رسولؐ اللہ ہوں۔ جب اُن لوگوں نے رسولؐ اللہ کو زندہ پایا تو بہت خوش ہوئے۔ اور آپ بھی خوش ہوئے کہ چند صحابہ حفاظت کے لئے اب بھی تیار ہو گئے۔ اب بہت سے دوسرے صحابہ بھی یہاں جمع ہو گئے اور شکست پر متاسف ہوئے۔ اِسی مقام پر وہ مکالمہ ہوا تھا۔ جو ابوسفیان اور حضرت عمر میں بتایا جاتا ہے۔(طبری۔ جلد اوّل صفحہ 241)

(viii) بھاگنے والے صحابہ کوہِ اعوض کے دوسری طرف مقام منقّی تک جا پہنچے، عثمان بن عفان (خلیفہ سوم)، عقبہ بن عثمان اور سعد بن عثمان جنگ اُحد سے بھاگ کر کوہ جلعب جو مدینہ سے کافی دور تھا، چلے آئے اور تین روز کے بعد یہاں سے واپس آئے (صفحہ 242)

(ix) تین ہجری کے نصف رمضان میں جناب حسن بن علی علیہما السلام پیدا ہوئے اور اسی سال جناب امام حسین علیہ السلام حمل میں آئے (طبری۔ جلد اوّل صفحہ 253)۔

قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ رسولؐ اللہ کے بعد خلیفہ ہونے والے حضرات نے کیا خدمات انجام دیں اور اُس مخصوص گروہ کے مسلمان کس طرح فرار ہو کر رسولؐ اللہ کی مدد کرتے رہے۔

(26/7)۔ کتب حدیث و تواریخ کے ملے جلے بیانات

(i) قریش کے علمدار طلحہ نے صف سے نکل کر پکارا۔ کیوں مسلمانو؟ تم میں کوئی ہے کہ یا تو مجھے جہنم میں پہنچا دے یا میرے ہاتھوں

بہشت میں پہنچ جائے۔حضرت علیؑ مرتضیٰ نے صف سے نکل کر کہا کہ میں ہوں۔ یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔طلحہ کے بعداُس کے بھائی عثمان نے علم ہاتھ میں لیا۔حمزہ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری جو کمر تک اُتر آئی۔اب عام جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت علیؑ،حضرت حمزہ اور حضرت ابودجانہ فوجوں کے دل میں گھس گئے اور صفیں کی صفیں صاف کر دیں۔''(سیرۃ النبیؐ صفحہ 375)

قارئین اس دست بدست جنگ کے دوران آنحضرتؐ پر کفار نے اس لئے حملہ کیا تھا کہ بہادران مدینہ،فوج کفار میں دُور تک اندر جا چکے تھے۔اور چندلوگ جو رسولؐ اللہ کے ساتھ اس لئے رہتے تھے کہ مخصوصین میں شمار ہوں اور جنگ بھی نہ کرنا پڑے اور جان بھی محفوظ رہے۔ جب حملہ ہوا تو یہ موقعہ پرست لوگ رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے۔

(ii) حضرت حمزہؓ دودستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہوجاتی تھیں۔''(سیرۃ النبیؐ صفحہ 376)

(iii) علمبرداروں کے قتل اور حضرت علیؑ اور حضرت ابودجانہؓ کے بے پناہ حملوں سے کافر فوج کے قدم اکھڑ گئے۔بہادر نازنین جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہوگیا۔لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کردی۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو پشت پر تھے وہ بھی غنیمت پر جھک پڑے۔عبداللہؓ ابن جبیر نے لاکھ منع کیا، نہ مانے۔ چنانچہ عبداللہ کے ساتھ چند جانباز رہ گئے جن کو خالد بن ولید کے دستہ نے شہید کر دیا اور مسلمانوں پر پشت سے حملہ آور ہوا۔غنیمت لوٹنے والوں نے مڑ کر دیکھا تو تلواریں سروں پر تھیں، بدحواسی چھاگئی۔مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونے لگے۔اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔اس ہلچل میں کثرت نے ہمت چھوڑ دی۔آنحضرتؐ کی کسی کو خبر نہ تھی۔حضرت علیؑ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے مگر رسولؐ اللہ کا پتہ نہ چلتا تھا۔حضرت انس کے چچا ابن نضرؓ لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمر نے مایوس ہوکر ہتھیار پھینک دیئے ہیں۔ پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑکر کیا کریں،رسولؐ نے تو شہادت پائی۔ابن نضر نے کہا اُن کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے۔صحیح بخاری میں یہ واقعہ (یعنی عمر کا فرار۔احسن) درج ہے مگر عمر کا نام نہیں ہے۔''(سیرۃ النبی جلداوّل صفحہ 378 شبلی معہ حاشیہ)

(iv) رسولؐ پر حملے کے لئے دَل کا دَل ہجوم کر کے بڑھتا تھا۔لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتے تھے۔ایک دفعہ ہجوم ہوا تو رسولؐ نے فرمایا کون ہے جو مجھ پر جان فدا کرے؟ زیاد بن سکن پانچ انصار (بخاری) یا سات انصاریوں (صحیح مسلم) کو لے کر بڑھے،لڑے اور سب شہید ہوگئے۔ (سیرۃ النبیؐ شبلی جلداوّل صفحہ 379)

قارئین دیکھیں کہ شبلی صاحب نے اس سے پہلے صفحہ 378 پر چند مہاجرین کا رسولؐ کے پاس موجود ہونا بخاری سے لکھا ہے۔اُن میں ابوبکر وطلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص کے نام بھی ہیں۔اگر یہ صحیح ہے تو یہ مہاجر رسولؐ اللہ پر جان فدا کرنے کیوں نہ گئے؟ کیوں ہر قربانی انصار ہی دے رہے ہیں؟ پھر یہ لوگ اُس وقت کہاں تھے جب رسولؐ اللہ کو زخمی کیا گیا؟

(v) ''عبداللہ قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا۔صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرتؐ کے قریب آگیا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری۔اس کے صدمہ سے مِغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔چاروں طرف سے جان نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا۔

ابودجانہ جھک کر سپر بن گئے۔'' (سیرۃ النبیؐ۔شبلی جلداوّل صفحہ 380) یہ کہانی آگے تک بڑھتی ہے۔پوری پڑھیں اور دیکھیں کہ حضرت ابوبکر کہاں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ اور افسوس اس پر ہے کہ:۔

(vi) ''حضرت فاطمہؑ مدینہ سے میدان جنگ میں آگئیں اور دیکھا کہ چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے۔حضرت علیؑ سپر میں بھر کر پانی لائے۔جناب سیدہ دھوتی تھیں۔لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔بالآخر ایک ٹکڑا چٹائی کا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔خون فوراً تھم گیا۔''
(سیرۃ النبیؐ شبلی جلداوّل صفحہ 381)

لیکن جناب ابوبکر کہاں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ چلو خلیفہ دوم وسوم تو پہاڑوں میں ہیں، کم از کم یہ ہی خدمت کر لیتے؟

(vii) **علیؑ ابن ابی طالبؑ مع انّه مجروح مکسور الید حمل علی الکفار فھزمھم فجاء جبرئیل و قال یا محمدؐ من ذا الذی بارز الکفار انفًا فانّ اللّٰہ باھی به الملا ئکة قال ھو علی۔(مورخ شھیر علامہ دیار بکری)**

''حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ باوجودیکہ زخمی اور بازو شکستہ تھے، آپؑ نے کفار پر حملہ کر کے اُن سب کو شکست دیدی۔اِس پر جناب جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ یا محمدؐ یہ کون تھا جس نے ابھی ابھی کفار سے مقابلہ کیا تھا؟ اُس پر اللہ اپنے ملائکہ سے فخر ومباہات کر رہا ہے۔ فرمایا کہ وہ علیؑ تھے۔'' (تاریخ خمیس جلد 1 صفحہ 436)۔

(viii) مدارج النبوۃ سے چند جملے اور سن لیں لکھا ہے کہ:۔

چوں مسلمانان رُوئے بہ ہزیمت آوردند وحضرتِ رسولؐ را تنہا گذاشتند۔حضرت درغضب آمد وعرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت۔درآں حالت نظر کرد علیؑ ابن ابی طالب کہ بر پہلوئے مبارک ایستادہ است۔فرمود چوں است کہ تو بہ برادران خود ملحق نہ گشتی۔علیؑ گفت آیا کافر شوم بعد از ایمان؟ بدرستیکہ مرا بتو اقتدا است۔'' (مدارج النبوۃ جلداوّل صفحہ 153)

جب مسلمانوں نے شکست کھائی اور رسولؐ اللہ کو تنہا چھوڑ کر چل دئے۔آنحضرتؐ کو غصہ آیا اور پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگے۔مگر اس حال میں نظر اُٹھائی تو علیؑ کو پہلو میں کھڑا دیکھا۔دریافت فرمایا کہ تم باقی مسلمانوں کے ساتھ کیوں نہ گئے۔فرمایا کہ مجھے تو آپ کی اقتدا کرنا ہے۔کیا ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟

حضرت علیؑ کے نزدیک رسولؐ اللہ کو نرغہ اعدا میں چھوڑ کر فرار کر جانا کفر تھا۔آپؑ نے اس فتوے سے رجوع نہیں فرمایا۔

(26/8)۔ جنگ اُحد اور اقتدار طلب مسلمانوں پر قرآنی بیانات

(1) جنگ اُحد میں جب کفار کی یلغار کی خبریں مدینہ میں پہنچنا شروع ہوئیں تو قریش کے طرفدار اور اقتدار کے طلب گار مسلمانوں نے اہل مدینہ میں خوف و ہراس پھیلانا شروع کیا۔اُدھر یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدینہ میں قریش مکہ کے قاصد برابر عبداللہ بن اُبی سے مراسلت جاری رکھے ہوئے تھے تاکہ وہ مدینہ کے یہودیوں اور اوس وخزرج سے الحاق رکھنے والے لوگوں کو رسولؐ اللہ کا ساتھ دینے سے روکے بلکہ قریش کے ساتھ مل کر رسولؐ اللہ اور اُن کے مدنی خاندان کے انصار سے جنگ کریں۔اِن حالات میں آنحضرتؐ نے اللہ کا یہ حکم سُنایا تھا کہ:۔ یآ اَیُّھَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ

وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَo(انفال 8/65)

''اے نبیؐ مومنین میں یہ بتا کر جنگ کی ہمت بڑھاؤ کہ اگر تم میں جم کر لڑنے والے بیس مومن ہونگے تو تمہیں دوسو کافروں پر غلبہ ہوگا اور اگر تم سو(100) مومن ہونگے تو تمہیں ایک ہزار پر غالب رکھا جائیگا۔ وجہ یہ ہے کہ کافر ایمان کی اِس قوت اور فرق کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔''

اس فارمولے کی رو سے سات سو(700) مسلمان سات ہزار کافروں پر غالب آنے کے لئے کافی تھے۔ مگر افسوس کہ صرف تین ہزار کافروں نے مسلمانوں کو پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ گویا درحقیقت تین سو بھی اُس قسم کے مسلمان موجود نہ تھے۔ جن کا ذکر قرآن نے صابر کہہ کر کیا ہے۔ ورنہ وہ نہایت آسانی سے تین ہزار کافروں پر غالب آ جاتے۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ صرف حضرات علیؑ وحمزہؑ وابودجانہؓ اور دو تین دیگر مومنین نے کفار کے پیرا کھاڑ دیئے تھے۔ جنگ بدر میں حقیقی مسلمانوں کی تعداد دوسو سے زیادہ نہ تھی۔ باقی سب قریش کے ارسال کردہ مسلمان تھے۔ اب جنگ احد میں اُس قسم کے مسلمانوں کی تعداد چار سو سے اُوپر جا چکی تھی۔ لہٰذا جنگ اُحد میں تمام قسم کے مسلمانوں کو ملا کر دس گنا قوت کی جگہ اب اوسط طاقت محض دو گنا رہ گئی تھی۔ اگلی آیت اس کو واضح کرتی ہے کہ:۔

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ
وَاِنْ یَّکُنْ مِّنکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَo(انفال 8/66)

اِس وقت اللہ نے تمہارے اندر کمزوری کا پتہ لگا کر تمہاری اوسط قوت میں تخفیف کر دی ہے۔ چنانچہ اب اگر تم میں ایک سو صبر کرنے والے ہوں گے تو تم دوسو کافروں پر غلبہ پا سکو گے۔ اور اگر تم ایک ہزار ہو گے تو صرف دو ہزار کے اُوپر غالب ہو سکو گے۔ اور یُوں تو اللہ برابر صابرین کا ساتھی ہے۔

قوت کی یہ اَوسط اُن لوگوں کو بھی شامل کرتی ہے جو تلوار تک نکالنا اور اپنے سرپرستوں سے لڑنا پسند نہ کرتے تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر صابر مومنین ایک سو ہوں گے اور پانچ سو دوسرے مسلمان ہوں تب بھی مومنین ایک ہزار کافروں سے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ یعنی اُن کو شمار کئے بغیر حساب کیا کرو تا کہ وقت پر ناکامی نہ ہو۔ اور اللہ صابروں کے ساتھ ہمیشہ سے رہتا چلا آیا ہے...

قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوا اللّٰہِ کَمْ مِّنْ فِئَۃٍ قَلِیْلَۃٍ غَلَبَتْ فِئَۃً کَثِیْرَۃً بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَo(بقرہ 2/249)

چنانچہ طالوتؑ کے زمانہ سے مومنین یہ اعلان کرتے آئے ہیں کہ اللہ کا حکم یہ ہے اور اسی بنا پر مومنین کی قلیل تعداد کافروں کی بڑی کثرت پر کامیابی حاصل کرتی رہی ہے۔

(2)۔ آل عمرانؑ قرآن کی صورت میں بھی قریش پر ایک مصیبت ہے

شجروں کے بیان میں عمرانؑ اور آل عمرانؑ کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اور جنگ اُحد کے تاریخی بیانات میں بھی آپ آلِ عمران علیہم السلام کے سربراہ جناب علی علیہ السلام کے کارنامے ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب ذرا سورہ آل عمران کو علامہ مودودی کے ریمارکس کے ساتھ سامنے رکھ لیں اور دیکھیں کہ جس طرح علیؑ و اولادِ علیؑ مسلمانوں کی اقتدار پسند جماعت کے سامنے سینہ سپر رہ کر اسلام کے صحیح عقائد و اعمال کا تحفظ کرتی ہے۔ بالکل اُنکے والد ماجد علیہ السلام کے نام والی سورہ آل عمران اُن مخصوص مسلمانوں کے تمام باطل عقائد و اعمال اور منصوبوں کا

ریکارڈ اُمت مسلمہ تک محفوظ صورت میں پہنچاتی ہے۔علامہ مودودی اِس سورہ آل عمرانؑ کے متعلق (تفہیم القرآن میں) لکھتے ہیں کہ:۔

''زمانہ نزول اوراجزائے مضمون: اِس میں چار تقریریں شامل ہیں: پہلی تقریر آغاز سورت سے چوتھے رکوع کی ابتدائی دوآیتوں تک ہے۔اوروہ غالباً جنگ بدر کے بعد قریبی زمانہ ہی میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری تقریر آیت اِنَّ اللّٰـهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ سے شروع ہوتی ہے اور چھٹے رکوع کے اختتام پر ختم ہوتی ہے۔یہ 9ہجری میں وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی۔

تیسری تقریر ساتویں رکوع کے آغاز سے لے کر بارہویں رکوع کے اختتام تک چلتی ہے۔اوراس کا زمانہ پہلی تقریر سے متصل ہی معلوم ہوتا ہے۔چوتھی تقریر تیرھویں رکوع سے ختمِ سورت تک جنگِ اُحد کے بعد نازل ہوئی ہے۔''(تفہیم القرآن جلداوّل صفحہ 228)

سورہ آل عمران کے متعلقات پر علامہ نے تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ:۔

''(4) جنگ اُحد میں مسلمانوں کو جو شکست ہوئی، اُس میں اگر چہ منافقین کی تدبیروں کا بڑا حصہ تھا،لیکن اُسکے ساتھ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا حصہ بھی کچھ کم نہ تھااور یہ ایک قدرتی بات تھی کہ ایک خاص طرزِ فکراور نظامِ اخلاق پر جو جماعت ابھی تازہ تازہ ہی بنی تھی،جس کی اخلاقی تربیت ابھی مکمل نہ ہوسکی تھی،اور جسے اپنے عقیدہ اور مسلک کی حمایت میں لڑنے کا یہ دوسرا موقع پیش آیا تھا،اُسکے کام میں بعض کمزوریوں کا ظہور بھی ہوتا۔اِسلئے یہ ضرورت پیش آئی کہ جنگ کے بعد اس جنگ کی پوری سرگزشت پر ایک مفصل تبصرہ کیا جائے۔اوراس میں اسلامی نقطہ نظر سے جو کمزوریاں مسلمانوں کے اندر پائی گئی تھیں،اُن میں سے ایک ایک کی نشان دہی کر کے اسکی اصلاح کے متعلق ہدایات دی جائیں۔اِس سلسلے میں یہ بات نظر میں رکھنے کے لائق ہے کہ اس جنگ پر قرآن کا تبصرہ اُن تبصروں سے کتنا مختلف ہے،جو دنیوی جنرل اپنی لڑائیوں (کے ہار جانے) کے بعد کیا کرتے ہیں۔''(تفہیم القرآن جلداوّل صفحہ 230)

یہاں یہ نوٹ کرتے چلیں کہ علامہ مسلمانوں کو بالکل نئی جماعت فرض کر کے بات کر رہے ہیں۔حالانکہ اس جماعت کو قائم ہوئے اور اخلاقی تربیت حاصل کرتے ہوئے تیرہ جمع دو = پندرہ سال ہو چکے تھے،جب قرآن نے آنے والا تبصرہ کیا تھا۔پھر یہ سمجھ لیں کہ علامہ مسلمانوں میں کمزوریاں تسلیم کرتے ہیں اور بالواسطہ اُن کمزوریوں اور شکست کو منافقوں کے سر چپکاتے ہیں۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ قرآن کا تبصرہ کمزوریوں پر بہت کم مگر سوچے سمجھے منصوبوں اور اجتہادی مسلمانوں کے اجتہاد اور فیصلوں پر زیادہ ہے،لہٰذا کمزور عقیدہ ہونا اور بات ہے۔مگر بات تو اُن مخصوص مسلمانوں کی ہورہی ہے جو ہر بات اپنی عقل وبصیرت و اجتہاد کے ماتحت کرتے ہیں اور رسولؐ کو (معاذ اللہ) ایک عام بشر کی طرح خطا کار کہہ کر اُن کی رائے اور فرمان کے خلاف عمل کرتے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کرو،یہ کہتے ہیں کہ نہیں میدان میں نکلو۔وہ فرماتے ہیں کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹنا،یہ لوٹ مار میں لگ جاتے ہیں اور قرآن کریم ہی کی اجتہادی تعبیرات سے رسولؐ کے خلاف عمل کرتے ہیں۔لہٰذا سورہ آل عمران میں پہلے اُن کی قرآن فہمی پر تبصرہ کیا گیا ہے سنئے:۔

(3)۔ اقتدار پسند مسلمانوں کی قرآن فہمی اوراجتہاد پر تبصرہ

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا

تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ ... (آل عمران 3/7)

اللہ بتارہا ہے کہ ہم وہی تو ہیں جس نے تم پر کتاب نازل کر دی ہے۔ اُس مذکر کتاب میں ایک تو محکم آیات ہیں۔ وہ مونث محکم آیات اُس مذکر کتاب کی اصل و بنیاد یا ماں ہیں۔ دوسری آیات وہ ہیں جو محکم آیات سے مشابہ یا ملتی جلتی ویسی ہی ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جن مسلمانوں کے دلوں میں زیغ (اجتہاد کا ٹیڑھا پن) ہے۔ وہ اپنا فتنہ پھیلانے اور مسلمانوں کو راسخون فی العلم کے بتائے معنی کے خلاف لیجانے کیلئے اپنے مذکر زیغ سے جو مفہوم مشابہ ہو جائے اُسی کی پیروی شروع کر دیتے ہیں تا کہ اپنے زیغ کو قرآن کی سند سے منوایا جاسکے۔

ہمارا یہ ترجمہ اُن تمام ترجموں کے خلاف معلوم ہو گا جو شیعہ اور سنی مترجمین نے کیا ہے۔ افسوس ہے کہ ایسے حضرات بھی مسلمانوں میں مترجم اور مفسر قرآن اور علمائے دین کہلاتے چلے آئے ہیں کہ جن کو عربی زبان کے مذکر و مونث میں تمیز نہ تھی۔ ہم قارئین کی معرفت تمام عربی دان حضرات سے اور خود مترجمین سے بصد ادب سوال کرتے ہیں کہ:۔

1۔ کیا عربی زبان میں لفظ کتاب مذکر نہیں ہے؟ اور؛
2۔ کیا لفظ آیت یا آیات اور محکمات و متشابہات عربی میں مونث نہیں ہیں؟ اور کیا؛
3۔ لفظ مِنۡهُ میں ہٗ مذکر واحد غائب کی ضمیر نہیں ہے؟
4۔ اور کیا لفظ هُنَّ مونث جمع غائب کی ضمیر نہیں ہے؟
5۔ اور کیا عربی میں مذکر اسم کے لئے مذکر اور مونث اسم کے لئے مونث ضمیریں لازم و معمول نہیں ہیں؟
6۔ اور کیا اس آیتِ زیرِ نظر میں چار دفعہ ہٗ ضمیر مذکر واحد غائب نہیں آئی ہے؟ اور کیا؛
7۔ لفظ زیغ مذکر نہیں ہے؟؟؟

اگر قارئین اِس نتیجہ پر پہنچیں کہ ہمارے مقرر کردہ مذکر و مونث صحیح ہیں تو بحث ہو کر فیصلہ ہمارے ترجمہ کی صحت میں ہو گیا۔ اور ہمارا عائد کردہ الزام ثابت ہو گیا۔ اس لئے کہ : اھلِ زیغ جس چیز کی اتباع کرتے ہیں اُس چیز کو اللہ نے اس آیت میں مذکر کی ضمیر واحد مذکر غائب ''ہٗ'' سے ظاہر فرما کر اُس چیز کو مذکر قرار دیا ہے۔ اِس صورت حال میں یہ سمجھنا قطعاً قرآن کے الفاظ اور منشا کے خلاف ہے کہ؛
''اہل زیغ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں۔'' اسلئے کہ متشابہات مذکر نہیں بلکہ مونث ہیں۔ اور متشابہات کی پیروی اگر مطلوب ہوتی تو اس آیت کو یوں ہونا چاہئے تھا کہ؛ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُنَّ (یا مِنۡهَا) پس اہل زیغ اتباع کرتے ہیں اُس چیز کی جو متشابہات کے مشابہ ہو۔

لہٰذا **فیتبعون ماتشابه** مِنۡهُ میں واحد مذکر غائب کی ضمیر ''ہٗ'' کو اپنے نزدیک ترین مذکر اسم کی طرف پھرنا چاہئے۔ اور وہ اسم ''زیغ'' کے علاوہ کوئی اور ہے ہی نہیں۔ لہٰذا وہ مسلمان اپنے دل میں پوشیدہ زیغ کو مقصود بنا کر اب قرآن کی ورق گردانی کرتے ہیں۔ اور جہاں بھی زیغ کا وہ مقصود پورا ہوتا دیکھتے ہیں، کھٹ سے اُسی آیت کو چسپاں کر دیتے ہیں۔ اور اس ترکیب سے قرآن کا رُخ موڑ کر اللہ اور **راسخون فی العلم** کی منشا کے خلاف لیکن عربی ذہنیت اور مقاصد کے مطابق قرآن کے معنی و مفاہیم عوام میں پھیلا کر اُن کا تعاون حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح اسلام کے مقابلہ میں ایک اجتہادی اسلام بنا کر سارے مسلمانوں کو اپنے گرد جمع کیا

جائے۔ پھر خلافتِ الٰہیہ کو اپنی قومی اور مُلکی حکومت میں تبدیل کرلیا جائے۔ چونکہ تیسری صدی ہجری کے اَواخر میں غیبت امام علیہ السلام واقع ہوگئی۔ لہٰذا اجتہادی مذہب کے اصول وقواعد کو مفاد پرست علمائے شیعہ نے بھی اختیار کرلیا تھا۔ جو غیبت کی بنا پر خوب کامیاب ہوئے اور پھر اُن ہی تصورات کو شیعہ عوام میں پھیلایا۔ حکومتوں کو ہمیشہ اجتہاد اور مجتہدین کی ضرورت رہتی چلی آئی ہے تاکہ حکومت کی تمام پالیسیاں اسلام کی آڑ میں نافذ ہوتی چلی جائیں۔ لہٰذا شیعہ حکمرانوں نے مذکورہ شیعہ مجتہدین کے وظائف مقرر رکھے، اُن سے خوب کام لیا اور آئندہ دینی مدارس وتعلیمات مجتہدین کے ماتحت رہیں، اِس لئے دونوں طرف قرآن کی معنوی تحریف برابر جاری ہوگئی اور آج تک جاری ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ترجمہ خواہ شیعہ کا ہو یا اہل سنت نے کیا ہو، معنوی ادل بدل اور ہیر پھیر دونوں کے یہاں ایک ہی اصول پر ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ہر ترجمہ میں ایک ہی قسم کی غلطی موجود رہتی آئی ہے۔ ہم پہلے شخص ہیں جس نے قرآن کے الفاظ کے مصدری معنی کرنے پر زور دیا اور ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جس سے شیعہ سُنّی تصورات کی جگہ اللہ کی منشا کو مرکزی مقام ملا۔ اور ہماری تصنیفات میں وہ تمام پردے اُٹھادیئے گئے جو اجتہاد اور مجتہدین نے ڈالے تھے۔ ہم نے زبان وہ استعمال کی جسے کم از کم اَسّی فیصد لوگ سمجھیں اور خود قرآن پر غور کریں اور علما سے پوچھیں کہ جناب یہ کیا تماشہ ہے؟ آپ کیوں مذکر کو مونث کی جگہ استعمال کرتے ہو؟ کیوں ایک ہی لفظ کے جگہ جگہ ادل بدل کر معنی کرتے ہو؟ کیوں ہر لفظ کے ایسے مستقل معنی نہیں کرتے جو ہر جگہ فِٹ اور صحیح ہوں؟ کیوں مختلف المصادر الفاظ کے ایک ہی معنی رگڑتے چلے جاتے ہو؟ متشابہات کے جو معنی فریقین نے کئے وہ اور بھی قابل افسوس ہیں۔ اُن کا کہنا یہ ہے کہ قرآن میں کچھ تو واضح اور صاف احکام ہیں اور کچھ آیات ایسی ہیں جن کے معنی مشکوک اور مشتبہ ہیں۔ جن سے آدمی کوئی صحیح مطلب نہیں نکال سکتا۔ بعض نے بلکہ کثرت نے تو یہ کہا کہ متشابہات ایسی آیتیں ہیں کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ بھی اُن کا صحیح مطلب نہ سمجھتے تھے۔ بعض نے کہا کہ نہیں بلکہ رسولؐ اللہ اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے علاوہ متشابہات کے حقیقی معنی کوئی سمجھتا ہی نہیں ہے۔ پھر سب نے مل کر طے کیا کہ چار پانچ سو آیات کے علاوہ باقی سب متشابہات ہیں۔ یعنی ان چار پانچ سو آیات کے علاوہ قرآن کی کم وبیش چھ ہزار آیتیں عوام کیلئے بیکار ہیں۔ مطلب یہ کہ قرآن کو کوئی ہاتھ نہ لگائے بلکہ مجتہدین کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور جو کچھ وہ فرمادیں نہایت ادب سے اُن کے فرمان کو خدا اور رسولؐ اور معصومینؑ کا حکم سمجھ کر اُن کی اطاعت کی جائے۔ ہماری تصنیفات میں ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن کی ہر آیت محکم، واضح اور بلا گنجلک ہے۔ البتہ رسولؐ اور آئمہؑ کی ہر حال میں احتیاج ہے لیکن اجتہاد ومجتہد کی نہ احتیاج، نہ قرآن واسلام میں اجتہاد جائز ہے۔ اس کے برعکس اجتہاد حرام ہے۔ اور جو شخص اجتہاد کا قائل ہے وہ قرآن کی واضح آیات کا انکار کرتا اور جھٹلاتا ہے۔ یعنی وہ مانتا ہے کہ نہ اللہ نے قرآن میں دین مکمل کیا نہ رسولؐ اللہ کی احادیث میں انسانوں کے تمام مسائل بیان ہوسکے۔ اور اس لئے جو کچھ اللہ ورسوؐل سے رہ گیا اُس کو پورا کرنے کے لئے اجتہاد ومجتہد کا ہونا ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ قرآن میں کسی چیز کی کمی نہیں (انعام 6/59) اور ہر چیز کی تفصیل موجود ہے (یوسف 12/111) جس کا ان آیات پر ایمان ہواُسے کسی خاطی وخطار کار انسان کے من گھڑت مسائل کی ضرورت نہیں ہے۔ (تفصیلات ہماری کتاب اسلام اور علمائے اسلام میں ملاحظہ فرمائیں)

(4)۔ مسلمانوں کے مجتہدانہ گروہ کواتباعِ رسولؐ کا حکم اور معافی کا وعدہ

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ .....قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ .....قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ..... قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ o (آل عمران 32-3/28)

اُس مسلمان گروہ سے کہا گیا کہ مومنین کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ مومنینؑ کے بجائے کافروں کو اپنا حاکم بنائیں اور جو ایسا کرے گا اُس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہاں صرف اُس صورت میں معافی ہے (بقول علامہ) جب کہ ''اپنے بچاؤ کے لئے بدرجۂ مجبوری کبھی کفار کے ساتھ تقیہ کرنا پڑے۔'' (جلد اول صفحہ 244) تو باطل حکومت کا اقرار کرلو مگر یہ سمجھ لو کہ اللہ تمہیں ذاتی طور پر حکومت باطل کو تسلیم کرنے سے بچ کر رہنے کا حکم دے رہا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف سب کو پلٹنا ہوگا۔ اور اُن اجتہادی مومنین سے یہ بھی کہہ دو کہ اگر مذکورہ حکومت کا تصور تمہارے دلوں کے اندر پوشیدہ رہے یا تم اُسے ظاہر کرو، دونوں صورتوں میں اللہ کو اُس کا علم ہے۔ اُسی تصور کا نہیں بلکہ زمین وآسمان کی ہر چیز کا علم ہے۔ اور ہر چیز پر اللہ کو قدرت حاصل ہے۔ اُس روز جب کہ ہر شخص اپنے اچھے اور برے اعمال کے ساتھ حاضر ہوگا۔ تو اُسے یہ تمنا ہوگی کہ کاش وہ دن ابھی اُس سے بہت ہی دور ہوتا۔ پھر ایک دفعہ تمہیں اللہ کی پکڑ سے بچنے کا بذاتہ حکم دیا جاتا ہے۔ بار بار حکم کی وجہ اللہ کا بندوں پر مہربان ہونا ہے۔ لہٰذا آخری بات یہ بتادو کہ اگر تم واقعی اللہ کی اطاعت اور اُس کی محبت کے دعویٰ میں سچے ہو تو یہ دعویٰ اُس صورت میں اللہ کو محبوب ہوگا جب کہ تم میری اتباع کرو۔ اور اِس اتباع رسولؐ سے تمہارے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو تم اب تک حکومتِ الٰہیہ کے خلاف کرتے رہے ہو۔ ورنہ سمجھ لو کہ اللہ حکومتِ الٰہیہ کے کافروں سے محبت نہیں رکھتا۔ اسلئے کہ؛

(5)۔ آلِ ابراہیمؑ وآلِ عمرانؑ کی بزرگی اور حکومت عالمین پر ماننا لازم ہے

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ o ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ o (آل عمران 3/33-34)۔ حضرت آدمؑ ونوح علیہما السلام سے لے کر حکومتِ الٰہیہ قائم کی گئی اور نسل ابراہیمؑ ونسل عمرانؑ کی برتری پوری کائنات پر قائم کرنے کے لئے الرّسولؐ یعنی رسولؐ کے تمام اجزاء اور اُن کے تمام جانشینوں کی قدم بقدم یعنی اِدھر اُدھر دیکھے بغیر اتباع واطاعت لازم کی گئی ہے۔ آدمؑ ہوں یا نوحؑ، ابراہیمؑ ہوں یا ابوطالبؑ اور اُن کی آلؑ ہوں یہ سب واجب الاتباع اور ایک ہی مسلسل ذریتؑ ہے۔

یہاں قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ جہاں جہاں ولی، اولیا، وَلُّوا اور تَوَلَّوا و مولا کے مقابلہ میں لفظ کافر یا کافرین آتا ہے۔ وہاں کافر یا کفر کے معنی اللہ کی قرآنی حکومت اِلٰہیہ کے منکر اور چھپانے والے مقصود ہوتے ہیں نہ کہ عام کافر۔ لیکن جرائم دونوں کے یکساں ہیں۔ اسی بنا پر وہ لوگ بھی کافر ہیں جو اتباع رسولؐ کے منکر اور اطاعت خدا کے قائل ہوں اور وہ بھی کافر ہیں جو خلافتِ اِلٰہیہ کے منکر اور اجتہادی خلافت کے قائل ہیں۔ دونوں کے لئے خدا کے یہاں جہنم بتایا گیا ہے۔ پھر یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ وہ مومنین اپنے دل میں یہ منصوبہ چھپائے ہوئے ہیں مگر اللہ جانتا ہے۔ ولی کے معنی دوست کرنے والے وہی لوگ ہیں جو ولایتِ خداوندی اور حکومتِ اِلٰہیہ کے منکر ہیں۔ ورنہ دوست کے لئے عربی میں حبیب ومحبوب وصدیق وخلیل و ودود وغیرہ کئی ایک الگ الگ الفاظ ہیں۔ مگر ولی کے اوّلین

معنی حاکم، جو دل میں ہمدرد بھی ہو، ہوتے ہیں (دوست اور حاکم)۔

(6)۔ مسلمانوں کا اجتہادی رابطہ عربی یہود ونصاریٰ سے قائم تھا

سورۂ آل عمرانؑ میں بڑی تفصیل سے عربی یہود ونصاریٰ کے عقائد اور مقاصد بیان ہوئے ہیں۔اور یہ بتایا گیا ہے کہ ملکی عصبیت کی بنا پر یہودیوں کی اکثریت کفارِ قریش کے ساتھ شامل رہی اور مسلمانوں کو مٹاڈالنے میں اُن کی مدد کرتی رہی۔اور قریش کے انڈر گراوٴنڈ محاذ کو اسلام میں داخلی تخریب کیلئے اجتہادی تعلیم دینے میں بڑا ہاتھ تھا۔اور عربوں نے اپنی حکومت کے دوران برابر ایک نہ ایک عیسائی، یہودی یا کسی مجوسی عالم کو راہنمائی کے لئے دربار میں رکھا۔اِس پہلو پر قرآن کریم اُن اجتہادی مومنین کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ:۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّ وْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ o
وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔ (آل عمران 101-3/100)
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o(3/104-105)

اے وہ مومنین اگر تم نے اُن لوگوں کی اطاعت اختیار کر لی جن کو کتاب دی جا چکی ہے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان رکھنے کے باوجود کافر بنا دیں گے۔اور مسلسل آیات سنتے ہوئے اور رسوؐل کی موجودگی میں تم کس طرح کافر بنتے جا رہے ہو؟ حالانکہ تم میں کچھ لوگ تو ایسی اُمت بن جانا ضروری تھا۔جو لوگوں کو دعوتِ خیر دیتی مُسلمہ اچھائیوں کا حکم کرتی برائیوں سے روکتی اور وہ فلاح حاصل کر لینے والی ہوجاتی۔پھر اُن مومنین کو یہ کہہ کر تفرقہ اندازی سے منع کیا گیا کہ دیکھو تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اسلام میں تفرقہ پھیلایا اور ایسی حالت میں بھی اختلاف پیدا کر دئے تھے جب کہ اُن کے پاس بیّنات کی صورت میں احکام آ چکے تھے۔اُن لوگوں کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔

قرآن کریم کے یہ بیانات واضح انداز میں یہ ثابت کر دیتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ گروہ عرب کے اہل کتاب سے ایسا تعلق رکھتا تھا جس میں اُنہیں یقین تھا کہ اُنکا ایمان خطرہ میں نہیں ہے لیکن اللہ نے بتایا کہ یہ تعلق اُنہیں ایمان و اسلام سے خارج کر دیگا۔آیات اور رسوؐل سے اُنکا کوئی رشتہ نہ رہیگا۔پھر یہ بتایا کہ یہ طرزِ عمل فرقہ واریت اور اختلافِ مذہب کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور آیات بیّنات کے باوجود تفرقہ اندازی میں مدد بنتا ہے۔اور جس طرزِ فکر سے اختلاف پیدا ہوتے ہیں اُسی کا نام آگے چل کر اجتہاد رکھا جانیوالا تھا۔یعنی دین میں ایسی جدوجہد یا کوشش جس سے ہر شخص اپنی عقل وبصیرت کے مطابق مسائل اور احکام حاصل کر لے اور کسی دوسرے کی عقل وبصیرت کی تقلید نہ کرے۔

(7)۔ کفار اور حقیقی منافقین کا رویہ دونوں قسم کے مسلمانوں کے ساتھ

پہلے مسلمانوں کو مخالفوں سے ولایت وحکومت کے رشتے سے منع کیا گیا۔اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ کفار اور حقیقی منافقین سے جان بوجھ کر محبت اور رابطہ رکھتا چلا جا رہا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا

تُخفِی صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ o هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ o اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ o (آل عمران 120-3/118)

اُن کو منع کیا گیا ہے کہ اُن سے راز دارانہ رابطہ نہ رکھو۔ وہ لوگ تمہارے نہیں ہیں۔ وہ تو تمہاری تخریب کے درپے ہیں۔ جس طرح بھی تمہیں نقصان پہنچے وہی طریقہ اختیار کرنا انہیں پسند ہے۔ اُنکی باتوں میں اُن کا بغض ڈھکا چھپا نہیں رہتا۔ اور جو منصوبہ اُنہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے وہ تو بہت ہی بڑا ہے۔ اگر تمہاری عقل برسرکار ہو تو ہم نے اپنی آیات میں اُس منصوبہ کو واضح کر دیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اے مومنین تم اُن سے مطیعانہ محبت رکھتے ہو۔ اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تم پوری کتاب پر ایمان بھی رکھتے ہو۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ تمہارے دکھانے کیلئے مومن بنے رہتے ہیں۔ لیکن تخلیہ میں اُنہیں حقیقی مومنین پر اس قدر غصہ آتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ یقیناً اللہ تو سینوں کے اندر والے حالات سے واقف ہے۔ تمہیں اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو اُنکو رنج ہوتا ہے اور نقصان ہوتا ہے تو انہیں خوشی ہوتی ہے۔ اگر تم صبر اور احساس ذمہ داری پر کاربند رہو تو تمہیں اُن کی پُرفریب چالیں نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ لیکن اللہ تو تمہارے تمام اعمال کو اپنے علمی احاطہ میں رکھتا ہے۔

یہاں مسلمانوں کے مذکورہ گروہ کے قلبی تعلقات کی گہرائی اور کافرانہ محاذ سے محبت وخلوص کی انتہا بیان کردی گئی اور یہ بتا دیا گیا کہ وہ مومنین اِس سب کے باوجود پورے قرآن پر ایمان رکھنے کے مدعی بھی ہیں۔ یہاں سابقہ آیات کی تائید میں وہ منصوبہ بھی ظاہر کر دیا جو اسلام میں داخلی تخریب وافتراق اور اختلاف کا موجب ہونے والا ہے۔ یہ پوزیشن اللہ نے اس لئے بیان کی ہے کہ جنگ اُحد اور بعد میں آنے والے واقعات کی اصل وجہ سمجھ میں آسکے۔ اور یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانوں کا وہ گروہ کیوں میدانِ جنگ میں تلوار نہیں اٹھاتا اور کیوں کفار اُن سے تعارض نہیں کرتے؟ اور کیوں تمام تواریخ میں یہ بیان ہوا ہے کہ ابوسفیان نے جب پہاڑ پر چڑھ کر پہاڑ کی چٹان پر بیٹھے ہوئے مسلمان صحابہ سے دریافت کیا کہ کیا محمدؐ زندہ ہیں یا قتل ہو گئے؟ تو اُس وقت اُس نے اُن ہی مسلمانوں کو نام بنام پکارا تھا جن کا زندہ رہنا یقینی تھا۔ اور جن کے متعلق اُسے معلوم تھا کہ وہ اُس کے اپنے آدمی ہیں اور ہرگز خطرہ مول نہ لیں گے۔ یہاں تک کہ عین وقت پر رسولؐ اللہ کو بھی چھوڑ کر محفوظ اور بتائے ہوئے مقام پر پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ جب اُن مسلمانوں نے باآواز بلند اپنے زندہ وسلامت ہونے کا اعلان کر دیا، وہ مطمئن ہو کر ''باقی آئندہ'' کہہ کر مکہ روانہ ہو گیا۔

(8)۔ جنگ اُحد کی صبح اور مسلمانوں کے دو گروہ اور ملائکہ

یہاں تک وہ بنیادیں بیان ہو گئیں جن پر اجتہادی اسلام اور اُحد کی شکست کی عمارت اُٹھنا تھی۔ اس کے بعد اللہ نے اُس صبح کے ذکر سے بات شروع کی تھی جو میدان اُحد میں آئی تھی اور فرمایا کہ:۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِکَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ---- الخ (آل عمران 123-3/121)۔ جب آپ علی الصبح اپنے اہل کو لے کر میدان اُحد میں پہنچے اور مومنین کو جنگ کیلئے مناسب مقامات پر

تعینات کررہے تھے۔اور جس وقت تمہارے ساتھی مسلمانوں کے دوگروہوں نے بزدلی دکھائی تھی۔حالانکہ وہ اللہ کو اپنا حاکم قرار دیتے تھے۔مومنین کا کام تو یہی ہے کہ وہ اللہ پر توکل کریں۔اس کا تجربہ بدر میں اُس وقت ہو چکا تھا جب کہ مسلمان بڑی ذلیل حالت میں تھے۔لہٰذا اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داری پر کاربند رہو شاید کہ تم شکر گزاری کرسکو۔اور بدر کی فتح ونصرت کو سامنے رکھو۔

اِس صورت حال اور تنبیہہ کے بعد یہ بتایا گیا کہ ''مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرنے اور اُن کی مدد کیلئے تین ہزار اور پانچ ہزار ملائکہ کو نازل کرنے کا وعدہ اِس شرط پر کیا گیا کہ تمام مسلمان صبر اور تقویٰ کا مظاہرہ کریں تو فتح مسلمانوں کی ہوگی۔لیکن مسلمانوں نے جو کچھ صبر کیا وہ چند آیات (آل عمران 125-3/124) کے بعد آنے والا ہے۔یہاں مسلمانوں کے اغنیا اور رؤسا کا حال پہلے بیان فرمایا ہے کہ ؛ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ...(آل عمران 3/130)

''اے مومنین تم ڈبل کر کر کے سود خوری چھوڑ دو اور تقویٰ اختیار کرلو۔'' علامہ مودودی اس آیت پر نوٹ لکھتے ہیں کہ:۔

''اُحد کی شکست کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقعہ پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لُوٹنے میں لگ گئے۔اِس لئے حکیم مطلق نے اس حالت کی اصلاح کے لئے زر پرستی کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا اور حکم دیا کہ سود خواری سے باز آؤ۔''(تفہیم جلد اوّل صفحہ 287)

مطلب واضح ہے کہ سود وہی لے گا جو سرمایہ دار ہوگا۔اور سرمایہ دار ایسی خطرناک حالت میں جہاں جان کا خطرہ سامنے ہو لوٹ میں حصہ نہ لے گا۔لوٹ میں وہی لوگ حصہ لیں گے جن پر قرض اور سود کا اس قدر دباؤ ہو کہ جان خطرہ میں ڈالنا مفید معلوم ہو سکے۔لہٰذا جنگ اُحد میں کوئی سرمایہ دار لُوٹ میں شامل نہ تھا۔بلکہ سود کے مارے ہوئے لوگ سرمایہ داروں کے دباؤ سے لوٹ مار کررہے تھے تاکہ جنگ کا پانسہ پلٹ جائے اور پہاڑ کی بلندی سے ہدایات وصول کررہے تھے تاکہ جان بچائی جاسکے۔یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ مسلکِ اجتہاد میں سرمایہ داروں کا تحفظ بھی داخل ہے۔اور اسی وجہ سے چند ہی سال میں مسلمانوں میں کروڑوں پتی سرمایہ دار وجود میں آچکے تھے۔اور آج تک برابر سرمایہ داری کا تحفظ کیا جارہا ہے۔اگلی آیت میں سود خوری کو کفر قرار دے کر جہنم سے ڈرایا ہے۔یعنی ایسا اسلام قابل قبول نہیں۔پھر اپنے رحم کی شرط اطاعتِ رسولؐ کو قرار دیا۔(آل عمران 132-3/131)

(9)۔ انبیاؑئے سابقہ کی اُمتوں سے اُحد کے مفرور مسلمانوں کا تقابل

چند تنبیہات کے بعد جنگ اُحد کے مفرور مسلمانوں کو یہ بتایا گیا کہ تم سے پہلے انبیاؑ کی اُمتوں نے اپنے نبیوںؑ کے سامنے جہاد وقتال کئے۔

فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا...(آل عمران 3/146)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَo

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَo(آل عمران 150-3/149)

مگر اُن کے ساتھ جو کچھ بھی پیش آیا وہ نہ اُس پر شکستہ خاطر ہوئے نہ اُنہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ باطل کے رُوبرو سر جھکایا۔مگر تم لوگوں نے تو یہ سب کچھ کر دکھایا ہے۔اور اے سپر انداختہ مومنین اگر تم نے کافروں کی اطاعت جاری رکھی تو وہ تمہیں تمہارے پچھلے

مذہب پر واپس لے جائیں گے۔ اور اُس صورت میں اسلامی طور پر تم پر نقصان میں رہنے والا انقلاب آ جائے گا۔ حالانکہ تمہارا حاکم اور خیر خواہ اور سب سے زیادہ ناصر اللہ ہی ہے۔ یعنی تم اللہ کی نصرت، خیر خواہی اور ولایت سے خارج ہو جاؤ گے۔

یہاں پھر واضح ہوا کہ جس منصوبے پر وہ مسلمان چل رہے تھے اُس کفر کی اطاعت کے ساتھ ایام جاہلیت والے سابقہ مذہب کی ولایت بھی لازم تھی اور اللہ سے قطع تعلق تھا۔ اب کچھ ایسی باتیں قرآن سے سنیں جنہیں شاہی تاریخ میں نہیں لکھا گیا۔

(10)۔ کافروں کے مطیع مسلمانوں نے طرز حکومت پر تنازع کھڑا کر دیا تھا۔ نافرمانی کی تھی

رسولؐ اللہ کے ساتھ معاملاتِ حکومت پر مسلمانوں کا جھگڑا کرنا اور طرز حکومت کی نافرمانی کرنا تواریخ نے نہیں لکھا ہے۔ مگر قرآن مجید اس معاملے میں خاموش نہیں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت میں مذکورہ لفظ امر کے معنی میں تحریف کر کے صورت حال کی سنگینی کو ہلکا کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ اللہ نے اُحد کی شکست اور مخصوص مسلمانوں کی ذہنیت یوں بیان کی ہے کہ:۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَo (آل عمران 3/152)

یقیناً اللہ نے اپنا وعدہ نصرت اُس وقت پُورا کر دیا تھا جب خود تم اللہ کی اجازت سے محسوس کر رہے تھے کہ تم غالب آنے والے ہو۔ لیکن جب تم نے معاملاتِ حکومت کا تنازع کھڑا کر دیا۔ اور عقیدہ کی کمزوری عین جنگ کے دوران عام کر دی اور رسولؐ اللہ کی نافرمانی اختیار کر لی۔ اور یہ ایسی حالت میں کر گزرے جب کہ تمہارے سامنے وہ چیز آ گئی جو تمہیں بڑی محبوب ہے۔ چنانچہ تم میں سے کچھ دنیاوی مال ومتاع چاہتے تھے، کچھ آخرت کے طلبگار تھے۔ تب تمہارے پیر اُن کے مقابلہ میں اکھڑ گئے تاکہ تمہیں آزما لیا جائے۔ پھر اللہ نے تم کو فضول سمجھ لیا، نظر انداز کر دیا اور قتل ہو جانے سے بچا لیا۔

مودودی صاحب بھی یہاں لَقَدْ عَفَا عَنكُم کا مطلب حاشیہ نمبر 109 میں یہی بتاتے ہیں کہ قتل وغارت ہو جانے سے بچا لیا (تفہیم القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 295)۔

یہاں دو باتیں خاص طور پر نوٹ کر لیں۔ اوّل یہ کہ یہ مسلمان گروہ معاملات حکومت میں رسوؐل سے متفق نہیں۔ دوسرے یہ کہ اُن کا مشن صرف دنیا تک محدود تھا آخرت کی اُنہیں پرواہ نہ تھی۔

(11)۔ قرآن کریم نے اُن مسلمانوں کا رسولؐ اللہ کو تنہا چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ جانا بتایا

اُن مسلمانوں نے معاملات حکومت میں تنازع کے بعد جو کمزوری دکھائی تھی وہ یہ تھی کہ رسوؐل اللہ اور دیگر مومنین کو چھوڑ کر چل دیئے تھے قرآن سے سنئے:۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَo (آل عمران 3/153)

اور جس وقت تم پہاڑ پر چڑھ گئے اور رسوؐل تمہیں پیچھے پیچھے آوازیں دے کر بلاتا رہ گیا۔ اور تم نے پلٹ کر اُس کی طرف متوجہ ہونا بھی پسند

نہ کیا تھا۔اِس عمل کے نتیجہ میں تمہیں دُوہراغم حاصل ہوا تا کہ اِس کے بعد تمہیں تجربہ ہو جائے کہ اگر آئندہ تمہاری پوشیدہ اسکیم ناکام ہو جائے یا اُس کی وجہ سے کوئی ناگوارصورت حال تمہیں پیش آجائے تو تم اُس دُوھرے غم کے مقابلے میں زیادہ رنج محسوس نہ کرو۔یعنی وہ دوھراغم ، یاغم پرغم بطورنمونہ نصیب ہوا۔اوراللہ تو تمہارے کرتوت سے خبر دار رہتا ہی ہے۔

ناظرین کےقلوب میں کس قدر رقعت ہوسکتی ہےاُن مسلمانوں کی جوتمام مسلمانوں کو ہی نہیں بلکہ خود آنحضرتؐ کونرغۂ اَعدامیں قتل ہوجانے کے لئے فرارکریں۔اوررسولؐ اللہ اپنی مدد کے لئے پیچھے پیچھے پکارتے رہ جائیں اور یہ لوگ پہاڑ پرآکراطمینان سے گزشتہ خامیوں پراورآئندہ شدت پرغورکرنے لگے تاکہ آئندہ اپنے زیرپردہ منصوبہ کوزیادہ کامیاب بنایا جاسکے۔چنانچہ اللہ نے مسلسل اُس گروہ کی سازش یوں بیان کردی کہ:۔

(12)۔ امرحکومت میں اپنامقام منوانے کے لئے شکست کو بہانہ بنایاتھا

...وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْ اَنفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا قُلْ لَّوْ كُنتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِo (آل عمران 3/154)

مسلمانوں کےاُس گروہ نے اپنے لئے خاص اہمیت ملنے کی خاطر اپنے سابقہ دین کودلیل بنایااورخدا کی پوزیشن کااُسی انداز میں تعین کیا جو حق کے خلاف تھا۔اور یہ سوال ازسرِنواُٹھایا کہ کیا ہم کومعاملات حکومت اوراجرائے احکام میں کوئی مقام دیا گیا ہے؟ جوکہ ہماری تہذیب کی قدیم روایت ہے۔یعنی ہرحکم اور ہرحکومت ملکی وملّی مفاداوربصیرت کے ماتحت رہے۔اوراُنہوں نے یہ اعتراض بھی قائم کیا کہ اگر معاملاتِ حکومت میں ہماری بصیرت کوشامل کرلیا ہوتا تو ہمارااس طرح پراس جنگ میں قتل عام نہ ہوا ہوتا۔یعنی جوکچھ ہواوہ محض رسولؐ اللہ کی ذاتی بصیرت اورآمرانہ پالیسی کی وجہ سے ہوا۔اے رسولؐ اُن کو بتادو کہ معاملاتِ حکومت میں خطاکاروں کی بصیرت اورمشورہ کا معاملاتِ خلافت اِلٰہیہ میں کوئی مقام نہیں ہے۔یہ حاکمیت محض اللہ کی ہے۔وہ جس حکم کومناسب سمجھتا ہےاپنے بےخطاذریعہ(معصومؑ) سے نافذ کرتا ہےاور یہ بھی کہ جب اللہ کسی فرد یاافراد کاقتل ہوجانا طے کرلیتا ہےتو خواہ تم اپنے گھروں میں ہوتب بھی قتل ہونے والے خود اپنے ارادےاوراختیار سے چل کراپنی قتل گاہ میں پہنچ جائیں۔اور یہ بھی سمجھادو کہ حکومت کے متعلق تمہارے دلوں کے اندرجوفکر پوشیدہ ہے،اُس میں بھی اللہ تمہاری آزمائش کرنیوالا ہے تاکہ وہ طرزِحکومت ایک دفعہ تمہارے دلوں کے ساتھ تڑپ کررہ جائے۔اللہ سینوں کے اندر پوشیدہ تصورات کاعلم رکھتا ہے۔

یہاں دوباتیں نوٹ کرلیں اوّل یہ کہ یہ گروہ جس قسم کی حکومت پسند کرتا ہےاُس میں انسانی بصیرت کوشریک کرنالازم ہے۔اور یہ بھی کہ حکومت کی یہ فکرایام جاہلیت کی طرزفکر پرمبنی اورحق کے خلاف ہے۔دوم یہ کہ وہ پیشگوئی جو جناب ابوبکر نے اُزدی عالم اوربحیرا راہب سے سنی تھی۔وہ اسی باطل حکومت کیلئے تھی اورقرآن نے بھی اِس آیت میں اس کی تائید کی ہے(لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ)۔

تاریخ نے اُس طرزِ حکومت کا قائم ہونا کبھی نہ دیکھا۔ آمریت کو قائم رکھنا پڑا۔ اُس طرز حکومت کے دوہرے دوہرے قتل دیکھے گئے۔ اُس کے اعضاء گلیوں میں بکھرے پڑے رہے۔ ہر زمانہ میں اُس گروہ کے جانشینوں کے دل تڑپتے رہے۔ مگر وہ اس طرز حکومت کو قائم نہ کر سکے اور ہمیشہ اپنی ناکامی پر نالاں رہے۔ کرنا کچھ اور چاہتے۔ ہوتا کچھ اور رہتا۔ اور آج وہ خود تھک کر سوشلزم اور کمیونزم کے سائے میں سانس لے رہے ہیں۔ قرآن کی یہ پیشگوئی کہ حکومت کی یہ فکر تمہارے دلوں کے ساتھ تڑپا کر چھوڑی جائے گی (لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ) ایک مستقل اور مسلسل تاریخی حقیقت ہے۔ اس حکومت کا راستہ صاف کرنے کے لئے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ حتیٰ کہ خاندان محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم کو مٹا دینے کی کوشش جاری رہی۔ کربلا کی وجہ سے آج بھی اُن خبیث دلوں میں آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور اپنی ناکامی پر دل تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔ اگلی آیت اُن کی اس حسرت کا تذکرہ کرتی ہے۔ اُن کے تصورات کو شیطانی بتاتی ہے سُنئے :۔

(13)۔ ولایت و حکومت کا وہ تصور شیطانی ہے۔ مومنین کو اس کفر سے بچنا چاہیئے

چونکہ مترجمین یہاں بڑی بڑی پگڑیاں اچھلتی دیکھتے ہیں۔ اِس لئے آیاتِ قرآن کا رخ موڑنے کے لئے معنی اور مفہوم کو حقیقت سے دور رکھنا لازم سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارا فرض ہے کہ ہر لفظ کا پورا تصور پیش کر دیں۔ مختصرات کو مفصل طور پر لکھ دیں تاکہ حق سامنے آ کر کھڑا ہو جائے۔ اللہ نے مسلسل فرمایا کہ:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ o يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ o (آل عمران 156-3/155)

یقیناً تم میں سے جس مسلمان گروہ نے جنگِ اُحد کے دن رسوؐل کی حکومت کے خلاف ولایت بنانے پر تنازع کھڑا کیا اور میدانِ جنگ سے نکل کر پہاڑ پر جا بیٹھے اور اقتدار میں حصہ لینے کی اسکیم پر زور دیا تھا۔ اُن مسلمانوں کا ڈانوا ڈول ہو جانا اُن کی اپنی اسکیموں کی وجہ سے شیطانی کاروبار تھا۔ اور چونکہ اللہ بردبار اور مغفرت کا حامل ہے اس لئے اُن کو اُس روز قتل ہو جانے سے بچا لیا تھا۔ تاکہ اُن کی آنے والی نسلوں کو محرومی نہ ہو جائے اور وہ مغفرت حاصل کر سکیں۔ اَے مومنین تم اِن کافروں کی طرح نہ ہو جانا۔ اِن کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اُن کی بصیرت اور فیصلے کے بغیر کوئی شخص سفر کرے یا جہاد کے لئے جائے تو ضرور بے موت مرے گا یا قتل ہو جائے گا۔ اور اگر اُن کے فیصلہ کے ماتحت جائے یا جنگ کرے تو ہرگز نہ مرے گا نہ قتل ہوگا۔ یہ رائے قائم کرنے والوں کے دلوں میں حسرت و اندوہ باقی رکھنا اللہ کی ذمہ داری ہے۔ کبھی بھی اُنکی بصیرت کامیاب نہ ہوگی۔ اس لئے کہ زندگی دینے والا اور موت سے دوچار کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اور اے مومنین یہ سمجھ کر عمل کیا کرو کہ تمہارا ہر عمل اللہ کی نظر میں ہے۔

یہاں ہم نے عَفَا اللّٰهُ کے وہی معنی کئے ہیں جو مولانا مودودی نے صفحہ 295 کے حاشیہ نمبر 109 میں کئے تھے۔ یعنی اللہ نے اُن کو قتل اور تباہی سے بچا لیا۔ ورنہ عفا، معافی اور عفو کے معنی بخش دینے کے ہرگز نہیں ہوتے۔ یعنی معافی کے معنی مغفرت نہیں ہوتے۔

تحقیق کے لئے آپ (بقرہ 2/219) کا ترجمہ دیکھیں۔ وہاں ہر عالم نے مجبور ہو کر حق سے قریب معنی کئے ہیں (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 167)۔ یعنی فاضل، فالتو اور جس کی فوراً ضرورت نہ ہو۔ قرآن میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اُسکی ہر صورت میں ''عارضی طور پر نظر انداز کر دینا'' معنی کر لیں، کبھی منشائے قرآن کے خلاف نہ ہوگا۔ ورنہ بلا توبہ اور پشیمانی کے اظہار کے شیطان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ایسے لوگوں کی بخشش پر ایمان لانا پڑے گا جو رسولؐ اللہ کو قتل ہو جانے کے لئے میدان جنگ میں چھوڑ دیں۔ اور رسولؐ کے حکم پر بھی پلٹ کر نہ آئیں۔ پھر اللہ کا یہ حکم بھی نہ مانیں کہ:۔ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ.. (8/24)

جب تم کو رسولؐ اللہ بلائیں تو فوراً تعمیل کرو اور حاضر ہو جاؤ تا کہ تمہیں زندگی بخشی جائے۔ اور کھل کر اور اعلانیہ نافرمانی کریں، جو رسولؐ اللہ کے گرد اسلئے جمع ہو گئے ہوں کہ وہ حضرتؐ سیدھے سادے مومن ہیں۔ حلیم الطبع، صاف دل، نرم خو ہیں، زبان میں تاثیر ہے۔ لوگ دل و جان سے اُن پر اور اُنکے احکام پر فدا ہو جانے کو تیار ہیں۔ لاؤ (معاذ اللہ) بے وقوف بنا کر، سیاسی نشیب و فراز سے مرعوب کر کے اپنا اُلّو سیدھا کر لو اور موقعہ ملے تو بنتی ہوئی حکومت میں شریک کار ہو جاؤ یا ایسا مشہور کر دو کہ وہ تو ہر قدم ہماری ہدایات کے ماتحت اُٹھاتے ہیں اور اس طرح ایک دن حکومت پر قبضہ کر لو۔ اِس ساری رام کہانی کو قرآن کریم اِس طرح سناتا ہے کہ ایک بات کہیں کہہ دی، دوسری کہیں اور سُنا دی، تیسری کیلئے اشارہ کر دیا، چوتھی خود لوگوں کے سمجھنے کیلئے چھوڑ دی۔ چنانچہ معاملاتِ حکومت میں شرکت یا حصہ طلب کرنے کا نفی میں صاف انکار کرنے کے بعد اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اُس مسلمان گروہ کے لیڈروں کا جھمگٹا کس غرض کے ماتحت ہے؟

(14)۔ رسولؐ کی نرم روی سے فائدہ اُٹھانے والے مسلمان

اللہ نے اُس مسلمان گروہ کے ساتھ لگے رہنے کا مقصد یہ بتایا کہ:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَo اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَo (آل عمران 160-3/159)

یہ لوگ حق طلبی یا حق جوئی کے لئے تمہارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ اللہ کی رحمت کی بنا پر آپؐ اِن لوگوں کے ساتھ فطری نرم روی اور بردباری کا سلوک کرتے رہتے ہو۔ اُس سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ لوگ تمہارے گرد جمع رہتے ہیں۔ اگر کہیں آپؐ درشت مزاج اور تُند خُو ہوتے یا اب ہو جاؤ تو یہ تمہیں چھوڑ کر چل دیتے۔ لہٰذا اپنا نرم رویہ جاری رکھو۔ بلکہ اُن کو فی الحال فالتو لوگ خیال کر کے اُن کو مشروط تحفظ کا یقین دلاؤ اور اُن کی بخشش ہم سے طلب کر کے اُن کو ساتھ لگائے رکھو اور وہ طرزِ عمل اختیار کرو کہ شہد بھی نکل آئے اور مکھیاں ڈنک بھی نہ مارنے پائیں (شَاوِرْهُم کے معنی) یا وہ رویہ اپنا لو جو جانور کو بہلا پھسلا کر سدھانے میں کیا جاتا ہے (شَاوِرْهُم کے دوسرے معنی) یا جس طرح نئے جانور پر سواری کی جاتی ہے (شَـاوِرْهُم کے تیسرے معنی) یا وہ رویہ جس سے مجرم بھی شرمندہ ہو جاتا ہے (شاورھم کے چوتھے معنی) یا یہ کہ اُنہیں معاملات حکومت میں مشورہ اور وجہ سے بھی مطلع کر دیا کرو (شَـاوِرْهُم کے بھرتی کے معنی نمبر 8)۔ لیکن عزم صمیم رکھتے ہو تو فقط اللہ پر توکل کیا کرو۔ اس لئے کہ مندرجہ بالا تمام صورتوں کے خلاف اللہ صرف توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اور اُن

کو یہ بھی بتادو کہ اگر اللہ تمہاری نصرت کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں ہوسکتا۔ اور اگر وہ تمہیں رُسوا اور ذلیل کرنا چاہے تو کوئی ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکے۔ اور یہ بات پھر سنو کہ جو مومن ہوتے ہیں وہ تو صرف اللہ پر ہی توکل کیا کرتے ہیں۔ یعنی رہ گئے کافر وغیرہ وہ توکل کے خلاف عملدرآمد کی فکر میں اپنی تدبیروں، چالوں اور دست و بازو اور کثرت کا سہارا لیا کرتے ہیں۔

(15)۔ مندرجہ بالا آیات پر ایک نظر

یہاں یہ بتانا ہے کہ مجتہدین حضرات مندرجہ بالا آیات کو اپنے نظام اجتہاد کی بنیاد بنانے میں اپنے اُس زیغ کی اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر قرآن نے آیات محکمات اور متشابہات میں کیا ہے۔ جہاں ہم نے مونث و مذکر کی گفتگو کر کے اُن کی پوری عمارت کو مسمار کر دیا ہے (ہمارا پیرا نمبر 26/8 کا 3)۔ یعنی اُن کے ذہن میں پہلے سے نظام مشاورت موجود ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن سے اِس پر سند حاصل کریں۔ لہٰذا شَاوِرْهُمْ کے تمام حقیقی اور مصدری معنی کو چھوڑ کر شاور کے معنی ''مشورہ کر'' بنا دیتے ہیں۔ اور شیعہ علما نے بھی کہہ دیا کہ رسول اللہ کو مشورہ کرنے کا (معاذ اللہ) حکم دیا گیا ہے۔ یعنی جو کچھ کسی نے کہا اُسے بلا تحقیق عقل و قرآن کے خلاف اختیار کر لیا۔ عقل کے خلاف اس لئے کہ مشورہ لینے والا حقیقت سے جاہل ہوتا ہے۔ اور وہ اس حقیقت سے بھی جاہل ہوتا ہے کہ زیر نظر حقیقت کا صحیح علم کس کو ہے؟ اگر اُسے معلوم ہوتا تو پنچایت بلانے کے بجائے اُس شخص کے پاس پہنچتا، سوال کرتا، حق معلوم کر کے حق پر عمل کر لیتا۔ لہٰذا پوری پنچایت اُس کے نزدیک جاہل ہے۔ خود بھی پنچایت کے ہر فرد کے علم سے اور زیر نظر حق سے جاہل ہے۔ جہلا کے اس مجمع میں زیر نظر ضرورت بطور مشکل پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائیو اس ضرورت کے پورا کرنے پر مجھے مشورہ دو۔ چونکہ سب جاہل ہیں، اس لئے بحث یا بکواس ہوتی ہے۔ اُس ضرورت سے ملتی ہوئی جو جو ضرورتیں کسی کو پیش آ چکی تھیں اُن کی روشنی میں اُس زیر نظر ضرورت پر گفتگو ہوتی ہے۔ اور آخر میں ان جہلا کی کثرت ایک نتیجہ کو اختیار کر لیتی ہے، اُس پر عمل کر لیا جاتا ہے۔ خرابی سامنے آتی ہے تو پھر مشورہ سے اصلاح (Amendment) کر لی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہر وقت جبرئیلؑ خدمت میں حاضر، اللہ ہدایت کے لئے موجود، ہر شے کی تفصیل رکھنے والی کتاب پاس۔ اِس کے بعد یہ جاہلانہ کام اور طریقہ رسولؐ اللہ کے لئے تجویز کرنا اور اُسے دین کی بنیاد بنا لینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ یہ تھا وہ کافرانہ مطالبہ جو سورہ آل عمران 3/154 میں مذکور ہوا تھا۔ جواب ڈانٹ کر نفی میں ملا تھا۔ (ہمارا پیرا نمبر 26/8 کا 12) اور جس طرز فکر اور مفکرین کی مسلسل مذمت یہاں تک ہوتی چلی آ رہی ہے۔ اگر ہم مجتہدین کی بات مان لیں تو اُن کو اُن کے اپنے ترجمہ کی رُو سے یہ ماننا ہوگا کہ جن لوگوں سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے، اُن کو قصوروار و گنہگار کہا گیا ہے۔ ابھی اُن کی بخشش رسولؐ کی دعا پر منحصر ہے۔ ابھی کہیں بھی اُن کے شرمندہ ہونے یا توبہ طلب کرنے کا ذکر نہیں ہوا۔ وہ بدستور گناہ عظیم کے مرتکب اور مجرم ہیں۔ لہٰذا اگر ایسے مجرموں اور گناہگاروں سے مشورہ کرنا واجب ہے تو اُسی آیت میں اُن سرکشوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنا بھی (امر کے صیغہ سے) واجب ہے۔ اور بلا توبہ و اصلاحِ حال بخش دیا جانا بھی خدا پر واجب ہے۔ یہی نہیں بلکہ عزم صمیم اور توکّل علی اللہ اور سورہ آل عمران کی آیات نمبر 3/159-160 کا قرآن سے خارج کرنا یا اُن کا معطل کرنا بھی واجب ہے۔ اور یہ دونوں آیات خارج یا معطل ہو گئیں تو مشورہ کو باطل سمجھنا بھی واجب ہے۔ پھر عربی زبان اور لغات کو بے اعتبار سمجھنا بھی واجب ہے۔ اور جب عربی زبان ہی مشکوک ہے تو قرآن کو ناقابل

اعتبار کتاب سمجھنا بھی واجب ہے۔انا للہ و انا الیہ رٰجعون۔

یہ ہے مجتہد کا مقصود ومنشا کہ میاں چھوڑو قرآن کو،اس میں کیا دھرا ہے؟اس میں ناسخ ومنسوخ ہے،مطلق ومقید ہے،عام وخاص ہے، یہ چغلق اور مغلق ہے۔آؤ ہم آپ کو مفید ترین مشورہ دیں گے،اپنی اور تمہاری اصلاح کے لئے تیار رہیں گے،رَل مِل کیجئے کاج۔ہارے جیتے آوے نہ لاج۔کثرت کا فیصلہ تھا۔غلط نکلے تو کثرت کو شرمندہ کرنے کے لئے کثرت کہاں سے آئے گی؟رہ گئی قلت، وہ نا قابل شمار چیز ہے۔

اُن کو بتا دو کہ پورا قرآن کثرت کی مذمت سے لبریز ہے۔ایک آیت بلکہ ایک لفظ بھی کثرت کی تعریف میں نہیں ہے۔کثرت خواہ مومنین کی ہو یا کفار کی،قرآن میں مذموم ہے اور ہمیں بقول شخصے قرآن واقعی کافی ہے۔اس لئے کہ جہاں قرآن ہوگا وہیں صاحب قرآن علیہ السلام موجود ملے گا۔آنکھیں اور بصیرت درکار ہے۔یہ دونوں بفضل خدا ہمیں عطا کی گئیں ہیں۔

(16)۔ مسلمانوں کا یہ گروہ ہرگز منافق یا کافر نہ تھا بلکہ مختلف قسم کا مومن تھا

جن مسلمانوں نے جنگ اُحد کے اُن صحابہ کو منافق بنانے یا بتانے کی کوشش کی ہے،جن کا تذکرہ برابر ہو رہا ہے،دراصل وہ خود اُن ہی لوگوں کے مذہب پر گامزن ہیں۔وہی عقائد رکھتے ہیں اور اُن تمام لوگوں کے بخش دیئے جانے کے عذرات اور طرح طرح کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔قرآن کے معنی ومفاہیم بدلنے سے بھی نہیں چُوکتے۔آپ کو یاد ہوگا کہ جب جناب انسؓ کے چچا ابن النضر وہاں پہنچے جہاں بہت سے صحابہ چٹان پر بیٹھے کچھ غور فرما رہے تھے تو ابن النضر نے اُن کو چل کر جنگ میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی اور آخر وہ خود ستر اسّی (80-70) زخم کھا کر شہید ہو گئے تھے۔منصوبہ ساز صحابہ نے جو جواب دیا تھا وہ قرآن سے سنئے فرمایا گیا کہ:۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ o اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا.....(آل عمران 168-3/167)

اُن صحابہ سے کہا گیا کہ چلو اللہ کی راہ میں جنگ میں شامل ہو جائیں تو انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم کو یہ معلوم ہوتا کہ جنگ مفید ہوگی تو بھی ہم تمہاری اتباع نہ کرتے۔اُس روز یہ صحابہ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے زیادہ قریب تھے۔یہ لوگ وہ باتیں نہیں بتاتے جو اُن کے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔مگر اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو وہ چھپائے ہوئے ہیں۔یہ وہی حضرات ہیں جو چٹان پر بیٹھے ہوئے تھے اور جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر ہماری بصیرت کی اطاعت کی جاتی تو یوں قتل عام نہ ہوتا۔

واضح ہوا کہ یہ اہلِ ایمان لوگ تھے......اور خود بھی اپنے آپ کو مومن سمجھتے تھے۔یہ دوسری بات ہے کہ اللہ اُنکے عقائد اور منصوبے کی بنا پر اُنہیں ایمان کا پورا درجہ نہیں دیتا اور کافر بھی نہیں بتاتا بلکہ کفر سے قریب قریب فرماتا ہے۔اِن ہی مومنین کیلئے ذرا آگے چل کر فرمایا کہ؛

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ o اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَھُمۡ خَیۡرٌ لِّاَنۡفُسِھِمۡ اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَھُمۡ لِیَزۡدَادُوۡا اِثۡمًا وَلَھُمۡ عَذَابٌ مُّھِیۡنٌo (آل عمران 178-3/176)

جولوگ کفر کے سلسلے میں تیز گام ہیں وہ اسلام کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔لہٰذا اے نبیؐ آپ اُن کے لئے رنجیدہ نہ ہوا کریں۔اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ دنیا کے بعد آخرت میں اُن کا عذاب عظیم کے سوا کوئی اور حصہ نہیں ہے۔جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر کی خریداری شروع کر رکھی ہے وہ اللہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے البتہ دردناک عذاب کے سزاوار ہیں۔اور ایمان کی قیمت پر کفر خریدنے والے لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اُن کو جو ڈھیل دی جارہی ہے وہ اُن کے لئے مستقلاً مفید ہے۔یہ ڈھیل تو اسلئے دی جارہی ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو خوب بڑھا سکیں اور پھر اُنہیں ذلیل وخوار کرنے والا عذاب دیا جائے۔

(26/9)۔ وہ مہاجرین اور مسلمان جو واجب التعظیم تھے؛ایک معیار

اِسی سورہ آل عمرانؑ کو ختم کرنے سے پہلے جنگ اُحد میں شامل ہونے والے مہاجرین کی بابت فرمایا کہ:۔

فَالَّذِیۡنَ ھَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِھِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُکَفِّرَنَّ عَنۡھُمۡ سَیِّاٰتِھِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّھُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عِنۡدَہٗ حُسۡنُ الثَّوَابِo (آل عمران 3/195)

وہ مہاجرین جو اپنے شہر سے جبراً نکالے گئے اور میری (اللہ کی) راہ میں ستائے گئے۔میرے لئے لڑے اور قتل ہوئے،ضروری ہے کہ اُن کی برائیوں کو چھپا دیا جائے اور لازم ہے کہ ہم اُن کو ایسی جنتوں میں قیام عطا کریں جہاں نہریں رواں دواں ہوں۔ اُن کے لئے اللہ کے یہاں یہ جزا ہے۔اور بہترین ثواب اللہ ہی کے پاس ہے۔

قارئین یہ پہلی اور آخری بار سمجھ لیں کہ مہاجر وہ ہے جو اسلام کے لئے گھر بار چھوڑے،اسلام کے لئے ستایا گیا ہو،نقصان مال برداشت کیا ہو،تمام تعلقات اور سابقہ وسائل اور ذرائع سے اسلام کی وجہ سے محروم ہوا ہو۔یہی نہیں،راہ خدا میں جنگ کرتا رہا ہو،اللہ ورسولؐ کے احکام پر جان نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہا ہو۔اِن میں وہ شخص شامل نہیں جو اپنی اغراض کے ماتحت مکہ سے مدینہ چلا آیا ہو۔نہ مکہ میں اُسے ستایا گیا ہو بلکہ مکہ میں خود کافر اُس کے محافظ اور مددگار رہوں اور جب مدینہ میں آئے تو اُس کا خزانہ (بیت المال) بھی مدینہ میں آیا ہو۔جن کے اہل وعیال کو مکہ سے نکلنے میں کوئی نہ روکے نہ ستائے بلکہ رخصت کرنے کے لئے آئیں۔پھر وہ کبھی تلوار نہ اُٹھائے،کسی کافر سے نہ لڑے،نہ زخمی ہو،نہ کسی دشمنِ خدا ورسوؐل کو زخمی کرے۔اور جب خطرہ ہو تو رسولؐ اللہ کو قتل ہوجانے کے لئے کافروں کے نرغہ میں چھوڑ کر بھاگ جائے۔رسولؐ اللہ بلاتے رہیں مُڑ کر نہ دیکھیں۔علامہ مودودی مان چکے ہیں کہ مکہ میں ایسے مسلمان موجود تھے؛

''جو اسلام کے برحق ہونے میں تو معترف تھے اور ایمان کا اقرار بھی کرتے تھے لیکن اس کے لئے تیار نہ تھے کہ اُس حق کی خاطر اپنے مفاد کی قربانی اور اپنے دُنیوی تعلقات کا انقطاع اور اُن مصائب وشدائد کو بھی برداشت کرلیں جو اس مسلک حق کو قبول کرنے کے ساتھ ہی نازل ہونے شروع ہوجاتے تھے۔''(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 48)

اِس صفحہ کو پورا پڑھنے سے آپ کو علامہ کی ایک اُستادی معلوم ہوگی یعنی بیان تو یہ دیا ہے جو ہم نے یہاں اور اس سے پہلے بھی لکھا۔مگر اِن لوگوں کو منافق قرار دیا ہے۔اور استادی یہ ہے کہ اُنہیں منافق کہہ کر بھی منافقین کی اقسام میں شمار نہیں کیا ہے۔(دیکھو تفہیم صفحہ 48)

اِس لئے کہ جولوگ اسلام کوحق سمجھیں اُس کے حق ہونے کا اعلان واعتراف کریں، ایمان کا اقرار کریں۔ وہ یقیناً مسلمان ہیں منافق نہیں۔ قربانی دینے اور اپنے مفاد کو مدنظر رکھنے سے وہ کافر یا منافق نہیں ہو جاتے۔ بہت سے بہت آپ انہیں ضعیف الایمان مسلمان کہہ سکتے ہیں اور بس۔ خانوادہ رسولؐ اللہ اور چند دیگر مسلمانوں کے علاوہ مکہ میں زیادہ تر ایسے ہی مسلمان تھے۔ اور وہ چند دیگر مسلمان رسولؐ کے سامنے خدا کو پیارے ہو چکے تھے۔ باقی تمام مکی مسلمان اُسی قسم کے لوگ تھے جو اُوپر مذکور ہوئے ہیں۔ لہٰذا تمام مہاجر نام کے مسلمانوں کو بلاتحقیق اور قرآنی ثبوت کے ہرگز واجب التعظیم نہیں مانا جاسکتا۔ اُن کی کثرت کی صفات یہاں تک سولہ (16) پیروں میں دکھائی جاچکی ہیں۔ یہ تمام قریشی، مکی اور تاریخ سے سابق الاسلام حضرات تھے جو برابر رسوؐل کی تعلیمات کے خلاف اپنا اسلامی منصوبہ چلاتے آرہے تھے۔

(26/10)۔ رسولؐ اللہ سے ایک وعدہ جس کا پورا ہونا تاریخ میں کہیں نہیں

جنگ اُحد کے بعد سورہ آل عمرانؑ کے اِس تبصرے میں بقول مودودی چار قسم کے منافق مسلمانوں میں مخلوط تھے (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 48)۔ اور ہم نے قرآن سے دکھایا ہے کہ وہ لوگ جن کو علامہ منافق قرار دیتے ہیں قریشی یا اجتہادی مسلمان تھے۔ جو مسلسل حکومت اور اسلام کو بدلنے کا پروگرام چلا رہے تھے۔ بہرحال یہ ثابت ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ مشکوک الایمان تھا۔ اللہ نے اُس گروہ کے لئے جو کچھ فرمایا، وہ ایک ایسا وعدہ ہے جو رسولؐ اللہ سے کیا گیا تھا۔ اور جس کا پورا ہونا آنحضرتؐ کی حیات میں ثابت نہیں۔ نہ بعد کی تاریخوں میں اُس کا پورا ہونا ثابت ہوسکا سنئے اور غور کیجئے فرمایا گیا کہ:۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌo (آل عمران 3/179)

اللہ کے لئے یہ شایان شان نہیں ہے کہ وہ مومنین کو اس حالت میں رہنے دے۔ جس میں تم لوگ اِس وقت ہو۔ یہاں تک کہ وہ خبیث مسلمانوں کو نیک نہاد مسلمانوں سے الگ کر کے تمیز قائم کردے۔ اور اللہ کے لئے یہ بھی شایان شان نہیں ہے کہ وہ تمہیں اپنے اُس پوشیدہ طریق اور وقت پر مطلع کردے۔ بات یہ ہے کہ اِس قسم کی اطلاع اُن رسولوںؑ کو دی جایا کرتی ہے جن کو اس عمل تطہیر کے لئے ضروری اور منتخب کرلیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس تطہیر کے معاملے میں اللہ اور رسولوںؑ پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم اس عملدرآمد پر ایمان لے آؤ اور متعلقہ ذمہ داریاں پوری کرو تو تمہارے لئے اجرعظیم مقرر ہے۔

اس آیۂ مبارکہ میں یہ وعدہ بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دونوں اقسام کو الگ الگ کر کے ایک دوسرے کو ممیّز و مشخص کرے گا۔ مگر کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ وہ نیک نہاد یا طیب مومنین کون کون تھے؟ اور خبیث مومنین کا گروہ کون سا تھا؟ اور یہ بھی بتائیں کہ دونوں گروہ کب الگ ہوئے اور اُن کو الگ کرنے کا کام کس کے ذریعہ سے اور کیسے کیا گیا تھا؟ ان دونوں سوالات کا جواب تاریخ میں نہیں ملتا۔ لیکن ہم نے اپنی کتاب ''**مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک و ہمہ گیر قوت**'' میں تفصیل سے دیا ہے۔ یہاں تو صرف یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ رسوؐل اللہ اور اسلام پر ایمان لانے والوں کی قسمیں دو تھیں۔ دونوں مسلمان تھے، دونوں برابر باقی رہے اور آج تک باقی ہیں۔ اور دونوں جنت اور

دوزخ میں جا کر باقی رہیں گے۔اس صورت میں ہم سب کا فرض اور ضرورت یہ ہے کہ ہم پتہ لگائیں کہ ہم کون سے گروہ میں ہیں؟اور دوسری ضرورت اور فرض یہ ہے کہ اگر ہم خبیث گروہ میں ہوں تو فوراً اُس سے الگ ہو کر طیّب یا پاکیزہ گروہ میں شرکت کی کوشش کریں۔

(26/11)۔ طیّب مسلمانوں اور خبیث مسلمانوں کی شناخت کیسے ہو؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں تاریخ،تفسیر قرآن،کاغذ اور تعلیم وتعلّم کا نظام تھا وہی لوگ خبیث گروہ کے افراد تھے۔اور خود کو چھپائے رکھنے کے لئے اُنہوں نے منافقوں کے نام چُھپائے اور اُن عقائد کے حاملین پر پردہ ڈالا جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔اور ہم وہ عملدرآمد لکھتے چلے آرہے ہیں۔یہی گروہ تھا اور اُسی گروہ کے پیرو قرآن کی واضح آیات کے معنی اُلٹ کر اُن تمام خبیث لوگوں کو چھپانے کے لئے اُس خبیث گروہ کی بخشش کا ڈھنڈورا پیٹتے چلے آئے ہیں تاکہ خبیث گروہ کو طیب گروہ میں مخلوط رکھا جاسکے۔آج اُن صاحبانِ اقتدار کے پھیلائے ہوئے جال اور فریب میں سیدھے سادے عوام کی کثرت الجھی ہوئی ہے۔ذرا سوچئے کہ جس گروہ کے یہاں قاتل اور مقتول دونوں کو رضی اللہ عنہ کہا جائے،جہاں جائز خلیفہ رسولؐ کے باغیوں کو بھی رضی اللہ عنہ کہا جائے،جہاں لعنت کرنے والا بھی صحابہ میں داخل ہو اور جس پر وہ لعنت کرنے والا لعنت کرتا ہے وہ بھی رضی اللہ عنہ ہو۔جہاں زانی بھی بہترین مسلمان ہو اور پارسا بھی اُس کے برابر ہے۔وہاں یہ بات خود بخود ثابت ہے کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا گروہ ہرگز نہیں چاہتا کہ قرآن کے مذکورہ خبیث گروہ کا پتہ لگے۔اِس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ کسی کو طیب و پاکیزہ اُسی وقت کہا جاسکتا ہے،جب کہ وہ ناپاک اور گندی چیزوں سے الگ رہے،حرام وحلال،جائز وناجائز کو ملحوظ رکھے۔جس کے اعمال وافکار میں کسی خبیث چیز کی کھپت نہ ہو،جو ظالم ومظلوم کو برابر نہ سمجھے،جو اپنا رشتہ اللہ،رسولؐ اور مسلّمہ پاک وطاہر لوگوں سے قائم کرے۔جس کے دل میں کسی خبیث اور بدکردار شخص کی گنجائش نہ ہو،جو مومنین کو بے قصور قتل کرنے والوں کو جہنمی اور لعنتی سمجھے،جو ناجائز لعنت بھیجنے والوں کو لعنتی قرار دے۔تیسری بات یہ ہے کہ نیک لوگ کم ہوتے ہیں،قیمتی چیزوں کی قلت ہوتی ہے،مسجدیں کم ہیں مثلاً ہر محلّہ میں ایک یا دو،لیکن بیت الخلا ہر گھر میں ہوتا ہے،عاقل کم جاہل زیادہ ہیں،مسلم کم کافر زیادہ ہیں۔اسی فطری اور قدرتی انتظام کے ماتحت طیب وطاہر لوگ کم تھے اور کم ہیں۔خبیث چیزیں اور خبیث لوگ زیادہ تھے اور زیادہ ہیں۔لہٰذا وہ حضرات جن کو مسلمانوں کا ہر گروہ اور قرآن مکمل طاہر ومطہر مانتا ہے،جو ایک لمحہ کے لئے کفر وخباثت سے ملوث نہیں ہوئے،جن کا ہر عمل بے داغ اور قابل پیروی تھا،جن کی نسل بھی پاک وپاکیزہ تھی،جنہوں نے پیدائش سے لے کر تادم زیست نہ شراب کو چھوا نہ کوئی اور حرام چیز استعمال کی،بلکہ حلال چیزوں میں سے بھی محض مخصوص اشیاء کو استعمال کیا وہ گنتی کے چند لوگؑ تھے۔اور جن لوگوں نے اُن کی پیروی اختیار کی وہ بھی قلیل تعداد میں رہے۔اِس لئے کہ اُن پاکیزہؑ حضرات سے تعلق رکھنے والوں پر حکومتوں نے ہمیشہ مظالم کئے،اُن کا قتل عام کیا،اُن کا خون جائز رکھا،اُن کو لوٹنا ثواب بتایا۔اور چوتھی بات آخری بات ہے اور اس کتاب میں اُسی نجات دہندہؑ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔جس نے قرآن کے وعدہ کو پورا کیا اور دونوں گروہوں کو ایسا مشخص کرا دیا کہ اب کوئی اُس شناخت کو مٹا نہیں سکتا۔ہر لمحہ،ہر روز،ہر ماہ اور ہر سال اُن دونوں گروہوں کو شناخت کرنے کا سامان پیش نظر ہے۔گھروں سے لے کر گلیوں،بازاروں اور سڑکوں پر دن رات اُس خبیث گروہ کو شناخت کرنے کے لئے سامان اور ذرائع کی نمائش ہوتی ہے۔ظالم اور ظالموں کے طرفدار ایک گروہ

ہیں۔مظلوم اور مظلوموں کے طرفدار دوسرا گروہ ہیں۔ظالم اور مظلوم ہرگز دونوں رضی اللہ عنہ نہیں ہوسکتے۔جو اُنہیں ایک ہی قرار دے اُسے بھی خبیث گروہ میں شمار کرلیں۔

(26/12)۔ قرآن کے خبیث مسلمانوں پر ایک اور نظر

مندرجہ بالا آیت (آل عمران 3/179) میں ایک بہت باریک نکتہ ہے۔اُس کو سمجھنے کے لئے دوبارہ آیت پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ جس وقت یہ آیت تلاوت کی گئی اُس وقت خبیث اور طیب دونوں قسم کے مسلمان مخلوط ہیں۔اُن دونوں گروہوں کو تم (اَنْتُمْ) فرمایا گیا ہے۔لہٰذا قرآن پڑھنے والوں کے لئے لازم ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں بھی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا.. یا اَنْتُم وغیرہ آیا ہو، وہاں خبیث گروہ کو مدنظر رکھ کر اللہ کی بات پر غور کرنا ہوگا۔اور یہی وہ نقطہ ہے جسے مترجمین ومفسرین اور علما کی کثرت ہمیشہ نظر انداز کرنا چاہتی رہی ہے۔لہٰذا جہاں بھی اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ: رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ، یعنی اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (مائدہ 5/119 ، توبہ 9/100 ، مجادلہ 58/22)، وہاں اُن خبیث مسلمانوں کو الگ رکھنا ہوگا۔اِس لئے کہ اللہ خبیث مسلمانوں سے ہرگز راضی نہیں ہوسکتا۔اور جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ خبیث اور طیب دونوں قسم کے مسلمان کو برابر رکھتا یا دونوں سے راضی ہوتا تھا، وہ خود خبیث گروہ کا طرفدار اور خبیث ہے۔چنانچہ جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہو کہ نزول قرآن کے دوران کے تمام صحابہ یا مسلمان قابل عزت واحترام اور برابر ہیں، اُن کو شناخت کرنا ضروری ہے، یہ شیطانی عقیدہ ہے اور اُس گروہ کی بڑی موٹی شناخت ہے۔ اسلئے کہ صحیح بخاری کی رُو سے بھی ایک وہ صحابہ تھے جن کو خود رسولؐ اللہ قیامت میں اپنے صحابہ فرما کر اپیل کریں گے۔لیکن ملائکہ اُنہیں گھیر کر جہنم میں لے جائیں گے اور اُن کے وہ کرتوت یاد دلائیں گے جو ہم لکھتے آرہے ہیں۔پھر یہ بھی دیکھیں کہ مندرجہ بالا تینوں آیتوں میں ایک نہ ایک ایسا لفظ یا شرط موجود ہے جس سے وہ خبیث صحابہ الگ ہوجاتے ہیں مثلاً سورہ مجادلہ کی آیت میں (کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ) اُن لوگوں کے دلوں کے اندر ایمان لکھا ہوا واجب تھا اور اللہ کی ایک رُوح اُن کو عطا کی گئی تھی۔یہ آیت اُن سب کو خارج کردیتی ہے جو کافر تھے اور پھر ایمان لائے (مجادلہ 58/22)۔پھر سورہ مائدہ کی آیت میں صرف وہ لوگ مقصود ہیں جو زندگی کے کسی لمحہ میں بھی جھوٹ اور کذب سے ملوث نہ ہوئے ہوں (الصّٰدِقِیْنَ) یعنی رُوح خداوندی کی مستقل تائید حاصل رہی ہو (مائدہ 5/119)۔تیسری آیت پوری لکھتے ہیں اس لئے کہ اُس میں مہاجرین اور انصار کا خصوصی ذکر ہے۔

(26/13)۔ مستقل رضائے خدا کن مسلمانوں کو حاصل رہی ہے؟

اِن تینوں آیات میں یہ نہیں کہا گیا کہ کبھی اللہ اُن لوگوں سے راضی ہوا اور کبھی اُن پر ناراض ہوا۔اور نہ یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ کبھی کبھی خدا سے راضی ہوتے رہے اور کبھی ناراض رہے یعنی رضائے خداوندی اور اُن لوگوں کا راضی رہنا مستقل اور مسلسل ہے۔ظاہر ہے کہ جو شخص کسی زمانہ میں کافر رہا ہو اُس زمانہ میں اللہ اُس سے راضی نہیں رہ سکتا۔لہٰذا آیت کا مطلوب تینوں مقام پر ہرگز وہ شخص نہیں ہو سکتا جس سے خدا کبھی ناراض رہا ہو۔اور جو شخص اِن آیات میں ایسے لوگوں کو شامل کرنے کی ترکیب یا بہانہ کرے جو مغضوب لوگوں میں

داخل رہے ہوں۔ظاہر ہے کہ وہ رعایت دینے والا اُسی گروہ کا ممبر ہے جو خبیث وطیب کو خلط ملط کرنا اور رکھنا چاہتا ہے۔فیصلہ تو ہو گیا لیکن مہاجرین وانصار والی آیت سُن لیں،فرمایا گیا کہ:۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ o وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o (توبہ 100-99/9)

عربوں میں سے وہ لوگ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں،وہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی ذیل میں خرچ کرتے ہیں۔اور ساتھ ہی ساتھ اَلرَّسُول (یعنی پورے رسولؐ) کی دُعا اور درود کو تقربِ خداوندی کا ذریعہ بناتے ہیں۔اور سب سن لیں اور سمجھ لیں کہ قربت خداوندی حاصل کرنے کا ضروری ذریعہؐ یہی ہے۔چنانچہ ضروری ہے کہ اللہ ایسے عربوں کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرلے۔یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اور مہاجرین وانصار میں سے اور جن لوگوں نے مہاجرین اور انصار کی اچھی اتباع کی اُن میں سے جو سبقت رکھنے والے اور اوّلین مسلمان ہیں۔اُن سے اللہ راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔اور اللہ نے محض اُن لوگوں کے لئے جن سے اللہ راضی ہے جنتیں تیار کررکھیں ہیں۔ جن میں نہریں جاری ہیں۔وہ لوگ ہمیشہ کے لئے داخل کئے جائیں گے۔یہ بہت بڑا کامیاب اجر ہے۔

اِن دونوں آیات میں نہ تمام عرب داخل ہیں،نہ تمام انصار شامل ہیں،نہ سارے مہاجرین رحمت وجنت کے حقدار ہیں۔بلکہ صرف وہ مسلمان داخل ہیں جو رسوؐل کی ذات کو وسیلہ بنائیں۔دوسری آیت میں مہاجرین اور انصار میں سے محض اولیّت اور سبقت حاصل کرنے والوں سے مستقل رضائے خداوندی کو وابستہ کیا ہے۔اور پھر متبعین میں سے سبقت اور اولیّت رکھنے والوں کو داخل کیا ہے۔نہ کہ ہر مہاجر وہر انصار اور ہر متبع کو۔اور پھر یاد کرو کہ یہ کفر سے ایمان میں داخل ہونے میں سبقت نہیں ہے۔اس لئے کہ کفر کی حالت میں رضائے خداوندی کی نفی کرنا ہوگی اور یہاں مستقل و مسلسل رضا کا ذکر ہے نہ کہ عارضی اور بدلنے والی رضا کا۔اس لئے کہ اُن ہی لوگوں میں تو وہ لوگ بھی تھے جو ایمان لائے پھر کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا اور یوں کفر کی طرف بڑھتے گھٹتے رہے۔اب قرآن کریم سے یہ معلوم کریں کہ وہ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کون ہیں؟ چنانچہ ہم پہلے اُن لوگوں کا ذکر کرچکے ہیں جو قرآن کی رُو سے ازلی وابدی مسلمان ہیں۔جن کے قلوب وارواح،گوشت پوست،خون اور ہڈیاں اور ہڈیوں کے اندر کا گودا طیب وطاہر ہے۔خباثت اور نجاست،کفر وشرک وشیطان پاس نہیں پھٹکا ہے۔جنھوں نے نبوتوں اور اماموں کو جنم دیا،پالا پرورش کیا اور نبوت ورسالت کی راہ پر چلنا سکھایا۔سینکڑوں آیات میں سے ایک آیت پھر دوہراتے ہیں۔سنئے اور بچوں کی طرح ہجے کرکے ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے،فرمایا کہ:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ o (آل عمران 3/164)

''یقیناً اللہ نے مومنین پر اُس وقت منّتی احسان کیا تھا جب اُن مومنین کے اندر سے اور اُن ہی مومنین کے نفوس میں سے ایک

نفس کو رسولؐ مبعوث کیا تھا۔ جو اُن مومنین پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ اور اُن مومنین کا تزکیہ مزید کرتا ہے اور اُن مومنین کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ خواہ وہ اِس تعلیم و تزکیہ سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں ہی کیوں نہ ہوتے۔

دیکھئے واضح الفاظ میں مومنین موجود تھے۔ جن پر ابراہیمؑ کی دُعا اور نوید مسیحا کو پورا کر دکھانے کا احسان کیا تھا۔ جنہوں نے رسولؐ کو جنم دیا تھا اور اس مقام تک پہنچایا تھا۔ یہ ہیں وہ لوگ جن سے اللہ کی مستقل رضا مندی (رضی اللہ عنھم) وابستہ ہے۔ اور انصار میں بنوخزرج کی عورتیں اور مرد بھی اسی خانوادہ کے افراد ہیں۔ جنہوں نے رسولؐ کے پیدا کرنے میں بڑا حصہ لیا تھا۔ اور از اوّل تا آخر نصرت میں سر و تن کی بازی لگائے رہے۔ اور اُسی خانوادہ کے بچے جوان ہو کر اُن کے حقیقی متبعین بنتے چلے آ رہے ہیں۔ اُن متبعین میں پہلے حضرات کو اوّلین و سابقین میں شامل کیا ہے۔

(26/14)۔ رسولؐ اللہ کے مخالف مسلمان اور سورۂ نساء و علامہ مودودی

سورہ آل عمرانؑ نے جنگ اُحد میں مخالف مسلمانوں کے حالات، عقائد اور منصوبوں پر احاطہ کر دیا ہے، اب ہم جنگ احد کے بعد اُن مسلمانوں کے مزید حالات سورہ نساء و علامہ مودودی کی مدد سے پیش کرتے ہیں پہلے سورہ نساء کے متعلق علامہ کا شان نزول وغیرہ سُن لیں

(1)۔ ''**زمانۂ نزول اور اجزاءِ مضمون**: یہ سورہ (نساء) متعدد خطبوں پر مشتمل ہے جو غالباً 3 ہجری کے اواخر سے لے کر 4 ہجری کے اواخر یا 5 ہجری کے اوائل تک مختلف اوقات میں نازل ہوئے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 316)

(2)۔ شانِ نزول اور سورہ نساء میں تاریخی واقعات سے بحث

علامہ مودودی آنحضرتؐ اور اسلام کے مخالفین کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ:۔

''مخالفِ اصلاح طاقتوں سے جو کشمکش برپا تھی اُس نے جنگِ اُحد کے بعد زیادہ نازک صورت اختیار کر لی تھی۔ اُحد کی شکست نے اطراف و نواح کے مشرک قبائل، یہودی ہمسایوں، اور گھر کے منافقوں کی ہمتیں بڑھا دی تھیں۔ اور مسلمان ہر طرف سے خطرات میں گھر گئے تھے۔ ان حالات میں اللہ نے (سورہ نساء میں) ایک طرف پر جوش خطبوں کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مقابلہ کے لئے اُبھارا، اور دوسری طرف جنگی حالات میں کام کرنے کے لئے اُنہیں مختلف ضروری ہدایات دیں۔ مدینہ میں منافق اور ضعیف الایمان لوگ ہر قسم کی خوفناک خبریں اُڑا کر بدحواسی پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حکم دیا گیا کہ ہر ایسی خبر ذمہ دار لوگوں تک پہنچائی جائے اور جب تک وہ کسی خبر کی تحقیق نہ کر لیں اُس کی اشاعت کو روکا جائے۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 318-317)

(3)۔ مسلمانوں کو بھی منافقوں کی آڑ میں چھپایا گیا ہے

''منافقین کے مختلف گروہ مختلف طرزِ عمل رکھتے تھے اور مسلمانوں کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کس قسم کے منافقوں سے کیا معاملہ کریں۔ اُن سب کو الگ الگ طبقوں میں تقسیم کر کے ہر طبقہ کے منافقوں کے متعلق بتا دیا گیا کہ اُن کے ساتھ یہ برتاؤ ہونا چاہئے۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 318)

علامہ کے یہ بیانات جنگِ اُحد کے بعد مخالف مسلمانوں کے رویہ پر روشنی ڈالنے کیلئے کافی ہیں۔ چونکہ علامہ اپنے گروہ کے مسلمانوں کو زیر پردہ رکھنا ضروری خیال فرماتے ہیں۔ اسلئے وہ اسلام کے ہر مخالف کو نفاق کی چادروں میں لپیٹ کر منافق ہی کہتے جائینگے۔ خواہ قرآن میں اُن کیلئے لفظ منافق استعمال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اُنکے قلم سے ''ضعیف الایمان لوگ'' کا جملہ ٹپک گیا ہے۔ اور ہمارے لئے اِسی قدر کافی ہے۔ یعنی رسولؐ اللہ کے زمانہ میں مدینہ کے اندر ضعیف الایمان صحابہ بھی کثرت میں موجود تھے۔ ہم اُنکو ضعیف الایمان نہیں کہتے بلکہ اُنکے ایمان کو بڑا مضبوط لکھتے اور کہتے ہیں۔ اور اگر وہ واقعی ضعیف الایمان تھے تو علامہ کو اُنکے عقائد کو ترک کر دینا چاہئے۔

آیئے اب سورہ نساء کے ساتھ ساتھ چلیں اور دیکھیں کہ جہاں جہاں اللہ نے مسلمانوں کے اُس گروہ کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اُن کی کیا پوزیشن ہے؟ اور حضرت علامہ وہاں کیا رائے ظاہر فرماتے ہیں؟ یہ سمجھ کر قرآن کے بیانات سنیں کہ جنگ اُحد اور اُس کے بعد تمام مصائب اُسی مسلمان گروہ کی وجہ سے پیش آئے تھے۔

(26/15)۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جنسی شہوت عام کرنا چاہتا تھا

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا٥

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا٥ (نسآء 28-4/27)

چونکہ انسان اپنی پیدائش میں ضعیف ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تمہاری اصلاح پر متوجہ رہے۔ اور تمہیں طاقتور رکھنے کے لئے جنسی تعلقات میں کمی اور تخفیف کر رہا ہے۔ مگر وہ لوگ جو جنسی نظام میں کھُل کھیلنے والا مذہب و عمل رکھتے ہیں۔ وہ تمہیں جنسیات کی طرف اتنا مائل کر دینا چاہتے ہیں کہ شہوت رانی کی حد ہی ہو جائے۔

قارئین یہاں منافق کی لفظ کہیں نہیں ہے بلکہ اُن لوگوں کا ذکر ہے جنکی پیروی میں سینکڑوں کنیزیں خلفا کے محلات میں رکھی جاتی رہیں اور اسکی پرواہ بھی نہ کی گئی کہ وہ کنیز باپ کی مدخولہ ہے۔ ایسی تعلیم دینے والے مسلمانوں کے خلاف یہ آیت آئی ہے مگر علامہ کہتے ہیں کہ:۔

(i) ''یہ اشارہ ہے منافقین کی طرف اور قدامت پرست جہلاء اور نواحی مدینہ کے یہودیوں کی طرف۔''

بتایئے علامہ کو کس نے وحی کی کہ یہ لوگ منافق تھے؟

(ii) ''مثلاً جو شخص کسی ایسے نکاح سے پیدا ہوا تھا۔ جسے اب اسلامی شریعت حرام قرار دے رہی تھی، اس کو یہ کہہ کہہ کر اشتعال دلایا جاتا تھا کہ لیجئے، آج جو نئے احکام وہاں آئے ہیں اُنکی رُو سے آپ کی ماں اور آپ کے باپ کا تعلق ناجائز ٹھہرا دیا گیا ہے۔''

(تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 344 حاشیہ نمبر 49)

(26/16)۔ مسلمانوں کا وہ گروہ خدا اور رسولؐ کے خلاف جداگانہ مرکز کا مطیع تھا

مسلمانوں کے اُس گروہ کے مرکز کو قرآن کریم نے طاغوت کا نام دیا ہے۔ اور علامہ صاحب نے اس سلسلے میں بات صاف کر دی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

(i)۔ ''یہاں صریح طور پر ''طاغوت'' سے مراد وہ حاکم ہے جو قانونِ الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو؛ اور وہ

نظامِ عدالت ہے جو نہ تو اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا مطیع ہو اور نہ اللہ کی کتاب کو آخری سند مانتا ہو۔'' (تفہیم جلد اوّل صفحہ 367)

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ:۔

(ii)۔ ''طاغوت'' لغت کے اعتبار سے ہر اُس شخص کو کہا جائے گا، جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر گیا ہو۔ قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی و خداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اُصولاً تو اللہ کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس کا نام **فسق** ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی فرماں برداری سے اُصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اُس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ **کفر** ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اُس کے ملک اور اُس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے۔ اِس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے، اُسی کا نام **طاغوت** ہے اور کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ اُس طاغوت کا منکر نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 196 وصفحہ 197 حاشیہ نمبر 286)

اگلے صفحہ کی تفصیلات میں فرمایا کہ:۔

(iii)۔ ''اور بے شمار طاغوت باہر کی دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بیوی اور بچے، اَعزہ و اقربا، برادری اور خاندان، دوست اور آشنا، سوسائٹی اور قوم، پیشوا اور راہنما، حکومت اور حکام، یہ سب اُس کے لئے طاغوت ہی طاغوت ہوتے ہیں، جن میں سے ہر ایک اُس سے اپنی اغراض کی بندگی کراتا ہے۔ اور بے شمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اسی چکر میں پھنسا رہتا ہے کہ کس آقا کو خوش کرے اور کس کی ناراضگی سے بچے۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد اوّل صفحہ 197 حاشیہ نمبر۔ 288)

(iv)۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو رسولؐ کی تنہا بصیرت کی جگہ قومی فیصلہ چاہتا تھا

علامہ نے اپنے مسلک کا تحفظ کرتے ہوئے طاغوت کی تعریف بیان کی مگر آخری بیان (iii) میں ازواج اور بچوں کو شامل کر کے اپنی سنجیدگی کا ستیاناس کر دیا۔ یعنی طاغوت کیلئے ضروری نہیں ہے کہ وہ خدا کا منکر ہی ہو۔ اور خدا کی کتاب کو آخری سند نہ مانتا ہو۔ اب اُنکا قابلِ فہم اور قابلِ قبول مقصد یہ ہے کہ ہر وہ شخص طاغوت ہے جو قومی و ملکی مصالح کو مدِنظر رکھ کر فیصلہ کرتا ہو اور اپنے فیصلے کو حق سمجھتا ہو۔ اب قرآن سنیں کہ رسولؐ کو مسلمانوں کے اُس گروہ کا عملدرآمد بتایا جا رہا ہے، فرمایا گیا کہ:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِهٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًا بَعِیْدًا o (نسآء 4/60)

اے رسولؐ کیا آپؐ نے اُن لوگوں کا طریقہ نہیں دیکھا جنکا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ یقیناً جو کچھ آپؐ پر نازل ہوا ہے اور جو آپؐ سے پہلے نازل ہوا ہے سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود دل سے یہ چاہتے ہیں کہ اپنے لئے فیصلے اور احکام طاغوت (جمہوری حاکم) سے حاصل کرتے رہیں۔ حالانکہ یقیناً اُس مسلمان گروہ کو یہ حکم دے دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت سے کفر اختیار کر لیں۔ وہ طاغوت سے اسلئے کفر نہیں کرتے کہ شیطان نے یہ طے کر رکھا ہے کہ اُس گروہ کو گمراہ کر کے گمراہی کے پلّے پار نکال لے جائے۔

یہاں آخری آیت یہ بتاتی ہے کہ اُن کو گمراہ کرڈالنے کے لئے شیطان نے ارادہ کررکھا ہے۔جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ابتدا میں ھدایت پر تھے۔یعنی مسلمان اور ایماندار تھے اور بدستور ایمان بالقرآن کا اعلان بھی کرتے ہیں۔مگر اُس ایمان میں طاغوتی احکام اور فیصلوں سے کوئی خرابی نہیں مانتے۔یہ ہی وہ دوسری قسم کے مسلمان ہیں جن کو ہم مشخص کرتے آرہے ہیں۔یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو رسوؐل کی تعبیرات سے طاغوتی تعبیرات کو مفید اور حق سمجھنے والے مسلمان ہیں۔یہ خدا کو مانتے ہیں،نبوت کے قائل ہیں،کتبھائے خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں،فرق صرف رسوؐل کی ذاتی بصیرت نہ ماننے کا ہےاور کچھ نہیں۔

(v)۔ اُس مسلمان گروہ پر منافق گروہ کا اثر زیادہ تھا

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰى مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوۡلِ رَاَيۡتَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡكَ صُدُوۡدًاo فَكَيۡفَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ جَآءُوۡكَ يَحۡلِفُوۡنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنۡ اَرَدۡنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًاo (نسآء 62-4/61)

اللہ یہ بھی بتاتا ہے کہ جب اُس مسلمان گروہ کو قرآن اور رسوؐل کی طرف بلایا جاتا ہے تو منافقین کا مستحکم انتظام انہیں رسوؐل کے پاس آنے سے باز رکھتا ہے۔مگر یہ کیسے ہوتا ہے کہ جب اُنکے اپنے عملدرآمد کی غلطی سے اُن پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو پھر تمہارے پاس اپنی مشکلات کے حل کیلئے بلاتکلف آجاتے ہیں۔اور اللہ کے نام پر حلفیّہ کہتے ہیں کہ طاغوت سے احکام لینے اور فیصلہ کرانے میں ہم کسی تخریب کو مدّنظر رکھے ہوئے نہیں ہیں۔بلکہ ہمارا ارادہ اِس مسئلہ میں یہ ہے کہ اس طریقہ میں زیادہ توفیقات اور لوگوں پر زیادہ احسان مدّنظر ہے۔یعنی طاغوتی فیصلے مفادِ عامہ کو زیادہ ملحوظ رکھتے ہیں۔اور بعض معاملات میں آپ محدود نظریہ پیش کرتے ہیں۔

یہ ہے وہ اسلامی تصور جس پر مسلمانوں کا زیر بحث گروہ عمل کرتا چلا جارہا تھا۔یہاں پھر ثابت ہوا کہ یہ لوگ کافر یا منافق نہیں ہیں۔یہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں،اُس کی قسمیں کھاتے ہیں اور جب ضرورت کا تقاضہ ہوتا ہے تو رسوؐل اللہ سے بھی رجوع کرتے ہیں۔مگر اُن کے سامنے منافق محاذ ایک زیادہ عوامی طریقہ پیش کرتا ہے اس لئے وہ بعض معاملات میں اُس جمہوری مرکز سے رجوع کرتے ہیں تاکہ اُن کے مفاد مجروح ہونے سے محفوظ رہیں۔یہاں علامہ کا نوٹ پڑھنا مفید ہوگا۔

> ''اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منافقین کی عام رَوِش تھی کہ جس مقدمہ میں اُنہیں توقع ہوتی تھی کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا اُس کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے تھے۔مگر جس مقدمہ میں اندیشہ ہوتا تھا کہ فیصلہ اُن کے خلاف ہوگا اُس کو آپ کے پاس لانے سے انکار کردیتے تھے۔یہی حال اب بھی بہت سے منافقوں کا ہے کہ اگر شریعت کا فیصلہ اُن کے حق میں ہو تو سر آنکھوں پر ورنہ ہر اُس قانون،ہر اُس رسم ورواج اور ہر اُس عدالت کے دامن میں جاپناہ لیں گے جس سے اُنہیں اپنی منشاء کے مطابق فیصلہ حاصل ہونے کی توقع ہو۔'' (تفہیم القرآن۔جلد اوّل صفحہ 367 حاشیہ 92)

یہاں علامہ نے یہ مان لیا کہ مندرجہ بالا گروہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایسا مسلمان تھا۔اور یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ جن لوگوں کو وہ پہلے ضعیف الایمان اور فاسق قرار دے چکے ہیں،اُنہیں عہد رسولؐ میں منافق کہے چلے جاتے ہیں۔پھر علامہ نے یہ تو مان لیا کہ قرآن کا وہ مسلمان گروہ رسولؐ اللہ کے پاس اپنے بعض مقدمے نہ لاتا تھا۔مگر یہ نہیں بتایا کہ اُن مقدموں کا فیصلہ کس سے کراتا تھا؟ وہ طاغوت کون تھا؟ اُس

کا نام کیا تھا؟ اس پہلو کو اگر علامہ بیان کر دیں تو اُن کا مذہب اور وہ پوشیدہ طاغوت فنا ہو جائے جس کو حکومت ملنے کے بعد برسوں کی کوشش اور کہانیوں سے اسلام کا مرکز بنایا جائے گا۔ اور اُس کے تمام احکام اور فیصلوں کو خود ساختہ روایات سے قرآن وسنت کے مطابق منوایا جائے گا۔ مگر قارئین دیکھیں کہ جس طریق اور جس مذہب کو قرآن سے کہیں سہارا نہ ملے بلکہ ہر جگہ اُس کی مذمت ہوتی چلی جائے۔ اُس طریق اور اُس مذہب کے جواز پر قول رسولؐ یا سنت رسولؐ ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ بھی علامہ کی چالاکی ہے۔ ورنہ مسلمانوں کی تاریخ میں اُن مقدمات کا کہیں تذکرہ نہیں جو علامہ فرض کر کے دھیان بدل رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ:۔

(vi)۔ وہ مسلمان رسولؐ اللہ کی مکمل یعنی ذاتی اطاعت کے قائل نہ تھے

یہ وہ مسلمان گروہ تھا جن کے دِلوں میں یہ عقیدہ تھا کہ رسوؐل کی اطاعت ہر بات میں ضروری نہیں۔ بعض معاملات اُن کی ذاتی رائے سے ہوتے ہیں اور بعض اللہ کی وحی کے ماتحت ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ رسوؐل کی ذاتی رائے کے مقابلے میں اجتماعی مشاورت کا حکم حاصل کرنا مفید سمجھتے تھے۔ مگر اس مطلب کو دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں چنانچہ اللہ نے فرمایا کہ جن لوگوں کا تذکرہ ہوتا آ رہا ہے؛

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُ اللّٰہُ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ وَعِظۡہُمۡ وَقُلۡ لَّہُمۡ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ قَوۡلًۢا بَلِیۡغًا o وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ جَآءُوۡکَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰہَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَہُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًاo (نسآء 64-4/63)

یہی تو وہ مسلمان ہیں جن کے دلوں میں پوشیدہ عقیدہ کا پورا علم اللہ کو ہے۔ آپؐ اِن سے اس طرح بے توجہی برتیں کہ اُنہیں وعظ و پند بھی ہوتا معلوم ہو اور بات اُن کے دلوں تک پہنچتی رہے۔ اور اُنہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ نے کسی رسوؐل کو بھیجا ہی نہیں سوائے اِس کے کہ ہر رسوؐل کی اطاعت کیا جانا اللہ کے حکم کا مقصود تھا۔ اگر یہ مسلمان گروہ ایسا کرتا کہ جب اُنہوں نے آپؐ کے حکم کے مقابلہ میں قومی حکم اختیار کر کے اپنے اوپر ظلم کیا تھا تو وہ تمہارے پاس آتے، شرمندہ ہوتے، اپنے گناہ کی بخشش چاہتے اور آپ اُن کو بخش دیئے جانے کی سفارش کرتے تو بے شک اللہ کو اصلاح کرنے اور رحم فرمانے والا پاتے۔

یہاں اللہ نے بخشش کو رسوؐل کی سفارش سے مشروط فرمایا اور یہی بات وہ مسلمان نہیں مانتے جو براہ راست اللہ سے تعلق کے قائل ہیں اور وہ رسوؐل کی اطاعت کے بھی قائل نہیں مگر اللہ کی اطاعت کے قائل ہیں۔

(vii)۔ جو کسی بھی صورت میں رسوؐل کو حاکمِ مطلق نہ سمجھیں وہ سب کافر ہیں

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًاo وَلَوۡ اَنَّا کَتَبۡنَا عَلَیۡہِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِیَارِکُمۡ مَّا فَعَلُوۡہُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡہُمۡ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ فَعَلُوۡا مَا یُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَاَشَدَّ تَثۡبِیۡتًاo وَّاِذًا لَّاٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِیۡمًا o وَّلَہَدَیۡنٰہُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًاo وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًاo (النسآء 69-4/65)

اللہ نے قسم کھا کر اُس گروہ کیلئے فرمایا ہے۔نہیں نہیں تیرے رب کی قسم یہ مسلمان ہمارے معیار کے مومن اُس وقت تک ہرگز نہیں بن سکتے جب تک کہ یہ لوگ اپنے تمام جھگڑوں اور ضرورتوں کیلئے تمہیں حاکم مطلق مان کر آپ کے ہر حکم اور ہر فیصلے کو دل کی گہرائی میں اور عَـلَـی الاعلان خوشی خوشی تسلیم نہ کرنے لگیں۔اگرچہ ہم اُن پر خودکشی واجب کردیں یا شہر بدر ہوجانے کا حکم دیں تو سوائے چند ایک کے اُس مسلمان گروہ کی کثرت حکم کی تعمیل نہ کریگی۔لیکن اگر وہ ہر وعظ کے مطابق تعمیل کرنے لگتے تو یہ اُن کیلئے بہتر ہوتا اور انہیں ایمان میں زیادہ ثابت قدمی ملتی۔اور اس صورت میں ہم ضرور اُنکو بڑا اجر دیتے اور ضرور اُنکو صراط مستقیم کی ہدایت کرتے۔اور جو بھی اللہ و رسوؐل کی مذکورہ بالا بلا چوں و چرا اطاعت کرتا ہے۔وہ اُن لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے جیسا کہ انبیاؑ اور صدیق حضراتؑ اور شہداؑ اور صالحینؑ میں سے اور یہ کیسے اچھے رفیق ہوتے۔

(viii)۔ آخر مولانا نے اُس گروہ کی ذہنیت اور اسلام کا تصور مان لیا

یوں تو مولانا ہر قدم پر اُس گروہ کو منافق کہتے رہے ہیں۔لیکن بار بار کی حاشیہ آرائی میں آخر مان ہی لیا کہ عہد رسولؐ کے مسلمان احکامِ رسولؐ کے مقابلہ میں اپنی ذاتی خواہشات اور مقاصد کو ملحوظ رکھتے تھے۔اور رسولؐ اللہ کے عمل درآمد کو مستقل سند نہ سمجھتے تھے اور اپنے نقصان اور تکلیف سے محفوظ رہنے کا انتظام کرتے تھے۔رسولؐ کے ذاتی فیصلوں میں مشکوک اور مذبذب اور متردّد رہتے تھے۔اور کبھی اسلام اور کبھی طاغوتی راستے پر چلتے تھے (جلد اول صفحہ 369 تمام حاشیوں کا نتیجہ)۔ علامہ کا ایک پورا جملہ بجنسہٖ ملاحظہ ہو:۔

''یعنی جب وہ شک چھوڑ کر ایمان و یقین کے ساتھ رسوؐل کی اطاعت کا فیصلہ کرلیتے۔'' (صفحہ 370 حاشیہ 98)

(ix)۔ مسلمانوں کے اُس گروہ کی مزید تصدیق اور اللہ پر پختہ ایمان

قرآن کریم تو برابر اُس مخصوص عقیدے کے مسلمانوں کی موجودگی اور اُن کی ذہنیت کی تفاصیل بیان کرتا جارہا ہے۔مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ مسلمانوں کی شاہی تاریخ اُن لوگوں کے نام کیوں نہیں بتاتی؟ یہ پردہ داری کیوں ہے؟ ایسے خبیث مسلمانوں کو چھپا کر کیا فائدہ مدِ نظر تھا؟ کیا بعد والی حکومتیں اور حاکم ہی وہ لوگ تھے جن کے لئے اللہ نے کہا کہ؛

وَاِنَّ مِنۡكُمۡ لَمَنۡ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنۡ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالَ قَدۡ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَىَّ اِذۡ لَمۡ اَكُنۡ مَّعَهُمۡ شَهِيۡدًا۝(4/72)

یقیناً تم لوگوں میں وہ مسلمان بھی موجود ہیں جو ٹال مٹول کرنے اور ہر کام میں دیر آید درست آید پر عمل کرنے والے ہیں۔چنانچہ اگر تم پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو وہ گروہ کہتا ہے کہ یہ اللہ کا اُس پر بڑا فضل ہوا کہ وہ رسولؐ اللہ کے ساتھ شامل نہ تھا۔یعنی اُس مصیبت میں رسوؐل کی بصیرت ذمہ دار ہے۔اور اُس گروہ کی شمولیت سے کبھی مصیبت نہیں آسکتی۔

علامہ نے یہ نوٹ لکھا ہے کہ''ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ (وہ گروہ) خود تو جی چراتا ہی ہے، دوسروں کی ہمتیں بھی پست کرتا ہے۔اور اُن کو جہاد سے روکنے کے لئے ایسی باتیں کرتا ہے کہ وہ بھی اُس کی طرح بیٹھ رہیں۔'' (تفہیم جلد اوّل صفحہ 371 حاشیہ نمبر 102)۔

یعنی وہ گروہ تمام مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا لینے اور اپنے عقائد کو پورے ملک میں پھیلا دینے کا مشن چلاتا جارہا تھا۔

(x)۔ جن مسلمانوں نے جنگ سے جان بچائی علامہ کا فتویٰ

علامہ کا وہ معیار جس کی بنا پر رضی اللہ عنھم لکھا جا سکتا ہے:۔

"یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا دنیا طلب لوگوں کا کام ہے ہی نہیں۔ یہ تو ایسے لوگوں کا کام ہے: (1) جن کے پیش نظر اللہ کی خوشنودی ہو، (2) جو اللہ اور آخرت پر کامل اعتماد رکھتے ہوں، (3) اور دنیا میں اپنی کامیابی وخوشحالی کے سارے امکانات اور اپنے ہر قسم کے دنیوی مفاد اس اُمید پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں کہ اُن کا رب اُن سے راضی ہوگا، (4) اور اس دنیا میں نہیں تو آخرت میں بہر حال اُن کی قربانیاں ضائع نہ ہوں گی۔" (تفہیم جلد اوّل صفحہ 372 حاشیہ 103)

قارئین بتائیں کہ جو اللہ کی خوشنودی کو مدنظر ہی نہ رکھیں، جنہیں اللہ وآخرت پر یقین ہی نہ ہو، جو اپنے مفاد اور کامیابی کے ہر ہر امکان کے پیچھے دوڑیں، بلکہ عین میدان جنگ میں رسولؐ کو دشمنوں میں گھرا ہوا چھوڑ جائیں اور آوازیں سن کر بھی رسولؐ کی طرف پلٹ کر نہ دیکھیں۔ کیا ایسے لوگ رضی اللہ عنھم ہو سکتے ہیں؟ اب سوچئے کہ قرآن نے جن لوگوں پر لعنت کی ہوا ُنکو رضی اللہ عنھم لکھنے والے کس مذہب کے لوگ ہو سکتے ہیں؟ اور اللہ کے نزدیک اُس مذہب اور اہل مذاہب کی کیا پوزیشن ہو سکتی ہے؟ بات وہی ہے کہ حکومت اور مال وزر اور تلوار کی طاقت سے اُن ہی لوگوں نے ایک خانہ ساز تاریخ تیار کرائی۔ افسانوں اور خود ساختہ کہانیوں کو احادیث کا نام دیا، قرآن میں معنوی تبدیلیاں کیں اور ایام جاہلیت کے مذہب کو اسلام کے نام سے پھیلا دیا۔ ہر مخالف اور حقیقتِ حال سے واقف افراد اور خاندانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا، ہر بولتی زبان گُدّی سے کھنچوادی گئی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں پر بھی رحم نہ کیا گیا۔ اُن لوگوں کے خلاف جس ہستیؑ نے سب سے بڑا، مستقل اور کبھی ختم نہ ہونے والا محاذ بنایا اور دنیا میں سب سے بڑی قربانی پیش کی، اُسی نجات دہندہؑ کے حالات کی تمہیدات آپکے سامنے ہیں۔ قرآن کریم نے اُنؑ کی قربانی کا نام ذبح عظیم رکھا ہے۔ وہی بزرگوارؑ ہیں جنکے ہاتھوں مومنین کی تطہیر کا وعدہ پورا ہوا تھا۔ جنہوں نے خبیث مسلمان گروہ کی کثرت کو پاک وطیب مومنین کی قلت سے الگ کیا اور الگ باقی رکھا۔ اور ایسا فول پروف (Fool Proof) انتظام کیا کہ دوبارہ مخلوط ومشکوک کرنے کی تمام کوششیں رائیگاں ہوتی چلی گئیں۔ ملعون لوگ گن گن کر الگ کر دئے گئے اور رضی اللہ عنھم الگ ہو گئے۔

(xi)۔ مدینہ میں ایک گھر ہے جہاں اسلامی پالیسی کے خلاف خفیہ مشاورت ہوتی ہے

مکہ سے آنے والے لوگ عموماً ایک ہی علاقہ میں آباد ہوئے تھے۔ اور جن کو فوراً جگہ نہ ملی تھی وہ وقت گزرنے پر رفتہ رفتہ پاس پاس آباد ہو گئے تھے۔ مکی مسلمانوں یا مدنی مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا معاملہ ہوتا جس میں چار آدمی کسی مشورہ کے لئے جمع ہوتے تو سارے شہر میں یہ مشاورت پھیل جاتی تھی۔ لیکن ایک گھر ایسا بھی تھا جہاں جمع ہونے والوں کا پتہ نہ چلتا تھا۔ جہاں حسب ضرورت مسلمانوں کا مخالف محاذ جب چاہتا تھا راتوں کو رسولؐ اللہ کی پالیسیوں کے خلاف مشاورت کرتا رہتا تھا یہی طاغوت کا مرکز تھا، یہیں سے اجتہادی احکام جاری ہوتے تھے، یہیں پر کچھ مہاجرین توریت اور بنی اسرائیل کا اجتہاد سیکھتے تھے۔ اور رسولؐ اللہ کو برسر عام توریت پڑھ کر اجتہادی

مسائل پر چلانا چاہتے تھے۔ رسولؐ اللہ کی تجہیز وتکفین کے دن تک یہ مرکز وہیں پوشیدہ رہا۔ اس کے بعد چوری کی ضرورت باقی نہ رہی۔ اُس گھر اور راتوں کو وہاں مشورے ہوتے رہنے کا ذکر بھی قرآن نے محفوظ کر کے ہم تک پہنچا دیا ہے۔ اور اُس مسلمان گروہ کے بنیادی عقیدہ کا ذکر کر کے اُن کا تعین کر دیا ہے، ارشاد ہے کہ؛

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًاo وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًاo (النسآء 4/80-81)

جو کوئی الرسولؐ کی اطاعت کرتا ہے یقیناً وہی اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور جو بھی الرسولؐ کے خلاف حکومت یا ولایت اختیار کرتا ہے۔ تو ایسے مخالفین پر جبر کرنے والا محافظ آپؐ کو نہیں بنایا گیا۔ یہ لوگ الرّسول کی اطاعت کا اقرار تو کرتے ہیں۔ مگر جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں یا الگ ہوتے ہیں تو اُن مسلمانوں میں کی ایک جماعت ایک گھر میں رات کو تمہارے اقوال واعمال اور پالیسیوں کے خلاف منصوبہ و مشاورت سے اپنا عملدرآمد تیار کرتی ہے۔ اور اُنہیں خبر نہیں کہ اللہ کا نظام اُن کے تمام مشوروں اور منصوبوں کو ریکارڈ کرتا جاتا ہے۔ آپ اُدھر توجہ نہ دیں اور اللہ کے انتظام پر بھروسہ کریں اور اللہ ہی بھروسہ کے لئے کافی ہے۔

قارئین نوٹ کرلیں کہ رسولؐ اللہ کے خلاف جو صحابہ رات کو خفیہ مشاورت کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو رسولؐ اللہ کی حکومت اور اقتدار میں حصہ طلب کرنے کا خفیہ منصوبہ رکھتے تھے (آل عمران 3/154)، یہی لوگ ہیں جن کو شَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ (3/159) میں نمایاں کیا گیا تھا، یہی مسلمان ہیں جو کفر کی طرف سرعت سے جا رہے تھے (3/176)، جن کو ڈھیل دی جا رہی ہے (3/178)۔ یہی وہ خبیث مسلمان ہیں جن کو طیب مومنین سے الگ کرنے کا وعدہ ہوا ہے (3/179) اور یہی وہ لوگ ہیں جو اسلام میں نظام مشاورت قائم کریں گے۔ اور جن کی آزمائش ان کے قلبی تصورات کے ماتحت کی جائیگی (لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ) (3/154) اور آخر اُس گھر کے افراد اللہ کا مرتب کرایا ہوا ریکارڈ لے کر (نسآء 4/81) بَيْتُ الامامت میں چلے آئیں گے۔

(xii)۔ مخالف مرکز میں مجتہدین اور فقیہانِ کفر کی تعلیمات

جس گھر میں مشوروں اور چھپ چھپ کر مسلمانوں کے منصوبے بنانے کا ذکر ہوا ہے۔ وہاں مستقبل کے لئے مسائل گھڑنے والے مجتہد اور فقیہ بھی موجود ہیں جو اُس داخلی محاذ کے لئے اپنے قیاس واستنباط سے قرآن کریم اور احادیث رسولؐ کی تعبیرات کو نیا رُخ دیتے جاتے ہیں۔ اُن کے اجتہادی مسائل سے عوام کا رخ رسولؐ اللہ سے پھرتا جا رہا ہے۔ رسولؐ اللہ کو یہ کہہ کر تسلی دی جا رہی ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا .... (المآئدہ 5/41)

اے رسولؐ اور متعلقینِ رسولؐ تم سب اُن لوگوں کے عملدرآمد پر رنج نہ کرو جو کفر کی طرف لے جانے میں بڑی تیزی سے کام کر رہے ہیں۔ اور جو اُن لوگوں میں سے ہیں جو دل سے ایمان نہیں لائے مگر زبان سے اقراری ہیں اور جن میں کچھ یہودی بھی ہیں۔ یہ ظاہری مومن اور

یہودی مل کر نظام تکذیب کی تائید کے لئے جاسوسی کر رہے ہیں۔اور جاسوسی ایک ایسی قوم کی خاطر کر رہے ہیں جو آپؐ کے پاس کبھی نہیں آئی۔اور جس کا کام یہ ہے کہ کلام خدا و رسوؐل کی معنوی تحریف اس انداز میں کرے جس سے اصل مفہوم اُلٹ کر اُن کے حق میں ہوجائے۔اُس قوم یا پارٹی نے اپنے عوام کو یہ حکم دے رکھا ہے کہ اگر رسوؐل اللہ کے احکامات اُن کے تحریف کردہ مفہوم کے مطابق ہوا کریں تو انہیں اختیار کرکے ان پر عمل کرلیا کرو۔اور اگر رسولؐ کے احکام اُن کے خلاف ہوا کریں تو ترکیب سے بچ نکلا کرو۔

ہم نے اُس قوم کو مجتہد اور فقہا قرار دیا ہے جو قرآن وحدیث میں تحریف کرنے کے لئے جاسوسی کرا رہی ہے اور جس کا حکم ماننا مذکورہ مسلمانوں پر واجب ہے۔یعنی مجتہدین کا یہ گروہ رسولؐ اللہ کے مدِمقابل اور حریف،جس کے احکام مسلمانوں کے اُس گروہ میں اُسی طرح مانے جاتے ہیں جیسے رسولؐ اللہ کے احکام حقیقی مومنین میں واجب التعمیل ہیں۔اب اِس مجتہد اور فقیہ گروہ کا اثر و رسوخ اور رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں انتظام اور قرآن کا وہ لفظ ملاحظہ ہو جس کے معنی ہم نے مجتہدین اور فقہا کئے ہیں۔اللہ نے بتایا ہے کہ وہ مسلمان جو مذکورہ بالا قوم (5/41) کے زیر اثر ہیں اور جاسوسی کرتے رہتے ہیں۔

وَاِذَا جَآءَ هُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَاِلٰۤى اُولِى الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ لَا تَّبَعۡتُمُ الشَّيۡطٰنَ اِلَّا قَلِيۡلًاo(نسآء 4/83)

جب اُن کو ایسے احکام معلوم ہوجاتے ہیں۔جن میں امن وامان اور جنگ کا ذکر ہوتا ہے۔تو فوراً اُن کو پبلک میں پھیلا دیتے ہیں۔اس لئے کہ اگر وہ اُن احکام کی وضاحت کرانے کے لئے رسوؐل اللہ اور رسوؐل کے مقرر کردہ حاکموں یا صاحبانِ حکم کے پاس آتے تو اُس گروہ کے اُن لوگوں کو اِس خلاف ورزی کا پتہ لگ جاتا جو اُن کے یہاں استنباط اور استدلال یعنی اجتہاد اور فقاہت پر تعینات ہیں۔اور اگر اللہ نے اپنی رحمت اور فضل سے اُس مسلمان گروہ کی روک تھام کا انتظام نہ کر رکھا ہوتا تو اے حقیقی مومنین تم میں سے چند قلیل تعداد لوگوں کے علاوہ سب نے شیطان کی پیروی اختیار کرلی ہوتی۔

قارئین یہ نوٹ کریں کہ سرکاری طرز کے ترجموں میں لَعَلِمَهُ الَّذِيۡنَ يَسۡتَنۡبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ سے اولی الامر علیھم السلام کو مراد لیا گیا ہے اور اگر یہ مراد صحیح مان لی جائے تو پھر رسولؐ اللہ کو بھی شامل کرنا لازم ہوگا۔اسلئے کہ جس دلیل سے اولی الامر کو مراد لیا جائے گا۔اُسی دلیل سے رسولؐ اللہ کو داخل کرنا پڑے گا۔اور رسولؐ اللہ ہوں یا اولی الامر ہوں یا دونوں ہوں،اُنکو استنباط اور اجتہاد اور قیاس اور گمان کی نہ احتیاج تھی نہ اُن کیلئے یہ جائز تھا۔اسلئے کہ جہاں وحی خداوندی ہر لمحہ موجود ہو،جہاں روح خداوندی تائید کیلئے ساتھ رہتی ہو وہاں اجتہاد ایسی ملعون و مردود چیز سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا۔لہٰذا وہ مجتہدین وفقہا یہودی طرز فکر کو مسلمانوں میں نافذ کرنے کا مشن چلا رہے تھے۔اور مذکورہ گھر اُن ہی کا اڈہ تھا۔یہی لوگ طاغوت تھے جن سے ہر مسلمان کو کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا (بقرہ 2/256 اور نسآء 4/60)۔یہی لوگ تھے جنھوں نے اسلام کے ہر حکم کو تبدیل کرکے اسلام کے نام پر کفر کو دوبارہ جاری کیا تھا۔اور آج تک جاری ہے۔یہی مذہب ہے جس میں رسوؐل کو محض بشر کہا جاتا ہے۔نور کا انکار کیا جاتا ہے۔اُنؐ سے غلطیاں سرزد ہونا مانا جاتا ہے۔اور رسوؐل کے واضح احکام اور قرآن کی واضح آیات کے مقابلہ میں قومی وملکی اور طاغوتی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کرلیا جاتا ہے اور مثلاً کہہ دیا جاتا ہے کہ:۔

''جب اسلام کمزور تھا اب طاقتور ہے لہٰذا مولفۃ القلوب کا حصہ بند کیا جاتا ہے۔'' (وغیرہ وغیرہ)

لیکن قرآن میں یہ اور اس قسم کے کئی احکام موجود ہیں مگر حکومت نے اُن کو معطل کر دیا ہے۔ برسرِ عام اُسی مسجد نبوی میں کہا گیا کہ:۔ ''دو متعہ زمانہ رسولؐ اور خلیفہ اوّل کے زمانوں میں حلال تھے۔ میں اُن کو حرام کرتا ہوں۔ جو عورتوں سے متعہ کرے گا میں اُسے سنگسار کروں گا۔''

پھر حکومت کے طرفدار لوگ طرح طرح کی تاویلیں اور فریب سازیاں کر کے کثرت کو ورغلاتے اور دھوکہ دیتے چلے آئے ہیں۔

(xiii)۔ یہی مسلمان گروہ کافروں اور منافقوں کا دوست تھا

چونکہ مسلمانوں کے گروہ کو کفارِ قریش اور یہود و نصاریٰ کے علما کا تعاون حاصل تھا اسلئے یہ مسلمان کفار اور منافقین کے معاملہ میں دوستی اور رواداری لازم سمجھتے تھے۔ اور اُن کے خلاف رسولؐ اللہ سے تعاون نہ کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ نے مسلمانوں کی اُن دونوں اقسام کا ذکر کر کے یہ بتادیا کہ حقیقی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا ایک گروہ منافقین کے ساتھ مل کر اپنا منصوبہ چلا رہا ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ؛

فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًاo وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًاo (نسآء 89-4/88)

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے معاملہ میں تم دو گروہ بن کر رہ گئے ہو؟ حالانکہ اللہ نے اُن کے مخالفانہ کاروبار کی وجہ سے اُنہیں کفر کی طرف پلٹا دیا ہے۔ کیا تم یہ ارادہ کر رہے ہو کہ جسے اللہ نے گمراہ کر دیا ہو یا جسے اللہ ہدایت نہ کرے، اُسے تم ہدایت کر سکو گے۔ سنو کہ جسے اللہ ہی گمراہ کر دے اُس کو تم راہ راست پر نہیں لگا سکتے۔ کیا تمہیں اُن کی مودّت و محبت اس قدر ہے کہ تم بھی اُن ہی کی طرح کفر اختیار کر لو۔ پھر تو تم بالکل اُن کے مساوی ہو جاؤ گے۔ اگر ہو سکتا ہے تو کم از کم اُنہیں اپنا ہمدرد حاکم تو نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت تو کر دکھائیں۔ لیکن اگر وہ اس کے باوجود ولایت قائم کرنے میں کوشاں ہوں تب تو جہاں بھی اُنہیں پاؤ پکڑ کر قتل کر دیا کرو اور یہ نہیں کر سکتے تو اِسی قدر کر لو کہ اُن میں سے کسی کو بھی اپنا ہمدرد حاکم یا مددگار نہ بنایا کرو۔

جن مسلمانوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ منافق نہیں بتائے گئے۔ بلکہ مسلمانوں کا دوسرا گروہ قرار پائے۔ ہم اُسی گروہ اور اُس کے لیڈروں کا تذکرہ کرتے ہوئے آرہے ہیں۔ یہ لوگ نہ ضعیف الایمان ہیں، نہ کمزور ہیں، نہ کسی فریب میں مبتلا ہیں۔ بلکہ یہ وہ مسلمان ہیں جو ہدایت کاری اور تبلیغ میں اللہ کے انتظام سے بھی زیادہ اچھا انتظام کرنے کی فکر میں ہیں۔ اور بصیرت کی روشنی میں مسلمانوں کے دوسرے گروہ سے خود کو عقلمند سمجھتے ہیں۔ اور سوچ سمجھ کر منافقوں کے ساتھ مودت و محبت اور رابطہ رکھتے ہیں۔ اُن کو اپنے جیسا مسلمان بنا سکنے کا یقین رکھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ اسلام اور اُس کے قوانین کو سارے عربوں کے لئے مفید اور قابل قبول بنا دینا، حکومت الٰہیّہ کی جگہ قومی حکومت قائم کر دینا، اور ظاہری دشمنی کو خیرباد کہہ کر محض منصوبے کا بدل لینا اُس مقصد کو بھی حاصل کر لیتا ہے جو کافروں اور منافقوں کا مقصد ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ جنگ و جدل کیا جائے۔ رسوؐل کو خاموشی اور پرامن طریقہ سے شکست ہو جائے تو کیوں دردسر مول لیا جائے؟ یہ

پہلو جس جس منافق اور کافر کی سمجھ میں آتا جاتا ہے وہ بخوشی اُسی قسم کے اسلام میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ یہ تھا ہدایت کا وہ طریقہ جو اللہ و رسولؐ کے یہاں نہ تھا اور اس لئے مسلمانوں کا یہ گروہ کافروں اور منافقوں سے زیادہ اُمیدیں رکھتا تھا۔ اور اُن کے تعاون سے قومی وملکی ولایت وحکومت میں تعاون چاہتا تھا۔ اور دن رات اس مسلمان گروہ کا حلقۂ تبلیغ اور اثر ورسوخ بڑی سرعت سے پھیلتا جا رہا تھا۔ اسی سرعت اور اثر انگیزی کو یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ (آلِ عمران 3/176) فرمایا گیا جس سے رسولؐ کو فکر وملال ہوتا ہے۔ یہاں اِس گروہ کے منصوبہ کا لب لباب دو دفعہ یہ کہہ کر بتایا کہ تم منافقوں میں سے اَولیا اور وَلی نہ بنانا۔ یعنی اللہ جس چیز کو سب سے زیادہ بُرا قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کا وہ گروہ جس مقصد کو سب سے زیادہ مدنظر رکھتا ہے وہ خدا ورسولؐ کے خلاف ولایت وحکومت کا قیام ہے۔ بتایئے مسلمانوں کے اُس گروہ کے وجود اور اُن کے مقاصد پر اس سے زیادہ اور کونسا ثبوت قرآن سے درکار ہے؟

(xiv)۔ خانۂ طاغوت، خفیہ میٹنگ، رسولؐ اللہ کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش

جس نظام اجتہاد اور طاغوت کے طرفدار مسلمانوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ ظواہر شریعت کی آڑ لے کر اس انداز میں مسائل و معاملات کو پیش کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے بیانات سے عام مسلمانوں کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ گروہ حق پر ہے۔ حالانکہ آپؐ محض اُس گروہ کے خیالات کو الفاظ کی صورت میں زبان پر جاری کرانے کیلئے ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ عوام الناس اُن مسلمانوں کی چالاکیوں سے واقف ہو کر اُن سے ہوشیار رہیں۔ اور آیت پڑھ کر اُن لوگوں پر اتمام حجت بھی کردیں۔ اور اُنہیں یہ موقعہ بھی نہ ملے کہ ہمیں تو سرے سے نظر انداز کر رکھا ہے۔ ہماری بات ہی سننا گوارا نہیں ہے۔ چنانچہ آپ اُس گروہ کو بحث واظہار خیال کا پورا موقع دیتے ہیں۔ اور اُنکے موقف کی تائید میں اِس حد تک جاتے ہیں کہ عدالت وانصاف کی حد ہو جائے اور خود اللہ فرمادے کہ آپ نے اس خیانت کار گروہ کی طرف سے کافی وکالت کرلی ہے (نسآء 4/105) اور اس حد تک طرفداری دکھادی ہے کہ آپ کو اُن کیلئے جھگڑا کرنے والا کہا جاسکے (نسآء 4/107)۔ مگر اب اصل حقیقت بتادو کہ؛

> يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا o هٰٓاَنْتُمْ هٰٓـؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۔(النسآء 4/108-109)

مسلمانوں کا یہ راہنما گروہ انسانوں سے تو اپنا منصوبہ چھپا سکتا ہے مگر اللہ سے تو نہیں چھپا سکتا۔ اِس لئے کہ اللہ تو اُن کے ساتھ اُس گھر میں بھی موجود ہوتا ہے جہاں یہ مسلمان راہنما راتوں کی تاریکی میں اللہ کی مرضی کے خلاف پوشیدہ منصوبہ سازی کرتا ہے۔ اور اللہ تو جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں اُس پر احاطہ رکھتا ہے۔ چلو یہاں دنیا میں تو یہ مسلمان گروہ اپنے راہنماؤں کی طرفداری میں جھگڑتا رہے گا۔ مگر یہ تو بتائیں کہ قیامت میں اللہ کے روبرو اُن کی طرفداری میں کون جھگڑے گا یا یہ کہ کون اللہ کے سامنے اُن کا وکیل بنے گا؟

یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قیامت تک اُن مجتہدین یا اُن طاغوتی راہنماؤں کی طرفداری کرنے والے مسلمان موجود رہیں گے۔ مگر قیامت کے دن وہ سب جہنمی ہوں گے۔ یہاں مسلمان یہ سوچیں کہ مسلمانوں کے کون سے فرقے کے راہنما ایسے لوگ ہیں جن کا ذکر

یہاں ہوا ہے۔ظاہر ہے کہ علیؑ واولادِ علی علیھم السلام والے راہنماؤں کے لئے تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ خود جنتی ہیں اور اُمت کو جنتی بنانے کا مشن رکھتے تھے۔اُن کے علاوہ کچھ اور لوگ ہیں جو راہنما بن گئے یا بنا لئے گئے۔اُن کا پتہ لگانا اور اُن سے الگ ہو جانا اُمت کے ہر فرد پر واجب ہے۔ورنہ عاقبت بخیر نہیں۔یہ بھی نوٹ کرلیں کہ یہ راہنما، نزول قرآن کے دوران والے لوگ ہیں۔یہ بھی واضح رہے کہ ہمارے زیرِ نظر عنوان میں جس قدر آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں اُن کا تعلق مصدقہ طور پر مسلمانوں سے ہے۔چنانچہ علامہ مودودی بھی اپنے حاشیہ نمبر 143-140 میں جو کہانی لکھتے ہیں اس میں بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ پورا رکوع مسلمانوں کی شان میں ہے۔ (تفہیم القرآن۔جلد اوّل صفحہ 397-393)

(xv)۔ فضلِ عظیم اور لامحدود علم نے رسولؐ اللہ کو عرب دانشوروں سے بچالیا

قرآن کریم یہ بتا تا ہے کہ؛ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاo لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ.... (النسآء 114-4/113)

اگر اللہ نے رسولؐ اللہ کو اپنے فضل عظیم اور ہمہ گیر رحمت کے حصار میں نہ رکھا ہوتا تو دانشورانِ عرب نے آپؐ کو اپنا ہمنوا بنا کر گمراہ کر دیا ہوتا۔لیکن اللہ کا انتظام ہی ایسا ہے کہ وہ رسولؐ اللہ کو گمراہ کرنے اور اُن کی تحریک کو نقصان پہنچانے کے بجائے خود ہی گمراہی اور نقصان میں پھنستے چلے گئے۔پھر یہ بتایا گیا کہ ہم نے تمہارے اوپر اپنی کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تمہیں اُن تمام چیزوں کی تعلیم دی ہے جن کا آپؐ کو علم نہ تھا۔لہٰذا اُن مسلمانوں کی سرگوشیوں میں ذرہ برابر خیر واصلاح نہیں ہے۔

یہاں دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں کہ مجتہدین کا زیرِ نظر گروہ اپنی اسکیم کو حق کے اس قدر قریب لا کر پیش کر رہا تھا کہ مندرجہ بالا خدائی انتظام کے بغیر اُس کو قبول کرنا لازم تھا۔لہٰذا عوام الناس، جو اللہ کے اُس بے پناہ علم و کتاب وحکمت اور فضل عظیم کے حصار میں نہیں ہوتے، اُن کا محفوظ رہ جانا ناممکن تھا۔اسلئے مسلمانوں کی کثرت کو مجتہدین کا ہمنوا ماننا پڑیگا۔اور یوں بھی مسلمانوں کی کثرت کو اللہ نے قرآن میں یہی مقام دیا ہے۔اِسی اصول پر یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ جو لوگ رسولؐ کے زمانہ میں باطل کو حق بنا کر پیش کرنے میں اِس قدر مشّاق ہوں کہ (معاذ اللہ) رسوؐل کو گمراہ کر سکنے کی امید پیدا کرلیں، وہ یقیناً اپنی آزادی اور اقتدار وحکومت کے زمانہ میں ایسا انتظام ضرور رکھیں گے کہ اُنکے منصوبے کی ہر بات قرآن وحدیث سے ثبوت حاصل کر سکے۔لہٰذا وہ تمام کہانیاں اور وہ سب روایات جو رسولؐ اللہ کے نام سے بیان کی گئی تھیں اور جو قرآن کے خلاف اور اُس گروہ کے حق میں ہوں نا قابل قبول ہیں۔جو زندگی میں (معاذ اللہ) رسوؐل کو گمراہ کرنا چاہتے ہوں وہ انتقال کے بعد بھی آنحضرؐت کو (معاذ اللہ) گمراہ بنا کر پیش کریں تو کیا تعجب ہے؟ لہٰذا ہر حدیث کا اُس طرزِ فکر کی روشنی میں جانچنا لازم ہے۔مثلاً اُس گروہ کا مسلمانوں میں موجود ہونا اور آخر تک موجود رہنا ثابت ہے۔لہٰذا ہر وہ قول غلط اور اُس گروہ کی تائید میں ہوگا جس قول کا مطلب یہ ہو کہ رسوؐل کی وفات کے وقت کے تمام لوگ عادل یا قابل عزت تھے۔اس لئے کہ ایسا کہنے والا قرآن کی تکذیب کرتا اور گمراہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے مذکورہ گروہ کے یہاں اُن احادیث کا موجود ہونا لازم ہے جن سے یہ ثابت ہو

جائے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ گمراہ تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ گروہ برسرِ عام رسولؐ اللہ کی موجودگی میں سرگوشیاں کرتا رہتا تھا۔ اللہ نے بتایا کہ اُس گروہ کے افراد کی سرگوشیوں میں کسی مقدار میں بھی خیر اور نیکی نہیں ہوتی۔ یعنی یہ خفیہ نظام محض شر وفساد کا حامل ہے۔ اس گروہ کیلئے علامہ مودودی کے ترجمہ کے ساتھ ایک اور آیت ملاحظہ ہو جس سے اُن سرگوشیوں اور دُزدیدہ نگاہوں کا مقصد معلوم ہوگا۔

وَاِذَا مَآ اُنزِلَتْ سُورَۃٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُم مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ (توبہ 9/127)

''جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تم کو دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ پھر چپکے سے نکل بھاگتے (کھسک جاتے) ہیں۔ اللہ نے اُن کے دل پھیر دئے ہیں کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ 254)

سرگوشی اور آنکھ مٹکا کرنے والوں کو چھوڑ کر آپ اُس گروہ کے علامہ کا حال دیکھیں کہ آیت میں انصَرَفُوا۔ اور صَرَفَ ایک ہی مصدر سے آنے والے الفاظ ہیں۔ مگر اردو میں بالکل غلط مصدروں کا ترجمہ رگڑ دیا۔ بتایئے؟ نکلنا، بھاگنا، اور پھیرنا کا آپس میں کیا معنوی رشتہ ہے۔ اس قدر محتاط لوگوں کا مجمعِ عام سے گھبرا کر نکلنا اور بھاگنا ممکن ہی نہیں ورنہ رازداری کہاں رہے گی۔ کہنا یہ چاہئے تھا کہ ''چپکے سے کھسک جاتے ہیں، اللہ نے اُنکے قلوب کو کھسکا رکھا ہے، وہ اللہ کے اِس انتظام کو سمجھ سکنے والی قوم نہیں ہے۔''

مگر علامہ عربوں کو بے وقوف اور جاہل ثابت کرنے میں اپنے مذہب کا تحفظ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ نظروں ہی نظروں میں پوری اسکیم ایک دوسرے کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دیں، وہ لوگ علامہ کے نزدیک ناسمجھ لوگ ہوتے ہیں، اللہ مولانا کو عقل عطا کرے۔

(xvi)۔ رسولؐ اللہ کو اجتہاد پر آمادہ کرنا، قرآن سے ہٹانا، دستورِ جاہلیت پر چلانا

قرآن بار بار دانشورانِ عرب کی اُن کوششوں کا تذکرہ کرتا ہے جن سے اجتہادی علما رسولؐ اللہ کو بھی اجتہاد پر آمادہ کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ حضرتؐ کسی طرح قرآن کے بعض احکام سے ہٹ کر اُن مسلمانوں کے آبا وَاجداد کے طریقہ کو بھی شامل کرلیں؛

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (مائدہ 5/49-50)

چنانچہ فرمایا کہ آپؐ کو چاہئے کہ مسلمانوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام سے احکام جاری کریں اور مسلمانوں کی مصلحتوں اور خواہشوں کی پیروی نہ کیا کریں۔ اور مسلمانوں سے بچ کر رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں چکر دے کر اللہ کے بعض نازل کردہ احکام سے موڑ لے جائیں۔ اِس پابندی کے باوجود بھی اگر وہ اپنا تصورِ ولایت برقرار رکھیں تو یہ جان لو کہ اُن کے بعض گناہوں کی پاداش میں اللہ نے ارادہ کر ہی لیا ہے کہ اُن کو نتائج کی مصیبت سے دوچار کردے۔ اور یقیناً اِن مسلمان لوگوں کی کثرت فاسق یعنی بے لگام ہے۔ کیا یہ مسلمان ہو کر جاہلیت کا دستور و قانون نافذ کرانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے احکام سے

اچھے احکام دینا کسی کے بس کی بات نہیں۔ مگر یہ بات تو صاحب یقین وایمان قوم کے لئے ہے۔
معلوم ہوا کہ مذکورہ قسم کے مسلمان دانشور قرآن کے بعض احکام میں اصلاح کی کوشش جاری رکھے ہوئے تھے تاکہ عرب تمدن وتہذیب محفوظ رہے اور قرآن کو ملکی وقومی تحفظ کا آلۂ کار بنالیا جائے۔ اگر بعد والوں کے مذہب میں استحسان اور استصحاب اور تمام مصالح ملکی وقومی اور مفاد عامہ کو بنیاد بنا کر کسوٹی کے طور پر استعمال کیا گیا ہو تو ہم نہایت اطمینان سے سابقین وآخرین کے مذہب کو قرآن کے خلاف قرار دینے میں حق بجانب ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ جن لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے وہ منافق نہ تھے بلکہ اُسی قسم کے مسلمان تھے جو بعد میں برابر اُن ہی کے مذہب پر چلتے رہے ہیں۔ قارئین نوٹ کرلیں کہ جنگ اُحد کے بعد اور جنگ خندق سے پہلے پہلے مجتہدین کے ساتھ مسلمانوں کی کثرت شامل ہو چکی تھی۔ اب سوچئے کہ مجتہدین کی روزافزوں کوشش نے چار (4) ہجری سے گیارہ (11) ہجری تک سات سال میں کس قدر غلبہ حاصل کرلیا ہوگا؟

(xvii)۔ اُن صحابہ کو منافق کہنا سازش ہے وہ مسلمان تھے

دراصل ہر وہ شخص خود منافق ہے جو نزول قرآن کے دوران والے مسلمانوں کو منافق کہتا ہے۔ قرآن کریم بار بار اور باصرار و تکرار اُن صحابہ کو مسلمان کہتا چلا آرہا ہے جو اپنے دلوں میں اجتہاد کو تنفیذ قرآن کا بہترین ذریعہ سمجھتے تھے، وہ وہی عقیدہ رکھتے تھے جس پر بعد کی حکومتیں اور آج کے مذہب کی کثرت عمل پیرا رہی ہیں۔ جو رسولؐ کی بشری غلطیوں سے احکام خداوندی کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے اور آج تک یہی چاہا جاتا رہا ہے کہ رسولؐ اللہ ہر آیت مسلمان دانشوروں کے سامنے تلاوت کردیں۔ اور پھر اُس آیت کے منشا اور مراد کے تعین اور عملی تنفیذ کے لئے اُن صحابہ سے مشورہ کریں اور اجتماعی بصیرت کے فیصلے کو نافذ کرتے رہیں۔ آج کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اُن صحابہ کا یہ مقصد نہ تھا۔ یا یہ کہ یہ طریقہ باطل ہے۔ آج تو ماشاءاللہ مسلمانوں کی کثرت کے یہاں رسولؐ کی دو حیثیتوں پر اتفاق ہے۔ ذاتی حیثیت، (معاذ اللہ) جس میں نہ صرف غلطی کا امکان تھا بلکہ غلطیوں کا سرزد ہونا اور غلطیوں کی فہرست پر بھی سب متفق ہیں۔ بس وہ صحابہ دینی ہمدردی کے ماتحت رسولؐ کے ہر ہر فیصلہ کو قبول کرنا نہ چاہتے تھے۔ جب تک یہ یقین نہ ہو جائے کہ وہ فیصلہ وحی کے حکم سے کیا گیا ہے یا ذاتی حکم سے۔ یعنی وہ رسولؐ کی ذاتی اطاعت وتعمیل واتباع کے قائل نہ تھے۔ لہٰذا قرآن نے اُس ذہنیت کی مسلسل مذمت کی ہے۔ مذمت سے گھبرا کر یہ سازش کی گئی کہ ہر مذمت کو منافق اور کفار و یہود کے سر چپکا دیا جائے۔ اور قرآن کے اُن مسلمان صحابہ کو جن کی مسلسل اور مستقل مذمت ہوئی ہے، الگ کرلیا جائے یا مشکوک کردیا جائے مگر عمل اُن ہی کے مذہب پر کیا جائے۔ لیکن قرآن کریم اُن دونوں، یعنی لیڈروں اور پیروؤں کو باطل پرست کہتا ہے۔ اُس سازشی گروہ کو چیلنج کردیں کہ اب لکھی جانے والی آیات سے خود کو یا اُن مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کریں۔ یہاں بات ہی اَے مومنین کہہ کر شروع کی جارہی ہے۔ اور وہ تمام صفات بیان ہو رہی ہیں جو آج کی کثرت کو پسند ہیں۔

(xviii)۔ مومنین یہود ونصاریٰ والی ولایت کے قیام سے الگ رہیں

سنئے ارشاد ہے کہ:۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ

مِنۡهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ o فَتَرَى الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوۡنَ فِيۡهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ نَخۡشٰٓى اَنۡ تُصِيۡبَنَادَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖ فَيُصۡبِحُوۡا عَلٰى مَآ اَسَرُّوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ نٰدِمِيۡنَ o وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ اِنَّهُمۡ لَمَعَكُمۡ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فَاَصۡبَحُوۡا خٰسِرِيۡنَo(المآئدة 53-5/51)

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو۔تم یہود و نصاریٰ والی حکومت قائم نہ کرنا۔اِس لئے کہ اُن کا طرزِ حکومت و ولایت اُن ہی کے لئے ہوسکتا ہے۔اورتم میں سے جو اُنہیں یا اُن کی طرزِ حکومت کو اپنائے گا وہ یقیناً یہود و نصاریٰ ہی کے ساتھ شمار ہوگا۔یقیناً اللہ اُس قوم کو ہدایت نہیں کرتا جو ظالمین کی ولایت و امامت کی قائل ہو۔چنانچہ آپؐ اُن مومنین کو برابر دیکھ رہے ہیں جن کے دلوں میں ظالمین کی ولایت و امامت بیماری بن کر رہتی ہے کہ وہ اُسی مذمومہ ولایت میں کوشاں ہیں۔اور کہتے ہیں کہ ہم اُس تصور کی خلاف ورزی سے اس لئے خشیۃ میں مبتلا رہتے ہیں کہ ولایت و امامت کے بارہ (12) موعودہ چکروں اور بھنور میں نہ پھنس جائیں۔اَے نبیؐ ہمارا حکم اور کامل فتح جس روز ظہور کریں گے تو یہ لوگ جس طرزِ حکومت اور مذہب کو اپنے اندر بطور راز محفوظ رکھے ہوئے تھے۔اُس کے قائم کرنے پر نادم ہو کر صبح کریں گے۔اور اُس روز تمام مومنین بیک زبان پکار اٹھیں گے کہ کیا یہ وہی عہدِ رسولؐ والے مسلمان ہیں جو بڑے زور شور سے یہ عہد کیا کرتے تھے کہ وہ حقیقتاً ہمارے ساتھی مومن ہیں؟اُس روز اُنکے تمام اعمال تباہ ہو کر انہیں خسارہ کی مبارکباد ملے گی۔(بات مسلسل جاری ہے)

(xix)۔ ولایت وخلافت الٰہیہ کا منکر مرتد ہے۔وہ قوم جس کا ہر فرد محبوبِ خدا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَنۡ يَّرۡتَدَّ مِنۡكُمۡ عَنۡ دِيۡنِهٖ فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ يُجَاهِدُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوۡنَ لَوۡمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ oاِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رٰكِعُوۡنَ o وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ o يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَكُمۡ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَالۡكُفَّارَ اَوۡلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَo(المآئدة 57-5/54)

اے مخصوص عقیدے والے مسلمانوں،تم میں سے جو کوئی ولایت خداوندی سے مذہباً مرتد ہو جائے تو سمجھ لے کہ عنقریب اللہ ایک ایسی قوم کو سامنے لانے والا ہے کہ جسے اللہ محبوب رکھتا ہے اور وہ قوم اللہ کو محبوب رکھتی ہے۔جو مومنین کے لئے خود کو ذلتوں میں ڈال دے اور کافروں پر عزت کی دھاک بٹھا دے۔جو کسی کی ملامت سے نہ ڈرے اللہ کی راہ میں کامیاب جنگ کرے۔یہ صفات اور مرتبہ جو اُس قوم کا ہے اللہ کا فضل ہے،جو اُن ہی کو ملتا ہے جو مشیت خداوندی میں روز ازل سے اُس کے لئے مقرر ہو۔اور سنو کہ اللہ و رسولؐ اور مذکورہ مومنینؑ کے علاوہ تمہارا کوئی ولی و حاکم نہیں ہوسکتا۔وہ مومنین وہ حضراتؑ ہیں جو نماز کو قیام بخشتے ہیں اور حالتِ فقر و فاقہ اور ناداری میں زکوۃ دیتے ہیں۔یا اپنی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کی مسلسل کوشش میں نادار و بے سرمایہ رہتے ہیں۔اور سنو کہ جو کوئی اُن مومنین کو اپنا ولی و والی و حاکم بنائے جن کی ولایت،ولایتِ خدا اور رسولؐ ہوتی ہے،وہی گروہ اللہ کا گروہ ہوتا ہے۔اور گروہ خداوندی ہمیشہ غالب رہتا ہے۔چنانچہ اے مومنین اِس صورت حال کو سمجھ لینے کے بعد اب تم کفار یا سابقہ اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کو ولی و حاکم نہ بنا لینا جو تمہارے مذکورہ بالا

دین کو مذاق اور تفریح کہتے ہوں۔اور اگر تم واقعی مومنین ہو تو تم اُن کی حکومت کو تقویٰ اور پارسائی کے خلاف سمجھنا۔

یہاں رک کر تمام علما سے دریافت کریں کہ:۔

(i) 3 ہجری یا 4 ہجری کے بعد وہ کون سی قوم تھی جو 3و4 ہجری کے وقت تک موجود نہ تھی اور جس کا ہر فرد محبوب خدا تھا؟

(ii) جس کا جہاد مسلسل جاری رہا اور جس کا ہر فرد مومنین کی عزت بحال رکھنے کے لئے اپنی ذلت کی پرواہ نہ کرتا تھا؟

(iii) جو کافروں کے مقابلے میں ہمیشہ عزت واحترام کا حقدار رہتا رہا اور جس کو پابندی دین کے لئے ملامت کی جاتی رہی۔ لیکن اُس نے ملامت کرنے والوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے دین کی اطاعت جاری رکھی؟

(iv) پھر وہ کون لوگ تھے جنہوں نے حاکم بن کر اسلام کو مذاق بنادیا؟

(v) وہ کون سا گروہ ہے جس کا دین ہمیشہ غالب رہا؟ اور اُن کو ساری دنیا کے عقلا اور باضمیر انسان ہمیشہ حزب اللہ سمجھتے رہے اور اُن کے تمام مخالفوں کو ساری دنیا نے غلط کار اور شیطانی گروہ قرار دیا؟

سنو اور یاد رکھو کہ میدان کربلا کے علاوہ کبھی ایسی قوم صفحہ ہستی پر نظر نہیں آئی جس میں مندرجہ بالا صفات بحیثیت مجموعی موجود ہوں۔ یہ بھی نوٹ کیا ہوگا کہ ہم نے یہاں راکعون کے مصدری معنی کئے ہیں۔اور یہ ہمارا مستقل طریقہ اور اصرار ہے کہ مصدری معنی کئے جائیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جو لوگ نماز قائم کرتے ہوں وہ رکوع ضرور کریں گے۔لہٰذا الگ سے صرف رکوع کا ذکر کرنا اور اُس رکوع کو والیانِ اسلام کی شناخت بتانا ایک تکلف ہے جس کی ضرورت ہی نہیں۔اس سے بہتر صورت تو یہ تھی کہ فرمایا جاتا کہ:۔

1۔والذین آمنوا الذین یُوتون الزکوٰۃ فی الصلوۃ۔

وہ صاحبان ایمان لوگ جو لوگ کہ نماز کے دوران زکاۃ دیتے ہیں۔یا

2۔والذین آمنوا الذین یُوتون الزکوٰۃ و ھم یصلُّون۔

وہ صاحب ایمان لوگ جو لوگ کہ نماز پڑھتے ہوئے زکاۃ دیتے ہیں۔

لیکن ہمارے ترجمہ سے کسی تبدیلی، تحریف اور تکلف کے بغیر وہ تمام راستے خود بخود بند ہو جاتے ہیں جو ولایت معصومینؑ کے مخالف گروہ نے اس آیت کے ترجمہ وتاویل میں اختیار کئے ہیں۔اور جو معنی ہم نے کئے ہیں، اُدھر وہ لغت اور قواعد کی رو سے سو فیصد صحیح ہیں۔ اِدھر تاریخ اور حالاتِ آئمہ معصومین علیھم السلام کے عین مطابق ہیں۔یعنی جو زکوٰۃ کی خاطر سال کے سال نادار رہتے ہیں، نہ کہ سال بھر حقداروں کو محروم رکھ کر مال جمع کر کے سال کے بعد زکوٰۃ نکالنے والے لوگ۔ ہمارے والے علما سن لیں کہ ہمارے طریقہ سے جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کے ساتھ ساتھ دوازدہ آئمہؑ کی حاکمیت ثابت ہوتی ہے اور الذین امنوا کی جمع اور واحد کی بحث بھی مرجاتی ہے۔اس لئے ہم نے کوئی کمال تحقیق یا ریسرچ نہیں دکھائی ہے۔ بلکہ سادہ سی بات کہ ہر لفظ کے مصدری معنی اختیار کرنے کو پہلا نمبر دیں۔

یہاں علامہ مودودی سے یہ سن لیں کہ عہد رسولؐ کے جن مسلمانوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔وہ تمام نمازی، پرہیزگار اور راہ خدا میں جہاد کرنے والے لوگ تھے۔مگر تصور ولایت کے خلاف عقیدہ نے اُن کے تمام اعمال ضائع کر دیئے۔

''یعنی جو کچھ اُنہوں نے اسلام کی پیروی میں کیا ،نمازیں پڑھیں ،روزے رکھے ،زکوٰۃ دی ، جہاد میں شریک ہوئے ،قوانین اسلام کی اطاعت کی ، یہ سب کچھ اس بنا پر ضائع ہو گیا کہ اُن کے دلوں میں اسلام کیلئے خلوص نہ تھا۔''
(تفہیم القرآن۔جلداوّل صفحہ 481،حاشیہ 86)

اب کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں فلاں نے یوں خدمت اسلام انجام دی اور یوں مال خرچ کیا اور یوں توپ ماری ۔ ہر دعویدار کو پہلے قرآن کی آیت سے خلوص ثابت کر کے بتانا ہوگا کہ فلاں اور فلاں قرآن کی رُو سے مخلص لوگ تھے۔مخلص کی بات ہوگی تو سن لیں کہ اللہ کے مخلص بندوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا (حجر 15/42)اور جن لوگوں نے خود اعلان کیا ہو کہ اُن پر مستقل طور پر شیطان حاوی رہتا رہا ہے۔اور جنہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کون سا وقت ہوتا ہے کہ شیطان غلبہ کرلے گا۔وہ لوگ تو بہر حال نہ اسلام کے مخلص تھے نہ اُن کے اعمال کی جزا قیامت میں ملنا ہے۔وہ مستقل خسارہ میں رہنے والے لوگ تھے۔

27۔ جنگِ احزاب تاریخ اور قرآن سے

جنگ اُحد کے دوران اور اُس کے بعد قریشی مذہب کے مسلمانوں کی جدوجہد اور کارنامے سامنے آچکے۔اُن کے عقائد واعمال پر تاریخی وقرآنی اسناد ملاحظہ کر لی گئیں۔اب ہم جنگ احزاب کو، جسے جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے؛مختصر طور پر سامنے لاتے ہیں اور صرف وہ حالات لکھنا چاہتے ہیں جس میں خانوادۂ رسولؐ اور اُن کی حکومت کے مخالفین کا عمل درآمد معلوم ہو سکے یا حقیقی مومنین کے چند مخصوص اور متعلقہ حالات معلوم ہو جائیں۔

جنگ احزاب ماہ شوال 5 ہجری میں واقع ہوئی۔اُس وقت جنگ اُحد کو پورے دو سال گزر چکے تھے۔یعنی ماہِ شوال 3 ہجری کے بعد بہت سے واقعات پیش آچکے تھے جن کی تفصیل میں جانا اس کتاب کا مقصد نہیں ہے۔ہمارا مقصد صرف اس قدر دکھانا ہے کہ وہ مسلمان جو انتقالِ رسولؐ کے بعد سریرآرائے حکومت ہوئے۔اُن کا اور اُن کے حلقہ احباب کا اِس جنگ اور دیگر مہمات میں کس قدر حصہ تھا؟ اور اُن کا ہم خیال طبقہ کیا کچھ کرتا رہا تھا؟ اور جو حکومت اُن کے بعد چلتی رہی، اُس سے محمدؐ اور خانوادہ محمدؐ کا کیا اور کیسا تعلق تھا۔تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سے بنیادی اختلافات تھے جن کی وجہ سے کربلا کا میدان سامنے آیا؟ اور کس وجہ سے حسین علیہ السلام کے مخالف لاالٰہ الا اللہ کے دشمن بنادئے گئے۔اور یہ کہ حسین علیہ السلام کے مخالفین اور اُن کی حکومت کا مذہب کیا تھا؟ اُن میں اور اوّلین خلفا کے تصورِ اسلام میں اگر کوئی فرق واختلاف تھا تو کیا تھا؟

(27/2)۔ جنگ احزاب تواریخ اور محدثین کی نظر میں

متفقہ طور پر مانا گیا ہے کہ جنگ میں بہت سے قبیلے اور گروہ شامل ہوئے تھے۔اِسی لئے اس جنگ کا نام جنگِ احزاب رکھا گیا ہے۔ بدرو اُحد کے تجربہ کے بعد قریش نے اسلام کو مٹانے کی یہ آخری کوشش کی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اس جنگ میں سارے عرب کو جھونک دیں۔ یہ بھی مسلّمات میں سے ہے کہ ابوسفیان کے ساتھ دس ہزار جنگ آزما بہادروں نے حملہ کیا تھا۔مسلمانوں کی طرف سے کل تعداد تین ہزار تھی

چونکہ اس جنگ میں ایک بہت لمبی اور گہری خندق کھودی گئی تھی اس لئے اس جنگ کو جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ خندق کی کھدائی نہایت محنت اور جانفشانی کا کام تھا۔ لیکن تمام تاریخیں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کرتیں کہ جناب ابوبکر و عمر و عثمان اور ابوعبیدہ جراح وغیرہ بعد کے ہیرو حضرات نے اس مہم میں کوئی خدمت انجام دی ہو۔ نہ اس جنگ میں کہیں ان حضرات سے مشورہ کا تذکرہ کیا گیا۔ البتہ جناب سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ پیش پیش ملتے ہیں۔

(ii)۔ خطرات میں بھی رسولؐ اللہ کی مدد سے جی چرانا اور جواب تک نہ دینا

علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:۔ ''محاصرہ اس قدر شدید اور پُرخطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ ''کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟'' حضرت زبیر کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی۔ آنحضرتؐ نے اسی موقع پر حضرت زبیر کو حواری کا لقب دیا تھا۔'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 424)

(iii)۔ محدثین کی سازش، بعض لوگوں کو ہیرو بنانے کی کوشش

چونکہ مندرجہ بالا صورت حال میں صحابہ نے کوتاہی اور کم ہمتی کا ثبوت دیا تھا۔ اس لئے شبلی نے صحابہ سے خطاب نہیں لکھا بلکہ صحابہ کو عام لوگ بنا کر ''لوگوں سے خطاب کیا'' لکھا ہے۔ حالانکہ اس زمانہ کا ہر شخص اور خصوصاً جنگ میں شریک تو لازماً صحابی رسولؐ کہلاتا ہے۔ پھر اپنے بیان اور زبیر کے حواری بنانے کے ثبوت میں حاشیہ لکھا ہے:۔

''نمبر۲ صحیح بخاری، ذکر غزوہ احزاب و صحیح مسلم کتاب الفضائل۔ لیکن ابن ہشام نے اس موقع پر حضرت حذیفہ بن یمان کا نام لکھا ہے۔ اس لئے محدثین میں اِن دونوں ناموں کے واقعوں کی تطبیق میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر اور زرقانی نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ محاصرین میں سے قریش کی تحقیق حال کیلئے حضرت حذیفہؓ اور بنو قریظہ کی تحقیق خبر کیلئے حضرت زبیر گئے تھے۔ یہ تفصیل واقدی اور نسائی نے اپنی روایتوں میں کی ہے۔'' (فتح الباری جلد 7 صفحہ 312، زرقانی جلد 2 صفحہ 138) (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 425 حاشیہ)

محدثین کی دوڑ دھوپ کے باوجود اس قدر غلطی ہوگئی کہ اچھا موقع تھا کہ یہ بھی لکھ دیا جاتا کہ جناب ابوبکر قبیلہ غطفان کی اور جناب عمر قبیلہ بنو اسد کی اور حضرت عثمان قبیلہ سلیم کی خبریں لینے گئے تھے۔ اس طرح غزل کا مطلع و مقطع دونوں چست ہو جاتے اور جعلسازی میں خامی بھی نہ رہتی۔ یہ ہے محدثیں کا کہانیاں گھڑ گھڑ کر اپنے راہنماؤں کو ہیرو بنانے کی کوشش۔

(iv)۔ جاسوسی کے سلسلے میں زبیر و دیگر صحابہ کی تفصیل

جناب حذیفہ یمانی بیان کرتے ہیں کہ خدا کی قسم اُس رات کو بھوک اور سردی نے ہمیں ایسا ستایا تھا کہ خدا ہی کو اس کی خبر ہے۔ کچھ رات گزرے آنحضرتؐ بیدار ہوئے اور چند رکعت نماز ادا کر کے بعض صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ اس وقت جائے اور دشمنوں کی خبر میرے پاس لائے؟ جسکے عوض خدا تعالیٰ اسکو بہشت میں میرا رفیق بنائے۔ حذیفہ کا بیان ہے کہ ہم میں سے کسی نے بھی خوف، بھوک اور سردی کے سبب جواب نہیں دیا تو حضرتؐ پھر نماز میں مشغول ہو گئے۔ اس سے فارغ ہو کر دوبارہ فرمایا کہ کوئی ہے جو اس

قوم کی خبر ہمیں لا دے۔ جسکے عوض خدا اُسکو بہشت میں میرا رفیق بنا دیگا؟ مگر اب بھی کسی نے جواب نہیں دیا۔ جب تین مرتبہ فرما چکے اور کوئی صاحب آمادہ نہ ہوئے تو آنحضرتؐ نے صحابہ کرام سے تین چار صاحبوں کا نام لیکر فرمایا کہ جا کر خبر لا دو مگر ہر شخص پہلو تہی کرتا رہا۔

(v)۔ ابوبکر خود نہیں جاتے بلکہ جناب حذیفہ کا نام تجویز فرماتے ہیں

مورخین و محدثین نے لکھا ہے کہ:۔

لمّا کَرَّرَ قَوْلَہٗ اَلاء رجل یا تینی بخبر القوم یکون معٰی یوم القیامۃ و لم یجبہ احد قال ابو بکر یا رسوؐل اللّٰہ حذیفہ (سیرۃ حلبیہ جلد 2 صفحہ 327)۔ ''جب حضرت نے کئی بار صحابہ سے کہا کہ کیا کوئی ایسا مرد ہے جو جا کر مجھے اُس دشمن قوم کی خبر لا دے اور قیامت میں میرا رفیق بن جائے؟ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے رسولؐ اللہ حذیفہ کو بھیج دیں۔''

علامہ علی متقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا کہ ''**یا رسوؐل اللّٰہ ابعث حذیفہ** اے رسولؐ اللہ حذیفہ کو بھیج دیں۔'' (کنز العمال جلد 5 صفحہ 279)

(vi)۔ جنت میں رسولؐ اللہ کا رفیق بننے سے ابوبکرؓ و عمر کا انکار

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ ''حذیفہ بیان کرتے تھے کہ جب کسی صحابی نے حضرؐت کی فرمائش پوری کرنے پر رضامندی نہ کی تو فرمایا کہ اے ابوبکر تم جاؤ۔ ابوبکر نے جواب دیا کہ میں اللہ اور رسولؐ سے معافی چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم اگر چاہتے تو جا سکتے تھے۔ پھر حضرؐت نے عمر سے کہا۔ انہوں نے بھی کہا کہ میں اللہ اور رسولؐ سے معافی چاہتا ہوں۔ تب حضرؐت نے فرمایا کہ اے حذیفہ تم جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ اُٹھا اور جا کر خبر لا دی۔'' (تفسیر درمنثور جلد 5 صفحہ 185)

کسی جنگ میں حضرات شیخین کا تلوار بکف جنگ کرنا تو بڑی بات تھی، وہ غریب تو دشمن کی خبر لینے اور رسولؐ کا جنتی ساتھی بننے سے بھی محروم رہے۔ حالانکہ اِس کام میں کسی بہادری کا ظاہر کرنا ضروری نہ تھا۔ چھپتے چھپاتے رات کے اندھیرے میں جانا تھا۔ دُور دُور رہ کر اندازہ کرنا تھا کہ دشمن شب خون مارنے کی تیاری تو نہیں کر رہا ہے۔ مگر افسوس کہ جان ہی نہ رہی تو جانشینی کیسے ممکن ہو گی؟

(vii)۔ آخر اللہ اور علیؑ نے جنگ خندق فتح کرا دی۔ ہیرو چھپے رہے

بعد والے ہیرو زمانۂ رسولؐ میں نہ ہیرو تھے نہ اُن کا کوئی قابل شمار اسلام کے لئے خدمت یا کارنامہ تھا۔ یہ تو تین سو سال اُس حلقۂ فکر میں حکومت کے رہنے کا کرشمہ تھا کہ وہ لوگ اسلام کے ہیرو بنائے جا سکے جنہیں ماشاءاللہ علوم قرآن سے ذرہ برابر حصہ نہ ملا تھا۔ اور عہد رسولؐ میں کوشش کے باوجود اُن کے حق میں ایک کہانی بھی ایسی نہ گھڑی جا سکی جس کی تصدیق ہو کر اُن کے اسلام اور اسلام سے ہمدردی کا پتہ لگ سکتا۔ البتہ اسلام کے خلاف ایسے اعمال و اقوال اس گھریلو اور خود ساختہ تاریخ میں بھی مل جاتے ہیں جو اُن کی ذہنیت اور اسلام میں داخل ہونے کی وجہ اور مقصد کی پول کھول دیتے ہیں۔ اور قرآن کریم تو اُن کے سارے گروہ اور پوری قوم کو خدا و رسولؐ کے مخالف قرار دینے میں ذرہ برابر تکلف نہیں کرتا۔ اب ذرا اللہ و رسولؐ اور قرآن و تاریخ کے حقیقی ہیرو کا حال جناب شبلی سے سن لیں:۔

''چونکہ اس طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی اسلئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے۔تمام فوجیں یکجا ہوئیں۔قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے۔خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی۔یہ موقع حملہ کیلئے انتخاب کیا گیا۔عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدِ ودّ نے خندق کے اُس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اِس پار تھے۔اُن میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدِ وَدّ تھا۔وہ ایک ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا۔جنگ بدر میں زخمی ہوکر واپس چلا گیا تھا۔اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا، بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا۔اور عرب کے دستور کے مطابق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے۔حضرت علیؑ نے کہا کہ ''میں''، لیکن آنحضرتؐ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔حضرت علیؑ بیٹھ گئے۔لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہ آتا تھا۔عمرو نے دوبارہ پکارا۔اور پھر وہی ایک صدا جواب میں تھی۔تیسری دفعہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؑ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔غرض آپؐ نے اجازت دی۔خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔سر پر عمامہ باندھا۔عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کریگا تو ایک ضرور قبول کروں گا۔حضرت علیؑ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی تیرا یہ قول ہے؟ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

حضرت علی: میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لے آ۔

عمرو: یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت علی: لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو: میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علی: مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو ہنسا، اور کہا کہ مجھ کو اُمید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔حضرت علیؑ پیادہ تھے، عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں۔پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا۔اُس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔آپ نے فرمایا، ہاں، لیکن میں لڑنا چاہتا ہوں۔عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا۔پرتلے سے تلوار نکالی۔اور آگے بڑھ کر وار کیا۔حضرت علیؑ نے سپر پر روکا لیکن سپر میں ڈوب کر نکل آئی۔اور پیشانی پر لگی۔گو زخم کاری نہ تھا۔تاہم یہ طغریٰ آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے۔جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ایک عمرو کے ہاتھ کا۔اور ایک ابن ملجم کا۔دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؑ نے وار کیا۔اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی۔ساتھ ہی حضرت علیؑ نے تکبیر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہوگیا۔عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا۔لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔حضرت عمر فاروق نے (بھاگتے ہوئے) ضرار کا تعاقب کیا۔ضرار نے مُڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن (کچھ سوچ کر) روک لیا۔اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا اصحابہ نے تیر مارنے شروع کیے اُس نے کہا مسلمانو! (کمینوں ایسا کام نہ کرو) میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔حضرت علیؑ نے درخواست منظور کر لی اور خندق میں اتر کر

تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایان شان تھا۔'' (شبلی سیرۃ النبیؐ جلداوّل صفحہ 428-427)۔حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''یہ حالات اگر چہ اجمالاً تمام کتابوں میں ہیں لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے وہ طبقات ابن سعد اور تاریخ الخمیس سے ماخوذ ہے۔''

(viii)۔ تفصیل کے باوجود مولانا شبلی نے بہت سے حقائق کو جان بوجھ کر چھپایا

سب سے پہلے علامہ نے وہ قصہ چھپالیا جو جناب عمر نے عمرو بن عبدِ وَدّ کے چیلنج پر مسلمانوں کو سنا کر اُن کی ہمتیں توڑنے کا انتظام کیا تھا۔ پھر عمرو بن عبدود نے جنت وجہنم کے طعنے دے کر مسلمانوں کو جوش دلایا وہ چھپا گئے۔ وہ کہتا رہا کہ اے محمدؐ تمہارے صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو میرے ہاتھ سے جنت میں جانا چاہتا ہو؟ اُنھوں نے یہ بھی نہ لکھا کہ حضرت علیؑ کی روانگی پر رسولؐ اللہ نے کیا دعا کی؟ اُن کو کُلِ کُفر کے مقابلہ میں کُلِّ ایمان فرمایا۔ یہ بھی چھپالیا کہ فتح کے بعد علیؑ کی ایک ضرب کو ثقلین کی ساری عبادت سے افضل قرار دیا گیا۔ یہ بھی نہ بتایا کہ عمرو بن عبدود کی بہن نے علیؑ کی مدح کی تھی۔ یہ بھی نہ لکھا کہ خندق کے پار آنے والے چھ کافر بہادر تھے۔ جو سب ذوالفقار سے واصل جہنم ہوئے۔ طرفدارِ کفر میں عمرو بن عبدود کی غیرت کو گھوڑے سے اُترنے اور کونچیں کاٹنے کا سبب قرار دیا۔ حالانکہ تیسری بات ہی یہ تھی کہ پیدل ہو کر مجھ سے جنگ کر ایسا نہ ہو کہ تو گھوڑا دوڑا کر بھاگ جائے۔ اس لئے وہ اُترا اور گھوڑے کی ٹانگیں اپنے جم کر لڑنے کے ثبوت میں کاٹ دیں۔ پھر ذوالقرنین کے لقب کی غلط تعبیر کرنے کے لئے پیشانی زخمی ہونے کو مان لیا۔ اور دوسرا زخم ابن ملجم کا شمار کرلیا جو دودن سے زیادہ کسی نے نہ دیکھا تھا۔ تاثر یہ دیا کہ بعد وفات ذوالقرنین مشہور ہوئے۔ کوئی پوچھے کہ پیشانی یا گالوں پر زخم کا ذوالقرنین یا سینگوں سے کیا تعلق؟ یہ اور بہت کچھ اور مولانا کو معلوم تھا۔

(ix)۔ جو کچھ ضرار نے کہا وہ بڑا معنی خیز ہے اور اُس کا عمل عبرت انگیز ہے

علامہ کے بیان میں آپ نے دیکھ لیا کہ جب عمرو بن عبدود قتل ہو گیا تو خندق کے پار آجانے والے بہادر بے تحاشہ جان بچا کر بھاگے۔ یہی وہ وقت تھا جب کہ حضرت عمر کی تلوار میں کھجلی ہوا کرتی تھی۔ جناب عمر ضرار کے پیچھے دوڑے، غالباً یہ خیال آ گیا ہو گا کہ اب ضرار پلٹ کر نہ دیکھے گا۔ مگر افسوس کہ ضرار نے جب سرکار فاروق کو دیکھا تو پلٹا نیزہ اٹھایا لیکن خوفزدہ چہرہ دیکھا یا نہ معلوم کیا خیال آ گیا کہ حضرت عمر کو معاف کر دیا اور کہا کہ اے عمر اس احسان کو بھلانا نہیں۔ انّا لِـلّٰـہ و انا الیہ راجعون۔ کیا نورانی چہرہ تھا جس پر شکست خوردہ کافر بھی احسان کر رہا ہے؟

(x)۔ حضرت عمر نے تمام مسلمانوں کو خوفزدہ کر دیا

اُدھر عمرو بن عبدود اپنے مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے۔ طعن وطنز سے آنحضرتؐ کا دل دُکھا رہا ہے۔ ادھر جناب عمر مسلمانوں کو بتا رہے ہیں کہ عمرو بن عبدود نے ایک ہزار ڈاکوؤں سے مقابلہ کر کے اُن کے قافلہ کو بچالیا تھا اور ڈھال کی جگہ عمرو نے اونٹ کا بچہ بائیں ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ (معارج النبوۃ رکن 4 صفحہ 161)

(xi)۔ علی علیہ السلام مکمل ایمان تھے اور عمرو بن عبدود مکمل کفر کا نمائندہ تھا

اُدھر حضرت عمر نے تمام صحابہ کو یہ بتایا کہ عمرو بن عبدود کے مقابلہ پر جو جائے گا فٹ بال بنا لیا جائے گا۔ لہٰذا چپ چاپ استغفر اللہ ورسولہ کا وِرد کرتے رہو۔ اِدھر جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صبر کا پیالہ چھلک گیا۔ لہٰذا اس دفعہ آپؑ نہ بیٹھے اور جب رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ وہ عمرو بن عبدود ہے تو عرض کیا کہ میں علیؑ بن ابی طالبؑ ہوں۔ یہ سن کر رسولؐ اللہ نے نائب و جانشین کے سر پر عمامہ باندھا، دامن سمیٹا، تلوار مرحمت فرمائی اور رخصت کیا۔ اور خدا کے رُوبرو دعا کیلئے ہاتھ پھیلا کر فرمایا:۔

اِلٰهی اخذت عبیدہ منّی یوم بدر و حمزۃ یوم احد و ھذا علی اخی و ابن عمی فلا تذرنی فردًا وانت خیر الوارثین ۔ خداوندا تو نے بدر کے روز عبیدہؓ کو مجھ سے لے لیا اور حمزہؓ کو اُحد کے روز لے لیا۔ اور یہ میرا بھائی اور چچا کا بیٹا ہے۔ خدایا تو مجھے تنہا نہ چھوڑنا۔ اس کی حفاظت کرنا، کامیاب واپس لانا اور تو تمام وارثوں سے بہتر وارث ہے۔

(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند امام احمد جلد 4 صفحہ 125)

جناب شبلی اور اُن کے ہم خیال بہت سے لوگوں نے بڑے بڑے اہم واقعات کو اختصار کے پردے میں چھپا دیا ہے۔ مگر وہ مورخین بھی حق کے دباؤ میں کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں جو فضائل محمدؐ وآل محمدؐ کو کلیتاً چھپا جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ بھی لکھ ہی دیا گیا کہ جب حضرت علیؑ مقابلہ کے لئے چلے تو رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ: **لبرز الایمان الی الشرک کلہ**۔ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ (حیٰوۃ الحیوان جلد 1 صفحہ 238) اور (سیرۃ محمدیہ جلد 2 صفحہ 102) یہ بیان اُس وقت کے تمام مومنین کی پوزیشن واضح کرتا ہے۔

(xii)۔ عمرو ابن عبدود کو موت نظر آ رہی تھی اس لئے لڑنا نہ چاہتا تھا

لکھا بھی جا چکا اور یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے کہ عمرو بن عبدود جنگ بدر میں شامل ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ وہ زخمی ہو کر گیا تھا۔ مگر تاریخ نے یہ چھپا لیا کہ وہ زخمی کس کے ہاتھ سے ہوا تھا؟ اور جو تین بہادر کافر سب سے پہلے میدان سے نکلے عمرو اُن میں کیوں نہ تھا؟ اور یہ بھی معلوم ہے کہ قریش کا بچہ بچہ عمرو کو جانتا تھا۔ لہٰذا بڑے تعجب کی بات ہے کہ عمرو بدر میں نمایاں ہو کر سامنے کیوں نہ آیا؟ بہرحال جب عمرو کو حضرت علی نے اپنا نام بتایا تو بدر اُسے یاد آ گیا ہوگا۔ علیؑ کی تلوار کی کاٹ آنکھوں میں پھر گئی ہوگی۔ اس لئے عمرو نے یہ تو نہ کہا کہ میں موت سے ڈرتا ہوں۔ مگر یہ کہا کہ تمہارے والد میرے دوست تھے۔ مجھے تمہارا خون بہانا گوارا نہیں ہے۔ لیکن جواب ملا کہ مجھے تمہارا خون بہانا بہت پسند ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

''ہمارے اوستاد بیان کرتے تھے کہ خدا کی قسم عمرو بن عبدود نے جو علیؑ کو واپس جانے کے لئے کہا تھا وہ اُن پر ترس کھا کر نہیں کہا تھا۔ بلکہ اُن سے خوفزدہ ہو کر اُس نے یہ بات کہی تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ علیؑ نے بدر میں کتنی تباہی مچائی۔ قریش کے کتنے نمودار و سربرآوردہ جوانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا تھا۔ جانتا تھا کہ اگر میں نے مقابلہ کر لیا تو جان سے ہاتھ دھونا ہوں گے۔ شرم کے مارے کمزوری تو دکھا نہ سکتا تھا۔ لہٰذا خیر خواہی اور رحم دلی کی آڑ لینا چاہتا تھا۔ اور وہ قطعی جھوٹا تھا۔'' (شرح نہج البلاغہ)

(xiii)۔ حضرت علیؑ نے داؤدؑ کی مثل بن کر دکھایا۔ تلاوت قرآن

حضرت جابرؓ نے کہا تھا کہ علیؑ کا عمرو بن عبدود کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤدؑ اور طالوتؑ کے قصے سے مشابہ ہے۔(مستدرک جلد 3 صفحہ 33) جن کا ذکر خداوند عالم نے یوں کیا ہے: **فھزموھم باذن اللّٰہ وقتل داؤد جالوت** ۔یعنی طالوت کے ہمراہیوں نے جالوت کی فوج کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔عبداللہ ابن مسعود آیت **و کفی باللّٰہ المومنین القتال و کان اللّٰہ قویّا عزیزًا** کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔**وکفی اللّٰہ المومنین القتال بعلیؑ و کان اللّٰہ قویّا عزیزًا** ۔اللہ نے لڑائی میں علیؑ کی وجہ سے مومنین کو کفایت کی اور اللہ غالب اور قوی ہے۔(ارجح المطالب صفحہ 75 ینابیع المودۃ صفحہ 77 تفسیر درمنثور)

(xiv) حضرت علیؑ یا کُلِّ ایمان کی وہ ضرب جس سے کُل الشرک قتل ہو گیا تھا

اگر رسولؐ کو صادق القول سمجھ لیا جائے تو واقعی حضرت علیؑ کی وہ ضرب جس سے عمرو فی النار ہوا تھا، ساری کائنات اور جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔یعنی ہر عبادت کرنے والا کُلّ ایمان کا کوئی جزا پنے اندر رکھتا ہے۔لہٰذا تمام عابدوں کی عبادت جزوی ہو گی اور تمام جزوی عبادت ملا کر اُس شخص کی عبادت سے کم ہو گی۔اور وہ ایک ضرب جو پورے شرک کی موت بن جائے اور جس کی بنا پر آئندہ قیامت تک عبادت جاری رہے وہ یقیناً ساری کائنات کی عبادت سے افضل ہے۔اور ہم تو یہ بھی جانتے ہیں کہ ساری کائنات اور جن وانس جن کی وجہ سے اور جن کے لئے پیدا ہوئے۔اور جنہوں نے ہر مخلوق کو عبادت و تسبیح، ایمان واسلام اور اللہ سے متعارف کرایا، اُن کی عبادت کے ساتھ کیسے مقابلہ وموازنہ کیا جا سکتا ہے۔ایک ضرب کو ثقلین یا اُمت کی عبادت سے افضل کہنا محض متوجہ کرنا ہے، اُس مقام بلند کی طرف جو ولایت وامامت محمدیؐ رکھتا ہے۔ورنہ یہ حقیقتِ حال نہیں۔اس لئے کہ حقیقت محمدؐیہ وعلویہؑ الفاظ میں محدود نہیں کی جا سکتی۔

جناب شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ:۔

”از علیؑ مرتضٰی در غزوۂ خندق مبارزھا ومقاتلھا واقع شد از حدِّ قیاس وعقل بیروں چنانکہ در اخبار واقع شدہ است لمبارزۃ علی بن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال اُمتی اِلٰی یوم القیامۃ۔وآنحضرتؐ دعا ھا کرد در حقِ علیؑ مرتضٰی وشمشیر خود را کہ ذوالفقار نام داشت بوَے عطا نمود۔“(مدارج النبوۃ جلد 2 صفحہ 213)

حضرت علی علیہ السلام سے جنگ خندق میں جو بہادری اور شجاعت اور جو جو کارنامے ظہور پذیر ہوئے وہ حدود عقل اور قیاس عقلیہ کی حدود میں نہیں سما سکتے۔چنانچہ احادیث میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وارد ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ کا جہاد میری اُمت کے اُن تمام اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک بجا لاتی رہے گی۔نیز جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کیلئے اللہ سے دعائیں فرمائیں اور اپنی ذوالفقار نام کی تلوار آپ کو مرحمت فرمائی تھی۔“(مدارج النبوۃ جلد 2 صفحہ 213)

(xv)۔ علیؑ کی شرافت اور بزرگی بہتے ہوئے آنسو روک دیتی ہے

حضرت علیؑ کے سینکڑوں کارنامے ایسے ہیں جن کی نظیر ساری دنیا میں نہیں ملتی۔تمام مسلمان جانتے ہیں کہ ملکِ عرب

لٹیروں، ڈاکوؤں اورخونخوار وحشیوں سے آباد تھا۔ یہاں قتل وغارت اورلوٹ مار بچوں کی گھٹی میں پڑتی تھی۔ یہ عادات اسلام اختیار کرنے کے بعد بھی عربوں میں کئی سو سال تک برقرار رہیں۔لیکن خانوادہ رسوؐل کا پہلا بزرگ حضرت اسماعیل علیہ السلام جس دن سے سرزمین عرب پرآباد ہوا اُسی روز سے عربوں کی اصلاح کیلیئے اپنا مشن شروع کر دیا۔اس خانوادے کے افراد ہر ہر زمانے میں بےنظیر و بےمثال رہتے چلے آئے۔حضرت علیؑ اُن ہی بزرگوں کی اولاد اور ورثہ تھے۔اُن پر اُنکے سابقہ وآئندہ بزرگ فخر کرنے میں حق بجانب ہیں۔یہ وہ پہلے انسان ہیں کہ جائز چیزوں میں سے بھی وہ چیزیں اختیار کرتے تھے جو زیادہ سے زیادہ پسندیدۂ خدا ہوں۔جائز انتقام کی جگہ احسان پیشہ، جائز حق کو لینے کے بجائے فلاح انسانیت پر اپنا حق قربان کرنے پر آمادہ، اُنکے نزدیک مالِ غنیمت کا لوٹنا عین قرآنی معیار پر ناپسندیدہ تھا۔اِس مستقل عادت کے ہزاروں اخلاق ساز نتائج میں سے ایک بےمثال نتیجہ ملاحظہ ہو۔علامہ دیار بکری نے تاریخ الخمیس میں اور دیگر مورخین نے بلا اختلاف اپنی اپنی تواریخ میں لکھا ہے کہ:۔

''جب حضرت علیؑ نے عمروابن عبدود کوقتل کر دیا تو عرب کے دستور کے خلاف عمرو بن عبدود کے سامان کو ہاتھ تک نہ لگایا۔جب عمرو کی بہن بھائی کی لاش پر آئی اور دیکھا کہ قاتل نے عمرو کا کوئی سامان نہیں لیا بلکہ اُسی طرح اس کے بدن پر چھوڑ دیا ہے تو کہنے لگی۔مَا قَتَلَهُ اِلَّا كُفُؤٌ كريم یعنی میرے بھائی کوقتل کرنے والا یقیناً کوئی اُس کا ہمسر اور کریم ورحیم شخص ہے۔پھر اُس نے قاتل کا نام معلوم کیا۔لوگوں نے بتایا کہ عمرو کو جناب علیؑ بن ابی طالبؑ نے قتل کیا ہے۔یہ سن کر عمرو کی بہن نے یہ اشعار کہے۔

لَوْ كَانَ قاتل عمرو غير قاتله   لَكُنْتُ اَبْكِى عَلَيْهِ آخر الابد

لكن قاتله من لا يعاب به   من كان يدعى قديمًا بيضة البلد

اگر عمرو کا قاتل علیؑ کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں اپنے بھائی کے غم میں ابدالاباد تک روتی رہتی۔مگر میرے بھائی کا قاتل تو وہ بزرگ ہے جس میں کسی قسم کا عیب نہیں نکل سکتا۔اور جسے قدیم الایام سے تمام آبادیوں کی اصل پکارتے اور کہتے چلے آئے ہیں۔

(تاریخ الخمیس جلد اوّل صفحہ 548)

(xvi)۔ علیؑ اور عمرو بن عبدود شعرا کی نظر میں؛ قحطانی مغالطہ انصار کا نسب

چونکہ خندق پار بڑھ کر آنے والے تیغ آزما، ضربت حیدری سے واصل جہنم ہو گئے تھے۔اور یہ تماشہ جتھا بند فوج نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔اِس لئے ہر بہادر کا دل سینہ میں بیٹھ گیا، ہر تلوار اپنے آپ سے محروم ہوگئی، ہر تیر اُلٹا ہو گیا، جنگ بدر پھر یاد آ گئی۔ مخالف فوج کا ہر فرد اور مختلف حملہ آور قبائل کا ہر قبیلہ کسی طرح ذوالفقار سے بچ نکلنے کی فکر میں مبتلا ہو گیا۔اب جنگ کرنا موت کے منہ میں کودنے کے مترادف تھا۔اُدھر اللہ نے ایک تاریخ ساز اندھیری چلا دی۔آنکھوں کے سامنے پہلے ہی غم کا اندھیرا اور مایوسی کے بادل تھے۔اُس آندھی نے رہے سہے حواس گم کر دیئے۔پھر جو دشمن کی فوج میں سراسیمگی اور بھگدڑ پھیلی ہے وہ دیدنی تھی۔یہ شکست قریش کے تمام عزائم اور جنگی امیدوں کی شکست بن کر رہ گئی۔اور پھر قریش کو فوج کشی کی ہمت نہ ہوسکی۔گوشعرا اور مستورات اُنہیں غیرت دلا کر ابھارنے میں کوشاں رہے۔مگر مدبرین اور دانشوران قریش اپنا نوشتہ تقدیر پڑھ چکے تھے۔عمرو کی موت پر مسلمانوں نے اطمینان کا سانس

لیا، اُن کی مسرت کی کوئی حد نہ تھی۔ اُدھر قریش کی ہر آنکھ سے اس موت پر ہمیشہ آنسو بہتے رہے۔ ان کے شعرا نے عمرو کے کئی ایک مرثیے لکھے۔ جہاں اُن مرثیوں میں عمرو کی غیر معمولی شجاعت وسخاوت کا ذکر کیا گیا تھا، وہیں حضرت علی علیہ السلام کی محیر العقول جوانمردی و دلیری کا بھی اعتراف کیا گیا تھا۔ مرثیہ لکھنے کی یہ چھیڑ چھاڑ جناب حسان بن ثابت کی وجہ سے شروع ہوئی۔ حضرت حسان نے اپنے ایک قصیدے میں عمرو بن عبدود کے قتل کو انصار سے منسوب کیا۔ اس لئے کہ انصار حقیقتاً خانوادہ رسولؐ کے افراد تھے دونوں نبطی الاصل تھے۔ رسولؐ اللہ کی والدہؑ اور اُن کی دادیؑ یعنی باپؑ عبداللہ کی والدہؑ بھی خزرجی تھیں۔ مگر قحطانی گروہ نے جہاں اور شجروں کو مخلوط رکھا تھا وہاں آنحضرتؐ کے نسب کو بھی مشکوک کر کے قریش بنا دیا تھا۔ اور یہ بات تو قطعاً پوشیدہ کر دی گئی تھی کہ انصار اور رسولؐ اللہ کا نسب ایک ہے، یہ ایک خاندان کے افراد ہیں۔ اور کافرانہ چیرہ دستیوں کو بے اثر کرنے کے لئے خاندان رسولؐ اور خود رسولؐ نے ایسا رویہ اختیار کیا تھا کہ خزرج یا انصار ایک غیر قبیلہ معلوم ہوتے رہے۔ تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ انصار کی نصرت نسبی عصبیت کی بنا پر تھی۔ یہ ایک ہی خاندان تھا۔ اگر نصرت وجانثاری دکھائی تو کیا ہوا اپنے گھر کی نبوت وحکومت تھی۔ اُسے پروان چڑھانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ اِس الزام سے بچنے کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی گئیں۔ حضرت علیؑ کی ثابت شدہ اور مضبوط حکومت سے برابر دست برداری، انصار کی مطلق خاموشی، واقعہ کربلا، یہ سب اس لئے تھا کہ کسی طرح خاندانی نبوت وحکومت کا حربہ ناکام کر دیا جائے۔ ورنہ قریش اور اُن کی جمعیت اور طاقت تو تباہ کر دئے گئے تھے۔ وہ مُٹھی بھر لوگ چُوں بھی نہ کر سکتے تھے۔ اُنہیں مکھی، مچھر اور چیونٹی کی طرح مسل کر پھینکا جا سکتا تھا۔ اُن کا بیج ناس، ستیاناس اور قطع نسل کوئی مشکل نہ تھا۔ مگر ہائے افسوس کہ حکومت اور وہ بھی خاندانی حکومت ہی تو قائم کرنا مقصود نہ تھا۔ یہ تو نبوت وامامت کی مجبوریاں تھیں۔ جن کی بنا پر ہر آدمی کو آزاد رکھنا ضروری تھا۔ جبر وظلم واستبداد سے پاک رہنا تھا۔ دشمن کی عیاری، چالاکی، فریب اور غداری سے واقف ہوتے ہوئے جواباً بھی جبر اور فریب نہ کیا جا سکتا تھا۔ فتح مکہ کے دن تمام قریش قانونِ عام اور قرآن کی رو سے واجب القتل تھے۔ اُن کے لئے تو قرآن کا فتویٰ یہ تھا کہ یہ لوگ جہاں ملیں، جس حال میں ملیں اُنہیں قتل کر ڈالو۔ لیکن انہیں قتل کیوں نہ کیا گیا؟ اور اُلٹا کیوں سینے سے لگا لیا گیا؟ کیوں اپنے جائز حقوق چھوڑ دئے گئے؟ صرف اس لئے کہ یہ حکومت کا ڈھونگ نہ تھا، یہ اقتدار کی اسکیم نہ تھی۔ یہ تو ساری نوع انسانی کے فلاح و بہبود کا نبوی وازلی منصوبہ تھا۔ اس لئے اس کے علمبرداروں نے ظلم سہے اور دعائیں دیں۔ جو خبیث گروہ دریا پر اس لئے قبضہ کرے کہ اپنے مخالف کو پیاسا مار دیا جائے، اُس کی سزا یہ تھی کہ اُسے ایک ایک بوند پانی کے لئے تڑپا تڑپا کر مارا جائے۔ اس کے خلاف اُن سے دریا چھین کر اُن پر پانی بند نہ کرنا، اُس قوم وگروہ پر رحم کرنا ہی تو تھا۔ مگر اُس قوم نے کیا کیا؟ دودھ پیتے شیرخوار بچوں تک کو پانی نہ دیا۔ جس نے اپنے رحیمانہ وکریمانہ عمل سے ایک بہن کے غم کو بہادرانہ وشریفانہ صبر میں بدلا تھا، اُس کی اولاد کے ساتھ کیا کیا گیا؟ اس خاندان کی ایک بہن جب اپنے بھائی کی لاش کے پاس آئی تھی تو اُس پر کیا گزری تھی؟ کیا اُسے اپنے باپ کا عمل درآمد اور عمرو بن عبدود کی بہن یاد نہ آئے ہوں گے۔ ارے یہ وہ ملعون ومردود وخبیث لوگ تھے جو اسلام لا کر کافروں ہی سے نہیں بلکہ طاغوت وشیطان سے بھی بدتر وخبیث تر ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے جو خود ساختہ اسلام اختیار کیا وہ محض اس لئے تھا کہ علیؑ و اولادِ علیؑ کا صفحہ ہستی سے نام مٹا دیں۔ یہ قحطانی وشیطانی سنت تھی کہ احسان کا بدلہ ظلم وستم سے دیا جائے۔ بہرحال اُنہوں نے غلط شجرہ نسب مشہور کیا۔ اور اپنی

حاکمانہ قوت سے اس قدر ڈھنڈورا پیٹا، ایسا لگاتار پروپیگنڈا جاری رکھا کہ بڑے بڑے محققین تک مغالطوں اور فریب میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ اُس فریب کا حال دیکھنے کے لئے حسان بن ثابت کا فخریہ کلام اور اُس کا مخالف سمت کے شاعر سے جواب سنئے:۔

(xvii)۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فخریہ قصیدہ۔ عمرو کے قاتل انصار

حضرت حسان بن ثابت خود بھی انصاری اور نبطی ہیں۔ اور حقیقتاً ہر وہ شخص انصار میں داخل ہے اور قیامت تک انصار میں داخل ہوتا چلا جائیگا جو نبوت و رسالت اور امامت کی نصرت کرے۔ لہٰذا حقیقتاً عمرو کا قتل سب سے بڑی نصرتِ اسلام تھی۔ اُسکا قاتل اسلام کا سب سے بڑا ناصرؑ تھا، نبطیؑ تھا۔ لہٰذا اسؑ پر ہر ناصرِ اسلام اور انصار کو فخر کا حق ہے اور حسان بن ثابت اور مدینہ کے انصار کو یہ حق پہلے نمبر پر پہنچتا ہے۔ چنانچہ یہ فخر سو فیصد بلا تبدیلی الفاظ، حق اور حق بجانب ہے۔ حضرت حسان نے فرمایا کہ:۔

امسی الفتٰی عمر و بن عبد یبتغی	اے قریش تم نے یہ نہیں دیکھا کہ تمہارا عمرو بن عبدود ایسا بہادر جوان
بجنوب یثرب غارة لم تنظر	یثرب کے جنوب میں اُس نشیب میں پڑا رہ گیا جہاں وہ چاہتا تھا۔
ولـقـد وجـدت سیوفنـا مشهـورةً	پھر تم نے ہمیشہ ہماری تلواروں کو کھنچا ہوا اور جنگ کے لئے تیار پایا ہوگا۔
ولقد وجدتَ جیادنا لم تقصر	اور ہمارے گھوڑوں کو بھی دیکھا ہوگا جو میدان جنگ وسفر میں کوتاہی نہیں کرتے۔
ولقد رَأیت غداة بدر عصبة	ابھی کل تم نے جنگ بدر میں اُن لوگوں کو بھی دیکھا ہوگا
ضربوک ضربًا غیر ضرب الخسر	جو تمہیں ایسی مار دے رہے تھے جو تمہاری طرح تھکے ہارے لوگوں کی مار نہ تھی۔
اصبحت لا تدعی لیوم عظیمة	اے عمرو تمہیں وہاں پہنچا دیا گیا جہاں سے تمہیں خطرات اور عظیم مصیبت کے وقت بھی
یا عمرو او الجسیم امر مُنکر	یہ قریش اب بُلا نہیں سکتے۔

(xviii)۔ قریش کے شاعر کا جواب انصار کی مذمت اور علیؑ کی مدح

مذکورہ بالا قحطانی مغالطہ کی بنا پر قریشی شاعر یہ تو مانتا ہے کہ قریش کی شکست علیؑ کے ہاتھ سے ہوتی رہی۔ مگر انصار کو وہ خانوادہ رسولؐ سے الگ سمجھ کر اُن کو مذکورہ بالا فخر کا حقدار نہیں سمجھتا، وہ کہتا ہے کہ:۔

كذّ بتم و بیت اللّٰه لا تقتلوننا	خانہ کعبہ کی قسم تم نے جھوٹ بولا ہے تم ہمیں کب قتل کر سکتے تھے
ولکن بسیف الهاشمین فافخروا	البتہ ہاشمیوں کی تلوار پر جس قدر دل چاہے تم فخر کیا کرو۔
بسَیفِ ابن عبداللّٰه احمدٌ فی الوغا	یہ تو یوں ہوا کہ احمدؐ بن عبداللہ کی تلوار اور
بِکفِّ علیٍّ نلتُم ذاک فاقصروا	علیؑ کے ہاتھوں تمہیں یہ عزت نصیب ہوگئی لہٰذا تم ڈینگیں مارنے میں کمی کردو۔
ولَمْ تقتلوا عمر و بن عبد ببَا سکم	تم نے اپنی قوت سے عمرو بن عبدود کو قتل نہیں کیا۔
وَ لکِنّه الکفؤا لهزبر الغضنفر	البتہ ایک ہمسر شریف صف شکن شیر نے عمرو کو قتل کیا تھا۔

عليٌّ الذی فی الفخر طال بناءُ ہُ
فلا تکثروا الدعوٰی علینا فتحقروا
ببدر خرجتم للبراز فردکم
شیوخ قریش جھرۃ و تاخروا

وہ علیؑ تھا جس کے فخر وفضیلت کی عمارت بہت بلند ہے۔
لہٰذا ہمارے سامنے اپنے دعویٰ کو واپس لو اور خود کو حقیر و ذلیل سمجھو۔
رہ گیا بدر کے روز تمہارا مقابلہ کیلئے نکلنا وغیرہ۔اس میں تو جب تمہارے افراد سامنے آئے
تو بزرگان قریش نے اُنہیں حقارت سے جھڑک کر واپس کر دیا تھا۔اور اُن سے
مقابلہ کرنے میں اپنی بے عزتی خیال کی تھی۔

فَلَمَّا اتاھم حمزۃ و عبیدۃ
وَجَاءَ علیٌّ بالمھند یخطر
فقالوا نعم اکفاء صدق فاقبلوا
الیھم سراعا اذبغوا و تجبروا
فجال علیٌّ جولۃ ھَاشمیۃ
فدمرھم لماعتوا و تکبروا
فلیس لکم فخر علینا بغیرنا
وَلیس لکم فخر بعد فیذکروا

ہاں جب حمزہ اور عبیدہ اور جناب علیؑ ہندی تلواریں لے کر پہنچے تو بزرگان قریش نے کہا کہ
اب بات ٹھیک ہوئی کہ ہمارے ہم سر مقابل آئے۔
اس کے بعد قریشی بہادر بڑی تیزی سے حملہ آور ہو گئے۔
اس لئے کہ وہ تو پہلے سے سرکش باغی اور جابر تھے ہی۔
پھر یہ ہوا کہ علیؑ نے تلوار کا ہاشمی کرتب دکھا کر انہیں تباہ و برباد کر دیا
اس لئے کہ اُن لوگوں نے خودسری اور تکبر کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔
لہٰذا تمہیں اُس وقت تک فخر وعزت حاصل نہیں ہوسکتی۔جب تک کہ تم اُس فخر وعزت میں
ہمارے علیؑ کو شامل نہ کرو۔یعنی علیؑ ہمارے قبیلہ قریش سے ہے۔اس بنیاد پر
تمہارے فخر کا باعث ہم ہی ہیں۔اور یاد رکھو کہ ہمارے بغیر اب آئندہ بھی تمہیں کوئی فخر وعزت حاصل نہ ہوگی۔

یہ تھا صدیوں سے پھیلایا ہوا وہ مغالطہ جس میں محدثین ومورخین اور شعرائے عرب وعجم کی کثرت مبتلا چلی آئی ہے۔اور جس کے خلاف آثار واحادیث موجود ہوتے ہوئے غلط تاویل وتعبیر اور پروپیگنڈے سے آج تک سیدوں کو قیداری اور قریشی بنایا جا تا رہا ہے۔ جس کو ہم نے خانوادہ رسولؐ کا شجرہ بیان کرتے ہوئے نصوص وآثار قطعیہ سے باطل قرار دیا ہے۔

(27/3)۔ جنگِ خندق اور قریشی قسم کے مسلمانوں پر قرآنی ریکارڈ

چونکہ جنگ خندق کے حملہ آور مختلف قبائل واقوام سے تعلق رکھتے تھے۔اِس لئے اس جنگ کو جنگِ احزاب کا نام قرآن نے عطا کیا ہے اور اسکے ریکارڈ کیلئے سورہ احزاب خاص طور پر اُتاری ہے۔علامہ مودودی سے بھی تصدیق کرالیں وہ زمانہ نزول یوں لکھتے ہیں:۔
''زمانۂ نزول:۔ اس سورۃ کے مضامین تین اہم واقعات سے بحث کرتے ہیں۔ایک،غزوۂ احزاب جو شوال 5 ہجری میں پیش آیا۔ دوسرے غزوۂ بنی قریظہ جو ذی القعدہ 5 ہجری میں پیش آیا۔تیسرے حضرت زینبؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جو اسی سال ذی القعدہ میں ہوا۔'' (تفہیم القرآن۔جلد 4،صفحہ 54)

(ii) علامہ نے جنگِ خندق کا تقریباً پورا واقعہ سورہ احزاب کے تاریخی پس منظر کے نام سے لکھا۔مگر اپنے بزرگوں کا پردہ رکھنے کے

لئے خندق کے اِس پار آنے والوں حتّٰی کہ عمرو بن عبدود کی جنگ کا حال بالکل غائب کر گئے اور لکھ دیا کہ طویل محاصرہ اور سردی اور آندھی سے تنگ آ کر قریش واپس چلے گئے اور بس۔ یہ بڑا احسان کیا کہ اپنے بزرگوں کی سازش کو منافق محاذ کے ذمہ لگا کر ظاہر فرما دیا۔ وہ اُن کے قلم سے پڑھ لیں۔ علامہ یہ بتاتے ہیں کہ جب مدینہ کا قبیلہ بنو قریظہ قریش کے ساتھ مل گیا اور رسولؐ سے کیا ہوا عہد توڑ دیا تب:۔

(iii) ''یہ خبر بہت جلدی مدینہ کے مسلمانوں میں پھیل گئی اور اُن کے اندر اس (خبر) سے سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ کیونکہ اب وہ دونوں طرف سے گھیرے میں آ گئے تھے۔ اور اُن کے شہر کا وہ حصہ خطرے میں پڑ گیا تھا جدھر دفاع کا بھی کوئی انتظام نہ تھا۔ اور سب کے بال بچے بھی اُسی جانب تھے۔ اس پر منافقین کی سرگرمیاں اور تیز ہو گئیں۔ اور اُنہوں نے اہل ایمان (جو اوپر مذکور ہو چکے) کے حوصلے پست کرنے کے لئے طرح طرح کے نفسیاتی حملے شروع کر دیئے۔ کسی نے کہا کہ ''ہم سے وعدے تو قیصر و کسریٰ کے ملک فتح ہو جانے کے کئے جا رہے تھے، اور حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لئے بھی نہیں نکل سکتے۔ کسی نے یہ کہہ کر خندق کے محاذ سے رخصت مانگی کہ اب تو ہمارے گھر ہی خطرہ میں ہیں ہمیں جا کر اُن کی حفاظت کرنی ہے۔ کسی نے یہاں تک خفیہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ (قریش) حملہ آوروں سے اپنا معاملہ درست کر لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے حوالے کر دو۔ یہ ایسی شدید آزمائش کا وقت تھا کہ جس میں ہر اُس شخص کا پردہ فاش ہو گیا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نفاق موجود تھا۔ صرف صادق و مخلص اہل ایمان ہی تھے جو اس کڑے وقت میں بھی فداکاری کے عزم پر ثابت قدم رہے۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد 4 صفحہ 60)

(iv)۔ **منافقین کے پردہ میں مجتہد مسلمان جنہوں نے اسلام کے احکام کو تبدیل کر کے سر کے بل کھڑا کر دیا**

اس بیان سے معلوم ہوا کہ جنگ خندق کے بعد ہر منافق کو سارے حقیقی مسلمان پہچان چکے تھے۔ اور کوئی مشرک اب ڈھکا چھپا نہ رہا تھا۔ مگر علامہ نے بہر حال منافقین کی فہرست پیش نہیں کی، نہ تاریخ نے یہ کام کیا، نہ قرآن کے حکم کے مطابق اس منافق گروہ سے جنگ کی گئی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ علامہ نے سفید جھوٹ بولا ہے اور اپنے بزرگوں کی پردہ داری کی ہے۔ اِس لئے کہ صادق اور مخلص مسلمان تو وہ ہو سکتے ہیں جو کسی خبر سے ہراساں اور مضطرب نہ ہوں، نہ گھر کی فکر کریں نہ انہیں اولا د و ازواج کا دکھ ستائے۔ لہٰذا اگر منافق تھے بھی تو وہ تمام مسلمان منافق تھے جن کے گھبرانے کا اوّلین تین سطروں میں ذکر کیا ہے۔ یہ واقعی سچ ہے کہ وہ تمام لوگ مومنین و صادقین اور مخلصین تھے جو جنگ خندق میں اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اسلام کی فتح کا باعث ہوئے۔ اور وہ سب بقول علامہ منافق تھے جو جنت میں رسوؐل خدا کے رفیق بننے کی دعوت پر بھی معافی مانگیں۔ جن پر کفار نیزہ نہ مار کر احسان کریں۔ لیکن ہم انہیں منافق ماننا بڑی سازش کا شکار ہو جانے کے برابر سمجھتے ہیں۔ وہ تمام مجتہد مسلمان تھے۔ جنہوں نے رسوؐل کی حیات اور بعد ممات ہمیشہ اجتہاد کیا اور اسلام کے احکام کو تبدیل کر کے سر کے بل کھڑا کر دیا۔ یہی وہ لیڈر تھے جن کے اعمال کو منافقین کی حرکات کہہ کر چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی۔ اُدھر منافقوں کے نام چھپائے جاتے رہے اور آخر میں منافقوں کو اس لئے غائب کر دیا گیا کہ یہ لیڈر حضرات نفاق کا پردہ ہٹا کر اوّلین و سابقین صحابہ بنا کر سامنے لائے جا سکیں۔ اور پھر اُن کو مسلمانوں کی ہدایت و سربراہی کے منصب پر فٹ کیا جا سکے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اُن لوگوں کے اقوال و اعمال اور عقائد و احکام بجنسہٖ وہی تھے جو قرآن کریم، کفار و مشرکین اور منافقین کے بیان کرتا رہا ہے۔ اور وہی عملدرآمد اُن سب

مسلمانوں کا بتایا گیا جن کو منافق نہیں بلکہ مومن کہہ کر قرآن نے بار بار پکارا اور اُن کے مذموم اقوال واعمال وعقائد پر مسلسل طعنہ زنی، تنبیہات اور سزائیں سنائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام مخالفینِ اسلام مختلف محاذوں پر، طاغوتی راہنمائی کے ماتحت اپنا اپنا کام انجام دے رہے تھے؛

ایک گروہ تیغ بکف کھل کر ہر ممکن مخالفت کر رہا تھا اُن کو قرآن نے کھلا کافر اور دشمن قرار دیا۔ اُس کا مقصد آنحضرتؐ اور اسلام و مسلمانوں کو قطعاً ختم کر دینا تھا۔

دوسرا گروہ پہلے گروہ کے لئے جاسوسی کرنے اور مسلمانوں میں بد دلی پھیلانے اور پھوٹ ڈالنے کے لئے اسلام کا عارضی لباس پہنتا اور اُتارتا رہتا تھا۔ اس گروہ کو قرآن نے منافق کہہ کر پکارا ہے۔

تیسرا گروہ اس لئے تعینات کیا گیا تھا کہ اگر پہلے اور دوسرے گروہ کو کسی طرح شکست ہو جائے تو یہ تیسرا گروہ روزِ اوّل سے اعلانیہ مسلمان ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں اعتماد پھیلانے اور اسلامی احکام اور مسائل کو اجتہادی سانچوں میں ڈھالنے کے لئے کام کرتا رہے۔ تاکہ پہلے گروہ کی شکست کے بعد اسلام ایک قومی وملکی مذہب بن جائے اور پورا ملک اور مندرجہ دونوں گروہ اسلام کا اعلان کر کے اپنے تیسرے گروہ کے دست و بازو بن جائیں۔ اور پھر یہ کثرت اجتہادی اسلام کو ایک قومی وملکی حکومت بنانے میں استعمال کر سکے۔ اور اس طرح جو مقصد تلوار اور کھلی مخالفت سے حاصل نہ ہو سکے اُسے تیسرا مسلمان گروہ پُر امن رہ کر حاصل کر لے۔

یہ کہانی ہے جو قرآن کے بیانات میں طرح طرح سنائی جاتی رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ رفتہ رفتہ مخالفین کے سارے گروہ مسلمانوں میں غائب ہو کر رہ گئے۔ اور تین چار ناموں کے سوا کسی منافق کا پتہ نہ چلا کہ وہ کون تھا؟ اور کہاں چلا گیا؟

(v)۔ علیؑ و اولادِ علیؑ کے خلاف عربوں کا محاذ

انتقالِ رسولؐ تک اُس تیسرے گروہ کے ساتھ کئی لاکھ مسلمان شامل ہو چکے تھے۔ مگر مخالفین کی پوری اسکیم سے واقفیت محض قریشی مسلمانوں تک محدود تھی۔ البتہ قومی وملکی حکومت کا تصور سارے عرب میں پھیلا دیا گیا تھا۔ رسولؐ کا (معاذ اللہ) مجتہد ہونا اور اجتہاد میں غلطیاں کر جانا سارے ملک میں مشہور کر دیا گیا تھا۔ خاندانِ ہاشمؑ و ابیطالبؑ کی نسلی حکومت کے نقصانات اور خطرات کو عام کر دیا گیا تھا۔ علیؑ اور اولادِ علیؑ کی طرف پیغمبرؐ کا جھکاؤ مذموم کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ اُن تمام کے تمام خاندانوں کو علیؑ کے خلاف متحد و مضبوط کر دیا گیا تھا جنکے جنگجو، سورماؤں کو علیؑ نے قتل کیا تھا۔ اُنہیں اور دیگر مکی قبائل کو خاص طور پر علیؑ کی حکومت سے خوفزدہ کر دیا گیا تھا۔ انہیں علیؑ اور اُنکے حامیوں سے مطلع کر کے تنبیہہ کر دی گئی تھی کہ یہ گروہ ہمارے اور تمہارے حالات سے کماحقہٗ واقف ہے۔ اور اگر علیؑ کی حکومت قائم ہو گئی تو وہ تمہیں خبیث مسلمان (آل عمران 3/179) قرار دے کر پاکیزہ مسلمانوں کی تطہیر کیلئے قتل و غارت کرنے میں تم پر وہ تمام جرائم عائد کریں گے جو آج تک پوشیدہ چلے آ رہے ہیں۔ لیکن اگر ہماری قومی وملکی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو ہم ہرگز ایسی تطہیر نہیں کر سکتے جس میں خود ہمارا اپنا قتل واجب ہے۔ ہم ہر پردہ پڑا رہنے دیں گے، سارے مسلمانوں کو مخلوط رہنے دیں گے، منافق و غیر منافق کا سوال ختم کر دیں گے اور جو تطہیر پر زور دے گا اُسے تلوار کے گھاٹ اُتار دیں گے۔ تفرقہ اندازی اور مفسدہ پردازی کا مجرم قرار دیں گے۔ اور ہم سب مل کر

آپس کی مشاورت سے حکومت کریں گے۔ایک دوسرے کی کوتاہیاں چھپائیں گے۔لیکن علیؑ واولادعلیؑ اوراُنکے حامی مسلمان ہرگز رُو رعایت نہ کریں گےاورقرآن کے احکام کی بلفظہٖ تعمیل کریں گے۔ جہاں لکھا ہے کہ" اُن لوگوں کو جہاں پاؤ گرفتار کرواورقتل کردو"(بقرہ 2/191)اورتمہیں اپنی جان بچانے کیلئے قرآن سے کوئی سہارااورآیت نہ ملے گی۔یہ تھی وہ اسکیم جوعرب میں آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی۔یہ تھی وہ دہشت اورنفرت جس نےعلیؑ واولادعلیؑ کے خلاف عربوں کی کثرت کومتحدومتفق ومنظّم کردیا۔اورجسکی وجہ سے علی واولادعلی علیہم السلام کی نسل کومنقطع کرنے پرروزافزوں تعاون ملتا چلا گیا۔اورآخراس سارے منصوبے کا بھانڈا خلیفۃ المسلمین یزید نے بھرے دربارمیں پھوڑ دیا۔اوراُس منصوبے پرجان دینے والےاپنے بزرگان قریش کو یادکیا۔مبارکباد کی درخواست کی اورکہہ دیا کہ رسولؐ کے بعدہم نےعلیؑ واولادعلیؑ کی حکومت کاڈھونگ ناکام کرکے رکھ دیااوریہ کہ اِس کوشش میں خدا کافضل اُن قریشی بزرگواروں کے ساتھ رہا۔

(27/4)۔ صرف حملہ آوروں کودیکھ کرآنکھیں پتھرانےاوربدعقیدگی پھیلانے والے مومنین

قارئین پردہ پوشی کرنے والے علما سے دریافت کریں کہ جن لوگوں کوقرآن مومنین کہہ کرپکارے۔اورجن کواپنے انعامات یاد دلاکراپیل کرےتم اُن کوکس دلیل سے منافق بناسکتے ہو؟ سنوکہ وہ تمہارے ہی ایسے بدعقیدہ لوگ تھے جومسلمانوں کوبددل کرنے اوراُن میں بدعقیدگی پھیلانے کے لئے وہ ڈھونگ رچاکرتے تھے جوقرآن سنارہاہے کہ:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَآءَتۡکُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡھِمۡ رِیۡحًا وَّ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡھَا وَ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا ﴿o﴾ اِذۡ جَآءُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ وَمِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ وَاِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَبَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوۡنَا ﴿o﴾ ھُنَالِکَ ابۡتُلِیَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَزُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا ﴿o﴾ وَاِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِھِمۡ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿o﴾ وَاِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡھُمۡ یٰۤاَھۡلَ یَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمۡ فَارۡجِعُوۡا وَیَسۡتَاۡذِنُ فَرِیۡقٌ مِّنۡھُمُ النَّبِیَّ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ بُیُوۡتَنَا عَوۡرَۃٌ وَمَا ھِیَ بِعَوۡرَۃٍ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿o﴾ وَلَوۡ دُخِلَتۡ عَلَیۡھِمۡ مِّنۡ اَقۡطَارِھَا ثُمَّ سُئِلُوا الۡفِتۡنَۃَ لَاٰتَوۡھَا وَمَا تَلَبَّثُوۡا بِھَاۤ اِلَّا یَسِیۡرًا ﴿o﴾ وَلَقَدۡ کَانُوۡا عَاھَدُوا اللّٰہَ مِنۡ قَبۡلُ لَا یُوَلُّوۡنَ الۡاَدۡبَارَ وَکَانَ عَھۡدُ اللّٰہِ مَسۡئُوۡلًا ﴿o﴾

(احزاب 33/9-15)

اے مومنین اُس وقت اوراُس صورت حال کو یادکروجس وقت کہ تم پرچاروں طرف سےفوجوں کی آمد کا حال کھلاتوتمہاری آنکھیں پھٹی رہ گئیں اورتمہارے کلیجے دھڑک دھڑک کرمنہ کوآنے لگے۔اورتم نے اللہ کے انتظام کے خلاف اپنی بدعقیدگی اورقیاس آرائیاں شروع کر دیں۔تومومنین کیلئے یہ وقت بڑی ہی سخت جھنجوڑڈالنے والی آزمائش کا تھا۔جب کہ منافق گروہ کے ساتھ وہ مومنین بھی یک زبان ہوگئے جنکے دلوں میں اجتہاد کی بیماری ہے۔اوراعلان کردیا کہ رسولؐ نے اللہ کی طرف سے جووعدہ کیا تھاوہ ایک فریب سازی نکلا۔اورمنافقوں اورمومنین کے ایک مخلوط گروہ نے پکارکرکہہ دیا کہ اے مدینہ سے آنے والےلوگواب تمہاراکوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔لہٰذاواپس مدینہ چل دو۔ چنانچہ مومنین کے ایک فریق نے اُس اعلان کی تعمیل اورمدینہ کوواپسی کیلئے نبیؐ سے یہ کہہ کراجازت طلب کی کہ اُنکے گھرخطرہ میں ہیں اُنہیں واپس جاکراپنے اہل وعیال کی حفاظت کرنا ہے۔حالانکہ اُنکے گھراوراہل وعیال کسی خطرہ میں نہ تھے۔حقیقتاً جنگ سے بچ کر بھاگ

جانے کے سوا اُنکا اور کوئی مقصد نہ تھا۔ البتہ اگر وہ یہ موقع پاتے کہ دشمن مدینہ کے اطراف سے داخل ہو جاتا اور اُن مومنین کو اپنے ساتھ شامل ہو کر لڑنے کی دعوت دیتا تو یہ فوراً آمادہ ہو کر فتنہ وفساد پھیلانے میں کوئی توقف نہ کرتے۔ یہ اُن ہی مومنین کا حال تھا جنہوں نے جنگ اُحد میں فرار کیا تھا اور پھر یہ عہد کیا تھا کہ ہم آئندہ اپنی پچھلی قدیم ولایت کے قیام کی خاطر ہرگز نہ بھاگیں گے۔ اس بدعہدی پر بہر حال اُن سے مواخذہ ضرور ہوگا۔ گو اُنہیں اس کا موقعہ نہ ملا، اسلئے کہ اللہ نے اُن پر ایسی فوجیں بھیج دیں جو مومنین کو نظر نہ آئیں اور ایک آندھی مسلّط کر کے اُن کو مذکورہ دشمن کی فوج سے بچنے کی نعمت عطا کر دی اور اللہ اُن کے کرتوت اور کردار کو برابر دیکھتا جا رہا ہے۔

قارئین نے دیکھا کہ منافق لوگوں کے ساتھ مل کر کام کرنے والا گروہ قرآن کے واضح الفاظ میں وہی مومن گروہ ہے جس کے دل میں قومی وملکی حکومت کا منصوبہ برسر کار ہے۔ یہی وہ دانشوران اسلام ہیں جنہیں چھپانے کے لئے آج تک زور لگایا جا رہا ہے اور قرآن اُن ہی کو مشخص کرانے کی مہم چلاتا آیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جنگ احد میں فرار ہوئے تھے۔ اور پہاڑ پر چڑھ کر آئندہ کیلئے منصوبہ تیار کر رہے تھے۔ یہی لوگ تھے جو رسولؐ اللہ کے پکارنے کے باوجود نکل بھاگے تھے۔ اور آنحضرتؐ کو قتل ہو جانے کیلئے تنہا چھوڑ دیا تھا۔ تاریخ نے اُن میں سے چند بزرگوں کے نام بتا دیئے ہیں۔ آپ وہ نام پڑھیں اور پھر اُن لوگوں کے دوستوں، عزیزوں اور ہم خیال لوگوں کو اُس فہرست میں شامل کر لیں۔ یوں مسلمانوں کا وہ گروہ نام بنام تاریخ سے مشخص ہوتا چلا جائے گا۔ پھر اُن کے عقائد وتصوراتِ مذہبی جہاں جہاں، جس جس طبقہ اور گروہ میں ملیں، اُن سب کو مسلمانوں کی اُس قسم میں داخل کر لیں تو تعداد لاکھوں اور پھر کروڑوں تک جا پہنچے گی۔ یعنی سرکاری تاریخ اور یہ سرکاری مذہب کی فریب سازی اہل عقل کے سامنے حائل نہیں رہ سکتی۔ البتہ سیدھے سادے عوام دھوکہ کھاتے رہے ہیں لیکن وہ مجرم نہیں ہیں۔ مجرم وہ لوگ ہیں جو تحقیق کرنے سے جی چرائیں یا جان بوجھ کر اُس مذہب کو حق قرار دیں۔ اور باطل کو حق ثابت کرنے کیلئے قرآن کریم کے الفاظ کے حقیقی معنی کو بدل ڈالیں، خواہ مخواہ مومنین کو منافق قرار دیں۔

(27/5)۔ علامہ مودودی کا اضطراب اور کوشش

علامہ مودودی یہ مان کر چلے ہیں کہ مذکورہ بالا آیات (احزاب 33/9-15) میں مومنین مخاطب ہیں اور برابر اُن لوگوں کو مومنین مانا جنکی آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ لیکن (احزاب 33/11) جب دوبارہ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ آیا تو حاشیہ میں یہ فرمایا کہ ''ایمان لانے والوں سے مراد یہاں وہ سب لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسولؐ مان کر اپنے آپ کو حضورؐ کے پیروؤں میں شامل کیا تھا جن میں سچے اہل ایمان بھی شامل تھے اور منافقین بھی۔ اس پیراگراف میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے گروہ کا مجموعی ذکر کیا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 77-76 حاشیہ 21)

علامہ کی چالاکی یہ ہے کہ ''المومنون'' کے معنی اس آیت (احزاب 33/11) میں ''ایمان لانے والے'' کر کے گویا آیت میں ''الذین'' کا اضافہ کر دیا ہے۔ اسلئے کہ ایمان لانے والے یا ایمان لانے والوں کی عربی ''الذین امنوا'' ہے نہ کہ ''المومنون'' جس کا ترجمہ ''مومن'' یا مومنین یا خاص مومنین کرنا لازم ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک کھلی بے دینی اور قرآن میں خیانت ہے کہ اللہ جنہیں المومنون فرمائے اُس عقیدہ کا علامہ مومنین میں منافقین بھی شامل کر دے۔

(ii) **علامہ کی بددیانتی اور خیانت دس قدم بھی نہ چلی**

قرآن کریم کا معجزہ یہ ہے کہ علامہ صرف دس آیتوں کے ہی بعد خائن اور بددیانت ثابت ہوگئے۔ اس لئے کہ بائیسویں آیت (احزاب 33/22) میں پھر ''المومنون'' فرمادیا گیا اور اب علامہ مجبور ہوئے کہ المومنون کا صحیح ترجمہ کریں اور پھر یہاں بھی ایک لفظ کا اضافہ تو قرآن کے الفاظ میں کریں اور ایک عدد بریکٹ کا اضافہ اپنے ترجمہ میں کردیں۔ چنانچہ قرآن کے الفاظ اور ترجمہ دیکھیں:۔ ''وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ۔ اور سچے مومنوں (کا حال اُس وقت یہ تھا کہ) جب اُنہوں نے حملہ آور لشکروں کو دیکھا'' یہاں علامہ نے لفظ سچے کو بلا بریکٹ کے لکھا ہے حالانکہ اس مطلب کے لئے آیت کو یوں ہونا چاہئے تھا:۔

'' وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الصَّادقونَ الْاَحْزَاب ''

علامہ اور اُنکے تمام طرفداروں کو چیلنج کردیں کہ یہاں ہماری غلطی دکھائیں ورنہ علامہ کی خیانت تسلیم کرلیں۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ اگر قرینہ موجود ہو تو مفاہیم کی وضاحت میں ایسا ترجمہ قبول کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ہم علامہ کو اس شرط پر یہاں معاف کرسکتے ہیں کہ وہ احزاب 33/11 میں اپنے منافق اور نفاق کے تاثر کو نکال کر وہاں بھی ''مومنون'' ترجمہ کریں۔ اس لئے کہ لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ یہ ناقابل قبول ہے کہ المومنون کا ترجمہ کہیں کچھ اور، کہیں کچھ اور کیا جائے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ دونوں جگہ مخصوص مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ البتہ دونوں کے ایمان میں خاص فرق ہے جو ہم واضح کرتے آرہے ہیں۔ ایک وہ مومن گروہ ہے جس کا ذکر الاحزاب 33/9 سے لے کر الاحزاب 33/21 تک ہوا ہے جو حملہ آوروں کو دیکھ کر خوف و ہراس پھیلانے کے لئے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر آنکھیں ادل بدل اور اوپر چڑھا کر دل کے دورے پڑنے کا بہانہ کرتے ہیں۔ دوسرے گروہ والے مسلمان وہ ہیں جو حملہ آوروں کو دیکھ کر اظہارِ مسرت واطمینان اور تصدیق رسالتؐ وایمان کرتے ہیں۔ ذرہ برابر نہ گھبراتے ہیں نہ خطرہ محسوس کرتے ہیں نہ گھروں اور بچوں کو خطرہ میں سمجھتے ہیں نہ بھاگنے کا پلان (Plan) بناتے ہیں۔ علامہ ہی اگر اس گروہ کو سچے مومن قرار دیں تو ہمیں اعتراض نہیں۔ بشرطیکہ دوسرے گروہ کو جھوٹے مومن لکھیں۔ یا ایک کو حقیقی مومنین کا گروہ مانیں اور دوسرا مجتہد مومنین کا گروہ تسلیم کریں۔ اور جب تک اور جسے اللہ خود منافق نہ کہے، اُس وقت تک کسی مومن کو منافق اور نفاق کی چادر نہ اڑھائیں۔ صاف الفاظ میں مان لیں کہ مسلمان دو قسم کے تھے۔ ایک وہ جو ہر حال میں اللہ و رسولؐ پر اعتماد کرتے تھے۔ دوسرے وہ جو مشاورت کو اور اپنی بصیرت کو دخل دیتے تھے۔ اور رسولؐ کی ہر ہر بات نہ مانتے تھے۔ بلکہ وحی اور ذاتی رائے کی تفریق کرتے تھے۔ یا ایک دفعہ یہ لکھ دیں کہ رسولؐ سے کسی حال اور کسی موقع پر اور کسی مقدار میں غلطی وکوتاہی کا امکان نہ تھا۔ جو ایسا خیال کرے وہ منافق ہے۔ ہم مطمئن ہو جائیں گے۔ مگر افسوس کہ علامہ نے اُنہی عقائد کو اختیار کیا ہے جو اُن کے الفاظ میں منافقین کے عقائد تھے۔ اور ہمارے الفاظ میں مجتہد مسلمانوں کے عقائد تھے۔ اگر علامہ اُن کو منافق کہتے ہیں تو علامہ اُن کے عقائد کی پیروی کی بنا پر منافق ہیں۔ ورنہ وہ بھی مجتہد مومن تھے اور علامہ بھی اُن مجتہدین کی پیروی میں مجتہد مسلمان ومومن ہیں۔ مانو کس بات کو مانتے ہو؟

(iii) قارئین نے دیکھ لیا کہ مندرجہ بالا آیات (احزاب 15-33/9) میں اللہ نے مذکورہ مومنین کو ایمان کے اُس کنارہ پر دکھایا ہے جہاں وہ اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ اگر پچھلی طرف سے مخالف فوجیں آجائیں تو وہ مخالف فوج کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ اسی لئے تو

ہم نے عرض کیا ہے کہ مخالفین کا تیغ بکف محاذ ہو یا جاسوس منافق گروہ ہو یا وہ المومنون ہوں، یہ تینوں ایک ہی مقصد پر اپنی قوت وبصیرت کو مرکوز کئے ہوئے تھے۔ یہ سب ایک دوسرے کے دست و باز و تھے۔ البتہ محاذ کی ظاہری حیثیت سے اُنکے نام کافر، منافق اور مومن الگ الگ رکھے گئے ہیں۔ نتیجے میں تینوں جہنمی تھے۔ یعنی جہنمی کافر، جہنمی منافق اور جہنمی مومن یعنی ایمان ونماز سمیت جہنم۔

(27/6)۔ اسلامی تحریک میں کمزوری، بخیلی اور بزدلی کے ڈھونگ سے رکاوٹ ڈالنے والے

یہ بات نوٹ کریں کہ مسلمانوں کا وہ گروہ جو قریشی اسکیم کو اسلامی رنگ دینے پر تعینات تھا۔ سچ مچ نہ بزدل تھا، نہ بخیل تھا، نہ جنگ وجدل میں کمزور تھا۔ اس لئے کہ یہ سب حضرات خاندانِ قریش ہی کے سپوت اور جانباز لوگ تھے۔ یہ کہیں باہر سے امپورٹ نہیں کئے گئے تھے۔ یہ سب نڈر، جنگ آزما بہادر لوگ تھے۔ مگر چونکہ اُنہوں نے طاغوت کے خلاف زور آزمائی نہ کرنا طے کرلیا تھا، اِس لئے یہ حضرات کمزوری، بزدلی اور تنگدستی کا ڈھونگ رچائے رہتے تھے۔ کہیں رسولؐ اللہ کے ساتھ ساتھ اور آگے پیچھے رہ کر مسلمانوں کو یہ دکھاتے تھے کہ بھائیو ہم اہم معاملات میں رسولؐ کی راہنمائی سے فرصت ہی نہیں پاتے۔ تلوار کس وقت اٹھائیں؟ نام لے کر پکارے جاتے تو **استغفر اللّٰہ ورسوٗلہ** کا ورد کرنے لگتے۔ اور جب خطرہ رسوٗل کی ذات تک آپہنچتا تو کمزوری کے عذر سے جان بچا کر بھاگ جاتے۔ میدان میں نکلتے بھی تو ایسے خوفناک تصورات اور قصے سناتے اور عبرت خیز ماحول پیدا کردیتے تھے کہ جس سے بڑے بڑے منچلے بہادروں کی ہمت بھی پست ہوجائے۔ عمرو بن عبدود کے تقاضوں، طعن اور توہین آمیز کلمات سنتے رہے اور تمام صحابہ کو خوفزدہ کرنے کے لئے عمرو کے مہیب کارنامے سناتے رہے۔ یہاں یہ بھی یاد دلانا ہے کہ قرآن کریم اِس پوشیدہ سمجھوتے کو ظاہر کردیتا ہے کہ اگر حملہ آور مسلمانوں تک پہنچ جائیں یا اُن پر قابو پالیں تو زیرِ بحث مومنین کو کوئی خطرہ نہیں، اِس لئے کہ وہ حملہ آوروں کے ہمنوا ہونے میں توقف و تامل نہیں کرتے (احزاب 33/14)۔ اِسی سمجھوتے کے ماتحت ضرار نے حضرت عمر کو نیزہ نہ مارا تھا اور یہ کہہ کر معاف کردیا تھا کہ جاوٴ اِس احسان کو بھول نہ جانا۔ (علامہ شبلی سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 428 پہلی سطر)

(27/6۔الف)۔ مومنین کو پسپا کرانے اور اسلامی تحریک میں رکاوٹ ڈالنے والے مسلمان

قرآن کریم مسلسل اُن مسلمانوں کا تذکرہ کرتا ہوا اُن کے عقائد پر تنقید و مذمت کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ''اگر تم موت سے بچ بھی نکلو تو چندروز ہی تو مفادِ دُنیا سے مستفید ہوسکو گے، ہمیشہ تو زندہ نہ رہ سکو گے؟ پھر اگر اللہ تمہیں نقصان یا فائدہ پہنچانا چاہے تو کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اللہ کے انتظام سے تمہیں بچاتا رہے؟ تمہیں اپنے انتظام پر غلط بھروسہ ہے۔ اصلی ہمدرد حاکم اور ناصر اللہ کے سوا کوئی اور ہے ہی نہیں'' (احزاب 33/16-17)۔ پھر فرمایا کہ؛

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا o اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِىْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا o يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْبَآئِكُمْ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا o لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ

رَسُوْلِ اللّٰـهِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًاo وَلَـمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَمَا زَادَھُمْ اِلَّآ اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًاo(الاحزاب 22-33/18)

اللہ اُن لوگوں کو جانتا ہے جو جنگی اور دیگر اسلامی تحریکوں میں رکاوٹ پیدا کرتے رہتے ہیں۔اور تم میں شامل رہتے ہیں اور باقی اپنے مسلمان بھائیوں کو اپنے مسلک کی طرف دعوت دیتے رہتے ہیں۔اور ہر قسم کی سختیوں اور دقتوں میں برائے نام حصہ لیتے ہیں تا کہ تمہیں اسلام کی کامیابی پر خرچ کرنے اور مشقت برداشت کرنے میں بخیل بنا دیں۔جب خوف و دہشت کا موقعہ آتا ہے تو آپؐ کو دکھا کر آنکھیں اور سر اسطرح گھمانے لگتے ہیں جیسے موت کی حالت میں غش اور چکر آ رہا ہو۔تا کہ تم اُس حال کو واقعی سمجھ کر اُنہیں جنگ کا حکم نہ دے سکو۔اور جب خطرہ ٹل جاتا ہے تو یہ نہایت چرب زبانی اور لسانی طرّاری سے تمہارا سامنا کرتے ہیں اور خیر وصلاح کے حصول میں بدستور بخیل رہتے ہیں۔یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اسلامی پالیسی کو بجنسہٖ تسلیم نہیں کیا ہے۔اُن کے ایسے ایمان کی بنا پر اُن کے تمام نیک اعمال اللہ نے برباد کر دیئے ہیں۔اور ایسے اعمال کو تباہ کر دینا اللہ کیلئے بڑا آسان اور معمول بہ ہے۔اُنکے حساب سے ابھی جتھا بند افواج موجود ہیں۔اُنہیں اُن افواج کا آجانا اُس صورت میں پسند آتا جب کہ وہ مسلمانوں کی فوج سے کہیں دُور کے عربوں میں ہیڈ کوارٹر بنا کر وہاں سے مسلمانوں کی خبریں حاصل کرنے کا انتظام کر سکے ہوتے۔اب اس صورت میں تو یہی ممکن ہے کہ اگر وہ جنگ میں حصہ لیں تو بہت ہی کم شرکت کریں۔مطلب یہ ہے کہ کفار نے اِن داخلی محاذ کے لوگوں کے پروگرام کی تکمیل سے قبل حملہ ظاہر کر دیا۔مسلمانوں کے لئے تو رسولؐ اللہ کے اعمال و افکار و احکام میں ہی راہنمائی منحصر ہے۔یعنی جو لوگ اللہ اور آخرت میں یقین اور اُمید رکھتے ہیں اور کثرت سے ذکر خدا کرتے ہیں، وہ رسوؐل کی مطلق اطاعت کرتے ہیں۔اور جب اُن مومنین نے جتھا بند افواج کو دیکھا تھا تو اُن کے ایمان اور سپردگی میں اِس لئے اضافہ ہوا تھا کہ اللہ ورسوؐل نے قبل از وقت اُن افواج کی آمد اور دیگر حالات کی اطلاع دے رکھی تھی۔چنانچہ اُنؐ کے فرمان کے مطابق افواج کی خبر صحیح نکلی، لہٰذا فتح کی پیشگوئی صحیح نکلنا لازم ہے۔چنانچہ وہ مومن نہ خوفزدہ ہوئے نہ کوئی خطرہ محسوس کیا بلکہ پیش از وقت خود کو فاتح اور کامیاب وکامران ہونے پر خوش ہو گئے۔ایمان وتسلیم میں اضافہ واستحکام اُسی کا نتیجہ تھا۔

(27/7)۔ جنگ احزاب اور بنو قریظہ پر فتح،شہدائے سابقہ وآئندہ پر ریمارکس

مِنَ الْـمُـؤْمِـنِیْنَ رِجَالٌ صَدَ قُوْا مَا عَاھَدُ وا اللّٰہَ عَلَیْہِ فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّ لُوْا تَبْدِیْلًاo لِّیَـجْـزِیَ الـلّٰـہُ الـصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِھِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِن شَآءَ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاo وَرَدَّ الـلّٰـہُ الَّـذِیْـنَ کَـفَرُوْا بِغَیْظِھِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا o وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاھَرُوْھُمْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ صَیَاصِیْھِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الرُّعْبَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِیْقًا o وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَھُمْ وَدِیَارَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَؤُ ھَا وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًاo(الاحزاب 27-33/23)

مسلسل یہ بتایا گیا کہ مومنین میں وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا پورا کر دکھایا ہے۔اُن میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی شرائط پوری کر چکے ہیں اور بعض شرائط کے پورا کرنے میں بلا کم وکاست مشغول اور منتظر ہیں اور اُن شرائط میں کسی طرح کی ردوبدل نہیں کی ہے تا کہ

اُن کی تصدیقات کی وجہ سے سچوں کو اُن کی سچائی کی جزا ملتی چلی جائے۔ رہ گئے منافق وہ اگر توبہ کرلیں تو اللہ مختار ہے کہ اُن کی توبہ قبول کر لے ورنہ اگر چاہے تو اُن کو عذاب سے دوچار کردے۔ البتہ اللہ بخشنے والا اور رحیم ہے۔ اللہ نے کفار کی جتھا بند افواج کو اُن کے غیظ وغضب میں لپٹا ہوا واپس جانے پر مجبور کردیا۔ اور اُن کو ذرہ برابر اچھائی نصیب نہ ہونے دی۔ اور یوں جنگ فتح کرانے میں اللہ نے مومنین کو کافی مدد دی۔ اور اللہ تو قوی اور ہر حال میں غالب رہنے والا ہے ہی۔ اسکے بعد جن یہودیوں نے قریش کی جتھا بند افواج کی پشت پناہی کی تھی۔ آخر وہ اہل کتاب بھی اپنے قلعوں سے نیچے اُتر آئے کیونکہ اُنکے دلوں میں قریشی شکست سے رُعب اور دبدبہ قائم ہوگیا تھا۔ لہٰذا اُنکے ایک فریق کو تم قتل کررہے تھے اور ایک فریق کو گرفتار کررہے تھے۔ اس طرح اللہ نے تمہیں اُن کی زمینوں، شہروں اور اموال کا وارث بنادیا۔ اور ایسی زمین تمہیں دی جہاں تمہارے قدم بھی نہ پہنچے تھے اور اللہ بہرحال ہر چیز پر قادر ہے۔

(27/8)۔ حضرتِ عائشہؓ وہاں جا پہنچیں جہاں حضرت عمر وطلحہؓ چھپے ہوئے تھے

جناب علامہ طبری حضرت عائشہ کی زبانی لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:۔

''میں ایک باغ میں گھس گئی جہاں چند مسلمان بیٹھے تھے۔ اُن میں عمر بن الخطاب بھی تھے۔ اور ان میں ایک اور شخص تھا جس نے خَود کو پوری طرح پہن رکھا تھا کہ اُس میں سے صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ عمر نے مجھ سے کہا تم بڑی دلیر ہو یہاں کیوں آئیں؟ ممکن ہے کہ بھاگنا پڑے یا کسی اور مصیبت میں پڑ جاؤ۔ اب وہ اس طرح ملامت کرنے میں میرے پیچھے پڑ گئے کہ میں چاہتی تھی کہ زمین شق ہوجائے اور میں اُس میں دھنس جاؤں۔ اتنے میں خود والے نے اپنا چہرہ ظاہر کیا وہ طلحہؓ تھے۔ اُنہوں نے عمر سے کہا کہ بہت کچھ کہہ چکے۔ فرار اور پسپائی اب صرف خدا ہی کی طرف تو ہے۔'' (تاریخ طبری۔ جلد اوّل صفحہ 288)

قارئین یہ بات تو پردۂ تاریخ میں چھپ گئی کہ حضرت عائشہ اس طرح کیوں پھر رہی تھیں؟ اور اُنہیں حضرت عمر نے ملامت میں کیا کیا کہا؟ کیوں کہا؟ اُنکو کیا اندیشے تھے؟ مگر یہ بات پھر نوٹ کرلیں کہ جنگ اُحد میں جس طرح عمر وطلحہ پہاڑ کی چٹان پر جا بیٹھے تھے، اُسی طرح یہ حضرات یہاں بھی ایک باغ میں پوشیدہ بیٹھے ہوئے پائے گئے۔ اور جناب عائشہ پر یہ پوزیشن ظاہر ہوجانے کی وجہ سے سخت ناراض ہوئے اور صاف کہہ دیا کہ اگر فرار کرنے کی صورت پیدا ہوگئی تو ہم مرد تو بھاگ جائیں گے تم کیسے بھاگوگی؟ اور گرفتاری کی صورت میں ناقابلِ بیان مصیبت سے دوچار ہوجاؤ گی۔ یہ ہیں اسلام کے عظیم الشان اور بے نظیر ہیرو۔ جناب طلحہ نے حضرت عائشہ کو ملامت سے نجات دلائی۔ یہی جناب جنگ جمل تک زندہ تھے اور جناب عائشہ کی کمانڈ میں اپنی شجاعت دکھارہے تھے۔ حضرت عائشہ کا باقی ازواج سے الگ ہوکر قلعہ سے نکلنا اور یوں افواج اور پناہ گاہوں کا دورہ کرنا اور جنگی حالات پر مطلع رہنا ہی تو وہ قابلیت تھی جس کی بنا پر جناب زبیر اور حضرت طلحہ نے اُن کی ماتحتی میں اپنے مخالف سے نبرد آزمائی کی اور ثابت کردیا کہ وہ دونوں حضرات معاملات وشدائد جنگ اور فوج کشی سے بے تعلق رہتے رہے تھے۔ یہ نوٹ کرکے جنگ خندق کی تفصیل کو ختم کردیں کہ جناب طلحہ حضرت عمر کو یہ یاد دلاتے ہیں کہ بھاگنا بھی تو اب اللہ ہی کی طرف سے ہوگا۔ اللہ سے بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں؟

28۔ غزوہ حدیبیہ یا صلح حدیبیہ کے تاریخی وقرآنی حالات

6ھ ہجری میں آنحضرتؐ نے حج کے ارادے سے مکہ کا سفر کیا۔اور بڑھتے ہوئے مکہ سے ایک منزل قریب ایک حدیبیہ نام کے کنویں کے پاس مقیم ہوئے۔اِس سفر کی اطلاع ملتے ہی قریش نے اِدھراُدھر کے قبائل کو ساتھ ملا کر جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔لیکن اُن کے دلوں کی گہرائی میں خوف وہراس اور ناکامی کی لہریں موجزن تھیں۔وہ دل سے یہ نہیں چاہتے تھے کہ پھر جنگ اور ہزیمت نصیب ہو۔مگر یہ کہہ کر کہ ہم کمزور ہیں، اپنا رعب وداب اور عزت بھی گنوانا نہ چاہتے تھے۔اُدھر رسولؐ اللہ اِس طرح آئے تھے کہ اگر قریش مسلح مزاحمت کریں تو جم کر جنگ کی جاسکے ورنہ حج کعبہ کے بعد وہ واپس تشریف لے آئیں گے اور از خود دعوت جنگ نہ دیں گے۔چنانچہ دونوں طرف سے آخر صلح پر رضامندی ہوگئی اُسی صلح کا نام صلح حدیبیہ ہے۔اِس صلح میں ہیرو حضرات کے چند واقعات وحالات موجود ہیں جن سے اُن کے منصوبے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

(28/2)۔ اسلامی ہیرو قریش کے اشارے پر بھاگ جانے میں مشہور ومعروف تھے

جنگی تیاری تو کر لی گئی مگر قریش لڑنا نہیں چاہتے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو مرعوب کر کے واپس جانے پر آمادہ کر لیا جائے۔چنانچہ غیر رسمی گفتگو کے لئے اُنہوں نے عروہ بن مسعود الثقفی کو بھیجا۔اُس نے رسولؐ اللہ کو صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے جو اہم اطلاع دی وہ طبری سے سُنیئے:۔

''مجھے جو مختلف صورتیں تمہارےؐ ساتھ نظر آرہی ہیں۔اُن میں ایسے ہی لوگ ہیں جن کی فطرت یہ ہے کہ وہ بھاگ جائیں اور تمؐ کو دشمن کے نرغہ میں چھوڑ دیں۔'' (طبری۔جلداوّل صفحہ 330)

قارئین سوچیں کہ عروہ نے کسی کا نام نہیں لیا ایک عام بات کہی تھی۔ہر فوج میں کمزور دل ودماغ کے چند لوگ ممکن ہیں اور رسولؐ اللہ کی ساری فوج کا جنگِ اُحد میں بھاگ جانا سارے عرب میں مشہور ہو چکا تھا۔بڑے بڑے ہیروز رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر بھاگے اور پہاڑ پر جا بیٹھے تھے۔اِسی لئے رسولؐ اللہ عروہ بن مسعود کی تردید نہیں کرتے بلکہ خاموشی سے اُس کی نصیحت وباتیں سن رہے تھے۔مگر جناب ابوبکر جھنجلا کر بے قابو ہو گئے اور عروہ سے فرمایا کہ:۔

''تُو لات کی شرمگاہ کو چُوس۔کیا ہم بھاگ جائیں گے اور اِنؐ کو چھوڑ دیں گے؟'' (طبری جلداوّل صفحہ 330)

علامہ شبلی نے بات کو سنوار کر یوں لکھا کہ:۔ ''حضرت ابوبکر کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ کیا ہم محمدؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟'' (سیرۃ النبیؐ۔جلداوّل صفحہ 451)

ہمیں گالی اور فحش گوئی پر کوئی تعجب نہیں ہے یہ تو اُن حضرات کا عام اخلاق تھا۔تعجب تو اس پر ہے کہ صرف حضرت ابوبکر ہی کو کیوں غصہ آیا؟ یہاں تو اور بھی کئی ایک بھگوڑے تھے۔اُن میں سے کوئی اور کیوں نہ بولا؟ اس بات کو عروہ کے جواب نے ظاہر کر دیا ہے۔اور وہ جواب شبلی وطبری اور تمام مؤرخین نے لکھا ہے۔حقیقت یہ تھی اور جناب ابوبکر کا غصہ سے بے تاب ہو جانا اور رسولؐ اللہ کے ادب ولحاظ کو نظر انداز کر

دینا بھی اس لئے فطری تھا کہ عروہ پر جناب ابوبکر کا کوئی احسان تھا۔ اور اُس احسان کے باوجود وہ راز داری کے خلاف بھاگ جانے کی شرمناک تشہیر کر رہا تھا اور سامنے موجود ہوتے ہوئے بھی عروہ کی آنکھ میں مروت ولحاظ نہ تھا۔ اور اگر حضرت ابوبکر گالی دے کر اُس کی بات نہ کاٹ دیتے تو نہ معلوم وہ اور کیا کیا کہہ ڈالتا۔ اِس لئے اُس کا منہ بند کرنا ضروری ہوگیا تھا۔ یہ بات اپنے موقع پر صحیح تھی اور خود حضرت ابوبکر نے بیان کیا ہے کہ:۔ **لما کان یوم احد انصرف الناس کُلّھم عن رسولؐ اللّٰہ فکنت اَوّل من فاء** ۔ (تاریخ الخمیس جلد 1 صفحہ 485) ''جب اُحد کے روز تمام صحابہ رسوؐل کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو واپس رسولؐ کے پاس آنے والا میں پہلا شخص تھا۔''

رسوؐل اللہ کے انتقال کے بعد اس کا اقرار بہت خطرناک نہ تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے بھی اعلانیہ فرمایا کہ:۔

عن عائشة قالت کان ابوبکر اذا ذکر یوم احد بکی ثُمَّ قال ذاک کان کُلّه یوم طلحة۔

ثم انشاء یحدث قال کُنتُ اَوّل من فاء یوم احد۔ (کنز العمال۔ جلد اوّل صفحہ 275)

''ابوبکرؓ کی یہ حالت تھی کہ جب اُحد کے دن کا ذکر ہوتا تو وہ رونے لگتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اُحد کے دن کی ساری ذمہ داری طلحہ کے سر ہے۔ پھر بیان کرتے کہ میں وہ پہلا آدمی تھا جو اُحد کے روز واپس آیا تھا۔''

لہٰذا معلوم ہوا کہ غصہ صرف اس بات پر آیا کہ عروہ احسان فراموشی کر رہا تھا۔ ورنہ وہاں حضرت عمر بھی موجود تھے۔ انہیں عروہ پر غصہ نہیں آیا اسلئے کہ عروہ پر اُنکا کوئی احسان نہ تھا۔ رہا جنگ سے بھاگ جانا؟ یہ مشہور اور ناقابل اخفا تھا۔ چنانچہ خود ہی اعلان کرتے رہے کہ:۔

خطب عمر یوم الجمعة فَقَرأ آل عمران و کان یعجبه اذا خطب ان یقرأھا فلما انتھی اِلٰی قوله اِن الذین تولّوا منکم۔ قال لما کان یوم احد فھزمنا ففررت حتی صعدتُ الجبل فلقد رائیتنی انزده کاننی اروی ۔

(تفسیر درمنثور جلد نمبر 2 صفحہ 88، تفسیر طبری جلد 4 صفحہ 90 و کنز العمال جلد اوّل صفحہ 238)

حضرت عمر نے جمعہ کے روز خطبہ دیا اور سورہ آل عمران پڑھتے اور تعجب کرتے جاتے تھے۔ جب اُس آیت پر پہنچے جس میں فرمایا گیا ہے کہ یقیناً تم میں سے بھاگنے والے بھاگ گئے تھے تو کہا کہ اُحد کے روز جب ہمیں شکست ہوگئی تو میں بھاگا یہاں تک کہ پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں نے اپنا یہ حال نوٹ کیا کہ گویا میں جنگلی بکروں کی طرح کودنے میں مشاق ہوں۔''

عروہ نے یقیناً اِن حضرات پر طعن کیا تھا اور نہ غصہ وگالی کی بات نہ تھی۔

(ii)۔ حضرت عمرؓ نے رسولؐ اللہ کا حکم تسلیم نہیں کیا

آنحضرتؐ نے عمر بن الخطاب سے فرمایا کہ تم مکہ جاؤ اور اشراف مکہ کو میرے آنے کی غرض سے مطلع کرو۔ اُنہوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ مجھے وہاں جانے میں اپنی جان کا خوف ہے۔۔۔۔۔ میں آپ کو ایسا شخص بتاتا ہوں جس کی مکہ میں مجھ سے زیادہ عزت واثر ہے اور وہ عثمان بن عفان ہیں۔ (طبری جلد اوّل صفحہ 334)

ناظرین نوٹ کرلیں کہ جن لوگوں کو اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل سے اپنی جان زیادہ پیاری تھی وہی میدان جنگ سے بھاگ جانے میں حق بجانب تھے۔ وہی لوگ جنت میں رسولؐ کے ساتھی بننے میں معافی چاہتے تھے کہ زندگی بڑی عزیز تھی۔ اور جانشینی بلا زندگی کے قطعی طور

پر نا ممکن تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ جس طرح ممکن ہو زندہ رہو۔

(iii)۔ رسولؐ اللہ پر ایمان کی دو قسمیں؛ اُن کے ذاتی فیصلے ناقابل قبول تھے

علامہ طبری نے لکھا ہے کہ:۔ ''طویل گفتگو کے بعد صلح طے پائی۔ زبانی شرائط کا تصفیہ ہو چکا تھا۔ اور اب صرف عہد نامہ کا لکھنا باقی تھا۔ عمر بن الخطاب نے اُن شرائط کو نا پسند کیا۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 336)

اسکے بعد علامہ طبری نے وہ بحث لکھی ہے جو حضرت عمر نے ابوبکر سے کی تھی جس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ سب باتیں صحیح ہیں تو پھر:۔

''کیوں ہم اپنے دین کے معاملے میں ایسی بات مانیں جس سے کمزوری ظاہر ہوتی ہو؟ ابوبکر نے کہا۔ عمر چوں و چرا نہ کرو۔ بس تم فی الحال اُن کے ساتھ رہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ عمر نے کہا کہ اور میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔'' (طبری جلد اول صفحہ 336)

عہدِ خلافت میں ثابت ہو گیا کہ حضرت عمر کو جناب ابوبکر نے عارضی خاموشی اختیار کرنے کے لئے کہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اِس وقت شور مچانا مصلحت کے خلاف ہوگا۔ جب وقت آئے گا تو ایسے تمام احکام اور فیصلے تبدیل کر لئے جائیں گے جن میں رسولؐ اللہ نے (معاذ اللہ) بشری کمزوری دکھائی ہوگی۔ چنانچہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں مولفة القلوب وغیرہ قسم کے احکام کو یہی کہہ کر بدل دیا تھا کہ اُس وقت اسلام کمزور تھا، اب طاقتور ہے۔ رسولؐ اللہ دب گئے تھے اب دب کر کیوں رہیں؟ یہاں یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں حضرات آپؐ کو رسولؐ تو مانتے تھے مگر بشری تقاضوں کی بنا پر اُن کا ہر حکم ماننا ضروری نہ سمجھتے تھے۔

(iv)۔ علامہ شبلی حضرت عمر کی گستاخانہ بحث کا اقرار کرتے ہیں

''حضرت عمر کو اپنی اُن گستاخانہ معروضات کا، جو بے اختیاری میں اُن سے سرزد ہوئیں تمام عمر سخت رنج رہا۔'' (سیرة جلد اول صفحہ 457)

وہ طرز فکر جو بعد وفاتِ رسولؐ جاری رہی شبلی کی تکذیب کرتی ہے۔ اور یقین ہو جاتا ہے کہ وہ تمام گستاخانہ بحث دل کی گہرائی اور پوری بصیرت کے ماتحت کی گئی تھی۔ ورنہ سینکڑوں احکامِ رسولؐ منسوخ نہ کر دیئے جاتے جن کی تفصیل اپنے مقام پر آنے والی ہے۔

(v)۔ تمام مسلمانوں کا گمراہی کے قریب پہنچ جانا۔ تاریخ طبری

''مسلمانوں کو فتح کا یقین تھا اور وہ آپؐ کے ساتھ عمرہ کرنے مدینہ سے نکلے تھے۔ مگر اب جب اُنہوں نے دیکھا کہ اس نہج پر صلح ہو رہی ہے اور ہم بے نیل و مرام واپس جائیں گے۔ اور خود رسولؐ اللہ نے قریش کی بات مان کر اُن کی منشا کے مطابق صلح کی ہے۔ مسلمانوں کے دلوں میں اس کا اسقدر سخت رنج و تعب پیدا ہوا کہ قریب تھا وہ سب دینی طور پر ہلاک ہو جائیں۔'' (طبری جلد اوّل صفحہ 337)

معلوم ہوا کہ رسولؐ اللہ کا دب کر صلح کرنا کسی بھی قریشی قسم کے مسلمان کو پسند نہ آیا تھا۔ اور یہ بھی کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ تک اُسی قسم کے مسلمانوں کی کثرت تھی جو رسولؐ اللہ پر چھائی رہتی تھی۔ ایک اور نظارہ ملاحظہ ہو کہ رسولؐ اللہ نے بار بار حکم دیا کہ تمام مسلمان قربانی کریں اور سر منڈوائیں لیکن کوئی تیار نہ ہوا۔ شبلی سے سنئے اور اُن کی پردہ داری بھی دیکھئے، لکھتے ہیں کہ:۔

''آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا یہاں تک کہ جیسا کہ بخاری کتاب الشروط میں ہے کہ تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا۔'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 458)

یہاں یہ بات نوٹ کریں کہ صحابہ کو لوگ اور شخص کہہ کر بات کی شدت کو ہلکا کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ تمام صحابہؓ نے رسولؐ کے احکام کی مکمل خلاف ورزی کی تھی اور کثرت اُن صحابہ کی تھی جو رسولؐ کے احکام کی نافرمانی کیا کرتے تھے اور محض وہ حکم مانتے تھے جو اُنکے مرکز کے حکم کے مطابق ہو (مائدہ۔ 5/41) ورنہ اب صاف انکار کر دیتے تھے۔ یہ بھی پردہ داری ہے کہ کوئی بھی حکم ماننے کو تیار نہ ہوا تا کہ حقیقی مومنین کو بھی قریشی مومنین کے ساتھ شمار کر کے برابر کر دیا جائے۔ لیکن خدا نے اُنکے کذب و افترا کو اُن ہی کے قلم سے ثابت کیا سنئے:۔

''اُس روز بعضوں نے تعمیل میں سر منڈایا اور بعض نے بال کٹوائے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اللہ سر منڈانے والوں پر اپنا رحم فرمائے، صحابہ نے کہا یا رسولؐ اللہ اور بال کٹوانے والوں پر؟ آپ نے پھر سر منڈوانے پر رحم کی دعا کی۔'' (طبری جلد 1 صفحہ 339)

(vi)۔ بیعت رضوان مذکورہ نافرمان صحابہ کا پردہ فاش کرتی ہے

مشرکین قریش سے جنگ کی صورت میں ضروری تھا کہ جنگ اُحد و احزاب کے بھگوڑے لوگوں کو ایک دفعہ پھر معاہدہ کے ذریعہ پابند کیا جائے اس لئے تمام مسلمانوں سے از سر نو بیعت لی گئی۔ اس بیعت کا نام بیعت رضوان ہے۔ اور یہیں سے رضی اللہ عنہم کا قصہ شروع ہوتا ہے۔ مگر آیت کے الفاظ پر لا تقربوا الصلوٰۃ کی طرح نظر ڈالی جاتی ہے، و انتم سکاریٰ کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ؛ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًاo وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo (فتح 19-48/18)

یقیناً اللہ مومنین سے اُس وقت راضی ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے خود کو تمہارے ہاتھ فروخت کر رہے تھے۔ چنانچہ جو جو کچھ اُن کے قلوب کے اندر تھا اس سے بھی اللہ لاعلم نہ تھا۔ اِسی بنا پر اللہ نے اُن کو پُرسکون رکھنے کا انتظام کیا اور اِس خاموشی کے بالعوض مستقبل میں فتح پانے اور کثیر مالِ غنیمت حاصل کرنے کا بدلا مقرر کیا۔ یعنی جو کچھ دلوں میں تھا اور بعض زبانوں تک آیا بھی، اُس کو فتنہ و فساد بنا دینے سے روک دیا۔ یہی شناخت ہے اللہ کی حکمت اور ہر حالت میں غلبہ کی۔ یہاں دونوں قسم کے مومنین کی صورتیں صاف نظر آ رہی ہیں۔ یعنی ایک وہ جو مال غنیمت اور فتح کی غرض سے شامل تھے۔ دوسرے وہ جو دل کے اندر اور باہر اللہ و رسولؐ کے مطیع تھے۔

(vii)۔ تمام ہیرو اللہ و رسولؐ کے خلاف فتح کو شکست سمجھتے رہے

علامہ مودودی کی زبان سے پڑھیں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

''صلح حدیبیہ کے بعد جب فتح کا یہ مژدہ سنایا گیا تو لوگ (یعنی صحابہ) حیران تھے کہ آخر اس صلح کو فتح کیسے کہا جا سکتا ہے؟ ایمان کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو (زبردستی) مان لینے کی بات تو دوسری تھی۔ مگر اُس کے فتح ہونے کا پہلو کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ آیت سن کر پوچھا۔ یا رسوؐل اللہ، کیا یہ فتح ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں (ابن جریر طبری)۔ ایک اور صحابی (نام بتاؤ) حاضر ہوئے اور اُنہوں نے بھی یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا ای وَالَّذِي نَفْسُ محمدٍ بيده اِنَّهُ الفتح۔ ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے

یقیناً یہ فتح ہے‘‘ (مسند احمد اور مسند ابوداؤد)۔ مدینہ پہنچ کر ایک اور صاحب (کون؟) نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ’’یہ کیسی فتح ہے؟ ہم بیت اللہ جانے سے روک دیئے گئے، ہماری قربانی کے اونٹ بھی آگے نہ جا سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ ہی میں رک جانا پڑا، اور اس صلح کی بدولت ہمارے دو مظلوم بھائیوں (ابوجندل اور ابوبصیر) کو ظالموں کے حوالے کر دیا گیا۔‘‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ ’’بڑی غلط بات کہی گئی ہے یہ۔ حقیقت میں تو یہ بہت بڑی فتح ہے....‘‘ (تفہیم جلد 5 صفحہ 43 حاشیہ نمبر 1)

پہلی بات تو یہ ہے کہ بیعت رضوان کے وقت اللہ کے علم میں حضرت عمر اور اُن کی پارٹی کے دوسرے مندرجہ بالا لیڈر اور اُن کی قلبی حالت تھی۔ یعنی بیعت کی رضامندی میں پُرخلوص لوگ داخل ہیں نہ کہ ٹوٹل۔ اس لئے کہ ٹوٹل کی کثرت نے قربانی اور سر منڈانے میں نافرمانی کی تھی اور مدینہ تک اپنے شکوک وشبہات پھیلاتے چلے آئے تھے۔ اور اللہ ورسولؐ کے فیصلے کے بعد دل تنگ رہنا مومن کا کام نہیں ہے۔ (نساء۔ 4/65) دوسری بات یہ ہے کہ مشکوک اور شک کی بنا پر نافرمان مومنین یا صحابہ کے راہنما کو خاص طور پر رسولؐ اللہ نے بلا کر قرآن کی آیت سنائی، شبلی صاحب سے سُنیئے:۔

’’تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اُس کو فتح کہا۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اُنہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں۔‘‘ (سیرۃ جلد اول صفحہ 458) اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ کی راہ میں لکھا ہے۔ یعنی ابھی تک سردار وراہنما حضرات مشکوک چلے جا رہے تھے مگر اس کے باوجود مومنین تھے۔

(28/3)۔ حضرت علیؑ اور دیگر ہیروز کا اسلام وکفر سے رشتہ وتعلق

شاہ ولی اللہ نیز ترمذی و نسائی نے ریکارڈ کیا ہے کہ:۔ **قال حدثنا عليٌّ ابن طالب بالرحبة فقال لَمّا كان يوم الحديبية خرج الينا اُناس من المشركين فيهم سهيل بن عمرو و اناس من رؤساء المشركين ۔فقالوا يا رسوؐل اللّٰه خَرَجَ اليک اُناس مِن ابنائنا و اخواننا و ارقائنا ۔ وليس لهم فقه فى الدّين وانما خرجوا فرارًا من اموالنا وفياعنا فارددهم الينا فان لم يكن لهم فقه فى الدين سنفقههم فقال النبيؐ يا معشر القريش لتنتهن اَو ليبعثن اللّٰه عليكم من يضرب رقابكم بالسّيف على الدّين قد امتهن اللّٰه قلوبه على الايمان قالوا من هُوَ يا رسوؐل اللّٰه ؟ فقال له ابوبكر من هُوَ يا رسوؐل اللّٰه ؟فقال عمر من هو يا رسوؐل اللّٰه ؟قال هو خَاصِفُ النّعل وكان اعطى نعله عليّاً يخصفها ۔ثم التفت الينا عليٌّ فان رسوؐل اللّٰه قال من كذب عَليَّ معتمدًا فليتبوء مقعده من النار** ۔ (ریاض النضرۃ جلد صفحہ 191، ازالۃ الخفاء جلد صفحہ 256، جامع ترمذی صفحہ 460، اسد الغابہ جلد 4 صفحہ 26، مستدرک جلد 2 صفحہ 138)

حضرت علیؑ نے کوفہ کے میدان رحبہ میں بسلسلہ تقریر فرمایا کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر ہمارے پاس مشرکین کے چند آدمی آئے۔ اُن میں سہیل بن عمرو اور قریشی سرداروں میں سے کچھ لوگ تھے۔ انہوں نے رسولؐ اللہ سے کہا کہ آپ کے پاس ہمارے بیٹوں بھائیوں اور غلاموں میں سے کچھ ایسے لوگ آ گئے ہیں جو دین میں فقاہت کا درجہ نہیں رکھتے۔ اُن کے آنے کا حقیقی سبب یہ ہے کہ ہمارے اموال اور جائیداد کے انتظام کی ذمہ داریوں سے جان بچا کر بھاگے ہیں۔ آپؐ اُن لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر اُن کو فقاہت نہ آتی ہو گی تو

ہم اُن کو دینی فقاہت سکھا کر فقیہ اور مجتہد بنا دیں گے۔ نبیؐ نے فرمایا کہ اے گروہ قریش اگر تم اپنی فقیہانہ چال بازیوں سے باز نہ آؤ گے تو یاد رکھو کہ اللہ تمہارے اوپر ایک ایسے شخص کو مبعوث کر دے گا جو تلوار سے تمہاری گردنیں مارے گا۔ لوگوں نے رسولؐ سے دریافت کیا حضورؐ وہ کون ہوگا۔ خصوصاً ابوبکر و عمر نے پوچھا کہ وہ کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کے قلب کو اللہ نے آزمالیا ہے۔ وہ ہے جو اِس وقت جوتی کی مرمت کر رہا ہے۔ رسولؐ اللہ نے علیؑ کو اپنی جوتی مرمت کے لئے دے رکھی تھی اور علیؑ مرمت کر رہے تھے۔ اس کے بعد علیؑ نے یاد دلایا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اُن پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے اللہ اسے منہ کے بل جہنم میں داخل کرے گا۔ مطلب یہ کہ میں نے یہ واقعہ غلط بیان نہیں کیا۔

(28/4)۔ شیخین مستقل طور پر قریش کے غیر مشروط بہی خواہ تھے

امام نسائی نے مندرجہ بالا حدیث کو ذرا سے فرق سے لکھا ہے:۔

جاء النبیؐ اُناس من قریش فقالوا یا محمدؐ انا جیرانک و حلفاء ک واِنّ مِنْ عَبِیْدنا قد آتو ک لیس لھم رغبة فی الدّین ولا رغبة فی الفقه انما فرّوا من ضیا عنا و اموالنا فارددھم الینا ۔قال لِا بوبکر ما تقول؟ قال صدقوا انھم لجیرانک و خلفاء ک فتغیّر وجه النبیؐ ثم قال لِعُمر ما تقول؟ قال صدقوا انّھم لجیرانک وخلفاء ک فتغیر وجه النبیؐ ثم قال یا معشر القریش.....الخ۔

قریش میں سے چند لوگ نبیؐ کے پاس آئے اور کہا کہ اَے محمدؐ ہم آپ کے ہمسایہ پڑوسی ہیں اور حلیف ہیں۔ ہمارے کچھ غلام آپ کے پاس بھاگ آئے ہیں۔ اُن کو نہ دین سے کوئی رغبت ہے اور فقیہ بن جانے میں بھی دلچسپی نہیں رکھتے ہیں۔ وہ ہماری جائیداد اور املاک کو چھوڑ چھاڑ کر بھاگے ہیں۔ آپ اُن لوگوں کو ہمیں واپس کر دیں۔ آنحضرتؐ نے ابوبکر سے دریافت کیا تم اس معاملے میں کیا کہتے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ قریش سچ کہتے ہیں۔ یہ آپ کے پڑوسی بھی ہیں اور حلیف بھی ہوگئے ہیں۔ یہ جواب سن کر آپ کا چہرہ غصہ سے تبدیل ہوگیا۔ پھر عمر سے پوچھا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ اُنہوں نے بھی یہی کہا کہ قریش آپ کے ہمسایہ ہیں اور اب حلیف بھی ہیں اور اپنے قول میں صادق ہیں۔ یہ سن کر پھر آپ کا چہرہ غصہ میں بدل گیا۔ اور کہا کہ اے گروہ قریش تم اپنی مجتہدانہ چالاکیوں سے باز نہ آؤ گے تو تم پر اللہ ایسے شخص کو تعینات کرے گا جس کے ایمان کا اللہ نے امتحان کر لیا ہے۔ وہ تمہاری گردنیں جدا کرے گا۔ پوچھا گیا کہ وہ کون ہوگا۔ فرمایا کہ جوتے کی مرمت کرنے والا وغیرہ۔'' (خصائص نسائی صفحہ 8,14)

(28/5)۔ رسولؐ اللہ قریش کے ہمسایہ اور حلیف بھی نہ تھے۔ چہ جائیکہ ہم نسب؟

یہاں قارئین نوٹ کر لیں کہ قریش سے حضورؐ کا کوئی رشتہ اور تعلق نہ تھا۔ صلح حدیبیہ کی بات صرف تحریری معاہدہ پر تھی نہ کہ حلف پر۔ حلیف ہونے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ قریش اور خانوادۂ رسولؐ میں کوئی سابقہ زمانہ کا تعلق نہیں ہے۔ یعنی دعویٰ نبوت سے پہلے یا بعد قریش کو خاندان رسولؐ نے کبھی اپنا خاندانی حلیف تک نہیں بنایا تھا۔ اُدھر اُس وقت تک قریش بھی ہم نسب ہونے کا دعویٰ نہ رکھتے تھے۔ ورنہ یہ کمزور اپیل نہ کرتے۔ اہلِ خاندان اور ہم نسبی کی جگہ پڑوسی نہ بنتے۔ لہٰذا جہاں جہاں نسب ایک لکھا ہوا ملے اُسے بعد کی خودساختہ تاریخ سمجھنا لازم ہے۔

(28/6)۔ اجتہادی مسلمان اور صلح حُدَیْبِیَّہ قرآن کی نظر میں

صلح حدیبیہ کا تذکرہ سورہ فتح میں ہوا ہے۔اور سورہ فتح کا نزول 6 ہجری میں تسلیم شدہ ہے۔اس صلح میں کل چودہ سو مسلمانوں کا مکہ میں آنا اور بیعت رضوان میں شریک ہونا بھی مسلمانوں کے مسلّمات میں سے ہے۔ پھر اُن لوگوں نے جو خبیث اور طیب مسلمانوں کو مخلوط رکھ کر اپنے لیڈروں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ بیعت رضوان میں شامل ہونے والے اِن چودہ سو صحابہ میں ہر شخص پُر خلوص، فدا کار اور حقیقی قسم کا مومن تھا۔اُن میں سے نہ کوئی منافق تھا نہ کمزور عقیدہ کا مسلمان تھا۔حالانکہ سابقہ بیانات میں ثابت ہو چکا ہے کہ سوائے چند صحابہ کے باقی سب نے رسولؐ اللہ کی نافرمانی کی تھی۔اور لیڈر قسم کے لوگوں نے نبوّت پر شک کیا تھا۔جن میں حضرت عمر پیش پیش تھے۔ بہرحال سورہ فتح میں بیعت رضوان پر ایک آیت (48/**18**-19) پیرا نمبر 28/2(vi) میں پہلے آچکی ہے۔ جہاں اُس گروپ کے مسلمانوں کی قلبی کیفیات کے تذکرہ نے باطل گھروندے کو گرا دیا ہے۔اب ابتدا سے سورہ فتح ملاحظہ ہو اور حدیبیہ میں شامل ہونے والے مسلمانوں کا حال دیکھیں۔

(ii)۔ اجتہادی مسلمانوں پر اتمام حجت لامحدود رعایات

سورۃُ الفتح کی دوسری آیت، جو صاحبانِ زَیغ حضرات کو گمراہ رہنے میں سہارا دیا کرتی ہے۔اسلئے کہ اس آیت میں ایک لفظ ''**ذَنب**'' آ گیا ہے۔اور اجتہادی گروپ چونکہ انبیاؑ اور رسلؑ کو (معاذ اللہ) خطا کار اور مجتہد قرار دیتا ہے۔اسلئے ذنب کے معنی اُنہوں نے گناہ اور قصور کر لئے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ کا سرزد ہونا ثابت کر کے اُنکی جانشینی اور خلافت کو گناہگاروں اور خبیث الباطن لوگوں کیلئے جائز کر کے یزید و معاویہ کی خلافتوں اور حکومتوں کو خلافت الٰہیّہ قرار دیا جا سکے۔یہی مقصد تھا جس کو حاصل کرنے کیلئے اجتہادی دانشوروں نے وہ سب کچھ کیا جو ہم لکھتے آ رہے ہیں۔اور اس مقصد میں اُنہیں ناکام کرنے کیلئے وہ تمام قربانیاں دی گئی تھیں جن کا منتہیٰ امام حسین علیہ السلام ہیں۔اور آیت زیرِ نظر (فتح 48/2) کی تلاوت بھی اُسی ناہنجار مقصد کو باطل ثابت کرنے کیلئے کی گئی ہے۔ قرآن میں تحریف، عربی زبان کا ستیاناس، کروڑوں بے گناہوں کا قتل و غارت اور ساری دنیا کو فتنہ و فساد کی راہ پر گامزن کرنا یہ سب کچھ اسلئے کیا گیا کہ تعلیمات خداوندی کو اجتہاد کے ماتحت لایا جا سکے۔لیکن خدا کا شکر ہے کہ اُن لوگوں کو اس مقصد میں کبھی بھی اُس معیار پر کامیابی ممکن نہ ہوئی جو اس کے اوّلین منصوبہ سازوں نے مقرر کیا تھا۔ ہر ہر قدم فدا کارانِ اسلام کی لاشوں پر رکھ کر گزرنا پڑا۔اُن کا دامن ہمیشہ بے گناہوں کے خون سے رنگین رہا۔ساری دنیا میں اُن پر نفرت و حقارت کی بوچھاڑ رہی۔ دنیا کی تمام اقوام و ممالک نے اُن کو ڈاکو، لٹیرے اور کمینہ خصلت لوگ قرار دیا۔اُنہیں چاروں طرف سے گھیر کر اُن سے اسلحے چھینے، اُنکی قوت و حکومت کو تباہ کر کے انہیں بھکاری بنا دیا اور آج وہ جہاں بھی ہیں، جس حال میں بھی ہیں، چھوٹا بڑا کاسۂ گدائی لئے ہوئے اُن لوگوں سے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں جن کو تیرہ سو سال سے کافر کہتے چلے آ رہے ہیں۔مگر قرآن کی معنوی تحریف سے اب تک باز نہیں آئے ہیں۔ہم اُنکے داؤ پیچ سے مسلمانوں کو مطلع رکھنے کیلئے اپنی زندگی وقف کئے ہوئے ہیں۔اور اب آپ کو مذکورہ آیت کے معنی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

(iii)۔ ذنب کے حقیقی لغوی معنی کرنے میں نہ کوئی قباحت ہے نہ دِقت

قارئین یہاں آپ زحمت فرما کر عربی سے اُردو اور عربی سے انگریزی زبان کی دو معتبر ترین ڈکشنریوں سے ذنب کے اوّلین معنی پر نظر ڈالیں۔

ذَنَبَ، بِ ذَنْبًا 1: کھوج لگانا، 2: دُم کے پیچھے پیچھے چلنا، 3: پیروی کرنا، 4: آگے والے کا نشان قدم نہ چھوڑنا، 5: دُم کو زمین پر ٹکانا۔

ذَنَّبَ الْعِمامةَ: پگڑی کا شملہ لٹکانا، دُم چھلا لگانا، **ذَنَّبَ الکتاب:** کتاب کا دیباچہ لکھنا، کتاب کا تتمہ لکھنا،

ذنب الجراد: مکڑی کا انڈے دینے کے لئے زمین میں دھنسنا، کسی چیز میں دُم لگانا۔

ذَنَبَ oi ذَنْباً To track any one

ذَنَّبَ To become spotted on its stalk (date)

ذَنَبَ ہ To make a tail to a turban, To add an appendix to a book.

تَذَنَّبَ To follow a path ,To make a tail to, To enter the end of a valley.

اگر آپ لغات کو برابر وہاں تک پڑھیں جہاں تک **ذ ن ب** سے بننے والے الفاظ لکھے ہوئے ہیں تو کہیں کہیں آپ کو گناہ اور قصور بھی لکھا ہوا مل جائے گا۔ یعنی بعض لوگوں نے اِس لفظ کو اپنی جہالت یا ادبی رنگین مزاجی سے گناہ یا قصور کی جگہ بھی رگڑ دیا ہے۔ جہالت اس لئے کہ اُنہیں عصیاں ومعاصی؛ اثم و آثم؛ خطا و خاطی؛ جُرم و مجرم کا نہ فرق معلوم تھا نہ صحیح استعمال کی خبر تھی۔ شاعرانہ و ادیبانہ رنگینی اس لئے کہ یہ لوگ ابرو کو کمان اور شمشیر بنانے، اور نظر کو تیر لکھنے میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ اور حقیقی بات یہ ہے کہ تیرہ سو سال سے حکومتوں کے خزانے قرآن کو اور عربی زبان کو متزلزل ومشکوک کرنے پر صرف ہوتے رہے ہیں اور ہم یہ تفصیلات جگہ جگہ لکھتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا قصور و قاصر اور قصر خود عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی کمی کرنے کے ہوتے ہیں۔ یہ بھی ذنب کے ترجمہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سب بکواس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ چونکہ رسولؐ اللہ پر لازم تھا کہ اللہ کی اُن تمام تعلیمات کو مدنظر رکھ کر عمل کریں اور احکام دیں جو آدمؑ سے لے کر اُن کے زمانہ تک اللہ نے بھیجی تھیں۔ اُن کا مستقل فریضہ تھا کہ وہ ہر وقت اللہ کی تعلیم اور مطلوبہ نتیجہ کو سامنے رکھیں۔ اور وہاں تک نوع انسانی کو لے جانے کے لئے مختلف طبیعتوں اور حالات کا کھوج لگائیں اور کامیابی کے لئے ایسی تدریج قائم کریں کہ عمل کرنے والوں کا ہر قدم اُس راہ پر پڑے یا اُس راہ کی طرف بتدریج مُڑتا جائے جو انتہائی طور پر مطلوب ہے۔ اِس تمام عملدرآمد کو لفظ ''**ذنب**'' سے ظاہر فرمایا گیا۔ چونکہ کسی چیز کے کھوج لگانے یا کسی کی قدم بہ قدم پیروی کرنے میں غلطی، خطا اور بھول چوک کا امکان ہے اور انبیاء علیہم السلام کو ہر لغزش وخطا، اور بھول چوک اور گناہ یا عصیان سے پیدائشی طور پر منزہ اور معصوم رکھا گیا ہے۔ اِس لئے اللہ کی طرف سے ایسا داخلی وخارجی انتظام لازم ہے جس سے اُن حضراتؑ کا ہر خیال اور ہر عمل اور ہر حکم بلا ناغہ محفوظ و مامون رہے۔ اب اُس آیہ مبارکہ کو دیکھیں۔ وہاں رسوؐل اللہ کے ہر عمل کی گارنٹی دی گئی ہے۔

(iv)۔ آنحضرتؐ کی راہنمائی قیامت تک کامیاب اور معصوم رہے گی

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًاo لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَیَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًاo وَّیَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًاo(فتح 3-48/1)

سورۂ فتح میں فرمایا گیا کہ: یقیناً ہم نے اِس مقصد کے لئے کھلی فتح آپ کو دی ہے تاکہ اللہ تمہاری تحقیقی تنفیذِ اسلام کے ماضی حال و مستقبل کو قطعاً محفوظ کر دے اور اپنی نعمتوں کو آپ کے لئے پوری کر دے اور حسبِ سابق حال و مستقبل میں آپ کے نظام کی راہنمائی و ہدایت کاری صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ اور اب اور آئندہ تمہیں ہمیشہ غالب رہنے والی نصرت سے نوازتا رہے۔

قارئین ہمارے اس ترجمہ میں سابقہ پیراگراف کی معنوی وضاحت میں اس قدر اور اضافہ کیا گیا ہے کہ **غَفَرَ یَغفِرُ مغفرة** کے حقیقی معنی کئے گئے ہیں۔ مِغفَرُ اُس ٹوپی (Helmet) کو کہتے ہیں جو سر پر اس لئے پہنی جاتی ہے کہ تلوار سے سر میں زخم نہ لگے۔ ہر ڈکشنری ہماری تائید کرے گی۔ گناہوں کی بخشش اس لئے کہا گیا کہ گناہوں سے محفوظ کر دینا، گناہوں پر کنٹوپ چڑھا کر انہیں چھپا دینا مُرادی معنی ہیں۔ حقیقی معنی محفوظ کر دینا، غلاف میں محفوظ کرنا وغیرہ۔ پھر **یغفر** ، **یُتِم**، **یَھدی** اور **یَنصر** مضارع کے صیغے ہیں۔ اُن میں حال اور مستقبل دونوں کے معنی ہوتے ہیں۔ دونوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ کھوج لگا کر پیروی کرنے کو ہم نے ''تحقیق کر کے تنفیذ'' قرار دیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ آنحضرتؐ کو گناہ گار و خطا کار کہنا چاہتے ہیں اُن کا منہ بند کر کے کالا کر دیا گیا ہے۔

(v)۔ گناہوں کی بخشش کا مسلمہ قانون کیا ہے؟

اِس آیت (فتح 48/2) میں گناہوں کی بخشش کے معنی کرنے والوں کو بتا دو کہ قرآن کریم اور عقل سلیم جرم و گناہ کی بخشش کے لئے پہلے نمبر پر مجرم یا گناہ گار کی شرمندگی اور انفعال ضروری ہے۔ پھر اپنے جرم و گناہ پر توبہ اور طلبِ استغفار لازم ہے۔ یعنی عملاً اُس نقصان کو پورا کرنے میں انہماک اور دل سے خدا کے یا متعلقہ فرد کے رُوبرو مِنّت و لجاجت کے مطلوبہ معیار اور حد پر پہنچنا۔ اِس کے بعد بھی بخشنا یا نہ بخشنا متعلقہ فرد یا خدا کا احسان ہیں۔ اُن پر لازم نہیں کہ وہ ضرور بخش دیں۔ پھر یہاں تو یہ بات ہی اُلٹ جاتی ہے۔ یعنی ایک تو گناہ گار رہے، معافی اور مغفرت طلبی اور شرمندگی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ پھر مجرم کو فتح مبین دی جاتی ہے۔ تاکہ وہ فتح مبین اسکے جرائم یا گناہوں کو بلا طلب دھوڈالے۔ یہی نہیں بلکہ آئندہ بھی جس قدر گناہ یا جرائم کرے وہ سب بخش دیئے جاتے ہیں۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے۔ عقل اس قسم کی بات ماننے سے قاصر ہے۔ اور قرآن کا قانون اس کے خلاف ہے۔ ایک ایسی آیت بتلائی جائے جس میں گناہگار یا مجرم کو بلا طلب اور بلا توبہ بخش دیئے جانے کا وعدہ ہو یا جس میں کسی شخص کو مستقبل میں جرائم اور گناہ کی کھلی چھٹی دی گئی ہو؟ ہے کوئی جو بات کرے؟ یا ہماری وضاحت اور معنی پر غلط ہونے کی دلیل قائم کرے؟ یعنی ہے کوئی مردود جو مسلمان بھی ہو اور رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) گناہگار کہنے اور ثابت کرنے کیلئے ہم سے دو دو باتیں کرے یا خط و کتابت کرے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بعض جہلا نے بریکٹ وغیرہ لگا کر ترجموں اور حاشیوں میں لکھا ہے کہ ''اے رسولؐ آپ کی اُمت کے اگلے اور پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون''۔ مطلب واضح ہے کہ یزید و معاویہ، حجاج اور خود مترجمین کے اور اُن کے تمام بزرگوں کے گناہ قیامت تک معاف ہو گئے۔ لہٰذا ابوسفیان وغیرہ جنتی ہیں۔

(vi)۔ مومنین کی وہ قسم جن کے ایمان میں اضافہ ہوتا رہا

قارئین کو یاد ہوگا کہ مومنین کی ایک قسم وہ تھی جن کے دلوں کے اندر اللہ نے روز ازل سے ایمان لکھا ہوا بھیجا تھا (المجادلہ 58/22)۔ جو ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی کفر سے ملوث نہیں ہوئے۔ دوسری قسم کے مومنین کا تذکرہ سورہ فتح میں بھی کیا جارہا ہے۔ یہ وہ ہیں جو ایک دفعہ ایمان لائے پھر کبھی کفر و نفاق سے ملوث نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ ایمان میں اضافہ ہی اضافہ کرتے چلے گئے۔ اُن کیلئے فرمایا کہ:

هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا O لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًاO (فتح 48/4-5)

جس نے مذکورہ بالا فتح اور گارنٹی عطا کی وہی تو ہے جس نے مومنین کے دلوں میں اس غرض سے سکون نازل کر دیا تاکہ وہ اپنے سابقہ ایمان میں زیادتی کرتے چلے جائیں۔ اور آسمانوں و زمینوں کی سب چھوٹی بڑی افواج اللہ کے کنٹرول میں ہیں۔ اور اللہ اس سلسلے کا علم و حکمت رکھنے والا ہے اور یہ علم و حکمت ہی کا تقاضہ ہے کہ مندرجہ بالا مومنین اور مومنات کو نہروں والی جنتوں میں داخل کر دے اور اُن کی برائیوں کو چھپا دے۔ اور وہ سب انتظام کر دینا اللہ کے یہاں بڑے مرتبہ پر فائز ہو جانے کے برابر ہے۔

مطلب واضح ہے کہ جو لوگ آنحضرتؐ کی تحقیقی اور حسب حال تنفیذ پر بلا شک و شبہ ایمان لاتے جائیں گے اور ہر ہر بات کو بلا چون و چرا قبول کر کے اپنے ایمان میں اضافہ کریں گے۔ اُن میں اگر برائیاں ہوں گی بھی تو اللہ اُن سب برائیوں کو چھپا دے گا۔ نامہ اعمال میں محض نیکیاں رہ جائیں گی۔

(vii)۔ مصنوعی منافق اور اشترا کی لوگوں کی پوزیشن

یہاں پسندیدہ مومنین کے بعد اب ایک قابل تعجب بات یہ بتائی جارہی ہے کہ:

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًاO (فتح 48/6)

جو منافقین اور منافق عورتیں اور جو مشرکین اور مشرک عورتیں اللہ کے متعلق بُرے بُرے قیاسات اور گمان پھیلا رہے ہیں۔ اُن کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اور اُن کو ایک بُرے دائرے میں گھیرا جا چکا ہے۔ اور اللہ نے اُن پر محروم رہنا اور مغضوب ہونا واجب کر دیا ہے اور اُن کے لئے جہنم میں بُرا ٹھکانہ تیار کر دیا گیا ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مشرکین اور منافقین تو سر سے پیر تک غلط عقائد رکھتے ہیں۔ اُن سے اللہ کو بدگمانیوں کی اس قدر شکایت کیوں ہے؟ رہ گیا جہنم! وہ تو تیار ہی کافروں اور مشرکوں کے لئے کیا گیا ہے۔ لہٰذا مشرکوں کو جہنم کی دھمکی نئی بات نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کس قسم کے مشرک و منافق ہیں جن پر غصہ، غضب، لعنت اور جہنم صرف بدگمانی کی بنا پر لازم کیا گیا ہے؟ کیا یہ ممکن مان لیا جائے کہ اگر مشرکین و منافقین اپنی بدگمانی ترک کر کے اللہ کے متعلق حسن ظن رکھنے لگیں تو مذکورہ غصہ اور لعنت و سزا ختم ہو جائے گی؟ قارئین نوٹ کر لیں کہ یہ

حقیقی مشرکین اور منافقین کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہ مصنوعی بناوٹی مشرک و منافق ہیں مگر دل میں اور باقی ظاہری اعمال میں مسلمان ہیں۔ یہ وہ ہی گروہ ہے جو کافروں اور مشرکوں اور منافق جماعت کو یہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں مرحلہ وار کام کر رہے ہیں۔ اور بدستور کافر و مشرک ہیں۔ اُن پر اسلامی تعلیمات کا ذرہ برابر اثر نہیں ہوا ہے وہ دل کی گہرائی میں اپنے سابقہ مذہب پر برقرار ہیں۔ اصل منشا یہ ہے کہ جس طرح مسلمان کہلانے کے لئے ظاہری اعمال میں اشتراک کی بنا پر اُن کو مومنین کہا جاتا ہے، اُسی طرح مخالف سمت میں شمولیت کی وجہ سے انہیں مشرک و منافق کہا گیا ہے۔ مگر اُن لوگوں میں اللہ سے بدگمانی اگر نہ ہو تو عقائد کی درستی ممکن ہے۔ اور یہ بدگمانی دینی حکومت و احکام میں اشتراک کا خیال اور تقاضہ ہے۔

یہ نوٹ کریں کہ جس طرح اللہ نے مومنین کے ایمانی اضافہ کے بعد آسمان و زمین کی افواج کا ذکر کیا تھا۔ اُسی طرح یہاں اُن مخصوص مشرکوں کے تذکرہ کے بعد بھی یہ بات دھرائی گئی ہے۔ (فتح 48/7)

(viii)۔ بیعت رضوان میں وفادار و بے وفا دونوں قسم کے مسلمان تھے

اگر صلح حدیبیہ کی بیعت میں شریک ہونے والے چودہ سو مسلمان سارے کے سارے رسولؐ اللہ سے ہم آہنگ اور وفادار ہوتے اور اُن میں کوئی شخص بھی مقاصد رسولؐ کو اُلٹ ڈالنے والا نہ ہوتا تو یہ آیت نہ آتی کہ؛

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیۡهُ اللّٰهَ فَسَیُؤۡتِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ۝ (الفتح 48/10)

یقیناً جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی (48/18) اُنہوں نے آپ کی بیعت کر کے اللہ سے بیعت کی تھی۔ اور اُن کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ اب ایسی صورت کے بعد بیعت کرنے والوں میں سے جو اُس بیعت کے مقصد کو الٹ لے اُس کی ذمہ داری اُسی کی گردن پر ہوگی اور جو کوئی اللہ کے اِس معاہدہ پر وفاداری کا ثبوت دے گا۔ اُسے اللہ عنقریب اجر عظیم عطا کرے گا۔

وہ لوگ مایوس کر دیئے گئے جو وفاداروں اور غداروں اور بدگمانیاں کرنے والوں کو رضی اللہ عنھم میں مخلوط رکھنا چاہتے تھے۔

(ix)۔ عرب کے عام مسلمانوں کو مجتہدین کی تبلیغ نے کیسا بنا دیا تھا؟

آپ نے شاید خیال کیا ہو کہ جب جنگ احزاب میں مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی تو مکہ کی اس مہم میں صرف چودہ سو کیوں رہ گئی؟ ایک وجہ تو یہ تھی کہ آنحضرتؐ نے اعلان جنگ نہ کیا تھا۔ صرف عمرہ میں ہمراہ چلنے کی دعوت دی تھی۔ لہٰذا مال غنیمت اور لونڈی غلام کے لالچ میں شریک ہونے والے کیوں خواہ مخواہ زحمت برداشت کریں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ کو مکہ والے ہرگز بیت اللہ تک نہ پہنچنے دیں گے بلکہ مکہ سے باہر ہی ختم کر دیں گے۔ اس صورت میں مدینہ کی حکومت پر اُن کا اپنا قابو ہو جائے گا۔ اُدھر آنحضرتؐ کے ہمرکاب جانے والوں میں چونکہ اُن کے بڑے بڑے سرغنہ لیڈر رہیں اور کثرت بھی اُن کی اپنی ہے۔ لہٰذا مکہ والوں سے تعاون اور امداد کا بندوبست اور رابطہ بھی قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم نے اُن تمام عربوں کو جو مدینہ اور نواح مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے، مُخَلَّفُوْن کہا ہے۔ مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی سورہ فتح میں پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کے وہ عذرات جو وہ پیش کریں گے اور جو جو باتیں بنائیں گے،

بتا دیئے گئے تھے۔ یعنی یہ کہ وہ کہیں گے کہ ہم اپنے اموال واہل عیال کے معاملات میں اُلجھے ہوئے تھے۔ ہم آپ سے بخش دیئے جانے کی التجا کرتے ہیں۔ مگر اُنکی تمام باتیں دل سے نہیں بلکہ فریب سازی اور آپؐ کو ہموار کرنے کیلئے ہوں گی (فتح 48/11)۔ اُنکو یہ گمان بھی تھا کہ اب قیامت تک بھی رسولؐ اللہ اور مومنین کی قلیل تعداد اپنے اہل وعیال کے پاس مدینہ نہ آسکیں گے۔ وہ یہ خیال کرکر کے بہت خوش ہو رہے تھے (فتح 48/12)۔ پھر اللہ نے جنگ خیبر اور غنیمتوں کی طرف توجہ دے کر سورہ فتح میں بتایا کہ وہ زیر بحث عربی مسلمان اُس جنگ میں ہمراہ چلنے کی درخواست کرینگے اور جب آپ انکار کریں گے تو آپؐ کو حاسد قرار دیں گے۔ (فتح 48/15)

... فَاِنۡ تُطِيۡعُوۡا يُؤۡتِكُمُ اللّٰهُ اَجۡرًا حَسَنًا ‌ۚ وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا كَمَا تَوَلَّيۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا o (فتح 48/16)

اُنکو بتا دینا کہ ہم تمہیں ایک زبردست قوت والی قوم سے جنگ کرنے کی دعوت دینگے۔ اُس میں اگر تم نے اطاعت کی تو اللہ تمہیں اچھا اجر دیگا اور اگر تم نے اُسی طرح اللہ کے خلاف ولایت اختیار کی جیسا کہ اس سے پہلے کرتے رہے ہو تو تمہیں عذاب الیم سے دوچار کیا جائیگا۔

29۔ جنگ خیبر میں مسلمانوں کی فتوحات وتاریخی حالات

خیبر یہودیوں کا مرکزی مقام تھا۔ اسلام کی مقبولیت اور پیش رفت نے اُن تمام یہودیوں کو مایوس کر دیا تھا جو دین موسوی کی جگہ اجتہادی مذہب کے حامی اور راہنما تھے۔ چونکہ یہ قریش کی مذہبی راہنمائی کرتے چلے آرہے تھے۔ اور اسلام کی مخالفت میں اُنکے معاون اور حلیف تھے۔ اسلئے ہر جنگ میں قریش کی ہر ممکن خفیہ واعلانیہ مدد کرتے تھے۔ اور جنگ اُحد اور احزاب میں بدعہدی وغداری کے مرتکب بھی ہوئے تھے۔ اور مدینہ ونواح مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر ونواح خیبر کے علاقوں میں جمع ہو گئے تھے۔ یہاں اُنکا اجتماع اس غرض سے تھا کہ مسلمانوں پر اجتماعی یورش کر کے اُنکو تباہ وبرباد کر دیا جائے۔ جنگ احزاب میں قریش کے ساتھ مل کر ایک ملی جلی کوشش میں ناکام ہو جانے کے بعد اب وہ آخری مقدر آزمائی کی تیاریاں مکمل کر چکے تھے۔ تمام عرب میں اپنے نمائندوں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف نفرت واشتعال پیدا کر کے جنگ پر آمادہ کر رہے تھے۔ اپنے مقروض قبائل کے سرداروں کو ہموار کر چکے تھے۔ اُدھر رسولؐ اللہ یہود کی کوششوں سے تمام مسلمانوں کو مطلع رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہودی حملہ کو خود خیبر میں جا کر روک دیا جائے۔ تاکہ یہود اور دیگر قبائل کی بے پناہ فوجیں مدینہ کے باغات اور فصلوں کو تباہ نہ کر سکیں۔ لہٰذا آپؐ نے اعلان جنگ کر دیا اور تمام مسلمانوں کو حملہ میں شرکت کی دعوت دی۔ ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا کہ ہر مسلمان یہ سمجھ کر ہمراہ چلے کہ وہ خالص فی سبیل اللہ جہاد کیلئے جا رہا ہے۔ اس اعلان کی وجہ سے کل چودہ یا سولہ سو مسلمان جنگ خیبر کیلئے ہمراہ چلے۔ باقی حضرات مذکور ومشہور مقاصد کیلئے مدینہ ونواح مدینہ میں موجود رہے۔ شبلی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ: ''ایک مدت تک لوگ (یعنی صحابہ رسولؐ) جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے۔

اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اُٹھا دیا گیا اور اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ (یعنی صحابہ رسولؐ) شریک ہوں جنکا مقصد جہاد اور اعلائے کلمۃ الحق ہو۔'' (سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ 481-480)

یعنی علمانے یہ تاثر دیا ہے کہ صلح حدیبیہ کی طرح اس جنگ میں بھی خالص ومخلص صحابہ شامل ہوئے تھے۔لیکن ابھی ذرا دیر بعد جنگ سے فرار کرنے والوں کی موجودگی اِن ہی حضرات کے قلم سے آنے والی ہے۔اور خالص ومخلص صحابہ جان قربان کر دیا کرتے ہیں۔ جنگ میں کافروں کو پیٹھ دکھا کر بھاگا نہیں کرتے۔وہ حضرات سینہ پر دشمن کا وار سہتے ہیں نہ کہ...... پر۔

(29/2)۔ جنگ خیبر میں اسلام کے ہیروز اور جنگی کارنامے

خیبر کا علاقہ مدینہ سے دوسو میل تھا۔ یہاں پہنچ کر آنحضرتؐ نے یہود کی مختلف آبادیوں اور چھوٹے چھوٹے، چاروں طرف پھیلے ہوئے قلعوں اور مورچوں کو فتح کرکے یہود کے سب سے بڑے قلعہ قموص کے قریب پڑاوٗ ڈالا۔ بتایا جاتا ہے کہ حضورؐ کے سر میں دردِ شقیقہ تھا اسلئے آپ اپنے خیمہ میں رہے۔اور قلعہ پر حملہ کیلئے کوئی حکم یا پروگرام نہیں بتایا۔لہٰذا یہ اچھا موقع تھا اسلئے جناب ابوبکر نے فوج کی کمانڈ سنبھالی اور فوج کا علم لے کر قلعہ پر فوج کو بڑھایا اور ناکام واپس آئے۔دوسرے روز جناب عمر نے یہی پروگرام چلایا لیکن ناکام واپس ہوئے۔اُن دونوں کے حملوں اور ناکامی کی تفصیل مختلف کتابوں سے ملاحظہ فرمائیں۔

(ii)۔ حضرات ابوبکر اور عمر کا ازخود علم وسرداری لینا اور میدان سے فرار کرنا

علامہ ابن حجر نے لکھا کہ: **لَمَّا کَانَ یوم خیبر اخذ ابوبکر اللواء فرجع ولم یفتح له فلما کان الغد اۃ اَخذَہٗ عمر فرجع ولم یفتح له** ۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ 7 صفحہ 9) ''جب جنگ خیبر شروع ہوئی تو حضرت ابوبکر نے علم لیا اور قلعہ فتح کئے بغیر واپس لوٹے۔پھر جب اگلا دن ہوا تو عمر نے فوج کا علم لیا اور واپس آئے قلعہ فتح نہ ہوا''

حبیب السیَر میں ہے کہ: ''روز اوّل عمر برحرب اقدام نمود و روز دوم ابوبکر بمقاتلہ پرداخت انہزام یافت۔مردم اُورا ملامت می کردند۔روز سوم باز عمر بامر قتال قیام فرمود ومنہزم شدہ۔اولشکریاں بجبن منسوب می داشت ولشکریاں اُوراچوں بہ معسکر خیر البشر رسید وخسروکواکب مواکب متوجہ دیار مغرب گردید۔حضرت رسالت علیہ السلام فرمود **لا عطین الرا یۃ رجلا کرّارًا غیر فرّار یحب اللّٰہ و رسوله ویحبه اللّٰہ ورسوله یفتح اللّٰہ علی یدہ**۔''

پہلے دن حضرت عمر نے جنگ کی مگر اُنکو کامیابی نہ ہوئی۔روزِ دوم ابوبکر نے جنگ کی مگر شکست کھا کر لوٹے۔ابوبکر کو فوج کے جوان ملامت کرتے رہے۔تیسرے دن پھر حضرت عمر لڑنے گئے مگر پھر شکست کھا کر پلٹ آئے اور کہا کہ میری فوج نے نامردی کی مگر فوجیوں نے کہا کہ عمر نے نامردی کی ہے۔جب فوج خیر البشر کے پاس پہنچی اور آفتاب چھپ گیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو ہوا سو ہُوا۔کل میں فوج کا علم اور سرداری ایسے مرد کو دوں گا جو جم کر لڑنے والا ہے ہرگز بھاگنے والا نہیں ہے۔اسلئے کہ اُسے اللہ ورسولؐ سے محبت ہے اور اللہ ورسولؐ اس سے محبت کرتے ہیں اور اس جنگ کو اللہ اسی کے ہاتھ سے فتح کرائے گا۔(صفحہ 132)

یہاں یہ بات خاص طور پر نوٹ کریں کہ موٴرخین نے شیخین کے فرار کا اقرار بڑے تکلف اور دبی زبان سے کیا ہے۔مگر سب نے یہ مان لیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے آخر فوج کا علم حضرت علیؑ کو دیا اور **کر ارًا غیر فرارٍ** کہہ کر تمام سابقہ حملہ آوروں کا جم کر نہ لڑنا اور خوفِ جان سے فرار کرنا ثابت کر دیا ہے۔جو لوگ تعصب وطرفداری نہیں رکھتے وہ حقائق کی تہہ تک ضرور پہنچ جاتے ہیں لیکن متعصب لوگ سورج کا بھی

انکار کر دیتے ہیں۔ بہر حال پوری فوج کی شکست اور سرداروں کی وجہ سے فرار ثابت ہے اور یہ ایک معجزہ ہے کہ اللہ نے اُن کا قلم مجبور کر کے لکھوالیا۔

(iii)۔ ہیروز روزِ اوّل سے اعتمادو تقرب کی تاک میں لگے رہتے تھے

خیبر کے سفر میں جناب علیؑ مرتضٰی بوجہ آشوب چشم ہمراہ نہ آئے تھے۔ خدا کو یہ منظور تھا کہ آنحضرتؐ نادِعلیؑ پڑھ کر حاضری کا حکم دیں اور مظہر العجائب ہونے کا ثبوت فراہم ہو جائے۔ چنانچہ جب قلعہ قموص پر مسلمانوں کو پے در پے ناکامی ہوگئی اور لوگوں نے بار بار قسمت آزمائی کر لی تو حضورؐ نے اعلان فرما دیا کہ کل اُس شخص کو علم دیا جائے گا جو جم کر لڑے گا، خیبر کو فتح کرے گا اور سابقہ سردارانِ فوج کی طرح فرار نہ کرے گا۔ کیونکہ حضرت علیؑ موجود ہی نہیں ہیں اور دوسو میل سے رات بھر میں آجانا ناممکن ہے۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ وہ خوش نصیب شخص جو خیبر کا فاتح ہوگا، اُن ہی چودہ یا سولہ سو مسلمانوں میں سے کوئی ایک ہے۔ اس لئے ہر دل میں یہ تمنا تھی کہ کاش کسی طرح وہی اس سعادت کا حامل بن جائے۔ صحابہ رات بھر نہیں سوئے، باتیں ہوتی رہیں۔ صبح کو رسولؐ کے سامنے بن ٹھن کر پیش ہونے اور آنحضرتؐ کو متوجہ کرنے اور علم حاصل کرنے کی تدبیریں سوچی جاتی رہیں۔ اور تو اور وہ لوگ بھی رات بھر اس تمنا میں غلطاں و پیچاں رہے جو جنگ سے بچ نکلنے اور فرار کر جانے میں مشہور و معروف تھے اور تین دن برابر بھاگتے رہے تھے یہ نظارہ ملاحظہ فرمائیں:۔

علامہ شبلی کا بیان: ''یہ رات نہایت اُمید اور انتظار کی رات تھی۔ صحابہ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھئے کہ یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے۔ حضرت عمر نے قناعت پسندی کی بنا پر کبھی حکومت اور سرداری کی تمنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؑ میں مذکور ہے کہ اُن کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں اُن کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔'' (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 487)

جناب علامہ کی خوشامدانہ و متعصّبانہ زبان اور تحریریں ناقابل اعتنا ہیں۔ اس کے باوجود یہ معلوم ہو گیا کہ علامہ کے نزدیک بھی اگلی صبح کو علم حاصل کرنے کی کوشش میں سنجیدگی، خودداری اور باوقار طریقوں سے ہٹ کر بچگانہ روش اختیار کر لی تھی۔ یعنی اس کی قطعاً پرواہ نہ کی تھی کہ بزدل کہنے والے صحابہ کیا کہیں گے، اسلامی فوج کے سامنے کس منہ سے آئیں گے اور علم طلب کرنے کے لئے سینہ تان کر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر رسولؐ اللہ کو متوجہ کریں گے۔ بہر حال شبلی نے شرما کر باقی واقعات نہیں لکھے اور ناول نویسی کی طرح ایک دم صبح کر دی اور لکھا کہ:۔ ''صبح کو دفعتاً یہ آواز کانوں میں آئی کہ'' علیؑ کہاں ہیں؟ ''یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی۔ کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا۔'' (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 487)

اگر حضرت علیؑ موجود تھے یعنی باوجود شدید آشوب چشم کے اُن کو ہمراہ لایا گیا تھا۔ تب تو ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ پہلے سے جانتے تھے کہ وہ سولہ سو صحابہ بالکل بے کار و ناکام ثابت ہوں گے۔ علیؑ کو ساتھ رکھوں تاکہ آڑے وقت میں کام آئیں۔ اس صورت میں وہ آواز غیر متوقع کیوں ہوگی۔ کیا رسولؐ اللہ کا لعاب دہن آج تک کئی دفعہ آزمودہ نہیں ہے؟ کیا شبلی صاحب اس طرح کرامت کے منکر ہیں۔ غیر متوقع اس لئے ہے کہ علیؑ دوسو میل کے فاصلے پر مدینہ میں ہیں اور ابھی صحابہ کو **نادِ علیًّا مظہر العجائب تجدْہُ عَوْنًا لک فی**

النوائب کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔اس بھروسے پر حضرت عمرو دیگر صحابہ کوشاں اور پُر اُمید ہیں کہ علم اُن ہی میں سے کسی کو ملے گا۔علیؑ موجود ہوتے تو ہر لمحہ ہر بھاگنے والا علیؑ علیؑ کرتا رہتا۔اور ہر دفعہ سوچتا کہ اس ہزیمت کے بعد علیؑ کو بھیجا جائے گا۔علیؑ ہر دل و دماغ پر سوار رہتے تھے۔ مواقع جنگ پر ایک لمحہ کے لئے اُن کی طرف سے لوگوں کا دھیان نہ ہٹتا تھا۔کافر بھی خوفزدہ رہتے تھے اور تمام مجتہدین اور ہیروز بھی چوکنّا رہتے تھے۔اور اپنے منصوبوں پر پھُونک پھُونک کر قدم رکھا کرتے تھے۔یہ تو خوابوں میں ڈراتے رہنے والا مجسمہ تھا اور ذرا دیر میں مدینہ سے آنے والا ہے۔

جناب طبری نے لکھا ہے کہ:۔

''علیؑ اُس وقت وہاں موجود نہ تھے۔اس وجہ سے قریش کے ہر فرد کی یہ اُمید تھی کہ شاید اُسی کو علم دیا جائے۔دوسری صبح علیؑ اپنے اونٹ پر سوار رسولؐ اللہ کی فرودگاہ میں آئے اور آپؐ کے خیمہ کے قریب آکر اُنہوں نے اپنا اونٹ بٹھایا۔اُنکی آنکھیں دُکھ رہی تھیں۔قطری کپڑے کی پٹی آنکھوں پر بندھی تھی۔رسولؐ اللہ نے فرمایا قریب آؤ۔علیؑ آپؐ کے قریب آئے آپؐ نے اُنکی آنکھوں میں اپنا تھوک لگا دیا۔جس سے درد جاتا رہا۔وہ اُس وقت چلے گئے۔پھر آپؐ نے اُنکو اپنا علم دیا۔'' (تاریخ طبری۔جلد اوّل صفحہ 361)

حضرت عمر کا اپنا اعلان

قال عمر ابن الخطاب لقد اعطی علیؑ ابن ابیطالبؑ ثلاث خصال لا ن تکون لِی خصلة مِنھا اَحبّ اِلیَّ مِنْ اَن اعطی حمر النعم ۔قیل وما ھنَّ ؟قال تزوجه فاطمة بنت رسولؐ اللّٰه و سکناہ المسجد مع رسولؐ اللّٰه یَحَلّ له فیه ما یحل له و رایة یوم خیبر۔(مسند امام حاکم صفحہ 26،مستدرک جلد 3 صفحہ 125)

''حضرت عمر کہا کرتے تھے کہ علیؑ ابن ابیطالبؑ کو تین صفات ایسی دی گئیں تھیں کہ اگر مجھے اُن میں سے ایک بھی مل جاتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں کی قطار سے زیادہ محبوب ہوتی۔پوچھا گیا کہ وہ تین خصلتیں کون سی ہیں؟ بتایا کہ فاطمہؑ بنت رسولؐ سے نکاح۔مسجد میں اُن کی سکونت کہ علیؑ کے لئے بھی مسجد میں وہی کچھ جائز تھا جو رسوؐل کو جائز تھا۔اور خیبر کے دن علیؑ کو فوج کی سرداری اور علم کا عطا کیا جانا۔''

(iv)۔ حضرت علیؑ کا حملہ کے لئے روانہ ہونا اور فتح کرنا

شبلی ماشاءاللہ دشمنی اہل بیتؑ میں اس قدر راسخ ہیں کہ ہم عصر بزرگوں سے لیکر اپنے تمام سابقہ بزرگان کی ہر وہ روایت غلط قرار دیتے ہیں جس میں ذرا سی گنجائش نکل آئے اور علیؑ و آل علیؑ کی منقصت کا امکان ہو۔بہر حال افتتاح اُنہی کے قلم سے دیکھیں:۔

علامہ شبلی نے مان لیا کہ:۔ ''آنحضرتؐ نے اُنؑ کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور دُعا فرمائی۔جب اُنؑ کو علم عنایت ہوا تو اُنہوں نے عرض کی کہ کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنالیں؟ ارشاد ہوا کہ بہ نرمی اُن پر اسلام کو پیش کرو۔''

قارئین اعتماد علویؑ ملاحظہ ہو کہ روانگی سے قبل یقین ہے کہ کامیاب ہوں گا۔اور یہ کہ جبراً، یا لڑ کر کسی کو مسلمان کرنا کافرانہ طریقہ ہے۔ چند سطروں کے بعد لکھا کہ:۔

''لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔مرحب قلعہ سے رجز پڑھتا ہوا نکلا:۔

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں	قد علمت خیبر انی مرحب
دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، مسلح ہوں۔	شاکی السلاح بطل مجرّب

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا۔ مرحب کے جواب میں حضرت علیؑ نے یہ رجز پڑھا۔

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا۔	اَنَا الّذی سمتنی اُمِّی حَیدرہ
میں شیر نیستان کی طرح مہیب اور جابرانہ ہیئت رکھتا ہوں۔	کلیث غاباتٍ کریہ المنظرہ

مرحب بڑے طمطراق سے آیا۔ لیکن حضرت علیؑ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اُتر آئی۔ اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی۔ اُس پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا۔ اس لئے عجائب پسندی نے اُس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہیں پھیلا دیں۔''
(سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 488-487)

مطلب یہ کہ ناصبی دماغ میں درِ خیبر کا اکھاڑ لینا، دروازہ کو ڈھال کی جگہ استعمال کرنا وغیرہ ہضم نہ ہوسکا۔ مگر یہ بھی غنیمت ہے کہ فاتح خیبر اور قاتل مرحب، محمد بن مسلمہ کو بنانے والوں کو کاذب کہہ کر حضرت علیؑ کے اِس شرف کو غصب نہیں کیا۔ (صفحہ 489)

کوئی دریافت کرے کہ مرحب کا قتل کرنا عظیم الشان واقعہ کیوں؟ وہ بھی ایک آدمی تھا اور اُس کا قتل یا شکست ایک آدمی کا قتل یا شکست کے بجائے عظیم الشان واقعہ کیوں ہے؟ اُن کی روح کو ایصال ثواب میں بتادو کہ مرحب ہی تو وہ شخص ہے جس کے سامنے سے تمام ہیروز اور پوری فوج روزمرہ بھاگتی رہی۔ یعنی وہ اکیلا شخص جب گھوڑا دوڑا کر بڑھتا تھا تو مسلمان فوج اور سپہ سالار حضرات اپنے کیمپ میں آکر دم لیتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو بزدل اور نامرد کہہ کر اپنی جان بچاتے تھے۔ وہ اکیلا سولہ سو بہادروں کے مقابلہ میں زیادہ تھا۔ اس لئے اُس کا قتل عظیم الشان واقعہ ہے۔ عمرو بن عبدود ایک ہزار بہادروں کے برابر شمار ہوتا تھا تو مرحب کو سولہ سو کے برابر ماننا چاہئے۔

(۷)۔ علامہ شبلی اور اُن کے ہم خیال علما کو اُن کے بزرگوں کی طرف سے سنادو

چند اہل سنت بزرگوں نے لکھا: فَنَهَضَ و علیه حُلّه حمرا ء فاتی خیبر فاشرف علیه رجل من یهود فقال من اَنتَ؟

قال اَنا علیؑ ابن ابی طالبؑ۔ فقال الیهودی غلبتم یا معشر الیهود۔

اور تسلیم کیا کہ جب علیؑ علَم لے کر روانہ ہوئے تو اُس وقت آپ سرخ حُلّہ زیب تن کئے ہوئے تھے۔ جب آپ قلعہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی نے پوچھا تم کون ہو؟ حضرتؑ نے فرمایا کہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔ اس پر یہودی نے پکار کر کہا کہ اے قوم یہود تم مغلوب ہو چکے ہو۔'' (تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 83، ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ مقصد دوم صفحہ 256، ریاض النضرۃ جلد 2 صفحہ 187)

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا کہ:۔

علیؑ علَم برگرفتہ رواں شدہ۔ بپائے حصارِ قموص آمد و علَم را برتودۂ از سنگ ریزہ کہ در آنجا بُود بزد۔ یکے از احبار یہود کہ بالائے حصار بود پرسید کہ اے صاحبِ علَم تو کیستی و نام تو چیست؟ گفت منم علیؑ ابن ابی طالبؑ۔ پس آن یہودی با قوم خویش گفت سوگند بتوریت کہ شما مغلوب شدید۔ این مرد فتح ناکردہ برنہ خواہد گشت۔ ظاہر آن خبر صفاتِ علیؑ و شجاعت اُو را می دانست

کہ در توریت وصفِ اُورا خواندہ بود۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ 300)

حضرت علیؑ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ قموص کی فصیل کے پاس پہنچ کر آپ نے اس علم کو پتھروں کے ایک تودہ پر گاڑ دیا۔ یہ دیکھ کر قلعہ کے اوپر سے ایک یہودی عالم نے پوچھا کہ اے علم والے تو کون اور تیرا نام کیا ہے؟ آپؑ نے کہا میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں۔ یہ سنتا تھا کہ اس یہودی عالم نے اپنی قوم کو بتایا کہ توریت کی قسم اب تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ شخص وہ ہے جو بغیر قلعہ فتح کئے واپس نہیں جائے گا۔ غالباً وہ یہودی عالم حضرت علیؑ کی صفات اور شجاعت توریت میں پڑھ چکا تھا۔''

دروازہ کو ڈھال بنا کر جنگ کرنا: فضرب بہ رجل من الیھود فطرح ترسہ من یدہ فتناول علیؑ بَابًا کَانَ عند الحصن فتترس بہ عن نفسہ فلم یزل فی یدہ وھو یقاتل حتّٰی فتح اللّٰہ علیہ ثم القاہ مِن یدہ حین فَرَغَ فلقد را یتنی فی نفر سبعۃ اُنا سَّامنھم نجھد عَلٰی اَن نقلب ذلک الباب فما نقلبہ۔

''جب جنگ زور سے ہو رہی تھی تو ایک یہودی نے حضرت علیؑ کے دست مبارک پر ایک ضرب لگائی کہ ڈھال ہاتھ سے گر گئی۔ آپؑ نے فصیل کے نزدیک والا دروازہ اکھاڑ کر ڈھال کا کام لینا شروع کر دیا اور جنگ جاری رکھی۔ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو فتح عطا کی۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اُس دروازہ کو ہاتھ سے ڈال دیا۔ وہ اس قدر وزن دار تھا کہ ہم آٹھ آدمی مل کر بھی اسے اُلٹ پلٹ نہ سکے۔'' (تاریخ طبری جلد اوّل اور تاریخ کامل جلد 2 صفحہ 84 وغیرہا)

یہ واقعہ مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد کا ہے۔ جب آپ تنہا یہودی فوج سے نبرد آزما تھے۔ جب افواج بھاگ کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئیں تو آپ نے اپنی فوج کو خندق کے پار لانے کے لئے قلعہ خیبر کا دروازہ اکھیڑ کر پُل بنا دیا۔ یہ وہ دروازہ تھا جس کا تواریخ میں ستر (70) آدمیوں سے ہل نہ سکنا لکھا ہے۔ مرحب کے قتل کے بعد یکے بعد دیگرے آپ نے ربیع بن الحقیق اور یاسر اور عنتر وغیرہ چھ بہادروں کو قتل کیا تھا (فواتح میبذی) آخر اہل قلعہ نے امان طلب کی اور حضرت علیؑ جنگ بند کر کے آنحضرتؐ کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے تو سرکار دو عالمؐ نے اظہار مسرت فرمایا، مبارکباد اور دعائیں دیں، تفصیل سنئے۔

(vi)۔ فاتح خیبر علیہ السلام کا استقبال اور مبارکباد؛ اللہ و رسولؐ کا ممنون ہونا

صاحب مدارج النبوۃ تحریر فرماتے ہیں کہ: چوں علیؑ مہم کفار قرار دادہ بدرگاہ آنحضرتؐ متوجہ گشت۔ آنحضرتؐ بجہۃ تہنیۃ وے استقبال و استبشار از خیمہ بیروں آمد۔ وے را در کنار گرفت و میان دو چشم وے بوسہ داد و فرمود بلغنی ثناءک المشکور و صنیعک المذکور قد رضی اللہ عنہ و رضیت انا عنک۔ پس حضرت امیرؑ گریہ کرد۔ فرمود آنحضرتؐ ایں گریہ شادی است یا گریۂ اندوہ؟ فرمود علیؑ بلکہ گریۂ شادی است و گفت چگونہ شاد بآں نباشم کہ تو از من راضی باشی۔ فرمود آنحضرتؐ نہ من تنہا از تو راضیم بلکہ خدا و جبرئیل و میکائیل و جملہ فرشتگان از راضی اند۔'' (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ 302)

حضرت علیؑ کافروں کی مہم سر کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آنجنابؐ آپؑ کو آتا دیکھ کر خیمہ سے باہر تشریف لائے اور مبارکباد اور بشارت کے لئے بڑھ کر اُن کو سینے سے لگایا، دونوں اَبروؤں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور فرمایا کہ اے علیؑ تمہاری

خدمات اسلام اور کارکردگی اور تمہاری وہ مدح جوشکریہ کی مستحق ہے پہلے ہی مجھے پہنچا دی گئی ہے۔ اللہ تم سے راضی ہو چکا اور میں بھی بہت ہی خوش ہوں۔ جبرئیلؑ و میکائیلؑ اور تمام ملائکہ آج خوش ہیں۔ اِن جُملوں سے حضرت علی علیہ السلام کا خوشی کے مارے دل بھر آیا تھا اور رسوؐل اللہ نے بے چین ہو کر پوچھا تھا کہ یہ رونا خوشی کا ہے یا تمہیں کوئی رنج پہنچا ہے؟...........

(vii)۔ فاتح خیبر کے لئے رجعت الشّمس۔غروب کے بعد سورج دوبارہ نکلا

فتح خیبر کے بعد جب واپسی پر آنحضرؐت نے صہبا کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو حضوؐر پر نزول وحی شروع ہوا۔ آپؐ حضرت علیؑ کے زانو پر سر رکھے ہوئے تھے۔ وحی کو اس قدر طول ہوا کہ سورج غروب ہو گیا اور حضرت علیؑ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ حضوؐر نے اللہ سے دعا فرمائی سورج دوبارہ نکلا اور سرکارؑ ولایت نے نماز ادا کی۔ مؤرخین ومحدثین نے اس واقعہ کو طرح طرح سے بیان کیا ہے کہ:۔

ومن کراماته الباهرة اِنَّ الشَمس ردّت علیه لما کان راس النبیؐ فی حجرة والوحی ینزل علیه وعلیؑ لم یصلی العصر فما سری عنه صلی اللّٰه علیه وسلم الا وقد غربت الشمس فقال النبیؐ اللهم انّه کان فی طاعتک و طاعة رسولک فاردد علیه الشمس فطلعت بعد ما غربت وحدیث روها صححه الطحاوی والقاضی عیاض فی الشفاء ہ حسنه شیخ الاسلام ابو زرعه وغیرہ وردّ و اعلی جمع قالوا انّه موضوع ۔(فتح المبین برحاشیہ سیرۃ نبویہ زینی دحلان جلد 1 صفحہ 182)

آپؑ کی واضح وروشن کرامات میں سے یہ بھی ہے کہ آپؑ کے لئے آفتاب پلٹایا گیا۔ پیغمبرؐ آپؑ کی آغوش میں سر رکھے ہوئے تھے۔ وحی کا نزول ہو رہا تھا۔ اور علیؑ نے عصر کی نماز نہ پڑھی تھی۔ وحی کے اختتام تک آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ آنحضرؐت نے دعا کی کہ یا اللہ علیؑ تیری اور تیرے رسوؐل کی اطاعت میں مصروف تھے۔ اُن کے لئے سورج کو واپس کر دے۔ آفتاب غروب ہو جانے کے بعد دوبارہ واپس ہوا۔ آفتاب کے دوبارہ پلٹنے کی حدیث کو امام طحاوی نے صحیح قرار دیا ہے اور قاضی عیاض نے بھی شفاء میں اس کی صحت کی تصریح کی ہے۔ شیخ الاسلام ابوزرعہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور اُن سب نے اُن لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے اُسے گھڑنت قرار دیا تھا۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ:۔

وامّا عود الشمس بعد غروبها فقد وقع لهٗ فی خیبر فعن اسماء بنت عمیس قالت کان یوحی الیهؐ وراسه الشریفه فی حجر علیؑ ولم یسرعنه حتّٰی غربت الشمس وعلیؑ لم یصلی العصر ۔ فقال له رسول اللّٰه أصلّیتَ العصر؟ قال لا ۔فقال الهمّ انّه کان فی طاعتک وطاعة رسولک فاردد علیه الشمس ۔قالت اسماءؓ فرایتها طلعت بعد ما غربت وهو من اجل اعلام النبوة فلیحفظ ۔(تفسیر روح البیان جلد 2 صفحہ 406)

آفتاب کا غروب ہونے کے بعد پلٹنا غزوہ خیبر کے موقع پر وقوع ہوا۔ اسماء بنت عمیس سے روایت ہے کہ آنحضرؐت پر وحی نازل ہونے لگی اور آپؐ کا سر علیؑ کی گود میں تھا۔ وحی کا سلسلہ اسوقت تک ختم نہ ہوا جب تک کہ سورج غروب نہ ہو گیا۔ اور علیؑ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ پیغمبرؐ نے دریافت کیا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ فرمایا نہیں۔ آنحضرؐت نے دعا کی خدایا! علیؑ تیری اور تیرے رسوؐل کی اطاعت میں مصروف تھا۔ لہٰذا سورج کو اُن کے لئے پلٹا دے۔ اسماء کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آفتاب غروب ہو

جانے کے بعد پھر چمکنے لگا۔ آفتاب کا پلٹنا نبوت کی علامات میں سے ہے۔ لہٰذا اُسے یاد رکھنا ضروری ہوا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ریمارکس میں لکھا ہے کہ؛ "ردّ شمس کی روایت کو علامہ طحاوی نے اپنی کتاب مشکل الاثار اسماء بنت عمیسؓ سے دو طریقوں سے لکھا ہے۔ اور لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں مسلّم الثبوت ہیں اور اُن کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں۔ قاضی عیاض نے شفاء میں، صاحب بشری اللیث نے اپنی کتاب میں۔ حافظ علاء الدین مغلطائی نے اپنی کتاب الزھر الیاسم میں اُسے نقل کیا ہے۔ ابوالفتح ازدی نے اس حدیث کو صحیح اور ابوزرعہ نے اور ہمارے پیرومرشد حافظ جلال الدین سیوطی نے الدُّرَّ المنتثرہ فی الاحادیث المشتہرہ میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ (ازالۃ الخفا مقصد 2 صفحہ 271)

30۔ فتح مکہ اور قریشِ مکہ کی پوزیشن؛ اجتہادی تصورات کی مقبولیت

صلح حدیبیہ کے بعد اسلامی تبلیغ پورے عرب میں آزادی کے ساتھ پھیلتی چلی گئی۔ اور لوگوں نے اسلام کے مبلغین کی تعلیمات کو ٹھنڈے دل سے سننا شروع کیا۔ اور ماضی کے تجربات کی بنا پر یہ یقین کرنا پڑا کہ ایک روز سارے عرب کو اسلام کا حلقہ بگوش ہونا ہی پڑے گا۔ اُدھر اجتہادی تصورات اور قومی وملکی حکومت کے فوائد بھی یہی تقاضہ کر رہے تھے کہ جتنا جلد ہو سکے اُن دانش وران قوم کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں۔ تاکہ قرآن کی منصوص اور خانوادہ نبوت کی خاندانی حکومت کے خطرات سے حفاظت ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا تھا کہ صلح حدیبیہ اور جنگ خیبر میں صرف چودہ یا سولہ سو مسلمان شریک ہوئے تھے۔ اور بمشکل کل ظاہری تعداد تین ہزار سے اوپر نہ تھی۔ لیکن صرف دوسال کے بعد جب مکہ کی فتح کے لئے آنحضرتؐ چلے تو اب ہمہ قسمی مسلمانوں کی تعداد دس ہزار سے بڑھ چکی تھی۔ یہاں یہ نوٹ کر لینا چاہئے کہ عربوں کو اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے کے لئے کوئی ظاہری ردّوبدل بھی کرنا نہ پڑتی تھی۔ نام اور ولدیت بدستور وہی باقی رہتی تھی۔ لباس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہ تھی۔ پیشوں اور معاشرت میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ یعنی صورت شکل، لباس، نام اور دیگر تمام ظاہری حالات سے مسلمانوں اور عربوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ ہر وہ شخص جو اعلانیہ اسلام کا انکار نہ کرے بلکہ خاموشی سے مسلمانوں میں ملا جُلا رہے، مسلمان ہی سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اعلانیہ مخالفت ختم ہوتے ہی سب کو مسلمان سمجھ لیا جاتا تھا۔ قبیلے کا ایک شخص آنحضرتؐ کے پاس آکر اعلان اسلام کر دیتا تھا۔ اسکے بعد سارے قبیلے کو مسلمان شمار کر لیا جاتا تھا۔ یعنی کفر نے خاموشی سے اسلام میں داخلہ لے لیا تھا۔ یُوں دھڑا دھڑ لوگ گروہ درگروہ، قبیلہ در قبیلہ اور فوج درفوج مسلمانوں میں داخل ہوتے اور تعداد بڑھاتے جا رہے تھے۔ تاریخ وکتبِ احادیث سے کوئی ایسا طریقہ معلوم نہیں ہوتا جس سے ہر مسلمان ہونے والے کے متعلق یہ یقین کیا جا سکے کہ وہ تمام عقائدِ اسلام سے واقف اور اُن سب کا اقرار کرتا تھا۔ لہٰذا لوگوں نے زبانِ مخالفت بند کر لی تھی۔ اور اپنا دنیاوی مفاد مسلمان کہلانے میں سمجھ لیا تھا۔ مدینہ سے دور دراز کے علاقوں پر ایسی مکمل نگرانی بھی ناممکن تھی۔ جس سے ہر شخص کے نمازی ہونے کا یقین فراہم ہوتا رہے۔ اور جہاں جہاں ایسی نگرانی تھی بھی، وہاں بھی دل کی گہرائی کا پتہ لگانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ چنانچہ مدینہ کی مسجد نبوی میں نمازیوں کے اندر سب قسم کے لوگ پوشیدہ تھے۔ اُسی طرح جبری مقامات پر پوشیدہ رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے برابر بلاناغہ مسلمانوں کی کثرت کو فاسق (لاقانون) وفاجر (خلاف

ورزی کرنے والا) قرار دیا ہے۔ سوائے چند ایک کے (الا قلیلا) سب کو شیطان کے راستے پر بھی بتایا ہے۔ اور پھر اجتہاد کے سربراہوں نے اعلان کیا ہے کہ شیطان کا تسلط اُن پر اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ کہ اگر اجتماعی بصیرت اُن کی بروقت راہنمائی نہ کرے تو اُنکی ذاتی، اسلامی وقرآنی بصیرت اُنکو شیطان سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔

(30/2)۔ فتح مکہ میں جو جس حال میں تھا اُسے اُسی حال میں چھوڑ دیا گیا

تمام مؤرخین ومحدثین نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ کہہ کر تمام قریش اور اہل مکہ اور نواح مکہ کو آزاد کر دیا کہ آج میں تم سے ماضی کے لئے کوئی مواخذہ نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ حقیقی مہاجرین بھی تم سے اپنے حقوق طلب نہیں کرتے۔ اس اعلان سے خوفزدہ قریش کی جان میں جان آئی۔ اس لئے کہ اُن میں سے ننانوے فیصد (99%) سرداران قریش کا قانوناً، اخلاقاً اور شرعاً قتل واجب تھا، اُن کے تمام اموال کی ضبطی فرض تھی۔ وہ سب خوش ہو گئے اور بعض نے اعلانِ اسلام کر دیا، بعض نے خاموش تعاون شروع کر دیا۔ اور اب اُن کا داخلی محاذ اُن سب کی فلاح و بہبود کے لئے خاص طور پر حرکت میں آ گیا۔ چنانچہ قدیم ممبران نے اہل مکہ کے اسلام لانے کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا اور انتقالِ رسولؐ سے پہلے ہی پہلے تمام اہل مکہ کو فرسٹ کلاس مسلمان بنا کر دکھا دیا گیا۔ حالانکہ قرآن سے یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ خواہ اُن کی تنذیر کی جائے یا نہ کی جائے، اُن میں اب کوئی اسلام لانے والا نہیں ہے۔ لہٰذا قارئین اُن تمام مہاجرین کو الگ سے نوٹ کریں جو فتح مکہ کے بعد مکہ کے لیڈروں کا اسلام ثابت کرنے میں کوشاں نظر آئیں۔ ایسی تمام روایات قرآن کے خلاف اور باطل ہیں جو اُس فہرست میں سے کسی ایک یا سب کو مسلم یا مومن قرار دیں جو فتح مکہ کے روز کافر تھے۔ سوائے اُن نوجوانوں اور بچوں کے جو فتح مکہ کے روز نابالغ تھے۔ یہ کوشش کرنے والا گروہ وہی ہے جو طیب اور خبیث مسلمانوں کو مخلوط رکھ کر رضی اللہ عنھم کہتا چلا آیا ہے۔ حالانکہ قریش مکہ نے فتح مکہ کو اپنی انتہائی توہین سمجھا اور کبھی اُنہوں نے اسے فراموش نہیں کیا۔

(30/3)۔ سردارانِ قریش کے دلوں میں فتح مکہ نے آگ سُلگا دی

علامہ شبلی اینڈ کمپنی نے اہل مکہ وقریش کے کفر پر اسلام کی چادر اُڑھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ اور ہمیں بھی اس پر اسلئے اعتراض نہیں ہے کہ اب اُنکے اور قریش کیلئے اسکے سوا چارہ کار باقی ہی نہ رہ گیا تھا۔ مخالفت وہ کر نہ سکتے تھے، زور ٹوٹ چکا تھا، غیر مسلح ہو کر رہ گئے تھے۔ اب تو ضروری تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے اپنے قدیم داخلی محاذ کی ماتحتی قبول کریں اور اسلام کی آڑ میں قومی وملکی سلطنت کے قیام کی اُمید پر زندہ رہیں۔ لہٰذا سوائے چند جو شیلے دماغوں کے کثرت نے اسلام کی چادر اوڑھ لی تھی۔ مگر یہ اُسی قسم کے مسلمان تھے جس کا تذکرہ قرآن کرتا آ رہا ہے۔ جب بلال نے خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی تو بقول علامہ شبلی: ''وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے۔ اُن کی آتشِ غیرت بھی مشتعل تھی۔ عتّاب بن اسید نے کہا خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اذان کی اس آواز کے سننے سے پہلے ہی اُس کو دنیا سے اُٹھا لیا۔ ایک اور سردار قریش نے کہا کہ اب جینا بے کار ہے۔'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 521-520)

ظاہر ہے کہ یہ لوگ خدا کو اور اُس کے عزت رکھنے کو مانتے تھے۔ مگر اس طرز اسلام کو نہ مانتے تھے جس نے مکہ فتح کیا تھا۔ یہ لوگ

اگر زندہ رہے؟ جیسا کہ زندہ رہنا ثابت ہے تو ہرگز اُن کا سچ مچ اسلام لے آنا اور رسولؐ اللہ کا دل سے مطیع ہو جانا وہی لوگ مانیں گے جن کو اپنے تصور مذہب میں اِن لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔ ورنہ یہ ناممکن تھا کہ وہ محمدؐ وآل محمدؐ کی اطاعت کرتے۔ اب اگر وہ مطیع نظر آئیں گے تو اپنے قومی و مذہبی تصورات کی اطاعت کرتے پائے جائیں گے۔ چنانچہ مدت دراز تک وہ اپنے داخلی محاذ سے تعاون کی بنا پر بحالت کفر بھی رسولؐ اللہ کے ساتھ مل کر جنگوں میں حصہ لیتے رہے۔ شبلی سے سنئے :۔

''یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کو امن دیا جاتا تھا وہ اسلام پر مجبور نہیں کئے جاتے تھے۔ تمام مورخین اور ارباب سیَر نے تصریح کی ہے کہ حُنین کی لڑائی میں جو فتح مکہ کے فوراً بعد پیش آئی، لشکر اسلام میں مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے جو اس وقت تک کافر تھے۔ اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملہ میں اُن ہی کافروں کے قدم اُکھڑے اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم نہ ٹھہر سکے۔'' (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 527)

یہاں پہلے تو اُن تمام خلفا اور سلاطین کو اسلام کا مخالف سمجھ لیں جنہوں نے زبردستی اسلام پھیلایا اور جس نے انکار کیا اُسے تہہ تیغ کر دیا۔ بلکہ نمازی، پرہیزگار، سو فیصد مسلمانوں کو اسلئے قتل کر دیا کہ وہ اُن کے تصورات کی تائید نہ کرتے تھے۔

پھر یہ نوٹ کریں کہ جس طرح قریش کے داخلی محاذ کے مومنین رسولؐ اللہ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوتے اور خطرے کے وقت بھاگ جاتے تھے، بالکل اُسی طرح قریش مکہ کفر کی حالت میں شریک ہوئے اور داخلی محاذ کے مسلمانوں کے اشارے پر بھاگ نکلے۔ یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ مسلمانوں یا کافروں کا گروہ اسلئے فرار کرتا تھا کہ اُنکے بھاگنے سے حقیقی مسلمان بھی بھاگ جائیں اور رسولؐ اللہ میدان میں قتل ہو جائیں۔ لیکن اگر حقیقی مسلمان فرار کرتے رہتے تو کوئی جنگ فتح نہ ہوتی اور مکہ بھی فتح نہ ہوتا۔

بخاری نے مکہ کے قریش کو مولفۃ القلوب لکھا ہے۔ یعنی وہ کافر جن کی دل جوئی کی جاتی تھی تاکہ وہ اپنی مخالفت سے باز رہیں۔

لمّا کان یوم حُنین التقی ھوازن ومع النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم عشرۃ آلاف و الطلقاء۔ (بخاری)

فتح مکہ کے بعد جب جنگِ حنین میں قبیلہ ھوازن سے مقابلہ ہوا تو آنحضرؐت کے ساتھ دس ہزار لوگ ایک تھے اور طلقاء بھی شامل تھے۔

قارئین نوٹ کریں کہ اب طلقاء اور مولفۃ القلوب کافروں کے دو نئے نام وجود میں آ گئے ہیں۔ یعنی فتح مکہ نے کافروں کیلئے دو عدد نرم نام فراہم کر دیئے تھے۔ ابوسفیان اور اُن کا پورا خاندان مولفۃ القلوب میں شمار ہوتے رہے ہیں۔ تاریخ طبری، تاریخ ابوالفدا۔ یہی قول روضۃ الاحباب، تاریخ الامت اور اکمال فی اسماء الرجال میں بھی ہے جو حضرت علامہ محمد ابن عبیداللہ خطیب صاحب مشکوٰۃ کی کتاب ہے۔

> کان معاویہ مِن مولفۃ القلوبھم۔ تاریخ طبری، تاریخ ابوالفدا۔ وکذا فی روضۃ الاحباب و تاریخ الامۃ وفی الاکمال فی اسماء الرجال للعلامۃ محمد ابن عبیداللہ خطیب صاحب مشکوٰۃ۔

(30/4)۔ طلاق یافتہ کافر لوگ مسلمان نہ تھے۔ انہیں منافق بھی کہا گیا ہے

علامہ نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:۔

و قال علامۃ نووی فی شرح صحیح المسلم ۔ وھم الذین اسلموا من اھل مکۃ یوم الفتح و سمّوا

بذلک لانّ النبیؐ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم من علیھم واَطلقھم وکان فی اسلامھم ضعف فاعتقدت ام سلیم انھم منافقون وانھم استحقوا القتل۔

طلقاء سے مراد وہ اہل مکہ ہیں جو فتح مکہ کے روز مطیع ہوئے۔اور اُنکو طلقاء اسلئے کہا گیا کہ حضوؐر نے اُنکو گرفتار اور قتل کرنے سے بچا دیا۔اُن لوگوں کی اطاعت میں ضعف اور کمزوری تھی۔اور حضرت ام سلیم کا اعتقاد تو یہ تھا کہ طلقاء منافق ہیں۔اور وہ سب قتل کے مستحق تھے۔

الغرض یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ فتح مکہ کے دن سے اہل مکہ اور قریشی محاذ تلوار اور جارحانہ مخالفت سے محروم ہو گئے۔اب اُنکی تمام قوت اور تدبیر وتعاون اُن قدیم مسلمانوں کے ساتھ وابستہ ہو گیا جو روز اوّل سے اسلام کو مجتہدانہ نظام مشاورت میں تبدیل کرنے پر تعینات تھا۔اِس میں جو بات سرداران قریش اور ابوسفیان کو پسند نہ تھی، وہ یہ تھی کہ انہیں اپنے سے گھٹیا درجہ کے لوگوں کے رحم وکرم پر زندہ رہنا تھا۔اور اب اگر اسلام میں بلند مقام ملنا بھی تھا تو پہلے نمبر پر نہیں ملنا تھا۔اور ممکن تھا کہ وہ مسلمان گروہ اُن سے حسد کرے جسے خود اُن ہی نے اپنا جاسوس اور وظیفہ خوار مقرر کیا تھا۔اور جو اَب مسلمانوں میں اوّلین وسابقین میں شمار ہونے لگا تھا۔اِسلئے اب ابوسفیان اور تمام قریشی سرداروں پر اُدھر رسولؐ اللہ کی خوشامد ضروری تھی کہ اُنہیں مسلمانوں میں کوئی مقام مل سکے۔اِدھر اُن مسلمانوں کے سامنے جھک کر رہنا ہوگا جن کے ساتھ مسلمانوں کے عوام کی کثرت تھی۔اور جو مدت سے اجتماعی بصیرت اور ملکی حکومت کا پروپیگنڈا کرتے کرتے عرب کے ہیرو بن چکے تھے۔یعنی اُدھر حضرت علیؑ کا دامن تھامنا تھا۔اِدھر اُن کے مخالفین کو بھی خفا نہ کرنا تھا۔یہی دوعملی تھی کہ ابوسفیان نے پہلی فرصت میں حضرت علیؑ کی نصرت میں مدینہ کو سوار و پیادہ افواج سے گھیر دینے کی پیش کش کی تھی۔اور اسلامی مصلحت آڑے آ گئی تھی۔مگر ابوسفیان نے جس پر نسبتاً زیادہ اعتماد کیا تھا اور جسے زیادہ صاحب مروّت واحسان سمجھا تھا۔جس سے شرافت وبلند اخلاق کی زیادہ اُمید تھی وہ حضرت علی علیہ السلام ہی تھے۔

(30/5)۔ فتح مکہ اور اہل مکہ وقریش کے ایمان پر قرآن کا حکم ناطق

قارئین کرام یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ فتح مکہ مسلمانوں کی شناخت اور اُن کی درجہ بندی کے لئے ایک اہم مقام اور سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔فتح مکہ سے پہلے تک اسلام لانے والوں کا درجہ اللہ کے یہاں بلند تر ہے اُن حقیقی مسلمانوں سے جو مکہ کے فتح ہو جانے کے بعد اسلام لائے اور تمام شرائط وخدمات کے پابند رہے۔اس لئے کہ فتح مکہ کے روز کفر کی مسلح قوت تباہ ہو گئی تھی اور اب قریش اور طرفداران قریش کو دب کر رہنا تھا۔اور مسلمانوں کی راہ سے تمام دقتیں اور مشکلات ہٹ گئی تھیں۔

چنانچہ اللہ نے فرمایا دیا کہ:۔ لَا یَسۡتَوِیۡ مِنۡکُم مَّنۡ اَنۡفَقَ مِنۡ قَبۡلِ الۡفَتۡحِ وَقٰتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعۡظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیۡنَ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ بَعۡدُ وَقٰتَلُوۡا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الۡحُسۡنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌo (حدید 57/10)

تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد خرچ اور جہاد کریں گے وہ کبھی اُن لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ اور جہاد کیا تھا۔اُن کا درجہ بعد میں خرچ اور جہاد کرنے والوں سے بڑھ کر ہے۔اگرچہ اللہ نے

دونوں گروہوں ہی سے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو یا کرو گے اللہ اُس سے باخبر ہے۔

یہ درجہ بندی اُن مُسلم طبقات میں کی گئی ہے جو سچ مچ اسلام لائے تھے اور تمام حقوق اللہ وحقوق العباد ادا کرتے رہے۔ اِس میں وہ لوگ جو محض مصلحتاً اسلام لائے، جنگ اور خطرات میں جان بچاتے رہے داخل نہیں ہیں۔ یعنی یہ حقیقی مسلمانوں کے دو طبقات ہیں جن کو فتح مکہ الگ الگ کرتی ہے۔ اب فتح مکہ کے روز اہل مکہ کے اسلام کی پوزیشن قرآن سے ملاحظہ ہو، مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ:۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَo قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَo فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَo (السجدة 30-32/28)

اگر تم واقعی اپنے غلبہ پانے کے دعویٰ میں سچے ہو تو بتاؤ وہ تمہاری کامیابی اور فتح کہاں ہے؟ اُن سے کہہ دیجئے کہ فتح کے دن ایمان لانا اُن لوگوں کیلئے ذرہ برابر مفید نہ ہوگا جنہوں نے اُس دن تک کفر اختیار کئے رکھا ہوگا۔ اور پھر اُنکو مزید مہلت بھی نہ ملے گی۔ آپؐ اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ کر توجہ ہٹالیں اور فتح کا انتظار کریں اور اُنہیں بھی منتظر رہنے دیں۔

اِس کے بعد مکہ کے مفتوح قریش کے ایمان کا ڈھنڈورا پیٹنے والے لوگوں کو نہایت اطمینان سے اُن ہی کے پٹھو اور گروہ میں شمار کرنا لازم ہے۔ اور ہمارا عملدرآمد سو فیصد قرآن کے احکام اور فیصلوں پر ہے۔ ہم قریشی محاذ کے وظیفہ خوار محدثین ومؤرخین کو ناقابل اعتبار اور قریش کے طرفدار خیال کرنے میں حق بجانب ہیں۔ اور اُنکی ہر اُس بات کو ٹھکرا دیتے ہیں جو قرآن کے خلاف اور اُنکے حق میں ہو۔

31۔ جنگ حنین میں طلقاء اور اُن کے محاذ کے مسلمانوں کا حال

فتح مکہ کی خبر آگ کی طرح سارے عرب میں پھیلتی اور ہمتیں توڑتی چلی گئی۔ عرب قبائل اسی دن کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد طے کر لیا گیا کہ اب بحیثیت مجموعی اعلان اسلام کر دیا جائے۔ اُدھر قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف جو کثرت مال ومتاع اور جنگی ساز و سامان میں سارے عرب سے بڑے اور طاقتور تھے، رسول اللہؐ پر مکہ ہی میں حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے تحقیق کے بعد مدینہ سے آئی ہوئی دس ہزار فوج اور مکہ کے طلقاء کی دو ہزار فوج سے ہوازن کی فوج کی طرف کوچ کیا جو حنین کے میدان میں خیمہ زن تھی۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ:۔

''شوال 8 ہجری مطابق جنوری وفروری 630 عیسوی میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اِس سرو سامان سے حنین پر بڑھیں کہ بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ ''آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے؟''، لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی'' (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 533)

علامہ شبلی نے پردہ داری کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ لہٰذا یہاں لفظ ''بے اختیار'' اپنی طرف سے بڑھا دیا تا کہ جرم کا وزن ہلکا ہو سکے اور اُن صحابہ کے نام بتانے سے گریز کر کے بعض صحابہ لکھ دیا تا کہ یہ متکبرانہ جملہ اور ذہنیت مخلوط ہو کر بے اثر ہو جائے مگر انہیں نہیں معلوم کہ دنیا میں وہ لوگ بھی ابھی تک آباد ہیں جو تمام پردوں اور نقابوں کو ہٹا کر وہ چہرے دکھانا طے کئے ہوئے ہیں جو اسلام کی آڑ میں کثرت پرستی کو رائج

کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ تاریخ الخمیس جلد دوم صفحہ 111 میں لکھا ہے کہ جناب ابوبکر نے فرمایا تھا کہ:

''لَنْ نُغْلِب الیوم'' آج ہمیں ہرگز مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔''

(31/2)۔ ذرا بیعتِ رضوان والے اور دیگر مسلمانوں کا میدانِ جنگ سے بھاگنا ملاحظہ ہو

علامہ شبلی کا مندرجہ بالا بیان صحابہ کے غرور کا نتیجہ مسلسل بتاتا ہے کہ:۔

''فتح کے بجائے دہلہ اوّل میں مطلع صاف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے بھی کوئی پہلو میں نہ تھا۔ حضرت ابوقتادہ جو شریک جنگ تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ جب لوگ (یعنی صحابہ) بھاگ نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ وہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے۔ میں نے عقب سے اُس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی۔ اُس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی۔ لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔ اُسی اثناء میں، میں نے حضرت عمر کو دیکھا۔ پوچھا کہ مسلمانوں کا......حال ہے۔ بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔'' (سیرۃ النبیؐ۔ جلد اوّل صفحہ 535-534)

علامہ شبلی نے حسب عادت خیانت کی ہے۔ جناب ابوقتادہ کے الفاظ اور بیان صحیح بخاری سے ملاحظہ فرمالیں:۔

انھزم المسلمون و انھزمتُ مَعَھُمْ فاذا بِعُمر بن الخطاب فی الناس فقلت له مَاشا ن الناس قال امر اللّٰہ ثُمّ تراجع الناس الی رسول اللّٰہ۔ (صحیح بخاری پارہ سترہ، پ17 صفحہ 50 کتاب المغازی)

جنگ حنین میں مسلمان بھاگے تو میں بھی اُن کے ساتھ بھاگا۔ ناگاہ میں نے بھاگتے ہوئے عمر بن الخطاب کو دیکھا تو پوچھا کہ آج مسلمانوں کا یہ کیا حال ہے کہ بھاگے جا رہے ہیں حضرت عمر نے کہا کہ یہ اللہ ہی کا حکم تھا۔ اسکے بعد لوگوں نے رسولؐ اللہ کی طرف واپسی شروع کی۔

قارئین یہ عقیدہ نوٹ کرلیں کہ کوئی کام بلا حکم خدا نہیں ہوتا۔ خدا ہی کے حکم سے فتح ہوتی ہے، اُسی کے حکم سے مسلمان بھاگتے ہیں یعنی مسلمانوں نے تو اللہ کے حکم کی تعمیل کی تھی وہ تو مطیع و فرمانبردار تھے۔ اُن کی کیا خطا؟ جب خدا ہی بھگا دینا چاہے تو مسلمان کیا کریں۔ یہی وہ عقیدہ ہے جس کی بنا پر قاتل و مقتول، ظالم و مظلوم دونوں رضی اللہ عنھم بنائے جاتے ہیں۔ مگر اللہ بھاگنے والوں کو ہمیشہ مجرم قرار دیتا رہا ہے۔

(31/3)۔ جن کو بیعت رضوان کی آڑ میں ہیرو بنایا، اُن کا حال قرآن سے

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَ کُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَo (توبہ 9/23)

اللہ مومنین سے فرما رہا ہے کہ:۔ اے مومنین تم اپنے آباواجداد اور بھائیوں کو اپنا ولی نہ بناؤ جب کہ وہ ایمان کے مقابلہ میں کفر سے محبت رکھتے ہوں اور تم میں سے جو کوئی اُن کی ولایت اختیار کرے گا وہی ظالم ہوگا۔

بیعت رضوان کے بعد تو نہ معلوم مسلمانوں نے کیا کیا کیا؟ سورۃ توبہ تو 9 ہجری کے اواخر میں جنگ حنین و جنگ تبوک پر تبصرہ کرتی ہے۔ یعنی رسولؐ کے انتقال سے دوسال قبل مسلمانوں میں وہ مومنین موجود تھے جو کفار کی ولایت کے دلدادہ تھے۔ اور چونکہ فتح مکہ کے بعد کہا گیا

ہے کہ مکہ اور نواح مکہ مسلمان ہو چکا تھا۔لہٰذا اب کفار کی ولایت کے معنی وہی ولایت ہے جو کفار کی منشا کے مطابق قومی وملکی حکومت کا تصور تھا اور اب مسلمانوں کو اُسی سے منع کیا جارہا ہے۔اسکے بعد مزید توضیح کی گئی ہے اور بتایا گیا کہ:۔

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَاَبۡنَآؤُکُمۡ وَاِخۡوَانُکُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ وَعَشِیۡرَتُکُمۡ وَاَمۡوَالُ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَتِجَارَةٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَا اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَo(توبہ 9/24)

اگر مومنین کو اُنکے باپ دادا یا اولاد اور بھائی بند اور ازواج اور اہل قبیلہ اور مال ومتاع اور کاروبار تجارت اور اپنے پسندیدہ مکانات اللہ ورسولؐ اور اُنکے ساتھ مل کر جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں؟ تو پھر تم اِس عمل کے نتیجہ بد کا انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا اقتدار وتسلط قائم کرلے اور اللہ فاسقین یعنی لاقانون لوگوں کی ہدایت کرتا ہی نہیں ہے۔

دوبارہ معلوم ہوا کہ مومنین کی کثرت 9 ہجری تک فاسق ہے۔جسکے تمام کام اعزہ واقربا اور قوم وقبیلے کے مفاد کوملحوظ رکھ کر ہورہے ہیں۔اور جن کے نزدیک اللہ ورسولؐ وجہاد تمام ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔اُن ہی کو یہ کہا کہ؛

لَقَدۡ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَوَاطِنَ کَثِیۡرَةٍ وَّیَوۡمَ حُنَیۡنٍ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡئًا وَّضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَo(توبہ 9/25)

اللہ نے تمہاری اکثر مواقع پر مدد کی ہے۔ذرا حنین ہی کو یاد کرلو جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا۔مگر تمہاری وہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین کی وسعتیں تمہارے اوپر تنگ ہوگئیں اور تم اپنی ولایت کے قیام کیلئے پیٹھ پھرا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

قارئین یہ تھے وہ بار بار اور لگاتار فرار کرنے والے مومنین جو اپنی ولایت وحکومت کو قائم کرنے کی اُمیدوں اور پیشگوئیوں کے سہارے ہر حال میں زندہ رہنا چاہتے تھے۔اور کوئی ایسا خطرہ مول نہ لینا چاہتے تھے جس میں مرنا تو مرنا ہے زخم بھی لگنے کا امکان ہو۔پھر بھاگنے کو حکمِ خدا قرار دے کر بے قصور بننے کی کوشش کرتے تھے۔

(31/4)۔ شکست وفرار کا سبب؛ بارہ ہزار فوج کو دوبارہ بھگوڑا کہا

علامہ شبلی نے لکھا کہ ''شکست کے مختلف اسباب تھے۔(1) مقدمہ الجیش (فوج کے آگے چلنے والا دستہ) میں، جو حضرت خالد کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے۔(2) فوج میں دو ہزار طلقاء، یعنی وہ لوگ تھے جو اَب تک اسلام نہیں لائے تھے۔(3) ھوازن قدر اندازی (تیر چلانے) میں تمام عرب میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔میدان جنگ میں اُنکا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا۔کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کرلیا تھا۔اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں، کھوہوں اور درّوں میں جا بجا جما دیئے تھے۔(4) فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اُجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا۔(5) میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے۔(6) حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔(7) ادھر کمین گاہوں سے قدر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔مقدمۃ

الجیش (مع خالد) ابتری کے ساتھ بے قابو ہوکر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ **فَاَدْبَرُوا عنه حَتّٰی بَقٰی وَحُدَهٗ** ۔یعنی سب لوگ پیٹھ دکھا کر رسولؐ کو تنہا چھوڑ گئے۔ تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہوگئیں تھیں۔لیکن ایک پیکر مقدس پا بر جا تھا۔ جو تنہا ایک فوج، ایک مُلک، ایک اَقلیم، ایک عالَم بلکہ مجموعہ کائنات تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ آنحضرؐت نے داھنی جانب دیکھا اور پکارا **معشر الانصار** یعنی اَے گروہ انصار؟ آواز کے ساتھ صدا آئی ہم حاضر ہیں۔ پھر آپ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا۔اب بھی وہی (یعنی انصار کی) آواز آئی۔آپ سواری سے اُتر پڑے اور جلال نبوتؐ کے لہجے میں فرمایا میں خدا کا بندہ اور اُسکا پیغمبر ہوں۔ بخاری کی دوسری روایت میں یہ فرمایا تھا کہ؛ **اَنَا النَّبِیؐ لا کذب** ۔میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ **اَنَا ابْن عبدالمطلبؑ** ۔میں عبدالمطلبؑ کا بیٹا ہوں۔'' (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل صفحہ 539-537)

قارئین نوٹ کرلیں کہ حقیقی مومنین میدان میں حاضر تھے اور وہ انصار تھے، مہاجرین کی جگہ بھی انصار ہی میں تھی۔ رہ گئے نام کے مہاجرین! وہ تو وہیں کہیں تھے جہاں حکم خدا انہیں لے گیا ہوگا، جہاں ابوقتادہ سے ملاقات ہونا لکھا ہے۔ وہ ہرگز خطرہ میں جان بوجھ کر نہ پڑتے تھے، جان بچانا فرض سمجھتے تھے، قرآن پر بابصیرت ایمان رکھتے تھے، آتشِ نمرود میں بے خطر کود پڑنا عقل کے خلاف خیال کرتے تھے۔

(31/5)۔ علامہ شبلی سو علامہ شبلی مگر سید سلیمان صاحب سبحان اللہ

یعنی بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ مطلب یہ کہ جہاں جہاں علامہ شبلی سے کتر بیونت اور پردہ داری میں خامی رہ گئی تھی، سید سلیمان ندوی صاحب نے اپنے استاد کی خامیاں درست کردی ہیں۔ علامہ نے مندرجہ بالا بیان میں طلقاء کو کافر قرار دیا جو سید صاحب کو اس لئے پسند نہ آیا کہ طلقاء میں اُن کے پیرو مرشد لوگ بھی شامل تھے۔ لہٰذا حاشیہ میں انتہائی دیدہ دلیری سے اُن کو مسلمان لکھا ہے۔ اُدھر بخاری نے اور علامہ شبلی نے تمام فوج کا بھاگ جانا اور حضورؐ کو تنہا چھوڑ دینا لکھ مارا۔ مگر سید صاحب نے بے تکے جوڑ توڑ اور پیوند لگا کر یہ دکھانا چاہا ہے کہ ہیرو حضرات نے فرار نہیں کیا تھا اور اگر بھاگے بھی تھے تو سب سے پہلے واپس آگئے تھے۔ لیکن سید صاحب قرآن کی تکذیب تو کرسکتے ہیں مگر واقعات کو دوبارہ وقوع میں نہیں لاسکتے۔ اب ہم اُن کی حاشیہ آرائی سے مندرجہ بالا فرار میں جو کمی رہ گئی ہے، اُسے پورا کرتے ہیں۔

(31/6)۔ اجتہادی مسلمانوں کے فرار کی ندویانہ وجوہات اور تفصیلات

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ یعنی چلے تھے مجرموں کی طرف داری کرنے لیکن خدا نے سید صاحب کے قلم سے باقی ماندہ جرائم بھی لکھوا دیئے۔ ملاحظہ فرمائیں علامہ السید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ:۔

(i)۔ مال غنیمت لوٹنے والے مسلمان شکست کا باعث ہوئے

علامہ شبلی نے یہ تذکرہ نہ معلوم کیوں چھوڑ دیا تھا کہ صحابہ مالِ غنیمت لوٹنے میں مشغول ہوگئے تھے۔ یعنی جنگ اُحد کو فراموش کرچکے تھے۔ بہرحال سید صاحب بخاری سے لکھتے ہیں کہ:۔

وَانّا لما حملنا علیھم انکشفوا فاکسینا عَلَی الغنائم فاستقبلنا بالسّھام۔ (بخاری غزوہ حنین) ہم نے جب اُن پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ تو ہم لوگ مال غنیمت پر کود پڑے تو اُنہوں نے ہم کو تیروں پر دھرلیا۔

(صفحہ 534 حاشیہ سیرۃ النبیؐ جلد اوّل)

یہاں علامہ نے ترجمہ غلط کیا ہے۔ انکشفوا کے معنی شکست کھا کر پیچھے ہٹنا نہیں بلکہ میدان جنگ کو کھول دینا ہے۔ یعنی دشمن نے پہلے سے سوچی ہوئی اسکیم کے مطابق اِدھر اُدھر مناسب پوزیشن لے کر وہ مال کھلا چھوڑ دیا جس پر عرب ٹوٹ پڑا کرتے ہیں۔ اور جب مومنین کی فوج جلدی میں مال پر قبضہ کرنے اور اپنے جیب و دامن بھرنے کے لئے دوڑ پڑی تو تیروں کی بوچھاڑ سے حواس باختہ ہو کر جان بچانے کے لئے جدھر منہ اُٹھا بھاگ گئی۔

(ii)۔ وہی پُرانے قدیم مومنین جو ہر جنگ کو ہرانے میں کوشاں رہتے تھے

اس کے بعد مسلسل لکھا کہ:۔

''(2) دوسری بات یہ ہے کہ شکست کے ظاہری اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ میں (بھی) کچھ لوگ محض اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکہ دیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے جو اس جنگ میں شریک تھیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسولؐ اللہ! اِن طلقا کو قتل کر دیجئے اُن ہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں : اقتل مِن بعد نا من الطلقاء انھزموا بک ۔ ہمارے سوا ان طلقاء کو قتل کر دیجئے انہوں نے آپ کو شکست دلوائی۔

یہاں علامہ سید جن طلقاء کو مسلمان کہتے تھے (حاشیہ صفحہ 537) اُن کا قتل واجب قرار دے کر انکو شکست کا سبب بتا رہے ہیں۔ یہاں علامہ سید کو ابن ابی الحدید کا قصیدہ رائیہ تو ضرور یاد آیا ہوگا۔ اس نے کہا کہ:۔

ولیس بِنکر فی حُنین فرارہ ففی احد فرّخوفًا و خیبرًا

یعنی حضرت ابوبکر کا جنگ حنین سے فرار کر جانا قابل ملامت نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ تو خوف جان سے اُحد و خیبر میں بھی بھاگ چکے تھے۔ انّا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون۔

حبیب السیٔر اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلے خالد بن ولید نے فرار کیا۔ اس کے بعد قریش بھاگے۔ بعد ازاں باقی اصحاب مہاجر و انصار نے راہ فرار اختیار کی اور حضرت ابوبکر و عمر بھی نہ ٹھہر سکے۔ تہذیب المتین میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمر نسیبہ عورت کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ اُس نے پکارا کہ اے عمر یہ کیا کام کر رہے ہو؟ عمر نے کہا خدا کا حکم یہی ہے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے برّاء بن عازب سے پوچھا کہ کیا تم لوگ رسولؐ خدا کے پاس سے بروز حُنین بھاگ گئے تھے؟ برّاء نے کہا مگر رسولؐ خدا نے تو فرار نہیں کیا۔ سبحان اللہ کیا جواب ہے۔

(iii)۔ قریش کی ذہنیت۔ ''قریشی دشمن، غیر قریشی دوست سے بہتر ہے''

یہ بات سمجھنے کے لئے کہ علیؑ و اولادِ علیؑ کی نہایت ہمدردانہ و خیر اندیشانہ اور اُمت کے لئے قربان ہو جانے والی عملی زندگی کی قدر

کیوں نہ کی اور اُن کے دشمنوں کے ساتھ عربوں نے کیوں تعاون کیا؟ اپنے قاتلوں کو معاف کر دینے والے لوگوں پر کیوں مظالم کئے؟ اس قسم کے تمام سوالات کا جواب جنگ حنین کے ایک قریشی سے سنئے:۔

''جب اُن سرکش اہل مکہ نے جو رسولؐ اللہ کے ساتھ تھے، مسلمانوں کو اس طرح شکست کھا کر بھاگتے ہوئے دیکھا۔تو اُن میں سے بعض نے اپنی پوشیدہ خباثت کو ظاہر کر دیا۔ابوسفیان بن حرب کہنے لگا کہ اب مسلمان سمندر سے اِدھر نہ رُکیں گے۔اُس کے پاس ترکش میں تیر بھرے ہوئے تھے۔کلدہ بن الحنبل جو اپنے اخیافی بھائی صفوان بن اُمیہ بن خلف کے پاس موجود تھا پکار کر بولا کہ کیا آج محمدؐ کا جادو ختم ہو گیا ہے؟ صفوان نے اُس سے کہا کہ چپ رہ خدا تیری زبان قطع کر دے۔بخدا میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ قریش کا کوئی شخص میری سرپرستی کرے، بجائے اس کے کہ ہوازن کا کوئی میری سرپرستی کرے۔'' (تاریخ طبری جلد اوّل صفحہ 414)

یہ تھا وہ جذبہ جس کے ماتحت اُن لوگوں کو اہل بیتؑ کی نہ حکومت پسند تھی، نہ اُن کے احسانات و سرپرستی پسند تھی، نہ اُن کا فدا کارانہ سلوک اُن میں جذبۂ محبت پیدا کرتا تھا۔جتنا بڑا احسان اُن پر کیا جاتا تھا، وہ اُسے اُسی قدر بڑا ننگ و عار خیال کرتے تھے۔اِس لئے اُن خبیثوں کو جب موقعہ ملا غداری کی، بے وفائی کو لازم سمجھا، بے رحمی کو قومی خدمت قرار دیا۔اُن کے قتلِ عام کو اپنے مذہب کی خدمت اور ثواب خیال کیا۔بعض قلوب و اذہان میں وہ ذہنیت آج بھی موجود ہے۔

(31/7)۔ وہ انصار اللہ جنہوں نے ہر حال میں نصرت کی، قرآن جن کی مدح وثنا کرتا ہے

اِس کتاب کو پڑھنے والے اور تواریخ و احادیث میں سے گزرنے والے قارئین سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جن لوگوں کو بعض مجبوریوں کی بنا پر ہیرو بنانا پڑا، درحقیقت وہ اسلام پر فدا کاری و جانثاری میں ہیرو نہ تھے۔اُنہیں گھسیٹ گھسیٹ کر فدا کاروں اور جانثاروں کی صف میں کھڑا کیا جاتا ہے۔لیکن وہ غریب اِس صف سے دُور رہنے کے لئے ہمیشہ کوشاں پائے جاتے ہیں۔بھاگ جاتے ہیں، پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں۔مگر مرید کہتے ہیں کہ نہیں وہ یہاں تھے، وہ وہاں تھے، صف کے پیچھے تھے، ذرا آڑ میں تھے، وہ دیکھئے واپس آنے والوں میں آگے آگے ہیں۔کبھی کہا جاتا ہے کہ وہی تھوڑے بھاگے تھے، ساری فوج بھاگ گئی تھی۔یعنی رسولؐ اللہ تنہا رہ گئے تھے۔دوسرے الفاظ میں یہ کہ علیؑ بھی بھاگ گئے تھے۔مطلب یہ کہ ''ہم تو ڈوبیں ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔'' کم از کم حضرت علی علیہ السلام کے لئے ایسا کہنا تکذیبِ قرآن اور رسولؐ ہے۔اُن کو کَرَّارًا غیر فَرَّار فرمایا گیا۔یہ ارشاد جہاں کافروں کا منہ بند کرتا ہے وہاں لشکر اسلام میں بھگوڑوں کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔علاوہ ازیں ساری فوج کا بھاگ جانا لکھنے والے لوگ قرآن کی تکذیب کرتے ہیں۔وہاں تو ایک ایسی جماعت سے اللہ کی مستقل محبت کا اعلان ہے جو اللہ کی راہ میں ہمیشہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند جم کر صَف بصَف جنگ کرتے رہے۔اور جو علیؑ

اِنَّ اللّٰـهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَ نَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌo (الصّف 61/4)

وعلیؑ کی اُس قوم (نبطیوں) میں داخل تھے۔جس کے لئے جنگ خیبر میں علم دینے سے پہلے فرمایا تھا کہ اللہ جلد ہی اُس قوم کو لانے والا ہے جو اللہ کو محبوب ہے اور جو اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔اور اگلی آیت میں ایک معصومؑ سلسلہ ولایت و امامت کا تشخص کیا تھا۔جن کی ناداری فلاح انسانیت کے لئے ہے۔جو اُمت کے فقرا و

فَسَوْفَ يَـاْتِی اللّٰـهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔۔۔(مائدہ 5/54)

مساکین کی مالی سطح کو بلند کرنے کے لئے غربت وافلاس اورفقر کواپنانے والے ہیں۔اور جن کی اتباع سے صرف ایک دن میں مساوات قائم ہوسکتی تھی اور ہوسکتی ہے۔مگراُن کی اتباع کوعلما و رؤسانے اس لئے پسند نہ کیا کہ اُن کی اتباع اُن کے نزدیک غیر فطری تھی۔اُن کے نظریہ میں امیروغریب،ادنیٰ واعلیٰ طبقات کا برقرار رکھنا خدا کی اطاعت ہے۔(مائدہ 5/55) انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ۔

پھر تاریخ واحادیث اور عقل سے ثابت ہے کہ اگر رسولؐ اللہ کے ساتھ مندرجہ و مذکورہ بالا جانثار وفدا کار قوم نہ ہوتی تو آخری فتح اور ہر جنگ میں آخری فتح کیسے ہوسکتی تھی؟ پُورا عرب گھٹنوں کے بل کیسے جھکایا جاسکتا تھا؟ بھاگ جانے والی فوج خواہ ہزار آدمیوں کی ہو یا بارہ ہزار کی،اگر فرار کے بعد واپس آ بھی جائے تب بھی ندامت اور خوف و ہراس کئی کئی گھنٹوں تک دلوں میں رہنا لازم تھا۔اور کئی کئی مہینے ایک دوسرے کومنہ دکھاتے ہوئے جی چرانا بھی حیادار لوگوں کا طریقہ تھا۔اگر یہ سب کچھ ممکن مان لیا جائے تو یہ بھگوڑی فوج اُس فوج پر کس منتر سے غالب آسکتی تھی۔جس کے حوصلے بڑھے ہوئے ہوں،جس نے ابھی ابھی اُنہیں بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔قارئین نوٹ کریں کہ یہ بھگوڑے کبھی کبھی واپس آتو جاتے تھے مگر اس لئے نہیں کہ اب وہ منتر سیکھ کر آئے ہیں اور دشمن سے لڑ کر اُنہیں شکست دیں گے۔بلکہ وہ اس لئے واپس آتے تھے کہ جب مذکورہ بالا جان نثار قوم فتح کرلے گی تو یہ بھگوڑے لوٹ مار میں حصہ سے محروم نہ رہ جائیں۔

(ii)۔ محبوب قوم پر نظر رسالتؐ اور باقی مسلمانوں کا حال

یہ گفتگو ہوچکی ہے کہ جب آنحضرتؐ قریش پر اتمامِ حجت کر چکے اور مدینہ میں ہجرت کا فیصلہ فرمالیا اور مدینہ کے نمائندوں سے اس مقصد پر گفتگو کی گئی تو اہل مدینہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ ہم اپنی اولاد وازواج اور بزرگوں کا قتل ہوجانا برداشت کرلیں گے لیکن حضوؐر کی نصرت میں کوتاہی برداشت نہ کرینگے۔چنانچہ مدینہ کے اِس نبطی خاندان اور خانوادہ رسوؐل کی اس شاخ نے ہرگز کوئی کوتاہی نہیں کی۔جن مؤرخین ومحدثین نے انصار کے بھاگ جانے کا ذکر کیا ہے وہ یا تو فریب خوردہ تھے یا فریب ساز تھے۔پھر اُسی گفتگو میں انصار نے یہ سوال کیا تھا کہ جب ہم اپنی جان و مال کی قربانی سے آپ کوغلبہ حاصل کردینگے تو کیا آپ واپس اپنی قوم میں چلے جائینگے؟ چونکہ دینی واسلامی مصلحت اسی میں تھی کہ آنحضرتؐ اور آپ کے قریبی اجداد یعنی عبدالمطلب و ہاشم علیھم السلام اس معاملے میں خاموش رہیں اور قحطانی شہرت کو چار قدم اور چلنے دیں۔اور یہ اعلان نہ کریں کہ انصار خانوادہ رسوؐل کی نبطی شاخ ہیں۔اسلئے عام شہرت کے ماتحت انصار کے عوام یہی سمجھتے تھے کہ سرکار دوعالمؐ سے اُن کا کوئی نسبی رشتہ نہیں ہے۔اور یہ غلط بات بھی تسلیم کی جارہی تھی کہ حضوؐر خود قریشی ہیں۔لیکن انصار کا قلب وروح اب یہ نہیں چاہتا تھا کہ رسولؐ اللہ واپس مکہ والی قوم میں جائیں اور اہل مدینہ کو وجود نبوت سے محروم کردیں۔اسلئے رسولؐ اللہ نے اعلان کیا تھا کہ میں اب تم سے ہرگز جدا نہ ہوں گا۔چنانچہ آپ مکہ نہیں گئے بلکہ اپنی لاتعلقی کا طرح طرح اعلان کرتے رہے۔اور بلا کسی استثنا کے قریش کی مطلق مذمت سے یہ ثابت کرتے رہے کہ آنحضرتؐ کا قریش سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔اب جنگ حُنین میں پھر وہ وقت آیا کہ آنحضرتؐ نے غیروں کو یعنی قریش ومہاجرین کو تالیف قلب کیلئے بڑے بڑے حصے دیئے۔مال غنیمت کا خمس بھی نہ لیا یعنی اپنوں کو اُس مال سے محروم رکھا۔پھر وہی سوال اُٹھا مگر اس مرتبہ یہ سوال موت کی نیند سونے کیلئے اُٹھا تھا۔یعنی حقیقتِ نسبی اور اپنے دینی مقام کی بلندی سے ناواقف انصار نے یہ خیال کیا کہ رسولؐ اللہ نے اپنوں کو یعنی قریش کو سوسو (100) اونٹ فی کس اور مال وزر دیا ہے۔

اور ہم چونکہ غیر ہیں یعنی نہ قریشی ہیں نہ مکی ہیں، اسلئے ہمیں محروم کر دیا۔ یہ چرچا بڑھ کر پورے انصار میں پھیلا۔ آخر جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کو اس صورتحال سے مطلع کیا اور آخری وضاحت کی درخواست کی۔ آپؐ نے تمام انصار و مہاجرین کو جمع ہونے کا حکم دیا اور مجمع عام میں یہ یادگار خطبہ دیا جو تمام تواریخ نے ریکارڈ کیا۔ اُس میں قریش خواہ مہاجر ہوں یا غیر مہاجر ہوں۔ اور انصار کی پوزیشن ایسی واضح کی کہ اس کے بعد کسی دوسری وضاحت کی نہ ضرورت رہی نہ وضاحت کی گئی۔ آپ نے جو کچھ فرمایا اُس میں تمام مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ انصار اور دوسرا حصہ باقی تمام مسلمان مہاجر و قریش و غیر قریش سب کو داخل کیا۔ اور کہا کہ انصار خاص طور پر سنیں کہ مکہ میں قریش نے میری تکذیب کی، مجھے ستایا، میرے قتل کے پلان بنائے، مجھے گھر سے بے گھر اور وطن سے جلاوطن کیا، اور مجھے اور میرے حامیوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ یہ تھا قریش کا کارنامہ۔ اور انصار نے میری تصدیق کی، میرے لئے دکھ اٹھائے، مصائب جھیلے، مجھے مع میرے اہل و عیال کے پناہ دی، میرے اور میرے دین کے لئے جانیں دیں مال قربان کیا۔ میں نے قریش کو غیر سمجھا وہ حقیقتاً غیر تھے اور غیر ہی رہیں گے۔ میں نے چاہا کہ انہیں اُن کے پسندیدہ مال و دولت سے رام کروں تاکہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں یا کم از کم اسلام دشمنی چھوڑ دیں۔ چنانچہ میں نے اُنہیں اپنا اور انصار کا حصہ بھی دے دیا کہ انصار خود میرے حصے میں ہیں، میرے اپنے تھے، اپنے ہیں اور ہمیشہ اپنے رہیں گے۔ کیا تمہیں یہ عملدرآمد پسند نہیں کہ مال دنیا باقی سارے مسلمانوں کے حصے میں آئے اور وہ مال و دولت لے کر جائیں اور میں انصار کے حصے میں آؤں اور وہ مال دولت کی جگہ مجھے لے کر جائیں؟ اس تقریر سے جہاں انصار پھوٹ پھوٹ کر روئے وہیں قرآن کی رُو سے اَهْلُ الذِّكْرِ میں سے ثابت ہو گئے۔ دنیا اور قارئین بتائیں کہ قریش اور ہیرو حضرات کدھر ہیں؟ معیّت رسولؐ اُن کو کیسے حاصل ہوگی؟ رہ گئے عبدالمطلبؑ کی اولاد کے لوگ، وہ تو سب انصار ہیں، سب کے سب نبطی الاصل ہیں۔ تمام خانوادۂ رسولؐ کے افراد ہیں اور معیّت رسولؐ اُن کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ہاں ابھی ایک موقع ہے۔ اگر وہ علیؑ سے وفادارانہ پیش آئے تو علیؑ اور اولاد علیؑ کی معیّت سے معیّت رسولؐ حاصل کر سکیں گے۔ ورنہ جنگ حُنین کا یہ مسلمہ خطبہ خانوادہ رسولؐ کے سوا سب کو معیّت رسولؐ سے محروم کرتا ہے۔ اس کے بعد رسولؐ نے یہ تو کہا ہے کہ "میرے پاس سے دُور یا دفع ہو جاؤ" لیکن معیت کے فیصلے میں تبدیلی نہیں کی ہے۔ ہاں وہ افراد بھی ہیں جن کا نام لے کر اُنہیں اہل بیتؑ کے ساتھ شمار کیا ہے۔ مثلاً حضرت سلمان رضی اللہ عنہ۔ مگر ہیروز اس زُمرہ سے خارج تھے اور خارج رہے۔ اِسی خطبہ کے بعد یہ کوشش شروع ہوئی کہ ہیروز کو کسی طرح چپکایا جائے۔ کبھی کہا گیا کہ ساری امت یا امت کے تمام صالح افراد رسولؐ کے اہل بیتؑ ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہو بھی تو ہیروز کی صالحیت ثابت کرنا پڑے گی۔ ورنہ بے چارے پھر محروم رہیں۔ لیکن کہا تو یہ گیا ہے کہ؛ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا o (الاحزاب 33/56)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو رسولؐ پر درود بھیجو اور اس طرح اطاعت کرو جو تسلیم کرنے کا حق ہے۔ اگر ساری اُمت اہلبیت ہے تو درود کا حکم کس کو دیا گیا ہے؟ وہ مومنین کون ہیں جو درود و سلام بھیجیں گے اور اطاعت کریں گے؟ اور اگر امت کے تمام صالحین آل رسولؐ ہیں تو یقیناً تمام صالحین کو ایمان لانے والوں کے زمرہ سے نکال کر یا تو اُن کو کافر ماننا پڑے گا یا یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ امت کے صالحین وہ لوگ ہیں جو ایک لمحہ کے لئے کفر و شرک سے کسی طرح ملوث نہیں ہوئے۔ اور الحمد لِلّٰہ کہ آل محمدؐ وہی حضرات ہیں۔ اسی لئے اُن کا شجرہ نسب

بھی شجرہ طیبہ ہے یعنی اُن کی نسل بھی پاک ہے۔ رہ گئے ہیروز وہ بے چارے اس کوشش میں بھی محروم رہے۔ اُن کا کفر و شرک اباً و جداً ثابت ہے ایمان کی خبر خدا کو ہے۔

32۔ جنگ تبوک اور مسلمانوں کے مختلف حالات و کیفیات

تبوک مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مشہور مقام ہے۔ 9 ہجری کے وسط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تبوک کے سفر پر تیس ہزار فوج کے ساتھ روانہ ہونا تھا۔ اس سفر کے اسباب میں تاریخ مغالطات اور افواہوں سے لبریز ہے۔ قارئین سابقہ اوّلین عنوانات میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ عرب کے شمال مشرقی خطّہ پر خانوادۂ رسولؐ کے نبطی ،غسانی بادشاہ حکومت کرتے تھے۔ اور یہ حکومت خلافت دوم کے زمانہ تک مسلسل موجود تھی۔ یہی وہ حکومت تھی جس کی افواج نے مدینہ میں آ کر اپنے ہم نسب قبیلوں اَوس وخزرج کو مدینہ کے یہود سے نجات دلائی تھی۔ یہی وہی حکومت تھی جس کے حملہ کا ہر لحہ عربوں کو اندیشہ رہتا تھا۔ اُسی حکومت کے خوف سے بنی ہاشم کو شعب ابی طالبؑ سے رہائی دی گئی تھی۔ یہی حکومت جس کا ہوّا دکھا کر خاندان مصطفوی کی خاندانی حکومت کے خلاف عربوں میں قومی و ملکی حکومت کا تصور پھیلایا جا رہا تھا۔ اب عربوں نے چاہا کہ رسولؐ اللہ کو اُن کے خانوادے کی قدیم حکومت سے لڑا دیا جائے تا کہ اُس حکومت کی طرف سے یہ خطرہ مٹ جائے کہ وہ عرب کی قومی و ملکی حکومت کے خلاف حضرت علیؑ کی طرفداری میں فوج کشی کرے گی۔ افواہیں یہ کہہ کر پھیلائی گئیں کہ روم کی عیسائی حکومت غسانیوں کی مدد سے ایک بے پناہ حملہ کرنے والی ہے، جنگ بندی ہو رہی ہے، لاکھوں فوجی تیار کھڑے ہیں اور حکم ملتے ہی دھاوا بولنے والے ہیں۔ افواہوں اور پروپیگنڈے کے لئے با قاعدہ وہ اجتہادی نظام برسر کار تھا جو روز اوّل سے بڑھتے بڑھتے اب ایک بہت بڑی قوت بن چکا تھا۔ اور تقریباً سارے ملک میں اپنی شاخیں اور ادارے قائم کئے ہوئے تھا۔ خبر مشرق سے چلتی یا مغرب میں ایجاد ہوتی، ہوا کی طرح مکہ و مدینہ پر سے گزرتی ہوئی چاروں طرف پھیل جاتی۔ عوام چونکہ اصلی راز نہ جانتے تھے۔ اِس لئے مسلمانوں میں سچ مچ کا خوف و ہراس پھیلتا اور روز مرّہ بڑھتا اور ہر دل میں اُترتا جا رہا تھا۔ اُدھر شدید گرمی کا موسم تھا۔ سفر طویل اور غیر علاقہ میں تھا۔ بھاگ جانے کے عادی لوگ چاہتے تھے کہ جنگ پر تو خوب اکسایا جائے لیکن ہمراہ چلنے سے بچنے کی ترکیب بھی نکالی جائے۔ اور کسی غیر متوقع صورتِ حال میں مدینہ کی اسلامی حکومت سنبھالنے کا انتظام بھی کیا جائے۔ اس جنگ کے لئے روانگی سے قبل حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ کا حاکم بنانا بھی اجتہادی اسکیم کی گہرائی کا پتہ دیتا ہے۔ اسی موقع پر حدیث منزلۃ اور حضرت موسیٰ وھارون علیہما السلام کا قرآنی مقام حضرت علیؑ کے لئے تجویز ہوا تھا۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ جیسے کیسے تیس ہزار کی فوج روانہ ہوئی، تبوک پہنچی، تمام افواہیں غلط نکلیں۔ پورے علاقے کے یہود و عیسائی اور دیگر اقوام نے معاہدے کئے، حضورؐ کو تحفے دیئے، بعض نے اسلام اختیار کیا۔ بعض نے تحفظ کے واجبات ادا کرنا (جزیہ) منظور کیا اور حضورؐ بخیر و خوبی واپس تشریف لائے۔ اور عملاً ثابت کر دکھایا کہ غسانی اور رومی حکومت کے خلاف سازش کی گئی تھی تا کہ آئندہ یہ جماعت ایسی جرأت نہ کرے۔

(32/2)۔ تبوک سے واپسی پر آنحضرتؐ کو قتل کرنے کی سازش ناکام ہوگئی

چونکہ اِس سفر نے عرب کے باقی ماندہ علاقوں پر بھی عملاً رسولؐ اللہ کی حکومت قائم کردی تھی۔ اب اس بات کی ضرورت تھی کہ رسوؐل اللہ کو راستے سے ہٹا کر قومی حکومت قائم کی جائے۔ قریش کے تمام رؤسا و اُمرا اب مسلمانوں میں گھل مل گئے تھے اور اُنہیں نظم و نسق مملکت پر کافی تجربہ تھا۔ لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ جب آنحضرتؐ وادی عقبہ سے گزریں تو دونوں طرف کی پہاڑیوں پر سے پتھر لڑھکا کر آپؐ کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ موزوں قسم کے لوگ رات کو مُتعینہ جگہوں پر پہنچے اور انتظام مکمل کرلیا۔ حالانکہ آپؐ نے منادی کرادی تھی کہ جب تک عقبہ کی گھاٹی سے رسولؐ اللہ نہ گزر جائیں اُس طرف کوئی مسلمان نہ جائے۔ آخر رسولؐ اللہ کی سواری اس طرح چلی کہ جناب حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ اور جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ اُونٹ کے پیچھے تھے۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ جب ہم مذکورہ مقام پر پہنچے تو بجلی چمکی اور روشنی پھیل گئی۔ میں نے دیکھا کہ بارہ یا چودہ نقاب پوش ہماری طرف رواں دواں متوجہ ہیں۔ غالباً اس لئے کہ اونٹ کو بھڑکا دیں۔ میں نے حضورؐ کو مطلع کیا۔ سرکارؐ نے اُن کو ڈانٹ پلائی۔ عمار کی رُو سے انہوں نے آگے بڑھ کر اُن لوگوں کے اونٹوں کے منہ پر مارا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ پہچان نہ لئے جائیں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ تم نے اُن لوگوں کو پہچانا کہ وہ کون کون تھے؟ کہا نہیں یا رسولؐ اللہ اُن کے منہ پوشیدہ تھے اور اندھیرا بھی تھا۔ آپؐ نے بتایا کہ اُن کا ارادہ اونٹ کو بھڑکا کر مجھے گرانے اور ہلاک کرنے کا تھا۔ حذیفہ نے کہا کہ حضورؐ آپ کیوں حکم نہیں دیتے کہ ہم لوگ اُن سب کے سر قلم کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ لوگ تو یہ مشہور کریں گے جن لوگوں کی مدد سے اپنے دشمنوں کو مغلوب کیا اُن ہی کو اب قتل کرا رہے ہیں۔ بعد ازاں حذیفہ کو اُن سب کے معہ ولدیت نام بتائے اور پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ (درالمنثور۔ روضۃ الاحباب، معارج النبوۃ، شواہد النبوۃ، تفسیر جلالین)

(ii)۔ وادی عقبہ پر سازشین کے گروہ کا مزید اَتا پتا

روضۃ الاحباب میں مسلم سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اہل عقبہ میں سے ایک شخص نے حذیفہ سے قسم دے کر پوچھا کہ اصحاب عقبہ کتنے آدمی تھے۔ حاضرین نے حذیفہ سے کہا کہ قسم دی ہے لہٰذا بتا دو۔ حذیفہ نے جواب دیا کہ وہ چودہ آدمی تھے اور تجھ سمیت پندرہ تھے۔ خدا کی قسم اُن میں کے بارہ دین و دنیا میں دشمنانِ خدا و رسولؐ ہیں اور تین نے عذر کرلیا تھا کہ اُن کو منادی کی اطلاع نہ ہوئی تھی اسلئے وہ اتفاقاً وہاں جا پہنچے تھے اور انہیں سازش کی خبر بھی نہ تھی۔

(iii)۔ کیا منافق بھی صحابہ تھے۔ رسولؐ اللہ کا جواب سنئے

انسان العیون میں ہے کہ لیلۃ العقبہ کی صبح کو اُسید بن حضیر کو رسولؐ اللہ سے اُن منافقین کا حال معلوم ہوا۔ تو اُسید نے اجازت مانگی کہ اُن تمام لوگوں کو خواہ وہ کسی قبیلے سے ہوں گرفتار کیا جائے اور پھر قتل کر دیا جائے۔ حضرتؐ نے فرمایا میں اس سے کراہت کرتا ہوں کہ کل لوگ یہ الزام عائد کریں کہ جن کی بدولت کفار سے جنگ کی اور غلبہ پایا اب اُن ہی کو قتل کرتے ہیں۔ اسید نے کہا کہ وہ لوگ آپ کے اصحاب نہیں ہو سکتے۔ آپؐ نے فرمایا کیا وہ اظہار شہادتین نہیں کرتے۔''

(iv)۔ عقبہ کی سازش میں نامی گرامی لوگ شامل تھے

روضۃ الاحباب میں ہے کہ نام نہ لینے کی یہی وجہ تھی کہ اصحاب عقبہ اکابر صحابہ میں سے تھے۔کیونکہ عوام میں سے جو منافق گزرے ہیں اُن کی تشہیر اور ملامت میں اہلسنت نے درگزر نہیں کی ہے۔اور اُن کی مالداری اور قوم میں رسوخ ہی کی وجہ تھی کہ رسولؐ اللہ نے حذیفہ اور عمار کو اُن کے نام ظاہر کرنے کی ممانعت فرمائی تھی۔کبھی عام منافقین کے متعلق آپؐ نے ایسا نہیں فرمایا۔اسی بنا پر اُس فریق کے عالم ابن بابویہ نے حذیفہ بن الیمان کی زبانی اہل سنت کے جلیل القدر صحابیوں کے نام لکھے ہیں۔مگر ہم ترک ادب سمجھ کر اعراض کرتے ہیں۔'' میزان الاعتدال میں ہے کہ حضرت عمر کے سوال پر جب حذیفہ نے بار بار راز ظاہر نہ کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ،

باللہ یاحذ یفہ انا من المنافقین۔اے حذیفہ خدا کی قسم میں منافقین میں سے تھا۔

(v)۔ مسجد ضرار کا مقصد اور انہدام

مسجد ضرار اور اس کے بنانے والوں کا حال بھی قرآن میں موجود ہے۔اور ہر تاریخ نے اُس کا تذکرہ کیا ہے۔ہمیں صرف اس قدر کہنا ہے کہ اجتہادی گروہ مسجد نبوی کے مقابلہ پر اپنے لئے ایک کمین گاہ چاہتا تھا۔جہاں اُن کی جماعت اپنے والے اسلام کا باقاعدہ پرچار اور تبلیغ کر سکے۔یعنی اب اس جماعت کی نمائندگی کرنے والے دانشوروں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تھی کہ وہ قدیم مکان جو ہجرت کے بعد پہلے دن سے راتوں کو مشاورت کے کام آتا تھا اب ناکافی ہو گیا تھا۔اور ضرورت تھی کہ مسجد ایسے مقدس مقام کے نام پر اہل حل و عقد کے فیصلوں کو نافذ کیا جائے۔اور اگر پہلی مسجد والے اختلاف کریں تو یہاں سے قومی حکومت کے قیام کا متفقہ و متحدہ اعلان کر دیا جائے اور اختلاف کرنے والوں کو منافق اور فتنہ پرور کہہ کر اُن کا صفایا کر دیا جائے۔ چنانچہ اُن مومنین نے تبوک کے سفر کی تیاریوں کے دوران یہ مسجد بنالی تھی۔اور چاہتے تھے کہ پہلی نماز کا افتتاح رسولؐ اللہ کی قیادت میں کرا کر دلیل و حجت بنا دیں مگر تبوک کے سفر سے واپسی پر اللہ نے یہ قانون بنا دیا کہ ہر اُس مسجد کو مسمار کر دینا لازم ہے جو مومنین میں تفرقہ پیدا کرے۔

33۔ میدان جنگ سے آخری فرار۔جنگِ وادی الرمل

وادی الرمل مدینہ سے پانچ روز کی راہ پر واقع ہے۔اس جنگ کو جنگ سلاسل بھی کہا گیا ہے۔اور ہم اُسے آخری جنگ قرار دیتے ہیں۔اس کے بعد عہد رسولؐ میں آنحضرتؐ کے حکم یا اجازت سے کوئی جنگ نہیں ہوئی ہے۔حضورؐ کو اطلاع ملی کہ وادی الرمل میں عرب کا ایک گروہ لوگوں کو اس لئے جمع کر رہا ہے کہ مدینہ پر شبخون ماریں۔آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے دعوت عام دی۔اصحاب صفہ میں سے ایک جماعت تیار ہوئی اور جناب ابوبکر کی سپہ سالاری میں وادی الرمل روانہ ہوگئی۔اُس وادی میں درختوں اور پتھروں کی بہتات تھی۔دشمن پہلے سے تاک میں تھا۔اچانک حملہ ہوا، کئی ایک مسلمان قتل ہوئے۔باقی پسپا ہو کر فرار کر گئے۔مدینہ پہنچے تو حضرت عمر کو سردار بنا کر بھیجا گیا۔اُن کے ساتھ بھی وہی صورت پیش آئی اور شکست و فرار کے بعد مدینہ آئے۔اب جناب عمرو بن العاص نے سالاری طلب کی اور باوجود اعلیٰ درجے کے تجربہ کے وہ بھی حسب سابق ناکام ہوئے۔آخر مشکل کشا علی علیہ السلام کا نمبر آیا اور سابقہ تینوں سردار

بھی دشمن کی طرف روانہ ہوئے۔آنحضرتؐ نے دعائے فتح فرمائی۔ جناب امیرؑ نے نیا راستہ اختیار کیا۔راتوں کو سفر، دن میں قیام کرتے ہوئے اس طرح بڑھے کہ بے خبری میں دشمن کو گھیرے میں لیا جاسکے۔ جب وادی الرمل قریب آرہی تھی تو آپ نے فوج کو حکم دیا کہ اب فوج نہایت آہستہ چلے اور آپ تنہا آگے روانہ ہوگئے۔آپؑ کی رفتار اور رویہ سے عمرو بن العاص کو یقین ہوگیا کہ علیؑ ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔اور میری بڑی بے عزتی ہوگی لہٰذا ایک دوسری اسکیم فوج کے سامنے رکھ دی۔یعنی وادی الرمل کی بلندی کی طرف سے چلیں اور رات کو شب خون ماردیں۔فوج نے تعمیل سے انکار کردیا۔اسلئے کہ فوج کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ علوی اقدامات اور پیش رفت صحیح ہے۔مگر جناب ابوبکر وعمر نے ہمت کر کے حضرت علیؑ کو عمرو بن العاص کی اسکیم پر چلنے کا مشورہ دیا۔لیکن آپ اس سازش کو سمجھ گئے اور پیش قدمی جاری رکھی اور صبح ہوتے ہوتے دشمنوں کے سر پر جا پہنچے اور دشمن کو سخت شکست دی۔صاحب حبیب السئیر لکھتے ہیں کہ وہ قوم انوار ذوالفقار سے اس طرح بھاگی جس طرح سورج کی شعاؤں سے چمگادڑ بھاگتے ہیں۔مؤلف کشفُ الغمّہ نے لکھا ہے کہ سورہ والعادیات اسی بارے میں نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے اصحاب کو فتح کی بشارت دی۔

جب حضرت علیؑ واپس مدینہ کے قریب پہنچے تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ سمیت استقبال کے لئے پیش قدمی فرمائی۔حضرت علیؑ آپؐ کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اُترے تو حضورؐ نے فرمایا اے علیؑ سوار ہوجاؤ کہ خدا اور اس کا رسولؐ تجھ سے خوش ہیں۔اے علیؑ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ اس اُمت میں تیرے لئے وہی کچھ نہ کہا جائے جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے لئے کہا ہے۔تو میں تیری مدح میں ایسی بات کہتا کہ جس گروہ کے پاس سے تم گزرتے وہ تمہارے دونوں قدموں کے نیچے کی مٹی اُٹھا کر برکت طلب کرتے۔اس کے بعد صاحب حبیب السئیر نے یہ اشعار لکھے ہیں:۔

چنیں گفت آں روز خیرالانام	که اندیشه دارم ز بعضے مہام

اُس روز تمام ذی حیات سے افضل رسولؐ نے یہ فرمایا کہ اگر مجھے بعض اہم امور کا اندیشہ نہ ہوتا۔

وگرنہ حدیثے ز قدر علیؑ	ہمیں گفتم از غایت یک دلی

تو میں علیؑ کی قدر و منزلت پر دل کی گہرائی سے ایسی باتیں بتا دیتا۔

کہ بر ہر کہ وے ز امت گذر	نہادے بجائے قدمہاش سر

کہ اُمت کے جس گروہ کے پاس سے علیؑ گزرتے تو وہ گروہ جہاں علیؑ کے قدموں کے نشان ہوتے وہاں اپنا سر رکھتے۔

ز خاک قدمہاش برداشتے	ازآن آبروے دگرداشتے۔

اور اُس کی خاک قدم اُٹھا کر محفوظ کرتے اور اُس خاک کے توسط سے آبرومندی طلب کرتے۔

34۔ غزوہ تبوک اور اُس زمانہ میں مجتہدین کے مختلف حالات

یہاں قارئین پہلے یہ نوٹ کریں کہ سورہ توبہ کا جو قرآن کریم کی سورتوں میں نویں نمبر پر ریکارڈ کی گئی ہے،9 ہجری کے گیارہویں ماہ یعنی ذیعقد میں نازل ہونا مانا گیا ہے۔مطلب یہ ہے کہ سورہ توبہ کی تلاوت کے بعد آنحضرتؐ صرف سولہ مہینے اس ظاہری

دنیا میں رہے۔ یعنی یہ سورہ جسے سورہ برائت بھی کہتے ہیں نہ صرف جنگ تبوک کے حالات پر تبصرہ کرتی ہے۔ بلکہ وہ تمام حالات بھی ریکارڈ کرتی ہے جو انتقالِ رسولؐ سے ایک سال چار ماہ پہلے تھے۔ یعنی مسلمان جو کچھ بن سکتے تھے وہ بن چکے تھے۔ زمانہ رسالت 23 سال اگر مانا جائے تو جو لوگ اس طویل دور میں اپنی سابقہ ذہنیت نہ بدل سکے تو اب ایک سال اور چار ماہ میں اُن پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟ اب علامہ مودودی کی تحقیق بھی سُن لیں تا کہ پھر اطمینان سے ہم عہدرسولؐ کے مخصوص مسلمانوں کا حال قرآن سے دکھاتے چلے جائیں۔

(34/2)۔ سورہ توبہ یا سورہ بَرَأت کا زمانہ نزول واجزاء سورہ

(علامہ مودودی کا قلم) ''یہ سورہ تین تقریروں پر مشتمل ہے:۔

''پہلی تقریر آغاز سورہ سے پانچویں رکوع کے آخر تک چلتی ہے۔ اس کا زمانہ نزول ذیقعد 9 ہجری یا اس کے لگ بھگ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس سال حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحاج مقرر کر کے مکہ روانہ کر چکے تھے کہ یہ تقریر نازل ہوئی اور حضورؐ نے فوراً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اُن (ابوبکر) کے پیچھے بھیجا تا کہ حج کے موقعہ پر تمام عرب کے نمائندہ اجتماع میں اُسے سنائیں اور اُس کے مطابق جو طرزِ عمل تجویز کیا گیا تھا اس کا اعلان کر دیں۔''

''دوسری تقریر رکوع چھ (6) کی ابتدا سے رکوع نو (9) کے اختتام تک چلتی ہے اور یہ رجب 9 ہجری یا اس سے کچھ پہلے نازل ہوئی جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ اِس میں اہل ایمان کو جہاد پر اکسایا گیا ہے اور اُن لوگوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جو نفاق یا ضعف ایمان یا سستی و کاہلی کی وجہ سے راہ خدا میں جان و مال کا زیاں برداشت کرنے سے جی چرا رہے تھے۔''

''تیسری تقریر رکوع دس (10) سے شروع ہو کر سورہ کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ اور یہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر نازل ہوئی۔ اس میں متعدد ٹکڑے ایسے بھی ہیں جو انہی ایام میں مختلف مواقع پر اُترے اور بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۂ الٰہی سے اُن سب کو یکجا کر کے ایک سلسلۂ تقریر میں منسلک کر دیا۔ مگر چونکہ وہ ایک ہی مضمون اور ایک ہی سلسلۂ واقعات سے متعلق ہیں اِس لئے ربطِ تقریر میں کہیں خلل نہیں پایا جاتا۔ اِس میں منافقین کی حرکات پر تنبیہ، غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر زجر و توبیخ اور اُن صادق الایمان لوگوں پر ملامت کے ساتھ معافی کا اعلان ہے۔ جو اپنے ایمان میں سچے تو تھے۔ مگر جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے سے باز رہے۔''

''نزول ترتیب کے لحاظ سے پہلی تقریر سب سے آخر میں آنا چاہئے تھی۔ لیکن مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے وہی سب سے مقدم تھی۔'' (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 167-166)

(ii)۔ آخر یہ مان لیا کہ جن مسلمانوں کی مذمت ہوتی رہی ہے وہ سب منافق نہ تھے

ہمیں علامہ کے اس طویل بیان سے تعارض کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ یہ ہمارے زیرِ نظر عنوان کے خلاف نہیں بلکہ تائید کرتا ہے۔ اور دو تین نہایت اہم حقیقتوں کو ثابت کرتا ہے۔ پہلی بات تو وہی ہے کہ سُورہ توبہ انتقالِ رسولؐ سے صرف سولہ ماہ پہلے نازل ہوئی

ہے اور یہ کہ اُس میں نہ صرف منافقوں کی مذمت ہے بلکہ مسلمانوں کی دوسری قسم کی بھی نقاب کشائی ہوئی ہے۔ جن کو علامہ بلاوجہ ضعیف الایمان یا سُست اور کاہل کہہ کر جان چھڑا لینا چاہتے ہیں۔ اس لئے کہ سُستی کاہلی اور جان پیاری سمجھنے والے اگر واقعی ضعیف الایمان ہوتے ہیں تو اُن تمام صحابہ کو اِس زُمرہ میں داخل کرنا ہوگا جو جنگ سے جان بچا کر بھاگ جانے کا ریکارڈ قائم کر چکے تھے اور رسوؐل کی جان کو خطرے میں چھوڑ دینا، حکم نہ ماننا، پلٹ کر نہ دیکھنا جن کی عادت تھی۔ ورنہ ہماری طرح یہ ماننا ہوگا کہ وہ اندھی عقیدت والے مسلمان نہ تھے۔ وہ جان وہاں دینا مفید اور ثواب سمجھتے تھے جہاں قرآن کے احکام کی تنفیذ میں اُن کی اجتماعی بصیرت کو شامل کر کے صلح یا جنگ کا فیصلہ کیا گیا ہو۔ رہ گئی رسوؐل کی ذاتی بصیرت، اُس کا اُن کے یہاں غلطی سے پاک ہونا ناممکن تھا۔ لہٰذا وہ اُن تمام مواقع پر جان دینا خودکشی کے برابر سمجھتے تھے جہاں اُن سے مشورہ نہ لیا گیا ہو۔ اور رسوؐل کی تنہا، ذاتی اور بشری بصیرت سے مہلک صورت حال پیدا ہوئی ہو۔ حضرت عمر کا جنگ سے بھاگتے ہوئے ملامت کرنے والوں کو یہ کہنا کہ ''بھاگنا اللہ کے حکم سے ہوا ہے'' اُسی عقیدہ کا اعلان ہے۔ یعنی جہاں خطرات خود اپنی رائے کا نتیجہ ہوں، وہاں جان کی حفاظت واجب ہے۔ خواہ بھاگ کر ہو یا کسی اور طرح سے ممکن ہو۔ بہر حال وہاں خدا کا حکم یہ ہے کہ: اپنی جان کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لہٰذا ہم مسلمانوں کی دو اقسام لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ.... (بقرہ 2/195) قران کریم سے مسلسل دکھاتے اور اُن کے عقائد کا قرآنی فرق واضح کرتے چلے آئے ہیں۔ دوسری قسم کے مسلمانوں کو منافق یا کمزور عقیدہ مسلمان قرار دینے والے دراصل فریب ساز ہیں۔

(iii)۔ سورۂ برأت کو سنانے کا حق امیر الحاج حضرت ابوبکر کو کیوں نہ تھا؟

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر جناب علی مرتضٰی علیہ السلام سے عمر میں اتنے ہی بڑے تھے۔ جتنے کہ رسولؐ اللہ تھے۔ یعنی عمر کے حساب سے ابوبکر بزرگ تھے۔ پھر اُن کو سابق الایمان مانا گیا ہے۔ وہ بھی عرب کے باشندے تھے اور عربی زبان جانتے تھے۔ اکیس سال سے قرآن بھی پڑھتے رہے ہوں گے۔ پھر اُن کو پہلے سے امیر الحاج، حاجیوں کا حاکم بنا کر روانہ کیا گیا تھا۔ اگر علامہ مودودی سچے ہیں؟ یعنی واقعی سورہ توبہ حضرت ابوبکر کی مکہ روانگی کے بعد نازل ہوئی تو؟ تو ہونا یہ چاہیئے تھا کہ سورہ توبہ کا نازل شدہ حصہ یا تقریر کسی بھی صحابی کے ہاتھ بھیج دیا جاتا اور حج کا انچارج اُس تقریر کو وہاں پڑھ کر سنا دیتا۔ یعنی علیؑ کو خاص طور پر بھیجنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ کیوں ضروری تھا کہ سورہ توبہ علیؑ ہی پڑھ کر سنائیں؟

(34/3)۔ سورہ توبہ کا اعلان سربراہِ اسلام ہی کر سکتا تھا

وہ تمام فریب سازیاں اور ہتھکنڈے جو آنحضرتؐ کی قرآنی حکومت کو قومی حکومت بنانے کے لئے استعمال کئے گئے اُن میں سے ایک وہ کوشش بھی ہے جو سورہ توبہ کی تلاوت پر برابر جاری رہی ہے۔ اور جس میں جناب مودودی صاحب نے تمام علما کے خلاف راہ اختیار کی ہے اور لکھ دیا کہ سورہ توبہ حضرت ابوبکر کے مکہ روانہ ہو جانے کے بعد نازل ہوئی تھی تاکہ حضرت ابوبکر کی معزولی کو چھپایا جا سکے۔ علامہ شبلی نے حقائق کو منہ چڑاتے ہوئے تمام سابقہ ریکارڈ پر پانی چھڑکتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ مدینہ سے روانگی ہی اِس طرح ہوئی تھی کہ

حضرت ابوبکرا امیرِ حج اور قوانین کے مبلغ بنائے گئے۔ حضرت علیؑ کو سورۂ برأت کی تلاوت سونپی گئی۔ اور سعد بن وقاص وغیرہ کو باقی کام بتائے گئے یوں مدینہ سے روانگی ہوئی۔ مطلب یہ کہ ابوبکر معزول نہیں ہوئے۔ سب نے اپنا اپنا کام کیا اور چھٹی ہوگئی۔ مگر شبلی نے یہ جرأت نہ کی کہ سورہ توبہ کو مکہ کی روانگی کے بعد نازل کراتے اور پھر علیؑ کے ہاتھ مکہ بھیجتے۔ بہرحال یہ نئے علامہ حضرات نہ پکے مجتہد ہیں نہ خالص مُقلِّد ہیں۔ آپ بڑے علما سے اور قدیم ریکارڈ میں تین باتیں نوٹ کریں گے۔ اول: سورہ توبہ دیکر ابوبکر کو مکہ روانہ کیا گیا تھا تاکہ وہ حج میں اعلان و تلاوت کریں۔ یعنی علامہ مودودی نے غلط کہا کہ سورہ توبہ بعد میں نازل ہوئی تھی۔ دوم: ابوبکر کو معزول کر کے علیؑ کو تعینات کیا گیا تھا۔ جنہوں نے ابوبکر سے سورہ توبہ لے لی اور ابوبکر واپس لوٹے۔ سوم: ابوبکر کی معزولی کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اللہ نے سورہ توبہ کی تلاوت سربراہِ اسلام کی ذمہ داری قرار دی ہے۔ لہٰذا محمدؐ تلاوت کریں یا علیؑ یہ کام سرانجام دیں۔ اِن حقائق کو قبول کرتے ہوئے وہ تکلفات اور لفظی تحفظات ملاحظہ ہوں جو قدیم ریکارڈ مرتب کرنے والوں نے اختیار فرمائے تھے۔

(ii)۔ سورۂ بَرأت یا توبہ کس کو ملی؟ کون معزول ہوا؟ کس نے اور کیوں تلاوت کی؟

سب سے قدیم اور سب سے مستند کتاب اور مستند علما مل کر فرماتے ہیں کہ:۔

اِنّ ابا هريره قال بعثنى ابوبكر فى تلك الحجّة فى مؤذنين بعثهم يوم النحر يؤذنون اَن لا يحج بعد العام مشرک ولا يطوف بالبيت عريان ۔قال حميد بن عبدالرحمان ثم اردف رسولؐ الله بعلیؑ بن ابی طالبؑ وامره اَن يوذن بِبراٴة ۔قال ابو هريره فاذن معنا علیؑ۔

صحیح بخاری میں ہے۔ یقیناً ابو ہریرہ نے کہا کہ اُس حج میں ابوبکر نے مجھے اور کئی ایک ایسے اعلان کرنے والوں کے ساتھ تعینات کیا جو قربانی کے دن یہ اعلان کرنے پر مامور تھے کہ اِس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور نہ کوئی ننگا ہو کر طواف کر سکے گا۔ حمید بن عبدالرحمٰن نے بتایا کہ پھر رسولؐ اللہ نے علیؑ بن ابی طالبؑ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ سورہ برأۃ (توبہ) کا اعلان کریں۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ حضرت علیؑ نے ہمارے ساتھ سورہ برأۃ کا اعلان کیا۔

(1) صحیح بخاری میں یہ روایت مختلف الفاظ میں تین جگہ مذکور ہے اور اصل مقصد ہر جگہ واضح ہے۔ علامہ ابن حجر نے حدیث کی شرح میں یہ وضاحت کی ہے کہ؛عن علیؑ قال بعث رسوؐل الله ابابكر بِبَرَاٴةٍ اِلٰى اهل مكة وبعثه على الموسم ثُمَّ بعثنى فى اثره فادركته فَاَخز تها منه فقال ابوبكر مَالِیْ؟ قال خير اَنت صاحبى فى الغار وصاحبى عَلَى الحوض غيراَنَّهُ لا يبلغ عنّى غيرى اَوْرَجُل مِنّى ۔

''حضرت علیؑ نے کہا کہ رسوؐل اللہ نے ابوبکر کو سورہ برأۃ کے ساتھ موسم حج میں اہل مکہ کی طرف بھیجا۔ پھر مجھے اُنکے پیچھے روانہ کیا۔ چنانچہ میں نے اُنکو جالیا۔ اور سورۃ برأۃ اُن سے لے لی۔ ابوبکر نے واپس آ کر رسوؐل اللہ سے دریافت کیا کہ مجھ میں کیا خرابی تھی؟ آپ نے فرمایا بہتر یہی تھا۔ رہ گئے تم تو تم میرے غار کے ساتھی ہیں اور حوض کے ساتھی ہو۔ بات یہ ہے کہ یہ اعلان ایسا ہے۔ جو یا تو خود مجھے کرنا چاہیئے یا ایسے شخص کو کرنا چاہیئے جو مجھ سے ہو۔ اِسکے بعد علامہ ابن حجر نے لکھا کہ:۔

عند الطبرانى من حديث ابى رافع نحوهُ لكن قال اَتَاه جبرائيلؑ فقال انه لن يؤديها عنک اِلّا انت

اَوۡرَجُلٌ منک ۔عن حدیث انس قال بَعَثَ النبیؐ برأ ۃ مع ابی بکر ۔ثم دعا علیًا فاعطاھا ایاہ وقال لا ینبغی لِاَحدٍ اَن یبلغ ھذا الا رجل من اھلی۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری پارہ(19)صفحہ 194)

''طبرانی نے بھی یہی لکھا ہے لیکن یہ بھی ہے کہ ابی رافع کی روایت کی رُو سے آنحضرتؐ کے پاس جبرائیلؑ آئے اور کہا کہ تمہاری طرف سے یہ ذمہ داری جب ہی ادا ہوسکتی ہے جب کہ آپ خود یہ اعلان کریں یا ایسا شخص اعلان کرے جو آپ سے ہو۔اور انس نے یہ روایت کی ہے کہ نبیؐ نے ابوبکر کو برأۃ کے ساتھ بھیجا تھا۔پھر علیؑ کو بلایا اور یہ ذمہ داری علیؑ کو سونپ دی اور فرمایا کہ کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس اعلان کی تبلیغ کرے سوائے میرے اپنے اہل کے۔''

یہاں تک سُورہ کا پہلے سے نازل شدہ ہونا اور ابوبکر کو تعینات کرنے کے بعد بحکم خدا معزول کر دینا ثابت ہوگیا۔حدیث میں غار اور حوض کا ساتھی قرار دیا جانا قابل اعتراض نہیں ہے۔غار میں واقعی ساتھی تھے۔اور جیسے ساتھی تھے قرآن نے بیان کر دیا ہے۔حوض کا ساتھی دراصل حدیثِ حوض کے ساتھیوں کی حالت بیان کرتا ہے۔جنہیں ملائکہ حوض سے واپس لے کر کہیں اور پہنچائیں گے۔پھر اُن محدثین اور راویوں کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ رسولؐ سے ہرگز غلطی نہیں ہوتی تھی۔لہٰذا یہ الفاظ اُن کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔اِس لئے کہ وہ اکثر رسولؐ اللہ کے اقوال کو ذاتی رائے کہہ کر رد کر دیا کرتے ہیں۔لہٰذا حوض کا ساتھی فرما دینا اُن کے لئے کس دلیل سے صحیح ہوسکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ وہ رسوؐل کے ہر قول وفعل کو منجانب اللہ مانیں۔اور یہ مانتے ہی اُن کے اجتہادی مذہب کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے اور انہیں ہمارا مذہب اختیار کرنا پڑتا ہے۔امام نسائی نے یہ لکھا ہے کہ:۔

(2) **اِنَّ رسولؐ اللّٰہ بَعَثَ برأۃ اِلٰی اھل مکۃ مع ابی بکر ثم اتبعہ بِعلیؑ فقال لہ خذ ھٰذا الکتاب فامض بہ اِلٰی اھل مکۃ ۔قال فلحقتُہُ واخذ تُ الکتاب منہ فانصرف ابوبکر وھو کئیب ۔قال یا رسوؐل اللّٰہ انزل فی شئ؟ قال لا ۔اِلَّا انی امرت ان ابلغہ اَنَا اَوۡ من اھل بیتی ۔**(خصائص نسائی،ص63)''رسولؐ اللہ نے ابوبکر کے ساتھ سورہ برأت مکہ والوں کی طرف روانہ کی۔اِسکے بعد علیؑ کو ابوبکر کے پیچھے بھیجا اور اُن سے یہ کہا کہ ابوبکر سے وہ کتاب لے لو اور اہل مکہ کے پاس لے کر جاؤ۔حضرت علیؑ نے بیان کیا کہ میں ابوبکر تک جا پہنچا اور اُن سے وہ کتاب لے لی۔اسکے بعد ابوبکر دل گرفتہ ورنجیدہ واپس ہوگئے اور رسولؐ اللہ سے سوال کیا کہ کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوگیا ہے۔فرمایا تمہارے بارے میں نہیں۔ہاں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یا تو میں سورہ برأۃ کی تبلیغ کروں یا میری اہلؑ بیت میں سے کوئی تبلیغ کرے۔''

کہا جاتا ہے کہ سورہ برأۃ کی دس یا چالیس آیات اھل مکہ کو سنائی گئی تھیں۔اور جدید علامہ مودودی نے پانچ رکوع یعنی سینتیس(37)آیات بتائی ہیں۔اور ساتھ ہی شیعہ وسُنی دونوں کے علمانے یہ بھی تسلیم کرلیا ہے کہ عربوں کا حافظہ مخصوص طریقہ پر تیار کیا گیا تھا۔لیکن حدیث نمبر 2 میں معلوم ہوا کہ جو کچھ مکہ میں سنانا تھا وہ ایک کتاب تھی۔یعنی لکھا ہوا سامان تھا۔لہٰذا یہ ماننا لازم ہے کہ اگر واقعی چالیس(40)آیات یا کم تعداد تھی تو نہ تو حافظہ والی بات صحیح ہے نہ حافظان والی روایات صحیح ہیں۔اور یا یہ کہنا ہوگا کہ پوری سُورہ پڑھنے کے لئے دی گئی تھی،یہی ہمارا موقف ہے۔ہم نہ عربوں کی کھوپڑی میں کوئی خاص قسم کا دماغ مانتے ہیں،نہ حافظانِ قرآن کی اُس تعداد اور بھیڑ بھاڑ کو مانتے ہیں۔اس

لئے کہ اُن لوگوں کو اتنی فرصت کہاں تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ خود آنحضرتؐ کا مرکزی ریکارڈ تیار تھا۔ اُس میں سے جس قدر تلاوت فرما دیا جاتا تھا بعض لوگ جو لکھے پڑھے تھے، لکھ لیتے ہوں گے۔ مگر اُن کا بھی ہر وقت پاس رہنا ثابت کرنا ناممکن ہے۔ یہ لوگ جب تدوین قرآن کا ذکر شروع کرتے ہیں تو باقی حالات اور ضروریات کو سِرے سے بُھلا کر یہ تاثر دیتے ہیں کہ بس ہر وقت لوگ قلم لئے بیٹھے رہتے تھے۔ اور تلاوت کے ساتھ ساتھ ٹیپ ریکارڈر کی طرح لکھ اور رٹ لیتے تھے۔ ذرہ برابر غلطی ممکن نہ تھی۔ نہ جملہ دُہرانے اور دوبارہ سُننے کی ضرورت تھی، نہ س، ث اور ص میں گڑبڑ کا امکان تھا۔ یہ سب باتیں شیخ چلی سے کم نہیں۔

(3) شاہ ولی اللہ ایسی حدیث لائے ہیں جس میں حضرت عمر بھی شامل ہیں اور دونوں حضرات نہ رسولؐ کے اہل میں ہیں نہ اہلبیت میں نہ رسولؐ والوں میں داخل ہیں۔

عن عبداللّٰہ بن عمر انّ رسوؐل اللّٰہ بعث ابابکر وعمر بِبَرَأة الی اھل مکة۔ فانطلقا فاذاھما بِرَاکب۔ فقال من ھذا؟ قال انا علیؑ ۔قال و اللّٰہ ماعلمت اِلّا خیرًا فاخذعلیؑ الکتاب فذھب بہ ورجع ابوبکر وعمر الی المدینہ ۔فقالا مالنا یا رسوؐل اللّٰہ؟ فقال ما لکما الا خیرًا و لکن قِیل لِی اَنَّہُ لا یبلغ عنک اِلَّا اَنْتَ او رجل منک۔ اخرجہ الحاکم(قرۃ العینین صفحہ 234)

''عبداللہ حضرت عمر کے بیٹے نے کہا کہ رسولؐ اللہ نے ابوبکر اور عمر کو اہل مکہ پر سورہ براۃ کے اعلان کے لئے بھیجا۔ اور جب وہ جا چکے مگر ابھی راستے ہی میں تھے کہ اُن کو ایک سوار ملا۔ اُنہوں نے پوچھا تم کون ہو؟ جواب ملا میں علیؑ ہوں۔ ابوبکر بولے کہ میں نے اس سوال میں بھلائی ملحوظ رکھی تھی۔ حضرت علیؑ نے وہ کتاب اُن سے لے لی اور اُسے لے کر روانہ ہو گئے۔ ادھر حضرت ابوبکر وعمر مدینہ لوٹ کر آئے۔ اور دونوں نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا کہ ہم دونوں میں کیا نقص نکل آیا؟ فرمایا خیریت ہے۔ لیکن مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ کی طرف سے یہ ذمہ داری صرف اس صورت میں پوری ہوسکتی ہے کہ یا تو تم خود جا کر اس اعلان وسورہ کی تبلیغ کرو یا ایسا آدمی کرے جو تجھ سے ہو۔ یہ روایت امام حاکم نے لکھی ہے۔''

یہاں تک وہ تمام تحریریں باطل ہیں جن میں کہا گیا کہ اُس سال حضرت ابوبکر بدستور حج کے حاکم یا امیر الحاج رہے تھے۔ ہر دفعہ ہر حدیث میں اُن کا مدینہ پلٹ آنا مذکور ہوتا رہا ہے۔

(4) حضرت ابوبکر بیان فرماتے ہیں کہ:۔

اِنّ النبیؐ بِبَرَاء ۃ لاھل مکة لایحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان ولا ید خل الجنة الا نفس مسلمة۔ومَن کان بینہ وبین رسوؐل اللّٰہ مدة فاجلة الٰی مدتہ و اللّٰہ بَرِیّ من المشر کین ۔ورسوؐلہ ۔ قال فسرت بھا ثلاثا ۔ثم قال رسوؐل اللّٰہ لعلی ۔ الحق ابابکر فردّ ہ اِلَیَّ وبلغھا انت ۔فَفَعَلَ علیؑ ذلک ورَجَعْتُ اِلَی المدینة فلما قدمت عَلَی النبیؐ بکیتُ وقُلْتُ یا رسوؐل اللّٰہ حدث فِیَّ شیء ؟ قال ماحدث فیک الا خیر والکِنی امرتُ ان لا یبلغھا منی۔(مسند امام حاکم جلد 1 صفحہ 2)

نبیؐ نے مجھے اہل مکہ کی طرف سورہ برأت دے کر روانہ کیا تا کہ میں یہ اعلان کردوں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا۔ اور کوئی شخص ننگا ہو کر کعبہ کا طواف نہ کیا کرے گا۔ اور اگر کسی کے ساتھ رسولؐ اللہ کا کوئی معاہدہ ہے وہ وقت مقررہ تک قائم رہیگا۔ اور آج سے رسولؐ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہیں۔ ابوبکر نے بیان کیا کہ میں تین دن سفر کر چکا تو رسولؐ اللہ نے علیؑ سے کہا کہ تم جا کر ابوبکر سے ملو اور اُس کو میرے پاس واپس کردو اور خود جا کر سورہ برأت کی تبلیغ کرو۔ چنانچہ علیؑ نے اس حکم پر عمل کیا اور میں مدینہ واپس چلا آیا۔ جب میں خدمت رسولؐ میں پہنچا تو میں نے رو رو کر عرض کیا کہ حضورؐ کیا کوئی نئی بات میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ فرمایا کوئی نئی بات نہیں جو ہوا اچھا ہی ہوا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُس سورہ کی تبلیغ میری ذات یا میرے اہل پر لازم ہے۔

(5) حبیب السیر سے مزید خامیاں دُور ہو جاتی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

''چوں امیر المومنین ابوبکر بملازمت حضرت رسول صلی اللہ علیہ الصلوۃ والسلام رسید۔ از آنحضرت پُرسید کہ یا رسولؐ اللہ از مَن چہ صادر شد کہ از قرأتِ سورۂ برأت ممنوع گشتم۔ رسولؐ اللہ فرمود کہ ہیچ منقصتے بحال تو راہ نیافتہ۔ ولکن الامین هبط اِلَیَّ من اللّٰه عزّ وجلّ بانّه لا يؤدی عنک الا انت او رجل منک وعَلِیٌّ مِنّی وهو اَخِیّ ووَصِیّ ووارثی و خلیفتی فی اهل بیتی واُمّتی بعدی یقض دینی ینجر وعدی ولا يؤدی عنّی الا علیؑ۔''

جب امیر المومنین ابوبکر راستہ سے واپس ہو کر رسولؐ اللہ سے ملے تو آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ مجھ سے کیا قصور ہوا؟ کہ سورۂ برأت کی تبلیغ سے منع کر دیا گیا؟ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تمہاری کوئی توہین نہیں کی گئی ہے۔ لیکن جبرائیلؑ امین خدا کی طرف سے اُترے۔ میرے پاس یہ پیغام لائے کہ یقیناً برأت کی ذمہ داری تمہاری طرف سے جب ہی ادا ہوسکتی ہے جبکہ تم خود یہ اعلان کرو یا کوئی تمہارا اپنا مرد یہ اعلان کرے۔ سنو علیؑ مجھ سے ہے اور وہ میرا بھائی ہے۔ میرا وصی ہے۔ میرا وارث ہے۔ اور میرے اہلبیتؑ اور میری امت پر میرے بعد بھی میرا خلیفہ ہے۔ جو میرا قرض ادا کرنے، میرے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ لہٰذا سورہ برأت والا اعلان میری طرف سے علیؑ کے سوا کوئی اور نہیں کرسکتا تھا۔'' (تفسیر درمنثور جلد 3 صفحہ 310)

(iii)۔ سُورۂ برَأت خلافتِ بلافصل پر حجۃ اور قومی حکومت پر مصیبت ہے

ہم احادیث کے انبار کو از راہ اختصار ترک کرتے ہیں اور قارئین کو دو باتیں بتاتے ہیں۔ پہلی یہ کہ راویانِ حدیث اور محدثین عمدہ سے عمدہ اور مفصل بیانات کو کسی طرح مختصر اور بے معنی کر کے بیان کرتے اور لکھتے آئے ہیں۔ یہ بات ہماری لکھی ہوئی پہلی حدیث سے پانچویں تک واضح ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان تمام احادیث میں ابوبکر و عمر کا اُس عہدہ سے معزول ہونا اور اس معزولی پر رنجیدہ وکبیدہ خاطر ہونا اور رو رو کر وجہ دریافت کرنا مسلسل موجود ہے۔ یہاں یہ کہہ کر دلجوئی کی جاتی ہے کہ ہر دفعہ رسولؐ اللہ نے خیر فرمایا ہے۔ یہ بھی کہا ہے کہ کوئی نئی بات نازل نہیں ہوئی ہے۔ گویا اس عزل ونصب میں کسی کو معزول کر دینا ہی اُس کی عاقبت بخیر ہونے کے لئے ضروری تھا۔ اور ابوبکر کو اس منصب پر برقرار رکھنا خیر کے بجائے شر وفساد تھا۔ اور چونکہ ابوبکر کی یہ منزلت نہ تھی کہ وہ اس منصب سے معزول ہو جانا اپنی توہین یا کسرِ شان سمجھیں، اس لئے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ جو کیا گیا وہ درست ہی درست ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اُن کا امت پر خلیفہ

بنا دیا جانا اللہ ورسولؐ کے نزدیک خیر نہ تھا بلکہ شر تھا۔اور غالباً حضرت عمر نے جو یہ فرمایا تھا کہ ابوبکر کی خلافت کے شر سے ہم لوگ محفوظ رہ گئے، اِسی طرف اشارہ تھا۔

پھر جب یہ طے ہوگیا کہ آنحضرتؐ کی ذمہ داریاں علیؑ کے سوا کوئی دوسرا فردِ امت ادا کر ہی نہیں سکتا تو رسولؐ اللہ کی جانشینی اور رسالت ونبوت کی تمام ذمہ داریاں قیامت تک کے لئے کس طرح امت کے خاطی افراد کی سپردگی میں دی جاسکتی تھیں؟ اگر ایک سورہ یا ایک سورہ کی چالیس میں سے دس آیات تک مجمع عام میں سنانا ابوبکر وعمر کے لئے منجانب خدا جائز نہ تھا تو سارے قرآن کی تبلیغ کیسے اُن کو سونپی جاسکتی تھی؟ خصوصاً جبکہ قرآن کائنات کی تمام تفصیلات کا حامل ہو۔یہی وجہ ہے کہ اُدھر رسولؐ اللہ کو (معاذ اللہ) خطا کار بنانا ضروری تھا۔اِدھر قرآن کو چند گِنے چُنے احکام اور مشابہات ومجملات کا مجموعہ قرار دینا تھا۔تاکہ ہر جاہل اجتہاد کی آڑ میں قرآن کے نام پر سربراہ اسلام اورمحی الدین بن جائے۔اور ''مَن تُرا حاجی بگویم تُو مَرا مُلّا بگو'' کے مَن سمجھوتے سے اسلامی نظام چلانے کا دعویٰ کر دیا جائے۔اور جو بات سمجھ میں نہ آئے غیر مسلم حکومت اور حکمرانوں کے فیصلوں کو سامنے رکھ کر سمجھ لی جائے۔چنانچہ ہمیشہ غیر مسلم دانشوروں کا سہارا لیا جاتا رہا ہے۔غیر مسلم نظامہائے حیات کے ساتھ لفظ اسلام یا اسلامی لگا کر اُنہیں مسلمان نقاب پہنایا جاتا رہا ہے۔قوانین مصر وبابل اور رومۃ الکبریٰ اور پھر برٹش لا کو چند لفظ اِدھر اُدھر کر کے اختیار کیا جاتا رہا ہے اور آج تو کمیونزم وسوشلزم بھی بڑے دھڑلے سے اسلامی بن کر یا بنا کر سامنے لایا جارہا ہے۔

(34/4)۔ سُورۂ بَرأت کے اعلان کی جھلکیاں اورعظمت

سُورۂ بَرأت کا اعلان قیامت تک پیدا ہونے والے تمام سرکش جابروں، سبعیت وبربریت کے سب نمائندوں اور تمام طاغوتی اداروں کومخاطب کرتا ہے۔یہ اعلان چاہتا ہے کہ تمام اسلام دشمن اور انسان کُش قوتیں لرز کر رہ جائیں۔ہر وہ دل سینہ میں بیٹھ کر رہ جائے جس میں تخریب کے جذبات موجزن رہتے ہوں۔ہر وہ بازو شَل ہوکر رہ جائے جو تیراندازی اور تیغ زنی میں نامور ہے۔وہ تمام سیاسی منصوبہ ساز جماعتیں آج وجہُ اللہ، لِسانُ اللہ، عَینُ اللہ، یَدُ اللہ اورقوتِ پروردگار کا لب ولہجہ سنیں۔اُسؑ کی غیر متزلزل اور بے پناہ اسکیم سے متعارف ہوں۔اُن کے سامنے آج اُن کی تمام کوششیں، تمام زورآزمائیاں، تمام محاربات، تمام تجربات یکجا طور پر دم توڑتے نظر آجائیں۔اُن کے کانوں میں مرحب وعنتر وعبدود کی آخری چیخیں گونجنے لگیں۔اُن کی آنکھوں کے سامنے ذوالفقار کی چمک اور شجاعانِ کفر کے سروں کی بارش کا نظارہ پھر جائے۔وہ اُن کو بتادے کہ آج تک تمہاری ساری تگ ودَو؛ تمہارے تمام مادی وسائل اور تمہاری ہر دماغی وعقلی کاوش بچوں کی اُس کوشش کے برابر بھی نہ ہوئی جو وہ جگنو کی چمک دمک کو سمجھنے اور پھونک مار کر بجھا دینے کیلئے کیا کرتے ہیں۔اس قدر حقیر وکمزور سامان کی مدد سے اللہ کے پھیلتے چلے آنے والے نورؐ کو اپنے ہونٹوں اور لسانی بکواس سے اندھیرے میں بدل دینا چاہتے ہیں۔جبکہ اللہ نے یہ ٹھان رکھا ہے کہ وہ اپنے نورؐ کے تمام پروگرام مکمل طور پر نافذ کر کے چھوڑے گا خواہ نظام اشتراک کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔یہ اُسی بے پناہ

> یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّطۡفِؤُا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَیَاۡبَی اللّٰہُ اِلَّاۤ اَنۡ یُّتِمَّ نُوۡرَهٗ وَلَوۡ کَرِهَ الۡکٰفِرُوۡنَ o هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ o (توبہ 9/32-33)

ہستی کی کرشمہ سازیاں تو تمہارے سامنے ہیں جس نے اُس رسوؐل کو ہدایات بہم پہنچائیں اور دینِ حقیقی دے کر بھیجا۔ جس کے جانشین و نائب کی حیثیت سے میں یہ اعلان کر رہا ہوں کہ یہ دینِ حق تمام نظامہائے باطل پر غالب آ کر رہے گا۔ چاہے نظامِ اشتراک کے ممبران پر گراں ہی کیوں نہ گزرے۔ اس پروگرام کو آگے بڑھانے کے لئے یہ طے کر لیا گیا ہے کہ اب شُرکاءِ نظامِ شرک کی جان و مال کی ذمہ داری اللہ و رسولؐ پر نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ و رسوؐل کی جانب سے تمام انسانوں کے لئے اس حجِ اکبر میں اعلان کیا جاتا ہے کہ تمام مخالف گروہ توبہ کر لیں تو بہتر ہے۔ ورنہ اگر اُنہوں نے ولایت بازی جاری رکھی تو سن لیں کہ اللہ و رسولؐ اُن سے بری الذمہ ہیں۔ وہ ہرگز اللہ کو عاجز نہ کر سکیں گے۔ ایسے لوگوں کو

وَاَذَانٌ مِّـنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَ كْبَرِ اَنَّ اللّٰـهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍo (توبہ 9/3)

دردناک عذاب کی خوشخبری دیتا ہوں۔ آج سے چار ماہ تک کی مہلت دی جاتی ہے (توبہ 9/2) اِس میں اپنا جیسا چاہیں انتظام کر لیں۔ لیکن چار ماہ کے بعد مشرکین جہاں ملیں گے اُن کو پکڑا جائے گا۔ اُن کی تاک میں بیٹھا جائے گا۔ اُنہیں چاروں طرف سے گھیر لیا جائے گا۔ اور جرائم سے باز نہ آنے والوں کو قتل کر دیا جائے گا (توبہ 9/5)۔ حق پوشی کرنے والوں کو ذلیل و خوار کیا جائے گا (توبہ 9/2)۔ معاہدہ شکن اور غداری کرنے والوں سے کوئی رعایت نہ کی جائے گی (توبہ 9/7)۔ اس لئے کہ وہ اپنے غلبہ اور اقتدار کی حالت میں تمام اخلاق اور ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں (توبہ 9/8)۔ قرابت داری اور احساسِ فرض کی جگہ ظلم و جبر میں سبقت لے جاتے ہیں (توبہ 9/10)۔ اب آئندہ ہر معاہدہ شکن اور مسلمانوں کو دینی طعنہ دینے والوں کے ساتھ درگزر کی جگہ تلوار سے کام لیا جائے گا۔ اور ہر اُس آدمی کو قتل کر دیا جائے گا جو کفر کی امامت کرے گا (توبہ 19/12)۔ وہ تمام مشرکین جو اپنے عملی اقدام سے کفر کی شہادت دیتے ہیں۔ اُنہیں بیت اللہ کی تعمیر اور مرمت کی اجازت بھی نہ ہوگی۔ اُن کی تمام دینی خدمات برباد اور اُن پر جہنم واجب ہو چکا ہے (توبہ 9/17)۔ تعمیرِ مسجد حرام اور حاجیوں کو آب رسانی وغیرہ کی وجہ سے وہ صاحبانِ ایمان کے برابر نہیں لائے جا سکتے (توبہ 9/19)۔ اب کافروں کو یہ موقع نہ ملے گا کہ مقدس مہینوں میں جنگ کو حلال کر سکیں اور بداعمالی کو حسین لبادہ پہنا سکیں (توبہ 9/37)۔ اب انتہٰی یہ ہے کہ مشرک کے لئے مغفرت کے دروازے بند ہیں۔ حتّٰی کہ رسوؐل کی سفارش بھی بے اثر رہے گی۔ (توبہ 9/113)

(ii)۔ اعلانِ برأت کا مخاطبہ اُس مومن گروہ کی طرف جو مشترک قومی حکومت چاہتا ہے

قارئین سورۂ برأت میں کافروں اور مشرکوں سے جو کچھ کہا گیا وہ آپ نے دیکھ لیا ہے اور یہ سب کچھ چند آیات میں سما گیا ہے۔ لیکن وہ مسلمان گروہ جس کا ہم تذکرہ کرتے رہے ہیں؛ اور جس کا معاملہ علیؑ اور اولادِ علیؑ سے پیش آنے والا ہے۔ اور جنہوں نے نہایت سرد جنگ جاری رکھی ہے۔ اور اُن تمام مقاصد کو اسلام کا لباس پہنا دیا ہے جو کفار کا تیغ بکف محاذ چاہتا تھا۔ اب سورۂ برأت میں اُن کا حصہ، اُن کے مقاصد، اُن کی کارکردگی اور خفیہ و اعلانیہ عمل درآمد ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت علی علیہ السلام، لسان اللہ سے فرما رہے ہیں کہ مومنین کا وہ گروہ جواب دے کہ کیا تم کفار و مشرکین کو چیلنج مل جانے کے بعد بھی اُن سے جنگ نہ کرو گے؟ جنہوں نے معاہدوں کو برابر نظرانداز کیا اور خلاف ورزیاں کیں اور رسولؐ اللہ کو نکال کر شہر بدر کرنے کی ہمت کی اور جنہوں نے پہلے ہی نمبر پر تم کو اپنا آلۂ کار بنانے سے ابتدا کی

اَ لَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ o(توبہ 9/13)

تھی۔ کیا تم اُن بدعہدوں سے اب بھی مؤدبانہ تعظیمی خوف محسوس کرتے ہو؟ سوچو کہ اگر تم واقعی مومنین ہو تو اللہ تعظیمی خوف کا زیادہ حقدار ہے۔

لہٰذا تمہیں اُنکے بجائے اللہ کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اب تم سب ہوشیار ہو جاؤ، کہ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم چیلنج شدہ بدعہد قوم سے جنگ کرو گے تو یقیناً اللہ اُس قوم کو تمہارے ہاتھ سے عذاب میں مبتلا کریگا اور اس صورت میں تمہاری نصرت بھی کریگا۔ اور اُنہیں ذلیل و خوار کردیگا۔ اور ایمان لانے کی کوشش کرنے والی قوم کے دلوں کی بیماری کو شفا دے گا۔ اور اسلام کے خلاف بیماری نے جو غیظ نومسلموں کے دلوں میں باقی رکھا ہے۔ اُسے اللہ ٹھنڈا کر کے الگ کردے گا۔ اور جو جو نومسلم چاہیں گے اللہ اُن کی توبہ بھی قبول کرلے گا۔ چنانچہ اللہ علیم بھی اور حکیم بھی ہے۔ یعنی مذکورہ بیماری سے آگاہ بھی ہے اور اُس کو شفا دے سکنے والا حکیم بھی ہے (توبہ 15-9/14)۔ لہٰذا تمہیں پھر تاکید کی جاتی ہے کہ تم اُن لوگوں سے جنگ کرو گے جو نہ تو ایمان ہی لاتے ہیں نہ اُن چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں جو اللہ و رسولؐ نے حرام کردی ہیں۔ اور نہ مسلّمہ دینِ حق پر کاربند ہوتے ہیں۔ حالانکہ اہلِ کتاب میں شمار ہیں۔ اس صورت میں اگر وہ اپنا تحفظ چاہتے ہیں تو انہیں اپنی جان و مال کی حفاظت کی جزا دینا ہوگی اور ایک گھٹیا مذہب کا اعلان کرنا ہوگا تو تعارض نہ کیا جائے گا (توبہ 9/29)۔ اُن کا یہ عقیدہ کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔ کفار کی تقلید میں ہے، جھوٹ ہے، تہمت ہے۔ اور یہ اس لئے رائج ہوا ہے کہ اُنہوں نے احکام خداوندی کی جگہ اپنے مقدس بزرگوں اور علما کو واجب الاتباع اور خدا کی جگہ سمجھ لیا ہے۔ اُنہیں بتایا گیا تھا کہ اللہ ہی معبود ہے نہ کہ مسیح وغیرھم (توبہ 31-9/30)۔ یہ مقدس بزرگ اور اُن کے علما لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کے بجائے مال و دولت کا ذخیرہ بڑھاتے ہیں۔ ایک دن آنے والا ہے۔ جب اُن چاندی سونے کے سکوں سے اُن کا سارا جسم داغا جائے گا۔ اُنہیں سونا چاندی ذخیرہ کرنے پر عذاب الیم کی بشارت دیدو۔ (توبہ 35-9/34)

پھر سنو کہ کیا تمہاری مجتہدانہ بصیرت کے حساب سے یہ بات صحیح ہے کہ تمہیں بلا یہ ثابت کئے نجات دے دی جائے گی کہ تم میں سے کون کون جہاد سے جان چُراتا رہا؟ اور کس کس نے اللہ و رسولؐ اور فطری مومنینؑ کے علاوہ غلط مرکز کو دل میں جگہ دی؟ حالانکہ اللہ تمہارے تمام اقدامات و تصورات سے خبردار ہے (توبہ 9/16)۔ چنانچہ سُنو اور یاد رکھو کہ جو لوگ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں، خواہ تمہارے باپ بھائی ہوں، اُن کو ولی یا حاکم نہیں بنایا جاسکتا۔ اور جو ایسی ولایت و اقتدار کو اختیار کرلے وہ ظالم ہے۔ مختصر یہ کہ اگر تم لوگوں کو اللہ و رسولؐ اور اُن کے حکم سے جہاد کرنے سے کوئی اور چیز عزیز تر ہے تو تمہیں برے نتائج سے دوچار ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور اس قسم کی قوم نہ ہدایت پاسکتی ہے نہ قانون کی فرماں بردار بن سکتی ہے خواہ ایسی قوم کثیر تعداد رکھتی ہو۔ چنانچہ جنگ حنین میں تمہاری کثرت تھی اور تمہیں اپنی کثرت پر ناز بھی تھا۔ مگر ہوا یہ کہ وہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور ہم نے جس طرح بہت سے مواقع پر تمہاری مدد کی، جنگ حنین میں بھی تمہیں بچالیا۔ حالانکہ تمہارے لئے زمین کی وسعتیں تنگ ہوگئی تھیں اور تم رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر اپنی زیر بحث ولایت کا سہارا لینے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے تھے (توبہ 25-9/23)۔ لہٰذا اے مومنین اس سال کے بعد مشرکین کو مسجد حرام کے پاس آنے سے روکنا

ہے اس لئے کہ وہ ایک ناپاک گروہ ہے۔ اور اپنی تنگدستی اور لالچ کی بنا پر اُن کی رعایت نہ کرنا۔ اگر اللہ نے چاہا تو تمہیں جلد ہی دولتمند بنادے گا۔ وہ بہرحال حالات کا جاننے والا اور تدارک کر دینے والا حکیم ہے۔ (توبہ 9/28)

یاد رکھنا کہ اللہ نے نبیؐ کو کافروں اور منافقوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے اور جہاد کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ لہٰذا اُن کا اور اُن کے طرفداروں کا ٹھکانہ جہنم تجویز ہو چکا ہے (توبہ 9/73)۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ مشرکین کو کُلیّتہً واجب القتل سمجھو جیسا کہ وہ مومنین کو مجموعی حیثیت سے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ (توبہ 9/36)

(iii)۔ اعلانِ سورۂ برأت کے ساتھ ساتھ قریش کے داخلی محاذ کے مسلمانوں کا تشخص اور تعارف بھی کرادیا گیا

اب وہ مومنین بتائیں کہ اُن کے اِس عمل درآمد کا کیا مطلب ہے؟ کہ جب بھی اُن سے اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے کہا جائے تو وہ سب زمین گیر ہو جائیں اور ایک قدم بڑھانا بھی انہیں پسند نہ آئے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تم دنیا ہی کی زندگی کو اختیار کرنا طے کر چکے ہو اور تمہیں آخرت کی پرواہ نہیں ہے۔ حالانکہ سامانِ آخرت دنیاوی مال و متاع سے کہیں زیادہ مفید ہے (توبہ 9/38)۔ بہرحال اب اگر تم جنگ کے لئے نہ نکلو گے تو تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اور تمہاری جگہ ایک ایسی قوم تبدیل کر لی جائے گی جو تمہاری قسم کی مسلمان نہ ہوگی اور اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ رہے گی اور تم اس تبادلہ کے بعد بھی اللہ کو ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری جگہ دوسری قوم کا لے آنا اللہ کی قوت و قدرت سے باہر ہے۔ وہ جب چاہے ایسا کر سکتا ہے (توبہ 9/39)۔ اگر تم رسولؐ اللہ کی مدد نہ بھی کرو تب بھی اللہ تو یقیناً اُنؐ کی مدد کرتا چلا آیا ہے۔ تم نے تو نبیؐ کی اُس وقت بھی مدد نہ کی تھی جب کافروں نے اُن کو مکہ سے نکال دیا تھا اور جب وہؐ غار کے اندر دو(2) ہوتے ہوئے بھی ثانوی پوزیشن میں تنہا ہی تھا۔ اور اُس کا ساتھی اُس کی مدد اور دل جوئی کرنے کے بجائے بے قرار ہوا جا رہا تھا۔ اور رسولؐ اُس سے کہہ رہے تھے کہ اللہ ہمارے ساتھ یہاں بھی ہے۔ اُس کی مدد پر یقین کرو اور حزن و ملال سے باز رہو۔ اُس وقت بھی اللہ نے اپنے بے یار و مددگار نبیؐ کی مدد ایسی فوجوں سے کی تھی جو تمہیں نظر نہیں آتیں۔ اور اِس طرح سکون و اطمینان فراہم کر دیا تھا۔ اور کافروں کے چیلنج کو بے حقیقت اور اپنے چیلنج کی عظمت کو بلند کر دیا تھا۔ اور اللہ تو ایسی حکمت کا مالک ہے جو ہر حال میں غالب ہی رہتی ہے (توبہ 9/40)۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ احکامات کی تعمیل میں ساز و سامان کے ساتھ ہو یا بے سرو سامانی کا عالم ہو، فوراً نکل پڑا کرو اور باقی مصروفیات سے نفرت اختیار کر لیا کرو۔ اگر تم کو علم ہے تو تمہارے لئے تعمیل ہی میں خیریت ہے۔ اللہ نے نبیؐ کو یہ بتا رکھا ہے کہ اگر غزوۂ تبوک کے بجائے کوئی قریب کا سفر ہوتا اور اُس میں فائدہ بھی قریب اور ممکن الحصول دکھائی دیتا تو تم لوگ ضرور نبیؐ کی اتباع کرتے۔ لیکن تمہاری اجتہادی بصیرت نے اُس اتباع کو مشقت ہی مشقت بنا کر دکھایا۔ لہٰذا اپنے ذاتی فیصلے کے ماتحت تم نے نبیؐ کی اتباع نہ کی تھی۔ اور نبیؐ کو تمہارے متعلق یہ بھی بتا دیا تھا کہ جب تم غزوہ تبوک سے بخیر و خوبی واپس آ جاؤ گے تو مومنین کا وہ گروہ جو اپنی بصیرت و مصلحت کی اتباع کرتا ہے، حلفیہ طور پر بیان دے گا کہ ہم واقعی بہت مصروف تھے۔ اگر ممکن ہو سکتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ ہی روانہ ہو جاتے۔ لہٰذا اے گروہ مومنین تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہو اور یقیناً تم سب ایمانداری کے ساتھ کاذب اور دروغ باف ہو۔ (توبہ 9/40) اور (42۔9/41)

اللہ نے نبیؐ سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ آپؐ کا مسلمانوں کے اُس گروہ کو جھوٹے سچے کا الگ الگ تشخص کرائے بغیر اجازت دے دینا اور اِس طرح اُن کو غزوۂ تبوک سے باز رکھنا ہماری پسند کے مطابق تھا۔ اسلئے نتیجہ کا خیال کر کے اُسے اُس وقت نظر انداز کر دیا تھا۔ اس لئے کہ اگر مومنین کا پیچھے رہ جانے والا گروہ دل سے یہ ارادہ کر چکا ہوتا تو اُس نے سفر کی تیاری کی ہوتی۔ مگر اللہ کو اُن کا اٹھنا اور تبوک میں شامل ہونا ناپسند تھا۔ اس لئے اللہ نے اُن کو اپنے انتظام سے باز رکھا۔ اور اُن کی ذہنیت سے کہہ دیا کہ تم مدد سے ہاتھ کھینچ کر بیٹھنے والوں کے ساتھ ہی رہو۔ اور اَے نبیؐ اگر وہ گروہ تمہارے ہمراہ چلتے تو مسلمانوں کے اندر تخریب کے سوا کسی مفید چیز کا اضافہ نہ کرتے۔ اور عوام مومنین میں فتنہ انگیزی کے لئے دوڑ دھوپ میں مصروف رہتے۔ اس لئے کہ تمہارے عام مومنین میں وہ لوگ کافی تعداد میں ہیں جو اُن کی پالیسیوں اور مفید نظر بیانات کو بڑی دلچسپی سے سنتے ہیں۔ اور اللہ اُن توجہ دینے والے ناعاقبت اندیش مومنین سے واقف ہے۔ یقیناً زیر نظر مسلمانوں کا گروہ ہمیشہ سے تمہارے احکام میں فتنہ انگیز انقلاب لانا چاہتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ حق قائم ہو گیا اور اللہ کے احکام ظاہر اور غالب ہو گئے اور اُنہیں برابر ناگوار گزرتا رہا۔ جنگ تبوک سے بچنے کے لئے اجازت مانگنے والے مسلمانوں میں اِس ذہنیت کے لوگ بھی تھے جو جنگ کو فتنہ قرار دیتے ہیں۔ اُن کو بتا دینا کہ حقیقت یہ ہے کہ تائید رسولؐ نہ کرنا اور جنگ سے باز رہنا ہی فتنہ ہے۔ اور اس قسم کے ایماندار کافروں کو جہنم نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ اُن سے کہدو کہ جو لوگ جنگ کا حکم ملنے کے بعد جنگ سے بچنے کی اجازت مانگتے ہیں، وہ یقیناً ایسے مومن ہوتے ہیں کہ وہ نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ آخرت پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کا ایمان اُن کے دلوں میں شش و پنج پیدا کرتا رہتا ہے اور وہ ہمیشہ متردد رہتے ہیں۔ یعنی بعض احکام کو قبول کرنے اور پھر بعض احکام کو رد کرنے کی اجتہادی مشق میں مصروف رہا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب تمہیں کوئی اچھا نتیجہ اور فائدہ ملتا ہے تو اُنہیں اپنے اجتہاد کی غلطی پر ملال ہوتا ہے۔ اور تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو بڑی مسرت اور اطمینان سے اعلان کرتے ہیں کہ جناب ہم نے اپنی مرکزی ولایت کے ماتحت اپنا اجتہادی فتویٰ پہلے ہی نافذ کر دیا تھا۔ اس لئے ہمارے فیصلے کے خلاف عمل کرنے سے نقصان تو ہونا ہی تھا۔ اُن کو بتا دو کہ ہمارے لئے جو کچھ اللہ نے لکھ دیا ہے وہی ہمیں پیش آیا کرتا ہے۔ اور یہ بھی کہدو کہ تم ہمارے متعلق دو باتوں کے علاوہ کچھ اور سوچ بھی نہیں سکتے۔ اور اُن دونوں میں سے جو بھی ہمیں پیش آئے وہ ہمارے لئے بھلائی اور مفید ہی ہے۔ لہٰذا تم اپنی سوچ اور انتظار میں گھاٹے میں ہو۔ اور ہم تو تمہارے لئے صرف ایک بات سوچ چکے ہیں اور اسی کے انتظار میں ہیں کہ یا تو اللہ تمہیں ہمارے ہاتھوں عذاب میں مبتلا کرے گا یا خود عذاب دیگا۔ لہٰذا عذاب کا انتظار تم بھی کرو اور ہم بھی کر رہے ہیں۔ (توبہ 9/43-52)

لہٰذا اَے مومنین اب صورت حال یہ ہے کہ تم اب خواہ بخوشی یا ناگواری کے ساتھ خدا کی راہ میں مال صرف کرو، اللہ اب تمہارا مال خرچ کرنا قبول نہ کریگا۔ اسلئے کہ تم مومن ہوتے ہوئے ایک بے لگام اور لاقانون قوم ہو۔ تم سے مالی مدد قبول نہ کئے جانے کا اسکے سوا اور کوئی سبب نہیں ہے کہ نہ تو تم اللہ و رسولؐ پر جس طرح چاہئے تھا ویسا ایمان لائے ہو، نہ تم نے نماز کو نماز کی غرض سے اختیار کر رکھا ہے، نہ تمہارے مال خرچ کرنے کا وہ مقصد ہے جو خدا اور رسولؐ چاہتے ہیں۔ تم نے اللہ و رسولؐ پر ایمان اس طرح اختیار کیا کہ وہ کفر بن کر رہ گیا ہے۔ تم نے نماز کو ڈھیلا کر کے اختیار کیا ہوا ہے۔ مال خرچ کرنے میں تم اپنے لئے خطرہ اور ناسازگاری محسوس کرتے ہو (توبہ۔

9/53-54) رسولؐ اللہ سے کہدیا گیا تھا کہ مومنین کے اموال واولاد کو دلیل حق نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ متعجب ہونا چاہئے۔ اسلئے کہ یہ اموال واولاد تو وہ انتظام ہے جسکے سبب سے اللہ اُنکو دنیا میں ہی عذاب دے کر دم توڑ دینے والے بنانا طے کر چکا ہے۔(توبہ 9/55)

تمہارا یہ راز بھی معلوم ہو چکا ہے کہ تم مسلمانوں کو اپنے مسلمان ہونے کا حلفیہ یقین بھی دلاتے رہتے ہو، نمازیں بھی پڑھتے ہو، انفاق بھی کرتے ہو۔ اس کے باوجود حقیقی مسلمانوں کو بتایا جا چکا ہے کہ وہ تم ایسے مسلمان نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ مسلمان ہیں جو ایک نیا فرقہ بناتے چلے آئے ہیں اور بناتے رہیں گے۔ اور اگر مسلمانوں کے اس فرقہ کو مسلمانوں میں کوئی ایسا سرپرستی کرنے والا مل گیا جو بڑی احتیاط سے اُنہیں اجتہادی گہرائی تک لے جائے اور پہلے ہی سے اِس نظام میں دخل رکھتا ہو تو یہ اسلامی نظام کو چھوڑ کر اُسی کی ولایت وحکومت کی طرف دوڑ پڑیں گے۔(توبہ 57۔9/56)

اَے تفرقہ انداز مومنین تمہاری ایک شناخت یہ بھی ہے کہ تم اللہ ورسوؐل کی رضا جوئی کو چھوڑ کر مسلمانوں کی عوامی کثرت کو رضامند کر کے اپنے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتے ہو۔ اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تم نے حلفیہ بیانات کا حربہ استعمال کیا ہے (توبہ 9/62)۔ لیکن مومنین سارے مل کر بھی اگر تم سے راضی ہو جائیں اور تمہارے حلفیہ بیانات سے دھوکہ کھا جائیں تب بھی اللہ تم سے رضامند نہ ہوگا۔ اس لئے کہ فاسق ایک ہو یا پوری قوم ہو اللہ اسکی پرواہ نہیں کیا کرتا ہے۔(توبہ 9/96)

مومنین کا وہ گروہ جو دُنیا ہی کو ملحوظ رکھتا ہے اور جنگ کا حکم ملنے پر جو زمین گیر ہو جاتا ہے (توبہ 9/38)۔ جو نمازیں بھی پڑھتا ہے (توبہ 9/54) اور مسلمان ہونے پر بار بار قسمیں کھاتا ہے (توبہ 9/56)۔ اُس وقت بہت خوش ہوا تھا جب وہ رسولؐ کے ساتھ جنگ تبوک میں جانے سے باز رہا اور اپنی جان ومال کو جہاد میں خرچ کرنا بُرا سمجھا۔ اور لوگوں کو یہ کہہ کر جنگ کے سفر سے روکا کہ حد درجہ کی گرمی میں نہ جاؤ (توبہ 9/81)۔ اس گروہ کی کسی پارٹی سے ملاقات پر اور آئندہ جنگ میں شمولیت کی درخواست پر رسولؐ اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی اس جماعت کو صاف جواب دے دینا اور کہہ دینا کہ اب تم قیامت تک میرے ساتھ جنگ پر نہ لے جائے جاؤ گے اور نہ کسی دشمن سے میری معیت میں لڑنے کی اجازت پاؤ گے۔ یہ صرف اس بات کی سزا ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر ایک دفعہ پہلے تم الگ ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ لٰہذا اب تم بھی باقی بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو (توبہ 9/83)۔ اُن کا تو طریقہ ہی یہ ہے کہ جب بھی ایمان کے ثبوت میں جنگ کرنے کا حکم کسی سورۃ میں نازل ہوا۔ اُن میں کے صاحبانِ اثر اور دولتمند لوگ آپ سے چھٹی مانگنے اور پیچھے چھوڑ دیئے جانے کی اجازت لینے آ جاتے ہیں۔ اور اُن کو پسند ہی یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ گھروں میں رہا کریں۔ اُن کے دلوں پر ایک مہر لگی ہوئی ہے اس لئے وہ حقیقی تفقّہ سے الگ رہتے ہیں (توبہ 87-9/86)۔ اُن ہی مومنین کی دیکھا دیکھی گردونواح کے عرب بھی عذرات کے بنڈل لے کر آتے رہے تاکہ انہیں بھی جنگ سے چھٹی دیدی جائے اور وہ جھوٹے وعدے کرنے والے لوگوں کے ساتھ جنگ تبوک میں نہ گئے۔ اِن لوگوں میں سے جس جس نے کھلا کفر کیا تھا۔ اُن کو عذاب الیم دیا جانے والا ہے (توبہ 9/90)۔ اُن سب مومنین پر مواخذہ ہوگا جو غنی اور سرمایہ دار اور جنگ کے لئے فٹ ہوتے ہوئے بھی آپؐ سے اجازت مانگتے ہیں (توبہ 9/93)۔ یہ لوگ جنگ سے واپسی کے بعد عذرات ومعذرت کے ساتھ تمہارے پاس آئیں گے۔ اُس وقت اُن سے کہنا کہ معذرت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ

نے تمہاری پوشیدہ کاروائیوں کی خبر دیدی ہے ہم تمہاری معذرت کونہیں مانتے ۔ مستقبل قریب میں اللہ اور اُس کا رسولؐ تمہارے ظاہری وباطنی اعمال پر نظر رکھیں گے۔ پھر جب تم سب کچھ کر چکو گے تو تمہیں اللہ عالم الغیب والشہادۃ کے سامنے لوٹا یا جائے گا اور وہ تمہارے تمام کارناموں پر مطلع کردے گا (توبہ 9/94)۔عنقریب جب تم اُن کی طرف واپس پلٹو گے تو حلفیہ بیانات سے نظر اندازی اور رفع گذشت چاہیں گے تم بھی صَرف نظر کر لینا ۔ کیونکہ یہ گروہ ناپاک کاروبار کررہا ہے اور اس کی سزا جہنم میں دیا جانا طے کرلیا گیا ہے (توبہ 9/95)۔عام عربوں کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کفر ونفاق میں حد بھر بڑھے ہوئے ہیں اور اللہ کی حدود واحکام سے ناواقف رہنا اُن کے لئے بہت زیادہ ممکن ہے۔ یہ لوگ دین کے واجبات کو جرمانہ اور ٹیکس سمجھتے ہیں ۔اور ہر اُس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جس میں مسلمانوں کوایک چکر میں ڈالا جاسکے (توبہ 98۔ 9/97)۔ دوسرا گروہ عرب کے عوام کا وہ ہے جو اللہ ورسولؐ پر ایمان بھی لایا ہے اور اُس کا ایمان یہ بھی ہے کہ اسلامی واجبات کی ادائیگی قربت خداوندی اور رسوؐل کی صلوٰۃ کا حقدار بناتی ہے (توبہ 9/99)۔لہٰذا مدینہ کے باشندہ مسلمانوں کو مدینہ کے گرد ونواح کے عرب مسلمانوں کو تو ہرگز یہ زیبا نہیں دیتا کہ وہ رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر اپنے نفس کی رغبت پر عمل کرتے ۔اُن کی ہر وہ خدمت جو دین کے لئے ہو اور ہر قسم کی زحمت وتکلیف جو وہ اس سلسلے میں اٹھائیں قابل جزا ہے ۔اُن کے تمام اعمال اور ہر چھوٹا بڑا خرچ بہترین جزا کا حقدار ہے۔(توبہ 121۔9/120)

ہر سورہ کے نزول پر مسلمانوں کے ایک گروہ کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔لیکن دوسرے گروہ کے درمیان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا وہ سورۃ اُن کے مقاصد کے جواز پر کچھ لائی ہے یا نہیں ۔ چنانچہ مومنین کے اس گروہ کے دل میں مرض اجتہاد کی بنا پر خباثت اور ناپاکی کا اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ یہ لوگ اس کو مدنظر نہیں رکھتے کہ ہر سال اُن کو ایک یا دو دفعہ فتنہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پھر بھی نہ یہ توبہ کرتے ہیں نہ سبق لیتے ہیں ۔اسی حالت میں اُن کو موت آتی جائے گی اور خاتمہ کفر پر ہوگا (توبہ 126۔9/124)۔ چنانچہ جب بھی کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو تلاوت کے دوران یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے جاتے ہیں کہ اُن کے اِن اشاروں کنایوں کو کوئی دوسرا تو نہیں دیکھ رہا ہے۔اور اگر ایسا ہو تو وہاں سے کھسک جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اللہ نے اُن کے قلوب ہی کو کھسکانے کا انتظام کر رکھا ہے اور وہ نظام خداوندی کو سمجھنے سے قاصر قوم بن کر رہ گئے ہیں (توبہ 9/127)۔اُن کو اس کا بھی احساس نہیں کہ رسولؐ اُن کی ہر تکلیف کو ناپسند کرتا ہے۔اُن کی فلاح وبہبود کے لئے بڑا حریص اور اُن پر رؤف اور رحیم ہے۔ مسلمانوں کے اُسی گروہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو رسولؐ اللہ کو مال کی تقسیم پر ملزم اور خطا کار قرار دیتے ہیں۔اُن کا حال یہ ہے کہ اگر اُن کو حصہ دیا جائے تو راضی رہتے ہیں ورنہ ناراض ہوجاتے ہیں (توبہ 9/58)۔ حالانکہ اُس مال میں فقرا اور مساکین وغیرہ کے علاوہ کسی کا حق نہیں ہوتا۔اُن ہی مسلمانوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبیؐ کو کانوں کا کچا کہہ کر اذیت دیتے ہیں۔اُن کو معلوم ہو کہ نبیؐ کے کان مومنین کی بھلائی پر مرکوز رہتے ہیں۔اور وہؐ اللہ کی اور اُن مومنین کی بات سُنتے ہیں جن پر وہ ایمان لائے ہیں اور جن کی باتوں پر عمل کرنے سے خیر ہی خیر مطلوب ہے۔لہٰذا نبیؐ مومنین کے لئے مجسمۂ رحمت ہیں۔اُن کو اذیت دینے والے مومنین کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے۔(توبہ 61-9/58)

(iv)۔ سورہ برأت میں مشرکین کا وہ گروہ جو دل میں کافر مگر بظاہر مسلمان ہے

مدینہ کے گردونواح میں منافقوں نے اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے اور مدینہ شہر کے لوگوں میں سے بھی کچھ ایک گروہ کو نرم کرلیا ہے۔ یہ گروہ صرف اللہ کو معلوم ہے۔ عنقریب اُن کو ڈبل عذاب دیا جائیگا۔ پھر ایک عظیم عذاب پروارد کیا جائے گا (توبہ 9/101)۔ منافقوں کے مرد و عورتیں بعض پروگراموں میں متحد ہیں۔ مثلاً وہ سب بُرے بُرے اقدامات کی ترغیب دیتے ہیں اور مسلّمہ اچھائیوں کو جاری ہونے سے روکتے ہیں اور دست درازی یا جارحیت سے باز رہ کر تمام پروگرام چلاتے ہیں اور تمام منافق لاقانونیت کے حامی ہیں۔ اور اللہ نے بھی منافق مردوں عورتوں اور کافروں کے لئے اُن کے مختلف پروگراموں کی سزا میں جہنم اور لعنت کا وعدہ کیا ہے۔ سابقہ ادوار میں بھی منافق گزرے ہیں جو زیادہ طاقت و مال و دولت اور افرادی قوت رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی دنیا میں اپنے حصہ کا فائدہ اٹھایا تھا اور اب یہ منافق بھی فائدہ اُٹھالیں۔ اُنہوں نے بھی اسلام میں غور وخوض کی راہ نکالی تھی، یہ منافق بھی اجتہادی فکر جاری کرلیں۔ مگر وہ اور یہ دونوں اپنے اچھے اعمال ضائع کر چکے ہیں۔ اور اب نقصان ہی نقصان اُنکا حصہ ہے (توبہ 69۔9/67)۔ منافقین ہر لمحہ اس اندیشہ میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں قرآن کی کسی سورۃ میں اُن کے قلبی منصوبوں کی قلعی نہ کھول دی جائے اور اسی بنا پر بڑا نپے تلے محتاط پروگرام چلاتے ہیں۔ اور اپنی سنجیدہ بحثوں کو ہنسی اور دل لگی کی چادر میں لپیٹ دیتے ہیں۔ اور کہہ دیتے کہ ہم تو تفریحاً بحث وتنقید کررہے تھے۔ اُن کو بتادو کہ تمہاری معذرت بے کار ہے۔ یقیناً اِن بحثوں اور تنقید میں تم نے حق کی آڑ میں باطل اور کفر کیا ہے حالانکہ تم ایمان لاچکے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ ہم بعض بے قصوروں کو تم میں سے معاف کردیں لیکن جو مجرم گروہ ہے اُسے بلاشبہ عذاب دیں گے (توبہ 66۔9/64)۔ نبیؐ کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کی طرح اب منافقوں سے بھی سختی سے پیش آئیں اور اُن سے بھی جہاد کریں۔ یہ لوگ اسلام اختیار کرچکنے کے بعد اسلام کو کفر میں بدلنے کی تعلیم دیتے جاتے ہیں اور قسمیہ وحلفیہ بیانات دے کر کفر کی تعلیم کو اسلام ثابت کررہے ہیں۔ اور ایسے نتیجہ کی آس لگائے بیٹھے ہیں جو ابھی تک حاصل نہیں کرسکے ہیں۔ اور یہ احسان فراموشی اس لئے کررہے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل وکرم کو عام کرکے انہیں بھی غنی اور سرمایہ دار بن جانے کا موقع دیا ہے۔ اگر یہ لوگ توبہ کرلیں تو انکی خیریت ہے۔ اور اگر ولایت بازی کریں تو عذاب ہی عذاب ہے۔ اُن میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر اُن کو استطاعت دی گئی تو وہ اسلام پر ضرور خرچ کیا کریں گے اور صالح افراد بن جائیں گے۔ چنانچہ جب اللہ نے اپنے فضل سے اُن کو مالدار بنادیا تو بخیل بن کرنئی ولایت اختیار کرلی۔ اس کی سزا میں اللہ نے اُن کو منافقوں میں شمار کرلیا۔ کیا انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ اللہ اُن کے خفیہ منصوبوں اور سرگوشیوں پر مطلع ہے؟ حالانکہ اللہ تو غیوب کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اُن مومنین کا مذاق اڑاتے ہیں اور اُن پر الزام تراشیاں کرتے ہیں جو اُن کے مشوروں کو نظر انداز کرکے اپنا سب کچھ خدا اور رسوؐل کو سپرد کئے ہوتے ہیں۔ (توبہ 79۔9/73)

(34/5)۔ سورۂ برأت پر ایک اور نظر و تجزیہ

سورۂ برأت کو کتاب کی صورت میں لکھ کر پہلے سے تیار کرنا تاریخ میں کہیں مذکور نہیں ہے۔ اور کیوں مذکور ہو؟ مسلمانوں کو اللہ کا

شکر کرنا چاہئے کہ اِس سورہ کو آپ تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ یہی تو وہ سُورہ ہے جو بحیثیت مجموعی دُشمنانِ اسلام کو رُوشناس کراتی ہے جو دشمنوں کے داخلی اور خارجی تمام محاذوں پر روشنی ڈالتی ہے۔ جواُن کے تمام منصوبوں اور خفیہ و اعلانیہ اقدامات کی نقاب کشائی کرتی ہے اور جس سے آئندہ چلنے والی تمام حکومتوں اور فرقوں کی بُنیادوں اور مقاصد پر اطلاع ملتی ہے۔ جو یہ ثابت کر دیتی ہے کہ سربراہِ اسلام کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اور اُن ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحیت کس میں تھی؟ اور وہ کون شخص تھا؟ جو کفار و مشرکین و منافقین اور مسلمانوں کے تمام گروہوں کو مخاطب کر کے ایسی زجر و توبیخ کر سکتا تھا جس میں خود مجرم و ملوث نہ ہو۔ جس میں شرک و کفر و نفاق کا ایک لمحہ کے لئے بھی شائبہ نہ ہو۔ جس کے اَباواجداد میں سے کوئی کافر و مشرک و منافق نہ ہو، تاکہ سورہ برأت کے ہر چیلنج پر بلا دغدغہ عمل کر سکے اور کسی زندہ یا مردہ کافر و مشرک اور منافق کی طرف داری اور رُورعایت کا شبہ تک نہ ہو سکے۔ اگر وہ خود یا اُس کے اَباواجداد اور اَعزہ کبھی کافر و مشرک و منافق رہے ہوں؟ اُس پر کفر و شرک و نفاق کی طرفداری کا فطری الزام لگ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ جو کسی طرح بھی اور کسی مقدار میں بھی کافروں، مشرکوں اور منافقوں سے رورعایت کرتے رہے وہ یقیناً کبھی خود کافر د مشرک و منافق تھے یا اُن کے آباواجداد وغیرہ بھی کافر و مشرک و منافق رہے تھے۔ لہٰذا ایسا شخص نہ رسولؐ ہو سکتا تھا نہ رسوؐل کی جگہ اعلان بَرأت اور جانشینی کے لئے موزوں ہو سکتا تھا۔ اس لئے سورہ برأت کا اعلان جس ذات پاک سے کرایا گیا، وہ ایسی مکمل ہستی تھی جس کے قدوقامت سے کفر و نفاق و شرک کے تمام ادارے اور سب ممبران بخوبی مطلع تھے۔ وہ مکمل ایمان تھا، مجسمۂ اسلام تھا۔ اس لئے اُسے یہ بات زیب دیتی تھی کہ وہ حضرتؑ، ایمان کے ابتدائی درجہ سے لے کر انتہائی درجہ کے مومنین کو مخاطب کریں۔ اُنہیں اُن کے نقائص اور کوتاہیوں پر تنبیہہ فرمائیں اور غلط کاروں کو مواخذہ اور سزا کی دھمکی دیں۔ اُنہیں کسی بھی درجے کا مومن پلٹ کر جواب نہ دے سکتا تھا۔ اس لئے کہ اسلام و ایمان میں اُن کا وہی مقام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابدی و ازلی مقام ہے۔ وہ سازشیں کرنے والوں کو ڈانٹ سکتے تھے۔ اسلئے کہ رسولؐ کے علاوہ وہ کسی پارٹی اور گروپ سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ اُن کا رشتۂ اخوت بھی رسولؐ سے تھا۔ وہ اسلامی جنگوں میں کمزوری دکھانے والوں اور بار بار یا ایک بار بھاگ جانے والوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اور قبضۂ شمشیر پر ہاتھ رکھ کر یہ بتا سکتے تھے کہ ہے کوئی اس مجمع میں یا باہر کہیں عرب میں جو سامنے آنے کی جرأت کرے اور زندہ رہ سکے؟ کسی بھگوڑے کو اعلان برأت نہ سونپنا اس لئے اُس کے لئے خیرو بہتر تھا کہ مجمع میں سے کئی آدمی اُٹھ کر اُس کو ڈانٹ سکتے تھے اور کہہ سکتے تھے کہ تم تو کل ہمارے سامنے سے بھاگے تھے یا بھاگنے والوں میں ہمارے ساتھ تھے۔ اور ممکن تھا کہ وہ خوف کے مارے اعلان برأت چھوڑ کر پھر بھاگ جاتا یا غش کھا کر گر پڑتا۔ لیکن علیؑ کے سامنے کسی کی آواز تو بلند ہونا ایک طرف، کوئی اُن سے نظر نہ ملا سکتا تھا۔ البتہ دل میں علیؑ و اولادِ علیؑ کے خلاف آگ سلگا سکتا تھا۔ اور یہ پلان بنا سکتا تھا کہ علیؑ اور اُس کی اولاد کی حکومت قائم نہ ہونے کی جان توڑ کوشش کرے گا۔ ورنہ واقعی وہ سورہ برأت کے اعلان کے مطابق نظامِ کفر و نفاق و شرک سے ملوث ہر شخص سے انتقام لیں گے، عذاب میں مبتلا کریں گے۔ یعنی اِدھر علیؑ، لسان اللہ سے سورہ برأت کا اعلان کر رہے تھے اُدھر مخالف محاذ علیؑ و اولادِ علیؑ سے خوفزدہ ہو کر اُن کے خلاف قومی حکومت کے مبلغین کے ہاتھ مضبوط کرنے کا تہیہ کر رہا تھا۔ ہر شخص کے سامنے سے اُس کی کرتوت گزر رہی تھی۔ اور وہ علیؑ کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچنے کا تصّور کر رہا تھا اور ہر تصور سے لرز اُٹھتا تھا۔ اور اپنی خلاصی، محض دشمنی علیؑ و

اولادعلیؑ میں دیکھ رہا تھا۔قومی حکومت کا تصور دینے والوں کو دل میں داد دے رہا تھا اور طے کر رہا تھا کہ اپنی پہلی فرصت میں مومنین کے اُس مرکز سے وابستہ ہو جائے گا جس کی تنبیہہ کے لئے سورۂ برأت تلاوت کی گئی ہے۔قارئین نے غور کیا ہوگا کہ کفار ومشرکین کے لئے سورہ برأت کا دسواں (1/10) حصہ متعلق ہے۔اور منافقین کو بھی کل تیرہ آیات یعنی سُورہ کے دسویں (1/10) حصہ میں مخاطب کیا گیا ہے۔لیکن قریش کے مومن محاذ کے لئے تریسٹھ (63) سے زیادہ آیات موجود ہیں۔اور حقیقی مومنین کے لئے چند آیات بطور نمونہ وتذکرہ آئی ہیں۔لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سُورۂ برأت کا مقصد محض اُس دوسری قسم کے مسلمانوں کی نصیحت وتعارف تھا۔یہ بات اس لئے بھی سو فیصد صحیح ہے کہ تاریخ نے فتح مکہ کے دن تمام کفار مکہ کو مسلمان مان لیا ہے۔لہٰذا سورۂ برأت کا مخاطب گروہ تاریخی حیثیت سے مسلمان تھا مگر قرآن نہیں مانتا۔وہ کافروں، منافقوں اور مشرکوں کا وجود مسلسل بتاتا ہے۔اس لئے ہم تاریخ کے ہر اُس بیان کو مردود سمجھتے ہیں جو کفار و مشرکین ومنافقین اور دوسری قسم کے مومنین کو غائب کر دینا چاہتا ہے۔یا کافروں کو ایکدم مسلمان کر کے یا منافقوں کو مسلمانوں میں مخلوط کر دیتا ہے۔اور یہ تاثر دیتا ہے کہ انتقالِ رسولؐ تک رفتہ رفتہ سب گروہ حقیقی مسلمان صحابہ بن چکے تھے۔حالانکہ جُوں جُوں وقت انتقال قریب آتا گیا اسلام دشمنی بڑھتی اور دلوں کی گہرائی تک اُترتی گئی اور اسلامی وقرآنی تعلیمات کے خلاف ایک قومی وملکی حکومت بنانے کا تصور اور علیؑ واولادعلیؑ کی مخالفت سارے ملک میں پھیل گئی اور قریش کی کثرت اس پر متفق اور ہم آہنگ ہوگئی۔اور رفتہ رفتہ کھل کر اپنے خیالات اور ارادوں کا اظہار واعلان وتبلیغ شروع کر دی۔خود سورہ برأت میں اُسی گروہ کی کثرت مخاطب ہے۔کفار ومشرکین اُس مسلمان گروہ کے سرپرست یا ولی یا اولیاء یا حاکم تھے۔منافق بیچ کی کڑی تھے جو کفار ومشرکین اور اُن مسلمانوں میں رابطہ قائم رکھتے اور مرکزی ہدایات پہنچاتے تھے۔اور آنحضرتؐ اور حقیقی مومنین کے تصورات واقدامات کی کافر ومشرک مرکز میں اطلاع دیتے تھے۔

(34/6)۔ انتقالِ رسولؐ تک سورۂ برأت والے مومنین ایمان کے کس درجہ پر تھے

چونکہ مسلمانوں کو یہ یقین اور تجربہ ہو چکا تھا کہ آنحضرتؐ کسی بھی کلمہ گو کو اُس وقت تک قتل نہ کریں گے جب تک کہ وہ خود ایسا جرم نہ کر گزرے جس کی سزا قرآن میں قتل ہی ہو۔وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ رسول اللہؐ کسی غیر مسلم گروہ سے بھی اُس وقت تک جنگ نہیں کرتے جب تک پوری جماعت پر قرآن سے جنگ واجب نہ ہو جائے۔وہ دیکھ چکے تھے کہ کفار قریش کے انتہائی مظالم کے باوجود انہیں قتل کیا، نہ کوئی اور جبر کیا، بلکہ اُلٹا انہیں معاف کر دیا۔اور تالیف قلب کے لئے اُنہیں مال ومتاع اور فی کس سو(100) سو(100) اونٹ بھی دیئے اور اُن کیلئے مولفة القلوب کے نام سے ایک مستقل فنڈ قائم کر دیا۔اُنہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ جنگ حنین اور دیگر روزمرہ کے واقعات میں وہ اپنے مخصوص مومنین اور جانثاروں کو مال ومتاع سے محروم کر کے غیروں کو پہلا نمبر دے دیا کرتے تھے۔اور انہیں یہ بھی تجربہ ہو چکا تھا کہ علیؑ واولادعلیؑ اور دیگر حقیقی پیروان اسلام کا قلبی ارادہ اور عمل یہ ہے کہ وہ بھی مندرجہ بالا حالت میں رسول اللہؐ کے قدم بقدم چلیں گے۔ بس یہ وہ یقینیات تھے، جن کی بنیادوں پر مسلمانوں کے اُس گروہ نے حیاتِ رسولؐ میں اور بعد انتقالِ رسولؐ کلمہ گوئی کے دائرہ میں رہ کر ہر وہ کام کیا جو کافر بھی نہ کرتے اور جو کچھ کیا اُسے اسلام کی اجتہادی تعبیرات کے ماتحت کیا اور خود کو حق پر سمجھا۔اور بعد والوں نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا اور جہاں کہیں بعد والوں سے تاویل نہ ہوسکی وہاں اجتہادی غلطی کا پردہ ڈال کر اُس مسلمان گروہ کو بچالیا۔

(ii)۔ سورۂ حجرات کی رُو سے سورۂ برأت والے سرکش مجتہد صحابہ

يٰۤاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ o يٰۤاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ o (حجرات 2-49/1)

سورۂ حجرات مدینہ کے آخری دَور میں رسولؐ اور مومنین کے حالات یُوں سناتی ہے کہ؛ اَے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ و رسوؐل کی موجودگی میں اور اُنکے سامنے ہی۔ اُن پر سبقت لے جانے اور پیش قدمی کرنے سے تو باز رہا کرو۔ اور اَے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم لوگ رسوؐل کی بات کا جواب جھڑک کر اور اتنی بلند ڈانٹ کے ساتھ نہ دیا کرو، جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کی آواز پر چھا جانے اور دوسروں کی بات کو چیخ چیخ کر دبا دیا کرتے ہو۔ تمہیں تقویٰ کو ملحوظ رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اُنکے ضائع ہو جانے کا شعور تک بھی نہ ہونے پائے۔ یاد رکھو کہ اللہ نہ صرف سنتا ہے بلکہ تمہارے اقوال و اعمال کا علم بھی رکھتا ہے۔

غور فرمائیں کہ دونوں آیات یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں اور لکھی ہوئی موجود ہیں۔ یہاں اگر دوبارہ یٰاَ یُّھا الذین آمنوا نہ لایا جاتا بلکہ پہلی آیت کو '' وَلَا ترفعوا '' سے ملا دیا جاتا تو کیا فرق پیدا ہو جاتا؟ مومنین کو مسلسل خطاب تھا۔ کسی اور کا تذکرہ بیچ میں نہ آیا تھا جو دوبارہ یٰا یھاالّذ ین آمنوا کہنا لازم ہو جاتا۔ یہ تکرار بتاتی ہے کہ کچھ لوگ اُن مومنین کو بعد میں منافق کہہ کر اُن کا دامن پاک کرنا چاہیں گے۔ اسلیئے بار بار یہ کہا گیا کہ وہ ایسے ایمان لانے والے لوگ تھے جو نہ اللہ کے کلام کی پرواہ کرتے تھے نہ رسولؐ کے احکام کی فکر کرتے تھے بلکہ اپنی اسلامی سوجھ بوجھ سے خود ہی فیصلے صادر کر لیا کرتے تھے۔ علامہ مودودی بھی مانتے ہیں کہ:

> '' جو شخص اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسوؐل کو اپنا ھادی اور رہبر مانتا ہو، وہ اگر اپنے اس عقیدے میں سچا ہے تو اُس کا یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اپنی رائے اور خیال کو اللہ و رسولؐ کے فیصلے پر مقدم رکھے یا معاملات میں آزادانہ رائے قائم کرے۔ اور اُن کے فیصلے بطور خود کر ڈالے۔'' دو یا تین سطروں کے بعد لکھا کہ:۔

> '' یہ ارشاد اپنے حکم میں سورۂ احزاب کی آیت 36 سے ایک قدم آگے ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ جس معاملے کا فیصلہ اللہ اور اُسکے رسولؐ نے کر دیا ہو اُسکے بارے میں کسی مومن کو خود کوئی الگ فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان کو اپنے معاملات میں پیش قدمی کر کے بطور خود فیصلے نہیں کر لینے چاہیں۔'' (تفہیم 5 صفحہ 70)

اب بتائیے قارئین کی کیا رائے ہے۔ کیا ڈبل ڈبل ایسے اہل ایمان کا وجود ثابت نہیں ہو گیا جو محض اپنی ذاتی رائے سے اللہ و رسولؐ کے خلاف فیصلے کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کر رسوؐل کو خاموش کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے۔ اور جنھوں نے اللہ و رسولؐ کے احکامات اور اسلامی ضروریات کو بالکل نظر انداز کر کے اپنی مصلحتوں کے ماتحت قومی و ملکی حکومت بنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا؟ یہ ہے قرآن اور یہ ہیں وہ ڈبل مومنین جن کے لئے سورہ برأت کا اعلان ہوا تھا۔ مگر یہ رحم و کرم کے آڑ میں اپنا کام برابر کرتے رہے۔ اور قرآن کی رُو سے اُن کے تمام اعمال ضائع ہو گئے اور نہ انہیں اور نہ آپ کو پتہ چلا کہ وہ خالص مخلص جہنمی بن گئے تھے۔ یہی تو صحابہ کا وہ گروہ تھا جو حوض کوثر پر رسولؐ کا ساتھی تھا۔ لیکن ملائکہ اُس گروہ کو ھانک کر لے گئے اور رسولؐ اللہ الصحابی الصحابی کہتے رہ گئے۔ (صحیح بخاری)

(iii)۔ وہ مومنین جو رسولؐ اللہ سے اپنی اسلامی تعبیرات کی اطاعت چاہتے تھے

عوام مومنین سے فرمایا گیا کہ جن لوگوں کو ہم نے بار باراور طرح طرح سے فاسق ،یعنی اللہ ورسولؐ کے احکام میں اجتہاد کرنے والے کہا ہے، جب وہ کوئی ایسی خبر لائیں جو اُس وقت تک معلوم نہ تھی تو اس پر یقین یا عمل کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کرلیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی پوری قوم کو مصیبت میں ڈال دو۔ اور پھر ندامت کا شکار ہو جاوٴ۔(حجرات 49/6)

اب اگلی آیت میں دوبارہ یاَیھاالّذ ین آمنو ا کہے بغیر مومنین سے کہا گیا کہ؛

چنانچہ یہ جان رکھو کہ تمہارے اندر رسولؐ اللہ موجود ہیں۔ اگر دین کے احکام کی کثرت میں تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم دشواریوں میں الجھ جاوٴ۔ اس لئے رسوؐل تمہاری

وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ فِيۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَوۡ يُطِيۡعُکُمۡ فِىۡ کَثِيۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيۡکُمُ الۡاِيۡمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَكَرَّهَ اِلَيۡکُمُ الۡكُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡيَانَ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَo (حجرات 49/7)

اطاعت نہیں کرتا کہ تمہیں ایمان محبوب ہو سکے۔ تم ایمان سے اپنے دلوں کو مزیّن کر سکو۔ اور تمہیں کُفر سے، لاقانونیت سے اور نافرمانیوں سے نفرت ہو جائے۔ جو ایسا کریں کہ رسولؐ سے اپنی اطاعت کا جنوں چھوڑ دیں، ایمان کو اپنالیں، کفر وفسق وعصیان سے نفرت کریں وہی راشد لوگ ہوتے ہیں۔

(iv)۔ مومنین میں دو ایسے گروہ موجود رہے جن میں جنگ ممکن تھی اور جنگ ہوئی

مسلمانوں کا مسلمانوں سے جنگ اور قتل عام کرنا مستقل طور پر جاری رہا۔ مگر قرآن نے اس حقیقت کا پہلے سے اعلان کر دیا تھا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جارحانہ تصورات رکھتا چلا جائے گا۔ اور کلمہ گو لوگوں پر تلوار سے مسلّط ہو جانا جائز سمجھے گا (حجرات 49/9) اُن میں بغاوت بھی جاری رہے گی۔

(v)۔ یآ یُّھاا لّذین آمنو ا عہد رسولؐ میں کیا کیا کر رہے تھے۔ دو الگ الگ گروہ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو دوسرے مسلمان گروہ سے مسخرہ پن نہ کرو، نہ مرد مردوں سے مذاق کریں، نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ نہ بُرے بُرے القاب تراشیں۔ ایمان لانے کے بعد یہ عملدرآمد فسق کہلاتا ہے۔(حجرات 49/11)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، ظن اور گمان سے بچتے رہو۔ جاسوسیاں نہ کرتے پھرو اور غیبت چھوڑ دو۔ یہ مردہ بھائی کے گوشت کھانے کے برابر ہے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرلو (حجرات 49/12)

(vi)۔ عربوں کی زبان پر تئیسویں (23) سال تک بھی ایمان تھا مگر دل خالی تھے

عرب زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں۔ مگر اُن کو بتا دو کہ اُن کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ چنانچہ انہیں اسلام لانے کی دعوت دو اور اللہ ورسولؐ کی اطاعت کرنے سے اعمال کی مقبولیت بتا دو (حجرات 49/14)۔ مومن صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ و رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد کسی دوسری الجھن میں نہ اُلجھے ہوں۔ اور جنہوں نے جان ومال دونوں سے جہاد کیا ہو، وہی صدیق بھی ہیں

(حجرات 49/15)۔ظاہر ہے کہ ایمان کی اِن کم از کم شرائط میں سے اگر ایک بھی رہ جائے تو وہ نہ صدیق ہوسکتا ہے۔نہ وہ مومن حقیقی کہلاسکتا ہے۔

(vii)۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جواللہ کو دین کی تعلیم دیتا تھااور رسولؐ پراسلام لانے کا احسان جتاتا تھا

جس گروہ کو سورۂ برأت نے مخاطب کیا اور جس کے تعارف پر ہم زور دے رہے ہیں اور جو رسولؐ اللہ کی تعبیرات اور قران فہمی میں غلطی کا امکان اور غلطیاں مانتا تھا اور یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ اپنی اجتماعی یا اجماعی بصیرت سے قرآن کو نافذ کرنے میں سو فیصد اللہ کی منشا پر عمل کرسکتا ہے۔وہ رفتہ رفتہ قرآن اور دین فہمی میں اُس انتہائی مقام پر جا پہنچا تھا کہ آخر اللہ کو یہ کہنا پڑا کہ؛

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ o يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o (حجرات 17-49/16)

اِن مومنین سے دریافت کرو کیا تم اللہ کو اپنے اختیار کردہ دین کی تعلیم دینا چاہتے ہو؟ اُس اللہ کو جو آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے سب کا عالم ہے۔اور اے رسولؐ وہی مومنین تم پر اسلام اختیار کرلینے کا مِنّتی احسان جتلاتے ہیں کہ اُنھوں نے اسلام کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔اُن سے کہہ دو کہ تم اپنے اختیار کردہ اسلام کا کوئی احسان مجھ پر نہ رکھو۔ بلکہ اللہ ہی تم پر یہ احسان رکھتا ہے کہ اُس نے ہی تو تمہیں ایمان کی طرف راہنمائی کی تھی۔تم احسان مانتے اگر تم سچے ہوتے۔

یہاں شاید قارئین پہلی آیت (حجرات 49/16) کے متعلق یہ سوچیں کہ ''اللہ کو تعلیم دینا'' کوئی استعارہ، اشارہ یا کنایہ ہوگا ایسا نہیں ہے۔یہ آج تک بدستور ہو رہا ہے اور اللہ کو برابر تعلیم دی جاتی رہی ہے۔اسکی مثال علامہ مودودی کے یہاں ہزاروں جگہ ملیگی۔مثلاً سورہ یوسف کی آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔''بلکہ جو کتابیں اِس سے پہلے آئی ہوئی ہیں اُن ہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کیلئے

..وَلٰـكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o (یوسف 12/111)

ہدایت ورحمت'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)۔پہلی مثال تو یہ ہے کہ اللہ نے آیت میں لفظ ''قوم'' فرمایا ہے۔مگر علامہ کے نزدیک یہاں قوم نہیں بلکہ **الذین** ہونا چاہئے۔یعنی لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْن کی جگہ لِلّذین یُؤمنون ہونا صحیح تھا۔دوسری مثال یہ کہ آیت میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ قرآن میں ہر ایک چیز کی تفصیل موجود ہے (تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ) اور علامہ نے ترجمہ میں یہ مطلب لکھا ہے مگر حاشیہ میں یہ بتایا کہ:۔

''بعض لوگ ''**ہر چیز کی تفصیل**'' سے مراد خوانخواہ دنیا بھر کی چیزوں کی تفصیل لے لیتے ہیں۔'' (تفہیم ایضا حاشیہ 80)

مطلب یہ کہ اللہ نے کہنے کو تو ہر شے کی تفصیل کہہ دیا ہے مگر حقیقتاً قرآن میں ہر شے کی تفصیل ہے نہیں۔مطلب یہ کہ اللہ نے ''تفصیل کل شیءٍ'' کی جگہ ''تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ مّایهدِی الْاِنسان'' کہنا چاہئے تھا۔

یہ ہے وہ تعلیم جو اللہ کو دی جارہی ہے۔آنحضرتؐ کے زمانہ کے صحابہ نے اُس کی ابتدا کی تھی۔وہ کھل کر کہتے تھے کہ فلاں آیت میں اللہ کا یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے۔کبھی کہا جاتا تھا کہ بے شک الفاظ تو یہی ہیں۔یعنی منطوق تو یہی ہے۔مگر اُن الفاظ کا یا اُس منطوق کا مفہوم یہ نہیں بلکہ یہ ہے۔اور کمال یہ ہے کہ علامہ ہوں یا کوئی اور ہو۔وہ یہ باتیں بلا وحی کی مدد کے بتا دیتے ہیں۔یعنی اُن کو اپنی

اجتہادی بصیرت کے سامنے نہ وحی کی احتیاج ہے نہ نبیؑ کی ضرورت ہے۔

قارئین نے مندرجہ بالا آیات (حجرات 17۔49/16) میں یہ نوٹ کرلیا ہوگا کہ یہ اللہ کو تعلیم دینے اور رسولؐ پر احسان رکھنے والے وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے ایمان کی طرف راہنمائی کی تھی۔یعنی یہ منافق نہیں بلکہ مومنین تھے۔

سورۃ الحجرات (49) کے حوالے اس لئے لائے گئے ہیں کہ اس سورہ کے ''بعض احکام مدینہ طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئے'' (مودودی) یعنی انتقالِ رسولؐ تک، پیرا نمبر 34/6 میں مذکور مسلمان موجود تھے۔

(viii)۔ آنحضرتؐ کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں سودخور مومنین

سورۂ بقرہ کے نزول پر علامہ نے لکھا کہ:۔

''سود کی ممانعت کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی اِس میں شامل ہیں۔حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں اُتری تھیں۔'' (تفہیم جلد 1 صفحہ 46)۔اب قرآن سنئے:۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ٥ (بقرہ 279-2/278)

علامہ کا ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو۔لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو۔نہ تم ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔'' (تفہیم جلد اوّل صفحہ 217 وصفحہ 218)

یہاں لطیفہ یہ ہے کہ وہ لوگ فرسٹ کلاس مومنین کہلاتے ہیں۔نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، تہجد سب بجالاتے ہیں۔اُن مومنین سے کہا گیا کہ:۔''اگر تم مومن ہو تو باقی سُود چھوڑ دو؟ یعنی یہ عبادت گزار مومن؛ نہ متقی ہیں، نہ مومن ہیں بلکہ ظالم ہیں، سُود خور ہیں۔اُن کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہے۔لیکن پھر بھی ہیں وہ مومن ہی۔

(ix)۔ جنگِ اُحد 3 ہجری سے 11 ہجری تک مومنین حکمِ خدا کے خلاف سُود لیتے رہے

ذرا سوچیئے کہ وہ کیسے مسلمان صحابہ تھے؟ جن کو جنگِ اُحد کے بعد حکم دیا گیا تھا کہ تم سُود در سُود لینا بند کردو۔لیکن وہ اِس قسم کے مومن تھے کہ برابر آٹھ سال تک یعنی انتقالِ رسولؐ تک سُود لیتے رہے۔اُن ہی کو مخاطب کر کے جنگ کی دھمکی دی گئی تھی۔اور چونکہ وحی رسالت آنحضرتؐ پر ختم ہوگئی لہٰذا قرآن کریم سے ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ مذکورہ دھمکی کے بعد بھی اُنہوں نے سُود لینا بند کیا تھا یا نہیں؟ آٹھ سال پہلے کا حکم ملاحظہ فرمائیں۔اللہ نے کہا تھا کہ:۔

يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ٥ (آل عمران 131-3/130)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو یہ ہر لحہ بڑھتا اور دوہرا چوہرا ہوتے جانے والا سود کھانا بند کردو اور اللہ

کے سامنے جا کر بُرے نتائج بھگتنے سے بچتے رہو۔ شاید تم فلاح پا سکو گے۔ اور اللہ کی اُس آگ میں جلنے سے بچو جو اللہ نے کافروں کے لئے تیار کر رکھی ہے۔''

علامہ صاحب نے اِن آیات پر حاشیہ نمبر 98 میں مان لیا ہے کہ یہ حکم جنگ اُحد کی شکست کے بعد اور آئندہ شکست سے بچانے کے لئے دیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے انتقال کے وقت تک مسلمانوں کی کثرت ایسی بڑی بڑی نافرمانیاں کر رہی تھی کہ اللہ و رسولؐ نے اُس کثرت پر فوجکشی اور جنگ کو جائز رکھا ہے۔ یہ وہ مسلمان ہیں جن کو کفارِ قریش نے اسلام کے اعلان کے ساتھ ہی رسولؐ اللہ کے حلقہ احباب میں داخل کر دیا تھا۔ اور پھر ضرورت پڑنے پر درمیانی رابطہ کے لئے وہ گروہ تعینات کیا تھا جو دونوں طرف شامل رہتا تھا۔ جسے عموماً قرآن نے منافق کہا ہے۔ اِس لئے کہ وہ پہلے گروہ کی طرح مُستقلاً مسلمان نہ رہ سکتا تھا۔ اور حالتِ امن اور جنگ میں جاسوسی و دیگر خدمات انجام دیتا تھا۔ کفارِ قریش نے اپنے اِن دونوں، مسلمان اور منافق، گروہوں کی ہر ذمہ داری قبول کی تھی اور قرآن کی زبان میں یہ عہد کر لیا تھا کہ:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ o وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ o (عنکبوت 13-29/12)

کفر پر قائم لوگوں نے ایمان اختیار کرنے والے لوگوں سے کہا تھا کہ دیکھو تم ہماری پالیسی کے مطابق عمل کرتے چلے جانا ہم تمہاری ہر خطا اور لغزش برداشت کریں گے۔ اللہ نے بتایا کہ وہ جھوٹے ہیں۔ قیامت میں کوئی بھی کسی دوسرے کی خطاؤں کی سزا نہ پائے گا بلکہ اپنی اپنی خطاؤں کی پاداش ہر خطا کار کو خود بھگتنا پڑے گی۔ یہ بات صحیح ہے کہ اُن کافروں کو دوہری سزا دی جائے گی۔ یعنی غلط کاری کرانے اور غلط کام کرنے کا دوہرا بوجھ اُٹھائیں گے۔ اور یقیناً بروز مواخذہ ہم اُن کی تمام ایجادوں اور فریب سازیوں پر جواب طلب کریں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ o (عنکبوت 29/52)

''اور جو لوگ اُس باطل پالیسی کو مان گئے اور اِس نئے ایمان سے اللہ کے دوبارہ کافر ہو گئے وہ لوگ ہی خسارہ میں رہنے والے ہیں۔

یہ بات سمجھنے اور یقین کرنے کے لئے کہ کفارِ قریش نے بالکل ابتدا ہی میں مندرجہ بالا گروہ تعینات کئے اور ذمہ داری اپنے سر لی تھی۔ آپکو سورہ عنکبوت کا شان نزول (صفحہ 672 جلد 3) دیکھنا ہوگا اور یہ دیکھیں کہ:۔

(34/7)۔ علامہ مودودی، کفارِ قریش کی سازش میں مسلمانوں کو ابتدا ہی سے شامل جانتے ہیں

یہ نہایت اہم اور فیصلہ کن عنوان ہے جس کی تحقیق نہ صرف واجب ہے بلکہ عہدِ رسولؐ کے مسلمانوں کی اقسام اور انتقالِ رسولؐ کے بعد والے ہیروز کی تیئیس (23) سالہ اسلامی زندگی اور اسلام اختیار کرنے کے مقاصد بھی اس عنوان سے واضح ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ کو علما کے ماہرانہ بیانات میں سے چھان کر حقیقت نکالنا پڑے گی۔ اور اُن کے محتاط جُملوں میں سے وہ سامان الگ کرنا ہوگا جو احتیاط کے باوجود بے احتیاطی سے یا غلط اعتماد کی وجہ سے کہیں کہیں ٹپک پڑا کرتا ہے۔

(ii)۔ مکہ میں ابتدائی مومن اور منافق جماعت کا فرق؛ مومن ہی منافق تھے

سورۂ عنکبوت کے زمانۂ نزول کے بیان میں لپٹ کر ایک بڑی حقیقت چپکے سے باہر نکل آئی ہے اُس پر نظر ڈالیں فرمایا گیا کہ:۔

''**زمانۂ نزول**: آیات 56 تا 60 سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرتِ حبشہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی۔۔۔۔بعض مفسرین نے صرف اس دلیل کی بنا پر کہ اس میں منافقین کا ذکر آیا ہے اور نفاق کا ظہور مدینہ میں ہوا ہے، یہ قیاس قائم کرلیا ہے کہ اس سُورہ کی ابتدائی دس آیات مدنی ہیں اور باقی سورۃ مکّی ہے۔ حالانکہ یہاں جن لوگوں کے نفاق کا ذکر ہے وہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے ظلم وستم اور شدید جسمانی اذیتوں کے ڈر سے منافقانہ روش اختیار کررہے تھے اور ظاہر ہے کہ اس نوعیت کا نفاق مکہ ہی میں ہوسکتا تھا۔'' (تفہیم جلد 3 صفحہ 672)

قارئین کو اس قدر کافی ہے کہ مکہ ہی کے دور میں وہ جماعت پیدا ہوگئی تھی جو دل سے اسلام پر ایمان رکھتی تھی۔ مگر اُن سے بعض ایسے اعمال سرزد ہوتے تھے جو فدا کار مومنین کے شایانِ شان نہ ہوتے تھے۔ یہ خیال مولانا کا ہے کہ وہ ظلم وستم کی بنا پر ایسے اعمال کے مرتکب ہوتے تھے۔اور ہمارا خیال وہ ہے جو قرآن کے سابقہ عنوان اور آیات (عنکبوت 13-29/12) سے تصدیق شدہ ہے۔ یعنی کفارِ قریش نے اُن کو مسلمان رہ کر اُن کے مقاصد کی تائید کرتے رہنے کی سازش میں شریک کیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض مومنین دل سے ایمان لائے ہوں اور خوف کی بنا پر اُس سازش میں شریک ہوئے ہوں۔ کسی طرح بھی ہو۔ایسی مومن جماعت ثابت ہوگئی جو ایمان رکھتے ہوئے قریش کے مقاصد میں مددگار تھی۔ فرق یہ ہے کہ ہم اُن کو منافق نہیں کہتے اور اُن کا وجود آخر تک مانتے ہیں۔ اور باقی علما اُن کو منافق کہہ کر، اُن کی مذمت کر کے، اُن کو غائب کر کے، تمام مسلمانوں کی بھیڑ میں چھپا دینا چاہتے ہیں۔ کبھی اُن پر ضعیف الایمان ہونے کا غلاف چڑھاتے ہیں۔

(iii)۔ الفاظ کا ہیر پھیر حقیقت کو چھپا نہیں سکتا، دل سے ایمان والی دوسری جماعت

علامہ کا دوسرا بیان ملاحظہ ہو۔ جہاں زیرِ نظر مومن جماعت کو نوجوانی، ضعیف الایمانی، نومُسلمی اور خوفِ جان کی چادر اُڑھائی جارہی ہے سنئے اور چوکنا رہ کر غور کیجئے:۔

(اوّل) ''سورۃ کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اُسکے نزول کا زمانہ مکہ معظّمہ میں مسلمانوں پر بڑے مصائب وشدائد کا زمانہ تھا۔ کفار کی طرف سے اسلام کی مخالفت پورے زور شور سے ہو رہی تھی اور ایمان لانے والوں پر سخت ظلم وستم توڑے جارہے تھے۔

(دوم) اِن حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ (عنکبوت) ایک طرف صادق الایمان لوگوں میں عزم وہمت اور استقامت پیدا کرنے کے لئے، اور دوسری طرف ضعیف الایمان لوگوں کو شرم دلانے کے لئے نازل فرمائی۔''

قارئین اس سورہ میں کل اُنہتر (69) آیات ہیں۔ کہیں ڈھونڈے سے آپ کو نہ مصائب وشدائد ملیں گے نہ مخالفت کا زور شور نظر آئے گا نہ کہیں مسلمانوں پر ظلم وستم کا ذکر پایا جائے گا۔ یعنی علامہ کے بیان کا (اوّل) حصہ اُنکے اپنے تصورات ہیں جو اُنکے ذہن کے علاوہ اُس سورہ میں کہیں نہیں ہیں۔ اور اللہ نے یہ کہہ کر کہ اَے مسلمانو اہل کتاب سے مجادلہ وبحث ذرا اچھے اور پسندیدہ طریقہ سے کیا کرو، ہاں البتہ

اندھیر مچانے والوں سے اکھڑ طریقہ اختیار کر سکتے ہو (عنکبوت 29/46)۔ علامہ کے ظلم و ستم کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اسلئے کہ جن پر علامہ والے مظالم ہو رہے ہوں وہ بحث تو کہاں جواب تک نہ دینگے۔ البتہ ایک لفظ ''اُوْذِیَ'' ضرور استعمال ہوا ہے (عنکبوت 29/10) مگر یہاں کسی خاص، شدید اور اجتماعی اذیت کا ذکر نہیں ہے اور ہم اس آیت (عنکبوت 29/10) پر الگ سے بات کرنیوالے ہیں۔ علامہ کے بیان (دوم) میں ایک مومن جماعت کا وجود مانا ہے مگر اُنکو ضعیف الایمان کہنا فریب ہے ہم اس فریب کو واضح کریں گے۔

(سوم) ''اس سلسلے میں اُن سوالات کا جواب بھی دیا گیا ہے جو (علامہ کے نزدیک) بعض نوجوانوں کو اُس وقت پیش آ رہے تھے۔

مثلاً اُن کے والدین اُن پر زور ڈالتے تھے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ دو۔ اور ہمارے دین پر قائم رہو۔ جس قرآن پر تم ایمان لائے ہو اُس میں بھی تو یہی لکھا ہے کہ ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے۔ تو ہم جو کہتے ہیں اُسے مانو ورنہ تم خود اپنے ہی ایمان کے خلاف کرو گے۔'' (تفہیم القرآن۔ جلد 3 صفحہ 672/673)

مولانا جو چاہتے تھے اُسے حاصل کرنے کی کوشش میں یہ بھول گئے کہ وہ لاشعوری میں یہ بتا رہے ہیں کہ کفار قریش مسلمانوں کو قرآن کی تاویل کرنا اور مسلمان رہتے ہوئے مقاصد کفر کی تائید سکھا کر اپنے نوجوان گروہ کو مسلمانوں میں بھیج رہے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ ماں باپ کی اطاعت قرآن کی آڑ لے کر کرتے رہو تاکہ ہمارے مقاصد مجروح نہ ہوں۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو مسلمان نوجوانوں کی ایک ایسی جماعت موجود تھی جو کفار ماں باپ کے زیر تعلیم تھی اور اُس جماعت کو قرآن کے لیول (level) پر تیار کیا جا رہا تھا۔

(چہارم) ''اسی طرح بعض نومسلموں سے اُنکے قبیلے کے لوگ کہتے تھے۔ عذاب ثواب ہماری گردن پر، تم ہمارا کہا مانو۔'' (ایضاً)

یہاں نومسلم کہہ کر مسلمانوں کی زیر بحث جماعت کو تسلیم کر لیا جو ہمارے لئے کافی ہے۔ یہی وہ جماعت ہے جو اللہ و رسولؐ کو شاگردوں کی طرح دین کی تعلیم دینے اور رسولؐ سے اپنی اطاعت کرانے میں کوشاں رہی۔ ایسی جماعت کو ضعیف الاعتقاد، نومسلم اور نوجوان کہہ کر بات ٹالنا بڑی چالاکی اور پُرکاری ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سُن لیں کہ علامہ نے جو دیباچہ سورۂ عنکبوت پر لکھا ہے اُسکے بعض جملوں کو چھوڑ کر، جملوں کی کثرت کا ثبوت سورہ مذکورہ میں کہیں نہ ملے گا مقابلہ کر کے تصدیق فرمالیں۔

(iv)۔ قریش کس قسم کے لوگوں کو مسلمانوں میں شامل رکھ کر کام لینا چاہتے تھے؟

علامہ سے جوش میں ایک بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ''روایات میں متعدد سردارانِ قریش کے متعلق یہ مذکور ہے کہ ابتداءً جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے، اُن سے مل کر یہ لوگ اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ابوسفیان اور حرب بن اُمیہ بن خلف نے اُن سے مل کر بھی یہی کہا تھا'' کہ:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ o (عنکبوت 29/12)	کافروں نے مومنین سے کہا کہ تم ہمارے بتائے ہوئے عمل درآمد کی پیروی کرو ہم تمہاری خطاؤں کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ (ایضاً جلد 3 صفحہ 682/683)

(v)۔ قریش کے طرفدار مسلمانوں کی پالیسی غلبۂ اسلام تک؛ ڈبل فائدہ

یہ دیکھ لیا گیا کہ سُورۂ عنکبوت ہجرتِ حبشہ سے کہیں پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں بتائی گئی ہے۔ اور جن داخلی شہادتوں کی بنا

پر یہ طے کیا گیا ہے، اُن ہی شہادتوں کی وجہ سے ہم اس سورہ کی تلاوت اُس وقت مانیں گے جب کہ مذکورہ بالا سازش کفار تیار کر چکے ہوں اور ایک مسلمان گروہ کو اپنے ساتھ ملا کر اپنے مقاصد کی تعلیم دے چکے ہوں۔ اور اسلام کے مسائل کی اس انداز سے تاویل کرنا بتا چکے ہوں کہ وہ مسائل مقاصد قریش کا تحفظ بھی کریں اور اسلامی بھی رہیں۔ جب یہ سب کچھ ہو چکے تب سورہ عنکبوت کی تلاوت کی جانا چاہیئے۔ تا کہ مسلمانوں کو اُن کے عمل درآمد کی غلطی یا صحت کا موازنہ کرنے اور آئندہ ہوشیار رہنے کا موقع ملے اور مسلمانوں کو بتایا جائے کہ؛

مسلمانوں میں ایسے مومن بھی ہیں جن کی پالیسی یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان کا نعرہ لگاتے رہیں اور ہر حال میں خود کو محفوظ رکھ کر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ لگے رہیں تا کہ کبھی اُن پر غیر حاضری کا الزام نہ لگایا جاسکے۔ اور

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِىَ فِى اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ..... الخ (عنکبوت 29/10)

جب اللہ کے معاملے میں وہ کسی نقصان یا تکلیف سے دوچار ہو جائیں تو انسانوں کے پیدا کردہ فتنوں کو اللہ کی طرف منسوب کر کے اُس نقصان یا تکلیف کا آنا منجانب اللہ قرار دیا کریں۔ (مثلاً میرا اور تمام مسلمانوں کا رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانا منجانب اللہ تھا) اور جب کبھی اللہ کی طرف سے نصرت میسر آئے تو فوراً اپنے ہمیشہ ساتھ رہنے اور ناصر و مددگار ہونے کا اعلان کر دیا کریں۔

اسی پالیسی پر اللہ نے اسی آیت میں یہ ریمارک دیا کہ پالیسی میکرز (Makers) کے نزدیک گویا اللہ وہ سب کچھ نہیں جانتا جو تمام عالمین کے باشندوں کے دلوں میں پوشیدہ ہے۔ یعنی

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِىْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَo (عنکبوت 29/10)

کافروں نے اللہ کو زبانی باتوں سے دھوکا دے رکھا ہے۔

اس آیت کی مرمت کیلئے علامہ نے کئی ایک نوٹ دیئے اور حاشیہ آرائی کی ہے مگر حق پھر بھی ظاہر ہو کر رہا ہے اور نہ صرف ہمارے لکھے ہوئے مفہوم کی تصدیق ہوگئی ہے۔ بلکہ مومنین کی زیرِ نظر جماعت کا مقصد اور حیات رسولؐ میں اُن مومنین کا عمل درآمد بلکہ انتقال کے بعد کی کاروائی پر بھی روشنی پڑ گئی ہے۔ سنئے علامہ فرماتے ہیں کہ:۔

(vi)۔ بُزدل محتاط بھگوڑے مومنین، کیسے بہادر جان نثار ہیروز بن جاتے ہیں

''اگر چہ کہنے والا ایک شخص ہے، مگر ''میں ایمان لایا'' کہنے کے بجائے کہہ رہا ہے ''ہم ایمان لائے''۔ امام رازی نے اِس میں ایک لطیف نکتے کی نشان دہی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منافق اپنے آپ کو ہمیشہ زُمرۂ اہل ایمان میں شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے (یعنی غیر حاضری منظور نہیں) اور اپنے ایمان کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ بھی ویسا ہی مومن ہے جیسے دوسرے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بزدل اگر کسی فوج کے ساتھ گیا ہے اور اس فوج کے بہادر سپاہیوں نے لڑ کر دشمنوں کو مار بھگایا ہے، تو چاہے اُس نے خود کوئی کارنامہ انجام نہ دیا ہو، مگر وہ آ کر یوں کہے گا کہ ہم گئے اور ہم خوب لڑے اور ہم نے دشمن کو شکست فاش دے دی۔ گویا آپ بھی اُن ہی بہادروں میں سے ہیں جنھوں نے دادِ شجاعت دی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3، صفحہ 681، حاشیہ 13)

اِس بیان میں قرآن کریم کی بتائی ہوئی پالیسی کی تصدیق ہوگئی کہ یہ گروہ مومن ہے، اعلان ایمان کرتا رہتا ہے۔ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اُن ہی میں کا مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ وہ گروہ مسلمانوں کی کثرت کی طرف سے بات کرتا ہے اور اُن کا نمائندہ بن جانے کی قابلیت رکھتا ہے۔ علامہ صاحب مانتے ہیں کہ اُس گروہ کے مومنین اسلام کے نام پر نکسیر کا پھوٹنا بھی پسند نہیں کرتے مگر وقت آنے پر سبقت لے جاتے ہیں۔ ''جب اِس دین کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دینے والوں کو اللہ تعالیٰ فتح و کامرانی بخشے گا تو یہ شخص (گروہ) فتح کے ثمرات میں حصہ بٹانے کے لئے آموجود ہوگا۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 681 حاشیہ 15)

یہ پالیسی آنحضرتؐ کی زندگی بھر جاری رہی اور رسالت کی فتح اور کامرانی کا ثمرہ بانٹنے والوں نے مکمل قبضہ کر لیا۔ اور نہ کسی نے دیکھا نہ کسی نے لکھا کہ اُس گروہ نے کبھی بھی اسلام کے لئے سر کی یا دھڑ کی بازی لگائی ہو۔ جنہوں نے ساری زندگی سر دھڑ کی بازی لگائے رکھی، جنہوں نے ہاری اور ہرائی ہوئی تمام بازیاں جیت کر دیں، اُن کا کام ہمیشہ قربانی دینے کا تھا، وہ اسلام کے لئے برابر قربان ہوتے رہے اور ہم اُسی قسم کے مومنین کو خبیث گروہ سے الگ کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ مومنین کے خبیث گروہ کے افراد و عادات اُمت کے ہر طبقہ پر واضح ہو جائیں اور اُن کی شناخت میں وہ گنجلک نہ رہے جو علامہ اینڈ کمپنی نے بڑی محنت سے پیدا کی ہے۔

(vii)۔ <u>دِل سے ایمان لانے اور مومن رہنے والے بھی کفار کے طرفدار ہو سکتے ہیں؟</u>

قارئین اس سلسلے کا یہ آخری عنوان ہے۔ اِس کے بعد ہم پھر خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہوں گے۔ یہاں علامہ کا ایک اور بیان سُن لیں جس میں وہ ہر بُزدل اور قریش کے طرفداروں کے لئے شرع کی آڑ فراہم کر کے ہر اُس مومن کو معاف کرتے ہیں جو مذکورہ بالا ''آمنّا'' کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے کفر کی اعانت کرے یا کفر کا اعلان کرے یا اسلام کی مخالفت کرے، جنگ سے جان بچانے کے لئے بھاگ جائے، رسولؐ اللہ کو قتل ہونے کے لئے تنہا دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ جائے۔ یعنی جو کوئی ایسا موقع ہی نہ آنے دے کہ وہ راہِ خدا میں شہید کر دیا جائے۔ بالکل پکا مومن ہے بشرطیکہ دل سے ایمان لایا ہو۔ یعنی دل میں ایمان اُبال کھا رہا ہو اور وہ بگٹٹ بھاگا چلا جا رہا ہو۔ رسولؐ اللہ مدد کے لئے پکار رہے ہوں اور وہ ایمان بھرے کانوں سے سنتا دوڑتا چلا جا رہا ہو۔ وہ اللہ کے یہاں جناب علامہ مودودی کے فتویٰ کو دکھا کر معاف کر دیا جائے گا۔ سُنئے علامہ کی ایک نازک بحث کان لگا کر سنئے ارشاد ہے:۔

(اول) ''یہاں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ نا قابل برداشت اذیت یا نقصان، یا شدید خوف کی حالت میں کسی شخص کا کلمۂ کفر کہہ کر اپنے آپ کو بچا لینا شرعاً جائز ہے۔ بشرطیکہ آدمی سچے دل سے ایمان پر ثابت قدم رہے۔'' (مسلسل لکھا کہ)

(دوم) ''لیکن بہت بڑا فرق ہے اُس مخلص مسلمان میں جو بحالت مجبوری جان بچانے کے لئے کفر کا اظہار کرے، اور اُس مصلحت پرست انسان میں جو نظریہ کے اعتبار سے اسلام ہی کو <u>حق جانتا اور مانتا ہو</u>۔ مگر ایمانی زندگی کے خطرات و مہالک دیکھ کر کفار سے جا ملے۔''

(سوم) ''بظاہر اُن دونوں کی حالت ایک دوسرے سے کچھ <u>زیادہ مختلف</u> نظر نہیں آتی۔ (مسلسل لکھ رہے ہیں کہ)

(چہارم) ''مگر درحقیقت جو چیز اُن کے درمیان زمین و آسمان کا فرق کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ:۔''

(1) ''مجبوراً کفر ظاہر کرنے والا مخلص مسلمان نہ صرف عقیدے کے اعتبار سے اسلام کا گرویدہ رہتا ہے، بلکہ عملاً بھی اُس کی دلی

ہمدردیاں دین واہلِ دین کے ساتھ رہتی ہیں۔ اُن کی کامیابی سے وہ خوش اور اُن کو زک پہنچنے سے وہ بے چین ہو جاتا ہے۔ مجبوری کی حالت میں بھی وہ مسلمانوں کا ساتھ دینے کے ہر موقع سے فائدہ اُٹھاتا ہے، اور اس تاک میں رہتا ہے کہ جب بھی اس پر سے اعدائے دین کی گرفت ڈھیلی ہو وہ اپنے اہلِ دین کے ساتھ جا ملے۔ اس کے برعکس'' (مسلسل)

(2) ''مصلحت پرست آدمی جب دین کی راہ کٹھن دیکھتا ہے، اور خوب ناپ تول کر دیکھ لیتا ہے کہ دینِ حق کا ساتھ دینے کے نقصانات کفار کے ساتھ جا ملنے کے فوائد سے زیادہ ہیں، تو وہ خالص عافیت اور منفعت کی خاطر دین اور اہلِ دین سے مُنہ موڑ لیتا ہے۔ کافروں سے رشتۂ دوستی استوار کرتا ہے اور اپنے مفاد کی خاطر اُن کی کوئی ایسی خدمت بجالانے سے بھی باز نہیں رہتا ہے جو دین کے سخت خلاف اور اہلِ دین کے لئے نہایت نقصان دہ ہو۔'' (مسلسل لکھا کہ)

(پنجم) ''لیکن اس کے ساتھ وہ اس امکان سے بھی آنکھیں بند نہیں کر لیتا کہ شاید کسی وقت دینِ حق ہی کا بول بالا ہو جائے۔ اس لئے جب کبھی اُسے مسلمانوں سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے، وہ اُن کے نظریے کو حق ماننے اور اُن کے سامنے اپنے ایمان کا اقرار کرنے اور راہِ حق میں اُن کی قربانیوں کو خراجِ تحسین ادا کرنے میں ذرّہ برابر بخل نہیں کرتا، تا کہ یہ زبانی اعترافات سند رہیں اور بوقتِ ضرورت کام آئیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 682-681 حاشیہ 15)

(viii)۔ علامہ کے اُستادانہ بیان پر طالبعلمانہ نظر ڈالیں اور استادیاں نوٹ کریں

علامہ نے تسلیم کیا ہے کہ (1)۔ یہ دونوں قسم کے آدمی دل سے اسلام کو حق مانتے ہیں۔ (2) اور یہ دونوں آدمی کفار کی گرفت میں رہتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں، جہاں تک زبان سے ایمان کے اقرار کا تعلق ہے اور کفار کے ہاتھوں میں گرفتاری کا معاملہ ہے، ہر آدمی کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ اسلئے کہ ایمان کا اقرار کانوں سے سُنا جا سکتا ہے اور قید و بند آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ جاننا کہ وہ دونوں آزاد ہوتے تو کیا کرتے؟ اُسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب قید و بند سے آزاد ہو کر مسلمانوں میں آ جائیں اور وہ کام کریں جو علامہ پسند یا ناپسند کرتے ہیں۔ اور تمام مسلمان دیکھ لیں کہ وہ عملاً کیا کر رہے ہیں؟ تب اُنکے عمل کی وجہ سے اُنہیں مندرجہ دو اقسام میں سے کسی میں داخل کیا جائیگا۔ ورنہ وہ تمام باتیں فرضی اور علمِ غیب پر مبنی ہونگی جنکو بڑی تفصیل سے علامہ نے لکھا اور آپ نے پڑھنے کی زحمت اُٹھائی ہے۔ گویا عملاً یہ فرق محض فرضی ہے یا خدا سے دریافت کرنے کا ہے۔ اور علامہ نے اپنے بیان (سوم) میں استادی کی ہے یعنی بجائے یہ لکھنے کے کہ:۔ ''بظاہر اُن دونوں کی حالت میں ذرہ برابر اختلاف نہیں ہے۔'' یہ لکھا کہ ''دونوں کی حالت کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔''

پھر علامہ نے وہ فارمولا نہیں بتایا جس سے ہر آدمی یہ جان سکتا کہ وہ اذیت، نقصان یا خوف واقعی نا قابلِ برداشت تھا یا نہیں؟ اگر محض اُن کے کہنے سے یہ مان لیا جائے کہ واقعی نا قابلِ برداشت تھا تو اُس کا کوئی قرآنی معیار اور جانچ کا انسانی و عملی طریقہ بھی نہیں بتایا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ دونوں حقیقتاً اور تجرباتاً قید و بند میں تھے تو ہمیں اُن کی ہر بات کو صحیح ماننا ہوگا۔ لیکن اگر وہ وہاں آزادانہ چل پھر سکتے تھے، ہتھکڑی اور بیڑی نہ تھی تو قرآن اُن کو ہجرت اور بھاگ کر آ جانے کا حکم دیتا ہے اور وہ دونوں خلاف ورزی کے مجرم اور قابلِ سزا ہیں، مگر ہوں گے مسلمان ہی۔ پھر علامہ نے اُن دو قسم کے فرضی مسلمانوں کے فرضی فرق کو بیان کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا

ہے۔صاف دکھائی دیتا ہے کہ علامہ یہ طے کر کے بیٹھے تھے کہ ایک کی فرضی حمایت،فرضی طرفداری کی انتہا کر دیں گے اور دوسرے کی فرضی مذمت میں فرضی عیوب پیدا کریں گے۔اور الفاظ بھی دونوں کے لئے الگ الگ ایجاد کریں گے۔یعنی ایک کو فرضی طور پر مخلص اور دوسرے کو مصلحت پرست قرار دیا۔ایک کو محض کفر کا اظہار کرنے والا کہا تو دوسرے کو کفار سے خود جا کر مل جانے والا بنا کر دکھا دیا۔علامہ نے ایک کو اسلام کا ہر حال میں گرویدہ بتایا دوسرے کو عافیت اور منفعت طلبی کا مجرم بنا دیا۔الغرض علامہ کا پورا بیان دو چار مجرموں کو محفوظ کرنے کے بہانوں سے لبریز ہے۔مگر افسوس کہ ہم جن لوگوں کا تذکرہ قرآن سے لکھتے چلے آئے ہیں،وہ کبھی دشمن کے کیمپ میں قید نہ تھے۔روز اوّل سے اسلامی کیمپ میں رہے،ہر جگہ ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں مگر خطرات میں اللہ کے حکم کا بہانہ کر کے بھاگ جاتے ہیں۔کبھی دشمن پر تلوار نہیں اُٹھاتے،کبھی خطرے میں باہر نہیں نکلتے۔نام لے کر بُلانے پر،نہ جانے کے لئے معافی طلب کر لیتے ہیں۔دنیا میں خیریت اور منفعت کے لئے رہنے کو ترجیح دیتے ہیں،جنت میں رسولؐ اللہ کے ساتھی بننے سے توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔پھر سورہ عنکبوت جس''آمنا باللہ''والی پالیسی کا ذکر کرتی ہے۔اُس کے مطابق لفظ بلفظ عمل کرتے ہیں۔جہاں موقعہ ملتا ہے کفار قریش کی طرفداری کر کے رسولؐ اللہ کو ناراض کرتے ہیں۔قریش کی رضامندیاں حاصل کرنے میں عمر گزارتے ہیں۔راتوں کو رسولؐ اللہ کی جاسوسی کرتے ہیں۔راتوں کو مشورے اور منصوبہ سازیاں کرتے ہیں۔رسولؐ کے فیصلوں پر کھل کر اعتراضات اور شکوک کا اعلان کرتے ہیں۔اُنہیںؐ قتل ہو جانے کے لئے تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔موقعہ ملتا ہے تو رات کو اُنہیں قتل کرنے کی سازش کرتے ہیں۔یہ وہ مسلمان ہیں جن کے لئے قرآن نے فرمایا کہ اگر تم کو حکومت مل گئی تو تم ساری دنیا کو فتنہ وفساد سے بھر دو گے۔اور ناتے رشتے کے جھگڑوں کو ختم کر کے آزاد جنسی نظام قائم کر لو گے(محمدؐ 47/22)۔اور اُس مومن جماعت کے سربراہ کی شناخت یہ کہہ کر بیان کی ہے کہ جب وہ اقتدار حکومت سنبھالے گا تو نہ صرف ساری دُنیا کو فساد سے بھر دے گا بلکہ تمام کھیتیاں تباہ کرے گا اور ایک خاص نسلؑ کے ہلاک کرنے کا انتظام بھی کرے گا (بقرہ 2/205)۔یہ تھا وہ انتہائی نتیجہ جو قریش کی''آمنّا بِا للہ''والی پالیسی پر مرتب ہونا تھا۔اور جسے قرآن کریم نے نہایت تفصیل مگر حکمت ِترتیل وتمہیل کے ساتھ ترتیب دے دیا تھا۔

35۔ بَیتُ الرِّسَالتؐ و اِمامةؑ کے متعلقات اور حالات

عنوان نمبر 20 کے بعد قریش کے منصوبوں اور اقدامات پر گفتگو ہوتی رہی۔اُن کے تینوں محاذوں کا تعارف اور پالیسیاں بیان کی گئیں۔اُن کے ہیروز کا تعین و تشخص ہوا۔اُن کے تیغ بکف محاذ کی شکست اور فتح مکہ سامنے آئی۔خانہ کعبہ اور گردونواح سے بتوں کی اعلانیہ عبادت اور حکومت ختم ہوگئی۔سورۂ برأت کے دباؤ سے تمام عوام اور سرداران قریش خاموشی کے ساتھ اپنے مسلمان محاذ میں شامل ہو گئے۔اور توحید و نبوت کو اجتہادی شرائط کے ساتھ مان لیا گیا۔مگر امامت و حکومت کو خاندانِ نبوت سے نکالنے اور ایک قومی و ملکی حکومت بنانے پر اتفاق کر لیا گیا۔اور یہ طے کر لیا گیا کہ اب اسلام ہی کے نام پر قومی و مُلکی مفاد کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا اُن تمام تصورات اور بیانات و رجحانات کو شرک قرار دے کر مسترد کر دینا طے پا گیا جن سے خاندانی،موروثی یا شخصی حکومت کی بُو آتی ہو۔یا جن میں کسی انسان کو

اللہ اور انسانوں کے درمیان وسیلہ یا واسطہ بنانے کا تقاضہ ہوتا ہو۔ یا کسی انسان کو دوسرے انسانوں پر مسلط کرنا مقصود ہو۔ یا کسی کی ایسی فضیلت بیان کی جائے جو عام انسانوں کی عقلی سطح سے بلند ہو۔ اگر بتوں کی عزت و احترام اس لئے شرک تھا کہ اُنہیں تقرب خداوندی کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا تو پھر ہر وہ ذریعہ اختیار کرنا شرک قرار دے دو جو کسی بھی انسان کو تقرب کا ذریعہ، واسطہ یا وسیلہ قرار دے۔ چنانچہ خود رسوؐل کی پوزیشن ایک انسان سے زیادہ ماننا بھی شرک بنا دو۔ یہاں تک کہ کسی انسان کو لفظ ''یا'' کہہ کر پکارنا بھی شرک ہے۔ ایسا خالص بے شرک اسلام اور توحید پھیلانے پر تمام سرداران قریش متفق ہو گئے۔ اور رسولؐ اور جانشینانؑ رسول کو شرک کے نام پر اللہ اور انسانوں کے درمیان سے ہٹانے کا پروگرام جاری ہو گیا۔ یہ سب کچھ دس ہجری سے پہلے پہلے ظہور میں آچکا تھا۔

(35/2)۔ بیت الرّسالۃ کی شاخ ازواج رسولؐ

آپ کو معلوم ہے کہ جناب خدیجہ سلام اللہ علیہا کا انتقال مکہ ہی میں ہو گیا تھا۔ اور مشیتِ خداوندی کے ماتحت اُن سے پیدا ہونے والی اولاد میں سے جناب فاطمہ علیہا السلام کے سوا کوئی باقی نہ بچا تھا۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی طے شدہ امر خداوندی تھا کہ خدیجۃؑ الکبریٰ کے بعد بھی کسی زوجہ کی اولاد زندہ نہ رہے۔ چنانچہ حضورؐ نے اُن کے بعد مختلف سِن وسال کی عورتوں سے رشتۂ زوجیت قائم کیا۔ اُن میں کنواری عورتیں بھی تھیں، بیوائیں بھی تھیں، لیکن کسی کے مقدر میں یہ نہ تھا کہ اُن سے اولاد پیدا ہو یا زندہ رہے۔ اور قحطانی تاریخ نے جن جن لڑکیوں کو اولاد رسولؐ میں داخل کیا، اُن کی نسل بھی منقطع ہو گئی تا کہ آئندہ نسل رسولؐ حضرت فاطمہؑ سے جاری ہو اور کسی قسم کا شک وریب الٓم ذلک الکتاب میں نہ رہے۔ اور کوئی آگے بڑھ کر یہ نہ کہہ سکے کہ میں بھی فلاں ترکیب سے اولاد یا نسلِ رسولؐ میں سے ہوں۔ یہ قہری انتظام تھا جس نے اُن تمام لوگوں کے مُنہ بند کر دیئے اور اُن کی تمام اُمیدوں پر پانی پھرا دیا جو نسل رسوؐل کو بگاڑنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے چلے آرہے تھے۔ اور جانشینی رسولؐ کے لئے نواسوں یا رسولؐ کے بیٹوں کے سرپرست بن جانے کے خواب دیکھتے اور دعائیں مانگتے چلے آرہے تھے۔ جنھوں نے رسولؐ کے کئی ایک چچا اور بھتیجے گھڑ رکھے تھے۔ بہرحال حضرت خدیجہؑ کے انتقال کے بعد حضورؐ کے سامنے جناب ابوبکر نے اپنی پانچ چھ سالہ بیٹی کو زوجیت کے لئے پیش کیا اور چاہا کہ حضوؐر اس طرح اپنا غم غلط کرتے رہیں۔ لیکن کم سنی کی بنا پر اُنہیں واپس کر دیا گیا۔ اور جناب سودہ بنت زمعہ علیہا السلام کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اِس محترم خاتون نے جناب فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کے ساتھ ایک پیاری ماں کی طرح سلوک کیا۔ اور مدینہ کی ہجرت سے تین سال قبل ہی سے خانوادۂ رسولؐ کی خدمات انجام دینا شروع کر دیں۔

(ii)۔ مدینہ میں بیت الرسالۃؐ کے ساتھ حضرت سودہؑ کا حجرہ اور قیام

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مسجد نبوی کے تیار ہو جانے کے بعد مسجد کی دیوار کے ساتھ ساتھ خانوادہ رسوؐل کے مکانات بنائے گئے تھے۔ وسط میں بیت الرسالۃ تھا۔ اُس کے اِدھر اُدھر دونوں طرف اُن حضرات کے حجرے اور مکانات تھے جو جناب علیؑ مرتضیٰ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ اُن ہی حجروں میں حضوؐر کی زوجہ جناب سودہؑ کا حجرہ تھا۔ اور بعد میں آنے والی ازواج رسولؐ کے لئے اُن

ہی حجروں سے مُلحق حجرے تعمیر ہوتے اور بیت الرسالۃ سے دُور تر بنتے گئے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر پہلے ہی روز رسولؐ اللہ کو محلّہ قبا میں چھوڑ کر محلّہ سخ پہنچ گئے تھے۔اور وہاں ایک نئی شادی کر لی تھی۔اور جب اپنے اہل وعیال کو مکہ سے بلایا تو انہیں بھی محلّہ سخ میں آباد کیا تھا۔جب آپ نے دیکھا کہ رسولؐ اللہ اپنی مصروفیات کی بنا پر اُس دور دراز محلّہ میں اُن کے گھر نہیں آتے تو آپ نے حضرت عائشہ کا تین سالہ پُرانا نکاح یاد دلایا اور چاہا کہ آنحضرتؐ بھی محلّہ سخ کو اپنا دارالقرار بنالیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ کو عملاً زوجہ بنالینے کی بات کی۔ جواب میں مالی عذر پیش کیا گیا تو اپنے پاس سے ضروری اخراجات کا انتظام کر دیا اور ایک دن جناب عائشہ کی والدہ نے حضرت عائشہ کو بہت سے مردوں اور عورتوں کے روبرو آنحضرت کی گود میں جا بٹھایا۔آپ کی عمر اُس وقت بھی صرف نو سال کی تھی۔ بہر حال لکھا گیا ہے کہ اُسی روز وہیں حضرت ابو بکر کے گھر میں عملاً اُن کو زوجہ بنالیا گیا۔لیکن کوئی ولیمہ یا خوشی نہیں منائی گئی۔حتّٰی کہ کھانا بھی حسب معمول جناب سعد بن عبادہ کے گھر سے آیا جسے بقول تاریخ وکتب احادیث دونوں نے بیٹھ کر کھالیا۔لیکن اس کے بعد بھی رسولؐ اللہ نے ابو بکر کے گھر میں مستقل قیام نہ کیا۔ادھر سے مایوس ہو کر آخر حضرت ابو بکر نے اپنی بیٹی کو رخصت کر دیا۔اور اب جناب عائشہ کے لئے بھی ایک حُجرہ بنادیا گیا۔اس سلسلے میں علامہ شبلی کا ایک غیر محتاط بیان سُن لیں۔

(iii)۔ ازواج رسولؐ کے حجروں کی تعمیر اور مقام وقوع

''مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہراتؓ کے لئے مکان بنوائے اُس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقد نکاح میں آچکی تھیں۔اس لئے دو ہی حجرے بنے۔جب اور ازواجؓ آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکان کچی اینٹوں کے تھے۔اُن میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے۔جو حجرے اینٹوں کے تھے اُن کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہؓ،حضرت ام حبیبہؓ،حضرت زینبؓ،حضرت جویریہؓ،حضرت میمونہؓ،حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے۔اور حضرت عائشہؓ،حضرت صفیہؓ اور حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں۔۔۔۔۔۔ یہ مکانات چھ چھ یا سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چُھو لیتا تھا۔'' (سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ 281/282)

ہمیں نہیں معلوم کہ علامہ نے حضرت حفصہ بنت حضرت عمر کو کیوں نظر انداز کر دیا حالانکہ وہ کافی سینئر ازواج میں شامل تھیں۔

(iv)۔ آنحضرت کی دیگر ازواج کا بیت الرسالۃ سے متعلق ہونا

حضرت حفصہ بنت حضرت عمر کا جب دوسرا یا تیسرا شوہر بھی مر گیا تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر اور عثمان سے درخواست کی وہ حفصہ سے نکاح کرلیں۔ دونوں کے انکار پر رسولؐ اللہ سے شکایت اس انداز میں کی گئی کہ حضورؐ نے حضرت حفصہ کو 3 ہجری میں زوجہ بنا لیا۔اس کے کچھ ماہ بعد حضورؐ نے حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح کیا جو بیوہ تھیں۔اور آٹھ ماہ بعد انتقال فرما گئیں۔ 4 ہجری میں حضورؐ نے اپنی پھوپھی زاد بیوہ بہن ہند عرف حضرت اُم سلمہؓ سے نکاح کیا۔جو واقعہ کربلا کے بعد 62 ہجری میں وفات کو پہنچیں۔ 5 ہجری میں زید بن حارثہ کے طلاق اور عدت کے بعد آپؐ نے جناب زینبؓ بنت جحش کو زوجیت میں لیا۔ 6 ہجری میں جناب برہ عرف جویریہؓ اور جناب ریحانہ بنت زید بن عمرو سے نکاح فرمایا۔ جناب جویریہؓ اُسی سال انتقال فرما گئیں۔ پھر 7 ہجری میں حضرت میمونہؓ بنت

حارث اور جناب رملہ عرف ام حبیبہؑ زوجیت میں آئیں ۔اور جنگ خیبر کے بعد 7 ہجری میں جناب صفیہؑ بنت حیّ بن اخطب سے نکاح کیا۔آپکی ایک اور زوجہ جمیلہؑ نام کی تھیں۔ 8 ہجری میں بادشاہ اسکندریہ نے جناب ماریہ قبطیہ کوآپؐ کے نکاح میں دیا جن سے حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور پندرہ ماہ کی عمر میں خدا کو پیارے ہوگئے۔

یہ تمام ازواج اپنے اپنے حجروں میں رہتی تھیں۔اللہ نے اُن حجروں کواُن ہی کی طرف منسوب کیا ہےاوراُن سے کہا ہے کہ:۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی...(احزاب 33/33)

’’تم جاہلیت کے اوّلین دور کی طرح اپنی سج دھج اور بناؤ سنگھار کی نمائش کے لئے گھروں سے نہ نکلا کرو بلکہ تم سب اپنے اپنے گھروں میں پابندی سے موجود رہا کرو۔ اور چونکہ یہ مکانات رسولؐ اللہ نے بنا کر دیئے تھے اِس لئے اُن گھروں کی ملکیت آنحضرتؐ سے منسوب کر کے فرمایا گیا کہ:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ......(احزاب 33/53)

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جب تک تمہیں اجازت نہ مل جائے نبیؐ کے گھروں میں نہ داخل ہوا کرو۔ لہٰذا اُن گھروں میں رہنے والیاں صرف ازواج النبی کہلاتی تھیں یعنی **اھل بیوت النبیؐ** ۔لیکن بیت الرسالۃ میں رہنے والے حضرات **اھلِ بیت یا اھلِ بیت الرسالۃ** کہلاتے تھے۔چونکہ نبیؐ کا مستقل قیام کسی بھی زوجہ کے یہاں نہ رہتا تھا، نہ رہ سکتا تھا، نہ تمام مسلمانوں کو یہ بتانا آسان اور ممکن تھا کہ کس رات کو کس زوجہ کی باری ہے اور یہ کہ باری منسوخ نہیں ہوئی ہے لہٰذا سرکار دوعالمؐ کا مستقل قیام جس گھر میں رہتا تھا اور جہاں سے مستقلاً ہدایات واحکامات کا اجرا ہوتا تھا۔اور جہاں ضرورت مند لوگ پورے یقین واطمینان سے حاضر ہوتے تھے اُس گھر کا نام ’’**بیت الرسالۃ**‘‘ تھا اور **بیت الرسالۃ** میں مستقل رہنے والے حضرات کو اہلبیتؑ کہا جاتا تھا۔لہٰذا عارضی رشتہ کے لوگوں کو اہلبیتؑ سمجھنا یا کہنا قرآن کے خلاف ایک سازش ہے۔اُسی طرح جس طرح کسی زوجہ کی شان میں رِجس وناپاکی سے طہارت کا مخصوص حکم یا احکام نازل ہوئے بغیر تمام ازواج کے ساتھ لفظ مطہرات کا اضافہ کردینا ایک سازش ہے۔ازواج رسوؐل کی پوزیشن قرآن کریم میں واضح ہے اور جو قرآن کریم نے اُنکے متعلق فرمادیا ہے اُس سے کم یا زیادہ کہنے والے یقیناً تکذیب قرآن کرنے کے مجرم ہیں۔رہ گیا یہ فرضی اصول کہ نبیؐ کی ہر زوجہ کو بھی نبیؐ یا نبوتؐ کا ہم پلہ ہونا چاہیے، قرآن کی واضح آیات کے مخالف ہے اور حضرت نوحؑ اور لوطؑ علیہما السلام کی ازواج کا جہنمی ہونا قرآن کی اُسی سورہ میں واضح ہے (تحریم 66/10) جس میں آنحضرؐت کی دو ازواج کے محاذ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اور ہم مناسب مقام پر سورۂ تحریم کو پیش کریں گے۔البتہ جن ازواج سے نسل نبوؐت ورسالت جاری ہوتی ہے اُن کا مقام وانتظام مخصوص طریقے پر خدا کے ذمہ ہے۔دنیا کی زندگی میں عورتوں کیلئے اس سے بڑی سزا اور تکلیف کوئی نہیں کہ اُن کو مقطوع النسل یا بانجھ رکھا جائے۔ بہرحال ازواج رسوؐل تو اپنے مقام پر ہیں۔بعض خبیثوں نے ساری اُمت کو اہلبیتؑ اور **آلِ محمدؐ** میں داخل کرنے کی اسکیم چلائی۔مقصد یہ تھا کہ آل محمدؐ کے مقام بلند کو گھٹایا جائے یا ساری دنیا کو اُس مقام بلند میں داخل کر کے اُس کی بلندی وعظمت کو خاک میں ملا دیا جائے۔

(۷)۔ نجات دہندۂ عالم اپنے باپؑ اسمٰعیلؑ کی جگہ ذبح عظیم اور نانا حضرت محمدؐ مصطفیٰ کو مرتبۂ شہادت پر فائز کرنے والا حسینؑ

4 ہجری میں حضرت ام سلمہ علیہا السلام نے نبیؐ کے گھر میں قدم رکھا اُس وقت جناب امام حسن علیہ السلام کی عمر ایک سال کے

قریب پہنچی تھی کہ 15 شعبان 4 ہجری کو جناب امام حسین علیہ السلام نے بیت الرسالۃ کے توسط سے ساری دنیا کو پیام نجات دیا۔ سرکارِ دو عالم نے خاندانی سُنت کے مطابق کانوں میں اذان و اقامت کے ساتھ تحفظ اسلام کا پیغام سنایا۔ سر کے بالوں کے برابر چاندی تصدق کی گئی ساتویں روز عقیقہ کیا گیا۔ اس مولود مسعود کی پیدائش پر مافوق الفطرت وعادت واقعات میں اس قدر اور اضافہ تھا کہ خانوادہ رسولؐ میں مسرت کے ساتھ گریہ وبکا کا سامان بھی تھا، ملائکہ تہنیت کے ساتھ ساتھ واقعہ کربلا پر متاسف وگریاں بھی تھے۔ حضرت اُم سلمہ علیھا السلام کو خاک کربلا آج ہی دی گئی تھی جو شہادت کی اطلاع کیلئے خون بن جانے والی تھی۔ یہی دن تھا جس روز عزاداران حسین علیہ السلام کیلئے وعدۂ جنت کیا گیا تھا۔ یہی وہ مبارک وجود تھا جس نے پنجتنؑ پاک کی تعداد کو پورا کیا۔ یہی ذات والا صفات تھی جس سے نو (9) سربراہانِ اسلام نے وجود حاصل کرنا اور تا قیام قیامت کائناتی راہنمائی کی ذمہ داری اختیار کرنا تھی۔ اور تمام بنی نوع انسان کو علوم خداوندی سے مالا مال کرنا تھا، جنہوں نے تسخیر کائنات وموجودات کا لامحدود سبق دینا تھا۔ جہاں سرکاری تاریخ ہر ہر واقعہ کو مشکوک کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتی، وہیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ بھی اختلاف کا شکار ہوا ہے۔ بعض نے لکھا کہ امام حسنؑ کی پیدائش کے چھ ماہ بعد پیدا ہوئے، بعض نے لکھا کہ ایک سال دس ماہ بعد پیدا ہوئے، بعض نے 3 شعبان اور بعض نے 5 شعبان تاریخ پیدائش بتائی۔ یہ سب کچھ اسلئے کیا جاتا رہا کہ پبلک اور اہل قلم کو غلط باتیں سُننے کی عادت پڑ جائے اور غلط در غلط میں اُلجھ کر لوگ گمراہ ہو جائیں۔

(35/3)۔ امام حسین علیہ اسلام کی روحانی، جسمانی اور ذہنی وفکری تربیت

جس طرح ہم نے حضرت علیؑ وفاطمہؑ وحسنؑ کے فضائل میں کچھ نہیں لکھا اُسی طرح ہم امام حسین علیہ السلام کے فضائل ودرجات بیان نہ کریں گے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ ان حضراتؑ کے فضائل سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ہم تو اُن کے متعلق وہی کچھ لکھنا چاہتے ہیں جو نوع انسان کی نجات کا ذریعہ بن سکے اور جس پر ہر متلاشی حق عمل پیرا ہو سکے۔ چنانچہ امامؑ کی روحانی تربیت کے لئے اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ اُن کو پالنے والے محمدؐ، علیؑ اور فاطمہؑ تھے۔ جہاں ہر لحہ جبرائیلؑ ومیکائیلؑ واسرافیلؑ وعزرائیلؑ حاضر رہتے ہوں، جہاں سے نعماتِ خداوندی ساری کائنات وموجودات میں تقسیم ہوتی ہوں، جو علوم خداوندی کا مرکزی مقام ہو، جو گھر اَنوارِ خداوندی سے لبریز رہتا ہو، وہاں تربیت کا کونسا پہلو ہے جس میں کسی خامی کا وہم کیا جا سکے۔ اور پھر جب زیر تربیت بچہ کا ابتدائی مقام ہی عقول انسانی کی رسائی سے باہر ہو تو یہ کن الفاظ اور کس عبارت میں سمجھایا جا سکے گا کہ تربیت کے بعد وہ بچہ کہاں اور کس مرتبہ پر پہنچا؟

(ii)۔ خانوادۂ رسالت کے آئمہ علیھم السلام کا مقام بوقتِ ولادت

شکم مادر میں کلام سننا اور قرآن کی آیات تلاوت کرنا۔ اپنی ماں کو خدا کے روبر سجدہ کرنے پر مجبور کرنا۔ نہ آسانی سے سمجھ میں آنے کی بات ہے نہ ماننے کی بات ہے۔ لیکن مسلمانوں کی کتب احادیث ایسی تفاصیل سے بھری پڑی ہیں۔ چنانچہ اصول کافی کتاب الحجۃ باب موالید الآئمہؑ کی پہلی ہی حدیث بتاتی ہے کہ آئمہؑ پیدا ہوتے ہی زمین پر اس طرح تشریف فرما ہوتے ہیں کہ دونوں ہاتھ زمین پر ٹِکے ہوئے اور سر آسمان کی طرف بلند۔ زمین پر ہاتھ اس لئے کہ اللہ کے جس قدر علوم آسمان سے زمین پر نازل ہوئے اُن کو قبضہ میں کر لیں۔ آسمان کی طرف متوجہ اس لئے کہ وہاں سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ اے فلاں بن فلاں مضبوطی اختیار کر۔ کیونکہ تیری تخلیق اللہ کے

یہاں ایک عظیم الشان منزلت رکھتی ہے۔تُو تمام کائنات میں برگزیدہ ہستی ہے۔اور میرے تمام رازوں کا محرمِ راز ہے۔تُو میرے علوم کا گنجینہ ہے۔تُو میری وحی کا امین ہے۔زمین میں میرا خلیفہ ہے۔میں نے تجھ پر اور جو تیری ولایت وحکومت کو اختیار کرے اُس پر رحمت نازل کرتے رہنا واجب کرلیا ہے۔اور تمہیں جنت کا عطا کیا جانا طے کر دیا ہے۔اور تم سب کو اپنے قربت و پڑوس میں جگہ دیدی ہے۔اور اپنی عزت وجلال کی قسم جو تم سے عداوت رکھے اس کے لئے سخت عذاب مقرر کر دیا ہے۔

قارئین اگر ہم خانوادہ رسولؐ کے فضائل ومناقب کو حدیث کی صورت میں لکھنا شروع کر دیں تو ایک لاکھ صفحات بھی کافی نہ ہوں گے۔اِسلئے ہم قارئین کو روزمرہ کی زبان میں وہ حالات وواقعات سُنا رہے ہیں جو ساتھ کے ساتھ سمجھ میں آتے جائیں اور خود اُن کی اپنی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہوں۔یہ دوسری بات ہے کہ جن بزرگواروںؑ کے حالات زیر بحث ہیں، محیر العقول مقام رکھتے ہیں۔جن کو بُنیا دِ لا اللہ مانا گیا ہو، جو خود مجسمہ دین و دین پناہ ہوں۔جن کے لئے سرور کائناتؐ فرمائیں کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔

(35/4)۔ بچپن کی سُنی ہوئی لوریاں قلب وذہن میں پیوست ہوکر رہ جاتی ہیں

آج بھی بچوں کو سلانے کے لئے لوریاں دینے کا طریقہ دیکھنے میں آتا ہے۔لوری دینے والا جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔مگر بچہ کا لاشعور اُس لوری کے مفید ومضر اجزاء کو ترتیب دے کر خواب کی صورت میں سامنے لاتا ہے۔اور کام کی چیز ذہن میں اُبھر کر نقش ہوتی چلی جاتی ہیں۔اور اگر لوری دینے والا نفسیات انسانی سے واقف ہو تو بچہ کو جیسے چاہے بنا سکتا ہے۔اور اگر لوری دینے والا باعثِ تخلیق کائنات ہو، کائنات کے ہر ہر ذرہ کا ہادی وراہنما ہو جس کے روبرو ملائکہ اور ساری کائنات کو وجود بخشا گیا ہو، جو خود ہی لوح وقلم وعرش وکرسی ہو تو لوری کی ابتدا اور انتہا کا کیا ٹھکانا ہوگا؟ اور لوری سُننے والا اگر حسینؑ ہو تو مادی وجود اُس یادداشت کے سامنے غائب ہوجائے گا۔اُس کے سامنے تخلیق کے سارے مناظر گزرتے جائیں گے۔یہ مادی وجود آدمؑ وابلیس کی دِقتوں کو سمجھنے میں مدد دے گا۔تمام انبیاؑ اور اُنکی محنتیں قابل فہم بن کر راہ عمل کا سبق دیں گی۔اب نورانی کیفیات مادی ساز وسامان میں چمک دمک پیدا کر دیں گی۔اب مجرّد الفاظ اپنے محسوس معنی کے ساتھ ذوق فکر ونظر کو لذات سے روشناس کریں گے۔عالم نور کے مشاہدات، مادی ظہور کی میزان پر اپنی اثر انگیزی کو دوبالا کرلیں گے۔یوں مادی وجود ممد ومعاون بنتا چلا جائے گا۔پھر لوری کبھی محبوّب کبریا دیں گے، کبھی مشکل کشّائے دوجہاں توجہ فرمائیں گے۔کبھی لختِ جگر رسوؐل یعنی فاطمہؑ لوری دیں گی۔کبھی جبرائیلؑ امین جھولا جھلا کر لوری دیں گے۔لوری کبھی نظم میں ہوگی کبھی نثر میں۔لوری دینے والے کا چہرہ ہشاش وبشاش ہوگا تو لوری سُننے والا لذت انبساط حاصل کرے گا۔کسی غم انگیز واقعہ کو لوری میں سناتے ہوئے آنکھوں سے بہنے والے آنسو دیکھ کر لوری سُننے والا ایک فولادی اور مصمم جذبہ سے دوچار ہوگا۔اور پہاڑوں اور طوفانوں سے ٹکر لینے کی تیاریاں کرے گا۔پھر لوری کبھی اپنی زبان میں ہوگی کبھی کسی ماسبق بزرگ کے الفاظ میں ہوگی۔لوری میں کبھی پاک باطنی کا ذکر ہوگا۔کبھی شجاعت کے کارنامے سامنے لائے جائیں گے، کبھی رحم وکرم وصبر ورضا کا سبق اور نمونہ ہوگا، کبھی فداکاری وجان نثاری کا تذکرہ ہوگا۔کبھی فخر ومباہات وفضائل اور مناقب کا بیان اور معیار ہوگا۔کبھی بے خوفی وحُرّیت وآزادی ضمیر کا سبق دیا جائے گا۔کبھی غارتگرانِ دین ودنیا کے مظالم پر نفرین کی جائے گی۔کبھی غربا اور مظلوموں کی داستان سنائی جائے گی۔

(35/5)۔ خانوادۂ رسولؐ کی کہانی معصوم زبان میں لوریاں

(1) یہ سنتے ہوئے سو جاؤ اور خوابوں کی دنیا سے گزر کر وہاں پہنچو جہاں جہاں اللہ نے تمہیں اور تمہارے ماں باپ کو اپنی معرفت کا وسیلہ بنایا تھا۔ جہاں پوری کائنات کی تخلیق کو تمہارے تصدق میں پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ جب ہم سب نے ملائکہ کو تسبیح وسجدہ کرنا سکھایا تھا۔ اور جو چیز زیورِ وجود پہنتی جاتی تھی ہم اُس کو خالق کائنات کی معرفت وہدایت بہم پہنچاتے جاتے تھے۔ جب یہ کہا گیا کہ اگر تمہیں پیدا نہ کرنا ہوتا تو یہ کائنات پیدا نہ کی جاتی۔ کائنات کی ہر چیز تمہارے لئے ہے۔ تم نے ساری مخلوق سے پہلے اقرارِ ربوبیتِ خداوندی کیا تھا۔ ساری کائنات کی فلاح اور بہبود کے تم ہی ذمہ دار ہو۔ تم ہی سب کی طرف سے جوابدہ ہو۔ وہ دیکھو کہ کائنات اس منزل تک آ پہنچی کہ حضرت آدمؑ کو وجود بخشا گیا۔ تمہارا نور اُن کی پیشانی میں پہنچا تو اُنہیں کائنات کے تمام اسما سے تعارف حاصل ہو گیا۔ وہ دیکھو کہ عزازیل نے کائنات اور ملائکہ کے ساتھ مل کر حضرت آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا۔ اس لئے کہ غیرِ خدا کو سجدہ کرنے کا حکم خداوند عالم کی حقیقی منشا نہیں ہو سکتی۔ یہاں اُس نے حکم کے الفاظ کو محلِ نظر سمجھا۔ اُس کے اجتہاد میں خدا کے الفاظ کی لفظ بلفظ اطاعت ضروری نہ تھی۔ بلکہ الفاظ پر عقل وبصیرت، موقع ومحل اور اصول ومبانی کی روشنی میں عمل کرنا ضروری تھا۔ پھر جو سامان حضرت آدمؑ کی تخلیق میں استعمال ہوتے ہوئے دیکھا تھا وہ ابلیس کے نزدیک گھٹیا تھا۔ اور اُن کی سجدہ کی حد تک تعظیم کے منافی تھا۔ وہ پوری نوع انسان کا ابوالآبا اور نمائندہ تھا۔ اُس کو سجدہ کے معنی ابلیس نے ساری نوع انسان کو سجدہ سمجھا۔ اور وہ عہد **الست بر بکم** کے وقت اولادِ آدمؑ میں بہت سے خبیثوں کو بھی دیکھ چکا تھا۔ الغرض اُس نے سجدہ نہ کیا۔ معتوب ہونے پر اُسے یقین آ گیا کہ اللہ اپنے الفاظ کی بلا تاویل اطاعت چاہتا تھا۔ اُس نے اللہ پر الزام عائد کیا کہ تو نے مجھے میری عقل وساخت کے ذریعہ مغالطہ میں ڈال کر اغوا کر دیا ہے۔ اور اگر ایسے انتظام کے بعد اغوا ہو جانا واقعی لعنتی، جہنمی اور شقی بنا دیتا ہے تو سُن کہ میں اُسی اصول کے ماتحت تمام ذریت آدمؑ کو اغوا کر دونگا۔ اور جن چند مخصوص لوگوں پر کامیاب نہ ہوں گا۔ اُن کی تعداد قلیل ہونے کی بنا پر نا قابل اعتنا ہوگی۔ لہٰذا مجھے ایک مدت تجربہ عطا کر دے تاکہ میں اپنے دعویٰ کو عملی طور پر آزما کر ثابت کر سکوں۔

(2) خدا نے اپنی قدرت اور قوت کو بے پناہ اور لامحدود ثابت کرنے کیلئے ابلیس کو حکم عدولی اور نافرمانی اور چیلنج کی سزا نہیں دی بلکہ طویل ترین عمر ومہلت واختیار عطا کیا۔ وہ تمام سامان، وسائل اور مواقع فراہم کئے جس سے وہ نوع انسان کو اغوا کر سکے اور تنگی داماں کا شکوہ نہ کرے۔ یہ عدل کا تقاضا تھا کہ صاحبِ عقل وارادہ مخلوق کو مجبور کر کے احکام کی اطاعت نہ کرائی جائے۔ بلکہ اُسے مکمل آزادی دی جائے، عقل وبصیرت واجتہاد ومشاورت کے تمام مواقع فراہم کئے جائیں، فریب دہی اور فریب خوردنی سے بے خوف رہ کر حق کو ثابت کرنے میں ہر بہانہ اور عذر ختم کر دیا جائے۔ ہر پہلو پر اتمام حُجت کر کے فرار کی تمام راہیں بند کر دی جائیں تاکہ ہر شخص خود اپنی عقل وبصیرت کے معیار پر اپنا مجرم ہونا مان لے اور قلب کی گہرائی کے ساتھ اقرار کرے کہ اُسے تمام رعایات اور مواقع اور سہولتیں فراہم کی گئیں مہلت ومواقع دئے گئے۔ لیکن اُس نے ہر مرتبہ غلط رویہ اختیار کیا اور اب وہ ہر سزا کا مستحق ہے۔

(3) نورِ چشم زہراؑ سُنو اور غور کرو کہ اگر ابلیس کو وہیں ملائکہ اور آپؐ حضرات یعنی ''عالین'' کے سامنے حکم عدولی، نافرمانی، سرکشی اور

چیلنج کی سزادے کرجہنم واصل کردیا جاتا تو دنیا میں گمراہی کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔ وہ مسلسل قتل عام نہ جاری رہا ہوتا جس میں اقوام وقبائل اور نسلیں تباہ و برباد ہوتے رہے۔ معصوم بچے قتل ہوتے رہے، بے گناہ اور نیک انسانوں کے خون کے دریا بہتے رہے۔ نہ کوئی لوٹ مار ہوتی نہ بدکاری و بدمعاشی ہوتی، نہ قوانین اور انبیاؑ کی ضرورت ہوتی، نہ نافرمانی اوراطاعت شعاری کا جھگڑا ہوتا۔ یہ دُنیا دیگر حیوانات کی طرح انسانوں کے لئے بھی یکساں ہوتی۔ نہ مکانات ومحل اور جھونپڑیاں ہوتیں، نہ ترقی ہوتی نہ کسی ترقی اور عروج کا تصور ہوتا۔ یہ سمندر، یہ دریا، یہ پہاڑ، یہ شمس وقمراور ستارے انسانوں کے لئے بھی کوئی اہمیت نہ رکھتے۔ نہ اُن کا علم ہوتا نہ اُن سے فائدہ اٹھایا جاتا، نہ کھیتی ہوتی نہ زمین کے دفینوں اور خزانوں کا علم ہوتا، نہ اُن سے استفادہ کی راہ نکلتی، نہ یہ روٹیاں اور کھانے ہوتے، نہ یہ لباس وآرائش کا سامان ہوتا۔ سردی گرمی اور بارشوں اور طوفانوں کی بھرمار سے انسانوں کی صورت بدل کررہ جاتی۔ یہ بھی اُسی طرح کی شکل رکھتے جو بندروں اور بن مانسوں کی ہوتی ہے۔ ساری کائنات کی تمام مخلوقات وموجودات کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ اُن کا کوئی خالق ہے؟ وہ خالق کیسا ہے؟ اُس کی قدرت وقوت کیا ہے؟ کیسی ہے اور کتنی ہے؟

(4) محبوبؐ خدا کے لاڈلے یہ دُنیا جس میں تم نے قدم رکھا ہے بڑی حسین مصلحتوں کے ماتحت اس قدر خوبصورت اور خوبرُو بنائی گئی ہے۔ اِس کو اُس کی حقیقی صورت عطا کرنے کے لئے تمہیں یہ مادی لباس پہنایا ہے۔ تمہارے نانا کی ذمہ داری تمہارے ہاتھوں پُوری کرنا مقصودِ خداوندی ہے۔ اللہ کی وہ صفات جن کا تعارف ابھی تک نامکمل ہے وہ تمہاری صفات سے ظہور پذیر ہوں گی۔ آپ ہی خدا کے تعارف کا آخری وسیلہ اور مُنتہائے کمال ہیں۔ اِسی تعارف کے لئے آپ حضراؐت کو وجود بخشا گیا۔ اِسی تعارف کی غرض سے ملائکہ وجنات اور دیگر تمام مخلوقات کو پیدا کیا گیا۔ اور صاحبانِ عقل وارادہ مخلوق کو بلند ترین درجات اور لامحدود قدرت واختیارات دینے کے لئے تمہیں واسطہ وذریعہ بنایا گیا۔ ابلیس کو اس لئے وجود ومہلت اور قدرت دی گئی کہ وہ نوع انسان کو آپؐ حضرات کی تعلیمات کے مقابلہ میں اپنی سرکشی اور بصیرت سے متبادل راہیں دکھائے۔ اور صراط مستقیم سے بہتر راہ پر گامزن کرنے کا لالچ دے۔ اور انسان اپنی عقل واختیار سے دونوں راہوں میں ایک راہ کا آزادانہ انتخاب کریں۔ تاکہ ہدایت وگمراہی کا حصول عَلٰی وجہ البصیرت قائم ہو۔ نہ کوئی اتفاقیہ گمراہ ہو سکے نہ ہدایت پاسکے۔ تاکہ ہر شخص کا عمل خالص اس کا اپنا سوچا سمجھا عمل ہو اور اُس کو اُس عمل کی صحیح جزا ملے۔

(5) ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تمہارے نانا اور اُنؐ کے تمام خاندان کو بھوکا پیاسا مرجانے کے لئے تین سال تک قید رکھا گیا تھا۔ اُن پر آب ودانہ بند کردیا گیا تھا۔ ایسا مکمل بائیکاٹ کیا گیا تھا کہ شادی، بیاہ اور اُن سے ملنا جلنا، اُن کا قید سے باہر نکلنا تین سال تک بند رکھا گیا۔ اُن کی خطا یہ تھی کہ تمہارے نانا عربوں کو زمین سے اُٹھا کر ترقی کے آسمان تک پہنچانا چاہتے تھے۔ مگر اُنہیں یہ منظور نہ تھا کہ یہ کام حضرت محمد مصطفےٰؐ تنہا کریں۔ وہ چاہتے تھے اور آج بھی چاہتے ہیں کہ اللہ کے تمام احکامات پر اُن کے مشورے اور تجربے سے استفادہ کیا جائے اور جس حکم کو اُن کی اجتماعی بصیرت جس طرح مفید سمجھے اُس طرح نافذ کیا جائے۔ اُن کا آج تک یہ یقین ہے کہ رسولؐ بشری تقاضوں سے متاثر ہوکر منشائے خداوندی کے خلاف حکم دے سکتا ہے۔ پھر اُن کو یہ خوف بھی دامن گیر رہا کہ آپؐ کے خاندان کی موروثی حکومت کو اس نبوت سے مزید استحکام ملے گا اور عربوں کو قیامت تک اُس ابراہیمیؑ حکومت وامامت کے ماتحت رہنا پڑے گا۔ اور یہ شخصی

حکومت اُن پر جبر وستم کرتی چلی جائے گی ۔ اِس سے بچنے کے لئے اُنہوں نے حکومت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور آپؑ کے نانا کے سامنے پورے ملک کی جان و مال اور حکومت پیش کر دی ۔ تا کہ یہ اصول عملاً ثابت ہو جائے کہ قریش ہی کسی کو سارے عرب پر حاکم بنانے کا اختیار رکھتے ہیں اور وہی حکومت سے معزول کر سکتے ہیں ۔ چونکہ یہ حکومت، حکومت اِلٰہیّہ نہ ہوتی بلکہ ایک مشاورتی انسانی حکومت ہوتی، آپؐ کے نانا نے اس حکومت کو لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ انسانوں کے دینے سے ملنے والی چیزوں میں اگر چاند سورج بلکہ ساری کائنات بھی ہو تب بھی اُن حضرؐت کو منظور نہیں ہے ۔ اِس لئے کہ حقیقی مالک تو اللہ ہے وہ جو کچھ دیگا اُسے استقلال ہوگا لہٰذا بات ختم ہوگئی ۔ قریش اپنی افرادی، مالی اور عقلی قوت کے بل بوتے پر آپؐ کے پورے خاندان کو صفحہ ہستی سے مٹانے پر تل گئے اور آپؐ کے دادا جناب عمرانؑ، اللہ و رسولؐ کے احکام پر قربان ہو جانے پر اڑ گئے ۔ اے راحتِ جانِ بتولؑ ! آپؑ کے دادا ؑ نے پورے خاندان کو اپنے ایک پہاڑ کے درّہ میں جمع کر کے جس بصیرت کا اور اعتماد و توکل خداوندی کا ثبوت دیا؛ اُس کی وجہ سے اللہ نے قرآن میں اُنؑ کی مدح وثنا کی ہے، اُنؑ کے نام سے سورہ آل عمران رکھی گئی ۔ اُنہیںؑ رسولؐ اور اسلام اور مسلمانوں کی پناہ گاہ قرار دیا ہے۔ آپؑ کے داداؑ ساری رات آپؑ کے نانا کی حفاظت کرتے تھے ۔ راتوں کو بار بار اُنؐ کی جگہ آپؑ کے باپؑ کو لٹا دیا کرتے تھے ۔ اُنہوںؑ نے آپؑ کے والد کو قیامت تک اسلام کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا ہے ۔ اس ذمہ داری کا سب سے بڑا اور سب سے پُر خطر حصہ آپؑ کے حصے میں آیا ہے ۔ اہل آسمان اور پورے خاندان کی نظریں آپؑ پر جمی ہوئی ہیں ۔ آپؑ جلدی سے جوان ہو آپؑ کے ماں باپ آپؑ کا سہرا دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ آپؑ کی خاموشی، آپؑ کی مسکراہٹ اُنہیں آس دلاتی ہے ۔ وہ دونوںؑ اور سارا خاندن آپؑ کے بولنے، چلنے پھرنے، نشست و برخاست الغرض آپؑ کے ہر عمل اور ہر نقل و حرکت کو اُس ترازو میں تول تول کر دیکھیں گے جو آپؑ کے داداؑ نے نصرت محمدؐ اور اسلام کیلئے تیار کی ہے ۔ آپؑ کی پیدائش پر ہونٹ مسکرائے تو آنکھوں نے آنسو بھی بہائے ہیں ۔

(ii)۔ حضرت عمران علیہ السلام کا اعلان و پیغام ہر محافظ اسلام کے نام

اے رحمۃِ خدا اور رحمۃؐ للعالمین کے پیارے سُن ! کہ آپ کے داداؑ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

واللّٰہ لَن یصلوا الیک بجمعھم	اللہ کی قسم جب تک میں زندہ ہوں اور مجھے دفن نہ کر دیا جائے ۔
حتیٰ اوسد فی التراب دفینا	دشمنانِ رسولؐ اُن کے قریب نہیں آسکتے ہیں ۔
اِذْ ھب بُنیّ فما علیک مخافۃ	بیٹے بلاخوف وخطر دعوت اسلام جاری رکھو اس معاملہ میں، میں تمہیں
والبشربذاک وقرمنک عیونا	بشارت دیتا ہوں اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک میرے ذمہ ہے ۔
اَنت النبیّ محمدؐ قَرم اعزّہ سوّد	یقیناً اے محمدؐ تم اللہ کے نبی ہو۔ تم صاحب عزت اور روشن سردار ہو۔
لمسودین اکارم طابوا وطاب المولد	تم پاک اور تمہاری نسل بھی بزرگ اور پاکیزہ ہے ۔
نعم الارومۃ اصلھا عمرو الحطیم الاوحد	کتنی شاندار ہے وہ نسل و نسب وخاندان جس میں عمرو حطیم یعنی جناب ہاشمؑ ایسے یگانہ روزگار حضرات ہوں ۔

هشمه الربيكة في الجفا ن وعيش مكة انكد — جنہوں نے ناندیں بھر بھر کر شوربے میں چُوری ہوئی روٹیوں سے اُس قحط میں اہل مکہ کی ضیافتیں کیں جس نے اُنہیں بددل اور مکدّر کر دیا تھا۔

فجرت بذلک سُنّة فيها الخبيزة تثرد — اُسی وقت سے یہ سُنت جاری ہوئی ہے کہ؛ روٹی اور شوربے کا ثرید بڑی ناندوں میں پیش کیا جائے۔

ولَنَا السقاية لِلحَجيج بهايمات الغنجد — زیارت کعبہ کیلئے آنے والوں کے واسطے کھانے پینے کا انتظام ہم ہی کرتے ہیں اور پانی میں انگور ملا دیتے ہیں۔

والمازمان وماحوت عرفاتها والمسجد — مکہ ومنیٰ کا علاقہ اور عرفات اور مسجد سب ہماری ملکیت ہے۔

وبطاح مكة لَا يرى فيها بخيع اسود — مکہ کے اردگرد ابھی سیاہ خون والے لوگ جمع نہیں ہوئے ہیں۔

اَنى تضام ولم امت وانا الشجاع العربد — لہٰذا اے رسولؐ آپؐ پر کوئی کیسے ظلم کر سکتا ہے جب کہ ہم ابھی زندہ و موجود ہیں، اور ہم شجاع و بہادر ہیں۔

وبنوابيک کانهم اسد العرين توقد — اور تمہارے بھائی علیؑ و جعفرؑ وغیرہ شجاعت میں شیروں کے مانند ہیں۔

ولقد عهد تک صديقا في القول لا تتريد — میں نے آپؐ کو ہر بات میں صادق القول پایا اور آپؐ حق سے ذرہ برابر بھی نہیں بڑھتے

مازلت تنطق بالصواب وانت طفل امرد — آپؐ جب سے برابر سچ بولتے چلے آئے جب آپؐ نہایت چھوٹے سے بچے تھے۔

أَمِنْ تذكرد هر غير مامونٍ — کیا آپؐ زمانہ کے غیر محفوظ ہونے پر رنجیدہ ہو؟

اصبحت مكتبئًا تبكي لمحزو نٍ — یا رنجیدہ و مغموم لوگوں کے رنج و غم پر ملال خاطر ہے؟

أَمِنْ تذكراقوام ذوى سفهً — کیا آپؐ اقوام کی ایسی بے عقلی پر مغموم ہیں جس سے وہ خطرات کی پرواہ کیے بغیر دین

يغشون بالظلم من يدى الى الدينِ — کی طرف دعوت دینے والوں کو ظلم و ستم سے بچا لیتے ہیں؟

(iii)۔ قریش کے سامنے حضرت عمرانؑ کا قصیدہ لامیہ اور اعلانِ حق

اَے نونہالِ خانوادۂ رسولؐ! اپنے دادا کے وہ جذبات سُن جو وہ قریش کے متعلق رکھتے تھے اور جو کچھ اپنے خاندان سے امید رکھتے تھے اُنہوں نے فرمایا تھا کہ:۔

خليلى ما اذ نى لا ول عاذل بصغواء في حق ولا عند باطل — اَے دوست میں مُلامت کرنے والے کی بات سُننا پسند نہیں کرتا خواہ ملامت صحیح ہو یا غلط۔

خليلى انّ الراى ليس بشركة ولا نهنه عند الامور البلا بل — اور اَے دوست آدمی کی رائے کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ رائے، رائے ہی ہوتی ہے۔ وہ بدیہی اور سامنے کی حقیقت نہیں ہوا کرتی اور یہ بھی کہ مشکل مراحل میں رائے کی راہ میں رُکاوٹ بھی نہیں آتی۔

ولَمارَّ أَيتُ القوم لا ود عند هم	جب میں نے یہ دیکھ لیا کہ اس قوم میں محبت کا نام ونشان نہیں ہے اور اُنہوں نے تمام تعلقات
وقد قطعوا كل العرى والوسائل	اور وسائل منقطع کر دئے ہیں۔
وقد صارحونا با لعد اوة والا ذى	کھلم کھلا دشمنوں سے حلفیہ معاہدے کر کے دشمنی اور اذیت پہنچانے کا انتظام کرلیا ہے۔
وقد طا وعوا امرًا بعد والمزايل	
وقد حالفوا قومًا علينا اظنة	مخالفین کے احکامات ماننا شروع کر دیا ہے۔ وہ مخالفین جو غصہ میں اپنی انگلیاں
يعضونَ غيظًا خلفنا بالانامل	چبایا کرتے تھے۔
صبرت لهم نفسى بسمراء سمحة	لہٰذا میں نے بھی خود کو خون ریز نیزوں اور تلواروں کے سنبھالنے پر آمادہ کرلیا اور جنگی
وابيض غضبٍ من تراث المقاول	سامان تو ہمارے سرداروں کی میراث میں چلا ہی آ رہا ہے۔
واحضرت عندالبيت رهطى واخوتى	اس سلسلے میں میں نے اپنے بھائیوں کے گروہ کو خانہ کعبہ کے پاس مدعو کیا
وامسكت من اثوابه بالوصائل	اور غلاف کعبہ کو تھاما۔
قيامًا مع مستقبلين رتاجه	اور ہم سب کعبہ کے سامنے اُس مقام پر کھڑے ہوئے جہاں ہر عبادت گزار
لدى حيث يقضى خلفه كل نافلٍ	نماز نوافل بجالاتا ہے۔
اَعُوذُ برب الناس من كل طَاعِنٍ	وہاں میں نے اعلان کیا کہ میں ہر بدگوئی کرنے والے باطل پرست کے طعن وطنز
علينا بسوء او ملح بباطل	سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔
ومن كاشح يسعىٰ لنا بمعيبة	عیب جُو دشمن اور عیب جوئی کرنے والوں سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں اور اُن لوگوں سے
ومن ملحق فى الدين مالم نحاول	بھی خدا کی پناہ چاہتا ہوں جو دین میں ایسی باتیں ملا دیتے ہیں جن کا ہم نے ارادہ تک بھی نہیں کیا ہے۔
وننصرهؐ حتّٰى نصرع دونه	ہم رسوؐل اللہ کی نصرت اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک کہ ہم اپنی ازواج
ونذ هل عن ابنائِنا والحلا ئل	اور بیٹوں کو نہ بھلا دیں۔
وحتّٰى تَرى ذا الردع يركب رذعه	اور اُس وقت تک نصرت کرینگے جب تک ہم کینہ پروروں کو اُسی طرح نیزہ سے گرا ہوا نہ دیکھ
من الطعن فعل الانكب المتحامل	لیں جس طرح اُونچے کنارے پر چلنے والا گرتا ہے۔
وَانَا وبَيْت اللّٰه من جدجدنا	بیت اللہ کی قسم اب ہماری کوشش یہی ہوگی کہ ہماری تلواریں اب سر برآوردہ
لتلتبسن اسيافنا بالا ماثل	دشمنوں کو قتل کریں۔
بكفى فتىٰ مثل الشهاب سميد ع	وہ تلواریں اُن جوانوں کے ہاتھوں میں ہیں جو سردارانِ قوم قابل وثوق اور میدان
اَحى ثقة عند الحفيظة ماسبل	کارزار میں شہاب اور بہادر ہیں۔
وابيض يستسقى الغمام بوجهه	وہ نورانی چہرے والے سردار جن کے چہروں کے واسطہ سے بارش ہوتی ہے۔

ثمال الیتامیٰ عصمة للارامل	جو یتیموں کے فریاد رس اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔
یلوذبه الهلاک من آل هاشم	وہ جن کے سایہ میں بنی ہاشمؑ کے کمزور لوگ پناہ لیتے ہیں۔
فهم عنده من نعمة وفواضل	اور جہاں سے نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔
و مَیزان صدق یخبس شعیرة	وہ ذات جو سچائی تولنے کی ترازو اور میزان ہے۔ جو تولنے میں جَو برابر کمی نہیں ہونے دیتا۔
ووزان صدق وزنه غیر غافل	اور معیار کے مطابق صحیح وزن کرنے والا ہے۔
اَلَمْ تعلموا اَنّ اِبننا لا مکذب	کیا تمہیں اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہمارا بیٹا محمدؐ جھوٹا نہیں ہے۔ اور ہم تو
لدینا ولا نعبا بقول الْاَ بَاطل	بکواس کرنے والوں کی پرواہ کرتے نہیں ہیں۔
لعمری لقد کفلت وجدا باحمدٌ	اپنی زندگی کی قسم، میں جان و مال سے زیادہ احمدؐ کو چاہتا ہوں اور اُس حبیب کی طرح
واحببته حب الحبیب المواصل	محبوب رکھتا ہوں جو ہر وقت ساتھ ساتھ رہتا ہو۔
فلا زال فی الدُنیا جمالاً لِا هلها	اَے بیٹے تم ساری دنیا کو اپنے جمال سے منور کرنے میں کمی نہ کرو اور ہر محفل کی زینت
وشینا لما عادی وزین المحافل	بنتے رہو۔ مگر عداوت رکھنے والوں کیلئے ایک مصیبت بن جاؤ۔
وایّده رب العباد بِنَصره	خداوندِ بندگان نے اُس کی بھرپور تائید کی ہے۔ اور اپنے دین کو ظاہر کر دیا ہے جو
و اظهر د ینا حقه غیر باطل	خالص حق ہے۔ جس میں باطل کا شائبہ تک نہیں ہے۔

(iv)۔ عربوں کے بائیکاٹ کی اطلاع پر حضرت عمرانؑ نے قریش کی ناکامی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا

اَلَمْ تعلموا اِنّا وجد نا محمدٌ	کیا تمہیں یہ علم نہیں کہ ہم نے محمدؐ کو اُسی طرح نبیؐ پایا جیسے کہ موسیٰ، جن کی بابت
نبیًّا کموسٰی خطّ فی اوّل الکتب	پہلی تمام کتابوں میں صراحت کی گئی ہے۔
واِنّ الذی رقشتم فی کتابکم	اور جو کچھ تم نے بائیکاٹ کے عہد نامہ میں لکھا ہے وہ تمہارے لئے بلائے جان
یکون لکم یومًا کراعیة السقب	بن جائے گا۔
افیقوا افیقوا قبل ان یحضر الثریٰ	ہوش میں آؤ۔ جاگ جاؤ قبل اس کے کہ تم قبر کے کنارے پہنچ جاؤ جبکہ مجرم کے
ویصبح من لم یجن ذنبًا کذی ذنب	ساتھ بے گناہ یعنی گندم کے ساتھ گھن بھی نہ پس جائے۔
وَلَا تبتغوا امرا لغواة و تقطعوا	سُنو گمراہوں اور بہکائے ہوئے لوگوں کی بات مان کر ہماری مودۃ اور قربت
اوامرنا بعد المودة والقرب	حاصل ہو جانے کے بعد ہمارے احکامات سے قطع تعلق نہ کرو۔
ولا تستجیبوا حربًا و رُبّما	اور جنگ کو سہارا نہ دو، اسلئے کہ جنگ مزہ چکھنے والے کا منہ کڑوا کر دیا کرتی ہے۔
امر عَلٰی من ذاقه حلب الحرب	
فَلَسْتَا ورب البیت نسلم احمدًا	رب کعبہ کی قسم ہم سختیوں اور مصائب سے تنگ آ کر محمدؐ کو تمہارے حوالے نہ کرینگے۔
لعزاء من عض الزمان ولا کرب	

ولما تبن منكم ومنّا سوالف	یہ سوچو کہ اس سے پہلے ہم سے تمہاری چمکتی ہوئی تلواروں کی زور آزمائی نہیں ہوئی ہے۔
وايد اترت بالقساسة الشهب	
بمعترك منك ترى قصد القناء	تمہیں کسی ایسے میدان کارزار میں ہم سے پالا ہی نہیں پڑا ہے۔ جہاں نیزہ بازی ہورہی ہو۔
به والضياع العرج تعكف كالشرب	اور خوف سے بجّو پیاسے اونٹوں کی طرح مردارخوری کا انتظار کررہے ہوں۔
كان محال الخيل فی حجراته	جسے معرکہ جنگ کہتے ہیں وہاں بہادروں کے نعروں اور گھوڑوں کی دوڑ دھوپ کے سوا اور کوئی
وغمغمة الا بطال معركة الحرب	تفریح نہیں ہوتی۔
اَلَيْسَ اَبُوْنا هاشمٌ شدّازره	کیا ہمارے باپ جناب ہاشم علیہ السلام ہمیشہ میدان جنگ کے لئے کمر ہمت باندھ کر تیار نہ
واَوصی بنيه بالطعان وبالضرب	رہتے تھے؟ اور کیا اُنہوں نے اپنے بیٹوں اور اولاد میں نیزہ بازی اور تیغ زنی کیلئے تیار رہنے کی وصیت نہیں چھوڑی تھی؟
وَلَيْسَ غل الحرب حتّى نمكنا	ہم جنگوں سے تھکنے والے نہیں ہیں۔
ولا نشتكی ما قد ينوب من النكب	اور نہ کبھی جنگ کا شکوہ زبان پر لاتے ہیں۔
وَلكننا اهل الحقائظ والنهٰی	لیکن ہم اہل عقل وشعور ہیں۔ تحفظ بنی نوع انسان کے لئے جنگ کرتے ہیں۔
اذا طار ارواح الكماة من الرعب	ہمارے رعب سے بہادروں کی روحیں پرواز کر جاتی ہیں۔
وقَالوا لِاحمدٌ انت امر ء	قریش نے رسولؐ سے کہا کہ تم وہ شخص ہو جس کی باتیں سلف کے خلاف اور کمزور دلیل
خلوف الحديث ضعيف السبب	پر منحصر ہیں۔
وَاِن كان احمدٌ ماجاء هم	حالانکہ احمدؐ نے جو کچھ قریش کے سامنے پیش کیا وہ قطعاً صحیح اور جھوٹ سے پاک ہے۔
بصدق ولم ياتهم بالكذب	
فانا وحج من راكب	ہم اعلان کرتے ہیں کہ اُن لوگوں کی قسم ہے جو حج کے لئے سوار ہوتے ہیں
وكعبة مكة ذات الحجب	اور مکہ اور کعبہ کے احترام کی قسم کہ؛
تنا لون احمدٌ او تصطلوا	وہ لوگ ہرگز محمدؐ کو ہم سے چھین نہیں سکتے جب تک کہ وہ ہماری تلواروں کی گرمی سے
ظياة الرماح وحدّ القضب	بھُون نہ دیئے جائیں۔
وتعتر فوابين ابياتكم	تم بہت جلد اپنے گھروں کو طویل نیزوں اور تیز گام گھوڑوں کے محاصرہ میں پاؤ گے۔
صدور العوالی وخيلا شزب	
عليها صنا د يد من هاشم	جن پر نجیب اور شریف سرداران بنی ہاشمؑ سوار پائے جائیں گے۔
هم الا نجبون فی المنتجب	
فلا تسفحوا احلامكم فی محمدٌ	اے قریش تم محمدؐ کے معاملے میں بیوقوفانہ رویہ اختیار نہ کرو اور گمراہ و بہکائے ہوئے
ولا تبتغوا امرا الغوات الا شائم	لوگوں کی پیروی نہ کرو۔

تمنيتموا ان تقتلوه وانما
اما نيكم هذى كا حلام نائم

تمہاری یہ تمنائیں کہ تم رسولؐ اللہ کو قتل کرڈالوگے، اُس احمق کی عقل کو ظاہر کرتی ہے جو خواب میں اسکیم بنا رہا ہو۔

وانّكُمُ والله لا تقتلونه
ولما تروا قطف اللحى والجماجم

قسم بخدا تم اُن کو قتل نہیں کر سکتے جب تک کہ جنگ میں تمہارے جبڑے اور کھوپڑیاں ٹوٹ نہ جائیں۔

زعمتم بانا مسلمون محمدًا
ولما نقارف دونه ونزاحم

تم کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ ہم تمہارے دباؤ سے محمدؐ کو تمہارے حوالے کر دیں گے اور جنگ و مقابلہ کیئے بغیر خاموش بیٹھ رہیں گے۔

من القوم مفضال ابى على العدى
تمكن فى الفرعين مِن آل هاشمؑ

ہماری قوم میں صاحبان فضیلت وہ لوگ ہیں جو دشمنوں کے غلط رویہ کو برداشت نہیں کرتے اور ہماری قوم وہ ہے جو ماں اور باپ دونوں طرف سے حضرت ہاشمؑ کی اولاد و آل ہیں۔

امين وحبيب فى العباد مسوم
نجاثم رب قاهر فى الخواتم

اللہ کے سارے بندوں میں محمدؐ سب سے زیادہ امانت دار امین اور خدا کے حبیب ہیں۔
پھر وہ خدا کی طرف سے مہر نبوت کی شناخت کے حامل ہیں۔

يرى الناس بُرهانًا عليه و هيبته
وما جاهل فى قومه مثل عالم

دنیا کے لوگ رسولؐ کی ہیبت اور اُن کے برھان ملاحظہ کرر ہے ہیں۔ اور اُن کی قوم کے جاہل بھی علما کی مثل ہوتے ہیں۔

نبىٌّ اَتَاهُ الوحى مِن عند ربه
ومن قال لَا يقرع بها سن نادم

پھر یہ وہ نبیؐ ہیں جن پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ جو شخص اُن کی نبوت کو مان لے گا، ہرگز کبھی نادم نہ ہوگا۔

لا ينتهون عن الفحشاء
ما امروا والعذ ر فيهم سبيل غير مامونٍ

جن فحش کاموں سے منع کیا گیا تھا اُن سے باز نہیں آتے۔ حیلے بہانے کرنا اُن کے یہاں مستقل طور پر جائز ہے۔

اَلَا يرون اذل الله جَمعهم
اِنّا غضبنا لعثمان بن مظعونٍ

کیا وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ؛ عثمان بن مظعون پر غضب ناک ہوئے تھے۔

اذ يلطمون ولا يخشون مقلته
طعناً درّاكا و ضربًا غير موهون

تو اُس کے منہ پر طمانچے اس طرح پڑ رہے تھے کہ اُس کی آنکھوں کا لحاظ ہی نہ کیا جارہا تھا۔ دل نشین طعن کئے جا رہے تھے اور بھاری مار ماری جارہی تھی۔

فسوف نجزيهم ان لم امت عجلا
كيلا بكيل جزاء غير مغبون

اگر میں جلد نہ مرگیا تو قریش کو اُن کی دشمنی کا بدلہ اُسی پیمانہ سے دوں گا جس سے انہوں نے سلوک کیا۔ اور میں اس میں گھاٹا اُٹھانے والا نہ ہوں گا۔

اَو ينتهون عن الامر ا لذى وقفوا
فيه يرهنون منا بعد بالدون

یا پھر وہ اپنی کرتوتوں سے باز آجائیں گے۔ اور خود کو ہمارے ہاتھوں میں سونپ کر اطاعت کے لئے سر جھکالیں گے۔

وتمتع الضيم من ينبغى مضاتنا
بكُل مطرو فى الكف مستون

گو ہم ظلم سے روکتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ہم ہی پر ظلم و ستم کرنے لگے تو پھر ہم آزمودہ کار تلواروں سے مدافعت کرتے ہیں جن کی دھار تیز اور تازہ ہوتی ہے۔

و مرهفات كان الملح خالطها
اور جو جنگی جنون رکھنے والوں کی کھوپڑی سے تمام بدہضمی نکال دیتی ہیں۔

يشقى بها الداء من هام المجانينِ

حتّٰى تقرر جال لا حلوم لها
اور وہ وقت آجاتا ہے کہ جب بڑے بڑے سخت کوش عاجزی اختیار کر لیتے ہیں۔

بعدالصعوبة بالاسماح واللينِ
اور سختیوں سے گھبرا کر عقلمند بن جاتے ہیں۔

اوْ يُؤمِنُوا بكتاب منزل عجب
یہ بھی کہ وہ اللہ کی طرف، اُس انوکھی کتاب کے نزول پر ایمان لے آئیں۔

عَلَى النبيّ كموسىٰ او كذى نونٍ
جو موسیٰ اور ذی نون علیہما السلام جیسا نبیؐ ہے۔

ياتى بامر جلى غيرذى عوج
وہ نبیؐ حق اور واضح دین لے کر آیا ہے جس میں کوئی خامی اور نقص نہیں ہے۔ جیسا

كما تبيّن فى آيات ياسِينِ
سورہ یٰسین کی آیات میں کافی وضاحت موجود ہے۔

واللّٰه لَن يصلوا اليک بجمعهم
اور خدا کی قسم اے رسولؐ، قریش جب تک مجھے سُپردِ زمین نہ کر دیں وہ سب مل کر بھی

حتى اوسِد فى التّراب رهينا
آپ پر دست درازی نہ کر سکیں گے۔

فاصدع بِاَمرک ماعليک غضاضة
خدا کا جو حکم ملا ہے آپ اُس پر قائم رہیں اور اُس پر میری بشارت سُنیں اور اپنی اور ہماری

والبشر بذاک و قرمنک عيونا
آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں۔

ودعوتنِي و علمت اِنّک صادق
آپؐ نے مجھے دعوتِ اسلام دی جب کہ میں پہلے سے آپؐ کو صادق القول جانتا ہوں۔

ولقد صدقت و كنتَ ثم اَمِيْنا
یقیناً آپؐ نے تصدیق اسلام کی اور پھر آپؐ امین بھی ثابت ہوئے۔

ولقد علمتُ بِاَنَّ دين محمدٌ
بالتحقیق میں جانتا ہوں کہ جو دین محمدؐ نے پیش کیا ہے وہ سارے عالم کے مذاہب سے

من خير اديان البرية دينا
بڑھ کر ہے۔

وقد كان فى امرا لصحيفة عبرة
بائیکاٹ والے صحیفہ میں جو کمینہ پن کیا گیا تھا اگر وہ کسی غیر موجود قوم کے علم میں

متى ما يخبر غائب القوم يَعْجب
آجائے تو اُسے بہت تعجب ہوگا۔

محى اللّٰه عنها كفر هم وعقوقهم
اللہ نے اُنکی کافرانہ اسکیم کو اُس معاہدہ کے کاغذ سمیت مٹا دیا اور وہ سب منصوبہ خاک

وما نقموا من ناطق الحق معرب
میں ملا دیا جو اُنہوں نے ایک حق گو غیر عرب سے انتقام کیلئے بنایا تھا۔

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا
قریش کا فیصلہ آخر کار باطل ہوگیا۔ واضح ہو کہ جو کوئی حق کے خلاف جعلسازی کرے گا

وَمَن يختلق ما ليس بالحق يكذب
وہ جھوٹ کے غار میں گرے گا۔

اذا جمعت يومًا قريش لمفخر
اگر یہ قریش کبھی میدان مفاخرت میں جمع ہو کر ہماری خاندانی فضیلت کا تقابل کریں

فعند مناف سرهاو صميمها
تو جناب مغیرہؑ عرف عبد مناف بے عیب نکلیں گے۔

واِن حصلت انساب عبد منافها
اور اگر جناب عبد منافؑ کے انساب کا مطالعہ کیا جائے گا تو جناب ہاشمؑ کی اولاد

ففى هاشم اشرافها و قديمها
سارے جہاں سے شریف تر نکلے گی۔

وان فخرت یومًا فان محمدًا	اور اگر آج اس زمانہ میں فخر کا حق دیکھنا ہو تو سارے عرب میں محمدؐ کریم ترین ہیں۔
ھو المطفیٰ مِن سرھا و کریمھا	جن پر ہر ایک فخر ختم ہوتا ہے۔
تداعت قریش غثھا و ثمینھا	قریش نے ہمارے خلاف ہر قسم کے دعوے جاری رکھے مگر انہیں اپنے کسی دعوے میں
علینا فلم تظفر و طاشت حلومھا	کامیابی نصیب نہ ہوئی اور آخر کار اُن کی عقلیں ماری گئیں۔
و کنّا قدیمًا لا نقر ظلامة	ہم تو کسی ظلم اور اندھیر کو پہلے ہی برداشت نہیں کرتے۔ چنانچہ جب بھی قریش اکڑ کر
اذا ما ثنوا صعر الحدود نقیمھا	چلے ہم نے اُنہیں سیدھا کر دیا۔
ونحمی حملھا کل یوم کریھة	ہم ہر ناگوار و دشوار حالت میں قریش کی حمایت وحفاظت کرتے چلے آرہے ہیں اور
ونضرب عن احجارھا من یرومھا	اُن کی طرف سے سنگین دفاع کرتے رہے ہیں۔
بِنَا انتعش العود و الذواء واِنّما	ہم وہ لوگ ہیں جن کیلئے خشک درخت ہرے ہو جاتے ہیں۔ اور ہمارے ہی زیرِ تربیت وہ
بِاَ کنا فنا تندی و تنحی ارومھا	بنیادی چیزیں ہیں جن سے سرسبزی اور پھولنا پھلنا تعلق رکھتا ہے۔ ہم ہی خدا کا وہ سلسلہ ہیں
	جس سے نشو و نما جنم لیتے ہیں۔

(۷)۔ حضرتِ عمرانؑ ختمِ نبوت اور قیامِ امامت کے ذمہ دار تھے

مشکل کشاؑ کے لاڈلے آپؑ نے سُنا کہ آپؑ کے داداؑ کس حد تک اسلام اور رسولؐ اسلام کے تحفظ اور نفاذ میں کوشاں تھے؟ اور انتقال کے بعد تک کی فکر اور انتظام اپنے ذمہ لے رکھا تھا اور کس قدر اطمینان و یقین کے ساتھ قریش کا حال اور مستقبل بیان فرماتے رہتے تھے۔ ابھی چند روز کے بعد آپؑ خود قریش کے چہرے دیکھنا شروع کرو گے۔ وہ چہرے جن پر دشمنی محمدؐ و آل محمدؑ عیاں ہے، وہ چہرے جن پر اسلام کی نقاب پڑی ہوئی ہے، وہ چہرے جن سے اُنکے قلب میں پوشیدہ انتقام کی تپش نکلتی ہے، وہ چہرے جو حضرت ابو طالبؑ کے قصائد و خطبات سن کر جھلس گئے۔ جنہوں نے تمہارےؑ والد کو پہلا نشانہ بنایا ہے۔ جو ابو طالبؑ کی جگہ حضرت علیؑ اور اُن کی اولادؑ سے بدلہ لینے کی اسکیمیں بنا رہے ہیں۔ اِسلئے کہ تمہارے داداؑ نے حفاظتِ محمدؐ اور فروغ اسلام کیلئے علیؑ و جعفرؑ کو ذمہ داری سونپی تھی اور فرمایا تھا کہ:۔

اِنّ عَلِیًّا و جعفرًا ثقتی
عِندَ ملم الزمانِ والنوب
واللّٰہ لَا اخذل النبیؐ وَلَا
یخذلہ من بنی ذ و حسب
لا تخذلا و انصرا ابن عم کما
اخی لا می من بینھم وَابی

یقیناً مصائب اور ناساز گار زمانہ میں میرے دو بیٹے علیؑ و جعفرؑ قابل اعتماد اور ذمہ دار ہیں۔ قسم بخدا نہ میں رسولؐ اللہ کو بے یار و مددگار چھوڑوں گا۔ اور نہ ہی میرے یہ دونوں بیٹے خاندانی معیار کے خلاف اُنؐ کی نصرت سے باز رہیں گے۔ لہٰذا میرے اس اعلان کی تصدیق کے لئے اَے علیؑ و جعفرؑ تم دونوں اپنے چچازاد بھائی رسوؐل کو بے یار و مددگار نہ چھوڑ دینا۔ ہمارے ماں باپ اُس رسولؐ پر قربان ہو جائیں۔ تم دونوں اُن کی نصرت کا مسلسل ذمہ لینا۔

اَے جانِ پدر حسینؑ! تمہارا خاندان روزِ اوّل سے نصرت محمدؐ کے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ دین اسلام کو اقصائے عالم میں روشناس

کرانا اور نعماتِ خداوندی سے تمام مخلوقات اور نوع انسان کو مالا مال کرنا آپؑ کی ذمہ داری ہے۔ آپؑ وہ وقت اپنے سامنے لائیں جب ابھی نہ حضرت آدمؑ کو وجود بخشا گیا تھا۔ نہ دیگر انبیاؑ اور اُمتیں وجود میں آئی تھیں۔ اُس وقت اللہ نے تمام نوع انسان اور انبیاؑ کو عالم ذر میں مخاطب کیا تھا۔ اور تمام اُمتوں سے اُن کے انبیاؑ کے معاملہ میں عہد لیا تھا کہ دیکھو؛

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ o فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ o (آل عمران 82-3/81)

جب میں تمہیں پوری کتاب اور حکمت میں سے تمہارے لئے ضروری ہدایات دے چکوں اور پھر تمہارے پاس ایک ایسا رسوؐل پہنچے جو تمہارے پاس پہنچی ہدایت کی تصدیق کرے تو ضروری ہے کہ تم سب اُس پر ایمان لاؤ اور ضروری ہے کہ تم سب اُسکی نصرت کرو۔ کیا تم ایمان لانے اور اُس کی نصرت کرنے کا اقرار کرتے ہو؟ اُس وقت تمام نے اقرار کیا تھا اور یہ ذمہ داری قبول کر کے خدا کو شاہد بنایا تھا اور یہ فیصلہ ہو گیا تھا کہ جو آنحضرؐت پر ایمان نہ لائے گا یا ایمان تو لائے گا مگر نُصرت نہ کریگا تو وہ فاسقوں میں شمار ہوگا۔ اور نتیجتاً جہنمی ہوگا۔

آپؑ نے عالم انوار میں اور پھر اپنے بزرگوں کے ساتھ برابر دیکھا کہ آپ کا خانوادہؑ اور اُنؑ پر ایمان لانے والے مومنین برابر محمدؐ اور اُن کے اسلام کی نصرت میں اپنی جان لڑاتے رہے، سر دھڑ کی بازیاں لگاتے رہے اور معاندین و مخالفین پر اتمام حجت کرتے رہے۔ اُن سب کے ساتھ خداوند عالم کا قہری انتظام بھی قدم قدم پر مددگار رہا تھا۔ اور وہ سب مامور تھے کہ ہر خطرہ میں خدا سے مدد و نصرت طلب کریں۔ بات بات میں اُن کی مدد کی جاتی رہی اُنہیں کبھی دشمنوں کے ہاتھوں میں بے بس نہ رکھا گیا۔ بات بات پر ملائکہ کی افواج مدد کو پہنچتی رہیں۔ اپنے ناناؐ ہی کو دیکھو کہ اِدھر قریش آنحضرؐت کے خلاف مکر و فریب اور قتل و ناکامی کے منصوبے بناتے تھے۔ اُدھر اللہ قریش کو ناکام کرنے کی قہری اور مکر و کید کی کمر توڑ اسکیم بنا کر اُنہیں ناکام کرتا رہا۔

مگر اَے جانِ عالم آنحضرؐت کے تمکن اور غلبہ کے بعد اللہ کی اسکیم بہت مختلف ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ سرکارِؐ رسالت کے بعد علیؑ و اولادِ علیؑ ایک ایسا حیران کن مظاہرہ کرے کہ ابلیس انگشت بدنداں رہ جائے۔ ملائکہ اور انبیاؑئے ماسبق اور خود خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دِل تھام کر رہ جائیں۔ اور قدم قدم پر اللہ اکبر، سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کہتے ہوئے تم پر ناز کریں۔ اپنی تمام تکلیفیں بھول جائیں۔ تمہارے صبر و استقلال و سپردگی کو دیکھ کر تمنا کریں کہ اَے کاش ہم بھی حسینؑ کے ساتھ ہوتے اور عملاً اُس صراط مستقیم پر چلتے جس کی ہمیشہ دعائیں مانگیں اور تمنائیں کیں تا کہ ہم بھی اُس عظیم المرتبہ مقام پر فائز ہوتے جو حسینؑ اور اُن کے انصار کے حصہ میں آیا تھا۔ جہاں ملاءِ اعلیٰ پر اور صفحات کائنات پر آنکھیں نم آلود ہیں، وہیں آپ کے کارناموں کو دیکھنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ تمام انبیاؑ واوصیاؑ تمہاری سلامتی کے لئے دست بدُعا ہیں۔ کاتب تقدیر اور مالک لوح وقلم ہر محو و اثبات پر آمادہ ہے، تمہارے جواب کا انتظار ہو رہا ہے، تمہارے ہونٹوں کی طرف نظریں لگی ہوئی ہیں۔ تم ہنستے ہو تو ساری کائنات ہنستی ہے۔ تمہیں خاموش اور رنجیدہ دیکھ کر دل اُمنڈ آتے ہیں۔ ایک ایسا دِل شکن منظر سامنے سے گزر جاتا ہے جسے دیکھنے کے لئے بھی آپ کا دل گردہ درکار ہے۔ ایک جھلک سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، دل تڑپ کر بیٹھ

جاتا ہے، رُوح پرواز کر جانا چاہتی ہے۔

(vi)۔ سابقہ ادوار میں انبیاؑ اور آئمہؑ معجزات کے سہارے پر تھے

اے نونہالِ گلستانِ زہراؑء آپؑ کے دَور سے پہلے اَدوار میں آپؑ کے آباؤ اَجداد کی تائید میں اکثر و بیشتر معجزات ظہور پذیر ہوکر ثواب میں سے حصہ بانٹ لیتے تھے۔یعنی مشکل مہم میں اللہ شریک ہوکر آپؑ کے بزرگوں کا مرتبہ تو بڑھا دیتا تھا مگر اُنکے ثواب میں وہ زور نہ رہتا تھا جو بلا معجزہ مہم سر کرنے میں ہونا چاہئے تھا۔لہٰذا آپؑ سے پہلا دَور یہ ثابت کرنے کا دَور تھا کہ دیکھو اللہ کی ساری توجہ اور پوری طاقت انبیاؑ وآئمہ علیہم السلام کے ساتھ ہے۔مگر آپؑ کو اپنے دَور میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اَب خانوادہ رسولؐ اور انبیاؑ کی ذریتِ طاہرہ خارج سے آنے والے معجزات اور غیبی تائیدات سے آگے بڑھ کر خود بذاتہٖ معجزہ بن گئی ہے۔اُن کا مادی انتظام خود معجزہ ساز ہے۔وہ ہر انسان کو ایسا سبق اور نمونہ دیں گے کہ وہ اپنے مادی جسم سے معجزات دکھائے۔اعمال وافعال سے اس مادی جسم کو رشک نور بنانے میں کوشاں ہو۔خدا کی تائیدات ومعجزات اس کے انتظار میں رہیں۔ملائکہ پشت پر حکم کا اور اجازت کا اشتیاق لئے ہوئے ساتھ ساتھ چلیں، وہ مدد کے آرزومند ہوں اور یہ قوانین خداوندی کی اطاعت اور فرماں برداری سے ہر مشکل کو حل کرنا سیکھے۔اور اللہ کی تمام قوتوں کو ساتھ لئے ہر مرحلہ میں کامیاب ہوتا اور مبارکباد لیتا چلا جائے۔

لہٰذا اَے دلبند مرتضیٰؑ! پہلے آپ اپنے والد بزرگوارؑ کے اقدامات کو بچشم خود دیکھیں گے۔پھر اپنے برادرِ عزیز علیہ السلام کے زندگی کے واقعات ملاحظہ فرمائیں گے۔اور اُن بزرگوں کے عملدرآمد میں مادی سامان کی داخلی معجزہ سامانیاں آپؑ کے سامنے آئیں گی۔ پھر آپؑ کا مشکل ترین اور بے پناہ محضر شروع ہوگا۔اور تمام اَوّلین وآخرین کے لئے ایک مثال بن جائے گا اور پوری نوع انسان کی راہنمائی کے لئے قیامت تک کفایت کرے گا۔جس پر ہر مذہب وملت وہر مکتب فکر کے لوگ بلا تکلف عمل کرسکیں گے۔لوگ خدا اور انبیاؑ کو مانیں یا نہ مانیں لیکن تمہیں ہر شخص مانے گا۔خراجِ عقیدت پیش کرے گا، تمہارے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے دھوئے گا، تمہاری یادگاروں کی راہ میں آنکھیں بچھائے گا، تم سے منسوب چیزوں کے رُوبرو سر جھکائے گا، تمہارے کردار کو سامنے رکھ کر ہر طوفان سے ٹکرا جائے گا، تمہاری قربانیوں کو دیکھ کر فروغ انسانیت کے لئے دنیا کی ہر قیمتی چیز نثار کرکے مسکرائے گا۔اَے فرزند رسولؐ! کیا آپؑ کے لئے اللہ کے یہاں کوئی کمی تھی؟ کیا اللہ معاذ اللہ معجزات دکھاتے دکھاتے تھک گیا تھا؟ کیا آپؑ کو وہ دعا تعلیم نہ کی گئی ہوگی؟ جس کو پڑھنے کے بعد رسولؐ اللہ کو کافر نہ دیکھ سکے؟ کیا آپؑ کو منع کر دیا گیا ہے؟ کہ آپؑ سورۂ فیل نہ پڑھنا؟ جس طرح ابرھہ ایسا بادشاہ تخت سے اُتر کر آپؑ کے دادا عبدالمطلبؑ کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔کیا آپؑ کے زمانہ کا بادشاہ ابرھہ کے مقابلہ میں ایک بُزدل اور نامرد نہ تھا؟ مگر یہ عبدالمطلبؑ تھے اور وہ سرکار دوعالمؐ تھے۔مگر آپؑ اُن دونوں کی تمنا، سارے انبیاؑ کا مقصود ومنتہٰی؛ آپؑ راکبِ دوشِ مصطفیٰؐ اور باعثِ نجات دوسرا؟ جہاں نبوتؐ ورسالت کی انتہا ہے وہاں سے آپؑ کی ابتدا، جہاں قد وقامت رسالتؐ کی بلندی پہنچتی ہے وہاں سے آپؑ کی قامت بلند تر ہے۔آپؑ کی خوشنودی کا مقام یہ ہے کہ اللہ اپنی عبادت کو ملتوی کردے تاکہ آپؑ وہ عبادت سکھا جائیں جو کائنات کے تمام عابدوں کے لئے مثال بن جائے۔اور آپؑ سے محبت وعقیدت اور آپؑ کی اطاعت رفتہ رفتہ سارے انسانوں کو خدا پرست بنادے۔

(vii)۔ حضرت عبدالمطلبؑ کی گود میں رسالتؐ نے لوریاں سنی تھیں

اے گناہگاروں کے سہارےؑ! اے فاطمہؑ کے راج دُلارےؑ! اے اللہ کے سب سے پیارے حسینؑ ذرا وہ وقت سامنے لاؤ اور اُس نظارے پر نظر ڈالو جب آج سے ستاون (57) سال پہلے آپؑ کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ جب تمہارے دادا عبدالمطلبؑ انہیں لوریاں دے کر اپنے سینے پر سُلایا کرتے تھے۔ اُنہیں بتایا کرتے تھے کہ بیٹے تمہارا وقار بڑھانے کے لئے اللہ نے اصحاب فیل کا وہ حال بنایا تھا کہ ساری دنیا کی اقوام میں ایک تاریخی مثال قائم ہو کر رہ جائے۔ ابرھہ بادشاہ ساٹھ ہزار افواج اور خونخوار کوہ صفت ہاتھیوں کے بے پناہ غول کے ساتھ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے اور اُس کے ملبہ سے اپنے ملک میں کعبہ تعمیر کرنے کے خیال سے مکہ آیا تھا۔ اُنہوںؑ نے بتایا کہ جب میں نے اُس طوفان بلا کی اطلاع پائی تو اہل مکہ کو شہر خالی کرنے اور اپنی جانیں بچانے کے لئے پہاڑوں اور دُور دراز علاقوں میں پناہ لینے کا مشورہ دیا۔ لوگ پہلے ہی بھاگ رہے تھے۔ اور میرے مشورے کے بعد مکہ خالی ہو گیا۔ صرف میرے خاندان والے اپنے گھروں میں قدرت خداوندی کا تماشہ دیکھنے کے لئے باقی رہ گئے۔ دعائیں ہو رہی تھیں۔ تمہارا واسطہ دے کر خدا سے التجائیں کی جا رہی تھیں کہ فوج نے مکہ سے باہر پڑاؤ ڈالا۔ گرد و نواح سے تمام اونٹ، بکریاں بھیڑیں، گھوڑے الغرض جو کچھ ملا فوجی پکڑ کر لے گئے۔ ابرھہ کا قاصد مجھے بلانے کے لئے آیا۔ میں بادشاہ کے سامنے پہنچا تو وہ تیزی سے تخت سے اُترا اور میرے قدموں میں آ بیٹھا۔ یہ خدا کی شان تھی، یہ آپؐ کی برکت و وجاہت وصولت تھی۔ بادشاہ نے چاہا کہ میں اُسے واپس پلٹ جانے کے لئے کہوں اور وہ مجھے خوش کرنے کے لئے کعبہ سے تعارض نہ کرے اور ہمارے خاندان پر ایک تاریخی احسان چھوڑ جائے۔ میں نے اُسے بتایا کہ دیکھو یہ کعبہ خانۂ خدا ہے اور اُس کی حفاظت اللہ کی ذمہ داری ہے۔ اگر میں تم سے درخواست کر کے کعبہ کو بچا لوں تو یہ حقیقت چھپ کر رہ جائے گی کہ کعبہ کو خدا نے اپنی قدرت سے بچایا تھا۔ کہا یہ جائے گا کہ عبدالمطلبؑ نے منت سماجت کر کے، ہاتھ پیر جوڑ کر بادشاہ کو خوش کر لیا تھا اور اُس نے بطور احسان کعبہ کو چھوڑ دیا تھا۔ اَے بادشاہ سُن کہ یہ میری اور میرے اللہ دونوں کی توہین ہے۔ میں ساری دنیا کو اللہ کی قدرت اور اللہ کی نظر میں اپنی عزت دکھانا چاہتا ہوں۔ اگر تم میری فرمائش پر اصرار ہی کرتے ہو تو جو اُونٹ وغیرہ تمہارے فوجی لے آئے ہیں اُنہیں واپس بھجوا دو۔ اِس سے زیادہ میں کوئی فرمائش نہ کروں گا۔ میں بادشاہ کو حیران چھوڑ کر رخصت ہوا اور فوج کو تیاری کا اور کعبہ کی مسماری کا حکم دیا گیا۔ اُدھر فوج نے بڑھنا شروع کیا اِدھر میں نے کعبہ میں دعا اور خاندان نے آمین شروع کی پھر کیا ہوا؟ آسمانوں میں اندھیرا پھیلا، ابابیل پرندوں نے پُوری فوج پر سنگباری شروع کی، بھگدڑ مچ گئی۔ ہر کنکری نہ صرف پیام اجل تھی بلکہ جس کے لگتی تھی اُسے کچل کر رکھ دیتی تھی۔ بیٹے سورۂ فیل وہ نظارہ پیش کرے گی۔ یہ قریش، یہ اہل مکہ جنہیں ہم نے ہمیشہ خطرات سے محفوظ رکھا، بڑے احسان فراموش ہیں۔ یہ تمہارے ساتھ بھی دغا اور غدر سے پیش آئیں گے۔ اُنہوں نے میرے ساتھ میرے بچپن میں، میری یتیمی پر بھی قریش نے رحم نہ کھایا تھا۔ میرے والد ماجد کے دسترخوان پر پلے ہوئے لوگوں نے مجھ پر ظلم کیا تھا۔ جنہیں ہم خاندانی اخلاق اور دستور کے مطابق چچا کہا کرتے تھے۔ وہ ہماری زمینوں اور کنوؤں پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے تھے اور ہمیں ڈانٹ کر بھگا دیتے تھے۔ پُورا شہر خاموش رہتا تھا کوئی مدد کو تیار نہ ہوتا تھا۔ آخر بیٹے میں نے مدینہ میں اپنے خاندان کو خط لکھا۔ میرے ماموں مسلح دستہ کے ساتھ پہنچے اور نوفل سے تلوار کی دھار پر مجھے میری

جائیداد واپس دلائی۔ بیٹے تمہارے لئے بھی وہ وقت مقدر ہے۔ جب تمہیں مکہ چھوڑ نا پڑے گا۔تمہارے قتل کے منصوبے بنیں گے۔تمہارا یہ مکان گھیر لیا جائے گا۔آخر کار تمہارا مدینہ والا ننہالی خاندان تمہیں کامیاب کر دے گا۔اُن کے ہاتھوں یہ قریش بار بار ذلیل وخوار ہوں گے۔ میں نے تمہاری نصرت کا انتظام کر دیا ہے۔میں نہ ہوں گا مگر میرے بعد امامِ زمانہ ابوطالبؑ تمہیں اپنے بچوں سے زیادہ پیار سے رکھیں گے۔تم پر اور تمہاری تحریک پر قربان ہونے والی ایک خاص نسل تیار کر کے دیں گے۔اپنی زندگی کے آخری سانس تک آپؑ کی تائید و نصرت کریں گے۔ ہاں اَے فرزندعلیؑ یہ تھی تمہارےؑ ایک داداؑ کی ایک لوری اور کہانی۔

اب یہ بھی سُن لو کہ تمہارے خاندان میں کوئی کام حکم خدا کے بغیر نہیں کیا جاتا۔حضرت عبدالمطلبؑ کو داماد بنانے کے لئے شاہان روم و شام اور شیوخ ورؤسائے اقوام اپنی درخواستیں بھیجتے تھے۔اُن کی بیٹیاں اُن کے وفود کے ہمراہ حضرت عبدالمطلبؑ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تا کہ آپؑ اپنی ہمسرلڑکی کو انتخاب کر کے زوجیت کی عزت بخشیں۔معلوم ہے؟ وہ لوگ یہ کوشش کیوں کرتے تھے؟ تا کہ تمہارے نانا اور تم دونوں اُن کی نسل کی خاتون سے جنم لینے کی عزت بخشو اور وہ ننھیالی رشتہ پر فخر کر سکیں۔مگر تمہارےؑ خاندان کا عملدرآمد وحی کے بغیر جاری نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ فخر آپؑ کے اپنے خاندان میں رہنا تھا۔اِس لئے حضرت عبدالمطلبؑ کی شادی بھی اپنے ہم نسب قبیلہ خزرج میں ہوئی۔یعنی حضرت عبداللہؑ کی والدہ گرامی مدینہ کی تھیں۔پھر جناب عبداللہؑ کی شادی بھی مدینہ ہی میں کی گئی۔یعنی آپؑ کے نانا کی والدہ بھی آپؑ کے ہم نسب خزرجی تھیں۔آپؑ کے ننھالی قبیلہ کی سب سے بڑی آبادی مدینہ میں ہے۔حضرت عبدالمطلبؑ کی والدہ گرامی بھی اُسی خاندان اور مدینہ ہی کی تھیں۔اور عبدالمطلبؑ تو پیدا بھی مدینہ ہی میں ہوئے تھے۔اور جب آٹھ نو سال کے ہو گئے تو جناب مطلب علیہ السلام اُن حضرت کو مکہ لائے تھے۔جہاں سردارانِ قریش نے اُن کی جائیداد پر قبضہ کرتے چلے جانے کی مہم چلا رکھی تھی اور اُسی زمانہ میں یہ دعا مانگی تھی کہ یا اللہ مجھے جلد ایسے اطاعت شعار فرزند عطا فرما کہ جو قریش کے مقابلہ میں میری نصرت کریں۔اِس منّت کے پُورا ہو جانے پر ہی تو جناب عبداللہؑ کو قربان کرنے کا مرحلہ پیش آیا تھا۔اور آپؑ کو ذبح عظیم تک پہنچانے کے لئے عبداللہ علیہ السلام کو بچالیا گیا تھا تا کہ سروؐر کائنات پیدا ہوں اور آپؐ سے نسل رسوؐل چلانے کے لئے حضرت عبداللہؑ کو جوانی ہی میں اٹھالیا گیا تھا تا کہ رسوؐل کا اور کوئی بھائی و بہن نہ ہو۔ پھر رسوؐل اللہ سے پیدا ہونے والی کسی اولاد کو دنیا میں رہنے اور نسل چلانے کا موقع نہیں دیا گیا۔تا کہ اللہ یہ فرما سکے کہ رسوؐل اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔اس نفی کے بعد پھر آپؑ دونوں بھائیوں کو قرآن میں بیٹے کہہ کر نسل رسوؐل کا جاری رہنا بتایا۔اور پھر حکومت و امامت و ولایت آپ سے مخصوص کرنے کے لئے امام حسنؑ کی اولاد کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔اور یوں تمہیں پالنے کا مطلب ساری نسل رسوؐل کو پالنا اور پرورش کرنا بن گیا۔اور یہ عزت ہمیں حاصل ہوئی۔تمہارا جھولا جھلانا،تمہیں لوریاں دے کر سُلانا ہمارے درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

(35/6)۔ نبوت ورسالت وخلافت وحکومت اورامامت اورکتاب وحکمۃ کے مالک

آپؑ کو یاد ہے کہ اللہ نے سُورہ آل عمرانؑ (3/81-82) میں تمام اُمتوں اور تمام انبیا و رُسل علیہم السلام کو اس شرط پر حکمت اور کتاب میں سے حصہ دینے کا وعدہ کیا تھا کہ وہ سب آپؑ پر اور آپؑ کے ماںؑ باپؑ اور نانا پر ایمان لائیں گے اور اُن کی نصرت کرینگے۔

گویا وہ تمام نبوتیں اور رسالتیں تمہید تھیں اُس حقیقی نبوت و رسالت و خلافت و حکومت و امامت کی جو آنحضرتؐ اور آپؐ حضرات کو دی گئی تھی اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے اللہ نے قرآن میں کہا کہ:۔

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًاo(نسآء 4/54)

''کیا یہ قریش ان عطیات پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اپنے فضل سے ابراہیمؑ کی آلؑ کو عطا کیا ہے۔ یقیناً ہم نے آل ابراہیمؑ کو کتاب اور حکمت دی اور انہیں عظیم ترین حکومت کا مالک بنا رکھا ہے۔''

واقعاتِ کربلا

(مرکزِ انسانیت حصہ دوم)

36۔ منتخب احادیث، مناقب ومعجزات حسین علیہ السلام

(36/1)۔ **پہلی حدیث:** عَنِ الْمُنَاقِب لابن شهر آشوب باسناده عن عبدالرّحمن ابن كثير : "اِنّ قومًا آتوُا الحسين عليه السلام وقالوا حدثنا بفضائلكم ۔قال: لَا تطيقون واتحاذوا عنّى حتّٰى اشير الى بعضكم فان اطاق؟ سَاُحدّثكم فتباعدوا عنه فكان يتكلّم مع احدهم حتّٰى دَهَشَ وَوَلَهَ وَجَعَلَ يَهِيمُ ولا يجيب احدًا وانصرفوا عنه۔(کتاب اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات صفحہ 157)

''علامہ ابن شہرآشوب اپنی سندات کے ساتھ اپنی کتاب المناقب میں عبدالرحمٰن ابن کثیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک قوم امام حسین علیہ السلام کے پاس آئی اور درخواست کی کہ ہمیں اپنے فضائل سے متعلق حدیثیں سنائیں۔ امامؑ نے فرمایا کہ تم میں ہماری فضیلت کی حدیث سُننے اور برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ اسلئے تم ذرا دُور ہٹ کر بیٹھو، یہاں تک کہ میں تم میں سے کسی ایک کو بطور امتحان الگ سے حدیث سناؤنگا۔ اگر اُس میں برداشت کی طاقت ہوئی تو پھر میں سب کو بلاتکلف احادیث سنانا شروع کردونگا یہ سُن کر وہ لوگ دُور جا کر ٹھہر گئے۔ چنانچہ امامؑ اُن میں سے ایک کیساتھ باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ شخص خوف ودہشت میں لرزہ براندام ہوگیا اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے بات کرنے کے قابل نہ رہا۔ پھر وہ لوگ اسے لے کر چلے گئے۔''

دوسری حدیث: وَقَدْ رَوَى الراوندى باسناده عن عبدالرّحمن ابن كثير عن الصادق عليه السلام قال: آتى الحسين عليه السلام اناس فقالوا: يا اباعبد اللّٰهِ حدّ ثنا بفضلِكُم الّذى جعله اللّٰه لكم ؟ فقال: اِنَّكُمْ لَاتحملونه ولَا تطيقونه ۔ قالوا: بلٰى نحتمل۔ فقال: اِنْ كُنْتُمْ صاقِيْنَ فَلْيَتَنَحَّ اثنان وَاحدث واحدًا فَاِن احتمل حد ثتكم ۔فتحى اثنان وحدث واحدًا فقام طائر العقل فارًّا عَلٰى وجهه فكَلّمَهُ صاحباهُ فلم يردّ عليهما جوابًا وانصرفوا۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات صفحہ 157)

''علامہ راوندی نے اپنی سندات سے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن کثیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف سے بتاتے ہیں کہ اُنہوں نے فرمایا کہ کچھ لوگ امام حسینؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یا اباعبداللہ ہمیں اپنے خداداد فضائل میں سے کچھ حدیثیں سُنائیں۔ فرمایا کہ تم ہمارے فضائل کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کہنے لگے کیوں نہیں آپ سنائیں ہم برداشت کریں گے۔ فرمایا کہ اگر تم لوگ چوکنا رہو اور اپنے میں سے دو آدمی الگ کھڑے کردو اور خود بھی دُور ٹھہرو تو میں تم میں سے ایک شخص کو حدیث سناؤں گا۔ اگر اُس نے برداشت کرلیا تو پھر تم سب کو حدیثیں سنادوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور آپ نے ایک شخص کو حدیث سنائی تو اُس کی عقل کے طوطے اُڑ گئے۔ دیوانہ وار حرکتیں کرنے لگا۔ چہرہ کا رنگ اُڑ گیا۔ اُن دونوں ساتھیوں نے اُس سے دریافت حال کیا تو وہ اُن کا جواب بھی نہ دے سکا۔ یہ دیکھ کر سب چلے گئے۔''

تیسری حدیث: قال وبهٰذِهِ الاسنادقال:آتى رَجُل الحسينؑ بن على بن ابى طالب عليهما السلام فقال:حدثنى بفضلكم الذى جعل اللّٰه لكم قال:اِنَّكَ لَنْ تطيق حمله ۔قال:بلٰى حدثنى يابن رسولؐ اللّٰه احتمله فحدثهُ الحسينؑ بحديثٍ فما فرغ الحسين عليه السلام مِن حديثه حتى ابيّض راس الرجل ولحيته وَنَسى الحديث فقال الحسينؑ ادركته رحمة اللّٰه حيث نَسى الحديث ۔(ایضاً صفحہ 157)

''مذکورہ سندات کیساتھ کہا ہے کہ امام حسینؑ بن علی بن ابی طالب علیہما السلام کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ مجھے اُن فضائل میں

سے کچھ سنائیں جو اللہ نے آپ حضرات کو دیئے ہیں۔ فرمایا کہ تجھ میں برداشت کی طاقت ہرگز نہیں ہے۔ اس نے عرض کیا کیوں نہیں؟ جناب بیان فرما کر دیکھ لیں میں برداشت کرونگا۔ چنانچہ آپ نے اُسے ایک حدیث سنانا شروع کی اور ابھی فارغ نہ ہوئے تھے کہ اُس آدمی کا سر اور داڑھی سفید ہوگئی اور جو سُنا تھا بھول گیا۔ آپ نے فرمایا کہ کہئے کیا حال ہے اور تم تو سن کر بھی بھول گئے۔''

اور راوندی نے یہ بھی کہا ہے کہ:۔

چوتھی حدیث: وقال الراوندی وعن الباقرؑ عن ابیہؑ قال صار جماعة مِن الناس بعد الحسنؑ اِلَی الحسینؑ فقالوا ماعندک مِن عجائب ابیک الَّتِیْ کان یَرِیْنَاھَا؟ فقال ھل تعرفون اَبِیْ؟ قُلْنَا کُلُّنَا نعرفہ۔ فَرَفَعَ سَتْرًا عَلَی الْبَابِ بَیْتٍ ثُمَّ قَالَ: اُنظرو االِی الْبَیْتِ فَنَظَرْنا فَاِذَا امیرالمؤمنینؑ۔ فَقُلْنَا نَشْھَدُ اَنّکَ خلیفة اللّٰہِ حَقًّا وَاَنّکَ ولدہ۔ (کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 158-157)

''راوندی نے امام محمدؑ باقر سے اور انہوں نے امام زین العابدؑین کی طرف سے بیان کیا کہ لوگوں کی ایک جماعت امام حسنؑ کے انتقال کے بعد امام حسین علیہ السلام کے پاس آئی اور کہا کہ آپ کے پاس اپنے والد کے عجائبات میں سے کیا کچھ ہے؟ تاکہ ہم جو آپکے والد سے دیکھا کرتے تھے۔ آپ سے بھی دیکھیں اور آپ کو برحق امام سمجھیں؟ حسینؑ نے پوچھا کہ کیا تم علیؑ کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بخوبی پہچانتے ہیں۔ آپ نے کمرے کے دروازے کا پردہ اُٹھا کر کہا کہ اب ذرا گھر کے اندر دیکھو۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت علیؑ موجود ہیں۔ تب ہم نے کہا کہ بیشک آپ اللہ کے خلیفہ اور اپنے باپ کے ویسے ہی بیٹے ہیں جیسے وہ تھے۔''

پانچویں حدیث: وَفِیْ خبرالصفّار بِاَسْنَادِہٖ عن الحسن العسکری قال سُئِلَ الحسینؑ بن علیؑ بعد مضی امیرالمؤمنین فقال لاصحابہ اتعرفون امیرؑالمؤمنین؟ اذارَاَیْتُمُوْہُ؟ قالوا نَعَمْ۔ قال: فارفعوا ھٰذَا السّتر، فرفعوہ فاذا ھم بہ لَا ینکرون۔ فقال لھم امیرالمؤمنین اَنَّہُ یموت مَن مات مِنَّاوَلَیْسَ بمیّتٍ وَّیَبْقَی مَن بقی مِنَّاحُجّة علیکم۔ (ایضاً صفحہ 158)

''اور جناب صفّار کی حدیث میں اُن ہی کے سند سے امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا کہ امام حسینؑ سے حضرت علیؑ کے انتقال کے بعد پوچھا گیا تو آپ نے اپنے صحابہ سے کہا کہ اگر تم علیؑ کو اب دیکھو تو کیا پہچان لوگے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ ذرا یہ پردہ اٹھا کر دیکھو۔ پردہ ہٹایا تو امیرالمومنینؑ اس طرح سامنے تھے کہ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ حضرت علیؑ نے اُن سے فرمایا کہ ہم میں سے جو بھی مرتا ہے وہ مرتا تو ہے مگر میّت رہتا نہیں۔ اور جو باقی رہتا ہے وہ اس لئے کہ تم پر حجّة قائم رہے۔''

قارئین یہ سمجھ لیں کہ جو علما اِن احادیث میں بیان شدہ حقائق کو نہیں مانتے وہ شیعوں کے علما نہیں بلکہ تخریب کیلئے شیعوں میں ملے ہوئے ہیں

(36/2)۔ تمام مخلوق آئمہ اہلبیتؑ کی اطاعت کرتی ہے

علامہ کشی رضی اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں کہ:۔

چھٹی حدیث: روی الکشی باسنادہٖ عن حمران ابن اعین انّہ قال سمعت الصادق علیہ السلام یحدث عن آبائِہٖ علیھم السلام اِنَّ رجلًا کَانَ مِن شیعة امیرالمؤمنین مریضًا شدیدالحمّی فعادہ الحسینؑ بن علیؑ فَلَمّا دخل مِن باب الداررحلت الحمّی عن الرجل فقال لہ قدرضیتُ بِمَا اُوتیتم حقًّا حقًّا والحمّی تھرب منکم۔ فقال لہ: و اللّٰہ ما خَلَقَ اللّٰہ خَلْقًا اِلَّا وقدامَرَ بالطاعةِ لَنَا۔

''حمران بن اَعیُن نے بیان کیا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو اپنے آبا کی حدیث بیان کرتے سُنا ہے۔ فرماتے تھے کہ ایک شخص علیؑ مرتضٰی کے شیعوں میں سے شدید بخار میں مبتلا تھا۔ امام حسین علیہ السلام اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب گھر کے دروازے میں قدم رکھا تو اس شیعہ کا بخار رخصت ہوگیا۔ اُس شخص نے کہا کہ میں آپ حضرات کے مقام بزرگ پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو دیا گیا ہے اُس پر صدق دل سے راضی ہوں۔ آپ سے بخار بھی ڈر کر بھاگ جاتا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے کوئی بھی ایسی چیز پیدا نہیں کی کہ جسے ہماری اطاعت کا حکم نہ دیا ہو۔'' (کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 158)

(36/3)۔ ماضی و مستقبل کے عالم بعید ترین مقامات کو دکھانے والےؑ

ساتویں حدیث: وَعن کتاب عیون المعجزات المنسوب اِلٰی السید المرتضٰی عن الحسین علیه السلام فی حدیثٍ اَنَّهٗ قَالَ لِاُمّ سلمۃؑ اِنّی خارج واِنّی مقتول لَا محالة فَاَیْنَ المفرّمِن القدر المقد وروانّی لَاعْرَفُ الیوم وَالساعة التی اقتل فیها والبقعة الّتی ادفن فیها ۔ یااُمّ سلمۃؑ فَاِنْ اَحْبَبْتِ اَنْ اُرِیَکِ مضجعی ومضجع اصحابی ومکانی فَعَلْتُ ۔ قالت قد شِئْتُ فتکلّم باسم الاعظم فانخفضتِ الارض حتّٰی اَرَآءَ هَاالمکان والمضجع ومَدّیَدَهٗ وتناول مِن التربة واعطاها وهٰذا الحدیث فی کتابه الهدایة لبعض الاصحاب عَلٰی نَمْطٍ یقارب مَامرّ حیث ورد فیه اَنَّ ام سلمۃؑ نَهَتْهُ عن الخروج اِلَی العراق وخوّفَتْهُ من القتل فقال یاامه انا اِنْ لم اَذْهَبُ الیوم ذَهَبْتُ غدًا واِن لم اَذْهَبُ غدًا ذَهَبْتُ بعد غدا۔اِنّی لَاعْرَفُ الیوم الذی اقتل فیه والساعة الّتی اقتل فیها والحفرة الّتی اَدْفَنُ فیها ۔فان اَحْبَبْتِ اَنْ اُرِیَکِ مصرعی ومکانی ؟ قَالَتْ قد شِئْتُ فمازاد عَلٰی اَنْ قال بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم فَخَفَضَتْ له الارض حتّٰی اَرَاهَامکانه ومکان اصحابه ثُمَّ قال انّی مقتول یوم عاشوراء یوم السبت۔'' (ایضاً صفحہ 158)

''کتاب عیون المعجزات میں جو سید مرتضٰی سے منسوب ہے۔ لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے جناب ام سلمہ علیہا السلام سے کہا کہ اللہ کے فیصلوں اور طے شدہ احکام سے بچ نکلنا ناممکن ہے۔ یقیناً مجھے مدینہ سے نکلنا ہے، بلا رکاوٹ قتل ہونا ہے۔ میں اُس روز اور اُس گھڑی سے کما حقہ واقف ہوں جس میں مجھے قتل ہونا ہے اور میں زمین کے اس ٹکڑے سے واقف ہوں جس میں مجھے دفن ہونا ہے۔ اے ام سلمہؓ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے اور اپنے صحابہ کے لیٹنے کی جگہ اور اپنا ٹھکانہ دکھا سکتا ہوں۔ ام سلمہؓ نے کہا کہ میں دیکھنا چاہتی ہوں دکھا دیں۔ پس آپ نے اسم اعظم پڑھا اور فوراً زمین نے اطاعت کی یہاں تک کہ زمین نے اطاعت کی اور ام سلمہؓ کو وہ مقام اور دفن ہونے وقتل ہونے کی جگہ دکھائی دینے لگیں اور آپؑ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر تربت کی جگہ سے مٹی اٹھالی اور ام سلمہؓ کو دیدی اور یہی حدیث اُنکی کتاب ھدایت میں بعض اپنے صحابہ کیلئے قریب قریب اسی طرح لکھی ہے جیسا کہ آپ نے پڑھی۔ اُس میں واقعہ یوں بیان ہوا ہے۔ کہ ام سلمہؓ نے آپ کو عراق جانے سے روکا تھا اور قتل ہونے سے ڈرانا چاہا تھا۔ اُس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ اے اماں اگر میں آج نہ گیا تو کل جاؤں گا اور اگر کل نہ گیا تو پرسوں جاؤں گا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ دن اور وقت کون سا ہے جب میں قتل کیا جاؤں گا۔ اور میں اپنے دفن ہونے کے گڑھے پر بھی مطلع ہوں۔ اگر تم پسند کرو کہ میں تمہیں اپنی قبر اور مکان دکھادوں تو میں تیار ہوں۔ ام سلمہؓ نے دیکھنے کی خواہش کی تو اتنی دیر بھی نہ گزری تھی۔ جتنی دیر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہیں کہ زمین انکے روبرو مطیع ہوگئی اور آپ نے امّ سلمہ کو اپنے اور اپنے صحابہ کے دفن ہونے وغیرہ کے مقامات دکھا دیئے۔ پھر فرمایا کہ میں دس محرم کے روز قتل کیا جاؤں گا جو سبت کا دن ہوتا ہے۔''

(36/4)۔ سُوکھے درختوں کا ہَرابھَرا ہو کر پھلوں سے لدجانااور سفید بالوں کا سیاہ ہوجانا

آٹھویں حدیث: وَعَنْ کتاب مناقب فاطمة علیها السلام باسناد صاحبه عَنْ محمد الکنانی عن الصادق علیه السلام فی حدیث اِنّ الحسین علیه السلام کان فی سفر فنزل تحت نخلة یابسة فدعا فاخضرّت النخلة وَاورقت وحملت رطبًا فصدوااِلَی النخلة فاخذوا منها ما کفاهم۔ وَ باسناده عن حبابة الوالبیة عن الحسین علیه السلام فی حدیثٍ اَنَّهَا دَخَلَتْ علیه بعدما اَبیّض شعر راسها فدعا له فاسودّ شعرها۔(ایضاً صفحہ 158)

''کتاب مناقب فاطمہ علیہا السلام میں مصنف نے اپنی سند سے محمد الکنانی کی زبانی بیان کیا کہ امام جعفر صادقؑ کی حدیث ہے کہ حسین علیہ السلام نے ایک سفر میں ایک سوکھی ہوئی کھجور کے نیچے قیام فرمایا۔اوردعا فرمائی تو درخت سرسبز وشاداب ہوگیا اور پھلوں سے لدگیا۔لوگوں نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق کھجوریں توڑلیں ۔انہوں ہی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حبابہ امام حسین علیہ السلام کے پاس اس حال میں حاضر ہوئیں کہ اُن کے سر کے بال سفید ہو چکے تھے۔اوردعا کے لئے عرض کیا تو اُن کے بال سیاہ ہو گئے۔''

(36/5)۔ گمشدہ اُونٹوں کا مقام بتانااور محفوظ واپس ملنا

نویں حدیث: الراوندی فی کتابه وعلی بن یونس فی الصراط المستقیم وقد روی السید ولی بن نعمة اللّٰہ الرضوی فی کتاب مجمع البحرین فی مناقب السبطین نقلًا عن کتاب البهجة عن ابن عباس ان اعرابیًا قال للحسینؑ یابن رسولؐ اللّٰہ فقدت ناقتی و لم یکن عندی غیرها؛وکَانَ اَبُوْکَ یرشد الضالة ویبلغ المفقود اِلٰی صاحبه ،فقال له الحسینؑ اذهب الی الموضع الفلانی تجد ناقتک واقفة وفی مواجهها ذئب اسودٌ۔ قال فتوجه الاعرابی اِلی الموضع ثُمَّ رجع فقال للحسینؑ یابن سولؐ اللّٰہ وجدتُ ناقتی فی الموضع الفلاں۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 159)

''ابن عباس نے بیان کیا کہ ایک دیہاتی عرب امام حسینؑ کے پاس آیا اور کہا کہ میری اونٹنی گم ہوگئی ہے۔اوراسکے علاوہ میرے پاس اور ہے نہیں اور آپکے والد صاحب گم شدہ چیزوں کا پتہ بتادیا کرتے تھے اور کھوئی ہوئی چیزیں اُنکے مالکوں کو واپس دلا دیا کرتے تھے۔اُس سے حسین علیہ السلام نے کہا کہ تم فلاں مقام پر جاؤ۔وہاں تمہیں تمہاری اونٹنی کھڑی ہوئی ملے گی اور ایک کالا بھیڑیا اس کی نگرانی کررہا ہوگا۔ابن عباس نے کہا کہ وہ اس مقام پر پہنچا پھر واپس آ کر بیان کیا کہ اے فرزند رسولؐ مجھے میری اونٹنی اُس جگہ سے مل گئی ہے۔''

دسویں حدیث: قدروی بعض اصحابنا فی کتاب اسمه تحفة فی الکلام قال روی عبد اللّٰہ بن عباس قال کنتُ جالسًا عند الحسیْن فَجَاءَ ہُ اعرابی وقال ضلَّ بعیری ولیس لی غیره وانت ابن رسولؐ اللّٰہ ارشدنی الیه فقال اذهب الٰی موضع کذا وکذا فانه فیه وفی مقابله اَسَدٌ فذهب اِلیٰ ذلک الموضع فوجده کماقال علیه السلام ۔(ایضاً صفحہ 159)

کتاب تحفۃ فی الکلام میں بعض اصحاب نے روایت کی ہے کہ:''ابن عباس ہی نے یہ بھی بیان کیا کہ میں حسین علیہ السلام کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک دیہاتی عرب آ کراُن سے کہنے لگا کہ میرا اونٹ کھوگیا ہے۔اور میرے پاس دوسرانہیں ہے۔آپ رسولؐ اللہ کے فرزند ہیں۔مجھے اس کا پتہ بتائیے۔فرمایا کہ تمہارا اونٹ ایسے اوراس قسم کے مقام پر ملے گا وہاں ایک شیر اس کی حفاظت کررہا ہے۔چنانچہ وہ گیا اور جیسا کہ حسینؑ نے بتایا تھا۔وہیں سے اس کا اُونٹ مل گیا۔''

قارئین نوٹ کریں کہ بھیڑیئے اور شیر کی موجودگی میں اوّل تو جانور کا محفوظ رہنا ممکن نہ تھا۔ پھر کسی آدمی کا اُن کے مقابلہ پر جانا مشکل تھا۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ امامؑ کے حکم سے اُن گمشدہ اونٹوں کی نگرانی کرائی گئی تھی۔ اس لئے بھیڑیئے اور شیر نے کچھ نہ کہا اور مالکوں کے پہنچنے پر غائب ہوگئے۔ ضروری نہیں کہ روایت میں ہر بات ہجے کر کے بتائی جائے۔ جیسا کہ ہم اپنے مخاطب کے سمجھنے کی ہر بات چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ تُو پہلے کھڑا ہو۔ پھر دونوں ٹانگوں سے چل۔ آنکھوں سے دیکھ کر چلنا، کہیں ٹھوکر نہ کھانا، کودتا ہوا نہ چلنا، اپنا منہ یا کوئی اور چیز نہ توڑ لینا، کسی چیز پر نہ چڑھ جانا، فلاں فلاں راستے سے گزر کر صراحی کے پاس جانا۔ گلاس کو صاف کرنا، پانی سے بھرنا، پانی کی صفائی رنگ وبُو دیکھنا اور پانی کا گلاس لے کر واپس آنا اور مجھے دینا۔ اس لئے کہ ہر شخص یہ تمام باتیں سمجھتا اور جانتا ہے۔ بس یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ''مجھے پانی پلاؤ''۔ یہ تین الفاظ اتنی لمبی بکواس سے بچا لیتے ہیں۔ بشرطیکہ ہمارا مخاطب ہماری زبان سمجھتا ہو، عاقل وبالغ ہو، پانی کے اور گلاس کے مقام سے واقف ہو۔ جتنی زیادہ جہالت ہوگی اتنی ہی زیادہ وضاحت کرنا پڑے گی۔ اور ایمان ویقین بھی ہماری مدد کرتے ہیں۔ بے ایمان ہر واضح بات کو بھی اُلٹا کر لیا کرتا ہے۔

(36/6)۔ جبرائیلؑ ومیکائیلؑ واسرافیلؑ ماںؑ بیٹےؑ کی خدمت کرتے تھے

گیارہویں حدیث: وَعَنِ المنتخب عن ام ایمن قالت مضیتُ ذات یوم الٰی منزل سَتّی (یعنی سیّدتی) ومولاتی فاطمةؑ الزهراء لِاَ زُوْرها فی منزلها وکان یومًا حارًّا مِن ایام الصّیف فاتیتُ الٰی باب دارها واِذَا اَنَا بالباب مغلّق فنظرتُ من شَقوق البابِ فاذابفاطمّةؑ الزهراء نائِمة عندالرّحی ورایت الرّحی تطحن البرّ وهی تد ور من غیریدٍ تدیرها؛ والمهد ایضًا اِلٰی جانبها والحسینؑ نائم والمهد یهتزّ ولم ارمن یهزّه ورایتُ کفّ یسبح اللّٰه قریبا مِن کفّ فاطمةؑ الزهراء ۔ قالت ام ایمن فَتَعَجّبْتُ مِنْ ذٰلِکَ فترکتها ومضیتُ اِلٰی سیدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسَلّمتُ علیه وقلتُ لَهٗ یارسوؐل اللّٰه اِنّی رایتُ عجبًا،مارایتُ مثله قطّ ابدًا فقال لِی مَارَاَیْتِ یااُمّ ایمن ؟ فقلتُ انّی قصدت منزل سَتّی فاطمةؑ الزهراء اِلٰی آخرالقصّةِ۔ فقال یا اُمّ اَیمن اَعْلمی اَنَّ فاطمةؑ الزهراء صائمة وَهِیَ مُتَعبّة جائِعة والزمان قیظ فالقی اللّٰه علیها النعاس فنامت فسبحان مَن لَاینام ،فوکّل اللّٰه ملک یطحن عنها قوت عیالها وارسل اللّٰه مَلَکًا آخر یهزّ مهد الحسین علیه السلام لِئَلّایزعَجَهَا مِن نومها، وَوَکَّلَ اللّٰه مَلَکًاآخر یسبح اللّٰه تعالٰی قریبًا مِن کَفِّ فاطمةؑ یکون ثواب تسبیحه لَهَالِاَنَّ فاطمةؑ لَمْ تفترعن ذکراللّٰه تعالٰی ۔ فاذا نامت جعل اللّٰه ثواب تسبیحه لفاطمةؑ فقلتُ یارسوؐل اللّٰه اخبرنی مَن یکون الطحان ومَن الذی یَهَزُّ مَهْدَ الحسین علیه السلام ویناغیه وَمَن المسبّح ؟ فتبسم ضاحکًا وقال اَمَّاالطحان فجبرئیل وامّا الذی یهزّ مهد الحسینؑ فهو میکائیل وامّا الملک المسبح فهواسرافیل۔'' (ایضاً صفحہ 160-159)

''کتاب منتخب میں ام ایمن کہتی ہیں کہ ایک دن میں اپنی سیدہ اور اپنی ملکہ فاطمہؑ زہراء کے گھر گئی تاکہ وہاں اُنکی زیارت کروں گی۔ وہ گرمی کا دن تھا۔ سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ جب میں مکان کے دروازے پر پہنچی تو دروازہ بند تھا۔ چنانچہ میں نے دروازہ کی جھریوں میں سے اندر جھانکا۔ دیکھتی کیا ہوں کہ چکی کے پاس فاطمہؑ تو سو رہی ہیں اور چکی آٹا پیس رہی ہے اور وہ بلا کسی ہاتھ کے گھوم رہی ہے اور پہلو میں حسینؑ کا جھولا ہے اور حسینؑ بھی سو رہے ہیں اور جھولا برابر حرکت میں ہے۔ اور جھولا جھلانے والا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اور دیکھتی کیا ہوں کہ فاطمہؑ کے ہاتھ کے پاس ہی ایک ہاتھ تسبیح کو باقاعدگی سے گھمانے میں مصروف ہے۔ ام ایمن کہتی ہیں کہ مجھے یہ سب کچھ دیکھ کر تعجب ہوا۔ میں

وہاں سے ہٹی اور اپنے سردار مولا رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ سلام کر کے میں نے کہا کہ یارسولؐ اللہ میں نے کچھ ایسی عجیب باتیں دیکھی ہیں کہ آج سے پہلے نہ دیکھی تھیں نہ سُنی تھیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ اے ام ایمن تم نے کیا دیکھ لیا ہے؟ میں نے بتایا کہ میرا قصد تھا کہ میں اپنی سیدہ فاطمہؑ زہراء کی زیارت کروں میں وہاں گئی۔ الغرض میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ فرمایا کہ اے اُم ایمن تمہیں معلوم ہونا چاہئے فاطمہؑ روزہ سے ہے۔ بھوک کا غلبہ اور چکی پیسنے اور خانہ داری کی محنت سے ناتواں اور تھکی ہوئی تھیں۔ اور یہ وقت بھی آسودہ حال لوگوں کے سونے کا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ نے اُن پر نیند کا غلبہ کر دیا اور وہ چکی پیستے پیستے اُونگھیں اور سو گئیں۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ اللہ نے ایک فرشتہ کو تعینات کر دیا کہ وہ فاطمہؑ کے گھر والوں کیلئے آٹا پیسے۔ اور ایک فرشتے کو حسینؑ کا جھولا جھلانے پر لگا دیا تا کہ آرام سے سوتے رہیں اور اپنی والدہ کو بے چین نہ کریں۔ پھر چونکہ فاطمۂ ذکر خداوندی میں وقفہ نہیں ہونے دیتیں، اسلئے ایک فرشتہ اُن کی جگہ تسبیح پڑھنے پر متعین کر دیا گیا تا کہ جب تک فاطمہؑ سوتی رہیں اُنکی تسبیح کا ثواب برابر ملتا رہے۔ ام ایمن نے عرض کیا کہ حضورؐ مجھے یہ بھی بتا دیں کہ چکّی پیسنے والا کون سا فرشتہ ہے۔ اور جھولا جھلانے اور لوری دینے والا کون ہے اور تسبیح کون سا فرشتہ پڑھتا ہے۔ آپؐ مسکرائے اور ہنس کر فرمایا کہ وہ جو آٹا پیتا ہے وہ جبرائیلؑ ہے۔ حسینؑ کا جھولا جھلانے والا میکائیلؑ ہے۔ اور فاطمہؑ کی جگہ تسبیح پڑھنے والا اسرافیلؑ ہے۔''

بارہویں حدیث: وعَنِ المناقب جآء الحدیث اَنَّ جبرئیل نَزَلَ یَوۡمًا فَوَجَدَ الزهرؑاء نائمة والحسینؑ قلق علی عادة الاطفال مع امهاتهم فَقَعَدَجبرئیل یَلۡهِیَه عن البکاءِ حتّٰی استیقظت فاعلمها رسوۡل الله بذٰلک۔ (ایضاً صفحہ 160)

''کتاب المناقب میں حدیث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ جناب جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے تو دیکھا کہ جناب فاطمہ زہراء علیہا السلام سوگئی ہیں اور امام حسین علیہ السلام بچوں کی عادت ظاہر کرنے کے لئے ماں کی توجہ چاہتے ہیں۔ جبرائیلؑ یہ دیکھ کر رکے اور حسینؑ کو بہلاتے رہے۔ یہاں تک کہ سیدہ سلام اللہ علیہا خود بیدار ہوگئیں۔ اس واقعہ کو بی بیؑ نے رسولؐ اللہ کو سنایا۔''

قارئین یہاں رک کر ایک بات سنیں اور ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہر وہ روایت قابل قبول نہیں ہے جس میں سخاوت کی آڑ میں اُن حضرؑات کے پاس مال و دولت کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہو۔ اس لئے کہ دوسری طرف حکومت وقت یہ دکھانا چاہتی ہے کہ اہلبیتؑ کو معاویہ وغیرہ وظیفہ دیتے تھے۔ اس قسم کی روایات حکومت کی مشینری نے گھڑوائیں اور شیعہ مجتہدین نے بلا تکلف شیعہ کتابوں میں لکھیں۔ اہلبیتؑ پر کھلی تہمت لگانا تو ممکن نہ تھا۔ لیکن سخاوت و شجاعت و صبر و ضبط و خشوع و خضوع میں لپیٹ لپیٹ کر سینکڑوں روایات تیار کرائی گئیں اور ناسمجھ اور بھولے لوگوں کو فریب دیا گیا۔ کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات ایک زبردست اور حقیقی شیعہ عالم آقادر بندی کی ہے۔ مگر آپ مجتہدین کے ساتھ رہے، اُن ہی کا تیار کیا ہوا نصاب پڑھا اور تحریک تشیّع اور نظام اجتہاد کی پالیسیوں سے ناواقف رہے۔ اس لئے فضائل کی تعداد بڑھانے کے لئے ایسی روایات بھی قبول کر لیں۔ مثلاً ایک شخص نے مدح وثنا کا قصیدہ پڑھا (معاذ اللہ) حسینؑ بہت خوش ہوئے۔ خادم سے پوچھا کہ حجاز سے آئے ہوئے مال میں سے کتنا باقی ہے؟ اُس نے بتایا کہ چار ہزار دینار موجود ہیں۔ فرمایا کہ لاؤ۔ یہ شخص اس مال کا سب سے بڑا حقدار ہے۔ پھر وہ چار ہزار دینار اُس کو بڑی عاجزی اور معذرت کے ساتھ دے دیئے۔ سوچیئے کہ جس گھر میں فاقہ رہتا ہو، جن کی محبت کی بنا پر لاکھوں شیعوں کو کہیں ملازمت اور روزگار نہ ملتا ہو، جو زندگی سے تنگ کر کے چھوڑ دیئے گئے ہوں۔

جہاں چاروں طرف فقراومساکین کا ہجوم ہو وہاں سخاوت کی آڑ میں یہ اسراف ہضم کرادیا گیا۔اوراسی قسم کی سینکڑوں روایات ہمارے لٹریچر میں پہنچادی گئی ہیں۔مگر یہ سب ہماری قدیم کتابوں میں نہیں ہے۔چوتھی صدی کے بعد شیعہ مجتہدین کے زیرسایہ یہ اسکیم پروان چڑھی۔(تفصیلات ہماری باقی تصنیفات میں دیکھیں)۔اوراُن ہی حکومتوں کے تیار کردہ فضائل کوفضائل سمجھ کر یا نا سمجھی سے اپنی تصنیفات میں جگہ دی۔اورساتھ ہی اُن حقیقی فضائل محمدؐ وآل محمدؐ پر ناک بھوں چڑھانا شروع کیا جواُن کی عقلی رسائی سے ارفع واعلیٰ تھے۔اور ہماری قدیم اورمستند،اصول کافی ایسی،کتابوں میں برابر چلے آرہے تھے۔یعنی حقیقی فضائل کا انکاراوردشمن محاذ کے نقلی فضائل پراصرار ہوتا چلا آیا۔جن فضائل ومراتب کواورجن اختیارات اورخداداد قدرتوں کودشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ پسند نہیں کرتے اُنکی چند مثالیں ملاحظہ فرمالیں۔

(36/7)۔ امام حسن علیہ السلام کے لاتعداد فضائل ومعجزات پر چند نمونے

قدذكر الشيخ العاملي نقلا عن كتاب صاحب مناقب فا طمةؑ وولدها باسناده عن الاعمش عن ابراهيم عن منصور قال: رَاَيْتُ الحسن بن علي بن ابي طالب عليهم السلام وقدخرج مع قومٍ يستسقون، فقال للناس اَيُّماا حب اليكم اَلْمَطُرُاَمِ الْبَرداَمِ اللُّؤلُؤ؟ فقالُوْا يَابن رسول الله صلى الله عليه واٰلِه مااَحْبَبْتَ ـ فقال عَلٰی اَنْ لايُؤخذ احد منكم لديناه شيْئًا فاتا هم بالثلث، وَرَاَئْينَاه ياخذالكواكب من السمآء ثُمَّ يشبها فتطير كاالعصا فيرالى مواضعها وعنه عن ابن موسٰى عن قبيصة قال كنت مع الحسنؑ بن علؑی وهُوَ صائم ونحن نَسِيْرُ معه الى الشام وليس معه زاد و لاماء ولا شیء الَّا ما هو عليه راكبًا ـ فَلَمَّا اَنْ غَابَ الشفق وصلّى العشاء فتحت ابواب السمآء وعَلّقت فيه القناديل ونزلت الملائكة ومعهم الموآئد والفواكه وطسوس واباريق ونحن سبعون رَجُلًا فناكل عن كل حاروبارد حتى امتلأنا وامتلأ ثم رفعت علٰى هيئتها لم تنقص (الحدیث)۔اکسیرالعبادات واسرارالشہادات۔صفحہ 288)

''جناب الشیخ العاملی نے کتاب مناقب فاطمہؑ سے اپنی سندات کے ساتھ نقل کیا ہے کہ اعمش نے ابراہیم سے اوراُنہوں نے منصور سے روایت کیااورکہا کہ میں نے امام حسن بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کودیکھا کہ وہ بارش طلب کرنے والی ایک قوم کے ساتھ باہرتشریف لائے اورلوگوں سے کہا کہ یہ بتاؤ تمہیں بارش یا سردی یا موتیوں میں سے کون سی ایک چیز پسند ہے؟ تاکہ اللہ سے وہی چیز تمہیں دلوادوں؟ لوگوں نے عرض کیا اے فرزند رسولؐ ہمیں وہی کچھ پسند ہے جوحضور کوپسند ہو۔اس پرفرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ تمہاری دنیاوی ضروریات میں سے جوکوئی،کوئی ایک چیز بھی نہیں مانگتا اُسے تینوں چیزیں دی جاتی ہیں۔ہم نے دیکھا کہ امام حسن علیہ السلام آسمان سے ستاروں کو پکڑرہے تھےاوراُن کودوبارہ اُن کی جگہ پرقائم کررہے تھےاورستارے اپنے مقام سے چڑیوں کی طرح ادھرادھراُڑرہے تھے۔''

دوسری حدیث۔اورمذکورہ بالا کتاب ہی میں موسٰی کے بیٹے نے قبیصہ سے روایت کیا ہے۔اُس نے کہا کہ میں امام حسن علیہ السلام کے ساتھ تھا۔جب کہ آپ روزہ سے تھے۔اورہم ملک شام کی طرف چلے جارہے تھے۔امامؑ کے ساتھ کوئی زادراہ نہ تھا،نہ کھانا تھانہ پانی تھا۔بس سواری کے علاوہ اُن کے پاس اورکوئی چیز نہ تھی۔جب آسمان سے سرخی یعنی شفق غائب ہوگئی اورآپ نے عشا کی نماز پڑھ لی۔توآسمان کے دروازے کھل گئے۔اورروشنی کی قندیلیں لٹکنے لگیں۔ملائکہ کانزول شروع ہوا۔بہت سے دسترخواں(مائدہ)اورپھلوں کانزول ہوا۔پانی کے لبریز برتن اورلوٹے فراہم ہوگئے۔ہم ستر آدمی تھے۔سب نے

ہر چیز کھائی، یہاں تک کہ ہم سیر ہو گئے۔ اور تمام ٹھنڈی اور گرم چیزوں سے لطف اندوز ہوئے۔ امام حسنؑ نے بھی سیر ہو کر کھایا۔ اُس کے بعد وہ تمام نعمتیں اپنی اسی حالت میں اُوپر اُٹھیں اور چلی گئیں اور اُن میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔''

یہ ہے محمد وآلِ محمد صلوۃ اللہ علیہم کے مالک کون ومکان اور سرورِ کائنات ہونے کا ثبوت اور یہ ہیں وہ خدا داد قدرتیں اور اختیارات جن کی وجہ سے اُمت کی کثرت انہیں اپنی نجات کا وسیلہ اور مشکل کشا سمجھتی ہے اور چند ابلیسی گروہ کے علما امت کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ اور سُنئے کتاب مذکور کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

وقد ذكر صاحب الكتاب المذكور عن سويد الارزق عن سعد بن منقذ قال: رايتُ الحسن بن علي عليهما السلام بمكّة وهويتكلم بكلام وقد رفع البيت اوقال حوله فتعجّبنا منه فكُنّا نحدث ونصدق حتّٰى رايناه في المسجد الاعظم بالكوفة فحدثناه يابن رسول اللّٰه صلى الله عليه واله اَلَسْتُ فَعَلْتُ كَذَاوكَذَا ؟ فقال لوشئتُ تحوّلت مسجدكم في خريقة وهُوَملتقى النهر ين الفرات ونهر الاعلى فقلنا اَفْعَلْ فَفَعَل ذلك ثمَّ رَدَّهُ فَكُنَّا نَصَدَّقُ بعد ذٰلك بالكوفة بمعجزاته وباسناده عن ابراهيم بن كثير قال رايت الحسن بن على عليهما السلام و قداستسقى مآءً فابطىٰ عليه فاستخرج من سارية المسجد مآء فشرب منه فسقى اصحابه۔ ثُمَّ قال لوشئتُ يسقيكم لَبْنًاوعسلًا فقلنا فا سقنا لبنًا وعسلًا من سارية المسجد مقابل الروضة لّتى فيها فاطمّة۔

(ایضاً کتاب اکسیر العبادات۔صفحہ 289-288)

''کتاب مذکور کے مصنف نے سوید الارزق سے اور سعد بن منقذ سے روایت لکھی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے حسن بن علی علیہما السلام کو دیکھا کہ وہ ایک خاص کلام پڑھ رہے ہیں۔ مکہ میں اُنہوں نے خانہ کعبہ کو بلند کر دیا (یا یہ کہا کہ خانہ کعبہ کے گرد ونواح کو بلند کیا) تو ہمیں بہت تعجب ہوا۔ ہم اس واقعہ کو بیان تو کرتے تھے۔ مگر ہمیں یقین نہ آیا تھا۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں کوفہ کی بڑی مسجد میں دیکھا اور یاد دلایا کہ اے فرزندِ رسولؐ آپ نے ہمارے سامنے ایسا ایسا کر کے نہ دکھایا تھا۔ فرمایا ہاں ہاں اگر میں چاہوں تو تمہاری اس مسجد کو ہواؤں میں پھینک دوں کہ وہ نہر فرات یا بڑی نہر میں گری ہوئی ملے۔ ہم نے کہا کہ ذرا کر کے دکھایئے۔ آپ نے ویسا ہی کیا اور پھر اُسے اس کے سابقہ مقام پر رکھ دیا۔ اُس روز سے ہم نے حسنؑ بن علیؑ کے معجزات کی تصدیق شروع کی۔''...... ''اور اُن ہی کی سندات سے ابراہیم بن کثیر کی روایت لکھی ہے۔ جس نے کہا کہ میں نے حسنؑ بن علیؑ کو دیکھا کہ اُنہوں نے پانی طلب کیا لیکن پانی آنے میں دیر ہو گئی تو آپؑ نے مسجد کے ستون سے پانی جاری کر دیا۔ خود پیا اور اُن کے صحابہؓ نے پیا۔ اور فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو تمہیں اسی طرح دُودھ اور شہد جاری کر کے پلا سکتا ہوں۔ عرض کیا گیا کہ حضورؑ ایسا کر کے دکھائیں۔ آپ نے شہد اور دودھ جاری کر کے پلا دیا۔ اور یہ وہ ستون تھا جو اُس روضہ کی طرف ہے جس میں فاطمہؑ دفن ہیں۔''

37۔ عزاداری حسین علیہ السلام

(37/1)۔ دُکھی انسانیت کا قبلۂ مُراد

عزاداریٔ محمدؐ (آلؑ ان میں داخل ہے) ایک ایسا مادی یا محسوس قابلِ عمل نظام تھا (اور ہے) کہ جس سے بنی نوع انسان کے قلوب فتح کیے گئے۔ جس نے ظلم واستبداد کی عمارتیں تہ وبالا کرڈالیں۔ آزادیٔ ضمیر وروح کا ایک ایسا انقلاب برپا کیا جو مختلف صورتوں میں ساری دنیا میں پھیل گیا۔ دانشمندانِ بنی نوعِ انسان نے اس نظام کے اصولوں سے طرح طرح کے محاذِ آزادی قائم کیے۔ مختلف مگر مقصد سے مطابق نام رکھے۔ مظلوم کی حمایت، ظالم کی فنا، وقارِ انسانیت کی بلندی، بے مایہ و بے چارے انسانوں کو اقوامِ عالم کے دوش بدوش پہنچانا۔ مستورات کو اُن کا صحیح مقام فراہم کرنا، بچوں کی پرورش پر خاص توجہ دینا، ایسے بوڑھے، ایسے جوان اور مستورات تیار کرنا جیسے معرکۂ کربلا میں پیش کیے گئے تھے۔ الغرض ایک قوم وجود میں لانا جو طاغوتی طاقتوں کے بالمقابل حیثیت سے کامیاب ہو، جو میدانِ کارزار کے لیے اپنا خون چھڑک کر مسکرا سکے جو اپنے حسین اور عزیز جسم کو قیمہ کی صورت میں اس طرح اُچھالے کہ نام نہاد مقدس لوگ لرز اُٹھیں، آنکھیں بند کرلیں اور اپنے لباس و پوشاک بچانے کے لیے ہٹ کر کھڑے ہوں۔

یہ ایک قہری نظام یا تاریخی جبر تھا کہ ہمہ قسمی مخالفت کی گئی۔ دن رات سینکڑوں محبانِ نظام کو صدیوں تک تہہ تیغ کیا گیا، ہاتھ پیر کاٹے گئے۔ سوشل بائیکاٹ ہی نہیں رہا بلکہ صدیوں تک ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس نظام کے ممبروں کو قتل کیا جاتا رہا۔ باپ اپنے بچوں اور اہلیہ سے اپنا صحیح تعارف کرانے سے ڈرتے تھے۔ اِس سب کے باوجود وہ قوم واقعہ کربلا کی خون آمیز مٹی سے پیدا ہوگئی۔ آسمان کی آنکھوں نے اُن بہادروں کو دیکھا ہے۔ جو مقیّد و محصُور رہونے کے باوجود سینکڑوں کی تعداد میں کربلا پہنچے۔ اور قبرِ مظلوم کے چاروں طرف حلقہ بنایا۔ تلواریں میان سے کھینچ لیں۔ شدّتِ انفعال، حالتِ مجبوری اس زمین کیلئے مزید خون کی ضرورت اور ایک خاطی نظام قربانی کی بنیاد رکھنے کیلئے ہاتھ پوری لمبائی تک بلند ہوئے، جائز وناجائز کی پُراسرار پابندیوں سے اُوپر اُٹھے اور آناً فاناً اپنی اپنی تلواریں اپنے سینوں کے پار ہوگئیں۔ مسلسل ایک محسوس قیامت جاری رہی۔ اور خدا کے فضل سے ایسے دلیر و جانفروش لوگوں کی ایک قوم مسلسل موجود ہے اور یہ عزاداری محمدؐ و آلِ محمدؐ اُن کی فِدا کارانہ محبت وکردار کی وجہ سے زندہ ہے۔ اس قوم کے جذبۂ محبت نے تنکوں کے تعزیوں پر، ایک نقلی علم پر، ایک کرائے کے گھوڑے پر محمدؐ و آلِ محمدؐ اور شہدائےؑ بنی نوع انسان کے ارواح مقدسہ کو تشریف لانے پر آمادہ کیا۔ گھوڑا کسی بے ادبی کی بنا پر بگڑا، ماتم اور زنجیر زنی میں شدت پیدا ہوتے ہی سر جھکا لیا، معلوم ہوا کہ سرکار تشریف فرما ہیں۔ بے اولاد، اندھے، محتاج اور طرح طرح کے مصائب میں مبتلا انسان اُنہی کے جذبہ قربانی کے صدقہ میں بامراد ہوتے رہے۔ اِس استفادہ میں مذہب وملت کی شرط نہ تھی۔ یہود و اہلِ ہنُود الغرض تمام بامراد لوگوں کیلئے یہ نظامِ عزاداری ایک قبلۂ مراد بن گیا۔ ہندو، انگریز اور مہاراجہ ننگے پیر چلتے تھے، لاکھوں روپیہ ہر سال اس عزاداری پر خرچ کرتے تھے۔ حد ہوگئی کہ تبرک مسلمانوں سے تیار کراتے تھے اور اُن ہی سے مٹھائی وغیرہ تقسیم کراتے تھے۔ جو ساری دنیا کو معہ مسلمانوں کے ناپاک قرار دیتے تھے۔ وہ اس دربار میں اپنا ناپاک ہونا بلاتکلف تسلیم کرتے تھے۔ (اقتباس۔ دکھی انسانیت کا قبلہ مُراد۔ عزاداری شہدآئے کربلا۔ احسن)

(37/2)۔ روایات وحکایات وسامانِ عزا

ذَکَرَہُ الشیخ عبدالحسین الاعثم فی قصیدته وَهِیَ اِنَّ رَجُلًا مِن سکّان بعض بلادالهند کان ذا تقویٰ وورع ومُحِبّالآلِ اللّٰهِ وَاهلِ بیت رسولِه وکان ذااموال کثیرۃ وثروۃ وفیرۃ وکان دَابَهُ فی کُلِّ عامٍ من شهر المحرم نَصَبَ مجلس عزآء واقامة مأدبّة ذکرمصائب آلِ اهل الکسّآء وکان یحضر فی مجلسه القرّآء الرّثاۃ وکان یبذل لهم اموالًا کثیرتهً لاجل ذکرهم المصائب فیجتمع فی مکان وسیع له الخلق کثیرون فیبکون وینخبون ویجزعون علٰی اهلبیت علیهم السلام وکان یبسط الموائد ویطعم الفقرآء والمساکین بل کُلٌّ مَنْ یحضر فی مجلس العزآء الاطعمة الطیبة فی الاوانی النفیسة وکان بفرش فرشًا ثمینة وکان هذا الاطعام منه فی اللّیل والنّهار وبالجملة کان یصرف خیراموالہ واکثرها فی اقامة مجلس العزآء۔ فَاِذَا انقضت العشرة من شهر محرم کان یعطی الفرش المفروشة الفقراء والمساکین وکان فَعَلَ ذٰلکَ عنده فی کُلّ سنةٍ فی شهر المحرم من قبیل الامور المحتومة الَّتِی یحب الوفآء بها ۔وقد اتفق فی عام مِنَ الا عوام اِنَّ والی ذلک البلد قدعبرمع جمع مِن خدمه وحشمه وجلاوزته عن السّکّة الَّتی کانت دارذلک الرجل فیها وکان ذلک العبور عنها فی یوم مِن ایّامٍ اقامة العزاء۔ وقدسمع ذلک الوالی الاصوات مع ضجّة قد علت وضوضاء قد رجّت بهاالارض رجًّا۔ فقال لِخُدامه اخبرونی ماهذه الصیحة والضجّةِ والبکاء والنیاحة واین ذا وفی بیت من یکون هذاالاجتماع الکثیر مِن الخلق ؟ قالوافی هذاالبیت وهو بیت الرافضی مِنَ الرَّفُضَةِ ودابه فی کُلّ سنة اقامة العزا عَلٰی مقتول کربلا فامر باحضاره مکتوفًا فَلَمَّا احضرعنده سبّه وشتمه اَوَّلًا ثُمَّ قال لخدّامه اضربوہ بِالسَّیَاط فهاجت السَّیَاط علیه ثُمَّ قال انهبوا الاموال منه وسلبوا ثیابه وهٰکذا البسه وثیاب جمیع عبیده وخدّامه ونسائه واطفاله وجمیع من یاوی الیه۔ ففعلوا ماامروا به فصار ذلک الرجل الصالح مَنْهُوُبًا محقّرًامهانًا حتّٰی اِنَّهُ لَمْ یبق عنده مایسره ویقیه من الحرّالبرد فمضت علیه ایام تلک السنة فلما اقبل شهر المحرم فی العام الآتی وتذکرما قدفات منه ومَا مَضَی بدت زفرات قلبه وبکی وَاَنَّ اَنِیْنًا کادَاَنْ ینصدع عنه الصفا وکانت عنده زوجة صالحة فقالت له ماهٰذِه الزفرات والبکاء والاَنین والصَیاح أَ ذٰلِک لِاَجل مافاتَ مِنْک الاموال والجاہ والجلال والعزّة والمنال ؟ فقال لها ماحرّقة قلبی وبکائی اِ لّا علٰی فوت اقامة عَزَآء سیدُ الشهدآء علیه السلام مِنّیْ۔فقالت لاتحزن بَلِ اسْتَبْشِر بِاَنَّ لَنَا وَلَدًافخُذْهُ واذهب به اِلٰی بعض بَلادِ الهِنْد مِن النواحی البعیدة وقُل للناس اَنَّ هٰذَا عَبْدٌ لِیْ فَبِعْه هُنَاک فآت بثمنه حَتّٰی نصرفه فی عشرة المحرم فجزاها خیرًا فاستبشر الرجل وسرّوحَمِدَا للّٰه تعالٰی وشَکَرَلَهُ۔ فَلَمَّا دَخَلَ وَلَدِهُمَا ۔ قَصَّالَهُ القِصّة۔ قال افدی نفسی ابن محمدٌ المصطفٰی وابن علیٌ مرتضٰی وابن فاطمة الزهرا علیهم السلام ۔ فاخذ ذٰلک الرجل بیده ولده فی صبیحة یوم وسَارَ به قاصدًا بلدًا بعیدًا عن بلده فلما آتی اقرب القری والبلاد من بلده رَایٰ فتیً جلیًلا عظیمًا مُهِیْبًا جمیلا وقداضاء نُور جبهته الافاق ۔ فقال له ذٰلِکَ الفتٰی اَیْنَ مضیّک وَمَا الَّذی ترید بِهٰذَا الغلام ؟ فقال اَبیعه فقال بِکَمْ تَبِیْعه فقال بکذا فاعطاہ ذلک الفتی ماذکرہ مِن غیر توقف ومماکسة۔ فَلَمَّا اخذ الرجل الثمن رکض واسرع اِلٰی بلده فرحًا مسرورًا فلما استقرّ فی منزله کان یتحدث لزوجته بما جری فبینما هما یتحدثان ویفرحان فاذا بالولد قداَتا هما فقالا لَهُ۔هَل فررت من المشتری ؟ قال لا ۔ فقالا مَا ذاامرک ؟ فقال لابیه ۔اَنَّکَ لَمّا اَخَذْتَ الثمن وسِرتَ وغَبتَّ عَنْ نظری خنقتنی العبرة۔ فقال لِیْ ذلک الفتی المشتری لماذاتبکی یاغلام ؟ قلتُ لفراق سیدی فانّه کان یربّیُ ویحسن اِلٰی غایة الاحسان ۔ فقال لِیْ ماانْتَ بعَبْدٍ لذٰالِکَ البایع بَلْ انت وَلَدُهُ ؟ فقلت مَن انت یاسیدی؟ فقال انا الذی فَعَلَ ابوک مَافَعَلَ لِا جل اقامة عزآئی انا

الغریب المشرد انا الذی قتلونی عطشانًا من غیرجرمٍ اَقَرّ اللّٰہ عینیک لا تضطرب و لا تخزن اِنّی اَرَدُّکَ فی ھذا لآن فی اسرع الخطی اِلٰی ابویک فاذا حضرت عندھما فقل لھما اَنَّ المال الذی فَاتَ منکم سیرحبہ الوالی الیکم ویزیدکم من البرّوا الاحسان والرفد والعطاء ۔فبینما ھم یتحدثونَ اذطَرَقَ طَارِق الباب قائِلًا لِلرَّجُلِ الصالح اجب الآن والی البلاد فَلَمّا حضرعند الوالی عَظَّمَہٗ وبَجَلَّہٗ وقال معتذرًا اجعلنی من حلّ فَاِنّی قداذیتُکَ فاعطاہ جمیع مااخذمنہ وزادلہ برّہ واحسانہ وقال اَیُّھا الرجل الصالح ابذل جدّک وجھدک فی اقامۃ عزاء الامام علیہ السلام فانّی اوصلک بالعطاءِ فی کُلّ عامٍ بعشرۃ الاف دراھم وانّی قداستبصرت وتشیّعت مع اھلی واقربائی وکل من یاوی اِلیَّ فَاِنَّہٗ قَدْ اَتَانِیَ الامامؑ المظلوم العطشان روحی لہ الفداء وقال لِیْ اَ تُؤذی مَن یقیم عزائی وتھیّئہٗ وتاخذ منہ امو الہ وعبیدہ واملاکہ فَرُدّکُلّ ذٰلک الیہ والتمس منہ اَنْ یسمح علیک ویعفوعنک و اِ لّا امرالارض بان تخسف بِک وباموالک فعَجّل فی طلب الرجل قبل اَنْ ینزل الیک البلاء ۔ثمَّ قال فھا اَنَا استغفرت اللّٰہ تعالٰی تُبتُ اِلَیْہِ وَاھتدیتُ بھدایت الامام علیہ السلام اِلیٰ صراط المستقیم والحمدللّٰہِ رب العالمین۔ (اکسیرالعبادات صفحہ 336-335)

علامہ الشیخ عبدالحسین اعثم اپنے قصیدہ میں بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان کے کسی شہر میں ایک شخص بڑا ہی متقی اور پرہیزگار اور محبّ آل اللہ وُحُبّ اہلبیتؑ رسولؐ تھا۔ بڑا ہی مالدار اور صاحب دولت وثروت تھا۔اسکا طریقہ یہ تھا کہ مجالس عزا اور مصائب اہلبیتؑ کی شاندار محفلیں قائم رکھتا تھا۔اور اُس کی مجالس میں قرآن کے قاری اور ذاکر اور مرثیہ خوان کثرت سے شریک ہوا کرتے تھے۔اور وہ بڑی کشادہ دلی سے محمدؐ وآل محمدؐ کے فضائل ومصائب بیان کرنے والوں پر روپیہ خرچ کیا کرتا تھا اور اس کے ایک وسیع مکان میں لوگوں کا بہت بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ جہاں اہلبیتؑ کے مصائب پر لوگ گریہ وزاری اور آہ ونالہ اور بےقراری سے پرسہ دیتے تھے۔ وہ ضرورتمندوں کی حاجتوں کے پورا کرنے میں ہمیشہ تائید کرتا اور غربا وفقرا اور مساکین کے طعام واکرام میں مصروف رہتا تھا۔اور جولوگ مجالس عزا میں شرکت کرتے تھے۔اُن کیلئے بہترین کھانے،عمدہ برتنوں اور قیام کا انتظام رکھتا تھا۔مجالس کیلئے قیمتی فرش وفروش فراہم رکھتا تھا۔اور دن رات محبانِ آلِ محمدؐ کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔الغرض اپنے اموال کا بہترین اور زیادہ حصہ قیام عزاداری پر صرف کرتا تھا اور جب محرم کا عشرہ ختم ہوتا تھا تو تمام فرش وفروش اور سامان غربا اور مساکین کو دے دیتا تھا۔ یہ عزاداری کا اہتمام کرنا اس کیلئے اُن ہی لازمی کاموں میں سے تھا جو زندگی کے باقی پروگرام میں ضروری ہوتے ہیں اور جن کو بجالانا اشد ضروری ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ وفا شعاری کے ساتھ عزاداری کی رسومات بجالایا کرتا تھا۔آخرکار اُن ہی برسوں میں سے ایک برس یہ اتفاق ہوا کہ اُس شہر کا حاکم مع اپنے نوکروں، چاکروں، سپاہیوں اور مشیروں کے اُس راہ سے گزرا جس پر اُس عزادار کا مکان تھا۔اور یہ دن اُن ہی ایام میں سے تھا جن میں برابر عزاداری برپا رہا کرتی تھی۔ چنانچہ اُس نے آہ وبکا کی بلند آوازیں سُنیں اور مصائب سن کر محبان محمدؐ وآل محمدؐ کی چیخیں اور فریادیں جو زمین کو ہلا رہی تھیں۔اُسکے کانوں میں یہ شوروغوغا پہنچا تو اُس نے اپنے خادموں سے کہا کہ مجھے بتاؤ یہ کیا ہورہا ہے؟ یہ کیسی فریادیں ہیں (صَیحہ) یہ شوروغل (ضجّہ) کہاں بلند ہے؟ یہ رونا پیٹنا یہ نوحہ کیوں ہے؟ کس کے گھر میں ہے؟ اُسے بتایا گیا کہ یہاں رافضیوں میں کا ایک رافضی رہتا ہے۔اُس کا عملدرآمد یہ ہے کہ ہرسال کربلا کے مقتولوںؑ کی عزاداری قائم کرتا ہے۔حاکم نے حکم دیا کہ اُس رافضی کو حاضر کیا جائے۔ جب اس کی مشکیں باندھ کر پیش کیا گیا۔تو حاکم نے اُسے گالیاں دِیں،طعن وطنز کیا۔پھر حکم دیا کہ اُسے کوڑے مارے جائیں۔اُس کا مال

واسباب چھین لیا جائے۔ چنانچہ اس عزادار کو کوڑوں سے پیٹا گیا۔لیکن اُس نے عزاداری چھوڑنے کا اقرار نہ کیا تو اس کا مال واسباب ضبط کر لیا گیا، اس کے خادم چھین لئے گئے۔ اُس کے اور اس کے بچوں کے، بیوی کے اور تمام متعلقین کے کپڑے تک لوٹ لئے گئے۔ اُسے بالکل محتاج کر دیا گیا۔ چنانچہ وہ نیک شخص بُری طرح ذلیل وخوار کر دیا گیا۔ ہر ممکن توہین کی گئی۔ اُس کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہ چھوڑی جس سے وہ آرام وراحت پا سکے۔ اس کے اور اس کے اہل وعیال کے پاس سردی اور گرمی سے بچنے کا بھی کوئی سامان نہ چھوڑا۔ بڑی مصیبتوں سے یہ عزادار خاندان دن بسر کر رہا تھا کہ پھر ماہ محرم قریب آ پہنچا۔ یہ صدمہ اب پوری طرح اُبھر آیا۔ آنکھوں کے سامنے عزاداری کے وہ نظارے پھر گئے۔ وہ ماتم کا سماں، وہ عزاداران مظلوم کا ہجوم، وہ دن رات مومنین کی خدمت اور خاطر تواضع، وہ مرثیہ خوانوں اور ذاکروں کا آنا اور دل بھر کے فضائل ومصائب بیان کرنا۔ ہائے افسوس اب میں کیا کروں گا۔ دل بھر آیا رونے کی صدا اور چیخیں بلند ہو گئیں۔ مگر اس کے پاس ایک بہت بڑی دولت ابھی باقی تھی۔ برابر کی غمگسار وعزادارِ فاطمۃؑ الزہراء، سوگوار اور اُس کی غربت میں رفیقہ حیات۔ اس نے رونے کی آواز سُنی دوڑی آئی اور رونے کا سبب پوچھا اور کہا کہ کیا یہ بے قراری اور چیخیں اس لئے ہیں کہ ہمارا مال ودولت وعزت وجاہ وجلال چھن گیا ہے؟ شوہر نے کہا نہیں یہ بات نہیں۔ بلکہ محرم سر پر آ گیا ہے ہم بے دست وپا اور قلاش ہو چکے ہیں۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ میں اس لئے بے قرار ہوا جا رہا ہوں کہ ہم اس دفعہ عزائے مظلومؑ برپا نہ کر سکیں گے۔ سوگوار زوجہ نے کہا کہ یہ بات ہے تو غم نہ کرو بلکہ خوش ہو جاؤ کہ ہم یہ موقعہ پا سکے کہ حضرت فاطمہؑ اور اُن کے لالؑ کے حضور اپنا بچہ پیش کر سکیں۔ سنو آپ میرے لاڈلے بچہ کو کہیں دور دراز شہر میں لے جاؤ اور اُسے اپنا غلام کہہ کر فروخت کر دو۔ اُس کی قیمت سے ہم امام مظلوم علیہ السلام کی عزاداری کا انتظام کریں گے۔ مولاؑ ہماری مدد کرنے والے ہیں۔ وہ شخص اپنی زوجہ کی یہ ہمت افزا تقریر سُن کر واقعی خوش ہو گیا۔ اسے دعائیں دیں۔ اِسی اثنا میں اُن کا چہیتا بچہ آ گیا۔ دونوں نے صورتِ حال بیان کی۔ بچہ نے نہایت خندہ پیشانی سے کہا کہ امی جان میں خود کو رسولؐ اللہ اور علیؑ مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہراء علیھم السلام کے بیٹے امام مظلومؑ کا فدیہ مقرر کرتا ہوں۔ آپ مجھے بخوشی میری خوشی سے بیچ ڈالیں۔ عزاداری کو جاری رکھیں میں جہاں بھی ہوں گا آپ کی اور عزاداری کی بقا اور سلامتی کی دعا کرتا رہوں گا۔ اگلے روز دونوں باپ بیٹا سفر پر روانہ ہو گئے اور کسی دُور سے دُور شہر کے ارادے سے چلتے جا رہے تھے۔ جب اپنے شہر سے قریب ترین شہر میں داخل ہونے والے تھے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حَسین وجمیل وعظیم وپُر جلال جوان سامنے ہے۔ جس کی پیشانی کا نور چاروں طرف پھیل رہا ہے۔ اُس پُر ہیبت نوجوان نے پوچھا کہ تم نے کہاں جانے کا ارادہ کیا ہے؟ اور اس لڑکے کے لئے تمہارا کیا ارادہ ہے؟ باپ نے جواب دیا کہ میں اُسے فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ جوان نے پوچھا کہ تم اُس کی کتنی قیمت چاہتے ہو؟ اُس نے ایک معقول رقم بتائی تو جوان نے بلا قیمت کم کرائے بلا توقف ادا کر دی۔ اور اس طرح باپ اپنے بیٹے کی محبت قربان کر کے امامؑ کی عزاداری کے لئے تیز گامی سے واپس لوٹا۔ مکان پر آ کر اپنی زوجہ کو اس قربانی کا قصہ سُنا ہی رہا تھا کہ اُن کا بچہ بھی واپس آ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی دونوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ کیا تم خریدار سے بچ کر بھاگ آئے ہو؟ بچہ نے مسکرا کر کہا کہ ہرگز نہیں۔ میں بھاگنے والا نہیں تھا۔ بلکہ جب آپ قیمت لے کر چلے میں برابر آپ کو دیکھتا رہا۔ جب آپ میری نگاہوں سے غائب ہو گئے میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میری آواز گلے میں سے گھٹی گھٹی نکلنے لگی

تو بزرگوار جوان نے پوچھا کہ تم اس قدر بے قرار کیوں ہو گئے؟ میں نے سنبھل کر کہا کہ وہ شخص میرے ساتھ بڑی محبت بڑے پیار اور بہت احسان وکرم سے پیش آیا کرتا تھا۔ اُس کی جدائی میں بے چین ہو گیا تھا۔ اُس جوان نے کہا کہ تم یقیناً اُس کے بیٹے ہو غلام نہیں ہو۔ میں نے دریافت کیا حضور آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں وہی ہوں جس کے لئے تمہارے والد نے وہ کچھ کیا جو ایک باپ سے ممکن نہ تھا۔ میں ہی وہ مظلوم شہید ہوں جسے پیاسا قتل کیا گیا جبکہ میں بے جرم وخطا تھا۔ میرے بچوں کو میرے سامنے ذبح کیا گیا۔ میرے عزیز واقربا کو پیاسا قتل کیا گیا۔ ہماری مستورات کو لوٹا گیا۔ ہمارے خیموں کو آگ لگادی گئی۔ خیر میں تمہیں جلد تمہارے والدین کے پاس بھیجتا ہوں۔ اُن کے نام اپنا خط دیتا ہوں۔ جب تم اُن کے پاس پہنچو تو اُن سے کہنا کہ تمہارے شہر کا حاکم تمہارا تمام ضبط شدہ مال واپس دے گا اور عمدہ سلوک کرے گا۔ احسان واعزاز وداد ودہش سے پیش آئے گا۔

وہ اس گفتگو میں مصروف ہی تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دے کر کہا کہ تم فوراً حاکم کے پاس پہنچو۔ چنانچہ وہ مومن جب حاکم کے پاس حاضر ہوا اس نے بڑی تعظیم وتکریم کا سلوک کیا اور معذرت خواہ ہوا۔ اور درخواست کی کہ بھائی مجھ سے درگزر کر کے مجھے آزادی عطا کر، میں نے تمہیں بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ اسکے بعد جو کچھ ضبط کیا گیا تھا سب واپس دیا۔ اور اُسکے ساتھ بہت احسان اور سلوک سے پیش آیا اور کہا کہ اے نیک انسان تم قیام عزاداری اور اہتمام مہمانداری اور مجالس وجلوس میں پوری پوری آزادی سے جدّ وجہد کرو۔ میں بھی دس ہزار درہم ہر سال اس نیک کام کے لئے تمہیں نذر کیا کروں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میری آنکھیں کھل گئیں۔ اس حادثہ نے مجھے صراط مستقیم پر پہنچا دیا اور میں نے مع اپنے اہل وعیال اور متعلقین کے مذہب حقہ اختیار کر لیا۔ بھائی امام حسین علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے تھے۔ اور فرمایا تھا کہ تم نے ایسے مومن کو؛ اذیت دی، اُسے تباہ کر دیا، اس کا تمام اثاثہ چھین لیا، اُسکی تمام املاک وجائیداد ضبط کر لی جو میری عزاداری قائم کرتا تھا۔ جو میرا اور میرے بچوں کا دنیا سے تعارف کراتا تھا۔ جو ہماری بھوک اور پیاس کو یاد دلانے کیلئے غربا ومساکین کی بھوک اور غربت دور کرتا تھا۔ جو ظالموں سے نفرت کرنا اور مظلوم کی حمایت انسانوں کو سکھاتا تھا۔ فوراً اس کا چھینا ہوا سامان واپس کر دو، ورنہ میں زمین کو حکم دیتا ہوں کہ وہ تمہیں اور تمہارے تمام عزیز واقربا اور اولاد وازواج ودولت کو نگل جائے۔ اُس شخص کو بلانے میں عجلت کر، اُس سے معافی مانگ اور اگر وہ معاف کر دے تو خیر ورنہ تم پر بلاؤں کا نزول ہو جائے گا۔ پھر کہا کہ بھائی میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے گناہ کیلئے اللہ سے عرض کرو میں بھی استغفار کر رہا ہوں، توبہ کرتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امام مظلومؑ کے ہاتھ سے ہدایت کی اور میں صراط مستقیم پر فائز ہو گیا۔ الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمدؐ وآل محمدؐ اجمعین۔

(37/3)۔ ذاکرین حسینؑ اور عزاداری

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ٥ (ھود 11/114)

(1)۔ دردانگیز صورت حال

دشمنانِ اِسلام اپنی تمام کوششوں، کاوشوں اور ظلم واستبداد کے باوجود کسی زمانہ میں بھی اِسلام کو پھیلنے سے نہ روک سکے۔ اسلام کا کفر وشرک سے آخری مقابلہ اہل عرب کے ساتھ ہوا۔ اور ساری دُنیا جانتی ہے کہ صدی کا چوتھائی عرصہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ مشرکین

مکہ اور پورے عرب نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور سارے ملک میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و حکومت و تعلیمات پر عوام الناس نے ایک اُمت کی حیثیت سے عمل شروع کر دیا۔ اور اِسلام کے نام پر اُنھیں جو کچھ بھی بتایا گیا دل وجان سے اسے قبول کرتے اور عمل کرتے آج تک چلے آرہے ہیں اور قیامت تک عمل کرتے چلے جائیں گے۔ یعنی عوام اُمت نے کبھی بھی اللہ و رسولؐ کی تعلیمات کے خلاف نہ سوچا نہ عمل کیا۔ لیکن اُمت میں داخل دانشورانِ قوم وملت نے جو کچھ کیا اور جس طرح کیا اور جن وجوہات کی بنا پر کیا وہ ایک داستانِ الم ہے۔ اور قرآنِ کریم میں لکھی ہوئی محفوظ ہے۔ اگر اسلام میں داخلی تصادم، خانہ جنگیاں، قتلِ عام اور تعلیماتِ رسولؐ سے بغاوت نہ کی جاتی تو اُمتِ اسلامیہ صدی کی دُوسری چوتھائی میں معراج اور تسخیرِ کائنات کی منزل میں ہوتی۔ اور آج کہاں ہوتی؟ قرآنی پروگرام کی رُو سے آج اُمتِ مُسلمہ کو ترقی کے سدرۃ المنتہیٰ سے گزر کر کہیں عرشِ اعظم کے گردو نواح میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن جس تصور اِسلامی کو دانشورانِ اُمت کی کثرت نے اختیار کیا تھا اور جس پر آج تک عمل ہوتا چلا آرہا ہے۔ جس کے تحفظ میں عوام الناس کی کثرت کو ہر زمانہ میں مصروف ومشغول رکھا گیا ہے اور جس تصور کو قائم رکھنے کے لئے آج بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا جارہا ہے۔ اُس کا نتیجہ زیادہ سے زیادہ کُرہ ارض کی ایک چوتھائی رقبہ پر عارضی حکومت سے آگے نہ بڑھا۔ اور اقوامِ عالم سے اور خود ہم مسلک حکومتوں سے تصادم سے ہمیشہ دوچار رہا۔ اور آج امت جہاں جہاں اور جن جن ممالک میں ہے دُنیا کی پسماندہ اقوام میں شمار ہے۔ اور ہمارے سربراہانِ حکومت دن رات مُسلمانوں کو دنیا کی ترقی یافتہ غیر مسلم اقوام کے برابر لانے کی کوشش میں مبتلا ہیں۔ اور اُنھیں اس کوشش میں بھی غیر مسلم و بے دین حکومتوں سے مدد مانگنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ غیر مُسلم و بے دین حکومتوں نے زمین وآسمان پر اپنا اقتدار قائم کرلیا ہے۔ یہود ونصاریٰ اور منکرینِ خدا مُسلمانوں کو کائناتی علوم سکھا رہے ہیں۔ اُنھیں دنیا میں سہولت وآسائش سے زندگی بسر کرنے کا سامان ایجاد کر کے دے رہے ہیں۔ سر سے پیر تک اور گھر سے باہر تک کوئی ایسی چیز نہیں جو مسلمانوں کی ایجاد وتحقیق ہو۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اُن کی نظریں اُن لوگوں کی طرف لگی رہتی ہیں جنھیں یہ کافر و بے دین وجہنمی و گمراہ کہتے ہیں۔ ہم اور تمام اہلِ عقل اس بدترین نتیجہ سے واقف ہیں۔ اور ہم اور تمام اہلِ عقل یہ جانتے ہیں کہ مسلمان جب تک اس خود ساختہ قدیم تصور اور اِس خود فہمیدہ ترقی پر قائم ہیں ہرگز ترقی یافتہ غیر مُسلم و بے دین اقوام کے برابر نہیں آسکتے۔ اس لئے کہ وہ تمہارے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔ اور وہ تمہیں کسی صُورت میں وہ سامان اور وہ دماغ نہیں دے سکتے جو تمہیں اُن کے برابر لے آئے۔ تم مذھباً ومَسلکاً اُن کے دشمن رہتے چلے آئے ہو۔ وہ اپنے دشمن کو اپنے برابر آجانے میں جب ہی مدد دے سکتے ہیں جب وہ سب کے سب چند سال کے لئے پاگل ہو جائیں۔ لیکن وہ پاگل بناتے ہیں بنتے نہیں۔ اُنھیں اپنے کافرانہ نظام پر اور اپنی عقل وبصیرت و قوم وہم آہنگی پر اس قدر بھروسہ اور یقین ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا۔ مسلمانوں کی آزاد حکومتیں قائم کرانے سے نہ ڈرے۔ مسلمان حکومتوں کو سامانِ جنگ دینے سے نہیں گھبراتے۔ وہ جانتے ہیں کہ تمہارا مذہبی تصّور اُن کے کافرانہ تصور سے بار بار پٹتا اور شکست کھاتا رہا ہے۔ اور تم اُس تصور کو اپنا دین سمجھنے کی بنا کبھی پر چھوڑنے والے نہیں۔ لہٰذا تم سے کبھی خطرہ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔

(2)۔ **وہ تصوّر کیا ہے جس سے مُسلمانوں کا یہ حال ہوا؟**

جس تصور پر دانشورانِ اُمت کی کثرت ہمیشہ متفق رہی یہ ہے کہ:۔

(1) آنحضرتؐ کی وفات کے بعد دانشورانِ اُمت اپنی ذاتی سُوجھ بُوجھ واسلامی معلومات اور آپس کے مشورہ سے جو فیصلہ کریں گے وہ اللہ کی منشا اور اللہ کا حکم اور اسلامی فیصلہ ہوگا۔ (2) اور پوری اُمت بلکہ ساری نوعِ انسان کے لئے واجب التعمیل ہوگا۔ (3) اُس کا مخالف اللہ ورسوؐل کا مخالف اور اِسلام سے خارج ہوگا۔ (4) مخالفت پر ضد اور خلاف ورزی کرے تو واجب القتل ہوگا۔ (5) اُمت کے کسی فرد یا گروہ کو اس فیصلے کے خلاف فیصلہ یا کوئی اور فیصلہ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ (6) ورنہ ایسا فرد یا گروہ بھی واجب القتل ہوگا۔ (7) کوئی شخص جب تک مذکورہ بالا دانشور گروہ سے اِجازہ یا اجتہاد کی سند حاصل نہ کرلے۔ قرآن وحدیث سمجھنے کے باوجود فتویٰ، فیصلہ یا حکم صادر نہ کرسکے گا۔ (8) اور یہ کہ مذکورہ بالا دانشور گروہ میں یا پوری بنی نوع اِنسان میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہوسکتا جس سے غلطی سرزد نہ ہو۔ حتّٰی کہ خود آنحضرتؐ سے بھی (معاذ اللہ) غلطیاں ہوتی رہی ہیں۔ (9) اور یہ کہ قرآن اور احادیث رسولؐ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ضروریات واحتیاجات وتقاضات کا حل پیش نہیں کرتے۔ (10) ایسا حل مندرجہ بالا دانشور گروہ اپنی بصیرت اور مشورہ سے ہر زمانہ میں پیش کرے گا۔ اور وہ اللہ ورسول کا واجب التعمیل فیصلہ ہوگا۔ اوراس کی مخالفت بھی حسبِ سابق حرام وقابل تعزیر ہوگی (سُبحان اللہ وبحمدہ)۔ (11) قرآن وحدیث کی ہر وہ تعبیر وتفسیر وروایت نا قابلِ قبول ومردُود ہوگی جو مندرجہ بالاقسم کے دانشوروں کی سند کے بغیر یا اُن کی تعبیر وتفسیر وروایت کے خلاف ہو۔ (12) مندرجہ بالا دانشور گروہ پر تنقید وتبصرہ کرنے والا اسلام سے خارج ہوگا۔

(3)۔ **اِسلامی تعلیمات کا ایک قدیم تصوّر!**

تمام موجودہ کتبِ خداوندی میں یہ تصور موجود ہے اور قرآنِ کریم نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس تصور کی تصدیق فرمائی ہے کہ ہر رسوؐل یا نبیؐ بحکم خدا اپنا جانشین تیار وتجویز کرتا ہے۔ اور وہ جانشین اپنے رسولؐ یا نبیؐ کی تمام تعلیمات وصفات کا وارث وحامل ہوتا ہے۔ اور اُمت کے سامنے، اُن تمام ذمہ داریوں کے لئے جواب دہ ہوتا ہے جو اس نبیؐ یا رسوؐل کی کتاب میں مذکور ہوتی ہیں۔ لہٰذا اُمتِ محمدؐیہ میں چونکہ نبوت ورسالت وسلسلہ وحی ختم ومکمل ہوگیا اِسلئے جانشینِ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمتِ محمدؐیہ کی اُن تمام ضروریات واحتیاجات وتقاضات کا ایسا حل وتدراک پیش کرنے اور تعلیم دینے کا ذمہ دار ہے۔ جس میں کسی قسم کی خامی یا غلطی کا امکان نہ ہو۔ اور چونکہ قرآن کریم میں اللہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ:۔

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡکٰفِرُوۡنَo (المائدہ 5/44)

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوۡنَo (المائدہ 5/45)

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَo (المائدہ 5/47)

''ہر معاملہ میں اللہ کا نازل کردہ حُکم دیا جائے گا۔ اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ حکم کے ساتھ فیصلہ نہ کرے وہ **کافر وظالم وفاسق** ہے۔''

ظاہر ہے کہ جو حکم قرآن مجید میں نازل شدہ آیت کے الفاظ میں دیا جائیگا۔ اس میں نہ کوئی خامی ہوسکتی ہے نہ کسی غلطی کا اِمکان ہوسکتا ہے۔ اور اسی شرط سے یہ حقیقت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآنِ کریم میں تمام اِنسانی ضروریات ومتعلقات موجود ہونا چاہئیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آئندہ نبوت درسالت ووحی کا سلسلہ ختم ومکمل کر دیا ہے اور طرح طرح یہ بتا دیا ہے کہ قرآنِ کریم میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اور یہ کہ:۔ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ o (یوسف 12/111)

’’یہ قران خود ساختہ احادیث کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ تو تمام موجودہ تعلیماتِ خداوندی کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر شے کی تفصیل اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اس قوم کے لئے ہدایت ورحمۃ ہے جو قرآنی پوزیشن پر ایمان لاتی ہے۔‘‘

یعنی جو قوم یہ مانتی ہی نہیں کہ قرآن کی زیرِ قلم آیت میں جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے۔ تو نہ وہ ہر شے کی تفصیل قرآن میں مانتی ہے۔ نہ وہ قرآن میں تلاش کی زحمت گوارا کرے گی اور نہ اُسے قرآن میں ملے گی۔ تمام متعلقہ تفصیلات کو نظرانداز کر کے یہ عرض کر دیں کہ یہ زیرِ نظر اسلامی تصور نہ صرف یہ کہ شخصی حکومت چاہتا تھا۔ بلکہ اس کا قدرتی وقرآنی تقاضہ یہ بھی ہے کہ جانشینِ رسولؐ پوری کائنات کی تفصیلات پر اُسی طرح مطلع ہو جیسا کہ قرآن کے عالم ومُعلّم ورسوؐل کو ہونا چاہیے۔ اِن دو خرابیوں کی بنا پر دانشورانِ اُمت نے اس تصور کو اختیار کیا جس پر وہ ایک قومی حکومت قائم کر کے آپس کے مشورہ اور دانشوروں کی کثرت کے فیصلوں سے قرآن کا نہیں بلکہ قومی حکومت کا نظام چلا سکیں۔ اور شخصی اطاعت اور خاندانی حکومت کی آمریت سے محفوظ رہ سکیں۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ ابنِ عباس سے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ:۔ ’’اُن کی زیرِ قیادت قوم کو یہ پسند نہ تھا کہ جس خاندان میں نبوت رہی ہے۔ اُسی خاندان میں نبوت کے بعد حکومت بھی رہے۔‘‘ (الفاروق وغیرہ جلد اول صفحہ 104-103)۔ اس ناپسندیدگی کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نزولِ قرآن کے دوران برابر ہوتا رہا۔ اور آپؐ نے اس قوم کے اِس ارادہ کی اللہ سے شکایت کی تھی اور فرمایا تھا کہ:۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا o (فرقان 25/30)

’’اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ کر دوسرے ہدایت کار کی طرف ہجرت کر لی ہے۔‘‘

اگلی آیت میں اللہ نے رسوؐل کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

’’تمہارے ساتھ ہی نہیں بلکہ یہ تو روزِ ازل سے ہر نبیؐ کے ساتھ ساتھ چلنے والا ایک نظام ہے۔ جس میں انبیا کے دشمن اپنی مجرمانہ کاروائیاں کرتے چلے آتے ہیں۔ لیکن تمہارے نظام کی ہدایت کاری اور نصرت کے لیے تمہارا پروردگار کافی ہے۔‘‘ (فرقان 25/31)

قارئین کرام اگر چاہیں تو اِن دونوں آیات سے پہلی تین آیات (فرقان 29-25/27) میں وہ نظارا دیکھ لیں جہاں قیامت کے دن دو گہرے دوست اللہ کے سامنے اپنی اس کارکردگی پر بیان دے رہے ہیں۔ جس کے بھروسہ پر قرآن کو مہجور کیا تھا۔ اور آنحضرؐت کا مقرر کردہ راستہ چھوڑ کر آپس میں طے کردہ تصور وطرزِ حیات اختیار کر لیا تھا۔ بہرحال قومی وملکی مصلحت کے ماتحت خاندانِ نبوّت میں حکومت کا رہنا مفید نہیں سمجھا گیا۔ اور چونکہ دانشورانِ قوم کی کثرت یہی چاہتی تھی۔ اور خاندانِ نبوّت ذاتی اقتدار وآمریت کا بھوکا نہ تھا۔ اُسے اُمت کی خدمت وہدایت ورہنمائی کرنا تھی۔ اس کی اپنی ذاتی غرض تخت وتاج نہ تھی۔ اس کا ثبوت دینے کیلئے خاندانِ نبوّت نے

اس حکومت کو حکومتِ الٰہیّہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ قومی حکومت کی حیثیت سے قبول کرلیا۔اور قرآن کی حکمِ عام کی رُو سے یہ طے کرلیا:۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِo (مائدہ 5/2)

''ہر نیکی میں تعاون کریں گے۔گناہوں اور بے راہ روی میں ساتھ نہ دیں گے۔اور وہی عمل کریں گے جو رسول اللہ نے کفارِ مکہ کے ساتھ کیا تھا۔کہ خانہ کعبہ میں داخلہ بند کرنے والی قوم سے عداوت اور زیادتی سے پیش نہ آئیں گے۔اللہ کے حضور میں احساسِ فرض قائم رکھیں گے۔جس کے نتیجے میں اللہ سخت تر تعاقب کیا کرتا ہے۔''

چنانچہ حضرت علیؑ نے اختلافِ تصور کو برقرار رکھتے ہوئے بے مثال و بے نظیر صبر و تعاون کیا۔اور ہر اُس مشکل میں بلا تکلف مدد کی جو قرآنی وانسانی قانون کی رُو سے جائز تھی۔حالانکہ وہ بقولِ حضرت عمر تمام اُمت میں سب سے بڑے قاضی تھے (ازالۃ الخفا) لیکن باوجود استحقاق کبھی مسئلہ بتانے سے انکار نہ کرتے تھے۔اور یہ دباؤ نہ ڈالتے تھے کہ ہر حکم میری اجازت سے نافذ کیا جائے۔اور فلاں وفلاں احکام کیوں اپنی ذاتی رائے سے جاری کیے ہیں؟ اُنھوں نے کبھی جذبہ انتقام سے کام نہ لیا۔

(4)۔ حضرت علیؑ کے قرآنی تصور کو دُنیا سے ختم کرنے کا نظام!

اس تعاون اور مہلت کے باوجود قومی حکومت نے وہ تمام راہیں بند کردیں جن سے قومی حکومت اور پنچائتی قوانین کی مدت و ابطال ممکن تھا۔چنانچہ صرف اُن احادیث کو بیان کرنے کی اجازت تھی جو پنچائتی قوانین میں مددگار ہوسکیں۔لہٰذا تفسیر قرآن،فضائل محمدؐ و آلِ محمدؐ،غزوات اور جہاد میں مسلمانوں یا صحابہ کے کارنامے،منافقین اور سازشی مسلمانوں کے حالات،معراج،علوم القرآن،مکی زندگی اور قبل بعثت کے حالات،عرب کے نظامِ جنسی اور عبادات وغیرہ سے متعلق تمام احادیث کا بیان کرنا بند کردیا گیا۔تمام اہلِ علم صحابہ کو مدینہ میں مُسلسل نظر بند رکھا گیا،مدینہ کی عورتوں کا شہر سے باہر جانا بند کردیا گیا،ازواجِ رسولؐ تک کی زبان بند کردی گئی،سوائے حکومت کے مقرر کردہ لوگوں کے کسی اور کو اجازت نہ تھی کہ کوئی مسئلہ بیان کرے یا حدیثِ رسولؐ سنائے۔اس بلیک آؤٹ کو جاری رکھتے ہوئے حضرت امیر معاویہ نے پنچائتی حکومت اور پنچائتی تصور کی تائید کرنے والی تاریخ اور حدیث کی کتابیں لکھوانا شروع کیں اور اُن تمام صحابہ اور عوام کو تلوار وزہر سے ختم کرنے کے احکام نافذ کیے۔زیاد اور دیگر افسرانِ حکومت کے ہاتھوں روزانہ سینکڑوں محبانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کا قتل ہوتا رہا۔قرآنی تصور کو ختم کرنے کیلئے اور علی واولادِ علی علیہم السلام سے تمام اُمت کو متنفّر کرنے کے لیے ہر مسجد اور ہر منبر سے لعنت جاری رکھنے کا حکم نافذ کیا۔ایک صدی تک یہ تمام احکامات نافذ العمل رہے۔معاویہ کے بعد قومی حکومت اور تصور کو برقرار رکھنے کے لیے خاندانِ رسولؐ کو کربلا کے میدان میں قتل کردیا گیا۔اور بقیۃ السیف کو قید و بند میں رکھا گیا۔الغرض پنچائتی تصور اور حکومت نے برابر تین سو سال تک سر توڑ کوششیں کیں۔لاکھوں مخالفوں کو دار ورَسن وقتل وغارت کا نشانہ بنایا۔مگر علیؑ کا تصور قرآنی برقرار رہا۔وہ تمام احادیث جو پنچائتی حکومت نے بند کردی تھیں مرتب و مدوّن ہوتی رہیں۔علمائے شیعہ اور نیک نہاد علمائے اہلسنت نے کئی ہزار کتابیں حدیث وتفسیر کی لکھیں اور خطرناک حالات میں بھی اُن کی حفاظت کی اور جتنا ہوسکا پبلک میں پھیلائیں۔واقعات کربلا کے بیان کرنے والوں کی زبانیں کاٹی جاتی

تھیں۔قبر کی زیارت کے لیے آنے والوں کو قتل کی شرط پر زیارت کی اجازت ملتی تھی۔لوگ غول در غول زیارت کر کے شہید ہوتے رہے۔اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے قبرِ مظلومؑ کو دریا بُرد کرنے پر عمل کیا گیا لیکن نا کامی ہوئی۔آخر یہ رعایت ملی کہ دو آدمی زیارت کریں اور ایک قتل ہو جائے۔یوں بھی زائرین کی تعداد بڑھتی گئی۔آخر دونوں ہاتھ کٹوانے اور زیارت کر لینے کی رعایت ہوئی۔پھر ایک ہاتھ کاٹا جانے لگا۔اور پنچائتی حکومت کو ان سرفروش وفدا کار ذاکرین ومجاہدین کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑے جو ہر وقت کفن بردوش واقعاتِ کربلا اور فضائلِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کی نشر واشاعت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے مُلک بھر میں اور بیرونِ مُلک ہندوستان وچین وروس تک جا پہنچے تھے (ملاحظہ فرمائیں کتاب، مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک)۔آخر شیعوں کو زندہ رہنے کی سہولتیں حاصل ہوئیں۔اور انہوں نے اپنا تبلیغی پروگرام پُر امن حالات کے لیے مرتب کیا۔اور وہ کئی ہزار کتابیں پبلک اور علمائے فریقین کے سامنے آئیں جو اُس دورِ ہلاکت وظلم و جبر میں عام نہ ہو سکتی تھیں۔چنانچہ محدثین کے پاس احادیث وتفاسیر کے انبار جمع ہو گئے۔صرف علامہ محمد اسماعیل بخاری کا ذکر کر دینا کافی ہے۔جنہیں چھ لاکھ احادیث پہنچ چکی تھیں۔شیعہ محدثین کھل کر احادیث وتفاسیر معصومین علیہم السلام کی تدوین وتبلیغ کر رہے تھے۔بغداد میں اور بڑے شہروں میں عاشورۂ محرم وعزاداری ہونے لگی تھی۔اذانوں میں عَلِيٌّ وَلِيُّ اللهِ وَصِيُّ رَسُوْلِ اللهِ کے اعلان کی اجازت مل گئی۔اور اُمت نہایت تیز گامی کے ساتھ حقیقی اسلام میں داخل ہو رہی تھی۔ظاہر ہے کہ یہ حالات حکومتِ وقت کے لیے خوشگوار نہ تھے۔اور اب ظلم وجبر کا وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔قوت کا توازن شیعوں کے حق میں تھا۔وزرائے حکومت تک ملتِ شیعہ کے افراد تھے۔ اس وقت مدبرینِ حکومت نے شیعہ وزرا اور اُمرا کو نہایت خطرناک مگر حَسین مشورہ دیا۔یعنی شیعہ پبلک کے لیے شیعہ شریعت کے احکام دیئے جائیں۔اور اہلِ سنت کی قانونی کتابوں کی طرح شیعہ شریعت، مرتب ومدوّن کر کے مرکزی حیثیت سے حکومت اور عدالتوں کو استعمال کے لیے دی جائے تاکہ اُمت میں جو پسند کرے اپنا مقدمہ شیعہ عدالت میں لے جا سکے۔یہ ہے وہ خطرناک اسکیم جس نے حضرت عمر کے قائم کردہ نظامِ اجتہاد کو شیعہ علما میں رائج کر دیا۔بلا سوچے سمجھے علمی سوجھ بوجھ رکھنے والے شیعہ اور علمائے شیعہ، ملتِ شیعہ کی خدمت کے خیال سے حکومت میں مختلف عہدوں پر فائز ہو گئے۔اور جب تک اہلِ سنت کے اُصولِ فقہ وشریعت کی نقلیں تیار ہوں اور جب تک شیعہ شریعت پر کتابیں سامنے آئیں، بعض شیعہ علما نے اپنے منصبِ حکومت کے مطابق زبانی مسائل سے فیصلے دینا شروع کر دیئے۔اور یہی زمانہ ہے اور یہی سب سے بڑا سبب ہے کہ حضور امام حجت قائم آلِ محمدؐ بن امام حسن عسکری علیہم السلام نے قطعی غیبتِ کبریٰ اختیار فرمائی۔تاکہ علما کے یہ اجتہادی مسائل امامؑ زمانہ کی سند سے محروم رہیں۔اِدھر یہ اجتہاد جاری ہوا اُدھر شریعت کی تصنیف وتالیف کے لیے اُن تمام کتابوں کو حاصل کرنا ضروری ہو گیا جو اِدھر اُدھر خانہ نشین علما یا کتب خانوں میں تھیں۔چنانچہ روپیہ دے کر، جان لے کر، جیسے ہو سکا کتابیں جمع کی گئیں اور آخر تیسری صدی کے اواخر تک ہزاروں کتابوں میں سے صرف ساڑھے تین کتابیں شیعوں کے پاس رہیں۔ باقی کو زمین کھا گئی یا سمندر نگل گیا۔

(5)۔ **دُشمنانِ عزاداری سے چند باتیں:** شیعہ وسنی عُلما کی تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف احادیث کی چار سو (400) ایسی کتابیں موجود تھیں جو آئمہ علیہم السلام کے حکم سے لکھی گئیں۔جن کی تصدیق آئمہ علیہم السلام نے کی تھی اور اپنی مہریں ثبت کی

تھیں۔اس معصوم شیعہ ریکارڈ کو دشمنوں کی مدد سے تباہ کر دینے کے بعد ہم سے یا ذاکرینِ حسین علیہ السلام سے یہ کہنا کہ تم نے فلاں روایت غلط پڑھی ہے یافلاں واقعہ کسی حدیث کی یا تاریخ کی کتاب میں نہیں ہے۔ بڑی سفا کانہ وظالمانہ جسارت ہے۔

پہلی بات: آپ سے عرض ہے کہ آپکے ذہن میں حقیقتاً کتاب سے سند مانگنا نہیں ہے۔یعنی آپکا منشا اورارادہ نہیں ہے کہ اگر ہماری بیان کردہ روایت یاواقعہ کسی کتاب میں ہوتا تو آپ اُسے ضرور تسلیم کر کے اُس پر عمل کرتے۔لا و اللہ آپکے اعتراض کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے کہ سینکڑوں ایسی روایات اور واقعات کتابوں ہی میں نہیں بلکہ قرآن میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔مگر آپ اور آپکے بزرگوں نے اُنکو نہ مانا۔مثلاً ہم نے ابھی قرآن کی چند آیات لکھی ہیں (مائدہ 5/44-45,47)۔کیا آپ آج تیار ہیں کہ اِن آیات کے حکم پر عمل کریں اوراجتہاد کو چھوڑ دیں؟ پھر ہم نے سورۃ یُوسف کی آخری آیت (12/111) لکھی ہے۔کیا آپ یہ اعلان کرنے کو تیار ہیں کہ کائنات کی تمام چھوٹی بڑی اشیاء کی تفصیل قرآن میں موجود ہے۔لہٰذا آپ اجتہادی احکام جاری کرنے سے توبہ کرتے ہیں؟ کتابوں میں لکھا ہے کہ اہلِ حرم نے سینہ کوبی کی، منہ پر خراشیں اور زخم ہو گئے۔ماتم میں خون جاری ہوا۔شیعوں کے ایک گروہ نے تلوار سے ماتم کیا اور دورانِ ماتم شہید ہو گیا۔اور آئمہ نے اُس کیلئے دعائے خیر کی (جماعتِ توابین)۔ہم نے ماتمِ شبیرؑ نام کی کتاب لکھی، مراجع تقلید کے فتاویٰ لکھے، اور اپنے ماخذ کتاب کا نام لکھا۔کیا آپ تیار ہیں کہ مومنین کے ساتھ مل کر زنجیر وقمہ اور تلوار کا ماتم کریں؟ اوراس ماتم کو حرام کہنے والوں کی مذمت کریں؟ نہیں آپ تو ہرگز محمدؐ وآلِ محمدؐ کے شیعہ نہیں ہیں۔آپ ہرگز کسی سند اور کسی کتاب کے ماننے والے نہیں ہیں۔آپ تو دُشمنانِ عزاداری ہیں۔آپکا اور آپکی لکھی ہوئی کتابوں کا نام خواہ ہیرے جواہرات ہوں یا ہفوات الشیطان ہو۔آپکا مقصد عزاداری کو بتدریج بند کرنا اور بند کرانا ہے۔اگر آپ اہلِ سنت کا لیبل لگائے ہوئے ہیں تو آپکو معلوم ہے کہ خالد بن ولید پر ماتم ہوا، آہ وبکا کا کہرام برپا ہوا۔اور خلیفہ ثانی نے پسند کیا۔اور حضرت عائشہ نے اس جھوٹی روایت کی مذمت کی جس میں نوحہ وماتم سے مُردہ پر عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔اور مظلوموں کو رونے سے روکنے کیلئے رسولؐ اللہ پر افترا کیا گیا تھا۔اور یہ بھی اُس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ جسے ایک ولی اللہ نے لکھا ہے اور الہامی کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔اور کتاب کا نام **اِزَالَۃُ الْخِفَا عَنْ خِلَا فَۃُ الخلفَا** رکھا۔اور تمام قدیم وجدید ہندوستانی مجتہدین اُن کو حکیم الامت کہتے ہیں۔کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ عزاداری کے جلوسوں میں ماتم نہ سہی، روتے ہوئے نکلا کریں گے؟ آپکو ہمارے یہاں کے بعض مجتہدین اپنا بڑا بھائی کہتے ہیں اُمید ہے کہ آپ بھی عزاداری میں شریک ہو جائیں گے تو اُنہیں شرم آئے گی۔ اور وہ نوحہ وماتم کے شروع ہونے سے پہلے ہی مجلس سے نکل بھاگنا بند کر کے جلوسِ عزاداری کے ساتھ چلنے لگیں گے۔

دُوسری بات۔ پھر آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ نے نہ شیعوں کی ساری کتابیں دیکھی ہیں نہ اہلسنت کی تمام کتابیں آپ کی نظر سے گزری ہیں۔شیعوں اور سُنیوں کی تمام کتابیں پڑھنا تو بہت بڑی غپ ہے۔آپ کے گروہ کے کسی عالم نے تمام کتابوں کا بیس ہزارواں (1/20000) حصہ بھی نہیں دیکھا پڑھنا تو بڑی بات ہے۔ پڑھنے کے لیے تو آپ کو کم از کم پانچ زبانوں پر عبور ہونا لازم ہے۔اور آپ کے ان بزرگوں کو دواڑھائی زبانوں سے زیادہ معلوم نہ تھیں۔اور اُن دواڑھائی زبانوں کا جو حال تھا وہ ہماری تصنیفات میں مثالوں کے ساتھ لکھا ہوا ہے پڑھ کر لطف اندوز ہوں۔

تیسری بات۔ پھر یہ بھی بتانا ہے کہ جن کتابوں کے سہارے پر آپ اعتراض جڑتے رہتے ہیں وہ کتابیں دو حال سے خالی نہیں ہوتیں۔ اوّل یہ کہ وہ تمام کتابیں امیر معاویہ اور اُن کے قبل و بعد کی حکومتوں کی سرپرستی میں لکھی گئی ہیں۔ اُن میں کوئی ایسی روایت یا واقعہ نہیں لکھا جا سکتا تھا جو حکومتوں کے مذہب اور پالیسی کے خلاف ہوتا۔ ورنہ اُن کے خلاف بغاوت ہو جاتی۔ دوم یہ کہ وہ کتابیں اجتہاد کی چھلنی میں سے چھان کر حکومت کے پھیلائے ہوئے تصورات و خود ساختہ روایات و حالات سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔ اور اپنے بڑے بھائیوں کا لحاظ رکھ کر تیار کی گئی ہیں۔ مثلاً فلاں بات یا فلاں عقیدہ شرک ہے، لہٰذا چھوٹے بھائیوں نے اُن تمام عقائد سے بچ کر کتابیں لکھیں ہیں۔ مثلاً حضرت محمد مصطفٰے اور آئمہ معصومین علیہم السلام سے علم غیب کی نفی وغیرہ اپنے بڑے بھائیوں کی خوشنودی کے لئے کی گئی اور تمام متعلقہ آیات و احادیث کا انکار یا تاویل کر لی گئی۔ لہٰذا وہ کتابیں لیبل کے باوجود مذہبِ شیعہ کی کتابیں نہیں ہیں۔

چوتھی بات۔ یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ہم ایسی کتاب اور ایسے علما پر ایک دم اعتماد نہیں کر لیتے بلکہ ان پر تحقیق و تنقید کی نظر ڈالتے ہیں۔ جن میں کوئی ایک بات بھی مذہبِ شیعہ کے خلاف لکھی ہو۔ مثلاً تین بیٹیوں کا اضافہ کرنا یا کفار و مشرکین کو داماد مان لینا۔ چنانچہ ہم ایسے علما کی مذمت واجب سمجھتے ہیں اور حق بات دشمن کی کتاب میں ہو یا زبان سے نکلے قبول کر لیتے ہیں۔ بتایئے ہم یہ کیسے مان لیں کہ آنحضرتؐ سے بھول چوک سرزد ہوئی تھی۔ ہم ہر اُس شخص کو گمراہ سمجھتے ہیں جو معصومین علیہم السلام سے کسی قسم کی اور کسی مقدار میں غلطی، خطا یا بھول مانتا ہو۔ عالم ہو تو مذمت زیادہ کی جائے گی۔ اہلسنت ہو تو دھوکے میں مبتلا سمجھ کر سمجھانا واجب ہوگا۔ پھر کیا ہم ایسے اشخاص کو شیعہ سمجھیں جو اذان میں علی ولی اللہ کہنے کی نفی کرتے ہوں۔ یا ولایت علویہ کو اذان و نماز سے خارج کرتے ہوں۔ حالانکہ علیؑ خود ایک صراطِ مستقیم ہے۔ ولایت خود مکمل دین ہے، ولایت کے بغیر تمام اعمال باطل ہیں۔

پانچویں بات۔ آپ کو یہ بھی بتانا پڑیگا کہ واقعاتِ کربلا کا ہر پہلو نہ صرف دردانگیز ہے بلکہ مولویانہ ذہنیت کے لیے خلافِ شریعت بھی ہے۔ اور اُس کے مَبلَغ عِلم سے اُتنا ہی بلند ہے جتنا مقامِ محمدؐ و آل محمدؐ مادی فکر و اجتہاد سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ چونکہ مولوی کی خود ساختہ اور خود فہمیدہ شریعت میں یہ خودکشی کے مترادف ہے۔ اور اس بحث میں بڑے بڑے پھنے خان مجتہدین بوکھلائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور عزاداری پر اعتراض کرنے والے وہی لوگ ہیں یہ اُن لوگوں کو بھی حق پر مانتے ہیں جو امام حسینؑ کے ساتھ نہیں تھے اور اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور خود کو پکا مومن و مُسلم سمجھ رہے تھے۔ اُن کے یہاں جان بچانے کے لیے، سرمایہ بچانے کے لیے جھوٹ بولنا جائز ہے لیکن جہاں دین اسلام خطرہ میں ہو وہاں جان دینا جائز نہیں ہے۔ تلوار اور ڈنڈے کو سجدہ جائز ہے۔ مالِ حرام یا مالِ مخلوط بالحرام جائز ہے۔ یعنی دنیا کی ہر شرمناک بات جائز ہے، بردہ فروشی جائز ہے، وقتِ ضرورت ایامِ حیض میں زوجہ کی اُلٹ پلٹ جائز ہے، کنیز بازی جائز ہے، لیکن حضرت علی یا امام حسینؑ یا علی اصغر علیھم السلام کا تابوت بنانا، شبیہ بنانا، جھولا بنانا، ناجائز ہے۔ اس لیے کہ یہ جھوٹ موٹ کا جنازہ ہے اور مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی جھوٹی بات یا جھوٹا کام کرے۔ پھر اس جھوٹ موٹ کے تابوت کا وہ احترام کرنا نہ صرف جھوٹ ہے بلکہ شرک ہے۔ اِس قسم کی مومنانہ ذہنیت کو کربلا اور اس کے متعلقات و حالات و عزاداری کی رسُومات سمجھانا ہے تو مشکل، لیکن ہم اپنے اُس طبقہ کو سمجھانا ضروری سمجھتے ہیں جو ماڈرن تصورات کی بنا پر عزاداری کی بہت سی رسومات کو بیک ورڈ (Backward)

اور پست ذہنیت کی نمائش کہہ کر ماتمی حلقوں کا دُور سے معائنہ فرمایا کرتا ہے۔

پہلے تو یہ سُن لیں کہ آپ کا یہ خادم یونیورسٹی کی انتہائی تعلیم سے مرصع ہے اور اس دنیا کا کوئی ملک کوئی بڑا شہر ایسا نہیں ہے جس سے کماحقہٗ وہاں رہ کر واقفیت نہ حاصل کی ہو۔ اور اس موڈرن زمانہ کی سائنس سے لبریز تین زبانوں پر عبور رکھتا ہے۔ فضاؤں اور آسمانوں سے عملی واقفیت بھی رکھتا ہے۔ مختصراً یوں عرض کردوں کہ آپکی خدمت اور ملازمت کیلئے ہر طرح موزوں اور فِٹ نوکر ہے۔ ایم ایس سی تک آپ کے بچوں کو پڑھا سکتا ہے۔ سائکالوجی، میتھ پولیٹکس اور لاء کی انتہائی حدود تک آپکی خدمت کرسکتا ہے۔ ڈرافٹس مین ہے، آرٹسٹ بھی ہے، الغرض موسٹ ماڈرن ہوکر ماتمی دستہ میں زنجیر زنی کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب کا ڈاکٹر ہوتے ہوئے مجلس میں بلامُنہ ڈھانپے دھاڑیں مار کر رونے میں نہیں شرماتا۔ کیوں؟ (جواب اسی کتاب اور اسلام میں جنسی تعلقات میں ملاحظہ ہو)۔

بہرحال سائل معترض کو یہ بتانا ہے کہ ہمارے ذاکرینِ حسینؑ واقعاتِ کربلا کے سلسلے میں وہ سُنت، وہ عملی کیفیات و جذباتِ شہداو اہلِ حرم علیہم السلام پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو الفاظ و بیان کے دائروں میں نہیں سماتے۔ اور اسی لیے خود اہلِ حرمؑ سے جو روایاتِ مصدقہ اور مجتہدین کی مسلّمہ ریکارڈ کی گئی ہیں اُن میں بھی چونکہ الفاظ ہی ہیں۔ اس لئے الفاظ اور لغاتِ حجازی کا رَٹہ مارنے والوں کو ان روایات میں بھی اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان لکیروں کے پیٹنے والوں نے یہ مان لیا ہے کہ روایات بالمعنی جائز ہے۔ لیکن وہ دشمنی اور سنگدلی ہی کیا جو پسرِ مردہ ماں اور سامنے ذبح ہوتے بھائی کو دیکھنے والی بہن کے لڑکھڑاتے ہوئے الفاظ اور بے قابو دل کا لحاظ کرے؟ اس مردُود نے ادھورا اور دقیانوسی منطق پڑھ کر نفسیات کو منطقی ڈنڈے سے سمجھنے کی کوشش کی اور موجود ہوتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھُلی ہوتیں تو شاید چہرہ کے اُتار چڑھاؤ سے الفاظ کی بھُول بھلیاں سے نکل کر کچھ سمجھ جاتا۔ لیکن نہ اُس کا باپ اس کے سامنے قتل ہوا نہ بیٹا پیاسا ذبح کیا گیا۔ نہ وہ کبھی بھوکا پیاسا رہا۔ بہرحال ایک اندھے کو جو عقل کا بھی اندھا ہو، سمجھانا بہت مشکل ہے۔ جسے یہ ہی معلوم نہ ہو کہ وہ سنتا کیسے ہے؟ الفاظ کو سننے کے بعد دماغ و دل پر کیا گزرتی ہے؟ اور وہ کیسے سمجھتا ہے؟ سمجھ کر اس کے منہ سے چیخ کیوں نکل جاتی ہے؟ یا دل رونے کیوں لگتا ہے؟ یا قوتِ گویائی عارضی طور پر کیوں مفلوج ہوجاتی ہے؟ کپکی اور جسم میں رعشہ کیوں پیدا ہو جاتا ہے؟ اور بے تحاشہ قہقہہ کیوں بلند ہوجاتا ہے؟ الفاظ تو وہی تھے۔ جواُن ہی الف، بے، جیم وغیرہ سے لکھے جاتے ہیں یا بنتے ہیں۔

کوئی اُنہیں سمجھائے کہ حضور اُس حادثۂ جانکاہ کے بعد واقعاتِ کربلا جن جن کانوں تک جن جن الفاظ میں پہنچے وہ تو سب مختلف سِن وسال کے لوگوں نے مختلف الفاظ میں پہنچائے۔ مگر نتیجہ سب کا ایک ہی تھا۔ ظالم سے نفرت اور مظلوم سے محبت، ظالم کی تباہی اور مظلوم کی نجات۔ انقلاب کے گرداب کے سامنے جو آیا اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس تجربہ کے بعد طرفدارانِ مسلک یزیدی نے موقع ملتے ہی زبانوں پر پہرے بٹھا دیے۔ حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آ گئی۔ اور عزادارانِ حسینؑ اور ذاکرینِ آلِ محمدؐ کو مشکلات اور جان لیوا حالات نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضرت عمر کا قائم کردہ پرچہ نویسوں، جاسوسوں اور مخبروں و پولیس کا جال تیزی کے ساتھ پھیلا دیا۔ کون اہلِ حرم سے ملتا ہے؟ کیا باتیں ہوتی ہیں؟ حکومت کے خلاف کون سا جملہ، کون سا لفظ اور کون سا اشارہ نفرت کاری کرتا ہے۔ لوگ دُور دُور سے آتے، اُن میں وہ لوگ بھی ہوتے جو مزاجِ خانوادۂ رسولؐ سے واقف اور معرفتِ اہلبیتؑ و ہمدردی رکھتے

تھے۔ ناواقف لوگ بھی انسانی ہمدردی کے ماتحت آ کر ملتے تھے۔ وہ لوگ بھی ہوتے تھے جو حکومت کی طرف سے تاریخ لکھنے پر تعینات تھے۔ وہ بھی ملتے جو اہلبیتؑ کا مرکزی ریکارڈ تیار کر رہے تھے۔ وہ لوگ بھی آتے جو اپنی ذاتی یا جماعتی وجوہ کی بنا پر حکومت کے دشمن تھے اور پبلک کی ہمدردی و پشت پناہی کیلئے اہلبیتؑ اور دیگر ستائے ہوئے لوگوں کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ اُس صورتِ حال کو سامنے رکھیئے اور ہمیں بتایئے اور سوچ سمجھ کر بتایئے یا کسی روایات کے جانچنے والے ذاکروں پر تنقید کرنے والے علامہ سے دریافت کر کے بتایئے کہ اُن مختلف الحال اور مختلف المقاصد سائلین کو الگ الگ شناخت کرنے اور سب کو اطمینان بخش جواب دینے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟ تاکہ آئندہ اہل حرم محفوظ بھی رہیں، کوئی بات خلافِ واقعہ بھی نہ کہیں۔ اور تمام مسلمانوں کو حکومت کے مقاصد و مظالم اور محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے پروگرام کا علم بھی ہو جائے اور تمام مسلمان ظلم و استبداد کو فنا کرنے کے لیے متحد و متفق بھی ہو جائیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اس سوال کا جواب تمام انسانوں کی مجموعی قابلیت سے بھی نہ دیا جائے گا۔ اور تمام زبانوں کے تمام الفاظ مل کر بھی یہ ضرورت پُوری نہ کر سکیں گے۔ یہ سبب ہے کہ روایات بیان ہو چکنے اور کتابوں میں لکھی جانے اور موجود ہونے کے باوجود نہ اُن واقعات کی ترجمانی کر سکیں نہ اُن کی کیفیات وجذبات کو پیش کر سکیں جو امام حسین اور دیگر شہدا علیہم السلام کے ساتھ چلی گئیں۔ نہ اہل حرم کے محسوسات وقلبی واردات کو احاطہ کر سکیں اور نہ قیامت تک یہ حقیقت روایات کے قابو میں آ سکتی ہے۔ اور یہی وہ مشکل ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے عُلما واقعاتِ کربلا کو نتیجہ خیز واثر انگیز انداز میں پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ اس کی پہلی وجہ تو یہی تھی کہ وہ حضرات روایات کے کھوکھلے الفاظ سے ترجمانیٔ شہدؑا و اہل حرمؑ کرنا چاہتے رہے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے محض تماشائی اور قصہ گو کی پوزیشن اختیار کیئے رکھی ہے۔

لیکن ذاکرینِ حسین علیہ السلام روایات والفاظ کی تہ میں اُتر جاتے ہیں۔ پھر الفاظ وجذبات ومحسوسات کے راستے سے میدانِ کربلا پہنچ جاتے ہیں۔ وہ شہیدانِ کربلا اور مُخدراتِ عصمت اور اطفالِ حسینؑ کی کیفیات ومحسوسات کو اپنے اوپر طاری کر لیتے ہیں۔ اور پھر مومنین کے سامنے اپنے دل کی گہرائی سے اُبھرنے والے الفاظ میں وہ صورت حال پیش کر دیتے ہیں جو خود اُن پر طاری ہوتی ہے۔ اگر وہ واقعہ خود اُن پر گزرا ہوتا۔ وہ خود کو زیر گفتگو شہید یا فرد کی فطری پوزیشن میں اس طرح رکھ دیتے ہیں کہ دونوں کے فطری محسوسات وقلبی واردات ایک ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کے منہ سے نکلنے والا ہر لفظ متعلقہ شہید یا فرد کے جذبات یا کیفیات مومنین کے قلوب تک پہنچا تا ہے اور وہ نتیجہ مرتب کر دیتا ہے جو لوگوں کو حُسینی مشن کا فرد بنانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے ذاکرین کی مجالس کامیاب ہوتی ہیں۔ اور روایت زدہ بڑے بڑے علما ناکامیاب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ روایات کے غلاف نے اُنہیں اس آبِ حیات سے محروم (Water Proof) کر دیا ہے جو محمدؐ وآلِ محمدؐ سے محبت وخلوص کے جذبات وتصورات کے چشمہ سے نکلتا ہے۔ ہم پر جو کیف طاری ہوتا ہے۔ اُس میں تلوار کی نوک کا ہمارے گوشت میں گھسنا، چھُریوں کا پے در پے سر وسینہ پر برسنا ہمیں سہانا معلوم ہوتا ہے۔ اور ہر دوسرا وار زیادہ زور سے اور جانچ کے کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اِن کیفیات اور متعلقہ لذت کو ماتمیوں اور شہدائے کربلا کے علاوہ کوئی نہیں سمجھتا۔ اور یہ کیفیت اور لذت جب تک حاصل نہیں ہو جاتی کوئی کامیاب ذاکر نہیں بن سکتا۔ لیکن یہ کیفیت اور لذت قطعاً فطری اور قابلِ فہم ہے۔ یعنی ہمارے ذاکرین اور ماتمی حضرات اُس عالم میں جا پہنچتے ہیں جسے معنوی کربلا کہا جاتا ہے۔ وہاں امامِ مظلوم علیہ السلام کا قُرب محسوس ہوتا ہے۔

اُنکے چہرے پر قلبی نگاہیں پڑتی ہیں تو اپنا جسم و جان، مال وزر، اولاد اور تمام متعلقات اپنا وجود کھودیتے ہیں۔ اور جس کا ذکر یا ماتم کر رہے ہوتے ہیں اُسکی طرف سے اُسی کی طرح تمام ذمہ داریاں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور یوں امام حسینؑ کے حضور فدا ہو جانے کا جذبہ طاری ہو جاتا ہے۔ لوگ ذاکرین حسینؑ اور ماتمی دستوں کے صرف چہرے دیکھ کر تڑپ جاتے ہیں۔ پھر اُنکے پر خلوص اور درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ کربلا کا نظارا دیکھ کر تڑپ جاتے ہیں۔ اور ہر شریک مجلس یا جلوس اپنی فطری آنکھوں سے وہی کچھ دیکھتا ہے جس نے ذاکر یا ماتم کرنے والے کو اُس فداکاری کی حد پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہمارے خون کا ہر قطرہ وہی وزن رکھتا ہے جو امام حسین علیہ السلام کے مشن پر فدا ہو جانے والے شہدا کے خون کے قطرات رکھتے ہیں۔ ہمارا خون پاک ہو جاتا ہے۔ ہم خون میں نہائے ہوئے اور خون میں لتھڑے ہوئے لباس سے بلا وضو دورانِ جلوس نماز پڑھتے ہیں۔ نماز میں ولایت مرتضویؑ کی شہادت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور سلام میں سرکارِ رجعت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام پڑھتے ہیں تو سرکار قائم آلِ محمدؑ کو اپنے سامنے پاتے ہیں۔ یوں اپنے خون، گوشت اور آنسوؤں سے سجا کر اُنکے حضورؑ میں شہدائے کربلا کا پُرسہ وتعزیت پیش کرتے ہیں۔ اُن کی نگاہِ کرم ہمارے زخموں کو مندمل کر دیتی ہے۔ ہمیں زیادہ قربانی کی توفیق عطا کرتی ہے۔ یہ باتیں ملّا ازم کی سمجھ سے بہت بعید ہیں۔

(6)۔ واقعۂ کربلا اور روایات پر ایک واقعاتی نظر!

امام حسین علیہ السلام معہ اپنے اَعِزّہ اور انصار کے چاروں طرف سے فوجوں کے نرغے میں گھرے ہوئے تھے۔ اُس گھیرے کے اندر کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ کوئی نہیں جان سکتا تھا اگر امام حسین علیہ السلام صرف اُن تیغ آزما بہادروں اور فداکاروں کو لائے ہوتے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ لیکن حضورؑ یہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے مشن اور کربلا کی ایسی لامحدود داستان عزا چھوڑ جائیں جو قیامت تک نئے انداز سے بیان ہوتی چلی جائے اور ساری دنیا کو اس مشن کا والا وشیدا اور فریفتہ بنا لے۔ جس میں قوتِ نشوونما کبھی کم نہ ہونے پائے۔ جو دنیائے اسلام کے ہر واقعہ، ہر حادثہ اور ہر داستان پر چھا جائے۔ جو اپنی فطری قوت سے انسانیت کے جذبات محسوسات وکیفیات کو اپنے اندر جذب کر کے انسانوں کے ہر طبقہ اور ہر مکتبِ فکر کو اپنے چاروں طرف مرکوز کر لے۔ اِس مقصد کے لیے وہ اپنی بہنوں، بیٹیوں اور دوسری مُخدّراتِ عصمت کو اپنے خاندان کے نوخیز اور کم سِن اور شیر خوار بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔ وہ مدینہ میں بھی ایسی ہستیاں چھوڑ آئے تھے۔ جو دن رات مقاصدِ حسینیؑ اور سفر کی ہولناکیوں کا تذکرہ جاری رکھیں۔ جنہیں فطری رشتہ اور قربت کا لگاؤ چین سے سونے اور کھانے پینے سے باز رکھے۔ جو پُورے مدینہ کی آنکھوں کو کربلا، کوفہ وشام کی طرف لگائے رکھیں۔ جو ہر مسافر سے اور قاصد سے اور ہر راہرو سے کاروانِ حسینیؑ کی نقل وحرکت اور خیریت دریافت کر کے اس سفر اور اُس مقصد کو پورے ملک میں پھیلا دیں۔ جو ہر آنے والے کو خط سونپنے کے لیے سارا سارا دن راہ گزاروں پر بیٹھ کر وقت گزار دیں۔

وہ جانتے تھے کہ جب تک نتائج برآمد نہ ہولیں گے۔ حکومتِ وقت احتیاطی تدبیروں سے غافل رہے گی اور اس غفلت سے فائدہ اٹھانا اُن حضرات کی ذمہ داری ہوگی جو تلواروں کی زد پر نہ رکھے جائیں گے۔ اُن کے سامنے ماضی، حال اور مستقبل کے پردے حائل نہ تھے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کی شہادت کے بعد اُدھر خلیفۃ المسلمین کی افواج میں شادیانے بجیں گے۔ اور اِدھر اُن کے اہلِ

حرم اور بہن پر مصائب ٹوٹ پڑیں گے۔ شامِ غریباں اُن کے سامنے بچپن سے کھڑی رہتی تھی۔ اُن کے سامنے ہمیشہ وہ دردناک منظر پھرتے رہتے تھے جو کربلا سے دمشق تک اہلِ حرم کے ساتھ وقوع پذیر ہونا تھے۔ بازوؤں کا چومنا اُسی کا تو ثبوت ہے کہ گرفتاری معلوم تھی۔ وہ جانتے تھے کہ کوفہ کی گلی گلی پھرایا جائے گا۔ تاکہ حضرت علیؑ کے تیار کردہ خاندان کو کربلا کا عملی نتیجہ دکھا کر آئندہ محمدؐ وآلِ محمدؐ کی نصرت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے۔ کوفہ کے باشندوں کی تعداد شہدائے کربلاؑ میں سب سے زیادہ تھی۔ اُن کے سروں کو باقی شہدائے کربلاؑ کے ساتھ جلوس میں بھیجنا بہت ضروری تھا تاکہ کوفہ کے باشندوں اور شہدا کے خاندانوں کو ہر شہید سے نام بنام متعارف کرایا جائے۔ اور بتایا جائے کہ خلیفة المسلمین کے خلاف اُٹھنے والوں کا یہ حشر کیا جائے گا۔ خلیفہ کی سو فیصد اطاعت نہ کرنے پر اگر خود خاندانِ رسوؐل اور حسینؑ کے ساتھ رعایت نہیں ہے تو کسی اور کا شمار کہاں ہوگا؟ حکومت کا منشا تو صرف طرفدارانِ رسوؐل اور آلِ رسوؐل کی ہمتوں کو توڑنا تھا۔ لیکن اُس کا ردِعمل یہ تھا کہ شہید کے بچے، والدین و ازواج و اعزّہ، امام زین العابدینؑ اور حضرت زینبؑ سے سوالات کر رہے تھے۔ تاکہ اپنے شہیدوں کی بہادری، فداکاری کی داستان سنیں اور خاندان میں مثالی حیثیت سے برقرار رکھیں۔ یہی وہ پہلا موقع تھا کہ اہلِ حرمؑ نے داستانِ کربلا اہلِ کوفہ کے قلوب اور اذہان میں ودیعت کر دی۔ میں نہیں مانتا کہ یہ جلوس اور اس کا گشت ایک دن اور چوبیس گھنٹوں میں ختم ہو گیا تھا۔ جس مقصد کے لیے ابن زیاد نے اہلِ حرمؑ اور شہدائے کربلا کا یہ جلوس نکالا تھا وہ ایک دن چند گھنٹوں میں مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔ کوفہ ایسے گنجان آباد اور عظیم الشان اور وسیع و عریض شہر کی ہر گلی اور گھر کے پاس سے گزرنا اور ہر شہری کو ہمت شکن اطلاعات بہم پہنچانا کم از کم ایک ہفتہ چاہتا ہے۔ بہر حال یہ وہ پہلا آزاد موقع تھا کہ خاندانِ رسوؐل نے کربلا کی تمام تفصیلات کھلے بندوں شیعانِ کوفہ تک پہنچا دیں۔ لکھنے والوں نے لکھیں، سُننے والوں نے سُنیں۔ الغرض وہ تاریخ جو انتقالِ رسوؐل کے بعد حکومت کی پالیسی کے قبرستان میں دفن تھی، لوگوں کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ تاریخ جو حکومت لکھوا اور پھیلا رہی تھی آج برہنہ ہو رہی تھی۔ یہی جلوس اور یہی گشت اور اہلِ حرمؑ کے یہی بیانات تھے جنھوں نے کوفہ میں وہ مرکز قائم کیا جس نے پنچائتی حکومت کے خلاف اِنقلاب برپا کیے۔ مصر و افریقہ و ایران و عراق میں شیعہ حکومتوں کی بنیاد رکھی اور ایک دن اُسے تباہ کر کے رکھ دیا۔ یہی وہ دشمنی تھی جس کی بنا پر کوفہ کے شیعوں کو حکومت کی تاریخ میں بدنام کرنے کی ہر شرم انگیز کوشش کی گئی۔ حضرت زینبؑ و زین العابدین علیہما السلام کے خطبات تھے۔ جنھوں نے کوفہ میں کبھی نہ ختم ہونے والی بے چینیاں بھر دیں۔ امام حسین علیہ السلام کا نوکِ نیزہ کی بلندی سے قرآن پڑھنا دلوں کو چیرتا چلا جاتا تھا۔ یہ وہ معجزہ تھا کہ جس نے آئندہ کے لئے راہِ خدا میں فدا ہو جانا آسان کر دیا۔ کوفہ سے فراغت کے بعد اہلِ حرمؑ کو دربارِ یزید میں کچھ بیان دینے کا موقع ملا۔ لیکن یہاں کوفہ ایسی آزادی نہ تھی۔ قید خانہ میں بھی زبان آزاد رہی اور ہر ملاقاتی کو بے محابا حالات سنائے گئے۔ یہاں تک کہ حقائقِ کربلا خلیفة المسلمین کے حرم تک جا پہنچے۔ پھر بڑا اور آزاد موقع وہ تھا جب اہلِ حرم کی درخواست پر ایک جلسہ عام اور مجلسِ عزا کے قیام کی اجازت ملی۔ اور قید سے رہائی سے ذرا پہلے تین روز تک مردوں اور عورتوں کو حضرتِ امامِ زمانہ اور جنابِ زینب علیہما السلام نے ابن زیاد اور عمر سعد اور شمر وغیرہ کے مظالم اور کربلا کے واقعات سے مطلع کیا اور تاریخ کو دہرایا۔ اس کے بعد یعنی کامل ایک سال کی قید سے رہائی کے بعد دمشق سے کربلا اور کربلا سے مدینہ تک بالکل آزادی تھی۔

لیکن مدینہ پہنچنے کے چند روز بعد ہی پابندی عائد ہوگئی۔اس لیے کہ ملک میں چاروں طرف بغاوت کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔اوراس بغاوت سے بنی اُمیہ کے دشمن فائدہ اُٹھانے کا اعلان کر چکے تھے۔اب وہ زمانہ آ گیا تھا جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔اب حضرت عمر کا قائم کردہ جاسُوسی، پولیس،اور پرچہ نویسوں کا جال ذرا ٹائٹ کر کے بچھا دیا گیا تھا۔اب ذکرِ حسینؑ جرم بن گیا تھا۔اب اہلِ حرمؑ اوراہل کوفہ وغیرہ کی زبانی وہ روایات تیار کرانے کا وقت آ گیا تھا۔جس سے حکومت کی مخالفت ختم ہو جائے۔اہلِ حرمؑ کو یوں عزت و آرام سے رکھا گیا، یوں چند روز بعد آزاد کر دیا گیا، یوں انہیں خوش کر کے وطن واپس بھیجا گیا،صرف 72 آدمی میدانِ کربلا میں قتل ہوئے،صرف ایک دن پانی بند رہا۔الغرض جن روایات اور جس تاریخ کو معیار بنا کر ذاکرین پر تنقید کی جاتی ہے وہ حکومت کی طرف سے پھیلائی اورمرتب کی ہوئی روایات ہیں۔اور جو روایات ہمارے ذاکرین بیان کرتے ہیں وہ وہی روایات ہیں جو خاندانِ اہل بیت علیہم السلام اورمحبانِ آلِ محمدؐ کی زبانوں پر جاری تھیں، جو بچوں نے اپنے بزرگوں سے سنیں، جو دشمنانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ سے بچا کر بیان کی جاتی تھیں۔جن کی رُو سے خانوادۂ رسُولؐ اورشیعوں میں مختلف رسومات جاری ہوئیں۔اورایسے خاموش انداز میں سینہ بسینہ اور خانہ بخانہ آگے بڑھیں کہ یزید کے ہم مذہب لوگ بھی رفتہ رفتہ اُنہیں بجالانے لگےاور آج تک بجالا رہے ہیں۔زبان پر پہرہ ہےلہٰذا وہ خاموشی سے ایک بچہ کوشربت کی چھوٹی سی مشک دے کرمحلّہ میں شربت پلانے بھیج دیتے۔جب بچہ عزادارانِ حسینؑ کوشربت پلانے پہنچتا تو سارا مجمع یا گھر کے سارے افراد سر و سینہ پیٹنے لگتے۔اُنکے سامنے سقائے سکینہؑ کے تصورات کو آنے سے کوئی پہرہ نہ روک سکتا تھا۔وہ لوہے کی ایک پتلی سی زنجیر بچوں کو پہنانے کی رسم ادا کرتے تو حضرت زین العابدینؑ کی یاد دلوں کو بَرما کر رکھ دیتی۔وہاں کسی بہن کا شکایتوں سے لبریز خط پڑھنے کی رسم ادا ہوتی تو گریہ اور پیہم نالہ وزاری جاری رہتی۔وہ کسی بچی کے ہاتھ میں کنگنا باندھ دیتے تو حضرت قاسم علیہ السلام کی شادی یاد آنے سے کون روک سکتا تھا۔بےاولادوں اور مصیبت کے ماروں کو کوئی رسم ادا کرنے کی منت منوا دیتے۔اور مُراد برآنے کے بعد متعلقہ لوگ اس رسم کو ایک دوسرے کو بتاتے اور منت بلا تفریقِ قوم وملت چاروں طرف پھیلتی چلی جاتی۔ہر امام زمانہ علیہ السلام اپنے زمانوں میں ایسی منتوں کا ثمرہ فراہم کرتے جاتے تھے۔یوں عزاداری کی اور بہت سی دوسری منتیں مسلمانوں، یہود و نصارا اور ہندوؤں میں پھیلتی گئیں۔اگر اصل باتیں کتابوں میں لکھ دی جاتیں تو وقت کا قاضی،ملّا اور حاکم اُس کو فوراً بند کر کے متعلقین کی گردنیں کٹوا دیتا۔چنانچہ آج سینکڑوں ایسی منتیں موجود ہیں جن کا ذکر کتابوں میں نہیں ہے۔اور جنہیں حکومت کے ہم مذہب علما شرک کہتے ہیں۔لیکن اُمت کی کثرت اُن مشرکوں کے منع کرنے سے اپنا کام نہیں چھوڑتی۔یہاں ہم دونوں قسم کے لیبل لگانے والے علما کو روک کر یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اے پاکدامن لوگو!! اے دین اسلام کی صحیح تعمیل کرنیوالو!اے خدا کے مقرب بندو! آؤ اوراپنی پسندیدہ وآزمودہ کوئی ایسی عبادت پیش کرو جس سے اُمت کو ایسا یقین پیدا ہو کہ اس عبادت کو اپنی مشکلات کے حل کیلئے بطورِ منت اختیار کیا ہو؟ اوراس سے عام طور پر مرادیں برآئی ہوں؟ ہمیں معلوم ہے کہ تمہاری کوئی عبادت ایسی نہیں ہے۔اِسلئے کہ حقیقی اور خدا کے علم کے مطابق تم نے عبادتوں کو عبادت کی مفتاح (کنجی) کے بغیر اختیا کیا ہے۔تم نے اجرِ رسالت کو غصب کیا ہے۔تم نے ولایتِ علویہ سے کنارا کشی اختیار کی ہے اور اذان ونماز سے اُسے خارج کر کے اپنی عبادتوں کو مہمل اور بے اثر بلکہ اُلٹا مُضر بنا لیا ہے۔تمہاری تمام مصیبتیں تمہاری نماز کی وجہ سے تم پر

نازل ہورہی ہیں۔ تم عزاداریٔ حسینؑ علیہ السلام کی مخالفت بند کردو، ذاکرین کے خلاف محاذ آرائی بند کردو اور ولایتِ محمدؐ یہ اور اجر رسالت کی ادائیگی کو لازم گردان لو، تو تمہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہونے کی ضمانت ہم لیتے ہیں۔

(37/4)۔ عزاداریٔ معصومینؑ کو اثر انگیز بنانے میں شاعر و شعر کی پوزیشن

(1) ایک شعر کا بدلہ جنت ہے:۔ ذکرہ الصدوق (رہ) فی العیون باسنادہ عن عبد اللّٰہ بن الفضل الھاشمی قال قال ابو عبد اللّٰہ علیہ السلام مَنْ قال فینا بیت شعر بَنَی اللّٰہ تعالیٰ بیتًا فی الجنۃ۔

''جناب صدوق نے اپنی کتاب العیون میں عبداللہ بن فضل سے روایت کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے ہمارے فضائل و مصائب کو ایک شعر میں ظاہر کیا اس کے لئے اللہ جنت میں ایک مکان تیار رکھے گا۔''

(2)۔ شاعر اھلبیتؑ کو رُوح القدس کی تائید حاصل رہے گی

ومنھا خبر علی بن سالم بن ابیہ عن ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام قال ماقال فینا قائل بیت شعر حتی یوئد بروح القدس۔

''اور اسی کتاب میں علی بن سالم اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص ہماری شان میں شعر نہیں کہتا جب تک اُسے رُوح القدس کی تائید حاصل نہ ہو جائے۔''

(3)۔ اھلبیتؑ کی شان میں شعر کہنے والے کا شہر زیارت گاہ ملائکہؑ اور انبیاؑ رہے گا

ومنھا خبر الحسن بن الجھم قال سمعت الرضا علیہ السلام یقول ماقال فینا مومن شعرا بمدحنابہ اِلَّا بنی اللّٰہ لہ مدینۃ فی الجنۃ اوسع مِن الدنیا سبع مرّات یزورہ فیھا کُلّ ملک مقرّب و کُل نبیٍّ مرسل۔

ایضاً امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کوئی مومن ہماری مدح میں شعر کہے تو اللہ اُس کے لئے جنت میں ایک شہر تیار رکھے گا جو اس دنیا سے سات گنا بڑا ہوگا۔ اور اللہ کے خاص خاص فرشتے اور رسوؐل اس شہر کی زیارت کیا کریں گے۔

(4)۔ کمیت نامی شاعر کو مدح اھلبیتؑ پر رُوح القدس کی تائید حاصل تھی

ومنھا ماذکرہ الشیخ الاجل محمد بن عبدالعزیز الکشی فی کتاب الرجال باسنادہ الٰی زرارۃ قال دخل الکمیت بن زید علٰی ابی جعفر علیہ السلام وانا عندہ فانشدہ من القلب متیّم مستھام فلما فرغَ قال علیہ السلام للکمیت لاتزال مؤیدًا بروح القدس مادُمتَ تقول فینا۔

ایضاً۔ محمد بن عبدالعزیز کشی نے کتاب الرجال میں زرارہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس تھا جب کمیت شاعر حاضر ہوا اور اُس نے امامؑ کے روبرو اھلبیتؑ کی مدح میں دل کی گہرائی اور خلوص سے اشعار پڑھے۔ جب وہ فارغ ہوا تو امامؑ نے فرمایا کہ جب تک تم ہمارے فضائل میں اشعار کہتے رہو گے تمہیں برابر روح القدس کی تائید حاصل رہے گی۔

(5)۔ مرثیہ و نوحہ لکھنے والوں کو آئمہؑ کی اجازت حاصل ہے

ومنھا خبر عبد اللّٰہ بن الصّلت قال کتبتُ الٰی ابی جعفر ابن علی الرضا علیھما السلام تأذَن لی اَن اَرثَی اباالحسن علیہ السلام اعنی اباہ قال وکتب اِلَیَّ اندبنی واندب ابی۔

ایضاً۔عبداللہ بن صلت نے کہا کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کولکھا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپکے والدامام رضا علیہ السلام کا مرثیہ لکھوں۔راوی کہتا ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے جواب میں لکھا کہ میرے لئے اور میرے والد دونوں کیلئے نظم میں حالات بیان کردو۔

(6)۔ امام محمد باقر علیہ السلام حالات نظم کرنے کی اجازت دیتے ہیں

ومنها خبرابی طالب التیمی قال کتبتُ اِلٰی ابی جعفرعلیه السلام بابیاتِ شعرٍ وذکرتُ فیها اَبَاهُ وسئلته اَن یاذن لِیُ فِیُ اَن اَقُول فیه؛ فقطع الشعروحبسه وکتب فی صدرمابقی مِن القرطاس قد احسنتُ جزاک اللّٰه خیرًا۔

اوراُسی میں ہے کہ ابوطالب تیمی نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو چند اشعار امام زین العابدینؑ کے حالات میں لکھ کر بھیجے اوراجازت مانگی کہ میں اس سلسلے کواور آگے بڑھاؤں؟ امام محمد باقر علیہ السلام نے کاغذ کا وہ حصہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا جس میں اشعار تھےاور باقی ماندہ کاغذ پر یہ لکھ کر مجھے بھیجا کہ مجھے اشعار پسند آئے اسلیئے رکھ لئے اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔

(7)۔ مرثیہ خوان وقصہ خوان اورنوحہ وپُرسہ پڑھنے والوں کی مدح وثنا

ومنها خبرعبد اللّٰه بن حماد عن ابی عبد اللّٰه علیه السلام وذکر حدیثًا طویًلا فی ثواب زیارة الحسین علیه السلام اِلٰی اَنُ قال بلغنی اَنَّ قومًا یاتونه مِن نواحی الکوفه وناسًا غیرهم ونساء یند بنه وذ لک فی النصف مِن شعبان فمن بین قاری یقرء وقاص یقصّ ونادب یندب وقائِل یقول المراثی فقلت له نعم قد شهدتُ ما تصفه۔فقال الحمد اللّٰه الذی جعل للناس مَن یفدواالینا ویمدحنا ویرثی لنا وجعل عدّونا مَن طغرعلیهم مِن قرابتنا وغیرهم یهدرونهم ویقبحون مایصنعون۔

عبداللہ بن حماد نے ذکر کیا کہ امام جعفرؑ صادق نے امام حسینؑ کی زیارت کے ثواب پر ایک تفصیلی حدیث بیان فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کوفہ کے گردونواح سے ایک قوم امامؑ کے مزار پر آتی ہے اوراُسکے علاوہ بھی اور لوگ آتے ہیں اور ماہ شعبان کے درمیانی ایام میں عورتیں اور مرد وہاں امام حسینؑ کا قصہ بیان کرتے ہیں،قاری قرأت کرتے ہیں اورنوحہ ومرثیہ پڑھتے ہیں۔میں نے کہا کہ جی ہاں میں نے ایسا کرنیوالوں کوخود دیکھا ہے۔امامؑ نے فرمایا کہ اللہ کاشکر اور حمد بجالاتا ہوں جس نے انسانوں میں ایسے لوگ تیار کردیئے جو ہمارے دین کی اشاعت میں اور ہماری مدح وثنا میں اور ہمارے مرثیہ میں وقت صرف کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں کوایسا بدبخت بنادیا جو ہمارے مرثیہ خوانوں،مدح خوانوں وغیرہ پر خفا رہتے ہیں،اُنہیں دھمکاتے ہیں اوراُنکی رسوم واعمال کی برائی کرتے ہیں۔

(8)۔ ترنم ودردناک آواز میں گلوکار،ماہر موسیقی کا مرثیہ امامؑ کے حضور میں

دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ وطرفدارانِ قاتلانِ حسینؑ ہراُس عمل کو،ہراُس رسم کو،ہراُس طریقے کوحرام کہتے چلے آرہے ہیں جن سے محبت اہلبیتؑ پیدا ہوتی ہو۔جن سےعزاداریٔ حسین علیہ السلام میں اثر انگیزی وانقلاب خیزی پیدا ہوتی ہو۔جن سے حسینؑ اورشہدائے کربلا علیہم السلام کاغم اوراُن سے ہمدردی اوراُنکے دشمنوں سے نفرت وعداوت دل میں اُتر جائے۔واضح احادیث اوررسولؐ کے عمل اورمعصومینؑ کی مسلسل سنت کی موجودگی میں بھی وہ لوگ مرثیہ اورنوحہ کوترنم اوردردناک آواز میں گاکر پڑھنے کوحرام کرتے رہے ہیں۔

حالانکہ انہیں ایک حدیث بھی ایسی نہ مل سکی جس میں امام حسینؑ یا دیگر معصومین علیہم السلام کی خوشی میں گانے کی یا اُن کے غم میں گا کر مرثیہ ونوحہ پڑھنے کی ممانعت یا کراہت یا برائی کی گئی ہو۔ اسکے برعکس مدینہ میں رسوؐل اللہ کے استقبال پر اور حضرت فاطمۃ الزہراء علیہا السلام کی شادی پر مدینہ کی مسلمان خواتین اور ازواج نبیؐ کا مل کر کوٹھوں پر اور شارع عام میں گانا مصدقہ و مسلّمہ احادیث و تواریخ کے ریکارڈ میں دونوں طرف موجود ہے۔ گانے بجانے اور بے حیائی کے کام کرنے کو اللہ اور معصومینؑ نے حرام قرار دیا ہے۔ مگر عزاداریٔ حسینؑ اور میلاد النبیؐ میں کوئی بے حیائی اور گناہ انگیز کام نہیں ہوتا۔ لیکن دشمنان اسلام نے رسوؐل اللہ اور آل محمدؐ کو اسلیئے عام انسانوں کے برابر کھڑا کیا تھا تاکہ جو حکم عوام الناس کیلیئے دیا جائے اُس میں اُن مقدس ہستیوں کو بھی شامل کرلیا جائے۔ ٹھیک ہے عام اور فطری اموات پر بے قراری اور سوگ استقلال سے منانا منع ہے۔ لیکن مخصوص صورت میں قتل و موت مستثنیٰ ہے اور رسوؐل و معصومینؑ کے رنج و غم کی صورت سب سے الگ ہے۔ یہاں عام حکم اُسی صورت میں لگ سکتا ہے جب کہ یہ عوام کے برابر اور عوام میں شامل ہوں۔ اس سلسلے میں آپ ہماری کتاب ''غنا حرام ہے مگر منافق جھوٹے ہیں'' ضرور پڑھیں اور دیکھیں کہ ہم نے مسئلہ غنا اور گانے میں بھی اُن کی مذہبی کمر توڑ دی ہے۔ یہاں آپ یہ دیکھیں گے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ایک ماہر موسیقی اور مشہور گانے والے شخص ابی عمارہ سے ترنم کے ساتھ گا کر مرثیہ سنانے کے لئے فرمائش کرتے ہیں سنئے:۔

روی الصدوقؒ فی الاَمَالِی وابن قولویه فی الکامل بسند یهما عن ابی عمارة المنشد عن ابی عبد اللّٰه جعفر الصادق علیه السلام قال قال لی یاابا عماره انشدنی فی الحسین بن علی علیهما السلام۔ فانشدتُهُ۔ فبکی ثم انشدته فبکی۔ قال فو اللّٰه ماذالت انشده فیبکی حتّٰی سمعت البکا من الدار۔ فقال یاابا عمارة مَن انشد فی الحسینؑ بن علیؑ شعرًا فابکی خمسین فله الجنه وَمَنْ انشد فی الحسینؑ شعرًا فابکی ثلاثین فله الجنة ومَن انشد فی الحسین شعرًا فابکی عشرین فله الجنة ومَن انشد فی الحسینؑ شعرًا فابکی عشرة فله الجنة ومَن انشد فی الحسینؑ شعرًا فابکی واحدًا فله الجنة ومَن انشد فی الحسینؑ شعرًا فبکی فله الجنة ومن انشد فی الحسینؑ شعرًا فتابکی فله الجنة۔ (مجلس التاسع کتاب اقناع اللائم علی اقامۃ الماتم)

''جناب صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب امالی میں اور ابن قولویہ نے اپنی کتاب الکامل میں ابوعمارہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا کہ مجھ سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام حسینؑ کا مرثیہ ترنم سے گا کر سُنانے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ میں نے مرثیہ پڑھا اور آپ روئے۔ میں نے پھر مرثیہ سنایا۔ آپ پھر روئے۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم وہ برابر روتے رہے اور میں مرثیہ سناتا رہا۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر اہل حرم کے رونے کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ آخر میں فرمایا کہ اے ابوعمارہ اگر کوئی حسینؑ کا مرثیہ ترنم سے پڑھے اور پچاس آدمیوں کو رُلا دے تو اُس کے لئے جنت ہے۔ اور اگر مرثیہ پڑھ کر تیس آدمیوں کو رُلا دے تو بھی اُس کو جنت ملے گی۔ اور اگر بیس آدمیوں کو رُلا دے پھر بھی جنت لازم ہے اور اگر امامؑ کے مرثیہ سے دس آدمیوں کو رُلا دے پھر بھی جنت کا ملنا لازم ہے اور اگر امام حسینؑ کا مرثیہ پڑھ کر ایک آدمی کو رُلا دے تب بھی جنت لازم ہے۔ اور اگر تنہا مرثیہ پڑھے اور روئے تب بھی جنت ہے اور اگر مرثیہ پڑھتے ہوئے رونے کا منہ بن جائے تب بھی جنت ملے گی۔

(الف)۔ ایک وضاحت : ایسی احادیث بہت ہیں کہ جن میں رونے اور رُلانے کی تعداد اور جنت کا ذکر ہوا ہے۔اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ رونے اور رُلانے والوں کے لئے جنت تو ہر حال میں اُن کا حق اور حصہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مجلس حسین علیہ السلام ہر حال میں قائم کی جائے گی اور جنت ملنا واجب ہوگا۔خواہ ذاکر تنہا ہو، خواہ اتنا کم پڑھا جائے کہ ابھی دل پگھلا نہیں تھا اور صرف آثارِ غم ظاہر ہونے پائیں اور ذکر حسین علیہ السلام ختم کرنا پڑے۔ یہ صورتِ حال تقاضہ کرتی ہے کہ ہر آدمی ہر روز چند جملے، چند اشعار یا واقعات روزانہ پڑھے یا سُنے تب دنیاوی مصروفیات کو اختیار کرے۔اور اسکی پرواہ نہ کرے کہ فلاں اور فلاں لوازمات و اہتمام ہوں تب مجلس حسینؑ قائم کروں گا، ہر گھر میں دو چار یا زیادہ اشخاص ہوتے ہیں۔یعنی ہر گھر میں روزانہ ذکر حسینؑ کم از کم اتنا ضرور اور روزانہ ہو جانا واجب ہے جس سے دل رنجیدہ ہو جائے خواہ آنکھیں بھیگیں یا نہ بھیگیں خواہ آنسو نکلیں یا نہ نکلیں۔پھر اس قسم کی احادیث سے یہ بھی واجب ہو جاتا ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ محبان اہلبیتؑ و مسلمانوں کو جمع کرنا چاہیئے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے زمانہ میں پچاس مومنین سے زیادہ ایک جگہ جمع ہو کر عزاداری نہ کر سکتے تھے۔اس لئے کہ حکومت کے جاسوس اور دیگر انتظامات رکاوٹ بنتے تھے اور مومنین کی تعداد بھی ہر جگہ اور ہر وقت اس سے زیادہ آزادی سے جمع نہ ہو سکتی تھی۔ ہم نے چند مصائب کے جملے یا چند اشعار کے ساتھ چند **''واقعات''** کے الفاظ بھی لکھ دیئے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ گاہ اور تسبیح ایک واقعہ ہے۔سجدہ ایک واقعہ ہے۔اگر ایک مومن کو نماز شروع کرتے وقت سجدہ گاہ دیکھ کر سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے کا مقصد یاد آ جائے تو اس مٹی کو دیکھ کر وہ پانی سمجھ میں آنا چاہیئے جس میں یہ مٹی گھول کر اس صورت میں لائی گئی۔پھر اس مٹی سے کربلا تک ذہنی رسائی قدرتی ہے۔وہاں اُتنا پانی بھی نہ ملا جو آپ کی سجدہ گاہ بنانے میں صرف ہوا تھا اور جب بھی مومن سجدہ کرے تو اُسے حضرت علیؑ کا سجدہ اور حسینؑ کا سجدہ یقیناً یاد آئے گا۔اُس کے تصور میں وہ تلواریں بھی آئیں گی جو ابن ملجم اور شمر جیسے ملاعین کے ہاتھ میں دی گئی تھیں۔اور جس مومن کے ذہن میں یہ تصورات پیدا ہو جائیں گے اُس کا دل یقیناً رنجیدہ اور چہرہ غمزدہ ہو جائے گا۔لہٰذا وہ واجب ادا ہو جائے گا جو ہر تنہا تنہا شخص پر فرض بتایا گیا ہے۔اگر زیارات کو سمجھ کر پڑھ لیا جائے جو آپ روزانہ پڑھتے ہیں تب بھی مُنہ کا بگڑنا تو الگ، بے قرار ہو کر رونا آ جائے گا۔کاش ہماری یہ باتیں مومنین تک پہنچ کر اُن کی سمجھ میں آ جائیں۔آمین۔

(ب)۔ دوسری وضاحت: یہ یاد رکھیں کہ قرأت کرنے، تلاوت کرنے اور انشاد کرنے میں بڑا فرق ہے۔تفصیل تو ہماری کتاب میں ملے گی۔یہاں یہ سمجھ لیں کہ۔نَشَدَ، یَنْشَدُ اور اِنشَاد و تَنْشِیْد کے معنی کسی مفید بات کو کسی اچھے معاملہ کو یا کسی سبق آموز قصے کو بلند آواز میں مفید ترین انداز سے دل کی گہرائی تک اُتار دینا ہیں۔اس میں آواز کو نشیب و فراز سے گزارا جاتا ہے (Elevation of Voice)، آواز میں دردو ترنم بھرا جاتا ہے۔ چہرہ کے اُتار چڑھاؤ سے سننے والوں کو اس بات ؛ اُس معاملہ یا سبق سے دوچار کر دیا جاتا ہے اور سُننے والوں کے دل انشاد کرنے والے کی مُٹھی میں چلے جاتے ہیں۔ وہ جہاں بھی چاہے سننے والوں کو ہنستا تا، رُلاتا اور حیران کرتا چلا جاتا ہے۔لیکن مولانا حضرات نے جہاں اور دینی الفاظ کا ستیاناس کیا ہے وہیں اپنے باطل مقاصد کے لئے ان الفاظ کو بھی تباہ کر دیا ہے۔اور جہاں دل چاہا استعمال کر کے حقیقی معنی کو مشکوک کر دیا ہے۔

(9)۔ مرثیہ، تلاوت یا قرأت سے اثر انگیزی کھو دیتا ہے

چونکہ یزید اور اُس کی قومی حکومتوں کے مذہب میں بے حیائی اور جنسی انگیخت جائز تھی، وہاں حَسین وجمیل عورتیں درباروں اور محافل میں رقص وسرود اور جذبات نوازی کرتی تھیں۔ اس لئے آل محمدؐ نے اپنے پیروؤں کو اُن سے دور رکھنے اور گناہوں سے بچانے کے لئے اُن اعمال وحرکات کو حرام قرار دیا تھا۔ اِس لئے بعض شیعہ خصوصاً وہ شیعہ جو آئمہ علیہم السلام کی صحبت اور تعلیم سے زیادہ بہرہ یاب نہ تھے یہ سمجھنے لگے تھے کہ گانا ہر حال اور ہر معاملے میں حرام ہے۔ اُدھر مخالف محاذ بھی نہیں چاہتا تھا کہ گانا یا انشادِ مرثیوں میں شامل ہو کر مخالفین کے خلاف زیادہ کامیاب ہو سکے۔ ایسے تصورات رکھنے والا ایک شاعر جو اعلیٰ درجے کا اثر انگیز گانے والا بھی تھا۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لئے حاضر ہوتا ہے اور فرمائش پر مرثیہ سناتا ہے۔ مگر مندرجہ غلط واقفیت کی بنا پر از راہِ ادب سادہ لب ولہجہ میں قرأت یا تلاوت شروع کرتا ہے تو امام علیہ السلام اُسے منع فرماتے ہیں کہ مجھے یہ تلاوت وقرأت پسند نہیں بلکہ جیسے تم عام محفلوں میں جلسوں میں بے تکلف گاتے ہو اور لوگوں کی توجہات وجذبات کو مرکوز کر لیتے ہو، اس طرح غم حسینؑ میں مرثیہ سناؤ۔ تب اُس شاعر کی ہمت بلند ہوئی، اصل مسئلہ سمجھا اور پھر مرثیہ سنایا۔ یہ سارا واقعہ اُن ہی کی زبان میں علما نے لکھا ہے کتابوں میں موجود ہے۔ اس کے باوجود سرکاری قسم کے مقدس لوگ منکر ہیں اور نہیں چاہتے کہ مرثیہ اور نوحہ انقلاب پیدا کر دے، واقعہ سُنئے:۔

وروی ابن قولویہ فی الکامل عن الی ہارون المکفوف قال دخلت علیٰ ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام فقال لی اَنشدنی فانشد تُہُ۔فقال لا۔ کماتنشدون وکما تَرثیہ عند قبرہ فانشدتُہُ۔

اَمُرَرُعلیٰ جدث الحسینؑ وَاَقُلُ لاعظمہ الزکیۃ

قال فلمابکی امسکتُ انا فقالُ مُرّفَمَرَرْتُ۔ثم قال زدنی۔ فانشدتہُ۔

یامریمؑ قُوْمِیُ وَانْدَبِیُ مَوْلَاکِ وعَلیَ الحسینؑ فاسعدی ببُکاکِ

فبکی وتھائج النسآءُ فلمّا سکتن قال لِیُ یااباھارون مَن انشد فی الحسینؑ فابکی عشرۃ فلہ الجنّۃ ثُمّ جَعَلَ یَنْقُصُ واحدًا واحدًاحتیّٰ بلغ الواحد فقال مَن انشد فی الحسینؑ فابکی واحد فلہ الجنۃ.ثم قال مَن ذکرہ فبکی فلہ الجنۃ(اقناع اللائم)

اور ابن قولویہ نے اپنی کتاب الکامل میں ابو ہارونؓ مکفوف سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ تم امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ پڑھ کر سناؤ۔ چنانچہ میں نے سادہ طریقہ پر پڑھنا شروع کیا تو فرمایا کہ یُوں نہیں۔ مجھے اُس طریقے پر سناؤ جیسا کہ تم اہل فن لوگ عام طور پڑھا کرتے ہو یا جیسے تو امام حسینؑ کی قبر پر میری عدم موجودگی میں آزادی سے پڑھا کرتا ہے۔ اُس طرح پڑھو۔ چنانچہ اسی طریقے سے پڑھا اور جناب سید حمیری کے مرثیہ کا پہلا شعر سُنایا۔

''جب امام مظلومؑ کی قبر پر میرا گزر ہوا تو میں نے اُن کی عظمت وجلال کی بنا پر ایک پیر پر کھڑے ہو کر تعظیم کی۔''

امامؑ پر گریہ طاری ہوا۔ جب حضورؑ بلند آواز سے رونے لگے اور میں نے دیکھا کہ میری آواز نہ سُن سکیں گے تو میں خاموش ہو گیا۔ جب حضورؑ ذرا سنبھلے تو فرمایا کہ مرثیہ میں آگے بڑھو۔ میں نے مرثیہ بڑھایا۔ پھر فرمایا اور زیادہ پڑھو تو میں نے یہ شعر پڑھا کہ:۔

''اے مریمؑ اُٹھواور اپنے آقا و مولاؑ کے مصائب پر بَین کرو۔ اور غمِ حسین علیہ السلام پر گریہ وزاری کے لئے مستعد ہو جاؤ۔''

حضورؑ بھی رو رہے تھے اور اندر اہل حرم خواتین میں تو بڑی بے قراری اور گریہ وزاری کا ہنگامہ برپا تھا۔ جب خواتین کا رونا بند ہوا تو فرمایا کہ اے ابو ہارون جو کوئی حسین علیہ السلام کا مرثیہ اسی انداز میں پڑھے اور دس مومنین کو رلا دے تو اس کے لئے جنت لازم ہوگئی۔ پھر آپ نے ایک ایک کی تعداد کم کر کے (2,3,4,5,6,7,8,9) یہی اجر سُنایا۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ جو کوئی اسی طرح مرثیہ پڑھے اور غم مظلوم میں ایک مومن کو رلا دے اُس پر بھی جنت واجب ہوگئی اور جو کوئی امام مظلومؑ کا سادہ طور پر ذکر کرے اور روئے تو اُس کے لئے بھی جنت ہے۔'' ظاہر ہے کہ سادہ ذکر سے اثر اور گریہ کم ہونا قدرتی امر ہے۔

مومنین نوٹ کریں کہ ابوھارون کے ساتھ ساتھ اصلی شاعر کو مرثیہ تیار کرنے کا ثواب بھی ملتا رہے گا۔ یعنی مرثیہ لکھنا ایک ایسا مستقل اور مستحکم نیک کام ہے کہ اُس سے قیامت تک مومنین جنت کے حق دار بنتے چلے جائیں گے اور خود شاعر کو تمام پڑھنے والوں کے ساتھ ساتھ الگ سے جنت اور لاانتہا ثواب ملتا رہے گا۔

(10)۔ مرثیہ کو فنی اثر انگیزی سے پڑھنا ملائکہ کو مجلس میں اتار لیتا ہے

آپ جانتے ہیں کہ جناب داؤد علیہ السلام جس لحن و ترنّم سے اللہ کی حمد و ثنا و نظم کرتے تھے، اُسے سُننے اور حضرت داؤدؑ کے ساتھ مل کر اللہ کے گیت گانے کے لئے چرند و پرند حتّٰی کہ پہاڑ تک اللہ کی طرف سے مامور تھے (انبیاء 21/79، سبا 4/10، صٓ 19-38/18) اور حضرت داؤدؑ کی زبور میں بڑا حصہ نظم میں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو **صاحب المزامیر** (تمام موسیقی کے آلات اور سازوں کے موجد) فرمایا ہے۔ اور زبور میں آج تک بھی ایک سو پچاس مزامیر یعنی حمد خداوندی کے گیت ہیں (الکتاب المقدس صفحہ 54 تا 164 جلد دوم۔ **المطبعة الكاثوليكيّة بيروت**)۔ قدیم و جدید عربی زبان میں کتاب کو ''**سفر**'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اُن حضرات علیہم السلام کو سفـرة بھی کہا گیا ہے جو بیتؑ النبوۃ میں ہر وقت قدیم و جدید الہاماتِ خداوندی کو تحریری کتاب کی صورت میں لکھتے رہتے تھے (فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ o مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍo بِاَيْدِیْ سَفَرَةٍ o كِرَامٍ بَرَرَةٍo عبس 16-80/13)۔ چنانچہ زبور کا ایک معنوی نام ''**سفر المزامیر**'' ہے (گیتوں کی کتاب)۔ اس کتاب کے شروع میں کتاب کا مقصد وغیرہ بتاتے ہوئے یہ عبارت لکھی ہے کہ:۔

'' لَاُ بّد لِلصَّلاةِ ، وَخَاصَّةُ الصَّلاةِ الْعَمُوْمِيَّةِ ،اِذَا تُفَتَّحَتْ مِنْ اَنْ تصبح اَحْيَا نَاًغناء، نَشِيْدًا تَرَافَقَهُ عِنْدَ الحاجة آلات الموسيقی.....فهذا السفر هو مجموعة اصبحت عاجلًا او اجلًا رسميّة، مجموعة اناشيداقتبلها اسرائيل و كثرا استعمالها فی رتب الهيكل و اجتماعات دينية اخرٰی۔'' (ایضاً صفحہ 52)

''اس عبارت کا لبّ لباب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی اس کتاب کے تمام گیت نماز کے افتتاح میں ضروری و لازمی ہیں۔ اور اگر ضروری ہو تو ویسے بھی موسیقی کے آلات کی مدد سے مجالس و محافل میں بطور عبادت گائے (نشید، انشاد، اناشید) جا سکتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل نے دینی اجتماعات میں اِن گیتوں کو کثرت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔''

ہم نے یہ سب کچھ اسلئے آپ کے سامنے رکھ دیا کہ قدیم الہامی کتابیں اور قرآن کریم نیز نہج البلاغہ کی سند سے مرثیہ اور فضائل اور حمد خداوندی نظم میں ترنم کے ساتھ گائی جاتی رہی ہے۔ اور ایسے گانے کو حرام کہنے والوں کے پاس خود ساختہ تصورات کے سوا کوئی قدیم وجدید دلیل نہیں ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ لفظ زمر کے معنی تمام لغات میں آلات موسیقی میں سے وہ آلہ ملیں گے جس میں پھونک مار کر بجایا جاتا ہے (نفیری، الغوزہ، بین وغیرہ)۔ قیامت کے دن صور کو پھونک مار کر بجایا جائے گا (الزمر 39/68-73)۔ پہلی آواز یا سُر یا زمر سے مخصوص بندوں کے سوا سب مرجائیں گے، غش کر جائیں گے۔ دوسری آواز یا سُر یا زمر سے تمام گزشتہ وموجودہ مخلوق حساب کے لئے زندہ ہوجائے گی۔ تمام انبیاؑ اور اُمتوں کے گواہ علیہم السلام حاضر ہوجائیں گے۔ زمین کا مُربی یا رَب حساب کے لئے جلوہ فرما ہوگا تو یہ دنیا نُور سے جگمگا اُٹھے گی۔ ساری کائنات کے ریکارڈ کی کتاب سامنے کھل جائے گی۔ حساب کے بعد ایک آواز یا سُر والے لوگ جہنم میں اور دوسری سُر والے لوگ جنت میں چلے جائیں گے۔ یہ ہے وہ قصہ اور باجا (صور) جس کے سُروں اور تاثیر کی وجہ سے سورۂ الزمر نام رکھا گیا اور یہ ز-م-ر وہ بنیاد ہے جس سے مزمار و مَزَامیر و مزمور اور صاحب مزامیرؑ بنتے ہیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام بھی حضرت داؤدؑ کو اس لقب سے یاد کرتے ہیں۔ لہٰذا حمد خداوندی یا فضائل محمدؐ وآل محمدؐ کے گیت گانا واجب ہے اور خصوصاً جناب سید الشہداء علیہ السلام کے مرثیہ کو ترنم سے پڑھنا مندرجہ بالا حساب کتاب سے بری الذمہ کر کے جنتی بنا دیتا ہے۔ اب روایت سنئے اور ملائکہ کی مجلس حسینؑ میں شرکت ملاحظہ فرمایئے۔

وَ روی الکشی فی کتاب الرجال بسنده عن زید الشهام قال کُنَّا عند ابی عبدؑالله ونحن جماعة مِن الکوفیین فدخل جعفر بن عفان علٰی ابی عبد الله علیه السلام فقرّبه وادْنَاه ثم قال یاجعفر؟ قال لبیک جعلنی الله فداک ۔قال بلغنی انّک تقول الشعر فی الحسینؑ وتجیّد؟ فقال له نعم جعلنی الله فداک ۔ قال قُل ۔ فانشده فبکی ومَن حوله حتی صارت الدموع علٰی وجهه ولحیّته۔ثم قال یاجعفر والله لقد شَهِدَت ملائکة الله المقرّبون هٰا هُنا یسمعون قولک فی الحسینؑ ولقد بکوا کمابکینا واکثر ولقد اوجب الله تعالٰی لک یا جعفر فی ساعتک الجنة بأسرها وغفرالله لک ۔فقال یاجعفراَ لَاازیدک ؟ قال نعم یاسیدی ۔ قال ما مِن اَحَدٍ قال فی الحسینؑ شعرًا فبکی وابکی به اِلّا اَوْجب الله له الجنة وغفرله۔(ایضاً اقناع اللائیم)

''جناب علامہ کشی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب الرجال میں زید شحام کی زبانی لکھا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ ہم کوفہ کے باشندوں کی ایک جماعت جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس موجود تھی۔ جبکہ جعفر بن عفان شاعر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اُسے بالکل اپنے قریب بلا کر بٹھایا اور کہا کہ اے جعفر۔ جعفر نے جلدی سے کہا کہ جی حضور کیا حکم ہے؟ اللہ مجھے آپ پر قربان ہونے کا موقعہ دے۔ امامؑ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے متعلق یہ خبر پہنچی ہے کہ تم امام حسین علیہ السلام کے فضائل ومصائب کو اشعار میں نظم کرتے اور نئے نئے انداز میں پیش کرتے رہتے ہو؟ جعفر نے کہا کہ یہ بات صحیح ہے۔ اللہ مجھے آپ کے اوپر نثار ہونے کا موقعہ دے۔ امامؑ نے فرمایا کہ اچھا کچھ سُنا دو۔ پھر جعفر نے ترنم کے ساتھ مرثیہ سنایا تو امامؑ بھی اور تمام حاضرین بھی خوب روئے۔ یہاں تک کہ امامؑ کے چہرے اور داڑھی کو آنسوؤں نے تر کر دیا۔ پھر امامؑ نے فرمایا کہ اَے جعفر قسم بخدا اس مجلس عزا میں اللہ کے مقرب بارگاہ فرشتے بھی حاضر ہوئے

اوراُنھوں نے بھی تمہارا مرثیہ سُنا اور وہ بھی ہماری ہی طرح بے قرار ہوکر روئے۔ اور یقیناً اللہ نے اُسی وقت تیرے لئے جنت کو واجب کر دیا اور ساتھ ہی تیرے تمام گناہ بخش دیئے۔ پھر فرمایا کہ اَے جعفر کیا میں تجھے اس کے علاوہ جو کچھ زیادہ ہوا وہ نہ سُناؤں؟ جعفر نے عرض کیا کہ اے میرے سید وسردار ضرور سنائیں۔ فرمایا کہ دیکھو کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہوسکتا جو امام حسین علیہ السلام کے حق میں کوئی شعر کہے اور خود روئے اور دوسروں کو رلا دے اور اللہ اس کو بخش نہ دے اور جنت اس پر واجب نہ کر دے۔''

(11)۔ فضائل ومصائب امام حسینؑ کے گیت اور مرثیہ پر دوسری روایت

'' وَ رَوَی الصدوق فی ثواب الاعمال وابن قولویه فی الکامِل بسند یهما عن ابی هارون المکفوف قال قال لی ابوعبدؑ اللّٰه یااباهارون انشد نی فی الحسینؑ فانشدته ۔ فقال لی انشدنی کما تَنُشدون یعنی بالرقّة ۔قال فانشدته: ۔اَمۡرُرۡعلٰی جدث الحسین (البیت) فبکی ۔ثُمَّ قال ۔ زدنی ۔فانشدته القصیده اُلاخرٰی فبکی وسمعت البکاء مِن خلف الستر ۔فلما فرغت قال یا اباهارون مَن انشد فی الحسینؑ شعرًا فبکی وابکی عشرة کُتِبَتُ لهم الجنة ومن انشدفی الحسینؑ شعرًا وبکی وابکی خمسة کُتِبتُ لهم الجنة ومَن انشد فی الحسینؑ شعرًا فبکی وابکی واحدًا کتبت لهما الجنة ومن ذکرالحسینؑ عنده فخرج مِن عینیه مِن الدمع مقدار جناح ذباب کان ثوابه علَی اللّٰه عزّوجلّ ولم یرض له بدون الجنة۔ (ایضاً اقناع اللائم)

''اور جناب صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب ثواب الاعمال میں اور علامہ ابن قولویہ نے کتاب کامل میں ابوہارون سے روایت کیا ہے کہ اُس نے بتایا کہ مجھ سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اَبوہارون مجھے امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ سناؤ۔ میں نے مرثیہ سادہ لب ولہجہ میں سنانا شروع کیا تو فرمایا کہ مجھے اُسی فنی انداز میں دردانگیز ورِقّت خیز طریقہ پر سُناؤ جیسا کہ تم لوگ عام طور پر پڑھا کرتے ہو۔ چنانچہ میں نے یہ شعر پڑھا (یعنی وہی کچھ جو روایت نمبر 9 میں ہے)۔

اَمۡـرُرۡعلٰی جدث الحسینؑ ۔ وَاَقُلُ لاعظمه الزکیة ۔امامؑ نے اس شعر پر گریہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ اور زیادہ سے زیادہ پڑھو۔ تب میں نے دوسرا قصیدہ سُنایا۔ جس پر اماؑم بھی روئے اور پردہ کے پیچھے سے اہلؑ حرم کے رونے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ جب میں فارغ ہوا تو فرمایا کہ اے ابوہارون جو شخص امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر ایک شعر اسی انداز میں پڑھے اور خود روئے اور دس مومنین کو رُلائے تو اُن سب کے لئے جنت لکھی گئی۔ اور جو کوئی اسی طرح ایک شعر پڑھے اور خود روئے اور پانچ اشخاص کو رُلائے اُن کے لئے بھی جنت لکھی گئی اور جو کوئی امامؑ مظلوم کی مظلومی پر اسی طرح ایک شعر پڑھے اور خود روئے اور ایک مومن کو رلا دے تو اُن دونوں کے لئے بھی جنت لکھی گئی۔ اور جس کسی کے سامنے امام حسین علیہ السلام کا تذکرہ کیا جائے اور اُس کی آنکھوں سے مکھی کے پَر کے برابر آنسو نکل آئے تو اُسے ثواب دینا اللہ کے ذمہ واجب ہوجاتا ہے اور اللہ اُسے جنت دیئے بغیر راضی نہیں ہوتا۔''

(الف)۔ مصنف اقناع اللائم کی طرف سے مندرجہ بالا حدیث کی تشریح

'' قوله ''بِالرِّقَّةِ'' بکسر الراالمشدّدة ای بالطریقة التی تستعملونها عند الانشاد التی فیها الرقّة والطلاوة والّتی توجب التّاثیر فی القلب لامُجَرّد التلاوة وهو المراد فی روایة الاولی (نمبر9) کما تنشدون وکما ترثیه عند قبره ۔ ومنها مَن فَسَرّ الرقة هنا بالبلدة التی علٰی الفرات التی هی بفتح الراء۔ ''(ایضاً اقناع اللا ئم)۔

جس کتاب سے ہم یہ حوالے لکھ رہے ہیں۔اس کتاب کا نام ''**اقناع اللائم علی اقامة الماتم**'' **(یعنی ماتم پر ملامت کرنے والے کو مطمئن کرنے والی کتاب)**۔اس کتاب کے مصنف جناب علامہ مرحوم السید محسن الامین الحسینی العاملی ہیں جو زبردست مورخ ومحدث اور مجتہد اور بیسیوں ضخیم کتابوں کے مصنف اور بزرگ علمائے شیعہ میں سے ہیں، لکھتے ہیں کہ:۔

''روایت میں لفظ ''**رِقّت کے ساتھ پڑھنے**'' کے معنی اس طریقے سے پڑھنا یعنی انشاد کرنا ہوئے جس میں دل پگھل جاتا ہے۔ اور روحانی حُسن ولذت پیدا ہوتی ہے اور جو براہ راست قلب پر اثر انداز ہوتا ہے۔سادہ طریقے پر الفاظ کا مُنہ سے ادا کرتے جانا نہیں جیسا کہ اسی شاعر کی پہلی روایت (نمبر9) میں امام جعفر صادقؑ نے یہ کہہ کر واضح کیا تھا کہ ''جیسا کہ تم فنی حیثیت سے پڑھا کرتے ہو یا جیسا کہ تو امام حسینؑ کی قبر پر عموماً پڑھتا ہے (**کما تنشد ون و کما ترثیه عند قبره**)۔''

اور ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے ''**رِقّت**'' سے وہ بستی مراد لے کر جان چھڑالی جو دریائے فرات پر ہے اور جس کا نام رِقّتْ نہیں بلکہ رَقّتْ ہے'' (یعنی اُس نے زیر اور زبر کی بھی پرواہ نہیں کی ہے)۔

(ب)۔ ہماری رائے اور تجویز

ہمارے علما کو جو دقت پیش آتی ہے وہ اُن کی اپنی پیدا کردہ ہے۔لہٰذا ''خود کردہ را علاجے نیست''۔اگر یہ حضرات قاعدے کے مطابق ہر لفظ کے بُنیادی یا مصدری معنی اختیار کرتے اور الفاظ سے بازی گری کو چھوڑ دیتے تو لفظ **انشاد، نشید، ناشد** کے معنی میں کوئی دقت پیش نہ آتی۔ **ناشد الشعر** کے معنی ہی صاف ہیں۔

الشعر الذی ینشده القوم۔ بعضهم بعضًا و مایُتَرَنَّمُ به مِنَ النثر و النظم (المنجد)

''کسی عمدہ نثر یا نظم کی عبارت کو گانے یا ترنم کے ساتھ پڑھنا۔''

چونکہ یہ سب لوگ اپنے قلوب کے اندر ایک غلط تصور پال کر ترجمہ وتفسیر کرتے ہیں اس لئے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔امام علیہ السلام جس طرح مرثیہ سُننا پسند کرتے تھے۔وہی طریقہ تو ہماری قوم میں ایک ہزار سال سے چلا آرہا ہے۔سوز وگداز و دردوغم میں بھری ہوئی آواز میں ایک یا کئی آدمیوں کا مل کر پڑھنا جو مجلس کو تڑپا کر رکھ دیتا ہے۔یہ ایک خاص طرز وطریقہ ہے جو صرف مرثیہ کے لئے مخصوص ہے۔اس میں آلاتِ موسیقی کی احتیاج نہیں ہوتی۔دوسرا طریقہ وہ ہے جسے تحت لفظ کہا جاتا ہے۔اور یہی دو طریقے روزِ اول سے چلے آرہے ہیں۔یہ قومی سنت آئمہ علیہم السلام کے زمانہ سے جاری رہتی چلی آرہی ہے۔اس پر جو شیعہ شخص اعتراض کرتا ہے وہ ہرگز شیعہ نہیں ہوسکتا۔وہ دشمنان اہلبیتؑ کا ایجنٹ ہوتا ہے۔جو ہماری قوم ومذہب میں رہنے اور تخریب کرنے کا وظیفہ پاتا ہے۔ایسے لوگوں کو ہمارے پاس بھیجنا چاہیئے تاکہ اُن کی نوکری چھڑا کر اُنہیں پُرخلوص شیعہ بنادیا جائے۔

(12)۔ مصائب حسینؑ میں شعر کہنے والا شاعر وموسیقار وشرابی آخر دُنیا ہی میں بخشا گیا

مولوی ذہنیت کو انتہائی تکلیف اور اذیّت پہنچتی ہے جب اُس کے سامنے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ 1: محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی محبت اور توجہ سے ہر بڑے سے بڑا گنہگار بخشا جائے گا۔2: اور محمدؐ وآل محمدؐ سے بغض ودشمنی رکھنے والا ہر نمازی وتہجد گزار وروزہ دار وحاجی

وپرہیزگار جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔3:اوّل الذکر کواُن کے ایمان اور محبت محمدؐ وآل محمدؐ کی موجودگی میں کوئی گناہ نقصان نہ پہنچائے گا۔
4:اور ثانی الذکر کو محمدؐ وآل محمدؐ سے بغض وعداوت کی موجودگی میں اُن کا ایمان باللہ وایمان بالرسولؐ اور عبادات کوئی فائدہ نہ پہنچائیں گے۔
حالانکہ یہ چاروں باتیں چار حدیثوں میں ہیں۔مگر ابلیسی ذہنیت اِن کا انکار کرتی ہے اور یزید، ابن زیاد وعمر سعد اور شمر ایسے دشمنانِ انسانیت اور دشمنانِ خدا اور رسولؐ اور قاتلانِ حسینؑ وآل رسولؐ کو بخشوانے کے لئے محمدؐ وآل محمدؐ کو اللہ سے الگ کر کے اور اللہ کو قادر مطلق کا مسکہ لگا کے اُن کیلئے لعنت کے منکر اور دعائے مغفرت کے قائل ہیں۔یعنی جولوگ اُنکے خودساختہ مذہب کی تائید میں قتل حسینؑ کا گناہ کرلیں وہ تو قابل معافی ہیں اور جن سے حالات وفطرت کے دباؤ سے گناہ ہوجائیں وہ قابل معافی نہیں ہوسکتے۔آیئے اُنکی تواضع کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کے شرابی شاعر اور گویے کا حال سُنئے۔ یہ وہی شاعر ہے جس کے دوشعر ہماری روایات (نمبر 9، 11) میں دوسرے لوگ پڑھتے اور بخشے جاتے رہے۔اُن کا نام السید بن محمد الحمیری تھا۔اُن کے متعلق علامہ الشیخ ابوعمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی (قصبۂ کش جرجان) نے لکھا ہے کہ جب جناب زید بن زین العابدینؑ قتل کر دیئے گئے تو فضیل الرسان امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ:۔

1۔ ’’قُلتُ یاسیدی اَ لَاانشدک شعرا؟ قال امهل۔ثُمَّ امر بستورفسرلت و بابواب ففتحت ثم قال انشد فانشدته قال سمعت نَحِیًبًا مِن وراء السترو قال:من قال هذا الشعر؟ قلتُ السید بن محمدالحمیری۔فقال رَحِمَهُ اللّٰه۔ فقلت اِنّی رَأیتُهُ یشربالنبیذ۔فقال رَحِمَهُ اللّٰه۔قُلتُ اِنّی رایتهُ یشرب النبیذ الرستاق۔قال تَعنِی الخمر ؟ قُلت نعم۔قال رَحِمَهُ اللّٰه وماذلک علَی اللّٰه اَنْ یَّغفِرلِمُحِبّ علیً۔‘‘

’’حضور اجازت دیں تو میں آل محمدؐ کے مصائب پر چند اشعار ترنم سے سناؤں؟ فرمایا ذرا ٹھہرو۔ یہ کہہ کر آپ نے مستورات کے لئے پردے پھیلانے کا حکم دیا۔جب پردے پھیل گئے اور زنانہ ڈیوڑھی کے دروازے کھل گئے یعنی خواتین مرثیہ سُننے کے لئے پردہ کے پیچھے آ گئیں تو فرمایا کہ اب تم سوز وترنم سے مرثیہ پڑھو۔میں نے مرثیہ پڑھا (اور مذکورہ بالا شرابی سید اور شاعر کے بارہ اشعار پڑھے جو ہم نے نہیں لکھے ...احسن)۔راوی فضیل کہتا ہے کہ میں نے پردہ کے پیچھے سے آنے والی وہ بلند شور، واویلا اور چیخیں سنیں جو امامؑ کے حرم میں بلند تھیں۔امامؑ نے آخر میں دریافت کیا کہ یہ اشعار کس کے تھے؟ میں نے بتایا کہ یہ السید بن محمد حمیری کے اشعار ہیں۔آپ نے فرمایا کہ اللہ اس پر اپنی رحمت نازل کرے۔میں نے گھبرا کر کہا کہ حضورؑ اُس کے لئے رحمت کی دعا کا کیا فائدہ، میں نے خود اپنی آنکھوں سے نبیذ پیتے دیکھا ہے؟ امامؑ نے دوبارہ رحمت خداوندی کی دعا دی۔میں نے صاف صاف کہہ دینا مناسب سمجھا اور کہا کہ حضورؑ میں نے ازراہِ ادب الفاظ کو ہلکا کر دیا تھا۔ورنہ بات یہ ہے کہ میں نے تو اُسے مارکیٹ کی بنی ہوئی نبیذ پیتے ہوئے دیکھا ہے۔امامؑ نے فرمایا کہ تیرا مطلب یہ ہے کہ وہ قرآن کی حرام کردہ شراب پیتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی وہ نشہ میں چکنا چور کر دینے والی شراب پینے کا عادی ہے۔ آپ نے تیسری دفعہ پھر رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ اللہ کے لئے کیا بعید ہے کہ وہ دوستداران علیؑ کو بخش دے۔‘‘

2۔ حد ثنی ابوسعید محمد بن رشید الهروی قال حدّثنی السید وسماه وذکر انّه خیرقال سالته عن الخبر

الـذی یـروی ان السیـد اَسْوَدّ وجھہ عنـد موتـہ ؟ فقال ذلک الشعر الذی یروی لہ فی ذلک ماحدثنی ابـوالـحسین بن ایوب المروزی قال روی اَنّ السیّد بن محمد الشاعر اسوَدّ وجھہ عندالموت فقال: ھٰکذا یفعل باَوْلیا ئِکم یاامیرؐالمؤمنین؟ قال فابیضّ وجھہ کانّہ القمر لیلۃ البدر۔فانشاء یقول؛

''مجھ سے ابوسعید محمد بن رشید ہروی نے بیان کیا اور کہا کہ اُس سے السید نے بتایا اور اُس نے کہا کہ میں نے اُس خبر کے متعلق پوچھا جس میں یہ روایت ہوا ہے کہ وقت موت سید بن محمد شاعر کا منہ کالا ہوگیا تھا۔ بتایا گیا کہ اس سلسلے میں سید کے چند شعر ہیں جنہیں ابوالحسن بن ایوب مروزی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت یہ ہے کہ السید بن محمد شاعر کا بوقت موت منہ کالا ہوگیا تو اُس نے حضرت علیؑ کو یاد کیا اور بطور شکوہ کہا کہ: ''اَے امیرالمومنینؑ کیا آپ اپنے چاہنے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔''

کہا گیا ہے کہ یہ کہتے ہی سید کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمکنے لگا۔اور اُس نے فوراً حضرت علیؑ کی شان میں یہ اشعار بناڈالے؛

اَحَبُّ الَّذیؑ مَن مات مِن اھل ودّہ تِلقَاہ بِالبُشریٰ لدی الموت یضحَکُ

میں اُس ذات پاکؑ سے محبت کرتا ہوں کہ جس کے چاہنے والا جب مرتا ہے

تو اُس کو اپنی زیارت کراتے ہیں، بشارت دیتے ہیں اور وہ دوستدار علیؑ ہنستا ہے۔

ومَن مات یھوی غیرہ مِن عدوّہ فلیس لہ اِلّا اِلَی النار مَسْلَکُ

اور جو کوئی بھی اُنؑ کے دشمنوں کا دلدادہ ہوتا ہے تو مرنے کے وقت

اُس کو اور کچھ نہیں بس جہنم کا راستہ دکھا کر جہنم واصل کر دیا جاتا ہے۔

اباحسنؑ اَفْدیک نفسی واسرتی ومَالِی وَمَا اَصْبحتُ فی الارض اَمْلَکُ

اَے امام حسنؑ کے والد میں تم پر اپنی جان اور اپنا کنبہ قربان کرتا ہوں۔

اور سب کچھ آپؑ پر نثار کرتا ہوں جو اِس دنیا میں میری ملکیت میں ہے۔

اباحسنؑ اِنّی بِفَضْلِکَ عارفٌ وَاِنّی بِحَبل مِن ھواک لممسکُ

اے حسنؑ کے والد میں یقیناً آپؑ کے مقام بلند اور فضل وکرم کی معرفت رکھتا ہوں

اور میں تو آپکی پسندیدہ محبت کے سہارے کو تھامے ہُوئے ہوں۔

واَنتَ وصیؑ المصطفیٰؐ وابن عمّہؐ فانا نعادی مبغضیک ونترکُ

آپؑ اپنے چچازاد بھائی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی ہیں اور میں نے آپؑ کے دشمنوں

اور آپؑ سے بغض رکھنے والوں سے دشمنی اور علیحدگی اختیار کی ہوئی ہے۔

موالیک ناجٍ مُؤمِن بین الھدی وقالیکَ معروف الضلالۃ مشرک

میں جانتا ہوں کہ آپؑ کے موالی نجات یافتہ اور ہدایت یافتہ ہیں۔

اور آپؑ کو قولی حیثیت سے برائے نام ماننے والے جانے پہچانے گمراہ اور مشرک ہیں۔''

3۔ ''وحدّ ثنی نصربن الصباح قال حدثنا احمد بن محمد بن عیسٰی عن عبدالرحمٰن بن ابی نجران عن عبد اللّٰہ بن بکیر عن محمد بن النعمان ۔قال دخلتُ عَلَی السید بن محمد الحمیری وھولمابہ قداسودّ وجھہ وازرَقّتْ عیناہ وعطش کبدہ وسلب الکلام وھو یومئذٍ یقول لمحمد بن الحنفیۃ وھومِن حشمہ وکان ممّن یشرب المسکر فجئت وکان قدم ابوعبد اللّٰہ علیہ السلام الکوفۃ لانّہ کان انصرف مِن عندابی جعفر المنصور فدخلت عَلٰی ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام فقلت جعلت فداک اِنِّی فارقت السید بن محمد الحمیری لمابہ قداسودّ وجھہ وازرقت عیناہ وعطش کبدہ وسلب الکلام فانّہ کان یشرب المسکر ۔ فقال ابوعبد اللّٰہ علیہ السلام اسرجوا حِمَاری فَاَسُرَج لہ فرکب ومضی ومضیت معہٗ حتّٰی دخلنا عَلَی السید واَنَّ جَمَاعَۃٌ محدقون بہ فجلس ابوعبدؑ اللّٰہ عند راسہ وقال یاسید ؟ ففتح عینہ ینظر الٰی ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام ولایمکنہ الکلام وقداسودّ وجھہ فجعل یبکی وعینیہ الٰی ابی عبد اللّٰہ علیہ السلام ولا یمکنہ الکلام ۔وانا لَنَتبیّن مِنہ اَنَّہٗ یُرِیدُ الکلام ولایمکنہ فَرَأَینَا اباعبد اللّٰہ علیہ السلام حرّک شفتیہ فنطق السید فقال جعلنی اللّٰہ فداک **اَبِاَ وْلِیَائِکَ یَفْعَلُ ھٰذا** ؟ فقال ابوعبد اللّٰہ علیہ السلام یاسید قُل بالحق یکشف اللّٰہ مآبِک ویرحمک ویدخلک جنۃ الّتِی وعداولیائِہ ۔فقال فی ذلک **تجعفرت بسم اللّٰہ و اللّٰہ اکبر** واَیقنت اَنّ اللّٰہ یعفوویغفر فلم یبرح ابوعبد اللّٰہ علیہ السلام لقی السید بن محمد الحمیری فقال سمتک اُمّک سیدًا ووفقت فی ذلک وانت سید الشعرا ثم انشد السید فی ذلک۔''

''اور مجھ سے نصر بن صباح نے بیان کیا اور کہا کہ اُن سے احمد بن محمد بن عیسٰی نے اور اُن سے عبدالرحمٰن بن ابی نجران نے اور اُن سے عبداللہ بن بکیر نے اور اُن سے محمد بن النعمان نے کہا کہ میں السید بن محمد الحمیری کے پاس گیا اور وہاں دیکھا کہ اس کا مُنہ کالا ہو گیا ہے اور آنکھیں نیلی پڑ گئی ہیں اور اُس کا جگر کباب ہو رہا ہے اور زبان گنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ اور وہ اس سلسلے میں محمد بن حنفیہ کے حلقے سے تعلق رکھتا تھا اور خوب شراب خواری کیا کرتا تھا۔ میں وہاں سے واپس آیا اور اُن ہی دنوں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام میرے پاس ٹھہرے ہوئے تھے اور اُسی وقت خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور کے پاس سے ملاقات کے بعد واپس آئے تھے۔ میں پہنچا تو میں نے اُنؑ سے بتایا کہ سید بن محمد حمیری کے پاس سے ابھی ابھی آیا ہوں۔ اُس کا منہ اللہ نے کالا کر دیا ہے، اُس کی آنکھیں نیلی ہو گئی ہیں، اُس کا جگر جل رہا ہے اور اللہ نے اُس کی قوت گویائی چھین لی ہے۔ اور یہ شراب خوری کی سزا ہے جو اُسے ملی ہے۔ یہ سنتے ہی امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ میری سواری پر زین کسو۔ میں نے سواری تیار کر دی۔ آپؑ سوار ہو کر سید کی طرف چلے، میں بھی ہمراہ چلا گیا۔ وہاں دیکھا ایک جماعت اُسے گھیرے بیٹھی ہے۔ بہرحال جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سید کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اے سیّد۔ یہ سُن کر سید نے آنکھیں تو کھول لیں اور امامؑ کی طرف دیکھا بھی مگر بولنے کی طاقت نہ تھی۔ اور اپنے کالے منہ کے ساتھ رونا شروع کیا اور نظریں امامؑ کے چہرہ پر جمائے رکھیں۔ لیکن بات کرنا اور بولنا اُس کے لئے ممکن نہ تھا اور میں بڑے واضح انداز میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ امامؑ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔ مگر آواز پر قدرت نہیں رکھتا۔ ہم سب نے امامؑ کو دیکھا کہ اُن کے ہونٹوں نے حرکت کی تو فوراً سید کے منہ سے نکلا کہ اللہ مجھے آپ پر نثار ہونے کا موقعہ دے یہ فرمایئے کہ کیا آپ حضرات کے چاہنے والوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے سید یہ جملہ منہ سے کہو کہ ''اللہ بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ۔ تمہارا آخر اب حال درست کرے گا اور تم پر رحم کرے گا اور تمہیں جنت کا حق دار بنائے گا۔

جس جنت کا وعدہ اُس نے اپنے چاہنے والوں کے لئے کیا ہوا ہے''۔ سید نے اس سلسلے میں کہا کہ اَے اللہ میں تجھے جعفرؑ کا واسطہ دیتا ہوں اور تیرے ہی نام سے ابتدا کر کے تجھے اللہ اکبر سمجھتا ہوں۔ راوی نے کہا کہ اُس وقت مجھے آنکھوں دیکھا یقین آ گیا کہ واقعی اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے درگزر کرتا ہے اور مغفرت فرما دیتا ہے اور ابھی امامؑ روانہ نہ ہوئے تھے کہ سید بن محمد حمیری تندرست وتوانا ہو گیا اور امامؑ نے فرمایا کہ تیری ماں نے تیرا نام بہت ہی درستی سے ''**سیّد**'' رکھا تھا۔ لہٰذا تو شاعروں کا سردار (سید الشعرا) ہے۔ پھر سید نے ایک اور قصیدہ تیار کیا۔ (رجال کشی صفحہ 184 وغیرہ)

(37/5)۔ مصائب محمدؐ و آل محمدؐ میں ہم سوگواروں کا مقام؟

(1)۔ غمگین ہونے اور رونے کی جزا اور ثواب

پہلی حدیث: فی محاسِن البرقی مسندًاعن فضیل بن یسارعن الصادق علیه السلام قال مَن ذکرنا عنده ففاضت عیناه ولو مثل جناح الذباب غفراللّٰه ذنوبه ولو کانت مثل زبد البحر۔

کتاب محاسن برقی میں فضیل بن یسار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جس کے روبرو ہمارا ذکر کیا جائے اگر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں۔ خواہ آنسو مکھی کے پَر کے برابر کیوں نہ ہو۔ اللہ اُس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ خواہ اُس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (یعنی سمندر جتنا جھاگ پیدا کر سکے گا)۔

دوسری حدیث: فی خبر ابی هارون المکفوف عن الصادق علیه السلام فی حدیث ومَن ذکر الحسینؑ عنده فخرج مِن عینیه مِنَ الدَّموع مقدار جناح ذباب کان ثوابه علی اللّٰه ولم یرض له بدون الجنة۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ہی نے فرمایا کہ جس کے سامنے حسین علیہ السلام کا ذکر کیا جائے اور اُسکی آنکھوں سے مکھی کے پَر کے برابر آنسو نکل آئے تو اُس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے۔ اور اُس شخص کو جنت دینے کے سوا اللہ خوش نہ ہوگا۔ (یعنی کم ثواب نہ دیگا)۔

تیسری حدیث: عن علی بن الحسین علیهما السلام مَن قطرت عیناهُ او دمعت عیناهُ بوّاهُ اللّٰه بهافی الجنة غرفًا یسکنها احقابًا۔

امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ جسکی آنکھوں سے قطرے ٹپکیں یا آنسو نکلیں اللہ اُسے جنت کے چوبارہ میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آباد کریگا۔

چوتھی حدیث: عن الصادقؑ فی حدیث طویل یذکرفیه حال الحسینؑ وانّه لَینظر اِلٰی من یبکیه فیستغفرله ویسئل اباه الاستغفار له ویقول له یاایها الباکی لوعَلِمت مااعدّ اللّٰه لک لَفَرِحتَ اکثر مِمَّا حزنت وانّه یستغفرله مِن کُلِّ ذنب وخطیئة۔

امام جعفرؑ صادق نے فرمایا ہے کہ امام حسینؑ کے غم میں جو کوئی روتا ہے تو امام حسینؑ اُسے دیکھتے ہیں اور اُس کیلئے بخشش مانگتے ہیں اور اپنے والد علیؑ سے بخشش مانگنے کیلئے کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے میرے مصائب اور غم میں رونے والے اگر تجھے یہ علم ہوتا کہ اللہ نے تیرے لئے کیا کیا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں؟ تو تُو اپنے غم و رنج کے مقابلہ میں زیادہ مسرت وخوشی حاصل کرتا اور یقیناً وہ اسکی ہر خطا اور غلطی معاف کریگا

پانچویں حدیث: عن الباقر علیه السلام قال اَیُّمَا مومن دَمَعَتْ عیناه لقتل الحسینؑ دمعة حتٰی تسیل علٰی خدّه بوّاهُ اللّٰه بهافی الجّنة غرفًا یسکنها احقابًا۔

محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کوئی بھی مومن جس کی آنکھوں سے شہادتِ حسینؑ پر آنسو نکلیں اور ایک آنسو بھی گال پر بہہ جائے تو اللہ اسے جنت کے چوبارہ میں ہمیشہ کے لئے آباد کرے گا۔

چھٹی حدیث: عن الصادقؑ قال مَن ذکرنا عنده ففاضت عيناه حرّم اللّٰه وجهه علی النار۔

جعفرؑ صادق نے فرمایا کہ جس کے روبرو ہمارا ذکر ہو اور اس کی آنکھیں بھیگ جائیں تو اللہ اسکے اوپر جہنم کو حرام کردے گا۔

ساتویں حدیث: عن ابی جعفرؑ انّه قال ليس من عبد يذكر عنده اهل البيتؑ فيرق لذكرنا الّا مسحت الملائكة ظهره وغفرله ذنوبه كُلّها اِلّا اَنْ يجئی بذنب يخرجه عن الايمان۔

محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ایسا بندہ نہیں جسکے سامنے اہلبیتؑ کا ذکر کیا جائے اور اُس پر رقت طاری ہوجائے تو ملائکہ اُسے شاباش نہ دیں اور اسکے تمام گناہ بخشے نہ جائیں۔ البتہ ایسے بندے کے گناہ نہیں بخشے جائیں گے جو ایسا گناہ بھی لے کر آئے جس نے اُسے ایمان سے خارج کردیا ہو۔ مثلاً معصومین علیہم السلام سے عداوت یا بغض رکھتا ہو۔ (جیسے یزید وغیرہ کا رونا)۔

آٹھویں حدیث: وقال فی الملهوف وعن آل رسوّل اِنّهم قالوا مَن بَكَی وَاَبْكَی فينا مِائة فله الجنّة ومَن بكی وابكی خمسين فله الجنّة ومَن بكی وابكی ثلثين فله الجنّة ومَن بكی وابكی عشرة فله الجنّة ومَنْ بكی وابكی واحدًا فله الجنة ومن تباكی فله الجنّة

کتاب ملھوف میں اہلؑ بیت رسوؐل کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو کوئی ہم پر ایک سو (100) مرتبہ روئے اور رُلائے اس کے لئے جنت ہے۔ جو پچاس (50) دفعہ روئے اور رُلائے اور اس کے لئے بھی جنت ہے۔ اور جو تیس (30) بار روئے اور رُلائے اس کے لئے بھی جنت ہے۔ جو دس (10) دفعہ روئے اور رُلائے اُس کے لئے بھی جنت ہے۔ اور جو صرف ایک بار روئے اور رُلائے اس کے لئے بھی جنت ہے۔ اور رونے کی سی صورت بنائے اُس کے لئے بھی جنت ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ جو پیدائشی مومنین ہوتے ہیں اور عمر رسیدہ ہوتے ہیں یا کوئی نیا دنیاوی صدمہ دامن گیر رکھنے والے مومنین ہوتے ہیں، اُنہیں محمد و آل محمد علیہم السلام کے حالات سننے کا زیادہ موقعہ ملا ہوتا ہے۔ اُنکے قلوب غم اہلبیتؑ سے بھرے رہتے ہیں اور ذرا سے اشارے پر آنسو بہنے لگتے ہیں بلکہ وہ محض فضائل سُن کر بے قرار ہوجاتے ہیں۔ اور وہ نو وارد مومنین یا اہلسنت کے صالح حضرات یا نوجوان حضرات جن کو حالات پر کم اطلاع ہوتی ہے اُنکے قلوب پر دیر میں اثر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ تعداد فطرت کے مطابق ہے۔ اور جہاں یہ اندیشہ ہو کہ روتا دیکھ کر لوگ مجھے ستائیں گے وہاں رونے ایسا منہ بنانا یا بن جانا بھی خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ خطرہ مول لینے والے کو یقیناً جنت ملنا چاہئے۔

نویں حدیث: وعن المنتخب روی عن الصادق عليه السلام اَنّه كان اذا هَلّ هلال عاشوراء اشتدّ حزنه وعظم بكائه علٰی مصائب جده الحسينؑ والناس ياتون عليه مِن كلّ جانب ومكان يعزّونه به الحسينؑ وينوحون معه علٰی مصاب الحسينؑ فاذا فرغوا مِن البكاء يقول لهم اَيّها الناس اعلموا انّ الحسينؑ حیٌّ عند ربه يرزق حيث يشاء وهو دائمًا ينظراِلٰی موضع معسكره مصرعه ومَن حلّ فيه مِن الشهداء وينظر الٰی زوّاره والباكين عليه والمقيمين العزأ عليه وهو اعرف بهم وباسمائِهم واسماء آبائِهم وبدرجاتهم ومنازلهم فی الجنة واَنّه ليرامن يبكی عليه فيستغفرله ويسئل جدّه واباهٗ واُمه واخاهٗ ان يستغفر واِلِلباكين علی مصابه والمقيمين

عزائِہ ویقول لویعلم زائری والباکی عَلَیَّ ماله مِن اَجرٍ عند اللّٰه لکان فرحه اکثر مِنْ جزعه واَنّ زائری والباکی عَلَیَّ لینقلب الی اهله مسرورًا ومایقوم من مجلسه اِلّا وماعلیه ذنب وصار کیوم ولدته امه ۔

کتاب منتخب میں امام جعفرؑ صادق کے متعلق لکھا ہے کہ جیسے ہی محرم کا چاند نظر آ تا اُنؑ کا غم والم ومصائب حسینؑ میں حد کو پہنچ جاتے تھے ۔ ہر طرف سے مومنین آتے اور اُن کو امامؑ مظلوم کا پرسہ دیتے اور اُن کے ساتھ مل کر نوحہ پڑھتے اور اُن مظالم پر گریہ وزاری کرتے جو کربلا میں ہوئے ۔ اور جب مجلس ختم ہوتی اور رونا بند ہوجاتا تو امام جعفرؑ صادق تمام عزاداروں کو بتاتے تھے کہ دیکھو حسینؑ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور جہاں چاہیں رزق پاتے ہیں ۔ اور وہ اپنی قتل گاہ اور خیام کو نظروں میں رکھتے ہیں ۔ اور اُن سب شہدا کو بھی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے دیتے جو کربلا میں شہید ہوئے ۔ اور ہر زیارت کرنیوالے اور رونے والے کو بھی دیکھتے ہیں ۔ اور عزاداری کرنے والوں کو بھی دیکھتے رہتے ہیں ۔ اور وہ اُن سے واقف ہیں ۔ اُنکے اور اُن کے آبا واجداد کے نام بھی جانتے ہیں ۔ اور جنت میں جو اُن لوگوں کے درجات اور مکانات ہیں اُن پر بھی مطلع ہیں ۔ اور اپنی زیارت کرنے والوں اور اپنے غم میں رونے والوں کو بھی ہر وقت دیکھتے رہتے ہیں ۔ اور اُن کے لئے بخشش ونجات طلب کرتے ہیں اور اپنے نانا رسولؐ اللہ اور اپنے بابا علیؑ سے اور اپنی والدہ فاطمہؑ زہراء سے اور اپنے بھائی حسنؑ مجتبیٰ سے بھی کہتے ہیں کہ عزاداروں اور زائرین کی مغفرت اللہ سے طلب کریں ۔ اور فرماتے ہیں کہ اگر میرے زائرین اور سوگواروں کو پہلے ہی یہ معلوم ہوجاتا کہ اُن کیلئے کیسے کیسے اجر وثواب مقرر ہیں تو انہیں ان کے غم سے زیادہ خوشی ہوا کرتی ۔ اور یہ بھی کہ میرے زائرین اور عزادار قیامت کے روز اپنے اہل وعیال کے پاس مسرور اور ہشاش بشاش پلٹیں گے ۔ اور وہ حضرات ابھی مجلس عزا سے اٹھنے بھی نہیں پاتے کہ اُنکے اوپر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا اور وہ ویسے ہی ہوجاتے ہیں جیسے اُس روز تھے جس دن اُن کی ماں نے اُنہیں جنم دیا تھا ۔

دسویں حدیث: عن الباقر علیه السلام قال کان علیؑ بن الحسینؑ یقول اَیُّما مومن دَمَعَتْ عیناہ لِقتل الحسینؑ حتّی تسیل علٰی خدّہ بوّاہ اللّٰه بها غرفًا یسکنها احقابًا واَیُّمامومن دمعت عیناہُ حتی تسیل علٰی خدّہ فیما مَسَّنَا من الاذی من عدوّنا فی الدنیا بوّاہ اللّٰه مُبَوَّءَ صدق ۔ وَاَیُّمَا مومن مَسّه اذیً فَدَمَعَتْ عیناہُ حتی تسیل علٰی خدّہ من مضاضة مااُوذی فینا صرف اللّٰه عن وجهه الاذی وآمَنَه یوم القیمة من سخطه والنار ۔ محمدؑ باقر نے فرمایا کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی مومن کی آنکھوں سے قتل امامؑ مظلوم پر آنسو نکل کر گالوں پر بہہ جائے اسکو اللہ جنت میں دو منزلے مکان میں بسائے گا ۔ اور جس مومن کی آنکھیں اسلئے آنسو بہائیں کہ ہمیں ہمارے دشمنوں کی طرف سے دنیا میں ایذا وتکلیف پہنچی تو اللہ اُسے حق وصداقت سے لبریز ٹھکانا عطا کرے گا ۔ اور جس کسی مومن کی آنکھیں اس لئے آنسو بہائیں کہ اُسے ہمارے دُکھ درد میں شریک رہنے کی بنا پر ایذا دی جائے یا ہم سے وابستگی کی بنا پر ستایا جاتا ہے تو قیامت کے روز اللہ اُسے ہر تکلیف سے محفوظ اور امن وسلامتی میں داخل کرے گا ۔ اپنے غصہ اور جہنم سے دُور رکھے گا ۔

دس :الف ۔ قال الرضا علیه السلام مَن تذکر مصابنا فبکی وابکی؛ لم تبکی عینه یوم تبکی العیون ۔الخ

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی ہم پر گزرنے والے حالات بیان کر کے روئے اور دوسروں کو رُلائے گا اُس کی آنکھیں اُس دن نہ روئیں گی جس روز ہر آنکھ کو رونا پڑے گا ۔

گیارھویں حدیث: عن الرضا علیہ السلام انّہ قال یابن شبیب اِن کنت باکیًا لِشیئی فابک للحسیؑن ۔ الٰی اَن قال یابن شبیب اِن بکیت علَی الحسینؑ حتّی تصیر دموعک علٰی خدّیک غفر اللّٰہ لک کُلّ ذنبٍ اذنبتَہُ صغیرًا کان اَوْ کبیرًا؛ قلیلًا کان اَوْ کثیرًا؛ یابن شبیب اِنْ سَرّک اَنْ تلقی اللّٰہ عزّوجلّ ولاَ ذنب علیک فزر الحسینؑ ۔ یابن شبیب اِنْ سرّک اَن تسکن الغرف المبنیّۃ فی الجنۃ مع النبیؐ فَالْعَن قتلۃ الحسینؑ ۔ یابن شبیب اِنْ سَرّک اَنْ یکون لک مِن الثواب مثل مالِمَن اسْتَشْھَدَ مع الحسین علیہ السلام فقل متٰی ذکرتَہُ: ’’یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۔‘‘ یابنَ شبیب اِنْ سَرّک اَنْ تکون مَعَنَا فی درجات العلٰی مِنَ الجنان فاحزن لحزننا وَافرح لِفرحنا وعلیک بالولایتنا فلو اَنّ رُجُلاً اَحبّ حجرًا لحشرہ اللّٰہ معہ یوم القیامۃ۔(صفحہ 40)

’’امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ اے شبیب کے بیٹے اگر تجھے کسی چیز پر رونا ہو تو حسین علیہ السلام کی مظلومی پر رویا کر اور اگر تو اُن پر روئے اور آنسو تیرے گالوں پر بہنے لگیں تو اللہ تیرے تمام گناہ بخش دے گا خواہ تو نے چھوٹے گناہ کیئے ہوں یا گناہان کبیرہ کا مرتکب ہوا ہو۔خواہ تیرے گناہ کم ہوں یا زیادہ ہوں ۔ اور اگر تجھے یہ صورت حال خوش کرتی ہو کہ تو خدا سے اِس حال میں ملے کہ تجھ پر کوئی گناہ نہ ہو تو حسینؑ سے وابستہ ہو جا۔اور اگر تجھے یہ پسند ہو کہ اللہ تجھے اُن چوباروں میں آباد کرے جو اُس نے جنت میں بنائے ہیں؟ اور یہ کہ تجھے رسولؐ اللہ کے ساتھ رہنا نصیب ہو تو تُو قاتلانِ حسینؑ پر لعنت اپنا معمول بنالے۔اور ابن شبیب اگر تو اس میں خوش ہو کہ تجھے وہ ثواب اور درجہ ملے جو حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والوں کو ملا ہے تو تجھے جب بھی حسینؑ اور واقعات کربلا یاد آئیں تو یہ کہا کر کہ: ’’اے کاش میں بھی اُن کے ساتھ ہوتا اور وہ تمام تکالیف و مظالم اور بھوک و پیاس برداشت کرتا ہوا شہید ہوتا اور اس طرح اُس عظیم الشان مقام پر فائز ہو جاتا۔‘‘ اور اے شبیب کے فرزند اگر تجھے یہ پسند آتا ہو کہ تُو جنت میں ہمارے ساتھ بلند ترین درجات میں رہے تو ہمارے رنج میں رنجیدہ اور ہماری خوشی میں خوش رہنا لازم کرلے ہماری حکومت قائم کرنے میں مصروف ہو جا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص پتھر سے بھی محبت کرتا ہے تو قیامت کے روز اُس پتھر کے ساتھ اُسے بھی شمار کیا جائے گا۔‘‘(یعنی بُت پرستوں کے ساتھ محشور ہوں گے)۔

(2)۔ عزاداری اور تذکرۂ اہلبیتؑ کی مجالس اسلام کو زندگی اور استحکام بخشتی ہیں

بارھویں حدیث: وفی قرب الاسنادعن الصادق علیہ السلام قال للفضیل تجلسون وتتحدّثون؟ قُلْتُ نعم۔فقال اَنّ تلک المجالس اَحَبُّھَا فَاَحْیُوا اَمْرنا فرحم اللّٰہ مَنْ احیاء امرنا یافضیل مَنْ ذَکَرَنَا اَوْذُکِرْنَا عندہ ثم ذَکَرَمثلہ۔(صفحہ 39)

کتاب قرب الاسناد میں ہے کہ جناب صادق علیہ السلام نے پوچھا کہ اے فضیل کیا تم کہیں جمع ہو کر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کیا کرتے ہو۔عرض کیا جی ہاں۔تب فرمایا یقیناً مجھے وہ مجالس بہت محبوب ہیں ۔ چنانچہ اُن کے ذریعہ سے ہمارے امر (دین) کو برقرار رکھو جو ہمارا ذکر کرے یا جس کے سامنے ہمارا ذکر ہو،اُنہیں چاہیئے کہ وہ اس کی مثال قائم کریں اور ذکر برابر جاری کرتے جائیں۔اللہ ایسے لوگوں پر اپنی رحمت نازل کرے گا۔

تیرھویں حدیث: قال الرضا علیہ السلام من تذکرہ مَصَابنا فبکی وابکی لم تبک عینہ یوم تبکی العیون ومن جلس مجلسًا یحیٰی فیہ امرنا لم یَمُتْ قلبہ یَوْم تَمُوت القلوب۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ہم پر گزرنے والے حالات کا ذکر کرے اور روئے اور دوسروں کو رلائے تو اُس کی آنکھیں اُس دن نہ

روئیں گی جس دن ہر آنکھ کو رونا پڑے گا۔ اور جو کوئی ایسی مجلس میں بیٹھے جس میں ہمارے دین کو زندہ کیا جارہا ہو تو اُس کا قلب اُس روز نہ مرے گا جس دن سب قلوب مرجائیں گے۔ (یعنی وہ مسلسل زندہ رہے گا)۔

(3)۔ آئمہؑ کا محرم میں عملدرآمد حسینؑ پر رونا گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے

چودھویں حدیث: قال الرضا علیه السلام فی حدیث فِعْلِیُ مثل الحسینؑ فلیبک الباکون فَاِنّ البکاء علیه یحط الذنوب العظام ثم قال کان ابی اذا دخل شهرالمحرم لایری ضاحِکًا و کانت الکابة تغلب علیه حتی یمضی عشرة ایام فاذاکان یوم العاشر کان ذلک یوم مُصیبتِهٖ وحُزنه وبکائه۔

امام رضا علیہ السلام نے ایک عملی حدیث میں فرمایا ہے کہ امام حسینؑ کی مثال ایسی ہے کہ اُن پر رونے والوں کو دیکھ کر تُو بھی رونے لگے گا۔ اور جو کوئی اُن پر روئے گا اُس کے گناہان کبیرہ تک جھڑ جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ میرے والد علیہ السلام محرم کے آتے ہی اتنے غمگین ہو جاتے تھے کہ اُن کو اس مہینے میں کوئی ہنستا ہوا نہ دیکھتا تھا۔ اور اُن پر قلبی بے چینیاں غالب آجاتی تھیں۔ اور جب دس دن گزر جاتے اور دسواں دن آتا تو یہ دن اُن پر مصیبت و رنج و محن اور گریہ وزاری کا دن ہوا کرتا تھا۔

(4)۔ اہلبیتؑ کے لئے خون ناحق پر اور مومن کی توہین پر رونا

پندرھویں حدیث: عن الصادق علیه السلام قال مَن دمعت عیناه فینا دمعة لِدَم سفک لنا اوحقّ لنا نُقِصناه اوعرض انتهک لنا اولا حد مِن شیعتنا بوّاه اللّٰه تعالٰی بهافی الجنة حقبا۔

جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کسی کی آنکھیں ایک دفعہ بھی اُس خون ناحق پر روئیں جو ہماری راہ میں قربانی دے کر بہایا گیا ہو؛ یا اُس نقصان پر روئیں جو ہمارے تحفظ میں ہوا ہو یا اُس توہین پر روئیں جو ہمارے ساتھ وابستگی کی بنا پر ہوئی ہو یا ہمارے شیعوں میں سے کسی کے قتل و نقصان و توہین پر روئیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُس رونے والے کو مستقلاً جنت میں رکھے گا۔

(5)۔ رونے والی آنکھوں کو حوض کوثر نظر کر دیا جائے گا

سولھویں حدیث: ذکر حدیثا طویلا یتضمّن ثوابًا جزیًلا یقول امام جعفر الصادقؑ فیه وما مِن عین بکت لنا اِلّا نعمت بالنظر الَی الکوثر وسقیت مع مَن احبّنا۔

ایک طویل حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے عظیم الشان ثواب اور اجر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کوئی ایسی آنکھ جو ہم پر روئی ہوگی ایسی نہ بچے گی جسکے سامنے حوض کوثر پیش نہ کر دیا جائے اور جو ہمارے باقی چاہنے والوں کیساتھ مل کر حوض کوثر سے سیراب نہ کیا جائے

(6)۔ شیعوں کی ذمہ داریاں اور اُن کا مقام

سترھویں حدیث: عن امیر المؤمنین علیه السلام اَنّ اللّٰه اطّلع اِلَی الارض فاختارنا واختار لنا شیعة یَنصُروننا ویفرحون لفرحنا ویحزنون لِحُزننا ویبذلون اموالهم وانفسهم فینا اولئک مِنّا و اِلَینا وقال علیه السلام کل عین یوم القیامة باکیة وکل عین یوم القیامة ساهرة اِلّاعین من اختصه اللّٰه بکرامته وبکی علٰی انتهک مِنَ الحسینؑ وآل محمد صلی اللّٰه علیه وآله۔

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتی علم سے اُس زمینی مخلوق کی طرف دیکھا جو یہاں گزرنا تھی تو ہمیں مخصوص

ذمہ داریوں کے لئے انتخاب کیا۔ پھر ہمارے ساتھ تائید کرنے والوں اور اشاعت کرنے والے شیعوں کو چُنا۔ جو ہماری نصرت کریں، اور ہماری خوشی میں خوش ہوں اور رنج میں غمگین ہوں اور اپنی جان و مال کو ہمارے مشن پر فراخدلی سے صرف کریں۔ وہی لوگ ہم سے ہیں اور ہم سے متعلق ہیں۔ پھر فرمایا کہ بروز قیامت ہر آنکھ رو رہی ہوگی اور ہر آنکھ بے چینی سے کھلی ہوگی۔ سوائے اُن آنکھوں کے جن کو اللہ نے اپنے کرم سے خصوصیت بخشی جو حسینؑ اور آلِ محمدؐ کی ہتک، حرمت پر روتی رہی ہوں۔ وہ آنکھیں چین و مسرت کی حامل ہوں گی۔

(7)۔ غمگین رہنا تسبیح ہے، عزم صمیم عبادت، راز داری جہاد ہے

اٹھارھویں حدیث: عن الصادق علیه السلام نَفَسُ المهموم لِظلمنا تسبیح وَهَمّهُ لنا عبادة و کتمان سِرّنا جهادفی سبیل اللّٰه ثم قال الصادق یجب اَن یکتب هذا الحدیث بالذهب۔

امام جعفرؑ صادق نے فرمایا کہ ہم پر جو مظالم ہوئے اُن پر غمگین رہنا مسلسل تسبیح پڑھنے کے برابر ہے اور ہمارے نظام کے قیام کیلئے ہمت و ارادہ کرنا مسلسل عبادت ہے اور ہماری پالیسی کی حفاظت کرنا اللہ کی راہ میں جہاد ہے۔ اور چاہئے کہ اس حدیث کو سونے سے لکھا جائے۔

(8)۔ شیعوں کی شناخت اور مقامِ بلند اور عبد اور مولیٰ کے حقیقی معنی و تعلق

اُنیسویں حدیث: عن الصادق علیه السلام قال رحم اللّٰه شیعتنا انّهم اُوذ وا فینا ولم نؤذ فیهم شیعتنا مِنّا قدخلقوا مِن فاضل طینتناوعجّنوا بنور وِلایتنا۔ رضوا بِنَا آئِمةً ورضینا بهم شیعة یصیبهم مصا بنا ویبکتهم اوصابنا ویحز نهم حُزننا ویَسرّهِم سـرورنا ونحن ایضًا نتألّم لتالّمهم وتطلع احوالهم ۔ فهم معنا لایفارقوننا ولا نفارقهم لَـاَ نَّ مَرْجَعَ العبدالٰی سیّده ومعوّله الٰی مولیه فهم یهاجرون مَن عادانا ویمدح مَن والانا ویباعدون مَن اذانا ۔اللّهمّ احی شیعتنا فی دولتنا وَ ابقهم فی ملکنا و ملکتنا۔ اللّهمان شیعتنا مِنّا ومضافین الینا فمن ذکر مُصابنا وبکی لِاَجلِنَا استحی اللّٰه اَن یعذّبه بالنار۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اللہ ہمارے شیعوں پر رحمت نازل کرے یقیناً انہیں ہم سے وابستگی پر ستایا جاتا ہے۔ اور اُن سے ہمارے شیعوں کو ایذا نہیں پہنچتی ہے۔ یقیناً اُنہیں ہماری باقی ماندہ طینت سے پیدا کیا گیا اور ہمارے نورِ ولایت سے اُنکا خمیر اٹھایا گیا۔ وہ ہماری امامت پر راضی ہوئے اور ہم اُنکی شیعیت پر خوش ہیں۔ اُنکے دلوں پر ہماری مصیبتیں اثر انداز ہوتی ہیں۔ اور اُنکو ہمارے رنج سے رنج ہوتا ہے۔ اور ہماری خوشی سے خوشی ہوتی ہے۔ وہ ہمارے مصائب پر روتے ہیں اور ہمیں بھی اُنکے غم و الم سے غم ہوتا ہے۔ ہم اُنکے حالات سے ہر وقت مطلع رہتے ہیں۔ وہ ہر حال میں ہماری نظروں میں گویا ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ ہم سے جدا نہیں ہوتے نہ ہم اُن سے الگ رہتے ہیں۔ اس لئے کہ بندہ کیلئے اُس کا مالک ہی اُس کا مرجع ہوتا ہے اور اُس کا ٹھکانہ اُس کا مولا ہی ہوتا ہے۔ وہ اُن لوگوں سے جدا رہتے ہیں جو ہمارے دشمن ہیں اور ہماری ولایت کے ماننے والوں کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔ ہمیں ستانے والوں کو دُور رکھتے ہیں۔ اَے اللہ ہماری حکومت کے زمانہ میں ہمارے تمام شیعوں کو زندہ کر دینا اور اُنہیں ہماری مملکت اور مِلکیت میں برقرار و موجود رکھنا۔ ہمارے شیعوں میں سے اور ہم سے تعلق ظاہر کرنے والوں میں سے جو کوئی بھی ہماری مصیبت پر روئے اور ہمارا ذکر جاری رکھے اُن کو جہنم کا عذاب دینے میں اللہ کو شرم آتی ہے۔

(9)۔ مومنین اور مومنات کی عزاداری اور سوگواری کی اطلاع سے حضرت فاطمہؑ خوش ہوگئیں

بیسویں حدیث: عن المنتخب روی انّه لما اخبر النبیؐ ابنتهٗ بقتل ولدها الحسینؑ ومایجری علیه من المحن۔ بکت فاطمۃؑ بکاءً شدیدًا وقالت یاابتاه متٰی یکون ذلک؟ قال فی زمان خالٍ مِنّی ومنکِ ومن علیؑ ومن حسنؑ ۔ فاشتد بکائها ۔وقالت یاابتِ فمن یبکی علیه ؟ ومن یلتزم باقامة العزاء له ؟ قال النبیؐ یافاطمۃؑ اِنّ نساء اُمّتِی یبکین علٰی نساء اهل بیتیؑ ورجالهم یبکون علٰی رجال اهل بیتی ویجدّدُون العزاء جیلًا بعد جیلٍ فی کُلِّ سَنَةٍ فاذا کان یوم القیامة تشفعین انت للنسآء وانا اشفع للرجال وکلّ من بکی منهم علٰی مصاب الحسینؑ اخذنا ہ بیده وادخلناه الجنة یافاطمۃؑ کل عین باکية یوم القیامة اِلّاعینًا بکت علَی مصاب الحسیؑن فانها ضاحکة مُستبشرة بنعیم الجنة۔

کتاب منتخب میں روایت کیا گیا ہے۔ کہ جب رسولؐ اللہ نے حضرت فاطمہؑ کو امام حسینؑ پر گزرنے والے حالات اور قتل کی خبر دی تو آپ بہت شدت سے روئیں اور پوچھا کہ بابا یہ کس زمانہ میں ہونے والا ہے۔ فرمایا کہ اُس وقت نہ میں ہوں گا نہ تم نہ علیؑ ہوں گے نہ حسنؑ ہوں گے۔ یہ سُن کر اُن کی گریہ وزاری میں اور بھی شدت ہوگئی۔ پھر آپ نے پوچھا کہ ایسے حال میں حسینؑ کا غم کون منائے گا اور کون عزاداری کرے گا۔ فرمایا کہ بیٹی میری اُمت کی عورتیں ہماری عورتوں کا غم وسوگ منائیں گی اور مرد ہمارے مَردوں پر رویا کریں گے۔ اور سال بسال اور زمانہ بہ زمانہ عزاداری حسینؑ کی تجدید کرتے ہوئے اِس غم کو بالکل تازہ رکھیں گے ۔ اور تم تمام عزادار عورتوں کی اور میں تمام سوگوار مَردوں کی قیامت میں شفاعت کریں گے اور جو کوئی بھی حسینؑ کی مصیبت پر رویا ہوگا، اُن کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر جنت میں داخل کریں گے۔ اے فاطمہؑ قیامت کے روز ہر آنکھ خوف سے روتی ہوگی لیکن وہ آنکھیں جو حسینؑ کے غم میں روئی ہوں گی خوشخبری سُن سُن کر مسکراتی ہوں گی اور جنت کی نعمتوں پر ہنستی ہوں گی۔

(10)۔ شیعہ محمدؐ وآل محمدؐ کے غم میں برابر کے شریک ہیں

اکیسویں حدیث: عن صادق علیه السلام قال رحم اللّٰه تعالٰی شیعتنا لقد شارکونا فی المصیبة بطول الحزن والحسرة علٰی مصاب الحسینؑ ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا رحمت نازل کرتا رہے شیعوں پر جو ہماری مصیبت میں اور ہمارے طویل ترین حزن وملال وحسرۃ میں شریک رہتے آرہے ہیں اور مصائب امام حسین علیہ السلام کو دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔

(11)۔ امام رضاؑ کے گھر میں مجلس حسینؑ اور عزاداروں کا مقام بلند

بائیسویں حدیث: وعن المنتخب عن دعبل الخزاعی قال دخلت علٰی سیدی ومولای علیؑ بن موسٰیؑ رضافی مثل هذه الایام فَرَأیتُهُ جالسًا جلسة الحزین الکئیب واصحابه مِن حوله کذلک فلما رانی مقبلًا قال لی مرحبًا بک یادعبل مرحبًا بِناصِرُنا بیده و لسانه انّه وسع لِی فی مجلسه واجلسنی الی جانبه ثمَّ قال لی یادعبل احبّ اَن تنشدنی شعرًا فانّ هذه الایام ایام حزن کانت علینا اهل البیتؑ وایام سرور کائت علٰی اعدائنا خصوصًا بنی اُمیّة لعنهم اللّٰه ۔ یادعبل من بکیوابکی علٰی مصابنا و لو واحِدا کان اجره علی اللّٰه ۔ یادعبل من زرفت عیناه علٰی مصابنا وبکی لما اصابنا مِن اعدائنا حشره اللّٰه معنا فی زمرتنا ۔یا دعبل مَن بکی علٰی

مصاب جدّی الحسینؑ غفر اللّٰہ لہ ذنوبہ البتۃ ثُمَّ اَنّہ نھض و ضرب ستراً بیننا وبین حرمۃ واَجُلَسَ اھل البیتۃ مِن وراء السّتر لیبکوا علیٰ مصاب جدھم الحسینؑ ثُمَّ التفت اِلَیَّ وقال یادعبل ارث الحسینؑ فانت ناصرومادحنا مادمتُ حیّاً فلا تقصر عن نصرنا ماستطعت قال دعبل فاستعبرت وسالتُ عبرتی۔

کتاب منتخب میں دعبل خزاعی نے بیان کیا ہے کہ میں اپنے سید ومولا جناب امام علی نقی بن امام رضا علیہما السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اِن ہی دنوں میں تو میں نے اُن کونہایت مغموم اور دل شکستہ حال میں بیٹھا دیکھا اور اُن کے صحابہ بھی اُسی طرح مغموم اور غمگین اُن کے چاروں طرف بیٹھے تھے۔ جب مجھے آتا ہوا دیکھا تو مجھ سے فرمایا مرحبا اے دعبل مرحبا کہ تیرے ہاتھوں اور زبان کی قوت سے ہم پھیلتے جارہے ہیں۔ پھر اُنہوں نے میرے لئے اپنے پاس جگہ نکالی اور مجھے اپنے پہلو میں بٹھایا اور فرمایا کہ اے دعبل میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیں ہمارے غم بھرے اشعار سناؤ۔ دیکھو یہ دن ہمارے لئے غم والم کے دن ہیں اور ہمارے دشمنوں خصوصاً بنی امیہ کے لئے خوشی کے دن ہیں۔ اے دعبل جو ہماری مصیبتوں پر روئے اور رلائے خواہ ایک ہی دفعہ کیوں نہ ہو اس کا بدلہ اور اجر دینا اللہ پر واجب ہوجاتا ہے۔ اے دعبل دشمنوں کی طرف سے جو مظالم ہم پر ہوئے ہیں اُن کو سُن کر اگر کسی کی آنکھیں بھیگ جائیں اور وہ رونے لگے تو اللہ اسے ہمارے ساتھ محشور کرے گا اور ہمارے زمرہ میں شامل کرے گا۔ اے دعبل جو میرے دادا حسینؑ کے مصائب پر رودے یقیناً اللہ اُس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ اس کے بعد اُٹھے اور وہ پردہ پھیلا دیا جو ہم میں اور اُن کے اہل حرمؑ کے درمیان لٹک رہا تھا۔ اور تمام مستورات کو مجلس سُننے اور رونے کے لئے پردے کے پیچھے بٹھا دیا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے دعبل اب تم امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ سناؤ۔ تم اس معاملہ میں ہمارے ناصر ومددگار اور ہماری مدح وثنا کرنے والے ہو۔ جب تک تم زندہ ہو عزاداری کے معاملے میں ہماری نصرت میں کمی نہ کرنا اور اپنی قوت بھر اس کام کو جاری رکھنا۔ دعبل کہتا ہے کہ پھر میں نے مرثیہ پڑھ کر مجلس کو عبرت انگیز بنا دیا۔ اور خود بھی رویا اور سب کو رلایا۔ (یہاں تک اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات کے صفحہ 39 سے 45)

(12)۔ غم امام مظلومؑ میں بےقراری و بےصبری اور ہائے واویلا جائز ہے

تیئیسویں حدیث: وفی خبر مسمع عن الصادق علیہ السلام فی حدیث قال اَمَا تذکر ماصُنِعَ بہ یعنی الحسینؑ؟ قلتُ بلیٰ ۔قال اتجزع ؟ قلتُ ای واللّٰہ استعبر لذلک حتیٰ یری اھلی اثر ذلک عَلَیَّ فامتنع مِن الطعام حتّٰی یستبین ذلک فی وجھی ۔ فقال رحم اللّٰہ دمعتک اما انّک مِن الذین یعدّ ون مِن الجزع لنا والذین یفرحون لفرحنا ویحزنون لحُزننا اماانّک ستری عند موتک حضور آبائی لک ووصیّتَھُمُ ملک الموت بک وما یلقونک بہ مِن البشارۃ واَن ملک الموت ارقّ علیک واشدّ رحمۃ لک مِن الُاُمّ الشَفیقۃ علیٰ ولدھا اِلیٰ عن قال مابکی اخدرحمۃ لنا ولما لقینا اِلّا رحمہ اللّٰہ قبل ان تخرج الدمعۃ مِن عینہ فاذا سال دموعہ علیٰ خدّہ فلوان قطرۃ مِن دموعہ سقطت جھنّم لَاَطُفَاَتُ حَرَّھا حتی لایوجدلھا حرّ۔

مسمع رضی اللہ عنہ نے جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا کہ حضورؑ نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم امام حسین علیہ السلام کی سرگزشت بیان نہیں کیا کرتے۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں حضور میں تو عزادار ہوں۔ پھر پوچھا کہ کیا تم غم حسینؑ میں بےقرار نہیں ہوجاتے؟ میں نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں تو اس قدر بےقراری سے روتا پیٹتا ہوں کہ میرے گھر والے میرے اوپر اُس کا اثر دیکھ سکتے ہیں اور کھانا پینا بند کر

دیتاہوں یہاں تک کہ میرے چہرہ سے ہرکوئی پہچان لیتاہے۔فرمایا اللہ تیرے آنسوؤں کی رحیمانہ جزادے۔تُو اُن ہی لوگوں میں سے ہے جو ہمارے غم میں حد سے بڑھ جاتے ہیں اور جولوگ ہماری خوشی سے خوش ہوتے ہیں ہمارے غم سے غمگین ہوتے ہیں۔ بہت جلد تم اپنی موت کے وقت میرے آباواجداد کو اپنے پاس موجود پاؤ گے اور دیکھو گے کہ وہ ملک الموت سے تمہاری سفارش کرینگے اور تمہیں جنت کی بشارت دینگے اور ملک الموت تمہارے ساتھ تمہاری مہربان والدہ سے بھی زیادہ نرم سلوک کریگا۔ یہاں تک فرمایا کہ کوئی شخص ہمارے غم میں نہیں روتا کہ اللہ اُسکی آنکھوں سے آنسو نکلنے سے پہلے ہی اس پر اپنی رحمت نازل کر دیتا ہے اور جب آنسو نکل کر اسکی گال پر بہنے لگتے ہیں تو اگر اُن میں سے ایک قطرہ جہنم میں ڈال دیا جائے تو جہنم کی گرمی ختم ہو جائے اور اُس میں آنچ کہیں ڈھونڈھے سے بھی نہ ملے گی۔

(13)۔ ایک آنسو کا دسواں حصہ سمندر کے مقابلہ میں

چوبیسویں حدیث: روی علی بن ابراھیم فی تفسیرہ بسندہ عن الامام جعفر الصادق انّہ قال مَن ذکرنا اَوْذکرنا عندہ فخرج مِن عینہ دمع مثل جناح بعوضۃ غفر اللّٰہ ذنوبہ لو کانت مثل زبد البحر۔

علی بن ابراہیم نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں امام جعفرؑ صادق سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی ہمارا ذکر کرے یا جس کے روبرو ہمارا ذکر کیا جائے اگر اُس کی آنکھ سے مچھر کے ایک پر کے برابر آنسو نکل آئے تو اللہ اُس کے تمام گناہ بخش دے گا خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(14) عاشورہ کے دن مصائب سے متعلق تمام سنتیں قائم کرنا چاہیے

اس بیان میں علامہ شیخ مفید رضی اللہ عنہ کے الفاظ پر غور کریں اور ذرا سوچیں کہ بہت اہم جملہ لکھتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ جہاں عاشورہ کے روز تمام لذات اور کھانے پینے سے اجتناب لازم ہے، وہیں مصائب سے متعلق تمام سنتوں کو قائم کرنا بھی اُس روز ضروری ہے۔ جاننے کی بات یہ ہے کہ ''**سُنَنُ الْمَصَائِب**'' کیا ہوتے ہیں۔اس کا جواب وہی شخص دے سکتا ہے جو کم از کم مصائب کی تمام اقسام اور تمام صورتوں سے واقف ہو۔اس جملے کا مقصد یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ سُنّت قائم کی جائے جس سے لوگوں پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔اس کے برخلاف **سُنَنِ المصائب** کو قائم کرنے کا مقصد اُن تمام طریقوں کو بروئے کار لانا ہوگا۔جن سے مصائب میں مبتلا ہونا بند کیا جا سکے۔ جن جن لوگوں کو مصائب سے دوچار کیا گیا اُن کا تذکرہ اُن سنتوں میں شامل ہوگا۔ پھر وہ تمام طریقے اختیار کرنا بھی لازم ہوں گے، جن کو دیکھ کر لوگ مصائب سے خوفزدہ ہو کر مصائب سے بچنے کی وہ راہیں اختیار کریں جو عزاداری کی اُن سنتوں میں بتائی جائیں۔ پھر اُن تمام ظالموں کا ذکر کرنا ہوگا جنھوں نے لوگوں کو مصائب میں مبتلا کیا تھا۔ اُن کی ذہنیت، اُن کے مذہبی اصول، اُن کی سیاست اور اُن سے تعاون کرانے والے ذرائع اور وسائل پر بھی نظر رکھنا ہوگی اور عوام الناس کو ایسی ذہنیت، ایسے مذہبی اصول اور سیاست اور فریب سازی و پروپیگنڈے سے مطلع کرنا اور متنفر و باز رکھنے کے تمام طریقوں کو بھی بروئے کار لانا ہوگا۔اور یہی وہ سامان ہوگا جس کی طرف سے رسولؐ اللہ نے اشارہ فرمایا کہ ''اُمت کی مستورات اور مرد عزاداریٔ حسین علیہ السلام میں ہمیشہ تجدید کرتے چلے جائیں گے''۔(**یَجِدُّوْنَ الْعَزَاجِیْلًا بَعْدَ جِیْلٍ فِیْ کُلِّ سَنَۃٍ**۔حدیث نمبر 20)۔اب شیخ مفید صاحب کا ارشاد سنئے:۔

پچیسویں حدیث: ''وعَنِ المفید فی مسار الشیعه قال وفی العاشر مِن المحرم قتل الحسین علیه السلام وجائت الروایة عن الصادق علیه السلام باجتناب الملاذ فیه واقامته سنن المصائب والامساک عن الطعام والشراب اِلٰی ان تزول الشمس والتغذّی بعد ذلک بما یتغدی به اصحاب المصائب کالالبان وما اشبهها دون اللذیذ من الطعام والشراب۔''

''کتاب مسار الشیعہ میں شیخ مفید نے لکھا ہے کہ دسویں محرم کو امام حسین علیہ السلام کا قتل وقوع میں آیا اور اس سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان موجود ہے جس میں لذتوں سے دُور رہنے اور مصیبتوں کی سنتوں (یا یہ کہ مصائب کو روکنے) کو قائم کرنے کا تذکرہ ہے اور کھانے پینے سے زوال آفتاب کے بعد تک رُکا رہنا۔ اور اُس کے بعد ایسا کھانا کھانا جو مصیبت زدہ اور غمزدہ لوگ کھایا کرتے ہیں مثلاً دہی یا کھٹے دودھ میں تیار کی ہوئی یا اِسی قسم کی اور چیزیں (جیسے کھچڑ وغیرہ) کھائیں جن میں لذت وذائقہ ملحوظ نہ رکھا گیا ہو۔ خواہ کھانا ہو یا پینے کی چیزیں ہوں سب کی سب سادہ ہونا چاہیئں۔'' یہ بیان ہی وہ بنیاد ہے جس سے ہر وہ رسم جائز وضروری ہو جاتی ہے جس سے عزاداری کی اثر انگیزی اور افادیت میں اضافہ ہوتا ہو۔

(15)۔ عشرہ محرم پر تمام معمولات پر غم حسینؑ غالب رہنا چاہیے

چھبیسویں حدیث: ابن فضال عن الرضا علیه السلام قال من ترک السعی فی حوائجه یوم عاشوراء قضی اللّٰهُ حوائجه الدنیا والاخرة ومَن کان یوم عاشوراء یوم مصیبة و حزنه وبکائه یجعل اللّٰه تعالٰی یوم القیامة یوم فرحه وسروره وقرّت بنا فی الجنان عینه ومَن سمی یوم عاشوراء یوم برکة واَدَّخَرَ لمنزله فیه شیئًا یبارک کله فیما اَدَّخَرَ وحشریوم القیامة مع یزید و عبید اللّٰه بن زیاد وعمر بن سعدالٰی اسفل درک مِن النار۔

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص عاشورِ محرم کے دن اپنی ضروریات زندگی کو نظر انداز کرے گا اللہ اُسکی دنیاوی اور اُخروی ضروریات کو از خود پورا کر دے گا۔ اور جو کوئی بھی عاشورے کے دن کو یوم مصیبت اور رونے پیٹنے کا دن بنالے گا تو اللہ قیامت کے دن کو اُس کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا دن بنادے گا اور جنت میں ہمارے ساتھ رہ کر اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ اور جو کوئی دسویں محرم کو برکت کا دن قرار دے اور اپنے گھر میں اُس روز کسی چیز کا ذخیرہ (اسٹاک) جمع کرے گا تو اُس چیز میں برکت نہ ہوگی اور اس کا شمار یزید وعبید اللہ ابن زیاد وعمر ابن سعد کے ساتھ ہوگا اور وہ جہنم کے نچلے طبقہ میں جَلائے جائیں گے۔

38۔ قافلہ حسینؑی کا سفر ومنازل، کربلا میں آمد اور افواج یزید

(38/1)۔ مدینہ سے روانگی، اہلؑ حرم کا سوار ہونا، سفر کا نظارہ

خانوادہ رسوؐل کی پہلی ہجرت کا انتظام وانصرام جناب علی مرتضٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذمہ داری تھی۔ جسے اُنہوں نے اپنی جان پر کھیل کر انجام دیا تھا۔ اور آپؑ چھوٹی بڑی چار فاطماوںؑ (فواطمؑ) کو جان ومال وناموس کے دشمنوں کے نرغہ میں سے نکال لائے تھے۔ اُن میں سے ایک فاطمہؑ بنت اسدؑ آپ کی والدہ تھیں۔ دوسری فاطمہؑ بنت عبد المطلبؑ آپکی پھُوپھی تھیں۔ تیسری فاطمہؑ بنت حمزہؑ آپکی چچازاد بہن تھیں اور چوتھی فاطمہؑ بنت محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین تھیں۔ مدینہ اور اُس کے باشندے رسوؐل اللہ کے حضور میں اپنی جان ومال

واولاد پیش کر کے حضرت علیؑ اور حرم رسوؐل کی آمد کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ اور جب یہ مقدس خاندان پہنچا تو اُنکے آرام وآسائش کا ہرممکن انتظام کیا، اُن کی حکومت تسلیم کی، اُن کے شہر سے آنے والوں کو بھی مال ودولت ومکانات اور تمام سہولتیں فراہم کیں۔ خاندان رسولؐ کے ہرفرد کے لئے اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔ اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔ لیکن جب ایک عالم گیر حکومت قائم ہوگئی اور بار بار یہ سُنا کہ آنحضرؐت پوری اُمت کو علیؑ واولادِ علیؑ کو سونپ کر جائیں گے تو مکہ سے آئے ہوئے اُن مہاجرین نے جو رسوؐل کی قوم کہلاتے تھے، یہ طے کرلیا اور عبداللہ بن عباس کو بتادیا تھا کہ:۔

حضرت عمر: ''تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہ کرتی تھی۔''

حضرت عمر: ''وہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت وخلافت دونوں آجائیں۔'' (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103)

اُس قومی فیصلے کو قرآن نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور ہم نے اپنی تصنیفات میں باقاعدہ یہ اسکیم پیش کی ہے۔ چونکہ اللہ نے یہ فیصلہ روزِ ازل سے کر رکھا تھا اور اپنی ہر کتاب میں ہر نبیؐ سے اسکا اعلان کرایا تھا کہ نبوت وحکومت وکتاب کا نفاذ خاندان نبوؐت ہی میں رہے گا خواہ اقوام عالم انبیاؑ وخاندانِ انبیاؑ سے حسد ہی کیوں نہ کرتی رہیں۔ (نساء 4/54، انعام 91-6/90)

چنانچہ حضرت عمر کے بیان کے مطابق خاندان رسولؐ سے حسد کیا گیا۔ اور خانوادۂ نبوؐت کے خلاف باقاعدہ مہم چلائی گئی اور قرآن کریم کی اِس اصولی اور بنیادی تعلیم اور حکم کے خلاف پوری قوم نے عہد رسولؐ ہی میں اجماع کرلیا اور پورے قرآن کو چھوڑ دینے کا منصوبہ جاری کیا اور رسولؐ اللہ نے اللہ سے شکوہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَالْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًاo ''اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اس قرآن سے ہجرت اور جدائی اختیا کرلی ہے۔'' اور یہ کہ قوم کے دولیڈر دوستوں نے رسوؐل کے خلاف قومی حکومت قائم کرنے کی راہ اختیار کرلی ہے وغیرہ وغیرہ۔ (تفصیل فرقان 31-25/27)

بہرحال مدینہ میں ایک دن وہ آیا کہ خاندان رسولؐ کے تیسرے سربراہؑ پر مدینہ کی زمین تنگ ہوگئی اور جن اصول ومبانی پر قومی حکومت چلی تھی اُسکی بے تحاشا تیز رفتاری کے طوفان میں رسوؐل کی دوسری ہی نسل کو کُچل کر رکھ دیا گیا۔ آج امام حسین علیہ السلام پورے خاندانِ رسوؐل کو لیکر مدینہ سے نکل رہے ہیں۔ تاکہ وہ تمام امکانی اقدامات کریں جن سے وہ اور خاندانِ رسوؐل قومی حکومت کی تلوار سے محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ آیئے اُس دروازے پر چلیں جہاں رسولؐ اللہ کی بیٹیاں اور بیٹے چھوٹے چھوٹے بچے اور ناموسِ رسوؐل مکہ کے سفر کیلئے سوار ہونیوالا ہے۔

الفاضل الاديب المقرى فنقلتها عنها فهٰذِهِ الرواية هِىَ ان قدروى عبد الله بن سنان الكوفى عن ابيه عن جدّه اَنَّهُ قال خرجت بكتاب من اهل الكوفة اَلَى الحسين عليه السلام وهو يومئذٍ بالمدينة فاتيتهُ فقراه فعرف فقال انظرنى الى ثلٰثة ايّام فبقيتُ فى المدينة ثم تبعته اِلٰى اَنْ صارعَزمه بالتوجه اِلَى العراق۔ فقلت فى نفسى اَمْضَى وانظراِلٰى مَلَک الحجاز كيف يركب وكيف جلالته وشانه فاتيتُ الٰى باب داره فارايتُ الخيل مسرجة والرجال واقفين والحسين عليه السلام جالسًا علٰى كرسى وبنى هاشم حافين به وهو بينهم كانّهُ البدر ليلة تمامه وكماله ورايت نحوامن اربعين محملًا وقدزيّنت المحامل بملابس الحريروالديباج۔ قال فعندذلک امرالحسين عليه السلام بنى هاشم بِاَن يركبوا محاومهن عَلَى المحامل فبينما انا انظرواذًا بِشَابٍّ قدخرج مِن دارالحسينؑ وهو طويل القامة وعَلٰى خَدّهٖ علامة ووجهه كالقمرالطالع وهُوَ يقول تنحواعنى يابنى هاشم ۔واذابامراتين قدخرجا

مِنَ الدّاروھما تجرّان اذیا لھما عَلَی الارض حیًّا مِن الناس وقدحفت بھما اما ئَھُمَا ۔فتقدّمَ ذلک الشابّ اِلٰی محمل من المحامل وجئی علٰی رکبتیه واخذ بعضد یھما فارکبھما المحمل ۔فَسَأَلْتُ بعض الناس عنھما فقیل اما احد یھما فزینبٌ والاخرٰی ام کلثومٌ بنتا امیرالمومنین علیه السلام فقلت ومَنِ الشابّ فقیل لی ھو قمر بنی ھاشم العباسؑ بن امیرالمومنین علیه السلام ۔ ثُمَّ رَاَیْتُ بِنتینً صغیرتین کان اللّٰه تعالٰی لم یخلق مثلھما فجعل واحدة مع زینبٌ والاخرٰی مع ام کلثومٌ فسالت بعض الناس عنھما فقیل لی ھما سکینة وَفاطمة بنتا الحسینؑ ۔ثُمَّ خَرَجَ غلاَمٌ آخر کانَّهُ البدر الطالع ومعه امراۃً وعلٰی کتفھا طفلٌ صغیرة وقد حَفَّتْ بِھَا امائھا فارکبھا ذلک الغلام المحمل فسالتُ عنھا وعن الغلام ۔فقیل لی ۔اما الغلامٌ فھوعلی اکبر ابن الحسینؑ والامراۃً ام لیلٰی زوجة الحسینؑ والطفل عبدؑاللّٰه الرضیع ابن الحسینؑ ۔ثُمَّ خرج غلامٌ آخرووجھه کالفلقة القمر ومعه امراۃً فسالتُ عنھما ؟ فقیل لی الغلام ھو القاسمؑ بن الحسنؑ المجتبٰی و الامراة اُمّهُ ۔قال ثُمَّ خرج شابٌّ آخر وھویقول تنحوّا عَنّی یابنی ھاشم تنحوا عَنُ حرم الغریب ابیؑ عبداً للّٰه ۔فتحیّ عنه بنی ھاشم واذا قد خرجت امراۃ من الدار وعلیھا آثار الملوک وھی تمشی عَلٰی سَکِینةٍ ووقار وقد حفّت بِھَا امائِھا ۔فسالتُ عنھما ؟ فقیل لی اَمّا الشابُّ فھو زین العابدینؑ بن الامام علیه السلام واَمّا الامراة فھی شاہ زنان بنت الملک اکسریٰ زوجة الامامؑ ۔فاتی بھا وارکبھا علَی المحمل ۔ثُمَّ ارکبوا بقیه الحرم والاطفال عَلَی المحامل ۔فلمّا تکاملوا نادی الامام علیه السلام این اخی این کبش کثیبتی، این قمرؑ بنی ھاشم ؟ فاجابه العبأس ۔ قائِلًا لبّیک لبّیک ۔فقال له الامامؑ قدّم لی یااخی جوادی ۔فاتی العباس بالجوادالیه وقد حفّت به بنوھاشم فاخذ العباس برکاب الفرس حتّی رکب الامام علیه السلام ثم رکب بنوھاشم ورکب العباس وحمل الرَّایة اَمَامَ الْاِمَامِ علیه السلام ۔قال فصاح اھل المدینة صیحة شدیدة ۔ وعلت اصوات بنی ھاشم بالبکاء والنحیب الوداع الوداع الفراق الفراق ۔فقال العباس ای و اللّٰه ھذایوم الفراق وملتقی یوم القیامة۔

(کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات ۔صفحہ 357-356)

علامہ فاضل الادیب المقری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن سنان کوفی اپنے والد سے اور اُن کا والد اپنے والد سے روایت کرتا ہے کہ میں کوفہ کے باشندوں کا ایک خط لے کر مدینہ میں امام حسینؑ کے پاس پہنچا۔ اُنہوں نے خط پڑھا اور فرمایا کہ مجھے جواب کے لئے تین روز کی مہلت درکار ہے۔ میں مدینہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ اُنہوں نے عراق جانے کا پختہ فیصلہ کرلیا۔ ایک دن میں نے دل میں سوچا کہ کیوں نہ امامؑ کے گھر جاؤں اور دیکھوں کہ شہنشاہؑ حجاز کی سواری کس طرح شاندار اور پُر جلال طریقے پر نکلتی ہے چنانچہ میں امامؑ کے دروازہ پر حاضر ہوا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ سواریاں بہترین زین ولگام سے آراستہ کھڑی ہیں اور بہت لوگ ادب سے کھڑے ہوئے ہیں اور امامؑ ایک کرسی پر جلوہ افروز ہیں۔ اور بنی ہاشم امامؑ کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہیں۔ اور وہ بنی ہاشم کے جھُرمٹ میں بالکل اسی طرح معلوم ہو رہے تھے جیسے تاروں میں چودھویں رات کا مکمل چاند دکھائی دیا کرتا ہے۔ اور قریب ہی حریر و دیبا سے مُرصع ومُزین چالیس محملیں اونٹوں پر سجی ہوئی تھیں۔ پھر اُس نے کہا کہ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ بنی ہاشم کے متعین حضرات اپنی اپنی خواتین کو محملوں میں سوار کرائیں۔ میں یہی سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ امامؑ کے گھر میں سے ایک بڑے ڈیل ڈول کا دراز قد کڑیل جوان نکلا۔ اُس کے گال پر ایک نشان تھا اور چہرہ نکلتے ہوئے چاند کی طرح روشن تھا۔ اُس نے آواز دی کہ بنی ہاشم تخلیہ کرلیں اور سر جھکا کر کھڑے ہو جائیں۔ اور اس آواز کے ساتھ ہی گھر میں سے دو خواتین باہر نکلیں۔ جو کنیزوں کے جھُرمٹ میں تھیں۔ اُن کے پردہ کا یہ عالم تھا کہ

برقعے چادریں زمین بوس تھیں۔ اُن کے باہر تشریف لاتے ہی وہ جوان جلدی سے بڑھا اور اُنہیں ایک محمل کی طرف راہنمائی کی، اپنے زانو پر پیر رکھوایا اور بازو پکڑ کر دونوں کو باری باری ایک محمل میں بڑی تعظیم کے ساتھ سوار کر کے پردہ گرا دیا۔ میں نے بعض لوگوں سے اُن دونوں شہزادیوں کے متعلق دریافت کیا تو بتایا گیا کہ اُن میں سے ایک جناب زینبؑ اور دوسری ام کلثومؑ حضرت علیؑ کی بیٹیاں تھیں۔ میں نے اُس جوان کے متعلق معلوم کیا تو مجھے پتہ لگا کہ وہ جوان قمرؑ بنی ہاشم عباسؑ حضرت علیؑ کے فرزند ہیں۔ پھر میں نے دیکھا دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چلی آ رہی ہیں۔ شاید ہی اللہ نے اتنی حسین وجمیل بچیاں اور بھی پیدا کی ہوں؟ چنانچہ قمر بنی ہاشمؑ نے دونوں بچیوں کو اس طرح سوار کیا کہ ایک کو حضرت زینبؑ کے ساتھ اور دوسری کو جناب ام کلثومؑ کے ساتھ بٹھا دیا۔ میں نے اِن دونوں کے لئے پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اُن میں سے ایک حضرت سکینہؑ اور دوسری جناب فاطمہؑ امام حسین علیہ السلام کی بیٹیاں ہیں۔ پھر ایک نوجوان گھر میں سے نکلا جیسے اچانک چاند نکل آئے پیچھے پیچھے ایک خاتون ایک شیر خوار بچے کو گود میں لئے ہوئے سابقہ خواتین کے انداز سے نکلی۔ اُسے بھی کنیزیں حلقے میں لئے ہوئے تھیں۔ اُن خاتون کو اس نوجوان نے حسب سابق ایک محمل میں سوار کیا۔ میں نے اُن کے اور اُس نوجوان کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ خاتون اُمِّ لیلیٰ زوجہ حسینؑ تھیں اور نوجوان کا نام علیؑ اکبر بن حسینؑ اور وہ بچہ عبداللہ (علیؑ اصغر) بن الحسینؑ تھے۔ پھر ایک اور نوجوان باہر آیا جس کا چہرہ ماہ پارہ معلوم ہو رہا تھا۔ اور اُن کے ساتھ ساتھ ایک خاتون تھیں۔ میں نے اُن دونوں کے بارے میں معلوم کیا۔ تو مجھے بتایا گیا کہ وہ نوجوان حضرت قاسمؑ، حسنؑ مجتبیٰ کے بیٹے ہیں اور وہ خاتون قاسمؑ کی والدہ ہیں۔ اُن کے بعد ایک اور نوجوان باہر نکلا اور پکارا کہ تخلیہ کیا جائے اور اے بنی ہاشم اپنے سر جھکا کر ادب سے کھڑے ہو جاؤ کہ ابی عبداللہ الحسینؑ کی حرم تشریف لاتی ہیں۔ چنانچہ تمام بنی ہاشم جب سر جھکا کر کھڑے ہو گئے تو ایک خاتون شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ کنیزوں کے حلقے میں پُر وقار انداز میں برآمد ہوئیں۔ میں نے اُن دونوں کی بابت معلوم کیا تو بتایا گیا کہ وہ کڑیل جوان حضرت زین العابدینؑ ہیں اور یہ خاتون شہنشاہ ایران کی بیٹی شاہ زناں اور حسینؑ کی زوجہ ہیں۔ چنانچہ زین العابدینؑ آئے اور شاہِ زناں کو محمل میں سوار کیا۔ پھر باقی اہلؑ حرم کو اسی شان سے سوار کیا گیا۔ اور تمام بچوں کو متعلقہ محملوں میں بٹھایا گیا۔ جب تمام متعلقین سوار ہو چکے تو امامؑ نے آواز دی کہاں ہیں ریگستاں میں راہنمائی کرنے والا؟ کہاں ہے میرا بھائی عباؑس کہاں ہے بنی ہاشم کا چاند؟ حضرت عباسؑ نے لبیک لبیک سے جواب دیا۔ امامؑ نے فرمایا کہ بھائی میرا گھوڑا لے آؤ۔ جناب عباؑس نے گھوڑا پیش کیا۔ امامؑ بنی ہاشم کے حلقہ کے ساتھ مرکب کے پاس کھڑے ہوئے۔ جناب عباسؑ نے رکاب سنبھالی اور اماؑم کو سوار ہونے میں مدد دی۔ اس کے بعد تمام بنی ہاشم گھوڑوں پر سوار ہو گئے تو جناب عباسؑ بھی سوار ہوئے اور علم سنبھال لیا۔ اور بڑھ کر امام علیہ السلام کے آگے کھڑے ہوئے۔ اہل مدینہ اور بنی ہاشم کے رونے کی آوازیں بلند ہو گئیں، فضائیں چیخوں سے گونجنے لگیں، چاروں طرف سے الوداع الوداع اور الفراق الفراق کی صدائیں آنے لگیں۔ حضرت عباسؑ نے جواباً کہا کہ واقعی آج جدائی کا ایسا دن ہے کہ اب ہماری ملاقات قیامت کے روز ہی ہوگی، یہ فرمایا اور سفر شروع کر دیا۔

(38/2) کوفہ کا راستہ چھوڑ کر کربلا کی طرف بڑھنا

امام حسین علیہ السلام نے منزل زبالہ پر حضرت مسلم علیہ السلام کی شہادت کی اطلاع پائی۔ اگلی منزل بطن عقیق میں کی اور یہاں سے کوفہ کا وہ

راستہ ترک کر دیا جو قادسیہ ہو کر کوفہ جاتا تھا۔ منزل ذوحسم میں حُر کا لشکر آ ملا۔ سفر جاری رکھا۔ عذیب سے قادسیہ ہو کر کوفہ جا سکتے تھے۔ لیکن یہ طے ہوا کہ نہ مدینہ کی راہ جائیں نہ کوفہ کی۔

☆ نیچے منازل کا نقشہ ہے ☆

تواریخ کی رُو سے منازل کا نقشہ
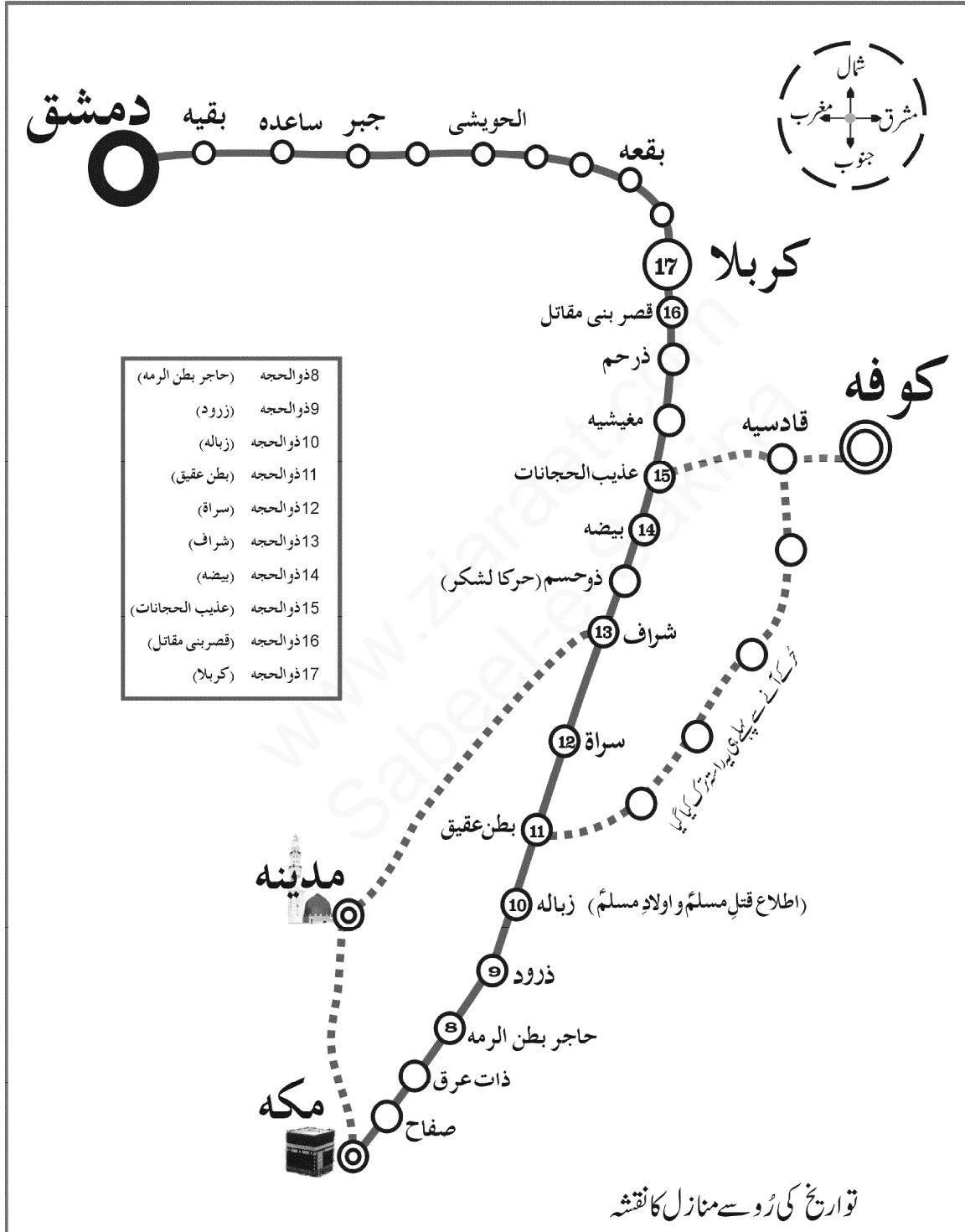
یزید کے جواب تک درمیانی راہ چلیں۔قصر مقاتل پر یزید نے حُر کو منع کر دیا کہ آگے نہ بڑھنے دو۔لہٰذا کربلا میں قیام کیا گیا۔اور یہاں سے حر، ابن سعد اور خولی نے ابن زیاد سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری کیا۔جو آٹھویں محرم تک جاری رہا۔اور آخری خط پہنچنے پر جنگ طے ہوگئی۔اور بنی امیہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کے لئے قربانی کا دور شروع ہوا۔اور وہ بنیاد رکھ دی گئی کہ عربوں کی سازشی حکومت ناکام ہوتی چلی جائے؟ اور ایک روز لفظ خلافت اور بیعۃ دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹ کر رہ جائے۔لہٰذا حسینؑ اور اُن کے تمام اقربا وانصار نے جان پر کھیل کر مقصد حسینیؑ کو سوفیصد کامیاب کر دیا۔

(38/3)۔ **تمام تواریخ ومنازل کی رُو سے امام حسینؑ سترہ (17) ذی الحجہ کو کربلا میں پہنچے تھے**

ہماری یہ بات بھی لوگوں کو عجیب معلوم ہوگی۔مگر ہم کوئی عجیب اور حیران کن بات کہتے نہیں ہیں۔فرق یہ ہے کہ ہم نہ ملکی وقومی حکومت کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوتے ہیں نہ ہی اُس پروپیگنڈے سے فریب خوردہ علما کی بات بلاغور وخوص وتنقید کے تسلیم کرتے ہیں۔ہمیں سب نے بتایا اور ہم نے تحقیق کے بعد مان لیا کہ امام حسین علیہ السلام آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوئے اور تیرہ منازل طے کر کے کربلا میں پہنچ گئے۔لہٰذا تیرہ منازل کا سفر تیرہ روز میں ختم ہوگیا۔اور اسی طرح بیس ذی الحجہ کو کربلا میں ورود ہونا چاہئے۔مگر ایک آدھ دن اور کم کرنا پڑے گا۔اس لئے کہ منزلیں گنواتے ہوئے تیرہ مقامات کے نام تو ضرور بتائے گئے ہیں۔مگر امامؑ نے قیام مندرجہ تیرہ منازل سے کم منزلوں پر کیا ہے۔ذرا علما کا بیان سن لیں:۔

اول''(1)**صفاح**=اس منزل پر بقول طبری فرزدق سے ملاقات ہوئی۔دینوری کا بیان بھی اس کے مطابق ہے۔

(الاخبال الطّوال صفحہ 245،شہید انسانیت صفحہ 277)

دوم''(2)**ذات عرق**=ابن طاؤس نے فرزدق سے ملاقات اس منزل پر لکھی ہے۔فرزدق چونکہ حج کے ارادے سے جارہے تھے۔اور حج کو صرف ایک دن باقی تھا۔اس لئے یقیناً یہ منزل مکہ سے بالکل نزدیک،شاید دو ہی چار گھنٹے کی راہ پر ہوگی۔اور اسی لئے امامؑ کا اس منزل پر قیام کرنا ثابت نہیں ہے۔بلکہ راستے پر چلتے چلتے ٹھہر کر فرزدق سے بات چیت ہوئی اور پھر آپ آگے بڑھ گئے۔اسی منزل پر عبدؑ اللہ بن جعفرؑ اور یحییٰ بن سعید بن العاص نے امامؑ سے آکر ملاقات کی۔''(ایضاً شہید انسانیت صفحہ 278-277)

لہٰذا معلوم ہوا کہ مکہ سے چل کر منزل ذات عرق تک کل چار یا دو گھنٹے کا سفر کیا تھا کہ فرزدق اور عبدؑ اللہ بن جعفرؑ وغیرہ سے ملاقات کی اور آگے بڑھتے چلے گئے یعنی آپؐ نے آٹھ ذی الحجہ کو منزل حاجر جسے بطن الرمہ بھی کہا جاتا ہے پر قیام کیا اور نو(9) ذی الحجہ کو مقام زرود؛ دس (10) ذی الحجہ کو زبالہ؛ گیارہ (11) ذی الحجہ کو بطن عقیق؛ بارہ(12) ذی الحجہ کو سراۃ؛ تیرہ(13) ذی الحجہ کو شراف؛ چودہ(14) ذی الحجہ کو منزل ذوحسم پر عارضی پڑاؤ؛ چودہ(14) ذی الحجہ کو بیضہ پر قیام؛ پندرہ(15) ذی الحجہ کو عذیب الحجانات؛ سولہ(16) ذی الحجہ کو قصر بنی مقاتل اور سترہ(17) ذی الحجہ کو کربلا کی آخری منزل پر خیمہ زن ہو چکے تھے۔اور اب عاشور تک مختلف انتظامات اور پروگرام کے لئے تیئیس (23) روز باقی تھے۔لہٰذا امامؑ کا دو(2) محرم کو کربلا میں پہنچنا ایک ایسا فریب ہے جو دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ کو ایک دن انکار وقوع واقعہ کربلا کا سامان فراہم کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔چنانچہ مرزا حیرت اور شیخ الشیوخ اور مسٹر عزیز صدیقی وغیرھم کا انکار اسی قسم کے

مغالطوں پہ منحصر ہے۔لیکن ہم نے سیدھا سیدھا اور بچوں تک کے سمجھ لینے کا حساب پیش کیا ہے اور یہ سب خود اُن ہی فریب دھندہ وفریب خوردہ علما کے مسلمات کو سامنے رکھ کر ثابت کیا ہے۔اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔یہ صحیح ہے کہ کربلا میں پہنچنے سے اگلے روز عمر سعد ملعون معہ چھ ہزار سواروں کے کربلا میں پہنچا اور اُسی دن سے امام حسینؑ ،اہل حرمؑ ،اور صحابہ علیہم السلام پر پانی بند کر دیا۔اس تیئس دن کے عرصہ میں مدفن کی جگہ کا انتخاب وخریداری ہوئی اور یہ عمر سعد کے پہنچنے سے پہلے پہلے ہوئی تھی۔اس لئے کہ عمر سعد نے تمام راہیں بند کر دی تھیں اور آپؑ کربلا کے میدان میں محصور ہوکر رہ گئے تھے۔یہی وہ زمانہ تھا جب آپؑ نے بنی اسد اور آس پاس کے قبائل سے رابطہ قائم کیا اور انہیں شہادت کے بعد کے لئے وصیت کی اور مستورات تک کو آمادہ کر دیا کہ وہ خود دفنِ شہدا کا کام انجام دیں۔

(38/4)۔ کربلا میں آخری پانی کب اور کون لایا تھا؟

مومنین کو یادرکھنا چاہیئے کہ محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے فضائل اور مصائب میں کمی یا خامی بیان کرنے والی ہر روایت اور ہر راوی اور ہر وہ عالم جو ایسی روایت کو تسلیم کرتا ہے اور اپنی کتاب میں لکھتا ہے،کم از کم فریب خوردہ ورنہ جھوٹا اور فریب کار ہے۔جب یہ تسلیم کرلیا گیا کہ اُن حضراتؑ میں کوئی عیب،کوئی کمی اور کوئی خامی نہ تھی تو اس ایمان کے بعد ہر اس بات کا انکار کردو جو اُن حضراتؑ میں عیب نکالے،اُن کے مقام بلند میں خامی یا کمی منوانا چاہے۔یہاں ایک روایت سنئے جس سے بعض کوتاہ اندیش لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ نویں محرم کو خیام حسینیؑ میں پانی لایا گیا تھا۔یعنی روایت سے یہ سمجھا گیا کہ شہدائےؑ کربلا مسلسل تین روز پیاسے نہیں رہے۔لہٰذا اگر روایت کا مطلب بھی یہی ہوتا تو بھی ہم اس کا انکار کر دیتے۔لیکن یہاں تو روایت صحیح ہے مگر مطلب غلط لیا گیا ہے۔یعنی وہ تمام علما جو اس روایت سے نویں محرم کو پانی آنے کا مطلب نکالتے ہیں وہ،وہ لوگ ہیں جو کوشش کر کے ہمارے مسلمات کو توڑنا چاہتے ہیں سنئے:۔

وفی اَمَالی الصدوقؒ ثم اِنَّ الحسینؑ امر بحفیرة فحفرتٍ حول عسکره شبه الخندق وامر فحشیت حطبًا وارسل ابنهٗ علیًا فی ثلثین فارسًا وعشرین راجلًا یستسقوا المآء وهم علٰی وجل شدید ......ثُمَّ قال علیه السلام لاصحابه قومُوْا فاشربوا من الماء یکون **آخرزاد کم** وتوضؤا واغتسلوا واغسلوا ثیابکم لتکون اکفانکم۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 248)

''حضرت صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب امالی میں بیان کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ اُن کے لشکر کے عقب پر خندق کی طرح گڑھے کھودے جائیں اور انہیں لکڑیوں وغیرہ ایندھن سے بھر دیا جائے تاکہ وقت ضرورت آگ جلادی جائے اور پس پشت سے حملہ ناممکن ہوجائے۔اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ اکبر کو تیس سوار (حسب سابق) بیس پیادوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے بھیجا اور جب پانی آ گیا تو تمام صحابہ اور متعلقین سے فرمایا کہ اُٹھو پانی پیئو اور یہ سمجھ کر وضو اور غسل کرو اور کپڑے دھولو کہ یہ پانی آخری پانی ہے۔تاکہ تمہارا لباس تمہارا کفن بن جائے۔''

(38/5)۔ روایت میں کہیں نویں محرم کا نام ونشان تک نہیں ہے

اس روایت میں کسی دن اور تاریخ حتّٰی کہ وقت تک کا بھی تعین نہیں ہے۔مگر جبراً وزبردستی یہ مطلب اخذ کرلیا گیا کہ یہ واقعہ نویں محرم کا ہے۔یہ روایت یہ بتاتی ہے کہ اس کے بعد پانی نہ آسکے گا۔یہ آخری پانی تھا۔جو لشکر حسینیؑ میں لایا گیا۔اور چونکہ پانی کافی مقدار

میں تھا۔اس لئے اب نماز اور عبادت کے لئے تیمّم جائز نہ تھا۔لہٰذا وضو اور غسل کرنے کا حکم دیا گیا اور بتایا گیا کہ بوقت شہادت جو لباس جسم پر ہوگا وہی کفن قرار پائے گا۔لہٰذا اُسے پاک و پاکیزہ ہونا چاہئے۔لہٰذا یہ ہم خود سمجھ لیں گے کہ یہ پانی کم از کم دو روز کے لئے کافی ہوگا تاکہ سب لوگ اپنے کپڑے دھوسکیں۔اور ہم یہ بھی خود ہی سمجھ لیں گے کہ بیس پیدل بہادروں کے ساتھ بیس اونٹ بھی تھے اور بیس عدد چمڑے کے بڑے ٹینک بھی تھے اور یہ کہ یہ اونٹ نہایت طاقتور اور بہت وزن اٹھانے والے تھے اور یہ بھی کہ پانی شدید جنگ کے بعد لایا گیا تھا۔ اور روایت میں لفظ **حولہ** کے معنی ہم خود پشت کی طرف کرلیں گے۔ورنہ چاروں طرف خندق کھودنا ایک حماقت ہوگا۔اس لئے کہ خود اپنا راستہ عقلمند انسان نہیں روکتا۔یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی ذی ہوش شخص خود اپنے خلاف کوئی بیان نہیں دے سکتا۔لہٰذا خاطی انسانوں کی اور خصوصاً دشمن انسانوں کی بیان کردہ روایات کو بلا تنقید اور چھان پھٹک قبول کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔اور یہی غلطی اُن علما نے کی ہے جو طرح طرح کی متضاد و مخالفانہ روایات اپنی کتابوں میں بھر کر بیٹھ گئے اور اہل قلم اور مصنفین میں شمار ہونے کے لالچ میں مذہبی پوزیشن کا ستیاناس کر گئے۔درحقیقت وہ دشمنانِ مذہب تھے۔ہم اُن کے بڑے بڑے خود ساختہ اور حکومت نواز القابوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔ہم علما کو مذہب اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے قائم کردہ معیار پر جانچ کر حقیقی علما کو دشمنانِ دین سے الگ کر لیتے ہیں۔ اور پروپیگنڈے سے ہرگز متاثر نہیں ہوتے۔

(38/6)۔ **عمر سعد کی افواج کربلا میں انیس (19) روز مصروف رہی تھیں**

ہم یہ روایت علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ کی کتاب بحار الانوار مترجمہ علامہ جزائری سے اُن ہی کے الفاظ میں لکھتے ہیں سنئے:۔

''ایک مرد آھن گر (لوہار) باشندہ کوفہ سے روایت کرتا ہے۔اُس نے کہا جب لشکر عمر سعد بداختر امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے شہر کوفہ سے چلا تو میں بھی ہتھیار و اوزار آہنگری لے کر اُن کے ساتھ گیا۔جس وقت یہ لشکر قریب کربلا پہنچا۔تو میں خیموں کی میخیں اور گھوڑوں کی ٹاپیں اور نیزوں کی پیکانیں اُن اشقیا کے لئے بناتا تھا۔اور اگر کوئی نیزہ یا خنجر یا تلوار کج (ٹیڑھی) ہوجاتی تھی۔تو میں اُسے درست کردیتا تھا۔اور چونکہ میں اس فن میں استاد تھا۔اس لئے میں نے بہت بہت روپیہ پیدا کیا۔اور خوب شہرت پائی۔ یہاں تک کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا میں وارد ہوئے۔ہم نے بھی بسرعت تمام نہر علقمہ کے کنارے پر خیمے برپا کئے۔اور لڑائی شروع ہوئی۔ اور امامؑ عالی مقام کو مع اصحاب پانی سے محروم رکھا اور سب کو شہید کیا۔ **میں اُنیس (19) دن ان لوگوں کے ساتھ رہا۔** وقت مراجعت مال بسیار لے کر اسیران اہلؑ بیت کے ساتھ اپنے شہر میں آیا۔عبیداللہ ابن زیاد نے اسیران اہلبیتؑ کو قید کر کے یزید کے پاس بھیج دیا۔اور میں اپنے گھر میں رہا۔'' (مترجمہ بحار صفحہ 150 حصہ دوم)

اگر ہم عمر سعد کا کربلا پہنچنا تیسری محرم کو مان لیں تو سازشی علما کو یہ ماننا پڑے گا کہ شہادت امام حسین علیہ السلام بیس (20) محرم کو ہوئی اور اُن کے حساب سے عمر سعد اکیس محرم کو کربلا سے واپس گیا تھا۔اور یہ ماننا ساری دنیا اور واقعات کے خلاف ہوگا۔لہٰذا یہ ماننا ضروری ہے کہ تیرہ محرم کو عمر سعد کربلا سے واپس گیا تھا۔اور گیارہ محرم کو اہلبیتؑ اور سرہائے شہدا اور وہ لوہار کربلا سے گیا اور اس سے پہلے وہ لوہار انیس دن کربلا میں ٹھہرا۔یعنی عمر سعد کی افواج بائیس (22) ذی الحج کو کربلا پہنچی تھیں ۔ یہ حقیقت مان کر کربلا کے سانحہ کے تمام

واقعات اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں۔

(الف)۔ مندرجہ بالا روایت کتاب المنتخب علامہ طریحی کے قلم سے

اب ہم اِس روایت کو با قاعدہ عربی عبارت سمیت اورروز اوّل تا آخر مکمل طور پر لکھتے ہیں تا کہ تین علما کی سند حاصل ہو جائے۔ یہ نوٹ کریں کہ علامہ فخر الدینؒ طریحی ایک نہایت عظیم المرتبت مجتہد، بے نظیر ادیب و علم اللغت کے ماہر نہایت مایۂ ناز کتابوں کے مصنف تھے۔ مذکورہ بالا کتاب المنتخب اُن ہی کی تصنیف ہے اور وہ حضرت قاسم بن امام حسن المجتبیٰ علیہما السلام کی عروسی کے قائل ہیں اور اِسی کتاب میں اس کو ثابت کیا ہے اور ہم نے واقعات کربلا کے سلسلے میں با قاعدہ اس عروسی کا انتہائی مقام تک ثبوت فراہم کیا ہے۔ بہر حال لوہار کی روایت علامہ کے قلم سے بھی سنیئے :۔

وَعَنِ المنتخب حکی مِن رجل کوفی حدّاد قال لمّا خرج العسکر مِن الکوفة لحرب الحسینؑ بن علیؑ جمعتُ وحد یدًا عندی واخذتُ آلَتی وسرتُ معهم۔ فلمّا وصلوا وطنبوا خیمهم بَنَیْتُ خیمة وصرتُ اعمل اوتادًا للخیم وسککًا ومرابط للخیل واسنّة الرماح وما اعوج مِن سنان اوخنجر وسیف کنت بِکُلِّ ذلک بصیرًا فصارا رزقی کثیرًا وشاع ذکری بینهم۔ حتّٰی آتی الحسین علیه السلام مع عسکره ۔ فارتحلنا اِلٰی کربلا و خیمنا علٰی شاطی العلقمی وقام القتال فیما بینهم وحموا الماء علیه وقتلوه وانصاره وبنیه وکان مُدَّةَ اَقَامَتِنَا وَارُتحالنا تسعة عشریومًا ۔فرجعت غنیًّا الٰی منزلی والسبایا معنا فعرضت علٰی عبید اللّٰه فامر اَن یشهر وهم الٰی یزید اِلَی الشام ۔ فَلَبِثْتُ فی منزلی ایامًا قلا ئل واذا انا ذات لیلة راقدٌ علٰی فراشی فرایتُ طیفًا کان القیٰمة قد قَامَتُ والناس یموجون عَلَی الارض کالجراد اذا فقدت دلیلها وکُلّهم دالِعٌ لسانه علٰی صدره مِن شدّة الظمأ وانا اعتقد باَنّ مافیهم اعظم مِنّی عطشًا لانّه کَلّ سمعی وبصری مِن شِدّته ۔هٰذا غیرحرارة الشمس یغلی منها دماغی والارض تغلی کانها القیراذا اشتعل تحته نار فحلتُ انّ رجلی قد تقطّعت قد ماها ۔فوالـلّٰه العظیم اذا انا برجل قدعم الموقف نوره وابتهج الکون بسروره راکبًا علٰی فرس وهو ذوشیبة قد حفّت به الوف مِن کُلِّ نبیٍّ ووصیّ وصدیق وشهید وصالح فمرکانّه ریح اَوسیر فلک فمّرت ساعة واذا انا بفارس علٰی جواد اعزّله وجه کتمام القمرتحت رکابه الوف ان امرائتمر واَن زجر انزجروا فاقشعرّت الاجسام من لفتا ته وارتعدت الفرائص من خطراته فتا سّفتُ عَلَی الاوّل ماسئلت عنه خیفة من هذا ۔واذا به قدقام فی رکابه واشارالٰی اصحابه وسمعت قوله خذ وه واذا باحدهم قاهر بعضدی کلبة حدید خارجة مِنَ النار فمضی بی الیه فخلت کتفی الایمن قدانقلعت فسئلته الخفّة فزادنی ثقلًا فقلت له سألتُک بمن امرک علیّ مَن تکون قال ملک مِن ملائکة الجبّار قلت ومن هذا ؟ قال عَلِیّ الکرّارؑ قلت والذی قبله قال محمدؐ المختار ۔قلت والذین حوله قال النبیّونؑ والصدیقون و الشهداء والصالحون والمومنون ۔ قلتُ اَنَا مافعلت حتّٰی امرک علیؑ قال الیه یرجع الامر وحالک حال هؤلاء فحققت النظر واذا بعمر بن سعد امیرالعسکر وقوم لم اعرفهم واذا بعُنقة سلسلة مِن حدید والنارخارجة مِن عینیه واذنیه فایقنت بالهلاک وباقی القوم منهم مقلدومنهم مقهور بعضده مثلی فبینما نحن نسیرواذا برسوؐل اللّٰه الذی وصفه الملک جالِس علٰی کرسیّ عال یزهوا اظنّه مِن اللؤلؤ ورجلین ذی شیبتین بهیّتین عن یمینه فسالتُ الملک عنهما فقال نوحؑ وابراهیمؑ واذا برسوؐل اللّٰه یقول ما صنعت یاعلیؑ؟ قالَ مَا ترکتُ احدًا من قاتل الحسینؑ اِلّا واتیتُ به۔

فحمدتُ للّٰہ تعالٰی علٰی اَنّی لَمْ اَکُنْ مِنْھُم۔ وَرَدَّ عقلی اِلَیَّ واذا برسوّل اللّٰہ یقول قدّ موھم الیہ وَجَعَلَ یسئل ویبکی ویبکی کُلّ مَن فی الموقف لبکائہ لانّہ یقول للرجل ماصنعت بِطفّ کربلا بولدی الحسینؑ فیجیب یارسوّل اللّٰہ انا حمیتُ الماء علیہ؛ وھذا یقول اَنا قتلتہ؛وھذا یقول انا سلبتہ وھذا یقول انا وطئتُ صدرہ بفرسی۔ ومنھم مَن یقول انا ضربت ولدہ العلیل ۔ فصاحَ رسوّل اللّٰہ ۔ واولداہ واقِلّۃ ناصراہ واحسیناَّہ واعلیّاہ ھکذا جری علیکم بعدی۔ انظر یااَبِی آدَمؑ انظر یااخی نوح کَیْفَ اخلفونی فی ذریّتی فبکوحتّٰی ارتجّ المحشر۔ فامربھم زبانیۃ جھنّم یجرّونھم اوّلا فاوّلا الَی النار فاذا بھم قد آتوا برجل فسئلہ فقال ماصنعت شیئًا فقال اماکنتَ نجّارا قال صدقتَ یاسیّدی لکِنّی ماعَملتُ شیئًاالا عمود الخیمۃ لحصین بن نمیر لانّہ انکسرمِن ریح عاصف فوصلتہ ۔ فبکی فقال کثرتَ السواد علی ولدی خذوہُ الَی النار فاخذوہ وصاحوا لا حکم الّا للّٰہ ولرسوّلہ ووصیّہ قال الحدّاد فایقنت بالھلاک فامربی فقد مونی فاستخبرنی فاخبرتہ فامر بی الَی النار وفما سحبونی اِلَّا وانتبھتُ وحکیتُ لِکُلّ مَن لقیتہ وقد یبس لسانہ ومات نصفہ وتبرّء منہ کُلّ مَن یحبہ ومات فقیرًا۔'' (اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 450-449)

کتاب المنتخب میں ایک کوفی شخص سے جولوہارتھا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے بتایا کہ جب امام حسین بن علی علیہما السلام کے مقابلہ کے لئے کوفہ سے افواج روانہ ہوئیں تو میں بھی خام لوہا اور لوہاری اوزارلیکرفوج کے ساتھ ساتھ روانہ ہو گیا تھا۔اور جب افواج وہاں پہنچیں اور اُنہوں نے خیمے اورطنبولگانا شروع کئے تو میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔اپنا خیمہ لگایا اورخیموں کی میخیں اور کھونٹے ،گھوڑوں کے دہانے ،نعل ،مہمیزیں۔ نیزوں کی اَنیاں ،مڑی ہوئی برچھیاں اور خنجر اورتلواریں اورچھریوں کی کندشدہ دھاروں کو درست کرنا شروع کر دیا۔اس لئے کہ میں ان تمام کاموں میں تجربہ ومہارت رکھتا تھا۔ مجھے بڑی آمدنی ہوئی اوراُن افواج میں میرا بڑا چرچا رہا۔اس دوران امام حسین علیہ السلام مع اپنی سپاہ کے آ گئے تھے۔ چنانچہ ہمارا قیام اب نہرعلقمہ کے کنارہ پرتھا۔ جنگ شروع ہوگئی تھی اور پانی بند کر دیا گیا تھا۔ بہرحال امام حسینؑ اوراُن کے خاندان کے افراداورتمام اُن کے مددگاروں کوقتل کر دیا گیا۔ **ہمارے قیام کی مدت روانہ ہونے تک صرف انیس(19)روز رہی تھی**۔اس کے بعد میں مالا مال ہوکرقیدیوں کے ساتھ ساتھ اپنے گھر لوٹا۔اسیران اہلبیتؑ ،ابن زیاد کے روبرو پیش کئے گئے۔اس نے حکم دیا کہ اُن کی تشہیر کرتے ہوئے شام میں یزید کے پاس لے جاؤ۔ اِسکے بعد مجھے اپنے گھر میں رہتے ہوئے تھوڑے دن ہوئے ہوں گے کہ ایک رات میں سونے کیلیئے لیٹا ہوا تھا کہ میں نے ہنگامہ دیکھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے۔اورانسانوں کے غول سمندر کی موجوں کی طرح تلاطم مچائے ہوئے ہیں اورٹڈی دل کی طرح بکھرے ہوئے حیران پھر رہے ہیں۔ پیاس کے مارے اُنکی زبانیں سینوں تک لٹکی ہوئی ہیں۔ میری پیاس کا یہ حال تھا کہ میں کسی کو اپنے سے زیادہ پیاسا نہ سمجھتا تھا۔ پیاس کی شدت نے میرے کان اورآنکھ بے حس کر دیئے تھے۔ادھر سورج کی گرمی نے دماغ کو پگھلا دیا تھا۔زمین اس طرح جل رہی تھی جیسے تارکول کے نیچے آگ جل رہی ہو۔ایسا معلوم ہورہا تھا کہ میرے پیر میری ٹانگوں سے کٹ کرالگ ہوگئے ہیں۔اُدھرایک عظیم الشان شخص گھوڑے پرسوار نمودار ہوا اورمیدان حشر منور ہوگیا اورسارے ماحول پراُسکی مسرت سے ہیجان پیدا ہوگیا اورخوشی چھاگئی۔اس کے جلو میں ہزاروں انبیاؑ ،اوصیا، صدیق وشہدااورصالحین تھے۔اوروہ بادتند کی طرح گزرا چلا گیا۔ذرادیر بعدایک اورسوار نظر آیا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن تھااوراسکے ساتھ بھی ہزاروں افراد ہمرکاب تھے۔اُس سواراوراس کے ساتھیوں نے اس سختی سے دھمکایا کہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

ہوش وحواس گم ہو گئے اور ہر شخص لرزہ براندام ہو کر رہ گیا۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں نے ڈر کے مارے پہلے سوار کا حال نہ پوچھا۔ بہر حال وہ دوسرا شخص اپنی رکاب میں کھڑا ہوا اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس شخص کو یعنی مجھے پکڑ کر حاضر کریں۔ چنانچہ ایک شخص نے میرا بازو اس طرح پکڑا کہ گویا اس کا ہاتھ بھٹی سے نکلا اور دھکتا ہوا لوہے کا ہاتھ ہو۔ وہ مجھے گھسیٹ کر لے چلا۔ میں نے نرمی کے لئے کہا تو اُس نے گرفت اور بھی سخت کر لی۔ میں نے اُسے قسم دی اُسی کی جس کا حکم بجالا رہا تھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں اللہ کا ایک فرشتہ ہوں۔ میں نے پوچھا وہ شخص کون ہے کہا وہ علیؑ ہیں۔ دوسرے شخص کے لئے پوچھا تو محمدؐ بتایا۔ اور یہ پوچھا کہ اُن کے ہمراہی کون ہیں۔ اُس نے بتایا کہ وہ انبیاؑ ہیں، صدیقؑ ہیں، شہداؑ ہیں اور صالح مومنینؑ ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے؟ فرشتے نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ ہمیں جیسا حکم ملا اس کی تعمیل کرنا ہے۔ ہاں تیرا حال وہی ہو گا جو اُس قوم کا حال ہے۔ سامنے دیکھا تو عمر سعد سپہ سالار لشکر اور اس کے ساتھ ایک انبوہ ہے جسے میں پہچانتا نہیں تھا۔ عمر سعد کی گردن میں لوہے کی آگ سے دہکتی ہوئی زنجیر ہے۔ اور اس کے دونوں کانوں اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ اور اس کے ساتھی بھی طوق وزنجیر میں گرفتار ہیں اور کچھ کو میری طرح گھسیٹے جا رہے ہیں۔ اب مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ اِدھر ہم یوں لائے جا رہے تھے۔ اُدھر دیکھا تو رسولؐ اللہ ایک بہت بلند کرسی پر جلوہ افروز ہیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کرسی لُولُو اور موتیوں کی بنی ہوئی ہے۔ اور رسولؐ اللہ کی داھنی جانب دو نہایت حسین وجمیل اشخاص کھڑے ہیں۔ میں نے فرشتے سے معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ وہ حضرت نوحؑ اور جناب ابراہیمؑ ہیں۔ رسولؐ نے علیؑ سے پوچھا کہ اب تک آپ نے کیا کیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے قاتلان حسینؑ میں سے کسی کو نہیں چھوڑا سب کو لے کر حاضر ہوا ہوں۔ لوہار کہتا ہے کہ یہ سُن کر میری جان میں جان آئی میں نے سوچا کہ میں بچ جاؤں گا اس لئے کہ میں قاتلوں میں سے نہیں ہوں۔ میری عقل نے کام شروع کر دیا۔ دیکھا تو رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ سب کو باری باری آگے لاؤ۔ لوگ لائے جاتے تھے۔ وہ اپنے اپنے مظالم سناتے تھے اور رسولؐ اللہ اور تمام حاضرین سُن سُن کر روتے جاتے تھے۔ اس لئے کہ ہر شخص سے سوال کیا جاتا تھا کہ تو نے کربلا میں کیا کیا تھا؟ کوئی کہتا تھا کہ پانی بند کیا تھا۔ کوئی بتاتا کہ میں نے قتل میں حصہ لیا تھا۔ کوئی کہتا میں نے انہیں لُوٹا تھا۔ کوئی کہتا میں نے اُن پر گھوڑا دوڑایا تھا۔ کسی نے بتایا کہ میں نے حسینؑ کے بیمار فرزند کو مارا تھا۔ آخر رسولؐ اللہ نے چیخ ماری اور فرمایا کہ ہائے میرے بیٹے، ہائے ناصروں کی کمی، ہائے حسینؑ ہائے علیؑ اکبرؑ تم پر یہ تمام مصیبت گزر گئی۔ دیکھو اے بابا آدمؑ دیکھو اے بھائی نوحؑ دیکھو میرے بعد میری اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ رسولؐ اللہ کا یہ بیان سُن کر سب رونے لگے اور اہل محشر میں کہرام برپا ہو گیا۔ پھر آنحضرتؐ نے جہنم کے فرشتوں کو حکم دیا کہ اُن سب کو باری باری جہنم کے عذاب میں مبتلا کرو۔ اتنے میں ایک اور شخص کو لایا گیا اور پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ مولاؑ میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ اس پر اُسے بتایا گیا کہ تو عمر سعد کی فوج میں بڑھئی تھا۔ اس نے کہا کہ حضورؐ نے سچ فرمایا ہے۔ میں نے اس کے سوا اور کچھ نہیں کیا کہ آندھی میں حصین بن نمیر کے خیمہ کا بانس ٹوٹ گیا تھا میں نے اُس کی مرمت کر دی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بہر حال تو میرے بیٹے کی مخالف فوج کی تقویت کا باعث ہوا ہے۔ اور حکم دیا کہ اُسے بھی جہنم واصل کرو۔ ملائکہ نے کہا کہ احکام دینے کا حق صرف اللہ، رسولؐ اور اُسکے وصیؑ کو ہے۔ لوہار کہتا ہے کہ یہ دیکھ کر مجھے اپنی تباہی کا یقین ہو گیا۔ دریافت کرنے پر میں نے بھی حقیقت حال عرض کر دی۔ حکم ہوا کہ اُسے بھی دوزخ میں لے جاؤ۔ جب ملائکہ نے

مجھے گھسیٹا تو دہشت سے میری آنکھ کھل گئی۔اور صبح کو میں نے اس خواب کی سرگزشت سب کو سُنا دی۔کہا گیا کہ بعد میں اس شخص کا آدھا جسم بے کار ہو گیا، زبان خشک ہو گئی اور اُسکے تمام شناسا اور دوست اس پر لعنت کرتے تھے۔آخر وہ فقیری و محتاجی کے عالم میں مر گیا۔''
(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 450-449)

مومنین نوٹ کریں کہ اس روایت کی موجودگی میں کسی اور روایت کی بتائی ہوئی مدت کو ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا۔اس سلسلے کی باقی تمام روایات نامکمل اور نا قابل قبول ہیں۔اس لئے کہ کربلا میں قیام کی مدت کم از کم انیس یا بیس دن ہونا لازم ہے۔اس سے کم مُدت میں واقعات کربلا وقوع میں آ ہی نہیں سکتے تھے۔

(38/7)۔ کربلا میں شہدا کی تعداد؛ سروں کی تقسیم اور قتل میں شریک بڑے قبائل

کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والی افواج کو خالص کوفہ کے باشندوں کی فوج بنانے والے حضرات کی غلطی ثابت کرنے کے لئے ہم یہ دکھاتے ہیں کہ میدان جنگ میں عرب کے مشہور ترین قبائل خاص طور پر شامل ہوئے تھے اور وہی قبائل تھے جو محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے دشمن اور پورے عرب میں پھیلے ہوئے تھے اور اُنہیں میدان کربلا میں جمع کیا گیا تھا۔چنانچہ محمد بن ابی طالب لکھتے ہیں کہ:۔

(الف)۔ فاعلم انّ محمد بن ابی طالب قال قدروی اَنّ رَؤُس اصحابُ الحسینؑ واھلبیتہؑ کانت ثمانیۃ وسبعین راسًا واقتسمتھا القبائل لیقرّبوا بذلک اِلٰی ابن زیاد ویزید ۔ (1) فجائت کندۃ بثلاث عشر راسًا وصاحبھم قیس بن الاشعث (2) وجائت ھوازن باثنی عشر راسًا وفی روایۃ ابن شھر آشوب بعشرین وصاحبھم الشمر (3) وجائت تمیم بسبعۃ عشر راسًا وفی روایۃ ابن شھر آشوب بتسعۃ عشر راسًا (4) وجائت بنواسد بسِتۃ عشر راسًا وفی روایۃ ابن شھر آشوب بتسعۃ رؤس (5) وجائت مذحج بسبعۃ رَؤس وجاء سائر الناس بثلاثۃ عشر راسًا ۔ وقال ابن شھر آشوب وجاء سائر الجیش بتسعۃ رؤس ولم یذکر مذحج قال فذلک سبعون راسًا ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 470)

''روایت کی گئی ہے کہ امام حسینؑ کے صحابہؓ اور اہلبیتؑ کے کل سَر اَٹھتر (78) تھے۔جنہیں مختلف قبائل میں اس لئے تقسیم کر دیا تھا کہ ابن زیاد اور یزید کی نظر میں اُن قبیلوں کی قدر و منزلت بڑھ جائے۔چنانچہ 1: قبیلہ کندہ کے ساتھ تیرہ (13) سر تھے اور اُن پر قیس بن اشعث نگران تھا۔ 2: قبیلہ ھوازن کے ساتھ بارہ (12) سر تھے۔اور ابن شہر آشوب کے مطابق بیس (20) سر تھے۔اور وہ شمر کی تحویل میں تھے۔ 3: قبیلہ تمیم کو سترہ (17) سر دیئے گئے تھے۔مگر ابن شہر آشوب نے اُنیس (19) سروں کا ہونا لکھا ہے۔ 4: قبیلہ بنواسد کے ساتھ سولہ (16) سر تھے۔ابن شہر آشوب یہاں کل نو (9) سر لکھتا ہے۔5: قبیلہ مذحج کے پاس سات (7) سر تھے۔اور باقی تمام لوگوں کے ہمراہ تیرہ (13) سر تھے۔مگر ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ باقی کل فوج کے پاس صرف (9) سر تھے۔اور اُس نے قبیلہ مذحج کا ذکر ہی نہیں کیا اور کہہ دیا کہ اس طرح شہدائے کربلا کے ستّر (70) سر تھے۔

(ب)۔ ان روایات کی پوزیشن اور ہمارا فیصلہ

قارئین وناظرین یہ سمجھ کر اقدام کریں کہ فوج ابن سعد نے یقیناً نہ تو تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹے ہوں گے۔ نہ اُنہیں تمام شہدا کی لاشیں ہی ملی ہوں گی۔ اس لئے کہ حملہ اُولیٰ اور حملۂ ثانیہ میں جو جنگ مغلوبہ ہوئی ہے اُن میں شہید ہونے والوں کی تعداد اور قتل ہوکر گرنے کا مقام معلوم ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ جن شہدا کے سر کاٹ کر لائے گئے تھے وہ یقیناً وہ حضرات تھے جن کو سارا عرب پہچانتا تھا۔ اور جن کی لاشوں کو امامؑ نے ساتھ کے ساتھ میدان جنگ سے لا لا کر ایک جگہ جمع کیا تھا۔ یہ سوال تو زیر بحث رہا ہے کہ امامؑ کے ساتھ کربلا میں کتنے رفقاء اور فداکار تھے؟ بہرحال جن شہدا کا نام بنام ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے میدان جنگ میں چیلنج اور وعظ وپند کے بعد جنگ کی تھی اُن کی تعداد ایک سو دس (110) تسلیم شدہ ہے۔ لہٰذا ہم سرہائے شہدا علیہم السلام کی اُس تعداد کو قبول کریں گے جو صحیح تعداد کے قریب ہوگی۔ اور اس اصول سے ہم مندرجہ بالا روایت میں سے زیادہ سے زیادہ مذکور شدہ تعداد کو اختیار کرتے ہیں اور وہ یوں ہے کہ:۔

i۔ قبیلہ کندہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 13 ہے۔

ii۔ قبیلہ ھوازن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 20 ہے۔

iii۔ قبیلہ تمیم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 19 ہے۔

iv۔ بنو اسد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 16 ہے۔

v۔ قبیلہ مذحج کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 7 ہے۔

vi۔ باقی فوج کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعداد 13 ہے۔

لہٰذا کل سرھائے شہداؑ کی تعداد اٹھاسی (88) صحیح تعداد ہے اب بھی بائیس کم رہتی ہے، ایک سو دس (110) ہونے میں۔

(ج)۔ شہدائے بنی ہاشمؑ کی تعداد اور نام مختلف روایات کی تاریکی میں

مومنین اور محبان اہلبیتؑ یہ نوٹ کریں کہ اگر کربلا میں دو چار بنی ہاشمؑ قتل کئے گئے ہوتے تو مخالف قومی حکومت کا جُرم ہلکا اور کم گھناؤنا ہوتا۔ لیکن وہاں تو یہ کوشش کی گئی تھی کہ علیؑ اور اولادِ علیؑ کا اور اُن کی طرح سوچنے والے تمام ہم خیال لوگوں کا دنیا سے صفایا کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے سربراہانِ حکومت انتظام کرتے، وصیتیں لکھتے اور بتدریج میدان قتال تیار کرتے چلے آئے تھے۔ رجب سے ماہ ذی الحجہ کی آخری تاریخوں تک چھ ماہ کا زمانہ تو وہ آخری زمانہ ہے جس میں سابقہ سربراہِ حکومت کے تیار کردہ پروگرام پر عمل کرنے اور امامؑ کو مدینہ سے نکالنے اور پورے ملک میں ایک سمت کو چھوڑ کر ناکہ بندی کرنے اور افواج کو پھیلانے اور سمیٹنے کا کام انجام دیا گیا۔ تاکہ خانوادہ رسولؐ اور اُس سے ہم آہنگ وہم مسلک لوگ فطری طور پر ایک نقطہ یعنی کوفہ یا کربلا میں جمع ہو جائیں۔ اور وہاں اُن کا قتل عام کر کے قومی حکومت کا راستہ صاف کر دیا جائے۔ لہٰذا جو حضرات کربلا کے میدان میں شہدائے کربلا کی تعداد کو کم کر کے پیش کرتے رہے ہیں، وہ یزید اینڈ کمپنی کے جُرم کو ہلکا کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ لیکن ہم چودھویں صدی میں پیدا ہونے کی مجبوری کو کہاں لے

جائیں؟ ہم نظام اجتہاد کی ضائع کردہ ہزارہا قدیم کتابیں کہاں سے لائیں؟

بہرحال آیئے کم ازکم یہ دیکھ لیجئے کہ یزید اینڈ کمپنی کی طرفداری میں اہلِ قلم نے کتنا حصہ لیا اور کتنا انصاف کیا؟ علامہ دربندی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ:۔

وامّاعددالمقتولين مِن اهلبيتٌ فهو ممّا اختلف فيه فالا كثرون علىٰ اَنَّهم كانوا سبعة وعشرين ۔سبعة من بني عقيل: (1)مسلمٌ المقتول بالكوفة و (2)جعفر و (3)عبدالرحمن ابنا عقيل و (4)محمدٌ بن مسلمٌ و (5)عبدٌ الله بن مسلمٌ و (6)محمدٌ بن ابی سعيد بن عقيل (7)وابی سعيد بن عقيل ۔وزاد ابن شهر آشوب عوناً ومحمدٌ البنی عقيل۔

وثلاثة مِن ولد جعفرٌ بن ابی طالبٌ (1) محمدٌ بن جعفر (2) عبدٌالله بن جعفرٌ و (3) عونٌ الا كبر ابن عبدٌالله۔

ومن ولد علیٌ بن ابيطالبٌ تسعة (1) الحسينٌ امام (2) والعباسٌ وابنه (3) محمدٌبن العباسٌ و (4) عمرٌبن علیٌ و (5)عثمانٌ بن علیٌ و (6) جعفرٌ بن علیٌ و (7)ابراهيمٌ بن علیٌ و (8)عبدٌالله بن علیٌ و (9)ابوبكر (شک فی قتله)۔

واربعة مِن بنی الحسنٌ امام (1) ابوبكرو (2) عبدالله و (3) قاسم وقيل (4) بشروقيل عمرو كان صغيرًا۔

وستّة مِن بنی الحسين امام مع اختلاف فيه (1) علیٌ الاكبر و (2)ابراهيمٌ و (3) عبدٌالله و (4) محمدٌ و (5)حمزه و (6)علیٌ وجعفرٌ وعمر وزيد وذبح عبد الله فی حجره ولم يذكر صاحب المناقب الا عليًا وعبد اللهواسقط محمدبن ابی طالب حمزه وابراهيم وزيد وعمر۔

وقال ابن شهر آشوب "ويقال لم يقتل محمدالاصغر بن علیٌ (باقرٌ بن زين العابدينٌ) لمرضه ويقال رماه رجل مِن بنی دارم فماقتله وقال ابو الفرج جميع مَن قتل يوم الطفّ من ولد ابی طالب سوی من يختلف فی امره اثنان وعشرون رجلاً۔

(اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات صفحہ 471-470)

اہلبیتؑ میں سے قتل ہونے والوں کی تعداد میں اختلاف کیا گیا ہے کثرت رائے یہ ہے کہ بنی ہاشم کل ستائیس (27) شہید ہوئے۔

اوّل: اولادِ عقیل میں سے سات (7) شہید ہوئے۔(1) مسلم علیہ السلام جو کوفہ میں قتل ہوئے اور (2) جعفرؑ و (3) عبدالرحمٰنؑ عقیل کے دونوں بیٹے۔ پھر (4) محمدؑ اور (5) عبدؑاللہ مسلمؑ کے بیٹے اور (6) محمدؑ بن ابی سعید بن عقیل (7) اور ابی سعید بن عقیل اور ابن شہر آشوب نے اولادِ عقیل میں عونؑ اور محمدؑ کا بھی اضافہ کیا ہے۔

دوم: اور حضرت جعفرؑ بن ابیطالبؑ کی اولاد میں سے تین شہید 1. محمدؑ بن جعفرؑ 2. اور عبدؑاللہ بن جعفرؑ 3. اور عونؑ الاکبر بن عبدؑاللہ۔

سوم: اور علی علیہ السلام کے بیٹوں میں سے نو (9) شہید۔(1) امام حسین علیہ السلام (2) عباس علیہ السلام اور اُن کے بیٹے (3) محمد بن العباسؑ اور (4) عمر بن علیؑ اور (5) عثمان بن علیؑ اور (6) جعفرؑ بن علیؑ اور (7) ابراہیمؑ بن علیؑ (8) عبدؑاللہ بن علیؑ (9) ابوبکرؑ بن علیؑ (اُن کے کربلا میں قتل ہونے پر شک کیا گیا ہے۔

چہارم: اولادِ امام حسن میں سے چار شہید (1) ابوبکرؑ و (2) عبدؑاللہ و (3) قاسمؑ اور کہا گیا ہے کہ (4) یا تو بشرؑ قتل ہوئے یا عمرؑ قتل ہوئے۔ بہرحال یہ کمسن بچے تھے۔

پنجم: اولادِ حسین علیہ السلام میں سے چھ شہید ہوئے (1) علی اکبرؑ و (2) ابراہیمؑ و (3) عبداللہؑ جو اُن کی گود میں قتل ہوئے (4) محمدؑ اور (5) حمزہؑ (6) علیؑ و جعفرؑ اور عمرؑ و زیدؑ میں سے کوئی ایک قتل ہوا۔ کتاب مناقب کے مصنف نے علیؑ اکبر اور علیؑ اصغر یعنی عبداللہ کے علاوہ کسی اور کا ذکر ہی نہیں کیا۔ محمد بن ابی طالب نے اپنی فہرست میں حمزہ اور ابراہیم اور زید اور عمر کو نہیں لکھا ہے۔

اور ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ محمد الاصغر یعنی امام محمدؑ باقر اپنے بچپن اور بیماری کی وجہ سے قتل سے محفوظ رہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں قبیلہ بنی دارم کا ایک شخص چھپا کر لے گیا تھا۔ اس طرح قتل سے محفوظ رہے۔ ابوالفرج نے لکھا ہے کہ جن ناموں میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اُن کے علاوہ اولاد ابوطالبؑ میں سے بائیس افراد کا قتل ہونا ثابت ہے۔ (صفحہ 471-470)

لیکن دوستوں نے صرف اٹھارہ (18) کا عدد رٹ رکھا ہے۔ یعنی نو (9) شہدا ترکیب سے کم کر دیئے ہیں یہ دوستی ہے؟

(د)۔ حضرت شہربانوؑ کا ایک اور بچہ گوشواروں والا شہید

مومنین ایک روایت سُنیں اور امام مظلوم علیہ السلام کے ننھے بچوں کا تلواروں میں بکھر کر اسلام پر قربان ہو جانا دیکھیں۔

وَقَالَ یحییٰ بن الحسن العلوی واصحابنا الطالبسون یذکرون اَنَّ المقتول لِاُم الولد و اَنَّ الذی امه لیلٰی هو جدّهم ولد فی خلافة عثمان ۔ ثم قَالُوا وخرج غلام من تِلْک الابنیة وَفِیْ اُذُنَیْه دُرَّتَان وَهُوَ مذعور فجعل یلتقت یمینًاو شمالًا وذدتاه یتذبذبان فحمل علیه هانی ابن بعیث فقتله فصارت شهر بانو تنظرالیه ولا تتکلّم کالمدهونة۔(ایضاً صفحہ 471)

''یحییٰ بن حسن علوی کہتا ہے کہ ہمارے محقق صحابہ نے ذکر کیا ہے کہ صاحب اولاد کنیز کا بیٹا جو قتل ہوا اور یہ کہ اس کی والدہ لیلیٰ تھیں اور اُن کا دادا خلافت عثمان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ پھر اُنہوں نے یہ کہا ہے کہ خیام حسینیؑ سے ایک بچہ بڑی تیزی سے نکلا جس کے دونوں کانوں میں موتیوں والے بُندے تھے۔ وہ کسی کی تلاش میں حیران اور گھبرایا ہوا داہنے بائیں دیکھتا جاتا تھا کہ اُس پر ہانی ابن بُعیث نے حملہ کر دیا اور بچہ کو قتل کر دیا۔ عین اُس وقت جناب شہربانو پہنچیں وہ بچہ کی طرف سرگشتگی کے عالم میں دیکھے چلی جا رہی تھیں۔ مگر منہ سے کچھ نہ بول سکتی تھیں۔'' (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 471)

اس معصوم بچہ کا تذکرہ نہ علما کرتے ہیں نہ ذاکروں کو معلوم ہے نہ شہدا کی تعداد میں اُن کا شمار کیا گیا ہے۔

(ہ)۔ حسینی لشکر کی تعداد علامہ مسعودی کی تحقیق

علامہ مسعودی اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال المسعودی فی کتاب مرّوج الذهب فعدل الحسینؑ الٰی کربلا وَهُوَ فی مقدارالف فارسٍ مِن اهلبیتهٗ واصحابه ونحومائة راجل فلم یزل یقاتل حتّٰی قتل وکان الذی تولّی قتله رجل من مذحج وقتل وهو ابن خمس وخمسین سنة وقیل ابن تسع وخمسین سنة وقیل غیرذلک ۔ وَوَجَدَبه یوم قتل ثلاث وثلاثون طعنة واربع وثلثون ضربة ۔وضرب زرعة بن شریک التمیمی کفه الیسری وطعنه سنان بن انس النخعی ثمّ نزل واجتزّراسه وتولّی قتله مِن اهل الکوفة خاصّة لم یحضرهم شامیّ وکان جمیع مَنْ قتل معه سبعًا وثمانین وکان عدة مَن قتل مِن اصحاب عمر بن سعد فی حرب الحسینؑ ثمانیة الاف وثمانین رجلًا ۔''

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 472)

امام حسین علیہ السلام کربلا میں آئے تو اُن کی فوج میں ایک ہزار سوار اور ایک سو کے قریب پیادہ تھے۔ اور یہ تعداد اُن کے اہلبیّت اور اصحاب کی تھی (یعنی اس میں اغیار شمار نہیں)۔ چنانچہ امامؑ نے برابر جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور اُن کے قتل کی ذمہ داری قبیلہ مذحج کے ایک فرد نے لی تھی۔ اور شہادت کے وقت اُن کی عمر پچپن (55) سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن کی عمر انسٹھ (59) سال وغیرہ تھی اور اُن کے جسم پر تینتیس (33) نیزوں کے گھاؤ تھے اور چونتیس تلوار کے زخم تھے۔ اور اُن کے بائیں ہاتھ پر زرعہ بن شریک نے ضرب لگائی اور سنان بن انس نخعی نے نیزہ کا وار کیا۔ یہ آخری زخم کھا کر آپ زمین پر گرے۔ اور اُن کا سر مبارک کاٹ لیا گیا۔ اور جان لینے کی ذمہ داری خاص طور پر اہل کوفہ کے سر گئی اور اس میں کوئی شامی شریک نہیں ہوا۔ اور جو لوگ امامؑ کے ساتھ قتل کئے گئے اُن کی تعداد ستاسی (87) تھی۔ اور جو لوگ عمر بن سعد کی طرف سے حسینؑ سے جنگ کرنے میں قتل ہوئے اُن کی تعداد آٹھ ہزار اسی (8080) تھی۔'' (اکسیر العبادات صفحہ 472)

(38/8)۔ کربلا میں افواجِ یزید کی تفصیل سرکاری تاریخ کا فریب

وہ مومنین جو نظامِ اجتہاد کے تیرہ سو سالہ پروپیگنڈے اور منظّم سازش سے متاثر ہو کر بات بات میں گھبرا اُٹھتے ہیں۔ اور ذرا سی غیر مانوس اور خلاف پسند بات سن کر روایات کے غلط ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا کرتے ہیں۔ اور یہ خیال نہیں کرتے کہ جن کتابوں پر وہ ایمان رکھتے ہیں وہ دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی حکومتوں کے خانہ ساز علما و محدثین و مؤرخین نے لکھی تھیں اُن میں ایک بات بھی تو ایسی نہیں لکھی جا سکتی تھی جو کسی بھی ملکی اور قومی اور حکومت وقت کی پالیسی کے خلاف ہوتی۔ اُن کتابوں کے لکھنے والے حکومت کے وظیفہ خوار و تنخواہ دار اہل قلم ہوتے تھے۔ حکومت کے خلاف زبان کھولنے والوں کی زبانیں گدّی سے کھینچ لی جاتی تھیں، اُن کا گھر بار لوٹ لیا جاتا تھا، اُن کے عزیز و اقربا اور بچے تہہ تیغ کر دیئے جاتے تھے۔ پھر اُن ہی کے تیار کردہ ذخیرہ سے شیعہ مجتہدین نے استفادہ کیا اور زیادہ تر اُن ہی کے قدم بقدم چلے۔ اُن نام نہاد شیعہ علمانے رسولؐ کی چار بیٹیاں تسلیم کیں اور اپنی تصنیفات میں نام بنام لکھا۔ اُن ملاعین نے ام کلثومؑ بنت فاطمہؑ کی خلیفہ ثانی سے شادی کو تسلیم کیا اور اپنی کتابوں میں لکھا۔ اُن خبیثوں نے دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ہر سازش میں ہاتھ بٹایا۔ اُنہوں نے یہ مانا اور لکھا کہ میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر خالص کوفیوں کی فوج تھی۔ دیکھئے ہمارے زمانہ کے نہایت سلجھے ہوئے اور خود ہمارے پسندیدہ مقرر و مصنف جناب علی نقی عرف نقن صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

1: ''مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سرزمین کربلا پر روز عاشورا اہل شام میں سے کسی ایک شخص کی بھی موجودگی ثابت نہیں ہے۔''
(شہید انسانیت صفحہ 335)۔ اگلے صفحہ پر یہ فیصلہ صادر فرما دیا کہ:۔

2: ''جتنی فوج واقعہ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے سامنے موجود تھی۔ وہ تمام تر ''کوفی'' لوگوں کی تھی۔'' (ایضاً صفحہ 336)

آپ نے دیکھ لیا کہ علامہ علی نقی بھی اتنے جہاندیدہ و سنجیدہ ہوتے ہوئے حکومت کی ساختہ پرداختہ تاریخ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جس واقعہ پر اُس تاریخ کے بیانات کی کثرت متفق ہوتی ہے اُس کو ایک **تاریخی حقیقت** قرار دے کر سو فیصد حق و صحیح سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت کا پتہ لگانے اور صحیح حالات کو سرکاری پروپیگنڈے سے الگ کرنے کا اصول یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہر اُس بیان کو رد کیا جاتا جو اُس ملکی

وقومی حکومت کی پالیسی کی تائید کرے، جونام نہاد مسلمان سربراہوں کو پسند ہو یا اُن کے خلافِ قرآن عقائد کے مطابق ہو۔اب آپ ہمارا طرزِ عمل دیکھیں اور پتہ لگائیں کہ حق بات کیا ہے؟اور باطل تصور کون سا ہے؟

(2)۔ امام حسینؑ کے مقابلہ میں یزید لعین نے ملک شام سے افواج بھیجی تھیں

ساری دنیا جانتی ہے کہ خلیفہ ثانی کے زمانہ سے تنخواہ دار مستقل افواج اور تمام مملکت میں چھاؤنیاں قائم کی گئی تھیں تا کہ ضرورت پڑتے ہی ایک اشارہ پر جہاں چاہیں فوج کشی کی جا سکے۔اُن کے بعد مسلسل فوجی تعداد اور عسکری قوت میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہ زمانہ جب کہ یزید کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کیا گیا وہ زمانہ تھا جب اس دنیا کی کسی حکومت کے پاس ایسی عظیم الشان افواج نہ تھیں جیسی عرب کی قومی حکومت کے پاس تھیں۔اس حکومت کو ہرگز یہ احتیاج نہ تھی کہ وہ محلّہ محلّہ اور گاؤں گاؤں ڈھنڈورا پٹوائے کہ لوگو جہاد کے لئے جمع ہو جاؤ اور جس کے پاس جو ہتھیار ہو لیتے آؤ۔ یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم ہوگئی تھی۔اُنؐ کے بعد ملکی حکومت نے یزید بن ابی سفیان کو فیلڈ مارشل بنا کر عسکری قوت کو بنی امیہ میں مرکوز کر دیا تھا۔ملکی حکومت کے خلاف ہمہ گیر بغاوت کو کچلنے کے بعد بیرونی ممالک پر فوج کشیاں جاری رہیں۔یزید بن ابوسفیان کے مرنے کے بعد اُن کی جگہ یزید کے والد معاویہ کو افواج کا انتظام سونپا گیا۔اور معاویہ کے زمانہ میں عسکری قوت ساری دنیا پر چھا گئی۔اسی فوجی قوت سے یزید کو خلیفۃ المسلمین بنایا گیا۔حضرت معاویہ نے مدینہ میں آکر تمام صحابہ کو یزید کے سامنے جھکایا تھا۔اور خانوادۂ نبوؐت اور اُن سے وابستہ چند صحابہؓ کے علاوہ سب نے بیعت کی اور یزید کو امیر المومنین مان لیا تھا۔ چنانچہ یزید نہیں چاہتا تھا کہ امام حسینؑ اور اُن کے اہل وعیال اس کی خلافت وحکومت اور امیر المومنیت کو تسلیم نہ کریں۔لہٰذا اُس نے امام حسین علیہ السلام کو گھیر کر اپنی اطاعت کرانے کا انتظام کیا۔مکہ اور مدینہ اور کوفہ میں اور اُن تمام شہروں میں جہاں جہاں خانوادۂ نبوؐت سے ہمدردی رکھنے والے لوگ رہتے تھے، سیاسی اقدامات کیلئے دانشورانِ قوم کو تعینات کر دیا تھا۔اور محبانِ اہلبیت علیہم السلام پر نگرانی جاری تھی اور جیسا کہ منصور خلیفہ عباسی کی مثال دے کر لکھا گیا ہے۔چاروں طرف سے خطوط لکھوانے اور ردِ عمل دیکھنے کا انتظام برسرِ کار تھا۔افواج حرکت میں آنے کو تیار تھیں۔ملک بھر میں علیؑ اور اولادِ علیؑ کو پہلے ہی قاتلِ عثمان اور اسلام سے باغی مشہور کر کے ہر محراب ومسجد سے تبرا ولعنت کرائی جارہی تھی۔اور تمام محبانِ عثمان اور دوستدارانِ بنی امیہ اور تمام دانشورانِ قومی حکومت خانوادۂ نبوت کو کچلنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔حکومت نے ملکی وقومی علما اور مفتیوں وقاضیوں سے قتلِ حسینؑ پر فتاویٰ حاصل کر لئے تھے۔پورے ملک کی اس طرح ناکہ بندی کی جا چکی تھی کہ خانوادۂ رسوؐل کا کوئی شخص بچ کر نکل نہ جائے یا کہیں سے حسینؑ کی مدد ونصرت کے لئے عسکری قوت نہ پہنچ جائے۔اِن تمام حقائق اور انتظامات پر بعد کی تمام حکومتوں نے برابر پردہ ڈالنا مناسب سمجھا اس لئے کہ اُن کا مذہب اور قومی وسرکاری پالیسی اُسی بنیاد پر قائم رہتی چلی گئی جو یزید ومعاویہ کی پالیسی اور مذہب مقرر کر چکا تھا۔

(3)۔ آخر شہدائے کربلا یزید کی قومی حکومت پر غالب آگئے اور راز کھل گئے

کربلا کے میدان میں جب قرآن کو رد کرنے والی قرآنی قوم (فرقان 25/30) نے محمدؐ وآلِ محمدؐ سے بھرپور انتقام لے لیا،

امام حسینؑ اوران کے رفقاعلیہم السلام کوتہہ تیغ کر دیا گیا، رسولؐ کی بیٹیوں اورتمام اہل حرم کوقید کر کے شہر بشہر پھرایا گیااورآ خر کار دمشق کے قیدخانہ میں بندکر دیا گیا تومملکت میں یزید کے خلاف بغاوت پھیل گئی۔اس پر صرف ایک روایت سن لیں اور دیکھیں کہ کربلا میں پانچ لاکھ کےقریب افواج کہاں سے آئی تھیں؟اورکس نے بھیجی تھیں؟ابومخنف نے لکھا ہے کہ:۔

قَالَ قَالَ الراوی انّ اهل الشام کَاَنَّهُمْ يَنَامٌ فانتبهوا فَعَطَّلُوا الْاَسْوَاق وجَدَّدُ وُاالْعَزَاءَ وَاظهروا المصيبة لاهل العباءِ وقالوا و اللّٰه ما علمنا اَنَّهُ راس الحسينؑ وَانّما قِيْلَ راس خارجی خرج بارض العراق ۔فَلَمَّا سمع يزيد(لعنه اللّٰه) ذٰلک اِسْتَعْمَلَ لَهُمُ الْاَجْزَاء فی القرآن وفرقها فی المسجد ۔وکانوا اذاصَلُّوا وَفَرَغُوْا مِن صلا تهم وضعوهابين ايديهم لِيشتغلوا بهاعَن ذکرالحسين بن علی عليهماالسلام فلم يشغلهم عَن ذکره شَيْیءٍ والناس حينئذٍ مالهم حديث اِلَّا حديث الحسين عليه السلام۔حتّٰی انّ الرجل يقول لصاحبه يافلان اَمَّا تَرَی الی مافعل بابنؑ بنتؐ نبيناؐ ؟ فبلغ ذٰلک يزيد وعرف اَنَّ اهل الشام لايشغلهم عن ذکرالحسينؑ شاغل ۔ فنادی فی الناس اَنْ يحضروا اِلَی الجامع فحضروامن کلّ جانب ومکان فيما تکامل الناس ۔قام فيهم خطيبًا وقال يااهل الشام انتم تقولون اَنِّی قتلتُ الحسينؑ اوامرت بقتله ؟ وانّما قتلهُ ابن مرجانة ۔ثُمَّ قال لَاَقْتُلَنَّ مَنْ قتله ثمّ دعی بالذين حضروا قتل الحسينؑ ۔فحضروابين يديه فالتفت اِلٰی شبث بن ربعی وقال له۔ياوَيْلَک انت قتلتَ الحسين صلوات اللّٰه عليه اَوْاَنَا اَمَرْتک بقتله ؟ فقال شبث اَنَا واللّٰه ماقتلته ولعن اللّٰه مَن قتله بل قتله مصابر بن الرهيبة فالتفت اِلَيْهِ يزيدو لعن اللّٰه وقال ويلک انت قتلت الحسينؑ ام انا امرتک بقتله؟ قال لاو اللّٰه بل قتله قيس بن الربيع ۔فالتفت اليه ۔قال أ اَنْتَ قتلتَ الحسينؑ اَمْ اَنا امرتک بقتله۔ قال لا ۔ قال يزيد فَمَنْ قتله قال قيس قتله شمر بن ذی الجوشن فالتفت اليه وقال ءَ اَنْتَ قَتَلْتَ الحسينؑ ام اَنَا اَمَرْتُکَ ؟ قال لا ۔ قال فَمَنْ قتله ؟ قال سنان بن انس النخعی ۔فقال له ءَ انت قتلتَ الحسينؑ اَمْ اَنَا امرتُک؟ قال لا ۔قال فمن قتلهُ ؟ قال قتله خولی بن يزيد الاصبحی ۔فقال له ءَ انت قتلتَ الحسينؑ ام انا امرتک بقتله ؟ قال لا ۔فعندذلک غضب يزيد غضبًا شديدًا ۔ وقال ويلکم يحيل بعضکم الٰی بعض واری ينظر بعضکم بعضًا . قَالوا قتله قيس بن ربيع ۔قال له ءَ اَنْتَ قتلتَ الحسينؑ ؟ قال ما قتلت قال اَلآ ياويلکم مَن قتله ؟ قَالَ قيس ياامير اَنَا اقول لک مَن قتله وَلِيَا لْاَمَان ؟ قال نَعَمْ۔قَالَ و اللّٰه ماقتل الحسين اِلَّا الَّذِیْ عقدالرايات وفرّق الاموال وبذل العطا يا وصَبَّ المال علی الانطاع وَسَيَّرَ الجيُوشَ جَيُشًا بعد جَيُشٍ ۔ فقال يزيد وَمَن ذاک ؟ فقال اَنْتَ و اللّٰه ماقتل الحسينؑ غيرک يايزيد۔فغضب مِن قوله وقام فدخل داره فی قصره ۔الخ

(اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات۔صفحہ 543) ابومخنف نے لکھا ہے کہ؛

''راوی نے کہا کہ اہل شام کی یہ حالت ہوئی جیسا کہ وہ اچانک سوتے سوتے جاگ اُٹھے ہوں اورانہیں سخت تنبیہہ ہوگئی ہو۔لہٰذا اُن لوگوں نے اپنے کاروباراور بازاروں کواورخرید وفروخت کو بند کر دیا۔اورعزاداری حسینؑ میں منہمک رہنے لگےاوراہل حرم علیہم السلام کے پاس آ آ کر اظہار رنج وغم کرتے تھے ۔اور کہتے تھے کہ خدا کی قسم ہمیں یہ پتہ نہ چلنے دیا گیا کہ یہ حسین علیہ السلام کا سر ہے۔ یہاں تو یہ بتایا جا تا رہا کہ یہ ایک باغی خارجی کا سر ہے۔جس نے عراق میں حکومت کے خلاف فوج کشی کی تھی ۔ جب یہ ملکی حالات یزید کے کانوں تک پہنچے تو اُس نے پبلک کی توجہ بدلنے کا انتظام کیا۔مثلاً مسجد میں قرآن کے پارے ہر آنے والے کونماز سے پہلے تقسیم کرانے کا پختہ بندوبست کیا تا کہ جتنی دیرنماز سے پہلے یا بعدنمازی خالی بیٹھیں تو کربلا کی باتوں کے بجائے قرآن پڑھتے رہیں۔لیکن قرآن کے پاروں

سے وہ لوگ اُس دردوغم کے قصہ سے باز نہ رکھے جا سکے۔ اور کوئی دوسرا انتظام بھی اُنہیں مشغول کرنے اور کربلا کو بھلانے کے لئے کافی نہ ہوا۔ اور ہر وقت ہر کسی کی زبان پر شہادت حسینؑ اور کربلا کے مظالم ہی کا تذکرہ تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جہاں کہیں بھی دو یا زیادہ آدمی اکٹھا ہوتے تو ایک دوسرے سے پوچھتا: کیا بھائی تمہیں وہ حادثہ معلوم نہیں جو یزید کی طرف سے رسولؐ اللہ کی بیٹی فاطمہؑ کے فرزند حسینؑ پر گزر گیا ہے؟ بس چاروں طرف یہی باتیں تھیں لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے اور بتاتے تھے۔ آخرکار یزید کو باقاعدہ رپورٹ (Report) دی گئی کہ اگر موثر اقدامات نہ کیئے تو ملک اور حکومت تمہارے ہاتھ سے جا رہی ہے۔

چنانچہ یزید نے ایک عام اجتماع کا جبری اعلان اور منادی کرادی۔ اور یہ جلسہ عام جامع مسجد میں منعقد کیا جانا ہر فرد کو معلوم ہوگیا۔ چنانچہ پبلک اور ارا کینِ خلافت اور افسران و اہلکارانِ حکومت سے مسجد لبریز ہوگئی۔ یزید منبر پر گیا اور خطبہ پڑھا اور شکایت کی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ سارا ملک مجھے حسین علیہ الصلوٰت والسلام کا قاتل کہہ رہا ہے۔ حالانکہ انہیں مرجانہ حرامزادی کے بیٹے نے قتل کیا ہے۔ اور میں نے طے کرلیا ہے کہ میں اُس شخص کو ضرور قتل کر کے رہوں گا۔ پھر اُن تمام لوگوں کو سامنے بلایا جو کربلا میں قتل حسین علیہ السلام کے وقت وہاں موجود تھے۔ جب وہ سب حاضر کر دیئے گئے تو یزید نے شبث بن ربعی کو مخاطب کر کے کہا کہ افسوس ہے تیرے حال پر کہ تو نے حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر ڈالا۔ کیا میں نے تجھے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا؟ اس نے کہا کہ نہ آپ نے حکم دیا اور نہ میں نے قتل کیا۔ میں قسم بخدا اُن کے قاتل پر لعنت کرتا ہوں۔ اُنہیں تو غالباً مصابر بن رھیبہ نے قتل کیا تھا۔ اب یزید نے مصابر سے کہا کہ تیرا برا ہو تو نے حسینؑ کو قتل کیا تھا یا میں نے تمہیں اُن کے قتل کا حکم دیا تھا؟ اُس نے کہا قسم بخدا میں نے ہرگز اُن کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ انہیں قیس بن ربیع نے قتل کیا تھا۔ اب یزید نے قیس سے کہا کہ تجھ پر اللہ کی ملامت ہو کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا یا میں نے تجھے ان کے قتل کا حکم دیا تھا؟ قیس نے بھی کہہ دیا کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ یہ سُن کر یزید نے کہا کہ پھر کس نے حسینؑ کو قتل کیا تھا؟ قیس نے کہا کہ انہیں شمر نے قتل کیا تھا۔ اب یزید شمر سے مخاطب ہوا کہ خدا تیرا ستیاناس کرے کیا تُو نے حسینؑ کو قتل کیا؟ کیا میں نے تجھے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا؟ شمر نے کہا کہ میں نے حسینؑ کو قتل نہیں کیا۔ یزید نے جھنجھلا کے پُوچھا پھر کس نے قتل کیا تھا؟ شمر نے سنان بن انس نخعی کا نام لے دیا۔ اب یزید نے سنان سے کہا کہ کیا تو نے ہی حسینؑ کو قتل کیا ہے اور کیا میں نے تجھے اُن کو قتل کر ڈالنے کا حکم دیا تھا؟ اُس نے انکار کیا تو پھر یزید نے پوچھا کہ آخر اُنکا قاتل کون ہے؟ سنان نے کہا کہ حسینؑ کو خولی بن یزید اصبحی نے قتل کیا تھا۔ اب یزید نے خولی سے دریافت کیا کہ کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا اور کیا میں نے تجھے قتل کا حکم دیا تھا۔ جب خولی نے بھی انکار کر دیا تو یزید کو انتہائی شدت کا غصہ آیا اور پُرغضب ہو کر یزید نے کہا کہ تم لوگ بات کو ایک دوسرے پر ٹال رہے ہو اور میں نے دیکھا ہے کہ تم پہلے سے ایک دوسرے کو نظروں ہی نظروں میں بات بنانا سکھا رہے ہو۔ اگر میرے غیظ وغضب سے بچنا ہے تو فوراً بتاؤ کہ حسینؑ کا قاتل کون ہے؟ تو سب نے متفقہ طور پر قیس بن ربیع کا دوسری دفعہ نام لیا کہ وہی قاتلِ حسینؑ ہے۔ یزید نے پھر قیس سے پوچھا مگر اس دفعہ بھی اُس نے صاف انکار کر دیا۔ اب یزید آپے سے باہر ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ کوئی آخری فیصلہ سُنا دے۔ لہٰذا پھر کہا کہ خدا تم سب کو غارت کرے آخر حسینؑ کو کس نے قتل کیا ہے؟ اب قیس بن ربیع سمجھا کہ موت تو آنا ہی ہے۔ کیوں نہ ترکیب سے حقیقت حال کہہ گزروں؟ چنانچہ اُس نے سنبھل کر کہا کہ اے امیر میں آپ کو حقیقی قاتل کا

نام اس شرط پر بتادوں گا کہ مجھے جان کی امان مل جائے۔ یزید نے امان کا وعدہ کر کے پوچھا بتاؤ حسینؑ کا قاتل کون ہے۔ قیس نے کہا کہ حسینؑ کو اُس شخص کے علاوہ کسی اور نے قتل نہیں کیا جس نے سردارانِ افواج مقرر کر کے اُن کو اُن کی فوجوں کے پرچم عطا کئے۔ جس نے خاندانِ رسولؐ کی تباہی کے لئے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور پورے ملک میں روپیہ پانی کی طرح بہادیا۔ جس نے لوگوں کو جائیدادیں اور عطیات دے کر سخاوت کا سلوک کیا۔ جس نے حسینؑ کے خلاف نفرت پھیلانے کے لئے مقرروں اور لکچراروں پر دولت انڈیل دی (انطاع)۔ جس نے افواج کا تانتا باندھ دیا اور ایک لشکر کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا بھیج بھیج کر حسینؑ اور اُن کے خاندان اور صحابہ پر دنیا تنگ کردی۔ یزید نے جلدی سے پوچھا کہ وہ کون شخص تھا؟ قیس نے جم کر کہا کہ وہ شخص خدا کی قسم تیرے سوا کوئی اورنہیں ہے۔ اے یزید وہ تم ہو جس نے حسینؑ کو قتل کیا۔ یزید کو یہ جرأت وجسارت دیکھ کر اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ اُٹھا اور محل کے اندر چلا گیا۔'' (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 543)

ذرا اُن لوگوں سے پوچھیں جو کربلا میں کوفہ کی افواج کی راگنی الاپتے ہیں کہ جناب آپ کے خلیفۃ المسلمین اور آپ کے امیر المومنین یزید ملعون نے کوفہ سے کون سی فوج تیار کر کے بھیجی تھی؟ یہ شیطان زادہ تو کبھی کوفہ گیا نہیں۔ یاد رکھیں کہ افواج میں کسی ایسے شخص یا جماعت یا قوم کو ہرگز بھرتی نہیں کیا جایا کرتا جس کے دل میں، یا جس کی زبان پر یا جس کے مذہب میں دشمن کی محبت اور وفاداری ہو یا جس پر ایسا شبہ ہو۔ یہ تمام لوگ فریب خوردہ ہیں یا خود فریب ساز ہیں جو کربلا میں خانوادہ نبوتؐ سے ہمدردی یا محبت رکھنے والے کوفیوں کی موجودگی مانتے یا کہتے یا لکھتے ہیں۔ البتہ کوفہ سے ایک ایسی منتخب فوج ضرور گئی تھی جو دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ اور دوستدارانِ یزید ومعاویہ ہونے میں زیادی وسعدی سند رکھتے تھے۔ اور اُس فوج کی تعداد واقعی چند ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اور سرکاری مؤرخین نے اُسی فوج کو کل فوج اور کل تعداد مانا ہے۔ اور ملک شام ومصر ودیگر چھاؤنیوں سے آنے والی افواج کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے۔ اور کوفہ خود ایک عظیم الشان عسکری مرکز اور اموی حکومت کی بڑی چھاؤنی تھا۔ جہاں مختلف ممالک کی افواج رہا کرتی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن حضرت علی علیہ السلام نے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا تھا۔ اس روز کے بعد اموی حکومت نے کبھی کوفیوں کو فوج میں بھرتی کے لئے موزوں نہیں سمجھا۔ سوائے چند گنتی کے خاندانوں کے مخالف حکومتوں میں کوفہ کی آبادی کی وفا اور اُن کا خلوص مشکوک رہا۔ یہاں کے علما اور عوام محبت اہلبیتؑ کے لئے ہمیشہ زیرِ عتاب رہتے چلے گئے۔ حضرت ابوحنیفہ امام اعظم کہاں کے باشندے تھے؟ اُن کی وفاداری کس کے ساتھ وابستہ تھی؟ وہ کس کی تائید میں لڑنے کو اسلامی جہاد فرماتے تھے؟ وہ کس کے لئے عطیات اور چندہ جمع کر کے دیتے تھے؟ واقعی کوفی اگر کسی کے وفادار تھے؟ تو خاندان اہلبیت علیہم السلام کے وفادار تھے۔ البتہ امامؑ زمانہ کی اجازت کے بغیر اُٹھنے والوں کو کوفہ والے مشکوک سمجھتے تھے۔ اور جب اُن کا شک یقین میں بدل جاتا تھا تو رُخ پھیرنے اور جان بچانے میں تکلف نہ کرتے تھے۔ اور جن کو اہلبیتؑ کا مخلص سمجھ لیتے تھے اُن پر اور اُن کے حکم پر جان نثار کردیتے تھے۔ لہٰذا جب آپ کے سامنے اہل کوفہ کی کوئی شکایت آئے تو پہلے احادیث سے یہ پتہ لگائیں کہ وہ شخص امامؑ زمانہ کی طرف سے تعینات تھا یا نہیں؟ ایک بات اور سُن لیں کہ وہ میدان کربلا کو اپنے نمونہ کا آخری میدان سمجھتے تھے۔ وہ صرف قتل ہوجانا پسند نہ کرتے تھے۔ وہ زندہ رہ کر دُشمن کی اینٹ سے اینٹ بجانا چاہتے تھے۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ

اب میدان میں صرف موت ہے اور موت سستی ہے۔ تو فرار کر جانا واجب سمجھتے تھے تا کہ دشمن کے ساتھ دشمن والے تمام حربے استعمال کریں، دغا کریں، دھوکہ دیں، موقعہ ملے تو تباہ کریں ورنہ خود محفوظ رہیں۔ اور زندہ رہ کر بہترین مواقع اور موزوں ترین وسائل فراہم کریں اور یوں دشمنان خدا اور رسولؐ کے خلاف ایک جیتا جاگتا محاذ مسلسل جاری رکھیں۔ سر پر کفن باندھ کر نکلنا اور میدان میں ڈھیر ہو جانا خود کشی ہے البتہ معصومؑ کی قیادت میں کربلا کی طرح جان سے کھیلنا شہادت ہے۔ غیر معصوم قیادت میں کوفیوں کا عملدرآمد ہی قابل پیروی ہے۔ یعنی جیسے ہی خاطی قائد کی خطا اور ناکام اقدامات کا پتہ لگے اُسے چھوڑ دو۔ مرنے دو قتل ہونے دو۔ کل اُس کی خطاؤں سے تجربہ حاصل کر کے بہتر، درست تر اقدام کرو اور کرتے جاؤ۔ یہ ہے تحریک تشیع جو کوفہ سے شروع ہوئی۔ عرب کی قومی خلافت کے چاروں طرف شیعوں کی حکومتیں بنائیں اور رفتہ رفتہ اُس باطل خلافت کا آخری جنازہ نکال دیا اور یہ لفظ حرف غلط کی طرح سے مٹ کر رہ گیا۔ اور ہر حجام ونائی اور پہلوان خلیفہ بن گیا۔

(4)۔ کوفہ کی چھاؤنی سے جو افواج اور سردار، ابن زیاد لعین نے روانہ کئے

جو لشکر یزید روانہ کر رہا تھا وہ شام سے اور مختلف چھاؤنیوں سے روانہ ہو کر کربلا اور گردونواح میں جمع ہوتے جارہے تھے اور اُن تمام میدانوں اور راستوں پر چھاتے جارہے تھے جن سے امامؑ تک نصرت پہنچ سکنے کا ذرا بھی امکان تھا۔ یہاں وہ فہرست ملاحظہ کریں جو ابن زیاد نے کوفہ کی مرکزی چھاؤنی سے ابتدا میں ارسال کی تھی۔ اور جس کے بعد برابر افواج بھیجتا رہا۔ یہاں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ امام حسین علیہ السلام کا کربلا میں قیام عموماً دس روز مانا گیا ہے۔ بلکہ زیادہ تر یہ کہا گیا ہے کہ آپ دو محرم کو کربلا میں وارد ہوئے اور دسویں کو شہید ہو گئے یعنی نو (9) دن میں کربلا کا حادثہ مکمل ہو گیا تھا۔ اور مؤرخین کا کمال یہ ہے کہ وہ یہ بھی مانتے اور لکھتے ہیں کہ:۔

اوّل: ''حُر نے کربلا پہنچ کر ابن زیاد کو خط لکھا کہ میں نے امام حسینؑ کو کربلا میں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے۔''

دوم: ''تین محرم کو عمر سعد کربلا میں پہنچا اور امامؑ کو پیغام بھیجا اور معلوم کیا کہ وہ کس ارادے سے یہاں آئے ہیں۔ پھر عمر سعد نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ امامؑ پُر امن ہیں اور کوئی جھگڑا کرنا نہیں چاہتے۔''

سوم: ''ابن زیاد نے حُر کو خط کا جواب بھیجا کہ حسینؑ کو ہرگز حرکت نہ کرنے دو۔''

چہارم: ''ابن زیاد نے عمر سعد کو خط کا جواب بھیجا اور بیعت کا تقاضہ کیا۔''

پنجم: ''عمر سعد نے امام حسین علیہ السلام سے ذاتی ملاقات کی اور خوش ہو کر ابن زیاد کو امامؑ کی صلح پسندانہ شرطیں لکھیں۔''

ششم: ''ابن زیاد نے شمر کو تعینات کیا عمر سعد کو معزول اور قتل کرنے کا اختیار دیا ورنہ تعمیل حکم لازم طور پر کرنے کا تقاضہ کیا۔''

اس خط و کتابت کو سامنے رکھیں اور سوچیں کہ اگر کربلا سے مکہ والی راہ پر قادسیہ ہوتے ہوئے کوفہ جانا ہو تو یہ اُس زمانہ میں پانچ منزل کا فاصلہ تھا۔ اور اگر ناک کی سیدھ باندھ کر ریت کے ٹیلے پھلانگتے ہوئے سفر کیا جاتا تو تقریباً پچاس میل کا چھوٹے سے چھوٹا راستہ (SHORT-CUT) تھا۔ کربلا سے یکے بعد دیگرے دو خطوط ابن زیاد کو پہنچے اور اگر ابن زیاد خط لانے والے اُن ہی قاصدوں کو جواب دے کر الٹے پاؤں واپس کر دے تو اُن کے دو دفعہ جانے اور دو دفعہ واپس آنے میں کتنے دن لگنا چاہئیں؟ جبکہ تیز ترین سواری گھوڑا

یا اونٹ ہوتے تھے؟ بہرحال سرکاری پروپیگنڈے اور اندھیر گردی یا دھاندلی صاف نظر آتی ہے۔ لہٰذا افواج کی تعداد پر تعجب کئے بغیر سُنیں کہ:۔

(5)۔ کوفہ سے روانہ ہونے والی فوجوں کی ترتیب

(1) قال ابو مخنف ثُمَّ ابن زیاد نادی معاشر العرب من یاتینی براس الحسینؑ وله عندی ولایة الرَّی عشر سِنین فقام الیه عمر بن سعد وقال "اَنَا اَیُّھَاالامیر" فقال له انت امض و ضیّق علیه المسالک وامنعه من شرب الما وایتنی براسه ۔ قال سمعًا وطاعة ۔ ثمّ عقدله رایة علٰی سِتّة الاف فارس وامر بالمسیر الی الحسینؑ فخرج من عند ابن زیاد ۔

"ابو مخنف نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے ملک عرب میں منادی کرادی کہ جو شخص میرے پاس حسینؑ کا سر لائیگا میں اُسے دس سال کیلئے ملک رَے کا حاکم بنادوں گا۔ اس پر عمر سعد نے کہا کہ میں تیار ہوں۔ چنانچہ ابن زیاد نے اُسے چھ ہزار سواروں کا فوجی پرچم دے کر سردار بنایا اور حکم دیا کہ فوراً حسینؑ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور **اُن پر تمام راہیں بند کردو، پانی تک نہ پینے دو**۔ چنانچہ عمر سعد فوج لے کر روانہ ہو گیا۔

(2) قال ابو مخنف کان اوّل رایة سارت الی حرب الحسینؑ رایة عمر بن سعد ودَعَا مِن بعده بعُرُوة ابن قیس و ضَمَّ الیه الفین فارسٍ امره بالمسیر ۔ ودعا مِن بعده سنان ابن انس النخعی وعقدله رایة علٰی اربعةالاف فارسٍ ودعی من بعده با لشمر بن ذی الجوشن الضیابی وعقدله رایة علٰی اربعة الاف فارسٍ وعقد رایة سادسة اِلٰی خولی بن یزید الاصبحی وضَمَّ الیه ثلثة الاف فارسٍ وعقدرایة سابعة وسلّمها الی القشعم وضَمَّ الیه ثلثة الاف فارسٍ وعقدرایة ثامنة وسلّمها الی الحصین بن نمیر وضم الیه ثمانیة الاف فارسٍ۔ وعقد رایة تاسعة وسلمها الٰی ابی قدارالباھلی وضمّ الیه تسعة الاف فارسٍ وعقد رایة عاشرة وسلّمها الٰی عامر بن صریمة التمیمی وضم الیه ستة الاف فارسٍ۔ (ایضاً اکسیر صفحہ 236)

ابو مخنف نے لکھا ہے کہ پہلا پرچم عمر سعد کو دے کر روانہ کیا اور اُس کے بعد ابن زیاد نے عروہ بن قیس کو دو ہزار سواروں کا سردار بنا کر روانہ کیا۔ پھر سنان بن انس نخعی کو چار ہزار سواروں پر سردار بنا کر روانہ کیا۔ پھر شمر کو بھی چار ہزار سواروں کا سردار بنا کر بھیجا...... اور چھٹا پرچم خولی بن یزید کو دیا اور اُسے تین ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ ساتواں پرچم قشعم کو دیا اور اسے تین ہزار سواروں کا سردار بنا کر بھیجا۔ آٹھواں جھنڈا حصین بن نمیر کو دیا اور آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا۔ نواں جھنڈا ابی قدار کو دیا اور نو ہزار سواروں پر سردار بنا کر روانہ کیا اور دسواں پرچم عامر بن صریمہ کو دیا اور چھ ہزار سوار دے کر بھیجا۔" (ایضاً۔ صفحہ 236)

قارئین نوٹ کریں کہ یا تو ابو مخنف نے گننے میں غلطی کی یا علامہ دربندی رضی اللہ عنہ نقل کرنا بھول گئے۔ اس لئے کہ شمر کی سرداری چوتھے نمبر پر مذکور ہے اور پانچواں جھنڈا اور سردار چھوڑ کر ایک دم چھٹے پرچم اور سردار کا نام خولی بن یزید لکھ دیا ہے۔ لہٰذا آپ کم از کم دو ہزار سوار میزان میں خود اضافہ فرمالیں۔

(1) عمر بن سعد 6000 سوار (2) عروہ بن قیس 2000 سوار (3) سنان بن انس 4000 سوار (4) شمر ذی الجوشن 4000 سوار
(5) بھول گئے 2000 سوار (6) خولی بن یزید 3000 سوار (7) قشعم 3000 سوار (8) حصین بن نمیر 8000 سوار
(9) ابی قدار 9000 سوار (10) عامر بن صریمہ 6000 سوار **کل میزان (47000) سینتالیس ہزار سوار**

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد محمد بن ابی طالب کی کتاب سے لکھا ہے کہ: ''ابن زیاد نے شبث بن ربعی کو بلوایا اور کہا کہ میں تمہیں حسینؑ کے مقابلہ میں جنگ پر بھیجنا چاہتا ہوں۔ تو اس نے بیماری کا بہانہ کر کے عذر کیا۔ لیکن آخر کار اُسے حاضر ہونا پڑا اور ابن زیاد نے حکم دیا کہ:

فقال افعل یاایھاالامیر فما زال یرسل الیه بالعساکر حتی تکامل ثلثون الفاً (صفحہ 237-236)۔

تم حسینؑ کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو۔ اس نے مان لیا اور اس وقت تک افواج بھیجتا رہا جب تک اُس نے تیس ہزار (30000) کی تعداد پوری نہ کر دی۔'' اس کے بعد اگلی سطروں میں لکھا ہے کہ:۔

قال ابومخنف وسارالقوم حتّٰی نزلوا علی الحسین علیه السلام فی خمسین الف فارس ورَاجِلٍ لیس فیهم شامی ولاحجازی وجمیع القوم من اهل الکوفة بل فی بعض النسخ لابی مخنف نزلوا عَلَی الحسینؑ وهم فی سبعین الف فارس وراجل ولیس فیهم شامی ولا حجازی ولا بصری وکلّهم من اهل الکوفة ومعهم السیوف الهندیة والرماح الخطیّة والحراب المجلّیة ۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 237)

''اور قوم برابر حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر پہنچتی رہی یہاں تک کہ پچاس ہزار کی تعداد پوری ہوگئی جس میں سوار اور پیادہ دونوں قسم کی افواج تھیں۔ اور ان میں کوئی فوجی ملک شام یا حجاز کا نہیں بلکہ وہ سب اہل کوفہ کی اقوام کے تھے اور ابومخنف نے دوسری تصنیفات میں ستر ہزار فوج لکھی ہے۔ جن میں شامی اور حجازی اور بصرہ کی فوج نہ تھی۔ بلکہ سب کوفہ کے لوگ تھے۔ اور وہ سب ہندوستانی تلواروں اور نقش ونگار والے نیزوں اور صیقل شدہ برچھیوں سے مسلح تھے۔''

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ سامان حرب اور سب کے اسلحہ کی یکسانی اور سب کے پاس ہندوستانی تلواروں کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ادھر اُدھر سے زبردستی گھیر کر پکڑے ہوئے لوگ نہ تھے۔ بلکہ آزمودہ کار تعلیم یافتہ وتجربہ کار مستقل فوجی تھے۔ جو شاہی خزانہ سے تنخواہیں لیتے تھے۔ لہٰذا یہ میزان ستر ہزار نہیں۔ بلکہ ابن زیاد کے (30000+47000) شبث ربعی سمیت ستتر ہزار تعداد بنتی ہے جو کوفہ کی چھاؤنی سے بھیجی گئی تھی۔

(6)۔ صحیح تعداد معلوم کرنے کے لئے مقتولوں کی گنتی

ہم نے دیگر تصنیفات میں بڑی تفصیل کے ساتھ اور مسلمہ ثبوت دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ اسی ہزار سے زیادہ کتابوں کو چوتھی صدی کے اوائل میں ضائع کر دیا گیا تھا۔ اُن میں سے صرف حدیث معصوّمین کی چارسو مصدقہ کتابیں تھیں۔ لہٰذا جو کچھ کسی طرح بچ گیا اور جو کچھ حکومتوں نے باقی رکھنا چاہا اور خود لکھوا کر پھیلایا۔ اُس کو نہ آخری بات قرار دیا جاسکتا ہے نہ اُس سے حتمی اور یقینی اعداد وشمار مل سکتے تھے۔ اور بعد والے تمام علما مجبور ہوئے ہیں کہ اسی باقی ماندہ ریکارڈ سے حوالے پیش کریں۔ اور اُس میں سرکاری ذہنیت رکھنے والے علما وعوام اپنی قیاس آرائی سے؛ یہ غلط ہے، وہ خلاف عقل ہے، اور یہ ناممکن ہے، اور وہ ہم نے پہلے نہیں سنا ہے کہہ کہہ کر شور وغوغا مچاتے چلے آئے ہیں۔ لیکن ہم بہرحال اُسی ریکارڈ سے اپنا مذہب وتصور ثابت کر دیتے ہیں۔ سنیئے کہ یہ کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات 1319 ہجری میں یعنی آج سے اٹھتر سال پہلے لکھی گئی تھی اور اس میں قدیم ترین کتابوں کی عبارتوں سے واقعات کربلا پر ٹھوس دلائل قائم

کئے ہیں۔اس کے بعد بھی اگر کوئی نہیں مانتا تو اُسے اُن لوگوں میں شمار کرنا پڑے گا جو قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم بات کہیں اور اس کا ثبوت فراہم کردیں۔ ہمارا کام جبراً منوالینا نہیں ہے۔لہٰذا سنئے کہ علامہ دربندی رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ:۔

عَنْ کتاب المقتل للمحدث الحاذق ابن عصفور البحرانی قدقتل من الاعدآء والکفار خمسة وعشرين الفًا منهم فهؤلاء غير المجروحين بيده (عباسؑ بن علیؑ) وَقد قتل سائر المستشهدين بين يدی الامام عليه السلام من العترة الهاشمية خمسة و عشرين الفًا منهم وقد قتل الامام عليه السلام روحی له فداء ثلثمائة الف وثلثين الفًا وكان عدد جميع عسكر ابن زياد اربع مائة الف وسِتّين الفًا فلم يبق منهم بعد انقضاء المعركة اِلّا ثمانُونَ اَلَفًا ۔ ونقلوا ايضًا عن ذلک کتاب اَنَّ بعض اوغاد الطغام لَمّا قَالَ فی مجلس يزيد لعنه اللّٰه اَنَّ الحسين عليه السلام جاء فی نفرمِن اصحابه وعترته فهجمنا عليهم وكان يلوذ بعضهم بالبعض فلم تمضی ساعة اِلّا قتلنا هم عن آخرهم قالت الصدّيقه الصغرىٰ زينب سلام اللّٰه عليها ثکلتک الثواكل اَيّهَا الكذّاب اَنَّ سيف اخی الحسين عليه السلام لم يترک فی الكوفة بيتًا اِلّا وفيه بَاکٍ و باكيّة ونائِحٍ ونائِحَة فهٰذا كلّه قدنقله جمع مِن الثقات الاثبات لنا فی هذاالیوم۔(اکسیرالعبادات صفحہ 331)

''محدث حاذق جناب علامہ ابن عصفور بحرانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب المقتل میں لکھا ہے کہ جناب ابوفضل العباس علیہ السلام نے تنہا پچیس ہزاد شمنانِ خدا اور رسولؐ اور منکرین اسلام کو تہ تیغ کیا تھا۔زخمی ہونے والے تو نا قابل شمار تھے۔اور امام علیہ السلام کے باقی عزیزؑ وں اور صحابہؓ نے مل کر پچیس ہزار دشمنوں کو قتل کیا تھا۔پھر امام حسین علیہ السلام نے اپنے مختلف حملوں میں تین لاکھ تیس ہزار فوجیوں کو واصل جہنم کیا تھا۔اور ابن زیاد کی طرف سے آنے والی تمام افواج کی کل تعداد چار لاکھ ساٹھ ہزار تھی۔جس میں سے جنگ ختم ہونے کے بعد صرف اَسّی ہزار فوجی زندہ بچے تھے۔اور تمام لکھنے والوں نے اِسی کتاب سے یہ بھی لکھا ہے کہ جب یزید کے دربار میں کسی بدنہاد ونا ہنجار شخص نے یہ غپ ماری کہ جناب امام حسینؑ اپنے چند عزیزوںؑ اور صحابہؓ کے ساتھ میدان میں نکلے تو ہم نے انہیں چاروں طرف سے اس طرح گھیر کر حملہ کیا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کی آڑ میں چھپتے پھرتے تھے۔ ذرا بھی دیر نہ لگی کہ ہم نے اُن سب کو ڈھیر کرکے رکھ دیا۔ یہ سُن کر جناب صدیقہ ثانی حضرت زینب علیہا السلام نے ڈانٹ کر فرمایا کہ او کذاب تجھ پر رونے والیوں کا ہجوم رہے۔ارے جھوٹے میرے بھائی کی تلوار نے کوفہ کا کوئی گھر ایسا نہیں چھوڑا جس میں رونے والے مرد وعورتیں نہ ہوں۔جس گھر سے نوحہ وفریاد کی مردانہ وزنانہ آوازیں بلند نہ رہیں۔اس آخری بات کو تمام مؤرخین نے بڑے اطمینان سے مانا اور لکھا ہے اور مندرجہ بالا حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے حضرت زینب علیہا السلام کا یہی ایک بیان کافی ہے۔''(اکسیرالعبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 331)

(7)۔ عقل پرست منکرین کے لئے چند عقلی اور جہالت کشا نصیحتیں

مسلمان تو جہاں معجزات وکرامات کے ماننے والے ہیں وہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ذوالفقار اللہ کی عطا کردہ تلوار تھی۔ وہ مومنین یہ بھی مانتے ہیں کہ ذوالفقار صرف اُس شخص کو قتل کرتی تھی جس کی نسل میں کوئی مومن پیدا ہی نہ ہونا تھا۔وہ 1965ء تک یہ مانتے آئے تھے کہ دشمن کی فوج کی قتل وغارت کرنے والے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو صرف دشمنوں کو نظر آتے تھے۔اور اس جنگ میں دشمن کی فوج بظاہر بلاوجہ بھاگتی اور پیچھے ہٹتی چلی گئی تھی۔وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ملائکہ بھی مومنین کی مدد کے لئے دشمن کو شکست دینے میں شامل رہے

ہیں (آل عمران 125-3/124)۔ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ایک عام مومن جو صابر ہو وہ دس کافروں پر غالب آ جاتا ہے۔ یعنی دس مومن صبر کی استعانت سے سو(100) پر اور سو صابر مومن ایک ہزار پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں (انفال 8/65)۔ یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ اللہ نے مسلمانوں کو طاقت وقوت اور اعانت حاصل کرنے کا ذریعہ دو چیزوں کو بتایا ہے اور اُن میں سے ایک صبر ہے اور دوسری صلوٰۃ ہے (سورہ بقر 2/45)۔ اور قوت وطاقت اور اعانت کے اس ذریعہ کو اسی سورہ میں اللہ نے دوبارہ سامنے رکھا ہے (سورہ بقر 2/153)۔ پھر اس جگہ یہ فیصلہ بھی کر دیا گیا ہے کہ صابرین کو اللہ کی معیت ہر لحہ حاصل رہتی ہے۔ یہ سبب ہوا کسی بھی صابر مومن کا دس دشمنانِ خدا پر غالب آ جانے کا۔ یہاں یہ غلط فہمی نہ ہونے پائے کہ ایک صابر مومن دس کافروں کے برابر ہوتا ہے۔ نہیں وہ دس پر غالب آ جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنی قوت نہیں کھو بیٹھتا بلکہ صبر اور قوی ہو جاتا ہے، یقین اور بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد وہ سو پر غالب آ سکتا ہے۔ **علیٰ هذا القانون** وہ صابر اُدھر صبر میں ترقی کرتا ہے اِدھر ساتھ کے ساتھ اللہ کی معیت توجہ اور نصرت بھی آگے بڑھتی چلی آتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ایک عام مومن کو لامحدود قوت وغلبہ عطا کر سکتا ہے شرط وہی ہے کہ صبر وصلوٰۃ سے مدد طلبی میں ترقی جاری رہے۔ یہاں رُک کر اس پر نظر ڈال لیں کہ کیا کوئی ایسا انسان دنیا میں گزرا ہے جو صبر اور صلوٰۃ کے معاملہ میں امام حسین علیہ السلام سے بڑھا ہوا مانا جا سکے؟ کیا تمام انبیا و رُسل علیہم السلام حسینؑ کے زیر بارِ احسان وقربانی نہیں ہیں؟ اگر یہ صحیح ہے تو اُن کو کس قدر قوت وطاقت وغلبہ ملنا چاہئے؟ اور اُنہیں اللہ کی معیت کس قدر حاصل ہونا چاہئے؟ کیا یہ کہنا مبالغہ یا غلط ہوگا کہ کربلا میں حسینؑ سے نہیں اللہ سے جنگ تھی۔ حسینؑ نہیں بلکہ اللہ اپنے دشمنوں سے لڑ رہا تھا؟ اور اللہ نے میدان کربلا میں تین لاکھ تیس ہزار دشمنوں کو تہہ تیغ کیا تھا؟ کیا اب بھی اللہ پر، رسولؐ پر، قرآن پر وحی اور معجزہ پر ایمان رکھنے والا کوئی مومن تعجب کرے گا یا انکار کرے گا؟ اور کرے گا؟ تو کیا وہ اس انکار کے بعد بھی مومن رہے گا؟

پھر یہ سنئے کہ بعض مومن اپنی ترقی کے پہلے ہی قدم پر ایک دو یا دس بیس نہیں بلکہ پوری اُمت کے برابر ہوتے ہیں (نحل 16/120) اور اب اُن کی ترقی کو اگر عام مومن کی طرح ہی مان لیں تو اُن کو اگلے قدم پر دس امتوں پر بھاری ماننا لازم ہوگا۔ رُک جائیں اور سنیں کہ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ہے۔ اور آیات واحادیث کے سمندر میں غوطہ لگانے سے آسان یہ ہوگا کہ آپ اقبال کا ایک شعر یاد کریں:۔ ہوئی پہلوئے آمنہؑ سے ہویدا دعائے خلیلؑ و نوید مسیحاؑ

اب سوچیں کہ حسینؑ وہی ہستی ہے نا؟ جس کو اللہ نے ذبح عظیم فرمایا (سورہ صافات 108-37/100) اور جن کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کی بلا ٹل گئی اور حضرت اسماعیلؑ کی جان بچ گئی اور اُن کی نسل چلی اور جن کی وجہ سے دعائے خلیلؑ اور نوید مسیحاؑ وجود میں آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ظاہری وجودؐ مل سکا؟ کیا رسولؐ اللہ کا یہ فرمانا کہ **میں حسینؑ سے ہوں اور حسینؑ مجھ سے ہے**۔ (**حُسَیْن مِنّی وَ اَنَا مِنَ الحسینؑ**) ساری امت نے نہیں مانا اور کیا اس کے گھٹیا سے گھٹیا اور مادی معنی یہ نہ ہوئے کہ اگر اسماعیلؑ ذبح ہو جاتے تو میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا اور جب میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا تو فاطمہؑ و علیؑ وحسنؑ اور حسینؑ کیسے پیدا ہو جاتے؟ یعنی وہ حسینؑ ہی تو ہیں جن کی قربانی نے ایک پوری امت یعنی حضرت ابراہیمؑ کی نسل کو وجود عطا کرنے میں مدد دی۔ جن کے اجر وثواب میں یہ ریگستان کے ذروں کے برابر نسل (توریت) پیدا ہوئی۔ کیا تم حسینؑ کو ایک امت کے برابر بھی ماننے کو تیار نہیں؟ پھر اگر ایک پوری اُمت نے ایک امت کے تین لاکھ تیس ہزار منکرین

کو قتل کردیا تو تمہیں کونسی ذہنیت انکار و تعجب پر مجبور کرتی ہے؟ سر پر لاحول پڑھ کر ہاتھ پھراؤ ایسا نہ ہو کہ کھوپڑی پر شیطان بیٹھا ہو؟ سنو اگر حکم خداوندی نہ مل گیا ہوتا تو امام حسین علیہ السلام تو ایک لامحدود ہستی تھے۔ دنیا کے تمام منکر انسانوں کو تہہ تیغ کرنے کے لئے تو اُن کے بچوں میں سے ہر ایک کافی تھا۔لہٰذا مسلمان رہنا ہے اور عاقبت بخیر رہنا ہے تو ہرگز انکار کی روش اختیار نہ کرنا۔

غیر مسلم جانتے ہیں کہ اگر گھوڑے کی ناک پر ایک مُکّا مار دیا جائے تو گھوڑا پہلے الف ہوگا اور پھر پیچھے گرے گا اور دوسرا گھوڑا اس گھوڑے کی طاقت سے گرے گا اور یہ سلسلہ تمام مل کر کھڑے ہونے والے سواروں اور گھوڑوں میں ایک قیامت برپا کردے گا۔لوگ گھوڑوں کے پیروں سے کچل کر رہ جائیں گے۔ کیا تم نے کبھی اینٹوں کی ریل چلتے ہوئے بھی نہیں دیکھی؟ کیا تمہیں جمود (Inertia) اور حرکت (Momentum) اور ضخامت (Mass) اور کشش ثقل (Gravitational Force) وغیرہ سے بھی واقفیت نہیں؟ غیر مسلم یالا مذہب تو عموماً سائنس کی دنیا سے واقف ہوا کرتے تھے؟ کیا تم بھی اہل مذاہب کی طرح اندھی تقلید میں مبتلا ہو؟ ذرا آزما کر دیکھو اور دس اینٹیں پاس پاس لمبائی کے رخ پر کھڑی کردو اور آگے والی ایک اینٹ کو کسی بچہ کے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی سے دھکا دلوا دو۔ پہلی اینٹ جھک کر دوسری پر گرے گی اور دوسری تیزی سے تیسری کو گرائے گی۔ اگر پچاس میل تک اینٹیں اسی ترتیب سے کھڑی ہوں اور ایسی پانچ سو لائنیں لگی ہوں تو ایک بچہ چند منٹ میں ہر لائن کی پہلی اینٹ کو گرادے گا اور اُس کا اتنا زور بھی خرچ نہ ہوگا جتنا پانچ سیر وزن کو سَر تک بلند کرنے میں ہوتا ہے۔اس کے بعد گرنے اور گرانے کا یہ خودکار سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک آخری اینٹ نہ گر جائے اور وہ قوت جو بچہ نے پہلی اینٹ کو سپرد کی تھی زمین میں محفوظ نہ ہو جائے۔

جب ایک ایسی فوج جو سواروں اور پیدل فوجیوں پر مشتمل ہو ہزیمت کھا کر بھاگتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟ یہ بات وہی لوگ سمجھیں گے جو پرانے زمانہ کی افواج سے واقف ہوں۔ جب دست بدست یا جنگ مغلوبہ ہوتی ہے اور کوئی کسی کو شناخت کرنے کا وقت نہیں پاتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ تلوار پیچھے آگے اور داھنے بائیں کسی طرف سے بھی پڑسکتی ہے تو کیا قیامت برپا ہوتی مولانا لوگ کیا جانیں؟ مگر تمہیں تو معلوم ہونا چاہئے۔ جب گھوڑا موڑنے کی جگہ نہ ہو، جب داہنے بائیں بھاگنے کی راہ نہ ہو اور جان بچانا ضروری ہو اُس وقت عمدہ گھوڑا اور عمدہ سوار اپنے آگے والے سوار یا پیدل پر سے گزرنا چاہے گا۔اور ہوگا کیا؟ دونوں مریں گے۔ دوسروں کی راہ رکے گی وہ بھی گریں اور مریں گے۔ ڈھول اُڑنے سے کون روکے گا۔ آنکھوں میں خوف اور موت کی تاریکی سے کون سا سرمہ بچائے گا؟ سنو یزید اُسی قوم کا لاڈلا بیٹا تھا جس قوم کی رسولؐ اللہ نے اللہ سے شکایت کی تھی (فرقان 25/30)۔ یزید اُسی قومی حکومت کا جانشین اور خلیفہ تھا جو رسولؐ اللہ اور تمام انبیاؑ اور پوری نوع انسان کی دشمن تھی (فرقان 25/31)۔اور بقول علما جو خاندان نبوت میں حکومت اور خلافت کا جمع ہونا پسند نہ کرتی تھی (الفاروق حصہ اوّل صفحہ 103)۔ یزید اُسی ماں، اُسی باپ اور دادا کا بیٹا تھا جن کے سرپرست اور چشم وقلب ذوالفقار سے قتل ہوئے تھے۔جن کی روح اور بدن پر حسینؑ کے باپؑ کی تلواروں کے زخم آج بھی تازہ تھے۔ یزید کو حکومت سونپنے والے؛ یزید کی تائید کرنیوالے وہی لوگ تھے جو علیؑ کے اور مسلمان بہادروں کے سامنے سے ہمیشہ بھاگتے رہے تھے۔علیؑ کو دیکھ کر جن کی روح پرواز کرنے کو تیار ہو جاتی تھی۔ جنکے دلوں میں آگ، انتقام کی آگ سلگتی رہتی تھی۔ یہ فوج جو حسینؑ کے روبرو تھی جانتی تھی کہ حسینؑ کون ہے؟ عبّاس

کون ہے؟اور یہ کہ حسینؑ کی خیمہ گاہ میں نہ صرف محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ اورحسنؑ موجود ہیں، نہ صرف تمام انبیاؑ اور ملائکہ موجود ہیں۔ بلکہ خوداللہ قادر مطلق، جبار وقہار اپنی پوری قوتوں اور قدرتوں کے ساتھ موجود ہے۔ارے دوستو! جب حسینؑ کسی صحابی کی مدد کو رکاب میں پیر رکھتے تھے تو یہ بزدلوں، کمینوں، نطفہ ناتحقیقوں کی فوج پہلے سے جان بچانے اور بھاگنے کو تیار ہوجاتی تھی اور جب ذوالجناح قہرخداوندی کی طرح ٹوٹ کر جھپٹتا تھا تو اسکے سموں سے نہ معلوم کتنے سواروں کے جسم سر بریدہ رہ جاتے تھے۔ وہ فوج کے اس سمندر کے سروں پر سے گزرتا تھااور آن کی آن میں کفر کا یہ بادل پھٹ جاتا تھا۔سرکارؑ گھوڑے سے اُترتے تھے،مقتول سے باتیں کرتے تھےاور آخرکار گھوڑے پر یاپیدل لے کرآتے تھے۔ یہ ہرصحابی اور ہرناصر کیلئے تشریف لے جانا مشہور ومعروف ومعلوم ومقبول ومسلّمات میں سے ہے۔سوال یہ ہے کہ اگرفوج میدان سے میلوں نہ بھاگ جائے یاخودکوخطرہ میں، مستقل اوراچانک آ پڑنے والے خطرہ میں محسوس نہ کرے توحسین علیہ السلام ایک دفعہ بھی فوج کے بیچ میں جا کر واپس نہ آسکتے تھے۔ یہ میدان کارزار جس کیلئے جو کچھ بھی ہوہوا کرے؟حسین علیہ السلام کی طاقت آزمائی کا میدان نہ تھا۔انہوں نے یہاں اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ورنہ یہ پانچ لاکھ نہیں پچاس کروڑ بھی ایک انگلی کے اشارہ سے مٹی کا ڈھیر بن جاتے۔انہوں نے عہد تو یہی کیا تھا کہ وہ اپنی خداداد طاقت کو استعمال نہ کریں گے۔اورصرف ایسے اقوال واعمال پیش کریں گےجن سے تمام انبیاؑ ورسلؑ اورشرافت کا سر بلند ہوجائے۔جن سے ابلیس اوراُس کا گروہ ہمیشہ کیلئے سرندامت جھکالے۔جن سے نوع انسان کیلئے دینی ودنیاوی نجات کے راستے چوپٹ کھل جائیں۔صرف اپنی پیدائش سے روز عاشورتک کئی سومرتبہ منانے،سمجھانے اوررونے اوررلانے کے باوجود اپنے اُس ارادہ پر برقرار رہے جو روزازل کیا تھا۔اللہ نے موقعہ پر موقعہ دیا، نبیؐ سے کہلوایا، جبرئیلؑ نے عرض کیا،لیکن آپ نے نوع انسان کی باعزت نجات اورسربلندی کی راہ سے ہٹنا پسند نہ کیا۔ورنہ اللہ تو وہی اللہ تھا جولوح محفوظ پرلکھی ہوئی جس چیزیا پالیسی کوچاہے مٹاسکتاہےاوراس کی جگہ جوچاہےلکھ سکتاہے(سورہ رعد 13/39)۔

بہرحال حسینؑ نےمحض وہ مادی اورجسمانی قوت بھی پوری استعمال نہ کی جومعجزاتی قوت وقدرت کےعلاوہ تھی۔دشمن کی فوج کا ہرحملہ پرکوفہ کی دیواروں سےٹکرانامشہورومعلوم ہے۔یہ پچاس سےسومیل تک کا فاصلہ سامنے والی فوج طے نہ کرتی تھی۔ بلکہ فوج کا ایک پَرا دوسرے پراوردوسرا پَرا تیسرے پراینٹوں کی ریل بن کر گرتا تھا۔حسینیؑ مجاہدفوج کے آخری حصہ تک نہ جاتا تھا نہ ضرورت تھی۔یہ اسلامی لباس میں قرآن گلے میں ڈالے ہوئے کفر کی کالی بھیڑیں تھیں۔اسدؐاللہ کی اولاد کی صورت اُن کے آباواجداداوراولاد کے لئے پیغام موت تھی۔ یہ فطری اورتاریخی صورت حال تھی۔ یزید نے اسی صورت حال کو یاددلایا تھا۔جب اپنے ہم مذہب آباواجداد کو بدرواحد وخندق واحزاب وجمل وصفین کےمقتولوں کو یاد کیا تھا۔علیؑ سےٹکرانے کے بعد یہ طے ہوگیا تھا کہ خلیفہ یا سپہ سالارمیدان میں نکل کرکبھی نہ لڑے گا ورنہ تاریخ بدل گئی ہوتی۔سوبار بلانے پربھی یہ بزدل اورکمینہ لوگ مقابلہ پرنہ آتے تھے۔سرکاری اورمذکورہ قوم کی خانہ ساز روایات کوشیطان کے یاابلیس کے چیلوں کے حوالے کر کے یہ سنیں کہ جب تک اُن ملاعین کو یہ یقین نہ ہوگیا کہ حسین علیہ السلام ایفائے عہد کرچکے یہ لاکھوں بھیڑوں کی فوج خیام حسینیؑ سے برابراتنی دوررہی جتنی دور تیرنہیں جاسکتا تھا۔تاکہ حسینیؑ لشکر سے نکلنے والے مجاہد کو شناخت کیاجاسکے۔اورضرورت پڑنے پربلاخطرہ مول لئے بھاگنے کی راہیں کھلی رہیں۔لیکن اُدھرسے آنے والا ہربہادرکچھ اس طرح

بڑھتا تھا اور گھوڑے کو کاوا دیتا تھا کہ لشکرِ عمر سعد کے دماغوں پر چھا جاتا تھا، ہر شخص کو اپنے سامنے نظر آتا تھا۔ مرتا کوئی تھا گرتا کوئی اور تھا کاش منکرین اُدھر کی فوج میں ہوتے تو ہمیں سمجھانے کی ضرورت نہ پڑتی۔ بلکہ وہ ہمیں سمجھاتے جیسا کہ زیادہ تر چشم دید حال اُسی طرف کے لوگوں نے بیان کیا ہے۔ تم نے پڑھا ہے کہ حرؑ صرف دعا مل جانے کے بعد جب میدان میں تشریف لائے تو میمنہ میسرہ پر اور میسرہ میمنہ پر گرتا جاتا تھا۔ یعنی داہنا بازو فوج کا بائیں بازو کی جگہ پناہ لینے کے لئے بھاگتا تھا۔ تو بائیں طرف والی فوج الٹ کر داہنے پر گرتی تھی اور یوں خود اپنی تلواروں اپنے گھوڑوں اور اپنے نیزوں سے جہنم واصل ہونے کے لئے تانتا باندھ لیتی تھی۔ حسین وعباس وعلی اکبر وقاسم علیہم السلام اور دیگر اولادِ علیؑ تو ایک امنڈا ہوا قہرِ خداوندی تھے۔ اُن کو چھوڑو تم ضعیف اور بڈھے صحابہ کی جنگ اور تابڑ توڑ حملوں ہی کو دیکھ لو۔ ارے جن مسلمانوں کی بیس ہزار فوج کو چالیس خارجی مار کر ڈھیر کر دیں اور میدان سے فرار پر مجبور کر دیں۔ اُس فوج کا اللہ کے شیرؑوں اور ذوالفقار و ذوالجناح کے سامنے مچھروں، مکھیوں اور کیڑوں سے زیادہ تصور ایک یزیدی تصور ہے۔ اگر تم ایک منٹ میں کروڑوں مچھر مار سکتے ہو تو تین لاکھ تیس ہزار پر تعجب کیوں ہے؟ اور ایک بات یہ بھی ذہن میں رکھ لو کہ عاشور کی رات تو ویسی ہی اور وہی رات تھی جو جیٹھ کے مہینے کی چند گھنٹوں کی رات ہوتی ہے۔ لیکن عاشور کا دن جیٹھ کے دن کے برابر کا نہ تھا۔ یہ دن بہتر (72) گھنٹے کا دن تھا۔ تم پھر حیران ہو جاؤ گے اور تمہارا کفر پھر تمہیں سائنس کی دنیا سے جلاوطن کر دے گا۔ پھر تمہارا بغض تمہاری عقل کو اندھا، بہرا اور گونگا کر دے گا۔ ارے او جان بوجھ کر حقائق کا انکار کرنے والو۔ وہ تم ہی تو ہو جو چودہ دن کی رات اور چودہ دن کا ایک دن مانتے ہو؟ وہ تم ہی تو ہو جو اب ایمان لا چکے کہ اس دنیا میں۔ ہاں ہاں اسی خطہ ارض پر چھ ماہ کا یعنی چار ہزار تین سو بیس گھنٹے کا دن اور اتنی ہی لمبی رات ہوتی ہے۔ تم کہو گے کہ ہم اس لئے مانتے ہیں کہ ہم زمین کی ساخت، گردش اور سورج اور زمین کے محور (Orbit) اور رفتار کو جانتے ہیں۔ سُنو تم جاننے والوں اور ماننے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ اور نہ جاننے والوں اور نہ ماننے والوں کی تعداد کتنی ہے؟ یعنی تمہیں دل کی گہرائی اور پورے اطمینان کے ساتھ پاگل کہنے والوں کی تعداد تم سے کئی کروڑ زیادہ نہیں ہے؟ اور اگر وہ تمہارے اتنی تعلیم و تجربہ حاصل کرنے سے پہلے تمہاری بات کو بکواس اور تمہیں سب کو مل کر دیوانہ کہتے رہیں؟ تو کیا تم ان حقائق کو ماننا چھوڑ دو گے؟ اس لئے ہم نے تمہیں عقل کے اندھے کہا کہ تم ہمارے ساتھ وہی سلوک کرتے ہو جو جہلا تمہارے ساتھ کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ اپنی جہالت کی بنا پر مجرم نہیں لیکن آئن سٹائن کے دور یا ایٹمی دور کے علمائے عقلیات ہونے کی بنا پر تم مجرم اور گردن زدنی ہو۔ سُنو تم ہماری دینی تعلیم حاصل کرو۔ وہ دینی تعلیم نہیں جو یزیدی مذہب کے راہنماؤں نے اسلامی تعلیم کے نام سے پھیلائی ہے۔ بلکہ وہ تعلیم حاصل کرو جو محمد وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم نے دی تھی۔ جسے پھیلنے سے روکنے کے لئے کربلا میں اُس خاندان کا قتل عام کیا گیا۔ وہ تعلیم حاصل کرو تا کہ تمہاری سمجھ میں آئے کہ ایک لکڑی کیسے اژدہا بن سکتی ہے؟ دو تین فرلانگ لمبا چوڑا اور دو تین منزل اونچا انگاروں سے دھکتا ہوا ڈھیر کیسے ایک، صرف ایک انسان کے لئے سلامتی کا سامان بن جاتا ہے؟ اور کوئی اور ہاتھ ڈالے تو جل کر خاک سیاہ کر دیتا ہے۔ تم عقل کے دروازے بند کر کے چاہتے ہو کہ عقل ترقی کرے؟ تم غار سے غار میں جا کر چاہتے ہو کہ وہاں سورج چمکے؟ ارے بھائیو تعلیم حاصل کرو یا نہ کرو، مانو یا نہ مانو، اگر اربوں انسان یہ نہیں جانتے کہ چھ ماہ کا دن بھی ہوتا ہے یا یہ نہیں مانتے کہ بہتر گھنٹے کا دن ہو سکتا ہے؟ تو اُن کے نہ جاننے اور ماننے سے حقیقت تو نہیں بدلتی۔ البتہ اُن کی جہالت

وحماقت کا علم ضرور ہوتا ہے۔سنو! جس ہستیؑ کی بات ہورہی ہے وہاں چاندوسورج اورستارے اورزمین وآسمان سب سجدہ ریز ہوتے ہیں۔سب اُن کے مسخر اور فرمانبردار ہیں (ابراہیمؑ 33-14/32)۔اُن کیلئے سورج کا واپس پلٹنا یا پلٹانا یا ایک جگہ ٹھہرانا اور پورے نظام شمسی کا اطاعت کرنا مومنین کے لئے قابل تعجب یا ناممکن نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مومنین خود علم کا دامن چھوڑ کر دین کی تحقیق پنڈتوں اور پروھتوں اور احبار ورھبان وخطائے اجتہادی کے قائلین کو سپرد کر چکے ہوں۔قرآن کریم کہتا ہے کہ:۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَلَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ.....الخ ۔ وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْہُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَتفَکَّرُوْنَ ٥ (سورہ الجاثیہ 13-45/12 و سورہ لقمٰن 31/20 وغیرہ)

یہ کائنات اوراس کائنات کی تمام موجودات،سورج وچاندوستارے،ملائکہ اور جنّات،ہوائیں اور حادثات،نباتات وجمادات وحیوانات تمام تمہارے قبضہ اقتدار وتسلط میں دے دی ہیں۔ذرا اس معاملہ میں تفکر وتعقل سے کام لو کہ اُمت میں وہ کون لوگ تھے؟ جن کے لئے امت نے یہ تسلیم کیا کہ یہ قرآن کا بیان اُن پر صادق آتا ہے؟ کیا قومی حکومت وخلافت کا کوئی حاکم اُن میں شمار ہے؟ اور ہے تو اس کا نام بتاؤ یا معلوم کرو۔المختصر جانشینانِ رسولؐ تو بہت سے گزرے اور بہت سے آج بھی امامؑ زمانہ اور رسولؐ کے جانشین بنے بیٹھے ہیں اور حسب سابق اُمت کو لوٹنے،تباہ کرنے اور فتوے دے دے کر جہنمی بنانے میں مصروف ہیں۔مگر کیا انہیں رسولؐ یا امامؑ سے کائنات پر اقتدار وتسلط میں سے بھی کچھ ورثہ یا حصہ میں ملا ہے؟ ارے دوستو! جسے یہ گروہ تعلیمات خداوندی کہتا ہے وہ اُن کی خودساختہ ابلیسی تعلیم ہے۔وہ اصول وقواعد دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ نے تیار کئے تھے۔جنہیں آج اسلام کے نام پر پیش کیا جارہا ہے۔یہی سبب ہے کہ آج اُن لوگوں نے امت کو غیر مسلموں سے علم ودولت واستعانت کی بھیک مانگنے پر مجبور کر کے رکھ دیا ہے۔

(8)۔ کربلا میں ساتویں محرم کی صبح سے خیام حسینیؑ میں پانی نہیں پہنچا

یہ گفتگو ہوچکی ہے کہ دو(2) محرم سے نو(9) محرم تک واقعات کربلا کا اختتام پذیر ہونا ممکن نہیں ہے۔اس لئے کہ دو،تین اور چار محرم کو کربلا سے روانہ ہونے والے خطوط کا جواب ابن زیاد کی طرف سے پہنچنے کے لئے کم ازکم چھ روز درکار ہیں۔اور یہ سب کچھ نو(9) محرم تک ہوچکنا چاہیئے۔تاکہ ابن زیاد کا آخری خط ملنے کے بعد نویں محرم کو اعلان جنگ ہو۔یعنی عمر بن سعد کا پہلا تیر اور اس کی تائید میں ہزاروں تیر عملاً اعلان جنگ کریں۔امامؑ کی طرف سے پھر اتمام حجت کیا جائے اور آنے والی رات یعنی شب عاشور کی مہلت لی جاسکے۔پھر یہ بھی مدنظر رکھنا ہوگا کہ جناب امام علیہ السلام نے اپنے اور اپنے اعزہ وانصار کے لئے قبرستان کی زمین بھی خریدی تھی۔اس لئے بھی لازم ہے کہ کربلا میں امامؑ کی آمد ماہ ذی الحجہ کے اواخر میں اور ماہِ محرم سے کئی روز پہلے ہونا چاہیئے۔ہم یہاں ایک اور خط کا تذکرہ کرتے ہیں جو عمر سعد کی شکایت کے طور پر خولی بن یزید الاصبحی نے لکھا تھا۔اور یہ ملعون اُن دس سرداران افواج میں سے ایک تھا جنہیں ابن زیاد نے خود پرچم اور افواج دیکر کربلا بھیجا تھا۔اور اُس کے جواب میں عمر سعد کو جنگ کا حکم آیا تھا۔وہ خط ملاحظہ فرمائیں:۔

قال ابومخنف ثم اِنّ عمربن سعد عبرالفرات وکان یخرج کُلّ لیلۃ ویبسط بساطًا ویدعوا بالحسین علیہ السلام ویتحدثان جمیعًا حتّٰی یمضی من اللیل شطرہُ وکان خولی مِن اقصی الناس قلبًا علی الحسینؑ فلما نظر الٰی ذلک کتب کتابًا الٰی ابن زیاد

یقول فیہ امابعد یاایّھاالامیر انّ عمر بن سعد یخرج کُلّ لیلة ویبسط بساطًا ویدعوا بالحسینؑ ویتحدثان حتٰی یمضی من الَّیل شطرہ قد ادرکنہ علیہ الرحمة فامرہ ان ینزل علٰی حُکمک اَوْاَنْ یسلّم الامر الی حتّٰی اکفیک امرہ ۔ فَلَمَّا قرأ ابن زیاد کتابہ کتب الٰی عمر بن سعد امّابعد یابن سعد فقد بلغنی انّک تخرج کلّ لیلة وتبسط بساطًا وتدعوا بالحسین وتتحدثان عامّة من الَّیل فامرہ اَن ینزل حکمی فان فعل فھو الفرض وِاِن ابٰی فامنعہ من شرب الماء الفرات فقد حرّمتہ علیہ وحللتُہ علی الکلاب والخنازیر فلما قرأابن سعد دعی بحجربن الحرّ وعقدلہ رایة علی الفین فارس و امرہ ان ینزل علٰی شرعة الماء ویمنع الحسیؑن واصحابہ مِن شرب الماء ودعی شبث بن ربعی وعقدلہ رایة علٰی اربعة الاف فارس وامرہ ان ینزل علی الشرعة ویضیق عَلَی الحسینؑ واصحابہ۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔۔صفحہ 239)

''علامہ ابومخنف نے کہا ہے کہ یقیناً عمرابن سعد نے جب دریائے فرات کوعبور (پار) کرلیاتو اُس نے یہ معمول بنالیا کہ روزمرہ رات کو مسند وغیرہ کا انتظام کراتااورامام حسین علیہ السلام کوبُلا کر کافی رات گئے تک باتیں کرتا تھا۔خولی جوکہ حسینؑ کے لئے سب سے زیادہ بے رحم تھا۔اُس نے یہ حالات دیکھے تو ابن زیاد کوخط بھیجااور بتایا کہ عمر بن سعد روزانہ راتوں کوحسینؑ کے لئے مسند وفرش وفروش بچھواتا ہے اورکافی کافی رات گزرنے تک اُن سے کچھ باتیں کرتا رہتا ہے۔اورمیں سمجھ چکاہوں کہ وہ حسینؑ کے ساتھ نہایت رحمدلانہ سلوک کرنا چاہتاہے۔لہٰذا اُسے حکم دیں کہ یاتو آپ کے حکم کی تعمیل کرے یاافواج کا چارج میرے حوالے کردے تاکہ میں اُس حکم کی تعمیل کروں۔ جب ابن زیاد نے یہ خط پڑھاتو عمرسعد کوخط بھیجااورلکھا کہ مجھے یہ صورت حال معلوم ہوچکی ہے کہ توروزانہ رات رات بھرحسینؑ کو بلاکر اپنے ساتھ مسند پر بٹھاتا ہے۔دونوں خوب باتیں کرتے ہو۔لہٰذاحسینؑ کوحکم دے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کریں جوکہ ایک فریضہ ہے۔ اگرمان لیں توٹھیک لیکن اگرسرکشی کریں تودریائے فرات کا پانی اُن پر بند کردو۔اس لئے کہ میں اُن پروہ پانی حرام کررہاہوں اورکتوں اورسوئروں کے لئے حلال رکھتاہوں۔جب عمرسعد نے یہ خط پڑھاتو حجر بن حُرکو بلاکردوہزارسواروں کانشانِ لشکردیااورحکم دیاکہ فرات کے کنارہ پرفوج لگادواورحسینؑ واصحاب حسینؑ پر پانی بندکردو۔اس کے بعد شبث بن ربعی کوچارہزارسواروں کی سرداری دے کراُسے بھی حکم دیا کہ جاؤفرات کوگھیرلواورحسینؑ اوراُن کے ساتھیوں کوپانی نہ لینے دو۔''(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 239)

(9)۔ پانی کب بند ہوا؟ ساتویں محرم کو؟ پھرحضرت عباسؑ کب پانی لائے؟

روایات کے سرکاری وغیرسرکاری ہنگامہ خیزفریب کے باوجود یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ امام حسین علیہ السلام اوراہل حرم اورصحابہ علیھم السلام صبح عاشورتین دن کے پیاسے تھے۔اوریہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ خیام حسینیؑ میں ایک دفعہ حضرت عباس علیہ السلام پانی لائے اورافواج سے جنگ کے بعد جبراً قوتِ بازو سے پانی لائے اور سقائے سکینہؑ کا لقب پایا۔اورایک دفعہ حضرت علی اکبر علیہ السلام اُسی طرح لڑکر پانی لائے تھے۔اورظاہرہے کہ پانی کی ممانعت اورافواج کی تعیناتی ابن زیاد کے حکم سے ہوئی تھی۔اورمذکورہ بالاخط عمرسعد کوساتویں محرم سے پہلے پہلے ملنا چاہیئے۔تاکہ ساتویں کوفوج دریائے فرات کوگھیرلے۔پھراگرکوفہ تک اُس زمانہ میں جانے اورآنے کے لئے چھ دن کا سفرمان لیاجائے توماننا پڑے گا کہ خولی نے یکم محرم کوشکایت کا خط لکھا جوتین محرم کی شام کوابن زیادتک پہنچااور چارمحرم کوابن زیاد نے خط لکھا جوچھ محرم کی شام کوعمرسعد نے پڑھااوررات میں افواج نے دریائے فرات کوگھیرے میں لے لیا۔یہاں یہ

بھی ماننا پڑے گا کہ عمر سعد اور امامؑ کی رات کی ملاقاتیں یکم محرم سے پہلے پہلے وقوع میں آ چکی تھیں۔ یعنی امامؑ کربلا میں یکم محرم کے قبل سے موجود تھے۔ اور یہی کہہ کر ہم چلے تھے۔ پھر اگر یہ مانا جائے کہ ابن زیاد کا ممانعتی خط چھ محرم کو آیا تھا اور ساتویں کو پانی بند ہوا تھا تو خیام حسینیؑ میں حضرت عباسؑ اور حضرت علیؑ اکبر کے پانی لانے کا یا تو انکار کرنا پڑے گا جو مسلّمات کا انکار ہوگا۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ امام حسینؑ اور اُن کے انصار و اہل حرم تین روز سے پیاسے نہیں رہے اور یہ ماننا بھی مسلّمات کے خلاف ہوگا۔ لہٰذا حقیقت اسی قدر ہے کہ امام حسین علیہ السلام محرم شروع ہونے سے قبل کربلا میں موجود تھے۔ اور لڑ کر پانی کا لانا ساتویں محرم سے پہلے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہاں یہ بھی یاد کریں کہ ہم نے عنوان نمبر 5 ''**کوفہ سے روانہ ہونے والی فوجوں کی ترتیب**'' میں ابن زیاد کا یہ حکم بھی لکھا ہے کہ:۔

فَقَالَ لَهٗ اَنتَ اَمْضِ وضيّق عليه المسالک وامنعه من شرب الماء و ايتني براسه قال سمعًا وطاعة ۔ثمَّ عقدله راية علٰى ستة آلاف فارس وامر بالمسير الى الحسينؑ۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 236)

''ابن زیاد نے عمر سعد کو کہا کہ تم روانہ ہو جاؤ اور اُن پر تمام راہیں بند کر دو اور اُن کے لئے پانی پینے کی ممانعت کر دو اور میرے پاس اُن کا سر لے کر حاضر ہو۔ عمر سعد نے کہا کہ میں نے سُنا، سمجھا اور میں اطاعت کرتا ہوں۔ پھر ابن زیاد نے اس کو چھ ہزار سواروں کا علم دیا اور حکم دیا کہ امام حسینؑ کی طرف تعمیل حکم کے لئے روانہ ہو جاؤ۔''

لہٰذا ہم مانتے ہیں کہ جس روز بھی عمر سعد مع لشکر کربلا میں پہنچا، اُسی روز سے امام حسین اور اہل حرم اور انصاران حسین علیہم السلام پر پانی بند کر دیا گیا تھا۔ اور اُس روز کے بعد پانی بزور شمشیر حاصل کیا جاتا رہا۔ لیکن جب چاروں طرف تِل رکھنے کو جگہ نہ رہی اور شامی افواج کربلا میں پہنچ گئیں تو قدرتی طور پر دریا تک پہنچنا ناممکن ہوگیا۔ یہ صورت حال چھٹی (6) محرم تک سامنے آ چکی تھی۔ اس کے بعد بھی پانی لانے کی کوششیں برابر جاری رہیں۔ لیکن ساتویں محرم سے دسویں محرم تک جان نثارانِ حسینؑ نے بچوں کے لئے پانی لانے کی کوشش میں جتنا خون نثار کیا اگر اُس کا آدھا پانی بھی خیام حسینیؑ میں پہنچ جاتا تو تاریخ کا رُخ بدل جاتا۔ بہرحال صرف ایک دفعہ ایک خالی مشک پہنچی جس میں پانی کی نمی تھی اور چاروں طرف بچوں کا ہجوم تھا۔

(10)۔ ساتویں محرم سے پہلے پہلے پانی لانے کی ایک مہم سقائے سکینہ کی سرکردگی میں

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ عمر سعد نے روز اوّل ہی سے پانی بند کر دیا تھا اور ناکام تجربوں اور ابن زیاد کی تاکید و تنبیہ کی بنا پر فرات کی نگرانی کیلئے برابر فوجیں بڑھاتا چلا آ رہا تھا۔ لہٰذا امامؑ کی طرف سے بھی ہر دفعہ فداکاروں کی تعداد میں اضافہ کر کے پانی منگایا جاتا تھا۔ اس سلسلہ کا وہ واقعہ سُنئے جس میں حضرت عباس علمدار علیہ السلام کو حضرت سکینہ علیہا السلام کا سقہ بننے کا موقعہ ملا تھا۔

قال محمد بن ابيطالب وقد ضيّق عمر بن سعد عليهم غاية التَضّيِيُق فلما اشتد العطش بالحسيؑن دعى باخيه العباس فضمّ اليه ثلثين فارسًا وعشرين راكبًا وبعث معه عشرين قربة ۔فاقبلوا فى جوف الليل حتى دَنوامن الفرات فقال عمر وبن الحجاج من انتم ؟ فقال رجل من اصحاب الحسيؑن يقال له هلال ابن نافع البجلى ابن عم لک جئت اشرب من هذا الماء ۔فقال عمرو اشرب هنيئًا ۔ فقال هلال ويحک كيف تامرنى اَن اشرب والحسيؑن بن علّى ومَن معه يموتون عطشًا؟ فقال عمروصدّقتَ

ولٰکن امرنا بامرلابّدٰانٗ ننتهی الیه ۔ فَصَاحَ هلال لاصحابه فدخلواالفرات فصاح عمروبن الحجاج بالنَّاسِ وَاقْتُلُوا قِتَالًاشدیدا فکان قوم یقاتلون وقوم یملا ؤن حتّی ملاء وهاولم یقتل من اصحاب الحسّین احدٌ ثم رجع القوم الی معسکر هم فشرب الحسیؑن ومن کان معه ۔ فلذا سَمّی العباسؑ سقاء ۔ ثُمَّ ارسل الحسین علیه السلام اِلٰی عمر بن سعد اَنّی اُرِیْدُ اَن اُکَلِّمُکَ فالقنی اللیل بین عسکری وعسکرک ۔فخرج ابن سعد فی عشرین وخرج الحسیؑن فی مثل ذلک ۔فلما التقیا امر الحسیؑن اصحابه اَن تنحّو عنه وبقی معه اخوه العباسؑ وابنه علیؑ وامرابن سعد بمثل ذلک وبقی معه ابنه حفض وغلام له ۔ فقال علیه السلام ویلک یابن سعد اما تتقی اللّٰه الذی الیه معادک ؟ اتقاتلنی وانا ابن مَنْ عَلِمْتَ ۔ذوهو لاء القوم وکن معی فانه اقرب لک الَی اللّٰه ۔فقال عمر بن سعد اخاف ان یهدم داری ۔ فقال علیه السلام اَبْنَیْهَا لک ۔فقال اخاف ان تؤخذ ضیعتی ۔ فقال الحسیؑن اَنَا اخلف علیک خیرا مِنها مِن مالی بالحجاز ۔ اقول وفی بعض الاخبار قال اِنّی اَخْلَفُ علیک البغیبغة وَهِیَ عین عظیمة بالحجاز وکان معاویة اَعْطَاهُ فی ثمنها الف الف دینارمن الذهب فلم یبعه ۔ (صفحہ 240-239)

’’حضرت علامہ محمد بن ابی طالب نے لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے جب پانی حاصل کرنے میں بہت تنگی پیدا کردی اور امامؑ کے سامنے پیاس کی شدت حد کو پہنچ گئی تو حضورؑ نے اپنے بھائی عباسؑ کو بلایا اور اُن کے ساتھ تیس جنگجو گھوڑے سوار اور بیس اونٹ سوار جو پانی لاد کر لائیں گے اور بیس (20) پانی بردار چمڑے کے بڑے ٹینک (Tanks) بھیجے اور پانی لانے کا حکم دیا ۔ یہ حضرات رات کو دریا کنارے پہنچے جب ڈھلوان پر اُترنے لگے تو سردار فوج جو ڈیوٹی پر تھا اور جس کا نام عمرو بن الحجاج تھا پکارا تم کون ہو ۔ ادھر سے جواب دیا گیا کہ حسینؑ کے صحابہ میں سے وہ شخص بول رہا ہے جسے ہلال ابن نافع بجلی کہتے ہیں اور تمہارا قومی چچازاد بھائی ہے ۔ چاہتا ہوں کہ اس بہتے ہوئے پانی میں سے کچھ پانی پی لوں ۔ اُس نے خوش ہو کر کہا نوش جان کرو ضرور پیؤ ۔ ہلال نے کہا کہ یہ تو تمہاری بہت بری بات ہے کہ مجھے تو پانی پینے کی اجازت دیتے ہو حالانکہ حسینؑ بن علیؑ مع اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں اور مستورات اور صحابہ کے پیاس کی شدت سے قریب المرگ ہیں ۔ عمرو بن الحجاج نے کہا تم نے صحیح کہا مگر ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ اُن پر پانی بند رکھیں ۔ یہ سُن کر ہلال ابن نافع نے حسینیؑ بہادروں کو پکارا کہ فوراً پانی بھر لیں ۔ اُدھر عمرو بن حجاج نے فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا ۔ حسینیؑ بہادروں نے دفاعی جنگ شروع کی، پانی بھرنے والی پارٹی فرات میں داخل ہوگئی ۔ اُدھر پانی بھرا جارہا تھا ادھر گھمسان کی جنگ جاری تھی ۔ جب پانی بھر لیا گیا ۔ تو حسینیؑ جوان پانی لے کر روانہ ہوئے ۔ اُن میں کوئی ایک شخص بھی قتل نہیں ہوا حالانکہ دشمن کے مقتولوں کا ڈھیر ہوگیا ۔ حضرت عباس علیہ السلام نے اہل حرم اور صحابہ میں پانی تقسیم کیا ۔ امام علیہ السلام نے سب کے ساتھ پانی پیا اور حضرت علمدار علیہ السلام کو سقّائے سکینہ کا لقب دیا ۔

پانی سے سیراب ہو چکنے کے بعد امام حسین علیہ السلام نے عمر ابن سعد کو پیغام بھیجا کہ میں تم سے گفتگو کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں ۔ چنانچہ آج رات دونوں افواج کے درمیان آ کر مجھ سے ملاقات کرے ۔ چنانچہ عمر سعد بیس سپاہیوں کے ساتھ مقررہ مقام پر آیا تو امام علیہ السلام بھی بیس بہادروں کی ہمراہی میں پہنچے ۔ جب دونوں آمنے سامنے آ گئے تو امامؑ نے اپنے صحابہ کو علیحدہ ٹھہرنے کا حکم دیا اور حضرات عباس و علی اکبر علیہم السلام کو اپنے پاس رکھا ۔ ادھر عمر ابن سعد نے بھی ایسا ہی کیا اور اپنے بیٹے حفض اور ایک غلام کو موجود رکھا ۔ امامؑ نے فرمایا کہ تمہارے لئے یہ بہت بری بات ہے کہ تم میرے ساتھ جنگ کرنے پر تیار ہو کر یہاں آ گئے ۔ کیا تم اللہ کے سامنے نہ جاؤ گے؟

کیا تمہیں خوف خدا نہیں؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں کس کا فرزند ہوں؟ پھر تم اِس قوم کے طرفدار ہو؟ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ عمر سعد نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ ابن زیاد میرا گھر بار منہدم و برباد کر کے رکھ دے گا۔ امامؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے گھر بار تعمیر کر دوں گا۔ اُس نے کہا مجھے یہ خوف بھی ہے کہ وہ میری جائیداد و مال ومنال ضبط کر لے گا۔ امامؑ نے فرمایا کہ میں اپنے مال میں سے اُس سے بہتر حجاز میں فراہم کر دوں گا۔ مصنف کتاب نے کہا کہ بعض دوسری روایات میں یہ ہے کہ امامؑ نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنا وہ چشمہ دے دوں گا جسے بعیبغة کہا جاتا ہے۔ اور جس کی افادیت کی بنا پر معاویہ اُسے دس لاکھ سونے کے دیناروں (اشرفیوں) میں خریدنا چاہتا تھا۔ لیکن اُسے فروخت نہیں کیا گیا تھا۔

قال محمد بن ابی طالب فقال عمر بن سعد لی عیال واخاف علیهم ثُمَّ سکت ولم یجبه الیٰ شی ء فانصرف عنه الحسینؑ وهویقول مالک ذبحک اللّٰه علیٰ فراشک عاجلًا ولا غفرلک یوم حشرک اِنّی لارجوالّا تَاکل برّالعراق الایسیرًا قال ابن سعدفی الشعیر کفایة عن البرّمستهزًا۔ (اکسیر صفحہ 240-239)

مسلسل محمد بن ابی طالب نے لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے یہ بھی کہا کہ میرے بال بچے اور اہل وعیال بھی تو ہیں۔ اب حضرت امام حسین علیہ السلام خاموش ہو گئے۔ اور کوئی جواب نہ دیا اور اُسے یہ پیشینگوئی سنا دی کہ تم حکومت رَے سے محروم رہو گے۔ اور جلد اپنے پلنگ پر قتل کر دیئے جاؤ گے۔ قیامت میں تمہاری بخشش نہ ہوگی اور مجھے یہ امید ہے کہ تم عراق کے گیہوں بہت کم کھا سکو گے۔ ابن سعد نے مذاق سے کہا کہ نہ ملے گیہوں تو جو کھانا کافی ہے۔

(11)۔ راتوں کو بار بار ملاقاتیں مندرجہ بالا ملاقات کے بعد وقوع میں آئی تھیں

یہ وہ ملاقات تھی جو فوجی تحفظ اور قواعد کی رُو سے تکلفات کے ساتھ وقوع میں آئی تھی۔ لیکن اُن راتوں کی ملاقاتوں میں سپاہیوں کی ہمراہی کا قطعاً ذکر نہیں ہے جن کو سازش سمجھ کر خولی نے شکایتی خط ابن زیاد کو لکھا تھا۔ بہرحال اس ملاقات سے پہلے پانی بند تھا اور قوتِ بازو اور جنگ وجدل سے حاصل کیا جاتا تھا۔ اور اس ملاقات کے بعد سلسلہ نصیحت اور وعظ شروع ہوا۔ زہیر بن قین علیہ السلام اور دیگر سر برآوردہ صحابہ علیہم السلام ابن سعد سے برابر گفت وشنید کرتے رہے اور عمر بن سعد بھی برابر شرمندہ ولاجواب ہوتا رہا۔ آخر وہ وقت آیا کہ عمر سعد کے ارادوں میں لغزش پیدا ہوئی۔ اور اس کے بعد اُس نے ایسی راہ نکالنے کے لئے امام علیہ السلام سے مسلسل کئی روز راتوں کو ملاقات اور صلاح ومشورہ شروع کیا تھا جس پر خولی نے چغلی کھائی۔ اور آخر کار کربلا کی جنگ ٹھن گئی تھی۔

(38/9)۔ امام حسینؑ کے صحابہؑ کا مقام اور فضائل

کربلا میں شہید ہونے والے فداکارانِ محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے فضائل ومناقب میں یہ کہہ دینا کافی ہے کہ یہ وہ حضراتؑ ہیں جن پر تمام آئمہ معصومین علیہم السلام دن رات اور ہر نماز کے بعد درود وسلام بھیجتے رہے ہیں۔ اور تمام مومنین پر زیارتوں میں اُن پر درود وسلام بھیجنا واجب کیا ہے اور یہ تمنا کی ہے کہ:۔ یالَیْتَنَا کُنّا مَعَکُمْ فَنَفُوْزُ فوزًا عظیمًا۔ (زیارتیں)

کاش ہم تمہارے ساتھ ہوتے اور اُس عظیم المرتبہ مقام پر فائز ہو جاتے جس پر آپ حضراتؑ فائز ہوئے۔

بہرحال چندروایات ملاحظہ فرمائیں:۔

”عن الارشاد فَجَمَعَ الحسینؑ اصحابہ عند قرب المسآء قال سید الساجدینؑ فدنوت منہ لاسمع مَایقول لھم وَاَنَا اذٰاک مریض فسمعت ابی یقول لاصحابہ...... ۔امابعد فَاِنّی لاعلم اصحابا اَوْفٰی ولا خیرامِن اصحابی ولا اھلبیت ابرّولا اوصل من اھلبیتی فجزاکم اللّٰہ عنی خَیْرًا۔ اَلَاواِنّی لااظنّ یومًالنَا مِن ھٰؤُلاء اِلَّا غدًا۔اَلَاواِنّی قداذنتُ لکم فانطلقوا جمیعًا فی حِلّ لَیْسَ علیکم مِنّی زمام ھذاالليل قدغشیکم فاتخذوا جُملا ۔وفی الملھوف وَلْیَاخذکلّ رجل منکم بیدرجل من اھل بیتی وتفرقوا فی سواد اللیل وذرونی وھٰؤُلاء القوم فانھم لایریدون غیری۔ فقال لہ اخوتہ وانباؤہ وابناء عبد اللّٰہ بن جعفر ولم نفعل ذلک لنبقی بعدک لا ارانا اللّٰہ ذلک بداھم بھذا القول عباسؑ بن امیرالمؤمنین ثُمَّ تابعوہ ۔قال ثُمَّ نظرالٰی بنی عقیل فقال حسبکم من القتل بِصاحبکم مسلم اذھبوا فقد اذنتُ لکم وفی الامالی فقام الیہ عبد اللّٰہ بن مسلم بن عقیل فقال یابن رسوؐل اللّٰہ ماذا یقول لنا الناس اَنَّ نحن خذلنا شیخنا کبیرنا وسیدنا ابن سید الاعمام وابن نبیّنا سید الانبیاء لم نضرب معہ بسیف ولم تقاتل معہ برمح لا واللّٰہ ونرد موردک ونجعل اَنْفُسنادون نفسِک ودمائنا دون دمائک فاذانحن فعلنا ذلک فقد قضینا ماعلینا وخرجنا ممالزمنا ۔ وعن الارشاد وقالوا سبحان اللّٰہ فما یقول الناس یقولون اِنّا ترکنا شیخنا وسیدنا وبنی عمومتنا خیرالاعمام ولم نرم معھم بسھم ولم نطعن معھم برمح ولم نضرب معھم بسیف ولا ندری ماصنعوا ۔ لاواللّٰہ مانفعل ذلک ولکن نفدیک بانفسنا واموالنا واھلینا ونقاتل معک حتی نردموردک فقبح اللّٰہ العیش بعدک۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 247-246)

کتاب الارشاد میں ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے تمام صحابہ کوقریباً شام کے وقت جمع کیا۔امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے کہ میں بیماری ہی کے عالم میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ امامؑ جوکچھ صحابہ سے فرمائیں میں سن سکوں۔ چنانچہ امامؑ نے خطبہ دیا، حمدوثنا کی اورفرمایا کہ میں نے اپنے صحابہ سے زیادہ وفا پرست اور بلند مرتبہ صحابہ کسی کےنہیں پائے اورنہ کسی کے اہلبیتؑ میرے اہلبیتؑ سے بڑھ کر پارسا اورہم آہنگ تھے۔اللہ تعالیٰ آپ سب کومیری جانب سے بہترین جزا عطا کرے۔غور سے سنوکہ میرے نزدیک صرف آج کا دن ایسا ہے کہ ہم سب زندہ ہیں۔لیکن کل جودن آرہاہے اس میں ہم سب قتل ہوجائیں گے۔میں آپ سب کواجازت دیتاہوں کہ آپ سب حضرات قتل سے محفوظ رہنے کے لئے اس رات کے اندھیرے میں رخصت ہوجائیں میری طرف سے آپ پرکوئی مواخذہ اور پابندی باقی نہیں ہے۔اور میں تمہارا مقام بلنداوراس کی جزا بیان کرچکاہوں۔

کتاب ملھوف میں یوں کہا گیا ہے کہ تم سب لوگ میرے اہلبیتؑ میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑلواور یہاں سے بچا کرنکال لے جاؤ۔اور مجھے اِن لوگوں سے نمٹنے کے لئے تنہا چھوڑدو۔حقیقت اس قدر ہے کہ انہیں میرے علاوہ کسی اور سے کوئی سروکارنہیں ہے۔ اس پر امامؑ کے بھائیوں، بیٹوں اور عبدؑاللہ بن جعفرؑ ومسلمؑ کی اولاد نے کہا کہ ہم ایسا ہرگز نہ کریں گے کہ آپؑ کے بعد زندہ باقی رہیں۔ خداہمیں ایسی صورت حال سے دوچارنہ کرے۔ یہ جواب پہلے حضرت عباسؑ نے دیا۔اُنؑ کے بعد باقی سب نے اُنؑ ہی کی پیروی میں جواب دیا۔اس کے بعد امامؑ نے اولاد عقیلؑ کی طرف دیکھا اوراپیل کی کہ دیکھوتمہارے بزرگ، مسلمؑ نے جوقربانی پیش کی ہے وہ تمہارے شایانِ شان اورمقبول ہے۔لہٰذاتم میری اجازت سے چلے جاؤ۔کتاب امالی میں ہے کہ یہ سُن کرعبدؑاللہ بن مسلمؑ کھڑے ہوئے اورعرض

کیا یا رسولؐ اللہ کے فرزند ہمیں لوگ ملامت کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم نے اپنے بزرگ اور سن رسیدہ سردار کو، اپنے والدین اور چچاؤں کے سردار کو، اپنے نبیؐ کے بیٹے کو مصائب میں تنہا چھوڑ کر جان بچالی اور اُن کی طرفداری میں تلوار اٹھا کر جنگ نہ کی۔ خدا کی قسم ہم اُسی حالت میں رہنا چاہتے ہیں جو آپ پر گزرنے والی ہے۔ اور اپنی زندگیاں آپ کے اوپر نثار کر دینا چاہتے ہیں۔ اور آپ کے تحفظ میں اپنا خون بہادینا طے کیا ہوا ہے۔ اور جب ہم ایسا کر چکیں گے تب کہیں وہ فریضہ ادا ہو گا جو ہم پر قائم ہے۔ کتاب الارشاد میں یوں ہے کہ اولاد عقیل نے عرض کیا کہ حضور اگر ہم ایسا کریں تو لوگ ہمیں ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے بزرگ ترین شخص کو اور اپنے اور چچازادوں کے سردار کو اور اپنے نبیؐ سیدالانبیاءؐ کے بیٹے کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔ اور ہم لوگ اُن کے ہمراہ شمشیر بکف جنگ نہ کر سکے۔ اور ہم سینوں پر تیر کھانے اور نیزوں کی مار سے ڈر کر بھاگ آئے تھے۔ اور ہم نہیں سمجھتے اور کیا کیا الزامات عائد ہوں گے۔ واللہ ہم ہرگز یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ اور اپنا سب کچھ جان و مال و اولاد و اہل و عیال سب آپ کے اوپر قربان کر دیں گے۔ اور آپ کی حمایت میں اس وقت تک شمشیر زنی کریں گے جب تک اسی حالت میں داخل نہ ہو جائیں جس میں آپ کا داخلہ طے شدہ ہے۔ خدا آپ کے بعد زندہ رہنے والوں کی زندگی کو بدترین زندگی بنادے۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔ صفحہ 247-246)

وفی الملهوف ثُمَّ قام مسلم بن عوسجة وقال نحن نخلّیک هٰکذا وننصرف عنک وقداحاط بک هذا العدوّ؟ لا و اللّٰه لایرانی اللّٰه ابدًا حتّٰی اکسر فی صدورهم رمحی واضاربهم بسیفی ماثبت قائمته بیدی ولو لم یکن لی سلاح اقاتلهم به لقذفتهم بالحجارة ولم افارقک واموت معک ۔وعن الارشاد و اللّٰه لانخلّیک حتیٰ یعلم اللّٰه اِنَّا قدحفظنا غیبة رسوؐل اللّٰه فیک و اللّٰه لو علمتُ اَنّی اقتل ثم احییٰ ثم احرق ثم احیی ثُمَّ اذرئی یفْعَلُ ذلک بی سبعین مرّة مافارقتک حتی القی حمامی دونک وکیف لا افعل ذلک وانما هی قتلة واحدة ثمّ هِیَ الکرامة الّتی لا انقضاء لهاابدًا. (ایضاً صفحہ 247)

''کتاب ملھوف کی رو سے پھر مسلمؑ بن عوسجہ اُٹھے اور عرض کیا کہ کیا ہم آپ کو اِن دشمنانِ خدا میں گھرا ہوا چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ قسم بخدا ہرگز نہیں۔ اللہ ہمیں کبھی ایسا دن نہ دکھائے البتہ میں تو باز نہ آؤں گا یہاں تک کہ میں اُن کے سینوں میں اپنے نیزہ کی اَنی کو توڑ دوں اور میں اس وقت تک شمشیر زنی کرتا رہوں گا جب تک میری تلوار کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے گا۔ اور اگر میرے پاس اسلحہ نہ رہیگا تو میں اُن سے پتھر مار مار کر جنگ جاری رکھوں گا۔ اور مرنے سے پہلے آپ سے جُدا نہ ہوں گا۔ آپ کے ساتھ جیوں گا آپ کے ہمراہ مروں گا۔ کتاب ارشاد میں ہے کہ مسلمؑ بن عوسجہ نے یوں کہا تھا کہ خدا کی قسم ہم لوگ ہرگز آپ کو اُس وقت تک نہ چھوڑیں گے جب تک اللہ کو یہ نہ دکھا دیں کہ ہم نے رسولؐ اللہ کی موجودگی آپؐ کے وجود سے ثابت کر دی ہے اور اگر مجھے علم بھی ہو جائے کہ مجھے قتل کیا جائے گا اور پھر زندہ کر کے آگ میں جلا دیا جائے گا۔ اور پھر زندہ کر کے ذرّوں میں تبدیل کیا جائے گا۔ اور یہ کہ میرے ساتھ لاتعداد مرتبہ ایسا کیا جاتا رہے گا۔ تب بھی میں آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنی زندگی بہترین صورت میں آپ کے اوپر قربان نہ کر دوں اور میں ایسا کیوں نہ کر گزروں جبکہ یہ صرف ایک دفعہ قتل ہو کر ایسی عظیم الشان زندگی مل جانے کا ذریعہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی؟ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔ صفحہ 247)

اور کتاب ملهوف میں باکل یہی بیان جناب سعید بن عبداللہ الحنفی نے دیا تھا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ میں آپؑ کی ذات میں رسوؐل اللہ کی حفاظت کا ثبوت دوں گا (حتّٰی یعلم اللّٰہ انّا قد حفظنا فیک رسوؐل اللّٰہ) اور آپ کے قتل کو رسول اللہ کا قتل ثابت کرونگا۔

ثمّ قام زهیر بن القین وقال واللّٰه یابن رسوؐل اللّٰه لو ودت اَنّی قتلتُ ثمّ نشرت الف مرّة وَاَنّ اللّٰه تعالٰی قدرفع عنک القتل وعن هٰؤُلآء الفتیة مِن اخوتک وولدک واهل بیتک۔ قال و تکلّم جماعة من اصحابه بنحو ذلک ۔وقالوا انفسنا لک الفداء نقیک بایدینا ووجوهنا فاذا نحن قتلنا بَیْنَ یدیک تکون قدوفینا لربنا وقضینا ماعلینا۔" (ایضاً)

اس کے بعد زہیر بن قین اٹھے اور عرض کیا کہ مجھے یہ بہت محبوب ہے کہ مجھے ہزار بار قتل کیا جائے اور اللہ آپ کو اور آپ کے اہلؑ بیت کو اور آپ کے نوخیز و نوجوان بھائیوں اور بیٹوں کو بچالے۔ اِسی طرح تمام صحابہ نے بیانات دیئے اور کہا کہ ہماری زندگیاں آپ کے اوپر قربان ہوجائیں تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے اپنے پروردگار سے وفاداری کا ثبوت دے دیا اور جو فرض ہم پر عائد تھا اُسے ادا کردیا ہے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات ۔صفحہ 247)

(2)۔ شہدؑائے کربلا کے بیانات پر اُنہیں وہ آنکھیں عطا کردیں کہ سارا مستقبل سامنے آ گیا

وفی الخرائج مسندًا عن ابی حمزة الثمالی عن علی بن الحسین زین العابدین علیهما السلام کنت مع ابی فی اللیلة الّتی قتل فی صبیحتها فقال لاصحابه هذه اللیلة فاتخذوها جملًا فَاِنّ القوم انما یریدوننی ولو قتلونی لم یلتفتوا الیکم وانتم فی حِلٍ وسعة ۔ فقالوا لا واللّٰه لایکون هذا ابدًا ۔ فقال علیه السلام انّکم تقتلون غدًا کُلّکُمْ لایفلت منکم رجل قالوا الحمدللّٰه الذی شرفنا بالقتل معک ۔ثُمَّ دعاوقال لَهُمْ ارفعوارؤسکم وانظروا ۔فَجَعَلُوْاینظرون الٰی مواضعهم ومنازلهم من الجنّةِ وهُوؑ یقول لَهُمْ هذا منزلک یافلان وهذا قصرک یافلان وهذه زوجتکَ یافلان ۔ فکان الرجل یستقبل الرماح والسیوف بصدره ووجهه لیصل اِلٰی منزله مِنَ الجنة وعن العلامة مسندًا عن عمارة عن الصادق علیه السلام عن اصحاب الحسین واقدامهم علی الموت فقال انّهم کشف لهم الغطاء حتّٰی راوا منازلهم مِن الجنة فکان الرجل منهم یقدم عَلَی القتل لیبادرالٰی حُوراء یعانقها والی مکانه مِن الجنة۔ (اکسر العبادات فی اسرار الشھادات ۔صفحہ 247)

کتاب الخرائج میں ابی حمزہ سے روایت ہے کہ جناب امام زینؑ العابدین نے فرمایا کہ اُس رات کو جس کی صبح امام حسین علیہ السلام شہید ہوجائیں گے میں آپ کے ہمراہ تھا۔ جب آپ نے اپنے تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور فرمایا کہ آپ لوگ اس رات کے پردہ میں یہاں سے رخصت ہوجاؤ۔ تمہیں میری طرف سے پورا اختیار اور اجازت حاصل ہے۔ اس لئے کہ اِن لوگوں کا مقصد صرف مجھے قتل کردینا ہے۔ یہ تمہاری راہ میں حارج نہ ہوں گے۔ صحابہؓ نے یہ سن کر کہا کہ خدا کی قسم یہ بات ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر چل دیں۔ امامؑ نے فرمایا کہ یہ سن لو کہ تم میں سے کل کوئی شخص بھی زندہ نہ بچے گا سب قتل کردیئے جاؤ گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کے صدقہ میں قتل ہوجانا دنیا کا سب سے بڑا اشرف و بزرگی ہے۔ جس پر ہم اللہ کی حمد وثنا اور شکر بجالاتے ہیں۔ امامؑ نے صحابہ کا یہ استقلال اور جذبہ قربانی کی یہ انتہا دیکھ لی تو فرمایا کہ اچھا اب تم سر اُٹھا کر ذرا اپنا اپنا مقام دیکھ لو۔ یہ فرمانا تھا کہ تمام صحابہ کو جنت میں اُن کا مقام بلند اور مکانات اور تمام متعلقات نظر آنے لگے۔ اور امامؑ نام بنام فرماتے اور بتاتے جارہے تھے کہ وہ مکان تمہارا ہے۔ وہ محل تمہارے لئے

ہے۔اور یہ تمہاری زوجہ ہے۔ یہ دیکھ دیکھ کر ہر آدمی چاہتا تھا کہ جلدی سے تلوار یا نیزہ اُس کے سینے سے پار نکل جائے۔تا کہ وہ جنت میں جلدی سے جا پہنچے۔اور علامہ نے عمارہ سے روایت کیا ہے کہ امام جعفرؑ صادق فرماتے تھے کہ امام حسینؑ کے صحابہ کو موت سے بے خوف ہو کر مرنے میں عجلت کرنا اور ایک دوسرے پر سبقت میں کوشاں ہونا اِس لئے بھی تھا کہ اُن کے سامنے سے غیب کے پردے ہٹا دیئے گئے تھے اور انہوں نے جنت میں اپنا اپنا ٹھکانہ دیکھ لیا تھا۔ وہ سامنے کھڑی ہوئی حوروں سے گلے ملنے کے لئے بے چین تھے۔اس لئے انہوں نے نہایت بے جگری اور خوشی خوشی سے خود کو قربان کر دیا تھا۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 247)

(3)۔ نہ بعد کربلا قربانی بند ہوئی نہ امامؑ زمانہ نے انعام بند کیا ہے

عزاداران وسوگوارانِ حسین علیہ السلام خاص طور پر غور سے سنیں کہ سانحہ کربلا کے بعد آئمہ علیہم السلام نے دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں بنفسِ نفیس تیغ بکف میدان جنگ میں نہ آنا طے کر لیا تھا۔اس لئے کہ یہ مادی شکست مادی وسائل فراہم نہ کرنے کی بنا پر ہوئی تھی۔ یہ مومنین کا فریضہ تھا کہ وہ تمام مل کر مادی وسائل فراہم کرتے اور خانوادہ رسولؐ اور امام زمانہ حسین علیہ السلام کا مادی تحفظ کرتے۔ جس طرح یزید وابن زیاد نے لاکھوں کی تعداد میں افواج واسلحہ میدان میں بھیجے،راہیں بند کیں اور وہ سب کچھ کیا جس سے خانوادہ رسولؐ دنیا سے مٹ کر رہ جائے۔اُسی طرح جہاں جہاں مومنین موجود تھے اور جہاں جہاں ماہ رجب سے لے کر ماہ ذی الحجہ (چھ ماہ) تک اطلاع پہنچی تھی۔ وہاں وہاں سے مومنین اُسی طرح نکل نکل کر فدا کاری کے لئے کربلا میں آتے جس طرح کوفہ سے سینکڑوں شیعہ مومنین آئے اور شہید ہوئے۔ حالانکہ کوفہ کی طرح کہیں اور مارشل لا نافذ نہ تھا۔ بڑے راستے اگر بند تھے تو چھوٹے راستوں سے آتے۔ جماعت کی صورت میں آنا بند تھا تو فرداً فرداً ایک ایک دودو کر کے پہنچتے۔لیکن کوفہ کے علاوہ تمام واقف کار مسلمان مکہ ومدینہ اور دیگر شہروں میں بیٹھے رہے۔کھاتے پیتے اور عیش مناتے رہے۔نمازیں پڑھتے اور خود کو صحیح دین اسلام پر فائز سمجھتے رہے۔لیکن کربلا کے میدان میں اُن سب کا اہلِ باطل اور اسلام سے خارج ہونا ثابت کر دیا گیا۔اُن کی عبادتیں اور نمازیں ہمیشہ کے لئے ضائع ہوگئیں۔اور حق وباطل یا اسلام وکفر میں ایک بیّن فرق اور تمیز قائم کی گئی۔اور یہ قدرتی اور فطری طور پر طے پا گیا کہ اب ہر امام عصر علیہ السلام خود کو قومی وملکی حکومت کے یزیدی جانشینوں سے محفوظ رکھے اور مومنین میں وہ جذبہ پیدا کرے جو کربلا کے مجاہدین میں موجود تھا اور آئندہ مومنین کو قتل عام سے محفوظ رکھ کر ایسے محفوظ اقدامات کی تعلیم دے جن سے اس مستبد اور غاصب حکومت کو بتدریج ختم کیا جا سکے۔ چنانچہ یہ عرض کیا جا چکا کہ کوفہ ہی سے وہ تحریک اُٹھی تھی۔جس نے نام نہاد اسلامی مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔اگر یہ سلسلہ اُسی صورت میں چلتا رہتا تو نہ بارہویں امام علیہ السلام کو غیبت کبریٰ کا اعلان کرنا پڑتا نہ مومنین کو بعد کی ذلت وخواری اور خاطی قیادت کی بیڑیاں پہننا پڑتیں۔لیکن دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ نے رفتہ رفتہ نظام اجتہاد کو شیعوں پر مسلط کر کے اُن کا جز ومذہب بنا دیا اور یوں ملت شیعہ سینکڑوں مجتہدین کی تقلید میں ہزاروں ٹکڑوں اور جماعتوں میں بکھر گئی اور مرکزیت کی لفظ تک کو بھول گئی۔ بلکہ اُن کے خاطی اور دشمن اسلام قائدین نے اُن لوگوں اور جماعتوں پر کفر والحاد کے فتاویٰ جڑنا شروع کر دیئے جو حکومتوں سے برسرِ پیکار تھے۔اور یہی مقصد تھا شیعوں میں نظام اجتہاد قائم کرنے کا کہ دشمن حکومتوں کو داخلی تعاون ملے اور شیعوں کو خود شیعہ لیبل کے علما حکومتوں کے خلاف تیغ آزمار ہنے سے روک دیں۔ چنانچہ حکومت مصر جو خالصتاً شیعہ

حکومت تھی کے خلاف بدمذہبی اور بدنسبی کا فتویٰ دیا گیا۔ اور تمام علمائے شیعہ نے دستخط کئے اور یوں مخالف مذہب کے علما کی تائید کی۔ صرف جناب علامہ سید رضی (مرتّب نہج البلاغہ رضی اللہ عنہ) باقی رہ گئے تھے۔ اور سُنّی محضر پر دستخط اور تصدیق کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور حکومت وقت سے ٹکر لینے کی بنا پر زہر سے شہید کر دیئے گئے تھے۔ بہر حال جب نظام اجتہاد نے شیعوں کو بھی اسی قسم کی زندگی اور اُسی قسم کی عبادتوں اور روزہ نماز میں لگا کر مطمئن کر دیا۔ جس قسم کی زندگی مخالف علما اور مخالف حکومتوں کے مذہب نے رائج کی تھی۔ اور بجائے معصومؑ قیادت واطاعت کے، خطا کاروں کی قیادت وتقلید شیعوں پر مسلط ہوگئی تو امام زمانہ علیہ السلام اور اُن کا نظام پردہ غیبت میں چلا گیا اور شیعوں کو مجتہدین کے حوالہ کر دیا گیا۔ جہاں مذہبی اسپرٹ اور مذہبی تحقیق اور مذہبی مقاصد کو اندھی تقلید کی چھری سے ذبح کر دیا گیا۔ صرف شہادت حسین علیہ السلام اور عزاداری باقی رہ گئی۔ جس سے مذہب معصومین علیہ السلام کے آثار وجذبات باقی رہتے چلے آئے۔ لیکن رفتہ رفتہ عزاداری کو بھی تبدیل کر دیا گیا۔ اور آج جو رسومات عزاداری اور طریق عزا نظر آتا ہے یہ وہ نہیں جو سو سال پہلے تھا۔ بزرگوں سے معلوم کر کے دیکھو اور جو طرز عمل سو سال پہلے تھا وہ وہ نہیں تھا جو اس سے پہلی صدی میں تھا۔ یعنی رفتہ رفتہ بدعت وشرک والحاد کا ایسا شوروغوغا مچایا گیا کہ تمام وہ رواسم ختم ہوگئے جن سے قلوب میں انقلاب پیدا ہوتا تھا۔ پھر یہ عزاداری جو ہندو پاکستان میں ہے۔ یہ ایران میں مفقود ہے۔ اس لئے کہ وہ مجتہدین کا گڑھ ہے۔ وہاں شیعہ مذہب کا نام اور شور تو ملتا ہے۔ لیکن شیعہ مذہب کا کام اور مقصد تبدیل کر دیا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ہمارے مخالفین مُلّا حضرات ایران کی مثال دے کر کہتے ہیں کہ یہاں بھی ویسی ہی عزاداری ہونا چاہئے جیسی ایران میں ہوتی ہے۔ یعنی نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا اس مثال سے وہ یہاں عزاداری کو بند کرانے میں زبانی، تحریری اور عدالتی ہمہ قسمی کوششیں کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور ہر صوبہ میں ہمارے خلاف مقدمات دائر ہیں۔ لیکن مجتہد خوش ہیں۔ اُن کا مقصد یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ ملت شیعہ کو یزیدی حکومت کے مذہب پر لگا دیں یا کم از کم جذبۂ فداکاری اور عاقبت اندیشی اور ذاتی تحقیق وتجسّس اور ترقی کو ختم کر دیں تو دیکھ لیں کہ یہ تمام چیزیں ختم ہوگئی ہیں۔ نماز روزہ کہیں کہیں باقی ہے۔ لیکن ننانویں اعشاریہ نو فیصد نمازی جو کچھ نماز اور زیارتوں میں پڑھتے ہیں وہ طوطے کی طرح رَٹا ہوا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم کیا پڑھ رہے یا کیا کہہ رہے ہیں؟ تحفۃ العوام سے بھی ننانویں فیصد شیعوں کو واقفیت نہیں ہے۔ مسلمانوں میں پوری ملت کا کوئی مقام نہیں ہے۔ مسلمہ حقوق نہیں ہیں۔ اُن کے نام نہاد لیڈر دو دو تین تین ہزار روپیہ ماہوار پر بکے ہوئے ہیں (نوٹ: مصنف کی یہ تحریر 1977 عیسوی کی ہے۔ ناشر)۔ دو تین ہزار انجمنیں اور ادارے ہیں۔ اور آپس میں مذہب اور مساجد اور امام باڑوں کے نام پر لڑتے رہنا اور قتل تک کر گزرنا روزمرہ کا معمول ہے۔ غداروں کے ہاتھ بک جانا، پوری قوم کا سودا کر لینا ابھی دو تین ہفتہ کی بات ہے۔ بہر حال کہنا اس قدر تھا کہ اگر آج کوئی مومن اپنی جان ومال واہل وعیال کو امامؑ زمانہ کے مقاصد کی انجام دہی میں لگانے کا تہیہ کر لے تو امام علیہ السلام کی طرف سے اُس کی مدد ونصرت ہر لحظہ منتظر ہے۔ وہ امام حسین علیہ السلام کے بعد برابر جاری رہی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں کتاب ''اسلام میں نظام ہدایت وتقلید'')

(4)۔ شہدائے کربلا علیہم السلام کا مقام رسولؐ اللہ کی زبانی رسولؐ اللہ کے بھائی

رسولؐ اللہ پر جن حضرات کا غم طاری رہتا تھا، جن سے شوقِ ملاقات کے لئے سرورِ کائناتؐ بے چین رہتے تھے اور جن کے لئے

مالکؐ دوجہاں تفکّر فرمایا کرتے تھے۔ وہ اصحابِ حسین علیہم السلام تھے۔ چنانچہ جناب علامہ صدوق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ:۔

''ان الصدوق قد روی مرفوعًا الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قال ا تدرون ماغمّی وفی ایّ شیءٍ تفکّری والٰی ای شیءٍ اشتاق؟ قال اصحابہٗ لا یارسولؐ اللّٰہ ماعلمنا بھذا مِن شیءٍ۔اخبرنا بغمّک وتفکّرک وتشّوقک ۔ قال النبیؐ اخبرکم انشاء اللّٰہ ۔ثمّ تنفس فقال ھاہ شوقًا الٰی اخوانی من بعدی۔ فقال ابوذر یارسوؐل اللّٰہ لسنا اخوانک قال صلی اللّٰہ علیہ وآلہ لا وانتم اصحابی ۔ واخوانی یجیؤن مِن بعدی ۔شانھم شان الانبیآء قوم یفرّون من الاباء والامھات ومن الاخوۃ والاخوات ومِن القراباتِ ۔کُلّھم ابتغاء مرضات اللّٰہ یترکون المال لِلّٰہِ ویذلّون انفسھم بالتواضع للّٰہِ لایرغبون فی الشھوات وفضول الدنیا مجتمعون فی بیت مِن بیوت اللّٰہ کاَنَّھم غرباء ۔تریھم محزونین لخوف النار وحُبّ الجنۃ ۔ فمن یعلم قدرھم عند اللّٰہ ۔ لیس بینھم قرابۃ ولا مال یعطون بعضھم لبعض اشفق مِن الابن علَی الوالد، والوالد علی الولد، والاخ عَلَی الاخ ۔ ھاہ شوقًا الیھم ویفرغون انفسھم مِن کدّالدنیا ونعیمھا بنجاۃ انفسھم مِن عذاب الابد و دخول الجنۃ لمرضات اللّٰہ؛

واعلم یااباذرانّ للواحد منھم اجرسبعین بدریًا یااباذر واحد منھم اکر م علَی اللّٰہ مِن کل شَیْ ءٍ خلق اللّٰہ علی وجہ الارض۔ یااباذر قلوبھم الی اللّٰہ و عملھم للّٰہ ۔لومرض احدھم لہ فضل عبادۃ الف سنۃ صیام نھارھا وقیام لیلھا واِن شئت حتّٰی ازیدک یااباذر ؟ قلت نعم یارسوؐل اللّٰہ زدنا ۔ قال لوان احدًا منھم اذا مات فکانّما مات مَن فی الدنیا من فضلہ عَلَی اللّٰہ۔ وَاِن شِئْتَ ازیدک قلت نعم یارسوؐل اللّٰہ زدنی ۔قال یااباذرلو اَنّ احدھم یؤذیہ قمّلۃ فی ثیابہ فلہ عند اللّٰہ اجراربعین عمر ۃ واربعین حجّۃ واربعین غزو ۃ وعتق اربعین نسمۃ مِن ولد اسماعیل ویدخل واحدمنھم اثنی عشر الفًا فی شفاعتہ ۔فقلت سبحان اللّٰہ مارحمہ بخلقہ والطفہ واکرمہ علٰی خلقہ ۔فقال النبیؐ أ تعجبون مِن قولی؟ وان شئتم حتّٰی ازیدکم ؟ قال ابو ذرنعم یارسوؐل اللّٰہ زدنا ۔فقال النبیؐ یااباذر لَوْاَنّ احدًا مِنھم اُشْتھی شَھوۃ مِن شھوات الدنیا فیصبرولا یطلبھا کان لہ من الاجر بذکر اھلہ ثم یغتّم ویتنفس کتب اللّٰہ بکل نفس الفی الفی حسنۃ ومحٰی عنہ الفی الفی سیّۃ ورفع لہ الفی الفی درجۃ ۔وان شئت حتّٰی ازیدک یااباذر؟ قلت جیبی رسوؐل اللّٰہ زدنی ۔ قال لَوْ انّ احدًا منھم یصبر مع اصحابہ لایقطعھم و یصبر فی مثل جوعھم و فی مثل غمھم کان لہ من الاجر کاجر سبعین مِمَّنْ غزا معی غزو ۃ تبوک اِلٰی اَنْ قال ثمّ قال المقصّر منھم افضل عند اللّٰہ مِن الف مجتھد مِن غیرھم، یااباذر ضحکھم عبادۃ وفرحھم تسبیح ونومھم صدقۃ وانفا سھم جھادوینظراللّٰہ الیھم فی کل یوم ثلث مرّات ۔ یااباذر اِنّی اِلَیْھِمْ لمشتاق ثُمّ غمّض عَیْنَیْہِ وبکی شوقًا ثُمَّ قال اَللّٰھُمَّ احفظھم وانصرھم علٰی من خالف علیھم ولا تخذلھم واقرّعینی بِھِم یوم القیٰمۃ اَلآاِنَّ اَوْلِیَاء اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُون .''(یونس10/62)(اکسیرالعبادات صفحہ 254-253)

''رسولؐ اللہ نے اپنے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ کیاتم یہ سمجھے ہوکہ مجھے کس چیز کاغم رہا کرتا ہے؟ میں کس معاملہ میں غور وفکر میں ڈوبا رہتاہوں اور یہ کہ میں کس چیز کا مشتاق ہوں۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ ہمیں ازخوداس کاعلم نہیں ہوسکا۔ برائے نوازش آپ ہمیں اپنے غم وفکروشوق پر مطلع فرمایئے۔رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ انشاءاللہ ابھی بتاتا ہوں۔

اسکے بعد آپؐ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ مجھے اپنے اُن بھائیوں کا اشتیاق ہے جو میرے بعد ہوں گے۔ اس پر ابوذرؓ نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔فرمایا کہ نہیں تم بھائی نہیں بلکہ میرے صحابی ہو۔ میرے وہ بھائی تو میرے بعد

آنیوالے ہیں۔ اُن کی شان وہی ہے جو انبیاؑ کی شان ہوتی ہے۔ وہ ایک ایسی قوم ہے جو اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں اور تمام اعزہ واقربا کو چھوڑ کر اللہ کی رضا جوئی کیلئے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ وہ اللہ کے مقابلہ میں مال و دولت ترک کر دینگے۔ اللہ کے دین کی عزت بڑھانے کیلئے اپنے لئے ذلت اختیار کرلیں گے۔ دنیا کی فضول چیز اور لذتوں میں کوئی دلچسپی نہ لیں گے۔ وہ غریب و نادار لوگوں کی طرح تمام مکانات کو چھوڑ کر اللہ کے ایک گھر میں ایک ہی کنبہ کی طرح جمع ہو جائیں گے۔ جہنم کے خوف اور جنت کی محبت کے بارے میں وہ لوگ فکرمند رہتے ہیں۔ اللہ کے یہاں اُن کی جو قدر و قیمت ہے اُسے کون جان سکتا ہے۔ اُن میں آپس میں کوئی جذباتی رشتہ داری نہیں ہے۔ اسکے باوجود وہ آپس میں ایک دوسرے سے سلوک کرنے میں اُس سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں جو ایک باپ یا ایک بھائی اپنے بیٹے اور بھائی سے کرتا ہے یا ایک بیٹا اپنے باپ سے کرتا ہے۔ میرا اشتیاق اسی عمل کی بنا پر ہے کہ اُنہوں نے دنیا کے اُلجھاؤ سے خود کو فارغ کرلیا ہے اور دنیا کی نعمتوں کو اسلئے نظرانداز کردیا ہے کہ وہ جہنم سے محفوظ رہ کر اللہ کی رضامندیاں اور ابدی جنت حاصل کرلیں۔

اور اے ابوذرؓ! یہ جان لو کہ اُن میں کا ہر شخص جنگ بدر کے ستر مومن مجاہدوں کے برابر درجہ رکھتا ہے اور اللہ نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے اُس سے اُن میں کا ہر شخص اللہ کو زیادہ پسند ہے۔ اے ابوذر! اُن کے دل اللہ سے وابستہ ہیں۔ اُن کے اعمال صرف اللہ کیلئے مخصوص ہیں۔ اگر اُن میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو اُنکو دن میں روزہ اور رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے کا ایک ہزار سال کا فاضل ثواب دیا جائے گا۔ اور اگر تم چاہو تو اے ابوذر میں کچھ مزید فضیلت بیان کروں۔ میں نے کہا کہ ضرور بتائیں یا رسولؐ اللہ۔ فرمایا کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک مریگا تو گویا ساری مخلوق کے مرنے کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔ اگر کہو تو اور بیان کروں؟ عرض کیا کہ فرمایئے۔ فرمایا کہ اے ابوذرؓ اگر اُن میں سے کسی کو اتنی ایذا بھی پہنچ جائے جتنی ایک جُوں کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ تو اللہ کے یہاں اُس کے بدلے میں چالیس حج اور چالیس عمرے کرنے اور چالیس جہاد کرنے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے چالیس غلاموں کو آزاد کرانے کا اجر ہے۔ اور اُنکو بارہ ہزار انسانوں کی شفاعت کا حق دیا جاتا ہے۔ میں نے کہا سبحان اللہ، اللہ اس قدر تو کسی بھی مخلوق پر مہربان اور کرم و نوازش کرنے والا نہیں جتنا اُن لوگوں پر ہے۔ رسولؐ نے کہا کہ کیا تم میری باتوں پر تعجب کرتے ہو؟ اگر چاہو تو میں ابھی اور فضیلت بیان کروں۔ ابوذرؓ نے کہا یا رسولؐ اللہ اور بیان فرمایئے۔ نبیؐ نے فرمایا اے ابوذرؓ اگر اُن میں سے کسی کو دنیا کی چیزوں میں سے کسی لذیذ چیز کی خواہش ہو اور وہ صبر کرے اور اُسے حاصل نہ کرے تو اُسکو ایک تو وہ اجر ملے گا جو اس شخص کو ملے گا جسے وہ چیز حاصل ہو۔ پھر اس کیلئے ہر سانس پر چالیس لاکھ نیکیاں اللہ لکھے گا اور چالیس لاکھ بُرائیاں اس کی مٹاتا رہے گا اور اسی طرح ہر سانس پر چالیس لاکھ درجے بلند کرتا جائے گا۔ اگر کہو تو اور بیان کروں؟ میں نے کہا اے میرے حبیب بیان فرمائیں۔ فرمایا کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبر میں ہم آہنگ رہے مثلاً بھوک اور غم میں ساتھ دے تو اُسے اُن ستر مجاہدوں کا ثواب ملے گا جو کہ غزوہ تبوک میں میرے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔ یہاں تک کہ یہ بھی فرمایا کہ اُن میں کا وہ شخص جو بالکل کوشش نہ کرے وہ دوسرے مومنین میں سے ایک ہزار کوشش کرنے والوں کے برابر ہوگا۔ اے ابوؔذر اُن کا ہنسنا بھی عبادت ہے۔ اُنکی مسرت مسلسل تسبیح کے مانند ہے۔ اُنکا سونا ہر وقت صدقہ کرنے کے برابر ہے اور ہر روز اللہ اُن پر تین مرتبہ نظر کرم کرتا ہے۔ اے ابوؔذر یقیناً میں ایسے ہی بھائیوں کا مشتاق ہوں پھر اُن کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور شدت

شوق میں آخرکار رونے لگے اور دُعا کی کہ یااللہ انہیں اُنکے مخالفوں کے مقابلہ میں تحفظ ونصرت عطا فرمانا، انہیں شرمسار نہ کرنا اور قیامت کے روز انکی زیارت سے میری آنکھیں ٹھنڈی کرنا۔ خبردار اے لوگو اللہ کے ولی نہ خوف زدہ ہوتے ہیں نہ اُن پر کوئی پریشانی حاوی ہوتی ہے (سورہ یونس 10/62)۔'' (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 354-353)

قارئین یاد کریں کہ امام حسین علیہ السلام نے آنحضرتؐ کی مندرجہ بالا حدیث کی طرف راہنمائی فرمائی تھی جب کہا تھا کہ میرے صحابہؓ اور اہلبیتؑ سے بڑھ کر کسی کے صحابہؓ اور اہلؑ بیت نہیں ہیں۔

(5)۔ شہدائے کربلا کو نیزہ وشمشیر وسنان وتیروں کی بارش کوئی دُکھ نہ پہنچا سکی

مومنین نفسیات کے اُس فطری قانون کو سامنے لائیں جو رنج کو راحت میں، تکلیف کو مسرت میں اور درد کو لذت میں بدل دیتا ہے اور جو اُن حضرات سے تعلق رکھتا ہے جو محبت کی انتہا تک جا پہنچتے ہیں۔ جس کا الف فطری قانون سے شروع ہوتا ہے یعنی ؛

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج ؎ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

عادت وہ ابتدائی چیز ہے کہ اگر پختہ ہو جائے تو آدمی جس چیز کا عادی یا خوگر ہو جائے تو وہ قوانین اُس پر کارگر اور اثر انداز نہیں ہوتے۔ جو غیر عادی اشخاص پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً نشہ کا عادی انسان اپنے ہوش وحواس کو جس حالت میں بحال رکھتا ہے۔ وہاں اُس شخص کے ہوش وحواس ساتھ چھوڑ دیں گے جس نے کبھی نشہ نہ کیا ہو۔ اُسے نشہ آور چیز کی ذرا سی مقدار بدحواس کر سکتی ہے۔ اسی طرح بحران اور ہیجان وہنگاموں سے گزرتے رہنے والا شخص بڑی سے بڑی مشکل میں ڈٹ کر، ہوش وحواس کی درستگی بحال رکھ کر مشکل کے حل کا راستہ نکالتا ہے۔ لیکن ایک عام آدمی جسے آرام وآسودگی کی زندگی سے باہر نکلنے کا موقعہ نہیں ملا وہ ذرا سی خلاف مزاج وخلاف عادت بات کے سامنے بدحواس ہو جاتا ہے۔ پھر جس معاملہ پر ہم لکھ رہے ہیں یہ محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی محبت کا معاملہ ہے۔ پھر یہ محبت خواہ مخواہ یا حادثاتی نہیں۔ بلکہ یہ دیکھ کر خود بخود پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضرات نوع انسان پر قربان ہو گئے۔ انسانی فلاح وبہبود کو قائم کرنے کے لئے اُن حضرات نے اپنی جان ومال واولاد واقربا اور گھربار سب نثار کر دیا۔ اُمت کی نجات سے زیادہ کسی اور چیز کو ترجیح نہیں دی۔ اور اُن کو اُن کے مقاصد سے باز رکھنے کے لئے رسولؐ کی قوم نے اُن پر ایسے مظالم اور تشدد جائز رکھے جن کو نہ مومن پسند کرتا ہے نہ کافر جائز سمجھتا ہے۔ یعنی محمدؐ وآل محمدؐ سے محبت دوہری محبت ہے یعنی اُن سے محبت پوری نوع انسان اور خود اپنی ذات کی اعلیٰ صفات سے محبت ہے۔ اور اس محبت میں مظلومی کی بنا پر دشمنان انسانیت سے نفرت وبغض وعداوت وانتقام کے شعلے بھی بھڑکنے لگتے ہیں۔ اور اس محبت کو حکمِ خداوندی اور اجرِ خداوندی روز افزوں قوت وشدت عطا کرتا جاتا ہے۔ یہ محبت قلب وذہن اور روح انسانی پر چھا جاتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ محبانِ محمدؐ وآل محمدؐ کسی تکلیف، کسی مصیبت اور کسی حادثہ پر بدحواس نہیں ہوتے۔ اُن کے سامنے محمدؐ وآل محمدؐ اور اُن کے انصار اور چاہنے والوں کی زندگیاں اور کردار رہتا ہے۔ اور اُن پر گزر جانے والے مصائب وشدائد کے سامنے ہر مصیبت ہیچ وحقیر معلوم ہوتی ہے۔ وہ صبر واستقامت وبرداشت اور جرأت میں اُس راہ پر چلنا چاہتے ہیں جو محمدؐ وآل محمدؐ نے چل کر دکھائی تھی۔ ہمارا زنجیر وتلوار وقمہ کا ماتم یہی دیکھنے اور دکھانے اور جانچنے کا ذریعہ ہے کہ آیا ہمارا دماغ ودل اور ہمارا جسم محبت محمدؐ وآل محمدؐ سے لبریز ہے یا نہیں۔ آیا ہمیں زنجیر وتلوار کی ضربیں

راحت پہنچاتی ہیں یا اُن سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے اور آیا وہ محبت ہمارے زخموں کو بلا دوا مندمل کرتی ہے یا ہمیں مادی دواؤں کی احتیاج باقی ہے۔ جس منزل پر شہدائے کربلا تھے، ہمیں اُس کی تیاری وامتحان کے لئے یہ ماتم نہایت ضروری اور صحیح معیار ہے۔ اگر تلوار کی کاٹ میں ہمیں لذت ملے؟ اگر خون بہہ جانے کے بعد مادی کمزوری لاحق نہ ہو؟ اگر زخم صبح ہوتے ہی تندرست ہو جائیں تو یہ ثبوت ہے اللہ تعالیٰ کی تائید کا، محبت اہلبیتؑ کا اور ثبوت ہے معجزات اور ہمارے مذہب وعملدرآمد کے سو فیصد صحیح ہونے کا۔ ورنہ ایک پھانس، ایک ذراسی چوٹ کئی روز دکھتی اور پکتی ہے۔ یہ ہے وہ انقلاب جو محبان اہلبیت علیھم السلام میں پیدا ہوتا ہے۔ اور عام قانون فطرت اُن کا مطیع ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو معصوم حدیث میں ملاحظہ فرمائیں:۔

''وفی الخرائج مسندًا عَن ابی جعفر علیه السلام ،قال الحسینؑ لاصحابه قبل اَن یقتل انّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله قال یا بُنَیّ انک ستساق اِلَی العراق وَهِیَ ارض قدالتقی بهاالنبیّوٗن واوصیاء النبیّینؑ وهِیَ ارض تدعی **عمورًا** وَانّک تستشهد بها ویستشهد معک جماعة من اصحابک لایجدون الم مسّ الحدید وتلی یانَارُ کونی بردًا وسلامًا علٰی ابراهیمؑ یکون الحرب علیک وعلیهم سلامًا فابشروا فواللّٰه لَئِنْ قتلونا فانّا نردعلٰی نبیّناً۔'' (اکسیر صفحہ 248)

''کتاب الخرائج میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ امام حسینؑ نے اپنے صحابہ سے قبل شہادت فرمادیا تھا کہ مجھ سے رسوؐل اللہ نے فرمایا تھا کہ اے میرے بیٹے عنقریب تمہیں گھیر کر عراق کی طرف لے جائیں گے اور وہ، وہ زمین ہوگی جہاں نبیوںؑ اور نبیوںؑ کے اوصیاؑ زیارت کرتے رہے ہیں۔ اور اُس سرزمین کو **عموریہ** کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یقیناً تم اُس زمین پر شہید کئے جاؤ گے اور تمہارے ساتھ تمہارے صحابہ کی ایک جماعت بھی شہید کی جائے گی۔ تمہیں اور اُنہیں لوہے (کی تلواروں، برچھیوں، نیزوں اور تیروں) سے دُکھ نہ پہنچے گا۔ تم یہ پڑھ دینا کہ اَے آگ تو ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامت رکھنے والی بن جا۔ تو وہ جنگ تم پر اور تمہارے صحابہ پر سلامتی کا سبب بن جائے گی۔ لہٰذا تم سب کو میری طرف سے مبارکباد اور بشارت ہو۔ خدا کی قسم ہمارے قتل سے ہم یقیناً اپنے نبیؐ کے ساتھ وارد ہوں گے۔''

یہاں محبان اہلبیتؑ نوٹ کرلیں کہ مادی ترقی اور قانون کی تعمیل کے ساتھ ساتھ اگر مذکورہ آیت (انبیاء 21/69) بھی پڑھ لی جائے تو محبت کی طاقت لامحدود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آپ ماتم سے پہلے یہ آیت ضرور پڑھ لیا کریں تاکہ جذبۂ فداکاری تائید ربانی اور ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی دعائیں تمہیں امن وسلامتی کے آغوش میں لے لیں۔ اور حیاتِ ابدی عطا کردیں۔

39۔ کربلا میں حسینیؑ قربانیاں

قبل اس کے کہ ہم انسانی تاریخ کا وہ آخری کارنامہ پیش کریں۔ جس نے نوعِ انسان کو ہر جبر واستبداد کا کامیاب مقابلہ کرنا سکھایا۔ جس نے راہِ رسم ووفا کی انتہائی معراج سامنے رکھ دی۔ جس نے موت ایسی تلخ حقیقت کو آسان وشیرین بنادیا۔ جس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کی مکمل تعلیم پر عمل کرنے والا ایک مقدس گروہ پیش کیا۔ جس میں ایسے مومنین دیکھے گئے جن کی مثل ونظیر سورج کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ جس میں دودھ پیتے بچے سے لے کر عمر رسیدہ مرد اور خواتین موجود تھیں۔ مگر ہر سینہ میں صرف ایک دل اور ہر سَر میں صرف ایک دماغ برسرِ عمل تھا۔ جو اپنے فکر وعمل میں قطعاً ہم آہنگ تھے۔ جنہوںؑ نے اپنی اطاعت ووفا شعاری کو ایسے معیار پر

پیش کیا کہ قوانین فطرت حیران وششدر رہ گئے۔ ملائکہؑ اور انبیاؑ انگشت بدنداں تھے۔ خوداُن کا راہنماؑ اُن پر فخر کرتا رہا۔ اللہ نے اُن کی مدح وثنا جاری رکھی اور اُنہیں پوری کائنات میں وہ مقام بلند عطا کیا۔ جو صرف اُن ہی کے شایانِ شان تھا۔ اُن کا صبر وضبط وتحمل واستقلال وجذبۂ فداکاری اپنی مثال آپ ہے۔

(39/2)۔ واقعات کربلا کے متعلق بیانات وروایات کا قرآنی معیار

مومنین کرام نوٹ فرمائیں کہ جس حکومت نے خانوادۂ رسولؐ کو مع سربراہِ اسلام بھوکا پیاسا تہہ تیغ کیا ہو؟ جس خلافت میں محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیھم کے ننھے ننھے بچوں اور بے بس وبیکس عورتوں پر رحم کرنا حرام ہو؟ جس کے مذہب میں خاندان رسولؐ اور علی مرتضیٰ علیہ السلام پراُن کی زندگی میں اور بعد وفات بھی تمام مساجد کے منبروں سے تبرا اور لعنت کرنا ضروری ہو؟ جو حکومت عرب وعجم کے تمام ممالک میں اس لعنت کی رسم کو ترسیٹھ سال (99ھ) تک جاری رکھے؟ جس حکومت کے عہد میں ایسے علما اور مفتی موجود ہوں جو امام حسین علیہ السلام کے قتل کا فتویٰ صادر کردیں۔ اُس حکومت کے لئے لازم تھا کہ خود کو بے قصور اور مجبور ثابت کرنے کے لئے اُن ہی مذکورہ قسم کے علما اور محدثین اور راویوں سے ایسی روایات تیار کرائے، ایسے قصے کتابوں میں لکھوائے جن سے اُسے آنے والی نسلیں بُرا نہ کہیں، جن میں قصور آلِ رسولؐ کا نکلے، جن سے علی وخاندان علی علیھم السلام کے فضائل کی نفی ہوتی ہو۔ لہٰذا ہر وہ روایت غلط اور مردود ہے جس میں مذکورہ خلافت وخلفا کی مدح یا طرفداری کا شبہ بھی پیدا ہوتا ہو۔ جس سے اہلبیت علیھم السلام کے مقام بلند میں کسی بھی قسم کا نقص نکلتا ہو۔ مثلاً ہر وہ روایت باطل ومردود ہے جس میں آئمہ اہلبیت علیھم السلام کو، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام انسانی سطح پر اتارنے کا وہم تک بھی موجود ہو۔ یا جس میں محمد وآل محمد علیھم السلام کو کسی بات یا واقعہ سے جاہل وناواقف دکھایا گیا ہو۔ خواہ ایسی روایات اور بیانات شیعہ راویوں یا شیعہ علما کے نام سے بیان کئے گئے ہوں یا خود شیعہ علما نے غلط فہمی کی بنا پر یا حکومت کے عالمگیر پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اپنی کتابوں میں لکھ لیا ہو یا نظامِ اجتہاد کے تیار کردہ شیعہ نما علمانے شیعوں کو فریب دینے کیلئے اپنی مصنوعی کتابوں میں درج کیا ہو۔ پھر وہ تمام روایات بھی مردود اور باطل ہیں۔ جن سے کربلا کے فداکاروں میں یا اہل حرمؑ میں کسی قسم کا اختلافِ رائے ظاہر ہوتا ہو یا جن روایات میں امام حسینؑ، بنی ہاشم یا صحابہ کا عاجزی کرنا ثابت ہوتا ہو۔ یا کسی خاتون اور کسی فداکار کا تکلیف اور پیاس کے سبب بے قرار ہوجانا اور دشمنوں کے روبرو فریاد کرنا ظاہر ہوتا ہو۔ مردوں یا عورتوں کا دشمنوں کے روبرو بے قرار ہوکر رونا بیان کرنے والی تمام روایات باطل ہیں۔ مثلاً علامہ اخوند مُلّا آقا ابن عابد بن رمضان جو اپنے زمانہ میں لفظ <u>**فاضل دربندی**</u> سے مشہور ومعروف تھے۔ اور علماء سوء کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ اور اُن تمام علما کی کھل کر مذمت کرتے تھے جو فضائل محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیھم میں کسی قسم کی بھی کمی کرتے تھے۔ ایسے زبردست اور صحیح العقیدہ عالم نے اپنی بے مثل کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات میں دو تین جگہ ایسی روایات لکھ دی ہیں جس میں حضرت سکینہؑ یا دیگر اہل حرمؑ، امام حسینؑ سے گرفتاری سے بچنے کیلئے مدینہ بھیجنے کا تقاضا کرتے ہیں۔

علامہ رضی اللہ عنہ نے تمام ناپسندیدہ روایات کی بھرپُور اور مدلل تردید وابطال کیا ہے۔ مگر مذکورہ روایت کی نہ تردید کی اور نہ کسی ناگواری کا اظہار کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے اُس کو صحیح سمجھا ہے۔ بہرحال ہم کسی ایسی روایت کو ہرگز تسلیم نہ کرینگے جو مزاج

رسوؐل و اہلبیتِ رسوؐل کے یا قرآن کے متعینہ اصولوں کے خلاف ہو۔ خواہ اُس پر تمام علما متفق ہوں، خواہ اُسے تمام کتابوں میں صحیح مانا گیا ہو۔ ہم مانتے ہیں کہ اہل حرمؑ، صحابہؓ حسینؑ اور خود امام حسین علیہ السلام روئے اور بعض مواقع پر بے قرار ہو کر روئے۔ مگر وہ ایسا موقعہ ہرگز نہ تھا کہ دشمنانِ اہلبیتؑ دیکھیں اور مذاق اڑائیں۔ منظر عام پر صبر وضبط وتحمل و بے پناہ نظم وضبط کا مظاہرہ برقرار رکھا۔ ساتھ ہی دلیل وحجت وحق گوئی اور تبلیغ وہدایت واتمام حجت کو جاری رکھا۔ استغاثہ بار بار فرمایا مگر یہ تصور قائم نہیں ہونے دیا کہ اب حسینؑ ہتھیار ڈال دیں گے۔ بلکہ یہ موقعہ دیا کہ اگر کوئی غیور وجوانمرد مسلمان ہو تو حرؑ کی طرح باہر نکلے یا کوئی دستہ اپنی نجات کیلئے ظالم حکومت سے بغاوت کرے اور جہاں جہاں تک کائنات میں سربراہِ اسلام امامِ زمانہ کی آواز پہنچے کوئی یہ کہنے والا باقی نہ رہے کہ اگر مجھے علم ہوتا کہ اسلام اور سربراہ اسلام کو نصرت کی ضرورت ہے تو میں ضرور مدد کرتا۔ لہٰذا آپؑ نے اہل مکہ ومدینہ پر باقاعدہ اتمام حجت کیا۔ مکہ میں حج کیلئے آنیوالے مختلف ممالک کے لوگوں پر اتمام حجت کیا اور حج کو چھوڑنے کے اسباب اور خلیفۃ المسلمین کے ارادے اور احکامات، اور اپنے سفرِ عراق اور وہاں جا کر تمام اقدامات اور نتائج اور خاندان رسوؐل کا تہہ تیغ کیا جانا تفصیل سے کئی روز بیان کیا۔ تاکہ یہ حادثہ ساری دنیا میں جا پہنچے۔

(2/39۔الف)۔ امامؑ کے صحابہؓ اور خاندانؑ کے بہادروں کا میدان جہاد میں للکارنا

مومنین کے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام روز اوّل سے اسلام کو ایک واضح حقیقت بنانے کیلئے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے۔ تاکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ اور کتبہائے خداوندی کی تعلیمات کو نظام طاغوتی سے محفوظ کر کے نوع انسان میں قائم وبرقرار رکھیں۔ دورانِ نزولِ قرآن رسولؐ اللہ کی قوم نے تعلیماتِ قرآنی کو نظر انداز کر کے اپنی ملکی وقومی حکومت قائم کرنے کیلئے اسلام کے نام پر جو مذہب ومسلک اختیار کیا اسکا اللہ ورسولؐ اور قرآن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ (فرقان 31-25/27)

اسکے بعد قومی حکومت اپنے خودساختہ اسلام کو اُس حد پر لے آئی کہ اگر حسین علیہ السلام آگے نہ بڑھیں اور اپنی اور حقیقی مسلمانوں کی قربانی اور اتمام حجت ووضاحت مقاصد اسلامی کا ایک ہمہ گیر نظام پیش نہ کرتے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ کی تعلیمات تباہ ہو جاتیں اور اہل مکہ کا نظام شرک اسلامی لباس میں اسلام بن کر دنیا میں بے روک پھیلتا چلا جاتا۔ لیکن یہ کارنامہ انجام دینا اس قدر مشکل وہمت شکن اور ناقابل برداشت مظالم سہنے اور ذلت وتوہین سے گزرنے کا لازمی تقاضہ رکھتا تھا کہ خود اللہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ حسینؑ اور اُنکے رفقائے کار علیھم السلام اس امتحان سے گزریں۔ وہ چاہتا تھا؛ اور ابلیس سے روز اوّل ہی فرما چکا تھا کہ میں تجھے اور تیری پیروی کرنیوالوں کو بلاتکلف جہنم میں جھونکتے جھونکتے جہنم کو لبریز کر دوں گا (صٓ 38/85، اعراف 7/18)۔ قارئین یہ ضرور جانتے ہونگے جہنم کی گنجائش اس قدر ہے کہ تمام جن اور انسان بھی اُسے لبریز نہیں کر سکتے اور بقول محمد اسماعیل بخاری اور کتاب بخاری، تمام جہنمیوں کے داخلہ کے بعد بھی جب جہنم نہ بھرے گا تو جہنم فریاد کریگا کہ یا اللہ اپنا وعدہ پورا کر تو اللہ ایک مخلوق پیدا کر کے جہنم میں ڈالے گا مگر جہنم (ھل من مزید) اور زیادہ اور زیادہ کہے گا جب کئی دفعہ مخلوق پیدا کر کے ڈالی جا چکے گی اور جہنم نہ بھرے گا اور ھَلْ مِنْ مزید پکارتا رہیگا تو آخر اللہ جہنم میں اپنا پیر رکھ دیگا تب جہنم کہے گا کہ میں بھر گیا یعنی اللہ کو مسلمان حکومتوں کے پھیلائے ہوئے مذہب سے گمراہ ہوتے چلے جانے والے لوگوں کو جہنم میں ڈالنے سے کوئی دکھ یا تکلیف یا شکست نہ ہونا تھی۔ مگر اللہ ہی نے ابلیس سے یہ بھی فرمایا تھا کہ تیری تمام کوششوں،

کاوشوں اور قدرت واختیار کا ہمارے مخلص بندوں پر ذرہ برابر اثر نہ ہوگا (حجر 15/42) اور ابلیس نے خود دو مرتبہ اعلان کیا تھا کہ تمام نوع انسان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا البتہ تیرے مخلص بندوں پر ہاتھ نہ ڈال سکوں گا (لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ o اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ o حجر 40-15/39۔ صٓ 83-38/82)۔ چنانچہ اس چیلنج کے بعد ابلیس ہر نبیؑ کے عہد میں ہر اُمت کی کثرت کو گمراہ کرتا چلا آیا۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیا والرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خود ہی یہ اعلان فرمایا کہ ''اے میرے پروردگار یقیناً میری قوم نے اس قرآن سے اور اُس کی تعلیمات سے علیحدگی اور ہجرت اختیار کر لی ہے (فرقان 25/30)۔ پھر اللہ نے اس قوم کو اُس سلسلے کی کڑی اور جرائم پیشہ فرمایا جو ہر نبیؑ کے مقابلے میں گمراہ کرتا چلا آرہا تھا (25/31 فرقان)۔ علاوہ ازیں شیطان کی کامیاب مہم کا یہ فرما کر ثبوت دیا کہ: ''وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْھِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَo''(سبا 34/20)''ابلیس نے اُن سے اپنی پیروی کرا کے اپنے دعویٰ کو سچا کر دکھایا۔ مومنین میں سے بھی ایک فریق ہی ابلیس کی پیروی سے بچ سکا باقی سب نے اس کی اطاعت اختیار کر لی تھی۔''

اور یہ بھی اعلان کیا کہ: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْھِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِھِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنَّھُمْ کَانُوْا خٰسِرِیْنَ o (الاحقاف 46/18)(حم سجدہ 41/25)(بنی اسرائیل 17/16)(قصص 28/63)(یٰسین 36/7) ابلیسی ادارہ اس قول کو سابقہ تمام جنوں اور انسانوں کی امتوں میں بھی سچا ثابت کرتا چلا آیا ہے۔ اور ابلیس کی پیروی کرنے والے ہمیشہ برابر خسارہ میں رہتے آئے ہیں۔ اس لئے کہ ہم بھی اپنی بات کو صحیح اور حق ثابت کرنے پر تلے ہوئے رہے ہیں۔ یعنی ہم نے جو کچھ ابلیس سے کہا تھا۔ اُسے پورا کرنے میں کوئی خوف لاحق نہیں ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰاھَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَo (السجدہ 32/13)

اگر ہم چاہتے تو ہر ذی حیات کو گمراہی سے بچا کر ہدایت سے نواز دیتے لیکن ہم تمام جنات اور انسانوں سے جہنم ضرور بالضرور بھر دیں گے۔''

قارئین ہماری دی ہوئی تمام آیات کو نمبروار قرآن میں دیکھیں کہ اللہ ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والوں پر کس قدر غضبناک ہے اور جہنم میں دھکیلنے کیلئے کس قدر مستحکم ارادہ ہے۔ لیکن محمد مصطفیٰ ص اور اُنکے اہلبیت صلی اللہ علیہ وعلیھم اجمعین رحمة للعالمین ہیں۔ وہ نوع انسان کو جہنم سے بچانے، نجات دلانے اور جنت میں پہنچانے کیلئے درمیان میں آجاتے ہیں۔ اور ایک ایسی قربانیوں کی راہ نکالتے ہیں کہ غضبِ خداوندی رحم وکرم سے بدل جائے۔ امام حسین علیہ السلام اس سلسلے میں نجاتِ بنی نوع انسان کیلئے جو کچھ کر گئے اُس کا تذکرہ قیامت تک نوع انسان کو دوزخ سے ہٹاتا اور جنت کی طرف بڑھاتا رہے گا۔ کربلا میں پہنچنے سے پہلے بھی کئی دفعہ اللہ نے چاہا کہ حسین علیہ السلام نوع انسان کو جہنمی بننے کیلئے آزاد چھوڑ دیں۔ اور یہ بھی چاہا کہ وہ ملائکہ وجنات سے مدد لے کر اُس ہوش ربا اور رحم انگیز قربانی سے باز رہتے قوت واقتدار سے حکومتِ وقت کو تباہ کریں۔ لیکن امام حسین علیہ السلام رضامند نہ ہوئے چنانچہ میدان کربلا میں وہ پیغام اور ملائکہ کی مدد پھر آ پہنچی جس کا ذکر حدیث میں ہوا ہے کہ:۔

اَنَّهٗ روی عن الصادق علیه السلام اَنَّهٗ قال سمعتُ ابی یقول لَمَا التقی الحسینؑ وعمر بن سعد(لعین) وقَامَت الحرب اَنْزَلَ اللّٰه تعالٰی النصر حتّٰی رَفْرَفَ عَلٰی راس الحسینؑ ثُمَّ خَیَّرَ بین النصر عَلٰی اَعْدَائِهٖ وبَیْنَ لقاء اللّٰه تعالٰی مِنْ غیر اَنْ ینقص مِن اجره شیءٍ۔ فاختار لقاء اللّٰه تعالٰی ۔(اکسیر العبادات بحوالہ الملھوف صفحہ 268)

امام جعفرؑ صادق نے امام محمدؑ باقر کی زبانی سنایا کہ جب عمر سعد سے جنگ ٹھن گئی اور اتمام حجت ہوگیا۔تو اللہ نے ملائکہ کو نازل کیا جو امامؑ کے سر پر پرواز کررہے تھے۔اور اللہ نے یہ وعدہ بھی کرلیا کہ اے حسینؑ تم ہماری یہ مدد قبول کرلو ہم تمہیں اختیار دیتے ہیں کہ ملائکہ کی مدد سے دشمنان خدا و رسوؐل کو تباہ کرکے اپنی حکومت قائم کرلو۔ اِس صورت میں بھی آپ کا اجر وثواب وہی برقرار رہیگا جو تمہاری ہمہ گیر قربانی اور فداکاری کی صورت میں مقرر کیا جاچکا ہے۔اور تمہیں یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے پسندیدہ اور نجات آفرین پروگرام پر عمل کرلو۔امام حسین علیہ السلام نے اپنے پروگرام کے وسیلے سے خدا کے حضور حاضر ہونے کو پسند اور اختیار کیا۔

یعنی امت محمدؐیہ کی نجات کو پہلا نمبر دیا۔ اللہ کے مقرر کردہ اسی معیار پر آپ نے اپنے تمام رفقائے کار کو آزادی واختیار دیا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو امامؑ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں اور اس صورت میں بھی اپنا پورا اجر وثواب اللہ سے حاصل کریں۔لیکن جس طرح اُنکے امامؑ نے بلا حقیقی پروگرام پر عمل کئے اجر وثواب کو قبول نہ کیا اور اُمت کی نجات کو پہلا نمبر دیا تھا بالکل اُسی طرح اور اُسی معیار پر اُن کے ساتھیوں نے راہ خدا میں فدا ہوجانا پسند فرمایا۔اور میدان جنگ میں جانے میں سبقت لیجانے کی تیاریاں اور تدبیریں کرنے لگے۔

(39/3)۔ جنگ کا آغاز لشکرِ حسینیؑ پر تیروں کی بارش سے کیا گیا

وفی الملھوف ایضاً تقدّم عمر بن سعد لَعَنَهُ اللّٰه علیه فَرَمَی نحوعسکر الحسینؑ بسھمٍ وقَالَ اشھدوا لِیْ عندالامیر انّی اوّل مَنْ رَمَی واقبلت السھام مِنَ القوم کَاَنَّھا القطر ـفقال علیه السلام لاصحابه قوموا رحمکم اللّٰه اِلَی الموت الذی لابدّمنه فَاِنَّ هٰذِهِ السھام رُسُل القوم الیکم۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 268)

''پھر کتاب ملھوف میں لکھا گیا ہے کہ عمر (لعین) بن سعد فوج سے آگے نکلا اور اُس ملعون نے یہ کہہ کر لشکر حسین علیہ السلام پر تیر چلایا کہ اے لوگو امیر المومنین کے سامنے گواہ رہنا کہ میں نے پہلا تیر چلایا تھا۔اُسکے تیر چلاتے ہی عمر سعد کے مسلمان فوجیوں نے اپنی اپنی کمانوں سے اس طرح تیر رہا کئے کہ گویا بارش ہورہی ہے۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے فرمایا کہ اَے فدا کارانِ اسلام اللہ تم پر اپنا رحم وکرم کرے آؤ اُس موت کو لبیک کہیں جس سے ملاقات لازم ہوچکی ہے۔یقیناً اُس قوم (سورہ الفرقان 25/30) کے یہ تیر اُسی موت کے پیغامبر ہیں۔

اصحابِ حسین علیہم السلام کی شہادت کے واقعات

(39/4)۔ حضرت حرؑ کی بے قراری انتہا کو پہنچ جاتی ہے

وعن الارشاد فلَمّا رای الحربن یزید اَنَّ القوم قدصَمَّمُوْا عَلٰی قتال الحسینؑ قال لعمر بن سعد ای عمر اَمَقَاتل انت ھذا الرجل؟ قال ای واللّٰه قِتَالًا شدیدًا ایسره اَنْ تسقط الرؤس وتطیح الایدی ـقال اَفَمالکم فیماعرّضه علیکم رضًا قال عمر اَمَالوکان الامراِلَیَّ لَفَعَلْتُ ولکن امیرک قداَبٰی فاقبل الحرّحتی وقف مِنَ النّاسِ موقفًا ومعه رجل من قومه یقال له قرّة بن قیس فقال له یاقرة ھل سقیت فرسک الیوم؟ قال لا ـقال فما ترید ان تسقیه ؟ قال قرة فَظَنَنْتُ و اللّٰه اَنّه یرید یتنحیّ فلایشھد القتال فکره اَنْ اراه حین یصنع ذٰلک فَقلتُ له لَمْ اسقه ـقال وانا منطلق فاسقیه فاعتزل ذٰلک المکان الذی کان فیه۔فو اللّٰه لَوْ اطلعنی عَلَی الذی یرید لخرجتُ معه اِلَی الحسین علیه السلام۔

تیروں کی وساطت سے اعلان جنگ ہو گیا۔ صحابہ حسینؑ رضی اللہ عنہم نے بھی جواب میں تیر ارسال کئے۔ تیس ہزار سے زیادہ تیراندازوں کے جواب میں دو تین سو تیروں کا چلنا مادی حساب میں صفر کے برابر ہوتا ہے۔ لیکن سردار لشکر اور سپاہ پر وہ دو تین سو تیر لاکھوں تیروں سے گراں گزرے۔ تین روز کے بھوکے پیاسے مردوں، عورتوں اور بچوں کی طرف سے اعلان جنگ کو قبول کر لینا ایک ایسا مظاہرہ تھا۔ جو نہ پہلے کبھی دیکھا اور سُنا گیا تھا، نہ کسی طرح ممکن تھا۔ ہر دل میں لرزہ تھا، جسم کانپ رہے تھے، وہ جانتے تھے کہ حق کس طرف ہے؟ اللہ کی تمام قوتیں اور قدرتیں کس کا ساتھ دیں گی؟ اگر کوئی ارضی یا سماوی عذاب آیا تو وہ کس پر نازل ہوگا؟ اُن کا اجتماع حاکم وقت کے جبر وقہر اور لالچ وخوف کی بنیاد پر تھا۔ وہ سب کچھ دیکھ اور سُن چکے تھے کہ امام حسین علیہ السلام نے ہر وہ شرط پیش کر دی تھی جو جابر وظالم بادشاہوں کو بھی قبول کرنا پڑتی۔ مگر ابن زیاد نے یہ سمجھا کہ حسینؑ خوفزدہ ہو کر یہ شرائط پیش کر رہے ہیں۔ جیسے ہی طبل جنگ بجے گا۔ وہ (معاذ اللہ) ہتھیار ڈال کر امان کے طالب ہونگے اور یوں یزید کو خلیفۃ اللہ اور امیر المومنین مان لیں گے۔ عمر بن سعد بھی کچھ اسی قسم کی کم وبیش امیدیں رکھتا تھا۔ لیکن تیروں کا جواب تیروں سے ملا تو اب سوال یہ تھا کہ آیا چاروں طرف سے حملہ کیا جائے؟ بہادرانہ مدمقابل طلب کر کے جنگ آزمائی کیجائے؟ عمر سعد ملعون ابھی تک طریق جنگ کے فیصلے کو تاخیر میں ڈالتا جا رہا تھا۔ تاکہ سرداران لشکر کا ردعمل دیکھے۔ اُدھر حُر بن یزید نے یہ یقین کر لیا تھا کہ اب یہ سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر سپاہ حسینیؑ پر حملہ کرنیوالا ہے اور حملہ ہو جانے کے بعد میرے لئے تدارک مافات کی راہیں بند ہو جائیں گی۔ اُسکے سامنے حق وباطل دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ عذاب جہنم اور جنت میں حسینؑ اور صحابہؓ حسینؑ کا بلند مقام سامنے تھا۔ اُس نے تین دن اور رات غور کیا تھا۔ اور ہر دفعہ حسینؑ کے حضور حاضر ہو جانے، معافی طلب کرنے اور شہادت پانے کے فیصلے پر پہنچتا چلا آیا تھا۔ اُس نے مزید اتمام حجت کیلئے اور حکومت کے خفیہ ارادوں سے واقفیت کیلئے عمر سعد سے پوچھا کہ کیا تمہارا ارادہ حسینؑ سے جنگ کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ہے؟ عمر سعد یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ ہونے والا ہے۔ اُسے جنگ کہنا تو مذاق ہے ارے بھائی آدھے گھنٹے میں یہ بھی پتہ نہ چلے گا کہ حسینؑ نام کا کوئی شخص یہاں آیا اور مقیم رہا تھا۔ بلکہ عمر سعد اپنے منصبی ارادہ کا یوں اظہار کرتا ہے کہ جنگ نہیں بلکہ وہ ایک نہایت خطرناک بڑی مہلک اور شدت وآفت خیز معرکہ ہوگا۔ اُس میں سرتنوں سے جدا ہو کر لڑھکتے پھریں گے۔ لاشوں کے انبار لگ جائیں گے۔ کٹے ہوئے ہاتھوں کے جوڑے بچھڑ کر گم ہو جائینگے۔ حُرؑ نے پوچھا کہ تم لوگوں نے حسینؑ کی شرائط پر کیوں عمل نہیں کیا؟ عمر سعد نے کہا کہ اگر اختیار مجھ تک محدود ہوتا تو میں ضرور عمل کرتا۔ مگر تمہارے امیر نے انکار کر دیا ہے۔ یہ سُن کر حُرؑ فوج سے آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ فوجیوں سے بڑھ کر سرداری کی جگہ ٹھہرا۔ اُس وقت حُرؑ کے پاس اُس کی قوم کا ایک شخص موجود تھا جسے قرۃ بن قیس کہتے تھے۔ حُرؑ نے اُس سے کہا کہ اے قرہ کیا تم نے آج اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا ہے۔ قرہ نے کہا کہ نہیں میں نے پانی نہیں پلایا۔ حُرؑ نے کہا پھر کیا تمہارا ارادہ اُسے پانی پلانے کا نہیں ہے؟ قرہ کہتا ہے کہ میں نے حُرؑ کی باتوں سے اندازہ لگایا کہ وہ میری موجودگی کو ناپسند کر رہا ہے۔ اور تنہائی چاہتا ہے اور شاید جنگ میں شمولیت بھی پسند نہیں کرتا۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں نے فی الحال پانی نہیں پلایا اور پانی لانے کا بہانہ کر کے میں اُسے تنہا چھوڑ کر چلا آیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے اُس نے اپنے ارادہ سے مطلع کر دیا ہوتا تو میں بھی امام حسین علیہ السلام کی نصرت کیلئے اُسکے ساتھ ہی چلا جاتا۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 268 بحوالہ کتاب الارشاد شیخ مفیدؒ)

(39/5)۔ **حضرت حُرؑ سرداری فوج اور دنیا کو امامؑ پر قربان کرنے میں مصروف ہیں**

حضرت حُرؑ کی نقل وحرکت معمول کے خلاف دیکھ کر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونا ایک قدرتی صورت حال تھی۔ لیکن وہ ہر چیز سے لاپرواہ ہوکر اُن لوگوں کا دل ٹٹولنے میں مصروف تھے۔ جو اُن کی جُرأت وجسارت کے اعتماد پر اُن کے ہمراہ فوج سے نکلنے اور سپاہ حسینیؑ میں جاملنے کی ہمت کرسکیں۔ ابھی ابھی آپ نے دیکھا تھا کہ قرہ بن قیس نے کہا تھا کہ انہیں علم ہوجاتا تو وہ بھی حضرت حرُ کے ساتھ نکل جاتے۔ لیکن قرہ بن قیس کے متعلق ابومخنف نے یہ لکھا ہے کہ جب حُرؑ نے چلنے کے لئے کہا تو قرہ نے صاف انکار کردیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جناب حُرؑ نے غالبًا قرہ سے پہلی گفتگو کے بعد ایسے وقت اپنا ارادہ ظاہر کیا جب قرہ بن قیس کو یہ یقین ہوگیا کہ اب فوج سے نکلنا دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہوجانے کے مترادف ہوگا اور کوشش ناکام ہوجائے گی۔ بہرحال قرہ بن قیس کا قصہ ابومخنف سے سنئے:۔

قال ابومخنف فاقبل الحرعلیٰ ابن عم له یقال قرّة بن قیس وقال له یاابن العمّ اَلا تری اِلَی الحسینؑ یستجیر فلایجار ویسغیث فلایغاث فهل لک اَن تذهب الیه ونقاتل بین یدیه ونفدیه بارواحنا فَلَعَلَّنَا نفوز بالشهادة ونکون فی زُمرتِهٖ یوم القیامة ؟ فقال له لاحاجة لی فی ذٰلک؛ قال فاقبل الحرعلیٰ ولده وقال له یابُنیّ لَاصبر لی عَلَی النار ولاعَلیٰ غضب الجبّار ولَایکون خصمی غدا محمدؐ المختار یابُنیّ سِرُبِنَااِلَی الحسین علیه السلام نقاتل بین یدیه فلعل اللّٰه اَنْ یکتبنا مع الشهداء فنفوز بالشهادة ؟ فقال له لَسْتُ مخالفک یااباه فیماتا مُرنی بِهٖ ۔ وفی الارشاد فاخذ یدنومِنَ الحسیؑن قلیلًا قلیلًا فقال له المهاجربن اوس ماترید یابن یزید۔اَتُرِید اَن تحمل فلم یجبه فاخذه مِثل اُلافکل ای الرعدة۔فقال له المهاجراَنّ امرک لمریب و اللّٰه مارَاَیْتُکَ فِی موقف قَطّ مثل هٰذا۔وَلَوْ قِیْلَ لِیُ مَنْ اشجع اهل الکوفة لما عدوتک فما هٰذا الذی اَرَی مِنْکَ فقال له الحُر انی واللّٰه اخیّرنفسی بین الجنة والنار فو اللّٰه لاختار علی الجنة شیئًا ولو قطّعتُ وحرّقتُ۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 269-268)

''حُرؑ آگے بڑھے اور اپنے چچازاد بھائی قرہ بن قیس کے پاس پہنچے اور اُس سے کہا کہ اے بھائی کیا تم نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا کہ حسین علیہ السلام امداد چاہتے ہیں اور کوئی مدد کو تیار نہیں۔ وہ نصرت کے لئے پکارتے ہیں کوئی نصرت پر آمادہ نہیں ہوتا۔ کیا تم میرے ساتھ چلنے اور اُن حضرتؑ کے سامنے اُن کی طرف سے جہاد کرنے اور اپنی جانوں کو اُن پر فدا کرنے کے لئے تیار ہوسکتے ہو؟ تاکہ ہم درجہ شہادت پر فائز ہوجائیں اور اُن کے ساتھیوں میں ہمارا شمار ہوجائے اور بروز قیامت اُن ہی کے درجہ میں مقام بلند مل جائے؟ قرہ نے کہا کہ مجھے اُن کے معاملہ میں کوئی احتیاج نہیں ہے۔''

چونکہ ابومخنف اُس گفتگو کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا جو قرۃ اور جناب حرُ کے درمیان گھوڑے کو پانی پلانے سے متعلق تھی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ قرہ سے یہ آخری گفتگو بہت بعد میں ہوئی اور اُس وقت قرہ اپنا خیال بدل چکا تھا۔ بہرحال آگے لکھا ہے کہ:۔

''جناب حُرؑ اپنے فرزند کے پاس آئے اور کہا بیٹے مجھ میں واصل جہنم ہونے اور اللہ کے غضب کو برداشت کرنے اور رسولؐ اللہ کا مخالف اور مدمقابل بننے کی ہمت نہیں ہے۔ بیٹے آؤ چلیں امامؑ مظلوم کے سامنے حاضر ہوجائیں اور اُن کی حمایت میں جنگ کرتے کرتے شہید ہوجائیں۔ یقین ہے کہ اللہ ہمیں حسینیؑ شہدا کی فہرست میں لکھ لے گا اور ہم مقام شہادت پر سرفراز ہوجائیں۔ بیٹے نے عرض کیا کہ میں آپ کا مخالف نہیں۔ جو حکم ہے میں اطاعت کے لئے حاضر ہوں۔ کتاب ارشاد بتاتی ہے کہ حُرؑ اور اُن کا بیٹا دونوں آہستہ آہستہ سپاہ حسینیؑ

کی طرف بڑھنے لگے۔ مہاجر بن اُوس نے حُرؑ سے کہا کہ اے حُرؑ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ کیا تم حسینؑ فوج پر حملہ کا ارادہ کر رہے ہو؟ حُرؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔لیکن اس اچانک سوال سے حُرؑ پر بجلی سی گر پڑی جسم میں کپکپی محسوس ہوئی۔ مہاجر نے پھر کہا کہ اے حُرؑ تمہارا حال شش و پنج میں پھنسے آدمی ایسا معلوم ہو رہا ہے۔ میں تو تمہیں اہل کوفہ میں بہادر ترین شخص یقین کرتا ہوں مگر جو حال آج میں دیکھ رہا ہوں ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ حُرؑ نے کہا کہ بھائی میں جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں اور جہنم کے مقابلہ میں جنت کو اختیار کرنے کی فکر میں مبتلا ہوں۔ اور جنت پر کسی اور چیز کو ترجیح دینے کو تیار نہیں ہوں خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں جلا دیا جائے۔''

(39/6)۔ حضرت حُرؑ نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور حسینؑ دربار میں باریاب ہو گیا

یہاں یہ نوٹ کرتے چلیں کہ گو ہم اس ذخیرۂ شہادت میں کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات کے حوالجات پیش کر رہے ہیں۔ مگر یہ تمام بیانات تاریخ طبری اور دیگر تواریخ سے ثابت ہیں۔ اور ہر وہ بات جو قرآن و رسولؐ اور آلِ رسولؐ کے معیار کے مطابق ہوگی اُس کا صحیح اور مصدقہ ہونا بھی لازم ہے۔ بہرحال حضرت حُرؑ کے متعلق کتاب الملھوف کہتی ہے کہ:۔

وفی الملھوف ثُمَّ ضرب فرسہٗ قَاصِدًا اِلَی الحسینؑ ویدہ عَلٰی راسہ وھویقول اَللّٰھُمَّ اِلَیک اَنِبْتُ فَتُبْ عَلَیَّ فقد ارعبت قلوب اولیائِکَ واولاد بنت نَبِیّکَ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ قال ابومخنف فجعل الحر یقبّل الارض بین یدی الحسینؑ فقال لہ ارفع راسک یاشیخ فرفع راسہ ۔وعن الارشاد فقال لہ جعلت فداک یابن رسولؐ اللّٰہ انا صاحبک الذی حبستکَ عن الرجوع وسایرتک فی الطریق وجعجعتک بک فی ھٰذا المکان وماظننت اَنَّ القوم یردّون علیک ما عَرَضْتَ علیھم ولایبلغون منک ھذہ المنزلۃ و اللّٰہ لَوْ عَلِمْتُ اَنّھم ینتھون بک اِلٰی ماری مارکبتُ مثل الذی رکبت وانا تائِب اِلَی اللّٰہ تعالٰی مِمَّا صَنَعْتُ فتری لی من ذٰلک توبۃ ۔فقال لہ الحسینؑ نَعَمْ یتوب اللّٰہ علیک فَانْزِل ۔قال فانالک فارسًا خیرٌ منی راجلًا قاتلھم علٰی فرسی ساعۃ والی النزول آخر مایصیر امری۔(ایضاً اکسیر العبادات صفحہ 269)

''اس کے بعد حضرت حُرؑ نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر پوری رفتار سے سپاہ حسینؑ کی طرف بڑھا دیا۔ اور بطور پناہ طلبی اپنا ایک ہاتھ اپنے سر پر رکھا۔ اور بآواز بلند کہتے چلے آ رہے تھے کہ اَے اللہ میں خود کو تیری سپردگی میں دیتا ہوں تُو میری توبہ قبول فرما۔ یقیناً میں نے تیرے برگزیدہ حضراتؑ کو اور تیرے نبیؐ کی بیٹیؑ کی اولاد کے دلوں میں خوف وہراس پیدا کیا ہے۔ اور ابو مخنف لکھتا ہے کہ حُرؑ امام حسینؑ کے روبرو زمین بوس ہوا، زمین چومتا رہا۔ یہاں تک کہ امامؑ نے فرمایا کہ اَے شیخ اُٹھو سر بلند کرو۔ حُرؑ نے سر اٹھا لیا۔ (کتاب ارشاد کہتی ہے کہ) حُرؑ نے دست بستہ عرض کیا کہ میں وہی بدنصیب شخص ہوں۔ جس نے آپ کو نظر بند کر کے آپ پر تمام راہیں بند کی تھیں۔ میں وہی مجرم ہوں جو آپ کے ساتھ ساتھ سایہ کی طرح لگا رہا اور آپ کو یہاں تک لانے میں کوشاں ہوا۔ اور آخر کار آپؑ کو اس بیابان میں لا کر یوں بے دست و پا محصور کرا دیا۔ اَے فرزند رسولؐ میری زندگی آپ پر قربان ہو قسم بخدا مجھے یہ گمان تک نہ ہوا تھا کہ یہ قوم آپ کی پیش کردہ تمام شرائط کو نامنظور کر کے آپ کو اس موجودہ صورت حال سے دوچار ہونے پر مجبور کر دے گی۔ واللہ اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ میرے اقدامات کا یہ نتیجہ ہوگا جو اس وقت تک میری آنکھوں نے دیکھا ہے۔ تو میرا عملدرآمد وہ نہ ہوتا جو میں نے کیا ہے۔ میں اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

اپنی ہر حرکت پر نادم وپشیمان ہوں۔ آپ میری حالت اور سابقہ اعمال کو دیکھتے ہیں۔ مجھے معاف فرمادیں اور میری توبہ قبول ہونے میں میری مدد فرمائیں۔ امام علیہ السلام قلوب کا حال جانتے تھے۔ حُرؑ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا؟ امامؑ رحمتِ خداوندی کے فرزند تھے۔ مجسمہ رحم وکرم وشرافت تھے۔ مسکرا کر فرمایا ہاں ہاں اللہ ضرور تمہاری توبہ قبول کرلے گا۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ خدا تمہیں بہترین جزا سے نوازے گا۔ تم ہمارے مہمان ہو۔ ہمارے ساتھ قیام کرو۔ ہمیں کوئی شکوہ وشکایت نہیں ہے۔ یہ تو سب جانتے تھے کہ ایسے عالم میں مہمان کی کیا خدمت کی جاسکتی تھی؟ بہر حال حُرؑ کے دل میں اطمینان وچین پیدا ہوا۔ غالباً امامؑ کے جواب سے دل میں رقت بھی پیدا ہوئی ہوگی۔ خیموں کے اندر بھی مہمان کی آمد نے مختلف رنج وغم اور مسرت کے تاثرات پیدا کیئے ہوں گے۔ حُرؑ نے عرض کیا حضورؑ میرے گناہوں کی یہ معافی تقاضہ کرتی ہے کہ میں آپ سے اجازت مانگوں اور آپ کی طرف سے آپ کے بہادر محافظوں کی صورت میں ذرا اس ملعون قوم سے تھوڑا سا جنگ کرلوں کہ مخالف فوج میں اعلان ہوجائے کہ حُرؑ وہاں پہنچ کر مقبول اور پسندیدہ فدا کار بن گیا جہاں جانے کے لئے اُس کا چہرہ شرمسار تھا۔ رہ گئی مہمانداری وہ تو میں آپؑ کے ساتھ ابدالآباد رہوں گا۔''

تاریخ طبری کہتی ہے کہ'' امامؑ نے یہ بھی فرمایا کہ تیری والدہ نے تیرا نام بجا طور پر حُر رکھا تھا۔ لہٰذا تم دنیا میں بھی حُریت اور آزادی کے نشان ہو اور آخرت میں بھی ہر مواخذہ سے آزاد ہو۔ اور حُرؑ نے کہا تھا کہ حضورؑ میں اب گھوڑے سے اُسی وقت اُتروں گا جب لڑتے لڑتے اور دُشمنان خدا کو قتل کرتے کرتے نڈھال اور ناتوان ہوجاؤں گا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ امامؑ نے فرمایا تھا کہ اچھا بھائی تم اپنی تمنا پوری کرنے میں آزاد ومختار ہو۔''(صفحہ 274 جلد 4)

(39/7)۔ حضرت حُرؑ کو معافی مل چکنے کے بعد طرح طرح پیش کیا گیا ہے

امام حسینؑ سے حُرؑ کی ملاقات تاریخ طبری سے سنئے :۔'' عرض کی یا ابن رسولؐ اللہ میں آپ پر فدا ہوجاؤں۔ میں وہی شخص ہوں جس نے آپ کو واپس نہ جانے دیا۔ جو راستہ بھر آپ کے ساتھ ساتھ رہا۔ جس نے آپ کو اسی جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ قسم ہے خداوند وحدہ لاشریک کی میں ہرگز یہ نہ سمجھا تھا کہ جتنی باتیں آپ اُن لوگوں کے سامنے پیش کریں گے وہ اُن میں سے کسی بھی امر کو نہ مانیں گے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی۔ میں دل میں یہ سوچے ہوئے تھا کہ بعض باتوں میں اُن لوگوں کی اطاعت کروں تو کیا مضائقہ ہے۔ تا کہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ میں نے اُن کی اطاعت سے انحراف کیا۔ ہوگا یہی کہ حسینؑ جن باتوں کو پیش کریں گے۔ یہ اُن باتوں کو مان لیں گے۔ واللہ اگر میں جانتا کہ آپ کی کوئی بات یہ لوگ قبول نہ کریں گے تو میں اس امر کا مرتکب نہ ہوتا۔ مجھ سے جو قصور ہوگیا ہے۔ میں خدا کے سامنے اُس سے توبہ کرنے اور آپ پر اپنی جان فدا کرنے کو آیا ہوں۔ میں آپ کے سامنے مرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ فرمایئے کہ کیا میری یہ توبہ قبول ہوجائے گی؟ فرمایا ہاں ہاں خدا تیری توبہ ضرور قبول کرے گا۔ اور تجھے بخش دے گا۔ تیرا کیا نام ہے؟ عرض کیا میرا نام حُر ہے۔ فرمایا تو آزاد ہے۔ تیری ماں نے جس طرح تیرا نام حُرؑ رکھا ہے۔ انشاء اللہ تو دُنیا وآخرت دونوں جگہ آزاد ہے۔ اب گھوڑے سے اُتر آؤ۔ حُرؑ نے عرض کیا کہ میرا گھوڑے پر رہنا اترنے سے بہتر ہے۔ ایک ساعت اُن لوگوں سے جنگ کروں گا۔ جب میرا آخری وقت ہوگا تب گھوڑے سے اُتروں گا۔ آپؑ نے فرمایا اچھا جو تمہارا دل چاہے کرو اللہ تم پر رحم فرمائے۔''(ایضاً صفحہ 274 جلد 4)

نہ یہاں یہ بات قابلِ قبول ہے اور نہ صورتِ حال اور مقامِ امامؑ کے شایانِ شان ہے کہ معافی مانگنے کے لئے آنے والا سرتاپا مجسمۂ ندامت حُرؑ گھوڑے پر سوار رہے اور امامؑ زمین پر بیٹھے یا کھڑے رہیں۔ اور حُرؑ اتنا طویل بیان دے، نہ پاس ادب ملحوظ رکھے نہ حکم مانے۔ لہٰذا سابقہ روایت کی رُو سے زمین بوس ہونا صحیح ہے۔ دراصل معافی کے بعد حُرؑ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ارادہ جنگ ظاہر کیا۔ اس پر آنحضرتؑ نے فرمایا کہ گھوڑے سے اُترو تم تو ہمارے مہمان ہو۔ اس پر حضرت حُرؑ نے یہ دلیل پیش کی کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے آپ کو موجودہ صورت حال سے دوچار کیا۔ لہٰذا مجھے یہ حق دیجئے کہ میں اُسی میدان میں قربان ہونے والوں میں پہلا شخص ہو جاؤں اور جنت میں آپ کے پالنے والوںؑ کے حضور میں سب سے پہلے پہنچوں۔ اس پر آپؑ نے خوش ہو کر اجازت دے دی۔

(39/8)۔ حضرت حُرؑ نے اپنے قبیلے کے ساتھ ساتھ پوری فوج اور ابن سعد کو خطاب کیا

''معافی مل جانے اور حقیقی حُرؑ بن جانے کے بعد حضرت حُرؑ اپنے اصحاب کی طرف بڑھے اور اعلان کیا کہ سنو کہ حسینؑ نے جو شرائط پیش کی تھیں۔ اُن میں سے کسی ایک بات کو بھی مان لیا جاتا تو تم کو اُن سے جنگ وجدل کرنے کی نوبت نہ آتی۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا امیر عمر بن سعد ہے تم یہ گفتگو اُس سے کرو تو بہتر ہوگا۔ حُرؑ نے عمر سعد سے دوبارہ وہی گفتگو کی جو پہلے کر چکا تھا۔ ابن سعد نے جواب دیا کہ میری خواہش یہی تھی۔ اگر ہوسکتا تو میں یہی کرتا۔ اب حُرؑ نے اہل کوفہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ خدا تم کو ہلاک اور تباہ کرے۔ تم نے اُنہیں بلایا۔ اور جب وہ چلے آئے تو انہیں دشمنوں کے حوالہ کر دیا۔ تم اُن پر جان نثار کرنے کو کہتے تھے اور اب انہیں قتل کرنے کے لئے اُن پر حملہ کر رہے ہو۔ اُن کو تم نے گرفتار کر لیا ہے۔ اُن کا سانس لینا بند کر دیا۔ اُن کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اُن کو خدا کی وسیع وعریض دنیا میں کہیں نکل جانے کا موقعہ بھی نہ دیا۔ کہ وہؑ اور اُن کے اہلبیتؑ امن سے زندہ رہ سکتے۔ اب وہ قیدی کی طرح تمہارے ہاتھوں میں ہیں۔ تم نے اُن پر اُن کے رفقا پر اُن کی مستورات اور بچوں پر دریا کے بہتے ہوئے پانی کو بند کر دیا ہے۔ جو یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے کھلا ہے۔ جس میں جنگلی جانور اور سُور غوطہ لگاتے ہیں۔ اور اُن کے تمام بچے، جوان اور عورتیں اور بوڑھے پیاس سے قریب ہلاکت پہنچ چکے ہیں۔ محمدؐ رسول اللہ کی ذریت کے ساتھ تم نے اُنؐ کے بعد کتنا بدترین سلوک کیا ہے؟ اگر آج اور اسی وقت تم اپنے ارادوں سے باز نہ آؤ گے اور توبہ نہ کرو گے تو خدا تمہیں محشر کی تشنگی سے نہ بچائے گا۔ یہ سن کر پیادہ فوج نے حُرؑ پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔''

(ایضاً صفحہ 275-274)

(39/9)۔ ایک بدترین فریب جس میں عموماً علما اُلجھے اور اُلجھتے چلے آئے ہیں

اس تاریخی اور سرکاری فریب کو سمجھنے کے لئے دو بنیادی حقائق سامنے رکھ لیں۔ **پہلی حقیقت** یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے بار بار ذکر فرمایا ہے کہ کوفہ سے اُن کو بلانے کے لئے اتنے خطوط آئے کہ بوریاں بھر گئیں۔ اور آپ کا کربلا تک آنا بظاہر اُن ہی خطوط کی بنا پر تھا۔ حالانکہ روز ازل سے آپ کی شہادت متعین، مُقرر اور مشہور چلی آ رہی تھی۔ یعنی وہ خطوط محض شرعی حجۃ تھے۔ اور یہ شرعی عذر وحجۃ دو چار ذمہ دار افراد کے ایک ہی خط سے پوری ہو چکی تھی۔ اور ایسے ایک دو یا چند خطوط واقعی کوفہ کے حقیقی شیعوں نے لکھے تھے۔

سوال یہ ہے کہ باقی ہزاروں اورلاتعداد خطوط کس نے لکھے تھے؟اس سوال کا جواب تاریخ طبری اور تاریخ اُمت کے ایک بیان سے سمجھنے میں مدد ملے گی ۔ سنئیے کہ 145 ھجری میں محمد بن عبداللہ بن حسن بن حضرت امام حسن علیہ السلام نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں اعلان جنگ کیا اوراہل مدینہ کے ایک جلسہ میں بڑے یقین سے یہ دعویٰ کیا کہ:۔

''میں نے مدینہ کواس خیال سے اپنا مرکزنہیں بنایا ہے کہ یہاں کے لوگ زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ میں یہاں کے باشندوں سے محبت رکھتاہوں۔ میں تو یہاں اُس وقت آیاہوں جب کہ دنیائے اسلام کے ہر مقام سے لوگوں نے میری امامت کی بیعت کرلی ہے۔''

یہ لکھ کر مؤرخ لکھتاہے کہ:۔ ''اہل مدینہ یہ سُن کرخوش ہوگئے ۔لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ بلکہ خلیفہ منصور نے اپنی طرف سے جا بجا ایسے لوگوں کو متعین کردیا تھا۔ جومحمد بن عبداللہ بن حسن بن حسنؑ کے پاس خطوط بھیجا کرتے تھے۔ کہ یہاں کے لوگ آپ کی امامت پر راضی ہیں۔ اس سے اُن کو یہ غلط فہمی پیداہوگئی کہ ہر مقام کے لوگ میری امامت کوتسلیم کر چکے ہیں۔ اور حمایت کے لئے آمادہ ہیں۔''
(تاریخ اُمۃ جیراجپوری جلد 4 صفحہ 93-92 اور تاریخ طبری)

اس تاریخی بیان سے یہ حقیقت سمجھ میں آجانا چاہئے کہ خلافت امویہ کی پیروخلافت عباسیہ نے محمد بن عبداللہ الحسنی کے ساتھ وہی سیاسی چال چلی تھی جوکوفہ میں بلانے کے لئے یزید علیہ اللعن کے دانشوروں نے چلی تھی۔ اور چاروں طرف سے ایسے ہزاروں خطوط لکھوائے تھے جوسب اہل کوفہ کے جعلی ناموں سے منسوب تھے۔ پھراُن مخالف حکومتوں نے ہر ہر بیان میں اس پر زوردیا کہ کوفہ کے لوگوں نے غداری کی اور یہ کہ لشکر عمر سعد وابن زیاد میں تمام لوگ کوفی تھے۔ یہی رنگ حضرت حُرؑ کے بیان میں بھرا گیاہے۔ **دوسری حقیقت** یہ ہے کہ میدان کربلا میں شہید ہونے والوں کی عظیم کثرت کوفہ کے باشندوں کی تھی۔ اور جن لوگوں نے واقعی امامؑ کوخطوط لکھے تھے وہ سب اُن شہدا میں شریک تھے۔ اور جو باقی رہے وہ ابن زیاد کی قید میں طوق وزنجیر میں جکڑے ہوئے بندرہے۔ اور ایک سال واقعہ کربلا کے بعد سفارشوں سے ایک ایک دودوکرکے رہا ہوئے یا جیل میں تشدد سے مرگئے۔

کوفہ وہ شہر تھا جہاں واقعہ کربلا کے بعد تحریک تشیع کا مرکز قائم ہوا، کوفہ ہی وہ شہر تھا جہاں کے شیعہ اورسنی دانشوروں نے عرب کی ملکی خلافت کو چاروں طرف سے گھیرلیا تھا۔ مصرودیلم اورافریقہ میں شیعہ حکومتیں قائم کیں اور تیغ بکف رہ کر خلافت ملکی کوتباہ وبرباد کیا تھا اس لئے کوفہ کو بدنام کرنا بہت ضروری تھا۔ تفصیلات ہماری کتاب ''**مذہب شیعہ، ایک قدیم تحریک وہمہ گیرقوت**'' میں ملاحظہ ہوں۔ اہل تحقیق کی نظر میں کوفہ اورکوفی محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے نام ونشان اورتصورات کودنیا بھر میں پھیلانے میں راہنمارہتے چلے آئے ہیں۔ اوراُن سے فداکاری وجان سپاری میں کوئی شخص آگے نہیں بڑھنے پایاہے۔ البتہ وہ ابتدا میں چند غلطیاں کرگئے انہیں حکومت نے فریب دیا تھا۔ مگراُنہوں نے بہت جلد مجتمع ہوکرایک ہمہ گیرپالیسی بنائی اور رفتہ رفتہ حکومت سے بہتر، منظّم اورموثر اقدامات کا کامیاب سلسلہ شروع کیا اورمرکزی ہدایات حاصل کرنے کا نظام قائم کیا تھا۔ ابتدائی ایام میں اُن کی محبت وعقیدت وقربانیاں انفرادی تھیں۔ دشمن کے سیاسی لیڈراُن کوغلط راہوں پرڈالنے اوراجتماعی اقدامات سے روکنے میں کامیاب ہوجاتے تھے۔ یہی حال آج ملت شیعہ کا ہے۔ جونہیں

اتحاد کی آڑ میں بدنام اتحاد کی حمایت کی دعوت دیتا ہے وہ خود بکاؤ مال تھا۔ جو انہیں فساد میں ہدایات دے رہا ہے وہ اپنی زبان سے دو ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ حاصل کرنے کا اعلان کرتا رہا ہے (1977 عیسوی)۔ سینکڑوں انجمنیں اور ادارے آکاش بیل کی طرح شیعوں کو لپٹے چلے جارہے ہیں، آپس میں کوئی رابطہ نہیں، اجتماعی منشور نہیں۔ جس کا جدھر دل چاہتا ہے چند فضائل ومصائب پڑھ کر اُنہیں کھینچ کر لے جاتا ہے اور موقعہ ملنے پر اُن کا سیاسی سودا کر کے فروخت کر دیتا ہے۔ کراچی میں مشہور ہو جاتا ہے تو لاہور بھاگ جاتا ہے۔ وہاں کاروبار فیل ہونے لگتا ہے تو پھر نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کراچی میں اور ادارہ کھول لیتا ہے۔

حضرت مسلمؑ کی آمد سے پہلے ہی حکومت کے سپاہی، سیاسی لیڈر اور جاسوس مومنین کی صفوں میں داخل ہو چکے تھے۔ خود کوفہ کا وہ گورنر جو ابن زیاد سے پہلے شیعوں کا طرفدار معلوم ہوتا تھا حکومت کے اشاروں پر گامزن تھا۔ مومنین کے ٹھکانوں اور لیڈروں کی فہرستیں بنارہا تھا۔ اُسی نے ابن زیاد کو تمام معلومات فراہم کی تھیں۔ جس سے آن کی آن میں شیعوں کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ اور انہیں انفرادی کوششوں پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ جس کو موقعہ ملا کربلا پہنچا ورنہ گرفتار ہو گیا۔ اور کم از کم ایک سال ورنہ امیر مختار کے انقلاب تک قید رہا۔

یہ بات بڑی احمقانہ ہے کہ کوفہ کے تمام شیعہ لشکر عمر سعد میں تھے۔ ابن زیاد و عمر سعد تو دنیا کے زبردست سیاسی لیڈر اور جرنیل تھے۔ کوئی معمولی عقل کا جرنیل بھی کسی باغی شخص کو یا دشمن کے طرفداروں کو اپنی فوج میں بھرتی نہ کرے گا۔ خصوصاً جب کہ جنگ بھی اُسی شخص سے ہو جس کی عقیدت ومحبت بھرتی کئے جانے والوں کے دلوں میں ثابت ہو چکی ہو۔ ایسے موقع پر تو ہر ایسے شخص کو دُور سے دُور رکھا جاتا ہے جس پر یہ شبہ بھی ہو کہ وہ موقعہ ملنے پر بغاوت کریگا۔ یہی وجہ ہے کہ شیعوں کے سر برآوردہ لیڈروں کو قید کیا گیا قتل عام کیا گیا۔ کوفہ میں مارشل لا لگا کر لوگوں کو گھروں کی چار دیواری میں بند رہنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ یہ ایک سرکاری فریب ہے جو ہمارے علما اور محدثین کی مدد سے پھیلایا گیا کہ کربلا میں پوری فوج کوفہ کے باشندوں کی تھی۔ عمر سعد کی فوج کی تعداد کے برابر تو پورے کوفہ کے مردوں، عورتوں اور بچوں کو شامل کر کے بھی نہیں بنتی۔ ہمارے ریکارڈ میں امامؑ کو شکست دینے کیلئے پانچ لاکھ سپاہی مختلف چھاؤنیوں سے جمع کئے گئے تھے اور یہ تعداد اُن اہل علم کیلئے لازم تھی جو یہ جانتے تھے کہ ملک یمن وایران واندرون عرب سینکڑوں زبردست قبائل کے ہلّہ بول دینے کا اندیشہ دامنگیر تھا۔ جو اُس وقت اسلئے نہ ہوا کہ امام مظلومؑ نے مدد ونصرت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تاکہ اسلامی خلافت کے اسلام وایمان کا پردہ چاک کر دیا جائے اور ایک دفعہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ ملکی حکومت، یہ محمدؐ کی جانشینی کی دعویدار حکومت سَر سے پیر تک اور اندر سے باہر تک کفر وشرک ونفاق والحاد کا ایک انبار ہے۔ اُسکی بنیاد اور اس کے ستون وارا کین کافروں، مشرکوں، منافقوں اور ملحدوں سے مرکب ہیں۔ اور یہ کہ اُن میں ہر فرد دشمن محمدؐ وآل محمدؐ ہے۔ یہ وجہ تھی کہ لوگ باہر سے مدد کو نہ آسکے اور جو آئے واپس کر دیئے گئے۔ خود اپنے ساتھیوں اور اولاد واعزہ کو رخصت کرنا چاہتے رہے۔ تاکہ ملکی مذہب کے لوگ کھُل کر اطمینان سے ہر ممکن ظلم کر سکیں اور ثابت ہو جائے کہ کربلا میں حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کے سوا کوئی حقیقی مسلمان نہ تھا۔ سب کا اپنا اپنا خود ساختہ وپسندیدہ مذہب تھا۔

(39/10)۔ حضرت حُرؑ کے چند اور بیانات اور اپنے بیٹے کو نثار کرنا

1) ''ابن نُما کہتے ہیں کہ حضرت حُرؑ نے امام علیہ السلام کو بتایا کہ حضورؑ جب ابن زیاد نے دیکھا کہ میں آپ سے ملنے کے لئے تیر کی

مار کی حد سے نکل گیا تو میرے پیچھے سے مجھے ایک ندا دی گئی کہ "**اے حُرؑ تمہیں مبارکباد**" میں نے پلٹ کر آواز دینے والے کو دیکھنا چاہا تو میں نے کسی کو نہ دیکھا۔ میں نے سوچا کہ آپ کے فداکاروں میں شمولیت پر ابن زیاد تو مبارکباد نہ کہہ سکتا تھا۔ امامؑ نے فرمایا کہ بہرطور تم قابل مبارکباد اور بڑے بلند مقام پر فائز ہو گئے ہو۔" (ایضاً اکسیر العبادات۔صفحہ 269)

2) وفی الملهوف قال الحرفاذاکُنتُ اوّل من خرج علیک فاذّن لی اَن اکون اول قتیل بین یدیک لَعَلِیّ اکون مِمَّن یصافح جدّکؐ فی القیٰمة ۔ "ملهوف میں لکھا ہے کہ حُرؑ نے کہا کہ چونکہ میں پہلا شخص ہوں جو آپ کے خلاف عمل پیرا ہوا۔ لہٰذا مجھے اجازت جہاد بھی پہلے ملنا چاہئے کہ میں پہلا جان قربان کرنے والا کہلاؤں اور بروز قیامت آپ کے ناناؐ سے سب سے پہلے مصافحہ کروں۔" (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 269)

3) قال ابومخنف ثمّ ان الحراقبل علیٰ ولده وقال یابُنیّ احمل علی اعدآء اللّٰه واعدآء رسوّله فحمل الغلام ولم یزل یقاتل حتّی قتل من القوم اربعة وعشرین رجلًا ثمّ قُتِلَ رحمة اللّٰه علیه فلمّا نظرالیه اباه فرح فرحًاشدیدًا وقال الحمدللّٰه الذی استشهد ولدی بین یدی الحسین ۔ "ابومخنف نے لکھا کہ اس کے بعد جناب حُرؑ اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ بیٹے تم اُن دشمنانِ خدا اور دشمنانِ رسوؐل پر حملہ کرو۔ لڑکے کے حملے سے چوبیس نامور سپاہی واصل جہنم ہوئے اور وہ نوجوان شہید ہو گیا۔ خدا اُس پر اپنی رحمت نازل کرے۔ جب حضرت حُرؑ کو معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا امام پر قربان ہو گیا تو اُنہیں جوان بیٹے کی شہادت سے انتہا درجہ کی طمانیت و مسرت حاصل ہوئی اور انہوں نے کہا کہ میں حمد و ثنا بجا لاتا ہوں اُس اللہ کے حضور میں جس نے میرے بیٹے کو بھی یہ توفیق دی کہ وہ امامؑ کے روبرو شہید ہو سکا۔" (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 269)

4) فقال علیه السلام اَبرِزُوَقُلُ لاحول ولاقوۃ الاباللّٰه العلی العظیم فَبَرَزَ نحوالقول وجَالَ وصَالَ واَشهَرَ نفسه بین الفریقین......وعن الارشاد وفَحَمَلَ علیه رجال یرمون بالنبل.. ۔ثمّ حمل علی القوم ولم یزل حتّٰی قتل من القوم خمسین رَجُلًا۔ قال عمر بن سعدیاویلکم ارشقوهُ بالنبل والسهام ففعلواذلک وجعلوا یرشقون حتی جعلوه کالقنفذ وحملوا علیه حملة رجل واحد... ۔امامؑ نے حُرؑ کو رخصت کرتے وقت فرمایا کہ حملہ کے لئے سبقت کرو اور کہتے جاؤ کہ قوۃ کا سرچشمہ اور ہر چیز کو اطاعت کے دائرہ میں گھیر کر رکھنے کی قدرت اللہ کے سوا کسی اور کے پاس ہرگز نہیں ہے۔ وہی بلندترین اور صاحب عظمت ہستی ہے۔ چنانچہ حضرت حُرؑ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور موت کی طرح فوج پر گھوڑے کو جولانی دی اُن پر ٹوٹ کر گرے اور دونوں طرف کے لوگوں کو اپنا تشخص کرایا۔ کتاب ارشاد نے کہا کہ اُس قوم نے بھی حُرؑ پر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ لیکن حضرت حُرؑ نے برابر حملہ جاری رکھا اور اس دفعہ بھی پچاس سورماؤں کو تہِ تیغ کر دیا۔ فوج میں بھگدڑ مچی تو عمر سعد نے پکار کر شرم دلاتے ہوئے کہا کہ تم کم از کم دُور سے تیروں کا جھکڑ چلا دو۔ چنانچہ حُرؑ پر اس قدر تیر بارانی کی گئی کہ اُن کو <u>ساہی</u> کی طرح تیروں سے بیندھ دیا گیا۔ مگر حُرؑ برابر امامؑ کی بتائی ہوئی تسبیح **<u>لاحول ولا قوۃ</u>** ... پڑھ رہے تھے۔ بڑھ بڑھ کر اور جھوم جھوم کر تلواروں پر تلواریں برسا رہے تھے۔ اور عنترہ شاعر کا وہ شعر بھی پڑھتے جا رہے تھے کہ میں نے برابر اپنے گھوڑے کو اُن کی فوج پر اس طرح چڑھائے رکھا کہ گھوڑے کی گردن کے نیچے کئی کئی بہادر سپاہی دبے رہتے تھے اور میں اُن کے

سر بکھیرتا چلا جارہا تھا۔ میرے گھوڑے نے اس طرح گویا خون کی ایک چادر اوڑھ رکھی تھی۔ حملہ جاری تھا۔ فوج پسپا ہو رہی تھی۔ سرداران فوج دُور سے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور حضرت حُرؑ فوج کے بحرِ مواج میں غوطہ لگاتے اور اُبھرتے چلے جارہے تھے۔ کہ حصین بن تمیم نے حُرؑ کو دیکھا۔ حُرؑ قادسیہ میں اُس کے ماتحت رہ چکا تھا۔ حصین نے یزید بن سفیان سے کہا کہ دیکھو وہ حُرؑ تمہارے سامنے ہے۔ جسے قتل کرنے کی تمنا تمہارے دل میں ہے۔ تم نے کہا تھا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حُرؑ حسینؑ سے جا کر مل جائے گا تو میں ایک نیزہ مار کر اسے قتل کر دیتا۔ یہ سُن کر یزید بن سفیان حُرؑ کے قریب پہنچا۔ مخاطب کیا چیلنج دیا۔ حصین بن تمیم کہتا ہے کہ ایسا معلوم ہوا کہ گویا یزید بن سفیان کی موت حُرؑ کی مٹھی میں بند تھی۔ اس لئے کہ حُرؑ نے اُس کی للکار پر سپاہیوں کے نرغہ میں سے خود کو نکالا اور یزید کے سامنے آیا اور ایک ہاتھ سے اسے قتل کر دیا۔ اس ہولناک منظر نے فوج کے دل چھڑا دیئے اور کوئی باہر نہ نکلا تو حُرؑ حسین علیہ السلام کے پاس حاضر ہو گئے۔ امام مظلومؑ نے دعائیں دیں۔ اہل حرمؑ نے شکریہ ادا کیا۔ اِس کا نہ کہیں تذکرہ ہے نہ موقعہ ہی تھا کہ حُرؑ کے زخموں کی مرہم پٹی بھی ہو سکی یا نہیں۔ اور ایک تیر نکالنے کے سوا کسی اور کے تیر کا نکالنا بھی مذکور نہیں ہے۔ (اکسیر۔ صفحہ 270-269)

5) قَالَ وحمل علی القوم وقاتل قِتَالًا شدیدًا اِلٰی اَنْ قتل من القوم مقتلة عظیمة... ۔وقال فبرز الیه عبد اللّٰه بن شقیق فمالبث الٰی اَنْ قتله الحرثمّ برز الیه حریث الباهلی وقال اَنَا علٰی دین الرحمن فقال الحر انت علٰی دین الشیطان فحمل علیه فقتلهٗ۔ فصاح ابن الحجاج بالناس یاحمقاء اتدرون مَن تقاتلون اتقاتلون فرسان اهل المصر؟ هٰؤلاء الناس لایخافون الموت وقداستماتوا فَلَا یبرز الیهم منکم احدوانهم قلیلون وقلیلٌ مایَبْقون فواللّٰه لوترمونهم بالحجارة لقتلتموهم۔ فقال ابن سعد صدقت والرای مارأیت فارسل الی الناس مَن یقسم علیهم اَن لایبارزاحدمنهم احدًا۔ (اکسیر۔ صفحہ 258)

''حضرت حُرؑ نے پھر اُس قوم پر شدید ترین حملہ کیا اور ایک بہت بڑی تعداد کو ذبح کر ڈالا۔ اُسی دوران اُن کے مقابلہ پر عبداللہ بن شقیق آیا اور ذرا بھی دیر نہ لگی کہ حضرت حُرؑ نے اُسے قتل کر دیا۔ فوراً حریث الباہلی حملہ آور ہوا وہ کہتا جاتا تھا کہ میں رحمان کے دین پر ہوں حضرت حُرؑ نے یہ کہا کہ تو شیطان کے دین پر ہے اور ایک ہی وار میں اس کا صفایا کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر حجاج کے بیٹے نے اپنے رسالہ کو للکارا اور کہا کہ او احمق لوگو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم مصر کے بہادروں سے لڑ رہے ہو؟ ارے جاہلو یہ تو وہ بہادر ہیں جو موت سے بے خوف ہیں۔ ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان میں نکلے ہیں۔ ارے اُن کے مقابلہ میں ایک ایک کر کے نکلنا بند کر دو ورنہ یہ تم سب کو ڈھیر کر دیں گے۔ یہ تو تعداد میں اتنے کم تھے اور کم ہوتے جارہے ہیں کہ اگر تم چاہو تو پتھروں سے اُنہیں ختم کر سکتے ہو۔ یہ سُن کر عمر سعد نے کہا کہ تو نے بالکل سچ کہا اور بڑی مستحکم رائے دی ہے چنانچہ پوری فوج کو قسم دینے کا انتظام کیا گیا کہ کوئی بہادر سے بہادر شخص بھی حسینیؑ فوج کے بہادروں کے مقابلہ میں تنہا تنہا مقابلہ پر نہ جائے۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 258)

6) فبرز الحر الیهم ...ثم حمل ولم یزل یقاتل حتّٰی قتل مِنَ القوم مأ تین وثمانین فارسًا فقال عمر بن الحصین وکان والیًا علٰی شرطة ابن زیاد لعنه اللّٰه مَن یخرج الٰی هذا الغادر والناکث فتحاماه الناس ولم یخرج الیه احد مِن عظم باسه وشَدّ مراسه فَلَمَّا رای الناس قدتقاشعوا عنه خرج الیه بنفسه وهوابن الحصین لعنه اللّٰه فحَمَلَ علیه الحرفطعنه فی صدره واخرج السنان مِن ظهره فجدله صریعًا و عجل اللّٰه بروحه اِلَی النار وبئس القرارفکَاَنّ روحه کانت فی یدالحر فحال وصال ونادی هل من مبارز الٰی فتٰی

غیرعاجز ھذا یوم الروع والھزاھز فلم یبرز الیه احد...وعاد اِلَی الحسینؑ؛

وقـال یـامولای اعلم لماخرجتُ مِنَ الکوفة قَدْعَقَدَ لی ابن زیادرایة الف فارس الذین صحبونی الیک فبینما انا سائِرفی طریقی واذا انـا بـمناد مِن خلفی البشر یاحُرّبالجنّة فالتفت فلم اَرَاحدًا فقلت فی نفسی ھٰذاالشیطان یھتف بی ویبشرُنی بالجنه وانا سائِر اِلٰی حـرب الـحسیـنؑ ابـن بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم وانا احدث نفسی بانّی اصیر الیک فقال له الحسینؑ اَبْشَرُ یـاحُـرّ بالجنة فاحمداللّٰه الذی وفّقک فان المنادی کان الخضر فاقبل الحر علٰی ولده بکیر وقال له ودّ ع مولک الحسیؑن فجاء اِلَـی الـحسیؑـن وقـال السلام علیک یابن رسولؐ اللّٰه فانّی مَعَک فی ھذه الساعة فنسئل اللّٰه تعالٰی اَن یجمعنابک علی الحق فی جنـات الـنـعیم یامولای اَلَیْس قد رضیتَ عنّا؟ فقال نعم اِنّی قد راضٍ عنکم۔ قـال فادع لَنَا یامولای ۔قـال فرفع الحسینؑ یده اِلَی السماء وقال اللھم اِنّی اسئلک ان ترضی عنھما فَاِنّی راضٍ عنھما۔

قـال وحـمل الحر وابنه حملة رجل واحد ۔فـاقلبـا الـمیـمنة علی المیسرة والمیسرة علی المیمنة وضرب فی القلب فقتلافی حـمـلتھما مِأتین فارس ۔ثـم عـاداووقـفـا بیـن یـدی الـحسیـنؑ واقبـل الحرعلی ولده وقال جعلت فداک احمل علٰی اعدآء اللّٰه ورسوؐله ۔فـحـمـلِ البکیرعلی القوم وقتل منھم خمسین مبازًاوھمّ باالرجوع فلقیه الحر وقال اماسمعت قول اللّٰه عزّوجلّ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَار (انفال 8/15)۔ فعاد الغلام راجعًا الی القوم فحمل علیھم وقتل منھم خـلـقًـاکثیرًا ونضّخھم بالجراح فقال لھم ابن سعد حملواعلیه باجمعھم فلما رای ابن الحر ذلک کرّ راجِعًا الٰی اصحابه فعطف عـلیـه ابـوه وجـمـاعة مـن اصـحـاب الـحسیـنؑ فـالتقوهُ وثار الغبار وارتفع القسطل حتّی مااحد یعرف صاحبه قال **فـاقتطعواولد الحر** جـمـاعة مـن اصـحاب ابن سعد وحملوه علٰی اطراف الرماح واشفار والصفاح وھویقول اشھد ان لااله الا اللّٰه واَنّ محمدًا رسـول الـلّٰه ثمَّ قضٰی نـحبه فلما رای الحُرّ ولده قدقتل فرح واستبشر وقال الحمد اللّٰه الذی اسْتَشْھَدَکَ بین یدی الحسینؑ ولم تـمـت جاھلًا فَلَمَّا انجلّت الغبر ة ورجـع کـلّ مـنھـم الٰی صاحبه واذا فی المعرکة قتلاء لایعلم بھم وبعددھم الا اللّٰه تعالٰی وقیل عـددالـقتـلٰی فی تلک الساعة اربعة الاف فارس وآتی الحر الی ولده وحمله عَلَی الحسین علیھم السلام ورجع اولئک القوم اِلٰی اصـحـابھـم فـمـن کـان له نسیب اوقریب جعل یطلبه مِن بین القتلآء ثُمَّ حمل اصحاب الحسینؑ ومعھم الحرحملة حنق۔ثم حـمل علی القوم واقلب المیمنة علی المیسرة وبالعکس ولم یزل یقاتل اربعین فارسًا وقدکلّ ساعده فکثرواعلیه القوم والجنود ثـم حـمـل علیھم وضرب فیھم بالسیف ضرب الاعمٰی بعصاه حتّٰی قتل منھم خلقًا کثیرًا۔فـرشـقوا بالنبل فعقرت به فرسه فنزل عنھا۔ فضرب فیھم بالسیف حتّٰی تکاثروا علیه وشرک فی قتله رجل اسمه مسرخ فقتلوه۔(اکسیر۔صفحہ 259-258)

''حضرت حُرؑ نے پھر حملہ کیا اور یہاں تک مسلسل جنگ کی کہ دشمنان خدا اور رسولؐ کے دوسواسی بہادروں کو واصل جہنم کردیا۔ عمر بن الحصین جو ابن زیاد کا پولیس افسر تھا پکارا کہ ہے کوئی جو اس غدار اور عہد شکن کا کام تمام کرے؟ لیکن فوج حضرت حُرؑ کی شدتِ جنگ اور بے تحاشہ جان بازی کے خوف سے تنگ آ چکی تھی ۔ جب عمر بن حصین نے دیکھا کہ لوگ خوفزدہ ہو چکے ہیں اور سامنے سے بھاگ رہے ہیں تو خود میدان میں نکلا۔ اور حضرت حُرؑ نے سامنے آتے ہی ایک نیزہ اس طرح سینے میں مارا کہ کمر سے پار نکل گیا۔ گھوڑے سے زمین پر گرا اور اللہ نے اُس کی روح کو جہنم میں جلدی سے روانہ کردیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ گویا عمر کی موت حضرت حُرؑ کی مٹھی میں بند تھی ۔ پھر وہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور پکارتے جاتے تھے کہ ہے کوئی جو حسینی مجاہد سے مقابلہ پر آئے۔ کوئی ہے جو ایسے جوان سے

مقابلہ پر آئے جسے کوئی سورما عاجز نہیں کرسکا۔آج موت کی طرف چل چلاؤ کا دن ہے۔آج جانبازی وا کھیڑ پچھاڑ کا موقع ہے۔جب کوئی باہر نہ نکلا تو آپ ایک دفعہ پھر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے ؛

اور عرض کیا کہ حضور جب ابن زیاد نے مجھے ایک ہزار فوجیوں کا سردار بنا کر علَم دیا اور میں چلا اور آپ سے آ کر ملا۔تو جب میں اپنی راہ چلا آ رہا تھا اچانک پس پشت سے ایک آواز آئی تھی کہ اے حُرّؑ تجھے جنت کی خوشخبری ہو۔تو میں نے پلٹ کر تلاش کیا تو آواز دینے والے کو میں دیکھ نہ سکا۔میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں تو امام حسین علیہ السلام سے جنگ کے لئے روانہ کیا گیا ہوں جو کہ رسولؐ اللہ کی بیٹی کے فرزند ہیں۔مجھے تو جہنم کی بشارت ملنا چاہئے تھی۔یہ غالباً شیطان ہے جو مجھے جنت کی خوشخبری دے کر جرأت دلا رہا ہے۔میرے دل میں یہ بات بھی آئی تھی کہ شاید میں آپ کی نصرت ہی کے لئے جارہا ہوں۔امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے حُرّؑ واقعی تجھے جنت کی بشارت دی گئی تھی۔خدا کا شکر کرو جس نے تمہیں یہ توفیق عطا کی، وہ بشارت دینے والا بزرگ جناب خضر علیہ السلام تھے۔اس کے بعد حُرّؑ اپنے چھوٹے فرزند کے پاس آئے اور کہا بیٹے تم بھی اب اپنے مولا حسینؑ سے وداع ہولو۔چنانچہ بکیرؑ بن حُرّؑ حاضر ہوئے اور کہا سلام ہو آپ پر اے فرزند رسولؐ میں یقیناً اِن حالات میں آپؑ کے ساتھ شامل ہوں اور ہم خدا سے امیدوار ہیں کہ وہ ہمیں نعمتوں سے لبریز جنت میں بھی آپ کی خدمت میں اکٹھا کرے گا۔اے مولا کیا آپ ہم دونوں سے خوش نہیں ہیں؟ فرمایا ہاں ہاں میں تم دونوں سے راضی اور دل شاد ہوں۔حُرّؑ کے فرزند بکیر نے عرض کیا کہ حضورؑ آپ ہم دونوں کے لئے اللہ سے دعا فرمادیں۔امامؑ نے آسمان کی طرف دونوں ہاتھ بلند کر کے فرمایا کہ اے اللہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو اِن دونوں سے راضی ہو جا میں بھی اُن سے راضی ہو چکا ہوں ؛

کہا گیا ہے کہ پھر حُرّؑ اور اُنکے بیٹے نے مل کر اس ہم آہنگی سے حملہ کیا کہ گویا ایک ہی بہادر حملہ آور ہے۔چنانچہ انہوں نے فوج کو اسطرح اُلٹ پلٹ دیا کہ فوج کا داھنا حصہ بائیں پر اور بایاں حصہ داہنے حصہ پر گرتا پڑتا مارامارا پھر رہا تھا۔اسکے بعد دونوں پھر امامؑ کے سامنے حاضر ہو گئے۔ذرا دیر بعد حضرت حُرّؑ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ میں قربان جاؤں بیٹے اب تم تن تنہا اُن دشمنانِ خدا و رسولؐ پر حملہ کرو۔چنانچہ بکیرؑ حملہ آور ہوئے اور پچاس بہادروں کو مقابلہ پر بلا کر قتل کر دیا۔پھر پلٹ کر آئے تو حضرت حُرّؑ نے کہا کہ کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سُنا کہ جب اے مومنین تم کفار کے حملہ آوروں کا ہجوم دیکھو تو اُنکی طرف پیٹھ نہ کیا کرو۔یہ سن کر بچہ پھر دشمن کی فوج پر حملہ آور ہو گیا اور اُن میں سے ایک بہت بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اُن پر زخموں کی بارش کر دی۔ابن سعد نے کہا کہ پوری فوج اُس پر اجتماعی حیثیت سے حملہ کرے۔جب حُرّؑ کے فرزند نے یہ حال دیکھا تو سپاہ حسینیؑ سے رجوع کیا۔چنانچہ جناب حُرّؑ اور حسینؑ کے صحابہ کی ایک چھوٹی سی جماعت فوج یزید پر ٹوٹ پڑی۔اور اُسکی مدد پر چاروں طرف بکھر گئی۔ایسا حملہ کیا کہ گرد و غبار اٹھا، لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، شور و غوغا مر گئے مارے گئے، دوڑو مدد کرو کی فریادیں بلند ہوگئیں۔یہ حال ہو گیا کہ کوئی اپنے پرائے کو نہ پہچانتا تھا۔آپس ہی میں تلوار چل رہی تھی۔بھاگنے اور جان بچانے کی جگہ نہ ملتی تھی۔اس افراتفری میں حضرت حُرّؑ کا فرزند کہیں اکیلا گھر گیا اور اُسے نیزوں اور تیروں کی باڑھ پر رکھ لیا گیا۔وہ کلمہ پڑھتا ہوا شہید ہو گیا۔جب حُرّؑ کو پتہ چلا کہ بکیر شہید ہو گیا تو خوش ہو کر اللہ کا شکر کیا کہ اُس نے اسکے بیٹے کو حسینؑ پر قربان ہو جانے کا موقعہ دیا اور جہالت کی موت سے بچا کر شہدا میں شامل کیا۔جب گرد و غبار کم ہوا اور دشمن کی فوج میدان

سے فرار کر گئی اب لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچاننا اور اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھا کر امامؑ کے روبرو لانا شروع کیں۔اس معرکہ میں قتل ہونے والوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن بتایا گیا ہے کہ چار ہزار سپاہی قتل ہوئے تھے۔ چنانچہ حضرت حُرؑ نے اپنے فرزند کی لاش لا کر امامؑ کے سامنے رکھ دی اور دوسرے شہدا کی لاشیں اُٹھا اُٹھا کر لاتے رہے۔ دُشمن نے بھی اپنے مقتولوں کو سمیٹنا شروع کیا۔ پھر جناب حُرؑ نے آخری حملہ کیا اور ایک دفعہ دُشمن کی فوج کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا اور چالیس بہادروں کو مار گرایا اور عام لوگوں میں سے لاتعداد کو ڈھیر کر دیا۔لیکن اُدھر سے بھی جان لیوا حملہ جاری تھا۔حضرت حُرؑ کا گھوڑا بیکار ہو گیا تو پا پیادہ دوہتھی تلواریں مارتے ہوئے قلب لشکر میں گھس گئے اور داہنے بائیں سے بے پرواہ ہو کر جو سامنے آتا قتل کرتے جا رہے تھے کہ ایک شخص مسرخ نامی نے برابر سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔صحابہ حسینؑ نے پھر حملہ کیا اور حضرت حُرؑ کی لاش اُٹھا لائے۔

فاشترک فی قتلہ ایوب بن مسرخ ورجل آخر مِن فرسان اھل الکوفة وفی امالی الصدوق فاتاہ الحسین ودمہ یشخب فقال علیہ السلام بخٍ بخٍ یاحُرانت حُر کماسمّیت فی الدنیا والاخرة ۔وفی ملھوف فحمل الحر اِلَی الحسین علیہ السلام فجعل یمسح التراب عن وجھہ ویقول انت الحرّ کماسمّتک اُمک حرًا فی الدنیا والاخرة۔ (اکسیر صفحہ 270)

حضرت حُرؑ کے قاتلوں میں ایک __ایوب بن مسرخ__ اور دوسرا کوفہ کے فوجیوں میں سے ایک آدمی شریک تھا۔حضرت صدوق کی کتاب امالی میں ہے کہ جب حُرؑ کو امامؑ کے سامنے لایا گیا تو خون بہہ رہا تھا۔آپؑ نے فرمایا مبارک ہوائے حُرؑ تمہیں مبارک ہو۔تم اپنے نام کی تصدیق میں دنیا اور آخرت دونوں جگہ آزاد ہو۔کتاب ملھوف میں لکھا گیا ہے کہ جب حُرؑ کو امامؑ کے پاس اُٹھا کر لایا گیا تو آپ نے حُرؑ کے چہرے سے مٹی صاف کی اور فرماتے جاتے تھے۔کہ تم واقعی حُرؑ ہو جیسا کہ تمہاری ماں نے تمہارا نام آزاد رکھا تھا۔تم دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ آزاد ہو۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 270)

(39/11)۔ __حضرت حُرؑ سے تعارف اور امامؑ کی فتح پر دلیل__

__نام ونسب__۔حُرؑ بن یزید بن ناجیہ بن قعنب بن عتاب بن ھرمی بن ریاح بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم۔ اسلئے ریاحی، یربوعی اور تمیمی بھی کہلاتے تھے۔حُرؑ کا دادا عتاب بادشاہ ملک حیرہ نعمان بن منذر کے اعلیٰ درجہ کے درباریوں میں سے تھا۔ علاوہ ازیں جناب حُرؑ کوفہ کے رئیسوں میں سے تھے۔اور ابن زیاد کی افواج میں بہادر سرداروں اور افسران میں سر برآوردہ تھے۔اور وہ فوج جو قادسیہ کی ناکہ بندی اور امام حسینؑ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے تعینات تھی، حُرؑ اُسی فوج کے سردار تھے۔اور امام حسین علیہ السلام کو گھیر کر لانے کے خطرناک کام پر تعینات کئے جانے سے وہ اعتماد اور شجاعت میں پُر یقین معلوم ہوتا ہے جو دشمنوں کو حُرؑ پر تھا۔

(الف) __حق وحریتِ انسانی کی خطرناک حمایت__

یزید اور یزیدی افواج سے وابستہ رہنے میں دنیا کی تمام سہولتیں، نعمتیں، انعام و مُرادمندی، کامیابی کا یقین، آسائش و راحت اور آب وغذا سب کچھ فراہم تھا۔افسری وسرداری واقتدار حاصل تھا۔مسلمانوں کی کثرت کی اور مسلمان کثرت کے مذہب کی تائید حاصل تھی۔لیکن امامؑ کی طرف تمام صورتِ حال ہی ہمت شکن تھی۔قلتِ تعداد؛ بے کسی و بے بسی، بربادی کا سو فیصد یقین۔تین روز سے قطعاً

آب ودانہ بند، حکومت کا عتاب جس کے نتیجے میں اپنی اوراپنے بعد تمام اہل وعیال کی تباہی کا خوف۔ لیکن اس سب کے باوجود دنیا کی تاریخ میں یہ بےنظیر مثال قائم ہوگئی کہ امام حسین علیہ السلام کے بچوں اور عزیز واقربا اور صحابہ میں سے کوئی بھی حسینؑ کو چھوڑ کر فوج یزید یا یزید کی پناہ میں نہیں گیا۔ نہ حسینؑ کی حیات میں اور نہ بعد شہادت، کسی ایک کم سن بچے نے بھی حسینیؑ مشن کے خلاف عمل نہ کیا۔ پھر یہی نہیں بلکہ یزیدی فوج کا ایک بہادر سردار ہوتے ہوئے جناب حُرؑ نے حسینی فتح کا اعلان کیا اور یزیدی اقبال واقتدار کی پشت پر ایک لات ماردی۔ اور دنیا میں حرّیتِ انسانی کی قدر و قیمت کا ایک بلند ترین مینار چھوڑ گئے تاکہ دُور دُور سے لوگ دنیاوی راحتوں کو نظر حقارت سے ٹھکرا کر حسینیؑ مشن میں شامل ہونے کے لئے آتے رہیں۔ چنانچہ آج بھی حسینؑ کی طرف آنے والوں کا کثرت کی طرف سے بائیکاٹ کیا جاتا ہے۔ ہر محکمہ اور شعبہ میں اُن پر تعصب کی بجلیاں گرتی رہتی ہیں۔ ترقیوں اور سہولتوں سے محروم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ چاروں طرف سے انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ سرگوشیاں ہوتی ہیں۔ محلوں اور گلیوں اور بازاروں اور تمام سوشل اداروں میں دشمنوں ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ غیر مسلم مسلمان سمجھ کر ستاتے ہیں۔ مسلمان حسینیؑ ہونے کا انتقام لیتے ہیں۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اور اسکول سے لے کر اختتام تعلیم اور حصول ملازمت تک اُسے حسینیؑ ہونے کا مجرم سمجھا جاتا ہے۔ یقین کیجئے کہ تمام اعمال واخلاق وعبادات سے قطع نظر کسی شخص کا صرف اعلان شیعت کر دینا ہی اتنی بڑی قربانی اور عبادت ہے کہ جس کے مقابلے میں کسی شخص یا جماعت کی ساری عبادتیں بھی نہیں لائی جاسکتیں۔ اور اگر یہ حسینیؑ ہونے کی بنا پر اخلاق وعبادت پر بھی فائز ہوجائے تو یہ اکیلا اس اُمت کی شفاعت کے لئے کافی ہے۔ یہ ہے وہ مقام جسے حاصل کرنے کے لئے حضرت حُر علیہ السلام نے ملکی وقومی حکومت و مذہب واقتدار و وسائل حیات کو ٹھکرا دیا تھا۔ اور یہ ہے وہ قربانی جو ہر شیعہ فرد کرتا ہے۔ اور یہ ہے وہ عبادت جو دن رات اور صبح وشام اور ہر لمحہ اس کے اعمالنامہ میں لکھی جاتی ہے۔ اُس کا ماتم حسینؑ میں اپنا خون بہانا، گوشت کا قیمہ کر کے چھڑکنا، آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش کرتے رہنا، دن رات جاگنا، لذات دنیاوی سے کنارہ کشی اختیار کرنا اُس کی ایسی عبادتیں ہیں جن کی کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔ پھر خوش اخلاقی، لوگوں سے محبت ووفا، خیرات وخدمت قومی اور حقیقی نماز وروزہ، زیارات وحج بھی اگر ساتھ میں شامل ہیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کا حساب نہیں کیا جاسکے گا۔ اس لئے کہ اگر ایک آنسو جنت واجب کر دیتا ہے تو بتایئے جنتوں سے اُس کا اجر نہ چکایا جاسکے گا۔ اُن کا اجر تو یہ ہوگا کہ اُنہیں محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی براہ راست خدمت سونپی جائے تاکہ جبرائیلؑ ومیکائیلؑ واسرافیلؑ کے ساتھ رہیں۔ **اللّٰھم صلّی علیٰ محمدؐ و آل محمدؐ۔**

(39/12)۔ حضرت حُرؑ پر امام علیہ السلام کا مرثیہ اور دعا

جب جناب حُرؑ نے امام علیہ السلام کے چہرہ کو دیکھتے دیکھتے آنکھیں بند کرلیں اور خدمتِ علی وبتول ورسول علیہم السلام میں جا پہنچے تو حضورؑ اُٹھے اور خیمہ میں آکر رونے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ:۔

فنعم الحُرّ حرّ بنی ریاح	صبورٌ عند مشتبک الرماح
و نعم الحُرّ اذاواسا حسیناً	و جاد بنفسه عند الکفاح
و نعم الحُرّ فی رهج المنایا	اذا الابطال تخطر بالصفاح

سیجزی فی المعاد جنان الخلد　　مع الحور الخرائد و الصیاح

لقد فاز الّذی نصروا حسیناً　　و خاب الاخسرون بنو السفاح

ثُمَّ انّه علیه السلام بکی و قال اِنَّا للّٰه و انّ الیه راجعون ۔ قَتَلَ و اللّٰهِ اَسَدٌ مِن اساد اللّٰه یذبّ عن حرم رسول ا للّٰه صلّی اللّٰه علیه و آلہٖ ثم اَنّه استغفر له ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 259)

حُرؑ کتنا اچھا رہا کہ خود بھی اللہ کے یہاں حساب اور باز پُرس سے نجات پا گیا اور اپنے سارے ریاحی قبیلے کو بھی آزاد کرا گیا۔اور نیزوں اور تیروں کو صبر وشکر سے اپنے جسم پر سہتا چلا گیا۔حُرؑ یوں بھی خوب ثابت ہوا کہ جب دُشمن کی افواج سے جنگ کی تو خوشی خوشی اپنی زندگی حسینؑ پر قربان کر گیا۔موت کے طوفانی ہنگامہ میں بھی حُرؑ قابل ستائش رہا جہاں بڑے بڑے سُورما خطرہ محسوس کیا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فوراً اُسے دائمی جنت کی جزا دے گا۔اور انہیں حَسین اور کنواری حوروں سے تزویج کرے گا۔یقیناً وہ تمام لوگ اعلیٰ درجہ پر فائز ہو گئے جنہوں نے حُسینؑ کی مدد کی اور تباہ و برباد ہوئے اور خسارہ میں رہا وہ قبیلہ جس کی نسل زنا اور بدکاری سے چلی آ رہی تھی۔پھر امامؑ نے روتے ہوئے فرمایا کہ یقیناً ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور ہمیں اُسی کے حضور پلٹ کر جانا ہے۔اللہ کے شیروں میں سے یہ شیر بھی قتل ہو گیا جو رسولؐ اللہ کے حرم کا تحفظ کرتا تھا۔پھر حُرؑ کے درجات میں اضافہ کی دعا فرمائی۔(ایضاً)

(39/13)۔ **میدان کربلا میں آخری اتمام حجت انیسؑ کاہلی کی زبانی اور پہلا حملہ**

ودعی بانیس الکاهلی وقال له اذهب الی هٰؤلآءِ القوم وذکرهم اللّٰه ورسوؐله عَسٰی اَن یَّرجعوا عن قتالِی ۔ واَنَا اَعْلَمُ انهم لایَفْعلون ۔ولکن لتکون علیهم الحُجّة الٰی یوم القیٰمة اذا التقینا بین یدی اللّٰه وجدّی رسوؐل اللّٰه۔فانطلق انیس الکاهلی اِلٰی عمربن سعد ملعون ودخل علیه ولم یسلّم ۔فقال له مامنعک یااخا کاهل اَن تسلم عَلَیّ اَلَسْتُ انابمسلم فواللّٰه ماکفرتُ بااللّٰه مذعرفتُ اللّٰه ورسوؐله ؟ فقال له انیس الکاهلی وکیف عرفت اللّٰه ورسوؐله وانت ترید تقتل ابن بنتؐ رسولؐ اللّٰه وَهٰذا الفرات یلوح بصفائه تشرب منه الکلاب والخنازیر ۔وعترة محمدؐ یموتون عطشًا ۔ ثُمَّ انک تقول اَنَاموٴمن باللّٰهِ ورسوؐله ؟ کذّبت یاعدواللّٰه ورسوؐله ۔فنکس راسه ابن سعد وبیده قضیب فجعل یبحث به الارض فرفع راسه وقال واللّٰه اِنِّی اَعْلَمُ اَنَّ قاتّله فی النّار بلاشک ولابدّاَنْ اکتب الٰی ابن زیاد وهو یکتب الٰی یزید اَن یعفونی عَنْ هذا الامر ۔ ثُمَّ بکی وقال یالَیْتَنِی لم اخلق ولیت الموت اخذنی مِن موضعی هٰذا ولم ابتل بهذا الامر ۔ قال ورجع انیس الکاهلی اِلَی الحُسینؑ واخبره بذلک ثُمّ اِنّه یشتدّ الحرب بالحسینؑ واصحابه فصبرواالٰی نصف النهار وهم یقاتلون فی وجه واحد ۔ قال فَلَمَّا رای ذٰلک ابن سعد ارسل رجالا من اصحابه عن یمین الحسینؑ وشماله ومن ورائه ومِن کُلّ جانب وناحیة ۔فصبروا وحَمَلَ اصحاب الحسینؑ علیهم بالنبل وشقا ۔فغضب ابن سعد غضبًا شدیدًا وامرباحراق البیوت فقال الحسینؑ دعوهم فاصبروا علٰی مَایاتیکم منهم فانهم لَمْ یصلواالیکم ولا تقاتلونهم الامن وجه واحد ۔وحمل الشمر وقومه حتّٰی طعنوا فسطاط الحسینؑ فکشفهم الحسینؑ عنه وقال یاویلک یاشمر تَحْرَقُ حرم رسولؐ اللّٰه ؟ فقال شمرنعم یاحسینؑ ۔ قال فرفع الحسینؑ راسه اِلَی السمآء وقال اللهم لایعجزک الشمراَن تحرق دمه فی النار یوم القیٰمة قال فغضب الشمر وکفر وتمرّد وقال احملوا علیهم حملة واحدة فحملوا علیهم مِن کل جانب ومکان فَثَبَّتُ لهم اصحاب الحسینؑ وکان اذا قتل الرجل مِن اصحاب الحسینؑ یبیّن النقص فیهم لِقِلّتِهِمْ واذا قتل جماعة من اصحاب ابن زیاد

لایبیّن فیھم لکثرتھم ۔قال فلمّا رای ذلک ابوثمامة الصیدادی وقال جعلت فداک یابن رسولؐ اللّٰہ قداختلف علینا القوم مِن کُلِّ جانب ومکانٍ وَّنحن مقتولون لامحالة وھذہ الصّلوٰة قد حضرت فصَلِّ بنا فانا نریھا آخرصلوة نُصَلّیھا فَلَعَلَّنا نلقی اللّٰہ عزّوجلّ علیٰ اداء فریضة۔فقال الحسینؑ ذکرتنی بالصّلوة جعلک اللّٰہ مِن المصلّین الذاکرین ھذاالعمری اوّل وقتھا ثُمَّ اذّن الحسینؑ بنفسه ۔ ثُمَّ قال ویلک یابن سعد انسیت شرائع الاسلام اقصر عن الحرب حَتّٰی نُصَلّی وتَصَلّی باصحابک ونعود الیٰ مانحن الیه من الحرب۔ فاستحیی ابن سعد ان یجیبه فنادیه الحصین بن تمیم صَلِّ یاحسینؑ مابدی لک فلک اَن تصلّی فان اللّٰہ لایقبل صَلٰوتک فاجابه حبیب بن مظاھر وکان واقفًا بین یدی الحسینؑ ۔ فقال ثکلتک اُمّک وعَدَمَکَ قَوْمُکَ لاتقبل صلوة ابن بنت رسولؐ اللّٰہ وتقبل صلوتک یابن الخمّارة۔ قال فغضب الحصین لما ذکر اسم اُمّهٖ۔ (اکسیر صفحہ 260-259)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے انیس الکاہلی کو بلوایا اور فرمایا کہ گو میں جانتا ہوں کہ یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔لیکن ہم اِن لوگوں کو قیامت تک اور قیامت میں لاجواب کرنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اُن پر اتمام حجت کردی جائے۔ چنانچہ تم اس قوم کے پاس جاؤ اور اُنہیں ایک دفعہ پھر اللہ ورسولؐ سے ڈراؤ ممکن ہے کہ وہ میرے ساتھ جنگ سے باز آ جائیں۔ ورنہ جب ہم سب اللہ ورسوؐل کے سامنے جائیں گے تو ہم سُرخرو رہیں گے۔ یہ سن کر انیس عمر سعد کے پاس پہنچا اور اُسے سلام نہ کیا تو عمر سعد نے کہا کہ اے کاہلی بھائی تم نے مجھے سلام کیوں نہ کیا؟ کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ قسم بخدا جب سے مجھے اللہ ورسوؐل کی معرفت ہوئی ہے میں نے اللہ اور رسوؐل کا کفر نہیں کیا ہے۔انیس نے کہا کہ تم نے اللہ ورسوؐل کی کس قسم کی معرفت حاصل کی ہے؟ تُو رسولؐ اللہ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کرنے کا انتظام کر رہا ہے اور ساتھ ہی اللہ ورسوؐل کی معرفت کا دعویٰ بھی کرتا ہے۔ارے فرات میں کُتے اور سؤر پانی پیتے اور نہاتے ہیں اور رسولؐ اللہ کی اولاد پیاس سے لبِ دم ہے اور تو پھر بھی اللہ ورسولؐ پر ایمان کا مدعی ہے ۔اے دشمن خدا اور رسولؐ تو سراسر جھوٹا ہے۔عمر سعد سر جھکائے بیٹھا تھا اور اپنے ہاتھ میں جو چھڑی لئے ہوئے تھا اُس سے زمین کرید رہا تھا۔آخر اُس نے اوپر دیکھا اور کہا کہ میں بلا شک وشبہ جانتا ہوں کہ حسینؑ کا قاتل جہنمی ہے یقیناً میں ابن زیاد کو اور وہ یزید کو لکھے گا کہ مجھے اس کام سے معاف کردیں پھر رو کر کہنے لگا کہ کاش میں پیدا نہ ہوا ہوتا اور کاش مجھے یہیں بیٹھے بیٹھے زمین نگل جاتی اور مجھے اس آزمائش سے نجات مل جاتی۔ راوی نے بتایا کہ اس گفتگو کے بعد انیس تو اماؑم کے پاس آیا اور اُدھر عمر سعد کی حالت سنائی مگر نتیجہ یہ نکلا کہ حسینؑ اور صحابۂ حسینؑ پر شدید حملہ کر دیا گیا۔اور انصاران حسینؑ ایک ہی جانب سے صبر واستقلال سے مدافعانہ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ زوال کا وقت سر پر آ گیا۔راوی نے بتایا کہ جب عمر سعد نے صحابہ حسینؑ کا یہ اطمینان سے لڑنا دیکھا تو اُس نے اماؑم کے صحابہؑ پر داہنے بائیں آگے پیچھے اور ہر طرف سے حملہ کرا دیا۔اُدھر انصاران حسینؑ نے بھی نہایت ضبط وتحمل سے تیروں اور ترکشوں اور نیزوں سے دفاع جاری رکھا۔اس استقلال اور جم کر لڑنے اور منتشر نہ ہونے پر عمر سعد کو سخت غصہ آیا۔اُس نے یہ ترکیب بتائی کہ خیام حسینیؑ میں آگ لگا دو۔تا کہ حسینیؑ فوج میں انتشار پھیل جائے۔اُدھر اماؑم نے فرمادیا کہ تم توجہ ہی نہ دو اور دیکھتے رہو کہ وہ کیا کر سکتے ہیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے۔تم ایک ہی طرف سے دفاع کرتے رہو۔ چنانچہ شمر اور اس کی فوج نے اس طرح حملہ کیا کہ اماؑم کے خیمہ میں تیروں اور نیزوں سے سوراخ ہو گیا اور اماؑم نے شمر کو دیکھ کر کہا کہ اَے شمر کیا تو رسولؐ اللہ کے حرمؑ کو جلا دینا چاہتا ہے۔شمر نے کہا ہاں یہی ارادہ ہے۔راوی کہتا ہے کہ اماؑم نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور کہا کہ

اے اللہ تجھے شمر ایسا عاجز و ناتواں نہیں کر سکتا کہ تو قیامت میں اُس کا خون جہنم کی آگ میں نہ بہا سکے۔ یہ سُن کر شمر نے اور زیادہ کفر و سرکشی پر کمر باندھ لی اور فوج کو حکم دیا کہ حسینؑ سپاہ پر چاروں طرف سے حملہ کرو اور ایک ہی حملہ میں انہیں ختم کر دو چنانچہ حملہ کیا گیا۔ ہوتا یہ تھا کہ اگر انصاران حسینؑ میں سے کوئی ایک بھی شہید ہو جاتا تھا تو اُن کی تعداد میں کھلی ہوئی کمی نظر آنے لگتی تھی اور یزیدی فوج میں ایک پورے گروہ کے قتل ہو جانے پر بھی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ حسینؑ کی طرف تو گنے چنے آدمی تھے اور دوسری طرف ایک لامحدود و لاتعداد ٹڈی دل تھا۔ جس میں ہزاروں کے قتل ہو جانے پر بھی کمی محسوس کرنا مشکل تھا۔ بہرحال صحابہ علیہم السلام نے نہایت پامردی سے اس شدید ترین حملہ کو بھی روکے رکھا اور کامیابی نہ ہونے دی۔ اس خطرناک صورت حال میں جناب ابوثمامہ نے امامؑ سے عرض کیا کہ یا ابن رسولؐ اللہ ہمارے اوپر ان لوگوں نے چاروں طرف سے حملہ کر رکھا ہے اور ہمیں آخر قتل ہو جانا ہے مگر کیوں نہ ہم اس سر پر کھڑی ہوئی نماز کو آپ کی اقتدا میں بجا لے آئیں تاکہ ہم اللہ کے سامنے فرائض کو ادا کرنے والوں کی حیثیت سے پہنچیں۔ امامؑ نے خوش ہو کر فرمایا کہ تم نے مجھے نماز یاد دلائی اللہ تمہیں نمازیوں اور ذاکروں میں قبول فرمائے اور یہ تو نماز کا اوّلین وقت ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے بنفس نفیس اذان دی۔ اور پھر عمر سعد سے کہا کہ خدا تجھے غارت کرے تو نے اسلام کے تمام قوانین کو طاقِ نسیان پر رکھ دیا ہے۔ جنگ روکنے کا حکم دے ہم بھی نماز پڑھ لیں تم بھی مع اپنی فوج کے نماز پڑھ لو۔ اس کے بعد فوراً ہم اسی جنگی پوزیشن میں واپس آ جائیں جس میں اب ہیں۔ عمر سعد خود تو انہیں جواب دیتے ہوئے شرمایا مگر حصین بن تمیم سے کہلوایا کہ اے حسینؑ جس طرح دل چاہے تم نماز پڑھ لو مگر تمہاری نماز کو اللہ قبول نہیں کر سکتا۔ حبیبؑ ابن مظاہر نے اُس ملعون کو جواب دیا کہ تیرے غم میں تیری ماں روئے اے خمارہ کے بیٹے تیری نماز تو مقبول ہوگی اور رسولؐ کی بیٹی کے فرزند کی نماز قبول نہ ہوگی۔ خدا تیرا اور تیری قوم کا ستیاناس کرے۔ راوی کہتا ہے کہ اپنی ماں کی توہین سے حصین بن تمیم کو بہت غصہ آیا۔ اور؛

(39/14) حصین بن تمیم کا قتل ہو جانا حبیبؑ ابن مظاہر کی جنگ اور شہادت

فقال له یاحبیب ابرز اِلیّ تجدنی فی مبارزتک سریعًا ۔قال فسَلّم حبیب بن مظاهر علَی الحسینؑ وودّعه وقال اِنْ فاتتنی الصلوة معک یابن رسولؐ اللّٰه فانِی اُصلّیها فی الجنة واقراء جدک واباک واُمّک واخاک منک السلام ۔ ثُمّ بَرَزَ اِلَی الحصین وانشاء یقول: انا حبیب وابی مظاهرٌ ۔ وفارس والهیجآلیث قسور ۔وفی یمینی صارم وبَأترٌ ۔وانتم ذوعدد و اکثر ۔ ونحن اوفی منکم واصبر ۔ ونحن فی کل الامور اجدر ۔الموت عندی عسلٌ وسکرٌ ۔ مِنَ البقآء بینکم یاخسر ۔ونحن اعلٰی حجة واطهر ۔حقّاوربّی شاهدٌ وحاضرٌ ۔اضربکم ولااخاف المحذر ۔عن الحسینؑ ذوالفخار والاطهر ۔قال ثُمَّ حمل عَلَی الحصین فضربه فوقعت الضربة فی خیشوم فرسه فقطعه فوثبت به فارمته الی الارض فقتلته ثُمَّ اِن حبیب حمل علیهم وقتل منهم ازها علٰی مائة فارس ورجع وفیه خمس جراحات ۔ فشدّها ورکب فرسًا اشقر ثُمّ حمل علیهم وقاتل قتالًا شدیدًا وحمل علٰی رجل من اهل الشام اسمه **بريد بن صريم** وضربه علٰی اُمّ راسه فقتله ولم یزل یقاتل حتّٰی قتل مِن القوم مقتلة عظیمة ثم حمل علیهم وانشاء یقول : اِنّی اری یومًا عظیم المنکر ۔یذکر حتی البعث یوم المحشر ۔یاویلکم اماعلمتم انّهٗ سبط الرسولؐ الطاهر المطهر ۔ یاویلکم کا تبتموا امامکم ۔ثمّ غدرتم بئس ذامِن معشر ۔مَن غیره تدعون اذنا دیتموا ۔یابن البتولؑ الطهر یابن حیدرؑ ۔یاویلکم

كفرتموابربكم۔حين بدلتم بِيزيدالاخسر۔ياويلكم من النبيؑ المصطفٰی۔تُبّالكم مَن فَعَلَ هٰذا المنكر ؟

قال فبينما حبيب بن مظاهر كذلک اذا خرج ا **لاخوص** وكان عدولاهل البيتؑ فتلقا ہ حبيب وصاح به صيحة عظيمة وقـال لـه تكلّمتَ بشرّک مِن كفرک ثم حمل عليه وهو يقول اللهم قدبانت عداوة هٰذاالكافر لِوَلِيّکَ وابن بنت نَبِيّکؐ فاعنّى وانـصـرنى عليه ثمّ انه عمدالِى الاخوص فانفذ السنان مِن ظهره وقال خذها مِن مولٰى لعلیؑ بن ابيطالبؑ ۔ ثم حمل علٰى اصحاب ابـن سـعـد ولـم يـزل يـضـرب فيهم بالسيف ثمّ دعی اِلَى البراز فلم يبرز اليه احد فبرز وفحمل عَلَى الميمنة فالجأها الَى الميسرة فـقـتل منهم خلقًا كثيرًا ۔ فـالـتـقـاه جماعة من اصحاب ابن سعد مقدارالف فارس قدتعب من كثر ة الـقـتال ثُمّ ضرب منهم ملعون علٰى ام راسه واستشهد امام الحسينؑ ۔فلما قتل حبيب بان الانكسارفى وجه الحسينؑ فقال اِنّاللّٰه وانّااليه راجعون وعند اللّٰه تعالٰى نحتسب انفسنا رحمک اللّٰه ياحبيب لقد كُنتَ فاضِلًا تختم القرآن فى ركعة واحدة ثُمّ بكى عليه وبكى الانصار۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ۔260-261)

حصین ابن تمیم نے جناب حبیبؑ کو جنگ کا چیلنج کیا اور اپنی بہادری کی غپ ماری۔اس پر جناب حبیبؑ نے امؑام کو سلام کیا۔ وداع ہوتے ہوئے کہا کہ سرکار اگر میری یہ نماز فوت ہوگئی تو میں جنت میں آپ کے ناؐنا اور والدؑ و والدہؑ اور بھاؑئی کے ساتھ نماز پڑھوں گا اور آپ کا اُنہیں سلام پہنچاؤں گا۔اس کے بعد یہ اشعار پڑھتے ہوئے چیلنج کرنے والے حصین بن تمیم کی طرف آئے۔ میں حبیب ہوں میرا والد مظاہر ہے۔ میں وحشت ناک میدان جنگ میں لڑنے والا بہادر ہوں۔ میرے داہنے ہاتھ میں کاٹنے والی اور جُدائی ڈالنے والی تلوار ہے اور تمہاری افرادی قوت کثرت میں ہے اور ہم تمہارے مقابلہ میں بہت باوفا اور بُردبار ہیں۔اور ہر ہر پہلو سے موزوں ترین لوگ ہیں۔ میرے نزدیک موت شہد کے مانند ہے جس سے مجھے سرور حاصل ہوگا۔تمہارے اندر فنا اور نقصان ہی نقصان ہے۔اور ہم بالکل نمایاں طور پر حق بجانب ہونے کی دلیل ہیں۔حق یہ ہے اور اس کے حق ہونے پر میرا اللہ حاضر رہنے والا گواہ ہے۔ میں تم پر لگا تار ضربیں لگاؤں گا اور کسی طرح منہ نہ موڑوں گا۔راوی کہتا ہے کہ اس کے ساتھ ہی جناب حبیب نے حصین پر حملہ کر کے تلوار کی ضرب لگائی۔ وار خالی دینے کی وجہ سے حصین تو بچ گیا مگر تلوار گھوڑے کی ناک پر لگی اور مُنہ کٹ کر رہ گیا اس صدمہ سے گھوڑا الف ہوا اور زمین پر گرا اور حصین اُس کے نیچے روندا گیا۔اس کے بعد جناب حبیبؑ نے لشکر عمر سعد پر کھلا حملہ کر دیا اور ذرا دیر میں ایک سو سے زیادہ ملاعین کو ڈھیر کر کے رکھ دیا۔ پھر واپس خیام میں آئے اور اپنے پانچ زخموں کی مرہم پٹی کر کے پھر ایک سرکش سرخ رنگ کے گھوڑے پر سوار ہوئے اور دوسرا بہت شدید اور خطرناک حملہ کیا۔اسی دوران برید بن صریم مقابلہ پر آیا اور حبیبؑ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔وہ لگا تار قتل کرتے چلے گئے یہاں تک کہ لاتعداد لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔اور برابر یہ اشعار بھی پڑھتے جاتے تھے اور تلوار پر تلوار مارتے جاتے تھے۔ میں ایک نہایت ناپسندیدہ دن کو اپنے سامنے کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ جو روز قیامت کے ہنگامے کی یاد دلاتا ہے۔خدا تمہیں برباد کرے تم یہ جانتے ہو کہ حسینؑ پاک و پاکیزہ کرنے والے رسوؐل کا نواسہؑ ہے۔تم غارت ہو جاؤ تم نے خود ہی اپنے امؑام کو خط لکھ کر بُلایا۔ پھر تم نے تمام دنیا کی اقوام کے دستور کے خلاف اُن سے دھوکہ کیا اور لڑنے کے لئے آ گئے ۔حسینؑ کے علاوہ وہ کون ہے جسے تم حیدرؑ اور بتولؑ کا بیٹا کہہ کر پکارو گے؟ اَے بدکارو تم نے تو اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ہے۔اس لئے کہ تم نے حسینؑ کے بدلے میں اپنا امام یزید جیسے دِیوالیے کو

بنالیاہے۔اللہ تمہیں تباہ کرے، نبیؐ مصطفیٰ کی طرف سے ایسا ناہنجار سلوک کسی نے کیا ہے؟

کہا گیا کہ حبیبؓ ابن مظاہر جنگ میں مصروف تھے کہ ایک دشمنِ اہلبیت اَخُوص نامی ملعون میدان میں آیا جو امام حسینؑ پر فتح پانے کی نذر ماننے کا دعویٰ کر رہا تھا۔حبیبؓ نے اُسے بڑی سختی سے للکارا اور کہا کہ میں تجھے تیرے کافرانہ کلام پر موت کی خبر دیتا ہوں اور یہ کہتے ہوئے اس سے جنگ شروع کی کہ اے اللہ اس ملعون کی آلِ رسُولؐ سے عداوت اور تیرے ولیؑ سے اور تیرے نبیؐ کی بیٹی سے دشمنی کھل کر ظاہر ہے۔لہٰذا تُو میری اعانت اور نصرت کرتا کہ میں اُس کو قتل کرسکوں۔اسکے بعد خاص ارادہ کر کے نیزہ مارا کہ نیزہ کی بھال اسکے سینے میں گھس کر رہ گئی اور کہا کہ میرے مولا علی ابن ابیطالب علیھما السلام کی طرف سے یہ انعام لے کر مرجا۔پھر عمر سعد کے مخصوص لشکر پر حملہ کر دیا اور دھڑا دھڑ تلواریں مارتے رہے اور اپنے مقابلہ پر کسی سورما کو بھیجنے کا نعرہ لگاتے رہے لیکن کوئی اکیلا اُنکے مقابلہ پر نہ آیا۔اِدھر جناب حبیبؓ جنگ کرتے کرتے اور قتل پر قتل کرتے ہوئے تھک چکے تھے۔اُدھر عمر سعد نے ایک ہزار سواروں کی ایک فوج سے اُن پر خصوصی حملہ کرا دیا۔اس ہنگامہ میں کسی ملعون نے پیچھے سے آ کر اُنکے سر پر ایک کاری تلوار ماری۔جس سے آپ امام حسینؑ کے سامنے شہید ہوگئے۔اُنکے قتل ہونے پر امامؑ کا چہرہ اُتر گیا اُداسی اور رقت طاری ہوگئی۔آپ نے انا للّٰہ پڑھا اور اللہ کے روبرو فیصلے کا اعلان فرمایا اور کہا کہ اے حبیبؓ تم صاحب فضل وکمال تھے تم ایک ایک رکعت میں قرآن ختم کر دیا کرتے تھے۔امامؑ اور امامؑ کے تمام انصار نے اُنہیں روکر رخصت کیا اور رحمت بھیجی۔(ایضاً)

(39/15)۔ انصارانِ حسین علیھم السلام کی شہادت کا پتہ چل جانا خود ایک معجزہ ہے

قومی حکومت کے انتظام اور قومی امیر المومنین یزید کی سب سے پہلی شکست یہ تھی کہ واقعات کربلا چھپائے نہ جاسکے اور اُن تمام انتظامات کی آہنی چادروں کو پھاڑ کر باہر نکل گئے جو پچاس سال پہلے تیار کی گئی تھیں اور تین سو سال بعد تک ڈھکی جاتی رہیں۔ذرا سوچئے کہ کربلا اور کوفہ پہنچنے والا ہر راستہ افواج کے سخت پہرہ میں ہے اور کسی شخص یا جماعت کی مجال نہیں کہ یزیدی انتظام سے بچ کر کوفہ یا کربلا میں پہنچ جائے۔اُدھر سرکاری مؤرخین واہل قلم کی رُو سے بھی امام حسینؑ اور اُن کے انصار ایک لق ودق بیابان میں تیس ہزار فوجیوں کے نرغے میں محصور ہیں۔ذرا سوچئے کہ یہاں کے حالات کو تمام دنیا سے مخفی رکھنا کتنا آسان تھا؟ اگر امام حسین علیہ السلام مستوراتؑ اور اہل حرؑم اور بچّوں کو ہمراہ نہ لے جاتے؟ اگر یزید اہلِؑ حرم کو قید کر کے اُن کی تشہیر اور گشت نہ کراتا؟ تو کربلا میں گزرنے والی ایک بات بھی کسی کو معلوم نہ ہوسکتی تھی۔لیکن معصومؑ انتظام اور صبر وضبط نے یزیدی حکومت کو غلط اعتمادی میں مبتلا کر دیا۔اُس نے پچاس سالہ پروپیگنڈے سے یہ سمجھ لیا کہ علیؑ وخاندان علیؑ سے ساری دنیا متنفر ہو چکی ہے۔اُسے اسلام اور مسلمانوں کا دشمن سمجھتی ہے۔اب مسلمانوں میں کوئی شخص اُن کی طرفداری نہ کرے گا۔بہرحال قدرتِ خداوندی نے یزید اور اُس کے دانشورانِ حکومت کو یکے بعد دیگرے اِس طرح اُلجھایا اور اُنہیں ایسی سیاسی تدبیروں میں لگا دیا کہ خود اُن کے دماغوں، ہاتھوں اور زبانوں سے واقعات کربلا ہر دماغ وزبان پر طاری ہوگئے۔اور اُنہیں مجبور کیا کہ وہ خود اپنے محلوں، گھروں اور شہر میں عزاداری حسینؑ اور تاریخ کربلا کا قیام کریں اور ایک دفعہ تمام حالات وواقعات وشہادات اپنی صحیح صورت، مکمل تفصیل اور عملی ترتیب کے ساتھ مدوّن ہوگئے۔اور عزاداری کی صورت میں رسومات وعبادات میں داخل ہوگئے۔

لیکن قومی حکومت کو جب بھی موقعہ ملا اُس نے پوری کوشش کی اور اپنی پوری قوت اور مشینری اس بات پر لگادی کہ قرآن کی حقیقی تعلیم کی طرح واقعاتِ کربلا اور اُن واقعات کے اسباب وعلل اور اُن واقعات کا احیا کرنے والوں کو مٹا دیا جائے ۔ یا مشکوک کر دیا جائے یا فطری ترتیب کو اُلٹ پلٹ دیا جائے ۔ چنانچہ تین سو سال تک یہ سب کچھ کیا جاتا رہا۔حکومت نے قدیم ریکارڈ اور کتابوں کو گھروں اور کتب خانوں سے نکلوا کر ضائع بھی کیا اور ایسی کتابیں، ریکارڈ اور روایات بھی تیار کرائیں جن سے پوری تاریخ کو عموماً اور کربلا کی تاریخ کو خصوصاً تبدیل کر کے پیش کیا جا سکے ۔مثلاً کربلا کا کارنامہ انجام دینے کے لئے پانچ چھ لاکھ فوج کو گھٹا کر چند ہزار تک لایا گیا۔اور دُور از کار بحثیں کر کے اُس غلط اور فرضی تعداد کو مسلمہ بنا کر اُمت میں پھیلایا گیا۔مثلاً حسینؑ کی افرادی قوت اتنی قلیل تھی کہ اُس کو فنا کرنے کے لئے تین چار ہزار آدمیوں کی فوج کافی تھی ۔ چنانچہ قومی یا یزیدی حکومت کی جانشین حکومتیں اور قومی مذہب سے منسوب حکومتیں آج تک برابر نئی تاریخ تیار کراتی اور پچھلی تاریخ یعنی خود اپنے بزرگوں اور خلفا و بادشاہوں کی لکھی ہوئی تاریخ کو بھی بدلتی چلی آ رہی ہیں ۔ہمیں قومی مذہب کی حکومتوں اور سرکاری علما سے اتنا شکوہ کبھی نہیں رہا جس قدر شکایت اُن علما سے رہی ہے جو خود کو شیعہ کہلاتے رہے ہیں اور تائید سرکاری تاریخ کی کرتے رہے ہیں ۔اور اس تائید کا نام تحقیق وتنقید رکھتے چلے آئے ہیں ۔

(الف) <u>شہادتوں کی ترتیب کا کیا ذکر وہاں تو شہدا کی تعداد کو عمداً غلط مشہور کیا جاتا رہا</u>

سرکاری علما اور قومی حکومت کا کمال یہ ہے کہ آج ہر شیعہ سُنی کربلا میں شہید ہونے والے شہدا کی تعداد بَہتّر بتا دے گا۔یعنی تیرہ سو سال کی محنت وکوشش سے بَہتر (72) کی تعداد ہر قلب وزبان پر اطمینان کے ساتھ بٹھا دی گئی ۔ یہ تو عوام ہیں جنہیں تاریخ اور بحث وتمحیص سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔اُنہیں جو کچھ علما نے مساجد اور منبروں سے چیخ چیخ کر بار بار بتایا اُنہیں یاد ہو گیا اور علما کے اعتماد پر اُسے ہی حق سمجھا۔لیکن ہمیں علما کے قابل اعتماد ہونے یا نہ ہونے سے بحث نہیں ہے ۔ بحث اس سے ہے کہ شہدائے کربلا علیہم السلام کی غلط تعداد کیوں لکھی اور بیان کی جاتی ہے؟ خصوصاً جب کہ صحیح تعداد بھی معلوم ہو اور اپنے ہاتھ سے لکھی بھی جائے ۔ چنانچہ یہاں ہم اس کی چند مثالیں لکھتے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ سرکاری تاریخ سے اخذ کیا ہوا نتیجہ کس طرح علما کے دماغوں پر سوار رہا ہے ۔اور کہیں بھی اُسے فراموش نہیں کیا گیا۔اور بار بار بَہتّر (72) بَہتّر (72) کی رٹ جاری رکھی ہے ۔

(ب) <u>علامہ علی نقی مجتہد عرف نقن صاحب اور شہدائے کربلاؑ کی تعداد؟</u>

علامہ کے بیانات سنئے اور ہمارے شکوہ کو جائز یا ناجائز قرار دیجئے ۔

(اوّل) ''ایک جگہ گھیر لئے جانے کے بعد حفاظت خود اختیاری کے اصول پر بہتر (72) کے ساتھ تیس ہزار (30000) کا مقابلہ کر لینا تو عین شجاعت وہمت اور صحیح طریقہ کار ہے۔'' (شہید انسانیت ۔صفحہ 304)

(دوم) ''اکثر مورخین کے بیان کے مطابق یہ تیس (30) سوار اور چالیس پیادے سے زیادہ نہیں تھے۔'' (صفحہ 334)

یہ تعداد علامہ کو صحیح معلوم ہوتی ہے اس کا اعلان سنئے فرماتے ہیں کہ:۔

(سوم) ''رہ گئے اہل کوفہ اُن میں سے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ روزِ شہادت چالیس آدمی تھے۔ اور مجموعاً آپؑ کے سپاہیوں کی تعداد ستر (70) تھی'' (ایضاً صفحہ 342) یہاں علامہ نے بہتر میں سے بھی دو کم کر دیئے ہیں اور دیکھئے:

(چہارم) ''واقعی تاریخ کا ایک یادگار اور حیرت انگیز سانحہ ہے کہ تیس ہزار (30000) فوج کے سامنے بَہتّر بھوکے پیاسے ہوں۔'' (شہیدِ انسانیت۔ صفحہ 381)

یہ چاروں بیانات اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ علامہ کے سر پر ستر (70) یا بَہتّر کی تعداد سوار ہے۔ اور جب اطمینان سے کوئی جملہ لکھتے ہیں تو بَہتّر کے دائرہ سے باہر نہیں نکلتے۔ لیکن انہیں معلوم ہے کہ ستر یا بَہتّر کی تعداد سراسر غلط اور سرکاری بکواس ہے۔ اسلئے کہ جب علامہ نے الگ الگ شہدا کا حال اور نام لکھے تو انصاران حُسینؑ کی تعداد بانوے (92) لکھی۔ (ایضاً صفحہ 431)
اور اس کے بعد مع امامؑ بنی ہاشم کی تعداد اٹھارہ (18) بتائی (ایضاً صفحہ 461) اور یوں کل شہدائے کربلا علیہم السلام کی تعداد مجموعاً (92+18) ایک سو دس (110) ہوگئی۔ مگر باقی ہر جگہ بَہتّر کی رٹ لگائے رکھی۔ اور پھر یہ بھی سن لیں کہ:۔

(پنجم) ''دوسرے واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ تعداد سو (100) سے زیادہ اور دو سو (200) سے کم تھی۔''
(شہیدِ انسانیت۔ صفحہ 334) اور یہ کہ:۔

(ششم) ''یہ شرم کی بات سمجھنا چاہئے کہ ایک ایسی قلیل تعداد پر جو دو سو (200) سے بھی کم ہو حملہ کیا جائے اُس بڑی فوج کی طرف سے جو تیس ہزار (30000) سے کسی طرح کم نہ ہو اور پھر تیروں کے بے پناہ باران سے ابتدا کی جائے۔''
(شہیدِ انسانیت۔ صفحہ 361)

ہمارا شکوہ یہی تھا کہ زیادہ تعداد معلوم ہوتے ہوئے؛ اقرار کرتے ہوئے اور بار بار لکھنے کے باوجود قومی و سرکاری تائید کو نہ چھوڑا جائے اور شیعوں اور سُنیوں میں غلط تعداد مشہور کرنے پر سارا زور لگا دیا جائے۔ علما کا یہ طریقہ ایک ہزار سال سے جاری چلا آ رہا ہے۔ اس طرح پوری اُمت کی زبان پر بَہتّر بَہتّر چڑھا دیا گیا۔ یہی حال اُن حضرات نے ہر حقیقت کو بدلنے اور بدلی ہوئی بات کو شہرت دینے کے لئے جاری رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ کربلا میں انصاران حُسین علیہم السلام کی شہادت کی ترتیب بھی اُن ہی نے مشہور کی ہے۔ جو دو مرتبہ ایک سو (100) سے زیادہ لکھنے کے بعد بھی آخر میں آخری فیصلہ یہی کرتے ہیں کہ:
''لیکن عالمِ تصور میں اُس منظر کو سامنے لاؤ کہ صرف بہتر (72) آدمیوں کی صف ایستادہ ہے۔'' (شہیدِ انسانیت صفحہ 383) بہرحال یہ وہ مُرغ ہیں جن کی ابتدا سے ایک ہی ٹانگ دیکھی جاتی رہی ہے۔

(39/16) شہدائے کربلا کی جنگی ترتیب اور قدرتی تحفظ اور حسینی انتظام

امام حسین علیہ السلام نے کربلا پہنچ کر ابتدا سے انتہا تک تمام انتظامات کر دیئے تھے۔ یعنی اپنے اور اپنے رفقائے کار کے قبرستان کی زمین تک خرید لی تھی۔ بنی اسد کی تمام چھوٹی بڑی بستیوں میں مردوں، عورتوں اور بچوں تک کو یہ بتا دیا تھا کہ دشمن کی افواج کے روانہ ہو جانے کے بعد تم شہدائے کربلا کو دفن کرنا۔ جب تک مادی طور پر آپ نے فوجوں کا ہجوم نہ دیکھ لیا ایک چاروں طرف سے کھلے

میدان میں قیام رکھا۔لیکن پہلے ہی سے وہ مقام انتخاب کرلیا تھا جہاں سے آپ نے دفاعی جنگ لڑنا تھی۔ چنانچہ جیسے ہی افواج کی بھیڑ شروع ہوئی اور عملاً یہ دیکھ لیا گیا کہ افواج یزید کے قیام کا نقشہ کیا ہوگا؟ آپ نے اپنے خیام اُس آخری مقام پر نصب کرادیئے جہاں سے تمام قربانیاں پیش کی جائینگی اور جہاں سے اہلبیّت کو گرفتار کیا جائے گا اور جہاں کا قیام دشمن کی افواج کو شروع سے آخر تک دِقّت اور پریشانی میں مبتلا رکھے گا۔اور کھل کر حسب منشا حملہ سے باز رکھے گا۔اور جو مقام دشمن کی دس کروڑ افواج کو بھی سمیٹ کر تین ہزار کی تعداد تک اُتار لاتا اور **باقی تعداد کو بے اثر اور بے کار کر دیتا**۔ذرا اس نقشہ پر نظر ڈالیں۔

(خیام حسینؑ کا نقشہ)
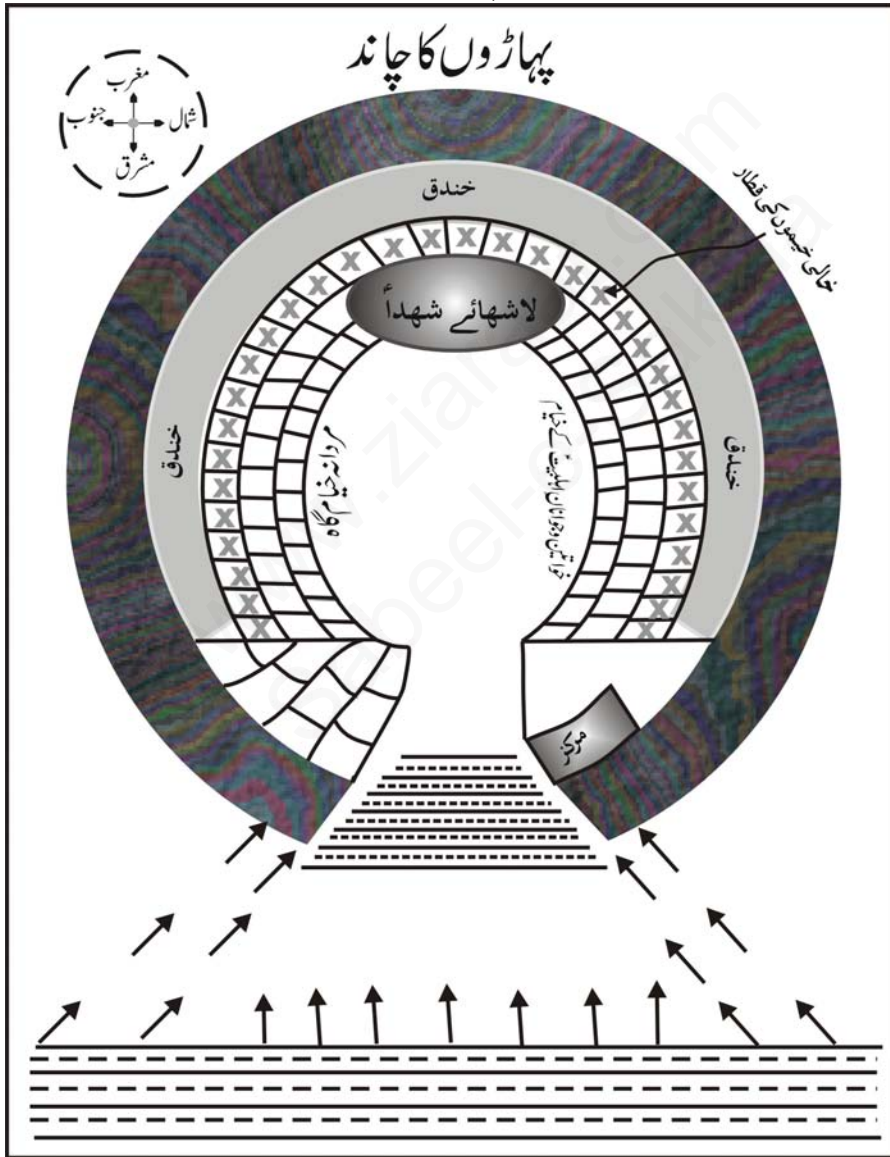
آپ یہ ہلالی شکل دیکھتے ہیں۔یہ پہاڑیوں کا ایک مسلسل غیر منقطع سلسلہ ہے جسے حیر پہلے اور حائر اب کہا جاتا ہے۔یہ وہ قدرتی تحفظ تھا

جسے امامؑ نے منتخب کیا تھا۔ اور جس کے اندر قیام فرمانے سے پہلے ہی خندق وغیرہ تیار کرالی گئی تھی اور یہ کام نہایت خاموشی سے کرلیا گیا تھا۔ اس لئے کہ اس شعبِ ابیطالبؑ کے ہم شکل چاند نما دہانہ کو بند کرتے ہوئے باہر میدان میں عارضی قیام رکھا تھا۔ تاکہ افواج کی آمد اور قیام کے طریقے پر اطلاع رہے اور چاند کے اندر ہونے والے انتظام کا دشمن کو پتہ نہ چل سکے۔ چنانچہ چاند کے اندر پہاڑی سلسلہ کے ساتھ ساتھ اندر کی طرف خندق کھدوائی گئی اور جنگل سے جھاڑ جھنکاڑ جو کچھ ملا کٹوا کر خندق میں ڈالا گیا تاکہ اگر ضرورت ہو تو آگ روشن کردی جائے۔ تاکہ اگر کوئی سخت جان پہاڑ پر چڑھ کر اِدھر اُترے تو خندق اور پھر خندق کی آگ اور شعلے اُس کو روک دیں۔ پھر خندق کے ساتھ ساتھ خالی خیموں کی قطار اس طرح آپس میں ایک دوسرے سے ملا کر کھڑی کی گئی تھی کہ داخل ہونے والے کو بہت دشواری کا سامنا کرنا لازم تھا۔ اِس قطار کے ساتھ ساتھ اہل حرمؑ اور بنی ہاشمؑ کے خیمے **شمال** میں اور انصاران اہلبیتؑ کے خیمے **جنوب** میں ملا ملا کر باندھے گئے تھے۔ انتہائی کنارہ پر مغرب میں قنات لگا دی گئی تھی جس میں شہیدوں کی لاشیں محفوظ کی جاناتھیں۔

جس غرض سے ہم نے یہ نقشہ آپکے سامنے رکھا ہے وہ یہ ہے کہ دشمن کی وہی تعداد قابل شمار تھی جو اس چاند یا مورچہ کے دھانہ کے قطعاً سامنے آسکے۔ یعنی وہ تمام افواج عملاً بے کار تھیں جو اس مورچہ کے چاروں طرف بیس بیس میل تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اسلئے کہ اُن کے نیزے، تیر اور تلواریں پہاڑوں میں سے گزر کر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اور جو افوج دہانہ کے بالکل سامنے تھیں اُنکے بھی صرف وہ لوگ قابلِ شمار اور نتیجہ خیز ہوسکتے تھے۔ جو آگے والی صف میں ہوں۔ اُنکے پیچھے والے اگر تیر چلاتے تو وہ تیر اُن سے اگلی اپنی صف کو مار ڈالتے۔ لہٰذا دہانہ کے سامنے والی پہلی صف ہی خطرناک ہوسکتی تھی۔ اِسلئے کہ اُسی ایک صف کے تیر فوج حسینیؑ کو گزند پہنچا سکتے تھے۔ صف کی لمبائی اگر دہانہ سے ادھر اور اُدھر نکل جائے یعنی اگلی صف کی چوڑائی سے لمبی ہوجائے تو اُسکے تیر پہاڑوں میں لگیں گے یا ضائع ہوجائینگے یا خود اپنے آدمیوں کو زخمی کرینگے۔ لہٰذا جو فوج امامؑ کی فوج پر حملہ کرنے کیلئے آتی رہی اُسے خود کو اس مورچہ کے سامنے آکر مورچہ کے دہانہ کے سامنے صف آرا ہونا لازم اور مورچہ کو مدنظر رکھ کر اپنی ترتیب اور مطلق العنانی کو خیر باد کہنا اور اپنی مرضی کے خلاف موزوں صورت اختیار کرنا پڑتی تھی۔ اگر وہ اپنے تیر کارگر کرنے کے فاصلے پر آتے تھے تو حسینیؑ لشکر کے تیروں کی زد میں آجاتے تھے۔ دُور سے تیر بارانی کرتے تھے تو خود اپنے تیر ضائع کرتے تھے۔ دست بدست جنگ میں اُنہیں مورچہ کے دھانہ سے دور رہنا لازم تھا۔ اس مورچہ کی صورت کو یاد رکھنے سے آپ بہت سی خود ساختہ سرکاری روایات کو نہایت اطمینان سے غلط قرار دے سکیں گے۔ حسینیؑ لشکر کی یہ پوزیشن دشمن کو من مانی کرنے سے برابر روکتی رہی ورنہ پانچ چھ لاکھ فوج تو پھونک مار کر تین سو افراد کو اُڑا سکتی تھی۔ اس دہانہ کے حرم والی سمت کی ابتدا امامؑ کے خیمے سے ہوتی تھی۔ یہاں بھی ایک قنات کے ذریعہ سے پردہ کا انتظام تھا۔ اور حضرت زینبؑ اور دیگر خواتین امامؑ کے خیمہ تک بے تکلفانہ آجاسکتی تھیں۔ دہانہ کے دوسری جانب حضرت عباسؑ کا خیمہ تھا۔ جہاں سے انتظامی ونگرانی اور گشت کے احکامات جاری ہوتے تھے۔ حسینیؑ لشکر حسب ضرورت دہانے کے سامنے صف آرا ہوتا تھا۔ یہیں سے حملوں کو روکا جاتا تھا اور یہیں سے دشمن کی فوج پر حملہ اور جوابی کاروائی کیلئے انصاران حسینؑ جاتے تھے۔ اس مقام سے وہ نہر علقمہ جس کو دریائے فرات کہا گیا ہے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ وہاں سے پانی لینے کیلئے جانے کے معنی دشمن کی ٹڈی دل فوج کا دل چیر کر جانا پڑتا تھا۔ یہ ایک سب سے بڑی مشکل تھی جو اس مورچہ میں اوّل سے

آخرتک برقرار رہی۔اور یہ ذمہ داری نیز کھانا پکوانے، تقسیم کرانے اور اسلحہ کی مرمت وغیرہ حضرت عباس علیہ السلام کی تھی۔

(39/17)۔ **کربلا کی جنگ میں دشمن کے بُزدلانہ اقدامات اور شہدائے کربلا کی تین اقساط**

مومنین جانتے ہیں کہ صبح عاشور اعلان جنگ کے لئے عمر سعد ملعون نے پہلا تیر چلایا اور اُس کی تائید میں ہزاروں تیر اُس میدان میں آ کر گرے جو دونوں افواج کے درمیان جنگی تگ ودَو کے لئے خالی چھوڑا گیا تھا۔ تیروں کی اس بارش سے یہ بتانا مقصود تھا کہ انصاران حسینؑ اس ٹڈی دل فوج کا ایک حملہ بھی برداشت نہ کرسکیں گے۔ لیکن جو لوگ راہ خدا میں قربان ہوجانا طے کر چکے تھے جو موت کا انتظار کررہے تھے اُن پر ذرہ برابر خوف طاری نہ ہوا۔ اور یزیدی فوج کے جواب میں اِدھر سے بھی چند تیر سَر کئے گئے۔ اور اس کے بعد دشمن کے شمشیر آزما لوگوں نے میدان میں نکلنا اور حسینؑ سرفروشوں کے ہاتھوں قتل ہونا شروع کیا۔ یہ سلسلہ جاری تھا کہ جناب حُرؑ حاضر ہوگئے اور اُنہوں نے اور اُن کے فرزند نے باری باری دشمن کو للکار للکار کر مدّ مقابل طلب کئے، قتل کئے اور جب ضرورت ہوئی دشمن کی فوج میں ڈوب کر نکلتے اور سینکڑوں ملاعین کا صفایا کرنے میں شامل رہے۔ اسی طریقہ جنگ میں جناب حُرؑ کے فرزند شہید ہوئے۔ عمر سعد کو خود بھی یقین ہوگیا اور سرداران فوج نے اُسے مشورہ بھی دیا کہ اس طرح دست بدست جنگ میں کئی روز لگ جائیں گے اور اِس دوران بہت ممکن ہے کہ حسین علیہ السلام کے لئے کمک پہنچ جائے۔ اور وہ انتظام ناکام ہوجائے جو کوفہ اور کربلا آنے والے راستوں کی ناکہ بندی کے لئے کیا گیا ہے۔ یا کسی طرف سے آنے والی بڑی فوج ایک نیا محاذ کھول کر ایک نئی مصیبت کھڑی کردے۔ وہ جانتے تھے کہ حج سے لوٹ کر جانے والے لوگوں نے پوری مملکت میں حسینؑ کا حج چھوڑنا اور یزیدی افواج کی نقل وحرکت اور حسینؑ سے جبراً بیعت لینے کی کوشش کی خبروں سے ہیجان پھیلا دیا ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ کربلا میں ایرانیوں کی شہزادی اور اُن کی اولاد بھی خطرہ میں تھی۔ اور بہت ممکن معلوم ہوتا تھا کہ ایران سے لوگ مدافعت کے لئے روانہ ہوجائیں۔ یا قبیلہ طے کی طرف سے حملہ ہوجائے اور لینے کے دینے پڑجائیں۔ یہ خوف تمام سرداران یزید کے دل ودماغ پر حاوی تھا۔ اُدھر لشکر حسینؑ سے نکلنے والا بوڑھا و جوان شیروں کی طرح جھپٹتا تھا اور فوج کو تہس نہس کرتا ہوا اِدھر سے اُدھر سے گزر جاتا تھا۔ لہٰذا عمر سعد کو یہ طے کرنا پڑا کہ حسینؑ لشکر پر اجتماعی حملے کئے جائیں۔

(39/18)۔ **شہدائے کربلاؑ کی اقساط اور علامہ دربندی کی ترتیب**

اس فیصلے سے پہلے دست بدست جنگ میں شہید ہونے والے انصار کی تعداد کو ہم پہلی قسط کہتے ہیں۔ اور اجتماعی حملوں کے دوران شہید ہونے والے انصار دوسری قسط کہلائیں گے۔ پھر اسکے بعد نماز ظہر تک شہیدوں کی تیسری قسط ہوگی۔ اور اُسکے بعد آخری قسط ہے جس میں خود امام حسینؑ بھی داخل ہیں۔ جنگ کی یہ چاروں صورتیں تو معلوم ومشہور ہیں لیکن کس قسط میں کون کون شہید ہوئے؟ اور کون کس سے پہلے یا کس کے بعد شہید ہوا؟ اسکا صحیح تعین کرنے میں اختلاف ہے۔ لہٰذا ہم علامہ دربندی کی ترتیب کے ساتھ شہدائے کربلا علیہم السلام کی جنگ اور شہادت کو پہلا نمبر دیں گے۔ اور من وعن اُنکی کتاب سے شہادتیں پیش کریں گے اور اسکے بعد جہاں جہاں ضرورت ہوگی وضاحت کرکے گنجلک کو دُور کردیں گے۔ انشاء اللہ والامام علیہ السلام

(39/19)۔ **انصاران حسینؑ کا میدان جہاد میں نکلنے کا طریقہ**

وَفی البحار قالوا وکان کُلٌّ مَنْ اَرَادَالخروج ودّ ع الحسیؑن وقال السلام علیک یابن رسوؐل اللّٰہ۔ فیجیبہ وعلیک السلام ونحن خلفک ویقرا "فَمِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَابَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا(احزاب33/23)۔(اکسیر صفحہ 271)

''علامہ محمد باقر مجلسیؒ نے کتاب بحارالانوار میں لکھا ہے کہ لشکر حسینیؑ سے جو بھی جہاد کے لئے نکلتا تھا۔ سب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے امامؑ سے اجازت لیتااور وداع ہوتا تھا۔ پھر کہتا تھا کہ سلام ہو آپؑ پر میرا، اے فرزند رسولؐ۔ امامؑ جواب میں فرماتے تھے کہ تم چلو ہم سب تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ پھر ساتھ ہی یہ آیت پڑھتے تھے کہ اُن میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اپنی ذمہ داری مکمل کردی ہےاور وہ بھی ہیں جو اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی تاک میں منتظر ہیں۔'' (سورہ احزاب۔33/23)

(39/20)۔ **حضرت بُریرؑ بن خضیر الھمد انی علیہ السلام کی جنگ وشہادت**

ثُمَّ بَرَزَ بریربن خضیرالھمدانی بعد الحُرّ وکان من عباد اللّٰہ الصالحین۔ فبرزوھویقول: اَنَا بُرَیْرٌ وَاَبِیْ خُضَیرٌ۔ لیث یُرَوِّ ع لَاَسَدَ عِنْدَ الزَئِیر ۔یَعْرَفُ فِینَا الْخَیْرَ اَھْلُ الْخَیْرِ ۔اَضْرِبُکُمْ وَ لااَرَی مِنْ ضَیر ۔کذلک فعل الخیر مِنْ بُرَیْرِ۔ وجعل یحمل عَلَی القوم وھُوَ یقول اقتربوا مِنّی یاقتلۃ المؤمنین ۔اقتربو امِنّی یاقتلۃ اولاد البدرئین ۔اقتربوا مِنّی یاقتلۃ اولاد رسولؐ رب العالمین وذریۃ الباقین وکان بریر اقرااھل زمانہ فلم یزل یقاتل حَتّٰی قتل ثلثین رجلًا فبرز الیہ رجل یقال لہ یزید بن معقل فقال لبریر اَشْھَدُ اَنَّکَ من المضلّین ۔فقال لہ بریرھلّم فلند ع اللّٰہ اَنْ یلعن الکاذب واَن یقتل المحق منا المبطل فتصاولا فضرب یزید لبریر ضربۃ خفیفہ لم تعمل شَیْئًا وضربہ بریر ضربۃ قدّت المِغفرہ وصلت اِلٰی دماغہ فسقط قتیلًا۔ (اکسیرالعبادات صفحہ 271)

(سابقہ روایت مسلسل جاری ہے) پھر جناب بُریر بن خضیر الھمد انی جہاد کیلئے میدان جنگ میں نکلےاور فرمارہے تھے کہ میں ہوں بُریر اور میرا باپ ہے خُضَیر اور میں وہ شیر ہوں کہ جس کی گرج سے تمام شیر خوفزدہ رہتے ہیں۔ ہمارے خاندان کے متعلق تمام نیک کردار لوگ نیکیوں اور بھلائیوں ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ میں تمہیں بلاتکلف قتل کروں گا اور خود کو حق بجانب سمجھوں گا۔اور بُریر سے ہمیشہ اسی قسم کے نیک کام ہوا کرتے ہیں۔ دشمنانِ دین پر برابر حملہ کرتے جاتے تھےاور ہر قتل پر للکارتے تھے کہ آؤ میرے پاس آؤ اے مومنین کے قاتلو۔ آؤ میرے پاس آؤ اے جنگ بدر میں رسولؐ سے جنگ کرنے والوں کی اولاد۔ آؤ میں تمہیں جہنم میں بھیجوں اے دونوں جہانوں کے رسوؐل کی اولاد سے جنگ کرنے والواور اُن کی باقی ذریت کے قاتلو آؤ۔اور بُریرؑ اپنے زمانہ کے تمام قاریوں اور حافظان قرآن سے بڑھ کر تھے۔ اُنہوں نے بلاہاتھ روکے جنگ جاری رکھی اور تیس ملعونوں کو واصل جہنم کر دیا تو ایک شخص یزید بن معقل نامی سامنے آیا اور کہا کہ اے بُریر میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ کرنے والوں میں سے ایک ہو۔ بُریرؑ نے کہا آؤ اللہ سے فیصلہ کروالیں اور کہیں کہ اے اللہ ہم دونوں میں سے جو گمراہ ہو یا دوسروں کو گمراہ کرتا ہو اُس کو حق پرست کے ہاتھ سے قتل کرادے اور اس پر لعنت بھی کر۔ اُس نے مان لیا اور ایک وار کیا جس سے جناب بُریرؑ پر کوئی آنچ بھی نہ آئی۔ اب جناب بُریرؑ نے ایک تلوار ماری جو لوہے کے خود کو کاٹ کر دماغ میں در آئی اور وہ ملعون مرکر زمین پر گر گیا۔

وفی الملھوف وخرج بُرَیر بن خضیر وکان زاھدًا عابدًا فخرج الیہ یزید بن المعقل فاتفقا عَلَی المباھلۃ اِلَی اللّٰہ فی

اَن یـقتل المحقّ منهما المبطل وتلافیا ۔فـقتـلـه ولـم یزل یقاتل حتّٰی قتل وفی البحار ایضًا قال فحمل وجل مِن اصحاب ابن زیاد فـقتـل بُرَیرًا قال وکان یقال لقاتله بحیر بن اوس الضبّی فجال فی میدان الحرب ۔ قـال ثُمَّ ذکربعد ذلک اَنَّ بریرًا کان مِن عباد اللّٰـه الـصـالـحیـن وجائه ابن عمّ له وقال ویحک یابحیر قتلت بریر بن خضیر قال بِایّ وجه تلقی ربک غدًا؟ قال فندم الشقی وانشـاء یـقـول فـلـوشـآء رَبّی ماشهدتُ قتالهم ولاجعل النعمآ ء عندابن جائر؟ لقدکان ذاک الیوم عاراوسبّة یعیر بهاالا بنا عند الـمعاشر ۔ فیـالیـت انّـی کـنـت فی الرحم حضة ویوم حسیٌن کنتُ ضمن المقابر فیاسو اتـا ه مـاذا اقـول لخالقی وما حُجّتی یوم الحساب القماطری ؟(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات صفحہ 271)

اور کتاب ملھوف میں لکھا ہے کہ بُرَیرؓ ایک عابد وزاہد بزرگ تھے ۔ چنانچہ جب اُن کے مقابلہ پر یزید بن معقل آیا تو دونوں میں یہ بات طے ہوگئی کہ وہ اللہ سے فیصلہ طلب کریں تاکہ حق وباطل کا فیصلہ اللہ اس طرح کردے کہ حق پرست کے ہاتھ سے باطل پرست کوقتل کرادے ۔ چنانچہ دونوں نے لڑنا شروع کیا یہاں تک حضرت بُرَیرؓ نے یزید بن معقل کوقتل کرکے اپنے حق پر ہونے کا ثبوت دے دیا۔ کتاب بحارنے بتایا ہے کہ ابن زیاد کے خاندان کے بحیر نامی ایک شخص نے اچانک حملہ کرکے بُرَیرؓ کوقتل کردیا۔ اور لگا میدان جنگ میں جولانیاں کرنے ۔لوگوں نے اُسے بتایا کہ بُرَیرؓ ایک نہایت صالح شخص تھا اور اس کے چچازاد بھائی نے کہا کہ اے بحیر بن اوس تو بُرَیرؓ کوقتل کرکے کل خدا کو کیسے مُنہ دکھائے گا؟ کہتے ہیں کہ اس پر وہ لعین نادم ہوکر یہ اشعار پڑھنے لگا۔ اگر میرا اللہ نہ چاہتا تو میں اس جنگ میں شامل کیسے ہوسکتا تھا؟ اوراگر یزید ایسا جابر وظالم ہوتا تو اللہ اسے اپنی نعمتوں سے کیسے نوازتا؟ یہ صحیح ہے کہ مجھ سے بہت برا فعل سرزد ہوگیا ہے ۔جس کی وجہ سے آج کے بعد میرے اور میرے خاندان کی مذمت ہوتی رہے گی۔ کاش میری ماں کے پیٹ میں میرا حمل حیض کے خون کے ساتھ نکل گیا ہوتا۔ اورحسینؑ سے جنگ کے دن سے پہلے ہی میں قبرستان میں دفن ہوچکا ہوتا۔افسوس ہے کہ ایسی حالت میں میں اپنے خالق کو کیا جواب دوں گا۔اور وہ کون سی حجت ہے جو پیش کرسکوں گا؟ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 271)

(الف)۔ قومی حکومت اور مذہب تمام انسانی گناہوں کو اللہ کے ذمہ لگاتے ہیں

مومنین غور فرمائیں کہ راوی نے اس روایت میں یہ سمجھا ہے کہ بحیر ملعون حضرت بریر علیہ السلام کوقتل کرکے نادم ہوگیا تھا۔ حالانکہ ندامت کا تقاضہ یہ تھا کہ اُسی وقت فوج یزید سے نکل گیا ہوتا ۔ وہ ہرگز نادم نہیں ہوا بلکہ وہ اپنے قومی عقیدہ کو سمجھنے میں اپنے قصور کا اعلان کرتا ہے اور یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ اللہ نے یزید کو دنیا کی تمام نعمتیں اور حکومت دے رکھی ہیں ۔ حالانکہ وہ جابر وظالم سمجھا جارہا ہے ۔ اگر سچ مچ ایسا ہوتا تو خدا ہرگز اُسے یہ انعامات نہ دیتا۔ پھر وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ یہ چاہتا کہ میں یزید کی حمایت میں جنگ نہ کروں تو اللہ کے مقابلہ میں میری کیا مجال تھی جو میں یہ جنگ وقتل وغیرہ کرسکتا ۔ وہ یہ مانتا ہے کہ یہ قتل مجھے دنیا میں بدنام اور قابل مذمت کرے گا اور اللہ کے سامنے بھی میرے پاس مذکورہ دلیل کے علاوہ کوئی اور دلیل نہ ہوگی ۔یعنی تو نے ایسا چاہا تھا اس لئے میرے ہاتھ سے یہ قتل اور گناہ ہوا۔لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کے قومی مذہب میں اللہ ایسا قادر مطلق ہے کہ (معاذ اللہ) ایک بے گناہ کو جہنم میں اور ایک گناہ گار کو جنت میں داخل کردے ۔ یہ ہے وہ الجھاؤ جس سے نکلنے اور جس کو سمجھنے کے لئے وہ خبیث نادم معلوم ہورہا تھا۔ یہی کیفیات یزید وعمر

سعد وغیرہ سے ظاہر ہوتی تھیں۔ مگر وہ حقیقتاً نادم کبھی نہیں ہوتے تھے۔ وہ اعتراض کرنے والوں کو یہ عقیدہ سنا کر خاموش اور حیران کرنے کی ترکیب کیا کرتے تھے۔ تاکہ ہر گناہ اور ہر جُرم اُن سے ہٹ کر قادر مطلق سے جا ٹکرائے۔

(ب)۔ **حضرت بُرَیرؑ کا تعارف**: بہت سن رسیدہ، عابد و زاہد اور حافظ قرآن تھے۔ حضرت علی علیہ السلام کے پسندیدہ صحابہ میں سے تھے۔ کوفہ کے باشندہ اور قبیلہ ہمدان سے تھے۔ کوفہ کی مسجد میں قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جب حُرؑ نے امامؑ کا راستہ روکا تھا تو آپ نے حُرؑ اور اس کے لشکر کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ۔''اے فرزند رسولؐ خدا کی قسم یہ تو ہم پر اللہ کا احسان ہوا ہے کہ ہمارے سامنے ایسا موقعہ پیدا کر دیا ہے کہ ہم آپ کی حمایت میں جنگ کریں اور آپ کی نصرت کرتے ہوئے ہمارے بدن کے اعضا کٹ جائیں اور قیامت کے دن آپ کے جدؐ بزرگوار ہم سے خوش ہو کر ہماری سفارش کریں۔ اور وہ لوگ ہرگز نجات نہیں پا سکتے جو اپنے نبیؐ کے نواسے کی بربادی چاہیں اور اُن سے جنگ کریں۔ افسوس ہے ایسے لوگوں پر وہ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے اور بہت بُری گزرے گی اُن پر جب وہ جہنم کے عذاب میں نالہ وفریاد کر رہے ہوں گے۔''

وہ یزید بن معقل جس سے میدان جنگ میں مباہلہ کیا تھا بُرَیرؑ کا بہت پرانا واقف کار تھا۔ دونوں میں مذہبی مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ کربلا میں جب اُس کا حضرت بُرَیرؑ سے سامنا ہوا تو اُسے خیال آیا کہ لاؤ سپاہ حسینیؑ کی قلت اور بھوک پیاس کی مصیبت کو دلیل بنا کر بُرَیرؑ کو بدمذہب ثابت کر دوں۔ چنانچہ اُس نے کہا کہ اے بُرَیرؑ دیکھا تمہارے غلط عقائد کی بنا پر خدا نے تمہارے اور تمہارے راہنماؤں کے ساتھ کیا کیا؟ حضرت بُرَیرؑ نے جواب دیا کہ میرے ساتھ تو اللہ نے نہایت مبارک سلوک کیا ہے کہ مجھے حسین علیہ السلام کی نصرت کیلئے قبول فرمالیا ہے البتہ تو بڑا بدنصیب ہے کہ یزید ایسے ملعون کا حمایتی ہے۔ یزید بن معقل نے کہا کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ ایک دن ہم دونوں بنی لوذان کے محلّہ میں سے گزر رہے تھے اور تم نے کہا تھا کہ عثمان گنہگار اور معاویہ خود گمراہ اور دوسروں کا گمراہ کرنے والا ہے۔ اور سچے امام علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں؟ بُرَیرؑ نے کہا مجھے یاد ہی نہیں بلکہ میرا آج بھی یہی ایمان ہے۔ یزید نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو۔ اسکے بعد مباہلہ اور جنگ کا واقعہ آپ نے دیکھ لیا ہے۔

یہاں یہ اور بتانا ہے کہ جب حضرت بُرَیرؑ یزید بن معقل کے سر میں گھسی ہوئی اور لوہے کے خود میں اُلجھی ہوئی تلوار نکالنے میں مصروف تھے۔ اُس وقت رضی بن منقذ عبدی نے ان پر حملہ کر دیا۔ اور بُرَیرؑ کو لپٹ گیا اور دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ جناب بُرَیرؑ نے اُسے اُٹھا کر زمین پر پٹخا اور سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ اب وہ حرامزادہ چیخنے لگا اور مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ اِس حالت میں بحیر نے پشت سے نیزہ مارا تھا۔ اور آپ شہید ہو گئے تھے۔

(39/21)۔ جناب ابو وہبؑ عبداللہ بن خباب الکلبیؑ مع زوجہ شہید ہوئے

وفی البحار ثم بَرَزَ مِن بعده ابو وهب عبد اللّٰه بن خباب الكلبی وقد كانت معه اُمّه وزوجته یومئذٍ. فقالت قُمْ یابُنَیَّی فانصر ابن بنت رسولؐ اللّٰه ۔فقال اَفْعَل یااُمَّاهُ وَلا اقصر فَبَرَزَ وهو یقول: اِنْ تنكرونی فانا ابن الكلبی۔ سوف ترونی وترون ضربی ۔ وحملتی وصولتی فی الحرب ۔ ادرک ثاری بعد ثار صبحی ۔ وادفع الكرب اَمَامَ الكرب ۔لیس جهادی فی الوغا

بـاللّعَب ـ ثـم حـمـل فـلـم يـزل يقاتل حتّٰی قتل منهم جماعةً فرجع اِلٰی امه و امراته فوقف علیهما ـفـقـال یااُمَّهااَرَضِیُت ؟ فقالت مارضیتُ اَوُتقتل مِنُ بین یدی الحسینؑ. . . ـفقاتل بین یدی ابن رسولؐ اللّٰه فیکون غدًا فی القیٰمة شفیعًا لک بین یدی اللّٰه فرجع قائلًا : اِنِّی زَعِیُمٌ لکِ اُمِّ وھب ـ بالطعن فیھم تارة و الضرب ـ ضرب غلام موقن بالرّب ـ حتّٰی یذیق القوم مرّالحرب ـ اِنّی اِمراء ذومرّة وغضب ـ ولست بالخوّارعند النّکب ـحسبی اِلٰهی من علیم حسبی ـ فـلـم یزل یقاتل حتی قتل تسعة عشر فارسًا واثنا عشـر راجلًا ثم قطعت یداہ فاخذت امرأ ته عمودًاواقبلت نحوہ وھی تقول فداک ابی واُمّی دون الطیبین حرم رسولؐ اللّٰه ـفاقبل کـی یردّھا اَلٰی النساءِ فاخذت بجانب ثوبه فقالت لَنُ اعود اواموت معک ـ فقال الحسینؑ جزیتم مِن اھلبیتؑ خیرا ـارجعی اِلٰی النسآء رحمکِ اللّٰه ـ فانصرفت وجعل یقا تل حتـی قتل رحمه اللّٰه قال فذھبت امرته تمسح الدّم عن وجھه ـفبصربھاشمر فامر غلا مًا له فضربھا بعمود کان معه وشدخھا وقتلھا وھِیَ اول امراة قُتِلَتُ فی عسکرالحسین علیه السلام. (اکسیر ـصفحہ 272-271)

کتاب بحارالانوار میں ہے کہ: پھر حضرت بُریرؓ کے بعد جناب ابووہب عبداللہ بن خباب الکلبی میدان جہاد میں نکلے ۔ ہوایوں کہ اُن کے ہمراہ اُن کی والدہ اورزوجہ بھی حرم حسینیؑ میں قیام پذیر تھیں ۔ والدہ نے اندر سے آواز دے کر کہا کہ بیٹے اب تم بھی اُٹھو اور رسوؐل کی بیٹی کے فرزند کی نصرت کو جاؤ ۔ وہب نے کہا کہ امی جان میں امامؑ کی نصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کروں گا ۔ میدان میں آئے تو للکار کر بتایا کہ اگر تم مجھ سے واقف نہیں ہو تو سنو کہ میں ابووہبؓ عبداللہ قبیلہ کلب سے ہوں اور بہت جلد تم لوگ مجھے بھی اور میری تلوار کی چوٹیں بھی دیکھو گے ۔ اور تمہیں میرا دبدبہ اور حملوں کی شدت اس وقت معلوم ہوگی جب میں تم سے انصاران حسینؑ کا بدلہ لوں گا ۔ میں جنگ کی تکلیفوں کو جنگ ہی کر کے دُور کر دیا کرتا ہوں، میرا لڑنا بچوں کا کھیل تماشہ نہیں ہوتا ۔ یہ کہتے کہتے جو حملہ کیا تو ایک پوری صف کو قتل کر کے رکھ دیا اور پھر والدہ اور زوجہ کے پاس آئے اور ذرا دیر وہاں ٹھہرے ۔ اور والدہ سے دریافت کیا کہ اماں آپ میرے جہاد سے خوش ہوئیں ۔ ماں نے کہا کہ بیٹے میں تو جب خوش ہوں گی جب تم فرزند رسولؐ پر قربان ہو جاؤ گے ۔ چنانچہ دوبارہ جنگ شروع کرو اور واپس جا کر یہاں تک لڑو کہ قربان ہو جاؤ ۔ تا کہ کل قیامت میں اللہ کے سامنے حسینؑ تمہاری ضمانت لیں ۔ چنانچہ یہ کہتے ہوئے میدان میں آئے کہ اے وہب کی پیاری اماں میں تمہارے ارادوں اور تمناؤں کا ضامن ہوں ۔ دشمنانِ حسینؑ پر نیزوں اور تلواروں کی بار بار ضربیں لگاؤں گا ۔ اور ایک نوجوان پُر یقین مومن والے حملے کروں گا یہاں تک کہ دشمنوں کو جنگ کا کڑوا ذائقہ حاصل ہو اور اُن کے دانت کھٹے ہو جائیں ۔ میں تو ایک غضبناک زبردست مرد ہوں ۔ ایسا نہیں کہ خطرات میں کمزوری دکھاؤں ۔ مجھے میرا حسب ونسب اور میرا اللہ ہی درکار ہے ۔ برابر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ اُنیس (19) سواروں اور بارہ پیدل فوجیوں کو قتل کر دیا ۔ اس دوران اُن کے ہاتھ کٹ گئے ۔ فوراً اُن کی زوجہ خیمہ کی چوب لے کر پہنچی ۔ کہہ رہی تھی تم رسولؐ اللہ کے پاکیزہ حرم کی حفاظت کر رہے تھے میرے ماں اور باپ تم پر قربان ہوں میں بھی لڑوں گی اور تمہارے ساتھ مروں گی ۔ وہبؓ نے چاہا کہ اپنی زوجہ کو حرم میں پہنچائے لیکن اُس خاتون نے کہا کہ میں ہرگز واپس نہ جاؤں گی اور پھر وہب کے کپڑوں کو پکڑ کر لپٹ گئی ۔ امامؑ نے آواز دی کہ تم دونوں نے اہلبیتِ رسوؐل کا حق خوب ادا کر دیا ہے ۔ اب تم حرم میں واپس چلی آؤ ۔ امامؑ کے حکم سے واپس چلی گئی ۔ اور وہبؓ نے اُسی حالت میں پھر لڑنا شروع کر دیا ۔ لیکن اب ہاتھ نہ تھے ۔ کسی نے اچانک حملہ کیا اور آپ شہید ہو گئے ۔ یہ دیکھ کر اُن کی زوجہ پھر لاش پر پہنچی اور اُن کے چہرے سے خون صاف کرنے

لگی ۔ ادھر شمر نے دیکھ لیا۔ اُس ملعون نے اپنے ایک نوجوان کو حکم دیا وہ چپ چاپ آیا اور چوب خیمہ اُس مومنہ کے سر میں مارا اور قتل کر دیا۔ لشکر حسینؑ سے یہ پہلی خاتون ہے جو یوں قتل کی گئی۔

(الف)۔ ابو وہبؑ عبداللہ سے تعارف : ابو وہب عبداللہ بن عمیر بن عباس بن عبد قیس بن علیم بن خباب الکلبی کوفہ کے باشندے تھے۔ قبیلہ اُن کا ہمدان تھا۔ کوفہ سے باہر ایک کنواں تھا جسے سُرجعد کہا جاتا تھا۔ وہیں اپنے ذاتی مکان میں رہائش تھی۔ یہیں اُن کے اپنے باغات تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ اور والدہ دونوں وہیں رہتی تھیں۔ یہ بھی علی مرتضی علیہ السلام کے صحابہ میں داخل تھے۔ وہ کوفہ سے دور رہنے کی وجہ سے اُس انقلاب سے قطعاً ناواقف تھے۔ جو کوفہ میں حضرت مسلمؑ کی آمد کے بعد واقع ہوا تھا۔ جب عبیداللہ ابن زیاد نے اُن کے باغات کے پاس نخیلہ میں ڈیرہ لگایا اور افواج کی آمد و رفت شروع ہوئی تو وہب متوجہ ہوئے اور تمام صورت حال معلوم ہوگئی۔ اپنی والدہ اور زوجہ سے رخصت ہونا چاہا تو اُنہوں نے ضد کی کہ ہم بھی اہل حرمؑ کے ساتھ رہیں گے۔ چنانچہ راتوں رات سفر کیا اور آخر اماؑم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ دراصل ابو وہب نے برابر سے ہونے والے ایک اور شخص کے وار کو روکنے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کی اُنگلیاں کٹ گئی تھیں جن کو بعض راویوں نے ہاتھ کا کٹنا قرار دیا ہے۔ بہر حال آپ اس کے بعد ڈھال (سپر) استعمال نہ کر سکے اور اس زخمی اور بلا اُنگلیوں کے ہاتھ کے بعد بھی برابر جنگ کرتے رہے اور والدہ کا حکم بجالائے۔ اللہ تمام محبانِ محمدؐ و آل محمدؐ کو اُن کے ساتھ شمار کرے آمین۔

(ب)۔ نام کی یکسانی نے دو اشخاص کو ایک ہی بنا دیا

راویوں نے انصاران حسین علیہم السلام میں دو ایسے نام بیان کئے ہیں جن دونوں میں لفظ ''وَہب'' آیا ہے۔ اس لئے بعض علما نے دو مختلف آدمیوں کو ایک ہی سمجھ لیا ہے۔ جس شہید کا ابھی ابھی تعارف ہوا ہے۔ اُس کے نام کو کتاب بحارالانوار میں ''وہب بن عبداللہ بن کلبی'' لکھا گیا ہے۔ اور علامہ دربندی نے بھی بجنسہٖ نقل کر لیا ہے۔ لیکن جو حالات تحریر فرمائے ہیں وہ وہب بن عبداللہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ حالات جناب ''ابو وہبؑ عبداللہ بن عمیر بن عباس'' سے متعلق ہیں۔ اس لئے ہم نے بحار کی مندرجہ بالا روایت میں وہب بن عبداللہ کی جگہ ابو وہب عبداللہ بن عمیر لکھا ہے۔ اور تعارف میں بتایا ہے کہ جناب ابو وہب عبداللہ بن عمیر حضرت علی علیہ السلام کے صحابہ میں سے تھے۔ یعنی کافی عمر کے انسان تھے۔ اور وہب اُن کے بیٹے کا نام تھا۔ اور اُن کی کنیت ابو وہب اور نام عبداللہ بن عمیر تھا۔ لیکن دوسرے شخص کا نام ہی وہب تھا اور اُس کے والد کا نام عبداللہ تھا۔ یہ ایک نوجوان شخص تھا۔ اپنی شادی کے بعد دلہن کو رخصت کرا کے مع بارات واپس آتے ہوئے راہ میں امام حسین علیہ السلام سے ملا تھا۔ اُس کے دیگر اعزہ کے ساتھ ساتھ اُس کی والدہ بھی ہمراہ تھی۔ جنہوں نے اماؑم کے ساتھ ساتھ سفر کرنا شروع کیا تھا۔ راہ میں تمام حالات پر مطلع ہوئے اور وہ ماں، بیٹا اور نوعروس منع کرنے کے باوجود اماؑم کے ساتھ رہنے پر مصر رہے۔ باقی بارات کے لوگوں کو رخصت کر دیا۔ میدان کربلا میں وہب شہید ہوا اور اُس کی والدہ اور دلہن اہل حرم کے ساتھ رہیں۔ ان دونوں شہیدوں کے حالات کو گڈمڈ کر کے ایک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر روایات میں فرق بالکل واضح ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی مندرجہ بالا روایت کے بعد دوبارہ اِسی شہادت کو لکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ پہلی روایت میں مذکورہ شخص

حضرت علیؑ کا صحابی ہے اور دوسری روایت والا وہب امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لایا ہے، ملاحظہ ہو:۔

(39/22)۔ جناب وہبؑ بن عبداللہ کی جنگ اور شہادت

ثم قال فی البحار: '' رایتُ حدیثًا اِنَّ وهب هذا کان نصرانیًا فاسلم هو وامه علی یدی الحسینؑ فقتل فی المبارزة اربعة وعشرین رَاجلًا واثنی عشر فارسًا ۔ ثم اخذ اسیرًا فاتی به ابن سعد ۔ فقال ماشدّ صولتک ثم فضربت عنقه ورمٰی براسه الٰی عسکر الحسین فاخذت امه الراس فقبّلتُ ثمّ رَمَتْ بالراس الٰی عسکر ابن سعد فَاَصَابَتْ به رجلًا فقتلته ثمّ شدّت بعمود الفسطاط فَقَتَلَتْ رَجلَیْنِ فقال لها الحسینؑ ارجعی یااُمّ وهب اَنْت وابنک مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله فانّ الجهاد مرفوع عن النساء فَرَجَعَتْ وهی تقول اِلٰهی لا تقطع رجائی۔ فقال لها الحسین علیه السلام لایقطع اللّٰه رجاءَ کِ یااُمّ وهب۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 272)

پھر علامہ محمد باقر مجلسی نے کتاب بحار میں لکھا ہے کہ:''میں نے ایک اور حدیث دیکھی ہے جس میں وہبؑ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ عیسائی تھا۔ وہ اور اُسکی والدہ دونوں امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائے اور اسلام اختیار کیا۔ اور میدان کربلا میں امامؑ کی طرف سے دست بدست جنگ کرتے ہوئے وہب بن عبداللہ نے لشکر یزید کے چوبیس پیدل فوجیوں اور بارہ سواروں کو قتل کیا پھر گرفتار ہوگیا۔ جب عمر بن سعد کے سامنے پیش کیا گیا تو عمر نے کہا کہ تیرا بہت دبدبہ اور رعب تھا۔ اسکے بعد اُسکا سر کاٹ کر لشکر حسینؑ میں پھینکا گیا۔ جہاں اُسکی والدہ نے وہبؑ کے سر کو بوسے دیئے اور پھر سر کو واپس عمر کی فوج پر بہت زور سے پھینکا جس سے ایک شخص مر گیا۔ پھر چوب خیمہ لے کر حملہ آور ہوئی اور دو ملعونوں کو قتل کیا۔ اب امامؑ نے آواز دی اور کہا کہ اے اُمّ وہب اب تم واپس آجاؤ۔ عورتوں پر جہاد کرنا واجب نہیں ہے۔ تم دونوں سے میں خوش ہوگیا اور تم اور تمہارا بیٹا اب رسولؐ اللہ کے ساتھیوں میں شمار ہوگئے ہو۔ وہبؑ کی والدہ نے اللہ سے دعا کی کہ یااللہ میری امیدوں کو برقرار رکھنا۔ امامؑ نے تصدیق فرمائی کہ اے امّ وہب اللہ تیری امیدوں اور مرادوں کے خلاف نہ کرے گا۔''

یہ ہے وہ دوسری روایت جس میں شہید ہونے والا **ابو وہبؑ** نہیں بلکہ **وہبؑ** ہے۔ اِس کا نام عبداللہ نہیں بلکہ عبداللہ اُس کے باپ کا نام ہے۔ یہ شخص نہ پہلے سے **مسلمان** تھا اور نہ ہی حضرت علی علیہ السلام کا **صحابی** تھا۔ بلکہ ایک نوجوان عیسائی شخص تھا۔ اِس نے **بارہ** نہیں بلکہ **چوبیس** پیدل فوجی قتل کئے تھے۔ **اُنیس** (19) نہیں بلکہ **بارہ** سوار قتل کئے تھے۔ لہٰذا اُسے ابو وہب سمجھنا بے سمجھی اور حماقت ہے۔

(39/23)۔ حضرت عمروؑ بن خالد ازدی کی شہادت

وفی البحار ثمَّ بَرزَ من بعده عمرو بن خالد الازدی وَهُوَ یقول: اِلَیْکَ یَانَفْسِ اِلَی الرَّحمٰن ۔ فَابْشروا بالرَّوح والرَّیْحَان ۔ اَلْیَوم تَجْزَیْنَ عَلَی الْاِحْسَان ۔ قدکَانَ مِنْکَ غَابَرا لزّمان ۔ ماخُطَّ فِی اللَّوح لَدَی الدَّیّان ۔ لاتَجْزَعِیْ فَکُلُّ حَیٍّ فان وَالصَّبْر اخطی لکِ بِالْاَمان۔ یامَعْشَرَا لُاَزدِ وَبَنِی قحطان۔ ثُمّ قَاتَلَ حَتّٰی قُتِلَ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 272)

اور بحار الانوار میں لکھا گیا ہے کہ وہب بن عبداللہ کے بعد جناب عمرو بن خالد ازدی جہاد کیلئے نکلے۔ وہ جنگ کرتے جاتے تھے اور اپنے آپ کو یوں مخاطب کررہے تھے کہ اے عمرو کے نفس تو رحمان کی راہ پر روانہ ہوجا اور اس سفر کی بنا پر مسرتوں اور مبارکبادوں کا تحفہ

لیتا جا۔ آج ہی تو وہ دن ہے جس روز تو احسان وسلوک کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔ گزشتہ ایام میں تجھے اللہ تعالیٰ اُس قربانی کے لئے تیار کرتا رہا تھا جو لوح محفوظ میں تحریر چلی آ رہی تھی ۔ تجھے کسی قسم کا ہراس و بے چینی کیوں ہوگی ۔ جب کہ تو جانتا ہے کہ زندہ ہستی فنا ہونے والی ہے ۔ اے قحطان کی اولاد سُن کہ ازدی قبیلے کے لوگوں کیلئے اَمان طلب کرنے سے باقی تمام راہیں بہتر ہیں ۔ برابر جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ حسینؑ پر قربان ہوگئے ۔ اللہ اُن کو ہماری بخشش واصلاح کا ذریعہ بنائے آمین ۔

(39/24)۔ خالدؒ بن عمروؒ بن خالد الازدی کی شہادت

وفی المناقب ثُمَّ تقدّم ابنه خالد بن عمرو وهو يرتجز ويقول :صبرًا عَلَى الموت بنى قحطان ۔ كيماتكونوا فى رضى الرحمٰن ۔ذى المجد والعزة والشان ۔ وَذِى العلٰى والطَّول والاحسان ۔يَااَبَت قدصِرتَ فِى الجنان ۔فى قصر ربّ حَسَنِ البيان ۔

کتاب مناقب میں لکھا گیا ہے کہ جناب عمرو بن خالد کے بعد اُن کے فرزند جناب خالد بن عمرو نے یہ رجز (چیلنج) پڑھتے ہوئے حملہ کیا کہ اے قحطان کی اولاد موت پر صبر کرنے کا نتیجہ رحمٰن کی رضا مندیاں ہوتی ہیں اور رحمٰن ہی تمام بزرگیوں ،ساری عزت اور شان کا مالک ہے ۔ اور وہی رفعتوں کشایشوں اور احسان کا خالق و مالک ہے ۔ اَے میرے پیارے بابا تم تو جنت میں سدھار گئے اپنے رب کے بنائے ہوئے حَسین اور مستحکم محل میں جا پہنچے لیکن میں بھی فوراً پہنچ رہا ہوں ۔ آخر جام شہادت پی لیا ۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات ۔صفحہ 272) (اس روایت کو بحار میں علامہ ابن شہر آشوب سے لیا ہے)

(الف)۔ عمروؒ بن خالد سے تعارف اور تفصیلات میں حضرت عبّاس کا کارنامہ

ان دونوں باپ بیٹوں کے متعلق چند باتیں جاننا ضروری ہیں نام ونسب ؛ عمرو بن خالد بن حکیم بن حزام الاسدی الصید اوی الازدی یہ کوفہ کے باشندے اور اشراف میں سے ہیں ۔ اہلبیتؑ رسولؐ کے مخلص شیعوں میں سے تھے ۔ حضرت مسلم علیہ السلام کی شہادت کے ہنگامہ اور ابن زیاد کی طرف سے گرفتاریوں کے سیلاب سے بچ کر جو لوگ کوفہ سے نکلے اور امامؑ کی نصرت کے لئے وہاں پہنچے اُن میں سے جناب عمرو اور اُن کے بیٹے اور ایک اُن کے غلام سعد بھی تھے ۔ چنانچہ جب امامؑ کے قاصد قیس بن مسہر صیداوی کو گرفتار کر لیا گیا اور امامؑ کا خط اُن سے چھین لیا گیا تو اُنہوں نے قتل سے پہلے پہلے امامؑ کا یہ پیغام زبانی پہنچا دیا تھا کہ: امام علیہ السلام مقام حاجر میں آ گئے ہیں ۔ جو نصرت کرنا چاہے وہاں پہنچ جائے ۔ یہ خبر سُن کر جناب عمرو اپنے مذکورہ بیٹے ، غلام اور تین اور ساتھیوں سمیت منزل عذیب الحجانات میں آ کر امامؑ سے ملے ،ساتھ ساتھ رہے ۔ اور روز عاشور اُن پانچوں حضرات نے ضرورت پڑنے پر دشمن کی فوج پر مل کر حملہ کیا تھا ۔ جب یہ حضرات شمشیر زنی کرتے کرتے اُس ٹڈی دل فوج میں ڈوب گئے اور نظروں سے اوجھل ہو گئے تو امامؑ نے اپنے بھائی کو اُن کی تلاش اور مدد اور واپس لانے کے لئے بھیجا ۔ جناب عباسؑ نے حملہ کیا دشمن کی فوج کو تہ و بالا کرنا اور اُن بہادروں کو تلاش کرنا شروع کیا ۔ آپ نعرہ مارتے اور پکارتے بڑھتے جاتے تھے ۔ دشمن کی فوج نے یہ دیکھ کر کہ جان اِسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ اُن پانچوں جوانوں سے الگ ہٹیں اور اُس شیر الٰہی کو اُن کے مقصد میں کامیاب ہونے دیں ۔ لہٰذا بادل چھٹنا شروع ہوئے آپ نے اُن حضرات کو آگے آگے رکھا اور دفاع کرتے ہوئے لے کر واپس آئے ۔ دشمن کی فوج پھر جمع ہونا شروع ہوئی ۔ اپنے کیمپ کے پاس آتے آتے فوج

پھر گھر آ ئی ۔ان جوانوں سے صبر نہ ہوا پھر پلٹ کر حملہ آ ور ہو گئے ۔زخموں سے چُور چُور تو پہلے ہی تھے ۔اب جو دوبارہ جنگ شروع کی تو تمام جنگی احتیاط کی راہیں رک گئیں ۔خوب لڑے اور پانچوں حضرات ایک جگہ شہید ہو گئے ۔حضرت عباس علیہ السلام نے واپس آ کر امامؑ کی خدمت میں تمام واقعہ بیان کیا۔امامؑ نے دعائیں دیں اور لاشیں منگوا کر گنج شہیداں میں امانت رکھ دیں۔

(39/25)۔ **سعدؓ بن حنظلہ التمیمی (جناب عمرؓو بن خالد کے غلام) کی شہادت**

یہ بزرگوار بھی مندرجہ بالا پانچ صحابہ میں سے ہیں اور اپنے آقا کے ساتھ نصرت امامؑ کے لئے عذیب الھجانات کی منزل سے ساتھ ساتھ آئے اور حضرت عباس علیہ السلام کے سامنے شہید ہوئے اُن کے متعلق چند الفاظ سُن لیں ۔کتاب بحارالانوار میں لکھا ہے کہ:۔ قال محمد بن ابیطالب ثُمَّ برز مِنْ بعد خالد بن عمرو سعدبن حنظله التمیمی مولٰی عمرو بن خالد وَهُوَ یرتجز ویقول: صبرًا علی الاسیاف والاسنّة ـصبرًا علیها لدخول الجنة وحورعین ناعمات هنة ـلِمَن یرید الفوز لا بالظّنة ـیانفس للراحة فاجهد نه ـوفی طلاب الخیر فارغبنه ـثمَّ حمل وقاتل قتالا شدیدًا ثمَّ قُتِلَ ـ(اکسیر صفحہ 272)

علامہ محمد بن ابیطالب نے کہا کہ پھر جناب عمرو بن خالد کا غلام سعد بن حنظلہ تمیمی یہ چیلنج دیتے ہوئے میدان میں جنگ کرنے لگے کہ: تلواروں اور برچھیوں پر ہم اس لئے ضبط و تحمل دکھا رہے ہیں کہ ہمیں جلدی سے جنت میں داخلہ ملے اور وہاں کی نعمتیں اور حورانِ جنت ہماری ہم نشین ہوں ۔یہ جزا اُن لوگوں کے لئے مقرر ہے جو ظن و گمان کے بجائے حق الیقین سے قربانی پیش کریں لہٰذا اے میرے نفس تُو ہمیشہ کی راحت اور ابدی مسرت کے لئے خوب محنت کر لے اور خیر طلبی پر پُورا زور لگا دے۔ خوب لڑے اور شہید و کامیاب ہو گئے ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات ۔صفحہ 272)

(39/26-27)۔ **باپ اور بیٹے مجمعؓ بن عبداللہ اور عائذؓ بن مجمع کی شہادت**

پورا تعارف: مجمع بن عبداللہ بن مجمع بن مالک بن ایاس بن عبد مناۃ بن سعد العشیرۃ المذحجی العائذی ۔زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے۔ اُنکے والد جناب عبداللہ رسولؐ اللہ کے صحابہ میں سے تھے ۔اور مجمع جناب علیؑ مرتضٰی کے اصحاب میں داخل تھے ۔جنگ جمل و صفین میں امیرؑ المؤمنین کے ناصر تھے ۔جیسا کہ تذکرہ ہو چکا مجمع اور اُنکے فرزند عائذ دونوں عمرو بن خالد (نمبر 23) کے ساتھ عذیب الھجانات پر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اُن پانچ شہدا میں شریک تھے ۔جنہوں نے مل کر دشمن کا مقابلہ کیا اور جناب عباس علیہ السلام جن کو نرغۂ افواج سے نکال کر لائے اور پھر وہ حضرات جوش ایمانی کی بنا پر دوبارہ حملہ آور ہو گئے تھے ۔اور پانچوں حضرات ایک ساتھ ایک مقام پر شہید ہوئے ۔یہ دونوں باپ اور بیٹا بھی کوفہ کے باشندے تھے ۔اُن حضرات کے مرتبہ کا کیسے اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔جن کی نصرت کیلئے حضرت عباس علمبردار علیہ الصلوٰۃ والسلام تعینات کئے جائیں؟

(39/28)۔ **جناب عمیرؓ بن عبداللہ المذحجی کی شہادت اور افواجِ شام کی بوکھلاہٹ**

وفی البحار وخرج من بعده عمیر بن عبد الله المذحجی وهو یرتجز ویقول: قدعَلِمَتْ سعد وحیّ مذحج ـاِنّی لدی

الھیجا لیس مخرج ۔اعلوا بسیفی ھامة المذحج ۔ واترک القرن لذی التعرج ۔فریة الضبع الازل الاعرج ۔ وَلَمْ یَزِل یقاتل حتّٰی قتله مسلم الضبابی وعبد اللّٰہ البِجلّی ۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات ۔صفحہ 272)

بحارالانوار میں لکھا گیا ہے کہ پھر جناب عمیرؑ بن عبداللہ مذحجی رجز (چیلنج) پڑھتے ہوئے یزیدی افواج پر حملہ آور ہوئے ۔ وہ فرماتے جاتے تھے کہ: قبیلہ سعد وحیّ اور مذحج جانتے ہیں کہ میں جنگ کے دوران ایک وحشی شیر ثابت ہوتا ہوں ۔اور صرف ایک شخص پر تلوار اُٹھاتا ہوں جو سامانِ جنگ سے بالکل آراستہ اور بہادرانہ جنگ کا عادی ہو ۔اور کشتوں کے پشتے اور لاشوں کے ڈھیر لگاتا اور بجّوؤں اور درندوں کی خوراک بنانے میں ماہر ہوں ۔ برابر دودستی تلواریں مارتے اور قتل کرتے جارہے تھے کہ اُن پر مسلم ضبابی اور عبداللہ نے برابر سے اچانک ایک ساتھ حملہ کیا اور وہ شہید ہوگئے ۔انّالِلّٰہ وانّاالیہ راجعون ۔

(39/29)۔ جناب نافعؑ بن ھلال کی جنگ اور دشمن فوج کی پسپائی اور نیا فیصلہ

اس وقت تک جنگ کا بہادرانہ طریقہ جاری تھا۔اُدھر سے منچلے لوگ باہر نکلتے ،مدمقابل طلب کرتے اور شمشیر زنی اور بہادری کے جوہر دکھاتے ۔اسی طرح انصاران حسینؑ میدان میں نکلتے اور جذبہ ایمانی کی قوت وقدرت کا مظاہرہ کرتے رہے اور نتیجہ میں دشمن فوج کو شدید نقصان ہوتا رہا۔لیکن فی الحال یزیدی سپہ سالارانِ فوج دست بدست جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں اور کسی مناسب موقع کا انتظار کررہے ہیں۔

وفی الارشاد بَرَزَ نافع بن ھلال وھویقول: انا ابن ھلال البِجلّی ۔انا علٰی دین علیؑ ۔فبرز الیه مزاحم بن حریث فقال انا علٰی دین عثمان ۔فقال له نافع انت علٰی دین شیطان وحمل عَلَیْهِ فقتله ۔فصاح عمروبن الحجّاج یاحمقآئَا تَدْرون مَنْ تقا تلون ؟ أَتـقـاتـلون فرسان اھل المصر؟ تقاتلون قومًا مستمیتین ۔ لایبرز الیھم منکم احد ۔فـانھم قلیل وقل مایبقون ۔والـلّٰہ لولم ترموھم الابـالحجارة لقتلتموھم ۔فـقـال لـه ابـن سـعد صد قت الرّای مارایت فارسل فی الناس مَن یعزم علیھم الایبارز رجل منکم رجلًا منھم۔وزادفی البحار... (اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات ۔صفحہ 273-272)

کتاب ارشاد میں ہے کہ اسی عالم میں جناب نافعؑ بن ہلال رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی فوج پر ٹوٹ کرگرے اور اعلان فرمایا کہ: میں ہلال بجلّی کا بیٹا ہوں اور علیؑ مرتضٰی کے دین پر ہوں ۔ یہ سُن کر اُن سے لڑنے کیلئے مزاحم بن حریث نکلا اور اعلان کیا کہ میں عثمان کے دین پر ہوں ۔نافع نے یہ کہہ کر حملہ کیا کہ تو یقیناً شیطان کے دین پر ہے اور اُسے آناًفاناً جہنم واصل کردیا۔یہ حال دیکھ کر مدمقابل فوج کے سردار عمروبن الحجاج نے چیخ کر کہا کہ اے احمق لوگو۔کیاتم یہ سمجھتے ہو کہ جن سے تم برسرِپیکار ہو وہ کون لوگ ہیں؟ کیاتم نے انہیں مصری جوان سمجھ لیا ہے؟ ارے تم اُن سے جنگ کررہے ہو جنہوں نے موت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے جو جان پر کھیل رہے ہیں ۔ ہرگز ایک ایک دودوکر کے اُن سے لڑنے کو نہ نکلو ورنہ وہ تمہیں ڈھیر کرکے رکھ دیں گے ۔تم اجتماعی حملے کرو یہ تو بہت قلیل تعداد میں ہیں ۔اور اب جو باقی رہ گئے ہیں وہ اور بھی کم ہوگئے ہیں ۔تم تو اگر اُن پر پتھروں ہی سے حملہ جاری رکھو تو اُن سب کو قتل کرسکتے ہو۔عمر سعد نے عمروبن حجاج کی تصدیق کی اور کہا کہ اُن پر اجتماعی حملے کا انتظام کرو، یوں دست بدست جنگ میں کامیابی نہ ہوگی ۔کتاب بحارالانوار میں بعض دوسری کتابوں سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ عمروبن حجاج نے کہا کہ اگر تم یوں اُنکے مقابلے پر جاتے اور انہیں بلاتے رہو گے تو اُن کا آنا،

مقابلہ کرنا اورغالب رہنا کبھی ختم نہ ہوگا۔اُس نے لشکر حسینیؑ کے پاس ہی سے اپنی فوج کونصیحت کی کہ دیکھوتم اپنے دین میں اورخلیفہ کی اطاعت میں کمی اورشک وشبہ کوجگہ نہ دواورجن لوگوں نے دین میں خرابی پیدا کی اوردین سے الگ ہوگئے اُنکوقتل کرنے میں تکلف نہ کرو۔ یہ سُن کرامامؑ نے جواب میں تقریر کی اوریہ بھی کہا کہ اوحجاج کے بیٹے تولوگوں کومیرے خلاف اُکسانے کی کوشش کرر ہا ہے۔ارے کیا ہم دین سے نکل گئے ہیں اورتم دین پرقائم ہو۔ بہت جلد تمہیں یقین آجائیگا کہ ہم دونوں میں سے کون دین سے نکل گیا ہے اورکون جہنم میں داخلہ کا پہلے حقداربن جاتا ہے۔کتاب ارشاد کی رُو سے پھرعمروبن حجاج نے اپنی فوج کا اجتماعی حملہ کیااورانصاران حسینؑ نے گھمسان کی لڑائی سے دفاع کیا۔

(39/30)۔ مسلمؑ بن عوسجہؑ کا حملہ اورشہادت: عمروبن حجاج کی فوج کا یہ اجتماعی حملہ نہرفرات کی جانب سے ہوا تواُدھر جناب نافعؑ بن ھلال اس اجتماعی حملہ میں گھر گئے اور اِدھر جناب حبیبؑ ابن مظاہراورجناب حُرؑ اورچند دیگرانصار نے بڑھ کراس پوری فوج پرقہر خداوندی کی طرح ہلہ بول دیا۔اس حملہ کے وقت مسلمؑ بن عوسجہ کا حال الگ سے بیان کرنا اورجناب نافع بن ہلال اوردیگرشہدا کا الگ الگ حال بیان کرنا ناممکن تھامگرجوکچھ پتہ چلتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب نافع شہید ہوگئے۔

وفی المناقب بعد عمیر بن عبد اللّٰہ ثم برز مسلمؑ بن عوسجة مرتجزًا۔ اِن تسئلو ا عنّی فانی ذو الید ۔ من فر ع قوم فی رزی بنی اسد ۔فمن بغانا جائر عن الرشد ۔ وکافر بدین جبّار وصمد ۔ وفی الملھوف بالغ مسلم بن عوسجة فی قتال الاعداء وصبر علٰی اھوال البلاء حتّٰی سقط الَی الارض وبه رمقی فمشی الیه الحسینؑ ومعه حبیب بن مظاھر فقال له الحسینؑ رحمک اللّٰہ یا مسلم: فَمِنۡهُم مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُم مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا ٥ (احزاب33/23) ودنی منه حبیب وقال عزّعلیَّ مصرعک یامسلم ابشر بالجنة ۔فقال له مسلم قولًا ضعیفًابشّرک اللّٰہ بخیر ۔ ثُمّ قال له حبیب لو لا اِنّنی اعلم اَنّی فی الاثر لاحببت اَنۡ توصی اِلَیَّ بِکُلّ ماھمّک فقال له مسلم فانی اوصیک بھٰذا واشاراِلٰی الحسینؑ فقاتل د ونه حتّٰی تموت ۔فقال له الحبیب ۔ لانعمنّک عینًا ثـم مات رضوان اللّٰہ علیه وعن محمد بن ابیطالب وصاحت جاریة له یاسیداه یابن عوسجاهُ فنادی اصحاب ابن سعد مستبشرین قتلنـا مسـلم بن عوسجة فقال شبث بن ربعی لبعض مَن حوله ثکلتکُم امھاتکم اماانّکم تقتلون انفسکم بایدیکم وتذلّون عزّکم اتفرحون بقتل مسلم بن عوسجة اما والذی اسلمت له لربّ موقف له فی المسلمین کریم۔ ((اکسیرالعبادات۔صفحہ 273)

کتاب مناقب میں لکھا گیا ہے کہ عمیر بن عبداللہ کی شہادت کے بعد پھرمسلمؑ بن عوسجہ حملے کے دوران فرمارہے تھے کہ اگرتم مجھ سے دریافت کروکہ میں کون ہوں تومیں بتاؤں گا کہ میں صاحب قوت وقدرت فردہوں اوریہ کہ میں بنی اسد کی شاخ پرلگنے والا پھل ہوں۔جولوگ ہم سے بغاوت کرتے ہیں وہ ظالم وگمراہ اوردین خداوندی سے خارج وکافرہوتے ہیں۔کتاب ملھوف میں ہے کہ جناب مسلمؑ بن عوسجہ میدان جنگ کی گہرائی میں اُترگئے اورتمام دقتوں اورخطرات کی طرف سے بے پرواہ ہوکرحملہ پرحملہ کرتے چلے گئے یہاں تک کہ زخموں سے نڈھال ہوکرزمین پرگرے اوراُدھرجناب امامؑ اورحبیبؑ ابن مظاہرپہنچے تواُبھی حالت نزع میں تھے۔امامؑ نے دعائے خیردی اورآیت پڑھی کہ اُن میں سے وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی ذمہ داری مکمل کردی اوروہ بھی ہیں جوانتظارمیں مصروف ہیں۔اوردونوں نے ذرہ برابرمعاہدہ میں ردوبدل نہیں کیا ہے۔پھرجناب حبیبؑ ابن مظاہربھی حضرت مسلمؑ کے قریب آئے اورکہا کہ اے مسلمؑ تمہارااس

حال میں دیکھنا تو مجھے غم ورنج میں مبتلا کرتا ہے۔مگر اس کے نتیجے میں میں تمہیں جنت کی بشارت دیتا ہوں۔مسلمؑ بن عوسجہ نے نہایت کمزور آواز سے کہا کہ خدا تمہیں بھی بشارت دے۔حبیبؑ نے کہا کہ اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ میں بھی فوراً تمہارے پاس پہنچنے والا ہوں تو تم سے درخواست کرتا کہ مجھے کوئی وصیت کرتے جاؤ۔مسلم نے کہا میری اس سے بڑی اور کوئی وصیت نہیں ہے کہ امامؑ کی نصرت میں کمی نہ ہونے دینا اور اپنی جان قربان کر دینا۔اس کے بعد خدمت علی و بتول و رسول علیہم السلام میں حاضر ہو گئے۔مسلمؑ بن عوسجہ کی ایک کنیز نے نعرہ فریاد بلند کیا اور ہائے میرے سردار ہائے مسلمؑ بن عوسجہ کہہ کر رونا شروع کیا تو فوج ابن سعد کے کچھ لوگوں نے خوش ہو کر کہا کہ ہم نے مسلمؑ بن عوسجہ کو قتل کر دیا۔شبث بن ربعی نے اُن کو ڈانٹ کر کہا کہ تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں روئیں۔ارے تم تو خود اپنے ہاتھوں خود کو قتل اور اپنی عزت کو ذلّت سے بدل رہے ہو۔تم کتنے ناعاقبت اندیش ہو کہ مسلمؑ بن عوسجہ جیسی ہستی کو قتل کر کے خوش ہو رہے ہو۔حالانکہ مسلمؑ مسلمانوں میں ایک بہت بزرگ مقام رکھتے تھے۔

(الف)۔ **مسلمؑ بن عوسجہ سے تعارف:** اصحاب حسین علیہ السلام میں بہت مخصوص پوزیشن رکھتے تھے۔پورا نام اور کنیت وغیرہ:۔ ابوحجل مسلم بن عوسجہ بن سعد بن ثعلبہ بن دُودَان بن اسد بن خزیمہ اسدی سعدی۔بہت ممتاز و معزز عربوں میں سے تھے۔رسولؐ اللہ کی زیارت وصحبت سے شرفیاب تھے۔راویان حدیث میں سے ہیں۔کافی سن رسیدہ ہو چکے تھے۔حضرت مسلم بن عقیل علیہ السلام کی آمد سے آخر وقت تک تمام خطرناک خدمات انجام دیں اور ابن زیاد کے انتظام سے بچ کر مع اہل وعیال کربلا میں امامؑ سے آ کر مل گئے۔شب عاشور جب امامؑ نے اپنے عزیزوں اور انصار کو عام اجازت دی تھی تو سب سے پہلے مسلمؑ بن عوسجہ نے اپنا بیان دیا تھا۔اور کہا تھا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم آپؑ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔بخدا میں اِن دشمنان دین سے لڑتے لڑتے اپنا نیزہ اُن کے سینے میں توڑ دوں گا۔اور جب تک تلوار کا قبضہ پکڑنے کی طاقت رہے گی تلواریں مارتا چلا جاؤں گا۔اور اگر اسلحہ نہ ہوگا تو میں اُن پر سنگ باری کروں گا مگر آپ سے جدا نہ ہوں گا۔وہ سن وسال کی رُو سے بوڑھے تھے۔لیکن جذبہ ایمانی اور ولولہ قربانی اُن میں جوان تھا۔وہ عمرو بن حجاج کے اجتماعی حملہ کو روکنے والوں کے ساتھ دشمن کی فوج میں گھسے اور دُشمن کو چند انصاران حسینؑ نے بھگا دیا۔اور جب دشمن میدان چھوڑ کر فرار کر گیا تو مسلمؑ بن عوسجہ قربان ہو چکے تھے۔گویا اپنے امامؑ کی زیارت کا انتظار کر رہے تھے کہ حضورؑ نے پہنچ کر رخصت کیا۔بھاگی ہوئی افواج پھر جمع ہو گئیں اور اس دفعہ شمر ملعون کی کمانڈ میں اجتماعی حملہ کیا جانا طے پایا۔اُدھر انصاران حسینؑ انتظار فرما رہے تھے۔

(ب)۔ شمر ملعون، سپاہ حسینیؑ پر حملہ کرتا ہے

وَعَنِ الارشاد ثم تراجع القوم اِلَی الحسینؑ فحمل شمر بن ذی الجوشن فی المیسرة فثبتوا له وَطَاعَنُوه وحمل علی الحسینؑ واصحابه مِن کل جانب وقاتلهم اصحاب الحسینؑ قتالًا شدیدًا فاخذت خیلهم تحمل وانّماهم اثنان وثلثون فارسًا فلایحملون علٰی جانب مِن خیل الکوفة الا کشفوهم۔فلما رای ذلک عروة بن قیس وهوعلٰی خیل الکوفة بعث اِلٰی ابن سعد اماتری ماتلقی خیلی منذالیوم مِن هذه العدّة الیَسِیْرَة ابعث الیهم الرجال والرماة ۔ فبعث الیهم بالرماة وقاتل اصحاب الحسیؑن القوم اشد قتال ۔ وَفِی البحار فدعی عمربن سعد الحصین بن نمیر فی خمس مائة مِنَ الرمّاة فاقتتلواحتی دنومن الحسیؑن

واصحابه فرشقوهم بالنبل فلم يلبثوأ اَن عقرواخيولهم وقاتلو هم حتّی انتصف النهار واشتدّ القتال ولم یقدرواَن یاتوهم الّا من جانب واحد لاجتماع ابنیتهم وتقارب بعضها من بعض فارسل ابن سعدالرجال لیقوضوهاعن ایمانهم وعن شمائلهم لیحیطوابهم واخذالثلثة والاربعة من اصحاب الحسیؑن یتخلّلُون فیشدّونَ علی الرجال یعرض وینهب فیرمونه عن قریب فیصرعونه فیقتلونه۔فقال ابن سعداحرقوها بالنار فاضرموافیها فقال الحسیؑن دعوهم یحرقوها فانهم اذا فعلواذلک لم یجوزواالیکم۔فکان کماقال وقیل اتاه شبث بن ربعی وقال افزعنا للنساءِ ثکلتک اُمّک فاستحیاء فاخذ وا لایقاتلونهم الامِن وجه واحد ۔

وعن الارشاد وجائهم شمر فی اصحابه فحمل علیهم زهیر بن قین فی عشرة رجال مِن اصحاب الحسیؑن فکشفوهم عن البیوت وعطف علیهم شمر فقتل مِن القوم جمیعًا ورَدّ الباقین الٰی مواضعهم.... وکثرالقتل والجراح فی اصحاب ابی عبد اللّٰہ الٰی اَن ذالت الشمس۔وفی البحار فلمّا رای ذلک ابوثمامه الصیداوی قال للحسین علیه السلام یااباعبد اللّٰہ نفسی لنفسک الفدآء افتربوا منک ھؤُلاء ولاواللّٰہ لاتقتل حتی اقتل دونک واحبّ اَن القی اللّٰہ تعالٰی ربّی وقد صلّیتُ هذه الصلوة ۔ فرفع الحسینؑ راسه اِلَی السمآء وقال ذکرتَ الصلوة جعلکَ اللّٰہ مِنَ المصلین۔ نعم ھٰذا اوّل وقتها ۔ثم قال سلوهم اَن یکفّوا حتّی نصلی ۔قال ابومخنف فاذّن الحسین علیه السلام بنفسهٖ فلما فرغ من الاذان نادی یاویلک یاعمر بن سعد اَنَسَیُتَ شرایع الاسلام الاتقف عن الحرب حتی نصلّی وتصلون ونعود الی الحرب ۔فلم یجبه۔فنادی الحسین علیه السلام استحوذ علیه الشیطان۔فنادی الحصین بن نمیر یاحسین صَلّ مابدالک فانّ اللّٰہ لایقبل صلوتک۔فقال لہٗ حبیبٌ بن مظاهر وکان واقفًا بین یدی الحسیؑن ۔ثکلتک امک وعدموک قومک وکیف لا تقبل صلوة ابن بنت رسولؐ اللّٰہ وتقبل صلوتک یابن الخمارة ؟ فغضب الحصین حین ذکراُمّه وبرز نحوه وعندذلک یقول: دونک ضرب السیف یاحبیب۔وافاک لیثٌ بطلٌ مجیب۔فی کفّه مهند قضیب ۔کانه مِن لمعة حلیب ۔ثمَّ نادی یاحبیب ابرزالی میدان الحرب قال فسلّم حبیب علی الحسینؑ وودّعه وقال واللّٰہ یامولٰی اِنّی ارجواَن لا تقضی صلوتک اِلّا وانا اصلّی فی الجنة واقراجدّک واباک وامک واخاک عنک السلام۔ ثمَّ برز اِلَی الحصین وهویقول: اناحبیب وابی مظاهر ۔ وفارس الهیجاء ولیث قسور۔وفی یمینی صارم مذکر ۔وانتم ذوعدد واکثر ۔ ونحن منکم فی الحروب اصبر۔ایضًا وانا فی الامور اقدر۔و اللّٰہ اعلٰی حجة واظهر۔ منکم وانتم نفرلا تنصروا۔سبط رسولؐ اللّٰہ اذا یستنصر ۔یاشرّقوم بالهدی قدکفروا۔ ثم حمل فی اثر شعره علی الحصین فضربه ضربة فوقعت فی وجه حصانه فقطع خیشومه فوثب الحصان فرماه عن ظهره الی الارض فهم اَن یعلوه بسیفه ضربة اخری فحامی عنه اصحابه واستنقذ وه وفی البحار نقلًا عن مناقب وقاتل قِتاً لًا شدیدًا وقال ایضًا ۔ اَقُسَمُ لوکنا لکم اعدادا ۔ او شطرکم ولیتم الاکتا دًا..... وعن محمد بن ابیطالب فقتل اثنین وستین رجًلا ۔وعَنِ المناقب ثمّ حمل علیه رجل مِن بنی تمیم فطعنه فذهب لیقوم فضربه الحصین بن نمیر علٰی راسه بالسیف فوقع ونزل التمیمی فاجتزراسه فهدّ مقتلة الحسیؑن فقال عند اللّٰہ احتسب نفسی وحماة اصحابی ۔وقیل بل قتله رجل یقال له بدیل بن صریم واخذراسه فعلّقه فی عنق فرسه فلما دخل مکةّ رَاَه ابن حبیب وهوغلام غیر مراهق فوثب الیه فقتله واخذراسه وعن محمد بن ابیطالب قتله الحصین بن نمیر وعلق راسه فی عنق فرسه۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 274-273)

کتاب ارشاد کی رُو سے بھاگی ہوئی افواج پھر جمع ہوگئیں اور شمر نے اُنکو لے کر بائیں طرف سے حملہ کیا اور تیر وتلوار و نیزہ سے امامؑ اور امامؑ کے صحابہ پر ٹوٹ پڑے اور ہر طرف سے گھیرنے کی کوشش شروع کردی۔لیکن حسینیؑ انصار نے زبردست دفاعی جنگ کی

اور بڑھ بڑھ کر حملے جاری رکھے۔ حالانکہ اس حملہ کو روکنے میں حصہ لینے والے بتیس (32) مجاہد تھے۔ اور وہ اہل کوفہ پر حملہ ہی نہ کرتے تھے بلکہ صرف ایک نقطہ پر دفاع کر کے دشمن کو سخت نقصان پہنچانے میں مصروف تھے اور جب اہل کوفہ زد پر آ گئے تو اُنکی دھجیاں اڑا دیں۔ یہ دیکھ کر اُنکے سردارِ لشکر عروہ بن قیس نے عمر سعد کو اطلاع بھیجی کہ تم صبح سے میری فوج کی تباہی اور فرار دیکھ رہے ہو۔ لہٰذا میری فوج کو دم لینے کی چھٹی دو اور سپاہ حسینیؑ پر نئی فوج تیر اندازوں کی بھیجو۔ چنانچہ تیر اندازوں کا زبردست لشکر آ گیا۔ اُس سے بھی صحابہ حسینؑ نے زبردست ٹکر لی اور چھکّے چھڑا دیئے۔ اور کتاب بحار میں یہ لکھا ہے کہ عمر سعد نے جب اس حملہ کو پسپا ہوتے دیکھا تو اس نے حصین بن نمیر کو پانچ سو تیر اندازوں کے ساتھ مدد کو بھیجا۔ اب جنگ نہایت بے جگری سے بھڑکی اور اندھا دھند تیر بارانی کی جانے لگی۔ اور دشمن لوگ امامؑ اور اصحاب امامؑ کے قریب آ پہنچے۔ لیکن انصار گھوڑوں کے اندر گھس گئے اور گھوڑوں کی ٹانگیں کاٹنا اور اُنکے منہ پر ضربیں لگانا شروع کیا تو گھوڑے اُلٹ اُلٹ کر گرنا شروع ہو گئے۔ گھوڑوں کے سوار گھوڑوں سے دب کر مر رہے تھے۔ یہ ہنگامہ ٹھیک دو پہر تک جاری رہا لیکن فوج کو برابر سے حملہ کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ مگر دشمن کے لوگ صحابہ حسینیؑ کے بالکل قریب تک پہنچ گئے۔ تو عمر سعد نے اور کمک بھیج دی تا کہ لوگ اِدھر اُدھر سے بچ بچا کر خیموں تک پہنچ جائیں اور چاروں طرف سے گھیر لیں اور خیموں کو گرا دیں مگر خیموں کا یکبارگی گرا دینا ناممکن تھا۔ وہ آپس میں بڑی مضبوطی اور حکمت عملی سے بندھے ہوئے تھے۔ درحقیقت دشمن کے سپاہی خود گھِر کر رہ گئے تھے۔ اُدھر انصار نے تین تین چار چار کی ٹولیاں بنا کر اُن پر حملہ شروع کیا اور اُن اندر آ جانے والے لوگوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ عمر سعد نے یہ قتل عام دیکھ کر کہا کہ خیموں میں آگ لگا دو۔ وہ اس کوشش میں مصروف ہوئے تو امامؑ نے صحابہ کو پھر جمع ہو جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اُنکو آگ لگانے دو اگر یہ آگ لگا دیں تو اُن کیلئے تمہارے قریب آنا قطعاً ناممکن ہو جائے گا۔ تم صرف سامنے سے دفاع کرو۔ اتنے میں شبث بن ربعی اِدھر آ گیا۔ اور اُس نے عمر سعد کو خیمہ جلانے کے حکم پر برا بھلا کہا تو اسے حیا آ گئی اور جنگ صرف ایک طرف سے جاری رہی۔ شبث بن ربعی نے چونکہ قریب سے محاذ دیکھ لیا تھا اسے یقین ہو گیا کہ آگ لگانا مفید نہ ہوگا۔ اسلئے وہ لوگ باز رہے۔

اُدھر کتاب ارشاد کی رُو سے شمر اور اس کی داخل شدہ فوج پر جناب زہیرؑ بن قین نے دس صحابہ کے ساتھ حملہ کیا اور سوائے چند ایک دشمنوں کے جو بھاگنے میں کامیاب ہو گئے سب کو اُسی جگہ قتل کر دیا البتہ شمر نکل بھاگا۔ بہرحال اُس وقت تک سپاہ حسینیؑ میں صحابہ کی کثرت قتل اور زخمی ہو چکی تھی اور دن ڈھل چکا تھا۔ کتاب بحار میں لکھا گیا ہے کہ جب ابو ثمامہؒ صیداوی نے دیکھا کہ ظہر کا وقت ہو گیا ہے تو امامؑ سے عرض کیا کہ میں صدقہ ہو جاؤں میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ قریب سے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں آپ پر آنچ آئے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ یہ نماز ادا کر لوں تا کہ اپنے پروردگار کے رُوبرو نماز ادا کئے ہوئے حاضری دوں۔ امامؑ نے آسمان کی طرف وقت کو دیکھا اور فرمایا کہ تم نے مجھے نماز یاد دلائی ہے اللہ تمہیں نمازیوں کے ساتھ رکھے۔ ٹھیک ہے یہ اوّلین وافضل وقت ہے ان لوگوں سے نماز کی اجازت اور جنگ بند کرنے کے لئے کہو۔ ابومخنف نے لکھا ہے کہ پھر امام حسین علیہ السلام نے بنفس نفیس خود اذان دی اور جب اذان سے فارغ ہوئے تب ابن سعد کو آواز دی کہ اے عمر بن سعد خدا تیرا برا کرے کیا تو نے اسلام کے تمام قوانین کو بھلا دیا ہے۔ کیا تو نماز کا وقفہ دینے کو تیار نہیں کہ ہم بھی نماز پڑھ لیں اور تم لوگ بھی نماز ادا کر لو۔ پھر ہم

جنگ کی موجودہ پوزیشن میں آ جائیں گے۔ مگر عمر سعد نے جواب ہی نہ دیا تو امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر سعد پر ابلیس نے قابو پا رکھا ہے۔ یہ سن کر حصین بن نمیر نے جواب دیا کہ اے حسینؑ جس طرح چاہو نماز پڑھ لو مگر تمہاری نماز اللہ کے یہاں قبول نہ ہوگی۔ حبیبؑ ابن مظاہر نے جواب میں کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسولؐ کے نواسے کی تو نماز قبول نہ ہو اور تمہاری نماز قبول ہو جائے اے خمارہ کے بیٹے تیری ماں تیرے غم میں صف ماتم بچھائے۔ اپنی ماں کی توہین سے حصین کو بہت غصہ آیا اس نے کہا کہ اے حبیبؑ تو میری اس تلوار سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ ایک بہادر جنگجو کا سامنا کرنے کے لئے تیاری کر لے اور اُس کے سامنے جس کے ہاتھ میں ہندوستانی فولاد کی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنے والی تلوار ہے جس میں ہر وقت خون جھلکتا ہوا نظر آتا ہے۔ پھر حبیبؑ کو للکار کر کہا کہ میدان جنگ میں نکل۔ حضرت حبیبؑ نے امامؑ پر سلام بھیجا اور عرض کیا کہ میں ہرگز آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو ترک کر دینا پسند نہ کرتا لیکن یہ وقت ایسا ہے کہ غیرت اسلامی کا تقاضہ ہے کہ میں اس ملعون کو جواب دوں۔ اگر میری یہ نماز قضا ہوتی ہے تو میں جنت میں آپؑ کے نانا، والدؑ، والدہؑ اور بھائیؑ کو آپ کا سلام پہنچاؤں گا اور وہیں نماز ادا کروں گا۔ اس کے بعد رخصت ہو کر حصین بن نمیر کے سامنے آئے اور جواب میں بتایا کہ میں حبیبؑ ہوں میرے والد مظاہر تھے۔ میں میدان جنگ میں بہادروں کا منہ موڑ دینے والا بہادر ہوں۔ ہر چند کہ تم تعداد میں زیادہ ہو لیکن جم کر لڑنے اور صبر و تحمل میں ہم زیادہ ہیں۔ میرے ہاتھ میں سر و تن میں جدائی ڈالنے والی تلوار ہے اور ہم تمام اعمال میں تم سے زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔ اور ہمارا مسلک اور ہماری دلیل و حجت غالب ہے۔ اور تم وہ لوگ ہو جو سبط رسولؐ کے مخالف ہو اور جب کہ اُسے نصرت کی ضرورت ہے۔ تم نصرت کے بجائے اسکے قتل پر آمادہ ہو۔ تم شریر ترین اور کافر قوم ہو۔ پھر حصین پر حملہ کیا اور ایک زبردست ضرب لگائی جو حصین کے بجائے اُسکے گھوڑے پر پڑ گئی اور گھوڑے کی ناک کٹ گئی۔ گھوڑے نے اُسے زمین پر پٹخ دیا۔ حبیبؑ نے بڑھ کر دوسری ضرب لگانا چاہی تو حصین کے اصحاب نے اُسے جھرمٹ میں لے کر بچا لیا اور لے کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد حبیبؑ نے عمر سعد کی فوج پر ایک زبردست حملہ کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اور کہتے جاتے تھے کہ اگر ہماری تعداد تمہارے برابر یا کسی قدر کم ہوتی تو تم ہمارے سامنے بھاگتے پھرتے۔ اے بدترین اور ملعون قوم تم انتہائی کمینہ نسل کے لوگ ہو کر ہمارے مقابلہ پر آئے ہو۔ اور علامہ محمد بن ابیطالب نے لکھا ہے کہ جناب حبیبؑ نے باسٹھ ملاعین کو قتل کیا تھا۔ اور مناقب میں لکھا ہے کہ بنی تمیم میں سے ایک شخص نے پیچھے سے ایک نیزہ مارا۔ حبیبؑ سنبھلنے نہ پائے تھے کہ حصین بن نمیر نے تلوار سر پر ماردی اور آپ زمین پر گر گئے......۔(اکسیر۔صفحہ 274-273)

(39/31)۔ **حضرت حبیبؑ ابن مظاہر کی شہادت لکھی جا چکی (پیرا نمبر 14)**

یہاں جناب حبیبؑ کی جنگ اور شہادت کا بیان سلسلۂ کلام کی بنا پر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی آپ کے سامنے وہ روایات بھی لانا منظور تھا جن میں جناب حبیبؑ کی شہادت اور اُن کے قاتل کو مشکوک کیا گیا ہے۔ چونکہ بعض اہل قلم نے حصین بن تمیم کی جگہ حصین بن نمیر لکھ دیا اور حصین بن نمیر اہل حرمؑ کی دمشق روانگی تک زندہ ملتا ہے۔ اس لئے انہیں ضرورت پیش آئی کہ گھوڑے سے گرنے کے بعد اُسے زندہ رکھا جائے۔ بہرحال یہ روایات جو ابھی گزریں تمام ایک غلطی کو نباہنے کے لئے تیار کی گئیں۔ لیکن اُن کے الفاظ اور مقصد خود اُن کی خامی واضح کرتے ہیں۔

(39/32)۔ نماز کو زندگی بخشنے والا امامؑ کا محافظ جس نے کربلا کی نماز کو آفاقی شہرت دی

مولانا و علامہ اور مجتہد حضرات اپنی مردہ نمازوں کو جاری رکھنے اور اُس مصنوعی نماز کے ذریعہ اُمت کا استحصال کرنے کے لئے کربلا کی نماز کا اکثر ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں کہ دیکھو نماز اتنی ضروری ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے کتنے خطرناک اور جان لیوا حالات میں بھی نماز کو نہ چھوڑا اور تیروں کی بارش میں بھی نماز ادا کی۔ ہمیں یہاں مجتہدین کے اس قول کے متعلق وہی بات کہنا ہے جو اللہ نے منافقوں کے قول کے متعلق سورہ منافقون کی ابتدا میں کہی تھی۔ یعنی تمہارا یہ کہنا کہ: ''ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ یقیناً ضرور اللہ کے رسوؐل ہیں'' (نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ) اور اللہ کو علم ہے کہ آپؐ یقیناً اللہ کے رسوؐل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ منافقوں کی یہ بات صحیح ہے کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ لہٰذا ہم بھی کہتے ہیں کہ مولانا و علامہ و مجتہد حضرات نے صحیح کہا کہ نماز بہت ہی ضروری چیز ہے اور اُسے تیروں کی بارش میں بھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یعنی صحیح بات صحیح ہے خواہ اُسے منافق ہی کیوں نہ کہے مگر پھر اللہ نے فرمایا کہ: ''اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافقین یقیناً ضرور جھوٹے ہیں۔'' وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ o (سورہ منافقون 63/1)۔ یہ اسلئے کہ وہ اس قسم کی صحیح باتوں کی آڑ میں راہ خداوندی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔'' اِتَّخَذُوْا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (منافقون 63/2)۔ لہٰذا ہم بھی کہتے ہیں کہ وہ لوگ اُسی گروہ کے نقش قدم پر چلتے چلے آئے ہیں جو امام حسین علیہ السلام کا مدمقابل تھا، نمازی تھا، تہجد گزار تھا اور حافظان قرآن بھی اُس میں تھے۔ اور اُن کا اعلان وعقیدہ یہ تھا کہ حسینؑ کی وہ زیر بحث نماز قابل قبول نہ تھی۔ اور آج اُس قسم کے نمازی ہندوؤں، عیسائیوں، یہودیوں، کافروں اور بے دین لوگوں سے مدد کی بھیک مانگتے ہیں۔ دنیا کے ہر شعبہ میں اُن کی ہدایات وراہنمائی کے محتاج ہیں۔ اِس سے ثابت ہے کہ نہ وہ لوگ وہ نماز پڑھتے ہیں جو تیروں کی بارش میں بھی ضروری ہے نہ اللہ اُن کی نماز کو قبول کرتا ہے۔ بلکہ اُنہیں ذلت اور مسکنت کے عذاب میں مستقل طور پر مبتلا کر دیا ہے (آل عمران 3/112) اُن میں مستقل انتشار وافتراق واختلاف اور عداوت پیدا کر دی ہے۔ (قرآن)

ہمیں مولانا و علامہ اور مجتہد حضرات سے یہ شکوہ اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ **نماز نماز**۔ اور امام حسینؑ کی **کربلا والی نماز** کے نعرے تو مارتے رہتے ہیں۔ لیکن اُن دو (2) سرفروشوں کا ذکر کبھی بھول کر بھی نہیں کرتے جن کے صدقہ میں یا جن کی قربانی سے وہ نماز ادا کی جاسکی تھی۔ ورنہ نہ نماز بچتی نہ دورانِ نماز امام حسینؑ بچتے نہ یہ شہرت وعظمت نماز کو ملتی۔ جن دو فداکاروں نے نماز کو بچالیا اور نماز کو قیامت تک کے لئے حیات جاوداں بخشی اُنہوں نے چونکہ خود نماز نہ پڑھی تھی، اس لئے مولانا و علامہ اور مجتہد حضرات اُنکا تذکرہ نہیں کرتے تاکہ کہیں اُس قسم کے بے نمازوں یعنی نماز پر جان دینے والوں کی تعداد نہ بڑھ جائے۔ لیکن یہ گروہ جہاں اپنی ہر اسکیم میں ناکام ونامراد رہا، وہیں وہ اس تعداد کو ختم کرنے میں بھی محروم رہا۔ اور آج نماز پر جان دینے والوں کی تعداد لاکھوں پر مشتمل ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے سروسینہ کو تلواروں، زنجیروں، چھریوں اور قمہ کی تواضع کے لئے پیش کرتے ہیں۔ اور جناب سعید بن عبداللہ حنفی علیہ السلام کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔ اور جنکو آج بھی محمد حسین ڈھکو جیسے مجتہد شیعیت سے خارج ایک الگ فرقہ قرار دیتے ہیں۔ اور زنجیر وقمہ وتلوار اور چھریوں کے ماتم کو حرام لکھتے ہیں۔ اور یہی وہ گروہ ہے جو اذان ونماز میں سے ذکرِ امامتؑ وخلافتِ بلافصل کو خارج کرتا ہے اور اعلان واعتقاد

ولایت وامامت کے بغیر اذان ونماز کومکمل اور صحیح لکھتا ہے اور ہم اُنہیں ملعون کہتے ہیں۔اوراُن کی پسندیدہ نماز کوتمام بزرگ، اولیاء اللہ اورصوفیائے کرام ہمیشہ منع کرتے چلے آئے ہیں۔اور ہم بھی اُنکی خودساختہ نماز کی ممانعت کرتے ہیں۔اور مسلمانوں کی کثرت کا مولویانہ نماز کونہ پڑھنا بھی اُنکی نماز کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔آیئے حقیقی نماز اور نمازی دیکھئے۔

(الف)۔ **جناب سعیدؑ بن عبداللہ حنفی سے تعارف** آپ کوفہ کے معزز شیعوں میں سے ہیں۔کوفہ سے امام حسین علیہ السلام کو بلانے کا جوآخری خط بھیجا گیا تھا۔اُسے لے کرامامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔اُن کے ساتھ جناب ہانی بن ہانی بھی تھے۔امامؑ نے اپنے جواب میں لکھا کہ:۔ ''ہانی اور سعید میرے پاس تمہارے خطوط لے کرآئے اور یہ دونوں تمہارے آخری نمائندے ہیں جومجھ تک پہنچے ہیں۔'' اور یہ کہ ''میں تمہاری جانب اپنے چچازاد بھائی اور معتمد عزیز مسلمؑ بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔''

حضرت سعید بن عبداللہ نے جناب مسلمؑ کی خدمت اور تائید میں کوئی کمی نہیں کی تھی۔شب عاشور سعید نے امامؑ کو یہ جواب دیا تھا کہ:

''خدا کی قسم ہم آپ کا ساتھ ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر زندہ آگ میں جلادیا جاؤں، پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے اور یہ سب کچھ میرے ساتھ ستر (70) مرتبہ کیا جائے تو بھی آپ سے اور آپ کے مقصد سے جدانہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ آخری موت مجھے آپ کے قدموں میں آئے۔''

مومنین اس اعلان کوقلوب کی گہرائی میں اُتارلیں اور پھر یہ دیکھیں کہ جناب سعیدؑ نے محض زبانی دعویٰ نہ کیا تھا۔ بلکہ جو کچھ انہوں نے کہا عملاً کرکے دکھایا۔ وہ وفاداری، محبت اور جان نثاری کی ایک ایسی مثال ہے کہ اِس دنیا میں اِس آسمان کی آنکھوں نے نہ اُس سے پہلے دیکھی اور نہ اُس کے بعد اس کی نظیر ملی۔ وہی نماز جس کا شہرہ ہے، وہی نماز جو حسینیؑ نماز بن کر بطور ضرب المثل دنیا کی ہر قوم وملت میں قابل صد افتخار بن گئی، وہ عاشور کے دن ظہر کی نماز تھی۔ امامؑ نے جناب سعیدؑ بن عبداللہ حنفی اور جناب زہیرؑ القین کو حکم دیا کہ تم دونوں تیروں کوروکنے کے لئے میرے آگے کھڑے ہوجاؤ تاکہ میں تمام صحابہ اور اہل خاندان کونماز پڑھادوں۔ وہ دونوں حضرات کھڑے ہوئے، اقامت ادھر کہی گئی اور اُدھر دشمن کی فوج کے تیراندازوں نے اپنے تیر کمانوں میں لگائے، شست لی۔ اِدھر نماز شروع ہوئی اُدھر تیر امامؑ پر برسنے لگے۔ جناب سعید امامؑ کے سامنے اس طرح کھڑے تھے کہ ہر تیر سیدھا اُن پر آئے۔ وہاں نماز جاری تھی یہاں سعیدؑ داہنے بائیں جھک جھک کر ہر آنے والے تیر کو اپنے جسم پر وصول کررہے تھے۔ سینے اور پیٹ میں کھڑکیاں کھل گئی تھیں۔ اُدھر نماز مکمل ہوئی اِدھر سعید زمین پر گرے اور امامؑ نے سینہ سے لگالیا۔ چند باتیں ہوئیں، امامؑ نے پیار کیا، شاباش دی اور رسولؐ اللہ اور اپنے والدؑ اور والدہؑ کے حضور پیش کردیا۔

(ب)۔ **جناب سعیدؑ بن عبداللہ کی شہادت روایات کے الفاظ میں**

آپ کو یاد ہے کہ جناب ابوثمامہ نے نماز ظہر ادا کرنے کی تمنا ظاہر کی تھی۔اُس وقت شدت سے جنگ جاری تھی۔حسینیؑ مجاہد لشکر یزید سے دُور دُور تک مقابلہ پر گئے ہوئے تھے۔امامؑ نے اذان دی تو انصارانِ حسینؑ کو نماز کی اطلاع ہوئی۔اُدھر عمرسعد سے جنگ روکنے کی بات شروع تھی کہ جناب حبیبؑ بن مظاہر علیہ السلام کو حصین بن تمیم کے مقابلہ پر جانا پڑ گیا۔ یہ دیکھ کر جومجاہد جہاں تیغ آزما تھا وہیں جم

کرلڑتا رہا۔ چنانچہ جناب زہیرؑ بن قین بھی جنگ میں مصروف تھے اور اشعار پڑھتے اور قتل کرتے جا رہے تھے۔

اَنَا زُهَيْرٌ وَاَنَا ابْنُ الْقَيْن ۔وَفِىْ يَمِيْنِىْ مَرْهَفُ الْحَدّيْن ۔ اَذُبُّ بِالسَّيْفِ عَنِ الحسيْن ۔ ابن عَلِیٍّ الطاهر الجدّين ۔ اضربكم ضرب غلام زين ۔اليوم يقضى الدَّين اهل الدِّين ۔ ونشتفى من قتل اهل الشين ۔بابيض واسمرو دينى ۔ ثمَّ حمل على القوم فقتل منهم عشرين رجلًا وَخشى اَن تفوتُه الصلوة فرجع وقال يامَوْلایَ اِنّی خشيت ان تفوتنى الصلوة معك فَصَلّ بِنَا ۔وفى البحار قال الحسينؑ لزهير بن القين وسعيد بن عبد الله الحنفى تقدما اَمَامِی حتّٰى اُصَلیّ الظهر فتقدم اَمَامَه... فاستهدف لهم يرمونه بالنبل كلما اخذالحسينؑ يمينًا وشمالًاقام بين يديه فمازال يرمى به حتّٰى سقط الَى الارض وهويقول اللهم العنهم لعن عادوثمود اللهم ابلّغ بنبيّك السلام وابلغه مالَقَيْتُ مِنْ الم الجراح فانّى اَرَدتُ بذلك نصر ة ذريّة نبيّك صلواتك عليه وآله ثم مات رحمة الله ورضوانه عليه فوجد به ثلثه عشرسهمًا سوىٰ مابه من ضرب السيوف وطعن الرماح۔ (اکسیر صفحہ 274، بحار وغیرہ تمام کتب)

میں زہیر ہوں اور میرے والد قین تھے۔ میرے داہنے ہاتھ میں کفر و ایمان کی حد بندی کرنے والی تلوار ہے اور میں حسینؑ کی حفاظت اپنی تلوار سے کر رہا ہوں۔ وہ حسینؑ جو علیؑ کا بیٹا اور نانا و دادا کی طرف سے پاک و پاکیزہ ہے۔ میں تم پر ایک شاندار نوجوان والی ضربیں لگاتا رہوں گا۔ آج وہ دن ہے جس دن دینداروں پر جتنا اگلا پچھلا قرضہ ہوگا سب ادا ہو جائے گا۔ اور ہم بد دین و بد باطن لوگوں کو قتل کر کے تمام دینی و دنیاوی جسمانی و روحانی بیماریوں سے شفا حاصل کر لیں گے۔ بد باطن و بد مذہب خواہ سفید رنگ کے ہوں یا بھورا رنگ رکھتے ہوں، غلام ہوں خواہ آزاد ہوں، سب کے ساتھ یکساں سلوک کروں گا۔ برابر حملہ جاری رکھا یہاں تک کہ بیس نام آوروں کو تہہ تیغ کر دیا۔ اذان سُن چکے تھے۔ اندیشہ ہوا کہ نماز نہ جاتی رہے۔ پلٹ کر آئے اور عرض کی یا مولاؑ میں نماز کے خوف سے واپس آیا ہوں لہٰذا آیئے ہمیں یہ نماز پڑھا دیجئے۔ کتاب بحار میں ہے کہ امامؑ نے زہیرؑ بن قین اور سعیدؑ بن عبداللہ حنفی سے کہا کہ تم دونوں میرے آگے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ میں ظہر کی نماز پڑھا دوں۔ چنانچہ وہ دونوں بڑھ کر آگے جا ڈٹے اور خود کو دشمنوں کے تیروں کا نشانہ بنا دیا۔ جو تیر امامؑ پر آتا تھا۔ سعیدؑ اُسے داہنے بائیں جھک جھک کر اور سینہ بڑھا بڑھا کر اپنے اوپر لیتے جا رہے تھے۔ تیروں کی بارش لگاتار ہوتی رہی، نماز جاری رہی۔ اِدھر نماز ختم ہوئی اُدھر سعیدؑ زمین پر گرے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ دشمنانِ اسلام پر عاد و ثمود والی لعنت کر۔ اور اپنے نبیؐ کو میرا اسلام پہنچا اور بتا دے کہ میں نے اس نیت سے کہ میں حضورؐ کی اولاد کا تحفظ کر رہا ہوں، یہ تمام محنت و کوشش و تکلیف برداشت کی ہے۔ اور اے اللہ محمدؐ اور اُن کی آلؑ پر اپنا درود و سلام جاری رکھ۔ یہ کہا اور فوت ہو گئے۔ اُن پر اللہ کی رحمتیں اور رضامندیاں نازل ہوتی رہیں۔ اُن کے جسم میں سے تیرہ (13) تیر نکالے گئے۔ علاوہ ازیں تلواروں اور نیزوں کے زخم الگ تھے۔''

(39/33)۔ جناب زہیرؑ بن القین کی شہادت اور تعارف

زہیرؑ بن قین بن قیس بجلی۔ عرب کے نامی گرامی لوگوں اور خاندان سے تھے کوفہ میں آباد تھے۔ جنگ جمل وصفین کے بعد مسلمانوں میں معاویہ کے طرفداروں کو عثمانی اور علیؑ کے طرفداروں کو علوی کہا جانے لگا۔ زہیرؑ عثمانی لقب سے مشہور و معروف تھے۔ اہلبیتؑ سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ زہیرؑ نے اپنے بال بچوں سمیت وہ حج (60 ھجری) کیا جسے امامؑ نے چھوڑ دیا تھا۔ حج سے واپسی کے سفر میں وہ دن آ گیا کہ اب ہر منزل امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ سفر ہو رہا ہے۔ جہاں امام علیہ السلام کے خیمے لگتے ہیں، اُس جگہ سے دُور

دُور قیام کرتے ہوئے سفر ہورہا ہے۔ زہیرؑ کو امامؑ کے سفر کی غرض و غایت معلوم ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ اس وقت ہر مسلمان پر اُن کی نصرت واجب ہے۔ مگر اِدھر اہل و عیال کا خیال اُدھر یزیدی مملکت اور جابرانہ و قاہرانہ انتظام و فوجی طاقت سے ٹکر اور کھلی تباہی کا فیصلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے امامؑ کا سامنا نہ کرنا چاہتے تھے۔ اُدھر امام علیہ السلام اپنے انصار کی فہرست کے تمام افراد کو روزِ ازل سے جانتے پہچانتے تھے۔ چنانچہ جب تمام مادی اسباب فراہم ہوگئے تو حضور نے زہیرؑ بن قین کو بلوالیا۔ یہ واقعہ زرود کی منزل پر ظہور میں آیا۔ اور اُس روز کے بعد زہیرؑ نے اپنے اہل و عیال کو رخصت دے دی اور امامؑ کے ساتھ سایہ کی طرح رہنا شروع کر دیا۔ اور طے کرلیا کہ وہ حسینؑ پر اپنا خون اور زندگی نچھاور کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ چنانچہ جب آخری منزل پر حُرؑ سدِ راہ ہوا تو زہیرؑ نے کہا تھا کہ ہمیں حُرؑ کی فوج سے جنگ کی اجازت دیں۔ ہم اِن کو ذرا دیر میں ٹھکانے لگا دیں گے ورنہ پھر افواج کی بھرمار ہو جائے گی۔ مگر امامؑ نے اجازت نہیں دی تھی اور کربلا میں قیام کرلیا تھا۔ پھر نویں محرم کو زہیرؑ نے عزرہ بن قیس کو نصیحت کی تھی کہ دشمن کی فوج سے الگ ہو جاؤ۔ عزرہ نے کہا تھا کہ اے زہیرؑ تم تو عثمانی گروہ سے تھے۔ زہیرؑ نے کہا کہ اب میں حسینؑ کا آدمی ہوں۔ خدا کی قسم میں نے حسینؑ سے کوئی رابطہ نہ رکھا تھا نہ کوئی وعدہ کیا تھا۔ راستہ میں ملاقات ہوگئی تو مجھے رسولؐ اللہ یاد آ گئے۔ اپنے فرائض میں آلِ رسولؐ کی نصرت سامنے آ گئی۔ اور بس اب میں اِن پر قربان ہو جانے کا انتظار کر رہا ہوں۔ شبِ عاشور جب سب کو آزادی دے دی گئی اور بیعت اٹھالی گئی تو باقی صحابہ کی طرح زہیر بن قین نے بھی اعلان کیا تھا کہ:۔

"بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ ایک دفعہ قتل ہوں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں،
یوں ہی ہزار دفعہ ہو۔ لیکن آپ اور آپ کے خاندان کے یہ جوان محفوظ رہ جائیں۔"

پھر صبحِ عاشور جناب زہیرؑ کو امامؑ نے اپنی مختصر سے فوج کے میمنہ (داہنے بازو) کا سردار مقرر فرمایا تھا۔ یہی زہیرؑ تھے جنہوں نے کیمپ میں شمر کی فوج کو داخلہ کے بعد دس جوانوں کی مدد سے نکال کر شکست دی تھی۔ اُن کو دشمن کی فوج کے تمام سردار پہچانتے تھے۔ اور مقابلہ میں آنے کے لئے نام لے کر پکارتے تھے۔ اور ابھی ابھی آپ نے دیکھا کہ سعیدؑ بن عبداللہ کے ساتھ زہیر ہی وہ بہادر ہے جس کو امام علیہ السلام نے تیر روکنے کے لئے اپنے آگے کھڑا کیا تھا۔ اور یہی زہیرؑ تھے جو نماز کے لئے جنگ چھوڑ کر حاضر ہوئے تھے۔ دشمن کی طرف سے آنے والا ہر وہ تیر و نیزہ زہیرؑ کے جسم پر لگتا رہے گا جسے سعیدؑ نہ روک سکیں گے۔ نماز ختم ہونے کے بعد زخمی تو کافی تھے۔ مگر قربانی کا شوق ٹھنڈا نہ ہوا تھا۔ لہٰذا دشمن پر آخری حملہ کر دیا۔

"وقال محمد بن ابیطالب فَقَاتَلَ حَتّٰی قَتَلَ مائة وعشرین رجلًا فشدّ علیه کثیر بن عبد الله الشعبی ومهاجر بن اَوُس تمیمی فقتلًا ۔فقال الحسین علیه السلام حین صرع زهیر لایبعد ک الله یا زهیر ۔ولَعَنُ قاتلک لعن الذین مسخوا قردة وخنازیر۔" (اکسیر العبادات صفحہ 275)

چنانچہ علامہ محمد بن ابیطالب نے لکھا ہے کہ زہیرؑ نے جنگ جاری رکھی اور ایک سو بیس آدمیوں کو قتل کیا۔ اسی دوران کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس نے گھات لگا کر بڑی شدت سے حملہ کیا اور انہیں قتل کر دیا۔ امام علیہ اسلام نے فرمایا کہ اے زہیرؑ اللہ کبھی

تمہیں ہم سے جدا نہ کرے اور تیرے قاتلوں پر ویسی لعنت کرے جیسی اُن لوگوں پر کی تھی جنہیں سُوٗر اور بندر بنا دیا تھا۔

(الف)۔ نماز ظہر کے بعد امام علیہ السلام کا خطاب جنت کا نظارہ کرانا شہدا کا مقام دکھانا

قال ابومخنف فصلی مولانا ابوعبد اللّٰه الحسین صلوات اللّٰه علیه باصحابه صلوٰة الظهر فلمّا فرغ عن الصلوٰة حرصهم عَلَی القتال وقال یاکرام هٰذه الجنة قدفَتَحَتْ ابوابها واتّصَلَتْ انهارهاواَ یْنَعَتْ ثمارهاوهٰذا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله والشهداء الذِّین قتلوا فی سبیل اللّٰه یتوقعون قُدُوموکم ویتباشرون بکم ـفحاموا عن دین اللّٰه ودین نَبِیّهٖ وذَبُّوا عن حرم رسولؐ اللّٰه وحرم ذریّتِهٖ ثم صَاحَ بنسائه اخرجن ـفخرجن منشرات الشعور مهتکات الجیوب یبکین ویقلن یامعاشرالمسلمین ویاعصبة الموحدین ـاللّٰه اللّٰه فی ذریة نبیّکمؐ غاروا علیهم وحاموا عنهم ثم صاح الحسینؑ یاامة التنزیل ویاحفظة القرآن حامواعن هٰؤلاء الحریم ولا تفشلوا عَنْهُمْ ـفلمَّا سمعوا کلام الحسینؑ بکوابکاءً شدیدًا ثم قالوا یابن رسولؐ اللّٰه نفوسنا دُ ون نفسک الفداء ودَمَائِنَا دون دمک الوقآء و اللّٰه لایصل الیک والیهنَّ سوءٌ وفینا عرق یضرب فقال الامامؑ جزاکم اللّٰه عنا خیرًا وابشروابالجنة والقدوم علٰی جدّی محمدؐ المصطفی وابی علیؑ المرتضی واُمیّ فاطمةؑ الزهراء واخی الحسنؑ وجعفرؑ الطیار والشهداء الذین قتلوامع جدّی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وعلیهم اجمعین وکلهم مشتاقون الیکم ـفلما سمع زهیر هذا من الامامؑ بَرَزَ اِلَی القوم ....وهو یقول مخابًا للحسینؑ۔ الیوم تلقی جدّک النبیّاً۔ وحسنًا والمرتضٰی علیّاً۔ (اکسیر العبادات صفحہ 275)

علامہ ابومخنف نے لکھا ہے کہ ہمارے مولا ابوعبداللہ الحسین علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کو جنگ پر ابھارنے کیلئے فرمایا کہ اَے باضمیر دوستو دیکھو یہ جنت ہے اسکے دروازے آپ کیلئے کھلے ہوئے ہیں۔ دیکھو نہریں بہہ رہی ہیں پھل پکے ہوئے ہیں اور یہ دیکھو رسولؐ اللہ اور شہدائے راہِ خدا تمہارے پہنچنے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اور تمہیں مبارکباد دے رہے ہیں چنانچہ آپ یکسوئی کے ساتھ دین خدا و رسوؐل کی حمایت کریں اور رسولؐ اور رسوؐل کی اولاد کے حرم اور خواتین کا تحفظ کریں۔ پھر آپؑ نے اہل حرم اور تمام خواتین کو پروگرام کے مطابق باہر نکل آنے کا حکم دیا تو زینبؑ وکلثومؑ اور تمام مستورات اِس طرح نکلیں کہ آہ وفریاد اور نالہ وبکا کر رہی تھیں اور فرما رہی تھیں کہ اے گروہ مسلمانان اور اے وحدانیت خداوندی کے ذمہ دار لوگو! تمہارے نبیؐ کی ذریت پر یہ کیسی مشکل گھڑی ہے اِن کی حمایت کو اُٹھو ان کی مشکلات میں کام آوٗ۔ پھر امام حسین علیہ السلام نے فریاد کی کہ اے وہ لوگو! جن کی مدح وثنا میں قرآن نازل ہوا ہے۔ اے محافظانِ قرآن تم ان رسولؐ زادیوں کے پردہ اور عزت کی حفاظت وحمایت کرو اور اپنے خیالات کو منتشر نہ ہونے دو۔ جب صحابہ نے یہ حال دیکھا اور یہ کلام سنا تو بڑی بے قراری سے روئے اور عرض کیا کہ یا مولاؑ ہماری زندگیاں آپؑ کے اوپر قربان ہوں گی۔ ہمارا خون آپؑ کی حفاظت میں بہے گا۔ جب تک ہماری نبض میں حرکت باقی ہے آپؑ کو اور حرم رسوؐل کو ذرہ برابر ناگواری کا سامنا نہ ہوگا۔ امامؑ نے فرمایا خدا تمہیں ہماری طرف سے بہترین جزا دیگا۔ میں تمہیں جنت کی بشارت دے رہا ہوں۔ مبارک ہو کہ میرے نانا محمدؐ مصطفٰی اور میرے والد علیؑ مرتضٰی اور میری والدہ فاطمہؑ زہراء اور میرے برادر حسنؑ مجتبٰی اور جعفرؑ طیار اور وہ تمام شہدا جو رسولؐ اللہ کے دین پر قربان ہوئے تمہارے مشتاق ہیں، اور تمہارے پہنچنے کا انتظار فرما رہے ہیں۔ یہ باتیں سُن کر ہی تو جناب زہیرؑ زخموں سے چُور چُور ہوتے ہوئے بھی امامؑ سے یہ کہہ کر دشمن پر حملہ آور ہوئے تھے کہ آج آپؑ کے ناناؐ اور والد علیؑ اور حسنؑ سے ملاقات ہوگی۔

(ب)۔ نمازظہر کے متعلق چند گزارشات

یہاں یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے کہ سرکاری علمانے اس عجیب وغریب نماز کو غائب کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ مشہور کردیا کہ ''جناب امام حسین علیہ السلام اوراُن کے صحابہ علیہم السلام نے الگ الگ اپنی اپنی نماز اشاروں سے پڑھی تھی۔''

قال ابن نما وقیل صَلّی سیدنا الحسین بن علی بن ابیطالب علیهم السلام واصحابه فرادیٰ بالْاِیمآء (اکسیر صفحہ 275)

اس طرح گویا اُن دونوں جانفروشوں کی محیرالعقول قربانی کوضائع کرنے کی کوشش کی گئی اُدھرامام حسینؑ اورتمام صحابہ کی شجاعت اوربےخوفی کوختم کردینا چاہا گیا۔اورعلامہ دربندی نے بھی اس ملعون روایت کونقل کرلیا۔پھردوسرے علمانے اپنی طرف سے اُس نماز کو نمازخوف بنانے کی کوشش کی ہے۔اور جہاں موقعہ ملا روایت میں لفظ ''صلوٰۃ الخوف'' کا خود ہی اضافہ کردیاہے تاکہ یہ نماز اُن کے فقہی مسائل کے دائرہ میں اوراُن کے ماتحت آجائے۔حالانکہ اس نماز کا طریقہ عہدرسولؐ میں کہیں نہیں ملتا۔یہ اپنی شان کی خودمثال ہے۔ البتہ آئندہ کے لئے اُس کوراہنمابنایا گیاہے۔

(39/34)۔ عبدؑالرحمٰن بن عبدؑاللہ الیزنی کی شہادت

وفی البحار بعد شهادت سعید بن عبد اللّٰه ثم قالوا ثم خرج عبدالرحمٰن بن عبد اللّٰه الیزنی وهویقول: اَنَا بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مِنْ آلِ یَزَنْ ۔دِیْنِی علیٰ دین حُسَینٌ وحسنٌ ۔ اَضْرِبُکُمْ ضَربَ فَتًی مِنَ الیَمَنْ ۔اَرْجُوْا بِذاکَ الْفَوْزَ عِنْدالمؤ تمن ۔ثم حمل فقاتل حتی قتل ۔بحارالانوارمیں ہے کہ سعید بن عبداللہ کے بعدانھوں نے کہاہے کہ جناب عبدالرحمٰنؑ بن عبداللہ یہ چیلنج کرتے ہوئے میدان جنگ میں نکلے کہ میں عبداللہ ہوں اورآل یزن کی طرف سے امامؑ کی نصرت کررہاہوں۔اورمیرادین وہی ہے جو جناب حسینؑ اورحسنؑ کادین ہے۔میں تمہیں وہ ماردوں گا جوجوانان یمن کی شان ہے۔اورتم سے جنگ کرکے میں اللہ سے بہت بڑے مرتبہ کا امیدوارہوں۔آپ نے برابرحملے کئے اوردشمنان دین کوقتل کرتے چلے گئے یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔اُن پراللہ کی رحمتیں برستی رہیں۔(اکسیر صفحہ 275)

(39/35)۔ جناب عمرؑو بن قرظہ انصاری کی شہادت

عمرؑو بن قرظہ بن کعب بن عمر بن عائذ بن زید مناۃ بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج انصاری۔قرظہ بن کعب رسولؐ اللہ کے صحابی تھے۔جنگ اُحداوربعد کے جہادوں میں شریک رہے۔حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ کے حاکم رہے۔جنگ صفین میں امیرؑالمومنین کے ساتھ رہے۔اورہرجنگ میں شریک رہے۔اُن کے دوبیٹے تھے۔جن میں سے عمروامام حسینؑ کے ناصراورزیرتعارف ہیں۔دوسرابیٹا ابن سعد کی فوج میں تھا۔اوراُس کا نام علی بن قرظہ تھا۔دونوں ہی کوفہ کے باشندے تھے۔

وفی البحار والملهوف فخرج عمروبن قرظة الانصاری فاستاذن الحسین علیه السلام فاذّن له فقاتل قتال المشتاقین اِلَی الجزاء وبالغ فی خدمته سلطان السمآء حتی قتل جمعًا کثیرًا مِن حزب ابن زیاد وجمع بین سداد وجهاد وکان لایاتی الحسینٌ سهم اِلّا اتقاهُ بیده ولاسیف الا تلقاه بمهجته فلم یکن یصل اَلَی الحسینٌ سوءٌ حتی اثخن بالجراح وقال یابن رسولؐ اللّٰه اَوْفَیْتُ؟ فقال نعم انت اَمَامِیُ فی الجنة فاقراء رسولؐ اللّٰه منی سلام واعلمه اِنّی فی الاثر ۔فقاتل حتی قُتِلَ رضوان اللّٰه علیه۔(اکسیر صفحہ 275)

اور کتاب بحار وملھوف میں ہے کہ پھر عمرؓو بن قرظہ انصاری نے امامؑ سے اجازت طلب کی تو امامؑ کی اجازت کے بعد اُنہوں نے وہ جنگ کی جو بہترین جزا کے مشتاق لوگوں کو کرنا چاہئے ۔اور اللہ بادشاہِ سماوات کی خدمت میں اس طرح پہنچے کہ ایک بہت بڑی دشمن جماعت کو قتل کر چکے تھے اور جہاد اور صلح پسندی دونوں کی شرائط کو ملحوظ رکھا تھا۔امامؑ کی طرف جو تیر آتا تھا اُسے اپنے اوپر لیتے اور تلوار کا جو وار ہوتا تھا خود ڈھال بن جاتے تھے ۔ چنانچہ جب تک زخموں سے چُور چُور نہ ہوگئے امامؑ تک کوئی گزند نہ پہنچا۔ جب گرے تو امامؑ سے دریافت کیا کہ حضورؑ آپ میری وفا پر تصدیق فرمادیں ۔حضورؑ نے فرمایا میں خوش ہوگیا مجھ سے پہلے جنت میں پہنچو،رسولؐ اللہ سے میرا اسلام کہو اور بتاؤ کہ وہ جلد حاضر ہوتے ہیں ۔ اِس کے بعد رخصت کردیا۔خدا کی رحمت اُن پر۔(اکسیر العبادات صفحہ 275)

(39/36)۔ **جون علیہ السلام جو کبھی ابوذرؓ غفاری کے غلام تھے**

جناب جَون (جونز) بن حوی بن قتادہ بن اَعور بن ساعدہ بن عوف بن کعب بن حوی ۔ اُن کو حضرت علیؑ نے خرید کر آزاد کیا اور جناب ابوذرؓ کے ساتھ رکھا۔ جب قومی حکومت نے حضرت ابوؓذر کو جلاوطن کر کے ربذہ کے ریگستان میں بھیجا تو جونؑ اُن کے ہمراہ رہے۔32 ہجری میں ابوذرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کے پاس مدینہ آگئے اور امام حسنؑ کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ کے ہمراہ کربلا چلے آئے۔کربلا میں امامؑ نے بہت چاہا کہ جونؑ کو رخصت کردیں لیکن وہ قدموں سے لپٹ گئے اور عرض کیا کہ حضوؑر مجھے اُس مرتبہ پر فائز ہونے کا موقعہ دیں جو آپؑ کے اوپر قربان ہونے سے ہی مل سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میں حسب ونسب میں بہت گھٹیا ہوں۔ میرے جسم سے بدبُو آتی ہے۔ میں سیاہ رنگ ونسل کا آدمی ہوں۔مگر مجھے آپؑ کی محبت سے امید ہے کہ مجھے اُونچے سے اونچے درجہ میں جگہ دلوائے گی۔ میں اس وقت تک جدا نہ ہوں گا جب تک اپنا سیاہ گوشت اور خون آپؑ حضرات کے خون میں نہ ملادوں ۔اور سُرخ وسفید رُو ہوکر آپؑ کے والدینؑ سے نہ ملوں۔ ذرا دیکھیں تو سہی کہ میں کس بے جگری سے اپنی قربانی پیش کرتا ہوں۔امامؑ نے صبر کیا اور جونؑ کو درجہ شہادت پر فائز ہونے کا موقعہ دیا۔اور اُسے اللہ ورسولؐ کے سامنے قابل فخر مرتبہ حاصل کرنے میں ہر مدد دی۔خدا ہمیں بھی جون علیہ السلام کے صدقہ میں قبول فرمائے آمین۔

"وفی الملهوف ثمّ بَرَزَجون مولٰی ابی ذر وکان عبدالسود فقال الحسین علیه السلام انت فی اذن مِنّی فانما تبعتنا طلبًا للعافیة فلا تبتل بطریقتنا۔ فقال یابن رسولؐ اللّٰه اَنَا فی الرخاء الحس قصاعکم وفی الشدة اخذلکم و اللّٰه اِنّ ریحی لمنتن وانّ حسبی للئیم ولونی لاسود فتنفس علی بالجنة فیطیب ریحی ویشرف حسبی ویبیض وجهی لَا واللّٰه لاافارقکم حتّٰی یختلط هذا الدم الاسود مع دمائکم وعن محمد بن ابی طالب ثم بَرَزَ للقتال وهو ینشد ویقول: ۔کیف تری الکفار ضرب الاسود ؟ بالسیف ضربًا عن بنی محمدؐ ۔اذبّ عنهم باللسان والید ۔ ارجوبه الجنة یوم المورد ۔ وعن المناقب کان رجزه هٰکذا: کیف یری الفجّار ضرب الاسود ؟ بالمشرفی القاطع المهند ۔ بالسیف صونًا عن بَنِیُ محمدؐ ۔اذبّ عنهم باللسان وبالید ۔ارجوبذاک الفوز عندالمورد ۔ عَنِ الالٰهَ الاحد الموحّد ۔ اِذلا شفیع عنده کاحمدؐ ۔ ثم قاتل حتّٰی قتل فوقف علیه الحسینؑ وقال اللهم بیض وجهه وطیّب ریحه واحشره مع الابرار وعرّف بینه وبین محمدؐ وآل محمد صلی اللّٰه علیه وآله ۔وروی عن الباقرؑ عن علیؑ بن الحسین علیهما السلام انّ الناس کانوایحضرون المعرکة ویدفنون القتلٰی فوجد وا جونًا بعد عشرة ایّام یفوح منه رائحة المسک۔" (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 276-275)

کتاب ملھوف اور بحار میں لکھا ہے کہ پھر حضرت جونؑ جو جناب ابوذؒر کی تحویل میں تھے اور ایک حبشی سیاہ رنگ کے غلام ہوا کرتے تھے۔ میدان جنگ میں نکل آئے۔ اُن سے امامؑ نے کہا تھا کہ تمہیں ہمارے ساتھ سہولت کے دنوں میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اِن موجودہ مصائب میں مبتلا نہ کروں۔ چنانچہ تمہیں میری طرف سے جانے کی اجازت ہے۔ جونؑ نے عرض کیا کہ حضورؑ میں نے آپؑ کے ساتھ راحت وآرام کی زندگی بسر کرنے کا تمام سامان پایا اب میں تکالیف کی بنا پر جدا ہو کر جانا برداشت نہیں کرسکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ایک سیاہ رنگ کی گھٹیا نسل سے ہوں۔ بدبودار پسینہ آتا ہے۔ لوگ پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ مگر مجھے آپ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ مجھے جنت میں داخلہ کا موقعہ دیں گے، میری بدبو کو خوشبو سے بدل دیں گے، میرے رنگ کو سفید کردیں گے اور مجھے بلند حسب ونسب میں شمار فرمالیں گے۔ خدا کی قسم میں تو آپؑ کو ہرگز نہ چھوڑوں گا اور اپنا سیاہ خون آپؑ حضرات کے خون میں بہا کر ملا دوں گا۔ لہٰذا امامؑ نے اجازت دے دی اور جونؑ یہ پڑھتے ہوئے جنگ کو نکلے کہ کفار کالے ہاتھ کی چوٹوں کا مزا چکھیں۔ اُس تلوار کی ضرب سہیں جو اولادِ محمدؐ کی نصرت میں تم پر گرے گی۔ میں آلِ محمدؐ سے دشمنوں کو اس لئے اپنی زبان اور ہاتھوں سے دور کرونگا کہ مجھے بروزِ حساب جنت میں داخلہ ملے گا۔ کتاب مناقب میں اُن کا چیلنج ذرا سی تبدیلی کے ساتھ یوں لکھا ہے کہ یہ ناہنجار قوم اب کالے ہاتھوں کی مار کھانے کو تیار ہو جائیں۔ اور ہندوستانی ساخت کی تیز دھار تلوار کو برداشت کریں۔ وہ تلوار جو اولادِ محمدؐ کے تحفظ میں اُٹھی ہے۔ اور میں ہاتھوں اور زبان سے اُن کے دشمنوں کو دفع کردوں گا۔ یہ دفاعی جنگ کرنے سے مجھے یقین ہے کہ میں اللہ تعالیٰ واحد ویکتا کے حضور میں اعلیٰ درجہ پاؤں گا۔ اور روزِ حساب سرخرو ہو جاؤں گا۔ اس لئے کہ اللہ کے حضور میں محمدؐ کی طرح کسی اور کو شفاعت کا حق نہیں ہے۔ پھر حضرت جونؑ نے مسلسل جنگ جاری رکھی اور دشمن کی فوج کا قتلِ عام کرتے رہے یہاں تک کہ محمدؐ وآلِ محمدؐ پر قربان ہوگئے۔ امامؑ تشریف لائے اور اللہ سے دعا کی کہ اَے اللہ جونؑ کا رنگ سفید کردے اور اُس کو خوشبو سے معطر کردے۔ پھر اُسے اپنے مخصوص پاکیزہ لوگوں میں شمار فرمالے اور اُسے محمدؐ وآلِ محمدؐ میں صاحبِ معرفت وشہرت کردے۔ امام محمدؑ باقر نے امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی بتایا کہ لوگ میدان کارزار میں مقتولوں کو دفن کرنے کی غرض سے آمدورفت رکھتے تھے۔ دس روز کے بعد جونؑ کو دیکھا تو اُن میں سے مُشک کی خوشبو نکل نکل کر چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

(39/37)۔ جنابِ عبداللہ بن خالد الصیداوی علیہ السلام

وفی الملهوف ثمَّ برز عبد اللّٰه بن خالد الصیداوی فقال للحسینؑ یااباعبد اللّٰه جعلت فداک قدهممتُ اَنَّ الحق باصحابک وکرهت ان تخلّف فاراک وحیدًا مِن اهلک قتیلًا ۔فقال له الحسینؑ تقدّم فانا لاحقون بک عن ساعة ۔ فتقدّم فقاتل حتی قُتِلَ رضوان اللّٰه علیه۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 276)

کتاب ملھوف میں ہے کہ پھر جناب عبدؓ اللہ بن خالد صیداوی میدان جنگ میں آئے تھے۔ اور انہوں نے اجازت یہ کہہ کر لی تھی کہ یا اباعبداللہؑ میں آپ پر قربان ہو جاؤں میں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ حق صرف آپ کے ساتھیوں کے ساتھ ہے۔ اور میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ کو یہاں یکہ وتنہا قتل ہوتے ہوئے دیکھوں۔ لہٰذا مجھے اجازت عطا فرمائیں کہ میں قربان ہو جاؤں۔ امام علیہ السلام نے اجازت

دی اور فرمایا کہ جاؤ آگے بڑھو یقیناً ہم سب ذرا دیر بعد تمہارے پاس پہنچتے ہیں۔ جناب عبدؑاللہ نے جان توڑ حملہ کیا اور برابر جنگ میں منہمک رہے یہاں تک کہ اپنی زندگی محمدؐ وآل محمدؐ پر قربان کردی۔ اُن پر ہمارے ہزاروں سلام۔

(39/38)۔ حضرت حنظلہ ابن اسعد شامی الھملانی علیہ السلام

حنظلہ بن اسعد بن شبام بن عبداللہ بن اسعد بن حاشد بن ہمدان الھمد انی الشبامی۔ شیعانِ کوفہ میں اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ حافظ قرآن اور عمدہ مُقررتھے۔ نہایت جرأتمند بہادر تھے۔ عمدہ مُقرِّر ہونے کی بناپر امامؑ نے کئی بار حنظلہ کو عمر ابن سعد کے پاس بھیجا تھا۔ تاکہ اتمام حجت کریں۔ عاشور کے روز جب بہت سے صحابہ شہید ہوچکے تو؛ قال وَجَاءَ حنظلة ابن اسعد الشبامی فوقف بین یدی الحسینؑ یقیه السهام والرماح والسیوف بوجهه ونحره واخذ ینادی یاقوم اِنّی اَخَافُ علیکم مثل یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۔ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوحٍ وعَادٍ وَّثَمُود وَالَّذِیْنَ مِن بَعْدِهِمْ وَمَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۔وَیٰقَوْمِ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَاد ۔ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَا لَکُم مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ (سورہ مومن 33-40/30/30)۔یاقوم لاتقتلوا حسیناً فیسحتکم اللّٰه بعذاب وقدخاب من افتری۔وعن المناقب فقال له الحسینؑ یابن اسعد رحمکَ اللّٰه انّهم قداستوجَبُوا العذاب حین ردّ واعلیک مادَعَوتَهُمْ اِلَیهِ مِنَ الحق ونهضوا الیک یشتمونک واصحابک فکیف بهم الآن وقدقتلوااخوانک الصالحین ۔قال صدّقت جعلت فداک افلا نروح الیٰ رّبنا فنلحق باخواننا ۔فقال له رُح الیٰ ماهو خیرلک مِنَ الدنیا ومافیها والیٰ ملک لایبلیٰ ۔فقال السلام علیک یابن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیک وعلیٰ اهل بیتک وجمع بیننا وبینک فی الجنة ۔قال آمین آمین وفی الملهوف فتقدّم فقاتل قتال الابطال وصبر علیٰ الاحتمال الاهوال حتیٰ قُتِلَ رضوان اللّٰه علیه۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 276)

جناب حنظلہؓ امام کے سامنے آکر کھڑے ہوئے تاکہ جوتیر وتلوار ونیزہ امامؑ پر ماراجائے اُسے اپنے اوپر لے لیں اور یزیدی فوج کوخطاب کریں چنانچہ فرمایا کہ:۔اے قوم یزید مجھے تمہارے متعلق یہ خوف ہے کہ تم پر ویساہی دن نہ آجائے جیسا کہ اکثر اقوام پرآتارہاہے۔ جیسے قوم عاد وثمود پر عذاب نازل ہوا تھا۔ یا اُنکے بعدوالی اقوام تباہ ہوئی تھیں۔ لیکن اللہ نے اُن کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ صرف اُن کواُن کے اعمال کی سزا وجزادی تھی اور اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ تک بھی نہیں کیا کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ روزمحشر جب تم اس دنیا سے پلٹ کر اللہ کے سامنے پیش ہوگے تو تمہیں اللہ کے عذاب سے محفوظ رکھنے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ تم امام حسینؑ سے جنگ مت کرو ورنہ تم پر قہر خداوندی نازل ہوجائے گا۔ اور یادرکھو کہ اللہ کے متعلق غلط بات کہنے والوں کا انجام تباہی ہوا کرتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ اے اسعد کے بیٹے خداتم پر رحمت نازل کرے۔ یہ لوگ تو اُسی وقت عذاب کے مستحق ہوگئے جب اُنہوں نے تمہاری حق بات کوقبول نہ کیا۔ اور تم لوگوں کے خلاف جنگ کی تیاری کی تھی۔ اوراب تو یہ لوگ تمہارے بہت سے مقدس ساتھیوں کوقتل کرچکے ہیں۔ حنظلہؓ نے عرض کیا کہ حضورؑ نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ اس کے بعد حنظلہؓ نے کہا کہ حضورؑ اب ہم کیوں نہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوجائیں اور کیوں نہ اپنے فداکار ساتھیوں سے ملیں؟ اور کیوں نہ اُس دنیا میں جاپہنچیں جہاں زوال کا گزرنہیں ہوسکتا؟ پھر کہا کہ درود وسلام ہوآپؑ پراے فرزند رسولؐ اور درود وسلام ہو آپ کے اہل وعیال پر۔ اور اللہ جلد ہمیں آپ کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے۔ امامؑ نے آمین کہی اور جنگ کی اجازت دی۔ چنانچہ جناب حنظلہ نے دشمن پر تابڑتوڑ حملے کئے اور ایک بہادر نوجوان کی طرح

گھمسان کی جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ امامؑ پر جان نثار کردی۔اللہ اُن پر ہمیشہ رحمتوں کی بارش کرتا رہے۔

(39/39)۔ جناب یحیٰؑ بن سلیم المازنی کی شہادت

عن المناقب فخرج یحیٰی بن سلیم المازنی وھویرتجز ویقول۔لاضرِبَنّ القوم ضَرُبًا فَیُصَلًا ۔ ضربًا شدیدًا فی العداۃ معجلًا۔لاعاجزًا فیه ولا مُوَلُوَلًا ۔ولا اخاف الیوم مَوُتًا مقبلًا ۔لکنّنی کاللّیث احمی اَشبًلا ۔ثم حمل فقاتل حتی قُتِلَ رضوان اللّٰه علیه۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 276)

کتاب مناقب میں لکھا گیا ہے کہ پھر جناب یحیٰؑ بن سلیم یہ چیلنج دیتے ہوئے میدان جنگ میں مصروف قتال ہوئے کہ آج میں اُس قوم پر یقیناً فیصلہ کن دھاوا بول رہا ہوں ۔ اورایسی ضربیں لگا رہا ہوں جو فرار کرانے میں جلدی کرتی ہیں ۔ نہ میں ناتواں ہوں اور نہ میدان چھوڑنے والا ہوں اور نہ سامنے کھڑی ہوئی موت سے ڈرتا ہوں ۔لیکن میں تو شیر کے بہادر بچوں کی حفاظت اور حمایت شیروں کی طرح کر رہا ہوں ۔ بچ کر جانے اور اپنی حفاظت کی پرواہ کئے بغیر لڑتے اور لاش پر لاش گراتے گراتے آخر خود بھی زخموں کی تاب نہ لاکر گرے اور جنت میں جا پہنچے۔

(39/40)۔ حضرت قرّہؑ بن ابی قرۃ الغفاری کی رخصت

ثم خرج مِن بعده قرّۃ بن ابی قرّۃ الغفاری وھویرتجز ۔ قدعَلِمَتُ حّقًا بنوغفار ۔وخندف بعد بنی نزار ۔ بِاَنّنِی اللّیث لَدَی الغیار ۔ لاضربنّ معشر الفجّار ۔ بکل عضب ذکربتّار ۔ ضربًا وجیعًا عن بنی الاخیار ۔ رھط النبیؐ السادۃ الابرار ۔ قال ثم حمل فقاتل حتی قُتِلَ۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 276)

اُن کے بعد قرّہؑ بن ابی قرہ غفاری یہ چیلنج کرتے ہوئے فوج پر جا گرے۔تمام غفاری اور خندف اور نزار کی اولاد کو علم ہے کہ میں دشمن کے مقابلہ میں شیر نر ہوں ۔میں یقیناً اُن بدنہاد و ناہنجار لوگوں پر پے در پے ضربیں لگاؤں گا ۔ جو بڑی دردناک ضربیں ہوں گی اور رسولؐ کے گروہ اور پاک اولادؑ اور تمام نیکوں کے سرداروں کی حمایت میں ہوں گی ۔اور جن سے اُن ملاعین کا ذکر فنا ہو جائے گا۔کہتے ہیں کہ برابر جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ شہادت پا گئے۔

(39/41)۔ جناب مالکؑ بن انس مالکی یا انس بن الحارث الکاہلی

وخَرَجَ مِن بعده مالک بن انس المالکی وھو یرتجز ویقول: قدعَلِمَتُ مَالِکُوالدُّوُدَان ۔ والُخَنُدَ فُیُوُنَ وقَیُسُ غِیُلَان ۔بِاَنَّ قَوُمی آفة الاقران ۔لدی الوِغا وسادۃ الفُرسان ۔مباشروا الموت بطَعُن آن۔ لسنانری العجزعن الطّعان ۔ آل علیؑ شیعة الرحمان ۔آل زیادشیعة الشیطان۔ ثُمَّ حمل فقاتل حتی قُتِلَ۔وعن ابن نما اسمه انس بن الحارث الکاھلی۔

اُن کے بعد جناب مالک بن انس میدان میں آئے اور یہ چیلنج سنا رہے تھے کہ مالکی اور دُودَانی اور خندفی ،اور قیسی اور غیلانی قبیلوں کے لوگ جانتے ہیں کہ میری قوم اپنے مدّ مقابل کے لئے ایک تباہ کن آفت ہے ۔ہم وہ سردار ہیں جو نیزوں اور تلواروں کے ساتھ موت کا استقبال کرتے ہیں ۔ہم نیزوں کے سامنے عاجزی و ناتوانی ظاہر نہیں کرتے ۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ اولاد علیؑ اللہ و رحمان کے شیعہ ہیں اور زیاد کی اولاد شیطان کی شیعہ ہے۔ حملے پر حملہ کرتے رہے یہاں تک کہ اسلام پر قربان ہو گئے ۔علامہ ابن نما نے کہا ہے

کہ اُن کا نام انس بن حارث کاہلی تھا۔

انسؑ بن حارث بن نبیہ بن کاہل بن عمرو بن صعب بن اسد بن خزیمہ اسدی کاہلی۔ صحابی رسولؐ تھے۔ احادیث کے راوی تھے۔ رسولؐ اللہ سے امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی پیش گوئی سُنی تھی اس لئے برابر منتظر رہتے چلے آئے تھے۔ کربلا کے زمانہ میں نہایت ضعیف ہو چکے تھے۔ حبیبؑ ابن مظاہر سے بھی سِن وسال میں زیادہ تھے۔ جہاد کی اجازت دیتے ہوئے امامؑ شرمارہے تھے۔ اور انہیں دیکھ دیکھ کر رو رہے تھے۔ انہوں نے اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لئے پٹکا بندھوایا تھا۔ بھوؤں پر رومال باندھا تھا۔ رخصت کے وقت امامؑ نے دعائیں دی تھیں۔ لیکن آپ نے جو اشعار سُنے اُن میں کہیں کمزوری اور ضعف کا نام ونشان تک بھی نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اولا د رسولؐ پر مصائب کا کتنا ہجوم تھا؟ وہ قومی مسلمان کس قدر خون کے پیاسے تھے؟ کہ اس قدر ضعیف العمر لوگ اور بچے تک یہ چاہتے رہے کہ خود قربان ہو جائیں اور آل رسوؐل کو بچالیں۔

(39/42)۔ جناب عمرؑ بن مطاع الجعفی کی شہادت

وَعَنِ المناقب ثم خرج مِن بعده عمربن مطاع الجعفی وھویقول: انا ابن جعف وابی مطاع۔ وفی یمینی مرھف قطّاع۔ واسمر فی راسہ لمّاع ۔ یری لہ من ضوئہ شعاع ۔ الیوم قدطالب لنا القراع۔ دُون حسینٌ الضرب والسطاع ۔ یرجی بذاک الفوز والدفاع۔ عن حرّنارِحین لاانتفاع۔ ثُمَّ حمل فقاتل حتی قتِل۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 276)

کتاب مناقب بتاتی ہے کہ اُن کے بعد عمرؑ بن مطاع یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ میں قبیلہ جعف کا پروردہ ہوں۔ میرا باپ ابی مطاع ہے اور میرے داہنے ہاتھ میں پتلی لچکدار کاٹ ڈالنے والی چیز ہے۔ جس کے سر پر دمکنے والا دستہ (Handle) ہے۔ جس میں شعاعیں ہنگامہ مچائے رکھتی ہیں۔ آج کا دن ہم سے جنگی گردوغبار اور شوروغوغا کا طلب گار رہے۔ تاکہ امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کی چیخیں بلند ہوں۔ دشمنانِ آل محمدؐ کو تباہ کرنے سے اُس روز فائدہ ہوگا جس دن کوئی چیز کام نہیں آتی اور جہنم سے نجات ملے گی۔ اس طرح جوش وخروش سے اُس وقت تک جنگ کی جب تک نڈھال نہ ہو گئے۔ آخر جام شہادت پی لیا۔

(39/43)۔ حجاج بن مسروق علیہ السلام کی قربانی

یہ جعف بن سعد العشیرہ کی نسل سے تھے۔ کوفہ کے نامور شیعوں میں شمار تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے۔ جب امامؑ مکہ تشریف لائے تو حجاج کوفہ سے مکہ گئے اور امامؑ کی صحبت میں رہنا شروع کر دیا۔ نماز کے اوقات پر اذان دینے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ امامؑ کے ساتھ ساتھ کربلا آئے۔ لشکر حُرؑ کے آنے کے بعد جو پہلی نماز ہوئی تھی سب نے لکھا کہ اذان حجاج نے دی تھی۔

وفی البحار قالوا ثُمّ خرج الحجاج بن مسروق وھومُؤَذّنُ الحسین علیہ السلام وھویقول: اقدم حسینٌ ھادیًا مھدیّا ۔ الیوم نلقی جدّک النبیاً ۔ ثمّ اباک ذالنداء علیاً ۔ ذاک الذی نعرفہ وصیًّا ۔ والحسنٌ الخیر الرضی الولیا ۔ وذوالجناحین الفتی الکمیّا ۔ واسد اللہ الشھید الحیّا ۔ ثم حمل فقاتل حتی قُتِلَ ۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 276)

کتاب بحار میں ہے کہ پھر جناب حجاجؒ بن مسروق میدان میں نکلے۔ جو کہ امامؑ کے مؤذن بھی تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے

حسینؑ آپ ہادی اور مہدی کی حیثیت سے آگے بڑھئے۔آج میں آپ کے نانا نبیؐ سے ملوں گا۔پھر میں دنیا بھر کے سخی علیؑ سے ملاقات کروں گا۔جن کو میں بحیثیت وصیؑ جانتا ہوں۔اور وہ حُسن مجسم اور خیرِ محض ولیؑ ہیں۔پھر جناب جعفرؑ طیار ایسے بہادر سے ملوں گا اور پھر جناب حمزہؑ اسداللہ زندہ شہیدوں سے ملاقات ہوگی۔یہ کہہ کر جو حملہ کیا تو شہید ہو کر ہی دَم لیا۔

(39/44)۔ جناب ابراہیمؑ بن الحصین کا حملہ وشہادت

قال ابو مخنف ثم برزمن بعده ابراهیم بن الحصین فانشاء یقول: اقدم حسینؑ الیوم نلقی احمدًا ۔ثم اباک الطاهر المسددا ۔والحسنؑ المسموم ذاک الاسعدا ۔وذالجناحین حلیف الشهداء ۔وحمزة اللیث الکمیّ السیّدا ۔ فی جنة الفردوس فازوا سعدا ۔ثم حمل علی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل من القوم سبعین رجلًا وقُتِلَ ۔(اکسیر العبادات صفحہ 277)

ابو مخنف بیان کرتے ہیں کہ اُن کے بعد جناب ابراہیمؑ بن حصین جنگ کے لئے نکلے اور یہ اعلان کرتے اور دشمن پر حملہ کرتے رہے کہ آج میں حسین علیہ السلام سے آگے چلتا ہوں اور ہمیں احمد صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہ سے ملنا ہے۔پھر اے حسینؑ ہمیں آپ کے نیک کردار والدؑ سے اور سب سے سعید ترین، زہر سے شہید حسنؑ سے اور پھر تمام شہیدوں کے ذمہ دار جعفرؑ طیار سے اور جناب حمزہؑ ایسے لاجواب بہادر سید سے جنت میں جا کر ملنا اور سعادتمندی حاصل کرنا ہے۔برابر تیغ زنی کرتے رہے یہاں تک کہ دشمن کی فوج کے ستر بہادروں کو موت کے گھاٹ اُتار کر شہید ہو گئے۔

(39/45)۔ حضرت مُعلّاؑ ابن مُعلّا کی جنگ وشہادت

وقال برز المعلا ابن المعلا وکان معروفًا بالشدّه والباس والصعوبة والمراس وانشاء یقول: انا المعلّٰی وانا ابن البجلی ۔دینی علٰی دین الحسینؑ بن علیؑ ۔ اضربکم بصارم لم یغلل ۔ و اللّٰہ ربّی حافظی مِن زللٍ ۔وناصری ثُمّ مزکیّ عملی ۔یوم معادی ربه توکّلی ۔ثم حمل علی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل من القوم اربعة وعشرین ۔ثم اخذوه اسیرًا و اوقفوا بین یدی ابن سعد فقال لِلّٰہ درّک من رجل مَااشد نصرتک لصاحبک ثُمَّ ضرب عنقه۔(اکسیر العبادات صفحہ 277)

اور ابو مخنف ہی نے کہا ہے کہ اُن کے بعد مُعلّا ابن مُعلّا جنگ کے لئے نکلا اور اپنی شدید جنگ اور مشکل پسندی اور دشمن کو مصیبت میں ڈالنے کے لئے مشہور تھا۔انہوں نے کہا کہ میں ہی معلّی ہوں۔میں حسینؑ ابن علیؑ کے دین پر ہوں۔میں تمہارے سروں پر بلا خیانت تلواریں ماروں گا۔اور خدا کی قسم ڈگمگانے سے میرا اللہ مجھے محفوظ رکھے گا۔وہ مجھے پاک کرنے والا اور میری نصرت کرنے والا ہے۔اور روز حساب مجھے اپنے اُسی پروردگار پر بھروسہ ہے۔یہ اعلان کرتے کرتے ابن سعد کی فوج کے چوبیس آدمی قتل کر ڈالے۔تھک جانے پر انہیں گرفتار کر کے ابن سعد کے سامنے پیش کیا گیا تو کہا اللہ بچائے ایسے شخص سے جو اپنے مالک کی نصرت میں اتنا سخت ہو۔پھر انہیں قتل کرا دیا گیا۔

(39/46-47)۔ حضرات طرمّاحؑ بن عدی اور معلّاؑ بن حنظلہ الغفاری

قال وبرز الطرماح بن عدی وقاتل قتالًا شدیدًا ثُمَّ قُتِلَ رحمه اللّٰہ ۔ثُمَّ برز المعلّی بن حنظله الغفاری وجعل یقاتل حتی انکسر رمحه فی یده فانتضی سیفه وجعل یضاربهم حتّٰی کَلَّ ساعده وقتل منهم مقتلة عظیمة فکبّی به جواده فرماه علٰی وجهه اِلَی

الارض فدارو ابه من کُلّ جانب ومکان وقتلوہ ضربًا وطعنًا۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 277)

ابو مخنف ہی نے جناب طرماح بن عدی کا میدان جنگ میں نکلنا اور سخت معرکہ لڑائی کے بعد قتل ہو جانے کا قصہ لکھا ہے۔ پھر لکھا کہ اُن کے بعد معلیٰ بن حنظلہ الغفاری میدان میں نکل آئے اور نیزہ کے ٹوٹ جانے تک لڑتے رہے۔اس کے بعد اپنی تلوار نکال کر اُس وقت تک ہنگامہ خیز حملہ جاری رکھا جب تک اُن کے بازوؤں نے تھک کر جواب نہ دے دیا۔ دشمنان اسلام کی ایک بہت عظیم کثرت کو تہہ تیغ کر دیا۔ پھر اُن کے گھوڑے نے ٹیڑھا ہو کر اُنہیں زمین پر اتار دیا۔ یہ دیکھ کر فوج کے لوگوں نے اُن کو ہر سمت سے گھیر لیا اور نیزہ و تلواروں سے قتل کر دیا۔

(39/48)۔ حضرت جابرؓ بن عروہ غفاری کی شہادت

وکان شیخًا کبیرًا قد شهد مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله یوم بدرٍ وحنین وجَعَل یشدّ وسطهٗ بالعمامة ودعابعصابة حمراء فعصب بهاحاجبیه ورفعها عن عینیه والحسینؑ ینظر الیه وهویقول شکر اللّٰه لک فعالک یاشیخ ثم حمل علَی القوم وهویقول: قدعلمت حقًا بنوغفاری۔ وخندف ثم بنونزاری ۔بنصرنا لاحمدً المختار ۔ یاقوم حامواعن بنی الاطهار ۔الطیبین السادة الابرار ۔ولم یزل یقاتل حتی قتل مِن القوم ستین رجلًا ثمَّ ا ستشهد بین یدی الامامؑ ۔

یہ بھی بہت ضعیف العمر صحابی رسولؐ تھے۔ بدر و حنین میں رسول اللہؐ کے زمانہ میں جہاد کیا۔انہوں نے بھی اپنی کمر کو دوپٹہ سے مضبوط باندھا اور ایک کپڑا منگا کر اپنی بھوؤں کو اوپر اُٹھا کر باندھ دیا تاکہ بھوؤں کے بال آنکھوں پر لٹک کر نظر میں رکاوٹ نہ بنیں۔ حضرت جابرؓ یہ کر رہے ہیں اور امام علیہ السلام اس بزرگ کے اہتمام اور انتظام کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔آخر امامؑ نے فرمایا کہ اے بزرگ اللہ تمہارے اِن پُر خلوص اعمال کا مشکور ہے۔اس تیاری کے بعد یہ کہہ کر دشمن پر حملہ کر دیا کہ قبیلہ نزار اور خندف کے تمام لوگ اور تمام غفاری حضرات اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہم لوگ آل محمدؐ کی نصرت میں ہمیشہ آگے آگے رہتے آئے ہیں۔لہٰذا اَے لوگو تم سب بھی محمدؐ کی پاک و پاکیزہ اولاد اور سرداروں کی ایک جماعت کی حمایت کرو۔ برابر حملے کرتے اور قتل کا بازار گرم رکھتے رہے اور دشمنوں کے ساٹھ آدمی تہہ تیغ کر دیئے اور امام علیہ السلام کے دیکھتے ہی دیکھتے اُن پر قربان ہو گئے۔

(39/49)۔ حضرت مالکؑ بن داؤد کی جان نثاری

قال وبَرَزَ مِنُ بعده مالک بن داؤد هوینشد ویقول: الیکم مِن بطل ضرغام ۔ ضرب فتی یحمی عن الامام ۔ ارجو ثواب المَلک العلام۔ سبحانه مقدّرالاعوام۔ثُمَّ حمل علَی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل من القوم خمسة رجلا ثم قُتِلَ رحمه اللّٰه۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 277)

اور لکھا ہے کہ اُن کے بعد جناب مالکؓ بن داؤد یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ ایک بہادر جوان تم پر شیر کی طرح حملہ کرتا ہے۔ جس نے امامؑ کی حمایت میں تم پر تلواروں کی بارش کرنا ہے۔اور اس حمایت اور جہاد کا بدلہ اللہ سے لینا ہے۔کیا ہی بے عیب ہے وہ ہستی جو تمام تقدیریں مقرر فرماتی ہے۔عمر ابن سعد کی فوج پر مسلسل حملے کئے اور اُس وقت تک ہاتھ نہ روکا جب تک جان میں جان رہی۔اور پندرہ فوجیوں کو قتل کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

(39/50)۔ حضرت جنادہ بن الحارث انصاری کی شہادت

جناب جنادہ بن کعب بن حارث نے مکہ معظّمہ کے قیام کے دوران امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی۔ آپ مع اپنی زوجہ اور بیٹے عمرو کے حج کے لئے مکہ آئے ہوئے تھے۔ وہاں سے امامؑ کے ساتھ کربلا آئے اور تمام حالات میں شریک رہے۔

وعن المناقب ثُمَّ خَرَجَ جناده بن الحارث الانصاری وهویقول : اناجنادة وانا ابن الحارث لَسْتُ بخوّارو لابَناکث ۔عَن بیعتی حتّٰی یرثنی وارثی۔الیوم ثاری فی الصعید ماکث۔ ثُمَّ حمل فلم یزل یقاتل حتی قُتِلَ رحمه اللّٰه۔ (اکسیرالعبادات صفحہ 277)

کتاب مناقب میں لکھا ہے کہ پھر جناب جنادہ یہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ میں جنادہ ہوں اور کعب بن حارث کا بیٹا ہوں۔ نہ تو میں کم ہمت و کمزور ہوں اور نہ ہی میں اپنی بیعت کو مرتے دم تک توڑنے والا ہوں۔ میں تو نصرت کے معاہدے کو اپنے وارثوں کے حوالہ کر کے آگے بڑھانے والا ہوں۔ آج میں اس طرح دشمنِ آل محمدؐ سے بدلہ لوں گا کہ میرے اعضا کٹ کٹ کر زمین پر اپنا ٹھکانہ بنالیں۔ برابر حملہ آور رہے یہاں تک کہ قربان ہوگئے۔

(39/51)۔ جناب عمرو بن جنادہ علیہما السلام دس سال کی عمر میں قربان ہوئے

عمرؓو بن جنادہ ماں باپ کے ساتھ امامؑ کی صحبت میں رہتے چلے آرہے تھے۔ اہلبیتؑ کے بچوں کے ساتھ مکہ سے وہ باتیں سُنتے چلے آرہے تھے جو خاندانِ نبوت میں شہادت امام حسین علیہ السلام کے متعلق مشہور ہوچکی تھیں۔ شہدائے کربلا کے مدارج اور دین و دنیا میں اُن کا مقام سنتے اور پروردگان اہلبیتؑ کی امنگیں دیکھ رہے تھے۔ عاشور کے دن تک یہ طے کر چکے تھے کہ میں بھی اُن بچوں پر اور امامؑ پر قربان ہوجاؤں گا۔ یقیناً یہ ارادہ ماں باپ دونوں کو معلوم تھا۔ چنانچہ والدین کی رضامندی آخر ثابت ہوگئی۔ جناب جنادہ کی جنگ ماں اور بیٹے دونوں نے دیکھی۔ اُدھر جنادہ شہید ہوئے ادھر یہ کم سن بچہ جنگی لباس اور چھوٹی سی تلوار سے مسلح خدمتِ امامؑ میں اجازت کے لئے حاضر ہوگیا۔ مولا نے بچہ کو سر سے پیر تک دیکھا۔ آنکھیں آنسو برسانے لگیں۔ وہ بچے نظر کے سامنے پھر گئے جو ذرا دیر بعد حضرت زینبؑ رخصت کرنے والی ہیں۔ گویا یہ بچہ بچوں کی شہادت کی بسم اللہ کر رہا ہے۔ آپ نے اجازت دینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ابھی ابھی اس بچہ کا باپ شہید ہوا ہے۔ بھلا اس یتیم کی ماں کے دل پر کیا مصیبت گزر جائے گی؟ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اُس مظلومہ پر ساری دنیا کے مصائب ایک دم ٹوٹ پڑیں۔ اُس کے لئے شوہر کی قربانی ہی بہت زیادہ ہے۔ بچہ دوڑ کر پیروں سے لپٹ گیا اور عرض کیا حضورؐ مجھے میری ماں نے یہ لباس پہنایا ہے۔ اُسی نے یہ لباس تیار کر کے رکھا ہوا تھا۔ اُسی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ مولاؑ چاہیں تو دریافت فرمالیں۔ بچہ کی ہمت، معصومانہ انداز، اور اُدھر والدہ کی درخواست آخر امامؑ نے بچہ کو شہدا کی ہمسری کی اجازت دے دی۔

ثُمَّ خرج مِن بعده عمروبن جنادة وهو یقول۔اَضق الخناق مِن ابنِ هند وارمه ۔مِن عامه بفوارس الانصار ۔ ومهاجرین مخضبین رماحهم ۔تحت العجاجة مِن دم الکفار ۔خضبت علٰی عهدالنبیؐ محمدً فالیوم تخضب من دم الفجار ۔فالیوم تخضب مِن ماء اراذل ۔رفض القرآن لنصرةالاشرار ۔طلبوا بثارهم ببدراذا آتوا ۔بالمرهفات وبالقنا الخطّار ۔واللّٰه رَبّی لاازال مضاربا ۔ فی الفاسقین بمرهف تَتَّار۔هٰذا علی الاَزْدی حقٌ واجب ۔فی کُلّ یوم تعانق وکرّار۔(اکسیر۔صفحہ 277)

بعد میں بچہ؛ عمرؓ بن جنادہ میدان جنگ میں آیا اور اُس ملعون لشکر کو بتایا کہ: میں آج اپنے کردار وقربانی سے ہندہ کے بیٹے یزید کو گلو گرفتہ اور لاجواب کر دونگا۔ اور عوام الناس اور انصاران محمدؐ و آل محمدؐ کو یزید کے خلاف اُٹھنے کی جرأت دلاؤں گا۔ وہ لوگ عہد نبوی میں جہاد کرتے رہے اور اب گھروں میں بٹھا دیئے گئے۔ میں اُن کے نیزوں اور تلواروں کو دشمنانِ اسلام کے خون سے رنگین دیکھ رہا ہوں۔ اِن لوگوں نے فتنہ وفساد پھیلانے والوں اور شر پسند گروہ کا ہمنوا بن کر قرآن کو ترک کر دیا ہے (فرقان 25/30) اور یہ کمینہ لوگ بدر واحد میں قتل ہو جانے والے کافروں کا انتقام محمدؐ و آل محمدؐ سے لینے کیلئے امام حسینؑ اور خاندان نبوّت کا قتل عام کرنا چاہتے ہیں۔ میں بھی اُن پر جی توڑ کر حملہ کر رہا ہوں۔ اسلئے کہ نصرت امامؑ از دی قبیلہ پر واجب ہے اور ہمیں جم کر بڑھ بڑھ کر تلواروں کو گلے لگانے کا حق حاصل ہے۔ ہم اُنکے خون سے اپنی تلواروں اور نیزوں کو خضاب کرینگے۔ بچہ جوانوں سے بہتر اور بے باک جنگ کرتے کرتے قتل ہو گیا۔ اُن شیاطین نے بچہ کا سر کاٹ کر لشکر حسینؑ میں پھینک دیا۔ ماں نے سر اُٹھایا، بوسے دیئے اور کہا کہ میرے معصوم لاڈلے تو نے مجھے خوش کر دیا میں دختر رسولؐ کے سامنے سرخرو ہو گئی۔ اسکے بعد ایک فولادی گرز لے کر دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑی اور کہتی جاتی تھی کہ:۔

اناعجوزٌ سیدی ضعیفة۔خاویّة بالیّة نحیفة۔اضربکم بضربة عنیفة۔دُون بنی الفاطمةُ الشریفة۔ (اکسیر۔صفحہ 277)

میں ایک سِن رسیدہ اور کمزور عورت ہوں۔ مگر میرا امامؑ بڑی قوتوں کا مالک ہے۔ تم میری کمزوری، بڑھاپے اور ناتوانی پر نہ جانا میں تمہیں ایسی طاقت ور ضربیں لگاؤں گی اور اولاد فاطمہؑ کا ایسا دفاع کروں گی جو رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔

وَضَرَبَت رَجُلَیْن فَقَتَلَتْهُمَا فامر الحسینؑ بصرفها و دعی لها۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 277)

چنانچہ اس مومنہ نے دو فوجیوں کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے اُسے واپس بلوالیا اور صبر کی تلقین فرمائی۔

(39/52)۔ عبدالرحمٰن بن عروہ علیہ السلام کی شہادت

قال ثُمَّ خرج عبدالرحمٰن بن عروة فقال: قدعلمت حقًا بنوغفّار ۔وخندف بعد بنی نزار ۔ لنضربنّ معشر الفجّار ۔بکُلّ عضب ذکر بتّار۔ یاقوم ذودّ واعن بنی الاخیار۔بالمشرفی والقنا الخطّار۔ثُمَّ قاتل حتٰی قُتِل ۔(اکسیر۔صفحہ 277)

لکھا گیا ہے کہ پھر جناب عبدؒ الرحمٰن بن عروہ یہ کہتے ہوئے تیغ آزما ہوئے کہ خندف اور بنو غفار اس حقیقت سے آگاہ ہیں اور نزار کی اولاد بھی پُر یقین ہے کہ ہم آج بدنہاد و ناہنجار معاشرہ کو خوب پیٹیں گے۔ اور ہر وہ حربہ استعمال کریں گے جو اُن کو تباہ کرنے میں مفید ہو۔ اے نیک بخت لوگو آگے بڑھو اور مل کر مجسم نیک خاندان کا تحفظ کرو۔ اور تلوار و نیزہ وسنان اُن سے دور کردو۔ یہ کہتے اور جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ جان قربان کر دی۔

(39/53)۔ جناب شوذب بن عبداللہ شاکری ہمدانی علیہ السلام

آپ قبیلہ شاکر کی ہمدانی شاخ سے تھے اور عابس بن ابی شبیب شاکری کے غلام تھے۔ کوفہ کے شیعوں میں نہایت نام آور اور مقبول فرد تھے۔ حافظ حدیث اور شہسوار میدان جنگ تھے۔ حضرت علیؑ مرتضٰی سے علوم حاصل کئے تھے۔ اسلئے کوفہ کے لوگوں کے واسطے راہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جب حضرت عابس جناب مسلمؑ کا خط لیکر امام حسین علیہ السلام کے

پاس مکہ میں آئے تو جناب شوذب بھی ہمراہ تھے۔ یہاں سے یہ دونوں امامؑ کے ہمرکاب کربلا آئے اور روز عاشور دونوں قربان ہوئے۔

وجآء عابس بن شبیب الشاکری ومعه شوذب مولٰی شاکر ۔فقال یاشوذب مافی نفسک اَنْ تصنع؟ قال مااصنع اقا تل حتی اُقْتِل ۔قال ذاک الظنّ بک فتقدم بین یدی ابی عبد اللّٰہ علیه السلام حتی یحسبک کمااحتسب غیرک فانّ هذا یوم ینبغی لَنَا اَن نطلب فیه الاجر بکل مانقدر علیه فانّه لا عمل بعدالیوم وانما هوالحساب۔ (اکسیر صفحہ 278-277)

حضرت عابس کے ہمراہ جناب شوذب بھی تھے۔ روز عاشور عابس نے شوذب سے معلوم کیا کہ بھائی اب کیا ارادہ ہے؟ شوذب نے کہا کہ میں اسکے سوا اور کوئی ارادہ نہیں رکھتا کہ میدان میں نکلوں اور امامؑ کی نصرت میں جنگ کروں اور اُن پر اپنی زندگی قربان کردوں۔ عابس یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بھائی مجھے تم سے یہی اُمید تھی لہٰذا اجازت کیلئے امامؑ کے حضور میں جاؤ اور اُن کی نظر میں وہ مقام حاصل کرلو جو دوسرے انصار نے حاصل کیا ہے۔ آج وہ دن ہے جس دن ہمیں وہ تمام اجر اور مراتب حاصل کرنے میں اپنی پوری قدرت صرف کردینا لازم ہے۔ جو اس شہادت کے نتیجے میں ملنے والے ہیں۔ اسکے بعد کوئی عمل قابل قدر نہ رہے گا۔ ہمارے لئے یہی یوم حساب ہے۔ اور بس۔ شوذب آگے بڑھے اجازت لی اور جو کہا تھا وہ کر دکھایا۔ اور قیامت کے حساب سے فارغ ہوگئے۔

جناب عابس بن شبیب علیہ السلام کی شہادت ۔ (39/54)

عابسؑ بن شبیب بن شاکر بن ربیعہ بن مالک بن صعب بن معویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد الھمد انی الشاکری۔ بنوشاکر قبیلہ ہمدان کی ایک بڑی شاخ ہیں۔ اور اُنکے متعلق حضرت امیر علیہ السلام نے جنگ صفین میں خوش ہوکر فرمایا تھا کہ اگر میرے رفقا میں اُن لوگوں کی تعداد صرف ایک ہزار بھی ہوجائے تو حق و باطل کے فیصلے جس طرح ہونا چاہئیں ہونے لگیں۔ یہ لوگ عرب میں جنگ آزما بہادر شمار ہوتے تھے۔ اُنکا لقب ہی **فتیان الصباح** (جوانمردان صبح) مشہور تھا۔ عابس کوفہ کے رؤسا میں سے تھے۔ بہت عمدہ مقرر، عابد و زاہد و بہادر تھے۔ آپ نے اور حبیبؑ ابن مظاہر نے جناب مسلمؑ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور زندگی قربان کردینے کا عہد کیا تھا۔ اور حضرت امام حسینؑ کے پاس خط لے کر گئے تھے۔ اور ایک لمحہ کے لئے جدا نہ ہوئے تھے۔

فتقدم عابس وسلّم علَی الحسینؑ وقال یااباعبد اللّٰہ اماواللّٰہ ماامسی علٰی وجه الارض قریب ولابعید اعزّ علیَّ ولا اَحَبّ منک ولو قدرتُ علٰی اَن ادفع عنک الضیّم اوالقتل بشیء اعزّ علیّ مِن نفسی ودمی لفعلتُ السلام علیک یااباعبد اللّٰہ اشھدانّی علٰی ھداک وھدی ابیک ثم مَضی بالسَّیف نحوھم ۔قال ربیع بن تمیم فلما رایته مقبلًا عرفته وقدکنت شاھد ته فی المغازی کان اشجع الناس فقلت ایھاالناس ھٰذا اسدالاسود ھذا ابن شبیب لایخرجنّ الیه احدمنکم فاخذ ینادی الارجل الارجل فقال ابن سعد ارضخوه بالحجارة مِن کل جانب ۔فلما رای ذلک القی دِرعَهُ ومغفرةً ثُمَّ شدّعَلَی الناس فواللّٰہ لقدرایته یطرد اکثر من مئیتن من الناس ۔ثم انھم تعطفوا علیه مِن کل جانب فقتل رحمه اللّٰہ علیه فرایت راسه فی ایدی رجال ذوی عُدّة ھذایقول انا قتلتُه والاخریقول کذلک فقال ابن سعد لاتختصموھذا لم یقتله انسان واحد حتی فرّق بینھم بھذا القول۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 278)

جب حضرت شوذبؑ قربان ہوچکے تو عابسؑ خدمت امامؑ میں آئے اور عرض کیا کہ حضورؑ میرا سلام ہو آپ پر بخدا اس دنیا میں مجھے آپ سے زیادہ نہ کچھ اور محبوب ہے نہ آپ سے زیادہ میری نظر میں کسی چیز کی عزت وتوقیر ہے۔ اگر مجھے یہ قدرت ملتی کہ میں اپنے سر

سے زیادہ قیمتی کوئی چیز آپ پر قربان کروں تو میں دریغ نہ کرتا۔اب تو میرے پاس یہ میری حقیر سی زندگی ہی ہے۔مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔میرا آخری سلام قبول فرمالیں اور میں خدا کے حضور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آپکے اور آپکے والد کے دین پر برقرار رہا ہوں۔رخصت لی میدان میں تیغ بکف پہنچے تو ایک شخص ربیعہ بن تمیم نے پہچان لیا۔وہ کہتا ہے کہ جب میں نے عابس کو آتے دیکھا تو پہچان لیا کہ میں نے اس سے پہلے انہیں کئی ایک لڑائیوں میں جنگ کرتے دیکھا تھا۔اور اُن کی بے جگری اور شجاعت سے واقف تھا۔میں نے اپنی فوج سے کہا کہ دیکھو ایک زبردست شیر حملہ کیلئے آ رہا ہے۔تم میں سے کوئی تنہا تنہا مقابلہ کو نہ جائے ورنہ مارے جاؤ گے۔ اُدھر عابس نے للکارا کہ ہے کوئی سورما جو میرے مقابلہ پر آئے۔مگر کوئی باہر نہ نکلا۔اُدھر عمر سعد نے پکار کر کہا کہ چاروں طرف سے پتھروں کی بارش کر دو۔لہٰذا پتھر برسنا شروع ہوئے تو حضرت عابس نے زرہ بکتر اور خود اتار کر پھینک دیا اور تلوار لے کر اُن پر ٹوٹ پڑے۔جدھر توجہ کرتے تھے سوسو دو دوسو آدمیوں کے دستے سامنے سے بھاگتے پھرتے تھے۔آخر بہت کوشش کے بعد انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور عابس نے حقِ دوستی محمدؐ وآل محمدؐ ادا کر دیا۔ذرا دیر بعد دیکھا گیا کہ ہر شخص یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ میں نے عابس کو قتل کیا ہے۔عمر سعد نے فیصلہ کیا کہ کسی اکیلے شخص نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ تم سب اُن کے قاتل ہو۔اس طرح لوگوں کا یہ جھگڑا ختم ہوا۔

(39/55-56)۔ حضرات عبداللہؓ اور عبدالرحمٰنؓ فرزندان عروہ بن حراق

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے سے جناب حراق غفاری بھی حضرت علی علیہ السلام کے صحابی تھے۔اور جمل وصفین ونہروان کی جنگوں میں دادِ شجاعت لیتے رہے تھے۔اُن کے پوتے جناب عبداللہ اور جناب عبدالرحمٰن بھی کوفہ کے باشندے اور مقبول وپسندیدہ شیعہ تھے۔یہ دونوں بھائی بھی کربلا کے مجاہدوں میں شامل چلے آ رہے تھے۔نماز ظہر کے بعد جو انصارانِ حسینؑ باقی تھے وہ پروگرام کے مطابق اب جلدی جلدی جام شہادت پینا اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔تاکہ نماز عصر تک پروگرام مکمل ہو جائے۔یہی عجلت تھی کہ جناب عابس نے زرہ وبکتر وخود اتار دیا تھا۔ورنہ وہ کافی دیر تک دشمن کو روک سکتے تھے۔ننگے بدن پر پتھر اور تیر وتلوار کھانا بتاتا ہے کہ امامؑ کی طرف سے جلدی کی ہدایت کی گئی تھی۔یعنی اب جو بھی میدان جنگ میں جا رہا تھا وہ شجاعت وفن سپہ گری کو نظرانداز کر کے صرف اپنی جان فدا کرنے کی غرض سے جا رہا تھا۔

ثُمَّ جاء الی الحسینؑ عبداللّٰہ وعبدالرحمٰن الغفاریان فقالا یااباعبد اللّٰہ السلام علیک انا جئنا لِنقتل بَیْنَ یدیک وند فع عنک فقال مرحبًا بکما ادنوا منّی فد نیا منه وهما یبکیان فقال علیه السلام یا ابنی اَخی ما یبکیکما؟ فواللّٰہ انی لاارجوا ان تکونا بعد ساعة قریری العین۔فقالا جعلنا اللّٰہ فداک یااباعبد اللّٰہ واللّٰہ ماعلٰی انفسنا نبکی و لکن نبکی علیک نریک قد احیط بک ولا نقدر علٰی اَن ننفعک۔فقال علیه السلام جزاکما اللّٰہ خیر یاابنی اَخی بوجد کما من ذلک وموا ساتکما ایّای بانفسکما احسن اللّٰہ جزآء المتقین۔ثم استقد ما وقالا السلام علیک یاابن رسوؐل اللّٰہ فقال علیه السلام وعلیکما السلام ورحمة اللّٰہ وبرکاته فقاتلاحتی قُتِلا۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 278)

چنانچہ حضرت عابسؓ اُدھر شہید ہوئے اِدھر یہ دونوں بھائی امامؑ کے حضور حاضر ہوئے اور سلام کیا۔پھر کہا کہ سرکارؑ ہم آپ کے

تحفظ اور دفاع میں آپ کے سامنے قتل ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔امامؑ نے شاباش دی اور فرمایا کہ میرے قریب آ ؤ۔دونوں قریب تو آ گئے مگر امامؑ کے محبت سے لبریز سلوک پر دل بھرآیا اور صدائے گریہ بلند ہوگئی۔امامؑ نے پوچھا کہ اے میرے بھائی کی یادگارو تم کیوں رونے لگے؟ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک ذرا دیر میں تم مطمئن، خندہ زن اور خوش ہوجانے والے ہو۔دونوں نے عرض کیا کہ حضورؑ ہم اپنی کسی تکلیف یا دقت پر نہیں روئے۔ بلکہ ہمیں آپ کی تکلیف رلا رہی ہے۔آپ چاروں طرف سے نرغہ میں ہیں۔انصار ختم ہوتے جارہے ہیں اور آنے والی تکلیف دور کرنے کے لئے ہم موجود نہ ہوں گے۔اور اُن ظالموں کا ہاتھ رسولؐ کے بچوں پر بھی اُٹھے گا یہ تصور ہمارے لئے نا قابل برداشت ہے۔امامؑ نے فرمایا کہ اے میرے بھائی کے جوان بیٹو! خدا تمہیں بہترین جزا دے میں تمہاری قربانی اور تصورات اور فدا کاری پر بہت خوش ہوں۔اور چاہتا ہوں کہ اللہ تمہیں متقین والی مقررہ جزا عطا کرے۔اس کے بعد دونوں نے آخری سلام کیا۔میدان میں آئے اور شہید ہوجانے میں کوشاں ہوئے اور آخر قربان ہو گئے۔

(39/57)۔ ترکستان کے ایک خادم سرتاج محبانِ اہلبیتؑ (اُوضَجِیؑ) کی شہادت

ہمیں تلاش بسیار کے بعد اس ہزار سالہ شیعہ سنی ریکارڈ میں اس قابل فخر شہید کا نام نہ ملا۔اور ہر جگہ اُسے ''**ترکی غلام**'' کہہ کر تعارف کرایا گیا ہے۔اور بتایا گیا ہے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کا غلام تھا۔اور یہ کہ وہ حافظ قرآن اور قاری قرآن بھی تھا۔اور یہ کہ امامؑ نے اُسے امام زین العابدین علیہ السلام کو ہبہ کر دیا تھا۔اور جب اُس نے اذن جہاد مانگا تو امامؑ نے فرمایا کہ تم سید سجادؑ سے اجازت لو۔ مومنین سوچیں کہ ایسے مشہور و معروف صحابی کا نام کیوں اور کیسے غائب ہو گیا ہوگا؟ جب کہ عام لوگوں کے غلاموں کے نام معلوم تھے اور لکھے گئے؟ بہرحال ہمارے ریکارڈ میں اُن کا نام اُوضَجِیْ ہے۔اور اتفاق سے اِس نام (اُوضَجِیْ) کے معنی بھی خادم ہی ہیں۔وہ لوگ جو ہوٹل میں کھانا کھانے والوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور حسب طلب کھانے کی چیزیں لاکر پیش کرتے ہیں اُن کو بھی اوضجی کہا جاتا ہے۔جنہیں انگریزی میں ویٹر (Waiter) منتظر رہنے والا کہا جاتا ہے۔اُن کو ترکستان میں بھی اوضجی کہا جاتا رہا ہے۔بہرحال اُن کی شہادت بحارالانوار اور علامہ دربندی رضی اللہ عنہ سے سُنیئے۔

ثُمَّ خَرَجَ غُلَامُ تُرُکِیّ كان للحسينؑ وكان قارئًا للقرآن فجعل يقاتل يرتجز ويقول: اَلْبَحّرمِن طعني و ضربي و يصطلي ۔والجوّ مِنْ سهمي ونبلي يمتلي ۔اذاً حسامي في يميني ينجلي ۔ينشقّ قلب الحاسد المبجلي ۔فقتل جماعة ثُمّ سقط صريعًا فجائهُ الحسيؑن فبكى فوضع خدّه علٰى خدّه ففتح عينه فراى الحسيؑن فتبسم ثُمَّ صار الٰى ربه۔ (اکسیر العبادات صفحہ 278)

پھر جناب ترکی خادم میدان میں آئے جو قاری قرآن اور امامؑ کے غلام تھے۔اُنہوں نے حملہ کیا اور کہتے جاتے تھے کہ: میرے نیزہ اور شمشیر کی گرمی سے سمندروں میں آگ بھڑک اٹھتی ہے، میری تیر بارانی فضاؤں کو لبریز کر دیتی ہے۔ جب میرے داہنے ہاتھ میں رہنے والی محروم کرنے والی باہر نکلتی ہے تو حسد کرنیوالوں کے دل اسکی چمک سے پھٹ جاتے ہیں۔مخالف فوج کی بہت بڑی تعداد کو واصل جہنم کیا۔آخر زخموں سے نڈھال ہو کر زمین پر تشریف لائے۔فوراً امام حسین علیہ السلام پہنچے سینے سے لگایا۔اُنکے گالوں پر اپنے گال رکھ دیئے۔اوضجی نے آنکھیں کھولیں امامؑ کو گلے میں باہیں ڈالے دیکھ کر مسکرائے، اشارے سے سلام کیا اور اپنے رب کے حضور چلے گئے۔

(39/58)۔ یزیدؒ بن زیاد بن الشعشا کی شہادت

قَالَ ثُمَّ رَمَاهم یزید بن زیاد بن الشعشاء بثمانیة اسهم ماا خطا منها بخمسة اسهم و کان کلّمَارمی قال الحسینؑ اللهمّ سدّد رمیته واجعل ثوابه الجنة فحملوا علیه وقتلوه۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 278)

پھر یہ بتایا گیا کہ یزید بن زیاد بن شعشاء نے میدان جنگ میں آ کر اپنے باقی ماندہ آٹھ تیر دشمن افواج پر چلائے۔جن میں سے بعد کے پانچ تیروں نے خطا نہیں کی اور اُن پانچ مخصوص نشانوں پر جا کر لگے جو مطلوب تھے۔امامؑ نے بھی دعا کی تھی کہ یا اللہ اُس کے تیروں کو ٹھیک نشانے پر پہنچا اور ہر تیر کے بدلے میں اُسے جنت عطا فرما۔آخر کار دشمن کی افواج نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور آپ نے امام علیہ السلام کے قدموں پر جان نثار کر دی۔

(39/59)۔ ابوعمرو شبیب بن عبداللہ نہشلی علیہ السلام

آپ حضرت علی علیہ السلام کے صحابی تھے۔جنگ صفین ونہروان اور جنگ جمل میں شریک تھے۔پھر امام حسین علیہ السلام کے ناصر و مددگار رہے۔امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا کے سفر میں سایہ کی طرح رہے۔

وعن ابن نما قال حدث مهران مولٰی بنی کاهل قال شهدت کربلا مع الحسینؑ فرایت رجلًا یقاتل قتالًا شدیدًا۔لایحمل علٰی قوم الّا کشفهم ثم رجع اِلَی الحسین علیه السلام ویرتجز ویقول : ابشرهدیت الرُّشد تلقی احمدًا ؐ ۔ فی جنّة الفردوس تعلوا صعدًا ۔ فقلت مَن هذا ۔فقال ابوعمروالنهشلی وقیل الخثعمی ۔فاعترضه عامر بن نهشل احد بنی اللات من ثعلبة فقتله واجتزراسه وکان ابوعمر وهٰذا متجهّدا کثیر الصلٰوة۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 278)

اُنکی بابت لکھا ہے کہ مہران نے روایت کی ہے کہ میں کربلا میں امامؑ کے پاس حاضر تھا۔میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ بڑی خطرناک جنگ کرتا ہے۔اور جس طرف حملہ آور ہوتا ہے عمر سعد کی فوجیں سامنے سے بھاگتی اور میدان چھوڑتی چلی جاتی ہیں۔لڑائی کے دوران امامؑ کی خدمت میں واپس آیا اور اپنی جنگ پر داد اور سند طلب کرنے کیلئے یہ شعر پڑھا کہ: آپ مجھے اپنے نانا احمدؐ سے ملاقات کی خوشخبری سنائیں اور فرمائیں کہ تُو جنت میں بلند مرتبہ پانے والا ہے۔میں نے معلوم کیا تو بتایا گیا کہ یہ شخص ابوعمرو شبیب نہشلی یا خثعمی ہے۔ امامؑ سے کچھ سُنا ہوگا واپس آیا تو میدان جنگ میں ایک شخص عامر بن نھشل نے اُنہیں قتل کر کے سر کاٹ لیا۔یہ ابوعمرو تہجد گزار اور کثرت سے نمازیں پڑھنے والے تھے۔رخصت کے بعد جنگ نہ کی اور جلدی سے شہید ہو گئے۔

(39/60)۔ جناب ابوشعشاؒء یزید بن مہاجر کندی بھدلی کا تعارف اور شہادت

مومنین نے اٹھاون نمبر پر یزید بن زیاد کی شہادت ملاحظہ کی تھی۔اُن کے دادا کا نام شعشاء تھا۔چونکہ وہ بھی تیراندازی میں ماہر تھے اور اُن کے بھی پانچ تیر ٹھیک نشانے پر لگے تھے۔اور زیرِ قلم شہید بھی تیراندازی میں ماہر ہے۔اور اِن کے بھی پانچ تیر ٹھیک نشانے پر لگے ہیں۔اور اتفاق سے لفظ شعشا بھی دونوں کے تعارف میں آ گیا ہے۔اس لئے بعض علما نے اُن دونوں کو ایک ہی شخص سمجھا ہے۔اور یہ خیال نہیں کیا کہ اوّل الذکر (58) کا دادا شعشا ہے اور دوسرا خود ہی ابوشعشا ہے۔اور یہ کہ اوّل الذکر کے باپ کا نام زیاد ہے اور دوسرے

کے باپ کا نام مہاجر ہے۔بس پانچ تیر گن کر عقل ماری گئی۔بہرحال زیر قلم یزید بن مہاجر شیعان کوفہ کے بہادروں،عبادت گزاروں اورشرفا میں نام آور تھے۔جب حُر نے امامؑ کی راہ روکی اس سے پہلے یزید بن مہاجر امامؑ کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔جب کربلا میں ابن زیاد کا قاصد حُرؓ کے پاس آیا اور یہ حکم لایا کہ امامؑ کو حرکت کرنے سے روک دو۔تو یزید بن مہاجر نے اُس قاصد کو پہچان لیا۔اُس کا نام مالک بن نسر بدی تھا۔چونکہ وہ ہم قبیلہ یعنی کندی تھا اس لئے ابوشعشا نے اُسے ایسا خط لانے پر ملامت کی۔اس نے جواب دیا کہ بھائی میں نے تو اپنے امام کی اطاعت کی ہے۔ابوشعشا نے کہا کہ ٹھیک ہے تو نے اپنے امام یزید کی اطاعت کی مگر خدا کی نافرمانی اور گناہ کیا ہے۔اس لئے کہ اللہ نے بتادیا ہے کہ کچھ امام وہ ہیں جو باطل کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔لہٰذا تو نے ایک گمراہ اور گمراہ کرنے والے امام کی اطاعت کی اور اللہ کی مخالفت کر کے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا ہے۔

روز عاشورہ انہوں نے جنگ کی اجازت لی اور امامؑ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔پھر اپنی تیراندازی کا کمال پیش کیا۔ آٹھ میں سے پانچ تیر اُن اشخاص پر چلائے جن کا مرنا طے کیا ہوا تھا۔اور انہیں قتل کیا۔تین تیروں نے خطا کی۔اس کے بعد تلوار نکال کر دشمن کی فوج میں ڈوب گئے۔باقی تذکرہ علامہ سے سنیئے:۔وَخَرَجَ یزید بن مھاجر فقتل خمسة مِن اصحاب عمربالنشاب وصارمع الحسینؑ وھو یقول: انا یزید وابی المھاجر۔کاننی لیث بغیل حادر۔یاربِّ اِنّی للحسینؑ ناصر۔ولا بن سعد تارک مھاجر۔ وکان یکنی اباالشعشآء مِن بنی بھدلة من کندة۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 278)

''پھر جناب یزیدؓ بن مہاجر میدان میں نکلے۔عمر سعد کے مخصوص صحابہ میں سے پانچ کو تیروں سے قتل کیا اور پھر حسینؑ کے ساتھ چلے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ: میرا نام یزید ہے میرے والد مہاجر تھے۔میں جنگل کے شیروں سے زیادہ بہادر ہوں۔اے اللہ گواہ رہنا کہ میں حسینؑ کا مددگار ہوں۔اور ابن سعد کو ترک کرنے اور اُس کو چھوڑ کر ہجرت کرنے والا ہوں۔اور اُن کی کُنیت ابوشعشاء تھی۔فداکارانہ جنگ کی اور دین پر نثار ہو گئے۔

(39/61- 62)۔ حضرات سیفؑ بن حارث بن سریع و مالکؑ بن عبداللہ بن سریع

وفی البحار وتقدم سیف بن ابی الحارث بن سریع، ومالک بن عبد اللّٰہ بن سریع الجابریان بطن مِن ھمدان یقال لھم بنوا جابر امام الحسینؑ ثم التقیا فقال السلام علیک یاابن رسولؐ اللّٰہ۔ فقال علیکما السلام ثم قاتلا حتّٰی قُتِلَا۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 278)

یہ دونوں آپس میں چچازاد بھائی تھے۔مگر دونوں ایک ہی ماں سے تھے۔یعنی ایک بھائی کے انتقال کے بعد دوسرے بھائی نے اپنے بھائی کی بیوہ سے نکاح کر لیا تھا۔جن دنوں عمر سعد سے صلح کی گفتگو ہو رہی تھی۔دونوں بھائی کربلا میں نصرت کے لئے حاضر ہو گئے تھے۔روز عاشور دونوں بھائی اجازت کے لئے حاضر ہوئے سلام کیا۔امامؑ نے سلام کا جواب اور اجازت دی۔فداکارانہ اور عجلت پسندانہ جہاد کیا۔اور امام پر قربان ہو گئے۔

(39/63)۔ سویدؓ بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی آخری شہید

حضرت سوید بھی نہایت بوڑھے تھے۔اور آپ کو تمام صحابہ کے بعد

جنگ کی اجازت دی گئی تھی۔ آپ کے بعد اور کوئی صحابی و ناصر موجود نہ تھا۔ آپ کے بعد خاندان بنی ہاشم کے افراد کی جنگ وشہادت شروع ہوئی تھی۔

وفی الملهوف وتقدم سوید بن عمرو بن ابی المطاع وکان شریفًا کثیر الصّلٰوۃ فقاتل قتال الاسد الباسل وبالغ بالصبر علی الخطب النازل حتٰی سقط بین القتلی وقد اثخن بالجراح فلم یزل کذلک ولیس به حراک حتٰی سمعهم یقولون قُتِلَ الحسیْن فتحامل واخرج مِن خفه سِکّینا وجَعَلَ یقاتلهم بها حتی قُتِلَ رضوان اللّٰه علیه۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 276)

کتاب ملھوف میں لکھا ہے کہ پھر جناب سویدؓ بن عمرو اجازت کے لئے آگے بڑھے۔ آپ ایک شریف النسل اور کثیر الصلوٰۃ تھے۔ آپ نے ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح حملے جاری رکھے اور تلواروں کی بوچھاڑ پر کمال کا صبر دکھایا۔ یہاں تک کہ زخموں سے چُور چُور ہو کر زمین پر گر گئے اور انہیں دوسری لاشوں کے ساتھ مردہ سمجھا گیا۔ وہ مسلسل اس بے ہوشی کے عالم میں مُردوں کے اندر پڑے رہے۔ ہوش اُس وقت آیا جب چاروں طرف وہ لوگ امامؑ کے قتل ہو چکنے کا اعلان کر رہے تھے۔ آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے اسلحہ سے محروم ہو چکے تھے۔ اس لئے ایک چھُرا نکالا اور نزدیک ترین دشمنوں پر حملہ کیا اور اُس وقت تک وار کرتے رہے جب تک دوبارہ بے ہوش ہو کر زمین پر نہ گر گئے۔ اور امامؑ پر آخری قربانی نہ چڑھا دی۔ اللہ کی رحمتیں شامل رہیں۔

(39/64)۔ **بشیر بن عمرو بن الاحدوث الحضرمی علیہ السلام:** آپ کوفہ کے محلّہ بنی کندہ میں سکونت پذیر تھے۔ اسلئے لوگ انہیں قبیلہ کندہ کے فرد سمجھنے لگے تھے۔ اور ریکارڈ میں کہیں کہیں آپکو کندی بھی کہا گیا ہے۔ کربلا کے قیام میں انہیں اطلاع ملی کہ اُنکا بیٹا عمرو ملک رَے کی سرحد پر گرفتار ہو گیا ہے۔ امامؑ نے خاص طور پر رخصت عنایت فرمائی لیکن آپ بیٹے کو آزاد کرانے کیلئے نہیں گئے۔ وہ جانتے تھے کہ وہ اس طرح شہادت سے محروم رہ جائیں گے اور یہ محرومی انہیں کسی صورت منظور نہ تھی۔ چنانچہ نماز عصر سے کچھ پہلے محمد و آل محمد علیہم السلام پر قربان ہو گئے۔

(39/65-66-67)۔ **یزید بن ثبیط عبدی اور دو بیٹے؛ عبداللہ اور عبید اللہ بن یزید بن ثبیط عبدی علیہم السلام**

یہ تینوں باپ بیٹے بصرہ کے نامی گرامی شیعہ تھے۔ یزید بن ثبیط ابوالاسود دوَلی کے احباب میں سے تھے۔ بصرہ میں ابن زیاد کے حکم سے شیعوں کو نظر بند رکھا گیا تھا تا کہ وہ امام علیہ السلام کی نصرت کو نہ نکل سکیں۔ لیکن جب یزید بن ثبیط نے مصمم ارادہ کر لیا تو وہ اپنے دونوں بیٹوں سمیت بصرہ سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور اُن کی تقلید میں ایک ایک دو دو کر کے کئی ایک محبانِ اہلبیتؑ نصرتِ امامؑ کیلئے بصرہ سے نکل آئے۔ جب یہ حضرات ابطح کی منزل میں فروکش ہوئے تو معلوم ہوا کہ کچھ دُور امامؑ کے خیام ہیں۔ وہ سب امامؑ سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے تو معلوم ہوا کہ امام علیہ السلام خود اُن سے ملنے کے لئے تشریف لے جا چکے ہیں۔ چنانچہ اپنے ڈیرہ میں واپس آئے تو سرکارؑ سے ملاقات ہوئی۔ اور اس کے بعد امامؑ کے ساتھ ساتھ رہتے کربلا پہنچے اور کربلا میں پروگرام کے مطابق شہید ہوئے۔

(39/68-69)۔ **قعنب بن عمرو نمری اور حجاج بن زید سعدی تمیمی علیہما السلام**

بصرہ کے شیعوں میں سے تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے مسعود بن عمرو ازدی کو عراق کی روانگی کے متعلق اطلاع دی تھی۔

اُنہوں نے شیعان بصرہ کونصرت امامؑ پر متوجہ کرنے کے لئے تقریر کی اور امامؑ کی خدمت میں خط لکھا تھا۔اس خط کو قعنب اور حجاج لے کر کربلا میں آئے اور نصرت امامؑ میں شہید ہوئے۔

(39/70)۔ **عمر بن جندب حضرمی علیہ السلام:** آپ کوفہ کے باشندوں میں سے تھے۔ امیر المومنینؑ کے صحابی تھے۔جمل وصفین میں شانہ بشانہ جنگ میں شامل رہے۔ جب حکومت بنی امیہ نے شیعوں کا قتل عام کرنا شروع کیا اور بہت سے سرگرم شیعوں کو جناب حجرؑ بن عدی کے ساتھ گرفتار کیا گیا تو عمر بن جندب روپوش ہوگئے اور اُس دن تک پوشیدہ رہے جس دن زیاد حرام زادہ واصل جہنم ہوا۔ پھر برابر تحریک میں کام کرتے رہے۔حضرت مسلم علیہ السلام کی ماتحتی میں بھی خدمات انجام دیں۔اُن کی شہادت کے بعد مخفی طور پر کوفہ سے نکلے کربلا میں امامؑ کے ساتھ رہے اور شہید ہوئے۔

(39/71)۔ **سعد بن حارث علیہ السلام:** آپ کو حضرت علی اور امام حسن علیہم السلام کی خدمت کا شرف حاصل تھا۔امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ آئے۔ہمراہ رہے اور مکہ سے کربلا میں خدمات انجام دیتے ہوئے پہنچے۔ یہاں آ کر تمام مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کئے۔وقت آنے پر شہید ہوئے۔

(39/72)۔ **سلمان بن مضارب بن قیس البجلی علیہ السلام:** حضرت زہیر بن قین کے چچیرے بھائی تھے۔اور اُن ہی کے ساتھ حج کر کے وطن واپس آتے ہوئے امام علیہ السلام کا ساتھ جو ہوا تو پھر دامن نہ چھوڑا یہاں تک کہ امامؑ سے پہلے جنت میں پہنچے۔

(39/73)۔ **سالم بن عمرو بن عبداللہ علیہ السلام:** قبیلہ قضاعہ سے تھے۔کوفہ کے سرگرم شیعوں میں شمار ہوتے تھے۔حضرت مسلمؑ کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کی اور گرفتار کر لئے گئے۔لیکن جیل سے فرار کیا اور روپوش رہے۔ جب امام حسین علیہ السلام کے کربلا میں پہنچنے کی اطلاع ملی تو قبیلہ کلب کے کئی آدمیوں سمیت امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے درجہ شہادت حاصل کیا۔

(39/74)۔ **بکر بن حَیّ تیمی علیہ السلام:** ابن زیاد کی افواج میں شامل ہو کر کربلا پہنچے۔ جنگ شروع ہونے سے دو تین روز قبل خاموشی سے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں کے حالات اور مقاصد سمجھ لینے کے بعد واپس نہیں گئے اور نہایت جرأت وجسارت کا مظاہرہ کرتے رہے بار بار دشمن پر حملوں میں حصہ لیا اور جناب حُرؑ سے پہلے جام شہادت پیا۔ یہ اکثر مختلف قسم کی ڈیوٹیاں انجام دینے میں جناب عباس علمدار علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ پانی لانے اور پہرہ دینے اور لشکر کیلئے کھانا تیار کرنے میں مصروف رہا کرتے تھے۔

(39/75-76-77)۔ **کردوس، قاسط اور مقسط بن زہیر بن حارث تغلبیان علیہم السلام**

یہ تینوں بھائی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کے صحابہ میں سے ہیں۔تمام جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیتے رہے۔ جب امام حسن علیہ السلام کوفہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو یہ خاندان کوفہ ہی میں رہتا رہا۔حضرت مسلمؑ کے ساتھ حد بھر تعاون کیا۔اور شہادت کے بعد چھپ کر کوفہ سے کربلا پہنچے اور امام علیہ السلام پر قربان ہوگئے۔

(39/78)۔ **عمار بن ابی سلامه دالانی علیہ السلام:** حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ: ''عمار بن ابی سلامہ بن عبداللہ بن عمران بن راس بن دالان ہمدانی نے رسالت مآب کا زمانہ پایا تھا۔ جناب علیؑ مرتضیٰ کے ساتھ جمل وصفین ونہروان میں شریک رہے اور کربلا میں امام حسینؑ کے سامنے شہید ہوئے۔'' یہ بزرگ بھی مکہ سے ہمراہ آئے تھے۔

(39/79)۔ **عمار بن حسان طائی علیہ السلام:** عمار بن حسان بن شریح بن سعد بن حارثہ بن لام بن عمرو بن ظریف بن عمرو بن ثمامہ بن ذہل بن جذعان بن سعد بن طے۔ محمدؐ وآل محمدؐ کے فدا کار مشہور ومعروف شیعہ تھے۔ نسلی طور پر سخی وبہادر تھے۔ اُن کے والد حسان بن شریح امیر المومنین علیہ السلام کے مشہور صحابہ میں سے تھے۔ اور جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے۔ جناب عمار مکہ سے امامؑ کے ساتھ کربلا آئے اور روز عاشورہ اوّلین حملوں میں شہید ہوئے تھے۔

(39/80)۔ **جناب نصر بن ابی نیزر علیہما السلام:** ابونیزر نجاشی بادشاہ کے خاندان سے تھے۔ بچپن ہی سے خاندان رسالت میں آ گئے تھے۔ رسولؐ کی خدمت میں رہے۔ حضورؐ نے اُن کی تربیت وتعلیم اپنے ہاتھ میں رکھی۔ بعد وفات حضرت علیؑ کے ساتھ رہے۔ آپ کے باغوں کی دیکھ بھال اُن کے ذمہ تھی۔ اُن کے بیٹے نصر نے بچپن اور جوانی حضرت علیؑ اور امام حسنؑ کی خدمت میں گزاری۔ جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ چھوڑا تو برابر سفر وحضر میں ہمرکاب رہے۔ کربلا میں اپنی جان قربان کی۔

(39/81-82)۔ **مسعود بن حجاج تیمی اور اُن کے بیٹے عبدالرحمٰن بن مسعود علیہما السلام**

یہ دونوں حضرات بھی کوفہ کے باشندے اور مشہور شیعہ تھے۔ جب کوفہ میں پوری آبادی کو نظر بند کر دیا گیا تو ان دونوں نے امامؑ تک پہنچنے کے لئے ابن زیاد کی فوج میں داخلہ اختیار کر لیا اور سرکاری افواج کے ساتھ کربلا پہنچ گئے۔ اور یوں امامؑ کے حضور میں آئے اور مقبول بارگاہ امامت ہو کر امامؑ کے صحابہ میں شریک رہے اور عاشور کے دن درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(39/83)۔ **جناب نعیم بن عجلان انصاری علیہ السلام**

جناب نعیمؑ بن عجلان بن نعمان بن عامر بن زریق قبیلہ انصار کی خزرجی شاخ سے تھے۔ یہ پورا خاندان ہمیشہ آل محمدؐ کا مددگار رہا۔ جب حضرت علیؑ نے کوفہ کو اپنا دارالحکومت بنایا تو بہت سے خاندان کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ اور برابر وہاں رہ کر نصرتِ اسلام میں سردھڑ کی بازی لگاتے رہے۔ صاحبِ موصوف کے بڑے بھائی نعمان بن عجلاؒن بحرین پر حضرت علیؑ کے گورنر تھے۔ جناب نعیمؑ بن عجلان مکہ سے کربلا کے سفر کے دوران امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور برابر ساتھ ساتھ رہے اور اوّلین حملوں میں شہید ہوئے۔

(39/84-85)۔ **حلاس بن عمرو اور اُن کے بھائی نعمان بن عمرو ازدی علیہما السلام**

دونوں بھائی باشندگان کوفہ اور صحابہ امیرؑ المومنین سے تھے۔ جنگ صفین میں نصرت کی تھی۔ کوفہ میں نظر بندی سے بچنے اور کربلا پہنچنے کیلئے ابن زیاد کی فوج میں بھرتی ہو کر کامیاب ہوئے۔ جب افواج کے ساتھ میدان کربلا میں آئے تو امامؑ سے ملے۔ تمام حالات سُنا کر مقبول ہوئے۔ روز عاشور دونوں بھائی اوّلین حملوں میں جان توڑ کر لڑے اور جنت کو سدھارے۔

(39/86)۔ **جناب مسلم بن کثیر صدفی الازدی علیہ السلام:** آپ نے عہد رسالت مآب سے فیض پایا۔ حضرت علی علیہ السلام کے صحابہ میں داخل تھے۔ جمل جیسی جذباتی جنگ میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا۔ اُسی جنگ میں آپ کی ٹانگ میں تیر کا زخم آیا تھا۔ جس کی وجہ سے ایک ٹانگ ذرا کمزور ہوگئی تھی۔ کوفہ سے خفیہ طور پر نکلے اور کربلا میں پہنچ کر دین ودنیا میں سرخرو ہوگئے۔

(39/87)۔ **عمرو بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ تیمی علیہ السلام:** یہ ایک بہادر سپاہی تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام کی آمد تک کوفہ کے جمہور میں شامل تھے۔ اور قومی وحقیقی اسلام کا فرق نہ سمجھتے تھے۔ لیکن حسینیؑ انقلاب نے انہیں جھنجھوڑ کر جگایا۔ حضرت مسلمؑ کی آمد اور شہادت نے نورِ ایمان بخشا۔ ابن زیاد کی افواج میں مل کر کربلا آئے اور امامؑ پر قربان ہوگئے۔

(39/88)۔ **جناب عقبہ بن صلت جہنی علیہ السلام:** مکہ سے روانگی کے وقت اور دورانِ سفر بہت سے لوگ اسلئے امامؑ کے ساتھ شامل ہوگئے کہ آگے چل کر امامؑ کی قربت اور بڑے بڑے عہدے ملیں گے، دولت وعزت ملے گی۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے ساتھ موقعہ شناس لوگ اوّلین وسابقین میں شریک ہوگئے تھے۔ لیکن جب امام حسین علیہ السلام نے لوگوں کی اس بھیڑ کو برابر بڑھتے دیکھا تو منزل زبالہ پر آپ نے ایک تقریر کی، اپنا مقصد بیان فرمایا اور یقین دلایا کہ کربلا میں کوئی ناصر ومددگار زندہ نہ بچے گا۔ مع اُن کے سب قتل ہوجائیں گے۔ یہ وضاحت سُن کر تمام موقعہ پرست لوگ رفتہ رفتہ جدا ہوگئے۔ اور صرف وہ حضرات رہ گئے جنہوں نے یہ طے کرلیا کہ ہمیں جان دینا ہے اور امامؑ کے کسی معاملے میں دخل نہیں دینا ہے۔ ایسا فیصلہ کرنے والوں میں سے ایک خوش قسمت شخص جناب عقبہ بن صلت بھی تھے۔ جو جہینہ کے آوارہ گرد اور خانہ بدوش صحرانشینوں میں سے تھے۔ وہ پورے سفر میں ساتھ رہے اور ہر روز نہایت استقلال سے صبح کرتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح عاشور آگئی اور آپ امامؑ پر قربان ہونے والے اوّلین شہدا میں شریک ہوئے۔

(39/89)۔ **حضرت قارب علیہ السلام:** حضرت قارب بن عبداللہ بن اریقط لیثی دوئیلی۔ یہ خاندان رسالت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔ اور امام حسین علیہ السلام کے مخصوص خادموں میں سے تھے۔ جناب سکینہؑ کی مادرگرامی حضرت رباب علیہا السلام کی ایک خادمہ فکیہہ علیہا السلام تھیں جن سے عبداللہ بن اریقط کی شادی کی گئی تھی۔ اور اُن سے جناب قارب بن عبداللہ پیدا ہوئے تھے۔ یہ خانوادہ رسولؐ کی خدمت کرتے ہوئے جوان ہوئے اور اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور کربلا تک اہلبیتؑ کے ہر حال میں شریک رہے۔ اور اوّلین حملوں میں برابر دفاع کرتے کرتے جنت الفردوس کو روانہ ہوگئے۔

(39/90)۔ **جناب عبداللہ بن بشر بن ربیعہ خثعمی علیہ السلام**

کوفہ کے نامآور خاندانوں میں اِن کا خاندان سرفہرست تھا۔ کوفہ کا مشہور قلعہ نما احاطہ جو''جبانہ بن بشر'' کہلاتا ہے اِسی خاندان کی نشست گاہ تھی۔ امام حسینؑ کے کربلا پہنچنے کے حالات ومقاصد پر مطلع ہوئے تو ابن زیاد کی فوج میں مل کر کربلا آئے اور امامؑ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ روزانہ پند ونصائح سنتے رہے یہاں تک کہ دسویں محرم کو اوّلین شہدا میں شامل ہوگئے۔

(39/91)۔ **عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارجبی علیہ السلام** جس زمانہ میں کوفہ سے امام حسین علیہ السلام کو بلانے کے خطوط کی

اموی پالیسی زوروں پر تھی اور قومی حکومت امام حسینؑ کو کوفہ کی راہ میں گھیرنے کے انتظامات کر رہی تھی تو شیعوں کو بھی خطوط لکھنے پر اُکسایا گیا تھا۔ بہرحال اُس زمانہ میں کوفہ سے آنے والے خطوط اور وفود کے ساتھ جناب عبدالرحمٰن بن عبداللہ، قیس بن مسہر صیداوی اور عمارہ بن عبید سلولی آئے تھے۔ اور اُن ہی کی ہمراہی میں جناب مسلم علیہ السلام کو کوفہ روانہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد کوفہ میں ابن زیاد کے تسلط کے بعد سوال یہ تھا کہ امامؑ کو مکہ سے کوفہ آنے کی ممانعت کی جائے اور بتایا جائے کہ کوفہ آنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن؛ ابن زیاد کی نگرانی سے بچ کر نکلے اور امام حسین علیہ السلام کو راہ میں ملے اور پھر امامؑ کے اشاروں پر چلتے ہوئے کربلا پہنچے۔ یہاں کے تمام ابتدائی انتظامات میں پیش پیش رہے۔ خندق کی کھدائی اور اس میں ڈالی جانے والی لکڑیوں کا انتظام اُن ہی کے سپرد تھا۔ روز عاشورہ پہلے حملہ میں تیس انصار کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔

(39/92)۔ **جناب عامر بن مسلم عبدی بصری علیہ السلام:** یہ بصرہ کے قدیم باشندے اور اُن شیعوں میں سے تھے جو جناب ماریہ بنت منقد علیہا السلام کے مکان پر جمع ہو کر نصرت امام علیہ السلام کی اسکیم چلایا کرتے تھے۔ یہ بھی جناب یزید بن ثبیط (نمبر 65) کے ساتھ بصرے سے نکل کر منزل ابطح میں قدمبوس ہوئے اور انتظامات میں مندرجہ بالا عبدالرحمٰن (نمبر 91) کے دست راست تھے اور ساتھ شہید ہونے والوں میں سے ہیں۔ ان دونوں کی اولاد برابر تحریک تشیع میں سرگرم رہی۔ یہاں تک کہ قومی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا گیا۔ اور وہ تمام لوگ تہہ تیغ کر دیئے گئے جو یزید و معاویہ کی حکومت میں کلیدی مقام رکھتے تھے۔

(39/93)۔ **مجمع بن زیاد بن عمرو جہنی علیہ السلام:** یہ بھی جناب عقبہ بن صلت (نمبر 88) کے ساتھ منزل زبالہ کے لکچر کے بعد ثابت قدم رہے۔ اور دونوں ہم قبیلہ تھے۔ دونوں ہر کام میں ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔ انصاران حسین علیہ السلام میں سب سے زیادہ جذباتی تھے۔ بات بات پر تیغ بکف ہو جاتے تھے۔ اور سُستی و کاہلی کو ناپسند کرتے تھے۔ ہر وقت دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا بہانہ تلاش کرتے رہتے تھے۔ پہلے حملہ میں شہید ہوئے۔

(39/94)۔ **قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی علیہ السلام**

کوفہ کے نہایت جرأت مند شیعوں میں سے تھے۔ کوفہ کی نظر بندی اور فوجی نگرانی سے بچنے کے لئے ابن زیاد کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ چھٹی محرم کو کربلا پہنچے اور فوج سے نکل کر امامؑ کے انصار میں شامل ہو گئے۔ دن رات امامؑ کی اور انصاران امامؑ کی خدمت بجالاتے تھے۔ دسویں محرم کو تیسرے حملہ میں جام شہادت پیا۔

مندرجہ ذیل چھ حضرات بصرہ سے آنے والی دوسری پارٹی میں شامل تھے اور منزل نینوا میں امامؑ سے آ کر ملے تھے:

(95)۔ جناب حبابؓ بن عامر بن کعب تیمی

(96)۔ جناب منیعؓ بن زیاد بن عبداللہ خثعمی

(97)۔ جناب عمرانؓ بن کعب بن حارث اشجعی

(98)۔ زہیرؑ بن بشر خثعمی ؛اور

(99)۔ حنظلہ بن عمر شیبانی ؛اور

(100)۔ حباب بن حارث طائی علیھم السلام

(39/101)۔ **رافع بن عبداللہ علیہ السلام:** آپ مسلمؑ بن کثیر ازدی (نمبر 86) کے غلام تھے۔اور اُن ہی کے ساتھ کوفہ سے چھپ کر نکلے اور کربلا میں دشمنان اسلام کے مقابلہ پر جم کر امام علیہ السلام کی نصرت کی اور بعد ظہر والے اُن شہدا میں شامل ہوئے جنہیں جلدی جلدی جام شہادت پینے کی تاکید کی گئی تھی تاکہ عصر کے وقت تک پروگرام مکمل کیا جاسکے۔

(39/102)۔ **یزید بن مغفل جعفی علیہ السلام**

آپ حضرت علی علیہ السلام کے سربرآوردہ صحابہ اور سپہ سالاروں میں سے تھے۔مکہ معظّمہ سے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملحق ہوئے۔کربلا تک اہلبیتؑ کے آرام وآسائش کا انتظام اُن کے ذمہ تھا۔ہر منزل پر سامان رسد اور ضروری اشیاء کی خرید کرتے تھے۔کربلا میں بھی منتظم کی حیثیت برقرار رہی لیکن جب انصاران حسینؑ کی تعداد قریب الختم تھی تو امامؑ نے بڑی مشکل سے جنگ کی اجازت دی۔سینکڑوں دشمنوں کو فی النار کر کے جنت کی سند حاصل کی۔آپ کی لاش پر اہل حرمؑ نے نوحہ کیا تھا۔

(39/103-104)۔ **زیاد بن عریب ہمدانی علیہ السلام اور ان کے بیٹے عامر علیہ السلام**

کنیت ابو عامر تھی۔آپ کے والد عریب صحابی رسولؐ تھے۔اس لئے پورا خاندان بڑا پاکباز اور عبادت گزار تھا۔آپ اپنے بیٹے عامر کے ساتھ حج کے لئے مکہ آئے۔وہاں امامؑ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔حالاتِ حاضرہ اور تقاضائے وقت امامؑ سے سن سن کر یہ فیصلہ کرلیا کہ اب ایک لمحہ کے لئے امامؑ کو غیر محفوظ نہ چھوڑوں گا۔چنانچہ اپنے فرزند سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور چاہا کہ عامر واپس بصرہ پلٹ جائے۔لیکن حضرت عامر تو خود یہ طے کر چکے تھے کہ والد صاحب ضعیف ہیں اُنہیں گھر روانہ کر کے میں امامؑ کے ساتھ سفر کروں گا۔بہر حال دونوں امام علیہ السلام کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہے۔رات کو باری باری جاگتے اور امام اور اہل حرم علیھم السلام کا پہرہ دیتے تھے۔سفر کی منزلوں میں اور پھر کربلا کے قیام میں یہی عملدرآمد جاری رکھا۔امامؑ کو دونوں اس قدر محبوب تھے کہ بار بار اجازت مانگتے مگر اجازت نہ دی جاتی۔آخر آخری شہدا کی صف میں شمار ہوئے۔شدید جنگ کی سینکڑوں شامیوں کو واصل جہنم کیا اور السلام علیک یا ابا عبداللہ کہتے ہوئے شہید ہو گئے۔

(39/105)۔ **کنانہ بن عتیق تغلبی علیہ السلام**

آپ عابد و زاہد اور حافظ قرآن تھے۔کوفہ کے باشندوں میں سے ایک بہادر انسان تھے۔حضرت علی علیہ السلام کی صحبت پائی تھی۔جب جناب مسلم علیہ السلام کوفہ میں آئے تو کنانہ نواح کوفہ میں اپنے باغات اور کھیتوں پر گئے ہوئے تھے۔واپس اُس روز آئے جس دن ابن زیاد نے شہر میں داخلہ پر پابندی عائد کر دی تھی۔آپ نے تمام حالات سے مطلع ہو کر کربلا کی راہ لی اور جنگ شروع ہونے

سے پہلے ہی امام علیہ السلام کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور روز عاشور پہلے حملہ میں شہید ہو گئے۔

(39/106)۔ **عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری الخزرجی علیہ السلام**

آپ صحابہ رسولؐ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام سے علوم اسلام حاصل کئے تھے۔ آپ نے مکہ میں امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور اسکے بعد آپکے ساتھ ساتھ کربلا آئے۔ ہمیشہ اس کوشش میں رہا کرتے تھے کہ امامؑ کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ یہاں تک کہ امامؑ ضروریات سے فارغ ہونے کو جاتے تو آپ خیمہ کے دروازہ پر کھڑے رہتے تھے۔ کربلا میں پہنچنے کے بعد انصاران حسینؑ میں وعظ و نصیحت کی ذمہ داری پوری کرتے تھے۔ روز عاشورہ اوّلین شہدا کے ساتھ شامل رہے۔

(39/107)۔ **ضرغامہ بن مالک تغلبی علیہ السلام:** شیعان کوفہ میں ممتاز تھے۔ اہلبیتؑ کے فدا کاروں میں مشہور تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام تشریف لائے تو اُن سے بیعت کی، جنگ میں شریک ہوئے۔ شکست کے بعد رُوپوش ہو گئے۔ اور موقعہ ملنے پر یزیدی افواج کے ساتھ کربلا پہنچے۔ امامؑ سے ملے اور روز عاشورہ اوّلین حملوں میں شہید ہوئے۔

(39/108)۔ **سیف بن مالک عبدی بصری علیہ السلام:** شیعان بصرہ میں ذمہ دار پوزیشن رکھتے تھے۔ اور روزانہ حضرت ماریہؒ بنت منقذ کے مکان پر شیعوں کے اجتماع میں شرکت فرماتے تھے۔ اور جب یزید بن ثبیط (نمبر 65) نے بصرہ چھوڑا تو اُن کے ساتھ ہی سفر کیا اور مقام ابطح میں امامؑ سے آکر ملے اور پہلے ہی حملہ میں اپنے بصری ساتھیوں کے ساتھ جنگ کو نکلے اور برابر ہر حملہ میں شریک ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ امامؑ کو خوش کر دیا اور آخر اپنی زندگی نچھاور کر دی۔

(39/109)۔ **جناب سلیم بن عبداللہ علیہ السلام:** آپ یمن کے رہنے والے تھے۔ امام حسن علیہ السلام نے ایک یہودی سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ لیکن وہ ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہے۔ اور جب معاویہ سے صلح کے بعد آپؑ نے مدینہ کو مراجعت کی تب بھی جناب سلیم ہمراہ آئے۔ اور انتقالِ حسنؑ کے بعد امام حسین علیہ السلام کی صحبت و خدمت میں رہتے رہے۔ مدینہ سے کربلا تک کے سفر میں ہمراہ تھے۔ روز عاشورہ شہید ہو کر جنت میں بھی ہمراہ رہنے کا انتظام کر لیا۔

(39/110)۔ **جناب سالم علیہ السلام:** آپ حضرت عامر بن مسلم العبدی (نمبر 92) کے غلام تھے۔ اور اپنے آقا کے ساتھ بصرہ سے اسی پہلی پارٹی میں آئے تھے۔ جو یزید بن ثبیط (نمبر 65) کی راہنمائی میں امام علیہ السلام سے مقام ابطح میں آکر ملی تھی۔ اُن کے ساتھ ہی جناب سالم تمام اوّلین حملوں میں شریک ہوئے تھے۔

(39/111)۔ **عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی علیہ السلام**

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ موقعہ پرستوں کا ہجوم برابر بڑھتا ہی چلا گیا اور جب امام کا قافلہ میاہ جھنیہ (جھنیہ قبیلے کے کنوؤں) پر پہنچا تو جھنیہ قبیلے کے بہت سے بھولے بھالے لوگ بھی ساتھ ہو گئے۔ بالآخر حضرت مسلم علیہ السلام کے شہید ہو جانے کی اطلاع کے بعد امامؑ نے منزل زبالہ پر اپنا فیصلہ سنایا کہ میں حصول اقتدار کیلئے نہیں بلکہ وعدہ شہادت پورا کرنے جا رہا ہوں

اور میرے ساتھ میرے تمام انصار کو قتل ہونا ہے۔ تو سب مغالطہ دُور ہو گیا اور صرف وہی مومنین باقی رہ گئے جو اسلام اور سربراہِ اسلام پر قربان ہو جانا چاہتے تھے۔ چنانچہ جناب عباد بن مہاجر بھی اُن حضرات میں شامل رہے جن پر تمام باضمیر انسان اپنا سلام بھیجتے رہیں گے اور جوامت مسلمہ کی نجات کی ذمہ داری لینے والے ہیں۔ چنانچہ آپ اوّلین شہدائے کربلا میں سے ہیں۔

(39/112)۔ **سوار بن ابی عمیر نھمی علیہ السلام**: سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نہم الھمد انی کربلا میں ورود کے بعد امامؑ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ راویان حدیث میں شمار تھے۔ اُن کی موجودگی میں عمر سعد سے صلح اور اتمام حجت کی گفتگو ہوتی تھی۔ جب دسویں محرم کو عمر سعد نے اپنا پہلا فیصلہ کن حملہ کیا تو جناب سوار اس حملہ کو پسپا کرنے والے انصار کے ساتھ دشمن کی افواج پر حملہ آور ہوئے یہ حملہ پسپا کر دیا گیا۔ اس میں دُشمن کے ہزاروں بہادر واصل جہنم ہوئے۔ جب مقتولوں کا حساب لگایا گیا تو سپاہ حسینؑ کے سو سوار قتل ہو چکے تھے۔ اس حملہ میں جناب سوار بن ابی عمیر بھی تھے۔ لیکن اُنہیں دشمن کی فوج نے زندہ دیکھ کر گرفتار کر لیا۔ اور عمر سعد کے سامنے پیش کیا۔ تو اُن کے قبیلے کے لوگوں نے دباؤ ڈال کر اُن کو رہا کرا لیا۔ مگر وہ زخموں سے جان بر نہ ہو سکے۔ اور چند روز بعد انتقال فرما گئے۔ اور رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اسی حملہ کو کتابوں میں **حملہ اولیٰ** کہا گیا ہے۔ اس حملہ میں فوجیں اس طرح گڈ مڈ ہو گئی تھیں اور انصار ان حسینؑ جنگ کرتے ہوئے دُور دُور نکل گئے تھے کہ اپنے پرائے کی شناخت ناممکن ہو گئی تھی۔ جب یزیدی افواج میدان چھوڑ کر بھاگ گئیں تو جس قدر انصار کی شناخت ہو سکی اُن کے لاشے گنج شہیداں میں لائے گئے اور ساٹھ ستر انصار کا پتہ نہ چل سکا۔ لہٰذا وہ تعداد جو ریکارڈ میں آئی ہے اُس میں کم از کم ساٹھ مزید نام شامل ہونا چاہئیں۔ مگر اب یہ سب کچھ ناممکن ہے۔

(39/113)۔ **حبشہ بن قیس نہمی علیہ السلام**: آپ کے متعلق حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حبشہ بن قیس بن سلمۃ بن طریف بن ابان بن سلمۃ بن حارثہ ہمدانی نہمی کے دادا سلمہ بن طریف صحابہ رسولؐ میں شامل تھے۔ اور خود حبشہ بن قیس بھی راوی حدیث تھے۔ روز عاشورہ حسین بن علی علیہما السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔

(39/114)۔ **حارث بن نبہان علیہ السلام**: حارث کے والد نبھان جناب حمزہ بن عبدالمطلب علیہما السلام کے خادم تھے۔ اور نہایت بہادر اور شہسوار تھے۔ امیر حمزہؓ کی شہادت کے بعد انتقال فرمایا۔ جناب حارث نے حضرت علی علیہ السلام کی صحبت و خدمت اختیار کر لی۔ اُن کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ساتھ رہے۔ جب امامؑ نے مدینہ چھوڑا تو جناب حارث ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کربلا میں وارد ہوئے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(39/115)۔ **زاھر بن عمرو اسلمی کندی علیہ السلام**: صحابہ رسولؐ میں مخصوص درجہ رکھتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے۔ جنگ خیبر کے مجاہد تھے۔ نہایت شجاع اور بے خوف انسان تھے۔ محبت و مودۃ اہلبیتؑ میں ممتاز تھے۔ جب زیاد حرامزادے نے شیعوں پر مظالم شروع کئے اور عمرو بن الحمق خزاعی نے زیاد کے خلاف محاذ بنایا تو جناب زاھر بن عمرو اُن کے دست راست تھے۔ جب معاویہ نے عمرو کی گرفتاری کا فرمان جاری کیا تو جناب زاھر بھی گرفتاری سے بچنے کے لئے رُوپوش ہو گئے۔ یہاں تک کہ زیاد واصل جہنم ہو گیا۔ 60

ہجری کے حج پر آئے ہوئے تھے کہ امامؑ سے ملاقات ہوگئی اور یہیں سے قسمت نے اس مقام کی طرف بلند کرنا شروع کیا جو انسانی ترقی کا منتہائے کمال ہے۔ آپ امامؑ کے ساتھ ہو لئے اور کربلا کے سفر میں انقلاب زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کربلا میں آنے تک یہ بات درجہ یقین تک پہنچ گئی کہ آج مومن صرف وہی شخص ہے جو امامؑ کی نصرت میں جان و مال سے دریغ نہ کرے۔ بہر حال آپ پہلے حملہ میں شہید ہوئے اور شہدا کی پہلی صف میں جگہ پائی۔

(39/116)۔ **زھیر بن سلیم بن عمرو ازدی علیہ السلام**

آپ باقاعدہ شامی فوج کے شہسوار تھے اور اپنے خیال میں کسی باغی خارجی کے خلاف فوج کشی میں حکومت کی طرف سے جہاد کے ارادے سے آئے تھے۔ مگر تین چار روز میں تمام فریب کھل گیا۔ جنگ خارجی سے نہیں خود رسولؐ اللہ سے، علی و بتول و حسن علیہم السلام سے جنگ تھی۔ صلح کی گفتگو سے ذرا سی اُمید بندھی تھی جو ابن زیاد کے خط سے ٹوٹ گئی۔ لہٰذا شب عاشور نویں محرم کو دشمن کی فوج سے نکلے امامؑ کے سامنے خود کو پیش کیا۔ اگلے روز جام شہادت نوش کر کے ابدی زندگی اور اہلبیتؑ کی قربت حاصل کر لی۔

(39/117)۔ **حجاج بن زید سعدی تیمی علیہ السلام**: آپ بصرہ کے قدیم باشندوں میں سے تھے۔ امامؑ نے مکہ سے روانہ ہوتے وقت بصرہ کے چند رؤسا کو خطوط سے اطلاع دی تھی۔ وہاں سے مسعود بن عمرو ازدی نے جواب میں لکھا تھا کہ میں نے آپ کی نصرت کے لئے مومنین کو مطلع کر دیا ہے۔ یہ خط اُنہوں نے جناب حجاج بن زید کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ خط لے کر امامؑ کی خدمت میں آئے اور انصاران سید الشھد اعلیہ السلام میں شریک رہ کر ہمیشہ کی زندگی اور محمدؐ و آل محمدؐ کی قربت حاصل کر لی۔

(39/118)۔ **ادھم بن امیہ عبدی بصری علیہ السلام**: بصرہ کے شیعہ مرکز کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ جناب ادھم بھی اُس سے متعلق تھے۔ اور روزانہ حضرت ماریہ بنت منقذ علیہا السلام کے مکان پر اجتماع میں شریک ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ جب بصرہ سے پہلی پارٹی روانہ ہوئی تو جناب یزید بن ثبیطؑ کے ساتھ جناب ادھمؑ بھی روانہ ہوئے اور مقام ابطح پر آ کر امامؑ کے انصار میں شمار ہو گئے تھے۔ اور دسویں محرم کے اوّلین حملوں میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔

(39/119)۔ **جناب حارث بن امراء القیس بن عابس کندی علیہ السلام**: یہ بھی قومی قسم کے مسلمان تھے۔ اور ملکی حکومت کی طرفداری میں بہت سے جنگوں میں نبرد آزمائی کر چکے تھے۔ چنانچہ یہ بھی کسی اسلام سے باغی خارجی سے جہاد کرنے کی نیت سے نکلے تھے۔ ابن زیاد کی افواج میں سردار تھے۔ مگر کربلا میں وہ تمام فریب کھل گیا جو پچاس سال سے پبلک کو دیا جا تا رہا تھا۔ خلافت و امامت کی حقیقی صورت سامنے آ گئی تھی۔ گفتگوئے صلح کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی یہ یقین ہو گا کہ اب جنگ ضرور ہوگی۔ اور امامؑ اسلام پر اپنی اور اولا درسوّل و انصاران اہلبیتؑ کی جان نثار کر کے رہیں گے۔ آپ نہایت خاموشی سے انصاران حسینؑ میں آ کر شامل ہو گئے۔ دنیا و مافیھا کو امامؑ زمانہ کے سپرد کر کے عاشور کے روز اوّلین حملوں میں شہید ہو گئے۔

(39/120)۔ **جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ علیہ السلام**: یہ بھی اُن ہی لوگوں میں سے تھے جو معرفت دین و امامت سے

عاری تھے۔ چنانچہ میدان کربلا میں ابن زیاد کے افواج کے ساتھ آئے یہاں آ کر سپاہ شام میں پھیلی ہوئی خبریں سُنیں۔ تحقیق حال شروع کی تو معلوم ہوا کہ جنگ نواسۂ رسولؐ اور فرزند علیؑ و بتولؑ سے ہے تو اپنے احباب کو نصرت امامؑ کے لئے تیار کیا اور گفتگوئے صلح کے نتیجہ تک یزیدی فوج میں ٹھہرے رہے۔ لیکن نویں محرم کی تیراندازی اور اعلان جنگ کے بعد شب عاشور میں بہت سے دوستوں سمیت فوج سے نکلے اور امامؑ کے آگے معذرت کے طالب ہوئے امامؑ نے خوش ہو کر دعائیں دیں۔ صبح عاشور مع اپنے احباب کے جہاد کیا اور حملہ اولیٰ میں سب شہید ہو گئے اور جس طرح دوسرے بہت سے انصار کے نام نہ معلوم ہوئے تھے اُسی طرح اُن کے بیسیوں ساتھی بھی ہمیں نام و پتہ سے محروم کر گئے۔

(39/121)۔ **جبلہ بن علی شیبانی علیہ السلام:** آپ کوفہ کے قدیم باشندے تھے۔ جنگ صفین میں اپنی شجاعت اور ایمان کی دھاک بٹھا چکے تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام کی آمد پر ابتدا سے انتہا تک تمام خدمات میں پیش پیش رہے۔ نصرت میں جنگ کی لیکن ناکامی کے بعد روپوش ہو گئے۔ ابن زیاد کی پولیس اور جاسوسوں کے ہاتھ نہ آئے۔ چھپتے چھپتے مکہ کی راہ پر روانہ ہوئے تاکہ جہاں امامؑ ملیں اُن کا دامن تھام لیں۔ چنانچہ اُن کو خبر ملی کہ امامؑ راستہ بدل کر کربلا کی طرف جارہے ہیں۔ یوں تلاش کرتے ہوئے کربلا پہنچے۔ کوفہ کی تمام سرگزشت امامؑ کو سنائی اور انصاران حسین علیہ السلام میں شامل رہ کر دسویں محرم کو حملہ اولیٰ میں شہید ہو گئے۔

(39/122)۔ **امیہ بن سعد بن زید طائی علیہ السلام:** آپ بھی علی مرتضٰی علیہ السلام کے صحابہ میں بڑے جنگ آزما بہادر تھے۔ جنگ صفین سے جنگوں میں برابر شریک رہے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی تاکہ خانوادہ نبوّت کی توجہ حاصل رہے۔ ہر وقت ہر خدمت کے لئے کمربستہ رہتے تھے۔ حضرت مسلم علیہ السلام کے ساتھ تمام مصائب میں شریک رہے۔ ناکامی کے بعد اُن دنوں کربلا پہنچے جب امامؑ اتمام حجت کی بات کر رہے تھے۔ آخر روز عاشورہ شہید ہو کر رسولؐ اللہ کی خدمت میں جا پہنچے۔

(39/123)۔ **جابر بن حجاج تیمی علیہ السلام:** آپ بھی کوفہ کے باشندے اور جنگ آزمودہ شیعہ تھے۔ جناب مسلم علیہ السلام کے رفقائے کار میں شامل رہے۔ حالات کے پلٹا کھا جانے کے بعد وہ بھی دشمنوں کی گرفت سے بچنے اور کربلا پہنچنے کے لئے روپوش ہو گئے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ امامؑ کربلا میں پہنچ چکے ہیں تو ابن زیاد کی افواج کے ساتھ ساتھ کربلا میں آئے اور خاموشی سے خدمت امامؑ میں باریاب ہو گئے۔ یہ بھی حملہ اولیٰ کے شہدا میں سے ہیں۔

(39/124)۔ **منجح بن سہم علیہ السلام:** منجح کے والد گرامی امام حسین علیہ السلام کے خادم تھے۔ آپ نے اُن کی شادی ایک خاتون حسینیہ نامی سے کی تھی جو پہلے نوفل بن حارث کی کنیز تھیں اور اُن سے امامؑ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ اُسی حسینیہ سے منجح پیدا ہوئے تھے۔ دونوں ماں بیٹے امامؑ زین العابدین کے ساتھ رہتے تھے۔ مدینہ سے سفر ہوا تو کربلا تک ساتھ آئے اور خانوادہ رسولؐ کے ساتھ ہر مصیبت میں شریک رہے اور جیسے ہی جنگ شروع ہوئی جناب منجح نے اذن جہاد کی درخواست کی اور اجازت لینے میں کامیاب ہوئے اور پہلے حملہ میں جان نثار کر دی۔

(39/125)۔ **جنادہ بن حارث سلمانی علیہ السلام:** آپ کوفہ کے قدیم باشندہ تھے۔قبیلہ مراد و مذحج کی شاخ سلمان کے رؤسا میں سے تھے۔عہد رسولؐ میں ہوش سنبھالا تو علی مُرتضٰی علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔جنگ صفین میں اپنی جنگی مہارت کی دھوم مچادی تھی۔حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسن اور پھر امام حسین علیہما السلام سے والہانہ وابستگی برقرار تھی کہ حسینیؑ انقلاب شروع ہوا۔حضرت مسلم علیہ السلام کی آمد اور شہادت کے دوران ہر ممکن فریضہ ادا کیا۔بگڑے ہوئے حالات میں بھی ہمت نہ ہاری۔روپوش ہو کر ابن زیاد کے چنگل سے نکل گئے اور امام حسین علیہ السلام سے کربلا کے قریب جا کر ملاقات کی اور روز عاشور تک کارہائے نمایاں انجام دیئے۔جنگ شروع ہوئی تو اوّلیں حملوں میں دشمن کے سینکڑوں فوجیوں کو قتل کیا اور مقام شہادت پر فائز ہوئے۔

(39/126)۔ **جندب بن حجیر کندی علیہ السلام:** آپ بھی کوفہ کے قدیم باشندوں اور سربرآوردہ شیعوں میں سے تھے۔امیرؑ المؤمنین کے مخصوص صحابہ میں شمار تھے۔جنگ صفین میں کئی رسالوں کے سردار رہے تھے۔حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام سے وابستہ رہے۔جناب مسلمؑ کی آمد سے قبل آپ کوفہ سے روانہ ہو کر اپنے کاروباری انتظام کے لئے قادسیہ جاچکے تھے۔جب حصین بن نمیر نے قادسیہ پر پڑاؤ ڈالا تو چونکے اور جلدی جلدی سفر کا انتظام کیا اور منزل بطن عقیق پر امامؑ کی خدمت میں پہنچ گئے۔وہاں سے کربلا تک اور روز عاشور کی صبح تک آپ نے تمام متعلقہ فرائض کو بڑی تندہی اور جذبہ محبت سے انجام دیا۔جنگ کے آغاز میں دست بستہ اجازت طلب کی اور اوّلین حملوں میں سینکڑوں دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔

(39/127)۔ **اسحاق بن مالک اشتر علیہ السلام**

حضرت مالک اشتر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور محمدؐ و آل محمدؐ سے محبت و مودۃ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تمام جنگوں میں شریک رہے۔اُن کے ایک فرزند ابراہیم بن مالک اشتر نے آگے چل کر حکومت یزید کے مقابلہ میں محاذ بنایا تھا۔دوسرے بیٹے اسحاق علیہ السلام ہیں۔اُن کی کارکردگی اور کربلا میں فداکاری پر چند جملے ملاحظہ ہوں:۔

فَبَرَزَا الیھم شیخ یقال له اسحاق بن مالک الاشتر اخو ابراهیم بن مالک الاشتر۔ وجعل یقصد اصحاب الرایات ویطعن فی صدورهم حتّٰی قتل منهم جماعة فوقف یستریح فحرّصه اصحاب الحسینؑ عَلَی الجهاد وشوّقه اِلَی الجَنّات۔ فحمل عَلَی القوم واباد الفرسان وقتل الشجعان حتّٰی قتل مِن القوم ازهی علٰی خمس مائة فارس وقُتِلَ رحمة اللّٰه علیه۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 261)

’’پھر دشمن کی افواج پر ابراہیم بن مالک اشتر کے بھائی حضرت اسحاق بن مالک اشتر حملہ آور ہوئے اور زیادہ تر اُن لوگوں پر حملہ کرتے تھے جو فوجی پرچم لئے ہوئے ہوتے تھے تاکہ پرچم گرتے ہی فوج فرار کرے اور وہ بے تحاشہ قتل عام کریں۔چنانچہ وہ دشمن کے سپاہیوں اور سرداروں کے سینے نیزہ سے چھلنی کرتے رہے۔فوج سامنے سے ہٹی تو ذرا سانس لینے اور حملہ کا رخ جانچنے کیلئے رک گئے۔اتنے میں انصاران حسینؑ نے داد دینا اور ہمت افزائی کرنا اور جنت کا شوق دلانا شروع کیا۔لہٰذا پھر حملہ آور ہوئے اور افواج کا نام ونشان مٹاتے بہادروں کو تہہ تیغ کرتے چلے گئے یہاں تک کہ اُن میں سے پانچ سو سے زیادہ سواروں کو واصل جہنم کیا۔اور آخر زخموں سے نڈھال ہو گئے اور امامؑ پر اپنی جان قربان کردی۔اللہ کی رحمت اُن پر نازل ہوتی رہے۔

(39/128)۔ **حریز بن عبد اللہ علیہ السلام**

اِن کو علما نے جناب ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا غلام اور ایسا نوجوان لکھا ہے کہ ابھی نابالغ تھے۔ چنانچہ سنئے ارشاد ہے کہ:۔

وخَـرَجَ بعده غلام امرد لابی ذ رالغفاری یقال له حرز ۔ فحمل عَلَی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل مِن القوم ثلثما ئة مبازر و استشهد امام الحسینؑ ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 263)

اور اُن کے بعد (یعنی ہلال بن نافع کے بعد) حضرت ابوذر غفاری کا ایک نابالغ لڑکا (غلام) میدان میں نکلا جسے حرز کہا جاتا تھا۔اس نے اسلام کی دُشمن قوم پر تابڑتوڑ حملے جاری رکھے یہاں تک کہ اُن میں سے تین سو فوجیوں کو قتل کر کے رکھ دیا۔اور امام حسین علیہ السلام پر قربان ہو کر شہید ہو گئے۔(ممکن ہے کہ یہ غفاری خاندان ہی کا نوجوان ہو)

(39/129)۔ **عمیر بن مطاع الجعفی علیہ السلام**

اِن کے برادرِ بزرگ جناب عمر بن مطاع بھی (نمبر 42) کربلا کے شہدا میں داخل ہیں مندرجہ بالا شہید (حریز) کے بعد آپ کو امامؑ سے اجازت ملی چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

ثُـمَّ بَرَزَ مِنْ بعده عمیر بن مطاع وحمل عَلَی القوم وهویقول: انا عمیر و ابی مطاع ۔وفی یمینی مُرهف قطّاع ۔کَاَنَّهٗ فی ضوئه شعاع ۔ادنوا فقدطاب لنا القراع۔ دون الحسینؑ الموت والنزاع ۔ فذاک وَاِلیه الفتٰی المطاع ۔قال ثم حمل عَلَی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل من القوم خمسین فارسًا ۔ثُمَّ استشهد اَمَامَ الحسین علیه السلام۔ (اکسیر صفحہ 263)

ابوذر غفاری کے غلام کے بعد عمیر بن مطاع میدان میں نکلے اور یہ کہتے ہوئے دشمنوں پر حملہ کر دیا کہ میں عمیر ہوں میرا باپ مطاع ہے۔اور میرے داہنے ہاتھ میں کاٹ کاٹ کر جدا کرنے والی تلوار ہے۔اور معلوم ہوتا ہے کہ اس تلوار کی چمک دمک میں شعاعیں خارج ہوتی ہیں۔ذرا میرے سامنے قریب آجاؤ کہ ہمیں لوگوں کو زدوکوب کرنا بہت پسند آتا ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ امام حسینؑ کی خاطر موت کو اپنے اوپر لے لیں۔اور یہی مطاع کے پروردہ نوجوانوں کا شیوہ ہونا چاہیئے۔مسلسل حملوں پر حملہ جاری رکھا یہاں تک کہ یزیدی فوج کے پچاس سواروں کو قتل کر کے امام حسین علیہ السلام پر نثار ہو گئے۔

(39/130)۔ **حضرت عمر ابن الکلبی علیہ السلام:** ثُـمَّ اَنَّ عمر ابن الکلبی قال یا بن بنت رسولؐ اللّٰه اَتَاذن لی بالخروج الیهم وکان رجلًا طَوِیلًا شدید الساعدین بعیدًا مابین المنکبین ۔فقال له الحسین علیه السلام اخرج اِن شئتَ وکان یحسبه مِن الاقران فبرز ۔وامرابن سعداَن یبرز له فارسان مِن عسکر ہ لماراہ فبرزالَیه وقالا له مَنْ اَنْتَ ؟ فانتسب الیهما ۔ فقالا له ،مانعرفکَ فلیخرج الینازهیر بن القین اَوْحبیب بن مظاهر اَوْیزید بن الحصین اَوْبشارة بن مقبل اَوْقدامة بن مسلم ۔فقال لهما الکلبی یاویلکم لایخرج لحربکم احدالّا وهو کُفُوٌ لکم فشدّاعلیه فنودی احفظک نفسک منهما ۔ ثم حمل علیهما فقطع واحدًا مِنهما وضرب الاخر علٰی هامته فَفَلَقَها واقبل یجول علٰی القوم ویصول وهویقول: اِن تنکرونی فانا ابن الکلبی ۔عبل الذواعین شدید الضرب۔ اضربکم ضربًا بجدّ العضب۔ ولست بخوّاف عند الحرب۔ فلااملّ عند وقع الضرب۔ اکشف عن مَوْلَایَ کل الکرب۔ اِنّی غلام مومن بربّی ۔ حسبی الٰهی وبهذا حسب ۔ قال ابومخنف وکانت امرئته مع النساء فلمّا نظرت اِلیه وهوبینهم

يجول اخذت عمودًا من حديد واقبلت لزوجها تساعده فقالت دونک هٰؤُ لاء الملاعين وانا مِن ورآء ک فحملت بالعمود على القوم فاقبل اليها لِيردّها فبقيت تجاز به فقالت واللّٰه لااعود حتّى اموت معک فقال لهاالحسينؑ جَزَيُتُمُ من اهلبيتؑ خيرا؛ارجعى يرحمکِ اللّٰه فانصرفت اِلَى النسآء وقاتل الكلبى قتا لًا شديدًا ۔ثُمَّ برز اليه رجلان آخران مِن اصحاب الشمر فقتلهما وحمل عليه رجلان آخران بكير بن خضير وهانى بن الحضرمى فتلاهُ رحمة اللّٰه عليه ۔ فخرجت زوجته اليه وجلست عندراسه تمسح التراب عن عينيه وهى تقول هنيًا لک بالجنّة فقال الشمر لغلامه رستم اضرب راسها بالعمود يارستم فضربها فماتت عندزوجها۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات ۔ صفحہ 264-263)

پھرعمرابن کلبی نے عرض کیا کہ اے فرزند دختر رسولؐ کیا مجھے اِن لوگوں سے جنگ کرنے کی اجازت ملیگی ؟ یہ عمر بن کلبی ایک طویل القامت اور چوڑے چکلے شانوں اور مضبوط بازوؤں والے جوان تھے۔امام حسینؑ نے فرمایا کہ اچھا اگر تمہیں یہی پسند ہے تو اجازت ہے۔بہرحال تمہیں اپنی قربت میں رکھنا بھی مجھے پسند ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ میدان میں آئے۔عمر سعد نے انہیں اوراُنکے ڈیل ڈول اور تیور دیکھے تو اپنی فوج کو چوکنا کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص کے مقابلہ میں دو بہادر سوار نکلیں ۔ چنانچہ دوسوار سامنے آئے اور پوچھا کہ تُو کون ہے؟ حضرت عمرؓ نے انہیں اپنا نام ونسب بتایا تو کہنے لگے کہ ہم تمہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ہمارے مقابلہ میں زہیرؓ بن قین کو یا حبیبؓ ابن مظاہر کو یا یزیدؓ بن حصین کو یا بشارتؓ بن مقبل یا قدامہؓ بن مسلم کو آنا چاہیئے۔حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ خدا تمہیں غارت کرے یہ کیا نخرہ ہے کہ تمہارے مقابلہ کیلئے بھی ناپ تول کر تمہارا ہمسر بھیجا جائے۔ یہ سن کر اُنہوں نے عمر کلبی پر شدید حملہ کیا اوراحباب نے آواز دی کہ ذرا ان دونوں سے ہوشیار ہوکرلڑنا۔ چنانچہ انہوں نے جوجوابی حملہ کیا تو اُن میں سے ایک کودوٹکڑے کردیا دوسرے کی کھوپڑی پرتلوار مارکر اسے پھاڑ دیا۔اور یوں فارغ ہوکر گھوڑے کی جولانیاں اور کرتب دکھانے لگے۔اور یہ شعر پڑھنے لگے۔اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو سنو کہ میں کلبی ہوں۔ چیرتی چلے جانے والی آنکھوں والا زبردست وار کرنے والا ہوں۔ میں تمہیں قطع بُرید کی ہنرمندی والی ضربیں لگاؤں گا۔ میں جنگ وقتل سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔اور میرا وار بچ نکلنے کا موقعہ نہیں دیا کرتا۔میں اپنے مالک ومولیٰ سے ہر تکلیف کو دُور رکھنا چاہتا ہوں۔ میں اپنے رب پر ایمان رکھنے والا لڑکا ہوں۔یہی میرا حسب ونسب ہے اور اللہ ہی میرا خالق اور درجات بلند کرنے والا ہے۔

علامہ ابومخنف نے لکھا ہے کہ عمر کلبی کی زوجہ حرم حسینیؑ کے ساتھ تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ شوہر صاحب لڑنے کے بجائے گھوڑے کے کرتب دکھارہے ہیں تو لوہے کا ایک ڈنڈا لے کر اُسکی مدد کیلئے میدان میں آگئی۔اور کہا کہ بےفکر ہوکر ان ملاعین پر حملہ کرو میں تمہارے پیچھے سے تحفظ کروں گی۔ یہ کہہ کر فوج پر گرز سے حملہ آور ہوگئی۔شوہر نے بڑھ کر اُسے واپس بھیجنا چاہا تو دوڑ کر الگ جا کھڑی ہوئی اور کہا کہ قسم بخدا میں ہرگز واپس نہ جاؤں گی اور یہیں تمہارے ساتھ ساتھ لڑ کر مروں گی۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے آواز دی اور فرمایا کہ تمہیں ہم اہلبیتؑ کی طرف سے بہترین جزاملنا طے پا گیا۔اب اے خاتون حرم میں واپس آجا۔امامؑ کے حکم سے واپس پلٹ گئی اور عمر نے شدید جنگ چھیڑ دی۔اُس طرف رُخ تھا کہ برابر سے سے شمر کے دوآدمی حملہ آور ہوئے۔ پلٹ کر دونوں کو قتل کیا ہی تھا کہ دواور نے حملہ کردیا۔ یہ دونو بکیر بن خضیر اور ہانی بن حضرمی تھے۔ اِنکے اچانک حملہ سے آپ شہید ہوگئے۔ اب پھراُن کی زوجہ خیام سے نکلی اور لاش

پر آئی، شوہر کی آنکھوں سے مٹی صاف کرتی جاتی تھی اور کہہ رہی تھی کہ تمہیں خوشی خوشی جنت میں جانا مبارک ہو۔ وہ سر کے پاس یوں منہمک بیٹھی تھی کہ شمر ملعون نے اپنے غلام رستم سے کہا کہ اس عورت کو قتل کر دو۔ اس لعین نے سر میں گرز مارا تو وہ مومنہ بھی اپنے شوہر کے پاس مرگئی اور یوں دونوں جنت میں بھی رفیق رہے۔

(39/131)۔ **جناب یزید بن الحصین علیہ السلام:** وخرج مِن اصحاب ابن سعد يزيد بن مقبل من بنی اسد۔ فخرج اليه من اصحاب الحسينؑ يزيد بن الحصين فقلا قيا وتضاربا فسبقه يزيد بن الحصين بضربة فلم تعمل به فضربه ضربة ثانية فقطع بهامِغْفَرَةُ وفلق هامتّه فخر صريعًا و عجّل اللّٰه بروحه الى النار ثمَّ صال وجال وحمل علٰى القوم حملة الاسد الغضبان فقتل منهم جماعة وعاد الٰى موضعه وهويقول: انا يزيد مالانا بالفاشل۔اضربكم عن الحسينؑ بن علیؑ۔ضرب غلام ارجحی بطل۔حتّٰى الا تی يوم حشر عملی۔ثمَّ عاد اِلَى البراز فبرز اليه مرّه بن منقذ العبدى فتجاولا ساعةً ثُمَّ تفرقا عن سلامة ثم حمل كلّ واحد منهما علٰى صاحبه فلزم بعضهما بعضًا فتماسكا ثمّ انهما وقعا اِلَى الارض ثم اَنّ يزيد بن الحصين وقع علٰى صدره وهَمَّ اَن يذبحه ولزم السيف بيده فنادى ياأهل الحمية ؟ فحمل عليه كعب بن جابر الازدى بالرمح فطعنه بظهر ابن الحصين واما ابن العبدى فقطع انفه وبعض وجهه فقال له مرة قدانعمت عَلىّ يا اخا الازد بنعمه لاانساهالک۔فرجع كعب الٰى اخته نورة فقالت له۔لِمَ لانصرت الحسينؑ فقدآتيت بذنبٍ عظيم۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 264)

اور ابن سعد کی فوج سے یزید بن مُقبل نکلا جو قبیلہ اسد سے تھا۔ اُس سے مقابلہ کیلئے حسینیؑ فوج سے جناب یزید بن حصین نکلے۔ کچھ دیر دونوں گھات لگاتے رہے اور ایک دوسرے پر وار کرتے رہے۔ اس ردّ و بدل میں یزید بن حصین نے ایک وار بدل لیا اور پلٹ کر جو تلوار لگائی تو لوہے کا خود دو ٹکڑے ہوا تلوار کھوپڑی کو توڑتی ہوئی نکل گئی اور یزید بن مقبل زمین پر جا گرا۔ اور اللہ نے اسے جہنم میں پہنچانے میں عجلت سے کام لیا۔ پھر یزید بن حصین نے گھوڑے کو جولانی دی اور دشمن کی فوج کو ڈانتے رہے۔ جب کوئی مقابلہ پر نہ آیا تو فوج پر گھوڑا ڈال دیا اور غضبناک شیر کی طرح یزیدی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ گھمسان کے بعد اپنی جگہ لوٹ کر قیام کیا اور یہ اشعار پڑھے۔ میں یزید ہوں اور منتشر الخیال ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں تمہیں حسینؑ ابن علیؑ کی طرف سے مار دے رہا ہوں۔ ایسی مار جو ایک منتخب نوجوان بہادر کے شایانِ شان ہو۔ اور میدان حشر میں میرے سامنے قابل فخر عمل بن کر آئے۔ پھر مد مقابل طلب کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مرہ بن منقذ سامنے آیا۔ تھوڑی دیر دونوں گھوڑے کو گردش دے کر موزوں موقعہ تلاش کرتے رہے۔ پھر ذرا دُور دُور ہٹ کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر قریب ہوئے کہ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو کر زمین پر آ گرے۔ اچانک جناب یزید بن الحصین مرہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے تلوار نکال کر ذبح کرنا ہی چاہتے تھے کہ مرہ نے مدد کے لئے اپنی فوج سے فریاد کی۔ لہٰذا کعب بن جابر ازدی نے دُور سے یزید بن حصین کی کمر میں ایک تیر پیوست کر دیا جس سے اُن کی شہادت واقع ہوگئی۔ اس کے بعد اُن بزدل اور بے غیرت دشمنوں میں سے ابن العبدی نے اُن کی ناک کاٹ لی اور چہرے کو ٹکڑے کر دیا۔ اب مرہ بن منقذ کے ہوش ٹھکانے آئے تو اُس نے تیر مارنے والے سے کہا کہ تم نے مجھ پر ایسا احسان کیا ہے جسے میں کبھی نہ بھولوں گا۔ پھر وہ تیر مارنے والا ملعون کعب بن جابر جب اپنی بہن سے ملا تو اسکی بہن نے کہا کہ تو حسین علیہ السلام کی نصرت تو کیا کرتا تو نے اُنکے ناصر کو تیر مار کر ایک عظیم گناہ کمایا ہے۔ اُس کی اُس مومنہ بہن کا نام نُورہ تھا۔

(39/132)۔ **جناب عمیر بن الحصین علیہ السلام**: قال ابو مخنف فخرج من اصحاب الحسینؑ اخوذلک المقتول وکان اسمہ عمیر بن الحصین الانصاری وانشاء یقول ۔قد علموا جماعۃ الانصار ۔اِنّی ساحمی عن نبیؐ المختار۔ضرب غلام غیر نکس شار ۔دُونَ الحسینؑ مھجتی وداری۔ ثم حمل عَلَی القوم وقتل اناسًا کثیرۃ وانشاء یقول: نحن رجال مِن بنی جربان ۔فان قومی سادۃ الاقران ۔آل علیؑ شیعۃ الرحمٰن ۔وآل حرب شیعۃ الشیطان۔ قال ثم قاتل بین یدی الحسینؑ قتالًا شدیدًا وقتل منھم خلقًا کثیرًا ازھا علی اربعۃ الاف فارس فَقُتِلَ رحمۃ اللّٰہ علیہ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 264)

یزیدؒ بن حصین کی شہادت کے بعد ابو مخنف علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ یزید کے بھائی عمیر نے میدان میں آ کر یوں تعارف کرایا کہ انصار کی جماعت جانتی ہے کہ میں نبی مختار صلوٰۃ اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمایت میں جنگ کر رہا ہوں۔اس لئے میری ہر ضرب مایوسی اور شک وشبہ سے پاک ہوتی ہے۔میں امام حسین علیہ السلام پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے آیا ہوں۔پھر یزیدی فوج پر ایک زبردست حملہ کیا اور بہت کثرت سے لوگوں کو قتل کیا۔پھر کہا ہم اولادِ جربان کے لوگ ہیں اور تمام گردوپیش کے لوگوں کے سردار ہیں۔علیؑ کی آل رحمان کی تبلیغ واشاعت کرتی ہے۔اور حرب کی اولاد شیطان کا مذہب پھیلانے والی ہے۔راوی نے کہا ہے کہ پھر امامؑ کے سامنے دشمن پر اس بے جگری سے اور دلیرانہ حملے جاری رکھے کہ دشمن کی افواج کو تہہ وبالا کر دیا۔اتنی مخلوق ماری گئی کہ جس کا اندازہ چار ہزار سے زیادہ لگایا گیا ہے۔جنگ کرتے کرتے آخر جام شہادت پیا اور راہی جنت ہوگئے۔

(39/133-134)۔ **اولادِ حارث میں سے جناب شریف اور جناب مالک علیہما السلام**

ثم خرج من بعد ھما اولاد الحارث وھما شریف ومالک فقربا مِن الحسینؑ وھما یبکیان۔ فقال لھما وما یبکیکُما فواللّٰہ اِنّی لارجواَن تکونا قرینین ؟ فقال جعلنا اللّٰہ فداک کیف لانبکی حیث نراک قداحاطت بک الاعدآء ولا نقدرنمنعھم عنک۔فقال لھما الحسینؑ جزاکم اللّٰہ خیرًا فی مواساتکم لنا فقاتلا قتالًا شدیدًا فقتلا من القوم سبعمائۃ فارس وقُتِلا رحمۃ اللّٰہ علیھما۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 265-264)

اِن دونوں بھائیوں کی شہادت عبداللہ اور عبدالرحمٰن (نمبر 56-55) پسران عروہ بن حراق کے بعد لکھی ہے۔چنانچہ لکھا ہے کہ:
اُن دونوں کے بعد اولادِ حارث میں سے شریف اور مالک امامؑ کے قریب پہنچے۔دونوں رو رہے تھے۔امامؑ نے دریافت کیا کہ تم کس لئے روتے ہو میں تو بڑی امید رکھتا ہوں کہ تم دونوں میرے ساتھ ساتھ رہو۔دونوں نے عرض کیا کہ اللہ ہمیں آپ پر قربان ہونے کا موقعہ دے ہم کیسے نہ روئیں کہ آپ کو چاروں طرف سے گھیرا جا رہا ہے اور ہم یہ قدرت نہیں رکھتے کہ ان لاکھوں آدمیوں کو آپ سے دور کر دیں۔امامؑ نے دعا دی اور فرمایا کہ اللہ تمہیں ان فداکارانہ احساسات کی بہترین جزا دے۔اذن جہاد کے بعد دونوں بھائیوں نے جی توڑ کر بڑی شدید جنگ لڑی اور دشمن کی فوج کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیا۔سات سو ملاعین کو واصلِ جہنم کر کے شہید ہوگئے۔

(39/135)۔ **عبداللہ بن عمر الکندی علیہ السلام**

آپ کی شہادت حنظلہ بن سعد کے بعد یوں لکھی گئی ہے کہ:۔

ثُمَّ بَرَزَ مِنْ بعدہ عبد اللّٰہ بن عمر الکندی وقاتل قتالا شدیدًا وتکاثر علیہ الاقوام فحمل علیھم حملۃ رجل واحد

وھویقول : اِنِّی مِنْ کندۃ عالی الاصلی۔ اطعنکم بالرمح قبل النّصل۔ ضرب غلام لم یکن بالفشل۔ عَنِ الحسینؑ وھو جلیل الاصل۔ ثم انہ قاتل قتالًا شدیدًا حتّٰی قتل خمسین مبارزًا واستشھد اَمَامَ الحسینؑ۔(اکسیر صفحہ 265)

''اُن کے بعد جناب عبداللہ بن عمر الکندی میدان میں آئے اور گھمسان کی جنگ کی۔ یہ اسلئے کہ اُن پر چاروں طرف سے یزیدی افواج ٹوٹ پڑی تھیں۔ لیکن وہ تنہا اس شان اور دبدبہ سے حملہ کررہے تھے کہ میدان میں اُنکے سوا کوئی جنگ آزما معلوم نہ ہوتا تھا۔ پھر وہ جنگ کے دوران یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے کہ:۔ یقیناً میں قبیلہ کندہ کا بہادر نونہال ہوں۔ میرا خاندان بہت بلند مرتبہ کی بنیاد رکھتا ہے۔ میں تمہیں بچ کر نکلنے سے پہلے ہی برچھی اور نیزہ سے گھائل کروں گا۔ اور ایسے نوجوان کی طرح ماروں گا جس کا وار پھسلتا نہیں ہے۔ میں حسینؑ کا دفاع کررہا ہوں جو تمام بنیادوں کی بنیاد اور تمام بزرگیوں کی حامل نسل سے ہیں۔ اسکے بعد مسلسل شدت سے قتل عام کرتے رہے اور عام لوگوں کے علاوہ پچاس للکارنے والے سورما تہہ تیغ کئے اور امام حسین علیہ السلام کے سامنے شہید ہوگئے۔'' اللہ اُن پر اپنی رحمتوں اور نوازشوں کی بارش کرتا رہے۔ اور تمام محبانِ محمد و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو اُنکے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(39/136)۔ جناب مبارک بن عبداللہ علیہ السلام

حضرت حجاج بن مسروق شہدائے کربلا میں بہت مشہور ہستی ہیں۔ مکہ سے امامؑ کے مؤذن تھے۔ حُرؑ کے راستے میں ملنے پر انہوں نے ہی اذان دی تھی۔ اُن کے ساتھ اُن کا غلام بھی کربلا میں جنگ کرتا ہوا شہید ہوا تھا۔ یہ واقعہ سنئے:۔

قَال وخرج فی اثرہ مولٰی یقال لہ مبارک فحملا عَلَی القوم والتقیا بحماعۃ مِن اصحاب ابن سعد۔ فتفرقوا و جفلوا من بین ایدیھم ثم اجتمعت علیھما الاعداء مِن کل جانب فشد کل واحد منھما علی ظھر صاحبہ وجعلا یقاتلان حتی قتلا مِنَ القوم مائۃ وخمسین رجلًا وقُتِلَا رحمۃ اللّٰہ علیھما۔(اکسیر صفحہ 266)

راوی نے بتایا کہ جناب حجاجؑ بن مسروق کے قدم بقدم، اُنکا غلام، جسے مبارک کہا جاتا تھا، بھی جنگ کیلئے نکلا۔ اور دونوں نے ملکر عمر ابن سعد کی افواج پر حملہ کیا۔ اور اُدھر ابن سعد کی افواج بھی اُن پر ٹوٹ کر گریں۔ مگر اُن دونوں بہادروں نے افواج کو تتر بتر کردیا اور اپنے سامنے سے بھگا دیا۔ لیکن پھر افواج کو مجتمع کیا گیا۔ اور ہر چہار جانب سے دوبارہ اُن دونوں پر حملہ جاری ہوگیا۔ اب دونوں نے ایک دوسرے کا تحفظ اور دیکھ بھال کرتے ہوئے جم کر شدید مقابلہ اور مقاتلہ شروع کیا اور ساتھ ساتھ رہتے ہوئے دفاع اور حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور اس طرح تیغ زنی کی کہ عمر سعد کی مختلف حملہ آور افواج میں سے ایک سو پچاس جنگجو بہادروں اور عام فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ آخر مشیت خداوندی کے سامنے سر جھکا کر امامؑ زمانہ پر قربان ہوگئے۔

(39/137-138)۔ جناب مالک اور رشید علیہما السلام

قال ابومخنف فبرز فارس یقال لہ مالک وحمل حملۃ صادقۃ فقتل جماعۃ وقاتل قتالًا شدیدًا فحمل علیہ القوم باجمعھم فقتلوہُ وبرز مِن بعدہ رجلٌ یقال لہ رشید فحمل علیھم وقتل منھم عشرین فارسًا فقتلہ القوم عند مقتلۃ العباسؑ بن امیرؑ المؤمنین فوقع علیھا وفی روایۃ اخری انھما قتلا جمیعًا ودفنا فی قبر واحد۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 265)

جناب عابس بن لیث شاکری کے بعد جناب علامہ ابومخنف علیہ الرحمہ دو بہادر انصار کا تذکرہ کرتے ہیں کہ: ''اُس کے بعد ایک سوار میدانِ مقابلہ میں نکلا جسے مالک کہا گیا ہے۔ جس نے سپاہ عمر سعد پر صحیح معنی میں سخت حملہ کیا۔ ایک تباہ کن جنگ لڑی بہت سے دشمنوں کو قتل کیا۔ آخر سپاہ شام نے یکجہتی سے مل کر اُن پر چاروں طرف سے حملہ کیا اور وہ شہید ہوگئے۔ اُن کے بعد ایک اور ناصر حسینؑ میدان میں آیا جسے رشید کہا جاتا تھا۔ اُس نے بھی زبردست جنگ کی اور بیس تیغ آزما لوگوں کو تہہ تیغ کیا۔ لیکن اس پر بھی ساری فوج نے یورش کی۔ چنانچہ جہاں آج کل حضرت عباس بن علی علیہما السلام کا مزار ہے اس جگہ شہید ہوکر گرے۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ان دونوں مالکؒ اور رشیدؒ نے اکٹھا اور مل کر حملہ کیا تھا اور اُن دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ اُن دونوں پر ہم سب کا سلام۔

(39/139-140)۔ حضرات عبداللہ بن سلیم اور منذر بن مشمعل علیہما السلام

یہ دونوں حضرات قبیلہ بنی اسد سے تھے۔ یہ امامؑ کے ساتھ مکہ سے روانہ نہ ہوئے تھے۔ بلکہ حج سے فارغ ہوکر بڑی تیزی سے منزلیں طے کرتے ہوئے منزل زرود پر امام علیہ السلام سے آ ملے تھے۔ اس منزل پر ایک شخص کوفہ کی سمت سے آتا ہوا دکھائی دیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام ٹھہر گئے تاکہ اُس سے کوفہ کے حالات معلوم کریں۔ مگر وہ شخص دُور سے یہ دیکھ کر کہ کچھ لوگ اُس سے بات کرنے کے لئے رُکے کھڑے ہیں۔ راستہ چھوڑ کر دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ یہ دیکھ کر امامؑ نے اپنا سفر شروع کر دیا لیکن مندرجہ بالا دونوں اسدی جوان چپکے سے نکلے اور اس شخص کا محتاط تعاقب کیا اور گویا اتفاق سے بلاکسی خاص ارادہ کے اس کے قریب جا پہنچے اور باتوں باتوں میں یہ معلوم کرلیا کہ حضرت مسلم اور ہانی علیہما السلام قتل ہوچکے، اُن کی لاشوں کو بازاروں میں گھسیٹا گیا ہے اور کوفہ کی ناکہ بندی کی گئی ہے۔ آمد و رفت بند ہے اور یہ سب کچھ وہ شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا تھا۔ یہ دونوں حضرات مسلمؑ اور امامؑ کے منصوبہ سے واقف تھے۔ اور اس بات کو بہت ہی خطرناک سمجھے کہ مسلمؑ وھاؑنی کی شہادت مجمع عام میں امامؑ کو بتائی جائے۔ لہٰذا منزل زبالہ پر پہنچ کر دونوں نے امامؑ سے تخلیہ کی درخواست کی تو امامؑ نے فرمایا کہ اِن حاضرین صحابہ سے کوئی راز نہیں رکھا گیا ہے، بلا تکلف بات کرو۔ اُنہوں نے مذکورہ شخص کے تعاقب اور تفتیش کا حال ذکر کیا اور جناب مسلم وہانی علیہما السلام کی شہادت کی تفصیل سُنا دی تھی۔ اور اپنی رائے دے دی تھی کہ ایسی صورت میں کوفہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی منزل پر امامؑ نے اعلان فرمایا تھا کہ میرے ساتھ وہ لوگ رہیں جو میرے ساتھ قتل ہونے اور شہدا کی فہرست میں نام لکھوانے کے لئے تیار ہوں۔ عبداللہ بن سلیم اسدی اور منذر بن مشمعل اسدی برابر امامؑ کے ساتھ ساتھ کربلا پہنچے اور پروانہ وار امامؑ اور اہل حرمؑ کے تحفظ و آسائش میں کوشاں رہے۔ یہاں تک کہ دسویں محرم کو تین روز کے بھوکے پیاسے اوّلین حملوں میں باقی انصار کے ساتھ شانہ بشانہ جنگ کرتے ہوئے امام علیہ السلام پر قربان ہوگئے۔

(39/141)۔ حضرت عمارہ بن عبید سلولی علیہ السلام

آپ کوفہ کے قدیم باشندوں اور سرگرم جوانانِ شیعہ میں سے تھے۔ یہ اُس دوسرے وفد میں امام حسین علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ جس میں جناب قیسؑ بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمٰنؑ بن عبداللہ اور حنظلہؑ اسدی شریک تھے اور جو کوفہ سے ترپن (53) درخواستیں لے کر چلا تھا۔ اس وفد کے پہنچنے پر امامؑ نے جناب مسلم علیہ السلام کو اُن ہی کے ساتھ کوفہ بھیجا تھا۔ چنانچہ یہ تمام حضرات، حضرت

مسلمؑ کے آگے پیچھے اور ساتھ ساتھ رہتے رہے۔ ہر مشکل اور ہنگامہ میں ثابت قدم رہے اور وہ جنگ بھی لڑے جس میں حضرت مسلم گرفتار وشہید ہوئے۔ بعدہ ابن زیاد کے انتظام سے بچ کر نکلے اور منزل ذوحسم کی راہ میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ سمیت امامؑ کی قدمبوسی حاصل کی۔ کربلا تک آئے تمام معرکوں اور حملوں میں آخری سانس تک ساتھ دیا اور جنگ مغلوبہ میں شہید ہوئے۔

(39/142)۔ **جناب عقبہ بن سمعان علیہ السلام**

آپ امام حسین علیہ السلام کے منشی اور ریکارڈ کیپر (Record Keeper) تھے۔ مکہ میں حضورؑ کی ملازمت اور خدمت میں آئے۔ گردونواح سے آنے والے خطوط کو ترتیب وار رکھنا، امامؑ کو سُنانا اور جواب لکھنا آپ کی مخصوص ذمہ داری تھی۔ جب حُرؑ کے روبرو امامؑ نے اپنے آنے کی وجہ بیان کی اور بتایا کہ تمہارے شہر کے لوگوں نے مجھے بلایا ہے تو جناب عقبہ بن سمعان ہی کو آپؑ نے حکم دیا تھا کہ خطوط کا وہ تھیلا لاکر دکھاؤ جو کوفہ والوں کے خطوط سے بھرا ہوا ہے۔ جب جناب عقبہ نے حُرؑ کے سامنے وہ خطوط رکھے تو حُرؑ حیران رہ گیا اور کہا کہ میں اس تمام عملدرآمد سے ناواقف ہوں اور میرا اُن لوگوں سے کوئی رابطہ اور تعلق نہیں ہے۔

(39/143)۔ **ابوثمامہ عمرو بن عبداللہ بن کعب الصائد علیہ السلام**

آپ ہی نے میدان کارزار کی شدت میں امام علیہ السلام کے ساتھ نماز ظہر پڑھنے کی تمنا کی تھی۔ آپ ہی کی درخواست پر وہ نماز ادا کی گئی تھی جو دنیا میں مثالی اور یادگار نماز بن کر آگے بڑھتی اور ہر نمازی کو اُس کی پوزیشن دکھاتی چلی جارہی ہے۔ آپ ہی کوفہ میں جناب مسلمؑ کے لشکر کی ترتیب اور اسلحہ کی فراہمی اور زر اعانت جمع کرنے کے ذمہ دار تھے۔ آپ کوفہ میں ناکامی کے بعد نافع بن ہلال کے ساتھ چھپ کر نکلے اور امام علیہ السلام سے سفر کے دوران جاملے اور نماز ظہر ادا کرنے کے بعد حبیب ابن مظاہر علیہ السلام کے تحفظ کے لئے تعینات ہوئے اور اُن تک نہ پہنچ سکے بلکہ راستے میں گھیر لئے گئے اور بڑی سنسنی خیز جنگ کرتے اور بڑھتے رہے۔ باسٹھ شامیوں کو قتل کیا اور جب حبیبؑ ابن مظاہر کے قتل ہوجانے کا نعرہ سنا تو جنگی احتیاط ختم کرکے دودستی تلواریں مارتے ہوئے دشمن کی سپاہ میں ڈوب گئے اور بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کو آپ ہی کے ایک ہم قبیلہ شخص نے دھوکہ سے قتل کردیا جو دشمن کی فوج میں شریک تھا۔

اناللہ و انا الیہ رٰجعون۔ اللہ تمام محبان محمدؐ وآل محمدؐ کو اُن کے ساتھ شمار فرمائے آمین۔

(الف)۔ **انصاران حسین علیہم السلام کی پوزیشن پر چند اشارات**

اس دنیا کی تاریخ میں جس طرح امام حسین علیہ السلام کا مقام ومرتبہ اپنی مثال اور نظیر نہیں رکھتا۔ اُسی طرح اُن کے انصار کے مقابلہ میں نہ کسی نبیؐ ورسولؐ کے انصار لائے جاسکتے ہیں نہ کسی عالمی یا ملکی وقومی تحریک کے فداکار اُن کے روبرو سر بلند کرسکتے ہیں۔ 61 ہجری کے بعد کے تمام شجاعانِ اقوام عالم اور تمام فداکارانِ نوع انسان انصاران حسین علیہم السلام کے سامنے سر نیاز جھکانا باعث عزت وبرکت سمجھتے رہے ہیں۔ ذرا سوچئے کہ جن حضرات کو امام حسین علیہ السلام نے یہ سند دے دی ہو کہ تم اپنی وفاداری ثابت کرچکے ہو میں تمہیں آزادی دیتا ہوں۔ تم بھی چلے جاؤ اور میرے خاندان کے تمام افراد کو بھی لے جاؤ۔ تمہارے لئے وہ مرتبہ طے پاچکا ہے جو میرے

ساتھ اسلام پر قربان ہوچکنے کے بعد ملنے والا ہے۔تم یہاں سے نکل جاؤتم سے کوئی مزاحمت نہ کرے گا۔اُن کو صرف میری بیعت یا میرا سَر درکار ہے۔لیکن اس اطمینان بخش بیان اور معصوم امامؑ زمانہ کی سند کے بعد بھی وہ نہیں جاتے اور آخری سانس تک نصرت امامؑ میں لیتے ہیں۔اُن کی آنکھوں کے رُوبرو مسکرا کر داعی اجل کو لبیک کہتے ہیں۔یہ نظارہ اس آسمان کی آنکھوں نے صرف ایک دن دیکھا تھا۔پھر یہ سوچیئے کہ اگر اُن میں سے کوئی ایک یا سب کے سب چلے جاتے تو کیا اُنہیں وہ مرتبہ نہ ملتا جو شہادت کے بعد ملا؟ یقیناً وہ مرتبہ امامؑ کی سند اور رضامندی پر منحصر تھا اور ضرور ملنا تھا مگر وہ آنکھوں سے اوجھل ہونا پسند نہ کرتے تھے۔وہ نہ چاہتے تھے کہ گھٹیا قسم کے لوگ اُنہیں بزدل کہنے یا زندگی کو زیادہ پیارا سمجھنے والا کہنے کا موقعہ پاسکیں۔جیسا کہ ضحاک بن عبداللہ کے متعلق لوگوں کو موقعہ مل گیا تھا۔

(39/144)۔ ضحاک بن عبداللہ علیہ السلام سے امام علیہ السلام کا وعدہ

تاریخ طبری ایک ایسے مجاہد کا ذکر کرتی ہے جس نے امامؑ سے اپنی کسی ایسی ضرورت کا اظہار کیا تھا جو امامؑ اور اُنکے مابین بطور راز رہ گئی۔بہرحال امامؑ نے تو اپنے انصار کو بلا جنگ وجدل کئے ہی جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔لہٰذا اُس مجاہد کو اجازت کیوں نہ دیتے جو تین دن سے سب کے ساتھ بھوکا پیاسا رہا ہو اور صبح سے لیکر وقت عصر تک برابر ہر حملہ میں تیغ زنی کرتا رہا ہو؟ طبری سے سنئے لکھا ہے کہ:۔

''ضحاک بن عبداللہ مشرقی نے جب دیکھا کہ انصار حسینؑ کام آ گئے اور اب آپؑ اور آپ کے اہلبیتؑ پر دشمنوں کو دسترس حاصل ہوگئی ہے۔اور سوید بن عمرو خشعمی اور بشیر بن عمرو حضرمی کے سوا انصار میں کوئی (سوائے بنی ہاشم) باقی نہ رہا۔تو اُس نے آپؑ سے کہا کہ یا ابن رسوؐل اللہ میں نے جو بات آپ سے کہی تھی۔وہ آپ کو معلوم ہے۔میں نے یہی کہا تھا کہ جب تک کسی شخص کو آپ کی طرف سے قتال (جنگ) کرتے ہوئے دیکھوں گا میں بھی قتال کئے جاؤں گا۔جب دیکھوں گا کہ اب کوئی (سوائے بنی ہاشم) لڑنے والا نہیں رہا۔تو میں بھی چلا جاؤں گا۔اس پر آپؑ نے فرمایا تھا کہ اچھا چلے جانا۔آپؑ نے جواب دیا تُو سچ کہتا ہے۔مگر اب کیوں کر جا سکتا ہے؟ اگر جا سکتا ہے تو نکل جا۔یہ سُن کر ضحاک۔۔۔اپنی گھوڑی کے پاس آیا۔اُس نے جب دیکھا کہ انصار حسینؑ کے گھوڑوں کو دشمن پے کررہے ہیں تو اپنی گھوڑی کو اپنے رفیقوں کے ایک خیمہ میں جو سب کے بیچ میں تھا چھپا دیا تھا۔اور خود پیادہ جنگ میں مشغول تھا۔اُس نے اُس دن دو شخصوں کو قتل کیا تھا اور ایک کا ہاتھ اڑا دیا تھا۔آپؑ نے اُس کے لئے دعا کی تھی کہ تیرا ہاتھ کبھی شل نہ ہو۔خدا تیرے ہاتھ کو قطع نہ کرے۔(مسلسل لکھا ہے کہ)

(الف)۔ ضحاک کو میدان جنگ سے جانے کی اجازت

''غرض جب اُسے اجازت مل گئی تو اُس نے خیمہ سے گھوڑی کو نکالا اور اُس کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔کوڑا مارا گھوڑی نے سموں پر بوجھ دیا ہی تھا کہ اُس نے گھوڑی کو لوگوں کے انبوہ پر ڈال دیا۔سب نے راستہ دے دیا۔اُن میں سے پندرہ شخصوں نے اس کا تعاقب کیا۔شطّ فرات پر ایک قریہ شقیہ قریب واقع تھا۔وہاں تک یہ جا پہنچا۔یہ لوگ بھی اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔اب اُس نے مڑ کر اُن کی طرف دیکھا۔کثیر بن عبداللہ شعبی اور ایوب بن مشرح خیوانی اور قیس بن عبداللہ صائدی نے اُسے پہچان کر کہا کہ یہ تو ضحاک بن عبداللہ ہمارا ابن عم ہے۔خدا کے واسطے اُس پر ہاتھ نہ ڈالو۔اُن لوگوں میں تین شخص بنی تمیم سے تھے۔پکار اُٹھے واللہ ہم تو اپنے بھائیوں اور اپنے ساتھ

والوں کا کہنا کریں گے۔اُن کے ابن عم پر ہاتھ نہ ڈالیں گے۔ جب اُن تینوں تمیمیوں نے اُن تین شخصوں کے ساتھ اتفاق کیا تو اور لوگ بھی اُس کے تعاقب سے باز آئے اس طرح خدا نے اُسے بچالیا۔'' (ترجمہ طبری جلد چہارم صفحہ 290-289)

(ب)۔ **انصارانِ حسین علیہم السلام کی دنیاوی وتاریخی پوزیشن**

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی مسلمانوں کے نزدیک کوئی پوزیشن ہے تو امامؑ پر قربان ہونے والوں میں آٹھ صحابہ رسولؐ بھی تھے۔

(1) مسلمؓ بن عوسجہ (2) زاہرؓ بن عمرو اسلمی کندی (3) شبیبؓ بن عبداللہ مولیٰ ہمدان (4) عبدؓالرحمٰن بن عبدرب انصاری خزرجی (5) عمارؓ بن ابی سلامہؓ دالانی (6) مسلمؓ بن کثیر صدفی (7) حبیبؓ بن مظاہر (8) انسؓ بن حارث اسدی۔

یہ سب حضرات قومی مذہب اور قومی حکومت کے مخالف اور امام حسینؑ کے مذہب سے ہم آہنگ تھے۔ اور حسینیؑ مشن پر آزادانہ نثار ہوگئے۔ اِسکے برعکس قومی حکومت کے طرفداروں میں بھی اگر صحابہ تھے تو وہ حسینؑ کے دشمن تھے۔ پھر یہ سوچئے کہ انتقال رسولؐ سے لیکر کربلا کے زمانہ تک پچاس سال کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اسلئے اِن آٹھ حضرات میں کوئی بھی پچپن یا ساٹھ سال عمر سے کم کا شخص نہیں ہوسکتا۔ اس سے زیادہ عمر کے لوگوں میں انس بن حارث، عبدالرحمٰن بن عبدرب، حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ اور سوید بن عمرو خشعمی بھی تھے۔ لہٰذا ان عمر رسیدہ اور جہاں دیدہ صحابہ کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ یہ جنگ اور یہ قربانیاں کسی غلط فہمی اور دنیاوی جذبات کا نتیجہ نہ تھیں۔

(ج)۔ **انصارانِ حسین علیہم السلام میں حضرت علیؑ کے صحابہ علیہم السلام**

وہ حضرات جو اسلام کے مرتضویؑ تصور اور خلافت الٰہیہ پر ایمان رکھتے تھے اور قومی حکومت کو دینی حکومت نہ سمجھتے تھے۔ اور جنہوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت معاویہ وعمرو عاص وغیرہ کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی اور اُن کے تصور مذہبی کو باطل ٹھہرا کر اُن کو شکست دی۔

(1) عبدؓاللہ بن عمیر کلبی (2) مجمعؓ بن عبداللہ مذحجی (3) جنادؓہ بن حارث سلمانی (4) جندبؓ بن حجیر کندی (5) امیہؓ بن سعد طائی (6) جبلہؓ بن علی شیبانی (7) حارثؓ بن نبہان (8) حلاسؓ بن عمرو ازدی (9) شبیبؓ بن عبداللہ نھشلی (10) قاسطؓ بن زہیر تغلبی (11) کردوؓس بن زہیر تغلبی (12) مقسطؓ بن زہیر تغلبی (13) نعماؓن بن عمرو ازدی (14) نعیمؓ بن عجلان انصاری (15) ابوثماؓمہ صائدی (16) شوذبؓ بن عبداللہ (17) جونؓ غلام ابوذرؓ غفاری (18) حجاجؓ بن مسروق جعفی (19) سعدؓ بن حارث (20) یزیدؓ بن مغفل جعفی (21) عمرؓ بن جندب حضرمی۔ یہ حضرات علوم آل محمدؐ کے ورثہ دار اور اسلام کے حقیقی فلسفے پر مطلع تھے۔

(د)۔ **انصارانِ حسین علیہم السلام میں حافظان قرآن کریم**

(1) بریر بن خضیر ہمدانی جو سید القراء کے لقب سے مشہور اور معلم قرآن تھے۔ (2) عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری (3) کنانہ بن عتیق تغلبی (4) نافع بن ھلال البجلی (5) حنظلہ بن اسعد شامی (6) غلام ترکی اُوضحی۔

(ہ)۔ **انصارانِ حسین علیہم السلام میں راویان حدیث**

(1) مسلم بن عوسجہ (2) حبشہ بن قیس نہمی (3) زاہر بن عمرو اسلمی (4) سوار بن ابی عمیر نہمی (5) عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری

(6) حبیب بن مظاہر اسدی (7) نافع بن ہلال (8) شوذب بن عبداللہ (9) انس بن حارث اسدی

(و)۔ **انصارانِ حسین علیہم السلام کی دیگر خصوصیات**

اُن میں جذبہ خدا پرستی اور راست کرداری اپنے انتہائی مقام تک پہنچا ہوا تھا۔ وہ سب دین پر دنیا و مافیھا کو قربان کرنے میں نجات سمجھتے تھے۔ وہ سب اپنے امامؑ کو اللہ کا حقیقی نمائندہ اور جانشین سمجھ کر اطاعت کرتے تھے۔ وہ سب حکومت اور حکومت کی مادی قوت قاہرہ کو ہیچ سمجھتے تھے۔ انہیں اپنے حق پر ہونے میں ذرہ برابر شک وشُبہ نہ تھا۔ اُن سب کے قلوب کا اللہ کی طرف سے امتحان ہو چکا تھا۔ وہ سب جنت وجہنم وحقائق کائنات کو بے حجابانہ سامنے دیکھ رہے تھے۔ اُن سب میں حسینیؑ روح کام کر رہی تھی۔ اُن سب کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ نبضیں مل کر چلتی تھیں۔ وہ سب حسینیؑ مشن کی مشین کے موزوں ترین پرزے تھے۔ اُن سب کو اللہ و امامؑ نے عصمت صغریٰ کے درجہ تک بلند کر دیا تھا۔ اُن سے غلطی اور غلط فہمی کی نفی کر دی گئی تھی۔ تلوار اور نیزہ، برچھیاں اور تیر اُنہیں دکھ پہنچانے سے قاصر تھے۔ وہ سب موت کو دائمی حیات سمجھ کر اُس کو دعوت دے رہے تھے۔ وہ سب موت کے مُتمنی تھے اور موت پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔ وہ سب ایک سیکنڈ زندہ نہ رہنا چاہتے تھے۔ مگر اذنِ امامؑ لازم سمجھتے تھے۔ وہ سب عاشقانِ خدا اور رسولؐ تھے۔ وہ آل رسولؐ کو اپنا نجات دہندہ اور مالک ومختار سمجھتے تھے۔ نزول قرآن کے بعد قرآن کے معیار کے مطابق حقیقی مومن وہی اور صرف وہی تھے۔ (توبہ 9/24)

(146-39/145)۔ **حضرات حُرؑ اور حبیبؑ ابن مظاہر کے غلام علیہم السلام**

ہمارے سِن وسال کے حضرات جانتے اور بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ حبیبؑ ابن مظاہر کے ساتھ بھی اُن کا غلام اور بھائی آئے تھے۔ اِسی طرح جناب حُرؑ کے ساتھ اُن کا غلام بھی کربلا میں شہید ہوا تھا۔ لیکن سرکاری دستِ شفقت برابر شیعہ افراد وآثار پر پھرتا رہا۔ اُدھر اُن کا روپیہ اور سرمایہ گردش میں رہا جس نے بولنے والوں کی زبانوں اور لکھنے والوں کے قلموں کو گردش سے باز رکھا۔ یُوں رفتہ رفتہ مظلوموں کی تعداد اور نام ونشان کو پوشیدہ کر دیا گیا۔ مومنین دیکھ رہے ہیں کہ آج بھی وہ زبانیں اور وہ قلم بِکے ہوئے ہیں جن سے ملت شیعہ کا تحفظ وابستہ ہے۔

40۔ کربلا میں خانوادہ نبوّتؐ کی شہادت اور قربانیاں

علامہ دربندی رضی اللہ عنہ انصارانِ حسین علیہ السلام کا ذکر ختم کر کے لکھتے ہیں کہ:۔

وفی الملهوف وجعل اصحاب الحسین علیه السلام یسارعون اِلَی القتل بین یدیه و کانوا کماقیل: قَوْمٌ اذانُوْدُوْا الدَّفع مُلِمَّةَ۔ والخیل بین مُدَعَس ومکردس۔ لَبِسوا القلوب علی الدروح واقبلوا۔ یتهافتون اِلٰی ذهاب الانفس۔ وفی البحار لما قُتِلَ اصحاب الحسینؑ و لم یبق الّا اهلبیته وهم ولد علیؑ وولد جعفرؑ وولد عقیلؑ وولد الحسنؑ وولده علیهم السلام۔ اجتمعوا یودّع بعضهم بعضًا۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشهادات صفحہ 278)

کتاب ملھوف میں ہے کہ آخر اصحاب حسین علیہ السلام نے امامؑ کے سامنے جلدی جلدی قتل ہو جانے پر کمر باندھ لی اور وہ صورتحال ہوگئی جیسا کہ کہا گیا ہے کہ: اصحاب حسینؑ کا گروہ ایسی قوم کا معاملہ معلوم ہو رہا تھا جسے کسی منزل کی طرف روانگی کیلئے جلدی جلدی سامان جمع کرنے کا حکم دے دیا گیا ہو اور وہ قوم چاروں طرف سے برچھیوں، نیزوں اور سواروں میں گھری ہوئی ہو۔ جس نے قافلہ سالار کے حکم کی تعمیل میں اپنے قلب وجگر اپنی زِرہوں پر اوڑھ کر جان سپاری کیلئے ایک دوسرے کو دھکیل کر خود بڑھنا شروع کر دیا ہو۔ اور کتاب بحارالانوار میں لکھا گیا ہے کہ جب تمام انصاران حسین علیہم السلام قتل ہو چکے اور اولادِ علیؑ مرتضیٰ و اولادِ حسنؑ مجتبیٰ اور اولادِ جعفرؑ طیار اور اولادِ عقیلؑ اور اولادِ حسینؑ کے علاوہ کوئی مددگار نہ رہا تو خانوادہ نبوّت کے یہ تمام چھوٹے بڑے حضرات ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے وہ باتیں کیں جو مرنے والے لوگوں کے دلوں کو ہلکا کر دیتی ہیں۔ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر رخصت ہوئے۔

اہل حرّم کو اپنی اپنی وصیت کی، کوتاہیوں کو نظرانداز کرنے کی التجا کی، مدینہ والوں کو پیغامات دیئے۔ اس موقع پر حضرت صغریٰ علیہا السلام کو کون فراموش کر سکتا تھا؟ کون تھا جو علی اصغر علیہ السلام کو گود میں لینا اور پیار کرنا بھول جاتا؟ حضرت سکینہ علیہا السلام تو خود ہی چلتی پھرتی سوالات کی بولتی چالتی تصویر تھیں۔ اُن کو اطمینان دلا کر خوش کر دینا بڑا مشکل اور نفسیاتی مسئلہ تھا۔ بہرحال سب طرف سے فارغ ہو کر اولادِ رسولؐ امامؑ کے سامنے صف بستہ کھڑی ہوگئی۔ امام علیہ السلام نے آنسوؤں سے لبریز نظر ڈالی بارگاہ خداوندی میں سب کو پیش کیا۔

(1)۔ جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل علیہم السلام

آپکی والدہ جناب رقیہؑ بنت علیؑ بن ابی طالبؑ تھیں۔ یعنی عبداللہ امامؑ کے بھانجے بھی تھے اور بھتیجے بھی۔ اُنکے والد مسلمؑ بن عقیلؑ کربلا کے شہدا کی تمہید تھے۔ لہٰذا خاندانی وراثت کی حیثیت سے اولاد ابی طالبؑ میں اب پہلا نمبر حضرت مُسلمؑ کی اولاد کا حق تھا۔

قال ابومخنف وبرز عبد اللّٰہ بن مسلم بن عقیل فوقف بازآء الحسینؑ ۔ ثمّ قال یا سیدی ائذن لِی بالبراز؟ فقال علیه السلام کفاک وکفٰی اهلک مِن القتل والثکل وقال مِمَّاهم فیه ۔فقال یاعمَّ بِایِّ وجه القی اللّٰہ سبحانه وقد استلمت سیدی ومولای؟ واللّٰہ لاکان ذلک ابدًا ۔ثُمَّ انشاء ویقول: نحن بنوهاشم الکرام ۔نحمی عن ابن السید الامام ۔نسل علی الاسد الضرغام ۔سبط النبیِّ المصطفٰی التهامی ۔ثُمَّ حمل عَلَی القوم فقتل منهم خلقًا کثیرًا (فقاتل حتی قتل ثمانیة وتسعین رجلًا فی ثلاث حملات علامه محمد بن ابی طالب) فرماه رجل مِن المعاندین بسهم فقتله وعجل اللّٰہ بروحه اِلَی الجنة (فوضع عبد اللّٰہ یده علٰی جبهة یتّقیه فاصاب السهم کفّه ونفذ الی جبهته فسمرها به فلم یستطع تحریکها ثم انتحی برمحه فطعنه فی قلبه فقتله عمروبن صبیح کتاب الارشاد) فَلَمَّا نظر الحسینؑ الٰی ذلک اقبل الیه وکشفهم عنهُ وحملهٗ علٰی جواده واقبل به الَی الخیمة فطرحه فیها ثُمَّ رجع اِلٰی اصحابه و قال یاقوم احملوا بارک اللّٰہ فیکم وبادروا الَی الجنة ودار الامان خیرٌ من دارالهوان ۔(اکسیر صفحہ 279)

چنانچہ جناب عبداللہ آگے بڑھے اور کوئی مانع نہ ہوا۔ امامؑ کے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوگئے۔ اور عرض کیا کہ اے میرے سید ومولاؑ میں حاضر ہوں مجھے میدان ومقابلہ کی اجازت مرحمت فرمائیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بیٹے تمہیں اور تمہارے گھر والوں کیلئے حضرت مسلمؑ کا قتل اور صدمہ کافی ہے۔ اب تمہیں میدان جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا مقام بلند ہو چکا ہے۔ حضرت عبدؑاللہ نے عرض کیا کہ حضورؐ میں اللہ کو کیسے مُنہ دکھاؤں گا جب کہ میں اپنے سردار ومولاؑ کو کھنچی ہوئی تلواروں میں چھوڑ دوں۔ قسم بخدا یہ

بات تو ہم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ کہہ کر امامؑ کو خوش و رضا مند کیا کہ جناب ہم تو بنی ہاشم کی غیور و معزز اولاد ہیں۔ علیؑ جیسے غضبناک شیر کی نسل سے ہیں اور محمدؐ مصطفیٰ کے نواسے کی حمایت اگر اولاد امامؑ نہ کریگی تو اور کون کریگا۔ اسکے بعد ایک تباہ کن حملہ کیا اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے اسی طرح تین حملے کئے اور اٹھانوے دشمنوں کو تہہ تیغ کیا تھا کہ ماتھے سے پسینہ صاف کرنے کو ہاتھ پھرایا اور اُدھر عمر بن صبیح نے ایک تیر چھوڑا جس سے ہاتھ پیشانی کے ساتھ بندھ کر رہ گیا۔ بہت کوشش کی کہ تیر نکال دیں لیکن ممکن نہ ہوا۔ ساتھ ہی ایک دوسرا تیر سینے پر لگا جو دل کے پار نکل گیا اور اُن کی روح کو جنت میں لیجانے کیلئے اللہ نے بھی عجلت کی۔ امامؑ نے یہ دیکھ کر دشمن کی افواج پر حملہ کیا۔ جب دشمن بھاگ کھڑے ہوئے تو آپؑ نے عبداللہ کی لاش کو اپنے گھوڑے پر اٹھایا اور خیام میں آئے اور لاشہ کو لٹا کر اپنے صحابہؓ سے کہا کہ یہ لواسے بھی سنبھالو۔ اللہ تمہیں برکت عطا کرے اور جنت میں لے جائے۔ دنیا کے ذلت آمیز گھر سے جنت ایسا پُر اَمن مقام کہیں بہتر ہے۔

(2)۔ محمد بن مسلم علیہما السلام

وفی البحار محمدؒ بن مسلم بن عقیل امّه ام الولد قتله فیما رویناه عن ابی جعفرؑ ابوجرهم الازدی ولقیط بن ایاس الجهنی (اکسیر صفحہ 279)۔ یہ دوسری والدہ سے عبداللہ کے بھائی تھے۔ آپ بھی حضرت عبداللہ علیہ السلام کے قتل ہو کر گرنے پر حملہ آور ہوئے تھے تا کہ بھائی کی لاش اٹھالائیں۔ لیکن چاروں طرف سے تیر بارانی ہوئی اور ابوجرہم ازدی ولقیط بن ایاس جہنی ملاعین کے تیر کارگر ہوئے اور آپ شہید ہو گئے۔ غالباً یہیں سے یہ طے پایا ہوگا کہ لاشوں کو اٹھانے کیلئے امام علیہ السلام خود جائینگے یا خود نام تجویز فرمائیں گے۔

(3)۔ جناب احمد بن مسلم بن عقیل علیہم السلام

فاستاذن من الحسینؑ للبراز فاذن له فبرز وهو یقول: اطلب ثار مسلم مِن جمعکم۔ یاشرّقوم ظالمین فسقة۔ اضربکم بصارم ذی رونق۔ ضرب غلام صادق مِن صدقة۔ انثنی عمن لقانی ناکصًا۔ ولم اکُنْ مِمَّن یحب الشفقة۔ کم جاحد لمّا التقانی فی الوغا۔ صیّرته کَاللَّبنة المفلّقة۔ قال ثم حمل عَلَی القوم ولم یزل یضرب رجلًا بعد رجل حتی قتل خلقًا کثیرًا فبینما هو یقاتل اذ اتاه سهم فاستشهد امام الحسین علیه السلام۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 261)

جناب احمدؒ بن مسلمؑ امام حسینؑ سے اجازت لے کر میدان میں تشریف لائے اور یہ کہتے ہوئے دشمنان دین پر حملہ کر دیا کہ میں آج تم سب سے اپنے والد مسلمؑ بن عقیل کا انتقام لوں گا۔ اے ظالم و فاسق اور دنیا کی شریر ترین قوم۔ میں تمہیں زیروزبر کرنے والی تلوار کی ضربیں لگاؤں گا۔ وہ ضربیں لگاؤں گا جو حق پسند گروہ کا حق پرور جوان لگایا کرتا ہے۔ مجھے جو بھی عہد شکن ملے گا اُسے کاٹ کر دوہرا کر دوں گا۔ میں ذرہ برابر ایسے لوگوں پر رحم و شفقت نہ کروں گا۔ چنانچہ اگر کوئی ضدی اور سرکش مجھ سے ملاقات کرے گا میں اُسے پھٹے ہوئے دودھ کی طرح بنا کر پھینک دوں گا۔ راوی نے کہا کہ انہوں نے اس طرح حملے کئے کہ آدمی پر آدمی گراتے چلے گئے اور ایک کثیر مخلوق کو قتل کر ڈالا۔ وہ اسی انہماک سے لوگوں کو تہہ تیغ کر رہے تھے کہ اچانک ایک تیر آکر لگا اور آپ امامؑ کے سامنے شہید ہو گئے۔

(4)۔ عبیداللہ بن مسلم بن عقیل علیہم السلام

وقال صدوقؒ فی امالیه وبرز عبید الله بن مسلم بن عقیل وانشاء یقول: اقسمتُ لَااقتل الاحُرًّا۔ وقد وجدت الموت شیئًا مُرًّا۔

اکرہ اَن ادعی جیانًا فَرّا۔ان الجبان من عصاوفرّا۔ فقتل منهم ثلثة عشر رجلًا ثم قُتِلَ رحمة اللّٰه علیه ۔(اکسیرالعبادات صفحہ 279)

جناب علامہ صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ پھر جناب عبیداللہ بن مسلم بن عقیل نے یہ کہتے ہوئے حملہ کیا کہ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں صرف آزاد بہادروں کو قتل کروں گا۔ مجھے موت صرف اُس حالت میں کڑوی اور ناگوار ہے جب کہ میں اُسے بھاگتے ہوئے یا بزدلی کی حالت میں دعوت دوں۔ یقیناً میدان جنگ سے بھاگ جانا یا گناہ کرنا حقیقی بزدلی ہے۔اور یزیدی فوج کے تیرہ آدمی قتل کرڈالے اوراس کے بعد شہید ہوگئے۔اللہ اُن پر رحمت کرے۔

(5)۔ حضرت جعفر بن عقیل علیہما السلام

وفی البحار قال محمد بن ابیطالب وغیرهم ثم خرج مِن بعده جعفر بن عقیل وهو یرتجز ویقول: اناغلام الابطحی الطالبی۔مِن معشر فی هاشم وغالب ۔ونحن حقًا سادة الذوائب ۔ هذا حسیّن اطیب الاطائب ۔ من عترة البرّ ا لتقی العاقب ۔ قال ابومخنف وهو یقول: یامعشر الکهول والشبان ۔اضربکم بالسیف والسنان ۔ارضی بذاک خالق الانسان ۔ ثم رسولؐ الملک الدیّان ۔ ثُمَّ حمل عَلَی القوم ولم یزل یقاتل حتی قتل من القوم خمسة واربعین رجلًا ۔ ثم قتله بشر بن سوط الهمدانی لعنة اللّٰه علیه۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات صفحہ 279)

علامہ محمد بن ابیطالب وغیرہ علما نے لکھا ہے کہ پھر جناب جعفرؑ بن عقیل میدان میں نکلے اور یہ بتاتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ میں حضرات ہاشم اور غالب کے خاندان کا جوان ہوں جو بطحٰی ومکہ کے سردار تھے۔اور ہم تمام قبائل واقوام کے سردار ہیں اور یہ حسینؑ تو پاکیزگی میں سب سے ہی بڑھ کر ہیں۔ بقول ابومخنف دشمنان اسلام سے یہ بھی کہا کہ اے عمررسیدہ اور جوانو! تم دونوں خبردار ہوجاؤ میں تم کو بلاتکلف تلوار اور برچھیوں سے قتل کروں گا تاکہ میں انسانوں کے خالق اور تمام ادیان کے مالک رسولؐ کو خوش کرسکوں۔حملہ کرتے کرتے پینتالیس (45) ملاعین کوواصل جہنم کیا اورانہیں بشر بن سوط ہمدانی ملعون نے دھوکے سے شہید کردیا۔

(6)۔ جناب عبدالرحمٰن بن عقیل علیہما السلام

وفی البحار ثم خرج من بعده اخوه عبدالرحمٰن بن عقیل وهویقول:ابی عقیل فاعرفوا مکانی ۔ مِن هاشم وهاشم اخوانی ۔کهول صدق سادة الاخوانی ۔هذا حسیّن شامخ البنیان ۔وسید الشیب مع الشبان۔ فقتل سبعته عشر فارسًا ثم قتله عثمان بن خالد الجهنی۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 279)

کتاب بحار میں ہے کہ اُن کے بعداُن کا بھائی عبدالرحمٰنؑ بن عقیلؑ میدان جنگ میں آئے اوراعلان کیا کہ میرا والدعقیل ہے۔تم میرے مقام بلند سے واقف ہوجاؤ۔ میں ہاشمی ہوں اورمیرے ہاشمی بھائی حقیقی سید وسردار ہیں۔اور یہ حسینؑ توعظیم ترین بنیاد ہیں۔اورتمام پیروجوان کے سردار ہیں۔اتنی مسلسل اورشدید جنگ کی کہ سترہ(17)ملاعین کوقتل کیا۔عثمان بن خالد جہنی نے اچانک تیر مار کرشہید کیا تھا۔

(7)۔حضرات عبدؑاللہ بن عقیلؑ (8)۔عبدؑاللہ اکبر بن عقیلؑ اور(9)۔محمدؑ بن ابی سعید بن عقیلؑ (10)۔جعفرؑ بن محمدؑ بن عقیلؑ۔ (11)۔ علی بن عقیل علیہم السلام

وقال ابوالفرج وعبد اللّٰه بن عقیل بن ابی طالبؑ اُمّه ام الولد قتله عثمان بن خالد الجهنی وقال ابوالفرج وبشر بن

حوط الفایضی فیماذکرہ المدائنی عثمان بن خالد جھنی ورجلٌ من ھمدان ومحمدبن ابی سعید بن عقیل امّہ ام الولد قتلہ لقیط بن یاسر الجھنی رماہ بسھم فیما روینا ہ عن المدائنی عن ابی مخنف عن سلیمان بن ابی راشد عن حمید بن مسلم وذکر محمد بن علی ابن ابی حمزۃ انہ قتل معہ جعفر بن محمد بن عقیل وذکر ا یضًا اِنَّ علی بن عقیل اُمّہ ام الولد قتل یومئذٍ ۔"
(اکسیرالعبادات صفحہ 279)(حالات میں ترجمہ بحار صفحہ 240-239 حصہ اوّل)

"**ترجمہ جزائری**": "اُنکے بعد عبداللہ پسر عقیل بروایت ابوالفرج ماں اُن کی خادمہ تھیں معرکہ قتال میں آئے اور ایک جماعت کو قتل کیا ۔پس بروایت حمید بن مسلم ضربت عثمان بن جہنی اور بشیر ابن حوط فایضی سے شہادت پائی۔ بروایت مدائنی اُن کے بعد عبداللہ اکبر ابن عقیل ابن ابی طالبؑ میدان کارزار میں آئے اُن کی ماں کنیز تھیں ۔اور ضربت عثمان بن خالد جہنی اور ایک اور شخص ہمدانی سے شربت شہادت نوش فرمایا۔ پھر بروایت حمید بن مسلم محمدؒ پسر ابی سعید ابن عقیل میدان میں آئے اُن کی ماں بھی ام الولد تھیں اور اعدا میں سے ایک گروہ کو قتل کرنے کے بعد لقیط بن یاسر جہنی کے تیر سے شہید ہوئے ۔محمد بن علی بن حمزہ نے روایت کی ہے کہ جعفرؒ بن محمدؒ بن عقیل بھی کربلا میں سعادت شہادت پر فائز ہوئے ۔محمد بن علی بن حمزہ نے عقیل بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ علیؒ پسر عقیل بھی صحرائے کربلا میں شہید ہوئے ۔اُن کی ماں بھی کنیز تھیں ۔

(12)۔ جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار علیھم السلام

اِنکی والدہ کا نام **خوصاء** بنت حفصہ بن ثقیف جو قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تھیں ۔ یہ حضرت اور اُن کے بھائی حضرت عون جو جناب زینب علیہا السلام سے تھے ۔دونوں کو جناب عبدؒاللہ بن جعفرؒ طیار نے امام کے ساتھ روانہ کیا تھا۔

وفی البحار ثم قالوا وخرج مِن بعدہ محمدؒ بن عبد اللّٰہ بن جعفر بن ابی طالبؑ وھویقول: نشکو ا لی اللّٰہ مِن العد وان ۔ فقال قوم فی الردّی عمیان ۔قد ترکوامعالم القران ۔ومحکم التّنزیل والتّبیان ۔واظھر واالکفر والطغیان ۔ثم قاتل حتی قتل عشرۃ انفس ثم قتلہ عامر بن نھشل التمیمی۔ (اکسیرالعبادات صفحہ 279)

کتاب بحارالانوار میں ہے کہ پھر جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب علیھم السلام یہ کہتے ہوئے میدان میں نکلے کہ ہم ان لوگوں کی زیادتیوں کا شکوہ اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں ۔ یقیناً ان لوگوں نے تعلیمات قرآن کو ترک کر دیا ہے (فرقان 25/30) قرآن کے واضح اور بے لچک بیانات کو اور اُن کے مقاصد کی مخالفت اور اللہ و رسوؐل سے سرکشی کی ہے (فرقان 31-25/27) اور جنگ کے دوران دس ملاعین کو قتل کیا۔آخر میں عامر بن نہشل تمیمی کے ہاتھ سے شہادت پائی۔

(13)۔ جناب عون بن عبداللہ جعفر طیار علیھم السلام

آپ کی والدہ گرامی جناب زینب علیہا السلام ہیں ۔ چنانچہ آپ امام علیہ السلام کے بھتیجے بھی تھے اور بھانجے بھی تھے ۔ جناب محمدؒ کو بھی حضرت زینبؑ ہی نے پرورش کیا تھا۔اس لئے انہیں بھی حضرت زینبؑ کا بیٹا کہا جاتا تھا۔دونوں بھائیوں میں محبت و یگانگت بھی مثالی تھی۔

ثم خرج مِن بعدہ عون بن عبدؒ اللّٰہ بن جعفرؒ وھویقول: اِن تنکرونی فانا ابن جعفر۔ شھید صدق فی الجنان اظھر۔ یطیر فیھا بجناح اخضر ۔کفٰی بھٰذا شرفًا فی المحشر ۔ثم قاتل حتی قتل من القوم ثلثۃ فوارس ثمانیہ عشر راجلًا ۔ثم قتلہ عبد اللّٰہ

بن بطة الطائی۔(اکسیرالعبادات صفحہ 280)

پھراُن کے بعد جناب عون بن عبداللہ بن جعفر یہ فرماتے ہوئے میدان جنگ میں نکلے کہ اگر تم مجھے نہیں جانتے تو پہچان لو کہ میں جعفرؑ کا پوتا ہوں جس نے حق پرستی میں شہادت کا درجہ حاصل کیا اور ساری دنیا سے پہلے آج بھی جنت میں سبز پروں سے پرواز کرتے ہیں۔ہمیں قیامت میں اتنا ہی فخر کافی تھا۔اس کے بعد یہاں تک جنگ کی کہ تین سواروں اور اٹھارہ پیادوں کو واصل جہنم کیا اور عبداللہ ابن بطہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

(14)۔ جناب عبداللہ ابوبکر بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

فاوّل مَنْ خرج مِن ولد علیؑ ابی بکر بن علیؑ واسمه عبید اللّٰه واُمّه لیلٰی بنت مسعود بن خالد بن ربعی التمیمیة فتقد م وهو یرتجز : شیخی علیؑ ذوالفخار الاطول۔ من هاشم الصدق الکریم االمفضّل ۔ هذا حسینؑ ابن النبیؐ المرسل۔ عنه نحامی بالحسام المصقل۔ نفدیه نفس من اخ مبجّل ۔ فلم یزل یقاتل حتی قتله زجر بن بحر النخعی وقیل عبد اللّٰه بن عقبه غنوی۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 280)

آپ کا نام عبداللہ عرفیت ابوبکر تھی۔مادر گرامی لیلٰی دختر مسعود بن خالد تمیمی تھیں۔امامؑ سے جہاد کی اجازت لیکر میدان کارزار میں آئے اور یہ کہتے ہوئے فوج اشقیا پر حملہ کر دیا: میرے بزرگ علیؑ ہیں۔جن پر فخر کرنے کیلئے لامحدود فضائل ہیں اور وہ خود ہاشمی ہیں جہاں حق وصداقت اور بزرگی جمع ہوکر رہ گئی ہے۔اور یہ حسینؑ نبی مرسلؐ کے بیٹے ہیں۔ہم اُن ہی کا دفاع تلواروں سے کر رہے ہیں۔ہم اپنے اس معزز بھائی پر اپنی اپنی جان قربان کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے اور سامنے آنے والے دُشمنانِ اہلبیتؑ کا صفایا کرتے جارہے تھے کہ اچانک زجر بن بحر نخعی نے یا بقول دیگر عبداللہ بن عقبہ غنوی نے حملہ کیا اور آپ جنت کو سدھار گئے۔

(15)۔ جناب عمر بن علی بن ابیطالب علیہم السلام

ثُمَّ بَرَزَ مِن بعده اخوه عمر بن علیؑ و هویقول: اضربکم ولا ارئ فیکم زجر۔ ذاک الشقی بالنبیؐ قدکفر۔یازجر یازجر تدانی مِن عمر۔ لَعلّک الیوم تبوء من سقر۔ شرمکان فی حریق وسعر۔ لانک الجاحد یاشرالبشر۔ ثمَّ حمل علٰی زجر قاتل اخیه فقتله و استقبل القوم وجعل یضرب بسیفه ضربًا منکرًا وهو یقول: خلّوا عداة اللّٰه خلّوامِن عمر ۔خلّوا عن اللیث العبوس المکفهر۔ یضربکم بسیفه ولا یفرّ۔ ولیس فیها کاالجبان المنحجر۔ فلم یزل یقاتل حتّٰی قُتِلَ۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 280)

آپ جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔اپنے بھائی کی شہادت کے بعد میدان میں نکلے اور یہ کہتے ہوئے یزیدی فوج پر حملہ کر دیا کہ میں تمہیں اس وقت تک مارتا رہوں گا جب تک میں زجر بن بحر کو نہ دیکھ لوں۔وہ ایسا بدنصیب ہے کہ اُس نے نبیؐ پر دست درازی کر کے کفر اختیار کر لیا ہے۔او زجر، او ملعون زجر، تو کہاں ہے ذرا عمر کے پاس آ جا کہ تجھے جہنم میں پہنچا دوں۔تُو تو بڑا سرکش بنتا ہے اور تمام انسانوں سے بڑھ کر مفسدہ پرداز ہے۔آ جا تا کہ تجھے تیرے شایان شان جلا ڈالنے والے مکان میں پہنچا کر چھوڑوں۔پھر زجر کو ڈھونڈھ کر اپنے بھائی کے انتقام میں قتل کر دیا۔اور اس کے بعد افواج عمر سعد پر یکسوئی سے حملہ کیا۔اُس حملہ میں بھی کہتے جاتے تھے کہ اے دشمنان خدا عمر کے سامنے سے ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ ایک پھاڑ کھانے والے شیر کے سامنے سے بھاگ جاؤ۔وہ تمہیں اپنی تلوار سے

ٹکڑے ٹکڑے کریگا بھاگے گا نہیں۔اس میں میدان سے بھاگنے والی بُز دلی نہیں ہے۔اسی طرح بدترین مار دیتے دیتے شہید ہوگئے۔

(16)۔ جناب عثمان بن علی حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیھم السلام

ثُمَّ برز من بعده اخوہ عثمان بن علیؑ وامه امّ البنین بنت الخرام بن خالد مِن بنی کلاب وھویقول: اِنّی انا عثمان ذوالمفاخر۔ شیخی علیؑ ذوالفعال الظاھر۔ وابن عمّ النبیؐ الطاھر۔ اخی حسینؑ خیرۃ الاخائیر۔ وسید الکبار والا صاغر۔بعد الرسوؐل والوصی الناصر۔ فرماہ خولی بن یزید الاصبحی علیٰ جبینه فسقط عن فرسه۔وقیل قُتِلَ عثمان بن علیؑ وھو ابن احدی وعشرین سنة وعن علیؑ انّما سَمَّیتُهُ باسم عثمان بن مظعون۔(اکسیرالعبادات صفحہ 280)

پھراپنے بھائی کے بعد جناب عثمان بن علیؑ میدان جنگ میں نکلے۔اُن کی والدہ کا نام اُم البنین بنت الحزام بن خالد تھا۔جو بنی کلاب کے بہادر قبیلے سے تھے۔وہ یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے کہ میں عثمان ہوں۔طرح طرح کے فخر میرے ساتھ وابستہ ہیں۔ میرا بزرگ والد علیؑ ہے جس کے کارنامے سب پر ظاہر ہیں۔جو رسولؐ اللہ کے چچازاد اور پاکیزہ بھائی ہیں۔اور میرا بھائی حسینؑ تمام بہترین لوگوں کا مرکز ہیں۔اور تمام چھوٹے بڑے انسانوں کے سردار ہیں۔اور رسولؐ کے بعد دین کے مددگار اور وصی ہیں۔خولی بن یزید نے گھات میں بیٹھ کر ایک تیر اُن کی پیشانی پر مارا جس سے آپ گھوڑے سے زمین پر آ گئے۔کہا گیا ہے کہ جناب عثمان اکیس سال کی عمر کے جوان تھے۔حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ میں نے اُن کا نام اپنے دوست عثمان بن مظعون کے نام پر رکھا ہے۔

(17)۔ حضرت جعفر بن علی حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیھم السلام

ثُمَّ بَرَزَ مِن بعدہ اخوہ جعفر بن علیؑ وامّه امّ البنینؑ وھویقول: انی انا جعفر ذوالمعالی۔ابن علیؑ الخیر ذی النوال۔حسبی بعمی شرفًا وخالی۔احمی حسینًا ذا الندیٰ المفضال۔ ثمّ قاتل فرماہ خولی الاصبحی فاصاب شقیقته وعینه رحمة اللّٰه علیه۔(ایضاً)

پھراُن کے بھائی جناب جعفرؑ بن علیؑ میدان میں آئے۔اُن کی والدہ بھی ام البنین تھیں۔یہ کہہ کر لشکر کا صفایا شروع کیا کہ میں بلند مراتب والا جعفرؑ ہوں۔میرے والد علیؑ مجسمۂ خیر اور سخی ہیں۔میرے چچا اور خالو تمام صاحبان شرافت وعزت ہیں اور ہم صاحب فضل وبخشش حسینؑ کی حمایت میں تیغ آزما ہیں۔گھمسان کی جنگ سے چھٹکارا پانے کے لئے پھر خولی ملعون نے تیر چلایا جو کنپٹی اور آنکھ سے پار نکل گیا۔اُن پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

(18)۔ جناب عبداللہ بن علی حضرت عباس کے ماں جائے بھائی علیھم السلام

ثُمَّ بَرَزَ اَخُوہُ عَبدُ اللّٰه بِن علیؑ قِیلَ وَھو ابن خَمُس وعشرین سنة ولا عقب له ۔وَھویقول:اَنَا ابُنُ ذِی النجّدۃ والافضال ۔ ذاک علی الخیر ذوالفعال۔ سیف رسوؐل اللّٰه ذوالنکال۔فی کل قوم ظاھر الاحوال۔ فقتله ھانی بن ثبیت الخضرمی۔(اکسیر صفحہ 280)

اُنکے بعد حضرت عبداللہ بن علی مرتضیٰ علیھما السلام میدان کارزار میں نکلے۔آپ کی عمر پچیس سال تھی۔آپ نے یہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمنانِ اسلام کا قتل عام شروع کیا: میں بزرگیوں اور فضل وکمال والوں کا بیٹا ہوں اور وہ علیؑ مرتضیٰ ہیں جنکے قابل فخر کارنامے لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔وہ رسولؐ اللہ کی ایسی تلوار تھے جس نے کفر وشرک کے منصوبوں کو تہہ وبالا کر دیا۔اور دنیا کی تمام اقوام اُن کی کارکردگی پر مطلع ہیں۔وہ بڑے انہماک اور موت سے بےفکر تیغ زنی کررہے تھے کہ ہانی بن ثبیت نے دُور سے تیر مار کر شہید کر دیا۔

(19-20)۔ جناب محمدالاصغراور جناب ابراہیم بن علی مرتضیٰ علیہم السلام

وعن نصربن مزاحم اَنّ محمدؑالاصغر بن علیؑ بن ابی طالبؑ اُمّه امّ الولد وعن المدائنی ان رجل مِن بنی ابان بن دارم قتله، وعن محمد بن علی بن حمزه انّه قتل یومئذٍ ابراهیم بن علیؑ بن ابی طالبؑ وامه ام الولد۔(اکسیرالعبادات صفحہ 280)

''اِن کے بعد محمدؑ الاصغر فرزند جناب امیر علیہ السلام لشکر مخالف کے سامنے آئے اور بروایت امام محمدؑ باقر اُن کی والدہ کنیز تھیں۔ آپ ایک ملعون تمیمی جو فرزندان ابان بن دارم سے تھا، کی تلوار سے شہید ہوئے۔ ابوالفرج نے محمد بن علی بن حمزہ سے نقل کیا ہے کہ ابراہیمؑ فرزند جناب امیرؑ المومنین بھی معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔''(ترجمہ بحارالانوار حصہ اوّل صفحہ 245 علامہ جزائری)

(الف)۔ ہمیں بھی کچھ کہنا ہے

ہم یہ شکوہ کرتے رہے ہیں کہ ملت شیعہ اور محمدؐ وآل محمدؐ کے دشمنوں نے اُس تمام ریکارڈ کو تباہ کیا اور کوشش کی کہ ہر بات کو مشکوک کر دیا جائے۔ اور جہاں تک ہو سکے یزید اور یزید کے سرپرستوں اور ہم مذہبوں کے جرائم چھپا لئے جائیں یا کم از کم کر کے دکھائے جائیں۔ کربلا میں شہدائے کربلا کی تعداد میں کمی کرنا اور مختلف روایات کی ایجاد سے اُس تعداد کو مشکوک اور مشتبہ کرنا اسی پالیسی کا پتہ دیتا ہے۔ چنانچہ وہ علما جو اس تعداد کو کم کر کے دکھانے میں مدد کرتے رہے ہیں ہم نے اُن کی بھی شکایت کی ہے۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ سرکاری علما نے شہدائے کربلا کی کل مخلوط تعداد (72) بہتر بہتر بہتر۔ اور شہدائے بنی ہاشمؑ (18) اٹھارہ اٹھارہ اٹھارہ پر اس قدر زور دیا کہ آج ہر شیعہ سُنّی کی زبان پر بہتر اور اٹھارہ ہے اب وہ علما جو بہتر اور اٹھارہ کو برقرار رکھنے میں کوشاں نظر آئیں۔ جوہر اُس روایت کو غلط قرار دیں جس میں یہ تعداد بڑھتی ہوئی نظر آئے یقیناً سرکاری علما میں شمار کئے جائیں گے۔ اس اصول پر مندرجہ بالا دونوں شہدائے بنی ہاشم یعنی محمدؑ اصغر اور ابراہیمؑ پسران علی علیہ السلام کی پوزیشن پر نظر ڈالیں۔ تمام کتابوں میں اُن کو شہدائے کربلا میں شمار کیا اور لکھا۔ اور خود علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے بھی اُن کو شہدائے کربلا میں شمار کیا اور لکھا مگر ساتھ ہی یہ دُم بھی لگا دی کہ:۔

''ابوالفرج نے محمد بن علی بن حمزہ سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم فرزند جناب امیرالمومنین علیہ السلام بھی معرکہ کربلا میں شہید ہوئے مگر یہ ذکر میں نے کسی اور سے نہیں سنا اور نہ کسی انساب میں پایا۔'' (ترجمہ بحار حصہ اوّل صفحہ 245)

اس دُمدار بیان سے پڑھنے والے شخص پر جو اثر ڈالنا چاہا ہے وہ یہ نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ بن علیؑ کی شہادت قاری کے دل میں یقین کے ساتھ قائم ہو جائے۔ یعنی علامہ رضی اللہ عنہ بحارالانوار کے پڑھنے والوں کو نہایت اطمینان سے مشکوک کرنے اور شہدائے کربلا کی تعداد کم کرنے والوں میں شامل ہیں۔ پھر یہ سوچیں کہ جس دلیل اور جس بنیاد پر شہدائے کربلا کی تعداد کو کم اور مشکوک کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

(1)۔ علامہ نے کسی اور سے نہیں سُنا۔ اور (2)۔ علامہ نے کسی سلسلہ نسب کی کتب میں نہیں دیکھا۔

اہل عقل سوچیں کہ یہ دونوں باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ اگر علامہ پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے تو گزشتہ زمانہ کی تاریخ اور واقعات وحقائق پر کیا اثر پڑتا؟ اور اگر علامہ نے کوئی بات، کوئی حقیقت یا کوئی واقعہ نہیں سُنا تو کیا یہ مان لیا جائے کہ وہ تمام چیزیں دنیا میں موجود نہیں تھیں

یا موجود نہیں ہوسکتیں جو علامہ نے سُنی یا دیکھی نہ ہوں؟ پھر علامہ رضی اللہ عنہ یہ نہیں کہتے کہ کسی عالم سے نہیں سُنا، کسی محدث یا نساب سے نہیں سُنا۔ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ اُنہوں نے سننا چاہا لیکن کوئی نہ سُنا سکا، انہوں نے پوچھنا چاہا مگر کوئی بتا نہ سکا، بس علامہ نے سُنا نہیں۔ یعنی گلی بازار یا دفتر میں کسی نے بھی کسی سے یہ بات نہیں کہی، کہتا تو علامہ سُن لیتے۔ دوسری بات یہ کہ علامہ نے نسب نامہ کی کتاب میں نہیں پڑھا۔ سوال یہ ہے کہ علامہ آج سے تقریباً چارسو سال پہلے کے آدمی ہیں۔ یعنی زمانہ رسولؐ اللہ سے ایک ہزار سال بعد کے آدمی ہیں۔ اُن ایک ہزار سال میں شیعہ ریکارڈ اور شیعوں کے ساتھ کیا کیا ہوا؟ علامہ کو یقیناً معلوم ہوگا۔ انہیں معلوم ہوگا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کی تصدیق شدہ چارسو کتابیں صرف علم الحدیث کی غائب کر لی گئیں؟ انہیں معلوم ہوگا کہ سید مرتضیٰ علم الھدٰی کی لائبریری سے اسّی ہزار کتابیں حکومت بغداد کے رؤسا اور عہدیداروں میں تقسیم ہوکر شیعوں سے غائب کر لی گئیں؟ انہیں معلوم ہوگا کہ یزید کے جانشین خلفا نے چھ سو سال میں شیعوں کے خلاف کتنی مہمیں چلائیں؟ اُنہیں یقیناً معلوم ہوگا کہ تاریخ وحدیث وتفسیر و فقہ ومغازی ومقاتل کی وہ کتابیں جو بلا کسی پابندی کے رائج چلی آئی ہیں وہ کس نے لکھوائیں؟ کن لوگوں نے لکھیں اور ان میں کتنی تبدیلیاں وردوبدل ہوتی چلی آئی ہے؟ انہیں یقیناً معلوم ہوگا کہ سرکاری احکام سے شجرے اور نسب نامے بدلے گئے۔ غلط ناموں سے تیار کئے گئے خود رسولؐ اللہ کا اپنا شجرہ نسب یا نسب نامہ بدل کر پیش کیا گیا۔ اِن تمام معلوم صورتوں میں علامہ کا یہ کہنا کہ ''نہ کسی کتاب انساب میں پایا'' ستم ظریفی ہے۔ ہمیں یہ حق ہے کہ معلوم کریں کہ علامہ نے نساب پر کون کون سی کتابیں پڑھی تھیں؟ علامہ کی نسب دانی کا کمال اور مذہب شیعہ کی خدمت کا ایک ثبوت یہ ہے کہ علامہ رضی اللہ عنہ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہؑ کا نکاح عمر سے مانتے ہیں اور رسول اللہ کی چار بیٹیاں اور تین بیٹیوں کا کافروں اور منافقوں سے نکاح بھی مانتے اور لکھتے ہیں (حیات القلوب)۔ لہٰذا ہم علامہ کی صرف وہ بات تسلیم کرتے ہیں جو مذہب شیعہ اور تعلیمات آئمہ علیہم السلام کے خلاف نہ ہو۔

(21)۔ حضرت عبیداللہ بن علی بن ابی طالب علیہم السلام

حضرت علی علیہ السلام کے فرزند عبیداللہ علیہ السلام کی شہادت کو بھی علامہ محمدؐ باقر رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر علما نے محل نزاع بنا کر مشکوک کرنے بلکہ غلط کہنے کی جسارت کی ہے۔ حالانکہ شیعہ آثار وروایات میں سے یہ جملہ خود اُن ہی علما نے لکھا بھی ہے کہ:۔

> وعن عبيد الله الطلحی اِنّ عبيد الله بن علیؑ قُتِلَ مع الحسين عليه السلام۔ قيل وهٰذا خطاء وانما قُتِلَ عبيد الله بن علیؑ يوم الدار قتله اصحاب المختار۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 280)
>
> ''عبیداللہ طلحی سے روایت کیا گیا ہے کہ عبیداللہ بن علیؑ بن ابیطالبؑ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ (کربلا میں) قتل ہوئے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات غلط ہے اس لئے کہ عبیداللہ بن علیؑ بن ابیطالبؑ تو اُس روز قتل ہوئے تھے جس دن امیر مختار کے صحابہ قتل کئے گئے تھے۔'' (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 280)

یہاں آپ نے دیکھ لیا کہ کربلا میں حضرت عبیداللہ بن علی مرتضی علیہما السلام کی شہادت بیان کرنے والے راوی کا نام لکھا ہے۔ لیکن اس شہادت کو غلط کہنے والے کے نام کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ بلکہ اُسے بلا نام ونشان اس لئے غلط مان لیا گیا کہ اس سے شہدائے کربلا کی

تعداد کم ہوتی تھی اور یہی یزیدی سرکاری پالیسی کی تائید ہے۔ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ روایت غلط ہے جو شہدائے کربلا کی تعداد گھٹائے یا کسی دشمن اہلبیتؑ کو شہدائے اہلبیتؑ میں داخل کر کے تعداد بڑھائے۔لہٰذا امیر مختار کے ساتھ شہید ہونے کی بات مُنزل مِن اللہ نہیں ہے وہ بھی ایک روایت ہوگی اور روایت قبول کرنے کا معیار یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کی تائید میں روایت نہ ہو۔اللہ ورسولؐ کے خلاف روایت نہ ہو۔ سرکاری وقومی مذہب کی پالیسی روایت سے صحیح نہ ثابت ہوتی ہو۔

(الف)۔ جھوٹوں کو باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اپنے گھر میں کافی ہیں۔

ہمارے دوست ایک بات غور سے سنیں اور یاد رکھیں تا کہ بوقت ضرورت سند رہے اور کام آئے۔

1۔ ثُمَّ بَرَزَ مِنْ بَعْدِهٖ اَخُوْهُ جعفرؑ بن علیؑ وَاُمُّهٗ ام البنینؑ ایضًا وَعَنْ ابی الفرج اَنَّهٗ اِبْنُ تسعة عشر سَنَةٍ"۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 280)

ترجمہ: "پھر اُن کا بھائی جعفرؑ بن علیؑ میدان میں نکلا اور اُن کی ماں بھی ام البنینؑ ہی تھیں اور ابوالفرج نے لکھا ہے کہ اُن کی یعنی جعفرؑ بن علیؑ کی عمر اُنیس (19) سال تھی۔"

2۔ "اور جعفرؑ بن علیؑ اُنیس (19) برس کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔"
(علامہ محمد باقر کتاب بحار الانوار ترجمہ جزائری حصہ اوّل صفحہ 245)

اب قارئین وسامعین وناقدین ہماری بات سُنیں کہ حضرت علی مرتضٰی علیہ السلام کی شہادت رمضان 40 ہجری (چالیس ہجری) میں ہوئی تھی۔اور اس پر علامہ محمد باقر ہی نہیں بلکہ ساری دنیا متفق ہے۔اگر یہ مان لیا جائے کہ (معاذ اللہ) شب ضربت آپؐ کا حمل جناب ام البنینؑ کو رہ گیا تھا۔تو زیادہ سے زیادہ ماہ رجب 41 ہجری میں جناب جعفرؑ بن علیؑ کو پیدا ہو جانا چاہئے تھا۔لہٰذا فرض کرلو کہ وہ پیدا ہوگئے تھے۔تب انہیں ماہ رجب 60 ہجری میں اُنیس سال کا ہونا چاہئے تھا لیکن وہ ماہ محرم 61 ہجری میں اُنیس سال کے ہوتے ہیں۔جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ماہ محرم 42 ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔اور اُن کا حمل جناب ام البنین کو ماہ ربیع الآخر 41 ہجری میں رہا تھا۔یعنی اُس وقت جناب علی مرتضٰی علیہ السلام کی شہادت کو سات آٹھ ماہ ہو چکے تھے۔مومنین سوچیں کہ اس سے بڑا جھوٹ اور اس سے بڑی گالی اور کیا ہوسکتی ہے جو یہ تاریخ وجغرافیہ وعلوم کائنات سے جاہل لوگ دیں گے؟ بتائیے 40 ہجری میں انتقال کرنے والے شخص کا بچہ 61 ہجری میں کس علامائی حساب سے اُنیس سال کا ہوگا؟ جن لوگوں کو جمع تفریق اور ضرب تقسیم حتٰی کہ سو تک گنتی نہ آتی ہو، اگر وہ علامہ اور مولانا ہو جائیں تو کیا تعجب ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یقین کیجئے کہ حکومت کی طاقت اگر حاصل ہو جائے تو اَن پڑھ، جاہلِ مطلق لوگ بادشاہ، سلطان اور خلیفہ بن سکتے ہیں۔اور اُن ہی کے سہارے کورے لٹھ اور احمق لوگ علامہ، مولانا، مرجع الخلائق، ثقۃ الاسلام، شیخ الاسلام اور شیخ الطائفہ بن جاتے ہیں۔اس لئے کہ اصل کام تنخواہ داروں سے لیا جاتا ہے اور نام علامہ اور بادشاہ کا ہوتا ہے۔مومنین یقین فرمائیں کہ یہ لوگ گدی نشین تھے۔جس طرح ایک پیر صاحب کا بیٹا یا ایک بادشاہ کا بیٹا پیر صاحب اور بادشاہ سلامت کے مرنے پر باپ کی گدی پر بیٹھ جاتا ہے اور کوئی مرید یا رعایا کا فرد دَم

نہیں مار سکتا۔اسی طرح یہ لوگ بادشاہ اور علامہ وغیرہ تھے۔نہ کوئی اُن کا امتحان لینے والا تھا نہ کوئی اُن پر اعتراض وتنقید کر سکتا تھا۔حکومت کا ڈنڈا یا علم کا عصا ہاتھ میں تھا۔سزائے موت کے اختیارات زبان کی نوک پر تھے۔خزانہ اور مال حرام کے انبار پر تصرف حاصل تھا۔جس کو چاہتے تھے خرید لیتے تھے۔یہ خرید وفروخت آج بھی جاری ہے اور ہر زمانہ میں جاری رہی ہے۔حکومت ہی کی طاقت تو ہے کہ ایک جاہل شخص اعلان کرتا ہے کہ قرآن کا وہ ترجمہ غلط ہوگا جو اُس کی پسند کے خلاف ہو۔ایسی کتاب ضبط کر لی جائے گی جس میں کسی آیت کا ایسا ترجمہ ہوگا جو اُن کی بارگاہ جہالت کی سند نہ رکھتا ہو،یہی ہے؛

جس کی لاٹھی اُس کی بھینس۔یعنی ''جس کی حکومت اُس کا قرآن'' اور ہر مولانا وعلامہ کا لاٹھی رکھنا اور لٹھ بندی لازم سمجھنا بھی قابل فہم ہے۔کیسا کم بخت ہوگا وہ شخص جو رسم علامائی کے لئے لاٹھی لے کر جائے اور پشاور میں لاٹھی بھول کر واپس کراچی آجائے اور لاٹھی یاد نہ آئے؟ اور لاٹھی پہنچانے کیلئے پشاور سے کسی غریب کو کراچی کا سفر کرنا پڑے۔یعنی لاٹھی اس کیلئے مصیبت ہے۔بہرحال ہم اور تمام محبانِ اہلبیت علیھم السلام اُن جہلا اور خلفا وعلما کے محتاج نہیں ہیں۔ہم اپنے مذہب اور مذہبی ریکارڈ پر فخر کرتے ہیں۔ہم چٹکی بجاتے ہی حق وباطل الگ الگ کر دیتے ہیں۔ہمیں یہ سرکاری ریکارڈ اور یہ سرکاری علما فریب نہیں دے سکتے۔

(22)۔ **حضرت عباس بن علی بن ابی طالب علیھم السلام**

(23)۔ **حضرت علی اکبر بن حسین علیھما السلام**

(24)۔ **حضرت احمد بن حسن علیھما السلام**

(25)۔ **حضرت قاسم بن حسن علیھما السلام**

(26)۔ **گوشواروں والا بچہ علیہ السلام**

(27)۔ **حضرت علی اصغر شیرخوار علیہ السلام**

(28)۔ **حضرت عبداللہ بن حسن علیھما السلام**

(29)۔ **حضرت امام حسین علیہ السلام**

ان حضرات علیھم السلام کی شہادتیں اپنی خصوصیات اور روح فرسا حالات کی بنا پر الگ الگ لکھی جائیں گی۔

نوٹ: واضح رہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے چھ فرزندوں میں سے حضرت علی الاعلیٰ عرف زین العابدین علیہ السلام کے علاوہ باقی پانچ صاحبؑ زادے میدان کربلا میں شہید ہوئے تھے۔اور اس سرکاری ریکارڈ میں صرف حضرات علی اکبر وعلی اصغر علیھما السلام کا ذکر ملتا ہے۔ **باقی تین صاحب زادے:۔**

(30)۔ **علی الاوسط عرف محمد علیہ السلام**

(31)۔ **علی الثالث عرف جعفر علیہ السلام**

(32)۔ **علی الرابع عرف حسن علیہ السلام**

شہید ہونے کے باوجود سرکاری علمانے اپنے اشاروں کنایوں میں چھپالئے۔مثلاً ایک گوشواروں والا بچہ کہہ کرنام غائب کیا۔ایک کی جگہ حضرت قاسم کو چھوٹا بچہ بنا کر دکھا دیا۔حالانکہ وہ عاقل و بالغ وجوان تھے اور ایک کو ابوبکر فرزند حسنؑ بنا دیا۔حالانکہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے صرف تین صاحبزادے شہید ہوئے اور عبداللہ بن مسلم علیہ السلام کی با قاعدہ جنگ دکھا کر (ترجمہ بحار صفحہ 238) پھر عبدؑاللہ بن مسلمؑ کو ایک بچہ معصوم بنا کر دوبارہ شہید کر دیا (ایضاً صفحہ 250) یعنی اسطرح تین شہدا کی تعداد کوکم کر دیا گیا۔لہٰذا مومنین میدان کربلا میں اولادابوطالب علیہ السلام کے شہدا کی تعداد کواٹھارہ کے بجائے بتیس (32) سمجھیں اور جھوٹوں پر حسب الحکم لعنت کرتے رہیں۔

موجودہ ریکارڈ سے شہدائے کربلا کی تعداد

شہدائے کربلا کی تعداد پر علمانے بہت کچھ لکھا بڑی تحقیق کی لیکن پبلک تک جو کچھ پہنچا وہ یہ ہے کہ کربلا میں کل بہتّر حضرات کی شہادت ہوئی تھی۔جن میں اٹھارہ بنی ہاشم بھی تھے۔لیکن اُسی لٹے پٹے اور بچے کھُچے ریکارڈ سے کل تعداد (32+126=158) ایک سو اٹھاون نام بنام آپ کے سامنے ہے۔اور اگر حملہ اولیٰ میں شہید ہونے والوں اور غیر معروف شہدا کے نام معلوم ہو سکتے تو یہ تعداداُتنی ہی ہوجاتی جتنی کہ حقیقی مومنین کی تعداد جنگ بدر میں تھی۔یعنی اگر تین سوتیرہ میں سے وہ منافق نکال دیئے جائیں جو مہاجرین وانصار میں سے ملے جلے موجود تھے (تفہیم جلد اصفحہ 48 مودودی) تو سرفروشان بدر کی تعداد کے برابر شہداء کربلا کی تعداد بنتی ہے۔لیکن تعداد معلوم ہو یا نہ ہو یہ معلوم ہے کہ امام حسینؑ بھی محمدؐ تھے۔اوراُن بارہ محمدؐوں میں اختلاف ناممکن ہے۔لہٰذا تعداد میں بھی اختلاف ناممکن تھا۔

41۔ شہادت حضرت عباس علیہ السلام

(1)۔ **حضرت عباس علیہ السلام سے تعارف:** حضرت عباسؑ کوامام حسین علیہ السلام اپنے لئے ایک علامۃ اور ذخیرہ فرمایا کرتے تھے۔اس کا سبب یہ تھا کہ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے کربلا کی پیشین گوئی کو پروان چڑھانے کے لئے اپنے حصے کی جو خدمات انجام دی تھیں اُن میں سے ایک یہ تھی کہ وہ انصارانِ حسینؑ مظلوم میں شامل ہونے کے لئے ایک محسوس ومادی انتظام کر گئے تھے۔یعنی اپنی شہادت کے بعد عباؑس کی صورت میں موجود رہنے کا بندوبست کر دیا تھا تا کہ اہل کربلا حیدر کرارؑ کو ہر وقت اپنے سامنے اور اپنے ساتھ پائیں۔لہٰذا اُنہوں نے عرب کے ایک مشہور ترین بہادر خاندان کو کربلا کے لئے اپنا مددگار بنایا۔حضرت امّ البنین کی صورت میں اُس خاندان کی تمام صفات وشجاعت کو اپنے گھر لائے اوراُنہیں بتایا کہ ہمیں فرزند رسولؐ حسینؑ کے لئے ایک ایسا وفا پرست بہادر خدمتگار فراہم کرنا ہے جیسا کہ حضرت ابوطالبؑ اور فاطمہ بنت اسدؑ نے جناب محمدؐ مصطفیٰ کے لئے تیار کیا تھا۔اس طرح اللہ نے تمام حیدری صفات وشجاعت ووفا وتسلیم ورضا کا ایک مجسمہ حضرت عباسؑ کی صورت میں عطا کیا۔اور پھر اُن کی تائید وتقویت کے لئے حضرت ام البنینؑ کو مسلسل تین بیٹے اور عطا کئے۔یہ تھا وہ ذخیرۂ خداوندی جو علیؑ مرتضیٰ اور حضرت امّ البنینؑ نے جمع کیا تھا اور بروقت امام حسینؑ کو سونپ دیا تھا۔چونکہ یہ ذخیرہ معجزاتی تدبراور پیش بینی کا ایک چلتا پھرتا ثبوت تھا۔اس لئے اس کو علامۃ ، نشان اور معجزہ قرار دیا گیا۔اس لئے بھی کہ حضرت علی علیہ السلام نے جو کچھ سوچا تھا اور جو امیدیں قائم کی تھیں وہ تمام حضرت علیؑ کی زندگی ہی میں بے نقاب ہو چکی تھیں۔

حضرت عباس علیہ السلام جناب امامؑ کو اپنا آقا اور مالک سمجھ کر نقل و حرکت کرتے تھے۔اُن کی زبان سے کبھی کسی نے امامؑ کے لئے لفظ بھائی نہیں سنا تھا۔اُنہوں نے ہمیشہ سر جھکا کر سامنے آنے کی پابندی کی تھی۔وہ کبھی امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں بلند آواز سے نہ بولتے تھے۔جہاں قلب کے ساتھ سر جھکا رہتا تھا وہیں دونوں ہاتھ بندھے رہتے تھے۔آپ کو امامؑ کے رُوبرو تو کہاں ویسے بھی کبھی ہنستا ہوا نہیں دیکھا گیا تھا۔آپ اسم با مسمّٰی تھے۔سوتے ہوئے بھی چہرے کے رعب وجلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ دیکھنے والے کو اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں نگاہ کا بار پڑنے سے جاگ نہ جائیں۔حُسن وجمال میں آپ نے خدیجۃؑ الکبریٰ سے لے کر فاطمہؑ زہراء تک اور حضرت ہاشمؑ سے لے کر محمد مصطفیٰؐ، علیؑ مرتضیٰ اور حسنؑ مجتبیٰ تک سب سے منتخب حصہ پایا تھا۔خانوادۂ نبوتؐ ہی کو نہیں بلکہ ہر دیکھنے والے فرد کو آپ کے چہرہ میں اُمید و تمنا کا پیغام ملتا تھا۔اُنہیں دیکھ کر ڈھارس بندھتی تھی، ہمت و طاقت ملتی تھی۔اسی لئے مالک کائنات امام علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ بھائی تمہاری جدائی سے میری کمر ٹوٹ گئی، میں بے سہارا رہ گیا۔بھیا تمہارا موجود ہونا دشمنوں پر دبدبہ اور خوف قائم کئے ہوئے تھا۔تمہارے بعد وہ مجھے تنہا سمجھ لیں گے اور اُن کی جُرأتیں بڑھ جائیں گی۔

(الف)۔حضرت امّ البنینؑ کے خاندان کا اثر ورسوخ

اُم البنینؑ کا نام بھی **فاطمہؑ** تھا۔اُن کے والد حزام بن خالد بن ربیعۃ بن عامر الوحید بن کلاب تھے۔اُن اور اُنکے آباواجداد کی عظمت پورے عرب میں تسلیم کی جاتی تھی۔اپنے زمانہ کا جلیل القدر شاعر لبید بن ربیعہ تھا۔جس کا ایک قصیدہ اُن سات قصیدوں میں سے تھا۔جن کو لاجواب سمجھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا اور جو آج بھی دنیائے ادب وشاعری کا سلطان ہے۔بادشاہ حیرہ کے دربار میں اِسی شاعر نے بادشاہ نعمان بن منذر کو مخاطب کر کے اپنے بزرگوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

نَحنُ بَنُوْاُمِّ الْبَنِیْنِ الْاَربعة۔وَنَحْنُ خَیْرُ عَامِرِبن صَعْصَعة۔اَلضَّارِبُوْنَ الْھَامّ وَسْطَ الْمَجْمَعَة۔

''ہم لوگ **اُم البنین** کے چار بیٹے ہیں۔اور ہم خاندان **عامر بن صعصعة** کی نسل کے بہترین افراد ہیں۔

وہ افراد جو فوجوں کی بھیڑ میں گھس کر کھوپڑیوں پر ضربیں لگاتے ہیں۔''

نعمان بن منذر ایسے متکبر بادشاہ اور اُس کے اہل دربار نے اس فخریہ بیان پر کوئی اعتراض نہ کر کے اس خاندان کی شجاعت پر سند دیدی۔اور دیکھئے کہ حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب کیسا رہا۔یعنی اُم البنینؑ نام کی خواتین اس خاندان میں ہمیشہ شجاعت کو جنم دینے اور پال پوس کر پروان چڑھانے میں شہرت عام رکھتی تھیں۔پھر یہ دیکھئے کہ بادشاہانِ حیرہ پر ہی نہیں بلکہ اُس خاندان کی عزت وعظمت بنی امیہ تک اثر اندازی کرتی چلی آرہی تھی۔چنانچہ کوفہ میں اُم البنینؑ کے خاندان کا ایک شخص، جسے حضرت اُم البنینؑ کا بھتیجا بھی کہا گیا ہے، رہتا تھا۔جس کا نام عبداللہ بن ابی المحل بن حزام بن خالد بن ربیعۃ بن عامر الوحید بتایا گیا ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ شخص معززین اہل کوفہ میں سے سرکاری آدمی تھا۔جس وقت ابن زیاد نے شمر کو وہ خط دیا تھا جس میں عمر سعد کو معزول کرنے کی دھمکی دی تھی اور امام حسینؑ کو قتل کرنے کا آخری حکم لکھا تھا۔اُس وقت مذکورہ بالا عبداللہ، ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا۔اس نے ابن زیاد سے کہا تھا کہ حسینؑ کے ساتھیوں میں میرے خاندان کی لڑکی اُم البنینؑ کے چار بیٹے بھی شامل ہیں۔میں چاہتا ہوں کہ اُن کو قتل کے حکم سے مستثنٰی کردیا جائے۔چنانچہ ابن زیاد نے ایک

امان نامہ لکھ کر شمر ہی کے ہاتھ ارسال کر دیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ امان نامہ عبداللہ نے خود اپنے غلام بنام کزمان کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ اور اتفاق سے یہ شمر ملعون بھی اُسی خاندان سے ہونے کا مدعی تھا اور اُس نے بھی کربلا میں آتے ہی خیام حسینؑ کے قریب آ کر کہا تھا کہ کہاں ہیں ہماری بہن کے بیٹے عباسؑ اور عبدؑاللہ و جعفرؑ و عثمانؑ؟ یہ سُن کر چاروں بھائی سامنے آئے اور مقصد معلوم کیا۔ شمر نے کہا کہ آپ لوگ امان میں ہیں۔ حضرت عباسؑ نے جواب دیا کہ تمہاری امان پر اور امان دینے والے پر لعنت ہے۔ ہم کو تو امان ہے اور فرزند رسولؐ کو امان نہیں ہے؟ شمر ملعون شرمندہ واپس چلا آیا۔ سنا ہے کہ پھر وہ غلام امان نامہ لے کر پہنچا تو اُسے جواب دیا گیا کہ ہمارے بھائی عبداللہ کا شکریہ ادا کرنا اور کہنا کہ ہمیں اللہ کی امان کافی ہے، ابن زیاد کی امان درکار نہیں ہے۔

(2)۔ **حضرت عباس علیہ السلام کا سِن و سال و تربیت:** آپ 26 ہجری میں پیدا ہوئے اور چودہ سال حضرت علی علیہ السلام کی تعلیم و تربیت میں پورے کئے۔ 40 ہجری میں باپ کا سایہ سر سے اُٹھا تو دس برس اپنے بھائی اور امام زمانہ حضرت حسن علیہ السلام کی توجہ اور صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ 50 ہجری میں برادر بزرگ نے شہادت پائی تو اب خالصتاً اپنے آقا و مولا کا دامن تھام لیا۔ کربلا میں آپ اپنی عمر کے چونتیسویں (34) سال کو مکمل کر چکے تھے۔ یہاں مومنین پھر یہ نوٹ فرما لیں کہ کربلا میں امام حسن علیہ السلام کا کوئی بیٹا دس سال سے اور حضرت علی علیہ السلام کا کوئی بیٹا بیس سال سے کم نہیں ہونا چاہئے۔ ہر وہ روایت قلم زد کر دینا چاہئے جس میں اِس حقیقت کے خلاف نظر آئے۔

(3)۔ **حضرت عباس علیہ السلام شہادت سے پہلے:** اگر مدینہ سے روانگی کا نظارہ آنکھوں کے سامنے ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہی پہلا دن تھا جب جناب عباس علیہ السلام کو امامؑ نے اپنا عَلَم سونپا تھا اور آپ اہل حرمؑ کے نمائندہ کی حیثیت سے کاروانِ کربلا کو لے کر چلے تھے۔ وہ حضرت عباسؑ ہی تھے جن کی معرفت ہر ملاقاتی امام علیہ السلام سے ملاقات کرتا تھا۔ اور اگر امام علیہ السلام کسی سے ملاقات کے لئے جاتے تھے تو حضرت عباسؑ اور علی اکبرؑ سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ کربلا کے قیام میں پورے کیمپ کا انتظام حضرت عباسؑ کے ذمہ تھا۔ آپ کے ماتحت ہر شعبہ کے فدا کار منتظم موجود تھے۔ لیکن امامؑ کے حضور حضرتِ عباسؑ ہی جوابدہ اور ذمہ دار تھے۔ چونکہ نہر فرات کیمپ سے دُور تھی اس لئے پانی کا اسٹاک رکھنا اہم ترین ذمہ داری تھی۔ گرمی کا موسم تھا عورتوں، کم سِن بچوں اور شیر خوار بچوں کا ساتھ تھا۔ اور سب کی مختلف ضروریات فراہم کرنا آپ ہی کے ذمہ تھا۔ اوائل ذی الحجہ سے یکم محرم تک پانی پر کوئی تصادم نہیں ہوا تھا۔ لیکن دو محرم سے چھٹی محرم تک گھمسان کی جنگ کر کے پانی لایا جاتا رہا۔ پانی پر جنگ میں جو انصار شہید ہوئے اُن کے نام بھی شہدا کی فہرست میں نہیں ہیں۔ یہ پانی ہی کی دقت تھی جسے دُور کرنے کے لئے حضرت عباسؑ آخری سانس تک مصروف رہے۔ اُسی پانی کی وجہ سے سقّائے سکینہؑ کا لقب ملا تھا۔ اور پانی ہی تھا جس کی وجہ سے باقی شہدا سے بہت دُور قیام فرمایا۔

وہ عباسؑ ہی تھے کہ اگر دشمنوں کی افواج میں گھر جانے والے بہادروں کو بچا کر واپس لانا منظور ہوتا تھا تو امامؑ انہیں حکم دیتے تھے اور آپ فوج کا سینہ چیر کر، بلا ایک زخم کھائے سب کو بچا کر لے آتے تھے۔ چنانچہ جناب عمر بن خالد صیداوی اور اُن کے ساتھیوں کو

آن کی آن میں فوجوں کو بھگا کر واپس لے آئے تھے۔ اسی قسم کے مواقع ہوتے تھے جہاں حضرت عباسؑ کو کھل کر لڑنے اور حملہ کرنے کی چھوٹ ملتی تھی۔ ورنہ امامؑ کی طرف سے کوئی نہ کوئی پابندی لگی رہتی تھی۔ ذرا سوچیئے کہ ایک ہاتھ میں علم ہو تو تلوار چلانا آسان کام نہیں۔ علم کے پھریرے کا لہرانا؛ گھوڑے کو کاوا دینے اور موڑنے میں علم پر ہوا کا دباؤ آزادی اور ہنرمندی سے تلوار چلانے میں برابر حارج رہنا لازم تھا۔ پھر داہنے ہاتھ سے جیسے کیسے تلوار چلا بھی لی جائے تو دشمن کے وار کو روکنے کا تو کوئی فنی طریقہ نہیں تھا۔ ڈھال یا سپر پر تلوار روکی جاتی ہے۔ اُسی سے نیزے اور برچھی کا وار روکا جاتا ہے۔ وہاں ڈھال کیسے کام دے سکتی تھی۔ پھر نوجوانان بنی ہاشمؑ اور اکثر انصار کے پاس زرہ وبکتر اور خود بھی نہ تھا۔ سادہ کپڑوں سے تیروں، تلواروں اور نیزوں کی بوچھاڑ میں کود پڑتے تھے۔ حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں کہ یہ حضرات صرف حصول شہادت کا شرعی بہانہ ڈھونڈنے نکلتے تھے۔ اور جناب عباسؑ کو تو لڑنے اور دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ہی نہ دیا گیا۔ جب بھی کوئی فیصلہ کن حملہ کیا بھائی کی آواز آئی بھیّا یہ لوگ ظالم و بے رحم ہیں لیکن تم تو رحمۃ للعالمین کے بیٹے ہو۔ جسم کا خون گرم بھی نہ ہونے پاتا تھا کہ بلالئے جاتے تھے۔ فَاِنَّ الْعَبَّاسؑ، علٰی مانقله ثقات واثبات عن كتاب المقتل للمحدث الحاذق ابن عصفور البحرانی، قدقتل مِن الاعدآء والكفار خمسة وعشرين الفًا منهم۔ فهؤلاء غيرالمجروحين بيده ۔ وقتل سائر المستشهدين بين يدى الامام عليه السلام مِنَ العترة الها شمية خمسة وعشرين الفًا منهم وقدقتل الامام عليه السلا م روحى له الفداء ثلثما ئة الف وثلثين الفًا وكان عددجميع عسكر ابن زياد اربع مائة الف و سِتّين الفافلم يبق منهم بعد انقضاء المعركة الّاثمانون الفًا۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 331)

ایسے اتفاقیہ حملوں میں بھی آپؑ نے بقول جناب علامہ محدث ابن عصفور بحرانی پچیس ہزار (25000) ملاعین کو قتل کیا زخمیوں کا شمار اس سے الگ ہے۔ اور باقی شہدائے بنی ہاشمؑ اور انصار نے مل کر پچیس ہزار (25000) دشمنانِ دین کو واصل جہنم کیا۔ اور تنہا امام حسین علیہ السلام نے تین لاکھ تیس ہزار (3,30,000) شامیوں کو تہہ تیغ کیا۔ جبکہ یزیدی فوج کی کل تعداد چار لاکھ ساٹھ ہزار (4,60,000) تھی۔ جن میں سے معرکہ کربلا کے بعد کل اَسی ہزار افراد باقی بچے تھے۔''

یہاں دو باتیں بالکل واضح ہیں اوّل یہ کہ اگر اُن حضرات کو اپنا وعدہ پورا کرنا منظور نہ ہوتا تو ساری دنیا کے انسان مل کر بھی اُنہیں شکست نہ دے سکتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح فضائل محمدؐ وآل محمدؐ کو علما نے اپنی عقلی حدود اور گرفت سے باہر دیکھ کر اُن میں کتر بیونت کی ہے اور اُن تمام احادیث کا انکار کر دیا ہے جن میں کوئی ایسی فضیلت تھی جو اُن کے خاطی معیار سے بلند ہو۔ اُسی طرح اِنہوں نے اوّل تو اُن لوگوں کی تعداد لکھی ہی نہیں جو شہدائے کربلاؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور اگر کسی نے غلطی سے تعداد لکھ دی تو اُس نے اسی قدر لکھا جتنا خود اُن کے اپنے لئے ممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو شہادتیں ملیں گی، یہ لکھا ہوا ملے گا کہ فلاں نے بڑی شدید جنگ کی (قَتَلَ قِتَالًا شدیدًا) مگر اُن کے ہاتھ سے کسی ایک کا قتل ہونا بھی نہ ملے گا۔ پلٹ کر وہ بیانات دیکھیں جو ہم نے اُن کے ترجمہ کی صورت میں پیش کئے ہیں اور اب خود حضرت عباسؑ کی شہادت میں دیکھ لیں کہ دشمنوں کے مقتولوں کی تعداد حتی الوسع غائب کرنے کی کوشش صاف معلوم ہوگی۔ آیئے علامہ دربندی کے قلم سے سُنئے۔

(4)۔ برادران حضرت عباسؑ کی شہادت سرکاری علما کا طرز بیان

قال الشیخ المفید فی الارشاد ولمارای العباسؑ کثرة القتل فی اھلہ قال لاخوانہ مِن اُمّہ وھم عبد اللّٰہ وجعفر وعثمان،یابنی اُمیّ تقدمُوا حتّی اریکم نصحتم للّٰہِ ولرسوّلہ فانکم لاولد لکم فتقدم عبدؑ اللّٰہ فقاتل قتالًا شدیدًا۔ فاختلف ھُوَ وھانی بن ثبیت الخضرمی بضر بتین فقتلہ ھانی فتقدم بعدہ جعفرؑ بن علیؑ فقاتل فقتلہ ایضًا ھانی وتعمّد خولی بن یزید الاصبحی عثماؑن بن علیؑ وقدقام مقام اخوتہ فرماہ فصرعہ وشدعلیہ رجل من بنی دارم فاجتزّ راسہ ۔'' (اکسیرالعبادات۔صفحہ 318)

''شیخ مفید نے اپنی کتاب ارشاد میں لکھا ہے کہ جب عباسؑ نے اپنے گروہ کے قتل ہوجانے والے لوگوں کی کثرت کو دیکھا تو اپنے مادر زاد بھائیوں عبداللہؑ ،جعفرؑاور عثمانؑ سے کہا کہ اب تم جنگ کے لئے آگے بڑھوتا کہ میں تمہیں اللہ اور رسوؐل کے سامنے پیش کرسکوں اور تمہارے پیچھے تو کوئی اولاد بھی نہیں ہے۔ چنانچہ عبدؑاللہ آگے بڑھے اور بہت سخت جنگ کی اِسی دوران اُن میں اور ہانی بن ثبیت حضرمی میں تلوار کی دو چوٹوں کی ردوبدل ہوئی تو ہانی نے عبدؑاللہ کو قتل کردیا۔اُن کے بعد جعفرؑ میدان میں آئے وہ بھی ہانی سے لڑے۔ اُن کو بھی ہانی نے قتل کرڈالا۔ پھر عثمانؑ میدان میں آئے اور جعفرؑ کی جگہ کھڑے ہوئے تو انہیں خولی بن یزید اصبحی نے اُلجھالیا اتنے میں بنی دارم کے ایک شخص نے تیر مارا اور عثمانؑ کا سر کاٹ لیا۔''

(5)۔ کیا ہم نے غلط کہا تھا؟

یہ بیان پڑھنے سے جو تصور قائم ہوتا ہے وہ جناب علامہ دربندی کے الفاظ میں سننے کے قابل ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ۔

''فَاِنَّ طَرِیْقَةَ اکثرالرثا ة وذاکری المصائب فِی ذلک الباب غیرمرضیة بل لو فَتَشْتَ کیفیّة قرائتھم وذکرھم المصائب لَوَجَدْ تَھُمْ کَاَنّھُمْ یَقْرَؤُنَ طروس فتوحات بنی اُمیّة وبنی زیاد لعنھم اللّٰہ ایَرْضَیُ ابوالفضل العباسؑ ؟'' (اکسیرالعبادات صفحہ 332)

''بلاشک وشبہ اکثر ذاکروں اور مرثیہ خوانوں کا اس سلسلے میں بہت ہی ناپسندیدہ طریقہ ہے۔ چنانچہ اگر تم تحقیق وتفتیش کروگے تو تم اُن لوگوں کو ایسے حال میں پاؤ گے کہ گویا وہ بنی امیہ اور ابن زیاد کی اولاد کی فتح اور شجاعت کی داستان کہہ رہے ہیں۔ کیا اس سے ابوالفضل العباسؑ خوش ہوں گے؟''

چنانچہ شیخ مفید کا مندرجہ بالا بیان سو فیصد اس کی مثال ہے۔حضرت عباسؑ کے تین بھائیوں کو دو آدمیوں کے ہاتھ سے قتل کرادینا اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے ایک زخم تک نہ آنا کس طرف کا کمال ہے؟ اس بیان سے کون خوش ہوگا؟ بنی امیہ یا اولاد فاطمہؑ؟ پھر قتالاً شدیدًا مصرعہ طرح یہاں بھی موجود ہے۔مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ ایک آدمی نے علیؑ کے دو بیٹوں کو ٹھکانے لگادیا۔اس میں قتالاً شدید کس نے کیا اور قتالًا خفیفًا وقتالًا ذلیلًا کس کے حصہ میں آیا؟ انا للّٰہ وانا الیہ رٰجعون۔

ہمیں اِن حضرات کی لکھی ہوئی عبارتوں کا ترجمہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم چودھویں صدی میں پیدا ہوئے۔اور ہمیں جو کچھ ملا وہ اُن حضرات کا پس خوردہ ہے۔اگر کہیں کہیں اور کبھی کبھی بیچ میں حقیقی علمائے شیعہ دخل اندازی نہ کرتے رہتے تو آج واقعی بنی اُمیہ اور اُن کے سرپرستوں کا مذہب ومسلک ہوتا۔

(6)۔ حضرت زہیرؑ بن قین آگ پر تیل ڈالتے ہیں

وفی نقل آخرانّه قیل آتی زهیر الٰی عبد اللّٰہ بن جعفر بن عقیل قبل اَن یقتل۔ فقال له یااخی ناولنی الرَّایه فقال له عبد اللّٰہ اَوَفِیَّ قصور عن حملها ؟ قال لا ۔ ولکن لی بِهَاحاجة ۔قال فدفعها اِلَیہِ واخذ هازهیرو آتی فجاء ه العباسؑ بن علیؑ وقال یابن امیر المؤمنینؑ اُرید اَن احدثکَ بحدیث وعیته فقال حدّث فقد جلا وقت الحدیث ۔حدّث ولا حرج علیک فانّما ۔تروی لنا متواتر الاسناد ؟ فقال له اعلم یااباالفضل اِنَّ اباک امیر المؤمنین علیه السلام لَمَّا اراداَن یَتَزَوَّج بامک ام البنینؑ بعث اِلٰی اخیه عقیل وکان عارفًا بِاَنساب العرب ۔فقال علیه السلام یااخی اُرِید منک اَنْ تخطب لی امرأ ة مِن ذوی البیوت والحسب والنسب والشجاعة لکی اصیب منها ولدًا یکون شجاعًا وعضدًا ینصر ولدی هٰذا واشارا لَی الحسینؑ لیواسیه فی الطف کربلا وقد اد خّرک ابوک لمثل هذا الیوم فلا تقصر عَنْ حلائل اخیک وعن اخواتک ۔قال فارتعدّ العباس وتمّطی فی رکابه حتی قطعه وقال یازهیر تشجعنی فی مثل هٰذا الیوم و اللّٰہ لَارِینّک شیئًا مارَاَیْتَه قطّ........(اکسیر العبادات فی اسرار الشهادات۔صفحہ 318)

حضرت زہیر نے ایک اسکیم بنائی اور وہ عبداللہ بن جعفر بن عقیل کے پاس آئے جو اُس وقت علم اُٹھائے ہوئے تھے اور کہا کہ بھائی جان یہ علم مجھے دیدو۔عبداللہ نے پوچھا کہ کیوں کیا مجھ میں کوئی عیب نظر آ رہا ہے؟ عرض کیا کہ یہ بات نہیں بلکہ مجھے علم سے ایک کام لینا ہے۔چنانچہ انہیں پرچم مل گیا۔وہ علمدار کی صورت میں جناب عباسؑ کے پاس آئے اور کہا کہ اے امیرؑ المومنین کے فرزند میں آپ کو ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں۔فرمایا ہاں ہاں ضرور سناؤ۔حدیث سننے کے لئے یہ بہترین وقت ہے اور تم تو صحیح سند کے ساتھ حدیث سناتے ہو۔لہٰذا کوئی حرج نہیں ہے۔زہیرؑ بن قین نے عرض کیا کہ ایک دن حضرت علیؑ نے اپنے بھائی عقیل کو بلایا اور بتایا کہ مجھے حسینؑ کے لئے ایک ایسے بیٹے کی ضرورت ہے جو بے مثل بہادر ہو۔انتہادرجہ کا اطاعت شعار ہو جو مجسمہ وفا وفدا کاری ہو اور حسینؑ کے لئے کربلا میں خدمات انجام دے اور اُن پر خود کو قربان کردے۔لہٰذا تم عرب کے کسی عالی حسب ونسب وشجاع خاندان کی لڑکی سے میرا پیغام دو۔اس مرتضویؑ اسکیم کے ماتحت امیر المومنینؑ نے اُم البنینؑ سے نکاح کیا تھا۔یوں تمہیں اپنی طرف سے ذخیرہ کرکے پال پوس کر جوان کیا تھا، آج وہ دن آ گیا ہے۔اُمید ہے کہ تم امام حسینؑ اپنے بھائی علیہ السلام کی ازواج اور خود اپنی بہنوں اور خاندان رسولؐ کے بچوں کے تحفظ میں کوئی کسر اُٹھانہ رکھو گے۔یہ سُنا تو حضرت عباسؑ جوش نصرت ومحبت سے لرز گئے۔اور رکاب میں وزن دیکر انگڑائی لی تو دونوں رکابیں ٹوٹ گئیں اور کہا کہ بھائی زہیر تم مجھے شجاعت کا سبق دے رہے ہو۔جزاک اللہ میں انشاءاللہ آپ حضرات کو آج وہ کچھ کرکے دکھاؤں گا جو تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔زہیرؑ خوش ہو گئے ہوں گے۔مجمع میں ہمت وجرأت کئی گنا ہو گئی ہوگی۔یہ خبر امامؑ کو بھی ضرور پہنچی ہوگی۔عبّاس تو علیؑ تھے۔آپ تو زہیرؑ کی فکر وخلوص کی داد دیں۔

(7)۔ حضرت عباسؑ کی رخصت کا ایک نظارہ؛ بھائیوں میں باتیں

وفی بعض التالیفات اصحابنااَنَّ الْعَبَّاسؑ لَمَّا رَای وحدته آتی اخاه وقال یااَخِی هَل مِن رخصته فبکی الحسیؑن بُکَاءً شدیدًاحتی ابتلّت لحیته بالدموع وقال یااخی کُنتَ العلامة مِن عسکری ومجمع عددنافاذا انتَ غد وت یؤل جمعنا اِلَی الشتات وعمارتنا تنبعث اِلَی الخراب ۔فقال العباس فداک روح اخیک یاسیدی قد ضاق صدری من حیٰوة الدنیا واُرِیدُ اَنْ اخذ

الثارمِن هٰؤُلاء المنافقين ۔فقال الحسینؑ اذا غد وت اِلَی الجهاد فاطلب لِهٰؤلاء الاطفال قلیلًا من المآء۔قال فلَمَّا اجاز الحسین علیه السلام اخاه العباسؑ للبراز ۔برز کالجبل العظیم وقلبه کالطّود الجسیم لِاَنَّهُ کان فارسًا همامًاو بطلاً ضرغامًا وکان جَسُوُرًاعَلَی الطعن والضرب فی میدان الکفاح والحرب ۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات ۔صفحہ 318)

''ہمارے بزرگوں کی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جب جناب عباس علیہ السلام نے اپنے بھائی کی تنہائی کی شدت محسوس کی تو بھائی کے پاس حاضر ہوئے ۔اور ہمت کر کے عرض کیا کہ کیا مجھے جنگ کی رخصت مل سکتی ہے؟ امامؑ پہلے ہی سمجھ چکے تھے ۔ یہ سُن کر بے تحاشہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ، آواز رک گئی ، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہوگئی ۔ سنبھل سنبھل کر فرمایا ۔ بھائی تم تو جانتے ہو کہ میں تمہاری جدائی برداشت کرنے کی طاقت فی الحال نہیں رکھتا ۔ پھر یہ بھی تو سوچو کہ تم تو میرے لئے اور میری فوج کے لئے ایک خدائی علامت ہو ۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ تمہارا وجود ہمارے تمام انصار واقربا اور حرم رسولؐ کے لئے باعث طمانیت اور یک جہتی ہے ۔ جب تم نہ ہوگے ہمارے ساتھیوں کے دلوں میں کمزوری اور انتشار پیدا ہوسکتا ہے ۔ اور ہماری یگانگت ویکسوئی کی یہ عمارت زمین بوس ہوسکتی ہے ۔ حضرت عباسؑ امامؑ کے روبرو دوبارہ نہ بولتے تھے ۔مگر وقت نے مجبور کیا تو عرض کیا کہ حضوؐر میرا دل اب زندگی سے قطعاً اُکتا چکا ہے ۔ برداشت کی قوت جواب دے چکی ہے ۔ اگر اجازت مل جائے تو میں اُن مصنوعی مسلمانوں سے اپنے تمام شہدؑا کا انتقام لے لوں ۔ مطلب یہ تھا کہ ذرا کھل کر جنگ کرلوں اور دشمن کے کیمپ میں بھی اندھیرا کردوں تو پھر سوچوں کہ زندہ رہوں یا نہ رہوں؟ امامؑ بھائی کا ارادہ سمجھ رہے تھے ۔ اور جانتے تھے کہ اگر عباسؑ کو غیر مشروط انتقام لینے کی اجازت دے دی تو تاریخ کا دھارا بدل جائے گا ۔لہٰذا سوچ کر فرمایا کہ اچھا بھائی دیکھو جب تم میدان جہاد میں پہنچو تو پہلا کام یہ کرنا کہ ان ننھے ننھے بچوں کے لئے اُن لوگوں سے تھوڑا پانی لے لینا ۔ حضرت عباسؑ نے اس مشروط اجازت کو بھی غنیمت سمجھا اور وہاں سے اس طرح دشمن کی طرف چلے جیسے کوئی عظیم الشان پہاڑ اپنی جگہ سے چلے اور زمین میں گڑگڑاہٹ اور زلزلہ آجائے اور پہلو میں اس اجازت سے ایک ایسا دل محسوس ہوتا تھا جو کسی بہت بڑی چٹان کی طرح جم کر کھڑا ہوا ہو ۔اور آج معلوم ہو رہا تھا کہ دنیا میں صرف وہی ایک عظیم الشان بہادر ہیں ، وہی یگانہ روزگار شجاع شیر ہیں ۔ اور کیوں نہ ہو کہ وہ تلوار اور نیزہ بازی اور میدان حرب وضرب میں سب سے زیادہ جسارت وجرأت کا مجسمہ تھے ۔''

یہاں ہمیں وہ نظارہ یاد آرہا ہے جو ایک حقیقی شیعہ مومن اور محبت اہل بیتؑ سے سرشار وسوگوار عظیم الشان شاعر نے کھینچا تھا کیا خوب فرمایا تھا کہ:۔ ؎ **کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے　　رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے**

ہمیں معلوم ہے کہ دشمنان دین میں بدحواسی پھیل جایا کرتی تھی ۔ وہ فرار کے لئے اپنے گھوڑوں کی باگیں سنبھال لیا کرتے تھے ۔ اُنہوں نے کئے حملوں میں تجربہ کرلیا تھا ۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ اگر پہلے سے راہِ فرار اور اصولِ فرار (PLANNED RETREAT) طے نہ کیا جائے تو آن کی آن میں ہزاروں فوجی گھوڑوں سے گر کر کچل کر مر جاتے ہیں ۔ اور چونکہ فوجوں پر فوجیں تعینات تھیں اور کئی میل کا علاقہ چاروں طرف والی افواج سے اَٹا کٹ بھرا ہوا تھا ۔اس لئے ایک فوج کا میدان سے ہٹنا یا بھاگنا پیچھے والی تمام افواج کو حرکت میں لائے بغیر ناممکن تھا ۔ اس لئے بدحواسی اور افراتفری مچ جانا اور موت کا فوجوں کے سروں پر ناچنا ایک فطری

وقدرتی عمل تھا۔لہٰذا وہ تاک لگائے رہتے تھے کہ کب حضرت عباسؑ رکاب میں پیر ڈالتے ہیں۔وہ مزاحمت بھی مجبوراً کرتے تھے۔تاکہ ذرا پیچھے والوں کی ترتیبِ فرار قائم ہولے تو چلیں۔یعنی لفظ عباسؑ وہاں پیغام موت تھا۔

(8)۔ حضرت عباس علیہ السلام اتمام حجت کرتے ہیں

قال فهمّزه جواده نحوالقوم حتی توسّط المیدان فوقف وقال یابن سعد هٰذا الحسین ابن بنتؑ رسولؐ اللّٰه یقول انکم قتلتم اصحابه واخوته وبنی عمّه وبقی فریدًا مع اولاد ه وعیاله وهم عطاش قداحرق الظما ء قلوبهم فاسقوهم شربة مِن المآء لانّ اطفاله وعیاله وهَطُوا الَی الهلاک وهومع ذلک یقول دعونی اخرج الٰی طرف الروم اَوِالهند واخلی لکم الحجاز والعراق واشرط لکم اَنَّ غدًا فی القیٰمة لا اخاصمکم عند اللّٰه ۔ حتّی یفعل اللّٰه بکم ما یرید ۔ فَلَمَّا اوصل العباسؑ الیهم الکلام عن اخیه فمنهُم مَن سَکَتَ ولم یردّجوابًا ومنهم مَن جلس یبکی ۔فخرج الشمر و شبث بن ربعی فجاء انحوالعباس وقالا قل لاخیک لوکان کُلّ وجه الارض ماء وهو تحت ایدینا مااسقینا کم منه قطرة الّاانُ تدخلوا فی بیعة یزید فتبسم العباس ومضی الی اخیه الحسیںؑ واعرض علیه ماقالوفطأ فطأ راسه الی الارض وبکی حتّٰی بلّ ازیاقه۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 319-318)

''بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عباسؑ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی میدان جنگ کے درمیان آ کر افواج کے سامنے کھڑے ہوئے اور ابن سعد سے کہا کہ امامؑ کا پیغام یہ ہے کہ تم لوگوں نے اُن کے تمام اصحاب وانصار کو قتل کر دیا۔اُن کے بھائیوں اور بھائیوں کی اولاد کو بھی نہ چھوڑا۔چنانچہ اب وہ تنہا رہ گئے صرف اُن کی اپنی اولاد باقی ہے اور مستورات باقی ہیں۔اور یہ سب پیاس کی شدت سے قریب المرگ ہیں۔کیا تم ایسی حالت میں بھی اُن کے لئے اس بہتے ہوئے پانی میں سے صرف ایک دفعہ پینے کا پانی بھی نہیں دے سکتے؟اور ساتھ ہی وہ پھر یاد دلاتے ہیں کہ اگر تم اب بھی تیار ہو جاؤ تو وہ ملک روم یا ملک ہندوستان میں جلاوطن ہو جائیں اور عراق وحجاز میں تمہیں آزاد چھوڑ دیں۔اور وہ یہ شرط بھی ماننے کو تیار ہیں کہ بروز قیامت وہ تمہارے خلاف اللہ کے سامنے شکوہ اور دعویٰ نہ کریں گے تاکہ اللہ کو جو پسند ہو وہ سلوک تمہارے ساتھ کرے۔جب حضرت عباسؑ نے امامؑ کا یہ پیغام پہنچا دیا تو حالت یہ تھی کہ بعض لوگ بالکل خاموش تھے بعض رو رہے تھے۔پھر شمر ملعون اور شبث بن ربعی آگے بڑھ کر حضرت عباسؑ کے قریب آئے اور کہا کہ سنو اور اپنے بھائی کو جا کر بتاؤ کہ اگر یہ ساری زمین پانی بن جائے اور پھر وہ تمام پانی ہمارے قابو میں ہو تب بھی ہم اُن کو پانی کا ایک قطرہ تک نہ دیں گے۔البتہ یہ دوسری صورت ہے کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں۔یہ جواب سن کر جناب عباس علیہ السلام **''مسکرائے''** اور اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے پاس واپس چلے آئے اور اُن ملاعین کا جواب پیش کر دیا۔امام حسینؑ نے اپنا سر زمین کی طرف جھکا لیا اور **اتنا روئے کہ گریبان بھیگ گیا۔''**

یہاں مومنین یہ نوٹ کر لیں کہ ابھی دشمن کی فوج خیام حسینیؑ سے اتنی دُور ہے کہ جناب عباسؑ گھوڑے کو ایڑ لگا کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے جاتے ہیں اور جہاں سے اُن ملاعین کو مخاطب کرتے ہیں وہ میدان کا وسط ہے۔یعنی حضرت عباسؑ جس مقام پر ٹھہرے وہاں سے بھی افواج اتنی دُور تھیں کہ اُن تک حضرت عباسؑ کی آواز پہنچ سکتی تھی۔ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ افواج اتنے فاصلے پر تھیں کہ خیام حسینؑ میں سے کسی کے رونے کی آواز لشکر تک نہیں جاسکتی تھی۔اور یہ کہ امام حسینؑ اور اُن کے انصار واہلبیتؑ میں سے کسی نے یہ پسند نہیں کیا کہ اُن کی بے قراری یا گریہ وزاری کا دشمنانِ خدا ورسولؐ مذاق اڑائیں۔لہٰذا ذاکروں اور منبر کے رکھوالوں کو چاہیئے کہ وہ بھی اس کا خیال رکھیں۔

دیکھئے حضرت عباس علیہ السلام شمراور شبث کے جواب پر مسکرائے تاکہ اُن کی ہمت ٹوٹ جائے اور یہ خیال پیدا نہ ہونے پائے کہ امامؑ کی ہمت جواب دے چکی ہے۔لیکن جب حضرت عباسؑ نے امامؑ کو جواب سنایا تو آپ رونے لگے۔اوّل اس لئے کہ ابھی ابھی حضرت عبّاسؑ کی جدائی ہونے والی ہے۔دوم اس لئے کہ علیؑ اصغر معصوم اور تین سال سے لے کر دس سال تک کے بچوں کی تکلیف فطری ہے۔سوم اس لئے کہ لاکھوں ملاعین جہنم سے بچنا نہیں چاہتے۔اُمت کی تکلیف بھی انبیاؑ وآئمہؑ ہی کو ہوا کرتی ہے۔

(9)۔ <u>حضرت عباس علیہ السلام داغِ جدائی دیتے ہیں</u>

آپ نے دیکھا کہ حضرت عباسؑ کو مشروط اجازت ملی۔زبردستی سے پہلے،بطور اتمام حجت پانی مانگا تو جواب آپ نے سُن لیا۔امامؑ صورت حال پر گریاں ہوئے۔

فسمع الحسین علیہ السلام اصوات الاطفال وھم ینا دون العطش العطش فلما سمع العباسؑ ذلک رمق بطرفہ اِلَی السما وقال الٰھی وسیدی اُرید ان اعتدّ بعدّ تی واملاء لھٰؤُلاء الاطفال قربۃ من الماء فرکب فرسہ واخذ رمحہ والقربۃ فی کتفہ وقبّل بین عَینیہ وودع اخوہ وقصد الفرات وسارحتی آتی اِلی الشریعۃ واذًا دونھا عشرۃ الاف فارسٌ مدرعۃ ۔فلمّا یھوّلوہ فصاحت بہ الرجال مِن کُلّ جانب ومکان مَن انت یاغلام ۔فقال انا العباسؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ۔ثمَّ نادی یابنی فلاح انا ابن اختکم اُمّ عاصم الکلابیۃ واناعطشان واھل بیت محمدؐ یزاد ون مِن الماءِ وھی مباح للکلاب والخنازیر و نحن منہ محرومون والیھا بالحسرۃ ناظرونَ فقال لہ عمربن الحجاج یعزّعلیّ یا بن الاخت مانزل بک من العطش ولو علمت لارسلت الیک الماء ۔ دونک والفرات یابن الاخت.فسارالعباس حتی نزل الفرات وجعل یملا القربۃ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 319) (روایت باقی ہے)

اتنے میں دونوں بھائیوں نے بچوں کے رونے اور پانی مانگنے کی آوازیں سُنیں تو جناب عباسؑ بے چین ہوگئے۔آسمان کی طرف نگاہِ حسرت اُٹھائی اور کہا کہ یاالٰہی اوراے میرے سید ومولاؑ میں اپنے وعدہ اور مدت کو پورا کر کے گزرنا چاہتا ہوں۔اوران بچوں کیلئے پانی کی ایک مشک بھر کرلانا چاہتا ہوں۔یہ کہہ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے،اپنا نیزہ لیا،مشک کندھے میں لٹکائی،بڑھ کر بھائی سے وداع ہوئے اُن کی پیشانی پر بوسہ دیا۔فرات کے ارادہ سے چلے یہاں تک کہ جب نہر کے گھاٹ کے قریب پہنچے تو وہاں دس ہزار مسلح اور زرہ بکتر سے آراستہ فوج کو پہرہ پر پایا۔اور جیسے ہی فوجیوں نے اُن کو دیکھا چاروں طرف سے اور ہر جگہ سے سوال ہونے لگا کہ تم کون ہو اور کیوں آئے ہو؟ فرمایا کہ عباسؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ ہوں۔اسکے بعد آواز دی کہ اے فلاحی قبیلے کے لوگو!تمہاری بہن کا،اُم عاصم کلابیہ کا بیٹا ہوں اور میں بھی اور محمدؐ کے اہلبیتؑ بھی پیاسے ہیں۔ایک ایک بوند پانی کو ترس رہے ہیں۔حالانکہ سوّر اور کتے تک پانی سے محروم نہیں کئے گئے اور ہمیں محروم رکھا گیا ہے۔ہم حسرت ویاس سے دریا کو بہتا ہوا دیکھتے ہیں۔عمرو بن الحجاج نے کہا کہ اے ہمشیر زادے مجھے تم پر گزرنے والی مصیبت پر بڑا دکھ ہوا۔تمہیں میری ہمدردیاں حاصل ہیں۔اگر مجھے علم ہوتا تو میں وہیں تمہارے پاس پانی بھجوادیتا۔جاؤ فرات تمہارے لئے کھلی ہے۔چنانچہ جناب عباس فرات پر آئے اور کئی روز کی سوکھی مشک کو پانی میں ڈال کر نرم کرنا اور بھرنا شروع کیا۔

فبلغ خبرہ الٰی عمربن سعد فقال علیَّ براس عمرو بن الحجّاج حیث یقوی علینااعدائنا ۔فبعث الیہ عمروبن الحجاج وھو یقول لاتعجل عَلَیَّ انما عملتُ ذلک لاحتال عَلٰی قتلہ ونھرعلیہ الرجال وقال دونکم والعباسؑ فقد حصل بایدیکم۔فَلَمَّا

راهم العباسؑ وقد تسارعوا الیه وھومکبّ علی الماء وھمّ اَن یشرب فذکر عطش اخیه الحسین علیه السلام فلم یشرب وحطّ القربة عن عاتقه واستقبل القوم ۔ استقبل القوم یضربھم بسیفه وکانه النّار فی الاحطاب وینشد ویقول: ۔اَنَاالَّذِی اعرف عندالزمجرة۔ بابن علیؑ المسمّی حیدرة ۔فاثبتواالیوم لنا یاکفرة۔ لعترة الحمد وآل البقرة۔ ثُمَّ حمل عَلَی القوم وھُوَ یَقْتَلُ فیھم حتّٰی قتل مِن ابطالھم وساداتھم مائة ثُمَّ عَادَ اِلَی الْقَرْبته فاحتملھا علٰی عاتقه وھو یقول: لِـلّٰـهِ عَیْن رَأت ماقداحاط بنامن اللئام واولاد الدّعیّات یاحبّذاعصبة جادت بانفسھا حتّٰی تحل بارض الغاضریات الموت تحت ذباب السیف مکرمة اذکان من بعده سکنی الجَنّات ۔ ثُمَّ حمل علی الرّجال وجدّل ابطال حتی قَرُبَ مِن اخیه الحسین علیه السلام وھویقول: یاحسینؑ بن علیؑ ۔اِن یرید القوم فقدکَ۔ لَن ینالوک بسوٓءٍ ۔انّما نالوہ جدک ۔ان عندی من مصابی۔مثل ماان ھو عندک۔ (مسلسل صفحہ 319)

اُدھرعمر بن سعد کو یہ اطلاع مل گئی تو اُس نے حکم دیا کہ عمرو بن حجاج کا سر کاٹ کر میرے سامنے پیش کرو۔اس لئے کہ وہ ہمارے دشمنوں کو پانی پلاکرقوی کرنا چاہتا ہے ۔ ادھر عمرو بن حجاج پہنچا اور بتایا کہ میں نے اس حیلہ اورفریب سے عباسؑ کوگھیرنے کا موقعہ پیدا کرلیا ہے۔ چنانچہ افواج کو حکم دیا کہ عباسؑ نہایت آسانی سے تمہاری دسترس کے اندر ہے۔ چاروں طرف سے حملہ کرواورقتل کرڈالو۔ اُدھر حضرت عباسؑ پانی پر جھکے ہوئے مشک بھرنے میں مصروف تھے۔اضطراری حالت میں ایک چلو پانی پینے کے لئے اُٹھایا تو بھائی حسینؑ اور بچوں کی پیاس یاد آ گئی۔ پانی ہاتھ سے پھینک دیا اور دیکھا کہ چاروں طرف فوجیں گھیرا ڈالتی ہوئی آ گے بڑھتی چلی آ رہی ہیں۔ یہ دیکھ کرافواج کے مقابلہ کے لئے آ گے بڑھے اورفوج پرحملہ کردیا۔اورتلواراُن کواس طرح جہنم میں پہنچارہی تھی جیسے سوکھی لکڑیوں میں آگ بھڑکتی اور پھیلتی ہے۔اورساتھ ہی جوش دلانے کے لئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے کہ: میں وہ شخص ہوں جسے فوجوں میں گھر جانے کے بعد ہی ٹھیک ٹھیک پہچانا جاتا ہے۔ میں بیٹا بھی تو اس کا ہوں جسے اژدھا کا جبڑا چیرڈالنے کی بناپر گہوارے ہی سے حیدؑر کہا جاتا تھا۔اے گروہ کفار بات جب ہے اگر آج تم عترتِ حمد اورآلِ بقرہ کے سامنے جم کرلڑو۔ برابر حملے کرتے ،فوجوں کو بھگاتے اور لاش پرلاش گراتے رہے۔ یہاں تک سوفوجیوں کوفی النار اوراُن کے سرداروں اور بہادروں کوٹکڑے ٹکڑے کردیا اورجب میدان صاف ہوگیا تو واپس فرات پرآئے جہاں مشک چھوڑی تھی۔اُسے کندھے پرلٹکایا اوریہ شعر پڑھے۔اللہ ہی کے پاس وہ آنکھیں ہیں جو یہ دیکھتی ہیں کہ ہمیں کس گروہ نے گھیر رکھا ہے ۔ یہ قابل صد ملامت زنا کے لئے بلانے والیوں کی اولاد ہیں ۔ وہ کیسا قابل فخر گروہ ہے جو اپنی جان قربان کرنے اورسخاوت دکھانے کے لئے خودقربان گاہ میں آ پہنچے۔تلوار کے نیچے مرنا بڑی بزرگی کی بات ہے خصوصاً جب کہ ایسی موت کے بعد جنت میں مستقل سکونت حاصل ہوتی ہو۔ پھرحملہ کیا اور بہادروں وسرکشوں کوڈھیر کرتے امامؑ کے قریب ہوتے گئے۔اور یوں مخاطب کیا کہ اے بھائی حسینؑ اگر یہ قوم تمھیں فنا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو سنو تمہیں ذرہ برابر گزند نہ پہنچا سکے گی سوائے اس کے کہ تمہارے جدرسوؐل کوگزند پہنچائے۔میرے پاس پہنچنا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ آپ تک پہنچ جانا۔

قال وکان فی عسکر عمر سعد رجل یقال له المارد بن صدیف التغلبی فلمّا نظر مافعله العباسؑ مِن قتل الابطال خرّق اطماره ولطم علٰی وجھه۔ ثُمَّ قال لاصحابه لابارک اللّٰه فیکم اماواللّٰه لواخذکل واحدمنکم ملأ کفه ترابا الطمر تموہ ولکنکم تظھرون النصیُحة وانتم تحت الفضیحة ثُمَّ نادی بِاَعْلٰی صوته اقسم علٰی من کان فی رقبته بیعة للأمیر یزید وکان تحت الطاعته

الا اعتزل عن الحرب وامسک عن النزال فانا لھٰذا الغلام الذی قدابا دالرجال وقتل الابطال واردی الشجعان وافناھم بالحسام والسنان ثُمَّ من بعده اقتل اخاه الحسینؑ ومن بقی من اصحابه معه ۔ فقال الشمر اذقدضمنت انک تکون کفو الناس اجمع ارجع معی الی الامیر عمر بن سعد واطلعه علیٰ انّک تاتیه بالقوم اجمعین اذاکان بک غنی عنّا ۔فقال له المارد یاشمراماو اللّٰه مافیکم خیرٌ لانفسکم فکیف تعیّرون غیرکم ؟ فقال له الشمرھانحن نرجع الیٰ رایک وامرک وننظر فعالک معه ۔ ثم قال شمر للناس اعتزلوا علی الحرب حتی ننظر مایکون منھما۔(مسلسل ۔اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 319)

راوی نے بتایا کہ عمر سعد کے لشکر میں ایک شخص بنام مارد بن صدیف تھا۔ جب اُس نے حضرت عباسؑ کی مچائی ہوئی تباہی اور بہادروں کی لاشوں کا انبار دیکھا تو اپنا منہ پیٹ لیا۔ اور کپڑے پھاڑ ڈالے پھر اپنی فوج والوں سے کہا کہ خدا تمہارے کاموں میں کبھی برکت نہ دے ارے نامردو! تم تو اتنی تعداد میں ہو کہ اگر اس پر ایک ایک مٹھی مٹی کی ڈال دو تو وہ دفن ہو کر رہ جائے ۔لیکن تم تو کسی کی نصیحت کی پرواہ نہیں کرتے اسی لئے تم ذلیل وخوار ہوتے چلے آ رہے ہو۔ پھر بہت بلند آواز سے کہا کہ تم میں جس جس شخص کی گردن میں امیر یزید کی بیعت کی ذمہ داری ہے اور جو شخص اس کی اطاعت لازم سمجھتے ہیں وہ جنگ بند کردیں اور اپنی اپنی جگہ تماشہ دیکھنے کیلئے کھڑے ہو جائیں۔ یہ لڑکا جو ابھی ابھی تمہارے مَردوں کو فنا کے گھاٹ اُتار گیا، جس نے تمہارے پہلوانوں کو تہہ تیغ کر دیا، جس نے تمہارے بہادروں کو رڈی کی ٹوکری میں بھر دیا اور تلوار و نیزہ سے فنا کر ڈالا، میں اُسے قتل کروں گا پھر اس کے بھائی حسینؑ اور اُن کے باقی ماندہ صحابہ کو تہہ تَیغ کروں گا۔اس پر شمر نے کہا کہ جب تم یہ ضمانت لے رہے ہو کہ تم تنہا ہماری مجموعی فوج کے ہم پلہ ہو تو آؤ امیر عمر سعد کے پاس چل کر اسے مطلع کریں کہ تم ساری قوم کی جگہ اکیلے مقابلہ کے لئے کافی ہو۔اور یہ کہ تجھے اِن افواج کی بالکل احتیاج نہیں ہے۔ مارد نے جواب میں کہا کہ تم لوگ حد بھر کمینہ ہو تمہارے اندر سے جو بات نکلے گی اس میں کبھی اچھائی ممکن نہیں ہے۔اسی لئے تم اپنے سوا سب میں کیڑے نکالتے ہو۔شمر نے کہا اچھا بھائی ہم سب تمہاری رائے پر عمل کرتے ہیں اور تمہاری جنگ اور اقدام دیکھتے ہیں۔اس کے بعد شمر نے حکم عام دے دیا کہ جنگ روک دو اور کھڑے ہو کر تماشہ دیکھو کہ ان دونوں کا کیا بنتا ہے۔

فاقبل المارد بن صدیف وافرع علیه درعین ضیّقین الزردوجعل علیٰ راسه بیضة عادیة ورکب فرسًااشقرًا علیٰ مایکون من الخیل واخذ بیده رمحًا طویلًا فبرز الَی العباس بن علی علیه السلام فالتفت العباسؑ فراه وھوطالب یرعد ویبرق فعلم انّه فارس القوم فثبت له حتی اذاقاربه صاح به المارد یاغلام ارحم نفسک واغمد حسامک واظھرللناس استسلامک ۔فالسّلامة اَوْلیٰ مِنَ الندامة۔ فکم من طالب امرحَیْل بینه وبین ماطلبه وغافظة اجله واعلم انّه لم یجاربک فی ھٰذا الیوم رجل اشدّ قسوة مِنّی وقد نزع اللّٰه الرحمة علیک مِن قلبی وقدنصحت اِنْ قَبِلْتَ النصیحة ثم انشا یقول: اِنّی نصحتک ان قَبِلْتَ نصیحتی ۔حذرًا علیک من الحسام القاطع ۔ ولقد رحمتک اذرایتک یافعًا۔ولعل مثلی لایقاس بیافع ۔اعط القیاد تعش بخیر معیشة ۔اولیٰ فد ونک من عذاب واقع ۔قال فلما سمع العباسؑ کلامه وماآتی به مِن نظامه قال له ماریک آتیت الابجمیل ولانطقت الا بتفضیل غیر آتی اریٰ جعلک فی مناخ تذدروه الریاح اوفی الصخر الاطمس لا تقبله الانفس وکلامک کالسراب یلوح فاذا قُصِدَ صارارصًا بوارًا والّذی اصّلته ان استسلم الیک فذاک بعید الوصول صعب الحصول وانایا عدواللّٰه وعدورسوله فمعود للقاء الابطال والصبر علی البلاء فی النزال ومکافحة الفرسان وباللّٰه المستعان فمن کملت

هذه الاوصاف فيه فلا يخاف ممن برز اليه ۔ويلک اليس لی اتصال برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وانا غصن متصل بشجرته وتحفة مِن نورجوهره ومن کان مِن هذه الشجرة فلا یدخل تحت الذمام ولا یخاف من ضرب الحسام وانا ابن علیؑ لا اعجز مِن مبارزة الاقران وما اشرکتُ باللّٰه لمحة بصرولا خالفتُ رسوؐل اللّٰه فیما امروانا منه والورقة مِن الشجرة وعلی الاصول تثبت الفروع فاصرف عنک ماامّلته فَمَا انا ممن یاسی علی الحیوة ولا یجزع مِن الوفاة فخذ فی الجدّ واصرف عنک الهزل فکم من صبّی صغیرخیرمِن شیخ کبیر عنداللّٰه تعالٰی ثم انشاء یقول: صبرًا علٰی جورالزمان القاطع ۔ومنیة ماَان لها مِن دافع۔ لاتجز عنّ فکل شی هالک ۔ حاشا لمثلی اَن یکون یجازع ۔فلئن رمانی الدّهرمنه باسهم ۔ وتفرق من بعد شمل جامع ۔ فکم لنا من وقعة شابت لها۔ قمم الاصاغر من ضراب قاطع۔(مسلسل۔اکسیرالعبادات۔صفحہ 320-319)

چنانچہ مارد بن صدیف آگے بڑھااور دوعدد بڑی چست زرہیں پہنیں ۔ سر پر بیضوی خود پہنا اور بادامی رنگ کا گھوڑا منگوا کر سوار ہوا۔ایک لمبا نیزا سنبھالا اور حضرت عباسؑ کے مقابلہ میں نکلا۔ جناب عباسؑ نے توجہ سے دیکھا کہ وہ اُن کو طلب کرتا ہے۔ گرجتا گونجتا چلا آرہاہےاور ثابت ہوتا ہے کہ اپنی قوم کا سب سے بہادر بےخوف سُورما ہے۔ جب وہ قریب آیا تو اُس نے حضرت عباسؑ کو للکار کرکہا کہ اے لڑکے اپنی جان پر رحم کر،تلوار میان میں رکھ اور لوگوں کے سامنے اپنی اطاعت اور عاجزی کا اعلان کر۔ برخوردار سلامتی ندامت اور پشیمانی سے بہر حال بہتر ہوتی ہے۔اور سنو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے اور محرومی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔اور یہ بھی سمجھ لے کہ آج تک تمہارا مقابلہ مجھ سے زیادہ سخت مزاج بہادر سے نہیں ہوا ہے۔شکر کرو کہ تیرے لئے اللہ نے میرے دل میں رحم ڈال دیا ہے۔ اسی لئے میں تمہیں نصیحت کررہاہوں شاید یہ نصیحت تم پر اثر انداز ہوجائے اور تم میری ٹکڑے ٹکڑے کرڈالنے والی تلوار سے بچ نکلو۔میں تمہیں بھرپور جوانی میں دیکھ رہا ہوں اور کہیں تم مجھے اپنا ایسا نوجوان نہ سمجھ بیٹھنا۔لہٰذا خود کو موت کے عذاب سے بچاؤ۔زندہ رہنے اور خیر وخوبی حاصل کرنے کیلئے اطاعت شعاری اختیار کرلو۔حضرت عباسؑ نے یہ سب کچھ سنا اور اسے سر سے پیر تک دیکھا تو فرمایا کہ:

باتیں تو تم نے اچھی خاصی کی ہیں لیکن ان کے پیچھے حقیقت نہیں ہے۔تمہاری گفتگو کھوکھلی ہے،تمہارا کلام بے جان و بے مقصد ہے۔سمجھدار لوگوں کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔اس کھوکھلے پن پر تم اپنی اطاعت کے لئے کہتے ہو جسے کوئی بھلا آدمی قبول نہیں کرے گا۔اے دشمن خدا ورسولؐ تو جانتا ہے کہ کس سے مخاطب ہے۔ارے ہم لوگ وہ ہیں جو بہادروں کے سامنے سے ہٹتے نہیں ہیں۔ اور آفات اور دشواریوں کے روبرو جھکتے نہیں ہیں۔ میدان جنگ میں ڈٹ کر تیغ زنی کرتے ہیں۔خدا تجھے غارت کرے کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میں شجر رسالتؐ کی شاخ ہوں۔کیا تو نہیں جانتا کہ میں براہ راست رسولؐ اللہ سے متصل اور اُسی شجرہ سے ہوں اور رسولؐ اللہ کے نور کے جوہر میں شامل ہوں۔اور جو اس شجرہ سے ہوتے ہیں وہ کسی کے ماتحت نہیں رکھے جاسکتے۔اور تلواروں سے نہیں ڈرتے۔اور میں تو علیؑ کا بیٹا ہوں۔ہم ساری دنیا کے ہم عصر بہادروں سے نہیں جھجکتے۔ہم نے آنکھ جھپکنے کے لمحہ میں بھی شرک نہیں کیا۔کبھی رسوؐل کی مخالفت نہیں کی ہے۔جن لوگوں کی یہ پوزیشن ہو،تُو سمجھتا ہے کہ وہ تیرے ایسے نانہجار شخص سے ڈرجائیں گے۔ ہم شجر رسالت کے پھل پھول اور پتے ہیں۔ہم میں سب کچھ اُسی اصل سے آیا ہے۔ بہرحال میں تمہاری غپ کو رسمی سمجھ کر نظر انداز کرتا ہوں۔اور یہ بتاتا ہوں کہ تو اپنی

ساری ہنرمندی اور جنگجوئی کو جمع کر کے میرے ساتھ مقابلہ کر۔ میں نہ زندگی کی فکر کرتا ہوں نہ موت سے ڈرتا ہوں ۔ یہ بھی سُن رکھ کہ اللہ کے نزدیک بہت سے چھوٹے بچے بڑے بڑے شیخوں اور پختہ عمر کے لوگوں سے بہتر ہوتے ہیں ۔اور یہ سب کچھ ابھی ذرا دیر میں معلوم ہوئے جاتا ہے۔ پھر یہ اشعار پڑھ کر سُنائے: جو زمانہ خود قائم نہ رہتا ہو اور خود منقطع ہو جاتا ہو اُس کے سخت کام ہونے پر صبر کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ اور جو زمانہ کی سختیوں اور دشواریوں کو دفع کر سکتا ہو اُسی سے تعلق رکھنا ضروری ہے۔ کسی حالت میں عاجزی اور بے بسی کا اثر نہ لینا چاہئے اس لئے کہ ہر چیز فانی ہے۔ بخدا مجھ ایسے لوگوں کو فریاد وفغاں پر اس حالت میں بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا جبکہ یہ سارا زمانہ تیروں کا انبار بن کر وہ سارے تیر مجھ پر برسادے اور ایسی حالت بھی نہیں جب کہ میری ساری بساط بکھر جائے۔ کوئی واقعہ یا حالت ہم پر ایسی نہیں آسکتی کہ ہم اُسے اپنی ہمت وجرأت کی ضربیں لگا کر سمیٹ کر نہ رکھ دیں۔

قال فَلَمَّا سمع المارد كلام العباس وماأتى به من شعره لم يعط صبرًا دُون اَن حقق عليه بالحملة وبادره بالطعنة وهويظنّ اَن امره هيّن وقد وصل اليه وقد مكنه العباسؑ من نفسه حتى اذاوصل اليه السنان قبض العباسؑ علَى الرمح وجذبه اليه فكاد يقلع المارد من سرجه فخلاله الرمح ورَد يده الى سيفه وقد تخلله الخجل عندماملک منه رمحه قال فشرع العباس الرمح للمارد فصاح به ياعدو اللّٰه اِنّني ارجومِن اللّٰه تعالٰى اَن اقتلک برُمحک فجال المارد على العباسؑ وقحم عليه فبادره العباسؑ وطعن جواده فى خاصر ته فَشَبَّ به الجواد ووثب الماردفاذًا هو على الارض ولم يكن لِلّلعين طاقة على القتال العباسؑ راجلًا لانّه كان عظيم الجثة ثقيل الخطوة ـفاضطربت الصفوف وتصايحت الالوف وناداه الشمر لاباس عليک ثم قال لاصحابه ويلكم ادركوا صاحبكم قبل ان يقتل ـ قال فخرج اليه غلام له بحجرة يقال لها الطاوية فَلَمَّا نظراليه المارد فرح بها و كفّ خجله وصاح ياغلام عجلّ بالطاوية قبل حلول الداهية فاسرع بهاالغلام اليه ـفكان العباسؑ اسبق مِن عد و اللّٰه اليها فوثب وثبات مسرعات وصل بها الى الغلام فطعنه بالرمح فى صدره فاخرجه مِن ظهره واحتوى على الحجرة فركبها وعطف علٰى عد و اللّٰه فلماراه تغيّر وجهه وحاد فى امره فايقن بالهلاک ـ ثُمَّ نادى بِاَعلٰى صوته ياقوم ءَ اغلب علٰى جوادى واقتل برمحى يالها من سبّة ومعيرةً ـ(مسلسل۔اکسیر العبادات۔صفحہ 320)

کہتے ہیں کہ جب مارد نے یہ کلام سُنا اور یہ تیور دیکھے تو اس کے پاس حملہ کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ رہا۔ چنانچہ اُس نے نہایت معمولی صورت حال سمجھ کر نیزہ سے پہل کر دی۔ حضرت عباسؑ نے اس کی ہمت بڑھائی اور نیزہ کو آنے دیا یعنی اپنی جگہ سے حرکت نہ کی اور جیسے ہی نیزہ کی بھال قریب آئی آپ نے جھپٹ کر نیزہ پکڑ لیا۔ اب مارد بہت پریشان تھا۔ اس کے خواب میں یہ صورت حال نہ آئی تھی ۔ وہ نیزہ چھڑانا چاہتا تھا اور جناب عباسؑ اچانک اُسے گھوڑے سے گرانے کی فکر میں تھے۔ لیکن مارد کے ہاتھ سے نیزہ چھوٹ گیا۔ اُس نے اپنی خجالت مٹانے کیلئے تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ ادھر حضرت عباسؑ نے اس کی طرف یہ کہہ کر نیزہ بڑھایا کہ اے دشمن خدا میں اللہ سے چاہتا ہوں کہ تجھے تیرے ہی نیزہ سے قتل کروں ۔ ادھر مارد نے گھوڑے کو کاوا دیا اور حضرت عباسؑ پر وار کرنے کی تاک لگائی لیکن حضرت عباسؑ نے اس کے گھوڑے کو نیزہ مار دیا۔ لہٰذا گھوڑا بے قرار ہو گیا اور مارد کو زمین پر پٹخ دیا۔ اب اس ملعون میں حضرت عباسؑ سے لڑنے کی طاقت نہ تھی اسلئے کہ وہ بہت موٹا بھی تھا اور پیر اور پنڈلیاں بھی بہت بھاری تھیں ۔ یہ تماشہ دیکھ کر افواج کی صفوں میں بے چینی

پھیل گئی لاکھوں آوازیں بلند ہوگئیں۔ شمر نے پکارا کہ تو فکر نہ کر امداد آرہی ہے۔ اور فوج سے کہا کہ جلدی مدد کو پہنچو ایسا نہ ہو کہ قتل کر دیا جائے۔ راوی کہتا ہے کہ مارد کا غلام ایک گھوڑا لے کر بڑھا جسے طاویہ کہا جاتا تھا۔ مارد نے دیکھا تو خوش ہوا اور چیخا کہ او غلام جلدی سے گھوڑا لا تا کہ میں آفت سے بچ جاؤں۔ غلام نے عجلت کی لیکن حضرت عباسؑ مارد سے قبل غلام کے قریب آئے اور جلدی سے غلام کے سینے میں نیزہ مار کر گرایا اور اُس کے گھوڑے پر خود سوار ہوگئے۔ اور پھر مارد کی طرف آئے۔ مارد نے دیکھا تو خوف سے چہرہ اُتر گیا اور سمجھ گیا کہ اب موت سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ چیخ مار کر پکارا۔ ارے دوڑو میرا گھوڑا بھی چھین لیا میرا نیزہ بھی اُچک لیا۔ ہائے میرے لئے اس سے بڑی بے عزتی اور شرمساری اور گالی اور کیا ہوسکتی ہے۔

قال فحمل شمر واتبعه سنان بن انس وخولی بن یزید الاصبحی واحمد بن مالک وبشر بن سوط وجُملة من الجیش فنفضوا اَلْاَعِنّة وقدّموا الاَسِنّة وجرّد واالسیوف وتصایحت الرجال ومالت نحوالعباسؑ فناداه اخوه الحسین علیه السلام ماانتظارک یااخی بعد ؟ واللّٰه فقد غدرالقوم بک۔ قال ونظر العباسؑ اِلٰی سرعة الخیل ومجیهم کالسّیل فعطف علیه برمحه فنادا ہ المارد یابن علیؑ رِفْقًا باسیرک یکون لک شاکرًا ۔فقال له العباسؑ ویلک اَبِمثلی یلقی الیه الخدع والمحالّ مااصنع بالاسیر ۔وقد قرب المسیر۔ ثُمَّ طعنه فی نحره وذبحه مِنَ الاذن الی الاذن ۔فانجدل صریعًا یخورفی دمه ووصلت الخیل والرجال اَلَی العباسؑ فعطف علیهم وهوعلٰی ظهر الطاویة وکانت الخیل تزید عن خمسمائة فارس فلم یکن الّاساعةٍ حتی قتل منهم ثمانین رجلًا واشرف الباقون علی الهرب فعند ها حمل عمربن سعد وزَحَفت فی اثره الاعلام ومالت الیه الخیل فصاح به اخوه الحسینؑ یااخی استند الیَّ لادفع عنک وتدفع عنّی فجعل العباسؑ یقاتل وهو متاخرو قدادرکته الخیل والرماح کأجام القصب وصار یضرب فیهم یمینًا وشمالًا الی اَنْ وصل الی اخیه الحسینؑ فصاح به الشمر یابن علیؑ اِنْ کنت قد رَجَلْتَ المارد عن الطاویة وقتلته فهی واللّٰه الّتی کانت لا خیک الحسنؑ یوم ساباط المداین فلما وصل العباسؑ الٰی اخیه الحسین علیه السلام ذکرله ماقاله الشمر مِن خبر الطاویة فنظر الحسینؑ وقال هذه و اللّٰه الطاویة الّتی کانت لِمَلَکِ الرّی وانّه لما قتله ابی علیؑ بن ابیطالبؑ وهبها لاخی الحسنؑ وصارت الطاویة تلوذ بمولٰنا الحسینؑ ودخل العباس الٰی خیمة الحرم بالسَّقاء الَّذِی معه فتوا سوابه الاطفال ولم یَرْوُوْا لِاِنه مابقی فیه الا مقدار اربعة آواق ماء لما وقع فیه مِنَ السهام وبقی العباس متفکرًا فی حالهم وما هم فیه۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات۔صفحہ 321-320)

راوی کہتا ہے کہ پھر شمر نے اور اس کے ساتھی سرداروں، سنان بن انس وخولی بن یزید اصبحی واحمد بن مالک وبشر بن سوط نے حملہ کر دیا اور تمام افواج تلوار سونت کر، نیزے بڑھا کر حضرت عباسؑ کی طرف بڑھنے لگیں۔ یہ دیکھ کر جناب امام حسینؑ نے آواز دی کہ بھائی ہوشیار ہو جاؤ افواج کا حملہ ہو رہا ہے اب آپ کیا انتظار کر رہے ہیں؟ یقیناً اس قوم نے آپ کے ساتھ بدمعاملگی کی ہے۔ یعنی دونوں کی جنگ کا فیصلہ ہو جانے تک کسی کو حرکت نہ کرنا تھا۔ اُدھر جناب عباسؑ نے ماحول پر نظر ڈالی چاروں طرف سے فوجیں اور سردار بڑھتے چلے آرہے تھے۔ جیسا کہ سیلاب اور طوفان کا پانی دوڑتا چلا آیا کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر جناب عباسؑ نے مارد کو دیکھا اس پر اس کے نیزہ سے حملہ کرنا چاہا تو مارد نے کہا کہ اے فرزند علیؑ آپ اپنے قیدی پر رحم کریں وہ ہمیشہ آپ کا مشکور رہے گا۔ حضرت عباسؑ نے جواب دیا کہ کہ ارے بدمعاش تو میرے ایسے ماہر جنگ کو بھی جُل دینے کی ہمت کر رہا ہے۔ اور مجھے سکھا رہا ہے کہ قیدی کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہئے؟

حالانکہ تیری موت سر پر کھڑی ہے۔اس کے بعداس کی گردن پر نیزہ مارااورایک کان سے دوسرے کان میں سے نیزہ پار کردیا۔تڑپ کر زمین پر گرااوراپنے خون کے اندرخرانٹے لینے لگا۔ادھر پیدل اورسوارفوجیں حضرت عباسؑ کےقریب آ گئیں۔آپ طاویہ پرسوار نیزہ لےکر بڑھےادھرافواج کی تعداد بڑھتی جارہی تھی ادھرحضرت عباسؑ لاشوں کے ڈھیر لگارہے تھے۔ذراسی دیرجنگ ہوئی توفوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اورآپ نے اَسی (80) جوانوں کوقتل کردیا۔پانچ سوکا رسالہ بھاگ گیا توعمرسعداوراس کے بڑے بڑے سرداروں نے زبردست حملہ کیااورافواج پھرواپس آنےلگیں۔امامؑ نے آواز دی کہ بھائی تم پھرگھیرے میں لئے جارہے ہو۔تم افواج کواس طرح دھکیلو کہ تم میرےقریب تک آجاؤ پھرمیں تمہارےتحفظ میں لڑوں اورتم میری پشت پردفاع کرو۔یہ سن کرحضرت عباسؑ نےفوجوں کوبیچ سے دوحصوں میں کرنا شروع کیااورلڑتے ہوئے چلے۔داہنے اوربائیں دونوں طرف کی صفوں کودرہم برہم اورقتل کرتے بڑھتے نزدیک آرہے تھے۔آخروہ فاصلہ رہ گیاجہاں سےامام علیہ السلام شریک جنگ ہوسکتے تھے۔اتنے میں شمرملعون نے آواز دی اورکہا کہ اےفرزند علیؑ تم نے ماردکو پاپیادہ کیا پھراُسےقتل کرڈالاتوسنوکہ یہ طاویہ نام کا گھوڑاتمہارے بھائی حسنؑ مجتبیٰ کا ہے جومدائن میں رہ گیا تھا۔جب حضرت عباس امامؑ سے ملےتوشمرکی یہ بات آپ کو بتائی۔امام علیہ السلام نے طاویہ کودیکھااورفرمایا کہ قسم بخدایہ وہی گھوڑاہے جومُلک رَے کے بادشاہ کے پاس تھا۔جب ہمارے والدعلیؑ بن ابی طالبؑ نے اس بادشاہ کوشکست دی اورقتل کردیا تویہ گھوڑااُنہوں نے بھائی حسنؑ کودے دیا تھا۔ساتھ ہی گھوڑے نے بھی امامؑ کو پہچان لیااورسرجھکا کر پیارکرانے لگا۔ادھرجناب عباسؑ مشک لےکربچوں میں چلے گئے۔تمام بچے جمع ہوگئے۔مگرتیروں کے لگنےکی وجہ سےمشک میں چارچھٹانک کےقریب پانی بچاتھا۔بچے سیراب نہ ہوسکےاورعباس علیہ السلام کے منہ کوتکنے لگے۔سقائے سکینہؑ نہایت رنج وفکر میں تھے۔اوردوبارہ پانی لانے کا موقعہ چاہتے تھے۔بچوں کی بےچینی بڑھنا بالکل قدرتی بات تھی۔آج چوتھادن بلاپانی کےگزررہاتھا۔اوردشمنوں کاچاروں طرف ہجوم تھا۔

(10)۔ حضرت عباس امام اوراہل حرم علیھم السلام پرقربان ہوگئے

مومنین! جوصورت حال ابھی بچوں اوراہل حرمؑ کے سامنے آئی وہ بہت صبرآزماتھی۔کسی بچہ یابڑے نے حضرت عباسؑ سےشکوہ نہیں کیا۔اُنہوں نے بلندی سے وہ کوشش،محنت اورخطرات دیکھے تھے جوحضرت عباسؑ نے پانی لانے کے لئے کی اوربچ کرخیام تک پہنچے۔لیکن شکوہ نہ کرنے سے پیاس کی تکلیف توکم نہ ہوسکتی تھی۔چنانچہ جیسے ہی حضرت عباسؑ خیام سےنکل کرامامؑ کی خدمت میں آئےبچوں میں پھرشدت تشنگی کا چرچاہونے لگا۔

وفی بعض الکتب المعتبرۃ انّہ لَمَّا اشتدّالعطش بآلِ بیت الرسوّل وسمع الحسینؑ الاطفال وھم ینادُ ون اَلعطش العطش سمع العباسؑ فرمق بطرفہ الی السماء وقال الٰھی وسیدی اُرید اعتدّابعدّتی واملاء لِھؤُلاء الاطفال قربۃ من الماء۔ فرکب فرسہ واخذرمحہ والقربۃ فی کتفہ ۔فلما راوقاصدًا فی الفرات احاطوابہ مِن کُلّ جانب ومکان فقال لھم یاقوم انتم کَفَرۃٌ ام مسلمون ؟ ھل یجوزفی مذھبکم ودینکم اَنْ تمنعوا الحسینؑ وعیالہ شرب المآء ؟ والکلاب والخنازیر یشربون منہ والحسین علیہ السلام مع عیالہ واطفالہ یموتون عطشًا۔ اماتذکرون عطش القیامۃ ؟ فلما سمعوا کلام العباس وقف خمسمائۃ رجل ورموہ

بالنبال والسهام وفی روایة عبد اللّٰہ الاھوازی عن جدّہ قال اسحق بن جثوہ لما اقبل العباسؑ والجواد خلفه فثور ناعلیه النبال کالجرادالطائر فصیرنا جلدہ کالقنفذ ونرجع الیٰ ماکُنّافیه ۔ قال فحمل علیهم العباسؑ فتفرقوا عنه هاربین کمایتفرق عن الذئب الغنم و غاص فی اوساطهم حتّٰی قتل منهم علیٰ مانقل ثمان مائة فارس ۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 322-321 مسلسل)

یہاں تک کہ بچوں کی آوازیں امام حسینؑ علیہ السلام نے سُنیں اور حضرت عباس علیہ السلام نے بچوں کی تکلیف رفع کرنے کا پھرارادہ فرمایا تو پھر آسمان کی طرف دیکھا اوراللہ سے عرض کیا کہ یاالٰہی میں اپنا وعدہ پورا کرنے اور پانی کی مشک بھرنے جاتاہوں ۔ چنانچہ وہ اپنے گھوڑے پرسوار ہوئے ، نیزہ لیااور کاندھے پرمشک ڈالی اورروانہ ہوگئے ۔ جب یزیدی افواج نے دیکھا کہ حضرت عبّاس نے فرات جانے کاارادہ کیا ہے توانہیں چاروں طرف سے گھیرلیا۔حضرت عباسؑ نے اُنکوللکارکرسوال کیا کہ تم لوگ مسلمان ہو یا کافرہو؟ یہ بتاؤ کہ کیاتمہارے مذہب میں یہ جائز ہے کہ امام حسینؑ اوراُن کی مستورات اوربچوں پر پانی بندرکھواور کُتے وسوٴر پانی پیتے رہیں؟ اورحسینؑ مع اپنے اہل وعیال اوربچوں کے پیاسے مرجائیں؟ جب یزیدیوں نے حضرت عباسؑ کی یہ باتیں سُنیں توپانچ سوتیراندازوں نے اُن پرتیروں کی بارش برسادی۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت عباسؑ میدان میں آئے تواُنکا گھوڑا اُن کے پیچھے تھا۔اس وقت تیراندازوں نے اس طرح تیر برسائے جیسے ٹڈی دل سبزہ پراُترتاہے۔یہاں تک کہ حضرت عباسؑ کاجسم ساہی کی طرح تیروں سے بیندھ کررکھ دیا تھا۔لیکن اس حالت میں جب حضرت عباسؑ نے افواج پرحملہ کیا تواُنکے سامنے سےفوجیں اس طرح بھاگ رہی تھیں جیسے بھیڑیوں کے سامنے سے بھیڑبکریاں بھاگا کرتی ہیں۔اورحضرت عباسؑ حملہ کے دوران افواج میں غوطہ مارتے اور باہر نکلتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آٹھ سوآدمی قتل کرڈالے۔(مسلسل)

(11)۔ پانی پہنچنے کانتیجہ عمربن سعد کی نظرمیں؟

(مسلسل باقی حصہ) ترجع الی روایة عبد اللّٰہ الاھوازی عن جدّہ قال اسحق لما اتخذالعباس الی المشرعة وملاء القربة۔

(1) صاح عمرسعد علیهم یاویلکم اِنْ شرب الحسینؑ قطرة ماء صاراکبرکم اصغرکم۔ (اکسیر۔صفحہ 322)

(2) قال یاویلکم ارشقوا القربة بالنبل۔فو اللّٰہ اِنْ شَرِبَ الحسینؑ الماء افناکم عن آخرکم اما هوالفارس ابن الفارس والبطل المداعس۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 323)

اور جب حضرت عباسؑ فرات کے گھاٹ پرپہنچے اورمشک کو پانی سے بھرلیااورمشک کوکاندھے پرڈال لیا۔اوردریا سےنکل کرچلےتو عمربن سعد نے چلاکرفوج سے کہا:۔

(1)۔ عمربن سعد نے گھبراکرپکاراکہ خداتمہیں غارت کرے اگرحسینؑ نے پانی کاایک قطرہ بھی پی لیاتووہ تمہارے بڑوں کوچھوٹا یعنی جاہ وجلال رکھنے والوں کو بھیک مانگنے والا بناکرچھوڑے گا۔

(2)۔ عمربن سعد نے فوج سے کہا کہ خداتمہیں غارت کرے اُس کی مشک کوتیروں سے چھلنی کرڈالو۔خدا کی قسم اب اگرحسینؑ نے پانی پی لیاتووہ تم سب کواوّل سے لےکرآخری آدمی تک فنا کردیں گے۔سُنو کہ وہ ایک جوانمرد بہادر ہےاور بہادرکابیٹاہے۔وہ ایک بے بدل سورمااورتلوار کے گھاٹ اُتارنے والا ہے۔

(12)۔ حضرت عباس علیہ السلام مشک لے کر چلے تو افواج کی آہنی دیوار سامنے تھی

قال ثم صَعَدَ من المشرعة فاخذه النبل مِن کل مکان وھویقا تل والقَربة علٰی کتفه حتی صار درعه کالقنفذ .....ثُمّ حمل علی القوم فقاتلھم قتال شد یدًا وَفرّقھم یمینًا وشما لًاوقتل رجالًا ابطالًا وانشا یقول: لاارھب الموت اذا لموت رقیٰ۔حتی اواری میّتًا عنداللقا۔نفسی لنفس الطاھر المطھر وقا۔وَلا اخاف طارقًا اِنْ طرقا۔بَل اضرب الحامّ وافری المفرقا۔اِنّی اَنَا العباسؑ صعب باللقاء۔لنَفْسِی لنفس الطاھر السِّبط وقا۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 323-322 مسلسل)

راوی نے بیان کیا کہ جب جناب عباس علیہ السلام گھاٹ سے نکل کر میدان میں آئے تو چاروں طرف سے تیروں کا نشانہ بنالئے گئے۔مگر پانی کی مشک بہرحال اُن کے کاندھے پر لٹک رہی تھی۔اوراُن کا جسم ساہی کی مانند تیروں سے چھنا ہوا تھا اوراُسی حالت میں افواج پر تباہ کن حملہ جاری رکھا۔انہیں داہنے بائیں بکھیرتے اور بھگاتے بڑھتے چلے آرہے تھے۔چن چن کر بہادروں کوٹھکانے لگاتے جاتے تھے اور یہ فخریہ اشعار پڑھ رہے تھے: میں سامنے کھڑی موت سے نہیں گھبراتا۔اورخواہ میری اپنی لاش بھی مقتولوں میں گرادی جائے۔میری جان حسینؑ ایسی پاک وپاکیزہ ہستی پرقربان ہے۔اورمیں آفات ومصیبت کوسامنے دیکھتے ہوئے بھی ڈرتا نہیں ہوں۔بلکہ میں تو تول تول کرسروں پرضربیں لگارہاہوں اورکٹے ہوئے سروں کوبکھیرتا جارہاہوں۔یقیناً میں اسم بامسمٰی عباسؑ ہوں جس کی طرف دیکھنا بھی مشکل ہے۔میں نے اب اپنی زندگی رسولؐ کے پاکیزہ نواسے پرقربان کرنا طے کررکھا ہے۔

(13)۔ آخر شہادت کا اشارہ ہوااورعباسؑ نے حکم قضا کولبیک کہہ دیا

قال فحملوا علی العباس حملة منکرة فقتل منھم مائة وثمانین فارسًا ثم انشاء یقو ل: اَقْدُمُ حسینًا ھادیًّا مھدیّا۔اَلْیَوم تلقی جدک النبیّا۔وحمزة والمرتضٰی علیّا وتلق حقّا فاطم الزکیّا۔وقال لاخیه حسینؑ اعلم یااخیّ اِنّ الاجال بید اللّٰه تعالٰی وقد تقاربت والسلام علیک ورحمة اللّٰه وبرکاته۔ثم حمل فیھم حتّٰی قتل منھم عدّة رجال۔فحمل علیه ابرص بن شیبان فضربه علٰی یمینه فطارت مع السّیف فاخذ السیف بشماله وانشاء یقول:و اللّٰه لو قطعتموا یمینی۔لاَحْمِیُنَ مجاھدًا عن دینی۔ وعن امام صادق الیقین۔سبط النبیؐ الطاھر الامین۔نبیؐ صدق جائنا بالدین۔مصدقًا بالواحد الامین۔قال فحمل علی القوم فقتل منھم رجالًا کثیرًا ونکسَّ ابطالًا وَالقربة علی ظھره۔فضربه عبد اللّٰه بن یزید الشیبانی علٰی شماله فطارت مع سیفه فانکبّ علی السَّیُف بِغَمِهٖ وحمل علی القوم وانشاء یقول: یانفس لَاتخش عن الکفار۔وابشری برحمة الجبار۔ مع النبیؐ سید الابرار۔مع جملة السادات والانصار۔قدقطعوا ببغیھم یساری۔فاصلِھِم یارب حرّ نار۔قال ثمَّ حمل علی القوم ویداہ تنضخار دمًا۔فحملوا علیه جمیعًافقاتلھم قتالًا شدیدًا۔فضربه حکیم بن الطفیل مِن وراء نخلة بعمود حدید علٰی راسه الشریف فسقط مخّ راسه علٰی کتفیه فھوی عن متن فرسه وصاح اِلَی اخیه الحسین۔وقال ادرکنی یااباعبد اللّٰه۔(اکسیر۔صفحہ 323-321)

راوی نے بتایا کہ تمام افواج نے مل کرایک نہایت خطرناک حملہ کیا اور جناب عباسؑ نے اِس آخری حملہ میں بھی ایک سواَسی (180)ملاعین کوقتل کردیا لیکن ساتھ ہی الوداعی اشعار پڑھنا شروع کردیئے۔فرماتے تھے اے میرے ہادی اورمہدی بھائی حسینؑ میں نے تم پرقربان ہوجانے کے ارادے سے پیش قدمی شروع کردی ہے۔تاکہ مجھے آج ہی تمہارے نانا نبیؐ کی زیارت ہوجائے۔

اورحضرات حمزہؑ اورعلی مرتضیٰؑ سے ملاقات کرلوں ۔اوراپنی نیک سیرۃ والدہ فاطمہؑ سے مل لوں اور بھائی کوآواز دے کر کہا کہ بھیا آپ تو جانتے ہیں کہ وقت اورموت اللہ کے ہاتھ میں ہے اوروہ دونوں مجھ سے بالکل قریب کھڑے ہیں ۔لہٰذا اے بزرگوار بھائی رخصت ہولو۔ میرا اسلام اوراللہ کی رحمت وبرکت قبول کرلینا۔ یہ فرمایااور پھر بہت بڑی تعداد کوقتل کیا۔اس جذب وشوق کے دوران ایک ملعون ابرص بن شیبان نے پیچھے سے داہنے بازو پرتلوار ماری اورآپ کا ہاتھ لٹک کر رہ گیا۔آپ نے بایاں ہاتھ بڑھا کر داہنے ہاتھ سے تلوار لے لی اورغضبناک ہوکرحملہ کیااوریہ اشعار پڑھے۔حالانکہ تم نے میرا داہنا بازو کاٹ لیالیکن میں تواپنے دین کی حمایت بائیں ہاتھ سے بھی جاری رکھے ہوئے ہوں ۔اوراس ہاتھ سے بھی ایک سچے اورپُریقین امامؑ کی مدد کررہا ہوں ۔جوطاہر وامین رسولؐ کا نواسہ بھی ہے۔اُس رسولؐ کا نواسہ جوامانت کے خالق اوریگانہ خدا کا مصداق ہے۔یہ پڑھتے ہوئے بھی حملہ جاری رکھا اورکثرت سے لوگوں کوقتل کیااورسورماؤں کے سرزمین پر جھکادیئے۔اورمشک ابھی تک کاندھے پرلٹک رہی تھی ۔پھرایک ملعون عبداللہ بن یزید شیبانی نے پیچھے سے آکر بائیں بازو پرتلوار ماری اور ہاتھ مع تلوار کے لٹک گیا۔لیکن حضرت عباس تیزی سے جھکےاورتلوار مُنہ میں پکڑ کر پھرحملہ جاری کردیااورفخریہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔اے عباسؑ کی جان تو کافروں کے سامنے عاجز نہ ہوجانا۔ میں تجھے خداوند جبار کی رحمت کی مبارکباد دیتاہوں ۔ تجھے مبارک ہوکہ تو نبیؐ سیدالابرار اورتمام سادات اور انصار کے حضور پہنچنے والی ہے۔کوئی پرواہ نہیں اگر تیرا بایاں بازو بھی ان باغیوں نے کاٹ دیاہے۔میرا اللہ انہیں جہنم کی گرمی کی ماردے گا۔اس دوران حکیم بن طفیل ایک درخت کے پیچھے سے نکلا اوراس ملعون نے آپ کے سر مبارک پرلوہے کا گرز ماردیا۔جس سے سر پھٹ کرکاندھوں پرلٹک گیا۔اورآپ گھوڑے پر نہ رہ سکے۔اب آواز دی کہ اے بھیا حسینؑ آیئے یہاں سے آپ کی امداداوراحتیاج ہے۔

(14)۔ دونوں بھائیوں کی آخری ملاقات اورالوداع

قال اسحاق فاتاہ الحسینؑ کالصقر اذا انحدرعلٰی فریستہٖ ففر قھم یمینًا وشمالًا بعداَن قتل مِن المعروفین سبعین رجلًا فجاء نحوالعباس وھو ینادی وااخاہ واعباساہ اَلآن انکسر ظھری وقلت حیلتی ثُمَّ انحنی علیہ لحملہ اِلٰی الخیام ففتح العباس عینیہ فرای اخاہ الحسینؑ یرید اَن یحملہ فقال لہ اِلٰی این ترید بی یااخی ؟ فقال اِلٰی الخیام ۔فقال یااخی بحقّ جدّک رسوؐل اللّٰہ علیک اَن لا تحملنی،دعنی فی مکانی ھذا ۔ فقال علیہ السلام لِمَاذَا ؟ قال لِاَنّی مستح من ابنتک سُکینۃً وقدوعدتھا بالماء ولم اٰتِھابہ ۔ فقال الحسینؑ جزیت عن اخیک خیراحیث نصرتنی حیًّا ومیّتًا قال فوضعہ فی مکانہ ورجع الی الخیام وھویکفکف دموعہ بکمّہ فلما راوہ مقبلًا آتت الیہ سکینۃً ولزمت عنان جوادہ وقالت یاابتاہ ھل لک علم بعمّی العباسؑ اراہ ابطأ و قداوعدنی بالماء ولیس لہ عادۃ اَن یخلف وعدہ اَھُوَیجاھد الاعداء فعندھا بکی الحسینؑ وقال یابنت اِنّ عمک قتل وبلغت روحہ الجنان فلماسِمِعَتُ زینبؑ صرخت ونادت وااخاہ واعباساہ واقلّۃ ناصراہ وضیعتاہ مِن بعدک ۔فقال الحسینؑ ای و اللّٰہ مِن بعدہ واضیعتا والانقطاع ظھراہ فجعلن النساء یبکین ویندبن علیہ وبکی الحسینؑ معھم۔(اکسیرصفحہ 321)

اسحاق نے بتایا کہ حضرت عباسؑ کے بلانے پرامام حسینؑ عباسؑ کے پاس اس طرح پہنچے جیسے ایک بازیا شاہین اپنے شکار پرجھپٹتا ہے اورافواج کوداہنے بائیں بھگادیا اورحضرت عباسؑ کے قاتل اورمشہورلوگوں میں سے ستر آدمی بھی ٹھکانے لگادیئے۔اس کے بعد

حضرت عباسؑ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اے بھائی عباسؑ آخر تم نے مجھ سے جدائی اختیار کر لی۔ اور تمہارے جانے سے بھائی میری کمر ٹوٹ گئی۔ میرے پاس کوئی تدبیر باقی نہیں رہی۔ یوں کہتے ہوئے حضرت عباسؑ کی لاش پر جھکے تا کہ اُن کو اُٹھالیں۔ حضرت عباسؑ نے آنکھیں کھول دیں بھائی کو دیکھا۔ پوچھا بھیّا کیا ارادہ ہے۔ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟ امامؑ نے فرمایا کہ باقی شہدا کے پاس خیام میں لے جاؤں گا۔ حضرت عباسؑ نے فرمایا بھائی تمہیں تمہارے نانا رسولؐ اللہ کا واسطہ دیتا ہوں مجھے یہیں رہنے دو اور خیام میں نہ لے جانا۔ امامؑ نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ بھائی میں نے تمہاری لاڈلی بیٹی سے پانی لانے کا وعدہ کیا تھا۔ اور میں اپنی دونوں کوششوں میں بھی یہ وعدہ پورا نہ کر سکا۔ میں شرمندہ ہوں اور نہیں چاہتا کہ اپنا منہ اُس معصومہ کو دکھاؤں جب کہ وہ بدستور پیاسی بھی ہے اور باقی بچوں سے یہ کہتی رہی ہے کہ میرے چچا پانی ضرور لائیں گے۔ امامؑ نے بھائی کو دعا دی اور کہا کہ میری طرف سے تمہاری جزا میں کوئی کمی اور خامی نہیں رہی ہے آپؑ نے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی میری برابر نصرت کی ہے۔ آستین سے بہتے ہوئے آنسو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بھائی کو جنت روانہ کیا اور خود خیام میں واپس آئے۔ تمام بچے اور حضرت سکینہؑ نظریں جمائے دیکھ رہے تھے۔ جیسے امامؑ پہنچے حضرت سکینہؑ نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا کہ بابا جان آپ کو میرے چچا عباسؑ ملے؟ وہ کہاں ہیں؟ مجھ سے پانی کا وعدہ کر گئے تھے۔ کیا وہ ابھی تک دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے جنگ میں الجھے ہوئے ہیں؟ یہ وہ صورتِ حال تھی جس سے بچنے کے لئے حضرت عباسؑ نے مقتل شہدا سے ہمیشہ دُور رہنے کی التجا کی تھی اور چاہا تھا کہ اُن کی معصوم بھتیجی اُن کا چہرہ نہ دیکھے۔ لیکن امام حسین علیہ السلام اس صورتِ حال سے کیسے بچ سکتے تھے۔ انہیں تو غم والم و درد و دکھ اور صدمات کا ہر رُخ مکمل کرنا تھا۔ بیٹی کی معصومانہ باتیں اور بالواسطہ شکوہ سُنا صبر کیا اور فرمایا کہ اے میری دُکھیا بیٹی تمہارے چچا قتل ہو کر جنت کو چلے گئے ہیں۔ جب یہ جواب اہل حرمؑ اور حضرت زینب علیہا السلام نے سنا تو ایک کُہرام برپا ہو گیا۔ سب نے نوحہ وزاری شروع کی حضرت زینبؑ فرما رہی تھیں کہ اے بھیا عباسؑ! اپنی دکھیا بہن اور مظلوم بھائی کو تنہا چھوڑنا کیسے برداشت کر لیا؟ بھیا عباسؑ تمہیں معلوم ہے کہ اب بچوں کے سوا امامؑ کا کوئی ناصر نہیں ہے۔ بھائی تمہارے جانے سے ہمیں لامحدود نقصان پہنچا ہے۔ ہم تمہیں دیکھ کر یہ یقین رکھتے تھے کہ جب تک تم موجود ہو ہمیں اور امامؑ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ بھیا عباسؑ تمہاری خطا نہیں آخر کہاں تک دُکھ سہتے؟ امامؑ نے پھر فرمایا کہ بھائی تم کیا گئے ہماری قوت وطاقت اور شان ورعب وداب سب چلا گیا۔

42۔ شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام

(1)۔ **حضرت علی اکبر علیہ السلام سے تعارف:** ذہن میں بنیادی حقائق وعقائد اگر پیوست نہ ہوں تو انسانی دماغ میں متضاد ومتخالف تصورات کو قبول کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ زیارت ناحیہ میں جناب علی اکبر علیہ السلام کو یوں مخاطب کیا گیا ہے۔

''اَلسَّلَامُ عَلٰی اَوَّلِ قَتِیْلٍ مِنْ نَسْلِ خَیْرِ سَلِیْلٍ مِنْ سُلَالَۃِ اِبْرَاھِیْمَ الْخَلِیْلِ''

''حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے نسلی خلاصہ کے سلسلے کی بہترین کڑی کے پہلے شہید تم پر سلام ہو''

اس جملے سے بعض علما نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت علیؑ اکبر اولاد ابوطالب علیہم السلام میں سب سے پہلے شہید ہوئے ہیں۔ جو واقعات فطریہ

حسینیؑ کے خلاف ہے۔زیارت کے مندرجہ بالا جملے کی تشریح بہت طول چاہتی ہے۔لیکن چند اشاروں سے بات سمجھا دینا چاہتے ہیں۔
اوّل یہ کہ یہاں نسل ابراہیمؑ نہیں کہا اور نہ ہمارے سوا باقی تمام شیعہ سُنی علمانے ابوسفیان ومعاویہ ویزید کو بھی نسل ابراہیمؑ میں شمار کیا۔لیکن وہ تو وہ ہیں ہم تو تیم وعدی اور پورے قریش کو بھی قحطانی النسل ثابت کرتے ہیں۔پھر نسل ابراہیمؑ کے خلاصہ یعنی عطر ونچوڑ پر بھی اکتفا نہیں کی بلکہ اس خلاصہ یا نچوڑ کی بھی بہترین اور پہلی شہید ہونے والی کڑی یا فرد اوّل فرمایا ہے۔یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام پھیلی ہوئی نسل سمٹی ہوئی صورت میں اس نسل کا خلاصہ ہوا۔اور اس بنیادی خلاصہ کا ایک سلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے آگے چلا اور کربلا تک پہنچا۔اُس کربلا میں پہنچنے والے خلاصہ کے بہترین اور پہلے شہید فرد حضرت علیؑ اکبر ہیں۔یہاں یہ اُلجھن پیدا ہو جائے گی کہ کیا حسینؑ کے مقابلہ میں علیؑ اکبر بہترین فرد تھے یا ہو سکتے تھے؟ جواب یہ ہوگا کہ ہرگز نہیں۔
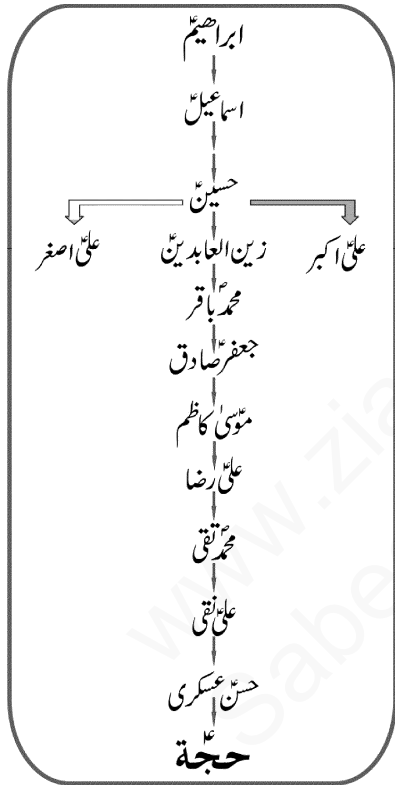
حسینؑ تو حسین علیہ السلام تھے۔علیؑ اکبر تو زین العابدینؑ اور حضرت عباسؑ کے مقابلہ میں بھی کم رتبہ تھے۔یہ سوال اور جواب دراصل دونوں بے موقعہ اور غلط ہیں۔بات ہی کچھ اور ہے جس کو نہ سمجھنے سے یہ تضاد واُلجھن پیش آتی ہے اور آتی رہے گی۔سُنیئے:۔ کسی سلسلہ نسب کی وہ شاخ اُس پورے سلسلہ یا نسل کا خلاصہ ہوتا ہے جو اوپر سے نیچے کو یا نیچے سے اوپر کو جانشینوں کو مسلسل کرتی ہے۔مثلاً حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اوپر کو چلیں تو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام،علیؑ نقی،محمدؑ تقی،علیؑ رضا،موسیٰؑ کاظم،جعفرؑ صادق،محمدؑ باقر،زینؑ العابدین،امام حسینؑ،امام حسنؑ اور علی علیہ السلام کو ایک سیدھی شاخ مسلسل کرتی ہے اور باقی بھائیوں اور اولاد کو داہنے بائیں چھوڑتی جاتی ہے۔یہ شاخ سلالہ یا خلاصہ ہے۔باقی نسل اسی سے نکلتی اور پھیلتی ہے۔لہٰذا حضرت حسن علیہ السلام کے بعد امام حسینؑ اس سلسلے کی بہترین فرد ہیں لیکن وہ قتل ہونے والوں میں اوّل نہیں۔
پھر امامؑ کے دوسرے بھائی اور بھتیجے وغیرہ سب اس خلاصہ سے داہنے بائیں رہ جاتے ہیں۔اس لئے وہ پہلے شہید ہوں یا بعد میں اُن کا ذکر ہی نہیں ہے۔اب امام حسینؑ کے بعد امام زین العابدین علیہ السلام شہادت سے باہر رہے۔لہٰذا اولادِ امامؑ میں جو پہلا شہید ہے وہ علیؑ اکبر ہیں۔اور زیارت کا یہی مطلب ہے نہ کہ پوری اولادِ ابوطالبؑ میں پہلا شہید۔لہٰذا بات یہ ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں جو جانشینی کا سلسلہ چلا اس میں ہر جانشین اور وصی حضرت ابراہیمؑ کی نسل کا خلاصہ،نچوڑ،عطر یا سُلالہ تھا۔کربلا میں امام حسین علیہ السلام نسل ابراہیمیؑ کا خلاصہ تھے۔اس خلاصہ کی اولاد میں سے پہلا شہید علی اکبر علیہ السلام ہیں۔دوسرا،تیسرا،چوتھا نمبر باقی امامؑ زادوں کو ملے گا اور حضرت علی اصغر علیہ السلام کا آخری نمبر ہوگا۔اور اُن کے بعد زین العابدین علیہ السلام نسل ابراہیمیؑ کا خلاصہ یا سلالہ ہوں گے۔اس

لئے شہادت کی فہرست سے باہر رکھے گئے۔ لہٰذا بنی ہاشم میں پہلا قتل نہیں بلکہ خلاصہ نسل ابراہیمیؑ میں سے پہلا شہید کہہ کر سلام کیا گیا۔

دوم یہ کہ کربلا میں ترتیب شہادت اس اصول پر قائم ہوئی تھی کہ انصاران حسینؑ حقیقی معنی میں انصاران حسینؑ بننا چاہتے تھے۔ یعنی جب تک اُن میں سے کوئی ایک بھی زندہ رہے گا وہ حسینؑ اور خانوادہ حسینؑ کو گزند نہ پہنچنے دینگے۔ یعنی قتل ہونے میں انصار پہلا نمبر لیں گے اور دوسرا نمبر حسین علیہ السلام کو دیں گے۔ جب انصار حقیقی معنی میں انصار بن کر شہید ہو چکے تو اب اولاد ابوطالبؑ حسینؑ اور حسینؑ کے بچوں کا تحفظ کرے گی اور انہیں گزند نہ پہنچنے دے گی۔ لہٰذا پہلا نمبر نہ حسینؑ کا ہوگا نہ علیؑ اکبر کا اسلئے کہ اس خلاصہ کی نصرت ہی میں شہادت واجر ہے۔ پھر جس طرح انصار نے امام سے اجازت حاصل کرنے کو معیار بنالیا تھا۔ وہی طریقہ اولاد ابوطالبؑ نے جاری رکھا۔ ورنہ جھگڑا ہوتا اور ہر کوئی پہلا نمبر لینا چاہتا۔ لہٰذا امامؑ جس کو چاہتے تھے اجازت دیتے تھے اور جس کو چاہتے تھے منع کر دیتے تھے۔ انہوں نے اولاد ابوطالبؑ میں سے پہلا نمبر حضرت مسلمؑ کی اولاد کو اسلئے دیا کہ وہ حضرت مسلمؑ کا داغ اٹھا چکے تھے۔ آپ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد کو آخری نمبر دیا اور یہ فطری بات تھی۔ اگر امام حسنؑ مجتبیٰ بھی کربلا میں ہوتے تو امام حسینؑ پہلے اپنی اولاد کو قربان کرتے پھر خود قربان ہوتے اور یوں انصارِ حسنؑ میں شمار ہوتے۔

(2)۔ لفظ اکبر کی بنا پر ایک اور مغالطہ

اوّل قتیل کے معنی سمجھ لینے کے بعد اب یہ دیکھیں کہ جناب امام حسین علیہ السلام وہ تاریخی ہستی ہیں جنھوں نے اپنے تمام بیٹوں کے نام علیؑ رکھے تھے۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ نام تو سب کے علیؑ رکھے تھے۔ مگر شناخت اور تعین کے لئے ہر فرزند کے نام علیؑ کے ساتھ ایک لقب یا عرفیت بھی رکھ دی تھی تا کہ جس کا ذکر ہو وہی سمجھا جائے اور جسے بلایا جائے وہی آئے۔ لہٰذا شہید ہونے والوں میں سب سے بڑے فرزند علی اکبر علیہ السلام تھے۔ اس لقب **اکبر** کی وجہ سے بعض بڑے علما یہ سمجھے کہ علی اکبر علیہ السلام تمام فرزندان حسینؑ میں سب سے بڑے تھے۔ اور جب بڑے علما نے یہ سمجھ لیا کہ وہ سب سے بڑے تھے تو ضروری ہوا کہ اس سمجھ کو ثابت بھی کیا جائے۔ لہٰذا چٹکلے ملاحظہ فرمائیں۔

امر ششم۔ درسن شریف حضرت علیؑ اکبر (چھٹی بات حضرت علیؑ اکبر کی عمر کیا تھی)

(1) علامہ مجلسی درجلاء از محمد بن ابیطالب نقل فرمودہ کہ آن بزرگوار در وقعۂ طف ہیجدہ سال بود کہ پنج سال از حضرت زین العابدین کوچک تر بود۔ ومیفر ماید اصح ہمیں است (منتخب التواریخ۔ صفحہ 350)

(2) ودر ارشاد است میفر ماید نوزدہ سالہ بودہ۔ (ایضاً صفحہ 350)

(3) وشہید در دروس و کفعمی فرمودند کہ بیست وپنجسالہ بودہ کہ دوسال از حضرت زین العابدینؑ بزرگ تر بودہ ومحتمل است کہ این قول اقویٰ باشد: **اولاً** بجہت آنکہ جمہور محدثین ومورخین ''**علیؑ شہید**'' را ''**علیؑ اکبر**'' نوشتہ وحضرت زینؑ العابدین را **علیؑ اصغر** '' **وثانیاً**۔ درمقاتل فرمودہ کہ حضرت زین العابدینؑ درمجلس یزید فرمودہ: ''وکان لی اَخ اکبر منّی سمی علیاً فقتلوہ'' **وثالثاً**۔ درسرائر ودرمقاتل دراحوالات حضرت علیؑ اکبر فرمودہ اند ولد علیؑ بن الحسینؑ فی خلافۃ عثمان وقد روی عن جدہ علیؑ بن ابیطالبؑ وکفعمی وشہید اول دردروس اختیار ہمیں را فرمودہ اند۔'' (منتخب التواریخ۔ صفحہ 350-351)

(1)۔ علامہ محمد باقر مجلسی کتاب جلاء العیون میں محمد بن ابی طالب سے نقل کرتے ہیں کہ اُن بزرگوار کی عمر کربلا میں اٹھارہ سال تھی اور وہ امام زین العابدین سے پانچ سال چھوٹے تھے۔ اور ریمارکس یہ دیئے ہیں کہ یہ عمر سب سے صحیح ہے۔'' (ایضاً 350)

(2)۔ شیخ مفید نے کتاب ارشاد میں لکھا ہے کہ علیؑ اکبر اُنیس سال کے تھے۔ (ایضاً)

(3)۔ اور شہید اوّل محمد مکی نے اپنی کتاب دروس میں اور علامہ کفعمی نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ اکبر پچیس سال عمر کے تھے یعنی حضرت زین العابدینؑ سے دو سال بڑے تھے۔'' (یہ لکھ کر مورخ کہتا ہے کہ) ''احتمال یہ ہے کہ علی اکبر علیہ السلام کا امامؑ زین العابدین سے بڑی عمر والا قول زیادہ قوی قول ہو۔ اس لئے کہ:۔

اوّل۔ اس دلیل سے کہ تمام شیعہ سنی محدثین اور مورخین نے کربلا میں شہید ہونے والے علیؑ کو ''**علیؑ اکبر**'' (یعنی بڑا علیؑ) لکھا ہے۔ اور حضرت زین العابدینؑ کو ''**علیؑ اصغر**'' لکھا ہے۔

دوم۔ اس دلیل سے کہ مقاتل کی کتابوں میں لکھا ہے کہ زین العابدینؑ نے دربار یزید میں یہ کہا تھا کہ مجھ سے بڑا میرا ایک اور بھائی تھا۔ اس کا نام علیؑ تھا۔ جسے کربلا میں قتل کر دیا گیا۔ اور،

سوم۔ اس لئے کہ کتاب سرائر اور مقاتل کی کتابوں میں علیؑ اکبر کے حالات میں لکھا ہے کہ علیؑ اکبر خلافت عثمان کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور روایت بھی علیؑ مرتضیٰ نے کی ہے اور اسی لئے کہ شہید اوّل اور کفعمی نے کتاب الدروس میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔''

غلطی کو نباہنے کے لئے حضرت علی اکبر علیہ السلام کو شادی شدہ اور صاحب اولاد بنادو

مومنین اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آئے کہ علی اکبر علیہ السلام اٹھارہ سالہ نوجوان تھے۔ اور جناب فاطمہ صغرا علیہا السلام نے اپنے بیانات اور خط میں یہ بات بھی فرمائی تھی کہ **بھیا مجھے اپنی شادی میں ضرور بلانا**۔ لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ ہمارے علما تو اُن کی شادی خفیہ طور پر کرا کے بچوں والا بنائے بیٹھے تھے۔ ادھر کوئی شیعہ اور سنی یہ نہیں جانتا کہ وہ پچیس چھبیس سال کے بال بچوں والے سن رسیدہ آدمی تھے۔ بہر حال آیئے دوسرا چٹکلا اور اس کی دلیل بھی سُن لیں۔

امر ہفتم۔ (ساتویں بات شادی شدہ عیال دار علیؑ اکبر)

(1) بدان کہ از بعضی از اخبار استفادہ میشود کہ حضرت علیؑ اکبر در یوم الطف مزوجہ و صاحب اولاد بودہ (ایضا صفحہ 351)۔ چنانچہ در کافی است کہ راوی از حضرت رضاؑ سوال کرد کہ آیا میشود کہ مردے تزویج نماید زنی را و ام ولد پدر آن زن را؟ فرمود بلے۔ پس عرض کرد بما خبر رسیدہ کہ حضرت زین العابدینؑ تزویج فرمود دختر حضرت امام حسن مجتبیٰؑ و کنیز ام ولد حضرت مجتبیٰ را؟ حضرت فرمود چنیں نیست۔ بلکہ حضرت زین العابدینؑ تزویج فرمود دختر امام حسنؑ و کنیز ام ولد علی اکبر را کہ در کربلا شہید شد۔'' (منتخب التواریخ۔ صفحہ 351)

(2) و در زیارت ماثورہ از ثمالی از حضرت صادقؑ روایت کردہ کہ در زیارت علیؑ بن الحسینؑ المقتول بالطف بگوئید۔ ''صَلّی اللّٰہُ عَلَیکَ وَعَلٰی عِترَتِکَ واھل بَیتِکَ وَ آبَائِکَ وَ اَبنَائِکَ۔ '' (منتخب التواریخ۔ صفحہ 351)

(1)۔ ''یہ سمجھ لو کہ بعض احادیث سے یہ فائدہ ملتا ہے کہ حضرت علیؑ اکبر واقعہ کربلا میں شادی شدہ اور صاحب اولاد تھے۔ چنانچہ کتاب کافی

میں لکھا ہے کہ راوی نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے سوال کیا کہ آیا جائز ہے کہ ایک شخص ایک عورت سے شادی کرے اور اسی عورت کے باپ کی ایسی کنیز کو بھی بیوی بنالے جس سے اولاد ہو چکی ہو؟ امامؑ نے فرمایا کہ ہاں ہاں جائز ہے (لاحول ولا قوۃ)۔ یہ سُن کر راوی نے عرض کیا کہ جناب مجھے معلوم ہوا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے امام حسنؑ کی بیٹی سے شادی کی اور پھر امام حسنؑ کی ایک ایسی کنیز کو بھی بیوی بنالیا جس سے امام حسنؑ کے یہاں اولاد ہو چکی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ بات یوں نہیں تھی۔ بلکہ امام زین العابدینؑ نے امام حسنؑ کی بیٹی سے شادی کی تھی اور حضرت علیؑ اکبر کی اُس کنیز کو بھی زوجہ بنالیا تھا۔ جس سے علیؑ اکبر کے یہاں اولاد پیدا ہو چکی تھی۔ اور یہ علیؑ اکبر کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔

(2)۔ زیارتوں میں ثمالی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ علیؑ بن حسینؑ جو کربلا میں شہید ہوئے اُن کی زیارت پڑھتے ہوئے یہ بھی کہا کرو کہ:۔

''صلوۃ بھیجے اللہ تم پر اور تمہاری عترت پر اور تمہارے اہل بیت پر اور تمہارے آبا و اجداد پر اور تمہارے بیٹوں پر۔''

اب اگر ہم ان بیانات کی پول کھولیں تو بہت طوالت میں الجھ جائیں گے۔ اس قدر کہنا کافی ہے کہ یہ تمام بدہضمی کی باتیں ہیں۔ بات وہی صحیح ہے کہ آپ اٹھارہ سالہ نوجوان غیر شادی شدہ تھے اور بس۔

یہ طرز فکر اور یہ اسلامی ریکارڈ مرتب کرنے کا یہ طریقہ سرکاری سرمایہ کے زور سے اختیار کیا گیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہی طریقہ عادت بن گیا۔ اسی کو تحقیق و تفتیش کا معیار سمجھا جانے لگا۔ اور اُن لوگوں نے بھی اسے اختیار کر لیا جنکا حکومتوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ حکومتوں کے دشمنوں نے بھی اسی طریقے کو مدرسوں میں سیکھا۔ اسی کو سُنتے سُنتے علم کی سند لی اور اُسی کے مطابق عمل کرتے کرتے مر گئے۔ یوں شعوری ولاشعوری حیثیت سے سرکاری مذہب گھر گھر آ پہنچا۔ آج شیعہ علما کی ایک بات بھی ایسی نہیں جو سرکاری طریقہ کے خلاف ہو۔ شیعہ مذہب کا کتابی ڈھانچہ بالکل وہی ہے جو سرکاری مذہب کے علما نے تیار کیا تھا۔ صرف نام بدلے ہوئے ہیں۔ لیبل شیعہ کا لگا ہوا ہے۔ کہیں کہیں دشمنانِ اہلبیتؑ کی مذمت بھی ملتی ہے اسلئے وہ کتابیں شیعوں کی کہلاتی ہیں۔

مومنین سُنیں کہ ہم ہرگز اُن علما کا اعتبار نہیں کر سکتے جو عرب کی قومی اور جرگہ ٹائپ کی حکومتوں کی تائید میں محمدؐ و آل محمدؐ کے خلاف بیانات لکھیں، جو حضرت قاسم علیہ السلام کی شادی کا انکار کریں اور اسی غرض سے انہیں ایک نابالغ بچہ بنا کر دکھائیں۔ جو حضرت فاطمہؑ صغریٰ کے مدینہ میں چھوڑنے کا انکار کریں اور اسی مقصد کیلئے امام حسین علیہ السلام کی چار بیٹیوں میں سے دو کم کر کے دکھائیں۔ اور حضرت سکینہؑ کے زندان شام میں انتقال کا انکار اسلئے کریں کہ انہیں زندہ دکھا کر (معاذ اللہ) ایک شاعرہ، گلوکارہ اور لطیفہ سنج بنا ڈالیں۔ یہی علما تھے جنہوں نے رسولؐ کی کئی بیٹیاں گھڑیں اور کافروں سے اُنکے نکاح کئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن اور اسلام کو پاژند بنا دیا۔

(3)۔ حضرت علیؑ اکبر کی والدہؑ اور ننھیالی پوزیشن

آپ کی والدہ علیہا السلام کا نام حضرت لیلیٰ بنت ابی مرّہ بن عروہؓ بن مسعود بن معتب ثقفی تھا۔ حضرت لیلیٰ کے دادا اور علی اکبر علیہ

السلام کے پرنانا کی خاندانی پوزیشن کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اُن کی مدح وثنا کی ہے۔اورکئی ایک احادیث میں اُن کا نہایت پیارے الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے۔مثلاً:۔

(1) دراصابہ ابن حجراز حضرت پیغمبرؐ نقل کردہ: قال مثل عروة مثل صاحب یٰسین دعی قومه الی اللّٰه فقتلوہُ۔(منتخب صفحہ 309)

کتاب اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ہے کہ عروہ کی مثال صاحب یٰسین کی سی ہے کہ اُنہوں نے اپنی قوم کو خدا کے دین کی طرف دعوت دی اور قوم نے انہیں قتل کر دیا۔

(2) واز جابر از حضرت پیغمبرؐ روایت کردہ کہ فرمود:

عَرَضَ عَلَیَّ الانبیآءِ قال ورَاَیْتُ عیسیٰؑ فاذا اقربَ من رایتُ به شبیهًا عروه بن مسعود۔(منتخب التواریخ۔صفحہ 309)

اور جابرؓ نے رسولؐ اللہ سے روایت کیا کہ فرماتے تھے کہ میرے سامنے تمام انبیؑا کو پیش کیا گیا تھا۔جب میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قریب سے دیکھا تو انہیں جناب عروہ کے ہم شکل پایا۔

جناب لیلیٰ کی دَدھیال یعنی علی اکبر علیہ السلام کی ننھیال رسولؐ اللہ کے بیان سے قابل احترام ثابت ہوگئی۔جس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی پوزیشن اِدھر اپنے والد حسینؑ، دادا علیؑ اور رسولؐ اللہ کی وجہ سے اور اُدھر نانا عروہ بن مسعود کی بنا پر تمام اُمت کے لئے واجب الاحترام ہے۔اور یہ احترام وعزت اس طرح اور مضبوط ہو جاتی ہے کہ ابوسفیان نے عروہ بن مسعود کے بیٹے کو اپنا داماد بنایا تھا۔اور اپنی بیٹی میمونہ کی شادی ابی مرہ بن عروہ بن مسعود سے کی تھی۔اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کی والدہ اُسی میمونہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی نواسی تھیں اور اِس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی اکبر علیہ السلام جہاں تمام دنیا اسلام اور مومنین کے لئے واجب التعظیم ہیں وہیں تمام کافروں، مشرکوں اور منافقوں کے لئے بھی علیؑ اکبر واجب التکریم ہیں۔اس لئے کہ اُن سب کا سردار اور راہنما ابوسفیان تھا۔

اب یہ دیکھئے کہ امیر معاویہ اور یزید پُوری مملکت اسلامیہ کے بادشاہ اور خلیفہ تھے۔لہٰذا وہ تمام مسلمان جو اُنکی خلافت اور امیر المومنیت پر ایمان رکھتے ہیں اُن پر واجب ہے کہ یزید اور معاویہ کا احترام کریں۔اور ابوسفیان، اُن کی بیٹی میمونہ اور اُن کی نواسی لیلیٰؑ کا بھی احترام کریں۔یہ احترام یوں بھی واجب ہے کہ جناب میمونہ اور لیلیٰؑ اُنکے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کی بہن اور پھوپھی تھیں اور علی اکبر علیہ السلام اُن ہی کے بیٹے تھے۔اور معاویہ کے نزدیک مسلمانوں کے حقیقی خلیفہ اور امیر المومنین بنائے جانے کے سب سے زیادہ حقدار تھے۔

معاویہ کا یہ اعلان حضرت علیؑ اکبر کو خود معاویہ سے بلند مقام دیتا ہے۔اور تاریخ میں موجود ہے۔ذرا اس خاکہ کو دیکھئے:۔
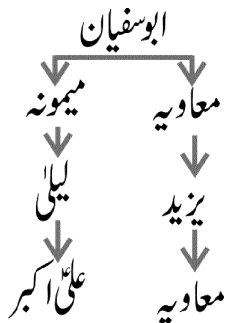
معاویہ اور میمونہ بہن بھائی ہیں۔لہٰذا میمونہ خلیفۃ المسلمین کی بہن ہونے کی وجہ سے واجب الاحترام ہیں اور یوں بھی کہ شریفوں کے یہاں بیٹیاں اور بہنیں خاندان کی عزت وعصمت ہوا کرتی ہیں۔یعنی معاویہ وابوسفیان کی عزت تھیں میمونہ اور لیلیٰ۔اور اُن کا بیٹا علیؑ اکبر یقیناً خاندان بنی اُمیہ کے لئے واجب الاحترام تھا۔اور اس کی سند میں خلیفۃ المسلمین معاویہ نے کہا تھا کہ ”علیؑ اکبر اس لئے دنیا میں سب سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں کہ اُن میں بنی

ابوسفیان
معاویہ ← یزید ← معاویہ
میمونہ ← لیلیٰ ← علیؑ اکبر

ہاشمؑ کی شجاعت اور بنی ثقیف کی خودداری اور بنی امیہ کی سخاوت مجتمع ہیں۔ پھر مذکورہ خاکہ

میں معاویہ اور میمونہ بہن بھائی ہیں۔

اور یزید وحضرت لیلیٰؑ بہن بھائی ہیں۔اوراس طرح جناب علی اکبر علیہ السلام شہنشاہِ وقت اور مملکت اسلامیہ کے خلیفہ کے خواہرزادے یعنی بھانجے تھے۔ بتایئے اس سے بڑی دنیاوی ودینی عزت اور کیا ہوسکتی ہے جو حضرت علیؑ اکبر کو حاصل نہ تھی؟ وہ نہ صرف اولادرسولؐ تھے بلکہ سو فیصد ہم شکل رسولؐ بھی تھے۔ دیدار رسولؐ کو ترسنے والی آنکھیں انہیں دیکھ کر ٹھنڈی ہوجاتی تھیں۔عہد رسولؐ کے بعد پیدا ہونے والوں کے لئے وہ رسالت ورسولؐ کا نظارہ پیش کرتے تھے۔امام حسین علیہ السلام نے بڑی حسرت ویاس سے فرمایا تھا کہ:۔

''اے اللہ جب ہم تیرے رسولؐ کی زیارت کے مشتاق ہوا کرتے تھے۔تو علیؑ اکبر کو دیکھ کر ہمیں تسلی وتشفی مل جاتی تھی۔اب اِسے بھی تیری راہ میں قربان کررہا ہوں۔''

کتنا سنگدل، کتنا کمینہ، کتنا رذیل اور کیسا بے دین تھا یزید کہ اُس نے اپنی بہن کے شوہر حسینؑ اور اپنی بہن کے فرزند علیؑ اکبر کا ذرہ برابر لحاظ نہ کیا؟ اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے اُس نے اللہ ورسولؐ اور شرافت انسانی کو داؤ پر لگا دیا۔

مومنین نوٹ کریں کہ ساری دنیا میں عربوں کی وضعداری اور اقربا وقبیلہ کی حمایت اور مہمان داری وغیرہ کے ڈھول بجائے جاتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے عربوں کے تمام سربرآوردہ قبائل میں شادیاں کیں۔ جناب امام حسنؑ بھی تقریباً سارے عرب کے داماد تھے۔ امام حسینؑ بھی تو معاویہ کے داماد تھے۔مگر اولادِ علیؑ ہونے کے جرم میں عربوں نے نسل رسولؐ کا قتل عام کرنے میں دین تو الگ خود اپنے رسم ورواج کو بالائے طاق رکھ دیا۔خدا اور رسولؐ کے احکام تو کہاں؟ اپنی ملکی وقومی شرافت کا منہ کالا کردیا۔نسل رسولؐ مٹانے کی کوشش پچاس سال کی گئی (بقرہ 2/205) اور یزید نے اپنے بزرگوں کے منصوبہ کو پروان چڑھادیا۔لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ نسل رسولؐ توریت وقرآن کی پیشگوئیوں کے مطابق ساری دنیا میں پھیل گئی اور مسلم وغیر مسلم دونوں میں واجب الاحترام رہتی چلی آئی اور کربلا کے شہدا کی یاد اُن کا سوگ اور عزاداری دنیا کے چپہ چپہ پر منائی جانے لگی۔مسلم وغیر مسلم، امیر وغریب راجا و بادشاہ اور فقیر وگداگر سب مل کر ماتم حسینؑ کرتے ہیں۔ لیکن نسل بنی امیہ دنیا سے مٹ گئی۔اور یزید کے سرپرستوں کی نسلیں خود یزید نے حرامکاری کی بھینٹ چڑھادیں اور آگے جس کی نسل چلی وہ یزیدی افواج کے نطفہ سے چلی۔اور آل محمدؐ پر ظلم کرنے والوں کی نسل یزید کی کوشش سے یقینی طور پر حرامی ہوگئی۔ بارہ ہزار فوجیوں نے تین روز مدینہ کے باشندوں کی مستورات سے دن رات زنا کیا۔اور تاریخی طور پر سب کے یہاں اس زنا سے اولاد ہوئی اور وہی اولاد آگے چل کر پھر دشمنانِ محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم رہتی چلی آئی ہے۔ یہ تھی وہ سزا جو حسینؑ کی نصرت سے دل چرانے اور یزید کی تائید کرنے کے سبب سے ملی تھی۔عرب کے بڑے لوگوں میں کوئی شخص صحیح النسب ہونے کا مادی ثبوت نہیں دے سکتا۔یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں حسب ونسب کو دوسرا نمبر دیا جاتا ہے۔اور ضرورت کے وقت عمل کی آڑ لے لی جاتی ہے۔لیکن ہم کہتے ہیں اور علم وتجربہ اس پر شاہد ہے کہ اگر نطفہ حرام ہے؟ اور خوراک حرام ہے؟ اگر مادی وذہنی ماحول خراب ہے؟ اگر شرافت واخلاق جمیلہ ورثہ میں نہیں ملے ہیں تو نیک عملی وپارسائی ناممکن ہے۔ بلند خیالی وعالی حوصلگی اور وسعت قلب اور وفا شعاری ہرگز ممکن نہیں ہے۔لہٰذا دیکھ لو تاریخ میں جھانک کر دیکھ لو کہ

اُن کی نسلوں میں آج تک غداری، فریب اور جعلسازی موجود ہے۔ مسلمانوں سے بڑے مجرم دنیا میں کہیں نہ ملیں گے۔ اور مسلمانوں میں جو شریف و پارسا اور بزرگ تھے یا آج ملیں وہ اُدھر کے نہیں بلکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے زمرہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ دوستدارانِ اہلبیتؑ ہوتے ہیں اور دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے دشمن ہوا کرتے ہیں۔ حکومت کے پروپیگنڈا کا مشہور کردہ شخص یا اشخاص قابلِ تحقیق و تنقید ہوتے ہیں۔ اس پروپیگنڈے نے جہاں نئے نبی گھڑے وہیں کچھ اولیا اور قطب بھی بنا ڈالے ہیں۔

(4)۔ اموی خاندان اور اموی درباروں کے شعرا کی زبانی علیؑ اکبر کا مقام

ابوعبیدہ اور خلف احمر نے درباری شعرا کا کلام نقل کیا ہے۔ اس کا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

> ''اُنکی مثال اس دنیا میں کہیں اور نہیں ملتی۔ اُن کے ضیافت خانہ میں ہر وقت مہمانوں اور بے سہارا غربا و یتامیٰ کیلئے گوشت اور روٹیاں پکتی رہتی ہیں۔ وہاں آگ اس لئے شعلہ وَر رکھی جاتی ہے کہ دن میں بھی اور رات کے اندھیروں میں بھی دُور سے دیکھنے والا سمجھ لے کہ اُسکی مدد کا ٹھکانا وہاں ہے۔ وہ اس دنیا اور دنیاوی سامان کو دین کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہیں۔ وہ حق کو باطل کے بدلے میں فروخت نہیں کرتے۔ میری تمام مدح سرائی حضرت لیلیٰ کے فرزند کی شان میں ہے۔ جو سخاوت اور بخشش کا مرکز ہیں جو بڑے حسب و نسب والی خاتون کے لاڈلے ہیں۔''

معاویہ اور درباری شعرا کی یہ قصیدہ خوانیاں حقیقت کی آڑ میں یہ چاہتی تھیں کہ حسینؑ شیرازہ منتشر ہو جائے۔ اولاد میں پھوٹ پڑ جائے۔ مگر معصومؑ انتظام حکومتوں اور شہنشاہیت کے قابو میں نہیں آتا۔ اور دیکھ لو کہ ملکی حکومتوں کی پچاس سالہ کوششیں اور مال و متاع و سرمایہ رائیگاں گیا اور حسینؑ فتح ہو کر رہی۔

(5)۔ حضرت علیؑ اکبر کی رخصت روایات کے الفاظ میں

قال محمد بن ابی طالب و ابن شهر آشوب فی المناقب اَنّه لَمّا تقدّم علی بن الحسینؑ و امه لیلیٰؑ بنت ابی مرّ ة بن مسعود الثقفی رفع الحسینؑ سبابته نحو السماءِ وقال اللهم اشهد علیٰ هٰؤُلاء القوم فقد برز الیهم غلام اشبه الناس خَلقًا و خُلقًا و منطقًا برسوؐلک کنّا اذا اشتقنا اِلٰی نبیّکؐ نظرنا اِلٰی وجهه ۔اللهم امنعهم بر کات الارض و فرقهم تفریقًا و اجعلهم طرائِق قدرًا ولا ترض الولاة عنهم ابدًا۔فانهم دعونا لینصرونا ثم عدوا علینا یقا تلوننا۔ثم صاح الحسینؑ بعمر بن سعد مالک قطع اللّٰه رحمک ولا بارک اللّٰه لک فی امرک و سلّط اللّٰه علیک مَن یذبحک بعدی عَلٰی فراشک کماقطعتَ رحمی ولم تحفظ قرابتی من رسوؐل اللّٰه ثم رفع الحسینؑ صوته وتلی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْن ۔ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (عمران 34-3/33) وقال السید و خرج علیؑ بن الحسینؑ و کان من اصبح الناس وجهًا و احسنهم خلقًا فستاذن اباه فی القتال فاذن له ثُمَّ نظر آلیس منه ثُمَّ ارخی عینیه وبکا وقال اللهم اشهد فقد برز الیهم۔......وقال ابو الفر ج فی المقا تل باسناده الی سعید بن ثابت قال لمابَرَزَ علیؑ بن الحسینؑ ارخی الحسینؑ عینیه فبکی ثم قال اللهمَّ فکن انت شهید علیهم فقد برز الیهم غلام اشبه الخلق برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم۔(اکسیر العبادات۔ صفحہ 360-359)

علامہ محمد بن ابی طالب نے اور علامہ ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب مناقب میں لکھا ہے کہ جب علیؑ اکبر بن حسینؑ اجازت لے

کرمیدان کی طرف چلے اور یہ وہ تھے جن کی والدہ لیلیٰؑ بنت ابی مرہ بن مسعود ثقفی تھیں۔ تو امام علیہ السلام نے آسمان کی طرف اپنی اُنگلی اٹھائی اور فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ اب اس قوم کی طرف وہ جوان چلا ہے جو چال ڈھال اور گفتار و رفتار و اخلاق میں اور صورت شکل میں تیرے رسولؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔ ہمیں جب تیرے رسولؐ کی یاد ستاتی تھی اور اُنہیں دیکھنے کا شوق بھڑک اٹھتا تھا تو علیؑ اکبر کو سامنے بٹھا کر اور نظر بچا کر دیکھا کرتے تھے تو دل سیر ہو جایا کرتا تھا۔ اب یہ نعمت بھی مجھ سے چھینی جا رہی ہے اور ایک دفعہ پھر ہمیں رسولؐ اللہ کا داغ سہنا پڑ رہا ہے۔ یا اللہ اس ظالم گروہ پر زمین کی برکت بند کر دے۔ اُن میں انتہائی تفرقہ ڈال دے اور انہیں مختلف راہوں میں منتشر کر دے اور اُن کے سربراہوں سے کبھی راضی نہ ہونا۔ ان لوگوں نے ہمیں بُلایا اور نصرت کا وعدہ کیا۔ ہم آئے تو ہمارے دشمن بن گئے اور ہم سے برسر جنگ ہو گئے۔ پھر عمر بن سعد کو پکار کر کہا کہ خدا تیرے اعزہ و اقربا کو بھی تجھ سے جدا کرے اور کبھی تجھے برکت عطا نہ کرے۔ تیری تمام اسکیموں کو تباہ کر دے۔ اور تجھ پر ایسے شخص کو مسلط کرے جو تجھے تیرے بستر اور تیری مسند پر ذبح کر ڈالے۔ اور تیرے ساتھ اللہ کوئی رعایت نہ کرے جیسا کہ تو نے میرے متعلق رسولؐ اللہ کا حق ادا نہ کیا اور اُس رشتہ کو نظر انداز کر دیا جو میرا رسولؐ اللہ سے ہے اور میرے خاندان کا قتل عام کر دیا۔ اس کے بعد امامؑ نے بلند آواز سے یہ آیت پڑھی کہ یقیناً ہم نے آدمؑ اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کی آل کو اور آلِ عمرانؑ (ابوطالبؑ) کو تمام عالمین پر فضیلت عطا کی ہے اور وہ سب آپس میں ایک دوسرے کی ذریت ہیں اور اللہ سب کچھ سُننے والا بھی ہے اور یہ سب کچھ دیکھنے والا بھی ہے۔ اور جناب سید ابن طاؤس نے لکھا ہے کہ علیؑ اکبر میدان میں نکلے تو تمام انسانوں سے خوبصورت اور سب سے خوب سیرت تھے۔ اپنے والد سے اجازت مانگی انہوں نے اجازت دے کر نظروں سے علیؑ اکبر کا تعاقب جاری رکھا۔ آنکھیں آنسو بہاتی رہیں اور فرماتے جاتے تھے کہ یا اللہ تو گواہ رہنا کہ علی اُن کی طرف جا رہا ہے۔ دیکھتے رہے اور نگاہ یاس تعاقب کرتی رہی۔ اور علامہ ابوالفرج نے لکھا ہے جب علیؑ اکبر میدان کو چلے تو امامؑ نے علیؑ اکبر پر نگاہ حسرت ڈالی اور فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ آخر اُس نوجوان کو بھی تری راہ میں قربانی کے لئے بھیج دیا ہے جو ساری دنیا سے زیادہ رسولؐ اللہ کا ہم شکل تھا۔ علیؑ اکبر جا رہے تھے اور امامؑ کی نظریں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں آنسو بہہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ میدان جنگ میں پہنچ گئے۔

(6)۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام کی جنگ

وقال المفید وابن نما فشدّ علی الناس وجعل یقول: انا علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ۔ نحن بیت اللّٰہ اَوْلٰی بالنبیؐ ۔تاللّٰہ لایحکم فینا ابن الدّعی ۔اماترونی کیف اَحْمَی عن اَبیؑ ۔ففعل ذلک مرارًا واھل الکوفۃ یتّقون قتلہ وفی بعض التالیفات اَنّہ لمابرزعلیؑ بن الحسینؑ دعی عمربن سعد بطارق بن کثیر وکان فارسًا مناعا وبطلًا دفاعًا ۔ فقال لہ انت الّذی تاکل نعمۃ الامیر وتاخذمنہ العطا یافاخرج الٰی ھذاالغلام وجِئنِی براسہ ۔فقال یاابن سعد انت تاخذ ملک الرَّی وانا اخرج اِلَیہ بل الواجب اَن تخرج انت الیہ اَلّا اَنْ تضمّن لِی عندالا میراَن تکون امارۃ الموصل لی ۔فحینئذٍ اخرج الیہ واتیک براسہ ۔قال فضمن لہ ذلک فخرج طارق الٰی مبارزۃ علّیؑ بن الحسینؑ وقاتلہ وجادلۃ قتالًا شدیدًا فضربہ علیؑ بن الحسینؑ ضربۃً منکرۃ فانجدل صریعًا وعجّل اللّٰہ بروحہ الَی النَّار ۔قال فخرج اخواالمقتول فاستقبلہ علیؑ بن الحسینؑ ولم یزالا فی کَرٍّوفَرٍّ حتی وصل الیہ علیؑ بن الحسینؑ فعطف علیہ بضربۃ وقعت علٰی عینیہ فخرّصریعًا ۔ قال فخرج الیہ ولد طارق فما کان اِلَّا ھنیّۃ حتی ارداہ قتیلًا وطلب

البراز فلم یبرزالیه احد ۔فهتف عمربن سعد ببکر بن غانم وندبه فبرز الیه ۔فَلَمَّا بَرَزَ تغیّرلون الحسینؑ ۔فقالت لیلیٰؑ اُمّ عَلِی الاکبر مِمَّاتغیرک یَاسیدی لَعَلّه قداصابه شیئًا؟ قال لاولکن قد برزالیه مَنُ یخاف الیه منه فادعی لولدک علیؑ فانّی قدسمعت مِن جَدّی رسولؐ اللّٰه اَنّ دعاءَ الُاُمِ یستجابُ فی حقّ ولدها۔ قال فَجَردت راسها وهی فی الفسطا ط ودعت له الَی اللّٰه عزّ وجلّ بالنصر علیه ۔وقال وجری بینهما حربٌ شدیدٌ حتی انخرق درع بکر بن غانم مِن تحت ابطه فعاجله علیؑ بن الحسینؑ بضربة قسّمه نصفین لارحمه اللّٰه ۔فلم یزل یقاتل حتی ضجّ الناس مِن کثرة مِن قتل منهم ۔انّه قتل علیٰ عطشهٖ مائة وعشرین رَجُلًا ۔ ثُمَّ رجع ۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات ۔صفحہ 359-360)

علامہ شیخ مفیداورابن نمانے لکھاہے کہ اکبرعلیہ السلام نے افواج پرسخت حملہ کیااور کہتے جاتے تھے کہ میں علیؑ ہوں اور حسینؑ ابن علیؑ کا فرزند ہوں ۔اورہم خانہ خداہیں اور نبیؐ کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں اورسب سے زیادہ نبیؐ سے قریب ہیں۔خدا کی قسم لوگوں کو بلانے والی عورتوں کی اولاد ہم پرحکم نہیں چلاسکتی ۔اورکیاتم میرے حملوں سے یہ نہیں کہوگے کہ میں اپنے والد کی حمایت میں لاجواب جنگ کررہاہوں؟اسی طرح کئی مرتبہ حملے کئے اوراہل کوفہ اُن سے جنگ کرتے ہوئے جھجکتے تھے۔ہمارے علما کی بعض تصنیفات میں یہ لکھاہے کہ جب حضرت علیؑ اکبرمیدان میں آئے اورمدمقابل طلب کیا توعمر بن سعد نے طارق بن کثیر کو بلایا۔یہ شخص بڑا بہادر اورمن چلا جنگ جُو تھا۔ جب وہ آیا توابن سعد نے کہا کہ امن کے زمانہ میں تم خلیفہ کی طرف سے نعمتیں کھاتے رہتے ہواورتنخواہ اوردوسرے عطیات وصول کرتے رہتے ہو۔اب وقت آیاہے کہ اس نوجوان کے مقابلہ پر جاؤ اورمیرے پاس اُس کا سرلےکرآ ؤ۔ طارق کوعمر بن سعد کی باتیں ناگوارگزریں۔اس نے جواب دیا کہ ملک رَے توحاصل کروتم اورمقابلہ کونکلوں میں۔مقابلہ کونکلنا تو دراصل تم پرواجب ہے نہ کہ مجھ پر؟البتہ اگرتم یہ ضمانت دوکہ تم مجھے خلیفہ سے موصل کی حکومت دلادوگےتو میں مقابلہ کوتیارہوں ورنہ نہیں۔اس پرعمر بن سعد نے ضمانت لے لی۔اب طارق بڑی اکڑفوں اورٹھاٹ دکھاتا ہواچلا۔جب علی اکبرعلیہ السلام کے پاس پہنچا تو دونوں میں بڑی خطرناک لڑائی ہوئی۔آخر جناب علیؑ اکبر نے ایک بڑی مہلک ضرب لگائی جس سے وہ تڑپ کرگرااوراللہ نے جلدی سے اس کی روح کو جہنم میں پہنچادیا۔راوی نے کہا کہ پھرطارق کا بھائی بھی بڑے جوش وخروش سے مقابلہ پرآیا توجناب علیؑ اکبرنے اُسے داؤ پر رکھااورایک وارکیاجواس کی آنکھوں پرپڑااورآدھی کھوپڑی دورجاگری اوروہ بھی واصل جہنم ہوگیا۔راوی نے بتایاکہ پھرطارق کا بیٹا سامنے آیا توذرا سی دیرمیں وہ بھی ڈھیر ہوکرزمین پرگرپڑا۔اِسکے بعدعلی اکبرعلیہ السلام لوگوں کواپنے مقابلہ پربلاتے رہے لیکن خوف کا ماراکوئی باہرنہ نکلتا تھا۔یہ حالت دیکھ کرعمر بن سعد نے بکر بن غانم کوتعریفی الفاظ کے ساتھ پکارااوراُسکی ہمت افزائی کی۔چنانچہ وہ میدان میں آیا اُدھرامام علیہ السلام کے چہرہ کا رنگ بدلا۔اورقنات کے پیچھے کھڑی ہوئی حضرت لیلیٰؑ نے اپنے سرتاج کے چہرہ کا بدلنادیکھ لیا تودل دھک سے ہوکررہ گیا۔وہ توامامؑ کے چہرہ سے بیٹے کی حالت دیکھ رہی تھیں۔دل تھام کربولیں کہ اے میرے آقاخیریت ہے؟آپکے چہرہ کا رنگ کیوں بدلا تھا۔کیابچے پرکوئی خطرہ واقع ہونے والا ہے؟تسلی کیلئے فرمایا کہ نہیں نہیں ایسانہیں ہے۔جوآدمی مقابلہ پرآیاہے علیؑ اکبر کے متعلق اُس سے خوف معلوم ہوتاہے۔بات سنو!میں نے رسولؐ اللہ سے سُناہے کہ ماں کی دعابچوں کے حق میں فوراً قبول ہوتی ہے لہٰذاتم

علیؑ اکبر کے لئے اللہ سے دعا مانگو۔ اللہ تمہارے بچہ کو اُس پر غالب کرے گا۔ یہ سن کر وہ قنات سے ہٹ گئیں اور اُن کا سر نظر آنا بند ہو گیا۔ یہی مطلب تھا کہ وہ کہیں وہ خطرناک جنگ نہ دیکھ لیں جو علیؑ اکبر کو پیش آنے والی تھی۔ وہ تو اُدھر اللہ تعالیٰ سے دعا میں مصروف ہو گئیں ادھر جناب علی اکبر علیہ السلام کو بکر بن غانم سے بڑی خطرناک اور جان لیوا جنگ درپیش تھی۔ وار پر وار ہو رہے تھے اور بکر بن غانم قابو میں نہ آتا تھا کہ اچانک امام زادے نے دیکھا کہ بکر بن غانم کی زرہ بغل کے نیچے سے پھٹ گئی ہے۔ پھر تو جلدی سے ایک تلوار تاک کر اُسی جگہ لگائی اور یوں اُس ملعون کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا (اللہ اس پر رحم نہ کرے)۔ پھر عام حملہ ہو گیا اور لیلیٰ ؑ کے لال نے ذرا دیر میں ایک سو بیس ملاعین کو تہہ تیغ کر کے رکھ دیا اور جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لوگوں میں ہائے واویلا کی فریاد بلند ہو گئی۔ میدان صاف دیکھا تو بابا کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ پیاس تو چار روز سے لگی ہوئی تھی۔ اب شدت انتہا کو پہنچ چکی ہو گی۔

(7)۔ حضرت علیؑ اکبر میدان خالی کر کے بابا کی خدمت میں آتے ہیں

یقیناً یہ خیال بھی رہا ہو گا کہ والدہ کا دل جنگ کے دوران دہلتا رہا ہو گا۔ میں جاؤں گا تو ذرا تسلی ہو گی۔ کچھ دعائیں ساتھ لے آؤں گا۔ رہ گئے بہت سے زخم اور بہتا اور ٹپکتا ہوا خون تو ایسی حالتیں دیکھتے دیکھتے اہل حرم کا سارا دن گزرا ہے۔ بہر حال بیٹے کو آتا دیکھ کر باپ اور والدہ نے کیا محسوس کیا ہو گا۔ پھوپھی کس بے چینی سے منتظر ہوں گی۔ بہنیں اور دیگر خواتین اور بچے بھی تو دیکھ رہے ہوں گے۔ اُن سب کے قلوب کی حالت ہر ایک کے الگ الگ تاثرات راویوں کو بیان کرنے کی فرصت کہاں تھی؟ وہ بیان بھی کرتے تو لکھنے والے پھر بھی آزاد تھے لکھتے یا نہ لکھتے۔ تکلیفات نہ راویوں پر گزری تھیں نہ اہل قلم کے دلوں میں وہ درد تھا۔ جو کچھ لکھ دیا اسی کو غنیمت سمجھ کر سُنئے :۔

ثُمَّ رجع الٰی ابیه وقداصابة جراحات کثیرة فقال یاابه العطش قد قتلنی وثقل الحدید اجهدنی فهل اِلٰی شربة مِنَ المآء سبیل اَتَقوی بِهاعَلَی الاعداء ؟ فبکی الحسین علیه السلام وقال یَابُنَیَّ یعزّ علٰی محمدً وعلیًّ وعلٰی ابیک اَن تدعوهم فلایجیبک وتستغیث بهم فلا یغیثوک یابُنَیَّ هات لسانک ۔فاخذ لسانه فمصه ودفع الیه خاتمه وقال خذ هذا الخا تم وامسکه فی فیک وارجع الٰی قتال عدوّک فانی ارجوا نّک لا تمسی حتّٰی یسقیک جدّک بکاسه الاوفٰی شربة لاتظماء بعدها ابدًا فاخذالخاتم فی فیه فرجع الی القتال... (اکسیر العبادات۔ صفحہ 360)

پھر جناب علیؑ اکبر میدان جنگ سے اپنے والدؑ کے پاس چلے آئے اور انہیں بہت کثرت سے زخم لگے ہوئے تھے۔ آتے ہی عرض کیا کہ بابا مجھے تیغ زنی کے ساتھ ساتھ پیاس کی شدت نے قریب المرگ کر دیا ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ ایک گھونٹ پانی کا مل جائے تو میں ان دشمنانِ دین سے نمٹنے کی قوت پا سکوں۔ امامؑ کا دل بھر آیا اور روتے ہوئے فرمایا کہ بیٹے تیرے باپ کو اور تمہارے دادا علی علیہ السلام کو اور رسولؐ اللہ کو حد بھر صدمہ ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کی پابندی کی بنا پر ایسی حالت میں ہیں کہ تم اُن سے فریاد کرتے ہو اور ہم سب تمہاری فریاد کا تدارک نہیں کر سکتے۔ تم مدد کو بلاؤ اور ہم مدد نہ کر سکیں۔ اچھا بیٹے ذرا اپنی زبان آگے بڑھاؤ۔ اس کے بعد علیؑ اکبر کی زبان کو چُوسا اور فرمایا کہ یہ میری انگوٹھی لے لو۔ اسے اپنے منہ میں رکھو اور چوستے ہوئے جنگ کرو۔ مجھے اُمید ہے کہ تمہیں اُس وقت تک پیاس نہ ستائے گی جب تک تمہیں تمہارے داداؐ ایسا شربت نہ پلا دیں کہ جس سے پھر کبھی بھی تمہیں پیاس نہ لگے گی۔ آپ نے انگوٹھی منہ

میں رکھی اور میدان جنگ میں آ گئے۔

(8)۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام دوبارہ میدان جنگ میں

فرجع وهويقول: اَنَا عليٌّ لَااقول كذبا ۔ اتبع جدّی المصطفیٰؐ المهذّبا ۔ اضربكم بالسَّيف ضربًا معجبًا ۔ ضربُ غلام لايريد الهربا ۔ثم حمل على القوم فقتل واحدًا وثمانين رجُلًا وهويقول: الحرب قدبانت لها الحقائق ۔ وظهرت مِن بعدها مصادق ۔ واللّٰه رب العرش لانفارق ۔ جموعكم اَوتغمد البوارق ۔ فلم يزل يقاتل حتّٰى قتل تمام المأ تين ۔ثم حمل ولم يزل يقاتل حتى قتل مِن القوم الفًا وخمسمائة فارسٍ........فقرّبه منقذ بن مرة العبدی فقال عَلَیَّ آثَامُ العرب لَئِن مرّبی هذا الغلام وهويفعل بالناس مافعله لَا ثُكَلَنَّهُ اَبَاهُ فَكَمَنَ لَهُ ۔فَمَرَّعليٌّ بن الحسينؑ يشد على الناس كماشد عليهم من قبله، فضربه بالرَّمح فی ظهره فخر عن جواده اِلَی الارض ثمّ استوی جالسًا وهوينادی يااباهُ عليک مِنّی سلام هذا جدّی محمدٌ المصطفیٰ و هذا جدّی علّی المرتضٰی وهذه جدّتی خديجةٌ الكبرٰی وهذه جدّتی فاطمةٌ الزهرآء وهم اليک مشتاقون ۔ فاقبل الحسينؑ وفرق القوم عنه ۔فتصارخن النسآء فقال لهُنّ الحسينؑ اسكتن فانّ البكاء اَمَامَكُنَّ واخذراس ولده ووضعه فی حجره وجعل يمس الدم عن وجهه يقول يابُنَیَّ لعن اللّٰه قومًا قتلوک مااشدّ جرأ تهم عَلَی اللّٰه وعلٰی انهاک حرمة الرسولؐ وانهملت عيناه من الدموع ۔ثم قال علی الدنيا بعدک العفا يابُنَیَّ اما انت فقداسترحت من الدنيا وضميمها وقدصرت الی رَوح ريحان وبقی ابوک فما اسرع لحوقه بک ثم حمله علٰی جواده واقبل به اِلَی الخيمة فطرحه فيها ۔ قال عمارة بن راقد اِنّی نظرتُ اِلٰی امراة قدخرجت مِن فسطاط الحسينؑ كانها البدر الطالع وَهِیَ تنادی واولداه امهجة قلباه ياليتنی كنتُ هذااليوم عميًا اوكنت وسّدت تحت اطباق الثری....واجيباه وابن اخاه... فانكبت عليه فجائها الحسينؑ فستر وجهها بعبائه حتی ادخلت الخيمة ۔ فقلت لكوفی مَن هٰذه اتعرفها؟ قال نعم هذه زينبٌ اخت الحسينؑ. ثُمَّ امرالحسين عليه السلام فتيانه احملوااخاكم فحملوه حتّٰی وضعوه بين يدی الفسطاط ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات ۔ 361-360)

ماں کا لاڈلا، پھوپی کا پیارا اور ضعیفی میں باپ کا سہارا پھر میدان جنگ میں آیا اور یہ کہتا ہوا یزیدی افواج پر جھپٹا کہ میں علیؑ ہوں اور قطعاً جھوٹ نہیں بولتا ہوں ۔ میں اپنے تہذیب کے بانی دادا مصطفٰیؐ کا پیرو ہوں ۔ میں تمہیں حیران کن تلواروں کی ماردوں گا ۔ ایسی مار جو جم کر لڑنے والا نوجوان مارا کرتا ہے ۔ پھر ایک شدید حملہ کیا اور اکیاسی (81) فوجیوں کو قتل کرڈالا اور وہ کہتے جاتے تھے کہ جنگ بہت سے حقائق پر پردہ ڈال دیتی ہے ۔مگر جنگ کے بعد تمام ہی حقائق اور سچائیاں اُبھر کر ظاہر ہوجایا کرتی ہیں ۔ رب العرش کی قسم ہم تمہاری اس کثیر فوج کے سامنے سے نہ ہٹیں گے ۔خواہ تمام روشنیاں پردہ پوش ہو جائیں ۔

برابر جنگ جاری رکھی کہ اس دفعہ بھی دوسو ملاعین کو قتل کر دیا ۔ پھر اور تیز تر حملہ کیا اور دھڑ ادھڑ تلوار چلاتے رہے یہاں تک کہ اس حملہ میں ایک ہزار پانچ سو (1500) دشمنوں کو واصل جہنم کیا ۔علیؑ اکبر تو بے تحاشہ جنگ میں مصروف تھے کہ اُن کے نزدیک منقذ بن مرہ عبدی آیا اور ساتھیوں سے کہا کہ اگر یہ نوجوان دوبارہ حملہ کرتا ہوا پھر ادھر سے گزرا اور اسی طرح محویت میں قتل عام کیا تو میں اِس کے باپ کو اِس کے غم میں مبتلا نہ کردوں تو اللہ سارے عرب کے گناہوں میں مجھے ماخوذ کرے ۔ چنانچہ حضرت علیؑ اکبر اُسی شدت اور محویت سے حملہ کرتے اور لوگوں کو قتل کرتے ہوئے آ رہے تھے اور منقذ گھات میں لگا ہوا تھا ۔ جب اس ملعون کے پاس سے گزرے تو اُس نے

تول کر نیزہ کمر میں مارا جو پار نکل گیا اور لیلیٰؑ کا بیٹا گھوڑے سے زمین پر گرا۔ جلدی سے سنبھل کر زمین پر بیٹھ گئے اور آواز دی کہ اے بابا میرا آخری سلام قبول کیجئے۔ مجھے لینے کیلئے یہ میرے دادا محمدؐ مصطفیٰ اور علیؑ مرتضیٰ اور یہ میری دادی فاطمہؑ زہراء اور خدیجۃؑ الکبریٰ آئے ہیں اور یہ سب آپ کی آمد کے مشتاق ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے افواج پر حملہ کیا اور آن کی آن میں فوجوں کو بھگا کر بیٹے کے پاس پہنچے۔ اُدھر خیام میں اہل حرمؑ بے قرار ہو گئے اور خواتین کی چیخیں بلند ہو گئیں۔ امامؑ نے پکارا کہ صبر کرو خاموش ہو جاؤ تمہارے رونے کا وقت آنے والا ہے۔ پھر اپنے بیٹے کا سر اُٹھا کر گود میں رکھا اور چہرہ سے خون صاف کرنا شروع کیا۔ اور کہتے جاتے تھے۔ اے بیٹے اللہ تمہیں قتل کرنے والی قوم پر لعنت کرے۔ اللہ کے خلاف اُن کی جرأتیں کتنی بڑھ گئیں اور اُس کے رسولؐ کی توہین کرنے میں کتنے بے باک ہو گئے۔ امام کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ پھر فرمایا اے بیٹے تیرے بعد یہ دنیا ہمارے کس کام کی ہے۔ بیٹے تم تو اس دنیا اور یہاں کی تمام چیزوں کو چھوڑ کر چلے گئے میں بھی اب تمہارے پاس پہنچنے میں دیر نہ کروں گا۔ پھر جوان بیٹے کی لاش کو اٹھا کر اپنے گھوڑے پر رکھا اور خیمہ میں لا کر رکھ دیا۔ عمارہ بن راقد بتاتا ہے کہ میں نے دیکھا ایک خاتون چاند کی طرح طلوع ہوئی وہ کہتی آ رہی تھی کہ ہائے میرے لال، ہائے میرا دل صدمہ سے پھٹا جاتا ہے۔ اے کاش میں یہ دن دیکھنے سے پہلے پہلے اندھی ہو گئی ہوتی۔ کاش مجھے آج سے پہلے زمین میں گہرا دفن کر دیا گیا ہوتا۔ ہائے میرے بھائی کے پیارے بچے۔ یہ کہتی ہوئی لاش پر گر پڑی۔ جلدی سے حسینؑ آئے اپنی عبا سے اُن کا منہ ڈھکا اور خیمہ میں داخل کر دیا۔ میں نے ایک کوفی سے معلوم کیا تو اُس نے بتایا کہ وہ خاتون حضرت امام حسینؑ کی بہن جناب زینب علیہا السلام تھیں۔ پھر امامؑ نے نوجوانوں کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کی لاش اُٹھاؤ اور اس کے بعد علی اکبر علیہ السلام کی لاش کو قنات کے مقابل رکھوا دیا۔ جہاں باقی شہدؑا کے اجسام موجود تھے۔

(9)۔ ہماری معذرت اور جرأت و جسارت

اس عنوان کے ماتحت ہمیں بہت کچھ کہنا ہے۔ اور اُمید ہے کہ واقعاتِ کربلا کے اختتام کے بعد عرض کر سکوں گا۔ یہاں اس قدر بتانا بہت ضروری ہے کہ علم الحدیث اور روایت سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کے اواخر میں اور اُسکے بعد لکھی جانے والی حدیث کی کتابوں میں اُنکے لکھنے والے محدثین نے احادیث کو توڑ توڑ کر بکھیر دیا ہے۔ یعنی جس حدیث میں دو مسائل پر معصومؑ نے بیان دیا تھا محدثین نے اس حدیث کے دو ٹکڑے کر کے دونوں مسئلوں کو الگ الگ کر لیا۔ تین مسائل والی حدیث کے تین ٹکڑے کئے، چار والی کے چار اور دس والی کے دس الگ الگ ٹکڑے کر ڈالے۔ یہ اس لئے کہ اِن لوگوں نے احادیث لکھنے سے پہلے مسائل کی ایک فہرست بنائی پھر اس فہرست سے عنوانات لے کر اب احادیث کے توڑے ہوئے ٹکڑوں میں سے وہ ٹکڑا وہاں لکھ دیا جہاں متعلقہ مسئلہ تھا۔ اس طرح ایک ایک حدیث ٹوٹ ٹوٹ کر اُس کتاب کے مختلف صفحات میں بکھر گئی۔ اور یہ ناممکن ہو گیا کہ معصومؑ زبان سے نکلی ہوئی کوئی حدیث ایک جگہ پوری اور مکمل مل جائے۔ اس صورت حال کی جدید تصدیق علامہ علی نقی عرف نقن اور سید العلما لکھنوی کی کتاب **''تدوین حدیث''** میں تفصیل سے موجود ہے۔ ہمیں یہ بتانا ہے کہ یہی سلوک اُن روایات کے ساتھ کیا گیا جو واقعات کربلا بیان کرتی ہیں۔ یعنی یہاں بھی کوئی روایت ایک جگہ مل جانا مشکل ہے۔ ہم جس جرأت اور جسارت پر معذرت خواہ ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نے واقعات کربلا لکھنے

میں کسی سابقہ اہلِ قلم کی تقلید نہیں کی ہے نہ کریں گے۔ اور اُن تمام توڑے ہوئے ٹکڑوں کو ہر جگہ جمع کردینے میں تکلف نہیں کرتے جو کسی شہیدؑ، مجاہدؑ یا اہلِ حرمؑ کی پوری شہادت، پوری جنگ یا پوری بات سامنے لانے میں مددگار ہوں۔ اور جنہیں اس لئے توڑا گیا تھا کہ شہادت یا جنگ یا کسی بیان میں اختلاف کے بہانے سے کمزوری اور بے اعتباری پیدا کی جائے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ مثلاً چار پانچ میل میدان جنگ میں لڑتی ہوئی افواج میں سے کوئی شخص بھی سارے میدان کو اور سارے میدان میں گزرنے والے واقعات کو نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا یہ قدرتی اور فطری بات ہوگی کہ جس راوی نے کسی مجاہد کی جنگ دیکھی اور کہا کہ اُس نے پچاس آدمی قتل کیئے تو راوی کا یہ بیان سارے میدان جنگ کا بیان نہیں ہوسکتا بلکہ اُس سمت یا جگہ سے متعلق ہے جہاں وہ راوی تھا۔ دوسرا راوی کہتا ہے کہ اُسی مجاہد نے دوسو آدمی قتل کیئے یہ دوسری جگہ اور دوسری سمت کی صورت حال ہے۔ اس لئے کہ اگر دونوں راوی ایک ہی جگہ ہوتے تو دونوں ایک ہی تعداد دیکھتے اور کہتے۔ لہٰذا حضرت علی اکبر علیہ السلام ہوں یا کوئی اور مجاہد ہو اُن کے متعلق مختلف مقتولوں کی تعداد مختلف سمتوں میں جنگ کا نتیجہ ہے۔ اس لئے وہ تمام مختلف بیانات مختلف تو ہیں اور ہونا چاہئے۔ مگر اُن سب کی تعداد کا مجموعہ متعلقہ مجاہد کے مقتولوں کی صحیح تعداد ہے۔ لہٰذا ہم مکھی پر مکھی نہیں ماریں گے اور جہلا یا فریب ساز گروہ کی تقلید نہیں کریں گے۔ اور کسی راوی کو یہ پوزیشن نہیں دیں گے کہ وہ ہیلی کاپٹر ہوائی جہاز میں بیٹھا ہوا پورے میدان جنگ کو دیکھ رہا تھا۔ اور جو کچھ اُس نے کہا وہ آخری اور غلطی سے پاک بیان ہے۔ دراصل ہمارا اصولِ تحریر دشمنانِ اہلبیتؑ کی کمر توڑتا ہے، اُن کی نقاب کشائی کرتا ہے اور مومنین کو صحیح صورت سے قریب تر لاتا ہے۔ اِس لئے لکیر کے فقیر اور سرکاری علما کو نہ ہم پسند آسکتے ہیں نہ ہمارے بیانات اُن کی سند پاسکتے ہیں۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم سوائے سرکار زمانہ حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور سے نہیں ڈرتے اور اُن کے سوا کسی اور کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ اور نہ اُن کے علاوہ کسی اور فرد یا قوم کے محتاج ہیں۔ لہٰذا ہم آزاد ہیں کسی عالم کا ہم پر رعب نہیں کسی سے ذاتی دلچسپی نہیں۔ وہ اور ہم دونوں خاطی ہونے میں برابر ہیں۔ اس لئے وہ بھی اور میں بھی تنقید سے ارفع و اعلیٰ نہیں۔ غلطی کی مذمت، غلطی کا اقرار، غلطی کی اصلاح ہم سب پر واجب ہے اور ہمارا اسی پر عمل ہے۔

43۔ شہادت حضرت قاسم علیہ السلام و دو فرزندان امام حسن علیہ السلام

(1)۔ حضرت احمد (ابوبکر) بن حسن مجتبیٰ علیہم السلام سے تعارف

اولادِ امام حسن علیہ السلام میں سے صرف تین بیٹوں کو کربلا میں ہمراہ لایا گیا تھا۔ حالانکہ اور بھی کئی بیٹے بلکہ ان تینوں سے بڑے بیٹے بھی موجود تھے۔ کربلا میں آنے والے تینوں بھائیوں میں سب سے بڑے بیٹے اور حضرت علی اکبر علیہ السلام کے ہم سِن جناب قاسم بن الحسنؑ تھے۔ اُن سے چھوٹے جناب احمدؑ عرف ابوبکر تھے اور سب سے چھوٹے جناب عبداللہ بن الحسنؑ تھے اور یہ بارہ سال کے قریب عمر رکھتے تھے۔ اور تینوں بھائی امام زمانہ علیہ السلام پر قربان ہوگئے تھے۔ ان تینوں بھائیوں کی شہادتوں اور حالات کو مشکوک کرنے کی کوشش اب پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ مگر آج سے پہلے اُن کے حالات لکھنے میں علما نے بہت سے چکر کھائے اور بہت سے چکر دیئے ہیں۔ کہیں سِن و سال کا چکر، کہیں دوسرے بھائیوں کو کربلا کے شہدا میں شامل کرنے کا چکر۔

(الف)۔ جنابِ احمدؑ بن حسنؑ کے اجازت طلب کرنے کا سبب

امام حسین علیہ السلام کا عملدرآمد اور انتظام یہ حقیقت واضح کر دیتا ہے کہ آپ اپنے بھائی کی اولاد کو اُس وقت تک اجازت نہ دینا طے کئے ہوئے تھے جب تک تمام عذرات ختم نہ ہو جائیں۔ اوران تینوں بھائیوں کا خاموشی سے انتظار کرنا اور اجازت کیلئے ضد نہ کرنا یہ بتاتا ہے کہ امام علیہ السلام کا ارادہ تینوں بھائیوں کو معلوم بھی تھا۔ چنانچہ اولادِ ابوطالب علیہم السلام کے کم سن، نوجوان، جوان اور بزرگ حضرات اجازت لیتے جہاد کرتے اور شہادت پر فائز ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب امامؑ نے استغاثہ فرمایا اور اپنی نصرت کے لئے اتمام حجت کیا۔

روی ابومخنف عن حمید بن مسلم اَنَّ الحسینؑ بعد قتل اصحابه جعل ینادی و اغربتاه؛ واقِلّة ناصراه اَمَامِن مُعِین یعینا ؟ اَمَامِن ناصر ینصرنا ؟اَمَامِن ذابّ یذبُّ عَنّا فخرج الیه غلامان کَانّهُما قمران احدهما احمد و آخر قاسم ابناالحسن علیه السلام وهما یقولان لَبَّیک لَبَّیک مُرنا بامرک صلی اللّٰه علیک۔ فقال لهما ''حامیاعَنْ حرم جدّکمارسولؐ اللّٰه۔''
(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 285-284)

چنانچہ ابومخنف نے حمید بن مسلم سے روایت کیا ہے کہ جب تمام ساتھی قتل ہو گئے تو امامؑ نے یہ ندا دینا شروع فرمائی۔ ہمارا اجنبی ہونا حد کو پہنچ گیا۔ ہمارے مددگار بہت کم تھے وہ بھی ختم ہو گئے۔ کیا کوئی مددگار ہے جو ہماری اعانت کرے؟ کیا کوئی ایسا ناصر نہیں جو ہماری نصرت کرے؟ کیا کوئی ایسا حمایتی نہیں جو ہمارا دفاع کرے؟ اس آواز پر دو چاند ایسے نوجوان باہر نکلے اور کہا کہ اللہ آپ پر درود بھیجے ہم دونوں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کو حاضر ہیں۔ فرمایا تم جاؤ اور ''حرم رسولؐ کی حمایت کرنا۔''

یہ روایت خود بتاتی ہے اور استغاثہ کا مطلب بھی یہی ہے کہ جب تک ناصر و مددگار و دفاع کرنے والے موجود ہوں استغاثہ کرنا سعی لا حاصل یا بے معنی بات ہے۔ عملاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت احمد و قاسم علیہما السلام کے علاوہ کوئی ایسا ناصر موجود نہ تھا جو جہاد کے لئے جا سکے۔ یعنی تمام اولادِ ابوطالبؑ درجہ شہادت پر فائز ہو چکی تھی۔ ورنہ وہ بھی استغاثہ پر سامنے آ جاتے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ امامؑ اُن دونوں بھائیوں کو اجازت دینے کا وقت ابھی تک موزوں نہیں سمجھتے تھے۔ اس لئے جواب بھی ایسا دیا ہے جو انہیں مایوس کر دے۔ یعنی اُس جواب کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ تمہیں مستورات کے ساتھ رہنا ہو گا اور اُن کی حمایت کرنا ہو گی۔ تم میدان جنگ میں نہیں بھیجے جاؤ گے۔

اس روایت کے علاوہ جناب علامہ صدوق رضی اللہ عنہ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ جب امام حسنؑ کے صاحبزادوںؑ نے جنگ کی اجازت مانگی اس وقت تمام ہاشمی افراد قتل ہو چکے تھے۔ لہٰذا وہ ترتیب جسے بہت شہرت دی گئی غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اولادِ ابوطالبؑ میں بچوں کے علاوہ صرف یہ دونوں بھائی باقی تھے اور آخری شہید ہیں جو جنگ کر کے شہید ہوئے۔ اِنکے بعد امام علیہ السلام کی اپنی شہادت ہے۔

(ب)۔ حضرت احمد بن حسن علیہ السلام کی شہادت

بڑی کوشش کے بعد یہ معلوم نہ ہو سکا کہ امامؑ کے منع کر دینے کے بعد کس بہانے سے حضرت قاسم دوبارہ تنہا اجازت مانگنے آئے تھے۔ اورانہیں ایک بہت معقول اور پسندیدہ بات کہہ کر دوبارہ پھر منع کر دیا تھا۔ اور وہ الگ تنہائی میں مغموم و محزون بیٹھ گئے تھے۔ اس

دوران جب احمد علیہ السلام نے دیکھا کہ بڑے بھائی نے دوسری دفعہ اجازت طلب کرنے کی جسارت کی ہے تو آپ بھی قسمت آزمائی کے لئے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خاموش کھڑے رہے۔ چچا نے یہ انداز دیکھ کر پاس بٹھایا۔ باتوں باتوں میں اندازہ ہوا کہ احمدؑ کو زیادہ روکنا اُس کی ہمت پر اثر انداز ہوگا۔لہٰذا اجازت دے دی۔

وفی الملهوف ثم برزوهويقول: اِن تنكرونی فانا ابن حيدرةٍ ۔ضرغام اجام و ليثُ قَسُوَرَةٍ ۔عَلَى الاعادی مثل ريح صرصرةٍ ۔اذا اقبل نحواالجيش قال ربيعه الشاكری لابن سعد هذا اسدمن اولاد الحسنؑ بن علیؑ فنادی اصحابک اَن لايخرج اليه احدٌ ۔فامرابن سعد اَن احملوا عليه حملة رجل واحد ۔فحمل عليهم احمدٌ بن الحسنؑ وغاص فی بحرالجيوش وهو شاهر سيفه يضرب بهم طولًا وعرضًا ويجفلون الناس بين يديه كمايجفل الغنم مِنالذئب وهويفرس فيهم مثل الاسدويقتل يمينًا وشمالًا فقتل منهم اربعمائة فارس فطعنوا عليه بالنبل والرماح فاحتأ شوه من كل جانب فوقع عليه السلام لوجهه وصاح ياعمّاه ادركنی فجلى الحسينؑ كمايجلى الصقر وفرّق الجيوش يمينًا وشمالًا ثمَّ وقف به وقال يعزعلی عَمّک مصرعک لعن اللّٰه قوم قتلوک ثم حمله علىٰ جواده واقبل به اِلَى الخيمة فطرحه فيها۔

کتاب ملھوف میں بیان ہوا ہے کہ پھر احمدؑ بن الحسنؑ میدان جنگ کو یہ کہتے ہوئے چلے کہ اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو جان لو کہ میں حیدؑر کا فرزند ہوں۔ مجبور کر دینے والا شیر درندہ اور بہادر ہوں۔ اور دشمنانِ دین کے لئے تباہ کن آندھی کا طوفان ہوں۔ جب آپؑ فوج کے قریب پہنچے تو ربیعہ شاکری نے ابن سعد سے کہا کہ حسنؑ کی اولاد میں سے یہ ایک شیر ہے۔ اپنی فوج سے کہہ دے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی تنہا تنہا نہ جائے ورنہ موت کھا جائے گی۔ عمر بن سعد نے پکار کر کہا کہ تم سب مل کر ایک شخص واحد کی طرح کا حملہ کرو۔ اُدھر جناب احمدؑ نے فوج پر اس طرح حملہ کیا کہ اُن میں ڈوب گئے اور تلوار سے اُن کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور آگے سے پیچھے تک ضربیں لگاتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ اور فوجیں اُن کے سامنے سے اِس بدحواسی سے بھاگ رہی تھیں جیسے کہ چیتے اور بھیڑیے کے سامنے بکریاں اور بھیڑیں بھاگتی اور ایک دوسرے پر گرتی ہیں۔ اور وہ ان کے اندر اس طرح گھوڑا دوڑاتے پھرتے تھے۔ جیسے ایک شیر بے روک حملہ کرتا ہے۔ اور داہنے اور بائیں مقتولوں کی لاشیں بکھری نظر آ رہی تھیں۔ چنانچہ اُن میں سے چار سو سواروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اُدھر دوسری طرف سے اجتماعی تیر باران کیا گیا، برچھیاں پھینکی گئیں۔ آخر آپ زخموں سے چُور چُور ہو کر گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور پکارا کہ اے چچا جان مدد کو آیئے۔ اُدھر امام علیہ السلام شاہین کی طرح جھپٹا مار کر پہنچے اور افواج کو چیرتے اور داھنے بائیں بھگاتے ہوئے آئے اور پاس کھڑے ہوئے۔ احمدؑ جنت کو سدھار چکے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹے تمہارا قتل ہو کر گرنا تمہارے چچا پر بہت شاق ہے۔ خدا اُس قوم پر لعنت کرے جس نے تمہیں قتل کیا ہے۔ اس کے بعد اُن کو اپنے گھوڑے پر اٹھایا اور گنج شہیداں میں لا کر رکھ دیا۔

(2)۔ حضرت قاسم علیہ السلام کو کربلا میں اپنے والدؑ ماجد کا معجزہ ضرور یاد آیا ہوگا

وہ حضرات جو کربلا کی سب سے بڑی آزمائش یعنی حضرت قاسم اور جناب فاطمہ کبریٰ علیہا السلام کی قربانی سے واقف ہیں۔ امام حسن علیہ السلام کا یہ معجزہ پڑھیں اور سوچیں کہ اُن کے والد اور چچا علیہم السلام اُن کے لئے کیا کچھ نہ کر سکتے تھے؟ اور دنیا کی وہ کون سی

چیز ہوسکتی تھی جواُن دونوںؑ کے لئے فراہم نہ کرسکتے تھے؟ اس کے باوجود خانوادۂ نبوّت کے لاڈلے نوجوان دنیا اوراُس کی راحتوں وسہولتوں اورخواہشوں سے بہت بلندوبالا اورارفع واعلیٰ تھے سُنیئے:۔ذکر الشیخ الحر العاملی نقلًا عن مجمع البحرین فی مناقب السبطین للسیّد ولیّ بن نعمة اللّٰه الحسینی فحاصل ماذکره اَنَّاالملکًا مِن مُلوک الصّین کان له وزیر ولوزیره اِبنٌ فی غایة الحسن والجمال وکان الملک یحبّه محبّة عظیمة ولِلملک ابنتهٖ فی حسنها وجمالها فائقة فی الافاق وکان الملک یحبّها محبّة عظیمة ۔ثم انّها عشقت ابن الوزیر وابن الوزیر عشقها فلعلم الملک بذلک فامر بقتلهما فقتلا ۔ثمّ ندم ندامة عظیمة لشّدة حُبّه علیهما فاحضر الوزیر والعلمآء و اخبر هم بذلک وسألهم عن التدبیر فی احیائِهما فقالوا هٰذا لایقدر علیه الارجلٌ فی المدینةِ یقال له الحسن بن علی بن ابیطالب علیهم السلام انّه یقدران یدعواللّٰه فیحییهما ۔فقال کم بیننا وبین المدینة ؟ قالوا میسرة سِتة اشهر ۔فاحضر رجلًا وقال اذهب الَی المدینة فی شهروا ئتنی بالحسن بن علی علیهما السلام والّا اقتلکَ، فخرج الرجل مغمومًا فتباعدعن البلد وتوضّاء وصَلّٰی ودعااللّٰه اَن یفرج عنه و اذا بالحسن علیه السلام قد حَضَرَ عنده فضرب الرجل برجلهٖ وهُوَ ساجدٌ۔ فقال له قُمْ فقام وقال مَنْ انت ؟ قال انا الحسن بن علی بن ابیطالب علیهم السلام فَرَجَعَ اِلٰی الملک ۔فاخبره ففرح فرحًا شدیدًا ثم امربا حضار ابنته وابن الوزیر فاحضر والتمس الملک مِن الحسن علیه السلام اَن یسئل اللّٰه سبحانه فیحییهما ۔فدعااللّٰه عزّوجلّ فاحیا همااللّٰه بدعآئه ثمّ زوّج ابنته الملک بابن الوزیر ۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 289)

”جناب الشیخ حرعاملی رضی اللہ عنہ مجمع البحرین فی مناقب السبطین سے لکھتے ہیں(یہ کتاب علامہ السید ولیؒ بن نعمۃ اللہ الحسینیؒ کی تصنیف ہے)کہ چین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی بیٹی اپنے حسن وجمال اورعلم وعادات وخصال میں بےنظیر تھی اور بادشاہ اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ادھراُس کے وزیر کا بیٹا بھی اپنے اوصاف اورحسن صورت وسیرت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا اور بادشاہ کواُس سے بھی انتہائی محبت تھی۔دونوں میں قربت کی بناپر محبت ہوگئی اور یہ محبت والہانہ عشق کی حدتک جاپہنچی اورآخر ایک روز بادشاہ کوشاہزادی اوروزیر کے بیٹے کی محبت کاعلم ہوگیا۔تو دونوں کوقتل کرادیا۔اور بعد میں حدبھرنادم وپشیمان وپریشان ہوا۔تمام علما اوردانشوروں کواوراپنے وزیر کو بلایا اورکہا کہ کیا کوئی ایسی تدبیر ہے کہ وہ دونوں زندہ ہوجائیں۔اُسے بتایا گیا کہ یہ ناممکن ہے۔البتہ مدینہ میں حسن بن علی بن ابیطالب علیہم السلام ہیں اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو یہ زندہ ہوسکتے ہیں۔اُس نے مدینہ کی مسافت معلوم کی تو بتایا گیا کہ چھ ماہ کا راستہ ہے۔چنانچہ ایک شخص کوحکم دیا گیا کہ تم ایک ماہ کے اندراندر مدینہ پہنچواور امام حسن علیہ السلام کوساتھ لےکرآؤ ورنہ میں تمہیں بھی قتل کروں گا۔وہ مومن حواس باختہ رنج وغم اورخوف کا مارا روانہ ہوا۔جب شہر سے دُورنکل گیا تو اُس نے وضو کیا نماز پڑھی اور بِلک بِلک کراللہ سے اپنی خلاصی کی دعا مانگنا شروع کی۔کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ ہستی سامنے ہے۔اُن کے پیروں پرگرا اورسجدہ کیا۔امامؑ نے حکم دیا کہ کھڑے ہوجاؤ۔وہ اُٹھا تو پوچھا کہ حضور آپ کون ہیں؟ فرمایا میں ہی حسنؑ بن علیؑ ہوں۔وہ بادشاہ کے پاس واپس گیا اورواقعہ سے مطلع کیا۔بادشاہ کونا قابل برداشت مسرت ہوئی۔حکم دیا کہ دونوں مُردوں کوحاضر کرو۔اُس کے بعد دونوں کولےکر امام حسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اورالتجا کی کہ حضورؑ ان کے لئے اللہ سے دعا فرمادیں کہ وہ انہیں زندگی عطا کردے۔حضورؑ نے دعا کی تو خدا نے دونوں کوزندہ کردیا۔اب بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی وزیر کےلڑکے سے کردی۔“

یہی وہ جگہ ہے جہاں ہمیں امام حسن علیہ السلام کی وصیت اور اُس انتظام کا خیال آنا چاہئے جو حضورؑ نے اپنے دلبند حضرت قاسمؑ کی شہادت کیلئے فرمایا تھا۔ اور جسکی بنا پر واقعہ کربلا کو چار چاند لگ گئے تھے۔ اور واقعہ کربلا ایسے عالم میں بھی دلوں میں دردو غم اور آنکھوں میں عقیدت و محبتِ اہلبیتؑ کے آنسو بھر دیتا ہے۔ جبکہ امیر و غریب کا گھر مہمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ چاروں طرف مُسرتیں بکھری ہوئی ہوتی ہیں۔ مبارک و سلامت کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ عزیز و اقربا پچھلے رنج و شکایات بھول جاتے ہیں۔ دولھا اور دلھن کی مائیں اگر بیوہ ہوں تب بھی سہرا دیکھنے کی تمناؤں میں مسرت و خوشیوں کے ہجوم میں ہوتی ہیں۔ گھر سجائے جاتے ہیں خوشی کے ترانے گائے جاتے ہیں۔ خوشی کا یہ ایسا موقعہ ہوتا ہے کہ اس میں رنجیدہ بات کرنا بُرا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن محمدؐ و آل محمدؐ سے محبت کرنے والے مومنین اُس مسرت و شادمانی کو اپنے آنسوؤں سے استقلال بخشتے ہیں۔ انہیں وہ شادی یاد آتی رہتی ہے جو میدان کربلا میں ہوئی تھی۔ وہ منگنی سے لے کر عقد نکاح تک ہر ہر قدم پر ہر ہر رسم ادا کرتے وقت اُدھر حضرت قاسم کو اور ادھر فاطمہ کبریٰ کو ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے یاد کرتے ہیں۔ کنگنا باندھا جاتا ہے تو دلوں میں دعاؤں اور عقیدت کا طوفان برپا رہتا ہے۔ اگر یہ حادثہ نہ گزرا ہوتا اور اگر صبر و ضبط و تعمیل حکم و وصیت کا یہ مظاہرہ نہ کیا جاتا؟ تو ہماری زندگی کا ایک گوشہ کربلا کی برکتوں سے محروم رہ جاتا۔ موت و مصائب اور مشکلات میں رنج و غم کے مواقع پر ہی دار و مدار رہ جاتا۔ اور ہم مسرت سے لبریز حالات اور نئی زندگی شروع کرنے والے دن و رات میں شہدائے کربلا کو یاد نہ کر سکتے تھے۔ امام حسن علیہ السلام کی وصیت نے ہماری زندگی کے ایک عظیم الشان پُر مسرت موقعہ کو آہوں اور آنسوؤں سے برکت دینے کا انتظام کر دیا، نہ صرف یہ بلکہ:۔

(3)۔ اپنے بھائی امام حسینؑ کی قربانی کو انتہائی معیار سے بھی بلند کر دیا

محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیھم کا ہر فرد صاحب معجزہ تھا۔ انہیں کائنات کی ہر چیز پر حکومت و قدرت حاصل تھی۔ لیکن اُنہوں نے انسانوں کو خاک سے اٹھا کر ترقی کے عرش اعظم تک پہنچانا تھا۔ اس لئے اپنے ہر عملی نمونہ کو انسانی فطرت اور قوانین قدرت کے ایسے فطری مدارج کے ساتھ پیش کیا کہ عورتیں، بچے اور ناقص الخلقت اور محتاج و لنگڑے اور اندھے کانے لوگ بھی ترقی کی راہ پر سہولت سے گامزن ہو سکتے ہیں اور بتدریج عروج کمال تک پہنچ سکتے ہیں۔ پھر اسلام نے حضرت آدمؑ سے لے کر جناب خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انسانوں کو آزادیٔ رائے اور حُریتِ ضمیر میں انتہائی حدود تک مختار رکھا۔ حق اور مفید ترین احکام کو بھی جبراً نافذ کرنے سے باز رہے۔ اور یہ اصول طے کر دیا کہ انسان حق قبول کریں تو دل کی پوری رضامندی کے ساتھ قبول کریں ورنہ ناحق و کفر پر برقرار رہیں۔ ہمیشہ **''لا اکراہ فی الدین''** کو اپنا نصب العین بنا کر ہر نبیؐ نے انسانوں کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں قطعاً آزاد رکھا تاکہ ہر شخص کو اُس کے فکر و عمل کی پوری پوری جزا ملے۔ اس اصول کو برقرار رکھنے کی بنا پر انبیا و آئمہ علیھم السلام کو ہر قسم کی تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر اُن حضرات نے اپنی خداداد قوت کو تبلیغ دین میں استعمال کیا ہوتا تو کفر و نفاق و باطل کا نام و نشان تک ڈھونڈے سے نہ ملتا۔ لوگ کھل کر اور پوشیدہ طور پر فریب کرتے تھے، مومنین کو دھوکہ دیتے تھے، ہر ممکن جبر و تشدد اور قتل و غارت اور لوٹ مار کرتے تھے۔ لیکن انبیا و آئمہ علیھم السلام کی طرف سے جبر و تشدد تو کہاں برابر کے انتقام اور بدلہ لینے کی اجازت بھی بڑی مشکل سے اور مشروط اجازت ملتی تھی۔ جوں جوں

انسانی شعور ترقی کرتا جاتا تھا۔ اسلام کے راہنمًا برابر آزادی وحریت انسانی کو زیادہ سے زیادہ چھوٹ دیتے چلے آتے تھے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اور بعد کے زمانہ میں بھی اُن لوگوں کو شامل رہنے دیا جاتا تھا جو بظاہر اسلام کو پسند کرتے تھے دلوں میں پورا یقین نہ رکھتے تھے۔ جو شرمے شرمائے عبادات اور جہاد میں شامل رہتے تھے۔ سوائے چند شرم پروف لوگوں کے نہ معلوم مروّت اور قومی غیرت اور اپنے عہد وبیعت کو نباہنے کے لئے کتنے مسلمان شہید ہوئے ہوں گے؟ کہ اگر اُن کو کربلا کے راہنمًا کے معیار پر آزادی ملی ہوتی تو وہ ہرگز اپنی جان نہ دیتے۔ کبھی پہلے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ:۔

''جاؤ تم آزاد ہو۔ میں اپنی بیعت اور معاہدہ کی پابندی ہٹاتا ہوں۔ اور چونکہ تم میری اجازت سے میدان چھوڑ کر جاؤ گے۔ اسلئے تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ماخوذ نہ کیا جائیگا۔ مجھے میری اجازت سے تنہا چھوڑ جانا تمہیں کسی سزا کا مستحق نہیں بنائے گا میں تمہیں پھر بھی اپنے انصار میں شمار کروں گا۔ اور دیکھو آنکھوں کی مروت اور ایک دوسرے سے شرمانے کا موقعہ بھی ختم کرتا ہوں، ذرا دیر بعد یہ تمام شمعیں اور چراغ بُجھا دیئے جائیں گے۔ رات کے پردہ میں جس کا جدھر دل چاہے چلا جائے۔ دیکھو میرے ساتھ رہنے والوں میں سے صرف ایک بیمار اور ایک بچہ باقی رہے گا۔ ہم سب کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے گا صرف یہ رات درمیان میں ہے۔ کل سہ پہر تک یہاں لاشوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پیروں کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔ میرے اہل وعیال لوٹ لئے جائیں گے، خیموں کو جلا دیا جائے گا اور جو عورتیں ہمارے ناموس کے ساتھ ہوں گی وہ بھی اُن کے ساتھ قید کر لی جائیں گی۔ شہر بہ شہر سربرہنہ پھرایا اور قید رکھا جائے گا۔ لہٰذا چراغ گل کر دو اور رووداع ہو جاؤ۔ خدا حافظ۔''

آزادی رائے اور رضامندی قلب کا یہ وہ معیار تھا جسے نہ کبھی انبیاؑ ورسلؑ نے پیش کیا نہ کبھی اتنا موقعہ دیا گیا وہاں تو خود آنحضرتؐ کو اس بات پر جھڑکا گیا کہ تم نے اُن لوگوں کو عام اجازت کیوں دے دی جو میدان جہاد سے چلے جانے کے عذرات پیش کر رہے ہیں؟ (توبہ 9/43)۔ وہاں تو جہاد سے فرار کرنیوالوں اور جان بچانے کی فکر میں رہنے والوں کی انتہائی مذمت کی گئی ہے۔ انہیں اسلام سے خارج اور عذاب کا حقدار قرار دیا گیا ہے بہر حال یہ حسینیؑ معیار تھا۔ اس معیار کا جواز قائم کرنے کیلئے رسولؐ اللہ نے عام اجازت دی تھی۔ مگر یہ آخری معیار تھا اور ایسا معیار تھا کہ حسین علیہ السلام کے سامنے شہید ہونے والوں پر خود شہادت اور قربانی اور اللہ ورسوؐل فخر کریں۔ اُنکے تمام امتحانات ہو چکے تھے۔ وہ ہر مرحلہ پر کامیاب وکامران شہادت کی تمام منازل سے گزر آئے تھے۔ اب تو یہ دیکھنا باقی تھا کہ امامؑ کے ذہن میں میرا کون سا نمبر ہے۔ چنانچہ ہر دفعہ کئی امیدوار اجازت کیلئے سامنے آ کھڑے ہوتے تھے، ہر ایک نمبر لے جانے کی فکر میں تھا۔ اپنے حقدار ہونے پر دلیل لائی جاتی تھی، اہل حرم کی سفارش پیش کی جاتی تھی گویا جان کی بازی لگی ہوئی تھی۔ ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش جاری تھی۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا جس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ جان دینا؛ یہ سمجھ کر جان دینا کہ بس جان دینا ہے، بڑا مشکل کام ہے۔ یہ بہت ہی مشکل کام ہے اگر جان بچانے کے تمام مواقع بھی موجود ہوں اور یہ اور بھی مشکل کام ہے اگر جان بچانے والوں کو محض جان بچانے اور حسینؑ کی نصرت سے دستکش ہو جانے پر انعام واکرام بھی ملنے کا یقین ہو۔ چونکہ رفقائے حسینؑ میں سے ہر ہر فرد مخالف فوج کیلئے عذاب خداوندی کی صورت میں حملہ آور ہوتا تھا اسلئے اُن میں کا ہر شخص لاکھوں دشمنوں پر بھاری تھا اور کسی ایک فدائی کا

میدان سے ہٹ جانا لاکھوں آدمیوں کے ہٹ جانے کے برابر تھا۔ اسلیئے دشمن کی طرف سے ہرممکن انعام کے وعدے ہو چکے تھے۔ مخالف فوج کے سرداران لشکر اپنی کوششیں کر چکے تھے۔ کوئی ماموں بن کر آتا رہا، کوئی کنیزوں کی طرف سے رشتہ نکال کر لالچ دیتا رہا۔ یہ سب حیلے اور امتحان ختم ہو چکے تھے مگر ابھی ایک پہلو باقی تھا، فطرت اُسے سامنے لا رہی تھی۔ لیکن امام حسین علیہ السلام طرح دے رہے تھے، صورتحال کو چھان چھان کر خالص کر رہے تھے۔ حضرت قاسم علیہ السلام متعدد بار اجازت کی تمنا لئے ہوئے آئے اور موقعہ کسی اور کو دیا جاتا رہا۔ ہر دفعہ نئی تیاری اور نئے انداز سے آتے مگر یہاں تو ایک سے ایک بڑھ کر تھا نمبر پیچھے ہٹتا رہا۔ آیئے ہم ایک اور بات سنائیں۔

(4)۔ **حضرت قاسم علیہ السلام نے امامتِ حسینؑ کی تصدیق اور اولادِ حسنؑ کے دعویٰ کی تکذیب کرنا تھی**

دنیا کی تمام اقوام میں باپ کے مرنے کے بعد بڑے بیٹے کو مرنے والے کا جانشین بنانے کی رسم آج تک جاری ہے۔ خاندان کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ قبیلہ یا خاندان کا کوئی بزرگ بڑے بیٹے کے سر پر اپنے ہاتھ سے پگڑی باندھ کر دستار بندی کی رسم ادا کرتا ہے۔ نصیحتیں کرتا ہے، باپ کے اوصاف اور آئندہ کی ذمہ داریوں کا ذکر کر کے اُسے اُس کے بھائیوں، بہنوں اور والدہ کے لئے ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ بعد میں بھائیوں میں تفرقہ پڑ جائے، دشمنی ہو جائے تو یہ بات اس رسم سے الگ اور آپس کے تعلقات پر منحصر ہے۔ اِس رسم کے استقلال اور قدامت کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال رہا ہے کہ نبوّت اور اامامت کی جانشینی بھی بڑے بیٹے کا حق ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس لئے غلط ہے کہ خاندانوں اور اقوام کے سربراہ خود مختار ہوتے ہیں۔ مگر نبیؑ اور امامؑ خود مختار نہیں ہوتے۔ وہ اللہ کے احکام کے پابند ہوتے ہیں۔ پھر خاندان یا قوم وقبیلہ یہ ذمہ داری نہیں لیتا کہ جس بڑے بیٹے کو جانشینی دی جائے وہ ضرور ہی پسندیدہ اور ذمہ دارانہ روش پر برقرار رہے گا۔ اس کے برخلاف جسے امامؑ یا نبیؑ مقرر کیا جاتا ہے وہ اللہ کی ذمہ داری کے ماتحت ہر حال میں پسندیدہ اور ذمّہ دارانہ روش پر برقرار رہتا ہے۔ اس کے اعمال وافکار پر عقلائے زمانہ ہمیشہ تحسین وآفرین کہتے رہے ہیں اور اسی مستقل صورتِ حال کو ہم لوگ عصمت کہتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ نبوّت اور اامامت علم خداوندی میں روزِ ازل سے طے شدہ ہوتی ہے۔ اور اُسی علم خداوندی کی وجہ سے نبیؑ وامامؑ معزول نہیں کئے جاتے۔ خاندانی اور قومی سربراہ معزول ہوتے رہتے ہیں۔

بہرحال جناب امام حسن علیہ السلام کے بعد اُن کے بڑے بیٹے کو علم خداوندی اور علم نبوتؐ کے ماتحت نہ امام بنایا گیا نہ بنایا جا سکتا تھا۔ مگر قومی اور خاندانی رسم کے ماتحت یہ تصور آگے بڑھا کہ امام حسینؑ کی جگہ جناب امام حسن علیہ السلام کے بڑے بیٹے کو اامام بنانا چاہئے تھا۔ اور یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اپنے بڑے بھائی کی امامت کو غصب کر کے اولادِ حسنؑ کو محروم کر کے رکھ دیا تھا۔ یہ آواز اپنی پوری بلندی اور بے تکلفی کے ساتھ ساتویں امامؑ کے زمانہ میں تاریخ وحدیث میں ریکارڈ کی گئی۔ اور امام حسن علیہ السلام کے ایک پوتے نے کھل کر جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو نہایت گستاخانہ اور آمرانہ انداز میں خط لکھا۔

خط کا خلاصہ: ''تم اپنی امامت کے اظہار کا شوق رکھتے ہو۔ باوجودیکہ خدا نے اپنی مدد کو تم سے روک کر تمہیں ذلیل بنا دیا ہے۔ اور تم نے میری امامت میں رَخنہ اندازی کی ہے اور رضائے خداوندی کے خلاف عمل کیا ہے۔ تم نے اپنے باپ (امام جعفرؑ صادق) کی طرح اندر ہی اندر سازش کر کے اپنی اماموں کا ڈھونگ رچایا ہے۔ حالانکہ اللہ کے یہاں ہماری امامت ثابت اور حق ہے۔ تم لوگ اپنی

نفسانی خواہشات میں مبتلا ہوکر گمراہ ہوگئے۔''(اصول کافی۔ترجمہ ظفر حسن امروہی جلد اوّل صفحہ 447)

اس سے پہلے امام حسنؑ کے ایک اور پوتے نے امام موسٰی کاظمؑ سے اپنی امامت پر بیعت کا زبانی تقاضہ کیا تھا۔اُس کو امامؑ نے یہ جواب دیا تھا:۔ ''اے میرے چچازاد بھائی مجھے اس امر کی تکلیف نہ دو جس کی تکلیف تمہارے چچازاد بھائی

محمد بن عبداللہ نے تمہارے چچا امام جعفرؑ صادق کو دی تھی۔''(ایضاً جلد اوّل صفحہ 446)

امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ امام حسن علیہ السلام کی اولاد نے جو تشدد اور مظالم کئے وہ کتاب کافی میں مذکور ہیں۔ہم محمد بن عبداللہ بن حسن بن الحسن علیہ السلام کے چند جملے اور احکام لکھتے ہیں:۔

(1)۔ محمد نے کہا آپ کو میری بیعت کرنا پڑے گی۔تاکہ آپ کی اور آپ کی اولاد کی جان بچ جائے۔آپ کو بیعت کے بغیر نہ چھوڑوں گا۔خواہ بخوشی میری امامت پر بیعت کرو یا بجبر کرو۔حضرتؑ نے سختی سے انکار کر دیا تو محمد نے قید کرنے کا حکم دے دیا۔ اور قید پر امامؑ کے احتجاج میں کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے محمدؐ کو نبوت دے کر ہمیں عزت بخشی میں تم کو ضرور قید رکھوں گا۔ اور تم پر سختی روا رکھوں گا۔امامؑ کو خاموش رہنے کی تاکید کرتے ہوئے حضرت زید بن زین العابدینؑ کے بیٹے نے کہا کہ۔اگر اب آپ کچھ بولے تو میں آپ کا منہ توڑ دوں گا۔بہر حال حضوؐر کو قید کر کے ہر قسم کی سختی اور تشدد کا حکم دے دیا گیا۔ایک شخص نے آپ کو دھکے مکے دیئے اور قید خانہ میں بند کر دیا۔اور امامؑ کا اور اُن کے خاندان کا تمام اثاثہ لوٹ لیا۔''

(کافی ترجمہ ظفر حسن امروہی جلد اوّل۔صفحہ 440 تا442)

(2)۔ مذکورہ بالا شخص کے باپ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بحث کے دوران کہا تھا کہ:۔''امر امامت میں حسینؑ کو کیوں اولادِ حسنؑ پر ترجیح دی گئی؟ اُس امامت کو بڑے بھائی ہی کی اولاد میں رہنا چاہئے تھا۔''(ایضاً صفحہ 435)

یہ بحث کرنے والا شخص عبداللہ بن حسن بن امام حسنؑ تھا۔اور یہ شخص چاہتا تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنی جگہ اُس کے بیٹے محمد بن عبداللہ کو امام برحق تسلیم کر کے (معاذ اللہ) اپنی اور اپنے والد محمد باقر اور زین العابدین اور امام حسین علیہم السلام کی امامتوں کو باطل ثابت کر دیں۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے اُس سے اُس کے بیٹے کے متعلق فرمایا تھا کہ:۔''واللہ میں تمہارے بیٹے کو ایک ایسا بدترین اور گندہ نُطفہ سمجھتا ہوں۔جو مردوں سے نکل کر عورتوں تک پہنچا ہے۔''(صفحہ 436)

(1) حضرت قاسمؑ اور (2) عبداللہؑ اور (3) احمد، حضرت امام حسن علیہ السلام کے وہ مقدس بیٹے تھے جن کو حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے ساتھ مدینہ سے لے کر چلے تھے۔اور اولادِ امام حسنؑ میں سے باقی کسی لڑکے کو نہ لائے تھے۔اِن تینوں صاحبزادگان میں بھی حضرت قاسمؑ کا تقدس اور عظمت اس لئے زیادہ ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُن کے لئے اُدھر امام حسین علیہ السلام کو وصیت کی تھی اور اِدھر خود حضرت قاسم علیہ السلام کو تحریری حکم لکھ کر بطور تعویذ پہنا دیا تھا۔اور یہ وہ شرف تھا جو امام حسنؑ کے کسی اور بیٹے کو حاصل نہ تھا۔اسکے باوجود وہ لوگ اپنے دماغوں میں امامت کا خبط رکھتے اور امام حسینؑ اور دیگر آئمہ علیہم السلام کے مدّمقابل حریف اور دشمن رہتے چلے گئے۔ اگر اُنہیں یہ موقعہ ملا ہوتا کہ حضرت قاسمؑ زندہ رہ جاتے تو ظاہر بین نظروں میں اُن کی امامت پکی ہوجاتی۔اس لئے امام حسین علیہ السلام

حضرت قاسمؑ کوزندہ رہنے اورقتل سے بچنے اور پھلنے پھولنے کا صبرآزما موقعہ دے رہے ہیں۔اور سرسری طور پر اذن جہاد نہیں دینا چاہتے۔ اُن کے سامنے قیامت تک کا مستقبل روشن ہے۔وہ نہیں چاہتے کہ اولادِ حسنؑ اپنی جھوٹی امامت کو یہ کہہ کر مضبوط کرلے کہ:۔

’’حضرت قاسمؑ نہایت کم سن تھے۔آزادیٔ رائے اور حریت ضمیر پر پوری طرح نہ مطلع تھے نہ اس ہنگامی حالت میں اُنہیں سوچنے سمجھنے کا موقعہ دیا گیا،اُنہیں صحیح صورت حال پر اطلاع نہ تھی،چاروں طرف بکھرے ہوئے عقیدتمندانہ جذبات،خاندانی جرأت وشجاعت،شرم وحیااور مروّت ومحبت کے سیلاب میں بہہ گئے۔علیؑ اکبر کے مقابلہ میں کم درجہ میں رہنا پسند نہ کیا میدان میں نکلے اور شہید ہو گئے۔‘‘

امام حسین علیہ السلام حضرت قاسم علیہ السلام پر خاص نظر رکھے ہوئے تھے۔وہ اُن کو ہی نہیں بلکہ خود کو ساتھ ساتھ سخت سے سخت فطری آزمائش میں ڈال کر نکلتا ہوا اور کامیاب ہوتا ہوا دکھانا چاہتے تھے۔اور مستقبل میں سر اٹھانے والے ہر اعتراض کو کچل کر رکھ دینا چاہتے تھے۔ **الحمد للّٰہ** کہ دونوں چچّا بھتیجّا کامیاب ہوئے اور امامت اور تصدیق امامت کو اتنا بلند کر کے دکھایا کہ وہ انسانوں کے آسمانِ فطرت وجذبات پر چھا گئی۔اور مسرت وانبساط کے سورج کی کرنوں میں تڑپا دینے کی تاب وتوانائی بن کر برسنے لگی۔اور ہر دولہا ودلہن بننے والے جوڑوں کے دلوں میں جا بیٹھی۔

مرنا بڑا مشکل ہے اگر نو جوانی ہو۔اور تمام ارمان جوان ہوں اور تمنائیں دل کی چار دیواری سے باہر نہ نکلی ہوں۔مرنا اور بھی مشکل ہوجاتا ہے جب بزرگ،چاہنے والے بزرگ موجود ہوں۔اور جینے کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ ارمان پورے کرنے کا انتظام بھی کردیں۔یہ مشکل اور الجھ جاتی ہے اگر ماں اور وہ بھی بیوہ؛اور بڑھیا ماں موجود ہو اور ساری عمر سہرا دیکھنے کی آس لگائے چلی آرہی ہو۔ اور یہ مشکل آہنی لباس پہن لیتی ہے اگر اللہ یا رسوؐل یا امامؑ زندہ رکھنے کا انتظام کردیں۔اسکی گرفت مضبوط تر ہو جاتی ہے اگر دو دو معصوؑم مل کر پروان چڑھانے اور دنیا میں رکھنے کا قدیم وجدید ومتفقہ فیصلہ صادر کردیں۔حضرت قاسمؑ کی راہ میں دو اماموںؑ نے،جان سے عزیز رکھنے والے باپ اور چچا نے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کردیئے۔یہی کافی تھا کہ نصرت سے دستکش ہوجانیوالوں سے مواخذہ نہ ہوگا۔مگر حسینیؑ معیار اور بلند ہوا اور دستکش ہوجانے کا حکم مان لینے والوں کو اپنے انصار میں شمار کرنے کا وعدہ بھی کرلیا۔مرنا مشکل اور جینا تو یہیں جائز اور آسان ہو گیا تھا۔بار بار درخواست پر اجازت نہ دے کر زندہ رکھنے کا میلان ظاہر نہیں کیا تو اور کیا کیا تھا؟ پھر اپنی چہیتی بیٹی سے عقد نکاح کا مطلب یہ کہاں ہوا کہ خواہ مخواہ اُسے بیوہ کرنے اور بیوہ کہلوانے کو پسند کرتے تھے۔اور داماد کو اپنی آنکھوں کے سامنے ایڑیاں رگڑتے اور زخموں سے چُور چُور دیکھنا کون پسند کرسکتا ہے؟ کیا امامؑ زمانہ کی رضا جوئی اور اُن کی بیٹی کی جوانی پر رحم کھانا۔اُنکے لئے جینا بُری بات ہوتی؟

اُدھر امام علیہ السلام کے لئے دوگنی دقتیں اور دوہری مصیبت سامنے آ کھڑی ہوئی۔مرحوم بھائی کا،امامؑ اور حاکم بھائی کا وصی اور لاڈلا بچہ،بیوہ ماں کا بیٹا؟ اور ابھی ابھی عملاً خود داماد بنایا ہوا دولہا۔اجازت دینا؛مرنے کے لئے جانے دینا آسان ہوا یا مشکل میں اضافہ ہوا؟ یہ تو بڑی جذباتی مشکل پیدا کرلی گئی ہے۔کیا اب حضرت زینبؑ،ام الیلیٰؑ،شہر بانوؑ اور گھر کی ساری بچیاں اجازت میں جائز طور پر حائل نہ ہو جائیں گے؟ لیکن واہ قاسمؑ،آہ قاسمؑ،مرحبا امامؑ زادے،ہم اور ہمارے تمام بچے اور دولہے تم پر قربان۔آپ نے باپ کا حکم مانا،چچا کی رضامندی پر سر جھکایا یہ تو سب آسان تھا۔لیکن آپ نے اپنی چچازاد بہن اپنی تازہ ترین مظلوم اور دکھیا دلہن سے کیا کہا؟

اُسے کیا کہہ کر تسلی دی؟ انہیں اُس آنے والی طویل ترین زندگی پر کس طرح رضا مند کیا؟ آپ نے باقی بہنوں، بھائیوں، پھوپھیوں اور ناموس حسینیؑ کو کس طرح رضامند کیا؟ اور اس تمام اُلجھاوٴ سے، اس تمام دل شکن اور حیرت انگیز امتحان سے نکل کر چچا کے سامنے اجازت کے لئے پھر آ کھڑے ہوئے؟ یہ کیا تھا؟ فطرت انسانی کو مطمئن کرنے والا وہ کون سا نسخہ تھا کہ پورا ماحول آپ کا طرفدار ہوگیا؟ امام حسین علیہ السلام کو شاباش دینا اور مرحبا کہنے کی جرأت کرنا تو صرف اللہ اور اُن کے پالنے والوں کے شایانِ شان ہے۔ ہمیں یہ ضرور کہنا ہے۔ اے حسینؑ آپ واقعی حلاّل مشکلات تھے۔ مگر آپ نے جناب قاسمؑ کی راہ میں مشکلات پیدا کیں۔ اور جب حلاّل مشکلات خود ہی مشکلیں پیدا کردے تو پناہ کا ٹھکانہ کہاں ملے گا؟ آپؑ کا دامن صاف تھا اور حضرت قاسمؑ نے اُسے اپنے سہرے سے اور مہکا دیا۔ آنے والی نسلوں کو بتادیا کہ میرے سامنے دنیا اور اُس کی ساری مسرتیں، تمام اُمیدیں، کل نشیب وفراز ولذّتیں آکر کھڑی ہوگئی تھیں۔ مگر میں نے یہ ثابت کرنا تھا کہ برحق امامؑ کون ہے؟ امام حسینؑ یا اولادِ امام حسنؑ؟ رہ گئیں دنیا کی مسرتیں وہ از رُوئے قرآن ہمارے لئے امامؑ پر قربان ہوجانے کے بعد بھی موجود رہیں گی (آل عمران 3/169، بقرہ 2/154)۔ اور رزق میں سب کچھ داخل ہے۔ زوجہ بھی اور والدہ بھی نعمت میں داخل ہیں۔ میں حسینؑ پر قربان ہوکر تمام مادی پابندیوں سے آزاد اور ہر مادی لذت پر قادر ہوجاوٴں گا۔ چند ساعت کے لئے یہ ازلی وابدی موقعہ کیوں کھوؤں۔ شاید دُلہن کو یہی آیات جھکی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سنادی ہوں۔ بہر حال ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ بعد انتقال اپنی پسندیدہ ازواج سے رابطہ رکھتے رہے ہیں (کافی جلد اول صفحہ 559)۔ چنانچہ حضرت قاسم علیہ السلام کی محرومی صرف اہلبیت علیھم السلام کے سوگ کھلنے اور قاتلان حسینؑ کے انتقام تک محدود رہی۔

(5)۔ حضرت قاسم بن الحسن علیہما السلام

ہم نے حضرت قاسم علیہ السلام کے متعلق تمام متعلقہ تفاصیل قلمبند کرنی ہیں۔ یعنی میدان کربلا میں اُنکا اذنِ جہاد مانگنا اور منع کردیئے جانے پر مایوسی کے عالم میں تنہا جا کر بیٹھنا اور اجازت حاصل کرنے کی تدابیر اور وسائل وسفارش کی راہیں سوچنا، والد کی نصیحت کا یاد آنا، تعویذ کھولنا، پڑھنا اور امام علیہ السلام کے رُوبرو پیش ہونا۔ پھر امامؑ کا بھائی کی وصیت سنانا، حضرت فاطمہ کبریٰ سے عقد نکاح کرنا، اسکے باوجود جناب قاسمؑ کا جہاد کی اجازت مانگنا پھر امامؑ کا اپنے ہاتھ سے لباس تیار کرکے جہاد کیلئے بھیجنا۔ میدان جنگ کا حال، میدان سے واپسی، دوبارہ رخصت ہوکر جنگ کے لئے جانا تفصیل سے لکھیں گے۔ چونکہ حضرت قاسمؑ کے حالات میں سرکاری علما بخیلی اور ذاتی اجتہاد سے کام لیتے رہے ہیں۔ اسلیئے ہم اُن کی شہادت تفصیل سے بیان کرینگے۔ تاکہ نُورٌ علی النور بن کر نابینا علما کو بینائی عطا کرے۔

(6)۔ سہرے، سہاگ اور کفن بدوش دولہا دولہن کی قربانی احادیث کی زبانی

یہاں ہم اُس دِلدوز والم انگیز شہادت کا تذکرہ، مذہب حقہ کے قدیم ریکارڈ سے کرینگے جو ہماری بیاہ اور شادیوں اور مسرت انگیز محفلوں کو دوام بخشنے اور دنیاوی غموم وھموم کو ہم سے دُور رکھنے کی ضمانت بنا کر پیش کی گئی تھی اور جسے مومنین کی نظروں سے گرانے اور بھلانے کیلئے دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ نے طرح طرح کے فریب دیئے۔ ''یہ روایت غلط ہے۔'' ''یہ عقل ووقت کے تقاضے کے خلاف ہے۔'' یہ

کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے‘‘ کوئی اُن سے پوچھے کہ تمہارے یہاں وہ کون سی مشین ہے جو غلط اور صحیح کا فیصلہ کرنے میں معصوؔم ہو؟ جس سے غلطی ناممکن ہو؟ اور یہ کہ جسے تم عقل کہتے ہو وہ کیا چیز ہے؟ کیا عقل کیلئے مغالطہ ناممکن ہے؟ کیا آلات عقل یعنی حواس خمسہ کبھی کسی حالت میں معطل نہیں ہو سکتے؟ کیا مشاہدہ کی سینکڑوں غلطیاں مسلمات میں داخل نہیں؟ کیا مشاہدہ ہی کی ایک غلطی کا نام ’’سراب‘‘ نہیں ہے؟ کیا فیصلہ کرنے میں ایک آدمی کے ’’دودل‘‘ ہو جانا اُسکی عقل کی ناکامی کا دوسرا نام نہیں ہے؟ کیا ’’مشورہ‘‘ انسانی عقل کے دیوالہ کا اعلان نہیں؟ کیا اونچا سننا؛ بہرہ ہونا؛ کمزوریٔ نظر؛ کوتاہی فہم؛ ذائقہ کا بدلنا وغیرہ آلات عقلیہ کے نقائص نہیں؟ پھر یہ بتاؤ کہ وہ ہزاروں کتابیں کہاں ہیں؟ جو آئمہ علیھم السلام نے تیار کرا کے اُمت میں چھوڑی تھیں؟ وہ حدیث کی چار سو کتابیں کیا ہوئیں کہاں گئیں جو آئمہؑ کی تصدیقات اور آئمہؑ کے صحابہ رضوان اللہ علیھم کی محنت شاقہ کا نتیجہ تھیں؟ کیا وہ اَسّی ہزار کتابیں تم نے پڑھ لی ہیں جو السید مرتضٰی علم الہدیٰ کی لائبریری سے باہر نکلیں اور غائب کر دی گئیں۔ ارے خدا کے بندو! کم از کم یہ کہہ دیا کرو کہ جتنی کتابیں میں نے یا ہم نے پڑھیں اُن میں کہیں یہ روایت یا فلاں روایت مجھے یا ہمیں نہیں ملی۔ اگر آپ یہ بات فرمایا کریں تو دو فائدے ہونگے۔ اوّل یہ کہ تمہیں دروغ بافی کی سزا نہ ملے گی۔ دوسرے یہ کہ اُمت تمہارے محدود مطالعہ اور محدود علم کو سامنے رکھ کر گمراہ ہونے سے محفوظ رہے گی۔ تمام کتابیں تو بہت بڑی بات ہے۔ تم نے تو کسی ایک لائبریری کی بھی ساری کتابیں نہیں پڑھیں۔ یہ بھی ایک بڑی بات ہے۔ تم نے تو کسی چھوٹی سی لائبریری کی تمام کتابوں کے نام بھی نہیں پڑھے۔ تمہیں، تم میں سے کسی کو بھی تین سو مفید کتابوں کے نام بھی نہیں آتے۔ سنو ہم تم سب کو، تمہارے پورے سلسلے کو جانتے ہیں ہمارے سامنے صرف اتنا کہو جتنا سچ مچ جانتے ہو۔ تمہیں اگر آدم پٹمین (Adam Pitman) کی لائبریری دکھانا ہو تو قلب کے ڈاکٹر کو پہلے موجود رکھنا ہوگا۔ تاکہ خدانخواستہ کہیں..........اور ایمبولینس وقت پر نہ مل سکے۔ بہرحال جس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ روایت یا فلاں روایت کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اُس سے بڑا جھوٹ یزید و شمر و ابن زیاد (ملعون) نے بھی نہیں بولا تھا۔

اور سنو کہ واقعہ کربلا کے بعد آج تک حضرت قاسم علیہ السلام کے بیٹے ثانی یا قاسم مُثنّٰی اور شہزادہ قاسمؑ کا مزار شمرانات کے گاؤں رَے کے علاقہ میں زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔ اور ایران وعراق کا بچہ بچہ واقف ہے اور تمام لکھے پڑھے لوگ یہ بتا سکتے ہیں کہ اُنہیں بنی امیہ نے رَے شہر میں شہید کیا تھا۔ اور پھر اُنکو اُنکے والد ماجد جناب قاسم بن الحسن علیہ السلام کے سراقدس کے مزار کے پاس دفن کیا گیا تھا۔ یہ دونوں مزار مسلسل اور مشہور چلے آرہے ہیں۔ وہاں کے لوگ اُن پر فخر کرتے ہیں۔ ایسی عملی اور مشہور ومشہود ٹھوس اور مادی دلیل اور زیارت گاہ کے موجود ہوتے ہوئے کسی دوسری دلیل و روایت کی کوئی احتیاج نہیں۔ سورج خود اپنے وجود کی دلیل ہے۔ اسی کو درایت کہتے ہیں۔ اسکے سامنے کسی روایت کا ہونا نہ ہونا اسکے وجود پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

اَنّ تِلْکَ القضایا مِن الامور المتسامعة المتظافرة عند اهال تلک القری من قری الشمرانات (باغات کا علاقہ) یرویه الخلف عن السّلف فی کل عصر من الاعصار وفی کل قرن مِن القرون روایة علٰی نمط التسامع والتظافر بحیث یفید العلم والیقین بالنسبت الَی المطلب حتّٰی اَنَّ اهل القریة التی فیها المقبرة الشریفة والقبة المبارکة لِهٰذین السیّدَیْن الطیّبین الطاهرَیْنِ الشهیدین یفتخرون فی کُلّ عصر من الاعصار و یباهون فی کل قرن من القرون بِاَنَّ آبائِهِمُ الاوّلین واسلافهم الاقدمین قد

نصروا شهزا ده قاسم بن قاسم بن الحسن عليهم السلام وبذلوا مُهُجَهم دونه فی حروبه و مقاتلاته مع بنی امية ويعدون ذ لک فی انسابهم واحسابهم شرفًاعظيمًاو مفخرا كبيرًا وبعيبون اهال جملة من القرى الشمرانا ت ويذ مُّونَهُمْ بتخلّف ابائهم الاوّلين واسلا فهم الاقد مين عن نُصرة شهزاده قاسم وبحضور هم فی عسكر بنی اميّة فاهال تلک القرى بين ساكنين فی هٰذا المقام بقبولهم تطرق العار والخجالة عليهم وبين المنكر عد م نصرة اسلافهم له وليس فيهم مَن ينكر اصل تلک الوقائع وينفی تلک القضاياومنها انه لَمّا قتل شهزاده قاسمٌ واراد جَمْعٌ دفنه فی موضع شهادته اَوْموضع آخر وجدت صيحة عالية مِن جانب مد فن راس القاسم بن الحسن عليهما السلام مشتملة علٰی مقالة ادفنوا الطيب الطاهر عندالطيب الطاهر وذلک ايضًا من الامور المتسامعة المتظافرة عنداهل تلک القرية بل عنداهال تلک القرى يرويه الخلف عن السلف فی كلّ عصروقرن ۔ومنها وجود الاثارالظاهرة والامارات الواضحة والعلامات الساطعة والشواهد الامعة وذلک مثل ظهور خوارق العادات وقضا الحوائج عندتلک المقبر ة الشريفة ثم اِن شئت البيان فی معرفة تلک المقبرة فاعلم انها واقعة فی قرية مسما ة بدزالعليا وهِیَ فی السِّمت الشمالی مِن الطهران وبعد هامن الطهران بما يقرب مِن مسافة فَرْسَخَيْن والحجرة الّتی قد وضع الراسَ الشريف فيها ای مِن حَجرات رَاوتلک الامر ة الصالحة الانصارية قدصارت ببركات الرّاس الاطهرالانور منبع ماءٍ و تلک الحجر ة فی السمت الشرقی من المقبرة المطهرة وَالمسافة بينهمابما يقرب مِن مسافة الف قدم ويكون دآئمًا فی ذلک المنبع حيتان صغار فی غاية الكثرة ولا يخرج واحد منها اِلٰی خارج منبع الماء ولا يصيدالناس شيئًا مِن تلک الحيتان احترامًا وتعظيمًا لذلک المكان الشريف ۔واَمَّا مصر ع القاسم الثانی المشتهر بشهزاده قاسم وموضع شهادته فكان فی قرية مسماة بدزالسفلٰی ويقال لهادز آشوب وذلک هُوَ المشهور عندالناس ولعل تسمّيتها بذلک لاجل وقوع القتال والمعركة فيها والمسافة بينها وبين المقبر ة المبارک بمقدار نصف فرسخ ۔ثم انّ سبب دفن جسد القاسم الثانی عند مدفن راس ابيه دون مصرعه ومشهده هُوَ مااشرنا اليه وقد وضع مِن قديم الزمانِ اِلَی الآنِ مدفن راس القاسم ومدفن جسد ولده صندوق واحدكمافی سائر المشاهد المقدسة والضرائِح المطهر ة وبالجملة فانّ تلک المقبرة الشريفة مطاف ومزار الشيعة من قديم الزمان اَلَی الآن اَیْ بذلک الوصف وبذلک العنوان بمعنی اَنَّها مدفن راس القاسمؑ بن الحسنؑ الُمجتبٰی ومدفن جسدولده فهذا النمط مِنَ التسامع والتظافرو السيرة المستمره ممّالا يحتاج اِلی اقامة البينة وشواهد آخرعلٰی طبقة وامّا مقبرة زوجة القاسمؑ ای بنت سيد الشهداء روحی له الفداء وهِیَ المسمّاة عندالناس بزبيدةٌ خواتون فهِیَ واقعة فی محلّة من محلات الرَّی والمسافة بينها وبين مقبر ة سيد الاجل عبدالعظيم الحسنی المشتهر عندالناس بشهزاده عبدالعظيم بما يقرب من ثلث فرسخ وقد حدثنی جَمْعٌ كثيرٌ بوجود امارات وشواهد كثيرة دالّة علٰی صدق تلک القضية اَی علٰی كون قبر بنت سيد الشهدآء اَی زوجة القاسمؑ فی ذلک المكان وقد صرف وانفق فی هٰذِه الازمنة واحد من التجار الاخياراموالًا كثيرًا فی تعمير تلک المقبر ة الشريفة وَمَا يتعلق بها من القبة والحجرات والصحن ونحو ذلک۔ (كتاب اكسير العبادات فی اسرار الشهادات ۔صفحہ 292-291)

لہٰذا یہ صورت حال تو ان فیصلہ شدہ امور میں سے ایک ہے جو آنکھوں سے دیکھے ہوئے اور کانوں سے مسلسل سنتے چلے آنے والے ہوتے ہیں اوران واقعات ومشاہدات کو شمرانات کے علاقہ کے تمام گاؤں اور آبادیوں کے باشندے اپنے بزرگوں سے سنتے اور دیکھتے اور اپنے بعد والوں کو سناتے اور دکھاتے چلے آ رہے ہیں۔اور زمانوں میں سے ہر زمانہ میں اور صدیوں میں سے ہر صدی میں

اس کی حقیقت کا بیان ہوتا چلا آ رہا ہے جو علم الیقین کی حد سے بڑھا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں ان دونوں طیب وطاہر سیدوں اور شہیدوں پر گردونواح کے باشندے فخر ومباہات مسلسل اپنے اباواجداد سے سنتے اور کرتے چلے آ رہے ہیں اور انہیں اپنے قدیم اوران اوّلین بزرگوں پر بھی فخر ہے۔ جنہوں نے شہزادہ قاسم بن قاسم بن الحسن علیہم السلام کی مدداور نصرت میں بنی امیہ سے جہاد وجنگ لڑی تھی۔ اوراپنے تمام وسائل کو بہ روئے کارلائے تھے۔ اوراپنے ان کارناموں پر اپنے خاندانوں اور بزرگوں کی شرافت اور عظیم الشان قدرومنزلت پرفخر کرتے چلے آئے ہیں۔ اورشمرانات کے ان باشندوں کی مذمت کرتے چلے آئے ہیں جن لوگوں نے اُن کی نصرت کے بجائے بنی امیہ کا ساتھ دیا تھا۔ اس علاقہ کے دونوں قسم کے باشندے یہ قبول کرنے میں شرمندگی، بے عزتی اورخجالت محسوس کرتے ہیں کہ ان کے اباواجداد یا قبیلے کے لوگوں نے جناب شہزادہ قاسم کی نصرت نہ کی تھی۔ یا یہ کہ وہ ان کے دشمنوں کے ساتھ مل کر شہزادہ کے مقابلہ پر آئے تھے۔ یا دشمن کی مدد کی تھی۔ پھر یہاں کا کوئی بھی باشندہ ہوان واقعات وحالات سے نہ ہی انکار کرتا ہے اور نہ ہی کوئی ناواقفیت ولاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ومشہور ہے کہ شہزادہ قاسم جب شہید ہوگئے اورایک جماعت نے اُن کو وہیں دفن کرنا چاہا جہاں وہ قتل ہوئے تھے تو اس جماعت نے ایک بلند آواز سنی جو پکار پکار کر یہ کہہ رہی تھی کہ ''اس پاک ومقدس ہستی کو پاک ومقدس ہستی کے پاس دفن کرو۔'' یہ پکار بھی اس طرح سنی اور سمجھی ہوئی اور ہر طرف مشہور ومعلوم ہے کہ اُسی زمانہ سے برابر پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو بتاتے چلے آ رہے ہیں۔ اورایک سے ایک کہتا اور سنتا چلا آ رہا ہے، نسلوں پر نسلیں اورزمانوں پر زمانے گزرتے اور اُن واقعات کو ساتھ لئے چلے آ رہے ہیں۔ پھر وہاں ایسے واضح آثار ونمایاں علامات اور مُنہ بولتے نشانات اور اُبھری ہوئی مجسم شہادتیں موجود ہیں۔ جن کا فراہم ہو جانا عام حالات وعادات میں ناممکن ہوتا ہے۔ اوروہ تو یوں بھی اُن بزرگوں کے وجود کا ثبوت ہیں کہ وہاں لوگوں کی مرادیں برآتی رہی ہیں۔ معجزات وکرامات کا ظہور ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہ مقبرے لوگوں کی دعاؤں اور مشکلات میں مدد دینے کے مرکز مانے جاتے ہیں۔ اوراس سلسلے میں حکایات وواقعات لوگوں کی زبانوں پر جاری رہتے ہیں۔ اوراگر آپ یہ چاہتے ہوں کہ اُن مقبروں کا قابل دید تعارف کرایا جائے تو یہ سُنئے کہ جناب شہزادہ قاسم ثانی بن قاسم بن الحسن علیہم السلام کا مقبرہ جس گاؤں میں ہے اُس کا نام بدزالعُلیا ہے۔ اور یہ گاؤں طہران سے شمال کی جانب ہے۔ اورطہران سے اس گاؤں کا فاصلہ تقریباً چھ میل ہے اور یہی فاصلہ جناب قاسم علیہ السلام کے سرمبارک کے مقبرہ کا ہے۔ اور یہیں سے ایک انصاری نیک عورت کا مزار نظر آتا ہے۔ حضرت قاسم علیہ السلام کے سرمبارک کی برکت سے یہاں پانی کا چشمہ برآمد ہوا تھا۔ جو برابر لوگوں کو فیضیاب کرتا چلا آیا ہے۔ یہ مقبروں سے مشرق کی سمت میں ہے اور تقریباً ایک ہزار قدم کا فاصلہ ہے۔ اس چشمہ میں ہمیشہ چھوٹی مچھلیاں بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ اور نہ تو اُن میں سے کوئی مچھلی چشمہ سے باہر نکلتی ہے اور نہ ہی لوگ احترام کی وجہ سے اُن کا شکار کرتے ہیں۔

جناب شہزادہ قاسم ثانی علیہ السلام کا مقام شہادت اور قتل ہوکر گرنے کا مقام اُس گاؤں میں ہے جسے بدزالسفلی کہا جاتا ہے۔ اُسے دَزآشوب بھی کہتے ہیں۔ اور شاید اس نام کا لوگوں میں مشہور ہو جانا اس بنا پر ہوا کہ وہاں شدید جنگ وقتال وقوع میں آیا تھا۔

شہادت کے اس مقام کے اور مقبرہ شہزادہ قاسمؑ کے مابین ایک ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہے۔ اور یہ بتایا جا چکا ہے کہ جناب قاسمؑ ثانی کو اُن کی شہادت کے مقام پر کیوں دفن نہ کیا گیا اور کیوں اُن کے والد بزرگوار قاسمؑ بن الحسنؑ کے سر مبارک کے مقبرہ کے پاس دفن کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور جس طرح باقی مزارات مقدسہ کا طریقہ رہا ہے اُسی طرح شہزادہ قاسم اور اُن کے والد کے سر مبارک کیلئے ایک ہی صندوق رکھا گیا تھا جو قدیم زمانہ سے آج تک برقرار ہے۔ اور زمانہ قدیم سے آج تک یہ دونوں مزار محبانِ محمدؐ و آل محمدؐ کے طواف کی اور زیارت کی جگہ رہتے چلے آئے ہیں۔ اور شیعوں کا یہاں جمع ہونا، طواف و زیارت کرنا یہ سمجھتے ہوئے جاری رہا ہے کہ یہ شہزادہ قاسمؑ بن قاسمؑ بن الحسنؑ المجتبیٰ کا مزار ہے۔ اور یہ اُن کے والد قاسم بن الحسن علیہما السلام کے سر مبارک کا مدفن ہے۔ یہ حیثیت مسلسل سینہ بسینہ اور سخن بسخن ایک سے دوسرے انسان کو پہنچتی اور اثر انداز ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ ایک قومی و ملکی سیرت ہے جس پر مسلسل عملدرآمد برقرار ہے اور اس کو کسی اور ثبوت و دلیل کی ہرگز احتیاج نہیں ہے۔ ایک اور مجسم ثبوت وہاں یہ ہے کہ حضرت قاسم بن الحسن علیہما السلام کی زوجہ یعنی دختر جناب سید الشہداء علیہ السلام جناب فاطمہؑ کبریٰ، جن کو اہل فارس زبیدہ خاتون بھی کہتے ہیں۔ اُن کا مقبرہ بھی رَے کے ایک محلّہ میں موجود ہے۔ اور اس مقبرہ کے اور جناب شہزادہ عبدالعظیم الحسنی کے مقبرہ کے مابین ایک میل کا فاصلہ ہے۔ اور مجھ (علامہ دربندی) سے بہت بڑی تعداد نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ یہ مزار جناب زوجہ قاسم بنت سید الشہداء علیہم السلام کا ہے۔ اور اُنکے مزار و قبہ اور حجرات و صحن و چار دیواری بنانے پر ایک نیک تاجر نے بہت سی دولت خرچ کی ہے۔ اور اُسکا بہت مال مختلف طریقوں سے صرف ہوتا رہا ہے۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 292-291)

(7)۔ حضرت قاسمؑ مایوسی میں کامیابی کے لئے راہنمائی حاصل کرتے ہیں

جب منجھلے بھائی نے دیکھا کہ جناب قاسمؑ کو اجازت نہیں ملی تو وہ حاضر ہوئے اور اس مرتبہ انہیں اجازت مل گئی اور یوں جناب احمدؑ بن امام حسن علیہ السلام مقاصد حسینیؑ پر قربان ہو گئے۔

فَجَلَسَ القاسم مهمومًا مغمومًا باكى الْعَيْنَيْنِ حزين القلب وَاجاز الحسين عليه السلام اخوته للبراز ولم يجزه۔ فجلس مُتَألِّمًا ووضع راسه علٰى رجليله وذكر اَنَّ اَبَاهُ قدربطه عوذة فِي كتِفِهِ الْاَيْمَن وقال له: ”اذا اصابك اَلَمٌ وَهَمٌّ فعليك بحَلّ العوذة قرأتها وفهم معنها واعمل بكُلِّ ما تراه مكتوبًا فِيها۔“ فقال القاسمؑ لنفسه مضى سنين عَلَيَّ ولم يصبنى مثل هذا الالم فَحَلَّ الْعُوْذة وفَضَّهَا و نظر اِلٰى كتابتها واِذَا فيها۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 286)

اور جناب قاسم علیہ السلام سب سے الگ اور مغموم و محزون بہتی ہوئی آنکھوں سے کامیابی کی راہ تلاش کر رہے تھے۔ دل حزن و ملال میں ڈوبا جا رہا تھا۔ بھائی کو اجازت مل گئی مجھے اجازت بھی نہ مل سکی۔ آخر میری قسمت میں کون سا انقلاب لکھا ہے؟ بارِ رنج و الم سے تھکا ہوا سر گھٹنوں پر رکھے ہوئے امامؑ کے حضور میں سفارش کر سکنے والوں کی فہرست ذہن میں گزر رہی تھی کہ اچانک والدؑ سامنے آ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں تمہارے داہنے بازو پر یہ تعویز باندھ رہا ہوں جب تمہارے اوپر رنج و الم کی گھٹا چھا جائے تو اس تعویذ کو کھول کر پڑھنا۔ اُسکا مقصد اور معنی سمجھنا اور جو اُس میں لکھا ہو اُس پر مِن و عن عمل کر گزرنا۔ قاسمؑ نے دل میں فیصلہ کیا کہ مجھ پر آج تک

موجودہ غم واَلم سے بڑا حادثہ نہیں گزرا لہٰذا تعویذ کو کھول لیا مہر توڑ دی نظر ڈالی تو اُس میں لکھا تھا۔

(8)۔ تعویذی وصیت سے پہلے حسینؑ مقصد اور قاسمؑ ذہن سے رابطہ پیدا کیجئے؟

اجازت طلبی پر امامؑ نے قاسمؑ کو دل شکن جواب نہیں دیا تھا۔ بلکہ ایک بہت پیاری دُور رَس مگر غور طلب بات کہی تھی۔

فقال له الحسين عليه السلام "يَابْنَ الْاَخ اَنْتَ مِنْ اَخِي عَلَامَةٌ وَّاُرِيْدُ تَبْقَىٰ لِيُ لِاَ تَسَلّٰى بِكَ۔" وَلَمْ يُعْطِهُ الاجازة للبراز۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 286)

فرمایا تھا کہ: "اے میرے بھائی کے بیٹے تم میرے بھائی کی طرف سے ایک "**علامة**" ہو۔ اور میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ تم باقی رہو۔ تاکہ میں تم سے تسلی واطمینان حاصل کرسکوں۔" اور جہاد کی ان کو اجازت نہ دی۔"

(9)۔ امامؑ کا مقصد بقائے قاسمؑ ہے، بقا کا انتظام ہونے پر اجازت ملے گی

آپ نے دیکھا تھا کہ حضرت عباس علمبردار علیہ السلام کیلئے لفظ علامة استعمال کیا گیا تھا۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے علامة تھے۔ مگر امامؑ نے اُنکو باقی رکھنے کی بات نہیں فرمائی نہ اُنکی بقا کا ارادہ کیا۔ نہ اُنکو اپنے لئے دائمی تَسلّی کا ذریعہ بنایا۔ وہ صرف ان معنی میں علامة تھے کہ عہد مرتضویؑ سے لیکر کربلا کی شہادت تک عباسؑ کا وجود اور فکر وعمل علیؑ مرتضٰی کے مادی انتظام کی تصدیق کرتا ہوا چلا جائے اور امامتؑ کی ہمہ گیر نظر اور قوت کو تمام مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو اب حضرت عباسؑ کی بقا شہداؑ کی صورت میں خود بخود رہے گی۔ لیکن وہ بقا جو حضرت قاسمؑ کیلئے درکار ہے شہداؑ کی حیات وبقا کے ساتھ ساتھ کچھ زیادہ واضح اور قابل فہم حیات وبقا ہے۔ اُس بقا کو فراہم کرنے کا مادی محسوس انتظام سامنے آنے کا انتظار ہو رہا تھا۔ نظر امامت دیکھ رہی تھی کہ قاسمؑ کربلائی رسم کے مطابق اجازت مانگ رہے ہیں۔ اس اجازت میں رنگ بقا بھر دینا ہے۔ اُس اجازت کے ساتھ مادی محسوس تسلی کا دامن باندھنا ہے تاکہ شہادت، شہید اور شعوری حیات کے عملی معنی واضح ہوجائیں اور اُن سے علاماتِ خداوندی کے سمجھنے میں آسانی ہوجائے (نساء 4/41 اور سورہ نحل 16-16/14) اور ساتھ ہی اس سلسلے میں سلسلۂ نبوتؐ ورسالتؐ وامامتؑ کے سابقہ وصی اور امام علیہ السلام کی ہدایات بھی شامل ہوجائیں۔ لہٰذا جناب قاسمؑ کو اس پیارے انکار کی صورت میں ایک جھٹکا دیا گیا۔ جس نے قاسمؑ کا رخ حالاتِ حاضرہ سے موڑ کر سابقہ مشکل کشا سے وابستہ کر دیا۔

(10)۔ تعویذی وصیت اور مادی ومحسوس بقا کی طرف پہلا قدم

حضرت قاسم علیہ السلام نے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا کہ:۔

يَاوَلَدِي قَاسِمٌ اُوصِيكَ اَنَّكَ اِذَارَاَيْتَ عمل الحسينؑ فی کربلا وقداحاطت به الاعداء فلا تترک البراز والجهاد لِلاَعْدَاء اللّٰه واعداء رسولؐ اللّٰه ولا تبخل عليه بروحک وكُلَّمَا نهاک عن البراز عاوده لِياذن لک فی البراز لَتَحْصَن فِي السعادة الابدية۔" (اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 286)

"اے میرے بیٹے قاسمؑ میری وصیت یہ ہے کہ جب تم کربلا میں امام حسینؑ کا عملدرآمد اور اقدامات دیکھ لو اور جب انہیں دشمن

احاطہ میں لے لیں۔ تو تم دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے جہاد کرنے کو نہ چھوڑنا اور اپنی جان قربان کرنے میں بخل و کمزوری نہ دکھانا۔ اور اگر حسینؑ تمہیں میدان جنگ میں نکلنے سے منع کر دیں تب بھی اجازت طلبی کا اعادہ کرتے رہنا یعنی نئے نئے انداز سے اجازت مانگتے رہنا۔ یہاں تک کہ امامؑ تمہیں جہاد کی اجازت دے دیں۔ اور تم اس طرح سے دائمی سعادت کے حصار یا قلعہ میں محفوظ ہو جاؤ۔''

حضرت قاسمؑ امام حسن علیہ السلام کی اِس تحریر سے اتنا تو یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ اب مجھے ضرور اجازت مل جائے گی۔ اِسلئے کہ امام حسینؑ پر عام قاعدہ کی رُو سے بھی اُن تمام احکام کی تعمیل واجب تھی جو سابقہ امامؑ نے زبانی یا تحریری صورت میں جاری کئے ہوں۔ اور اِس پر بھی غور لازم تھا کہ جب سابقہ امامؑ کو یہ معلوم تھا کہ امام حسین علیہ السلام قاسمؑ کو اجازت سے منع کر دیں گے تو لازم ہے کہ اُنہیں باقی حالات بھی اُسی طرح معلوم ہوں جس طرح امام حسینؑ کا دشمنوں میں گھر جانا معلوم تھا۔ اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ انہیں امام حسینؑ کا وہ ارادہ بھی معلوم تھا جس میں قاسمؑ کے لئے باقی شہدا سے کچھ زیادہ واضح اور محسوس و مادی تسلی دینے والی یادگار تھی۔ بہر حال حضرت قاسمؑ نے وصیت پڑھی۔ دل رنج و الم سے ہلکا ہو گیا۔ چچا سے اجازت لینے کا ارادہ پختہ ہو گیا۔

(11)۔ امامؑ کی مشکلات اور آزمائش میں اضافہ مگر قاسمؑ کی بقا کا دوسرا قدم

فقام القاسمؑ مِن ساعته و آتی اِلَی الحسینؑ وعَرَضَ ماکتب الحسنؑ علیٰ عَمِّهٖ فَلَمَّا قراء الحسینؑ العوذة بکی بکاءً شد یدًا ونادی بالویل والثبور وتنفس الصعدآء وقال یابن اخی هٰذه الوصیة لک مِن ابیک وعندی وصیة اخری منه لک ولا بُدّ مِن انفاذها۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 286)

حضرت قاسم علیہ السلام جلدی سے اٹھے، چچا کے پاس آئے اور جو کچھ امام حسن علیہ السلام نے لکھا تھا وہ پیش کر دیا۔ امامؑ نے دل تھام کر بھائی کی تحریر دیکھی، ہدایات پڑھیں اور نہ معلوم کیا کیا یاد آ گیا؟ ماضی و مستقبل میں نظر کہاں کہاں پہنچی کہ بے قرار ہو گئے۔ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور دشمنان دین پر لعنت کر رہے تھے۔ اُن کے اعمالِ زشت پر ملامت کر رہے تھے۔ سانس پھول گئی تھی۔ ذرا سنبھلے تو فرمایا کہ بیٹے یہ وصیت تو تمہارے لئے ہے اور تمہیں اس پر عمل کا اختیار ہے۔ لیکن تمہارے متعلق مجھے بھی بھائی نے اسی قسم کی وصیت کی تھی اور اب وقت آ گیا ہے کہ اُس پر فوراً عمل کر لیا جائے۔

(12)۔ امامؑ نے اپنی قربانیوں کو انقلاب انگیز اور دھماکہ خیز دوام عطا کر دیا

فَمَسَکَ الحسینؑ علیٰ یدالقاسمؑ وادخله الخیمة۔ وقال لِاُمّ القاسمؑ اَلَیْسَ للقاسمؑ ثیاب جدد؟ قالت لَا ۔فقال لاخته زینبؑ اِئیتینی بالصندوقِ۔ فاتته به ووضع بین یدیه ۔ففتحه واخرج منه قباء الحسنؑ والبسه القاسمؑ ولَفَّ علیٰ راسه عمامة الحسؑن ومسک بِیَدِ ابْنَتِهٖ الَّتی کانت مسماة للقاسمؑ ۔فعقدله عَلَیْهَا ۔وافر دلَهٗ خیمةً واخذ بِیَدِ الْبِنْتِ وَوضعها بید القاسمؑ وخرج عنها۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 286)

امام حسین علیہ السلام اسی صورت حال کے فطری طور پر از خود پیدا ہونے کا انتظار فرما رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت قاسمؑ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ خیام کے اندر لائے۔ ظاہر ہے کہ تمام رسولؐ زادیاں اور بچے جمع ہو گئے ہوں گے۔ امامؑ نے قاسمؑ کی والدہؑ اپنی

بزرگ بھابھی کو بلایا اور خلاف توقع سوال کیا کہ بھابھی جان کیا قاسمؑ کا کوئی نیا جوڑا کپڑوں کا نہیں ہوگا؟ یہ بڑا ہی دردناک سوال تھا۔لیکن مختصر جواب ملا کہ بھائی نیا جوڑا تو کوئی موجود نہیں ہے۔آپؑ نے اپنی بہن اور کربلا کی مشکلات حل کرنے والی بہن زینبؑ سے کہا کہ ذرا مجھے صندوق لا دو جس میں مرحوم بھائی جان امام حسنؑ کا لباس رہتا ہے۔حضرت زینبؑ گئیں اور وہ صندوق لا کر بھائی کے سامنے رکھ دیا۔آپ نے صندوق کھول کر بھائی کی قبا نکالی۔بھیا کی علامۃ قاسمؑ کے زیب تن کی۔پھر بھائی کا عمامہ نکال کر قاسمؑ کے سر پر باندھا۔حضرت قاسمؑ سے منسوب اپنی بیٹی (فاطمہؑ کبریٰ) کا ہاتھ پکڑا اور دونوں کا عقد پڑھ دیا۔پھر قاسمؑ کی مشکلات اور اذن جہاد کی آزمائش کو بڑھانے کے لئے دونوں کو ایک الگ خیمہ میں لائے۔اور یہاں بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر قاسم علیہ السلام کی دنیاوی و دینی اور کربلائی ذمہ داریوں کو لامحدود کرنے کی خاطر بیٹی کا ہاتھ قاسمؑ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔اور یہ سمجھ کر خیمہ سے باہر نکل آئے کہ خانوادہ نبوتؐ کا پروردہ قاسمؑ وہ سب کچھ خود ہی سمجھ لے گا۔جو ایک باپ اپنی بیٹی سپرد کرتے ہوئے رو رو کر کہا کرتا ہے۔کربلا کے حالات سے قطع نظر کر کے یہ موقعہ تو خود ہی رقت انگیز ہوتا ہے۔اُس پر غیر اور لاتعلق لوگوں کی آنکھیں ڈبڈبا جاتی ہیں۔پھر یہاں تو جان لیوا دشمن بالکل قریب تھے۔میدان میں نکلنے کیلئے للکار رہے تھے۔اگر امامؑ باقاعدہ بیٹی کی سفارش کرنے لگتے تو دل تڑپ جاتا اور قلب سے چیخیں بلند ہو جاتیں۔امامؑ نہ چاہتے تھے کہ دشمن اُن کا رونا سنیں اور اس رونے کے غلط معنی کر لیں۔لہٰذا جلدی سے بیٹی کا ہاتھ پکڑاتے ہی باہر نکل آئے۔ہمیں نہیں معلوم اپنے مرکزی مقام پر آئے یا بہن اور بھابھی کو مبارکباد دینے گئے۔ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ بچوں کے تاثرات کیا تھے؟

(13)۔ حضرت قاسم علیہ السلام نے اپنی ذمہ داریوں کی ترتیب وعمل میں آخر تعاون حاصل کرلیا

آن کی آن میں حضرت قاسمؑ کو ایک ذمہ دار شخص بنا دیا گیا۔اُن کے سامنے دُنیا کی سب سے زیادہ نازک اور واجب الاداذمہ داری آکر کھڑی ہوگئی۔زندہ رہنے کا بڑے سے بڑا دنیاوی مقصد سامنے تھا۔لیکن جہاں مستقبل کی آسائشیں اور آرزوئیں اور امنگیں کانا پھوسی کر رہی تھیں وہیں یزیدی افواج کے نعرے، میدان مقابلہ میں بُلانے کے طعنے اور امامؑ کے میدان میں نکل پڑنے کا اندیشہ پکار رہا تھا۔مگر واہ رے قاسمؑ۔نوجوانان نوع انسان تم پر فخر کرتے رہیں گے۔صبر وضبط وتحمل اور جذبہ فداکاری تمہارے نام کی تسبیح پڑھتے رہیں گے۔تم نے دواماموںؑ کی دوہری آزمائش میں کامیابی کی راہ نکال کر ایسا نمونہ پیش کیا کہ تمام بننے والے دولھا دولہن اور اُن کے ماں باپ اور بہن بھائی ہمیشہ بطور یادگار مناتے چلے جائیں گے۔

فعاد القاسم ینظر ابنة عمّه ویبکی الٰی اَن سمع الاعدآء یقولون هَل مِن مُبَارِزٍ فَرَمٰی بیدزوجته وارادالخروج من الخیمة فجذبت ذَیْلَهٗ وَمَانَعَتُهٗ عَنِ الخروج وهِیَ تقول له مایخطر ببالک وماالَّذی تُرِیْدُ تفعله ؟ قال لها اُرید ملاقاة الاعداء فانهم یطلبون البراز و اِنّی اُرید ملاقاتهم فَلَزَمَتْهُ ابنة عَمّه ۔فقال لها خَلِیّ ذَیْلِی فَاِنَّ عَرَسَنَا اَخَّرْنَا هُ اِلَی الْآخرة ۔فَصَاحَتْ وَنَاحَت وَاَنَّتْ مِن قلب الحزین ودموعها جاریة علٰی خدّیْهَا وهِیَ تقول: یاقاسمؑ انت تقول عَرَسَنَا اَخَّرنا هُ اِلَی الْآخرة۔وفی القیامة بِاَیّ شَیْءٍ اَعْرِفُکَ وَفِیْ اَیّ مَکَانٍ اُرِیْکَ ؟فمسک القاسمؑ یدها وضربها علٰی ردنه وَقطعها وقال یاابنة العمّ اَعْرِفینی بهذهِ الردن المقطوعة۔قال فَاَنفجع اهل البیتؑ بالبکاء لِفِعْلِ القاسمؑ وبکوا بکاءً شد یدًا ونادوا بالویل والثبور۔(اکسیر العبادات صفحہ 287-286)

الغرض جناب قاسمؑ نے اللہ و امامؑ زمانہ سے طاقت و ہمت طلب کرتے ہوئے قرآنِ ناطق کی بیٹی کی طرف نظر بلند کی اور غالباً چہرہ سے استقلالِ فاطمہؑ کبریٰ کا اندازہ کرنا چاہا ہوگا۔ مگر اُس معصومؑ و مظلوم و بے کس چہرہ پر نہ معلوم کیا نظر آیا کہ خود بے قرار ہو کر رونا شروع کیا لیکن ساتھ ہی دشمنوں کی آواز آئی کہ حسینیؑ خیام میں کوئی موجود ہے جو ہمارے مقابلہ پر نکلے۔ یہ سُن کر قاسمؑ نے امامؑ کا پکڑا یا ہوا ہاتھ چھوڑ دیا اور خیمہ سے میدان جنگ میں جانے کے ارادہ سے باہر نکلنا چاہا تو اُس معصومہؑ نے دامن تھام لیا، خیمہ سے نکلنے میں مانع ہوئیں۔ اور عرض کیا کہ مجھے اپنی قلبی کیفیت بتائیں اور اس تازہ رشتہ کے متعلق مستقبل کا پروگرام سمجھائیں اس لئے کہ امامؑ کا فعل بے معنی نہیں ہوسکتا؟ حضرت قاسمؑ کے سامنے وہ رعایت بھی تھی جو جناب امام حسین علیہ السلام نے شب عاشور عموماً اور عاشور کے دن فرداً فرداً سب کو دی تھی۔ اس وقت زندہ رہنے کیلئے امامؑ کی بیٹی اور اہل حرمؑ کی حمایت کا بھی جائز عذر تھا۔ لیکن باپؑ کی وصیت میں قطعاً لچک نہ تھی۔ پھر ابدی طور پر محفوظ قلعہ میں داخلہ اور امامؑ کے لئے دائمی تسلی یوں زندہ رہنے سے بے معنی ہو جاتی تھی۔ اس لئے جناب قاسمؑ نے بعید ترین معنی کو ذو معنی الفاظ میں سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ فی الحال میرا یہی ارادہ ہے کہ جاؤں اور دشمنانِ اہلبیتؑ سے جنگ کروں۔ اور اپنی شادی کے معاملے کو آخرۃ تک تاخیر میں ڈال دوں۔ اور ازدواجی زندگی پر موجودہ صورت حال کو ترجیح دے دوں۔ لہٰذا تم مجھ سے تعاون کرو خوشی سے میرا دامن چھوڑ دو اور یہ ذمہ داری پورا کر لینے دو۔ اس سے اللہ و رسولؐ اور امامؑ زمانہ کی خوشنودی حاصل ہوگی اور ہم دونوں کے لئے وہ خود انتظام کر دیں گے۔ یہ سن کے جناب فاطمہؑ کبریٰ نے ایک چیخ ماری اور بڑی دل گداز آواز میں اظہار غم و الم کیا۔ دل تڑپ رہا تھا شوہر اور مظلوم باپؑ کی موت سامنے دکھائی دے رہی تھی، رخساروں پر آنسو جاری تھے۔ آخر میں سنبھلیں اور لفظ آخرۃ کے مشہور معنی کو سامنے رکھ کر سوال کیا کہ آپ نے یہ تو فرمادیا کہ ہم اپنی شادی اور ازدواجی زندگی کو آخرت تک ملتوی کرتے ہیں۔ مگر مجھے یہ تو بتا دیں کہ عرصۂ قیامت میں آپ کی شناخت کیا ہوگی؟ اور میں کس طرح آپ کو پہچانوں گی اور آپ کو کس جگہ تلاش کروں گی؟ غالباً معصومہؑ کے ذہن میں شہدائے کربلا کے سر بُریدہ اور بلا سر محشور ہونے کا خیال ہوگا۔ بہرحال حضرت قاسمؑ نے دوبارہ اُن کا ہاتھ پکڑا اور اُن کے ہاتھ میں اپنی آستین پکڑا کر پھاڑ دی اور فرمایا کہ اے میرے مظلوم چچا کی دکھیا بیٹی! مجھے پھٹی ہوئی آستین سے شناخت کر لینا۔ بتایا گیا ہے کہ اہلبیتؑ، قاسمؑ و کبریٰؑ کی باتیں سُن رہے تھے۔ قیامت میں شناخت کی ترکیب سن کر اہل حرمؑ میں گریہ وزاری کا کہرام برپا ہو گیا۔ اور تمام خواتین بے تابانہ ہائے واویلا اور دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ پر نفرین و لعنت کر رہی تھیں۔ یہ فریاد شروع ہوتے ہی حضرت قاسم علیہ السلام خیمہ سے باہر نکلے اور امامؑ کے حضور اذن جہاد کے لئے حاضر ہو گئے۔

(14)۔ حضرت قاسم علیہ السلام کو اجازت دی گئی لباسِ عروسی کفن کی صورت میں بدلا گیا

یہاں تک قارئین نے جوان و سِن رسیدہ صحابہ کی رخصتیں اور شہادتیں دیکھیں۔ پھر ہاشمی کم سن نوجوانوں، جوانوں اور سِن رسیدہ بزرگوں کو اجازت مانگتے اور رخصت ہوتے دیکھا۔ ذرا دیر پہلے جناب احمدؑ بن امام حسنؑ مجتبیٰ نے اجازت لی تھی۔ میدان جنگ کو گئے تھے۔ اُن سے بھی پہلے جناب علی اکبر علیہ السلام نے داغ جدائی دیا تھا۔ مگر امامؑ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے آراستہ نہ کیا تھا۔ کسی کو کفن نہ پہنایا تھا۔ یہ خصوصیت جناب قاسمؑ ہی کو حاصل ہوئی۔ اس لئے کہ شاہانہ جوڑا یا عروسی کے کپڑے بھی امامؑ نے خود پہنائے تھے۔ اور اب

اُن ہی عروسی کے کپڑوں کوکفن کی صورت میں تبدیل کریں گے۔ یہ بات تمام سرکاری غیر سرکاری ،اپنے اور پرائے، جدید وقدیم علما نے تسلیم کی ہے۔انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ امامؑ کے سلوک میں قاسمؑ کے ساتھ یہ خصوصیت کیوں تھی؟ یہاں تو سب اپنے پاؤں چل کر عمداً موت کی طرف گئے تھے۔ یہ کیا بات ہے کہ آپ صرف حضرت قاسم علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ:۔

قال مَن رَوَی فَلَمّا رای الحسین علیه السلام اَنَّ القاسمؑ یرید البراز قال له یاولدی أ تمشی بِرِجلک اِلَی الموت ؟قال و کیف یاعم وانت بین الاعداء وحیدًاغریبًا فریدًا لَم تجد محامیًا و لا صدیقًا ۔روحی لِرُوحک الفداء ونفسی لِنَفسک الوقاء ۔ ثُمَّ اِنَّ الحسینؑ شَقَّ اَزْیَاق القاسمؑ وقطع عمامته نِصْفین ۔ثُمَّ ادلاها عَلٰی وجهه۔ثُمَّ اَلْبَسَ ثیابه بصورة الکفن وشدّ سیفه بوسط القاسمؑ وارسله اِلَی المعرکة۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 287)

بیٹے کیا تم اپنے پاؤں سے چل کر موت کی طرف جانا چاہتے ہو؟ حضرت قاسمؑ نے جواب دیا کہ میں اپنے پاؤں چل کر موت کی طرف کیسے نہ جاؤں اے چچاؑ جب کہ آپ تنہا رہ گئے ۔ حالت مسافرت میں اکیلے رہ گئے اور آپ کو بھی اب اپنا حامی اور دوست نہیں دکھائی دیتا۔ اورصرف اسی قدر تو نہیں ہے کہ آپ بے یارومددگار رہ گئے ہیں بلکہ آپ تو خونخوار درندوں میں گھرے ہوئے ہیں ۔ اور حالت یہ ہے کہ اگر میں اپنی زندگی قربان کرکے آپؑ کو بچاسکوں اور یہ لوگ آپ کی جگہ مجھ پر مظالم کرنے اور مجھے قتل کرنے پر رضامند ہو جائیں تو مجھے اس سے زیادہ اور کچھ بھی عزیز نہیں ہے۔ میرے اچھے چچا جان مجھے اجازت دیجئے کہ میں اُدھر آپ کے بزرگ بھائی کی وصیت پوری کردوں اور اِدھر دائمی سعادت کے قلعہ میں داخل ہو جاؤں اور پھر آپ مجھے باقی رکھنے اور اپنی تسلی کا ذریعہ بنانے کے ارادہ کو پورا فرمائیں ۔ امامؑ نے قاسمؑ پر انتظار کو سخت پایا۔ قاسمؑ نے دونوں اماموںؑ کی شرطیں پوری کردی تھیں ۔تہہ درتہہ آزمائشوں سے کامیاب گزر چکے تھے۔عقل وجذبات اور شوہرؑ وزوجہؑ ہم خیال وہم آہنگ ہو چکے تھے۔ امامؑ نے نوخیز دُولھا کو باقی جوانان بنی ہاشمؑ سے الگ شناخت کرانے کے لئے اُن کا گریبان چاک کیا، کالر اور کنٹھی پھاڑ دی۔ عمامہ کو پھاڑ کر دوٹکڑے کیا۔ آدھا عمامہ سر پر باندھا اور دونوں شملے چہرے کے داہنے بائیں سے سینے پر لٹکا دیئے۔ اور آدھے عمامے سے قاسمؑ کے لباس کو کفن کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ تلوار مضبوطی سے میان میں لگادی ۔ اور چند ہدایات دیں۔ سر سے پیر تک دیکھا۔ آنکھوں سے آنسو برساتے ہوئے میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت عطا فرمادی۔

حضرت قاسم علیہ السلام کے سامنے جو میدان جنگ اب آنے والا ہے وہ اُس جہاد سے بہت سہل ہے جس سے آپ ابھی ابھی کامیابی سے فارغ ہوئے ہیں ۔اور اُسی سے کامیابی نے یہ موقعہ فراہم کیا ہے کہ آپ تیغ بکف دشمنانِ اسلام سے لڑنے چلے ہیں ۔ وہ جنگ فرائض واصول کے تحفظ میں جذبات کے مقابلہ میں جنگ تھی ۔ اُس جنگ کو فتح کرنے کیلئے آنسوؤں، جھکی ہوئی نگاہوں، سعادتمندانہ توجہ اور مِنت وسماجت وتسلی ودلاسہ کے اسلحہ کے بہترین اور بروقت استعمال کی ضرورت تھی۔ اور یہ پیش پا افتادہ جنگ امامؑ زمانہ اور اسلامی اقدار کے تحفظ میں کی جارہی ہے۔ اس جنگ میں دشمنانِ انسانیت اور پیروان طاغوتیت سے مقابلہ ہے۔ یہاں تبلیغ واتمام حجت کی ٹیکنیک اور تیغ وشمشیر کی مہارت درکار ہے۔ یہاں اپنا خون اور اپنی جان پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ سب کچھ خانوادۂ

نبوّت وامامتؑ کے لئے نہایت آسان ہے۔ اللہ و رسولؐ پر قربان ہوتے چلے جانا اولادِ ابو طالبؑ اور آلِ علیؑ کی سنت و عادت ہے۔

(15)۔ **کفن پوش حسینیؑ دُولھا خون میں نہا کر کربلا کو سُرخرو کر گیا**

حضرت قاسمؑ نے میدان کا رخ کیا تو اہلبیتؑ کی نگاہیں، تمنائیں اور دعائیں سمٹ کر دولہا پر مرتکز ہو گئیں۔ اُدھر یزیدی افواج کی نظریں اُس لباسِ جنگ کی نُدرت پر جم کر رہ گئیں۔ دلوں میں طرح طرح کے سوالات اور خدشات پیدا ہونے لگے۔ یہ مجاہد بالکل انوکھا تھا۔ اپنی چال ڈھال اور مثال آپ تھا۔ اُن کے ساتھ حضرت علی اکبر علیہ السلام کا حُسن و جمال اور سِن و سال بھی چلا آ رہا تھا۔ اُن کے پہلو میں حضرت عباس علیہ السلام کی شان و شوکت و شجاعت و دبدبہ رواں دواں بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ یہ کفن پوشی کے ساتھ ساتھ دونوں شملوں کا چہرہ کے سامنے ہچکولے کھانا اور چاند کی طرح بادل سے نکلنا اور چھُپ جانا پہچاننے میں حارج تھا۔ ایک بجلی سی چمکتی اور گرتی معلوم ہو رہی تھی۔ حسینیؑ مجاہد کا مقابلہ پر دیر سے آنا اور مرنے سے پہلے ہی کفن پہن لینا قلوب میں دہشت و کمزوری پیدا کر رہا تھا۔ دیر کا سبب یہی خاص تیاری ہے؟ وہ اس بڑھتے چلے آنے والے مجاہد کو خطرات اور آفات کا فرشتہ سمجھ رہے تھے۔ اُس کی رفتار اور سہا دینے والی سنجیدگی دلوں میں کپکپی پیدا کر رہی تھی۔ علیؑ اکبر و عباسؑ کی جنگ کے نظارے، فوجوں کا اُلٹ اُلٹ کر گرنا نظروں کے سامنے پھر رہا تھا۔ آخر دولہا آیا عمر بن سعد کو للکارا اور فرمایا کہ:۔

یَاعُمر اَمَاتخاف اللّٰہ ؟ اَمَا تراقب اللّٰہ ؟ یااعمی القلب اَمَاتراعی رسول اللّٰہ ؟ فقال عمر بن سعد: اَمَاکفاکُم التجبّر ؟اَمَا تطیعون یزید ؟ فقال القاسمؑ لاجزاک اللّٰہ خیرًا ۔تدعی الاسلام و آل رسوؐل اللّٰہ عطشانًا،ظمانًا قداسودت الدنیا لاعینھم فوقف ھنیئة فمارای احد تقدّم الیہ فرجع اِلَی الخیمةِ ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 287)

اَے عمر کیا تجھے اللہ کا خوف نہیں ہے؟ کیا تو اللہ کے سامنے اپنے اعمال کا جوابدہ نہیں ہوگا؟ کیا تو رسولؐ اللہ کے احسانات کو قابلِ رعایت نہیں سمجھتا؟ عمر بن سعد نے حیران ہو کر کہا: کیا تمہیں اتنا جبر و تشدد بھی خاموش رکھنے کیلئے کافی نہ ہوا؟ کیا تم اب بھی یزید کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہو؟ حضرت قاسمؑ نے جواب دیا کہ اللہ کبھی تجھے جزائے خیر نہ دے۔ اَرے ملعون تو اسلام اور مسلمانی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور جس سے تو نے اسلام حاصل کیا ہے، اُس رسوؐل کی اولاد کو بھوکا پیاسا رکھنا اور قتل کرنا جائز سمجھتا ہے۔ حالانکہ اُن کی نظر میں دنیا ایک تاریک مکان کے مانند ہے۔ اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد کچھ دیر منتظر رہے کہ مقابلہ پر نکلنے کا تقاضہ کرتے رہنے والوں میں سے کوئی مقابلہ پر آئے گا۔ مگر وہاں خوف و دہشت سے ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے اُن کے سروں پر موت ناچ رہی ہو۔ آخر آپ نے خیام میں واپسی اور اہلِ حرم کو تسلی دینے کا ارادہ کیا۔

(16)۔ **ہاشمیؑ دُولہا اِتمامِ حجت کے بعد خیام میں آتا ہے**

فرجع اَلَی الخیام وسمع صوت ابنة عمّہ تبکی ۔ فقال لَھَا ھَااَنَا جِئتُکِ فنھضت قائمة علٰی قَدَمَیھا وقالَتُ مرحبا بالعزیز الحمد لِلّٰہ الذی ارانی وجھک قبل الموت ۔ فنزل القاسمؑ الخیمة فقال: یابنت العم مَالِی اصطبار اَنُ اَجلَس مَعَکِ والکفار یطلبون البراز فودّعاھا فخرج ورکب جوادہ وحما ہ فی حومة المیدان۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 287)

حضرت قاسمؑ خیام کے قریب پہنچے تو فاطمہؑ کبریٰ کے رونے کی آواز سُنی تو اُن سے فرمایا کہ یہ لو میں آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ اب رونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ معصومہؑ جلدی سے کھڑی ہوئیں اور عرض کیا کہ آپ کا آنا ہم سب کو مبارک ہو۔ اللہ آپ کو غلبہ عطا کرے۔ میں اُس اللہ کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے مرنے سے پہلے آپ کی زیارت پھر کرادی ہے۔ اُدھر لشکر سے مقابلہ پر بلانے کا تقاضہ پھر کیا گیا۔ حضرت قاسمؑ نے کہا کہ اے میرے چچا کی بیٹی میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں اطمینان سے تمہارے پاس بیٹھوں اور یہ کفار طعن و تشنیع سے میدان میں للکارتے ہیں۔ یہ کہہ کر وداع ہوئے۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اسے میدان جنگ کی طرف موڑا۔

(17)۔ حضرت قاسم علیہ السلام کی جنگ کا منظر اور کامیاب واپسی

ثم طلب المبارز ة فجاء اليه رجل يعدّ بالف فارس فقتله القاسمؑ وكان له اربعة اولاد فخرجوا الٰى مبارزة القاسمؑ واحدًا بعد واحدٍ فجعلهم مقتولين۔ ثُمَّ ضرب القاسمؑ فرسه بسوط ودعايقتل بالفرسان اِلٰى اَنْ ضَعَفَتُ قوته فَهَمَّ بالرجوع الَى الخيام واذا بالاَزْرَق الشامی قدقطع عليه الطريق وعارضه فضربه القاسمؑ علٰى اُمّ راسه فقتله وسارا القاسمؑ الَى الحسينؑ وقال ياعمّاه العطش العطش ادركنی بشربة مِن المآء فصبّره الحسينؑ واعطاه خاتمه وقال حطّه فی فمک مصّه ۔قال القاسمؑ فَلَمَّا وضعتُه فی فمی كَاَنّه عَيْنٌ ماء فارتويتُ وانقلبت الی الميدان۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 287)

جناب قاسم علیہ السلام نے میدان جنگ کو گرم کرنے کے لئے اپنا گھوڑا میدان جنگ کی طرف موڑا اور دشمنانِ دین کو مقابلہ پر للکارا۔ اُدھر سے ایک ایسا شخص مقابلہ پر آیا جسے ایک ہزار سواروں کے برابر شمار کیا جاتا تھا۔ آپ نے آتے ہی اُسے ڈھیر کر دیا۔ پھر اس کے چار بیٹے باری باری مقابلہ پر آئے اُنہیں بھی ٹھکانے لگا دیا۔ پھر حضرتؑ نے گھوڑے کو چابک لگایا اور گھوڑے کو دشمن کی فوج پر ڈال دیا۔ ذرا ہی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔ آپ کو تھکن اور کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ آپؑ نے پھر خیام میں چکر لگانے کا ارادہ کیا اور چلے جا رہے تھے۔ اُدھر ایک شخص بنام ازرق شامی گھات میں لگا ہوا تھا۔ آپ نے دیکھا تو وہ مقابلہ پر آ گیا۔ حضرت قاسم علیہ السلام نے اُس کی کھوپڑی پر ایک ضرب لگائی اور دارالفنا روانہ کر دیا۔ وہاں سے امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ننھے بچوں کی طرح عرض کیا کہ چچا پیاس کی انتہا ہو چکی ہے کیا آپ ایک دفعہ پینے کا پانی فراہم کر سکیں گے؟ امامؑ اپنا ریکارڈ کہاں توڑتے۔ اُنہوں نے دلاسا دیا اور فرمایا کہ بیٹے یہ میری انگوٹھی اپنے منہ میں رکھو اور اُسے چوس کر دیکھو۔ حضرت قاسم علیہ السلام نے جوں ہی وہ انگوٹھی اپنے منہ میں رکھی تو معلوم ہوا کہ وہ تو پانی کا ایک چشمہ تھی۔ دولہا سیراب ہو کر پھر میدان جنگ میں پلٹ آیا۔

(18)۔ حضرت قاسم علیہ السلام شہید ہو کر عارضی طور پر جدا ہو گئے

انّه حَمَلَ عَلَى القوم ولم يزل يقاتل حتى قتل من القوم مأتى فارس قال مسلم الخولانی وكان جَانَبِیُ رجل مِنْ اَهْلِ الشام فقال و اللّه لافاتنی هذا الغلام فانی اراه قدزادفی تمرّده ۔ فقلت له يا ويلک اَمَاتحفظ قرابته من رسولؐ اللّه فلم يعبأ بِكلامی دُوْن اَنْ هجم عليه وهومُوَلٍّ وضربه علٰى راسه فجدله صريعًا فصاح ياعَمَّاه ادركنی فحمل الحسيْن علَى الرجل وضربه ضربة قطع بهانصف راسه فصاح الرجل الغوث الغوث فحمل عمر بن سعدبجميع الجيش وحمل الحسيْن حتى فرغ الخيل عنه ثُمَّ وقف به وهو يفحص رِجله والحسينؑ يبكی ويقول اللّٰهم انت تعلم انهم دعونالِينصرونا فخذلونا اللّٰهمَّ احبس عنهم

قطر السمآء واحرمهم برکاتک اللّٰھمّ فرّقھم شعبًا واجعلھم طرائِق قددًا وَلَا ترض عنھم الولاۃ ابدًا اللّٰھمّ اِن کُنتَ حَبَستَ عَنا النصر فاجعلہ لنا ذخرًا عندک ثُمَّ نظراِلٰی الغلام وقال بُعدًا لقوم قتلوک ومن خصمھم یوم القیامۃ جدّک وابوک یعزّ و اللّٰہ علٰی عمّک اَن تدعوہ فلایجیبک اویجیبک فلاینفعک واللّٰہ ھٰذایوم کثروا ترہ وقلَّ ناصرہ ثم حمل علی صدرہ والقاہ بین القتلٰی من اھلبیتہٖ ۔ (اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 286-285)

حضرت قاسم علیہ السلام خیام سے آتے ہی یزیدی افواج پر حملہ آور ہوئے اور برابر قتل عام جاری رکھا یہاں تک کہ دوسو سواروں کو واصل جہنم کر دیا۔ مسلم خولانی بیان کرتا ہے کہ میرے پہلو میں ایک شامی فوجی تھا۔ اس نے کہا کہ اس نوجوان کو میں برابر دیکھتا رہا ہوں یقیناً اُس نے جوانمردی کی حد کر دی ہے۔ میں ضرور اُسے قتل کروں گا۔ میں نے اُس سے کہا کہ خدا تجھے غارت کرے کیا تو اُس کی رسولؐ اللہ سے رشتہ داری کا بھی لحاظ نہ کرے گا۔ اُس نے میری بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ سوائے اس کے کہ وہ گھات میں لگ گیا۔ اور جیسے ہی اُسے موقعہ ملا اُس نے قاسم علیہ السلام کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ تڑپ کر گرے اور آواز دی کہ اے چچاؑ جان مدد کو آیئے۔ امام حسین علیہ السلام نے تیزی سے حملہ کیا اور اس قاتل کو ایک ایسی تلوار ماری کہ اُس کا آدھا سر کٹ گیا۔ اور مدد کرو مدد کرو، بچاؤ بچاؤ پکارنے لگا تو عمر بن سعد نے پوری فوج سے حملہ کیا۔ اور ادھر امامؑ نے فوج پر حملہ کر کے انہیں اِدھر اُدھر بھگا دیا۔ اور حضرت قاسم علیہ السلام کے پاس کھڑے ہوئے اور آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اے اللہ تُو جانتا ہے کہ ہمیں اِن لوگوں نے بلایا کہ وہ ہماری نصرت کریں گے۔ لیکن اُنھوں نے ہماری مدد نہ کی۔ یا اللہ اُن پر بارش بند کر دے۔ اور اپنی برکت اُن پر حرام کر دے۔ اُن میں ایسا تفرقہ ڈال دے کہ وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو جائیں۔ اور اُن کے کسی حاکم سے راضی نہ ہونا۔ اے اللہ تو نے ہماری نصرت کو روک لیا ہے اُسے ہماری خاطر اپنے پاس ہمارے لئے ذخیرہ رکھ۔ پھر حضرت قاسم علیہ السلام کی طرف دیکھا جو ایڑیاں رگڑ رہے تھے۔ فرمایا کہ اے بیٹے اللہ اُن لوگوں کو فنا کرے جنھوں نے تمہیں قتل کیا ہے۔ تمہارے داداؑ اور والدؑ قیامت میں اس گروہ سے انتقام لیں گے۔ بیٹے تیرے چچا پر یہ صورت حال بڑی شاق گزری ہے کہ تم مدد کو بلاؤ اور میں مدد نہ کر سکا اور مدد کو آیا تو تمہیں اس مدد سے فائدہ نہ پہنچا سکا۔ قسم بخدا یہ ایسا دن تھا جس نے پے در پے مصائب سے دوچار رکھا اور رفتہ رفتہ میرے تمام ناصروں کو ختم کر دیا۔ پھر دولہا کو اس طرح اٹھایا کہ اُس کا سینہ اپنے سینہ سے لگا رکھا تھا۔ اور انہیں لا کر اہل بیتؑ کے باقی مقتولوں میں لٹا دیا۔

44۔ شہادت حضرت علی اصغر طفل شیر خوار علیہ السلام

(1)۔ امامِ زمانہ، نجات دہندۂ نوعِ انسان قاسم علیہ السلام کی شہادت کے بعد

محبان اہلبیت علیھم السلام سوچیں کہ اگر عمر ابن سعد کو یا کسی اور یزیدی افواج کے سردار کو یہ یقین ہو جاتا کہ اب خیام حسینیؑ میں ایک بیمار ونا تواں جوان اور امام حسینؑ کے علاوہ کوئی اور مرد ایسا نہیں جو بارہ سال سے زیادہ عمر رکھتا ہو۔ تو وہ یقیناً حملہ اولی کی طرح کا حملہ کر دیتے۔ لیکن حملہ اولیٰ کے بعد اُنکو جو تلخ تجربہ ہوا تھا۔ اُسکی وجہ سے پھر تمام دن اُنکو یہ علم نہ ہو سکا کہ لشکر حسینیؑ میں کتنے افراد باقی ہیں اور نہ یہ ہمت ہوئی کہ وہ اجتماعی حملہ کریں۔ ہم نے آپکے سامنے اس دَرہ نما گھاٹی کا نقشہ کھینچ دیا تھا۔ جس میں سپاہ اور حرم حسینیؑ نے پڑاؤ

ڈالا تھا۔حملہ اولیٰ میں جب وہ وقت آیا تھا کہ جب تمام خیموں کو گرانے اور آگ لگانے کیلئے حملہ کی اسکیم بنائی گئی تھی اور اُدھر امامؑ نے تمام انصار کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ایک حصے نے میدان جنگ میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔دوسرا حصہ خیموں کے اندر دو دو چار چار کر کے بٹھا دیا گیا تھا۔اور امامؑ کے علاوہ کوئی شخص حسینیؑ کیمپ میں نظر نہ آتا تھا۔اس خالی کیمپ کو دیکھ کر ہمت بڑھی اور فوج کے سپاہی اندر داخل ہو گئے اور پھر خیموں میں داخل ہو گئے ۔ذرا دیر میں اندر بیٹھے ہوئے انصار نے اُن کی لاشیں خیموں سے باہر پھینک دیں یہ لوگ بہت حیران ہوئے ۔الغرض جو جدھر سے اندر گیا مر کر باہر آیا۔یوں ہزاروں آدمی ضائع کئے اور یہ اندازہ پھر بھی نہ ہو سکا کہ حسینؑ کے انصار کی تعداد کیا ہے؟ اُن کی زبانوں پر بھی منزل زبالہ پر باقی رہ جانے والوں کی وہی تعداد بہتر (72) تھی جو علما میں مشہور چلی آرہی ہے۔لیکن حملہ اولیٰ کی تعداد کے بعد اُنہیں یقین ہو گیا کہ انصاران حسینؑ ہرگز بہتر نہیں تھے۔اور لگا تار اِدھر سے جوانوں کا جا کر جہاد کرنا اور شہید ہونا اُنہیں حیرانی و تعجب کا شکار رکھتا رہا۔وہ دیکھ رہے تھے کہ حملہ اُولیٰ میں اور اس کے بعد بہتر کی تعداد کئی دفعہ ختم ہو چکی ہوتی مگر وہاں تو مجاہدین کا سلسلہ ختم ہی ہونے میں نہیں آتا۔اور امامؑ برابر کرسی نشین نظر آتے ہیں۔وہ یہ بھی بار بار آزما چکے تھے کہ جیسے ہی کوئی حسینیؑ مجاہد حسینؑ کو مدد کے لئے آواز دیتا ہے۔وہ بجلی کی طرح کوند کر شاہین کی طرح جھپٹا مار کر اور شیروں کی طرح فوجی بکریوں کو بھگا کر تن تنہا مجاہد کو اُٹھا لے جاتے ہیں اور ہر دفعہ ہزاروں سپاہیوں کو قتل کر جاتے ہیں۔لہٰذا جب وہؑ بالکل اکیلے رہ جائیں گے تو خود میدانِ مقابلہ میں نکلیں گے۔اور یہی شناخت ہو گی اس بات کی کہ اب آپ تنہا رہ گئے ہیں۔اب وہ امامؑ کے استغاثہ کے معنی بھی یہ نہ لیں گے کہ امامؑ بے یار و مددگار رہ گئے ہیں۔اس لئے کہ ابھی ابھی آپ نے استغاثہ کیا تھا اور سب نے دیکھا کہ آپ یکہ و تنہا نہ تھے۔کیوں کہ اس کے ذرا دیر بعد ایک کفن پوش مجاہد میدان میں نکلا اور سینکڑوں سپاہیوں کو تہہ تیغ کر گیا تھا۔یہ تھی وہ صورتِ حال جو امامؑ کے طرزِ عمل اور جنگی اقدامات نے دشمن کے سروں پر سوار کر دی تھی۔اور وہ بڑی گومگو اور تشویش میں مبتلا تھے۔اور کسی بڑے دھماکہ کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

(2)۔ امام حسینؑ کی تنہائی، استغاثہ اور استغاثہ کا نتیجہ؟

وقد نقله البعض علٰی وجه خاصّ وکانّه قدظفر بالخبر الوارد فیه وذلک حیث قال اَنَّهُ علیه السلام لمارای وحدته وَقتل جمیع انصاره ودغ عیاله واطفاله الصغاروخَرَجَ اِلَی المیدان وبَقَی واقفًا متحیّرًا مُتّکاءً عَلٰی رمحه مَرَّةً ینظر اِلٰی اخوته واولاده وبنی اَخیه وبنی عمّه صرعی مقتولین مجدّلین ومَرّة ینظر اِلٰی غربته وَوَحْدَتِهٖ واِنْفِرَدِهٖ ومَرَّةً ینظراِلَی النسآء وغُرُبَتِهِنَّ وَوَحْدَتِهِنَّ وعَطْشِهِنَّ وَمَایَرْجِعْنَ الیه مِنَ الْاَسْرِ والذِّل وَمَرَّةً ینظر الٰی شماتة الاعداء وتصمیم لِقَتْلِهٖ ثُمَّ نَادَی بِصَوْت عَالٍ حَزِیْنٍ ''اَمَا مِنْ نَّاصِرٍ یَنْصُرُنَا؟ اَمَا مِنْ مُغِیْثٍ یُغِیْثُنَا؟ هَلْ مِنْ مُوَحّدٍ یخاف اللّٰه فِیْنَا ؟اَمَامِنْ ذَابٍّ یَذَبُّ عَنْ حرم رسوْل اللّٰه ؟

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 396)

اور بعض اہل علم نے اُس خبر کو، خاص وجوہات کی بنا پر، نہایت صحیح سمجھا ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے جب اپنی تنہائی کو دیکھا اور اپنے تمام مددگاروں کے قتل ہو چکنے پر نظر ڈالی اور اپنے اہل وعیال کے مصائب پر متوجہ ہوئے اور ننھے بچوں کی مظلومی کو سامنے رکھا اور میدان میں اپنے نیزہ پر سہارا لے کر متحیر اور پریشان ایسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں سے کبھی اپنے تڑپتے ہوئے

مقتول بھائیوں کو دیکھ رہے تھے۔کبھی اپنی اولاد کی لاشوں کو دیکھتے تھے۔کبھی اپنے بھائیوں اور چچاؤں کی اولاد کے مقتولوں کے خون آلود چہرے دیکھ رہے تھے۔ اور کبھی غریب الوطنی اور پردیس میں تنہائی اور بے یارومددگار رہ جانے پر غور فرمارہے تھے ۔اوراہل حرؑم اور مستورات کی غریب الوطنی، پردیس میں بے وارث ومددگار رہ جانے کا سماں سامنے کھڑا ہوتا تھا۔کبھی تصور ہی تصور میں دیکھتے تھے کہ زینبؑ وکلثومؑ وسکینہؑ اور تمام خواتین قید کرکے لے جائی جارہی ہیں۔اُن کے بھوکے پیاسے بچے بھی قید ہیں۔دشمنانِ آل محمدؑ انہیں طعنے دے رہے ہیں، اُن کی توہین وتذلیل کررہے ہیں۔اور کبھی یہ سوچتے تھے کہ اب اِن لوگوں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ مجھے قتل کرکے رہیں گے۔اب ان میں سے کوئی نصرت کو تیار نہ ہوگا۔لہٰذا مجھے قتل ہونے سے پہلے ایک دفعہ پھر اتمام حجت کردینا چاہئے اور یہ اتمام حجت پوری کائنات میں پہنچا دینا چاہئے تاکہ زمین وآسمان کی ساری مخلوق ذمہ دار پوزیشن اختیار کرلے اور کوئی غلط طور پر نجات حاصل نہ کرسکے اور کوئی بلاوجہ گمراہ وجہنمی نہ بن سکے۔چنانچہ آپ نے نہایت غمگین ودلدوز لب ولہجہ میں بہت بلند آواز میں پکارا کہ:۔

''کیا کوئی ایسا مددگار نہیں ہے جو ہماری نصرت کرے؟ کیا کوئی ایسا فریادرَس نہیں ہے جو ہماری فریاد سن کر چلا آئے؟ کیا کوئی بھی توحید کا قائل ایسا نہیں جو اللہ کے خوف سے ہماری مشکلات دور کرے؟ کیا کوئی محافظ ایسا نہیں جو حرم رسولؐ کا دفاع کرے؟''

(3)۔ یہاں ہمیں دو باتیں کہنا ہیں

امامؑ مظلوم پر جو کیفیات اور حال ومستقبل میں وارد ہونے والے واقعات گزر رہے تھے اُن کا بیان الفاظ میں کردینا ہمارے لئے ناممکنات میں سے ہے۔البتہ ہم اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ امامؑ پر وہ سب کچھ گزرا جسے بیان کرتے ہوئے چودہ سو سال کے قریب زمانہ گزر چکا اور جو ابھی تک پُورا بیان نہیں ہوسکا۔ہمیں تو یہ بتانا ہے کہ اس روایت میں لفظ ''**میدان**'' سے سرکاری دماغ نے یہ سمجھا ہے کہ امامؑ نے یہ استغاثہ ''**میدان جنگ**'' میں کھڑے ہوکر کیا تھا۔اِس سمجھ کا پاگل ہونا یا بہت چالاک ہونا کئی مادی ومحسوس دلائل سے ثابت ہے۔ **اوّل**۔یہ کہ اس روایت میں صرف لفظ ''میدان'' ہے۔''**مَیْدَ انُ الْحَرب**'' نہیں ہے اور میدان ہر کشادہ اور زیرِ آسمان جگہ کو کہتے ہیں۔ **دوم**۔یہ کہ جہاں بھی امام حسین علیہ السلام کھڑے تھے وہاں سے انصار وخاندان نبوّت کے تمام شہدؑا کی لاشیں نظر آنا لازم ہے۔**سوم**۔یہ کہ امامؑ کو اتنی دیر تک میدان جنگ میں کھڑے رہنے دینا اُدھر ابن سعد اور لشکر یزید کی ثابت شدہ عادت اور عمل کے خلاف ہے۔جنگ شروع ہوجانے کے بعد امامؑ پر حالت نماز میں تیر بارانی کی گئی تو اب کیا چیز مانع ہے۔ **چہارم**۔یہ کہ امامؑ کا دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ کے سامنے یوں تصورات وخیالات میں محو کھڑا رہنا اور پھر اُن کے سامنے یہ استغاثہ کرنا نہ صرف امامؑ کی توہین وبے عزتی ہے بلکہ جن لوگوں کو بار بار آزمالیا گیا اُن سے استغاثہ بے معنی اور آزمودہ را آزمودن ہے جو امامؑ ہرگز نہ کریں گے۔ **پنجم**۔یہ کہ یہ وہی استغاثہ ہے جس کا پوری کائنات میں سُنا جانا سرکاری علما نے بھی مان لیا ہے۔لہٰذا یہ استغاثہ اُس میدان میں کھڑے ہوکر کیا گیا تھا جو حسینیؑ کیمپ میں خیام کے اندر تھا۔جہاں سے تمام لاشیں بھی نظر آسکتی تھیں اور دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ کو بھی سنائی دے سکتا تھا۔**ششم**۔یہ کہ یہ استغاثہ سُننے کے بعد سے کم سِن شیرخوار نے خود کو جھُولے سے گرادیا تھا اور ایک چیخ ماری تھی۔ چیخ سن کر ماںؑ، بہنیںؑ اور پھوپھیاں، جو قنات کے پاس امامؑ کا استغاثہ سن رہی تھیں دوڑ کر اندر خیمہ میں گئیں تو صحیح صورت حال سمجھ کر امامؑ کی بے کسی اور بچہ کی کوشش پر آہ وفریاد، نالہ وشیون بلند ہوا۔

اور امامؑ نے دریافت کیا کہ یہ نیا رونا پیٹنا کیسا ہے؟ تو انہیں علی اصغر علیہ السلام کا اقدام سنایا گیا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ اگر آپؑ میدان جنگ میں ہوتے تو اہل حرمؑ سے دریافت کرنے کے لئے اُنہیں میدان جنگ سے آنے کے لئے وہ مسافت طے کرنا پڑتی جو خیام سے وہاں تک تھی اور اس کا روایات میں تذکرہ نہیں ہے۔ لہٰذا آپ اپنے کیمپ کے اندرونی میدان میں تھے۔ اگر آپ میدان جنگ میں ہوتے تو باقی بچوں کو میدان جنگ میں جا کر اپنی نصرت پیش کرنا پڑتی اور روایات کے مطابق جناب محمدؑ باقر اور جناب عبداللہ بن الحسنؑ مجتبیٰ تو کم از کم ابھی باقی ہیں۔ اُن کا میدان جنگ میں آ کر نصرت پیش کرنا بھی روایات میں نہیں ہے۔ لہٰذا یہ استغاثہ خیام کے میدان سے کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ باقی تمام بیانات ومقامات غلط ہیں۔

(4)۔ استغاثۂ مظلومؑ پر ششماہہ بچہؑ اپنی تکلیف بھول گیا تھا

علامہ دربندی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:۔

والامر الاعجب انی لَمَّاوَصَلْتُ فی الکتابة اِلٰی هذا المقام وَرَجَعْتُ فی هٰذہ اللَّیْلَة بعد تقبیل العتبة اَلی المنزل صادفت فی الطریق ثقة مِنَ الثقات وجرت قضیة شهادة هٰذا الطّفل الرضیع سلام اللّٰه علیه وعلٰی ابیه ۔فقال انَّ قضیة قَطَعَهُ القماط القائِهِ النفسه الشریفه عَلَی الارض مِمَّاذکره العالم الفاضل المحدث الحاج مُلّا رضا الاستر آبادی فی کتابه وحاصل مااخبرنی اَنَّه اِرْتَفَعَتُ العَجَّة والضجَّة بین النسوانِ فی الخیمة ورفعن الصوت بالبکآء ورجع الامامؑ الٰی نحو الخیام وسَئَلَ الصدیقةً الصغریٰ اعنی زینبؑ عن سبب تلک الحالة فَاَخْبَرَتْهُ بماصنع الطفل بعداستغاثته واستنصاره ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشهادات۔ صفحہ 395)

علامہ دربندی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:۔ عجیب اتفاق ہوا کہ جب میں یہ کتاب لکھتا ہوا یہاں تک پہنچا اور اُسی رات کو حرم میں حاضری دینے کے بعد پلٹا تو راہ میں ایک بہت ثقہ بزرگ سے ملاقات ہوئی اور طفل شیر خوار سلام اللہ علیہ کی اور اُن کے والد کی شہادت کا تذکرہ نکلا تو اُنھوں نے فرمایا کہ حضرت علی اصغرؑ کا جھولے کے تسمہ کو توڑ دینے اور خود کو زمین پر گرا دینے کا واقعہ جناب علامہ ومحدث الحاج ملا رضا استر آبادی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اس کا نچوڑ یہ ہے کہ جب علی اصغرؑ والے خیمہ میں مستورات کے اندر شور واویلا اور چیخوں کا ہنگامہ برپا ہوا اور اُن کی آوازیں بلند ہوئیں تو امامؑ متوجہ ہوئے اور خیمہ کے پاس آئے۔ جناب زینب علیہا السلام سے اس تازہ حالت کا سبب معلوم کیا تو بی بی علیہا السلام نے فرمایا کہ آپ کے استغاثہ پر حضرت علی اصغرؑ نے جھولے کا تسمہ توڑ کر خود کو زمین پر گرا دیا تھا۔ اس ننھی سی جان کی اس پیشکش اور ارادہ نصرت پر ہم لوگ بے قرار ہو گئے تھے۔

(5)۔ استغاثہ حسینیؑ نے عرشِ خداوندی کو ہلا دیا ملائکہ میں فریاد وبکا

مومنین یاد رکھیں کہ حضرت زینبؑ کا جواب سن کر لازم تھا کہ امام حسین علیہ السلام علیؑ اصغر کو اُنکی کوشش پر داد دیں، پیار کریں۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

فتقدّ م الی باب الخیمة فقال لزینبؑ ناولنی ولدی الرضیع لَاوَدّعه فاخذه واهوی الیه لیقبلّه.....

''میرے نسلی بہادر بچہ کو میرے پاس لاؤ تا کہ میں اُس سے رخصت ہولوں۔ چنانچہ جناب زینبؑ بچہؑ کو لائیں تو اُسے گود میں لے لیا اور

پیار کرنے کے لئے جھکے۔'' اس صورت حال کو یہیں چھوڑ کر اب ذرا بارگاہ خداوندی کو سامنے لاؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔

فَلَمَّا نَادَیٰ هذا النداٰء تزلزلت اَرْكَانُ العرش وقوامه وبكت السماوات وضجّة الملائكه واضطربت الارض فقال باجمعهم يارَبَّنَا هذا حبيبك وقرة عين حبيبك فاذّن لنا لنصره وهُو (صلوات الله عليه) فی هذه الحالة اِذًا وقعت صحيفة قدنزلت مِنَ السمآءِ فی يده الشريفة فلما فتحها وَراى اَنّهاهِیَ العهد الماخوذ عليه بالشهادة قبل خلق الخلق فی هذه الدنيا فلمانظرعليه السلام الٰی ظهرتلك الصحيفة فاذاهو مكتوبٌ فيها بخطّ واضح جلّی يا حسينٌ نحن ماحتمنا الموت وما الزمنا عليك الموت وماالزمنا عليك الشهادة فلك الخياروﻻ ينقص حظّك عندنا ۔ فان شِئتَ ان نصرف عنك هذه البليّة فاعلم انّاقدجعلنا السماوات والارضين والملائكة والجنّ كلهم فی حكمك فامرفيهم بما تريد من اهلاك هٰؤُلاء الكفرة الفجرة فاذا بالملائكه قد ملؤابين السَّماء والارض بايد يهم حربة من النار ينتظرون لحكم الحسينٌ وامره فيما يامرهم به مِن اعدام هٰؤُلآء الفسقة فلما عرف عليه السلام مضمون الكتاب ومافی تلك الصحيفة رفعهاالی السمآء ورمی بهااليها ۔وقال وددت اَن اقتل واحيی سبعين مرّة اوسبعين الف مرة فی طاعتك ومحبتك وانی قد سامت الحيٰوة بعد قتل الاحبة سيما اذاكان فی قتلی نصرة دينك واحياء امرك وحفظ ناموس شرعك ثم اخذعليه السلام رمحه ولم ياذن للملا ئكة بِشيءٍ وباشرالحرب بنفسه الشريفة ۔(اکسیر العبادات ۔صفحہ 396)

وہاں عرش اعظم زلزلہ میں ہے ۔عرش کے ستون لرز رہے ہیں ۔آسمان رو رہے ہیں ۔ملائکہ چیخیں مار رہے ہیں ۔زمین میں اضطراب پھیلا ہوا ہے ۔اور سب مل کر اللہ سے عرض کرتے ہیں کہ یہ تیرے پیارے رسولؐ کا فرزند ہے اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور چین کے ساتھ جو حالت درپیش ہے ہمیں اجازت دے کہ ہم اُن کی نصرت کریں ۔اللہ نے اجازت دے دی ۔اُدھر امامؑ کے ہاتھ میں آسمانوں سے ایک کتابچہ اُتر آیا ۔آپ نے کھول کر دیکھا تو یہ وہی عہد تھا جو امامؑ سے تخلیق کائنات سے قبل لیا گیا تھا ۔اور امامؑ اس معاہدہ کے پابند تھے ۔اور کربلا کی شہادت وغیرہ اس میں تحریر تھی ۔مگر اُس کی پُشت پر لکھا تھا کہ جو بڑا واضح اور بڑے بڑے حروف میں لکھا ہوا تھا ۔کہ اے حسینؑ یہ صحیح ہے کہ ہم نے اس معاہدہ میں تمہاری شہادت اور موت کو تم پر لازم قرار دیا ہے ۔لیکن اس کے باوجود ہم تمہیں اختیار دیتے ہیں کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس معاہدہ کو واپس لے لیں اور ساتھ ہی تمہارے اجر اور مرتبہ میں کوئی کمی بھی نہ ہونے پائے ۔لہٰذا ہم اس آزمائش کو ختم کئے دیتے ہیں ۔اور ہم یہ انتظام کر چکے ہیں کہ آسمانوں ،زمینوں اور جن وملائکہ کو تمہارے حکم کے ماتحت کر دیا جائے ۔لہٰذا اُن کو جو کچھ تمہارا دل چاہے حکم دو ،وہ تعمیل کے لئے زمین وآسمان میں پھیل چکے ہیں اور ہر ایک جہنمی اسلحہ سے مسلح ہے ۔تم چاہو تو ان کافروں اور لاقانون لوگوں کو ہلاک کرا دو یہ سب آپ کے حکم کے منتظر ہیں ۔اگر چاہو تو وہ ان تمام فاسقوں کو ملک عدم پہنچا دینے کو تیار ہیں ۔جب امام علیہ السلام نے یہ سب کچھ پڑھ لیا تو اُس کتاب کو آسمان کی طرف بلند کیا اور پھر اوپر کو روانہ کر دیا اور فرمایا کہ اے اللہ اگر میں تیری اطاعت کے لئے اور تیری محبت میں اور تیرے دین کو زندہ کرنے میں اور تیری شریعت کو بحال رکھنے میں ستر مرتبہ یا ستر ہزار مرتبہ زندہ کیا اور پھر قتل کیا جاؤں تب بھی مجھے کوئی گرانی وناگواری نہ ہوگی ۔میں نے تیرے دین کے لئے دنیا کی زندگی اور اپنے پیاروں کی زندگیوں کو قربان کر دیا ہے اور اب میں قربان ہوتا ہوں ۔یہ فرمایا اور جنگ جاری رکھنے کے لئے اپنا نیزہ اور ہتھیار سنبھال لئے

اور ملائکہ کو کسی قسم کی بھی اجازت نہ دی۔ یعنی سب مایوس چلے گئے۔

(6)۔ مگر امامؑ نے شیر خوارؑ کی نصرت قبول فرمالی، میدانِ جنگ اور ششماہہؑ

آپ نے دیکھا تھا کہ اولادِ ابو طالب علیہ السلام میں سب سے چھوٹا بچہ مادی اور جسمانی قیود میں پابندی کے باوجود وہ سب کچھ سمجھتا تھا جو امامؑ پر گزر رہا تھا۔ اور کیوں نہ سمجھتا اُس میں علیؑ و فاطمہؑ کا خون تھا۔ اُس میں پنج تنی نور برسر کار تھا۔ مدینہ سے روانگی کے وقت وہ جس وعدہ کو سن کر حضرت فاطمہ صغریٰ علیہا السلام کی گود سے اُتر آیا تھا وہ اس وعدہ کو نہ بھولا تھا۔ وہ اپنی معصوم آنکھوں اور کانوں سے وہ سب کچھ سُن رہا تھا جو خیام حسینؑ میں گزر رہا تھا۔ استغاثہ نے اُسے بتادیا کہ اب اس کا نمبر ہے۔ اب وعدہ حسینؑ سامنے آرہا ہے۔ اس لئے اُس عمر میں جس قدر اختیار میں تھا وہ کرگزرے۔ اگر خانہ نبوّت کی پابندی نہ ہوتی تو وہ اُٹھ کر میدان جہاد میں اپنے پیروں سے چلے جاتے۔ لیکن اس فطری پابندی کا تقاضہ تھا کہ انہیں کوئی اور میدان میں لے کر جائے۔

(7)۔ حضرت علی اصغر علیہ السلام کی شہادت قومی حکومت کے مُنہ پر طمانچہ

قال الطبرسی فی الاحتجاج اَنَّهُ لماقُتِلَ اصحاب الحسینؑ واَقَارِبُهُ وبقی فریدًا وحیدًا لیس معه احد اِلّاابنه علی زین العابدینؑ و ابنًا آخر فی الرضاع اسمه عبدؑاللّٰه۔فتقدم الحسین علیه السلام اِلٰی باب الخیمة فقال نا ولنی ذلک الطفل حتّی اودّعة فناولوه الصبّی فجعل یقبّله وهویقول یابُنّی ویل لهٰؤُلآء القوم اذا کان خصمهم محمدصلی اللّٰه علیه وآله ۔وقال یااُختاه اوصیک بولدی الاصغر فانّه طفل صغیر وله مِن العمر ستّة اشهر ۔ فقالت یاابا عبد اللّٰه ولدک ثلثة ایام ماشرب المآء فاطلب له مِن النـاسِ شربة مـاءٍ فـاخـذه الـحسینؑ علی یَدَ یه وقال یاقوم انکم قتلتم شیعتی واهل بیتی وقد بقی هذا الطفل یتلظّی عطشانًا فاسقوه شربة مِنَ الماء فبینما هُوَ یخاطبهم اذرماه رَجل، منهم یقال له حرملة بن کاهل، فی نحره فجعل الامام یتلقی الدّم بیده ویرمی به الی السماء ویقول اللّهم انی اشهد ک علٰی هؤُلاء القوم الظالمین آلواعلٰی انفسهم ان لایبقوامِن ذریة محمدؐ احدًا ۔ ثم رجع الی الخیام. وعن الشعبی هُوَاَنَّ الحسینؑ لَمَّا مَضٰی بالطفل نحوالنسآء مخضّبٌ بدمائِه والحسینؑ یبکی فلما سمعت النساء بکائه خرجن الیه فوجدن الطفل علٰی صدره وهو مَیّتٌ فلمّارا ینه علٰی تِلک الحال تصارخن واَعْلنَّ بالبکاء علیه فاخذت امّ کلثومؑ الطفل وضمّنه الٰی صدرهاوجعلت نحره عندنحرهاواسبلت الیه عبرتها ثم نادت وا محمدّاهُ وعلیّاً ه ماذا لقینا بعدکما مِنَ الاعدآء والهفاه علٰی طفل خضّب بدمائه واسفاه علٰی رضیع فطم بسهام الاعدآء واحسرتاه علٰی قریحة الجفن والاحشاء ۔وعن حمید بن مسلم قال کُنتُ فی عسکر ابن زیاد فنظرتُ الی الطفل الذی قُتِلَ علٰی ید الحسینؑ واذا قد خرجت مِنَ الخیمة امراة کسفت الشمس بمحیاها وَهِیَ تعثر فی اذیالها تقع تارة وتقوم اُخرٰی وهی تنادی واولداهُ واقتیلاه وامهجة قلباه فبکت لسجعها بنواُمیّه حتّٰی آتت اِلَی الطفل الذبیح وسقطت علیه تند به طویلًا فخرجت خلفها بناتٌ کاللُّوء لوء المنثور والحسینؑ حینئذٍ یعظ القوم فردًّ مِن خیفه اَلَی تلک الامراة وجعل یسترعنها ویغطّها ویتلطف بِهَا حتّٰی ردها اَلَی الخیمة فقلت لمن حولی مَن هذه فقالوا ام کلثوؐم والبنـأت فاطمةؑ الکبرٰی وسکینةؑ ورقیةؑ وزینبؑ فلم املک نفسی مِن کثرة البکآء وخرجت فارّاعلٰی وجهی۔وعن ابی الفتوح وکمال الدین حفرله بسیفه وصلّی علیه ودفنه۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 397)

علامہ طبرسی نے اپنی کتاب احتجاج میں لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ کے تمام صحابہ اور اقربا قتل ہو چکے اور وہ تنہا بلامددگار اکیلے رہ

گئے اور سوائے علیؑ زین العابدین اور دوسرے دودھ پیتے بچے کے کوئی باقی نہ رہا تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔ چنانچہ امام حسینؑ خیمہ کے دروازہ پر آئے اور فرمایا کہ مجھے علی اصغرؑ کو لا کر دو تا کہ میں اسے الوداع کہہ دوں اور رخصت ہولوں۔ چنانچہ جب بچہ کو لایا گیا تو آپ نے اسے پیار کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ خدا غارت کرے اُس قوم کو جس کے خلاف محمدؐ مصطفیٰ دعویٰ دائر کریں گے اور بہن سے فرمایا کہ اے زینبؑ میں تمہیں اس بچہ کے لئے وصیت وسفارش کرتا ہوں یہ کل چھ مہینے کا بچہ ہے۔ حضرت زینبؑ بولیں کہ بھائی وصیت وسفارش سے پہلے یہ غور فرمائیں کہ یہ بچہ تین روز سے پیاسا ہے۔ اُس کے لئے اِن لوگوں سے ایک دفعہ پینے کا پانی مانگ دیکھو۔ مطلب یہ کہ شاید اس کی کم سنی اور شیر خوارگی پر رحم آجائے۔ چنانچہ امام حسینؑ نے بچہ کو ہاتھوں پر لیا اور میدان میں آ کر افواج سے کہا کہ تم نے میرے تمام شیعوں کو اور میرے خاندان کے لوگوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ننھا سا بچہ باقی رہ گیا ہے جو پیاس کی وجہ سے قریب المرگ ہے۔ تم لوگ اس بچہ کو ایک دفعہ پانی پلا دو۔ امامؑ یہ اپیل کر رہے تھے، اتنے میں ایک شخص جسے حرملہ کہا جاتا تھا، نے تاک کر بچہ کی گردن پر تیر مارا اور بچہ امامؑ کے ہاتھوں پر تڑپ کر رہ گیا۔ امامؑ نے بچہ کا خون آسمان کی طرف روانہ کرنا شروع کیا اور اللہ سے کہا کہ اے اللہ میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ ان ظالموں نے محمدؐ کی ذریت کو دنیا سے ختم کر دینے پر کمر باندھ رکھی ہے اور کسی کو باقی چھوڑنا نہیں چاہتے۔ پھر آپ بچہ کی لاش کو لئے ہوئے خیام کی طرف پلٹے۔ شعبی نے وضاحت کی ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام بچہ کی لاش کو لئے ہوئے مستورات کے قریب پہنچے تو بچہ خون میں نہایا ہوا تھا اور حسینؑ رو رہے تھے۔ جب اُن کے رونے کی آواز خواتین نے سُنی تو مستورات اُن کی طرف چلیں اور دیکھا کہ وہ علی اصغرؑ کی لاش کو سینہ سے لگائے ہوئے آ رہے ہیں اور بچہ مر چکا ہے۔ جب انہوں نے یہ حال دیکھا تو چیخیں بلند ہو گئیں اور بچے پر بے قرار ہو کر رونا شروع کیا۔ پھر ام کلثومؑ نے بچہ کو لے کر سینے سے لگایا اور زخمی گردن کو اپنی گردن سے لپٹا لیا۔ اور اُس پر درد انگیز بین کرنا شروع کر دیئے۔ فرماتی تھیں ہائے رسولؐ اللہ ہائے محمدؐ اور ہائے علیؑ مرتضیٰ آپ دونوں کے بعد دنیا نے ہمیں کیا کیا دکھایا اور کیسا کیسا ستایا ہے۔ بچہ کو خون میں نہلایا اور تیروں سے اُس کی دودھ بڑھائی کی رسم ادا کی ہے۔ افسوس ہزار افسوس کہ انہوں نے ہماری آنکھوں اور سینے میں زخم ڈال دیئے ہیں۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ میں ابن سعد کی فوج میں تھا۔ میں نے اس بچہ کو دیکھا ہے جو حسینؑ کے ہاتھوں پر قتل ہوا تھا۔ اور جب وہ خیمہ کے پاس پہنچے تھے تو ایک ایسی خاتون نکلی کہ جس کے باہر آنے سے سورج کی روشنی پھیکی پڑ گئی تھی۔ اپنے طویل دامن میں اُلجھ اُلجھ جاتی تھیں، کبھی بیٹھتی تھیں کبھی کھڑی ہو جاتی تھیں اور فریاد کرتی آ رہی تھیں ہائے میں قربان جاؤں اپنے بیٹے پر ہائے بیٹے تجھے ذبح کر دیا گیا ہائے میرے لال میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ افسوس میری طاقت ختم کر کے جا رہے ہو۔ اُن کے بین سن سن کر بنی امیہ بھی رو رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ بچہ کے قریب پہنچ کر اُس پر گر پڑیں اور بہت دل شکن بین کرتی رہیں۔ اُن کے پیچھے پیچھے کچھ لڑکیاں موتیوں کی طرح بکھر گئیں اور فریاد وبُکا کا دردناک منظر فضا پر چھا گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ امام علیہ السلام اس حال میں بھی افواج کو اپنی طرف سے نصیحت وہدایت کر رہے تھے۔ لیکن اس اندوہناک حالت کو دیکھ کر واپس آئے اور اُس خاتون کو بچہ کی لاش سے دلاسہ دیتے ہوئے جدا کیا۔ اُن کے پردہ کے لئے اُن کے چہرہ کو ڈھک دیا اور بڑی منت وسماجت سے خیمہ کے اندر واپس کیا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ اُم کلثومؑ تھیں اور وہ لڑکیاں فاطمہؑ کبریٰ وسکینہؑ اور رقیہؑ اور زینبؑ وغیرہ تھیں۔ مجھے خود کو سنبھالنے کی طاقت حاصل نہ

تھی کثرت گریہ نے آنکھوں سے فوارے چھوڑ رکھے تھے۔اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنی تلوار سے قبر کھودی اور شکر کی نماز ادا کی۔ پھر بچے کو دفن کر دیا۔اور ہاتھ جھاڑ کر احباب واصحاب اور عزیزوں اور اولاد کی قربانی سے فارغ ہو گئے۔

(8)۔ اماؑم کی اولاد کو اور کربلا کی قربانیوں کو کم کرنے کا ایک اور ثبوت

ہم تو مذہبی طور مخالفین محمدؐ و آل محمدؐ کے مخالف ہیں، دشمن ہیں اور اُن کے مذہب وتصورات کو کسی صورت میں پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ہماری بات بلا غیر جانبدار گواہ کی تصدیق یا مسلمہ بین الفریقین دلیل کے ماننا غلط ہے۔اس لئے یہاں ایک مجتہد اور علامہ عصر مفتی سید طیب آغا الموسوی الحسینی الجزائری کا بیان سُن لیں اور امام حسینؑ اور اُن کے بیٹوں علیھم السلام کے ساتھ انصاف کریں اور ہمارے بیانات کی تصدیق فرمائیں لکھتے ہیں:۔

’’معلوم ہونا چاہئے کہ واقعہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے دو شیر خوار بچے پیکان ظلم سے شہید کئے گئے۔ایک کا نام عبداللہ جسکا ذکر مؤلف (محمد باقر مجلسی) علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ یہ بچہ روز عاشور متولد ہوا تھا۔انکی والدہ ماجدہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبیداللہ تھیں دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اسکے دہن میں اپنی زبان دے رکھی تھی۔جس کو وہ بچہ بوجہ تشنگی چُوس رہا تھا کہ عبداللہ بن عقبہ غنوی نے ایک ایسا تیر مارا کہ وہ بچہ باپ کی آغوش میں درجہ شہادت پر فائز ہو گیا۔(دیکھو فرسان الھیجاء صفحہ 242 تالیف شیخ ذبیح اللہ محلاتی) دوسرا بچہ علیؑ اصغر تھا۔جسکی شہادت کا واقعہ عام طور پر زبان زد ذاکرین ہے۔مؤلف علیہ الرحمہ اور بعض دیگر علما نے صرف عبداللہ کا ذکر اس بنا پر کیا ہے کہ اُنکو خیال گزرا کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں بچے علیحدہ تھے۔جیسا کہ دونوں کے نام، والدہ، عمر، کیفیت شہادت کے اختلاف سے ظاہر ہے۔حضرت علیؑ اصغر کی شہادت کا واقعہ شیعہ اور سُنّی دونوں مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔چنانچہ صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں: ’’ایک مرتبہ خیمہ سے نالہ وشیون کی آوازیں بلند ہوئیں۔علیؑ اصغر جو ابھی چھ مہینے سے زیادہ عمر نہ رکھتے تھے پیاسے بھوکے رو رہے تھے۔کیونکہ اُن کی ماں کا دودھ شدت عطش سے سوکھ گیا تھا۔امام حسین علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فرمایا میرے بچے کو میرے سپرد کرو تا کہ اس کو بھی وداع کروں۔پس آپ نے اُس بچے کا قنداق پکڑ کر اُسے چوما اور فرمایا: وَیْلٌ لھٰؤُلاءِ القَومِ اذاکان جدّک محمدؐ خصمھم. ہر اسکی حالت پر افسوس ہے جسکے دشمن بروز قیامت تیرے جد محمد مصطفیٰؐ ہونگے۔پھر آپ اُس بچے کو لے کر صف اعدا کے سامنے آئے۔گویا فرمارہے تھے کہ بارالٰہا اب میری جھولی میں سوائے اس گوہر کے کچھ باقی نہیں رہا۔اب اس کو بھی تیری بارگاہ میں فدیہ کرنے لایا ہوں۔اُس وقت آپ نے کوفیوں سے خطاب کیا کہ اے شیعان آل ابوسفیان اگر مجھ کو گنہگار جانتے ہو تو اس بچہ کا کیا قصور ہے؟ اس کو تو پانی پلا دو۔کیوں کہ اُسکی ماں کا دودھ شدت عطش سے خشک ہو گیا ہے۔اماؑم کی بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔حُرملہ بن کاہل اسدی نے اُس بچہ کی طرف ایک ایسا تیر روانہ کیا۔جو علیؑ اصغر کے گلے پر پڑا اور خون جاری ہوا۔امامؑ نے فرمایا اے پروردگار اس بچہ کے خونِ ناحق کو ناقہ صالحؑ کے خون سے کمتر نہ قرار دے۔ الخ (ناسخ التواریخ جلد 6 صفحہ 225)۔اسی مضمون کے قریب قریب اہلسنت میں سے علامہ سبط ابن جوزی نے بھی اپنی کتاب تذکرہ خواص میں ذکر کیا ہے۔اسکے علاوہ دیگر کتب میں یہ واقعہ ھائلہ اور تفصیل سے مذکور ہے یہاں بخوف طوالت ترک کیا کیوں کہ مقصود صرف ترجمہ ہے۔ تحقیق نہیں۔ج۔ز 12‘‘ (ترجمہ بحار الانوار حصہ اوّل۔صفحہ 252 وصفحہ 253 حاشیہ میں)

(9)۔ **مولاناو مفتی و مجتہد جزائری کے لئے چند باتیں**

علامہ نے آخری سطور میں شکایت کا موقعہ فراہم کردیا۔ شکایت یہ ہے کہ علامہ موصوف بحارالانوار کے حسینیؑ حصہ کا ترجمہ کر کے شیعہ پبلک کو دینا چاہتے تھے۔ اوراُنہوں نے ترجمہ کردیا۔ جو شائع ہوا اور 1962ء سے دھڑادھڑ بکتا اور ناشر و مترجم کے بینک بیلنس میں اضافہ کرتا چلا آرہا ہے۔ اگر علامہ کا مقصد روپیہ کمانے کے علاوہ یہ بھی تھا کہ ملت شیعہ کو امام حسینؑ، خانوادۂ نبوتؐ اور واقعات کربلا کے صحیح حالات معلوم ہوتے تو اُنہوں نے بہت غلط کتاب کا انتخاب کیا اور اس انتخاب کی غلطی کو خود ہی بیان بھی کردیا یعنی فرمایا کہ:

''یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سی ضعیف وغیر معمول بہ روایات بھی آگئی ہیں۔ کیونکہ مؤلف کا مقصد تحقیق نہ تھا بلکہ جمع آوری تھا۔''
(حرف آغاز ترجمہ حصہ اوّل صفحہ 7)

یعنی علامہ نے ایسی کتاب کا انتخاب کیا جس میں ''بہت سی ضعیف وغیر معمول بہ روایات'' بھی تھیں۔ اور جس کے مؤلف کا مقصد تحقیق نہیں تھا۔ یعنی علامہ جزائری نے اُدھر ضعیف اور غلط روایات والی کتاب کا ترجمہ کر کے شیعوں میں ضعیف وغلط روایات آگے بڑھانے کا کام کیا اور جس طرح چارسو سال قبل کے عالم نے تحقیق کئے بغیر شیعوں کو غلط اور ضعیف روایات میں اُلجھایا تھا۔ اُسی طرح جزائری صاحب بھی صرف ترجمہ کرنے پر اکتفا کریں گے۔ تحقیق سے اُن کا بھی کوئی سروکار نہیں ہے۔ بات واضح ہوگئی کہ یہ مشہور ومعروف علما شیعوں کو تحقیق سے دُور رکھنا چاہتے رہے ہیں۔ بتایئے اِس سے بُری بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ ملتِ شیعہ کے قائدین، علما اور راہنما شیعوں کو یوں گمراہ کرنا اور رکھنا چاہیں۔ اور شیعہ مومنین بلا غور وفکر کئے اُن کے پیچھے دوڑتے چلے جائیں؟ حالانکہ شیعہ مذہب کی بنیاد اس اصول پر قائم ہے کہ معصومؑ کے سوا ہر خاطی کی بات بلا تنقید ہرگز قبول نہ کی جائے۔ بہرحال یہ اندھے اور تحقیق کے دشمن علما ملت شیعہ کو تباہ نہ کریں تو اور کس کو تباہ کریں۔

(10)۔ **امامؑ کے استغاثہ پر حضرت امامؑ زین العابدین کا ردعمل؟ اعلانِ امامت**

یہ بات قطعاً قدرتی اور قابل فہم ہے کہ استغاثہ کے فوراً بعد حضرت علی اصغر علیہ السلام نے بڑی عجلت اور صبر آزما انداز میں خود کو پیش کردیا ورنہ قاعدہ کی رُو سے حضرتِ زین العابدین علیہ السلام کو پہلا نمبر لینا چاہیئے تھا۔ اب یا تو یہ کہیئے کہ حضرت علی اصغرؑ جانتے تھے کہ امام زین العابدینؑ شہدا کی فہرست میں شامل نہیں ہیں اور یہ نمبر صرف میرا ہے۔ اس لئے اُنہوں نے بلا وقفہ اور بلا تاخیر خود کو جھولے سے گرادیا اور جب تک شہید نہ ہوگئے اہل خیام کو لگاتار مصروف رکھا اور اتنا ہوش ہی نہ لینے دیا کہ کوئی اور استغاثہ کے جواب میں خود کو پیش کرے۔ یا یہ کہہ لیں کہ امام زین العابدینؑ اتنے بیمار تھے اور غشی کا یہ عالم تھا کہ استغاثہ نہ سن سکے مگر یہ ناممکن تھا۔ اِس لئے کہ اُس استغاثہ کو اللہ نے ہر مخلوق کو ہر حال میں پہنچایا تھا۔ پھر یہ کہنا پڑے گا کہ سید سجاد علیہ السلام ضعف ونقاہت کی بنا پر جلد حاضر نہ ہوسکے۔ بہرحال میرا ایمان پہلی بات پر ہے۔ کچھ بھی ہو حضرت علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد جناب امام زین العابدینؑ کے متعلق علامہ ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ:۔

فی روایۃ ابی الفرج ثم التفت سید الشھدآءؑ عن یمینہ فلم یر احدًا مِن الرجال والتفت عن یسارہ فلم یر احدًا ۔فخرج

علیؑ بن الحسینؑ زین العابدین وکان مریضًا لا یقدر اَن یسلّ سیفه وام کلثومؑ تنادی خلفه یابُنیَّ ارجع ۔ فقال یاعمّتاه زرینی اقاتل بین یدی ابن رسولؐ اللّٰه ۔ فقال الحسینؑ یاام کلثومؑ خذیه لئَلّا تبقی الارض خالیّة مِن نسل آل محمدؐ ۔وقال یاولدی ماترید تصنع؟ قال یاابه اِنَّ نداءَ ک قدقطع نیاط قلبی وهَیَّج ساکن لُبّی وارید ان افدیک بروحی۔ فقال علیه السلام یاولدی انت مریض لیس علیک جهاد وانت الحجّة والامام علی شیعتی وانت ابوالائمة علیهم السلام وکافل ایتام والمتکفل للارامل وانت الرادّ لحریمی اِلی المدینة وَحاشا لِلّٰهِ ان تبقی الارض بلاحجة مِن نسلی وکانی یراک یاولدی اَسِیرٌذلیلٌ مغلولة یداک موثوقة رجلاک ۔فقال علیؑ بن الحسینؑ اَ تقتل وانا انظرالیک؟لیت الموت اعد منّی الحیوة روحی لروحک الفداء ونفسی لنفسک الوقاء ۔ فقال الحسینؑ یاعلیؑ انت الخلیفة مِن بعدی والوالی علٰی شیعتی والقائم باوامرالدین والهادی الٰی صراط المستقیم والحافظ لعلوم ابی وجدّی ثُمَّ اعتنقه وبکی بُکاءً شدیدًا ولایخفی علیک اَنَّ علیؑ بن الحسینؑ المسعودی قدروی فی کتاب اثبات الوصیة فی حدیث اِنّ الحسینؑ فی وقت قتاله بکربلا احضر علیؑ بن الحسینؑ وکان علیلًا واوصی الیه بالاسم الاعظم ومواریث الانبیآءؑ وعرّفه اَنّه قددفع العلوم والصحف والمصاحف والسلاح الٰی امّ سلمة وامرها اَن تدفع جمیع ذلک اِلَیه۔قال وروی انّه علیه السلام فی ذلک دَعَا ابنتہ الکبری فاطمّة فد فع الیها کتابًا ملفوفًا وَاَمَرَهَا اَن یسلّمه الٰی اخیها علیؑ بن الحسینؑ فسئل العالم ای شیئ کان فی الکتاب فقال فیه و اللّٰه جمیع مایحتاج الیه ولدآدم الٰی فناء الدنیا وقیام الساعة۔

(اکسیرالعبادات فی اسرارالشہادات ۔صفحہ 398-397)

شہادت علی اصغرعلیہ السلام کے بعد امامؑ نے اپنے داہنے بائیں دیکھا تو کوئی قابل نُصرت مرد موجود نہ تھا۔ اُس وقت جناب زین العابدینؑ باہر نکلے تو ام کلثومؑ نے پکارا کہ اے بیٹے واپس آ جاؤ۔ اس لئے کہ وہ سخت بیمار تھے اور اتنی طاقت ہی نہ رکھتے تھے کہ تلوار بلند کر سکیں۔لیکن انہوں نے فرمایا کہ پھوپھی اماں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو تا کہ میں بھی فرزندرسولؐ کے سامنے جہاد کروں۔ اِدھر امامؑ نے فرمایا کہ بہن اُن کو واپس لے جاؤ تا کہ زمین نسل آلِ محمدؐ سے خالی نہ رہ جائے۔اور حضرت سجادؑ سے کہا کہ بیٹے تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ عرض کیا کہ بابا جان آپؑ کے استغاثہ نے میرے قلب کی نالیوں کو کاٹ ڈالا اور میرے غور وفکر کی قوت کو ہیجان میں ڈال دیا ہے۔ اور میرا اب یہ ارادہ ہے کہ میں آپ پر اپنی جان فدا کر کے رہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا اَے بیٹے تم بیمار ہو اور بیمار پر جہاد واجب نہیں ہوتا اور تم حجت خداوندی ہو۔ اور ہمارے شیعوں پر امام ہو اور تم بعد میں آنے والے اماموںؑ کے والد ہو۔ اور تم یتیموں اور بیواؤں اور لاوارث خواتین کی کفالت کے ذمہ دار ہو اور تم میرے حرم کو مدینہ میں واپس لے کر جانے والے ہو۔ اور اللہ کو ہرگز یہ بات پسند نہیں ہے کہ ہماری نسل سے اس زمین پر کوئی بھی حجت خدا موجود نہ رہے۔ اور میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم قیدی بنائے گئے ہو، ذلیل کئے جا رہے ہو۔ اور اے بیٹے تمہیں طوق وزنجیر پہنایا گیا ہے اور پاؤں اونٹ کے نیچے باندھے گئے ہیں۔ یہ سن کر سید سجادؑ نے عرض کیا کہ اے بابا یہ کیسا ہولناک منظر ہوگا کہ آپؑ قتل ہوں اور میں دیکھتا رہوں۔ کاش میری یہ زندگی موت سے بدل گئی ہوتی ؟ میری روح آپؑ کی روح پر فدا ہوتی اور میری زندگی آپؑ کے تحفظ میں کام آتی ؟ امامؑ نے فرمایا کہ بیٹے تم میرے بعد خلیفہ خداوندی ہو اور ہمارے شیعوں کے حاکم ہو اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والے ہو۔ اور میرے اور میرے باپ دادا کے علوم کے محافظ ہو۔ پھر حضرت زین العابدؑین کو گلے

لگا کر رخصت ہو گئے اور بہت گریہ کیا۔ یہ بھی مخفی نہ رہے کہ علامہ مسعودی نے اپنی کتاب اثبات الوصیۃ میں لکھا ہے کہ امامؑ نے میدان جنگ میں نکلنے سے پہلے امام زین العابدؑین کو حاضر ہونے کا حکم دیا حالانکہ وہ بیمار تھے۔ اسکے بعد اُنہیں اسم اعظم اور وراثت انبیؑا کی وصیت کی۔ اور انہیں بتایا کہ میں نے حضرت ام سلمہؑ کو قرآن کریم اور دیگر کتبہائے خداوندی اور اسلحہ اور دیگر علوم خداوندی کی کتابیں سونپ دی تھیں۔ اور انہیں بتادیا تھا کہ جب تم واپس مدینہ پہنچو تو تمام تبرکات وغیرہ تمہیں دے دیں۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ کبریٰ کو ایک لپٹی ہوئی کتاب دی تھی کہ جب مناسب ہو تو اپنے بھائی زین العابدؑین کے حوالے کر دینا۔ امامؑ سے معلوم کیا گیا تھا کہ اس کتاب میں کیا مضمون تھا؟ فرمایا کہ قیامت تک جن جن چیزوں کی نوع انسان کو احتیاج ہوگی سب کا ذکر و تدارک اور حصول کا طریقہ اس میں لکھا ہوا تھا۔ یوں سلسلۂ امامتؑ جاری رکھنے کیلئے حضرت زین العابدؑین کو شہادت سے مستثنیٰ کر کے شدید ترین اور ہاشمی مردوں کیلئے ناقابل برداشت مصائب وآلام کا نشانہ بنادیا گیا۔ قید وبند؛ تذلیل وتوہین؛ اہل حرمؑ کے ساتھ ملک بھر میں تشہیر؛ رسولؐ زادیوں کی بے پردگی؛ اُن کی اسیری اور تذلیل وتوہین برداشت کرنا۔ زندان شام کی صعوبتوں سے گزرنا اور مدینہ تک تمام حالات بتادیئے گئے۔

45۔ راہنمائے شہدائے نوع انسان یعنی امام حسین سید الشہداء علیہ السلام

وہ حضرات جو بات بات میں مادیت کو دلیل اور معیار بنایا کرتے ہیں۔ وہ علما اور دانشورانِ انسانیت جو ہر اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں جو اُن کے مقرر کردہ حدودِ آدمیت سے باہر نکلتی ہو۔ مثلاً ایک آدمی پہاڑ نہیں اُٹھا سکتا، آدمی یہ نہیں کر سکتا، آدمی سے وہ نہیں ہو سکتا، یہ ممکن ہے وہ ناممکن ہے۔ ایسے علما اور دانشور ہمیں بتائیں کہ اگر اُن کے سامنے اُن کا بچہ قتل کیا جائے تو اُن پر کیا کیا کیفیات طاری ہوں گی؟ اور اگر وہ بچہ شیر خوار ہو تب؟ اگر وہ تین روز کا پیاسا بھی ہو تب؟ اور وہ علما اور دانشور خود بھی تین روز سے بھوکے اور پیاسے ہوں تب؟ اور اگر وہ بچہ اٹھارہ یا اُنیس سال کا کڑیل جوان اور بے نظیر حسین ہو تب؟ اور اگر پانچ بیٹے قتل کئے جائیں تب؟ پھر اگر اُن کی وجہ سے اور اُن کے لئے تین سو سے زیادہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو تین چار روز سے بھوکا پیاسا رکھا اور قتل کیا گیا ہو تب؟ اور قتل ہونے والوں میں نمازی، پرہیزگار و تہجد گزار و حافظانِ قرآن اور علما و دانشور ہوں تب؟ اور اُن میں درجنوں بھائی اور بھتیجے اور بھانجے بھی بھوکے پیاسے آنکھوں کے سامنے قتل کئے گئے ہوں تب؟ اور اگر یہ نو (9) صورتیں پیدا ہونے تک اُن علما و دانشوروں کے جسم سے کئی سیر خون بھی نکل چکا ہو تب؟ اور اگر تیروں اور تلواروں اور نیزوں سے اُن کا اپنا جسم بھی زخموں سے بھرا ہوا ہو تب؟ ہمیں وہ کیفیات الفاظ میں بتائیں اور وہ تمام مادی وجوہ بتائیں جو اُس کا دماغی توازن برقرار رکھیں، جو اُس کو پاگل نہ ہونے دیں؟ جو اُس کی حرکت قلب کو رُکنے نہ دیں؟ جو اُسے نڈھال کر کے گرانہ دیں؟ جو اُسے مخالفین کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روک سکیں؟ جو اُسے برابر سرکشی پر قائم رکھیں؟ اور جو اِن تمام حادثات ومظالم گزر جانے کے بعد بھی اُسے گھنٹوں جنگ کرنے کے قابل رکھیں؟

مادہ پرستوں سے یہ سترہ سوال اس لئے کئے گئے ہیں کہ وہ ہم سے دریافت کیا کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام نے اتنے آدمیوں کو کیسے قتل کیا؟ فلاں مجاہد نے اتنے بہادروں کو کیسے شکست دی؟ ہمارا مختصر جواب یہ ہے کہ جس مادی قوت سے امامؑ نے وہ سترہ

سوال حل کیئے اُسی طاقت سے میدان کربلا میں سب کچھ کیا۔اس قدر اور سن لیں کہ وہ سب کچھ اُن کی مادی قوت کی انتہا نہ تھی۔اُنہوں نے اپنی مادی قوت کا ہزارواں حصہ (1/1000) بھی استعمال نہیں کیا۔اُن کی مادی قوت پوری کائنات کو آن کی آن میں مسمار کر کے رکھ سکتی تھی اور یہ کہ مادہ اور مادی قوت ہماری زبان میں اُس تمام سامان کو اور اُس تمام قوت کو کہتے ہیں جو اللہ نے پیدا کیا اور انہیں عطا فرمایا۔ہمارے یہاں اللہ کے علاوہ باقی سب کچھ مادہ یا مادی ہے۔ملائکہ ہوں یا ارواح ہوں نُور ہو یا ظلمات ہوں یہ تمام مخلوق و مادہ اور فانی ہیں۔یہاں صرف دو چیزیں ہیں۔ایک خالق اور دوسری مخلوق۔اور مخلوق میں وہ مخلوق بھی ہے جو تم ایسے علما و دانشوروں کو **کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ** (اعراف 7/179) اور **ابوجہل** قرار دیتے ہیں۔اس لئے کہ تم نہ مادہ کو جانتے ہو نہ مادی قوتوں اور وسعتوں سے واقف ہو۔نہ تمہیں قوت وطاقت معلوم نہ اُن کا فرق معلوم نہ حدود اربعہ معلوم۔نہ تم دین سے واقف نہ تمہیں دنیاوی علوم سے واسطہ۔تم نے اپنی جہالت کی نمائش کے لئے چند جاہلانہ اصول گھڑے اور پھر اپنے جہل مرکب میں اُلجھ کر رہ گئے۔سُنو! حسینؑ کارنامے سنو!!

(1)۔ امام حسین علیہ السلام کی رخصت اور میدان جنگ کو روانگی

اِس وقت امام حسینؑ کے قلب وذہن پر جو سب سے زیادہ پریشان کرنے والی فکر وتشویش غالب ہے اور جس چیز نے اُن کو آخری سانس تک نہ یکسوئی سے جنگ کرنے دی اور نہ اُنہیں چین سے جاں بحق ہونے دیا۔وہ یہ تصور تھا کہ میرے میدان میں نکلتے ہی دشمنانِ اہلبیتؑ کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اب حسینیؑ کیمپ میں کوئی اور مرد باقی نہیں ہے۔اور اس یقین کے بعد ہر لحہ یہ ممکن رہتا چلا جائے گا کہ کوئی فرد یا افراد یا فوجی دستہ اہل حرمؑ پر حملہ کر دے، خیام کو لُوٹ لے یا خیام میں آگ لگا دے۔اب آپ اہل حرمؑ سے یعنی اپنی ازواج سے، اپنی بہنوں، بیٹیوں، بھتیجیوں، بھانجیوں اور شُہدا کی بیواؤں سے اور پسر مردہ ماؤں سے رخصت ہونا چاہتے ہیں۔جنہوں نے اسلام پر اپنی جانیں قربان کر دیں اور اپنی ماؤں اور بیویوں کو اہلِ حرمؑ کے تحفظ میں چھوڑ دیا تھا۔اس رخصت میں ایک بہت دردناک بات سامنے آئے گی۔اور وہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام جہاں اپنی شہادت کے بعد اہل حرمؑ کی قید اور لُوٹے جانے کا غم دل میں چھپائے ہوئے ہیں وہیں یہ خیال بھی ہے کہ اُن کے جسم کا لباس بھی لُوٹ لیا جائے گا۔چنانچہ آپ لباس جنگ پہنتے ہوئے سب سے نیچے ایسا لباس پہننا چاہتے ہیں جو بالکل بیکار ہو، جو کسی کے کام نہ آسکے۔اور جب باقی کپڑے اتار لئے جائیں تو اُس بوسیدہ لباس کو چھوڑ دیا جائے۔تاکہ امامتؑ کا پردہ اور شرم برقرار رہ سکے۔وہ بڑا صبر آزما وقت تھا جب آپ نے اپنی چاہنے والی بہن سے ایسا لباس مانگا اور اُن کے سوالات کے جوابات دیئے اور اصل مقصد ظاہر کیا۔بہرحال آپ نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ باقی لباس بھی مناسب جگہ سے پھاڑ پھاڑ کر پہنتے جارہے تھے۔اب آپ روایات میں جھانکئے اور پہلی بات یہ نوٹ کر لیجئے کہ ہم نے علما کی لکھی ہوئی مشہور تعداد اٹھارہ (18) بنی ہاشمؑ کی جگہ بتیس (32) شہدائے اہلبیتؑ اسی ریکارڈ سے نام بنام پیش کیئے اور اب آنے والی روایت میں وہ تعداد جسے تمام شہدائے کربلا کی تعداد بتا کر بہتر (72) ٹوٹل مشہور کیا گیا تھا وہ تعداد صرف شہدائے بنی ہاشمؑ کی تعداد ثابت ہوتی ہے۔اور جب نام بنام ایک سوچھبیس (126) انصار اور حملہ اولیٰ کے غیر معروف سولہ (16) شہدا کی تعداد میں بہتر (72) بنی ہاشمؑ کے شہدا جمع کر دیئے جائیں (214=126+16+72) تو یہ تعداد بڑھ کر دوسو چودہ ہو جاتی ہے۔اور منافقوں کو نکال کر یہ وہی تعداد ہے جو جنگ بدر میں مومنین علیہم السلام کی تھی۔

(2)۔ امام حسین علیہ السلام میدان جنگ کی تیاری کرتے ہیں (روایات کے الفاظ میں)

وفی المنتخب اَنَّ الحسینؑ نظر الیٰ **اِثْنَیْنِ وَسَبْعِیْنَ رَجُلًا مِنْ اهل بیته صرعی**،فالتفت اِلَی الخیام ونادی یاسکینة یافاطمة یازینب یاام کلثوم عَلیکنّ مِنّی سلام ۔فنادته فاطمة یاابة أَ تَسَلَّمْتَ الموت ؟ فقال علیه السلام کیف لایستسلم مَنْ لَا ناصرله ولا معین؟فتصارخن النسآء فسکتهنّ الحسینؑ وقال اسکتن فَاِنّ البکاءَ اَمَامُکُنَّ ۔ثم قال لاخته یااختاه ایتینی ثبوب عتیق لایرغب فیه احدٌ مِن القوم اجعله تحت ثیابی لِئَلّا اجرّد منه بعدقتلی ۔ثمّ آتوه بتبّان فابیٰ اَن یلبسه وقال هذا اللباس اهل الذمة ثمّ اتوه بشی اوسع منه دُون السراویل وفوق التبان فلبسه فارتفعت اصوات النسآء بالبکاء والنحیب ثم اوتی بثوب فَخرّقه ومَزّقه مِن اطرافه وجعله تحت ثیابه وکان له سروال جدید فخرقه ایضًا لِئَلّا یسلب منه ۔قال فَلمّا لبس الحسینؑ ذلک الثوب المخرّق وَدّعَ اهله واولادهٗ واقبل علیٰ ام کلثوٗم وقال لها اُوْصِیْکِ یااخیّة بنفسکِ خَیرًا فَاِنی بارزالیٰ هٰؤُلاء القوم ۔فاقبلت سکینة وهی صارخة وکان یحبّها شدیدًا فَضَمَّهَا اِلیٰ صدره ومسح دموعها بِکمّه وقال سیطول بعدی یاسکینة فاعلمی منکِ البکاء اذالحمام دهانی لا تحرقی قلبی بدمعک حسرة مادام مِنّی الروح فی جثمانی ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشهادات ۔صفحہ 404)

کتاب المنتخب میں لکھا گیا ہے کہ امام علیہ السلام نے خاندان اہلبیتؑ کی بہتر (72) لاشوں پر نظر ڈالی ۔ پھر خیام کی طرف متوجہ ہوئے اور حسرتناک آواز دی اور پکارا کہ اے بیٹی سکینہؑ اور اے فاطمہؑ اور اے بہن ثانی زہرا زینبؑ اور اے اُم کلثوم اور تمام اہل حرمؑ تم پر میرا آخری سلام ہے ۔ آؤ مجھے رخصت کردو یہ سن کر تمام خواتین اور بچیاں گرد و پیش جمع ہوگئیں ۔ آخری رخصت کے الفاظ نے سب کا دل ہلا کر رکھ دیا اور اپنی بے چارگی اور دشمنوں کا ظلم اور زیادتیاں آنکھوں کے سامنے پھر گئیں ۔ حضرت فاطمہ کبریٰؑ نے ہمت کر کے سوال کر ہی دیا کہ باباؑ ہمیں کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ کر آپ نے مرجانے کو منظور کر لیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ بیٹی جس شخص کا کوئی مددگار اور پشت پناہ نہ ہو وہ اس کے سوا اور کیا کرسکتا ہے؟ یہ سُن کر اہل حرمؑ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور چیخیں بلند ہوگئیں ۔ امامؑ نے تسلی و دلاسہ دیا اور فرمایا کہ ابھی تو تمہیں آنے والے زمانہ میں بہت رونا ہے ۔ پھر اپنی بہن سے کہا کہ مجھے کوئی اتنا بوسیدہ اور پرانا لباس لا کر دو جو کسی کے کام کا نہ رہا ہو ، تا کہ میں اُسکی وجہ سے برہنہ کیا جانے سے بچ سکوں اور جب سب کپڑے اتار لئے جائیں تو اُسے کوئی نہ لے ۔ اس پر انہیں ایک نیکر نما لباس دیا گیا ۔ آپؑ نے اُسے ناپسند کر دیا کہ وہ پناہ گیروں کا لباس تھا ۔ پھر ایسا لباس دیا گیا جو شلوار سے تنگ لیکن نیکر سے کشادہ تھا ۔ جب آپؑ نے اسے پہن لیا تو خواتین پھر بے قرار ہوگئیں ۔ پھر ایک اور کپڑا دیا گیا ۔ آپ نے اسے بھی اِدھر اُدھر مناسب جگہوں سے پھاڑ کر بیکار کیا اور نیچے پہن لیا ۔ ایک نئی شلوار دی گئی اُسے بھی پھاڑ کر پہنا تا کہ لوٹنے سے بچ جائے ۔ جب آپ نے یہ پھٹا پرانا لباس پہن لیا تو اب اپنی ازواج اور اولاد اور متعلقین سے رخصت ہونا شروع کیا ۔ چنانچہ جناب ام کلثومؑ سے فرمایا کہ اے میری صاحب جلال بہن میری وصیت یہ ہے کہ صبر کرنا میں میدان جنگ میں جا رہا ہوں ۔ تم سے امید ہے کہ خیر و خوبی سے اگلہ مرحلہ طے کرو گی ۔ پھر حضرت سکینہؑ روتی اور بلکتی ہوئی آگے آئیں جن سے امامؑ کو شدید ترین محبت تھی ۔ اُنہیں گود میں لیا اور اپنی آستین سے آنسو پونچھ کر سینہ سے لگا لیا اور کہا کہ بیٹی مجھ سے تمہاری ملاقات میں کچھ طول اور دیر ہو جائیگی ۔ دیکھو اس دوران تمہارا رونا اور تمہارے آنسو میرے قلب کو جلاتے رہیں گے اور میں اپنے جسم میں تمہارے لئے بہت بے قرار رہونگا ۔ مطلب یہ تھا کہ اب تم اپنی پھوپی کے سینے پر سو جایا کرنا پھر میں جلد ہی تم سے

ملوں گا تو اپنے سینے پر سُلایا کرونگا۔ میری اچھی بیٹی مجھے جانے دو میں ذرا اُن لوگوں کو سزا دے دوں جنہوں نے تمہارے چچا کو ابھی تک پانی نہیں لانے دیا ہے۔ مومنین یاد کریں کہ زندانِ شام میں یہی وہ وعدہ تھا جو خواب میں پورا کیا گیا تو حضرت سکینہؑ نے ضد کی اور کہا تھا کہ بابا جان کو فوراً بلاؤ وہ پھر اتنے ہی طویل زمانہ تک نہ آئیں گے۔ آخر بچی نے خود پہنچ کر اپنے بابا سے ملاقات کی تھی۔

(3)۔ میدان جنگ میں پبلک اور رسولؐ اللہ کی قوم سے امام حسینؑ کا شکوہ؟

وفی المناقب ثم برز علیہ السلام فقال یااھل الکوفة قُبْحًا لکم وتُرحًاو بؤسًاوتعسًا حِین استصرختمونا وِلِھین فاتیناکم مرجفین فشحذتم علینا سَیْفًا کان فی ایماننا وحششتم لاعدائِکم مِن غیر عدل افشوہ فیکم ولاذنبٍ کان مِنّا الیکم فھَلّا لکم الویلات اذکر ھتمونا ترکتمونا والسیف مشیم والجاش طامن والرّای لما یستحصد لکِنَّکُمْ اسرعتم اِلٰی بیعتنا کسرع الد باوتھا فتمّ الیھا کتھافت الفرش ثم تقضتموھا سفھًا وضلّة وفتکًا لطواغیت الامة وبقیّة الاحزاب۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 405)

اور کتاب المناقب میں لکھا ہے کہ پھر امام علیہ السلام میدان جنگ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اَے اہل کوفہ تمہارے حق میں تمام خرابیاں، تمام بدنصیبیاں اور تمام تأسف اور تمام تباہیاں اس لئے حق بجانب ہیں کہ تم نے ہمیں بے چین کرڈالنے والی چیخ وفریاد کر کے بلایا تھا۔ اور جب ہم بلا کسی تیاری اور اہتمام کے تمہارے پاس آ گئے تو تم لوگوں نے نہایت چالاکی سے اُن تلواروں کو ہمارے خلاف کھینچ لیا جو ہمارے مددگاروں کے ہاتھ میں تھیں۔ تم دشمن کی اُس پالیسی کی رو میں بہہ گئے جو انہوں نے تمہارے درمیان جاری کر رکھی تھی۔ لہٰذا تم نے دشمن کے ہاتھ مضبوط کرنے میں نہایت کوتاہ اندیشی اور گمراہی کا ثبوت دیا۔ اب ہمارے پاس تمہارے لئے مذمت اور ملامت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تم نے ہمیں جان لیوا مشکلات میں پھنسا دیا۔ ہمیں بے یار و مددگار کر کے دشمن کے ہاتھوں میں دے دیا اور ہمارے خلاف میان سے تلواریں سُونت کر ہمارے مقابلہ پر آ گئے۔ حالانکہ ہم نے تمہارا کوئی قصور نہ کیا تھا۔ تمہارے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھایا تھا۔ اس کے باوجود تم نے بڑے اطمینان سے دشمن کے ساتھ مورچہ بندی کر لی۔ حالانکہ تم نے چیونٹیوں کی کثرت کی مانند ہماری بیعت پر ہجوم کیا، بیعت کی، معاہدہ کیا اور ہماری نصرت کے لئے زمین پر فرش کی طرح پھیل کر اطاعت شعاری دکھائی۔ لیکن حماقت اور گمراہی سے اس معاہدہ کو توڑ دیا اور الگ ہو کر اس امت کے طاغوتوں اور اُن کے تیار کردہ گروہوں کے ساتھ شریک ہو گئے۔ اور تعلیمات قرآن کو پس پشت ڈال دیا۔ یہی نہیں بلکہ ہمیں کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ کر الگ ہوئے اور پھر ہم سے جنگ کرنے اور ہمیں قتل کرنے کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہو۔ اور ہمارے سینکڑوں انصار اور میرے بچوں اور خاندان نبوت کے تمام افراد کو قتل کر چکے ہو۔ میں دبنے والا نہیں اس لئے آج بھی میں ظالم اور ظالم کی قوم پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں۔

(4)۔ دشمنانِ اسلام کو امام حسینؑ کا چیلنج اور قرآنی قوم کا اور اپنا فرق اور فخر

کفروا القوم وقِدْ مًا رَغبُوا، عن ثواب اللّٰہ ربّ الثقلین. قَتَلَ الْقَوْمُ عَلِیًّاؑ وَابنَہُ،حسن الخیر کریم الابوین. حَنَقًا منھم وقَالوا اَجْمَعُوا، احشَروا النّاس الٰی حرب الحسینؑ ۔ یاالقوم مِن اَنامِ رَذْلٍ،جمعوا الجمع لِاَھل حرَمَیْن ۔ ثُمَّ صاروا وتَواصوا کلّھم، بِاجْتِیَاحی لِرَضآءِ الْمُلْحَدِین۔ لم یَخَافُوْا اللّٰہ فی سَفکِ دَمِی، لِعُبَیْدِ اللّٰہ نَسْلَ الکافِرِیْن۔ وابن سعد قدرمانی عنوة، بجنود کَوُکُوْفِ الْھَاطِلَیْن. لالِشَیْیءٍ کَانَ مِنّی قبل ذا، غیر فخری بضیاء الفرقَدین ۔ بعلیؑ الخیر مِن بعدالنبیؐ، والنبیؐ الھاشمی

الوالدین ۔ خیرۃ اللّٰہ مِن الخلق ابی،ثمَّ اُمّی فَانَابْنُ الخیرتین ۔ فِضَّۃ قدخَلُصَت مِن ذھب، فانا الفضّۃ وابن الذَّھبین ۔ ذَھَبٌ فی ذَھَبٍ فی ذَھُبٍ، والُجَیُنٌ فی لَجَیُنِ فی لَجَیُن ۔اُمی الزھرًا ء حقًا وَاَبی، وَارِثُ الْعِلْمِ وَمَوْلَی الثقلین ۔ خصہ اللّٰہ بِعِلْمِ وتُقٰی فَاَنَا الازَھر ابن الازھَرَین ۔ وَاَنَا ابن الْعَیُن وَالْاُذن الَّتی،اَذْعَنَ الخلق لَھَا فی الخافقین ثُمَّ جبرئیلٌ بنامفتخر، شَامِخًا یزھوابہ الحسینٌ ۔ شیعۃ المختار طیبوانفسکم، فَغَدًا تسقون مَآءَ اللَّجَیْن ۔ اَفَلا تفتخرون حُبّنا ؟ بابی والجدّ نورالخافقین. کُلّ مَنْ یسمع یعرف فضلنا، ماسوی ماکان زین الولدین. مَن لہ جَدٌّ کجدّی فی الوریٰ،اَوْ کشیخی فانابن العَلَمین.فاطمۃٌ الزھراء اُمّی وَاَبی،قاصم الکفرۃ ببدروحُنَین ۔عَبَدَ اللّٰہ غُلامًا یَافِعًا ۔وَقریشٌ یعبدون الوثنین ۔ اَللَّاتُ والعُزّیٰ معًا ۔وَعَلیٌّ کان صَلّی القِبْلَتَیُن ۔ فَاَبیُ شَمُسٌ وَاُمّی قَمَرٌ ۔فَاَنا الکوکَبُ وابن القَمَرَ ین ۔ وَلَہُ فی یَوْمِ اُحدٍ رِفْعَۃٌ ۔شَفَتِ الْغُلَّ بِفَضِّ المَعَسُکَرین ۔ ثُمَّ فِی الْاَحزَاب والفَتح معًا ۔ کان فیھا حَتُفُ اھل الفَیُلَقَین ۔فی سبیل اللّٰہ ماذا صَنَعَتُ ۔ اُمَّۃُ السُّوءِ معًا بالُعِترَتَیُن ۔ عِتُرَۃٌ البرّالنبیؐ المصطفٰی ۔وعلیٌّ الورد یوم الحجفلین ۔(اکسیرالعبادات ۔صفحہ 405اورترجمہ بحاروغیرہ،تمام مقاتل کی کتابیں)

جوقوم پہلے ہی سے دونوں جہانوں کے رب اوراللہ کی طرف سے بدلہ ملنے کی منکر (یونس 10/15)اورکفر کی طرف راغب تھی ۔ اُس نے آخرکفر کواختیار کرلیا (فرقان 25/30)رسولؐ کی اُسی قوم نے علیؑ کواوراُن کے بیٹے حسنؑ کوقتل کرکے راستے سے ہٹایااورجرم یہ تھا کہ وہ والدین کی طرف سے رحیم وکریم لوگوں کی اولاد تھے ۔ یہ سب کچھ رسوؐل کی قوم نے کینہ اورحسد کی وجہ سے کیا تھا ۔اوراب وہی قوم (فرقان 25/30) ملک بھرمیں سے لوگوں کوجمع کرکے انہیں حسینؑ سے جنگ کے لئے میدان میں لائی ہے ۔ یہ قوم تمام مخلوق سے زیادہ ذلیل لوگ ہیں ۔دارالامان اورحرمین کے نگہبانوں اور مالکوں کوقتل کرنا چاہتے ہیں ۔اورنسل رسوؐل کومٹانے کے لئے آپس میں ایک دوسرے کووصیت ونصیحت کرتے ہیں تاکہ دوعدد مُلحدوں کی رضامندی حاصل کرلیں ۔اُن میں سے ایک عبیداللہ ابن زیاد ہے ۔ جسے خوش کرنے کے لئے اللہ سے بھی نہیں ڈرتے اورمیراخون بہانا چاہتے ہیں ۔ دوسرا عمرابن سعد بن وقاص ہے ۔ جوفوجوں کا سیلاب لے کر مجھ سے جنگ کررہاہے ۔ میرااس کے علاوہ کوئی قصورنہیں کہ میں ساری کائنات کوروشن کرنے والی دوہستیوں پرعملاً فخرکرتا ہوں ۔ایک علیؑ ہے جسے میں نبیؐ کے بعدسب سے بہترکہتاہوں ۔ دوسرا خود نبیؐ ہے جسے میں عام انسان ماننے کے بجائے ہاشمیوں کی اولادسے ایسی ہستی مانتاہوں جواللہ کی تمام مخلوق سے افضل واعلیٰ ہے ۔ چنانچہ میراباپؑ بھی ساری مخلوق سے اچھا تھا اور میری والدہؑ بھی ۔لہٰذا میں دومجسم اچھائیوں کا بیٹاہوں ۔ میں وہ چاندی ہوں جسے اللہ نے سونے میں سے صاف کرکے نکالا ہے ۔ چنانچہ میں دوسونوں کا بیٹا چاندی ہوں ۔ سونا بھی ایسا سوناہوں کہ جوخودسونا دَرسونا تھا ۔اورچاندی بھی ایسی چاندی ہوں جوخودچاندی درچاندی برآمدہوتی چلی آئی ہے ۔میری ماں حقیقی زہراءؑ ہے اورمیراباپؑ علم خداوندی کا وارث اوردونوں جہان کا حاکم ومولیٰ ہے ۔اُسے اللہ نے اپنے علم اورتقویٰ کے لئے خصوصیت دی ہے ۔ چنانچہ میں ایک روشن اوردمکتا ہوا فردہوں اور دو روشنیوں کا بیٹاہوں ۔ میں پُوری کائنات کودیکھنے والی آنکھ کا اور ہرمخلوق کی بات سُننے والے کان کا بیٹاہوں ۔ یہ وہ آنکھ اورکان ہے جس سے مشرق اورمغرب کی ہرچیزاپنے وجودپرسند لیتی ہے ۔اوردیکھوجبرئیلؑ کا قدوقامت اورقدرت جن کی وجہ سے برقرارہے اورجن پرخود جبرئیلؑ فخرکرتاہے وہ حسینؑ ہیں ۔ اَے ملتِ شیعہ کے افرادتُم پسندیدہ ہستیاں بننے میں مصروف رہو ۔تاکہ کل تمہیں نعمتیں اورچاندی ایسا شفاف پانی ملے ۔تم تومیرے باپ دادا کی محبت پرفخرکرتے ہوجومشرق

اور مغرب کے دونُور ہیں۔ اور سنو جو بھی ہمارے فضائل سن لیتا ہے وہ ایمان لے آتا ہے۔ ہاں وہ لوگ نہیں مانتے جو ماں باپ کی طرف سے خالص نہیں۔ اس دُنیا میں کوئی ایسا شخص ہے جس کا دادا میرے دادا جیسا ہو یا میرے کسی بھی بزرگ کی برابری کر سکے؟ لہٰذا میں دو سَر بَرآوردہ اور مشہور ترین انسانوں کا بیٹا ہوں۔ میری ماں فاطمہؑ زہراء ہے تو میرا باپؑ وہ ہے جس نے جنگ بدر و حنین میں کافروں کی کمر توڑ دی تھی۔ لہٰذا میں بھی اس کربلا میں وہ نمونہ دکھا دوں گا۔ چنانچہ میرے والد علیؑ نے تو بچپن ہی سے اللہ کی عبادت کی تھی۔ اور قریش تو ہمیشہ سے آج تک بت پوجا اور لات وعزیٰ کی عبادت کرتے آئے ہیں۔ اور علیؑ وہ ہستی تھا جس نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔ چنانچہ میرا باپ عبادت گزاروں کا سورج اور میری ماں ماہتاب تھی اور میں وہ دوہرے نور والا ستارہ ہوں جو آفتاب اور ماہتاب کا بیٹا ہے۔ جنگ احد میں بھی علیؑ کو بلندی اور بالا دستی حاصل ہوئی جب کہ اُنہوں نے دشمنوں کی افواج کو نچوڑ کر دوستوں کی پیاس بجھائی۔ پھر جنگ خندق اور فتح مکہ میں بھی علیؑ ہی نے کئی قسم کی فوجیں لانے والوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس بدترین امت نے اللہ کی راہ میں دونوں عترتوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ محمدؐ مصطفیٰ کی نیک ترین عترت کو اُن کی محنت اور قربانیوں کا کیا بدلہ دیا؟

(5)۔ امام حسین علیہ السلام کا پہلا جنگی نمونہ بہادروں کا انتخاب

قال ابوالفرج ثُمّ اَنَّهٗ بَرَزَ ودعی الناس اِلَی البراز وھم یَبْرَزُوْنَ فارسًا بعد فارسٍ فلم یزل یقتل کُلّ مَن دَنَی مِنُه مِن عیون الرجال حتی قتل مِنھم مقتلةً عظیمةً وھوؑ یقول **اَلْقَتْلُ اَوْلٰی مِن رَکُوْبِ الْعَارِ وَالْعَارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُولِ النَّار**۔ وجعل عمربن سعد یحصیَ القتلٰی فی ھذہ المبارزة حتّی قتل مِن وجوہ القوم سبع مائة وثمانین فارسًا ولم یزل یقاتل حتی قتل الف وتسع مائة رِجُل وخمسین رَجُلًا سوی المجروحین قال عمربن سعد لقومه اَ تَدْرُوْنَ لِمَن تقاتلون ؟ ھٰذا ابن انزعٍ البطین ھٰذا ابن قَتَّال العرب فاحملوا علیه من کُلّ جانِب فحملوا بالطعن مائة وثمانون واربعة الاف فرموہ بالسھام وحالوا بینه وبین رحاله۔

(اکسیر العبادات۔ صفحہ 407-406)

علامہ ابوالفرج اصفہانی اور دیگر علما نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے تعارف اور اتمام حجت کے بعد چیلنج کیا اور یزیدی افواج کے بہادروں کو مقابلہ پر آنے کی دعوت دینا شروع کی اور اُدھر سے یکے بعد دیگرے دعویداران شجاعت آتے رہے۔ اور امامؑ ہر قریب آنیوالے کو تہہ تیغ کرتے رہے۔ یوں چیدہ چیدہ سورماؤں کی ایک بہت بڑی تعداد تلوار کے گھاٹ اتار دی اور آپ ہمت بڑھانے کیلئے یہ جُملہ بھی فرماتے جاتے تھے کہ شرمساری اور ندامت سے قتل ہو جانا بہتر ہے اور جہنم میں جانے سے بُزدلی اور ننگ وعار اور شرمساری بہتر ہے اس قوت وہُنر کے مظاہرے کی جنگ میں قتل ہونے والوں کی تعداد عمر ابن سعد گنتا جا رہا تھا۔ اُسکی گنتی کے مطابق سات سو اسی (780) بہادر قتل ہوئے مگر امامؑ برابر قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ مقتولوں کی تعداد ایک ہزار نو سو پچاس (1950) تک جا پہنچی۔ تو عمر سعد نے اپنی افواج میں اعلان کرایا کہ تمہارا برا ہو کیا تمہیں یہ پتہ نہیں کہ تم کس سے برسرِ پیکار ہو؟ ارے یہ تو سارے عربوں کو دھڑا دھڑ قتل کرنیوالا ہے۔ یہ تو پیٹ کا اور دل کا پوشیدہ حال باہر نکالنے والا ہے۔ اس پر تو چاروں طرف سے اور ہر جانب سے مل کر حملہ کرو۔ چنانچہ ایک سو چوراسی ہزار یعنی ایک لاکھ چوراسی ہزار فوجیوں نے نیزہ وشمشیر اور تیروں سے حملہ کیا اور اُنکے اور اُنکے خیام کے درمیان حائل ہو گئے۔

(6)۔ امامؑ کا دشمن افواج پر پہلا حملہ اور جنگی مہارت وقوت کا دوسرا مظاہرہ

وفی المنتخب ثُمَّ انَّهُ علیه السلام یحمل علیهم ویقاتلهم حتی قتل مِنهم اُلُوُفًا وفی کتاب شهاب الدین حتّٰی قَتَلَ خلقًا کثیرًا وقداثخنوه بالجراح والذی حصل له مِنَ الجراح ثمانون ضربة من الرماح والنبال وقد قتل منهم اربعة الاف فارسًا وثمان مائة راجل انی ان قال وجعل الحسینؑ یحمل علیهم ویقاتلهم حتّٰی قتل منهم زهآء من اربعة وعِشرین الف فارسٍ ولا یُبَیّنَ النقص فیهم لکثرتهم وقداثخنوا بالجراح وذکر انّه وقع فیه ثلثمائة وستونٍ جراحة مابین طعنة ونبلة وقد قتل منهم عشرین الف فارس۔قال ثمّ مضی اِلَی الخیام۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 407)

قارئین نے دیکھا کہ اُوپر والی روایت میں وہ کام ہوگیا جو امامؑ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف کا باعث تھا۔یعنی امامؑ سے خیام چھُپ گئے افواج بیچ میں آ گئیں۔اب امامؑ کی پہلی کوشش اس پر صرف ہوگی کہ جس طرح بھی ہوسکے افواج کو خیام کے سامنے سے دُور ہٹائیں۔لہٰذا آپؑ نے حملہ کیا اور لاتعداد لوگوں کو قتل کیا۔حملہ اس قدر شدید تھا کہ تعداد کا شمار اُس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک سرداران افواج سے اُن کی فوج کی الگ الگ تعداد کا ٹوٹل اور پھر باقی رہ جانے والوں کی تعداد معلوم نہ ہوجائے۔چنانچہ وہ راوی جو خود بھی جنگ میں مصروف ہو یا سرکاری پرچہ نویس یا جاسوس ہو وہ صحیح تعداد نہیں جان سکتا۔وہ یہی کہے گا کہ لاتعداد آدمی قتل کئے یا یہ کہے گا کہ ہزاروں سینکڑوں اشخاص قتل کئے۔لیکن جو آدمی سردارانِ فوج پر نظر رکھے اور دیکھے کہ وہ اپنی فوج کی مقتول تعداد کی جگہ مرکز سے کتنے آدمی مانگتے ہیں؟ وہ یقیناً اپنا ٹوٹل پورا رکھنے کے لئے سپہ سالار عمر بن سعد سے مدد طلب کریں گے اور جتنے آدمی وہ مانگیں گے وہ وہی تعداد ہوگی جو مرگئی یا زخمی ہوکر لڑنے کے قابل نہ رہی تھی۔اور جس کی فوج کا کوئی آدمی بھی نہ مرا ہوگا وہ بالکل مرکز سے مزید سپاہی نہ مانگے گا۔لہٰذا جن راویوں نے تعداد بتائی ہے وہ اسی قاعدے کے مطابق بتائی ہے۔اور جنہوں نے باقاعدہ گنتی نہیں کی لاشوں کے ڈھیر دیکھے، وہ لاتعداد یا ہزاروں یا سینکڑوں کہہ کر تعداد بتانا چاہیں گے۔اب یہ سنئے کہ امامؑ نے حملہ کیا تو کُشتوں کے پُشتے لگ گئے۔جو فوج ناقص ہوجاتی رہی وہ سامنے سے ہٹتی رہی۔اُس کی جگہ دوسری فوج لیتی رہی۔ہٹنے والی فوج مقتولوں کی تعداد گن کر مدد مانگتی رہی اور لوگوں کو علم ہوتا رہا کہ کس فوج یا دستے میں کتنے نئے سپاہی آئے۔چنانچہ ایک فوج نے چار ہزار آدمی مانگے یہ تعداد مرنے والوں کی تھی۔پھر دوسری افواج پر حملہ کیا گیا فوجیں ہٹتی اور نئی افواج اُن کی جگہ لیتی رہیں۔کچھ دیر کے بعد مرنے والوں کی نئی تعداد چوبیس ہزار ہوگئی۔حملے برابر جاری رہے۔امامؑ قتل عام کرتے رہے اور حضورؑ کو زخم بھی لگتے اور بڑھتے رہے۔لیکن اس کے باوجود خیموں کے سامنے والی افواج میں کمی اور نقصان محسوس نہ ہوتا تھا۔اس لئے کہ کمی ہوتے ہی دوسری فوج اُس کی جگہ لے لیتی تھی۔یعنی یوں تبدیلی کے وقت پہلی ناقص اور دوسری تازہ دَم فوج کے آنے جانے سے تعداد زیادہ تو معلوم ہونا قدرتی تھا۔لیکن کمی محسوس ہونا اُسی وقت ممکن ہوسکتا تھا جب قتل عام اس شدت سے ہور ہا ہو کہ سرداران فوج کو تبدیلی کا موقعہ نہ رہے۔چنانچہ امام علیہ السلام نے پھر مقتولوں کی دوسری کھیپ بیس ہزار کردی اور اب خیموں کے سامنے کا میدان اس لئے صاف ہوگیا کہ شدید کمی کی بنا پر میدان میں موجود سردار مدد کے آنے کا انتظار نہ کرسکتے تھے۔بہرحال امامؑ نے فوجوں کو دھکیل دیا اور خیریت معلوم کرنے کے لئے خیام کی طرف رُخ کیا۔اب تک حضورؑ کے جسم پر تین سو ساٹھ زخم آ چکے تھے۔جن

میں سب قسم کے ہتھیاروں کے زخم تھے۔ چنانچہ اسی حال میں امامؑ چلے۔

یہ پہلا وقت ہوگا کہ امامؑ کو حضرت زینبؑ وام کلثومؑ وسکینہؑ اور دیگر بہنیںؑ اور بیٹیاںؑ اور ازواجؑ مطہرات دیکھیں گی۔ اور آپ زخموں سے چُور چُور ملیں گے۔ لیکن آج تو وہ دن ہے کہ جو بھی خیام میں واپس آیا وہ زخموں سے چُور چُور تھا۔ اور یہ حسرت دلوں میں رہ گئی کہ اُن سے بات کی جائے۔ اہل حرمؑ تو حضرت علی اکبر وعباس وقاسم علیھم السلام کے محض زندہ واپس آنے پر بھی شکر گزار ہوئے تھے۔ دل تو پھٹ کر رہ جائیں گے لیکن امامؑ سے بات تو ہو سکے گی، اُن سے دعائیں تو مل سکیں گی، آڑے وقت اُن کی ہدایات تو کام آئیں گی۔ امامؑ کی رفتار پر نظریں جمی ہوئی تھیں۔ گھوڑے کا بڑھتا ہوا ہر قدم قابل تعظیم تھا۔ یکا یک گھوڑا رکا۔ اور امامؑ نے اُسے چلانے کی کوشش بھی نہ کی۔ کیا امامؑ واپس پلٹ جائیں گے؟ کیا خیام میں زیارت کرانے نہ آئیں گے؟ کئی قسم کے خیالات آسکتے تھے۔ شاید اِس لئے پلٹ جائیں کہ بیٹیاں زخمی حالت میں دیکھ کر بے قرار ہو جائیں گی؟ اہل حرمؑ اُدھر سانس روکے ہوئے منتظر تھیں۔ لیکن امامؑ کی توجہ اللہ کی عنایات نے جذب کر لی تھی۔ صورتِ حال پلٹا کھانا چاہتی تھی۔

(7)۔ اللہ نے پھر چاہا کہ امامؑ ارادۂ شہادت بدل دیں؟

قال ثُمَّ مَضَی اِلَی الْخَیَم فتلقاہ مَلَکٌ قبل اَن یصل الخیام وقال السلام علیک یااباعبد اللّٰہِ مَھْلًا فانّی مَرَرْتُ بالسموات فوجدتُھا مُتغیّرۃ مُظلمۃ و وَجدتُ جمیع اھلھا یبکون لِمُصیبتکَ وقدارسلنی الیکَ ربّک وَھُو مخیّرک بین الدنیا ونعیم الاخرۃ فان اخْتَرْتَ الدُنیا فمرنی حتّٰی انزل لک الملائکۃ تملاء الدنیا فان اَمَرْتَھم اَن یاکل الدنیا ومافیھا فی طرفۃ عین لَفعلوا ذلک وَاِن اَردت اللحوق بجدّکٌ وابیکٌ واُمِّکٌ واخیکٌ وانت فی یومک ھذا تصیر الیھم۔ فقال الامام علیہ السَّلام اِنّی اُرِیْدُ اللُّحُوق بھم۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 407)

خیام تک پہنچنے سے پہلے اللہ کا سلام پہنچا اور ایک فرشتے نے کہا کہ سلام ہو آپؑ پر اَے شیر خوار کے بابا جان ذرا ٹھہر کر ایک بات سُن لیجئے کہ میں ابھی ابھی آسمانوں میں سے گزرا تو دیکھا کہ ساری کائنات کی حالت دِگرگوں ہے۔ تاریکی غم چھائی ہوئی، سماوات کی تمام ہی مخلوق آپؑ کی مصیبت پر نالہ وفریاد کر رہی ہے۔ چنانچہ تمہارؔے پالنے والے نے مجھے بھیجا ہے اور آپؑ کو دنیا اور نعمات آخرۃ کے معاملہ میں مختار بنا دیا گیا ہے۔ اگر آپؑ چاہیں تو اتنی دیر ٹھہر جائیں کہ آسمانوں سے ملائکہ کو اُترنے اور ساری دنیا میں پھیل جانے کے لئے کہہ دوں۔ چنانچہ اگر آپؑ حکم دیں گے تو ملائکہ اس دنیا کو مع اس کے ساز وسامان کے نگل جائیں گے۔ اور پلک جھپکنے میں تمام تکلیفات ختم ہو جائیں گی اور اگر آپؑ اپنے دادا، والد، والدہ اور بھائی علیھم السلام سے ملنا چاہیں تو آج ہی آپؑ کو اُن کے پاس جانے کا بھی اختیار ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے دنیا تباہ کرنا منظور نہیں البتہ اپنے دادا، بابا، اماں اور بھائی علیھم السلام کے پاس پہنچنا منظور ہے۔

(8)۔ امام علیہ السلام کی دوسری رخصت اور ہدایات

وفی خبر ابن شھر آشوب ثُمَّ وَدَّعَ حَرَمَہُ مَرَّۃً اُخری وَاَمَرھُمْ بالصّبر وَوَعَدَھُمْ الثواب والاجر وامر ھم بِاَن یَلْبسوا اَزْرَھُمْ ویستعدّ وا للبلآء ۔وقال اعلموا اَنّ اللّٰہ حافظکم وحامیکم وسینجیّکم مِن شرّ الاعدآء ویجعل عاقبۃ امرکم الٰی خیر ویعذّب اعادیکم بانواع العذاب و یعوّ ضکم عَن ھٰذہ البلیّۃ انواع النعم والکرامۃ ۔ ولا تشکوا ولا تقولوا بالسنتکم ماینقص

قدرکم۔ثمَّ انشاء :علیکم سلام اللّٰہِ یاآل احمدؐ، فانّی ارانی عنکم سوف ارحل۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 408)

فرشتے کو جواب دینے کے بعد خیام میں تشریف لائے ابھی تک اہل حرمؑ کو دشمنوں سے سابقہ نہ پڑا تھا۔امام علیہ السلام نے اس مرتبہ جو باتیں کیں وہ خود بتا رہی ہیں کہ اب امامؑ کا وقت قریب ہے اور اب امامؑ آخری ہدایات دے رہے ہیں۔سب کو صبر کرنے کی تاکید فرمائی اور اطمینان بخش اجر وثواب کا وعدہ فرمایا اور حکم دیا کہ وہ لباس پہن لو جو بے صبری، بے قراری اور غصہ کو روکتا ہے۔اور آنے والے امتحان کے لئے مستعد رہو۔اور یہ جان رکھو کہ یقیناً اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔تمہارا حامی و مددگار ثابت ہوگا۔تمہیں دشمنوں کے شر سے نجات دے گا۔اور تمہارے دشمنوں کو طرح طرح کا عذاب دے گا۔اور تمہیں نعمتوں اور کرامتوں کی تمام اقسام عطا کرے گا۔لہٰذا اپنی زبان پر شکوہ اور ایسے الفاظ کو آنے سے روکنا جو تمہارے معیار سے گرا ہوا ہو اور تمہارے درجات کے خلاف ہو۔پھر آپ نے دوسری دفعہ وداع کیا اور فرمایا کہ اے آل احمدؐ تم پر میرا سلام ہو مجھے بتایا گیا ہے کہ تم بھی جلد سفر کرو گے۔

(9)۔ امام حسین علیہ السلام دوبارہ میدان جنگ میں آ گئے

ثُمّ توجہ الیٰ قتال اعدائه فطلب عنهم المبارزه فخرج تمیم بن قحطبة وهومِن اُمرآء الشام وقال یابن علیؑ الیٰ متیٰ الخصومة؟ فقد قُتِلَ اولادک واقربآؤک وموالیک۔فانت بعد تضرب بالسیف مع عشیرین الفًا؟ فقال علیه السلام اَ اناجئتُ اِلیٰ محاربتکم ام انتم جئتم الیٰ محاربتی اَ انا منع الطریق عنکم ام انتم منعتموه عَنی وقد قتلتم اخوانی واولادی وانصاری ولیس بینی وبینکم اِلّا السیف فلا تکثر المقال فتقدّ م اِلیَّ حتی اَری ماعندک فصاح صیحة وسلّ السیف وضرب عنقه فتبعّد خمسین ذراعًا فخاف العسکر من ضربه علیه السلام فَصَاح یزید الابطحی علیهم اَنّکم عجزتم عن رجل واحد وتفرّون عنه ؟ ثم جاء بین یدی الامامؑ وکان مشهورًا بالشجاعة ۔ فلماراه عسکر عمربن سعد فی قباله اظهروا البشارة والسرور ولکن خاف اهلٌ بیت منه حین رائوه تجاهه ۔فصاح علیه السلام اَ لَا تعرفنی فتجئی فی قبالی کمن لَا خوف له فلم یجبه وسلّ السیف ۔ فسبقه علیه السلام وضرب علیٰ وسطه بالسیف فَقَدَّه نِصُفَیُن ۔فَلَمَّا نظر الشمر (لعین)اِلیٰ ذلک قال لعمر بن سعد اَیُّها الامیر و اللّٰه لَوُ برز اِلَی الحسینؑ اهل الارض لافناهم عن آخر هم فَالرَّأی اَن نفرق علیه فرقتین فرقةٌ بالسَّیُوفِ والرُّماح وفرقة بالنَّبل والسهام وفی خبر آخر مِن ابی مخنف علیٰ نقل زید فرقة ثالثة بالاثلوب ففعلوا ذلک وجعلوا یرشّقوه بالنبل والسهام ویطعنوه بالرماح ویضربوه بالسیوف حتّٰی اثخن بالجراح وفی الخبر الاول فجعل الحسینؑ تارةً یحمل عَلَی المیمنة وتارة علی المیسرة حتی قَتَلَ علیٰ مانقل مایَزِیُدُ علیٰ عشرة الاف فارسٍ ولَا یبیّن النقص فیهم لکثرتهم حتی اثخنوه بالجراح وعن بعض النُسخ اِنَّهُ قتل فی هذه الحملة خمسین الفًا وکان الجیش سبعین الفًا غیرسواد الاعظم۔فی الملهوف قال بعض الروّاة فو اللّٰه مارایت مکثورًا قط قدقُتِلَ ولده واهل بیته واصحابه اربط جاشًا مِنُهُ واِنُ کانت الرِجّال لَتَشَدّعَلَیه فلیشد علیها بسیفه فتنکشف عنه انکشساف المعزی اذا شدَّ فیها الذئب ولقد کان یحمل علیهم وقد تکاملوا ثلثین الفًا فینهزمون بین یدیه کانّهم الجراد المنتشرثُمَّ یرجع اِلیٰ مرکز ہ وهویقول لاحول ولا قوة الاباللّٰه العلی العظیم۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 407-406)

اہل حرمؑ کو سمجھا بجھا کر آنے والے مظالم کو برداشت کرنے کی قوت دے کر میدان جنگ میں آئے اور اپنے مقابلے کے لئے جوانمردوں اور نامآور بہادروں کو دعوت اور چیلنج دیا۔مطلب یہ تھا کہ اب تو میرے جسم سے تقریباً سارا خون بہہ چکا۔جسم کے تمام

اعضا زخمی ہو چکے لہٰذا ایسی حالت میں مجھ سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آؤ اور مجھے قتل کر کے ابن زیاد و یزید کو خوش کرنے کی کوشش کر دیکھو۔اس دعوت پر دشمن فوج کی طرف سے تمیم بن قحطبہ میدان میں آیا۔ یہ شخص ملک شام کے دولتمندوں میں سے تھا۔اُس نے کہا کہ اے علیؑ کے بیٹے آخر تم کب تک یہ قتل عام جاری رکھنا چاہتے ہو؟ یہ صحیح ہے کہ تمہاری اولا د اور عزیز واقربا اور انصار قتل ہو گئے ہیں۔لیکن تم نے تو اس کے بعد باقی مقتولوں کے ساتھ ساتھ ابھی بیس ہزار (20000) انسانوں کو تہہ تیغ کر دیا ہے؟ مطلب یہ تھا کہ پہلے حملے سے اس وقت تک آپ نے دولاکھ چونتیس ہزار سات سوتیس (234730) آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔جن میں دو ہزار سات سوتیس ایسے جنگ آزمودہ بہادر بھی شامل ہیں جن کا جواب عرب میں موجود نہ تھا۔آخر یہ دولاکھ چونتیس ہزار سات سوتیس آدمی بھی کسی کے بیٹے، کسی کے بھائی، کسی کے شوہر اور کسی کے باپ تھے۔کیا لاکھوں انسانوں کو یتیم و بیوہ اور بے اولا د و بے سر پرست کر کے بھی تمہاری اولا د واقربا اور انصار کا بدلہ نہیں ہوا جو تم اب پھر میدان میں آ گئے ہو؟ امامؑ نے جواب دیا کہ کیا میں نے تمہارے خلاف اعلان جنگ کیا تھا؟ کیا میں نے تمہارے ساتھ جنگ کا انتظام کیا تھا؟ کیا میں نے تمہارے مقابلہ میں سارے ملک سے سمیٹ کر لاکھوں فوجی جمع کئے تھے؟ کیا میں نے تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا کی تھی؟ کیا میں نے تم پر پانی بند کیا تھا؟ کیا میں نے تمہاری واپسی کے تمام راستے بند کئے تھے؟ کیا میں نے تمہاری صلح کی درخواست بار بار ٹھکرائی تھی؟ کیا میں نے تمہیں اور تمہاری ازواج اور بہنوں، بھائیوں اور چھوٹے بچوں کو چار روز سے بھوکا پیاسا رکھا ہوا ہے؟ کیا میں نے تمہارے بار بار پانی مانگنے پر پانی نہیں دیا ہے؟ کیا میں نے تمہارے شیر خوار بھوکے پیاسے بچہ کو پانی کی جگہ تیر سے قتل کیا ہے؟ تم نے ہی یہ سب کچھ کیا۔میرے بچوں کو میری آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیا۔اب میں تنہا باقی ہوں۔اب میرے اور تمہارے درمیان یہ تلوار ہے۔میں اس تلوار کو اُس وقت تک چلاتا رہوں گا جب تک اللہ مجھے منع نہ کر دے۔اب یہی تلوار فیصلہ کرے گی۔اِس کے بعد تمیم بن قحطبہ سے کہا کہ یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے آگے بڑھ کر میرے پاس آ تا کہ میں دیکھوں کہ تیرے پاس شجاعت اور میدان جنگ کے لئے کیا سامان ہے۔اس کے بعد ایک نعرہ مارا اور تلوار کی ایک ایسی ضرب لگائی کہ تمیم کا سرُ اچھل کر تیس فٹ دُور جا گرا اور دشمن کی افواج اس ضرب سے سہم کر رہ گئیں۔یہ دیکھ کر یزید ابطحی نے افواج کو للکار کر کہا کہ تمہیں شرم آنا چاہئے تم ایک ضعیف العمر اور زخمی تنہا آدمی کے سامنے بے بسی کا اظہار کر رہے ہو اور اُس کے سامنے سے بھاگ جانا چاہتے ہو۔اس کے بعد یہ یزید ابطحی امامؑ کے سامنے مقابلہ پر آ گیا۔چونکہ یہ ایک مشہور بہادر اور تیغ آزما شخص تھا۔اُسے امامؑ کے سامنے دیکھ کر افواج نے مسرت اور بشارۃ کا نعرہ مارا اور اس خوشی کے نعرہ سے اہل حرمؑ میں خوف پھیل گیا اور سب کی نگاہیں امامؑ پر مرکوز ہو گئیں۔اس کے بعد امامؑ نے للکار کر کہا کہ غالباً تو مجھے جانتا نہیں اس لئے بلا خوف میرے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔اُس نے جواب دینے کے بجائے تلوار بلند کی ہی تھی کہ امام علیہ السلام نے تاک کر اُس کی کمر میں ایک ضرب لگائی تو دو برابر کے ٹکڑے زمین پر تڑپ رہے تھے۔جب شمر ملعون نے یہ حال دیکھا تو عمر بن سعد سے کہا کہ اے امیر خدا کی قسم اگر یُوں ایک ایک کر کے ساری دنیا کے انسان حسینؑ سے لڑنے جائیں گے تو وہ اُن کے آخری آدمی تک کو فنا کر ڈالیں گے۔میری رائے یہ ہے کہ ہم فوج کے دو حصے کر دیں اور ایک حصہ تلواروں اور نیزوں والا ہو۔دوسرا تیروں اور پھینک کر مارنے والی برچھیوں سے مسلح ہو۔علامہ ابومخنف نے تین حصے لکھے اور تیسرے کے پاس پتھر بتائے ہیں۔چنانچہ

سامنے لڑنے والی افواج کو اسی ترتیب میں لایا گیا۔ اور اب امامؑ کو زخموں سے چھلنی بناڈالنے کیلئے نیزوں، تلواروں، تیروں، برچھیوں اور پتھروں کی بارش شروع کی گئی۔ پہلی روایت میں ہے کہ امامؑ کبھی داہنے حصہ پر حملہ کرتے کبھی بائیں حصہ پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ یہاں تک کہ داہنی اور بائیں طرف والی افواج میں سے دس ہزار آدمیوں کو واصل جہنم کر دیا۔ لیکن کثرت افواج کی بنا پر اُن میں کمی معلوم نہ ہوتی تھی۔ اُدھر امامؑ کے جسم پر بہت سے زخم آ چکے تھے۔ دوسرے نسخوں میں لکھا ہے کہ اس حملہ میں امامؑ نے پچاس ہزار فوجیوں کو قتل کیا اور مرکزی فوج (Main Body) کے علاوہ یہاں مقابلہ میں ستر ہزار فوج تھی۔ ایک راوی نے کہا کہ میں نے ایسا مجسمہ جُرأت وہمت آدمی ہرگز نہیں دیکھا کہ جس کے بچہ سے لے کر جوان تک ساری اولاد قتل کر دی گئی ہو، جس کے سامنے اُس کے تمام انصار اور خاندان کے تمام افراد قتل ہوئے ہوں، وہ اپنے ہوش وحواس کو اس شان سے برقرار رکھے اور اس دبدبہ کے ساتھ میدان جنگ میں حسینؑ کی طرح جنگ کرے۔ اور جب افواج حسینؑ پر حملہ آور ہوتی تھیں تو حسینؑ اُن پر ایسا شدید حملہ کرتے تھے کہ افواج اُن کے سامنے اس طرح بھاگتی تھیں جیسے بکریاں بھیڑیے کے حملے سے بھاگتی ہیں اور اُن کے سامنے تیس ہزار (30000) فوج بھاگتی پھرتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ٹڈی دل زمین پر کچلا ہوا پڑا ہے۔ میدان صاف ہو جاتا تھا تو آپ اپنے مرکزی مقام پر پلٹ آتے تھے اور **لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** پڑھتے تھے۔

(10)۔ حضرت فاطمہؑ صغریٰ کا خط میدان جنگ میں پہنچتا ہے امام علیہ السلام پھر خیام میں آتے ہیں

جب افواج بھاگ جاتی تھیں تو انہیں دوبارہ جمع ہونے اور صحیح ترتیب قائم کرنے میں کافی دیر لگتی تھی۔ اس دوران امام علیہ السلام خیام کا چکر لگا آتے تھے۔ اسی طرح جب حضورؑ فوجوں کے جمع ہونے کا انتظار فرما رہے تھے کہ جناب فاطمہؑ صغریٰ کا قاصد پہنچا۔ پورا قصہ سنئے:۔

وعن بعض کتب المقتل: وکان له بنت تسمّی بفاطمةؑ وکانت حِین خروجه مِنَ المدینة مریضة۔ جعلها عندام سلمةؑ وکانت کل یَوْم یجئِی خلف الباب لعلّها تجد من کان له اطلاع بحال والدها۔ لما طال زمان الفراق ولم یصل الخبر مِن والدها اشتغلت بالبکاء وتراکمت علیها الاحزان وکَتَبَتْ کتابًا لوالد ها وبیّن فیها حالها فلمّا فرغت مِن کتابتها واشتغلت بالنّوح والبکآء لِفُرُقَة والد ها وغیره فاذا اعرابی سمع بکاؤها فتأثر مِنْ بکائِها۔ فبکی ساعة ثُمَّ عَلِمَ اَنّ الباکیة بنت الامامؑ وبُکاؤها لفراقه علیه السلام۔ فنادی بصوت عالٍ السلام علیک یااهلَ بیتِّ النبوّة ومعدن الرسالة انا رجل مِنَ البادیّة اریدالرواح الٰی کربلا فهل لکم حاجة ؟ فلما سمعت فاطمةؑ جاء ت خلف الباب وردّت جواب سلامه و قالت یااعرابی انابنت الحسین علیه السلام فانّه لما عزم الٰی کربلا کنت مریضة فسَلّمنی الٰی جَدَّتِی اُمّ سلمةؑ زوجة رسولؐ اللّٰه فالآن لم تبق لِی طاقة من هجرانه وکَتبتُ کتابة واُرید مَن یوصلها الیه۔ فاخذها الاعرابی منها ففی یوم العاشوراء وقت المحاربة بلغ الی کربلا وسلّمها الیه علیه السلام فلما فتحها واطلع علٰی مضمونها بکی بکاءً شدیدًا ثم جاء عند اهل البیتؑ وقرائها لهنّ فبکین بکاءً شدیدًا ولم یظهر حالِ الاعرابی اَنَّهٗ کان مَلَکًا اوبشرًا اَوْسارا شهیدًا ام لَا؟ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 406)

کربلا کے حالات میں یہ لکھا گیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی ایک اور بیٹی تھی جس کا نام فاطمہؑ تھا اور جو مدینہ سے آپکی روانگی کے وقت بیمار تھیں اور جسے امامؑ نے حضرت ام سلمہ علیہا السلام کی سپردگی میں چھوڑا تھا۔ جب خاندان سے جدائی نے بہت طول کھینچا اور کوئی خیر

خبر نہ ملی تو بی بیؑ نے رونے اور دعائیں کرنے میں وقت گزارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ باپ اور خاندان کے غم نے اُنہیں گھُلا کر رکھ دیا وہ روزانہ اپنے والد، والدہ اور بھائی بہنوں (علیھم السلام) کو خط لکھا کرتی تھیں۔ اور جب خط لکھ کر فارغ ہو جاتی تھیں تو والدین اور بہن بھائیوں کی جگہ خود ہی خط پڑھ پڑھ کر رویا کرتی تھیں۔ راستے چلتے لوگ یہ نوحہ اور بکا سنتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ ایک روز ایک دیہاتی شخص اس گلی سے گزرا اور اُنکے جدائی کے بین اور رونا سُنا تو رک گیا، دل بھر آیا روتا رہا۔ پھر لوگوں سے معلوم کیا کہ یہ رونے والی بچی کون ہے؟ جب معلوم ہوا کہ یہ بچی امام علیہ السلام کی بیٹی ہے اور اپنے ماں باپ اور خاندان کی جدائی میں رویا کرتی ہے۔ پھر اس شخص نے بہت زور سے کہا کہ میرا اسلام ہو تم پر اے خانوادہ نبوتؐ و رسالتؐ! میں بیابانی آدمی ہوں اور کربلا جانے کا ارادہ رکھتا ہوں کیا آپکو کوئی ضرورت ہے اور میں آپکے کام آ سکتا ہوں؟ آواز اتنی بلند تھی کہ حضرت فاطمہؑ صغریٰ نے رونے کے باوجود سُن لی۔ دروازے کے پاس آئیں سلام کا جواب دیا اور بتایا کہ میں حسین علیہ السلام کی بیٹی ہوں۔ جب والدؑ صاحب مدینہ سے جا رہے تھے تو میں بیمار تھی اسلئے مجھے حضرت ام سلمہؑ زوجہ رسولؐ اللہ کے سپرد کر گئے تھے۔ اب مجھ میں اُنکی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ میں نے اُنکے نام ایک خط لکھا ہے اور مجھے ایسے نیک شخص کی ضرورت ہے جو میرا خط میرے والدؑ کو پہنچا دے۔ چنانچہ اُس شخص نے وہ خط اُن سے لے لیا اور عاشور کے روز اُس وقت کربلا میں پہنچا جب کہ امامؑ میدان جنگ میں تھے۔ چنانچہ وہ خط امامؑ کے سپرد کر دیا۔ امامؑ نے خط کا مضمون پڑھا تو بہت بے قرار ہو کر روئے پھر اس خط کو لئے ہوئے خیام میں آئے اور صغریٰؑ کا خط سنایا تو اہل حرمؑ میں فریاد و واویلا اور رونے کا کہرام برپا ہو گیا۔ لیکن اس قاصد کا پتہ نہ چلا کہ وہ کوئی فرشتہ تھا یا آدمی تھا؟ وہ میدان جنگ میں شہید ہو گیا یا زندہ واپس چلا گیا۔''

(11)۔ زعفر جن میدانِ کربلا میں نصرت کے لئے حاضر ہوتا ہے

وعن بعض کتب المقتل عن نور الآئمة علیهم السلام اَنّهٗ لَمّا ارادَن یحمل علیهم فاذا علٰی غبار وظهر منه شخص مهیبٌ علٰی مرکب عجیبٌ و سلم علی الامامؑ وعلٰی جدّه و ابیهٗ وامهٗ فردّعلیه السلام جواب سلامه وقال مَن اَنتَ وتسلّم فی هذه الحالة عَلَی المظلوم الغریبؑ ؟ فقال یابن رسولؐ اللّٰه انا زعفر الزاهد سلطان الجن وعسکری فی هٰذه البادیّة ولقد اعطی ابوک حین غزی مع الجن فی بئر العلم السلطنة لابی وبعد وفاته قد انتقلت اِلیَّ فاذَن لنا اَن نحارب مع اعدآئک هؤُ لاء ؟ قال علیه السلام لافانکم ترونهم وَلَا یرونکم ۔قال فنحن نتصوّر بصورهم ان قتلنا کُنّا شهدآء فی سبیلک ۔فقال جزاک اللّٰه خیرًا یا زعفر فانیّ سمِتُ مِن الدنیا ورایتُ فی الطفّ انیّ القی اللّٰه فی هذا الیوم شهیدًا مجدّلًا فارجع ولا تتعرّض لِهؤُ لآء القوم فرجع۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 406)

حالات کربلا کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب امامؑ نے دشمنوں پر پھر حملے کا ارادہ کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک غبار کا بگولا نمودار ہوا اور اُس میں سے ایک بہت خوفناک صورت کا شخص ایک عجیب گھوڑے پر سوار نظر آیا۔ امامؑ پر اور اُن کے داداؐ، والدؑ اور والدہؑ پر سلام بھیجا۔ امامؑ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہ بھائی تم کون ہو جو اس حالت مظلومی اور بے کسی میں بھی مجھے سلام کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ اے فرزندِ رسولؐ میں زعفر زاہد ہوں اور جنوں کا بادشاہ ہوں۔ اور میری افواج یہیں اسی جنگل میں موجود ہیں۔ جس زمانہ میں آپؑ کے والدؑ نے مشہور کنویں پر جنوں سے جنگ کی تھی تو اُن کی حکومت انہوں نے میرے والد کو عطا کی تھی۔ والد کی وفات کے بعد حکومت مجھے مل

گئی ہے۔ ہمیں اجازت دیجیئے کہ ہم آپ کی نصرت میں اِن دشمنانِ خدا اور رسولؐ سے جنگ کریں۔ اور جو ہم میں سے قتل ہو جائے وہ آپؑ کی راہ میں شہادت کا درجہ حاصل کرلے۔ امامؑ نے فرمایا کہ مشکل یہ ہوگی کہ تم انہیں دیکھ سکتے ہو اور وہ تمہیں دیکھ نہ سکیں گے۔ زعفر نے عرض کیا کہ حضور ہم آدمیوں کی صورت میں تبدیل ہوئے جاتے ہیں پھر تو اُنہیں دقت نہ ہوگی۔ اب آپؑ نے فرمایا کہ بھائی میں دنیا سے بالکل فارغ ہو چکا ہوں اور یہیں اسی میدان میں اور آج ہی اللہ سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ لہٰذا تم واپس چلے جاؤ اور اس قوم سے کوئی تعارض نہ کرو۔ زعفر جن سلام کر کے رخصت ہو گیا امامؑ کی دعا ساتھ لے گیا۔

(12)۔ پھر گھمسان کی جنگ اور اتمام حجت اور صحیح جواب

آپ نے دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام یزیدی افواج کو کس طرح اُلٹ کر منتشر کر دیتے تھے کہ سردار، فوج کے سپاہیوں کی تلاش کرتے پھرتے تھے اور سپاہی اپنی فوج کے سرداروں کو ڈھونڈھتے رہتے تھے۔ اور یوں سابقہ ترتیب کو دوبارہ حاصل کرنے میں بہت دیر اور دقت پیش آتی تھی۔ اور امام علیہ السلام کا ہر دوسرا حملہ سرداروں کی اس دِقت کو زیادہ سے زیادہ کرتا جا رہا تھا۔ چنانچہ گزشتہ حملہ کے بعد فوجوں کے جمع ہونے اور بھاگے ہوئے سپاہیوں کے اپنی اپنی فوج میں پہنچنے اور قتل شدہ تعداد معلوم کرنے اور اُس کمی کو پورا کرنے کی رپورٹ عمر بن سعد کو دینے اور مزید کمک لینے میں جو دیر لگی، اُس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ امامؑ نے حضرت فاطمہ صغریٰ علیہا السلام کا خط پڑھا، خیام میں آئے وہاں خط سنایا۔ مجلس گریہ وزاری کے بعد اہل حرمؑ کو تسلی دے کر میدان میں آئے اور یہاں زعفر جن سے گفتگو ہوئی، اُسے سمجھا کر جزاک اللہ کہہ کر واپس کیا۔ اس کے کہیں بعد فوجیں کنٹرول میں آئیں اور حملہ آور ہوئیں۔

ثُمَّ توجه اِلٰی قتال اعدائِہٖ فقتل منهم مقتلته عظیمته و جدّل ابطالًا و نکسّ فرسانًا و قتل منهم فی ذلک الیوم الف وثمانیة وخمسین نفرًا ۔ ثُمَّ وقف قبالة القوم وسیفه مُصلت فی یده، آیسًا مِن الحیوٰ ة عازمًا عَلیَ الموت وهویقول: اَنَا ابْنُ عَلّیّ الطّهر مِنْ آل هاشمؑ ۔ کَفَانِیْ بِهٰذا مَفْخَرًا حِیْنَ اَفْخَر ۔ وَجَدِّی رسولؐ اللّٰہ اکرم مِن مَن مضی ۔ ونحن سِرَاج اللّٰه فی الارض نَزْهَر ۔ وَفَاطِمَّةُ اُمّی مِنْ سُلَالَةِ احمدؐ ۔ وعمّی یُدْعی ذَاالجِناحَین جعفرؑ ۔ وفینا کتابُ اللّٰه اُنزِل صَادقًا ۔ وفینا الهدٰی وَالْوَحیِ بِالخیرُ یذکر ۔ ونحن اَمَان اللّٰه لِلنَّاس کلّهم ۔ نَسِیْر بهٰذا فی الْاَنام ونَجْهَر ۔ ونحنُ وُلَّاةُ الحوض نَسْقِیْ ولاتنا ۔ بکاس رسولؐ اللّٰہ مَالَیْسَ یُنْکَر ۔ وَشِیْعَتُنَا فی النّاسِ اَکْرَمُ شِیْعَةٍ ۔ وَبُغْضُنَا یَوْمَ القیٰمة یَخْسَر ۔ فَطُوْبیٰ لِعَبْدٍ زَارَنَا بَعْد مَوْتِنَا ۔ بِجَنَّةِ عَدْنٍ صِفُوُهَا لایَکْدَر ۔ اَیُّهَاالناس خبّرونی هل تطلبونی بقتل قتلته منکم اوبقصاص مِن جراحة وبمال استملکته منکم اَعَلٰی سُنّة غیّر تها اَمْ عَلٰی شریعة فرض بدّلتها؟ قال فَسَکَتُوْا اَوْلَمْ یَقْبَلُوا هذا القول مِنْهُ وفی خبر ابی مخنف فقالوا نُقَاتِلُکَ بِغُصّةٍ لِاَبِیْکَ وَمَافَعَلَ بَاَشْیَا خِنَا یوم بدروَّ حُنین ۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 405,408)

اور امام علیہ السلام نے پھر تلوار بلند کی اور بجلی کی طرح افواج کے طول وعرض اور گہرائی پر چھا گئے۔ بہادرانِ شام اور شجاعانِ عرب تلوار سے سر چھپاتے بے تحاشہ دوڑتے پھرتے تھے لیکن تلوار تھی کہ جرأت وجسارت کی جدھر سے بُو آتی تھی وہاں قیامت برپا کر دیتی تھی۔ چنانچہ امامؑ نے اُسی روز اس حملہ میں ایک ہزار اٹھاون (1058) فوجی سورما قتل کئے اور فوج کے سامنے اُس لاپرواہی اور اطمینان سے کھڑے ہوئے جو ایک ایسی ہستی کے شایانِ شان ہے جو دُنیا اور متعلقاتِ دنیا سے فارغ اور موت کا متمنی ہو۔ وہ تلوار کو زمین پر ٹکا کر اس

انداز سے فوج کو مخاطب کرتے ہیں کہ اگر حملہ ہو تو فوراً جوابی کاروائی کر سکیں۔تلوار سے دشمنوں کا خون بہہ کر زمین میں جا رہا تھا۔اور آپ فرما رہے تھے کہ میں علیؑ کا بیٹا ہوں جو ہاشمؑ کی اولاد میں ساری دنیا سے افضل ہیں اور مقامِ مقابلہ میں مجھے یہ فخر بہت کافی ہے۔اور میرے جدّ رسولؐ اللہ ہیں جو گزشتہ و آئندہ مخلوقات میں سب سے بڑھ کر ہیں۔اور ہم اللہ کے روشن کئے ہوئے چراغ ہیں جو روئے زمین کو روشن کرتے ہیں۔اور میری ماں احمد مصطفیٰؐ کی نسل کی بُنیاد اور خلاصہ ہیں۔میرے چچا وہ ہیں جنہیں دو(2) خداداد پَروں والا جعفر کہا جاتا ہے۔ ہم ہی میں اللہ کی کتاب حق و صداقت لے کر نازل ہوئی ہے۔اور ہم ہی میں ہدایت اور وحی کو محدود کر کے ذکرِ خیر کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ہم ہی تمام نوعِ انسان کے لئے اللہ کی امان ہیں اور تعلیماتِ خداوندی کی تبلیغ تمام صاحبانِ حیات میں ہم ہی کرتے پھرتے ہیں۔ہم حوض کوثر کے حاکم ہیں اور ہم ہی رسولؐ اللہ کی طرف سے سب کو پلائیں گے اس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ہمارے شیعہ ہی باقی لوگوں کے شیعوں سے افضل و اعلیٰ و برحق ہیں۔ ہمارا بغض قیامت میں لوگوں کو بہت خسارے میں رکھے گا۔مبارک ہو اس بندے کو جو ہماری موت کے بعد ہماری زیارت کرے۔یہاں اور جنت عدن میں جہاں کی شفافیت کبھی گدلی نہیں ہوتی۔اے لوگو مجھے بتاؤ کیا تم اپنے کسی مقتول کے بدلے میں مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ یا کسی کو زخمی کرنے کا بدلہ لینا چاہتے ہو یا میں نے کسی کا مال چھین لیا ہے جس کی سزا دینا چاہتے ہو؟ یا میں نے رسولؐ کے کسی قانون کو بدل دیا ہے؟ یا میں نے شریعت کے کسی فرض کو تبدیل کر دیا ہے۔راوی نے کہا کہ یہ سب کچھ یزیدی فوج نے چپ چاپ سُنا لیکن کوئی مفید جواب نہ دیا۔علامہ ابومخنف کے مطابق جو جواب ملا وہ یہ تھا کہ ہم آپ سے اُس غصہ کی وجہ سے جنگ کر رہے ہیں جو تمہارے والدؑ نے جنگ بدر و حنین میں ہمارے بزرگوں کو قتل کر کے بھر دیا تھا۔

(13)۔ امام حسین علیہ السلام پھر حملہ کرتے ہیں۔قتل عام میں بھی مومنین کا تحفظ

آخر مخالفین کا مذہب ظاہر ہو گیا وہ مشرک معاشرہ کے طرفدار تھے۔انہوں نے اسلام کو اس طرح تبدیل کر کے اختیار کیا تھا (یونس 10/15) کہ وہ ابوسفیان اور مشرکین عرب کے منصوبے اور پالیسیوں کی تائید و تنفیذ کر سکیں اور اسی بنا پر جنگ بدر و احد و خندق و حنین کے مشرک مقتولوں کا انتقام علیؑ اور اولادِ علیؑ سے لینا ضروری سمجھتے تھے۔اُن کے اسلام میں ہر وہ عمل جائز تھا جس سے اولادِ علیؑ تباہ کی جا سکے۔لیکن علیؑ اور ان کی اولاد اُن کافروں اور مشرکوں کو بھی قتل نہ کرتے تھے۔جن کی نسل میں کوئی مومن پیدا ہونے والا تھا۔یہی طرزِ عمل امام حسین علیہ السلام نے کربلا میں بھی برقرار رکھا سُنیئے:۔

فی کتاب المجلّی روی اَنّ الحسین علیه السلام کان یَوم الطفّ اذا حمل علٰی لشکر ابن زیاد یقتل بعضًا ویترک آخرین مع تمکنّه مِنْ قَتْلِهِمْ فقیل له ذلک فقال علیه السلام کشف عن بصری فَاَبصرتُ النّطف الّتِی فی اصلابِهم ۔ فَصَرَفْتُ عمَّن یخرج مِن نطفته مَن هُوَ امِن اهل الایمان فترکته عن القتل لاستخلاص تِلْکَ الذُّریّة منه ۔ ورایتُ مَن لم یخرج منه نطفته صالحة فقتلتُه ۔فی بعض الکتب اَنّ زین العابدین علیه السلام قال رایت کافرًا قدضرب فی خاصرة ابی برمحه فلم یقتله اَبی فلما انتقلت الامامة اِلیَّ عرفت اَنّ ذلک الکافر کان فی صلبه مَن یُحَبُّنا اهل البیتؑ ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 407)

''کتاب مجلّی میں ہے کہ روایت کیا گیا ہے کہ کربلا میں جب امام حسینؑ لشکر ابن زیاد پر حملہ کرتے تھے تو بعض لوگوں کو بے دریغ

قتل کرتے تھے۔اور بعض کو قابو میں ہوتے ہوئے بھی قتل نہ کرتے تھے۔ بتایا گیا کہ امامؑ سے وجہ معلوم کی گئی تو فرمایا کہ میری آنکھوں سے پردے ہٹائے گئے ہیں میں اُن لوگوں کے صُلبوں کو دیکھ سکتا ہوں ۔ چنانچہ جس سے کوئی اہل ایمان پیدا ہونا ہوتا ہے میں اُسے قتل نہیں کرتا ہوں ۔تا کہ اُس سے وہ نطفہ نکل کر آگے بڑھ جائے اور وہ اہل ایمان ذریت وجود میں آ سکے ۔لیکن جس شخص سے قیامت تک کوئی مومن پیدا ہی نہ ہونا ہوا ُسے میں قتل کر دیتا ہوں ۔بعض کتابوں میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ اُس نے میرے والدؑ کی کمر میں نیزہ مارا مگر باباؑ جان نے اُسے قتل نہ کیا جب امامت مجھے ملی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اُس کافر سے مُحِبِ اہلبیتؑ نے پیدا ہونا تھا۔

(14)۔ خیام حسینیؑ پر افواج کا ہجوم کرنا اور امامؑ کے للکارنے سے فوجوں کا ہٹ جانا

پھر دوران جنگ ایسا وقت آ گیا کہ یزیدی افواج امام علیہ السلام اور خیموں کے درمیان حائل ہو گئیں اور پھر امامؑ پر لازم ہو گیا کہ فوجوں کو خیام سے ہٹانے کے لئے وہی بے پناہ حملہ کریں جس میں ہزار ہا سپاہیوں کو قتل کرنا ضروری تھا۔

قال ابن ابی طالب وصاحب المناقب والسید ابن طاؤس ۔فصاح علیه السلام بهم ویحکم یاشیعة آل ابوسفیان اِن لم یکن لکم دین وکنتم لاتخافون المعاد فکونوا احرارًا فی دُنیا کم وارجعوا الی احسابکم ان کنتم عربًا؟ فناده شمر فقال ماتقول یا ابن فاطمةؑ ؟ قال اقول انا الذی اقاتلکم وتقاتلونی والنسآء لیس علیهن جناح فامنعوا اعتاتکم عن التعرض لحرمی مادمت حیًّا ۔فقال الشمر لَکَ ذلک یاابن فاطمةؑ ثم صاح الشمر الیکم عن حرم الرجل فاقصد وه فی نفسه فلعمری لهو کفو کریم قال فقصد وه القوم۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 407)

علامہ ابن ابیطالب اور صاحب المناقب اور ابن طاؤس نے لکھا ہے کہ پھر امامؑ نے اُن کو للکار کر کہا کہ اگر تمہارا کوئی دین نہیں ہے اور تم قیامت کی باز پرس اور جزا وسزا کے بھی قائل نہیں ہو تو کم از کم شریف عربوں کے طریقہ پر چلو اور حُریتِ ضمیر ہی کو اختیار کر لو تا کہ تم جنگلی نہ کہلا سکو؟ شمر ملعون نے امامؑ سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا طنز کیا ہے؟ فرمایا کہ جنگ مجھ میں اور تجھ میں ہے اور ہم آپس میں برسرِ قتال ہیں۔ یہ کیا شرافت ہے کہ عورتوں کو پریشان کیا جائے۔اپنے اِن فوجیوں کو کہو کہ اہل حرمؑ کی طرف سے ہٹ جائیں اور مجھ سے لڑیں۔ جب تک میں زندہ ہوں اُدھر کوئی نہ جانے پائے۔شمر نے کہا کہ مجھے آپ کی یہ بات منظور ہے۔اس کے بعد شمر نے اہل حرمؑ کی سمت والی فوج کو للکارا کہ اُدھر سے سب ہٹ جائیں اور صرف حسینؑ سے سروکار رکھیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ سن کر تمام افواج درمیان سے ہٹ گئیں۔اور امام حسین علیہ السلام پر ٹوٹ پڑیں۔

ثُمَّ حَمَلَ کاللَّیث کالمغضب فجعل یضرب فیهم یمینًا وشمالًا ولَا یلحق منهم احد اِلَّا یعجّه بسیفه ویقتله والسهام تاخذه مِن کل ناحیة وهو تیقیها بنحره وصدره ویقول یااُمّة السُّوء بئسما خلفتم محمدًاً فی عترته اماانکم لَنْ تقتلوا بعدی عبدًا مِن عباد اللّٰه فتهابوا قتله بل یهون علیکم عندقتلکم ایای وایم اللّٰه اِنّی لارجوااَن یکرمنی رَبّی بالشهادة بهوانکم ثمّ ینتقم لی منکم مِن حیث لا تشعرون۔ قال فصاح به الحصین بن مالک السکونی فقال یابن فاطمةً بماذا ینتقم لک مِنّا؟ قال یلقی باسکم بینکم ولسیفک دماء کم ثم یصبّ علیکم العذاب الالیم ثُمَّ لم یزل یقاتل حتّٰی اصابته جراحات عظیمة۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 409)

پھر امامؑ ایک غضبناک شیر کی طرح تڑپ کر افواج پر گرے اور داہنے بائیں جو سامنے آتا تھا اُسے تلوار سے ذبح کرتے جاتے تھے۔ ساتھ ہی حضورؑ پر ہر جانب سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور آپ کے سینہ و گردن میں تیر پیوست ہوتے جارہے تھے۔ اور آپ یہ فرماتے جارہے تھے کہ اے بدترین اُمت تم نے رسولؐ کی اولاد اور عترت کے ساتھ بھی بدترین سلوک کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ مجھے قتل کر کے پھر کسی بھی بندۂ خدا کو قتل نہ کرو گے۔ اور مجھے قتل کرنے کے بعد درحقیقت تم بے گناہوں کی گردنیں مارنے میں زیادہ جری ہو جاؤ گے۔ اور میں تو اپنے عہد کے مطابق اللہ سے درجہ شہادت پر فائز ہونے کا امیدوار ہوں۔ مگر اللہ تم سے بہت جلد میرا انتقام لے گا۔ اور تمہیں اُس انتقام سے بچ نکلنے کا نہ شعور ہوگا نہ پتہ چلے گا۔ اس پر حصین بن مالک نے پکارا کہ اے فاطمہؑ کے بیٹے بتاؤ کہ اللہ ہم سے کس طرح تمہارا انتقام لے گا؟ امامؑ نے فرمایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو جاؤ گے۔ اور لڑ کر ایک دوسرے کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے اور پھر بھی اللہ تمہیں عذاب دردناک کی مستقل سزا دے گا۔ یہ کہہ کر بدستور امامؑ نے حملہ پر حملہ جاری رکھا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ یہاں تک کہ حضورؑ کے جسم پر خطرناک حد تک زخم آ گئے اور ضعف طاری ہو گیا۔

(15)۔ امام مظلومؑ کی آخری رُخصت اور شہادت کے لئے میدان جنگ میں آمد

مومنین آخر وہ گھڑی آ پہنچی جب فاطمہؑ کے لاڈلے نے تلوار میان میں رکھ لی ہے۔

فبینما هُوَ واقف اذاتاه حجر فوقع فِی جبهته فاخذ الثوب لیمسح الدّم عَن وجهه فا تاه سهم محدّدٌ مسمومٌ له ثلث شعب فوقع السهم فی صدره وفی بعض الروایات فی قلبه فقال الحسینؑ بسم اللّٰه وباللّٰه وعلٰی ملة رسولؐ اللّٰه ورفع راسه الَی السمآء وقال الٰهی انک تعلم انّهم یقتلون رجلا لیس علٰی وجه الارض ابن نبیّکؐ غیره ۔ ثم اخذ السهم فاخرجه مِن قفاه فانبعث الدّم کالمیزاب فوضع یده علَی الجرح فلمّا امتلأت رمی به الی السمآء فمارجع مِن ذلک الدّم قطرة ۔ثُمَّ وضع یده ثانیًا فلمّا امتلأت لَطَخ بِهَاراسه ولحیته وقال هٰکذا اَکُوْنُ حتّٰی اَلْقَی جدّی رسولؐ اللّٰه وَاَنَا مخضوب بدمی واقول یارسولؐ اللّٰه فَلَانٌ وَ فَلَانٌ ۔ثمّ ضعف فوقف ۔فکلّما اتاه رجلٌ وانتهی الیه انصرف عنه حتی جائَهُ رجل مِن کندة یقال له مالک بن الیسرفشتم الحسینؑ فضربه بالسیف علٰی راسه وعلیه بُرنس فامتلاء دمًا فقال له الحسینؑ لااکلت بهاوشربت وحشرک مع الظالمین ثُمَّ اَلْقَی البرنس مِن راسه ثُمَّ جآءَ اِلَی الخیام وطلب خرقة فلمّا آتوه بها شدّها علٰی جراحته ولبس فوقها قلنسوة واعتثم علیها ۔ فنادی فی تلک الحالة یازینبؑ یاام کلثوؑم ویاسکینةؑ یارقیةؑ یافاطمةؑ علیکنّ مِنّی السلام ۔فلما سمعته زینبؑ بکت وجری الد موع مِن عینیها ونادت واوحد تاه اقلّة ناصراه واسوء منقلباه وااشوم صباحاه فشقّت ثوبها ونشرت شعرها ولطمت علٰی وجهها ۔فقال الحسین علیه السلام مهلًا لها یابنت مرتضٰیؑ اِنّ البکآء طویل فاراد اَنْ یخرج من الخیمة فلصقت به زینبؑ فقالت مَهْلًا یااخی توقف حتی اُزَوِّدُ مِن نظری و اُوَدِّعکَ وداع مفارق لا تلاق بعده فمهلًا یااَخِی قبل الممات هنیّئة لتبرد لوعة وغلیل فجعلت تقبّل یدیه ورجلیه وَاَحَطْنَ به سائر النسوان ویقبلن یده ورجله ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 422)

اور اب دشمنوں کے سامنے اس طرح کھڑے ہیں کہ جس کا جہاں دل چاہے تلوار و نیزہ و برچھی مارے۔ لیکن دشمنوں پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہے کہ کوئی نزدیک نہیں آتا۔ دُور سے تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں۔ آپ کھڑے ہوئے تھے اور چاروں

طرف سے تیر آ آ کر جسم کو چھلنی کر رہے تھے کہ کسی نے آپ کی پیشانی پر پتھر مارا اور خون بہہ کر آنکھوں میں بھر گیا تو آپ نے رومال سے چہرہ کو صاف کرنا شروع کیا۔ تو اچانک ایک لوہے کا تین پھلوں والا زہر میں بجھا ہوا تیر آپ کے سینے میں دل پر لگا۔ آپ نے بسم اللہ پڑھی اللہ کو یاد کیا اور ملت رسولؐ پر ہونے کا اعلان فرمایا اور آسمان کی طرف سر بلند کر کے فرمایا کہ اے اللہ تُو جانتا ہے یہ لوگ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں جو اِس دنیا میں تیرے نبیؐ کا ایک ہی بیٹا ہے۔ پھر آپ نے تیر کو پکڑ کر کمر کی طرف سے کھینچ کر نکال دیا۔ اور خون کا فوارہ پَر نالے کی طرح نکلنا شروع ہوا تو آپ نے زخم کے نیچے ہاتھ رکھ دیا۔ جب خون سے چُلّو بھر گئی تو اُسے آسمان کی طرف پھینک دیا۔ خون کا ایک قطرہ بھی واپس نہ آیا۔ پھر دوبارہ چُلّو بھر کر خون کو اپنے سر اور ریش پر مل لیا۔ اور فرمایا کہ میں اسی حالت میں رہوں گا یہاں تک کہ اپنے دادا رسولؐ اللہ سے اپنے خون سے خضاب کئے ہوئے ملاقات کروں اور بتاؤں کہ مجھ پر فلاں اور فلاں نے مظالم کئے اور یہ خون بہایا۔ پھر آپ کو کمزوری محسوس ہوئی۔ آپ کھڑے تھے کہ ایک شخص قریب آیا مگر وار کرنے کی ہمت نہ ہوئی چلا گیا۔ پھر قبیلہ کندہ کا مالک بن یسر آیا۔ اس ملعون نے آپ کے سر پر تلوار ماردی جس سے سر پھٹ گیا اور ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امامؑ نے فرمایا کہ تمہیں ان ہاتھوں سے کھانا پینا نصیب نہ ہو۔ اور اللہ تجھے ظالموں میں شمار کرے۔ پھر آپؑ نے ٹوپی اتار کر پھینک دی اور خیام میں آ کر کوئی کپڑا مانگا۔ اس سے سر کے زخم کو باندھا اور اُوپر سے کنٹوپ پہن لیا۔ اوپر سے پٹی باندھ لی۔ اور اس حالت میں آپؑ نے اہل حرمؑ کو نام بنام آواز دی کہ اَے بہن زینبؑ وکلثومؑ اے بیٹی سکینہؑ اَے رقیہؑ اے فاطمہؑ کبریٰ تم سب پر میرا آخری سلام ہو۔ اپنے بھائی کا آخری سلام سنتے ہی حضرت زینبؑ تڑپ کر رہ گئیں، آنکھوں سے آنسو برسنے لگے۔ اہلبیتؑ رسولؐ کی تنہائی، پردیس میں بھائی کے بعد بے بَس و بے کس رہ جانا، کسی مددگار و طرفدار کا نہ ہونا اور اِس بدترین انقلاب سے مقابلہ کرنا اور روز عاشورہ کی نامبارک صبح یہ سب حالات نظروں کے سامنے پھر گئے۔ بی بیؑ نے اپنے بال کھول ڈالے۔ اپنا سر و سینہ اور منہ پیٹتی ہوئی بھائی کے پاس آئیں تو امامؑ نے فرمایا اے بہن ذرا سنبھلو آپ کو تو ابھی بہت عرصے تک رونا ہے یوں ایک دم سے بے قرار نہ ہو جاؤ۔ تم تو علیؑ مرتضیٰ ایسے بہادر انسان کی بیٹی ہو۔ تمہیں تو تمام خواتین اور بچوں کو سنبھالنا ہے۔ یہ کہہ کر امامؑ چاہتے تھے کہ خیمہ سے نکل کر میدان میں آ جائیں مگر حضرت زینبؑ لپٹ گئیں اور فرمایا کہ بھیا ذرا ٹھہرو مجھے اتنا موقع دو کہ میں اپنی نظروں کی پیاس بُجھا لوں۔ ذرا آپ کی یہ دردناک تصویر آنکھوں میں بٹھا لوں تا کہ مجھے اپنا دکھ درد فراموش ہو جائے۔ بھیا ذرا ٹھہرو میں آپ کو دل بھر کے وداع کر لوں۔ بھیا آپ کی جدائی بڑی طویل ہوگی۔ اب تو مرنے کے بعد ہی آپ سے ملاقات نصیب ہوگی۔ اس لئے اَے میرے مظلوم بھائی آ ؤ میں تمہیں مرنے والوں کی تمناؤں کے ساتھ وداع کروں۔ اے بھیا جلدی نہ کرو ذرا اتنی دیر اور ٹھہرو کہ میں اپنے سینے میں بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کر لوں۔ اپنے دل میں اُمنڈتے ہوئے طوفانِ غم والم کو سہارا دے لوں۔ پھر دکھیا بہن سامنے بیٹھ گئیں اور امامؑ کے ہاتھوں اور پیروں کو چومنا اور آنکھوں سے ملنا شروع کیا۔ اُدھر تمام اہل حرمؑ، بہنیں، بیٹیاں اور دیگر خواتین نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور حضرت زینبؑ کی طرح ہاتھوں اور پیروں کو چومنا شروع کیا۔ آہ و واویلا کا شور تھا۔ امامؑ باری باری سب کو دیکھ رہے تھے۔ یہاں حضرت سکینہؑ کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ غالبًا بابا کے تمام جسم کو زخموں سے چُور چُور دیکھ کر گود میں بیٹھنے اور بابا سے لپٹنے سے مایوس ہو کر کہیں دور کھڑی ہوں گی۔ اور بزرگ عورتوں کو وداعی کا موقعہ دے رہی ہوں گی۔

(16)۔ میدان جنگ میں آخری آمد، دشمنوں کا طنز باطل کرنے کے لئے دریا پر قبضہ

امامؑ مظلوم اپنی بہنوںؑ، بیٹیوںؑ، ازواجؑ اور باقی اہل حرمؑ سے کب اور کس طرح رخصت ہوئے؟ نہ یہ دل شکن صورتِ حال الفاظ کے قابو میں آسکتی تھی نہ لکھی گئی۔ بہر حال ایفائے عہد اور زور امامت تھا جو حضورؑ کو پھر میدان میں لے آیا۔ تلوار میان میں رکھے ہوئے آپؑ دشمنانِ خدا اور رسولؐ کی زد پر کھڑے ہو گئے۔ تیر آتے تھے اور سابقہ زخموں میں سے سہولت سے گزر جاتے تھے۔ جو تیر نیا زخم لگاتا تھا آپؑ اُسے کھینچ کر زخم کو اور کشادہ کر دیتے تھے۔ تاکہ دوسرے تیر آسانی سے گزر سکیں۔ ہر نئے تیر کو اسی طرح کھینچ کر نکالتے جاتے تھے۔ یہ وہ صبر آزما اور دردناک نظارہ تھا جو آسمان کی آنکھوں نے اس زمین پر پہلی اور آخری بار دیکھا۔ یہی وہ ہوشرُ باسین تھا جو مومنین اور محبانِ آل محمدؐ کے قلوب پر چھا جاتا ہے تو اُنکے دماغ سے احساس درد و تکلیف محو کر دیتا ہے۔ اِدھر اُس نظارہ کا سایہ جسم پر پڑتا ہے۔ اُدھر تلوار اور چھُریوں کے وار اور زخم ماتم کرنے والوں کو لذت آفرین معلوم ہونے لگتے ہیں۔ جسم سے خون کے فوارے چھوٹنے سے فدا کارانِ اہلبیتؑ کو سکونِ قلب اور قوت ایمانی ملتی ہے۔ امامؑ قومی حکومت کی افواج کو عملاً دکھا رہے تھے کہ ہمیں اسلام اور قرآن کے مقابلہ میں اپنی جان، اپنا گوشت اور خون پیارا نہیں ہے۔ دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ اب تلوار اُٹھانے کی سکت باقی نہیں ہے۔ شاید اب پانی کا لالچ دینے سے حسینؑ یزید کی اطاعت قبول کرلیں۔

وفی البحار قال له رَجُلٌ اَلا تری الفرات یاحسینؑ کانّه بطون الحیّات و اللّٰه لا تذ وقه اوتموت عطشًا..... قال ابوالفرج الاصفهانی جعل الحسینؑ یطلب المآء والشمر یقول و اللّٰه تروه اوتردالنار..... فکلّما حمل بفرسه علَی الفرات حملوا علیه باجمعهم حتّٰی اجلوه عنه قال ابن شهر آشوب روی ابومخنف عَنِ الجلودی اَنّ الحسینؑ حمل عَلَی الاعور سلمٰی وعمر بن الحجاج الزبیدی وکانافی اربعة الاف رجل عَلی الشریعة فهز مهم واقحم الفرس عَلَی الفرات فلما اولغ الفرس براسه لیشرب قال علیه السلام له اَنتَ عطشان وانا عطشان و اللّٰه لاذقت الماء حتٰی تشرب ۔فلما سمع الفرس کلام الحسینؑ رفع راسه ولم یشرب الماء کانّه فهم الکلام ۔فقال الحسین علیه السلام اشرِبُ وَاَنَا اَشرَبُ ۔فمدّ الحسینؑ یده فغرف الماء فقال له فارسٌ یااباعبدَّ اللّٰه تتلذّذ بشرب الماء وقدهتک حَرَمُک ۔ فنفض المآء مِن یده وحمل علیه السلام عَلَی القوم فکشفهم فاذا الخیمة سالمة وعرف اَنّها خدیعة مِنهم لِیَحرموه مِن شُرب الماء۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 407,408,409)

چنانچہ اُنہیں اُن کی پیاس یاد دلانے کے لئے ایک شخص نے کہا: اے حسینؑ کیا تم دریائے فرات کو نہیں دیکھتے کہ وہ صاف وشفاف ہونے میں سانپ کے پیٹ کی طرح چمکتا ہوا بہتا چلا جا رہا ہے۔ مگر سُنو تم اُس میں سے ایک قطرہ بھی نہ چکھ سکو گے اور یُوں ہی پیاسے قتل کر دیئے جاؤ گے۔ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے پانی مانگنا شروع کیا تو شمر ملعون نے کہا (معاذ اللہ) قسم بخدا تمہیں جہنم میں جانے سے پہلے ہرگز پانی سے سیراب ہونا نہ ملے گا۔ یہ تھی وہ گھڑی جب افواج اور سرداران افواج کو یقین ہو گیا کہ اب حسینؑ میں چلنے پھرنے اور اُٹھنے بیٹھنے کی بھی قوت نہیں ہے۔ اب وہ افواج کے محاصرہ کو توڑ کر دریا تک کیسے جا سکتے ہیں۔ یہی وقت تھا جب امامؑ پر لازم ہو گیا کہ ایک دفعہ پھر تلوار نکالیں اور دریا پر قبضہ کر کے دکھائیں کہ ہمیں پانی حاصل کرنے کی اس وقت بھی قدرت ہے۔ چنانچہ آپ نے دریا کی طرف بڑھنا شروع کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر فرات پر تشریف لائے تو نگران فوج نے امامؑ پر حملہ

کر دیا۔اور برابر اجتماعی حملہ جاری رکھا یہاں تک کہ امامؑ کو دریا سے دُور رکھتے رہے۔علامہ ابن شہر آشوب نے کہا کہ علامہ ابومخنف نے روایت کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے نگران افواج پر اور افواج کے دونوں سرداروں اعور سلمٰی اور عمر بن حجاج زبیدی پر سخت حملہ کیا اور اُس کنارے پر چار ہزار فوجی تھے اُن کو شکست دے کر دریا پر قبضہ کرلیا اور گھوڑے نے پانی کو دیکھ کر لگام کے دھانہ کو چبانا اور پپولنا شروع کیا تا کہ پانی پیئے۔امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تُو بھی پیاسا ہے اور میں بھی تیرے ساتھ پیاسا رہا ہوں۔خدا کی قسم جب تک تُو پانی نہ پی چکے گا میں پانی نہ چکھوں گا۔ جب گھوڑے نے امامؑ کی یہ شرط سُنی تو سر بلند کر کے کھڑا ہوگیا اور پانی نہ پیا جیسا کہ اُس نے امامؑ کی بات پوری طرح سمجھ لی تھی۔اِس پر امامؑ نے فرمایا کہ میری اجازت ہے۔تم پانی پیئو اور میں بھی پیتا ہوں۔چنانچہ امامؑ نے پانی کا ایک چُلّو بھرا اور کلّی کی ہی تھی کہ فوج کے ایک سوار نے کہا کہ آپؑ تو پانی سے لطف اندوز ہورہے ہیں اور آپؑ کے خیام میں اہل حرمؑ کی بےعزتی کی جا رہی ہے۔آپؑ نے پانی وغیرہ چھوڑا، تیزی سے باہر نکلے اور گھاٹ سے نکلتے ہی عمر سعد کی افواج پر ایسا حملہ کیا کہ فوجیں بھاگیں اور تتّر بِتّر ہوگئیں۔اب جو دیکھتے ہیں خیام بالکل محفوظ اور سلامت تھے۔دشمنانِ اسلام نے اپنی دانست میں دریا کے گھاٹ سے ہٹانے کے لئے یہ چال چلی تھی کہ حسینؑ کو اہل حرمؑ کا نام لے کر دھوکہ دیا جائے اور اس طرح پانی پینے سے روک دیا جائے۔مومنین جانتے ہیں کہ خیام اور اہل حرمؑ کا تحفظ ہی تو امامؑ کی شرعی ذمہ داری تھی۔

(17)۔ امام علیہ السلام دوبارہ دریا کے گھاٹ پر قبضہ کرتے ہیں

ہم یہ کہہ کر آگے بڑھے تھے کہ امامؑ مظلوم کو جس فکر نے آخری سانس تک پریشان رکھا وہ اہل حرمؑ کا تحفظ تھا۔جس طرح تمام انصاران حسین علیہم السلام پر امامؑ اور اہل حرمؑ کا تحفظ واجب تھا اور جب تک اُن میں سے ایک بھی زندہ تھا امامؑ کو یا اولاد ابوطالب علیہم السلام کو گزند نہیں پہنچا۔اور جس طرح اولاد ابوطالب علیہم السلام پر حسینؑ اور اولاد حسینؑ کا تحفظ واجب تھا اور جب تک اُن میں سے کوئی بھی باقی تھا امامؑ اور اہل حرمؑ پر آنچ تک نہ آنے دی۔اور جس طرح اولاد حسینؑ پر حسینؑ اور اہل حرمؑ کا تحفظ واجب تھا اور جب تک وہ سب شہید نہ ہوگئے امامؑ اور اہل حرمؑ کو اطمینان حاصل رہا۔اُسی طرح اب امام علیہ السلام پر دختران فاطمہؑ زہراء اور باقی اہل حرمؑ کا تحفظ واجب ہے۔اور آپ دیکھیں گے کہ جب تک امامؑ مظلوم کے ہاتھ پاؤں چلتے رہے اہل حرمؑ کو گزند نہ پہنچے گا۔یعنی میدان کربلا میں مقاصد حسینیؑ کو مکمل کرنے اور نتیجہ خیز بنانے کیلئے اہل حرمؑ سب سے قیمتی ذخیرۂ نبوّت ورسالت تھے۔بہرحال اہل حرمؑ کی توہین ناقابل برداشت بات تھی۔اس لئے آپ فوراً دریا سے چل دیئے اور ایک دفعہ پھر یہ دکھا دیا کہ افواج کا ٹِڈی دل بادل کس طرح پھٹتا اور بکھرتا چلا جاتا ہے۔ چونکہ آپ کو یہ دکھانا تھا کہ میں جبراً پانی پی سکتا ہوں۔ میں پورے گھاٹ پر قبضہ کرسکتا ہوں۔ میں اور میرے رفقائے کار مجبوراً نہیں بلکہ اپنے اختیار اور رضامندی سے بھوکے پیاسے رہے ہیں۔تا کہ وعدہ شہادت اعلیٰ ترین معیارِ خداوندی سے بڑھ کر پورا ہوجائے۔وہ جانتے تھے کہ اُن کا گھوڑا تک پانی نہ پیئے گا۔مگر وہ لوگوں کو دکھانے اور دلیل قائم کرنے کے لئے گھوڑے کو لائے تھے اور ہزاروں دشمنوں نے دیکھا کہ دونوں نے اختیار رکھتے ہوئے، دریا پر قبضہ ہوتے ہوئے پانی نہ پیا۔پانی مُنہ کے اندر تھا۔صرف نگلنے کی دیر تھی اور ضرورت تھی۔ دشمنوں نے دیکھا کہ امامؑ نے غرارہ کر کے پانی کی کُلّی کر دی۔ وہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ میں جو تم سے بار بار پانی مانگتا اور پانی کے لئے

طرح طرح کی اپیلیں کرتا رہا ہوں، وہ پیاس سے مغلوب ہو کر نہ تھیں۔ وہ اس لئے نہ تھیں کہ تم پانی دیتے تو میں یا میرے اہل خاندان یا صحابہ تمہارا دیا ہوا پانی پی لیتے۔ جس طرح ہمارا گھوڑا پانی میں کھڑا ہو کر پانی نہیں پیتا اُسی طرح ہمارے بچے تمہارا دیا ہوا پانی نہ پیتے۔ یہ سب اپیلیں اتمام حجت کے لئے تھیں۔ وہ سب باتیں تمہاری دشمنی کی انتہا دکھانے اور تمام نوع انسان میں تمہیں ملعون بنانے کے لئے تھیں۔ یہ دیکھو میں پھر دریا پر قبضہ کر کے دکھاتا ہوں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ اتفاقی طور پر حسینؑ گھاٹ پر پہنچ گئے تھے۔ فوج غافل رہی ہوگی، کوئی پہرہ والا گروپ سو گیا ہوگا، ایسا نہیں ہوا۔

وَفِی بعض الروایات اَنَّهُ مَرَّةً اُخریٰ جاء اِلَی الشریعة وغرف غرفة مِنَ الماء واَرَادَ اَنْ یشرب فتذکّر عطش اطفاله ونسائِهٖ فَصَبَّ الماء ولم یشربه۔ وعن ریاض الشهادة فی الخبر اَنَّهُ حِیْنَ خرج مِنَ المآء ووصل الی الخیام قتل اربعمائة رجل منهم۔ (اکسیر العبادات۔ صفحہ 408)

بلکہ یہ بیانات موجود ہیں کہ آپ نے دوبارہ گھاٹ پر حملہ کر کے قبضہ کیا اور چلّو بھر کر منہ میں ڈالا اور ارادہ کیا کہ پانی پی لیں مگر بچوں اور عورتوں کی پیاس یاد آ گئی اس لئے پانی پھینک دیا اور نہ پیا۔ کتاب ریاض الشہادۃ میں روایت ہے کہ جب آپ دریا سے نکل کر خیام تک آئے تو آپ نے دشمن کی فوج کے چار سو ملاعین کو تہہ تیغ کیا تھا۔''

(18)۔ ہماری دو باتیں نوٹ کر لیں

پہلی بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا روایت میں راوی نے اپنے ذاتی خیال کو شامل کر دیا ہے۔ یعنی اُس نے نہ معلوم کس ذریعہ سے امامؑ کے پانی پینے کے ارادہ کا پتہ لگا لیا؟ ارادہ تو ایک قلب و ذہن میں پوشیدہ چیز کا نام ہے۔ اور جب تک امامؑ یا کوئی اور شخص یہ نہ کہے کہ میں نے پانی پینے یا فلاں کام کرنے کا ارادہ کیا تھا، کسی کو کسی کا ارادہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ اُس نے یہ بھی کہہ دیا کہ امامؑ کو بچوں اور مستورات کی پیاس یاد آ گئی اس لئے پانی نہ پیا۔ یہ بھی علم غیب کی اطلاع ہے اور راوی عالم الغیب نہ تھا۔ اُس نے قیاس سے کام لیا ہے جو باطل ہے۔ یاد آنا یا بھول جانا بھی ذہنی و قلبی افعال ہیں اور اُن پر بھی بلا بتائے اطلاع ناممکن ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر دریا سے خیام تک جانے میں چار سو فوجیوں کو قتل کرنا پڑا تو میدان جنگ سے دو دفعہ دریا کے گھاٹ پر قبضہ کرنے اور فوجوں کو بھگانے میں بھی کچھ لوگ مارے جانا چاہئیں؟ مگر ہمارے راوی اور اہل قلم حکومتوں یا فرصت کے اشاروں پر مختصر نویسی کرتے اور واقعات اور تفصیل کو چھپاتے چلے آئے ہیں۔ دریا پر دو دفعہ قبضہ کرنے میں کئی ہزار سپاہیوں کو قتل کئے بغیر چارہ نہیں تھا۔ افواج مکھیاں نہیں ہوتیں کہ پھونک مارنے سے اُڑ جائیں۔ وہاں تو بھاگنے والوں کا کورٹ مارشل ہوتا ہے اور قتل تک کی سزا دی جاتی ہے۔ لہٰذا فوج کے سپاہی بلا جان پر کھیلے بھاگ بھی نہیں سکتے اور جب بطور سزا بھی جان ہی دینا ہوگا تو وہ لڑ کر کیوں نہ مریں؟ اور کیوں بے عزتی مول لیں؟ کیوں نہ میدان جنگ میں جان پر کھیلیں کہ حکومت اُن کے پسماندگان کی کفالت کرے؟

(19)۔ امامؑ مظلوم سے اسلامی جد و جہد اور اسلامی جہاد کا انتقام لے لیا گیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے لے کر شہادت تک رسوؐل کی نام نہاد قوم (فرقان 25/30) کو جو نقصان

پہنچا اُسے دانشورانِ قوم نے فراموش نہیں کیا۔ بلکہ اُس نقصان کو ہر دم تازہ رکھنے کے لئے طرح طرح کے انتظامات کئے۔ جو لوگ نقصان پہنچانے اور قریشی نظم و نسق و تہذیب و رسوم کے تباہ کرنے میں جان و مال و اولاد کی بازی لگائے رہے۔ وہ مدینہ کے نبطی انصار اور علی مرتضٰی علیہم السلام تھے۔ جنہوں نے نظام کفر و شرک کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ جن کی اسلامی تلوار نے اسلامی جہاد میں کفر و شرک کے تمام سرکردہ سرغنوں کو تہہ تیغ کیا تھا۔ اور قریش نے مجبور ہو کر اپنے چہرہ پر اسلام کا نقاب ڈال کر **لاالہ الّا اللہ** پڑھ دیا تھا۔ تاکہ تعلیمات قرآن و اسلام کو کفر و شرک کے تباہ شدہ نظام کے احیاء کے لئے تبدیل کرنے میں دقّت نہ ہونے پائے (یونس 10/15) اور رفتہ رفتہ قرآن کی نبوی تفہیم کو چھوڑ کر طاغوتی تعلیم و حکومت قائم کر لی جائے (نساء 4/60)۔ چنانچہ رسولؐ اللہ نے قرآن کے ذریعہ سے اپنی نام نہاد قوم قریش کے مندرجہ بالا منصوبہ اور اسکیم کا اعلان کر دیا تھا۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ مسلمان اور مومن صرف وہی لوگ ہوں گے جو علیؑ اور انصار مدینہ کی طرف سے بغض و کینہ نہ رکھیں (بخاری و کافی وغیرہ تمام کتب احادیث) یعنی اُمت کو یہ سکھایا تھا کہ اُن دونوں (علیؑ و انصار) سے بغض و کینہ رکھا جائے گا۔ اُن سے انتقام لیا جائے گا۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ انتقام شروع ہو گیا تھا۔ اور 61 ہجری تک پہنچتے پہنچتے انصار کی کثرت نے سپر انداختہ ہو کر قریشی یا قومی حکومت کے سامنے سر جھکا دیا تھا۔ لیکن علیؑ مرتضٰی قرآن و اسلام کی تعلیم پر قائم اور قریشی یا قومی حکومت کا نشانۂ ظلم و ستم بنے رہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کو تیس سال بھی نہ گزرے تھے کہ قریشی یا قومی اسلام کی رو سے حضرت علیؑ کو پورے عالَم اسلامی میں (معاذ اللہ) ملعون قرار دے دیا گیا۔ قومی مملکت کی ہر مسجد و محراب و منبر سے اُن پر نام لے کر (معاذ اللہ) لعنت کرنا قریشی اسلام میں واجب ہو گیا۔ عرب و عراق و ایران و دیلم و مصر و ترکستان اور یمن و ہندوستان (سندھ) میں یعنی جہاں جہاں کوئی مسجد تھی، جہاں جہاں قریشی قسم کے مسلمان عبادت گزار بستے تھے، وہاں ہر جگہ اپنی عبادات و اعمال کو اللہ کے حضور مقبولیت کا درجہ ملنے کے لئے حضرت علیؑ پر (معاذ اللہ) لعنت کی جاتی تھی۔ اور یہ عبادت سو سال کے قریب عمر بن عبدالعزیز (رح) کی بیعت تک جاری رہی۔ اور اُسے حکماً بند کرنے کی وجہ سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو زہر دے کر ختم کر دیا گیا۔ یعنی قریشی اسلام کی یہ عبادت اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ایک ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ علیؑ کی شہادت کے بعد اولادِ علیؑ میں سے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو قریشی مذہب و ملت و حکومت کا باغی اور دشمن سمجھا گیا اور قریشی حکومت یا قومی یا ملکی حکومت نے اُن کو باری باری ختم کرنے پر پورا زور لگا دیا۔ اس تباہی اور بربادی کو روکنے اور قومی یا قریشی حکومت و مذہب کو تباہ و برباد کرنے کے لئے امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوّت و رسالت کے آخری منصوبے اور مہم کو برسرِ کار لانے کے لئے جو کچھ کیا وہ مومنین کے سامنے آتا جا رہا ہے۔ امام علیہ السلام کے ذاتی پروگرام کا آخری مرحلہ اپنی زندگی کو اپنے خالق و مالک کے حضور پیش کرنا تھا جو خانوادہ نبوّت کے لئے نہایت آسان کام تھا۔ لیکن امامؑ اپنی جان قربان کر کے منصوبۂ نبوّت و رسالت کو ختم نہ کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اُن کی ہر قربانی، قربانیوں کے تمام دروازے کھول دے اور نوع انسان انسانی حرّیت اور آزادیٔ ضمیر کے تحفظ کے لئے سر بکف اور کفن بردوش ہو کر طاغوتی طاقت اور ہر ابلیسی حکومت سے ٹکرانا سیکھ لے۔ اور اپنے خون و گوشت اور اموال و اولاد کو قربان کرنے میں دائمی لذت حاصل کرنے کا راز معلوم کر لے۔ چنانچہ امامؑ نے قومی حکومت و مذہب کو بے نقاب کیا۔ اُن کو اس طرح اُبھارا کہ وہ بلا تکلف ایسے اعمال و مظالم کر گزرے جو

شیطان سے بھی ممکن نہ تھے۔خود معصومؑ نے اعلان کیا اور آپ نے پڑھا ہے کہ:۔

(1) ''اگر اللہ و رسولؐ نے مسلمانوں کو اولادِ علیؑ پر ظلم و ستم کرنے کا حکم دیا ہوتا؟ تب بھی وہ اس سے زیادہ مظالم نہ کرتے جو کربلا میں کیئے گئے۔''اور عبداللہ ابن عمر نے کہا تھا کہ:

(2) '' اگر کربلا والی جنگ کافروں، عیسائیوں اور یہودیوں سے ہوئی ہوتی تو وہ ہرگز وہ شرمناک مظالم نہ کرتے جو مسلمانوں نے کیئے۔''

امام علیہ السلام یہ دکھانا چاہتے تھے کہ قومی اسلام کے پیرو جانوروں کو پیاسا رکھنا تو گناہ سمجھتے تھے۔ مگر اولادِ علیؑ کو بھوکا پیاسا رکھنا عبادت واطاعت خداوندی جانتے تھے۔قریشی مسلمان جانور کو ذبح کرنے سے پہلے اسے دانہ اور پانی دینا واجب سمجھتے تھے۔لیکن اولادِ علیؑ کو پیاسا رکھ کر ذبح کرنا قومی دین کی خدمت خیال کرتے تھے۔الغرض امام حسینؑ انسانیت کو جھنجوڑ کر جگانا چاہتے تھے۔وہ ظلم وظالم کے خلاف دلوں میں ایسی نفرت وعداوت بھر دینا چاہتے تھے جو قیامت تک ہر انسانی بچہ کو ورثہ میں ملتی اور بڑھتی چلی جائے۔وہ مظلوم سے ہمدردی ومحبت وجذبہ قربانی کا ایسا سیلاب لانا چاہتے تھے جو تمام ظالموں، جابروں اور غاصبوں کو بہالے جائے، جو ہر فریب ساز وغدار کو ڈبو کر رکھ دے۔ وہ اللہ کی راہ میں انسانی فلاح وبہبود کیلیئے جان دینے والوں کو آنکھوں دیکھا نوک نیزہ پر بولنے والا زندۂ جاوید بنا دینا چاہتے تھے۔ یہ تمام مقاصد حاصل کرنے کیلیئے جان دینا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ایسا کٹھن کہ اس قصہ کو صرف کانوں سے سننا اور زبان سے کہنا دلوں کو پگھلا کر آنسوؤں کی راہ سے نکال دیتا ہے۔حسینیؑ قربانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی جو لوگ زندہ رہے وہ یا تو اللہ کی مخصوص برگزیدہؑ ہستیاں تھیں یا پھر وہ ایسے ملعون ومردود اشقیا تھے جن سے فراعنہ ونماریدو طواغیت وشیاطین وھامان وشداد بھی پناہ مانگتے اور شرماتے ہیں۔ذرا سوچیئے کہ ایک شخص تنہا ہے جسم چھلنی سے زیادہ زخمی ہے۔یعنی دُور سے آر پار سُوراخ گنے جاسکتے ہیں۔وہ زمین پر گرتا ہے تو تیر وپتھر برسائے جاتے ہیں۔وہ کسی طرح اُٹھ کر بیٹھتا ہے تو تیر وپتھر برسائے جارہے ہیں۔اُس میں کروٹ تک لینے کی سکت نہیں، وہ بے ہوش ہے، بے بس ہے۔اب یہ کیوں ضروری ہے کہ اُس کا سر بھی کاٹا جائے؟ وہ لباس جو اُس نے میدان جنگ میں آنے سے پہلے پہنا تھا اب لاکھوں سوراخ رکھتا ہے۔خون بار بار بہہ کر کپڑوں کے سوراخوں میں بھرا ہوا جما ہوا ہے۔بھلا اُس لباس کو اُتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کس کام میں آسکتا ہے؟ مگر واہ رے فرقانی (25/30) مسلمانو؟ اُنہوں نے امامؑ کے ایسے لباس کو بھی اُتار لیا۔ اُتار لیا بڑا مہذب لفظ ہے بلکہ یوں کہیئے کہ لُوٹ لیا۔چھین جھپٹ ہوتی رہی، لباس جسم کے جن اعضا سے نکالنا مشکل ہوا اُن اعضا کو کاٹ کر پھینک دیا گیا۔صرف اسلیئے کہ عمر بن سعد وابن زیاد ویزید ایسے قریشی مسلمان خلیفہ اور راہنمایان دین کو دکھا کر یہ ثبوت دیں کہ وہ قتل فرزند رسولؐ میں بروقت اور قریب ترین حملہ آوروں میں سے تھے۔اور اس طرح جائزہ، انعام اور جائیداد زیادہ سے زیادہ مل سکے۔اگر کربلا میں کافر ہوتے فرقانی مسلمان نہ ہوتے؟ اگر کربلا میں رسُولؐ کی قوم کے مسلمانوں کی جگہ عیسائی ہوتے؟ اگر کربلا میں یہود ومجوس یا ہندو ہوتے تو وہ ایسے زخمی اور بے بس وبے کس دشمن کو قتل نہ کرتے بلکہ اُسے اُٹھا کر اپنے حاکم کے روبرو پیش کرتے۔اسکا علاج ومعالجہ کرتے۔تندرست ہوجاتا تو توبہ کراتے یا جیل میں رکھتے۔مرجاتا تو دفن کرتے۔مگر واہ واہ حافظان قرآن لوگو۔واہ رے نمازی وتہجد گزار

مسلمانو۔ واہ رے قرآن کے پاسبانو۔ تم نے ایک نہیں دوسو چودہ (214) مظلوموں کو بلا دفن چھوڑ دیا اور ثواب سمجھا۔ خدا تم پر، تمہارے دین و مذہب پر، تمہارے طرفداروں پر لعنت کرتا رہے۔ تمہیں دنیا و آخرت میں بھکاری بنا کر ملعون و لعنتی بنا کر رکھے۔ تمہیں اقوام عالم کی نظروں میں جرائم پیشہ اور محسن کش بنا کر ذلیل وخوار رکھے۔ تمہیں بار بار وہی سزا دے جو یزید ملعون نے دی تھی۔ جو حضرت امیر مختار علیہ السلام نے دی تھی۔ آمین لاکھوں بار آمین۔

(20)۔ فرقانی مسلمانوں کا آسمانِ نبوّت ورسالت وامامتؑ کو زمین پر گرانا

محبانِ اہل بیتؑ سنیں کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو بھی سرکاری یا فرقانی علمانے گڈمڈ کر کے پیش کیا ہے اور جو کچھ لکھا ہے اور جس انداز سے لکھا ہے اُسے پڑھ کر اختلافات وتضادات کا ایک ہنگامہ سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور قاری پر اثر انداز ہونے اور مفید نتیجہ مرتب کرنے کے بجائے اُسے الجھن میں ڈال دیتا ہے۔ اور وہ یہ طے کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے کہ کون سی بات کو صحیح اور کس کو غلط قرار دے؟ ہم بھی وہی روایات لکھتے چلے آرہے ہیں جو تیرہ سوسال سے ریکارڈ میں موجود چلی آرہی ہیں۔ لیکن ہم سرکاری چال اور فرقانی قوم کی ترتیب کو جڑ سے اُکھاڑ دیتے ہیں۔ اسلئے اُنکا اختلاف وتضاد مٹ جاتا ہے۔ اور بات صاف ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ اب ہم وہ تمام مرحلے پیش کرتے ہیں جن سے گزر کر امامؑ مظلوم نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ اور اپنے نانا، والدؑ، والدہؑ اور بھائی سے ملاقات کی تھی۔

فمافی الملهوف لابن طاؤس اَنَّه لَمَّا اثخن الحسينؑ بالجراح وبقى كالقنفذ طعنه صالح بن وهب المرى علىٰ خاصرته طعـنة فسقط الحسينؑ عَن فرسه اِلَى الارض علىٰ خدّه الايمن وهويقول بسم اللّٰه وباللّٰهِ وعلىٰ ملتِ رسولؐ اللّٰه ـ ثُمَّ قام امام عليه السلام ـ قال الراوى فَخَرَجَتْ زينبؑ مِن باب الفسطاط وهِىَ تنادى وا اخاه وا سيداه وا اهل بيتاه ليت السمآء اطبقت عَلَى الارض وليت الجبال تدكدكت علَى السهل ؟ قال وصاح الشمر باصحابه ما تنتظرون بالرجل؟ قال وحملوا عليه مِنْ كُلّ جانب ـ (اکسیرالعبادات ۔صفحہ 423)

کتاب ملھوف میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام زخموں سے نڈھال ہو گئے اور ساہی کے مانند اُن کے جسم پر ہر جگہ تیر لگ چکے تو صالح بن وہب ملعون نے امامؑ مظلوم کی کوکھ میں ایک نیزہ مارا۔ جس سے آپ داہنے رخسار کے بل گھوڑے سے زمین پر گرے اور فرمایا اللہ کے اسم گرامی کے سہارے زمین پر گرتا ہوں (بِسْمِ اللّٰه وباللّٰه) اور ملة محمدؐ یہ کے تحفظ میں زمین بوس ہو رہا ہوں (وعلىٰ ملة رسولؐ اللّٰـه)۔ راوی بتاتا ہے کہ بھائی کو گھوڑے سے گرتا دیکھ کر صدیقہ صغریٰ حضرت زینبؑ خیمہ کے دروازہ سے باہر نکل آئیں اور آواز دی کہ ہائے بھائی؛ ہائے خلاصۂ اہلبیت رسولؐ؛ ہائے ہمارے سردار وسرپرست، ہائے افسوس ہماری بیکسی کاش آسمان زمین پر گر جاتا اور آپ کو بچالیتا۔ کاش دنیا کے پہاڑ چل کر آتے اور اس میدان وبیابان میں روک بن جاتے کہ اِن ظالموں کے ہاتھ آپ تک نہ پہنچتے۔ اُدھر حضرت زینبؑ اپنا دوسرا اقدام سوچ رہی تھیں اِدھر افواج سکتے کے عالم میں تھیں کہ امام حسین علیہ السلام اُٹھ کر پھر کھڑے ہو گئے۔ اور ایسی خطرناک صورتِ حال پیش کر دی کہ شمر ملعون نے چیخ کر افواج کو چوکنا کرنا ضروری سمجھا اور چاروں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ لہٰذا اُدھر چاروں طرف سے حملہ ہوا اِدھر حضرت زینبؑ کو بھائی کے پاس پہنچنے کی ضرورت نہ رہی اور جنگ جاری ہو گئی۔

ورنہ ایک شخص پر چاروں طرف سے ہزار ہا انسانوں کے حملہ کی ضرورت نہیں تھی ۔ دو چار آدمی جاتے اور قتل کر ڈالتے ۔ حملہ تو اُس پر کیا جاتا ہے جو خود حملہ کر رہا ہو۔اور ہزاروں آدمی چاروں طرف سے اُس پر حملہ کرتے ہیں جو کئی سو آدمیوں کے قابو میں نہ آ سکتا ہو۔لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ امام علیہ السلام اُٹھے (قَامَ) گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنوں پر حملہ آور ہوئے ۔اس لئے ضروری ہوا کہ افواج کو چوکنا کیا جائے اور چاروں طرف کی افواج کو حسینؑ حملہ کو روکنے اور قتل کرنے کا حکم دیا جائے ۔ورنہ چاروں طرف سے ایک شخص واحد پر حملہ کرنے کے معنی اپنے ہاتھوں اپنی افواج کو ہلاک و قتل کرانا ہوں گے ۔یعنی اُدھر سے آنے والے تیر اِدھر والوں کو لگیں گے ۔ اور سب مارے جائیں گے ۔مطلب واضح ہے کہ حسین علیہ السلام جدھر رُخ کریں اُدھر کی افواج حملہ کو روکیں اور جسے موقعہ ملے وہ امامؑ پر ضرب لگائے ۔ہماری باتیں تمام عقلمند پسند کریں گے ۔لکیر کے فقیر بکواس کرتے رہیں گے ۔مختصر بات یہ ہے کہ اچانک امامؑ پر مہلک نیزہ کی ضرب پڑی ۔آپ گرے ، اُٹھے ، سنبھلے اور دوبارہ حملہ کر دیا اور جنگ جاری ہوگئی اور بس ۔

(21)۔ امام علیہ السلام پر دوبارہ مہلک وار اور دوسری دفعہ گھوڑے سے گرنا

شمر کے حکم سے جب دوبارہ حملہ کیا گیا اُس وقت کا حال یوں لکھا گیا ہے کہ :۔وحملوا مِن کلّ جانب فضربه زرعة بن شریک علیٰ کتفه الیسری وضرب الحسینؑ زرعة فَصَرَعَهُ وضربه آخر علیٰ عاتقه المقدّس بالسَّیْفِ ضربةً کَبَّابِهَا لوجهه وکان قد اعیا وَجَعَلَ یَنوءُ ویکبّ فَطَعَنَهُ سنان بن انس النخعی فی ترقوته ثم انتزع الرمح فطعنه فی بوانی صدره ثم رماه سنان ایضًا بسهم فوقع السهم فی نحره فسقط وجلس قاعدًا فنزع السهم مِن نحره وقرن کفیه جمیعًا فکلما امتلا من دمآء خضب بهما راسه ولحیته وهویقول هٰکذَا اَلْقَی اللّٰه مُخَضِّبًا بدمی مغصوبًا علیَّ حَقِّی واَمّا ابومخنف فقال فی کتابه قال الشمر اَیُّها الامیر اِنَّ هذا الرجل یفنینا عن آخرنا مبارزة قال کیف نصنع به قال نتفرّق علیه ثلث فرق فرقة بالنبل وَالسهام وفرقة بالسیوف وَالرماح وفرقة بالنّاروالحجارة ونعجل علیه۔(اکسیر العبادات ۔صفحہ 423)

یزیدی افواج نے ہر چہار جانب سے امامؑ پر حملہ شروع کیا۔ظاہر ہے کہ امامؑ ہاتھ پر ہاتھ رکھے سر جھکائے نہ بیٹھے تھے۔چنانچہ موقعہ ملنے پر زرعہ بن شریک نے جلدی اور گھبراہٹ میں حضورؑ کے داہنے کاندھے پر تلوار ماری ۔اگر حواس ٹھکانے ہوتے تو سر پر مارتا۔امامؑ نے پلٹ کر تلوار کا ایک وار کیا اور دھوکے سے وار کرنے والے زرعہ کو زمین پر ڈھیر کر دیا ۔ جنگ برابر جاری رہی اور دشمنوں کے مدمقابل لوگ قتل ہو کر گرتے رہے ۔آخر امامؑ پر ایک ملعون نے گھات لگا کر وار کیا جو آپ کے مونڈھے پر پڑا جس سے آپ ایک دفعہ پھر منہ کے بل زمین پر گرے اور سنبھلے اور کھڑے ہونے کی کوشش میں مصروف تھے کہ سنان بن انس نخعی نے دُور سے برچھی پھینک کر ماری جو آپ کی گردن کے نیچے ہنسلی کی ہڈی کے پاس لگی اور امامؑ نے اُسے نکال کر پھینک دیا۔سنان بن انس نے دوسری برچھی پھینکی جو سینے سے نیچے لگی چنانچہ اُسے بھی نکال کر پھینکا۔اس کے بعد سنان بن انس ملعون ہی نے ایک تیر پھینکا جو حضورؑ کی گردن میں آر پار ہوگیا۔امامؑ نے وہ تیر بھی نکال کر پھینک دیا اور زخم سے جو خون بہہ رہا تھا اُسے دونوں ہاتھوں میں جمع کرنا اور سر و ریش پر ملنا شروع کیا اور فرماتے جاتے تھے کہ میں اپنے خون سے خضاب کئے ہوئے اللہ سے ملاقات کروں گا اور بتاؤں گا کہ کس طرح حقوق نبوتؐ و رسالتؐ و امامتؑ غصب

کر کے چھینے گئے ۔ علامہ ابومخنف کہتا ہے کہ شمر نے عمر بن سعد سے کہا کہ اے سپہ سالار یہ شخص چیلنج اور سوچی سمجھی جنگ کی موجودہ صورت میں ہمارے آخری آدمی تک کو فنا کے گھاٹ اُتار دے گا ۔ اُس نے پوچھا پھر کیا کریں کہ فنا ہونے سے محفوظ رہیں اور اُس پر غالب آ جائیں؟ اُس نے کہا کہ ہمیں اپنی افواج کو تین صورتوں میں ترتیب دینا چاہئے ۔فوج کا ایک حصہ برچھیوں اور تیروں سے مسلح ہو۔ دوسرا حصہ تلواروں اور نیزوں پر مشتمل ہو اور تیسرے کے پاس آتشباری اور سنگباری کا سامان ہونا چاہئے اور ہمیں تیزی سے حملہ کرنا چاہئے ۔

(22)۔ امامؑ کے دوبارہ گرنے والی مندرجہ بالا روایت پر محققانہ نظر ڈالئے ۔

یہ روایت ہمارے بڑے بڑے اور بزرگ علما نے اِن ہی الفاظ میں لکھی ہے ۔اور تاثر یہ دیا ہے اور یہی خود سمجھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام پر اتنی دُور سے وار کئے جا رہے ہیں کہ دشمن نیزہ یعنی بَلّم یا بھالا مار سکے یعنی صرف تین چار فٹ کے فاصلہ پر امامؑ گھوڑے پر سوار یا زمین پر کھڑے ہیں ۔ پھر نیزہ لگنے سے تین چار فٹ کے فاصلہ پر منہ کے بل گرے پڑے ہیں ۔ اور اُسی فاصلہ پر اُٹھنے اور بیٹھنے اور کھڑے ہونے کی کوشش میں بار بار گر گر پڑتے ہیں ۔حملہ چاروں طرف سے ہے ۔مگر وار کرنے والا ایک ہی شخص یعنی سنان بن انس ہے ۔ باقی فوجی کیا کر رہے ہیں ۔نہ راوی کو پتہ نہ یہ علما ہی جانتے ہیں ۔ پھر سنان دو نیزے مارتا ہے ۔ اِس کے بعد وہ تیر کمان سے تیر چلاتا ہے ۔ جو حلق کے نیچے گردن میں آ کر لگتا ہے ۔سوال یہ ہے کہ جب وہ ایک نیزہ کے فاصلے پر ہے تو تیر چلانے کے لئے تیس چالیس فٹ (کم از کم) پر کیوں چلا جاتا ہے ۔ وہ راوی یا اِن علما کی طرح عقل کا اندھا تو نہیں ہے ۔وہ تو فنِ جنگ اور جنگی چالوں میں یزیدی فوج کا ماہر ترین ملعون ہے ۔وہ چار فٹ کے فاصلے سے گردن پر تلوار کیوں نہیں مارتا کہ ایک ہی وار میں شہید کر کے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے؟

بات یوں ہے کہ امام علیہ السلام حملے کے دَوران جب اس فوج پر حملہ آور ہوتے ہیں جس میں سنان بن انس ہے ۔تو وہ چھُپ چھُپا کر اور گھات لگا کر برچھی پھینکتا ہے ۔ جو ہنسلی کے پاس لگتی ہے ۔ امامؑ کا مسلسل عملدرآمد یہ ہے کہ وہ جب موقعہ ہوتا ہے تیر و سنان (برچھی) کو نکال کر پھینک دیتے ہیں ۔ چنانچہ برچھی نکال کر پھینک دی ۔امامؑ کی عادت یہ بھی ہے کہ جب موقعہ ملتا ہے آپ اپنا خون زمین پر گرنے نہیں دیتے ۔لیکن برچھی سے نکلنے والا خون اس لئے نہ روک سکے کہ اُسی جگہ اور اُسی نشانہ سے دوسری برچھی سینہ کے آس پاس آ لگتی ہے ۔ چنانچہ حسب قاعدہ آپ نے اُسے بھی نکالا اور چونکہ اُسی نشانہ اور اُسی جگہ سے ایک تیر آ کر گلے میں لگتا ہے تو آپ کو سینے کا خون سنبھالنے کا موقعہ بھی نہیں ملتا ۔ پھر آپ وہ تیر گردن سے کھینچ کر پھینک دیتے ہیں ۔اور گردن سے نکلنے والے خون کے اُونجلے بھر بھر کر سر و ریش مبارک پر ملتے اور اللہ سے ملاقات کا طریقہ بتاتے ہیں یعنی آپ قطعاً ہوش و حواس میں ہیں اور دشمن کی طرف سے بے فکر رہ کر خون کا تقدس برقرار رکھتے ہیں ۔ صاف ظاہر ہے کہ دشمن کی افواج کافی فاصلے پر ہیں ورنہ اگر دشمن ایک نیزہ کے فاصلہ پر ہوتے تو اتنی دیر میں سینکڑوں تلواریں جسم مبارک پہ پڑ جاتیں ۔ اُدھر اگر سنان بن انس نیزہ کے فاصلے پر آ سکتا تھا تو باقی لوگوں کو قریب آنے سے کون روک سکتا تھا؟ اور جس وقت سنان نیزہ کے بعد نیزہ مار رہا تھا ۔اُسی وقت چاروں طرف سے اور لوگ نیزے اور تلواریں مار سکتے تھے ۔ لہٰذا علما کے یہ بیانات غلط ہیں ۔ دشمن کی فوج تو اُس وقت بھی بہت دور رہے گی جب آپ بے حس و حرکت ہو کر لیٹے ہوئے ہوں گے ۔

(23)۔ امامؑ پرنئی ترتیب سے حملہ اور جوابی حملہ میں حضورؑ کا تیسری دفعہ گرنا

مندرجہ بالا بیان میں آپ نے جو کچھ دیکھا وہ سب کچھ امام علیہ السلام کو مغلوب کرنے کے لئے کافی نہیں ہوا۔ بلکہ شمر نے اپنی افواج کے فنا کردیئے جانے کے خطرے سے بچنے کے لئے نئی ترتیب قائم کی اور اُس نئی ترتیب سے پھر حملہ کیا۔ لہٰذا امامؑ کا گرنا ایک فطری امر ہے۔ آپ ہزاروں زخم کھا چکے ہیں۔ جسم کا خون ہر زخم سے بہتا رہا ہے۔ لہٰذا بدن خون سے خالی ہو چکا، ایسی حالت میں کسی ضرب سے گر جانا قابل تعجب بات نہیں ہے۔ جو چیز عقلوں کو حیران کرتی اور قابل تعجب ہے، وہ ہے امامؑ کا گر کر اُٹھنا اور از سرنو دشمن کے لئے مصیبت بن جانا اور انہیں بار بار نئی ترتیب اور نئی طرز جنگ اختیار کرنے پر مجبور کرنا۔ اور یہی چیز ہے جسے علما نظر انداز کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا سنیئے کہ نئی ترتیب سے جو حملہ اب کیا جا رہا ہے اُس کا کیا نتیجہ ہوا؟ شمر کہہ رہا ہے کہ:۔

نعجل علیه فجعلوا یرشقونه بالسهام ویطعنونه بالرماح ویضربونه وبالسیوف حتّٰی اثخنوه بالجراح ۔واغرضه خولی بن یزید الاصبحی بسهم فوقع فی لَبَّته فارداه عَنْ ظهرجواده اِلَی الارض صریعًا یخوربد مه وروی اَنَّ السهم رماه ابوقدّامة العامری فجعل ینزع السهم بیده ویتلقی الدّم بکفّیه ویخضّب به لحیته وراسهٖ الشریف ویقول هٰکذا القی ربی اللّٰه والقی جدّی رسولؐ اللّٰه واشکواالیه مانزل بی وخرّصریعًا مغشیًّا علیه فلماافاق من غشیّته وثَب لیقوم للقتال۔

وقال ابومخنف وبقی الحسیؑن مکبوبًا عَلَی الارض ملطّخًا بدمه ثلٰث ساعات مِن النهاررمقابطرفه الٰی السمآء وَهُوَیقول صبرًا علٰی قضائِکَ یارَبّ لاالٰهَ سِواک یاغیاث المستغثین ۔وامّا المجلسی فقال فی کتابه قال صاحب المناقب ومحمد بن ابی طالب ولَمَّا ضعف نادی شمر الملعون ماوقوفکم وَمَا تنتظرون بالرجل قداتخنته الجراح والسهام حملوا علیه ثکلتکم امها تکم فحملوا اعلیه مِن کل جانب۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 423)

اُس نئی ترتیب والی افواج امام حسینؑ کو تیروں سے چھلنی بنائیں، نیزوں سے گھائل کریں اور تلواروں کی پیہم ضربیں لگائیں۔ اور یوں انہیں مغلوب اور بے بس کر کے رکھ دیں۔

اس مشورہ کے مطابق حملہ ہوا۔ یہاں امام علیہ السلام اس حملہ کے جواب میں کیا کر رہے ہیں؟ مسٹر ابومخنف یہ نہیں لکھتے۔ اس لئے کہ امامؑ ہی کے واقعات تو چھپانا اور کم از کم بیان کرنے کا حکم تھا۔ لیکن مومنین خود سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے زبردست منظّم اور اجتماعی حملہ کے دوران امامؑ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہ بیٹھ سکتے تھے۔ اور اگر بیٹھتے تو ایسے حملے کی ضرورت نہ ہوتی۔ دو چار آدمی جاتے اور مغلوب کر لیتے۔ لہٰذا امامؑ کے متعلق ماننا ہوگا کہ وہ حضرتؑ بھی اپنی اُس جسمانی طاقت سے بھرپور دفاع اور حملہ و قتل عام کر رہے تھے جو اس قدر خون نکل جانے کے بعد اور اس قدر زخمی ہو جانے کے بعد آپؑ کے جسم میں باقی تھی۔ بہر حال دونوں طرف سے جنگ جاری تھی اور ظاہر ہے کہ امامؑ کے سامنے آنے والا ہر شخص قتل ہو کر گرتا جاتا تھا۔ اسی دوران چالاک لوگ گھات لگاتے اور وار کرنے کی تاک میں رہتے تھے۔

الغرض خولی بن یزید اصحی یا ابوقدامہ العامری نے موقعہ پا کر ایک تیر پھینکا جو امامؑ کے سینہ میں لگا جس سے امامؑ گھوڑے سے زمین پر گرے۔ خون کی وجہ سے حلق میں سے خرخراہٹ کی آواز نکل رہی تھی لیکن آپؑ نے اُس تیر کو نکال کر پھینک دیا اور خون کو حسب قاعدہ ہاتھوں میں لے کر سر و ریش پر ملتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے کہ میں اپنے رب اللہ سے اور اپنے نانا رسولؐ اللہ سے اسی حالت میں

ملوں گا۔اور اُن سے اپنی مظلومیت اور تمہارے مظالم کا شکوہ کروں گا۔

یہاں رک جائیں اور اس جُملہ کو جو کئی بار اور بار بار فرمایا گیا ہے سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔خون میں لتھڑا ہوا چہرہ اور سر کے بال اور داڑھی اللہ ورسوؐل کو دکھانے کا کام کب کیا جائے گا؟ اگر راسخ العقیدہ یعنی بدعقیدہ لوگوں کا خیال رکھا جائے تو یہ کہنا لازم ہوگا کہ امامؑ کی اللہ ورسولؐ سے ملاقات قیامت میں ہوگی۔یعنی ایک لامحدود ولا انتہی مدت تک یہ ماننا ہوگا کہ وہ خون ہزاروں لاکھوں سال تک سوکھنے جمنے اور جھڑنے اور سڑنے نہ پائے گا بلکہ سر وچہرہ اور داڑھی خون میں تر اور گیلی رہے گی۔اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ قبر میں بھی اُس خون، اُس چہرہ اور اُس داڑھی اور اُس سر میں کوئی مادی تغیر نہ ہوگا۔لیکن اتنی دُور دراز مُدت تک کی بات کو کہنے سے اُن ملاعین پر کیا اثر ہوگا؟ اثر تو جب ہوگا جب یہ محسوس کرایا جائے کہ ادھر میری روح بظاہر تن سے جدا ہوگی اور اُدھر میں فوراً اُسی تن بدن وسر وچہرہ اور داڑھی وشکل وشمائل سے اللہ ورسولؐ سے ملوں گا۔اور شکوہ کی بنا پر تم پر عذاب نازل ہوگا۔

پھر یہ سوچیں جہاں صرف دو چار سو گھوڑے سوار ہوں وہاں کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔اس لئے کہ سواروں کے نیچے گھوڑے اور خصوصاً تندرست، چاق وچوبند گھوڑے چین سے خاموش کھڑے نہیں رہتے۔کوئی زمین پر پیر مارتا ہے، کوئی ہنہناتا ہے۔ ہر گھوڑا لگام کو ڈھیلا کرانے کے لئے بار بار جھٹکے مارتا ہے۔مکھیوں کی وجہ سے سر وگردن اور سارا جسم جُھرجھری لے کر ہلاتا ہے۔یوں اُن کا ساز اور زیور جھنکار پیدا کرتا ہے۔ناک صاف رکھنے کے لئے تمام گھوڑے بار بار خُرخُر فُر فُر کرتے اور پھڑ کیاں بجاتے ہیں۔غفلت میں سواروں کی مہمیز کی نوک چبھ جانے سے گھوڑے الف ہو جاتے ہیں۔اچھلنے کودنے لگتے ہیں۔الغرض ہزارہا گھوڑے جہاں موجود ہوں وہاں امامؑ کا کلام سُننا اُسی حالت میں ممکن ہے کہ امامؑ کو سنبھلنے اور دوبارہ اُٹھ کر حملہ کرنے کے وقفہ میں نہ صرف سواران افواج بلکہ اُن کے گھوڑے بھی سہمے ہوئے بے حس وحرکت کھڑے ہوں۔اور سابقہ کے بار بار کے تجربوں سے یہ یقین ہو گیا ہو کہ امام حسینؑ اس دفعہ بھی ضرور اُٹھیں گے اور پھر قیامت برپا کریں گے۔نہ معلوم کس کس آدمی اور گھوڑے کو دو ٹکڑے ہونا ہیں۔جو شخص ہر تیر کو خواہ کہیں لگا ہو، ہر برچھی کو خواہ دل میں پیوست ہو، گلے کی شریان وشاہ رگ میں سے گزری ہو نکال کر پھینکنے کا عادی ہو، جو خون کی ایک بوند زمین پر نہ گرنے دیتا ہو اُس سے کون بے فکر ہو سکتا تھا۔چنانچہ آپ شہادت کے اِن ہی مراحل میں عنقریب دیکھیں گے کہ امامؑ بے حس وحرکت لیٹے ہوئے ہیں اور کوئی شخص خوف وہراس کے مارے قریب نہیں آتا۔سرداران افواج دھمکیاں دے رہے ہیں اور بڑے بڑے سرکش ملاعین خوفزدہ ہیں کہ کہیں اچانک اُٹھ کر ہمارا صفایا کر کے پھر نہ لیٹ جائیں۔چنانچہ ابھی ابھی آپکے سامنے روایت کہتی ہے کہ:

اللہ ورسولؐ سے ملاقات کی بات کہہ کر آپ لیٹ گئے اور خراٹے لینے لگے اور آپکو غش آ گیا۔اور ابومخنف غشی اور بے ہوشی کی اس مدت کو تین گھنٹے (ثلث ساعات) کہتا ہے۔اور غشی کی حالت میں امامؑ کو منہ کے بل خون میں نہایا ہوا دکھاتا ہے۔اور لکھتا ہے کہ اوندھے منہ لیٹے ہوئے امامؑ آسمان کی طرف گوشۂ چشم سے دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اے اللہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔میں نے اپنی ذات کو خوشی اور اطمینان سے تیری رضامندی حاصل کرنے اور تیرا حکم بجالانے میں تیرے حوالے کر رکھا ہے۔اور تیری ذات وہ ذات ہے جو تمام فریاد کرنے والوں کی فریاد رسی کرتی ہے۔

یہاں مومنین پھر سوچیں کہ اِن لوگوں نے اوندھے منہ کیوں کہا، کیوں نہ اُس حالت کو حالت سجدہ سمجھا؟ جب کہ آپ اللہ کو مخاطب بھی کررہے ہیں۔ اُسکی مدح وثنااور دعا بھی فرمارہے ہیں۔ بہرحال یہ وہی حضرات ہیں جنہوں نے چاہا تھا کہ دربار یزید میں اہل حرمؑ کی صرف ایک پیشی دکھا کر دس بارہ روز میں رہا کردیا جانا ثابت کردیں۔لیکن ہم نے اُنکی روایات کو جب فطری اور عقلی ترتیب سے لکھا تو پیشیوں کی تعداداور قید کی مدت ایک سال تک جا پہنچی۔آیئے پھر مندرجہ بالا روایت دیکھئے لکھا ہے کہ:۔

شمر ملعون نے گُم سُم اور حیران وششدر کھڑی ہوئی افواج کو للکارااور کہا کہ تمہارے غم میں تمہاری مائیں رویا کریں تم یُوں بے حس وحرکت کھڑے کھڑے کیا انتظار کررہے ہو؟ ارے دیکھو جس شخص کو لاتعداد زخموں نے نڈھال کردیا ہے اُسکی طرف سے مطمئن نہ ہوجاؤ۔مطلب یہ ہے کہ وہ آیا۔ہوشیار خبردار حملہ کرواور چاروں طرف سے حملہ کروورنہ تمہاری خیریت نہیں ہے۔

(24)۔ امام علیہ السلام پر پھر حملہ ہوا، چوتھی بار امامؑ کا زمین پر آنا

راوی اور علما اپنی عادت کے مطابق یہ تو لکھتے ہیں کہ شمر ملعون نے فوج کو ڈانٹا بُرا بھلا کہا اور ہر جانب سے حملہ کا حکم دیا اور حملہ کیا گیا۔لیکن یہ نہیں بتاتے کہ حملہ کیوں کیا گیا؟ اگر امامؑ بے ہوش پڑے تھے تو صرف تین چار آدمی جاتے اور کام تمام کردیتے۔لاتعداد افواج کا حملہ اور وہ بھی چاروں طرف سے حملہ خود بتاتا ہے کہ یزیدی افواج اور شمر ملعون پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے جس سے چھٹکارے کے لئے اجتماعی اور چوطرفی حملہ کی ضرورت ہے بہرحال حملہ ہوا۔

فحملوا علیہ مِن کُلِّ جانبٍ فرماہ الحصین بن نمیر فی فِیْہِ وابوایوب الغنوی بسھم فی حَلقہ وطعنہ سنان بن انس النخعی فی صدرہ وطعنہ صالح بن وھب المزنی علٰی خاصرتہ فوقع الَی الارض علٰی خدّہ الایمن ثُمَّ استوی جَالِسًا ونزع السھم من حلقہ۔ ثم دناعمر بن سعدالحسینؑ قال حمید وخرجت زینبؑ بنت علیؑ وقرطا ھایجولان بین اذنیھا وھی تقول لیت السمآء انطبقت علَی الارض یاعمربن سعد اَتقتل ابوعبد اللّٰہ وانت تنظرالیہ ودموع عمر تسیل علٰی خدّ یہ ولحیتہ وھو یصرف وجھہ وعن الارشاد فلم یجبھا عمربشیءٍ فقالت ویحکم امافیکم مسلم فلم یجبھا احد بشیءٍ۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 423)

اور ہر چہار جانب سے حملہ ہوا۔لڑائی کے دوران موقعہ پاکر حصین بن نمیر نے امامؑ کے مُنہ پر کچھ پھینک کر مارا۔پھر ابوایوب غنوی کو موقعہ ملاتو اُس نے آپ کے حلق پر ایک تیر ماردیا۔آپ نے دوسری طرف رخ کیا تو سنان بن انس نے سینہ پر ایک برچھی پھینکی۔اور دوسری طرف سے صالح بن وہب نے پھر کوکھ میں برچھی پھینک ماری۔اس سے آپؑ پھر زمین پر داہنے رخسار کے بل تشریف لائے۔ راوی حمید کہتا ہے کہ امامؑ کو گرتا دیکھ کر جناب زینبؑ خیام سے نکل آئیں۔آپ اس طرح آرہی تھیں کہ دونوں گوشوارے کانوں میں بیتابی سے متحرک تھے۔اُدھر عمر بن سعد بھی امامؑ کی طرف ذرا قریب پہنچ گیا تھا۔حضرت زینبؑ فرمارہی تھیں اے کاش آج آسمان زمین کو ڈھک لیتا اور میرے بھائی بچ جاتے اور یہ لوگ تباہ ہوجاتے۔اُنہوںؑ نے عمر بن سعد سے کہا کہ امامؑ کو قتل کیا جائے اور تو آنکھوں سے دیکھتا رہے؟ عمر بن سعد کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اُس کے گالوں اور داڑھی پر سے گزر رہے تھے۔اُس نے حضرت زینبؑ کو جواب دینے کے بجائے شرم سے منہ پھرالیا۔اور کتاب ارشاد میں ہے کہ عمر بن سعد نے کوئی جواب نہ دیا۔پھر شہزادی نے فرمایا کہ خدا تمہیں غارت کرے کیا تم

میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے۔اس پر بھی کسی نے اُنہیں جواب نہ دیا۔اسکے بعد امامؑ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔یعنی یہ سجدہ حلق میں تیر پیوست کئے ہوئے بجالائے اور اسکے بعد تیر کو نکال کر پھینک دیا۔

یہاں مومنین اتنا سوچیں کہ راوی اور علما عمر بن سعد کو زاروقطار روتا ہوا دکھاتے ہیں۔غالباً اِن لوگوں کے سینے میں بھی عمر بن سعد ہی کی قسم کا دل ہوگا۔کیونکہ کبھی کبھی یہ لوگ بھی رونے لگتے ہیں۔مگر ہم یہ تو مانتے ہیں کہ ایک وقت یزید بھی رویا تھا۔لیکن یہ نہیں مانتے کہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد عمر رویا ہو۔یزید کا رونا بغاوت اور انتقام کے خوف سے تھا۔عمر بن سعد کو ابھی کسی قسم کا خوف نہیں ہے۔

(25)۔ **امامؑ مظلوم کا آخری مرحلۂ شہادت اور فرقانی قوم کے مظالم کی انتہا**

یہاں محبانِ اہلبیتؑ دلوں کو تھام کر سُنیں کہ مندرجہ بالا روایت میں آپکے نجات دہندہ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام جو زمین پر گرے تو پھر اُٹھ نہ سکے یہیں امام علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے۔جب حضرت زینبؑ بے قراری میں خیام سے نکل آئی تھیں۔اور عمر بن سعد اور فوج سے مخاطب ہوئی تھیں۔اُنکی آواز سُن کر امامؑ اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے تاکہ بہن مطمئن ہو کر پلٹ جائے اور یہ سمجھ لیں کہ اس دفعہ پھر حسب سابق بھائی کھڑے ہو جائیں گے اور فوج پر حملہ کریں گے لیکن جب سیدہؑ کی لاڈلی اور بھائی کی پیاری بہن لوٹ کر چلی گئیں تو امامؑ نے اُٹھنے اور کھڑا ہونے کی کوشش فرمائی تو اُٹھتے ہی گر پڑتے تھے۔روایت مذکورہ کے الفاظ یہ ہیں:۔وَهُوَ يَكَبُّ مَرَّةً وَيَقُوْمُ اُخْرٰى ۔آنجنّاب دونوں ہاتھوں کا سہارا لیکر کبھی اُٹھتے تھے کبھی گر جاتے تھے۔جب امامؑ مظلوم کو یقین ہوگیا کہ اب جسمانی قوت جواب دے چکی ہے تو ماضی اور مستقبل پر نظر ڈالی۔اہل حرمؑ کے مصائب سامنے آئے تو نقاہت پوری طرح دل و دماغ پر چھاگئی۔ماضی کو دیکھا تو تمام شہداؑ کا قتل ہونا آنکھوں کی روشنی پر اثر انداز ہوا۔اپنی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس جسم نے،ان ہاتھوں پیروں نے حد کمال تک ساتھ دیا۔فاطمہؑ کے دودھ کی طاقت تھی جس نے یہ قوت برداشت عطا کی تھی کہ ہزاروں زخم کھا کر بھی یزیدی افواج پر بھاری مصیبت بنے رہے۔ہاتھ پیر سینہ سامنے تھا۔آر پار سوراخوں میں سے سوراخ اور گھاؤ نظر آرہے تھے۔آپ مطمئن ہوگئے کہ اُن کے اعضا نے کوتاہی نہیں کی ہے۔

(26)۔ **شہید ہوتے ہوتے آخری قربانی بڑے بھائی کی نشانی عبداللہ بن حسن علیہم السلام**

یہ وہ صورتِ حال ہے جہاں امام علیہ السلام بے حس وحرکت دکھائی دے رہے ہیں اور سرداران فوج کو بھی یقین آچکا ہے کہ اَب آنجنابؑ اُٹھ نہیں سکتے۔کسی میں یہ جرأت نہیں ہے کہ پاس آکر اطمینان حاصل کرے۔وہ سوچ رہے ہیں کہ نہ معلوم زندہ ہیں یا اللہ کو پیارے ہو چکے **(والقوم فی حَیْرۃ فی قتلہ خَوْفًا انّہ حیٌّ اَمْ مات ؟)**۔فرقانی قوم آنجنابؑ کے قتل کرنے میں حیرت وتعجب اور خوف سے دوچار کھڑی ہے اور سوچ رہی ہے کہ آیا آپؑ زندہ ہیں یا مر چکے ہیں۔مطلب یہ کہ اگر زندہ ہیں تو جو قریب جائے گا وہ مارا جائے گا۔

قال ابو مخنف فابتدر الیہ اربعون رَجُلاً کُلٌّ منھم یُرید ون جَزّ راسہ الشریف وعمر بن سعد ملعون یقول یاویلکم عَجّلوا علیہ وکان اوّل من ابتدر الیہ شبث بن ربعی الملعون وبیدہ السَّیفُ مَحدَ وُدَبٌ فدنی منہ لِیَتَجَزَّ راسہ الشریف فرمقہ بطرفہ فرمی السَّیف مِن یدہ و وَلّی ھاربًا وھویقول ویحک یابن سعد ترید اَن تکونَ بریئًا من قتل الحسینؑ واھراق دمہ واکون انا مطالبًا بدمہ معاذ اللّٰہ اَنْ القی اللّٰہ تعالٰی بدمک یاحسینؑ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 424)

فخرج عبد اللّٰه بن الحسن بن علی علیهم السلام وهو غلام لم یراهق من عندالنسآء فَلَحَقَتُهُ زینبؑ بنت علیؑ لِتَحُبسه فَاَبٰی وامتنع امتناعا شدیدًا فقال لا واللّٰه لاافارق عَمِّی فجاء حتّٰی وقف اِلٰی جنب الحسیؑن فاهوی بحربن کعب وَقِیۡلَ حرملة بن کاهل الٰی الحسینؑ بالسَّیف فقال له الغلام ویلک یاابن الخبیثۃِ اتقتل عَمّی فضربه بالسّیف فاتقاهاالغلام بیده فاطنّها الٰی الجلد فاذا هِیَ معلّقة فنادی الغلام یااُمَّاهُ؟ فاخذه الحسینؑ وضمّه الیه وقال یابن اخی اصبر علٰی مانزل بک واحتسب فی ذلک الخیر فانّ اللّٰهَ یلحقک بآبائکؑ الصالحین قال الراوی فرماه حرملة بن کاهل بسهم فذ بحه وهو فی حجر عمّه الحسین علیه السلام.

بہرحال ابومخنف سناتے ہیں کہ آخر چالیس ملاعین کا انتخاب کیا گیا جو امامؑ مظلوم کا سر کاٹنے کو تیار ہوسکیں۔ عمر بن سعد نے اُن چالیس حرامزادوں کو بھی خاموش دیکھا تو کہا کہ خدا تمہیں غارت کرے جلدی کرو۔ مطلب یہ کہ ممکن ہے سنبھل کر اُٹھ بیٹھیں اور پھر ایک دفعہ جنگی مشین کو حرکت میں لانا پڑے۔ چنانچہ ایک شخص جس نے سب سے پہلے جرأت دکھائی وہ شبث ابن ربعی تھا۔ وہ ایک مخصوص طویل اور خمدار تلوار لئے ہوئے اسلام کو ذبح کرنے کے پختہ ارادے سے امامؑ کے قریب آیا تو حضورؑ نے آہٹ سُن کر گوشہ چشم سے اُس کی طرف دیکھا۔ جیسے ہی نظریں ملیں وہ مردود تلوار پھینک کر ہانپتا کانپتا دوڑا اور عمر بن سعد سے کہا کہ خدا تیرا بُرا کرے تُو خود تو قتل حسینؑ اور اُن کا خون بہانے سے بری الذمہ رہنا چاہتا ہے۔ اور مجھے اُن کے قتل کا ذمہ دار بنانا چاہتا ہے؟ میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں اے حسینؑ کہ میں آپ کے قاتل کی صورت میں اللہ سے ملاقات کروں۔

مومنین یاد فرمائیں کہ ہم نے جو نقشہ اور مقام خیامِ حسینیؑ کا دکھایا ہے وہ پہاڑوں کی بلندی کی بنا پر بہت اونچا مقام تھا۔ وہاں سے میدان جنگ کی طرف کو مسلسل ڈھلوان زمین چلی جاتی تھی۔ اور پورا میدان خیام سے نظر آتا تھا۔ جب امام علیہ السلام کافی دیر تک گھوڑے پر سوار ہوتے نظر نہ آئے تو تمام اہلِ حرم کی نگاہیں میدان جنگ پر جم کر رہ گئیں۔ فوج کا ایک دائرہ میں اطمینان سے کھڑے رہنا اور صرف تیس چالیس آدمیوں کا اس دائرہ کے بیچ میں جمع ہونا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ تمام اہل حرمؑ دعا کیلئے ہاتھ بلند کئے ہوئے دیکھ رہے تھے کہ:

اچانک جناب عبداللہ بن الحسن مجتبیٰ علیہما السلام عورتوں میں سے بھاگے اور میدان کی طرف نکلے جناب زینبؑ نے دوڑ کر پکڑا تا کہ بھتیجے کو موت کے منہ میں جانے سے باز رکھیں۔ مگر بچہ نے سخت مزاحمت کی اور کہا کہ پھوپھی جان میں بخدا کسی طرح بھی اپنے چچا سے دُور نہیں رہوں گا۔ چنانچہ عبداللہ علیہ السلام اس خوردسالی کے باوجود دوڑتے ہوئے فوجوں میں سے گزرتے ہوئے امام مظلومؑ کے پاس آکر ٹھہرے۔ یہاں بحر بن کعب ملعون نے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرملہ نے امام علیہ السلام پر تلوار بلند کی تو بچہ نے کہا کہ او خبیث عورت کے بیٹے کیا تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ اُدھر بحر بن کعب نے تلوار ماری اِدھر بچہ نے تلوار کا وار اپنے بازو پر روکا تو بازو کٹ کر لٹک گیا صرف کھال لگی رہ گئی۔ بچہ نے بچوں کی طرح اپنی ماں کو پکارا۔ امامؑ نے بچہ کو پکڑ کر اپنی گود میں لے لیا اور فرمایا کہ بیٹے جو کچھ ہوا اُس پر صبر کرو اور اسے اپنے حق میں بہتر سمجھو یقیناً جلد ہی اللہ تمہیں تمہارے باپؑ داداؑ سے ملاقات کرائے گا۔ اتنے میں حرملہ بن کاہل نے تاک کر ایک تیر چلایا جس نے بچہ کو ذبح کر کے رکھ دیا اور اُس معصوم نے چچا کی گود میں جان دیدی۔ اور یہ آخری قربانی تھی جو امامؑ نے پیش کی۔

(27)۔ شہید ہونے سے پہلے امام علیہ السلام کے زخموں کی تعداد

وہ آخری زخم جس سے امام علیہ السلام کی شہادت واقع ہوئی تھی گلوئے مبارک پر لگایا گیا تھا۔لیکن مومنین نے دیکھا ہے کہ جہاں تمام بدن زخموں سے چُور چُور تھا۔وہاں گردن میں بھی بار بار اور کئی بار تیر آر پار نکل چکے تھے۔اور تیروں کو کھینچ کر نکالنے سے گردن کا ہر زخم بھی کافی کشادہ ہوتا رہا تھا۔یعنی امامؑ کے لئے گلا کٹانا کوئی مشکل کام نہ تھا۔جو چیز میدان کربلا میں امامؑ کے لئے سب سے مشکل تھی وہ اہل حرمؑ کے مصائب وآلام تھے۔جو کسی لمحہ امامؑ کے سامنے سے نہ ہٹائے جاسکے۔بہرحال آپ امامؑ کے جسم پر زخموں کی تفصیل بھی اِس انداز سے لکھی ہوئی دیکھیں گے جو انداز آدمی کو مطمئن کرنے کے بجائے مشکوک کرتا ہے۔اور علمائے شیعہ زخموں کے معاملہ میں بہت گھبراتے اور طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔بہرحال پہلے علما کا بیان سُن لیں پھر ہم چند فطری حقائق پیش کریں گے۔تاکہ پیدا کردہ اختلاف وتضاد دور ہوکر بات فطری ہوجائے۔

قال صاحب المناقب والسید حتّٰی اصابته اثنان وسبعون جراحة۔ (2) وقال ابن شهر آشوب وقال ابومخنف عن جعفرؑ بن محمّدبن علیؑ قال وجد نابالحسینؑ ثلثا وثلثین طعنة واربعًا وثلثین ضربة ۔ (3) قال البا قرعلیه السلام اصیب الحسیؑن ووجد به ثلثمائة وبضعة وعشرون طعنة برمح و ضربة بسیف ورمیه بسهم۔(4) وروی ثلثمائة وسِتّون جراحة ۔(5) وقیل ثلث وثلثون ضربة سوی السهام۔(6) والف وتسعمائة جراحة ۔(7) وعن کتاب عیون الحیا ة اِنَّ فی روایة انّه اصابه اربعة الاف جراحات من السهام ومائة وثمانون مِن السَّیُوف والسِّنان وفی البحار وکانت درعه کالشوک فی جلد القنفذ وروی انها کانت کُلّها فی مقد مة۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 409)

کتاب مناقب کے مصنف اور سید نے کہا ہے کہ اُس وقت تک امامؑ کے جسم پر بہتر (72) زخم آچکے تھے۔(2) اور ابن شہر آشوب اور ابومخنف نے جعفر بن محمد بن علی زین العابدین علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ ہم نے تینتیس برچھیوں کے زخم اور چونتیس تلواروں کی چوٹیں امامؑ کے جسم پر پائیں۔(3) امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ امامؑ کے جسم پر تین سو بیس اور کچھ زیادہ زخم آچکے تھے جن میں نیزوں ،تلواروں اور تیروں کے زخم بھی شامل تھے۔(4) اور یہ روایت بھی ہے کہ تین سو ساٹھ زخم تھے۔(5) اور تیروں کے زخموں کو چھوڑ کر تینتیس (33) زخم بھی بتائے گئے ہیں۔(6) اور ایک ہزار نوسو زخم آنے کی روایت بھی ہے (7) اور کتاب عیون الحیات میں یہ روایت ہے کہ آپؑ کے جسم مبارک پر تیروں کے چار ہزار زخم اور ایک سو اسی تلواروں اور برچھیوں کے زخم تھے اور کتاب بحار میں یہ لکھا گیا ہے کہ امام حسینؑ کی زرہ ایسی ہوگئی تھی جیسی تکلوں کی وجہ سے ساہی کی کھال ہوتی ہے۔اور روایت یہ ہے کہ زخموں کی یہ صورت امامؑ کے جسم کے آگے کی تھی۔یعنی پس پشت کی گنتی نہیں اور ایک بے وقوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ امامؑ کے جسم کے اگلے حصہ پر زخم آئے تھے چونکہ آپ نے دشمن کی طرف پشت نہ کی تھی۔

(28)۔ امامؑ مظلوم کے زخموں کی حقیقی پوزیشن

سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ یہ ساتوں روایات یا اطلاعات غیبی اطلاعات نہیں۔یعنی کسی امامؑ معصوم نے بطور حصر یہ تعداد نہیں

بتائی ہے جو ہم اُن میں سے کسی ایک اطلاع کو آخری اور صحیح کہہ کر باقی کو ٹھکرا دیں۔ پھر یہ سمجھ لیں کہ اِن میں سے کوئی اطلاع با قاعدہ زخموں کو گن کر جانچ کر نہیں دی گئی ہے اور ابتدائی یا پہلے دوسرے حملے کے سوا زخموں کا صحیح طور پر گن لینا نہ تو ممکن تھا اور نہ کسی نے با قاعدہ گنتی کی تھی۔ اہلبیتؑ کی طرف سے جو اطلاعات (نمبر 2,3) ہیں۔ تو اُن حضرات کو تو امامؑ کی زیارت اور اُن سے بات کرنے ہی کا وقت نہ ملتا تھا انہیں صدمات میں اسکی فرصت کہاں تھی کہ وہ زخم گننے بیٹھ جائیں اور جب تک تمام زخم نہ گن لیں امامؑ کو آنے ہی نہ دیں۔ لہٰذا اُنکی دی ہوئی اطلاعات بھی آخر تک لگنے والے زخموں کی تعداد نہیں ہوسکتی۔ اسلیئے کہ سر میں پٹی باندھنے کے بعد وہ خیام میں گئے تو ہیں مگر نہ اندر تک پہنچے اور نہ وہاں ٹھہرے۔ مثلاً دریا سے ہٹانے کیلیئے جب جھوٹ بولا گیا تو آپ خیام میں چکر لگانے آئے اور دشمن کے حملہ کا اثر نہ پا کر واپس دوبارہ دریا پر قبضہ کرنے چلے گئے۔ اُسکے بعد جو چار مرتبہ سجدہ کیلیئے زمین پر اترے اور اس دوران جو زخم آئے اُن کی اطلاع علم امامتؑ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے نہ ہوسکتی تھی۔ بات یہ ہے کہ جس نے سب سے کم تعداد بتائی اُس نے یا ابتدائی حملے کی اطلاع دی کہ جب تک زخم ہی کم آئے تھے اور بتدریج تعداد بڑھتی گئی اور اطلاع دینے والوں نے بھی اُسی حساب سے جتنے زخم نظر آسکے بتا دیئے۔ پھر زخموں کا یہ حال تھا کہ ایک ہی جگہ تیر یا برچھیاں لگ لگ کر ایک بڑا سوراخ ہو جاتا تھا۔ جس نے بڑے بڑے گھاؤ ہی دیکھے اس نے بھی تعداد کم بتانا تھی۔ پھر راوی نے جس جگہ اور جس طرف سے اور جس وقت دیکھا اُس وقت تک جتنے زخم قابل شمار ہوسکے ذکر کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امامؑ مظلوم کے جسم کے ہر انچ میں کئی کئی زخم تھے۔ جن کو اگر گن لینا ممکن ہوتا تو ہزاروں زخم بتائی ہوئی تعداد سے زیادہ پائے جاتے یعنی اُن ساتوں اطلاعات کی میزان (72+67+320+360+33+1900+4180=6932) چھ ہزار نو سو بتیس بھی کُل تعداد سے کم ہے۔ پھر یہ ایک بکواس ہے کہ امامؑ نے جنگ کے دوران کوئی زرہ پہن رکھی تھی۔ اور اگر زرہ پہنی بھی ہوتی تو وہ لوہے کی ہوتی ہے۔ اُس میں تیروں کا گھسنا اور ٹھہرنا چنڈوخانے کی باتیں ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے حملہ سے بچنے کیلیئے دشمن کو پشت نہیں دکھائی۔ مگر یہ بکواس ہے کہ امامؑ کی پشت پر کوئی زخم نہ تھا۔ اسلیئے کہ بار بار چاروں طرف سے حملہ کا ذکر اور حملہ ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف زخم ہی زخم تھے۔ کہیں انگلی رکھنے کی بھی ایسی جگہ نہ تھی جہاں سے انگلی پار نہ نکل جائے۔ امامؑ اس حالت میں ہیں اور چالیس انتخاب شدہ زنا زادے باری باری قتل کرنے کو آرہے ہیں۔ لیکن قتل وہی کریگا جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔

(29)۔ فرزندِ رسولؐ اور نجات دہندہ نوع انسان کو کس طرح قتل کیا گیا؟

آپ نے دیکھا تھا کہ شبث بن ربعی نے خوفزدہ ہو کر قتل حسینؑ سے انکار کر دیا تھا۔ مگر وہاں تو چالیس ملاعین واشقیا تھے۔ دو چار کے انکار سے کیا ہوسکتا تھا؟

فاقبل الیہ سنان بن انس النخعی فکان کوسجًا قصیرا لوجہ ابرص فقال ثکلتک اُمک وعد موک قومک لِمَ زَحَفْتَ عَن قتلہ ؟ فقال یاویلک انّہ فتح عینیہ فی وجھی فشبھتا عینی رسولؐ اللّٰہ فاستحییتُ اَن اقتل شبیھًا لرسولؐ اللّٰہ فقال لہ یاویلک ھَلُمَّ اِلَیَّ بالسیف فانا اَحَقّ منک بقتلہ فاخذالسیف وھَمَّ اَن یعلوا راسہ فنظر علیہ السلام الیہ فارتعد السّنان فزعًا منہ وسقط السیف من یدہ وولّٰی ھاربًا ۔ فاقبل الیہ الشمر الملعون فقال ثکلتک اُمک ما ارجعک عن قتلہ فقال یاویلک انّہ فتح فی

وجھی عینیہ فذکرت شجاعة ابیه فذھلت عن قتله ۔فقال الشمر یاویلک انّک لجبان فی الحرب ھَلُمَّ اِلَیَّ بالسَّیف فو اللّٰه مااحدٌ احقّ مِنّی بدم الحسینؑ انی لا قتله سواء الشبه المصطفیٰؐ اوعلی المرتضیٰؑ ۔فاخذ السیف من یده ورکب صدرالحسینؑ ۔فنظر الیه فلم یَرْھَبُ منه وقال له لا اظنّ اِنّی کمن اتاک فَلَسْتُ اردّعن قتلک یاحسینؑ فقال له الحسین علیه السلام مَنْ اَنتَ فلقد اَرْتَقِیْتَ مرتقًا عظیما طال ماقبّله رسولؐ اللّٰه ؟ فقال اناملعون بن ملعون اَنَاالشمر الضبابی فقال الحسینؑ اَمَا تعرفنی فقال ولد الزنا بلیٰ انت الحسین بن علیؑ بن ابی طالبؑ وامّک فاطمةؑ الزھراء وجدّک محمدؐ المصطفیٰ و جدّتک خدیجةؑ الکبریٰ ۔ فقال علیه السلام یاویلک عرفتَنی فلم قتلتنی فقال الملعون المبروص اطلب بقتلک الجائزة عن یزید بن معاویة فقال الحسینؑ اَیُّمَااحبّ الیک شفاعة جدّی رسولؐ اللّٰه اَوْجائزة یزید الملعون بن الملعون فقال دانق من جائزة یزید احبّ اِلَیَّ منک وَمِن شفاعة جدّک وابیک۔

فقال علیه السلام اذاکان لابدّ مِن قتلی فاسقنی شربة مِن الماء فقال ھیھات ھیھات و اللّٰه ما تذوق المآء اَوْتذوق الموت غصّة بعد غصّة وجرعة بعد جرعة فقال یابن ابی تراب اَلَسْتَ تزعم اَن اباک علی الحوض یسقی مَنْ احبّ ؟اصبرحتّٰی یسقیک ابوک ۔فقال علیه السلام سأ لتُک باللّٰهِ الاماکشفت لِی عن لثامک لانظر الیک ؟ قال فکشف له عن لثامه فاذًا ھوابرص اعور له بوز کبوز الکلاب ونقر کنقر الخنزیر۔فقال له الامام علیه السلام صدق جدّی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله۔فقال الشمر الملعون وماقال جدّک ؟قال سمعته یقول لِاَبِی عَلِیًّاؑ یاعلیؑ یقتل ولدک ھذاابرص اعور له بُوز کبوز الکلاب ونقر کنقر الخنزیر ۔فقال الشمر الملعون تشبّھنی بالکلاب و اللّٰه لاذبحنّک مِن القضآء جزاءً لما شبّھنی جدّک ۔ فضربه بِرِجْلِهٖ فَاَلْقَاہُ عَلیٰ قِفَاہُ ثُمَّ بِلحیته وَھَمَّ بقتله ۔فضحک الحسین علیه السلام وقال اَنْتَ الابقع الذی رائیتُکَ فی منامی بلغ فی دم اھل بیتی۔قال الشمر الملعون اقتل لاابالی فضربه بسیفه اثنتی عشر ضربة وَاجْتَزّ راسه وعَلَاہ علیٰ قِنَاۃٍ طَوِیْلَةٍ ۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 424 تا426)

بہر حال شبث کے بعد سنان بن انس نخعی آگے بڑھا جو کہ بکرے کی سی داڑھی رکھتا تھا اور گھنونی صورت والا تھا۔ اور بھاگنے والے سے کہا کہ تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے اور تیری قوم فنا ہو جائے۔ بھلا تو حسینؑ کے قتل سے کیوں باز رہا اور بھاگ آیا؟ اس نے کہا کہ خدا تیرا ستیاناس کرے۔ ارے جب اُنہوں نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا تو میری آنکھوں نے گویا رسولؐ اللہ کو دیکھا۔ مجھے شرم آئی کہ میں ہم شکل رسولؐ کو قتل کر ڈالوں۔ سنان بن انس نے کہا تیرا ستیاناس لا تلوار مجھے دے میں ہی تم سے زیادہ حسینؑ کو قتل کرنے کا حقدار ہوں۔ چنانچہ اس سے تلوار لے کر چلا اور ہمت کر رہا تھا کہ امامؑ مظلوم کا سر مبارک جدا کر دے اتنے میں آنجناب علیہ السلام نے سنان کی طرف دیکھا تو وہ لرزنے لگا۔ ہاتھ سے تلوار گر پڑی اور لڑکھڑاتا ہوا بھاگ گیا۔ شمر ملعون اُس کے پاس آیا اور ڈانٹ کر پوچھا کہ اوناس گئے بھلا تو کیوں قتل سے باز رہا؟ سنان نے کہا بے شرم جب انہوں نے میرے چہرے کو دیکھا تو مجھے اُن کے والد کی شجاعت یاد آ گئی۔ چنانچہ میری ہمت نے جواب دے دیا۔ شمر نے کہا خدا تجھے غارت کرے تو میدان جنگ میں ہمیشہ کا بزدل ہے۔ لاؤ تلوار مجھے دو۔ خدا کی قسم حسینؑ کو قتل کرنے اور اُن کا خون بہانے میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ حقدار نہیں ہے۔ میں یقیناً انہیں قتل کر دوں گا خواہ اُن میں محمدؐ مصطفیٰ کی شباہت آتی ہو یا وہ علیؑ مرتضٰی کے ہم شکل کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ سنان کے ہاتھ سے تلوار لی اور امامؑ کے سینہ مقدس پر چڑھ کر

بیٹھ گیا۔امامؑ نے اُس کی طرف دیکھا مگر شمر ہراساں نہ ہوااور بولا کہ جولوگ تمہارے قتل کے لئے مجھ سے پہلے آئے تھے میں ویسا نہیں ہوں۔اَے حسینؑ میں تمہیں قتل کئے بغیر پلٹنے والا نہیں ہوں۔امامؑ نے پوچھا تُو کون ہے؟ تُو اُس عظیم الشان جگہ پر چڑھا بیٹھا ہے جسے رسولؐ اللہ بہت بہت دیر تک چومتے رہتے تھے۔شمر نے کہا میں ملعون ہوں ملعون کا بیٹا شمر ضبابی ہوں۔امامؑ نے فرمایا کیا تو مجھے نہیں جانتا۔شمر نے کہا کیوں نہیں میں جانتا ہوں تم حسینؑ بن علیؑ بن ابیطالبؑ ہو۔تمہاری ماں فاطمہؑ زہراء ہیں۔تمہارے نانا محمدؐ مصطفیٰ ہیں۔ تمہاری دادی خدیجہؑ الکبریٰ ہیں۔آنجنابؑ نے فرمایا کہ خدا تجھے سمجھے جب تو یہ سب کچھ جانتا ہے تو پھر مجھے قتل کیوں کرنا چاہتا ہے؟ اس ملعون نے کہا کہ تمہارے قتل کرنے سے مجھے انعام وجاگیر ملے گی۔اور یزید کی رضامندی حاصل ہوگی۔امامؑ نے فرمایا کہ تجھے میرے نانا رسولؐ اللہ کی شفاعت زیادہ پیاری ہے یا یزید کا انعام زیادہ محبوب ہے؟ شمر نے کہا کہ مجھے یزید بن معاویہ سے ملا ہوا تھوڑا سا انعام بھی آپ سے اور آپ کے نانا رسولؐ اللہ کی اور آپ کے والدؑ کی شفاعت سے بہت زیادہ پسند ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اگر میرا قتل کرنا ہی تجھے لازماً منظور ہے تو قتل سے پہلے مجھے ایک گھونٹ پانی پلادے۔شمر ملعون نے جواب دیا کہ افسوس ہزار افسوس خدا کی قسم تمہیں پانی ہرگز چکھنے کو نہ دیا جائے گا۔البتہ تمہیں گھونٹ گھونٹ کر کے موت کا ذائقہ غم وغصہ کے ساتھ ساتھ چکھنا پڑے گا۔پھر طنز کیا کہ اَے حسینؑ کیا تمہارا گمان باطل یہ نہیں ہے کہ تمہارا باپؑ ابوتراب ساقی حوض کوثر ہے اور وہ اپنے پسندیدہ لوگوں کو حوض کوثر کا پانی پلائیں گے۔لہٰذا تم اس وقت تک صبر کرو جب تک تمہارے والدؑ حوض کوثر سے سیراب کریں۔امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تو مجھے ذرا اپنا یہ گلوبند یا مفلر (Muffler) کھول کر دکھادے۔شمر نے سروگردن سے مفلر کھول کر دکھایا تو کیا دیکھتے ہیں کہ شمر کا دہن کُتے کی تھوتھنی کی مانند ہے اور اُس کی گردن سُوّر کی طرح ہے۔یہ دیکھ کر امامؑ نے فرمایا کہ سچا ہو گیا وہ قول جو میرے دادا رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا۔شمر نے پوچھا کہ آپ کے دادّا نے کیا کہا تھا؟ فرمایا میں نے رسولؐ اللہ کو اپنے والد علیؑ سے یہ کہتے ہوئے سُنا تھا کہ اے علیؑ تیرے بیٹے کو ایسا شخص قتل کرے گا جس کا دھانہ کُتے کی تھوتھنی کی طرح ہوگا اور جس کی گردن کوتاہ اور سُوّر کے مانند ہوگی۔اور وہ برص کے سفید داغ رکھتا ہوگا۔یہ سُن کر شمر نے غضبناک ہو کر کہا کہ میں تمہیں پس پشت سے ذبح کروں گا اسلئے کہ تم نے مجھے کتے اور سوّر کے مانند قرار دیا اور یہ بدلہ ہوگا اُس قول کا جو تمہارے دادّا نے میرے لئے بیان کیا۔یہ کہہ کر اُس ملعون نے ایک ٹھوکر ماری اور آپ کو مُنہ کے بھل اُلٹا لٹادیا۔اور کمر پر بیٹھ کر امامؑ مظلوم کی داڑھی پکڑ کر ذبح کرنے کی تیاری کرنے لگا۔امام علیہ السلام نے ہنس کر فرمایا بلاشبہ تو وہی ابلق کتا ہے جسے میں نے آج رات خواب میں اپنے اہلبیتؑ کا خون چاٹتے ہوئے دیکھا تھا۔شمر ملعون نے کہا کہ میں تمہیں بلاخدشہ اطمینان سے قتل کررہا ہوں۔اِس کے بعد اُس حرامزادے نے اپنی تلوار کی بارہ ضربیں لگا کر حق وحقانیت اور سچائی کی گردن کاٹ ڈالی اور ایک طویل نیزہ پر امام مظلومؑ کے قرآن پڑھتے ہوئے سَر کو بلند کر کے فرقانی حکومت اور نسل کے جہنمی ہونے کا اعلان کردیا۔امامؑ بآواز بلند فرمارہے تھے کہ:۔

اَیَاشمر تقتلنی وحیدرَۃ اَبِی۔وجدّی رسولؐ اللّٰہ اکرم مھتدی۔وفاطمَۃ اُمِّی والزکی ابن وَالِدِی۔وعمّی ھوالطیار فی جنّۃ الخلد۔اَلَایازینبؑ یاسکینۃؑ۔اَیَا ولدی من ذایکون لکم بعدی۔اَلا یا رقیۃؑ یاام کلثومؑ انتم۔ودیعۃ رَبِّی الیوم قدقرب

الوعدی ۔اَیَاشمرارحم ذاالعلیلً وبعدہ ۔حریمًا بلاکفل بَلَی امرھم بعدی سَابکی لکم جدّی واسعد مَن بکی ۔ عَلٰی رزئکم والفوز فی جنّۃ الخلد۔ سلام علیکم مَااَمّر فِراقکم۔ فقوموا التودیعی فذا آخر العھدی۔ (اکسیرالعبادات ۔صفحہ 425)

اَے شمر خبردار رہ کہ تو نے مجھے ہی نہیں بلکہ میرے والد حیدرؑ کو اور میرے نانا رسولؐ اللہ کو اور میری ماں فاطمہؑ کو اور میرے بھائی حسنؑ کو اور میرے چچا جعفرؑ کو بھی قتل کر دیا ہے۔ اور یہ قتلِ عام جنت میں رہنے والوں کا کیا گیا۔ اَے بہن زینبؑ اور اے بیٹی سکینہؑ اور اے میری اولاد تم پر کیا کیا آفات گزرنے والی ہیں۔ اے رقیہؑ اور اے ام کلثومؑ تم سب میرے رب کی طرف سے میرے پاس امانت ہو۔ اور یقیناً اب تم میرے وعدہ کو پورا کر دکھاؤ گے۔ اے شمر میرے بیمار و ناتواں بیٹے پر اور میرے بے سہارا حرم پر رحم کرنا۔ اے میرے اہل حرمؑ تم پر میرے نانا رسولؐ اللہ رو رہے ہیں اور جو تم پر روئے گا اور تمہاری مصیبت میں شریک رہے گا وہ جنت میں بڑے درجات پر فائز ہوگا۔ تم پر میرا، بعد قتل بھی سلام جاری ہے۔ لہٰذا تم بڑی مضبوطی اور استقلال سے میرے منصوبہ کی تکمیل میں مصروف ہو جاؤ۔ میرے عہد اور معاہدہ پر یہ آخری تاکید ہے۔ حضرت زینبؑ فرماتی تھیں کہ:۔

(1) بَنَاتُ مُحمدٍ اَضحَتْ سَبَایَا (2) یُسَقْنَ مَعَ الْاُسَارِیٰ والنِّھَاب (3) مُغَبَّرَۃَ الذُّیُولَ مُکَشِّفَاتٍ (4) کَسَبْیِ الرُّومِ دَامِیَۃَ الْکِعَابِ (5) لَئِنْ اُبرِزْنَ کُرْھًا مِنْ حِجَاب (6) فھن مِن التعفف فی حجاب (7) اَیُبْخَلُ فِی الْفُرَاتِ عَلٰی حُسَیْنٍ (8) وَقَدْاَضحیٰ مُبَاحًا لِلْکِلَاب (9) فَلِیْ قَلْبٌ عَلَیْہِ ذوالْتِھاب (10) وَلِیْ جَفْنٌ علیہ ذوانسکاب۔ (بحارالانوار)

ہائے افسوس کہ رسولؐ اللہ کی بیٹیاں گرفتار کر لی گئیں اور اُنہیں لُوٹ کھسوٹ کر قیدیوں کی طرح ہانکا جا رہا ہے۔ اُن کے دامن گرد آلود اور چہرے کھلے ہوئے ہیں۔ رُوم کے قیدیوں کی طرح اُن کے پیر ننگے اور زخمی ہیں۔ اگرچہ ہمیں زبردستی بے پردہ کیا گیا۔ لیکن ہمارا چلن اور نبوی پارسائی ہمارا پردہ بن گئی ہے۔ بہتے ہوئے دریائے فرات کا پانی بند کر کے اِن لوگوں نے حسینؑ اور اُن کے بچوں سے بخیلی اور ظلم کیا حالانکہ جانوروں اور کتوں کے لئے پانی کو آزاد رکھا۔ بھیا میرے قلب و جگر میں غم و الم کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور میری آنکھیں تمہارؑے لئے آنسو بہانے میں مصروف ہیں۔

ہماری اور تمام محبانِ محمدؐ و آل محمدؐ کی طرف سے قاتلانِ حسینؑ اور قاتلانِ اولاد و اقربائے حسینؑ اور قاتلانِ انصارانِ حسینؑ پر اور اُن کی قوم و مذہب پر قیامت تک لعنت جاری رہے آمین۔ اللہ جلد از جلد ہمارے امام آخرالزمان قائمِ آل محمدؐ ابن حسن عسکری علیھم السلام کی حکومت قائم کرے۔ آمین بحق معصومینؑ آمین۔ والسلام علٰی صاحب العصر والزمان۔

بقلم خادم المسلمین محمد احسن۔ 25 جولائی 1977ء

46۔ ذوالجناح کی خدمات اور سر قاسم علیہ السلام کا دردناک سفر

(1)۔ حضرت شہر بانو اور زوجۂ قاسم علیہم السلام اور ذوالجناح کی نئی زندگی؟

چونکہ علمائے مجتہدین نے دین و دنیا کو سمجھنے اور بیان کرنے کے لئے اپنی ناقص ومحدود عقل کو آخری مرتبہ دے دیا تھا۔ اِس لئے قرآن وحدیث کی جو بات اُن کی سمجھ اور عقل کے دائرہ میں نہ سماسکی اُس کا یا تو انکار کر دیا یا قرآن وحدیث میں بیان شدہ صورت کو مسخ کر کے اور قرآنی حقیقت کو اپنی عقل کے سانچے میں ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ کربلا میں جناب قاسم علیہ السلام کا عقدِ نکاح اُن کے عقل کے تقاضے اور ذہنی ماحول پر فٹ (Fit) نہیں ہوتا۔ تو باوجودیکہ واقعہ زبان زدِ عوام تھا، روایات موجود تھیں۔ ملتِ شیعہ رسوماتِ عزاداری میں حضرت قاسم اور فاطمہ کبریٰ علیہما السلام کو طرح طرح سے یاد کرتی چلی آتی تھی۔ مجتہدین نے اس دردناک اور معجزاتی واقعہ کا کھُلا انکار کرنا طے کرلیا اور اپنے دائرہ اثر ورسوخ میں مسلسل انکار جاری رکھا۔ اِسی طرح ہزاروں روایات موجود ہوتے ہوئے اُن کی عقل نے امام حسن علیہ السلام کے بہت سے نکاح کرنا پسند نہ کیا۔ لہٰذا مسلسل انکار جاری رکھا۔ پھر امام حسنؑ کے متعلق ملت شیعہ کو یہ تصور دیا کہ اُن کی اولاد گویا ختم ہوگئی تھی۔ اُن لوگوں کی لکھی یا لکھوائی ہوئی ساری کتابیں پڑھ جائیں آپ کو دس بارہ افراد سے زیادہ نام نہ ملیں گے جن کا ذکر اُن حضرات نے امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں کیا ہے۔ یہ رویہ اور انکار اس لئے اختیار کیا گیا کہ اُن کے پاس اُن اعتراضات وسوالات کا جواب نہ تھا جو امام حسنؑ کی اولاد پر واقع ہوتے ہیں۔ اِس لئے کہ اُن کی کثرت ہمیشہ مخالف حکومتوں کی طرح آئمہ معصومین علیہم السلام کی مخالف اور عملاً ظلم وستم کرتی رہی۔ لہٰذا علمائے مجتہدین اُن سے فارغ ہوکر بیٹھ گئے اور ملت شیعہ کو اس سلسلے میں تاریخ سے جاہل رکھا۔ پھر اُن کی سمجھ میں یہ معمہ بھی نہ آیا کہ حضرت شہر بانو علیہا السلام کہاں گئیں؟ اُنہوں نے کہا کہ حضرت شہرؑ بانو امام زین العابدؑین کی پیدائش کے چندروز بعد انتقال فرماگئی تھیں۔ لہٰذا نہ کربلا میں آئیں نہ اہل حرمؑ کے ساتھ قید ہوئیں۔ مگر اُنہیں یہ بتانا چاہیئے تھا کہ وہ دوسری شہرؑ بانو کہاں گئیں جو امام حسن علیہ السلام کے عقد میں آئی تھیں؟ ساری دنیا جانتی ہے، تاریخ اور خود مجتہدین مانتے ہیں کہ دو شہزادیاں ایران سے آئی تھیں۔ اور دونوں نے حسنین علیہما السلام کو اپنی شوہریت کے لئے انتخاب کیا تھا۔ پھر وہ یہ تو مانتے ہیں کہ ذوالجناح بعد شہادت خیمہ میں آیا تھا۔ مگر یہ نہیں بتاتے کہ اس کے بعد وہ ذوالجناح کہاں گیا؟ ہم یہاں یہ دکھاتے ہیں کہ حضرت قاسم، فاطمہ کبریٰ اور شہر بانو علیہم السلام کو اس دنیا میں عملاً برقرار رکھنے اور تمام نعمات زندگی سے استفادہ کرنے کے لئے ایک زیادہ واضح زندگی عطا کی گئی تھی۔ اور ذوالجناح اُن کی اس زندگی میں مُمِد ومعاون رہنے کے لئے باقی رکھا گیا تھا۔ تاکہ شہدأ کی لازوال اور مکمل حیات کا نمونہ سامنے آجائے۔

(2)۔ شہادت کے بعد ذوالجناح کی خدمات مسلسل جاری ہیں

مومنین جانتے ہیں کہ ایک روز وہ تھا جب امام حسین علیہ السلام چھوٹے سے بچے تھے اور ذوالجناح نے اُنہیں سوار ہونے میں مدد دی تھی۔ اور ایک روز وہ آیا جس دن ذوالجناح نے سرکار امام علیہ السلام کو اپنی پشت سے زمین پر تشریف لانے اور سجدہ شکر بجالانے

میں مدددی اور جب حالتِ سجدہ میں حضورؑ پر قاتلوں نے ہجوم کیا تو ذوالجناح نے بھی دشمنوں پر برابر حملہ جاری رکھا۔لیکن کثرت ازدہام میں امامؑ پر وہ کچھ گزر گیا جو سرکارؑ نے روزازل سے منظور فرمالیا تھا۔

عَنِ المنتخب نقل انّہ لماقتل الحسین علیہ السلام جعل جوادہ یصھل ویحمحم ویتخطّی القتلٰی فی معرکۃ واحدًا بعد واحدٍ فنظر الیہ عمر بن سعد لعنہ اللّٰہ فصاح بالرجال خذوہ واتونی بہ وکان مِن جیاد خیل رسولؐ اللّٰہ ۔قال فتراکضت الفرسان الیہ فجَعَلَ یرفس برجلیہ ویمانع عن نفسہ ویکدم بِفَمِہٖ حتّٰی قتل جماعۃ من الناس ونکّس فرسانا عن خیولھم فلم یقدرواعلیہ فصاح ابن سعد وَیْلکم تباعدوا عنہ ودعوہ لننظرمایصنع۔فتباعدوا عنہ فلمّا آمَنَ الطّلب جَعَلَ یتخطّی القتلٰی ویطلب الحسینؑ حتّٰی اذا وصل اِلَیْہ جعل یشمّ رایحتہ و یقبّلہ بِفَمِہٖ ویمرغ ناصیتہ علیہ وھو مع ذلک یصھل ویبکی بُکاء الثکلٰی حتّٰی اَعْجَبَ کلّ مَن حضر ۔ قال عبد اللّٰہ بن قیس رَاَیْتُ الجواد رَاکِضًا وقد تفرق الناس عنہ وھُوَ راجع نحوالخیم ولم یقدر علیہ احد وحمل علیھم وقصد الفرات ووثب وثبۃ فَاِذا ھو فی وسط الفراتِ ثم غاص ولم یعرف لہ اِلِی الْآن خبر وقد ذکروا انّہ یظھرعلٰی یدالقائم مِن آل محمد صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 436)

بہر حال جب دشمنانِ خدااور رسولؐ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا چکے اور نرغہ کم ہوا۔تو ذوالجناح برابر حملہ کرتا ہوا اور ہنہنا کر چنگھاڑتا ہواامام علیہ السلام کو لاشوں میں تلاش کرتا ہوا چلا آ رہا تھا اور سمجھ چکا تھا کہ علیؑ وفاطمہؑ کی یادگار اور رسولؐ کا لاڈلا حسینؑ شہید ہو چکا ہے۔عمر کی نگاہ پڑی تو اُس نے لوگوں کو پکارا کہ اس گھوڑے کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ یہ سُن کر بہت سے فوجیوں نے گھوڑے کو گھیرے میں لے لیا۔ لیکن ذوالجناح نے بھی اگلی اور پچھلی ٹانگوں سے لوگوں کے سروں کو اپنے سُموں کی مار سے کچلنا اور دانتوں سے چبانا شروع کیا اور دشمنوں کی ایک جماعت کو واصل جہنم کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر عمر بن سعد نے آواز دی کہ اپنی جان بچاؤ اور گھوڑے کو اُس کے حال پر چھوڑ دو اور دُور دُور ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ جب ذوالجناح پر حملہ بند ہوا تو اُس نے حسب سابق بے تحاشہ ہنہنانا اور روتے ہوئے لاشوں میں امامؑ مظلوم کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔اور جب لاش مبارک کو شناخت کرلیا اور سر مبارک کو غائب دیکھا تو بلبلا بلبلا کر بے قراری سے جسم مبارک کو سونگھتا اور چومتا جاتا تھا۔اور اپنی پیشانی خون آلودہ بدن پر ملتا تھا۔اور غمزدہ ماں کی طرح آہ وزاری اور بین کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔اور جو لوگ دیکھ رہے تھے وہ بھی حیران و غمگین ہو رہے تھے۔عبداللہ بن قیس کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہ گھوڑا امامؑ سے رخصت ہو کر اس تیزی سے اہل حرم کے خیموں کی طرف دوڑا کہ فوج کے بادل چھٹ گئے اور کسی کو اُسے روکنے یا پکڑ لینے کی قدرت نہ ہوئی اور اس کے بعد دیکھا گیا کہ گھوڑے نے نہر فرات کا قصد کیا اور راہ میں آنے والی فوج پر بے تحاشہ حملہ کیا۔ دریا میں چھلانگ لگا دی اور ایک دفعہ دریائے فرات کے نصف میں نظر آیا اور پھر ایک غوطہ لگایا۔اُس کے بعد آج تک اس کے متعلق کچھ اور معلوم نہ ہو سکا۔البتہ یہ ضرور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت امام مہدی قائم آل محمد صلوٰۃ اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہوگا۔

(3)۔ ذوالجناح کا اہل حرمؑ کے خیموں میں اطلاع دینا

عن الجلودی انّہ لَمَّاصرع الحسین علیہ السلام جَعَلَ فرسہ یحامی عنہ فیثب عَلَی الفارس فیخبطہ عن سرجہ ویدومہ حتّٰی قتل الفرس اربعین رَجُلًا۔ثُمَّ تمرغ فی دم الحسینؑ وقصد نحوالخیمۃ ولہ صھیل عال ویضرب بیدہ الارض ۔ قال

ابو مخنف ویقول فی حَمْحَمَتِہٖ الظلیمة الظلیمة من امة قتلت ابن بنت نبیّھاً فتعجّبوا مِن ذلک وصاریطلب الخیم ویصھل صھِیلًا عالیًا وقدمَلَاء البریّة من صھیلہ حَتّٰی قرب مِن الخیم فَسَمِعَتْ زینبٌ صھیلہ فَعَرَفَتْہُ ۔فاقبلت علٰی سکینةً وقالت جآء ابوک بالماء فاستقبلیہ ۔قال فخرجت سکینةً فَنَظَرَتْ اِلَی الفرس غاربًا والسرح خالیًا وَھُوَ یَصْھَلُ وینعی صاحبہ فَلَمَّارَاَتْہُ ھَتکت خمارھا وصاحت وا قتیلاہُ؛ وا حُسیناہُ؛ وا محمدًاہ؛ وا علیاہُ؛ وا فاطمتاہُ؛ وا غربتاہُ؛ وا بعد سفراہُ؛ وا کرباہُ ھٰذَا الحسینؑ بالعراء مسلوب العمامة والردآء؛وا محمدّاہ ھذا الحسینؑ معفّربدمہ فی ارض کربلا و جسمہ بالعرآء؛ ھذا الحسینؑ بدنہ بارض وراسہ باخرٰی؛بابی من براسہ الی الشام یھدی؛ بابی مِن امسی عسکرہ یوم الاثنین نھبا ۔ثُمَّ اَنّھا وَضَعَتْ ید ھا عَلٰی رَاسِھَا وانشأت مات الفخار ومات الجودوالکرم واغبرت الارض والآفاق والحرم ۔(اکسیرالعبادات ۔صفحہ 436)

علامہ جلودی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جب امام مظلوم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو اُن کے گھوڑے نے اُن کا تحفظ شروع کیا۔ وہ آگے بڑھ کر سامنے آنے والے سوار پر اُچھل کر حملہ کرتا۔ اُسے زین سے گھسیٹ کر زمین پر گراتا اور برابر کچلتا جارہا تھا۔ حتّٰی کہ ذوالجناح نے دشمن کے چالیس افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اس کے بعد امامؑ کے خون میں خود کو تر کیا اور خیام حسینیؑ میں پہنچا۔ بلند ترین فریاد کرتے ہوئے اگلے پاؤں کو زمین پر مارتا اور ہنہناتا اور چلاتا اور پکارتا تھا۔ علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ ذوالجناح یہ کہہ رہا تھا: اور سب لوگ اُس کے ہمہمہ سے یہ سمجھ کر حیران ہورہے تھے کہ بڑی ہی ظالم اور جفا کار ہے یہ اُمت جس نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو تین دن بھوکا پیاسا رکھ کر مع اہل وعیال کے قتل کر دیا ہے۔ وہ چیخیں مارتا، ہنہناتا اور خیمہ حسینیؑ کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اُس کی دردناک چنگھاڑ سے فضا گونج رہی تھی۔ جب اُس کی چیخیں خیمہ حسینیؑ میں پہنچنا شروع ہوئیں اور وہ اہلبیتؑ کے خیام کے قریب پہنچا تو حضرت زینب علیہا السلام نے اُس کے ہنہنانے کو پہچان لیا اور باہر آنے سے پہلے جناب سکینہؑ کے پاس گئیں اور کہا کہ غالبًا تمہارے باباؑ جان پانی لے کر آئے ہیں گھوڑے کی آوازیں قریب سے آرہی ہیں۔ آؤ بیٹی چل کر امامؑ کا استقبال کریں۔ دونوں پھوپھی اور بھتیجی جلدی جلدی خیمہ کے دروازے پر پہنچیں۔ جو نظارہ سامنے تھا اُسے دیکھ کر سکینہؑ نے اوڑھنی سر سے اتار کر پھینک دی۔ گھوڑا زخموں سے چُور چُور تھا۔ زین خالی تھی۔ وہ حضرت زینبؑ اور سکینہؑ کو دیکھتے ہی قریب آیا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا اگر زبان بھی ہوتی تو ناقابل بیان تھا۔ وہ خود اپنی اور امامؑ مظلوم کی بولتی چالتی داستانِ غم واندوہ تھا۔ تمام مستورات چاروں طرف جمع ہو گئیں۔ بزرگ خواتین کے پاس اتنا وقت کہاں تھا؟ یہ کسے ہوش تھا کہ ننھی سکینہؑ کو اس روح فرسا حالت سے بچا کر علیحدہ لے جائیں۔ وہ گھوڑے کے گلے میں لپٹ گئیں اور بے قراری میں کہتی جاتی تھیں کہ ہائے میرے مظلوم بابا۔ ہائے بےبسی وبےکسی کے عالم میں قتل ہو جانے والے سرپرست۔ ہائے ناناؐ جان آپ کے پیارے حسینؑ قتل کر دیئے گئے۔ افسوس داداؑ جان آپ ہمارے تحفظ میں کچھ نہ کر سکے۔ ہائے نانی جانؑ آپ پر کیا گزری؟ ہائے بابا آپؑ کو ہمیں اس غربت اور بے چارگی کے عالم میں چھوڑ جانے کا کتنا دکھ ہوا ہوگا؟ ہائے افسوس آپ کو ہمارے بارے میں اس دُور دراز سفر و پردیس میں رہ جانے کی کتنی تکلیف سہنا پڑی ہے؟ اے ناناؐ ذرا دیکھئے آپ کا لاڈلا حسینؑ قتل ہو کر زمین پر لیٹا ہوا ہے۔ اے نانا جان کیا آپ حسینؑ کو ایسی حالت میں دیکھنا پسند کریں گے کہ وہ اس گرمی سے دہکتی ہوئی زمین پر بلا آرام دِہ لباس کے خون میں ڈوبے ہوئے پڑے ہوں؟ سر کٹا ہوا ہو، لباس لوٹ لیا گیا ہو، روح جسم سے جدا ہو چکی ہو، نہ عمامہ ہو نہ ردا ہو۔ ناناؐ جان اب یہی تو باقی ہے نا؟ کہ

ہمیں لوٹ کھسوٹ کر قیدی بنالیا جائے اور ہم سب کو باباؑ کے سر کے ساتھ ملک شام لے جایا جائے۔ ہائے ناناؐ ہم اپنی اس حالت کو آپ کے سوا کس کو سنائیں۔ سر پیٹ کر فرما رہی تھیں کہ آج دنیا سے رحم و کرم و سخاوت و شرافت کا جنازہ نکل گیا۔ آج زمین و آسمان اور خانہ کعبہ ویران و سنسان ہو کر رہ گئے۔

فلما سَمِعَتْ زینبؑ وسَمِعْنَ باقی الحریم فجعلن یَلْطَمْنَ الْخُدود و یشققن الجیوب وینادین وا محمدؐاہ،وا علیاؑہ، وا فاطمتاہؑ، وا حسناہؑ، وا حسیناہؑ، وا حمزتاہُؑ، وا جعفرؑاہ، وا عباساہؑ، وا اخاہ وا سیداہ، الیوم فقد محمدؐ المصطفیٰ، الیوم فقد علیؑ المرتضیٰ، الیوم فقدت فاطمۃؑ الزھرآء، الیوم فقدت خدیجۃؑ الکبریٰ، الیوم فقدالحسنؑ والحسینؑ۔
(اکسیرالعبادات۔صفحہ 437)

حضرت زینبؑ اور تمام اہل حرم نے اپنے سر و سینہ اور چہروں پر ماتم کرنا شروع کیا۔ اور بلند فریادیں جاری تھیں۔ کوئی بی بی کہتی تھی۔ ہائے محمدؐ رسول اللہ، ہائے علیؑ مرتضیٰ، کوئی فرماتی تھی، ہائے ہائے فاطمۃؑ الزہراء، ہائے حسنؑ، ہائے ہائے حسینؑ۔ کہیں آواز آتی تھی ہائے حمزہؑ تم کہاں ہو؟ ہائے جعفرؑ طیار مدد کو پہنچو۔ کوئی حضرت عباسؑ علمدار سے فریاد کر رہی تھی۔ ہائے بھیا ہائے سیدانیوں کے قافلہ سالار۔ کہیں شور تھا کہ آج محمدؐ کا انتقال ہوا ہے۔ آج ہی علیؑ قتل ہوئے ہیں۔ آج حضرت فاطمہؑ دنیا سے سدھار گئی ہیں۔ کوئی کہتی تھی کہ آج حضرت خدیجہؑ کے غم کا دن ہے۔ آج دونوں بھائی حسنؑ اور حسینؑ ایک ساتھ قتل ہوئے ہیں۔ اس روایت میں حضرت علی اکبر علیہ السلام کا نام نہیں تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ اُنہیں کسی نے یاد نہ کیا ہوگا۔ اور کسی نے ہائے اکبرؑ و ہائے قاسمؑ کہہ کر اُن بہادر و غیور نوجوانوں کو یاد نہ کیا ہوگا؟ کیا حضرت مسلم بن عوسجہ اور زہیر بن قین اور حضرت حر علیھم السلام یاد نہ آئے ہوں گے؟

وفی البحار وَضَعَتْ ام کلثومؑ یَدَھا علیٰ راسھا ونادت وا محمدؐاہ وا جَدّاہ،وا نَبِیّاہُؐ ،وا اباالقاسماہُؐ،واعلیاہؑ وا جعفرؑاہُ وا حمزتاہ وا حسناہؑ ھذاحسینؑ بالعرآء صریع بکربلا مجزوز الراس مِن القفاء، مسلوب العمامۃ والرداء ثُمَّ غشی علیھا۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 437)

کتاب بحار میں کچھ کمی پوری کی گئی ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت اُم کلثومؑ نے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے دھائی دی کہ ہائے میرے دادا محمدؐ ہائے اس زمانہ کے نبیؐ ہائے ابوالقاسمؐ ذرا ہمارا حال دیکھیں۔ ہائے باباعلیؑ ہائے چچا جعفرؑ طیار و حمزہؑ تم کہاں ہو۔ ہائے بھائی، بھائی حسنؑ ہمیں سنبھالو۔ یہ دیکھو یہ حسینؑ زمین کربلا پر عمامہ اور چادر لٹ جانے کے بعد سر بریدہ لیٹے ہوئے ہیں۔ سجدہ کی حالت میں بھی رحم نہیں کیا گیا۔ سجدہ مکمل بھی نہ ہونے دیا گیا اور پس پشت سے اُن کا سر مبارک کاٹ لیا گیا۔ لباس لوٹ لیا گیا۔ فریاد کرتے کرتے وہ شہزادیؑ بے ہوش ہو گئیں۔

(4)۔ حضرت شہربانوؑ اور فاطمہؑ کبریٰ اور ذوالجناح کا انجام

جناب علامہ دربندی رضی اللہ عنہ ذیلی حالات میں رقمطراز ہیں کہ:۔

تَذْیِیْلٌ۔فیہ اُمُور،اِعْلَمْ انّ ماعن شھر آشوب فی قضِیّۃ شھرؑبانویہ مِمَّالم اَظْفَرَ بہ فی کلام احد۔فان کان الامر کما ذکر؟ فلابدّ مِن اَنْ تکون ھٰذِہ المرئۃ غیر شاہِ زنان الّتی ھِیَ بنت الملک یزد جرد ام الامام سید الساجدین علیہ السلام ۔ فَاِنَّ ام الامامؑ

قَدْمَاتَتْ فی النفاس مِن ولادة الامامؑ۔وفی بعض کتاب التواریخ المعتبرة اَنَّ شهر بانو یة الَّتِی کَانَتْ فی کربلا هِیَ اُمّ فاطمة زوجة القاسمؑ وقد اَوْصَتْ سید الشهدؑآء روحی له الفداء بان ترکب جوّادهُ بعد الشهادة فهو یوصلها اِلَی الارض المقدّر ة لَهَا والامر الذی ماضیة الیه فهی علٰی مافی الالسنة مشهور غائِبة فی جَبَلٍ مِن جِبَال الرّی فی مکان قریب من مقبرة السید الاجلّ الثبّت الثقة ذی المناقب المفاخرالسید عبدؑ العظیم الحسنی ۔ وقد شاع وزاع فی الالسنة انّ فی قلّة الجبل یری شَیْئًا یشبه قطعة من خمار المرأة اوازارها ولا یستطیع اَنْ یقرب مِن ذلک المکان انسان ذکر ۔بل المرأة الحبلٰی۔اَیْضًا اذا کان مافی بطنها جَنِیْنًا ذکرًا وفی ذلک الکتاب اَنَّ شهر بانو یهٗ لَمَّا رَکِبَتْ جوادالامام علیه السلام وَاَرَادَتْ اَنْ تَمْضَی اَلَی الارض الذی کَانَتْ مَامورة به تَمَسَّکَتْ بِها فاطمةٌ بنتها فقالت لَااَفَارقکِ فاردفتهاعَلَی الجواد فَلَمَّا طوی الجواد الارض وَوَصَلَ اِلَی الرّی فی قریب مِن ساعة باذن اللّٰه تعالٰی۔فقالت شهرؑ بانو یه لفاطمّة انزلی هُنَا فَاِنَّ فی ذلک المکان اخوالالکِ یتکفّلون اُمُوْرَکِ ویراعون شانک۔ فَانّی ماضیة اِلٰی امراوصانی به الامام فلا یجوزلیَ التخلف عنه ۔ولا لاحد الاطلاع علیه وَلَا مشارکة فیه ۔ فنزلت فاطمةٌ عن ظهرالجواد فمضت شهرٌ بانو یه اِلٰی ماکانت مامورة بالمضئ اِلَیْهَا ۔و اللّٰه اعلم بذلک وَحُجَجُهُ الطاهرون صلوات اللّٰه علیهم.

(اکسیرالعبادات۔صفحہ 439)

’’ایک ذیلی گفتگوجس میں چندامور کا بیان کیا جاتا ہے جاننا چاہیئے کہ حضرت شہر بانوعلیہا السلام کے بارے میں جو کچھ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے وہ کسی اور کے یہاں مذکورنہیں پایا گیا ہے۔اگر وہ واقعات اُسی طرح سے وقوع میں آئے جیسا کہ اُنہوں نے لکھا ہے تو علامہ دربندی کے نزدیک وہ خاتون جسے شہرآشوب نے شہرؑ بانو قرار دیا ہے۔وہ شہر بانو نہیں ہوسکتیں جو امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ تھیں۔اس لئے کہ وہ تو امامؑ کی پیدائش کے بعد چندروز زندہ رہیں اورنفاس کی مدت پوری ہونے سے بھی پہلے انتقال فرما گئی تھیں۔ لہٰذااِس شہرؑبانو کواُس شاہ زنان کے علاوہ ہونا چاہیئے۔اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ خاتون بادشاہ یزدجرد کی دوسری بیٹی تھیں۔جوامام حسن علیہ السلام کے عقد میں آئی تھیں اوراُنؑ کے انتقال کے بعدامام حسین علیہ السلام نے اِن سے عقد کیا تھا۔اور اِن ہی سے جناب فاؑطمہ کبریٰ پیدا ہوئی تھیں۔ جوکربلا میں وصیت کے مطابق حضرت قاسم علیہ السلام کی زوجیت میں آئی تھیں۔چنانچہ بعض تواریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا میں وہی شہرؑ بانوموجودتھیں۔اور یہ کہ امام حسین علیہ السلام نے اُن شہرؑ بانو کو یہ وصیت کی تھی کہ تم میری شہادت کے بعد میرے گھوڑے پر سوار ہوجانا وہ تمہیں اس سرزمین پر پہنچادے گا جہاں پہنچنا تمہارے لئے مقدر کیا جاچکا ہے۔ چنانچہ حضرت شہرؑ بانو کی غیبت کی یہ سرگزشت برابرسینہ بسینہ ایک نسل سے دوسری نسل برابرسنتی چلی آرہی ہے کہ وہ جناب کربلا سے آکر ملک رَے کے پہاڑوں میں سے فلاں پہاڑ میں غائب ہوگئی تھیں۔اوروہ مقام سید جلیل القدرشاہ عبدؑالعظیم کے مقبرہ سے قریب ہی تھا۔اور یہ حقیقت بھی اُس علاقہ میں مشہوراورزبان زدخلائق ہے کہ اُس پہاڑی کی چوٹی پرایک ایسی چیز دکھائی دیتی رہی جواوڑھنی کے پلّو سے مشابہ تھی۔اورکسی مردکووہاں جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔البتہ حاملہ عورتیں جاسکتی تھیں۔خواہ اُن کے شکم میں نربچہ ہو یالڑکی ہو۔اوراُسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضرت شہرؑ بانو نے مقررہ مقام پر جانے اور وصیت پوری کرنے کا ارادہ کرلیا اورذوالجناح پرسوار ہوگئیں تو جناب فاطمہؑ کبریٰ نے دامن تھام لیا اورعرض کیا کہ امی جان میں آپ سے جدانہیں ہوسکتی۔ چنانچہ انہیں بھی اپنے ساتھ سوار کرلیا اورروانہ ہوگئیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذراسی دیر میں زمین نے سمٹ کر دونوں کو ملک رَے کے علاقہ میں پہنچا دیا۔ یہاں پہنچ کر جناب شہر بانو علیہا السلام نے کہا کہ بیٹی تم یہاں اُتر جاؤ۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں تمہارے خالو اور ننھیال کے لوگ رہتے ہیں۔ وہ تمہاری تمام ضروریات کے کفیل ہوں گے اور تمہاری شان برقرار رکھیں گے اور اب مجھے وہاں پہنچنا ہے جہاں تمہارے والد امام علیہ السلام نے حکم دیا تھا۔ جس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ نہ کسی اور کو وہاں ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔ نہ یہ راز بتانا ہے کہ وہ مقام کہاں ہے؟ چنانچہ جناب فاطمہ کبریٰ علیہا السلام گھوڑے سے اُتریں اور ماں کو رخصت کیا اور حضرت شہرؑ بانو وہاں چلی گئیں جہاں جانے کا حکم ملا ہوا تھا۔ یہ راز اللہ اور معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔

(5)۔ حضرت شہر بانو علیہا السلام کے متعلق روایات میں اختلاف فریب نظر ہے

یہاں ہمیں چند جملے عرض کرنا ہیں۔ آپ علامہ دربندی رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ ایک مختصر سی روایت اور اُن کے ریمارکس (Remarks) پہلے سُن لیں تو عرض کریں گے۔ انہوں نے مندرجہ بالا روایت سے پہلے لکھا تھا کہ:۔

ویستفاد مِن ابن شهر آشوب عَلٰی مَا نقل عنه فی البحار اَنَّ شهر بانو یۂ لَمْ تسلب ثیابها وذٰلک حیث قال وجاؤا بالحرم اساری اِلّا شهر بانویۂ فَاِنَّها اتلفت نفسها فی الفرات ویمکن اَن یکون ذلک بعد ذلک النهب والعارة۔(اکسیر صفحہ 438-439)

ثُمَّ عَلَی الْبِنَاء علی الصحة الخبر الدّال علٰی اِلقَآء شهر بانو یۂ نفسها فی الفرات لَاُبدّ مِنْ اَنْ نقول اَنَّ هٰذَا لَمْ یصدر منها اِلا برخصة من سید الشهدّآء اَوْاذن منه روحی له الفداء وذلک الحکمة خفیّة عن ادراک عقولنا ایّاها۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 439)

''ابن شہر آشوب سے جو کچھ کتاب بحار میں لکھا گیا ہے۔ اُس سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت شہرؑ بانو اس وقت موجود نہ تھیں جب اہل حرم کو لوٹا گیا اور نہ ہی وہ قیدی بنائی جا سکیں اس لئے کہ وہ اس سے پہلے ہی دریائے فرات میں خود کو تلف کر چکی تھیں۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ فرات میں ڈوب جانا اُس لوٹ اور توہین کے بعد واقع ہوا ہو۔''

پھر دوسری مذکورہ روایت کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ:۔''اگر ہم حضرت شہرؑ بانو کے دریائے فرات میں کود جانے والی روایت کو صحیح مان لیں تو بھی یہ تو ماننا پڑے گا کہ وہ جناب سید الشہدؑا کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر ایسا نہیں کر سکتی تھیں۔ بہرحال یہ ایک راز و اسرار پر مبنی حکمت ہے۔ جسے ہماری عقول سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ حضرت قاسم علیہ السلام کی کربلا میں شادی کی تفصیلات اپنے سامنے رکھیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمان یاد کریں کہ تم میرے بھائی کی ایک ایسی علامت ہو جسے میں، باقی رکھنا اور اپنے لئے باعث تسلی وتسکین بنانا چاہتا ہوں۔ پھر شہزادہ حسنؑ بن قاسمؑ اور سر مبارک جناب قاسمؑ اور جناب فاطمہؑ کبریٰ زوجۂ قاسمؑ کے مقبروں کو ذہن میں لائیں (جن کا ذکر عنوان نمبر 43 کے نمبر 6 میں گزر چکا ہے) تو یہ ذوالجناح پر سوار ہو کر جناب شہر باؑنو اور حضرت فاطمہؑ کبریٰ کا اُسی علاقہ میں آنا ایک مربوط ولازم وملزوم واقعات ہیں۔ اور مقصد قطعاً واضح ہے کہ جناب امام حسینؑ حضرت قاسمؑ اور فاطمہ کبریٰ علیہا السلام سے تا قیامت تسلی حاصل کرتے

رہیں گے۔اورظاہر ہے کہ اُنکے ساتھ وہ تمام شہدائے کربلا اوراسیران کربلا علیہم السلام اُس تسلی میں برابر کے شریک رہیں گے۔اوراسی انتظام واہتمام کے لئے ضروری تھا کہ جناب شہرؑ بانو اوراُن کی بظاہر بیوہ بیٹی کواس علاقہ میں بھیج دیا جائے جہاں سے شہدائے کربلا واسیرانؑ کربلا کی عزا کا باقاعدہ بندوبست جاری ہوگا۔جوعلاقہ دنیا میں مذہب حقہ کی نصرت کے لئے چُنا گیا تھا۔اللہ ہروہ انتظام کرنے کو تیارتھا جس سے حسینؑ اوررفقائے حسینؑ کی راحت مقصود ہو۔اس لئے جناب فاطمہؑ کبریٰ، جناب شہرؑ بانو اورذوالجناح کووہ حیات ابدی عطا کی گئی جس سے تمام اہلبیتؑ ومحبان اہلبیتؑ مستفید ہوتے رہیں۔

پھرآپ نے یہ پڑھا ہے کہ ذوالجناح نے بھی دریائے فرات میں غوطہ لگایا تھا۔ہم کہتے ہیں کہ اُس وقت دونوں ماں بیٹیاں گھوڑے پرسوارتھیں یا گھوڑا دونوں کا پہلے سے منتظر تھا۔اوردیکھنے والوں نے دھوکہ کھایا۔ذوالجناح نے دونوں کومنزل مقصود پرپہنچادیا۔ لہٰذا نہ گھوڑے نے خودکشی کی نہ جناب شہرؑ بانو دریا میں ڈوب گئیں۔بلکہ نظروں کواس سے زیادہ کچھ نظر نہ آیا اوروہ تینوں مسافرصحیح وسلامت وہاں پہنچے جہاں سے کاروان کربلا دنیا کی اقوام میں پیغام عزاداری لے کرروانہ ہونا تھا۔

(6)۔ حضرت قاسم علیہ السلام کے سرمبارک کا دردناک سفراورشمرآن میں دفن کیا جانا

حضرت علامہ دربندی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ میرے پاس فارسی زبان کی ایک کتاب کا ایک حصہ ہے۔اس کا نام **بحرالانساب** ہے۔اوراس میں مصنف نے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی اولاد اوراُن سے پیدا ہونے والی نسلوں کا پھیلاؤ اورمختلف ملکوں میں جا کرآباد ہونا اوراُن پردشمنوں نے جومظالم کئے اوراُن کے حالات لکھے ہیں۔اُسی کتاب میں مصنف نے حضرت قاسم بن الحسن علیہما السلام کے سر مبارک کے سلسلے میں لکھا ہے۔مصنف نے اُس کتاب میں کہا ہے کہ:۔

قال فی ذلک الکتاب اَنّہٗ لَمَّادخلت الرؤس المطھرۃ الطیبۃ مِن شھداء کربلا ۔امرابن زیادلعنہ اللّٰہ منادیا بان ینادی النـاس اِلَی الاجتمـاع والـنـظـر اِلیٰ تـلک الرؤس والسبایا من حرم رسولؐ اللّٰہ و اظھار السرور والفرح والاشتغال بالملاھی والملاعب واظھار الشما تۃ والاستھزا بالنسبۃ الی اھلبیت الاطھار ۔فلمّا اجتمع الناس فی اْلاَرَقّۃِ والسکک والمیادین ونظروا لَی السبایا مِن حرم رسولؐ اللّٰہ والٰی رؤس مطھر ۃ وسـرّوفرح بذ لک غایۃ الفرح والسرور اتبا ع آل ابی سفیان وحزن واغتم بذ لک غـایۃ الغم والحزن اشیا ع آل محمدؐ فقصد جمع مِن الشیعۃ اَنْ یخرجوا علٰی ابن زیاد وتقلّبوا علیہ الامور ویخلّصوا الرؤس المطھرۃ والحرم مِن ایادی الکفّار ۔ فَـلَمَّا اطلع ابن زیاد علٰی قصد ھم ھذا باخبار عن بطانتہ وخواصہ امرالرّؤساء الذین کانوافی یـوم الطف بان یسرحواالرؤس المطھرۃ والسبایا مع عسکر عظیم اِلَی الشام وجمع من الرؤسآء وامر عَلَی الکُلّ ابن سعد ۔ ولما فصلت العساکر من الکوفۃ مساحۃ یومین ۔قال واحد من الرؤسآء وھوحصین بن نمیر الکندی وھوالذی کان رئیسًا وامیرًا علٰی عسکرالعجم فی یوم الطف لومننت عَلَیَّ بالرجوع اِلَی الرّی لکنتَ اَتممتَ احسانک لی ۔فَاِنّی خرجتُ منھامدّۃ ستۃ اشھر ۔فانّ فـی رجـوعـی الیھـا نشـرحـقائق الاحوال والسروروالفرح لمن فی بیعۃ یزید ومَن ھُم مِن اتبا ع آل ابی سفیان ۔فـاذن لہ ابن سعد بالرجوع اِلَی الرَّی واعطاہ جوائز کثیرۃ مِن ثیاب فاخرۃ وجیاد اصیلۃ ۔فلمّا ارادالسیر الٰی طرف الرَّی۔ قال اُرید منک راسًا من ھـذہ الـرؤس فـلیکن ذلک الراس من رؤس اولاد ابیؑ تراب فاحملہ اِلَی الرَّی فانَّ ذلک ھدیۃ عظیمۃ وعطیّۃ کثیرۃ بالنسبۃ الٰی

اھلھا مِن اتباع آل ابی سفیان ومَن فی عنقه بیعة یزید ـ فاعطاه الراس الطیب الطاھر الشھید الجلیل القاسمؑ بن امام الحسنؑ المجتبیٰ روحی لَهُ الفدآء ـ وکلّما کان یمرّعلیٰ قریةٍ اَوْبلد فی مسیرة اِلَی الرَّی یستقبله اھل ذلک البلداوتلک القریة وکانوا یعظمونه ویبجّلونه غایة التعظیم والتبجیل ویظھرون السرور والفرح ویبذلون اموالًا کثیرةً واشیآء نفیسة ویزیّنون الدکاکین والاسواق ویشتغلون بالملاھی والملاعب وغیرذلک مِن اسباب الفرح والسرور وینفقون الاموال فی الاطعام وقد افرط فی ذلک اھل ھمدان فانھم قدبذلوا له اموال کثیرة ونثر واعلیٰ راسه اطباق مِن الدنا نیر والدراھم و ھذالنحوس السلوک مِن اھل البلاد والقری ـ اِنّما کان لیقربوا به اِلٰی یزید وابن زیاد وابن سعد و خواصھم لعنھم اللّٰه اجمعین ودھرالد اھرین ابد الابد ین ـ

فَلَمَّا ورد الرَّی فرح بوروده وماجآء به مِن قضایا یوم لطفّ وماجری علیٰ اھلبیت رسولؐ اللّٰه معاشر المحبین لآل ابی سفیان لعنھم اللّٰه جمیعًا ـ کان جمع من شبّانھم وکھولھم ورجالھم ونسآئِھم یستھزؤن بالراس الشریف ویشتغلون بالملاھی والملاعب والتغنّیات بالطنابیروالمزا میر ونحوھا عنده ـ بل اَنَّ جمعًا منھم کانوا یجعلونه عوض صولجان ویضربون بالعصاوالاخشاب ویدیرونه فی المیادین والمادب ومحتشد مِن الناس فکان شغلھم طول النھار کذلک ویسلّمونه اِلٰی امراة وقت الغروب عَلٰی نھج الودیعة لتحفظه فی اللیل ـ وکانت تلک المراة مِن سلالة جابر بن عبداللّٰه الانصاری ـ وکان اسمھا **جاریة** خواتون وماکانت مطلعة علٰی حقیقة الامروکیفیة الحال فی قضیّة الراس الشریف ـ فجری دیدنھم فی مدة مِنَ الزمان علیٰ ھذا الشغل من اللعبة بالراس الشریف طول الایام لعبة الصولجان وتسلیمه فی اللّیا لی الیٰ تلک المرأة الغافلة عن حقیقة الحال وکان مسکن وتلک المرأ ة فی قریة من قری الشمرانات وکان العامل فی الرَّی ـ فی ذلک الزمان رجل شدید الکفر والعناد من اتباع بنی امیة وکان اسمه **طغرل** وقد بذل اَمْوَال کثیر ة اتباع بنی امیة حین ورود ابن نمیر الکندی الَی الرَّے بالراس المطھر ة اظھار السرور والاخلاص لیزید وھوالذی کان یحرص الناس علی اللعنة بالراس الشریف وجعله کالصولجان ـ ثمَّ ان تلک المرأ ة العجوزه المومنة الغافله عن حقیقة الامر دخلت ذات لیلة جُمعه القبة الَّتی کان فیھا الراس الاطھر الطیب الانور رَأت الانوار تسطع مِن ذلک الراس الشریف وکان القبة مملؤة بالنّور والضیآء فکادت ان تغمی علیھا مِن کثرة الد ھشة وشد ة التعجب والحیر ة ثمّ دنت منه فعظمه وقبّله وغسله بمآء الورد و المسک وطیّبه وعطّره بانوار مِن الطیب والعطر ـ فاشعلت شموعًا کافوریة فی اطرافه الاربعة وبکت بکاء شدیدًا وتضرعت وابتھلت اِلَی اللّٰه عزّوجلّ وسألته اظھارامره فمنعت نفسھا عن غلبة النعاس والنوم علیھا حتی مضی نصف اللیل فبینما ھی بین بکآء وتفکّرفاذا قددخلت القبة سِتّ نسو ة ذوات انوار باھر ة ساطعة فحینَئذٍ ارتفع الراس المنوّر مِن مکانه مقدارذرا ع ونطق بقدرة اللّٰه وخاطب انورھن نورًا واشد ھن حزنًا واکثرھن بکآءً واعظمھنَّ قدرًا ـ وقال السلام علیکِ یااُمَّاهَ السلام علیکِ یازھرًآءَ واللّٰه قتل بنی امیّة رجالنا وَ ذبحوا اطفالنا وسبّو ا نسآء نا وفرّقوا بین رَؤُسناواجسادنا وداروا بِنِسائنا ورؤسناعَنِ الْبَلدِ اِلَی البلد ـ فَلَمَّاسمعت الزھرآءؑ ھٰذا الکلام مِن الراس ضجّت وَبکت بکاءً شدیدًاوضجّت وَبکت لبُکائھا النسوة التی کُنّ معھا ـ ثُمَّ التفت الیھن وقالت یافاطمةؑ بنت اسد یااماہ یاخدیجةؑ یاجدتا ه یاآمنةؑ ویامریمؑ ام عیسٰیؑ ویا آسیة اماترین مافعلت اُمّةُ ابی بنااھل البیت ؟ ثمَّ اخذت الراس الشریف وقبّلته وضمته الٰی صدرھا الشریف ثمَّ اخذت تلک النسو ة الراس الشریف واحد ة بعد واحد ة فقبّلته وضمّته الٰی صدورھن فبکت الزھرآء وصاحت وبکین وصحن صیحة عالیة وبکت وصاحت الملا ئکة والحور العین لِبُکآئھن ـ ثمَّ قالت الزھرآء للراس الشریف

یـاولدی یاقاسمؑ صبرًا صبرًا فاعلم انّہ اذا قامت الساعة وحشر اللّٰہ الاولین والآخرین اضع علیٰ راسی عمامة جدّک امیرؑ المؤمنین المتلطخة من دمآئہ الطیبة الطاہرة واضـع علیٰ کتفی الایمن قمیص ابیک الحسنؑ المجتبیٰ المتلطخة بالسم واضع علیٰ کتفی الایسـر قـمـیـص عمّکؑ الممزق بضربات بالسیوف وطعنات الرماح والسّھام وارکبُ ذاالجناح جَوّادِہٖ وَاخذ بقآئمة عرش اللّٰہ ولا ادخل الجنة الامعکم ومع اشیاعکم اِلّا بعد انتقام من اعدائکم وقتلتکم۔

ثُمَّ دَ نَتُ العجوزہ المومنة الجاھلة بالحَال والغافلة عن کیفیة امرالراس الشریف مِن الصدیقة الکبریٰ فاطمة الزھرؑاء علیـھـا السلام وقالت یاسیدةَ الـنسـآء ویـابـنـت رسـولؐ الـلّٰـہ اعفینی وتجاوزی عَن ذلتی وخطیئتی ولا تشکی منّی عندابیک سیـدؐالـمـرسـلیـن واَنّـی واللّٰہ شیعتکِ واَنّی کنتُ جاھلة بحقیقة الحال فی امرالراس الشریف ۔ فبـکـت وتضرعت وتمسکت بالاذیال الطاھرة من الصدیقة المعصومة المظلومة فقالت الزھرؑا ءِ المعصومة اَیُّتَھَا المرأة الصالحة صدّقتِ فِیُمَا قُلتِ فانکِ مِن محبّینا وشیعتنا وَلاباس علیکِ فیما جھلتِ بہ۔ فَاِنّی لا ادخل الجنہ اِلّا وانتِ معنا ثُمَّ اَنَّھا لمارَأت شدة خشیة المرأة وخوفھا مِن الـلّٰـہ لاجـل مـاصدر منھا جھالة کتب لھا بخطّھا الشریف کتا ب الامان من النّار فاعطا ھاالکتاب ثمَّ غابت النسوة التی کُنّ معھا عـن عیں تِلک المرأة الصالحة ۔ ثـمّ انھـا تـلـوّت امعائھا علی الکأبة والحزن واسھرت اللیلة اِلیٰ آخرھا ۔ فَـلَـمَّا اصبحت حکت القصة المبدء اِلَی النھا یة لولدھا المسمّی بعبداللّٰہ فقالت لہ یاعبداللّٰہ یاولدی اِن اردت ترضینی وتراعی حقوقی فلا بدّ اَن تفدی راسک الـراس نـافـلـة المصطفیٰؐ والمرتضیٰؑ والزھرؑآ ء وابن الحسنؑ المجتبیٰ وصھرالحسینؑ سید الشھدا بکربلا فانّہ قدقرب وقـت اَن یـجیـئـی الکفار مِنَ الرَّی اِلیٰ ھذہ القریة ویطلبوا منّی راس القاسمؑ کعادتھم کُلَّ یوم ۔ قـال عبـداللّٰہ سَمُعًا وطاعة یااُمّاہ فیالیت اَنُ یکون لِی الف نفس والف راس افدی کُلّ ذلک فی ولایة آل محمدصلی اللّٰہ علیہ وآلہ فافعلی ماترید ین ۔ فذ بحت المرأة بید ھاراس ولدھا عبد اللّٰہ۔ فمامضت ساعتان اوساعة اِلّا انّ الکفار فجآؤا مِن الرَّی الیٰ تلک القریة فی الشمران فطلبوا مِن المرأ ة راس الـقـاسـمؑ فـاعـطـتھـم راس ولـد ھـا عبداللّٰہ فاشتبہ الامر علی الکفار فجاؤُابراسِ عبداللّٰہ اِلی الرَّیٰ ۔فـلـمّا دخلوا الـمیـدان واجـتـمـع الـنـاس اشتـغـلـوا کسا یُرالایام بالفسوق والعصیان بالتغنّیات وضرب الطنابیر والمزامیر وتصویت الاطبال والبُـوقـات وجـعـل الـراس صـولـجـانـہ وضربہ بالعصاء والاخشاب فَلَمَّا ضُربَ الراس بالعصا و الاخشاب انکسرت جمجمتہ وتـفـرقـت اجزآئہ وجری مخّہ وعلموا حِینَئِذٍ ان ذلک الراس لیس براس القاسمؑ بن الحسنؑ کماکانواقدشاھد وافیہ مِن الثبات والقوام والرصانة والمتانة والقوة الاصلیة الھاشمیة النورانیة النبویة۔فخرجوا من الرَّی وسارعوااِلیٰ قریة تلک الامرأة الصالحة لیـاخذ وا منھا راس القاسمؑ وکان اسماعیل وھوابن آخرلتلک المرأة الصالحة قائمًا بباب البستان فی تلک القریة ۔فَلَمَّا شاھد مِن بعید مجیئی الکفاراِلَی القریة لطلب راس القاسمؑ مِن اُمّہ ۔ سار ع الیھا واخبرھا بالقضیّة۔ فبکت وتضرعت و ابتھلت اَلَی اللّٰہ عـزّوجلّ ودعتہ مستشفعہ بمحمدصلی اللّٰہ علیہ وآلہ وعترتہ المعصومین المظلومین ومتوسلة بھم لان یمیتھا اللّٰہ قبل وصولھم اَلَی القریة حتی لا تری وجوہ الکفار فی مطالبتھم الراس الشریف منھا۔فاجاب اللّٰہ دعوتھا وقضت نحبھا۔

ثُـمَّ انّ صـاحـب ھذاالکتاب الفارسی قال اَنّ شخصًا من نسل عمارؓ بن یاسرکان ساکنًافی ذلک الزمان فی رود بارفلما اطّلع علیٰ قضیة الشریف خرج مع جمعٌ مِن خدمہ واصحابہ فوصلوا الی الشمران وقاتلوا فیھاالکفار وقتلوا جمعًا منھم ثمّ دفنوا الراس الشریف الطیب الطاھر ۔وھٰکذا تلک المراة الصالحة وھٰکذا جسد ولدھا فی موضع یسمّی بدربند علیًّاً ۔و ھذا ترجمة مـاذکـرصـاحـب الـکتاب بالفارسی وقد نقلناعنہ ایضًا فی مجلس شھادة القاسمؑ بن الحسنؑ المجتبیٰ وان شِئتَ بیان ذلک واِن

افضی اِلٰی بعض التکرار فاعلم اِنَّہٗ لَمّا نقل ورود شہرؑبانو مع بنتھا زبیدؑ ۃ اَی عرس القاسمؑ اِلٰی بلد ۃ الرَّی کمانقلنا ذلک عنه فی مجلس شہادۃ القاسمؑ ۔قال انه لَمَّاغابت شہرؑبانو فی الغار فی الجبل وبقیت زبیدؑۃ فی الرَّی وسکنت فیھا سمعت بذ لک امرا ۃ صالحۃ مِن نسل عمارؓ بن یاسر وکانت ساکنۃ حینئذ فی قلعۃ رودبار فخرجت منھا وجآئت اِلَی الرّی فکانت تخد م زبیدؑۃ وتشغل بحوائجھا فلمّا ولدت زبیدۃ القاسم المثنٰی جآؤا اَلَیْھَا اخوالھا من نسل یزدجرد فحملوھا وولد ھااِلَی الشمران فکانوا یخدمون القاسم المثنٰی غایۃ الخدمت ویشتغلون بتربیّۃ تعظیمه وتبجیله۔

فلمّا آل الامر فی دولۃ بنی اُمیّۃ اِلٰی امارۃ الحجّاج بن یوسف وکان قدانفذالجیوش الوفیرۃ والعساکر الکثیرۃ الٰی بلادعجم لیقتلوا کُلَّ مَن ھو من نسل محمدؐ المصطفٰی وعلیؑ المرتضٰی وکُلّ مَن یعینه فی ای بلد اَوْقریۃ ومکان کانوااَوْرَدَعسکرعظیم مِن تلک العساکر اَلَی الرَّی بَل ذکر اَنّ الحجاج الملعون کان فی ذلک العسکر فاخبرہ شیخ ملعون مِن شیوخ الرَّی وکان یسمی بابی ھریر ۃ یکون نافلۃ الحسنؑ المجتبٰی عنداخواله من نسل یزدجرد الملّقبین بملوکان وھم ساکنون مع خد مھم وغلمانھم واتباعھم فی الشمران ۔ فَلَمَّا اطلع الحجاج الملعون فرح فی غایۃ الفرح وسارمع عسکرہ الٰی قلعۃ الشمران فخرج الملوک مع اصحابھم واتبا ھم فحمی وطیس المحاربۃ وقامت الحرب علٰی ساقھا واشتدّت نیران المجادلۃ والتھب شھب المقاتله بین المسلمین والکفار فصارت الغلبۃ والنصرۃ فی اول الامرللمسلمین حتّٰی انّھم قتلوامِن الکفار مقتلۃ عَظیمۃ وجماعۃ غفیرۃ اِلٰی ان وصل اَلَی الکفار اعوان وانصارکثیرۃ مِن مواضع شتیّٰ فکثرت جنودھم ووفرّت جموعھم فصارت الغلبۃ لھم حتّٰی انّھم قتلوا اجمیعًا مِن طائفۃ ملوک واخذواالقاسم المثنّٰی اسیرًا حیًّا ثم قتلوہ ۔ فلمَّا رجع الحجاج مع عسکرہ مِن المجاد لۃ ارادمَن کانوا اباقین مِن معشرالملوکان من اخوال القاسمؑ المثنّی اَن یدفنوہٗ فی موضع من مواضع دربند علیًّاً فسمعوا صوتًا وکلامًامِن مد فن الرّاس الشریف للقاسمؑ بن الامام الحسنؑ المجتبٰی ایُّھَا الملوکان ادفنوا قرّۃ عینی ونافلۃ اَبیؑ وعمّیؑ عند مد فن راسی ولا تفرقوا بین راسی وبین ولدی۔ فدفنوہ۔ (اکسیرالعبادات واسرارالشہادات صفحہ 472 تا475)

شہدائے کربلا کے سرہائے مبارکہ کوفہ میں داخل ہونے والے تھےتو ابن زیاد نے منادی کرنے کا حکم دے دیا تھا کہ تمام لوگ جمع ہوکراُن قیدیوں اورسروں کو دیکھیں۔اوردشمن پرفتح پانے کی خوشی اورجشن منایا جائے ،رنگ رلیاں اورکھیل تماشوں کی محفلیں منعقد کی جائیں اوردشمن قیدیوں کی توہین اور مذاق بنایا جائے ۔ چنانچہ جب لوگ ہجوم درہجوم گلی کوچوں اورمیدانوں اورشہر کے چوکوں میں جمع ہوگئے اوراُنہوں نے خانوادۂ رسولؐ کے اہلِ حرم کوقیدی دیکھا۔اورسرہائے مبارکہ کو نیزوں پرآویزاں پایا تو اُدھر بنی امیہ اورآلِ سفیان اوراُن کے ہم مذہب لوگوں کوانتہائی مسرت واطمینان حاصل ہوا۔اوراُدھرمحمدوآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے ماننے والوں اورچاہنے والے شیعوں کوغم واندوہ اورتباہی کے تصورات نے گھیرلیا۔اورایک جماعت نے ارادہ کیا کہ ابن زیاد کے مقابلہ میں نکلیں اوراس کے نظام کو درہم برہم کردیں اورسروں کوچھین کراہلِ حرم کوآزاد کرالیں ۔لیکن ابن زیاد کے جاسوسوں اورمخصوص لوگوں نے اس ارادہ کی اطلاع بروقت پہنچادی۔اس کے بعدابن زیاد نے اُن تمام سرداران فوج کوجمع کیا جوکربلا میں شریک جنگ ہوئے تھے۔اورحکم دیا کہ بہت بڑی افواج کے پہرہ میں اہلِ حرم اورشہدؑا کے سروں کو لے کرملک شام کا سفرکریں۔اُن سب پرعمرابن سعد کوحاکم بنا کرروانہ کردیا۔جب یہ افواج کوفہ سے دوروز کی مسافت طے کرچکیں تو ایک سردار نے جس کا نام حصین بن نمیرکندی تھا۔ابن سعد سے کہا کہ مجھے اپنے شہررَے

سے نکلے ہوئے چھ مہینے گزر چکے ہیں۔ یہ شخص کربلا میں عجمی افواج کا سردار بھی تھا۔اور شہر رَے کا ایک امیر وکبیر باشندہ بھی تھا۔اس نے درخواست کی کہ اگر اُسے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے تو وہ نہایت ہی احسان منداور شکر گزار ہوگا۔اور یہ کہ اُس کے واپس جانے سے پبلک کو حقیقت حال معلوم ہوگی۔اور جو لوگ یزید کی حکمرانی اور خلافت کو برحق مان کر بیعت کئے ہوئے ہیں اور جو لوگ ابوسفیان کی آل کے وفادار اور ہم مذہب ہیں اُن کو ہماری فتح پر بڑی خوشی اور اطمینان ہوگا۔ابن سعد نے حصین بن نمیر کو کپڑوں اور اصیل گھوڑوں وغیرہ کا انعام دے کر جانے کی اجازت دے دی۔ چلتے وقت حصین نے کہا کہ مجھے ابوترابؑ کی اولاد میں سے ایک سر بھی دے دو جو وہاں کی رعایا کے لئے ایک عظیم الشان تحفہ اور ہدیہ اور اُن کے شایانِ شان عطیہ ہوگا۔اور ہماری کامیابی کا ثبوت بنے گا۔اور اس سے یزید کے مطیع اور فرمانبرداروں اور بنی امیہ کے طرفداروں میں اطمینان وخوشی کی لہر دوڑ جائے گی۔ چنانچہ ابن سعد نے حصین کو جناب امام حسنؑ مجتبیٰ کے صاحب زادے قاسمؑ کا سر مبارک لے جانے کی اجازت دے دی تاکہ حصین کا بیان کردہ مقصد حاصل ہو جائے۔

چنانچہ وہ سر مبارک لے کر حصین چلا اور جس گاؤں یا جس قصبہ اور شہر سے ملک رَے کی طرف جا رہا تھا، اُس شہر یا گاؤں کے لوگ حصین بن نمیر کی بہت تعظیم وتکریم بجالاتے تھے۔اور اس فتح وکامیابی پر حد بھر مسرت وراحت کا اظہار کرتے تھے۔اور اُسے کثرت سے مال واسباب اور بہترین چیزوں کے تحفے پیش کرتے تھے۔اور اپنی دکانوں اور مکانوں اور گلی کوچوں کو سجاتے تھے۔اور سامان عیش ومسرت اور کھیل کود اور تماشوں کا انتظام کرتے تھے۔اور غربا میں مال تقسیم کرتے، کھانے پینے کا سامان دیتے اور دعوتیں کرتے تھے۔اس سلسلہ میں ہمدان کے باشندوں نے تو سب کو مات کر دیا تھا۔اس لئے کہ انہوں نے حصین بن نمیر کے سر پر سے درہم ودینار کے طباق بھر بھر کے نثار کئے اور کثیر دولت اُس کے سامنے پیش کی۔ یہی حال ہر شہر اور ہر قریہ سے گزرتے ہوئے پیش آیا۔ وہ تمام لوگ جو یزید اور ابن زیاد اور عمر بن سعد کی قربت چاہتے تھے، اس منحوس سلوک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔اور اُن کے اہلکاروں کی نظر میں نمایاں ہو جانے کی کوشش کرتے تھے۔اللہ اُن سب پر ابدالاباد تک اور جب تک زمانہ باقی ہے لعنت کرتا رہے۔

چنانچہ جب حصین بن نمیر رَے میں پہنچا اور وہاں وہ تمام مصائب اور مظالم بیان کئے جو رسولؐ اللہ کی اولاد پر گزرے تھے اور سر حضرت قاسم علیہ السلام ثبوت میں پیش کیا گیا۔تو آل ابوسفیان اور اُن سے محبت کرنے والے اور اُن کے ہم مذہب مسلمانوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔اُن کے جوان، بوڑھے، بچے اور مرد اور عورتیں جمع ہو کر رنگ رلیاں منانے میں مصروف ہو گئے۔سر کو درمیان میں رکھ کر مذاق اڑاتے تھے۔گانا بجانا، طبلے اور طنبورے اور سارنگیاں بجائی جاتی تھیں۔کھیل کود اور تماشے کئے جاتے تھے۔یہی نہیں بلکہ بعض لوگ سر مبارک کو گیند کی جگہ استعمال کرتے تھے۔میدانوں اور جلسوں میں لکڑیوں اور ہاکیوں سے ادھر سے اُدھر مارتے اور گھماتے تھے۔اور لوگوں کو تماشہ کے لئے مدعو کرتے اور روپیہ صرف کرتے تھے کہ سب دیکھیں۔تمام دن اُن لوگوں کا یہی مشغلہ تھا۔رات ہونے پر وہ لوگ اُس سر کو ایک عورت کے پاس حفاظت کے لئے بطور امانت رکھ دیا کرتے تھے۔اور وہ عورت جناب جابر بن عبداللہ انصاری کی نسل سے تھی۔اُس کا نام **جاریہ خاتون** تھا۔اور وہ اُس سر مبارک سے اور متعلقہ حقائق وحالات سے قطعاً ناواقف تھی۔ چنانچہ وہ لوگ حسب عادت سر مبارک سے مدت دراز تک کھیلنے اور تفریح کرنے کے مشغلے میں مصروف رہتے چلے گئے۔دن بھر کھیلتے اور گیند کی طرح سلوک

کرتے رہے اور رات کو اس عورت کے پاس امانتاً رکھتے رہے۔ یہ عورت ایک ایسے گاؤں میں رہتی تھی جو شمرانات کے گاؤں میں سے ایک گاؤں تھا۔ اس زمانہ میں شمرانات کے علاقہ کا عامل یعنی گورنر ایک بہت سخت دشمن اور کفر وعداوت میں بنی اُمیہ کا پیرو تھا۔ جس کا نام **طغرل** تھا۔ حصین بن نمیر کندی کی آمد کے بعد اس شخص نے یزید کی خوشنودی کے لئے بہت سی دولت خرچ کر دی تھی۔ تا کہ اپنا خلوص اور فتح پر کامیابی کی خوشیاں منانا دکھا کر ترقیاں حاصل کرے۔ یہی آدمی تھا جو لوگوں کو مال و دولت خرچ کرنے پر ابھارتا تھا۔ اور اُسی نے سر مبارک کو گیند کی جگہ استعمال کرنے کی رائے دی تھی۔ اور لوگوں کو سر مبارک پر لعنت کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔ پھر وہ حقیقتِ حال سے غافل مومن بڑھیا ایک رات اتفاق سے اُس کمرہ میں چلی گئی جس میں رات کو سر مبارک رکھا جایا کرتا تھا اور وہ شب جُمعہ تھی۔ اُس نے دیکھا کہ سر مبارک سے نور اور روشنی کی شعاعیں بلند ہو رہی ہیں، پورا کمرہ روشن ہو گیا ہے۔ اور اچانک یہ سب کچھ دیکھ کر دہشت اور خوف کی شدت سے اس پر غشی کی سی حالت طاری ہوگئی۔ وہ حیران ہو ہو کر دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ سر مبارک کے قریب گئی اور اسے نہایت ادب واحترام کے ساتھ اُٹھایا، بوسہ دیا، مشک وگلاب کے پانی سے دھویا، اس پر خوشبو اور عطر لگایا اور اس کے چاروں طرف کافوری موم بتیاں روشن کر دیں۔ اور اللہ کے حضور میں نہایت شدت سے رو رو کر حقیقت حال جاننے کی درخواست اور دعا کرنے لگی اور نیند وغفلت کو پاس پھٹکنے سے روکتی رہی یہاں تک کہ آدھی رات ہوگئی۔ بڑھیا رونے اور دعائیں کرنے میں مشغول تھی کہ اچانک کیا دیکھتی ہے کہ چھ نورانی خواتین کمرہ میں داخل ہوئیں جن کے چہروں سے نور جگمگا رہا تھا۔ عین اُس وقت وہ سر پُر نور ادب سے ایک گز کے قریب بلند ہوا اور قدرتِ خداوندی سے اُس خاتون سے ہم کلام ہوا جو اُن میں سب سے زیادہ پرنور، سب سے زیادہ غمگین اور سب سے زیادہ گریہ فرما رہی تھیں اور سب سے زیادہ عظیم المرتبہ تھیں۔ اور کہا کہ سلام ہو میرا اے امی جان فاطمہؑ زہراء۔ دیکھو خدا کی قسم امی جان بنی اُمیہ نے ہمارے تمام مردوں کو قتل کر دیا اور ہمارے بچوں کو ذبح کر دیا اور ہماری مستورات کو قیدی بنا لیا۔ اور ہمارے سروں کو ہمارے بدنوں سے جدا کر دیا اور اس پر بھی اپنا ظلم بند نہیں کیا۔ بلکہ ہماری خواتین کو اور ہمارے سروں کو شہر بہ شہر اور ایک بستی سے دوسری بستی میں تشہیر کرتے پھرے۔ یہ سب کچھ سنتے سنتے فاطمہؑ زہراء تڑپ تڑپ کر چیخیں مار مار کر رونے لگیں۔ اور اُن کے رونے اور تڑپنے سے اُنکی ہمراہی خواتین بھی رونے لگیں۔ ذرا افاقہ ہوا تو فاطمہؑ زہراء نے اُن خواتین سے کہا کہ اے اماں اے فاطمہؑ بنت اسد اور اے امی خدیجہؑ اے دادی آمنہؑ اور بزرگوار مریمؑ اور اے آسیہؑ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میرے باپ کی امت نے ہم اہلبیتؑ کے ساتھ کیا کیا مظالم کئے ہیں؟ پھر سر مبارک کو گود میں لیا پیار کیا اور سینہ سے لپٹا لیا۔ اُن کے بعد تمام خواتین نے سر مبارک کو باری باری یکے بعد دیگرے گود میں لیا اور پیار کیا اور اپنے سینوں سے لگایا۔ حضرت فاطمہؑ زہراء رو رو کر فریاد کرتی تھیں اور وہ خواتین بھی ہائے واویلا کی صدائیں بلند کر کے رو رہی تھیں اور اُن سب کے ساتھ ملائکہ اور حوریں بھی گریہ وزاری میں مصروف تھیں۔ اُسی دوران فاطمہ علیہا السلام نے سر مبارک سے کہا کہ بیٹے تم صبر کرو اور سمجھ لو کہ جب قیامت آئے گی اور اللہ تمام اوّلین وآخرین مخلوق کو حساب کے لئے حاضر کرے گا۔ اُس وقت میں تمہارے دادا علیؑ کا وہ عمامہ سر پر رکھوں گی جو اُن کے خون میں تر بتر ہوا تھا۔ اور اپنے داہنے کندھے پر تمہارے والد حسنؑ کی وہ قمیص رکھوں گی جو زہر کی قے سے بھیگی تھی۔ اور بائیں کاندھے پر تمہارے چچا حسینؑ کی وہ قمیص رکھوں گی جو تلواروں اور نیزوں اور تیروں سے چھلنی اور خون میں لتھڑی ہوئی

ہے۔ پھر میں حسینؑ کے گھوڑے ذوالجناح پر سوار ہو کر اللہ کے عرش کے ستون کو پکڑ کر کھڑی ہو جاؤں گی۔ اور جنت میں اُس وقت تک داخل نہ ہوں گی جب تک تم سب اور تمہارے شیعہ داخل نہ ہو جائیں۔ اور میں تمام شہدا کا انتقام حاصل نہ کرلوں اور تمہارے دشمنوں اور قاتلوں کو قرار واقعی سزا نہ دلا دوں۔

پھر وہ بڑھیا مومنہ سر مبارک کی کیفیت سے ناواقف اور مذکورہ تمام ہی حالات سے غافل آگے بڑھی اور حضرت فاطمہؑ زہراء صدیقہ کبریٰ سے عرض کیا کہ اَے تمام عالم کی عورتوں کی سردار، اے رسولؐ سید المرسلین کی بیٹی آپ مجھے معاف کر دیں اور اپنے والد سے میری شکایت نہ کریں۔ بخدا میں پہلے سے تمہارے شیعوں میں سے ہوں۔ مجھے اس سر مبارک کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ رو رو کر کہتی تھی کہ مجھے ذلت و رسوائی سے بچالیں۔ سیدہ مظلومہؑ کا دامن پکڑ کر فریاد کرتی تھی، منت وسماجت کر کے اپنی لاعلمی کی خطاؤں سے معافی طلب کرتی تھی۔ حضرت فاطمہؑ نے خوش ہو کر فرمایا کہ اے خاتون تو بالکل سچی ہے۔ تجھے حقیقت حال کا علم نہ تھا۔ بے شک تم اس تمام بیان میں سچی ہو جو تم نے کہا ہے۔ یقیناً تم ہمارے چاہنے والوں اور ہمارے شیعوں میں داخل ہو اور تمہارے ذمہ کوئی مواخذہ اور باز پرس نہیں ہے۔ سنو کہ میں ہرگز جنت میں قدم نہ رکھوں گی سوائے اس کے کہ تم ہمارے ساتھ ہوگی۔ اور جب خاتونؑ قیامت نے اُس عورت کو اللہ کے خوف سے بے حال دیکھا اور اُس کو اُس کی نادانی پر بہت شرمندہ پایا تو اپنے دست مبارک سے اس کے لئے جہنم سے نجات کا پروانہ لکھا اور اُسے دے کر وہ اور تمام ساتھی خواتین اس نیک نہاد عورت کی آنکھوں سے غائب ہو گئیں۔ پھر تو اس عورت کا رنج و غم سے یہ حال ہوا کہ پیٹ میں مذکورہ مصائب سے ہُوک اٹھتی تھی۔ اسی حالت میں باقی رات جاگ کر گزاری۔ صبح ہوئی تو اوّل سے آخر تک سارا واقعہ اپنے بیٹے عبداللہ کو سنایا۔ اور کہا کہ اے عبداللہ اے جان مادر اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میرے حقوق ادا کر کے مجھے راضی کرلو تو اپنا سر اس سر مبارک پر قربان کر دو۔ جو جناب محمدؐ مصطفیٰ اور مرتضیٰؑ اور فاطمہؑ زہراء کی نسل پر قربان ہو جانے کے برابر ہے اور جو امام حسنؑ کے بیٹے کو اور امام حسینؑ کے داماد کو زندہ کرنے کا اجر دے گا۔ وہ وقت بالکل قریب آ لگا ہے جب وہ حق پوش گروہ حسب معمول رَے سے اس گاؤں میں آنے والا ہے۔ اور مجھ سے حضرت قاسمؑ کا سر مانگے گا جیسا کہ روزانہ اُن کا عملدرآمد ہے۔ اور اب میں نہیں چاہتی کہ اپنے ہاتھ سے یہ اُن کو توہین کے لئے دوں۔ عبداللہ اطاعت شعار اور محمدؐ وآل محمدؐ کا فدا کار تھا۔ اُس نے عرض کیا کہ اے امی جان میں بخوشی اطاعت کے لئے تیار ہوں۔ کاش میرے پاس ایک ہزار جسم ہوتے اور ایک ہزار سر ہوتے تو میں سب کو آل محمدؐ پر نثار کر دیتا۔ لہٰذا جلدی سے کر گزریں جو آپ کو پسند ہے، مجھے پسند ہے۔ ماں نے بیٹے کو ذبح کیا، سر تن سے جدا کر کے الگ رکھا اور اُسے پرانی حالت میں تبدیل کیا۔ ایک دو گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ وہ لوگ آ گئے اور قاسمؑ کا سر مانگا، ماں نے بیٹے کا سر دے دیا۔ ان لوگوں کو شبہ تک نہ ہوا لے کر چل دیئے۔ اور رَے میں آ کر اس میدان میں داخل ہوئے جہاں پر لوگ حسب معمول جمع تھے اور ڈھول باجے، طنبورے طبلے بجا بجا کر گانے بجانے اور رنگ رلیوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ چنانچہ آج جب اُس سر کو گیند کی طرح استعمال کیا گیا تو وہ چند ہی ضربوں سے شکستہ ہو گیا۔ کھوپڑی الگ ہو گئی اور ٹکڑے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ مغز نکل کر الگ جا پڑا۔ اب وہ لوگ یہ سمجھ گئے کہ یہ سر قاسمؑ بن حسنؑ کا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُس میں نہ وہ قوت ملی نہ مضبوطی پائی گئی اور چند ہی منٹ میں چُورا ہو کر رہ گیا۔ بہر حال یہ بھی غور طلب تھا کہ سر کو دوسرے سر سے تبدیل کر دینا

بھی آسان نہ تھا۔ جب تک کسی اور آدمی کو قتل نہ کر دیا جائے۔ اس پیچیدگی کو حل کرنے کے لئے مذکورہ مومنہ کے گھر آنا ضروری تھا۔ چنانچہ یہ لوگ اُس گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ بڑھیا کا دوسرا بیٹا اسماعیل اپنے گاؤں کے باغ میں دروازے پر کھڑا تھا۔ جب سر کا حال جاننے کے لئے لوگ باغ کے پاس پہنچے تو اسماعیل نے اُن کو آتے ہوئے دیکھا تو دوڑتا ہوا ماں کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ دشمنوں کا گروہ حضرت قاسمؑ کے سرِ مبارک کو لینے کے لئے آ رہا ہے۔ اس نیک بی بی نے رو رو کر، گڑ گڑا، گڑ گڑا کر اللہ سے دعائیں اور التجائیں کرنا شروع کیں۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ اور اہلبیت علیھم السلام کی مظلومی کے واسطے دیئے اور عرض کیا کہ مجھے دنیا سے اُٹھا لے اور اُس ذلت سے بچا لے جو اُن دشمنانِ اہلبیتؑ کی طرف سے ممکن ہے۔ مجھے اُن خبیثوں کا منہ دیکھنے سے قبل ہی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی خدمت میں بلا لے۔ چنانچہ اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی اور اس کی منت پوری ہوگئی۔

اس کے بعد فارسی کی اس کتاب کے مصنف نے لکھا ہے کہ قزوین اور گیلان کے درمیان ایک شہر رودبار تھا۔ جہاں حضرت عمارؓ یاسر کی نسل سے ایک مومن رہتا تھا۔ اُس نے اپنے خادموں اور صحابہ کو لے کر حملہ کیا اور تمام دشمنوں کا شمران کے علاقہ سے صفایا کر دیا اور حضرت قاسم کے سر کو اور عبداللہ اور اس کی والدہ کو دربند علیؑ نام کے گاؤں میں دفن کر دیا۔ اور ہم نے اسی فارسی کتاب میں جو کچھ مصنف نے لکھا تھا۔ اسے عربی میں ترجمہ کر کے یہاں نقل کر دیا ہے۔ اور دوبارہ یہ بتانا ہے کہ اگر وہ حالات جو حضرت قاسمؑ بن حسنؑ المجتبیٰ کی شہادت والی مجلس میں بیان کئے ہیں، اس کی مزید تفصیل درکار ہو اور اُسے دُہرانا گراں معلوم نہ ہو تو جاننا چاہیئے کہ حضرت شہرؑ بانو کا اپنی بیٹی زبیدہؑ سمیت، جو حضرت قاسم علیہ السلام کی دلہن تھیں شہرِ رَے میں پہنچنا نقل کیا ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے نقل کیا ہے۔ تو اس میں کہا گیا ہے کہ جب حضرت شہرؑ بانو اُس مذکورہ پہاڑ کی کھوہ میں غائب ہوگئیں اور حضرت زبیدؑہ تنہا رہ گئیں تو ایک نیک عورت جو سابقاً رودبار کے قلعے میں مقیم تھی، وہ وہاں سے شہرِ رَے میں آ کر جناب زبیدؑہ کے پاس رہنے لگی۔ اور وہی آپ کی خدمت اور دیگر امور خانہ داری و ضروریات زندگی کی ذمہ دار رہی۔ جب حضرت قاسمؑ کا بیٹا قاسم ثانیؑ (دوسرا قاسم) زبیدہؑ سے پیدا ہوئے تو یزدجرد کے خاندان والے اُن کے خالو صاحبان وہاں آئے تو وہ حضرت زبیدہ علیہا السلام اور جناب ننھے منے یادگارِ قاسم، قاسم ثانی علیہ السلام کو اپنے ہمراہ شمران لے گئے۔ اور وہاں اُن دونوں کی خدمت اور شہزادہ کی تربیت میں مصروف ہوگئے اور اُن کی خاندانی عظمت و جلالت کو چاروں طرف پھیلا دیا۔

جب بنی اُمیہ کی حکومت میں حجاج بن یوسف ملعون کو اختیارات و اقتدار ملا تو اُس نے سارے عجم میں دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی افواج پھیلا دیں اور منشا یہ تھا کہ جہاں جہاں آلِ محمدؐ اور اُن کے مددگاروں کا پتہ چلے اُنہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر دیا جا سکے۔ چنانچہ ہر بستی اور ہر شہر و مکان کا پتہ چلانا شروع کیا گیا۔ اس مقصد کے لئے خود حجاج ملعون ملک رَے پہنچا اور یہاں ایک ملعون شیخ نے جس کا نام ابوھریرہ تھا، حجاج کو بتایا کہ جناب حسنؑ المجتبیٰ کی ایک یادگار یہاں اپنی ننہیال میں موجود ہے جو یزدجرد کی نسل سے ہیں اور اُن کا لقب ملوک (بادشاہان) مشہور ہے۔ اور وہ شمران میں نہایت ٹھاٹھ سے اپنے خادموں، غلاموں اور پیروؤں کے ساتھ سکونت پذیر ہیں۔ چنانچہ جب حجاج ملعون کو یہ اطلاع ملی تو حد بھر خوش ہوا۔ اور اپنی افواج لے کر شمران کی جانب بڑھا۔ جب خاندانِ ملوک کو پتہ چلا کہ اُن کے قلعہ پر فوج کشی ہو رہی ہے تو وہ سب مع اپنے صحابہ اور خاندان اور پیروؤں کے میدانِ جنگ میں نکل آئے اور جنگ کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں،

لڑائی کا تندور گرم ہوگیا۔ اور حرب وضرب کی آ گ شعلہ زن ہوگئی تو میدانِ کارزار و پیکار جم کر کھڑا ہوگیا۔ لاشیں گرنے لگیں سرتن سے رخصت مانگنے لگے۔ اور حقیقی مسلمانوں نے قومی نام نہاد مسلمانوں کو اپنی قوت کا اندازہ کرایا تو دشمن کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ لاتعداد لوگ اُن کے قتل ہوئے لیکن ملک میں بکھری ہوئی افواج مدد کو آتی رہیں۔ رفتہ رفتہ یہ شاہی خاندان قتل ہوگیا۔ حضرت قاسمؑ ثانی کو زندہ گرفتار کرلیا گیا اور موقعہ پا کر قتل کردیا گیا۔ جب جنگ ختم ہوئی اور حجاج نے واپسی اختیار کی تو شاہی خاندان کے وہ افراد جو قاسمؑ ثانی کے خالوؤں میں سے باقی تھے، اُنہوں نے قاسمؑ ثانی کو دربندعلیؑ کے قصبہ میں دفن کرنا چاہا۔ تو انہیں حضرت قاسمؑ بن الحسنؑ کے سرمبارک کے مقبرہ سے آواز آئی اور فرمایا گیا اَے خاندان ملوک میری رونقِ نظر اور میرے والدؑ اور چچاؑ کی نشانی کو میرے پاس دفن کرو۔ مجھ میں اور میرے بیٹے میں جُدائی اور دُوری پیدا نہ کرو۔ اسی ہدایت کے مطابق قاسم ثانی علیہ السلام کو حضرت قاسم علیہ السلام کے سرمبارک کے مقبرہ کے نزدیک دفن کیا گیا تھا۔ (یہ پوری روایت اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 472 تا 475 مکمل ہوئی)

(2)۔ علامہؒ دربندی آخر مجتہدین کے مسلک کی رعایت کرنے پر مجبور ہوگئے

علامہ حضور نے مندرجہ بالا روایت لکھنے کے بعد نظام اجتہاد کا مُنہ بند کرنے کے لئے اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر نہایت فاضلانہ نظر ڈالی ہے۔ اور حضرت قاسمؑ اور قاسمؑ ثانی اور حضرت علیؑ اکبر اور حضرت عباسؑ اور شہدائے خاندان ہاشم علیھم السلام کے فضائل یاد دلائے ہیں۔ اُن سب کو عصمت صغریٰ کے درجہ پر فائز ثابت کیا ہے۔ لیکن جب انصاری مومنہ کا تذکرہ کیا تو آپ نے اُس کے بیٹے کے سر کی قربانی کا ذکر کرتے ہوئے بہت معذورانہ گفتگو کی ہے اور اُس خاتون کو احکام شریعت کے بھول جانے یا ازراہِ لاعلمی و جہالت خلاف شریعت فعل کرنے کی خطا کار مان کر پھر اس کے قصور میں اُسے معذور و قابل معافی قرار دیا ہے۔ پہلے علامہ حضور کا بیان سُن لیں تو ہم اپنا مسلک و مذہب بیان کریں گے، فرماتے ہیں کہ:۔

وَاَمَّا قضیة ذبح المرا ۃ الانصاریّة ولدھا؟ فالجواب عنھا اَنَّ فرط المحبت و کثرۃ الاخلاص والمودۃ مِنھا بالنسبة الٰی اھلبیتؑ العصمة قدسارا سببًا لِنِسْیَانھا الحکم الشرعی مِن کون ذ لک محرّمًا بَل مِنَ الکبآئر علٰی انَّ کونھا اَوّلاً عالمة بالحکم الشرعی فی المسٔلة ۔ اَوّل الکلام وبعبار ۃ اخری ان ھذہ المسئلة فی الحقیقة تنحَل الٰی مسئلة معذ وریة الجاھل وعد مھا فی العبادات والتحقیق فیھا ان الجھل یوجب المعذ وریة ویورث الثواب علی الفعل کسائر العبادات الصحیحة لامطلقًا بَل مادام کان المکلّف قاصرًا لامقصرا۔ (الخ) (اکسیر العبادات۔ صفحہ 475)

''انصاری خاتون کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے معاملہ کا جواب یہ ہے کہ وہ عورت اہلبیتؑ کی محبت کے جوش اور اخلاص کی شدت میں شرعی حکم کو بھول گئی تھی جو فعل حرام تھا بلکہ ایک گناہ کبیرہ تھا۔ اور اگر وہ حکم شرعی سے ناواقف تھی تو معذور تھی لہٰذا جہالت کی بنا پر اُسے اپنے عمل کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ قاعدہ ہے۔''

ہم عرض کرتے ہیں کہ وہ خاتون چونکہ حقیقی معنوں میں شیعہ تھی۔ لہٰذا اُس نے اُس مصنوعی اور خودساختہ شریعت پر عمل نہیں کیا جو رسولؐ اللہ کی قوم نے بنائی تھی (فرقان 30-25/27) اور تمام ادیان اور انبیاؑ کی تعلیمات کو یک قلم ضائع اور منسوخ کردیا تھا بلکہ خود قران

ورسولؐ کی جاری کردہ شریعت میں سے بھی اہم ترین احکام کو ناسخ ومنسوخ کی چھری سے ذبح کر دیا تھا۔ اُس نے حضرت ابراہیم واسماعیل علیہم السلام کی پیروی واتباع میں یہ قربانی پیش کی تھی (صافات 108-37/102) اور ثبوت دیا کہ آخری رسولؐ کے زمانہ کے افراد برابر اس قربانی کو جاری رکھتے چلے آرہے ہیں۔ اللہ نے **فِی الآخِرِیْن** (37/108) فرما کر آخری اُمت کو اس قربانی کے جاری رکھنے کی تاکید کی ہی ہے۔ اُسی قربانی کو انتہائی بلندی سے پیش کرنے کے لئے حضرت اسماعیلؑ کی جگہ امام حسینؑ کو ذمہ دار بنایا گیا تھا (صافات 108-37/107)۔ اور اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حکم دیا ہے کہ:۔

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا (نحل 16/123) وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِیۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّۃَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِیۡمَ خَلِیۡلًا ○ (نساء 4/125) آپ کو ابراہیمؑ شریعت پر عمل کرنے کی وحی کی جا چکی ہے اور اُس شخص سے بہتر کس کا دین ہوسکتا ہے جو اللہ کیلئے مُنہ کے بل گردن کٹانے کو اختیار کرلے اور یوں وہ اللہ پر احسان کرنے والا بن جائے۔ لہٰذا اے رسولؐ آپ ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی میں اُسی طرح راہ خدا میں اپنا سر پیش کریں اور سمجھ لو کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنا رکھا ہے۔ اسی آیت (نساء 4/125) کی رُو سے رسولؐ اللہ، امام حسین علیہ السلام کی قربانی پیش کر کے خود بھی شہدا میں شامل ہوئے اور ملت ابراہیمؑ کی عملاً پیروی کی تھی۔ رہ گئے وہ لوگ جو اسلام اور رسولِؐ اسلام اور تمام ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ کی تعلیمات کو منسوخ کرتے ہیں، ایک آیت قرآن سے پیش کر کے دکھائیں جس میں سابقہ شریعتوں کے باطل وبیکار ہوجانے کا تذکرہ موجود ہو۔ قیامت تک اُنکو قرآن سے ثبوت نہ ملے گا۔ لہٰذا حقیقی اسلام آئمہ معصومین علیہم السلام کی اطاعت اور پیروی سے حاصل ہوتا ہے، مجتہدین کی پیروی سے نہیں۔ اسلئے کہ وہ معصومؑ ہیں اور یہ خطا کار وگناہ گار ومجرم (فرقان 25/31) اور دشمنانِ خدا اور رسولؐ ہیں۔ اُن کا خودساختہ اسلام حقیقتاً کفر ہے۔ اور ہم محبان محمدؐ وآل محمدؐ کفر سے بہت دور ہیں۔ ہم اپنے ہاتھ سے اپنا خون اور گوشت محمدؐ وآل محمدؐ کے قدموں پر چھڑکنا اور شہدائے کربلا کے ماتم میں شمشیر وقمہ کا ماتم کرتے ہوئے مرجانا حیاتِ جاوید وشہادت سمجھتے ہیں۔ یہ ہے میرا مذہب اور تمام سوگواران اور عزاداران حسینؑ کا مذہب۔ جس کا دل چاہے ہمیں غلط سمجھے اور اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے مختار ہے۔ (تفصیلات کتاب نظام ہدایت وتقلید میں ملاحظہ ہوں)

47۔ بعد شہادت کربلا کے واقعات

شہادت کے بعد کے واقعات میں سے ہم نے ذوالجناح اور جناب شہر بانوؑ اور اُن کی دختر فاطمہؑ کے حالات حضرت قاسم علیہ السلام کی شادی اور شہادت کے سلسلے میں لکھ دیئے ہیں (عنوان نمبر 43,46)۔

(1)۔ خیامِ حسینیؑ پر یلغار، لوٹ مار اور آتش زنی

اِس عنوان میں ہم تمام متعلقہ روایات وواقعات مِن وعَن لکھنے کے بعد اُن پر تنقید ووضاحت آخر میں پیش کریں گے۔ فی الحال آپ روایات اور اُن کا ترجمہ پڑھتے جائیں۔ (عربی عبارات اکسیر العبادات صفحہ 437 تا 439)

1۔ وفی ملهوف فتسابق القوم علیٰ نهب بیوت آل رسولؐ اللّٰه وقر عین الزهرآء البتول حتّی جعلوا ینزعون

ملحفة المراة عن ظهرهاوخَرَجْنَ بناتِ الرسولؐ وحريمؐه يتساعد ن عَلَى البكاء ويند بن لِفراق الحماة والاحِبّاء۔

کتاب ملھوف میں ہے کہ پھر اُس فرقانی قوم (25/30) نے آل رسولؐ کے خیام میں لُوٹ مار کرنے کی بازی لگادی اورایک دوسرے پرچھین جھپٹ میں سبقت کرنے لگے۔حضرت فاطمہؑ زہراء کی آنکھوں میں اُس وقت اندھیرا چھا گیا جب وہ لوگ رسولؐ زادیوں کے دوپٹے اوراوڑھنیاں کھینچ کھینچ کرزبردستی چھین رہے تھے۔اور جب لُٹ چکنے کے بعد،رسولؐ کی بیٹیاں اوراہل حرمؑ خیموں سے باہرنکل کرنالہ وفریاداوربین کرکرکے ایک دوسرے کے رونے میں تسلسل قائم کئے ہوئے تھیں اور باری باری اپنے پیارے بھائیوں بھتیجوں اورطرفداروں پرنوحہ کررہی تھیں۔

2۔ وفي البحار عن صاحب المناقب ومحمد بن ابى طالب فَاَقبَل اَعدآء اللّٰہ حتّٰی احدقوا بالخیام ومعهم شمرالملعون فقال ادخلوا فاسلبوا بزينتهن فدخل القوم فاخذ وا ماكان فى الخيام حتّى افضوا الٰى قرط كان فى اُذن اُمّ كلثوم اُخت الحسينؑ فاخذ وه وحزموا اُذنها حتّى كانت المرأ ة لتنازع ثوبها علٰى ظهرها حتّٰى ثعلب عليها ـ واخذ قيس بن الاشعث قطيفة الحسينؑ فكان يسمى قيس القطيفة واخذ نعليه رجلٌ مِن بنى اُود يقال له الاسود ثمّ حال الناس عَلَى الورس والحلّى والحلل والابل فانتهبوها۔

کتاب بحار میں صاحب مناقب اورمحمد بن ابی طالب سے نقل کیا گیا ہے کہ شمر کے ساتھ دشمنان خدا آگے بڑھے اورخیام کو نرغہ میں لے لیا۔شمرملعون نے حکم دیا کہ رسولؐ زادیوں کی تمام فاضل اورآرائش کی چیزیں لُوٹ لو۔اس حکم پر جو کچھ بھی خیام میں موجود تھا سب لُوٹ لیا گیا۔انگوٹھیاں،چھلّے ،ہاتھوں ،پیشانی اور پاؤں کے زیورات تودرکنارکانوں کی بالیاں،جھمکے کانوں سے کھینچ لئے گئے۔ چنانچہ امام حسین علیہ السلام کی بہن ام کلثومؑ کی بالیاں اورگوشوارے زبردستی کھینچ کرلوٹ لئے اورکانوں سے خون بہتا رہا۔مردعورتوں سے اوڑھنیاں چھیننے میں کوشاں تھے۔عورتیں مزاحمت کررہی تھیں۔مگر مرد چالاکی سے ڈھیل دے کراطمینان دلاتے اوراچانک چالاکی سے جھٹکامارکرچھین لیتے اورمستورات بھاگتی جان بچاتی چلی جاتیں۔قیس بن اشعث نے امام حسین علیہ السلام کی فلالین کی قمیص اُڑالی۔اِسی لئے اُس کا نام قیس القطیفہ پڑ گیا تھا۔قبیلہ اُود کا ایک شخص امامؑ کے جوتے لے اُڑا اُسے اَسود کہا جاتا تھا۔پھر تمام لٹیروں نے بھاری اورمقفل سامان اوراسلحہ وغیرہ جمع کرنا شروع کیا۔لباس وزیورات اورخانہ داری کا تمام سامان،اونٹ گھوڑے،بستر،گدے،تکیئے الغرض جوکچھ ملاسب جمع کیااور لے کر چلے گئے۔

3۔ قال ابومخنف فَلَمَّا ارتفع ضجيج حرم الحسينؑ وكثر بكائِهم صاح عمر بن سعد اكسبوا عليهم الخيم ياويلكم اضرموها بالنار وقال رجل لاحاجة لنافى سَلبهم احرقوا الخيم ومَن فيها بالنار فقال رجلٌ كان يهوى النبىؐ ياويلكم ماكفاكم مافعلتم بالحسينؑ وباهل بيتهٖ وانصارهٖ حتّى تحرقون النسآء والاطفال مِن آل رسولؐ اللّٰه لقد ر زعمتم على اَن لايخسف اللّٰه بنا الارض ثـمّ قال عمر بن سعد انهبوا الخيم۔ قالت زينبؑ بنت عليؑ بن ابى طالبؑ كنت فى ذلک الوقت واقفة فى جانب الخيمة اذدخل على رجل اَزْرَق اللّعين وهو خُولى بن يزيد الاصبحى فاخذ جميع ماكان فيها ونظرالٰى زين العابدؑين وهو مطروح علٰى نطع مِن الاديم وذلک انّه كان مريضًا فخذب النطع مِن تختہ ورمى به الارض والتفت اِلیَّ فاخذ قناعى من راسى ونظر الٰى

قرطین کانافی اُذنی فجعل یعالجها حتّی زعهما بعد خرم و هو مع ذلک یبکی ۔فقلتُ له لعنک اللّٰہ تسلبنی و انتَ تبکی ؟ قال نعم ابکی لما اراہ یحلّ بکم۔ فَقلتُ له قطع اللّٰہ ید یک و رجلیک و احرقک اللّٰہ بنار الد نیا قبل نار الاخرۃ لَاتسلبنی و لا تَبکِ قال اخاف اَن یاخذ ھا غیر ی۔

علامہ ابومخنف نے لکھا ہے کہ جب امامؑ کے حرم سے آہ وزاری اور فریاد وبکا کا شور بلند ہوا تو عمر بن سعد ملعون نے پکار کر کہا کہ اُن کے اوپر اُن کے خیموں کو گرادو۔ خدا تمہارا بُرا کرے خیموں میں آگ لگا کر خاک کر ڈالو۔ ایک شخص نے کہا کہ اب ہمیں لوٹنے کی احتیاج نہیں ہے۔ بس خیموں کو اور جو بھی اندر ہو اُس کو آگ سے جلا ڈالو۔ ایک اور شخص جو رسوؐل کا لحاظ کرتا تھا بولا کہ خدا تمہیں غارت کرے کیا حسینؑ اور اُن کے اہلبیتؑ اور انصار کے ساتھ جو کچھ تم نے کیا اُس کے بعد بھی ظلم سے تمہارا دل نہیں بھرا جو اَب تم آلِ رسوؐل کی عورتوں اور ننھے بچوں کو آگ میں جلانا چاہتے ہو؟ پھر یہ بھی خیال ہے کہ اللہ تمہیں زمین میں نہ دھنسائے گا۔ اس پر عمر بن سعد نے آگ لگانے کے بجائے صرف لوٹنے کا حکم دیا۔ حضرت زینبؑ فرماتی ہیں کہ میں اُس وقت خیام کے داہنی طرف کھڑی تھی کہ جو ایک گربہ چشم (نیلی آنکھوں والا) ملعون داخل ہوا۔ یہ لعین خولی بن یزید تھا۔ اُس نے خیام میں سے تمام سامان اٹھوا لیا۔ پھر مجھ پر اُس کی نظر پڑی تو میری بالیاں اور گوشوارے چھین لئے۔ میری پردہ کی چادر لے لی۔ امام زین العابدؑین کو دیکھا جو بیمار تھے اور ایک مٹی کے چبوترے پر چمڑے کے گدے پر لیٹے تھے۔ اُس ملعون نے وہ گدّا کھینچ لیا اور انہیں زمین پر گرا دیا۔ جب خولی میری بالیاں اُتارنے میں مصروف تھا تو روتا بھی جارہا تھا۔ میں نے کہا خدا تجھ پر لعنت کرے تو ہمیں لُوٹ بھی رہا ہے اور روتا بھی ہے۔ کہنے لگا ہاں میں تمہاری مصیبت پر رو رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ اللہ تیرے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹے اور تجھے جہنم کی آگ سے پہلے پہلے دنیاوی آگ میں جلنا نصیب کرے۔ تو نہ ہمیں لُوٹ اور نہ ہم پر رو۔ اُس نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر میں نے نہ لُوٹا تو میرے علاوہ کوئی اور لوٹ کرلے جائے گا۔

4۔ قال ابومخنف و اللّٰہ ما مضت الایّام ولیالی قلائل وظھر المختار بن ابی عبیدہ الثقفی بارض کوفۃ یطالب بدم الحسیؑن والاخذبثارہٖ فَوَقَعَ بخولی بن یزید الاصبحی وھو ذلک الرجل قال فلما اوقف بین یدیہ قال ما صنعت بیوم کربلاء ؟ قال ماصنعت شیئًا اِلّا اِنّی اخذت مِن تحت زین العابدینؑ نطعاً کان ناعِجمًا علیہ وسَلَبْتُ زینبؑ قناعھا واخذتُ القرطین کانافی اُذنیھا ۔فقال لہ یا عد واللّٰہ وَاَیُّ شَیْیءٍ یکون اعظم مِن ھذا ؟ واَیُّ شییءٍ سمعتَھا تقول ؟ قال قالت قطع اللّٰہ یدیکَ ورِجلیک واحرقک اللّٰہ بنار الدنیا قبل نار الاخرۃ۔ فقال المختار و اللّٰہ لَاُجِیْبَنّ دعوتھا۔ثمّ امر بقطع یدیہ ورِجلیہ واحراقہ بالنار۔

ابومخنف نے بتایا کہ قسم بخدا ابھی چند ہی روز اور تھوڑی سی ہی راتیں گزرنے پائی تھیں کہ سرزمین کوفہ میں مختار بن ابوعبیدہ ثقفی نے ظہور کیا اور خون حسین علیہ السلام کا بدلہ لیا۔ یہی خولی ملعون پکڑا ہوا آیا اور مختار کے سامنے پیش کیا گیا تو مختار نے دریافت کیا کہ تو نے کربلا میں کیا کارگزاری انجام دی تھی؟ خولی نے کہا کچھ بھی تو نہیں بس اتنی سی بات ہے کہ میں نے وہ گدیلا لے لیا تھا جو زین العابدؑین کے نیچے بچھا ہوا تھا۔ اور یہ کہ میں نے حضرتِ زینبؑ کی چادر اور وہ گوشوارے لے لئے تھے جو اُن کے کانوں میں تھے۔ خولی سے کہا گیا کہ تیرے نزدیک یہ کچھ بھی نہیں۔ ارے ملعون تو اس سے بڑا اور کون سا ظلم کرسکتا تھا؟ اور یہ بتا کہ تُو نے حضرت زینبؑ سے اُنہیں لوٹتے ہوئے کیا سنا تھا؟ خولی نے کہا کہ فرمایا تھا کہ اللہ تیرے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹے اور اللہ تجھے جہنم کی آگ سے پہلے دنیا کی آگ

میں جلائے۔ مختار نے کہا کہ اللہ کی قسم میں ضرور اُن کی دعا کو پوری ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ پھر حکم دیا کہ خولی کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کاٹ کر اُسے آگ میں زندہ جلا دیا جائے۔

5۔ وَعَنِ المنتخب اَنَّ فاطمۂ الکبریٰ قالت کُنتُ واقفة بباب الخیمة وَاَنَا انظر اِلٰی ابیؑ واصحابی مجزوزین کالا ضاحی عَلَی الرّمال والخیول علٰی اجسادھم تجول وَاَنَا افکّر فیما یقع علینا بعدابی مِنْ بنی اُمیّة یقتلوننا اویا سروننا فاذا برجل علٰی ظھرجوادہ یسوق النسآء بکعب رُمحه وھُنّ یلذن بعضھن ببعض وقداخذما عَلَیھنّ من اخمرہ واسورة وھنّ یصحن وا جدّاہ وابتاہ وا علیّاہ واقلّة ناصراہ واحسناہ اَمَا مِنْ مجیر یجیرنا اَمَامِن ذاید یذ ود عَنّا ۔ قالت فَطَارَ فوادی وارتعدت فرائصی فجعلت اجیل بطرفی یمینًا وشمالًاعلٰی عمتی ام کلثومؑ خشیة منه اَن یاتینی فبینا انا علٰی ھذہ الحالة فاذا به قد قصد نی فَفَررتُ منه منھزمة وانا اظنُّ اِنی اسلم منه فاذًا به قد تبعنی فذ ھلت منه وَاذا بکعب الرمح بین کتفی فسقطت علٰی وجھی فخزم اُذنی واخذ قرطی ومقنعتی ۔وترک الدماء تسیل علٰی خدّی وراسی تصھر الشمس وولیّ راجعًا الَی الخیمة وانا مغشیّ عَلَیّ واذا انا بعمّتی عندی تبکی و ھی تقول قُومِیُ نمضی ماعلم ماجری عَلَی البنات وعلٰی اخیک العلیل فقمتُ وقلتُ یاعمّتاہ ھَل مِن خرقة استربھا عَنْ اَعین النظارة فقالت یابُنَیّتاہ وعمّتکِ مِثْلِکِ فرایتُ راسھا مکشوفة ومتنھا قد اسودّ مِنَ الضّرب فما رجعنا الَی الخیمة اِلّا وقد نھبت ومافیھا واخی علیؑ بن الحسینؑ مکبوب علٰی وجھه لا یطیق الجلوس مِن کثرة الجوع والعطش والاسقام فجعلنا نبکی علیه ویبکی علینا۔

کتاب منتخب میں بیان ہوا ہے کہ جناب فاطمہ کبریٰ علیہا السلام کہتی تھیں کہ میں خیمہ کے دروازے پر کھڑی اُن حالات پر غم وفکر میں مبتلا تھی جو میرے باباؑ اور انصارؓ پر گزر رہے تھے۔ میں دیکھ رہی تھی کہ وہ سب قربانی کے جانوروں کی طرح سر کٹائے زخمی اور خون میں نہائے پڑے تھے۔ اور اُن پر گھوڑوں کا اڑایا ہوا گردوغبار اُڑتا پھرتا تھا۔ اور میں برابر اس سوچ میں تھی کہ دیکھو باباؑ کے بعد ہم پر کیا کیا گزر گئی ہے۔ اور بنی امیہ نے کیسے کیسے مظالم توڑے۔ ہمارے سرپرستوں اور انصار کو قتل کر ڈالا۔ ہمیں قیدی بنانا طے کر لیا۔ میں یہی سوچ رہی تھی کہ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار نیزہ کی بھال سے عورتوں کو ہانکتا پھر رہا ہے۔ اور مستورات ایک دوسری کے پیچھے پناہ کے لئے دوڑتی پھر رہی ہیں۔ اور اُس نے اُن کی چادریں اور زیورات چھین رکھے ہیں۔ اور وہ فریاد کر رہی ہیں ہائے داؐدا جان بچاؤ، ہائے باباؑ مدد کو آؤ، ہائے علیؑ مشکل کشائی کرو، ہائے ہمارے مددگار ختم ہو گئے، ہائے امام حسنؑ ہماری مصیبت دیکھو۔ کیا کوئی پناہ دینے والا ایسا ہے ہی نہیں جو ہماری حفاظت کرے۔ کیا کوئی باہمت شخص نہیں ہے جو اِن ملاعین کو ہم سے دُور کر دے؟ فاطمہؑ کبریٰ کہتی ہیں کہ میرا دل اچھلنے لگا۔ میرے اعضا میں کپکپی پیدا ہو گئی، میں برابر وہ ظلم دیکھتی رہی۔ داہنے بائیں اپنی پھوپھی ام کلثومؑ کو نظروں سے تلاش کرتی رہی اور ڈر رہی تھی کہ کہیں وہ شخص مجھ تک نہ آ جائے، میں اسی حال میں تھی کہ وہ تو آ گیا۔ میں اس سے ڈر کر پیچھے کو بھاگی۔ میرا خیال تھا کہ میں بچ نکلوں گی لیکن اُس نے میرا پیچھا کیا۔ میں نے اُسے دھوکہ دینے کی کوشش کی مگر اتنے میں اُس کے نیزہ کی انی میرے کندھوں کے بیچ میں پشت پر لگی اور میں گر پڑی۔ اُس نے میرے کانوں کو چیرتے ہوئے میرے گوشوارے نکال لئے، میری نقاب چھین لی۔ میرے سر اور کانوں سے خون بہہ کر میرے گالوں پر سے گزر رہا تھا۔ میں اُٹھ کر خیمہ کی طرف واپس آئی اور بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو اپنی

پھوپھی کو اپنے پاس پایا جو میرے پاس بیٹھی رو رہی تھیں۔ مجھے ہوش میں دیکھا تو کہا کہ بیٹی اُٹھو چلو دیکھیں کہ باقی بچیوں اور تمہارے بیمار بھائی پر کیا گزری؟ میں نے کھڑے ہو کر کہا کہ پھوپھی اماں مجھے سر ڈھکنے اور نظروں سے بچنے کے لئے کوئی پردے کے لئے کپڑا دو۔ فرمایا کہ بیٹی تیری پھوپھی بھی تیری طرح سر برہنہ ہے۔ اب توجہ سے دیکھا تو واقعی اُن کا سر کھلا تھا۔ اور پیشانی پر چوٹ کا نیل بھی پڑا ہوا تھا۔ پھر ہم بھائی کے خیمہ میں آئے وہاں سے بھی سب کچھ لُوٹ لیا گیا تھا۔ میرے بیمار بھائی منہ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ بھوک پیاس اور بیماری کی وجہ سے اُٹھنے بیٹھنے کی قوت نہ تھی۔ ہم اُن کی حالت پر اور وہ ہمارے حال پر رو رہے تھے۔

6۔عن امالی صدوقؒ مسندا عن عبد اللّٰہ عن امہ فاطمةؑ بنت الحسینؑ قالت دخل العامّة علینا الفسطاط وانا جاریة صغیر ة فِی رِجلی خلخال مِن ذھب وجعل رجل یفضّ الخلخالین مِن رِجلی وھُوَ یبکی فقلت مایبکیکَ یاعُد و اللّٰہ فقال کیف لاابکی وانا اسلب ابنة رسولؐ اللّٰہ فقلت لا تسلبنی۔قال اخاف اَن یجیئی غیری فیاخذہ قالت وانتھبوا مافی الابنیة حتّی کانوا ینزعون الملاحف عَن ظھورنا۔

جناب صدوق رضی اللہ عنہ نے عبداللہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ فاطمہؑ بنت حسینؑ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ میں چھوٹی سی لڑکی تھی اور میرے پاؤں میں سونے کی پازیب تھی۔ جب ہمارے خیام میں فوجی عوام گھُس آئے تو ایک شخص نے میرے پاؤں سے پازیب نکالنا شروع کی اور ساتھ ہی رونا بھی شروع کر دیا۔ میں نے کہا کہ اے دشمن خدا تو کس بات پر روتا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ کیسے نہ روؤں میں رسولؐ کی بیٹی کو لوٹ رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ پھر تو یہ ظلم نہ کر اور میری پازیب نہ لے۔ اُس نے کہا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کوئی اور شخص آ کر اتار لے گا۔ پھر فرماتی ہیں کہ اُن لوگوں نے سب ہی کچھ لوٹ لیا یہاں تک کہ ہماری چادریں اور پردہ تک کی ہر چیز چھین لی۔''

7۔وفی الملھوف روی حمید بن مسلم قال رایتُ امراة مِنُ بکر بن وائل کانت مع زوجھا فی اصحاب عمر بن سعد فلمارأت القوم قداحتجموا علٰی نساء الحسینؑ فی فسطاطھنّ وَھُم یسلبونھنّ اخذت سیفًا واقبلت نحوالفسطاط و قالت یاآل بکر بن وائل أَتسلبوابنات رسولؐ اللّٰہ ؟لاحکم الّا لِلّٰہ بالثارات رسولؐ اللّٰہ فاخذھازوجھا وردّھا اِلی رحلہ۔

کتاب ملھوف میں حمید بن مسلم نے بیان کیا کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو بکر بن وائل کے قبیلے سے اور فوج میں اپنے شوہر کے ساتھ تھی۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ عمر بن سعد کی فوج نے خیموں میں جا کر امام حسینؑ کے حرمؑ پر ہجوم کر لیا ہے۔ اور وہ اہل حرمؑ کو لوٹ رہے ہیں تو اس عورت نے تلوار نکالی۔ اور خیام حسینیؑ کے قریب آ کر پکارا کہ اے بکر بن وائل کی اولاد کیا تم بھی رسولؐ زادیوں کو لوٹ رہے ہو۔ اللہ کے سوا اور کوئی بھی حکم دینے والا نہیں ہے۔ اور آل رسولؐ کا بدلہ لینا واجب ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کا شوہر آیا اور اسے واپس اپنی قیام گاہ میں لے گیا۔

8۔ وفی البحار اَنَّ شھر بانویہ لَم تسلُب ثیابھا وذلک حیث قال وجاؤ بالحرم اساری الا شھر بانویہ فانھا اتلفت نفسھا فی الفرات۔ ھذا یمکن ان یکون ذلک بعد ذلک النھب والعارة۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 439-437)

کتاب بحارالانوار میں لکھا ہے کہ حضرت شہر بانو علیہا السلام کے کپڑے نہیں لُوٹے جا سکے۔ اس لئے کہ اُنہوں نے فرات میں

ڈوب کر اپنی جان دے دی تھی۔ اور تمام اہل حرؑم کو قیدی بنایا گیا۔ مگر جناب شہرؑ بانو قیدیوں میں نہیں تھیں۔ یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ لُوٹ مار کی توہین کی بنا پر شہر بانو دریائے فرات میں ڈوب کر مرگئی ہوں۔'' (اکسیر صفحہ 437 تا 439)

(2)۔ دشمنانِ اسلام کی لُوٹ مار پر چند وضاحتیں

1۔ لوٹ مار کے سلسلے میں پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا میدان جنگ اور جسم مبارک سے لوٹا ہوا لباس اس قابل نہ رہ سکتا تھا کہ وہ کسی بھی کام آ سکے۔ اسلئے کہ اُس میں ہزاروں سوراخ تھے اور کئی کئی سوراخ مل کر بڑے بڑے جھراڑ بن گئے تھے۔ یہ خون میں بسا ہوا دھجی دھجی لباس صرف یہ ثابت کرنے کیلئے لُوٹا گیا تھا کہ وہ ملاعین اُن چالیس منتخب آدمیوں میں سے ہیں جنہیں قتل امامؑ کیلئے تعینات کیا گیا تھا تاکہ انہیں سب سے زیادہ انعام مل سکے۔ اسکے علاوہ اُس لباس کا کوئی بھی مصرف نہ تھا۔

2۔ البتہ ایک ٹوپی ایسی ضرور تھی جسے دھونے کے بعد پہنا جا سکتا تھا اور پہنا گیا تھا۔ وہ ٹوپی خون میں لت پت ہو جانے کی بنا پر امام علیہ السلام نے خود پھینک دی تھی جسے مالک بن بشیر نے اٹھا لیا تھا۔ جب وہ کربلا سے فارغ ہو کر اپنے گھر پہنچا تو ٹوپی کو دھوتے دیکھ کر اُس کی زوجہ نے کہا کہ او بے حیا تو فرزند رسولؐ کو لُوٹ کر میرے گھر لایا ہے، نکل میرے گھر سے خدا تیری قبر کو آگ سے بھرا رکھے۔ پھر وہ ملعون بسبب نفرین امامؑ ہمیشہ بدترین حالت میں رہا۔ اُسی نے سر مبارک پر تلوار ماری اور اس ٹوپی کو خون سے بھرا تھا۔ اور امامؑ نے فرمایا تھا کہ تجھے اِن ہاتھوں سے کھانا پینا نصیب نہ ہو۔ گرمیوں میں اُس کے دونوں ہاتھ خشک لکڑیوں کی طرح ہو جاتے تھے اور سردیوں میں اُن سے خون ٹپکتا رہتا تھا۔ (بحار)

3۔ جس لباس کو پہننے سے لوگوں کو اللہ کی طرف سے سزائیں ملیں وہ لباس وہ تھا جو امامؑ نے خیمہ میں اتارا تھا اور اس کی جگہ پرانا لباس پہنا تھا۔

4۔ وہ سامان جو اِدھر اُدھر پڑا ملا یا اہل حرؑم کی مستورات اور لڑکیوں اور بچیوں کے بدن سے لوٹا گیا۔ وہ تمام انفرادی طور پر لوگ لیکر چل دیئے تھے۔ اور سرداران فوج کی تحویل اور ریکارڈ سے باہر رہا۔ یہی فرداً فرداً لوٹا ہوا سامان تھا جسے واپس کرنے اور لُوٹ کے سامان کی فہرست میں شامل کرانے کے خیال سے عمر بن سعد نے کہا تھا کہ لُوٹا ہوا تمام سامان واپس دو اور اکثر علما یہ سمجھے کہ عمر بن سعد ملعون نے وہ سامان اہل حرؑم کو واپس دینے کیلئے کہا تھا۔ جو واپس نہ دیا گیا۔ درحقیقت وہ سامان عمر بن سعد کو بھی نہ مل سکا۔

5۔ لباس میں زیورات کا ذکر پڑھ کر یہ سمجھنا واقعات کے خلاف ہے کہ اہلبیتؑ رسولؐ آسودہ حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ تمام زیورات اُوپر بزرگوں سے نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے۔ یعنی تبرکات میں شمار تھے۔

6۔ لُوٹے جانے والے سامان میں ہزار ہا روپیہ کی مالیت کا سامان تھا۔ تمام انصار کا سامان بھی خیام میں موجود تھا۔ لہٰذا وہ تمام سامان جو مقفل تھا یا محفوظ طریقہ پر رکھا ہوا تھا وہ عمر بن سعد کی تحویل میں دیا گیا۔ پھر ابن زیاد کے ملاحظہ سے گزرتا ہوا یزید ملعون تک پہنچا۔ یہی سامان تھا جو بالکل محفوظ رہ سکا اور قلعہ سے باہر والے قید خانہ کے مکان میں منتقلی کے وقت واپس دیا گیا تھا۔

7۔ لُوٹ کے سامان میں غلہ اور باورچی خانہ کے بہت سے برتن تھے۔ اتنے کہ جن میں تین چار سو آدمیوں کے لئے کھانا پک

سکے اور کھلایا و تقسیم کیا جا سکے۔

8۔ اور تین چار روز تک تین سو کے قریب آدمیوں اور اونٹوں اور گھوڑوں کے پینے کا پانی جن برتنوں، ٹنکیوں (Tanks) اور مشکوں میں آ سکے وہ سب بھی اس لُوٹ میں شامل تھا۔ یہ بھی واپسی کے وقت امؑام کا ذاتی مال تھا۔ یزید لعین نے نہ احسان کیا نہ اُس کا احسان سر پر لیا گیا۔

9۔ امام علیہ السلام کے ہمراہ سردی گرمی کیلئے بستر ے و پارچہ جات، گدے تکیے توشکیں، ٹینٹ، قناتیں اور طوفانی ہوا اور بارش میں محفوظ رہنے کا تمام سامان۔ خندق کھودنے، دریا پار کرنے، غلہ رکھنے کا بھی تمام محفوظ سامان تھا۔ اسلحہ تھے، زرہیں تھیں، احرام کا تمام ضروری سامان تھا۔ کرسیاں تھیں۔ خط و کتابت کا سامان تھا۔ نقد روپیہ بھی تھا۔ اُسی میں سے مدفن کی زمین خریدی گئی تھی۔

10۔ لوٹے جانے والے سامان میں اونٹ، گھوڑے اور خچر و گدھے بھی تھے۔ عماریاں اور کجاوے بھی تھے نماز کے لئے ایک مسجد سے زیادہ سامان موجود تھا۔

نوٹ: (1) جو شیعہ علما یہ چاہتے اور لکھتے رہے کہ خلیفہ ثانی حضرت علیؑ کے (معاذ اللہ) داماد تھے۔ انہیں یہ پسند نہیں آتا کہ حضرت ام کلثوم علیہا السلام کربلا میں موجود ہوں۔ جو شیعہ علما یہ پسند کرتے اور لکھتے رہے کہ رسولؐ کی ایک نہیں بلکہ چار بیٹیاں تھیں، وہ یہ نہیں چاہتے کہ امام حسین علیہ السلام کو دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ حضرت فاطمہؑ صغرا کو مدینہ میں چھوڑا ہوا دکھایا جائے۔ اس لئے جہاں اُن کا دل چاہتا ہے حضرت فاطمہؑ صغرا کو کربلا میں دکھا دیتے ہیں۔ چنانچہ روایت نمبر پانچ میں یہی عمل کیا گیا ہے کہ فاطمہؑ کبریٰ کا نام فاطمہؑ صغریٰ لکھ دیا گیا تھا۔ جسے ہم نے صحیح کر دیا ہے۔ یہ علمائے شیعہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ حضرت سکینہؑ کا زندان شام میں انتقال دکھایا جائے یا اُنہیں تین سال کی بچی لکھا جائے۔ وہ اُنہیں جوان دکھاتے ہیں۔ اُن کی جگہ ڈائیلاگ بولتے ہیں۔ اور کربلا کے بعد زندہ دکھا کر ایک شرمناک صورت حال پیدا کرتے ہیں۔ وہ ہی علما ہیں جو حضرت قاسم علیہ السلام کے نکاح اور وصیت کے منکر ہیں۔ لیکن ہم نے یہ تمام مندرجہ بالا حقائق اُن کی مرضی اور پسند کے خلاف دوٹوک طریقہ پر لکھے اور نہایت قوت سے ثابت کئے ہیں اور ہماری غرض ہی یہ تھی کہ واقعات کربلا پر ڈالے ہوئے تمام سرکاری اور قومی پردے اُٹھا کر صحیح حالات مومنین کے سامنے رکھ دیئے جائیں۔ یہ حضرات کربلا کے میدان میں بھولے سے بھی جناب امام محمد باقر علیہ السلام کا تذکرہ نہیں کرتے۔ نہ انہیں قیدیوں میں دکھاتے ہیں، نہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ کس طرح زندہ رہے۔ حالانکہ آپ کی عمر شریف دس گیارہ سال سے زیادہ تھی۔

نوٹ: (2) ہم یہ لکھنا بھول گئے کہ دمشق سے رہائی و روانگی کے وقت عماریاں اور کجاوے اور دیگر سفری سامان بھی یزید کا احسان نہ تھا۔ بلکہ یہ وہی سامان تھا جو خیام حسینیؑ سے لُوٹا اور سرکاری اسٹور میں جمع کیا گیا تھا۔ مومنین یہ سمجھ لیں کہ دس بارہ من تو وہ ریگستان میں گاڑے جانے والے اسکریو (Screw) ٹائپ کے کھونٹے تھے جنہیں آج پکٹ (Picket) کہتے ہیں ہمراہ تھے۔ یہ کھونٹے کئی کئی فٹ لمبے اور بوتل کی ڈاٹ نکالنے والے اسکریو (Screw) کی شکل کے ہوتے ہیں۔ جو ریگستانی آندھیوں میں نہیں اُکھڑ سکتے۔ جنہیں دو دو آدمی گھماتے ہیں تا کہ ریت کے نیچے پکی زمین تک پہنچیں اور طوفانی جھکڑوں میں بھی خیموں کو ملنے نہ دیں۔ ذرا سوچئے کہ حُرؑ کی فوج

کے ایک ہزار آدمیوں اور ایک ہزار گھوڑوں نے سیر وسیراب ہو کر پانی پیا تھا۔ یہ بات تمام اہل قلم نے مانی اور لکھی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ پانی کسی منتر کے زور سے نہ آیا تھا بلکہ امامؑ کے ساتھ تھا۔ ذرا حساب لگا کر بتایئے کہ کتنی بالٹیاں درکار رہوں گی ایک ہزار گھوڑوں کو پانی پلانے کے لئے؟ اگر دو چار بالٹیاں ہوتیں تو پانی پلانے میں کتنی دیر لگتی؟ اور یہ کہ کتنی دیر میں سب کو فارغ کیا گیا تھا؟ یہ باتیں علما کے جاننے کی نہیں تھیں۔ یہ سمجھ دار و تجربہ کار لوگوں کے سمجھنے کی باتیں ہیں۔ اُس پانی کے خرچ ہو جانے کے بعد پانی ختم نہیں ہو گیا تھا۔ بتایئے وہ سارا پانی کتنے اور کیسے برتنوں میں سمائے گا۔ اُسے اُٹھانے اور ٹھنڈا رکھنے کا کیا انتظام تھا؟ علما کی جانے بَلا۔ انہیں تو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کہیں اُن کی تنخواہ یا وظیفہ پر تو چوٹ نہیں پڑتی۔ مذہب پٹ جائے بلا سے، رسولؐ اور اسلام کی عزت و وقار خاک میں مل جائے **اعوذ باللّٰہ** سے، کوئی خاندان کوئی قوم یا کوئی ملک تباہ ہو جائے لاحول ولاقوۃ سے۔ مگر مولانا و مقتدانا کی بات پر حرف نہ آئے خواہ قرآن بدل جائے۔ **اناللّٰہ وانا الیہ رٰجعون۔**

(3)۔ حضرت امام زین العابدینؑ اور محمدؑ باقر کیسے قتل سے محفوظ رہے

آپ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام پوری قد و قامت کے انسان ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے والد ہیں۔ اُن کو کسی بھی حیثیت سے بچہ نہیں کہا جا سکتا۔ سوائے پیار کے جب کہ بڈھا باپ یا ماں یا دادا و دادی مخاطب کریں یا ذکر کریں تو وہ البتہ بچہ کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یا طنز کرنے والا بڈھا یا میدان جنگ میں کوئی بہت گھِسا پٹا گھاگ، گرگ باران دیدہ و جنگ آزمودہ یہ کہہ سکتا ہے کہ تم ابھی بچے ہو، جاؤ تم پر رحم آ رہا ہے۔ لیکن امامؑ زین العابدین جن حالات سے گزر رہے ہیں اُن میں اُن کو بچہ یا لڑکا کہنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔ یہ بھی سوچیے کہ جو لوگ ششماہے شِیر خوار سے لے کر اٹھارہ سال تک ہر عمر و سن و سال کے بچوں، لڑکوں، نوجوانوں اور جوانوں کو قتل کرتے رہے ہوں وہ کیوں اولادِ حسینؑ کو یہ کہہ کر زندہ چھوڑ دیں گے کہ جانے دو بچہ ہے اسے قتل نہ کرو۔ بہر حال آپ روایات سُنئے اور صحیح بات سمجھنے کے لئے تیاری فرمایئے۔

1۔وقال ابو مخنف واقبلوا علٰی علیؑ بن الحسینؑ لیقتلوۃ فقال بعضھم لبعض یاقوم ھٰذا صِبیٌ صغیرُ السِّن لم یبلغ الحُلم فَلا یحلّ لکم قتلہ وجعل بعضھم یمنع بَعُضًا عن قتلہ۔

علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ وہ لوگ علیؑ بن الحسینؑ کو قتل کرنے کے لئے بڑھے تو اُن میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ اَے قوم کے لوگو یہ تو ایک بچہ ہے بہت ہی کم سِن ہے۔ ابھی سمجھ بوجھ کی حد کو بھی نہیں پہنچا ہے۔ اس کو اس عمر میں قتل کر ڈالنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔ بہر حال انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اُن کے قتل سے منع کر دیا۔

2۔ وعن المنتخب واَمَّا علیؑ بن الحسینؑ فانّہ اَقبل اِلَیہ الشمر مع جماعۃ وَّاَرَادُوُاقتلہ فقیل ھو صبّی عَلیل لا یحلّ قتلہ فترک ثمّ اقبل الیھم عمر بن سعد فضجّت النسآء فی وجھہ بالبکاء والنحیب حتّٰی زھل اللعین وارتعدت فرائصہ وقال لھم لا تقربوا ھذا الصبّی ووکّل بعلیؑ بن الحسینؑ وعیالہ مَن حضر وقال لھم احفظو ھم واحذروا مِن اَن یخرج منھم احد فلمَّا رأت ام کلثوم ماحلّ بھم بکت وانشاءت۔

کتاب منتخب میں یوں ہے کہ رہ گئے علیؑ بن الحسینؑ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ اُن کے قتل کا ارادہ کیا گیا تھا۔ لیکن کہا یہ گیا کہ وہ ایک بیمار کم سن بچہ ہے اُس کا قتل جائز نہیں ہے۔ چنانچہ انہیں چھوڑ دیا گیا۔ پھر اہل حرّم کی طرف عمر بن سعد آیا۔ مستورات نے اُس کے بالمواجہ فریاد وبکا اور ایسی چیخیں بلند کیں کہ وہ ملعون دہل کر رہ گیا اور اُس کے اعضا کانپ کر لرزنے لگے۔ اور اس نے اپنی فوج کے لوگوں سے کہا کہ خبردار اس طفل کے قریب بھی نہ جانا۔ اور جو لوگ نگرانی پر تعینات تھے اُن کو علیؑ بن الحسینؑ اور امامؑ کے اھل وعیال کو سونپا اور اُن سے تاکید کی کہ اُن کی حفاظت کرو اور چوکنا رہ کر یہ دیکھو کہ ان میں سے کوئی ایک فرد بھی قید سے باہر نہ نکل جائے۔ یہ انتظام اور مصائب دیکھ کر جناب ام کلثومؑ بہت روئیں۔

3۔ وفي الارشاد قال حميد بن مُسلم فو اللّٰه لقد كنتُ ارى المرأة مِن نسائه وبنا ته و اهله تنازع ثوبها عَن ظهرها حتى تغلب عليه فيذهب به منها ثم انتهينا الٰى على بن الحسينؑ وهو منبسط علٰى فراش وهو شديد المرض ومع شمر جماعة مِن الرجالة فقالوا له الا تقتل هذا العليل فقلت سبحان اللّٰه اَيُقْتَلُ الصبيان انّماهذا صبّى فلم ازل حتّى دفعتم عنه ـوجاء عمر سعد فصاح النسافى وجهه وبكين فقال لاصحابه لايدخلنّ احد منكم بيوت هٰؤلاء النسوة ولاتعرضوا لهٰذا الغلام المريض فسالته النسو ة يسترجع مااخذ منهن لِتسترنّ به فقال من اخذ من متاعهن شيئًا فليردّ ه عليهن۔ فو اللّٰـه ماردّ احد منهم شيئًا فوكل بالفسطاط وبيوت النسآء وعلىٌ بن الحسينٌ جماعة مِمَّن كانو معه وقال احفظ هم لَئَلّا يخرج منهم احدٌ ولا تسؤوا اليهم ثم عاد الى مضربه۔

اور کتاب ارشاد میں ہے کہ حمید بن مسلم نے روایت کیا ہے کہ واللہ میں حسین علیہ السلام کی ازواج اور بیٹیوں اور دیگر مستورات کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنے لباس کی سختی سے حفاظت کر رہی تھیں یہاں تک کہ جب مغلوب ہو جاتی تھیں تو چادر وغیرہ کو چھوڑ دیتی تھیں تو لوگ لے جاتے تھے۔ پھر ہم لوگ علیؑ بن الحسینؑ کے پاس پہنچے تو وہ سخت بیمار تھے اور ایک فرش پر بے ہوش پڑے تھے۔ اور شمر بھی ایک جماعت لے کر آ پہنچا۔ جماعت نے کہا کہ کیوں اَے شمر کیا تم اس بیمار کو قتل نہ کرو گے؟ میں نے کہا کہ سبحان اللہ کیا بچے بھی قتل کئے جاتے ہیں؟ یقیناً یہ تو ایک بچہ ہے۔ بہر حال میں مسلسل علیؑ بن الحسینؑ کا دفاع کرتا رہا۔ پھر عمر بن سعد آ گیا تو تمام خواتین نے اُس کی موجودگی میں رونا اور پکارنا شروع کر دیا تو عمر بن سعد نے اپنے صحابہ سے کہا کہ تم میں کوئی بھی ان خواتین کے رہائشی خیموں میں داخل نہ ہونے پائے اور اس نوجوان (عابد) بیمار سے کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔ اُسے بالکل آزاد چھوڑ دو۔ پھر اہل حرمؑ نے عمر بن سعد سے لُوٹا ہوا سامان واپس کرنے کو کہا تا کہ وہ پردے میں رہ سکیں۔ عمر بن سعد نے کہا کہ جس کسی نے اُن کا سامان لیا ہو وہ اُس کو واپس لا کر اِن کو دے دے۔ قسم بخدا اس حکم کے باوجود کسی نے بھی کوئی چیز واپس نہ کی۔ پھر جس جماعت کو ساتھ لایا تھا اُس کو خیام اور عابدؑ بیمار کو سپرد کر کے اُن کو ذمہ دار بنایا۔ اور کہا کہ تم سب سختی سے اِن کی نگرانی اور حفاظت کرنا۔ ان میں سے کوئی یہاں سے نکل کر نہ چل دے اور دیکھو ان لوگوں کے ساتھ کوئی بری بات اور برا سلوک نہ کیا جائے۔ یہ کہہ کر اپنے مرکز میں چلا گیا۔

4۔ وعن اخبار الدَّ ول وَهَمَّ شمر بقتل علىٌ بن الحسينٌ وهو مريض فخرجت اليه زينبٌ بنت علىٌ بن ابى طالبٌ فوقعت عليه وقالت واللّٰه لايقتل حتّى اقتل فكف عنه۔ (اکسیر صفحہ 437 تا 438)

کتاب اخبارالدول میں ہے کہ شمر ملعون نے یہ ہمت وارادہ کرلیا تھا کہ وہ علی بن حسین علیھم السلام کو حالت بیماری ہی میں قتل کرڈالے۔لیکن جناب زینبؑ بنت علیؑ بن ابی طالبؑ باہر نکلیں اور عابد بیمار علیہ السلام پر گر پڑیں اور اعلان کردیا کہ جب تک پہلے مجھے قتل نہ کردیا جائے گا زین العابدین کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔اس طرح شمر قتل سے باز رکھا گیا تھا۔

(4)۔ **دونوں اماموںؑ کی حفاظت اللہ کی ذمہ داری تھی**

چونکہ سلسلۂ امامتؑ کا قیامت تک جاری رہنا اللہ نے روزازل سے طے کررکھا تھا اور ہر نبیؐ کو اُسی امامت کے قیام کے تمہیدی احکام دیئے تھے۔اُس کی پیشین گوئیاں برابر ہر نبیؑ اور ہر کتاب نے کیں۔لہٰذا اُسی سلسلہؑ کے تحفظ کے لئے حضرت ابراہیم کو آتش نمرود سے بچایا گیا۔اوراُسی نسل کو جاری رکھنے کے لئے حضرت اسماعیلؑ کو محفوظ رکھا گیا۔اور انتظار کیا گیا کہ حضرت اسماعیلؑ سے لے کرامام حسین علیہ السلام تک تمام بزرگ پیدا ہوکر آئندہ چلنے والے سلسلۂ امامت کو جاری رکھنے والے افراد کو تیار کردیں۔چنانچہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے بعد کے لئے ایک نہیں دو امامؑ تیار کردینے کے بعد اُس ازلی عہد کو مکمل کردیا جو انسانی فلاح ونجات کے لئے درمیان میں آیا تھا۔لہٰذا اب اُن دونوں آئمہ علیھما السلام کو محفوظ رکھنا اللہ کی ذمہ داری تھی۔اوروہ اس ذمہ داری کو انجام دینے کے لئے کہیں زیادہ قوی وقادر ہے۔لیکن اللہ کے کام عموماً محسوس ومشہود اور مادی انتظام کے ساتھ ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں۔آپ نے ان روایات میں یہ دیکھا کہ پہلی دونوں روایات میں نام تو بے شک امامؑ زین العابدین کا (علیؑ بن حسینؑ) لیا گیا ہے۔لیکن اُن میں آپؑ ہرگز مراد نہیں ہوسکتے۔سوائے اُس قدرت وقوت کے کہ آئمہ علیھم السلام جس صورت وشکل وسائز میں چاہیں ظہور فرما سکتے ہیں۔لیکن یہ عام قانون ہے کہ جب تک حالات عام انسانی قدرت وانتظام سے باہر نہ نکل جائیں معجزاتی قوت وقدرت استعمال نہیں کی جاتی۔چنانچہ کم سنی ایک فطری انتظام تھا۔جو بچہ ہتھیار نہ لگائے میدان جنگ میں بھی نہ آئے اور شدت سے بیمار ونحیف بھی ہو اُس کا قتل ہر مذہب وملت میں حرام اور قابل شرم رہا ہے۔اور یہ تمام چیزیں جناب امام محمد باقر علیہ السلام میں ثابت تھیں۔وہ کم سن بھی تھے اور شدید بیمار بھی تھے۔چونکہ جنگ بند ہوچکی تھی اب چند سرداران فوج اور عمر سعد کے علاوہ کوئی کسی کو قتل کرنے کا مجاز نہ تھا۔اور مذکورہ حالات تو خصوصی اہمیت وتوجہ چاہتے تھے۔ بہرحال یہ امام پنجم علیہ السلام کے لئے اللہ کا فطری انتظام تھا۔

2۔حضرت امام زینؑ العابدین کے تحفظ کے لئے پہلی چیز اُن کا تلوار نہ اُٹھا سکنا،میدان جنگ میں نہ آنا،اور بیماری سے نحیف وزار ہونا۔دوسرے راوی نے اُن کو بھی بچہ کہہ کر آنے والوں کو مغالطہ دیا۔اور خود بیان کیا کہ میں لوگوں کو آخر تک اُن کے قتل سے باز رکھتا رہا۔تیسری اور آخری چیز اہل حرمؑ کی کوشش اور جناب زینب علیھا السلام تھیں جو آخیر تک اُن کو محفوظ رکھنے اور خود قتل ہوجانے پر کمر باندھے رہیں حتٰی کہ یزید ملعون کو بھی اپنے احکام واپس لینا پڑتے رہے تھے۔البتہ امام زین العابدین علیہ السلام کو معجزاتی قوت اس وقت استعمال کرنا ناگزیر ہوگیا تھا جب لاش ہائے شہدا کو دفن کرانے کے لئے ابن زیاد کے قید خانہ سے کربلا آنا پڑا تھا۔باقی تقریباً تمام اعمال فطری انسانی قوت کے اندر رہے۔اب یہ دوسری بات ہے کہ نہ سب انسان برابر ہیں نہ اُن کی قوتیں اور قدرتیں برابر ہیں۔قوت وقدرت،علم واطاعت قوانین خداوندی کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔جو عمل نیچے کی سطح پر ناممکن ہوتا ہے وہ اوپر جاکر ممکن ہوجاتا ہے۔

بعض باتیں بعض کے لئے معجزہ یعنی عاجز کرنے والی ہوتی ہیں۔ اور بعض کے لئے معمولی وفطری کام کی ہوتی ہیں۔ عام عقل چونکہ اسباب وعلل وانتظام وقوانین کونہیں سمجھتی اس لئے معجزہ کہہ کر بیٹھ جاتی ہے۔ لیکن محققین اس سے آگے بڑھتے ہیں، راہنماؤںؑ پراور نظام کائنات اور خالق کائنات پر ایمان لاتے ہیں خودکواُن کے سپرد کردیتے ہیں۔ بلا اندیشہ وذُغدغہ اطاعت کرتے ہیں، سوالات کرتے ہیں، سیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ اپنی محدود عقل سے اجتہاد کر کے آخری فیصلہ نہیں کرتے ہیں۔ اس لئے ناممکن کوممکن اور کائنات کومسخر کر لیتے ہیں۔

(5)۔ بعد مغرب بروز عاشورا امامؑ مظلوم کا تمام شہداعلیہم السلام کونعمات جنت کھلانا پلانا

اِنَّ جملة ماوقع فی یوم العاشورآء فی وقت المغرب ماھو من اعجب الامور واعظمھا وھوما نقل عن کتاب تظلّم الزھرؑآء فنا تی ھٰھُنَا بِتمام مانقل عنه ولا انقص معه شیئًا فقال الناقل الثقة وفی کتاب تظلّم الزھرؑآء فی مسند ة سیدة البتول مسندًا عن المفضل بن عمر قال قال ابوعبد اللّٰه لمامنع الحسینؑ واصحابه من المآء نادی الحسین علیه السلام فیھم مَن کان ظمٔانا فلیجئ فاتاه رجل بعد رجل فیجعل ابھامه فی راحته فلم یزل یشرب الرجل بعد الرجل حتی ارتودا فقال بعضھم لبعض واللّٰه لقد شربنا شرابًا ماشربه احد مِن العالمین فی دارالدنیا فلمّا قاتلوا الحسین علیه السلام وصارماصاروکان فی یوم العاشر عندالمغرب اقعد الحسین علیه السلام رجلًا منھم فیسمیھم باسمائھم واسمآء ابائھم فیجیبه الرجل بعد الرجل فیقعدون حوله ثم یدعوا بالمائدة فیطعمھم مِن طعام الجنة ویسقیھم مِن شرابھا۔ثم قال ابوعبد اللّٰه علیه السلام و اللّٰه لقد رأھم عدّة مِن الکوفیین ولقدکرّرعلیھم لوعقلوا۔قال ثم خرجوا لِرسالھم فعاد کُلّ واحد منھم الٰی بلاده ثمّ آتی بجبال الرضوی فما یبقی احد مِن المؤمنین الا اتاه وھوعلٰی سریر من نورٍ قدحفّ به ابراھیمؑ وموٗسٰی وعیسٰیؑ وجمیع الانبیاءؑ ومن ورائھم المومنون ومن ورائھم الملائکة ینظرون مایقول الحسین علیه السلام ثُمَّ قال فھم بھذه الحالة الٰی ان یقوم القائم فاذا قام القائم علیه السلام وافوا فیما بینھم الحسینؑ حتی یاتی کربلا فلا یبقی سماوی ولا ارضی مِن المؤمنین الاحفّوا بالحسین علیه السلام۔الحدیث۔ھٰکذا نقل ھذاالناقل ولقد رایت فی کتاب غیره ما یغائر ھذا بعض الفاظه وذلک حیث نقل وکان فی الیوم الثالث عند المغرب فیکون ذلک الیوم الثالث العاشوراء فیکون ماذکر فی الحدیث واقعا فی الیوم الثانی عشر من المحرم۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 440)

عاشور کے دن مغرب کے بعد جوواقعات پیش آئے اُن میں سب سے حیران کن اور سب سے عظیم الشان واقعہ وہ ہے جو کتاب تظلم الزھرؑاء سے نقل کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم اس واقعہ کواس مستند نقل کرنے والے سے بلاکم وکاست آپ کے سامنے لکھتے ہیں۔ ناقل نے لکھا ہے کہ کتاب تظلم الزھرؑاء میں جناب سیدہؑ کی سند سے اور پھر مفضل بن عمر کی سند سے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا بیان ہے کہ فرمایا جب امامؑ پر اور اُن کے صحابہ پر پانی بند کیا گیا تھا تو امامؑ نے اپنا اختیار دکھانے کے لئے سب کو بلایا اور کہا کہ جو بھی پیاسا ہو یہاں آئے۔ چنانچہ ایک کے بعد ایک آتا گیا اور امامؑ اس کے منہ میں اپنی انگلی دیتے گئے۔ یہاں تک کہ تمام انصار کو سیراب کر دیا۔ صحابہ آپس میں کہتے تھے کہ آج تو ہم نے ایسی چیز پی ہے کہ کائنات میں کسی نے نہ پی ہوگی۔ اس کے بعد جب امامؑ سے جنگ شروع ہوگئی اور جو کچھ گزرنا تھا گزر گیا تو مغرب کے قریب امام حسین علیہ السلام اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے مقتول صحابہؓ کا ایک ایک کر کے نام پکارتے

اور آبا واجداد بتاتے جاتے تھے اور شہدؑا یکے بعد دیگرآ کر حاضر ہوتے جاتے تھے۔اور لبیک لبیک کہتے ہوئے آتے تھے اور امامؑ کے گرد حلقہ بنا کر کھڑے ہوتے جارہے تھے۔ پھرامام علیہ السلام نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا اور جنت کی نعمتیں دستر خوان پر چُن دی گئیں۔تب آپ نے کھانے پینے کا حکم دیا اور تمام انصار اور (اہل حرمؑ) نے کھانا کھایا اور جنت کا پانی پیا۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس واقعہ کو بہت سے کوفیوں نے دیکھا۔اور یہ دومرتبہ کیا گیا تاکہ اہل کوفہ کی عقل متوجہ ہو۔ پھر تمام شہدا نے اپنی اپنی سواریوں کا رخ کیا اور سب اپنے اپنے شہروں اور گھروں کو چلے گئے۔گھروں سے پھر جبال رضوی پر سب جمع ہوئے اور مومنین میں سے کوئی بھی آنے سے باقی نہ رہا۔اور جناب امام حسین علیہ السلام نور کے منبر پر تشریف فرما ہو گئے۔اور اُن کے گرد تمام انبیاؑ نے حضرت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ علیھم السلام نے حلقہ بنایا۔اُن کے پیچھے تمام مومنین کھڑے ہوئے اور اُن کے پیچھے ملائکہ نے صف بنائی۔اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھو امامؑ کیا فرماتے ہیں۔فرمایا کہ یہ حالت بدستور اُس وقت تک برقرار رہے گی جب تک امامؑ عصر والزمان ظہور نہ فرمالیں۔جب وؑہ ظہور فرمائیں گے تو امام حسین علیہ السلام کی طرف سے سب شہدؑا ومومنین کو اُن کی وفاداریوں اور جانفروشیوں کا اجر دیا جائے گا۔ پھر کربلا میں آئیں گے۔اُس وقت نہ کوئی آسمانی مخلوق غائب رہے گی نہ کوئی ارضی مخلوق ایسی ہوگی جو امامؑ کے چاروں طرف حلقہ کر کے نہ کھڑی ہو اور جس کو اس کا اجر نہ ملے۔'' اسی طرح میں نے دوسری کتابوں میں بھی دیکھا ہے۔وہاں چند لفظی تغیرات ہیں۔مثلاً کہیں اس واقعہ کو تیرہویں محرم کو قرار دیا گیا ہے اور کہیں بارہ محرم کو لکھا ہے۔''(اکسیر العبادات۔صفحہ 440)

(6)۔ اس روایت پر کسی تعجب اور حیرانی کی ضرورت نہیں ہے

علامہ دربندی ذرا دور چل کر گھبرا گئے ہیں۔حالانکہ وہ بڑا قوی اور مستحکم ایمان رکھنے والے بزرگ ہیں۔مگر ماحول کے علما کے اعتراض اور بکواس کا خیال رکھ کر ذراڈھیلے پڑ گئے ہیں۔لیکن جو لوگ قرآن وحدیث پر سچ مچ ایمان لائے ہیں اُن کو ذرہ برابر تعجب نہ ہونا چاہئے۔اس لئے کہ قرآن سے تمام شہدا کی زندگی اور کھانا پینا اور تمام وہ راحتیں وآسائشیں وصول کرنا ثابت ہے جو لفظ رزق میں داخل ہیں۔اور قرآن میں کہیں یہ اشارہ بھی نہیں کہ شہدا اپنے اُسی بدن سے نہیں بلکہ کسی اور قسم کے جسم کے ساتھ زندہ رہیں گے۔اس لئے کہ دوسرے اجسام کو دنیاوی رزق کی احتیاج ہی نہیں ہوتی ہے۔یہ خیالی وقیاسی وشیخ چلی کی باتیں قرآن سے ثابت نہیں ہیں۔البتہ مادی عقل کی رسائی سے یہ باتیں بہت بعید ہیں۔اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی اور مثالی جسم دے دیا گیا تھا تب تو بات ہمارے شعور کے اندر آجاتی ہے۔حالانکہ اس سب کو شعور سے بلند وباہر فرمایا گیا ہے۔لہٰذا ہر وہ تاویل باطل ہے جو شعور کو مطمئن کرنے کے لئے ہو۔ہم تو حضرت قاسم علیہ السلام کے زفاف اور اولاد ہونے کے واقعہ سے پہلے متعارف کرا چکے ہیں۔یہ دوسری بات ہے کہ شہدؑا دوبارہ دنیاداری کی زندگی کو اختیار نہ کریں۔جنت سے کھانے پینے کی اشیا کا آنا حوارئین عیسیٰؑ کے لئے اگر مانا جاتا ہے تو حضرت فاطمہؑ جو خاتون جنت ہیں اور حسنینؑ جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں کے لئے منافق کے علاوہ کون انکار کرے گا؟(مائدہ 5/113)۔اگر حضرت عیسیٰؑ کے شاہد بننے اور اطمینان قلب حاصل کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کے صحابہ جنتی نعمتیں دنیا میں مانگتے ہیں اور حضرت عیسیٰؑ یہ کہہ کر مانگتے ہیں کہ آسمانی نعمتیں اس لئے کھلا دے کہ ہمارے اوّل کے لئے بھی عید ہو جائے اور ہمارے آخر والے کیلئے بھی عید ہو جائے (تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّاَوَّلِنَا

وَاخِـرِنَـا ۔ مائدہ 5/114)۔تو سوچئے کہ حضرت عیسیؑ آ خر والاکس کوفرماتے ہیں؟ حضرت مریمؑ اورحضرت فاطمہؑ پر یہ نعمتیں طباق بھربھر کر پہلے سے نازل ہوتی چلی آئی ہیں (آل عمران 3/37)۔اُن کے بچوں کے لئے لباس آ تا رہا ہے۔یہیں یہ سمجھ لیں کہ اسیران اہل حرمؑ کو برابرایک سال تک مسلسل یہی دسترخوان نصیب رہا۔اس لئے کہ وہؑ اُن ملاعین کا احسان نہ لے سکتے تھے۔جنت ہی سے اُن کا لباس آ تا رہا جوملاعین کونظر نہ آ تا تھا۔

یہ بھی سُن لیں کہ جب یہ مانا جاسکتا ہے کہ عبدالقادر جیلانی کی محفل آ ج تک لگتی ہے تو اس معاملے میں کسی مسلمان کو کیا تکلف ہوسکتا ہے کہ قیامت تک جناب سیدالشہدؑا کی محفل میں انبیاؑ وملائکہ حاضر رہیں گے؟ تمام اولیاءاللہ نے محمدؐ وآل محمدؐ کی محفلوں کا تذکرہ کیا ہے اوراُن کے غلام آج بھی اُن محفلوں میں باریاب ہوسکتے ہیں۔یہ دوسری بات ہے کہ آپ نے محض لیبل پر مومن لکھ کر گلے میں ڈال لیا ہے۔دل کومومن بنالو اپنی جان ومال واولاد کوپیش کردو تمہارے لئے اُن کے دروازے کھلے ہیں۔مگرتم نے کافروں،عیسائیوں، یہودیوں اورمنکرین خداوندی کے دروازے سنبھال رکھے ہیں اُن ہی کورازق سمجھتے ہو۔وہ ہی تمہارے مشکل کشا ہیں۔تم نے حقیقی مشکل کشا کو(معاذ اللہ) بُت قراردیا ہے(علامہ عزیر)اوراُن سے مدد مانگنے کوشرک قرار دیا ہے۔ **لعنة الله علی الکاذبین۔**

(7) لاشۂ امام علیہ السلام کے پامال کرنے میں ناکام کردیا گیا تھا

باربارعرض کیا گیا ہے کہ واقعات کربلا کے بیانات میں کہیں کہیں صحیح واقعات تک رسائی ناممکن رہی ہے۔کہیں کسی واقعہ کومختلف لوگوں نے جتنا حصہ دیکھا بیان کردیا۔اس طرح ایک ہی واقعہ کئی صورتوں میں ٹوٹ کر بیان ہوا۔کہیں سرکاری پالیسی نے صورت حال کو بدلنے کی کوشش کی تاکہ واقعہ کی سنگینی کو ہلکا یاغائب کردیا جائے۔چنانچہ لاشۂ سیدالشہدؑا اور دیگر شہدا علیھم السلام کی پامالی کی روایت سرکاری عملہ تو ہرگز بیان نہ کرسکتا تھا۔اِس لئے کہ اِس سے اُن کی بے رحمی اورحیوانیت بڑھ کر سامنے آتی تھی جو وہ نہیں چاہتے تھے۔البتہ یہ روایت کسی ایسے راوی نے بیان کی ہے جوشہادت کے بعد اُس گفتگواورانتظام کو دیکھتا سنتا رہا جوعمر بن سعد نے پامالی کے سلسلے میں کیا تھا۔اُس ملعون نے اپنی فوج کے دس ملاعین کومنتخب کیا اوراُن کی ڈیوٹی لگادی کہ وہ کل صبح یعنی گیارہ محرم کولاشۂ امام مظلوم علیہ السلام کو پامال کریں گے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ سننے کے بعد راوی اگلے روز کربلا میں موجود نہیں تھا۔چونکہ وہ یہ دیکھتا رہا تھا کہ عمر بن سعد کے تمام احکام پرضرورعمل کیا جاتا رہا اورامامؑ پر ہمہ قسمی مظالم بڑی کشادہ دلی سے ہوتے رہے۔اس لئے اُسے یقین رہا کہ پامالی کے حکم پر بھی یقیناً عمل ہوا ہوگا۔لہٰذاوہ یہ روایت بیان کرتا رہا کہ لاشۂ امامؑ پامال کیا گیا تھا۔لہٰذا روایت نے شہرت پائی اوروہ زبانوں اورکتابوں میں محفوظ رہتی چلی آئی اورآج تک ہمارے یہاں بیان ہوتی رہتی ہے۔اوراس حیثیت سے بالکل صحیح ہے کہ عمر بن سعد ملعون اپنی طرف سے تو پامال کراچکا تھا۔یہ دوسری بات ہے کہ اللہ کے انتظام نے اُس ملعون کونامراد کردیا۔پہلے پامالی والی روایت سُن لیں۔

(8)۔ دس ملاعین کاانتخاب اور پامالی والی روایت

وفی الـمـلهـوف ثُمَّ نـادی عـمـر بن سعد فی اصحابه من ینتدب للحسین فیوطئ الخیل ظهره وصدره فا نتدب منهم عشرة وهُم (1) اسحٰق بن هویّة الذی سلب الحسین علیه السلام قمیصه و (2) اخنس بن مرثد و (3) حکیم بن الطفیل السنبی

و(4) عمر و بن الصبیح الصیداوی و (5) رجاء بن منقذ العبدی و (6) سالم بن خثیمة الجعفی و (7) صالح بن وهب الجعفی و (8) داحظ بن ناعم و (9) هانی بن ثبیث الحضرمی و (10) اسید بن مالک فداسواالحسین علیه السلام بحوافیرخیلهم حتّٰی رَضّوا ظهره وصدره قال وجاؤ هٰؤُلاء العشرة حتی وقفوا علیٰ ابن زیاد فقال اسید بن مالک احدالعشرة نحن رضضنا الصدر بعدالظهر بکل یَعْبوب شد یدالاسرفقال ابن زیاد مَن انتم فقال نحن الذ ین وطئنا بخیولنا ظهر الحسینؑ حتّٰی طحنّا صدر ه قال امر هم بجائز ة یسیرة قال ابوعمر والزاهد فنظر فی هٰؤُلاء العشرة فوجدناهم اولاد الزنا ۔ فهؤلاء اخذهم المختار فشدّ اید یهم وارجلهم بسکک الحد ید واوطاء الخیل ظهور هم حتّٰی هلکوا۔(بحارصفحہ 268)(اکسیرالعبادات۔صفحہ 441)

کتاب ملھوف میں ہے کہ پھرعمر بن سعد نے اپنے صحابہ کوآ واز دی اور پو چھا کہ تم میں سے کون کون یہ ذ مہ داری لیتا ہے کہ وہ امام حسینؑ کے سینہ اور کمر کو گھوڑ وں کے سموں سے پامال کرے؟ مندرجہ ذیل دس اشخاص نے یہ ذ مہ داری لی:۔

(1)اسحٰق بن ھویہ جس نے امامؑ کی قمیض لوٹی تھی (2) اخنس بن مرثد (3) حکیم بن طفیل (4)وعمرو بن صبیح صیداوی (5) رجاء بن منقذ (6) سالم بن خثیمہ (7) صالح بن وھب (8) داحظ بن ناعم (9) ہانی بن ثبیت (10) اسید بن ما لک ۔ اُن ملاعین نے لاشۂ مظلوم پر گھوڑے دوڑائے اوراُنکی کمراور سینہ کو کچل کر پامال کر دیا۔راوی نے یہ بھی کہا کہ یہ دس آ دمی ابن زیاد کے پاس آئے اور اُن دس میں سے اسید بن ما لک نے کہا کہ عشرہ کے دن ظہر کے بعد ہم نے بڑے طاقتور گھوڑ وں کی ٹاپوں سے حسینؑ کی کمراور سینہ کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ ابن زیاد نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے امام حسینؑ کی لاش کو پامال کیا تھا۔راوی کہتا ہے کہ ابن زیاد نے انہیں معمولی سا انعام دینے کا حکم دیا۔ ابوعمرو زاہد نے بتایا کہ جب ہم نے غور کیا تو وہ دس آ دمی حرامزادے ثابت ہوئے اورامیر مختار نے اُن دس آ دمیوں کو زمین پر لٹا یا کیلوں سے ٹھونک دیا پھر اُنکے اوپر گھوڑے دوڑائے گئے یہاں تک کہ واصل جہنم ہوگئے۔''

(9)۔ پامالی کی روایت پر تنقیدی نظر

علامہ محمد باقر نے بحار میں اِسی روایت کو پُورا لکھا ہے اوراس کولکھ کر یہ بھی لکھ دیا کہ: ''بنابر روایت کتاب کافی کلینی یہ ہے کہ لاش مطہر کو اشقیاء پامال نہ کر سکے تھے۔اوربعض موانع کی وجہ سے اس ارادۂ فاسد سے باز رہے۔''(ترجمہ بحارصفحہ 269)

یہاں پہلے تو یہ نوٹ کرلیں کہ غالباً علامہ یہ لکھنا اور ماننا پسندنہیں کرتے کہ پامالی روکنے کے لئے ایک شیر آیا تھا۔اس لئے اپنی ذاتی رائے سے حقیقت بیان کرنے کے بجائے ''بعض موانع کی وجہ سے باز رہے'' اور چونکہ اُنہوں نے شیعوں کی معتبر ترین کتاب کی روایت نہیں لکھی اور پامال نہ ہونے کو ترجیح نہیں دی۔لہٰذا معلوم ہوا کہ علامہ کافی کا اعتبار بھی نہیں کرتے ہیں۔اب اس روایت کو دیکھئے کہ یہ روایت پامالی کی ذیل میں یہ واقعہ بروز عاشور بتاتی ہے اور واقعات اور وقت کی تنگی،اس کو غلط ثابت کرتی ہے۔ پامالی کے لئے یہ انتخاب اور پامالی کا عمل درآمد اگر وقوع میں آیا ہوتا تو یہ لوگ خود ابن زیاد کے سامنے انعام کے لئے پیش نہ ہوتے۔ بلکہ قاعدہ وقانون کی رُو سے انہیں ابن سعد پیش کرتا اور انعام دلاتا۔ چونکہ واقعہ پیش نہ آسکا اور اُس میں اُن دس آ دمیوں کی نہ خطا تھی نہ کوتاہی اس لئے وہ انعام کے لئے عمر بن سعد سے مایوس ہوکر ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے اور بتایا کہ جناب ہم تو تیار تھے اور ہم نے گویا پامالی انجام دے دی۔لہٰذا

ہمیں ہماری جرأت وآمادگی کا انعام ملنا چاہئے۔ پھراُنہیں معمولی سا انعام ملنا بھی اسی کا ثبوت ہے کہ وہ پامالی کے لئے صرف آمادہ ہوئے تھے۔ پامال نہ کر سکے تھے۔ یہ بھی غور کریں کہ روایت میں یہ ہے کہ جب وہ ابن زیاد کے پاس گئے تو یہ شعر پڑھا۔

نحن رضضنا الصد ر بعد الظهر　　　　بِکُلّ یعبوب شد ید الاسر

''عاشور کے روز ہم نے ظہر کے بعد بڑے طاقتور گھوڑوں کی ٹاپوں سے حسینؑ کے سینہ اور کمر کو پامال کیا تھا۔''

ابن زیاد کے سامنے اور ابن زیاد سے جب یہ شعر کہہ دیا گیا تو اب ابن زیاد کو یہ دریافت کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ تم کون لوگ ہو؟ (مَنْ انتم ؟)اور نہ انہیں دوبارہ یہ کہنے کی ضرورت ہوتی کہ ہم نے لاشۂ حسینؑ پامال کیا تھا۔معلوم ہوا کہ راوی صاحب دربار میں موجود تھے اور اُن سے اسید بن مالک نے وہ شعر پڑھ کر غپ ماری اور راوی نے یقین کرلیا کہ پامالی سچ مچ ہوئی تھی۔ پھر اس روایت میں غلط مبالغہ موجود ہے جو اس کو غلط ثابت کرتا ہے۔ سینے اور پشت کو پامال کرنا مبالغہ ہے۔ اگر لاش سیدھی پڑی ہو تو پشت و کمر نیچے اور سینہ اوپر ہوگا۔لہٰذا سینے پر گھوڑوں کے سم پڑیں گے۔ اور اگر لاش الٹی پڑی ہے تو گھوڑوں کے سم پشت پر پڑیں گے۔ سینہ نیچے رہے گا۔ سینہ اور پشت کو الگ الگ پامال کرنے کے لئے لاش کو پلٹنا ضروری ہوگا۔ جس کا روایت میں ذکر نہیں۔ لہٰذا نہ شانے محفوظ رہیں گے نہ ٹانگیں بچیں گی،اس لئے روایت میں پامالی محض خیالی ہے واقعی نہیں ہے۔

(10)۔ وہ صحیح روایات جو پامالی کی تردید کر کے صحیح واقعہ بیان کرتی ہیں

وفی المنتخب لماقتل الحسین علیه السلام ارادالقوم ان یوطئوُ الخیل فقالت فضة لِزَینبؑ یاسید تی اِنّ سفینة صاحب رسوؐل اللّٰه کان بمرکب فضربته الریح فتکسّر فسبّح فقذفَهُ البحر الٰی جزیرة فاذا هوباسد فد نی منه فخشی سفینة اَن یاکله فقال یااباالحارث اناموالی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم ۔فهمهمه بین ید یه حتی اوقفه علی الطریق فرکبه ونجا سالمًا وادی اسدًا فی خلف مخیمنا فدعینی امضی الیه فاعلمه بماصانعون غدًا فقالت شانک قالت فمضیتُ الیه فقلت یااباالحارث فرفع راسه ثمّ قلتُ اتدری مایرید ون اَن یعملوا غدًا بابی عبد اللّٰه علیه السلام یرید ون اَن یوطّئوا الخیل ظهره قالت فقام الاسد فمشی حتی وضع یده علٰی جسد الحسینؑ وجعل یمرغ وجهه بد م الحسینؑ ویبکی الی الصباح ۔فلما اصبح بنوامیة اقبلت الخیل یقد مهم ابن الاخنس فلمّانظروا الیه قال لهم عمر بن سعد فتنة لا تثیروهاانصرفوا وانصرفوا۔(اکسیر العبادات صفحہ 441)

کتاب منتخب میں ہے کہ جب امام علیہ السلام قتل کرادیئے گئے تو اس ملعون قوم نے ارادہ کیا کہ لاش امامؑ پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔ چنانچہ جناب فضہؑ نے حضرت زینب علیہا السلام سے عرض کیا کہ اے میری سردار سفینہ نامی ایک شخص کشتی میں سوار جارہا تھا طوفانی ہوا نے کشتی کو توڑ دیا۔ سفینہ نے تیرنا شروع کیا یہاں تک کہ سمندر نے اُسے کنارہ پر لاگرایا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک شیر موجود ہے۔ اور اسکے بالکل پاس آکر کھڑا ہوگیا ہے۔ سفینہ نے نہایت عاجزی سے کہا کہ اے شیر میں رسولؐ اللہ کے خادموں میں سے ہوں تاکہ شیر کہیں اُسے کھا نہ جائے۔ شیر نے عاجزانہ آواز نکالی اور اپنے اوپر سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ سفینہ سوار ہوگیا۔ پھر شیر نے اُسے صحیح وسالم اپنی اِس وادی (جنگل) میں لا اُتارا جو ہمارے خیموں کے پیچھے ہے۔ اگر اجازت دیں تو میں جا کر شیر کو کل کے ارادہ پر مطلع کردوں۔ حضرت زینبؑ

نے کہا کہ بہتر ہے جو تمہیں پسند ہو کرو۔ فضہؑ کہتی ہیں کہ میں چل کر شیر کے پاس پہنچی اور اُس سے کہا کہ اے ابا الحارث کیا تجھے معلوم ہے کہ اس نابکار و ناہنجار قوم کا ارادہ کیا ہے۔ اُن لوگوں نے طے کیا ہے کہ کل لاشۂ امامؑ پر گھوڑے دوڑا کر اُنکو پامال کر دیا جائے۔ فضہؑ کہتی ہیں کہ یہ سن کر شیر اُٹھا اور چلتا رہا یہاں تک کہ لاش امامؑ پر اپنا ہاتھ رکھا اور خون امامؑ سے اپنے چہرہ کو تر کرلیا اور ساری رات صبح تک روتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو بنی امیہ مع گھوڑوں کے آئے، آگے آگے اخنس کا بیٹا تھا۔ جب اُن لوگوں نے شیر کو دیکھا تو ابن سعد نے اُن سے کہا کہ یہ تو ایک فتنہ سامنے ہے۔ واپس چلو اُسے نہ چھیڑو۔ لہٰذا وہ گروہ واپس چلا گیا۔'' دوسری روایت یوں ہے کہ:۔

امر عمر بن سعد الملعون اَنْ تطؤا الخیل علیه غدًا فسمعتْ جاریة الحسین علیه السلام فحکت لزینبؑ اختهٗ۔ فقالت ماالحیلة ؟ قالت زینبؑ اِنّ سفینة عبد رسولؐ اللّٰه نجاه الاسد علٰی ظهره لما قال له اناعبد رسولؐ اللّٰه وسمعت ان فی هٰذه جزیرة اسد فامضی الیه فقولی له اَنّ عسکر ابن سعد یریدون غدًا یطاؤا بخیولهم ابن رسولؐ اللّٰه فهل انت تارکهم۔ فلما مضیت الیه الجاریة وقالت ماقالتها زینبؑ الٰی قولها فهل انت تارکهم ؟ اشار براسه ۔لا۔ فلما کان الغدا قبل الاسد یازّازًا والعسکر واقف فظنّ ابن سعد انّه جاء یاکل مِن لحوم الموتٰی فقال دعوه نری مایصنع فاقبل یدور القتلٰی حتی وقف علٰی جسد الحسینؑ فوضع یده علٰی صدره وجعل یمرغ خدّه بد مه فیبکی فلم یحبسر اَحَدٌ اَن یقربه فقال ابن سعد فتنة فلا تهیّجوها فانصرفواعنه ۔ هٰکذا ذکر مجیئی الاسد الی المصرع فی کتب جمع مِن اصحاب المقاتل۔(اکسیر العبادات صفحہ 441)

عمر بن سعد نے حکم دیا تھا کہ کل لاشِ حسینؑ پر گھوڑے دوڑائے جائیں۔ امامؑ کی ایک کنیز نے یہ حکم زینب علیہا السلام سے بیان کیا اور پوچھا اس سے بچانے کی کیا ترکیب کی جائے؟ فرمایا کہ رسولؐ اللہ کا ایک غلام سفینہ نامی تھا جسے ایک شیر نے اپنے اوپر سوار کر کے بچا لیا تھا۔ جب اُس نے کہا اے شیر میں غلام رسولؐ ہوں۔ اور میں نے سنا ہے کہ وہ شیر یہیں اسی جزیرہ میں رہتا ہے۔ لہٰذا تم جاؤ اور اس شیر سے کہو کہ عمر بن سعد کی فوج کل حسینؑ کے لاشہ کو پامال کرنے کا فیصلہ کرچکی ہے کیا تو اُنہیں نہ روکے گا۔ جب کنیز شیر کے پاس پہنچی اور حضرت زینبؑ کا پیغام دیتے ہوئے یہ جملہ کہا کہ کیا تو انہیں ایسا کرنے دے گا؟ تو شیر نے سر ہلا کر کہا کہ نہیں۔ جب صبح ہوئی تو شیر دھاڑتا چنگھاڑتا بڑھتا ہوا میدان جنگ میں چلا آیا۔ اور فوج کھڑی ہوئی تھی۔ عمر بن سعد نے خیال کیا کہ شاید یہ شیر مقتولوں کا گوشت کھانے کے لئے آیا ہوگا۔ اس نے فوج سے کہا کہ اُسے آزاد چھوڑ دو۔ دیکھتے ہیں وہ کیا کرتا ہے۔ چنانچہ شیر مقتولوں کو دیکھتا بھالتا چلا گیا یہاں تک کہ لاشۂ امامؑ پر آ کر ٹھہرا اور اُنکے سینہ پر ہاتھ رکھا اور اُن کے خون سے اپنے گالوں کو رنگین کرنے لگا اور روتا جاتا تھا۔ یہ دیکھ کر عمر بن سعد ملعون نے کہا کہ یہ ایک فتنہ ہے اُسے جوش نہ دلانا۔ اس کے بعد وہ سب چل دیئے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ قریب جاتا۔''

اسی طرح تمام اہل قلم نے شیر کی مقتل میں آمد لکھی ہے۔

(11)۔ عمر بن سعد (لعین) نے شیر کو فتنہ کیوں کہا؟ اور فوج نے تیروں سے حملہ کیوں نہ کیا؟

عمر بن سعد بقول اپنے بزرگوں اور بقول سرکاری تاریخ کے ایک ایسے صحابی سعد بن وقاص کا بیٹا تھا۔ جس کو (معاذ اللہ) جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ اس بات سے یہ تو ماننا پڑے گا کہ عمر بن سعد بن وقاص ملعون، محمدؐ مصطفیٰ اور علیؑ مرتضیٰ کی پوزیشن سے خوب

واقف تھا۔ لہٰذا اُس نے اس شیر کو جنگلی جانوروں اور درندوں میں شمار ہونے والا شیر نہیں سمجھا۔ بلکہ اس شیر کے وجود میں خُدائی ہاتھ نظر آیا اور اس صورت حال کو خدا کی طرف سے ایک خطرناک قسم کی آزمائش یقین کیا اور سوچا کہ اب تیر و تلوار کام نہ دے گی؟ لہٰذا اپنے ارادے سے باز رہنے میں خیریت دیکھی اور چل دیا۔ اس لئے بھی کہ ایک جنگلی جانور یہ تمیز نہیں رکھتا کہ وہ ہزاروں لاشوں میں سے امامؑ مظلوم کی لاش کو شناخت کرلے اور پھر اُن کا خون اپنے چہرہ پر ملے اور روتا رہے۔ اُدھر حضرت زینب علیھا السلام کا بڑے اطمینان سے یہ بتانا کہ شیر وہاں ضرور ملے گا۔ اور شیر کا ملنا، شیر کا آدمی کی بات سمجھنا، سر ہلا کر اپنی منشا بتانا اور حسب وعدہ آ کر اپنا فریضہ انجام دینا بتاتا ہے کہ بی بی علیھا السلام کے والدؑ اور والدہؑ یہیں اس بیابان میں موجود ہیں اور اُن کی مدد کی درخواست کے لئے وہ بھی اور اللہ کی پوری کائنات منتظر ہے۔ یہ سب کچھ بی بی کو معلوم تھا۔ لہٰذا اپنے لئے مدد طلب نہیں کی کہ ابھی امتحان کی منزل سے گزرنا تھا۔ مگر اپنے مظلومؑ بھائی کی بے حرمتی منظور نہ تھی۔ اُن کا امتحان مکمل ہو چکا تھا۔ اُن کے لئے مدد مانگنا غلط نہ تھا۔

(12)۔ حضرت علیؑ کا مظہر العجائب ہونا ہر جگہ پہنچنے کی قدرت کا ثبوت اور فضائل

ثُمَّ لَایخفی علیک اَنَّ فی قضیّة الاسد تحقیقًا ذکرہ بعض المحققین مِن المحدثین فناتی ھٰھُنَا بماذکرہ وذلک حیث قال واَمَّا حقیقة الامیر المؤمنین علیه السلام فھوالنُّورالِالٰھی اَوّل الموجودات کماقالہٗ اخوہ وابن عمّه صلوات اللّٰه علیه واھلبیته خُلِقْتُ اَنَا وَعَلِّیّ مِنْ نُورٍواحد وکان بِتِلْکَ الحقیقة المفا ض علیھا الصورة النورانیة قبل خلق الموجودات وبھاکان معلمًا لِلملائکة جبرئیلَ ومِن دونه وکان ایضًا مع الانبیآء کماقال علیه السلام کنت مع ابراھیمؑ فی نارالنمرود وجعلتھا بردًا وسلامًا وکنت مع موسٰیؑ وعلمتُه التورات ومع عیسٰیؑ وعلمته الانجیل ومع سلیمان وسخّرله المتمردة مِن الشیاطین وعَدَّکثیرًا مِنَ الانبیآء وقال جبرئیل للنبیؐ اَنَّ اللّٰهَ بعث علیاًّ مع الانبیآء باطِنًا ومعک ظاھرًا ۔ ثُمّ جَرَی التقد یر بتولد ہ وخروجه الٰی ھذا الْعَالَم المشاھد المخصوص انیض علٰی تلک الحقیقة النورانیة صور ة بشریة متناسبة لھذا العالم غیراِنَّا لا تقصرھا علٰی صورة واحدة بل صورة متعددة متناسبة وغیر متناسبة ۔اَمّا الْاُولٰی فیما روی متوا تر مِن انّه یحضرعند کل مومن وکافر وقت الموت وقد یموت فی اللحظة واحدة الاف مِن الناس وغیرھم فحضورہ عند جمیعھم یکون بتلک الصورة المتکثرة المفاضة علٰی تلک الحقیقة وکذلک ما روی انّه کان فی لیلة واحدة ضیفًا عندار بعین من الصحابة۔(اکسیر العبادات صفحہ۔442-441)

واَمّا الثانیة فیما روی و ورد فی واقعة الطفوف مِن اَنّ اَسدًا کان یجیٔی عند قرب اللیل الی تلک الابدان العاریات وکان یتخطّاھاحتی یقف علٰی بد ن سیدٗ نا ومولٗانا سیدالشھدآء روحی له الفداء ویجلس عنده ویقبله ویبکی فقال الجنّ الذ ین کانوا ینوحون علی الحسینؑ فی تلک الفلاة ھٰذا الاسد ھو ابوہ امیرُالمؤمنین ۔ ویظھرمِن ذلک التحقیق ایضًا السِرّالوارد فی انّ الائمة علیھم السلام کان الناس یرونھم عَلَی الصوُّر المختلفة والحالات المتفرقة ویظھر منه اسرار کثیرة ھذا ولَا یخفی علیک اَنَّ ماذکرہ ھذا السید الفاضل والمحدث الحاذق مِمّا یرجع بعد امعان اِلٰی ماحققنا مرارًا مِن ثبوت المقامات النورانیة لامیرالمؤمنین علیه السلام واولادہ المعصومین وتصرفات ارواحھم الطیبة الباھرة ونفوسھم القد سیة القاھرة فی ابدان مثالیة کثیر ة وقوالب برزخیة وفیر ة من غیر فرق فی ذلک بین ایام حیٰوتھم وبین ایام مماتھم وکذابین الزمان التی لم یولد واولم یظھروا فیه فی الاجساد الدُّنیویة والنشاة الشھودیة وبین الزمان الذی والدوا وظھروا فیه فی النشاة الدنیویة ۔نعم انَّ ھٰھُنا شیئًا

وھُوَا نه یُستفادُ مِن ملاحظة مجموع الاخبار والآثارالواردة فی قضیة الاسد بعد امعان النظر والتامّل فیھا اَنّ الاسدالذّی جاء الی المصرع بدعوة فضّة غیرالاسد الذی کان الجن یقولون انه امیرالمؤمنین وکیف کان ؟ فان مانقله ھذا السید الفاضل والمحدث الحاذق ممایوجد نقله ایضًا فی کلام جمع من العلماء وبقی الکلام فی بیان حال السفینة الذی کان عبد رسولؐ اللّٰه۔(ایضاً)

پھرمومنین سے یہ حقیقت بھی مخفی نہ رہے کہ کربلا میں شیر کی آمد کا قصہ محدثین میں سے بعض محققین نے جس حیثیت سے لکھا ہے وہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔انہوں نے لکھا ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام کی حقیقت حقیقتاً نورِالٰہی ہے نہ کہ مادہ اور جسم وجسمانیات، وہ تمام مخلوق سے پہلے وجود ہیں۔جیسا کہ اُنکے بھائی، چچا کے بیٹے محمد صلوات اللہ علیہ واھلبیتہٖ نے فرمایا کہ مجھے اور علیؑ کو ایک ہی نور سے پیدا کیا گیا تھا۔اس نورانی حقیقت کی بنا پر اُنہیں تمام موجودات سے قبل ایک نوری صورت تفویض کی گئی تھی۔اور اُسی نورانی صورت اور جسم کی حالت میں علیؑ نے جبرئیلؑ اور دیگر ملائکہ کو تعلیم دی تھی۔اور وہ تمام انبیؑا کے ساتھ بطور معلم رہتے چلے آئے تھے۔جیسا کہ خود علیؑ نے فرمایا ہے کہ میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نمرود والے آتشکدہ میں بھی تھا اور میں نے ہی آگ کو ٹھنڈا اور سلامت رکھنے والا بنایا تھا۔اور میں حضرت مؤسیٰ کے ساتھ بھی تھا۔میں نے ہی اُن کو توریت کی تعلیم دی تھی۔میں حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ بھی تھا اور میں نے اُنکو انجیل کی تعلیم دی تھی اور میں حضرت سلیماؑن کے ساتھ بھی تھا۔جہاں میں نے جنوں کے سرکش گروہ کو سلیماؑن کے سامنے مطیع کر دیا تھا۔اور اسی طرح بہت سے انبیؑا کی گنتی کرتے چلے گئے اور فرمایا کہ جبرئیل نے رسولؐ اللہ سے کہا تھا کہ اللہ نے علیؑ کو باقی انبیؑا کے ساتھ خفیہ طور پر مبعوث کیا اور آپکے ساتھ ظاہری جسم سے مبعوث کیا۔چنانچہ ایسا کرنے کیلئے تقدیر جاری ہوئی تا کہ وہ پیدا ہوکر اس مشہود ومخصوص عالم میں ظاہر ہوں۔اِسلئے اُنکی نورانی حقیقت کو یہ ظاہری جسم کا لباس پہنا دیا گیا تا کہ وہ مناسب صورتوں میں ظہور فرمائیں اور محسوسات کی اِس دنیا میں بشر کی حیثیت سے بھی موجود رہیں۔اور صورت بشری ہی میں قید ہوکر نہ رہ جائیں۔بلکہ اُنہیں بہت سی مختلف ومناسب اور غیر مناسب صورتوں میں ظہور کی قدرت دی گئی تھی۔مثلاً پہلی تو یہی دیکھیں کہ متواترات سے ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام ہر مرنے والے مومن وکافر کے پاس تشریف لاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ہر لمحہ لاکھوں آدمی مرتے ہیں۔لہٰذا اُن سب کے پاس آنا اُن ہی مختلف اور متعدد صورتوں میں ہوتا ہے جو انہیں عطا کی گئی ہیں اور یہ اسی نورانی حقیقت کی قدرت ہے۔اور اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ بیک وقت چالیس صحابہ کے یہاں مہمان تھے۔(یہاں علامہ دربندی نے یہ چھوڑ دیا کہ عین اسی وقت رسولؐ اللہ کے پاس اور عرش اعظم پر بھی موجود تھے۔اور کافی کی رو سے ملائکہ کے پاس سے بھی غائب نہ ہوئے تھے)

اور جیسا کہ میدان کربلا میں واقع ہوتا رہا کہ ایک شیر روزانہ رات کو اُس میدان میں آتا اور بے گور وکفن پڑی ہوئی لاشوں کو پہچانتا اور امامؑ مظلوم تک پہنچتا تھا۔وہاں جا کر پاس بیٹھ جاتا اور گریہ وزاری کرتا رہتا تھا لاش کو چومتا رہتا تھا۔اور کہا گیا ہے کہ اس جنگل میں امامؑ پر جنات نوحہ وگریہ کرتے تھے۔اُنھوں نے کہا ہے کہ وہ شیر امامؑ مظلوم کے والد امیرؑ المومنین تھے اور اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوجاتا ہے کہ آئمہ علیھم السلام کو جو انسان مختلف صورتوں اور مختلف حالات میں دیکھتے تھے وہ بھی یہی قدرت وقوت تھی اور اس سے بہت سے راز کھل جاتے ہیں کہ اس سید اور محدث اور فاضل نے جو تذکرہ کیا ہے اس سے وہ حقائق بھی ثابت ہوجاتے ہیں جو ہم نے بار بار لکھے

ہیں۔اور جن سے علی واولادِ علی علیہم السلام کی قوتِ تصرف پر روشنی پڑتی ہے کہ اُن حضرات کی ارواح مقدسہ و پاکیزہ اور اُنکے نفوس مقدسہ اور غالب رہنے والے اجسام بہت سے مثالی جسم رکھتے تھے اور بہت سے برزخی قالبوں کے حامل تھے۔اور جس طرح اور جس صورت میں اور جہاں چاہتے تھے اور جب چاہتے تھے ظہور فرمایا کرتے تھے۔تاکہ متعلقہ ذمہ داریاں بروقت پوری کرتے رہیں۔اور یہ بھی سمجھ لیں کہ یہ آزادی اور یہ تصرفات کسی خاص وقت کے پابند نہ تھے بلکہ حیات ظاہری میں بھی اور ظاہری موت کے بعد بھی اور اسی طرح قبلِ پیدائشِ جسمانی اور بعد جسمانی پیدائش کے بھی اور اسی طرح سے دنیاوی جسم کے زمانہ میں بھی اور جسمانی حالت سے قبل بھی اُن حضرات کو یہ قدرت وتصرفات عملاً حاصل تھے۔ہاں یہاں ایک اور بات بھی ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں وارد ہونے والی تمام روایات وواقعات پر بحیثیتِ مجموعی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ شیر کوئی اور تھا جو حضرت فضہ کے بلانے سے آیا تھا۔اور وہ شیر جداگانہ تھا۔جس کو جنھوں نے امامؑ کا والد بتایا تھا۔جو راتوں کو آیا کرتا تھا۔اور یہ ہو نہیں سکتا۔جیسا کہ محدث حاذق اور عالم فاضل سید نے اور علما کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے۔چنانچہ وہ شیر جس نے سفینہ کو بچایا تھا اُس کا اور سفینہ کا قصہ تو ابھی باقی ہے جو رسولؐ اللہ کا غلام تھا۔

(13)۔ غلام کا نام سفینہ (یعنی کشتی) کیوں پڑ گیا اور اُس کا قصہ سنئے

فاعلم اَنَّ النبیؐ کان له عبد اسود فی سفر فکان کُلّ مَن اعیی القی علیه بعض متاعه حتی حمل شیئًا کثیرًا فَمَرَّ به النبیؐ فقال انت سفینة وھذا العبد سافر بعد النبیؐ فی البحر فانکسرت السفینة باھلھا فخرج ھذا العبد الٰی جزیرة من جزائر البحر وحده فمشی ساعة فلقی اسدًا فقال له اَنَا سفینة عبدرسولؐ اللّٰه فاقبل نحوه الاسد واشارالیه ارکب الٰی ظھری فرکب علٰی ظھره فاسرع فی المشی حتٰی آتی به بلدة القریبة فراه الناس علٰی ظھرالاسد فنزل ورجع الاسد۔" (اکسیرالعبادات۔صفحہ 442)

یہ سمجھ لو کہ رسولؐ اللہ کے ساتھ ایک حبشی خادم تھا۔آپ کے ساتھیوں کے پاس جو کچھ سامان تھا اُس پر لاد دیا تھا۔اور وہ بڑی آسانی سے اس بہت سارے سامان کو لے کر رسولؐ اللہ کے ہمراہ چلتا رہا۔تب آنحضرتؐ نے خوش ہو کر فرمایا کہ تم تو اچھی خاصی ایک کشتی ہو۔بہرحال اُس غلام کو بعد انتقالِ نبیؐ سمندری سفر پیش آیا جس میں وہ کشتی اور اس کے ساتھی ضائع ہو گئے۔اور سفینہ ایک جزیرہ میں جا نکلا جو سمندر کے اندر واقع تھا۔کچھ دیر تک سفینہ پیدل چلتا رہا۔اتنے میں اُسے ایک شیر مل گیا اور سفینہ کے قریب آ گیا۔سفینہ نے شیر سے کہا کہ میں رسولؐ اللہ کا غلام ہوں۔یہ سن کر شیر نے اشارہ کیا کہ تم مجھ پر سوار ہو جاؤ۔چنانچہ وہ سوار ہو گیا۔پھر شیر بڑی تیزی سے اُسے لے کر چلا یہاں تک کہ ایک شہر آ گیا۔یہاں کے لوگ سفینہ کو شیر پر سوار دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔یہاں پہنچا کر شیر واپس چلا گیا۔

مومنین سوچیں کہ کربلا تو ملک عراق میں تھا۔وہاں سفینہ والا شیر کیوں رہتا تھا۔اُسے تو کہیں سمندر میں ہونا چاہئے تھا۔مگر جس شیر کی بات ہو رہی ہے اور جس شیر کے پاس حضرت فضہ کو بھیجا گیا تھا وہ حلال مشکلات تھا۔اُس کے لئے سمندر اور خشکی کسی جگہ کی پابندی نہ تھی۔جہاں مستحق فریاد کرے وہاں موجود ہونا اُن کے فضل وکرم کا تقاضہ تھا۔

(14)۔ روزانہ شب کو آنے والے شیر کا قصہ بھی سُن لیں

ثم لایخفی علیک اَنَّ قضیة الاسد الذی یقولون الجنّ انّه امیر المؤمنین علیه السلام قد نقلھا صاحب المنتخب عن

رجل اسدی علٰی نہج مفصّل وذلک انّه قال کنت زارعًا علی نهر العلقمی بعدارتحال العسکر بنی اُمیة فرا ئیت عجائب لا اقد راحکی الا بعضه منها انه اذا هبّت الریاح تمرّ نفخات کنفخات المسک والعنبر فاذاسکنتُ اَرَی نجومًا تنزل من السمآءِ الی الارض وترقی مِن الارض الَی السّمآء مثلها وانا منفرد مع عیالِی ولا اری احدًا اسئله عَن ذلک وعند غروب الشمس یقبل اسدًا مِن القبله فادلّی عنه الٰی منزلی فاذا اصبح وطلعت الشمس ذهبتُ مِن منزلی اراه مستقبلا القبلة ذاهبًا فقلت فی نفسی اَنّ هؤُ لاء خوارج قد خرجوا علٰی عبید اللّٰه بن زیاد فامر بقتلهم واری منهم مالم اره مِن سائِر القتلٰی فو اللّٰه هذه اللیلة لابدّ مِن المساهره لابصر هذاالاسد تاکل مِن هذه الجثث ام لَا فلما صارعند غروب الشمس فاذًا به قداقبل فحققتهُ فاذا هو هائل المنظر فارتعدتُ منه وخطر ببالی اِن کان مراده لحوم بنی آدم فهو یقصد نی واناا حاکی نفسی بهذا فمثلته وهو یتخطّی القتلی حتی وقف علٰی جسد کانّه الشمس اداطلعت فبرک علیه فقلت یاکل منه واذا یمرغ وجهه علیه وهو یهمهم وید مد م فقلت اللّٰه اکبر ماهذا الااعجوبة فجعلت احرسه حتی اعتکر الظلام واذا بشموع مُعلّقة مَلَاءَ ت الارض واذا ببکآء ونحیب ولطم مفجع نقصدت تلک الاصوات فاذا هی تحت الارض ففهمت مِن نا ع فیهم یقول واحسیناه وااماماه فاقشعرّ جلدی فقربت مِن الباکی واقسمتُ علیه باللّٰه وبرسوله مَن تکون فقال انا نساء مِن الجنّ فقلت وماشانکُنَّ فقلن فی کل یوم ولیلة هذا عزآئنا علی الحسیؑن الذ بیح العطشان فقلت هذا الحسینؑ الذ ی یجلس عنده الاسد ؟ قلن نعم ۔اَتعرف هذا الاسدُ ؟ قلت لا ۔قلن هذا ابوه علیؑ بن ابی طالبؑ ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات ۔صفحہ 442)

کتاب منتخب میں لکھا گیا ہے کہ ایک اسدی قبیلہ کا شخص بیان کرتا تھا کہ میں نہر علقمہ پر ہل چلا رہا تھا اور یہ قصہ جب کا ہے جب بنی امیہ کی افواج جا چکی تھیں ۔ میں نے اُس دوران ایسی ایسی عجیب چیزیں دیکھی تھیں کہ مجھ میں بعض بعض کے علاوہ باقی کو بیان کرنے کی طاقت ہی نہیں ہے ۔مثلاً جب ہوا چلتی تھی تو مقتولوں کے میدان سے مشک وعنبر کی خوشبو آتی رہتی تھی ۔ جب میں ذرا ٹھہرا تو میں نے دیکھا کہ آسمان سے ستارے اُس قتل گاہ میں اترتے اور قتل گاہ سے آسمان کی طرف بلند ہوتے ہیں ۔ میں چونکہ مع اہل وعیال کے وہاں تنہا تھا اور یہ موقعہ نہ تھا کہ یہ ماجرا کسی سے معلوم کروں ۔سورج غروب ہونے کے وقت میں نے دیکھا کہ ایک شیر قبلہ کی سمت سے آ رہا ہے ۔ اُسے دیکھ کر میں اپنے گھر کو چلا آیا۔ جب صبح ہوئی اور سورج نکل آیا تو میں اپنے گھر سے نکل کر باہر آیا تو میں نے اس شیر کو قبلہ کی طرف مُنہ کیئے ہوئے جاتے دیکھا۔ میں نے دل میں کہا کہ خدایا یہ کہا جاتا رہا ہے کہ کچھ خارجی لوگوں نے عبیداللہ ابن زیاد کے خلاف بغاوت کی تھی اوراس نے ان باغیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا اورانہیں قتل کر دیا گیا ہے ۔اور میں اِن مقتولوں سے ایسے واقعات کا ظہور دیکھ رہا ہوں جو کبھی کسی اور مقتول کے متعلق نہیں دیکھا گیا ہے ۔خدا کی قسم آنے والی رات کو جاگتا رہوں گا۔ تا کہ میں حقیقتِ حال کو کو دیکھوں اور یہ پتہ لگاؤں کہ وہ شیر ان لاشوں کو کھاتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ جب شام ہونے کے قریب ہوئی تو ٹھیک وقت پر شیر آ گیا۔ جب میں نے ٹھیک یقین کرلیا تو میں نے تعاقب کیا تو اچانک شیر کا سامنا ہو گیا۔ میں نے جان کا خطرہ محسوس کیا کہ اگر واقعی وہ آدمی کا گوشت کھاتا ہے تو پہلے مجھے لقمہ بنالے گا۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ شیر نے لاشوں کو پہچاننا شروع کیا اور چلتے چلتے ایک ایسی لاش پر رک گیا جو نکلتے ہوئے سورج کی طرح روشن تھی ۔ میں نے سوچا کہ شاید وہ شیر اس میں سے گوشت کھائے گا ۔مگر عجیب بات ہوئی کہ اس نے اس لاش کے سامنے سجدہ کیا

اور عاجزی سے گڑگڑایا۔ میں نے کہا اللہ اکبر یہ تو نہایت عجیب معاملہ ہے۔ میں برابر اس کی نقل وحرکات پر نظر جمائے رہا۔ یہاں تک کہ جیسے ہی اندھیرا ہوا روشنی کی شمعیں لٹکنے لگیں کہ سارا بیابان جگمگانے لگا۔ اور ساتھ ہی چاروں طرف سے رونے اور پیٹنے کی صدا بلند ہوگئی۔ میں نے اُن آوازوں سے قریب ہونے اور سُننے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ آوازیں زمین کے نیچے سے آ رہی ہیں۔ اب میں سمجھا کہ اُن کی فریاد کیا تھی۔ وہ آواز کہتی تھی کہ ہائے حسینؑ اور ہائے ہمارے امامؑ۔ یہ سُن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں رونے والے کے قریب پہنچا اور کہا کہ میں تمہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم کون لوگ ہو؟ جواب ملا کہ ہم جِنّات کی عورتیں ہیں اور ہم دن رات پیاسا ذبح کر دیئے جانے والے حسینؑ کی عزاداری اور سوگ میں مصروف ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا حسینؑ وہی ہیں جن کے پاس شیر بیٹھا ہوا ہے۔ جواب ملا کہ ہاں وہی حسینؑ ہیں۔ اور کیا تو جانتا ہے یہ شیر کون ہے؟ میں نے انکار کیا تو بتایا کہ یہ شیر حسینؑ کا باپ علیؑ ہے۔ پس میں بے قرار ہوگیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ (فوجعت ودموعی تجری علٰی خدّی) (اکسیر صفحہ 442)

(15)۔ شہادت کے بعد بھی دردناک مظالم اور شہدا علیھم السلام کی زندگی کی ایک مثال

امام حسین علیہ السلام پر وہ تمام غصہ اُتار دیا گیا جو قوم قریش کو جنگ بدر و اُحد و حنین وغیرہ کے قومی مقتولوں کے لئے آیا تھا۔ حسینؑ اور اُن کے اہلؑ وعیالؑ سے وہ تمام بدلے اور انتقام لے لئے گئے جو اللہ، محمدؐ اور علیؑ سے نہ لئے جا سکتے تھے۔ لیکن امام حسینؑ نے بھی قوم قریش کی نقاب نوچ کر ہمیشہ کے لئے اس قوم کا حقیقی چہرہ نوع انسان کو دکھا دیا۔ عربوں کی شرافت؛ اُن کی تواضع ومہمانداری؛ مظلوم کی حمایت؛ پناہ مانگنے والے کو پناہ دینا اور پھر اُس کی حفاظت میں خاندانوں اور قبیلوں کا جان ومال واولاد قربان کر دینا؛ سخاوت وفراخدلی وشجاعت؛ مستورات اور بچوں کی غیر مشروط حمایت وغیرہ کی داستانیں بکواس بنا کر رکھ دیں اور ثابت کر دیا کہ وہ شیاطین سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ نہ اُن کی دنیا کا اعتبار کرنا چاہئے نہ اُن کے دین ومذہب کو قابل اعتماد سمجھنا چاہئے۔ وہ نمازی اور تہجد گزار اور حاجی اور روزہ دار ہوتے ہوئے، قرآن کے حافظ ہوتے ہوئے بھی ہامان وشداد ونمرود وفرعون سے کہیں زیادہ بے رحم، کینہ پرور اور ظالم وخبیث ہوسکتے ہیں۔ اُن کی شکل وصورت اور سیرت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا چاہئے۔ وہ سب کچھ ہوسکتے ہیں مگر مومن ومخلص نہیں ہوسکتے۔ اُن کی مائیں خونخوار وغدّار ہوتی ہیں۔ وہ ابلیس کی شرکت سے جنم لیتے ہیں۔ اور شرافت وسخاوت وشجاعت وعلم کے دشمن ہوتے ہیں۔ الغرض امام حسینؑ نے اس قوم کو ننگا کر دیا۔ اُن کی ذہنیت کو صبر وضبط سے اُبھار اُبھار کر کھُل کھیلنے اور انتہائی مظالم کر گزرنے پر مجبور کر دیا اور دکھا دیا کہ یہی وہ ملعون نسل ہے جس پر روز ازل سے اللہ وملائکہ وانبیاؑ اور تمام شریف انسانوں کی لعنت واجب ہے۔ ہماری مجالس، ہماری عزاداری اور تمام رسوم اُسی قوم سے اور اُس قوم کے مخالفین اللہ ومحمدؐ وعلیؑ سے تعارف کے لئے وقف ہیں۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اُس قوم سے انسانوں کو ہوشیار رکھیں۔ اور اس قوم کی شناخت یہ ہے کہ وہ ہم پر مظالم کرے، ہماری رسوم وعبادات واقوال وافعال پر پابندی لگائے۔ یہ قوم مُردوں، ملعونوں اور گلے سڑے لوگوں کا تحفظ کرنا چاہتی ہے۔ اور ہم زندۂ جاوید اور درود وسلام کے حقداروں اور نعماتِ خداوندی فراہم کرنے والے حضراتؑ کی پالیسیوں اور مذہب کی اشاعت کرنے پر مامور ہیں۔ اور اللہ کا فضل ہے کہ ہم قتل عام ہوتے رہنے کے باوجود آج دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی سُن رکھیں کہ جو صفات حسنہ اور اخلاق عالیہ تمام عربوں کے لئے غصب کر کے مشہور کئے ہیں،

وہ بھی وہ مال ہے جو علیؑ و بتولؑ اور اللہ کے رسولؐ کی اولاد اور اُنکے آباواجداد علیھم السلام سے لُوٹا اور غصب کیا گیا تھا۔ ورنہ اُس قرآنی قوم (فرقان 25/30) کی ذہنیت اور کردار کیلئے اُس قومی قسم کے مسلمان کو دیکھئے جو کعبہ میں کھڑا ہوا تھا۔

(16)۔ایک راسخ العقیدہ، محسن کش اور اللہ، رسولؐ اور کعبہ سے لپٹا ہوا مسلمان

جس طرح یزید اور اُس کے مسلمان بزرگ وراہنماؤں نے خود کو قابلِ بخشش سمجھا اور اپنے پیروؤں کو سکھایا کہ پابندی سے نمازیں پڑھتے رہو، زکوٰۃ دیتے رہو، روزے رکھتے رہو، حج کرتے رہو۔ اس کے بعد جو بھی کروگے اللہ معاف کردے گا۔ قتلِ حسینؑ اور خاندانِ رسولؐ کا قتلِ عام زیادہ سے زیادہ ایک گناہ کبیرہ تھا۔ اور اللہ گناہ کبیرہ کو معاف کرسکتا ہے۔ اس لئے روزہ نماز وغیرہ کے ساتھ ساتھ یزید کی بخشش کی دعا بھی مانگا کرو۔ اُس پر لعنت بھیجنا خود گناہ ہے۔ اور آج تو یزید پر درود وسلام پڑھنے والے لوگ بھی اِسی راسخ العقیدہ گروہ میں پیدا ہوگئے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ (معاذ اللہ) محمدؐ مصطفیٰ کو قتل کرنا بھی ایک گناہ کبیرہ ہی ہے۔ کیا اس قتل کے بعد بھی بخشش کی امید کروگے؟؟ جواب ہونا چاہئے کیوں نہیں ضرور بخشش کی امید ہے۔ خدا قادرِ مطلق ہے۔ پھر یہ نمازیں یہ روزے یہ عبادتیں کہاں جائیں گی؟ یہ ضرور کام آئیں گی۔ اس (ملعون) عقیدے والے سنیں کہ:۔

عَنِ المنتخب عن سعید بن المسیّب قال لمَّا استشهد سیدی ومولای الحسین علیه السلام وحجّ الناس مَنْ قَابَلَ دخلتُ علٰی علیٍّ بن الحسینؑ فقلت له یامولایَ قدقُرِبَ الحج فماذا تامرنی ؟ فقال امض علٰی نیّتک فحج فَحَجَجْتُ؛ فَبَيْنَما اَطُوْفُ بالکعبة واذًا اتابرجل مقطوع الیدین ووجهه کقطع اللیل المظلم وهو متعلق باستار الکعبة وهویقول اللّٰهمّ ربّ هذا البیت الحرام اغفرلی وماَاَحْسَبک تفعل ولو تشفع سکّان سمواتک وارضیک وجمیع ماخلقتَ لِعَظم جُرمی ۔ قال سعید بن المسیّب فشغلت وشغل الناس عن الطواف۔حتّی حَفَّ به الناس واجتمعنا علیه فقلنا یاوَیلک لوکُنْتَ ابلیس ما ینبغی لک اَنْ تئیس مِنْ رحمة اللّٰه۔ فمن اَنْتَ ؟ وما ذنبک ؟ فبکی وقال یاقوم اَنَا اَعْرَفُ بِنَفْسی و ذنبی وماجنیتُ ....

(اکسیر العبادات۔صفحہ 443 مسلسل)

کتاب منتخب میں سعید بن مسیّب نے بیان دیا کہ جب میرے سردار اور مولا امام حسین علیہ السلام شہید کردیئے گئے۔ اور آنے والے حج کی لوگوں نے تیاریاں شروع کردیں تو میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے حضور میں پہنچا اور پوچھا کہ حضور حج قریب آگیا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے کیا حکم ہے؟ فرمایا ٹھیک ہے تم اپنی نیت کے ساتھ حج کرلو۔ میں نے امامؑ کے حکم کے مطابق حج کیا۔ جب میں کعبہ کا طواف کررہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آیا؛ جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے تھے اور اس کا چہرہ ایسا کالا تھا جیسا کہ کسی اندھیری رات کا ٹکڑا ہو۔ اس نے خانہ کعبہ کے پردہ کو پکڑا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اَے اللہ اس مقدس گھر کے رب تُو مجھے بخش دے۔ حالانکہ میں یہ نہیں سمجھتا کہ تو مجھے بخش سکتا ہے خواہ میری بخشش کے لئے تمام باشندگانِ آسمان وزمین اور تیری ساری مخلوق مل کر میری سفارش کریں۔ اس لئے کہ میرا جُرم معافی وسفارش سے کہیں بڑا ہے۔ سعید بن مسیّب نے کہا کہ میں اور سب لوگ یہ سب کچھ سُنتے اور اپنے اپنے طواف میں مشغول رہے۔ رفتہ رفتہ طواف ختم ہوتا گیا اور لوگ اُس کے چاروں طرف جمع ہوگئے تو ہم نے کہا کہ بندۂ خدا اگر تو ابلیس بھی ہوتا تب بھی تجھے اللہ کی رحمت سے مایوسی کا اعلان نہ کرنا چاہئے تھا۔ بھلا بتا تو سہی تو کون ہے؟ اور تیرا وہ گناہ کیا ہے؟ اس

پر وہ آدمی رونے لگا اور کہا کہ اے میری قوم کے لوگو میں خود کو سب سے زیادہ جانتا ہوں اور اپنے گناہ اور کردار پر مطلع ہوں۔

یہاں رُک کر یہ سوچیے کہ حاجیوں کی یہ کثرت سمجھتی اور یقین رکھتی ہے کہ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔یعنی اس راسخ العقیدہ گروہ کے نزدیک کوئی ایسا گناہ ممکن ہی نہیں ہے جسے اللہ رحم کھا کر معاف نہ کر سکے حتیٰ کہ اُس کے نزدیک اللہ ابلیس کو بھی بخش سکتا ہے۔ پھر اُس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ ہرگز اُس کے گناہ کو معاف نہیں کرسکتا خواہ تمام ملائکہ، تمام انبیا و رُسل علیھم السلام اور تمام ارواح مقدسہ اور تمام صالح بندے اور تمام مخلوق سفارش و شفاعت کرے۔ گو یہ شخص جہنمی ہے مگر اُس کا عقیدہ صحیح ہے۔ ایسے سینکڑوں گناہ ہیں جن کو اللہ ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔ مثلاً شرک اور مشرک کو اللہ ہرگز معاف نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے فرمان کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتا۔ ایسا قادر مطلق ماننا جو غلط و باطل کام بھی کر سکے سب سے بڑی بے دینی ہے اور یہی لب لباب ہے قومی یا یزیدی مذہب کا۔ رہ گیا رحمت سے مایوس نہ ہونا تو اُس آیت میں رحمۃً سے رحمۃً للعالمین مقصود ہیں۔ اور مخاطب وہ حضرات ہیں جو رحمۃً للعالمین کے بندے ہوں۔ ورنہ مشرکین و کافرین و کمیونسٹ سب کو ہر حال میں قابلِ بخشش ماننا ہوگا جو قرآن کریم کی رو سے باطل ہے۔ (زمر 39/53)

(17)۔ اس ملعون وجہنمی شخص نے لاشہ حسینؑ مظلوم کے ساتھ کیا کیا تھا؟

وَقُلنا له تذکره لنا ۔فقال اَنَا کُنتُ جَمّالًا لِاَبی عبد الله الحسین علیه السلام لماخرج مِن المدینة الی العراق و کنت اراه اذا اراد الوضو للصّلوة یصنع سراویله عندی فاری تِکَتّه تغشی الابصار بحُسن اشراقها و کنت اَتمنّا ها تکون لِی ۔الٰی اَن صرنا بکربلا وقتل الحسینؑ وھی معه ۔ فدفنت نفسی فی مکان مِن الارض ۔ فَلَمّا جَنَّ اللیل خرجت مِن مکانی فرایت فی تلک المعرکة نورًا لاظلمة ونهارًا لا لَیلًا والقتلیٰ مطرحین علیٰ وجه الارض فذکرتُ لجیبی وشفای التکة فقلت وَ اللّٰه لاطلبَنَّ الحسین علیه السلام ۔وارجوا اَن تکون التکة فی سراویله فاخذ ها ولم ازل انظر فی وُجُوه القتلیٰ حتّٰی آتیتُ الحسینؑ فوجد ته مکبوبًا علیٰ وجهه ۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 443 مسلسل)

ہم نے اُسے اپنا حال سنانے کیلئے کہا تو اُس نے بتایا کہ جب امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے عراق کا سفر کیا تو میں اُن کا شتربان تھا۔ جب آپؑ وضو کرنے کا ارادہ فرمایا کرتے تھے تو آپ اپنی شلوار میرے پاس رکھا کرتے تھے۔ میں نے اُس شلوار کا ازار بند جو دیکھا تو اُسکی خوبصورتی اور جگمگاہٹ سے میری آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔ اور میں اس تمنا میں مبتلا ہوگیا کہ وہ کمر بند میرے پاس ہوتا۔ بہر حال ہم کربلا میں آ پہنچے اور امامؑ قتل ہوگئے اور وہ کمر بند اُنکے ساتھ ہی رہا۔ میں نے خود کو ایک جگہ پوشیدہ کر دیا۔ اور جب رات کا اندھیرا گہرا ہوگیا تو میں باہر نکلا۔ میدان جنگ کی طرف دیکھا تو وہاں نُور ہی نُور بکھرا ہوا تھا اور رات کے بجائے وہاں دن کی روشنی تھی۔ اور مقتول زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ اُس وقت مجھے اُس کمر بند کیلئے تمنائیں اور بے چینیاں یاد آ گئیں اور میں نے طے کیا بخدا مجھے امام علیہ السلام کی تلاش کرنا لازم ہے۔ اور میں یہ آرزو کر رہا تھا کہ خدا کرے وہ کمر بند اُنکی شلوار میں ضرور موجود ہو اور میں اُسے حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاؤں۔ لہٰذا میں بلا وقفہ مقتولوں کے چہروں کو دیکھتا اور امام حسینؑ کو تلاش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر میں اُنکی لاشہ پر پہنچا وہ منہ کے بل پڑے ہوئے تھے۔

(الف)۔ بلاسر کی لاش میں حس وشعور باقی تھا

وَهُوَ جُثه بلاراس ونوره مشرق مرمّل بد مآئه والرِيّاح سافية عليه ۔فقلت هذا و اللّٰه الحسينؑ ۔ فنظرت الٰى سر اويله كماكنتُ اراهُ فد نوتُ فيه وضربت بيدى الى التكة لاخذ ها فاذاهوقدعقدها عقدًا كثيرة فلم ازل احلّها حتّى حللت عُقدة مِنها فَمَدَّ يَدَهُ الُيُمنٰى فقبض علٰى التكة فلم اقد ر علٰى اخذها عنها ولا اصل اليها فد عتنى النفس الملعونة اِلٰى اَن اطلب شيئًا اقطع به يده فوجدت قطعة السيف مطروح فاخذتها وانتكيت علٰى يد ه ولم ازل احزّها حتّٰى فصلتها عن زنده ۔ثم نحيتُها عن التكة ومددت يدى الَى التكة لِاحلّها فَمَدَّ يَدَهُ الُيُسرٰى فقبض عليها ۔فلم اقد رعلٰى اخذها ۔فاخذت قطعة السيف فلم ازل احزها حتٰى فصلتُها عن زنده ومددت يدى الَى التكة لاخذ ها فاذا الارض ترجف والسمآء تهتزّواذًا بغلبة عظيمة وبكاء وندآء وقائل يقول واابناه وا مقتولاه وا ذبيحاه وا حسيناه وا غربتاه يابُنَىَّ قتلوك وماعرفوك ومِن شرب المآء منعوك ۔ فلمّا رايت ذلك صَعَقُتُ و رَمَيتُ نفسى بين القتلٰى واذا بثلثة نفروامرأ ة وحولهم خلائق وقوف وقد امتلأ ت الارض بصورالناس واجنحة الملائكة واذا بواحد منهم يقول ياابناه ياحسينؑ فداك ۔(اکسیر ایضاً)

وہ ملعون بتا تا ہے کہ اُن کی لاش بے سر سے نُو ر بلند ہو رہا تھا اور وہ خون میں نہائے ہوئے تھے۔ اور ہوائیں مٹی کی خوشبو اُن پر برسا رہی تھیں۔ میں نے یقین کر لیا کہ امام حسینؑ کی لاش یہی ہے۔ میں نے اُن کی شلوار کا وہی انداز پایا جو میں دیکھا کرتا تھا۔ چنانچہ میں قریب ہوا اور کمر بند نکالنے کے لئے کمر بند کو کھینچنا چاہا۔ مگر کیا دیکھتا ہوں کہ امامؑ نے کمر بند میں کئی ایک گرہ لگا رکھی تھیں۔ چنانچہ میں گرہ پر گرہ کھولتا جا رہا تھا کہ جب آخری گرہ کھول لی اور کمر بند نکالنا چاہا تو امامؑ نے اپنا داہنا ہاتھ اُٹھا کر آزار بند کو پکڑ لیا۔ میں نے چھڑانے کی لاکھ کوشش کی مگر ناکام رہا۔ میرے ملعون نفس نے مجھے ایسی چیز تلاش کرنے کا مشورہ دیا جس سے امام کا ہاتھ کاٹا جا سکے۔ تلاش کرنے پر ایک ٹوٹی ہوئی تلوار مل گئی جس سے میں نے کلائی پر سے امام کا ہاتھ کاٹ ڈالا اور اُسے کمر بند سے الگ کر دیا۔ اس کے بعد جب میں نے کمر بند نکالنے کیلئے اپنا ہاتھ بڑھایا تو امامؑ نے بایاں ہاتھ اُٹھا کر کمر بند پر رکھ لیا۔ اور باوجود ہر کوشش کے میں اُن کے بائیں ہاتھ کو بھی نہ ہٹا سکا۔ چنانچہ میں نے تلوار کا ٹکڑا اُٹھایا اور بایاں ہاتھ بھی کلائی کے جوڑ سے جدا کر دیا۔ اور اب جو میں نے کمر بند نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو زمین میں زلزلہ آ گیا اور آسمان ہلنے لگے۔ اور بلند آوازوں میں گریہ و بکا کا شور بلند ہو گیا۔ اور کوئی کہہ رہا تھا کہ ہائے میرے بیٹے۔ ہائے قتل کر کے ڈالے جانے والے۔ افسوس تمہیں ذبح کر کے ڈال دیا گیا۔ ہائے اَے حسینؑ تیرے غریب الدیار ہونے کا ملال ہے۔ اے بیٹے تم پر پانی بند رکھا گیا۔ تمہاری قدر و منزلت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ پھر تمہیں قتل کر کے یوں بے دفن چھوڑ دیا گیا۔ جب میں نے یہ حالات دیکھے تو میں باقی لاشوں میں گر پڑا۔ اس کے بعد جو دیکھا کہ تین مرد اور ایک عورت ہے اور اُن کے گرد بہت بھیڑ ہے۔ زمین انسانی صورتوں سے اور ملائکہ کے پروں سے کھچا کھچ بھر گئی ہے اور ایک شخص کہہ رہا ہے کہ اے میرے بیٹے حسینؑ تم پر تمہارا نانا رسولؐ قربان ہو جائے۔ اور تیرا باپ علیؑ اور تیری والدہ فاطمہؑ اور تیرا بھائی حسنؑ قربان ہو جائیں۔ (روایت جاری ہے)

(ب)۔ یہاں امام علیہ السلام کے جسم پر اُن کا سر مبارک موجود تھا

جدّكؑ وابوكؑ وامّكؑ واخوكؑ ۔واذابالحسينؑ قدجلس وراسه علٰى بدنه وهويقول لَبَّيك ياجدّاه يارسولؐ اللّٰه ويااِبتاه

یـاامیـرَالـمؤمنین ویااُمّاہُ یافاطمۃُ الزھرآء ویااخاً المقتول بِالسَّمِ علیکم مِنّی سلام ۔ثم انّـہ بکی وقال یاجدّاہ قتلوا و اللّٰہ رجالنا یـاجـدّاہ سـلبـوا واللّٰہ نسآء نا یاجدّاہ نھبوا واللّٰہ رحالنا یاجدّاہ ذبحوا واللّٰہ اطفالنا یاجدّاہ یعزّ واللّٰہ علیک اَن تری حالنا ومافعل الـکـفار بنا واذاھم جلسوا یبکون حولہ علٰی مااصابہ وفاطمۃُ تقول یااباہُ یارسولؐ اللّٰہ اَماتری مافعلت اُمّتِکَ بولدی اتاذن لِی اَن اخذ مِن دم شیبہ واخضب بہ ناصیتی والقی اللّٰہ عزّوجلّ مُخْتَضِبَۃٌ بِدمِ ولدی الحسینؑ۔

یہ سنتے ہی امام حسین علیہ السلام اُٹھ کر بیٹھ گئے اوراُن کا سر مبارک اُن کے بدن پر موجود تھا۔اوروہ فرمارہے تھے کہ اے نانا رسولؐ اللہ، اے باباعلیؑ امیرالمومنین، اے اَماں فاطمہؑ زہراء، اے بھائی زہر سے قتل ہونے والے میرا آپ سب پرسلام ہے۔ پھرامام مظلومؑ نے روتے ہوئے فریادکی کہ اے ناناً خدا کی قسم ہمارے تمام مردوں کوقتل کیا گیا۔اے ناناً اللہ کی قسم ہماری مستورات کولوٹا گیا۔اَے ناًناقسم بخدا ہمارے خیمے اوررہائش گاہوں میں لوٹ مارمچائی گئی اورکچھ نہ چھوڑا گیا۔اَے ناناً واللہ ہمارے بچوں کوذبح کردیا گیا۔اَے ناًنا آپ کے لئے توہمارا حال دیکھنا بھی بہت غم انگیز ہے۔ چہ جائیکہ اُن کے اقدامات کا سامنے سے گزرنا۔وہ سب بیٹھے ہوئے حسینؑ کے چاروں طرف رورہے تھے۔اورگزشتہ حالات پرآنسو بہارہے تھے۔اورفاطمہؑ کہہ رہی تھیں کہ اَے باًبا دیکھوآپ کی اُمت نے میرے بیٹے اوراولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اپنے بیٹے کے سروچہرہ کا خون اپنی پیشانی پرمل لوں اوراس حالت میں اللہ سے ملاقات کروں؟ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 443 مسلسل)

(ج)۔ **وہ سروچہرہ زخمی وخون آلودہ تھا۔خون سے مسح**

یہاں پھررک جائیں اورغورفرمائیں کہ امام حسین علیہ السلام کا ایک سرکوفہ میں ہے۔اوردوسرا سراِس وقت جسم پر ہے۔یہ کوئی نقلی یا غیر مادی یامثالی سرنہیں ہے۔اُس میں وہ تمام زخم موجود ہیں،خون سے لتھڑا ہواہے۔گردن اُسی طرح تیروں سے چھلنی ہے۔ اورپھررسولؐ اللہ اوراُن کے ہمراہی اُس خون سے مسح کرتے ہیں۔حضرت فاطمہ علیہا السلام نے اجازت مانگی کہ میں اپنے بیٹے کے سروچہرہ کا خون اپنی پیشانی پرمل لوں اوراس حالت میں اللہ سے ملاقات کروں؟

وقـال لھا خذی وناخذ یافاطمۃُ۔فـرایتھـم یاخذون مِن دم شیبۃ الحسین علیہ السلام وتمسح بہ فاطمۃُ ناصیّتھا والنبیؐ وعـلیؑ والحسنؑ یمسحون بہ نحورھم وصد ورھم وایدیھم الٰی المرافق وسمعت رسولؐ اللّٰہ یقول فَدَیْتُک یاحسینؑ یعزّواللّٰہ اَن اَرَاک مـقـطـوع الـراس مـرمّـل الـجبینین رَامی النحر مکبوبًا وعلٰی قفاک قد کساک الذراری مِن الرمول وانت طریح مقتول مـقـطـوع الـکـفّیـن بابُنَیَّ مَن قطع یدک یمنٰی وثنی بالیسریٰ ؟ فقال یا جدّاہ کان معی جمّال مِنَ المدینۃ وکان یرانی اذ وضعتُ سَـراویـلی للوضوء فیتمنی اَن تکون تِکتی لہ فما منعنی اَن دفعھا الیہ اِلَّا لَعِلْمِیُ انّہ صاحب ھذہ الفعلۃ ۔ فلما قُتِلْتُ خرج یطلبنی بیـن الـقتلٰی فوجدنی جثّۃ بلاراس فتفَقّد سراویلی فرای التکۃ وکنتُ عقدتھا عقدًا کثیرۃ فضرب بیدہ الی التکۃ فحلّ عقدہ منھا فـمـددت یـدی الیُـمـنٰی فقبضت علَی التکۃ فطلب فی المعرکۃ قطعۃ سیف مکسور فقطع بہ یمینی ثم حلّ عقدہ اخریٰ فقبضت عـلـی التکۃ بیدی الیُسریٰ کیلا یحلّھا فتنکشف عورتی فخّرید ی الیُسریٰ فلما ارادحلّ التکۃ حَسَّ بکّ فرمی نفسہ بین القتلٰی فلما سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ کلام الحسینؑ بکی بکاءً شدیدًا وآتی اِلَیَّ بین القتلٰی اِلٰی اَن وقف نحوی فقال مالی ومالک

یاجمّال تقطع یدین طال ما قبلهما جبرئیلؑ وملائکة اللّٰه السموات اجمعون تبارک بهااهل السماوات والارضین اَمَاکفاک ماصنع به الملاعین مِن الذلّ والهون اهتکوا نسائه مِن بعد الخدود وانسلال الستور سوّد اللّٰه وجهک یاجمال فی الدنیا والاخرة وقطع اللّٰه یدیک وجعل فی حزب من سفک دمآئنا وتجرء علی اللّٰه فما استتم دعائه حتّی شلّت یدی وحَسَّسْتُ بوجهی کانه البس قطعًا من اللیل مظلمًا وبقیت علٰی هذه الحالة فجئتُ الٰی هذا البیت استشفع وانا اعلم انّه لایغفرلی ابدًا۔فلم یبق فی مکة احدٌ الاوسمع حدیثه وتقرّب الی اللّٰه بلعنته وکلٌ یقول حَسْبکَ ماجنیت یالعین۔(اکسیر صفحہ 443 تا 444)

رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ بیٹی تم بھی مَلو اور ہم سب بھی حسینؑ کا خون مَل کر جائیں گے۔ چنانچہ وہ ملعون راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ اُن سب نے امامؑ کے سروچہرے سے خون لیا۔ اور حضرت فاطمہؑ نے اپنی پیشانی پر مَلا اور نبیؐ و علیؑ و حسنؑ نے اپنی گردنوں اور سینوں پر وہ خون مَلا اور وضو کی جگہ ہاتھوں پر اور کہنیوں تک مَل لیا۔ اور میں نے سُنا کہ رسولؐ اللہ فرمارہے تھے کہ اے بیٹے میں تم پر قربان ہو جاؤں خدا کی قسم مجھ پر بہت شاق گزرا ہے۔ تمہارا سر بریدہ ہونا، پیشانی کا خون آلود ہونا، گردن کا تیروں سے زخمی ہونا اور تمہارا پس پشت سے ذبح کیا جانا۔ اور اس طرح دھول میں اَٹے ہوئے ہونا۔ اور تمہیں ہتھیلیاں کاٹ کر قتل کر کے یوں چھوڑ دیا جانا دفن تک نہ کیا گیا۔ بیٹے یہ بتاؤ کہ تمہارے دونوں ہاتھ کس ظالم نے کاٹ ڈالے؟ امام مظلومؑ نے عرض کیا کہ اے نانا مدینہ سے میرے ساتھ ایک ساربان آیا تھا۔ جب میں وضو کے وقت اپنی شلوار اتار کر اس کو دیا کرتا تھا تو وہ اُس کمر بند کو دیکھتا اور اس کی تمنا تھی کہ وہ اُسکے پاس ہوتا۔ جس چیز نے مجھے وہ کمر بند اس کو دینے سے روکا وہ میرا وہ علم تھا جس میں اُس کا یہ فعل نظر آتا تھا۔ جب میں قتل ہو گیا تو یہ مجھے مقتولوں میں تلاش کرتا ہوا آیا اور مجھے سر بریدہ حالت میں بے کس و بے بس سمجھا اور اس نے میری شلوار میں وہ کمر بند موجود پایا۔ اس کو نکالنے میں وہ گرہ رکاوٹ بنیں جو میں نے کئی ایک لگا رکھی تھیں۔ بہر حال اس نے گرہ کھول لی اور جب وہ کمر بند نکالنے لگا تو میں نے داہنے ہاتھ سے اُسے پکڑ لیا۔ اُس نے میدان جنگ سے ایک ٹوٹی ہوئی تلوار تلاش کی اور اس سے میرا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ پھر آخری گرہ کھول کر چاہتا تھا کہ کمر بند نکال لے تو میں نے بائیں ہاتھ سے کمر بند پکڑ لیا تاکہ میں برہنہ نہ ہو جاؤں تو اُس نے میرا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا اور چاہتا تھا کہ کمر بند نکال لے۔ لیکن اُس نے آپ کی آمد محسوس کر لی اور خود کو مقتولوں میں چھپا دیا۔ جب رسولؐ نے حسینؑ کا یہ بیان سنا تو وہ بہت بے قرار ہو کر روئے اور مقتولوں میں میرے پاس آ کر رک گئے اور کہا کہ یہ میں سن کر آیا ہوں، ارے ملعون تجھے کیا ہو گیا تھا تُو نے اُن دونوں ہاتھوں کو کاٹ دیا جن کو جبرئیلؑ اور آسمانی فرشتے بہت بہت دیر تک چومتے رہتے تھے۔ اور جن کی وجہ سے اہل آسمان اور اہل زمین برکت حاصل کرتے تھے۔ کیا تجھے وہ مظالم کم معلوم ہوئے جو ملاعین پہلے ہی کر چکے تھے۔ ہر قسم کی ذلت پہنچائی، توہین کی اور اہل حرم کی بھی ہتک حرمت کی، اُن کو لوٹا گیا، بے پردہ کیا گیا اس کے باوجود تُو نے بھی رعایت نہ کی۔ ارے ملعون خدا دُنیا و آخرۃ میں تیرا مُنہ کالا کرے۔ تیرے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے اور تجھے اُن لوگوں کے ساتھ شامل کرے جنہوں نے ہمارا خون بہایا۔ ابھی حضورؐ کی دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ میرے دونوں ہاتھ شل ہو گئے۔ میرا چہرہ اندھیری رات کی مانند کالا ہو گیا اور میں اِس حالت میں رہتا چلا آرہا ہوں۔ اَب خانہ کعبہ میں معافی مانگنے آیا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ اللہ مجھے ہرگز معاف نہ کرے گا۔ چنانچہ مکہ میں کوئی ایسا شخص نہ بچا جس نے

اس شخص کا یہ قصہ نہ سُنا ہو اور اُس نے اُس پر لعنت بھیجنے میں اللہ کی خوشی نہ سمجھی ہو۔ اور ہر شخص اُس سے کہتا تھا کہ اے ملعون جیسا کیا ویسا بھُگت۔ سچ ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

(18)۔ امام حسینؑ کا سر مبارک رسولؐ اللہ نے کوفہ سے کیسے منگایا؟

اسی روایت کو کتاب تاج الملوک میں بھی لکھا گیا ہے وہاں یہ وضاحت بھی ہے کہ:۔ واذا بالنّبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ قد مَدَّ یدہ اِلٰی نحو الکوفۃ فمارڈ ھاالّا وفیھا راس الحسینؑ فرکبہ عَلَی الجسد و اجلسہ فو اللّٰہ الذی لا اِلہَ الا ھو لقد خلتہ کانّہ لم یذ بحہ الشمر فلمّا رای جدّہ نادی السلام علیک یاجدّاہ فرَدّ علیہ السلام۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 444)

کیا دیکھتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنا ہاتھ کوفہ کی سمت میں بلند کیا اور اُس وقت تک ہاتھ بلند رکھا جب تک امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ہاتھ میں نہ آ گیا۔ پھر اسے امامؑ کے جسم میں لگا دیا خدا کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ایسا معلوم ہوا کہ گویا شمر نے امّام کا سر کاٹا ہی نہ تھا۔ پھر رسولؐ اللہ نے امّام کو بٹھا دیا۔ جیسے ہی امامؑ نے دیکھا تو کہا السلام علیک یانانا جان۔ رسولؐ نے سلام کا جواب دیا۔

(19)۔ رسولؐ اللہ و دیگر انبیاؑ لاشؑ مبارک پر بار بار آتے رہے

قال ابو مخنف قال الطرماح بن عدی کنت فی واقعۃ کربلا وقد وقع فِیَّ ضربات وطعنات فاثخننی بالجراح فلو حلفتُ صادقًا اِنّی کنت نآئما اذا رایت عشرۃ فوارس قداقبلوا وعلیھم ثیاب بیض یفوح منھم روائح المسک فقلت فی نفسی یکون ھٰذا عبید اللّٰہ بن زیاد قداقبل لِطِمَّ جسدالحسینؑ فَرَائیتم حتی نزلوا عَلَی القتلٰی ثمّ اَنَّ رجُلًا منھم تقدّم الٰی جسد الحسیؑن فجلس قریبًا منہ ومَدَّ یَدَہُ الٰی نحو الکوفۃ فاذًا براس الحسینؑ اقبل من نحوالکوفۃ فرکبہ علی الجسد فعاد کما کان باذن اللّٰہ فاذا ھو رسولؐ اللّٰہ ثم قال یاولدی قتلوک اتراھم ماعرفوک ومِن شرب المآءِ منعوک ثمّ التفت الٰی مَن کان معہ وقال یااَبی آدَم ویاابی نوؑح ویاابی ابراؑھیم ویااخی موؑسٰی ویاعیسٰیؑ أَ ترونَ ماصَنَعَتْ اُمّتِی بولدی من بعدی لااَنَا لھم اللّٰہ شفاعتی یوم القیامۃ۔(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 447)

علامہ ابو مخنف نے لکھا ہے کہ طرماح بن عدی نے بتایا کہ میں واقعہ کربلا میں موجود تھا۔ اور تلواروں اور نیزوں کے زخموں سے نڈھال پڑا تھا۔ اگر قسم کھانا ضروری ہو تو میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں نیند کے عالم میں تھا کہ کیا دیکھتا ہوں دس آدمی سفید لباس میں گھوڑوں پر سوار چلے آرہے ہیں۔ میں سمجھا کہ یہ عبیداللہ ابن زیاد کی پارٹی ہوگی شاید امام حسینؑ کو دفن کرنے کیلئے آئے ہوں۔ میں دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ لوگ مقتولوں کے پاس آ کر گھوڑوں سے اُتر پڑے اور اُن میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور امامؑ کی لاش کے قریب بیٹھ گیا اور کوفہ کی طرف اپنا ہاتھ بلند کیا۔ میں نے دیکھا کہ کوفہ کی طرف سے امامؑ کا سَر آ گیا اور اُس شخص نے اُسے امامؑ کے جسم سے ملایا تو وہ بحکم خدا ویسا ہی ہو گیا جیسا پہلے تھا۔ یہ بزرگ رسولؐ اللہ تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بیٹے تیری قدر نہ کی گئی بلکہ تجھے پیاسا قتل کیا گیا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہُوئے اور فرمایا اے بابا آدمؑ اور اے بابا نوحؑ اور اے بابا ابراؑہیم اور اے بھائیو موسٰیؑ وعیسٰیؑ کیا تم نے یہ دیکھ لیا کہ میرے بعد میری اُمت نے میرے فرزند کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اللہ اِن لوگوں کو میری شفاعت سے قیامت میں محروم رکھے گا۔

(20)۔ اس سلسلے میں آخری گزارش

شہادت سید الشہد اعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کبوتروں اور دیگر پرندوں کا غم والم منانا۔خون میں نہا کر مختلف مقامات پر جانا، شہادت کی اطلاع دینا،خون مظلومؑ سے معجزات کا نمودار ہونا۔ جنات کے نوحے وغیرہ ہزار ہا ایسے واقعات وحالات ہیں جن کو کسی ایک کتاب میں سمیٹنا ممکن نہیں ہے۔ چونکہ ہم صرف وہ حالات وواقعات لکھنا چاہتے ہیں جن میں سرکاری قسم کے علما نے کتر بیونت کی ہے یا اختلاف پیدا کئے ہیں۔اس لئے شہادت کے بعد وقوع میں آنے والے باقی حالات سے صرف نظر کرتے ہیں اور جو کچھ ہمارے علمانے لکھ دیا ہے اُسی کو کافی سمجھتے ہیں۔ یہ اصول یادرکھنا لازم ہے کہ ہر وہ بات غلط ہے جس میں معصومین علیہم السلام کی توہین محسوس ہو۔جس میں اُنہیں عام انسانی جذبات سے مغلوب دکھایا جائے۔جس میں اُن سے بھول، چوک (ترک اولیٰ) خطا اور غلطی یا شک وشبہ سے ملوث کیا جائے۔جس میں انہیں سہولت پسندی، سرمایہ داری اور آسودہ حالی میں مبتلا دکھایا جائے۔اگر اِن چیزوں کا شائبہ نہ ہوتو ہر بات قبول کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔(احسن)

(21)۔ شہدائے کربلا کے دفن پر چند بیانات وشہادات

فاعْلِمْ اَنَّهٗ ذكر بعض الثقات اَنَّهٗ روى السيد نعمة الله الجزائرى فى كتاب مدينة العلم عن رجاله عن عبد الله الاسدى انه قال وكان الٰى جنب العلقمى حىٌّ من بنى اسد فَتَمَشَّتُ نسآء ذلك الحىّ اِلٰى معركة فَرَاَوَاجُثث اولاد الرسولؐ وافلا ذحشاشة الزهرؐا ء البتول واولادعلیؑ اميرالمؤمنين فحل الفحول وجُثَّث اولاد هم فى تلك الاصحاروها تيك لقفار تشخّب الد مآء مِن جراحا تهم كانّهم قتلوا فى تلك الساعة فتد اخل النسآء من ذلك تمام العجب فابتدرن الٰى حَيِّهن وقلن لازواجهن ماشاهدنه ثم قلن لهم بماذاتعتذرون مِن رسول الله واميرالمؤمنين وفاطمة الزهراء عليهم السلام اذاورد تم عليهم ؟ حيث اَنّكُمْ لَمْ تنصروا اولاده ولادافعتم عنهم بضربة سيف ولا بطعنة رمح ولا بحذ فة سهم ؟ فقالوا اِنَّا نخاف بنى امية وقد لحقتهم الذلة وشملتهم الندامة مِن حيث لَا تنفعهم وبقين النسوة يجلن حولهم ويقلن لهم اِنْ فاتتكم النصر ة تلك العصا بة النبوّية والذّب عن ها تيك الشنشنة العلية العلوية ۔فقوموا الان الٰى اجسادهم الزكية فواروها؛ فانّ لعين ابن سعد قد وارى اجسادمَن ارادمواراته مِن قومه فبادرواالٰى موارات اجسادآل رسولؐ الله وارفعوا عنكم بذ لك العار فماذا تقولون اذقالت العرب لكم انّكم لَنْ تنصروا ابن بنت نبيّكم مع قربه وحلوله بناديكم؟ فقوموا واغسلو ا بعض الدرن منكم ۔قالوانفعل ذلك ۔فاتوا اِلَى المعركة وصارت همتهم اَوّلًا اَنْ يواروا جثّة الحسينؑ ثم الباقين فجعلوا ينظرون الجثث فى المعركة فلم يعرفوا جُثّة الحسينؑ مِنْ بَيْنَ تلك الجثث لانّها بلارؤس وقد غيّرتها الشموس ۔ فبينا هم كذ لك واذابفارس مقبلٍ اليهم حتّٰى اذاقاربهم قال مابالكم؟ قالوا انّا آتينا لنوارى جثة الحسينؑ وجثث ولده وانصاره ولَمْ نعرف جثة الحسينؑ۔ فلما سمع ذلك جنَّ وَاَنَّ وجعل ينادى وا ابتاه وااباعبدؑ الله ليتك حاضرًا وترانى اسيرًا ذليلًا ثُمَّ قال لهم انا ارشدكم اليه فنزل عَنْ جواده وجعل يتخطى القتلى فوقع نظرهُ علٰى جسدالحسينؑ فاحتضنه وهويبكى ويقول ياابتاه بقتلك قرّت عيون الشاميون ياابتاهُ بقتلك فرحت بنى اُميّة۔ ياابتاه بعدك طال حزننا ياابتاه بعد ك طال كربنا۔

قال ثُمَّ اَنّه مشٰى قريبًا مِن محل جثته فاهال يسيرًا من التراب فبان قبر محفورولحد مشقوق فنزّل الجثة الشريفة

دواراها فی ذلک المرقدالشریف ۔کما ھو الآن قال ثمّ انه جعل یقول ھذافلان وھذا فلان والاسد یون یوارونه فلما فرغ مِنهم مشٰی الٰی جثة العباسؑ بن امیرؑالمؤمنین فانحنی علیھا وجعل ینتحب ویقول یاعماہ لیتک تنظر حال الحرم والبنات وھنّ تنادین وا عطشاہ وا غربتاہ۔ ثم امربحفرلحدہ وواراہ ھناک۔

ثُمَّ عطف علٰی جثث الانصار وحفرہ حفیرة واحدة وواراھم فیھا الاحبیب بن المظاھر حیث ابی بعض بنی عمه ذلک ودفنه ناحیة عن الشھدآء۔قال فلما فرغ الاسد یون مِن مواراتھم قال لھم ھلموا النواری جثة الحُرؑ الریاحی ۔ قال۔ فتمشی وھم خلفه حتّی وقف علیه وقال اماانت فقد قبل اللّٰه توبتک وَزادَ فی سعادتک ببذ لک نفسک امام ابنؑ رسولؐ اللّٰه قال ۔وارادالاسد یون حمله اِلٰی محلّ الشھدآء فقال لَابل فی مکانه فاروہ ۔ قال فلما فرغوا مِن موراراته رکب ذلک الفارس جوادہ فتعلق به الاسد یون فقالوا له بحق مَن واریتَهُ من انت ؟ فقال انا حجة اللّٰه علیکم انا علیؑ بن الحسیؑن جئت لاواری جثة ابی ومَن معه مِن اخوانی واعمامی واولاد عمومتی وانصارھم الذین بذلوا مھجھم دُونه والان اناراجع الٰی سبحن ابن زیاد واماانتم فَھَنِیًّا لکم لاتجزعوا اذا تضاموا فینا۔ فودّعھم وانصرف عنھم وامّا الاسد یون فانّھم رجعوا مع نسآء ھم الی حیّھم انتھٰی۔
(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 456 تا457)

جاننا چاہئے کہ بعض نہایت معتبر حضرات نے بیانات دیئے ہیں۔ چنانچہ جناب علامہ سید نعمت اللہ جزائری رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی کتاب ''مدینة العلم''میں اپنے پسندیدہ راویوں سے اورعبداللہ اسدی کی زبانی لکھا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ نہر علقمہ کی ایک جانب قبیلہ بنی اسد کی ایک عارضی بستی تھی ۔ وہاں سے کچھ عورتیں میدان کربلا کی طرف آ نکلیں ۔ وہاں اُنہوں نے اولا د رسولؐ کے مقتول لاشے اور فاطمہ زہرؑاءاورعلیؑ مرتضٰی کی اولاد کے تڑپتے ہوئے اعضا اور جوانوں اور بچوں کے ایسے بدن دیکھے جن سے ابھی تک خون رِس رہا تھا۔گویا وہ ابھی ابھی قتل کئے گئے ہوں ۔ یہ حیران کن صورتِ حال دیکھ کر اُن کو بہت تعجب ہوا ۔ وہ جلدی جلدی اپنی بستی میں آئیں اوراپنے شوہروں سے جوکچھ دیکھا بیان کیا۔اورکہا کہ تم رسولؐ اللہ،امیرؑالمومنین اورفاطمہؑ الزہراء کے سامنے جاؤ گےتوتم لوگ اُن کے سامنےاس کا کیاعذرکروگے کہ تم نے اولادرسوؐل کی مدد کیوں نہ کی؟ کیوں تم نے اُن پر برسنے والی تلواروں اور تیروں کا دفاع نہ کیا،نہ انہیں تیروں کے حملے سے بچایا؟ اُن کے شوہروں نے کہا کہ ہمیں بنی امیہ کی طرف سے تباہی کا خطرہ تھا۔عورتوں کی طعنہ زنی پرانہیں حدبھرندامت اورذلت محسوس ہورہی تھی ۔مگراُن کے عذرات عورتوں کومطمئن نہ کرسکے۔ وہ برابرانہیں گھیرے رہیں اور برابر تقاضہ کرتی رہیں کہ چلومان لیا کہ تم خانوادہ نبوّت کی نصرت سے قاصر رہےاورتم نے کسی وجہ سے بھی فطرت وظہور علویة کا دفاع نہ کیامگراب کیا بہانہ ہے؟ اُٹھوچلو فوراً اُن کے مقدس اجسام واعضا کو زمین میں پوشیدہ کرو۔عمر بن سعد ملعون نے اپنی قوم کی لاشوں کوتو دفن کر دیا لیکن خاندان رسولؐ کے شہیدوں کوچھوڑ دیا۔ ذرا سوچو کہ عرب کے لوگ تمہیں کیسی ملامت کریں گے کہ تم لوگوں نے قریب ہوتے ہوئے نہ اُن کی نصرت کی نہ رسوؐل کی بیٹی کی اولادکوغسل وکفن دیا۔لہٰذا اٹھواور عمر بھر کی طعنہ زنی سے بچواوراپنے قصور کی گندگی کوجس قدر ہو سکے دھوڈالو۔

وہ لوگ آمادہ ہو گئے مقتل میں جا پہنچے اور چاہا کہ سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام کے جسم مبارک کو دفن کریں اوراُنکے بعد باقی حضرات کوترتیب واردفن کریں گے ۔مگر لاشوں میں تلاش کرنے کے باوجود لاشِ حسینؑ کو شناخت نہ کرسکے۔اورسبب یہ تھا کہ تمام

شہداء کے لاشے بلاسروں کے پڑے تھے۔ علاوہ ازیں زخموں اور خون اور مٹی نے لاشہ ہائے مقدسہ کو متغیر کر دیا تھا۔ وہ اسی فکر و کوشش میں مبتلا تھے کہ انہیں ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ جب وہ قریب آیا تو اُس نے کہا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا کہ ہم امامؑ کو دفن کرنا چاہتے ہیں اور اُنکے بعد اُنؑ کے عزیزوںؑ اور انصارؑ کو دفن کرنا ہے مگر ہم اُنکو پہچاننے میں قاصر ہیں۔ یہ سنا تو اُس نوجوان نے پکارنا شروع کیا کہ اے بابؑا جان آپؑ کہاں ہو؟ اے علیؑ اصغر کے چاہنے والے آپؑ کدھر ہو؟ کاش آپؑ مجھے دیکھتے کہ میں اسیری اور ذلت کی حالت سے یہاں آیا ہوں۔ امام زین العابدینؑ اپنے گھوڑے سے اُترے پھر اُن لوگوں سے فرمایا کہ اس معاملہ میں میں تمہاری راہنمائی کرونگا۔ اب اُنؑ کی نظر امام حسینؑ کے جسم پر جا ٹکی، جا کر سینہ سے لپٹ گئے اور روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ہائے بابؑا آپؑ کو قتل کر کے اہل شام کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں لیکن ہمارے سروں پر مصائب ٹوٹ پڑے۔ ہائے ابا جان آپؑ کے قتل سے اُمیہ کی اولاد کو بڑی مسرت ہوئی لیکن ہمارے قلوب میں زخم پڑ گئے۔

راوی کہتا ہے کہ پھر امامؑ لاشہ حسینؑ کے قریب ذرا سی دُور گئے اور ایک جگہ سے تھوڑی سی مٹی ہٹائی تو وہاں ایک تیار قبر معہ لحد کے نکلی۔ چنانچہ حضورؑ کے جسم مبارک کو قبر میں اتارا اور مٹی دے دی۔ وہ قبر آج تک وہیں ہے۔ پھر آپ نے ایک ایک لاش کو بتانا شروع کیا اور اسدی لوگ سب کو دفن کرتے گئے۔ جب اُن سے فارغ ہوئے تو حضرت عباسؑ کی لاش پر پہنچے اور جھک کر تعظیم کرتے ہوئے فرمایا اے چچا جان! آپ نے اہل حرمؑ اور ننھے ننھے بچوں کی وہ فریادیں تو سُنی ہوں گی جو وہ پیاس کی شدت سے کر رہے تھے۔ دیر تک فریاد اور چیخوں کے بعد آپ نے قبر کھودنے کا حکم دیا اور چچا عباسؑ کو دفن کیا۔

پھر آپ لاشہائے انصارؑ کے پاس آئے اور سب کے لئے ایک بڑی قبر تیار کرا کے انہیں ایک حال میں اور ایک جگہ دفنایا۔ البتہ حبیبؑ ابن مظاہر کے چچازادوں میں سے کچھ لوگ مانع ہوئے تو انہیں باقی انصارؑ سے الگ کر لیا اور شہدؑا کے قرب ہی میں دفنا دیا گیا۔ راوی نے کہا کہ جب اسدی حضرات اُن سب کے دفن سے فارغ ہو چکے تو امامؑ نے فرمایا کہ میرے ساتھ آؤ تا کہ ہم جناب حُرؑ کی لاش کو بھی دفن کر دیں۔ پھر کہتا تھا کہ یہ پوری جماعت مع امامؑ وہاں پہنچی تو امامؑ لاش کے پاس کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ مبارک ہو اللہ نے نہ صرف تمہاری توبہ قبول کر لی بلکہ تمہاری سعادتمندی میں بھی بہت اضافہ کر دیا۔ اس لئے کہ آپ نے امامؑ کے حضور میں اپنی جان بڑی فراخدلی سے قربان کر دی۔ اسدیوں نے ارادہ کیا کہ حُرؑ کی لاش کو اُٹھا کر باقی شہدؑا کے پاس لے چلیں مگر امامؑ نے فرمایا کہ اُن کو اِسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں اس وقت وہ ہیں۔ بہرحال انہیں بھی دفن کر دیا گیا۔

اس کے بعد امامؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اسدیوں نے عرض کیا کہ حضور آپ کو اُن ہی کی قسم جن کو آپ نے دفن کیا ہے بتایئے آپ کون ہیں؟ فرمایا میں تم پر اللہ کی حجت اور علیؑ بن حسینؑ ہوں۔ اپنے والد، اپنے بھائیوں، چچاؤں اور چچوں کی اولاد اور تمام انصار علیھم السلام کو دفن کرنے کے لئے آیا تھا۔ اور اب پھر ابن زیاد کی قید میں جا رہا ہوں۔ تم خوش ہو جاؤ اور چونکہ تم ہم سے وابستہ ہوگئے اس لئے کوئی غم و اندیشہ دل میں نہ رکھو۔ پھر امامؑ اُن سے رخصت ہو کر واپس چلے گئے۔ اس کے بعد اسدی قبیلہ کے لوگ بھی اپنی مستورات سمیت اپنے گاؤں کو واپس آ گئے۔

(22)۔ چندوضاحتیں نوٹ فرمالیں۔ذوالجناح؛کربلا سے روانگی

پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ وہ تمام روایات غلط ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ عمر بن سعد کی تمام افواج عاشور کے دن یا گیارہ محرم کو کربلا سے روانہ ہوگئی تھیں۔اس لئے کہ امامؑ مظلوم عصر کے بعد شہید ہوئے۔اس کے بعد لاشہائے شھدأ کو پامال کرنے کے لئے عمر بن سعد نے مشورہ کیا۔بڑی مشکل سے چند ملاعین کی جماعت تیار ہوئی۔لیکن شیر کے آجانے کی وجہ سے یہ اسکیم ناکام ہوگئی۔اور شہادت کے بعد ہی اُن جہنمیوں نے خیام حسینیؑ کولُوٹا اور جلایا تھا۔پھر یہیں وہ رات آئی تھی جسے شام غریباں کے نام سے ساری دنیا کے عزادار وسوگوارانِ حسینؑ مناتے ہیں۔پھر مندرجہ بالا روایت اور سینکڑوں دیگر روایات سے یہ حقیقت ثابت اور مسلمہ ہے کہ عمر بن سعد کی فوج اپنے تمام مقتولوں کو دفن کرنے کے بعد روانہ ہوئی تھی۔اور یہ کام دوروز سے کم میں نہیں ہوسکتا تھا۔لہٰذا یادرکھیں کہ گیارہ محرم کو سرہائے شھدؑا اور اہل حرمؑ کو روانہ کیا گیا تھا مگر ابن سعد اور باقی افواج تیرہ محرم کو روانہ ہوئی تھیں۔اور عمر بن سعد کے کوفہ پہنچنے سے پہلے پہلے اسیران اہل حرمؑ اور سرہائے شھدؑا کو کوفہ کے بازاروں اور گلیوں میں کئی گشت کرائے جاچکے تھے۔تاکہ کوفہ وگردونواح کا ہر شخص سہم کر رہ جائے اور حکومت کے کسی مخالف کی مدد ونصرت سے باز رہے۔

دوسری بات یہ کہنا ہے کہ امام علیہ السلام نے بنی اسد کے اُن لوگوں پر مواخذہ نہیں کیا بلکہ اُنہیں انصاران حسین علیھم السلام میں شمار کرلیا اور اپنے سے وابستہ (**تضاموا فینا**) قرار دیا جو کفن ودفن میں مُمِد ہوئے۔یہ وہی اصول ہے کہ جو لوگ مجبوری میں مدد نہ کرسکیں اور آزادی ملنے پر دل نہ چرائیں وہ عقلاً ومذہباً وقانوناً مجرم نہیں ہوتے۔

تیسری بات یہ کہ بنی اسد کی مستورات کے پہنچنے تک شہدا کے زخموں سے خون جاری تھا۔جواُن کی حیات ابدی کا ثبوت ہے۔ ورنہ روح جسم سے نکلتے ہی خون جمنا شروع ہوجاتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ وہ مستورات جلد سے جلد تیرہ محرم کو افواج کی روانگی کے بعد ہی قتل گاہ میں آسکتی تھیں۔اور اس وقت تک شہدؑا کے قتل کو بہتر (72) گھنٹوں سے زیادہ گزر چکے تھے۔

چوتھی حقیقت یہ ہے کہ امام زین العابدؑین کا بیک وقت دوجگہ موجود ہونا ثابت ہے اور جو لوگ جسم مثالی وغیرہ کی اصطلاحات کی آڑ لیا کرتے ہیں اُن کا منہ بند کرنے کے لئے گھوڑے پر سوار ہوکر آنا اور باقی محنت ومشقت میں حصہ لینا کافی ہے۔اور یہ گھوڑا ذوالجناح کے علاوہ دوسرا ہونہیں سکتا ورنہ قید سے نکلنا اور گھوڑا حاصل کرنا بلا راز کھولے ممکن نہیں ہے۔اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ذوالجناح امامؑ زمانہ کی تحویل میں رہے گا تاکہ اپنا فرض ادا کرتا رہے۔

پانچویں بات دوبارہ ثابت ہے کہ امامؑ مظلوم نے تمام شھدؑا کی لاشوں کو ایک جگہ جمع کردیا تھا سوائے مخصوص شھدؑا کے۔اور امامؑ زمانہ نے سب کو وصیت کے مطابق دفن کرایا تھا۔اور یہ کہ سید الشھدؑا کی قبر کا انتظام خالص اللہ کی طرف سے کیا ہوا پہلے سے موجود اور امامؑ کو معلوم تھا۔لیکن ان حقائق کی موجودگی میں بھی جو علمائے شیعہ ان چیزوں کے منکر ہیں،ان کا مذہب ومسلک یقیناً محمدؐ وآل محمدؐ کے خلاف ہے،اُن سے خبردار رہیں۔

48۔ اہل حرم اور سرہائے شھدا علیھم السلام کا کربلا سے کوفہ کا سفر

(1) کربلا سے روانگی، اہل حرؐم کا سوار ہونا مدینہ سے روانگی کی یاد

مومنین مدینہ سے روانگی کا حال سُنتے ہوئے بھی کربلا میں اہل حرم کی بے کسی پر بے چین ہو جاتے ہیں۔ اوراب مدینہ سے شاہانہ روانگی کی یاداز سرنو دل میں درد پیدا کرتی چلی جائیگی۔ چنانچہ دل سنبھال کر سنئے کہ وہی راوی، عبداللہ بن سنان کوفی بیان کرتا ہے کہ:۔

ثم صاروا قاصد ین الکوفة فَسِرت معهم حتّٰی وصلنا کربلا قال فنزلوا فیها فماکانت الاهنیئة حتّٰی رخصت علیهم الجموع والکتائب واحاطوا بهم مِن کُلّ جانب ومنعوهم الماء اِلٰی اَنْ جری عَلیهم ماجری مِن القتل والنّهب والسبّی فعند ذلک امرابن سعد لعنه اللّٰه بان تحمل النساء عَلَی الاقتاب بلا وطاء وحجاب فقدّ مت النیاق اِلٰی حرم رسولؐ اللّٰه وقد احاط القوم بهنّ وقیل لَهُنَّ تعالین وارکبن فقد امرابن سعد بالرحیل فلمّا نظرت زینب علیها السلام اِلٰی ذلک نادت وقالت سوّد اللّٰه وجهک یابن سعد فی الدنیا وَالاخرة تامرهٰؤُلاء القوم بان یرکبونا ونحن ودائع رسولؐ اللّٰه ۔فقل لهم یتباعد ون عَنّا حتّٰی یرکب بعضنا بعضًا قال فتنحوّا عنهن فتقدّ مت زینب علیهاالسلام ومعها ام کلثوؐم وجعلت تنادی کلّ واحدة مِن النسآء باسمها وترکبهاعَلَی المحمل حتی لم یبق احد سوی زینب علیها السلام فنظرت یمینًا وشما ًلا فَلَمْ تری احد سوی زین العابد ین علیه السلام وهومریض فاتت الیه وقالت قم یابن اخی وارکب الناقة ۔فقال یا عمتاه ارکبی ودعنی انا وَ هٰؤُلاء القوم فرجعت اِلٰی ناقتها لانها لم تقد ر علٰی مخالفة الامامؑ فالتفت یمینًا وشماًلا فلم ترالّا اجسادًا علی الرّمال ورؤسًا عَلَی الاسنة باید ی الرجال فصرخت وقالت وا غربتاهُ وا اخاهُ وا حسینًاهُ وا عباسًاهُ وا رجالا ہُ واضیعتاهُ بعدک یاابا عبد اللّٰه۔قال فلما رَاَیْتهم علٰی هذه الحالة ذکرت خروجهم من الحجاز وماکانوا علیه مِن العزّة والرفعة والعظمة والجلالة فبکیت علٰی حالهم وماجری علیهم ۔ ثُمَّ قال فَلَمَّا نظر الامام زین العابد ین علیه السلام الٰی ذلک لم یتما لک علٰی نفسه دون اَن قام وهو یرتعش من الضعف فاخذ عصاه یتوکا ء علیها آتی الٰی عمته وثنی رکبتیه وقال ارکبی فلقدکسرت قلبی وزدت کربی فاخذ لیرکبها فارتعش مِنَ الضعف وسقط علی الارض فلما راه الشمر لعنه اللّٰه اتی الیه وبیده سوط فضربه به وهو ینادی وا جدّاه وا محمدؐ اه وا علیاًه وا حسینًاه فبکت زینبؑ وقالت ویلک یاشمر رفقًا بیتیم النبوّة وسلیل الرسالة وحلیف التقی وتاج الخلافة فلم تزل تقول کذاحتی نحتّه عنه ۔ قال واذا بجاریة مسنّه سوداء قداقبلت الٰی زینبؑ فارکبتها فسئلت عنها۔فقالوا هٰذه فضة جاریة فاطمة الزهرآء علیها السلام قال ثُمَّ ارکبوا الامام علیه السلام علٰی بعیر اعجف فلم یتمالک الرکوب من شدة الضعف فاخبروا بذلک ابن سعد فقال قیّد وا رِجلیه من تحت بطن الناقة ففعلوا ذلک وساروا بهم تلک الحالة۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 357 تا358)

مدینہ سے حسینیؑ قافلہ چلا تو میں ساتھ ساتھ رہا یہاں تک کہ ہم سب کربلا پہنچے۔ بہت جلد اُنہیں لشکروں کے ہنگاموں نے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔کوئی سمت محفوظ نہ رہی پھر حسینیؑ جماعت پر پانی بند کر دیا گیا۔رفتہ رفتہ خانوادۂ رسول اور صحابہ حسین علیہم السلام پر وہ سب کچھ گزر گیا جو نا قابل بیان اور نا قابل برداشت تھا۔قتل عام کیا گیا، خیام حسینیؑ کو لوٹ لیا گیا، اہل حرم اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکا تو ابن سعد ملعون نے حکم دیا کہ رسوؐل کی بیٹیوں اور تمام عورتوں اور بچوں کو ننگی کمر والے اونٹوں پر بے پردہ سوار کیا جائے۔اس حکم کے ساتھ ہی اونٹ پاس لاکر کھڑے کئے گئے اور ہجوم نے اہل حرم کو چاروں طرف سے گھیرا اور کہا جانے

لگا کہ آؤ جلدی جلدی سوار ہو جاؤ۔ اُدھر عمر بن سعد ملعون نے روانگی کا حکم بھی دے دیا۔ جب جناب زینب علیھا السلام نے یہ حالت دیکھی تو قہر آلود زبان میں آواز دی کہ او ابن سعد! اللہ دنیا اور آخرت میں تیرا منہ کالا کرے۔ اس نانہجار قوم سے کہہ کہ ہم سے دُور ہو جائے تا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کو سوار کر سکیں۔ ارے خبیث ہم تو رسولؐ اللہ کی امانت ہیں۔ چنانچہ ہجوم کو دُور ہٹا دیا گیا۔ اب جناب زینبؑ آگے بڑھیں اُنکے ساتھ جناب کلثومؑ مدد کر رہی تھیں۔ شہزادی تمام خواتین اور بچوں کو نام بنام پکارتی جاتی تھیں اور دونوں بہنیں مل کر سوار کراتی جا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ سب کو سوار کرا دیا اور کوئی باقی نہ رہا تو آپ نے داہنے بائیں متلاشی نظروں سے دیکھا تو صرف امام زین العابدینؑ بیماری کے عالم میں موجود تھے۔ آپ قریب گئیں اور فرمایا اے میرے بھائی کی یادگار اُٹھو میں تمہیں اونٹ پر سوار کرا دوں۔ امامؑ نے فرمایا کہ پھوپھی اماں آپ سوار ہو جائیں اور مجھے اور اس قوم کو ہماری حالت پر چھوڑ دیں۔ حضرت زینب علیھا السلام امامؑ زمانہ کا حکم بجالانے کیلئے اپنے اونٹ پر تشریف لائیں۔ اب جو پھر داہنے بائیں نظر ڈالی تو کچھ بھی نظر نہ آیا صرف یہ دیکھا کہ شہدا کی لاشیں زمین پر پڑی تھیں اور اُنکے سر نیزوں پر بلند کئے ہوئے لوگ کھڑے تھے۔ اب دل قابو سے باہر ہو گیا چیخ ماری اور کہا اے بھائی تمہارے بعد ہمارا کوئی پرسان حال نہیں۔ اے عباسؑ تم کہاں ہو، اے انصار حسینؑ مدد کو کیوں نہیں آتے۔ ہائے ہماری یہ بے کسی اور بے بسی، ہائے ہمارا تحفظ کرنیوالے سب بے دست و پا ہو گئے۔ جب راوی نے یہ جگر خراش حالت دیکھی تو وہ کہتا ہے کہ مجھے اُس شہزادی اور اُن کے خاندان کی مدینہ سے روانگی یاد آ گئی۔ کہاں وہ جوانانِ بنی ہاشمؑ کا احترام و بزرگی سے سوار کرانا؟ کہاں وہ شان و عظمت کا عالم؟ کہاں یہ مصیبت اور لاچاری کی حالت؟ میں بھی تڑپ تڑپ کر رونے لگا۔ پھر سنا تا ہے کہ جب حضرت امام زینؑ العابدین نے یہ اندازہ کیا کہ اُن میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں ہے اور جسم کانپ رہا ہے تو اپنا عصا سنبھالا اور اُس کے سہارے سے اُٹھے اور پھوپھی کے پاس آئے تا کہ اُنکو سوار ہونے میں مدد دیں۔ اور سوار ہونے کیلئے عرض کیا تو میرا دل پھٹا جاتا تھا اور بے چینی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ سوار کرنا چاہا تھا تو طاقت نے جواب دے دیا، بدن میں رعشہ پیدا ہوا اور آپ زمین پر گر گئے۔ شمر ملعون کوڑا لئے ہوئے آیا اور مارنا شروع کیا۔ امامؑ رسولؐ اللہ اور علیؑ کی یاد میں تڑپ اُٹھے حسین علیہ السلام یاد آئے۔ حضرت زینبؑ نے شمر کو ملامت کرتے ہوئے کہا او ملعون یہ سرمایہ نبوّت کا یتیم ہے۔ ارے خبیث یہ خلاصہ رسالت ہے۔ ارے ظالم یہی تو خلافت کا تاج ہے۔ ارے اِس مجسمۂ پرہیزگاری پر رحم کر۔ وہ یہ فرماتی جا رہی تھیں آخر شمر الگ ہٹ گیا۔ اتنے میں ایک کالے رنگ کی بُڑھیا کنیز حضرت زینب علیھا السلام کے پاس پہنچی اور انہیں سوار ہونے میں مدد دی۔ میں نے اس بڑھیا کے متعلق معلوم کیا تو مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت فاطمہ زہراء علیھا السلام کی کنیز فضہؑ ہے۔ راوی نے کہا کہ اس کے بعد فوجیوں نے امامؑ کو ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کیا تو اُن میں سنبھل کر بیٹھنے کی قوت نہ تھی اور گرنے کا یقین تھا۔ ابن سعد کو اِس کی اطلاع دی گئی تو اُس ملعون نے حکم دیا کہ امامؑ کے دونوں پیر اونٹ کے پیٹ کے نیچے باندھ دیئے جائیں۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا اور اسی حالت میں وہ لوگ قیدیوں کو لے کر کربلا سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 357 تا 358)

(2)۔ کوفہ میں اہل حرمؑ اور اہل کوفہ کا رویہ؛ مختلف بیانات

(الف)۔ اِنَّ ابـامخنف قال وروی ابوجد یلة اسدی وفی بعض النسخ حذیفة قال کنت بالکوفة سنة قتل الحسینؑ ۔ فَرَاَیۡتُ نسآء

اهل الکوفة مشقّقات الجیوب،ناشرات الشعور لا طمات الخدود مخمشات الوجوه ۔ فاقبلتُ اِلٰی شیخ کبیر فقلتُ ماھذا البکآء والنحیب ؟ فقال ھذا لاجل راس الحسینؑ ۔فبینما اناکذ لک واذا العسکر قداقبلوا والسبا یا معھم ۔فرایتُ جاریة علٰی بعیر بغیر وطآء ۔ فسئلتُ عنھا فقیل لی ھٰذِہٖ ام کلثوم اخت الحسینؑ ۔فدنوت منھا فقلتُ لھا حد یثنی بماجری علیکم ؟ فقالت مَن انتَ یاشیخ فقلت مِن اھل البصرة فقالت اعلم یاشیخ اِنّی کنت نائمة فی الخیمة اذسمعتُ صھیل الفرس فاخرجتُ راسی واذا بالفرس عارٍ والسرج خالٍ فصرختُ وصرخت النسآءُ معی وسمعتُ فی جانب الخیمة ھاتفًا اسمعُ صوته ولا اری شخصه وھویقول..... قتلواابن سید البریة ظلمًا فمایقول الظالمون غدًا اذا نظروا اِلٰی نیران الجحیم قدطاشت بافعالھم العقول واورثواالقلب حسرة لاتزول وفجعوا الرسوؐل بقتلھم اولاد البتول وجعلوالعزیز مھانًا ۔ فقلت له بحق معبودک مَن انت فقال انامَلک مِن ملوک الجنّ جئتُ اناوقومی لنصرة الحسینؑ فوجد نا ہ قد قتل ثمَّ قال واسفاہ علیک یااباعبد اللّٰه ثلاث مرات ۔

(ب)۔ قال وصَارَ اھل الکوفة یطعمون الاطفال بمثل ثلاث تمرات وثلاث جوزات فصاحت به ام کلثومؑ وقالت یااھل الکوفة الصدقة علینا حرام وجَعَلَتْ تاخذ ذلک مِن یدالاطفال وافواھھم وترمی به اِلَی الارض فضجّت الناس بالبکاء والنحیب ۔فقالت ام کلثومؑ تقتلنا رجالکم وتبکینا نسآءکم لقد تعدّ یتم علینا عدوانا عظیمًا ۔لقد جئتم شیئًا ادًّا تکادالسموات یتفطّرن منه وتنشق الارض و تخرّ الجبال ھدًّا ۔فبینما ھی فی کلامھا واذا بصیحة قدار تفعت واذا برأس الحسینؑ ومعه ثمانیة عشر راسًا من اھلبیته۔ فلما نظرت ام کلثومؑ الٰی راس اخیھا بکت وشقت جیبھا۔(*اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات ۔صفحہ 476 تا 477*)

(الف)۔ ابومخنف نے لکھا ہے کہ ابوجدیلہ اسدی نے اور دوسری مجلدات میں حذیفہ نے بیان کیا کہ میں شہادت حسین علیہ السلام والے برس کوفہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ کوفہ کی مستورات گریبان چاک کئے ہوئے، بالوں کو بکھیرے ہوئے اپنا منہ پیٹتی ہوئی گالوں کونوچتی ہوئی چیخیں مار مار کے بے حال ہوئی جارہی ہیں۔ میں نے ایک بوڑھے شخص سے پوچھا کہ یہ رونا پیٹنا، منہ کھسوٹنا اور فریاد وبکا کس لئے ہے؟ اس نے کہا یہ سب کچھ حسینؑ کے سرمبارک کی وجہ سے ہورہا ہے۔ یہی باتیں ہورہی تھیں کہ فوج اور قیدی آ گئے۔ میں نے ایک نوجوان خاتون کو بلازین کے اونٹ پر دیکھا تو لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ حسینؑ کی بہن ام کلثومؑ ہے۔ میں قریب گیا اور پوچھا کہ تم اپنی سرگزشت مجھے سناؤ۔ فرمایا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہا میں بصرہ کے رہنے والوں میں سے ہوں۔ تب انہوں نے کہا کہ اے شیخ سنو کہ میں خیمہ میں حالت نقاہت ونیند کی طرح غفلت میں پڑی تھی کہ اچانک میں نے گھوڑے کی ہنہنانے کی دردناک آواز سُنی تو گھبرا کر خیمہ سے سرنکال کر دیکھا تو گھوڑا بہت بُرے حال میں خالی زین کے ساتھ فریاد کررہا تھا۔ میں یہ دیکھ کر سمجھ گئی کہ میرا بھائی قتل کردیا گیا۔ میری چیخیں بلند ہوگئیں تو تمام مستورات میں کہرام برپا ہوگیا۔ ساتھ ہی ایک دردانگیز نوحہ کی آواز بالکل خیمہ کے پاس سے بلند ہوئی مگر فریاد کرنے والا نظر نہ آتا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اُن ظالموں نے ساری مخلوقات کے سردارؐ کے فرزند کو بے قصور قتل کردیا۔ جب کل کو وہ جہنم کے آگ کے شعلوں کے سامنے جائیں گے تو وہاں کیا عذر پیش کریں گے۔ اُن لوگوں کے بدترین اعمال سے عقلیں سرگردان ہوکررہ گئیں، دلوں میں غم وحسرت نے جگہ پکڑ لی۔ انہوں نے اولاد بتولؑ کو قتل کرکے رسولؐ کو بے چین کردیا۔ اُنہوں نے نہایت بزرگ ہستی کی توہین کی ہے۔ میں نے اسے اُس کے معبود کی قسم دے کر معلوم کیا تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں بادشاہان جنات میں سے ایک بادشاہ ہوں،

میں مع اپنی قوم کے امامؑ کی مدد کے لئے آیا تھا۔مگر یہاں آ کر دیکھا کہ امامؑ مظلوم شہید ہو چکے۔ ہائے حسینؑ ہائے اباعبداللہ ہمیں آپ تک بروقت نہ پہنچنے کا انتہائی افسوس اور صدمہ ہے۔ یہی افسوس تین مرتبہ بلند آواز سے ظاہر کیا۔

(ب)۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ کوفہ والے اُن کے بچوں کو تین تین کھجوریں اور اخروٹ کھانے کو دے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ام کلثومؑ نے چلا کر کہا کہ اے کوفہ والو کیا تم نہیں جانتے کہ ہم اولادِ رسولؐ پر صدقہ حرام ہے۔اور ساتھ ہی بچوں کے ہاتھوں اور مُنہ میں سے نکال نکال کر زمین پر پھینکنا شروع کیا۔ یہ سُن کر اہل کوفہ تڑپ اُٹھے چیخیں اور فریاد کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اُم کلثومؑ نے کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ارے ظالمو تمہارے مردوں نے ہمارے خاندان کا قتل عام کر دیا اور تمہاری عورتیں ہمارے حال اور ہمارے مقتولوں پر رو پیٹ رہی ہیں؟ تم نے تو ہمارے ساتھ دشمنی کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔تم نے تو وہ کام کیا ہے کہ جس سے آسمان پھٹ پڑتا، زمین دھنس جاتی اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ جناب ام کلثومؑ یہ فرما رہی تھیں کہ آواز گریہ بلند ہوگئی دیکھا تو امام حسینؑ اور اٹھارہ بنی ہاشمؑ کے سر نیزوں پر آ رہے ہیں۔ جب حضرت ام کلثومؑ نے دیکھا تو پھر شہزادی بھائی کے سر کو دیکھ کر بے قابو ہوگئیں اور آہ وزاری کرنے لگیں۔

(3)۔ اہل حرمؑ ننگے سر کھلے چہروں سے لائے گئے چادریں اور برقعے بار بار چھینے گئے

دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ نے ہزاروں ایسی روایات گھڑوا کر اپنے علما اور اہل قلم سے کتابوں میں لکھوائیں، ملک بھر میں پھیلائیں جن سے اُدھر یزید اور اس کے ہم مذہب لوگوں کا جرم ہلکا ہو جائے اور اِدھر اختلافات کی آڑ لے کر حقائق کا انکار کر دیا جائے۔اور عربی سازش سے ناواقف علمائے شیعہ نے نظام اجتہاد کی ساختہ پرداختہ روایات کو اس لئے اپنے یہاں لکھ لیا کہ انہیں کربلا کے متعلق زیادہ سے زیادہ حالات وواقعات کا علم ہو سکے۔لیکن یہ اہتمام نہیں کیا کہ کربلا کے واقعات وحالات وبیانات کو محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے مزاج وبیان کردہ اصول کے آئینہ میں دیکھ کر حق وباطل کو جدا کر دیا جائے۔اور نظام اجتہاد کے خود ساختہ اصولوں اور معیار کو نظر انداز کر کے روایت یا روایات میں سے وہ پہلو رد کر دیا جائے جو معصومؑ اصولوں اور مسلمات سے ٹکراتا ہو۔ چنانچہ ہم آنے والی روایت میں اس کا نمونہ اور طریقہ پیش کرتے ہیں۔ ہمارے مسلمات میں سے یہ حقیقت سب نے مانی ہے کہ کربلا میں خاندان رسولؐ کو قتل کیا گیا اور رسولؐ زادیوں کو لُوٹا گیا۔ ہر وہ کپڑا لے لیا گیا جو کُرتے اور پاجاموں کے علاوہ تھا۔ پھر حرم رسولؐ کو بلا پردہ اور بلا گدوں کی محملوں میں قیدی بنا کر کوچہ وبازاروں میں پھرایا گیا۔البتہ یہ کئی دفعہ ہوا اور ایسا ہونا فطری تھا کہ صاحبان غیرت وشرافت نے کئی مرتبہ اہل حرمؑ کو سر وسینہ اور چہرہ ڈھکنے کیلئے مستورات نے چادریں وغیرہ دیں اور پھر اُن حرامزادوں نے چھین لیں۔لہٰذا روایات میں اگر کہیں برقعہ اور چادر کا ذکر ملے تو اُس کا یہ مطلب سرکاری ہے کہ لوٹنے والوں نے چادریں اور برقعے چھوڑ دیئے تھے اور سر ومنہ برہنہ قیدی نہیں بنایا گیا تھا۔اور یہ مطلب بھی اموی پالیسی ہے کہ چونکہ روایات میں اختلاف ہے لہٰذا واقعہ ہی غلط ہے۔ چنانچہ مومنین روایات کے اُس بیان کو قبول فرمائیں جو محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی عزت وشرافت واصول کے شایانِ شان ہو۔ یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اُونٹوں پر محمل کا مطلب ہر حال میں یہ نہیں ہے کہ وہ پردہ دار سواری تھی۔ ہرگز نہیں محمل تو وہ کجاوہ ہے جو اُونٹ کی بے ڈھنگی کمر پر بیٹھنے کی سہولت فراہم کرتا ہے۔اُس میں چار ڈنڈوں پر ایک چھت سی ہوتی ہے اور اونٹ کی پشت پر فِٹ کر دیا جاتا ہے۔اُس کیلئے ایک چوکور پردہ الگ سے ہوتا ہے۔کجاوہ یا محملیں کہیں بھی رکھی رہتی

ہیں مگر اُنکے غلاف یا پردے اتار کر سنبھال کر رکھے جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ محملیں جن پر رسولؐ اللہ کے اہل حرمؑ اور بچے سوار کئے گئے تھے وہ بلا پردہ کجاوے تھے اور امام زین العابدین علیہ السلام کے اونٹ پر یہ بھی نہ تھا ننگی پیٹھ کا اونٹ تھا۔ روایت سنئے اور حق و باطل میں تمیز کیجئے۔

(4)۔ کوفہ تک بے پردہ لانا اور کوفہ میں داخلہ سے قبل پبلک کا چادریں دینا

1۔ امّا کلام السید فی الملهوف فی ذلک المقام فهُوَاَنّ عمر بن سعد بعث براس الحسینؑ فی ذلک الیوم وهویوم عاشورا مع خولی بن یزید الاصبحی وحمید بن مسلم الازدی الٰی ابن زیاد۔

2۔ وامر برؤس الباقین مِن اصحابه واهل بیتهٖ وقطّعت وسرّح بها مع شمر بن ذی الجوشن وقیس بن الاشعث وعمرو بن الحجاج لعنهم اللّٰه فاقبلوا حتّٰی قد موا بها الکوفة۔

3۔ واقام بقیّة یومه والیوم الثانی اِلٰی زوال الشمس ثم رحل بِمَن تَخلّف مِن عیال الحسینؑ وحمل نسآؤه علٰی احلاس اقتاب الجمال بغیروطاء مکشّفات الوجوه بین الاعدآء وهُنَّ ودائع سیدُ الانبیآء وساقوهن کمایساق سبّی التُّرکُ والروم فی اشد المصائب والهموم۔

4۔الٰی اَنْ قال الراوی فلما قاربوا الکوفة اجتمع اهلها لِلنظر اِلَیْهِن فاشرفت امراة مِن الکوفیات فقالت مِن اَیِّ الْاُسَارٰی اَنْتُنَّ ؟ فقلن نحن من اساری محمدؐ فنزلت المراَة مِن سطحها فجمعت لَهُنَّ ملاءً وازارًا وَّمقانع فاعطتهن فتغطین۔

5۔ قال الراوی وکان مع النسآء علیؑ بن الحسینؑ نهکته العلة والحسن بن الحسنؑ فکان قد واسی عمه وامامه فی الصبر علی الرماح وانّما ارتث وقد اثخن بالجراح۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشهادات۔صفحہ 478)

1۔ اُس موقعہ پر سید صاحب نے اپنی کتاب ملہوف میں یہ لکھا ہے کہ عمر بن سعد ملعون نے شہادت کے روز یعنی دسویں محرم کے دن میں خولی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہمراہ ابن زیاد کے پاس روانہ کر دیا تھا۔

2۔ اور ابن زیاد نے امام حسین علیہ السلام کے باقی عزیزوں اور صحابہ کے سر کاٹنے کا حکم دیا اور اُنہیں شمر اور قیس بن اشعث کے ساتھ روانہ کیا جو چلتے ہوئے کوفہ پہنچے۔

3۔ اور عمر بن سعد عاشور کے دن اور دوسرے روز کربلا میں زوال کے وقت تک مقیم رہا پھر امام حسین علیہ السلام کے بچے اور عورتیں جو قید کی گئی تھیں اُنہیں بلا گدّے کے سادہ ٹاٹ کے کجاووں والے اونٹوں پر سوار کر کے کھلے منہ دشمنوں کے انبوہ میں گھیر کر لے چلا حالانکہ وہ سید الانبیا صلوٰۃ اللہ علیہ کی امانت اور اہل حرمؑ تھے۔ اُنہیں اس طرح ہانک کر لے گئے جیسے ترک اور روم کے قیدیوں کو ہانکا کرتے تھے اور یہ بھی خیال نہ کیا گیا کہ یہ بچے اور یہ خواتین کتنی شدید مصیبتوں اور رنج وغم میں مبتلا ہیں اور تقریباً سب ہی بیمار و نڈھال ہیں۔

4۔ آخر راوی نے بتایا کہ جب لشکر اور یہ اہل حرم کوفہ کے قریب پہنچے تو اہل کوفہ اُن قیدی مستورات کو دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔ چنانچہ کوفی عورتوں میں سے ایک عورت نے بڑھ کر پوچھا کہ تم کون سے قیدی ہو؟ اہلحرمؑ نے جواب دیا کہ خانوادہ محمدؐ کے حرم ہیں۔ اس عورت نے اہل حرمؑ کے لئے چادریں، پاجامے اور برقعے جمع کئے اور رسولؐ کی بیٹیوں کو دیئے اس طرح اُنہوں نے سر اور منہ ڈھکا۔

5۔ راوی کہتا ہے کہ اہل حرم کے ساتھ جناب امام زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام بیماری کی وجہ سے نہایت لاغر و نحیف و

کمزوری کے عالم میں قید تھے۔اور امام حسن علیہ السلام کے بیٹے حسن اپنے چچا اور امامؑ کیلئے تسلی کے الفاظ کہہ رہے تھے اور آگے آگے نیزہ پر اُن کا سر مبارک تھا جو زخموں سے مغلوب کئے گئے تھے۔

(5)۔ روایت پر تنقیدی نظر۔حق وباطل الگ الگ

اس روایت کے وہ الفاظ جن پر سرہائے شہدا یا اسیران اہل حرمؑ اور لشکر عمر بن سعد کی روانگی کا ذکر ہے وہ عملی حیثیت سے غلط ہیں اور ہم صحیح پوزیشن بتا چکے ہیں۔ پھر کربلا سے کوفہ پہنچنے کے لئے بھی علما نے یہ نہیں دیکھا کہ اُس زمانہ میں کربلا سے کوفہ جانے کیلئے کون سا راستہ تھا اور کتنا فاصلہ تھا؟ لہٰذا عاشور کے روز کوئی سر یا شخص کربلا سے نہیں گیا۔البتہ گیارہ محرم کو اہل حرمؑ اور سرہائے شہدا روانہ ہوئے تھے۔اس روایت میں اور کئی اور روایات میں حسن بن امام حسن علیہ السلام کی موجودگی ایک کھلا ہوا فراڈ ہے۔امام حسن علیہ السلام کی اولاد میں سے تین شہزادے ہمراہ آئے تھے اور تینوں کربلا میں شہید ہوئے۔اور باقی اولاد امام حسنؑ چونکہ مسلسل آئمہ معصومین علیہم السلام کی دشمن جان رہی ہے اسلئے سیاست ملکی اُن کے ناموں کو مقدس بنانے کیلئے کوشاں رہی ہے۔البتہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام اہل حرمؑ کے ہمراہ تھے اور اس روایت میں اُن ہی کو حسن بن الحسنؑ سمجھا گیا ہے۔

(6)۔ کوفہ میں عید بھی اور ماتم بھی۔رونے والے بھی اور ہنسنے والے بھی

کوفہ کے لوگوں کی حالت پر اگلی روایت روشنی ڈالتی ہے۔مگر ایک بات وہاں نظر انداز کردی گئی ہے۔ وہاں خوشیاں منانے والے تو مشکل سے دو چار مرد اور عورتیں ممکن مانے جاسکتے ہیں۔حالانکہ واقعات وحالات ومعصومؑ بیانات سے ثابت ہے کہ کوفہ کا کوئی گھر اور کوئی خاندان ایسا نہیں تھا۔جس کا کوئی نہ کوئی فرد میدان کربلا میں قتل نہ ہوا ہو۔اور سرکاری بیان کے مطابق تو کربلا میں خالص کوفہ کے باشندوں کی فوج تھی۔لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ کوفہ کے کسی گھر میں کوئی مرد زندہ بچنا ہی نہ چاہئے اور چونکہ مرد موجود تھے۔اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ کربلا کی افواج میں کوفہ کے چند افراد کے علاوہ باقی تمام بیرونجات کے باشندوں کے فوجی تھے۔لہٰذا ہنسنے والوں کے ساتھ ساتھ رونے والوں کی پوزیشن بھی مشکوک تھی۔یعنی یہ پتہ چلانا کہ رونے والیاں یا رونے والے شہدائے کربلا کے غم میں روتے تھے یا خود اپنے مقتولوں پر رو رہے تھے؟ بہرحال مومنین روایات کو شیعہ ذہن کی چھلنی میں چھان کر سُنا کریں روایت سُنیں:۔

(الف)۔ قَالَ السَّھل الشھر زوری اقبلت فی تلک السَّنة مِن الحج فدخلتُ الکوفة فَرَاَیتُ الاسواق معطّلة والد کاکین مقفلة والناس بین باک وضاحک فدنوتُ الی شیخ منھم فقلت مالی اراالناس بین باک وضاحک الکُمُ عِیدٌ لَسْتُ اعرفه ؟ فاخذ بیدی وَعَدَلَ عَن الناس ثمّ بکی الشیخ بکاءً عالِیًا ۔وقال یاسیدی مالنا عیدٌ ولکن بکاؤھم (وضحکھم) و اللّٰه من اجل عسکرین ۔احد ھما ظافرٌ والاخر مقتولٌ فقلت ومن ھذان العسکران ؟ فقال عسکر الحسینؑ مقتولٌ وعسکر ابن زیاد ملعون ظافر ثمّ بکی بکاءً عالیًا.....

(ب)۔ قال سھل فلمَّا استتمّ کلامه حتّٰی سمعت بوقات تضرب والرایات تخفق واذا با لعسکر قددخل الکوفة وسمعت صیحة عظیمة واذا بِرَأس الحسینؑ یلوح والنور یسطع منه فخنقنی العبرة لمارَاَیتُه ۔ثمَّ اقبلت السبایا مقدمھم علیؑ بن الحسینؑ ثمّ اقبلت مِن بعده ام کلثومؑ وعلیھا برقع ارکن وھی تنادی یااھل الکوفة غضّوا ابصارکم عَنَّا اَمَا تستحیون مِنَ اللّٰه ورسوله ان

تنظروا اِلَی حرم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وھُنَّ عرایا ۔ فوقفوا بباب بنی خذیمة والراس علٰی قناة طویلة وھویقرء سورة الکھف الٰی اَن بلغ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا (کھف 18/9) قال سھل فبکیت وقلتُ یابن رسولؐ اللّٰه راسک اعجب ثمّ وقعت مغشیًّا عَلیَّ فلم افق حتّٰی ختم السورة۔انتھٰی کلام ابی مخنف۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 477)

(الف)۔ سہل کہتا ہے کہ میں اُسی سال حج کے بعد کوفہ میں داخل ہوا تو بازاروں کو خالی اور دکانوں کو مقفل دیکھا۔اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کچھ رو رہے تھے اور کچھ ہنس رہے تھے۔بات سمجھنے کے لئے میں اُن میں سے ایک شیخ کے پاس گیا اور پوچھا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ یہاں کچھ لوگ تو غم میں مبتلا ہیں اور کچھ لوگ خوشیاں منا رہے ہیں۔کیا آپ کے یہاں آج کوئی ایسی عید ہے جسے میں مسلمان ہوتے ہوئے بھی نہیں جانتا؟ اُس شیخ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لوگوں سے الگ لے گیا اور بلند آواز سے روتے کہا کہ اے معزز شخص آج کوئی عید نہیں ہے۔اُن کا رونا اور ہنسنا دولشکروں کی وجہ سے ہے۔جن میں سے ایک کو فتح حاصل ہوئی ہے۔اور دوسرا قتل ہوگیا ہے۔میں نے پوچھا وہ کون سے لشکر تھے؟ جواب دیا کہ حسینؑ لشکر قتل ہوگیا اور ابن زیاد ملعون کا لشکر کامیاب ہوگیا ہے۔یہ کہہ کر بہت بےقراری سے رویا۔

(ب)۔ پھر سہل کہتا ہے کہ جیسے ہی اُس شیخ کی بات ختم ہوئی تو میں نے فوجی باجوں اور بگل کی آوازیں سُنیں اور ساتھ ہی فوج کے پھریرے اور پرچم لہراتے ہوئے نظر آئے۔لشکر کے داخل ہونے پر میں نے ایک زبردست فریاد سُنی اور ساتھ ہی امام حسین علیہ السلام کا نور برساتا ہوا سَر سامنے آگیا۔جسے دیکھتے ہی عبرت سے میری گِھگّی بندھ گئی آواز گلے میں پھنس کر رہ گئی۔اسکے بعد رسولؐ اللہ کے اہل حرمؑ قید شدہ حالت میں سامنے آگئے۔اُنکے آگے آگے امام زینؑ العابدین تھے اور اُن کے بعد حضرت ام کلثومؑ کی سواری تھی انکا برقعہ آگے جھکا ہوا تھا۔اُنہوں نے ڈانٹ کر للکارا کہ اے اہل کوفہ اپنی آنکھیں جھکالو۔کیا تمہیں رسولؐ اللہ کے حرم پر نظر ڈالتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ خصوصاً جب کہ وہ پورا لباس بھی پہنے ہوئے نہ ہوں۔اس کے بعد یہ جلوس بنی خذیمہ کے دروازہ پر رک گیا۔سرِ حسینؑ ایک لمبے نیزہ پر بلند تھا۔اور سورہ کہف کی تلاوت کررہا تھا۔جب تلاوت میں یہ آیت پڑھی کہ کیا اصحاب کہف اور اصحاب رقیم کا واقعہ پڑھ کر تمہیں تعجب ہوتا ہے؟ وہ تو ہمارے بہت سے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا (کہف 18/9)۔سہل کہتا ہے کہ مجھ پر گریہ نے اس قدر ہجوم کیا کہ میں یہ کہتا ہوا بےہوش ہوگیا اے فرزند رسولؐ تمہارا یہ سَر آیت میں مذکورہ تمام معجزات سے بڑھ کر ہے۔اس کے بعد مجھے جب ہی ہوش آیا جب سورہ کہف کی تلاوت ختم فرما چکے تھے۔

(7۔الف)۔ <u>غمِ حسین علیہ السلام میں جان لیوا ماتم مظلومہؑ کربلا کی سنت ہے</u>

ملت شیعہ کے وہ تمام اعمال ورواسم جو عزاداری امام حسین علیہ السلام کی نشر واشاعت میں مُمد ہوئے یا آئندہ فروغ عزاداری کے لئے ضروری ہوں، کسی خارجی دلیل وثبوت سے بےنیاز ہیں۔ہم اس سلسلے میں کسی اعتراض کی پرواہ نہیں کرتے۔اور ہر خارجی وداخلی اور اپنے اور پرائے معترض کو بلاتکلف، بلاغور وفکر دشمنانِ اہلبیتؑ میں شمار کرتے ہیں۔اس لئے کہ عزاداری کسی بھی موجود معترض کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔وہ اپنے مذہب ومسلک پر عمل کریں ہمیں اُن کے ہر اس عمل ورسم پر کوئی اعتراض نہیں جو اُن کے مذہب کے اوّلین

اور معصوم راہنماؤں کی سُنت ہو۔ اور اگر وہ کسی خطا کار گروہ کی خودساختہ سُنت پر عمل کریں تب بھی ہمیں اعتراض نہ ہوگا بشرطیکہ اُس سے دوسرے انسانوں کو نقصان نہ ہوتا ہو۔

مومنین یہ بھی یاد رکھیں کہ دشمنانِ عزاداری کی طرف سے رسومات وروایات عزاداری کے متعلق طرح طرح ثبوت مانگا جاتا رہا ہے۔ اور ایک ہزار سال سے برابر ثبوت دیا جاتا رہا ہے۔ مگر نہ انہوں نے عزاداری کو جائز سمجھا اور نہ آئندہ کسی ثبوت کے فراہم ہو جانے پر وہ عزاداری کرنے کو تیار ہوں گے۔ گویا یہ اُن کی ایک ترکیب ہے کہ ہماری قوت اور ہمارے وقت کو ثبوت فراہم کرنے میں اُلجھا کر عزاداری پر توجہ دینے سے روکتے اور ٹوکتے چلے جائیں۔ لہٰذا اُن سے کہہ دینا چاہئے کہ جناب آپ عزاداری کو بدعت سمجھیں یا حرام کہیں، ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہم آپ سے بات کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ اپنی مخالفانہ اسکیم یک طرفہ جاری رکھیں۔ وہ ایک غلطی تھی کہ طرفداران عزاداری تمہیں مخاطب کر کے تم سے ہدایت پا جانے کی امید رکھتے اور محنت کرتے تھے۔ ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں، چھٹی دیتے ہیں اور یہی وہ علاج ونسخہ ہے جو تمہیں مع تمہارے مرضِ نفاق کے ختم کر دے گا۔ رہ گئے عوام وہ تو محمد وآل محمد علیہم السلام پر اپنی جان ومال قربان کرنے پر آمادہ رہتے ہیں۔ اور ہم عزاداریٔ امام حسینؑ کے ذریعہ سے اُن ہی کو مخاطب کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جس مذہب میں خانوادۂ رسوؐل کا قتل عام جائز ہو، اُسے اختیار کرنا یا اُن لوگوں کی طرفداری کرنا جو شیر خوار بچوں کو پیاسا قتل کرنا جائز سمجھتے ہوں، ہمیں پسند نہیں ہے۔ یہی وہ تعارف ہے جس سے تمام باطل مذاہب سے اور تمام موقعہ پرست لیڈروں سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور لوگ دامن اہلبیتؑ سے جوق در جوق وابستہ ہوتے جاتے ہیں۔ اور معترضین ہمیں عزاداری سے روک کر اپنے باطل مذہب اور باطل راہنماؤں کے اعمال پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم ساری دنیا کو بتاتے ہیں کہ اُن کے بزرگوں نے خانوادۂ رسوؐل کو کس طرح تباہ کیا تھا۔ وہ کیسے مردود وملعون اور قابل نفرت لوگ تھے کہ دنیا کے انسان ہی نہیں بلکہ شیطان وبے رحمی وبے غیرتی بھی اُن کے اعمال پر نفرین کرتے ہیں۔ آیئے کوفہ میں اسیران اہل حرمؑ کی تشہیر کا ایک اور واقعہ سنیں:۔

قال فی البحار "**رایت فی بعض الکتب المعتبرة**" **روی مرسلا** عن مسلم الجصّاص قال دعانی ابن زیاد لعنهُ اللّٰه لِاِصلاح دارالا مارة بالکوفة فبینما انا اُجَصَصُّ الابواب واذًا انا بالزّعقات قدارتفعت من جنبات الکوفة فاقبلت علٰی خادم کان معنا وقلت مالی اری الکوفة تضجّ ؟ قَال الساعة آتوا براس خارجی خَرَجَ علٰی یزید ۔ فقلت من هذاخارجی؟ فقال الحسینؑ بن علیؑ فترکتُ الخادم حتّٰی خَرِجُتُ ولطمتُ وجهی حتّٰی خشَیُتُ علٰی عینی ان تذ هبا وغسلت یدی من الجصّ وخرجتُ مِن ظهر القصر وآتَیتُ الی الکناس فبینما انا واقف والناس یتوقعون وصول السبایا والرؤس اذقداقبلت نحواربعین شقّة تحمل علٰی اربعین جملًا فیها الحرم والنساء واولاد فاطمّة وَاِذًا بعلیؑ بن الحسینؑ علٰی بعیر بغیر وطاء واوداجه تستخب دمًا وهومع ذلک یبکی ویقول یااُمَّة السوء لاسقیا لربعکم الی آخر ماذکر ۔ قال وصارٰاهل الکوفة یناولون الاطفال الذین علی الحامل بعض التمر و الخبز والجوز فصاحت ام کلثوؑم وقالت یااهل الکوفة اِنَّ الصدقة علینا حرام وصارت تاخذ مِن یدی الاطفال وافواههم ترمی به الی الارض ۔قال والناس یبکون علٰی مااصابهم۔ثُمَّ اِنَّ ام کلثوؑم اَطّلَعَتُ رأسها مِنَ المحمل وقال لهم صَهٗ یااهل الکوفة تقتلنا رجالکم وتبکینانساؤکم فالحاکم بیننا وبینکم اللّٰه یرم فصل القضآء ۔فبینما هِیَ تخاطبهنّ اذا الضجّة قد ارتفعت واذا هم آتوا

بـالـرؤس يـقـدّ مهم راس الحسينؑ وهو راس زهریّ قمریّ اشبه الخلق برسولؐ اللّٰہ ولحيّته كسوادالشيخ قد اتصّل بها الخضاب ووجهه دارة قـمـر طالع والريح تلعب بها يميناً وشمالًا ـفـالتفت زينبؑ فرأت راس اخيها فـنطحت جبينها بمقدّم المحمل حتّٰی رأيْنا الدم يخرج مِن تحت قناعِها واوميت اليه بحرقة وجعلت تقول:ـ

ياهلاً لّا لما استتم كمالًا ـعاله خسفه فابدی غروبًا ـماتوهمت ياشقيق فوأدی ـ كان هذا مقدّرا مكتوبًا ـ يااَخی فاطمةُ الصغيره كلّمها ـفقد كاد قلبها اَن يذ وبا ـ يااَخی قلبک الشفيق علينا ـماله قد قسی وسارصليبا ـ يااَخی لوتری عليّا لدی الاسر؟ مع اليتيم لايطيق وجوبا ـ كـلّما اوجعوا بالضرب ناداک ـ بـذلّ يفيض دمعاسكوبا ـيـااَخی ضمّه اليک وقرّبه ـوسـكّن فوادهُ المرعوبا ـ ماأذلّ اليتيم حِين ينادی ـبابيهِ ولا يراهُ مجيبا ـ(اکسیرالعبادات ـصفحہ 478-477)

علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب بحارالانوار میں لکھتے ہیں کہ ''میں نے بعض معتبر کتابوں میں بالواسطہ روایات دیکھی ہیں ـ'' کہ مسلم نام کا ایک حنفی فقیہہ جو مکانوں کی تعمیر واصلاح اور سجاوٹ کا کام کرنے کی وجہ سے جَصّاص کہلاتا تھا ـ بیان کرتا ہے کہ ابن زیاد نے مجھے کوفہ کے دربار کو سجانے اور اصلاح کرنے کے لئے بلایا ـ میں دروازوں کی درستی میں مصروف تھا کہ کوفہ کے ایک گوشہ سے چیخیں اور شوروغل اور فریاد ہائے واویلا بلند ہوا ـ میں نے اپنے ایک مددگار خادم سے معلوم کیا کہ میں یہ کیا سُن رہا ہوں یہ کوفہ میں کیسی فریاد بلند ہے؟ اُس نے بتایا کہ ابھی ابھی ایک باغی کا سَر لایا گیا ہے ـ جس نے یزید کی حکومت سے بغاوت کی تھی ـ میں نے معلوم کیا کہ وہ باغی کون تھا ـ اس نے کہا کہ حسینؑ بن علیؑ ـ میں نے خادم کو وہیں چھوڑا اور اپنا منہ اس بے اختیاری سے پیٹتا ہوا چلا کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید میری دونوں آنکھیں جاتی رہی ہیں ـ بہرحال میں نے اپنے ہاتھوں سے پلاسٹر وغیرہ دھویا اور محل کی پشت سے نکل کر گرجوں کے پاس آیا ـ وہاں لوگ قیدیوں اور سَروں کی آمد کی توقع لئے کھڑے تھے ـ میں جا کر کھڑا ہوا ہی تھا کہ چالیس بے پردہ کجاوے دکھائی دیئے جو چالیس اونٹوں پر بندھے ہوئے تھے اور اُن میں اولادِ فاطمہ اور حرم رسول علیہم السلام اور بچے اور دیگر عورتیں تھیں ـ اور ساتھ ہی علیؑ بن حسینؑ زین العابدین بے کجاوہ، بلا کسی سہارا لینے اور پکڑنے والی چیز کے ننگی پیٹھ کے اُونٹ پر نظر آئے، طوق کی وجہ سے گردن سے خون جاری تھا ـ فرمارہے تھے کہ اے بدترین امت تجھے کبھی سیراب ہونا نصیب نہ ہو (وغیرہ جو کچھ لکھا گیا ہے) ـ اس کے بعد اہل کوفہ نے سواریوں پر بیٹھے ہوئے بچوں تک پہنچنا شروع کیا اور انہیں کھجوریں، روٹیاں اور اخروٹ وغیرہ دینا شروع کردیئے ـ جناب ام کلثومؑ نے ڈانٹ کر کہا کہ اے کوفیو! ہم پر صدقہ کی چیزیں حرام ہیں ـ اور ساتھ ہی بچوں کے ہاتھوں اور منہ میں سے لے لے کر زمین پر پھینک دیا ـ جصّاص نے کہا کہ لوگ پیش آمدہ مصیبت پر نالہ وزاری کررہے تھے ـ ام کلثومؑ نے محمل سے باہر سر نکالا اور ڈانٹ کر کہا کہ خاموش ہو جاؤ ـ تمہارے مردوں نے ہمارا قتل عام کردیا اور تمہاری مستورات ہم پر نالہ وزاری کرتی ہیں ـ ہمارا اور تمہارا فیصلہ اب اللہ ہی کرے گا ـ ادھر تو ام کلثومؑ عورتوں کو خطاب فرمارہی تھیں اُدھر ایک زبردست کہرام برپا ہوا ـ ہوا یہ کہ سرہائے شہدؑا آگئے ـ جن کے آگے آگے امام حسینؑ کا سرمبارک زہرہ اور قمر کی صورت میں دمک رہا تھا ـ اور بعینہٖ رسولؐ اللہ کے سر کی نمائندگی کررہا تھا ـ ریش مبارک خضاب آلود اور ہوا سے لہرارہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چاند بدلی سے نکل رہا ہو ـ یہ دردناک منظر جناب زینبؑ نے دیکھا تو آپ نے اپنی پیشانی کو محمل میں اِس اس زور سے مارا کہ پیشانی شق ہوگئی اور خون بہتا ہوا آپ کی نقاب سے نیچے دکھائی دینے لگا ـ اور سرمبارک کی طرف اشارہ کرتی جاتی

تھیں اور فرما رہی تھیں کہ:۔

(1) اے میرے چاند درجہ کمال پر پہنچتے ہی تمہیں چاند گہن لگ گیا اور تم غروب ہو گئے۔

(2) اے میرے جگر پارے میں تو وہم بھی نہ رکھتی تھی کہ میرے مقدر میں یہ سب کچھ لکھا ہے۔

(3) اے بھیا یہ سکینہؑ ہے اس ننھی سی فاطمہؑ سے بات کرلو۔ بھیا قریب ہے کہ اُس کا دل صدمہ سے بکھر جائے۔

(4) اے بھیا تمہیں کیا ہو گیا تم تو ہم پر بڑے مہربان تھے۔ یہ کیا بات ہے کہ تم نے اپنا دل اتنا سخت کرلیا ہے؟

(5) اے بھائی کیا تم نے عابدؑ بیمار کو اس قید و بند میں نہیں دیکھا ہے؟ اسے یتیمی اور بے کسی کے ساتھ ساتھ بار بار اونٹ سے گرنے اور اٹھنے کی طاقت نہیں ہے۔

(6) پھر یہ بھی تو دیکھو کہ جب اُسے ضربیں لگائی جاتی ہیں تو وہ درد سے تڑپ کر آپ کو پکارتا ہے۔ بہتے ہوئے آنسوؤں سے ناتوانی میں آپ کو یاد کرتا ہے۔

(7) اے بھیا قربان جاؤں ذرا سا قریب ہو کر عابدؑ کو سینہ سے لگالو تا کہ اُس کے دل کو آپ تسکین دے کر اس کے خوف کو دور کر سکو۔

(8) بھلا کسی یتیم کے لئے اس سے بڑی مصیبت اور دل شکنی اور کیا ہوگی کہ وہ دکھیا اپنے باپ کو آوازیں دے اور اسے باپ کی طرف سے جواب بھی نہ ملے۔

(ب)۔ سابقہ کتابوں میں ثبوت دینا اگر مقبول ہے تو آئندہ منہ بند رکھیں

ہمارے نام نہاد مجتہدین اور مخالفین قرآن کریم اور کتب حدیث کے بیانات کو جس اصول سے مستند سمجھتے ہیں۔ اُسی اصول سے ہمارے بیانات کو مستند اور صحیح سمجھنا اُن پر لازم ہے۔ مثلاً قرآن کریم نے فرمایا کہ:۔

وَاِذْ قَالَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِى اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ قَالُوۡا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ o۔(الصّف 61/6)

''اور جب عیسیٰؑ بن مریم نے کہا کہ اے اسرائیل کی اولاد میں تمہاری طرف اللہ کا رسولؑ ہوں۔ اور جو کچھ تورات میں سے میرے سامنے ہے اُسکی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ایک ایسے رسولؐ کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آنے والا ہے۔ اور جسکا نام احمدؐ ہوگا۔ چنانچہ جب بنی اسرائیل کے پاس حضرت محمدؐ بنام احمدؐ آئے تو اُنہوں نے کہہ دیا یہ تو ایک کھلا ہوا ثابت شدہ جادو ہے۔''

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس آیت کے بیان کو صحیح سمجھا اور اُس پر ایمان لائے۔ حالانکہ جو انجیل موجود چلی آ رہی ہے اُس میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ بیان نہ آج ہے نہ عہد رسولؐ میں موجود تھا۔ مگر قرآن میں حوالہ موجود تھا۔ اسلئے مان لیا گیا اور یہ ضد نہیں کی گئی کہ ہمیں انجیل میں دکھاؤ تب قرآن کے اس حوالہ یا اقتباس کو مانیں گے۔ مگر عیسائیوں نے انکار کیا اور کہا کہ یہ بیان اس لئے غلط ہے کہ انجیل میں نہیں۔ مسلمانوں نے کہا کہ تم نے یا تمہارے بزرگوں نے انجیل کی عبارتوں کو تبدیل کر دیا ہے۔ اصلی انجیل میں یہ بیان ضرور موجود ہوگا۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ: ۔محمدؐ اللہ کا رسولؐ ہے۔اور جولوگ اُسکے ساتھ ہیں وہ آپس میں بڑے مہربان ہیں اور کفار پر بہت ہی سخت ہیں۔تم اے رسولؐ جب بھی انہیں دیکھتے ہو یا دیکھو گے تو انہیں اللہ کی رضامندیاں اور فضل حاصل کرنے کیلئے رکوع اور سجود میں پاؤ گے۔مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىة وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْل ۔ اُنکی مثال توریت اور انجیل دونوں میں ہے(الفتح 48/29)۔اسی قسم کے سینکڑوں بیانات قرآن میں موجود ہیں اور علمائے اسلام نے توریت وانجیل وزبور میں موجود نہ ہوتے ہوئے بھی قرآن کے بیان کو مستند سمجھا ہے۔

دوسرا پہلو۔ اُدھر صحاح ستہ اور ادھر کتب اربعہ کو اعتبار کا آخری درجہ حاصل ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ کیا صحاح ستہ کے مرتب کرنے والوں اور کتب اربعہ جمع کرنے والوں سے تمام راویوں کی ذاتی ملاقات ہوئی تھی؟ تمام اہلسنت اور شیعہ علما کا اتفاق ہے کہ اُن لوگوں سے ہرگز تمام راویوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔پھر دوسرا سوال یہ ہے کہ جن کتابوں سے انہوں نے اپنی کتابوں میں حدیثیں نقل کی ہیں کیا اُن کتابوں کے تمام مصنفین سے اُن کی ملاقات ہوئی تھی؟ اِس کا جواب بھی نفی میں ہے۔پھر یہ سوچیں کہ مذکورہ حدیث کے ذخیرہ کی دس کتابوں میں اُن کے مؤلفین نے کہیں کسی سابقہ یا اپنے زمانہ کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔لیکن شیعہ اور سُنی دونوں قسم کے علما اُن کتابوں کو اور اُن کے مصنفین کے بیانات وتحریرات کو مستند سمجھتے ہیں۔

تیسرا پہلو یہ ہے کہ تمام قدیم کتابوں میں سند بیان کرنے یا حوالہ دینے کی مثالیں اِسی وزن کی ہوتی تھیں۔جیسا کہ مندرجہ بالا روایت میں علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب بحارالانوار میں لکھا ہے کہ: ''رَاَیْتُ فِیْ بَعْضِ الْکُتُبِ المعتبرہ'' ''میں نے بعض معتبر کتابوں میں دیکھا ہے''۔سوچئے کہ تمام شیعہ علما محمد باقر مجلسی سے یہ نہیں پوچھتے کہ جناب وہ معتبر کتابیں کون سی تھیں؟ اور اُن کا اعتبار کس بنیاد پر کیا گیا ہے؟ اور جناب نے اُن کے نام تک بتانے کی تکلیف کیوں گوارا نہ کی؟ کہ اگر ہم آج اُن ہی کتابوں سے حوالہ دیں تو عزاداری کے یہ منکر شیعہ علما انکار نہ کریں۔بہر حال ہمیں یہ قرآن اور حدیث اور محمد باقر مجلسی کی مثالیں لکھ کر عزاداران حسین علیہ السلام کو یہ بتانا ہے کہ آپ اُن منافقین کے سوالات اور اعتراضات کے جواب میں یہ فرما دیا کریں کہ تم اپنی راہ لو، نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ ہم عزاداری میں جو کچھ کرتے ہیں وہ سب محمدؐ وآل محمدؐ کی سنت ہے۔جس پر دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ بھی گواہ ہیں۔مگر تم ایسے دوستداران اہلبیتؑ ہو کہ تم سے کفار و یہود وعیسائی و مجوسی و ہندو اور بے دین لوگ بھی بہتر ہیں۔ہم اپنا سر پھوڑتے ہیں، سینوں پر زنجیریں، چھریاں اور تلواریں مارتے ہیں۔یہ سنت صدیقہ صغریٰ جناب زینب علیہا السلام ہے اور تمام صحابہ حسینؑ اور تمام شیعان ماسبق کی سنت ہے۔سُنو دشمنِ شبیرؑ سے ہندو ہر حال میں بہتر ہے۔خدا تم پر لعنت کرتا رہے۔بلاشبہ تم قاتلانِ حسینؑ کی نسل سے ہو۔یقیناً تم وہی لوگ ہو جن کو نیک اہلسنت بھی دشمنانِ اہلبیتؑ کہتے ہیں۔تم ہی وہ لوگ ہو جن کی موجودگی نے حقیقی شیعوں کو بھی طعن وطنز کا نشانہ بنایا ہے۔تم نے ہی یزیدی حکومت اور اس کی جانشیں حکومتوں کی پالیسی پر عمل کیا۔اور بلا سند و بلا ثبوت اور بلا دلیل بہت سے فضائل ومصائب محمدؐ وآل محمدؐ کا انکار کیا ہے۔تم ہی ایک سانس میں عزاداری کی روایات کو غلط قرار دیتے ہو۔وہ ملاعین تم ہی ہو جنہوں نے یہود ونصاریٰ کے مجتہدین کی حرف بحرف، لفظ بلفظ اور قدم بقدم پیروی کی۔جس طرح انہوں نے توریت وانجیل سے وہ ثبوت وسند نکال دی جو قرآن نے پیش کی تھی۔تم نے قران کے معنی تبدیل کئے یعنی ایک ایک لفظ کے سینکڑوں معنی مشہور کئے اور پھر جن معنی کا چاہا انکار کر دیا۔اس ایک قرآن کے اتنے ہی

قرآن بنالئے جتنے تم نے فرقے بنائے تھے۔تمہارے ہی گروہ کے لوگ نبوت کو جاری مانتے ہیں۔تم ہی عذاب جہنم کو عارضی مانتے ہو۔ پھرتم نے پچھلی صدی کی کتابوں کی عبارتوں کو تبدیل کیا۔تم ہی نے بحارالانوار اور سینکڑوں شیعہ علما کی کتابوں میں تبدیلیاں کر کے شائع کرایا۔تم ہی نے معتبر کتابوں کو ضائع کیا۔تم ہی معتبر کتابوں کو شائع ہونے سے روکتے ہو۔تم ہی مناظرہ بازی کر کے مسلمانوں کو لڑاتے ہو۔تم ہی شیعوں سے اہلسنت کو متنفر کرتے رہے ہو۔تم ہی تو ہو جو جناب قاسم بن الحسنؑ کی شادی کا انکار کرتے ہو۔سنو ہم تمہیں تمہارے ایک منکر ومنافق بزرگ کا بیان دکھاتے ہیں۔مگر تمہیں اُس کا نام نہیں بتائیں گے۔تاکہ تمہارا دل بے چین رہے۔اور تمہیں تلاش میں سرگرداں رہنا پڑے اور جب بھی ملے تو تمہیں ندامت وخجالت ورسوائی کا سامنا ہو۔مگر ہمارے پاس وہ کتاب موجود ہے،شائع ہوتی ہے اور ملنے کا پتہ بھی ہزار ہا انسانوں کو معلوم ہے۔اور وہ کتابیں بھی دنیا میں موجود ومعلوم ہیں جن کا اُس مجتہد نے حوالہ دیا ہے۔مومنین سُنیں اور منافقین ومعترضین کو سنا کر جلائیں۔کتاب فارسی میں ہے۔لہٰذا فارسی عبارت اور ہمارا ترجمہ پیش خدمت ہے:۔

(ج)۔ حضرت قاسمؑ کی عروسی کے منکرین ومنافقین کی زبانی ثبوت

مسئلہ پنجاہ ودوییم۔ دامادی حضرت قاسم سلام اللہ علیہ در کتب معتبرہ بنظر انور عالی رسیدہ وخبری در خصوص آن حکایت از آئمہ ھدٰی (س) وارد شدہ یا نہ؟ (صفحہ 348)

سوال نمبر 52۔ حضرت قاسم سلام اللہ علیہ کی دامادی کے متعلق جناب عالی کی نورانی نظر میں معتبر کتابوں سے کیا ثابت ہوتا ہے اور خاص طور پر آئمہ ھدٰی صلوۃ اللہ علیھم کی زبانی کوئی حدیث موجود ہے یا نہیں؟

1۔جواب عرض میکنم سوای حکایتی کہ شیخ فخر الدین الطریح النجفی رحمہ اللہ در ''منتخب'' در مجلس سابع عشر در لیلۂ تاسع از عشر محرم نقل کردہ است۔ دیگر روایتی ندیدہ ایم۔وبعض محدثین اصحاب مثل سید ہاشم بحرانی در ''مدینۃ المعاجز'' وبعض دیگر در کتب مقاتل کہ نقل نمودہ انداز منتخب طریحی نقل کردہ اند۔وسوای آن بنظر نہ رسیدہ است ونسبت باھل بیت نمی دھد۔

''جواب عرض کیا جاتا ہے کہ میں نے شیخ فخر الدین طریح (العالم المحدث الفقیہ الشیخ فخر الدین طریحی مصنف لغت مجمع البحرین،احسن) نجفی کی کتاب منتخب کی سترہویں مجلس میں یہ روایت دیکھی ہے۔جسے انہوں نے نویں محرم کے سلسلے کے سامنے نقل کیا ہے۔اُس روایت کے علاوہ ہم نے کوئی اور روایت نہیں دیکھی ہے۔اور بعض محدثین حضرات نے مثلاً سید ہاشم بحرانی محدث نے اپنی کتاب '' مدینۃ المعاجز '' میں اور دوسرے محدثین نے واقعہ کربلا کی کتابوں میں علامہ مذکور فخر الدین طریحی کی کتاب ''منتخب'' ہی سے نقل کرلیا ہے۔ لہٰذا اُس روایت کے علاوہ میری نظر سے کوئی اور نہیں گزری۔اور اس روایت کو بھی وہ اہلبیتؑ سے نسبت نہیں دیتے ہیں۔

2۔ امادر ناسخ التواریخ با تتبع تامی کہ داشتہ است در تعداد اولاد حضرت امام حسن علیہ السلام کہ در کربلا بودند مینویسد۔اما حسن بن حسنؑ کہ اُورا حسن مثنّٰی گویند در خاطر داشت کہ دختر امام حسین علیہ السلام در حبالہ نکاح در آورد۔چون این خبر را بعرض حسین علیہ السلام رسانیدند اُورا حاضر ساخت وفرمود اینک فاطمہؑ وسکینہؑ دختران منند ہر یک را خواستار باشی با تو کابین خواہم بست؟ حسن شرمناک سرفروداشت وسخن نہ کرد۔حسینؑ فرمود من دختر خود فاطمہؑ را کہ با مادرم شبیہ تر است با تو کابین خواھم بستم۔ابونصر بخاری گوید فاطمہؑ (معاذ اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔احسن) از حسن

سہ پسر آوردنخستین عبداللہ کہ اُوراعبداللہ محض گویند دویم ابراہیم واُورا ابراہیم غمر گویند سیم حسن واُوراحسن مثلث گویند۔تا آنکہ میگوید وازاین حدیث مکشوف افتاد کہ حدیث دامادی قاسمؑ بن حسنؑ درکربلا وتزویج کردن حسین علیہ السلام فاطمہؑ رابا اُوازاکاذیب روّات است وحسین علیہ السلام رادو دختر افزوں نہ بودیکی فاطمہؑ زوجہ حسن مثّنیٰ وَ آن دیگر سکینہ بود۔بعضی گویند اُورادختری دیگر بود کہ زینب نام داشت ۔ واگر باخبار نااستوار متوسل شوند کہ اورافاطمہؑ دیگر بُود ومابپذیریم خواہیم گفت کہ اُوفاطمہؑ صغریٰ است کہ درمدینہ جای داشت ۔اورانتواں باقاسمؑ بن حسنؑ بست ۔

البتہ ناسخ التواریخ میں بڑی چھان بین کے بعد امام حسن علیہ السلام کی اُس اولاد کا ذکر کیا گیا ہے جو کربلا میں موجود تھی۔اس سلسلے میں وہاں لکھا ہے کہ ''حسن بن حسن علیہ السلام جن کو حسن مثنیٰ (حسن کی کاپی) بھی کہا جاتا ہے۔اُسکے دل میں تھا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کی بیٹی کو اپنے عقد میں لائے۔جب یہ خبر امام حسینؑ کو دی گئی تو آپ نے اُسے بلایا اور کہا کہ میری یہ دو بیٹیاں فاطمہؑ اور سکینہؑ ہیں اِن میں سے جسکو تم مانگو میں تم سے نکاح کر دوں؟ وہ بہت شرمندہ ہوا کوئی جواب نہ دیا اور سر جھکا لیا۔امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں اپنی بیٹی فاطمہؑ کو جو میری والدہ سے بہت مشابہ ہے (معاذ اللہ) تیرے نکاح میں دیتا ہوں۔ابونصر بخاری (خارجی) کہتا ہے کہ فاطمہؑ کے یہاں سے حسن مثنیٰ سے تین بیٹے پیدا ہوئے تھے۔چنانچہ اُن میں سے ایک عبداللہ تھا جسے عبداللہ محض کہا گیا ہے۔دوسرا ابراہیم تھا جسے ابراہیم غمر کہا گیا ہے۔تیسرا بھی حسن تھا جسے حسن مثلث (تکونا) کہا گیا ہے۔تا آنکہ میگوید اوراس حدیث سے انکشاف ہوتا ہے کہ دامادی قاسم کا قصہ کربلا میں امام حسین نے فاطمہؑ کبریٰ سے اُنکا نکاح کیا تھا۔یہ روایت راویوں کے جھوٹ کی دلیل ہے اور امام حسین علیہ السلام کے یہاں صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔اُن میں سے ایک فاطمہ تھیں جو حسن مثّنیٰ کی زوجہ تھیں اور دوسری بیٹی سکینہؑ تھیں۔بعض علما نے لکھا ہے کہ امام حسینؑ کی ایک اور بیٹی زینب نام کی بھی تھی۔اگر ہم کمزور قسم کی احادیث کو اختیار کر لیں اور مان لیں کہ امام حسین علیہ السلام کی تیسری بیٹی بھی تھی تو ہم تو یہ کہیں گے کہ وہ تیسری بیٹی وہ فاطمہؑ صغریٰ ہونا چاہئیں۔جن کو مدینہ میں چھوڑا گیا تھا۔مگر اُنکی شادی حضرت قاسمؑ سے نہیں کی جاسکتی تھی۔

3۔عرض میکنم در''بحار''روایت نمودہ است۔روی انّ الحسن بن حسنؑ خطب الٰی عمہ الحسینؑ احدی ابنتیہ فقال لہ الحسین (ع) اختر یابُنَیّ احبھما الیک فاستحیی الحسن ولم یحرجوابًا فقال لہ الحسینؑ فانی قداخترتُ لک ابنتی فاطمۃً فھی اکثر شبھا لفاطمۃً اُمّی بنت رسوؐل اللّٰہ وقبض الحسن بن الحسنؑ مجتبٰی ولہ خمس وثلثون سَنَۃ واخوہ زید بن الحسنؑ حی ۔فلمامات الحسن بن الحسنؑ ضربت زوجتہ فاطمۃُ بنت الحسینؑ بن علی (ع) علٰی قبرہ فسطاطًا وکانت تقوم اللیل وتصوم النھار وکانت تشبہ بالحورا لعین لجمالھا۔فَلَمَّا کانت راس السنۃ قالت لموالیھا اذا اظلم اللیل فقوضوا ھذا الفسطاط۔فلما اظلم اللیل سَمِعَتُ قائلًا یقول''ھَل وجد وا مَافقد وا ؟''فاجابہ آخر یقولوا۔''بل یَئِسُوا فانقلبوا۔''

میرا کہنا یہ ہے کہ بحار الانوار میں علامہ محمد باقر مجلسی نے روایت لکھی ہے کہ حسن بن حسن علیہ السلام نے اپنے چچا امام حسینؑ سے اُن کی ایک بیٹی سے شادی کرنے کی درخواست کی تو امام حسین علیہ السلام نے حسن مثنیٰ سے کہا کہ اُن دونوں میں سے جو تمہیں زیادہ پسند ہو اُسے اختیار کر لو۔مگر حسن مثنیٰ نے شرم کی وجہ سے کوئی جواب نہ دیا۔تب امام حسینؑ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو تجویز کرتا ہوں اس لئے کہ وہ میری والدہ فاطمہؑ سے بہت مشابہ ہے۔حسن مثنیٰ نے اُن کو نکاح میں لے لیا۔اور اُس وقت حسن مثنیٰ کی عمر پینتیس

(35) سال کی تھی۔ اور اُن کا بھائی زید بن امام حسنؑ اس وقت زندہ تھا۔ پھر حسن مثنیٰ نے اپنے بھائی کو وصیت کی تھی۔ جب حسن مثنیٰ مرگیا تو اُس کی زوجہ فاطمہؑ بنت حسینؑ بن علیؑ نے حسن مثنیٰ کی قبر پر خیمہ اور قناتیں لگا کر وہیں رہنا اور راتوں کو عبادت کرنا اور دن بھر روزہ سے رہنا شروع کیا اور وہ اپنی خوبصورتی میں حوران جنتی کی مانند تھیں۔ جب اسی حالت میں ایک سال پورا ہوگیا تو فاطمہؑ نے اپنے خادموں سے کہا کہ جب رات کا اندھیرا چھا جائے تو تم لوگ خیمہ اور قناتیں اکھاڑ لینا۔ چنانچہ جب رات چھا گئی اور خوب اندھیرا ہوگیا تو فاطمہ نے سُنا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ:۔

''کیا اُنہوں نے وہ چیز حاصل کر لی جو اُن کے ہاتھ سے جاتی رہی تھی؟'' دوسرے نے جواب دیا کہ:۔

''نہیں نہیں بلکہ وہ مایوسی کے عالم میں ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔''

4۔ و در تعداد بنات امام حسین علیہ السلام در بحار چند روایات ذکر میکند۔ کہ دو دختر داشتہ اند سکینہؑ و فاطمہؑ۔ و در بعض روایات دختری مسماۃ بزینب۔ و روایتی از کمال الدین بن طلحہ در ''کشف'' نقل میکند کہ دہ اولاد داشتہ اند۔ شش پسر و چہار دختر۔ اما تعداد اسماء بنات را سہ اسم بیش نمی کند۔ زینبؑ و سکینہؑ و فاطمہؑ۔ و میگوید این قول مشہور است و بعضی دو دختر حکایت کردہ اند۔

کتاب بحارالانوار میں امام حسین علیہ السلام کی اولاد کی تعداد کے متعلق کئی روایات موجود ہیں۔ کسی میں دو بیٹیاں سکینہؑ اور فاطمہؑ بتائی ہیں۔ بعض روایات میں ایک بیٹی زینب نامی بھی بتائی ہے۔ اور علامہ کمال الدین بن طلحہ نے اپنی کتاب ''کشف'' میں ایک روایت لکھی ہے۔ جس میں امام حسین علیہ السلام کی دس (10) اولادیں تھیں۔ جن میں چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ مگر لڑکیوں کے نام گنواتے ہوئے صرف تین نام زینبؑ، سکینہؑ اور فاطمہؑ بتائے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ روایت ہی مشہور روایت ہے۔ اور بعض نے دو بیٹیوں کی کہانی کہی ہے۔

5۔ عرض میکنم یا این است کہ در حکایتِ کشف یک اسم سقط شدہ و یا آنکہ تدافعی دارد۔ و علیٰ ایّ حال حقیقت امر درست معلوم نیست و خدادانا است۔ میں عرض کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا ناموں کی تعداد میں یا تو چوتھی بیٹی کا نام لکھنے سے رہ گیا یا لکھنا نہیں چاہا ہے۔ (اور احسن کہتا ہے کہ یا بعد کے بدمعاشوں نے نام غائب کیا ہے) بات یہ ہے کہ صحیح حقیقت خدا ہی جانتا ہے۔ اِن لوگوں کو معلوم نہ تھی۔

6۔ و روایت ''منتخب'' کہ معروف است آنطور دلالت میکند چیزی کہ تائید صحت آنرا میکند فقرہ ''وی کودک'' است کہ از کتب عہد عتیق است و در میان یہود و نصاریٰ معتبر است و خبر از رسالت خاتم (ص) و شہادت سید الشہدا (ع) نیز و شہادت اصحاب و یاران آنحضرت و عروسی کہ آنروز واقع میشود و مبدل شدن آن بعزا امید ھد و قرینہٴ صدقی است کہ تائید میکند صحتِ نوع حکایت را۔ ولی در اخبار ماثورہٴ خود مان کہ روایت از معصومین (ع) باشد ذکر آن راندیدہ ایم۔'' (از صفحہ 348 تا 351)

علامہ فخر الدین طریحی کی کتاب ''منتخب'' کی روایت جو ملت شیعہ میں مشہور و معروف ہے وہ مندرجہ بالا دس اولادوں والی روایت کے طریقہ پر ہے۔ اور جو چیز اس روایت کی صحت پر دلیل بنتی ہے۔ وہ اِس روایت کا ایک فقرہ ہے یعنی ''وی کودک'' یہ فقرہ عہد عتیق (آنحضرتؐ سے قبل) کی کتابوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور یہودی اور عیسائی علماء و عوام میں مشہور و مستند ہے۔ اور اس روایت میں

خاتم الانبیاءؑ کی نبوت و رسالت اور سید الشہداؑ کی شہادت اور امام حسینؑ کے دوستوںؑ اور صحابہؓ کی شہادت کی پیشینگوئی ہے اور ساتھ ہی اس عروسی کی تفصیل ہے جو ہجوم رنج و غم اور عزاداری میں تبدیل ہو جانے والی تھی۔ اور اس روایت کی صحت پر یہ پیشین گوئی قرینۂ صدق ہے۔ مگر ہمارے یہاں آئمہ معصومین علیھم السلام کی زبانی جو احادیث موجود ہیں اُن میں میں نے نہیں دیکھا ہے۔'' آگے بڑھنے سے پہلے یہ بھی سُن لیں:۔

7۔ موافق استنباط بعض از محدثین زینبؑ وام کلثومؑ را یکی میشمر دند و اختلاف روایات دریں مقام بسیار است۔ (آخری رسالہ صفحہ 18)

بعض محدثین کی تحقیق میں زینبؑ اور ام کلثومؑ کو ایک ہی ہستی شمار کیا گیا ہے۔ اس مقام میں روایات بہت مختلف ہیں۔''

(د)۔ دروغ بافوں کو گھر تک پہنچا کر چھوڑنا چاہیئے۔ روایت پر تنقید

مومنین کے لئے اس پورے اور طویل بیان میں بھی ثابت ہے کہ میدان کربلا میں امام حسین علیہ السلام نے حضرت قاسم اور حضرت فاطمہ علیھما السلام کی شادی کی تھی اور یہ کہ یہ سب کچھ روز ازل سے تمام انبیاؑ کی زبانی بطور پیشین گوئی روایت ہوتا چلا آ رہا تھا۔ مگر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے آباواجداد اور اُن کے آباواجداد مسلسل تیرہ سو سال سے رسومات عزاداری میں اس عروسی کو مانتے اور مناتے چلے آ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں کسی روایت اور عالم کے بیان اور تصدیق کی ہرگز احتیاج نہیں ہے۔ یہ ملت شیعہ کی وہ سنت ہے جو آئمہ علیھم السلام کے زمانہ سے جاری چلی آ رہی ہے۔ رہ گئی کتابیں اور کتابوں کے لکھنے والے علما اور اُن کی سمجھ اور اُن کے فیصلے اور اُن کا انکار اور اُن کا اقرار؟ اِس کے متعلق بہت کچھ کہنا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ وہ عملی سنت جو آئمہ علیھم السلام کے زمانہ سے اجتماعی طور پر چلی آ رہی ہے وہ مسلسل اور غیر منقطع ہے۔ یعنی ملت شیعہ کسی ایک لمحہ کے لئے بھی دنیا سے غائب نہیں ہوئی۔ ہر وقت ماضی و مستقبل ہم آہنگ رہتے چلے آئے۔ یعنی جو شیعان اہلبیتؑ امامؑ زین العابدین کے عہد میں موجود تھے، اُن میں سے چند حضرات مر گئے اور چند بچوں کا اضافہ ہوا تو امام محمد باقر علیہ السلام کا زمانہ آ گیا۔ خود امام محمد باؑقر بھی امامؑ زین العابدین کے زمانہ کے فرد تھے۔ اُن کے عہد میں کثرت اُن شیعوں کی تھی جو سابقہ امامؑ کے زمانہ کے لوگ تھے۔ پھر چند شیعہ مر گئے چند بچے اور پیدا ہو گئے یہاں تک کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ آ گیا۔ اور امام جعفرؑ صادق بھی امام محمدؑ باقر کے زمانہ کے فرد تھے۔ اسی طرح ہر امامؑ کے عہد میں سابقہ زمانوں کے حالات و رسوم واحکامات جاننے والی ملت شیعہ مسلسل موجود رہتی چلی آئی اور آج تک موجود ہے۔ یعنی اس ملت کے دماغوں میں، اُس کی زبانوں پر، اُس کے اعمال میں، اُن کے رواسم و عبادات میں وہ سب کچھ موجود ہے جو آئمہ معصومین علیھم السلام کے اعمال واقوال وافکار سے برآمد ہوا تھا۔ لہٰذا ہمیں اِن کتابوں کی ضرورت بھی ہے اور اِن کا ہونا ہمارے لئے مفید بھی ہے۔ لیکن ہمارا اور ہمارے مذہب کا اور ہماری رواسم و عبادات کا وجود اِن کتابوں کا محتاج نہیں ہے۔ وہ ہماری زیبائش اور تفصیلات اور تحقیقات کا سامان فراہم کرتی ہیں۔ لیکن ہمیں وجود عطا نہیں کرتیں۔ وہ اگر ہماری ملت کی سنت جاریہ کے خلاف کچھ کہیں تو وہ کچھ ٹھکرا دیا جائے گا۔ وہ ہماری تصدیق میں مدد دیں، ہمارے کردار کو بلند کریں، ہمیں قوت و ہمت وعلوم عطا کریں تو وہ ہماری ہیں۔ اور جو بات ہماری ملت کی تکذیب کرے وہ دشمنوں کی ہے۔ ہم اور ہماری اسی سُنّت کے لئے فرمایا گیا تھا کہ:

لَاتَجتَمع اُمَّتِیْ عَلَی البَاطل ۔میری امت باطل پر مجتمع اور متفق نہ ہوگی ۔ یہ اُس گروہ کا ذکر ہے جسے معصومؑ نے تیار کیا ہوا اور جو معصومینؑ کے اعمال وافکار و عادات کو سینہ بسینہ اور قدم بقدم عملاً لے کر چلتا ہوا حوض کوثر تک پہنچے۔ ہم یہ تو مان سکتے ہیں کہ ایسے زمانے، ایسے سال اور ایسے مہینے اور ایسے ہفتے اور ایسے دن اور ایسی گھڑیاں آئی ہیں کہ کسی قوم میں یا شیعوں میں ایک بھی عالم یا فقیہ یا محدث موجود نہ ہو۔ لیکن ہم یہ نہیں مانتے کہ کوئی ایسا لمحہ گزرا ہے کہ حجتؑ خداوندی موجود نہ رہی ہو۔ یا مذکورہ بالا سنت جاریہ اور ملت شیعہ اس تیرہ سو چھتیس (1336) سال میں یا تیرہ سو ستانویں (1397) سال میں موجود نہ رہی ہو۔

دوسری بات علما کے متعلق ہے۔ اور علما کا مسلمہ یہ ہے کہ حقیقی علما صرف آئمہ معصومین اور محمد صلوٰۃ اللہ علیہم تھے (حدیث)۔ اور علما نے یہ بھی مانا ہے کہ یہ علما تمام خاطی ہیں۔ اُن سب سے خطا نہ صرف ممکن تھی بلکہ اُن کی خطاؤں کا انبار کتاب الخلاف اور کتاب المختلف میں دیکھا جا سکتا ہے۔ نہج البلاغہ اُن کی نقاب کشائی کے لئے ایک زبردست معصوم ریکارڈ ہے۔ اُن کے اپنے اقوال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ پھر اُن علما کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اُن ہی میں مخلوط اور ملے جلے وہ علما ہیں جنہیں علمائے سُوء یعنی ناہنجار و بدکردار علما۔ اور اُن ہی میں کچھ اچھے علما بھی ہیں۔ اور اگر ہم نہج البلاغہ کے معیار پر جانچیں تو بہت سے مشہور و موجود عمامہ پوش وعبا قبا بردوش شیوخ ومرجع خلائق قسم کے لوگوں کی کثرت علمائے سُوء کے دائرے میں ملے گی۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اُمت میں بدعملی اور بے دینی جب بھی شروع ہوگی وہ اس لئے ہوگی کہ اس سے پہلے علما اور امرا بدعملی اور بے دینی میں مبتلا ہو چکے ہوں گے (حدیث)۔ یعنی گمراہی کی طرف علما کا جانا پہلے ہے۔ اور اُمت کا نمبر بعد میں ہے۔ لہٰذا جو علما ہر زمانہ میں بادشاہوں، حکمرانوں کے تنخواہ دار و وظیفہ خوار رہے ہیں۔ اور جاگیروں اور کروڑوں روپے کی ملکیت رکھتے تھے وہ سب علمائے سُوء میں داخل ہیں۔ اُن کی تصنیفات اور تحریروں میں سے ہر وہ بات نفی کر دی جائے گی جو حکمرانوں کی پالیسی کی تائید اور معصومینؑ اور ملت شیعہ کی مخالفت کرے۔

پھر اُن علما میں وہ لوگ بھی ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ حضرت ام کلثومؑ بنت فاطمہؑ وعلیؑ کی شادی خلیفہ دوم کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ علما اور کتابیں بھی ہیں جن میں رسولؐ اللہ کی چار بیٹیاں حضرت خدؑیجہ سے تسلیم کی گئیں اور اُن کا کافروں اور منافقوں سے نکاح ہونا مانا گیا ہے۔ ہم ایسے علما کو دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ سمجھتے ہیں اور اُن کی بات بلا تنقید و تحقیق نہیں مانتے۔

پھر علما، اہلبیتؑ کے خلاف سازشوں میں شریک رہے ہیں۔ اور اُنہوں نے خطا کار ہوتے ہوئے اپنی پیروی و اطاعت کو واجب قرار دیا ہے جو احکام خدا اور فرامینِ معصومینؑ کے خلاف ہے۔ لہٰذا علما کا وزن اُسی وقت بنتا ہے، اُن کی قدر و قیمت اُسی حالت میں ثابت ہوتی ہے جب کہ اُن پر کوئی ایسا الزام قائم نہ ہوتا ہو جو آئمہ علیھم السلام نے عائد کیا ہو۔ اور اُن کے احکام اور فیصلے اور فتاویٰ قران کریم اور احادیث معصومینؑ کے الفاظ میں ہوں۔ ذاتی رائے اور خطا کارانہ بصیرت کو دخل نہ دیا گیا ہو۔ ورنہ ہم ایسے علما کی قیمت لگانا اور قدر کرنا تو بڑی بات ہے ہم تو اُن تمام لوگوں کو ملعون و مردود سمجھتے ہیں جو دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ کی پیروی میں فتویٰ دیتے ہوں۔

مندرجہ بالا فارسی زبان کے بیان میں یہ جو کہا گیا ہے کہ انہیں حدیث کی کتابوں میں کوئی حدیث ایسی نہیں ملی جس میں حضرت

قاسم وحضرت فاطمہ کبریٰ علیہما السلام کی عروسی کا تذکرہ ہو۔ یہ جواب جب کسی عالم کی طرف سے دیا جاتا ہے تو مومنین یہ سمجھ لیتے ہیں کہ واقعی ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُس عالم نے حدیث کی تمام کتابوں کو پڑھا ہے؟ اور کیا تمام حدیث کی کتابیں علما کے پاس موجود ہیں؟ پہلے سوال کے متعلق سُنئے کہ آج یا کل یعنی اِس زمانہ میں اور کسی سابقہ زمانہ میں کسی عالم نے حدیث کی تمام کتابیں ہرگز نہ پڑھی ہیں نہ پڑھی تھیں، نہ پڑھی جاسکتی تھیں۔ یعنی یہ بات ناممکن تھی اور ناممکن رہتی چلی آئی ہے۔ اسلئے کہ چوتھی صدی شروع ہونے کے بعد صرف علم الحدیث کی چارسو کتابیں ضائع کردی گئی تھیں۔ جن کو اربعہ مائۃ (400) کہا گیا ہے۔ اور سُنی وشیعہ دونوں کے ریکارڈ میں اُن کا موجود ہونا اور آئمہ معصومین علیہم السلام کا مصدقہ ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا چوتھی صدی کے اور اُسکے بعد کے علما کا اُن ضائع شدہ کتب حدیث کو پڑھنا ناممکن تھا اور ہے۔ اب یہ سوچیے کہ جب چارسو حدیث کی کتابیں موجود ہی نہیں ہیں تو یہ بات کیسے صحیح ہوسکتی ہے کہ عروسی حضرت قاسمؑ پر کوئی حدیث موجود ہی نہیں تھی؟ ہم اُن فریب سازوں سے کہیں گے کہ جناب آپکے بزرگوں نے حدیث کے اس عظیم القدر ذخیرہ کو تباہ اور ضائع اسلئے کیا تھا کہ آنے والے مومنین کے سامنے اُن تمام حقائق کا انکار کرسکو جو اُن چارسو حدیث کی کتابوں میں موجود تھے؟ اور دو چار کتابیں پڑھ کر کہہ دو کہ ایسی کوئی بھی حدیث موجود نہیں ہے۔ جس سے عروسی قاسمؑ ثابت ہوجائے؟ اسی لئے ہم نے اس عنوان کا نام دَروغ بافوں کو گھر تک پہنچا کر چھوڑ نا رکھا ہے۔ لہٰذا مومنین ہر منکر کوٹوک کر جھوٹا کہہ دیں اور سُنیں کہ اُن میں کسی کو اپنے کو سچا ثابت کرنے کا سامان نہ ملے گا۔ پھر سوچیے کہ اہلسنت کے ریکارڈ میں ہزاروں کتابیں حدیث پر موجود ہیں۔ کیا اُن منکرین نے وہ تمام کتابیں پڑھی ہیں؟ ظاہر ہے کہ نہیں ہرگز نہیں؟ اور پھر اہلسنت کے سینکڑوں محدثین میں سے ایک محدث محمد اسماعیل بخاری کو لے لیں۔ اُنکو چھ سات لاکھ حدیثیں ملی تھیں۔ یہ اُنکا مسلمہ بیان ہے۔ اب سوچیئے کہ انہوں نے اپنی حدیث کی کتاب بخاری شریف میں کل چھ سات ہزار حدیثیں لکھی ہوئی چھوڑیں۔ باقی پانچ یا چھ لاکھ چورانوے ہزار حدیثیں کہاں گئیں؟ کون کھا گیا؟ کس نے غائب کیں؟ بتایئے وہ احادیث اِن منکرین نے پڑھی ہیں؟ پھر کیسے ہم اُن مردود وملعون منکروں کی بات کو اہمیت دیں؟ اس عنوان پر ہماری کتابیں (نظام ہدایت وتقلید اور اسلام اور علمائے اسلام وغیرہ) ملاحظہ ہوں۔ ہم نے منکروں کی جڑیں نکال کر پھینک دی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ نے ہماری کوئی کتاب نہ پڑھی ہو یا ہم سے کبھی بات نہ کی ہو۔ یا آپکو ہمارا دنیا میں موجود ہونا ہی معلوم نہ ہو۔ بہرحال ملت شیعہ نہ میری محتاج ہے نہ کسی اور عالم کی یا کتابوں کی محتاج ہے۔ وہ خود ایک بولتی چالتی حقیقت ہے۔ اور اُنکے سرپر اُن کا امامؑ حجت فی العالمین موجود ہے اور بس۔ السلام علیک یاصاحب العصر والزمان۔

(۵)۔ اولادِ امام حسین علیہ السلام کو کم کرنے والے قاتلانِ حسینؑ سے کم نہیں

نسل رسوؐل کو دنیا سے مٹانے کی کوشش برابر جاری رہتی چلی آئی ہے۔ ابتدائی دانشوروں نے اولاد رسوؐل اور خانوادہ رسوؐل کو ختم کرنے کے لئے اُن کے فضائل ومناقب بیان کرنے سے روکا۔ اُن کی عظمت کو اُمت کی نئی نسل کے دماغوں سے کم کیا۔ اُن کو اقتصادی اور سیاسی مشکلات میں اُلجھا کر اُن کو حقیر وبے دست وپا کیا۔ زروجواہر وجاگیریں دے کر لوگوں کا رُخ اُن کی طرف سے ہٹایا۔ رفتہ رفتہ اُن کی کسرشان کے لئے حکایات وروایات گھڑوا کر پھیلائیں اور اُن کے مخالفین کی مدح وثنا کو نصاب تعلیم میں داخل کرکے بچوں کو تربیت

دی۔ بتدریج انہیں سازشی مشہور کیا اور رفتہ رفتہ اُن پر لعنت وتبرا جاری کیا۔ اور جب وقت اُن کے ہاتھ آیا تو کربلا میں اُن کا قتل عام کر دیا۔ اور یوں اپنے خودساختہ اسلام کو نافذ کرنے کے لئے اطمینان وفراغت حاصل کر لی۔ لیکن جب کربلا کا خون اُبلا، جب مظالم نے پلٹ کر ظالموں کو پہچانا تو قتل عام کرنے والی نسل دنیا سے مٹ گئی۔ انقلاب نے اس خودساختہ مذہب کا گلا گھونٹ دیا۔ اب ضروری ہوا کہ اولادِ رسولؐ پر گزرے ہوئے مظالم کو ہلکا کیا جائے۔ پبلک کے دلوں سے نفرت اور جوشِ انتقامِ مظلوم کو نکالا یا کم کیا جائے۔ تو واقعات کربلا کی روایات وحالت کو ادل بدل کر، رعایات وعنایات کا رنگ دے کر پھیلایا۔ اور یوں تلوار ونیزہ وسنان کی جگہ قلم کی نوک اور زبان کا مٹھاس استعمال کیا گیا۔ وہ لوگ جو نوک قلم سے قاتلان حسینؑ کی طرفداری کرتے رہے ہیں وہی ہیں جنہوں نے کہا کہ:-

1۔ حضرت زینبؑ ہی کا نام ام کلثومؑ تھا۔ وہ دو بہنیں نہ تھیں۔

2۔ کربلا میں صرف دو بیٹیاں تھیں۔ ایک فاطمہؑ صغرا اور ایک سکینہؑ۔ اور اُنہوں نے یہ بھی لکھا کہ سکینہؑ کربلا سے مدینہ آئیں۔ معاذ اللہ کئی ایک نکاح کئے۔ اور قاتلان حسینؑ کے طرفداروں سے بھی نکاح کئے۔ وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی طرح اُن کو ایک عیاش عورت لکھتے ہیں۔ افسوس شیعوں کے اُن علما پر ہے جو دوستی کا نقاب پہن کر برابر دشمنوں کی تائید میں اُن روایات کو لکھتے اور مومنین کو مشکوک کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تم نے ایسی روایات کو لکھنا اب تک کیوں نہیں چھوڑا؟ اسی لئے نا کہ شیعوں میں اختلاف رہتا چلا جائے۔ اور ہمارا دشمن تمہارا نام لے کر تمہاری کتاب کا حوالہ دے کر ہمیں ٹوکے اور روک کر کہے کہ جناب شیعہ علما نے مانا اور لکھا ہے کہ:-

3۔ امام حسینؑ کے صرف تین بیٹے تھے۔ علیؑ بن الحسینؑ، علیؑ اکبر، علیؑ اصغر۔ پھر اُن خبیثوں نے اِن تینوں ناموں کو بھی مشکوک کر دیا ہے۔ وہ ملاعین لوگ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو علی اصغر کہتے ہیں۔ اور سینہ میں برچھی کھانے والے اٹھارہ سالہ نوجوانؑ کو حضرت زین العابدینؑ سے بڑا کہتے ہیں۔ اور ہمارے قدیم ذاکرین کی بیان کردہ روایات کو جب دل چاہتا ہے غلط قرار دیدیتے ہیں۔

(و)۔ امام حسین علیہ السلام کی اولادؑ کی صحیح تعداد اور اسمائے گرامی

جناب علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ کی کتاب بحارالانوار سے وہ چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن میں مخالف محاذ کا زہریلا اثر نہیں ہے۔

(1) ''کتاب کشف الغمہ میں کمال الدین بن طلحہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی دس اولادیں تھیں۔

چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ (1) علیؑ اکبر (2) علیؑ اوسط (3) علیؑ اصغر اور (4) محمدؑ (5) عبدؑاللہ اور (6) جعفرؑ۔

بیٹیاں (1) زینب (2) فاطمہ (3) سکینہ (4)...'' اسی تعداد کو علامہ مجلسی نے مشہور اور صحیح لکھا ہے۔ (ترجمہ جزائری صفحہ 160)

(2) مندرجہ بالا روایت سے پہلی روایت میں بھی یہی نام لکھے ہیں۔ اور اُس روایت کو کتاب مناقب سے لکھا ہے۔ اور اس کے بعد والی روایت ابن خشاب سے لکھی ہے۔ اُس میں بھی یہی نام مذکور ہیں۔ (ترجمہ جزائری صفحہ 161-160)

اب ہماری دو باتیں یاد رکھیں ۔ اوّل یہ کہ وہ تمام روایات غلط، باطل اور جھوٹی ہیں جن میں تعداد اس سے کم بتائی گئی ہے اور دوم یہ کہ دس اولادیں بتا کر صرف دس ہی نہیں دس اولادوں کی تفصیل میں چھ (6) بیٹے اور چار (4) بیٹیاں لکھ کر ایک نام کا رہ جانا دس کی تعداد کو کم نہیں کرتا بلکہ اِس کو بھول جانا، غلطی کر جانا یا بعد والوں کا حرامزدگی کرنا کہا جائے گا۔ کاتب سے اور نسخہ نویسوں سے بھی سہواً ایسا ممکن ہے۔ لہٰذا بیٹیوں کے نام پورے کر لیں۔

بیٹیوں کے اسمائے گرامی

1۔ جناب فاطمة الکبریٰ علیہا السلام عرف زبیدہؑ منسوبہ و منکوحہ جناب قاسم علیہ السلام۔

2۔ فاطمة الاوسط علیہا السلام عرف رقیہ و زینبؑ کربلا میں موجود۔

3۔ فاطمة الصغریٰ علیہا السلام کو مدینہ میں رکھا گیا تھا۔

4۔ فاطمة السکینة علیہا السلام زندان شام میں وفات پائی۔

بیٹوں کے اسمائے گرامی

1۔ حضرت علی الاعلیٰ عرف زین العابدین علیہ السلام۔

2۔ حضرت علی الاکبر علیہ السلام مومنین میں مشہور و محبوب نوجوان۔

3۔ حضرت علی الاوسط عرف محمدؑ کم سن شہید اور بے توجہی کا نشانہ۔

4۔ حضرت علی الثالث عرف جعفر علیہ السلام کم سن شہید اور بے توجہی کا نشانہ۔

5۔ علیؑ الرابع علیہ السلام عرف الحسن علیہ السلام کمسن شہید اور بے توجہی کا نشانہ۔

6۔ علی الاصغر علیہ السلام مشہور شیر خوار عرف عبدؑ اللہ۔ زیارت میں اُن ہی کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام کو اَبَاعَبْدِ اللّٰہ کہا جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ امام حسین علیہ السلام نے اپنے سب بیٹوں کا نام علیؑ اور بیٹیوں کا نام فاطمہؑ رکھا تھا۔ اس پر یزید ملعون نے بھی تعجب کیا تھا۔ اُس خبیث کا مطلب یہ تھا کہ اُس کے آباو اجداد اور خاندان میں جن ناموں سے زیادہ نفرت و عداوت تھی وہی نام حسینؑ کو سب سے زیادہ پیارے تھے۔ لعنت و تبرا کی بنا پر جن ناموں کو رکھنا چھوڑ دیا گیا تھا۔ حسینؑ نے وہی نام رکھ کر بھی خود بنی اُمیہ کو چیلنج کر رکھا تھا۔ اور اُن کے بعد اُن کی اولاد میں آئمہ علیھم السلام نے بھی اُن ہی کی سُنّت پر عمل کیا تھا۔

ہم نے جو کچھ لکھا اور لکھتے ہیں وہ مستند ترین ریکارڈ سے لکھتے ہیں اور وہ ریکارڈ دو قسم کا ہے۔ قسم اوّل خاص ریکارڈ ہے۔ وہی ریکارڈ ہے جس سے جو چیز ثابت ہو جاتی ہے وہ باوجود کوشش کے بند نہیں ہوتی، مٹائی نہیں جا سکتی۔ مثلاً زنجیر و شمشیر و قمہ کا ماتم مجتہدین کی کثرت کے نزدیک حرام ہے۔ وہ منع کرتے کرتے فتوے دیتے دیتے تھک گئے مگر مومنین نے اُسے بند کرنا تو کہاں کم بھی نہ کیا۔ ہر سال

اس میں ترقی وشدت ہوتی چلی آتی ہے۔اور یہ برکت امام عصر علیہ السلام کی خوشنودی کا ثبوت ہے۔

دوسرا ریکارڈ عام ہے۔اس کی بھی دو اقسام ہیں۔اوّل وہ جو چوتھی صدی سے پہلے کی چار سو کتابوں میں سے اب تک باقی اور محفوظ ہے۔مگر نظام اجتہاد کے اختیار سے باہر موجود ہے۔دوسرا وہ جو چوتھی صدی کے بعد تیار کیا گیا تھا اور علمائے حکومت کی دستبرد سے بچا ہوا محفوظ ہے۔ ہم اپنے مذہب کا ہر دعویٰ اور ہر مسئلہ ان تمام اقسام کے ریکارڈ سے ثابت کرتے ہیں۔اور یہ سب اقسام ہماری دسترس کے اندر ہیں۔لیکن ہم یہ پوچھتے ہیں کہ جب بار ثبوت تمہارے ذمہ ہوتا ہے تو یہ کہنا اور لکھ دینا کافی سمجھتے ہو کہ:۔

(الف)۔''بعض مولفات متاخرین میں ہے کہ۔''(ترجمہ بحار جزائری صفحہ 116)

(ب)۔''بعض کتب مناقب معتبرہ میں نقل ہے کہ۔''(ایضاً صفحہ 140)

(ج)۔''بعض مولفات علما میں بروایت مرسلہ بعض اصحاب سے اس طرح وارد ہوا ہے کہ۔''(ایضاً صفحہ 144)

(د)۔کتب معتبرہ میں مسلم بصّاص سے روایت ہے۔''(ایضاً صفحہ 18-17)(دیکھو حصہ دوم ترجمہ جزائری)

لہٰذا تمہیں بھی اسی قسم کا ثبوت اگر دیا جائے تو کیا حرج ہے؟اور اگر ہم کوئی بیان لکھ کر اُس کے آگے مثلاً''آت، لات، کات، یُو، بُو، سُو، جُل، ع، غط، شط، دُھت یا ھِشت وغیرہ لکھ دیں تو تم کیوں قبول نہ کرو گے؟ارے بڑے حضرات صاحبان آپ نے تو اتنے داؤ گھات۔اتنی چالاکیاں اور اتنے مکر استعمال کئے ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی غلط اور بدترین سلوک ناجائز نہیں ہے۔تمہارے ساتھ جو سلوک لازم ہے وہ قرآن میں یوں مذکور ہے:۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا o وَّاَكِيْدُ كَيْدًا o فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا o (الطّارق 86/15-17)

''حقیقت یہ ہے کہ وہ حق پوش گروہ چالاکیاں فریب اور دھوکہ دہی کو اصول حیات بنائے ہوئے ہے۔لہٰذا مجھے قیام قیامت تک مہلت دے دو کہ میں بھی اُن کے ساتھ چالاکی فریب اور دھوکہ کو اپنے معیار سے استعمال کروں۔'' چنانچہ اسی اصول پر:۔

فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا o (النساء 4/76)''تم شیطان پرست لوگوں کو جس طرح بھی ممکن ہو قتل کر ڈالو۔ یقیناً ایسا عملدرآمد کیا جائے تو شیطان کی تمام چالاکیاں، فریب اور دھوکہ دہی بڑی کمزور ثابت ہوگی۔''

بھائی جان تمہیں صرف اُن لوگوں کو ستانے میں کمال حاصل ہے جو دنیا میں قاتل کو بھی دعا دیتے تھے، شربت پلاتے تھے۔ تمہاری نجات کے لئے فاقوں کی حالت میں رات رات بھر کھڑے رہ کر دعائیں مانگتے تھے اور کوئی غلط قدم نہ اُٹھا سکتے تھے۔کوئی قول وفعل اپنے معیار سے گرا ہوا نہ کرسکتے تھے۔اس مجبوری سے تم نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔اُن کے حقوق غصب کئے۔اُنہیں اپنی رعیت بنا کر بھی انہیں چین سے نہ رہنے دیا۔اور آخر تم نے چاہا کہ اُن کا نام ونشان تک مٹا دو۔اس لئے ہم آگے بڑھے، ہم خاطی تھے، ہم گناہ گار تھے۔ہم نے چاہا کہ ہم تمہیں تمہارے اصولوں اور ہتھیاروں سے تباہ کریں اور ایسا کرنے میں کسی جرم وگناہ کا خوف نہ کریں اور مٹا کر چھوڑیں۔تو دیکھو تم آج کل کہاں ہو؟ وہ خلافت کہاں ہے؟ وہ بیعت کدھر ہے۔وہ فری اسٹائل شریعت سازی کدھر گئی؟ وہ تاج وتخت کس نے چھین لیا؟ اب تم ہو کاسۂ گدائی ہے اور کفار وبے دین لوگوں کے، یعنی تمہارے حقیقی ہم مذہبوں کے، دروازے ہیں اور بھیک مانگنے کی

نئ نئ ادائیں ہیں۔جن کے ٹکڑوں پر پلتے ہواُن ہی کولوٹتے ہو۔جن ناموں کے واسطے سے بھیک مانگتے ہواُن ہی کو برا بھلا کہتے ہو۔دنیا کی اقوام میں اورخود مسلمانوں میں تمہارے معزز القاب اب گالی بن کر رہ گئے ۔تمہیں ہر ملک میں فتنہ انگیز وشر پسند قرار دیا جاتا ہے۔ اورابھی تمہاری سزا کی انتہا نہیں ہوئی ہے۔کسی چنگیز،کسی ہلاکواورکسی پاشا یا کسی ناصر خداوندی کا انتظار کرو۔کسی توپ کے دھانہ کا ابھی تیار ہونا باقی ہے تا کہ فضا میں پھر تمہاری دھجیاں اڑتی ہوئی دیکھی جاسکیں۔تمہارے یہاں راہ چلتے لوگوں کو مارڈالنا جائز ہے۔مسافروں کی گاڑیاں جلادینا حلال ہے۔اگرالف پرقابو نہ ہوتو بے سے یےتک تمام انسانوں کاقتل،جلانا اور پیاسوں کے منہ میں پیشاب کرنا؛ہاتھ پیر کاٹ لے جانا اسلام کی خدمت ہے۔تم بے گناہوں کوقتل کرنے اورقتل کرانے؛اقوام وممالک کومفلوج کر کے رکھ دینے کا نام جہاد رکھتے ہو۔تم شر پسندوں اورمکانوں دکانوں کوجلانے والوں کی حرام موت کوشہادت کہتے ہو۔تم مسلمان نہیں ماشاءاللہ شیطان ہو۔

49۔ کوفہ سے دمشق مختلف منازل ومراحل میں گزرنے والے واقعات وحالات

حرم رسولؐ اورسر ہائے شہدؑا کوفہ سے دمشق کس طرح پہنچے؟

یہاں ہم وہ روایات جمع کریں گے جن کی مدد سے یہ عنوان تکمیل کو پہنچتا ہے۔مومنین ہرروایت کے ہرلفظ کو مذکورہ بالا اصول تنقید کے ماتحت رکھ کرقبول کریں۔اور جو بات ملت شیعہ کی سُنة جاریه کے خلاف معلوم ہو،جس پر ہمارے سن رسیدہ بزرگ متفق نہ ہوں اُسے بلاسوچے سمجھے اختیار نہ کریں۔چنانچہ آیئے اور علامہ دربندی رضی اللہ عنہ کی محنت سے مستفید ہونے اوراُن کی روح کوخوش کرنے کی تیاری کیجئے۔اوراُن کواُن کی کوشش اور خدمت سید الشھد اعلیہ السلام پر داد اور دعا دیجئے۔

(1)۔ ابن زیاد ملعون کا انتظام اورروانگی کے احکام؛کوفہ سے شام

علامہ مرحوم لکھتے ہیں کہ:۔ المجلس السابع والعشرون مِن کتاب اکسیرا لعبادات فی اسرارالشھادات فی انفاذ ابن زیاد الاسارٰی والرؤس المطھرة وبیان ماجری من الکیفیات والحالات فی المنازل والمراحل بین الکوفة والشام فنذکر اول فی ھذا المجلس مافی الکتاب الصغیر لابی مخنف ۔ فاعلم ۔اَنّہ قال ثُمَّ دعاابن زیاد براس الحسینؑ فاحضر بین ید یہ وطیّبه بالمسک والعنبرالھندی ثم دعی بشمر بن ذی الجوشن الضبابی وخولی الاصبحی لعن وضمّ الیھما الفًا وخمس مائة فارس وامرھم اَنْ یسیروا بالحرم وسبایا والرؤُس اِلٰی دمشق واَن یشھر وھم فی جمیع البلدان۔قال فلما رایتُ ذلک جمعت رَأیي اِلَی المسیر معھم فجھزّت وسیّرتُ مع القوم فَلَمَّا نزلوا القادسیة انشأت ام کلثوم صلوات اللّٰہ علیھا تقول ۔ماتت رجالی وافنی الدھر ساداتی وزادنی حسرات بعد لوعات صالوا اللیام علینا بعد ماعلموا انابنات رسولؐ بِالھدی یأ تی یسیرونا عَلٰی الاقتاب عاریة کاننا بینھم بعض الغنیمات یعز علیک یارسولؐ اللّٰہ ما صنعوا باھل بیتک بانورا لبریات کفرتم برسولؐ اللّٰہ ویلکم اھدیکم من سلوک فی الضلالات۔

قال ابومخنف وساروا بالرؤس الٰی شرقی الجصاصة ثم عبروا تکریت واخذ وا علٰی طریق البرّثم علی الاعمی ثمَّ علٰی دیرعروة ثمّ علٰی صلتیا ثم علٰی وادی النخلة نزلوا فیھا وباتوا ۔ قال وسموا بُکآءَ نسآء الجن علی الحسینؑ ۔قال ثم رحلوا مِن وادی النخلة واخذ وا علٰی الیانا وکانت عامرة بالناس فَخَرجتِ المخد رات والکھول والشبّان ینظرون اِلٰی راس الحسینؑ ویصلُّون علیه

وعلٰی جدّہٗ وابیہٗ ویلعنون مَن قتلہ ویقولون یاقتلۃ اولاد الانبیأء اخرجوا مِن بلد نا ۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات ۔صفحہ 498-497)

کتاب اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات کی ستائیسویں (27) مجلس میں ابن زیاد ملعون کا سرہائے شہدأ اور اسیران اہل حرمؑ کو دمشق بھیجنا اور مختلف منازل ومراحل میں گزرنے والے واقعات وحالات کا ذکر جناب علامہ ابومخنفؒ کی چھوٹی کتاب سے بیان کیا جاتا ہے ۔ اُنہوں نے فرمایا ہے کہ پھر راوی نے کہا کہ ابن زیاد نے امام حسین علیہ السلام کا سرمبارک طلب کیا جو اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس خبیث نے سرمبارک کو مشک سے معطر کیا۔ اور ہندوستانی عنبر لگایا۔ پھر شمر بن ذی الجوشن ضبابی کو اور خولی اصبحی (خدا اُن دونوں پر لعنت کرے) کو بلایا۔ اور اُن کی ماتحتی میں ایک ہزار پانچ سو رسالہ کے سوار سونپے اور انہیں حکم دیا کہ وہ اہل حرمؑ قیدیوں کو اور سرہائے شہدأ کو دمشق لے جائیں اور راستے میں آنے والے تمام شہروں میں اُن کی رسوائی اور پبلک کو متاثر کرنے کے لئے تشہیر وتعارف کرایا جائے ۔ راوی نے کہا کہ میں نے بھی ساتھ ساتھ چلنے اور حالات کو ریکارڈ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور تیاری کر کے چل دیا۔ جب وہ گروہ قیدیوں وغیرہ کو لئے قادسیہ پہنچا تو جناب ام کلثومؑ نے بطور مرثیہ یہ بین کئے کہ:۔

ہمارے مرد بھی مار دیئے گئے ہمارے سرداروں کو دنیا والوں نے فنا کرنے کی مہم بھی جاری کی ۔ اور انتہائی مظالم کے بعد ہمیں حسرت ویاس میں مبتلا رکھنے کا انتظام بھی کیا گیا۔ اُن نانہجار لوگوں نے یہ جانتے ہوئے بھی ہمارا قتل عام کر دیا کہ ہم اُس رسولؐ کی بیٹیاںؑ ہیں جو دنیا کی ہدایت کیلئے آیا تھا۔ ہمیں ننگی پشت اونٹوں پر اس طرح تماشہ بنائے پھرتے ہیں گویا ہم جہاد میں حاصل کی ہوئی مال غنیمت کی چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر مسلمان خوش ہوں گے اور ایمان میں ترقی ہوگی ۔ اَے اللہ کے رسولؐ میں آپ کو اُس عملدرآمد پر پُرسہ دیتی ہوں جو آپ کی اُمت نے تمام مخلوق سے بڑھی ہوئی پُرنور اہلبیتؑ کے ساتھ روا رکھا۔ تم لوگ قابل نفرین ہو اسلئے کہ تم نے اُس رسولؐ کی ایسی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جو بھٹک جانے والوں کی راہنمائی کرتی ہیں۔

اس کے بعد ابومخنف رضی اللہ عنہ نے لکھا ہے کہ وہ لوگ اہل حرمؑ اور سرہائے شہدأ کو لئے ہوئے مشرقی جصاصہ کی جانب چلے پھر شہر تکریت کو پار کیا پھر بیابانی راستے سے گزرے اور اَعمیٰ ہوتے ہوئے عروۃ کے گرجا پہنچے پھر وہاں سے صلیتا آئے۔ پھر آگے بڑھ کر وادی نخلہ میں پڑاوٗ ڈالا اور وہیں رات گزاری ۔ یہاں رات بھر قوم جنات کی آہ وزاری اور اُن کی مستورات کے مرثیے اور نوحے سنتے رہے ۔ راوی کہتا ہے کہ صبح کو یہ لشکر وادی نخلہ سے چلے اور موضع اَلیانا میں پہنچے جو بہت گنجان آباد تھا۔ چنانچہ بہت سی خواتین اور بڈھے اور جوان غول درغول جمع ہوگئے اور امام حسین علیہ السلام کے سر کو دیکھ کر اُنؑ پر اور اُن کے باؑپ دادوںؑ پر درود وسلام بھیجتے تھے ۔ اور جن لوگوں نے امام حسینؑ اور اُن کے فداکاروں کو قتل کیا تھا اور اہل حرمؑ کی تشہیر اور رُسوائی میں مصروف تھے، اُن سب پر لعنت وملامت کر رہے تھے اور تقاضہ کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ اے لوگو تم نے انبیا علیھم السلام کی اولاد کا قتل عام کیا ہے تم ہمارے شہر سے فوراً نکل جاوٗ۔

فاخذ وا عَلَی الکحیل وآتوا جھنیّۃ وانفذ وا اِلٰی عامل موصل اَن تتلقّانا فِاِنّ معنا راس الحسینؑ ۔ فلمّا قرء الکتاب امرباعلام والمدینۃ تزیّنت وتداعت الناس مِن کُلّ جانب ومکان وخرج الوالی فتلقّا ھم علٰی ستۃ امیال فقال بعض القوم مالخبر

فقالوا راس الخارجی بارض العراق قتله ابن زیاد وبعث براسه الی یزید ۔ فقال رجل منهم یاقوم هذا راس الحسین صلوات اللّٰه علیہ فَلَمَّا تحققوا ذلک اجتمعوا فی اربعین الف فارس من الاوس والخزرج وتخالفوا اَنْ یقتلوهم ویاخذ وا منهم راس الامامؑ وید فنوه عند هم لیکون فخرًا لَهم اِلٰی یَوْمِ القیامة ۔فَلَمَّا سمعوا ذلک لم یدخلوها واخذ وا عَلٰی تلّ اَعفر ۔ثُمَّ علٰی جبل سنجارفوصلوا الٰی نصیبین فنزلوا بها وشهروا الرؤس والسَّبَایا ۔ قال فلما رأ ت زینب علیها السلام راس اخیها بکت وانشأت تقول ۔ تشهر ونا فی البریة عنوة ووالد نا اوحی الیه جلیل ۔کفر تم بربّ العرش ثم نبیهٗ کان لم یجبکم فی الزمان رسولؐ لحاکم اله العرش یاشرَّ اُمة لکم فی لظی یوم المعاد عویل۔

قال ابومخنف وجعلوا یسیرون الی عین الورد وآتوا الٰی قریب وکتبوا الٰی صاحب دعوات اَن تلقّانا لِاَنّ معنا راس الحسینؑ ۔ قال فلما قرء الکتاب امربضرب البوقات فخرج فتلقّا هم وشهروا الرؤس وادخلوا مِن باب الاربعین ونصبوه فی الرّحبة من زوال الظهر الی العصرو اهلها طآئفة یبکون وطآئفة یضحکون وینا دون هذا راس الخارجی خرج علٰی یزید بن معاویة ۔قال وتلک الرحبة الَّتی نصب فیها راس الحسینؑ لا یجتاز فیها احد و تقضی حاجته الٰی یوم القیامة۔ وباتواثملین مِن الخمور اَلَی الصباح ۔ قال وآتوا اِلٰی قنسرین وکانت عامرة باهلها فلما بلغهم ذلک اغلقوا الابوب وجعلوا یلعنونهم و یرمونهم بالحجار ة ویقولون یافجرة یاقتلة اولاد الانبیآءؑ واللّٰه لادخلتم بلد نا فرحلوا عنهم فبکت ام کلثوم سلام اللّٰه علیها وانشأ ت تقول: کم تنصبون لنا الاقتاب عارّیة کَاَنَّنا مِن بنات الروم فی البلد الیس جدّی رسولؐ اللّٰه ویلکم هو الذی دلّکم قصدًا الی الرشد یااُمّة السوء لاسقیا لربعکم الا عذابا کمااحیی البلد۔

قال وآتوا اِلٰی معرّة النعمان واستقبلوهم فتحوا لهم الابواب وقدّ موا لهم الاکل والشرب بقیة یومهم ورحلوا فیها و نزلوا شِیُرَز وکان فیها شیخ کبیر فقال یاقوم هذا راس الحسین صلوات اللّٰه علیه فتخالفوا اَن لایجوزوا فی بلد هم فلمّا عاینوا ذلک منهم لم یدخلوها وساروا الٰی کفرطاب وکان حصنًا صغیرًا فغلقوا علیهم الابواب ۔ فتقد م الیهم خولی فقال الستم فی طاعتنا فاسقونا المآء ۔فقالوا واللّٰه ۔لانسقیکم قطرة واحدة وانتم منعتم الحسینؑ واصحابه واطفاله المآء ۔فرحلوا منه فاتوا سیبور ۔فانشا علیؑ بن الحسینؑ یقول : ساد العلوج فما ترضی بذاالعرب وصاریقد م رأس الامّة الذ نب یاللرّجال فمایا تی الزمان به مِن العجب الذی مامثله عجب آل رسولؐ علی الاقتاب عاریة وآل مروان یسری تحتهم بُخُبٌ۔

قال ۔ وکان فیها شیخ کبیرٌ وقد شهد عثمان بن عفان مجمع اهل سیبور المشائخ والشبّان فقال یا قوم انّ اللّٰه کره الفتنة وقد مرّهذَاالراس فی جمیع البلدان ولم یعارضوه احد فدعوه یجوز فی بلدکم ۔ فقال الشبان واللّٰه لاکان ذلک ابدًا ۔ثم عمد وا اِلَی القنطرة فقطعوها ۔ فخرجواعلیهم شاکین فی السلاح ۔فقال لهم خولی الیکم عنا ۔ فحملوا علیه واصحابه فقاتلوهم قتا لًا شدیدًا ۔فقتلوا مِن اصحاب خولی ستمائة فارس وقُتِلَ مِنَ الشبان خمس فوارس رحمهم اللّٰه ۔فقالت ام کلثوم (سلام اللّٰه علیها)مایقال لِهٰذِهِ المدینة ؟فقالواسیبور فقالت عذب اللّٰه شرابهم وارخص اسعارهم ورفع ایدی الظلمة عنهم ۔ قال ابومخنف فلوانّ الدنیا مملؤة ظلمًا وجورًا لمانالهم اِلَّا قسطًا وعدلًا ۔ ثُمَّ سَارُوا حتّٰی وصلوا حماوا ة۔ فغلّقوا الابواب فی وجوههم و رکبواالستور و قالوا و اللّٰه لا تدخلون بلدنا هذا ولواقُتِلْنا من اخرنا ۔ فلما سمعوا ذلک ارتحلوا وساروا الٰی حمص وکتبوااِلٰی صاحبها اَنَّ معناراس الحسینؑ وکان امیرها خالد بن النشیط ۔فلماقرء الکتاب امربالاعلام فنشرت والمدینة تزیّنت وتد عی الناس مِن کل جانبٍ ومکان وخرج و تلقّاهم علٰی حدّ مسیرثلاثة امیال واشهروا الراس وساروا حتی آتوا حمّص فدخلوا الباب

فازدحمت الناس بالباب فرموهم بالحجارة حتی قتل بالباب ستة وعشرون فارسًا۔واغلقوا الباب فی وجوههم فقالوا اکفر بعد ایمان ام ضلال بعد هدٰی؟

فخرجوا ووقفوا عند کنیسة قِسّیس وهی دارالخالد بن النشیط فتخالفوااَن یقتلوا خولی ویاخذ وا منه الراس لیکون فخرًا لهم الٰی یوم القیامة فبلغهم ذلک فرحلوا عنهم خآئفین وآتوا بَعَلُبَک وکتبواالٰی صاحبها اَنّ معنارأس الحسینؑ فامر بالجواری وبایدیهن الدفوف ونشرت الاعلام و ضربت البوقات واخذ وا الحلوق والسّکر والسویق وباتوا ثملین ۔ فقالت ام کلثومؑ مایقال لهذه البلدة ؟ فقالوا بعلبک فقالت اباد اللّٰه تعالٰی حضراتهم ولا اعذب اللّٰه شرابهم ولا رفع الظلمة عنهم قال لواَن الدنیا مملؤة عدلًا وقسطًا لمانا لهم الا ظلمًا وجورًا۔

وباتوا تلک اللیلة ورحلوا منه وادرکهم المسی عند صومعة راهب۔ فلماجنّ اللیل علیهم دفعواالراس الی جانب الصومعة ۔ فلمّا عسعس اللیل سمع الراهب دَوَیًّا کَدَ ویّ الرعد وتسبیحًا وتقدیسًا واستأنس انوارًا ساطعة فاطلع الراهب راسه من الصومعة فنظرالی الراس فاذا هو یسطع نورًا قد لحق النور بعنان السمآء ونظرالٰی باب قد فتح من السمآء والملا ئکة تنزلون کتائب کتائب و یقولون السلام علیک یااباعبدٗ اللّٰه ۔ فجزع الراهب جزعًا شدیدًا فلما اصبحوا هموا بالرحیل فاشرف الراهب علیهم ونادی مَن زعیم القوم ؟ فقالوا خولی بن یزید الاصبحی فقال الراهب له ومالذی معکم ؟ فقالوا راس الخارجی خرج بارض العراق قتله ابن زیاد۔فقال مااسمه؟ فقالوا اسمه الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ وامه فاطمۃؑ الزهرآء وجدّه محمدؐ المصطفٰی ۔ فقال الراهب تبّالکم ولما جئتم فی طاعته ۔ فقد صدّق الاخبار فی قولهم انّه اذا قتل هذا الرّجل تمطر السمآء دمًا عبیطًا ولا یکون هذا اِلّا فی قتل نبیؐ اَوُوصیّ نبیّ ۔ثُمَّ قال اریداَن تدفعوا الٰی هذا الراس ساعة واحد ة واردّه علیکم فقال خولی ماکنت اکشفه الّا عند یزید بن معاویة واخذ منه الجائزة وقال الراهب کم جائزتک قال بدرة فیها عشرة الاف مثقال۔ فقال الراهب انا اُعطیک البدرة فقال احضر ماذکرتُ ۔فاحضرا الراهب الد راهم ودفعها الیهم فد فعوا الی الراهب الراس وهوعلی القناة فجعل الراهب یقبّله ویبکی ویقول یعزواللّٰه عَلیَّ یااباعبدٗاللّٰه اذالقیت جدّک محمدؐ المصطفٰی فاشهد لی اَنِّی اشهداَن لا اله الَّا اللّٰه وحده لا شریک له واشهد انّ محمدًا عبده ورسوٗله وان علیًّا ولی اللّٰه ۔ ودفع الراس الیهم۔فجعل یقسمون الدراهم واذا هِیَ بایدٍ هم خزف مکتوب علیها وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا أَیَّ مُنقَلَبٍ یَّنقَلِبُونَ (شعرا227/ 26) فقال خولی لاصحابه اکتموا هذا الخبر یاویلکم عن الخزی بین الناس قال سهل فهتف هاتف ینشد بهٰذه الابیات ویقول:۔

اتَرجُوا اُمّة قتلت حسیناً ؟ شفاعة احمدؐ یوم الحساب ۔ وقد غصبوا لِآلِہٖ وخالفوہُ ولم یخشوہُ فی یوم الماب۔ الالعن الا له بنی زیاد واسکنهم جهنم فی العذاب ۔ قال فلما سمعوا ذلک دهشت عقولهم وجدّ وا فی السیر حتی دخلوا دمشق۔(اکسیرالعبادات فی اسرارالشهادات۔صفحہ 498 تا500)

یہ حالات دیکھ کراُنہوں نے چپکے سے کحیل کا راستہ اختیار کیا اور جھنیہ میں آ پہنچے۔اوروہاں سے موصل کے شہر کے گورنرکو حکم نامہ بھیجا کہ ہم سرحسینؑ لئے ہوئے آرہے ہیں۔لہٰذاتم متعلقہ انتظامات کرکے ہمارے استقبال کے لئے پہنچو۔گورنر نے خط پڑھا تو حکم دیا کہ پبلک کو مطلع کیا جائے کہ شہر کو سجائیں۔چنانچہ لوگ انبوہ درانبوہ ہرطرف سے نکل کھڑے ہوئے اور گورنر نے چھ میل سے یزیدی فوج کا استقبال کیا۔چنانچہ لوگوں میں سے بعض نے حالات دریافت کئے تو بتایا گیا کہ عراق کے ایک باغی کو ابن زیاد نے قتل کیا اور اُس کا سرخلیفہ

یزید کو بھیجا ہے ۔مگر ایک شخص نے بتادیا کہ یہ توحسینؑ کا سر ہے ۔ جب تحقیق سے صحیح ثابت ہو گیا تو قبیلہ اوس وخزرج کے چالیس ہزار بہادروں کو لے کر اہل حرمؑ اور سر ہائے شہدأ کو آزاد کرانے کے لئے جنگ کی تیاری شروع کی تا کہ شہدأ کے سروں کو اپنے یہاں دفن کرنے اور اسیران اہل حرمؑ کو آزاد کرانے کا فخر قیامت تک اُن کے حصہ میں آجائے ۔ چنانچہ جب انہیں اِس بغاوت کا علم ہوا تو شہر موصل میں داخلہ کا خیال چھوڑ کر تل اعفر کی راہ لی اور سنجار کے پہاڑ سے گزرتے ہوئے نصیبین کے قریب پہنچے اور ڈیرہ ڈال کر اہل حرمؑ اور سروں کو شہر میں گھمایا۔اس دوران جناب زینب علیھا السلام نے بھائی کے سر کو دیکھ کر نوحہ پڑھا اور سب کو بتایا کہ تم لوگ اپنی دشمنی کی بناپر اُن حضرات کو ساری دنیا میں ذلیل کرنا چاہتے ہو جن کے والد پر خداوند جلیل کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے ۔تم نہ صرف رب العرش کے کافر ہو گئے بلکہ تم نے اللہ کے رسولؐ سے بھی روگردانی کرلی ۔تمھیں زمانہ رسولؐ میں بھی ایمان نصیب نہ ہوا تھا۔اے امت کے شریرترین لوگو تم اللہ کے سامنے حاضری کے دن کائنات کے حاکم کے سامنے عذاب سے بچنے کا کیا بہانہ کرو گے؟

ابومخنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نصیبین سے چلے تو عین الورد کے قریب پہنچے اور وہاں سے اپنے مبلغ کو لکھا کہ ہمارے ہمراہ سرحسینؑ ہے استقبال کو پہنچو ۔ یہ حکم پڑھ کر اُس نے بگل اور نفیریاں بجانے کا حکم دیا اور استقبال کو نکلا۔پھر تمام سروں اور اہل حرمؑ کو شہر میں گشت کرانے کے لئے چالیسویں دروازے سے داخل ہوئے اور تشہیر کے بعد چوراہے پر سروں کو نصب کر دیا۔اور دوپہر کے بعد سے شام تک شہر کے باشندے تماشہ دیکھتے رہے ۔کچھ لوگ روتے بھی تھے،کچھ ہنس ہنس کر کہتے تھے کہ یہ ایک باغی کا سر ہے جس نے خلیفہ یزید بن معاویہ سے بغاوت کی تھی ۔راوی نے کہا کہ جس جگہ امام حسینؑ کا سرلٹکایا گیا تھا وہاں قیامت تک کسی کی حاجت پوری نہ ہوگی نہ وہاں سے گزرنا مفید ہوگا ۔ یہ ملاعین نشۂ شراب سے چُور چُور وہاں رات گزار کر قنسرین میں آئے یہ بہت ہی گنجان آبادی تھی ۔ جب یہ لوگ قریب پہنچے تو انہوں نے شہر کے دروازے بند کر لئے اور اُن پر لعنت اور پتھروں کی بارش کردی ۔اور کہتے جاتے تھے کہ اَے بدکردار ونابنجار لوگو تم نے انبیّا کی اولاد کو قتل کیا ہے ۔تم ہمارے شہر میں داخل نہیں ہو سکتے ۔حضرت ام کلثومؑ نے رو رو کر مرثیہ پڑھا کہتی تھیں کہ:۔

تم تو ہمیں اُسی طرح ننگے اونٹوں پر لئے پھر رہے ہو۔جیسے گویا ہم ملک روم کی بیٹیاں ہوں ۔اے لوگو! کیا میرے جد رسولؐ اللہ نہیں ہے؟ خداتمھیں غارت کرے ،اُنہوں نے ہی تو تمھیں بھلائی کی راہ دکھائی تھی ۔اے نابنجار امت خداتمھاری زمینوں کو کبھی سیراب نہ کرے ۔ تمھیں ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھے ۔جیسے کہ وہ آبادیوں کو زندہ رکھنے پر قادر ہے تمھیں عذاب دینے پر بھی قدرت رکھتا ہے ۔

راوی نے کہا کہ پھر وہ لوگ معرۃ النعمان میں پہنچے تو اُن کا استقبال کیا گیا دروازے کھولے گئے ۔کھانے پینے کا تمام سامان دن بھر دیا جاتا رہا۔ یہاں سے چلے تو مقام شیرز میں ٹھہرنے کے ارادہ سے قریب پہنچے تو وہاں ایک سن رسیدہ شیخ نے بتادیا کہ یہ تو سرحسینؑ ہے ۔اِن کی مخالفت کرو اور شہر میں داخل نہ ہونے دو۔ جب یہ حال دیکھا تو شہر میں داخل نہ ہوئے اور کفر طاب کی طرف چل دیئے یہاں شہر کے چاروں طرف چھوٹی دیوار تھی ۔انہوں نے دروازے بند کر لئے اور اُن کا داخلہ بند کر دیا۔خولی قریب گیا اور کہا کہ کیا تم ہماری رعیت نہیں ہو،ہمیں پانی تو لینے دو۔ جواب ملا کہ قسم بخدا ہم تمھیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیں گے اسلئے کہ تم نے امام حسینؑ اور اُنکے بچوں اور صحابہ پر پانی بند کیا تھا۔چنانچہ وہ ملاعین وہاں سے چل دیئے اور سیبور میں پہنچے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے اعلان کیا کہ:

آخر کار کمینہ اور رذیل لوگ سردار اور سید بن بیٹھے ۔ یہ تو عربوں کو پہلے کبھی پسند نہ آتا تھا۔ اور اُمت کے سروں پر بدکردار لوگ چڑھ بیٹھے ہیں ۔ اے لوگو! یہ تو وہ تعجب انگیز صورت حال ہے کہ اس کی مثال کا ملنا بھی حیران کن بات ہوگی ۔ ایسا زمانہ بھی کبھی آنا تھا کہ رسولوںؑ کی اولاد ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر لونڈی غلاموں کی طرح سوار کی جائے اور آل مروان اس طرح سفر کرے کہ اُس کے نیچے ریشمی غالیچے اور گدے ہوں اور سروں پر سائبان لگے ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ سیبور میں ایک ایسا بوڑھا شخص تھا جس نے عثمان کا زمانہ دیکھا تھا۔ اُس نے شہر کے تمام جوانوں اور بوڑھوں کو جمع کیا اور کہا کہ اللہ کو فتنہ وفساد پسند نہیں ہے ۔ دیکھو یہ سر تمام شہروں میں گشت کرایا گیا ہے۔ اور کوئی ایک شخص بھی روکنے والا نہ ہُوا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اُس کو اپنے شہر میں داخل ہونے سے روک دو ۔ جوانانِ قوم نے کہا کہ خدا کی قسم وہ ہرگز اندر داخل نہ ہوسکیں گے ۔ چنانچہ وہ رکاوٹوں کو ہٹاتے ہوئے اسلحہ لے کر اُن پر پل پڑے ۔ خولی نے اُن سے کہا کہ ہم سے دُور رہو۔ اس پر اُن جوانوں نے خولی اور اس کے لشکر پر زبردست حملہ کر دیا اور جم کر زبردست جنگ کی ۔ چنانچہ خولی کی فوج کے چھ سو سوار قتل ہوگئے ۔ اور اِن میں سے کل پانچ جوان مقتول ہوئے اللہ اُن پر رحم فرمائے ۔ حضرت ام کلثومؑ نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ اُسے سیبور کہتے ہیں تو آپ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ اُن کی پینے کی چیزوں کو خوش ذائقہ رکھے ۔ اور اُن کی ضروریات کی چیزوں میں ارزانی اور فراوانی عطا کرے اور ظالموں کے ہاتھوں کو اُن تک رسائی نہ دے ۔ ابو مخنفؒ نے کہا ہے کہ اگر ساری دنیا ظلم اور ستم سے لبریز ہو جائے تب بھی یہ لوگ عدل اور رحم کرم سے وابستہ رہیں گے ۔ اس کے بعد لشکر ابن زیاد وہاں سے چلا اور حماوات کے پاس پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے بھی اُن پر اپنے دروازے بند کر لیے اور پردے گرا دیئے اور کہا کہ تم لوگ ہمارے شہر میں داخل نہ ہوسکو گے اگر چہ ہم میں کا آخری آدمی بھی مارا جائے ۔ جب اُن ملاعین نے یہ سنا تو وہاں سے چل دیئے اور حمص کی طرف روانہ ہوگئے ۔ اور حمص کے گورنر کو حکم بھیجا کہ ہم سرِ حسینؑ لئے ہوئے آرہے ہیں ۔ وہاں کا گورنر خالد بن نشیط تھا ۔ اس نے خط پڑھتے ہی پبلک کو مطلع کیا شہر کو آراستہ کرنے کا حکم دیا اور پبلک ہر چہار طرف سے اُمنڈ آئی ۔ وہ تین میل دُور سے استقبال کر کے لایا ۔ اور سرہائے شہدؑا اور اسیرانِ اہل حرمؑ کی تشہیر کرتے ہوئے شہر کی طرف بڑھے ۔ اور دروازہ شہر میں داخل ہوئے تو چاروں طرف سے لوگوں نے ازدحام کر لیا اور پتھراؤ شروع کر دیا ۔ باہر نکال کر دروازے بند کر لئے ۔ چھبیس ملعون وہیں مر گئے ۔ وہ کہہ رہے تھے کہ کیا ہم ایمان وہدایت کے بعد کافر وگمراہ ہو جائیں ۔

یہ ملاعین وہاں سے نکل کر قسیس کے گرجا پر آئے جہاں گورنر کا مکان تھا ۔ لوگوں نے اُن کا پیچھا کیا تا کہ خولی کو قتل کر کے اُس سے سرِ حسینؑ چھین لیں اور اِس طرح اُنہیں قیامت تک فخر حاصل ہو جائے ۔ جب یہ پتہ خولی کو چلا تو ڈر کے مارے جلدی سے اپنی فوج لے کر چل دیا ۔ اور شہر بعلبک کو روانہ ہوگیا ۔ ساتھ ہی وہاں کے گورنر کو لکھا کہ ہم حسینؑ کا سر لئے ہوئے آرہے ہیں ۔ گورنر نے عورتوں کو حکم دیا وہ ڈھول بجاتی ہوئی نکلیں ، بگل بجنے لگے اور سارے شہر میں اطلاع ہوگئی ۔ ادھر اُن ملاعین نے ٹولیاں بنائیں گول میزوں پر بیٹھے شراب کا دور چلایا ، کھایا پیا اور مست ومخمور ہو کر سو رہے ۔ حضرت ام کلثومؑ نے اس شہر کا نام معلوم کیا اور بددعا کی کہ خداوندا ان لوگوں کو پھلنے پھولنے سے دور رکھ ۔ اُن کے پینے کی چیزوں کو بدمزہ کر دے اور اُن کو مظالم کا نشانہ بنائے رکھ ۔ کہا گیا ہے کہ اگر ساری دُنیا عدل وداد سے

لبریز ہو جائے تب بھی اُن لوگوں کو ظلم وستم کے علاوہ کچھ اور نہ ملے گا۔

وہ لوگ رات بھر ٹھہر کر راہب کے گرجا کو روانہ ہوئے اور شام کے قریب وہاں جا پہنچے جب رات ہوگئی تو انہوں نے سروں کو گرجا کے پاس محفوظ کر دیا۔ جب رات گہری ہوگئی تو گرجا کے راہب نے بجلی کے گرجنے کی ایسی آوازیں سُنیں اور سبّوحٌ قدّوسٌ کی آوازیں آنے لگیں۔ اور زمین سے آسمان تک نور کا ایک فوارہ سا چھوٹتا ہوا دکھائی دیا۔ راہب نے گرجا سے باہر سر نکال کر اِدھر اُدھر دیکھا تو نظر آیا کہ ایک نور زمین سے بلند ہو کر آسمان تک پہنچ رہا ہے۔ اور آسمان میں ایک دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جس سے ملائکہ گروہ در گروہ نازل ہو رہے ہیں اور سب السلام علیک یا اباعبدؑاللہ کہتے جاتے ہیں۔ یہ نظارہ دیکھ کر راہب کو حد درجہ کی بے چینی ہوگئی۔ صبح کو ملاعین کا گروہ چلنے کیلئے تیار ہوا تو راہب وہاں حاضر ہوا اور پوچھا کہ سردار لشکر کون ہے۔ معلوم ہوا کہ خولی بن یزید ہے۔ راہب نے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ کیا چیز ہے۔ بتایا گیا کہ ایک خارجی کا سر ہے جس نے عراق میں بغاوت کی تھی اور ابن زیاد نے اُسے قتل کر دیا تھا۔ راہب نے کہا کہ اس کا نام کیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالب تھا۔ اسکی والدہ فاطمہؑ زہراء ہیں اسکا نانا محمدؐ مصطفیٰ ہے۔ راہب نے کہا تمہیں اور جسکی تم نے اطاعت کی؛ تم دونوں کو اللہ برباد کرے۔ یقیناً اُنکی باتوں سے سابقہ احادیث واخبار سچے ثابت ہو گئے۔ یقیناً اسی شخص کے قتل پر انسانی خون آسمان سے برسا تھا جو کہ کسی نبیؑ یا نبیؑ کے وصیؑ ہی کے قتل پر برسا کرتا ہے۔ پھر راہب نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک گھڑی کیلئے مجھے یہ سر دے دیا جائے پھر میں واپس کر دوں گا۔ خولی نے کہا کہ اُسے تو یزید ہی کے سامنے کھولا جائے گا۔ اور وہاں سے مجھے انعام ملے گا۔ راہب نے پوچھا کہ تمہارے انعام کی رقم کتنی ہوگی؟ اُس نے کہا کہ دس ہزار مثقال کی ایک تھیلی ہوگی۔ راہب نے کہا کہ یہ رقم میں دیتا ہوں۔ خولی نے کہا کہ رقم یہاں لے آؤ۔ چنانچہ رقم دے کر اُس نے سر لے لیا۔ اور سر مبارک کو بوسے دیتا جاتا تھا۔ اور رو رو کر کہہ رہا تھا کہ اللہ مجھے عزادار بنائے میرا پرسہ قبول کرے۔ یا اباعبدؑاللہ اپنے ناؐنا سے ملاقات کے وقت میری طرف سے اُنہیں بتانا کہ میں نے اسلام اختیار کر لیا ہے۔ میں شاہد ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں اور یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اُسکے رسوؐل ہیں۔ اور یقیناً علیؑ اللہ کے ولی اور آپکے بعد حاکم ہیں۔ اسکے بعد اُس نے سر مبارک واپس دے دیا اور گرجے میں چلا گیا۔ اب انہوں نے راہب کے دیئے ہوئے روپیوں کو آپس میں بانٹنا شروع کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سب مٹی کی ٹھیکریاں بن گئے ہیں اور اُن پر لکھا ہے کہ بہت جلد ظلم کرنے والے لوگوں کو پتہ چلے گا کہ اُن کے ظلم نے پلٹ کر انہیں انقلاب کے حوالے کر دیا ہے (شعرا۔ 26/227)۔ اور یہ دیکھ کر خولی نے اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ لوگوں میں ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس واقعہ کو قطعی طور پر پوشیدہ رکھا جائے۔ ادھر ایک غیبی آواز نے مخاطب کیا اور کہا کہ حسینؑ کو قتل کرنے والی اُمت کو کیسے یہ امید ہو سکتی ہے کہ محمدؐ قیامت میں اُن کی شفاعت کریں گے۔ حالانکہ اُس اُمت نے اُنکے حقوق غصب کئے اور ہر طرح اُن کی آل کی مخالفت کی اور محمدؐ سے بالکل لاپرواہ رہے۔ لہٰذا زیاد کی اولاد اور متعلقین کیلئے قیامت میں محمدؐ کی طرف سے لعنت اور عذاب جہنم کے سوا اور کچھ نہ ملے گا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سُن کر اُن لوگوں پر دہشت نے غلبہ کیا اور اُن کی عقل ششدر رہ گئی۔ لہٰذا جلدی جلدی سفر کرتے ہوئے دمشق پہنچ گئے۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 500-498)

(2)۔ کوفہ سے دمشق تک سفر پر مختلف وضاحتیں اور اختلافات

عزاداروں کے اور علما و ذاکرین کے علم میں یہ بات رہنا چاہئے کہ واقعاتِ کربلا اور متعلقاتِ شہدا و سید الشہدا علیہم السلام کے بیان میں بعض اختلافات ملکی سیاست اور قومی حکومت نے جان بوجھ کر پیدا کئے ہیں۔ اور بعض اختلافات فطری وقدرتی طور پر پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ہر وہ بات قبول کرنی چاہئے جو مقصد امام حسین علیہ السلام کی تائید کرتی ہو۔ اور ہر وہ بات نظرانداز کر دینا چاہئے جو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مخالفت کرتی ہو۔ لہٰذا راوی کا یا راویوں کے بیان کا اختلاف ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ ہم یا آپ جب کوئی واقعہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں تو اُس میں اتنی اثر انگیزی نہیں ہوتی۔ جتنی اُسی واقعہ کی تمثیل میں ہوتی ہے۔ مثلاً آپ نے سینما میں ایک پکچر دیکھی۔ پھر اُسے اپنی زبانی دوسروں کو سنایا تو اُن سننے والوں پر وہ اثر نہیں ہوتا جو آپ پر ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو پکچر دیکھتے وقت دکھ ہوا ہو اور رونا آ گیا ہو۔ مگر آپ سے سننے والوں کو رونا کیوں نہیں آتا؟ پھر اُسی پکچر کا حال اگر دس آدمی سنائیں تو سب کے بیانات بجنسہٖ وبلفظہٖ ایک نہ ہوں گے۔ پھر سننے والے جب دوسروں سے اسی واقعہ کا بیان کریں تو مزید اختلاف نظر آئے گا۔ یہ اختلاف فطری ہے، ہر دیکھنے والا مختلف قابلیت کے ساتھ دیکھتا اور یاد رکھتا ہے۔ قابلیتوں کے اختلاف سے حافظہ اور بیان پر اثر پڑتا ہے۔ ایک بچہ بعض چیزوں کو قطعاً غور سے نہیں دیکھتا اور بعض میں بہت دلچسپی لیتا ہے۔ اُن دونوں حالتوں کا اثر اس کے بیان پر پڑتا ہے۔ عورتیں، پھر شادی شدہ مرد اور عورتیں، پھر پہلے سے دشمنی یا دوستی رکھنے والوں کا دیکھنا اور بیان کرنا الگ الگ وزن کا ہوتا ہے۔ یہ تمام فطری صورتیں احادیث بیان کرنے اور سننے اور لکھنے والوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں۔ راوی اور محدث بھی آدمی ہی ہوتے ہیں۔ وہ بھی بوڑھے، جوان، بچے اور عورتیں ہی ہوتے ہیں۔ اُن کے ساتھ اور اُن کے دیئے ہوئے یا لکھے ہوئے بیانات کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہئے جو آپ باقی آدمیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ کربلا میں ابن سعد بھی تھا؛ شمر بھی تھا؛ حصین بن نمیر بھی تھا؛ خولی بھی تھا۔ اور یہ سب تقریباً ہم پلہ اور قابلیت میں یکساں بھی تھے۔ اور اُن میں سے ہر کوئی پوری فوج یا افواج کی سپہ سالاری سنبھال سکتا تھا۔ لیکن سپہ سالار عمر بن سعد تھا۔ اور یہ لوگ باقی سرداران فوج کی طرح مختلف قسم کی ایک ایک فوج کے ذمہ دار تھے تمام افواج کے نہیں۔ لہٰذا اُن سے نہ تو تمام افواج کا اجتماعی حال معلوم کرنا چاہئے نہ وہ مجموعی حالات پر مطلع ہو سکتے تھے۔ اور نہ اُن کے بیانات کو اجتماعی حیثیت دینا صحیح ہوگا۔ وہ شخص جس سے یہ امید تھی کہ وہ وہاں کی ہر بات کی ذمہ داری لے گا، جس سے ہر سوال دریافت کیا جائے گا، وہ صرف عمر ابن سعد تھا۔ باقی سرداران فوج جُزوی حالات کے ذمہ دار تھے۔ لہٰذا لازم ہے کہ جب اہل حرمؑ اور سرہائے شہدا علیہم السلام دربار یزید میں جائیں تو وہاں عمر بن سعد موجود ہو۔ تاکہ وہ یزید؛ خلیفۂ وقت؛ اُس وقت کے قومی وملکی مسلمانوں (فرقان 25/30) کا امیر المومنین؛ تاجدار عرب وعجم اور عزیزیوں اور محمودیوں کے امام کے ہر سوال کا جواب دے سکے۔ اور ہم نے دکھایا ہے اور پھر بھی ذکر کریں گے کہ عمر ابن سعد کی ماتحتی میں اہل حرمؑ اور سرہائے شہداؑ کو بھیجا گیا تھا۔ وہاں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ حضرت قاسم علیہ السلام کا سر مبارک حصین بن نمیر کے ساتھ ملک رے لے جایا گیا تھا۔ اور حصین نے عمر بن سعد سے اجازت لے کر یہ سفر کیا تھا۔ ابھی سابقہ روایت کے طویل سفر میں یہ دیکھا گیا کہ شمر بن ذی الجوشن اور خولی بن یزید کو ایک ہزار پانچ سو سواروں کے ساتھ اہل حرمؑ اور شہداؑ کے سروں کو بھیجا گیا تھا۔ ان مواقع کو دیکھ کر بعض لوگوں کو

عموماً اور دشمنانِ آلِ محمدؐ کو خصوصاً یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ ان روایات میں اختلاف ہے۔لیکن اگر آپ کے سامنے وہ مقصد ہے جس کو حاصل کرنے کیلیئے اہلِ حرمؑ اور سرہائے شہدؑا یزید کے پاس بھیجے گئے تھے تو عقلی تقاضہ بھی ہے اور روایت بھی موجود ہے کہ عمر ابن سعد ایک فوج اور اہلِ حرمؑ اور شہدؑا کے سروں کو لے کر یزید کے دربار میں گیا تھا۔تا کہ یزید کے ہر سوال اور کربلا کی ہر تفصیل کی وضاحت کر سکے۔ یہ ممکن ہے کہ عمر بن سعد کو چند باتیں معلوم نہ ہوں یعنی وہ چند سوالات کا جواب نہ جانتا ہو۔لیکن سپہ سالارِ اعظم ہونے کی وجہ سے وہ یہ جانتا ہے کہ وہ چند باتیں کون سے سردار سے متعلق ہیں۔لہٰذا وہ سردار کو کھڑا ہونے کا حکم دیگا۔وہ بتائے گا کہ (مثلاً) پانی بند ہو جانے کے بعد کون کون بہادر لشکرِ حسینؑ سے دریا کے کنارے آئے اور پانی لے گئے۔ ظاہر ہے کہ عمر بن سعد دریا کنارے جا کر نہ بیٹھ سکتا تھا۔لہٰذا لازم ہے کہ عمر بن سعد ہی نہیں بلکہ تمام متعلقہ سرداران افواج دربار یزید میں موجود ہوں۔خواہ روایات میں سب کا نام ملے یا نہ ملے۔ حصین بن نمیر ملک رے چلا گیا۔لیکن جب دربار یزید میں اُس کی ضرورت ہو، اُسے اُس سے پہلے چھٹی ختم کر کے پہنچ جانا چاہئے۔اور یہ چھٹی دینا بھی اس اصول کے ماتحت رہنا چاہئے کہ کوفہ سے دمشق تک کا سفر کتنے روز میں پورا کروں گا۔کہاں کہاں منزل کی جائے گی۔ کون سے مقام ایسے ہوں گے جہاں آبادیاں زیادہ ہیں۔لہٰذا ایسی منزلوں پر اس وقت تک قیام رہے گا جب تک گردونواح میں گاؤں گاؤں قیدیوں اور سروں کی تشہیر نہ ہو جائے۔ پھر دمشق پہنچ کر بھی عمر بن سعد کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ کس روز سب کو پیش کرے۔اور اس کے تعین کے لئے پہلے وہ تنہا دربار میں حاضر ہوگا۔فوجی مصلحتیں پیش کرے گا۔ درباری رعایت اور حالات کے ماتحت دونوں تاریخ کا تعین کریں گے۔لہٰذا اُس روز تمام متعلقہ لوگوں کو وہ جہاں بھی ہوں عمر سعد کے ہیڈ کوارٹر میں رپورٹ کر دینا لازم ہوگا۔ یہ معاملہ اس طرح نہ ہوگا کہ ملاجی کا جب دل چاہا اذان دیدی۔ جب دل میں آیا تالا لگا کر بازار میں چلا گیا۔ یہ کام اس زمانہ کی انتہائی ترقی یافتہ حکومت کے پروگرام اور آدابِ مملکت کے ماتحت کیا جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ پہلے دربار میں یزید اور اس کے اسٹاف کے علاوہ کوئی رعایا یا حکومت کا آدمی نہ ہو تا کہ جائزہ لیا جا سکے۔اور جب عمر بن سعد وہ ردعمل سنائے گا جو سرہائے شہدؑا اور اہلِ حرمؑ کی تشہیر پر مختلف شہروں میں ہوا تو اُس کو صیغہ راز میں رکھنا چاہئے۔ بہرحال اختلاف اختلاف کا شور مچانے والے بدقسمتی سے نہ اُس زمانہ کی تاریخ سے واقف، نہ سیاسیات وتمدن پر مطلع، نہ مذہبیات اور عمرانیات سے آگاہ، نہ درایت واصول تحقیق سے آشنا، نہ جغرافیہ وارتقا کی خبر یعنی کورے علامہ ومفتی ہوتے ہیں۔ یا اجتہاد کے کولھو میں ایک دائرہ میں گھومنے والے بیل یا بھینسے کی طرح ہوتے ہیں۔ بہرحال اُن کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہے۔آدمؑ بلا ابلیس اچھے معلوم نہ ہوتے تھے۔ یہ ہماری جوڑی میں ہیں۔ یہ نہ ہوں تو ہم محنت ہی نہ کریں۔اُن کی مہربانی ہے کہ ہم طرح طرح کوشش کرتے ہیں اور کھود کھود کر حقائق کو باہر نکالتے ہیں۔

یہ بھی نوٹ کریں کہ افواج میں ہر سردار اور ہر عہدیدار کا ایک نائب (Assistant) سیکنڈ ان کمانڈ (Second In command) ہونا ضروری ہے تا کہ ہر لمحہ حکم جاری رہے۔لہٰذا ضروری نہیں کہ عمر بن سعد ہر وقت فوج کے ساتھ چپکا رہے۔راہ میں وہ جہاں مناسب ہوگا آ ملے گا۔راہ میں تشہیر اور داخلی انتظام کے علاوہ اور کوئی مہم نہیں ہے۔ ہر نائب اپنا اپنا کام کرتا رہے گا۔البتہ روانگی کے دن اور دربار میں پیشی کے وقت عمر ابن سعد کا حاضر ہونا لازم ہے۔ وہ تمام سرداروں کو چھٹی دے سکتا ہے، نائب کام کرتے رہیں

گے۔خود کوفہ میں یا راہ میں کسی اور شہر میں زیادہ دن قیام کرسکتا ہے۔اُس کے ساتھ بچے، قیدی اور مستورات نہ ہوں گی۔اس لئے وہ اور اس کا ذاتی اسٹاف تیز چل سکتا ہے۔پھر سر ہائے شہدؑا اور اسیران اہل حرمؑ پر ایک ہی شخص تعینات نہ تھا۔کئی شخص الگ سروں اور قیدیوں کے انچارج تھے اور روزانہ بدلتے رہتے تھے۔اسلئے ناموں کا اختلاف کوئی بات ہی نہیں ہے۔جس راوی نے خولی کو دیکھا خولی کا نام لے دیا۔دوسرے نے اسی کام پر کسی اور کو تعینات دیکھا اس کا نام لکھ دیا۔پھر ڈیوٹی والوں کی فطری ضروریات بھی ہوتی تھیں۔پیشاب یا بیت الخلاء جانے کے لئے دوسرے شخص کو عارضی چارج دیا گھنٹے بھر بعد خود سنبھال لیا۔لہٰذا اختلاف اختلاف پکارنے والوں پر آدمی بننے اور غور کرنے کا تقاضہ کریں۔اور پھر علامہ دربندی رضی اللہ عنہ کا وہ بیان سُنیں جو مذکورہ بالا سفر دمشق کے بعد لکھا ہے۔

انتھٰی کلام ابی مخنف فی ذکر ماجری فی المنازل الّتی بین کوفة ودمشق۔ولکن لایخفی علیک اَنّ نسخ الکتاب مختلفة۔ففی بعض النسخ یوجد شییء زائد علٰی مانقلنا؛

حضرت ابومخنفؒ نے کوفہ سے دمشق تک کے سفر اور مختلف منازل میں گزرنے والے حالات پر جو کچھ لکھا وہ یہاں ختم ہوگیا۔لیکن آپ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہنا چاہئے کہ ابومخنف کی اس کتاب کے بہت سے حصے ہیں۔چنانچہ بعض نسخوں میں ہمارے تحریر کردہ حالات سے کچھ زیادہ بھی ہے؛

(3)۔ سابقہ بیان کی وضاحت وتفصیل

وھو عند قولہ:۔"وساروا بالرؤس الٰی شرقی الجصّاصة ثم عبروا تکریت وھوھٰکذا۔"

وکتبوا الی عاملہ،ای بلد تکریت ،اَن تلقّانا بالزاد والعلوفة فان معنا راس الحسینؑ ۔ فلما قرء الکتاب امربا لاعلام فنشرت والبوقات فضربت والمدینة تزیّنت وتد اعت الناس مِن کل جانب ومکان ۔ ثم خرج الوالی فتلقّاھم وکانوا کل من سالھم یقولون ھٰذاراس خارجی خرج علی یزید بن معاویة ۔قتلہ ابن زیاد وقدانفذ براسہ الٰی یزید بن معاویة ۔فقال لھم رجل نصرانی یاقوم اِنّی کنت بالکوفة وقد قدّ م ھٰذَاالراس ولیس ھو راس خارجی بل ھوراس الحسینؑ ۔ فَلَمَّا سمعوا ذلک عمد وا اِلٰی النواقیس فضربوھا فجمع الرّھبان الیھم مِنْ البِیَعِ اعظامالہ وقالوا برئنا مِن قوم قتلوا ابن بنت نبیّھمؐ۔فبلغھم ذلکَ فلم یدخلوھا۔ثم رحلوا مِن تکریت واخذ وا علٰی طریق البر۔" "ھذاھو زآئد ۔ثُمَّ الٰی آخر مانقلنا اَوّلًا ۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 500)

اور وہ اُس بیان کے قریب ہے جہاں کہا گیا ہے کہ:"وہ لوگ سر ہائے شہدأ کو لے کر مشرقی جصاصہ کی طرف چلے اور انہوں نے تکریت کو عبور کیا۔" وہ اضافہ شدہ عبارت یہ ہے کہ:"اُنہوں نے تکریت کے گورنر کو لکھا کہ تم ہمارے لئے سامان سفر، کھانے کی اشیاء اور گھوڑوں اور اونٹوں کے گھاس اور دانہ وغیرہ لے کر ہمارے استقبال کو پہنچو۔ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے۔جب گورنر نے حکم نامہ پڑھا تو شہر وگردونواح میں اس خبر کو پھیلانے ،بگل باجے بجانے اور شہر کو سجانے کا حکم دیا اور تمام پبلک کو ہر چہار جانب سے تماشہ کیلئے آنے کی دعوت دی اور اسکے بعد حسب ہدایت گورنر استقبال کو پہنچا۔جو کوئی اُن ملاعین سے پوچھتا تھا تو وہ جواب میں یہ کہتے تھے کہ یہ ایک ایسے خارجی کا سر ہے جس نے یزید بن معاویہ کے خلاف جنگی بغاوت کی تھی۔اور جسے ابن زیاد نے جنگ کر کے قتل کیا۔اُسی کا سر یزید بن

معاویہ کے پاس بھیجا گیا ہے۔ یہ سُن کر ایک عیسائی نے پکار کر کہہ دیا کہ میں اُس روز کوفہ میں تھا جس دن یہ سر لایا گیا تھا۔ یہ کسی خارجی کا سر نہیں ہے، یہ تو حسینؑ بن علیؑ کا سر ہے۔ انہوں نے یہ سنتے ہی ناقوس بجانا شروع کر دیئے اور اس پر گرجے کا بڑا راہب بطور تعظیم باہر نکل آیا۔ اور اُن سب نے کہا کہ ہم ایسے گروہ اور قوم سے بیزار ہیں جس نے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔ جب یہ خبر لشکر مسلمانان میں پہنچی تو وہ تکریت میں داخلہ سے باز رہے۔ اور انہوں نے برّی راستہ اختیار کیا۔ اور چل دیئے۔'' یہ عبارت ہمارے بیان سے زیادہ ہے۔ باقی وہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔''

(4)۔ کوفہ سے دمشق کے سفر پر ایک تشریحی نظر

یزید اور اُس کے ہم مذہب مسلمانوں کے یہاں شہدؑا کی جسمانی حیات ہمیشہ مشکوک رہی ہے۔ یہ وجہ تھی کہ ابن زیاد نے دمشق روانہ کرنے سے پہلے سر اقدس کو خوشبوئیں لگوائیں تھیں۔ یعنی اپنے خیال میں سر مبارک کو گلنے سڑنے سے بچانے کے لئے وہ مسالہ لگایا تھا جو مصری لوگ اپنے مُردوں کو دفن سے پہلے لگاتے تھے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ابن زیاد ملعون نے سر مبارک کو مقدس سمجھ کر معطر کیا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس خبیث ابن خبیث نے دندان مبارک کے ساتھ بے ادبی نہ کی ہوتی۔ یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ طویل سفر میں جہاں بھی ذکر کیا گیا ہے ایک سر کا ذکر ہوا ہے۔ باقی سروں کا کسی بیان میں ذکر نہیں آتا۔ لہٰذا یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ صرف امام مظلوم علیہ السلام کے سر کو معطر کیا گیا تھا۔ نہیں بلکہ یہ ملاعین گلنے اور سڑنے سے بچانے کے لئے تمام سرہائے شہدؑا کو اُس مسالے سے تر کرتے رہتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اُن کی اس ٹیکنیک سے وہ محفوظ رہتے ہیں۔ ورنہ بدبو اُٹھتی اور گل جاتے۔ (**لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ**)

یہ بھی ایک نمایاں حقیقت ہے کہ یزید اور اُس کی قومی حکومت مسلسل علی وخاندان علی علیہم السلام سے ڈرتی اور خطرات سے بچنے کی کوشش کرتی چلی آئی تھی۔ اُن کا روز اوّل سے ہر اقدام اپنی کافرانہ حکومت کو محفوظ رکھنے کے ماتحت رہا۔ وہ انتہائی قدرت وسطوت وفوجی قاہرانہ طاقت رکھتے ہوئے بھی کھل کر یہ نہ کہہ سکی کہ ہم حسینؑ سے جنگ کرنے کیلئے افواج بھیج رہے ہیں۔ یا ہم نے حسینؑ اور اُن کے خاندان کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا سفر میں بھی اور دیگر بیانات میں بھی لوگوں کو فریب دینے کیلئے یہ کہا جاتا رہا ہے کہ ایک خارجی نے مسلمانوں کی حکومت کے خلاف بغاوت کی تھی یا کی ہے۔ اُس کی فوج کو شکست دی گئی اور سر کاٹ کر یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ یا یہ کہ اُس خارجی کے مقابلہ میں افواج بھیجی جا رہی ہیں۔ اور لوگوں کو اس خارجی کے خلاف حکومت سے تعاون کرنا چاہئے۔ خارجی اس لئے کہا گیا کہ وہ لوگ مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے۔ اُن کا قتل جائز قرار دیتے تھے۔ اور جب موقعہ ملتا تھا مسلمانوں کو لُوٹتے اور قتل کر ڈالتے تھے۔ اُن کی عورتوں اور بچوں تک کو تلوار کے گھاٹ اتارنے میں تکلف نہ کرتے تھے۔ اور اس زمانہ کے مسلمان اُن سے حد بھر خوفزدہ اور متنفر رہتے تھے۔ لہٰذا امام حسین علیہ السلام کے خلاف مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے انہیں خارجی کہنے سے بہتر اور کوئی حربہ نہ تھا۔ یہ سبب تھا کہ یزید وابن زیاد کو زیادہ سے زیادہ تعاون ملا۔ اگر میدان کربلا میں امام حسینؑ، خاندان بنی ہاشمؑ کے دیگر حضرات اور صحابہؓ بار بار اور طرح طرح اپنا تعارف نہ کراتے تو یہ پتہ بھی نہ چلتا کہ خاندان رسولؐ کا قتل عام ہوا تھا۔ پھر اسیرانؑ کربلا میں اگر عورتیں اور بچے نہ ہوتے اور انہیں گاؤں در گاؤں اور شہر بشہر نہ پھرایا گیا ہوتا اور انہوں نے اپنا حسب ونسب وتعارف پیش نہ کیا ہوتا

تو خارجی قرار دینے والا حربہ واقعی کامیاب ہو جاتا اور یہی سمجھا اور تاریخ میں لکھا جاتا کہ ایک باغی وخارجی گروہ کو قتل کیا گیا تھا۔

پھر آپ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کوفہ سے دمشق تک اپنے گورنروں کو تو صحیح مگر ادھوری بات لکھی جاتی تھی۔ یعنی ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے۔ اور باقی سروں کا ذکر نہ کیا جاتا تھا۔ تاکہ گورنر تحفظ کا انتظام بھی کرے اور زیادہ سروں سے گھبرائے بھی نہیں۔ اور اگر خط غلط ہاتھوں میں پڑ جائے تو تباہی کا سامنا نہ ہو جائے۔ لیکن عوام کو ہر جگہ خارجی کہہ کر ٹھنڈا رکھنے اور دھوکہ دینے کا عمل جاری رہتا چلا گیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ علیؑ وخاندان علیؑ اور حسینؑ کی طرف سے جو خوف دشمنانِ اسلام کے دلوں میں جاگزین تھا، وہ کربلا کے قتل عام کے بعد بھی برقرار اور اُن کے سروں پر سوار رہتا چلا آیا ہے۔ یزید کی حکومت اُس وقت دنیا کی سب سے بڑی، سب سے قوی، سب سے منظّم حکومت تھی۔ اُس حکومت کے پاس پچاس لاکھ سے زیادہ فوج تھی مگر حسینؑ سے خوفزدہ تھی۔ کٹا ہوا سر نیزہ پر تھا مگر رعب کے مارے دشمن کا دل کانپتا تھا۔ حسینؑ کی اُسی قوت نے آخر ایک قہار وجبار اور بے پناہ حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ بنی امیہ پر زمین تنگ ہوگئی، چُن چُن کر ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر اُنہیں قتل کیا گیا۔ اُنہیں رونے والا بھی کوئی نہ بچا اور اس طرح وہ نسل منقطع ہوگئی جس نے روز اوّل سے نسل رسوؐل کو فنا کرنے کی سازش کر کے حکومت بنائی تھی (بقرہ 2/204-205) اور ساری دنیا کو غلام بنا لینے کا منصوبہ چلایا تھا۔ لوگوں نے وہ نام رکھنا چھوڑ دیئے۔ آج تک یزیدی فرقہ نے بھی اپنے کسی بچہ کا نام ابوسفیان نہیں رکھا ہے۔ یزید وشمر وابن زیاد وعمر سعد گالی بن کر رہ گئے۔ ایک ہندو بھی یزید کہلانا پسند نہیں کرتا۔ دنیا میں صدیوں اموی کہلانا دشمنان اسلام کی شناخت رہا ہے۔

(5)۔ کوفہ سے دمشق تک سفر پر دیگر علما کی وضاحتیں

آپ نے کوفہ سے دمشق تک سفر کا ایک رواں دواں بیان سُن لیا ہے۔ اب چند دیگر علما کی کتابوں سے اُسی سفر کی چند روایات کا اضافہ اس لئے ضروری ہے تاکہ سابقہ بیان میں جہاں جہاں خامی ملے اُسے پورا کر لیا جائے۔ اور واقعات کے دوسرے پہلو بھی سامنے آ جائیں۔ چنانچہ سابقہ سفر کی روایت میں امام زین العابدین علیہ السلام کو طوق وزنجیر پہنانے کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ اور صرف قیدی (سبایا) کہنا کافی سمجھا گیا ہے۔ یعنی قیدی کو تو طوق وزنجیر اور ہتھکڑی وغیرہ پہناتے ہی ہیں۔ لہٰذا ذکر کی کیا ضرورت ہے۔ پھر یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ جانے والے لشکر کی ترتیب کیا تھی؟ مقدمہ میں یعنی ایڈوانس گارڈ (Advance Guard) میں کون تھا؟ پچھلے حصے کی حفاظت کون کرتا تھا؟ اُنکی تعداد کیا تھی؟ میمنہ اور میسرہ (Flank Guard) پر کون اور کتنے لوگ تھے؟ مستورات کا چارج کس کے پاس تھا؟ سروں کو کون کون اُٹھائے ہوئے تھے؟ اُن کا افسر کون تھا؟ باقاعدہ بیان کی بہت سی چیزیں نہیں ہیں۔ اس لئے علما نے روایات جمع کیں تاکہ کہیں سے کچھ ملے تو کمی پوری ہو۔ بہرحال اب پھر روایات سنئے اور خود اپنی سوجھ بوجھ سے تکمیل کرتے جایئے۔

(1)۔ قال ابن الصباغ فی الفصول المھمۃ انّ ابن زیاد ارسل بالحرم والسبایا وراس الحسینؑ الی الشام الی یزید بن معاویۃ مع شخص یقال لہ زجر بن قیس ومعہ جماعۃ وھو مقد مھم و ارسل بالنسآء والصبیان علٰی اقتاب الجمال ومعھم علیؑ بن الحسینؑ وقد جعل ابن زیاد الغلّ فی یدیہ وفی عنقہ۔

(2)۔ وفی روایۃ السید اَنّ الّذی سار بھم وکان مقدم العسکر بمفخر بن ثعلبہ العائذی و ذلک حَیُثُ قال

السید و استدعی ابن زیاد بمخفرة بن ثعلبه العائذی فسلّم الیه الراس والاسرٰی والنسآء وسار بهم الٰی الشام کمایسار بسبایاالکفار یتصفح وجوههن اهل الاقطار۔

(3)۔ وَاَمَّا المفید فاقتصر علٰی کلام قلیل فی المقام وهواَنَّ ابن زیاد د فع راس الحسینؑ الٰی زجر بن قیس ودفع الیه رؤس اصحابه وسرحه الٰی یزید بن معاویه وانفذ معه ابا بردة بن عوف الازدی وطارق بن ابی ظبیان فی جماعت مِن اهل کوفة حتی وردوا بها علٰی یزید بد مشق۔ (اکسیر صفحہ 500)

(1) ابن صباغ نے اپنی کتاب فصول المھمہ میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے ایک شخص بنام زجر بن قیس کے ساتھ حرم حسینیؑ کو اور قیدیوں کو اور سر حسینؑ کو ملک شام یزید بن معاویہ کے پاس بھیجا۔ اس شخص کے ساتھ ایک جماعت مددگاروں کی کردی اور خود اسے اُن کے آگے بطور مقدمہ تجویز کر دیا۔ اور عورتوں اور بچوں کو اونٹوں پر سوار کرایا اور طوق و زنجیر گردن میں اور زنجیر ہاتھوں میں پہنا کر امام زین العابدین علیہ السلام کو بھی ساتھ کر دیا۔

(2) اور سید ابن طاؤس کی روایت کہتی ہے کہ دمشق جانے والے لشکر کا مقدمہ یعنی آگے چلنے والا محافظ مخفر بن ثعلبہ عائذی تھا۔ چنانچہ اُنکا جملہ یہ ہے: ''ابن زیاد نے مخفر بن ثعلبہ عائذی کو بلایا اور اسے سر حسینؑ اور قیدی اور عورتیں سپرد کیں اور وہ اُنکو لیکر شام کو چل دیا۔ گویا جس طرح کافروں کے قیدیوں کو لے جایا کرتے تھے۔ اور اُن کے چہروں کو لوگ تکتے تھے۔ یعنی بے پردہ روانہ کر دیا گیا تھا۔

(3) اور شیخ مفید رضی اللہ عنہ نے تو اختصار اور گول بیان دینے میں حد کر دی اور انہوں نے کہا کہ: ''ابن زیاد نے زجر بن قیس کو سر حسینؑ اور باقی شہدؑا کے سر حوالے کئے اور اسے یزید کی طرف روانہ کر دیا۔ اور زجر بن قیس کے ساتھ کوفہ کی ایک جماعت کر دی جن میں سے ایک ابو بردہ بن عوف تھا ایک طارق بن ابی ظبیان تھا۔ بہر حال یہ لوگ سب کو لے کر چلے یہاں تک کہ وہ سب شام میں یزید بن معاویہ کے پاس پہنچ گئے۔

(الف)۔ اِن تینوں علما اور روایات کے اختلاف کا حقیقی مقصد

یہ تینوں عُلما اور تینوں روایات اِس سفر کی ابتدائی ترتیب اور صورت پر جو روشنی ڈالتی ہیں اُسے ترتیب وار یوں سمجھنا چاہئے کہ:۔

اوّل۔ اس سفر میں اہل حرمؑ قیدیوں کی صورت میں موجود ہیں اور سب نے مانا ہے۔

دوم۔ اس میں تمام سرہائے شہدؑا اور سرِ مبارک امام حسینؑ بھی ہے۔ باقی سروں کا ذکر اکثر نہیں کیا گیا تھا، یہ کمی پوری ہوگئی ہے۔

سوم۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے طوق و زنجیر کا اکثر ذکر نہیں ہوتا۔ مگر یہاں باقاعدہ تفصیل موجود ہے۔

چہارم۔ پہلی روایت میں ''**حرم اور قیدی**'' (**بالحرم والسبایا**) اور دوسری روایت میں ''**قیدی اور عورتیں**'' (**والاسرٰی والنسآء**) قیدیوں کی دو قسمیں ہیں۔ یعنی امام حسین علیہ السلام کے خیام سے گرفتار کئے جانے والوں کے علاوہ بھی کچھ قیدی تھے۔ اور یہ وہی لوگ ہو سکتے تھے جنہوں نے کھُل کر لڑنے سے انکار کیا ہو یا کوئی اور ایسا جرم کیا ہو جو سرداران فوج کو مجبور کرے کہ وہ اُسے گرفتار کرلیں اور جنگ کے بعد سزا دلوائیں۔ ورنہ یہ دونوں الفاظ (**سبایا اور اسرٰی**) بے معنی ہو جاتے ہیں۔ جب کہ سب کو معلوم ہے کہ سر امام حسینؑ اور صحابہؓ

کے سر اور حرمؑ حسینی اور حسینیؑ خاندان کے بچے تفصیل سے بیان ہو چکے۔ اور ہم کسی بات کو بے معنی نہیں مانتے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اہل حرمؑ، اُن کے بچے اور تمام شہدؑا کے سروں کے علاوہ کچھ قیدی اور بھی تھے۔ اور یقیناً وہ قیدی امامؑ کی جانب کے نہ تھے۔

پنجم۔ یہاں پھر معلوم ہوا کہ اہل حرمؑ سے چادریں، برقعے اور وہ تمام لباس پھر چھین لیا گیا تھا جس سے سر و منہ چھپایا یا پردہ کیا جا سکے۔ اور یہ کہ اس سفر میں بھی پردہ دار محملیں نہ تھیں۔ بلکہ **اقتاب الجمال** ایک ذو معنی جملہ ہے۔ اور اسی سے بعض علما نے یہ سمجھا ہے کہ حرم رسوؐل کو بھی ایک دوسرے سے باندھ کر اونٹوں پر سوار کیا گیا تھا۔ یعنی کجاوہ بھی نہ تھا کہ گرنے سے محفوظ رہیں۔

ششم۔ دوسری روایت میں لفظ عسکر آ جانے سے فوجی ترتیب سامنے آ جاتی ہے۔ اور وہ اختلاف رفع ہو جاتا ہے جو مختلف اشخاص کے ناموں کے آ جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ پہلی روایت اور تیسری روایت میں مذکور زجر بن قیس اور اُن کے ساتھ والی جماعت جو پہلی روایت میں مذکور ہے اور وہ دونوں آدمی، ابو بردہ بن عوف اور طارق بن ابی ظبیان جو تیسری روایت میں مذکور ہیں محض قیدیوں کے آگے بطور مقدمہ رہنے والے لوگ ہیں۔ جو روانگی اور پہلی منزل تک تعینات رہیں گے۔ پھر ڈیوٹی کی صورت بدل جائے گی اور دوسرے لوگ لگا دیئے جائیں گے۔

ہفتم۔ پوری فوج کا حفاظتی مقدمہ یعنی سب سے آگے رہنے والا دستہ مخفر بن ثعلبہ کی تحویل میں تھا۔ اور یوں تینوں روایات ایک دوسری کی تفصیل و تائید اور صورت حال کی تکمیل کرتی ہیں۔

ہشتم۔ علامہ دربندی علیہ الرحمہ نے شیخ مفید رضی اللہ عنہ کے اختصار کی شکایت فرمائی ہے۔ یہ شکایت اس حقیقت کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوئی ہے کہ چوتھی صدی تک واقعات کربلا اپنی پوری تفصیل اور فطری صورت حال کے ساتھ مسلمانوں اور عرب کے عیسائیوں، یہودیوں اور مجوسیوں کے بچہ بچہ کو معلوم و مشہور تھے۔ اس لئے علما موٹی موٹی باتیں لکھ دینا کافی سمجھتے تھے۔ تاکہ اُن کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ مثلاً صرف اتنا کہہ دینا کافی سمجھا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہم سے ملنے آیا تھا۔ اور سب لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ٹانگوں سے چل کر اور آنکھوں سے دیکھتا ہوا آیا تھا۔ اور مکان کا پتہ بھی جانتا تھا۔ اور ملنے جلنے کے فوائد سے بھی آگاہ تھا۔ اگر یہ باتیں زبان سے کہی بھی جائیں یا قلم سے لکھی بھی جائیں تو سننے والے یقیناً بور بھی ہوں گے اور مضحکہ بھی اڑائیں گے۔ لہٰذا یاد رکھیں کہ عزاداری امام مظلوم علیہ السلام کی ہر بات معلوم و مشہور و پبلک میں معمول تھی۔ لیکن چوتھی صدی کے بعد جب شیعوں میں وہ گروہ در آیا جو دشمن محاذ کا مشن لے کر آیا تھا۔ اُس نے طرح طرح کے اعتراضات شروع کیئے اور آج تک اُن کا منہ کھلا ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ سوالات اٹھے کہ فلاں بات جو تم کرتے ہو یا کہتے ہو وہ کون سی راویت میں ہے اور وہ روایت کون سی کتاب میں ہے؟ غلطی یہ کی گئی کہ انہیں مُنہ لگایا گیا اور اُن کے اعتراضات کا جواب دیا گیا۔ یوں مناظرہ بازی اور لعن طعن شروع ہو گیا اور یہی اس خبیث گروہ کا مقصد تھا۔ اُن سے کہا جاتا کہ جناب آپ اپنا راستہ ناپیں یہ ہمارے آئمہ اور انبیا علیھم السلام کی عملی سنت ہے۔ ہم اس کو آنکھوں دیکھی سنت سمجھ کر عمل پیرا ہیں۔ اور ادھر سے اُدھر اور ٹس سے مس نہ ہوں گے تو وہ لوگ خاموش ہو جاتے۔ جیسے آپ اپنے ملک میں دیکھیں کہ یہاں عیسائی، یہودی، پارسی، بدھ مت والے،

آغا خانی، بہائی، بوہرے کسی مسلمان مولانا اور مسٹر کو منہ نہیں لگاتے۔ لہٰذا کوئی مسلمان علامہ یا مفتی یا ادارہ اُنکے ساتھ نہیں الجھتا۔ وہ خاموشی سے مسلمانوں کے اُن عوام کو جو سرمایہ دارانہ نظام کے ٹھکرائے ہوئے ہیں اور اُن خواص کو جو تعلیم یافتہ ہونے کی بنا پر مولویانہ بداخلاقی، ترش مزاجی اور بے سروپا عقائدواعمال سے بیزار ہیں روزانہ تبلیغ اور عملی فائدہ پہنچا کر اپنے مذاہب میں شامل کرتے اور مسلمانوں کو پانی میں نمک کی طرح گھولتے چلے جارہے ہیں۔ لیکن شیعوں میں علما کا وہ ٹولہ جو باہر سے آ کر شیعہ بنارہا، مخالفانہ اعتراض کو بیان کر کے شیعوں کو مشکوک کرتا رہا۔ مثلاً ہاں بھائی ام کلثوم تو مدت ہوئی مدینہ میں مرگئی تھی۔ خلیفہ دوم سے اس کے یہاں بچے بھی پیدا ہوئے تھے اور وہ معہ بچوں کے ایک ہی دن مرگئے تھے اور اکٹھی ہی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی۔ لہٰذا آؤ میں معترض کو دوسرا جواب دوں۔ چنانچہ کتاب لکھی اس میں تندوسخت زبان استعمال کی، کفرونفاق کے الزامات عائد کئے اور دو چار عدد کلثوم بناڈالیں۔ اس طرح کتاب بکی، مولانا کا کاروبار چلا، فریقین میں قلم اور تلوار کی جنگ ہونے لگی۔ وہی لوگ جو تعزیہ دیکھ کر ادب سے جھک جاتے تھے منہ کو آنے لگے بدعت بتانے لگے۔ لہٰذا آپ ہر اس شیعہ عالم سے ہوشیار رہیں جو ہمارے مسلمات کا انکار کرتا ہو۔ تلوار وشمشیر کے ماتم کو حرام کہنے والا ام کلثوم علیھا السلام کا منکر وغیرہ دشمن اہلبیتؑ کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا۔

نہم۔ ذرا یہ سوچئے کہ ننانوے فیصد روایات میں یہ ذکر نہیں کہ اسیران اہلؑ حرم کو اور اُن کے اطفال کو فوج یزید نے اِس سفر میں یا کسی اور سفر میں کھانا یا پانی دیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ یہ ذکر بھی نہیں کہ کربلا میں اور کسی سفر میں یزیدی افواج نے کھانا کھایا تھا۔ یا کھانے کا انتظام کس سردار کے ہاتھ میں تھا۔ اور فوجیوں کو میدان جنگ میں کھانا کیسے اور کون پہنچاتا تھا۔ تو کیا ہم یہ سمجھ لیں کہ یہ سب لوہے کے بنے ہوئے پُتلے تھے۔ نہ پیٹ تھا نہ بھوک لگتی تھی۔ ارے مومنو یہ کامن سنس یا عقل عمومی کی بات ہے۔ اس کے نہ لکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کی عدم موجودگی سے اصل واقعہ پر اثر پڑتا ہے۔ البتہ قیدیوں اور اہل حرمؑ کے ساتھ دشمنی تھی انہیں ستانا اُن کا مقصد تھا۔ اس لئے علما کو چاہیئے تھا کہ اس کا پتہ لگاتے اور بتاتے کہ وہ ننھے ننھے بچے اور وہ رسولؐ زادیاں کہاں سے کھاتی تھیں۔ لیکن اس پر ماشاءاللہ کسی نے توجہ نہیں دی۔ اس بات کو تو خوب اچھالنا چاہیئے تھا۔ مگر مگر؟

دہم۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بات ہی غلط ہے کہ ابن زیاد نے فرداً فرداً لوگوں کو اس سفر میں بجالانے والی ڈیوٹیاں تقسیم کی تھیں۔ یہ کام سپہ سالار کا تھا۔ ہاں شاید عمر بن سعد کو مشورہ دے دیا ہو کہ فلاں فلاں ملعون ذرا سخت برتاؤ کرے گا اُسے فلاں جگہ ڈیوٹی پر لگانا۔ اور راوی نے یہ سمجھ لیا کہ ابن زیاد نے راستے بھر کی ڈیوٹیاں خود بتادی تھیں۔ لہٰذا پھر سنو کہ شیعوں کو شیعہ ذہنیت سے حق وباطل کو الگ الگ کرلینا چاہیئے اور ملازم کو انگوٹھا دکھا کر چلتا کردینا چاہیئے۔

(6)۔ کوفہ سے دمشق کو روانگی کی تیاری پر مزید وضاحت

یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ دربار یزید میں اسیران اہل حرمؑ کی پیشی کے وقت عمر بن سعد اور تمام سرداران افواج کا حاضر وموجود ہونا لازمی اور فطری تقاضا تھا۔ تاکہ کربلا کی مہم کے متعلق یزید اور اہلکاران حکومت کے ہر سوال پر مکمل جواب دیا جاسکے۔ لہٰذا سابقہ تینوں روایات ہوں یا آئندہ آنے والی روایات ہوں اُنکو پورے انتظام کی جزئیات سمجھنا بھی لازم ہے۔ چنانچہ اب وہ روایت سنیں جو مندرجہ

بالا روایت کی نہ صرف خامی دور کرتی ہے۔ بلکہ اس سفر کا ثانوی اور سیاسی مقصد بھی واضح کرتی ہے۔

(الف)۔ اسیرانؑ کربلا اور سرہائے شہدؑا کی تشہیر تاکہ پبلک کی جرأت ختم ہوجائے

پچھلی تینوں روایات میں اسیران اہل حرمؑ کی تشہیر کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ظاہر کہ اسیران اہلبیتؑ اور رسولؐ زادیوں کو ہر شہر اور ہر بستی میں پھرانا اور سرہائے شہدؑا کا مضحکہ اور تماشا بنانا کسی بڑے حکمران کی اجازت کے بغیر ایک خطرناک کام تھا۔ ایسی اجازت دینے کا مجاز پہلے نمبر پر خود یزید تھا، دوسرے نمبر پر ابن زیاد آتا ہے۔ اور ابن زیاد کی اطاعت شعاری اور دیگر دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بھی بلا یزید کی لفظی، زبانی یا تحریری یا معنوی اجازت کے یہ خطرناک کام نہ کرے۔ یاد رکھیں تشہیر ہی تھی؛ جس نے بنی امیہ کی اس جابر و مستحکم حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ جگہ جگہ جوابی کاروائی کا اندیشہ تھا۔ لوگوں کا بے قابو ہوجانا ممکن تھا۔ چنانچہ ایسا ہوتا رہا۔ جھڑپیں اور مسلح تصادم بھی ہوئے۔ اس فوج کو جان کے لالے بھی پڑ گئے۔ لہٰذا ہرگز مرکزی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کیا جانا چاہئے تھا۔ چنانچہ غور سے سُنئے:۔

عَنِ المنتخب انّ اللعین ابن زیاد دعی بالشمر وخولی وشبث بن ربعی وعمرو بن الحجاج وضم الیهم الف فارس وزَوَّدَ هُمْ وَاَمَرَهُمْ باخذ الرؤس والسبایا اِلٰی دمشق وامرهم اَنْ یَشهروهم فی کل بلدة یدخلونها فساروا عَلَی الفرات واخذ وا اوّل منزل فنزلوا وکان المنزل خرابًا فوضعوا الراس بین ایدیهم والسبایا معه واذا بکفّ خارج من الحائط وقلم یکتب بدم اَترجوا امة قتلت حسیناً الٰی آخر الابیات فَفَزَعُوا من ذلک وارتاعوا ورحلوا من ذلک المنزل۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشهادات۔صفحہ 500)

''علامہ فخر الدین طریحی کی کتاب المنتخب میں لکھا ہے کہ ابن زیاد نے شمر اور خولی اور شبث بن ربعی اور عمرو بن الحجاج اور اُن کے ماتحت ایک ہزار سواروں کا رسالہ مقرر کیا اور راشن اور گھوڑوں کے لئے گھاس اور دانہ فراہم کیا۔ اور حکم دیا کہ تمام سرہائے شہدؑا اور تمام قیدیوں کو دمشق لے کر جائیں۔ اور انہیں یہ حکم بھی دیا کہ وہ جس آبادی میں بھی داخل ہوں وہاں اُن کا گشت کراتے جائیں۔ چنانچہ وہ کوفہ سے چلے اور پہلی منزل فرات پر کی اور ڈیرہ لگا دیا۔ مگر جہاں ٹھہرے وہ ایک غیر آباد مکان تھا۔ اس لئے انہوں نے سر مبارک کو اور قیدیوں کو اپنے پاس محفوظ کیا۔ جیسے ہی جم کر بیٹھے تو دیوار کے باہر سے ایک ہاتھ قلم لئے ہوئے برآمد ہوا اور دیوار پر لکھا کہ کیا اس اُمت کو نجات کی امید ہوسکتی ہے جو حسینؑ کو قتل کردے؟ وہ دست غیبی یہ اشعار لکھ رہا تھا۔ اور شمر وغیرہ کی خوف کے مارے روح نکلی جارہی تھی۔ جلدی جلدی سامان سنبھالا اور وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔''

(ب)۔ اس روایت میں کیا ہے؟ اس کا ہم سے کیا تعلق ہے؟

پہلی بات یہ سمجھ لیں کہ یہ چاروں اشخاص جن کو حکم دینا بتایا گیا ہے کربلا میں کئی کئی ہزار سواروں اور پیادوں کے سردار تھے۔ اور یہاں شمر ایسے بڑے سرداروں کو ایک ہزار سوار دیئے گئے۔ جو اکیلے کے لئے بھی توہین انگیز تعداد ہے۔ پھر یہ نہیں بتایا گیا کہ اُن چاروں میں افسر اعلیٰ کون ہوگا۔ لہٰذا یہ احکام آخری احکام نہیں ہیں بلکہ بطور ہدایات سرسری تجویز ہے۔ اور اس سے جو کچھ سمجھا جاسکتا ہے وہ اس قدر ہے کہ یہ چاروں باری باری اسیروں اور سروں کی حفاظت کے لئے تعینات کئے گئے تھے۔ تاکہ خطرہ کے وقت تیغ بکف تحفظ کرسکیں اور اُس وقت تک کامیاب مقابلہ کریں جب تک عمر بن سعد کی طرف سے مرکزی مدد نہ آجائے۔ یعنی جب گشت کرایا جائے گا

تو یہ ایک ہزار سوار اور اُن چاروں میں سے ڈیوٹی والا شخص ساتھ رہے گا۔ اور فوج کا مرکزی حصہ آرام کر رہا ہوگا۔ جسے آج کل مین باڈی (Main Body) کہا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ پہلے کسی روایت میں راشن اور گھوڑوں کی خوراک کا ذکر نہ ہوا تھا۔ یہاں معلوم ہوا کہ یہ چاروں پوری فوج کے کھانے کا انتظام بھی کریں گے اور ابن زیاد نے راشن کسی منتر سے نہ دیا ہوگا۔ بلکہ راشننگ کے محکمہ کو حکم دیا ہوگا اور اس کام میں کئی روز لگے ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ راشن کو لے جانے کے لئے اونٹ بھی فراہم کئے جانا ضروری ہیں۔ معلوم ہوا کہ ضروری اور فطری چیزوں کا اگر ذکر نہ بھی ہو تو اُن کی نفی نہ کی جائے گی بلکہ تسلیم کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر ہر معاملہ میں سپہ سالار یعنی عمر سعد مخاطب نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ماتحت افراد یا سردار شمر وغیرہ اسی کے حکم سے حاضر ہوتے ہیں۔ اور وہ سند اور پروانہ حاصل کرتے ہیں جو اُن سے متعلق ہے اور ذاتی طور پر متعلقہ ذمہ داری کے رجسٹر میں دستخط کرتے ہیں۔ تا کہ باز پرس کی ذمہ داری اُن پر قائم رہے۔ اور اس طرح ابن زیاد بھی ذاتی طور پر اُن کو تنبیہہ وتاکید کرتا ہے تا کہ عذر باقی نہ رہے۔

(7)۔ تکریت والی روایت کی مزید تفصیل عیسائیوں کا مذہبی احتجاج اور باقی سفر

یہ روایت اس سے پہلے (نمبر 3 میں) مختصراً گزر چکی ہے۔ یہاں علامہ شعبی کی تحقیق سنئے:۔

(1)۔ فی روایة عن الشعبی انَّ ابن زیاد امران یفوز الراس الشریف واَن یحشی مسکًا وکافورًا ثمَّ سیّره مَعَ خولی فی خمس مائة فارس وراجل اِلٰی یزید فساروا علٰی جادة الکبرٰی حتّٰی وصلوا بالقرب مِن تکریت ۔فکتبوا اِلٰی صاحبها ان تتلقّانا فان معنا راس الخارجی خرج علٰی یزید ۔فقال لهم رجلٌ نصرانی مِن اهل تکریت یاقوم راقبوا اللّٰه فی حالکم انا کُنتُ فی الکوفة ۔ذٰلک الیوم حاضرًا ماهوراس خارجیّ بل هوراس الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ الویل لکم یاظلمة ۔ ثُمَّ ان النصارٰی حملوا الا نجیل وخرجوا معه بالنواقیس والصلبان وعلوا علٰی صنیعة تعرف بالخضراء فلمّاوصل الراس الشریف الیهم ضربوا النواقیس اعظامًا لِلّٰه تعالٰی عزّوجلّ وقالوا اِلٰهنَا وسیّدنا اَنَا برآء مِن اُمة قتلت ابن بنت نبیّهاً عطشانا واهله وصحبه وشیعته ومنعوا خولی اَن یدخل بالراس الٰی مد ینتهم ۔ فساروافی البریة حتی وصلوا صلیتاًفنزلوا علٰی مآءٍ یقال له الخضرون فسمعوا هناک نوح الجن وهَا تفًا یقول: ۔بنات الجن اتبکیں بنات الها شمیات ۔بنات المصطفٰیؐ احمدؐ یبکیں شجیات ۔ویلطمن خد ودًا کاالدنا نیرنقیات ۔ ثمَّ ساروا الٰی اَن وصلوا الٰی موضع یعرف بالکحیل وساروا الٰی جهنیة ثم نزلوا وکتبوا الٰی صاحب موصل اَن تلقانا فانّ معناراس خارجی ۔فامر صاحب الموصل بنشر الرایات فضربت البوقات والطبول وتداعت الناس مِن القبائل ۔فقال بعضهم ۔مالخبر ؟ قالوا آتی براس خارجی خرج فی العراق علٰی یزید ۔ فقال رجل من اهل الایمان یامعشر الاسلام الویل لکم ولما یحلّ بکم هذا راس ابن بنت رسول اللّٰه الحسین بن علی صلوات اللّٰه علیهم اجمعین قتل بکربلا وهم سآئرون به اِلٰی یزید۔

(2)۔ قال ابومخنف حدثنی مَن حضرت ذلک الیوم انّه جرّد بالموصل ثلاثون الف سیف وتحالفوا علٰی قتل خولی وَمَنْ مَّعَهُ فَبَلَغَهُ ذٰلِکَ فَلَمْ یَدْخُلُ البلد وَاَخذعلٰی تل عفرًا ۔ثُمَّ علٰی عین الوردة۔

(3)۔ وعن المنتخب ثُمَّ انّهم لماقاربوابعلبک کتبوا الٰی صاحبها بان تلقانا فانّ معناراس الحسینؑ ۔فامر بالرّایات فنشر وخرج الصبیان یتلقّونهم علٰی نحومن ستة امیال فرحًا بهم۔ الخ (اکسیر العبادات۔صفحہ 501-500)

(1)'' شعبی نے روایت کیا ہے کہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ حسینؑ کا سر لایا جائے تا کہ اُسے مشک و کافور کا مسالہ لگایا جائے۔ پھر اُسے خولی کی سپردگی میں دیا اور پانچ سو سوار اور پیادے بھی اسکی ماتحتی میں دیئے تا کہ وہ یزید کی طرف لے جائیں۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور شاہراہ سے سفر شروع کیا۔ جب تکریت کے قریب پہنچے تو انہوں نے وہاں کے گورنر کو لکھا کہ ہم سے آ کر ملاقات کرے۔ اس لئے کہ ہمارے ساتھ ایک خارجی کا سر ہے جس نے یزید کے خلاف مسلح بغاوت کی تھی۔ جب یہ بات ایک عیسائی کو معلوم ہوئی تو عیسائی نے اُن سے کہا کہ میں اُس دن کوفہ میں حاضر و موجود تھا جس دن یہ وہاں لایا گیا تھا۔ یہ کسی خارجی کا سر نہیں یہ تو امام حسین بن علی بن ابی طالب علیھم السلام کا سر ہے۔ اے میری قوم کے لوگو تم اپنی حالت پر اللہ سے پناہ چاہو۔ ارے ظالمو خدا تمہیں غارت کرے۔ اُس عیسائی کا بیان سُن کر تمام عیسائیوں نے انجیل کو اُٹھایا اور ناقوس اور صلیبیں لے کر صنیعہ پر چڑھ گئے اور جب سر مبارک اُن سے قریب لایا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ تعظیم کیلئے ناقوس بجایا اور اللہ سے التجا کی کہ اے ہمارے معبود اے ہمارے مالک ہم اس قوم سے بے زار ہیں جس نے اپنے نبیؐ کے نواسے کو قتل کر دیا۔ اُسے اور اس کے صحابہ کو، اُن کے شیعوں کو، اُن کی اولاد و آل کو پیاسا ہی قتل کر دیا۔ پھر اُنہوں نے خولی کو منع کر دیا کہ وہ سر حسینؑ لے کر اُن کے شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ لوگ پلٹ گئے، برّی راستہ سے ہو کر صلیتا پہنچے اور خضرون میں پڑاؤ ڈالا تو وہاں پر انہوں نے جنوں کے نوحے سُنے جن میں کوئی غیبی آواز کہہ رہی تھی کہ:۔

جنوں کی بیٹیاں ہاشمیؑ بیٹیوں کو رو رو کر پرسہ دے رہی ہیں اور اُدھر احمدؐ مصطفیٰ کی بیٹیاں بے قراری سے رو رہی ہیں اور اپنے منہ کو پیٹ پیٹ کر داغدار بنا لیا ہے۔

پھر وہ لوگ یہاں سے چلے اور کحیل نام کے ایک موضع سے ہوتے ہوئے جھنیہ پہنچے اور قیام کیا اور وہاں سے موصل کے گورنر کو لکھا کہ ہم سے ملاقات کرو اس لئے کہ ہمارے ہمراہ ایک خارجی کا سر ہے۔ چنانچہ موصل کے گورنر نے پرچم لہرانے اور جھنڈیاں لگانے اور بگل بجانے اور طبلے بجا کر تمام قبائل کے لوگوں کو مدعو کرنے کا حکم نافذ کیا۔ اِسی دوران لوگ آپس میں ایک دوسرے سے صورت حال کو سمجھنے کا سوال کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ عراق میں ایک خارجی نے حکومت یزید کے خلاف مسلح بغاوت کی تھی اُس کا سر لایا گیا ہے۔ یہ سُن کر ایک مومنِ محمدؐ و آل محمدؐ نے بتا دیا کہ یہ سر کسی خارجی کا نہیں ہے۔ خدا تمہارا بُرا کرے یہ تو رسولؐ اللہ کی بیٹی فاطمہؑ کے فرزند حسینؑ کا سر ہے۔ جسے یہ لوگ یزید کے پاس لے کر جا رہے ہیں۔ حسینؑ کو کربلا میں قتل کیا گیا تھا۔

(2)۔ ابو مخنف لکھتے ہیں کہ مجھے ایک ایسے شخص نے بتایا ہے جو اُس دن موصل میں موجود تھا کہ وہاں پر تیس ہزار کھنچی ہوئی تلواروں میں خولی اور اس کی فوج کو قتل کرنے کا عہد کیا گیا۔ جب اس کارروائی کا علم اُن لوگوں کو ہوا تو وہ موصل میں داخل نہ ہوئے بلکہ وہاں سے بچ کر نکل گئے اور تلِ عفر ہوتے ہوئے عین الوردہ پہنچے۔

(3)۔ علامہ طریحی نے المنتخب میں لکھا ہے کہ پھر بعلبک کے قریب پہنچے تو وہاں کے گورنر کو لکھا کہ ہمارے ساتھ حسینؑ کا سر ہے تم ہم سے آ کر ملو۔ گورنر نے پرچم لہرانے کا حکم دیا اور خوب اس خبر کو پھیلایا اور بچے تک شہر سے نکل نکل کر سات میل دُور تک استقبال کی خوشی میں پہنچ گئے۔

(الف)۔ تینوں روایات پر پھر نظر ڈالیں اور مفید حقائق نوٹ کریں

سب سے پہلے نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ ان روایات میں پچھلی روایت والے تین سرداروں کا ذکر نہیں ہے۔ مگر یہ خولی اُن میں بھی موجود تھا۔ یعنی خولی بہت اہم شخصیت ہے کہ اس کا ذکر سر حسین علیہ السلام کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ پھر یہ دیکھیں کہ ان تینوں روایات میں نہ اہل حرمؑ کا ذکر ہے، نہ قیدی ساتھ ہیں، نہ باقی شہداؑ کے سروں کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ خولی جناب امامؑ کے سر کی نگرانی اور تشہیر کا خاص طور پر ذمہ دار تھا۔ اور اسے باقی فوج سے ہٹ کر مرکز سے دور تک جانے اور مرکز میں واپس آ جانے کا اختیار ابن زیاد کی طرف سے بھی ملا ہوا تھا۔ اور یہ بھی کہ اُسے مرکزی فوج سے آگے اور پہلے روانہ کر دیا گیا تھا۔ تاکہ دریائے فرات کے گرد و نواح کی بستیوں میں تشہیر کرے اور مرکز میں واپس آتا رہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ جن مقامات پر مخالفانہ ردعمل ہوا وہاں کے گورنروں کو اصل حقیقت نہیں بلکہ خارجی کا سر بتایا گیا ہے۔ یعنی ہر گورنر بھی سو فیصد قابل اعتماد نہ رہا تھا۔

یہ خاص طور پر نوٹ کریں کہ یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ محمدؐ و آل محمدؐ کی مخالفت کرنے والوں کو دشمن سمجھا۔ چنانچہ اس سفر میں بھی یہی ہمدردی برسر کار رہی ہے۔ جن یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی قرآن و حدیث میں آئی ہے وہ دراصل عرب کے وہ باشندے تھے اور اُن ہی عربوں کے قبائل سے تھے جو دنیاوی اغراض کے ماتحت تصوراتی طور پر یہودی یا عیسائی مذہب اختیار کئے ہوئے تھے۔ مگر اُن کے دل عربی تھے۔ اُن میں وہی خصائل و عادات تھیں جو مشرکین مکہ میں تھیں۔ وہ اُن ہی کے عزیز و اقربا اور حلیف تھے۔ ورنہ جو نسلاً و مذہباً یہودی اور عیسائی تھے وہ ہمیشہ محمدؐ و آل محمدؐ کے طرف دار رہے اور ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ چادر فاطمہؑ زہراء مسلمانوں کے یہاں نہ بھیجی جاتی تھی بلکہ یہود و نصاریٰ میں بھیجی جاتی تھی۔ اور یہ ایک ہی ایسی بات ہے جس سے مسلمانوں کی قلبی پوزیشن آشکار ہو جاتی ہے۔ یہی جذبہ تھا کہ محمدؐ و آل محمدؐ کے ہر فرد کے انتقال پر عیسائی حکومتیں اور رعایا سوگ مناتی چلی آئی ہیں۔ حقیقی مومنین اور حقیقی یہود و نصاریٰ دو بھائی بھائی پیغمبروںؑ کی اولاد ہیں۔ دونوں چچازاد بھائی ہیں۔ وہ عربی چچا نہ تھے، نہ عربی ماموں تھے، نہ عربی ذہنیت رکھتے تھے۔ یہ عرب ہی تھے جنہوں نے نہ رسالت کی رعایت کی، نہ دامادی کا لحاظ کیا۔ امام حسن تین سو سے زیادہ عربوں کے داماد تھے۔ مگر وہاں داماد کو بھی قتل کرنا جائز تھا۔ وہاں بیٹی کو رہن رکھنا، فروخت کرنا، اس کی کمائی کھانا ہی جائز نہ تھا بلکہ وہ لوگ دشمن سے انتقام لینے کے لئے بھی بیٹیوں کو استعمال کرتے تھے۔ وہ بیٹی کو اس لئے بھی دے دیتے تھے کہ کل اُس بیٹی اور اُس کے شوہر کی جائیداد اور ورثہ کے مالک بن بیٹھیں گے۔ اس ذہنیت کے لوگ خواہ اسلام کا لیبل لگائیں یا یہودی و عیسائی بن جائیں وہ بدلتے نہیں وہ مذہب کو بدل دیتے ہیں۔ توریت و زبور و انجیل اور قرآن کو بدل دیتے ہیں۔ (فرقان 31-25/27) مگر خود ہرگز نہیں بدلتے۔ بدل جانا اُن کی توہین ہے۔

یہ بھی دیکھتے جائیں کہ کربلا کے حادثہ کے بعد وہ بغاوت جو یزیدی حکومت کا تختہ اُلٹے گی، پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔ اور اُسے اُبھارنے اور صحیح رُخ و طریقہ اختیار کرنے میں یہی تشہیرِ اہلبیتؑ مددگار بنی تھی۔ یہی کام صحیح اور حقیقی قسم کی عزاداری اور جلوسوں سے لیا گیا تھا۔ مگر آج یہ مقصد فوت ہو چکا ہے۔ اب عزاداری کے بڑے گھٹیا مقاصد سامنے رکھ دیئے گئے ہیں۔ مثلاً رونے اور ماتم کرنے کا مقصد نجات اُخروی بتا کر علما نے عزاداری کی روح کو تباہ کر دیا۔ نجات اخروی تو محبت اہلبیتؑ کا لازمی نتیجہ تھا جو تحصیل حاصل ہے۔ بعض نے

کہا کہ عزاداری کا مطلب نمازی بننا ہے۔لیکن تمام قاتلان حسینؑ نمازگزار اور اکثر حافظان قرآن بھی تھے۔ بہرحال عزاداری کا مقصد دنیا سے جبر وظلم وستم واستحصال وغربت وبےبسی وبےکسی کو تباہ کرنا ہے۔ ہر اُس حکومت کو مٹا دینا اس کا مقصد ہے جو نوع انسان پر کسی بھی قسم کا ظلم کرے۔تمام مختلف النسل اور مختلف المذہب انسانوں میں محبت وایثار کا پیدا کرنا اُس کا مقصد ہے۔جس نماز کا مولانا تقاضہ کرتے ہیں وہ دشمنان حسینؑ کی نماز ہے۔اور ایسے نمازی آج لاکھوں بلکہ کروڑوں ہیں اور وہی تمام مصائب کے باعث وذمہ دار ہیں۔

ان روایات سے ایک خاص بات نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کوفہ سے دمشق تک کئی مختلف راہیں جاتی تھیں۔اور پہلی روایت میں اس کا ثبوت ہے۔جس میں موجود ہے کہ پھر وہ شاہراہ یا بڑے راستے سے چلے (فَسَارُوْا علٰی جَادَّةِ الْکُبْرٰی)۔اس سے ہمیں یہ سمجھنے کا حق ہے کہ ہم یہ کہیں کہ عمر سعد جو اس پُورے سفر اور تمام افواج اور جماعتوں اور سرداروں اور افراد کا حاکم اعلیٰ تھا، اُسی شاہراہ پر رہتا تھا اور تمام ضروری اور بنیادی انتظام کرنے والے اہلکار اُس کے پاس رہتے تھے۔ وہیں راشن وغیرہ کی سپلائی کا انتظام ہوتا تھا۔اور فوج کا بڑا حصہ (Main Body) اُسی مرکز میں رہتا تھا۔اور اسی مرکز کی طرف سب پارٹیوں اور ٹولیوں کی آمد وروانگی ہوتی تھی۔اسی کی تائید میں یہ روایت ملاحظہ ہو جس میں پچاس آدمیوں کی پارٹی تشہیر کو جاتی ہے۔

(ب)۔ تمام پارٹیوں کی آمد اور روانگی مرکز سے ہوتی تھی

زیرِ قلم روایت کو علامہ محمد باقر مجلسی نے بھی کتاب بحارالانوار میں لکھا ہے۔مگر علامہ دربندی اس روایت سے پہلے ایک جُملہ اعتراض کی صورت میں بھی لکھتے ہیں۔

فیما یتعلق بھٰذہ المقامات فاعلم انّہ قدذکر جمع مِن اصحاب المقاتل مایتعلق بالراس الشریف روحی لہ الفداء مِمَّا وقع فی منزل مِن المنازل فیما بین الکوفة والشام اِلَّا اِنَّھُمْ لَمْ یُعَیِّنُوْا ذٰلِکَ الْمَنْزِل وَلَمْ یذکروا اِسْمُه ۔وبیان ذلک اِنھم" قالوا انّہ روی ابن لھیعة وغیرہ حدیثا اخذنا منہ موضع الحاجةقال کُنْتُ اَطُوْفُ بِالْبَیْتِ فَاِذَا اَنَا برجل یقول اللھم اغفرلی وماارِیک فاعِلًا۔ فقلت لہ یاعَبْدَ اللّٰہِ اتّق اللّٰہ ولا تقل مثل ھٰذافانّ ذنوبک لوکانت مثل قطر الا مطارد ورق الاشجار فاستغفرت اللّٰہِ غفرھالک فانّہ غفور رحیم۔قال فقال لی تعال حتی اخبرک بقصّتی فاتیتہُ فقال:"اعلم اِنَّا کُنَّا خمسین نفرًا ممن سارا مع راس الحسینؑ اَلَی الشام وکُنّا اذا مسینا وضعنا الراس فی التابوت وشربنا الخمر حول التابوت۔فشرب اصحابی لیلة حتّٰی سکروا ولَمْ اَشْرِبُ معھم۔

فلـمَّا جنّ اللَّیْلَ سَمِعْتُ رَعْدًا ورَاَیْتُ بَرْقًا فَاِذاابواب السمآء قدفَتَحَتْ ونزل آدمؑ ونوحؑ وابراھیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ و نبینا محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ اجمعین ومعھم جبرؑآئیل وخلق مِنَ الملا ئکة ۔فد نا جبرآئیلؑ مِن التابوت وخرج الراس وضَمَّهُ اِلٰی نفسہ وقبّلہ ثُمَّ کذلک فعل الانبیآء کلھم وبکی النبیؐ علٰی راس الحسینؑ فعزّاہُ الانبیآء فقال لہ جبرؑآئیل یامحمد صلی اللّٰہ علیک وآلک اِنَّ اللّٰہ تعالٰی امرنی اَن اطیعک فی اُمّتِکَ فَاِنْ امرتنی زلزلتُ بھم الارض وجعلتُ عالیھا سافلھا کمافعلت بقوم لوطؑ فقال الـنبـیؐ لایاجبرائیلؑ فان لھم معی موقفًا بین یدی اللّٰہ یوم القیامة ۔قـال ثـم صلوا علیہ ثمّ آتی قوم مِن الملا ئکة وقالوا انّ اللّٰہ تبارک وتعالٰی امرنا بقتل قتلة الحسینؑ ۔فـقال لھم النبیؐ شانکم بھم فجعلوا یضربون بالحربات ثمَّ قصدنی واحدمنھم بحربتہ لیضر بنی ۔ فقلت الامان الامان یارسوؐل اللّٰہ فقال اذھب فلاغفر اللّٰہ لک۔ فلما اصبحت رایتُ اصحا بی کلھم جاثمین رمادًا۔

ثم قال صاحب المناقب وباسنادی الٰی ابی عبد اللّٰہ الحدادی عن ابی جعفر الھند وانی باسنادہ فی ھذا الحدیث فیہ زیادۃ عندقولہ لیحملہ الٰی یزید قال کل مَن قتلہ جفّت یدہ وفیہ اذسمعت صوت برق لَمْ اسمع مثلہ فقیل قداقبل محمدً فسمعتُ صوت صھیل الخیل وقعقعۃ السلاح مع جبرائیلؑ ومیکائیلؑ وسرافیلؑ والکرّوبیین والروحانیین والمقربین وفیہ فشکی النبیؐ الٰی الملا ئکۃؑ والنبیینؑ قال قتلوا ولدی وقرۃ عینی وکلّھم قبّل الراس وضمہ الٰی صدرہ والبا قی یقرّب بعضھا من بعض۔‘‘

(اکسیرالعبادات صفحہ 501۔ترجمہ جزائری بحاردوسرا حصہ صفحہ 29 تا30)

یعنی: ’’یہ بیان اس سلسلہ میں ہے جواس سفر کے مقامات سے تعلق ظاہر کرے گا۔ جاننا چاہیئے کہ مقاتل پر لکھنے والوں یعنی شہادت امام حسینؑ پر کتابیں لکھنے والوں کی ایک جماعت نے سرمبارک کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جوکوفہ سے شام تک کے سفر کی منزلوں میں سے کسی منزل میں پیش آیا تھا۔’’ مگراُن تمام اہل قلم نے نہ تو اُس منزل کا تعین کیا اور نہ ہی اُس کا نام بتایا۔‘‘ اوراُس واقعہ کا بیان یوں ہے کہ اُن تمام اہل قلم نے لکھا اور کہا ہے کہ ابن لھیعہ وغیرہ نے ایک حدیث بیان کی ہےاور اُس میں سے ہم صرف اُس قدر لکھیں گے کہ جتنی ہمیں ضرورت ہے۔راوی نے کہا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کررہا تھا کہ اچانک میں نے ایک شخص کو دیکھا جو کہہ رہا تھا کہ اے اللہ مجھے بخش دے میرے گناہ معاف کردے لیکن میں جانتا ہوں کہ تو ایسا نہ کرے گا۔ میں نے اُس سے کہا کہ بھائی اے بندہ خدا اللہ کے سامنے غیر ذمہ دارانہ بات نہ کہہ یقیناً اللہ تیرے تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔خواہ تیرے گناہ بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا درختوں کے پتوں کے برابر ہوں۔ وہ یقیناً غفورالرحیم ہے۔ یہ سُن کر اس نے کہا کہ بھائی میرے ساتھ آؤ تا کہ میں تمہیں اپنا وہ قصہ سناؤں جس کی بنا پر میں یوں دعا کرتا ہوں۔ لہٰذا میں قصہ سننے اُس کے ساتھ گیا۔ اُس نے سُنایا کہ بھائی یہ سمجھ لو کہ ہم اُن لوگوں میں سے پچاس آدمی تھے جو سرحسینؑ کوکوفہ سے شام لے جانے پر تعینات تھے۔اور ہماری پارٹی کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں ہمیں شام ہوجاتی تھی تو ہم سرحسینؑ کو تابوت میں بند کر کے اُس کے چاروں طرف موجود رہنے ،کھانے پینے اورسونے کا انتظام کرتے تھے۔ اوراُسی حلقہ اوردائرہ میں شراب بھی پیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک رات میں نے شراب نہیں پی۔ میرے ساتھیوں نے اتنی پی لی کہ وہ مست ومدہوش اورنشہ میں چُورچُور ہو کے لیٹے اورسوگئے مگر میں بیدار رہا۔

جب رات خوب گہری ہوگئی تو میں نے گرج کی آوازسُنی اور میں نے بجلی چمکتے دیکھی اور ساتھ ہی دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھُل گئے ہیں اور حضرت آدم ونوح وابراہیم واسماعیل واسحاق اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیھم وآلھم اجمعین اُتر آئے ہیں۔ اوراُن کے ساتھ حضرت جبرائیل اور ملائکہ علیھم السلام کا گروہ بھی آ گیا ہے۔اس کے بعد جبرائیلؑ تابوت کے قریب گئے اورامام حسینؑ کا سرمبارک نکالا، اسے بوسہ دیا، سینے سے لگایا۔ پھر تمام انبیاؑ نے یہی عمل کیا۔ آنحضرتؐ نے گریہ فرمایا تو تمام انبیاؑ نے عزاداری کی،حضورؐ کو پُرسہ اورتسلی دی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ اے محمدؐ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کی اطاعت کروں۔ لہٰذا اگر حضورؐ حکم دیں تو میں اس زمین کو اُن پر اس طرح ہلادوں کہ اوپر کی چیزیں نیچے دھنس جائیں اوراندر والی چیزیں فضا میں بکھر جائیں جیسا کہ میں نے لُوط کی قوم کے ساتھ کیا تھا۔حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں جبرائیلؑ ایسا نہیں کرنا ہے۔ بات یہ ہے کہ میرا اوراُن کا معاملہ اللہ کے

حضور میں پیش کیا جانا طے پاچکا ہے اور یہ قیامت میں ہوگا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر تمام انبیاؑ اور حضورؐ نے سر مبارک پر نماز پڑھی۔ اس کے بعد ملائکہ کا گروہ حاضر ہوا اور حضورؐ سے عرض کیا کہ ہمیں اللہ نے اِن لوگوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ آپ کا کیا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں تم آزاد ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے اپنے حربوں سے میرے ساتھیوں کو مارنا شروع کیا اور اُن میں سے ایک نے مجھ پر بھی حملہ کیا تو میں نے فریاد کی کہ یارسولؐ اللہ مجھے امان دیں۔ فرمایا جا امان دی مگر اللہ تجھے معاف نہ کرے گا۔ صبح کو میں نے دیکھا کہ میرے تمام ساتھی راکھ بنے ہوئے اُلٹے پڑے ہیں۔

اس کے بعد کتاب مناقب کے مصنف نے اسی روایت کو ذرا سے اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے۔ جس مقام پر یہ ذکر تھا کہ یزید کے پاس سر مبارک کو لئے جاتے تھے۔ وہاں مذکور ہے کہ جن لوگوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تھا اُن سب کے ہاتھ شل ہو گئے تھے۔ اور جس طرح میں نے اس روز بجلی کی آواز سُنی پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب محمدؐ مصطفٰی تشریف لائے اس وقت میں نے ہتھیاروں کی کھنکھناہٹ سُنی اور ساتھ ہی جبرائیلؑ ومیکائیلؑ اور اسرافیلؑ اور کرّ وبیاں اور روحیں اور مقربان بارگاہ خداوندی بھی نازل ہوئے اور یہ بھی لکھا کہ رسولؐ اللہ نے ملائکہ اور انبیاؑ سے شکایت کی کہ دیکھو ان لوگوں نے میرے نُورِ نظر بیٹے کو قتل کر دیا۔ پھر سب نے سر مبارک کو بوسے دیئے اور سینوں سے لگایا۔ اور باقی بیان سابقہ مذکورہ روایت کے قریب قریب ہے۔

(8)۔ تاریخی حقائق میں خیانت کرنے والے گروہ کی تین قسمیں اور ہمارا موٴقف ثابت

یہ روایت اُن لوگوں کی نشاندہی کرتی ہے جو اسلامی ریکارڈ کو تباہ کرنے کی عالمانہ ٹیکنیک استعمال کرتے رہے اور پھر اچھے خاصے نیک اور پرخلوص علما اس تخریب کار گروہ کی پیروی کر کے نادانی اور غیر شعوری طور سے انکی مدد کرتے چلے آئے۔ بہر حال مندرجہ بالا روایت میں بھی ہمارا موقف ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ اُنکے امیر المومنین حضرات کا پردہ چاک ہوخواہ اسلام اور اسلامی تاریخ کا ستیاناس ہو جائے۔ وہ بھی یہ نہ مانیں گے کہ کوفہ سے شام کے سفر میں صرف سرِ حسینؑ گیا تھا۔ اور لے جانے والے لوگوں کی تعداد صرف پچاس تھی اور اُن پچاس آدمیوں میں نہ شمر تھا، نہ خولی تھا، نہ کوئی اور مشہور شخص تھا۔ سب پچاس کے پچاس شخص گمنام اور مجہول اور ناقابل تعارف تھے۔ لہٰذا اُنکو ہمارے موقف سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس روایت سے ثابت ہے کہ پچاس آدمیوں کی ایک جماعت صرف امام حسین علیہ السلام کا سر لئے ہوئے گردونواح کی آبادیوں میں تشہیر وتعارف وتماشہ کرتی پھر رہی ہے۔ راتیں بھی راہ میں گزارتی ہے۔ اسی طرح بیسیوں پارٹیوں کا مرکزی فوج سے نکل کر مختلف سمتوں میں مختلف سروں کے ساتھ جانا اور حکومت کی پالیسی کا پروپیگنڈا کرنا بھی ممکن اور ثابت ہے۔ پھر اسیران اہل حرمؑ کی تشہیر کیلئے ایک گروہ کا جاتے رہنا بھی ماننا پڑے گا۔ اور یہ بھی ماننا ہوگا کہ جس بڑے راستہ یا شاہراہ پر عمر سعد کا مرکز جارہا ہے اس پر آنے والے بڑے شہروں میں اجتماعی گشت یعنی تمام اہل حرمؑ تمام سرہائے بنی ہاشمؑ، تمام سرہائے انصارؑان اور سر مبارک جناب امام حسینؑ کا اکٹھا جلوس نکالنا بھی ضروری ہے۔ اور ایسے شہروں کے آنے سے پہلے تمام متفرق پارٹیوں کو مرکز میں پلٹ آنا بھی فطری ہے۔ لہٰذا اُن تمام نکتہ چینوں کو بتا دو کہ تمہاری نکتہ چینیاں تمہاری جہالت وحماقت اور دشمنی محمدؐ وآل محمدؐ کی نمائش کرتی ہیں۔ تم یہی نہیں کہ تاریخ سے جاہل اور محض نکتہ چین ہو بلکہ تم فوجی اور سول انتظام اور طرز عمل

ونظامِ مملکت اور سیاست سے بھی قطعاً جاہل ہو۔ تمہارے لئے صرف ایک ہی بات سو فیصد صحیح ہے۔ یعنی تم دشمن انسانیت ہو اور کچھ نہیں ہو۔

دوسری بات۔ آپ اس روایت میں یہ دیکھتے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا جب علما کے پاس کسی واقعہ پر ایک مکمل روایت یا حدیث ہوتی تھی مگر وہ علما اُس پوری روایت کو نہ لکھتے تھے۔ اور اس مکمل روایت میں سے صرف اتنا حصہ اپنی کتابوں میں نقل کر لیتے تھے، جتنا اُن کے خیال میں اُن کی ضرورت کو پورا کرتا تھا۔ اور بڑے بے تکلفانہ انداز میں یہ لکھ دیتے تھے کہ:۔

''ہم اُس روایت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق لے رہے ہیں۔ (اَخَذْنَا مِنْهُ موضع الحاجة)''

یہاں یہ نہ سوچئے کہ اُن کی اُس وقت کیا حاجت یا ضرورت تھی؟ اور روایت کا باقی حصہ کس بنا پر اُن کیلئے غیر ضروری تھا۔ بلکہ یہ سوچئے کہ وہ کتاب یا کتابیں جن میں وہ مکمل روایت یا روایات تھیں، کسی فطری صورت حال یعنی پرانی ہو کر کیڑوں کی نظر ہو گئیں۔ یا سیلاب آیا اور تباہ ہو گئیں۔ یا کسی سازش کے ماتحت ضائع کر دی گئیں۔ تو اس صورت میں اب امت کے پاس وہی کچھ رہ گیا جو اُن علما نے نقل کیا تھا۔ اب بتائیے کہ ہم کیا کریں اور اُس مکمل روایت یا روایات کو کہاں سے لائیں اور کس طرح اُن خبیثوں کے سوالات کا جواب دیں جو بات بات میں عزاداری، فضائل محمدؐ و آل محمدؐ اور حقانیت مذہب پر حدیث مانگتے ہیں؟

پھر آپ نے دیکھا کہ اُس مندرجہ بالا روایت کو لکھنے سے پہلے علامہ فاضل دربندیؒ نے بھی لکھا ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ ایسے بہت سے علما ہیں اور اُن کی لکھی ہوئی ایسی بہت سی روایات ہیں جن میں کوفہ سے شام تک کے سفر میں کسی واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ نہ لکھا کہ وہ واقعہ کہاں پیش آیا؟ یا وہ کون سی منزل تھی؟ اور اس واقعہ کے ہیروز کا نام کیا تھا؟ یعنی ایسے علما نے جہاں سے یا جس روایت سے وہ واقعہ نقل کیا وہاں اس روایت میں وہ مقام بھی تھا اور اس منزل کا نام بھی تھا، جہاں واقعہ پیش آیا تھا۔ مگر نقل کرنے والا عالم یا علما صرف واقعہ کا لکھ دینا ضروری اور حاجت کے ماتحت سمجھ کر نقل کر لیتے ہیں۔ اور اُس مقام اور ہیروز کا نام اور منزل کا تعین غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اب سوچئے کہ اُن علما کی سمجھ اور عملدر آمد نے امت کے ساتھ کیا کیا؟ اور اگر اس قسم کے علما کا مقصد اور ضروری و غیر ضروری کا معیار بھی یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ اپنی اس ٹیکنیک (Technique) سے اسلامی حقائق کے تمام ثبوت برباد اور گم کر کے چھوڑیں گے؟ تو بتائیے کہ ہم اُن کو دشمنانِ انسانیت اور مخالفان محمدؐ و آل محمدؐ کہنے میں کہاں تک خطاوار ہیں؟ پھر اُن کا مقصد یہ تھا یا نہیں؟ اور ہم خطاوار ہیں یا نہیں؟ اس سے وہ ریکارڈ تو واپس نہیں لایا جا سکتا جو، جیسے بھی سمجھئے، ضائع ہو گیا؟

اسی سلسلہ میں اور اُسی مندرجہ بالا روایت میں ایسے علما کا پتہ بھی چلتا ہے اور تحریری ریکارڈ میں موجود ہے جنھوں نے بعض روایات کو قطعاً لکھا ہی نہیں۔ بحار کا یہی حصہ جس کا علامہ جزائری نے ترجمہ رگڑا اور روپیہ کمایا۔ اِسی میں علامہ مجلسیؒ نے سینکڑوں روایات کو نہیں لکھا۔ حالانکہ اُن کے ہمعصر اور ہم مسلک علما نے بھی اور قبل و بعد کے علما نے بھی اُن روایات کو لکھا ہے۔ کیا ایسے علما کو اُس گروہ میں شامل نہ کریں جو بتدریج روایات و ثبوت کو شعوری یا لاشعوری حیثیت سے کم کرتے اور گم کرتے چلے آئے ہیں؟ بھائی وہ رضی اللہ عنہ سہی، علامہ سہی، جنتی سہی لیکن یہ ہمارے سامنے نقصان کا جو ڈھیر لگا ہوا ہے، یہ جو ہمارے راستے روکنے والا گروہ کھڑا ہے ہم اس سے کیسے محفوظ

رہیں؟ اُن حضرات نے کتابیں پڑھ کر حوالہ دیا لیکن نہ کتاب کا نام لکھا نہ مصنف کا نام بتایا۔ آج اگر ہم وہی حوالہ اپنے ثبوت میں پیش کریں تو اُن حضرات کو کیا جواب دیں جو کتاب اور صاحب کتاب کا نام دریافت کرتے ہیں؟ صفحہ اور سطر کا نمبر تک جاننا چاہتے ہیں؟ اسی سلسلہ کی یہ بات بھی ہے کہ اس روایت میں یہ تو کہنا اور لکھنا ضروری سمجھا گیا کہ ''جبرائیلؑ تابوت کے پاس گئے۔'' (فَدَ نَاجبرَئیل مِنَ التَّابوت) لیکن یہ نہیں کہا کہ پھر ''جبرئیلؑ نے تابوت کا ڈھکنا کھولا'' ایک دم لکھ مارا کہ (وخرج الرّاس) اور سر نکالا۔''

ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر صرف یہ لکھ دیا جاتا کہ ''پھر جبرائیل نے سرحسین علیہ السلام نکالا اُسے بوسے دیئے سینے سے لگایا۔'' تو تمام ذی عقل آدمی خود ہی سمجھ جاتے کہ جبرائیلؑ تابوت کے پاس گئے ہوں گے۔ مقفل تھا تو پہلے تالا کھولا ہوگا۔ پھر ڈھکنا اٹھا کر سر مبارک نکالا ہوگا۔ یا ازراہ قوت ملکوتیہ بطور معجزہ سر مبارک نکالا ہوگا۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آدمیوں کی طرح تابوت کے قریب جانا تو لکھا گیا لیکن ڈھکنا کھولنے کا ذکر غیر ضروری سمجھا گیا؟ یہ ہے وہ طرز عمل جو مذہبی بیانات وروایات کو غیر منطقی، غیر مانوس اور بکواس بنا دیتا ہے۔ اسی طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ کتابوں کے نام چھوڑ جانا اس لئے کہ واقعہ مشہور ہے۔ مصنف کا ذکر غائب کر لینا اس لئے کہ سب ہی نے واقعہ کو لکھا ہے۔ منزل ومقام نہ لکھنا اس لئے کہ پڑھنے والا جانتا ہے لیکن مصیبت تو ہم پر آئی ہے۔ یہ رضی اللہ عنھم یا یہ خبیث لوگ تو چین سے جنتی یا جہنمی ہو کر فارغ ہو گئے۔ پھندا تو ہمارے گلے میں ہے اور یہ اُن ہی کا بنایا ہوا پھندا ہے۔ ہم روایت لکھتے ہیں، کتاب کا نام لکھتے ہیں، صفحہ اور باب بتاتے ہیں۔ پھر روایت کو اُدھیڑ کر اس میں پوشیدہ تمام حقائق کو برہنہ کر کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ہماری تصنیفات پڑھنے والوں کی گردن میں کوئی پھندہ نہیں ڈال سکتا۔ بلکہ اُن سے دشمنانِ اسلام چھپے چھپے پھرا کرتے ہیں اور راستہ چھوڑ کر گزرا کرتے ہیں۔

پھر اسی سلسلے میں کیا یہ سوچنا اور سمجھنا غیر ضروری ہے کہ اُن پچاس آدمیوں کا یہ مستقل عمل کہ سر مقدس کو تابوت میں بند کر کے درمیان میں رکھنا اور اُس کے چاروں طرف بیٹھنا اور لیٹنا اس لئے تھا کہ تابوت محفوظ رہے؟ اور رات کو کوئی اُسے چُرا کر نہ لے جائے؟ اور راوی نے جو اس دن شراب نہ پی اور نشہ میں مدہوش نہ ہوا اس لئے تھا کہ روزانہ ایک شخص پہرہ دے اور اپنے ہوش وحواس برقرار رکھے؟ اور ظاہر ہے کہ فوجوں میں ایک آدمی رات بھر جاگنے اور پہرہ دینے پر نہیں لگایا جاتا بلکہ دو گھنٹے سے زیادہ ڈیوٹی بیک وقت دی ہی نہیں جاتی۔ لہٰذا یہ بھی لازم تھا کہ راوی یا عالم تمام ضروریات بیان کرتا اور بتاتا کہ وہ شخص ڈیوٹی پر تھا جس نے انبیاؑ اور ملائکہ علیھم السلام کا تشریف لانا دیکھا تھا۔ اور یہ کہ اُس نے اس حیران کن صورت حال میں گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنے بعد والے شخص کو پہرہ کیلئے نہ جگایا تھا۔ مگر یا تو یہ راوی اور یہ علما اور مصنفین جاہل مطلق تھے یا یہ سازشی گروہ تھا۔ ہم بہرحال ستائے گئے ہیں، ہمارے راستے میں چاروں طرف سے رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں۔ مگر یہ امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت ہے کہ حقیقی مومنین کی راہیں بند نہ ہوسکیں۔

تیسری بات۔ جن علما نے مندرجہ بالا روایت کو سرے سے لکھا ہی نہیں اُن کا دشمن اسلام ہونا بلا ثبوت ثابت ہے۔ مگر جن علما نے اس روایت کو پورا نہیں لکھا وہ بھی غالباً انبیا علیھم السلام کا زمین پر آنا اور ملائکہ کا نازل ہونا نہیں مانتے ورنہ نہ لکھنے کا دوسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ فضائل محمدؐ وآل محمدؐ کے منکر ہیں۔

آخری بات بہت مزے کی ہے اور سمجھنے کیلئے وسعتِ قلب اور فکرِ صحیح کی احتیاج بھی ہے۔اس بات کو روزمرہ کے حالات اور مسلمانوں کی اخلاقی تاریخ کی مدد سے سمجھئے اور حقائق کو تسلیم کرنے کی ہمت دکھایئے اور سُنئے کہ آج دنیا میں مسلمانوں سے بڑھ کر جرم وگناہ میں کوئی قوم ملوث نہیں ہے۔ اُن میں ہر قسم کا مکروہ سے مکروہ اور گھناؤنا جرم وگناہ ہوتا ہے۔ اخلاق اور پارسائی اُنکے یہاں ایک ثانوی چیز ہے۔ اور اُنکے مقدس اور پارسا کہلانے والے حضرات جب کوئی گناہ کرنے پر آتے ہیں تو وہ غنڈوں اور اوباشوں کو بھی سینکڑوں میل پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔اور کمال یہ کرتے ہیں کہ پھر فتویٰ دے کر اس جرم وگناہ کو حلال اور شریعت کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش بھی کیا کرتے ہیں۔اگر ہم مثالیں بھی لکھیں تو دس ہزار صفحات کی کتاب تیار ہوجائے گی۔اسی لئے کہا کہ حق بات تسلیم کرنے کی ہمت دکھائیں۔

پھر یہ حالت مسلمانوں کی آج ہی نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ کے مسلمانوں کا یہی حال رہا ہے۔نزول قرآن کے دوران والے مسلمانوں کی بداعمالی اور بے دینی سے قرآن بھرا پڑا ہے۔مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنا،خود زنا کرنا،عورتوں کو زنا پر مجبور کرنا،اپنی ماؤں سے نکاح کرنا، باپ کی منکوحہ کو زوجہ بنانا، بیٹیوں کی کمائی کھانا، سود کھانا، میدان جنگ سے بھاگ جانا، رسولؐ کے خلاف سازش کرنا، رسولؐ کو نماز میں تنہا کھڑا چھوڑ جانا اس سب بدعملی کا سبب کیا تھا؟ اور کیا ہے؟ اس کا جواب وہی ہے جو اس مندرجہ بالا روایت میں اس طواف کرنے والے حاجی اور مقدس شخص نے دیا ہے یعنی یہ کہ اگر کسی کلمہ گو کے گناہ اور جرائم اور ظلم وستم کی فہرست تمام درختوں کے پتوں اور بارش کے قطروں یا بوندوں کے برابر ہوں تو بھی اللہ غفور الرحیم ہونے کی وجہ سے اُن تمام گناہوں کو بخش دے گا جو اُس نے کئے ہیں۔ لہٰذا یقین کیجئے کہ مسلمانوں کا ہر ڈاکو، ہر زانی، ہر ظالم، ہر غاصب، ہر قاتل، ہر چور اس یقین پر بڑے سے بڑا گناہ بے فکری سے کرتا ہے کہ اللہ غفور الرحیم ہے۔ پھر یزید کا اور اُسکے کافر و مسلم بزرگوں کا عقیدہ صرف غفوری اور رحیمی اور ستاری وغفاری پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ وہ اللہ کو ایسا قادر مطلق مانتے تھے کہ آدمی جو کچھ کہتا یا کرتا ہے وہ سب اللہ کے حکم واجازت سے کرتا ہے۔ ہر فعل اللہ کا فعل ہے اور ساری کائنات اور انسان مجبور ہیں، اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ کر ہی نہیں سکتے۔ یہ سبب ہے کہ یزید نے اور اُسکے دونوں قسم کے بزرگوں نے اولادِ رسولؐ کو قتل کیا، خانہ رسولؐ کو جلایا، وراثت کو غصب کیا۔الغرض جتنے گناہ کئے وہ اللہ نے کرائے تھے۔ اسلئے وہ تمام ملاعین بے گناہ رہے۔اور اگر اُن سے کوئی گناہ ہوا بھی تھا تو اللہ غفور الرّحیم ہے لہٰذا اُسے معاف کرنا پڑے گا یا غفوری ورحیمی سے استعفیٰ دینا ہوگا۔

یہاں یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا ہوگی کہ ہمارے شیعہ مومنین بھی اعمال وبدکرداری میں بالکل مندرجہ بالا صورت حال میں برابر کے شریک ہیں۔ وہ بھی ماشاء اللہ کوئی جرم وگناہ کرنے سے نہیں جھجکتے۔مگر اُن کا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ خدا کراتا ہے۔ وہ خدا کو غفور، رحیم، ستار وغفار وغیرہ ماننے میں بھی شریک ہیں۔مگر وہ اور تمام نیک اہلسنت ایک اور بات مانتے ہیں جو انہیں گناہوں پر جرأت دلاتی ہے اور وہ ہے شفاعت کا عقیدہ؛ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ شفاعت کریں گے۔اور اللہ اُن کی سفارش سے بندوں کے گناہ بخش دے گا۔شیعہ مومنین اس میں یہ اضافہ کرتے ہیں اور تمام صوفیاء کرام اُن کے ساتھ شامل ہیں کہ رسولؐ کو شفاعت کا یہ بے پناہ حق آل محمدؐ نے عموماً اور امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا نے خصوصاً دلوایا ہے۔اور یہ کہ حضرت فاطمہؑ اس شفاعت وسفارش کا عملی مظاہرہ کریں گی اور جن کی سفارش وہ فرمائیں گی اُن کو ہر حال میں بخش دیا جائے گا۔ میں بھی اس سے متفق ہوں۔مگر مجھے

اور تمام مسلمانوں کو یہ جاننا چاہیئے کہ اللہ کی غفوری ورحیمی اور محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیھم کی قربانیاں اور شفاعت کہاں اور کیسے اور کس کے لئے وقوع میں آئیں گی؟ اور شفاعت کا یہ عظیم الشان استحقاق کس صورت میں پیدا ہوتا ہے؟ یاد رکھیں کہ یہ جواب بڑی تفصیل چاہتا ہے اور اس کتاب کے دائرہ سے باہر کی چیز ہے۔لیکن عنوان کی خانہ پُری کرنے کے لئے چند مستحکم اور مستقل اشارات کرنا ضروری ہیں سنئے۔

(الف)۔ وہ مسلمان جن کا ہر گناہ معاف کر دیا جائے گا قرآن کریم شاہد ہے

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُo (سورہ الزمر 39/53)

مومنین ہوں یا کافر ہوں اس آیت کے الفاظ پر غور فرمائیں۔قرآن کے تمام ترجمے دیکھیں اور جو اللہ نے کہا یا کہلوایا ہے اُس کو قرآن کے الفاظ سے سمجھیں مترجمین کی رائے اور سمجھ کو بالائے طاق رکھ دیں۔اور ہمارے ترجمہ اور بیان کو بھی جب قبول کریں جب وہ سو فیصد قرآن کے الفاظ کے ماتحت ہو۔سنئے اللہ نے رسولؐ اللہ سے کہا کہ:۔

''اے رسولؐ یا اے نبیؐ یا اے محمدؐ تم کہہ دو (قُلْ)۔اس **قل** کے بعد جو کچھ آیت میں ہے وہ محمدؐ مصطفٰی سے کہلوایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ''اے میرے (محمدؐ کے) بندو'' یہاں نہیں کہلوایا کہ ''اے اللہ کے بندو'' ورنہ عربی کا جملہ یوں ہوتا کہ **قل یاعِبَاد اللّٰهِ یا قل یٰعِبَاد اللّٰه**۔ لہٰذا اللہ نے فرمایا کہ اے محمدؐ تم اپنے بندوں سے کہہ دو۔پھر ابتدا سے ترجمہ سُنئے:۔

''اے محمدؐ تم کہہ دو کہ اَے میرے (محمدؐ کے) وہ بندو جنہوں نے گناہ اور جرائم کر کر کے اپنی ذات پر زیادتیاں کی ہیں۔

تم رحمۃِ خداوندی سے مایوس نہ ہو جانا۔یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا یقیناً وہ الرحیم اور الغفور ہے۔''

اس ترجمہ میں جو خامی ہے اُسے اس آیت سے دور کر لیں جس میں اللہ نے محمدؐ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روز ازل سے پوری کائنات کی تمام مخلوقات کے لئے رحمۃ للعالمین (انبیاء 21/107) بنایا تھا۔لہٰذا مکمل ترجمہ یوں ہوگا کہ:۔

(ا) ''اے محمدؐ تم کہہ دو کہ'' ''اے میرے وہ بندو جنہوں نے گناہوں سے اپنی ذات پر زیادتیاں کی ہیں۔تم مجھ سے یا میری شفاعت اور سفارش سے مایوس نہ ہو جانا یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ بخشے گا۔یقیناً وہ غفوری اور رحیمی کے آخری مقام پر ہے۔''

علما کی ایک خاص جماعت نے یہ سمجھا ہے کہ اس آیت میں اللہ نے رسولؐ سے اپنے بندوں کو مخاطب کرایا ہے۔یعنی:۔

(2) ''اے محمدؐ تم کہہ دو کہ اللہ کے وہ بندو جنہوں نے گناہوں سے اپنی ذات پر زیادتیاں کی ہیں۔تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا۔یقیناً اللہ تمہارے تمام گناہ بخشے گا یقیناً وہ غفوری اور رحیمی کے آخری مقام پر ہے۔''

بس تمام مسلمان اور تمام علما ان ہی دونوں ترجموں پر تقسیم ہو کر دو گروہ یا دو مذہب بن جاتے ہیں۔اور یقیناً اُن دونوں میں سے کوئی ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل پر۔جو حق پر ہے وہی قابل شفاعت وجنتی ہے۔دوسرا شفاعت کا منکر وجہنمی ہے۔اور از خود خوشی سے کوئی جہنمی بننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔اس کا فیصلہ بھی قرآن کے مسلّمات سے کرنا ہوگا۔لہٰذا میں پہلے خود کو پیش کر کے کہتا ہوں کہ پہلا ترجمہ میرا ہے۔ اور اگر یہ غلط ہے تو میں جہنمی بھی ہوں اور میرا مذہب بھی باطل ہے۔

آ یئے ذرا اس کا فیصلہ ہوجائے۔ ساری دنیا جانتی ہے اور تمام مسلمان اور تمام دیگر مذاہب کے لوگ بھی مانتے ہیں کہ کائنات کی ہر مخلوق عموماً اور تمام ملائکہ و جنات و انسان خصوصاً اللہ کے بندے ہیں۔ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہوں حتیٰ کہ شیطان بھی اللہ کا بندہ ہے۔ تمام مشرکین اور منکرین خداوندی بھی اللہ کے عباد یا بندے ہیں۔ اگر دوسرے ترجمہ کو صحیح مان لیا جائے تو قیامت میں تمام کافر و منکر ومشرکوں کی بخشش کا ہونا لازم ہے۔ اور اس عقیدے کے خلاف قرآن بھرا پڑا ہے۔ اور خود رسولؐ کو اُن کی شفاعت کرنے اور مغفرت کرانے کی ممانعت کردی گئی ہے اور فرمادیا ہے کہ:۔

(1) سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ۔(منافقون 63/6)

''آپ مشرکین کیلئے بخشش طلب کریں یا نہ کریں اُن کیلئے معافی چاہنا اور نہ چاہنا بے سود ہے انہیں اللہ ہرگز نہ بخشے گا۔

(2) اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ۔(توبہ 9/80)

اُن کیلئے بخشش چاہو یا نہ چاہو اور اگر آپ مشرکین کیلئے ستر (70) مرتبہ بھی بخشش مانگیں اللہ انہیں ہرگز بخشنے والا نہیں ہے۔''

اسی طرح شیطان بھی اللہ کا بندہ ہے اور اُس کے جہنمی ہونے پر تمام مسلمان علما و عوام اور تمام مذاہب کے لوگ متفق ہیں۔ اور سب یہ بھی مانتے ہیں کہ وہ لوگ بھی اللہ کے بندے ہی ہیں جو کہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ لہٰذا دوسرا ترجمہ نہ صرف قرآن کریم کی واضح آیات کا مخالف ہے۔ بلکہ تمام انسانیت اور عقل انسانی کے بھی خلاف ہے۔ اور بلا شک وشبہ باطل ہے اور وہ تمام لوگ جو دوسرے ترجمہ پر قائم رہیں منکر قرآن اور جہنمی ہیں۔

ہمارے ترجمہ پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ انسان صرف اللہ کے بندے ہیں۔ انسانوں کو کسی انسان کے بندے کہنا شرک ہے۔ ہم اُن کی اس بات سے بھی متفق ہیں۔ یعنی نہ ہم اپنی طرف سے اپنے فیصلے اور رائے سے کسی انسان یا انسانوں کو کسی انسان کا بندہ کہہ سکتے ہیں اور نہ کوئی نبیؐ یا رسولؐ خود کسی کو اپنا بندہ کہنے کا مجاز ہے۔ اور ایسا کہنا یا سمجھنا واقعی شرک ہے اور کہنے یا ایسا سمجھنے والا حقیقتاً مشرک ہے خواہ کوئی نبیؐ ہو یا غیر نبیؐ ہو۔ مگر زیر بحث آیت میں تو اللہ نے حکم دیا ہے کہ محمدؐ کچھ خاص لوگوں کو اپنا نہ صرف بندہ کہیں بلکہ اُن کو اُن کی نجات کی بشارت اور اللہ کا وعدہ بھی سُنا دیں۔ لہٰذا نہ یہاں، نہ کہیں اور محمدؐ نے لوگوں کو اپنا بندہ بنایا اور نہ ہم نے اپنے خیال سے لوگوں کو محمدؐ کا بندہ کہا۔ یہ قرآن کریم کا بیان ہے جس کا ہم نے لفظ بلفظ ترجمہ کرنے کا گناہ ضرور کیا ہے۔ مگر نہ میں مشرک ہوا نہ میرا نبیؐ تمہارے فتویٰ کی زد پر آیا۔ یہ تو ویسی ہی بات ہے کہ کسی انسان کو یا کسی اور مخلوق کو سجدہ کرنا شرک ہے۔ مگر جب اللہ حکم دے کہ فلاں شخص کو سجدہ کرو تو اُس حکم کو ماننے والے اور بے دھڑک سجدہ کرنے والے ملائکہ اور مومنین ہوتے ہیں۔ اور اُسے شرک سمجھ کر سجدہ نہ کرنے والے ابلیس اور کافر وجہنمی ہوتے ہیں (بقرہ 2/34)۔ لہٰذا جو لوگ محمدؐ کے بندے نہ ہوں یا جو علما یا عوام محمدؐ کا بندہ ہونا شرک سمجھیں وہ بھی جہنمی کافر اور ابلیس کی اُمت ہیں۔ یہ فیصلہ بھی قرآن نے کیا ہے۔ اب ایک اور بات سُنیں کہ اللہ نے قرآن میں اُن تمام انسانوں کو انسانوں کا بندہ فرمایا ہے جو زرخرید تھے۔ اور ساری دنیا جانتی ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں اور آج بھی عرب میں بردہ فروشی ہوتی ہے۔ اور دوسرے ترجمہ کے قائلین اور شیعہ مجتہدین بھی بردہ فروشی کو اسلام میں جائز مانتے ہیں۔ لہٰذا اللہ نے تمام مسلمان عربوں سے کہا کہ:۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ (سورہ نور 24/32)

اپنے اندر اُن تمام لوگوں کا نکاح کردو جو بیوہ یا رنڈوے ہوں اور تمہارے بندوں اور بندیوں میں سے جو صالح ہوں۔

یہاں اللہ نے انسانوں کو انسانوں ہی کا بندہ کہا ہے۔ اس پر علما کو اعتراض نہیں ہے۔ مگر محمدؐ کا بندہ بننا اور ہونا اور کہلانا ہی ناپسند نہیں ہے بلکہ اگر اللہ حکم دے تب بھی اُسے شرک کہنا اُن کے مذہب میں جائز ہے۔ اور اسی لئے وہ حقیقی مشرک اور جہنمی ہیں خواہ وہ عبادت کریں، حافظان قرآن اور تہجد گزار ہوں۔ وہ مع اپنی عبادات اور حج و ایمان کے جہنم کے نچلے درجہ میں رہیں گے۔ پھر اللہ نے دو جگہ اور بھی انسانوں کو انسانوں کا بندہ کہا اور تفصیل سے مثال دی ہے سُنئے فرمایا گیا کہ:۔

1۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ .... (نحل 16/75)

2۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً رَّجُلَيْنِ اَحَدُ هُمَا اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ..... (نحل 16/76)

"اللہ ایک ایسے بندے کی مثال دیتا ہے جو کسی دوسرے کا زرخرید ملکیت ہونے کی وجہ سے اُس کا بندہ ہے جسے کسی بھی قسم کا اور کسی بھی چیز پر اختیار نہیں ہے۔"

یہ بندہ کی یا عبد کی تعریف یعنی Definition ہے۔ لہٰذا اللہ نے جن کو محمدؐ کا بندہ قرار دیا ہے اور جنہیں دائمی نجات کی خوشخبری سُنائی ہے وہ وہی لوگ ہیں جو اپنے تمام اختیارات محمدؐ کو سونپ دیں۔ اور اُن کے حکم اور اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح کام کریں۔ دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"اللہ دو مردوں کی مثال بیان کرتا ہے۔ اُن میں سے ایک تو گونگا ہے اور کسی قسم کا اور کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا۔ اور وہ اپنے مؤلا پر دُو بھر بنا ہوا ہے۔" یعنی اُس کا مالک اس سے تنگ آ چکا ہے۔

یہاں پھر بندہ کی تعریف وہی ہے کہ اُسے خود پر اور کسی اور چیز پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ آیات کا باقی بیان آپ خود پڑھیں۔ ہمیں یہ دکھانا تھا کہ اللہ نے انسانوں کو انسانوں کا بندہ کہا ہے۔ اور بندہ کی تعریف اور تشریح کردی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ زرخرید بندہ بنانا حرام ہے اور اللہ کو ناپسند ہے۔ اب یہ دیکھ لیں کہ محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ کے سامنے انسانوں کو کیسا بندہ ہونا چاہئے اور اللہ کو کیسے لوگ پسند ہیں؟

سنئے:۔ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (احزاب 33/36)

ترجمہ و تشریح علامہ مودودی:۔ "کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اُس کا رسوؐل کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اُسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔" (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 97 تا 98)

علامہ کی وضاحت:۔ "جو حکم اس بیان میں کیا گیا ہے۔ وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے۔ اور اُس کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اُس کی رُو سے کسی مسلمان فرد، یا قوم، یا ادارے، یا عدالت، یا پارلیمنٹ، یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملہ میں اللہ اور اُس کے رسوؐل کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اُس میں وہ خود اپنی آزادی رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسوؐل کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لئے اس اختیار کو

محفوظ بھی رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دونوں رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کرسکتا۔ جسے مسلمان رہنا ہو اُس کو لازماً حکم خدا اور رسوؐل کے آگے جھک جانا ہوگا۔ اور جسے نہ جھکنا ہو اُس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔''
(تفہیم القرآن جلد 4۔ صفحہ 98 تا 99)

اللہ کی پوزیشن زیر بحث نہیں ہے بحث یہ ہے کہ رسوؐل اللہ کے روبرو مسلمانوں کو کس پوزیشن میں رہنا چاہئے اللہ نے فرمایا ہے کہ:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo (نساء 4/65) علامہ کا ترجمہ یوں ہے:۔ ''نہیں، اے محمدؐ تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اُس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کرلیں''۔ (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 368-369) علامہ کی وضاحت:۔

''اس آیت کا حکم صرف حضوؐر کی زندگی تک محدود نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پر اللہ کی ہدایت و راہنمائی کے تحت آپؐ نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے۔ اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پر آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ حدیث میں اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَاجِئْتُ بِہٖ۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی خواہش نفس اُس طریقہ کی تابع نہ ہوجائے جسے میں لے کر آیا ہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 369)

بس جناب بات واضح ہوگئی کہ مومن صرف وہ شخص ہے جو رسولؐ اللہ کا بندہ بن جائے۔ یعنی خوشی خوشی اپنے تمام اختیارات اور خداداد قدرت کو رسولؐ اللہ کے تابع کردے۔ اِن بندگان رسولؐ کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ اُن کے نامہ اعمال سے گناہوں کو ساقط کر کے اُن گناہوں کے بدلے میں نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ مومنین وہ آیت زبانی یاد کرلیں جو آپ کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کرنے کی گارنٹی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ:۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاo (فرقان 25/70)

''سوائے اُن لوگوں کے جو اصلاح کے لئے واپس پلٹے اور مطمئن ہوگئے اور اصلاحی اعمال اختیار کرلئے وہ وہی ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل ڈالے گا اور اللہ تو ہمیشہ سے غفور اور رحیم رہتا چلا آیا ہے۔''

یہاں اور ہر جگہ لفظ آمَنَ کے معنی پر آٹھ سو پچانوے سال قدیم سند علامہ راغب اصفہانی کے یہاں یہ ہے کہ:۔

''(امن) اَصْلُ الْاَ مَنِ طَمَانِیَۃُ النفس وَزَوَالُ الْخَوْفِ۔'' (مفردات راغب اصفہانی صفحہ 24)

''اَمَنٌ کی اصل حقیقت نفس انسانی کا مطمئن ہوجانا اور خوف کا قطعاً زائل ہوجانا ہوتی ہے۔''

چونکہ قرآن کوتبدیل کرنے کی پالیسی صرف معنوی تبدیلی تک محدود ہوگئی تھی اس لئے زمانۂ رسولؐ سے معنوی تبدیلی جاری ہے اورلغات اورقواعد کی موجودگی میں بھی تحریف جاری رہی ہے (یونس 16-10/15)۔لیکن ہم قرآن وحدیث کے حقیقی معنی پر اصرار کرتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں کو یہ کہہ دیا گیا ہو کہ تمہارا مایوسی سے کوئی رشتہ وتعلق نہیں اسلیئے کہ تم محمدؐ کے بندے ہواورتمہارے ہمہ قسمی تمام گناہ اللہ بخشے گا۔اُن سے زیادہ مطمئن کون ہوسکتا ہے۔اُن مطمئن لوگوں ہی سے کہا گیا ہے کہ اُن کی غلطیاں،لغزشیں،خطائیں اورمعمولی برائی تک کے بدلے میں نیکیاں عطا کی جائیں گی۔

(ب)۔ بندگانِ محمدؐ کواللہ کی طرف سے سوفیصد اطمینان حاصل ہے

یہاں آتے آتے مصنوعی تقدس اورخودساختہ ایمان کوکئی جھٹکے لگے ہوں گے اورنظام اجتہاد کی گود میں پلنے والے مومنین کے قلوب میں بھی کئی ایک سوال پیدا ہوئے ہوں گے۔ بہرحال ہماری ذمہ داری ہے کہ اس سلسلے میں ہرسوال کا جواب دیں اورقرآن وحدیث کے الفاظ میں جواب دیں۔اسلیئے کہ ہم اجتہادی اوراستدلالی جواب کے قائل نہیں ہیں۔اورقرآن کی رُو سے اُن لوگوں کوظالم وفاسق اورکافر سمجھتے ہیں جوکلام اللہ یا کلام معصومؑ سے جواب نہ دے بلکہ اپنا کلام پیش کرے (مائدہ 47-5/44)۔نزول قرآن ہی کے زمانہ میں رسوؐل کی قوم نے قرآن اوررسولؐ دونوں کے خلاف سازش کی۔دودوستوں نے مل کر رسولؐ اورقرآن کے متعینہ صراط مستقیم کے مقابلہ میں ایک قوم پسند راہ عمل اختیار کی اورقرآن کو چھوڑ دیا (فرقان 31-25/27)۔اُنھوں نے اپنے فیصلے طاغوت سے یا طاغوتی طریقوں سے کرنا اورکرانا شروع کیئے۔لیکن بظاہر یہ کہتے رہے کہ ہم قرآن اورسابقہ تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔لیکن درپردہ طاغوت کے مومن بن گئے (نساء 4/60)۔یہی لوگ تھے جن کو بتایا گیا تھا کہ تم ہرگز مومن ومسلم نہیں ہوجب تک اپنا ہراختلاف رسوؐل سے حل نہ کراؤاوردل کی گہرائی میں بھی طمانیت محسوس کرو (نساء 4/65)۔اورہم گناہگاروں کو یہ آزادی ہے کہ ہرظالم وجابروغاصب قوم یامملکت وحکمران کے تباہ کرنے کی اسکیموں میں ہم سے جوبھی غلطی یا گناہ سرزد ہوجائے وہ نیکیوں سے بدل جائے گا۔اورجس روزہم محمدؐ کی بندگی اختیار کریں گے اورپھر بندگی سے باہرنہ نکلیں گے اُس دن تک کیئے ہوئے تمام سابقہ گناہ خواہ کبیرہ ہوں یاصغیرہ ہوں معاف کردیئے جائیں گے یعنی نامہ اعمال سے غائب ہوجائیں گے (آل عمران 3/195)۔ہمارے یہاں آل محمدؐ کا ہرامام محمدؐ ہے۔اورچونکہ ہم اُن کے بندے ہیں لہٰذا کوئی اخلاقی یا گھناؤنا گناہ تو دُور کی بات ہے ہم تو ہراس کام سے بھی پرہیز کریں گے اورکرتے ہیں جومحمدؐ وآل محمدؐ کوناپسند ہو،جولذتِ نفس کیلیئے ہو،جوجلب منفعت یعنی ذاتی نفع اندوزی کے لئے ہو،جس سے نوع انسان کی حق تلفی ہوتی ہو،جس سے انسانیت کی حریت وآزادی سلب ہوتی ہو،جس سے مظلوم کونقصان پہنچتا ہو،جس سے انسانوں میں قربانی وایثار کا جذبہ نہ پیدا ہوتا ہو اورجس کی وجہ سے انہیں ہمیں اپنا بندہ کہتے ہوئے یاسفارش کرتے ہوئے شرمانا پڑے۔ہم مختار علیہ السلام کی طرح کی زندگی جینا چاہتے ہیں۔ہم کربلا کے فداکاروں کاقتل عام کرنے والوں کی نسل کومنقطع کرنے پرتعینات ہیں۔ہم اُس ذہنیت کوتلاش کرکے اُس کھوپڑی کا چُوراچُورا کردینے کی فکر میں رہتے ہیں جس میں وہ ذہنیت اوردماغ رہتا ہو۔ہمیں اس اسکیم کی تکمیل کے لئے اپنا گھر،اپنے اہل وعیال، اپنے دوست اوراحباب کوچھوڑنا؛ اپنا خون اورگوشت محمدؐ وآل محمدؐ کے نام پرپیش کرنا بہت پیارا ہے۔بہت عزیز ہے اورجوانعامات ہمیں ملنا

ہیں اُن کے سامنے بہت حقیر ہے، بہت قلیل ہے، بہت سستا ہے۔مگرافسوس کہ ہمارے پاس اس خون اور گوشت کے؛اس زندگی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ہم اسی پر روتے ہیں کہ کاش ہمارے پاس کچھ اور بھی ہوتا اور ہم اُسے امام حسینؑ اور اُن کی دُکھیا بہنؑ اور اُن کے مظلوم بچوں کے قدموں پر قربان کرتے۔مومنین وہ آیت سُن کر اپنے فدا کارانہ جذبہ کو مہمیز کریں فرمایا گیا کہ:۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِo(آل عمران 3/195)

''چنانچہ اُن کے پروردگار نے اُن کے لئے فیصلہ کردیا کہ اللہ تم میں سے کسی برسرکار شخص کے کسی بھی عمل کو بے نتیجہ اور ضائع نہ ہونے دے گا۔خواہ وہ برسرکار شخص مرد ہو یا عورت اس لئے تم اس اسکیم میں ایک دوسرے سے وابستہ ہو۔چنانچہ اس سلسلے میں جو لوگ ترک وطن کریں یا اُنہیں گھروں سے نکالا یا جلاوطن کردیا جائے اور اُن پر ایذا اور ظلم کئے جائیں اور اللہ کی راہ میں دشمنان اسلام کو قتل کرڈالیں یا خود قتل ہوجائیں اُن سب کے گناہوں کو چھپادیا جائے گا اور اُسی لازمی قانون کی بنا پر انہیں ایسی جنتوں میں داخلہ ملے گا جن میں نہریں جاری رہتی ہیں۔یہ بدلہ ہوگا اللہ کی جانب سے اُن حضرات کے عملدرآمد کا اور اللہ کے پاس ہی بہترین جزا و بدلہ موجود ہے۔''

قابل صدمبارکباد ہیں وہ عزادارانِ حسین علیہ السلام جن کو یہ اطمینان عطا کیا گیا ہے۔

(9)۔ کوفہ سے شام تک سفر و تشہیر عمر بن سعد ملعون کی سرکردگی میں ثابت ہوچکی

ہم نے اِس سفر کے متعلق جو کچھ کہا ہے۔وہ تمام مختلف اور متفرق اور بظاہر متضاد روایات وحالات کو مرکزی نقطہ انتظام سے مربوط وہم آہنگ کرکے تمام اختلافات کو فطری اور انتظامی صورت دینے کے لئے ایک حقیقت ہے۔اور کسی دوست یا دشمن کو اُس سے انکار واختلاف میں اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔سابقہ روایت میں ابن لھیعہ نے ایک ایسے دشمن اہل بیتؑ کا ذکر کیا ہے جو اپنے اعمال کی بنا پر نجاتِ اُخروی سے مایوس ہوچکا تھا۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر جو شخص بھی سمجھ بوجھ کر آیا تھا۔وہ ایسا ارادہ کرنے سے پہلے یہ جانتا تھا کہ قیامت کے روز وہ جہنمی ہے اور دنیا میں تاحیات ملعون ہے۔چنانچہ عمر سعد کے اپنے بیانات اس کا ثبوت ہیں۔اب مومنین سفر شام میں عمر بن سعد کی مرکزیت کے ساتھ ساتھ ایک اور مایوس النجات شخص کا حال سُنیں:۔

قد ذكر فی تلک الروایة مانَقَلَهَا فی البحار عن الخرائج مسندًا الٰی سلیمان بن مهران الاعمش قال بینما انا فی الطواف با لموسم اذ رَایتُ رَجُلًا یدعوا وهویقول: ''اللّهم اغفرلی وانا اعلم انّک لا تغفرلی۔'' قال فارتعدت فرائصی مِن ذلک ودنوتُ وقلتُ یَا هٰذا اَنتَ فی حرم اللّٰه وحرم رسوّله وهٰذا ایام حرم فی شهر عظیم فلم تیأس مِن مغفرة اللّٰه ۔قال یاهٰذا ذنبی عظیم ۔قلتُ اعظم مِن جبل تهامة اویوازن الجبال الرواسی؟ قال نعم فان شِئتَ اخبرتک قلتُ اخبرنی قال اخرج بناعن الحرم فخرجنا منه۔

فقال لی انا احد مَن کان فی العسکر المیشوم عسکر عمر بن سعد حین قتل الحسینؑ وکنت احدالاربعین الّذین حملوا الراس الٰی یزید مِنَ الکوفة ۔فلما حملناه علٰی طریق الشام نزلنا علٰی دیر النصارٰی وکان الراس معنا مرکوز علٰی رمح و معه الاحراس ۔فوضعنا الطعام وجَلَسنَا لِناکل فاذا بکفّ فی حائط الدیر تکتب:۔اَترجوا امة قتلت حسیناًؑ ۔شفاعة جدّه یوم

الحساب؟ قال فجزعنا جزعًا شديدًا واھوی بعضنا لیاخذ ھا فغابت ۔ثُمَّ عادا صحابی اِلَی الطعام فاذا الکفّ قدعادت تکتب: ”فلا واللّٰہ لیس لھم شفیع ۔وھم یوم القیامۃ فی العذاب ۔ فقام اصحابنا اِلَیْھا فغابت ۔ ثمّ عادوا الَی الطام فعادت تکتب: وقدقتلوا الحسینؑ بحکم جور ۔ وخالف حکمھم حکم الکتاب۔

فامتنعت وماھنا ئنی اکلہ ۔ ثمّ اشرف علینا راھب من الدَّیر فَرَای نورًا ساطعًا مِنْ فوق الراس فاشرف فرای عسکرًا فقال الراھب للحراس مِنْ اَیْنَ جِئتُمْ؟ قالوا مِن العراق حاربنا الحسینؑ ۔فقال الراھب ابن فاطمۃؑ بنت نبیّکمؐ وابن عم نبیّکُمْؐ ؟ قالوا نعم ۔ قال تبًا لکم ۔ واللّٰہ لوکان لِعیسٰیؑ ابن مریمؑ ابن لحملناہ علٰی احدا قنا ۔ ولکن لی الیکم حاجۃ ۔قالوا وماھی؟ قَالَ قولوا لِرئیسکم عندی عشرۃ الاف درھم ورثتھا مِن آبائی یاخذھا مِنّی ویعطی الراس یکون عندی الٰی وقت الرحیل ۔فاذا رَحَل رَدَدُ تہ اِلَیْہِ ۔ فاخبروا عمر بن سعد بذٰلک ۔ قال خذ وا منہ الد نا نیرواعطوہ الٰی وقت الرحیل ۔ فجاؤا اِلَی الراھب فقالوا ھات المال حتّٰی نعطیک الراس فادلٰی الیھم جرابین فی کل جراب خمسۃ الاف درھم ۔فدعی عمر بالنا قد والوزّان فانتقد ھا ووزنھا ودفعھا الٰی خازن لہ ۔وامراَن یعطی الراس ۔ فَاَخَذَ الراھب الراس فغسّلہ ونظفّہ وحشاہ بمسک وکافور کان عندہ ثم جعل فی حریرہ ووضعہ فی حجرہ ولم یزل یبکی وینوح حتّٰی نادوہ وطلبوا منہ الراس ۔ فقال یاراس واللّٰہ لا اَمْلَکُ الّا نفسی فاذاکان غدًا ۔ فاشھد لِیْ عند جدّک محمدصلی اللّٰہ علیہ وآلہ اَنّی اشھدُ اَنّ لا الہ الّا اللّٰہ واَنَّ محمدًاؐ عبدہ ورسوؐلہ اسلمت علٰی یَدَیْک وانا موالیک وقال لھم اِنّی احتاج ان اکلّم رئیسکم بکلمۃ واعطیہ الراس فد عا عمربن سعد فقال: سئلتک باللّٰہ بحق محمدؐ اَن لَا تعود الٰی ماکنت تفعل بھذاالراس وَلَا تخرج ھذاالراس من ھَذا الصند وق فقال لہ عمر سعد فافعَلُ ماقلتَ ۔ فاعطاہ الراس ونزل من الدیر یلحق ببعض الجبال یعبد اللّٰہ۔

ومَضَی عمر بن سعد ففعل بالراس ماکان یفعل فی الاوّل ۔فلما دنی مِن دمشق قال لاصحابہ انزلوا وطلب من خازنہ بالجرابین فاحضر بین یدیہ فنظرالٰی خاتمہ ۔ ثم امر اَن یفتح فاذا لدنا نیرقد تحوّلت خزفۃ فنظروا فی سکّتھا فاذا علی جانبھا مکتوب: لا تحسبنّ اللّٰہ غافلًا عَمّایعمل الظالمون وعلٰی جانب الاخر مکتوب: وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا أَیَّ مُنقَلَبٍ یَنقَلِبُونَ ۔ فقال انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ خسرت الدنیا والاخرۃ ثم قال لغلمانہ اطرحوھا فی النھر فطرحت ورحل الی دمشق من الغد ھٰذا ۔
(اکسیرالعبادات ۔صفحہ 503 تا504 ترجمہ بحارجزائری صفحہ 71 تا72)

ہم جزائری کا ترجمہ لکھتے ہیں: ”قطب راوندی نے خرائج (کتاب کا نام) میں سلیمان بن مہران اعمش سے روایت کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک سال میں نے اثنائے طوافِ خانہ کعبہ میں ایک شخص کو دیکھا۔ وہ اس طرح دعا کرتا تھا کہ ”اے خدایا میرے گناہوں کو بخش دے اور میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ تو مجھے نہ بخشے گا۔ میں اس کلام کو سن کر لرز گیا۔ اُس کے قریب پہنچا اور اُس سے کہا کہ اے مردخدا تو اِس وقت حرم خدا اور حرم رسولؐ میں ہے اور یہ ایسے متبرک مہینے کے دن ہیں۔ تمہیں اللہ کی رحمت ومغفرت سے مایوسی کا اظہار نہ کرنا چاہئے۔ اُس نے کہا کہ میرا گناہ بہت ہی بڑا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا تہامہ کے پہاڑ سے بھی بڑا ہے یا تمام دریاؤں اور پہاڑوں سے بھی بڑا ہے؟ اُس نے کہا کہ ہاں بڑا ہے۔ اور اگر تم چاہو تو میں اپنا حال بیان کردوں؟ میں نے بیان کرنے کے لئے کہا تو اُس نے کہا کہ میرے ساتھ کعبہ سے باہر چل۔ چنانچہ ہم دونوں خانہ کعبہ سے باہر آ گئے۔

اُس نے بتایا کہ میں عمر بن سعد ملعون کے منحوس لشکر میں اس وقت بھی شامل تھا جب امام حسینؑ کو قتل کیا گیا تھا۔اور پھر میں اُن چالیس آدمیوں میں بھی شامل تھا جو سر حسینؑ کو کوفہ سے لے کر یزید کے پاس گئے تھے۔شام جاتے ہوئے ہم راستہ میں ایک عیسائی گرجا کے قریب ٹھہرے تو سر حسینؑ نیزہ پر پہرہ والوں کی نگرانی میں تھا۔ہم نے دستر خوان بچھایا تا کہ کھانا کھائیں کہ اچانک گرجا کی دیوار کے اندر سے ایک ہاتھ نکلا اور گرجا کی دیوار پر لکھا کہ ''کیا حسینؑ کو قتل کرنے والی اُمت قیامت میں حساب کے وقت حسینؑ کے ناناؐ سے شفاعت کی امید بھی کرتی ہے؟'' وہ شقی کہتا ہے کہ ہم اس حالت سے نہایت خوفزدہ ہو گئے۔ہم میں سے بعض نے چاہا کہ اُس ہاتھ کو پکڑ لیں لیکن وہ غائب ہو گیا۔ہم پھر کھانا کھانے کیلئے تیار ہوئے تو وہ ہاتھ پھر نکل آیا اور لکھا کہ قسم بخدا اُن کی شفاعت کوئی نہ کر سکے گا اور وہ قیامت میں عذاب جہنم سے دوچار ہوں گے۔پھر ہمارے چند ساتھی اُس ہاتھ کی طرف بڑھے مگر وہ پھر غائب ہو گیا۔پھر ہم کھانے کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ آ گیا اور لکھا: امام کو جبر وظلم کے حکم سے قتل کیا گیا تھا اور اُن کا وہ حکم، قرآن کے احکام کے خلاف تھا۔

چنانچہ اُس حال میں کھانا پسند نہ کیا اور میں دستکش ہو گیا۔اتنے میں ایک راہب دَیر سے نکل کر آیا۔اُس نے دیکھا کہ سر حسینؑ کے اوپر ایک نور بکھرا ہوا ہے۔ساتھ ہی اس نے پوری فوج پر نظر ڈالی اور پہرہ والوں سے پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہم عراق سے آ رہے ہیں حسینؑ سے جنگ کرنے گئے تھے۔راہب نے کہا کون سا حسینؑ ؟ کیا تمہارے رسولؐ کا نواسا، فرزند فاطمہؑ اور نبیؐ کے چچازادؑ بھائی کا بیٹا حسینؑ؟ اُنہوں نے کہا کہ ہاں اسی حسینؑ سے جنگ ہوئی تھی۔اُس نے کہا تمہارا حال بڑا قابل افسوس ہے۔ارے لوگو اگر کہیں عیسیٰؑ ابن مرؑیم کا کوئی بیٹا ہوتا تو ہم اُسے اپنی آنکھوں اور پلکوں پر اُٹھاتے۔بہرحال مجھے تم سے ایک کام ہے وہ کرا دو۔انہوں نے معلوم کیا تو کہا کہ تم اپنے حاکم اعلیٰ کو بتاؤ کہ میرے پاس میرے آباواجداد سے ورثہ میں ملے ہوئے دس ہزار درہم ہیں۔میں وہ رقم دے کر یہ سر اس وقت تک اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں جب تک تم سفر کرو۔جب تم جانے لگو گے میں تمہیں واپس دے دوں گا۔یہ بات عمر بن سعد کو بتائی گئی۔اس نے کہا کہ اس سے وہ رقم لیکر سر عارضی طور پر دیدو۔قاصد راہب کے پاس آئے اور وہ مال طلب کیا۔چنانچہ راہب نے دو تھیلیاں جن میں پانچ پانچ ہزار درہم تھے دیدیں۔عمر بن سعد نے گننے والوں اور تولنے والوں کو بلایا ٹھیک نکلنے پر رقم اپنے خزانچی کو دے دی اور حکم دیا کہ اُسے سرِ حسینؑ دے دیا جائے۔چنانچہ یوں راہب نے سر مبارک حاصل کیا، لیکر گرجا میں آیا سر مبارک کو غسل دیا۔خشک اور صاف کیا اپنے پاس موجود مشک اور کافور سے معطر کیا اور ایک حریری کپڑے میں لپیٹ کر اپنی گود میں رکھ کر نوحہ کرنے اور بے قراری سے رونے میں اس وقت تک مشغول تھا جب تک کہ لوگوں نے آواز دی اور سر مبارک واپس مانگا۔آ کر اُن لوگوں سے کہا کہ میں تمہارے حاکم اعلیٰ سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں پھر اُسی کو سر دوں گا۔اسکے بعد امام حسینؑ کے سر مبارک سے مخاطب ہو کر کہا کہ بخدا میرے قابو میں صرف میری زندگی کے علاوہ کچھ نہیں۔اے مولاؑ کل کو اپنے ناناؐ کے حضور میں میری طرف سے گواہی دینا کہ میں نے حضور کے ہاتھوں پر اسلام اختیار کر لیا تھا۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔جب عمر بن سعد نے بلایا تو اس سے قسم دے کر کہا کہ جو کچھ تم اس سر کے ساتھ کرتے رہے ہو اب دوبارہ نہ کرنا اور اس صندوق میں سے باہر نہ نکالنا۔عمر سعد نے وعدہ کر لیا کہ آئندہ وہ ایسا ہی کرے گا۔راہب نے سر مبارک واپس دے دیا اور گرجا میں واپس آیا۔

اور تیار ہو کر ہمیشہ کیلئے بعض پہاڑوں میں جا کر رہنے لگا اور عبادت خداوندی میں مصروف ہو گیا۔

اُدھر عمر سعد وہاں سے چلا اور سرِ مبارک کو حسب سابق اُسی طریقہ سے لے کر چلا۔ جب دمشق کے قریب پہنچا تو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور خزانچی سے وہ دونوں تھیلیاں منگوائیں جن میں راہب کے دیے ہوئے درھم تھے۔ پہلے یہ دیکھا کہ تھیلیوں کی مہریں ٹھیک ہیں۔ پھر مہریں توڑنے اور درھم باہر نکالنے کا حکم دیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ درھم ٹھیکریوں میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ پھر ٹھیکریوں کی تحریر دیکھی تو ایک طرف لکھا تھا کہ ''اللہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل نہ سمجھو۔'' دوسری طرف لکھا تھا کہ عنقریب ظلم کرنے والوں کو معلوم ہوگا کہ اُن کی واپسی کس جگہ ہوتی ہے۔ یہ دیکھ کر عمر سعد نے کہا کہ سچ ہے ہم اللہ کے قابو میں ہیں اور اسی کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ ہماری دنیا بھی خراب ہوگئی اور آخرت بھی تباہ ہو چکی ہے۔ پھر اپنے غلاموں کو حکم دیا اُن ٹھیکریوں کو نہر میں پھینک دو۔ چنانچہ غلاموں نے ایسا ہی کیا۔ عمر بن سعد دوسرے روز دمشق میں داخل ہو گیا''۔ (مترجم نے اُسی روز یزید سے ملنا اور سر پیش کرنا اپنے گھر سے لکھ دیا ہے)

(الف)۔ سفرِ شام کا تذکرہ کسی بھی صورت میں ہو عمر بن سعد کی ماتحتی لازم ہے

ہم چاہتے تھے کہ اس روایت کو علامہ جزائری کے ترجمہ کے ساتھ لکھیں لیکن ترجمہ میں مولویانہ کاٹ تراش اور علامائی انداز نے مجبور کیا کہ اس کو عربی عبارت کی پابندی سے اصلاح کے ساتھ لکھیں۔ بہر حال یہ روایت چالیس آدمیوں کی ایک پارٹی کا اُسی طرح سرِ حسینؑ کو ملک شام لے جانا بتاتی ہے جیسا کہ سابقہ روایت میں پچاس آدمی بالکل آزاد معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن جب مرکزی ہدایات کی ضرورت پیش آئی تو یہ ثابت ہو گیا کہ وہ پارٹی اور ہر جماعت عمر بن سعد کے مرکز سے وابستہ اور ماتحت رہتی تھی۔ اور ہر پارٹی کا مرکز سے رابطہ قائم رہتا تھا۔ خواہ پارٹی انفرادی طور پر مشرق میں جائے یا مغرب میں تشہیر کرے اُسے مرکز سے رابطہ رکھنا پڑتا تھا۔ اس روایت نے یہ بھی بتا دیا کہ پہرہ دینے والے (**احراس**) ہر پارٹی کے ساتھ رہتے تھے۔ اور یہ انتظامی اور عقلی تقاضہ ہے کہ پہرہ دینے والے بار بار تبدیل ہوتے رہیں تا کہ آرام کریں۔ یہاں راہب کا سرِ مبارک کو دھونا اور صاف کرنا بھی یہی بتاتا ہے کہ سرہائے شہدؑا کو معطر و صاف نہ رکھا جاتا تھا۔ بلکہ تحفظ کے لئے دوائیں لگائی جاتی تھیں۔ جن کو صاف کرنا عیسائی راہب کے نزدیک لازم تھا۔

(ب)۔ زیرِ قلم روایت میں معجزاتی پہلو نظر انداز نہ کیا جا سکا

یہ ایک چیختی ہوئی حقیقت اور سازشی علما کی عادت ہے کہ محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیھم کے اثر انگیز حالات و واقعات کو عالمانہ ٹیکنیک اور مختصر نویسی کی مار دے کر کم سے کم اور پھر معدوم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ بالا روایت میں صرف اتنا پڑھا کہ وہ راہب سرِ حسینؑ مظلوم کو گود میں رکھ کر روتا رہا اور بس۔ لیکن وہاں جو نہایت اہم اور مومنین کے عقائد کو مستحکم کرنے والا واقعہ تھا وہ چھپا لیا گیا تھا۔ مگر آخر علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے کتاب خصائص سے اس واقعہ کو دوبارہ نقل کر کے مومنین تک پہنچا دیا۔ سنئے جزائری ترجمہ کرتے ہیں کہ:۔

''کتاب خصائص میں مروی ہے کہ جو ملعون سرِ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ تھے۔ ایک منزل میں جسے قنسرین کہتے ہیں اُترے۔ اُس

منزل کے قریب ایک دَیر(گرجا) تھا۔اس وقت راہب نے اپنے صومعہ(گرجا) سے اس قافلہ کا حال دیکھنے کے لئے اپنا سر باہر نکالا۔

دید نورے چوآفتاب عیان　　از سرآن گزین جملہ سران

نور میزد زآن سرؑ والا　　چوں زمہرِ منیر وقت ضحےٰ

دید بر نیزہ آفتابے را　　کرد یاخود قیامتے برپا

الحاصل راہب نے دیکھا کہ ایک نورِعظیم سر بریدۂ جناب سیدؑ الشہدا سے آسمان تک ساطع ہے ۔ یہ حال دیکھ کر راہب دس ہزار درہم موکلان سر حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس لایا اور سر مبارک کو لیکر اپنے گھر لے گیا۔ جب اپنی جگہ پر لایا تو ایک شخص کی آواز اسکے گوش سعادت نیوش میں غیب سے آئی ۔کہ خوشا حال تیرا اور خوشا حال اس شخص کا جو اس سر انوار کی قدر و منزلت کو پہچانے ۔راہب نے آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی کہ الٰہی بحق عیسیٰ علیہ السلام تو حکم کر کہ یہ سر مجھ سے کلام کرے۔سر مبارک نے کلام فرمایا کہ یَارَاہِبُ اَیُّ شَیْ ءٍ تُرِیْدُ ۔اے راہب تو کیا چاہتا ہے۔راہب نے پوچھا مَنْ اَنْتَ ۔کہ آپ کون ہیں؟ سر اطہر نے جواب دیا کہ اَنَا ابْنُ محمدؐ المصطفٰی و اَنَاابْنِ عَلِیٍّ المرتضٰی و اَنَا بْنِ فاطمۃ الزہرؑاء و انا المقتول بکربلا انامظلوم اناالعطشان ۔یہ فرما کر وہ سر مطہر چپ ہوا۔راہب نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنا منہ حسینؑ کے منہ پر رکھ دیا اور کہا کہ یا حسینؑ میں اپنا منہ نہ اُٹھاؤں گا جب تک کہ آپ نہ فرمائیں گے کہ قیامت کے دن میں تیری شفاعت کرونگا۔حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے جدؐ بزرگوار کے دین میں آ۔راہب نے بصدق دل کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا۔اس وقت حضرتؑ نے اسکی شفاعت کو قبول کیا۔ جب صبح طالع ہوئی موکلوں نے وہ سر پُر نور راہب سے لیا۔جب آگے جنگل میں پہنچ کر راہب کے درہموں کو دیکھا تو سب سنگریزے ہو گئے تھے۔''(بحار مترجمہ جزائری۔صفحہ 135-136)

50۔ سرہائے شہداؑ اور اسیرانِ اہل حرمؑ کا دمشق میں داخلہ اور متعلقات

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابن زیاد نے یزید کو خط کے ذریعہ کربلا میں گزرے ہوئے حالات سے مطلع کر دیا تھا۔فتح کی خوشخبری کے ساتھ ہی یزید کو نہ صرف کربلا میں فوجی طاقت کے بے پناہ نقصان کا علم ہو چکا تھا۔ بلکہ وہ دن رات اس خلجان میں بھی مبتلا تھا کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب لوگوں کو صحیح حالات معلوم ہو جائیں گے اور پورے ملک میں حکومت کے خلاف غم وغصہ پھیل جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ اُسے ملکی بغاوت کا سامنا کرنا پڑے۔اور وہ سب لوگ اُس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں جو اُس کے والد کی حکومت بھی پسند نہ کرتے تھے اور حکومت کے قہری انتظام کی قوت کے سامنے مجبوراً خاموش رہتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اب خاندان رسولؐ میں کوئی ایسا ہمدرد و جان نثار باقی نہیں ہے جو حکومت کے خلاف اُٹھنے کی جرأت کر سکے۔ جو لوگ حقیقی اسلام اور نبوی طرز حیات پر مُصر ہو سکتے تھے سب تہہ تیغ کر دیئے گئے۔اب وہی لوگ باقی ہیں جنہیں ذاتی عناد تو ہو سکتا ہے لیکن اسلام کی حقیقی تعلیمات کو واپس لانے کے لئے جان لڑانے والا کوئی باقی نہیں ہے۔اب اُس کے سامنے پہلا مقصد یہ تھا کہ وہ تمام اقدامات کرے جن سے اُس کے خلاف غم وغصہ اور جذبۂ انتقام نہ اُبھرے۔اور اُس پر قتل حسینؑ و خاندان رسولؐ کے قتل عام کا کھلا الزام بھی قائم نہ ہو سکے۔اور مناسب مواقع پر ایسے بیانات و اقدامات بھی

ضروری ہیں جن سے یہ ثابت ہو کہ نہ میرا منشا قتل عام تھا، نہ میں اِس سے خوش ہوا ہوں۔ مجبوراً مجھے دفاعی اقدامات کا حکم دینا پڑا اور جو اللہ نے تقدیر مقرر کر کے رکھی تھی اُس کی تعمیل ہوگئی ہے۔ میرا اس میں کوئی ایسا قصور نہیں ہے جس کو میں نے ارادتاً اور خوشی سے کیا ہو۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ اگر اہل شام بھی میرے اقدامات میں مجھے گنہگار سمجھیں تو جس طرح ہو سکے اُنہیں راضی کیا جائے۔ حسینؑ کے پس ماندگان کو مال و متاع دینے اور اچھا سلوک کرنے سے راضی ہوں تو اس پر عمل کیا جائے۔ اور اگر وہ داخلہ اہلِ حرمؑ پر اور اہل حرمؑ کے بیانات کے باوجود میری فتح سے خوش ہوں اور محفل رقص و سرود اور جشن منائیں تو خاندان مرتضویؑ کو ذلیل و خوار کر کے اس یقین کے بعد رہا کر دیا جائے کہ اب بغاوت کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔

یہ وہ پیچیدہ اور خطرناک صورت حال تھی جو شہادت امام حسین علیہ السلام کی اطلاع کے بعد سے یزید کے ذہنی توازن پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ اور اسی ذہنی کیفیت کی وجہ سے اُس کے آئندہ بیانات و اقدامات میں ایک عجیب اضطراری صورت نظر آتی رہے گی۔ مثلاً اسیران اہل حرمؑ اور سر ہائے شہدؑا کے دمشق پہنچنے کی خوشخبری لانے والے کو قید کر دینا۔ شمر کو انعام طلب کرنے پر ڈانٹ دینا۔ جب ایک شخص زیادہ سے زیادہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے یہ بتاتا ہے کہ اُس نے اور اُس کے ساتھیوں نے حکومت کی اطاعت کی خاطر کتنے بزرگ افراد اور خاندان کا قتل عام کر دیا تو اُسے وہیں قتل کرا دینا۔ اور جواب میں کہنا کہ اگر تو اُنہیں بزرگ سمجھتا تھا تو قتل کیوں کیا؟ مطلب یہ کہ برسر عام بزرگ کہہ کر تو نے مجھے مجرم بنا دیا۔ کبھی یہ کہنا کہ میں نے ایک باغی کو قتل کر کے ملک و قوم اور دین کی خدمت کی ہے، کبھی کہنا کہ میں نے قتل کا حکم نہیں دیا تھا، حسینؑ کو زندہ لاتے تو اچھا ہوتا، میں انہیں رہا کر دیتا خواہ میری اولاد خطرہ میں پڑ جاتی۔ یہ سب کچھ اُس کے دماغ کی سیاسی اُلجھن اور حرکات مذبوحی کا ثبوت ہوگا۔ اس صورت حال کو سامنے رکھ کر آنے والے واقعات کو سمجھیں اور دیکھیں کہ دنیا کی سب سے بڑی مملکت کا سب سے جابر و ظالم و قہار بادشاہ چند سر و پا برہنہ، پابہ زنجیر قیدی خواتین اور ایک بیمار و نحیف وطوق اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے شخص کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ اور غلبہ و شرافت و اخلاق میں کس درجہ کا ثابت ہوتا ہے؟

(1)۔ شہر سجایا گیا آج دمشق میں عید کا سماں ہے رسولؐ کی بیٹیاںؑ شہر میں آ رہی ہیں

ہم نے عرض کیا کہ لشکر عمر سعد سر ہائے شہدؑا اور اسیران اہل حرمؑ کو لے کر کل دمشق پہنچ گیا تھا۔ رات بھر قیدی اور فوج شہر سے باہر ٹھہرے۔ اور آج رسولؐ زادیوںؑ کو شہر میں گشت کرایا جائے گا۔ عمر سعد سلامی کے لئے اپنے امیر المومنین (ملعون) سے مل چکا ہے۔ رات بھر فوج وردی بدلنے اسلحہ کو چمکانے میں مصروف رہی ہے۔ اُدھر شہر کو سجا دیا گیا ہے۔ یزید اپنے محل کی بلندی سے قیدیوں کے جلوس کو دیکھنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ عمر سعد اور اس کی فوج جلوس کی ترتیب اور تیاری سے فارغ اشارے کا انتظار کر رہے ہیں۔ پورا دمشق اور گرد و نواح کے لوگ شاہ راہ پر دو رویہ منتظر ہیں کہ:۔

قال فی البحار وروی صاحب المناقب باسناده عن زید عن ابآئه عن سهل بن سعد قال خرجت اِلٰی بیت المقدس حتّٰی توسّطتُ الشام فاذًا اَنَا بمدینة مطردة الانهار، کثیرة الاشجار قد علّقوا الستور والحجب والدیباج وهم فرحون مستبشرون وعند هم نسآءٌ یلعبن بالدفوف والطبول ۔ فقلت فی نفسی لا نری لاهل الشام عیدًا لا نعرفه نحن۔ فرایتُ قومًا یتحدثون فقلت

یاقوم الکم بالشام عیدٌ لانعرفه نحن ۔قالوا یاشیخ نراک اعرابیًا غریبًا ۔ فقلتُ اناسهل بن سعد قد رایت محمدًاؐ قالوا یا سهل ماعجبک السمآء لا تمطر دمًا والارض لاتنخسف باهلها ؟ قلت ولم ذاک ؟ قالوا هٰذ اراس الحسینؑ وعترة محمدؐ یهدی مِن الارض العراق ۔فقلت واعجبایهدی راس الحسینؑ والناس یفرحُون ۔ قلتُ مِن اَیِّ بابٍ یدخل ؟ فاشاروا اِلٰی بابٍ یقال له باب الساعات ۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 510)

ایک شخص جس کا نام سہل بن سعد ہے شہر میں داخل ہوا۔وہ سناتا ہے کہ میں بیت المقدس سے ہوتا ہوا ملک شام کے ایک شہر میں پہنچا جہاں نہروں اور باغات کی افراط تھی ۔ پردے اور فرش وفروش سے آراستہ تھا۔زرق برق لباس میں ملبوس لوگ خوشیاں منارہے ہیں۔ عورتوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے اور ڈھول اور طبلے بجانے میں مصروف ہیں۔میں نے دل میں سوچا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اہل شام کوئی عید مناتے ہیں جسے ہم نہیں جانتے۔اتنے میں میں نے کچھ لوگوں کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا۔میں نے اُن سے یہی سوال کیا کہ آج تمہارے یہاں کوئی عید ہے؟ انہوں نے کہا کہ شیخ صاحب آپ کوئی دیہاتی مسافر معلوم ہوتے ہیں۔میں نے کہا کہ بھائیو میں سہل بن سعد رسولؐ اللہ کا صحابی ہوں۔اُنہوں نے کہا کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ آج آسمان سے خون کیوں نہیں برستا اور زمین کیوں دھنس نہیں جاتی؟ میں نے سبب پوچھا تو کہا کہ عراق سے حسینؑ کا سر اور اولادرسولؐ قید ہوکر آرہے ہیں۔میں نے حیران ہوکر کہا کہ سرحسینؑ لایا جارہا ہے اور اہل شام خوشیاں منارہے ہیں؟ میں نے پوچھا کس دروازے سے لایا جائے گا؟ جواب ملا کہ اس دروازہ سے جس کو گھنٹہ گھر کا دروازہ کہتے ہیں۔

(2)۔ یزید استقبال کے لئے پرچم بھیجتا ہے خبر لانے والے کو قید کرتا ہے

اِدھر لاکھوں مسلمان تماشہ دیکھنے کے لئے منتظر ہیں۔

فَاَقْبَلَ رَجُلٌ اِلٰی یزید بن معاویه قا ل اقرّاللّٰه عینیک اَیُّهاالخلیفة ۔ فقال مَاذا؟ فقال براس الحسینؑ ۔فقال له یزید ولدالزنا لا اقراللّٰه عینیک ۔ ثُمَّ امر بحبسه وَامربمائة وعشرین رایة وامرهم اَنْ یستقبلوا راس الحسینؑ فاقبلت الرَّایات و مِن تحتها التکبیر والتهلیل ۔ واذ من تحتها هاتف ینشد ویقول: جاؤا براسک یابن بنت محمدؐ۔ مترملًا بد مآئة ترمیلًا ۔ لایوم اعظم حسرة مِنْ یَوْمه۔واراه رهنًا للمنون قتیلا ۔ فکانّما هُم یابن بنت محمدؐ ۔ قتلوا جهارًاعامد ین رَسُوْلًا ۔وَیَکبّرُوْنَ اِذَاقتلتَ وَاِنَّما۔ قتلوا بک التکبیرَ والتهلیلًا۔(ابومخنف سے اکسیرالعبادات۔صفحہ 509)

اُدھر یزید کو رسمی اطلاع دینے کیلئے ایک شخص بھیجا جاتا ہے۔وہ کہتا ہے اے مسلمانوں کے خلیفہ، اللہ حضور کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے۔یزید نے دُعا کا سبب معلوم کیا۔اُس نے کہا کہ حسینؑ کا سر حاضر کیا جانا کیا خوشی منانے اور مبارکباد دینے کا موقعہ نہیں؟ یزید نے اُسکو قید کرنے کا حکم دیا۔اُسے جیل خانہ بھیجنے کے بعد ایک سوبیس پرچم، پرچم بلندرکھنے والے اور ہر پرچم کے نیچے باری باری لاالہ الا اللہ اور نعرہ تکبیر مارنے اور پکارنے والے بھیجے اور حکم دیا کہ وہ حسینؑ کے سر کا استقبال کرنے کیلئے پہنچیں۔چنانچہ وہ تمام جھنڈے لئے ہوئے شہر سے باہر پہنچے اور جلوس کے آگے آگے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے چلنے لگے۔ساتھ ہی محبانِ اہلبیتؑ کے کانوں میں ہاتف غیبی کی جگرخراش آواز آرہی تھی: اَے رسوؐل کی بیٹیؑ کے لاڈلے یہ لوگ آپؑ کا سرکاٹ کر یہاں تماشے کیلئے لائے ہیں۔آپؑ کا سر اپنے خون میں

آج بھی تر ہے۔ اِس منحوس دن سے زیادہ کوئی اور دن حسرت واندوہ کا سماں پیش نہیں کرسکتا اور یہ لوگ آپؑ کو قتل کرچکنے پر مسرت وشادمانی منارہے ہیں۔اے فاطمہؑ کے لال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں نے تمہارےؑ پردہ میں رسولؐ اللہ کو قتل کردینا طے کررکھا تھا۔ ذرا دیکھو تو اُن لوگوں نے تمہیںؑ بھی نعرۂ تکبیر کے شور میں قتل کیا تھا۔اور اُنکا مقصد اس کے سوا کچھ اور تھا ہی نہیں کہ اِن مسلمانوں نے تمہارےؑ ساتھ ہی لا الہ الا اللہ اور تکبیر کو بھی قتل کردیا ہے۔

(3)۔ سرحسین علیہ السلام اور سرہائے فرزندان رسولؐ کی ترتیب اور رسولؐ زادیوںؑ کا جلوس

قال سهل ودخل الناس من باب الخيزران فدخلتُ فی جُملتهم واذاقد اقبل ثمانية عشرراسًاو بالسباياً علی المطايا بغير وطاء وراس الحسينؑ بيدالشمر وَهُوَيقول اَنَاصاحب الرمح الطويل اناصاحب الدّين الاصيلِ اناقَتَلْتُ ابن سيد الوصيين وآتيتُ راسه اِلٰی يزيد اميرالمومنين ۔ فقالت ام کلثومؑ کَذّ بت ياالعين ابن اللعين اَ لالنعة اللّٰه عَلٰی قوم الظالمين ياوَيلک تفتخر عَلٰی يزيد الملعون ابن الملعون بقتل مَن ناغاهُ جبرَّائيل وميکاَّئيل ومن اسمه مکتوب علٰی سرادق العرش رب العالمين و مَن ختم اللّٰه بجدّه سيد المرسلينؐ وقمع بابيه مواد المشرکين ۔ فمن اين مثل جدّ ی محمد المصطفٰی واَبی علی المرتضٰی واُمّی فاطمة الزهرآء صلوات اللّٰه عليهم اجمعين؟ فاقبل عليها خولی الاصبحی تابين السجاعة وانتِ بنت السجاعة۔

واقبل مِن بعده راس العباسؑ يحمله قشعم الجعفی ۔ واقبل مِن بعده راس الحرؑ بن يزيد الرياحی واقبل مِن بعده راس العونؑ يحمله سنان بن انس النخعی واقبل الرؤس علٰی اثرهم۔ قال سهل واقبلت جارية علٰی بعير مهزول بغير وطآء وهی تنا د وا محمدّاه وا جدّاه واعليّاهٔ واحسناہ وا عقيلاہ وا عباساهٔ وا بُعد سفراه واسؤصباحاه ۔ قال سهل فاقبلت اليها فَصَاحَتُ عَلَیَّ فَوَقَعَتُ مغشيّا عليه فَلَمَّا اَفَقُتُ مِن غشوتی ودنوت منهاوقُلُتُ لها ۔ يا سيد تی لم تصيحين عَلَیَّ ؟ فقالت اَمَا تستحيی مِن اللّٰه ورسوّله اَن تنظر الٰی حرم رسولؐ اللّٰه ؟ فقلتُ وَاللّٰه مَانظرتُ اليکم بريته فقالت مَنْ اَنْتَ ؟ فقلتُ اَنَا سهل بن سعد الشهرزوری وانا مِن مواليکم ومُحِبيکُمْ ۔ ثُمَّ اَقْبَلُت عَلٰی علیؑ ابن الحسينؑ وقلتُ له يامَوْلَایَ هَل لک مِن حاجة ؟ فقال لی هَلْ لکَ مِنَ الد راهم شی ءٍ ؟ فقلت الف دنياروالف ورقة ۔ قال خذ منها شيئًا وادفع الٰی حامل الراس وامره اَن يُبعّده عَنِ النسآء حَتّٰی يشتغل الناس بالنظر اِلَيْهِ عن النسآءقال سهل ففعلت ذلک ورجعتُ اليه وقلتُ له ياموﻻیَ فَعَلْتُ الذی امرتنی۔ فقال حشرک اللّٰه معنا يوم القيامة۔

(ابومخنف اور اکسیر العبادات۔صفحہ 509 تا510)

سھل بن سعد صحابی کہتا ہے کہ لوگ خیزران کے دروازے سے داخل ہورہے تھے۔ میں بھی اُن میں شامل ہوکر اُس جگہ پہنچا جہاں اٹھارہ سرہائے شہدؑا اور خاندان رسولؐ کے قیدی اور امام حسین علیہ السلام کا سر موجود تھا۔ سرحسینؑ کو نیزے پر بلند کئے ہوئے شمر ملعون اعلان کررہا تھا کہ میں سب سے طویل نیزے کا علمبردار ہوں۔ میں ہی اصلی دین ومذہب کا نمائندہ ہوں۔ میں نے ہی تمام نبیوں کے وصی کے بیٹے کو قتل کیا ہے اور اُس کا سرکاٹ کر مومنین کے حاکم کے رُوبرو پیش کرنے کو لایا ہوں۔حضرت ام کلثوم علیھا السلام نے للکار کر کہا کہ او لعنتی اور لعنتی کے بیٹے تو حقیقی اسلام کے دعوٰی میں جھوٹا ہے۔ارے ملعون تجھ پر اور تیری ظالم قوم پر خدا لعنت کرے۔ اے مردود تو ایک ایسے بزرگ کو قتل کرکے یزید ملعون ابن ملعون پر فخر کررہا ہے ۔ جسے جبرائیلؑ ومیکائیلؑ لوریاں دیا کرتے تھے اور بہلایا کرتے تھے۔جس کا اسم گرامی سَرَاپردۂ عرش کی زینت ہے۔جسکے ناناؐ پر اللہ نے سلسلۂ نبوت ورسالت کو ختم اور مکمل کیا ہے۔

اور جس کے باپؑ کے ہاتھوں شرک اور نظام شرک کا مادہ تباہ کرا دیا ہے۔ ارے لعین کوئی ہے جو میرے نانا محمد مصطفیٰؐ اور میرے والد علیؑ مرتضیٰ اور میری ماں فاطمہؑ زہراء کے مقابلہ پر لایا جاسکے؟ بات کاٹنے کیلئے خولی آگے بڑھا اور کہا کہ تم بھی شعلہ بیان شاعرہ ہو اور ایک شاعرہ ہی کی بیٹی ہو۔

اسکے بعد حضرت عباسؑ کا سر تھا۔ جسے قشعم اُٹھائے ہوئے تھا۔ پھر جناب حُرؑ کا سر نیزہ پر تھا۔ اور اُن کے بعد جناب عونؑ کا سر سنان بن انس بلند کئے ہوئے تھا اور اُن کے بعد باقی سر نیزوں پر تھے۔ سہل کہتا ہے کہ اس کے بعد ایک خاتون اونٹ کی ننگی پشت پر سوار تھی جو مجمع کو اپنا تعارف کراتے ہوئے جناب محمد مصطفیٰؐ وعلی مرتضیٰ وحسن مجتبیٰ وعقیل وعباس علیہم السلام کے موجود نہ ہونے اور موجودہ صورت حال میں مدد نہ کر سکنے کا شکوہ کر رہی تھیں اور اس نقصان اور کمی پر اور اس منحوس صبح پر اظہار افسوس فرما رہی تھیں۔ میں اُنکی مدد کے خیال سے اُن کی طرف بڑھا تو انہوں نے نہایت ہیبت انگیز آواز میں مجھے جھڑکا اور میں بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد میں نے ناراضی کا سبب معلوم کیا تو فرمایا کہ تمہیں رسولؐ اللہ کے حرم پر نظر ڈالتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ میں نے قسمیہ عرض کیا کہ حضور میں نے آپ حضرات کی طرف ناپسندیدہ ارادہ سے نہیں دیکھا۔ اُنہوں نے میرا نام معلوم کیا۔ میں نے بتایا اور کہا کہ میں آپ حضرات کا موالی اور محبّ ہوں۔ پھر میں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے کوئی حاجت معلوم کی تو اُنہوں نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ درہم ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ حضور ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار ہُنڈیاں ہیں۔ فرمایا سر امامؑ اُٹھانے والے شخص کو کچھ دے کر خواتین سے دُور رہنے کو کہو، تاکہ لوگ سر کو دیکھنے میں مشغول رہیں اور اہل حرمؑ پر اُن کی نظریں نہ پڑیں۔ سہل کہتے ہیں کہ میں نے اس حکم پر عمل کیا اور آکر امامؑ کو بتایا کہ حضورؑ آپ کی منشا کے مطابق تعمیل کر دی گئی ہے امامؑ نے دعا دی اور فرمایا کہ اللہ تجھے بروز قیامت ہمارے ساتھ شمار فرمائے اور ہماری نصرت کا اجر عطا کرے۔

(4)۔ دمشق میں داخلہ سے قبل حضرت ام کلثومؑ نے بھی سرہائے شہدؑا کو دُور رکھنے کے لئے کہا تھا

قال السید فی الملھوف فلماقربوا من الد مشق دنت ام کلثوم سلام اللّٰہ علیھا مِنَ الشمر و کان فی جملتھمفقالت لہ الیک حاجۃ فقال ما حاجتک فقالت اذا دخلت بنا البلد فَاَحمَلْنَا فی درب قلیل النظّارۃِ وتقدم الیھم اَن یخرجوا ھذہ الرؤس بین المحامل وینحوّنا عنھا فقد خزینا مِن کثرت النّظر الینا ونحن فی ھذا الحال ۔ فامر فی جواب سوالھا ان یجعل الرؤس علی الرماح فی اوساطِ المحافل بغیا منہ وکُفرا وسلک بھم بین النظارہ علٰی تلک الصفۃ حتی آتی بھم باب دمشق فوقفوا درج علٰی باب المسجد الجامع حیث یقام السبّی۔ (ملھوف اور اکسیر صفحہ 510)

جب دمشق میں داخلہ کیلئے جلوس ترتیب دیا جانے لگا تو جناب ام کلثوم علیہا السلام نے شمر سے کہا کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ پوچھنے پر فرمایا کہ اہل حرمؑ سے سرہائے شہدؑا کو علیحدہ رکھا جائے۔ اور جب تم شہر میں داخل ہو تو ہمیں ایسے راستوں سے گزارو جہاں تماشائی کم سے کم ہوں۔ ہمارا لباس بھی پورا نہیں ہے۔ اس حالت میں ہماری بہت ذلت ہوگی۔ مگر شمر ملعون نے اپنی کافرانہ دشمنی کی بنا پر حکم دیا کہ سروں کو زنانہ سواریوں کے درمیان پھیلایا جائے اور نیزہ بردار لوگ ہر سواری کے ساتھ ساتھ رہیں۔ اور ایسی راہوں سے گزارا جائے

جہاں زیادہ سے زیادہ ہجوم ہو۔اس طرح اس جلوس کو دروازہ دمشق پر لائے اور مسجد جامع کے دروازہ کی طرف جانے والے راستہ پر لاکر جلوس کو وہاں کھڑا کر دیا جہاں قیدی کھڑے کئے جاتے تھے۔

(5)۔ اہل حرمؑ بے پردہ علی الصبح دمشق میں داخل ہوئے اور جامع مسجد کی راہ پر ٹھہرایا گیا

وعن امالی الصدوقؒ وقالوا فلما دخلنا دمشق ادخل بالنسآء والسبایا بالنهار ومکشفات الوجوه ۔فقال اهل الشام الجفات مارَاَیْنَا سبایا احسن مِن هٰؤُلآءِ۔ فمن انتم ؟ فقالت سکینة بنت الحسینؑ نحن سبایا آل محمدؐ فاقیموا علٰی درج المسجد حیث یقام السبایا۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 511)

حضرت صدوق رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب امالی میں لکھا ہے کہ رسولؐ زادیاں مُنہ کھلے علی الصبح دمشق میں داخل کی گئیں۔شامی ظالموں نے کہا کہ ہم نے ان قیدیوں سے بہتر قیدی آج تک نہیں دیکھے۔انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ تو حضرت سکینہ علیہا السلام نے بتایا کہ ہم خاندان رسولؐ کے افراد ہیں۔بہرحال اُن سب کو مسجد جامع کی راہ میں وہاں کھڑا کیا گیا جہاں اکثر قیدی ٹھہرائے جاتے تھے۔

(6)۔ جلوس کی تشہیر کے دوران اہل حرمؑ کو خچروں پر بھی سوار کیا گیا اور ملعون خاندان بھی کہا گیا

اکسیر العبادات (صفحہ 516) کی وہ روایت جس میں امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ ''ہم میں سے اگر کوئی چلنے میں پیچھے رہ جاتا تھا تو اُسے وہ ملاعین مارتے تھے۔'' یہ صورت حال اس حالت میں پیش آتی تھی جب اہل حرمؑ کو جلوس میں پیدل چلایا جاتا تھا۔اونٹوں پر سوار کیا جانا تو بار بار سامنے آتا رہا ہے۔اب یہ دیکھیں کہ اس تشہیری گشت میں رسولؐ زادیوں کو خچروں پر بھی سوار کیا گیا تھا۔

وقد نقل جمعٌ عن السید فی الا قبال انّه قال رایتُ فی کتاب المصابیح باسناده ابی جعفرؑ بن محمدؐ قال قال لی ابی محمدؐ بن علیؑ سئلتُ ابی علیؑ بن الحسینؑ عن حمل یزید له فقال حملتی علٰی بعیر اضلع بلا و طاء وراس الحسین علٰی رمح ونسوتنا خلفی علٰی بغال مکفئة والفارطة خلفنا وحولنا اَن دمعت مِن احدنا قرع راسه بالرمح حتٰی اذا دخلنا دمشق صاح صائحهم یااهل الشام هٰؤُلاء سبایا اهل البیت الملعون۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 511)

............امام زین العابدین علیہ السلام نے بتایا تھا کہ مجھے تو ایک بلا زین کے اونٹ پر اُس کی پسلیوں کے ساتھ ٹانگیں باندھ کر سوار کیا گیا تھا۔اور سر امامؑ مظلوم کو ایک نیزہ پر بلند کر کے آگے رکھا تھا۔اور ہماری مستورات کو خچروں پر سوار کر کے میرے پیچھے پیچھے رکھا جاتا تھا۔ہمارے آگے پیچھے چاروں طرف چند خبیث لوگوں کو تعینات رکھا جاتا تھا۔تاکہ اگر ہم میں سے کسی کے آنسو بہنے لگیں تو اُس کے سر کو نیزہ سے تکلیف پہنچائی جائے۔اور جب ہم شہر دمشق میں داخل ہو گئے تو ایک ڈیوٹی دینے والا شخص پکارتا جاتا تھا کہ یہ قیدی اُسی گھرانے کے ہیں جس پر تم لعنت کرتے رہے ہو۔

(7)۔ سہل بن سعد نے کئی مرتبہ اہل حرم علیھم السلام کو ہجوم کی نظروں سے بچانے میں مدد کی تھی

ہم نے دکھایا تھا کہ سہل بن سعد دمشق کی سجاوٹ اور اہل شام کی عید ایسی شادمانیاں دیکھ کر گھنٹہ گھر کے دروازہ پر پہنچا تھا۔

رَایت الرایات یتلوا بَعْضُهَا بَعْضًا فاذانحن بفارس بیده لواء منزوع السنان علیه راس من اشبه الناس وجهًا برسولؐ اللّٰه فاذا مِن ورآئهٖ رائت نِسْوةً علٰی جمال بغیر وطاء فدنوت من اولاهم فقلت یا جاریة مَن انت فقالت انا سکینة (فاطمه الاوسط

زینب) بنت الحسینؑ فقلت لها الکِ حاجة اِلٰی فانا سهل بن سعد ممن رای جدّکِ وسمع حدیثه قالت یا سهل قل لصاحب هذاالراس ان یقدم الراس امامنا حتّٰی یشتغل الناس بالنظر الیه ولا ینظر واالٰی حرم رسولؐ اللّٰه۔ قال سهل فدنوت مِن صاحب الراس فقلت له هل لک تقضی حاجتی وتاخذ منّی اربعمائة دینار؟ قال ماهِیَ قلت تقدم الراس امام الحرم ففعل ذلک فدفعت الیه ماوعدته۔ (بحارومناقب اوراکسیرالعبادات۔صفحہ 510)

وہاں پر جس وقت سرہائے شہدؑااوراہل حرمؑ سامنے آئے تو سہل نے دیکھا کہ بہت سے چمکتے ہوئے پرچم چلے آرہے ہیں اورایک کے بعد دوسرا بڑھ رہا ہے۔ پھر دیکھا کہ ایک سوارایک جھنڈا لئے ہوئے ہے۔ جس میں نیزہ کی بھال نہیں لگی ہے اوراس پر وہ سرہے جورسولؐ اللہ کے چہرہ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے اوراس کے پیچھے ننگی پشت اونٹوں پر قیدی مستورات سوار ہیں۔ میں سب سے پہلی صاحبزادی کے پاس گیا اورکہا کہ میں سہل بن سعد ہوں میں نے آپ کے نانا کو دیکھا ہے اور میں اُن سے احادیث سننے والے صحابہ میں سے ہوں۔ کیا آپ کی میں کوئی خدمت بجالاسکتا ہوں۔ انہوں نے اپنا نام سکینہؑ (فاطمہ الاوسط عرف زینب) بنت حسینؑ بتایا اورکہا کہ اس سَر کواُٹھانے والے سے کہہ دوکہ وہ ہمارے آگے آگے چلے تاکہ لوگ حرم رسوؐل کودیکھنے کے بجائے سرکودیکھنے میں مشغول ہوجائیں۔ میں نے نیزہ بردار سے کہا کہ اگرتم میراایک کام کردوتو میں تمہیں چارسواشرفیاں دے سکتا ہوں۔ اس نے کام پوچھا۔ میں نے بتایا تو وہ فوراً حرم کے آگے آگے چلنے لگا۔ اور میں نے اپناوعدہ پورا کیااوراسے اشرفیاں دے دیں۔

(8)۔ سرہائے شہدؑاکی ترتیب میں تبدیلی اورتعداد میں کمی بیشی کا سبب تشہیر کی مصلحت بھی تھی

کسی چوراہے اوردوراہے پرآنے کے بعد ترتیب اس لئے قائم نہ رہتی تھی کہ مقصد تشہیر حاصل کرنے کے لئے چاروں طرف لوگوں کودکھانے کے لئے سروں کی کچھ تعداد بھیج دی جاتی تھی۔ اورآگے بڑھنے کے وقت سب جمع ہوجاتے تھے۔ اس طرح واپسی پر یہ پارٹیاں اوراُن کے ساتھ والے سرآگے پیچھے ہوجاتے تھے۔ پھران لوگوں کی ڈیوٹیاں بھی بدلتی رہتی تھیں۔ نئے آنے والے لوگ تمام تاکیدات وہدایات سے واقف نہ ہوتے تھے۔ بعض رحم دل لوگ خواتین کے کہنے سے بھی جگہ بدل لیتے تھے۔ اور جناب سہل بن سعدؓ جیسے محبان آل محمدؐ بھی اس ترتیب میں تبدیلی کرادیتے تھے۔ اس قسم کے حالات تھے جن کی وجہ سے بعض روایات میں سرہائے شہدؑااوراہل حرمؑ کی ترتیب مختلف نظرآتی ہے چنانچہ جلوس کی ایک اورترتیب ملاحظہ ہو۔

(9)۔ سرہائے شہدؑاکی ایک اوردشمن پسند ترتیب۔ اورحضرت ام کلثومؑ کا ڈانٹنا

روایة الشعبی علٰی مانقله البعض ثُمَّ اشرفت تسعة عشررایة حمراء واشرفت السبایا مهتکات بلا وطاء ولا غطاء ثمّ اقبل راس العباس بن علی علیه السلام یحمله ثعلبه بن مرة الکلبی وبیده رمح طویل وهو ینشد: انا صاحب الرمح الطویل الذی به ۔ اصول علی الاعدآء فی حومة الحرب ۔ طَعَنْتُ به آل النبی محمدً ۔ لانّ بقلبی منهم اعظم الکربة۔

فقالت له ام کلثوؔم ویلک اَ تفتخر بقتل اهلبیت محمدً فعلیک لعنة اللّٰه ۔ فهمَّ ان یضربها بسوط فخشی علٰی نفسه الخجل مِن الناس ثمَّ اَقبل مِن بعده راس جعفرؑ بن علیؑ یحمله نمیر بن ابی جوشن الضبابی واقبل مِن بعده راس محمدؑ بن علیؑ ثم اقبل راس ابوبکرؑ بن علیؑ یحمله انیس بن الحرث العجی واقبل من بعده راس علیؑ بن الحسینؑ یحمله مرة بن قیس الهمدانی

واقبل مِن بعده راس عونؑ بن علیؑ یحمله جابر السعدی واقبل من بعده راس القاسم بن الحسنؑ یحمله محمد بن الاشعث الکندی،واقبل من بعده راس یحییٰؑ بن علیؑ یحمله عمیر بن شجاع الکندی واقبل من بعده راس عبد اللہؑ بن عقیلؑ یحمله قیس بن ابی مرۃ الخزاعی ثم اقبل من بعده بقیۃ الرؤس ثم اقبل راس الحسینؑ بن علیؑ وھواشبه الخلق برسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم یحمله حواش بن خولی بن یزید الاصبحی وقیل غیرہ۔(اکسیر۔صفحہ 511)

علامہ شعبی نے لکھا ہے کہ پھر اُنیس لال رنگ کے پرچم آئے اور بڑی ہی بے عزتی سے بلا زین وعماری کے اور بے پردہ قیدیان اہل حرمؑ لائے گئے پھر جناب عباسؑ علمبردار کا سر آیا جسے ثعلبہ بن مرہ کلبی اُٹھائے ہوئے تھا اور سر کو ایک لمبے نیزہ پر رکھے ہوئے یہ کہہ رہا تھا کہ میں سب سے طویل نیزہ کا علمبردار ہوں۔جس پر اس جنگ میں دشمن کے سب سے جری شخص کا سر ہے۔جسے میں نے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔میں نے اسی طویل نیزہ سے نبیؐ کی اولاد پر حملے کئے تھے۔میرے دل میں اُن کی طرف سے بڑی بے چینی تھی۔حضرت ام کلثومؑ نے اُس سے کہا تو اولاد رسولؐ کے قتل کرنے پر فخر کر رہا ہے اللہ تجھ پر لعنت کرے۔یہ سُن کر اس کا ارادہ ہوا کہ وہ کوڑا مارے مگر لوگوں کی وجہ سے ڈرا اور شرمندہ ہو کر رہ گیا۔حضرت عباسؑ کے بعد جناب جعفرؑ بن علیؑ کا سر تھا جسے نمیر بن ابی جوشن نیزے پر اُٹھائے ہوئے تھا۔اُنکے بعد محمدؑ بن علیؑ کا سر تھا۔پھر جناب ابوبکر بن علیؑ کا سر تھا جسے انیس بن حرث نے اٹھا رکھا تھا۔اُنکے بعد حضرت علیؑ اکبر کا سر تھا جسے مرۃ بن قیس ہمدانی اٹھائے ہوئے تھا۔پھر جناب عونؑ کا سر تھا جو جابر سعدی کے نیزہ پر تھا۔پھر جناب قاسمؑ بن حسنؑ مجتبیٰ کا سر محمد بن اشعث اٹھائے ہوئے تھا۔پھر جناب یحییٰ بن علیؑ مرتضیٰ کا سر عمیر بن شجاع نے اٹھا رکھا تھا۔اُن کے بعد عبداللہؑ بن عقیل کا سر تھا جسے قیس بن ابی مرۃ خزاعی اٹھائے ہوئے تھا۔اُن کے بعد باقی شہدا کے سر تھے اور آخر میں جناب امام حسین علیہ السلام کا سر جو رسولؐ سے مشابہت میں ساری دنیا سے زیادہ تھا لایا گیا جسے حواش بن خولی نے اٹھا رکھا تھا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی اور نے اٹھا رکھا تھا۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 511)

ہم نے عرض کیا ہے کہ ڈیوٹی بدلتے رہنے کا خیال نہ کرنے والے علما نے یہ بھی نہ سمجھا کہ سروں کو اُٹھانے والے کیوں مختلف لوگ تھے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ اہل قلم دنیا کی تمام نیرنگیوں اور تقاضوں سے جاہل مطلق تھے اور بس۔

(10)۔ دمشق میں تشہیر پر چند توجہات

مندرجہ بالا روایات میں آپ کو یاد ہوگا کہ سہل بن سعدؓ کو حقیقت حال پر مطلع کرنے والے ایسے لوگ تھے۔جو یہ چاہتے تھے کہ آسمان سے خون برستا اور قاتلان حسینؑ مع خوشیاں منانے والے لوگوں کے زمین میں دھنس جاتے۔ظاہر ہے کہ یہ لوگ دشمنانِ اہلبیتؑ نہ تھے۔مگر حکومت کے جبر وظلم کی طاقت کے سامنے احتجاج کی جرأت بھی نہ رکھتے تھے۔یعنی دمشق مومنین سے خالی نہ تھا،مومنین موجود تھے اور بے چین تھے اور اس جلوس وتشہیر اہلبیتؑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔یعنی دمشق میں گزرنے والے حالات کو حقیقی صورت میں ریکارڈ کرنے والے لوگ حکومت کی پالیسی اور غلط سلط پروپیگنڈے سے گمراہ نہیں ہو سکتے تھے۔خود جناب سہل بن سعدؓ اس تشہیر کے ہر پہلو کو نوٹ کر رہے تھے۔اور ہر ہر واقعہ کو دیکھنے اور سمجھنے کی تگ ودو میں لگے ہوئے تھے،بے دریغ روپیہ خرچ کر رہے تھے۔یہ بھی سمجھ لیں کہ بالکل اسی طرح حکومت کے جاسوس پبلک کے ردعمل کی اطلاعات یزید تک پہنچا رہے ہیں۔تاکہ وہ آل رسولؐ کے بقیۃ السیف قیدیوںؑ

کیلئے ایک محفوظ ومفید پروگرام بنا سکے۔آپ نے یہ بھی دیکھا کہ جلوس میں یہ نعرہ بھی لگایا جارہا تھا کہ اِن قیدیوں پر نہ افسوس کی ضرورت ہے نہ اُنکے ساتھ کسی رحم وکرم کے جذبات ظاہر کرنے کی احتیاج ہے۔اسلئے کہ تم لوگ اس خاندان پر پچیس چھبیس سال سے لعنت کرتے چلے آرہے ہو۔اس اعلان میں نام نہیں لیا جاتا بلکہ ''اھل البیت الملعون '' لعنتی گھرانے کے لوگ کہا جاتا ہے۔تاکہ لوگ خود سمجھیں اور فیصلہ کریں کہ وہ کون سا مستقل گھرانہ تھا؟ یہ چال اسلئے چلی گئی تھی کہ اگر ضرورت پڑے تو کہہ دیا جائے کہ ہم نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔پبلک سے راز نہیں رکھا تھا۔جو لوگ مسلمانوں کی کثرت کے نزدیک پچیس سال سے لعنت کے مستحق ہیں اُن کو مسلح بغاوت کے بعد قتل کر دینا جُرم نہیں بلکہ جمہور مسلمانوں کی خدمت ہے۔اور اگر اس خدمت میں کوئی کوتاہی یا زیادتی وقوع میں آ گئی ہو تو وہ اُسی قسم کی اجتہادی غلطی یا خطائے اجتہادی ہوگی جیسا کہ سابقہ اور تمہارے پسندیدہ خلفا سے ہوتی رہی ہے۔بہر حال قاعدہ کے مطابق اس غلطی یا خطا کا اجر یزید کو بھی ملنا چاہئے۔مثلاً حکومت نے اس باغی کو خارجی کہا تا کہ اُس کے ہمدرد وطرفدار پبلک کو بہکا نہ سکیں۔اور جب وہ مسلمانوں کی کثرت کے تسلیم کردہ خلیفہ اور امیر المومنین کو نہیں مانتا تو وہ اُس کثرت کا بھی مخالف ہوا۔اور اُس کثرت کے ساتھ ہم آہنگ نہ رہنے کی بنا پر وہ اسلام اور اُمت سے خارج یا خارجی بھی ہوا۔لہٰذا اُسے خارجی مشہور کرنا فریب نہ تھا، نہ خطائے اجتہادی تھی بلکہ ایک حق بات تھی۔ اسی اصول پر شمر نام لے کر وصیؑ رسوؐل کا بیٹا کہہ کر قتل حسینؑ پر فخر کرتا ہے۔اور بتاتا ہے کہ وصیؑ کا بیٹا حاکم اسلام کا باغی تھا۔میں اُن کا سر خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کے روبرو پیش کرنے کو لایا ہوں۔وصیؑ کا بیٹا بہر حال خلیفۃ المسلمین کے برابر نہیں ہوتا۔مگر اس قسم کے اعلان کو یزید پسند نہیں کرتا تھا وہ ٹھنڈی مار دینا چاہتا ہے۔اسلئے وہ اکثر ایسے لوگوں پر خفا ہوا ہے جو یوں اعلان کرتے پھریں۔

اس تمام پروپیگنڈے اور چھبیس سال سے جمے ہوئے نظام حکومت اور پبلک کی عادات میں انقلاب لانے کیلئے اسیران اہل حرمؑ کے بیانات ملک میں کتنے عرصہ میں پھیلتے اگر یوں تشہیر نہ کی جاتی؟ یہ تشہیر درحقیقت حکومت کے گلے میں موت کا پھندا تھا جو خود اُس نے اپنے ہاتھ سے اپنی گردن میں ڈال کر کھینچا تھا۔اسیران اہل حرمؑ کا استقلال اور دبدبہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔وہ سمجھتے تھے کہ غلط قسم کے دعویدار ذراسی سختی اور مایوس کن صورت حال سامنے دیکھ کر گھبرا جایا کرتے ہیں۔اور کوئی بیچ کی راہ نکالنے،صلح کرنے، منت سماجت اور معافی مانگنے کیلئے تیار ہو جایا کرتے ہیں۔مگر یہ قیدی ایک بے پناہ سکون قلب اور لازوال عزم وارادہ رکھتے ہیں۔وہی نہیں اُنکے چھوٹے چھوٹے بچے کسی قسم کی بے چینی اور خوف کا اظہار نہیں کرتے۔پورے شہر کے لوگوں کی مخالفانہ روش اُن پر اثر انداز نہیں ہے۔ذرا ذرا سی بات پر بڑے سے بڑے افسر کو ڈانٹ دیتے ہیں۔پھر یہ بچے اور مستورات خود دعویدار حکومت یا یزید کو چیلنج کرنیوالے لوگ نہیں ہیں۔دعویدار امامتؑ اور سربراہی اسلام کو مع اُسکے تمام صحابہ کے قتل کر دیا گیا اور اب کوئی اُنکی طرف سے حکومت کے خلاف اُٹھنے والا نہیں ہے۔ایسی مایوس کن حالت میں بھی یہ بچے اور یہ خواتین اپنے سرپرستوں کے برحق ہونے پر اس حد تک مطمئن ہیں کہ اُنکے سامنے ہر تکلیف ہر مصیبت حتٰی کہ موت بھی راحت ہے۔اِس جوالا مکھی اور اس شعلۂ حق کو اپنے ہاتھوں گلی گلی پھرایا جارہا تھا۔اور دُور دُور تک یہ خیال موجود نہ تھا کہ باطل کا بھڑک اُٹھنے والا مادہ کہیں چپکے سے آگ نہ پکڑ لے۔بہر حال یہ گشت اِدھر جاری ہے،لوگ خاموشی سے تماشہ دیکھ رہے ہیں،متاثر ہو رہے ہیں،قلوب واذہان میں سوالات کا سیلاب موجزن ہے۔بعض لوگ ملعون سمجھ کر بُرا کہتے ہوئے

آتے ہیں اور کسی نہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ اور بات کرتے ہی چھبیس سال کے کافرانہ فریب سے باہر نکل آتے ہیں۔ از سرِنو کلمہ؛ ہاں وہ کلمہ جس میں ولایت محمدؐیہ شامل ہے، پڑھتے ہیں۔ جاسوسوں کی رپورٹ اور مستقبل کے خطرات سے لاپرواہ ہوکر وہیں مجمع عام میں مذہب حقہ کا اعلان کرتے ہیں۔ اور باطل حکومت اور حکومت کے خانہ ساز مذہب کیلئے مصیبت بن جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔ سارا دن جاری رہے گا۔ رات کو بھی جلوس چلتا رہے گا تاکہ دمشقی مذہب کو رات کے چراغاں میں بھی دیکھ سکے۔ تاکہ بازاروں، گلیوں اور محلوں میں شراب و کباب اور ناچ و رقص و سرود کا دباؤ محسوس کر سکے اور سمجھ لے کہ اب محمدؐ کا پیش کردہ مذہب اسلام چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا۔ اب قومی و ملکی اسلام کا دَور دَورہ ہے۔ اب وہ قومی اور ملکی شجرِ اسلام بارآور ہوا ہے جسے آج سے اٹھاون سال پہلے لگایا گیا تھا اور جس کی آبیاری جمہوری اسلام کی حکومت اور کثرت الناس نے کی تھی۔ اِدھر یزید کے پاس رپورٹر، نمائندگان حکومت اور کربلا کے ہیروز کی باری باری آمد و رفت جاری ہے۔ اُدھر کربلا میں گزرنے والے حالات سُنائے جا رہے ہیں۔ نتائج اور ردعمل پر گفتگو ہو رہی ہے۔ جلوس سے متاثر ہونے والے لوگوں کی رپورٹیں پیش ہو رہی ہیں۔ اسیران اہل حرمؑ کے استقلال کا چرچا ہو رہا ہے۔

(11)۔ اسیرانِ کربلا کی تشہیر کے دوران یزید کا خفیہ اجلاس جاری ہے

سرکاری علما نے اُمت کو جہاں اور ہزاروں تصورات اور تاثرات غلط دیئے ہیں۔ وہیں اُنہوں نے یہ تصور بھی پھیلایا اور طرفداران حکومت نے اُسے مقبول بھی بنا دیا اور بڑے بڑے علمائے اُمت نے اُسے بلا کسی غور و خوض و تنقید کے مانا اور اپنے ریکارڈ میں لکھ بھی لیا کہ اسیران اہل حرم علیہم السلام کوفہ سے سیدھے دمشق آئے اور آتے ہی یزید کے دربار میں پیش کر دیئے گئے۔ دربار میں یزید نے چند اسلام سوز حرکات اور اقدامات کئے۔ جواب میں بعض عوام اور بعض افراد اہلبیتؑ نے احتجاج کیا اور پھر یزید نے اُن حضرات کو جیل خانہ بھیج دیا اور چند روز بعد آزادی دے دی۔ مجلس عزا قائم کرنے کی اجازت دی اور عزت و احترام سے مدینہ بھیج دیا۔ بس یہ ہے وہ قصہ جسے حادثۂ کربلا کہتے ہیں۔ اور ہم اس تصور کو پیدا کرنے اور پھیلانے والوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور کوشش کر رہے ہیں کہ اُن ہی لوگوں کے ریکارڈ سے کچھ ایسا موٹا موٹا سامان امت کے سامنے رکھ دیں جس سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ واقعات کربلا اور کربلا والوں کے حالات پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ جوں کا توں مان لینے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں بہت سے فریبی نکات ہیں۔ اس میں مخالفین محمدؐ و آل محمدؐ کا ہاتھ برابر داخل رہا ہے۔ اُس کی تائید اور تشہیر کے لئے فریقین کے اہل قلم بکتے رہے ہیں۔ جاگیریں اور وظائف لے کر حقائق کو پیچھے ہٹاتے، گھٹاتے اور مٹاتے چلے آئے ہیں۔ اور سرکاری پالیسی کو الفاظ کے ہیر پھیر سے مسلمانوں میں پھیلاتے آئے ہیں۔ لہٰذا آیئے ہم آپ کو سرکاری چور دروازہ سے خلیفہ وقت یزید ملعون کے خفیہ اجلاس میں لے چلیں۔

فاعلم اِنّ جَمْعًا قد نسبوا الٰی ابی مخنف انّه ذکر انّهٗ لما ورد الرسول علٰی یزید اللعین کان معصب الراس ویَدَاهُ ورِجلاهُ فی طشت مِن مآءٍ حار وبین یدیه طبیب یعالجه وعنده جماعة من بنی اُمیّة یحادثون۔ (مسلسل)

جاننا چاہیئے کہ اہل قلم کی ایک جماعت نے جناب علامہ ابومخنف سے یہ بیان منسوب کیا ہے کہ یزید کے پاس جب قاصد پہنچا تو اُس وقت یزید گرم پانی کے تسلے میں دونوں پیر رکھے ہوئے تھا۔ دونوں بازوؤں اور سر کو گرم پانی کی ٹکور کرا رہا تھا۔ اور ڈاکٹر صاحب

علاج میں مصروف تھے۔اور یزید کے پاس بنی اُمیہ کے مخصوص افراد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

(12)۔ یزید پر فالج کی صورت میں عذاب کا حملہ ہو چکا تھا

قال: فسئلتُ عَن تعصیب یزید فقیل اِنّه کان یوم الذی قتل فیه الحسینؑ جالِسًا فی مشرف له وکان تحت مشرف مغنّیات یضربن الد فوف ویرقصن ویَلْعَبْنَ وهو یتفرح علیهن ۔فقد کان فی تلک الساعة اَتَاهُ البشیر بقتل الحسینؑ ففرح فرحًا عظیمًا وامر المغنیات اَنْ یرفعن اصوا تهن بالغنآء ۔قال بینما هوفی فرحه اذسقط من المشرف علٰی وجهه الٰی الارض فانکسر راسه ویده الیمنی ورجله وسقطت من اضراسه ثمانیة واعابت عینه الیمنی ۔قال فلما جری علیه ذلک انقلب الفرح ترحًا فرفعته العبید الی مجلسه فامر باحضار الطبیب فاتاه وداواه وقال بعض ولفی البعض قال فلما وضع الرسول الکتاب بین یدیه قال البرید یا امیر اقرّاللّٰه عینیک بورود راس الحسینؑ فنظر یزید الیه شزرًا وقال له لا اقرّاللّٰه لک عینیک ثم قال للطبیب اسرع واعمل ما ترید اَن تعمله ۔ قال فاصلح الطبیب جمیع ماارادان یصلحه ۔ ثم اخذ الکتاب وفَضّه وقراء فلماانتهی الٰی آخرة عَضَّ علٰی انامله حتی کادان یقطعها ثُمَّ قال مصیبة عظیمة وربّ الکعبة ود فع الکتاب الی مَن کان حوله من روسآء بنی امیه فلما قراؤالکتاب تکلّموا نحو کلامه اِلَّا مروان بن الحکم فَانّه استبشر ضاحکًا، ثُمَّ قَالَ هٰذا ماکُتَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات صفحہ 512)

راوی کہتا ہے کہ میں نے اُن مخصوص لوگوں سے چپکے سے پوچھا کہ یہ بھَپارہ، سنکائی اور ٹکور کیوں کی جارہی ہے۔ یہ پٹیاں وغیرہ کیوں بندھی ہوئی ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ جس روز امام حسینؑ کے قتل اور فتح کی خبر پہنچی ۔اُس دن قومی مومنین کا خلیفہ اور امیر المومنین اپنے بلند تخلیہ گاہ (STAGE) پر چڑھ کر شراب سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔اور نیچے حسین وجمیل گانے والیاں دلنواز نغمے گا رہی تھیں رقص ہو رہا تھا۔ساز بج رہے تھے کہ قتل حسینؑ اور فتح کی خوشخبری دینے والا قاصد (بشیر) پہنچا۔اور باریاب ہوکر نوید فتح سنائی۔ یزید خوشی کے مارے ناچنے لگا۔گانے والیوں کو بلند آواز سے گانے اور کھُل کھیلنے کا حکم دیا اور داد عیش وعشرت کا تمام سامان فراہم ہوگیا۔ وہ اِسی نشۂ غرور ومسرت میں مصروف تھا کہ اچانک تخلیہ گاہ کی مچان سے زمین پر منہ کے بل گرا اور سر ٹکرا کر پھٹ گیا، داہنا ہاتھ اور ٹانگ ٹوٹ گئے اور سامنے کے آٹھوں دانت جھڑ گئے، داہنی آنکھ پر ایسی چوٹ لگی کہ عیب دار ہوگئی۔اور ذرا دیر میں محفل رقص وسرود اور صورت مسرت وانبساط غم والم وحسرت ویاس میں تبدیل ہوگئی۔خادموں نے اُٹھا کر اُس کی آرامگاہ میں لٹایا۔ڈاکٹر کو حاضر ہونے کا حکم دیا گیا۔معالجہ ہوتا رہا اور بعض نقائص اور تکلیف رفع ہوگئی۔مگر معالجہ جاری تھا اور یہ سب کچھ فالج زدہ اعصاب میں تحریک پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ جب قاصد نے یزید کے سامنے سر حسین علیہ السلام کے دمشق میں داخلہ کا اطلاعی پیغام رکھا تو ساتھ ہی کہا کہ اے امیر اللہ تیری آنکھوں کو ایسی ہی خوشخبریوں سے ٹھنڈا رکھے۔یزید نے اُس کی طرف کبیدہ خاطری سے دیکھا اور قاصد سے کہا کہ اللہ کبھی تیری آنکھوں کو خوشی دیکھنا نصیب نہ کرے۔ادھر ڈاکٹر سے کہا کہ جو کچھ تمہیں کرنا ہے جلدی جلدی کر کے چلے جاؤ۔ڈاکٹر نے جلدی جلدی پٹیاں وغیرہ باندھیں اور جان بچا کر بھاگا۔ادھر یزید نے خط کھول کر پڑھا۔جب آخری سطریں پڑھ رہا تھا تو اپنی اُنگلیاں چبانا شروع کیں اس طرح کہ گویا اُنگلیوں کو کاٹ کر پھینک دینا چاہتا ہے۔پھر بولا کہ کعبہ کے رب کی قسم یہ سر حسینؑ کا دمشق میں آنا ایک عظیم الشان مصیبت کی آمد

ہے۔ اِس کے بعد وہ خط اُن سیاسی ماہرین اور سرداران بنی اُمیہ کو دیدیا۔ جو وہاں موجود تھے۔ انہوں نے وہ خط پڑھا تو مروان بن الحکم **لعنۃ علیھما** کے علاوہ سب نے یزید ہی کی طرح لرزہ براندام کلام کیا۔ لیکن مروان نے ہنستے ہوئے خوش ہوکر کہا کہ دوستو یہ تو آپ حضرات کی اپنی سوچی سمجھی کمائی اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 512)

(الف)۔ اس روایت پر اور اپنے علما کے طرز تحریر پر افسوسناک بیان

مومنین ایک جذباتی صورت حال سامنے لائیں گے تب ہمارا مدعا سمجھ میں آ سکے گا۔ میں دو جملے لکھتا ہوں اُنہیں غور سے پڑھیں اور پھر ہماری بات سنیں جملے یہ ہیں:۔

(1)۔ ''کل چند دشمنانِ اہلبیت علیھم السلام سے ملاقات ہوئی۔''

(2)۔ ''کل چند دشمنانِ اہلبیتؑ سے ملاقات ہوئی۔''

مجھے پہلے جملے میں ''علیھم السلام'' پر اعتراض ہے۔ میں ایسے مواقع پر علیھم السلام یا صلواۃ اللہ علیھم وغیرہ لکھنا اس لئے پسند نہیں کرتا کہ یہاں یہ سلام اور صلواۃ مشکوک ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس سلام اور صلواۃ میں دشمنانِ اہلبیتؐ کی طرف بھی رُخ مڑ جاتا ہے۔ پہلے جملے کو خالص اردو میں پھر دیکھیں:۔ ''کل چند دشمنانِ اہلبیت، سلام ہو اُن پر، سے ملاقات ہوئی۔''

میں ایسے مواقع پر مقدس ناموں یا القاب پر صواد (ؐ) یا عین (ؑ) بنایا کرتا ہوں۔ پھر تحریر میں ایسے بیانات بھی آتے ہیں۔ جہاں ہم یا کوئی اور عالم دشمنانِ اہلبیتؑ کے مظالم کا تذکرہ کرتا ہوا بڑھتا ہے۔ اور دشمنوں کے خلاف ایک مسلسل و مربوط نفرت ذہن میں پیدا ہوتی چلی آتی ہے کہ اچانک بیان میں محمدؐ کا نام آجاتا ہے۔ اور عالم صاحب لفظ محمدؐ کے ساتھ پہلے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پورا لکھ کر پھر آگے بڑھتے ہیں۔ ایسے مواقع پر درود پڑھوا کر عالم صاحب وہ تمام تعمیر مسمار کر دیتے ہیں جو لفظ محمدؐ سے پہلے آئی ہے۔ لہٰذا ہم ایسے مواقع پر بھی صرف صاد (ؐ) لکھ کر ذہنی تعمیر کو برقرار رکھتے ہیں۔ لہٰذا دوست نما دشمنوں کے درود و سلام کو بھی ذرا سا ہوشیار رہ کر پڑھنا اور سُننا چاہیئے۔ اور بے موقعہ درود و سلام کی بھرمار کرنے پر بھی اُن کو ٹوکتے رہنا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ درود عبادت ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ عبادت بے موقعہ و بے محل نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ مصنوعی مسلمانوں کا طریقہ ہے جہاں اللہ کا نام آئے تو جل جلالہ کی رٹ لگانا ضروری اور جہاں محمدؐ کا نام آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم کہے بغیر آگے نہ بڑھیں گے خواہ ایک جملہ میں یا ایک سطر میں چار دفعہ نام آجائے۔ مگر وہ ملاعین ہر دفعہ آل محمدؐ کو چھوڑ کر بولیں اور لکھیں گے۔ ہزاروں صفحات کی کتاب پڑھ جائیں ایک دفعہ بھی کہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ملے گا۔ اور دشمنان خدا اور رسوؐل کی موٹی شناخت یہی ہے کہ آلؑ کو محمدؐ سے الگ رکھا جائے اور جہاں لفظ آل پر بحث ہو وہاں تمام ایرے غیرے نتھو خیرے بلکہ ساری امت کو آل محمدؐ کہہ دیا جائے لیکن اگر واقعی وہ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ اور باقی آئمہ علیھم السلام کے علاوہ دل سے کسی اور کو بھی آل محمدؐ سمجھتے تو ضرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھتے۔ نہ لکھنا ثبوت ہے اُن کے منافق ہونے کا۔ ہم نے یہ عنوان اس لئے لکھا کہ مندرجہ بالا روایت لکھتے ہوئے یہ جملہ سامنے آ گیا کہ:۔

''اِلَّا مروان بن الحکم لعین فانّہ استبشر ضاحکًا، فَلِذ لک قطع اللّٰہ تعالٰی حلاوۃ الایمان من قلبہ ثم قال ھذ ا ماکسبت اید یکم۔''

ترجمہ ''سوائے مروان بن حکم کے، لعنت کرے اللہ اُس پر، پس وہ یقیناً خوش ہوا ہنستا ہوا، پس اُسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب سے ایمان کا مٹھاس کاٹ دیا۔ پھر کہا کہ یہ تو تمہارے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے۔''

ہم اس قسم کی عبارت کو بکواس کہتے ہیں۔ ارے بھائی سیدھی سی اور مربوط بات یہ ہے اور تھی کہ:۔

''مروان خوش ہوا اور ہنسا اور کہا کہ یہ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے'' (چودہ الفاظ میں پورا بیان آ گیا)۔

اتنی سی بات کو لعنت، تعالیٰ وغیرہ کو خواہ مخواہ گھسا کر ایک سادہ سے مطلب کو بکواس بنا دیا۔ اور تماشہ یہ ہے کہ یہ پرخلوص اور جذبات مقدسہ سے بظاہر لبریز عالم، مروان کو اس ہنسنے اور خوش ہونے سے پہلے حلاوت ایمان سے اور پورے اسلام سے بہرہ ور مانتا ہے۔ اور ہم خواہ مخواہ تبرا و لعنت کی بھرمار پر اعتراض کرنے والے یہ مانتے ہیں کہ وہ اسی روز سے مرتد اور واجب القتل ہے جس روز اُس ملعون کو رسولؐ اللہ نے جلاوطن کیا تھا۔ وہ اس وقت بھی مرتد تھا جب عثمان نے اسے واپس بلایا۔ وہ عہد مرتضوی میں بھی مرتد اور دشمن محمدؐ و آل محمدؑ تھا۔ مگر یہ علامہ سرکار اُسے اس روز ہنسنے اور خوش ہونے پر ایمان سے نہیں بلکہ ایمان کے مٹھاس سے محروم کرتے ہیں۔ اور ہم اس قسم کی ڈھیلی تحریروں کو بکواس کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یعنی یہ لوگ نہ صرف دنیا کی تمام نیرنگیوں، نظامہائے حیات اور سیاسیات اور محکمہ جات وغیرہ سے جاہل تھے، بلکہ انہیں سادہ عبارت بھی لکھنا نہ آتی تھی پس اللہ کے ساتھ تعالیٰ لگا کر مسلمان بنے رہتے تھے۔

پھر ہم نے مندرجہ بالا روایت کا ترجمہ کرتے ہوئے علامہ کی عبارت کے ترجمہ میں لفظ ''مخصوص'' کا اضافہ کیا تا کہ اُس تخلیہ کی نشست کی اہمیت سامنے آ جائے۔ لیکن روایت میں نہایت حقیر و غیر اہم الفاظ ہیں۔ ''جماعة مِن بنی امیّه یحاد ثون۔'' بنی امیہ کی ایک جماعت باتیں کر رہی تھی۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ یزید ایسے جاہ و جلال کے اور مطلق العنان بادشاہ کے تخلیہ سے عوام کا کیا تعلق؟ اور اُنہیں وہاں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے کی مجال کہاں؟ چنانچہ روایت کے آخر میں واضح ہو گیا کہ وہ تمام لوگ بنی امیہ کے امیر و رئیس اور سرداران قوم تھے (دفع الکتاب اِلٰی مَنْ کان حوله مِنْ روسآء بنی اُمیة) پھر یزید نے وہ خط اُن لوگوں کو دیا جو اُسکے چاروں طرف روساء بنی امیہ موجود تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ روایت کی ابتدا میں ''جماعة من روسآء بنی اُمیه'' ہونا چاہئے تھا تا کہ بات جاندار طریقہ پر شروع ہوتی۔ اور اُنکو رؤسائے بنی امیہ کہنا بھی کافی نہیں ہے۔ اسلئے کہ اُن میں سے ایک شخص مروان بن حکم ہے۔ جو خود خلیفہ ہوا اور اُسکے چار بیٹے یزید والی اُسی حکومت کے خلیفہ و بادشاہ ہوئے۔ یعنی یزید کے پاس ایسے لوگ بیٹھے تھے جن کو ارباب حلّ و عقد یا صاحبان بست و کشاد کہتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک یزید کا ہمسر و ہم پلہ تھا۔ اور یہ میٹنگ آئندہ حکومت کی پالیسی اور بقول یزید اُس عظیم الشان مصیبت (سر حسینؑ) سے تحفظ کی تدبیریں سوچنے کیلئے ہو رہی تھی۔ بہرحال یہ اہل قلم روایات کے لکھنے اور راوی کا منشا سمجھنے میں بھی قاصر رہے ہیں۔ تھرڈ کلاس زبان جانتے تھے اور اسی تیسرے درجہ کی زبان میں راوی کا مفہوم رگڑ کر روایت کی جان نکال دیتے تھے۔ یہ وجہ ہے کہ ہمیں کہیں راوی کا منشا واضح کرنے کیلئے، کہیں حالات کا تقاضہ پورا کرنے کیلئے اور کہیں بے ربطی اور گنجلک دُور کرنے کیلئے اپنے الفاظ ترجمہ میں بڑھانا لازم ہو جاتا ہے۔

(13)۔ شاہی تخلیہ میں اور اربابِ حل وعقد کے سامنے تنہا سرِ حسین علیہ السلام اور سرداران فوج

مومنین کو سوائے چند مصائب اور رونے رُلانے کے جُملوں کے علاوہ حادثۂ کربلا اور امام حسین علیہ السلام کے مشن کے متعلق کچھ اور بتانا ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔ نہ اس انقلاب خیز قربانی کی تاریخ لکھی گئی نہ واقعات وحادثات کی کوئی ترتیب بتائی گئی۔ یہ وجہ ہے کہ ہر سال تین ماہ عزاداری مناتے ہوئے تیرہ سو سال میں مومنین کو یہ توفیق نہ ملنے پائی کہ وہ مدینہ سے سفر کے بعد مدینہ میں واپسی تک کے حالات تسلسل اور ربط کے ساتھ کسی کو سُنا سکیں۔ بہرحال ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اس جانی بوجھی خامی کو دور کرینگے۔ اور کوشش کرینگے کہ ایک ایسا شیعہ ذہن تیار ہو جس میں یہ عالمگیر انقلاب ٹھیک سے جم کر بیٹھے اور وہ نوع انسان کو یہ انقلابی پیغام انقلاب پیدا کرنے کیلئے دیتا رہے۔ ہم نے عرض کیا ہے کہ اسیران اہل حرم علیہم السلام اور سر ہائے شہدا صلوٰۃ اللہ علیہم کا تشہیری گشت جاری ہے، جاری رہیگا۔ یہ جلوس رات بھر چلتا رہے گا اور اس دوران یزید کا تخلیہ اور سر براہان افواج ومملکت اور پالیسی میکرز یزید کے پاس موجود رہیں گے۔ کوئی ایسا شخص اس تخلیہ یا خفیہ اجلاس میں نہ آ سکے گا جس پر حکومت اور اہل کاران حکومت کو اعتماد نہ ہو۔ چنانچہ جلوس کے دوران سرِ اقدس کو تنہا لایا گیا اور وہ تمام متعلقہ سرداران فوج اور متعلقہ افراد حاضر ہوتے رہے جو کربلا کا حال سنا سکیں، یا پبلک کے ردِعمل پر روشنی ڈال کر پالیسی بنانے میں مدد دے سکیں۔ روایت سنئے:۔

فاعلم اِنّ ابامخنف قال واقبلوا بالراس اِلٰی باب الساعات واوقفوا هناک ثلٰث ساعات ثُمَّ آتوا به اِلٰی یزید بن معاویه وکان مروان بن الحکم جالسًا اِلٰی جنبه ۔فسئلهم کیف فعلتم به فقالوا جائنا ثمانیه عشر من اهلٌ بیته ونیف وخمسین من انصاٌره۔فقتلنا هم عن آخرهم وهذارؤسهم والسّبایا علی المطایا فجعل مروان بن الحکم هِزّاعطافه وانشد یقول: ۔شفیتَ نفسی مِن دم الحسینؑ اَخذتَ ثاری وقَضَیتَ دَیْنِیْ۔ (اکسیر صفحہ 513)

یہ نوٹ کریں کہ ابومخنف نے لکھا ہے کہ متعلقہ ذمہ دار لوگ سرِ مبارک کو لئے ہوئے باب الساعات پر پہنچے اور وہاں تین گھنٹے توقف کیا پھر سرِ حسینؑ کو لے کر یزید کے پاس حاضر ہوئے۔ اُس وقت بھی مروان بن الحکم یزید کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ یزید نے اُن لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے یہ کامیابی کس طرح حاصل کی تھی۔ اُنہوں نے کہا کہ مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ حسینؑ اپنے اہلبیتؑ کے اٹھارہ نوجوانوں اور پچاس سے کچھ اوپر انصارؑ کے ساتھ آئے تھے۔ ہم نے اُن سب کو اوّل سے آخر تک قتل کر ڈالا۔ اُن کے سر نیزوں پر اور قیدی اونٹوں پر موجود اور شہر میں گشت میں مصروف ہیں۔ یہ سُن کر مروان بن الحکم جھومنے لگا اور شعر پڑھا کہ اے یزید تو نے حسینؑ کے خون سے میری جان بچادی۔ تو نے میرا انتقام لے لیا اور میرا قرض ادا کر دیا۔

مومنین نوٹ فرمائیں کہ حسبِ قاعدہ یعنی بے اصولی کی پابندی کے ماتحت اس روایت میں یہ ذکر نہیں ہے کہ آیا یزید کے پاس مروان کے علاوہ کوئی اور بھی تخلیہ میں تھا یا نہیں؟ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ وہی خفیہ اور اعلیٰ درجہ کی میٹنگ ہے جس میں بنی امیہ کے اہل حلّ وعقد موجود تھے اور یزید کا معالجہ ہو رہا تھا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ کربلا کے حالات سُنانے والے نے یہ کہا ہے کہ: ''قیدی اس وقت اونٹوں پر سوار ہیں۔'' (وَالسَّبَایَا عَلَی المطایا) اور یہ کہ جلوس ابھی باب الساعات پر پہنچا ہے۔ لہٰذا یہ وہی میٹنگ ہے۔ اور یہ میٹنگ بھی آج

پورادن اور ساری رات جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ کل صبح اہل حرم مع جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے دربار میں لائے جائیں گے۔اور حضرت زینب علیھا السلام اپنا مشہور و معروف خطبہ دے کر یزید کے دماغ اور حکومت کی چولیں ڈھیلی کریں گی۔ہم اسی میٹنگ کا دوسرا بیان پیش کرتے ہیں۔

(14)۔ مبارکباد میں حسینؑ کی اعلیٰ نسبی کا ذکر واجب القتل جرم ثابت ہوا

فی ذیل خبر سھلؓ بن سعد الذی تقدم صدرہ علٰی نھج الذی رواہ صاحب المناقب ۔ فدخلوا علٰی یزید فَدَخَلْتُ معھم وکان یزید جالسًا علی السریر وعلٰی راسہ تاجٌ مکلّلٌ بالدُرّوالیاقوت وحولہ کثیر من مشائخ القریش ۔ فلمادخل صاحب الراس وھو یقول: اوفر کالِیَ فضّۃ اوذھبًا ۔اِنّا قتلنا السیّد المحجّبًا ۔قَتَلْتُ خیر الناس اُمًّا وَاَبًا ۔ وخیرھم اذینسبون النسبًا ۔قال یزید لَو علمت انّہ خیرالناس لِمَ قتلتَہ ؟ قال رجوت الجآئزۃ منک فامر بضرب عنقہ فجزّ راسہ۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 512)

صاحب مناقب نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا یہ بیان لکھا ہے کہ جب وہ لوگ یزید کے پاس حاضر ہوئے تو میں بھی اُنکے ساتھ ہی تھا۔اُس وقت یزید جواہرات سے جگمگاتا ہوا تاج پہنے ہوئے تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔اور اُسکے چاروں طرف قریشی بزرگ بیٹھے تھے۔ جب وہ شخص سامنے آیا جو سرِ امام حسینؑ اُٹھائے ہوئے تھا تو اُس نے اپنے قلبی تاثرات اشعار میں پیش کئے:۔

> ''اے ہمارے امیر المومنین آپ ہماری سواریوں، اونٹوں، خچروں، گھوڑوں اور گدھوں کو سونے چاندی سے لاد کر ہمیں انعام عطا کریں اسلئے کہ ہم تیری خاطر ایک بزرگ ترین سید کو قتل کر کے اُسکا سر لیکر حاضر ہوئے ہیں۔ہم نے جسے قتل کیا ہے وہ ماں باپ سے پیدا ہونے والے تمام انسانوں سے زیادہ عظیم الشان تھا۔اور حسب ونسب کا جب بھی مقابلہ ہو اُس سے بڑھ کر کوئی نہ ملے گا۔''
>
> یزید نے یہ سُن کر کہا کہ جب تم یہ جانتے تھے کہ وہ تمام انسانوں سے یعنی مجھ سے بھی بزرگ تر اور قابل قدر ہے تو تم نے اُسے قتل کیوں کیا؟ مبارکباد دینے والے نے سہم کر کہا کہ حضور امید یہ تھی سرکار ہم سے خوش ہوں گے اور ہمارے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ یزید نے اُس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔اور تعمیل میں فوراً اُس کا سرتن سے جدا کر دیا گیا۔

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ وہی روسائے بنی اُمیہ یہاں مشائخ قریش کہلائے ہیں۔البتہ یہاں یزید کو تاج پہنے ہوئے دکھایا ہے۔لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ پیجامہ اور کرتہ بھی پہنے ہوئے تھا یا نہیں؟ آپ کہیں گے کہ اس کے بتانے کی ضرورت نہ تھی۔آدمی لوگوں کے سامنے ننگے نہیں بیٹھتے۔ٹھیک ہے۔یاد رکھو آدمی یہ بھی جانتے ہیں کہ بادشاہ تاج پہنے یا نہ پہنے وہ بادشاہ ہی ہوتا ہے۔لہٰذا سابقہ روایات میں تاج کا ذکر نہ کرنا یزید کو شاہی سے خارج نہیں کرتا۔اور یہ بھی بتانے کی ضرورت نہ تھی کہ ڈاکٹر کی آمد پر لباس پہنانے والے خادموں نے تاج وغیرہ اُتار لیا تھا۔اور ڈاکٹری کاروائی ختم ہو جانے کے بعد پہنا دیا تھا۔لہٰذا کسی بات کا تذکرہ موجود نہ ہونے کو بہانہ بنا کر کسی روایت یا واقعہ کو مشکوک اور غلط کہہ کر رد کر دینا دشمنوں کا طریقہ ہوتا ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ جو راوی جس چیز کو زیادہ اہمیت دیتا ہے اُس کا ذکر کر دیتا ہے۔ اور روایت سُننے یا لکھنے والی ہستی کو آدمی بلکہ عقلمند آدمی بلکہ عالم سمجھ کر غیر ضروری چیزوں کا تذکرہ نہیں کرتا۔لیکن اگر علما جانبدار ہوں

اور دیانتدار نہ ہوں تو وہ بہانہ تراشیاں کر کے روایات کو نا قابل اعتماد، مجمل، اور ضعیف قرار دے دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود نا قابل اعتبار اور جاہل وحقیر لوگ ہوتے ہیں۔ اُسی خفیہ میٹنگ میں ایک اور بیان سُنیں جس میں کربلا کے حالات کی تفصیل ہے۔ مگر کافی جھوٹ بولا گیا ہے اور اُس ہیبت وآفت کا ذکر نہیں کیا گیا جو امام حسین علیہ السلام کے جانباز انصار نے افواج یزید پر مسلط کر دی تھی۔

(15)۔ زجر بن قیس کا بیان؛ یزید کا چپ ہونا اور قتل حسینؑ پر سیاسی ریمارکس

یہ بیانات سُنتے وقت وہ صورت حال فراموش نہ کر دیں کہ یزید کو لمحہ بہ لمحہ شامی ردعمل کی اطلاعات بھی ملتی جارہی تھیں۔ اور یزید کے مزاج اور رویہ میں تندی، سختی اور نرمی اُن ہی اطلاعات پر منحصر ہے۔ اور وہ اپنے ہر قول اور ہر اقدام کو اِس فکر کے ماتحت رکھتا جارہا ہے کہ وقت آنے پر اُس کا ہر قول اور ہر فعل ایک منطقی اور سیاسی عذر بن کر یزید کی پالیسی میں مددگار ثابت ہو۔ نہ تو یزید سے یہ امید کرنا چاہئے کہ وہ بلاسوچے سمجھے بکواس کرتا چلا جائے گا۔ نہ اُس کے منصب کا دباؤ اور ذمہ داری اپنی گرفت ڈھیلی کر سکتے تھے۔ ہم یزید کو اور ہر دشمن خدا اور رسولؐ کو عقلمند اور صاحبان فراست لوگ سمجھتے ہوئے اُن کے اقوال واعمال پر نظر ڈالتے ہیں اور علماؤں کی طرح ساری دنیا کو بے وقوف نہیں سمجھتے۔ سُنئے:۔ قال المفید و ابن نماروی عبداللّٰہ بن ربیعة الحمیری قال کنت عند یزید بد مشق اذاقبل زجر بن قیس حتّٰی دخل علیه ۔ فقال له یزید ماوراک وماعندک ؟ قال ابشر یاامیر بفتح اللّٰہ ونصره، ورد علینا الحسینؑ بن علیؑ فی ثمانیة عشرمِن اهلبیته وستّین مِن شیعته فسرنا الیهم فسئلنا هم اَن یستسلموا ۔اَوْ ینزلو علٰی حکم الامیر عبیداللّٰہ ۔او القتال ؟ فاختاروا القتال علی استسلام فغد ونا علیهم مع شروق الشمس فاحطنا بهم من کل ناحیة حتی اذا اخذت السیوف ماخذ ها من هام القوم جعلوا یهربون الٰی غیر وزر ویلوذ ون بالا کام والحفر لواذًا کمایلوذ الحمامة من الصقر ۔ فواللّٰہ یاامیرالمومنین مَا کان اِلا جزر جزورًا و فوقه قایل حتّٰی اتینا اِلٰی آخرهم فها تیک اجسادهم مجرّدة و ثیابهم مرقلة و خد ود هم معفرة تصهرهم الشمس و تسفی علیهم الریح و زوارهم الرخم و العقبان ۔فاطرق یزید هنیة ۔ثم رفع راسه و قال: قد کنت ارضی من طاعیتکم بد ون قتل الحسینؑ اَمَّا لَوْ کنت صاحبه لعفوتُ عنه۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 512)

ایک سردار حاضر ہے اُس کی ملاقات کا حال عبداللہ بن ربیعہ سنا تا ہے۔ کہتا ہے کہ میں یزید کی اُس میٹنگ میں موجود تھا جب زجر بن قیس یزید سے ملنے کیلئے آیا تھا۔ جیسے ہی وہ یزید کے سامنے پہنچا۔ یزید نے سوال کیا کہ تو نے اپنے پیچھے لوگوں کو کس حال میں چھوڑا اور یہاں کیا بتانے آیا ہے؟ زجر نے کہا کہ جناب میں آپ کو اللہ کی عطا کردہ فتح اور نصرت پر مبارکباد دیتا ہوں۔ بات یوں ہوئی کہ حسینؑ بن علیؑ اپنے اٹھارہ جوانان اہلبیتؑ اور ساٹھ شیعوں کو لے کر وارد ہوئے تھے۔ ہم نے اُن سے مذاکرات کئے اور اُن کے روبرو تین چیزیں پیش کیں۔ اوّل یہ کہ وہ سرِ تسلیم خم کریں۔ دوسری یہ کہ وہ ہمارے سربراہ عبیداللہ کے حکم کی اطاعت کریں۔ سوم یہ کہ جنگ سے فیصلہ کرلیں انہوں نے آخری چیز قبول کی۔ اور ہم نے اگلی صبح سورج طلوع ہونے کے وقت انہیں چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا اور تلواریں چلنے لگیں۔ ہمارے حملوں کی شدت سے وہ لوگ بھاگے پھرتے تھے اور اُنہیں کہیں چھپنے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ وہ سوراخوں اور کسی آڑ میں چھپنے کیلئے اُسی طرح کوشاں تھے جیسے وہ کبوتر پناہ گاہ ڈھونڈھتا ہے جس پر شکرہ یا باز جھپٹتا ہے۔ بہر حال اے قومی امیر المومنین

خدا کی قسم ہم نے ایک ایک کر کے انہیں ڈھیر کرنا شروع کیا اور آخری شخص کو بھی قتل کر دیا۔ اُن کے جسم ہاتھوں اور سروں سے محروم کٹے ہوئے پڑے ہیں۔ اُن کے کپڑے خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ اُنکے پہلو گرد آلود ہیں۔ تمازتِ آفتاب اُن کو جھلس رہی ہے۔ آندھیاں اُن پر غبار اُڑا رہی ہیں۔ اور گدھ اُن پر منڈلا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ یزید نے سُنا ذرا دیر سر جھکائے بیٹھا رہا۔ لوگ خوفزدہ تھے کہ دیکھیں کیا حکم ہوتا ہے مگر خیریت ہوگئی۔ یزید نے سر اُٹھایا اور کہا کہ ''میں تمہاری اُس سرکشی سے ویسے ہی خوش ہو جاتا جو تمہارے دل میں حسینؑ کی طرف سے تھی۔ ضروری نہ تھا کہ تم انہیں قتل کر کے ہی میری خوشنودی حاصل کرتے۔ بہر حال اگر میں حسینؑ کے پاس ہوتا تو انہیں معاف کر دیتا۔''

یزید کا یہ آخری جملہ بتا رہا ہے کہ وہ اپنے لئے الفاظ کی پناہ تلاش کر رہا ہے۔ وہ اُس عظیم الشان مصیبت کو سر حسین علیہ السلام کی صورت میں سامنے کھڑی دیکھ رہا ہے جو اُس کے قلبی سکون اور شاہی طاقت کو جھنجھوڑ رہی ہے۔

(16)۔ اسی میٹنگ میں یزید کے مختلف ریمارکس

ملاقاتوں کا سلسلہ اُس وقت تک جاری رہا جب تک یزید کے سامنے اس فوج کشی اور فوجی مہم کے تمام پہلوؤں کی تصدیق نہ ہو گئی۔ اور وہ ہر ملاقاتی سے سیاسی صورت حال کے مطابق موزوں ترین سلوک کرتا گیا۔ اُس نے اس پہلو پر زیادہ زور دیا کہ وہ امام حسین علیہ السلام کو ہر حال میں قتل نہ کرانا چاہتا تھا۔ اس سلسلے کے لئے ہم چند بیانات اور سامنے لاتے ہیں۔

> فلما انتهوا الٰی باب یزید رفع محضر بن تغلبة صوته فقال هذ ا محضر بن تغلبه آتی امیر المومنین بالفجره اللئام ۔ قال یزید ماوَلدت ام محضرا شدّ واَلیم ۔ قدکنتُ ارضی من طاغیتکم بد ون قتل الحسینؑ امالو کنتُ صاحبه لعفوتُ عنه ولکن قبّح الله ابن مرجانة۔(شیخ مفید اور ابن نما۔ اکسیر العبادات صفحہ 512)
>
> چنانچہ محضر بن تغلبہ ملاقات کے لئے حاضر ہوتا ہے اور دربار کے دروازہ پر آکر باآواز بلند پکارتا ہے کہ: یہ محضر بن تغلبہ امیر المومنین کے حضور میں ساری دنیا سے زیادہ قابل ملامت اور بدکار شخص کو لے کر حاضر ہے۔ یزید نے کہا کہ محضر بن تغلبہ کی ماں سے زیادہ قابل ملامت اور بدکار شخص کسی اور عورت سے پیدا نہیں ہوا۔ ارے میں تو تمہاری باغیانہ ذہنیت سے حسینؑ کے قتل کے بغیر بھی راضی تھا۔ افسوس اگر میں حسینؑ کے پاس ہوتا تو انہیں معاف کر دیتا۔ لیکن اللہ ابن زیاد کا برا کرے کہ اُس نے معاف نہ کیا۔

یہاں یزید بالواسطہ یہ بھی دکھاتا ہے کہ وہ کسی اور کے منہ سے امام علیہ السلام کی مذمت پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس شخص کو قتل کرا چکا ہے جس نے امام حسین علیہ السلام کی بزرگی اور عالی نسبی کا اعلان کیا تھا۔

(17)۔ مروان کا بھائی اور یزید دونوں اللہ اور ابن زیاد کو الزام دیتے ہیں

یزید کے پالیسی میکروں اور اس اجلاس میں شرکت کرنے والے قریشی ارباب بست وکشاد میں مروان کا بھائی عبدالرحمٰن بن الحکم بھی تمام حالات سُن رہا ہے۔ اس دفعہ اسکی سیاسی رائے بھی سُن لیں۔

قال فی المناقب و کان عبدالرّحمٰن بن الحکم قاعدًا فی مجلس یزید قال ا نشد :۔لھام یجبت الطف ادنی قرابة ۔ من ابن زیاد العبد ذی النسب الوغل ۔سمیة امسی نسلھا عددالحصٰی ۔ وبنت رسولؐ اللّٰہ لیست بذ ی نسل ۔ قال یزید نعم فلعن اللّٰہ ابن مرجانة اذا قدم علیّ مثل الحسینؑ بن فاطمةؑ لوکنت صاحبه لماسئلنی خصلة اِلّا اعطینته اِیَّاھا ولد فعتُ عنه الحتَف بکل ماستطعت ولوفیه ھلاک بعض اولادی ولکن قضی اللّٰہ امرًا فلم یکن مردٌّ۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 513-512)

وہ کھڑا ہوااور کہا کہ اگر حسینؑ سے ابن زیاد کی کوئی ذرا سی بھی نسبی اور نسلی قرابت یا رشتہ داری ہوتی تو وہ یزید سے دغا کر کے بھی حسینؑ کی رعایت کر لیتا۔ افسوس ہے کہ ابن زیاد کی ماں کی نسل تو کنکریوں کی طرح پھیل گئی اور فاطمہؑ بنت رسولؐ کی نسل کا یوں خاتمہ کر دیا گیا۔ یزید نے تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ''خدا ابن زیاد پر لعنت کرتا رہے اگر وہ حسینؑ کو میرے پاس لاتا یا میں اُس کی طرح حسینؑ کے پاس ہوتا تو میں اُن کی عادت وخصلت پر کوئی شرط نہ لگاتا۔ اور جو کچھ بھی وہ مجھ سے طلب کرتے میں اُنہیں دے دیتا خواہ اس طرح میری کچھ اولاد کی ہلاکت ہو جاتی۔ لیکن اللہ نے جیسا حکم جاری کیا وہ پورا ہو گیا۔ اور اب اللہ کا حکم اور فیصلہ واپس نہیں کیا جا سکتا ہے۔''

یہاں یزید اللہ کے قادر مطلق ہونیکی اور مسئلہ تقدیر کی آڑ لیتا ہے تا کہ مذہبی ملانٹوں کا منہ بند کر سکے۔ یہی عقیدہ آج بھی کثرت کا ہے۔

(18)۔ سر مبارک نیزہ سے طشت میں؛ شمر کی پیشی؛ یزید کا سنبھلنا، بزرگوں کی یاد

خفیہ میٹنگ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ دوبارآنے کا انتظام کرتے ہیں اور اس مرتبہ پوری رپورٹ تیار کرتے اور بتاتے ہیں کہ:۔(الف) قال سھل فدخلت مَعَ مَنْ دخل لِاُنظر مایصنع یزید بھم ۔ فامر بحطّ الراس عن الرمح واَن یوضع فی طشت ذھب ویغطیّ بمند یل د یبقیّ ویدخل به علیه۔فلما وضع بین ید یه سمع غرابًا ینعق فانشد یزید یقول:یاغراب البین ماشِئتَ فَقُلُ۔ انما تندب اَمرًا قد فعل ۔کلّ ملک ونعیم زائل ۔ وبنات الد ھر یلعبن بکلّ۔ لیت اشیاخی ببدرشھد وا ۔ وقعة الخزرج مع وقع الاسل ۔لَرَ وَاَہُ لاستھلوا فرحًا ۔ ثمَّ قالوا یایزید لَا تشل ۔ لَسۡتُ مِن خندف اَنۡ لم انتقم ۔مِن بنی احمدً ماکان فعل ۔لعبت ھاشمٌ بالملک ولا ۔ خبرجَاءَ ولا وحیّ نزل ۔ قداخذ نامِن علیٍّ ثَارِنَا ۔وقتلنا الفارس اللیث البطل۔ وقتلنا القوم مِن سادتھم ۔وعدلناہ ببدرفانعدل ۔ فجزینا ھم ببدر مثلھا ۔واقمنا مثل بدر فاعتدل ۔ قال: ثُمَّ سئلھم یزید کیف فعلتم به ؟ فقالوا جاء نا فی ثمانیة عشرمِن اھلبیته ونیّف خمسین مِن اصحابه وانصارہ فسئلنا ھم اَن ینزلوا علیٰ حکم الامیر والقتال ۔فاختاروا القتال فقتلنا ھم عن آخرھم وھذہ رؤسھم واجسادھم بارض کربلا مطروحة تصھر ھم الشموس وتذری علیھم الریاح وتزورھم العقبان ۔فاطرق راسه۔قال کنت ارضی بطاغیتکم بد ون قتل الحسینؑ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 514)

(الف) میں یزیدی اقدامات دیکھنے کے لئے مخصوصین کے ساتھ پھر اجلاس میں گیا تو یزید نے سر امام علیہ السلام کو نیزہ سے اتار کر سونے کے ایک طشت میں رکھنے اور ایک قیمتی ریشمی رومال سے ڈھک کر پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب سر مبارک اس کے سامنے رکھا گیا تو ایک کوے نے محل کی دیوار پر شور مچانا شروع کر دیا۔ یزید نے کوے کو مخاطب کر کے کہا کہ:۔

اَے کوّے تو جو چاہے سمجھ اور جو پسند آئے وہ کہتا رہ۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تو بھی میرے اقدام پر افسوس کا اظہار کر رہا ہے۔ حادثات وقوع میں آئے ہیں اور دنیا کی نعمتیں چھنتی ہوئی معلوم ہو رہی ہیں۔ بد قسمتی نے تباہی کا کھیل کھیلنا شروع کر دیا ہے۔ کاش

میرے بدر میں قتل ہونے والے بزرگ موجود ہوتے اور دیکھتے کہ خزرج کے قبیلے کے ساتھ ہماری تلواروں نے کیا کر دیا ہے۔ وہ دیکھتے تو یقیناً خوشی سے اچھل پڑتے اور دعا دیتے اور کہتے کہ اَے یزید تیرے ہاتھ کبھی بے کار نہ ہوں۔ میں خندف میں سے نہ ہوتا اگر احمدؐ کے خاندان سے اُن کی کارکردگی کا انتقام نہ لیا ہوتا۔ یہ تو بنی ہاشمؑ نے اقتدار حاصل کرنے کا ایک بچگانہ کھیل کھیلا تھا نہ کوئی پیشگوئی تھی نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔ یعنی دعویٰ نبوت ہی جھوٹا تھا۔ بہرحال ہم نے علیؑ سے اپنے مقتولوں کا بدلہ لے لیا اور ہم نے بڑے بڑے سورما بہادروں کو تہہ تیغ کر دیا۔ ہم نے اُن کے سرداروں اور سربرآوردہ لوگوں میں سے ایک بڑی جماعت کو موت کے گھاٹ اتار کر بدر کو واپس لا کر اُن کی طرف پلٹا دیا۔ اور بدر کے قتل عام کا بدلہ چکا کر عدل وانصاف قائم کر دیا۔

سہلؓ کہتے ہیں کہ اسکے بعد یزید نے سوال کیا کہ تم نے کس طرح یہ فتح حاصل کی ہے؟ انہوں نے کہا کہ حسینؑ اٹھارہ بنی ہاشمؑ اور دس بارہ اور پچاس صحابہ اور انصار کے ساتھ آئے۔ ہم نے اُنکے سامنے حکم امیر کی اطاعت اور جنگ رکھ دی اُنہوں نے جنگ منظور کر لی۔ چنانچہ ہم نے آخری فرد تک کو قتل کر کے رکھ دیا۔ اور اُن سب کے سر حاضر ہیں۔ اور ہاتھ پیر کٹے ہوئے بدن کربلا کی زمین پر بکھرے پڑے ہیں۔ روزانہ سورج کی گرمی انہیں جھلس رہی ہے۔ ہوائیں اُن پر دھول اڑا رہی ہیں۔ اُن کی زیارت کے لئے گِدھ آ رہے ہیں۔ یہ سن کر یزید نے سر جھکا لیا اور کہا کہ میں تو قتل حسینؑ کے بغیر بھی تمہاری باغیانہ ذہنیت سے خوش تھا۔

(ب)۔ زوجہ یزید اجلاس میں بیتابانہ آ گئی

(ب) فاعلم انّ ابامخنف قدقال بعد نقل کلام من قصّ لیزید فضایا یوم الطف واخبره بها ونقل کلام یزید "کنت ارضی بطاغیتکم بدون قتل الحسینؑ" قال الراوی فَسَمِعَتْهُ بنت عبدالله زوجة یزید وکان یزید مشغوفًا بِهَا۔ قال: فدعت بردآء فتردّت بها ووقفت مِن وراء الستر وقالت لیزید هل عندک مِن احد قال اجلّ۔فامر مَن کان عنده بالانصراف وقال اللعین ادخلی فدخلتُ قال فنظرتُ اِلٰی راس الحسینؑ فصرختُ فقالت ماهذا الراس الذی معک؟ فقال راس الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ۔قال فبکت وقالت یعزّ والله علٰی فاطمۃؑ اَن تری راس ولدها بین یدیک۔وانک یایزید لقد فعلت فِعلًا استوجبت به اللعن من الله ورسولهٗ والله ماانَا لکَ بزوجة ولا انت ببعلی ۔ فقال لها ماانت و فاطمۃؑ ؟ فقالت بابیها وبعلها وبینها هدانا الله تعالٰی والبسنا هذا القمیص ۔ویلک یایزید بایّ وجه تلقی الله ورسول الله صلی الله علیه وآله۔فقال لها یا هند دعی هذا الکلام فما اخترت قتله۔فخرجت باکیّة ودخل علیه الشمر۔ (اکسیر صفحہ 540)

(ب) مندرجہ بالا جملہ "کُنتُ ارضی بطاغیتکم بدون قتل الحسینؑ" ابھی یزید ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اچانک ھند بنت عبداللہ یزید کی زوجہ اور مملکت یزید کی ملکہ پردہ کے پیچھے نمودار ہوئی۔ یزید اس زوجہ سے بہت زیادہ مانوس تھا۔ راوی کہتا ہے کہ ہند نے وہ بیان سُن لیا تھا جو ابھی کربلا کے متعلق دیا گیا تھا۔ ہند نے یزید سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی اور بھی ہے۔ یزید نے جلدی سے جواب دیا کہ ہاں ہاں ٹھہرو میں تخلیہ کرتا ہوں۔ چنانچہ موجودین کو دوسرے کمرے میں جانے کا حکم دیا۔ پھر ہند سے کہا کہ تشریف لائیں۔ وہ آئی اور سرِ حسینؑ کو دیکھا چلا کر پوچھا کہ تمہارے پاس یہ سر کس کا ہے۔ یزید نے دبے الفاظ میں کہا کہ یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر ہے۔ راوی بتاتا ہے کہ ہند بہت بے قرار ہو کر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اگر جناب فاطمہؑ اپنے

بیٹے کا سر تیرے پاس دیکھ لیں تو بخدا تُو جواب نہ دے سکے گا۔ اے یزید تو نے تو ایسا کام کر لیا ہے کہ تجھ پر اللہ اور رسُولؐ کی طرف سے لعنت کرنا واجب ہو گیا ہے۔ ارے ملعون آج سے نہ میں تیری زوجہ ہوں اور نہ تو میرا شوہر ہے۔ یزید نے عاجزی سے کہا کہ بھلا آپ کو فاطمہؑ سے کون سا رشتہ ہے کہ اتنا سخت فیصلہ کر رہی ہو؟ ہند نے کہا کہ ارے مردود اُسی کے باپ اور شوہر اور بیٹوں کی وجہ سے تو ہم سب کو دین اسلام کی ہدایت ملی اور اُن ہی کی بنائی ہوئی تو حکومت ہے جسے ہم نے پہن لیا ہے۔ ارے بدنہاد تو اللہ اور اللہ کے رسُولؐ سے کیا منہ لے کر ملاقات کرے گا؟ یزید نے بڑے انفعال سے کہا کہ اے ہند اب تو ان باتوں کو جانے دو میں نے اپنے اختیار سے اُن کو قتل نہیں کیا ہے۔ بات سمجھو جلدی نہ کرو۔ یہ سُن کر وہ روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

(ج)۔ شمر ملعون انعام مانگنے آیا اور قتل سے بچ گیا

ہند کے جاتے ہی شمر کو داخلہ کی اجازت مل گئی۔ اجلاس از سرِ نو جاری ہو گیا۔ شمر نے ابھی ابھی پیش آئی ہوئی مصیبت سے لاعلمی کی بنا پر بڑے نخرے کے ساتھ قصیدہ فتح پڑھنا شروع کر دیا:۔

(ج) دخل علیه الشمر و جعل یقول: املاء رکابی فضة وذهبًا۔ انّی قتلت السید المهذ با۔قتلت خیر الناس اُمًّا وابًا۔ واکرم النّاس جمیعًا حسبًا ۔ سید اهل الحرم والوریٰ ۔ومن عَلَی الخلق معًا منتصبًا ۔طعنته بالرمح حتی انقلبا ۔ ضربته بالسیف کان عجبًا۔ قال فنظر الیه یزید شزرًاوقال لَهٗ اِذَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ خیر الناس اُمًّا وَاَ بًا فلم قتلتَه واملاء اللّٰه رکابک نارًا وحطبًا ؟ قال اطلب بذ لک الجآئزة مِن عندک ۔ قال فلکزهُ یزید بزبال سَیفه وقال لا جائزة لک عندی۔فَوَلّٰی هاربًا۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 514)

میرے ساتھ جتنے اونٹ اور خچر اور گدھے اور گھوڑے ہیں سب کو سونے اور چاندی سے لاد کر مجھے انعام عطا فرمایا جائے۔ اسلئے کہ میں نے آپ کی اطاعت کے ثبوت میں ایک مہذب ترین سردار کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے ایسے بزرگ کو قتل کیا ہے جو ماں باپ کی طرف سے تمام انسانوں سے زیادہ مرتبہ رکھتا تھا۔ اور حسب ونسب میں پوری انسانیت سے زیادہ محترم تھا۔ اور مکہ و مدینہ اور اُنکے علاوہ پوری کائنات کا سردار تھا۔ اور جو بھی اس کے مقابلہ میں مدعی ہو وہ سب سے اعلیٰ درجہ کا تھا۔ لیکن میں نے اُسے یہاں تک نیزوں سے مارا کہ وہ الٹ کر گرا اور اسے تلوار سے ایسی ضربیں لگائیں جن پر جتنا تعجب کیا جائے کم ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یزید نے غضبناک ہو کر اسکی طرف دیکھا اور کہا کہ جب تو اُسے تمام انسانوں سے بزرگ جانتا تھا تو تُو نے اُسے قتل کیوں کیا؟ شمر نے گھبرا کر کہا کہ حضور یہ سب کچھ میں نے آپ سے انعام حاصل کرنے کیلئے رسماً کہہ دیا ہے۔ یزید نے اپنی تلوار کی نوک چبھاتے ہوئے کہا کہ دُور ہو جا تیرے لئے میرے پاس تلوار کے علاوہ کوئی انعام نہیں ہے۔ وہ وحشت زدہ ہو کر واپس چلا گیا۔

(19)۔ یزید کے تصورات و قلبی حالات علامہ دربندی کی زبانی

علامہ دربندی رضی اللہ عنہ یزید کی ظاہری اور باطنی حالت اور انتظام مملکت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

اَنَّ یزید مافرح وسرّفی عمره بشی ءٍ مثل فرحه وسروره بقتل سیدالشهدٰاء روحی له الفدآء وانّ ما صنعه ابن زیاد انّما کان بامر منه۔نعم اِنّ یزید کان فی اضطراب وتشویش بعد وصول البشیر الیه وبیان ذلک اَنَّهٗ لما ورد البشیر الیه اوّلًا

بقد وم الاسارٰی والرؤس المطهرة اِلٰی قریب مِن دمشق وتخیّل ثوران الفتنة وھجوم الناس علیه ۔ وتوھّم اَنَّ ماماسسّه معویة ومَن معه مِن قبله مِن غرسھم فی قلوب اھل الشام واطرافھا بالتزویقات وتسویلات والوسا وس و الاکاذیب والا باطیل والف مِنَ الحیلة والمکیدة شجرة العداو ة لامیرالمومنین وسیدالوصیین واھله وعترته صلوة اللّٰه علیھم اجمعین لایقاوم لما یشاھده اھل الشام باعینھم ۔ ای کون اھل بیت رسولؐ اللّٰه علٰی تلک حالة وکون رؤس رجالھم الرماح و نسائھم و اطفالھم فی ذل الاسر خاف وخشی الناس ۔ ای مِن اثارتھم الفتنة وھجومھم علیه ففعل وافعل من عضّ انامله حتّٰی کادان یقطعھا وقال ماقال من قوله مصیبة عظیمة ورب الکعبة ۔ وتوھّم ھذا التوھم روسآء بنی اُمیّة ایضًا ۔ فلما دخل الحرم والسبایا دمشق وکان یاتیه فی کل حِین وساعة مَن یا تیه باخبار ماوقع مِن فرح اھل الشام وسرورھم ولعبھم ولھو ھم و ضربھم الدفوف والطبول وجعلھم ذلک الیوم کیوم العید ۔ عَلِمَ اَنَّ کفرھم ککفره مِن الامور الثابتة فزال اضطرابه واطمأنّ قلبه وزاد حرصه علٰی اَن یبالغ الناس فی تذ لیل اھل بیت الرسولؐ واستحقارھم واھانتھم والا ستھزآء والشما تة بھم وَلَا یتکلّم احد بما فیه الفضل والمدح والمنقبة لھم فلاجل ذلک امر بقتل الشیخ التائب المذعن بفضائل الرسول صلوات اللّٰه علیھم اجمعین وایضًا بقتل حامل الراس الشریف لاجل ابیا ته الثلا ثة مع کونه مِن اعوانه وانصاره ولعل ذلک الرجل کان حواش بن خولی ویحتمل اَن یکون غیره ۔ ثُمَّ انّ اعوان یزید وروساء جنوده وعساکره لماکانوا عالمیں بمایحبّه ویفرحه بذکره مِن تذ لیل اھل البیت واستحقارھم والشما تة واستھزآء بھم وبما یبغضه مِن اجرآء منقبة وفضیلة لاھل البیتؑ علٰی السنتھم ذکر زجر بن قیس ماذکر مِن نسبة الجبن والھرب الٰی اصحاب سید الشھدٰاء الٰی آخر ماذکره ۔ مع اِنَّ یزید کان عالِمًا قبل ذلک الوقت بان سید الشھدٰآء واصحابه قد افنوا معظّم جنوده وآبَاد وا اکثر عساکره وکان عالمًا ایضًا بانّ ھذا المطلب لم یخفُ علی الناس ۔ (اکسیرالعبادات ۔صفحہ 513)

حقیقت یہ ہے کہ یزید کواپنی زندگی میں اتنی خوشی اور مسرت کبھی اور کسی بات پر نہیں ہوئی تھی جتنی امام حسین علیہ السلام کے قتل کر دیئے جانے سے ہوئی ۔ وہ جانتا تھا کہ ابن زیاد نے جو کچھ بھی کیا وہ اُسی کے حکم کی تعمیل میں کیا تھا ۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یزید بڑے اضطراب اور تشویش کے عالم میں بھی تھا ۔ تو جاننا چاہیئے کہ اس کا اضطراب اور تشویش اس روز سے شروع ہوئی تھی جس روز اُسے اسیرانِ اہلِ حرمؑ اور سرہائے شہدؑا کے دمشق میں پہنچنے کی اطلاع ملی تھی ۔ اس دن سے اُسکے سامنے لوگوں کی چڑھائی اور فتنہ وفساد اور بغاوت کے بھوت ناچنے لگے تھے ۔ اور جو کچھ معاویہ اور اُس کے ساتھیوں نے علیؑ کے خلاف اہلِ شام اور گردونواح کے لوگوں کو اُبھارنے اور دشمن بنانے اور اُن کا مرکزی مقام ختم کرنے کا انتظام کیا تھا وہ ایک وہم اور کمزور فریب معلوم ہونے لگا تھا ۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ جب لوگ قریب سے خاندان علیؑ ومحمدؐ کو دیکھیں گے تو یہ سارا بندوبست یہ تمام ڈھونگ یہ سارا مکروفریب کا محل زمین پر آ گرے گا ۔ جھوٹا پروپیگنڈا ، فرضی برائیاں اور معاویہ اور اُسکے دوسرے بزرگوں کے خانہ ساز فضائل خاندانِ نبوؐت کی تاب نہ لاسکیں گے ۔ اُن کے کٹے ہوئے سرنور برسائیں گے ۔ اُن کی خواتین اور اُنکے بچے لوگوں کے دلوں کو پگھلا دیں گے ۔ اُن کے بیانات ہمارا تانا بانا بکھیر دیں گے ۔ سروں کا نیزوں پر بلند ہونا ، رسولؐ زادیوں اور اُنکے بچوں کا قیدیوں کی رُسوا کن حالت میں دیکھا جانا لوگوں کو مشتعل کرسکتا ہے اور ایک خطرناک ہنگامہ اور فساد برپا ہوسکتا ہے ۔ اسی بنا پر اُسے مسلسل لمحہ بہ لمحہ جلوس کے متعلق اطلاع ملتے رہنے کا انتظام جاری تھا تا کہ پبلک کا ردِّعمل معلوم ہوتا چلا جائے ۔ سرِحسینؑ کو ایک عظیم مصیبت اسی خطرہ کو محسوس کر کے کہا گیا تھا ۔ اور یہ خطرہ تمام بنی امیہ اور اُن کے لیڈروں پر چھایا ہوا تھا ۔ جب

یزید کو یہ معلوم ہوا کہ پبلک کی کثرت کو مسرت ہوئی ہے۔ وہ عید منارہے ہیں، گانے بجانے اور ناچ رنگ اور موسیقی میں مصروف ہیں تو اُس کے اس یقین میں ترقی ہونا شروع ہوئی کہ اسکی پبلک کی کثرت بھی اُسی کی طرح کافروسرکش اور خاندان علیؑ مرتضٰی کی مخالف ہے۔ اِس طرح حمایت ثابت ہوتی دیکھ کراس کا وہ اضطراب دور ہوگیا اور قلب میں مملکتی استحکام پر اطمینان پیدا ہوگیا۔لہٰذا لوگوں کو اہلبیتؑ کی تحقیر وتذلیل اورتوہین پرمزید ابھارنے کی حرص پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اُن کا مذاق اڑانے اوراُن پرطعنہ زنی کرانے پر جری ہوگیا۔ اوراہلبیتؑ کی مدح وثنااورفضائل ومناقب بیان کرنے والوں پرتشدد کرنا طے کرلیا۔یہی سبب تھا کہ اس بوڑھے کوقتل کرادیا تھا جوامامؑ زین العابدین کے سمجھانے سے ایمان لایا تھااوردشمنان اہلبیتؑ پر بازاروں میں لعنت کرتا پھرا تھا۔اوراسی لئے اُس شخص کوقتل کرایا تھا جس نے امام حسینؑ کی عالی نسبی پراشعار کہےاورسر مبارک لانے پرانعام مانگا تھا۔شاید وہ حواش بن خولی یااورکوئی دوسرا تھا۔جس کے وہاں انصار ومددگار بھی موجود تھےمگر وہ خاموش رہے تھے۔ پھریزیدی افواج کے سرداراوراراکین سلطنت جانتے تھے کہ یزید،علیؑ وخاندان علیؑ کی مذمت سے خوش ہوتا ہےاوران کی مدح وثنا وفضائل بیان کرنے پرغضبناک ہوتا ہے۔لہٰذا وہ لوگ امامؑ اور جانثارانِ امامؑ کی جرأت اور بہادری اوراپنی افواج کی بار بار کی ہزیمت بالکل نہ بتاتے تھے۔یہی وجہ تھی کہ جب زجر بن قیس اوردوسرے سرداران افواج نے کربلا کے حالات سنائے تواپنی افواج کی کسی پسپائی کا اشارہ تک نہ کیا اورسارا زورامام حسین علیہ السلام کے بےبس ہوجانے پرصرف کردیا اورچند گھنٹوں میں صفایا کردینا دکھا کرشو(Show)ختم کردیا۔لیکن یزیداُن بیانات کوسمجھتا تھااور پہلے ہی سے جانتا تھا کہ حسینؑ اورصحابہ حسینؑ علیھم السلام نے اُس کی افواج کی کثرت اوراُسکی قوت کے بڑے حصہ کو برباد و نابیدکر کے رکھ دیا تھا۔اور جوحالت وہ انصاران حسینؑ کی بیان کررہے تھے وہ خوداُن کےفوجی بہادروں کی تھی کہ انہیں کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔اوروہ یہ بھی جانتا تھا کہ افواج کی تباہی عوام الناس کو ایک روزضرورمعلوم ہوکررہے گی۔

(20)۔ فوج کی تباہی اورسپاہ حسینیؑ کی شجاعت دمشق میں داخلہ سے پہلے ہی بتادی گئی تھی

علامہ نے مندرجہ بالا بیان میں مسلسل لکھا ہے کہ:۔

وکیف لا ؟ فانّ جنوده لَمَّا قاربوا دمشق بالسبایا والروس فبینما هم سائیرین اذ عارضهم فارس راکبًا علٰی جواده ۔ فقال لهم یاویلکم قتلتم ابنَّ بنتٌ نبیکمٌ ؟ فقالوا لَهٗ اُسکُتُ فواللّٰه لو کُنتَ حاضرًا مَعَنَا لَسَلَلُتَ سیفکَ قبل اسیافنا فقال لماذا ؟ قالوا لانّا وفدنا علٰی فتیة کاالاسود الضاریة وایدیهم علٰی قوائم سیوفهم لَا یرغبون فی مال ولا یرهبون من قتال یحتطمون الفرسان حطمًا۔ فَلَمَّا رأونا فواثبوا علینا کمایثب الاسد علٰی فریسته فواللّٰه ماقاتلنا هم بل رضا الخلاص فما قدرنا الّا بحدِّ سیوفنا وطعن وماجنا ولقد صبروا صبر الکرام ولِلّٰهِ درّهم مِن نصرة وذمام هذا ۔ (اکسیرالعبادات صفحہ 513)

اورکیسے افواجِ یزید کی بربادی پوشیدہ رہ سکتی تھی۔ یہ رازتواس وقت کھل گیا تھا جب یہ خبیث یزیدی فوج سرہائے شہدؑا اوراہل حرمؑ کو لئے ہوئے دمشق کے قریب پہنچے۔انہیں راہ میں ایک گھوڑ اسوار ملا جس نے کہا کہ خدا تمہیں غارت کرے تم نے تواپنے نبیؐ کی بیٹیؑ کے فرزندؑ کوقتل کرڈالا۔اُنہوں نے کہا بھیا زبان بندرکھو اگرتم ہمارے ساتھ

ہوتے تو تم ہم سے پہلے تلوار کھینچ لیتے۔ سوار نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ بھائی ہم تو ایسے نوجوان کے ہاتھوں میں جا پھنسے تھے جو اُسی طرح پیش آئے جس طرح کوئی شیروں کی وادی میں جا پہنچے اور وہاں دھاڑتے ہوئے شیر تلواریں ہاتھوں میں لئے ہوئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑیں۔ ارے وہ تو ایسے ہیبت ناک لوگ تھے جنہیں نہ مال دنیا کی رغبت تھی نہ جان دینے اور جنگ کرنے سے ڈرتے تھے۔ وہ بہادران فوج کو گھیر کر چکنا چور کر دیتے تھے۔ جب ہمیں انہوں نے دیکھا تو ہم پر اسی طرح جھپٹے جس طرح شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ بھائی ہم نے اُن سے جنگ نہیں کی بلکہ ہم تو جس طرح ممکن ہو سکتا تھا اپنی جان بچانے میں مصروف رہے۔ پھر بھی انہیں اپنی تلوار اور نیزہ کی لمبائی سے دور نہ رکھ سکے۔ یقیناً اُنہوں نے بڑا ہی بزرگانہ صبر دکھایا اور یہ اُن ہی کی عمداً اور جاں نثارانہ قربانی کا نتیجہ ہے کہ ہم کامیاب ہو سکے۔ ورنہ نصرت خداوندی کی فراوانیاں اُن ہی کے ساتھ تھیں۔

51۔ یزید ملعون کا دربار اور اسیرانِ اہل حرم وسر ہائے شہدا علیھم السلام

علمانے اہل حرمؑ کو دربار یزید میں جس طرح دکھایا ہے اُس پر فطری صورت حال ہی نہیں بلکہ سینکڑوں عقلی تقاضے اور ضرورتِ وقت اور نظامِ حکومت وسیاست بھی متفق نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود بھی بوکھلائے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے گھبرائے ہوئے اور پریشان حال راویوں کی باتوں کو تسلسل اور ربط دینے کے بجائے خود اپنا دماغی توازن کھو دیا تھا۔ اور یہ نہ سوچا کہ انتہائی دردناک حالات سے گزرنے والا شخص ایک پرسکون اور مطمئن شخص کی طرح باتیں نہیں کیا کرتا۔ اُس کے قلب وذہن میں اضطرار ہوتا ہے۔ اُس کے حافظہ پر حادثہ کا دباؤ ہوتا ہے۔ وہ داستانِ غم کو بیان کرتے ہوئے خود متاثر ہو جاتا ہے۔ وہ بار بار رنجیدہ ہونا ناپسند کرتا ہے۔ وہ جلدی جلدی مختصر طور پر بات کہہ کر اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے۔ اور اگر واقعات ومصائب خود اُس کے اوپر گزرے ہیں تو عرصہ دراز تک اس قابل نہیں ہونے پاتا کہ ایک غیر متعلق تماشائی کی طرح واقعات بیان کر سکے۔ خود قاتلانِ شہدا ہر کسی کے سامنے صحیح واقعات بیان کرنے سے اس لئے گھبراتے تھے کہ سننے والا انہیں مطعون کرے گا۔ لعنت وملامت کرے گا۔ البتہ اپنے جرم میں شریک اور دشمنانِ اہلبیتؑ کے رُوبرو وہ ہر تفصیل کہہ گزریں گے۔ اِسی طرح اسیرانِ اہل حرمؑ واقعات کربلا کی تفصیلات تو بڑی بات ہے لفظ کربلا سن کر یا کربلا، کوفہ وشام کا خیال آتے ہی تڑپ جاتے تھے۔ وہ کس طرح اُن مظالم کی تفاصیل بیان کر سکتے تھے جو روزِ روشن کو تاریکیٔ شب میں بدل دیتے ہوں۔ جنہیں دیکھ کر سورج اپنا منہ چھپالے۔ جنہیں دوسروں سے سن کر یزید ملعون ایسا شیطان بھی رونے لگے۔ لاشوں اور سرہائے شہدؑا کو دیکھنے والے اہلبیتؑ نے گوشت کھانا بند کر دیا تھا۔ وہ تو کسی جانور کے ذبح کرنے کا ذکر بھی نہ سن سکتے تھے۔ بہر حال یہ وہ حادثہ تھا، یہ وہ واقعات وحالات تھے کہ جن پر گزرے وہ حضرات تو صبر وضبط وتحمل کے پہاڑ تھے۔ وہ اس قدر متاثر ہوئے تو راویوں اور تازہ تازہ سننے والوں کا جو حال ہو وہ کم ہے۔ مگر بعد کے علما کو چاہئے تھا کہ وہ اصول فطرت اور عقلی قوانین کی مدد لیتے اور واقعات کو ربط دیتے۔ وہ خلا پورا کرتے جو فطری گھبراہٹ وبوکھلاہٹ سے آج بھی پیدا ہوتا ہے۔ اُس شخص کا بیان بڑی احتیاط چاہتا ہے جو دوڑتا ہوا آئے اور یہ بتانا چاہے کہ ابھی

ابھی چند مسلح اشخاص نے اُس کے والدین، بچوں اور اہلیہ کو قتل کر دیا ہے۔خون بہہ رہا ہے جلدی چلو میری مدد کرو۔ بہر حال وہ لوگ جن پر کبھی کوئی حادثہ نہیں گزرا، کوئی صدمہ نہیں پہنچا، عیش وعیاشی میں زندگی بسر کی، وہ اگر راوی ہوں یا اہلِ قلم ہوں تو کیا کہیں گے؟ اور کیا لکھیں گے؟ اور کیا سمجھیں گے اور کیا اثر لیں گے؟ میں نہیں جانتا بس یہ سمجھتا ہوں کہ نہ اُن کی بات قابلِ اعتبار ہوگی نہ اُن کی تحریر وتصنیف پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اُن کے ہر بیان پر تشکیک وتنقید ضروری ہوگی۔ اور جب تک اُن کی بات تمام فطری وعقلی تقاضوں کو پورا نہ کر دے ہرگز قابل قبول نہ ہوگی۔ چنانچہ ہمارے سامنے روایات وبیانات کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ اُس میں کوئی ترتیب نہیں، کوئی نظم وضبط وتعین نہیں۔ جس طرح سیمنٹ، بجری اور روڑی کو مکسنگ (Mixing) مشین میں ڈال کر پانی کی مدد سے ملاتے جاتے ہیں۔ اُسی طرح علما نے راوی، روایت اور فطرت کو گڈمڈ کر کے ایک ڈھیر لگا دیا ہے۔ آپ نے یہ واقعات طرح طرح کی کتابوں میں پڑھے، منبر نشین علما سے سُنے، لیکن کیا آپ یا وہ علما اور کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ دربار یزید میں اہل حرمؑ کتنی بار لائے گئے؟ اُس انبار اور ڈھیر سے یہ تاثر ضرور پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب ایک ہی دن کا قصہ ہے۔ مگر قصہ اتنا بڑا ہے کہ اُسے بیس گھنٹوں میں بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال اس سلسلے میں جناب علامہ دربندی رضی اللہ عنہ کا بیان بھی سن لیں۔ پھر کوشش کریں کہ واقعات ایک فطری تریب میں آ جائیں۔

(الف)۔ دربار یزید میں اہل حرمؑ سے سلوک پر علامہ دربندیؒ کی شکایت

المجلس الثانی والثلثون من اکسیر العبادات فی اسرار الشهادات۔ فی دُخول الحرم والسّبایا علٰی مجلس یزید:۔

فلنقد م هیهنا قبل الخوض فی المطلب مقدّ مة وهی ان کلمة اصحاب المقا تل ای فی مقام ذکرهم دخول الحرم والسّبایا علٰی مجلس یزید وما وقع بعد ذلک فی غائط الخلط وعدم الانتظام وبیان ذ لک انّه لمالم یَکُنْ فی کتبهم عنوانات عد یدة لما وقع بعد دخول الرؤس المطهرة والحرم والسّبایا علٰی مجلس یزید بمعنی اَن یکون لکُلّ مطلب و لِکُلّ ماوقع فی یوم مِن الایام عنوان مستقل علیحدة۔ بل اجروا الکلام فی المقام ککلام ماوقع فی یوم واحد اختلط الامر واشتبه وصارافی عدم الانتظام وانضباط فی منارحتّٰی انّ القاصر فی تتبّع الروایات والغافل عن اخذ مجا معها اذا نظر الٰی تلک الکتب ظنّ اَنّ کُلّ ما وقع فی ایام عد یدة فقد وقع فی یوم واحد و هویوم دخول الحرم والسبایا دمشق۔ بل ظنّ ایضًا اِنّ ماوقع مِن رخصة یزید واذ نه لاهلبیتؑ وغیرهم بان یقیموا مأدبة الماتم والتعزیة والند بة علٰی سیدا لشهدٓاء روحی له الفدآء فقد وقع ایضًا فی ذلک الیوم مع اَنَّ الامر لیس کذلک جدّا وکیف لا ؟ فانّ وقوف اهل البیتؑ ومکثهم فی الحرب فی المکان الخراب ممّاقد دَلّت علیه روایات معتبرة۔

ثُمَّ بعد الاغماض عن کُلّ ذلک اقول انّهم مااجروا الکلام من جهة الترتیب علٰی نهج واحد فَاِنّ ابامخنف (1)۔ذکراوّلًا مانقلنا عنه مِن مقالات یزید حین احضاره الراس الشریف بین یدیه (2)۔ ثُمَّ ذکر دخول بنت عبداللّٰه زوجته علیه (3)۔ ثُمّ ذکر دخول الشمر علیه(4)۔ثم ذکر قضیّة راس الجالوت(5)۔ ثُمَّ ذکر قضیّة جاثلیق نصاریٰ (6)۔ ثمّ ذکر قضیّة خروج جاریة مِن قصر یزید وقولها له قطع اللّٰه یدیک ورجلیک(7)۔ ثمَّ بعد کُلّ ذلک قال ثم استد عی یزید بالحرم فوقفوا بین ید یه فنظر الیهن وسئل عنهن الخ (8)۔ ثم ذکر بعد ذلک قضیّة نقل سکینةؑ مارَأَتهُ فی منامها (9)۔ثمَّ ذکرقضیّة صعود الامام سیدُ الساجد ین علی المنبر ۔والعجب منه حیث یُستفاد مِن ظاهر کلامه اَنَّ کل ذلک انّما وقع فی یوم واحد (10)۔ بل ماذکر بعد ذلک ایضًا وذ لک قضیة امریزید الناس بقرأته القران بعد صلوة الخمس (11)۔ ومن قضیة اَنّ یزیدًا قام خطیبًا و قال یااهل الشام اِنّی

ماقتلتُ الحسینؑ الخ ۔ اللّٰھُمّ اَلّا اَنْ یقال تلک القضایا وانْ لم تکن واقعه فی یوم واحد اَلّااَنّ مقصود ابی مخنف کان هوالاشارة الٰی محض الترتیب ولم یلاحظ فی ذلک تعیین یوم کُلّ واقعه من الوقائع ولا ذکرالایام علٰی نهج التفصیل۔

فنحن نذکر انشآء اللّٰه الوقائع التی جرت فی د مشق فی مجالس عد یدة فنلا حظ الترتیب ونشیر الیه مهما تمکنت مِن استنباطه مِن مطادی الروایات وکلمات اصحاب المقا تل فهاانا اذکر فی هذا المجلس کیفیّة ورود اهلبیتؑ والحرم الٰی مجلس یزید وهکذ اجملة من الامور المتعلقة بذ لک۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 516-515)

بتیسویں مجلس۔اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات سے اہل حرم اورقیدیوں کے یزید کے دربار میں داخلہ کی بابت:

اصل مطلب پر غور وخوض کرنے سے پہلے ہم بطورتمہید یہ بتاتے ہیں کہ مقاتل پر لکھنے والے حضرات نے داخلہ اہل حرمؑ اوراُس کے بعد واقعات میں بہت گڑ بڑ کی ہے۔اوراس کا سبب یہ ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں نہ توکوئی ایک الگ عنوانات قائم کئے، نہ واقعات کی ترتیب کالحاظ کیا، نہ یہ انتظام کیا کہ واقعات کوایک دوسرے سے جداجدالکھااوررکھاجائے۔تاکہ پڑھنے والوں کو یہ معلوم ہوسکتا کہ کون سے واقعات کس کس روز وقوع میں آئے۔یہ اُسی صورت میں ہوسکتا تھا جب کہ وہ ہر معاملہ کومستقل عنوان کے ماتحت لکھتے۔اب تو اُن کی تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک ہی دن میں ہوگیا تھا۔اس طرح انہوں نے واقعات کوخلط ملط اورمشکوک کر کے رکھ دیا ہے۔ایسا شخص جس نے تمام روایات کومسلسل کر کے نہیں دیکھا اور جوغریب روایات میں ربط پیدا کرنے سے ناواقف ہو، وہ توان مختلف ایام میں گزرنے والے واقعات کوایک ہی دن کی سرگزشت سمجھنے پر مجبور ہوجائے گا۔اور یہ سب اُسی روز کے واقعات سمجھ لے گا جس دن اہل حرمؑ اورقیدی دمشق میں داخل ہوئے تھے۔یہی نہیں بلکہ وہ تو یہ سمجھے گا کہ اس پہلی ہی نشست میں یزید نے اہلبیتؑ کواور دیگر متعلقین کوامام حسین علیہ السلام کی مجلس عزااور ماتم بر پا کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔حالانکہ یہ سب واقعات ایک ہی روز وقوع میں نہیں آئے تھے۔اور کیسے ممکن ہوسکتا ہے جب کہ اہلبیتؑ کا جنگی قیدیوں کی حیثیت سے رہنا اورایک مخصوص بدترین مکان میں ٹھہرایا جانا معتبر روایات سے ثابت ہے۔ورنہ اُسی روز رہائی بھی ہوگئی ہوتی تواس مکان میں قید ہونے کی بات ہی نہ ہوتی۔

بہرحال اگر ہم اس سے بھی صرفِ نظر کرلیں تواس کو کیا کریں کہ اُن سب نے جس ترتیب سے واقعات کوایک ہی طرح لکھا ہے وہ بھی اُن کی چغلی کھاتے ہیں۔مثلاً ابومخنف نے (1)۔ پہلے یزید کی وہ گفتگو لکھی جو سرحسینؑ کے لائے جانے پر کی تھی۔ (2)۔پھراُسکی زوجہ کے آنے کا ذکرلکھا۔(3)۔پھرشمر کا آنا بیان کیا ہے۔(4)۔پھرراس الجالوت والا معاملہ نقل کیا ہے۔ (5)۔اس کے بعد عیسائیوں کے جاثلیق کی تفصیل بیان کی ہے۔(6)۔پھر یزید کے محل سے کنیز کا نکلنا اور یزید کے ہاتھ پاؤں کٹ جانے کی بددعا اُسی کنیز کی زبانی لکھی ہے۔(7)۔یہ سب کچھ لکھنے کے بعداب ابومخنف یہ لکھتے ہیں کہ یزید نے اہل حرمؑ کوحاضر کرنے کا حکم دیا۔جب وہ سامنے آ گئے تو اُن پر نظرڈالی اوراُن سے سوالات کئے۔ (8)۔پھروہ حضرت سکینہؑ کا یزید سے اپنا خواب بیان کرنے کا واقعہ لکھتے ہیں۔(9)۔پھراماؑم سیدالساجدین کا منبر پر جانا بیان کرتے ہیں۔تعجب یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس طرح لکھا ہے کہ اُس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام واقعات پے درپے ایک ہی دن ہوئے۔(10)۔بلکہ اسکے بعد یزید کا لوگوں پر پانچوں نمازوں کے بعدقرآن پڑھنے کا

تقاضہ بھی شامل کرنا ہوگا۔(11)۔اور یہ بھی اسی روز ماننا ہوگا کہ یزید نے اہل شام کوایک خطبہ دیااور کہا کہ اے اہل شام! میں نے حسینؑ کوقتل نہیں کیا ہے۔گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب ایک ہی روز وقوع میں آیا مگر ابومخنف کا منشا یہ نہیں ہے۔ بلکہ ابومخنف نے محض واقعات کی ترتیب نقل کی ہے۔اور کسی واقعہ کوکسی دن کے ساتھ ملا کر لکھنے کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔صرف واقعات لکھتے چلے گئے ہیں۔

لیکن ہم انشاءاللہ اس کا لحاظ رکھ کروہ تمام واقعات لکھیں گےاور یہ بتائیں گے کہ دمشق میں داخلہ کے بعد واقعات کس ترتیب سے اور کن ایام میں وقوع پذیر ہوئے۔ یہ کام ہم کئی ایک مجلسوں میں انجام دیں گے۔اور مختلف مصنفین کے بیانات سے اور روایات سے اس طرح استنباط کریں گے کہ مومنین کواطمینان ہوجائے گا۔چنانچہ لیجئے ہم اسی زیرقلم مجلس میں اہلبیتؑ اوراہل حرمؑ کا یزید کی مجلس میں پہلے دن آنا اوراس کے متعلق تمام واقعات کولکھتے ہیں۔(اکسیر العبادات صفحہ 516-515)

(ب)۔ <u>اہلبیتؑ رسن بستہ پیش کئے گئے تھے</u>

عن المنتخب عن علی بن الحسین علیهماالسلام انّه قال لَمَّا وَفَدُنَا علٰی یزید بن معویة آتونا بِحِبَال وربَّقُوُنَا مثل الاغنام وکان الحبل بعنقی وعنق ام کلثومؑ وبِکتف زینبؑ وسکینةؑ والبنات وساقونا وکلمّا قصرنا عَنِ المشی ضربونا حتّٰی اوقفونا بین یزید وهُوَ علٰی سریر مملکته۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 516)

علامہ فخر الدین طریحی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب المنتخب میں جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی لکھا ہے کہ فرماتے تھے۔جب ہمیں اجتماعی طور پر یزید ملعون کے سامنے لے جایا گیا تو ہم سب کو چوپاؤں کی طرح ایک رسے میں اس طرح باندھ رکھا تھا کہ اُس رسے کا ایک سِرا میری اوراُم کلثومؑ کی گردن میں بندھا تھا۔پھراُس کو زینبؑ وسکینہؑ کے کاندھوں میں باندھا تھا۔اوراس طرح مسلسل خاندان رسولؐ کی باقی بیٹیاں باندھی گئی تھیں۔اورہمیں جانوروں کی طرح ہانکا جارہا تھا۔اگرہم میں سے کوئی چلنے میں ذرا پیچھے رہ جاتا تھا تو وہ لوگ اُسے مارتے جاتے تھے۔اس طرح ہمیں یزید بن معاویہ ملعون کے روبرو کھڑا کیا گیا۔جب کہ وہ تخت مملکت پر بیٹھا ہوا تھا۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 516)

مومنین خود یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر اہل حرمؑ کوکسی قسم کی تکلیف اور صدمہ بھی نہ پہنچا ہوتا اوراُن میں سے کوئی بیمار بھی نہ ہوتا تو بھی اس طرح رسوں میں باندھ کرلانے کی ضرورت نہ تھی۔فوجوں کے تیغ بکف پہرے میں گھری ہوئی مستورات اور بچے کہیں بھاگ کرنہ جاسکتے تھے۔مگر بدر کے قیدیوں کا بدلہ اولادِرسولؐ اورعلیؑ وفاطمہؑ کی بیٹیوںؑ سے لیناضروری تھا۔تاکہ یزید اپنے باپ اوردادوں کی ارواح کو خوش کرسکے۔حالانکہ جنگ بدر کے قیدیوں میں سے کسی کوبھی خاندان رسولؐ کے کسی فرد نے گرفتار نہ کیا تھا۔وہ گرفتار کرنے والے بھی اُسی نسل کے لوگ تھے جس سے یزید تھا۔قحطانی نسل کے لوگوں کے باندھے ہوئے قیدیوں کی رسیاں البتہ رسولؐ اللہ نے ڈھیلی کرادی تھیں۔بس یہی گناہ تھا کہ اُنھوں نے نبوت کا دعویٰ کر کے یزید کے اباواجداد کی اجارہ داری ختم کردی تھی۔اُن کے خداؤں کو کعبہ سے نکال دیا تھا۔انہیں عام انسانوں کے برابر رکھا جاتا تھا۔آخر دوراوّل کی قوم (فرقان 25/30) نے یزید کی صورت میں رسولؐ اللہ اوران کی بیٹیؑ اور بھائیؑ سے انتقام لے لیا۔

(ج)۔ دربارِ یزید میں جناب زینب علیہا السلام کے بیانات وجوابات (پہلا دن)

فی بیان جملة ماوقع فی ذلک الیوم ای فی الیوم الاوّل الذی احضرفیه الرؤس المطهرة والحرم والسّبایا فی مجلس یزید فَمِن جملة ماوقع فی ذلک الیوم ما صدرمِن الصدّیقةً الصغریٰ اعنی زینبؑ بنت امیرالمؤمنین وذلک مِن کلما ته الشریفة مِن الخطبة والاحتجاج علی یزید وغیر ذلک فاعلم انّ جمًّا مِن اصحاب مقاتل قد ذکروا وامّا زینبؑ فانّها لمّا رأت الراس الشریف اهوت الٰی جیبها فشقّت ثم نادت بصوت حزین تفرغ القلوب یاحسیناهٔ ؛یاحبیب رسولؐ اللّٰه یابن مکّة ومنٰی یابن فاطمة الزهرؑآء سیده النسآء یابن بنتؑ المصطفٰیؐ ۔قال فبکت واللّٰه کل من کان فی المجلس ویزید ساکت ثُمَّ جعلت امراة بنی هاشمؑ فی دار یزید تندب علی الحسینؑ و تنادی وا حبیباهٔ وا سید اهل بیتاه یابن محمدؐ اه یاربیع الارامل والیتامیٰ یاقتیل اولاد الادعیاء ۔ فبکت کُلّ مَن سمعها ثم دعی یزید بقضیب خیزران فجعل ینکت به ثنایاالحسینؑ فاقبل علیه ابوبرزة الاسلمی وقال ویحک یایزید اَتَنکُتَ بقضیبک ثغرالحسینؑ بن فاطمةؑ اشهد لقد رایتُ النبیؐ یرشف ثنایاه وثنایا اخیه الحسنؑ ویقول انتما سیداشباب اهل الجنة فقتل اللّٰه قاتلکما ولعنه اَعدّ له جهنّم و سائت مصیرًا ۔ قال فغضب یزید وامر باخراجه فاخرج سحبا ۔ قال وجعل یزید یتمثل با بیات ابن زبعری: لیت اشیا خی ببدر شهد وا ۔ جزع الخزرج مِن وقع الاسَلُ ۔ فاهلوا فاستهلّوا فرحًا ۔ ثم قالوا یایزید لا تَشَلُ۔ (وزاد محمد بن ابیطالب) لَسُتُ من خِندِف اِنُ لم انتقم ۔ مِن بنی احمدؐ ماکان فعَلُ ۔ (وفی المناقب) لَسُتُ مِن عتبة اِنُ لم انتقم ۔ مِن بنی احمدؐ ماکان فعل۔

پہلے دن جس روز اسیران اہل حرمؑ اور سرہائے شہدائے کربلا یزید کے سامنے پیش کئے گئے وہاں گزرنے والے تمام حالات اور خصوصاً جناب صدیقہ صغریٰ زینب بنت امیرالمومنین علیہما السلام کے وہ تمام کلمات اور بیانات اور متعلقہ احتجاجات پیش کئے جاتے ہیں جوانہوں نے یزید ملعون اور متعلقہ لوگوں پر عائد کئے اور اُن کو جھنجھوڑ کرر کھ دیا تھا۔لہٰذا جاننا چاہئے کہ تمام مقاتل کی کتابیں لکھنے والوں نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ جناب زینب علیہا السلام نے جب اپنے بھائی کا سرمبارک اِس توہین کے ساتھ رکھا ہوا دیکھا تو ایک جگرخراش آواز میں بین کرنا اور کہنا شروع کیا کہ ہائے حسینؑ بھیا۔ ہائے رسولؐ اللہ کے لاڈلے بیٹے ۔ ہائے مکہ اور منیٰ کے وارث ۔ ہائے فاطمہؑ زہراء تمام عالمین کی عورتوں کی سردار کے فرزند۔ ہائے بنت رسولؐ کے دلبند ۔ کہتے ہیں کہ یزید کے تمام درباری اور حاضرین مجلس زاروقطار رورہے تھے ۔اور یزید ملعون خاموش بیٹھا ہوا لوگوں کا حال دیکھ رہا تھا۔لیکن حضرت زینبؑ کی آواز یزید کے محل میں گئی تو وہاں جتنی بنی ہاشمؑ سے تعلق رکھنے والی عورتیں تھیں بےقرار ہوکر نالہ وزاری کرنے لگیں اور پکارتی تھیں کہ ہائے سارے جہاں کے پیارے۔ ہائے رسوؐل کی اہلبیتؑ کے سردار، ہائے محمدؐ کے چشم و چراغ، ہائے یتیموں اور بیواؤں کے پالنے والے، ہائے وہ بزرگ جسے بدکارعورتوں کی اولاد نے قتل کردیا۔اُن کی فریادوبکا جس نے سُنی وہ بھی رودیا۔اس کے بعد یزید نے غصہ میں بید کی لکڑی منگائی اور دندان مبارک سے بےادبی کی۔ یہ دیکھ کر ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور کہا کہ اے یزید تو اِس چھڑی سے حسین علیہ السلام کے دندان مبارک سے گستاخی کررہا ہے۔ یقیناً میں نے خود دیکھا ہے کہ رسولؐ اللہ حسینؑ اور حسنؑ کے دانتوں کو چوسا کرتے تھے۔اور فرمایا کرتے تھے کہ تم دونوں جوانانِ بہشت کے سردار ہو، اللہ تمہارے قاتلوں کو تباہ کرکے ملعون قرار دے گا۔اور انہیں جہنم ایسی بری جگہ عذاب دیگا۔ کہتے ہیں کہ یہ سُن

کر یزید کوغصہ آیا اور حکم دیا کہ ابو برزہ کو دربار سے نکال دو چنانچہ اسے گھسیٹ کر نکال دیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ یزید نے ابن زبعری کے اشعار کو اپنے حسبِ حال بنا کر پڑھا اور کہا کہ:۔

کاش میرے بدر کے زمانہ والے بزرگ دیکھتے کہ آج قبیلہ خزرج کے لوگ تلواروں کی مار سے کیسے بے چین و بے قرار ہیں۔ تم دیکھتے تو خوشی کے مارے مبارکباد کے نعرے مارتے اور دعا دیتے کہ اے یزید تیرے ہاتھ کبھی بے قدرت نہ ہونے پائیں۔ میں بنی خندف اور عتبہ کی اولاد ہوں تو احمدؐ کی اولاد سے ضرور بالضرور تمہارا انتقام پورا پورا لے کر چھوڑوں گا۔

(نوٹ)۔ مومنین عموماً اور سادات عظام خصوصاً نوٹ کریں کہ یزید، اُس کے آباواجداد اور اُس کی قوم (فرقان 25/30) اس حقیقت کو جانتی تھی کہ محمدؐ و علیؑ اور اُنکے آباواجداد علیھم السلام اور بنی خزرج ہی حقیقی اولاد اسماعیل علیھم السلام ہیں اور یہ تمام سفیانی قحطانی نسل کے خود ساختہ قریش تھے۔

(د)۔ حضرت زینب علیہا السلام کا یزید لعین کو جواب

قال السید ابن طاؤس وغیرہ فقامت زینبؑ بنت امیرؑالمؤمنین فقالت الحمد لِلّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ علیٰ محمد رسولہ وآلہ اجمعین صدق اللّٰہ کذ لک ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُ وا السُّوۡآیٰ اَنۡ کَذَّبُوا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَکَانُوا بِھَا یَسۡتَھۡزِءُوۡن (30/10) اظننت یایزید ذلک لعظم خطرک عندہ فشمخت بانفک ونظرت فی عطفک جذلان مسرورًا حین رایتَ الدنیا لک مستوسعۃ والامور متسقۃ وحین صفالک ملکنا وسلطاننا . مھلًا مھلًا انسیت قول اللّٰہ تعالیٰ: وَلَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اَنَّمَا نُمۡلِیۡ لَھُمۡ خَیۡرٌا لّاَنۡفُسِھِمۡ اِنَّمَا نُمۡلِیۡ لَھُمۡ لِیَزۡدَادُوۡا اِثۡمًا وَلَھُمۡ عَذَابٌ مُّھِیۡن (عمران 3/178)

اَ مِنَ الۡعَدۡلِ یابن الطلقآء تحذ یرک حرآئرک وامائِک وسوقک بنات رسولؐ اللّٰہ سبایا قد ھتکت ستورھنّ وابدیت وجوھھن تحد وبھنّ الاعدآء مِن بلد الیٰ بلد و یستشر فھن اھل المناھل والمناقل ویتصفح وجوھھن القریب والبعید و الدُّنِی والشریف ولیس معھن مِن رجالھن ولیّ ولا مِن حماتھن حمیّ وکیف یرتجی مراقبۃ مَن لَفَظَ فُوہُ اکبادالاذکیاء وبنت لحمہ بدمآء الشھدٰٓاء وکیف ولا یستبطی فی بغضنا اھل البیتؑ مَن نظرالینا بالشنف والشنان والاحن والاضغانِ ثم تقول عیر متاتمّ ولا مستعظم واھلّوا واستھلّوا فرحًا۔ ثم قالوا یایزید لا تشل منتحبا علیٰ ثنایا ابی عبداللّٰہ سید شباب اھل الجنۃ تنکتھا بمحضرتک وکیف لا تقول و قد نکأت القرحۃ واستاصلت الشافۃ باراقتک دمآء ذریۃ محمدؐ ونجوم الارض مِن آل عبدؑالمطلب وتھتف باشیاخک زعمت انّک تنادیھم فلتردنّ وشیکًا موردھم ولتودّنّ انّک شللت وبکمت ولم تکن قلتَ ما قلتَ وفعلتَ مافعلتَ۔ اللّٰھم خذ بحقنا وانتقم من ظالمنا واحلل غضبک بِمَن سفک دمائنا وقتل حماتنا ۔فواللّٰہ ما فریتَ الا جلدک ولا جزرتَ اِلّا لحمک ولَتَردنّ علیٰ رسولؐ اللّٰہ بما تحملّت مِن سفک دماء ذریّتہ وانتھکت مِن حرمتہ فی عترتہ ولحمتہ حیث یجمع اللّٰہ شملھم ویلّم شعثھم ویاخذ بحقھم وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ یُرۡزَقُوۡن (عمران 3/169) حسبک باللّٰہ حاکمًا و بمحمدؐ خصیمًا وبجبرئیل ظھیرًا وسیعلم سول لک ومکنّک مِن رقاب المسلمین بئس للظالمین بدلا۔ وایّکم شَرّ مکَانًا وَاَضۡعَفُ جُنۡدًا۔ (مریم 19/75)

وَلَئِن جرّت عَلَیَّ الد وا ھی مخاطبتک انّی لا ستضغر قد رک واستعظم تقریعک و استکثر توبیخک لکن العیون

عبرًا والصد ورحرًا الّا فالعجب کل العجب لقتل حزب اللّٰہ النّجبآء بحزب الشیطان الطلقآء فھدہ الایدی تنطف مِن دمائنا والافواہ تتحلب مِن لحومنا وتلک الجثث الطواھر الزواکی تتنا ھی العواسل تعقرھا امھات الفراعل ولئِن اتخذ تنا مغنمًا لتجدناوشیکا مغرمًا حین لا تجد الّا ماقدّ مت ومَاربک بظلّام للعبید ۔ فَاِلَی اللّٰہ لمشتکی والیہ المعوّل فَکِدْ کَیْدک وواسع سعیک وناصب جھدک ۔ فواللّٰہ لا تمحو ذکرنا ولا تمیت حیّنا ولا تدرک امد ناولا ترخّص عنک عارھا ۔وھل رَأیک الّافند و ایامک الاعدد وجمعک الاید د ویوم ینادی المنادی الا لعنة اللّٰہ علی الظالمین فالحمد لِلّٰہ الذی ختم لاوّلنا بالسعادة والعفرة ولا خرنا بالشھادة والرحمة ونسئل اللّٰہ اَن یکمل لھم الثواب ویوجب لھم المزید ویحسن علینا الخلافة انہ رحیم ودودٌ حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل۔ قال یزید: یاصیحة تحمد من صوائح ماھون الموت علی النوایح ۔

(اکسیرالعبادات فی اسرارالشھادات۔صفحہ 518 تا519)

جناب السیدابن طاؤسؒ اوردیگرعلمانےلکھاہے کہ یزید کےاشعارسن کرحضرت زینبؑ کھڑی ہوگئیں اور یزیدکومخاطب کرکے فرمایا کہ تمام حمدوثناعالمین کے پروردگار کے لئے ہےاوردرود وسلام محمدؐرسول اللہ اوراُن کی تمام اولاد کیلئے ہے۔اللہ نے سچ فرمایا ہے کہ بدکردار اور نانہجارلوگوں کی عاقبت اسلئے تباہ کن ہے کہ انہوں نے آیاتِ خداوندی کوجھٹلایا اوراُن کا مذاق اڑاتے رہے (سورہ روم 30/10)۔اویزید! کیا تیرایہ گمان ہے کہ تونے جوہمیں فی الحال بے دست وپا کر کے رکھ دیا ہے یہ اللہ نے تجھے عزت دی ہےاورہمیں ذلیل کیاہے؟اورتیری یہ عارضی کامیابی خداکے یہاں تیراکوئی بلندمقام تجویز کرتی ہے؟ کیا تجھے تیرا یہ جاہ وحشم اور یہ مصنوعی اختیار وقدرت اس خبط میں مبتلا کئے ہوئے ہے کہ ہماری غصب کی ہوئی یہ حکومت ہمیشہ تیرے قبضہ میں رہے گی؟ توذراٹھہر جاتجھے بہت جلداللہ کاوہ فرمان یادآنے والاہے جواُس نے تیرے ہی ایسےلوگوں کے لئے جاری کیا تھا کہ۔'' کافرلوگ یہ خیال نہ کریں کہ انہیں جومہلت دی گئی ہے وہ ان کے لئے مفید ہوگی۔ یہ تواس لئے دی گئی ہے کہ وہ ذراکھل کرگناہ کرلیں تاکہ انہیں دردناک عذاب دیا جاسکےاورذلیل ورسواکیاجاسکے۔''(عمران 3/178)

اَے آزادکردہ غلاموں کے بیٹے! کیا تیرے مذہب میں اسی کوعدل وانصاف کہتے ہیں کہ تیری آزاد بیویاں اورکنیزیں توخانہ نشین اور پردہ میں رہیں اوررسولؐ اللہ کی بیٹیاں قیدی بنا کر بے پردہ سرننگے شہروں کے بازاروں میں رُسوا کی جائیں اورنزدیک ودوروالے جمع ہوں،شریف ورذیل سب قسم کےلوگ انہیں بے پردہ دیکھیں،اُن کا مذاق اڑائیں۔نہ اُن کے ساتھ اُن کے مردمحافظ ہوں نہ اُن کی سرپرستی کرنے والے ہمراہ ہوں۔مگرافسوس میں کیا کہہ رہی ہوں۔جن کے منہ سے شہدؑا کے کلیجے کھانے کی بُو آتی ہو،جن کا گوشت اورخون ہی شہدؑا کاخون پینے والوں کے نطفہ سے بنا ہو۔اُس سے رحم وکرم ووفا کی امید ہی غلط ہے۔جوآل رسوؐل کوبغض وعناداورکینہ بھری نظروں سے دیکھتا ہو،اُس سے کسی قسم کاظلم وستم بعیدنہیں ہے۔تونے حسینؑ کے دندان مبارک پرچھڑی رکھی ہوئی ہے۔تمام مسلمان جانتے ہیں کہ وہ جوانانِ جنت کےسردار ہیں۔توبڑی بےرحمی سے چھڑی مارتاہےاوربڑی ہی بےغیرتی سےامیدکرتاہے کہ ترےملعون بزرگ اس صورت سے خوش ہوتے اور تجھے مزید مظالم کرنے کی دعادیتے۔واقعی اگروہ زندہ ہوتے توتجھ سے بہت خوش ہوتے اس لئے کہ تونے آل رسولؐ اوراولادعبدالمطلبؑ کاقتل عام کیاہے اوریوں ہمارے دلوں پرگہرازخم لگایاہے۔تونے زہرؑاء کے چمن کوتاراج

کر دیا ہے۔جنہیں تو نے قتل کیا ہے وہ اس زمین کو روشن رکھنے والے ستارے تھے۔ اب تو اپنے کافر بزرگوں کو پکارتا ہے۔ کیا وہ تجھے جواب دے سکیں گے؟ ذرا ٹھہر تو بھی اُن ہی کے پاس پہنچنے والا ہے۔ وہاں جا کر تجھے حقیقت معلوم ہوگی۔ وہاں تو تمنا کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل ہو گئے ہوتے تو اہلبیتؑ کا خون نہ بہاتا اور تو گونگا ہو گیا ہوتا تا کہ یہ بکواس نہ بکتا۔ خدایا! تو اس شقی سے ہمارا انتقام لے اس پر عذاب مسلط کر۔اُس سے ہمارا حق چھین لے جس نے ہمارا خون بہایا ہے۔ ہمارے سر پرستوں اور حمایت کرنے والوں کو تہہ تیغ کیا ہے۔لیکن قسم بخدا تو نے خود اپنی ہی کھال اتارنے اور خود اپنی بوٹیاں کٹوانے کا انتظام کیا ہے۔ تو ضرور رسولؐ اللہ کے سامنے لوٹایا جائے گا اور تجھ سے ذریت رسولؐ کا خون بہانے اور اُن کی بے عزتی کرنے کا بدلہ لیا جائے گا۔ وہاں ہمارے بزرگ جمع ہوں گے اور تجھ سے اپنا حق غصب کرنے کا انتقام لیں گے۔ اور وہ لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ راہ خدا میں قتل ہونے والے مر گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے تمام سامانِ حیات اُن کو حاصل ہے (عمران 3/169)۔ لہٰذا وہاں اللہ حاکم ہوگا۔ محمدؐ مدعی ہوں گے اور جبرائیلؑ اُن کا مددگار ہوگا۔ اُن لوگوں سے بھی مواخذہ ہوگا جنہوں نے تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر سوار کیا اور انہیں بدترین بدلہ دیا جائے گا اور پتہ چلے گا کہ کون شریر ترین لوگ تھے اور کس کی فوجیں کمزور تھیں؟ (سورہ مریم 19/75)

گو مجھ پر ظلم وستم اور مصائب کے پہاڑ آ گرے ہیں۔ لیکن اس سے میں پست ہمت نہیں ہوں اور تجھے سرزنش اور ملامت کرنے کے لئے کافی ہوں۔ میں تجھے اس حال میں بھی حقیر و ذلیل و کمزور شخص سمجھتی ہوں جب کہ میری آنکھوں کے آنسو تھمتے نہیں اور جگر پاش پاش ہے۔ اس سے زیادہ تعجب اور کس بات پر کیا جائے کہ اللہ کا برگزیدہ گروہ آزاد کردہ شیطانی گروہ کے ہاتھوں قتل ہو جائے۔ یہی وہ ہاتھ ہیں جن سے ہمارے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ یہی وہ منہ ہیں جن سے ہمارے گوشت کی بو آ رہی ہے۔ ہمارے وارثوں کے پاکیزہ سر بریدہ جسم جنگل میں پڑے ہیں۔ جو بجوؤں کی دوڑ دھوپ اور مکروہ حرکات کو روکے ہوئے ہیں۔ اگر تو نے آج ہمیں مال غنیمت سمجھ لیا ہے تو یہ سمجھ بہت جلد تیرے تباہ کن خسارہ کا تجھے پتہ دے گی۔ اس لئے کہ اللہ اپنے بندوں کے لئے ظالم نہیں، عادل ہے۔ ہم اُسی سے شکوہ کرتے ہیں اور اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اپنی فریب کارانہ اسکیم کو خوب آگے بڑھا، اپنی کوشش حد کو پہنچا دے، اپنی محنت میں خوب اضافہ کر دیکھ۔ مگر اللہ کی قسم! یہ تیری قدرت سے باہر ہے کہ تو ہمارا ذکر خیر دنیا سے مٹا سکے یا تو ہماری ابدی حیات کو موت میں بدل سکے یا اپنے اور اپنے آبا و اجداد کے اور اپنی قوم کے دامن سے بے دینی اور ہمارے قتل عام کا داغ ہٹا سکے۔ اور نہ ہمارے غلبہ کو روک سکے گا۔ کیا تیرے خیال میں تیری حکومت ہمارے اس جھٹکے کو سہہ جائے گی؟ کیا تیری قوت اور قومی اجتماع اور سازش قائم رہ سکے گی؟ یہ سب اس طرح غائب ہو جائے گا جیسے چقماق سے نکلنے والا شعلہ غائب ہو جاتا ہے۔ اور وہ دن آ جائے گا جب ایک منادی یہ آواز لگائے گا کہ اللہ نے ظالموں کو محروم کر دیا ہے۔ چنانچہ ہم اسی یقین پر اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں کہ ہمارا اوّلین بزرگ کامیابی اور سعادت پر سرفراز ہو کر گیا اور دوسرا بزرگ شہادت و رحمت کا منبع بن گیا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اُن دونوں کو بہترین جزا عطا کرے اور اُن کو اُن کے مقاصد میں تکمیل عطا فرمائے اور ہماری خلافت کو حسین طریقہ پر برقرار رکھے۔ یقیناً اللہ ہم سے رحم و محبت و مودۃ رکھنے والا ہے۔ اور اللہ ہی ہمارے لئے بہترین وکالت و فطانت کے لئے ذمہ دار ہے۔ یزید نے سر اٹھایا اور کہا کہ:۔

''اَے پھٹکارنے اور ڈانٹنے والی خاتون تُو نے سرزنش کو قابل ستائش بنادیا۔
تیرا یہ نوحہ سُننے کے مقابلہ میں مجھے موت زیادہ آسان تھی۔'' (اکسیر العبادات۔صفحہ 518 تا 519)

(۵)۔ حضرت زینب علیھا السلام کا یہی خطبہ دوسری روایت اور دوسرے عالم کے یہاں

علامہ دربندی رضی اللہ عنہ اِسی احتجاج کو دوسری سند سے لکھتے ہیں۔ہم بھی اُسے بطور ریکارڈ مومنین کے لئے ذخیرہ کریں گے۔لیکن چونکہ دونوں خطبوں میں بہت معمولی سالفظی ومعنوی فرق ہے اِس لئے پورے خطبہ کا ترجمہ ازسرنو نہیں کریں گے۔بلکہ صرف مختلف اور نئے جملوں کا ترجمہ پیش کرتے جائیں گے۔لہٰذا علامہ کا بیان مسلسل سنئے۔پہلی روایت کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔(ہم نئے الفاظ کے نیچے لکیر ڈالیں گے)

وَلا یخفی عَلَیْکَ اَنَّ ھٰذہ المحاجة البالغة قدنقلھا الطبرسی فی الاحتجاج ویقرب ماذکرہ مِمَّا نقلنا عَن السید ابن طاؤس وغیرہ۔وانّما تفاوت فی جملة مِنَ الالفاظ واِنْ شِئْتَ اَنْ تاخذ بمجامع ماذکرہ الطبرسی ایضًا۔فاعلم اَنَّہُ قَالَ روی شیخ صدوق مِن مشا ئخ بنی ھاشم وغیرہ من الناس انہٗ لمااُدْخِل علیؑ بن الحسینؑ وحرمہ علٰی یزید وجئ براس الحسینؑ ووضع بین یدیہ فی طشت فجعل یضرب ثنایاہ بمحضرة کانت فی یدہ وھویقول : لَعِبَتْ بنی ھاشم بالمُلْکِ فلآ ۔ خَبُرٌجَآءَ ولا وحیٌ نَزَلْ۔الابیات الخ فقامت زینبؑ بنت امیرالمؤمنین واُمُّھَا فاطمةؑ بنت رسولؐ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وصلوات اللّٰہ علیھم اجمعین۔وقالت الحمد لِلّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ عَلٰی جدّی رسولؐ اللّٰہ سید المرسلین صدق اللّٰہ سبحانہ کذلک یقول کَانَ عَاقِبَةَ الَّذِیْنَ اَسَآءُ واالسُّوْٓآی اَن کَذَّبُوابِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَکَانُوابِھَا یَسْتَھْزِءُ وْن (روم 30/10) اَظننت یایزید حِیْنَ اَخَذْتَ عَلَیْنَا اقطار الارض وضَیَّقْتَ علینا آفاق السمآء، واصبحنا لک فی اسار، لساق اِلَیْک سوق فی قنطار، وانت علینا ذ واقتد ار۔ ان بنامِنَ اللّٰہ ھوانًا وعلیک منہ کرامة وامتنانًا وَاَنَّ ذلک لِعَظَمِ خطرک وجلالة قد رتک فشمخت بانفک ونظرت فی عطفک تضرب اصدریک فرحًا وتنفض مذ رویک مرحًا حین رایت الد نیا لک مستوثقة والا مورلک متسقة وحین صفی لک ملکنا وخلص سلطاننا فمھلًا مھلًا لاتطش جھلًا اَنَسِیْتَ قول اللّٰہ تعالٰی وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ خَیْرٌ لِّاَ نْفُسِھِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَھُمْ لِیَزْدَادُوْا اِثْمًا وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْن (عمران 3/178) اَمِنَ العدل یابن الطلقاء تحذیرک حرائرک وامآئک وسوقک بنات رسولؐ اللّٰہ سبایا قد ھتکت ستورھنّ وابد یتَ وجوھھن تحد و بھِنّ الاعداء مِن بلد الٰی بلد یستشرفھن اھل المناقل ویبرزن لاھل المناھل ویتصفّح وجوھھن القریب والبعید و الشھید والشریف والوضیع والدنی والرفیع لیس معھن مِن رجالھن ولیّ ولا من حماتھن حمیٌّ عُتُوامنک عَلَی اللّٰہ وحجودالرسولؐ ودفعًا لماجاء بہ مِن عنداللّٰہ ولا عزومنک ولا عجب مِن فعلک وانّی یرتجی مَن لَفَظَ فُوْہُ اکبادہ الشھدآء و بنت لحمہ بدماء السعد اء ونصب الحرب لسیدؐ الانبیآء وجمع الاحزاب وھزّاالسیوف فی وجہ رسولؐ اللّٰہ اشد العرب لِلّٰہ حجودًا وانکرھم لہ رسوؐلًا وَاظھرھم لہ عُد وانًا واعتاھم عَلَی الرب کُفرا وطغیانًا اَلّا نتیجة خلال الکفر وضب یجرجرفی الصّد ر لقتلٰی یوم بد رفلا یستبطا فی بغضنا اھل البیتؑ من کان نظرہ الینا شنفًا واشنانًا واحنًا واضغانًا یظھر کفرہ برسولہ ویفصح ذلک بلسانہ ومرحًا بقتل ولدہ وسبّی ذریتہ غیرمتحوب ولا مستعظم لاھلّوواستھلّو فرحًا ثم قالوا یایزید لا تشل منتحبا علی ثنایا ابی عبداللّٰہ وکان مقبل رسولؐ اللّٰہ ینکتھا بمحضرتہ قدالتمع

السرور بوجهه لعمری قدنکات القرحة واستاصلت الشافة باراقتک دم سید شباب اهل الجنة وابن یعسوب العرب وشمس آل عبدالمطلبؑ وهتفت باشیاخک وتقرّبت بدمه الی الکفرة مِن اسلافک ثم صرخت بنداء ک والعمری لقدنادیتهم لو شهد وک ووشیگا تشهد هم ولَن یشهد وک ولتودّیمینک کمازعمت شلت بک عن مرفقها وجذّت واَحُبَبُتَ امّک لم تحملک واباک لم یلدک حین تصیرالی سخط اللّٰہ ومخاصمک رسولؐ اللّٰہ ۔اَللّٰهم خذ بحقّنا وانتقم مِمَّن ظلمنا واحلل غضبک علٰی من سفک دمائنا ونقص ذ مارنا وقتل حماتنا و هتک عنا سد ولنا وفعلت فعلتک الّتی فعلت وما فریت الا جلد تک وما جزرت الّا لحمک وسترد علٰی رسولؐ اللّٰہ بماتحملت مِن ذریته وانتهکت مِن حرمته وسفکت مِن دماء عترته ولحمته حیث یجمع به شملهم ویلمّ بهم شعثهم وینتقم مِن ظالمهم ویاخذ بحقهم مِن اعدائهم فلایستفزنک الفرح بقتله وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْن (عمران3/169) فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه (عمران۔3/170) وحسبک باللّٰہ وَلِیًّاوحاکمًا وبرسولؐ اللّٰہ خصیمًا وبجرّائیل ظهیرا وسیعلم مَنْ بوّاک ومکنّک رقاب المسلمین انّ بئس للظالمین بدلًا وایّکم شَرّ مَّكَانًا (مریم19/75) وماستصغاری قدرک ولا استعظامی تقریعک توهّمًا لانتفاع الخطاب بعداَن ترکت عیون المسلمین به عبری و صد ورهم عندذکر ذلک حرّافتلک قلوب القاسیة ونفوس الطاغیة واجسام محشوة بسخط اللّٰہ ولعنة الرسولؐ قد عشعش فیه الشیطان وفرخ ومن هنا لک مثلک مادرج ونهض و العجب کل العجب لقتل الاتقیا واسباط الابنیآء وسلیل الاوصیا بایدی الطلقاء الخبیثه ونسل العهرة الفجرة تَنْطف اکفّهم مِنْ دِمَائِنا وتتحلّب افواههم مِن لحومنا وللجثث الزاکیة عَلَى الجیوب الضاحیّه تتناهی بها العواسل وتعقرها الفراعل فلئِن اتخذ تنا مغنما لتجد بنا وشیگا مغرمًا حین لاتجد الا ما قدمت یداک ومااللّٰہ بظلّام للعبید فالٰی اللّٰهِ المشتکی والمعوّل والیه الملجاء ثُمَّ کدکیدک واجهدجهدک فوالذی شرفنا بالوحی والکتاب والنبوة و الانتجاب لاتدرک امد نا ولا تبلغ غایتنا ولا تمحوذکرنا ویرخص عنک عارنا وهل رأیک الافند و ایامک الا عددوجمعک الا بددیوم ینادالمنادی اَلا لعنة اللّٰہ الظالم العادی والحمد لِلّٰہ الذی حکم لاولیائه بالسعادة وختم لاصفیائه ببلوغ الارادة ونقلهم الی الرحمة والرافة والرضوان والمغفرة ولم یشقّ بهم غیرک ولا ابتلی بهم سواک ونسئله اَن یکمل لهم الاجر ویجزل لهم الثواب والزخر ونسئله حُسن الخلافة وجمیل الا نابة انّه رحیمٌ ود ودٌ۔ فقال یزید مجیبًا لها۔ یاصیحة تحمد من الصوائح ۔ماهون الموت عَلَى النوایح ۔ثم امرهم بردّهم۔(اکسیرالعبادات صفحہ 520-519)

آپ پر یہ بات مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ یہ اثر انگیز اور انقلاب خیز احتجاج علامہ طبرسی نے بھی اپنی کتاب احتجاج میں نقل کیا ہے اور وہ قریب قریب وہی ہے جو ہم نے علامہ سید ابن طاؤس کی کتاب سے اوپر لکھا۔ دونوں میں صرف لفظی فرق ہے۔ اگر آپ ذخیرہ اور تکمیل چاہتے ہوں تو ہم اُسے بھی لکھتے ہیں۔ لہٰذا جاننا چاہیئے کہ علامہ طبرسی کہتے ہیں کہ جناب صدوق رضی اللہ عنہ نے بزرگان بنی ہاشمؑ اور دوسرے لوگوں سے روایت کیا ہے کہ: جب امامؑ زین العابدین کو اور حرم رسولؐ کو یزید کے دربار میں داخل کیا گیا اور جناب امام حسینؑ کا سرمبارک اُس کے سامنے طشت میں لاکر رکھا گیا۔ تو اُس نے ایک اشارہ کرنے والی لکڑی سے (Pointer) امامؑ کے دانتوں پر مارنا شروع کیا اور وہ مذکورہ اشعار بھی پڑھتا جاتا تھا جو پہلے خطبہ میں لکھے جاچکے مگر یہ نیا شعر بھی پڑھا کہ "بنی ہاشم نے جھوٹ موٹ حکومت اور اقتدار حاصل کرنے کا ڈھونگ رچایا تھا نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی نہ کہیں کوئی ایسی پیشین گوئی موجود تھی جس سے اُن کی حکومت

اوراقتدار کی سند ملتی۔'' یہ اشعارسُن کر حضرت زینب علیھا السلام نے وہ خطبہ دیا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔مگر روایت میں حضرت زینبؑ کے تعارف پر زور دینے اور زیادہ واضح تعارف کرانے کے لئے انہیں یہاں فاطمہؑ کی بیٹی بھی لکھا ہے۔اور درود پڑھتے ہوئے صدیقہؑ نے فرمایا اللہ میرے نانا رسولؐ پر درود فرما، تاکہ درباری اُن کی پوزیشن سمجھ لیں اور اپنے بیان اور اشعار میں واضح کیا ہے کہ:''تو نے ہم پر افواج کی بارش کردی اور ساری زمین کو ہمارے محاصرہ کے لئے بھر دیا اور زمین وآسمان ہم پر تنگ کر کے چندسو قدم زمین میں محصور کرلیا۔ اور آخر کار قتل عام کر کے اگلی صبح ہمیں قیدی بنالیا اور شہر در شہر ہمارا تماشہ دکھانے کے لئے جانوروں کی طرح رسّوں میں بندھوا کر یہاں تک ہانک کر بلوایا ہے اور آج تو اپنے اقتدار کی نمائش کررہا ہے۔اور یہ تاثر دے کر مسلمانوں کو فریب دینا چاہتا ہے کہ اس ظلم وستم میں اللہ تیرا مددگار رہا اور تجھے گویا اللہ ہی نے یہ قدرت دے کر تیرے ہاتھوں ہمیں ذلیل کرایا ہے؟ اس لئے تیرا سینہ پر ہاتھ مار مار کر باتیں کرنا اور اترانا گویا حق بجانب ہے۔ پھر اُس ملعون کو قرآن سے اُس کی صحیح پوزیشن بتا کر ظالم ولعنتی اور جہنمی ثابت کر کے اُس کی زبان بندی کی ہے۔ اس کے حسب ونسب پر تنقید کی ہے۔اُسے اپنے نانا کے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد فرمایا اور وہ بر سر دربار چپ رہا۔اور بتایا کہ اُس کی ہزار درجہ حقیر بیویاں اور بیٹیاں پردہ میں ہیں اور رسولؐ کی بیٹیاں سر برہنہ کھلے منہ رُسوا کی جارہی ہیں۔اور انہیں نمائش کے لئے تمام انسانوں کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔ یہاں اس پر زور دیا ہے کہ یزید کی یہ تمام جرأت وجسارت حسین علیہ السلام کے مقابلہ پر ہی نہیں بلکہ یہ اللہ ورسولؐ کے سامنے سرکشی اور کفر وانکار اور دین کے ہر پہلو کی مخالفت ہے۔اور یہ افواج رسولؐ پر چڑھائی کیلئے بھیجی گئی تھیں۔ یہ جنگ یزید نے رسولؐ اللہ سے کی تھی۔اور یہ کہ یزید نے عرب کے تمام بدمعاشوں، ظالموں، بدکرداروں، باغیوں، سرکشوں، منکروں اور کافروں کو مات کردیا ہے۔ وہ پبلک تک یہ فیصلہ پہنچارہی تھیں کہ یزید دین سے عمداً خارج ہو گیا ہے۔ اُس نے کھل کر زبانی اوراعلانیہ رسولؐ اللہ کا انکار کیا ہے انہیں قتل کیا ہے۔اُن کے بچوں کو لُوٹا ہے، اُن کو، اُن کی ماؤں بہنوں اور رسولؐ زادیوں کو قید کیا ہے، اُن کو ذلیل ورُسوا کیا ہے۔اور اب حسینؑ کے سر کی توہین کر کے انسانیت سے بھی خارج ہورہا ہے۔اور یہ بھی ثابت کیا کہ وہی نہیں بلکہ اُس کے آباو اجداد اور تمام متعلقین بھی اسلام سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ وہ سب کافر تھے، منافق اور فریب ساز تھے۔اور اُن ہی ملاعین کو خوش کرنے اور اُن کا ارادہ اور منصوبہ مکمل کرنے کے لئے یزید نے رسولؐ اللہ کے دین اور اُن کی آلؑ واولاد کا قتل عام کیا اور سرِ حسین علیہ السلام کے ساتھ یہ بے رحمانہ سلوک کررہا ہے۔اُسے بتایا کہ عنقریب تو پچھتائے گا اور تمنا کرے گا کہ تیری ماں اور تیرے باپ نے تجھے پیدا کرنے کی غلطی نہ کی ہوتی۔ بہرحال اللہ ورسولؐ تجھ سے زبردست مواخذہ کرنے والے ہیں۔اور تیرے ساتھ ہی وہ لوگ بھی ماخوذ ہونے والے ہیں جنھوں نے بڑی دُوررس ترکیبوں سے یہ حکومت تجھ تک پہنچائی ہے۔اور واقعاتی دلائل سے وہ تمام مغالطات باطل کردیئے جو یزید اور اُس کے بزرگ پبلک کو دیتے اور خاندان رسولؐ کے خلاف آمادہ کرتے آئے تھے۔اور دربار میں موجود تمام سردارانِ دمشق واہلکارانِ مملکت کے سامنے یزید کو اور اُس تک حکومت پہنچانے والوں کو اللہ ورسولؐ اور اسلام اور پوری نوع انسان کا بے رحم بے حیا دشمن ثابت کر کے یزید کا کھلا ہوا منہ بند کردیا اور یہ تقریر دمشق اور خانۂ یزید میں بغاوت کا سبب بن گئی۔

یہاں ثانی زہراء علیھا السلام کا وہ خطبہ اور انتباہ ختم ہوا جس نے اُدھر قلوب واذہان میں کبھی ختم نہ ہونے والا دردوغم کا تلاطم

برپا کردیا اور اِدھر ہر جابر وظالم فرد وحکومت کے خلاف تباہ کن طوفانِ بغاوت جاری کردیا۔ اور تمام علما و مومنین کو بتایا کہ ہر وہ روایت غلط ہے، ہر وہ بیان باطل ہے، ہر وہ انداز تقریر وتحریر مردود ہے جس سے اسیرانؑ اہل حرم کو کسی ظالم وملعون کے سامنے فریاد کرتے یا عاجزی ومنت سماجت اور درخواست کرتے دکھایا جائے۔ ہر وہ جملہ غلط ہے اور ہر وہ لفظ قابل مذمت ہے جس سے اہل حرم علیھم السلام کی ہتک وتوہین ہوتی ہو۔ جو بھرے دربار میں یزید کو حرامزادہ کہے۔ کافروں، منافقوں اور آوارہ عورتوں کی اولاد قرار دے۔ جو یہ کہہ دے کہ میرے سامنے تیرا سائز بہت حقیر ہے۔ تو اس قابل بھی نہیں کہ شرفا تجھ سے ہم کلام ہوں۔ بتایئے وہ کیسے عمر سعد وشمر وابن زیاد کے روبرو عاجزی کرینگے؟ وہ کیسے اپنی بے بسی وبے کسی کا رونا روکر اُن سے رعایت کرنے کی التجا کرینگے؟ مومنین یاد رکھیں کہ یہ جذبہ، ایسے الفاظ، اور ایسے جملے تمام کے تمام دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ نے رونے رلانے اور مصائب کو بڑھانے کی آڑ لیکر خود ایجاد اور داخل کئے ہیں۔ اہل حرمؑ نے کبھی اُن ملاعین سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔ اُنہوں نے کوئی ایسی پیش کش یا رعایت قبول نہیں کی جس پر کمزوری اور لاچاری اور مجبوری کا الزام عائد ہو سکے۔ رحم کھانے والوں کے رحم کو ٹھکرایا، اُن کو ڈانٹا اور اس پورے سانحہ میں؛ کربلا سے رہائی تک، ڈیڑھ سال کے اندر کسی کا احسان نہیں لیا ہمیشہ سربلند رکھا۔ سربرآوردہ اور سرکشوں کے سر جھکائے۔ اور نوع انسان کی سربلندی کے لئے ہمیشہ کیلئے مستحکم انتظام کردیا۔ آج ساری دنیا میں محنت کش عوام اُن ہی اصولوں پر حکومتوں سے نبرد آزما ہیں۔ حکومتیں گھٹنے ٹیک رہی ہیں۔

(و)۔ دربار یزید میں پہلی پیشی پر چند فطری اور ضروری باتیں نوٹ کریں

آپ نے بھی بار بار دیکھا اور تاریخ کے متفقہ بیانات بھی اس پر شاہد ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی پوزیشن کو مشکوک کرنے اور مسلمان پبلک کی نفرت اور عتاب سے بچنے کے لئے یزید اور اہلکارانِ یزید امامؑ کا ہر حال میں نام نہ لیتے تھے۔ بلکہ یہ شہرت دے رہے تھے کہ ایک خارجی نے مسلح بغاوت کی، جنگ کے لئے میدان میں آیا، اُسے شکست دی گئی۔ قتل کیا گیا اور اُس کے بچوں اور عورتوں کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو خارجی مذہب کے لوگ مسلمانوں کے ساتھ کرتے چلے آرہے تھے۔ اِن اعلانات وبیانات نے پورے ملک کو یکسُو اور چین سے رکھا اور پبلک نے ہر اُس سلوک کو جائز سمجھا جو یزید اور اُس کی حکومت اُس باغی خارجی سے کرے۔ چنانچہ پورے ملک کی چھاؤنیوں سے افواج خوشی خوشی آکر جمع ہوئیں۔ یزید اور اس کے اہل کاروں، افسروں اور سرداروں سے تعاون منتہائے کمال تک جا پہنچا۔ امام حسین علیہ السلام کا اوّلین اور آخری منصوبہ یہ تھا کہ وہ مملکت کے ہر فرد کو اس فریب اور مغالطہ سے باہر نکال کر اپنا صحیح تعارف کرائیں۔ چنانچہ آپ کے ہر اقدام میں یہ تعارف پہلا مقصد رہتا چلا گیا۔ یہی مقصد تھا جسے اپنے بعد قیامت تک جاری رکھنے کے لئے مستورات اور بچوں کو ہمراہ لائے تھے اور جنہوں نے اس مقصد کو عملاً پروان چڑھایا۔ اور ابھی ابھی دربار یزید میں اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے صدیقۂ صغریٰ نے خطبہ دیا۔ اسیران اہل حرمؑ کے دربار یزید تک پہنچتے پہنچتے کربلا، کوفہ اور گرد ونواح اور راہ شام میں بہت سے لوگوں کو حقیقت حال پر اطلاع ہو چکی تھی۔ اور لوگوں میں بے چینی کے ساتھ ساتھ حکومت کے خلاف سرکشی نفرت اور بغاوت پرورش پا رہی تھی۔ مگر دمشق اور اہل شام ابھی سو فیصد فریب اور پروپیگنڈے کے اندھیرے میں تھے۔ لہٰذا عقل کا تقاضہ ہے کہ حکومت اپنی دیرینہ پالیسی کے ماتحت کوئی ایسا موقعہ فراہم نہ کرے کہ جس سے وہ گھناؤنا راز کھل جائے جسے باغی خارجی کی آڑ میں چھپایا جاتا رہا تھا۔

اوراچانک مسلمان پبلک آل رسولؐ کاقتل عام اوررسولؐ زادیوں کی رسوائی کا حال معلوم کر کے بھڑک اُٹھے۔اس لئے ضروری تھا کہ پہلے روز سر ہائے شہدا اوراسیران اہل حرمؑ کو دربار عام اور ہر قسم کے لوگوں کے سامنے نہ بلایا جائے۔محض مخصوصین اور خاندانی افراد واہلکاران حکومت کی موجودگی میں یہ پیشی ہواور خاندان رسولؐ کے باقیماندہ افراد کا ردعمل اورارادے دیکھے جائیں۔کربلا کا حال سُنا جائے اورآئندہ کے اقدامات کاپروگرام بنایا جائے۔چنانچہ اگر پہلے روز دربار عام ہوتااور حضرت زینب علیہا السلام کا وہ خطبہ عوام الناس نے بھی سن لیا ہوتا تو اگلے ہی روز دمشق میں کھلی بغاوت اور وہ حالات سامنے آجاتے جوایک سال میں ظہور پذیر ہوئے۔لہٰذا یہی نہیں ماننا ہوگا کہ پہلی پیشی پرمخصوص درباری موجود تھے، بلکہ یہ بھی کہ دربار عام کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔ بلکہ ضروری لوگوں اور متعلقہ افسران اور سفیر اور بلائے ہوئے امراور ؤسائے قوم مختلف ایام میں حاضر رہتے تھے۔جن میں ہمیشہ کثرت ان لوگوں کی ہوتی تھی جواصل حقیقت پر مطلع نہ تھے۔ اورانہیں اسیرانِ اہل حرمؑ کے بیانات سے اطلاع ہوتی تھی۔پھروہ باہر کی دنیا میں اپنے متعلقین کو بتاتے تھے۔جس کا ثبوت لوگوں کوآسانی سے نہ ملتا تھا۔اس لئے کہ اسیران حرمؑ جس بُرج میں قید تھے وہ یزید کے اپنے محل اورقلعہ کے اندر تھااور وہاں تک کسی کی رسائی نہ ہوتی تھی۔ اس طرح گاہے ماہے پیشیاں ہوتی رہیں اور ہر دفعہ کچھ نئے افراد کوحقیقت حال معلوم ہوتی چلی گئی۔ان تمام عقلی وفطری تقاضوں اورحکومت کی پالیسیوں کا لحاظ رکھے بغیر علمانے دھڑادھڑ روایات کھینچ ماریں۔اِسی پہلے روز کی پیشی میں علامہ دربندی نے بھی کئی ایک کتابوں سے وہ روایت بھی لکھی ہے جس میں کوئی سرخ رنگ کا شامی کسی رسولؐ زادی کوکنیزی میں طلب کرتا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخصوص دربار تھا۔لہٰذا ہم اُسے دربار عام نہیں مانتے۔اور جب وہ دربار عام نہ تھا تو کسی گمنام ومجہول شامی کا دربار میں موجود ہونا غلط ہوگا۔اوراگر وہ شامی کوئی امیر کبیر سربرآوردہ فرد تھا، جسے یہ امید تھی کہ یزید اُس کی درخواست پوری کرے گا تو اُس کا نام ونشان ہونا بھی لازم تھا۔پھراُن ہی مختلف روایات میں یہ بھی ہے کہ اسے یزید نے قتل کرادیا تھا۔اور یہ بھی ہے کہ جناب ام کلثومؑ کی بددعا سے اُس پر وہیں دربار میں عذاب نازل ہوا تھا۔یہ دونوں باتیں بھی تقاضہ کرتی ہیں کہ اُس کا نام وپتہ مشہور ومعلوم ہونا چاہئے مگر وہ سب روایات اُسے گمنام اورمجہول آدمی ثابت کرتی ہیں۔لہٰذا مخصوصین کے دربار میں گمنام شخص کا وجود ممکن نہیں ہے۔پھر حضرت زینبؑ کے خطبہ کے بعد جب اہلبیتؑ کی پوزیشن واضح ہوگئی تو کسی شہزادی کی بات تو بڑی بات ہے، اب تو اہل حرمؑ کی کنیزوں میں سے بھی کسی کوطلب نہ کیا جاسکتا تھا۔ ایک قیاس یہ بھی کیا گیا ہے کہ خطبہ سے پہلے اُس نے طلب کیا تھا۔بہرحال یہ ثابت ہے کہ اُسے حقیقت حال معلوم نہ تھی اورایک روایت میں موجود ہے کہ:۔فی روایته السید فی الملهوف فقال الشامی من هذه الجارية فقال یزیدهذه فاطمةؑ بنت الحسینؑ و تلک زینبؑ بنت علیؑ ۔قال الشامی لعنک اللّٰه یایزید تقتل عترت نبیّکؐ وتسبّی ذریّته واللّٰه ماتوهّمت الّا اِنّهم سبایا الروم ۔ فقال یزید واللّٰه لالحقناک بهم ثم امربه فضرب عنقه۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 520)

سیدابن طاؤس کی کتاب الملهوف میں روایت ہے کہ اس شامی نے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے۔یزید نے بتایا یہ فاطمہ حسینؑ کی بیٹی ہے۔اوروہ زینبؑ علیؑ کی بیٹی ہے۔شامی نے کہا کہ خدا تجھ پرلعنت کرے اے یزید تو نے اپنے نبیؐ کی اولاد کوقتل کردیا اور نبیؐ کی ذریت کوقیدی بنارکھا ہے۔میں نے تو یہ سمجھا کہ یہ رُوم کے قیدی ہیں۔یزید نے کہا کہ میں تمہیں بھی اُن کے پاس پہنچا کراُن میں شامل

کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس کے قتل کا حکم دیا اور اُس کی گردن کاٹ دی گئی۔

اس روایت میں حضرت فاطمہؑ بنت حسینؑ کو مانگنا دکھایا ہے۔ اس سے پہلے ایک روایت میں جناب ام کلثوم علیہا السلام کا نام لیا گیا ہے۔ ایک میں حضرت زینب علیہا السلام کا ڈانٹنا بیان ہوا ہے۔ دوسری میں خود ام کلثومؑ کا شامی کو دھمکانا اور بددعا دینا لکھا ہے۔ یعنی روایت میں نہ شامی کا نام ہے نہ یہ معلوم ہے کہ کسے کنیزی میں مانگا تھا۔ لہٰذا پہلے نمبر پر یہ روایات نا قابل اعتبار ہیں۔ لیکن اگر از راہ جہالت کسی شامی کا یہ قصہ مان لیا جائے تو یہ واقعہ ہرگز پہلے روز پیش نہیں آیا۔ کسی اور نشست میں شاید پیش آیا ہو۔ پہلے روز جناب زینب علیہا السلام کے خطبے سے پہلے پیش نہ آنے کے کئی دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب شامی نے نام معلوم کیا تو یزید نے نام بتادئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خود یزید کو کب اور کس نے یہ نام بتائے تھے؟ لہٰذا واقعہ اُس روز پیش آیا جب یزید تمام اہل حرمؑ سے متعارف ہو چکا تھا۔ یعنی پہلی پیشی کے بعد ہی ممکن ہے۔ اور آخر میں علامہ نے لکھا ہے کہ:۔

ثُمَّ لایخفی علیک انه قد ینسب فی السنته جمع الٰی بعض الکتب اِنَّ قضیة ذلک الرجل الشامی اِنّما وقعت فی شان فاطمةؑ بنت امیرؑالمومنین لا فاطمةؑ بنت الحسین علیه السلام۔ (اکسیر صفحہ 521)

''تم سے یہ بھی مخفی نہ رہے کہ ایک جماعت نے بعض کتابوں میں اس شامی کے قصہ کو جناب فاطمہؑ بنت علی علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے۔ فاطمہؑ بنت حسین علیہ السلام سے منسوب نہیں کیا ہے۔''

یعنی کربلا میں جناب امام حسینؑ کی کم از کم تین بہنیں موجود تھیں۔ حضرت زینب، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ علیھن السلام۔ ان روایات میں زیادہ تر اُن لوگوں نے دل چسپی لی ہے جو عروسی جناب قاسمؑ کے منکر ہیں۔

(ز)۔ پہلی پیشی کے بعد قید خانہ میں بند کیا جانا؛ شاہی باغیوں کا ٹھکانا

جہاں حضرت زینب علیہا السلام کا احتجاجی خطبہ ختم ہوا ہے اور اُس پر یزید نے ایک شعر سے اپنی حالت کی ترجمانی کی ہے وہیں یہ بھی کہا تھا کہ: اس نے حکم دیا کہ ''اِن کو دربار سے واپس لے جاؤ (ثُمَّ اَمَرَهُم بِرَدِّهِم)۔''

چنانچہ اس حکم کو سمجھنے والوں نے اسیران اہل حرمؑ کو اُس بُرج نما مکان میں لا کر بند کر دیا جہاں اُن لوگوں کو رکھا جاتا تھا جن کی سزا قتل ہوتی تھی۔ اور جہاں وہ سرکش باغی قید رکھے جاتے تھے جو حکومت بنی امیہ کے خلاف مسلح بغاوت اور مزاحمت کرتے تھے۔ یہ مکان اسی مقصد کیلئے بنایا گیا تھا۔ یہاں کسی خاص پہرہ اور نگرانی کی ضرورت نہ تھی۔ اسلئے کہ وہاں سے نکل بھاگنا ناممکن تھا۔ یہاں رکھے جانے والے مجرموں کو کھانا اور پانی وغیرہ دینے کا نہ انتظام تھا نہ اسکی ضرورت تھی۔ اسلئے کہ اُنہیں آخر قتل کیا جانا ہے۔ اور چونکہ لمبی مدت کا قیام ہی مقصود نہ تھا اسلئے یہاں بارش اور دھوپ اور سردی سے محفوظ رکھنے کا انتظام بھی مدنظر نہ رکھا گیا تھا۔ اس قید کا اوّلین مقصد ہی یہ تھا کہ جو شخص چند روز یہاں رہ جائے وہ آئندہ بغاوت و عداوت کو ہمیشہ کیلئے الوداع کہہ کر توبہ کرے معافیاں مانگے۔ اور اگر گنجائش ہو تو معافی کے بعد رہا ہو کر جائے اور عمر بھر مخالفت کا خواب تک بھی نہ دیکھے۔ یہ قید خانہ تھا جس میں خانوادۂ رسولؐ کو رکھا گیا تھا۔ اس جگہ اسیران اہل حرمؑ کتنے زمانہ تک رہے؟ یہ سوال بڑی فراخدلی سے طے کر دیا گیا ہے۔ بعض علمانے کہا کہ قید خانہ میں رکھا ہی نہیں گیا۔ بعض نے کہا

چار روز رکھا گیا تھا۔بعض نے صرف دو دن کا قیام تسلیم کیا۔بعض نے پندرہ روز کم از کم اور بیس روز زیادہ سے زیادہ تسلیم کیا۔بعض نے فرمایا کہ ماہ صفر میں رہا کر دیئے گئے اور صرف چالیس روز قید خانہ میں رہے۔لیکن میں اہلبیت علیھم السلام کے گھریلو ریکارڈ اور فطرت کے فراہم کردہ ثبوت کی بنا پر قید خانے کے قیام کو ایک سال مانتا ہوں۔یعنی 62ھ کے ماہ صفر میں اہل حرمؑ کو سو فیصد رہا کیا گیا تھا۔سو فیصد اسلئے کہ آخری تین چار ماہ ایک اور مکان میں نظر بند رکھا گیا۔جہاں سے امامؑ زین العابدین کو باہر نکلنے اور بازار تک جانے کی اجازت تھی اور کھانے پینے کی چیزیں خود بھی لا سکتے تھے اور لوگ بھی ملاقات کیلئے نگرانی میں آسکتے تھے۔اُس سے قبل تین ماہ آپؑ کو معہ اہل حرمؑ ایک عام جیل میں رکھا گیا تھا۔جہاں سایہ اور پردہ کا انتظام تھا۔مگر عام قیدیوں ایسا سلوک کیا جاتا رہا۔یعنی پہلے قید خانہ کی مدتِ قیام چھ ماہ ہے۔یہی وہ مدت ہے جس میں تمام اہل حرمؑ کا رنگ بدل گیا تھا۔صورتیں تبدیل ہوگئی تھیں۔یہاں تک کہ خود اپنے عزیز واقربا اور صحابہ نہ پہچانتے تھے۔اور بتانا پڑتا تھا کہ میں کون ہوں اور لوگ یقین نہ کرتے تھے؟ اور یہی وہ قید خانہ اور قید کی مدت تھی جسے مشکوک کرنے اور چھپانے کی حکومت نے ہمہ گیر کوشش کی اور جو تقریباً کامیاب ہوئی۔اور اس کامیابی میں خود ہمارے اپنے ہاتھ بھی شامل ہوگئے۔یہی وہ معاملہ ہے جس پر ڈھونڈنے سے بھی صحیح مدت کی روایات آج دنیا سے ناپید کر دی گئی ہیں۔

(ح)۔ قید نے اہل حرمؑ کی صورتیں اور رنگ بدل دیا تو زمانۂ قید کتنا ہونا چاہیئے؟

یہاں ہم اس قید خانہ کے متعلق روایات میں سے چند جملے لکھتے ہیں۔تاکہ اُس دار المحن اور بیت الموت کے متعلق کچھ تصور قائم ہو سکے اور مومنین کم از کم اتنا تو سمجھ سکیں کہ اُسکے مفصل حالات کا پوشیدہ رکھنا کیوں ضروری تھا اور اس سلسلے میں اہل قلم اور علما نے کیوں فراخدلی سے کام نہ لیا اور کیوں انتہائی مختصر نویسی ضروری سمجھی گئی اور بحار الانوار ایسی بحر ذخار کتاب نے بھی اس قید خانہ کو مستقل عنوان نہ بنایا؟

(1)۔ فی بصائر الدرجات عن محمد الحلبی۔۔۔۔ جعلوھم فی بیت فقال بعضھم انّما جعلنا فی ھذا البیت لیقع علینا فیقتلنا تراطن الحرس فقالوا انظروا الیٰ ھؤُ لاء یخافون ان یقع علیھم البیت وانما یخرجون غدًا فیقتلون قال علیؑ بن الحسینؑ لم یکن فینا اَحَد یحسن الرطانة غیری ورطانة عند اھل المدینة الرومیّة۔

(2)۔ مارواہ الصدوق فی الامالی عن جیلویہ ... عن الحرث بن کعب عن فاطمةؑ بنت علیؑ قالت ثم انّ یزیدًا امر بنساء الحسینؑ فَجَلَسَ مع علیؑ بن الحسینؑ فی محبس لا یکنھم من حرّولا قرّحتّٰی تقشرت وجوھھم۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 525)

(3)۔ وفی الملھوف... ثُمَّ اَمَرَبھم الیٰ منزل لایکنّھم مِن حرّولا برد فاقاموا بہ حَتّٰی تقشّرت وجوھھم وکانوا مدة اقامتھم فی البلد المشار الیہ.........(انوار النعمانیہ) قال (علیؑ بن الحسینؑ) الحبس الذی نحن فیہ لیس لہ سقف والشمس تصھر نابہ ولا تری الھواء.......(اکسیر العبادات۔صفحہ 526)

(4)۔ واما الروایة ثالثة ورابعة فکان مفادھما اَنّ مدّة مکثھم فیہ کانت مدة طویلة لانّ تقشر الوجوہ بالحرّ والبرد۔ لا بتحقق بمکثھم فی السجن فی مدة یومین مع انّ سیاق الروایتین یعطی کثرة المدّة و امتدادھا۔فان فرضنا ھا اقلّ مِن مدّة شھر فلایجوزاَن نفرضھا اقلّ من عشرین اوخمسة عشریومًا ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 526)

اوّل ۔ بصائر الدرجات میں ہے کہ حکومت کے اراکین نے ہمیں ایک ایسے گھر میں قید کیا کہ قیدیوں نے کہا کہ ہمیں اس مکان میں اس غرض سے رکھا گیا ہے کہ یہ ہم پر گر جائے اور ہمیں مار ڈالے اور نگراں لوگوں نے تو ہمیں مقتول ہی سمجھ لیا۔ وہ اپنی عجمی زبان میں کہتے تھے کہ جن لوگوں کو نکال نکال کر قتل کر دیا جائے وہ بھی اس مکان کے گرنے سے ڈر رہے ہیں۔ حضرت سجادؑ نے فرمایا کہ ہم میں میرے سوا کوئی اور ایک بھی ایسی فرد نہ تھی جو رومی باشندوں کی زبان سمجھتی۔

دوم ۔ علامہ صدوق نے امالی میں لکھا ہے کہ جناب فاطمہؑ بنت امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جب یزید نے خاندان حسینیؑ کو قید کر دیا اور قید خانہ میں جا کر بیٹھے اور سید سجادؑ بھی ہمراہ تھے تو اس قید خانہ میں سورج کی تمازت اور سردی سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ تھی۔ آخر کار میری اور اُن سب کی شکل وصورت اور چہرے جھلس کر رہ گئے گویا ہماری اصلی کھال اتار لی گئی تھی۔

سوم ۔ کتاب ملھوف میں ہے کہ پھر یزید نے انہیں ایسی جگہ رکھنے کا حکم دیا۔ جہاں تمازت آفتاب اور سردی سے بچنے کا امکان نہ تھا۔ چنانچہ اسیران حرمؑ نے وہاں قیام کیا یہاں تک کہ اُن کے چہروں کی کھال جھلس کر اتر گئی۔ اور صورت کا بدل جانا ہی اُن کے قیام کی مدت پر اشارہ کرتا ہے۔ کتاب انوار نعمانیہ میں ہے کہ جناب زینؑ العابدین نے فرمایا کہ اس قید خانہ میں جس میں ہم ہیں چھت نہیں ہے۔ نہ وہاں ہوا کا گزر ہے۔ سورج نے ہمیں جھلس کے رکھ دیا ہے۔

چہارم ۔ تیسری اور چوتھی روایت سے اُن کے قیام کی مدت بہت طویل معلوم ہوتی ہے۔ اتنی طویل جس میں سردی اور گرمی سے چہرہ کی کھال بدل جائے۔ لہٰذا دو روز کا قیام غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ روایات کی ابتدا سے مدت زیادہ ظاہر ہے۔ اگر ہم ایک مہینے سے کم مدت فرض کریں تو پندرہ بیس روز سے کم تو فرض کر ہی نہیں سکتے۔ (اکسیر العبادات صفحہ 526)

یہ ہیں وہ مقامات جو حکومت اور تاریخ کی چغلی کھاتے ہیں۔ اور علامہ دربندی رضی اللہ عنہ نے نہ معلوم کس قاعدہ سے پندرہ سے بیس روز کی مدت فرض کر لینا طے فرما لیا۔ غالباً وہی شہرت اُن کو اغوا کرنے میں کامیاب ہوگئی کہ ایک ماہ سے زیادہ قیام رہا ہی نہیں ہے۔ لیکن ہم کسی تاریخی یا قومی پروپیگنڈے سے گمراہ نہیں کئے جا سکتے۔ ہم جانتے ہیں کہ کربلا کا حادثہ ماہ جیٹھ میں واقع ہوا۔ لہٰذا تین چار شدید گرمی کے مہینے اس قید خانہ میں گزرے۔ اور گرمیوں کی راتیں ریگستان میں اس قدر سرد نہیں ہوتیں جو کھال کو جھلس دیں۔ البتہ سردیوں کی راتیں اس قدر سرد ہوتی ہیں اور ذکر دونوں کا ہر جگہ ہوا ہے یعنی حرّ و برد۔ اور۔ حرّ وقرّ۔ چنانچہ گرمی کے بعد تین چار ماہ سردیوں کے اسی قید خانہ میں گزرنا لازم ہے تا کہ رنگ وصورت کا جھلس کر بدل جانا فطری طور پر قابل فہم ہو سکے۔ یہی ہم نے عرض کیا تھا۔ گرمی اور سردی کسی روایت کی محتاج نہیں۔ گرمی اور سردی کا اثر کسی ثبوت کی احتیاج نہیں رکھتا۔ صورتوں کا بدل جانا ایک حقیقت ثابت اور چشم دید ہے۔ لہٰذا ہمیں کسی اور ثبوت اور بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل حرمؑ ایک سال قید رہے، ماہ صفر میں رہا کیا گیا۔ دمشق میں ایک ہفتہ عزاداری کی گئی۔ پھر کربلا کو روانگی ہوئی۔ سرہائے شہداؑ دفن کئے گئے۔ اُس کے بعد مدینہ کا سفر ہوا۔

(2)۔ دربار یزید میں دوسری پیشی شاہی مسجد مجمع عام میں

مومنین نے اندازہ کیا ہوگا کہ حضرت زینب علیھا السلام کے خطبہ نے یزید ملعون کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا تھا۔ اُس نے

سوچا تھا کہ یہ قیدی جس مصیبت سے گزر رہے ہیں اور جس شان وشوکت اور طرفدارانِ یزید ومعاویہ کی جس بے پناہ کثرت کو دیکھتے ہوئے آئے ہیں اور اس دربار تک پہنچتے ہوئے جو قاہرانہ انتظامات نظر سے گزرے ہیں۔ اِسکے بعد اُن میں سرکشی اور مزاحمت ہرگز باقی نہیں رہ سکتی۔ اُنکی جرأت وجسارت دم توڑ چکی ہوگی۔ اُن میں قوتِ گویائی فنا ہو چکی ہوگی اور کسی بات کا جواب دینے کی نہ طاقت ہوگی نہ ہمت ہوگی۔ وہ جو کچھ کہے گا خاموشی سے سُنیں گے۔ خوف وناتوانی انہیں چپ رہنے پر مجبور کریگی۔ میں اپنے خاندانی اور قومی مذہب اور تصورِ اسلامی کو جس طرح چاہوں گا بیان کرونگا انہیں مجال انکار نہ ہوگی۔ میں عقیدہ جبر واختیار اور اللہ کے قادر مطلق ہونے کو سامنے رکھ کر خلافت وامامت وحکومت کا قومی تصور پیش کرونگا۔ اپنا اور اپنے آباواجداد اور سابقہ حکمرانوں کے برحق ہونے کو اپنی چرب زبانی، شاعری اور شاہانہ شوکت ودبدبہ اور اُنکی خاموشی سے منوالوں گا۔ اور یوں واقعہ کربلا اور تصوراتِ حسینؑ کو اسلام کے خلاف ایک بغاوت ثابت کر کے سبکدوش ہو جاؤنگا اور چند روز کے بعد اُنکو رہا کر دونگا۔ کچھ مال ودولت ساتھ کر دونگا اس طرح رعایا میں اطمینان پھیل جائے گا۔ اور لوگ یہ کہہ کر اپنے کاروبار میں لگ جائیں گے کہ: ''جو خدا کو منظور تھا وہ ہوا اور وہی صحیح اور بہتر ہوتا ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔''

لیکن صدیقہؑ صغریٰ کے خطبہ سے یقین ہو گیا کہ حسینؑ ہی نہیں بلکہ خود علیؑ زندہ ہیں، حسنؑ کہیں آس پاس ہی ہیں۔ زینبؑ نے کہا تو ہے کہ: ''**تو ہمارے زندوں کو مار نہیں سکتا** (لا تُمِيتَ حَيّنا)۔'' واقعی جو اندازِ گفتگو اُس خاتونؑ نے اختیار کیا اور جس قوت وجسارت ودبدبہ سے حقائق کو سامنے رکھ دیا اس سے یقین ہوتا ہے کہ اُسے علیؑ ومحمدؐ کہیں سامنے نظر آ رہے تھے۔ ورنہ یہ جُملہ ذہن میں آ نہیں سکتا تھا۔ غالباً سرِ حسینؑ اُن کی ہمت افزائی کر رہا تھا۔ یزید کی ذہنی دنیا میں تہلکہ مچ گیا تھا۔ اُس کا قلبی سکون جھنجھوڑ دیا گیا تھا۔ ''میں تجھے ایک حقیر ترین آدمی سمجھتی ہوں۔'' اُسکے کانوں میں گونجتا ہوا جملہ چھری کی نوک بن کر دل میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ '' تُو اِس قابل بھی نہیں کہ شریف لوگ تجھ سے بات کریں۔'' ایک بجلی کی طرح کوندتا ہوا جملہ بار بار آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر رہا تھا۔ بہرحال یزید نے سرجون (SIR JOHNSONESE) کو مشکل کشائی کیلئے بُلایا اور طے ہوا کہ زین العابدین علیہ السلام کو تنہا شاہی مسجد میں لایا جائے اور زیرِ منبر بٹھا کر دمشق کا خطیب اعظم علیؑ واولادِ علیؑ کی مذمت میں وہ تمام خانہ ساز وقومی روایات سنائے جن کو سُنتے سنتے ملک شام میں بچے جوان ہوئے اور جن پر وہاں کسی شامی کو کسی قسم کا اعتراض نہیں ہے۔ اُس میں خلیفہ سوم کو پیاسا رکھ کر قتل کروانا بھی شامل کیا جائے اور پبلک کو بتایا جائے کہ اب یہی خاندان ہمارے خلاف اٹھا تھا۔ اور حکومت وخلافت کو بزرگان قوم کی بنیاد سے ہٹا کر اپنی وراثت بنانا چاہتا تھا۔ سارے عراق کو اپنی بغاوت اور اسلامی خلافت کا تختہ الٹنے میں شامل کر لیا تھا۔ اور کسی مفاہمت کے لئے تیار نہ ہوا۔ مسلمانوں کی کثرت اور خلیفہ وقت کی اطاعت سے سرتابی سے باز نہ آیا۔ اس لئے ہم نے ازراہ مجبوری جنگ کر کے انہیں مغلوب کیا ہے۔ اب یہ مرد باقی ہے ہم اُسے سمجھانا اور مسلمانوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں۔ سرجون نے بتایا کہ ایسی تقریر کا سننا اور کسی کا اختلاف نہ کرنا زین العابدین کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے گا اور وہ اپنی پھوپھی کو بھی خاموش اور صبر وسکون سے رہنے کی تلقین کرے گا۔ اور تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ یزید نے اپنے والد کے اس عیسائی استاد اور عالم کی رائے پر عمل کیا اور کل ہونے والے اجتماع کا اعلان کرا دیا۔

(الف)۔ شاہی مسجد میں امامؑ چہارم کی طلبی اور قومی واموی سازش کا جواب

اگلی صبح جامع امویہ یعنی شاہی مسجد جب کھچا کھچ بھرگئی۔ سرداران دمشق، اہلکاران حکومت اور قومی امیر المومنین یزید اپنی اپنی مسندوں پر بیٹھ چکے تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو طوق وزنجیر سے جکڑ کر سنگین پہرہ کے اندر لایا گیا اور نمایاں جگہ پر کھڑا کیا گیا۔ یہ واقعہ اور اس کی تفصیلات علامہ دربندیؒ اور علامہ محمد باقر مجلسیؒ سے سنئے۔ چنانچہ عربی عبارت اکسیر العبادات سے اور ترجمہ جزائری کتاب بحار الانوار سے پیش کیا جاتا ہے:۔

وقال ایضًا صاحب المناقب وغیرہ روی اَنَّ یزیدًا امر بمنبر وخطیب لِیخبر الناس بمساوّی الحسین وامیر المومنین صلوات اللّٰہ علیہما ۔فصعد الخطیب المنبر فحمداللّٰہ واثنی علیہ ثمّ اکثر الوقیعة فی علیؑ والحسینؑ واطنب فی مدح معویة ویزید (لعنہما اللّٰہ) فذکر ھما بکل جمیل ۔قال فصاح علیؑ بن الحسینؑ وَیْلَک اَیُّھا الخَاطب اشتریت مرضاة المخلوق بسخط الخالق فتبوّء مقعدک مِن النار ثمّ قال علیؑ بن الحسینؑ یایزید ائذن لِیُ حَتّٰی اصعد ھذہ الاعواد فا تکلّم بکلمات لِلّٰہِ فیھا رضآء ولھٰؤُلاء الجلسآء فیھا اجروثواب ؟ فابی یزید علیہ ذلک ۔ فقال الناس یاامیرائذن لہ فلیصعد المنبر فلعلّنا نَسْمَعُ مِنْہُ شَیْئًا ۔فقال اِنَّہُ اَنْ صعد لم ینزل اِلَّا بِفَضِیْحَتِیُ وبفضیحَۃِ آل ابی سفیان ۔ فقیل لہ یا امیر المؤمنین ماندری ما یحسن ھٰذا ۔فقال اِنَّہٗ مِن اھلبیتٌ قدزَقُّوْا العلم زقًّا ۔ فلم یزالوا بہ حَتّٰی اذن لہ ۔ فصعد المنبر فحمد اللّٰہ واثنی علیہ ثُمَّ خَطَبَ خطبة اَبْکَیُ منھا العیون واوجل منھا القلوب ۔ ثُمَّ قال؛

اَیُّھَاالناس اعطینا سِتًّاوفَضّلْنَا بسبع؛اعطینا العلم و الحلم والسماحة والفصاحة والشجاعة والمحبّة فی قلوب المؤمنین ۔ وفَضَّلْنا بِاَنّ مِنّا النَّبیَّ المختار محمدًا صلی اللّٰہ علیہ وآلہ ومِنَّاالصدّ یق و مِنَّاالطیّار ومنّا اسداللّٰہ ومنّا اسد الرسول صلی اللّٰہ علیہ وآلہ ومنّاسبطاھذہ الامة۔ مَنْ عرفنی فقد عرفنی۔ وَمَنْ لَمْ یعرفنی انبأ تہُ بحسبی ونسبی اَیُّھاالناس؛

انا ابن مکة ومنٰی ۔ انا ابن زمزم والصَّفا ۔ انا ابن مَن حمل الزکوة باطراف الرِدّا ۔ انا ابن خیر من ائتزر و ارتدیٰ ۔ انا ابن خیر من انتعل واحتفٰی ۔ انا ابن خیرمن طاف وسعٰی ۔ انا ابن خیرمَن حجّ ولَبّٰی ۔ انا ابن مَن حمل علی البراق فی الھوا ۔انا ابن مَن اسری مِن مسجد الحرام اِلٰی مسجد الاقصٰی ۔ وانا ابن مَن بلغ بہ جبرئیل الٰی سدرة المنتھٰی ۔انا ابن مَن دنی فتد لّٰی فکان قاب قوسَین اوادنٰی ۔انا ابن من صلّی بملٰئکة السَّماء ۔اَنَا ابن مَن اوحی الیہ الجلیل مااوحٰی ۔ اَنَا ابن محمدٍ المصطفٰی ۔ اَنَا ابن علیٍّ المرتضٰی ۔ اَنَا ابن من ضرب خراطیم الخلق حتی قالوا لا اِلٰہ الا اللّٰہ ۔ اَنَا ابن مَن ضرب بین ید ی رسوؐل (اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ) بِسَیْفَیْنِ وطعن بِرُمْحَیْنِ ۔ وھاجر ھجرتین وبایع البیعتین وقاتل ببدر وحُنین ولم یکفر باللّٰہ طرفة عَین۔ اَنَا ابن صالح المؤمنین ووارث النبیّینؑ وقامع الملحدین ویعسوب المسلمین ونور المجاھد ین وزین العا بد ینؑ وتاج البکّائین واصبر الصا برین وافضل القآئمین مِن آل یٰسین رسولؐ رب العالمین ۔ اَنَا ابن المؤیّد بجبرئیل المنصور بمیکائیل ۔ اَنَا ابن المحامی عن حرم المسلمین وقا تل المارقین والناکثین والقاسطین المجاھد اعد ائہ الناصبین وافخر مَن مشی مِن قریش اجمعین و اوّل مَن اجاب واستجاب للّٰہ ولرسولہٖ مِن المؤمنین واوّل السابقین وقاصم المعتدین ومبیدالمشرکین وسھم من مرامی اللّٰہ علی المنافقین ولسان حکمة العا بد ین وناصردین اللّٰہ وولی امراللّٰہ وبستان حکمة اللّٰہ وعیبة علمہٗ سمح سخیٌّ بھیّ بھلول زکیّ ابطحی رضی مقدام ھمام صابر صوام مھذب قوام قاطع الاصلاب ومفرّق الاحزاب ۔ اربطھم عنانًا واثبتھم جنانًا وامضاھم

عزیمة و اشدّ هم شکیمة اسد باسل یطحنهم فی الحروب اذا ازد لفَتُ الاسنّة وقربَتُ الاعنّة ویذد وهم ذروالریح الهشیم لیث الحجاز وکبش العراق مکیٌّ مدنیّ حنفیّ عقبیّ بدریّ احدیّ شجریّ مهاجری مِن العرب سید ها ومن الوغا لبثها و وارث المشعرین وابوالسبطین الحسَن والحسیؑن ذاک جدّی علیٌ بن ابیطالبٌ ثمَّ قال اَنَاابن فاطمةٌ الزهراء۔ انا ابن سیدة النِسآء۔

فلم یزل یقول اَنَا ۔اَنا حَتّٰی ضح الناس البکاء والنّحیب وخشی یزید لعنه اللّٰه اَنْ یکون فتنة فامر الموذّن فقطع علیه الکلام فلما قال الموذّن اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر ۔ قال علیٌ لاشئ اکبرمِن اللّٰه۔ فلمّاقال اشهد اَن لا الٰه الّا اللّٰه ۔ قال علیٌ بن الحسیؑن شهد بها شعری وبشری ولحمی ودمی ۔ فلمّاقال الموذّن اشهد اَنّ محمدًا رسول اللّٰه ۔ التفت مِن فوق المنبر الٰی یزید فقال محمدٌ هذاجدّی اَمْ جدّک یایزید فان زعمت انه جدّک فقد کَذّ بتُ وکَفَرْتَ واِن زعمت اَنَّهُ جدّی فَلِمَ قَتَلْتَ عترته ؟ قال وفرغ الموذ ن مِن الاذان والاقامة وتقدم یزید فصلّی صلوة الظهر۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 522 تا 523)

صاحب مناقب وغیرہ نے روایت کی ہے کہ(1) یزید ملعون نے حکم دیا کہ خطیب منبر پر جا کر لوگوں کے سامنے حضرت امیرؑ وامام حسینؑ کے عیوب بیان کرے ۔(2) پس خطیب نے بعد حمد وثنا علیؑ اور حسینؑ کو بہت بُرا کہا اور یزید ومعاویہ کی نہایت تعریف کی اور تمام محامد ومناقب اُن کے لئے ثابت کئے ۔(3) راوی کہتا ہے اُس وقت علی بن الحسین علیہما السلام نے پکار کر فرمایا کہ وائے تجھ پر اے خطیب تو نے رضائے مخلوق کو غضبِ خالق کے بدلے میں اختیار کیا اور اپنا مقام آتش جہنم میں مقرر کیا۔(4) بعدہ، حضرتؑ نے فرمایا اَے یزید مجھ کو اجازت دے کہ اس منبر پر جا کر چند کلمے اس طرح کے ذکر کروں جس سے رب العالمین کی رضا اور خوشنودی اور ان حاضرین کے لئے ثواب وبہبودی ہو۔(5) یزید نے قبول نہ کیا۔(6) لوگوں نے درخواست کی کہ اے یزید اُن کو اذن دے شاید کوئی اچھی بات ہم سُنیں ۔(7) یزید نے کہا کہ اگر یہ منبر پر جائے گا تو مجھ کو اور آل ابوسفیان کو رُسوا کر کے اُترے گا۔(8) لوگوں نے کہا، یاامیر اس لڑکے سے کیا ہو سکے گا ۔(9) یزید نے کہا یہ اُس خاندان سے ہے جو عالم طفلی ہی میں آراستہ بعلم وکمال ہوتے ہیں۔ (10) راوی کہتا ہے کہ کافی دیر تک لوگ اصرار کرتے رہے تا اینکہ یزید نے آنحضرتؐ کو اجازت دے دی۔(11) پس حضرتؑ منبر پر تشریف لے گئے اور بعد حمد وثنائے الٰہی ایک خطبہ ایسا دردناک پڑھا جس سے آنکھوں کو گریاں اور دل کو بریاں کر دیا۔(12) اس کے بعد فرمایا؛

اَے لوگو!! جناب احدیت نے اہلبیتؑ رسالت کو جو خصلتیں عنایت کی ہیں وہ یہ ہیں: (13) علم وحلم وسخاوت وفصاحت وشجاعت اور مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ۔(14) اور فضیلتیں یہ ہیں کہ: (15) ہم میں سے سید ابرار محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ (16) اور ہم میں سے صدیق اعظم علیؑ المرتضٰی ہیں۔(17) اور ہم میں سے جعفرؑ طیار اور حضرت حمزہؑ شیر خدا اور عم رسولؐ ہیں۔ (18) اور ہم میں سے سبطین اس امة کے حسن وحسین علیہما السلام ہیں ۔(19) جو شخص ہم کو جانتا ہے وہ تو جانتا ہے ۔(20) اور جو نہیں جانتا میں اُس کو اپنے حسب ونسب سے آگاہ کرتا ہوں کہ؛

(21) میں ہوں فرزند مکہ ومنا۔ میں ہوں فرزند زمزم وصفا۔(22) میں ہوں فرزند اُس شخص کا جس نے مقام ابراہیمؑ کو چادر کے کونے سے اُٹھایا۔(23) میں ہوں فرزند اس شخص کا جو بہترین عالم تھا۔(24) میں ہوں فرزند اس شخص کا جو طواف اور سعی کرنے والوں میں

سب سے بہتر ہے۔(25) میں فرزند ہوں اُس کا جو تمام حج کرنے اور لبیک کہنے والوں میں افضل تھا۔(26) میں ہوں فرزند اس شخص کا جس کو اللہ نے ایک شب میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچایا۔(27) میں ہوں فرزند اُس شخص کا جس کو جبرائیل سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔(28) میں ہوں فرزند اُس شخص کا جو مقام قرب الٰہی میں پہنچا یہاں تک کہ قاب قوسین او ادنیٰ کی منزل پر فائز ہوا۔ (29) میں ہوں فرزند اُس کا جس نے ملائکہ کے ساتھ آسمان پر نماز پڑھی۔(30) میں ہوں فرزند اُس کا جسکی طرف اللہ نے وحی کی۔ (31) میں ہوں فرزند محمدؐ مصطفیٰ کا۔(32) میں ہوں فرزند علیؑ مرتضیٰ کا۔(33) میں ہوں فرزند اس کا جس کی ذوالفقار کی برکت سے لاالٰــہ الا اللّٰــہ کہا گیا۔(34) میں ہوں فرزند اُس کا جس نے رسولؐ اللہ کے سامنے دو شمشیروں اور دو نیزوں سے جہاد کیا۔ (35) جس نے دو ہجرتیں کیں اور دو بیعتیں کیں؛ جس نے بدر و حنین میں جہاد فرمایا اور طرفۃ العین کے لئے منکر خدا نہ ہوا۔(36) میں ہوں فرزند صالح المومنین، وارث نبیینؑ و قلع و قمع کنندہ ملحدین و سردار مسلمین و نور مجاہدین و زین العابدین و سرتاج گریہ کنندگان جو آل رسولؐ رب العالمین صبر کرنے اور نماز پڑھنے میں سب سے افضل ہیں۔(37) میں ہوں فرزند اُس کا جو جبرائیلؑ و میکائیلؑ کی جانب سے مؤید و منصور ہوا۔(38) میں ہوں فرزند اُس کا جس نے ناموس مسلمین کی حمایت کی۔(39) میں ہوں فرزند اُس کا جس نے مارقین وقاسطین و ناکثین کو قتل کیا اور اپنے دشمن ناصبیوں سے جہاد کیا۔(40) جو تمام قریش کا فخر تھا۔(41) جس نے سب سے پہلے اجابت دعوت خدا اور رسولؐ کی۔(42) جس نے ایمان میں تمام مومنین پر سبقت کی۔(43) جس نے سرکشوں کی کمر توڑ دی(44) جس نے مشرکوں کو نابود کیا۔(45) جو منافقوں کیلئے اللہ کا تیر، حکمت عباد کا ترجمان، دین خدا کا ناصر، اُس کا ولی امر، حکمت خدا کا بوستان، اس کے علم کا دروازہ، صاحب جُود و عطا، یکتا در حسن و بہا، پاک و پاکیزہ راضی برضا، شجاع سردار، صابر، بکثرت روزے رکھنے والا، صاحب اخلاق پسندیدہ، بڑی نمازیں پڑھنے والا، کافروں کی نسل قطع کرنیوالا، اُنکی جماعت کو پراگندہ کرنیوالا، دل و جگر کے اعتبار سے سب سے زیادہ مضبوط؛ عزم و ارادہ میں سب سے زیادہ پکا؛ خودداری میں سب سے زیادہ اونچا؛ وہ شیر بیشۂ شجاعت، جس نے گتھے ہوئے نیزوں میں سرکشوں کو یُوں پیس کر رکھ دیا جس طرح چکی آٹا پیستی ہے؛ یوں اُڑا دیا جس طرح آندھی بھُوسا اُڑاتی ہے؛ شیر بیشۂ حجاز؛ مرد مردان عراق؛ مکی و مدنی، حنفی عقبی، بدری واحدی، شجری مہاجری، شاہ حرب و ضرب، شیر بیشۂ جنگ و جہاد، وارث مشعرین، والد سبطین یعنی حسنؑ وحسینؑ امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ میرے جدّ نامدار ہیں۔(46) میں ہوں فرزند فاطمہ زہراء۔(47) میں ہوں فرزند سیدۃ النساء۔

(48) غرض اسی طرح فرماتے رہے تا اینکہ حضار مجلس میں شور و شیون عظیم برپا ہوا۔(49) اس وقت یزید خائف ہوا کہ مبادا فساد برپا ہو۔ اس لئے مؤذن کو حکم دیا کہ اذان دے۔(50) پس اُس نے آپ کا قطع کلام کیا۔ اور اذان کہی۔(51) جب موذن نے اللہ اکبر کہا حضرت نے فرمایا کوئی چیز حق تعالیٰ سے برتر نہیں۔(52) جب اُس نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا فرمایا میرا گوشت و پوست و خون گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔(53) لیکن جب موذن نے اشھد انّ محمدؐ ارسول اللّٰہ کہا تو حضرت نے یزید کی طرف نگاہ کر کے فرمایا۔(54) اے یزید بتلا یہ محمدؐ میرے جدّ ہیں یا تیرے؟(55) اگر تو اُن کو اپنے جدّ سمجھتا ہے تو غلط و کفر ہے۔ اور اگر میرا جدّ جانتا ہے؟ تو بتلا کہ پھر تو نے کیوں اُن کی عترت کو قتل کیا؟(56) راوی کہتا ہے کہ جب موذن اذان و اقامت سے

فارغ ہوا اُس وقت یزید متوجہ ہوا نماز ظہر کی طرف۔'' (ترجمہ بحارالانوار حصہ دوم صفحہ 41 تا 44)

(ب)۔ امام زین العابدین علیہ السلام کے خطبہ پر ایک مومنانہ نظر

علامہ جزائری نے اس ترجمہ سے کافی روپیہ کمایا۔لیکن مومنین کو دوہرا نقصان ہوا۔روپیہ کا نقصان اور واقعاتِ کربلا میں مزید اختلاف و گنجلک کا نقصان۔علامہ نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو اُن کے دوسرے بھائی بند اختیار کرتے رہے ہیں۔یعنی اُن کے سامنے نہ حسینؑ مقاصد ہیں نہ یزید و بنی امیہ کی پالیسی ہے۔وہ گویا ایک گھریلو مجلس میں بیٹھے ہیں اور اناپ شناپ جو دل میں آ رہا ہے لکھتے چلے جارہے ہیں۔خطبہ کے الفاظ سامنے ہیں مگر اُن کی پابندی اس لئے نہیں کی جاتی کہ انہیں ذرہ برابر اہل دمشق کی وہ حالت و ذہنیت معلوم نہیں جس کو توڑنے اور چونکانے کے لئے امام علیہ السلام اپنے خطبہ کی تدریج قائم فرماتے ہیں۔ذرا سوچئے کہ اس مملکت میں علیؑ اور خاندان علی علیھم السلام کو 35 ہجری سے ہدف ملامت بنانے کی ہر وہ ترکیب وکوشش کی جاتی رہی جو ایک زبردست جابر و قہار حکومت کرسکتی تھی۔جس مملکت میں ہر منبر و مسجد سے لعنت وتبرا کرتے اور سنتے ہوئے چھبیس (26) سال گزر گئے ہوں۔اُس مملکت کے دارالخلافہ کی شاہی مسجد میں پہلی دفعہ خاندان مرتضویؑ کو قیدی کی صورت میں داخلہ ملتا ہے۔بتایئے کیا یہ موزوں ہوگا کہ امامؑ ایک دم یہ کہہ دے کہ میں علیؑ کا بیٹا ہوں یعنی جس پر تم عرصہ دراز سے لعنت کرتے رہے ہو میں اس کا بیٹا ہوں؟ اور سوچئے کہ یہ لعنت وتبرا کے عادی ملاعین اِس کا کیا اثر لیتے؟

میں کہتا ہوں کہ اگر منبر پر بیٹھتے ہی علیؑ کا نام لے دیا جاتا تو اِس کے بعد پبلک پر کسی وعظ و فضیلت کا اثر نہ ہوتا اور شاید کوئی بات سننے کا روادار بھی نہ ہوتا۔بات تو اس امید پر سُنی جارہی ہے کہ اسلامی حکومت کے باغی اور مقتول و مفتوح خاندان کا ایک قیدی فرد؛ منبر پر جانے کی اجازت مانگتا ہے۔اور کچھ ایسی باتیں کہنا چاہتا ہے جو اُدھر رضامندی وخوشنودیٔ خدا کی ضامن ہیں۔اِدھر تمام حاضر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا باعث ہوں گی۔وہ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ ایک خارجی اس سلسلے میں کیا کہے گا؟ وہ ہمارے نزدیک واجب القتل ہے اور ہم خارجیوں کے نزدیک واجب القتل ہیں۔دیکھیں اس صورت حال میں یہ جوان شخص کیا کہتا ہے؟ یزید نے یہ کہہ کر شوق اور بھی بڑھا دیا ہے کہ اگر یہ منبر پر چلا گیا تو اُس وقت تک منبر سے نہ اُترے گا جب تک مجھے اور ابوسفیان کی اولاد کو ذلیل ورسوا ثابت نہ کردے۔وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ خارجی قیدی اور خارجی مذہب کیسے اس حکومت اور خاندان اور اُس کے مذہب کو باطل ثابت کرتا ہے۔اس کے پاس کون سے دلائل ہیں جو اُدھر اللہ کو پسند ہیں اور اِدھر یزید کے خوف وہراس کا باعث ہیں؟ یہ ہے وہ صورتِ حال اور جذبہ جس کے ماتحت پبلک نے اصرار کرکے یہ موقعہ فراہم کیا ہے کہ امام علیہ السلام منبر پر جائیں۔امامؑ ہی نہیں بلکہ ہر ذی ہوش اور حالات حاضرہ سے واقف شخص اپنی گفتگو میں ایک بھی ایسا لفظ نہ کہے گا جس سے اُس پر کوئی شاہی عتاب ہوسکے۔جس سے ملکی قانون کی گرفت میں آجائے یا جس سے منبر پر بیٹھتے ہی پبلک کی نظروں میں گرجائے۔چنانچہ پہلے امام علیہ السلام نے اللہ کی ایسی حمد وثنا کی اور اُس کی ایسی پوزیشن بیان فرمائی کہ تمام حاضرین اپنی حالت پر، اپنے مذہبی عقائد پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔جن علماو اُمرا اور سرداران دمشق نے کہا تھا کہ یہ نوجوان و بیمار ولاچار قیدی خطیب اعظم کے بعد کیا کہہ سکے گا؟ وہ حیران وششدر رہ گئے۔الفاظ کے ہتھوڑے قلب وذہن کے مصنوعی

ماحول کوتوڑتوڑ کر دینی تصورات کو ابھار رہے تھے۔فطرت کو بیدار کر رہے تھے۔

جب امام علیہ السلام نے دیکھا کہ قلوب آمادہ ہیں تو آپ نے اپنا بالواسطہ تعارف شروع فرمایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں علیؑ کا بیٹا ہوں بلکہ یہ بتایا کہ انسانی فطرت کو کون سی صفات پسند ہیں۔اور یہ کہ وہ سب مجھ میں اور میرے جنم دینے والوں میں موجود ہیں اور تم میری صورت سے میرے بیان سے میرے اطمینان قلب سے خود دیکھ سکتے ہو۔آپ نے نام بنام اُن صفات اور خصلتوں کو شمار کر کے بتایا۔ پھر یہ بتایا کہ یہ صفات خود رَو نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ نے بڑے اہتمام وانتظام سے ایک ایسی نسل تیار کی جس میں تعلیماتِ خداوندی فطرت بن کر رہ جائے۔جس میں نبوّت ورسالت وامامتؑ پرورش پائے۔جن کے یہاں ملائکہ کا ہر لحہ ورود ہوتا رہے اور رفتہ رفتہ ترقی کے اس سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے کہ اس نسل سے محمدؐ مصطفیٰ مختار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ پیدا ہوں اور خُلق عظیم اُن کی عادت وفطرت بن جائے۔ اُس کے بعد بھی نہ یہ کہا کہ علیؑ کا بیٹا ہوں نہ یہ کہا کہ میں علیؑ کا پوتا ہوں۔ بلکہ بالواسطہ فرمایا کہ ہماری اُسی نسل سے صداقت اور سچائی کا مجسمہ پیدا ہوا تھا۔ہم ہی میں وہ ہستی ہے جو انسان ہوتے ہوئے ملائکہ کی طرح پرواز کرتا ہے (جملہ نمبر 15 تا 17)۔اُسی ہماری نسل سے اللہ کا شیر اور رسوؐل کا شیر وجود میں آیا تھا۔اور ہماری ہی نسل سے وہ دوہستیاں ہیں جنہیں اس امت کے نواسے قرار دیا گیا ہے۔یعنی اگر تم اس اُمت کے افراد ہو تو تمہیں اُن نواسوں کا علم واحترام اور اُن سے محبت وشفقت کا سلوک لازم تھا۔

جب بات یہاں تک آ گئی تو فرمایا کہ جو مجھے پہچان گیا وہ تو پہچان ہی چکا۔مگر جو اب بھی نہیں سمجھے وہ سُنیں اور سمجھیں کہ میں ہی اُن دونوں مقامات کا بیٹا ہوں جنہیں مکہ اور منیٰ کہتے ہو اور وہاں کی مٹی تک کا احترام کرتے ہو۔ میں ہی خلاصہ ہوں زمزم اور صفا کا۔ میں ہی لاڈلا ہوں اس ہستی کا جو تزکیہ اور تقدس کی گھڑیاں تقسیم کیا کرتا تھا (جملہ نمبر 22) میں علوم خداوندی کا پروردہ ہوں۔ میں ہی وہ مقصد ہوں جس کے لئے خانہ کعبہ کا طواف اور دوڑ دھوپ کی جاتی ہے۔میرے ہی باپ نے حج وطواف کو جاری کیا تھا۔اور لبیک لبیک کا تقرب انسانوں کے سامنے رکھ دیا تھا۔میرا ہی باپ معراج پر بلایا گیا تھا۔ ہمارے ہی گھر میں براق آیا تھا (علامہ نے ترجمہ نہیں کیا) وہ میرا ہی والد تھا جو ہواؤں اور فضاؤں میں سنگ میل قائم کرتا ہوا عرش اعظم تک پہنچا۔ جبرائیل جس کا ہمرکاب وخادم تھا۔ جس نے ملائکہ کو نماز پڑھائی۔جس نے انسانوں کے لئے فضاؤں کو مسخر کیا اور عروج انسانی کی راہ ہموار کر دی۔اور قربت خداوندی کے اس مقام پر فائز ہوا جہاں جبرائیل کا گزر، ناممکن ہے۔

اب وقت آ گیا تھا۔اب بتایا کہ میں جن کی تصویر کشی کرتا رہا ہوں وہ محمد وعلی صلوٰۃ اللہ علیہم ہیں اور میں اُن ہی کا بیٹا ہوں۔ میں وحی خداوندی کی گود میں پلا ہوں۔ میں اُن دونوں کی صفات اور قدرت کا ورثہ دار ہوں۔ میں اُن ہی کے قدم بقدم چل رہا ہوں۔اُنھوں نے ایک قدم وحی کے خلاف نہ اٹھایا۔حکم ملا تو ظلم سہا اور وحی نے حکم دیا تو میرے ہی والد نے ڈبل نیزے اور دوہری تلواریں کھینچ لیں۔ سرکشوں کو مجبور کیا کہ کلمہ پڑھ کر جان بچائیں، سر جھکائیں۔میرے ہی والد نے عرب کے سورماؤں کو بدر وحنین واُحد وخندق میں پیٹ کر رکھ دیا تھا۔وہی تھا جس کو اللہ نے تمام ایمان لانے والوں سے بڑا اصالح فرمایا ہے۔ وہ میرا ہی باپ تھا جس نے مشرکین وملحدین کو مسلمانوں میں چھپ جانے پر مجبور کیا۔اُسی نے کفر وشرک کی جڑیں نکال دی تھیں۔یعنی ہم سے دشمنی رکھنے والے یقیناً مشرکین کا انتقام

لینے والے ہیں۔ میرا ہی باپ تھا جس کی تائید ونصرت میں جبرائیل ومیکائیل پیش پیش رہتے تھے۔ میں اُسی کا بیٹا ہوں جس نے مسلمانوں کے جان ومال اور ناموس کو کفر وشرک کی یلغار سے محفوظ کیا تھا اور اسلامی حکومت قائم کر کے رسولؐ اللہ کی مدد کی تھی۔ میری یہی خطا ہے کہ میرے باپؑ نے سازش کرنے والوں، جھوٹی بیعت کرنے والوں اور رسولؐ کے خلاف منصوبہ بنانے والوں کو تہہ تیغ کیا تھا۔ میرا ہی باپ سب سے پہلے اللہ کے احکام بجالایا تھا۔ وہ اُدھر اللہ ورسولؐ کا تیر اور تلوار تھا اور اِدھر نہایت صابر تھا۔ میرے والد کی زبان سے حکمت خداوندی بولتی تھی۔ وہ ہی زبان میرے دہن سے بول رہی ہے۔ میں اُن ہی کا بیٹا ہوں جو مجسمہ سخاوت وشجاعت وعلم وحکمت تھے۔ وہ میرا ہی باپ تھا جو مخزن صبر وتحمل تھا۔ نماز وروزہ وعبادت اُن پر فخر کرتی ہیں۔ اُس کے مخالفین کی نسلیں منقطع ہوتی چلی جائیں گی۔ اُن کے دشمنوں میں انتشار وافتراق پھیلتا چلا جائے گا۔ اُن کے سامنے نیزوں اور تلواروں کی دھاریں مڑ جاتی تھیں۔ وہ سرکشوں کا چُورا کر کے رکھ دیتے تھے۔ اُن ہی کی وجہ سے مکی ومدنی وحنفی کہلانا قابل فخر ہوا ہے۔ میں اُن ہی کا بیٹا ہوں اور اُن کی ہر صفت کا نمائندہ ہوں۔ میرے ہی پالنے والے حسنؑ وحسینؑ تھے۔ وہی اس اُمت کے سبطینؑ تھے۔ فاطمہؑ زہراء تمام خواتین عالم کی سردار ہی تو میری والدہ ہیں۔ جنت میں جانے والوں کے سردار میرے ہی والدؑ ہیں۔

امامؑ نئے نئے اور حقیقت انگیز زاویوں سے ثابت کر رہے تھے کہ میں علیؑ ومحمدؐ کا بیٹا ہوں۔ میں فرزند ہوں فرماتے چلے جا رہے تھے اور تمام مجمع ادب واحترام کے ساتھ سُن سُن کر تڑپ تڑپ اُٹھتا تھا۔ یہاں تک کہ حاضرین میں تلاطم اُٹھتا دیکھ کر یزید نے مؤذن کو اشارہ کر دیا۔ اذان شروع ہوگئی۔ امامؑ منبر سے نہیں اُترے اور اذان کو اپنے اور اپنے آباواجداد کی منادی بنا دیا اور بتایا کہ تم اذان دے کر بھی ہماری ہی مدح وثنا کرتے ہو۔ یہ اذانیں یہ نمازیں یہ دین کیا ہے؟ یہ اللہ ومحمدؐ وآل محمدؐ کا پیغام ہے۔ اُن کی مدح وثنا ہے۔ اُن کے توسل سے قرب خداوندی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن یزید کا دین فریب ہے۔ وہ محمدؐ کے نام کی تو منادی کرتا ہے۔ لیکن اُن کی اولاد کو قتل کرتا ہے۔ اُنہیں خارجی کہتا ہے۔ اُن کے حرم کو اور رسولؐ زادیوں کو قید کر رکھا ہے۔ یزید نے نماز کی آڑ لے لی لوگ مصروف ہوگئے۔ فارغ ہوئے تو امامؑ غائب تھے۔

ہم نے علامہ جزائری کا ترجمہ اس لئے ریکارڈ میں لے لیا ہے کہ مومنین کو مومنانہ ذہنیت اور مولویانہ ذہنیت میں تقابل کا موقعہ ملتا چلا جائے اور یہ اندازہ ہو جائے کہ کس طرح رفتہ رفتہ حقائق نظروں سے اوجھل ہوتے چلے گئے۔ عربی عبارت میں یہ جملہ موجود ہے ''اَنَـابـنُ مَنْ حَملَ عَلَى الْبُرَّاقِ فِي الْهَوَاء '' مگر ترجمہ تو ترجمہ ہے۔ وہاں تو ترجمے میں کہیں لفظ براق آیا ہی نہیں ہے۔ آئندہ جب عربی عبارت والی کتاب غائب ہو جائے گی تو ماشاءاللہ صرف جزائری صاحب رہ جائیں گے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ معراج کا مقصد اللہ کے قریب جانا تھا چنانچہ لکھا کہ ''میں ہوں فرزند اُس کا جو مقام قرب الٰہی میں پہنچا'' (جملہ نمبر 28)۔ یعنی زمین پر رسولؐ اللہ کو قرب الٰہی حاصل نہ تھا گویا اللہ کہیں آسمانوں پر رہتا ہے۔ پھر وہ یہ نہیں کہتے کہ رسولؐ اللہ نے ملائکہ کو نماز پڑھائی۔ بلکہ ملائکہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو قابل فخر بتاتے ہیں۔ حالانکہ ملائکہ اس خاندان کی خدمات انجام دیا کرتے تھے۔ اور حسین علیہ السلام کا جھولا جھلایا کرتے تھے۔ یہ ہیں وہ ہاتھ جو رفتہ رفتہ محمدؐ وآل محمدؐ کو اس سطح پر اتار لائے کہ اُنکے جانشین، خطا کار وگنہگار لوگ بن بیٹھیں۔ چنانچہ ہزار سال سے شیعوں میں بھی محمدؐ

وآلِ محمدؐ کے جانشین خاطی انسان ہیں اور اُنکی اطاعت واجب ہے۔ جو اُنکا حکم نہ مانے وہ کہتے ہیں کہ اُسے واصلِ جہنم کیا جائے گا۔ سوچیئے کہ اُن میں اور ہمارے مخالف محاذ کے علما میں کیا فرق ہے؟ بس یہی فرق ہے نا، کہ اُنہوں نے فوراً جانشینی اختیار کرلی تھی اور اِنہوں نے تین سوسال کے بعد وہی حقوق غصب کر لئے۔ ورنہ نظام ایک، طرزِ فتویٰ واحکام ایک، مبلغ علم وانجام ایک، وہاں بھی اجتہاد یہاں بھی اجتہاد لیبل کا فرق کوئی فرق نہیں۔ یہ لوگ نہ صرف اہلبیتِ محمدؐ کی پوزیشن کو بتدریج تباہ کرتے چلے آئے ہیں بلکہ اپنے حقیقی بزرگوں اور راہنماؤں کے عقائد واعمال پر ہمیشہ پردہ ڈالنے میں کوشاں رہے ہیں۔ چنانچہ مندرجہ احتجاج کی روایت میں بھی یزید اور اُسکو برحق خلیفہ سمجھنے والے ہم مذہب لوگوں کے عقیدے کو چھپایا گیا ہے۔ جس طرح قصہ بُرّاق کی آمد کا ذکر نہیں اُسی طرح یزید کو امیر المومنین سمجھنے اور کہنے والوں کو بھی چھپا دیا گیا ہے۔ آپ علامہ کے ترجمہ کا جملہ (نمبر 8) دیکھیں۔ یہ ترجمہ ''لوگوں نے کہا یا امیر اس لڑکے سے کیا ہو سکے گا'' غلط ہے۔ عربی میں یہ کہا گیا تھا کہ ''فقیل له یاامیر المومنین ماندری مایحسن هذا'' جس کا صحیح ترجمہ یہ کرنا چاہئے تھا کہ: ''یزید سے کہا گیا کہ اَے امیر المومنین ہم نہیں سمجھتے کہ یہ شخص کچھ بہتر بیان دے سکے گا۔'' جزائری صاحب نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک لڑکا بنا دیا ہے اور اپنے امیر المومنین کے عقیدہ کو چھپا دیا ہے۔ مومنین کو چاہئے کہ اس گروہ کے بیان کردہ فضائل ومصائب کو غور سے پڑھا کریں۔ یہ لوگ الفاظ کی ادل بدل اور اُلٹ پلٹ سے مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت بنا دیا کرتے ہیں۔ یہ حضرات بہت سے الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا کرتے بلکہ ترجمہ میں اُن الفاظ کو جُوں کا تُوں رکھ کر گزر جاتے ہیں۔ اسلئے کہ ترجمہ کرنے سے ایسی بات مومنین کے سامنے آ جائیگی جو اُن لوگوں کے مذہب میں منع اور مومنین میں جائز ہے۔ دیکھئے علامہ نے اِن الفاظ کا ترجمہ نہیں کیا۔ حنفی، عقبی، شجری، وارث المشعرین (جملہ نمبر 45)۔ شعری (نمبر 52) مارقین، قاسطین، ناکثین (جملہ نمبر 39)۔ یہ ہے مولویانہ دھاندلی بتایئے کتنے فی صد شیعہ یا سُنی اِن الفاظ کو سمجھتے ہیں؟

(3)۔ حرم یزید لعین میں رسولؐ زادیوںؑ کی پہلی پیشی اور ایک نئی شہادت

تاریخ سے واقف مومنین جانتے ہیں کہ یزید کی دادی اور معاویہ کو جنم دینے والی ہند بنت عتبہ سردارِ قریش ابوسفیان کی زوجہ نے اپنے باپ اور خاندان کے باقی مقتولوں کیلئے صفِ ماتم بچھائی تھی اور تمام آرائش وآسائش کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ زیورات اُتار دیئے تھے۔ چارپائی پر سونا چھوڑ دیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام سے انتقام لینے کی خاطر وہ سب کچھ کیا تھا جو شریف عورتیں نہیں کرتیں۔ اُسی نے حضرت حمزہ علیہ السلام کا جگر چبایا تھا۔ مگر وہ حضرت علی علیہ السلام کو مقتول نہ دیکھ سکی اور اسی حسرت وسوگ میں مرگئی۔ ابوسفیان نے اُس سے بھی زیادہ ذلتیں دیکھیں۔ اسکی سرداری اور اس کا مذہب خاک میں مل گیا۔ اُسکے بزرگوں کے بت چُور چُور کرنے والا علیؑ برابر زندہ رہا۔ اُن دونوں میاں بیوی نے علیؑ سے انتقام کی وصیت کی اور ناکام مرگئے۔ معاویہ اور اُسکے سرپرستوں نے بھی برابر وصیت پر عمل کرنے کی اسکیم جاری رکھی۔ آخر کار یزید نے بدر واحد، خیبر میں قتل ہونے والے کفار کا انتقام لے لیا۔ اور آج محمد مصطفیٰ وعلی مرتضیٰ صلی اللہ علیہما کی بیٹیاں یزید کے محل میں بھیجی جارہی ہیں۔ جہاں ابوسفیان اور ہند کی بیٹیاں اور دُلہنیں زرق برق لباس میں ملبوس ہیں اور آل اللہ وآلِ رسولؐ نہایت بوسیدہ وناکافی لباس میں اُنکے سامنے جارہی ہیں۔ ہمیں اس وقت بہت سے معجزات یاد آرہے ہیں۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ

وہ، شیطان زادیوں کو اِس بوسیدہ حالت میں نظر نہ آتیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اللہ کے رحم وکرم کو جوش آیا تھا یا نہیں؟ اور رسولؐ زادیوں کے جسم پر وہ لباس بدل گیا تھا یا نہیں؟ بہرحال یہ بھی صبر وتحمل کا وہ امتحان تھا جہاں کامیابی حاصل کرنا صرف آلِ محمدؐ ہی کے شایان شان تھا۔ چنانچہ علامہ دربندی لکھتے ہیں:۔

قال الشعبی وکان لِیَزِید (لعین) اُختٌ اسمھا ھند غیرزوجتہ فَلَمَّا رَأَتھُنّ وثبت قائمة عَلٰی قد میھا ثُمَّ قالت اَیّتکُنَّ اُمّ کلثومؑ اُخت الحسینؑ؟ قالت ام کلثوم علیھا السلام ھَا اَنَا، وَیْلَکِ،ابنة الامامؑ الزکی و الھمام التقی امیرالمؤمنین علیؑ بن ابی طالبؑ ۔ مَنْ قَرَنَ اللّٰہُ طاعتہ بطاعتہ وعقابہ بمعصیّتہ وَمَنْ اَفْرَضَ اللّٰہُ لہ الولایة عَلَی البد و والحضر مبیدالاقران والمتوجّ بالنّصر مکسرللَّاتِ و العزّٰی والھبل۔

فاقبلت علیھا اخت یزید وقالت یاام کلثومؑ ولا جل ذلک اُخِذْ تُمْ وبمثلہ طُلِبْتُمْ وھُوّنتم یابنی عبدالمطلب امثل ربیعة وعتبة وابی جھل واضرابھم تسفک دمائھم انسینا اَبَاکِ یوم بد ر وماقتل مِن رجالنا؟ فقالت ام کلثومؑ یَااُمَّ خبث مَنِ الْاَولاد وَ یَاابنة اکلة الاکباد لَسْنَا کَنِسا ئِکُمْ المشھورات بالزنا ولا رجالنا کرجالکم العاکفین عَلَی اللّاتِ والعزّی ۔ اَلَیْسَ جَدَّکِ ابا سُفیان الذی حزّبَ علی الرسولؐ الاحزاب اَلَیْسَ اُمّکِ ھند الباذلة نفسھا لوحشی والآکلة کبد حمزة جھرًا ولیس ابوکِ الضارب فی وجہ امامہ بالسیف اَوْلَیْسَ اخوک القاتل اخی ظلمًا وھوسید شباب اھل الجنّة واھل الکتاب والسنة وابن بنت الرسولؐ المخد وم بجبرائیل ومیکائیل ؟ وکثیر ممّاملکتموہ فی الدنیا فانہ فی الاخرة قلیل۔

قَالَ الشعبی فلم تجبھا ھند جوابًا ثُمَّ وَثَبَتْ مِن بعد ھا عاتکہ ابنة یزید علٰی قد میھا ثُمَّ نَادَتْ اَیّتکُنَّ سکینةؑ(فاطمہ الاوسط زینب) بنت الحسینؑ؟ فقالت ھَااَنَا المطلوبة بثار بد ر وحُنین ۔ وَیْلَکِ اَنْتُمْ بِنَامُسْتھزؤن وبما نزل بناشامتونَ فنحن مِن اھلبیتؑ المصائب وابونا علیؑ بن ابیطالبؑ فمن اَنْتِ یاوَیْلَکِ؟ قالت عاتکة بنتِ یزید صاحبة العزّا الشامخ والذکر الباذخ اھل الحقّ والد یا نة ۔ فقالت لھا سکینةؑ(فاطمةؑ الاوسط زینب) ویلک مَھْلًا اِنَّ اللّٰہ تعالٰی جعل الدنیا دار البلٰوی وجعل الاخرة لِمَن ناوی الدنیا ولَسْتُمْ یاوَیْلَکِ مِثْلُنَا اَلَیْسَ اَبُوْک المفتخر بقتل آل محمدؐ ظُلْمًا وَاُمّک المعتکفة لِعَبْدِ ھا فَعَلَیْکِ وعَلَیْھَا لعنةُ اللّٰہ۔ فَامَّانحن فاھل بیتؑ الاحقاف ورجالنااھل الاعراف والصفوة من آل عبدمناف۔ فلم تجبھا۔ وقد القمت حجرًا ۔

قال شعبی ثُمَّ وثبت من بعد ھا امراة یزید وقالت ایتکُنَّ شاہ زنان ابنة کسرٰی نوشیروان ؟ فقالت ھَاانا ابنة الملک ومن جمع لَھَا فخر الد نیا والاخرة فی مملکة درجة وفی الامامة ھدیة وانا زوجة ابن بنت رسولؐ اللّٰہ المقتول ظلمًا وابن وصّی المرتضٰی ۔ مَنْ انْتِ یاویلکِ ۔ قالت اَنَام حبیب زوجة یزید صاحبة العِزّ والفخاروَمن خضعت لطاعتہ جمیع الامصار ۔ قال الشعبی فاقبلت علیھا زوجة الحسین علیہ السلام و نادت واعجباہُ این البعیر مِنَ الفرس واین ضوالشمس مِن الغلس ونحن ملوک الامصار ورجالنا سادة الاطھار وانتم بنی امیة اَخسّ کلاب النار ثُمَّ تَلَتْ وکان الکافر علٰی ربہٖ ظھیرًا (فرقان25/55) وَیْلَکِ افباجداد کم الجاھلیة واولاد کم تفتخرون ام بقھرکم لنا تصولون۔ قال فَسَکَتْ ولَمْ تتکلّم وَکَان لَھَا جاریة کانت نآئمة فَانْتَبَھَتْ مِنْ نومھا ولطمت وجھھا ومزقّت ماکان علیھا ثیاب فاخرة۔ وقالت شَاھَتْ وجوھکم وتعست جد ودکم یااولاد الشجرة الملعونة فی القرآن ونسل الرجس والطغیان یاآل ابی سفیان المتّھمین فی انسابکم والمعروفین بقبائح احسابکم حیث لم یصحّ اسلامکم ولم یثبت عنداللّٰہ ایمانکم۔ ویلکم ھٰؤُلآء اولاد الیعسوب الزکی والبرالتقی امیرالمؤمنین علیہ السلام ثُمَّ انشاء ت:

وجوہٌ نورھا یزھر ۔ کَنُور البدر و الشمس
رسولؐ اللّٰہ و لطھر ۔ خیار الجن و الانس
حسینؑ السبط مقتول ۔ بسیف الفاسق الرِّجس

قال الشعبی ثُمَّ خرجت الی یزید وھی منشورہ الشعر فقالت ویلک یایزید کفِّ عن ولد فاطمۃ الزھراء علیھا السلام فانّی کُنتُ الساعۃ نائمۃ فرایتُ فی منامی کان ابواب السمآء قد فتحت وَرَأَیتُ اربعۃ مِن الملائکۃ قدحاطوابقصرکَ وھم یقولون احرقوا ھٰذہ الدارفقد سخط علٰی اھلھا الملک الجبّار ۔ قال سھل وکانت ھذہ المرأۃ زوجۃ لِیَزِیُد۔ فقال لھا وَیُلَکِ وترثین لاولاد فاطمۃ الزھراء واللّٰہ لَاَقُتلنّک اشرقتلۃ ۔ قَالَتُ لہ وَمَا ینجینی مِن القتل؟ قال تقومین علٰی قدمیک وتسبّین علیؑ ابن ابی طالبؑ وعترتہ فانّکِ تنجین من القتل۔ قالت نعم افعل ذلک اِذا اَنُتَ اَحُضَرُتَ مَن یَسمَعُ مقالی فَامَرَ باحضار الناس ۔ فَلَمَّا اجتمعوا قَامَتُ قائمۃ عَلٰی قَدُمَیُھَا وقالَتُ یامعشرمَنُ حضراِنَّ ھٰذا یزید بن معویۃ (لعنھما اللّٰہ تعالٰی) قدامرنی اَنُ اُسبّ علیؑ ابن ابی طالبؑ وعترتہ۔ الا انصتوا لمااقول اَلا اَنَّ لعنۃ اللّٰہ ولعنۃ اللّاعنین والملا ئکۃ والناس اجمعین علٰی یزید وابیہ وجدّہ ابی سفیان وحزبہ واتباعہ الٰی یوم الدِّین ۔ قال فَلَمَّا سمع الناس کلامھا غضب یزید غضبًا شدیدًا وقال من یکفینی امرھا فقام الیھارجل مِن اھل الشام فضربھا ضربۃ جدّلھا صریعۃ فانتقلت الٰی رحمۃِ اللّٰہ تعالٰی ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 537 تا538)

شعبی نے کہا کہ ہندنام کی ایک عورت یزید کی بہن بھی تھی ۔ جب اُس نے رسولؐ زادیوں کو دیکھا تو ایک دم اُٹھ کرکھڑی ہوگئی اورسوال کیا کہ تم میں امام حسینؑ کی بہن ام کلثومؑ کون سی ہے؟ حضرت ام کلثومؑ نے فرمایا کہ میں ہوں ام کلثومؑ ۔یقیناً تو قابل مذمت ہے۔ سن میں اللہ کے پاک کردہ امامؑ کی اور مجسمۂ ذمہ داری بزرگ کی بیٹی ہوں ۔ایسے بزرگ کی بیٹی ہوں جس کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ فرض کر دیا اور جس کی نافرمانی پر اللہ نے سزا اور سرزنش دیا جانا لازم کر دیا ہے۔اور جس کو حاکمِ خداوندی ماننا حاضر وغائب دونوں پر فرض کیا ہے۔جس نے اپنے تمام مدِّ مقابل سربلند دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اُتارا۔ جسے اللہ نے نصرت کا تاج پہنایا،جس نے تمہارے بزرگوں لات وعزیٰ اور ھبل کو چکنا چور کر دیا تھا۔

یہ سن کر یزید کی بہن آگے بڑھی اور کہا کہ اے ام کلثومؑ اِسی لئے تم یوں گرفتار وقید کئے گئے اور اسی انتقام میں تمہیں یوں حاضر کیا گیا اور تمہاری توہین کی گئی ہے۔اے عبدالمطلبؑ کی اولاد کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ ہم اپنے بزرگوں ربیعۃ اور عتبہ اور ابوجہل اور اُن کے ہم پلہ لوگوں اور دیگر جوانوں کا قتل عام اور خون بہایا جانا بھول جائیں گے اور علیؑ سے بدر کا بدلہ نہ لیں گے؟

جناب ام کلثومؑ نے جواب دیا کہ اے وہ عورت جس سے پیدا ہونے والی اولاد خبیث ہوگی ۔اور اَے وہ عورت جو جگرخوارہ کی بیٹی ہے۔ او ملعونہ سن کہ ہم تمہارے خاندان کی عورتوں کے مانند نہیں۔تمہاری عورتیں تو عرب میں زنا کرانے کے لئے مشہور رہی ہیں۔اور تمہارے مرد بھی ہمارے مردوں کی برابری نہیں کر سکتے۔تمہارے مرد تو لات وعزیٰ اور بتوں کے سامنے سجدہ ریز رہتے تھے۔کیا ابوسفیان تیرا دادا نہیں جس نے تمام اقوام کو لے کر رسولؐ اللہ پر حملے کئے ۔کیا تیری ماں وہی تیری ہمنام ہند نہیں جو وحشی نام کے غلام سے فراخدلی سے یارانہ رکھتی تھی جس نے حمزہؑ کا جگر چبایا؟ کیا تیرے باپ نے اپنے امامؑ کو قتل نہیں کرایا۔کیا تیرے بھائی نے میرے بھائی کو ناحق قتل نہیں کیا

جو جنت کے جوانوں کا سردار اور دختر رسولؐ کا بیٹا تھا۔ اور جبرائیل ومیکائیل جس کے خادم تھے؟ اور یہ جو کچھ تمہارے پاس ہے آخرۃ میں حقیر وقلیل ہے۔

علامہ شعبی کہتے ہیں کہ یزید کی بہن کچھ نہ بول سکی، لاجواب ہوکر خاموش ہوگئی۔ اس کے بعد یزید کی بیٹی عاتکہ کھڑی ہوئی اور پکارا کہ تم میں حسینؑ کی بیٹی سکینہؑ (فاطمہؑ الاوسط عرف زینبؑ) کون سی ہے؟ حضرت سکینہ (فاطمہ الاوسط عرف زینبؑ) علیھا السلام نے فرمایا کہ کیا میں بھی بدر وحنین میں قتل ہونے والے مشرکین کے انتقام میں مطلوب ہوں۔ خدا تجھے غارت کرے تم لوگ جمع ہوکر ہمارا مذاق اڑا رہے ہو۔ اور ہمیں اس لئے نشانہ ملامت بنا رہے ہو کہ ہم بے یار و مددگار اور مصائب میں مبتلا گھرانا ہیں؟ یہ تو بڑے بڑے کمینہ لوگ بھی نہیں کرتے۔ میں علیؑ کی نورنظر ہوں تو کون ملعونہ ہے، نام تو بتادے؟ اس نے کہا کہ میں یزید کی بیٹی اور صاحب عزت وذکر خیر کی حقدار ہوں اور ہم حق بجانب ودیندار لوگ ہیں۔ حضرت سکینہؑ نے فرمایا کہ سنو! یہ دنیا آزمائش کی جگہ بنائی گئی ہے۔ اللہ نے آخرت اور اچھا نتیجہ اُن لوگوں کے لئے تجویز کیا ہے جو دنیا کے سامنے نہیں جھکتے۔ تم ہرگز ہمارے برابر نہیں ہو۔ کیا تیرا ملعون باپ، محمدؐ کی اولاد کا قتل عام کرنے پر نازنہیں کررہا ہے؟ کیا تیری ماں ایک غلام کی پُوجا میں مصروف نہیں رہتی؟ لہٰذا تیرے اوپر اور تیری ماں پر اللہ کی لعنت۔ ارے ہم تو ریگستان کے باشندوں کی ہدایت کرنے والے خاندان سے ہیں (الاحقاف 46/22)۔ ہمارے مرد وہی ہیں جو تمام جہنمیوں اور جنتیوں کو روز ازل سے جانتے اور پہچانتے ہیں (اعراف 7/46) اور ہم ہی تو عبد مناف کی اولاد کے قابل فخر لوگ ہیں۔ یہ سن کر یزید کی بیٹی ایسی لاجواب ہوئی جیسا کہ اس کے منہ میں پتھر کی ڈاٹ لگ گئی ہو۔

شعبی لکھتے ہیں کہ اُس کے بعد یزید کی زوجہ کھڑی ہوئی اور پکارا کہ تم میں سے حسینؑ کی وہ زوجہ کون سی ہے جس کو شاہ زناں اور نوشیرواں کی بیٹی کہا جاتا ہے؟ حضرت شہرؑ بانو نے کہا کہ میں ہوں جس کے لئے اللہ نے دنیا وآخرۃ کا فخر جمع کردیا ہے۔ میں حکومت میں ایک درجہ رکھتی ہوں اور امامت کے حضور میں ایک تحفہ ہوں۔ میں رسولؐ زادی کے اُس بیٹے کی زوجہ ہوں جسے ظلم وستم سے قتل کیا گیا ہے اور جو وصی رسولؐ اور مرتضیٰؑ کے فرزند ہیں۔ اوخبیث عورت تو کون ہے نام بتا۔ اس نے کہا کہ میں حبیب کی ماں اور یزید کی بیوی ہوں۔ عزت اور فخر کے مالک کی زوجہ ہوں۔ اُس کی زوجہ ہوں جس کے سامنے تمام شہروں کے باشندوں کی گردنیں جھکتی ہیں۔ شعبی لکھتے ہیں کہ یہ غپ سن کر حضرت شہرؑ بانو نے بڑھ کر کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اونٹوں کو گھوڑوں کے مقابلہ میں لایا جاتا ہے۔ ارے کہاں سورج کی چکاچوند کرنے والی روشنی اور کہاں تاریکی؟ ارے او کمینہ عورت سن ہم ہیں جو تمام باشندگان عالم کے بادشاہ ہیں اور ہمارے مرد پاک وپاکیزہ سید وسادات ہیں۔ اور تم امیہ کی نسل جہنم کا حقیر ترین ایندھن ہو۔ ارے بے ہودہ عورت تو اپنے عہد جاہلیت کے آبا واجداد اور اپنی اس اولاد پر فخر کرتی ہے جنھوں نے ہم پر عارضی غلبہ پالیا ہے۔؟

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد زوجہ یزید چپ ہوگئی اور بول نہ سکی۔ مگر اُس کی ایک نوجوان سوکن تھی وہ سورہی تھی گھبرا کر جاگی اور سارے کپڑے پھاڑ ڈالے منہ پیٹتی ہوئی آئی اور کہا کہ اَے خاندان یزید تمہاری صورتیں بگڑ جائیں اور تمہاری عزت خاک میں مل جائے۔ اَے قرآن کے ملعون شجرہ کی اولاد۔ اَے گندی ناپاک اور سرکش نسل کے لوگو۔ اے ابوسفیان کی اولاد جن کے نسب کی خرابیاں

معلوم ومشہور ہیں ۔جن پر تمام قسم کی تہمتیں ثابت ہیں ۔تمہارا حسب بھی بدترین ہے نسب بھی ناپاک ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارا اسلام ناقابل قبول اور تمہارا ایمان اللہ کے یہاں مردود ہے ۔ خدا تمہیں غارت کرے یہ تو ایک پاک ونیک سردار امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی اولاد ہیں اور پھر یہ اشعار پڑھے :۔

اُن کے ایسے چہرے ہیں جن سے نور برستا ہے ۔اُسی طرح جس طرح چاند اور سورج
کی روشنی پھیلتی ہے ۔تمام انسانوں اور تمام جنوں سے بڑھ کر پاک کرنے والے رسولؐ
کی اولاد ہیں ۔ایک فاسق وفاجر کی تلوار سے اُسی رسولؐ کا نواسا حسینؑ مقتول ہوا ہے ۔

شعبی کہتے ہیں کہ وہ بال کھولے ہوئے یزید تک پہنچی اور کہا کہ اے یزید تیرا بُرا ہو۔اولاد فاطمہؑ الزہراء پر دست درازی سے باز آجا۔میں ذرا دیر کو سوگئی تھی میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں ۔اور دیکھا کہ فرشتوں میں سے چار فرشتوں نے تیرا محل گھیر لیا ہے ۔اور کہہ رہے ہیں کہ حقیقی جبار بادشاہ اللہ اس محل میں رہنے والوں پر غضبناک ہوگیا ہے ۔لہٰذا اس محل کو جلا ڈالو۔سہل نے کہا ہے کہ یہ عورت بھی یزید کی ایک زوجہ تھی ۔ یزید نے اُس سے کہا کہ افسوس ہے تجھ پر کہ تو فاطمہؑ زہراء کی اولاد کا مرثیہ پڑھ رہی ہے ۔قسم بخدا میں تجھے بہت ہی بری طرح قتل کروں گا ۔زوجہ نے کہا کہ کیا کوئی ایسی شرط ہے جس سے میں قتل ہونے سے بچ جاؤں ؟ یزید نے کہا کہ ہاں تو کھڑی ہوکر علیؑ بن ابی طالبؑ کو گالیاں دے تو قتل سے بچ سکتی ہے ۔اس نے کہا کہ میں عمل کرنے کو تیار ہوں مگر مجمع عام تو ہو جو میرا کلام سن سکے ۔ یزید نے لوگوں کو حاضر کرنے کا حکم دے دیا ۔جب لوگ جمع ہوگئے تو یزید کی زوجہ کھڑی ہوئی اور کہا کہ اے لوگو جو یہاں موجود ہو سنو! یہ یزید ابن معاویہ ہے ۔اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں علیؑ بن ابی طالبؑ اور اُن کی آل واولاد کو گالیاں دوں اور اُن سے بیزاری کا اعلان کروں ۔خبردار ہو کر میرا بیان سنو! میں اعلان کرتی ہوں کہ تمام انسانوں کی اور تمام ملائکہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی اور خود اللہ کی لعنت ہو یزید پر ،اس کے باپ پر اور اُس کے دادا ابوسفیان پر ۔راوی نے بتایا کہ جب لوگوں نے یہ لعنت سن لی تو یزید کو بہت سخت غصہ آیا کہ اس کے ساتھ کیسا فریب کیا گیا اور کیسے مجمع عام میں اُسے اور اس کے آباواجداد کو ملعون کہا گیا ۔اُس نے کہا کہ ہے کوئی شخص جو اس عورت کا کام تمام کرکے میری مدد کرے ۔اس پر ملک شام ہی کا ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اُس مومنہ عورت کو ایک نہایت مہلک ضرب لگائی جس سے وہ گری اور رحمت خداوندی سے ملحق ہوگئی ۔'' (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن) (اکسیر العبادات ۔صفحہ 537 تا 538)

(الف)۔ اہل حرمؑ کا یزید کی مستورات سے خطاب

قارئین کرام سوچیں کہ یزید اپنے زمانہ کے بڑے شاعروں اور ادیبوں میں سے ایک تھا ۔ یوں بھی وہ ایسے خاندان کا چشم وچراغ تھا جو اُوپر سے خاندان رسولؐ کا مدمقابل رہتا چلا آیا تھا ۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ابوسفیان خود ایک ماہر نفسیات وسیاسیات شخص تھا ۔ اُسے سابقہ بادشاہانِ عرب کے یہاں کرسی ملا کرتی تھی ۔ وہ بھی بڑا طلیق اللسان فرد تھا ۔اُس کے خاندان میں ہر پیدا ہونے والا بچہ بنی ہاشمؑ سے مقابلہ کے لئے تیار کیا جاتا تھا ۔اور اب تو وہ ایک عظیم الشان حکومت کے مالک تھے ۔ اِن تمام مواقع کے باوجود حضرت زینب

علیھا السلام کے سامنے اُس کا ناطقہ بند ہوا۔امام زین العابدین علیہ السلام نے بھی اُسے اپنے فصیح و بلیغ خطبہ سے رُسوا کیا۔اس کے بعد بھی اُسے یہ امید کیسے ہوئی کہ وہی حضرت زینبؑ اُس کی ازواج اور بیٹیوں کے سامنے ناکام ہو جائیں گی؟ اور وہ عورتیں ہو کر اُنہیں مرعوب کر سکیں گی؟ حقیقت یہ ہے کہ یزید کے خاندان کی عورتیں اُسی سائز کی عورتیں تھیں جیسی لکھنؤ کی طوائفیں مشہور ہیں کہ بڑے بڑے نواب اپنے بچوں کو تمیز و تہذیب و کامیاب انداز گفتگو سکھانے کے لئے اُن کے یہاں بھیجا کرتے تھے۔ یزید کو اُن کی آوارہ مزاجی، نکتہ سنجی اور نخروں پر اس قدر بھروسا تھا کہ اُس نے بڑے یقین و اطمینان کے ساتھ حرم رسولؐ کو وہاں بھیج دیا۔لیکن وہاں حضرت زینب علیھا السلام کو مخاطب ہی نہیں کیا گیا۔ یہ بھی غالباً یزید ہی نے مشورہ دیا ہوگا۔ بہر حال جناب ام کلثوم، جناب سکینہ (فاطمہ الاوسط عرف زینبؑ) اور جناب شہر بانو علیھن السلام کی گفتگو آپ کے سامنے ہے۔اُن تینوں شہزادیوں نے اپنے اپنے بیانات میں نہایت مہذب اور شرعی الفاظ میں ایک ایک ایسی بات کہہ دی ہے۔جس نے یزید کی زوجہ اور ماں اور اوپر والی عورتوں کا پردہ کھول دیا۔اور خانوادہ یزید کو یقین ہو گیا کہ رسولؐ زادیوں کے سامنے یہ مصنوعی رعب اور یہ زنانہ داؤ پیچ نہ چلیں گے۔اُنہیں یقین ہو گیا کہ اس مقدس خاندان کی مستورات اور ننھی بچیاں بھی تاریخ اور قرآن پر عبور رکھتی ہیں۔اور ساتھ ہی اُن کے نورانی چہروں کے سامنے انہیں اپنی ملعون صورتیں بھیانک معلوم ہو رہی تھیں۔درحقیقت وہ پہلی نظر کے بعد ہی لب کشائی نہ کرتیں مگر یزید کا حکم بجالانے کے لئے ذلیل و خوار ہو رہی تھیں۔اُدھر خواب میں ایمان لانے والی عورت نے رہی سہی کمی پوری کردی۔خاندانی ملعون عورتوں کو بھی سہا کر رکھ دیا اور پھر یزید کی رسوائی اور ذلت کا ابدی سامان بن گئی۔اور خانوادہ رسولؐ پر قربان ہو کر اپنی عاقبت کو سنوار لیا اور خدمت خاتونؑ جنت میں جا پہنچی۔

(ب)۔ حضرت شہر بانوؑ پھر علما کی پریشانی کا باعث بن گئیں

ہمارے بعض علما تو یہ مانتے ہی نہیں کہ حضرت شہر بانو علیھا السلام کربلا میں موجود تھیں۔ہم تسلیم کرتے ہیں کہ موجود تھیں لیکن اسیران اہل حرم کے ساتھ قید ہو کر نہیں گئیں۔ بلکہ اپنی بیٹی فاطمہ کبریٰ عرف زبیدہ علیھا السلام کو ساتھ لے کر ایران کے علاقہ میں چلی گئی تھیں ۔لہٰذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر یزید کی مستورات سے کیسے خطاب کیا؟ اس کا جواب وہی ہے کہ جیسے امام زین العابدین علیہ السلام ابن زیاد کی قید میں بھی رہے اور لاشہائے شہدا کو دفن کرنے کے لئے بھی پہنچے۔اُسی طرح حضرت شاہ زناں علیھا السلام بھی جہاں اُن کی ضرورت ہوتی تھی وہاں موجود ملتی تھیں۔ وہ نہ قید سے گھبراتی تھیں نہ وہ حضرت زینب علیھا السلام سے افضل تھیں۔البتہ وصیت امام حسینؑ پر عمل لازم تھا۔لہٰذا تعمیل احکام امام علیہ السلام میں رضائے خداوندی حاصل کرنا اپنا فریضہ سمجھتی تھیں۔رہ گئے علما؟ تو وہ علما ہیں۔اپنی عاقبت واقوال کے ذمہ دار ہیں۔مانیں نہ مانیں یہاں مختار ہیں۔

(4)۔ یزید کے دربار میں امام اور اہل حرم علیھم السلام کی دوسری اجتماعی پیشی

آپ نے پہلی پیشی پر وہ خطبہ سنا تھا جو صدیقہ کبریٰ علیھا السلام نے یزید کو اُس کی پوزیشن دکھانے اور اپنا بزرگ ترین مقام سامنے رکھنے کیلئے بڑے جلال کے ساتھ دیا تھا اور جس کے بعد یزید تنہا امام زین العابدین علیہ السلام کو بلاتا رہا۔پھر آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ یزید نے اہل حرمؑ کو اپنی بیگمات کے ٹھاٹ دکھانے اور ذلیل کرانے کے خیال سے محل میں بھیجا تھا۔جس میں جناب ام کلثوم جناب

سکینہ (فاطمہ الاوسط عرف زینبؑ) وحضرت شہر بانو سلام اللہ علیھن نے محل میں نہ صرف خاندان یزید کے رسوا کن اعمال اور اُن کی بدنامِ زمانہ مستورات کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا تھا بلکہ یزید کی ایک نیک زوجہ نے ہنگامۂ دارو گیر برپا کر کے یزید اور بزرگان یزید کو مجمع عام میں لعنتی ثابت کر کے جام شہادت پی لیا تھا۔ آج پھر یزید ملعون نے اہل حرمؑ کو اپنے مخصوص شیوخ اور سرداران قوم کے سامنے طلب کیا ہے۔

(الف)۔ **امام علیہ السلام سے لاجواب ہو کر قتل کا حکم دینا اور خود قتل سے بچنے کے لئے حکم واپس لینا**

فی روایة الشعبی ثم امراَن یدخل علیه بعلیؑ بن الحسینؑ فاذا دخل والنِسّوة مِن خلفه فقال یزید مَنْ اَنْتَ یاغلام؟ فقال له یایزید انت اَعْرَفُ بی؛ انا علیؑ بن الحسینؑ بن ابیطاؑلب ۔ قال یزید اَلَیْس قد قُتِلَ علیؑ بن الحسینؑ ۔قال ذاک اخی علیؑ بن الحسینؑ الاوسط ۔قال یزید واِلَی القتل آتی بک یاعلیؑ ؟ ثُمَّ امربقتله فاخرج به ۔ فصا حت زینبؑ اِلٰی اَیْنَ یراد بک ۔ فقال اِلَی القتل ۔ فصاحت اُمّ کلثوؑم وزینبؑ وحسبک یایزید مِن دمائنا تناشدک اللّٰه اِن قَتَلْتَهُ فَاقْتُلْنَا ۔ فامر بردّه ثُمَّ قال یاعلیؑ اراد ابوک اَن ید عٰی با میرالمؤمنین فقطع اللّٰه شافتهُ ومنحنی اعناقکم فاخذت اموالکم وقتلت رجالکم وسَبّیْتُ نساء کم وابطلت احد وثتکم ۔ فقال علیؑ بن الحسینؑ بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم مَا اَصَابَ مِن مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ (حدید۔57/22) فرفع یزید راسه الیه وامربضرب عُنقه فاخرج مِن بین یدیه ۔ فصاحت به ام کلثومؑ اِلٰی اَیْنَ یاحبیبی؟ قال لها اِلَی السَّیف یاعمّة ۔ فصاحت واغوثاه باللّٰه عزّوجلّ والبقیّه مَن لایبقی یاسلالة نبیؐ الهُدٰی یابقیة ابن علیؑ المرتضٰی ۔قال فضجّ الناس بالبکا ۔فقال رجل من القوم یایزید رَدِّ الغلام واِلَّا فَاَنْتَ مقتول ۔فردّه ثُمَّ اَوقف بین یدیه ۔فقال له علیؑ بن الحسینؑ ویلک یایزید اِن کان لابد مِن قتلی فاحضرلی ثقة حَتّٰی اوصیه وصیة ؟ قال ومااَلَّذی توصی به ؟ فقال اُوصی الیه بردالحرم الٰی مدینة الرسوؐل قال یزید مایردّهُن سِوَاک وَاَرَادَ بذ لک هَدُوَالنَّاس ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 517)

علامہ شعبی نے روایت کیا ہے کہ پھر ایک روز یزید نے اہل حرمؑ اور امام زین العابدین علیہ السلام کو لانے کا حکم دیا۔ چنانچہ جب آگے آگے امامؑ اور اُن کے پیچھے رسولؐ زادیاں داخل ہوئیں۔ تو یزید نے تحقیق حال کے لئے پوچھا کہ اَے نوجوان تو کون ہے؟ امامؑ نے فرمایا کہ تو مجھ سے ساری دنیا سے زیادہ واقف ہے۔ میں حسینؑ کا بیٹا اور ابو طالبؑ کا پوتا علیؑ ہوں۔ یزید نے کہا کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ علی بن حسینؑ قتل ہو چکا ہے۔ امامؑ نے وضاحت کی کہ وہ میرا درمیانی بھائی تھا۔ اس پر یزید نے کہا کہ پھر یہ لوگ تمہارے قتل کا فیصلہ نہ کر سکے اس لئے میرے پاس تمہیں لایا گیا ہے کہ میں حکم دوں چنانچہ ان کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ جب انہیں قتل کرنے کیلئے لے جانے لگے تو حضرت زینبؑ نے دُور سے لے جاتے ہوئے دیکھا تو چلا کر پوچھا کہ آپ کو کہاں لے جانے کا ارادہ ہے؟ فرمایا قتل کے لئے لے جارہے ہیں۔ اس پر جناب ام کلثومؑ اور حضرت زینبؑ نے پکارا کہ اے یزید تجھے ہمارے گھرانے کا اتنا خون بہانا کافی نہ ہوا؟ خدا تجھے سبق دے۔ سُن اگر تو اِن کو قتل کرنا چاہتا ہے تو ہم دونوں کو بھی اُن کے ساتھ قتل کرادے۔ یہ ارادہ سن کر یزید نے امامؑ کو واپس لانے کا حکم دیا۔ اور پھر امامؑ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے علیؑ تمہارے باپ نے چاہا تھا کہ وہ امیر المومنین کہلایا کریں۔ اس لئے اللہ نے اُن کی جڑ کاٹ دی اور تمہاری گردنیں ٹیڑھی کر دیں، تمہارا مال ومتاع چھین لیا۔ تمہارے مرد قتل ہو گئے تمہاری عورتیں قیدی بن کر رہ گئیں۔ اور تمہاری تمام حدیثیں اور من گھڑت فضیلتیں باطل ہو کر رہ گئیں۔ امام علیہ السلام نے بسم اللّٰہ کر کے قرآن کی یہ آیت (حدید 57/22) پڑھی:۔

''تم لوگوں کو یا کائنات کی کسی اور مخلوق کو جو چیز بھی پہنچتی ہے۔ وہ ہمارے ریکارڈ میں
خوشگوار و مفید بنائے جانے سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اُس کا قبل ہی سے
لکھا ہوا ہونا اور اُسے خوشگوار و مفید بنادینا اللہ کے سامنے بہت آسان ہے۔''

یزید کو یہ منہ توڑ قرآنی جواب ملا تو اُس نے سر اٹھا کر غضبناک آواز میں امام زین العابدین علیہ السلام کا سر کاٹنے کا آخری حکم دے دیا۔ چنانچہ جلاد و متعلقہ لوگ اُن کو یزید کے سامنے سے ہٹا کر قتل گاہ کی طرف لے چلے۔ یہ دیکھ کر ام کلثومؑ کو شبہ ہوا اور چلا کر پوچھا اے حبیب کہاں لئے جارہے ہیں؟ فرمایا اَے پھوپھی مجھے قتل کے لئے لے جارہے ہیں۔ اس پر ام کلثومؑ نے اللہ سے فریاد کی یا اللہ ہماری مدد فرما؛ میرا بھتیجا اُن حضراتؑ کی تنہا یادگار ہے جن کا نام لیوا کوئی نہ بچا؛ یا اللہ یہ تو تیری ہدایت مآب نبوتؐ کا نچوڑ ہے۔ یہ تو علیؑ المرتضٰی کے سلسلہ امامت کی تنہا کڑی ہے۔ راوی نے بتایا کہ یہ تصریح سن کر موجودین میں رونے کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور سرداران قوم میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ یا تو فوراً اس نوجوان کو واپس بلاؤ اور قتل کا حکم واپس لو ورنہ تم خود قتل ہونے اور تڑپنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ یزید نے گھبرا کر واپس لانے کا حکم دیا۔ جب سید سجادؑ سامنے آکر کھڑے ہوئے تو یزید سے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ تو کسی نہ کسی بہانے سے میرا قتل کیا جانا ضروری سمجھتا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہے؟ تو کسی قابل اعتماد شخص کو یہاں بُلا تا کہ میں اسے وصیت کر دوں۔ یزید نے پوچھا کہ وہ وصیت کیا ہے جو تم کرو گے؟ فرمایا کہ میں اُسے رسولؐ زادیوں کو مدینہ پہنچانے کے متعلق ہدایات دوں گا۔ یزید نے لوگوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا کہ اہل حرمؑ کو تمہارے سوا کوئی اور مدینہ نہ لے جائے گا۔''

مطلب یہ تھا کہ تم اب زندہ رہو گے۔ اور آزاد ہو کر اپنے خاندان کی مستورات اور بچوں کو خود مدینہ لے کر جاؤ گے۔

(ب)۔ مندرجہ بالا آیت نے یزید کو کیوں مشتعل کیا۔ آیت پر دوسری نظر

اس آیت کے جو معنی شیعہ سُنی علما نے اختیار کئے ہیں۔ اُن سے کوئی ایسی خطرناک بات معلوم نہیں ہوتی کہ یزید آیت سنتے ہی معاف شدہ شخص کو دوبارہ قتل کرنے کا حکم دے دے۔ دوبارہ قتل کئے جانے کا حکم تو اُسی حالت میں دیا جانا حق بجانب ہوسکتا ہے جب کہ یزید کو چیلنج کرنے والی کوئی بات آیت میں ہو۔ یا کوئی نہایت اشتعال انگیز گالی یا طعنہ ہو یا کفر و بے دینی وغیرہ کا الزام ہو۔ بہرحال پہلے شیعہ سُنی ترجمہ دیکھیں اور پتہ لگائیں کہ اُس ترجمہ میں کوئی ایسی بات ہے جو یزید کو یا کسی اور شخص کو چراغ پا اور مشتعل کر دے؟

ا۔ مَآ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَهَا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ۝

2۔ لِّکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰکُمۡ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِ ۝ (حدید 57/22-23)

علامہ مودودی کا ترجمہ: ''کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اسکو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کیلئے بہت آسان کام ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 319)

شیعہ مقبول احمد ترجمہ: ''جو مصیبت بھی زمین پر اور تمہاری ذات پر گزرتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ہمارے پاس ایک نوشتہ میں (لکھی ہوئی) موجود ہے۔ بلاشک یہ امر اللہ کے لئے آسان ہے۔''

حاشیہ علامہ مودودی : ''کتاب سے مراد ہے نوشتہ تقدیر۔یعنی اپنی مخلوقات میں سے ایک ایک کی تقدیر پہلے لکھ دینا اللہ کیلئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 320)

دوسری آیت کا مودودی ترجمہ: ''تاکہ جو کچھ بھی نقصان تمہیں ہو اُس پر تم دل شکستہ نہ ہو اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اُس پر پھُول نہ جاؤ۔اللہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اپنے آپ کو بڑی چیز سمجھتے ہیں اور فخر جتاتے ہیں۔''(ایضاً صفحہ 319-320)

شیعہ مقبول احمد ترجمہ: ''تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اُس پر تو تم افسوس نہ کرو اور جو کچھ اُس نے تم کو عطا کیا ہے اس پر آپے سے باہر نہ ہو جاؤ۔اور اللہ ہر چھچھورے شیخی باز کو دوست نہیں رکھتا۔(ترجمہ حدید 57/23)

(ج)۔ پہلی اور امام کی تلاوت کردہ آیت پر ہماری گزارشات

ہم اپنی ہر تصنیف میں علما کے فری اسٹائل اور غلط ترجمہ کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔یعنی یہ ہماری عادت ہے اور وہ علما کی عادت بلکہ ایک مسلسل سنت ہے۔ہم نے یہاں مذکورہ اور زیر نظر آیت سے اگلی آیت اور اُس کا ترجمہ بھی لکھ دیا ہے۔اس سے ہم دو باتیں ظاہر و واضح کرنا چاہتے ہیں۔پہلی یہ کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اس دوسری آیت کو بھی ایک ملاقات میں یزید کے جواب میں پڑھا تھا اور وہ تفصیل بھی آنے والی ہے۔دوسرا مقصد یہ ہے کہ لفظ ''**مصیبت**'' کے حقیقی معنی کو قرآن سے اور اُن مترجمین کے قلم سے ثابت کر کے علما کے ترجمہ کو غلط قرار دے دیں۔لہٰذا پہلی غلطی یہ ہے کہ مصیبت کے معنی آفات و حادثات و رنج و غم والم و بیماری وغیرہ میں مبتلا ہونا نہیں ہیں۔یہ دوسری پراپیگنڈہ کی کامیابی ہے کہ علما نے اُردو میں اس کے یہی معنی ہر خورد و کلاں کے دماغ میں جما کر بٹھا دیئے ہیں۔

لفظ مصیبت کا بنیادی مادّہ (ص و ب) صوب ہے اور اس کا اوّلین مصدر صَوْبٌ یا صَوْبًا ہے۔اور اس کے معنی ہر جگہ (ٹھیک ٹھیک مقام پر) پہنچنا ہیں۔اسی مصدر سے ایک بڑا مصدر (باب افعال سے) بنایا جاتا ہے۔اور وہ ہوتا ہے۔ اِصَابَۃٌ ۔جس کے معنی پھر پہنچنے اور پہنچانے کے ہوتے ہیں۔چنانچہ مولانا سید عبدالدائم لکھتے ہیں'' اِصَابَۃٌ (باب افعال) ارادہ کرنا۔ٹھیک ارادہ کرنا۔اترنا۔پالینا کسی چیز پر پہنچ جانا۔صحیح چیز کو پالینا۔نشانہ پر تیر بیٹھ جانا۔''(لغات القرآن جلد نمبر 5 صفحہ 401)

اور قرآن نے فرمایا کہ: **اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا... الخ**(آل عمران 3/165)

''کیا جس وقت پہنچی تم کو مصیبت تحقیق پہنچایا تھا تم نے دو برابر اُس کے (رفیع الدین)۔

یہاں **اصابتکم** اور **اصبتم** کے معنی پہنچنا اور پہنچانا ثابت ہیں۔گڑ بڑ اسلئے ہوتی ہے کہ یہ لوگ مصیبت کے معنی کرتے ہی نہیں تاکہ اُنکے گھریلو معنی پکے ہو جائیں۔اب یہ دیکھئے کہ لفظ مُصیبت کی صورت اور معنی کیا ہیں پھر لغات القرآن اٹھایئے لکھتے ہیں:۔

'' مُصِيْبَةٌ ۔اسم فاعل واحد مونث مرفوع نکرہ۔ اِصَابَۃٌ مصدر۔باب افعال۔غم۔تکلیف سختی۔دکھ پہنچانے والی ہر چیز۔

اصل میں مصیبۃ صفت کا صیغہ ہے۔ رَمْيَةٌ مُصِيْبَةٌ کہا جاتا ہے ٹھیک نشانے پر لگنے والی تیر اندازی۔لیکن کثرت استعمال کے سبب موصوف کا استعمال گویا ترک کر دیا گیا اور لفظ مصیبت موصوف سے بے نیاز ہو گیا۔''

(یعنی علما نے جبراً بے نیاز کر دیا اللہ نے نہیں۔) لغات القرآن جلد نمبر 5 صفحہ 400)

ثابت ہوا کہ مصیبت اسم فاعل ہے یعنی ہر وہ چیز جو بلا خطا کئے وہاں پہنچے جہاں اس کا پہنچنا طے شدہ ہے۔ لہٰذا مصیبت کے معنی ہوئے ''پہنچنے والی'' لہٰذا ابھی ابھی گزری ہوئی آیت کے مصدری اور حقیقی معنی ہوں گے کہ:۔

''کیا جس وقت پہنچی تم کو پہنچنے والی (اَوَلَمَّآ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ)''

''تم نے اُسی سے مثل دوگنا پہنچائی (قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا)''

دوسرا لفظ جو امامؑ کی تلاوت کردہ آیت (57/22) میں آیا ہے۔ وہ ہے **نَبۡرَأَهَا** ۔اس لفظ میں حرف نون تو جمع متکلم کو ظاہر کرنے کیلئے آیا ہے اور آخر میں **هَا** بے جان چیز کی ضمیر ہے۔ اصل لفظ زیرِ غور **بَرَاَ** ہے۔ یہ وہی بنیادی لفظ ہے۔ جس سے الفاظ۔ بَری ہونا۔ یا **تبرّا** کسی سے بیزاری کرنا وغیرہ نکلتے ہیں۔ اس کے معنی مترجمین نے ''**پیدا کرنا**'' رگڑ دیئے ہیں۔ حالانکہ پیدا کرنے کے لئے عربی میں **خلق** وغیرہ کئی ایک مستقل الفاظ ہیں۔ اس کے معنی آج سے نوسو سال قدیم عالم سے سنئے:

''(برا) اَصۡلُ الۡبُرۡءُ وَالۡبَرَاءُ والتَّبرِّی التَّفَصّی مِمَّایُکۡرَہُ مُجَاوَرَتُہُ۔''

''اس لفظ کی کوئی سی صورت ہو اُس کے اصلی یا حقیقی معنی ہیں کسی چیز سے وہ تمام حالتیں دور کر دینا جن سے ناگواری یا ناپسندیدگی کا تعلق ہو۔'' (مفردات القرآن راغب اصفہانی صفحہ 44) اور اُردو کی کتاب سے: بُرۡءٌ ۔ بَرَاءٌ ۔ تَبَرِّیُ سب کا معنی ہے کسی مکروہ چیز سے چھٹکارا پانا۔'' (لغات القرآن۔ جلد نمبر 6 صفحہ 17 مولانا عبدالدائم)

آپکو ایک دھوکہ ہوسکتا ہے اسے بھی پہلے ہی صاف کرلیں۔ عموماً بَـرِيَّةٌ کے معنی مخلوق کر لئے جاتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے کہ: اُولٰٓئِکَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِيَّةِ (البیّنۃ 98/6) اور اُولٰٓئِکَ هُمۡ خَيۡرُ الۡبَرِيَّةِ (البیّنۃ 98/7) یعنی وہ لوگ ساری مخلوق سے زیادہ شر پسند ہیں۔ یا، وہ لوگ ساری مخلوق سے زیادہ خیر پسند یا بہتر ہیں۔ لیکن ذرا سا غور کریں کہ لفظ **بَرِیٌ** کے معنی ہیں کسی بات سے بے تعلق ہونا۔ وہ مقدمہ سے بری ہوگیا۔ یعنی اُسکا متعلقہ جرم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ سوچیں کہ لفظ **بَرِیٌ** مذکر اسم فاعل ہے۔ اِس کا مونث ہوگا بَـرِيَّةٌ۔ چنانچہ مندرجہ بالا دونوں آیات میں یہی لفظ تو ہے۔ اسکے معنی کیوں مخلوق ہو جائیں گے؟ پھر ایک قرانی دلیل دیکھیں اللہ نے فرمایا کہ: **هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ**..... (حشر 59/24)

وہ اللہ (1) خالق ہے (2) عیبوں کو، مکروہ چیزوں کو اور ناپسندیدگی کو دُور کرنے والا اور (3) صورت بنانے والا ہے۔

معلوم ہوگیا کہ خالق اور صفت ہے۔ باری دوسری صفت ہے۔ لہٰذا اللہ نے امامؑ کی مذکورہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ:۔

''انسانوں کو اور کائنات کی تمام مخلوقات کو اُن سے متعلق جو چیز بھی پہنچتی ہے؛ خواہ اچھی ہو اور فائدہ پہنچائے خواہ بُری ہو اور نقصان پہنچائے وہ تمام پہنچنے والا سامان ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

یعنی ہر مخلوق اور اُس کی ضروریات و متعلقات اللہ کو معلوم ہی نہیں بلکہ اُن کو باقاعدہ ایک کتاب میں ریکارڈ بھی کر دیا گیا ہے۔ تاکہ جسے وہ کتاب دے دی جائے وہ بھی اُن چیزوں اور متعلقہ مخلوق سے واقف و مطلع ہو جائے۔ یہاں تک بقول مودودی صاحب اور تمام علما کے یہ نوشتہ تقدیر ہوگیا۔ اور لفظ نَبۡرَاهَا کو الگ کر کے مسئلہ جبر اور یزید کا مقصد ثابت ہوگیا۔ یعنی امام حسین علیہ السلام کے قتل ہونے؛ مال

واسباب لٹنے ؛ اہل حرمؑ کے قید ہونے کا سبب مسئلہ تقدیر ہے۔یعنی جو کچھ اللہ نے مذکورہ کتاب یا نوشتہ تقدیر میں لکھ رکھا تھا وہ پورا ہو گیا۔ یزید کی اس میں کیا خطا ہے۔اسی صورت حال کو شیعہ سنی ترجمہ ثابت کرتا ہے۔یعنی اللہ نے لوگوں کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ؛ اور اُن پر گزرنے والی مصیبت کے آنے سے پہلے اس کتاب میں لکھ رکھا تھا۔مگر ہم نے نبراء کے معنی پیدا کرنا نہیں کئے۔اس لئے کہ اس کے معنی بری کرنے کے ہیں ۔ ناگواری ناپسندیدگی یا کراہت اور عیب دُور کرنے کے ہیں ۔لہٰذا امامؑ نے بتایا کہ وہ سب کچھ جو ہم پر گزرا یا کسی اور پر جو کچھ گزرتا ہے۔کتاب میں تو ضرور لکھا ہوا ہوتا ہے۔مگر اُس پر گزرنے والی صورت یا حالت کو اللہ نے عیب ونقص وکراہت سے پاک کرنے یا بری کرنے سے پہلے اس کتاب میں لکھا تھا۔لہٰذا کتاب میں لکھا ہوا ہونے کے بعد یہ صورت حال باقی رہ جاتی ہے کہ اللہ اُس پہنچنے والی (مصیبت) کو عیب ونقص وناگواری سے پاک کرکے بھیجے یا اُسی حالت میں بھیج دے جس میں وہ اُس کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔دوسرے الفاظ میں امامؑ نے فرمایا تھا کہ:۔

میں اور حسینؑ اور علیؑ اور محمدؐ اُس کتاب کے عالم ہیں ۔ہم پر وہ سب کچھ جو گزرا وہ اللہ کی ناپسندیدگی وناگواری کے ماتحت نہیں گزرا بلکہ وہ سب کچھ اِدھر ہمیں پسند تھا۔اُدھر اللہ کو پسند تھا۔اور ہماری آزادی واختیار کے مطابق وقوع میں آیا ہے۔

اور دوسری آیت مسلسل کہتی ہے کہ ایسی صورت میں پہنچنے والی (مصیبت) چیز سے نقصان ہو جائے تو افسوس کرنا غلط ہے ۔اور اگر نفع ہو جائے تو اکڑنا اور فخر وغرور کرنا باطل ہے ۔لہٰذا اے یزید یہ ہمارے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے ۔ بلکہ تو خدا کو ناپسند ہے ۔اور تیرا مختال اور فخور ہونا ثابت ہے۔یہ تھی وہ اشتعال انگیز صورت حال جو قرآن ناطق علیہ السلام نے یزید کے سامنے رکھ دی تھی اور اُس کی امیر المومنینی شرمندگی وخجالت سے بھرے دربار میں دب کر رہ گئی تھی۔اور اُس کا اور اُسکے سابقہ بزرگوں کا عقیدۂ جبر وتقدیر پٹ کر رہ گیا تھا۔اور اُس کی فوج کشی سے لے کر آج تک کا ہر اقدام شیطانی اتباع میں سرزد ہوا تھا۔اور یوں وہ لعنتی وجہنمی ثابت ہو گیا تھا۔اس لئے وہ چاہتا تھا کہ جو شخص اُسے یوں قرآن پڑھ کر باطل مذہب کا پیرو ثابت کر دے اُسے قتل کرا کے اُس سے چھٹکارا اور نجات حاصل کرلے۔

مومنین کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ یقیناً راوی نے اُس شخص کا نام معلوم کرکے بتایا ہوگا جس نے یزید کو وہیں دربار میں قتل کرنے کی دھمکی دی اور جس کی دھمکی پر یزید نے یقین کیا اور قتل امامؑ سے باز رہا۔مگر اُس کا نام رفتہ رفتہ رشوت لے کر لکھنا بند کیا گیا۔اور آج کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون زبردست شخص تھا۔جسے بعد میں بھی یزید ماخوذ نہ کرسکا۔ یہاں یہ بھی واضح ہے کہ اس پیشی پر امامؑ، یزید کے قریب اور اہل حرمؑ سے دُور بٹھائے گئے تھے۔اور وہ کسی دوسری پیشی کی بات ہے جس میں حضرت زینب علیہا السلام امامؑ کو بچانے کے لئے اُن سے اس طرح لپٹ گئی تھیں کہ اُن کو قتل کئے بغیر امامؑ کو قتل نہ کیا جاسکتا تھا۔

(5)۔ یزید کے دربار میں تیسری اجتماعی پیشی ؛ یزید کے محل میں ماتم ؛ یزید کی ندامت

مومنین یہ نوٹ فرمالیں کہ یزید ملعون خواہ مخواہ اہل حرمؑ اور امامؑ کو دربار میں نہ بلاتا تھا۔ بلکہ مملکتی مصلحتوں کے تقاضہ کے بغیر بلانا عقلمندی نہیں تھا۔اس لئے کہ اہلبیت علیہم السلام کی ہر پیشی یزید کی رسوائی میں اضافہ کرتی تھی۔اور کوئی صاحب ہوش شخص اچھا ہو یا بُرا اپنی رسوائی خود اپنے ہاتھوں پسند نہیں کرتا۔سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ اہل الشام آل محمدؐ سے قطعاً متعارف نہ تھے۔ یہاں آل محمدؐ وخاندان

مرتضویؑ کے متعلق جو بدنام کرنے والے قصے مشہور کر کے پھیلا رکھے تھے۔ اُن قصوں کا تقاضہ بھی تھا کہ تمام وہ لوگ پس ماندگان حسینؑ سے ذاتی طور پر ملاقات کریں جو سیاست و مذہب اسلام کے معلم اور ذمہ دار بنائے گئے تھے۔ اور جن سے وقتاً فوقتاً علیؑ و خاندان علیؑ کے خلاف فتاویٰ اور تعاون طلب کیا جاتا رہا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے فیصلوں اور تعاون کے حق بجانب ہونے کی خود تصدیق کریں۔ پھر وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ جس علیؑ کی اتنی فداکاریاں اور جان نثاریاں مشہور و معلوم ہیں کہ حکومت شام دشمن ہوتے ہوئے بھی اُن کا انکار نہیں کرتی۔ وہ علیؑ ،ایسی قربانیوں اور بے پناہ اطاعت شعاریوں کے بعد اللہ و رسولؐ اور قرآنی تعلیمات سے باغی ہو جائے گا۔ اور اُس طرز حکومت کو پسند نہ کرے گا جو بقول قریش اللہ و رسولؐ اور قرآن نے بتایا ہے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ خلفائے مابعد کے ساتھ علیؑ و اولاد علیؑ کا متفق نہ ہونا، اُنہیں خائن و غادر و غاصب کہنا کیا وزن رکھتا ہے؟ وہ اس عظیم ترین کثرت سے اختلاف کرنے میں ضرور وزن دار دلائل رکھتے ہوں گے۔ پھر وہ کیسے مادہ سے بنے ہوئے، کیسے خون و گوشت پوست کے بچے اور عورتیں ہیں جو اس قدر مظالم و مصائب و شدت کے باوجود نہ معافی مانگتے ہیں، نہ منت و سماجت کرتے ہیں، نہ خوف و دہشت کا اثر لیتے ہیں نہ اپنی ماؤں اور بہنوں سے شکوہ و شکایت کرتے ہیں۔ پھر چوبیس گھنٹے کا کھلا گشت اُن کے علم و فضل و رعب و جلال کی دھوم مچا چکا تھا۔ جنہوں نے نہ دیکھا تھا وہ دیکھنا چاہتے تھے۔ جنہوں نے بات نہ کی تھی وہ باتیں سننا چاہتے تھے۔ اور مصیبت یہ تھی کہ وہ کسی عام جیل یا کیمپ میں قید نہ تھے ورنہ ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا۔ انہیں تو محل کے اندر بھی ایسی جگہ رکھا گیا تھا جہاں سوائے یزید اور خاص خادموں کے کسی کی رسائی نہ تھی۔ پھر دو چار روز میں جب یزید اپنی توہین بھول جاتا تھا تو وہ خود بھی اہلبیتؑ سے کلام نبوّت و رسالت سننا چاہتا تھا۔ خواہ اس کی توہین ہی کیوں نہ ہو۔ یزید کو امام زین العابدین علیہ السلام کے مذہبی تصورات زیادہ سے زیادہ سُننے اور معلوم کرنے کی ضرورت تھی۔ تاکہ وہ اُن کا جواب تیار کرا کے مدرسوں، مسجدوں اور عدالتوں میں پھیلائے۔ وہ ایک ادیب و شاعر بھی تھا۔ اُسے اصول و نہج بلاغت و فصاحت سیکھنے کا اس سے عمدہ موقعہ نہ مل سکتا تھا۔ بہرحال جب یزید کے ذہن پر خارجی یا داخلی دباؤ بڑھ جاتا تھا تو وہ پیشی کا حکم دیتا تھا۔ اور کوشش کرتا تھا کہ سابقہ پیشیوں کی بہ نسبت کم توہین و تذلیل ہو۔ اور ایسے پہلو سوچ کر بیٹھتا تھا کہ اگر ممکن ہو تو گفتگو کا پلہ بھاری رکھ سکے۔ چنانچہ اس پیشی کی اطلاع محل کے اندر بھی دی گئی ہے۔ تاکہ یزید کے بچے اور عورتیں اور قریشی عورتیں دربار کے زنانہ دروازہ کے متصل پس پردہ بیٹھ کر گفتگو سن سکیں۔ چنانچہ ابن صباغ مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ میں لکھتے ہیں کہ:۔ **انہ لما ادخل نسآء الحسینؑ فی مجلس یزید والراس بین یدی یزید فجعلت فاطمۃؑ وسکینۃؑ (فاطمہ الاوسط زینبؑ) یطاولان لِتنظر اِلَی الرَّاس وجعل یزید یَسْتَرُ عنہما ۔فلمارایناہ صحن واَعْلَنَّ بالبکاءِ ۔فبکت ببکائِھُنَّ نسآء یزید وبنات معاویۃ فولولن واعلنَّ الصوت فقالت فاطمۃ علیہاالسلام بنات رسولؐ اللّٰہ سبایا یایزید اَیسرّک ھذا ؟ فقال واللّٰہ مایسرّنی واَنّی لھذا کَارِہٌ وما اتی علیکُنَّ اعظم مِمَّا اخذ منکنَّ** ۔(اکسیر العبادات۔ صفحہ 516)

جب حسین علیہ السلام کے اہل حرمؑ کو یزید کے اجلاس میں داخل کیا گیا تو امام حسینؑ کا سر یزید کے سامنے رکھا تھا۔ چنانچہ سر مظلوم کو دیکھنے کیلئے جناب فاطمہؑ اور جناب سکینہؑ (فاطمہ الاوسط عرف زینبؑ) نے خود کو پنجوں کے بل اُبھر اُبھر کر گردن اُٹھا اٹھا کر کوشش شروع کی تو یزید نے سر کو آڑ میں کرنا شروع کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر دونوں بچیوں نے بے قرار ہو کر چیخیں مارنا اور رو کر فریاد کرنا

شروع کر دیا اور اُنکا رونا سن کر یزید کی مستورات بھی برداشت نہ کر سکیں۔انہوں نے بھی اور معاویہ کی بیٹیوں نے بھی بلند آواز سے رونا اور ولولہ وفریاد شروع کر دی۔ جناب فاطمہ علیھا السلام نے کہا کہ اَئے یزید یہ کیسی تعجب انگیز بات ہے کہ تو رسوؐل کی بیٹیوں کو قید کر کے اُن کی رسوائی پر مسرور ہے۔کیا واقعی تجھے اس سے راحت ومسرت حاصل ہوتی ہے؟ یزید کا جواب چونکہ اسکے حرم اور ازواج اور بیٹیوں نے بھی سننا تھا۔اسلئے کہا کہ قسم بخدا مجھے تمہارے قید کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ میں تو اس صورت حال کو ناپسند کرتا ہوں۔سنو جو کچھ تمہارا لوٹ لیا گیا ہے میں تمہیں اُس سے زیادہ قیمتی سامان دیدوں گا۔کوئی یزید سے پوچھتا کہ تو جو کچھ دے سکتا ہے وہ تو اُن پاکباز وراستباز لوگوں کو درکار ہی نہیں ہے۔تو گلستان زہرؑاء کو تاراج کر کے اس سے بہتر کیا اور کیسے دے گا؟

مومنین غور فرمائیں کہ یزید کے حرم میں بھی انقلاب آچکا ہے۔ یہ وہی مستورات تھیں جنہوں نے رسولؐ زادیوں کا مذاق اڑانے اور توہین وتذلیل کی کوشش کی تھی۔پھر اُن عورتوں میں بنی اُمیہ کے سرداروں اور شیوخ کی خواتین بھی تھیں۔یعنی یہ حسینؑ کے بچے اور اہل حرؑم ایک بولتا چالتا انقلاب تھے۔جنہوں نے وہ کام کیا جو امام حسین علیہ السلام کی قربانی کا اصل مقصد تھا۔یہی اسیران اہل حرؑم ہیں جن کی آواز آج تک زمین وآسمان اور فضاؤں میں گونجتی اور آگے ہی آگے بڑھتی چلی جارہی ہے۔ کتنے کوتاہ اندیش تھے وہ خالی خولی سوکھے ہمدرد لوگ جو بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کرتے رہے۔اور کتنی دوررس تھیں وہ نگاہیں جو زندگی میں قبل از وقت ہی اُن اسیران اہل حرؑم کی کارکردگی کو دیکھ رہی تھیں۔اور طے کر لیا کہ جب تک اُن کا بچہ بچہ اور ہر مددگار شہید نہ ہو جائے اہل حرؑم اسیر نہ کئے جاسکیں گے اور اُن کی اسیری کے بغیر یہ مشن ناکام رہے گا۔ چنانچہ اس قربانی کو چار چاند لگانے اور صحیح انقلاب پیدا کرنے میں حضرت زینبؑ وام کلثومؑ حضرت سجاؑد اور اُن تمام بچوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے وہ مصائب برداشت کئے، اُن تکالیف اور اذیتوں سے گزرے جو کوئی اور برداشت نہ کرسکتا تھا۔

(6)۔ امام زین العابدین علیہ السلام تنہا دربار یزید میں پھر حکم قتل اور عقیدہ جبر کی شکست

آج یزید چند آیات پیش کر کے اپنا حق بجانب ہونا ثابت کرے گا اور امامؑ کے مقابلہ پر اللہ کو لا کھڑا کرنے کی اسکیم لے کر بیٹھا ہے۔

فی خبر عن الصادقؑ قـال یزید یاعلیؑ بن الحسینؑ الحمد للّٰه الّذی قَتَلَ اباک ۔ فقال علیؑ بن الحسینؑ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ قتل اَبِیْ ۔قال فـغضب یزید وامر بضرب عنقه ۔فقـال علیؑ بن الحسینؑ فاذا قَتَلْتَنِیْ فبنات رسولؐ اللّٰه مَنْ یردّهُنَّ ولَیْسَ لَهُنَّ محرم غیری ۔فقال انـت تَـرَدّهُـنَّ الٰـی مـنـازلهن ثُمّ دعی بمبرد فاقبل یَبَرِدّ الجامعة عن عنقه بیده ۔ثُـمّ قـال لـه یاعلیؑ بن الحسینؑ اتد ری مالّذی ارید بذلک۔ قـال بَلٰی ترید اَن لایکون لاحد عَلیَّ مِنّة غیرک ۔فـقال یزید هٰذا واللّٰه مااَرَدْتُّ ۔ثـم قال یاعلیؑ مااصاب مِن مصیبة فی الارض فبما کَسَبَتْ اید یکم ۔فقال علیؑ بن الحسینؑ کَلّاماهٰذه ۔فِبنَا نَزَلَتْ انّما نَزَلَتْ فینا۔مَا اَصَابَ مِن مُّصِیْبَةٍ فِیْ الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّن قَبْلِ اَن نَّبْرَاَهَا۔فنحن الذین لاتاسی علی مافاتنا ولا نفرح بمااَتَانَا منها۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 517)

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ یزید نے کہا کہ اے علیؑ بن حسینؑ میں اُس اللہ کی حمد وثنا بجالاتا ہوں جس نے تمہارے والد حسینؑ کو قتل کیا۔امامؑ نے جواب میں کہا کہ اللہ اُس پر لعنت کرے جس نے میرے باپ حسینؑ کو قتل کیا۔ یہ جواب سُن کر

یزید کا غصہ بھڑک اُٹھا اور اُس نے اپنی سابقہ گفتگو کو نظر انداز کر کے پھر امامؑ کا سر کاٹ دینے کا حکم دے دیا۔ امامؑ نے بطور یاد دہانی کہا کہ اگر تو نے مجھے قتل کر دیا تو میرے سوا کوئی اور رسوؐل کی بیٹیوںؑ کا محرم نہیں بچا ہے۔ اُنہیں کون واپس لے کر جائے گا؟ اب یزید نے کہا کہ تم ہی اُن کو اُن کے گھروں میں لے کر جاؤ گے۔ ریتی (FILE) لانے کا حکم دیا۔ جب ریتی آ گئی تو لوہے کے اس پھندے کو گھس گھس کر الگ کرنے میں بذاتِ خود مصروف ہو گیا جو قتل سے پہلے دربار میں پہنایا جاتا تھا۔ جس سے گردن جھک کر سینے سے ٹھڈی لگ جاتی ہے۔ اُسے گھستے گھستے یزید نے کہا کہ یا علیؑ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کیوں بذاتِ خود اس پھندے کو کھولنا چاہتا ہوں؟ امامؑ نے فرمایا ہاں تمہارا ارادہ یہ ہے کہ میری گردن کو آزاد کرنے میں تیرے سوا مجھ پر کسی اور کا احسان نہ ہو۔ یزید نے کہا کہ خدا کی قسم میرا یہی ارادہ ہے۔ پھر یزید نے یہ آیت پڑھی:۔ مَآ اَصَابَکُم مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ۔ (الشوریٰ 42/30)

''جو کچھ بھی پہنچنے والی تم کو پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہوتی ہے۔ اللہ بہت کچھ نظر انداز کر دیتا ہے۔''

امامؑ نے فرمایا یہ آیت ہمارے حق میں ہرگز نازل نہیں ہوئی۔ ہمارا معاملہ تو اس آیت میں بیان ہوا ہے کہ ''تم لوگوں کو یا کائنات کی کسی اور مخلوق کو جو چیز بھی پہنچتی ہے وہ ہماری کتاب میں خوشگوار و مفید بنائے جانے سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اُس کا پہلے ہی سے لکھ دینا اور خوشگوار و مفید بنانا اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ چنانچہ اگلی آیت تصدیق کرتی کہ ہم اہلبیتؑ وہ لوگ ہیں جو اُن چیزوں پر اس سلسلے میں افسوس و ملال کرتے ہی نہیں جو ہم سے جاتی رہیں اور نہ ہی اُن چیزوں پر اتراتے اور بغلیں بجاتے پھرتے ہیں جو ہمیں اس سلسلے میں عنایت کی جاتی ہیں۔'' (اکسیر العبادات۔ صفحہ 517)

اس روایت میں یہ حقیقت کھل کر نظر آ رہی ہے کہ یزید کی ترش کلامی اور سخت روی کو زلزلہ کا سامنا ہے۔ جب اس کی سلطانی اور مطلق العنانی سامنے آتی ہے تو بے تحاشہ اُس کی زبان پر حسب شاہانہ عادت سخت الفاظ و احکام آ جاتے ہیں۔ لیکن جب مقام اہلبیت اور اپنے جرائم کا نتیجہ جھلک دکھاتا تھا تو عاجزی چھا جاتی تھی۔ اُس کا رویہ اُن مواقع پر بھی سخت ہو جاتا تھا جب اس کے ہم نشینوں میں مروان بن حکم ایسے قوم کے لیڈر ہوتے تھے جو اُسے عاجزی اور نرمی پر طعنہ دے سکیں۔ بہر حال رفتہ رفتہ بادل ناخواستہ وہ ایسے اقدامات کرنے پر مجبور ہو گیا تھا جن سے انسانیت سوز سلوک کا الزام ہٹایا جا سکے۔

سارے دمشق نے اور خود قریشی و اموی خاندانوں اور سرداروں نے علیؑ و محمدؐ کے گھرانے کی مستورات اور بچوں کو جس صبر وسکون سے زنجیروں اور طوق میں جکڑا ہوا دیکھا تھا وہ نہایت نفرت انگیز تھا۔ دنیا کا کوئی ظالم سے ظالم شخص اور جانی دشمن بھی اس بے رحمی کو برداشت نہ کر سکتا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ خطرناک مجرموں کو طوق و زنجیر بھی پہنایا جاتا ہے۔ طوق و زنجیر کی ایجاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ جسے پہنائے جائیں اُنکو ایسی حرکات سے جبراً محروم کر دیا جائے جن سے وہ مزید نقصان کر سکیں۔ اور اگر کسی طرح قید خانہ سے نکل بھی جائیں تو فرار نہ کر سکیں۔ بیڑیاں لمبا قدم اُٹھانے سے روکیں؛ طوق سر و گردن کو جھکائے رکھے اور نظر اپنے قدموں سے آگے نہ جا سکے؛ زنجیروں کی کھنکھناہٹ کا شور چاروں طرف سے لوگوں کو جمع کر کے قیدی کو پکڑوا دے۔ لیکن اگر قیدی بیمار و لاغر و ناتواں ہو، جس میں جلدی سے کھڑا ہونے کی طاقت بھی نہ ہو۔ اُسے طوق و زنجیر اور بیڑیوں میں جکڑا ہوا دیکھ کر سب کو رحم آئے گا، افسوس ہوگا۔ پھر اگر بیماری و ناتوانی

کے ساتھ ہی ساتھ قیدی عورتیں ہوں تو ہر دیکھنے والے کے دل میں قید کرنے والے کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اور اگر زنجیروں اور رسوں میں بندھے ہوئے قیدی چھوٹے چھوٹے بچے ہوں تو دیکھنے والوں کے دل تڑپ جائیں گے۔ اور خواہ بچوں کا یا بچوں کے والدین کا جرم کتنا بھی سنگین کیوں نہ ہو۔ لوگ اُنہیں آزاد کرانے اور آسودگی دلانے کیلئے چاروں طرف سے ٹوٹ پڑیں گے۔ اہل حرمؑ اور سرہائے شہدؑا چوبیس (24) گھنٹے دمشق کی شاہراہوں، کوچوں، گلیوں، سڑکوں اور بازاروں اور چوراہوں میں پھرائے گئے۔ یہی وہ دوران گشت رات تھی جب کسی بچہ یا خاتون پر نیند کا غلبہ دیکھ کر انہیں نیزہ کی نوک سے جگایا اور ہوشیار رکھا گیا تھا۔ اہلبیتؑ کی شکایات میں سے یہ بھی ایک شکایت ہے کہ ہمیں سونے نہ دیا جاتا تھا۔ پہرہ والے تو سو کر تازہ دم ہو کر ڈیوٹی پر آتے تھے۔ بہر حال یہ دردناک اور نفرت انگیز سلوک جاری رہا۔ یزید ومعاویہ کے سخت گیر انتظام کے باوجود اِدھر اُدھر اظہار تعجب وافسوس ورنج ونفرت بھی کیا گیا، یزید کو چھوٹے موٹے احتجاجات اور لعنت وملامت وتصادم کی رپورٹیں بھی ملیں۔ لوگوں نے پہرہ داروں کو پیسے دے کر عارضی طور پر بچوں کی زنجیریں بھی کھلوائیں۔ رسیوں کے پھندے ڈھیلے بھی کرائے۔ مگر نئے ڈیوٹی والے پھر باندھ دیتے اور کس دیتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کا تکلیف سے نہ رونا دل کو گہرے زخم لگاتا تھا۔ جلوس کو دیکھ کر واپس جانے والا ہر مرد وعورت ایک مرقع ظلم وستم اور ایک خاموش داستان غم اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ ذرا سوچئے کہ اگر آپ اُس جلوس کو دیکھتے تو کیا گھر واپس آ کر آپ اپنے بچوں کو دیکھ کر خاموش رہتے۔ یہی جلوس تو تھا۔ جسے دیکھنے والے بچوں نے والدین پر قیدی بنانے کا تقاضہ کیا، زنجیریں منگوائیں۔ مومنین اپنے ماحول پر نظر ڈالیں گے تو انہیں آج بھی کچھ لوگ ایسے نظر آجائیں گے جو زنجیریں پہنے رہتے ہیں۔ زنجیروں نے اُنکے جسم پر پکے گڑھے، گھٹے اور نشانات ڈال دیئے ہیں۔ یہ اُسی جلوس کے پَرتَو ہیں جو مختلف صورتوں میں مومنین کے یہاں ملتے ہیں۔

بہر حال رفتہ رفتہ یزید کی اسلام دشمنی اور خاندانِ رسولؐ سے عداوت اور علیؑ واولادِ علیؑ سے بغض وکینہ وعناد پر اُس کی فراست غالب آتی جارہی تھی۔ وہ فضاؤں میں منڈلاتے ہوئے انقلاب سے بچنے کی راہیں تلاش کرنے میں مصروف تھا اور ہر راستہ بند معلوم ہوتا تھا۔ آج اُس نے اپنے دربار میں اپنی قوم کے سرداروں اور شرفا کو بلایا ہے؛ سپہ سالاران افواج موجود ہیں۔ اراکین سلطنت شاہی لباس میں ملبوس اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ اور خود تاجِ شہنشاہی پہنے جواہرات میں غرق تخت خلافت پر بیٹھا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک سونے کے طشت میں قیمتی رومال سے ڈھکا ہوا رکھا ہے۔ وہ سب فرزند رسولؐ امام زین العابدین اور دختران فاطمہ زہراء علیہم السلام کی آمد کا انتظار کررہے ہیں۔ سب کی نگاہیں قیدیوں کے آنے والے دروازے پر لگی ہوئی ہیں کہ زنجیروں کی آواز آنے لگی۔ ذرا دیر میں امامؑ زمانہ طوق وزنجیر پہنے سنبھل سنبھل کر قدم اُٹھاتے ہوئے داخل ہوئے۔ پیچھے پیچھے رسن بستہ رسولؐ زادیاں اور اطفال حسینؑ پہرہ والوں کے نرغے میں لائے گئے اور سب کو قیدیوں کے مقام پر کھڑا کر دیا گیا۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام طوق کی وجہ سے اور رسوؐل کی بیٹیاں شرم وحیا کی بنا پر سروں کو جھکائے ہوئے تھیں۔ البتہ بچے؛ دربار میں بیٹھے ہوئے ہر فرعون اور نمرود کو عظمت وجلال کی معصوم نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ادھر یزید ملعون اور تمام شیاطین اسیران اہل حرمؑ کے سکون ووقار کو دیکھ کر سہم رہے تھے۔ اور حیران تھے کہ اُن کے اعضا میں رعشہ کیوں ہے؟ وہ سب یہ سوچ رہے تھے کہ شاید فضا میں کوئی دھماکہ ہونے والا ہے۔ شاید شاہی ایوان کی چھت

سروں پر گرنے والی ہے۔تمام موجودین پر ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔آخر امامؑ نے درباریوں کی حیرانی اور خاموشی کو اپنے کلام سے رفع کیا اور یزید کو موقعہ دیا کہ وہ لب کشائی کر سکے۔آیئے روایت سنیئے:۔

(7)۔ اسیران اہل حرم علیہم السلام کی ایک اور اجتماعی پیشی طوق وزنجیر سے رہائی؟

قال السیّد رضی اللّٰہ عنہ: ثُمَّ دخل ثقل الحسینؑ و نسائہٗ وَمَن تخلّف مِن اھلہ علٰی یزید وھم مُقَرّنُون فی الحبال۔فلمّا وقفوا بین ید یہ وھم علٰی تلک الحال قال لہ علیؑ بن الحسینؑ انشدک اللّٰہ یایزید مَاظنّک بِرَسولؐ اللّٰہ لورَاٰنَا علٰی ھذہ الحالۃ ؟ فَاَمَرَ یزید بالحبال، فَقَطَعَتْ ثُمَّ وضع راس الحسینؑ بین ید یہ واجلس النسآءَ خلفہ لِئَلّا ینظرون الیہ۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 516-517)

جناب السید ابن طاؤس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: پھر امام حسین علیہ السلام کا جانشین (ثقلین میں سے ایک) جناب امام زین العابدین علیہ السلام دربار میں داخل ہوئے اور اُن کے ساتھ ہی پیچھے پیچھے حسینیؑ خواتین اور حسینؑ کے پس ماندگان اور اطفال لائے گئے۔ وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ رَسوں میں بندھے ہوئے تھے۔ جب وہ سب اس قید و بند کے عالم میں سامنے کھڑے کر دیئے گئے تو جناب امامؑ نے کہا کہ اے یزید اللہ تجھے باقاعدگی اور انسانیت کا سبق دے۔تو اس معاملہ میں کیا تصور اور عقیدہ رکھتا ہے کہ اگر اس وقت ہمیں رسولؐ اللہ اسی موجودہ حالت میں دیکھیں تو کیا اثر لیں گے؟ اور کیا اس صورتِ حال کو پسند فرمائیں گے؟ یہ کلام سُن کر یزید نے گھبرا کر جلدی سے حکم دیا اور تمام زنجیریں اور رَسے کاٹ کر الگ کر دیئے گئے۔ساتھ ہی اُس نے سرمبارک کو اپنے سامنے رکھوالیا اور رسولؐ کی بیٹیوںؑ کو اپنی پس پشت بٹھانے کا انتظام کرایا تا کہ مستورات اور اطفال حسینؑ سرمظلومؑ پر نظر نہ ڈال سکیں۔

قال ابن نما: فقال علیؑ بن الحسینؑ فقلت وانا مغلول اَتَاذَن فی الکلام ؟ فَقَالَ قُلْ وَلَا تقل ھجرًا ۔ فقال لقد وقفت مَوْقَفًا لا ینبغی لِمِثْلِی اَنْ یَّقُوْلُ ھجرًا۔ماظنّک برسولؐ اللّٰہ لَوْرَاٰنِیْ فِی الغَلِّ ؟ فقال لِمَن حولہ خَلُّوہُ۔(اکسیرالعبادات صفحہ 517)

علامہ ابن نما نے خود امام زین العابدین علیہ السلام کی زبانی لکھا ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ: ''میں نے یزید کو مخاطب کر کے کہا کہ اے یزید اگرچہ میں طوق وزنجیر میں اس لئے رکھا گیا ہوں کہ کلام کی ابتدا نہ کروں۔مگر اس کے باوجود میں پوچھتا ہوں کہ کیا تُو مجھے بات کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یزید نے کہا کہ اچھا کہیئے مگر موضوع وحالات سے ہٹ کر کوئی کلام نہ کریں۔ غالباً مطلب یہ تھا کہ سر دربار اجازت لے کر میری مذمت شروع نہ کر دیں۔امامؑ نے فرمایا کہ میں نے تو ایسی ذمہ دارانہ پوزیشن اختیار کر رکھی ہے کہ جس کا خود یہ تقاضہ ہے کہ میں اور میرے ہم مثل حضرات موضوع وحالات کے اوپر ہی بات کیا کریں۔سُنو! یہ بتاؤ کہ تمہارا اُس معاملہ میں کیا عقیدہ اور تصور ہے کہ اگر مجھے رسولؐ اللہ طوق وزنجیر میں جکڑا ہوا دیکھیں...... جملہ پُورا بھی نہ ہوا تھا کہ یزید نے اپنے پاس موجود متعلقہ لوگوں کو حکم دیا کہ فوراً طوق وزنجیر سے آزاد کر دو۔''

چونکہ اسیران اہل حرمؑ سے لوگوں کی ذاتی ملاقات ناممکن تھی۔اس لئے اس دربار میں آج ایسے کلیدی عہدیدار کافی بلائے گئے تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں چشم دید بیان دے کر پبلک کے دلوں میں بھڑکتی ہوئی نفرت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں کوشاں ہوں۔محل کے اندر کی یہ قید لوگوں میں یہ یقین بار بار پیدا کرتی تھی کہ امام حسین علیہ السلام کے پس ماندگان کو یقیناً قتل کر دیا گیا ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ انہیں

عام جیل میں نہیں رکھا گیا کہ اس بے رحمانہ قتل عام کا پتہ نہ چل سکے۔ کوفہ وشام میں اور دمشق کی راہ میں آنے والی آبادیوں میں اور دمشق میں اہلبیتؑ رسولؐ کی تشہیر ایک بہت مہلک غلطی ثابت ہو چکی تھی۔ جاسوسوں کی رپورٹوں اور استحکام مملکت کا تقاضہ تھا کہ لوگوں کو اسیران اہل حرمؑ سے باتیں کر کے جو کچھ دیکھا اور سنا ہے اُس کی تصدیق کا موقعہ ہرگز نہ دیا جائے۔ بلکہ یہ مشہور کیا جائے کہ وہ سب شاہی مہمان ہیں۔ دو شاہزادوں میں اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ فوج کشی کے جواب میں فوج کشی کی گئی تھی۔ دُور دراز فاصلوں کی بنا پر بروقت احکام نہ پہنچ سکے۔ سپہ سالار اعظم عبیداللہ ابن زیاد اور فیلڈ مارشل عمر بن سعد نے بعد کے احکام کی تعبیر غلط کر لی اور یوں حادثہ رونما ہو گیا تھا۔ جب پس ماندگانِ حسینؑ نے صحیح حالات بتائے تو یزید نے بڑا ہی بُرا منایا، اُسے بہت صدمہ ہوا۔ وہ اور اس کے اہل حرم اس غم میں سوگوار ہیں۔ حرم حسینیؑ کے ساتھ عزیزوں ایسا سلوک ہو رہا ہے۔ اور کوشش کی جاتی رہی کہ انہیں ہمیشہ کے لئے اپنے خاندانی افراد کی طرح رکھا جائے اور مدینہ نہ بھیجا جائے۔ اس مقصد تک پہنچنے کی ذیل میں مذکورہ بالا تدریجی اقدامات کئے جا رہے تھے۔ طوق وزنجیر، بیڑیوں اور رسوں سے نجات کے باوجود لوگوں کو بار بار دکھانے کے لئے دربار میں لانے سے پہلے عارضی طور پر پہنا دیئے جانے کا طریقہ بھی رہا تا کہ یزید کی فراخ دلی خوب شہرت پا جائے۔ چنانچہ ایک اور موقعہ پر طوق وزنجیر میں پیش کیا گیا۔ اور درباریوں کے سامنے یہ سب کچھ اُتارا گیا تھا۔ لیکن یزید کی مطلق العنانی کسی کو حقیقت کے سمجھنے کا موقعہ نہ دیتی تھی۔ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ کسی بات پر پھر خفا ہو کر دوبارہ سزا میں اضافہ کر دیا ہوگا۔ اور کسی بات سے خوش ہو کر سزا میں تخفیف کر دی ہوگی۔ بادشاہوں کی کوئی بات مستقل نہیں ہوتی۔

(8)۔ امامؑ زین العابدین کو دربار میں تنہا طوق وزنجیر اُتار کر قریب بٹھانا

فی روایت فصول المهمه ابن صباغ مالکی ۔ ثُمَّ امر لِعَلِیُ بن الحسینؑ وادخل عَلیه مَغْلُولًا ۔ فقال علیؑ بن الحسینؑ یایزید لَوْرَاٰنَا رسولؐ اللّٰه مغلولین لَفَکَّهٗ عَنَّا ۔ وامر بفکّهٖ عنه ۔ فقال لَوْرَاٰنَا رسولؐ اللّٰه عَلٰی بُعْدٍ لَاَحَبّ اَنْ یُّقَرّبنَا اِلَیْهِ ۔ فامر به فَقَرَّبه منه ثُمَّ قال یزید اَیّه یاعلیؑ بن الحسینؑ ابوک الَّذِی قطع رحمی وجَهِلَ حَقّی وَ نَازَعنی سلطانِی فنزل به مَارَاَیْت ؟ فقال علیؑ بن الحسینؑ۔ مَااصاب مِن مصیبة فی الارض ولا فی انفسکم اِلّا فی کتٰبٍ مِن قبل اَن نبراها اِنَّ ذٰلک عَلَی اللّٰه یسیر۔

(اکسیر العبادات۔ صفحہ 517)

علامہ ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب فصول المھمہ میں لکھا ہے کہ یزید نے پھر امام چہارم کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں ہتھکڑی، بیڑی اور طوق وزنجیر میں جکڑا ہوا لایا گیا۔ امامؑ نے آتے ہی یزید سے کہا کہ اگر ہمیں رسولؐ اللہ اس طرح طوق وزنجیر وغیرہ میں جکڑا ہوا دیکھتے تو ضرور ہمیں اس سے نجات دلاتے۔ یزید نے یہ سب کچھ اتارنے کا حکم دے دیا۔ جب آپ آزاد ہو گئے تو فرمایا کہ اگر رسولؐ اللہ یہ دیکھتے کہ مجھے اتنی دور کھڑا کیا جاتا ہے تو وہ حضرتؐ مجھے اپنے سے قریب بلانا پسند کرتے۔ یزید نے انتظام کرنے کا حکم دیا اور امامؑ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ اب یزید کو موقعہ ملا تو کہا کہ دیکھو آپ کے والد نے میرے والد کے ساتھ بے رحمی کی تھی، میری اس پوزیشن کا لحاظ نہ کیا تھا۔ اور میری حکومت کے بارے میں تنازعہ کھڑا کر دیا جس کے نتیجہ میں اُن کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ہے جو آپ دیکھ اور بھگت رہے ہیں۔ امام زین العابدینؑ نے بتایا کہ قرآن کریم کی رُو سے ہمیں اللہ نے عظیم ترین مقام عطا کرنے اور پُوری کائنات کی نجات کا

ضامن بنانے کیلئے جو کچھ اپنی کتاب میں لکھا تھا۔ اُسے محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہراء علیھم السلام کو بتایا گیا۔ اُنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو مطلع کیا اور انہیں اختیار دیا کہ وہ اس شہادت عظمیٰ اور مصیبت کبریٰ کو اختیار کریں یا نہ کریں۔ دونوں صورتوں میں انہیں اور ان کے ماں باپ اور نانا کو مذکورہ مرتبہ ملے گا۔ میرے والد نے امت کی نجات کو اوّلین مقام دیا اور یہ سب کچھ بخوشی قبول کیا جو اے یزید تم نے کیا اور کر رہے ہو۔ بار بار نصرت خداوندی آئی لیکن میرے والد نے نہ چاہا کہ وہ تمہیں اور تمہارے ساتھ لاکھوں فریب خورہ لوگوں کو تباہ وبرباد کریں۔ یہ ہے میرے والد کی پوزیشن؛ اللہ کی اور ہماری نظر میں اور یہی وہ بزرگ ترین مقام ہے۔ جس کو زیادہ سے زیادہ کارگر وکامیاب بنانے کے لئے ہمارا بچہ بچہ متفق اور صبر وسکون ویقین کامل سے کوشاں ہے۔

یزید کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ علیؑ اور خاندان علیؑ نے اُسکی اور اسکے باپ کی حکومت کیوں برداشت نہ کی جبکہ وہ اس سے پہلے تین خلفا کی حکومت کسی نہ کسی صورت میں برداشت کرتے رہے۔ اُس سے کہا جاتا تھا کہ وہ لوگ بظاہر شریعت کے خلاف کام نہ کرتے تھے۔ وہ کہتا تھا۔ اُن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس نے میری عمر میں شراب وزنا وغیرہ سے اجتناب کیا ہو۔ اور اگر وہ میری عمر میں حکومت پالیتے تو تم انہیں مجھ سے کہیں زیادہ بڑھا چڑھا دیکھتے۔ انہیں حکومت جب ملی جب اُنکے اعضا جواب دے گئے، جب اپنے دماغ پر وہ ایک بوجھ بن گئے، جب قبر سے چند قدم کا فاصلہ رہ گیا۔ لیکن اس کے باوجود جب ضرورت ہوئی اُنہوں نے آخری وقت میں شراب پی۔ اگر زنا بھی اسی آسانی سے ہوسکتا جس آسانی سے پانی پیا جاسکتا ہے تو یقیناً وہ اس میدان میں بہت کچھ کرتے۔ مگر اُن کے اعضا مضمحل ہوگئے تھے۔ لذات جسمانی سے محروم ہوچکے تھے۔

یزید کی بہنیں، بیٹیاں اور ازواج اور دیگر بیگمات یزید کی مصلحتوں پر مطلع نہ تھیں۔ وہ یہ سمجھنے لگی تھیں کہ یزید اہلبیتؑ رسولؐ پر مہربان ہوگیا ہے۔ طوق وزنجیر اور بیڑیاں اتروا دی ہیں۔ بس اب شاید چند روز کے بعد اُن کو قید سے بھی رہا کردے گا۔ وہ چاہتی تھیں کہ حضرت زینبؑ وام کلثومؑ وشاہ زناں سے اپنی گستاخیوں کی معافی مانگیں۔ اُنہیں اُن کے بھائی اور دیگر جگر پاروں کی شہادت پر پُرسہ دیں۔ گھر میں مجلس عزا برپا کریں اور بتائیں کہ ہم سیاسیات سے قطعاً ناواقف ہیں۔ ہمیں جو کہانیاں اور قصے سُنائے گئے تھے وہ سب گمراہ کن افواہوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ آپ حضرات کو دیکھ کر ہمیں آپ کی اور اپنی پوزیشن کا فرق معلوم ہوگیا ہے۔ یہ سب کچھ یزید کو نہ پسند آسکتا تھا نہ اس کا نتیجہ اُس کی حکومت کے حق میں مفید ہوسکتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ جب لوگوں کو یہ علم ہوگا کہ یزید کا اپنا خاندان حسینؑ اور پس ماندگانِ حسین علیھم السلام کا طرفدار ہے تو بغاوت کا جواز پیدا ہوجائے گا۔ بغاوت باطل کے خلاف جہاد کی صورت اختیار کرلے گی۔ لہٰذا یزید کو محلاتی دباؤ نے مجبور کردیا کہ وہ رسولؐ زادیوں کو ایک دفعہ پھر محل میں بھیجے مگر ترکیب یہ کی کہ اہلبیتؑ کے پہنچنے سے پہلے سر امام حسینؑ محل کے دروازہ پر لٹکانے کا حکم بھی جاری کردیا۔ تاکہ دیکھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ محل میں شاہی بیگمات گریہ وزاری کررہی ہیں۔ بلکہ یہ سمجھا جائے کہ خانوادہ حسینؑ کی مستورات اور بچے رورہے ہیں اور خاندان یزید اسیران اہل حرمؑ کی حالت پر مسرور ہورہا ہے۔ چنانچہ جب سر مبارک آویزاں کردیا گیا تو اسیران اہل حرمؑ کو اُسی بیرونی دروازے سے محل کے زنانہ حصہ میں لے جانے کا حکم دیا جس دروازے پر سر مقدس لٹک رہا تھا۔ اور امام زینؑ العابدین کو مردانہ میں اپنی مجلس میں بلوایا گیا سنئے:۔

(9)۔ اسیرانِ اہلِ حرمؑ کو قصرِ یزید میں بلا کر بیگمات یزید کا پرسہ اور ماتم حسینؑ

قال صاحب المناقب وذکر ابومخنف وغیرہ اَنَّ یزید امر بِاَن یصلب الراس علٰی باب داره وامر باھلٍ بیت الحسینؑ یدخلوا داره ۔فَلَمَّا دَخَلَتِ النسوة دار یزید لَمْ یَبْقَ مِن آل معاویة ولا ابی سفیان احد اِلَّا اِسْتَقْبَلَتْھُنَّ بالبکآء وَالصراخ والنیاحة عَلَی الحسینؑ والقین ماعلیھن من الثیاب والحلّی واقمن الماتم علیه ثلاثة ایام وخرجت ھند بنت عبداللّٰه بن عامر بن کربز امراة یزید حتّی شقّت الستر و ھِیَ حاسرة فوثبت اِلٰی یزید وھو فی مجلس عام فقالت یایزید اراس ابن فاطمةؑ بنت رسولؐ اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله مصلوب عَلَی فنآء بابی ؟ فوثب اِلَیْھَا یزید فغطّاھا وقال نعم فاعولی علیه یاھند وابکی علٰی ابن بنت رسوؐل اللّٰه وصریخة قریش عجّل علیه ابن زیاد فقتله قتله اللّٰه ۔(اکسیر العبادات صفحہ 541-540)

کتاب مناقب کے مصنف نے کہا کہ ابومخنف وغیرہ نے تذکرہ کیا ہے کہ یزید ملعون نے امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو اپنے محل کے دروازے پر لٹکانے کا حکم دیا اور اسکے بعد امام حسینؑ کے اہل بیتؑ کو اپنے محل میں اپنی مستورات کے پاس بھجوایا۔ چنانچہ جب رسوؐل کی بیٹیاں اور بچے سر مبارک کو دیکھتے ہوئے یزید کے محل میں داخل ہوئے تو یزید اور معاویہ اور ابوسفیان کی تمام عورتیں اور بچے اہل بیتؑ کے استقبال کے لئے چیخیں مارتے اور روتے فریاد کرتے پہنچے چاروں طرف امام مظلومؑ پر نوحہ اور ماتم ہو رہا تھا۔ مستورات و بیگمات نے اپنے دوپٹے اور قیمتی لباس اُتار کر پھینک دیا تھا۔ تین روز مسلسل مجلس عزا اور ماتم حسین علیہ السلام قائم رکھا گیا۔ یزید کی سب سے چہیتی اور حَسین زوجہ ہند بنت عبداللہ بن عامر نے اپنے تمام کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر برہنہ محل سے نکل کر اچانک یزید کے بھرے اجلاس میں نالہ وفریاد کرتی ہوئی داخل ہوگئی۔ یزید اور تمام درباری حیران اور ششدر رہ گئے۔ اُس نے یزید سے کہا کہ اے یزید تو نے میرے محل کے دروازہ کی بلندی پر رسولؐ اللہ کی بیٹی کے فرزند حسینؑ کا سر لٹکا رکھا ہے؟ یزید نے دوڑ کر اُس پر پردہ کے لئے چادر ڈالی اور نہایت آزردہ اور پٹی ہوئی آواز میں کہا کہ یہ حسینؑ ہی کا سر ہے۔ تم حسینؑ بن فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ کا دل کھول کر سوگ مناؤ جتنا ہوسکے اُن پر اشک بہاؤ۔ اللہ ابن زیاد کو غارت کرے اُس نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ اس خبیث نے فرزند رسوؐل کو موقعہ دیئے بغیر قتل کر دیا۔

وَلَا یخفی علیک اِنَّ المستفاد مِن بعض الروایات اَنَّ ذلک الصَّلب کان ثلثة ایام و ھذا کما قال فی البحار وذکر غیرھما اَنَّ راسه صلب بدمشق ثلاثة ایام ھذا وقال ابن شھر آشوب وسمع ایضًا صوت الراس الشریف بدمشق یقول لا قُوَّةَ اِلَّا باللّٰهِ وسمع ایضًا یقول: اِنَّ اصحاب الکھف والرّقیم کانوا مِن آیاتنا عجباً۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 541)

بحار الانوار میں اور ابن شہر آشوب سے روایت ہے کہ دمشق میں تین روز تک سر امام حسین علیہ السلام محل کے دروازہ پر لٹکا رہا اور سرؑ مبارک سے لا قُوَّةَ اِلَّا باللّٰهِ اوراِنَّ اصحاب الکھف والرقیم کانوا مِن آیاتنا عجبًا کی آیات سنائی دیتی رہیں۔

مومنین نے غور فرمایا کہ یزید نے اپنی عزیز ترین اور سر چڑھی زوجہ ہند کو اجلاس سے واپس بھیجنے کے لئے ابن زیاد پر قتل کا جرم لگا کر ہند کا غصہ وغضب دوسری طرف موڑ دیا۔ لیکن زیر بحث ہند کا سوال تو یہ تھا کہ تو نے سر مبارک کو میرے محل کے دروازہ پر کیوں لٹکایا ہے؟ یزید نے ہند کا سر و چہرہ ڈھکنے اور واپس محل میں پہنچانے کے جھمیلے میں اصل سوال کا جواب نہیں دیا۔ اور تین روز برابر سر مقدّس کو محل کے دروازے سے نہیں اتارا۔ اس لئے کہ تین روز برابر مجلس عزا قائم رہی تھی۔ وہ ہند کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں حسینؑ کا اور پس ماندگانِ

حسینؑ کا آج بھی دشمن ہوں۔ اور یہ کہ میرے تمام اقوال اور نرم اقدامات از راہ ہمدردی نہیں بلکہ خطرات کو دور رکھنے کی تمہید ہیں۔ اور یہ کہ میرے محل میں میرے خاندان میں شہدائے کربلا کا ماتم اور سوگ برپا ہے۔ لیکن میں پبلک پر یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ میرا خاندان تو خوشیاں منا رہا ہے۔ رونے پیٹنے والوں کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ ورنہ یہ سر دروازہ پر کیوں لٹکایا جاتا۔ اُسے عزت واحترام سے دفن کرنے کا بندوبست کیا جاتا۔ دراصل یزید کو امام حسینؑ اور اُن کے اطفالؑ وحرمؑ نے چاروں طرف سے گھیر کر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بچ نکلنے کی تدبیروں میں الجھ کر رہ گیا تھا۔ ہر تدبیر اُلٹی پڑ رہی تھی۔ اگر اس کے لئے ممکن ہوتا تو اگر سب کو نہیں تو کم از کم امامؑ زین العابدین کو ضرور قتل کرا دیتا۔ اور اِسی مقصد تک پہنچنے اور مناسب موقعہ پانے کے لئے اُس نے پورا ایک سال اہل حرمؑ اور امام چہارم علیہم السلام کو قید میں رکھا۔ لیکن اُس کے سامنے ہر روز ایک نئی سیاسی اور مذہبی صورت حال آ کر کھڑی ہو جاتی تھی۔ اور یہ ایسی صورتیں تھیں جن کے حل کرنے کی قابلیت مسٹر جون میں بھی نہ تھی۔

ابتدائی چھ ماہ محل کے دارالموت میں اہل حرمؑ اور امام زین العابدین علیہم السلام کو اس لئے رکھا کہ جب چاہوں گا سب کو ایک دم یا ایک ایک کر کے موت کے گھاٹ اُتار دوں گا۔ چنانچہ اس کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ یہ ایسی خفیہ اور انسانی رسائی سے دُور جگہ تھی کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ہم نے اُن سب کو رہا کر کے راتوں رات مدینہ روانہ کر دیا تو کوئی تصدیق وتکذیب نہ کر سکتا تھا۔ مدینہ تک پتہ لگانے کون جاتا؟ شامیوں کو اس کی کیا ضرورت تھی اور اگر راز کھل ہی جاتا تو کہہ دیا جاتا کہ کسی بدو یا ڈاکو قبیلے نے قتل کر دیا ہوگا۔ بہر حال ہم انہیں دمشق سے روانہ کر چکے ہیں۔ یہ جو علما میں مشہور ہے کہ چند روز کے بعد رہا کر دیا گیا تھا یہ اسی قسم کی افواہوں میں سے ہے جس کی تصدیق کے لئے راستے کے قصے، کربلا جانا، جابرؓ سے ملنا وغیرہ گھڑے گئے۔ لیکن اُن جعلی اور جھوٹے قصوں میں فطری ربط مفقود ہے۔ اور علما برابر اُلجھتے اور مَن سمجھوتہ کرتے چلے آئے ہیں۔ چھ ماہ بعد جس جیل میں رکھا گیا اُس کا مقصد یہ تھا کہ ملاقات کے لئے آنے والوں کی فہرست بنائی جائے اور دیکھا جائے کہ ہمدردوں میں کون کون اور کس حیثیت کے لوگ ہیں؟ اور پھر اُن کا تدارک اور دفاع کیا جائے جو بعد میں برابر قتل عام اور جلاء وطنی کی صورت میں جاری رہا۔ پھر آخری دو تین ماہ ذرا کھلی جگہ رکھا گیا تا کہ امامؑ زین العابدین کی نقل وحرکت کا رُخ دیکھا جائے اور پتہ لگایا جائے کہ اُن کے قلب وذہن میں انتقامی کیفیت کا کیا وزن ہے؟ جاسوس لوگ شیعہ اور محبان آل محمدؐ بن کر ملتے تھے، بغاوت کی باتیں کرتے تھے، نصرت کا نیا لالچ دیتے تھے۔ بہر حال اُن کو قتل کرنے اور جرم کی تخلیق کرنے پر بھی کافی محنت وتدبر سے کام لیا گیا۔ مگر ہمارا جواب بڑا مختصر ہے کہ وہ امامؑ تھے ہر شخص کے قلب وذہن میں گزرنے والی واردات تک پر مطلع رہتے تھے۔ بہر نوع امامؑ کو قتل کرنے کی ایک اور کوشش سنیئے:۔

(10)۔ یزید اور اس کا بیٹا دونوں بیٹھے ہیں؛ امام علیہ السلام کو بلایا جاتا ہے؛ قتل کی نئی کوشش

قصر یزید میں عزاداری وماتم کی خبریں نوکروں اور خادماؤں کے ذریعہ سے باہر نکل گئیں۔ لوگوں میں مختلف ردعمل لازم تھا۔ کچھ لوگ یہ سُن کر کہ محل میں اہلبیتؑ کو پرسہ دیا گیا ہے اس امید میں مبتلا ہو گئے کہ بس آج کل میں رہائی کی خبر ملے گی۔ مشکوک خیالات رکھنے والوں نے سوچا کہ رہائی ملے گی یا نہ ملے گی اور کب رہائی ملے گی یہ تو ابھی بعد کی اور مشکوک بات ہے۔ مگر یہ تو تحقیق ہو گئی کہ اہلبیتؑ رسولؐ

ابھی زندہ ہیں ۔طرح طرح کی نئی باتیں نکل کر سامنے آنے لگیں ۔ ایسا نہ ہو یزید معافی مانگ کر تخت خلافت سے دستبردار ہوجائے اور اقتدار نکل کر بنی ہاشمؑ تک جا پہنچے ۔مروان اور مروانی وابوسفیانی قسم کے اموی سرداروں کے سروں میں نئی فکر ہے۔ وہ یزید پر جتنا دباؤ ڈالیں کم ہے ۔ بہرحال چشم بصیرت یزید کے اقدام میں وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جس کے دباؤ سے وہ اقدام کیا جاسکتا تھا۔حضرت امامؑ زین العابدین کو لانے کا حکم دیا گیا۔اس سلسلہ میں علامہ دربندی رضی اللہ عنہ کا بیان اور روایت سنئے ، لکھتے ہیں کہ:۔

اَنَّ یَـزِیْد قدعزم مرّات کثیر ة عَـلٰی قتـل الامـام سیـد السـاجد ین صلوات اللّٰہ علیہ واَن اللّٰہ عزّوجلّ قد صرف عنہ القتل ونحو ذ لک مـن جـمـلـة مـن الامـور فـاعـلـم انّ لرّوایات الناطقة بانّ یزید کان قدعزم علٰی قتل الامام سیدالساجدینؑ مرّات کثیرة فی غایةالکثرة ۔ وقد نقل عن تاریخ الطبری والبلاذری انّ یزید بن معاویة قال لِعلیؑ بن الحسینؑ اتصارع ھذا یعنی خالدًا ابنہ قال وما تـصنع بمصارعتی ایاہ اعطنی سِکّینًا واعطعہ سکّینا ثم اقاتلہ ۔ فقال یزید شنشنة اَعْرِفُھَا من اخزم ھذا من العصی عصیّة ۔ ھل تلد الحیة الاالحیة وکتا ب الاحمر قال اشھد انّک ابن علیؑ بن ابیطالبؑ ۔فانشاء السجاد علیہ السلام: ۔

لا تَطْمَعُوْاان تُھِیْنُوْافَنَکْرِمُکُمْ وَاَنْ نکف الْاَذٰی عَنْکُمْ وتُوْذُوْنا

واللّٰہُ یَعْلَمُ اَنَّا لا نُحِبُّکُمْ وَلا نَلُوْمُکُمْ اَنْ لا تُحِبُّونا ۔

فـقـال یزید صدّقت یاغلام ولکن اراد ابوک وجدّک اَنْ یکونا امیرین والحمد للّٰہ الّذی قتلھما وسفک دما ؤھما۔ فقال الامام لـونزل النبوة والامرة لابائی واجدادی مِن قبل اَن تولد ۔قـال الـمدائنی لمّاانتسب السجّاد اِلَی النبیؐ قال یزید لجلوازہ ادخلہ فی ھـذ االبُستان واقتلہ وادفنہ فیہ ۔ فـدخـل بـہ الَـی البستان و جعل یحفر و السجّاد یُصلّی فلمّا ھَمَّ بقتلہ ضر بتہ یدمِنَ الھواء فخرّ لـوجھہ وَشھق ودھش فراہ خالد بن یزید ولیس لوجھہ بقیة فانقلب اِلٰی ابیہ وقصّ علیہ فامر بدفن الجلواز فی الحفرة واطلاقہ ۔ (اکسیر العبادات صفحہ 529 تا 530)

''یزید نے امام زین العابدین علیہ السلام کو قتل کرنے کی بار بار اور بہت دفعہ کوشش کی لیکن اللہ انہیں محفوظ رکھتا رہا۔اس سلسلہ میں بہت سی روایات اُسکے ارادوں کی خبر دیتی ہیں ۔ چنانچہ تاریخ طبری اور بلاذری میں موجود ہے کہ یزید بن معاویہ نے امام زین العابدینؑ سے کہا کہ کیا آپ میرے اس بیٹے خالد سے کشتی کریں گے؟ فرمایا کہ اُس سے کشتی کرانے میں وہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔البتہ ایسا کرو کہ ایک چھری مجھے دیجئے اور ایک چھری خالد کو دے دیں تاکہ ہم دونوں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوں اور صحیح نتیجہ نکل آئے ۔ یزید نے کہا کہ پھنکارنے سے سانپ کی نسل شناخت کی جاسکتی ہے۔ جنگ کرنے اور حریف سے انتقام لینے کا یہ صحیح طریقہ ہے۔ سچ ہے کہ سانپ کا بچہ بھی سانپ ہی ہوسکتا ہے۔کتاب الاحمر میں ہے کہ یزید نے یہ بھی کہا کہ تم واقعی علیؑ کے بیٹے ہو۔ جناب امام سجاد علیہ السلام نے یہ اشعار پڑھے:۔ ''اے یزید اُدھر تم ہماری توہین وذلت کے درپے رہو اور اُدھر ہم سے یہ طمع کرو کہ ہم تمہاری عزت کریں گے۔

اُدھر ہم تمہیں ایذا پہنچانے سے باز رہیں اور اِدھر تم ہماری ایذا رسانی میں کوئی کمی نہ کرو۔اللہ گواہ ہے ہم تم لوگوں کو ہرگز دوست نہیں رکھتے ۔مگر تمہیں اس بات پر ملامت بھی نہیں کرتے کہ تم ہم سے کیوں محبت نہیں کرتے ۔''

یزید نے کہا کہ اے نوجوان تم نے بہت صحیح کہا لیکن یہ تو مانو گے کہ تمہارے باپ اور دادا نے حکومت چاہی تھی تو اُس خدا کی حمد وثنا ہے جس

نے اُنہیں قتل کیا اور اُنکا خون بہایا۔ امامؑ نے فرمایا کہ میرے اباواجداد کیلئے تیری پیدائش سے کہیں پہلے سے نبوّت وحکومت خدا کی طرف سے چلی آرہی ہے۔ یہ سن کر یزید نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا کہ اُن کو سامنے والے باغیچہ میں لیجاؤ، قبر کھودو اور قتل کر کے وہیں دفن کر دو۔ چنانچہ باڈی گارڈ امامؑ کو باغیچہ میں لایا اور قبر کھودنا شروع کی۔ اِدھر امامؑ نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ قبر کھود کر جب اس نے امامؑ کے قتل کرنے کا اہتمام کیا تو ہوا میں سے ایک ہاتھ باہر نکلا اور اُسے اس زور سے تھپڑ مارا کہ چکر کاٹ کر گرا، چیخ ماری اور دہشت سے بے ہوش ہو گیا۔ یزید کا بیٹا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب دیکھا کہ اسکی روح نکل گئی تو واپس اپنے والد کے پاس پلٹ کر آیا اور پورا قصہ سُنا دیا۔ یزید نے باڈی گارڈ کو مذکورہ قبر میں دفنانے اور امامؑ کو آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔‘‘

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ یزید کے دل کی گہرائی میں معاویہ اور ابوسفیان کی ذہنیت اور کینہ جم کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ خاندان مرتضویؑ میں سے ہر بچہ کو مرتضیٰؑ اور ملک الموت سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ نسل اگر باقی رہے گی تو اُس کی نسل فنا ہو جائے گی۔ اور اُس کی تباہی اسی نسل کے ہاتھوں یا اسی نسل کے لئے ہوگی۔ مگر اُس کے ہاتھ اُس انتظام نے باندھ کر رکھ دیئے تھے جو امام حسین علیہ السلام نے کربلا کی مہم کے لئے اپنے بعد چھوڑا تھا۔ اُس کی مطلق العنان زبان پر فالج گر چکا تھا۔ اُس کے باغی دماغ پر اضطراری کیفیت طاری ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے اپنے منحوس سایہ سے بھی خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ وہ حیران ہو ہو کر سوچتا تھا کہ میرے باپ نے اور اُس کے سرپرستوں نے پورے عرب میں عموماً اور ملک شام میں خصوصاً علیؑ واولادعلیؑ کے خلاف ساٹھ سال مہم چلائی۔ تعلیمی نصاب میں اُنہیں اللہ ورسوؐل کا باغی اور خلفائے امت کا دشمن اور قاتل دکھایا۔ جسے پڑھتے ہوئے اُمت کے بچے جوان ہوئے۔ جس پر یقین رکھتے ہوئے بڑھے ہوئے۔ جن کی اسلام دشمنی کی بنا پر ہر محراب ومنبر اور مسجد سے صدائے لعنت وملامت بلند ہوتی رہی اور کسی طرف سے شکوک وشبہات واعتراضات نے سر نہ اُٹھایا۔ یہ کیا جادو ہے؟ کہ میرے بزرگوں کی ساٹھ ستر سال کی سرتوڑ محنتیں، کوشش اور انتظامات ان قیدیوں کے سامنے مکڑی کے جالے کی طرح سمٹتے اور غائب ہوتے جارہے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ دلوں کی گہرائی میں اتری ہوئی نفرت، نطفوں میں منتقل ہوتی چلی آنے والی عداوت ایک دم ہمدردی اور فرمانبرداری میں بدل جائے؟ اور پلٹ کر خود اپنے بزرگوں کے خلاف صف آرا ہو جائے؟ بہرحال مجھے اِن حالات کا آخری سانس تک مقابلہ اور تدارک کرنا ہے۔ میں نے اُن کے طوق وزنجیر اُتروا دیئے ہیں۔ میں وہ تمام ظاہری اور نمایاں اذیت رساں انتظامات ڈھیلے کرتا جارہا ہوں جو ایک عام آدمی کو ہمدردی پر متوجہ کر لیتے ہیں۔

(11)۔ امامؑ کو مسجد کی چاردیواری میں عارضی آزادی مگر نظر قید

شاہی اجلاس کے بجائے آج امام زین العابدین علیہ السلام کو مسجد میں بلایا گیا۔ بہت سارے جاسوس اور رپورٹر (REPORTERS) مناسب فاصلوں پر بٹھا دیئے گئے۔ مخصوص مقررین، واعظین اور شاہی مذہب کے نمائندے جگہ جگہ موجود ہیں۔ بعض عوام کو بھی مُنہ دیکھ کر مسجد میں آنے دیا جارہا ہے۔ یزید اعلیٰ درجہ کے خطیبوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہے۔ خاندان مرتضویؑ کے خلاف سب سے زیادہ دلائل رکھنے والے اور اثر انگیز خطیب کا امتحان وانتخاب ہو چکا ہے۔ امام علیہ السلام کے تشریف لانے کا انتظار ختم ہو چکا ہے۔ کتاب المناقب میں کتاب الاحمر سے نقل کیا گیا ہے کہ:۔

قال یزید لخطیب بَلِیْغٍ خُذُ بید ھٰذا الغلام فأت به المنبر واخبرالناس بِسوء رأی ابیه وجدّ ہ وفراقھم الحق و بغیھم علینا ۔ قال ففعل الخطیب ماامرہ یزید بفعله فلم یدع شیئًا من المساوی الّاذکرہ فیھم فَلَمَّا نَزَلَ قام علیؑ بن الحسینؑ فحمداللّٰه بمحامد شریفة وصَلّی عَلَی النبیؐ صلوٰۃ بلیغة مؤجرۃ۔ ثُمَّ قال معاشر الناس مَنْ عرفنی فقد عرفنی ومَنْ لَمْ یعرفنی فاناا عرفّه نفسی ۔

انا ابن مکة والـمنٰی ابن المروۃ والصفا ۔ ابـن محمدالمصطفٰی ابن مَن لَا یخفی ۔ابن مَن علا فاستعلٰی ۔ فجاز سدرۃ المنتھٰی وکان مِن ربّه کقاب قوسین اوادنٰی ۔ابن مَن صلّی بملائکة السمآء مثنی مثنٰی ۔ابن مَن اسری به مِن المسجد الحرام الٰی مسجد الاقصٰی ۔ابـن علیؑ المرتضٰی ۔ ابـن فاطمةؑ الزھرآء۔ ابن خدؑیجة الکبرٰی ۔ابـن مقتول ظلما ۔ ابـن المجزور الراس من القفا ۔ ابن العطشان حتّٰی قضٰی ۔ ابن طریح کربلا ۔ ابن مسلوب العمامة والردآء ۔ابن مَن بکت علیه ملائکة السمآء ۔ابن مَن ناحت علیـه الـجن فی الارض والطیر فی الھوآء۔ ابـن مـن راسـه عَلَی السِّنَان یھدٰی ۔ ابـن مَـن حـرمـه مـن العراق الی الشام تسبّٰی ۔ایھـاالـناس اِنَّ اللّٰه تعالٰی وله الحمدابتـلانـا اھل البیتؑ بِبَلاءٍ حَسَنٍ حیث جعل رایة الھدٰی والعدل والتّقی فِیْنَا وجعل رایة الضلا لة والردافی غیرنا ۔ فضّلنا اھلھبیتؑ بِسِتّ خصال ۔ فـضّـلنا بالعلم والحلم والشجاعة و السماحة والمحبة والمجلة فی قلوب المؤمنین واتانا مالم یؤتِ احدًامِنَ العالمین من قبلنا۔ فینا مختلف الملائکة وتنزیل الکتاب۔

قال فلم یفرغ حتّٰی قال الموذّن اللّٰه اکبر فقال اشھد بمَا تشھد به ۔ فلما قال الموذن اشھد اَنّ محمدًا رسولؐ اللّٰه ۔قال علـیؑ بـن الـحسیـنؑ یایزید ھذا جدّی اَوْجدّک ؟ فان قلت جدّک فقد کذ بت واِن قلت جدّی ؟ فَلِمَ قَتَلْتَ اَبی و سَبَّیْتَ حریمه وسَبَّیْتَـنِـیْ ؟ ثُـمَّ قـال مـعـاشر الناس ھَلْ فیکم مَنْ اَبُوْہُ وجَدَّہُ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله ؟ فَعَلَتْ الاصوات بالبکاء۔ فقام الیه الرجل مِن شیعته یقال لَهُ المنھال بن عمر الطائی وفی روایة مکحول صاحب رسولؐ اللّٰه ۔فقال له کیف اَمْسَیْتَ یابن رسولؐ اللّٰه ؟ فـقـال ویـحک کیف اَمْسَیْتُ ؟ امسینـا فیکم کَھَیْئَةِ بنی اسرائیل فی آل فرعون یذ بّحون ابنآئھم ویَسْتَحْیُوْنَ نسآئِھم وَاَمْسَتَ الـعـرب تـفـتـخـرعَلَی العجم بِاَن محمدً ا منھا اَمْسَتَ القریش تفتخر عَلَی العرب بِاَنَّ محمدًا منھا ۔وَاَمْسَیُ آل محمدؐ مقھورین فخذ ولین (فی یدی اُمّة محمدؐ ۔ احسن) فَالَی اللّٰه نشکوا کثرۃ عُدوّنَا وتفرق ذات بَیْنَنَا وتظاھر الاعداء عَلَیْنَا۔

(اکسیرالعبادات۔صفحہ 522-521، ترجمہ بحار حصہ 2صفحہ 63-61)

آپ تشریف لائے تو یزید نے کھڑے ہوکر اُن کا ہاتھ پکڑا اور منتخب خطیب کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اُن کو منبر کے پاس بطور گواہ بٹھاؤ اور اِن کے والد اور دادا کے دین سے گمراہ ہوجانے، دین کے خلاف تحریک چلانے اور اُن کی مخالفانہ سرگرمیوں کی تفصیل تمام حاضرین کے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ خطیب امامؑ کو لے کر منبر پر پہنچا اور اُس نے نہایت آب وتاب کے ساتھ یزید کی منشا کے مطابق ہر وہ برائی اور عیب بیان کیا جو حکومت نے تیار کر رکھا تھا۔اور مذمت میں کوئی چیز بیان کرنے سے نہ چھوڑی ۔لیکن جیسے ہی خطیب منبر سے اُترا۔ حضرت سجادؑ نے اُس کی جگہ لے لی اور نہایت اعلیٰ درجہ کی حمد وثنا اللہ کی شان میں بیان کی ۔ پھر نبیؐ پر وہ درود وسلام پڑھا جو دلوں میں ایمان کی روشنی پیدا کردے ۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں وہ تو واقف ہیں ہی ۔ جو لوگ ناواقف ہیں وہ مجھے پہچان لیں اُن کو اپنے تعارف پر متوجہ کرتا ہوں ۔سنو کہ؛

میں مکہ اور منیٰ کا بیٹا اور وارث ہوں ۔ میں صفا اور مروہ کا فرزند ہوں ۔ میں اس کا بیٹا ہوں ۔ جو بلند ہوا تو بلند ہی ہوتا چلا گیا۔

جوسدرۃ المنتہیٰ کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ اور اپنے رب سے دو قوس کے آس پاس تک گیا۔ میں اسکا بیٹا ہوں جس نے تمام ملائکہ کو دو بار نماز پڑھائی۔ میں اسکا فرزند ہوں جو مسجد حرام سے انتہائی دور والی مسجد تک سیر کو جاتا رہا۔ میں علیؑ کا بیٹا ہوں میں فاطمہؑ زہراء کا فرزند ہوں۔ میں خدیجۃؑ الکبریٰ کا لال ہوں۔ میں اُسکا بیٹا ہوں جسے ظلم کر کے قتل کیا گیا ہے۔ میں اُسکا لاڈلا ہوں جسے سجدہ میں قتل کیا اور پس پشت سے سر کاٹا گیا۔ میں اُسکا بیٹا ہوں جسے مرتے دم تک پیاسا رکھا گیا۔ میں اسکا فرزند ہوں جسکی لاش بے گور و کفن کربلا میں پڑی ہے۔ اور جسکا سر بطور سوغات لایا گیا۔ میں اُسکا وارث ہوں جسے قتل کر کے اسکی چادر اور عمامہ بھی لُوٹ لیا گیا۔ میں اُنکا بیٹا ہوں جن پر آسمان کے فرشتے رو رہے ہیں۔ میں اسکا فرزند ہوں جن پر زمین پر جنات اور ہوا میں پرندے نوحہ کر رہے ہیں۔ میں اُسی کا لال ہوں جس کا سر نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اُن ہی کا جانشین ہوں جنکی مستورات اور بچوں کو قید کر کے عراق سے شام لایا گیا ہے۔ اَے لوگو! حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ہمیں بہترین صورت حال اور ہدایت وتقویٰ اور عدل وانصاف کا پرچم مستقل طور پر عطا کرنے کیلئے اس آزمائش سے گزرنے پر ہدایت کی۔ اور دیکھ لو کہ ہمارے ہر فرد نے اللہ کی عطا کردہ چھ صفات کے مطابق اس امتحان کو خوشی خوشی پُورا کر دیا۔ اس امتحان سے بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ نے ہمیں بھرپُور علم دیا۔ یعنی اِس امتحان کا شاندار پروگرام بنایا جو ہمیں آپ کے سامنے نتائج کا عالم اور کامیاب ثابت کر رہا ہے۔ ہماری سخاوت اس سے ثابت ہے کہ ہم نے اپنی جان و مال اور اولاد پر اُمت کی نجات کو ترجیح دی ہے۔ اور شجاعت یوں ثابت ہے کہ ہمارے بچے تک تکالیف سے بے قرار ہو کر معافی کی التجا نہیں کرتے۔ ہماری محبت ہی آپ کے دلوں میں ہے جو ہمارے دشمن کے پروپیگنڈے کے باوجود ہماری عزت وتکریم پر آپ سب کو متوجہ کر رہی ہے۔ اس آزمائش کے مقابلہ اور نتیجے میں اللہ نے ہمارے مخالف کو ہمیشہ کے لئے گمراہی اور تخریب کاری کا پرچم تھما دیا اور مستقل گمراہی کا ذمہ دار قرار دے دیا اور جو کچھ دنیا میں کسی ایک کو بھی نہیں دیا گیا تھا۔ وہ سب اللہ نے ہمیں عطا کیا ہے۔ ہم ہی میں کتاب کا اُترنا اور ملائکہ کا ہمیشہ آنا جانا اور اُن کا مرکز ہے۔

راوی نے کہا کہ امامؑ خطبہ سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ مؤذن نے اللہ اکبر کہا۔ امامؑ نے فرمایا کہ اے موذن میں اُسی کی شہادت دیتا ہوں جو تو نے کہا ہے۔ اور جب مؤذن نے محمدؐ کے رسولؐ اللہ ہونے کا اعلان کیا تو امامؑ نے پوچھا کہ اَے یزید اللہ کا یہ رسوؐل محمدؐ میرا نانا ہے یا تیرا؟ اگر تو اپنا کہے تو تُو جھوٹا ہے۔ اور اگر میرا نانا کہے تو یہ بتا کہ تو نے میرے باپ کو کیوں قتل کیا؟ اور اُن کی مستورات اور بچوں کو کیوں قید کیا اور کیوں مجھے قیدی بنا کر رکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ سنو اَے لوگو کیا تم میں میرے سوا کوئی اور ہے جس کا دادا اللہ کا رسوؐل ہو؟ امامؑ کا بیان سنتے ہوئے آخر صدائے فریاد وبکا بلند ہو گئی۔ لوگ رو رہے تھے کہ امامؑ کے ایک شیعہ نے جسے ایک روایت میں مکحول اور صحابی رسولؐ اللہ کہا گیا ہے اور دوسری میں اس کا نام منہال بن عمر طائی بتایا ہے کہا کہ اے فرزند رسولؐ آپ کی رات کیسے گزری؟ فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ ذرا سی آزادی اور سہولت دیکھ کر یہ اُمید کرتا ہے کہ میں کسی بہتری کا ذکر کروں گا؟ سن ہم اُسی طرح صبح وشام سے دو چار ہیں جس طرح حضرت اسحٰاق کی اولاد کا حال قرآن نے سنایا کہ بنی اسرائیل آل فرعون میں یوں گزارا کرتے تھے کہ اُن کے مردوں اور بیٹوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رہنے دیا جاتا تھا۔ تا کہ نبیؑ کی نسل ختم ہو جائے۔ ارے بھائی عرب کے باشندے عجم کے باشندوں پر یہ فخر کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں کہ محمدؐ ہم میں سے ہے اور ہم ساری دنیا سے بزرگ قوم ہیں اور قریش یہ فخر

کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں کہ محمدؐ ہم میں سے ہے۔ لہٰذا ہم ساری دنیا سے اور خود عربوں سے زیادہ بہتر قوم ہیں۔ اور محمدؐ کی آل و اولاد اس طرح صبح کرتی ہے کہ اُن کو محمدؐ کی اُمت سے ذلیل وخوار کرنے اور ہمہ قسمی مظالم کرنے کی زیادہ امیدیں ہوتی ہیں۔ اُن پر پوری طاقت اور بے رحمی سے ظلم کیا جاتا ہے۔ لہٰذا بھائی ہم تو اپنا گلہ شکوہ صرف اللہ تک محدود رکھتے ہیں۔ اُسی کو بتاتے ہیں کہ چاروں طرف ہمارے دشمنوں کا ہجوم ہے۔ وہ ہم پر مادی غلبہ رکھتے ہیں۔ اور ہمارے کنبے کے افراد بکھرے پڑے ہیں۔ سر یہاں ہیں تو جسم کربلا میں پڑے ہیں۔ اور اس شکوہ سے ہم اپنے درجات کی بلندی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے۔

(12)۔ امام محمد باقر علیہ السلام کا خطبہ قدم بقدم لفظ بلفظ والد کی پیروی

دشمنانِ اہلبیتؑ کے پروپیگنڈے سے ہمارے علما جس حد تک بہکے ہیں اُسکا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ جہاں حضرت علی اکبر علیہ السلام کو لفظ اکبر کے دھوکے میں امام زین العابدینؑ سے بڑا لکھتے رہے ہیں اور امام زین العابدین علیہ السلام کو ایک چھوٹا سا بچہ کہتے رہے ہیں۔ وہیں اُنکا مستقل عملدر آمد یہ بھی رہا ہے کہ کربلا کے قیام کے دوران اُنہوں نے حضرت محمد باقر علیہ السلام کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ پھر کربلا سے روانگی، کوفہ پہنچنا، وہاں کا گشت وتشہیر وقیام کے دوران بھی امامؑ پنجم کو غائب رکھتے ہیں۔ پھر کوفہ سے شام تک کے سفر اور دمشق کے قیام میں بھی اُنکا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ بہرحال یہاں ہم یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام 38 ہجری میں پیدا ہوئے اور کربلا میں تئیس (23) سال کے جوان تھے اور جناب محمدؐ باقر 57 ہجری میں پیدا ہوئے اور کربلا میں پانچویں سال میں تھے۔ لیکن ہمارا ریکارڈ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کو اڑتیس سال کی پختہ عمر سے کم نہیں مانتا اور جناب امام محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر کربلا میں دس سال کہتا ہے اور یہ اسلئے کہ جناب امام حسین علیہ السلام 3 ہجری میں پیدا ہوئے اور اُنیسویں سال جناب شہر بانو علیہا السلام سے شادی ہوئی اور یہ واقعہ ہے 22 ہجری کے اواخر یا 23 ہجری کے اوائل کا۔ چونکہ حضرت شہرؑ بانو اور اُنکی دوسری بہن جناب شاہ زناں 21 ہجری میں آئی تھیں اور آتے ہی دونوں شاہزادیاں دونوں شاہزادوں، جوانانِ بہشت کے سرداروں حسن اور حسین علیہما السلام کے عقد میں دیدی گئی تھیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ امامؑ زین العابدین 38 ہجری میں پیدا ہوئے، یہی کہنا ہے کہ شادی کے بعد امام حسین علیہ السلام سے سولہ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی جو ایک احمق بھی تسلیم نہ کریگا۔ بہرحال ہمیں اپنا اور حکومت کا تیار کردہ ریکارڈ بھی صحیح ثابت کرتا ہے۔ لہٰذا آنیوالا خطبہ جس بچہؑ نے دیا تھا وہ علما کی غلط فہمی اور امامؑ چہارم کا نام لکھنے کے باوجود امامؑ محمد باقر کا خطبہ ہے۔ خطبہ سنئے۔

(الف)۔ آج دو امامؑ مسجد دمشق کی تطہیر کریں گے

قال: قَالَ وَاَمَرَ رَجُلًا یصعد المنبر وَیَسَبَّ الحسینؑ فَفَعَلَ ذلک فقال (محمدؑ) بن علیؑ بن الحسینؑ لِلرَّجل باللّٰہ عَلَیۡکَ اَلَّا مَا اذنتَ لِیۡ اَنۡ اصعد المنبر واتکلم بکلام فیہ رضی اللّٰہ ورسوؐلہ۔ فقال لَہٗ اصعد المنبر یاغلام وقُلۡ مَابَدَ ءَ لَکَ وَاعتد ز الرَّجَلُ اِلَیۡہِ۔ قال: فَصَعَدَ علیہ السلام فَجَعَلَ یتکلّم بکلام الانبیآء بعذوبۃ لسان وفصاحۃ وبلاغۃ فاقبل الیہ الناس مِنۡ کُلّ مکانٍ۔

وقال اَیُّھا الناس مَنۡ عرفنی فقد عرفنی ومَنۡ لم یعرفنی افانا اَعَرّفہ بنفسی فانا محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ

المرتضٰی صلوات اللّٰہ علیہ وسلامہ علیہم: اَنَا بُنُ مَنْ حَجَّ ولُبّٰی ۔ اَنَابُنُ مَن طَافَ وسعٰی۔ انا بن زمزم والصفا۔
انا ابن فاطمۃ الزہرآء۔ انابن المذ بُوح مِنَ القفا۔ انابن العطشان حتّٰی قضٰی ۔انا بن مَن منعوہ مِن المآء۔واحلّوہُ
علٰی سائر الورٰی۔ انا بن محمدؐ المصطفٰی ۔ انا بن صریع کربلا ۔ انا بن مَن راحت انصارہ تحت الثرٰی۔
انا بن مَن غدت حریمہ اسرٰی۔ انابن مَنْ ذبحت اطفالہ مِنْ غیرسُوءٍ ۔ انا بن مَن اضرم الاعداء فی خیمۃ لظٰی ۔
انابن مَن اضحٰی صَرِیْعًا بالنقٰی ۔ انابن من لالہ غسل ولا کفن یرٰی ۔اَنَا بُنُ مَنْ رفعوا راسہ علی القنا ۔اَنَا ابُنُ
مَنْ ھُتِک حریمہ بارض کربلا ۔انا بن مَن جسمہ بارض وراسہ باخرٰی ۔انا بن مَن لایُرٰی حولہ غیرالاعداء۔
انابن مَن حریمہ الی الشام یھدٰی۔ انا بن مَن لاناصر لہ ولا حمٰی۔

ثُمَّ قال اَیُّھا الناس قد فضلنا اللّٰہ بخمس خصال فینا واللّٰہ مختلفؐ الملائکۃ ومعدَّن الرسالۃ وفینا نزلت الایات ونحن فدنا العالمین للھُدٰی وفینا الشجاعۃ ۔ فلم نخف بأسًا وفینا البراعۃ والفصاحۃ اذا افتخرالفصحآء وفینا الھدیٰ الٰی سوآء السبیل العلم لمن ارادانَ یستفید علمًا والمحبۃ فی قلوب المؤمنین مِنَ الْوَرٰی۔ولَنَا الشان الاعلٰی فی الارض والسمآء وَمَن لَوْلا نامَاخلق اللّٰہ الد نیا وکُلُّ فَخرٍ دُوْنَ فَخْرِنَا یھوٰی ومُحِبُّنَا یُسْقٰی وَبَاغضنا یوم القیامۃ یشقٰی ۔ قال فَلَمَّا سمع یزید ذلک خَشِیَ اَنْ یمیل قلوب الناس اِلَیْہِ فامرالموذن اَنْ یقطع علیہ خطبۃ فصعد المؤذن وقال اللّٰہ اکبر فقال محمد بن علی صلوات اللّٰہ علیہ کبّرتَ کبیرًا وعظّمت عظیمًا وقُلْتَ حقًا ۔ فقال الموذن اشھد ان لا الہ الّا اللّٰہ فقال صلوات اللّٰہ علیہ اشھد بھا مع کل شاھِد واَقَرُّبھا مع کل جاحد۔ فقال الموذن اشھد اَنَّ مُحمدًا رسولؐ اللّٰہ فبکی محمدؐ بن علیؑ وعلامنہ الصیاح وقال سئلتُک یایزید اَ محمدؐ جدّی ام جدّک؟ فقال یزید جدّک ۔فقال فلم قَتَلْتَ اھل بیتہ وقتلتَ ابن بنت رسولؐ اللّٰہ ایتمنی علٰی صِغُر سِنّی؟ فَلَمْ یردعلیہ جوابًا ودخل دارہ وَقال لا حاجۃ لی بالصلاۃ۔

قال: فقام المنھال اِلٰی محمدؐ بن علیؑ فقال لہ کیف اصبحت یابن بنتِ رسولؐ اللّٰہ ؟ فقال لہ الامام کیف حال مَنْ اصبح وقد قُتِلَ آباہ واعمامہ واخوانہ وانصارہ وینظر الٰی حرم من حولہ اساری قد فقد وا السترو الغطاء واعد موا الکافل والحمٰی فماترانی اِلّا اسیرًا ذلیلًا قدعد مت الناصر والکفیل قد کسیتُ اَنَا واھل بیتی ثیاب الاسی وقد حرمت علینا جدید العری فان تسئل فھااَنَا کما تری قد شمتت فینا الا عدا ونترقب الموت صَبَاحًا ومَسَاءً ۔قد اَصْبَحَتِ العرب تفتخرعلی العجم لَاَنَّ محمدًا منھم واصبحت قریش تفتخر عَلٰی سائرالناس لَاَنَّ محمدًا منھم ۔ ونحن اھل بیتہ اصبحنا مقتولین مظلومین قد حلت بنا الرزایا نساق سبایا ونجلب ھدایا کَاَنَّ حسبنا من اسقطت الحسب ومنتسبنا من ارذل النسب کَان لم نکن علٰی ھام المجد رقینا وعلٰی بساط جلیل سعینا واصبح الملک لیزید جنودہٗ واصبحت بنوالمصطفٰیؐ مِن ادنٰی عبیدہ۔

قال فَعَلَتْ الاصوات مِن کُلِّ جانبٍ بِالْبُکاء والنحیب لَمَّاآتی بہ مِنَ الکلام الغریب وقد نطق بالحق المصیب ۔ قال: فخشی یزید الملعون الفتنۃ لِاَن جمیع الناس اصغت اِلٰی ماقالہ والغرست مُحَبّتھم لہ فی قلوبھم ۔فقال یزید لِلَّذی اصعدہ المنبر لِمَ اَصْعُدتَ ھذاالغلام المنبر اَنّما اَرَدْتَ بصعودہ زوال مُلکی ؟ فقال الموذّن لہ واللّٰہِ ماعَلِمْتُ اَنَّ ھٰذا الغلام یتکلّم بمثل ھٰذاالکلام ۔ فقال یزید اَمَاعلمتَ اِنَّ ھذا مِن اھل بیت النبوّۃ ومعدن الرسالۃ؟ فقال لہ الموذّن فَلِمَ قَتَلْتَ آباہُ وایتمتہ عَلٰی صِغُرسِنِّہٖ ؟ قال فامر یزید المعلون بضرب عنق الموذّن ۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 523 تا 524)

راوی کہتا ہے کہ ایک شخص کو منبر پر جانے اور امام حسینؑ کی مذمت میں خطبہ دینے کے لئے تعینات کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس خطیب نے اس حکم پر عمل کیا اور خوب مذمت کی۔ جناب محمد بن علی بن الحسین علیھم السلام نے اس خطیب کو اللہ کی قسم دی کہ بات جب ہے جب تو مجھے بھی منبر سے بولنے کی اجازت دے دے۔ (خطیب نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا بچہ قسم دے رہا ہے۔ دیکھیں وہ کیا بیان کرے گا؟ اُس نے اجازت دے دی۔ اگر کہیں امام زین العابدینؑ اجازت مانگتے تو وہ ہرگز اجازت نہ دیتا۔ اس لئے کہ اُن کا تجربہ ہو چکا تھا۔ اور یزید کی عدم موجودگی میں اُن کو اجازت دینا ویسے بھی جان لیوا جرم تھا)۔ لہٰذا خطیب نے نہ صرف اجازت دی بلکہ نظرانداز کرنے پر معذرت خواہ بھی ہوا اور کہا کہ اے بچے شوق سے منبر پر جاؤ اور جو کچھ رضائے خداوندی میں کہہ سکتے ہو بلا تکلف کہہ ڈالو۔ راوی کہتا ہے کہ اجازت ملنے پر آپ منبر پر تشریف لے گئے (غالباً لوگ ناک بھوں چڑھا رہے ہوں گے کہ اس بچہ کو خواہ مخواہ تضیع اوقات کے لئے منبر پر بھیج دیا وہ غالباً امام زین العابدینؑ کے انتظار میں ہوں گے) اور آپ نے لوگوں کو یوں مخاطب کیا جیسے کہ انبیّا بول رہے ہوں۔ زبان کی معصومانہ شیرینی، کائناتی علوم کی فراوانی، فصاحت و بلاغت و خطابت کا ایسا مسحور کرنے والا سماں بندھا کہ لوگ کھنچ کر ہر گوشہ سے قریب ترین جگہ حاصل کرنے دوڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ؛

اَے لوگو! جو مجھے پہلے سے جانتے ہوں وہ بھی سنیں اور جو قطعاً ناواقف ہیں وہ بھی مجھے پہچان لیں میں کھول کر اپنا تعارف اور مقام پیش کروں گا۔ سنو! میں محمدؐ ہوں علیؑ کا بیٹا ہوں، حسینؑ کا پوتا ہوں جو علیؑ المرتضٰی کے بیٹے اور میرے جدامجد تھے۔ خدا اُن سب پر درود وسلام پہنچائے۔ پھر یوں سنو کہ میں اُس کا جایا ہوں جس نے خانہ کعبہ کا طواف اور خدا کے حضور لبیک لبیک کہتے ہوئے پہنچنے کا طریقہ جاری کیا تھا۔ میں اُنکا بیٹا ہوں جنہوں نے کعبہ کے طواف اور حصول رضائے خداوندی کیلئے سعی و کوشش کو کامیاب کر کے دکھایا تھا۔ میں زمزم اور صفا کا وارث ہوں اور فاطمۃؑ الزہراء کا فرزند ہوں۔ میں اُن کا بیٹا ہوں جن کو پس پشت سے ذبح کیا گیا ہے۔ میں اُن کا بیٹا ہوں جن کو مرتے دم تک پیاسا رکھا گیا تھا۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جس پر پانی بند رکھا گیا تھا اور اُن کے علاوہ مسلمانوں نے باقی تمام مخلوق پر دریائے فرات کا پانی کھلا رکھا تھا۔ میں محمدؐ مصطفٰیؐ کا فرزند ہوں۔ میں کربلا میں ٹھکانا بنانے والے کا بیٹا ہوں۔ میں اُن کا بیٹا ہوں جن کے تمام انصار مٹی کے نیچے چلے گئے۔ میں اسکا بیٹا ہوں جسکے اہل حرؑم قیدی بنا لئے گئے ہیں۔ میں اُن کا فرزند ہوں جنکے بچے بے جرم وخطا ذبح کر دیئے گئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے قتل کر کے اُنکے اہلؑ حرم کے خیموں میں آگ لگا کر جلا دیا گیا تھا۔ میں اُنکا بیٹا ہوں جنہیں پاکیزگی کی بنا پر قتل کیا گیا۔ میں ان کا فرزند ہوں جنہوں نے نہ کفن پایا نہ انہیں غسل دیا گیا۔ میں اسکا بیٹا ہوں جس کا سر نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اُسکا بیٹا ہوں جس کی مستورات کو کربلا میں بے عزت کیا گیا۔ میں اسکا بیٹا ہوں جس کا جسم ایک سرزمین پر پڑا ہے اور سر دوسرے خطۂ ارض میں رکھا گیا ہے۔ میں اُسکا بیٹا ہوں جس پر وہ وقت آیا کہ اُسکے چاروں طرف دشمنوں کے علاوہ کوئی اور تھا ہی نہیں۔ میں اُسکا فرزند ہوں جس کی مستورات کو قید کر کے شام میں لایا گیا ہے۔ میں اُنکا فرزند ہوں جن کا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مدد کرنے والا ہے؛

پھر فرمایا کہ اے لوگو! اللہ نے ہمارے اندر پانچ خصلتیں ودیعت کر رکھی ہیں۔ ہم ہی میں وہ ہستی ہے جس پر فرشتوں کا نزول وصعود ہوتا رہتا ہے۔ ہم ہی میں نبوت و رسالت کا سرچشمہ ہے۔ ہمارے ہی حق میں آیات نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اور ہم ہی پوری کائنات

کو ہدایت کرنے والا وفد ہیں ۔ہم ہی شجاعت کا مرکز ہیں ۔ ہم کسی بلا اور تشدد سے خوفزدہ نہیں ہوتے ۔ اور ہم میں ہی سرچشمۂ تکمیل انسانیت ہے ۔ہم ہی میں وہ فصاحت ہے جس پر اہل فصاحت فخر کیا کرتے ہیں ۔ہم ہی میں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرنا ودیعت ہے۔ ہمارے ہی اندر وہ مکمل علم ہے جس سے کوئی علمی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔اور ہماری ہی محبت ہے جو مومنین کے قلوب میں ودیعت کی ہوئی ہے۔اور زمین و آسمان میں ہمارے لئے ایک مخصوص اور اعلیٰ درجہ کا مقام ہے۔اور اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ نے یہ دنیا اور کائنات ہی پیدا نہ کی ہوتی اور یاد رکھو کہ جس فخر میں ہمیں شامل نہ رکھا جائے وہ فخر برباد ہو جاتا ہے۔ ہم سے محبت کرنے والے لوگ نجات یافتہ اور نعماتِ جنت پانے والے ہیں ۔ہم سے بغض رکھنے والوں کو آفات وشدائد سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جب یزید نے اس صورت حال کو سنا تو آ کر دیکھا اور اُس پر یہ لرزہ براندام کرنے والا خوف غالب آ گیا کہ کہیں لوگوں کے دل اہلبیتؑ کی طرف نہ جھک جائیں ۔اُس نے مؤذن کو حکم دیا کہ محمدؑ (باقر) کے خطبہ کو اذان کے شور سے دبا دے۔مؤذن گلدستہ اذان پر چڑھا اور کہا کہ اللہ اکبر۔ باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے بڑے کی بڑائی کا اعلان کیا اور عظیم الشان ہستی کی عظمت بیان کی ہے اور حق بات کہی۔ پھر مؤذن نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔امامؑ نے فرمایا کہ میں تمام انکار کرنے والوں کے خلاف اقرار کرتا ہوں اور تمام گواہی دینے والوں کے ساتھ گواہ ہوں۔ پھر مؤذن نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ یہ سن کر امامؑ کا دل بھر آیا اور آپ نے بآواز بلند یزید سے پوچھا کہ اے یزید یہ محمدؐ میرے نانا ہیں یا تیرے؟ یزید نے کہا کہ محمدؐ آپ کے نانا ہیں۔امامؑ نے اعتراض کیا کہ پھر تو نے اُن کے خاندان کو کیوں قتل کیا؟ اور اُن کی بیٹی کے فرزند کو کیوں قتل کیا اور مجھے اس کم سنی میں کیوں یتیم کیا۔راوی کہتا ہے کہ یزید سے کوئی جواب نہ دیا جاسکا۔اور یہ کہہ کر محل میں چلا گیا کہ مجھے نماز کی کوئی حاجت نہیں ہے؛

راوی نے بتایا کہ یزید کے چلے جانے پر منہال کھڑا ہوا اور امامؑ کی مزاج پُرسی میں کہا کہ یا مولاؑ آپ نے کس حال میں صبح کی؟ فرمایا کہ اس کا حال کیا پوچھتے ہو جو یوں صبح کرے کہ اُس کے تمام بزرگ قتل کئے پڑے ہوں، والد، چچا اور بھائی مارے جاچکے ہوں۔ اور اپنے چاروں طرف اپنے خاندان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا ہوا دیکھے۔جن سے تمام پردہ کرنے کے کپڑے چادریں اور برقعے چھین لئے گئے ہوں۔ جنکے سرپرست اور حمایتی ملک عدم کو جاچکے ہوں۔اور تم خود ہمیں ذلت کی قید میں دیکھ رہے ہو۔ایسی حالت میں نہ کوئی نصرت کرنے والا ہے نہ کوئی کفالت کرنے کو موجود ہے۔ میں نے اور میرے اہل خاندان نے غم والم کا لباس پہن لیا ہے۔اور ہمارے اوپر ہر نیا لباس پہننا حرام کر دیا گیا ہے۔ رہ گیا تمہارا سوال تو اُس کا جواب تو عملی صورت میں مَیں تمہارے سامنے ہوں۔ ہمارے بارے میں یہ دشمنان دین ہم پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور ہم ہر لحہ اپنی موت کو قریب دیکھ رہے ہیں۔اور صبح شام موت کا انتظار ہے۔عرب کے لوگ عجمیوں پر یہ فخر کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں کہ محمدؐ عربی تھے۔اور قریش عربوں اور باقی تمام انسانوں پر فخر کرتے ہوئے صبح کرتے ہیں کہ محمدؐ قریشی تھے۔مگر ہم جو محمدؐ کے اہل بیتؑ ہیں یوں صبح کرتے ہیں کہ ہمیں قتل کیا جاتا ہے، ہم پر ظلم کیا جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ قیدیوں کا سلوک جاری ہے۔ہمیں بطور تحفہ اور ہدیہ استعمال کرنا جائز کرلیا ہے اور گویا یہ طے کرلیا ہے کہ ہم مقام بلند سے خارج ہو چکے ہیں اس لئے ہمیں بدترین نسل سمجھا جارہا ہے۔ گویا ہم کبھی عظمت کی بلندی پر تھے ہی نہیں ۔ اور نہ ہم نے بزرگی کی کوشش کی تھی۔حکمرانی

اور فرمانروائی یزیداور اُس کی افواج کے لئے صبح کرتی ہے۔اور اولادِ محمد مصطفیٰ یزید کے گھٹیا غلاموں والی صبح کرتے ہیں؛

راوی کہتا ہے کہ جب امام علیہ السلام اپنے اس آخری انوکھے کلام پر پہنچے تو آپکی دل میں اُتر جانیوالی حقیقتِ حال سن کر لوگ تڑپ اُٹھے، چاروں طرف رونے اور چیخوں کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ یہ نوحہ وفریاد کا ہنگامہ سنکر یزید خوفزدہ صورت میں محل سے واپس آیا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ کہیں فوراً ہی میرے خلاف ہنگامہ آرائی اور بغاوت نہ ہو جائے۔ اسلئے کہ امامؑ کی باتیں لوگوں کو متوجہ کر چکی تھیں اور اُنکی محبت نے قلوب میں گھر کر لیا تھا۔ چنانچہ آتے ہی یزید نے اُس خطیب سے باز پرس کی جس نے محمد باقر علیہ السلام کو منبر سے تقریر کرنے کی اجازت دی تھی اور پوچھا کہ تو نے کیوں اجازت دی۔ یقیناً اِس اجازت سے تیرا مقصد یہ تھا کہ میری حکومت کو زوال وتباہی سے دوچار ہونا پڑے؟ اجازت دینے والے (مؤذن) نے کہا کہ جناب مجھے قطعاً یہ علم واُمید نہ تھی کہ وہ ایسی لاجواب اور زبردست تقریر کریگا۔ یزید نے کہا کہ کیا تو یہ بھی نہیں جانتا یہ بچہ خاندانِ نبوّت ومرکزِ رسالت کا بچہ ہے؟ اب مؤذن نے کہا کہ جناب اگر یہ صحیح ہے تو تم نے اُنکے بزرگوں کو کیوں قتل کر دیا اور اُسے اس کم سنی میں یتیم کر کے چھوڑ دیا؟ یزید نے حکم دیا کہ اُس اجازت دینے والے کی گردن ماردی جائے۔''

(ب)۔ علما اور علما کی تحریک کے خلاف ہماری سرکشی

ہم نے مندرجہ بالا خطبہ میں امام زین العابدین علیہ السلام کا نام اور ایسے الفاظ موجود ہوتے ہوئے بھی اس خطبہ کو امام محمد باقر علیہ السلام کا خطبہ لکھا ہے۔ اور علما کا لکھا ہوا نام اور متعلقہ الفاظ کو بدل دیا ہے۔ اور اس کی وجہ اور دلیل خود خطبہ کے الفاظ میں موجود ہے۔ یعنی امام زین العابدین علیہ السلام ہرگز چھوٹے سے بچے نہ تھے بلکہ پختہ عمر اڑتیس (38) سال کے مُسِن جوان تھے اور دو بچوں کے باپ تھے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جناب زینب وام کلثوم سلام اللہ علیھما نے اور جناب سجاد علیہ السلام نے دمشق میں اپنی تقریروں اور خطبات سے دھوم مچا رکھی تھی۔ بچہ بچہ نہ سہی یہ تو ماننا پڑے گا کہ یزید کے اہالی موالی، اہلکار اور افسران، خطیب وقاضی ومفتی، سرداران افواج اور خاندان یزید اور بنی اُمیہ کے تمام شیوخ وسردارانِ قوم امام زین العابدین علیہ السلام کو نہ صرف پہچان چکے تھے بلکہ ہر وقت پہچان سکتے تھے۔ اور اُن کے بےنظیر خطیب ومُقرر ہونے کو جانتے تھے۔ لہٰذا خطیب نے یقیناً ایک نہایت کم سن بچہ کو منبر پر جانے کی اجازت دی تھی۔ اور یہ سمجھ کر اجازت دی تھی کہ وہ بچہ کوئی خاص تقریر کر ہی نہ سکے گا۔ اور بچہ کی کم سنی کی تصدیق خود یزید نے بھی کی ہے۔ ورنہ وہ کہتا کہ تو اڑتیس سال کے آدمی کو بچہ اور ناقابل خطبہ سمجھتا ہے؟ لہٰذا ہم ساری دنیا کے علما کی ایسی غلط بات ماننے کو تیار نہیں ہو سکتے۔ رہ گیا امام محمد باقر علیہ السلام کا خود کو یتیم کہنا وہ کئی حیثیتوں سے صحیح ہے۔ اوّل یتیم کا بیٹا بھی یتیم ہوتا ہے۔ 2: یتیم کے معنی بے سہارا وبے یار ومددگار اور بے مثل کے ہیں۔ لازم نہیں کہ جسے یتیم کہا جائے اُس کا باپ ضرور مُردہ ہو۔ 3: نبیؐ اور امامؑ اُمت کا باپ ہوتا ہے یعنی ہمارے والدین کا بھی باپ ہوتا ہے۔ 4: یہ کہ بہترین موتی کو دُرِّ یتیم کہتے ہیں۔ اور اس کے نہ ماں ہوتی ہے نہ باپ ہوتا ہے۔

پھر حضرت سجاد علیہ السلام نے کتنے بھی شاندار خطبات دیئے ہوں اُن میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ اچھے خاصے اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے لوگ قریب جگہ حاصل کرنے کے لئے دوڑ پڑے ہوں۔ یہ کم سنی میں کمال فصاحت وعلم وزور بیان کی وجہ تھی۔ لوگ حیران اس لئے ہوئے کہ خطبہ دینے والا بچہؑ نہایت کم سن ہے جو اُمید اور عام فطرت سے بلند حیران کن مظاہرہ کر رہا ہے۔ لہٰذا مومنین روایات میں جہاں

بھی امام چہارم کو کم سن پڑھیں خود اپنے قلم سے کاٹ کر وہاں امام محمد باقر علیہ السلام لکھ دیں اور مطمئن ہو جائیں۔ ذرا سوچئے کہ علما یزید کے بیٹے خالد کا ذکر تو کرتے ہیں۔ مگر جو بیٹا یزید کا ولی عہد اور بڑا تھا اُسے غائب رکھتے ہیں۔

(13)۔امام علیہ السلام مجلسِ یزید میں تنہا اور شہنشاہ رُوم کا سفیر حسین علیہ السلام پر قربان

مومنین کو معلوم ہونا چاہئے کہ حقیقی یہود و نصاریٰ کو کبھی بھی محمدؐ و آل محمدؐ سے عداوت نہیں رہی ہے۔ جن یہود و نصاریٰ کو دشمن اسلام کہا گیا ہے۔ وہ دراصل اُسی نسل کے لوگ تھے جس نسل سے یزید و معاویہ و ابوسفیان اور اُن کے ہم مسلک لوگ تھے۔ فرق یہ تھا کہ اُن لوگوں نے اپنا رسوخ اور تجارت وغیرہ بڑھانے کے لئے یہودی و عیسائی مذہب اختیار کر رکھا تھا۔ جب مکہ کے قریش نے آنحضرت کی مخالفت شروع کی تو اُن کی نسل کے وہ یہودی اور عیسائی بھی محمدؐ و آل محمدؐ کے دشمن ہوگئے تھے اور ہمیشہ دشمن رہے۔ ہم یزید و معاویہ اور اُن کے بزرگوں کی طرح اُن یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی لامذہب و بے دین سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کا مذہب دراصل اجتہاد تھا۔ یہ ہر مذہب میں گھس جاتے تھے اور الہامی دین کو اجتہادی مذہب میں تبدیل کر لیتے تھے۔ مگر الہامی دین کا نام نہ بدلتے تھے۔ جس طرح آج الہامی دین کا نام تو وہی اسلام ہے لیکن مذہب اجتہاد نے اسلام میں سینکڑوں مذہب بنائے جن کے داخلی نام الگ ہیں۔ یہ حنفی یہ مالکی یہ شافعی یہ حنبلی وغیرہ تمام مجتہدوں کے اپنے بنائے ہوئے مذاہب ہیں۔ جو ایک دوسرے کو باطل کم از کم اور کافر و ملحد وغیرہ زیادہ سے زیادہ کہتے اور لکھتے ہیں۔ بہرحال حقیقی یہود و نصاریٰ ہمارے چچازاد بھائی ہیں۔ ہم حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں اور وہ حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں۔ پھر آنحضرت و حضرت علی علیہما الصلوٰۃ والسلام حضرت اسماعیلؑ کے بڑے فرزند حضرت نابت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں ہیں۔ جن کی اولاد کی نابتی حکومت آنحضرؐت کے زمانہ تک مسلسل چلی آئی اور آخری بادشاہ کا نام جبلہ تھا۔ جو خلیفہ ثانی کے متشدِّدانہ رویہ سے خفا ہو کر شہنشاہ روم کے یہاں یعنی اپنے چچازاد بادشاہ کے یہاں چلا گیا اور آخری دم تک وہیں رہا تھا۔ اور دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ نے مشہور کر دیا تھا کہ جبلہ مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا تھا۔ معاویہ و یزید کی جانشین حکومتوں کی لکھوائی ہوئی تاریخ یا اُن کی خلافتوں کی سرپرستی میں تیار کردہ احادیث تمام اجتہادی مذہب کی تائید کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ لہٰذا اُن کی وہی بات قابل قبول ہوتی ہے جو محمدؐ و آل محمدؐ کی تائید کرے اور مزاج یزیدی کے خلاف ہو۔ لہٰذا جبلہ کے متعلق تمام کہانیاں بکواس سے زیادہ نہیں ہیں۔ نابتی حکومت کے ہر بادشاہ کی تاج پوشی شہنشاہ رُوم کے دربار میں ہوا کرتی تھی اور شہنشاہ روم اپنے ہاتھ سے تاج پہنایا کرتا تھا۔ نابتی حکومت ہمیشہ عرب کی باقی حکومتوں اور ایرانی حکومتوں کے خلاف رہتی تھی۔ اس لئے کہ وہ لادینی حکومتیں یا اجتہادی حکومتیں ہوتی تھیں۔ اور رومی حکومت سے ہمیشہ دوستی رہتی تھی اس لئے کہ وہ دینی حکومتیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح یونان کی حکومتیں بے دین اور نابتی و رومی حکومتوں کی مخالف ہوتی تھیں۔ رومیوں سے یا یوں کہیے کہ حقیقی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہمارا خونی و اخلاقی رشتہ ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔ قرآن کریم میں آج بھی سورہ روم موجود ہے۔ جس میں رومی حکومت کے کچھ علاقوں کے چھن جانے پر افسوس کیا گیا ہے۔ اور پیشین گوئی کی گئی تھی کہ عنقریب وہ علاقے واپس مل جائیں گے۔ اور کہا گیا کہ اُس روز جس دن وہ علاقے واپس لے لئے جائیں گے (وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ) حقیقی مومنین خوشیاں منائیں گے (روم 6-30/1)۔ رومیوں کی نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے یہ چھ آیات خود پڑھیں۔ بہرحال یہ بتانا ہے کہ

قرآن میں حقیقی یہود و نصاریٰ کی مدح کی گئی ہے اور ہم یہاں یہ دکھاتے ہیں کہ یزیدی مذہب کے مسلمانوں سے یہود و نصاریٰ ہزار درجہ بہتر ہوتے ہیں۔ وہ وعدہ خلاف اور کاذب وغادر ہوتے ہیں۔ یہ صادق الوعدہ، حق گو، وفا پرست اور لوگوں کو مالی امداد دینے والے ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر احسان فراموش ہوتے ہیں۔ جو اُن کی مدد کرے، جو اُن سے تعاون کرے، جو اُن پر احسان کرے، جو اُنہیں مشکلات اور تنگدستی میں وسائل حیات فراہم کرے، یہ لوگ اُسی کے خلاف محاذ بناتے ہیں اور اللہ و رسوؐل کا نام لے لے کر لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ گھر بار جلا دینا اُن کے اسلام میں دین کی خدمت ہے۔ پورے خاندان کا مع بچوں کے قتل عام کر دینا، پانی مانگنے والے پیاسے کے منہ میں پیشاب کر دینا، ہاتھ پیر کاٹ لے جانا یزید کے خاندان کی سنت ہے جو آج بھی اُن میں قابل ثواب سمجھی جارہی ہے۔ اِن یزیدی اعمال واقدامات کے دوران مرجانے والا اُن کے اسلام میں شہید ہوتا ہے۔ آیئے ایک رومی سفیر کو دیکھئے کہ وہ یزید کے اعمال پر اعتراض کرنے اور مظلومؑ کربلا کی بزرگی تسلیم کرنے کے جرم میں قتل کیا جاتا ہے۔ روایت یوں ہے کہ خود جناب امام زین العابدین علیہ السلام دربار یزید میں موجود ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ یزید نے اب امامؑ سے براہ راست چھیڑ چھاڑ بند کر دی ہے۔ البتہ دربار میں حاضر رہنے کی پابندی کرائی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک دن امام علیہ السلام کے رُوبرو ایک رومی سفیر حاضر دربار ہوا تھا۔ اس کا قصہ سنانے سے پہلے آپ درباریوں کا نظارہ یوں پیش فرماتے ہیں کہ:۔

وروی عن زین العابدین علیه السلام لمااتی براس الحسینؑ اِلٰی یزید کان یتخذ مجالس الشراب ویاتی براس الحسینؑ ویضعه بین یدیه ویشرب علیه فحضر فی مجلسه ذات یوم رسول مَلَک الروم وکان مِن اشراف الروم وعظمائهم۔ فقال یاملکَ العرب هذا راسُ مَنْ ؟ فقال له یزید مَالَکَ وَلِهٰذا الراس؟ فقال اِنّی رجعت اِلٰی مَلِکِنَا یَسْئَلُنِی عَنْ کُلِّ شیءٍ رایته فَاَحْبَبْتُ اَن اَخبره بقصة هٰذا الراس وصاحبه حتّٰی یشارکک فی الفرح والسرور ۔ فقال له یزید هذا راس الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ ۔ فقال الرومی ومَن اُمّهُ ؟ فقال فاطمةؑ بنت رسولؐ اللّٰهِ ۔ فقال النصرانی اُفٌّ لک وَلِدِیْنِک؛ لِی دین احسن من دینکَ اَنَّ اَبِی حوافد داؤد علیه السلام بینی وبینه آباء کثیرة والنصاری یعظمونی ویاخذ ون من تراب قدمی تبرکًا بانّی من حوافد داؤدؑ وانتم تقتلون ابن بنت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم و مابینه وبین نبیّکم اِلَّا اُمٌّ واحدة ۔ فَاَیُّ دِیْنٍ دِیْنُکُمْ ؟ ثُمَّ قال لیزید هَلْ سَمِعْتَ حدیث کنیسة الحافر ؟ فقال له قل حتی اسمع ۔ فقال ؛

بَیْنَ عمّان والصِّین بحرمیسرة سنة لیس فیها عُمْرانَ اِلَّا بلدة واحدة فی وسط المآء ۔ طُولها ثمانون فرسخًا فی ثمانین وما علٰی وجه الا رض بلدة اکبر منها۔ یحمل الکافور والیاقوت،اشجارهم العود والعنبر وهی فی ایدی النصارٰی لاملک لاحد مِن الملوک فیها سواهم وفی تلک البلدة کنائِس کثیرة اَعْظمها کنیسة الحافر فی محرابها حقّه ذهب معلّقة فیها حافر ۔ یقولون اَنَّ هٰذا حافرحمارکان یرکبه عیسٰیؑ وقدزیّنُوْاحول الحقّة بالذّهب ودِیْبَاج یقصد هافی کُلِّ عام عالم مِنَ النصارٰی ویطوفون حولها ویقبّلُونها وَیَرفعون حوائِجهم اِلَی اللّٰهِ تعالٰی ۔هذا شانهم ودابهم بحافرحمار یزعمون اَنَّهٗ حافِرحمار یرکبه عیسٰی بَیْنهم وانتم تقتلون ابن بنت نبیّکم فلابارک اللّٰه تعالٰی فیکم ولا فی دینکم ۔فقال یزید اقتلواهٰذا النصرانی لَئَلّا یفضحنی فی بلاده ۔ فَلَمَّا اَحَسَّ النصرانی بذ لک قال له ترید اَن تقتلنی ؟ قال نعم ۔ قال انی رایت بارحة نبیّکُمؐ فی المنام یقول یانصرانی اَنت مِن اهل الجنة ۔ فَتَعَجَّبْتُ من کلامه۔ وانا اشهد اَن لَا اِلٰهَ اِلّا اللّٰه وَاَنَّ مُحَمَّدً ارسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وآله وسلّم ۔ ثُمَّ وثب الٰی راس

الحسینؑ فَضَمَّهٗ اِلٰی صدرہ وجعل یقبّلہ ویبکی حتّٰی قتل۔(اکسیرالعبادات ۔صفحہ 526 تا527) (ترجمہ بحار جزائری حصہ 2 صفحہ 46 تا47)

یزید کا یہ دستور تھا کہ وہ امامؑ مظلوم کے سر کو سامنے رکھتا تھا۔اور اُنکے سامنے ہی شراب بھی پیا کرتا تھا۔ چنانچہ اسی طرح دربار لگا ہوا تھا کہ ایک دن ملک روم کا ایک سفیر بھی آ گیا جو مُلک روم کے شریف اور عظیم الشان لوگوں میں سے تھا۔اس نے امامؑ کا سر رکھا ہوا دیکھا تو یزید سے کہا کہ اے بادشاہ عرب یہ بتاؤ کہ یہ سر کس شخص کا ہے؟ یزید کو بُرا معلوم ہوا۔اور جواب میں سفیر سے کہا کہ تم اپنے کام سے کام رکھو تمہیں اس سر سے تعارف کی ضرورت ہی کیا ہے؟ سفیر نے کہا کہ جناب جب میں اپنے بادشاہ کے پاس واپس جایا کرتا ہوں تو وہ میرے مشاہدہ میں آنے والی ہر چیز کی تفصیل معلوم کیا کرتا ہے۔ چنانچہ مجھے یہ پسند ہے کہ اُسکو اس سر کا قصہ بھی سناؤں اور اُسے بھی تمہاری کامیابی اور خوشی میں شریک کرلوں۔ یزید جواب سے خوش ہوا اور بتایا کہ یہ سر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہے۔سفیر کو شبہ ہوا بات صاف کرنے کیلئے پوچھا کہ حسینؑ کی ماں کا کیا نام ہے؟ یزید نے بلا تکلف کہہ دیا کہ فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ نام تھا۔اُس عیسائی سفیر نے یہ سنا تو آداب شاہی بھول کر کہا کہ تیرے اور تیرے دین پر اللہ کی پھٹکار ہو۔ارے تجھ سے میرا دین ہزار درجے بہتر ہے۔دیکھ میں حضرت داؤدؑ کی نسل میں بہت دُور ایک فرد ہوں مگر تمام عیسائی میری تعظیم کرتے ہیں اور میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی بطور تبرک گھروں میں رکھتے ہیں۔صرف اسلئے کہ میں داؤدؑ کی نسل سے ہوں۔اور تم لوگ اپنے رسولؐ کی بیٹی کے فرزند تک کو قتل کرنا جائز سمجھتے ہو۔ حالانکہ تمہارے نبیؐ کے اور حسینؑ کے درمیان صرف ایک اُس کی والدہ کا فاصلہ ہے۔ یہ بتا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ پھر سفیر نے یزید سے دریافت کیا کہ تجھے حافر کے گرجا کے متعلق کچھ سُننے کو ملا ہے؟ یزید نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ تم سنا دو۔سفیر نے بتایا کہ؛

ملک عمان اور چین کے درمیان ایک سمندر ہے جو یہاں سے تقریباً ایک سال کی مسافت پر واقع ہے۔اس کے اندر ایک جزیرہ ہے۔ جہاں ایک شہر کے علاوہ اور کوئی آبادی نہیں ہے۔وہ شہر اُسّی مربع فرسخ (تقریباً 240 مربع میل) میں آباد ہے۔دُنیا میں اس سے بڑا دوسرا کوئی شہر نہیں ہے۔ وہاں کی پیداوار میں کافور اور یاقوت مشہور ہیں۔عود وعنبر کے درخت پائے جاتے ہیں اور وہ نصاریٰ کے تسلط میں ہے۔اور وہاں عیسائی بادشاہوں کے علاوہ اور کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ وہاں بہت سے گرجا ہیں۔سب سے بڑے گرجا کا نام **نعل کا گرجا** ہے۔اس گرجا کی محراب میں ایک سونے کی قندیل لٹکی ہوئی ہے۔اُس قندیل میں وہ نعل (لوہے کا بنا ہوا نون کی شکل کا استر جو گھوڑے یا گدھے کے سُم کو پھیلنے اور زخمی ہونے سے بچانے کے لئے کیلوں سے لگایا جاتا ہے) رکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ نعل اس گدھے کا ہے جس پر حضرت عیسیٰؑ سواری کیا کرتے تھے۔سارے سال وہ لوگ اس قندیل کو سجا کر رکھتے ہیں۔ سونا چاندی اور ریشمی کپڑے اُس پر چڑھاتے ہیں۔زیارت کیلئے ہجوم لگا رہتا ہے۔اُسکا طواف کرتے ہیں۔اس نعل کو چومتے ہیں۔اللہ سے اُس نعل کے صدقہ میں اپنی مرادیں طلب کرتے ہیں۔مشکلات کا حل چاہتے ہیں۔ یہ تو اُن لوگوں کی حالت اور عقیدت وعمل در آمد ہے۔جنہیں یہ گمان ہو گیا ہے کہ وہ نعل اس گدھے کے سم میں لگا ہوا تھا۔جس پر حضرت عیسیٰؑ سوار ہوتے تھے۔مگر تم لوگ جانتے پہچانتے اپنے نبیؐ کی بیٹی کے فرزند کو قتل کر کے بھی مسلمان ہو۔خدا تمہیں اور تمہارے اس شیطانی دین میں کبھی برکت نہ دے۔ یزید اور یزید کے سرپرستوں میں ایسے آدمی کا علاج صرف قتل تھا۔قتل کا حکم دے دیا کہ اس عیسائی مذہب شخص کو قتل کردو تا کہ یہ اپنے ملک میں ہمارے اس اسلام کی رسوائی

نہ کر سکے۔ جب نصرانی سفیر کو قتل کئے جانے کا یقین ہو گیا تو اُس نے پوچھا کہ کیا واقعی تو مجھے قتل کرے گا؟ یزید نے کہا کہ ہاں تو قتل کیا جائے گا۔ تب سفیر نے یہ بھی بتایا کہ میں نے کل تمہارے نبیؐ کو خواب میں دیکھا۔ وہ فرمارہے تھے کہ اے نصرانی تُو جنتیوں میں سے ہے۔ مجھے اُن کی بات پر تعجب ہوا تھا۔ مگر اب بات واضح ہو گئی کہ مجھے اُن کے نواسےؑ پر قربان ہو کر درجہ شہادت ملنا تھا۔ چنانچہ میں اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور محمدؐ پر اور اُن کی آل پر درود و سلام ہو۔ وہ یقیناً اللہ کے رسولؐ ہیں۔ پھر دوڑ کر سر مظلومؑ کو سینے سے لگا لیا۔ بوسے دیتا جاتا تھا اور روتا رہا یہاں تک کہ یزید نے اُسے قتل کرا دیا۔ خدا دونوں باپ بیٹوں پر لعنت کرے۔

(الف)۔ **یزید و معاویہ کے پیروؤں کی شناخت اور یزید و معاویہ کا مذہب؟**

یزید و معاویہ جس مذہب کی پیروی کرتے تھے وہ اُن کے بزرگوں کا آبائی مذہب تھا۔ جیسا کہ عرض کیا جاتا رہا ہے کہ عربوں نے اسلام کو اپنے اجتہاد سے اس طرح تبدیل کیا تھا کہ اُن کے سابقہ مذہب کی ہر بات کو اسلامی ٹھپہ سے مسلمان کر لیا جائے۔ چنانچہ وہ اُس توحید کے قائل ہوئے جو ابلیس نے اختیار کی تھی۔ یعنی اللہ سے انبیاؑ و رسلؑ کو قطعاً الگ رکھا جائے (نساء 4/150) اللہ بھی حکم دے تو بھی نبیؑ کو سجدہ نہ کیا جائے اور نبیؑ کی عزت و عظمت کو شرک قرار دیا جائے (صٓ 38/74)۔ نبیؑ کی موت پر رنج و غم اور رونے کو عبادت کہہ کر ٹھکرا دیا جائے (بخاری وغیرہ) نبیؐ کو (معاذ اللہ) خطا کار اور جذبات سے مغلوب ہو کر غلط حکم و فیصلہ کرنے والا بتایا جائے (معارف الاسلام پرویز)۔ وہ انسان کے ہر فعل اور اقدام کو اللہ کا فعل سمجھتے تھے۔ اس لئے کسی کو قتل کرنے میں تکلف نہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم قتل کر ہی نہ سکتے تھے۔ لہٰذا حسینؑ کا قاتل اللہ ہے یزید نہیں ہے۔ اُن کے یہاں غیر اللہ کی نہ صرف عبادت حرام ہے۔ بلکہ وہ یا محمدؐ یا علیؑ یا خواجہ کہنا، اُن کے یا کسی اور بزرگ چیز کے واسطے سے دعا کرنا بھی شرک سمجھتے تھے۔ اِسلئے نصرانی کا بیان اور نعل سے عقیدت یزیدی مذہب میں خالص شرک تھا۔ گدھے کا نعل تو الگ وہ تو خود رسولؐ کی تعظیم کو شرک کہتے تھے۔ اور آج تک اس مذہب کے لوگ موجود ہیں۔ جن کے یہاں فاتحہ وغیرہ مندرجہ بالا تمام کام شرک ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی کثرت آج بھی رسولؐ اللہ کے ناخن اور بالوں کی تعظیم کرتی ہے۔ اور رسولؐ سے متعلق ہر چیز کی تعظیم و احترام کرتی ہے۔ آج بھی سیدوں کی طرف پشت نہیں کی جاتی۔ گنہگار سیدوں کی بھی تعظیم کی جاتی ہے۔ لیکن یزیدی مذہب کے لوگ آج بھی یا رسولؐ اللہ کہنا شرک قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ یزیدی مذہب یزید کا گھڑا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یزید کے بزرگ رسولؐ کو دھکا دینا، گلا اور گریبان پکڑ کر کھینچ لینا جائز سمجھتے تھے۔ یزید کا وہی مذہب تھا جو پہلے سے چلا آرہا تھا اور یزید اُسی اسلامی قانون پر عمل کرتا رہا جو اس کے مسلمان بزرگوں نے اسلامی کہہ کر تیار کیا تھا۔ علامہ مودودی سے یزید، خلافتِ یزید اور یزید کے زمانہ کے لوگوں کے مذہب اور قانون پر چند سطریں دیکھیں فرماتے ہیں:۔

''لوگوں نے اپنا دین نہیں بدل دیا تھا۔ حکمرانوں سمیت سب لوگ خدا اور رسولؐ کو اُسی طرح مان رہے تھے۔ جس طرح پہلے مانتے تھے۔ مملکت کا قانون بھی نہیں بدلا تھا۔ عدالتوں میں قرآن اور سنت ہی کے مطابق تمام معاملات کے فیصلے بنی امیہ کی حکومت میں بھی ہو رہے تھے۔ بلکہ قانون میں تغیر تو انیسویں صدی عیسوی سے پہلے دنیا کی مسلم حکومتوں میں کسی کے دَور میں بھی نہیں ہوا۔'' (شہادت امام حسینؑ صفحہ 5)

یہ ہے وہ مذہب جو بقول علامہ مودودی 1900 ویں صدی عیسوی تک بلا کسی تبدیلی کے چلا آیا ہے۔ لہٰذا یزید و معاویہ نے اُسی مذہب پر عمل کیا جو انہیں اپنے مسلمان بزرگوں سے ورثہ میں ملا تھا اور اُسی کی رُو سے کربلا میں خاندان رسالتؐ کا قتل عام کیا گیا اور اہل حرمؑ کو ایک سال قید رکھا گیا تھا۔

(14)۔ ایک اور اجلاس میں یزید کا مذہبی فیصلہ راس جالوت کا قتل

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یزید کا اور اُسکے نام نہاد مسلمان بزرگوں کا اجتہادی اسلام کفروزندقہ سے بدتر تھا۔ اُسکی ایک مثال یہودی سردار کے سامنے بصورت قتل پیش آنے میں موجود ہے۔ چنانچہ حسب معمول دربار عام لگا ہوا ہے۔ امام زین العابدینؑ اپنی جگہ بیٹھے ہیں۔ سرامام مظلومؑ طشت میں یزید کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ امور مملکت پیش ہو رہے ہیں۔ یزید احکام جاری کر رہا ہے۔

وَاَمَّا ماذکرہ اَبی مخنف فی المقام فھوانّہ قال قال ودخل علٰی یزید راس الجالوت فرأی رأس الشریف بین یدیہ فقال اَیُّھا الخلیفۃ ھٰذا راسُ مَن؟ قال ھٰذا راس الحسیؑن ۔قال فَمَنْ اُمُّہُ ؟ قال فاطمۃؑ بنت محمدؐ المصطفٰی ۔ قال فبما استوجب القتل؟ قال ان اھل العراق دعوہ واراد وا اَن یجعلوہُ خلیفۃ فقتلہ عاملی عبیداللّٰہ بن زیاد ۔قال راس الجالوت وَمَنْ اَحَقُّ منہ بالخلافۃ وھو ابن بنت نبیّکمؐ فمااکفرکم ؟ وقال اعلم یایزید اَنَّ بینی وبین داؤدؑ مائۃ وثلثون جَدًّا والیھود یعظّمونی ولا یرون تزویج اِلَّا برضائی ویاخذون التراب من تحت قد می ویتبرّکون بہ ۔ وانتم بالا مس کان نبیّکم بین اظھرکم والیوم وثبتم علٰی ولدہ قتلتموہ فَتَبًّا لکم ولِدینکم ۔ فقال لہ یزید لولااَن بلغنی عَن رسوؐل اللّٰہ اَنّہ مَن قتل معاھدًا کُنتُ خصمہ یوم القیامۃ،لَقَتَلَکَ لتعرّضک لِیُ ۔ فقال راس الجالوت یایزید یکون رسولؐ اللّٰہ خصم مَن قتل معاھدًا ولایکون خصم مَن قتل ولدہ ۔ثم قال راس الجالوت یااباعبداللّٰہ اشھد لِیُ عند جَدِّکَ رسولؐ اللّٰہ فانا اشھد اَن لا الہ الا اللّٰہ واشھد اَنَّ محمدًاؐ رسول اللّٰہ۔ فقال لہ یزید اَلآن خرجت مِن دینک ودخلت فی دین الاسلام فقد برانا مِن دمک ثُمَّ اَمَرَ بضرب عنقہ۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 528)

ابی مخنف بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی سردار جسے راس جالوت کہا جاتا تھا۔ اپنے کسی کام سے حاضر دربار ہوتا ہے۔ سرمبارک کو دیکھتا ہے۔ یزید سے دریافت کرتا ہے کہ یہ سَر کس کا ہے؟ یزید نے کہا یہ حسینؑ کا سر ہے۔ سردار یہود پوچھتا ہے کہ حسینؑ کی ماں کا نام کیا تھا؟ یزید نے بتایا کہ وہ فاطمہؑ بنت محمدؐ مصطفٰی کا بیٹا تھا۔ جالوت نے پوچھا کہ وہ کیا قصہ تھا جس سے حسینؑ کا قتل کرنا واجب ہو گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ باشندگان عراق نے حسینؑ کو بلایا تھا۔ اور اُن کا ارادہ یہ تھا کہ حسینؑ کو میرے مقابلہ پر اپنا خلیفہ بنالیں۔ چنانچہ میرے ایک گورنر عبیداللہ بن زیاد نے حسینؑ کو قتل کر دیا تھا۔ یہودی سردار نے کہا کہ حسینؑ سے زیادہ کون خلافت کا حق دار ہوسکتا تھا۔ جب کہ وہ بقول تمہارے تمہارے نبیؐ کی بیٹی کا فرزند بھی تھا؟ جس کا تم انکار بھی نہیں کر سکتے ہو۔ لہٰذا تم سے بڑا کافر کون ہوسکتا ہے۔ اور مسلسل کہا کہ اَے یزید سن کہ مجھ میں اور حضرت داؤد نبی علیہ السلام میں ایک سو تیس پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اس کے باوجود تمام یہودی المذہب لوگ میری تعظیم کرتے ہیں اور اپنی شادی بیاہ وغیرہ میری رضا مندی کے خلاف نہیں کرتے ہیں۔ اور میرے پیروں کے نیچے کی مٹی بطور تبرک اٹھا کر گھروں میں رکھتے ہیں۔ اور تمہارا نبیؐ تو کل تمہارے سامنے موجود تھا۔ اور آج تم نے اُس کے بیٹے پر حملہ کر کے اُسے قتل بھی کر ڈالا ہے۔ خدا تمہیں اور تمہارے اِس دین کو غارت کرے جس پر تم عمل کرتے ہو۔ یزید نے یہودی سردار سے کہا کہ اگر مجھے رسولؐ اللہ کا یہ حکم نہ

پہنچا ہوتا کہ جو کوئی کسی معاہدہ والے شخص کو قتل کردے میں اس کا قیامت میں مخالف ہوں گا تو میں یقیناً تجھے قتل کردیتا۔ یہودی نے کہا کہ چہ خوش معاہدہ کرنے والے کے قتل پر تو محمدؐ مدعی اور مخالف ہوں گے مگر اپنے بیٹے کے قتل پر کچھ نہ کہیں گے؟ پھر یہودی نے کہا کہ یا ابا عبدؑاللہ آپ اپنے نانا رسولؐ اللہ کے سامنے میرے ایمان کی شہادت دینا۔ چنانچہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر یزید نے دلیل پیش کی کہ اب تو اپنے سابقہ دین سے نکل گیا۔ اور اسلام میں داخل ہوگیا۔ لہٰذا اسلام میں داخل ہوتے ہی ہم پر تیرا قتل کرنا جائز ہوگیا۔ چنانچہ یہودی سردار کو قتل کرادیا۔ یہ ہے یزیدیوں کا مذہب جس میں اسلام اختیار کرنے پر مسلمانوں کا خون یا قتل حرام نہیں ہوتا۔ بلکہ جائز ہوجاتا ہے۔ حالانکہ اسلام لاتے ہی پچھلے تمام جرم معاف ہوجانے کا عقیدہ بھی موجود ہے۔

ان تمام مقامات پر یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ محمدؐ وآل محمدؐ کے ناموں، صفات اور عادات سے تمام عیسائی اور یہودی واقف تھے۔ ورنہ یہودی سردار حسین علیہ السلام کو یَااَبَاعَبْدِاللّٰہ کیسے کہہ سکتا تھا۔ اگر یہ نہ جانتا کہ آپ کی کنیت علی اصغر علیہ السلام کے نام پر تھی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یزیدی مذہب کے خلاف جو نفرت بیرونی ممالک اور غیر مسلم اقوام میں پھیلی وہ واقعہ کربلا کی بنا پر پھیلی اور آج تک موجود ہے۔ پھر یزید والے مذہب وقانون پر چلنے والی حکومتوں کے خلاف جو ردّعمل اور جنگیں قائم ہوئیں اُن کی اصلی اور لازوال وجہ بھی خاندان رسوؐل کا قتل عام تھا۔ اور جب تک یزیدی تصورات اور مذہب دنیا میں رہے گا ساری اقوام اُس کے خلاف محاذ بنائے رکھیں گی۔ اور رفتہ رفتہ دنیا کو اس مذہب کی آکاش بیل سے نجات دلا کر رہیں گی۔ اسلام کے نام پر ہمیشہ دھوکا نہیں دیا جاسکتا تھا۔

(15)۔ یزید کے ایک دربار میں عیسائی جاثلیق (پادری) کا قتل

یزید کے حالات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ قطعاً اجلاس نہ کرے لیکن مملکتی دباؤ اور مجبوریوں سے تنگ آ کر کئی کئی روز ناغہ کرکے آخر دربار لگانا پڑتا تھا۔ اور ہر دفعہ اُسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ کئی روز کے بعد اجلاس کیا اور سابقہ شہرت یافتہ طریقہ پر سرِ مقدس کو بھی سامنے رکھنے سے منع نہ کرسکا تا کہ مخصوصین کسی کمزوری کو نہ بھانپ سکیں۔ بہرحال اس اجلاس کا حال دیکھئے:۔

دخل علیہ جاثلیق النصارٰی وکان شیخًا کبیرًا۔ فنظر الٰی راس الحسینؑ وقال ماھٰذا اَیُّھَا الخلیفۃ ؟ فقال ھٰذا راس الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ وامہ فاطمۃؑ الزھرآء بنت رسولؐ اللّٰہ ۔ قال فَبِمَا استوجب القتل؟ قال لِاَنّ اھل العراق دعوہ لیجلس عَلَی الخلافۃ فقتلہ عاملی عبیداللّٰہ بن زیاد بعث اِلَیَّ براسہ ۔ فقال لہ جاثلیق اعلم اِنِّی کنت الساعۃ فی البیعۃ واذا قد سمعتُ رجفۃ شدیدۃ فنظرتُ واذا بغلام شابّ کانّہ الشمس فی وجھہ وقد نزل مِن السمآء ومعہ رجال فقلت لبعضھم مَن ھٰذا فقال لِیُ ھٰذا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم والملائکۃ مِن حولہ یعزّونہ عَلٰی ولدہ الحسینؑ ۔ثُمَّ قال لہ ارفع الراس مِن بین یدیک یاویلک واِلّا اَھْلَکَ اللّٰہ ۔ فقال لہ یزید جئتَنا باحلامک الکاذبۃ یاغلمان ۔اخرجوہ۔فجعلوا یسحبونہ ۔ ثم امر بضربہ فاوجعوہ ضربًا بافنادی یااباعبدؑاللّٰہ اشھد لی عند جدّک فانا اشھد اَن لا الہ الّا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد اَنَّ محمدًاؐ عبدہ ورسولہ ۔فغضب یزید فقال اسلبوہ روحہ ۔ فقال یایزید اِن شئتَ تضرب واِن شِئتَ لا تضرب فھذا رسولؐ اللّٰہ واقف بِازائی وبیدہ قمیص مِن نور وتاج مِن نور وھویقول لِی لیس بَینی وبینک اتوجّک بھذا التاج والبسک ھذا القمیص الا اَن تخرج مِن

الدنیا ثُمَّ انت رفیقی فی الجنۃ۔ثم قضٰی نحبہ رحمہ اللّٰہ تعالٰی۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 528)

دوران اجلاس ایک بہت بڑا عیسائی عالم حاضر دربار ہوا۔اور سر مبارک کو دیکھ کر دل میں کچھ خیالات گزرے اور سوال کر دیا کہ یہ سر کیسا ہے؟ یزید نے حسب دستور ابن زیاد کے سر الزام و جرم ٹالتے ہوئے بے فکری سے پورا اتا پتا بتا دیا۔یعنی یہ حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا سر ہے۔اور یہ فاطمہؑ زہراء رسولؐ کی بیٹی کا فرزند تھا۔عیسائی عالم نے قتل کی وجہ معلوم کی تو وہی بتا دیا کہ حسینؑ کو عراق کے لوگوں نے دعوت دی تھی تا کہ اُسے میری جگہ مسلمانوں پر خلیفہ بنا کر بٹھائیں۔میرے عامل عبیداللہ ابن زیاد کو پتہ چلا تو اُس نے اُنہیں قتل کر کے اُن کا سر میرے پاس بھیج دیا تھا۔جاثلیق نے کہا کہ سنو میں ذرا دیر پہلے گرجا میں تھا۔تو میں نے زلزلہ جیسی آواز سُنی جو ہر دم شدت اختیار کرتی گئی۔اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ایک نوجوان اُتر رہا ہے۔جس کے چہرہ سے سورج کی طرح روشنی پھیلتی جا رہی ہے اور اُس کے ہمراہ اور بہت سے لوگ بھی ہیں۔میں نے اُن میں سے ایک شخص سے اُس نوجوان کے متعلق تعارف چاہا تو بتایا گیا کہ وہ محمدؐ رسول اللہ ہیں۔اور اُن کے ساتھی ملائکہ ہیں جو رسولؐ اللہ کو اُن کے فرزند حسینؑ کا پرسہ دے رہے ہیں۔اے یزید اس سر کو اپنے روبرو رکھنا اور اس کی توہین کرنا بند کر دے ورنہ اللہ تجھے تباہ کر دے گا۔یزید نے جواب دیا کہ او حقیر و ذلیل غلام زادے تو اپنی من گھڑت بکواس سُنانے یہاں بھی آ گیا۔حکم دیا کہ اُسے نکال باہر کرو۔چنانچہ اُسے لوگوں نے گھسیٹنا شروع کر دیا۔پھر اُس کو مارنے پیٹنے کا حکم دیا تو لوگوں نے مار مار کر تکلیف دینا شروع کیا۔عیسائی بزرگ نے آواز دی کہ اے علیؑ اصغر کے والد آپؑ اپنے دادا کے سامنے میری شہادت دینا اور میں اعلان کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔اور یقیناً محمدؐ خدا کے بندے اور رسولؐ ہیں۔یہ اعلان سن کر یزید سخت غضبناک ہوا اور اُسے جان سے مار ڈالنے کا حکم دے دیا۔مرنے کا حکم سن کر اُس فدائی عالم نے یزید سے کہا کہ خواہ تو مجھے قتل کرا یا نہ کرا مگر یہ دیکھ میرے سامنے محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ میرے لئے ایک نورانی قمیص اور ایک نور سے بنا ہوا تاج لئے ہوئے کھڑے ہیں۔اور فرما رہے ہیں کہ جیسے ہی تو اس دنیا کو چھوڑے گا میں فوراً تجھے یہ قمیص پہنا دوں گا اور تیری تاج پوشی کروں گا اور جنت میں تو میرے ساتھ ساتھ رہا کرے گا۔یہ کہا اور اپنا وعدہ پورا کر کے خدمت محمدؐ و آل محمدؐ میں شرفیاب ہو گیا۔رضی اللہ عنہ۔

(16)۔ یزید کے اپنے محل میں مسلسل معجزات اور بھرے دربار میں یزید کے خلاف بیانات

جاثلیق کے قتل کے بعد کافی عرصہ تک یزید نے دربار نہ لگایا۔لیکن کہاں تک ٹال سکتا تھا؟ چنانچہ آج پھر اجلاس عام ہے۔اِدھر یزید سر امامؑ مظلوم کو سامنے رکھے اور امامؑ زین العابدین کو پاس بٹھائے لوگوں کے بیانات سُن رہا ہے۔اُدھر یزید کے محل میں ایک کنیز قدرت خداوندی دیکھ کر دوڑتی ہوئی یزید کے دربار میں داخل ہو جاتی ہے۔اور تمام حاضرین کو حیران و ششدر کر دیتی ہے۔

اعلم اَنَّ ابامخنف قد ذکرھا بعد ذکر قضیۃ جاثلیق قال سھل وخرجت جاریۃ مِن قصر یزید فرَاَتُہٗ ینکت ثنایا الامام علیہ السلام فقالت قطع اللّٰہ یَدَیکَ ورِجلَیکَ اتنکت ثنایا طال ماقبّلھا رسولؐ اللّٰہ ؟ اِنّی کنت بین النآئمۃ والیقظانۃ اذ نظرت الٰی باب مِن السمآء قد فتح واذا بسلّم مِن نور قد نزل مِن السمآء اِلَی الارض واذا بِغُلَامَیْنِ امردین علیھما ثیاب خضرو ھما ینزلان علٰی ذلک السلّم وقد بسط لھما فی ذلک الحال بساط مِن زبرجد الجنۃ وقد اخذ نورذلک البساط مِن المشرق اِلَی المغرب

واذا برجل رفیع القامة مدوّر الهامة قد اقبل یسعٰی حتی جلس فی وسط ذلک البساط ونادی یاآدمؑ اَبِی اهبط فهبط رجل درّیّ اللون طویل ۔ ثمّ نادی یاابی سامؑ اهبط فهبط ۔ ثمّ نادی یاابی ابراهیمؑ اهبط فهبط ۔ثُمَّ نَادَی یااَبِیْ اسماعیلؑ اهبط فهبط ۔ ثم نادی یااخی موسٰیؑ اهبط فهبط ۔ثم نادی یااخی عیسٰیؑ اهبط فهبط ۔ ثُمَّ رایتُ امراء ة واقفة ونشرت شعرها وهی تنادی یَااُمّی یاحوّاؑ اهبطی یااُمّی خدیجةؑ اهبطی یااُمّی هاجرؑ اهبطی یااختی سارةؑ اهبطی یااختی مریمؑ اهبطی واذا هاتف مِنَ الجوّ یقول هٰذه فاطمةؑ ابنة محمدؐ المصطفٰی زوجة علّی المرتضٰی اُمّ سید الشهدآء المقبور بکربلا ۔ ثمّ انها نادت یاابتاه اَلَّا تَرَی ماصنعت اُمّتک بولدک الحسیؑن فبکی رسولؐ اللّٰه وقال یاابی آدمؑ اَلَّا تَرَی اِلٰی مافعلت الطغاة بولدی؟ فبکی آدمؑ وبَکٰی کلّ مَن کان حاضرًا حتی بکت الملا ئکة لبکائهم ۔ثمّ رایت رجالا کثیرًا حول الراس الشریف وقائلًا یقول خذوا صاحب الدار واَحرقوهُ بالنّار فَخَرَجْتَ یایزید مِنَ الدّار وَاَنْتَ تقول النار النار اَیْنَ المفرّمِنَ النّارِ فامر یزید بضرب عنقها رحمة اللّٰه علیها۔ (اکسیر۔صفحہ 539 تا540)

چنانچہ علامہ ابومخنف نے جاثلیق کے قتل کا واقعہ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یزید کے محل میں سے ایک کنیز تیزی سے نکل کر دربار یزید میں پہنچی تو دیکھا کہ یزید امام حسین علیہ السلام کے دانتوں کو ایک چھڑی سے ہونٹ اوپر، سر کا سر کا کر دیکھ رہا ہے۔ کنیز نے نہایت سخت آواز سے کہا کہ اَے یزید اللہ تیرے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ دے۔ اَرے تو اُن دانتوں اور ہونٹوں سے گستاخی کرتا ہے جنہیں رسولؐ اللہ بہت بہت دیر تک چومتے رہتے تھے۔ ارے ملعون سن کہ میں ابھی ابھی نیم بیداری کے عالم میں تھی کہ میں نے آسمانوں میں ایک دروازہ کھلا ہوا دیکھا اور دیکھا کہ اُس دروازے میں سے ایک نورانی سیڑھی لٹکائی گئی ہے جو زمین کو چھُو رہی ہے۔ پھر دو بلا داڑھی موچھوں کے نوجوان سبز پوشاک پہنے ہوئے سیڑھی سے اُتر رہے ہیں۔ اور اُن کے لئے زمین پر جنتی زبرجد کا چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جس کی چمک مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اتنے میں ایک بلند قد وقامت اور بیضوی سر کا شخص آیا اور اُن دونوں نوجوانوں کے درمیان چبوترے پر بیٹھ گیا۔ اور آواز دی کہ اے بابا آدمؑ آپ آسمان سے اُتریں۔ چنانچہ ایک طویل انسان بہت چمکدار رنگ والا اُتر آیا۔ پھر آواز دی کہ اے بابا سامؑ آپ بھی اُتریں چنانچہ وہ بھی اُتر آئے۔ پھر کہا کہ میرے بابا نوحؑ آپ بھی تشریف لائیں۔ وہ بھی اُتر آئے تو آواز دی کہ اے بابا ابراہیمؑ تشریف لایئے وہ بھی اُتر آئے۔ پھر حضرت اسماعیلؑ کو آواز دی وہ بھی نازل ہوگئے۔ پھر کہا اے بھائی موسٰیؑ تم بھی اُترو۔ جب وہ آگئے تو آواز دی کہ اے بھائی عیسیٰؑ تم بھی آجاؤ۔ وہ بھی تشریف لے آئے۔ تب میں نے ایک خاتون کو بال بکھرے کھڑی دیکھا اور اُس نے آواز دی کہ اے ماں حوّاؑ آپ بھی اُتریں۔ اے امی خدیجہؑ تشریف لائیں۔ اے اماں ہاجرہؑ آپ بھی اُتریں۔ اے بہن سارہؑ تم بھی آؤ۔ اے ہمشیرہ مریمؑ آپ بھی اُتریں۔ ادھر آسمان کے درمیان فضاؤں سے پکارنے والے نے کہا کہ یہ خاتون فاطمہؑ محمدؐ کی بیٹی ہے۔ علیؑ کی زوجہ ہے اور سیدالشہدؑا کی والدہ گرامی ہیں جو کربلا میں دفن ہیں۔ پھر جناب فاطمہؑ نے پکارا اے اباجان کیا آپؐ یہ نہیں دیکھتے کہ آپ کی اُمت نے آپ کے بیٹے کے ساتھ کیا ظلم وستم کیا ہے؟ رسولؐ اللہ رو رہے تھے اور حضرت آدمؑ کو بتا رہے تھے کہ دیکھو آپ کی اولاد کے سرکشوں نے میرے فرزند کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے؟ حضرت آدمؑ بھی روتے رہے اور تمام حاضرین بھی رو رہے تھے۔ یہاں تک کہ ملائکہ بھی رونے لگے۔ پھر میں نے سرمقدس کے چاروں طرف بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اس محل کے مالک کو پکڑ کر آگ میں جلا دو۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اے یزید تُو محل سے یہ کہتا ہوا نکلا کہ جل گیا جل گیا اس آگ سے پناہ کی کوئی جگہ نہیں

ہے۔ یہ سب کچھ سن کر یزید نے وہی علاج کیا جو اس کے پاس باقی تھا یعنی اس کنیز کو قتل کرا دیا۔ اللہ اس پر اپنی رحمت نازل کرے اور جوار محمدؐ و آل محمدؐ میں بلند مقام عطا کرے آمین۔

(الف)۔ چند ضروری گزارشات

پہلی گزارش اسی روایت کے متعلق ہے۔ اس روایت میں جس ترتیب سے آنحضرتؐ نے انبیا علیھم السلام کو بلایا ہے۔ اس میں حضرت نوحؑ کا نام نہ تھا۔ ہم نے خود اضافہ کر دیا ہے۔ یہ کاتب یا راوی کی غلطی تھی۔ پھر اس روایت کو بعض علما نے وہی روایت سمجھا ہے جس میں ایک کنیز لوگوں کو جمع کرا کے یزید و معاویہ پر لعنت کرتی ہے۔ حالانکہ علما کے پاس قیاس باطل کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ چونکہ واقعہ اور بیان بالکل جداگانہ ہے۔ اس لئے یہ ایک اور کنیز تھی نہ کہ وہی۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ علما نے یزید کو اپنی طرح ایک ایسا آدمی فرض کر کے روایات و واقعات لکھ مارے ہیں کہ گویا یزید کے پاس نہ کوئی اور کام ہے نہ اُس پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نہ وہ کھاتا ہے، نہ نہاتا ہے نہ دن میں سوتا ہے۔ بس بیٹھا ہوا لگا تار لوگوں کے بیانات سنتا رہتا ہے۔ لہٰذا علما نے جس طرح واقعات و حالات کو رگڑا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن میں یزید نے کربلا کے تمام حالات سن لئے تھے۔ تمام سردارانِ فوج سے ملاقات کر لی تھی۔ اہل حرمؑ کے تمام خطبات و بیانات سن لئے تھے۔ رومی سفیر، جاثلیق اور راس جالوت اور اپنی زوجہ ہند اور دوسری کنیزوں کا واقعہ اُسی دن گزر گیا تھا۔ اُن کو نہ یہ خیال آیا نہ اِس کی ضرورت محسوس کی کہ دن تاریخ بتائیں۔ بہرحال ہم نے یہاں تک ہر پیشی کو الگ الگ کر دیا ہے۔

(17)۔ چھ سات ماہ بعد دار الموت سے بہتر قید خانہ میں تبدیلی

حکومتوں کی تیار کردہ تاریخ اور دشمنوں کے پروپیگنڈے کے شور میں لکھی ہوئی کتابوں میں اگر کچھ حقائق مل جائیں تو خدا کا شکر کرنا چاہئے۔ بہرحال ہم نے مومنین کیلئے اُسی ریکارڈ میں سے اسیران اہل حرم اور امام زین العابدین علیھم السلام کی اجتماعی اور انفرادی سترہ (17) پیشیاں فراہم کر دی ہیں۔ اِن پیشیوں میں گزرنے والے حالات و بیانات آپ کے سامنے آ چکے ہیں۔ یوں تو ان حالات و واقعات کو چند گھنٹوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ مگر جن حضراتؑ پر یہ حالات و واقعات گزرے اُنہیں وہ زمانہ کس طرح کاٹنا اور گزارنا پڑا، اس کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ بہرحال زبان سے بات کہنا بہت آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم کہے دیتے ہیں کہ یہ واقعات و حالات چھ سات ماہ میں گزرے تھے۔ مظالم سہنے والے بچوں اور عورتوں کا کیا حال ہو گیا تھا؟ اسکا جواب آج بارہ سو سال میں بھی ختم نہیں ہوا ہے۔ مگر ہم پھر نہایت آسانی سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آل رسولؐ اور اولاد علیؑ و بتولؑ کی صورتیں بدل گئی تھیں اور وہ حضرات کبھی اپنی پہلی صورت پر واپس نہ آ سکے؟ اسلئے کہ بعض نے چھاؤں میں بیٹھنا ہی بند کر دیا تھا۔ یوں بھی آل رسولؐ آسودہ حالی اور دنیاوی راحتوں کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور اب تو کربلا، کوفہ اور شام ہر لحہ سامنے کھڑے رہتے تھے۔ ہنسنا معدوم ہو گیا تھا، اچھی غذا تو کیا ٹھنڈا پانی پینے سے پہلے خون کے آنسو پینا عادت بن گیا تھا۔ کھانا تو الگ گوشت کے دیکھنے اور نام سننے سے گھنٹوں دل میں درد رہتا تھا۔ بہرحال چھ سات ماہ میں اہلبیتؑ پر جو کچھ گزر گیا وہ جن وانس و ملائکہ کو تاقیامت رُلاتا رہے گا۔ مگر اُدھر یزید اور اُس کے طرفداروں پر بھی جہنم کے دروازے کھُل چکے

تھے۔حکومت کی پابندیاں، خاندانی خباثت وقساوتِ قلبی ،نطفہائے شیطانی کی بے غیرتی وبے حیائی ،مصنوعی اقتدار کا مصنوعی رعب وداب اوراختیاراتِ شاہی کی مطلق العنانی رفتہ رفتہ زوال وتباہی کا اثر لیتے لیتے بے قابو ہو چکی تھی۔غرور وتکبر کی گردن بار بار جھکنے کا ارادہ کرتی تھی لیکن دماغ میں بسنے والی دشمنی ابھی سر ہلانے پر مجبور کر رہی تھی۔ بہرحال یزید اپنے نفسیاتی جہنم میں خاموشی سے جل رہا تھا۔اُس پر خود اس کی اولاد وازواج کا داخلی دباؤ پڑ رہا تھا۔لہٰذا ایک روز پھر یزید نے اہلبیتؑ کو اپنی ازواج اور بیٹیوں سے ملنے کیلئے بھیجا۔علامہ دربندی لکھتے ہیں کہ:۔ اِنَّ ھٰذا الـمـجلس فی ذکر احتجاجات جماعة مِن الحرم والنسوة الطاھرات مع جماعة مِن اھل یزید مِن نسوتہٖ وبناته واخواته وبیـان ذلک اَنَّ ابـن صبـاغ المالکی قال ثُمَّ قال یزید ادخلو ھنَّ اِلَی الحریم فَلَمَّا ادُخلوا علیٰ حَرُمِہٖ لَمۡ تبق امرأة مِن آل یزید اِلَّا اتیتھن واظھـرن التـوجّـع والـحـزن عـلٰـی مااصابھُنّ وعلیٰ مانزل بِھِنَّ واضعفن لَھُنّ جمیع مااَخَذَ لَھُن مِن الحلّی والثیاب بزیادة کثیرة وفی نقل آخر اِنَّھُنَّ لَمۡ یقبلن شیئًا مِنۡ ذلک۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 537)

اس مجلس میں اُن احتجاجات کا ذکر کیا جائے گا جو خاندان رسوؐل کی مقدس مستورات نے کئے اور جو یزید کی ازواج اور بیٹیوں اور بہنوں نے جاری رکھے۔اس سلسلے میں علامہ ابن صباغ مالکی نے لکھا ہے کہ یزید نے پھر حکم دیا کہ اسیران اہل حرمؑ کو اس کے زنانہ محل میں بھیجو۔ چنانچہ جب اہلبیتِ رسولؐ یزید کی خاندانی عورتوں کے پاس پہنچے۔تو یزید کے متعلقین میں سے کوئی ایک عورت بھی ایسی باقی نہ رہی جو اسیران اہل حرمؑ کے پاس نہ آئی ہو اور اپنے رنج والم وافسوس کا عملاً اظہار نہ کیا ہو۔اور اُن تمام مظالم وآفات پر ہمدردی اور دشمنوں سے اپنی بیزاری سے اہلبیتؑ کو خوش کرنے میں کمی کی ہو۔ پھر اُنہوں نے آل رسوؐل کو وہ تمام کپڑے اور سلی ہوئی پوشاکیں واپس دیں جو اُن سے چھین لی گئی تھیں۔اور اُن کے لٹے ہوئے سامان کے علاوہ بھی بہت زیادہ سامان راحت پیش کیا جسے اسیران اہل حرمؑ نے لینا پسند نہ کیا اور واپس کر دیا۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 537)

یہاں مومنین یہ نوٹ کریں کہ گزشتہ چھ سات ماہ قصر یزید کے بُرج یا دارالموت کے قیام میں سورج کی تمازت کے ساتھ ساتھ وہ آگ جو سوزِ غم والم نے قلب وجگر میں بھڑکا رکھی تھی اسیرانِ اہل حرمؑ کی صورتوں کو تبدیل کرنے میں مصروف تھی۔ اِدھر گرمی اور پسینہ کا اندازہ کیجئے اور پھر یہ دیکھئے کہ نہانے اور کپڑے دھونے کا تو ذکر ہی کیا ہے وہاں تو پینے اور ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے بھی کافی پانی نہ ملتا تھا۔ پھر ذرا تصور کیجئے اُس سردی کا جو ریگستان میں پڑتی ہے اور پھر سوچئے کہ وہ لوگ کیسے زندہ بچیں گے جن کے پاس نہ لحاف ہو نہ چادر، بستر ہو نہ تکیہ۔آپ تو شاید یہ بھی نہ سمجھ سکیں کہ ایک ایک کرتے اور پاجامے سے سات ماہ کس طرح گزارے؟ وہاں سوئی دھاگہ نہ تھا۔ پیوند لگانے کے لئے کپڑا کہاں سے آتا؟ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض غریب لوگ پیوند لگانے کے بجائے کپڑوں میں گرہ لگائے رہتے ہیں۔ یہ تھے خاندان رسولؐ کے افراد جن پر محنت کش اور غربا اپنی جان نثار کرنے کو تیار رہتے ہیں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے سامنے پھٹا لباس پہنے ہوئے سربلند کر کے بات کرتے ہیں۔ بہرحال آج اہلبیتؑ کو اُن کا لٹا ہوا لباس اور کپڑا مل گیا ہے۔ آج لازمی تقاضہ تھا کہ اُنہیں ذرا سہولت کی جگہ پہنچایا جائے جہاں وہ نہا دھو کر اپنا لباس بدل سکیں۔لہٰذا انہیں ایک عام جیل خانے میں تبدیل کیا گیا۔اور داروغہ جیل کا جیل خانہ سے ملحق مکان اُن حضرات کو دے دیا گیا۔ یہاں پانی اور پردہ کا انتظام تھا۔ایک ٹوٹی پھوٹی

ویران مسجد بھی ساتھ ملحق تھی۔ اگر جیل کے اندر کھلنے والا دروازہ بند کر دیا جائے تو جیل کے اندر سے کوئی اس مکان میں نہیں آ سکتا۔ اور اگر باہر سڑک پر کھلنے والے دروازے بند کر دیئے جائیں یا پہرہ لگا دیا جائے تو اسیران اہل حرمؑ قید میں محفوظ رکھے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ انتظام کرنا داروغہ جیل کی ذمہ داری تھی۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں آنے کو بعض علما نے رہائی سمجھا ہے۔ یہی جگہ ہے جہاں اہلبیتؑ کو رونے اور مجلس عزا قائم کرنے کی آزادی ہوگی۔ یہاں زوجۂ یزید اور دیگر شامی مستورات بھی اہل حرمؑ سے ملنے آ سکیں گی۔ یہاں امامؑ سے بھی لوگ آ کر مل سکیں گے۔ اور اہلبیت علیھم السلام کو یہیں یہ معلوم ہوگا کہ اُنہیں خود اُن کے صحابہ وصحابیات بھی نہیں پہچانتے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ آج کے بعد امامؑ اور اہل حرمؑ ایک قسم کے نظر بند قیدی ہیں۔ اور اپنی نقل وحرکت میں آزاد نہیں ہیں۔ اس سلسلے کی روایات کو علما اور حکومت نے بہت بری طرح الجھایا ہے۔ لیکن اُسی الجھاؤ میں اس نئی صورت حال کا پتہ مل جاتا ہے۔ چنانچہ وہ خواب جو حضرت سکینہؑ نے دیکھا اور یزید کو سنایا تھا۔ اور جسے ہم بھی صحیح ترتیب پر لکھیں گے۔ اُس خواب کے متعلق علما یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ خواب کب دیکھا اور کب یزید کو سنایا گیا تھا؟ ہم اس سلسلے میں علامہ دربندی کے چند جملے لکھتے ہیں۔ گو وہ جملے ایسے ہیں کہ جنہیں خود علامہ بھی نہیں سمجھے۔ مگر ہم اور آپ اُن جملوں سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اہل حرمؑ کو اُن کی قید کے زمانہ میں ایک ویران مسجد (مَسْجِدٌ خَرَابٌ) میں بھی رکھا گیا تھا۔ اور یہ کہ وہاں اُن کو مجلس عزا برپا کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ اور جہاں یہ آزادی حاصل ہوئی وہ یقیناً دوسرا قید خانہ تھا۔ پہلے قید خانہ میں تو آواز نالہ وفریاد بلند کرنے پر سخت پابندی اور سزا مقرر تھی۔ یہ دوسرا قید خانہ ہی وہ مقام ہے جو مدت دراز سے اہل حرمؑ کا قید خانہ کہہ کر زائرین کو دمشق میں دکھایا جاتا ہے۔ گو اُس کی شکل وصورت اور گنجائش بہت بدلتی آئی ہے۔ مگر زمین بہرحال وہی ہے جس پر اہلبیتؑ نے تین چار ماہ گزارے تھے۔ ہمارے ریکارڈ میں اس دوسرے قید خانے یا مکان کا صحیح حدود اربعہ، نقشہ اور پیمائش موجود ہیں۔ اور وہ تمام ریکارڈ موجود ہے جس میں وہ تمام تبدیلیاں مذکور ہیں جو اہلبیت علیھم السلام کی رہائی کے بعد وقوع میں آئیں۔ اس مکان یا قید خانہ میں اور شاہی محل کے درمیان اُسی سڑک کی چوڑائی کا فاصلہ تھا جو آج (21 مئی 1977 عیسوی) تک موجود ہے۔ اور اُسی مکان میں جناب سکینہؑ نے خواب دیکھا تھا۔ اور یہیں اُس مظلومہؑ کا انتقال بھی ہوا تھا۔ لیکن ہمارے نام نہاد شیعہ علما کی کثرت نے جہاں عروسی حضرت قاسم علیہ السلام کا انکار کیا ہے۔ وہیں وہ کثرت حضرت سکینہ علیہا السلام کا زندان شام میں انتقال بھی نہیں مانتی ہے۔ لیکن مومنین متفقہ طور پر روز اوّل سے اپنی تمام رسومات عزاداری میں اِن حقائق پر عمل کرتے آ رہے ہیں۔

(الف)۔ دوسرا قید خانہ جہاں عزاداری وغیرہ کی سہولت وآزادی حاصل تھی

اب علامہ دربندی کے اُلجھے ہوئے جملوں پر نظر ڈالیں ارشاد ہے کہ:۔

ثُمَّ لا یخفی علیک انا قد اشرنا فی صدر المجلس الٰی اَنّ ذکر سکینةً تِلْکَ الرویا لیزید فی مجلسه انّما کان فی بعض الایام الّتی کان اهلبیتً فیها فی السِّجْنِ والمحبس ۔فان قلت فَلِمَ لا تقول بوقوع هذه القضیة ای ذکر سکینةً رویاها لیزید فی بعض الایام الّتی کان اهلبیّت فیها مُطْلَقِیْنَ عَنِ السِّجْن والمحبس وکانوا فیها مشغولین باقامة الماتم لتغریة سید الشهدآء روحی له الفداء باذن و الترخیص من یزید فی الدار لّتی افرغت لهم۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 536)

''پھر تم پر یہ بھی مخفی نہ رہے کہ ہم نے اس مجلس کے اندر یہ اشارہ کر دیا ہے کہ حضرت سکینہؑ نے یزید سے اپنے اُس خواب کا تذکرہ اُن ہی دنوں میں کیا تھا۔ جب کہ اہلبیتؑ ابھی تک جیل خانہ میں مقید تھے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ حضرت سکینہؑ نے اپنے خواب کا ذکر یزید سے اُن دنوں میں کیوں نہ کیا جب کہ اہلبیتؑ جیل خانہ کی قید سے آزاد ہو گئے تھے اور یزید کی دی ہوئی اجازت اور آزادی سے سیدالشہدؑا کے ماتم اور تعزیت میں مشغول تھے اور اُس گھر میں رہتے تھے جو خاص طور پر اہلبیتؑ کیلئے فارغ کر دیا گیا تھا؟

اس جملے سے یہ بات سمجھ میں آنا کچھ مشکل نہیں کہ علامہ حضور خواب دیکھنے اور یزید سے اُس خواب کا ذکر کرنے کا وہ زمانہ مانتے ہیں جب کہ اہلبیتؑ ابھی قید ہیں۔ ہم متفق ہیں کہ ہاں اہل بیتؑ اس وقت بھی قید میں تھے اور اس کے بعد بھی کئی ماہ قید رہے۔ پھر علامہ جس بحث کا جواب دے رہے ہیں اس میں یہ سمجھا گیا ہے کہ خواب کا قصہ قید سے رہائی کے بعد کا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جی ہاں یہ پہلے قید خانہ یعنی دارالموت سے رہائی کے بعد کا واقعہ ہے سو فیصد رہائی کے بعد کا نہیں۔ اور سو فیصد رہائی کے بعد اوّل تو یزید سے اس خواب کے بیان کرنے کی ضرورت ہی باقی نہ تھی۔ پھر یہ کہ خواب دیکھنے اور بیان کرنے والی سکینہ علیہا السلام سو فیصد آزادی و رہائی سے پہلے ہی انتقال فرما چکی تھیں۔

بہر حال یہاں ایک ایسا مکان تسلیم کیا گیا ہے جس کی چار دیواری میں مجلس عزا اور ماتم بر پا کرنے کی اجازت اور رخصت یزید کی طرف سے حاصل تھی۔ اور الفاظ (**اِذْنٌ وتَرْخِيْصٌ**) اجازت اور رخصت خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اہلبیتؑ سو فیصد آزاد نہ تھے اور یہی دوسرے قید خانہ کی صورت حال ہے کہ وہ نظر بندی اور صرف نقل و حرکت پر پابندی کا زمانہ تھا۔ اب ایک اور جملہ سن لیں جہاں ویران مسجد میں قید ہونے کا ذکر بھی ہے۔ مذکورہ خواب کا جھگڑا ابھی زیر بحث ہے۔

لِاَنَّ تلک القضية انّما وقعت فی حريم يزيد عند نِسوَته واَهلهٖ وعياله ۔فَلَوْ كانت تلک القضية قد وقعت قبل خلاص اهلبيتؑ مِن السجن والحبس سواء اَن وقعت فی اليوم الذی دخلوا فيه دمشق ام بعده لزم اَن يامر يزيد ثانيًا باخراج النسوۃ الطاهرات من آل الرسولؐ مِن عند حريمه ومنازل نسوته وادخالهن فی الحبس والسجن فی المسجد الخراب۔
(اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 539)

''یہ اس لئے کہ یہ معاملہ یقیناً یزید کے زنانخانے میں اُس کے اہل وعیال اور عورتوں کے سامنے پیش آیا تھا۔ اور اگر یہ واقعہ جیل خانے کی قید سے آزاد ہونے سے پہلے کا مان لیا جائے تو پھر یہ دونوں باتیں برابر ہو جائیں گی کہ خواہ یہ اُسی روز پیش آ گیا ہو جس دن اہلبیتؑ دمشق میں پہلے روز داخل ہوئے تھے یا بعد میں کبھی بھی وقوع میں آیا ہو۔ مگر یہ بات دونوں صورت میں لازم آتی ہے کہ یزید نے اہلؑ حرم کو اپنے زنانخانے میں اپنی مستورات اور حرم میں بھیجنے کا دوبارہ حکم دیا ہو۔ اور یہ کہ اس کے بعد اہلؑ حرم کو ویران مسجد میں جیل اور قید کیا گیا ہو۔'' (اکسیر العبادات۔ صفحہ 539)

آپ اس بحث کو نظر انداز کر دیں کہ وہ واقعہ کیا تھا؟ وہ خواب کب دیکھا اور کب اُس کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ آپ تو دونوں بیانات سے یہ سیدھی سی بات اخذ کر لیں کہ یزید کے حرم میں اہل حرم علیھم السلام کو دوسری دفعہ یا تیسری دفعہ بھیجا گیا تھا۔ یعنی پہلی دفعہ کی بات نہیں

ہے۔ بلکہ بعد کی بات ہے اوراس کے بعد اہل حرمؑ کوایک ویران مسجد اورایک مکان میں رکھا گیا اور وہاں اُن حضرات کومجلس عزاو ماتم شہداعلیھم السلام برپا کرنے کی اجازت وآزادی حاصل تھی۔اور بس باقی جھگڑے سے مومنین کاتعلق نہیں ہے۔اس لئے کہ جھگڑے نہ کئے جائیں تو واقعات کواُلٹ پلٹ اور مشکوک کیسے کیا جائے؟ یہی ایک ہتھیار تو علما کے پاس ہے اور میں اس ہتھیار کواُن کے خلاف بڑی سہولت سے استعمال کیا کرتا ہوں۔اب ایک جملہ اورسن لیں جس سے اُدھر ہمارا فیصلہ تصدیق ہوجاتا ہے۔اِدھر سازشی علما کا پتہ بھی چل جاتا ہے لکھا ہے کہ:۔

فاعلم انّه قد نقل عن صاحب المنتخب انّه قال وروی انه لَمَّاقد م آل اللّٰه وآل رسوؐله علیٰ یزید فی الشام اَفْرَدَ لَهُمْ دَارًا وَكَانُوْا مَشْغُوْلِيْنَ باقامة العزا۔'' (اکسیرالعبادات۔صفحہ 533)

''یہ سمجھ لوکہ کتاب المنتخب سے یہ بات نقل کرتے چلے آرہے ہیں کہ اُنہوں نے لکھا ہے کہ جب اللہ کے تیار کردہ اوراُس کے رسولؐ کے اہل البیتؑ دمشق میں یزید کے پاس پہنچے تو یزید نے اُن کے لئے خاص طور پرایک مکان دے دیا جہاں اہلبیتؑ بالکل آزادی سے عزاداری میں مشغول رہتے تھے۔''

مطلب واضح ہے کہ یزید نے اہل حرمؑ کوایک منٹ کے لئے بھی قیدی بنا کرنہیں رکھا۔ بلکہ پہنچتے ہی پوری آزادی دے دی،ایک مکان بھی ٹھہرنے کے لئے دے دیا۔اور ہم ایسا لکھنے اور ماننے والوں اور کہنے والوں پر یزید کے برابر لعنت کرتے ہیں۔اور جولوگ شیعہ ہوکر محبان آل محمدؐ کہلا کر ایسا کہنے والوں اور لکھنے والوں اور ماننے والوں سے راضی ہوں اوراُن پرلعنت نہ کریں ہم اُن پر بھی یزید کے ساتھ ساتھ اتنی ہی لعنت کرتے ہیں۔اس لئے کہ یہ سب لوگ یزیدی پالیسی کے طرفدار اوراُس کی نشرواشاعت کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ بہرحال یہاں تک اُن ہی خبیثوں کے بیانات سے ہماراعنوان مکمل ہوگیا اور ثابت ہوگیا کہ اوّلین قیدخانہ سے رہائی کے بعد اہلبیتؑ کو ایک اور مکان میں نظر بند رکھا گیا تھا جہاں عزائے شہدؑا کی اجازت اور آزادی تھی۔اوراُسی مکان کے احاطہ کے اندروہ مسجد تھی جسے مَسْجِدٌ خَرَابٌ ویران مسجد کہا گیا ہے۔چنانچہ علمانے اس مسجد میں قید کئے جانے کا بار باراور طرح طرح سے ذکر کیا ہے۔اوراسی بنا پر علامہ دربندی بھی بھٹکتے اور چکر کاٹتے رہے ہیں۔چنانچہ آپ نے وہ روایت لکھی جس میں یزید اپنے بیٹے خالد سے کُشتی کے لئے کہتا ہے اورامامؑ چھری والی بات فرماتے ہیں روایت کے اختتام پرعلامہ دربندی کے ریمارک سنئے فرمایا کہ:۔

وَاَنْتَ خَبِيْرٌ بِاَنَّ المستفاد من هٰذه الرواية اَنَّ اطلاق يزيد الحرم والسَّبَايا عَنِ السِّجن والحبس الَّذی كان فی مَسْجِدٍ خَرَابٍ كان فی اليوم امر الامام بان يصارع ابنه خالد۔ (اکسیرالعبادات۔صفحہ 530)

''تم اچھے خاصے خبردار آدمی ہوکہ اس روایت سے یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ یزید کا اہل حرمؑ اورقیدیوں کواُس قیدخانہ سے رہا کرنا جو ویران مسجد میں تھا۔اُسی روز کا واقعہ ہے۔جس دن یزید نے امامؑ زین العابدین کواپنے بیٹے خالد سے کُشتی کرنے کاحکم دیا تھا۔''

یہ مغالطہ علامہ سرکار کواسلئے ہوا ہے کہ اُس روز بھی حرم اہلبیتؑ؛ یزید کے محل میں بلائے گئے تھے۔اور چونکہ پہلے قیدخانہ سے رہائی والے روز بھی یزید کے حرم میں بلایا گیا تھا اسلئے علامہ نے کُشتی والے دن کولا کرملادیا۔حالانکہ یہ وہ دن ہونا چاہئے جس روز اہل حرمؑ

کواُنکا لباس اور کپڑے واپس دیئے گئے تھے۔نہ کہ کوئی سی بھی ملاقات کو بلا وجہ مان لیا جائے۔کپڑے واپس ملنے کا قدرتی مطلب کپڑوں کے پہننے اور بدلنے کا اختیار ملنا ہے۔اور چھ سات ماہ بعد کپڑے بدلنے کیلئے نہانا دھونا اورایسی جگہ بھی ضروری ہے جہاں پارچات ولباس وبستر وغیرہ صاف ستھرے رہ سکیں۔نہ کہ وہ موت کا گھر جہاں نہ چھت تھی نہ زمین کے علاوہ کوئی اور چیز تھی۔سر پرآسمان تھا اور نیچے زمین اور وہ بھی ریتلی وچٹانی زمین تھی۔جہاں دھوپ اور دہکتی ہوئی لُو جسم کو جھلستی تھی۔

52۔ حضرت سکینہ علیہا السلام کا انتقال؛ یزید کا زوال اور دمشق میں عزاداری

(1)۔ حضرت سکینہؑ سے تعارف، خواب اور انتقال

اِس عنوان میں ہم اُس مظلومہؑ اور کم سن بچی کا تعارف پیش کریں گے جو ہماری عزاداری کی زندگی رہتی چلی آئی ہے۔جسے اہل زبان **بالی سکینہؑ** کہہ کر پکارتے ہیں۔وہ بچی جسے حضرت زینب علیہا السلام کبھی کربلا میں کبھی راہ کوفہ میں تلاش کرتی پھریں۔کبھی بابا جان کی لاش سے لپٹی ہوئی ملی کبھی کربلا کی طرف دوڑتی ہوئی پائی گئی۔جسے چھپانے اور نوجوان لڑکی دکھانے کی کوشش بھی کی گئی۔جسے دشمنانِ دین نے کربلا کے بعد زندہ رکھنے اور (معاذ اللہ) ایک شاعرہ وگلوکارہ وآوارہ عورت دکھانے کی پوری جدوجہد کی۔جسکی بہت سی شادیوں اور اولادوں کے قصے گھڑے گئے اور جس کے جھوٹے قصوں میں خود ہمارے اپنے علما بھی الجھتے رہے۔آیئے ایک سیدھی سادی اور مختصر سی روایت سنئے اور تصدیق کیجئے کہ وہی حقیقی سکینہؑ ہے یا نہیں۔

فاعلم اَنَّهُ قد نقل عَن صاحب المنتخب انّه قال وروی انه لَمَّا قد م آلُ اللّٰه وآلُ رسولهٗ علٰی یزید فی الشام اَفْرَدَ لهم دَارًا وکانوا مشغولین باقامة العزاء ۔ وکان للحسیؑن بنتٌ عمر هاثلٰث سِنین مِن یوم استشهد الحسینؑ بقیت ماتراه فَعَظَّمَ ذلک علیها واستوحَشَتُ لابیهًا وکانتُ کُلَّمَا طَلَبَتُ ۔ یقولون لَهَا غدًا یَاتِی ومعه ماتطلبین اِلٰی اَنُ کانت لیلة مِن اللِّیَالی رَأت اباها بنَوْمِهَا ۔ فلما انتبهت صاحَتُ وبَکَتُ وَ انزعجت ۔ فهجّعوها وقالوا ماهٰذا البکآء والعویل؟ فقالت آتونی بوالدی وقرة عینی ۔ وکُلّما هَجَّعُوُهَا اذدادت حُزُنًا وبُکَآءً ۔ فَعَظَّمَ ذلک عَلٰی اهل البیتؑ فضجّوا بالبکاء وجدّد وا الاحزان ولطموا الخد ود وحثوا علٰی روسهم التراب ونشروا لشعور وقام الصیاح ۔ فسمع یزید ملعون صیحتهم وبکآئهم ۔ فقال ماالخبر ؟ قَالُوا اَنَّ بنت الحسیؑن الصغیرة رأَت اباها بنومها فانتبهَتُ وَهِیَ تطلبه وتبکی وتصیح۔ فقال الرفعوا اِلَیْهَاراس ابیها لِتنظر الیه وتتسلّی به فجاؤا بالراس الشریف الیها مغطی بمندیل ویبقی فوضع بین یدیها وکشف الغطا عنه ۔ فقالت ماهذا الراس؟ قالوا راس اَبِیکِ۔ فرفعته مِنَ الطشت حاضنة له وهی تقول یاابتاه مَن ذا الّذی خضّبک بدمآئک یاابتاه مَن للیتیمة حَتّٰی تکبر ؟ یاابتاهُ مَن للنسآء الحاسرات ؟ یاابتاه من لِلّاَرامل المسبّیات ؟ یاابتاه مَن للعیون الباکیات ؟ یا ابتاه مَن للضائِعات الغریبات؟ یاابتاه مَن للشعور الناشرات؟ یاابتاه مِن بعدک واخیبتاه؟ یاابتاه مِن واغربتاه؟ یاابتاه لیتنی کنتُ لک الفداء ۔ یاابتاه لیتنی کنتُ قبل هذا الیوم عمیا۔ یاابتاه لیتنی وسدت الثرٰی ولا اری شیبک مُخَضّبًا بالدمآء ۔ ثم انها وضعت فَمَهَا علٰی فمه الشریف وبکت بکاءً شد یدًا حتّٰی غَشَی علیها ۔ فلمّا حَرّکوها فاذا قد فارقت روحها الدنیا ۔ فلمّا رَای اهل البیتؑ ماجَری علیها اعلنوا بالبکآء واستجدّد العزآء وکذلک کلّ مَن حضرمِن اهل دمشق فلم یری ذلک الیوم اِلّا باکِ وباکیّةً ۔ الالعنة اللّٰه عَلَی القوم الظالمین۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات صفحہ 533)

اس روایت کی ابتدا میں وہی بیان ہے جو ہم نے پہلے لکھ کر بتایا ہے کہ سرکاری پالیسی یہ تھی کہ اہلبیتؑ کو دمشق میں قیدی نہ دکھایا جائے۔ بلکہ پہلے دن ایک الگ مکان میں قیام اور عزاداری کرنے کی آزادی دکھادی جائے؛

اسکے بعد کتاب المنتخب کہتی ہے کہ امام حسینؑ کی ایک چھوٹی سی بیٹی تھی جو شہادت حسینؑ کے دن صرف تین سال کی عمر رکھتی تھی۔ چونکہ وہ بہت عرصہ سے اپنے باپ کو غائب دیکھتی تھی اور ابھی مرنے اور قتل ہونے کا یہ مطلب نہ سمجھتی تھی کہ اِسکے بعد باپ بیٹی کے پاس نہیں آسکتا۔ لہٰذا وہ بچی اکثر گھبرا جاتی تھی اور باپ کو بلانے کی ضد کیا کرتی تھی۔ پھوپھی اور دیگر حضرات اُسے طرح طرح بہلا دیا کرتے تھے۔ ابھی آتے ہوں گے، کل کو آجائیں گے، اپنی لاڈلی کیلئے کھلونے اور بہت سی چیزیں لائیں گے۔ یوں ٹلتے ٹلاتے اور بہلاتے پھسلاتے وہ رات آہی گئی جو قیامت تک پھر نہیں آئی اور نہ اُسکے آنے کی ضرورت ہے۔ بچی بے چین ہو کر سوئی تو خواب میں اپنے ابا جان کو دیکھا لیکن خواب تو خواب تھا۔ آخر جب بیدار ہوئی اور پہلو میں بابا کو نہ پایا تو سمجھی کہ بس اب پھر عرصہ دراز کے بعد آئیں گے۔ رونا اور بابا کہہ کر پکارنا، فریاد کرنا اور تلاش کرنا شروع کر دیا۔ آخر تمام اہل حرمؑ جمع ہو گئے۔ صورتِ حال کو سمجھ گئے خود بھی روتے جاتے تھے اور شہزادی کو بہلانے کیلئے تمام نئے پرانے جتن کر رہے تھے۔ بچی اب کہاں تک بہلتی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ لوگ روزانہ یوں ہی کہتے رہتے ہیں۔ بس اُدھر سکینہؑ نے بے قابو ہو کر رونا اور بلکنا شروع کیا اور اِدھر اہل حرمؑ میں نالہ و فریاد اور نوحہ و ماتم اور بین شروع ہو گئے۔ کربلا کا دن واپس چلا آیا، لاشہ ہائے اکبر و عباس و قاسم و علی اصغر علیہم السلام سامنے آ گئے۔ بال کھول دیئے گئے۔ سروں میں خاک ڈالنا سر و سینہ پیٹنا شروع کیا۔ گھر سے باہر لوگ جمع ہو گئے۔ سب لوگ بے قرار ہو کر رو رہے تھے کہ یزید بیدار ہوا۔ معلوم کیا تو پورا محل جاگ رہا تھا۔ اس ملعون کو بتایا گیا کہ حسینؑ مظلوم کی سب سے چھوٹی بچی نے خواب میں باپ کو دیکھا۔ جاگی تو وہ اب اپنے والد کو بلوانے پر بضد ہے رو رو کر بے حال ہو گئی ہے۔ اہلؑ حرمؑ میں فریاد و واویلا مچا ہوا ہے۔ یزید نے کہا کہ حسینؑ کا سر لے جاؤ تا کہ اسکو تسلی ہو جائے، سر لا کر طشت سامنے رکھا گیا۔ بچی چپ چاپ تک رہی تھی۔ ریشمی رومال ہٹایا گیا تو پوچھا یہ کیسا سر ہے؟ کہا گیا کہ تمہارے پیارے والدؑ کا سر ہے۔ سکینہؑ نے جلدی سے سر مقدس کو اُٹھا کر سینہ سے لگا لیا اور چیخ مار کر کہا کہ اے بابا وہ کون تھا جس نے آپ کو آپ کے خون سے خضاب کیا۔ اے بابا اس یتیم بیٹی کے پال کر بڑا کرنے کے خیال نے آپ کا دامن نہ پکڑا؟ اے بابا آپ کو ان مایوس کن حالات کا خیال تو آیا ہوگا جو تمہاری مصیبت زدہ خواتین کو درپیش ہیں۔ اے بابا اِن یتیم و بے سہارا قیدی یتیموں کا کون نگہبان ہے؟ اے بابا جان ان رونے والی آنکھوں کا خیال کرو۔ اے بابا ان غریب اور تباہ حال عورتوں کی طرف دھیان دیجئے۔ اے بابا ان بکھرے ہوئے بالوں کو دیکھئے۔ اے بابا آپ کے بعد ہم تباہ و برباد ہو گئے۔ اے بابا آپ کے بعد ہمارا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اے بابا کاش میں آپ پر قربان ہو گئی ہوتی۔ اے بابا کاش میں یہ دن دیکھنے سے پہلے اندھی ہو گئی ہوتی۔ اے بابا کاش مجھے پہلے ہی زمین میں دفن کر دیا گیا ہوتا۔ اور میں آپ کی ریش مبارک کو خون میں رنگین نہ دیکھتی۔ پھر اس کے بعد دُکھیا بچی نے اپنا منہ بابا کے منہ پر رکھ دیا اور اس طرح تڑپ کر روئی کہ بے ہوش ہو گئی۔ اور جب اُسے چین سے دیکھا تو شبہ ہوا، ہلا کر دیکھا تو اُس کی روح دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر تو اہلبیتؑ نے سر و سینہ پیٹنا اور پچھاڑیں کھانا

شروع کر دیا۔ ایک نیا ماتم شروع ہوا۔ دمشق کے جولوگ موجود تھے۔ اُن میں کوئی مرد یا عورت ایسا نہ تھا جو بے قرار ہو کر نہ رویا ہو۔ خدا ظالموں کی قوم پر لعنت کرتا رہے۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 533)

(الف)۔ **اس روایت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں اورسن لینا ضروری ہیں**

ہم نے یہ کہہ کر روایت شروع کی تھی کہ مومنین روایت میں حضرت سکینہ علیھا السلام کی تصدیق فرمائیں کہ یہ روایت اُسی حقیقی سکینہؑ کو پیش کرتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ روایت کی ابتدا میں اُن کی عمر صرف تین سال بتائی گئی ہے۔ جو قطعی طور پر صحیح ہے۔ پھر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ شہزادی اپنی باتوں سے بھی اپنی چھوٹی سی اور کم سنی کی عمر کو ثابت کرتی ہے یا نہیں؟ چنانچہ خواب بہت کم سنی میں یعنی شیر خواری کی عمر میں بھی آتے ہیں اور کم سِنی کے خواب بھی کم سِن ہوتے ہیں۔ چنانچہ بی بیؑ نے نیند سے بیدار ہو کر اپنے بابا کیلئے دوبارہ بلائے جانے کی ضد کی اور یہی کہا کہ میرے بابا کو لاوَ (**آ تونی بوالدی**) اور یزید سے بھی یہی کہا گیا کہ بچی اپنے والد کو طلب کرتی ہے(**هِیَ تطلبهُ**) یہ بالکل ایسی سمجھ اور ضد ہے جو ایک تین سال کی بچی پر صادق آتی ہے۔ پھر حضرت سکینہؑ کو بہلانے کیلئے بھی وہی فطری باتیں کہی جاتی تھیں جو ایک سہ سالہ بچی کیلئے اطمینان بخش ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ''تمہارے بابا جان کل آ جائیں گے(**یقولون لها غداً ا یا تی ومعه ما تطلبین**)اور جو جو چیز تم پسند کرتی یا مانگتی ہو وہ سب لے کر آئیں گے۔ اِس حد تک روایت اور روایت کے واقعات سو فیصد فطری ہیں۔

لیکن سر مبارک کو دیکھ کر جو بین یا بیانات حضرت سکینہؑ کی زبان سے بیان ہوئے ہیں وہ بہت سنجیدہ وفہمیدہ اور خاندان رسوؐل کی ایک جوان سال عالم عورت کے شایان شان ہیں۔ تین سال کی بچی کیلئے غیر فطری اور نا قابل قبول ہیں۔ یہ بیانات دینے والی ایسی خاتون ہونا چاہئے جو کربلا کی پوری حُسیّنی پالیسی پر مطلع ہو۔ جس نے ہر ہر واقعہ کو گہری اور نتیجہ خیز نظر سے دیکھا ہو۔ جسے ایک سرپرستِ خاندان کی ذمہ داریوں اور فطرت انسانی کے نازک گوشوں اور جذبات پر عبور ہو۔ جو بزرگوں سے اپیل کرنا جانتی ہو۔ جو مذکورہ الفاظ کے معنی ومفاہیم پر کما حقہ مطلع ہو۔ تین سال کی بچی نہ لفظ اَرامِل سے واقف ہوسکتی ہے نہ ضائعات وحاسرات کا مفہوم سمجھ سکتی ہے۔ بہرحال یہ بین اندر گھر میں کئے گئے اور ضرور کئے گئے مگر جناب سکینہؑ نے نہیں کسی اور خاتونؑ نے کئے۔ مگر باہر کھڑے ہوئے لوگوں نے یہی سمجھا کہ سکینہؑ بین کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ راوی مرد تھے اور مرد زنانہ میں نہ تو جا سکتے تھے نہ پہرہ داروں کی طرف سے اجازت مل سکتی تھی۔ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے واقعہ معلوم کرتے تھے۔ اور یہ سن کر کہ امام حسینؑ کی ایک بیٹی نے خواب دیکھا اور بے چین ہوگئی ہے۔ اُسکے رونے سے سب رو رہے ہیں۔ یوں یہ بین حضرت سکینہ علیھا السلام کے نام پر منسوب ہوگئے۔ یا یہ کہ سرکاری گروہ کے اہل قلم نے اس روایت میں فطری نقص دکھا کر غلط ثابت کرنے کی غرض سے نام تبدیل کر دیا۔ اگر ایسا ہوا ہے تو شک اُن ہی علما پر کیا جائے گا جو حضرت سکینہؑ کی زندانِ شام میں وفات کے قائل نہیں یا جو علما حضرات سکینہؑ کو جوان کہتے ہیں۔ اور جنہوں نے اس غرض کو حاصل کرنے کیلئے ایک اور خواب کو حضرت سکینہؑ سے منسوب کیا ہے۔ بہر طور وہ بین اور شکوہ حضرت سکینہؑ کا نہیں تھا۔

(ب)۔ **علمانے لاشعوری یاشعوری طور پر حضرت سکینہ علیھا السلام کو جوان العمر دکھایا ہے**

چونکہ قومی حکومت کی گرفت تین سو سال تک تمام اہل قلم کو اپنے تصورات اور پالیسی کی اشاعت میں مصروف رکھنے میں کامیاب رہی ۔مسجدوں، منبروں اور مدرسوں سے سرکاری کتابوں کی تعلیم وتدریس عوام الناس میں پھیلائی اور مشہور کی جاتی رہی ۔ چاروں طرف خانہ ساز روایات ہر زبان پر جاری رہتی چلی آئیں ۔راوی بھی اُسی مشہور طرز فکر کے راستے پر چلنے کے لئے مجبور تھے۔حکومتوں کے ساختہ پرداختہ جاسوس اور علما، شیعہ لیبل لگا کر شیعوں میں بھی حکومت کے مذہب اور پالیسی کو مقبول بنانے میں کوشاں رہتے چلے آئے ۔اُنہوں نے شیعہ نام سے شیعہ لیبل کی کتابیں لکھیں اور بڑی سادگی اور پُرکاری کے ساتھ بتدریج ایسی روایات کو جگہ دی جو مخالف مذہب اور حکومت کی تائید کریں ۔ پھر چوتھی صدی ہجری تک حکومت نے شیعوں میں باقاعدہ نظام اجتہاد قائم کردیا۔اس لئے کہ اس سلسلہ معصومینؑ کی کھلی روک تھام کرنے والی آخری ہستیؑ نے اپنے نظام ہدایت کو سو فیصد زیر زمین پوشیدہ کردیا تاکہ مخالفین کو اُن کے اقدامات پر قبل از وقت اطلاع نہ ملے اور نظام اجتہاد امام معصومؑ سے کٹ کر رہ جائے اور اجتہادی احکام خاطی علما کے احکام سمجھے جائیں ۔اور حقیقی شیعہ اُن خاطی علما سے جدا رہیں ۔ چوتھی صدی کے اوائل سے لے کر آج تک اجتہادی علما نے برابر حقائق کو تبدیل کرنے اور سرکاری وقومی مذہب کو رائج کرنے کی کوشش کی ہے۔اُن کی کوششوں کو بار آور کرنے میں ہر زمانہ کی حکومتیں مددگار رہی ہیں۔اور حقیقی علمائے شیعہ اُن کی نقاب کشائی میں مصروف رہتے چلے آئے ہیں۔لیکن بعض علما پھر بھی کہیں کہیں اُن کے تصورات کو قبول کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ دربندی مذہب حقہ کے زبردست عالم ہیں اور غلط تصورات کو رد کرنے میں نہایت ہی سخت لیکن حضرت سکینہ علیھا السلام کے معاملہ میں کئی مقامات پر دھوکہ کھا گئے ہیں۔اور ایسی روایات نقل کرلی ہیں جو حضرت سکینہؑ کے نام سے منسوب کی گئی ہیں۔حالانکہ وہ ایک تین سال کی عمر کی بچی کے ساتھ ہرگز منسوب نہ ہونا چاہئیں تھیں۔ہمیں بڑا تعجب ہے کہ علامہ حضور اِدھر جناب سکینہؑ کو ایک سہ سالہ بچی بھی مانتے ہیں۔اور پھر اُن کے نام سے ایسی روایات لکھ دیتے ہیں جو ایک جوان، ذی ہوش اور عالم عورت سے تعلق رکھتی ہیں۔اور پھر کمال یہ ہے کہ اُن روایات پر ایک بھی تنقیدی جملہ نہیں لکھتے۔

(ج)۔ **کیا تین سال کی بچی پردہ کرتی ہے؟ کیا تمام اہل حرمؑ باپردہ پیش کئے گئے تھے؟**

مومنین شیعہ علما کی پسندیدہ روایت سنیں اور پھر ہمیں روایت، راوی اور روایت کو قبول کرنے والے علما کی پوزیشن سمجھائیں یا خود سمجھیں۔ علامہ دربندی لکھتے ہیں کہ:۔

وَعَنْ انوار النّعمانية انّ الحريمؑ لمّا ادخلن فى السبّى علٰى يزيد وكان يطّلع فِيْهِنّ ويَسْئَلُ عن كلّ واحدة بعينها وَهُنّ مربّقات بِحَبْل طويل وزجر بن قيس يجرّهن حتّٰى اقبلت امراة وكانت تستر وجهها بيزيد لانّها لم يكن لها خرقة تستر بها وجهها ۔ فقال مَن هٰذه الّتى ليس لها ستر ؟ قالوا سكينةؑ بنت الحسينؑ۔ قال اللعين انت سكينة ؟ فسارت دموعها علٰى خدّ ها واختفقت بعبرّها فسكت عنها حتّٰى كادت اَن تطلع رُوحها مِن البكآء۔ فقال لَهَا وما يبكيكِ ۔ قالت كيف لَا تبكى مَن لَيْسَ لَهَا ستر تستر بهٖ وجهها وراسها عنك فبكى يزيد الكافر و اهل مجلسهٖ ثم قال لعن اللّٰه عبيداللّٰه ابن زياد مااقوى قلبه علٰى آل

رسولؐ۔ثم اقبل علیھا وقال ارجعی مع النسوة حتّٰی امر بکنّ امری۔ (اکسیر العبادات صفحہ 516)

''اور کتاب انوار نعمانیہ میں لکھا ہے کہ جب یزید کے سامنے اہل حرمؑ کو قیدی بنا کر لائے تو اُن سب کو ایک لمبی رسی میں باندھا ہوا تھا۔اور زجر بن قیس ملعون اُن کو دھکیلتا کھینچتا اور ہانکتا ہوا لایا تھا۔اور یزید چاہتا تھا کہ اہل حرمؑ کی تمام مستورات کو بچشم خود دیکھے اور ہر ایک سے ذاتی تعارف حاصل کرے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے قیدی خواتین آتی رہیں اور جب وہ عورت آئی جو یزید سے پردہ کرنا چاہتی تھی لیکن اُس عورت کے پاس ایسا کوئی کپڑا نہ تھا جس سے وہ اپنا مُنہ چھپا سکے۔تو یزید ملعون نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے جس کے پاس پردہ کرنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ سکینہؑ حسینؑ کی بیٹی ہے۔اب یزید ملعون نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم ہی سکینہؑ ہو؟ یہ سن کر سکینہؑ کے آنسو اُن کے گالوں پر بہنے لگے اور اس طرح سکینہؑ نے یزید کے سوال کا جواب اپنے بہتے ہوئے آنسوؤں سے دیا۔زبان سے کچھ نہ کہہ سکیں اور اس بے قراری سے روئیں کہ اُن کی روح پرواز کرنے کو تیار تھی۔ یہ حال دیکھ کر یزید نے رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ وہ عورت کیسے صبر کرے اور کیوں نہ روئے جس کے پاس تجھ سے پردہ کرنے اور سر و چہرہ چھپانے کو کوئی چیز نہ ہو۔ یہ سن کر یزید اور تمام اہل دربار رونے لگے۔اور یزید نے کہا کہ اللہ عبید اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے آل رسولؐ کے لئے اس کا دل کتنا سخت ہو گیا تھا۔پھر حضرت سکینہؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم باقی مستورات کے ساتھ واپس جاؤ اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔''

(د)۔ مومنین اور حقیقی شیعہ اس روایت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

اس روایت میں پہلی قابل نفرت اور جھوٹی بات یہ ہے کہ حضرت سکینہؑ کو ایک بچی نہیں بلکہ ایک جوان پوری عمر کی عورت (اِمۡرَأَةٌ) دکھایا گیا ہے۔دوسری قابل نفرت و ملامت بات یہ ہے کہ اہل حرم کو برقعہ اور چادر میں ملبوس دکھا کر یزید کے جُرم کو ہلکا کیا گیا۔ اور تاریخ و مسلّمات کے خلاف دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ بولا گیا ہے۔تیسری قابل لعنت بات یہ ہے کہ تمام اہل حرمؑ پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے حسینؑ کی جوان بیٹی کو بے پردہ رکھنا اور خود برقعے و چادریں لینا منظور کر لیا ہے۔ چوتھی قابل ملامت بات یہ ہے کہ اہل حرمؑ کی کسی کنیز نے بھی اپنا برقعہ یا چادر حضرت سکینہؑ کو دے کر امامؑ پر احسان نہ کیا۔ پانچویں مردود بات یہ ہے کہ سکینہؑ کے رونے پر اہل حرمؑ کو خاموش دکھایا جو غیر فطری اور مزاج اہلبیت علیھم السلام کے خلاف ہے۔ بہر حال روایت میں بین کرنے والی خاتون واقعی جوان العمر اور نہایت قابل خاتونؑ ہے اور وہ بھی امام حسین علیہ السلام کی بیٹیؑ ہے۔

(ہ)۔ بین کرنے والی شہزادی کا نام جناب فاطمہؑ الاوسط عرف زینبؑ تھا

مومنین یاد رکھیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی چار بیٹیاں اور چھ بیٹے ہیں۔عروسی جناب فاطمہ کبریٰ علیھا السلام کی ذیل میں ہم نے اس کو باقاعدہ بیان کیا ہے۔ یہاں یہ سمجھ لیں کہ امام حسین علیہ السلام کے تمام بیٹوں کا نام علی، علی، علی، علی اور علی علیھم السلام تھا۔تمام بیٹیوں کا نام فاطمہؑ، فاطمہؑ، فاطمہؑ اور فاطمہؑ تھا۔اُن کو شناخت کرنے کے لئے اُن کے ساتھ بزرگی اور خُردی ظاہر کرنے والے الفاظ مستقلاً استعمال ہوتے تھے مثلاً:۔

1۔ حضرت علیؑ الاعلیٰ۔عرف زین العابدینؑ۔سجادؑ

2۔ حضرت علیؑ الاکبر۔مومنین کا مشہور و محبوب جوانؑ شہید کربلا

3۔ حضرت علیؑ الاوسط۔عرف محمدؑ کم سن شہید کربلا

4۔ حضرت علیؑ الثالث۔عرف جعفر کم سن شہید کربلا

5۔ حضرت علیؑ الرابع۔عرف الحسنؑ کم سن شہید کربلا

6۔ حضرت علیؑ الاصغر۔عرف عبداللہ شیر خوار شہید کربلا

....

1۔ حضرت فاطمہؑ الکبریٰ۔عرف زبیدہ زوجہ قاسمؑ بن امام حسن علیہ السلام

2۔ حضرت فاطمہؑ الاوسط۔عرف زینبؑ (جن کو اکثر سکینہؑ سمجھا گیا ہے)

3۔ حضرت فاطمہؑ الصغریٰ۔عرف صغریٰ (جن کو مدینہ میں رکھا گیا تھا)

4۔ حضرت فاطمہؑ السکینۃ۔عرف سکینہؑ (متوفیہ زندانِ شام)

سرکاری علمانے کہیں تو فاطمہؑ الکبریٰ کو غائب کرنا چاہا ہے۔تاکہ عروسی جناب قاسمؑ بن امام حسنؑ کے انکار کو استحکام دیا جاسکے۔اور کہیں کہیں اُن علمانے حضرت فاطمہؑ صغریٰ کو غائب کرنے اور مدینہ چھوڑنے کا انکار کرنے کیلئے فاطمہؑ عرف زینبؑ کو آگے بڑھایا۔ایسے ناپاک و باطل مقاصد کیلئے یہ لوگ ناموں میں اور اولاد کی تعداد میں گڑبڑ کرتے چلے آئے ہیں۔یعنی اِن میں بعض ملاعین نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ امام حسین علیہ السلام کی صرف اور صرف دو ہی بیٹیاں تھیں اور صرف تین بیٹے تھے۔لہٰذا اُنکی پگڑی اور عمامہ کی لمبائی اور پیچوں میں اُلجھ کر اور اُنکی خود پیدا کردہ شہرت سے متاثر ہو کر انہیں بڑا عالم سمجھ کر چند نیم حکیم قسم کے علمانے اُنکی تائید میں اُنکے تصورات کو بلاشک وشبہ اور بلاتنقید نقل کرلیا اور یوں اس قسم کی بکواس شیعہ کتابوں میں بھی ملنے لگی۔

(و)۔ پیچھے پلٹ کر آپ بھی ناموں کی اصلاح فرمالیں

ہم نے اپنے عنوان 51/5:''یزید کے دربار میں تیسری اجتماعی پیشی؛یزید کے محل میں ماتم؛یزید کی ندامت'' میں روایت کو بلا اصلاح لکھ دیا تھا۔تاکہ مناسب وقت پر سرکاری علما کی پوزیشن واضح کرکے سب کو اصلاح کا حق دیا جائے۔اُس روایت میں حضرت سکینہؑ اور حضرت فاطمہ علیہما السلام کو پنجوں کے بل بلند ہو ہو کر سر مبارک کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ظاہر ہے کہ تین سال کی بچی کا پنجوں کے بل بلند ہونا اُسکی لمبائی اور اونچائی کو اتنا بلند نہ کرسکے گا کہ تین سال کی بچی اس چیز کو دیکھ سکے جو ایک جوان العمر (فاطمہؑ) لڑکی پنجوں پر بلند ہو کر دیکھنا چاہتی تھی۔یعنی جو چیز ایک نوجوان لڑکی کو سیدھا کھڑا ہونے سے نظر نہیں آتی بلکہ اُسے اور اونچا ہونا پڑتا ہے۔وہ تین سال کی بچی کو کیسے نظر آسکتی ہے جس کا قد دو اڑھائی فٹ کے قریب ہو؟ لہٰذا وہاں دونوں بہنیں بڑی والی ہیں اور سکینہؑ نہیں بلکہ فاطمہؑ الاوسط ہیں جنہیں زینبؑ کہا جاتا تھا۔اِسی طرح اُس روایت میں جہاں سہل بن سعد کو سرؑ مقدس کو خواتین سے دُور بھجوانے کیلئے کہا گیا وہاں بھی سکینہؑ نہیں بلکہ وہی زینب علیہا السلام ہیں (ہماراعنوان 50/7:''سہل بن سعد نے کئی مرتبہ اہل حرمؑ کو ہجوم کی نظروں سے بچانے میں

مدد کی'')۔روایت میں اُن دونوں بہنوں کی کوشش ثابت کرتی ہے کہ دونوں کے قدوقامت میں دوتین انچ کی لمبائی کا فرق ہوگا نہ کہ اڑھائی اور پانچ فٹ کا فرق۔ پنجوں پر بلند ہونے سے اڑھائی فٹ لمبائی نہیں بڑھ سکتی۔ پھرایک تین سال کی بچی کو نہ تو ایسے ہنگامہ میں بولنے کی جرأت ہوگی نہ سہل بن سعد کسی اطمینان بخش جواب کی امید کر سکتے تھے۔اور نہ ہی تین سال کی بچی اونٹ پر تنہا بٹھائی جاسکتی تھی۔ لازم تھا کہ وہ کسی بزرگ خاتون کی گود میں ہو۔پھر وہ بچی یہ نہ سمجھ سکتی تھی کہ غیر مردوں کے ہجوم کو اہل حرمؑ سے دُور رکھنے کی ترکیب یہ ہے کہ سرِ امامؑ کو دُور بھجوادیا جائے۔اسکے بعد اُس روایت میں بھی نام بدل دیں جہاں یزید کے محل میں یزید کی بہن ،ام کلثوم علیھا السلام پر اور یزید کی زوجہ،حضرت شہرؑ بانو پر اور یزید کی بیٹی حضرت سکینہؑ پر طعن وطنز کرتی ہوئی دکھائی گئی ہیں۔وہاں بھی تین سال کی بچی وہ جوابات دینا تو دُور کی بات ہے اُن جوابات کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکتی۔خصوصاً تین سال کی بچی کے منہ سے یہ جملہ نکل ہی نہیں سکتا کہ:۔

''وَاُمُّکِ الْمُعْتَکِفَۃُ لِعَبْدِهَا فَعَلَیْکِ وَعَلَیْهَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ۔''

''اللہ تجھ پر اور تیری ماں پر لعنت کرے تیری ماں ایک غلام کے ساتھ .... اعتکاف میں مصروف ہے۔''

(دیکھیں عنوان:''حرم یزید لعین میں رسولؐ زادیوںؑ کی پہلی پیشی اور ایک نئی شہادت'') یہ ہیں وہ سیاسی دانشوران حکومت جو عبا قبا اور عمامہ پہن کر ادھر آئے اور شیعہ نام سے کتابیں لکھیں اور کوشش کی کہ مومنین کو غلط راہوں پر لے جائیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ شیعہ عوام قطعاً اُن کی کوششوں سے متاثر نہیں ہوئے البتہ چند علما ضرور بہک گئے۔ثبوت یہ ہے کہ سو فیصد عوام مانتے ہیں کہ:۔

1: حضرت فاطمہ صغریٰ علیھا السلام کو مدینہ میں چھوڑا گیا تھا اور ان کا خط کربلا میں پہنچا تھا۔

2: حضرت فاطمہ کبریٰ علیھا السلام کی شادی جناب قاسم علیہ السلام سے کربلا میں ہوئی۔

3: حضرت فاطمہ السکینۃؑ نے زندانِ شام میں وفات پائی۔اور یہ سب عزاداری میں عملاً شامل رہتا ہے۔

اس تنقید وتفصیل کے بعد یہ بات خود بخود سمجھ میں آجائے گی کہ وہ خواب بھی تین سال عمر کی بچی سکینہؑ نے نہیں دیکھا تھا نہ یزید سے بیان کیا تھا۔ جسے تمام علما نے متفقہ طور پر حضرت سکینہؑ سے منسوب کیا اور جس میں آسمان کے دروازے کھلنا، ملائکہ اور تمام انبیا علیھم السلام کا نزول فرمانا، حضرت فاطمہؑ اور ازواج انبیاؑ کا نزول اور عزائے امامؑ مظلوم برپا کرنا دکھایا گیا ہے۔اور بہت سی ایسی باتیں اور واقعات ہیں جن کا تصور اُس سِن وسال میں ناممکن ہے۔ وہ خواب بھی جناب فاطمۃؑ الاوسط عرف زینب علیھا السلام نے دیکھا اور سنایا تھا۔اور وہ خواب جناب سکینہ علیھا السلام کے انتقال کے کئی ماہ بعد دیکھا گیا تھا۔مگر حضرت سکینہؑ کو رہائی کے وقت زندہ دکھانے کی نا ہنجار غرض سے زینبؑ کی جگہ سکینہؑ سے منسوب کر دیا گیا۔خدا دروغ بافوں پر لعنت کرتا ہے آمین۔

(ز)۔ وہ خواب جو جناب زینبؑ یا ام کلثومؑ نے دیکھا اور سکینہؑ سے منسوب کیا گیا

یہاں یہ ضروری ہے کہ وہ خواب بھی مومنین کے سامنے آجائے جو ہمارے علما نے تین سال کی بچی حضرت سکینہؑ کے نام سے برابر لکھا اور لکھتے چلے آئے اور قدیم وجدید تمام کتابوں میں سکینہؑ کا خواب مشہور ہے۔ چنانچہ ہم اس خواب کی عربی عبارت کے ساتھ ساتھ علامہ محمد باقر مجلسیؒ کی کتاب بحار الانوار کا جزائری ترجمہ بھی لکھیں گے۔اور مومنین یہ فیصلہ کریں گے کہ اُس خواب میں خواب دیکھنے

والی ایک تین سال کی بچی ہونا چاہئے یا ایک نہایت عاقلہ بالغہ اور عالمہ عورت ہونا چاہئے؟ یہ حقیقت ذہن میں رکھئے کہ کسی آدمی کو کوئی ایسی چیز یا حال یا واقعہ خواب میں ہرگز نہیں آسکتا جب تک اُس چیز، اُس حالت یا اُس واقعہ کا تصور پہلے سے ذہن میں نہ ہو۔ مومنین خواب سنیں۔ وفی بعض الروایات المعتبرة انّ سکینةً بنت الحسینؑ قالَتْ یایزید رَاَیْتُ البارحة رویا اِنْ سمعتها مِنّی قصصتُها علیکَ؟ فقال یزید ها تی ما رَاَیْتِ ۔قالت بینما انا ساهرة وقد کَلَلْتُ مِنَ البکآء بعد اَنْ صَلَّیْتُ ودعوتُ اللّٰه بدعوات فلما رَقَدَتْ عینی رَاَیْتُ ابواب السمآء قد تفتحت واذا انا بنور ساطع مِنَ السمآءِ اِلَی الارض واذًا انا بوصآئِف مِنَ الوصائف الجنّة واذا انا بروضة الخضرآء فی تلک الروضة قصر واذا انا بخمس مشائخ یدخلون الٰی ذلک القصر وعند هم وصیف فقلتُ یا وصیف اخبرنی لمن هذا القصر؟ فقال هذا لِاَبِیْکِ الحسینؑ اعطاه اللّٰه تعالٰی ثوابًا بالصبره فقلتُ ومَن هذه المشائخ؟ فقال اَمَّاالْاُولٰی فآدمؑ ابوالبشر واما الثانی فنوحؑ واَمَّاالثالث فابراهیمؑ خلیل اللّٰه واماالرابع فموسٰیؑ کلیم اللّٰه ۔ فقلت له ومِن الخامس الّذی اَرَاه قابضًا علٰی لحیّته باکیًا حزینًا مِن بینهم ؟ فقال یا سکینةً اَمَا تعرفنیه؟ فقلت لا ۔فقال هٰذاجدّک رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله ۔ فقلت له اِلٰی این یرید ون ؟ فقال اِلٰی ابیکِ الحسینؑ فقلت واللّٰه لالحقن جدّی واخبره بماجری علینا فسبقنی ولم الحقه ۔فبینما انامتفکرة واذا بجدّی علیؑ بن ابی طالبؑ وبیده سیف وهوواقف فَنَادَیْتُهُ یاجدّاهُ قتل واللّٰه اِبْنَکَ مِن بعدک فبکی و ضمّنی الٰی صدره وقال یابنیّةِ صبرًا وباللّٰه المستعان ثُمَّ اِنَّهُ مَضَی ولم اعلم الٰی این فبقیتُ متعجبة کیف لم اعلم به فبینما اناکذ لک اذا بباب قد فتح من السمآء واذًا بالملا ئکة یصعد ون وینزلون علٰی راسِ ابی قال فَلَمَّا سمع یزید ذلک لطم علٰی وجهه فبکی فقال مالِی و لقتل الحسینؑ ۔ وفی روایة اُخرٰی اَنَّ سکینةً قالت ثمّ اقبل عَلِیَّ رجل درّی اللّون قمری الوجه حزین القلب فقلتُ للوصیف مَنْ هذا فقال جدّکِ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله فد نوتُ وقلتُ له یاجدّاه قتلت واللّٰه رجالنا وسفکت واللّٰه دمآئنا وهتکت واللّٰهِ حریمنا وحملنا عَلَی الاقتاب مِن غیر وطآء نساق الٰی یزید فاخذنی الیه وضمّنی الٰی صدره ثُمَّ اقبل الٰی آدمؑ ونوحؑ وابراهیمؑ وموسٰیؑ وعیسٰیؑ ثمّ قال لهم اَمَاترون الٰی ماصنعت امتی بولدی مِن بعدی ؟ ثمّ قال الوصیف یاسکینةً اخفضی صوتکِ فقدابکیتِ رسول صلی اللّٰه علیه وآله ثم اخذ الوصیف بیدی وادخلنی القصر فاذا بخمس نسو ة قد عظّم اللّٰه تعالٰی خلقهن وزاد فی نورهن وبینهن امراة عظیمة الخلقة ناشرة شعرها وعلیها ثیاب سود وبید ها قمیص مضمخ بالد م واذا قامت یقمن معها واذا جلست یجلسن معها ۔ فقلتُ للوصیفِ مَن هؤ لاء النسو ة الّتی قدعظّم اللّٰه خلقهن فقال یا سکینةً هذه حوّاً اُمّ البشر وهٰذه مریمؑ بنت عمران وهذه خدیجةً بنت خویلد وهذه هاجرؑ وهذه سارةً وهذه الّتِی بید ها قمیص مضمخ بالد م واذا قامت یقمن معها واذا جلست یجلسن معها هِیَ جدّتکِ فاطمةً الزهرآء فد نوت منها وقلت لها یاجد تا ها واللّٰه قُتِلَ ابی وایتمتُ علٰی صغر سِنی فضمّنی الٰی صد رها وبکت شدیدًا وبکین النسو ة کُلّهنّ وقلن لهایا فاطمةً یحکم اللّٰه بینکِ وبین یزید یوم الفصل ثم انّ یزید ترکها ولم یعبا بقولها۔'' (اکسیر العبادات۔ صفحہ 535 تا 536)۔ علامہ جزائری ترجمہ شروع فرماتے ہیں کہ:۔

''منقول ہے کہ سکینہؑ دختر امام حسین علیہ السلام نے یزید سے کہا کہ میں نے رات کو ایک خواب دیکھا ہے اگر تو سُنے تو بیان کروں۔ کہا بیان کر۔ سکینہؑ نے کہا کہ شب کو بعد فراغ نماز میں نے دعائیں پڑھیں اور بہت روئی اور خستہ ہوگئی۔ ذرا آنکھ لگی کہ میں نے دیکھا کہ گویا آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور ایک نور آسمان سے زمین پر پہنچا ہے۔ اور حوران جنت اُتری ہیں۔ اور ایک باغ خرم

وتر و تازہ وہاں ہے۔اُس کے درمیان ایک قصر (محل) ہے۔پھر میں نے دیکھا کہ پانچ بزرگوار اس مکان میں داخل ہوئے ہیں۔اُن کے ساتھ ایک خادم ہے۔میں نے پوچھا یہ قصر کس کا ہے؟ اُس نے کہا کہ تیرے باپ حسینؑ کا۔حق تعالیٰ نے اُن کو اُن کے صبر کے عوض میں بے شمار درجات عطا فرمائے ہیں۔میں نے کہا یہ بزرگوار کون ہیں۔کہا اوّل آدمؑ صفی اللہ دوسرے نوحؑ نبی اللہ تیسرے ابراہیمؑ خلیل اللہ چوتھے موسیٰؑ کلیم اللہ۔میں نے پوچھا پانچویں بزرگ کون ہیں۔جو اپنے محاسن ہاتھ میں لئے ہوئے غمگین ومحزون ہیں۔اور گریہ و نالہ کرتے ہیں۔کہا اے سکینہؑ تم اُن کو نہیں جانتی ہو؟ میں نے کہا نہیں۔کہا یہ تمہارے جد (دادا) رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ ہیں۔میں نے کہا یہ سب بزرگوار کہاں جاتے ہیں؟ کہا تمہارے باپ حسینؑ کے پاس جاتے ہیں۔میں نے دل میں کہا کہ جدّ عالی کے پاس جا کر اپنا حال احوال بیان کروں گی۔پس وہ حضرت آگے چلے گئے اور میں نہ پہنچ سکی۔اور متفکر ہوئی۔اسی اثناء میں اپنے جد علیؑ ابن ابی طالبؑ کو میں نے دیکھا کہ ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے کھڑے ہیں۔میں نے فریاد کی کہ یاجدّاہ میرے باپؑ آپؑ کے بعد قتل کر ڈالے گئے۔پس حضرت بہت روئے اور مجھ کو سینہ سے لگایا اور کہا اے بیٹی صبر شکیبائی (برداشت) اختیار کر اور مدد و اعانت جناب احدیت کی جانب سے ہے۔پھر تشریف لے گئے اور میں نہ جانتی تھی کہ کہاں جاتے ہیں؟ پس میں متعجب کھڑی رہی۔ناگاہ آسمان کے دروازے کھلے اور میں نے دیکھا کہ فرشتے میرے باپ کے سرانور پر اُتر رہے ہیں۔اور اوپر جا رہے ہیں۔راوی کہتا ہے۔یزید پلید نے جب یہ جگر سوز خواب سُنا تو اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگا۔ظالم کہتا تھا میں نے حسینؑ کو کیوں قتل کیا۔اور ایک روایت میں یوں وارد ہے کہ سکینہؑ نے کہا بعدہ میرے سامنے ایک بزرگوار آئے جن کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا۔میں نے خادم سے پوچھا یہ کون ہیں؟ کہا تمہارے جدّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ ہیں۔میں نے حضرت کے قریب جا کر عرض کیا کہ یاجدّاہ قسم بخدا کہ ہمارے مردوں کو قتل کیا گیا اور ہمارے خون بہائے گئے اور ہماری حرمت (عزت) ضائع کی گئی۔اور شتران بے کجاوہ پر ہم کو سوار کیا گیا اور یزید کے پاس لے گئے۔پس حضرتؐ نے مجھے اُٹھا کر سینے سے لگایا اور آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا دیکھتے ہو کہ میری امت نے میرے فرزند کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا۔بعد ازاں اس خادم نے کہا اے سکینہؑ فریاد و فغان کم کر کہ تو نے رسولؐ اللہ کو رلایا۔پھر خادم میرا ہاتھ پکڑ کر قصر میں لے گیا۔وہاں میں نے پانچ بیبیاں باوقار و حشمت دیکھیں جن کے چہروں سے نور ساطع تھا۔اُن کے درمیان ایک خاتون بزرگ صاحب شکوہ و تجمل بال پریشان کئے سیاہ کپڑے پہنے تھیں۔اُن کے ہاتھ میں ایک خون بھرا کرتہ تھا۔جس وقت وہ بی بی کھڑی ہوتی تھیں۔سب بیبیاں کھڑی ہو جاتی تھیں۔میں نے خادم سے پوچھا کہ یہ بیبیاں کون ہیں؟ اس نے کہا اے سکینہؑ یہ حواؑ ام البشر ہیں۔اور یہ مریمؑ دختر عمران ہیں اور یہ خدیجہ دختر خویلد ہیں اور یہ ہاجرہؑ اور یہ سارہؑ ہیں۔اور وہ جو کرتہ خون آلود ہاتھ میں لئے ہیں جن کے بیٹھنے سے سب بیبیاں بیٹھ جاتی ہیں۔اور کھڑے ہونے سے سب کھڑی ہو جاتی ہیں۔وہ تمہاری دادی فاطمہؑ زہرا سیدہ عالم ہیں۔پس میں اُن کے نزدیک گئی اور کہا اے دادی بخدا میرے بابا قتل ہوئے اور میں اس کم سنی میں یتیم ہو گئی۔پس اُنہوں نے مجھے چھاتی سے لگایا اور دھاڑیں مار مار کر روئیں۔اور سب عورتیں روئیں۔اور سب نے کہا اے فاطمہؑ حق تعالیٰ تمہارے اور یزید کے درمیان بروزِ جزا حکم کرے گا۔لکھا ہے یزید نے اس خواب کی کچھ اعتنا نہ کی۔" (ترجمہ بحار۔حصہ دوم صفحہ 80 تا 82)

(ح)۔ خواب دیکھنے والی خاتون عہد مرتضویؑ میں کم از کم تین چار سال کی ہونا لازم ہے

اس خواب پر کسی خاص تنقید اور چھان پھٹک کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے اندر جہاں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا ایک تین سال کی بچی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً نماز شب بجالانا اور نماز کے بعد تعقیبات یعنی دعائیں اور مناجاتیں پڑھنا اور تنہا مصلّے پر رہنا وغیرہ۔ اِن کے علاوہ اُن کا حضرت علی علیہ السلام کو دیکھتے ہی بلا کسی سے دریافت کئے پہچان لینا۔ سب سے بڑی دلیل ہے کہ وہ خاتون حضرت علی علیہ السلام کے سامنے پیدا ہوئی ہو اور کافی عرصے تک حضورؑ کو دیکھتی رہی ہو۔ اور حضرتؑ کی شہادت (40 ہجری) کے وقت کم از کم تین سال کی ہو۔ بہر حال حضرت سکینہؑ کا نام اہل غرض اور موقعہ شناسوں نے گھسا دیا ہے۔ مگر اُن کو چاہئے تھا کہ حضرتؑ کو دیکھتے ہی پہچاننے والا جملہ بھی نکال دیتے تو شاید کچھ بات بن جاتی۔ فی الحال یہ روایت اور یہ خواب حضرت زینبؑ وام کلثومؑ و ازواج امام حسین علیھم السلام کے علاوہ کسی اور عورت سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ رہ گئیں حضرت سکینہ علیھا السلام اُن کی عمر اور حالت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ رات کو اپنی پھوپھی یا کسی اور بزرگ خاتون کی گود یا آغوش میں ہوں۔ اور جب بزرگ خواتین نماز شب کے لئے اُٹھیں تو بڑی احتیاط کے ساتھ بی بی سکینہؑ سے جُدا ہوں تاکہ بچی گھبرا کر بیدار نہ ہو جائے۔ اس کم سنی میں یہ تو ہوتا ہے کہ دن کی نمازوں میں بچہ یا بچی بھی بزرگوں کی مدد سے وضو کر کے اُسی مصلّے پر آئیں اور ساتھ ساتھ نماز کی نقل بھی کرتے رہیں اِدھر اُدھر بھی دیکھتے رہیں۔ اور باتیں اور سوالات بھی کرتے جائیں اور سجدہ میں جانے کے بجائے اپنے بزرگ کی پشت پر سوار ہو جائیں اور گلے میں بانہیں ڈال کر گرفت مضبوط کرلیں اور بات یہاں تک بڑھے کہ جبرائیلؑ نازل ہوں اور بچّہ کی طرفداری کی جائے۔ یہ بچے تو خود مجسم نماز ہوتے تھے اور اُن کی دیکھ بھال کرنا اُن کی ضِد پوری کرنا اور اُن کی خوشی اور رضامندی حاصل کرنا نماز سے کہیں بڑی عبادت تھی۔ اُن بچوں کی ہر نقل و حرکت اٹھنا بیٹھنا کھیلنا اور ہنسنا اور رونا خود عبادت تھی۔ یہ ایک مجتہدانہ حماقت ہے کہ تین سال کی مجسم نماز بچی کو خلافِ قوانین شریعت و فطرت نمازِ شب اور تعقیبات میں لگادے۔ اس خواب میں کئی ایک ایسے الفاظ ہیں کہ جن کا مفہوم و معنی مجتہد حضرات آج تک خود نہیں سمجھتے۔ مثلاً لفظ نور کے متعلق جو کچھ مجتہدین نے کہا ہے۔ اُسے اگر ایک جگہ جمع کرلیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ چنڈو خانے میں چند افیمی نشہ میں بکواس کررہے ہیں۔ مثلاً اگر سمندر میں آگ لگ جائے تو مچھلیاں کیا کریں گی؟ ارے مقلّد حضرات وہ سب درختوں پر چڑھ جائیں گی۔ مچھلیاں کوئی گائے بھینس تو نہیں ہوتیں کہ وہ سمندر میں آگ لگنے کے بعد درختوں پر چڑھ جائیں؟

مومنین یہ سمجھ لیں کہ حضرت سکینہ علیھا السلام کے رونے اور اہل حرمؑ میں کہرام بپا ہو جانے کے بعد نہ صرف پبلک میں ہیجان پیدا ہوا اور لوگ چاروں طرف سے دوڑے چلے آئے اور اس نئے زندان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بلکہ قصر یزید میں بھی ایک خاموش و خطرناک ہنگامہ تھا۔ جیل کے قیدیوں میں بے چینی پھیل گئی تھی۔ اگر کربلا سے آنے والی افواج اور سرداران لشکر گوش برآواز نہ ہوتے اور فوراً گلی کوچوں میں نہ پھیل جاتے تو آج زندان شام منہدم کردیا جاتا، تمام نئے پرانے قیدی آزاد کرالئے گئے ہوتے۔ اور ایک ہمہ گیر انقلاب آج ہی اُٹھ کھڑا ہوتا۔ مگر افواج کی اور خصوصاً اُن افواج کی قوت قاہرہ پبلک کی راہ میں حائل تھی جو خود یزید کے جرم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی مجرم تھیں۔ سرداران فوج جانتے تھے کہ اگر انقلاب آیا تو سب سے پہلے اُن کا تکہ بوٹی اڑا دیا جائے گا۔ اور اُن پر کسی طرح

رحم نہ کیا جائے گا۔اس لئے وہ دس گیارہ ماہ سے دن رات شہر کی ناکہ بندی کئے پڑے تھے۔اور یزید کی سول انتظامیہ کے ساتھ مل کر ہر آواز کو بلند ہونے سے پہلے ہی دبا رہے تھے۔ پبلک کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے طرح طرح کے عنوانات اور بہانوں سے روپیہ پانی کی طرح بہایا جارہا تھا۔مگر لوگوں کے چہروں اور حرکات وسکنات سے نفرت کے شعلے نکلتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔اور یہ سب حالات واحساسات یزید کے کانوں تک پہنچ کر اُسے دیوانہ کردینے میں مصروف تھے۔ بہرحال ننھی بچی دفن کردی گئی۔اور دمشق میں ایک بے آواز ماتم اِدھر سے اُدھر تک پھیلتا چلا گیا۔ملآ ءاعلیٰ سے لے کر فضائے دنیا تک سوزِ غم کی امواج کا تلاطم برپا تھا۔ملائکہ، جنات اور عالمِ ارواح میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔اور ہر زبان پر اُس ننھی بچی کا اُس باپ کی پیاری بیٹی کا نام تھا۔حضرت سکینہؑ کے بے زبان احساسات کو ہر زبان اپنے الفاظ میں بیان کررہی تھی۔ ہر طرف بین اور نوحہ خوانی ہورہی تھی۔دمشق میں بغاوت منع تھی۔لیکن ماتم اور نوحہ ابھی جرم نہ تھا۔ماتم تو خود یزید کے محل میں بھی پہنچ چکا تھا۔وہ مسلمان یزید سے بدتر لوگ ہیں جو ماتم،جلوس ماتم یا عزاداری کو روکنا چاہتے ہیں۔یزید نے جس دل سے بھی سہی،اپنی زوجہ سے کہا تھا کہ:۔" فَاعُولِیُ عَلَیُهِ یَاهِنُد وَابُکِیُ عَلٰی ابن بنت رسولؐ اللّٰه ....."

"اے ہند تم رسولؐ اللہ کی بیٹیؑ کے فرزند کے ماتم اور عزاداری میں جی کھول کے غم مناؤ آہ وفریاد کرو۔خدا ابن زیاد کو تباہ کرے اُس نے قتل حسینؑ میں عجلت سے کام لیا۔" (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔صفحہ 540)

(2)۔ <u>یزید کی قوت جواب دے رہی ہے؛حکومت واقتدار کی بُنیاد ہل رہی ہے،ہند سے سُنئے</u>

آج اسیران اہل حرمؑ کو دمشق میں آئے ہوئے نو دس ماہ گزر چکے ہیں۔دارالموت سے رہائی کے بعد زندان شام میں رہتے ہوئے بھی تین ماہ کے قریب ہوچکے ہیں۔یزید کی ہر پالیسی اور ہر تشدد وظلم وستم پلٹ کر یزید کے خلاف حملہ آور ہوچکا ہے۔اور اسے اِس دوران بار بار یہ ماننا پڑا ہے کہ اُسے اور اُس کے بزرگوں کے پچاس سالہ نظامِ حکومت کو حسینؑ کے سامنے شکست فاش ہوئی ہے۔اور وہ تباہی کے دہانہ پر لاکر کھڑا کردیا گیا ہے۔اُس کے شب وروز کیسے گزرتے ہیں؟ اُس کا صحیح پتہ اُس کے خلوت نشینوں یا ازواج ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔سُنئے اُس کی سب سے پیاری ملکہ کی زبانی کل رات کی بات سُنئے:۔

وفی البحار الانوار ونقل عن هند زوجة یزید قالت كنت اخذت مضجعی فَرَایتُ بَابًا مِن السمآء قد فتحت والملا ئكة ینـزلـون كَتَآ ئِب كتآئِب اِلٰی رَاسِ الحسینؑ وهم یقولون السلام علیک یَا ابَا عَبُدِاللّٰهِ السلام علیک یَابُنَ رسولؐ اللّٰه ۔ فبینما اَنَّا كـذ لک اذا نظرتُ اِلٰی سحابة قدنزلت من السمآء وفیها رجال كثیرون وفیهم رجل دریّ اللَّوُن قمری الوجه فاقبل حتّٰی انكبّ علٰی ثنایا الحسینؑ یقبّلهما وهویقول یاولدی قتلوک وهُم ما عرفوک ومِن شرب المآء منعوک یاولدی اَنَا جدّک رسولؐ اللّٰه وَهذا ابوک علیؑ المرتضٰی وهذ اخوک الحسنؑ وهٰذا عمّک جعفرؑ وهذا عقیلؑ وهذا حمزةؑ.. ۔ ثم جعل لِعدّداهلؑ بیته واحدًا بعد واحدٍ ۔ قـالـت هند فانتبهتُ مِن نومی فزعة مرعوبة فاذا بـنـورقـد انتشر علٰی راس الحسینؑ فجعلتُ اطلبُ یزید فاذا هو قد دخل اِلٰی بیت مُظلمٍ وقددار وجهه اِلَی الحائط وهویقول <u>مَالِیُ ولِقتل الحسینؑ</u> وقد وقعت علیه الهموم فَقَصَصُتُ علیه المنام وهو منكسّ الراس ۔ قـال فـلـمـا اصبـح استدعی بحرم رسولؐ اللّٰه فقال لَهُنّ اَیُّما احبّ اِلیكُنَّ المقام عندی اَوِالرَّجوع اِلَی المد ینة ؟

(اکسیر العبادات۔صفحہ 541)

علامہ مجلسی نے بھی بحارالانوار میں یزید کی زوجہ ہند کی زبانی لکھا ہے۔ وہ کہتی تھی کہ میں اپنے سونے کے کمرے میں پلنگ پر جا چکی تھی کہ کیا دیکھتی ہوں کہ آسمان کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ملائکہ غول درغول اُتر رہے ہیں اور امام حسینؑ کے سر کے پاس آ کر یوں سلام کر رہے ہیں کہ سلام ہو تم پر اے علیؑ اصغر کے بابا اور سلام ہو تم پر اے رسولؐ خدا کے بیٹے۔ میں یہ سلام دیکھنے میں مصروف تھی کہ اِتنے میں آسمان سے ایک بادل ایسی چیز زمین پر اُتر آئی اور اُس کے اندر بہت سے لوگ تھے۔ اور اُن میں سے ایک شخص تو از سرتا پا نور مجسم اور چاند ایسے چہرہ والا تھا۔ چنانچہ یہ شخص آگے بڑھا جھکا اور حسینؑ کے دانتوں پر بوسہ دیا اور کہا کہ اے بیٹے اِن لوگوں نے تمہیں اور تمہارے حق کو نہ مانا اور تمہیں قتل کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ تم پر پانی بھی بند رکھا گیا۔ سنو بیٹے میں تمہارا نانا ہوں معذرت اور تمہیں خوش کرنے آیا ہوں اور دیکھو میرے ساتھ یہ تمہارے والد علیؑ بھی موجود ہیں۔ یہ دیکھو حسنؑ تمہارے بھائی بھی آئے ہیں۔ یہ تمہارے چچا جعفرؑ اور یہ عقیلؑ اور یہ حمزہؑ بھی آئے ہیں۔ پھر اپنے اہلبیتؑ میں سے ہر ایک کا نام بتاتے رہے۔ ہند کہتی ہے کہ نیند سے ہوشیار ہوئی تو رعب کے مارے بہت بے چین تھی کہ اتنے میں امام حسینؑ کے سر پر ایک نُور چھا گیا۔ میں نے ایسے خوفناک عالم میں یہ چاہا کہ یزید یہاں ہوتا تو ٹھیک ہوتا۔ میں نے یزید کو تلاش کرنا شروع کیا تو دیکھا کہ وہ ایک اندھیرے کمرہ میں دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ بھلا مجھے قتل حسینؑ سے کیا ملا؟ اور اُس کے اوپر رنج وخوف وتاسف کا ہجوم تھا۔ اِسی حالت میں میں نے اسے اپنا خواب سنایا اور وہ سنتا رہا اور سر جھکائے بیٹھا رہا۔ راوی کہتا ہے کہ جب یزید نے صبح کی تو حرم رسولؐ کو بلوایا۔ اور اُن سے کہا کہ تم یہاں میرے پاس رہنے اور مدینہ جانے میں سے جو بات پسند کرو بتا دینا میں تمہاری مرضی کے مطابق عمل کروں گا۔'' (ترجمہ جزائری بحار حصہ دوم صفحہ 82 تا 83)

مومنین دیکھیں کہ امام حسین علیہ السلام اور اُن کے انصار علیہم السلام نے اپنی قربانی سے جو سامان پیش کیا تھا اہل حرمؑ نے اُسے نہایت صبر واستقلال سے استعمال کیا۔ اور دنیا کی سب سے ظالم وجابر و بے رحم و بے غیرت و بے دین خلافت وامارت کی چولیں ہلا دیں۔ کسی کے سامنے نہ ہاتھ پھیلایا نہ خوشامد کی بلکہ یزید اور بزرگان یزید پر شدید ترین تنقید کی۔ اُس کے خاندان، اُس کے اجتہادی مذہب اور اُس کے کافرانہ عقائد کی بھرے درباروں میں، بازاروں میں، چوراہوں پر، ہر جگہ سخت مذمت کی اور آخر اپنا حق پر ہونا اور قومی حکومت کے مذہب کا باطل ہونا ثابت کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ یزید کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔ اُسے اپنی ازواج، بیٹیوں اور بہنوں کے سر کھلے دیکھنے پر مجبور ہونا پڑا۔ دربار میں اُس کی زوجہ برہنہ سر آئی۔ اُس کی مذمت کی، اُس پر لعنت بھیجی، اُس کے باپ دادا کو ملعون قرار دیا۔ ایک دن وہ قتل کراتے کراتے بھی تھک گیا۔ اب اُس کے اپنے سر پر ذوالفقار لٹکتی نظر آ رہی تھی۔ وہ خود کو اور اپنی ازواج اور بیٹیوں اور بہنوں اور بچوں کو قید میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ اندازہ لگا رہا تھا کہ اگر انقلاب اُٹھ کھڑا ہوا تو زندوں کو جلا دیا جائے گا۔ اور اس کے باپ دادا کی ہڈیاں نکال کر جلائی جائیں گی۔

(3)۔ دوسرے قید خانہ سے رہائی لیکن دمشق کے اندر اندر نظر بندی

ملک شام میں عموماً اور شہر دمشق میں خصوصاً جو نفرت واشتعال پھیل گیا تھا اُس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یزید نے اسیران اہل حرمؑ کو دوسرے زندان سے بھی آزاد کرنا طے کر لیا۔ چنانچہ جب ہند نے خواب دیکھا اور گھبرا کر یزید کی تلاش کرتی ہوئی اُس اندھیرے کمرہ میں

پہنچی جہاں وہ تنہا بیٹھا ہوا اور پچھتاتا ہوا دیکھا گیا تھا۔ بات درحقیقت یہ تھی کہ اُس نے بھی اُسی رات اور اُسی دوران خواب دیکھا تھا جب اس کی زوجہ خواب میں قدرت پروردگار دیکھ رہی تھی۔ اُس خواب کے بعد غالباً یزید کو مواخذہ کے لئے اُس کمرہ میں بلایا گیا تھا جس میں ہند نے اُس کو دیکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مواخذہ اور باز پرس کرنے والی ہستی دیوار کے قریب جلوہ فرما تھی۔ اور یزید اُن کے سامنے جوابدہی کے لئے بیٹھا جواب دینے میں مصروف تھا کہ اوپر سے ہند اس کی زوجہ تلاش کرتی ہوئی آ نکلی اور یزید کو دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھا پایا۔ اگر وہ مواخذہ کرنے والی ہستیؑ کو دیکھ پاتی تو اُسے تعجب نہ ہوتا۔ اس توجیہہ کے علاوہ یزید کے اس طرح بیٹھنے کے اور کوئی معنی ومقصد نہیں ہوسکتا خصوصاً جب کہ کمرہ میں اندھیرا بھی ہو تو شدتِ انفعال وتاسف یا خوف میں جدھر چاہے منہ کر کے بیٹھے۔ اندھیرا ہے کوئی دیکھنے والا نہیں، پھر رات ہے، دنیا سو رہی ہے۔ پھر یہ تاسف یا جو کچھ بھی تھا وہ اپنے سونے کے کمرہ میں کرسکتا تھا۔ سبب وہی ہے کہ اُس ملعون کو دوسرے کمرہ میں مواخذہ کے لئے حکمیہ گھسیٹ کر پیش کیا گیا۔ اور جب ہند نے اپنا خواب سنا دیا تو سر جھکائے سنتا رہا اور صبح ہونے کا منتظر رہا۔ صبح کا حال علامہ محمد باقر سے سنئے:۔

وقال في البحار بعد ذكر قضيّة رويا هند زوجة يزيد قال الراوى فلمااصبح استدعى بحرم رسولؐ اللّٰه فقال لهن ايّما احب اليكن المقام عندى اَوالرّجوع الى المدينة ولكم الجائزة السنيّة قالوا نحبّ اوّلا نَنُوح عَلَى الحسينؑ ۔قال افعلوا مابدالكم ۔ ثُمَّ اُخْلِيَتْ لَهُنَّ الحجر والبيوت فِى دمشق ۔فلم تبق هاشمية ولا قرشية اِلّا لبست السواد عَلَى الحسينؑ وند بوه علٰى نقل سبعة ايام بلياليها فلماكان اليوم الثامن دعاهن يزيد واعرض عليهن المقام فابَيْنَ واراد وا الرجوع الى المدينة۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 544-543)

کتاب بحارالانوار میں لکھا ہے کہ جب یزید کی زوجہ نے اپنا خواب اور پیش آمدہ حالات سنا دیئے اسکے بعد راوی کہتا ہے کہ جب یزید نے مذکورہ حالت میں صبح کی تو رسولؐ اللہ کے اہلبیتؑ کی مستورات وغیرہ کو بلایا اور اُن کے سامنے دونوں صورتیں رکھ دیں۔ خواہ دمشق میں میرے ہم رتبہ لوگوں کی طرح آباد ہو جاؤ اور میں کفالت کروں یا مدینہ واپس چلے جاؤ۔ میں دونوں صورتوں میں راضی ہوں۔ اہل حرمؑ نے جواب دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے سید الشہدؑا اور انصاران حسینؑ اور خاندان رسولؐ کے مقتولین کیلئے مجلس نوحہ ومرثیہ قائم کریں۔ یزید نے کہا آپ جس طرح دل چاہے عزاداری حسینؑ قائم کریں اس کے بعد یزید نے دمشق میں بہت سے مکانات اور کمرے خالی کرا دیئے اور اہلبیتؑ کو وہاں ٹھہرایا۔ چنانچہ دمشق میں آباد کوئی قریشی عورت اور ہاشمی عورت ایسی باقی نہ رہی جس نے سید الشہدؑا کے سوگ میں کالا لباس نہ پہنا ہو اور عزاداری میں شریک نہ رہی ہو۔ اور غم حسینؑ میں ذاکری، بین اور نوحہ ومرثیہ نہ پڑھا ہو۔ یہی صورت حال سات دن اور رات مسلسل جاری رہی، صف ماتم بچھی رہی اور غم شہدؑا منایا جاتا رہا۔ یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آٹھویں روز یزید نے پھر اہلبیتؑ کو بلایا اور دمشق میں آباد ہونے کی درخواست کی مگر اُنہوں نے دمشق میں ٹھہرنے سے انکار کیا اور واپسی ہی کو پسند کیا۔''

(ترجمہ بحار حصہ دوم صفحہ 83 بھی)

(الف)۔ ہمیں بھی کچھ کہنا ہے

ہمیں صرف اس قدر کہنا ہے کہ وہ علما جو دمشق میں قید کے زمانہ کو پندرہ روز زیادہ سے زیادہ (اچھے علما) اور تین چار روز کم سے کم

(ناہنجار علما) مانتے ہوں اُنہوں نے جہاں انہیں کسی روایت میں رہائی کی بُو آئی فوراً اِدھر اُدھر سے کسی روایت کا ایک ٹکڑا اُٹھا کر آخری رہائی ثابت کرنے کی کوشش کرنے میں کمی نہیں کی۔ حالانکہ یزید محض حالات کو سنوارنے کے لئے رہائی سے متعلق کچھ کہہ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ابتدا ہی میں اُس نے امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ کسی کو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔تم خود ہی اہلؑ حرم کو مدینہ لے کر جاؤ گے۔ یہ جملہ اُس ملعون نے بار ہا کہا۔یعنی وہ رہائی کا لالچ دیتا اور درباری لوگوں کو مطمئن ہو کر اُٹھنے اور لوگوں میں یہ پروپیگنڈا کرنے کے لئے کہتا تھا کہ بھائیو یزید وعدہ کر چکا ہے۔لہٰذا امامؑ کو قتل کا خطرہ نہیں ہے۔حالانکہ وہ بات بات میں قتل کا بہانہ تلاش کرتا اور قتل کا حکم دیتا رہا۔اسی طرح وہ اہل حرمؑ کے لئے کہتا رہا کہ خواہ آپ مدینہ جائیں یا یہاں قیام کریں میں تیار ہوں۔لیکن اس کے باوجود اُس نے قید رکھا اور بار بار دربار میں، اپنے محل میں اور مسجد میں بلاتا اور توہین کرنے کی کوشش کرتا رہا۔لیکن بہکے ہوئے علما یا بہکانے والے علما ایک روایت میں "قال" راوی نے کہا یا "نَقَلَ" یہ بھی لکھا گیا ہے۔" کہہ کر رہائی والا جملہ چپکاتے رہے۔مثلاً یزید نے ہند کا خواب سُن کر صبح کو اہل حرمؑ سے کہا کہ آپ لوگ یہاں رہیں یا مدینہ جائیں مجھے انکار نہ ہوگا۔اُس کا مطلب صرف اس قدر تھا کہ دمشق میں رہائی کا ارادہ مشہور ہو جائے۔ورنہ وہ اُسی وقت روانگی کا انتظام کرتا جیسا کہ ہم انتظام والا موقع آپ کو دکھائیں گے۔دراصل یزید اہل دمشق کے اشتعال کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کہتا تھا۔وہ دل میں یہ چاہتا ہی نہ تھا کہ امامؑ اور اہل حرمؑ دمشق سے مدینہ چلے جائیں۔اور دور بیٹھ کر کوئی اسکیم بنائیں یا اُن کے نام پر دوسرے موقعہ پرست لوگ اقتدار کی حرص میں مبتلا ہو جائیں۔دمشق میں رکھنے سے دو فائدے تھے۔ اوّل اُن کی نقل وحرکت اور قول وفعل کی نگرانی میں سہولت اور دوئم اُن کی خدمت وتواضع کر کے ملک میں پھیلے ہوئے باغیانہ خیالات کو مسمار کر دینا۔اور کہنا کہ وہ مجھ سے راضی ہیں دیکھو میں اُن کا کفیل ہوں۔

چنانچہ یہ آخری روایت جو ہم نے بحارالانوار سے لکھی ہے اسکے آخر میں مدینہ کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ دمشق میں ٹھہرنے کی درخواست کی ہے۔یعنی پہلی دفعہ محض دل رکھنے، اور وسعت قلبی دکھانے کے لئے مدینہ کا بھی ذکر کیا تھا۔مطلب یہ ہے کہ کسی روایت میں رہائی کا جملہ دیکھ کر یہ سمجھ لینا کہ اُس جملے کے بعد یزید نے رہا کر دیا تھا، یا رہا کر دیا ہوگا، نہایت بچگانہ یا فریب سازانہ تصور ہے۔ہمارے علما نے بھی یہ سمجھنے میں بہت جلدی اور ناعاقبت اندیشی کی ہے کہ اب سات روز ماتم وعزاداری کے بعد جو بلایا ہے اور دمشق میں سکونت کی درخواست کی ہے اور اہل حرمؑ نے دمشق کی تجویز کو رد کر دیا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ بس اب اہل حرمؑ کو مدینہ روانہ کر دیا ہے، حقیقت یہ نہیں ہے۔حقیقت وہ ہے جو اُس وقت کے سیاسی حالات وتقاضات اور قانون فطرت کے سو فیصد مطابق ہو۔اور وہ یہ ہے کہ جب یزید کا اقبال اور انتظام مستحکم تھا اُس نے اہلبیتؑ رسولؐ کو حد بھر رسوائی کے بعد قلعہ کے دارالموت میں قید کیا۔وہ اُن سب کو اُسی روز یا اگلے دن قتل کرا دیتا۔مگر وہ چاہتا تھا کہ اہل حرمؑ کو گواہ بنا کر کچھ ایسے بیانات دیئے اور لئے جائیں جن سے اُس کا اور اِس کے بزرگوں اور سابقہ قومی حکومتوں کا برحق ہونا ثابت کرنے میں مدد ملے اور خاندان رسولؐ کے قتل عام کو ضروری اور حق بجانب ثابت کیا جا سکے۔اس کوشش کے دوران اِدھر چھ سات مہینے گزر گئے اور اُدھر محل سے لے کر باہر تک مخالفت کی فضا پیدا ہو گئی۔اس لئے کہ امامؑ اور خواتین علیھم السلام کے بیانات نے قومی مذہب وخلافت کی کافرانہ نقاب نوچ کر رکھ دی اور شیطانی چہرہ نظر آنے لگا۔اُس چہرہ کو شرمندہ، منفعل اور متاسف

دکھانے کے لئے اور جرم عبیداللہ بن زیاد پر ٹالنے کے لئے دارالموت سے رہا کر کے جیل خانے کے مکان میں منتقل کیا گیا۔اس سے محلاتی خطرہ ٹل گیا اور لوگوں کے تصورات میں تغیر و تبدل شروع ہوا۔لیکن معصومؑ سے مَردوں کی ملاقاتیں اور رسولؐ زادیوںؑ سے بیگمات اور سرداران قوم اور بااثر لوگوں کی عورتیں ملتی رہیں اور جیل خانہ کے بند گھر میں گھریلو ماتم ومجلس ہوتے رہے۔حقیقت کے ساتھ ساتھ قومی حکومت وخلافت ومذہب کی پول بھی کھلتی گئی۔لوگوں کے قلوب یزید اور یزیدی اعمال وافکار سے متنفر ومشتعل بھی ہوتے گئے اور محمدؐ وآل محمدؐ اور حسینیؑ مشن کی عظمت ومحبت دلوں میں گہری ہوگئی۔ اِس پر طُرہ یہ ہوا کہ شہزادی سکینہ علیھا السلام کا انتقال ہوگیا۔اور انتقال کا سبب بھی یزید کو ہی کو سمجھا گیا۔جس حرامزادے نے بچی کے باپؑ کا سر بھیج دیا اور سکینہؑ تڑپ کر انتقال گئی۔اِس حادثہ نے یزید کی حکومت وافواج کی گرفت بالکل ڈھیلی کردی۔اُدھر محل میں ہند اور تمام بیگمات واخوات وبنات یزید کی مخالفت پر آمادہ ہوگئیں۔اور یزید براہ راست مواخذہ سے گزر چکا تو اُس نے چاہا کہ اہل حرمؑ کو شہر دمشق کی حدود اربعہ میں آزادی دے دے اور پبلک اور محل میں اُٹھنے والے ابال کو ٹھنڈا ہونے کا ایک چھینٹا دے دے۔اور مشہور کردے کہ میں نے امام زین العابدین علیہ السلام اور اُن کی بزرگ پھوپھیؑ اور تمام اہل حرمؑ کو راضی کرلیا ہے۔وہ یہیں آباد ہوں گے یہیں رہیں گے۔اب ہم کو آپس میں کوئی بھی اختلاف وتنازع نہیں ہے۔میں اُن کا غم دور کرنے، انہیں خوش کرنے اور نقصان اور تلافی مافات کے لئے اپنا پورا زور لگاؤں گا۔اس طرح ہر وہ شخص مجرم اور قابل سزا ہوگا جو اَب بھی کربلا کی آڑ میں حکومت کے خلاف خیالات واقدامات کو پرورش کرتا رہے۔یوں رفتہ رفتہ کربلا اور کربلا کے مظالم نظروں سے اوجھل اور دنیا سے فنا ہوجائیں گے۔

اس اسکیم کو سامنے رکھ کر اُس نے پہلے درجہ میں اہل حرمؑ سے کہا کہ تم بالکل آزاد ہو خواہ یہاں رہو یا مدینہ چلے جاؤ۔مگر یہ نہیں کہا کہ تمہیں مدینہ بھیجنے کا یہ پروگرام ہے۔تمہیں فلاں فلاں افراد لے جانے کیلئے تیار ہیں۔یہ لو تمہارا لوٹا ہوا سامان موجود ہے۔اِس کے علاوہ جو تمہاری تجویز واصلاح وہدایات ہوں وہ بتائیں تاکہ میں اپنے پروگرام کی اصلاح کردوں۔یزید نے یہ سب کچھ نہیں کہا اس لئے کہ اُسے مندرجہ بالا اسکیم کو برسرکار لانا تھا۔لہٰذا اہل حرمؑ کو یہ محسوس کرانا تھا کہ تم آج سے آزاد ہو۔مدینہ ودمشق دونوں تمہارے اختیار میں ہیں۔لہٰذا کچھ بولو کچھ کہو۔لیکن اہل حرمؑ، نبوّت وامامتؑ کا قلب وذہن رکھتے ہیں اُنہوں نے نہ مدینہ کو سامنے آنے دیا نہ دمشق کو پیچھے ہٹایا۔ بلکہ یہ کہا کہ ہم سب سے پہلے جو اقدام وعمل کرنا پسند کرتے ہیں وہ قیام عزاداری حسین وانصاران حسین علیھم السلام ہے۔تاکہ اہلبیتؑ کی آزاد زندگی کی ابتدا احیاء اسلام اور حسینیؑ مشن کے قیام سے شروع ہو۔یزید کے لئے انکار کا موقعہ نہ تھا۔اُس نے دمشق میں کئی ایک مکانات (بیوت) اور بہت سے کمرے (حجر) اہلبیتؑ اور اہتمام عزاداری کے لئے خالی کرائے اور یوں اہل حرم دمشق کے دوسرے قید خانہ سے آزاد ہوکر اب حدود دمشق تک آزاد ہوگئے۔اُن کی نقل وحرکت پر کوئی پابندی نہ رہی۔تمام شہر میں یہ خبر ہوا کی رفتار سے پھیل گئی۔اور اب اُس ہجوم اور لوگوں کی ملاقاتوں کا اندازہ کرنا ناممکن ہے جو فطری طور پر سامنے آتا تھیں۔بس یہ کہئے کہ ایک موجزن دریا جسے بند باندھ کر روکے رکھا گیا وہ دس ماہ بعد کس رفتار سے بہے گا؟ یہ وہ ایام ہیں کہ منبر ومساجد اہلبیتؑ کے قبضے میں آگئی ہیں۔حضرت زینبؑ وام کلثومؑ ورقیہؑ وام ربابؑ وغیرہ (سلام ہو اُن پر ہمارا) زنانہ مجلس کو اور سرکار امامؑ مردانہ مجالس کو مخاطب فرما رہے ہیں۔کربلا میں گزرنے

والی ہر تفصیل کی تاریخ ہر دماغ میں پیوست ہوتی جارہی ہے۔ جب یہ پہلا عشرہ پورا ہونے لگا تو یزید کو اُمید ہوئی کہ دمشقی عوام وخواص کا قیامِ عزائے مظلوم میں تعاون اور میری فراہم کردہ سہولتیں اور آزادی کا قلوب اہلِ حرمؑ پر ضرور اثر ہوا ہوگا۔ اس لئے اُن کے سامنے اس دفعہ دمشق میں سکونت کی تجویز پیش کی لیکن خواتین نے وہاں کی سکونت کی منظوری نہیں دی۔ اب اگر یزید کو مدینہ بھیجنا منظور ہوتا تو بھیجنے کا انتظام کردیتا۔ لیکن نہ ابھی یزید کو بھیجنا منظور ہے نہ وہ ابھی مایوس ہوا ہے۔ اور نہ اہلبیت علیھم السلام یوں عزاداری کو اُدھڑ میں چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔ وہ تو اب امامؑ اور شہدائے کربلا کا چہلم کرنے کے بعد اِس طرف متوجہ ہوں گے۔ پھر اُنہیں دمشق سے مدینہ نہیں بلکہ کربلا جانا ہے اور وہاں پر عزائے حسینی اور دیگر انتظامات کرنا ہیں پھر مدینہ کا سفر ہوگا۔ پہلے اُنہیں اپنے دشمنوں کے گڑھ یعنی دمشق اور اہل دمشق کے قلوب سے اپنی دشمنی اور خلافتوں کی مخالفانہ پالیسیوں کی ہر جڑ اکھاڑنا مقصود تھی۔ تاکہ پچاس سالہ پروپیگنڈا دم توڑ دے اور پہلے اُسے دمشق کے قبرستان میں دفن کردیں اور اس کے بعد کربلا کے مقدس قبرستان کی طرف روانہ ہوں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یزید کسی لمحہ کے لئے بھی اپنے مظالم پر دل میں حقیقی طور پر نادم نہیں ہوا۔ وہ محض اپنی حکومت اور اپنے بزرگوں کی پالیسی کے زوال سے خوفزدہ ہو کر اہلبیتؑ کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ دل میں وہ روزانہ اپنی دشمنی میں سخت تر ہوتا جارہا تھا۔ اور یوں تو بارہا ابن زیاد پر غصہ اور ملامت اور اُسے قتل کرنے کا اظہار کرتا رہا تھا۔ لیکن اُس سے آج تک باز پرس نہ کی تھی نہ اُسے حاضر دربار ہونے کا حکم دیا تھا۔ اور نہ کسی اور سردارِ فوج پر کوئی تشدد کیا تھا۔ حالانکہ وہ پہلے ہی دن شمر پر تلوار سونت کر کھڑا ہوگیا تھا۔ یہ سب سیاسی چالیں تھیں۔ وہ اقتدار کی شطرنج پر بازی ہار رہا تھا اور گھبرا گھبرا کر اُلٹی سیدھی چال چل رہا تھا۔ اب اُس کی ایک اور سیاسی چال ملاحظہ فرمائیں۔

(4)۔ دربارِ عام میں سردارانِ افواج سے بازپُرس اور کربلا کے قتل عام سے بریّت کی کوشش

قیامِ عزاداری سے دمشق میں یہ ثابت ہوگیا کہ خاندان رسولؐ کا قتل عام یزید کی رضامندی اور حکم سے کیا گیا تھا۔ اور یہ ثبوت اُدھر اہلبیتؑ کے مقررین فراہم کر رہے تھے اور وہ تمام سرداران افواج جو دمشق میں حاضر رہنے پر مجبور تھے۔ خود کو پبلک کے انتقام سے محفوظ رکھنے کیلئے موقعہ بے موقعہ ایسے ہی بیانات دے رہے تھے جن سے نفرت کا رُخ اُنکی طرف سے ہٹ کر یزید کی طرف مُڑتا چلا جارہا تھا۔ بہر حال یزید نے دربار عام کا اعلان کرایا۔ ظاہر ہے کہ دربار عام کا مقصد کربلا کے متعلق حقیقت حال کی کھلی تفتیش کرانا اور مجرم یا مجرمین کو سزا دینے سے متعلق تھی۔ اسلئے آج پبلک کو زیادہ سے زیادہ دربار میں حاضر ہونا چاہئے۔ اور بہت بہتر ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو بھی موجود رکھا جائے۔ آیئے دربار کا حال اور کاروائی دیکھئے:۔

فاعلم انّ ابامخنف لَمّا ذکر احتجاج سیدالساجدین علیه السلام وقول یزید: ''اِنَّمَا اَرَدْتُّ بصعوده المنبر زوال مُلکی ۔ اَمَاعلمتَ اِنَّ هٰذَامِن اهل بیت النبوّة ومعدن الرسالة'' وامره بضرب عنق المؤذّن قال : قال الراوی اَنّ اهل الشام کانّهم نیام فانتبهوا فَعَطّلوا الاسواق وجدّد واالعزاواظهرواالمصیبة لاهل العبآء ۔وقالواواللّٰه ماعَلِمْنَا اَنّهٗ راس الحسینؑ وَاَنَّمَا قِیْلَ راس خارجی خرج بارض العراق فَلَمَّا سمع یزید ذٰلک اسْتَعْمَلَ لهم اجزاء فی القرآن وفرّقها فی المسجد وکانوا اذا صَلّوا فرغوامِن صلٰوتهم وضعوابین ایدیهم لیشتغلوا بها عن ذکرالحسینؑ بن علی علیه السلام ۔ فلم یشغلهم عَن ذکره شیی ءٍ

والناس حینئذٍ مالھم حدیث اِلّا حدیث الحسینؑ حتّٰی اَنَّ الرجل یقول لصاحبه یافلاں اَماتری اِلٰی مافعل بابنؑ بنتؐ نبیّناً ؟ فبلغ ذلک یزید وعرف اَنَّ اھل الشام لایشغلھم عن ذِکرالحسینؑ شاغل ۔فنادی فی الناس اَنْ یَّحْضروا اِلَی الجامع فحضروا مِن کُلِّ جانب ومکان ۔فَلَمَّا تکامل الناس قام فیھم خَطِیْبًا وقال یااھل الشام اَنتم تقولون اِنِّی قتلت الحسینؑ اَوْامرتُ بقتله ؟ وَاَنَّمَا قَتَلَهُابن مرجانة۔ ثُمَّ قال واللّٰهِ لَاُ قتلنّ مَن قتله۔ثُمَّ دعی بالذّین حضروا قتل الحسیؑن فحضربین یدیه۔

فالتفت اِلَی شبث بن ربعی وقال له یاوَیلک انت قتلت الحسین صلوات اللّٰه علیه ؟ وَاَنَا امرتک بقتلهٖ؟ فقال شبث اَناواللّٰه ماقتله ۔ولعن اللّٰه مَن قتله ۔بل قتله مصابربن الرھیبة ۔فالتفت الیه یزید وقال ویلک انت وقتلت الحسینؑ اَمْ انا امرتک بقتله ؟ قال لاوَاللّٰهِ بل قتله قیس بن ربیع ۔فالتفت الیه قال أَ اَنْتَ قتلتَ الحسینؑ اَمْ انا امرتک بقتلهٖ ؟ قال لا ۔قال فَمَنْ قتله ؟ قال قتله شمر ذی الجوشن ۔فالتفت الیه وقالءَ انتَ قتلت الحسینؑ ام انا امرتک؟ قال لا ۔ قال فمن قتله ؟ قال سنان بن انس النخعی ۔ فقال له ءَ انت قتلتَ الحسیؑن ام انا امرتک ؟ قال لا ۔قال فمن قتله ؟ قال قتله خُولی بن یزید الاصبحی ۔فقال له ءَ انت قتلت الحسیؑن ام انا امرتک بقتله ؟ قال لا ۔فعند ذ لک غضب یزید غضبًا شدیدًا وقال ویلکم یحیل بعضکم اِلٰی بعضٍ واَرَی ینظر بعضکم بعضًا ؟ قالوا قتله قیس بن ربیع ۔قال له انت قتلت الحسیؑن۔قال ماقتلتُه۔قال اَلَآ یاویلکم مَنْ قتله ؟ قال قیس یاامیرانا اقول لک مَنْ قتله ولی الامان ؟ قال نعم ۔قال واللّٰه ماقتل الحسیؑن الاالّذی عقد الرایات وفرّق الاموال وبذل العطا یا وصب المال علٰی انطاع وَسیّرالجیوش جیشًا بعد جیشٍ ۔فقال یزید و مَن ذاک ؟ فقال انت واللّٰه مَا قتل الحسیؑن غیرک یایزید ۔فغضب مِن قوله و قام فدخل داره فی قصره ووضع الراس الشریف فی طشت وغطّاہ بمندیل ویبقیّ ووضعه فی حجره ودخل الٰی بیت مُظلم وجعل یَلطم خدّہ وعلٰی امّ راسه وھویقول مالی وقتل الحسینؑ وخرج ودعی بالحرم واعتذر عند ھُنّ وقال لھنّ اَیُّمَااَحَبُّ الیکنّ المقام عندی والجائزة السنیّة اَوِالمسیر اِلَی المد ینة ۔ یقلن نحبّ اَنْ ننوح عَلَی الحسینؑ۔

(اکسیرالعبادات۔صفحہ 543)

”جاننا چاہیئے کہ جہاں علامہ ابومخنف نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے احتجاجات کا ذکر کیا ہے۔اورلکھا ہے کہ یزید پروہ وقت بھی آیا تھا جب اُس نے اُس مقرر سے بازپُرس کی جس نے محمد باقر علیہ السلام کوایک چھوٹا سا بچہ سمجھ کرمنبر پرتقریر کرنے کی اجازت دی تھی (مؤذن)اورجب اُس نے بچہ ہونے کا عذر کیا تھا تو کہا تھا کہ کیا تجھے یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ خانوادہ نبوّت ورسألت کا بچہ ہے؟اورپھراُس مؤذن (اجازت دینے والے)کواس جرم میں قتل کرادیا تھا کہ اُس کا منشا یہ تھا کہ اُس بچہ کی تقریر سے یزیدکی حکومت میں زوال آجائے ۔اتنا لکھ کرابومخنف لکھتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ اہل شام گویا نیند سے اچانک جھنجھوڑ کر بیدار کردیئے گئے ہیں ۔ چنانچہ صورتِ حال سمجھ میں آ گئی توانہوں نے اپنے تمام کاروبار بند کردیئے۔خرید وفروخت بند کردی بازارویران ہوگئے ۔اورسارادمشق عزائے حسینیؑ میں مصروف ہوگیا۔اوراہلبیتؑ کے سامنے اپنے اظہارِغم ومصیبت اورندامت میں کہتے تھے کہ قسم بخدا ہمیں یہ خبرکہاں تھی کہ یہ سرحسینؑ ہے۔ہمیں تو یہ بتایا جاتا رہا کہ ایک خارجی المذہب آدمی نے عراق میں خلافت کے خلاف مسلح بغاوت اورجنگ کی تھی ۔ یہ اسی خارجی کا سر ہے۔جب یزیدکوان حالات کی رپورٹیں ملیں تو اُس نے مساجد میں اوراجتماعات کی جگھوں میں قرآن کے پارے رکھوادیئے تاکہ نماز سے پہلے اور بعد میں فارغ وقت میں قرآن کے پارے ہاتھوں میں لے کربیٹھیں اورذکرحسینؑ سے بازرہ کرقرآن پڑھنے میں

خالی وقت گزاریں۔لیکن اس قسم کے انتظام سے وہ ذکر حسینؑ سے باز نہ رہ سکے۔اورلوگوں کا یہ حال تھا کہ اُن کے پاس کربلا اور حسینؑ کی باتوں کے سوااورکوئی کرنے کی بات ہی نہ تھی۔حالت یہ ہوگئی تھی کہ جہاں بھی دوآدمی ہوتے تو آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہتے کہ بھائی کیا تمہیں معلوم ہے کہ یزید نے رسولؐ کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ کیا کیا؟ جب یہ رپورٹ یزید کو پہنچی کہ اہل شام کو ذکرِحسینؑ اورعزاداری سے کوئی چیز باز نہیں رکھ سکتی تو اُس نے منادی کرادی کہ تمام وہ لوگ جامع مسجد میں جمع ہوجائیں جوواقعہ کربلا کی حقیقت جاننا چاہتے ہیں۔چنانچہ نزدیک ودُور سے لوگ جامع مسجد میں حاضر ہوگئے۔اورجب بتایا گیا کہ لوگوں کی آمد مکمل ہوگئی تو یزید خطبہ دینے کے لئے اُٹھا۔اورتمام حاضرین کو مخاطب کرکے کہا کہ تم سب مجھ پرقتل حسینؑ کا جرم لگارہے ہو یا یہ کہہ رہے ہو کہ حسینؑ کو میرے حکم سے قتل کیا گیا ہے۔سنواُن کوابن مرجانہ (عبیداللہ بن زیاد) نےقتل کیا ہے۔میں نے نہ قتل کیا نہ قتل کرنے کا حکم دیا۔اورسنو کہ قسم بخدا میں تفتیش کے بعداُن کے قاتل کوضرورقتل کردوں گا۔مجمع خاموش اورحیران تھا کہ اُس نے حکم دیا کہ اُن تمام سرداران افواج کو پیش کروجوکربلا میں قتل حسینؑ کے وقت موجوداورچشم دید گواہ ہیں۔چنانچہ اُن سب کو یزید کے سامنے لاکر حاضر کردیا گیا۔

اب یزید نے شبث ابن ربعی کی طرف منہ کرکے کہا کہ آیا تو نے حسینؑ کوقتل کیا ہے؟ اورکیا میں نے تجھے اُن کے قتل کا حکم دیا تھا؟ اُس نے کہا کہ میں اُن کے قاتل پراللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔میں نے نہیں انہیں تو مصابر بن رھیبہ نےقتل کیا تھا۔اب یزید نے مصابر سے دریافت کیا کہ کیا تو نے ہی حسینؑ کوقتل کیا ہےاورکیا میرے ہی حکم سےقتل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خدا کی قسم نہ میں نےقتل کیااورنہ تم نے مجھے اُن کےقتل کا حکم دیا۔بلکہ اُنہیں تو قیس بن ربیع نےقتل کیا تھا۔یزید نے قیس سے پوچھا کہ کیا تو نے ہی حسینؑ کوقتل کیااورمیرے حکم سےقتل کیا تھا؟ اس نے کہا میں نےقتل نہیں کیا۔یزید نے پوچھا کہ پھرکس نےقتل کیا تھا۔اس نے بتایا کہ شمرذی الجوشن نےقتل کیا ہے۔اب شمر سے کہا کہ کیا تو نےقتل کیااورمیں نے تجھے حکم قتل دیا تھا؟ اُس نےقتل سے انکارکیا تو پوچھا کہ پھرحسینؑ کا قاتل کون ہے؟ اس نے بتایا کہ سنان ابن انس نخعی نےقتل کیا تھا۔اب سنان بن انس سے مخاطب ہوااوردریافت کیا کہ کیا تو نے حسینؑ کوقتل کیا اورکیا میرے حکم سےقتل کیا؟ اس نے بھی انکارکردیا تو پوچھا کہ پھرکس نےقتل کیا تھا۔اس نے بتایا کہ خولی بن یزید نےقتل کیا تھا۔اب خولی سے کہا کہ کیا توحسینؑ کا قاتل ہے؟ اورکیا میں نے تجھے حسینؑ کےقتل کرنے کا حکم دیا تھا؟ جب خولی نے بھی انکارکردیا تو یزید کو انتہادرجہ کا غصہ آیا۔اورسب کومخاطب کرکے کہا کہ خداتم سب کوغارت کرے ارے میں دیکھ رہاہوں کہ تم آپس میں ایک دوسرے کوآنکھ مارمارکر بات کوایک دوسرے پرٹال رہے ہو۔جلدی سے حقیقت بیان کرو۔توسب نے متفقہ طورپرکہا کہ امام حسینؑ کودراصل قیس بن ربیع نےقتل کیا تھا۔یزید نے قیس کودوبارہ مخاطب کیااورکہا کہ تو نے ہی حسینؑ کوقتل کیا ہے۔قیس نے جواب دیا کہ میں نےقتل نہیں کیا تو پھرسب سے کہا خداتمہارابُراکرے آخراُنہیں کس نےقتل کردیا؟ اب قیس بن ربیع نے کہا کہ اگرمیری جان بخشی کا وعدہ کرے تواے امیرمیں صحیح قاتل کوروشناس کرائے دیتا ہوں۔یزید نے امان کاوعدہ کرلیا تو کہا کہ جناب قسم بخداحسینؑ کا قاتل اُس شخص کے سوا کوئی اورنہیں ہے جس نے جنگی پرچم تقسیم کیئے۔جس نے دولت کوچاروں طرف بکھیر دیا۔جس نے حسینؑ کوقتل کرنے کے لئے انعام واکرام میں سخاوت کے دریابہادیئے۔اورحقائق کوبدلنےاورباطل کورائج کرنے پردولت کوپانی کی طرح بہادیا۔اورلام بندی کی افواج جمع کیں اورپھرقتل حسینؑ

کے لئے لگا تار افواج پر افواج بھیجیں۔ یزید نے گھبرا کے پوچھا کہ وہ کون شخص ہے۔اس کا نام بتاؤ۔ قیس نے کہا وہ خود آپ ہیں۔خدا کی قسم تیرے سوا حسینؑ کو کسی اور نے قتل نہیں کیا ۔ یہ سن کر یزید بہت سٹپٹایا بڑا غصہ آیا۔مگر بے بس تھا۔اُٹھا اور محل میں داخل ہو گیا۔وہاں پہنچا جہاں امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک رومال سے ڈھکا ہوا طشت میں رکھا تھا۔اُسے لے کر اُسی مذکورہ اندھیرے کمرے میں داخل ہو گیا۔سر مبارک کو اپنی گود میں رکھا اور اپنا منہ پیٹنا شروع کیا۔اور اپنے سر پر ہاتھ مارتا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا تھا کہ میں نے حسینؑ کو قتل کرا دیا۔اس کے بعد باہر نکلا اور اہل حرمؑ کو مدعو کیا اور اپنے جرم پر معذرت خواہ ہوا اور اُن سے کہا کہ میں تیار ہوں اِن دونوں صورتوں کے لئے خواہ آپ حضرات یہاں رہیں اور میں آپ کے تمام اخراجات برداشت کروں اور مالی فارغ البالی فراہم کروں یا آپ مدینہ کا سفر اختیار کر لیں۔اہل حرمؑ نے جواب دیا کہ ہم عزاداری حسین علیہ السلام میں مصروفِ نوحہ و ماتم ہیں۔''

(الف)۔ **اس روایت کے متعلق بھی چند باتیں نوٹ فرمالیں**

ہمارے علما تو ماشاء اللہ اُلٹا سیدھا لکھتے اور ملبہ کا ڈھیر لگاتے چلے گئے حتٰی کہ اُنہوں نے کسی قسم کی کوئی ترتیب مقرر کی نہ سمجھی نہ اِس کی ضرورت ہی محسوس کی کہ کون سا واقعہ پہلے پیش آیا کون سا بعد میں واقع ہوا۔اور کیوں وقوع میں آیا؟ یہ روایت جو ابھی مکمل ہوئی خود بتا رہی ہے کہ اس میں شام کے تمام باشندوں نے تمام دنیاوی سرگرمیاں بند کر دی تھیں۔بازار و کاروبار بند ہو گئے تھے۔اور سب کو یہ موقعہ حاصل تھا کہ اسیران اہلبیتؑ کے پاس آئیں اظہار ہمدردی و غم و رنج کریں،اُنہیں پرسہ دیں اور اپنے سابقہ رویہ اور سلوک کی عذر خواہی کریں اور دن رات عزاداری میں مصروف رہیں۔ بتایئے یہ آزادی قلعہ میں قید کے زمانہ میں اور پھر دوسرے جیل خانہ میں تو ناممکن تھی۔خود اہلبیتؑ کو رونے کی اجازت نہ تھی۔اہلبیتؑ کی مدح و ثنا کرنے اور اظہار ہمدردی پر قتل ہونے کی روایات سامنے آ چکی ہیں۔لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ دربار عام اہلبیتؑ کو عزاداری کی اجازت ملنے اور قید سے رہائی کے بعد پبلک میں حقائق کے پھیل جانے کے بعد کی بات ہے۔جب پبلک کھل کر ماتم شبیرؑ میں مصروف ہے اور یزید کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔یہ بھی نوٹ کریں کہ تمام سرداران افواج اُس روز تک دمشق میں موجود رکھے گئے ہیں۔اور دربار عام میں اُن کی پیشی یقیناً ہتھکڑی اور بیڑی میں جکڑ کر کی گئی ہوگی۔ یزید کے سوالات کا منشائے حقیقی یہ تھا کہ وہ سب یہ کہیں کہ آپ نے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔یہ عبید اللہ ابن زیاد کا قصور ہے۔اُس نے قتل حسینؑ کا جرم کیا ہے لیکن قیس نے اصل حقیقت بیان کر دی۔اور یہ بھی بتا دیا کہ میدان کربلا میں تمام افواج یزید نے دمشق و شام سے بھیجی تھیں۔ لہٰذا وہ علما فریب خوردہ یا فریب ساز ہیں جو یہ مانتے ہیں کہ کربلا میں تمام کوفی افواج تھیں۔اور آخری بات کہ یزید کو جھوٹ بولنے اور قاتلِ حسینؑ پر یعنی خود پر لعنت سننے پر مجبور ہونا پڑا۔ایک وہ وقت تھا کہ یہ کہنے پر کہ ''اللہ میرے والدؑ کے قاتل پر لعنت کرے'' امام زین العابدین علیہ السلام کو قتل کے لئے بھیج دیا تھا۔اور آج بھرے دربار میں شبث بن ربعی ملعون یزید کا ایک نوکر کہتا ہے کہ .... لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ قَتَلَهٗ...... اور یزید کو سننا پڑتا ہے۔اور آج وہ خود کہتا ہے کہ میں یقیناً حسینؑ کے قاتل کو گرفتار کروں گا...... واللّٰه لَاُقْتُلَنَّ مَنْ قَتَلَهٗ...... یہ ہے وہ شکست جو یزید اور نظامِ یزیدی کو ہوئی اور یہ ہے وہ انقلاب جو رسن بستہ بے بس و بے کس عورتوںؑ اور بچوںؑ نے پیدا کیا۔اور جسے رفتہ رفتہ شیعہ مجتہدین نے ختم کر دیا۔

(5)۔ اہلبیتؑ کی رہائی کے اسباب، آخری دربارِ عام پر نظر، عزاداری کی اجازت کا ملنا

یہاں ہم علامہ دربندی رضی اللہ عنہ کے احساسات لکھتے ہیں۔ وہ اس تازہ عنوان کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

(الف)۔ یزید نے اہلبیتؑ کو کیوں رہا کیا؟

اِنَّ السبب الواقعی و العلّة التامة لاطلاق یزید آل رسولؐ عَنِ السجن والحبس انّماکان وقوع الخوف والرغب فی قلبه بالنسبة الٰی زوال دولته وانقطاع اجله بسبب ماراى وسمع من محادثة اهل الشام بعضهم بعضًا وبكائِهم وضجّتهم وتعطيلهم الاسواق وتجدید هم العزاء لاجل خامسُ اهلُ الكسآء نعم انّ ذلک قد اقترن بجملة مِنَ الامور الّتی یتخیّل فی بادی الانظار انّها هِیَ السبب اَوْمِن جملة الاسباب لاطلاق یزید آل الرسولؐ عَنِ السّجن والحبس وذلک مثل قصة رؤیا زوجته ومثل قضیّة رؤیا ہ فی منامه وغیر ذلک مِنَ الامور المشارالیها۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 544)

آلِ رسولؐ کو جیل خانہ کی قید سے رہا کرنے کی حقیقی وجہ اور پکا سبب یہ تھا کہ یزید کے قلب و ذہن میں اس کی حکومت کا زوال اور اس کی اپنی زندگی کے منقطع ہو جانے کا یقین سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اور یہ خوف و رعب اسلئے چھا گیا تھا کہ اُس نے اپنی آنکھوں اور کانوں سے باشندگانِ دمشق و شام کی وہ باتیں دیکھی اور سنی تھیں جو وہ آپس میں کر رہے تھے۔ پھر اُن کا عزائے حسینؑ پر رونا اور بے قرار ہونا اور کاروبارِ زندگی کے مشاغل کا بند کر دینا اور آیہ تطہیر اور چادرِ تطہیر کے پانچویں معصومؑ کی عزاداری میں کوشاں رہنا بھی یزیدی حکومت کے زوال پذیر ہو جانے کی دلیل تھے۔ ہاں بے شک اِن اسباب کے ساتھ ہی ساتھ وہ تمام واقعات مددگار بن گئے اور زوال و تباہی کا تصور پیدا کرنے میں شریک تھے۔ مثلاً اسکی زوجہ کے خواب کا قصہ اور خود اس کے اپنے خواب کا اثر، یہ تمام چیزیں وہ تھیں جن کے دباؤ سے یزید نے آلِ رسولؐ کو دونوں قید خانوں سے رہا کیا اور قیامِ ماتم کا انتظام کیا تھا۔

(ب)۔ یزید کا دمشق سے افواج اور حکمِ قتل بھیجنا

اَنّ صدور الاحکام الکثیرة والا وامرا الوفیرة مِن یزید اِلٰی ابن زیاد فی باب قتل سید الشهدآء وانصاره وسبّی حریمه ونسائه وعیاله واطفاله مِن اموراَلّتی لَایشکّ ولا یرتاب فیه ذودربة بل انّ ذلک قد افاد شیئًا آخر وهوانّ انفاذ یزید جیوشًا غیر محصاة وعساکر غیر مستقصاة انفاذًا وارسالًا مِنَ الشام الی الکوفة لحرب سید الشهدآء ۔ وحضور تلک الجیوش والعساکر فی کربلا کان ایضًا مِن الامور التی لاینکرها ذوبصیرة و فکرة۔ومِن هنابانَ اِنّ الکلمة المشهورة فی السنة۔ مِنْ انّه لم یحضر فی یوم الطف لا شامی ولا حجازی من المشهورات الّتی قیل فی شانها رُبَّ شهرة لااصل لها ۔

ولا یخفی علیک اِنّ مانقلنا مِن قول قیس بن الربیع کمایزیف به الکلمة المشهورة فکذا یُؤید ویسدّد به مانقلنا عن جملة مِن الکتب فی بعض مجالس المقاتلات الشهادات مِنْ اَن عدد مَنْ حضر یوم الطف مِن عساکر یزید کان یبلغ ستمائة الف فارس والف الف رجالة کما فی بعض الکتب۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 544)

سید الشہدؑا اور اُن کے انصار کے قتل پر اور آلِ رسولؐ کی خواتین اور اہل و عیال اور بچوں کو قیدی بنانے اور حرمِ رسولؐ کو حاضر کرنے پر یزید کے لاتعداد احکام ابن زیاد کو پہنچے۔ اُن میں نہ شک و شبہ کی گنجائش ہے نہ اس میں شش و پنج کی گنجائش ہے۔ بلکہ اس سے

تو ایک اور اہم نتیجہ سامنے آتا ہے کہ یزید نے لاتعداد افواج دمشق سے ارسال کیں جو کوفہ میں پہنچیں اور وہاں سے کربلا بھیجی گئیں۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ تمام افواج امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کریں اور مذکورہ نتیجہ برآمد کریں۔ یعنی حسینؑ مع اپنے انصار کے قتل کر دیئے جائیں اور حرم حسینؑ قید کر کے دمشق میں یزید کے روبرو حاضر کئے جائیں اور سرِ حسینؑ مع سرہائے انصار نیزوں پر بلند کر کے حکومت کی فتح کی نمائش کی جائے۔ اور یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں لشکر و افواج کربلا میں موجود تھیں۔ یہاں وہ مشہور بات بھی غلط نکل جاتی ہے جو پروپیگنڈے کے زور سے ہر زبان پر جاری کر دی گئی تھی کہ کربلا کی افواج میں کوفیوں کے علاوہ نہ کوئی شام کا باشندہ تھا نہ حجاز کا رہنے والا تھا۔ یعنی یہ مشہور قول اُن ہی اقوال میں سے ہے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ اکثر شہرت یافتہ باتیں ایسی ہوا کرتی ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی۔ یعنی جھوٹ ہوتی ہیں۔ قیس بن ربیع کا قول بھی اُس جھوٹی شہرت کو باطل کرتا ہے۔ اُدھر وہ اعداد و شمار صحیح ثابت ہو جاتے ہیں جو ہم نے بعض کتابوں سے اپنی شہادتوں والی مجالس میں نقل کئے ہیں کہ کربلا میں افواج کی تعداد چھ لاکھ (600000) سوار اور دس لاکھ پیادہ تھے۔ جیسا کہ بعض کتابوں میں منقول ہے۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 544)

(ج)۔ یزید کی قلبی کیفیات

ثُمّ لَا یخفی علیک اَنّ بعض ما تقدّم وان کَانَ قد یعطی فی بادی الانظار انّ یزید کان فی ذلک یوم ای یوم اطلاق آل رسولؐ عَنِ الحبس والسجن متند مَاعلٰی مافعل وما وقع وان لم ینفعه التندّم الّا اَنّ الامر لیس کذلک فی الواقع وعند الانظار الدقیقة لِاَنّ ذلک الکافر لم یتندّم اصلًا علٰی ماوقع ومافعل مِن قتل آل رسولؐ وسبی حرّیمه۔ بل انّ اطلاق آل رسولؐ عن السجن والحبس واظهارالتندّم عند النسوة الطاهرات لم یصدر منه الا لاجل ماذکرنا من وقوع الخوف والرعب فی قلبه بالنسبة الٰی زوال دولته نظرًا اِلَی مارَای وماسمع مِن احوال اهل الشام ویؤید ذلک بل یکشف عنه اَنّ ذلک الزندیق قد حلف فی ذلک الیوم الذی قام فیه خطیبًا وقال واللّٰه لَاقَتّلنّ من قتل حسینؑ وقد یتقنّ عنده وعلم قطعًا اَنّ هؤُلاء الجماعة الذین ذکرنا اسمائهم الٰی قیس بن الربیع کانوا من روساء یوم الحرب فی الکربلا۔ مع انه لَمْ یفعل بهم مایسؤهم فضلًا عَن قتلهم واهلاکهم بل ان السؤال والجواب الدائر ین بینه وبینهم بقوله: ''ءَانت قتلت الحسینؑ ام انا امرتک بقتله ؟ وقولهم لا بل قتله فلاں'' کانا مِمَّا یشبه الهذیانات ولعبة الصبیان۔ وانّما فعل ذلک لما کان فیه من الشیطنة والنکرآء ونظرا اِلٰی انّ اهل الشام یسکن فوراتهم بمثل هٰذا المقدار مِن السوال والجواب لمافیهم مِن الحماقة الجهاله وعدم معرفتهم حق المعرفة بمراتب آل الرسولؐ وشئونهم و درجاتهم عنداللّٰه۔ (اکسیر صفحہ 544)

پھر آپ پر یہ بھی پوشیدہ نہ رہے کہ جو کچھ ہم نے یزید کے اچھے سلوک کے متعلق پہلے لکھ دیا ہے۔ اُس سے سرسری طور پر ایسا اندازہ ہوسکتا ہے کہ آل رسولؐ کی رہائی کے دن یزید اپنے کئے دھرے پر نادم تھا۔ مگر یہ ندامت اُس کے لئے اس بنا پر مفید نہیں کہ حقیقتاً وہ دل کی گہرائی میں کبھی نادم نہیں ہوا۔ بلکہ آل رسولؐ کو قید خانے سے رہا کرنا اور رسولؐ زادیوں کے سامنے اظہار ندامت کرنا صرف اس لئے تھا کہ اُس نے اہل شام کا ردِعمل دیکھ کر یہ یقین کرلیا کہ اُس کی حکومت اور اُس کی زندگی خطرے میں ہے۔ ہمارے اس فیصلہ کی تائید

اُس قسمیہ اعلان سے بھی ہوتی ہے جو اُس ملعون نے اپنے خطبے کے دوران کیا تھا کہ: ’’جس نے حسینؑ کو قتل کیا ہے میں اُسے ضرور قتل کروں گا‘‘ حالانکہ اُسے خطبہ دیتے وقت یہ علم ویقین حاصل تھا کہ کربلا میں جنگ کے دوران جو لوگ سرداران افواج اور روٴسائے جنگ تھے وہ سب اُس کے سامنے موجود ہیں جن کے نام قیس بن ربیع تک ہم نے بھی لکھ دیئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اُن کو قتل وتباہ کرنا تو الگ اُن کے ساتھ یزید نے کوئی ایسا سلوک بھی نہ کیا جو انہیں بُرا معلوم ہوتا۔ رہ گئے اُس کے اور سرداران افواج کے درمیان سوالات وجوابات کی بھرمار کہ ’’کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا تھا یا میں نے قتل کا حکم دیا تھا؟ اور یہ کہ نہیں میں نے قتل نہیں بلکہ فلاں نے قتل کیا۔‘‘ یہ بکواس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اُن کی پشت پر یہ سیاسی چال تھی کہ اہل شام کا اٹھتا ہوا جوش ٹھنڈا پڑ جائے اور انہیں اُنکی جہالت وحماقت اور آل رسولؐ کی معرفت سے لاعلم ہونے کی بنا پر بچوں کی طرح تفتیش کا کھلونا دے کر بہلا دیا جائے اور اس ردوبدل کے دوران یہ ثابت ہو جائے کہ ان سرداروں میں سے کوئی بھی حسینؑ کا قاتل نہیں ہے۔ اور یہ کہ یزید نے ہرگز قتل کا حکم نہ دیا تھا۔ گویا عبیداللہ ابن زیاد نے اپنے حکم سے اجتہاد کیا اور اجتہادی غلطی سے قتل واقع ہو گیا۔ لہٰذا اگر قیس جلدی میں گھبرا کر راز فاش نہ کر دیتا تو فیصلہ یہ ہونا تھا کہ اجتہادی غلطی ہو گئی تھی۔ کسی کا قصور نہ تھا۔ اور یہی فیصلہ بعد میں یزیدی مذہب میں ہوا بھی کہ یزید پر لعنت نہ کرو بلکہ دعائے مغفرت مانگو۔ خدا ایسا عقیدہ رکھنے والوں پر لعنت کرتا ہے اور ہم مع ملائکہ اور تمام انسانوں کے یزید واہل یزید پر اور اس کے طرفداروں پر دن رات لعنت کرتے ہیں۔

(د)۔ قلعہ کے اندر دارالموت سے رہائی تک اہل حرمؑ کو رونے سے جبراً روکا جاتا رہا تھا

ثُمَّ لا یخفی علیک اَنّ جنود ذلک الکافر واشیاعه قد منعوا منعوهُن عن البکاء والجزع مِن یوم العاشورا اِلٰی اَن صرن هذه الطاهرات الطیبات محبوسات فی السجن فی دمشق ثُمَّ قد مَنَعَهُنَّ عن البکاء وعن الجزع یزید فی الایام واللیالی کُنَّ فی السجن والحبس ۔ فلما اطلق عن السجن والحبس الترحم والرقة لَهنَّ واذن فی اقامة التعزیة سید شباب اهل الجنة بعد سؤالهن ۔(اکسیر العبادات۔صفحہ -545-544)

علامہ نے فرمایا کہ تم پر یہ بھی مخفی نہ رہے کہ یزید ملعون کی فوج اور یزید کے مذہب کی اشاعت کرنیوالوں نے عاشور محرم سے لیکر کوفہ تک سفر میں، پھر قیام کوفہ میں، اور کوفہ سے دمشق تک کے سفر میں، پھر قلعہ کے اندر والے قید خانہ کے قیام میں امام زین العابدین اور اہل حرمؑ کو رونے اور بے قراری کے اظہار کی ممانعت تھی اور یزید نے بھی دن یا رات میں کبھی رونے نہیں دیا تھا۔ صرف تب اجازت دی تھی جب قید خانہ سے رہا کیا اور اہلبیتؑ نے رونے اور عزاداریٔ سیدالشہدؑ اقائم کرنیکی اجازت مانگی تھی۔‘‘

یہ کھلی اجازت اور قیامِ عزاداری دمشق کی حدود میں نظر بندی کے دوران ملی تھی۔ البتہ اس سے پہلے جیل والے مکان میں چاردیواری کے اندر ممانعت نہ تھی۔ اسی بنا پر حضرت سکینہؑ کے انتقال پر گریہ وزاری ہوا تھا۔

(6)۔ کیا روزِ عاشور سے رہائی تک کل بیس (20) دن قیدی رہے؟

ہمارے علما کی کثرت کہتی اور مانتی ہے کہ اہلبیت علیھم السلام بیس صفر 61 ہجری کو کربلا پہنچ گئے تھے۔ یعنی اہل حرم یکم صفر 61 ہجری کو دمشق سے رہا ہو کر روانہ ہوئے تھے۔ اس لئے کہ دمشق سے کربلا تک کا سفر اُس زمانہ میں بیس روز کا تھا۔ اگر علما کی یہ

بات صحیح ہوتو یہ ماننا پڑے گا کہ دس محرم 61 ہجری کے بعد کربلا سے کوفہ تک کا سفر، پھر کوفہ میں قیام اور پھر دمشق تک کا سفر اور دمشق میں قید رہنا سب کچھ بیس روز میں ہو گیا تھا۔ اور اگر کوفہ سے دمشق تک کا بیس روز کا سفر الگ کر دیا جائے تو سرکاری علما کا قول صحیح ہو جائے گا کہ ایک روز بھی قید میں نہیں رکھے گئے۔ آج تیس (30) محرم کو دمشق پہنچے اور کل (اگلے دن) یکم صفر کو یزید نے آزاد کر کے واپس روانہ کر دیا تھا۔ اس میں یہ ایک دقت ہوگی کہ کربلا سے کوفہ تک کا سفر اور کوفہ میں قیام کا یا تو انکار کرنا پڑے گا۔ یا کسی جادو یا ہوائی جہاز کی قسم کی چیز برسرکار لانا پڑے گی پھر بھی کوفہ میں قیام صِفر (0) رہ جائے گا۔

(الف)۔ **بیس صفر 61 ھجری کو اہل حرؔم کربلا آئے اور سرہائے شہدؔا دفن کیے؟؟**

''در حبیب السیر است کہ یزید ملعون سرھای شہدؔاء را تسلیم نمود بحضرت زین العابدینؑ و آن بزرگوارھم سرھارا ملحق با بدان طیبہ نمود در روز بیستم از صفر۔ بعد توجہ فرمود بجانب مدینہ طیبہ و این اصح اقوال است۔'' (منتخب التواریخ صفحہ 470)

منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ:۔''حبیب السیر میں لکھا ہے کہ یزید ملعون نے حضرت زین العابدین علیہ السلام کو تمام شہدؔا کے سر سپرد کر دیئے اور اُن بزرگوار نے شہدؔا کے سروں کو اُن کے بدن کے ساتھ ملا کر دفن فرمایا اور 20 صفر کے بعد مدینہ طیبہ کے سفر پر متوجہ ہو گئے۔ تمام اقوال میں یہی قول اور تاریخ سب سے صحیح ہے۔''

مومنین اس قدر نوٹ فرمالیں کہ اس بیان میں 61 ھجری یا 62 ھجری کچھ نہیں لکھا ہے۔

(7)۔ **بیس صفر 61 ہجری تک تو اہل حرم علیھم السلام کوفہ ہی میں تھے**

ہمارا طریقہ یہ ہے کہ جھوٹوں کو اُن کے گھر تک پہنچا کر چھوڑنا چاہیئے۔ گو عموماً اور اکثر کتابوں میں بیس صفر کی تاریخ کے ساتھ کہیں بھی سال 61 ہجری لکھا ہوا نہیں تھا۔ لیکن سرکاری علما نے خود ہی 61 ہجری کہہ دیا یا لکھ دیا۔ تاکہ آل رسولؐ کے ایام اسیری اور مظالم یزید کو کم کیا جائے۔ بہرحال ہم اُن ہی کے ریکارڈ سے دکھاتے ہیں کہ وہ دروغ باف و فریب ساز ہیں۔ چنانچہ ساری دنیا جانتی ہے کہ تیرہ یا چودہ محرم 61 ہجری کو اہل حرؔم کوفہ میں تھے اس کے بعد کیا ہوا سنیئے:۔

واز لھوف استفادہ می شود کہ اہلبیتؑ اطھار در کوفہ ماندند تا وقتیکہ ابن زیاد کاغذ نوشت بیزید و خبر داد اُورا بقتل حسینؑ و خبر اہلبیتؑ اُورا بیزید داد۔ یزید جواب نوشت و امر کرد عبید اللہ ابن زیاد را کہ سرنازنین سید الشہدؑ اء را با سرھای مبارک اصحاب آن بزرگوار باعیالؑ اللہ روانہ بشام نماید۔ ولابدّ فرستادن نامہ ابن زیاد بشام و برگشتن جواب از یزید ملعون یکماہ طول میکشد و دراین مدت اہلبیؑت ظاہراً میان زندان محبوس بودند۔'' (منتخب التواریخ صفحہ 467)

''اور کتاب لھوف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہلبیتؑ اطہار کوفہ میں اُس وقت تک رہے جب تک کہ ابن زیاد نے اپنے خط کے ذریعہ یزید کو قتل حسینؑ اور گرفتاری اہلبیتؑ اور سرہائے شہدؔا کی اطلاع دی۔ پھر یزید ملعون نے ابن زیاد کو جواب دیا اور لکھا کہ تُو سر حسینؑ اور اُن کے صحابہؓ کے سر اور اُن کے اہلبیتؑ کو اُس کے پاس شام ارسال کر دے۔ اور لازم ہے کہ ابن زیاد کا خط شام پہنچنے اور یزید کا جواب کوفہ آنے میں ایک ماہ کامل صرف ہو۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس دوران اہلبیتؑ قید خانہ میں رہے ہوں۔''

اس کتاب سے ثابت ہے کہ اہلبیت رسولؐ کم از کم ایک مہینے یعنی 14 محرم 61 ھجری سے 14 صفر 61 ھجری تک کوفہ میں قید تھے۔

لہٰذا اُن کا بیس صفر کو دمشق ہوتے ہوئے کربلا میں آ کر سرہائے شہدؑا دفن کرنا مجتہدین کا کمال نہیں تو اور کیا ہے؟ اور سنئیے:۔

(8)۔ سولہ (16) ربیع الاوّل 61 ہجری کو اہلبیتؑ کوفہ سے دمشق پہنچے تھے

اما تاریخ ورود اہلبیتؑ بشام درجای دیدہ نشدہ مگر درکامل بہائی کہ میفرماید روز چھارشنبہ شانزدھم ربیع الاوّل اھلبیتؑ بشام وارد شدند۔''
(منتخب التواریخ صفحہ 467)

''یوں تو شام میں اہلبیتؑ کے وارد ہونے کی تاریخ کہیں نظر نہیں پڑی مگر کتاب کامل بہائی میں علامہ نے فرمایا ہے کہ بروز بدھ سولہ (16) ربیع الاوّل کو اہلبیتؑ شام پہنچے۔''

مومنین اب حساب لگائیں سولہ (16) ربیع الاول سے پہلے کے بیس روز سفر کے نکال دیں تو کوفہ سے روانگی کی تاریخ ستائیس (27) صفر نکلتی ہے۔ اور مجتہدین کا اجتہاد یہ ہے کہ اہلبیتؑ بیس صفر کو شہدا علیھم السلام کے سر کربلا میں دفن کر رہے تھے۔ بتایئے ہم اِن لوگوں کو کیا کہیں؟ پھر یہ سوچئے کہ اہلبیتؑ 13 یا 14 محرم 61 ہجری کو کوفہ میں آئے اور 27 صفر کو کوفہ سے دمشق کے سفر پر روانہ ہوئے تو کوفہ میں اُن کی قید کا زمانہ کم از کم ڈیڑھ ماہ ثابت ہو گیا۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جو ابن زیاد کے خط کا جواب آنے اور پھر روانگی کی تیاری پر صرف ہوا۔ ساتھ ہی کوفہ سے دمشق تک وہ حقیقی سفر سامنے لائیں جو ہم نے منزل بمنزل تفصیل سے لکھا ہے۔ جس میں ہر آنے والے شہر اور قریہ میں تشہیر اور گشت کرایا جاتا رہا۔ تصادم ہوئے، جنگ بھی ہوئی، استقبال بھی ہوئے، چراغاں بھی ہوئے، معجزات بھی ہوئے، عمر بن سعد نے چھٹی بھی منائی۔ پھر پلٹ کر مجتہد کا منہ دیکھئے فق تو نہیں؟

(الف)۔ کچھ زندانِ کوفہ کی باتیں اور تعارف اور طوق و زنجیر سے ہمارا رشتہ؟

آپ اپنی مجالس میں کوفہ کی قید اور قید خانہ کا حال نہیں سنتے لہٰذا آج یہ دیکھیں کہ ہمارے جدّ اعلیٰ جناب زین العابدین علیہ السلام کی بیڑیاں اور زنجیریں جو بطور منت بچوں کو پہنائی جاتی ہیں اُن کی تاریخ کیا ہے؟ سنئیے:۔

(1) ودر امالی شیخ صدوقؒ است بعد از بیرون شدن اہلبیتؑ از مجلس ابن زیاد ملعون۔ ثم امر بعلی بن الحسینؑ فغلّ وحمل مع النسوة والسبایا اِلَی السّجن فحبسوا فی السجن وضیّق باب السجن عَلَیۡھِم۔ (منتخب التواریخ صفحہ 466)

شیخ صدوقؒ کی کتاب امالی میں ہے کہ جب اہلبیتؑ ابن زیاد کے دربار سے باہر نکلے تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ زینؑ العابدین کو طوق و زنجیر پہنا کر اُنکی اہلبیتؑ اور قیدیوں کو جیل خانے میں قید کر دو۔ چنانچہ اُنکے جیل کا دروازہ بہت سخت پہرے میں رکھا جائے۔''

(2) ودر لھوف است۔ ثُمَّ امر ابن زیاد بعلیؑ بن الحسینؑ واھله وحملوا اِلٰی دار اِلٰی جنب المسجد الاعظم فقالت زینؑب بنت علیؑ لا تدخلن علینا عربیة الّا ام الولد او مملوکة فھن سبین کماسبینا۔ (منتخب التواریخ۔ صفحہ 466)

کتاب لھوف میں ہے کہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ زین العابدینؑ کو مع اس کے اہل و عیال کے بڑی مسجد والے قید خانہ میں قید کر دو۔ حضرت زینبؑ نے فرمایا کہ ہمارے پاس جو عورت بھی آئی وہ یا تو کوئی صاحب اولاد کنیز تھی یا کسی کی مملوکہ باندی تھی۔ وہ بھی ہماری طرح قیدی تھیں۔

(3) ودرارشاد شیخ مفیداست۔ ولما اصبح ابن زیاد بعث براس الحسینؑ فدیر به فی سکک الکوفة کلها وقبائلها۔(ایضاً)

شیخ مفید رضی اللہ عنہ کی کتاب الارشاد میں ہے کہ اگلی صبح سے ابن زیاد نے سر حسینؑ اور اہل حرمؑ کو کوفہ کی تمام گلیوں، سڑکوں اور بازاروں اور تمام آس پاس کے قبائل میں گشت اور تشہیر کرنے کا حکم دے دیا۔"

مومنین نوٹ کریں کہ ڈیڑھ ماہ قید اور گشت کے بعد دمشق کو روانہ کیا گیا تھا۔

(ب)۔ قیدخانہ میں خبر رسانی کا ایک طریقہ؟ اہلبیتؑ کا سربند لٹا ہوا سامان

چنانچہ از روایت طبری استفادہ میشود۔ ففیه عن عوانة بن حکم الکلبی قال لمّا قتل الحسینؑ وجیٔی بالاثقال و الاساریٰ حتّٰی وردوا بهم الکوفة اِلٰی عبیداللّٰه بن زیاد فبینما القوم مجتمعون اذ وقع حجرفی السجّن معه کتاب مربوط وفی الکتاب: "خرج البرید بامرکم فی یَوم کذاوکذا اِلٰی یزید بن معاویة وهو سائر فی کذاوکذا یوماً وراجع فی کذا کذا۔ فان سمعتم التکبیر فایقنوا بالقتل واِنْ لم تسمعوا تکبیرًا فهو الامان انشاء اللّٰه۔" قال فلما کان قبل قدوم البرید بیومین اوثلاثة اذا حجر قد القی فی السجن معه کتاب مربوط فی الکتاب: "اوصواواعهدوا فانّما ینتظر البرید یوم کذاوکذا" فجاء البرید ولم یسمع التکبیر وجاء کتاب بان سرح الاساریٰ۔ قال فدعی عبیداللّٰه بن زیاد محضربن ثعلبه وشمر بن ذی الجوشن فقال انطلقوا بالثقل والراس الٰی امیرالمومنین یزید بن معاویة قال فخرجوا حتّٰی قدّموا علٰی یزید۔

ازاین روایت استفادہ شد کہ سرہائے نازنین راباسراء اہل البیتؑ یک مرتبہ از کوفہ حرکت دادند (منتخب التواریخ صفحہ 467)

تاریخ طبری سے ثابت ہوتا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوگئے اور اسیران اہل حرمؑ اور اُنکے لوٹے ہوئے سربند سامان کو لے کر کوفہ میں ابن زیاد کے پاس پہنچے اور اہل حرمؑ کو جیل خانے میں قید کردیا گیا تو وہاں بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔ اتنے میں جیل کے اندر ایک خط میں لپٹا ہوا ایک پتھر آ کر گرا۔ خط کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ سنو تمہارے فیصلہ کیلئے ابن زیاد کی طرف سے ایک قاصد فلاں روز یزید کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اور وہ فلاں روز یزید کے پاس پہنچے گا اور فلاں دن واپس آئے گا۔ اسکے بعد اگر تم اللہ اکبر کی تکبیریں سنو تو سمجھ لو کہ تمہارے قتل کرڈالنے کا حکم آیا ہے اور اگر تکبیر کی آوازیں بلند نہ ہوں تو انشاءاللہ قتل سے محفوظ رہو گے۔ راوی نے کہا کہ جب قاصد کے واپس آنے میں دو یا تین روز باقی رہ گئے تو پھر حسب سابق پتھر کے ذریعہ خط آیا اس میں لکھا تھا کہ قاصد کے فلاں دن آنے کا انتظار ہے۔ لہٰذا احتیاطاً تم لوگ وصیت کردو اور معاہدے قائم کردو۔ چنانچہ مقررہ دن قاصد آ گیا اور تکبیر کی آوازیں بلند نہ ہوئیں۔ اسلئے کہ خط میں یہ حکم آیا تھا کہ اسیران اہل حرمؑ اور اُنکے لوٹے ہوئے سربند سامان اور سروں کو میرے پاس دمشق بھیج دو۔ چنانچہ ابن زیاد نے محضر بن ثعلبہ اور شمر کو بلایا اور حکم دیا کہ سروں کو اور سربند سامان کو لے کر قومی مسلمانوں کے امیرالمومنین کے پاس روانہ ہوجاؤ۔ راوی کہتا ہے کہ وہ لوگ حسب الحکم روانہ ہوکر یزید کے پاس پہنچے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرہائے شہدؑا اور اہل حرمؑ ایک ساتھ کوفہ سے شام کو روانہ کئے گئے تھے۔ (صفحہ 467)

مومنین نوٹ فرمالیں کہ یہی وہ لباس اور بستروں وغیرہ کے سربند صندوق تھے جو پہلے قید خانہ سے رہائی کے وقت دیئے گئے تھے۔ اور دوسرے قید خانہ کے مکان میں اور مدینہ پہنچنے تک یہی لباس وسامان کام آیا تھا۔ اس میں برتن اور امور خانہ داری کا تمام سامان تھا۔ یہ

یاد رہے کہ خاندان کا ریکارڈ اور دیگر تبرکات مدینہ میں محفوظ تھے۔

(9)۔ دمشق میں قید رہنے اور قیام کی مدت کے متعلق چند اور باتیں

علمائے کرام نے اس سلسلے میں کیا کیا کہا اور لکھا اُس کی ایک جھلک دیکھ لینا ضروری ہے۔ تاکہ ہمارے موقف اور حقیقت واقعی پر اُن کی گواہی ہو جائے۔ ہمارے ریکارڈ میں تو دمشق میں پورا ایک سال اور چاروں موسمیں گزری تھیں اور سال 62 ہجری میں جب ماہ محرم آیا تو یزید نے قیام عزا و ماتم کی اجازت دی۔ ماہ محرم و صفر صف ماتم بچھی رہی اور بیس صفر کو امامؑ اور شہدائے کربلا کا چہلم منایا گیا۔ اس کے چند روز بعد روانگی ہوئی۔

(الف)۔ تاریخ و ماہ و سال بعد میں گھڑے گئے۔ فریب سازی

جیسا کہ ہم شروع سے شکوہ کرتے آرہے ہیں کہ ریکارڈ تیار کرنے والوں نے نہایت لاپرواہی کا ثبوت دیا ہے۔ اسی سلسلے کا ایک جملہ ملاحظہ فرمائیں:۔ امّا توقفشاں درشام معلوم نیست چند مدت بودہ؟

''اہلبیتؑ رسولؐ دمشق میں کتنی مدت رکھے گئے معلوم نہیں ہے۔'' (منتخب التواریخ۔ صفحہ 467)

مومنین غور فرمائیں کہ یہ کتاب منتخب التواریخ 1349 ہجری میں لکھی گئی اور اُس وقت تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ دمشق میں اہل حرم کتنی مدت قید رہے؟ اور یہ بات یقین سے کہی جاتی رہی کہ 61 ہجری کے ماہ صفر کی بیس تاریخ کو واپس کربلا پہنچ چکے تھے۔ معلوم ہوا کہ فریب ساز لوگ خود بھی پورا انتظام نہ کر سکے تھے کہ کوئی پکی بات کہہ یا لکھ سکیں جو آگے بڑھے۔ اور مومنین کو غلط یا صحیح یقین فراہم کردے۔ یہ آپ دیکھ چکے ہیں کہ علامہ دربندی ایسے زبردست عالم و محقق پندرہ روزہ قیام پر مطمئن ہیں۔ لیکن اس قسم کی تمام باتیں غلط تصورات پر مبنی ہیں۔

(ب)۔ حقیقت تک پہنچنے کی ایک ناکام کوشش

ہم بھی یہ لکھ چکے ہیں کہ کم از کم پہلے قید خانہ کی مدتِ قید اتنی ہونا ضروری ہے کہ اہل حرم کی دھوپ اور تمازت آفتاب سے زمہریری سردی سے صورتیں بدل جائیں۔ اس دلیل کو منتخب نے بھی اختیار کیا ہے۔

درامالی شیخ صدوق است ثم یزید امر بنسآء الحسینؑ فحبس مع علیؑ بن الحسینؑ فی محبس لایمکنهم مِن حرٍّ ولا بردٍ حتی تقشّرت وجوههم۔ (منتخب التواریخ۔ صفحہ 467)

''حضرت صدوق کی کتاب امالی میں ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ امام زین العابدین اور حرم حسینی علیہم السلام کو ایسے قید خانہ میں قید کرو جہاں اُن کو تمازت آفتاب اور سردی سے بچنے کا موقعہ نہ ملے۔ چنانچہ اُنہیں ایسی ہی جگہ قید کیا گیا یہاں تک کہ اُن کے چہرے بدل گئے۔''

اسی روایت کو لھوف سے بھی لکھا ہے لیکن کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا ہے۔ ہم یہاں اس سلسلے کی ایک اور روایت لکھتے ہیں تاکہ مومنین کو صورت بدل جانیوالی بات کی ایک نئی وجہ معلوم ہو جائے ساتھ ہی وہ لوگ جو دو قید خانوں کو ایک ہی قید خانہ سمجھے ہیں اُنکی غلطی پکڑی جائے۔

فاعلم اَنَّهٗ ذکر فی المناقب ثُمَّ انّ یزید انزلهم فی داره الخاصّة فما کان یتغذّی و لا یتعشی حتی یحضر علیؑ بن الحسینؑ الٰی اَن قال وقال لعلیؑ بن الحسینؑ اذکر حاجاتک الثلاث اللاتی وعدتک بقضآئِهن۔ (اکسیر صفحہ 545)

''جاننا چاہئے کہ کتاب مناقب میں لکھا ہے کہ یزید نے امام زین العابدین علیہ السلام اور رسولؐ کی بیٹیوں کو اپنی ذاتی اور خاص جگہ رکھا جہاں غذا ملنے اور زندہ رہنے کا کوئی انتظام نہ ہو۔ یہاں اس دن تک قید رکھا گیا جس دن یزید نے امامؑ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہاری تین باتوں میں سے ایک یا سب ضرور تسلیم کروں گا۔''

یہ تھا وہ پہلا قید خانہ جہاں کھانے پینے کے لئے کچھ نہ دیا جاتا تھا۔صورت بدل جانا تو ہرگز قابل تعجب بات نہیں ہے۔حیرانی یہ ہے کہ زندہ کیسے رہے؟ اور جواب وہی ہے جو ہم مناسب مقام پر دیں گے۔

(ج)۔ سرہائے شہدؑا کے لٹکائے جانے کی مدت سے اندازہ لگانا

در کامل بہائی است۔ ثُمَّ انّ یزید امر براس الحسینؑ وسائر الرؤس مِن اھلبیتہؑ واصحابہ اَن یصلب علٰی ابواب البلد: وفیہ ایضًا رأسہ صلب علٰی منارۃ جامع دمشق اربعین یومًا وسائر الروس علی ابواب المساجد وابواب البلد ویومًا علٰی باب داریزید۔(منتخب التواریخ صفحہ 468)

''کتاب کامل بہائی میں ہے کہ یزید نے سرِ حسینؑ اور باقی اہلبیتؑ واصحاب کے سروں کو شہر کے دروازوں پر لٹکانے کا حکم دیا۔اور اُسی میں یہ بھی ہے کہ امام حسینؑ کا سر دمشق کی جامع مسجد کے مینار پر چالیس روز لٹکا رہا اور باقی شہدؑا کے سروں کو دیگر مسجدوں اور شہر کے دروازوں پر لٹکایا گیا تھا۔اور ایک دن تمام سر یزید کے محل کے دروازے پر لٹکائے گئے۔''

یہ روایت لکھ کر اب نتیجہ یوں نکالتے ہیں کہ:۔

وازین روایت ممکنست استفادہ شود کہ وقوفِ اہلبیتؑ در محبس شام زیادہ بر چہل روز بودہ۔(منتخب التواریخ صفحہ 468)

''اور اس روایت سے یہ فائدہ اٹھانا ممکن ہے کہ اہلبیتؑ زندانِ شام میں چالیس روز سے زیادہ قید رہے ہوں۔''

اس کے بعد مؤرخ نے اور چند احادیث لکھ کر یہ نتیجہ نکال لیا ہے:۔''الحاصل از مجموع این احادیث وتواریخ معلوم میشود کہ اھلبیتؑ اطہار مسلّماً دو ماہ در شام توقفشان طول کشید بعد روانہ مدینہ طیبہ شدند۔''(منتخب التواریخ صفحہ 469)

''ان تمام احادیث اور تاریخوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔اُس کا نچوڑ یہ ہے کہ زندانِ شام میں اہلبیت علیہم السلام یقیناً دو ماہ کی مدت تک رہے اور اس کے بعد وہ مدینہ کو روانہ ہوئے تھے۔''

اس نتیجہ کے بعد مؤرخ نے علامہ حاجی نوری کی بحث لکھی ہے اور ثابت کیا ہے کہ بیس صفر کو اہلبیتؑ کی کربلا میں واپسی پر جابر بن عبداللہ انصاری سے ملاقات قطعاً غلط بات ہے۔(ایضاً صفحہ 469)

یہاں تک مؤرخ کی کوشش سے زیادہ سے زیادہ دو مہینے دمشق میں قید ثابت ہے۔

(10)۔ تمام بیانات میں سمجھوتہ دمشق میں قید کی مدت پورا ایک سال تھی

مؤرخ نے پانچ بڑے سائز کے صفحات میں دھڑا دھڑ مختلف احادیث لکھیں، علما کی بحثیں سامنے لائے اور اس کے بعد پہلے درجہ میں یہ فرمایا کہ:۔''مخفی نہ نماند کہ بمقتضائی آنچہ در سابق ذکر شد بعید است کہ اہلبیتؑ تا اربعین سال بعد در شام توقف فرمودہ باشند۔ وابعد

ازاین آنستکه بعضی گفته اند که اہلبیتؑ دراربعین سال اوّل وارد کربلا شدندو دیدند جناب جابر بن عبداللہ را با بعضی از بنی ہاشم بجہت زیارت حضرت سیدالشہدؑاءمشرف شدہ اند۔"(صفحہ 470)

الحاصل جمع بین اخبار معتبرہ وفرمائشات علماءِ ومورخین ممکن نمیشو دمگرآ نکہ گفتہ شودآن مخدّرات وقتیکہ ازکوفہ بشام می رفتند روزاربعین وارد کربلا شدند و دیدند جناب جابر برای زیارت مشرف است وروز اربعین سال بعد جابر نیز بزیارت مشرف شدہ بودوحضرت زین العابدینؑ با اہل بیتؑ ھم مشرف شدہ باشند بکربلاوسرنازنین راملحق نمودہ باشند بدن مقدس۔(صفحہ 471-470)

"یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ جواحادیث وروایات اور بحث ہم نے سابقہ صفحات میں لکھی ہے۔اُس کو دیکھتے ہوئے یہ بات بہت دُور معلوم ہوتی ہے کہ اہلبیتؑ اگلے سال (62ھجری) کے اربعین تک شام میں قید رہے ہوں اور یہ بات تو اُس سے بھی بہت دور ہے کہ اہلبیتؑ پہلے ہی سال (61ھجری) کے اربعین پر دمشق سے فارغ ہوکر کربلا پہنچے ہوں۔اور جناب جابر بن عبداللہ اور بعض بنی ہاشمؑ سے ملے ہوں جب کہ یہ لوگ سیدالشہدؑاءکی زیارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔"

یہ لکھ کر دوسرے درجہ میں اب یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ:۔

"تمام بحثوں ، حدیثوں اور تاریخوں اور علما کے اخذ کردہ نتائج میں ہم آہنگی کی اور کوئی صورت ممکن نہیں سوائے اسکے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ 'جب اسیران اہل حرمؑ کو کوفہ سے شام بھیجا گیا تھا تو اُنہیں کربلا کی راہ سے لے گئے ہوں اور اُس وقت جناب جابر بن عبداللہ اور دیگر بنی ہاشمؑ سے اُسی سال (61ہجری) کے اربعین کو ملاقات ہوئی تھی۔اور پھر اگلے سال (62ھ) کی اربعین میں جناب جابر دوبارہ زیارت کو گئے اور اُدھر امام زین العابدین اور اہلبیت علیھم السلام دمشق سے رہا ہوکر مع سرہائے شہدؑا کے کربلا تشریف لائے اور جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اور امامؑ نے سرہائے مقدسہ کو بدنہائے مطہرہ سے وابستہ کر کے دفن کیا تھا۔"

یہ ہے وہ شیعہ مومنین کا یقین وعقیدہ اور تاریخی حقیقت جسے مشکوک کرنے کے لئے سرکاری علمانے بہت جوڑ توڑ کئے۔مگر وہ مومنین کے قلوب میں شک وشبہ قائم نہ کرسکے۔

53۔شام میں سال قید کے بعد اہلبیت علیھم السلام کا کربلا سے ہوکر مدینہ پہنچنا

(1)۔ اہل بیت علیھم السلام کی دمشق سے روانگی کی تیاریاں

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یزید کی دلی خواہش اور مقصد یہ تھا کہ وہ جس طرح ہوسکے اہل بیت علیھم السلام کو دمشق میں آباد کرے۔ اور مستقبل میں ایسے انتظامات بر سرکار لائے کہ کربلا کو رفتہ رفتہ صفحہ قلب سے مٹایا جاسکے۔اور اہل دمشق اور مملکت کے عوام کو یہ دکھایا جاسکے کہ اب اہلبیتؑ مجھ سے خوش ہیں۔ہم میں کوئی اختلاف وتنازع نہیں ہے۔لہٰذا عوام کو کوئی ایسی تحریک چلانا جس سے اشتعال پیدا ہو خلاف واقعہ ہوگا۔اور حکومت واہل بیتؑ کی منشا کے خلاف جرم ہوگا۔لیکن یزید کو اہلبیتؑ نے اس مقصد میں بھی نامراد کردیا اور روانگی ہی کو اختیار کیا۔چنانچہ عزاداری دمشق میں گھر گھر پہنچا کر اور کربلا کی تاریخ اور حادثہ کربلا کے اسباب وعلل کو دلوں میں اُتار کر یزید سے ملاقات کی روایت سنئے:۔

قال المفید وصاحب المناقب: وروی اَنَّ یزید عَرَضَ عَلَیۡهِمُ المقام بدمشق فابوٗا ذلک قالوا بل ردّ نا اِلَی المدینة فانه مهاجر جدّنا ۔ فقال لنعمان بن بشیر صاحب رسولؐ اللّٰه جَهِّز هٰؤلاءِ النّسوٗة بِمَا یُصلحهم وابعث معهم رجلًا مِن اهل الشام امینًا صالحًا وابعث معهم خیلًا واعوانًا ثُمَّ کساهم وحباهم وفرض لهم الارزاق والازال۔
ثُمَّ دعی بعلیؑ بن الحسینؑ فقال له لَعَنَ اللّٰه ابن مرجانة اماواللّٰه لَوۡ کنتُ صاحبه ماسئلنی خصلة ابدًا اِلَّا اَعۡطَیۡتُهُ ایّاها ولدفعت عنه الحتف بکُلِّ ما قدرتُ علیه و لوبهلاک ولدی و لکن قَضَی اللّٰه مَارایتَ۔ فکاتبنی مِن المدینة وانّه اِلٰی کلّ حاجة تکون لک وتقدّم بکسوته وکسوة اهلؑ بیته وانفذ مَعَهُمۡ فی جُملة النعمان بن بشیر۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 545)

شیخ مفید رضی اللہ عنہ اور کتاب المناقب کے مصنف نے لکھا ہے کہ یزید نے اہلبیتؑ کے سامنے دمشق میں ٹھہرنے اور سکونت اختیار کرنے کی درخواست کی۔مگر اُنہوں نے ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اس دفعہ بھی یہ کہا کہ میں اپنے نانا کی خدمت میں ہجرت کرنا پسند کروں گا۔ یہ فیصلہ سنا تو یزید نے نعمان بن بشیرؓ صحابی رسولؐ سے کہا کہ تم رسولؐ کے اہل حرمؑ کو تمام ضروریات جواُن کو ہرممکن سہولت فراہم کرنے کے لئے لازم ہوں پورا کرو۔اورکسی نہایت دیانت دار اور صالح اور صاحب امانت شامی کواُن کی واپسی کے لئے مقرر کرو۔اوراُن کے ساتھ ساتھ سفر کرنے ، پہرہ دینے اور خدمت کرنے کے لئے مردوں عورتوں کا ایک گروہ منتخب کر کے مجھے رپورٹ کرو۔اس کے بعد یزید نے اہلبیتؑ کے کپڑے لباس اور سفر میں کام آنے والی ہر چیز فراہم کی اُن کے لئے مستقل وظائف وآمدنی کا انتظام کردیا۔

یہ تمام احکامات دینے کے بعد یزید نے امام زین العآبدین کو بلایا(وہی روایت) اوراُن سے کہا کہ اللہ ابن زیاد پر لعنت کرے خدا کی قسم اگر کہیں میں حسینؑ کے پاس ہوتا تو یہ نہ دیکھتا کہ حسینؑ کا رجحان اور خصلت کیا ہے اور جوکچھ وہ چاہتے اُنکو دے دیتا اورانہیں خطرہ سے بچاتا اوراپنی پوری قدرت صرف کردیتا خواہ ایسا کرنے میں خود میری اولاد کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑتا مگر کیا کروں قضائے الٰہی کے بعداب کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ آپ مجھ سے رابطہ رکھیں۔جب بھی آپکو کوئی ضرورت ہو تو مدینہ سے مجھے خط لکھ دیا کریں میں خدمت بجالاؤں گا۔ اِسکے بعد امامؑ کے لباس وغیرہ کا انتظام کیا اوراُنکے اہلبیتؑ کے لباس بھی تیار کرائے اور دیگر اسٹاف(STAFF) کے ساتھ ساتھ خود نعمان بن بشیر کوساتھ جانے کیلئے تعینات کیا۔(اکسیر صفحہ 545)

(الف)۔ **یزید کے بیانات بڑے دل نشین تھے مگر اہلبیتؑ کی پسند شرط ہے؟**

اگر بات سادہ ہوتی یعنی یزید ہی سے شروع ہوکر یزید ہی پرختم ہوجاتی ؟ اگر سقیفہ بنی ساعدہ سے لے کر یزید تک کے دانشوران قوم کی پالیسی اورعمل درآمد بیچ میں نہ ہوتا ؟ اگر یہ کفرواسلام کا معاملہ ہوتا ؟ اگر یہ کسی خاندانی دشمنی کا حادثہ ہوتا ؟ اگر یہ اچانک بلامنصوبہ سازی کے پیش آ گیا ہوتا تو ہم یزید کو معاف کردیتے ۔لیکن یزید نے تو خود تصدیق کردی کہ کربلا ایک حادثہ نہیں بلکہ پچاس سال سے پروان چڑھتے چلے آنے والی اسکیم اور پالیسی ہے۔ یہ رسوؐل خدا اورعلیؑ مرتضٰی سے انتقام ہے۔ یہ ساری وحی اور نبوت کا انکار نہیں بلکہ اُس وحی کا انکار ہے جوآج تک کیا جارہا ہے کہ محمدؐ کے بعدعلیؑ کی حکومت مِن جانب خدا اور مُنزّل مِن اللہ نہیں ہے۔ یہ تو بقول شبلی نعمانی وہ اسکیم

ہے جس میں خاندان نبوت سے حکومت الگ کرنا طے کیا گیا تھا۔ اور وہ منصوبہ ہے جس میں قریش کی قومی حکومت قائم کرنا اور مخالفین کی نسل کو تباہ کرنا طے کیا گیا تھا (فرقان 25/30، بقرہ 2/205)۔ یہ تو اُسی قوم کی پیروی میں کیا گیا ہے جس نے قرآن کو مہجور کر کے نظام اجتہاد کو اپنا راہنما بنایا تھا۔ اس لئے یزید کے یہ بیانات بھی قومی پالیسی کے احیاء کی کوششوں کی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ اُس انقلاب کو روکنے کی کوشش ہے جو حکومت کے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔ یہ باتیں یقیناً قلب و ذہن سے نکلی ہیں مگر سیاست کے دباؤ اور خطرے کو دور کرنے کے لئے باہر آئی ہیں۔ قضائے الٰہی کے جو معنی بھی ہوں۔ یہ بحث و مناظرہ میں الجھنے اور الجھانے والی بات ہے۔ قومی خلیفہ یا قریشی مومنین کے امیر المومنین یہ کیوں کہتے ہیں کہ حسینؑ جو مانگتے دے دیتا؟ کیا اُسے ابھی تک یعنی ایک سال خطبات و اہلبیتؑ کے بیانات سننے اور لاکھوں شامیوں کو بھینٹ چڑھانے اور خاندان رسولؐ کے قتل عام کر چکنے کے بعد بھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ حسینؑ کیا چاہتے تھے؟ حسنؑ کیا چاہتے تھے؟ علیؑ کیا چاہتے تھے؟ محمدؐ کیا چاہتے تھے؟ اور اللہ کیا چاہتا ہے؟ کیا اُسے یہ معلوم نہیں کہ معاویہ نے اور اُس کے سر پرستوں نے جو چاہا اور جو کیا وہ نہ اللہ چاہتا ہے نہ رسولؐ چاہ سکتے تھے؟ وہ کیوں نہیں کہتا کہ: یا ابن رسولؐ اللہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ وہ کیوں نہیں کہتا کہ میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں۔ وہ کیوں سربراہی اسلام سے دستکشی کا اعلان نہیں کرتا؟ وہ کیوں امامؑ کی ضروریات یعنی آٹے دال کی فکر کرتا ہے۔ وہ کیوں تاج حکومت امامؑ کے پیروں پر نہیں رکھ دیتا؟ خلیفۃ اللہ، خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین تو خود ہی بنا رہنا چاہتا ہے۔ خط آنے پر امامؑ کی ضروریات فراہم کر کے احسان کی راہ کھلی رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن نہ یہ امامؑ کسی کا احسان لے گا نہ اُس کے بزرگوں نے کسی اور کا احسان لیا۔ یہ بوریہ نشین فاقہ مست خاندان ہے۔ یہ اللہ کے سوا کسی کا احسان نہیں لیتا۔ بہرحال یزید کی باتوں سے وہ لوگ بہک سکتے ہیں جو قرآن اور اسلام کے اصولوں سے جاہل ہوں۔ جو ایسے جاہل اور کورے لٹھ ہوں جو نہ لفظ خوشامد اور اس کے مواقع سے واقف ہوں۔ جو نہ لفظ سیاست و فریب پر مطلع ہوں جو یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ: ؎ رفع حاجت کو چلے جاتے پیخانہ میں یا واقف تو ہوں مگر یزید کی طرف سے مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے ہوں۔

(ب)۔ <u>یزید کے متعلق اہلبیتؑ کے احساسات اور جوابات</u>

یزید، اہلبیت علیھم السلام کی رخصت کا شاہانہ لیول پر انتظام کر رہا ہے۔ تمام اہلکارانِ حکومت اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں۔ اُدھر امامؑ اور رسولؐ کی بیٹیاں بھی تیاری میں مصروف ہیں۔ آج یزید نے اپنا انتظام دکھانے کے لئے اہلبیتؑ رسولؐ کو بلایا ہے۔ شاہی بیگمات بھی موجود ہیں۔ فطرت انسانی کی خواہش ہوا کرتی ہے کہ رخصت کے وقت کچھ تحفے تحائف دیئے جائیں۔ کچھ ہر وقت کام آنے اور سامنے رہنے والی چیزیں دی جائیں تاکہ دینے والوں کی قدر و قیمت اور یاد تازہ ہوتی رہے۔ مگر رخصت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اور اہلبیتؑ جس حال میں رخصت ہو رہے ہیں وہ اُن میں سے کسی بھی قسم میں داخل نہیں کئے جا سکتے۔ اُن پر کیا گزر رہی ہے؟ یہ بیان کرنے کے لئے دس کروڑ صفحات کی کتاب کافی نہیں ہے نہ بیان کرنے کے لئے عمر نوحؑ کفایت کر سکتی ہے۔ ہاں سکینہؑ ساتھ ہوتی تو کھلونوں کی بات کچھ بن جاتی۔ حسینؑ سر پر ہوتے، علیؑ اکبر و عباسؑ ہوتے، قاسمؑ ہوتے، علیؑ اصغر کھیلنے کی عمر کو پہنچ گئے ہوتے تو بات اور ہوتی۔ مگر اب تو مدینہ کا خیال ہی ایک ایسی بھیانک بات ہے کہ تصور سے دل لرز جاتا ہے۔ وہاں والے کیا کیا سوال کریں گے؟ کس کو

کیا جواب مطمئن کرے گا؟ یہ ہے وہ غم واندوہ کا سماں جو اہلبیتؑ کے دل ودماغ پر ہر لحہ طاری ہے۔اس حالت میں تحفہ دینا بھی ظلم ہے۔ یادرکھنے کی درخواست بھی بے معنی ہے۔اُن کے حافظہ میں تو برسوں کوئی بیرونی چیز جگہ نہ پاسکے گی۔اُن کے لئے بہترین تحفہ یہ ہے کہ ماتم حسینؑ کیا جائے۔ہائے حسینؑ ہائے علیؑ اصغر کہہ کر سروسینہ پر ضربیں لگائی جائیں۔اُن کو کربلا والوں کی یاد کے علاوہ کوئی چیز خوش نہیں کرسکتی۔ یزید اہلبیتؑ کو شاہی ٹھاٹھ اور مادی وفانی سامان دکھا کر داد لینا اور قلوب اوراجسام پر گہرے زخم لگا کر مرہم سے خوش کرنا چاہتاہے سنئے:۔

علامہ ابومخنف: قال الراوی فعدل لهن المحامل وفرشها بفرش دیبقیّ والا بریشم وصبّ الاموال عَلَی الانطاع وقال یاام کلثومؑ خذی هذه الاموال عوضًا عن الحسینؑ واحسبی کان قدمات ـفقالت اُم کلثومؑ یایزیدما اَقْسَی قلبکَ تقتل اخی وتعطینی عوضه مالًا واللّٰه لاکان ذٰلک ابدًا قال فاعطا هم مالًا کثیرًا واخلف علٰی کل واحدٍ منهم ومنهن ماا خذ منه وزاد عَلَیْهِ من الحلّی والثیاب و الاثاث۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 545)

’’علامہ ابومخنف نے لکھا ہے کہ راوی کا بیان ہے کہ یزید نے آل رسولؐ کے لئے شاندار محملیں تیار کرائیں۔حریردیبا اور ریشمی پردے اور تکیے اور گدے رکھوائے اور مال ودولت کے انبار لگادیئے تو جناب ام کلثومؑ سے کہا کہ یہ سب کچھ میں حسینؑ کے بدلے میں پیش کرتا ہوں اُسے قبول کرلیں اور دل کو یوں سمجھالیں کہ ہمارا بھائی پہلے ہی مرچکا تھا۔ حضرت ام کلثومؑ نے کہا اے یزید تو کتنا بے رحم اور سخت دل ہے کہ میرے بھائی کو قتل کر کے اُن کے عیوض مجھے مال دے کر بہلانا چاہتا ہے۔سُن اُن کا بدلہ قیامت تک بھی نہ دیا جاسکے گا اور ہم ہرگز مال ودولت حاصل نہیں کرتے۔ بہر حال راوی نے اس انکار کے باوجود بھی کہہ دیا کہ یزید نے بکثرت مال ودولت دی اور جو سامان اُن میں سے کسی کا بھی لوٹ لیا گیا تھا واپس دیا ورنہ اس کے بدلے میں کچھ دیا۔اوراس کے علاوہ سب کو خلعتیں کپڑے اور پوشاکیں اور ضروریات زندگی سے متعلقہ سامان دیا۔‘‘

مومنین نوٹ فرمالیں کہ حضرت ام کلثومؑ ایسا مزاج رکھنے والوں نے کیا قبول کیا ہوگا؟

(2)۔ دمشق سے روانگی اور کربلا میں واپسی

مومنین نے وہ انتظامات دیکھے جو یزید نے اہلبیتؑ کی روانگی کے لئے کئے تھے۔آج اولادرسولؐ دمشق سے روانہ ہورہی ہے۔ اس روانگی اوراس روانگی کے انتظامات کو اگر اُس نظارہ کے سامنے رکھ دیا جائے جو اہل دمشق کی آنکھوں نے اُس وقت دیکھا تھا جب خاندان رسوؐل کو دمشق میں لایا گیا تھا تو وہ فرق کھل کر سامنے آجائے گا۔ جسے برقرار رکھنے کے لئے یزید اوراُس کی سابقہ سرپرست حکومت نے مسلسل پچاس سال کی کوشش کی تھی۔اور جسے پیدا کرنے اور عملی صورت دینے کے لئے یزید نے بقول قیس بن ربیع،اپنی پوری مالی وفوجی وسیاسی قوت وقدرت صرف کردی تھی۔مگر صرف ایک سال کے اندر اندر یزید کی تمام جابرانہ وقاہرانہ وظالمانہ قوت وقدرت خاندانِ رسوؐل کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی تھی۔اور آج اِس روانگی کے وقت یزید ملعون اوراُس کی ازواج واولاد،اہلبیتؑ کے سامنے غلاموں اور کنیزوں سے زیادہ کوئی مقام نہ رکھتے تھے۔اُنہوں نے شہر سے باہر آکر جہاں تک اُن کی نظر جاسکتی تھی یہ نظارہ دیکھا تھا کہ

لوگ اُن اونٹوں اور عماریوں کے پردوں کو بطور تبرک چھونے اور چومنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ وہ تمام صندوق جن میں تمام سرہائے شہدؑا تھے عموماً اور وہ صندوق جس میں سر حسین علیہ السلام تھا خصوصاً مرکز نگاہ تھے۔ لوگ اُن اونٹوں کا طواف کر رہے ہیں جن پر وہ صندوق رکھے ہوئے ہیں۔ لوگ اونٹوں والوں سے رکنے کی درخواست کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے مایوس العلاج بیماروں کو شغدف کے نیچے سے گزاریں۔ امامؑ زمانہ کے پاؤں چھونے والوں کی قطاریں لگ جاتی ہیں۔ لوگ پاؤں سے لپٹ لپٹ کر بلک بلک کر روتے تھے۔ یزید نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اُس نے دیکھا تھا کہ اہل دمشق کے قلب وذہن پر اُس کی نہیں بلکہ اہلبیتؑ کی حکومت ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ خاندان رسولؐ کے چلے جانے کے بعد دراصل وہ اہل دمشق کے رحم وکرم پر رہ جائے گا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میری اور میری حکومت کی شکست ہو چکی ہے۔ یہ روزانہ حسینؑ کی فتح کا اعلان لے کر سورج نکلتا اور بلند ہوتا ہے۔ پھر مومنین وہ شان یاد کریں جب امام حسین علیہ السلام مدینہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔ کتنا اہتمام ہے؟ بار بار سر جھکانے کی آواز آ رہی ہے۔ لوگو! آنکھیں جھکالو حضرت زینبؑ سوار ہو رہی ہیں۔ آج بھی مدینہ کا نظارہ سامنے ہے۔ مگر کمی یہ ہے کہ سوار کرانے والوں میں نہ عباسؑ ہیں نہ علی اکبرؑ ہیں اور نہ سامنے امام حسینؑ کرسی نشین ہیں۔ بہر حال وہاں اہل مدینہ رو رہے تھے۔ یہاں اہل دمشق میں رونے کا کہرام برپا ہے۔ آج حضرت زینبؑ وام کلثومؑ اور رسوؐل کی باقی بیٹیاں دمشق کو فتح کر کے واپس جا رہی ہیں۔

(الف)۔ **پانچ سو سواروں اور سینکڑوں خادموں اور خادماؤں کے جُھرمٹ میں روانگی**

فقال ابومخنف، ثم دعا بالجمّال فابر کوھا فوطأھالھم باحسن وطاءٍ واجملہٖ فدعی بقوّادمِن قوّادہ وضمَّ اِلیہ خمس مائۃ فارس وامرہ باالمسیر اِلَی المدینۃ فسارالقآئد بھم مِن دمشق وکان یقدمھن تارۃ ویتأخّر ھن تارۃ و احسن لھُنّ بالصحبۃ والنصیحۃ و الخدمۃ اللائِقۃ۔قال فعند ذلک قالوا لہ مرّبنا علٰی کربلا ۔ فمرّبھم علٰی کربلا فوجد فیھا یومئِذجابر بن عبداللّٰہ الا نصاری وجماعۃ معہ قدآتوالزیارۃ الحسینؑ فعند ذلک نزلوا فی کربلا وجدّد وا الاحزان وشقّقوا الجیوب ونشروا الشعور وابد وا ماکان مکتومًا مِنَ الاحزان والمصائب واقاموا عندہ ایامًا۔انتھٰی کلامہ ۔(اکسیر صفحہ 546)

وقال السید فی الملھوف قال الراوی ولمّا رجع نساء الحسینؑ وعیالہ مِنَ الشام وبلغوا العراق قالوا للدلیل مُرّبنا علٰی طریق کربلا۔ فوصلوا الٰی موضع المصرع فوجد وا جابربن عبداللّٰہ الانصاری وجماعۃ مِن بنی ھاشم ورجالًا مِن آل رسولؐ اللّٰہ قد ورد والزیارۃ قبرالحسینؑ فتوافوا فی وقت واحد وتلاقوا بالبکاء والحزن واللطم واقاموا الما تم المقرّحۃ لِلاکباد واجتمع الیھم نسآء ذلک السواد فاقو علٰی ذلک ایامًا وفی بعض الروایات واقاموا الماتم عند قبرالحسین علیہ السلام ثلثۃ ایام فلما کان یوم الرابع توجّھوا نحوالمدینۃ۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 546)

علامہ ابومخنف نے بتایا ہے کہ پھر یزید نے اونٹوں کے ماہرین کو بلایا۔ وہ سب متعلقہ اونٹوں کو لے کر حاضر ہوئے، انہیں بٹھایا، اُن پر کجاوے اور عماریاں بہت دل پذیر انداز سے فٹ (FIT) کیں۔ اور اُنہیں متعلقہ پردوں اور چیزوں سے سجایا اور اونٹ سواری کے لئے تیار ہو گئے۔ پھر گھوڑوں کے ماہر کو بلایا اور اسے پانچ سو بہترین گھوڑوں اور سواروں کو انتخاب کرنے اور مدینہ تک ہمراہ جانے کی ہدایات دیں۔ چنانچہ وہ اہل بیتؑ کو لے کر دمشق سے روانہ ہوا۔ کبھی شہزادیوںؑ کے آگے آگے رہتا تھا ضرورت پڑنے پر پیچھے پیچھے چلتا

تھا۔ سوار داہنے بائیں آگے پیچھے دُور دُور رہ کر راستہ صاف رکھتے جاتے تھے۔ قافلہ سالار ہر سواری کے ساتھ متعلقہ انتظام پر نظر رکھتا تھا۔ ضروری اطلاعات اور نصیحت اور سفر کا مقام و منزل اور احتیاط بتاتا جاتا تھا۔ ہر خدمت بہترین ادب و تعظیم سے کراتا ہوا چلتا تھا۔ راوی نے کہا کہ اس اطاعت شعاری اور محنت کشی کو دیکھ کر اہلبیتؑ نے کہا کہ ہمیں کربلا کی راہ سے لے کر چلنا۔ چنانچہ وہ لئے ہوئے کربلا پہنچا۔ اور وہاں جابر بن عبداللہ انصاری کو ایک اور جماعت کی معیت میں موجود پایا۔ جو زیارت امام حسین علیہ السلام کے لئے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ اہلبیتؑ نے کربلا میں قیام فرمایا اور ماتم حسینؑ اور عزاداری شہدؑا انجام دینے کے لئے جو باتیں اور اعمال باقی رہ گئے تھے اور فتویٰ نہ ہونے کی بنا پر اُن پر عمل نہ ہوتا تھا وہ بھی مصائب سید الشہدؑا میں عملاً بجالائے گئے۔ چنانچہ اظہار غم و مصیبت کے لئے بال کھول دیئے گئے اور عزائے سیدؑالشہدا کوئی روز تک باقاعدہ جاری رکھا گیا۔ یہاں علامہ ابو مخنف کا بیان ختم ہوجاتا ہے۔ مگر؛

علامہ سید ابن طاؤس لکھتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام کے اہل حرمؑ اور اہل و عیال و اطفال علیھم السلام شام سے روانہ ہوکر عراق کی حدود میں داخل ہوگئے تو انہوں نے قافلہ کے نگران سے کہا کہ ہمیں کربلا کی راہ سے مدینہ لے کر چلنا ہے۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور جب اہلبیتؑ مقام دفن کے قریب پہنچے تو جابر بن عبداللہ انصاری کو اور بنی ہاشم میں سے ایک جماعت کو اور آل رسولؐ کے چند لوگوں کو وہاں موجود پایا جو قبر مظلومؑ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب نے مل کر ساتھ ہی ساتھ قبر مبارک کا طواف کیا اور روتے پیٹتے مُنہ پر طمانچے مارتے ہوئے امامؑ سے ملاقات کی اور ایسا ماتم برپا کیا جس سے کلیجوں میں زخم پڑ کر رہ جائیں۔ آس پاس کے دیہات کی خواتین بھی قیام عزا میں کئی روز شریک رہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف تین دن صف ماتم بچھی رہی اور جب چوتھا دن ہوا تو مدینہ کی طرف روانگی کے لئے متوجہ ہوئے۔

(ب)۔ کربلا سے مدینہ کا سفر اور شہدؑا سے جدائی بڑا جگر خراش مرحلہ تھا

قال ابو مخنف فلما كان يوم الرابع توجّهوا نحو المدينة ثم لما اراد وا الرحيل وجاؤا بالجمال لِلنساء صَاحَت رقيّة بنت الحسينؑ بالنساء الاارجعن الٰى قبر ابى لنودّ عه فرجعن اليه و درن حوله فحضنت القبر الشريف و بكت بكاءً شديدًا حتّٰى غشى عليها فلمّا افاقت جعلت رحلنا يا ابى بالرغم منّا ـ الا فانظر الٰى ماحل فينا ـ الا يا كربلا اودعت جسمًا. بلاغسل ولا كفن دفينا ـ اَلا يا كربلا اودعت نورًا ـ لبارى الخلق طرّا اجمعينا ـ الا يا كربلا اودعت كنزًا و ذخر القاصدين الزائرين۔

(اکسیر العبادات۔ صفحہ 548-547)

کربلا میں ماتم و عزاداری کی تا قیامت قائم رہنے والی رسومات عملاً قائم کر کے اور زیارات شہدؑائے کربلا کے آداب و طریقے سکھا کر کربلا سے روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا اور سواری کے لئے عماریوں والے اونٹ لا کر خیموں کے سامنے بیٹھا دیئے گئے تو جناب رقیہ بنت امام حسین علیہ السلام نے اپنی پھوپھی اور دوسری بزرگ خواتین سے فریاد کی کہ آپ میرے والدؑ سے رخصت کی اجازت لئے بغیر ہی روانہ ہوجانا چاہتی ہیں؟ کیا اُنہیں اس طرح اور اتنا جلدی سے بھلا دینا چاہتی ہیں؟ یہ سن کر نئے انداز سے بیبیوں میں کہرام برپا ہوگیا اور یوں گریہ وزاری کرتی ہوئی تمام خواتین قبر حسین مظلوم علیہ السلام پر آئیں اور قبر کے چاروں طرف کھڑے ہوکر رخصت کے دردناک

بَین کرنا شروع کئے۔ اُدھر جناب رقیہؑ باپ کی قبر مبارک سے لپٹ گئیں اور اس بے قراری سے روئیں کہ تمام خواتین کو اُن کی جان کے لالے پڑ گئے آخر بے ہوش ہوگئیں ۔ اور جب ہوش میں آئیں تو یہ مرثیہ پڑھنا شروع کر دیا کہ اے بابا جان ہم مجبوراً آپ سے جدا ہو کر جا رہے ہیں۔ ذرا ہمارا حال، ہماری صورتیں تو دیکھ لیں کہ ہم پر کیا کیا آفات گزر گئیں۔ اے کربلا خبردار رہنا کہ ہم اپنی زندگی سے زیادہ عزیز بزرگوں اور سرپرستوں کو تیرے اندر دفن چھوڑے جا رہے ہیں ۔ اے کربلا ہوشیار باش کہ ہم کائنات کی زندگی اور سارے جہان کی روشنی تیرے پاس چھوڑے جا رہے ہیں ۔ اے کربلا ہم نے اپنا سارا ذخیرہ اور خزانہ تیری آغوش میں محفوظ کر دیا ہے۔ تا کہ اُن سے زیارت کو آنے والے استفادہ کرتے رہیں۔ جس طرح ہوسکا تمام بزرگوں اور شہدّاء سے رخصت ہونا پڑا۔

(ج)۔ آخر اہلبیت علیھم السلام مدینہ کو روانہ ہو ہی گئے؛ خدمتگاروں کا سلوک قابل ستائش

قال المفيد وصاحب المناقب ثُمَّ اوصى بهم الرسول يسائير هم فيكون امامهم فاذا نزلوا تنحّى عنهم وتفرق هو و اصحابه كهيئة الحرّس ثُمَّ ينزل بهم حيث اراد احدهم الوضوء ويعرض عليهم حوآئجهم ويلطّفهم حتّٰى دخلوا المدينة ولفظ بعض الروايات هكذا وانفذ هم في جملة النعمان بن بشير رسولا تقدم اليه ان يسير بهم في الليل ويكون امامه حيث لايفوتون طرفة عين فاذا نزلوا تنحى عنهم وتفرق هو واصحابه حولهم كهيئَة الحرّس لهم وينزل منهم جنبًا حتى اذا اراد ا نسان مِن جماعتهم وضوء وقضاء حاجته لم يحتشم فسار معهم في جمله النعمان بن بشير ولم يزل ينازلهم في الطريق و يرعاهم كما وصاه يزيد ويرفق بهم۔(اکسیر العبادات۔صفحہ 547-546)

بہرحال مدینہ پہنچنا تھا، امامؑ کا حکم تھا، اللہ کا منشا تھا اس لئے دل پر صبر کی سِل رکھی اور اہل حرم سوار ہو گئے ۔ اور قافلہ سالار ہدایات کے مطابق اہل حرمؑ کو لے کر روانہ ہوا۔ راہ میں اُس کا طریقہ یہ رہتا تھا کہ دوران سفر وہ عموماً آگے آگے رہتا تھا۔ جہاں منزل آتی تھی تو اہل حرمؑ سے علیحدہ دُور چلا جاتا تھا اور اُس کے ساتھی بھی پہرہ داروں کی طرح دُور دُور پھیل جاتے تھے۔ اور جب اہل حرمؑ میں سے کسی کو کوئی ضرورت ہوتی تھی مثلاً کوئی ایک فرد بھی وضو کرنا چاہتا تھا یا کوئی اور ضرورت ظاہر کرتا تھا تو وہ فوراً مدد کو پہنچ جاتے تھے۔ اور بڑی توجہ، اطاعت شعاری و ہمدردی کا ثبوت دیتے ہوئے مدینہ تک لے گئے۔ اور سابقہ روایات سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ سب سے زیادہ ہمدرد نعمان بن بشیر رسولؐ اللہ کا صحابی بھی اس گروہ میں موجود تھا۔ جب رات کو سفر ہوتا تھا تو وہ سب سے آگے رہتا تھا۔ کوئی ایک بھی کسی لمحہ غافل نہ ہوتا تھا۔ جیسے ہی منزل آتی تھی سب اہلبیتؑ سے دُور دُور چلے جاتے تھے۔ وہ خود بھی اور اسکے ساتھی بھی اِدھر اُدھر مناسب فاصلوں پر نگرانی کیلئے پھیل جاتے تھے۔ اور گوش برآواز رہتے تھے۔ اور پہلو بہ پہلو اس طرح کھڑے ہوتے تھے اگر کسی انسان کو وضو کی یا رفع حاجت کی ضرورت ہوتی تھی تو کوئی خطرہ محسوس کئے بغیر اُن کی حفاظت میں تمام ضروریات پوری کر لیتا تھا۔ اور راہ میں بھی ہر ضرورت کے لئے ہر رعایت دی جاتی تھی۔ اور بڑی ہمدردی کا سلوک کیا جاتا تھا۔ اور یزید کی تاکید پر پورا پورا عمل کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ شہزادیاں قافلہ سالار سے خوش ہوگئیں۔ (اکسیر العبادات۔صفحہ 547-546)

(د)۔ قافلہ سالار کی اطاعت وخدمت پر اہلبیتؑ کا احسان مند ہونا اور رخصت کرنا

مدینہ پہنچ کر امام زین العابدین علیہ السلام نے شہر سے باہر خیمہ لگوایا اور قناتوں کے اندر زنانہ خیمے ترتیب دیئے گئے۔اب قافلہ سالار جناب نعمان بن بشیر رخصت کیلئے حاضر ہوتا ہے۔اُسکے تمام ساتھی مع پانچ سو سواروں کے دُو رصف بستہ کھڑے ہیں۔شہزادیاں چاہتی ہیں کہ اپنی خاندانی روایات کے مطابق قافلہ سالار کی خدمت کا بدلہ اور اپنی بابرکت رضامندی پیش کریں۔

قال الحرث بن کعب قَالَتْ لِیْ فاطمۃ بنت علیؑ علیھا السلام قُلْتُ لِاُخْتِی زینبؑ قد وجب علینا حقّ ھذاالرجل لِحُسن صحبتہ لنافھل لک اَنْ تصلہ ؟ قَالَتْ فقالت واللّٰہ مالنامانصلہ بہ اِلَّا اَنْ نعطیہ حِلّینا فاخذتُ سواری ودملجی وسواراختی ودملجھا اِلَیْہِ واعتذرنا مِن قِلّتھا وقلنا ھذابعض جزائک لِحُسن صحبتک اِیَّانا۔فقال لوکانَ الذی صنعتُ للدّنیاکان فی دون ھذارضائی ولکن واللّٰہ مافعلتہ اِلّالِلّٰہِ وقرابتکم مِن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ۔(اکسیر صفحہ 547)

چنانچہ حرث بن کعب نے بتایا کہ مجھے جناب فاطمہؑ بنت علیؑ نے سنایا تھا کہ میں نے اپنی بہن زینبؑ سے کہا کہ بہن ہم پر اس شخص کے اچھے سلوک سے واجب ہو گیا ہے کہ ہم بھی اسکے ساتھ سلوک کریں۔کیا آپ کی تحویل میں اتنا کچھ ہے کہ اُسکو صلہ دیا جاسکے؟ انہوں نے قسمیہ فرمایا کہ ہمارے پاس سوائے دو ایک زیورات کے اور کچھ بھی تو نہیں ہے۔لہٰذا میں نے حضرت زینبؑ کا گلو بند اور اپنا گلو بند اور اُنکا کنگن اور اپنا کنگن اسے دیا اور معذرت کی کہ بھائی ہمارا حال تمہیں معلوم ہے۔اور جو خدمت ہم کرنا چاہتے ہیں یہ اس سے بہت کم ہے۔اُس نے کہا کہ بی بی میں نے جو خدمات انجام دیں وہ تمہیں خوش کرنے اور رسولؐ اللہ سے تمہاری قربت کی بناپر رضائے خداوندی کیلئے انجام دی ہیں۔اور اگر میں دنیاوی مال کیلئے ایسا کرتا تب بھی میری امید سے زیادہ ہے۔لہٰذا آپ میرے لئے دعائے خیر فرمائیں۔میری سفارش کریں کہ اللہ میری عاقبت بخیر کرے۔یہ کہہ کر زیورات واپس کر دیئے۔

(3)۔ امامؑ کا پیغامِ تعزیت اور اہل مدینہ میں حرم رسولؐ کے پہنچنے کی اطلاع

یوں تو اہل مدینہ کو خاندان رسولؐ کے قتل عام کی اطلاع سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طریقوں سے سال بھر پہلے مل چکی تھی۔ یہاں یزیدی حکومت کا گورنر یزید کی فتح کا اعلان کر چکا تھا۔اور اس اعلان کے بعد ہی مروان ملعون یزید کو مبارکباد دینے دمشق پہنچا تھا۔ اور اُس روز دمشق میں موجود تھا۔جس دن یزید نے اہل حرمؑ کو گشت میں رکھتے ہوئے سرداران فوج کی میٹنگ بلائی تھی۔اور سر مبارک پہلے روز اُس لعین ابن ملعون کے روبرو بطور تحفہ اور برائے انعام پیش کیا گیا تھا۔مسلمانوں کا دل چاہتا رہا ہے کہ کربلا کے مظالم کی اطلاع پر رسولؐ اللہ کے اس مدینہ میں انقلاب آیا ہوتا۔یہ قدیم مسلمان شہر تلوار بہ کف میدان میں نکل آیا ہوتا۔لیکن اس مدینہ میں بھی کم وبیش خانوادہ رسولؐ کا احترام ملک شام کے برابر ہی تھا۔آدھی صدی میں جو نئی پود پیدا ہو کر پروان چڑھی تھی،اس کی کثرت یزید و معاویہ کو امیر المومنین کہتی اور سمجھتی تھی۔سوائے چند گنتی کے لوگوں کے سب نے بخوشی یزید کی بیعت کی تھی۔جو چند لوگ ناک بھوں چڑھانے والے تھے۔بیعت اُنہوں نے بھی کر رکھی تھی۔یزید کو وہ بھی امیر المومنین کہتے تھے۔تمام احکامات کی اطاعت کرتے تھے۔وہ اس لئے یزید سے ناخوش تھے کہ وہ خود کو خلافت کا اہل سمجھتے تھے۔وہ اس لئے خفا نہ تھے کہ وہ علی یا حسن وحسین علیھم السلام کو منجانب اللہ سربراہ اسلام سمجھتے تھے۔ہرگز نہیں وہ

جس اصول سے پہلی تین خلافتوں کوحق بجانب سمجھتے تھے۔ اُسی اُصول کے ماتحت وہ حسینؑ کے مقابلہ میں خودکوخلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے۔ وہ رسمی طور پر حسینؑ کی عزت کرتے تھے۔ زبانی تعظیم بجالانے سے آگے اُنہیں کوئی دنیاوی برتری نہ دیتے تھے۔ اس لئے وہ اس فکر میں تھے کہ اُن کے علاوہ کوئی اور یزید سے ٹکرلے تو وہ نتیجہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ وہ خود یزیدی قوت قاہرہ کے سامنے سر اُٹھانے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والوں میں مدینہ کا کوئی شخص نہیں ملتا۔ البتہ قتل حسینؑ کے بعد اُن میں کھچڑی پک رہی تھی۔ وہ پبلک میں نفرت پھیلنے اور پھیلانے اور پھر یزید کے خلاف کوئی ایسا اقدام کرنے کی فکر میں تھے۔ جس کے نتیجے میں خاندان رسوؐل کی نہیں بلکہ اُن کی اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی جاسکے۔ شہادت امامؑ کے سات آٹھ ماہ بعد تک مدینہ بھی باقی بڑے شہروں کی طرح نظر بندی اور نگرانی اور نقل وحرکت پر پابندی کے دَور تک گزرتا رہا۔ لیکن تین چار ماہ سے یزید نے اپنی گرفت ڈھیلی کردی تھی۔ اب مکہ اور مدینہ کے موقعہ پرست بڑے آدمی ذرا زیادہ سوچ بچار اور صلاح مشوروں سے کام لے رہے تھے۔ اب امامؑ کی واپسی پر کئی ایک لیڈر حضرات امامؑ سے اور خاندان رسوؐل کی تباہی سے ہمدردی کا دم بھرتے نظر آئیں گے اور چاہیں گے کہ خاندان رسوؐل کو آڑ بنا کر اپنے سیاسی مقاصد کو برسر کار لائیں۔ لہٰذا امامؑ کے پیغام کے مدینہ میں پہنچنے کے بعد جو آہ وبکا اور فریاد وںالہ مدینہ میں بلند ہونے والا ہے۔ اس میں عوام کی بے چینی کا وزن وہی ہے جو کسی خاندان کے تمام افراد کے مارے جانے پر عموماً ہوا کرتا ہے۔ لیکن اُن کے قلوب آپ کی طرح بے چین اور بے قرار نہیں ہوئے تھے۔ وہ ایک رسمی تعزیت کے لئے آنا اور ادھر اُدھر کے چند رَٹے ہوئے تعزیتی جُملے کہنے کو اخلاق وقومی فریضہ سمجھ کر آئیں گے۔ ''صبر کریں''۔ ''قضائے الٰہی میں کوئی چارہ نہیں ہے۔'' ''ہمارے لائق کوئی خدمت ہوتو فرمائیں ہم حاضر ہیں۔'' کہہ کر جائیں گے تو پلٹنے کا نام بھی نہ لیں گے بہرحال امامؑ کا انتظام دیکھیں۔

(الف)۔ بشیر بن جذلم مدینہ میں اعلان کے لئے تعینات کیا گیا تھا

قال السید فی الملهوف قال الراوی ثُمَّ انفصلوا من کربلا طالبین المدینة قال بشیر بن جذلم فلما قربنا مِنَ المدینة نزل علیٌ بن الحسینؑ فحطّ رحله وضرب فسطاطه وانزل نسآئه وقال یابشیر رحم اللّٰه اباک لقدکان شاعِرًا فهل تقد ر علٰی شئ منه ؟ فقلتُ بلی یابن رسولؐ اللّٰه اِنِّی لشاعر ۔قال فادخل المدینة وانع اباعبداللّٰه الحسینؑ ۔ قال بشیر فرکبت فرسی و رکضتُ حتی دخلت المدینة۔فلما بلغتُ مسجد رسولؐ اللّٰه رفعت صوتی بالبکاء وانشأت اقول:

یااهل یثرب لامقام لکم بِهَا　　قتل الحسینؑ فا د معی مدرارًا　　الجسم منه بکربلا مضرّج
والراس علی القناة ید ار　　یااهل یثرب شیخکم وامامکُم　　هَل فیکم اَحَد علیه یغا ر؟

قال: ثُمَّ قلتُ هٰذاعلیٌ بن الحسینؑ مع عماته واخواته قد حَلُّوابساحتکم ونزلوا بفنائکم واَنَا رسوله الیکم اَعرّفکم مکانه ۔قال فمابقیت فی المدینة مخدّرة ولا محجوبة اِلَّا وبَرَزْنَ و خد ودهن مکشوفة، شُعُورهُن مخمشة وجوههن ضاربات خد ودهن یدعون بالویل و الثبور وعظائم الامور ۔فلم اری باکیًا ولا باکیة اکثر مِن ذلک الیوم وَلَا یومًا اَمَرُّعلَی المسلمین منه ۔وسمعتُ جاریة تبکی وتنوح عَلَی الحسینؑ تقول:

نعی سیدی نا ع نعاهُ فاوجعا ۔ اَعینی جودا بالمدامع واسکبا۔ وجودا بدمّ لعدد معکما معا ۔ علٰی مَن وهِیَ عرش الجلیل

فزعزعا۔ فاصبح انف المجد والدّ ین اجدعا۔ عَلَی ابن نبیِّ اللّٰہ وابن وصیّہٖ۔ وإن کان عنّا شاحط الدار اشسعا۔

ثُمَّ قَالَتْ اَیُّھَا الناعی جَدَدْ تَّ حُزنـنـا بابی عبداللّٰہ علیہ السلام وخدشت مِنّا قروحًا لما تندمل فمن انت یرحمک اللّٰہ

فـقـلـت انابشیر بن جذ لم وجھّنی مولای علیؑ بن الحسینؑ وھونازل فی موضع کذاوکذا مع عیال ابی عبداللّٰہ الحسیؑن ونسائہ۔

قال فترکونی مکانی وبادروا ۔ فـضربتُ فرسی حتٰی رجعت الیھم فوجدت الناس قداخذ وا الطریق والمواضع فنزلت عن فرسی

وتـخـطّات رقاب الناس حتّی قربت مِن باب الفسطاط وکان علیؑ بن الحسینؑ داخلًا فخرج ومعہ خرقۃ یمسح بھا دموعہ وخلفہ

خـادم ومـعـہ کـرسیٌّ فـوضعہ لہ فجلس علیہ وھو لایتمالک مِن العبرۃ فـارتـفـعـت اصوات الناس بالبکاء وکثر حنین النسوان

والـجـواریّ واقبـل الـنـاس مِنْ کُلّ نـاحیّۃ یـعـزونہ فضـجت تلک البقعۃ ضجّۃ شدیدۃ فاوما علی علیہ السلام بیدہ اَن اسکتوا

فسکنت فورتھم۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 548)

علامہ سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب ملھوف میں راوی کی زبانی لکھا ہے کہ جب اہل حرمؑ مدینہ کے سفر پر کربلا سے روانہ ہوگئے تو بشیر بن جذلم سنا تا ہے کہ جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو امام زین العابدین علیہ السلام نے منزل کرنے کا حکم دیا۔خود اُتر پڑے، سامان اُتر وایا، اپنا خیمہ نصب کرایا اور اہل حرمؑ اور تمام خواتین کے خیمے لگوائے۔ جب تمام لوگ قیام پذیر ہوگئے تو فرمایا کہ اے بشیر اللہ تمہارے والد پر اپنی رحمت نازل کرتا رہے۔ وہ ایک صاحب قدرت شاعر تھے کیا تمہیں بھی اُن کی طرح شاعری پر کچھ قدرت ملی ہے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہ ملتی اَے فرزند رسولؐ میں خود ویسا ہی شاعر ہوں اور ہر خدمت کے لئے تیار ہوں۔امامؑ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم مدینہ میں جاؤ اور میری طرف سے اہل مدینہ کو میرے والدؑ اور تمام شہدؑا کی خبر غم سنادو۔ یہ سن کر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔خبر مرگ دینے والوں کی طرح گریبان چاک کیا اور شہر میں داخل ہوگیا۔ جب مسجد رسولؐ کے پاس پہنچا تو بے قراری میں اضافہ ہوگیا آواز گریہ وفریاد بلند ہوگئی اور میرے منہ سے یہ مرثیہ جاری ہوگیا کہ؛

اے مدینہ کے رہنے والو فرزند رسوؐل حسینؑ قتل ہوجائے اور تم رسولؐ کے شہر میں چین سے رہتے رہو۔
اب تم اس قابل نہیں ہو کہ اب بھی مدینہ میں ٹھہرو۔ دیکھو میرے آنسو بارش کی طرح برس رہے ہیں۔
اور تم پر ذرہ برابر اثر نہیں ہے۔ارے تم کیسے اُمتی ہو کہ رسولؐ کے بیٹے کا فاطمہؑ کے لاڈلے کا زخموں سے
چُور جسم کربلا کی گرم ریت پر پڑا ہے۔اور اُنکا سر نیزہ کی نوک پر پھرایا جاتا رہا۔مگر تم آرام سے گھروں
میں مقیم ہو۔تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہارا بزرگؑ اور تمہارا امامؑ مع اپنے عزیز واقربا اور صحابہ کے دنیا
سے اُٹھ گیا۔تم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس صورت حال کے تدارک اور نتیجہ پر غور ہی کرلے؟

بشیر کہتا ہے کہ پھر میں نے اعلان کیا کہ امام زین العابدینؑ اپنی پھوپھیوں اور بہنوں اور حسینیؑ اطفال کے ساتھ تمہارے قریب ہی آ کر ٹھہرے ہیں۔تمہارے مکانوں سے قریب منتظر ہیں تا کہ تمہارا سلوک دیکھیں۔ میں اُن کا قاصد ہوں اور تمہیں تمام حالات پر مطلع کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں تا کہ تمہیں اُن کی جائے قیام بتا کر چلا جاؤں۔اس کے بعد بشیر نے بتایا کہ مدینہ کا یہ حال تھا کہ کسی گھر میں کوئی پردہ دار عورت اور برقعہ پوش خاتون ایسی نہ رہی جو کھلے منہ، بال پریشان، سر وسینہ اور مُنہ پیٹتی باہر نہ نکل آئی ہو۔سب نے صدائے واویلا اور آہ

وزاری کا ہنگامہ مچا دیا۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں اس سے زیادہ رونے والوں اور پیٹنے والیوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ ہی اس کے بعد مسلمانوں کو اس حال میں دیکھا۔ اور میں نے ایک لڑکی کو دیکھا کہ وہ امام حسینؑ پر رو رو کر نوحہ کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ؛

''اے شریف آدمی جو مجھے خبر مرگ دے رہا ہے مجھے تو اس دل دوز اطلاع نے پہلے ہی سے بے قرار کر رکھا ہے۔ میری آنکھیں آنسو برسا رہی ہیں اور اپنے غم میں آنسو بہا رہی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ساتھ خون کے آنسوؤں سے مقابلہ کر رہی ہوں۔ یہ کون ہے جس کے غم میں عرش خداوندی لرز رہا ہے۔ عزت و شرف کو مُنہ کے بل گرا دیا گیا ہے اور دین کی ناک کاٹ لی گئی ہے۔ نبیؐ کے بیٹے اور وصیؑ کے فرزند کو ہم سے بہت دُور رکھ کر اگر خون میں نہلا دیا گیا تو کیا ہم پر غم کے پہاڑ نہیں آ گرے۔''

پھر لڑکی نے مجھے کہا کہ خبر غم لانے والے تُو نے ہمارے رنج والم کو تازہ کر دیا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے تُو نے ہمارے بھرتے ہوئے زخموں کو پھر چھیل دیا۔ بھائی یہ تو بتا تُو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں بشیر بن جذلم ہوں حضرت زین العابدین علیہ السلام نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ حضرت مدینہ سے باہر فلاں مقام پر مع امام حسینؑ کے بچوں، عورتوں اور اہل وعیال کے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

بشیر کہتا ہے کہ اسکے بعد لوگ مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ میں نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خیام اہلبیتؑ پر واپس آیا۔ راہ میں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا جو خیام کی طرف اُمڈے چلے جا رہے تھے۔ میں اپنے گھوڑے سے اُترا اور لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا اُس خیمہ کے دروازہ تک پہنچا جس میں امامؑ موجود تھے۔ چنانچہ حضورؑ باہر تشریف لائے ہاتھ میں ایک کپڑا لئے ہوئے تھے جس سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔ اُنکے پیچھے ایک خادم تھا جو کرسی اٹھائے لا رہا تھا۔ چنانچہ کرسی رکھ دی گئی اور امامؑ اس پر بیٹھ تو گئے مگر حضورؑ پر اس منظر کا اتنا اثر تھا کہ آپ سنبھل کر بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر چاروں طرف سے لوگوں میں نالہ وفریاد کی آوازیں بلند ہوئیں۔ مستورات اور بچیوں میں کہرام برپا ہو گیا۔ ہر طرف سے لوگ امامؑ کو پرسہ دینے کیلئے بڑھ رہے تھے۔ اور فضا آہ وزاری وفریاد سے گونج رہی تھی۔ چیخوں اور دردناک آہوں میں کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ آخر امام زین العابدین علیہ السلام ذرا سا سنبھلے اور ہاتھ سے صبر کرنے اور خاموش ہو کر بات سننے کا اشارہ فرمایا۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ امامؑ کچھ کہنا چاہتے ہیں اپنی بلند ہوتی ہوئی آوازوں پر قابو پانے کی کوشش شروع کی۔ جب بتدریج خاموشی چھا گئی تو امامؑ نے سنبھل سنبھل کر بولنا شروع کیا۔ (اکسیر العبادات صفحہ 548)

(4)۔ امام زین العابدین علیہ السلام کا مدینہ سے باہر اہل مدینہ سے خطاب جو دربار یزید تک پہنچا

فقال: الحمد للّٰہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یَوم الدین باری الخلا ئق اجمعین الذی بعد ارتفع عَلَی السماوات العلٰی و قرب فشهد النجوٰی نحمده علٰی عظآ ئم الامور وفجائِع الدّ هور واَلَم الفجائِع ومضاضة اللواذ ع وجلیل الرزّ ع وعظیم المصائب القاطعة الکاظمة الفادحة الجائحة۔

اَیُّها القوم اِنَّ اللّٰه وله الحمدابتلانا بمصائبِ جَلِیْلَةٍ وثلمةٍ فی الاسلام عظیمةٍ ۔قتل ابوعبداللّٰه وعترته وسبّی نسائه وصبیّه وادارو ا براسه فی البلدان فوق عالی السنان فهذه الرزیّة اَلّتِیْ لامثلها رزیة۔ اَیُّهَا الناس فَاَیُّ رجالاتِ یسروّن مِنکم بعد قتله ؟ اَم اَیَّةُ عینٌ منکم تحبس ومعها وتضنّ بانّهما لَهَا؟ فلقد بکت السبع الشداد لِقتله وبکت البحار بامواجها والسماوات بارکا نها والارض بارجائها ۔والاشجار باغصا نها وا لحیتان فی لجج البحار والملا ئکة المقربون واهل السموات اجمعون ۔اَیُّهَاالناس اَیُّ قلب لا

يتصدع لقتله ام اَیُّ فؤا د لايحنّ اليه اَمْ ایُّ سمع يسمع هذه الثلمة التی ثَلَمَتُ فی الاسلام فلا يرتا ع لها ۔ اَيُّهَا الناس اصبحنا مطردين مشردين مذ وّدين شاسعين عن الامصار كانا اولاد ترک وكابل مِن غير جرم اجترمناهُ ولا مكروه ارتكبناه ولاثلمة فی الاسلام ثلّمنا ها ۔ماسمعنا بهٰذا فی آبائنا الاوّلين ۔اِنَّ هٰذاالااختلاق فهواللّٰه لو انّ النبی صلی اللّٰه عليه وآله تقدّم اليهم فی الوصية بِنَالَمَّازادوا علٰی مافعلوا بنا ۔فَاِنَّـالِلّٰه وانااليه راجعون مِن مصيبة مااعظمها واوجعها وافجعها واكظمها وافظعها وامرّها وافدحها فعنداللّٰه نحتسب مااصابنا وبلغ بنااِنّه عزيز ذوانتقام قال فقام صفوان ابن صعصعة بن صوحان وكان زمنا فاعتذز اليه مِمَّاعنده مِن زمانة رجليه فاجابه بقبول معذرته وحُسْن الظن فيه وشكر لَهُ وترحّم علٰی ابيه ۔(اکسیرالعبادات ۔صفحہ 548)

امام علیہ السلام نے فرمایا: ۔تمام حمد وثنا اور خوبیاں کائنات کے پیدا کرنے والے اور پالنے والے اور ترقی کا سامان فراہم کرنے والے رحمان ورحیم کے لئے ہیں ۔ جو تمام نتائج برآمد ہونے والے دن کا مالک ہے ۔جس نے تمام مخلوقات کو تخلیقی عیوب سے پاک پیدا کیا ہے ۔ جو آسمانوں سے بھی کہیں زیادہ بلند ہوتے ہوئے ہر چیز پر شاہد اور خفیہ باتوں اور ارادوں سے بھی قریب رہتا ہے ۔ہم اُس کے باعظمت احکام ومعاملات پر اُس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور قابل حمد وستائش سمجھتے ہیں اُس کی اُس بزرگی وعظمت پر جو آفاتِ سماوی وحادثات زمانہ میں پوشیدہ ہے ۔ جو دُکھ اُن آفات وحادثات میں پوشیدہ ہوتا ہے ۔اور جو درد وخروش اُن سے برآمد ہوتا ہے ۔اور جو زبردست دَھکا اُن سے لگتا ہے ۔اور ہم مدح وثنا کرتے ہیں اللہ کی طرف سے پہنچنے والی اُن چیزوں پر جو تمام توقعات کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والی ،گلا دبا دینے والی ،کچل ڈالنے والی اور تباہ کن ثابت ہوسکتی ہیں ۔

اے میری مخاطب قوم سن کہ یقیناً اللہ نے ہمیں عظیم الشان مصائب کے سامنے آزمالیا ہے ۔اور اسلام میں ایک بہت خطرناک تبدیلی سے ہمارا امتحان لیا ہے ۔ چنانچہ اس امتحان سے گزرنے پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے چھوٹے بھائی اصغرؑ کے پالنے والے حسینؑ قتل ہوگئے ۔اور اُن کی عترت قربان ہوگئی اور اُن کے ساتھ امتحان میں اُن کے رفیق کار مستورات قیدی بنائی گئیں ۔اور امتحان میں شامل اُن کے بچوں پر بھی رحم نہ کیا گیا انہیں بھی قیدی بنایا گیا ۔اور پھر اُن سب عورتوں اور بچوں کو اس طرح شہر بہ شہر اور گلیوں اور بازاروں میں پھرایا گیا کہ امام حسینؑ کا سر بلند نیزہ کی نوک پر ہوتا تھا ۔سرہائے شہدؑا جلوس کی شکل میں نیزوں پر بلند ہوتے تھے ۔اور ہم سب ناموس رسوؐل کو زنجیروں اور رَسّوں میں بندھا ہوا ساتھ ساتھ رکھا جاتا تھا ۔ یہ وہ ظلم وستم کا نمونہ اور تحفہ تھا جو یزید کے سامنے پیش کرنے کو لے جایا گیا کہ اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی ۔اے لوگو! اب یہ بتاؤ کہ تم میں سے کون کون لوگ ایسی ذہنیت والے ہیں جو ہماری اس سرگزشت پر مسرور ہوئے اور وہ کون سی آنکھیں ہیں جو حسینؑ اور خاندانِ رسولؐ کے قتل ہوجانے سے آنسوؤں کو روکے رکھیں گی ؟ اور اس سلسلہ میں بخیلی سے کام لیں گی ؟ حالانکہ اس قتل عام پر بھیڑیئے بھی روئے ،اور سمندر اپنی موجوں میں تلاطم سے روئے ،اور آسمان اپنی بنیادوں کی لرزش سے روئے ،اور زمین اپنی خاموش امیدوں سے روئی ،اور درخت اپنی شاخوں سے روتے رہے اور مچھلیاں سمندروں کی تہہ میں روئیں اور ملائکہ اور آسمانی باشندے تمام مل کر روئے ۔اے لوگو! وہ کون سا دل ہوگا جو اُن کے قتل پر پھٹ نہ جائے ۔وہ کون سا جگر ہوگا جو تڑپ نہ جائے ۔وہ کون سا انسان ہوگا جو اسلام میں یہ حادثہ سُنے اور بے تاب نہ ہوجائے ؟ اے لوگو! ہم ایسی صبح کرتے اور ایسے ایام سے

گزرتے رہے کہ گویا ہم لوگ ساری دنیا کے پھٹکارے ہوئے؛ ناکارہ اور ٹھکرائے ہوئے، دیس نکالا دیئے ہوئے لوگ اور اہل کابل اور اہل ترکستان کی اولاد تھے۔ اور یہ سب کچھ ہمارے ساتھ ایسی حالت میں کیا گیا جب کہ ہم کسی جرم کے مجرم نہ تھے۔ جب کہ ہم نے کسی ناپسندیدہ فعل کا ارتکاب نہ کیا تھا۔ جب کہ ہم نے اسلام میں کوئی تبدیلی نہ کرلی تھی۔ ہم نے انسانی نسلوں میں سے اور اپنے بزرگوں میں سے کسی سے ایسی روداد نہ سُنی تھی جو ہم پر گزر گئی ہے۔ یقیناً یہ ایک زبردست سازشی منصوبہ تھا۔ ورنہ اگر خود رسولؐ اللہ یوں ہمیں تباہ ور برباد کرنے کی امت کو وصیت کر جاتے تب بھی جو کچھ انہوں نے ہمارے ساتھ کیا اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم سر سے پیر تک اللہ کی ملکیت ہیں۔ اور ہمیں یقیناً اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ ہم پر جو مصائب گزرے نہ اُن سے بڑی کوئی مصیبت ممکن ہے نہ اُس سے زیادہ دردناک صورتِ حال ہو سکتی ہے۔ نہ اُس سے زیادہ تکلیف دہ کوئی تکلیف ممکن ہے۔ نہ اُس سے زیادہ گلا گھونٹنے والی اور کوئی حالت ہو سکتی ہے۔ نہ اُس سے زیادہ کوئی بدترین قسم کا سلوک ممکن ہے۔ نہ کوئی اُس سے بدمزہ اور کڑوی چیز ہو سکتی ہے۔ نہ اُس سے زیادہ کوئی کوفت اور کچلنے والی چیز تصور میں آ سکتی ہے۔ لیکن ہم نے رضائے خداوندی کو سامنے رکھتے ہوئے اُن تمام مصائب کو اعلیٰ درجہ کے صبر و تحمل سے برداشت کیا اور انتقامی جذبات اللہ کے انتقام کے سپرد کئے رکھے۔ بلاشبہ وہ ہر حال میں صاحب عزت و صاحبِ غلبہ ہے اور انتقام پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ راوی نے سنایا کہ پھر صفوان رضی اللہ عنہ اُٹھے اور امام علیہ السلام کے رُوبرو اپنے فالج کی بنا پر شریک کربلا نہ ہوسکنے پر معذرت اور بخشش طلب کی اُن کے دونوں پیر مفلوج تھے۔ امامؑ نے خوشی سے اُس کا عذر قبول فرمایا۔ اُس کے احساسات پر مشکور ہوئے اور اُس کو اور اُسے پیدا کرنے والے باپ صعصع کو دعائیں دیں اور مہربانی فرمائی۔

(5)۔ امام علیہ السلام اور اہل حرمؑ کا مدینہ میں داخلہ اور مختلف حالات

اس خطبہ کے بعد دوسرے روز اہل حرمؑ اور پورے خاندان کو حسب سابق بڑے اہتمام و عزت و وقار کیساتھ اُنکے در دولت پر پہنچا کر دمشقی رسالہ اور افسران واپس دمشق چلے گئے۔ اب امام زین العابدین علیہ السلام نے مدینہ کے اندر آبادی میں جو کچھ دیکھا وہ بھی سن لیں:۔

قال السید ثُمَّ اِنَّ علیًّ بن الحسینؑ دخل الی المدینة باهله وعیاله ونظر الٰی منازل قومه ورجاله فوجد تلک المنازل تنوح بلسان احوالها وتبوح باعلان الدموع وارسالها۔ لفقد حما تها ورجالها وتندب علیهم ندب الثواکل وتسئل عنهم اهل المناهل وتهیج احزانه علٰی مصارع قتلاهُ وتنادی لاجلهم واثکلاه وتبکیهم محاریب المساجد وتندبهم میازیب الفواید فلو کنتم هُناک لشجاکم سماع تلک الواعیة النَّازِلَة وعرفتم تقصیرکم فی هذه المصیبة الشاملة ۔ ثُمَّ انه قصد الروضة البهیّه فلو نظرتَ الٰی انکسار قلبه وقد تقمص بِقمیص الحزن وثوبه شاکیًّا اِلٰی جدّه ماعتراه من النوائب مکفکفاء لفقدابیه بالدموع السواکب لا ترقی له عبرة ولا تبرد له زفرة یانّ من قلب حزین باظهار الشجن والانین لایهداء عن العویل والبکآء لفقد السادة والنجباء لشجاک سماع تلک الواعیة فی تلک المنازل الخالیة۔ "(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔صفحہ 549 تا 550)

جناب السید ابن طاؤس رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ جب امامؑ اور اہل حرمؑ مدینہ میں گزر رہے تھے تو آبادی میں ہر ایک گھر کو اُجڑا ہوا پاتے تھے۔ اور جب اپنے لوگوں کے مکانوں کو دیکھا تو وہ اپنی سوگوارانہ حالت میں نوحہ کرتے دکھائی دیتے تھے اور دیکھنے والوں کی

آنکھوں سے آنسو بہا کر اپنے اندر بسنے والوں کی یاد دلاتے تھے۔ اور بتاتے تھے کہ اُن کی دیکھ بھال کرنے والے تمام مرد قتل ہو گئے۔ اُن مکانوں پر پسر مردہ عورتیں بَین کرتی ہیں۔ اور اُن کا حال تشنہ لب مسافر پوچھتے ہیں۔ اُن پر غم والم میں اضافہ کرنے والے وہ مقامات ہیں جہاں اُن کے مکین قتل ہو کر گرے تھے۔ اُن پر مسجدوں کی محرابیں نوحہ کرتی ہیں۔ استفادہ کرنے کے مواقع اُن پر روتے ہیں۔ اگر اے سننے والو تم وہاں ہوتے اور اُن غیر آباد مکانوں کو دیکھتے اور چاروں طرف برستی ہوئی حسرت و یاس کو سُنتے تو تمہاری قوتِ برداشت جواب دے دیتی۔ پھر تمہیں معلوم ہوتا کہ تم نے اس مصیبت میں حصہ نہ لے کر کتنا بڑا قصور کیا ہے؟ پھر امام علیہ السلام نے اپنے نانا کے روضہ مبارک کا قصد کیا۔ اگر تم اُس وقت امامؑ کی قلبی بے چینی اور انکسار کو دیکھ لیتے تو تم نے غم واندوہ کا لباس مستقل طور پہن لیا ہوتا۔ وہ تو اپنے نانا کے پاس شکوہ لے جا رہے تھے۔ انہیں مصائب سہنے اور سُنانے میں کوئی عار نہ تھا۔ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا اُن کو اپنے والد کی یاد آوری میں رکاوٹ نہ بن سکتا تھا۔ نہ انہیں کوئی اور عبرت انگیز بات متوجہ کر سکتی تھی نہ ٹھنڈی سانسیں اور آہیں اُن کی آتش غم کو ٹھنڈا کر سکتی تھیں۔ اور اُن کا اپنے دکھے ہوئے دل سے حزن وملال کا اظہار کرنا رونے اور فریاد کرنے میں کمی کا باعث نہیں بنتا۔ اُن کے معزز ساداتؑ اور بزرگوں کا دنیا سے رخصت ہو جانا اور اُن خالی گھروں کو چھوڑ جانا تمہیں بھی بے قراری میں مبتلا کرنے کے لئے کافی رہتا چلا جائے گا۔''

یہ جو کچھ علامہ نے لکھا یا ہم لکھیں اس صورت حال کی صحیح نمائندگی نہیں کر سکتا جو امام علیہ السلام پر پوری زندگی چھائی رہی۔ یہ تو ایک اصولی بیان ہے جس پر ہمیشہ لکھا جاتا رہے گا۔

(الف)۔ **حضرت زینبؑ کے شوہر کا جواب اور خاندانی خواتین کی بیقراریاں**

جب بشیر بن جذلم نے مدینہ میں اہلبیتؑ رسولؐ کی آمد کا اعلان کیا تو خاندان بنی ہاشمؑ میں جو کیفیت گزری اُس کا مختصر سا حال بشیر یوں سناتا ہے کہ جب میں نے مدینہ میں رسولؐ زادیوں کے آنے کا اعلان کر دیا تو کوئی خاتون مدینہ میں ایسی نہ رہی جس نے سیاہ لباس پہن کر روتے پیٹتے استقبال نہ کیا ہو۔ اور اُس نے یہ بھی بتایا کہ:۔

قال فقام بعض موالی عبدؑاللّٰہ بن جعفرؑ بن ابی طالبؑ ونعا اِلَیْہِ وَلَدَیْہِ وقال ھٰذا مالقینا مِن الحسینؑ فحذفہ عبدؑاللّٰہ بن جعفرؑ بفردہ بغلہ ثُمَّ قال یابن الخنآءَ تقول فی الحسیؑن بمثل ھذاالکلام واللّٰہ لوانی شاھد تہ لَاَحببت اَنْ لا اَفَارقہ حتی اقتل معہ ثم اقبل علٰی جلسائہ و قال یعزّ علیؑ بن الحسینؑ واللّٰہ اِن لا استشھدتُ معہ ولکن قد واساہ ولدای ۔ قال وخرجت ام لقماؑن بنت عقیلؑ بن ابی طالبؑ تندب قتلاھا بالطف وترثیھم:

اَیُّھَا القاتلون ظلمًا حسیؑنًا البشروا بالعذاب والتنکیل کُلّ مَن فی السمآء یدعواعلیکم من نبیؐ وشاھد ورسوؐل ولعنتم علٰی لسان داؤدؑ وسلیماؑن وصاحبؑ الانجیل کیف ترجون رحمۃِ من ملیک صمد دآئم عظیم جلیل۔

قال سمعت ام لقماؑن صراخ زینبؑ وام کلثومؑ وعاتکۃ وصفیۃ ورقیۃ فخرجت حاسرۃ الراس ومعھا اترابھا وام ھانی ورملۃ واسمآء وبنات عقیل بن ابی طالبؑ فَجَعَلن یبکین ویند بن الحسینؑ۔قال وکان دخولھم المدینۃ یوم الجمعۃ والخاطب یَخْطَبُ الناس فذکروا الحسینؑ وماجری علیہ فتجددت الاحزان واشتملت علیھم المصائب وصاروامابین بَاکٍ وناحت واقبلت اھل المدینۃ باسرھا وکان اشبہ الایام بموت النبیؐ ۔قال واقامت الرجال والنسآء یندبون الحسیؑن فی المدینۃ خمسۃ

عشریومًا ۔قال واقبلت ام کلثومؑ اِلٰی مسجد رسولؐ اللّٰہ باکیۃ العین حزینۃ القلب فقالت السلام علیک یاجدّاہ اِنّی ناعیۃ الیک ولدک الحسیںؑ ۔قال فحنَّ القبر حنیناًعالیًا وضجّت الناس بالبکاء والنحیب ثم اقبل علیؑ بن الحسینؑ الٰی قبرجدّہ ومرّغ خدّیہ وبکی ۔قال وامّازینبؑ فانّھا اخذت بعضادۃ مسجد رسولؐ اللّٰہ وقالت یاجدّاہ اَنَا ناعیّۃ الیک اخی الحسینؑ وھی لا تجفّ لھا عبرۃ ولَا تفتر مِن البکآء ودموعھا جاریۃ علٰی خدّیھا۔ (اکسیر صفحہ 549)

حضرت عبدؑاللہ بن جعفرؑ بن ابیطالبؑ کے غلاموں میں سے ایک غلام نے جناب عبدؑاللہ کواُن کے دونوں بیٹوں کا پرسہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ ہے وہ بدلہ جوہمیں حسینؑ کی طرف سے ملا۔عبداللہؑ بن جعفرؑ نے اس غلام کواس غلط خوشامد پراپنا جوتا کھینچ مارااور کہا کہ اے بکواس کے بچے توامام حسین علیہ السلام کی شان میں ایسی گھٹیا بات کہتا ہے۔خدا کی قسم اگر میں اُن کے ساتھ ہوتا توہرگز جدا نہ ہوتا یہاں تک کہ میں بھی جنگ کرتااوراُن پرقربان ہوجاتا۔پھراپنے پاس تمام بیٹھنے والوں سے مخاطب ہوکرکہا کہ جاؤامام زین العابدینؑ کوپرسہ دو۔ قسم بخدااگرچہ میں اُن کے ساتھ نہیں گیالیکن میں نے اپنے دوبیٹوں کواُن پرقربان ہونے کے لئے بھیج دیا تھا۔بشیر کہتا ہے کہ پھرحضرت عقیل بن ابی طالبؑ کی بیٹی ام لقمان شہدا کا نوحہ پڑھتی ہوئی نکلیں۔اے حسینؑ کوظلم وستم سے قتل کرنے والوتمہیں عذاب اور بدترین سزا کی خوشخبری سناتی ہوں۔تمام آسمانوں کے باشندے،تمام نبیؐ،تمام گواہ اورتمام رسولؐ تمہارے اوپر داؤدؑ وسلیمانؑ اورحضرت عیسیٰؑ کی زبان میں لعنت کرتے ہیں۔تم کس طرح اللہ کی رحمت کی اُمید کرسکتے ہو؟ راوی نے کہا جب ام لقمان نے حضرت زینبؑ وام کلثومؑ اورعاتکہؑ وصفیہؑ اوررقیہؑ کی فریاداورچیخیں سُنیں تو کھلے سرنکل کھڑی ہوئیں۔اوراُن کے ساتھ ساتھ اُن کی تمام سہیلیاں اورتمام یتیم ہونے اورلاوارث رہ جانے والی خواتین بھی چلیں۔اورجناب امؑ ھانی اوررملہؑ اوراسماؑ اورحضرت عقیلؑ کی بیٹیاں بھی روتی پیٹتی نوحہ کرتی ہوئی پہنچیں۔راوی کہتا ہے کہ اہلبیتؑ رسولؐ مدینہ میں جمعہ کے روز داخل ہوئے تھے۔چنانچہ وہ خطبہ دیتے جاتے تھےاورکربلا کے حالات سناتے جاتے تھے اوریوں غم حسینؑ اورشہدؑا تازہ ہورہا تھا۔اورلوگوں کوخاندان رسولؐ کے مصائب میں شامل ہونے کا موقعہ مل رہا تھا۔نزدیک ودُور کے لوگ مجلسِ عزامیں آکرشریک ہوتے جاتے تھے۔آہ وبکا اورنالہ وزاری کا یہ سلسلہ پندرہ روز برابر جاری رہا۔انتقالِ رسولؐ اللہ پرجس طرح سوگ منایا گیا تھا یہ بالکل اُن ہی ایام کے مشابہ تھا۔راوی کہتا ہے کہ حضرت ام کلثومؑ بہتی ہوئی آنکھوں اورتڑپتے ہوئے دل کے ساتھ مسجد رسوؐل میں آئیں اورکہا کہ سلام ہوآپ پراے اللہ کے رسولؐ میں آپ کوآپ کے بیٹے حسینؑ کا پرسہ دینے حاضرہوئی ہوں۔ یہ سن کر قبرکےاندر بلندآواز سےفریادونالہ وزاری شروع ہوگئی۔چیخوں کی آواز بلندتھی۔اُدھرجناب سجاؑدناناؐ کی قبرپرگئےتوقبرپراپنے چہرہ کو ملتے جاتے اورروتے جارہے تھے۔حضرت زینبؑ نے مسجدرسولؐ کے ستون کا سہارالے کرکہا کہ اے ناناؐ جان میں آپ کے پاس اپنے بھائی حسینؑ کی تعزیت کے لئے آئی ہوں۔اورشہزادی مسلسل روتی جارہی تھیں۔آنسو برابرگالوں پرجاری تھےاورکوئی صورت ایسی نہ تھی کہ اُن کی بےقراری میں کمی ہوسکے۔

(ب)۔ شہدؑائے کربلا کی تعزیت اورپرسہ احاطہ تقریروتحریرسے باہرہے

یہ وہ چندتاریخی مُسلمات تھےجن کوسلجھا کرایک فطری ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔مگرواقعات یہاں نہ توختم ہوتے ہیں نہ مکمل

ہوتے ہیں ۔اور حقیقت یہ ہے کہ کربلا کی قربانی کچھ اس انداز سے پیش کی گئی ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر قیامت تک زبان و قلم احاطہ نہ کرسکیں گے ۔ اِن قربانیوں کے ساتھ چونکہ جذبات محبت وشفقت لپٹے ہوئے ہیں اس لئے الفاظ اُن کو بیان کرنے سے قاصر رہ جاتے ہیں ۔اور باتیں دل کے اندر تڑپتی رہ جاتی ہیں ۔وہ تڑپ باہر آنے کے لئے تڑپ تڑپ کر نئے انداز اور الفاظ فراہم کرتی رہتی ہے ۔ اور اہل قلم واہل ذکر پھر اسی واقعہ کو نئے اسلوب سے پیش کرنے پر قادر ہوجاتے ہیں ۔لیکن وہ اسلوب بیان پھر خامی محسوس کرتا ہے اور بے قراری باقی رہ جاتی ہے اور اپنا کام جاری رکھتی ہے ۔ یوں سلسلہ عزائے حسینؑ دراز تر اور حدود فراموش ہوتا چلا آیا ہے ۔ بتایئے ابھی تو جناب زینب علیھا السلام نے اپنے ذی وقار شوہر عبداللہ علیہ السلام سے ملاقات کرنا ہے ۔ابھی حضرت عونؑ ومحمدؑ کے جذبات اور شہادت کا واقعہ سنانا ہے ۔ابھی حضرت صغریٰ علیھا السلام کا تو ذکر بھی نہیں ہونے پایا ہے ۔اُنہیں کیا کیا کہنا ہے .اُنہیں کن الفاظ میں سمجھانا ہے؟ یہ دردناک اور جگر خراش بیانات قلم کے قابو سے باہر ہیں ۔ یہ تو آمنے سامنے بیٹھ کر صغریٰؑ وسکینہؑ اور زینبؑ وام کلثومؑ کے جذبات خود پر طاری کرکے سننے اور سنانے کی باتیں ہیں ۔

54۔ ترجمہ روایات وتصدیقات برائے معلومات وتقویت مومنین ومومنات

(1)۔ عبداللہ بن عمر کی سفارش سے امیر مختارؓ کی رہائی اور مومنین کا انتظام

ہمارے قارئین نے میری کتاب ''نظامِ ہدایت وتقلید'' میں وہ نظام دیکھا تھا جو آئمہ معصومین علیھم السلام نے غیبت صغریٰ میں قائم رکھا ۔اور جس نے شیعان محمدؐ وآل محمدؐ کو مخالف حکومتوں کے ادوار میں محفوظ رکھا اور حکومتوں ہی سے مومنین کی مشکلات حل کرانے میں مدد دی ۔ یہاں ہم ایک ایسی روایت پیش کرتے ہیں جس سے اُس نظام کی کارکردگی معلوم ہوگی ۔اور کربلا کے قتل عام کے بعد جناب امیر مختار رضی اللہ عنہ کو ابن زیاد کی قید سے رہا کرانے کا پتہ چلے گا ۔بات یوں شروع ہوتی ہے کہ مدینہ میں جناب عمر کا فرزند عبداللہ بن عمر ایک ہی شخص تھا جو اپنے والد کی وصیت پر لفظ بلفظ اور قدم بقدم عمل کررہا تھا ۔اُنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ تسلیم نہ کیا تھا ۔نہ اُن سے بیعت کی تھی ۔ وہ شروع ہی سے معاویہ کے طرفداروں میں سے سب سے بڑے بزرگ تھے ۔اُنہوں نے معاویہ کے ہاتھ پر یزید کی خلافت کیلئے بیعت بھی کی تھی ۔اور واقعہ کربلا میں بھی کافی مددگار ثابت ہوئے تھے ۔اسلئے وہ اکیلے ایسے شخص تھے جن کی سفارش یزید قبول کرسکتا تھا ۔ چنانچہ جناب امیر مختار کی رہائی کی سفارش کا خط اُن سے عمیر بن عامر ہمدانی نے حاصل کیا ۔اور خط یزید تک پہنچانے کیلئے دارالخلافہ دمشق پہنچا ۔مگر اب سوال یہ تھا کہ اس دربار میں رسائی کیسے ہو؟ جو فراعنہ مصر اور نمارید بابل اور قیصر وکسریٰ کے درباروں سے بھی کہیں زیادہ جاہ وجلال وجبروت رکھتا تھا ۔اور جسے امیر معاویہ نے منتہائے عروج پر پہنچا دیا تھا ۔اور جہاں سے گزرتے گزرتے اور تخت خلیفہ تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کے وفود لرزہ براندام ہوجاتے تھے اور **یارسول اللہ** کہہ کر بے تحاشہ سجدہ میں گر جاتے تھے (تواریخ)۔ وہاں عمرو عمیر کی گنجائش کہاں تھی؟ بہر حال عمیر کی راہنمائی ایک ایسے پیش نماز نے کی جو ہمارے نظام اور مخالف نظام سے واقف تھا ۔اور دشمنوں کی نقل وحرکت اور منصوبوں پر نظر رکھتا تھا ۔حکومت کی طرف سے ایک بڑی مسجد میں تعینات تھا اور تنخواہ اور وظائف حاصل کرتا تھا ۔

اور مومنین کی مشکلات میں خفیہ مدد دینے پر امام زمانہ علیہ السلام کی جانب سے مامور تھا۔ یہ قصہ سنئے اور سوچئے کہ آج آپ نے کوئی ایسا انتظام نہیں کیا ہے جو حکومت اور مخالف نظاموں سے کام لے سکے اور مومنین کو اُن کے حقوق دلا سکے۔ آپکے لیڈر قوم فروشی کی تنخواہیں لینے کا خود جلسہ عام میں اعلان کرتے ہیں۔ اور آپ کوئی نوٹس نہیں لیتے۔ وہ غداران ملک کے ساتھ سودا بازی کرتے ہیں، حالانکہ شیعوں کو کافر قرار دلانے اور اُنکی اذان سے علیؑ کا نام نکلوانے اور عزاداری کو چار دیواریوں میں محدود کرانے کیلئے ہر صوبے کی ہائیکورٹ میں مقدمات زیر سماعت ہیں۔ اور وہ شیعہ علما و لیڈر؛ اُن کی تائید میں بیان دیتے ہیں۔ مگر آپ چپ رہتے ہیں۔ ذرا اپنا اور اپنے بزرگوں کے عملدرآمد اور انتظام کا فرق نوٹ کریں اور اس باطل وفتویٰ فروش قیادت سے خبردار رہنا طے کریں روایت سنئے:۔

''آپ کی اطلاع کے لئے عمیر بن عامر ہمدانی کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس نے حضرتِ مختار بن ابوعبیدہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی رہائی کیلئے جدوجہد کی تھی۔ اور عبداللہ بن عمر کا سفارشی خط لے کر یزید تک پہنچا تھا۔ جب وہ دمشق پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ یزید کے دربار میں رسائی ناممکن ہے۔ اسلئے کہ یزید تک پہنچنے کے لئے بہت سے دروازوں اور دہلیزوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور ہر دروازہ اور دہلیز پر سخت پہرہ رہتا ہے جو حکومت کی سند کے بغیر داخلہ کی اجازت نہیں دیتے۔ اور جہاں صرف افسران مملکت ہی بے روک ٹوک جاسکتے ہیں۔ چنانچہ عمیر کی مدد ایک شیعہ شخص نے کی جو ایک مسجد کا پیش نماز تھا۔ اس نے عمیر کو بتایا کہ کل کو بہترین لباس پہنو خوب عطر وخوشبو لگاؤ اور اس طرح تیاری کرو کہ گویا تم یزید کے اعلیٰ افسروں میں سے ایک افسر ہو۔ سفید عمامہ اور سفید ہی جوتے زیب تن کرو اور بالوں کو ایک دوسرے کپڑے میں لپیٹ لو جو سفید ہی ہو۔ اس طرح وہ تمہیں شناخت نہ کرسکیں گے۔ تم اُن کے پاس سے بلا جھجک گزرتے چلے جانا۔ نہ کہیں رکنا نہ کسی کی طرف التفات کرنا اور نہ کسی کو سلام کرنا ورنہ وہ تمہیں اہلکار حکومت نہ سمجھیں گے اور رعایا کا عام شخص سمجھ کر روک لیں گے اور پھر ناکامی ہوگی۔ جب پہلی دہلیز آئے تو وہاں تمہیں داہنے بائیں چبوترے نظر آئیں گے جن پر سرخ اطلس کا فرش بچھا ہوا ہوگا۔ اور اس پر پانچ سو پہرے دار بیٹھے ہوں گے۔ اور ہر پہرہ دار کو ایک ایک لڑکا پنکھا جھل رہا ہوگا۔ پھر دوسری دہلیز آئے گی وہاں کا فرش سبز رنگ کا ہوگا اور چھ سو پہرہ دار اور پنکھا جھولنے والے ہوں گے۔ تم گزرتے چلے جانا نہ متوجہ ہونا نہ سلام کرنا۔ پھر تیسری دہلیز آئے گی وہاں کے چبوتروں پر پیلے رنگ کی اطلس بچھی ہوگی اور حسب سابق یہاں صرف چار سو پہرہ دار ہوں گے تم چلتے جانا۔ چوتھی دہلیز پر فرش وفروش نقشین اور سبز و زرد رنگ کے ہوں گے اور یہاں بھی پانچ سو جوان پہرہ پر تعینات ملیں گے اور پنکھا جھولنے والے لڑکے خدمات انجام دے رہے ہوں گے۔ تم بڑھتے جانا۔ پانچویں دہلیز کے چبوتروں پر ریشمی سبز و زرد رنگ کا فرش اور چھ سو نگہبان موجود ملیں گے۔ بے خوف گزر جانا ہرگز التفات نہ کرنا۔ پھر چھٹی دہلیز آجائے گی۔ یہاں تم دیکھو گے کہ ہر چبوترے پر صرف چھ چھ اشخاص کھڑے ہیں۔ جن کے ہاتھوں میں چمکدار گرز ہوتے ہیں۔ انہیں شطرنج وغیرہ کھیلنے کے علاوہ کوئی اور کام ہی نہیں ہوتا۔ تم یہاں سے آگے بڑھ جاؤ اب ساتویں دہلیز آئے گی۔ یہاں تمہیں صرف ایک ہی چبوترہ ملے گا۔ اس پر ریشمیں فرش بچھا ہوگا۔ اور یہ وہ فرش ہے جسے دیکھتے رہنے سے آدمی کی عقل و ہوش اڑ جاتے ہیں۔ یہاں کوئی شخص نہ ملے گا۔ بلا جھجک وہاں سے گزر جانا۔ اور آٹھویں دہلیز میں داخل ہوجانا۔ یہاں دو چبوترے فرش سے آراستہ ہوں گے۔ اور یہاں صنعت و ہنرمند لوگوں کی توجہ جذب ہوکر رہ جاتی ہے۔ یہاں تمہیں صرف تین اشخاص ملیں گے۔ جنہیں

تشلوں والے کہا جاتا ہے۔اُن ہی لوگوں کی تحویل میں امامؑ کا سر مبارک رہا تھا۔تم جلدی سے گزر جانا۔متوجہ نہ ہونا نہ سلام وکلام کرنا۔ اورنویں دہلیز میں داخل ہو جانا۔یہاں بھی دو ہی چبوترے ہوں گے اور ہر چبوترے پر چار سو افراد قلم دوات اور رجسٹر لئے ہوئے حکومت کی آمدنی اور اخراجات کا حساب کرنے میں مصروف ہوں گے۔یہیں ایک اور چبوترہ ملے گا۔اور چار سو بلا ریش نوجوان لڑکے ملیں گے جنکے ہاتھوں میں خوشبو جلانے والی انگیٹھیاں،اگر بتیاں،کافور،گوگل عود وغیرہ خوشبوئیں ہوں گی۔یہ لوگ یزید کے حمام اور نہانے کے سامان کو معطر اور مہکتا ہوا رکھنے پر تعینات رہتے ہیں۔اب تم دسویں دہلیز میں داخل ہو جاؤ۔یہاں تمہیں ایک ایسا حسین وجمیل شخص ملے گا جیسا کہ چاند ہوتا ہے۔وہ سیاہ دیبا کی قبا،کالا عمامہ اور پاؤں میں کالے چمڑے کا جوتا پہنے ہوئے ملے گا۔وہ تمہیں دیکھتے ہی خود تمہارے پاس آئے گا۔تمہارا مزاج پوچھے گا اور وہی تمہاری ضرورت پوری کرائے گا۔اس لئے کہ وہی محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ علیہم کا فدائی ہے۔یہ نوجوان قتل امامؑ مظلوم کے بعد سے سوگوار اور سیاہ لباس میں ملبوس رہتا ہے۔اسی نے امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ایک لاکھ دینار دے کر یزید سے حاصل کیا اور کربلا بھجوایا تھا۔قائم اللیل اور صائم النہار یعنی رات بھر کی عبادت اور دن بھر روزہ کی حالت میں رہتا ہے۔جو کی روٹی سے روزہ افطار کرتا ہے۔گلے میں پہننے کے زنّار (جنیئو) یا مالا کا کاروبار کرتا ہے۔اور روزانہ پانچ سو درہم کے زنّار فروخت کرتا ہے۔تھوڑا خرچ رکھ کر باقی غربا ومساکین پر صرف کرتا ہے۔اور یزید کے اموال میں سے کچھ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتا۔وہ یزید کا زرخرید غلام نہیں ہے بلکہ یزید اس کا حد بھر مطیع ہے،اُس سے اس قدر محبت رکھتا ہے کہ وہ بھی اس سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔اس لئے بھی کہ وہ وہاں رہ کر ہی مومنین کے کام کرا سکتا ہے۔یزید کی توجہ کی بنا پر مملکت کے تمام امراء ووزراء اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔تم دیکھو گے کہ وہ ایک سوتی تولیہ لئے ہوئے ہوگا۔جب تم اُسے دیکھو تو تیزی سے اس کی طرف بڑھنا اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا اور یہ خط اس کو دے دینا۔اور کہنا کہ میں امام حسین علیہ السلام کا شیعہ ہوں۔

یہ تمام حالات وہدایات عمیر نے سنیں اور اس پیش نماز سے رخصت ہو کر حسب ہدایت یزید کے محل پر پہنچا اور کھٹا کھٹ ایک دہلیز کے بعد دوسری دہلیز سے گزرتا حیران ہوتا ہوا آخر وہاں پہنچا جہاں مذکورہ مومن جوان سے ملاقات متوقع تھی۔(عمیر کہتا ہے کہ) میں نے دیکھا کہ واقعی ایک حیران کن جلال وعظمت اور حسن وجمال کا مجسمہ مذکورہ سیاہ لباس میں ملبوس،کاندھے پر ریشمی رومال اور ہاتھ میں تولیہ لئے ہوئے میری طرف بڑھتا اور کہتا آرہا ہے۔اے عمیر تم کہاں ہو؟ تم نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ سترہ روز تک تم کیا کرتے رہے؟ وہ کیا سبب تھا جس نے تمہیں تاخیر کرنے پر مجبور کیا؟ میں روزانہ تمہارا انتظار کرتا رہا ہوں۔دن رات شدید تکلیف میں مبتلا رہا ہوں۔میں نے عرض کیا کہ حضور آپ کو میرا نام کہاں سے معلوم ہوا؟ اور یہ کس نے بتایا کہ میں سترہ روز پہلے دمشق میں داخل ہو چکا تھا؟ حالانکہ ہم دونوں نہ ایک دوسرے سے ملے اور نہ جانتے ہیں۔نوجوان نے کہا کہ اے عمیر میں نے امامؑ مظلوم کو خواب میں دیکھا تھا۔آج سے سترہ روز قبل حضورؑ نے مجھے تمہارا آنا اور تمہاری ضرورت بتائی تھی اور تاکید فرمائی تھی کہ تمہارا کام انجام دوں۔میں نے عرض کیا تھا کہ یا مولاؑ وہ شخص کہاں ہے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ تمہارے پاس پہنچے گا۔مجھے میرے نانا رسولؐ اللہ نے بتا رکھا ہے کہ تم دونوں کو میرے شیعوں کے ساتھ میرے روبرو پیش کیا جائے گا۔تمہیں ہمارے ساتھ جنت میں مقام بلند ملے گا۔اور میں اعلان کروں گا کہ یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے یزید

کے مقابلہ پر میری نصرت کی تھی۔ ہم دونوں رو رہے تھے کہ یزید کی آمد کے آثار ظاہر ہوئے۔ چھوٹے خادموں کا ہجوم داخل ہوا یہ تمام چھ سو غلام اطلسی قبائیں پہنے سنہری پیٹیاں باندھے اور ہاتھوں میں جواہرات جڑے ہوئے گرز تھامے ہوئے بڑھتے گزرتے جا رہے تھے۔ اور انکے پیچھے پیچھے زرق برق لباس میں ملبوس داخل ہوا۔ جب قریب سے گزرنے لگا تو اس شیعہ مومن نے آگے بڑھ کر یزید سے کہا کہ میری ایک ضرورت ہے اسے پورا کر دیں۔ یہ کہہ کر وہ خط پیش کیا۔ اس نے خط پڑھا اور کہا کہ میں تمہیں اسکے بدلے میں عراق کا پانچ سال کا خراج دینے کو تیار ہوں۔ میں مختار کو رہا کرنا پسند نہیں کرتا۔ مومن نے کہا کہ کیا آپ نے یہ عہد نہیں کیا ہے کہ روزانہ تین درخواستیں منظور کرونگا۔ حالانکہ واقعہ کربلا کے بعد یہ میری پہلی درخواست ہے؟ یزید نے اس دوران مجھے نزدیک کھڑا ہوا دیکھ لیا تھا۔ مجھ سے پوچھا کیا تم حسینؑ کے شیعوں میں سے ہو؟ میں نے کہا کہ مجھے عبداللہ ابن عمر نے اجرت پر یہ خط آپ تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپی تھی جو میں نے پوری کر دی ہے۔ اور اس نوجوان نے کہا کہ اس سے کیا تعلق ہے کہ یہ شخص شیعہ ہے یا نہیں۔ آپ مجھے میری درخواست کا جواب دیں۔ یزید نے کہا کہ میں ایک لاکھ دینار دینا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ اس سے کہ مختار کو آزاد کروں۔ بہرحال میں منظوری دیتا ہوں۔ چنانچہ کاتب کو حکم دیا کہ مختار بن عبیدہ ثقفی کی رہائی کیلئے ابن زیاد کو حکم لکھو اور بتاؤ کہ وہ مختار کو آزاد کر کے عبداللہ ابن عمر کے پاس نہایت عزت سے پہنچائے اور مختار کو بیس ہزار درہم ادا کرے اور عمیر کو پانچ ہزار درہم دیئے جائیں۔ چنانچہ حکم نامہ لکھوا کر عمیر کو دے دیا گیا۔ اور اس رہائی کے بعد امیر مختار نے حکومت یزید کا تختہ الٹنے میں اور تمام قاتلان شہدؑا سے انتقام لینے کی جو خدمات انجام دیں ان میں اس نوجوان کی کارگزاری بنیاد ہے۔ اور وہ تمام ثواب اور جزا میں برابر کا شریک ہے۔ (اکسیر العبادات فی اسرار الشھادات۔ صفحہ 587-583، بحوالہ ابی مخنف)

(2)۔ عربی سازش ایک سربستہ راز جو رفتہ رفتہ پھر چھپا دیا گیا

ہم جو کچھ نظام اجتہاد کے منصوبے کی ذیل میں لکھتے چلے آئے ہیں وہ بذاتِ خود نئی یا انوکھی بات نہیں۔ نہ کوئی ایسا انکشاف ہے جو پہلے کبھی کسی کو معلوم نہ تھا۔ اُسے قرآن کریم نے طرح طرح تفصیل سے ریکارڈ کیا۔ اُدھر قرآن ناطق حضرت علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں بڑی تفصیل سے اور واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ آج یہ دکھانا ہے کہ علامہ مجلسی نے اس منصوبہ اور سازش کو نقل کیا۔ اس کے باوجود بعد کے شیعہ مجتہدین اسے نظر انداز کرتے رہے۔ اور پبلک میں سو فیصد لوگوں کو اس سے جاہل رکھا گیا۔ چونکہ یہ سربستہ راز خصوصاً شہادت امام حسین علیہ السلام سے متعلق تھا اور ہم چاہتے تھے کہ اس بیان کو امام علیہ السلام ہی کے حالات میں لکھیں گے، اس لئے اب اس روایت کو ملاحظہ فرمائیں۔

(3)۔ عبداللہ ابن عمر کو یزید بن معاویہ نے ایک قدیم وصیت دکھائی

قد نقل العلامة المجلسی فی البحار عن کتاب دلائل الامامة باسناده عن سعید بن المسیّب قال لما قتل الحسین بن علی علیهما السلام وورد نعیه الی المدینة وورد الاخبار بجزّراسه الشریف روحی له الفداء وحمله الٰی یزید لعنه اللّٰه تعالٰی وقتل ثمانیة عشر من اهلبیتهٗ وثلثة وخمسین رجلًا من شیعته وقتل علیٌّ ابنه بین ید یه وهو طفل بنشا بة وسبی زراریه اقیمت الماتم عند ازواج النبیؐ فی منزل ام سلمةؓ وفی دور المهاجرین والانصار قال فخرج عبد اللّٰه بن عمر الخطا ب صارخًا من داره

لاطمًا وجهه شاقًا جيبه يقول يامعشر بنی هاشم والقریش والمهاجرین والانصار یستحل هذا من رسولؐ الله فی اهله وذریته وانتم احیآء ترزقون لاقراردون یزید ۔فخرج من المدینة تحت لیلةٍ لایرد مدینة الا خرج فیها واستفره اهلها علٰی یزید واخباره یکتب بهاالی یزید ۔ فلم یمر بملا من الناس الا لعنه وسمع کلامه وقالوا هذا عبدالله بن عمر الخلیفه وهوینکر فعل یزید (لعن الله) باهلبیٔت رسولؐ الله ویستفز الناس علٰی یزید (لعین) وان من لم یجبه لادین له ولا اسلام واضطرب الشام بمن فیه وورد دمشق وآتی باب اللعین یزید فی خلق من الناس یتلونه فدخل آذن یزید (لعین) واخبره بوروده ویده علٰی امّ راسه والناس یهرعون الیه قدّامه وورائه فقال یزید (لعین) فورة حاجبه فورآتِ ابی محمد (عبدالله بن عمر) وعن قلیل یفیق منها فاذن له وحده فدخل صارخًا یقول لا ادخل یایزید وقد فعلت باهل بیت محمدؐ مالو تمکنت الروم والترک مااستحلوا مااستحللت ولا فعلوا مافعلت قم عن هذا البساط حتٰی یختار المسلمون من هواحقّ به منک ۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 108)

علامہ محمد باقر مجلسی رضی اللہ عنہ نے کتاب دلائل الامامۃ سے اپنی کتاب بحارالانوار میں نقل کیا ہے کہ سعید بن المسیّب نے روایت کی ہے کہ جب حسین بن علی علیہما السلام کوقتل کر دیا گیااوراُنؑ کے قتل کی خبر مدینہ میں پہنچی اور یہ خبریں وصول ہوئیں کہ حسینؑ کا سرتن سے کاٹ کر یزید کے پاس بھیجا گیا ہے۔اوراٹھارہ افراد اہلبیتؑ میں سے تہہ تیغ کر دیئے گئے اور تریپن صحابہ وانصاران حسینؑ کوقتل کر دیا اورایک شیرخوار بچہ کوحسینؑ کے سامنےقتل کر دیا۔حرم اہلبیتؑ کورسن بستہ قید کرلیا ہے۔ان اطلاعات سے ازواج نبیؐ کے سامنے ام سلمہ علیہا السلام کے گھر میں اورمہاجرین اورانصار کے یہاں صف ماتم بچھی ہوئی ہے ۔ راوی نے بیان کیا کہ یہ سب کچھ دیکھ کرعبداللہ ابن عمر گھر سے اس طرح نکلے کہ چیخیں مارتے جاتے تھے،سروسینہ پیٹ رہے تھے،گریبان چاک کرلیا تھا۔اور کہتے جاتے تھے کہ اے بنی ہاشم اے قریشیو اے مہاجرین وانصار یزید نے اہلبیت رسولؐ کے ساتھ یہ سب کچھ کرلیااورتم سب زندہ ہواورخوب عیش کرر ہے ہو،کھاپی رہے ہو۔اب تو یزید تک پہنچنے اورانتقام لئے بغیر مجھے قرارنہیں آسکتا۔چنانچہ وہ مدینہ سے چلے جاتے تھے۔اور جہاں بھی لوگوں کے پاس سے گزرتے تھے یزید پرلعنت کرتے جاتے تھے۔کربلا کا دردناک حال بیان کرتے ہوئے گزرتے تھے۔لوگ اُن کی فریادسن کر کہتے تھے کہ یہ خلیفہ عمر کا بیٹا عبداللہ ابن عمر ہے ۔اور جب یہ بھی یزید کے اس سلوک پرناخوش ہے اورنفرین وملامت کرتا ہے جو یزید نے حسینؑ اوررسولؐ کے اہلبیت کے ساتھ کیا ہے۔اس پرچاروں طرف سے لوگ بے چین ہوکر یزید سے احتجاج کرنے کے لئے ہجوم درہجوم ساتھ ہوگئے ۔اور کہتے جاتے تھے کہ جوایسا نہ کرے گا وہ نہ مسلمان ہےاورنہ ہی وہ کسی اور دین کا آدمی ہے۔ملک شام کے تمام علاقوں میں بے چینی اوراضطراب پھیلتا جاتا تھااورلوگ منہ اٹھائے یزید کی طرف روانہ ہورہے تھے۔اس طرح عبداللہ بن عمر دمشق پہنچےاور یزیدلعین کے دروازہ پر یہ تمام ہجوم جمع ہوتا گیا اور یزید پرآوازے کسنے لگے ۔ یہ حال دیکھ کرنگہبان اندرگیا اور یزید کواس صورت حال سے مطلع کیا اور بتایا کہ عبداللہ ابن عمرلوگوں کا ایک غول لئے ہوئے آیا ہے ۔اورلوگ سرپیٹ رہے ہیں،وہ دونوں ہاتھوں کو بلند کرکے آہ وزاری کررہاہے اندرداخل ہونا چاہتا ہےاوراس کے ساتھ ساتھ وہ تمام ازدحام گھس پڑنے پرآمادہ ہے۔یہ سن کر یزید گھبرایااورنگہبان سے کہا کہ عبداللہ ابن عمرکوجلدی سے اندرلےآؤ۔مگراورکوئی ہمراہ نہ آنے پائے ۔ چنانچہ پہرہ دارآیا اورتنہا عبداللہ کواندر لے گیا باقی لوگ شور کرتے رہے۔بہرحال عبداللہ چیخیں مارتا روتا پیٹتا داخل ہوا۔اور کہتا جاتا تھا کہ اے یزید تونے اہلبیت محمدؐ کے ساتھ وہ سب کچھ کرڈالا جو

ملک روم اور یونان کے کافر بھی نہ کرتے اور وہ لوگ جو اسلام کے دشمن ہیں۔ اُن میں سے ایک کام بھی نہ کرتے جو تو نے بلاتکلف کرڈالے۔ لہٰذا اب تجھ پر لازم ہے کہ تختِ خلافت سے اٹھ جا تو ہرگز مسلمانوں پر حکومت کا اہل نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کو موقعہ دے کہ وہ تجھ سے بہتر شخص کو تجویز کریں اور تیری جگہ خلیفہ بنائیں۔

فرحب بہ یزید وتطاول لہ وضمہ الیہ وقال لہ یاابامحمد اسکن من فورتک واعقل وانظر بعینک واسمع باذنک ماتقول فی ابیک عمر بن الخطاب ؟ أکان ھادیًا مھدیًا خلیفة وناصر رسولؐ اللّٰہ ومصاحرة باختک حفصة والذی قال لرسوؐل اللّٰہ اللات والعزّی یعبدن اعلانیہ ویعبد اللّٰہ سرًّا وقال عبداللّٰہ ھماکما وَصَفْتَ فایّ شیی ءٍ تقول فیہ قال ابوک قَلَّدَ اَبی امرالشام اَمْ اَبی قَلَّدَ اباکَ خلافة رسول اللّٰہ؟ فقال ابی قَلَّدَ اباک الشام ـ قال یاابامحمد افترضی بہ وبعھدہ الٰی ابی اوماترضاہ ؟ قال بل اَرْضَی ـ قال افترضی بابیکَ قال نَعَمْ ـ قال فضرب یزید بیدہ علٰی ید عبداللّٰہ وقال لہ قُمْ یاابا محمد حتّٰی تقراہ ـ فقام معہ حتّٰی وردخزائنہ فدخلھا ودعی بصندوق ففتحہ واستخرج منہ تابوتًا مقفلًا مختومًا فاستخرج منہ طومارًا لطیفًا فی خرقة حریر سودآء فاخذ الطومار بیدہ ونشرہ ثم قال یاابامحمد ھذا خط ابیک قال ای واللّٰہ فاخذہ من یدہ فقال لہ اقراء فقرأ ابن عمر فاذا فیہ؛

عبداللہ ابن عمر کا یہ حال دیکھ کر یزید کا دل پسیج گیا۔ قلب میں مذہبی نرمی ورقت پیدا ہوگئی۔ چنانچہ یزید نے خوشامدانہ گفتگو کی، عبداللہ کو ہموار کیا اور مناسب حالت پیدا کر کے کہا کہ جناب اِس وحشت وگھبراہٹ اور جذباتی ہیجان سے باہر نکلئے۔ عقل کو پوری طرح کام کرنے کا موقعہ دیجئے، آنکھوں سے حقیقت پر نظر ڈالئے اور کانوں کو غور سے سننے پر آمادہ کیجئے اور پھر یہ فرمائیے کہ آپ اپنے والد عمر بن الخطاب کے بارے میں کیسا تصور رکھتے ہیں؟ کیا وہ تمہارے نزدیک ایک ہدایت یافتہ، ہدایت کنندہ، رسولؐ اللہ کے خلیفہ اور ناصر نہ تھے؟ کیا انہوں نے اپنی بیٹی اور تمہاری بہن حفصہ کو رسولؐ کے نکاح میں دے کر اُن سے سسرالی رشتہ قائم نہ کیا تھا؟ اور کیا انہوں نے رسوؐل اللہ سے یہ نہ کہا تھا کہ **لات وعزیٰ** کو اعلانیہ پوجا جانے دو اور اللہ کی عبادت رازداری میں رکھی جائے؟ اس پر عبداللہ نے کہا کہ یہ دو باتیں جو تم نے بطور صفات بیان کیں بالکل صحیح ہیں۔ مگر وہ کہو جو تم کہنا چاہتے ہو۔ یزید نے سوال کیا کہ تمہارے باپ نے میرے والد کو ملکِ شام کے انتظام وحکومت کا پٹہ پہنایا؟ یا میرے باپ نے تیرے باپ کو رسولؐ اللہ کی خلافت کی تقلید کا ذمہ دار بنایا؟ عبداللہ نے کہا کہ میرے باپ نے تیرے باپ کو شام کی حکومت سپرد کی تھی۔ یزید نے کہا کہ اے ابو محمد (عبداللہ) کیا تم اُس عہد نامہ کو پسند کرو گے جو تیرے باپ نے میرے باپ کو تحریراً بجالانے کے لئے دیا تھا۔ یا تم اُن کی تحریری حکم کو ناپسند کردو گے؟ عبداللہ نے کہا کہ میں اسے قبول کروں گا۔ یزید نے پھر پوچھا کہ کیا تم اپنے والد کے افکار واعمال وکردار سے کلیتاً اتفاق کرو گے؟ عبداللہ نے اثبات میں جواب دیا تو یزید نے عبداللہ کے ہاتھ پر اپنی فتح اور چیلنج کا ہاتھ مارا اور کہا کہ بات طے ہوگئی۔ لہٰذا اے ابو محمد اُٹھو چلو اور اس تحریری عہد نامہ کو پڑھنے سے پہلے اور کوئی خیال قائم نہ کرو۔ چنانچہ عبداللہ اُس کے ساتھ چلا۔ اور اُس کے خزانہ میں دونوں پہنچے۔ یزید نے ایک مخصوص صندوق منگایا، کھولا اور اُس میں سے ایک مہر شدہ مقفل (تالہ لگا) ڈبہ نکالا۔ ڈبے کو کھولا اور اس میں سے کالی ریشم کے ایک حسین جزدان کو لیا۔ جس کے اندر سے ایک لمبا چوڑا تحریری کاغذ نکلا اسے سیدھا کیا اور پھیلا کر اپنے ہاتھوں پر پھیلایا اور عبداللہ بن عمر سے کہا کیا یہ تمہارے والد کی تحریر نہیں ہے۔ عبداللہ نے کہا واللہ یہ اُن ہی کا لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ یزید نے کہا کہ اے عبداللہ ذرا اُسے پڑھ کر دیکھو۔ چنانچہ عبداللہ نے

پڑھنا شروع کیا تو لکھا تھا کہ :۔

''بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ان الذی اَکْرَھَنَا بالسَّیف علی الاقرار به فاقررنا وصدور وعرّة والانفس واجفة النیّات والبصائر شائکه مماکانت علیه من حجد ناماد عانا الیه واطعنا ہ فیه رفعا یسوفه عنا وتکاثر ہ بالحی علینا من الیمن وتعاضد من سمع به مِمّن ترک د ینه وماکان علیه اباؤہ فی قریش فَبِهُبِلَ اقسم والاصنام والاوثان واللّات والعزّی ماحجد ها عمر مذعبد ها ولاعبد للکعبة ربًّا ولاصدّق لمحمدؐ قولًا ۔ ولا القی السلمِ الَّا لِلْحِیْلَةِ علیه وایقاع البطش به فانه قداتانا بسحر عظیم وزاد فی سحرہ بنی اسرائیل مع موسٰی وھارون وداؤد وسلیمان وابن الامة عیسٰی ولقد اتانابکل مااتوابه من السحر وزاد علیھم مالوانھم شھد وہ لَاَ قَرُّواله بِاَنَّهٗ سید السحرة ؛

فخذ یابن ابی سفیان سُنَّةَ قومک واتباع ملتک والوفآء بماکان علیه سلفک من حجد ھذا البنیّة الّتی یقولون ان لھاربًّا امر ھم باتیانھم والسعی حولھا وجعلھا لھم قبلة فَاَقَرّوا بالصلٰوة والحج الذی جعلوہ رکنا وزعموا اَنَّهٗ للّٰہ اختلفوافکان مِمَّا اعان محمدًا منھم ھذا الفارسی الطّمطانی رُوْزِبَهْ وَقَالوا اَنَّهٗ اوحٰی الیه اِنَّ اوّل بیت وضع للناس للذ ی بِبَکّه مبارکًا وھدًی للعالمین (3/96) وقولھم قد نَرٰی تقلّب وجھک فی السمآء فلنولّیَنّک قِبلةً ترضٰھا فول وجھک شطر المسجد الحرام وحیث ماکنتم فولوا وجوھکم (2/144) وجعلوا صلٰوتھم للحجارة ۔فمالذی انکرہ علینا لولا سحرہ من عبادتنا للاصنام والاوثان واللات والعزی وھی من الحجارة والخشب والنحاس ولفضة والذھب لا واللات والعزیٰ ماوجدنا سببًا للخروج عما عندنا وان سحروا ومُوّ ھُوْا ۔فانظر بعین مبصرةٍ واسمع باذن واعیّة وتامّل بقلبک وعقلک ماھم فیه وَ اشکر اللات والعزی واستخلاف السید الرشید عتیق ابن عبدالعزی علٰی امة محمدؐ وتحکمّه فی اموالھم ودمائِھم وشریعتھم وانفسھم وحلالھم وحرامھم وجبایات الحقوق الَّتِی زَعْمُوْا اَنَّھم یجیئونھا لربھم لیقیموا بھاانصارھم واعوانھم فعاش سد یدًا رشیدً ا یخضع جھرًا ویشتدّ سرًّا ولا یجد حیلة غیرمعاشرة القوم ۔ولقد وثبت علٰی شھاب بنی ھاشم الثاقب وقرنھا الزھراء وعلمھا الناصر وعدّ تھا وعددھا المسمی بحیدرة المصاھر لمحمدؐ عَلَی مرأ ة التی جعلوھا سید ة نسآء العالمین یسمّونھا فاطمة حتّٰی آتیت دارعلیّ وفاطمة وابنیھما الحسن والحسین وابنتیھما زینب وام کلثوم وَالْاَمَةِ الموعودَة بفضة ومعی خالد بن ولید و قنفذ مولٰی ابی بکر و صحب من خواصّنا ۔ فقرعتُ الباب قرعًا شد یدًا ۔ فاجابننی الامة فقلتُ لھا قولی لِعلیّ دع الا باطیل ولا تلج نفسک الی طمع الخلافة فلیس الامرلکَ ۔الا لمن اختارہ المسلمون واجتموا ورب اللات والعزّیٰ؛

لوکان الامروالرای لابی بکر لفشل عن الوصول الٰی ماوصل الیه من خلافة ابن ابی کبشة لکنّی ابد یتُ لَھَا صفحتی واظھرت لھا بصری وقلت للحیین نزاروقحطان بعداَنْ قلت لھم لیس الخلافة فی قریش فاطیعوھم وماطاعوااللّٰہ وانما قلت ذلک لما سبق من ابن ابی طالب من وثوبه وَواستیثارہ بالدماء الّتی سفکھا فی غزوات محمدؐ وقضاء د یونه وھی ثمانون الف درھم وانجازعداته وجمع القران فقضا ھا علٰی تلید ہ وطارفه وقول المھاجرین والانصار لماقلت اِنّ الامامة فی قریش قالوا ھوالا صلع البطین امیر المومنین علی بن ابی طالب علیه السلام الذی اخذرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم ۔لبیعة علی اھل ملته وسلمنا له بامرة المومنین فی اربعة مواطن فان کنتم نسیتموھا معشر قریش فما نسینا ہ اولیست البیعة ولا الامامة والخلافة والوصیة الا حقًّا مفروضًا وامرًا صحیحًا لاتبرّعًا ولا ادّعاءِ فکذ بناھم ۔ واَقِمت اربعین رجلًا شھد واعلٰی محمدؐ اَنَّ الامامة بالاختیار فعند

ذ لک قال الانصار نحن احقّ مِن قریش لِاَنَّا آوینا ونصرنا وهاجر الناس اِلَیْنَا فاذاکان رفع مَن کان الا مرله فلیس هذا لامرلکم دوننا وقال القوم منا امیرومنکم امیرقلنا لهم قد شهد اربعون رجلًا اَنَّ الائمة من القریش فقبّل قوم انکر آخرون وتنازعوا ۔ فقلت الجمیع یسمعون الاکبر نا سِنًّا واکثر نا لِیْنًا ۔ قالو فمن تقول قلت ابوبکر الذی قدمه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله فی الصلوٰة وجلس معه فی العریش یوم بدریشاوره ویاخذ برایه وکان صاحبه فی الغاروزوج ابنة عائشة الّتی سماهام المومنین ۔فاقبل بنوهاشم یتمیّزون غیظًا وعاضد هم الزبیر وسیفه مشهود وقال لا یبایع الا علیّ ولا املک رقبة قائمة سیفی هٰذ ۔فقلت یازبیر صرختک سکن من بنی هاشم امک صفیة بنت عبدالمطلب فقال ذلک واللّٰه الشرف الباذخ ۔والفخر الفاخر یابن حنتمة یابن صهّاک اسکت لاامّ لک فقال قولًا فوثب اربعون رجلًا مِمَّنْ حَضَرَ سقیفة بنی ساعدة عَلَی الزبیر فواللّٰه ماقدرناعلٰی اخذ سیفه من یده حتّٰی وسَّدْنا هُ الارض ولم ترله علینا ناصرًا فوثبت الٰی ابی بکر فَصَافحته وعاقد ته البیعة وتلانی عثمان بن عفان وسائر من حضر غیرالزبیر وقلنا له بایع اونقتلکَ ثم کففت عند الناس فقلت له امهلوه فما غضب الّانخوة لبنی هاشم؛

فاخذت ابابکر بیدی قاقمته وهویرتعد قداختلط عقله فازع جته الٰی ممبر محمدؐ ازعاجًا ۔فقال لی یاابا حفص اخاف وثبة عَلِیؑ ۔ فقلتُ ان علیًّا عنک مشغول و اعاننی علٰی ذلک ابوعبیده ابن الجرّاح کان یمدّه بیده الی المنبر وانااُزْعُجه مِنُ ورائه کَا التّیس (انه کرم) الٰی شفاد الجازرمبهوتًا فقام علیه مد هو شًا ۔فقلتُ له اخطب فاغلق علیه و تثبّت فدهش وتلجلج وغمضٍ فَعَضَّضْتُ عَلٰی کفی غیظًا وقلتُ له قُلْ ماسخ لک فلم یَاتِ خیرا ولا معروفا؛فاردت ان احطّ عن المنبرواقوم مقامه فکرهت تکذیب الناس لی بماقُلْتُ فیه ۔وقد سئلنی الجمهور منهم کیف قُلْتَ من فضله ماقلت ماالذی سمعته مِن رسولؐ اللّٰه فی ابی بکر ؟ فقلتُ لهم قدسمعت من فضله علٰی لسان رسولؐ اللّٰه مالَوُوَرَدَتُ انی شعرة فی صدره وَلِیَ حکایة ۔فقلت قُلْ والا فانزل فتبیّنها واللّٰه فی وجهی وعلم انه لو نزل لرقیت وقلت مالا یهتدی الٰی قوله ۔فقال بصوت ضعیف علیل ولیّتکم ولستُ بِخیر کم وعَلِیٌّ فیکم واعلموا انّ لی شیطانا یعترینی وما ارادبه سوای فاذاذَ لَلْتُ فقومونی لا اقع فی شعورکم وابشارکم واستغفرواللّٰه لی ولکم ونزل فاخذت بیده واعین الناس ترمقه وغمزت یده غمزًا ۔ثم اجلسته وقدمت الناس الٰی بیعته وصحبته لارهبته ۔وکلّ من ینکر بیعته ویقول مافعل علی بن ابی طالب ۔ اقول خلعها من عنقه وجعلها طاعة المسلمین قلّة خلاف علیهم فی اختیار هم فصار جلیس بیته فبایعوا وهم کارهون ۔فلما فشت بیعته علمنا ان عَلِیًّا یحمل فاطمة والحسن والحسین الٰی د ورالمهاجرین والانصار یذکرهم بیعة علینا فی اربعة مواطن ویستفرّ هم فیعدونه النصرة لیلًا ویقعدون عنه نهارًا ؛

فآتیت داره مستشیرًا لاخراجه منها ۔ فقامت اْلاَمَة فضّة وقد قلتُ لها قولی لِعَلِیّ یخرج الی بیعة ابی بکر فقداجتمع علیه المسلمون فقالت انّ امیرالمؤمنین علیًّا مشغول فقلت خلی عنک هذا وقولی یخرج والّا دخلنا علیه واخرجنا ہ کرهًا ۔ فخرجت فاطمة فوقعت مِن ورآء الباب فقالت اَیُّها الضالون المکذبون ماذا تقولون وایُّ شی ءٍ تریدون فقلتُ یافاطمة ۔ فقالت فاطمة ماتشآء یاعمر ؟ فقلت ما بال ابن عَمِّک قداوردک للجواب وجلس من ورآء الحجاب ؟فقالت لی طغیانک یاشقی اخرجنی والزمک الحجة وکلّ ضال قوی ۔فقلت دعی عنک الاباطیل واساطیر النّساء وقولی بعلیٍّ یخرج ۔ فقالت فاطمة لاحبّ ولا کرامة اَبحزب الشیطان تخوّفنی یا عمرو کان حزب الشیطان ضعیفًا ۔ فقلت اِن لم یخرج جئت بالحطب الجزل واضرمتها نارًا علٰی اهل هذا البیت واحرق من فیه اویقادعَلِیّ الی البیعة وضربتُ واخذت سوط قنفذ وقلت لخالد بن ولید انت ورجالنا هلّموا فی جمع الحطب فقلت انی مضر مها ۔فقالت یاعدواللّٰه وعد و رسوؐله وعدوّ امیرالمؤمنین ۔فضربت فاطمة یدها

مِن البـاب تـمنعنى من فتحه فرمته فتـصـعـب عـلـیّ فضربت کفیها با لسوط فالمها فسمعتُ لها زفیرًاوبکاءً ـ فقد ت ان الین وانقلب عن الباب فذکرت احقاد علیّ لوعه فی دماء صنا دید العرب وکید محمدؐ وسحره فرکلت الباب ـ وقد الصقت احشآئها بـالباب تترسه ـ وقـد صـرخـت صـرخة حسبتهـا قدجعلت اَعْلَی المدینة اسفلها ـ وقـالـت یـا ابتـاه یارسولؐ اللّٰہ ھکذا کان یفعل بـحبیبتک وابنتک آه یافضة الیک فخذ ینی فقد واللّٰہ قتل مافی احشآئی من حمل وسمعتها تمخض وھی مستندة الی الجدار فـدفعت الباب ودخلت واقبلت اِلیّ بوجه اغشی بصری فصفقت صفقة علٰی خدّیها من ظاھر الخمار فانقطع قرطها وتناثرت الی الارض ـ وخـرج عـلـیٌّ فـلما احست به اسرعت الٰی خارج الباب وقلت لخالد وقنفذ و قدجنیت جنایةً عظیمة لاامن علٰی نفسی وھـذا عـلّیٌ قد برز مِنَ البیت وما لِی ولکم جمیعًا به طاقة ـ فـخـرج علیٌّ وقدضَرَبَتْ یدھا الی ناصیتها لتکشف عنها وتستغیث بـاللّٰہ العظیم مانزل بها ـ فَـاَسْبَـلَ عـلـیٌّ علیها ملا ئتها وقال لها یا بنتؑ رسولؐ اللّٰہ اِنَّ اللّٰہ بعث اباؔک رحمةً للعالمین وایم اللّٰہ لَئِن کشـفـتِ عـن نـاصیّتکِ سـائـلةً اِلٰی ربکِ لیهلک ھذا الخلق حَتّٰی لایبقی علی الارض بشرًا اَلاء انکِ واباکِ اعظم عنداللّٰہ تـعـالٰی مـن نـوٗح الـذی غـرق مِن اجله بالطوفان جمیع من فی الارض وتحت السمآء اِلّا من کان فی السَّفینة واھلک قوم ھوٗد بتـکـذ یبهـم واھـلـک عادًابریح صرصروانتِ وابوکِ اعظم قدرًا من ھوٗد وعذّب ثمود وھـی اثـناعشرالفًابعقرالناقة والفصیل وکونی یاسید ة الـنسـآء رحـمة عـلٰی ھذا الخلق المنکوس ولا تکونی عذابًا واشتدّ بها المخاض ودخلت البیت فاسقطت سقطًا سماهُ علیٌّ محسًّنًا ـ وجمعت جمعًا کثیرًا لا مکاثرة لِعَلِّیٍ لاکن لیشدّ بهم قلبی و جئت وھو محاصرفاستخرجته من داره مکرھًا مـغـصوبًا وسقته الی البیعة سوقا واِنّی لاعلم علمًا یقینًا لاشک فیه لو اجتھدت انا وجمیع من کان علی الارض جمیعًا عَلٰی قهره مـاقهـرنـا هُ ولکن لِهِنَاتٍ فی نفسه اعلمها ولا اقولها ـ فَـلَـمَّـا انتهیـت الٰی سقیفة بنی ساعدة قام ابوبکر ومن بحضر ته یَسْتَهْزِؤُن بعلیٌ ـ فـقال علیٌّ یاعمر اتحبّ اَنْ اُعَجِّل لک مااَخَرّتُه مِن سوءٍ عنک ـ فقلت لَا یَااَمِیْرَ المؤمنینؑ فَسَمِعْنِیُ واللّٰہ خالد بن الولید فـاسرع الٰی ابی بکر فقا ل له ابوبکر مـالی ولعمر ثلثًا والـنـاس یسـمـعون ولما دخل السقیفة جثا ابوبکر الیه فقلت له قد بایعت یااباالحسن وانصرف ـ فَـاَشْهَـدُ مـا بایعه ولا مدّیده الیه وکرھت اَنْ اطالبه بالبیعة لیعجّل لی مااخرّه عنی ووڈابوبکر انه لم یَرَعَلِیًّا فی ذلک المکان جزعًا وخوفًا منه ورجع علیٌّ من السقیفة ؛

وسـئـلـنـا عـنـه فـقـالوا مضی الٰی قبر محمدؐ فجلس الیه فقمت انا وابوبکر وجئنا نسعی وابوبکر یقول ویلک یاعمر مـاالـذی صـنـعـت بـفـاطمة ھذا واللّٰہ خسران المبین فقلت انّ اعظم ماعلیک انّهُ مابایعنا واثق بتشاقل المسلمین عنه ـ فقال ما تـصـنـع؟ قـلـت نظھر اَنَّهُ قد بایعک عند قبر محمدؐ فاتیناه وقدجعل القبرامسندًا کفّه علٰی تربته وحوله سلمان وابوذروالمقداد وعـمّار وحذیفه الیمان ـ فَـجَـلَـسْـنَـا بـازائه واوعزت الٰی ابی بکر ان یضع یده عَلٰی مثل ماوضع علیٌّ یده ویقرّبها مِن یده ـ ففعل ذلک واخـذت بیـدابی بکرلا مسحها علٰی یده واَقُوْلُ قد بایع فقبض علیٌّ یده ـ فـقمت وابوبکر مولیّاوانا اَقُوْلُ ـ جزی اللّٰہ علیاً خیـرافانّه لم یمنعک البیعة لما حضرت قبررسولؐ اللّٰہ ـ فوثب مِن دون الجماعة ـ ابوذر جندب ابن جنادة الغفاری ویقول واللّٰہ یـاعـدوّاللّٰہ ما بایع علیٌّ عنیقا ولم نزل ـ کُـلَّـمَـا لـقیـنا قوم واقبلنا علٰی قوم نخبرھم ببیعته وابوذر یکذّبنا،واللّٰہ مابایعنا فی خلافة ابوبکر ولا فی خلافتی ولا یبایع لمن بعدی ولا بایع من اصحابه اثنا عشررجًلا لا لِاَ بی بکر ولا لِیْ ـ

فَمَنْ فَعَلَ یامعویة، بِعَلِیٍّ واستثاراحقاده السالفة غیری ـ وَاَمَّا آتَتُ اَبُوک ابوسفیان واخوک عتبة فاعرف ماکان منکم

فی تکذیب محمدؐ وکیده وادارة الدّوائر بمکّة وطلبته فی جبل حرّی لقتله وَتَاَلَّفَ الاحزاب وجمعهم علیه ورکوب ابیک الجمل و قد قاد الاحزاب وقول محمدؐ و آله لَعَنَ اللّٰهُ الراکب و القآئد والسائق ۔وکان ابوک الراکب و اخوک عتبة القائد وانت السائق۔ ولم انس امّک هندا وقد بذ لت لِوحشی مابذ لت تکمن نفسه لحمزه الذی دعوه اسدالرّحمٰن فی ارضه وطعنه بالحربة ففلق فوأده وشق عنه واخذکبده فحمله اِلٰی اُمِّک ۔ فزعم محمدؐ بسحره اَنّه لما اَدْخَلَتُهُ فاها لتاکله صارجلمودًا ۔فلفظته من فیها فسماها محمدؐ و آله اکلة الاکباد وقولها فی شعرهاالاعداء محمدؐ ومقا تلیه: ۔ نحن بَنَاتُ طَارِقِ نمشی علی النّمار ق کالدرّ فی المخارق والمسک فی المفارق اَنْ تقبلوا نعانق اوتد بروانفارق فراق غیروامق

ونسوتها فی الثیاب الصفرالمرسیّة مبتدیات وُجُوههنّ ومعاصمهن ورؤسهنّ یحرصن علٰی قتال محمدؐ۔

انکم لم تسلموا طوعًا وَّاِنَّمَا اسلمتم کرهًا یوم فتح مکّة ۔فجعلکم طلقآء وجعل اخی زیدًا وعقیلًا اخاعلی ابن ابی طالب والعباس عمّهم مثلهم وکان من ابیک فی نفسه،فقال واللّٰه یابن ابی کبشة لاملأ نّها علیک خیلًا ورجلًا واحول بینک وبین هذه الاعدآء۔ فقال محمدؐ ویؤذن للناس انه علم مافی نفسه اویکفی اللّٰه شرک یاابا سفیان وهویری الناس ان لا یعلوها احدغیری وعلیؐ ومن یلیه من اهلبیته فبطل سحره وخاب سعیه وعلاهاابوبکر وعلوتها بعده وارجواَن تکونوا معاشر بنی امیة عیدان اطنابها ۔ فَمِن ذلک قد وَلَّیُتُک وقلّد تک اباحة ملکها وعرفتک فیها وخالفتُ قوله فیکم ومااباا لی من تالیف شعره ونثره اَنّه، قال یوحٰی الیَّ منزل مِن ربّی فی قوله والشجرة الملعونة فی القرآن فزعم انها انتم یابنی امیّة فبیّن عداوته حیث ملک کمالم یزل هاشم وبَنُوه اعدآء بنی عبدالشمس وانا مع تذکیری اباک یامعویة وشرحی لک ماقد شرحته ناصح لک ومشفق علیک من ضیق عَطَنِکَ وحَرَجَ صدرک وقلة حلمک ان تعجل فیما وصیّتک به ومکنتک منه من شریعة محمدؐ واُمته وان تبدی لهم مطالبة بطعن وشما تة بموت اوردا علیه فیماآتی به اَوْاستصغارًا لما اتی به فتکون من الها لکین فتخفض مارفعتُ وتهد م مابنیت واحذرکلّ الحذرحیث دخلت علٰی محمد صلی اللّٰه علیه و آله مسجده ومنبره وصدّق محمدًا فی کلّ ما آتی؟ به و اورده ظاهرًا واظهر التحرّزوالواقعة فی رعیّتک واوسعهم حلمًا واعمّهم بروایح العطایا وعلیک باقامة الحد ودفیهم وترهم انک تدع اللّٰه حقًا ولا تنقص فرضًا ولا تغیر لمحمدؐ سُنّة فتفسد علینا الامة بل خذهم من مامنهم واقتلهم بایدیهم وابدّهم لبسیوفهم وتطاولهم وتناجزهم ولن لهم ولا تبخس علیهم فافسح لهم فی مجلسک وشرّفهم فی مقعدک وتوصل اِلٰی قتلهم برئیسهم واظهر البشروا لبشاشة بل اکظم غیظک واعف عنهم یحبّوک ویطیعوک فماآمن علینا وَ علیک ثورة علیؐ وشبلیه الحسنؐ و الحسینؐ فان امکنک فی عدة من الامامة فبادر ولا تقنع بصغار الامور واقصد بعظیمها واحفظنّ وصیّتی الیک وعهدی واخفه ولا بتده وامتثل امری ونهی وانهض بطاعتی وایّاک والخلاف عَلَیَّ واسلک طریق اسلافک و الطلب بثارک واقتص آثارهم فقد اخرجت الیک بِسِرِّی وجهری وشفعت هذا بقولی:۔

معاویّ ان القوم جلّت امورهم	بدعوة مَن عَمّ البریّة بالوتری	صبوت الٰی دین لهم فارابنی
فابعد بدین قد قصمت به ظهری	وَاِنْ اَنْسَ لَااَنُسی الولید وشیبة	وعتبة والعاص الصریع لدی بدر
وتحت شغاف القلب لدغ لفقدهم	ابوحکم الضئیل من الفقری	اُولٰئک فاطلب یامعاوی ثارهم
بنصل سیوف الهند و الاسل السمری	وصل برجال الشام فی معشر بهم	هم الاسد والباقون فی اَکَمِ الوعر
توصّل الی التخلیط فی الملة الّتی	اتا نابه الماضی المموّه بالسحر	وطالب باحقاد مضت لک مظهرًا

لعلة د ین عَمَّ کل بنی النضر۔ فلست تنال الثار الابد ینهم فقتّل بسیف القوم جید بنی عمر۔
لهذا وقدولّیتُک الشام راجیًا وانت جد یرٌ ان تؤل الٰی ضخر۔

وقال فلما قرأ عبداللّٰہ بن عمر هذا العهد قام الٰی یزید فقبل راسه۔وقال اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی قَتْلِکَ الشَّارِیُ وابن الشّارِی واعلم ان والدی عمراخرج الیَّ مِن سِرِّه بمثل هذاالذی اخرجه اِلٰی ابیک معویة ولا اری احدًا من رهط محمدً وشیعته بعد یومی هذا غیرمنطوٍلهم علٰی خیر ابدًا۔فقال یزید فیه شرح الخفا یایا بن عمر۔(اکسیرالعبادات۔صفحہ 108 تا112)

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ۔یقیناً جس شخص نے ہمیں بزورشمشیراپنی پوزیشن منوانے اوراقرارکرنے پرمجبورکیا ہم نے بادل ناخواستہ اقرارکرلیا۔حالانکہ ہمارے قلوب کے دروازے بند تھے۔ہماری ضمیریں کراہت ونفرت سے ابتر ہوئی جاتی تھیں۔ہماری نیت اوربصیرت کانٹوں پرگھسیٹی جارہی تھیں۔ہمیں ہروہ چیز ناپسندتھی جس پروہ شخص ہمارے ساتھ ہٹ دھرمی کرتا چلا جارہا تھا۔اور جوکچھ ہم سے قبول کرانا چاہتا تھااورجن چیزوں میں ہم کواطاعت کاحکم دیتا تھا۔بہرحال ہمیں اس مقصد سے اُس کی اطاعت کرنا پڑی کہ کھینچی ہوئی تلواروں سے ہم اورہماری قوم محفوظ رہ جائے اوراس طرح زندہ رہ کرہماری تعدادوطاقت بڑھے۔یوں اُس کے ہاتھ مضبوط ہوئے اوراُس کے دین کوپھیلنے کا موقعہ ملا جوخوداُس کے قریشی آباواجداد کا بھی دین نہ تھا۔لیکن میں ہبل اورتمام مجسموں اوردینی رسومات اورلات وعزّیٰ کی قسم کھا کرکہتا ہوں کہ میں نے ہرگز کعبہ والے محمدؐ کے رب کی عبادت نہیں کی نہ کبھی محمدؐ کی کسی بات کی قلبی تصدیق کی۔ اورکبھی اس کی سلامتی اورمرکزیت کونہیں مانا۔مگرصرف اس کودھوکہ دینے کے لئے کیا جوکچھ بھی کیا۔اوراس کووسیلہ بنا کراپنی قومی طاقت اوردبدبہ بڑھانے کے لئے کرتا چلا گیا۔یقیناً وہ ہمارے مقابلہ پرایک زبردست جادولےکرآیا تھا۔اوراُس نے اپنے ساحرانہ کمال کو موسیٰؑ اور ہارونؑ کے اُس جادوسے بھی زیادہ طاقت سے پیش کیا جوبنی اسرائیل کے مقابلہ میں پیش کیا گیا تھا۔یہی نہیں بلکہ وہ اپنے جادو میں داؤدؑوسلیمانؑ اورعیسیٰؑ کوبھی پیچھے چھوڑ گیااوراگردنیا کے تمام جادوگروں پریکجائی نظرڈالی جائےتووہ سب اس کواپنا سرداروبزرگ مانتے ہوئےنظرآئیں گے۔

لہٰذا یہ ہے ہمارادین وعقیدہ اےسفیان کےفرزندتو بھی اسے گرہ میں باندھ لے۔اپنی قوم کی اس سُنَّة کواختیارکراوراپنی ملت کی پیروی کراوراُن معاملات واقدامات میں وفاشعاری اختیارکرجوتیرے سابقہ بزرگوں کوپسند تھے۔اوروہ لوگ جواس کوٹھڑی (کعبہ) کا کوئی الگ رب مانتے ہوں اُن پرمحمدؐ نے واجب کردیا کہ وہ سب یہاں حاضرہواکریں اوراس کے گردونواح میں چکرلگایاکریں۔ اوران لوگوں کے لئے اُس نے اس بنیادکوقبلہ مقررکردیااورنمازوحج کوارکان دین بنادیا۔اوران کا گمان یہ ہے کہ یہ سب کچھ وہ اللہ کے لئے کرتے ہیں۔چنانچہ وہ یہاں ہجوم درہجوم آتے جاتے رہتے ہیں۔یہ ہی وہ وسائل ہیں جن کے ذریعہ محمدؐ نے لوگوں کی توجہ مرکوزکرلی اوراس جعلسازی میں اُس فارس کے باشندے رُوزبہ (سلمان) غلط عربی تلفظ کرنے والے نے محمدؐ کی مددکی ہے۔اورپتھروں کی عبادت کورنگ بدل کربرقراررکھنے کے لئے انہوں نے کہا کہ اس پریہ وحی آئی ہے کہ یقیناً ہم نے جوگھرانسانوں کی عبادت کے لئے سب سے پہلے بنایا تھاوہ اس بکہ (مکہ) میں ہے جوبہت مبارک ہےاورتمام عالمین کیلئے ہدایت کا مرکز ہے۔ان کا یہ قول بھی ہے کہ ہم نے

تیرے چہرہ یا توجہ کو آسمانوں میں گھومتے ہوئے دیکھا ہے۔ چنانچہ تمہیں ہم تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے۔ چنانچہ اپنا منہ مسجد الحرام کے شطر کی طرف گھما لو اور تم لوگ جہاں بھی ہوا کرو ادھر ہی رخ کیا کرو۔ اور ان باتوں سے انہوں نے اپنی نماز کو پھر ان پتھروں کی پوجا پاٹ بنالیا۔ پھر وہ کون سی دلیل سے ہماری عبادت کا منکر ہوا۔ سوائے اس کے کہ اس کے سر پر اس کا جادو سوار ہو گیا۔ اور اس نے بزرگوں کے مجسموں اور طریقوں اور لات وعزّیٰ کو گھٹیا سمجھا حالانکہ وہ محض بے جان جمادات نہ تھے۔ ان میں پتھر بھی تھا، لکڑی بھی استعمال ہوئی تھی، تانبہ اور پیتل بھی تھا، چاندی اور سونا تک استعمال ہوا تھا۔ اُن کو نکال باہر کرنے اور راستہ سے ہٹانے کا اور کوئی سبب نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ وہ اپنے جادو اور حیران کن اسکیم میں الجھ گئے تھے۔ تم بھی ذرا بابصیرتی سے اس معاملہ پر نظر ڈالو اور میری باتوں کو گوشِ ہوش سے سنو اور اپنی عقل و قلبی وجدان سے سوچو اور غور کرو کہ اس کے علاوہ ان کے دین میں اور کیا رکھا ہے جو میں نے سمجھا؟ اور میں تو لات وعزیٰ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے آخر کار محمدؐ کی حکومت ایک بزرگ ترین اور نیک سردار عبدالعزیٰ کے بیٹے کو دلا دی اور محمدؐ کی امت پر اسے مسلط کر دیا کہ آج امت محمد یہ کے اموال میں اور ان کے خون میں اور ان کے حلال وحرام میں اور اُن کی شریعت میں اور ان کے حقوق کی نگہداشت میں ہمیں مختار بنا دیا۔ حالانکہ ان کا گمان باطل یہ تھا کہ یہ سب احکام اللہ نے مقرر کئے ہیں اور وہ یہ سب کچھ اپنے رشتہ داروں اور انصار کو سپرد کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال اس نے اچھی خاصی زندگی گزار دی وہ بظاہر بڑا نرم رو مگر بباطن بڑا سرگرم اور شدت پسند تھا۔ لیکن اگر قوم ساتھ نہ دے تو کوئی حیلہ مکر اور منصوبہ پروان نہیں چڑھا کرتا۔ آخر میں نے بنی ہاشم کی اس بنیاد پر ضرب لگانے کی ٹھان لی اور اُن کے حقیقی گروہ کو الگ کر لیا۔ ان میں سے ایک تو وہی تھا جسے حیدرؑ کہا جاتا تھا۔ اور اُسے اس عورت کی وجہ سے دامادی میں لے لیا تھا جسے زہراؑء قرار دیا گیا تھا۔ اور تمام عالمین کی عورتوں کی سردار مانا جاتا تھا اور فاطمہؑ نام رکھا گیا تھا۔ مگر یہ ٹھاٹ اس روز ختم ہو گئے جس دن میں علیؑ و فاطمہؑ کے گھر پر پہنچا جہاں ان دونوں کے بیٹے حسنؑ اور حسینؑ اور بیٹیاں زینبؑ اور ام کلثومؑ اور ایک کنیز بھی ہوا کرتی تھی۔ جسے فضہ کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ میری ہمراہی میں خالد بن ولید تھا اور ابوبکر کا غلام قنفذ بھی تھا۔ چنانچہ میں نے دروازہ بڑی شدت سے کھڑکایا اس پر ہمیں اندر سے اسی مذکورہ کنیز نے جواب دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ جا کر علیؑ سے کہہ دو کہ باطل پرستی چھوڑ دو اور اپنی ذات کو خلافت کی طمع میں مت الجھاؤ۔ تم اس معاملہ میں کوئی حق نہیں رکھتے۔ جس کو مسلمان پسند کریں اور جس پر مسلمان اور لات وعزیٰ کا رب متفق ہو جائیں گے وہی خلیفہ ہو گا۔

یہ بھی سمجھ لو کہ اگر یہ معاملہ ابوبکر کی رائے اور بصیرت پر منحصر ہوتا تو وہ ہرگز ابن ابی کبشہ (کفار رسولؐ کو اسی طرح پکارتے تھے) کی خلافت حاصل نہ کر سکتا وہ اپنی ضمیر کی کمزوری سے ناکام ہو جاتا۔ لیکن میں نے اسکی ابتدا کی اور اپنی جرأت وبصیرت سے اسے کامیاب کر دیا اور اولاد نزار وقحطان سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ قریش میں خلافت کا آنا طے نہیں کیا گیا ہے لہٰذا قریش کو غیروں کی اطاعت وفرمانبرداری اور خدا کی اطاعت کرنا پڑیگی۔ اور ہم نے یہ سب کچھ اس وقت کہا تھا جب علیؑ کی پوزیشن چمک رہی تھی اور علیؑ کے شاندار کردار اور محمدؐ کی طرفداری میں مخالفوں کا خون بہانا اور ان کا قرض ادا کرنا جو اسی ہزار درہم تھا۔ اور انکے وعدوں کا پورا کرنا اور قرآن کا جمع کرنا اور مہاجرین اور انصار سے جب میں نے کہا کہ خلافت وحکومت صرف قریش کیلئے ہے تو انہوں نے کہا کہ ہاں قریش میں سے

امیر المومنین وہ ہی ہے جس کو اصلع البطین اور علیؑ بن ابی طالبؑ کہتے ہیں۔ جس کیلئے رسولؐ اللہ نے پوری ملت اسلامیہ سے بیعت لی تھی۔ اور ہم نے انہیں چار مواقع پر امیر المومنین تسلیم کیا ہے۔ اور ہم سے انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر تم لوگ علیؑ کی بیعت کو بھول گئے تو اے قریش ہم لوگوں نے اس بیعت کو فراموش نہیں کیا ہے۔ الغرض نہ تو بیعت قائم ہوسکتی ہے نہ ہی امامت وخلافت اور وصیت قائم کی جاسکتی ہے سوائے اس کے کہ یہ ایک من جانب خدا فرض کی ہوئی اور مقرر شدہ اور صحیح معاملہ ہے نہ کسی کے دعویٰ کر دینے سے یہ کام ہوسکتا ہے نہ اس میں بزرگی کا مقابلہ ہوسکتا ہے۔ ہم نے ان کے اس پورے بیان کو چالیس جھوٹے گواہ گزار کر جھوٹا ثابت کر دیا اور شہادت دلوادی کہ امامت وخلافت کا اختیار خود امت کو حاصل ہے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا کہ یوں بھی انصار سب سے زیادہ حقدار ہیں ہم نے تمام مسلمانوں کو پناہ دی، ان کی مدد کی اور لوگ ہمارے پاس ہجرت کر کے آئے۔ لہٰذا جب اُس ہستی کو الگ کر دیا جس کیلئے خلافت وحکومت کا حق قائم ہے تو اس کے بعد ہمارے سوا کوئی حاکم بننے کا مجاز نہیں ہے۔ یہ سوال بھی اٹھا کہ ایک حاکم تم میں سے ہو اور ایک حاکم ہم میں سے ہوا کرے۔ اس پر ہم نے کہا کہ تم نے چالیس مسلمانوں کی شہادت تسلیم کر لی ہے کہ امام وحاکم صرف قریش میں سے ہوں گے۔ اس پر ان کا ایک گروہ تسلیم کر کے خاموش ہو گیا دوسرا جھگڑتا رہا۔ میں نے کہا کہ دیکھو ہم اپنے میں سے ایسے شخص کو حاکم بنانا چاہتے ہیں جو ہم سب میں بڑی عمر کا اور سب سے زیادہ نرم مزاج ہے۔ وہ بولے کون ہے؟ میں نے کہا وہ ابوبکر ہے۔ جس کو رسولؐ نے نماز میں آگے بڑھایا اور جس کے ساتھ جنگ بدر میں سائبان کے سایہ میں بیٹھے اور مشورہ کر کے انکی رائے پر عمل کرتے رہے۔ غار میں اپنا ساتھی بنایا، جن کی بیٹی انکی زوجہ اور ام المومنین ہے۔ اس پر بات ختم ہوگئی۔ اس کے بعد بنی ہاشم کو غصہ آیا اور ان کی مدد زبیر نے کی۔ ننگی تلوار لے کر نکلا اور کہتا تھا کہ علیؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہ کی جائے گی اور کوئی گردن میری اس تلوار سے نہ بچے گی۔ میں نے کہا کہ اے زبیر تیرا یہ شور وغوغا اسلئے ہے کہ تیری ماں صفیہ عبدالمطلبؑ کی بیٹی تھیں۔ زبیر نے جواب دیا کہ یہ تو بہت نمایاں فضیلت ہے اور نہایت پسندیدہ فخر ہے جو مجھے حاصل ہے۔ اے حنتمہ کے بیٹے اے ضحاک کے لونڈے تو خاموش رہ تیری ماں قابل شمار بھی نہیں۔ اس نے یہ دکھتی ہوئی بات منہ سے نکالی ہی تھی کہ وہ چالیس آدمی جو سقیفہ بنی ساعدہ میں مدد کیلئے موجود تھے زبیر پر ٹوٹ پڑے۔ مگر قسم بخدا ہم چالیس آدمیوں کو بھی اس کے ہاتھ سے تلوار چھین لینے میں کامیابی نہ ہوئی جب تک ہم نے اسے زمین پر نہ گرالیا اور جب تک اس کی یہ آس نہ ٹوٹ گئی کہ ہمارے مقابلہ میں کوئی اس کی مدد کو آجائے گا۔ چنانچہ ہم سب نے اسے گھسیٹ کر ابوبکر کے سامنے پیش کیا۔ اور اس نے زبیر سے ہاتھ ملانے، مصافحہ کرنے کے بہانے بیعت لے لی اور عثمان بن عفان اور زبیر کے علاوہ باقی تمام موجودین نے میری تائید کی اور ہم سب نے زبیر سے کہا کہ تم بیعت باقاعدہ کر لو ورنہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے۔ پھر میں نے بپھرے ہوئے لوگوں کو ٹھنڈا کیا اور زبیر کے متعلق کہا کہ اسے فی الحال مہلت دے دو۔ یہ اس کا غم وغصہ نئی بات نہیں ہے۔ یہ تو بنی ہاشم کا ہمیشہ کا غرور اور نخرہ ہے جو زبیر سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔

بہر حال میں نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے کھڑا کیا تو وہ کانپ رہا تھا۔ اُس کی عقل ماری گئی تھی۔ میں نے اسے ڈانٹتے اور زور شور سے جھڑکتے ہوئے محمدؐ کے منبر کی طرف بڑھایا تو اس نے کہا کہ اے ابا حفص عمر میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں مجھ پر علیؑ نہ جھپٹ پڑیں؟ میں نے کہا یہاں علیؑ کہاں ہے وہ تو اس وقت مشغول ہے تیرا اُسے پتہ بھی نہیں ہے۔ اس معاملہ میں ابوعبیدہ بن الجراح نے میری

مدد کی وہ ابوبکر کو اپنے دونوں ہاتھوں سے منبر پر چڑھنے میں زور سے اٹھا رہا تھا۔ پیچھے سے میں ڈانٹتا ہوا دھکیل رہا تھا۔ اور ابوبکر اس طرح خوفزدہ تھا جیسے قصائی سے بھیڑ۔ اس کے ہوش وحواس غائب تھے۔ منبر پر مبہوت و بدحواسی میں کھڑا ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ ارے خطبہ دے۔ میں غیظ وغضب سے اپنا ہاتھ چبا رہا تھا اور کہہ رہا تھا ارے کچھ تو کہہ ڈال۔ مگر وہ نہ کوئی مفید بات بولا، نہ ہماری اسکیم کو سمجھنے کے باوجود بیان کرسکا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اسے گھسیٹ کر منبر سے اتار دوں۔ اور اس کی جگہ خود لے لوں۔ مگر مجھے یہ پسند نہ آیا کہ لوگ خود میری ہی تکذیب کرنے اور مجھے جھٹلانے لگیں۔ چنانچہ مجھ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ تم نے کس بنیاد پر ابوبکر کی فضیلت میں وہ سب کچھ کہا جو کہا؟ اور میں نے جواب دیا تھا کہ یقیناً میں نے رسولؐ اللہ کی زبان سے ابوبکر کے فضائل سنے ہیں کہ اگر وہ اس کی سمجھ میں آ گئے ہوتے تو سینہ تان کر بیٹھتا مگر یہ بھی ایک قصہ ہے میں نے تنگ آ کر ابوبکر سے کہا کہ یا تو کہہ ڈالو ورنہ منبر سے نیچے اتر آ ؤ۔ خدا کی قسم ابوبکر میرے چہرے سے سمجھ گیا کہ اگر وہ منبر سے اترا تو میں اس کی تائید چھوڑ کر اس کی عزت کو خاک میں ملا دوں گا۔ لہٰذا اس نے نہایت کمزور اور بیمار آواز میں کہا کہ مجھے تم پر حاکم بنا دیا گیا ہے۔ حالانکہ علیؑ کی موجودگی میں میں تمہارے لئے مفید نہیں ہوں۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ یقیناً مجھ پر ایک شیطان مسلط ہے جو مجھے میرے ارادوں کے خلاف مجبور کر دیتا ہے۔ لہٰذا جب میں ڈگمگاؤں تو مجھے کھڑا ہونے میں مدد دینا۔ تاکہ میں تمہارے شعور سے تمہاری پسند کے کام کرسکوں بہرحال میں تمہارے لئے اور اپنے لئے بخشش کا طلب گار ہوں۔ یہ کہا اور منبر سے اتر آیا۔ میں نے اس کو ہاتھ سے پکڑا اور آنکھ ماری لوگوں کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں اس لئے میں نے اسے ہاتھوں ہی ہاتھوں میں رازدارانہ اشارہ کر دیا۔ پھر میں نے ابوبکر کو بیعت لینے کے لئے ایک جگہ بٹھا دیا اور خود اس کو بے خوف رکھنے کے لئے اس کے پاس بیٹھا اور جو لوگ موجود تھے سب نے بیعت کرنا شروع کر دی۔ اور وہ تمام لوگ جو ابوبکر کی بیعت سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ علیؑ کی سابقہ بیعت کا کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ وہ بیعت ان کی گردن سے نکال لی گئی اور اب مسلمانوں کی اطاعت پر بیعت کی جانا ہے۔ اور جو قلیل تعداد مخالفت کرے گی وہ ان کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ لوگ ناگواری کے ساتھ بیعت کرتے گئے۔ جب میں نے تفتیش کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ علیؑ اپنے ساتھ فاطمہؑ حسنؑ اور حسینؑ کو لئے ہوئے مہاجرین اور انصار کے ٹھکانوں میں پھرتے ہیں۔ اور انہیں اپنی چار مرتبہ کی ہوئی بیعت یاد دلاتے ہیں۔ اور انہوں نے لوگوں کو متوجہ کر رکھا ہے۔ چنانچہ رات کو نصرت کا وعدہ کرتے ہیں اور دن میں گھر بیٹھے رہتے ہیں۔

چنانچہ میں علیؑ کے گھر پر آیا تا کہ انہیں باز پرس کے لئے گھر سے باہر نکالوں۔ دروازہ پر کنیز فضہؑ کھڑی تھی میں نے اس سے کہا کہ علیؑ سے کہو کہ ابوبکر کی بیعت کرنے کے لئے نکلیں۔ تمام مسلمان ان کی حکومت پر متفق ہو چکے ہیں۔ فضہؑ نے کہا کہ امیرالمومنین علیؑ تو کام میں مشغول ہیں۔ میں نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ جلدی سے دفع ہو اور جا کر کہہ کہ تم نکلتے ہو تو خیر ورنہ ہم جبراً تمہیں باہر نکال لیں گے۔ یہ سن کر فاطمہؑ دروازہ پر آئیں اور پس پردہ کھڑی ہوئیں اور کہا کہ اے جھوٹے اور گمراہ لوگو تم کیا بکتے ہو اور تم نے کیا ارادہ کر رکھا ہے؟ میں نے کہا اے فاطمہؑ۔ آگے بولنے سے پہلے ہی کہا کہ فاطمہؑ کہتی ہے کہ اے عمر کیا چاہتا ہے؟ پھر بھی میں نے یہی کہا کہ تمہارے چچازادے کو کیا ہو گیا ہے کہ خود پردہ میں بیٹھ گیا اور تم سے ہمیں جواب دلوا رہا ہے؟ مجھ سے کہنے لگیں۔ اے نامراد شقی تو بغاوت

میں حد سے بڑھ گیا ہے۔تو ذرا مجھے نکال کہ میں تم پر اور تمہارے ساتھی گمراہوں پر حجت قائم کر کے چھوڑوں۔ میں نے کہا اپنی باطل باتوں اور زنانہ کہانیوں کو چھوڑ و اور علیؑ سے جا کر کہو کہ وہ باہر نکلیں۔ فاطمہؑ نے کہا کہ او محبت واحترام سے محروم شخص کیا تو مجھے شیطانی گروہ سے خوفزدہ کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ شیطانی گروہ نہایت حقیر و کمزور ہوتا ہے۔اب میں نے کہا کہ اگر علیؑ نہیں نکلتا تو میں جلا ڈالنے والا ایندھن لا کر اس گھر کو اور جو بھی اس میں ہوگا ان سب کو جلا ڈالوں گا۔ یا یہ کہ علیؑ آ کر بیعت کر لیں۔ساتھ ہی میں نے ابوبکر کے غلام کا کوڑا لیکر مارا اور خالد سے کہا کہ تم اور ہمارے تمام لوگ جلدی سے ایندھن جمع کرو میں نے طے کر لیا کہ اس گھر کو جلا کر خاک کر دوں۔ فاطمہؑ نے کہا کہ اے دشمن خدا! اے دشمن رسولؐ اور اے دشمن علیؑ۔اب تو میں نے فاطمہؑ کے اس ہاتھ پر کوڑے مارنا شروع کر دیئے جس سے وہ دروازہ کھولنے میں رکاوٹ ڈال رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھولنا بڑا کٹھن سمجھا بس میں فاطمہؑ کے ہاتھ پر ضربیں لگا تا رہا۔ یہاں تک کہ وہ تکلیف سے بلبلا اٹھی اور میں نے اس کی چیخیں اور رونا بلند کرا دیا۔اسکے بعد میں نے دھوکہ کھانے اور نرم ہو جانے اور پلٹ جانے کا ارادہ کیا۔لیکن مجھے ایک دم علیؑ کی کینہ پروری اور محمدؐ کا فریب یاد آ گیا۔ میرے سامنے علیؑ کی وہ تگ و دو پھر گئی جس سے اس نے بہادران عرب کا خون بہایا تھا اور محمدؐ کا جادو اسکی مدد کر رہا تھا۔ لہٰذا میں اپنے ارادہ میں پھر پختہ کار ہو گیا اور میں نے دروازہ کو توڑنا شروع کیا۔اب دروازے پر مارتے جانے والی تمام ضربیں فاطمہؑ کے پیٹ اور سینہ پر پڑ رہی تھیں اسلئے کہ وہ دروازہ کو کھلنے اور گرنے سے روکنے کیلئے چمٹی ہوئی کھڑی تھیں۔اچانک فاطمہؑ کی چیخیں بلند ہو گئیں اور فریاد کر رہی تھی کہ یا ابا جان ہائے رسولؐ اللہ یہ دیکھو تمہارے پیارے بھائی اور لاڈلی بیٹی کے ساتھ کیا ظلم ہو رہا ہے۔ فاطمہؑ کی یہ فریاد مدینہ کو الٹ دینے کیلئے کافی تھی۔ پھر اچانک ایک چیخ ماری اور کہا کہ اے فضہ جلدی آ ؤ قسم بخدا اس ظالم نے میرے حمل میں جو کچھ تھا اسے قتل کر دیا ہے۔اور میں بچہ کی پیٹ میں تڑپنے کی گڑگڑاہٹ سن رہا تھا۔اور فاطمہؑ دیوار کا سہارا لئے کھڑی تھی۔ آخر میں نے دروازہ گرا دیا۔ اور گھر میں داخل ہو گیا۔اس وقت وہ میری طرف اس طرح بڑھی کہ میری آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔میں نے بڑھ کر چادر کے اوپر ہی سے اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا جس سے اسکا کان پھٹ گیا اور بالیاں زمین پر بکھر گئیں۔اب میں نے محسوس کیا کہ علیؑ آنگن میں نکلنے والے ہیں۔ میں جلدی سے دوڑ کر گھر سے باہر نکل آیا۔اور خالد وقنفذ جو لوگ ہمارے ساتھ تھے ان سے میں نے کہا کہ یقیناً میں نے ایک نہایت بھیانک گناہ و جرم کر لیا ہے اور میری زندگی باقی رہنا مشکل ہے۔ دیکھو علیؑ گھر سے باہر نکلنے والا ہے اور پھر نہ مجھ میں اور نہ تم سب میں اُس سے مقابلہ کی طاقت ہے۔لیکن علیؑ جیسے ہی آنگن میں نکلے تو فاطمہؑ نے اپنا ہاتھ چادر پر ڈالا تا کہ پیشانی کھول کر اللہ سے مدد اور استغاثہ کریں اور جو کچھ گزرا اس کا شکوہ کریں۔لیکن علیؑ نے اُنکی پیشانی ڈھکتے ہوئے اور اُن کو اُن کا مقام یاد دلا کر تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اے رسولؐ کی بیٹی اللہ نے آپ کے والد کو تمام کائنات کے لئے رحم کرنے والا اور رحمت بنا کر بھیجا تھا۔اگر تم نے اپنا سر و پیشانی کھول کر اللہ سے فریاد کر دی تو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ہلاک کر کے رکھ دے گا۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی فرد بشر باقی نہ بچے گا۔سنو! تم اور تمہارا باپؐ اللہ کے نزدیک اس نوحؑ سے زیادہ صاحبان قدر و قیمت ہیں جن کے لئے طوفان سے وہ تمام مخلوق ماردی گئی تھی جو زمین پر اور آسمان کے نیچے تھی۔ چند کی تعداد بچی تھی جو کشتی میں حضرت نوحؑ کے ساتھ تھی۔اور اللہ نے حضرت ھودؑ کو جھٹلانے والوں کو طوفان باد سے مار ڈالا تھا۔تم اور تمہارے والدؐ تو ھودؑ سے کہیں زیادہ عظمت والے ہو۔

اور قوم ثمود کے بارہ ہزار آدمی ناقہ اور اس کے بچہ کو قتل کرنے کی پاداش میں تباہ و برباد کر دیئے گئے تھے۔ لہٰذا اے فاطمہؑ اے ساری عورتوں کی سردار خاتون تمہیں چاہیئے کہ تم اس الٹی ذہنیت والی مخلوق کیلئے رحمت بن جاؤ نہ کہ ان پر عذاب نازل کرا دو۔ اور اب فاطمہؑ کو زیادہ درد ہوا تو آپ حجرہ کے اندر چلی گئیں۔ وہاں وہ حمل ساقط ہو گیا جس کا نام خود حضرت علیؑ نے محسن رکھا تھا۔ میں نے اپنے طرفداروں کی کافی بڑی جماعت اکٹھی کر لی تھی۔ اسلیئے نہیں کہ علیؑ ان کے قابو میں آ سکتے تھے۔ بلکہ خود کو ڈھارس اور ہمت دلانے کے لئے۔ بہر حال میں آگے بڑھا اور علیؑ محاصرہ میں آ چکے تھے۔ میں نے انہیں ان کی مرضی کے خلاف گھر سے نکالا اور انہیں بیعت کے لئے بری طرح ہانک کر لایا۔ حالانکہ مجھے علم الیقین کی حد تک معلوم تھا، جس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ اگر علیؑ نہ چاہتے اور میں اور تمام روئے زمین کے انسان اور باقی سب مخلوق اجتماعی کوشش کرتے کہ ان پر غلبہ پالیں تو ہرگز غالب نہ آ سکتے تھے۔ لیکن علیؑ کے دل کی نرمی جو اُن کو امت کے ساتھ تھی اور میں اس عادت کا علم رکھتا تھا مگر کسی اور کو نہ بتاتا تھا۔ بہر حال جب ہم لوگ اس طرح سقیفہ میں پہنچے تو ابوبکر اور جو لوگ وہاں موجود تھے سب کھڑے ہو گئے۔ اور لوگ علیؑ کو اس بے چارگی کی حالت میں دیکھ کر مذاق کرنے لگے تو علیؑ نے کہا کہ اے عمر کیا تجھے یہ پسند ہے کہ جس عذاب اور ذلت کو میں نے تیرے لئے آخرت تک ملتوی کر دیا ہے۔ اسے تجھ پر فوراً نازل کر دوں؟

میں نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ ''نہیں یا امیر المؤمنین مجھے عذاب سے یہاں محفوظ رکھ لیں۔'' میرے منہ سے یہ حقیقت سنتے ہی خالد بن ولید تیزی سے ابوبکر کے پاس پہنچا۔ ولید سے ابوبکر نے تین دفعہ بلند آواز سے کہا کہ میرا اور عمر کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ تمام حاضرین نے ابوبکر کا یہ بیان سنا۔ بہر حال جب میں اور علیؑ سقیفہ میں ابوبکر کے پاس پہنچے تو ابوبکر بڑی عاجزی سے علیؑ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ ابوبکر ہرگز یہ نہ چاہتا تھا کہ وہ علیؑ کو اس جگہ اس حالت میں دیکھے اس لئے کہ وہ علیؑ سے حد بھر خوفزدہ اور لرزہ براندام تھے۔ لہٰذا میں نے علیؑ سے کہہ دیا کہ اے ابوالحسنؑ میں بیعت کر چکا ہوں آپ چلے جائیں۔ اور اے معاویہ میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔ بلکہ ابوبکر کی طرف اپنا ہاتھ بھی نہیں بڑھایا تھا۔ چنانچہ علیؑ اس دوران سقیفہ سے چلے گئے۔

جب ہم نے لوگوں سے علیؑ کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ قبر رسولؐ کے پاس بیٹھے ہیں۔ لہٰذا وہاں جانے کیلئے میں اور ابوبکر اٹھے اور دوڑتے ہوئے چلے اور ابوبکر راستے میں کہتا جاتا تھا کہ اے عمر تم نے جو کچھ فاطمہؑ کے ساتھ کیا ہے تُو اور تیرا عمل قابل صد ملامت ہے۔ قسم بخدا یہ ایک بڑا واضح خسارہ و نقصان ہے جو تو نے کیا ہے۔ اس پر میں نے اس سے کہا کہ تیرا معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ یقیناً علیؑ نے ہماری نہ تو بیعت کی اور نہ ہی اسکی تصدیق کا وزن پڑے بغیر ہماری اسکیم پروان چڑھ سکتی ہے۔ ابوبکر نے کہا پھر تم کیا ترکیب کرنے والے ہو۔ میں نے کہا کہ ہم یہ اعلان کریں گے کہ علیؑ نے قبر رسولؐ کے پاس ابوبکر کی بیعت کر لی ہے۔ چنانچہ ہم دونوں قبر نبیؐ کے پاس پہنچے تو دور سے یہ دیکھ لیا تھا کہ علیؑ قبر رسولؐ پر اپنی ہتھیلی ٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں اور انکے گرد ابوذرؓ و مقدادؓ اور عمارؓ و سلمانؓ اور حذیفہؓ بن یمان بھی ہیں۔ ہم نے طے کر لیا کہ انکے سامنے بیٹھیں گے اور یہ کہ ابوبکر بھی علیؑ کی طرح علیؑ کے ہاتھ کے پاس اپنا ہاتھ رکھ کر بیٹھے گا۔ چنانچہ ہم آئے اور مقابلہ میں بیٹھ گئے۔ ابوبکر نے اسی طرح ہاتھ رکھا تو میں نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ کر علیؑ کے ہاتھ سے چھونے اور یہ کہنے کی ترکیب سوچ لی تھی کہ علیؑ کی بیعت ہو گئی۔ لیکن جب میں نے یہ کام کیا تو علیؑ نے ابوبکر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بس پھر کیا تھا میں اور ابوبکر واپسی کیلئے اُٹھے

اور چلے اور میں کہتا جاتا تھا کہ اللہ علیؑ کو اچھا بدلہ دے یقیناً انہوں نے ابوبکر کی بیعت سے منع نہیں کیا ہے۔ جب کہ ابوبکر قبر رسولؐ پر علیؑ کے پاس حاضر ہوئے۔ اُدھر علیؑ کے ساتھیوں میں سے ابوذرؓ ہمارے پیچھے لگ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ او دشمن خدا تو جھوٹا ہے۔ علیؑ نے اور ان کی جماعت نے ہرگز بیعت کی تصدیق نہیں کی ہے اور نہ اپنا ارادہ بدلا ہے۔ بہرطور جب ہم قوم سے ملے اور ان کو علیؑ کی بیعت کی خبر دی تو ساتھ ہی ابوذرؓ ہمیں جھٹلاتا رہا۔ خدا کی قسم حقیقت یہی تھی کہ نہ تو علیؑ نے ابوبکر کی خلافت پر بیعت کی نہ میری بیعت اور نہ میرے بعد والوں کے لئے آمادگی ظاہر کی اور نہ ہی ان کی جماعت کے بارہ صحابہ نے ابوبکر کی بیعت کی اور نہ ہی میری بیعت کی تھی۔

اے معاویہ تم اس معاملہ پر اب غور کرو کہ یہ میں اکیلا ہی تو تھا۔ جس نے علیؑ کا راستہ روکا اور اُس کے قدیم کینہ اور کوشش کو کبھی فراموش نہیں کیا اور انتقام لیا۔ علاوہ میرے اب تمہارے والد ابوسفیان اور تمہارے برادر عتبہ کا کردار سامنے آتا ہے۔ جس سے تمہاری واقفیت ضروری ہے۔ اُن دونوں بزرگوں نے محمدؐ کو جھوٹا ثابت کرنے اور اس کے مکر کو توڑنے کے لئے جو دھما کہ خیز کوششیں کیں اور جان لڑادی تھی، پہلے جبل حرا (غار حرا) میں محمدؐ کو قتل کرانے کا انتظام کیا۔ پھر انہوں نے مکہ اور گردونواح کی اقوام کو جمع کیا، افواج کو مسلح کیا اور تابڑتوڑ حملے کئے۔ اُدھر تیرے والد کا اونٹ پر سوار ہوکر افواج کی قیادت کرنا اور محمدؐ کا یہ کہنا مشہور ہے کہ اللہ قیادت کرنے والے پر اور سوار ہونے والے پر اور ہانکنے والے پر لعنت کرے اور یہی بات محمدؐ کی اولاد بھی برابر کہتی آرہی ہے۔ معلوم ہے یہ تین شخص کون تھے جن پر لعنت کی جارہی تھی؟ تیرا باپ ابوسفیان اونٹ پر سوار تھا۔ دوسرا تیرا بھائی عتبہ قیادت کا مجرم تھا۔ تیسرا تو خود تھا۔ اور میں نے تیری ماں ہندہ کو اور اس کی کوششوں اور قربانیوں کو بھی نہیں بھلایا ہے۔ جس نے وحشی کو انعام میں جو کچھ دیا اور جس سخاوت سے پیش آئی اس لئے کہ وحشی نے کمین گاہ سے اس حمزہؑ پر حملہ کیا اور اُسے قتل کیا جسے رحمٰن کے شیر کا لقب دیا گیا تھا۔ وحشی نے حمزہ کا پیٹ اور سینہ چاک کیا اور جگر نکال کر تمہاری والدہ کے سامنے بطور انتقام وانعام پیش کیا تھا۔ مگر محمدؐ نے یہ جھوٹا اعلان کیا کہ اس کے جادو کی قوت سے جب ہندہ نے حمزہ کا جگر کھانا چاہا تو وہ کھا نہ سکی اس لئے کہ وہ جادو سے پتھر بن گیا تھا۔ غور کرو کہ اُدھر تو یہ کہا کہ ہندہ نے جگر نہیں کھایا لیکن اس کے باوجود ادھر ہندہ کا نام مستقل طور پر جگر خوارہ رکھ دیا گیا۔ اور تمہیں جگر خورنی کا بیٹا کہا جاتا رہا ہے۔ اور مجھے تمہاری والدہ کی وہ باتیں بھی یاد ہیں جو اس نے اپنے شعروں میں کہی تھیں۔ اس نے فخریہ کہا تھا کہ؛

> ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ ہم مخملی گدیلوں پر چلنے والیاں ہیں۔ ہم اُن موتیوں کی طرح ہیں جو زینت بنتے ہیں۔ ہم وہ ہیں جنکی مانگ مشک وعنبر سے بھری جاتی ہے۔ اگر تم بڑھ بڑھ کر حملہ کرو تو ہم تمہیں سینے سے لگائیں گی اور اگر تم پیٹھ دکھا کر دشمن کے سامنے سے بھاگ جاؤ گے تو تم سے ہم جدا ہو جائیں گی۔ اور یہ جدائی رشتہ محبت کو منقطع کرنے والی ہوگی۔

ہندہ کی ساتھی مستورات ہسپانیہ کا بنا ہوا سنہری لباس پہنے ہوئے، کھلے چہروں اور سروں کے ساتھ آستینیں الٹے ہوئے محمدؐ کے خلاف جنگ پر جوانوں کو ابھارنے میں کوشاں رہیں۔ مگر ان تمام قربانیوں اور جنگ وجدل اور نقصان جان واموال کے محمدؐ کے مقابلہ میں تمہارے بزرگوں کو کامیابی نہ ہوئی اور آخر کار تم سب کو بادل نخواستہ اسلام قبول کرنا پڑا۔ مگر تم بھی دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ فتح مکہ کے روز تم لوگوں کو تو محمدؐ نے طلقا یعنی آزاد کردہ غلام قرار دیا۔ مگر اپنے اور علیؑ کے بھائیوں، زید اور عقیل اور چچا عباس کو اپنے مانند مسلم اور آزاد

قرار دیا۔ وہ وقت بھی آیا تھا جب تمہارے والد نے از راہ مجبوری محمدؐ سے کہا تھا کہ میں تمہارے دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہوں اور سواروں اور پیادوں سے تمہارے سامنے ہر میدان جنگ بھر دوں گا۔ مگر محمدؐ نے منظور نہ کیا اور اُلٹا ابوسفیان کی نیت پر شبہ کیا اور لوگوں میں اعلان بھی کر دیا اور کہہ دیا کہ اللہ ابوسفیان کے شر سے محفوظ رکھنے کیلیئے کافی ہے۔ ابوسفیان کی ذاتی رائے یہ تھی کہ کوئی محمدؐ کی حکومت پر قابض نہ ہوگا سوائے میرے یا علیؑ کے اور محمدؐ اور علیؑ کے اہل بیتؑ یہی چاہتے رہے۔ لیکن محمدؐ کا جادو آخر باطل ہو گیا۔ اُس کی کوششیں رائیگاں ہو گئیں اور حکومت پر ابوبکر اور پھر میں قابض ہو گئے۔ اور میری تمنا یہ ہے کہ اب بنی اُمیہ اس ساز و سارنگی کے تار بن جائیں۔ اس مقصد تک پہنچنے کیلیئے میں نے تمہیں ملک شام کا حاکم بنایا ہے۔ اور تمہاری گردن میں محمدؐ کی حکومت پر پورا قابو حاصل کرنے کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اور پوری مملکت میں تیرا خوب تعارف کرا دیا ہے۔ اور محمدؐ کی منشا اور مراد کے خلاف اقدامات کئے ہیں۔ اور بنی امیہ کے متعلق اُس کے تمام اقوال کی مخالفت کی ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ اس پر اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ اس نے قرآن میں شجرۂ ملعونہ بنی امیہ کو قرار دیا تھا۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے محمدؐ کی کھلی عداوت کا پتہ چلتا ہے۔ اور ہاشم اور اس کے بیٹے بھی مسلسل عبدالشّمس کے اور اُس کی اولاد کے دشمن رہے ہیں۔ اور میں ہمیشہ تمہارے والد کو اس سلسلے میں نصیحت کرتا رہا۔ اور اے معاویہ تجھے بھی وہی کچھ بتا رہا ہوں جو اسے بتاتا رہتا تھا اور تجھے بھی اسی طرح نصیحت کر رہا ہوں۔ تمہارے متعلق یہ اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں تم حقیقت حال کی گھٹن برداشت نہ کر سکو اور کہیں دل کی تنگی اور تکلیف کے روبرو تمہاری قوت برداشت جواب نہ دے جائے اور میری وصیت پر عجلت کو ترجیح نہ دے دو۔ اور کہیں تُو اس قدرت کو غلط استعمال نہ کرلے جو میں نے تیری سپردگی میں دی ہے۔ اور محمدی شریعت کی خلاف ورزی کر گزرے۔ اور لگے امت محمدیؐ کو طعن و تشنیع کرنے یا اُس کے مقرر کردہ قاعدوں کی حقارت کرے یا کوئی اور خلاف ورزی کرے تو تم تباہ ہو جاؤ گے۔ لہٰذا ہوشیار باش اور خبردار رہنا اس طرح وہ ساری محنت تباہ ہو جائے گی جو ہم نے کی ہے۔ تجھے قدم قدم پر یہ تصور دینا ہے کہ تجھ سے زیادہ کوئی محمدؐ کی تصدیق کرنے والا اور شریعت پر عمل کرنے والا نہیں ہے۔ ورنہ جو ہم نے تعمیر کی ہے تو اسے منہدم کر دے گا اور ہماری فراہم کردہ بلندی ذلت سے بدل جائے گی۔ مسجد میں یا منبر پر جائے ہر جگہ محمدؐ کی مکمل تصدیق کر اور بظاہر اس کی مکمل سنت پر قائم رہ البتہ دل میں شریعت کو اپنے حق میں مفید بنانے کا پروگرام رکھ۔ لوگوں سے بڑی محبت، بردباری اور سخاوت سے پیش آ، اُن کو اُن ہی کی تلوار سے قتل کرنے کا انتظام کر، عطیات دے کر انہیں اندھا کر دے، ہرگز یہ تاثر نہ دے کہ تو دین کو نظر انداز کرتا ہے۔ دین کی سختی سے پابندی کو ان کی تباہی کا وسیلہ بنا ڈال۔ انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے نرم ہو جا اور کنجوسی چھوڑ دے۔ ان میں پھوٹ ڈال مگر بیٹھنے کے لئے اونچا مقام دیتا رہ۔ اور شرفیاب ہونے والوں سے کام لے، بدخواہوں کے لئے خیر خواہوں کو تیار کرتے رہنا۔ جو کچھ بھی کرے اس کو شریعت محمدؐ اور سنت نبیؐ کی شکل دے کر کرنا ورنہ یہ امت ہمارے خلاف فساد برپا کر دے گی۔ کوئی بات شرعی اعتبار سے قابل اعتراض نہ ہونے دینا۔ اُن کا قتل عام جاری رکھنے کے لئے ان کے رئیسوں کو ملا کر رکھنا۔ ہمیشہ خوش روئی اور مبارکباد سے پیش آنا اور بظاہر غصہ کے وقت ضبط کرنا اور معافی دیتے رہنا، وہ تم سے محبت کریں گے اور زیادہ مطیع ہو جائیں گے۔ لیکن یہ نوٹ کر لو کہ وہ شیر نہ ہم سے متفق ہوا نہ تجھ سے دبے گا وہ علیؑ ہے۔ اور اس شیر کے یہ بچے حسنؑ اور حسینؑ بھی ہمارے اور تیرے ساتھ ہم خیال نہ ہوں گے۔ اور اگر تیرے لئے یہ ممکن ہو جائے کہ

تو امت میں سے ایک جماعت کو ان کے خلاف کر کے ملالے تو ضرور اقدام کرنا۔ اور دیکھ چھوٹی موٹی چھیڑ چھاڑ پر قناعت نہ کرنا جو بھی کرو انتہائی اور عظیم درجہ کا قدم اٹھانا۔ اور دیکھ میری اس وصیت کا تحفظ اور اطاعت کرنا، راز میں رکھنا ظاہر نہ کرنا۔ اسکی خلاف ورزی سے ڈرتے رہنا، اپنے آباؤ اجداد کی پیروی کرنا اور اُن کا انتقام لینا اور اُن کے دشمنوں کو مٹاتے رہنا۔ میری اس وصیت اور نصیحت پر عمل کرو گے تو میں تمہاری کامیابی کا ذمہ دار ہوں۔ اور سن؛

اے معاویہ!! وہ قوم اُبھر کر چھا جاتی ہے اور اُس کے تمام معاملات درست ہو جاتے ہیں جو ایسی اسکیم لے کر اٹھے جو تمام مخلوق کو بتدریج میری طرح اندھا کر سکے۔ میں نے اُس دین کی طرف بچوں کی طرح قدم بڑھایا جس نے مجھے ہمیشہ مشکوک رکھا اور میں اس سے بہت دور ہوتا جس دین نے میری کمر توڑ دی تھی۔ اور اگر تو بھول جائے تو ولید اور شیبہ اور عتبہ وعاص کو نہ بھلانا جو بدر کے روز عاجز ہو کر گرے تھے۔ اور جن کا نظروں سے غائب ہو جانا میرے دل کی گہرائی میں سانپ کے ڈسنے کی تکلیف رکھتا رہا۔ ادھر ابو حکم ضئیل سے میرا محروم ہو جانا بھی تقاضہ کرتا ہے کہ تم ان کا بدلہ ہندوستانی تلواروں کی دھار اور نیزوں کی بھالوں سے لینا۔ اہل شام سے بہترین سلوک کرنا وہ لوگ شیروں کی مانند ہیں باقی لوگ تو گونگے اور بے فیض ہیں۔ اس دین کو خلط ملط کر دینا جو ہم پر جادو کے زور سے مسلط کیا گیا تھا۔ وہ کینہ پروری تمہیں معلوم ہے جس سے ماضی میں نضر کی ساری اولاد کو اندھا کر دیا گیا تھا۔ تو ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک انتقام کیلئے اسی دین کو آلہ کار نہ بنائے۔ چنانچہ اس قوم کو اس تلوار سے قتل کرنا جو عمر نے تیار کی ہے۔ یہی مقصد ہے جس کیلئے تجھے ملک شام کی حکومت دی گئی اور یہ تمنا کی گئی ہے کہ تو اس مقصد کیلئے اپنے بزرگ صخر کی وجہ سے بہت ہی مناسب ہے۔''

راوی نے کہا کہ جب عبداللہ بن عمر یہ عہد نامہ پڑھ چکا تو کھڑا ہوا اور یزید کے سر پر بوسہ دیا اور کہا کہ الحمد للہ تو نے اُس خرید و فروخت کرنے والے اور سودا بازی کرنے والے کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور یہ بھی سمجھ لے کہ میرے باپ نے مجھے بھی ایسا ہی راز سنایا تھا۔ جیسا کہ تیرے والد کو بتایا ہے۔ آج سے میں پروردگان محمدؐ اور محمدؐ کے شیعوں پر کڑی نگرانی رکھوں گا۔ انہیں دور سے دور رکھوں گا اور اُن کو ہرگز خیر اندیش نہ سمجھوں گا۔ یزید نے کہا کہ اے عبداللہ یہی منشا اور وضاحت ہے اس رازدارانہ اسکیم اور عملدرآمد کی۔

(اکسیر العبادات فی اسرار الشہادات۔ صفحہ 112-108)

55۔ محبانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نجات یقینی اور قانونی حیثیت سے طے شدہ ہے

چونکہ نجات دہندۂ نوع انسانی کا تذکرہ مکمل ہو رہا ہے۔ اس لئے یہاں ضروری ہے کہ موالیان اہلبیت علیہم السلام کو ایک ایسی حدیث سُنا دی جائے جسے ایک ہزار سال پہلے قدیم شیعہ ریکارڈ میں سے نقل کر کے معتبر ترین کتابوں میں لکھ تو لیا گیا تھا۔ لیکن سرکاری علما کے دباؤ اور طعن وطنز کے خوف سے اور اُن کے خود ساختہ مذہب کی تائید کے لئے زبانوں پر نہیں لایا گیا۔ مگر فطری اور خدائی صورتِ حال اور انتظام کے ماتحت پوری امت کو روحانی طور پر معلوم ہو جاتی ہے۔ اور بزرگان عظام اور شعرائے کرام اپنے اقوال واشعار میں بھی

مومنین کو بتاتے چلے آتے ہیں۔اور یہ بھی ایک مستقل حقیقت ہے کہ خانہ ساز مذہب کی عائد کردہ غیر فطری اور خلافِ اسلام پابندیوں کی بنا پر اسی فیصد گناہ ہوتے ہیں۔مثلاً آنخضرتؐ کے زمانہ میں خود آپؐ سے اور صحابہ رضی اللہ عنھم سے مسلمان براہ راست رشتہ مانگتے تھے۔ لیکن اگر آج کوئی جوان مسلمان کسی مولوی یا مفتی یا علامہ یا مجتہد کے پاس جا کر کہے کہ جناب میں آپ کی بیٹی سے نکاح کی درخواست کرتا ہوں تو یہ لوگ ایسی بات کہنے والے کو قتل نہیں تو سرِ بازار رُسوا ضرور کرادیں گے۔اسلام نے اجازت دی تھی اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے عمل بھی کیا اور تعلیم بھی دی کہ ایک بالغ اور جوان مسلمان ایک بالغ اور آزاد و جوان مسلمان لڑکی سے براہ راست خود نکاح کی درخواست کرے۔لیکن آج ایسا کرنے والے لڑکے کو نہ سہی مگر لڑکی کو اُس کے ماں باپ ضرور مار ڈالیں گے۔ اس قسم کے غیر فطری وغیر اسلامی مذہب نے لوگوں کو مجبور کیا ہے کہ وہ اپنے حقوق کے لئے اقدامات کریں اور مُلّا ازم اُن کو سزائیں دے کر حکومت کا خزانہ بھرے۔ جہاں جہاں یہ مصنوعی اور خود ساختہ مذہب اور مُلّا ازم نہیں ہے وہاں گناہ کم ازکم ہوتے ہیں۔یعنی مُلّا ازم خود گناہوں کی کان ہے جہاں دن رات گناہ جنم لیتے ہیں۔اب آپ حدیث سنیئے۔ جناب علامہ شیخ صدوق رضی اللہ عنہ اپنی کتاب علل الشرائع میں آخری حدیث (نمبر 81) یوں شروع فرماتے ہیں کہ:۔

عن ابی اسحاق اللیثی قال: قلتُ لابی جعفر محمد بن علی الباقر(ع) یابن رسولؐ اللّٰہ اخبرنی عن المؤمن المستبصر اذا بلغ فی المعرفة وکَمَلَ هَلْ یزنی؟ قال: اَللّٰهُمَّ لا ۔ قال: قلتُ فیلوطه ؟ قال: اللهم لا ۔ قلتُ فیسرق ؟قال لا ۔قلتُ فیشرب الخمر ؟ قال: لا ۔ قلتُ فیاتی بِکبیرة مِن هٰذه الکبائر ؟ اَوْفاحشة مِنْ هذه الفواحش ؟ قال:لا۔ قلت فیذنب ذنبًا؟ قال:نعم۔ هُوَ مؤ مِنٌ مُذنبٌ مُلم۔ قلت مامعنی ملم ؟ قال: اَلملم بالذنب لا یلزمه ولا یصیر علیه ۔ قال: فقلت سبحان اللّٰہ مااعجب هذ ا لایزنی ولا یلوط ولا یسرق و لا یشرب الخمر ولا یاتی بکیرة من الکبائر ولا فاحشة۔

فقال:۔ لاعجب مِن امر اللّٰہ؛" اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ "(22/18) و،

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ۔(21/23)

فَمِمَّ عَجِبْتَ یاابراهیم ؟ سَلْ ولا تستنکف ولا تستحی فانّ هذا العلم لَا یتعلمه مستکبر ولا مستحی ۔ قلتُ: یابن رسولؐ اللّٰہ اِنّی اَجِدُ مِن شیعتکم مَن یشرب الخمر ویقطع الطریق ویخیف السبل ویزنی ویلوط ویاکل الربوا ویرتکب الفواحش ویتهاون بالصّلاة والصیام والزکاة ویقطع الرحم ویاتی الکبائر فکیف هذا ولِمَ ذاک ۔ فقال یاابراهیم هَل یختلج فی صدرک شیی ءٍ غیرهذا؟قُلْتُ نعم یَابْنَ رسولؐ اللّٰہ اُخرٰی اعظم مِن ذٰلک ۔فقال: وَماهو یااابااسحاق ؟ قال: فقلتُ یابن رسولؐ اللّٰہ واَجِدُ مِن اعدائِکم ومناصبیکم مَن یکثر مِن الصلاة ومِن الصیام ویخرج الزکا ة ویتابع بین الحج والعمرة ویحرص عَلَی الجهاد ویا ثر علی البِرّ وعلٰی صلة الارحام ویقضی حقوق اخوانه ویواسیهم مِن ماله ویتجنب شرب الخمر والزنا واللواط وسائرالفواحش فَمِمَّ ذَاکَ ؟ وَلِمَ ذَاکَ فَسِرّهُ لِیْ یابن رسولؐ اللّٰہ وبرهنه وبَیّنه فقد واللّٰہ کثرفکری واسهرلیلی وضاق ذرعی ؟ قال: فتبسم الباقر صلوات اللّٰہ علیه ثُمَّ قال: یاابراهیم خُذالیک بیانًاشافیًا فیما سألت وعلمًا مکنونًا من خزائن علم اللّٰہ وسِرّه۔اخبرنی یاابراهیم کیف تَجد اعتقاد هما ؟ قلتُ یابن رسولؐ اللّٰہ اجد مُحِبّیکم وشیعتکم علٰی ماهم فیه مِمّا وصفته مِن افعالهم لواعطی احد هم مابین المشرق والمغرب ذَهَبًا وَّفِضّة اَنْ یزول عن ولایتکم ومحبتکم اِلٰی موالاة غیرکم والٰی مُحبتهم ما

زال و لو ضربت خیاشیمہ بالسیوف فیکم و لو قتل فیکم ما ارتدع و لا رجع عن محبتکم و ولایتکم۔ وَاَری الناصب علٰی ماھوعلیہ مِمَّاوصفتہ مِن افعالھم لواعطی احد ھم ما بین المشرق والمغرب ذَھَبًا وفضّۃ اَن یزول عن محبۃ الطواغیت وموالاتھم اِلٰی موالاتکم مافعل ولازال ولو ضربت خیاشیمہ بالسیوف فیھم ولو قتل فیھم ماارتدع ولا رجع واذا سمع احدھم منقبۃ لکم وفضلًا اشمأ زمِن ذٰلک وتغیّر لونہ ورای کراھیّۃ ذلک فی وجھہ بُغضًا لکم ومحبۃ لھم ۔قال: فتبسّم الباقر علیہ السلام ثُمَّ قال: یاابراھیم ھاھنا۔

(1)۔ ''ھلکت ،العاملۃ النَّاصِبَۃٌ۔ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً۔ تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَۃٍ۔'' (سورہ غاشیہ)ومِن اجل ذلک قال تعالٰی:۔

(2)۔ ''وَقَدِ مْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُورًا۔'' (فرقان 25/23)

ویحک یاابراھیم ا تدری ماالسبب والقصۃ فی ذلک وماالذی قدخفی علَی الناس منہ ؟ قلتُ: یابن رسولؐ اللّٰہ فبیّنہُ لی واشرحہُ وبرھنہُ ۔قال: یاابراھیم اِنّ اللّٰہ تبارک وتعالٰی لم یزل عالِمًا قد یمًا خلق الاشیاء لَا مِنْ شَیْ ءٍ ومَنْ زَعَمَ۔ اَنَّ اللّٰہ تعالٰی خَلَقَ الاشیاء مِن شَیْ ءٍ فقد کَفَرَ ۔لِاَنَّہٗ لوکان ذٰلک الشیء الَّذی خلق منہ الاشیاء قدیمًا معہ فی ازلیّتہ وھو یتہ کان ذلک الشیء ازلیًّا۔ بَلْ خلق اللّٰہ تعالٰی الاشیاء کُلَّھا لَا مِن شَیْیٍ ءٍ۔ فکان مِمَّاخلق اللّٰہ تعالٰی ارضًا طیّبۃ ثُمَّ فجرمنھا ماءً عذبًا زلا لًا فعرض علیھا وِلایتنا اھل البیتؑ فقبلتھا ۔ فاجری ذلک الماء علیھا سبعۃ ایام طبقھا وعَمّھا ثمّ انضبّ ذلک الماء عنھا فاخذ مِن صفوۃ ذلک الطین طینًا فجعلہ طِین الا ئمۃ علیھم السلام ۔ ثُمَّ اخذ ثفل ذلک الطین فخلق منھا شیعتنا ولو ترک طینتکم یاابراھیم عَلٰی حالہ کماترک طینتنالَکُنْتُمْ ونحن شَیْئًا واحدًا ۔قلتُ: یابن رسولؐ اللّٰہ فما فعل بطینتنا ؟ قال: اخبرک یاابراھیم خلق اللّٰہ تعالٰی بعد ذلک ارضًا سبخۃً خبیثۃً منتنۃً ثُمَّ فجرمنھا ماءً اُجاجًا آسنًا مالِحًا فعرض علیھا ولایتنا اھلؑ البیت فلم تقبلھا فاجری ذٰلک الماء علیھا سبعۃ ایام حتّٰی طبقھا وعَمَّھا ثُمَّ اَنضَبّ ذلک الماء عنھا ثُمَّ اخذ مِن ذلک الطین فخلق منہ الطغاتہ وآئِمتھم ثُمَّ مزجہ بثفل طینتکم ولوترک طینتھم علٰی حالِھا ولم یمزج بطینتکم لم یشھد واالشھادتین ولا صلّوا ولا صامواو لازکواولا حجّوا ولَا اَدُّ وا الامانۃ ولا اشبھوکم فی الصور۔ولیس شَیْ ءٍ اکبر عَلَی المؤمِنِ مِنْ اَن یرٰی صورۃ عُدُوّہ مثل صورتہ۔ قلت: یابن رسوؐل اللّٰہ فما صَنَعَ بالطّینتَیْنِ ؟ قال: مزج بینھما بالماء الاوّل والماء الثانی ثُمَّ عرکھا عرک الادیم ثُمَّ اخذ مِن ذلک قبضۃ فقال ھذہ اِلَی الجنّۃ ولا اُبَالی واخذ قبضۃ اُخرٰی وقال: ھٰذہ اِلَی النارولا اُبَالی ۔ ثم خلط بینھما فوقع مِن سنخ المؤمن وطینتہُ علٰی سنخ الکافر وطینتہ ووقع مِن سنخ الکافر وطینتہ علٰی سنخ المؤمن وطِینتہ ۔ فمارا یتہُ مِن شیعتنا مِن زِنَااَوْلواط اَوْ ترک صلاۃ اَوْصوم اَوْحجّ اَوْجھاد اَوْ خیانۃ اوکبیرۃ مِن ھذہ الکبائر فھو مِن طینۃ الناصب ۔ وعنصرہ الذی قد مزج فیہ لِاَنَّ من سنخ الناصب وعنصرہ وطینتہ اکتساب المآثم والفواحش والکبائر ۔ ومارَاَیْتَ مِن الناصب مِن مواظبۃ عَلَی الصلاۃ والصیام والزکاۃ والحجّ والجھاد وابواب البِرّفھو من طینۃ المؤمن وسنخ الذی قدمزج فیہ لِاَنّ مِنْ سنخ المؤمن وعنصرہ وطینتہ اکتساب الحسنات واستعمال الخیرواجتناب المآثم۔ فاذا عرضت ھذہ الاعمال کُلّھا عَلَی اللّٰہ تعالٰی

قال:۔ اَنَا عَدْلٌ لَااَجُوْرُ ومُنْصِفٌ لَااَظْلَمُ وحکم لَا اَحَیْفُ ولَا اَمِیْلُ ولا اَشْطَطُ اِلْحَقُوْاالاعمال السَّیئَۃ التی اجترحھا المؤمن بسنخ الناصب وطینتہ ۔ والحقوا الاعمال الحسنۃ الَّتِیْ اکتسبھا الناصب بسنخ المؤمن وطینتہ۔رَدُّ وھا کُلَّھَا اِلٰی اصلھا ۔ فَاِنّی اَنَااللّٰہ لا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا عَالم السِرّ واخفی وانا المطلع علٰی قلوبِ عبادی لَا اَحیفُ ولا اَظلمُ ولا الزمُ احدًا اِلَّا ما عرفتہ مِنْہُ قبل اَنْ

اخلقه۔ ثُمَّ قال البا قرعلیه السلام اِقراَء یاابراهیم هذه الایت۔ قلت یابن رسولؐ اللّٰه اَیُّهُ ایَةٍ ؟

قال: قوله تعالٰی، قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْن۔(یوسف 12/79)

هُوَ فی الظاهر ماتفهمونه هُوَ واللّٰه فی الباطن هٰذا بعینه یاابراهیم ۔ اِنّ للقرآن ظاهرًا وباطنًا ومُحکمًا ومتشابهًا وناسخًا ومنسوخًا ۔ ثُمّ قال: اخبرنی یاابراهیم عَنِ الشّمْسِ اذا طلعت وبداشعاعها فی البلدان اَهُوَباین مِنَ القرس؟ قُلْتُ فی حال طلوعه باین ۔قال: اَلیس اذاغابت الشمس اتصل ذ لک الشعا ع بالقرص حتّٰی یعود اِلَیْه؟ قلت نعم۔ قال: کذلک یَعُود کُلَّ شَیْ ءٍ الٰی سنخه وجوهره واصله ۔فاذا کان یوم القیامة نز ع اللّٰه تعالٰی سنخ الناصب وطینته مع اثقاله واوزاره من المؤمن ۔فیلحقها کُلّها بالناصب وینزع سنخ المؤمن وطینته مع حسناته وابواب بِرّه واجتهاده مِن الناصب فیلحقها کُلّها بالمومن اَفَتَری هَاهُنا ظلمًا اَوُعُد وانًا ؟ قلت لا ۔ یابن رسولؐ اللّٰه قال: هٰذا واللّٰه القضاء الفاصِل والحکم القاطع والعدل البیّن " لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْن"(انبیاء 21/23)۔ هٰذ ا یاابراهیم ،

" اَلْحَقُّ مِن رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْن"(بقره 2/147)

هٰذا مِن حکم الملکوت ۔ قُلْتُ یابن رسولؐ اللّٰه وماحکم الملکوت ؟ قال: حکم اللّٰه حکم انبیائهؐ ۔وقصة الخضر وموسٰی علیهما السلام حین استصحبه۔

" قَالَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ وَکَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔"(الکهف 68-18/67)

اِفهم یاابراهیم واَعقل انکر موسٰی عَلَی الخضرؑ وَ استفظع افعاله حتّٰی قال لَهُ الخضریا موسٰی ،

"وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ذٰلِکَ تَاوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا"(کهف 18/82)

"اِنّما فَعَلْتُهُ عَنْ امراللّٰه تعالٰی ۔" مَنْ هٰذا ویحک یاابراهیم ؟ قرآنٌ یتلٰی واخبار تؤثرعن اللّٰه تعالٰی من رَدّ منها حرفًا فقدکَفَرَ واَشْرَک وردّ عَلَی اللّٰه تعالٰی ۔قال اللیثی (ابواسحاق ابراهیم): فَکَاَنّی لَمْ اَعْقَلُ الآیات واَنَا اقراُها اربعین سنة اِلَّا ذلک الیوم فقلت یابن رسولؐ اللّٰه مااَعجب هٰذا تؤخذ حسنات اعدائکم فترد عَلٰی شیعتکم وتؤخذ سیئات مُحبّیکم فتردّ علٰی مبغضیکم ؟ قال:ای واللّٰهِ الذی لااِلٰه الّا هُوَ فالق الحبّة وباری النسمة وفاطرالارض والسمآء مااخبرتک اِلّا بالحقّ وما اَنْبَئْتُک اِلَّا الصدق وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ، وَمَااللّٰه بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْد وَاَنَّ مااخبرتک لموجود فی القرآن کُلّهٗ ۔ قلتُ هٰذا بعینه یوجد فی القرآن ؟ قال: نعم یوجد فی اکثر مِن ثلا ثین موضعًا فی القرآن اتحبّ اَنْ اَقْراء ذلک علیک؟ قلتُ بلٰی یابن رسولؐ اللّٰه ۔ فقال قال اللّٰه تعالٰی:۔

"وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِیْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰیٰکُمْ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِیْنَ مِنْ خَطٰیٰهُم مِّنْ شَیْءٍ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْن۔وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَا لًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ۔" (العنکبوت 13-29/12)

ا اَزیدکَ یاابراهیم ؟ قُلْتُ بلٰی یابن رسوؐل اللّٰه قال:

(1)۔ " لِیَحْمِلُوْا اَوْزَارَهُمْ کَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ا لَاسَآء مَا یَزِرُوْنَ ۔" (نحل16/25)

ا تحَبّ اَنْ اَزِیْدُکَ ؟ قلتُ بلٰی یابن رسول اللّٰه۔ قال:۔

(2)۔ " فَاُوْلٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِیْمًا۔ "(فرقان 25/70)

یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیئات شیعتنا حسنات و یُبَدِّلُ اللّٰه حسنات اَعْدائِنَا سیئات وجلال اللّٰه اَنّ هٰذالِمَن عدله وانصافه ۔لارَادَّ لِقَضَائِهٖ وَلَا

مُعَقّبٌ لِحُکْمِہٖ وھوسمیع العلیم۔ اَلَمْ اَبَیِّن لَکَ اَمْرَالمزَاج والطِّینَتَیْنِ مِنَ القرآن ؟ قُلْتُ بَلٰی یاابن رسوؐل اللّٰہ قال: اِقرأ یاابراھیم ۔'' اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰئِرَ الْاِ ثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ھُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (یعنی من الارض الطّیبة والارض المنتنة)... فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی۔(النجم 53/32)

یقول لا یفتخراحدکم بکثرة الصلاتِہٖ وصیامِہٖ وزکاتِہٖ ونُسُکِہٖ لانَّ اللّٰہ تعالٰی اعلم بِمن اتقی منکم فان ذلک مِن قبل اللمم وھوالمزاج۔ازیدک یاابراھیم ؟ قلتُ: بلٰی یابن رسوؐل اللّٰہ۔ قال:

''کَمَا بَدَ اَ کُمْ تَعُوْدُوْنَ۔ فَرِیْقًا ھَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْھِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّھُمُ اتَّخَذُ وا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِن دُ وْنِ اللّٰہِ۔(یعنی آئمة الجوردُوْنَ آئِمَّةُ الْحَقّ)۔وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔'' (اعراف 30-7/29)

خُذْاِلَیْکَ یااَبَااسحٰق فَوَاللّٰہِ انَّہُ لَمِن غُرَرَ اَحَادِیثنا وباطن سرائرنا ومکنون خَزَائِنَنَا وانصرف ولا تطلع علٰی سِرِّنَا اَحَدًا اِلَّا مؤمنًا مُسْتبصرا فانّک اِنْ اَذَعْتَ سِرَّنَا بَلَیْتَ فی نَفْسِکَ وَمَالِکَ واَھْلِکَ وَوُلدکَ۔(تم الکتاب علل الشرائع)

جناب ابواسحاق (ابراہیم) لیثیؒ نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ مجھے ایسے صاحبِ بصیرت مومن کے متعلق بتائیں جو دینی معرفت میں کامل ہوگیا ہو۔کیاوہ زنا کرتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔میں نے پوچھا کہ کیاوہ اغلام بازی کرتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں۔میں نے دریافت کیا کہ کیاوہ چوری کرتا ہے؟ فرمایا نہیں۔میں نے کہا کہ کیاوہ شراب پیتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔میں نے عرض کیا کہ کیاوہ اِن کبیرہ گناہوں میں سے کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے یا اِن فحش باتوں میں سے کوئی بے حیائی کرتا ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔میں نے پوچھا کہ کیاوہ گناہ کرتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں وہ گنہگار مومن ہوتا ہے جو حادثہ سے دوچار ہوجاتا ہے۔میں نے دریافت کیا کہ حادثہ سے دوچار ہوجانے سے آپؑ کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ وہ مومن اُس گناہ کو لازمی طور پر نہیں کرتا اور نہ اُس کی تاک میں لگا رہتا ہے۔راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا سبحان اللہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہ زنا بھی نہیں کرتا، اغلام بھی نہیں کرتا، شراب بھی نہیں پیتا اور کبیرہ گناہ بھی نہیں کرتا اور کسی بے حیائی سے بھی ملوث نہیں ہوتا؟ امام محمدؑ باقر نے فرمایا کہ اللہ کے دین اور اُس کے معاملات میں تعجب نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ اللہ نے قرآن کریم میں یہ فرمادیا ہے کہ اللہ تو،

(1)۔ ''یقیناً جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔'' (سورہ الحج 22/18)

(2)۔ ''اللہ سے اُس کے کاموں اور افعال پر باز پرس نہیں کی جاسکتی البتہ انسانوں سے اُن کے کاموں اور افعال پر باز پرس کی جائے گی۔'' (سورہ انبیاء 21/23)

بہرحال اَے ابراہیم یہ بتاؤ کہ تمہیں حقیقتاً کس بات پر تعجب ہوا ہے؟ تحقیق کے معاملہ میں نہ تو شرمانا چاہئے اور نہ دریافت کرنے سے باز رہنا چاہئے۔اِس لئے کہ علمی تکبر اور شرمانے سے علم حاصل نہیں ہوسکتا۔

میں نے عرض کیا کہ حضورؐ میں تو آپ کے شیعوں میں ایسے لوگ پاتا ہوں جو شرابی، زانی، ڈاکو، سُودخور، دہشت پسند، اور اغلام کرنے والے اور بے حیائی میں مبتلا ہیں۔اور نماز، روزہ اور زکاۃ سے کتراتے ہیں اور حقوق غصب کرتے ہیں اور ہر بڑا گناہ کرتے رہتے ہیں۔بتایئے آپؑ کے جواب سے اِس کا کیا تعلق ہے؟ امامؑ نے فرمایا کہ اَے ابراہیم کیا تمہارے دل میں اِن کے علاوہ کوئی اور اعتراض

یا سوال بھی ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں وہ اس سے بھی بڑی بات ہے۔ امامؑ نے پوچھا کہ اے ابواسحاق بتاؤ وہ کیا ہے؟ راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا کہ اَے فرزندرسولؐ میں آپ کے دشمنوں میں اور آپ کے منصب کو غصب کر لینے والوں میں ایسے لوگ پاتا ہوں جو نماز و روزہ کثرت سے بجالاتے ہیں؛ زکاۃ نکالتے ہیں؛ حج وعمرہ بار بار کرتے ہیں؛ جہاد پر دلچسپی لیتے ہیں۔ نیکی کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رشتہ داروں کی مدد کرتے ہیں۔ اوراپنے مسلمان بھائیوں کی ضروریات پُوری کرتے ہیں اور انہیں ترجیح دیتے ہیں۔ اور شراب خوری، زنا، لواطت، اور تمام فحش کاموں سے باز رہتے ہیں۔ بتایئے یہ کیا قصہ ہے اور آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ مجھے اس صورت حال کی وضاحت واضح اور بیّن دلائل کے ساتھ سمجھائیں۔ یقین فرمائیں کہ اَے رسولؐ کے بیٹے میری بے چینی اور فکر نے راتوں کی نیند حرام کردی ہے، میرے ہاتھ رُک گئے ہیں کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ راوی نے کہا کہ یہ سب کچھ سُن کر امام محمدؑ باقر مسکرائے۔ پھر فرمایا کہ اے ابراہیم میں جو اطمینان بخش بیان دینے والا ہوں اُسے سمجھنے اور نوٹ کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ۔ جو کچھ تم نے دریافت کیا ہے اُس کا تعلق اللہ کے ذاتی علم واسرار اور غیبی علوم کے خزانہ سے ہے۔ بہرحال اے ابراہیم مجھے اتنا اور بتادو کہ تم نے اُن دونوں گروہوں یا فرقوں کا عقیدہ کیسا پایا ہے؟ میں نے بتایا کہ اے رسولؐ کے بیٹے میں نے تمہارے چاہنے والوں اور شیعوں کے افعال واعمال اور اُن کی جو صفات بیان کردی ہیں اُن کے باوجود اُن کا حال یہ ہے کہ اگر اُن میں سے کسی ایک کو مشرق ومغرب کے درمیان جتنا سونا چاندی اور جو کچھ بھی ہے سب دیا جائے اور اُن سے آپؑ کی محبت اور ولایت کو چھوڑ کر تمہارے غیر کی محبت اور حکومت کو اختیار کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ ہرگز ایسا نہ کریں گے خواہ اُن کی ناک کاٹ لی جائے یا تلواروں سے انہیں قتل کردیا جائے۔ نہ وہ اپنے عقیدے میں ڈگمگائیں گے نہ آپؑ کی محبت اور حکومت کو چھوڑ دیں گے۔ اِسی طرح میں نے آپکے منصب کو غصب کرنے والوں کو دیکھا ہے اور اُن کے جو افعال وصفات بیان کئے ہیں، اُن کے باوجود وہ بھی ساری دنیا کا سونا چاندی مل جانے پر طاغوتوں کی محبت کو چھوڑ کر آپؑ کی محبت وحکومت کو اختیار نہ کریں گے خواہ انہیں تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جائے یا اُن کی ناک کاٹ لی جائے۔ اور اُن میں سے جب بھی کوئی شخص آپ حضراتؑ کے فضائل اور مناقب وفضل وکرم کی بات سنتا ہے تو اِس سے وہ بے چین اور غضب ناک ہوجاتا ہے۔ اُن کا رنگ بدل جاتا ہے اور ناگواری اُن کے چہروں سے صاف نظر آنے لگتی ہے اور اِس کا سبب آپؑ سے بغض اور اُن شیاطین سے محبت ہے۔ راوی نے بتایا کہ یہ جواب سن کر بھی امام محمد باقر علیہ السلام مسکرائے۔ پھر فرمایا کہ اے ابراہیم یہی صورت حال تو ہے جو قرآن میں مذکور ہے کہ:۔

(1)۔ ''منصب غصب کرکے اُس پر عمل کرنے والے ہلاگت میں پڑ گئے۔ بھڑکتی آگ میں نماز پڑھیں گے اور کھولتا ہُوا پانی پیا کریں گے'' (غاشیہ 88/3-5)۔ اور اُسی سبب سے اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

(2)۔ ''ہم نے قدیم زمانہ سے اُن کے اعمال میں سے اس عمل کو مدنظر رکھا اور اُن کو اور اُن کے اعمال کو ریت کے ذرات کی طرح بکھیر کر ضائع کردیا۔'' (فرقان 25/23)

افسوس ہے اے ابراہیم اِن آیات میں صاف الفاظ (العاملة الناصبة) دیکھتے ہوئے بھی کیا تُو اس قدر نہیں سمجھا کہ وہ کون سا سبب ہے جو یہ قصہ عوام الناس کی سمجھ سے پوشیدہ رہ گیا؟ میں نے عرض کیا کہ اے رسولؐ کے بیٹے آپ ذرا کھول کر دلیل وبرہان سے اس کی

تفصیل بیان فرمادیں۔فرمایا کہ اے ابراہیم بلا شک وشبہ اللہ ہمیشہ سے مُسلسل اور عالم وعلیم رہتا چلا آیا ہے۔اوراُس نے تمام اشیاء کو بلاکسی چیز کے پیدا کیا ہے۔اورجن کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ نے اِن مخلوقات کو کسی اور چیز سے پیدا کیا تھا وہ کافر ہیں۔اس لئے کہ اگر وہ چیز جس میں سے مخلوقات کو بنایا، اللہ کے ساتھ ہمیشہ سے قدیم ہو تو اُسے بھی اللہ کی قدامت، ازلیّت اور وجود میں شامل سمجھنا پڑے گا۔ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ نے تمام چیزوں کو اپنی قدرت وارادہ سے پیدا کیا اُس وقت کوئی اور چیز اللہ کے سوا موجود ہی نہ تھی۔لہٰذا اللہ نے جس قدرت وارادہ سے ایک بنیادی پاکیزہ مٹی پیدا کی، پھر اُس پر میٹھا خالص پانی بہایا اور اُس مُرکب پر ہماری ولایت کو پیش کیا اور اُس نے ولایت کے اثرات کو قبول کرلیا۔پھر ہماری ولایت کے اثرات کو جذب کرنے کے لئے پانی کو سات دن کا موقعہ دیا کہ ولایت کا اثر اُس کے ہر ذرہ وطبقہ میں سرایت کر جائے۔پھر اُس پانی کو اُس مٹی میں جذب ہونے دیا۔پھر اُس پانی اور مٹی کے مُرکب سے اُس کا جوہر نکال کر اُس جوہری طینت کو آئمہ علیھم السلام کے اجسام کے لئے بُنیاد بنایا۔پھر آئمہؑ والی جوہری طینت کے مَیل (SEDIMENT) سے ہمارے شیعوں کے اجسام کو بنانے کا انتظام کیا۔اور اگر تمہارے والی طینت کو بھی ہماری طینت کی طرح سابقہ حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو ہم تم جسم کے معاملہ میں یکساں ہوتے۔

میں نے کہا کہ اے فرزند رسولؐ پھر ہماری طینت کے ساتھ اللہ نے کیا کیا؟ امامؑ نے فرمایا کہ میں یہی بتا رہا ہوں کہ اِس کے بعد اللہ نے ایسی مٹی پیدا کی جو اپنی خاصیت میں نمکین، گندی اور بدبُو دار تھی۔پھر اُس پر کڑوا، کھارا اور سَڑا ہوا پانی بہایا اور اُس پانی میں ہماری ولایتؑ کو ڈالا لیکن اُس پانی نے ہماری ولایت کا اثر قبول نہ کیا۔پھر اُس پانی کو سات روز کا موقعہ دیا کہ وہ کسی طبقہ وذرہ میں ولایت کا اثر جذب کرلے۔پھر اُس پانی کو اُس مٹی میں جذب ہوجانے دیا۔پھر اُس پانی اور مٹی کے مُرکب میں سے باغیوں اور اُن کے راہنما اماموں کو پیدا کیا۔پھر اُس مرکب میں تمہاری مَیل والی طینت کو ملا دیا۔اور اگر اُس مرکب کو یعنی باغیوں اور طاغیوں کی طینت کو خالص رہنے دیا جاتا اور تمہاری طینت سے نہ ملایا جاتا تو اُس سے پیدا ہونے والے نہ تو توحید ورسالت کی گواہی دیتے، اور نہ نماز پڑھتے، نہ روزہ رکھتے، نہ زکوٰۃ دیتے اور نہ ہی حج کرتے اور نہ کوئی امانت ادا کرتے۔اور نہ صورت وشکل میں تم سے مشابہ ہوتے۔اور ایک مومن پر اس سے زیادہ گراں اور ناگوار گزرنے والی اور کوئی بات نہیں کہ اُس کا دشمن بھی اُسی کے ہم شکل ہو۔یعنی اُس سے بچنے اور اُسے پہچاننے میں وہ سہولت نہیں ہے جو شیر یا سانپ کو دیکھ کر حاصل ہوتی ہے۔میں نے عرض کیا کہ حضور یہ بتایئے کہ پھر اُن دونوں قسم کی طینتوں کا کیا ہوا؟ فرمایا کہ دونوں کو آپس میں ملا کر وہ پہلے والا پانی اور دوسرا پانی بھی اس میں ملا دیا۔اور اُس کو گارے کی طرح گوندھ دیا گیا۔پھر اُس میں سے ایک مُٹھی بھر کر کہا کہ یہ جنّتی ہے اور میں پرواہ نہیں کرتا اور ایک اور مُٹھی بھر کر فرمایا یہ جہنمی ہے اور مجھے اُس کے جہنمی ہونے کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔پھر دوبارہ سب کو ملا دیا۔اور اس مرکب سے مومن وکافر تمام انسان پیدا ہوئے۔اس طرح یہ مرکب وہ بنیاد بنا جس پر پوری انسانی نسل کی تعمیر ہوئی۔یوں مومن میں کافر والی طینت اور کافر میں مومن والی طینت شامل ہوگئی۔لہٰذا جب تم کسی مومن کو زنا، لواطت، خیانت، کبیرہ گناہ کرتے ہوئے یا نماز، روزہ، حج وجہاد چھوڑتے ہوئے دیکھتے ہو تو وہ اُس طینت کی بنا پر ہوتا ہے جو ناصبیوں کی یعنی ہمارے مقابلہ میں ولایت وحکومت نصب کرنے والوں کی طینت کی وجہ سے ہوتا ہے جو اُس پورے نسخے میں ملی ہوئی ہے اور جس نے ولایت

کے پانی کا اثر نہیں لیا تھا لہٰذا ناصبی طینت اور اُس کے عناصر گناہوں اور بے حیائی کے کاموں کو جذب کرتے ہیں۔اور یہ جو تم ناصبوں سے نماز، روزہ، زکاۃ اور حج وجہاد اور دیگر اعمال خیر کی پابندی دیکھتے ہو یہ مومن کی اُس طینت اور عناصر کی وجہ سے ہوتا ہے جس نے ولایت کے آب حیات کا اثر لیا تھا اور جسے پورے نسخے میں ملا دیا گیا تھا۔لہٰذا نیک کاموں اور اعمال خیر کو جذب کرنا اور برائیوں اور گناہوں سے دُور رہنا مومن کی طینت کا خاصہ ہے۔اور جب تمام قسم کے اعمال اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے تو اللہ کا کہنا ہوگا کہ:۔

میں عادل ہوں ظلم وجور نہیں کرسکتا۔میں انصاف کرنے والا ہوں بے انصافی اور زیادتی نہیں کرسکتا اور میں اپنے ہر حکم وعمل میں مستحکم ہوں نہ پچھتاتا ہوں نہ گڑبڑ کرسکتا ہوں۔

لہٰذا وہ تمام بُرے اعمال جو مومن سے سرزد ہوتے ہوئے معلوم ہوئے ہیں ولایت کے مخالفوں کی طینت سے وابستہ ہوجائیں۔اور وہ تمام نیک اعمال جو منصب غصب کرنے والوں نے کمائے ہیں مومن کی طینت سے مُلحق ہوجائیں۔اِن دونوں اقسام کے نیک وبد اعمال کو اُن کی اصل وبنیاد کی طرف پھیر دو (یعنی محبان محمدؐ وآل محمدؐ کے پاس صرف نیک اعمال کا ڈھیر لگادو اور دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ کے روبرو تمام گناہوں اور جرائم کا انبار لگادو)۔ یقیناً میں اللہ ہوں کوئی معبود نہیں ہے سوائے میرے۔میں تمام مخفی چیزوں اور رازوں کا جاننے والا ہوں۔میں اپنے تمام بندوں کے قلبی کیفیات وواردات وحالات پر مطلع ہوں۔میں نہ پچھتاتا ہوں نہ غلط کام کرتا ہوں۔اور صرف جن کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنا لیا تھا اور کسی کو اپنے اُوپر لازم نہیں کرتا ہوں۔پھر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابراہیم ذرا وہ آیت پڑھو۔میں نے آیت پوچھی تو خود ہی پڑھ دی کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

''اُس نے کہا کہ خدا کی پناہ ہم اُن کو ماخوذ ہی نہیں کرتے جن کے پاس ہم اپنا مال نہ پائیں۔
اگر ہم ایسا کریں تو بس ظالم وغلط کار ہوکر رہ جائیں۔'' (سورہ یوسف 12/79)

یہ آیت ظاہر میں وہی کچھ ہے جو تم سمجھتے ہو لیکن باطن میں مندرجہ بالا بیان کی تصدیق اور قانون تخلیق ہے۔اے ابراہیم قرآن میں ظاہر بھی ہے باطن بھی؛ محکم بھی متشابہ بھی؛ ناسخ بھی منسوخ بھی۔پھر فرمایا کہ اَے ابراہیم مجھے آفتاب کے متعلق بتاؤ کہ جس وقت وہ طلوع ہوتا ہے اور اُس کی شعائیں آبادیوں اور زمین میں پھیل جاتی ہیں۔کیا وہ سورج کے گولے سے الگ ہوکر نہیں جاتیں؟ میں نے کہا کہ طلوع ہوتے وقت تو جُدا ہوتی ہیں۔امامؑ نے سوال کیا کہ جب سورج غائب ہوجاتا ہے تو کیا اُس کی شعاعیں اُس سے وابستہ نہیں ہوجاتیں؟ اور سورج کی طرف واپس چلی نہیں آتیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں صحیح ہے۔فرمایا وہی طریقہ اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز اپنی بنیاد اور جوہر اور اصل کی طرف عود کرتی ہے۔چنانچہ جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ منصبِ اہلبیتؑ کے مخالفین کی بنیاد وجوہر اور اصل یا طینت کو مع اُس سے متعلق برائیوں، گناہوں اور جرائم کے مومن سے جدا کرکے دشمنان محمدؐ وآل محمدؐ سے ملحق کردے گا۔اور مومن والی طینت وجوہر وبنیاد واصلیت کو دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ سے الگ کرکے اور اُس سے متعلق تمام نیکیوں کو لاکر مومنین ومحبان اہلبیتؑ سے ملحق کردے گا۔اے ابراہیم کیا اِس قانونِ خداوندی اور علمدرآمد میں تمہیں کوئی غلطی، زیادتی یا ظلم دکھائی دیتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بالکل نہیں اے فرزند رسولؐ یہ تو عدل ہے۔فرمایا کہ قسم بخدا یہ اللہ کا فیصلہ کن حکم ہے۔اور حکم قطعی ہے اور کھلا ہوا عدل ہے۔اور اللہ سے اللہ کے افعال پر کوئی بازپُرس نہیں

کی جاسکتی البتہ انسانوں کے اعمال وافکار پر مواخذہ ہوسکتا ہے (سورہ انبیا 21/23)۔اے ابراہیم یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق محض ہے لہٰذا تو مشکّکین اور خودساختہ سامان سے تحقیق کرنے والوں میں سے نہ ہوجانا۔(سورہ بقرہ 2/147)

اَے ابراہیم یہ ملکوتی حکم ہے۔میں نے عرض کیا کہ جناب ملکوتی حکم کیا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ ملکوتی حکم کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کا حکم ہی انبیاؑ کا حکم ہوتا ہے۔ اُن میں فرق نہیں ہوتا ہے۔اور خضرؑ اور موسیٰؑ کے اُس قصہ میں جس میں موسیٰؑ کو خضرؑ کی صحبت ملی تھی تو خضرؑ نے کہا تھا اے موسیٰؑ یقیناً تُو میرے ساتھ رہ کر اور میرے کام دیکھ کر صبر نہ کر سکے گا۔اور ایسا شخص اُن کاموں پر کیسے صبر کرسکتا ہے۔جن کی حقیقت پر اُس کی خبروں نے احاطہ ہی نہ کیا ہو(کھف 18/67-68)۔اَے ابراہیم سمجھنے اور عقل سے کام لینے کی پوری کوشش کرو اور غور کرو کہ حضرت موسیٰؑ نے صاحب وحی ورسالت ہوتے ہوئے بھی حضرت خضرؑ کے اعمال پر تنقید اور انکار کیا تھا اور اُن کے کاموں کو بے ڈھنگا اور غلط سمجھا تھا۔تب حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا کہ اے موسیٰؑ:۔

''میں نے یہ سب کچھ اپنے ذاتی حکم سے نہیں کیا یعنی جو کچھ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے اور اُس کی حقیقت نہ سمجھنے کی بنا پر تم سے صبر نہ ہوسکا تھا۔''(کھف 18/82)

اے ابراہیم ہوش میں آؤ کہ یہ قرآن کی تلاوت اور اللہ کا بیان ہے جو اللہ کی طرف سے بطور اطلاع قرآن میں موجود ہے۔جو کوئی اس کا ایک حرف بھی رد کردے یا انکار کردے تو وہ یقیناً کفر کا مرتکب ہوگا اور مشرک ہوجائے گا اور اللہ کا انکار کرے گا۔

(ابواسحاق ابراہیم) لیثی کہتے ہیں کہ میں چالیس سال سے قرآن پڑھتا چلا آرہا تھا لیکن میں نے اُن آیات سے عقل سے یہ حقیقت نہ سمجھی جو اُس دن سمجھ میں آئی۔ بہر حال میں نے امامؑ سے پھر کہا کہ یہ بڑی ہی عجیب سی بات ہے کہ آپ کے دشمنوں کی تمام نیکیاں لے کر آپ کے شیعوں کو دے دی جائیں اور آپ کے چاہنے والوں کے تمام گناہ لے کر آپ سے بغض رکھنے والوں کے سرتھوپ دیئے جائیں۔امامؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اور اُسی کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور جس نے بیج اُگائے اور تمام مخلوق کو مقصدِ تخلیق کے مطابق نقائص سے بری کر کے پیدا کیا۔اور جس نے زمین اور آسمان کو تخلیقی فطرت وقدرت عطا کی کہ میں تجھے کوئی ایسی خبر نہیں دے رہا ہوں جو حق محض نہ ہو اور میں نے تجھے کوئی بھی غیب کی ایسی خبر نہیں دی ہے جو صدق محض نہ ہو۔لہٰذا مومنین کے گناہ ہمارے دشمنوں پر لاد کر اللہ نے اُن پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے(نحل 16/33) اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہی نہیں ہے (حم سجدہ 41/46) اور میں جو اطلاعات تمہیں دے رہا ہوں وہ سب کی سب قرآن میں موجود ہیں۔اِس پر میں نے سوال کیا کہ کیا یہ مضمون بعینہ ہُو بہُو لفظ بلفظ قرآن میں ملتا ہے؟ فرمایا کہ تیس (30) مقامات سے زیادہ پر یہ مطلب بیان ہوا ہے۔کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ میں خود ہی وہ مقامات پڑھ کر سنادوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضورؑ اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی۔فرمایا کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

(1) ''کافر ہوجانے والوں نے ایمان لے آنے والوں سے کہا کہ اگر تم ہمارے دین کی پیروی کرو تو ہم یہ ذمہ داری لیتے ہیں کہ اگر ہمارا دین غلط ہوا تو ہم تمہارے غلط عمل اور خطاؤں کو اپنے ذمہ لے لیں گے۔حالانکہ وہ اپنی خوشی واختیار سے اُن کی خطائیں اُٹھانے والے نہیں وہ اس قول میں یقیناً جھوٹے ہیں۔البتہ یہ ضرور ہوگا کہ اُنہیں اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ اپنے گناہوں کے

علاوہ اور گناہ بھی اُٹھانا پڑیں گے (جو مجبوراً اُٹھانا ہوں گے نہ کہ مذکورہ وعدہ کی بنا پر اُٹھائیں گے)۔ (عنکبوت 13-29/12)

پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں اور قرآن سُناؤں؟ میں نے عرض کیا کہ سُنایئے۔ فرمایا کہ:۔

(2)۔ ''قیامت کے روز وہ لوگ اپنے تمام گناہ مکمل طور پر الگ اُٹھائیں گے اور ساتھ ہی وہ اُن لوگوں کے گناہ بھی الگ سے اُٹھائیں گے جو اُنہیں اُن کی راہ سے ہٹانا چاہتے تھے۔ اور سُن رکھو کہ یہ بوجھ اٹھانا لاعلمی و جہالت کی بنا پر بہت ہی بُری بات ہے۔''

(سورہ نحل 16/25) (یعنی اہلِ علم کے نزدیک یہ دوہرے گناہ اُٹھانا عدل وانصاف اور بہت اچھی بات ہے)

امامؑ نے پھر پوچھا کہ کیا کچھ اور زیادہ سُننا پسند کرو گے؟ میں نے کہا بڑی عنایت ہوگی، فرمایا کہ:۔

(3)۔ ''وہی لوگ ہیں جن کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا۔ اور وجہ یہ ہے کہ اللہ ہمیشہ سے غفور اور رحیم رہتا چلا آیا ہے۔'' (سورہ فرقان 25/70)

یہ ہمارے شیعوں کی شان میں ہے جن کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدلے گا اور ہمارے دشمنوں کی نیکیوں کو گناہوں سے بدل دیگا۔ اور یہ عملدرآمد اللہ کے عدل وانصاف کی دلیل ہے اور کوئی اُس کے فیصلوں کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اُس کے احکام کو پس پُشت ڈال سکتا ہے۔ اور اللہ سننے والا علیم ہے۔ اور فرمایا کہ کیا میں تمہارے لئے دونوں قسم کی مرکب مٹّی کو ملانے اور دونوں طینتوں پر قرآن کی آیت نہ سنادوں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں ضرور سنائیں اے فرزندِ رسولؐ۔ فرمایا کہ قرآن کی یہ آیت پڑھنا کہ:۔

''وہ لوگ جو گناہان کبیرہ اور بے حیائی تک سے الگ رہتے ہیں سوائے اس کے کہ حالات ہی اُن کو قریب لے آئیں۔ یقیناً اُن کیلئے اللہ بڑی وسیع مغفرت والا ہے۔ وہ تمہاری اُس حالت سے واقف ہے جب اُس نے تمہیں مٹّی سے نشوونما دیا تھا۔ یعنی تمہیں پسندیدہ اور ناپسندیدہ مٹی سے بنایا تھا۔ چنانچہ تم لوگ اپنے آپ کو خالص اور پاکیزہ نہ کہا کرو۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کون مقدس اور پارسا ہے۔'' (نجم 53/32)

یعنی اللہ نے تمہیں نماز، روزہ، زکاۃ اور دیگر عبادات کی کثرت پر فخر کرنے سے منع کیا ہے۔ وجہ یہ بتائی ہے کہ تم حقیقت حال سے واقف نہیں ہو، اور یہ گناہ سے قریب ہوجانے سے پہلے کی حقیقت کی بات ہے۔ اور وہی دونوں مرکب مٹی کے ڈھیروں کو ملانا تھا اور اُسی کو دونوں مُرکّبوں کا امتزاج یا مزاج کہا گیا تھا۔ پھر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابراہیم میں اور بھی بڑھانا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کیا بسم اللہ یا فرزندِ رسولؐ، تب فرمایا کہ:۔

''جیسا کہ ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی تھی تم اُسی ابتدا کے حساب سے واپس لوٹو گے؛ اُس وقت تمہارا ایک فریق ہدایت یافتہ ہوگا اور دوسرے فریق پر سو فیصد گمراہی صادق آئے گی۔ اس لئے کہ دوسرے فریق نے اللہ کے انتظام کو چھوڑ کر شیاطین سے وابستگی بحال رکھی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ دوسرے فریق نے حقیقی اماموںؑ کو چھوڑ کر غصب کر کے امام بن جانے والوں کو اپنا راہنما و حاکم بنایا۔ اور سمجھتے یہ رہے کہ وہ ہدایت حاصل کرنے والے ہیں۔ (سورہ اعراف 30-7/29)

اَے ابواسحاق اِن بیانات کو سمجھ کر مضبوطی سے اختیار کر لے۔ خدا کی قسم جو کوئی ہماری احادیث کو اور ہماری پوشیدہ پالیسیوں کو؛ اور ہمارے مخفی خزانوں کو بے سمجھے اور بے احتیاطی سے استعمال کرے وہ اپنا نقصان کرے گا۔ لہٰذا اے ابواسحاق تم بھی صاحب بصیرت مومن کے علاوہ کسی کو ہمارے راز و پالیسی پر مطلع نہ کرنا۔ اور اگر تم نے خلاف ورزی کی تو تمہیں تمہاری جان و مال و خاندان اور اولاد کی مصیبت پیش آئے گی۔

والسلام علیٰ صاحب العصر والزمان

بقلم خادم المسلمین محمد احسن

25 جولائی 1977ء

مصنف کی دیگر مطبوعات

اَحسن التعبیر (ترجمہ و تفسیر قرآن مجید)

منہاج الرّسالۃ (ترجمہ نہج البلاغۃ)

بیان الامامۃ (تشریحات نہج البلاغۃ)

- اسلام اور علمائے اسلام ☆ نظامِ مصطفیؐ اور کائنات ☆ اسلام میں نظام ہدایت وتقلید
- عظمتِ رسولؐ قرآن سے ☆ نماز کے احکام ☆ تعارفِ خداوندی
- ہزار سالہ جوان سازش ☆ سیدزادیوں کا نکاح ☆ احمدی تحریک ہماری نظر میں
- مذہب اور مناکحت ☆ مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک ☆ مواخذہ
- اسلامی کلمہ اور نماز ☆ والد اِزم ☆ احسن الحدیث (عربی اسباق)
- الجمعۃُ واجبۃٌ ☆ اصلاح وتخریب ☆ معراج الرسولؐ
- حقیقی کافر حقیقی مومن ☆ مُسلم ومومن کا متعینہ مقام ☆ سہل القرآن (عربی لغت)

مضامین

- اختلاف وتعارض ☆ اجتہاد وتقلید ☆ اصولیین واخباریین
- آیاتِ محکمات ومتشابھات ☆ ناسخ منسوخ ☆ معصوم عقائد
- اُلٹی گنگا ☆ نمازِ جمعہ ☆ تقیّہ